حالم

نمرہ احمد

حالم

(نمرہ احمد)

''باب اول''

''گدلے پانیوں کا سنگم!''

اس نے خواب میں دیکھا کہ

وہ گدلی سی جگہ ہے....

دو دریاؤں کا سنگم....

بارش تڑاتڑ برس رہی ہے....

کیچڑ میں کھلے آسمان تلے دو لوگ کھڑے ہیں....

ایک سنہرے بالوں والی لڑکی ہے....

بارش نے اس کو بھگو دیا ہے....

اس کے بال گیلے ہو کر گالوں سے چپک گئے ہیں

اور وہ گردن اٹھائے اوپر دیکھ رہی ہے....

آسمانوں کو....آسمانوں کے پار جہانوں کو....

سامنے ایک آدمی کھڑا ہے....

کیچڑ سے اس کے پیر لت پت ہیں....

وہ دراز قد اور کسرتی بازوؤں والا ہے....

اس کے گیلے بال ماتھے پہ بکھرے ہیں....

وہ اپنے گریبان پہ ہاتھ ڈالتا ہے....

اور ٹائی نوچ کے اتارتا ہے....

پھر وہ آستینیں موڑتا ہے...پیچھے....اور پیچھے....

لڑکی ابھی تک اوپر دیکھ رہی ہے....

آدمی جھکتا ہے....کیچڑ سے مٹھی بھرتا ہے....

سیدھا کھڑا ہوتا ہے....

مٹھی لڑکی کی طرف بڑھاتا ہے....

"میرے ساتھ رہو....ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔"

وہ بارش اور طوفان میں بلند آواز سے کہتا ہے....

وہ چونک کے اسے دیکھتی ہے....پھر اوپر نگاہ اٹھاتی ہے....

دور آسمان پہ ایک پرندہ اڑتا ہوا آ رہا ہے....

اپنے پر پھیلائے اس آدمی کے سر کے اوپر فضا میں آ رکتا ہے....

چکر کاٹتا ہے....کاٹتا ہے....کاٹتا ہے....

لڑکی انگلی اٹھا کر اشارہ کرتی ہے....الفاظ اس کے لبوں سے نہیں نکل پاتے....مگر وہ ہونٹ ہلا کر کہتی....بے آواز....وہ دیکھو....

آدمی مٹھی بڑھائے ہنوز کھڑا رہتا ہے۔اس کی مٹھی میں کیچڑ ہے....اور کیچڑ میں دمکتی ایک سونے کی چابی ہے....

میرے ساتھ رہو....میرے ساتھ رہو....وہ ہنوز کہہ رہا ہے۔

پرندہ ان کے سر پہ چکر کاٹ رہا ہے....سنہرے اور سرخ رنگ کا پرندہ....عقاب جیسا....نیلے ہیروں جیسی آنکھوں والا پرندہ....

ایک جھٹکے سے حالم کی آنکھ کھلی.......

☆☆=========☆☆

کوالالمپور' جزیروں کے ملک ملائیشیا کا سب سے مشہور شہر ہے۔مختلف تہذیبوں اور ادیان کا مرکز....یہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔سمندر اور اونچے پہاڑ....سبزہ اور کھلے باغات....وہ جنت کے تصور جیسا خوبصورت شہر تھا اور اس صبح وہ معمول کے مطابق آوازوں' شور اور بے فکر قہقہوں سے گونج رہا تھا....لوگ مصروفیت سے اپنے روزمرہ کے کام نپٹا رہے تھے....سڑکوں پہ....دفتروں میں....گھروں میں....

کے ایل (کوالالمپور کو عرف عام میں کے ایل کہا جاتا تھا) کے مصروف کاروباری مراکز کے علاقے میں ایک اونچی عمارت بے نیازی سے کھڑی دکھائی دیتی تھی۔اس کے بارہویں فلور پہ آؤ تو آفس کیبن بنے تھے' اور ورکرز مصروف دکھائی دیتے تھے۔ٹائپنگ کی آوازیں' فون کی گھنٹیاں....یوں دکھائی دیتا تھا کہ اس آفس میں ہر دن کی طرح کام جاری و ساری تھے.....

ایسے میں ایک نوجوان ہاتھ میں فائل پکڑے تیز تیز چلتا جا رہا تھا۔چینی نقوش کی صورت کا حامل وہ درمیانے قد کا تھا' اور چہرے پہ دبا دبا

جوش تھا۔ایک آفس کے دروازے کے سامنے وہ رکا‘ خوشی کو قابو کرتے ہوئے مسکراہٹ دبائی ‘اور دھڑلے سے دروازہ کھولا۔

اندر آفس ٹیبل کے پیچھے ایک تھکا ماندہ سا ادھیڑ عمر شخص بیٹھا تھا۔ٹائی ڈھیلی کیے‘ بگڑے تاثرات لئے‘اس نے آنکھیں اٹھا کے اکتاہٹ سے اندر داخل ہوتے نوجوان کو دیکھا۔

’’مولیا میں اس وقت کوئی بات نہیں سننا چاہتا۔میں ساری رات سو نہیں پایا۔ابھی مجھے ڈسٹرب نہ کرو۔‘‘

’’انور صاحب....اچھی خبر ہے۔‘‘مولیا دمکتے چہرے کے ساتھ کرسی کھینچ کر سامنے بیٹھا تو انور صاحب نے ہاتھ جھلایا۔

’’تمہیں لگتا ہے اس وقت مجھے کوئی خبر خوش کر سکتی ہے؟میری لاپرواہی سے باس کا لیپ ٹاپ چوری ہو گیا ہے اور تمہیں اپنے کاموں کی پڑی ہے؟....‘‘وہ ناراض چینی آنکھیں مولیا پہ جما کے زور سے بولے۔’’ابھی تک تو باس کو معلوم ہی نہیں ہے کہ ان کا لیپ ٹاپ جس میں ہمارے بزنس کے خفیہ دستاویزات ہیں‘ اور جو انہوں نے مجھے وائرس سے پاک کرنے کے لیے دیا تھا‘میں گم کر چکا ہوں۔جاؤ خدا کے لئے....‘‘

’’سر تحمل سے میری بات سنیں۔مولیا نے لیپ ٹاپ کو ٹریس کر لیا ہے۔‘‘وہ چہک کر بولا۔(ملائیشیا کے لوگ عموماً’’میں نے یہ کر لیا ہے‘‘ کی جگہ اپنا نام لے کر کہتے ہیں کہ’’مولیا نے یہ کر لیا ہے۔‘‘)

انور صاحب کا جھکا اترا چہرہ تیزی سے سیدھا ہوا۔آنکھیں پھیلیں۔بہت سے رنگ چند لمحوں میں بدلے۔

’’کیا مطلب؟ کیسے؟‘‘وہ تیزی سے آگے ہوئے۔

’’حالم!‘‘مولیا نے جوش اور فخر سے وہ فائل سامنے رکھی۔انور صاحب نے چونک کے اسے دیکھا‘پھر سیاہ فائل کو۔

’’تم نے حالم کو ہائر کیا؟‘‘ان کی آواز سرگوشی میں بدل گئی۔دلچسپ سرگوشی میں۔آنکھوں میں چمک ابھری۔

’’جی۔مولیا نے رات کو ہی اسے کال کر دی تھی۔اور صبح تک اس نے سارا کھوج لگا لیا ہے۔‘‘

’’اتنی جلدی؟‘‘ان کو خوشگوار سی بے یقینی ہوئی۔

’’وہ حالم ہے سر۔حالم یعنی خواب دیکھنے والا مگر خواب وہ ہمارے پورے کرتا ہے۔ہم جیسے لوگ پولیس کے پاس جا نہیں سکتے کیونکہ پولیس لیپ ٹاپ کو evidence میں شامل کر کے اسے دیکھے گی ضرور اور ہمارے کارپوریٹ سیکرٹس کمپرومائز ہو جائیں گے اور باس کو بھی علم ہو جائے گا۔اس لئے ہمارے پاس حالم جیسے پرائیوٹ Scam Investigator سے اچھا کوئی آپشن نہیں تھا۔‘‘

’’تم نے بہت اچھا کیا۔حیرت ہے مجھے اس کا خیال کیوں نہیں آیا؟ حالانکہ کتنے کام کروا چکے ہیں ہم پچھلے چند ماہ میں اس سے۔‘‘وہ تکان سے پہلی دفعہ مسکرائے۔پھر خیال آنے پہ پوچھا۔’’کیسا ہے وہ اب؟ ویسا ہی نخریلا‘مغرور اور موڈی؟‘‘

’’ہے تو وہ ویسا ہی۔کتنی منتیں کرنی پڑتی ہیں اس کی‘پھر کام کرنے کی حامی بھرتا ہے وہ۔لیکن ایک دفعہ ذمہ داری اٹھا لے تو کام کر کے دم لیتا ہے۔ایسے ہی تو وہ کے ایل کی بلیک مارکیٹ کا سب سے ذہین اور شاطر انویسٹی گیٹر نہیں ہے سر۔اس کی ذہانت....‘‘

''اچھا اچھا۔ اب کام کی طرف آؤ۔'' انہوں نے بے زاری سے ٹوکا تو مولیا کی زبان کو قفل لگا' پھر خجل سا مسکرا کے بولا۔

''اچھا یہ دیکھیں۔ اس نے لیپ ٹاپ کو ٹریس کرلیا ہے۔ اس وقت ہمارا لیپ ٹاپ اس ایڈریس پہ موجود ہے۔'' مولیا نے فائل کھول کے اس پہ ایک جگہ دستک دی۔

انور صاحب آگے کو جھکے' عینک ناک پہ جمائی اور غور سے پڑھا۔ ''یہ تو کسی کے گھر کا پتہ لگ رہا ہے۔ مگر یہ کون..... ایک منٹ۔'' انہوں نے چونک کر آنکھیں اٹھائیں۔ رنگ فق ہوا تھا۔

''یہ تو تنگو کامل محمد کا گھر ہے۔'' انہوں نے چونک کے سر اٹھایا تو منہ آدھا کھل چکا تھا اور پیشانی پہ پسینہ پھوٹنے لگا تھا۔ ''تنگو کامل نے ہمارا لیپ ٹاپ چرایا؟ اوہ خدا..... مجھے اٹھا لے۔ مجھے اٹھا لے...''

''صبر کریں' سر۔''

''صبر؟ میں باس کو کیا منہ دکھاؤں گا؟'' وہ چیخے تھے۔ ''میری کار سے ان کا لیپ ٹاپ چوری ہوتا ہے اور چوری کرنے والا کون ہے؟ ہمارا سب سے بڑا حریف۔ یا اللہ! وہ اب تک کیا کچھ کر چکا ہوگا ہمارے ڈاکومنٹس کے ساتھ۔'' انہوں نے پیشانی پہ ہاتھ رکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ مولیا نے جلدی سے پانی کا گلاس بھر کے ان کے سامنے کیا۔ انور صاحب نے جھٹ گلاس اٹھایا اور غٹاغٹ پی گئے۔ پھر گہری سانس لے کر خود کو نارمل کرنے لگے۔

''ابھی تک تو میں نے سر کو یہ کہہ رکھا ہے کہ لیپ ٹاپ ٹھیک کروا رہا ہوں۔ چند گھنٹے سے زیادہ میں ان کو ٹال نہیں سکتا۔ اب بتاؤ۔'' وہ خود پہ قابو پاتے ہوئے فکر مندی سے پوچھنے لگے۔ ''وہ کتنی جلدی تنگو کامل کے گھر سے لیپ ٹاپ نکال کر لا سکتا ہے؟''

''کون؟''

''میرا دادا جو قبر میں بیٹھا تمہیں خط لکھ رہا ہے' یو ایڈیٹ۔'' انہوں نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ پانی کا گلاس تو کانپا ہی' مولیا خود بھی اچھل ہی پڑا۔

''مم..... میں..... وہ..... حالم کا پوچھ رہے ہیں آپ؟ مگر سر' وہ انویسٹی گیٹر ہے۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کرسکے گا اور.....'' مگر انور صاحب کے تاثرات اور لال انگارہ آنکھیں دیکھ کر وہ گڑبڑا کے اٹھا۔ ''میں..... میں کچھ کرتا ہوں۔ اس کی منت کرتا ہوں۔''

انور صاحب نے خاموشی سے انگلی سے اسے قریب بلایا۔ وہ ڈرتے ڈرتے ان کی طرف جھکا۔

''اگر.....'' وہ اتنا زور سے گرجے کہ مولیا بے اختیار پیچھے ہٹا۔ ''مجھے آج رات تک لیپ ٹاپ نہ ملا تو تمہاری نوکری گئی۔ جتنا پیسا خرچ کرنا پڑے' کرو..... میں ساری رقم ادا کروں گا لیکن مجھے وہ واپس چاہیے.....''

''راجر باس۔'' اس نے اثبات میں زور زور سے گردن ہلائی' جلدی جلدی فائل سمیٹی اور باہر کو بھاگا۔

اپنے آفس میں آکر اس نے دروازہ بند کیا' اور کرسی پہ آ کے نڈھال سا گرا۔ مگر وقت مزید ضائع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک نظر اپنی بیوی

بچوں کی تصاویر کو دیکھا جو میز پہ رکھے فریمز میں لگی تھیں' اور پھر فون پہ نمبر ملانے لگا۔ کالنگ حالم۔ جلد ہی اس نے فون اٹھالیا۔

''میں سوچ ہی رہا تھا کہ ابھی تک میری صبح خوشگوار کیوں گزر رہی ہے۔ کوئی نحوست کیوں نہیں گھل رہی اس میں؟ فون کرنے کا شکریہ مولیا۔ اب بتاؤ' کیا کام ہے؟'' خوشگوار سی مردانہ آواز کانوں سے ٹکرائی تو مولیا کی صبح میں سارے زمانے کی نحوست گھل گئی۔ چہرے کے زاویے بگڑے مگر وہ ضبط کر کے مسکرایا۔

''تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لئے فون کیا تھا۔''

''ہو ہی نہیں سکتا۔ کام بتاؤ۔'' وہ اب کے رکھائی سے بولا تھا۔ ''مگر یاد رکھنا' اگلے چار دن میں مصروف ہوں۔ جمعرات کے بعد کر سکوں گا۔ اب بتاؤ' پھر سے کیا کھو دیا ہے تم نے؟''

''وہی لیپ ٹاپ....'' وہ بے چارگی سے بولا۔ ''وہ کیسے نکلواؤں؟''

''کیا مطلب؟ ابھی تک نکلوایا نہیں ہے وہ؟ کمال آدمی ہو یار تم۔ دو گھنٹے پہلے رپورٹ دی تھی تمہیں۔ اپنے چار پانچ سیکیورٹی کے بندے لے کر جاتے' ان کے گھر میں گھستے اور نکال کر یہ جا وہ جا۔''

''حالم.... حالم.... خدا کے لئے سمجھو۔'' مولیا اپنے بال نوچنا چاہتا تھا۔ ''ہم کارپوریٹ سیکٹر کے لوگ ہیں۔ غنڈے بدمعاش نہیں ہیں۔ جتنے اچھے ہمارے سیکیورٹی آفیسرز ہیں' اس سے کہیں اچھے لوگ تنگو کامل کے پاس ہوں گے۔ وہ تنگو کامل ہے۔ ایک امیر اور طاقتور آدمی۔ نہ ہوتا تب بھی ہم یہ نہیں کر سکتے کیوں کہ لیپ ٹاپ انور صاحب کی لاپرواہی سے کھویا ہے۔ ہم باس کو بتائے بغیر اس کو واپس حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کل صبح سے پہلے۔''

''دیکھو اگر تو تمہیں یہ غلط فہمی ہے کہ میں تنگو کامل کے گھر جا کر تمہارا لیپ ٹاپ چراؤں گا تو میں یہ نہیں کرنے لگا' سوری۔ حالم چور نہیں ہے۔ صرف انویسٹی گیٹر ہے۔'' وہ بے رخی سے بولا تھا۔

''پھر میں کیا کروں؟ میری نوکری چلی جائے گی یار۔'' مولیا نے بے چارگی سے فوٹو فریمز کو دیکھا۔ آفس بلائنڈز سے چھن کر آتی دھوپ میں وہ مزید چمکنے لگی تھیں۔ تیز دھوپ۔ بے سائبان۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔

''اچھا پھر کسی چور کو ہائر کرو' وہ رات کو چرا لائے گا۔'' حالم نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔

''میں کاروباری آدمی ہوں۔ کہاں جانتا ہوں گا ان چور ڈاکوؤں کو؟ تم کچھ کرو پلیز۔ میں منہ مانگی رقم ادا کروں گا۔'' دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

''پہلے سے دگنی رقم دو گے؟'' مولیا جھٹکے سے سیدھا ہوا۔ چہرہ کھل اٹھا۔

''ہاں بالکل۔''

''مگر میں تین گنا لوں گا۔''

مولیا نے فون کو کان سے ہٹا کر گھورا پھر ضبط کرتے ہوئے دوبارہ کان سے لگایا۔ ''جو مانگو گے دوں گا۔''

''پھر ایک کام کرو۔'' حالم کا لہجہ اب کے نرم پڑا جیسے اسے مولیا پہ ترس آ گیا ہو۔ ''مجھے دو ڈھائی گھنٹے دو۔ میں تنگو کامل کے تمام ملازموں کی پروفائلز تمہیں دے دیتا ہوں۔ ان کی صلاحیتیں اور ان کی کمزوریاں۔ تم جس ملازم کو بہتر سمجھو' اس کے پاس جا کر اس کو ڈرا دھمکا کے' یا پیسے کا لالچ دے کر اس کو خرید لو۔ گھر کا بھیدی آسانی سے لیپ ٹاپ نکال کر لا دے گا۔'' مولیا کا منہ کھل گیا۔

''یہ سب میں کروں گا؟ مطلب.... کیا تم خود ان ملازموں سے بات نہیں کر سکتے؟''

''یو نو واٹ مولیا.... تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہاری مدد کی جائے۔ اب فون نہ کرنا۔'' کھٹ سے فون بند ہو گیا۔ مولیا کا سر گھومنے لگا۔ اس نے دیوانہ وار دوبارہ نمبر ملایا۔

''پلیز.... پلیز حالم... فون اٹھا لو....'' وہ با آواز بلند دعا کر رہا تھا۔

(اگر باس کو معلوم ہو گیا.... گھن کے ساتھ وہ بھی پس جائے گا۔ بلکہ وہ تو سڑک پہ آ جائے گا۔) مگر حالم فون نہیں اٹھا رہا تھا۔

میز پہ رکھے فوٹو فریمز اب دھوپ کی حدت سے چمکنے لگے تھے۔ جیسے اس کے بیوی بچے سائے سے نکل کر ننگے سر سورج تلے آ کھڑے ہوئے ہوں۔ اس کا تو گھر بھی کمپنی کا دیا ہوا تھا۔ اس نے غصے اور بے بسی سے پیغام ٹائپ کیا۔

''حالم.... فون اٹھاؤ ورنہ میں خودکشی کر لوں گا۔''

''آفس کے دروازے کا لاک کھول کے خودکشی کرنا۔ ورنہ لاش سے بدبو آنے میں چند دن لگ جاتے ہیں۔''

''میں تمہاری منت کرتا ہوں۔ میں اس کے ملازموں سے خود بات کر لوں گا۔ صرف مجھے ان کی پروفائلنگ کر دو۔'' اس نے جلدی جلدی پیغام لکھا۔

''پہلے مجھ سے معذرت کرو۔'' فوراً جواب آیا۔

''کیسے؟''

''ایک کاغذ پہ لکھو۔ حالم کے ایل کا بہترین اسکام انویسٹی گیٹر ہے اور میں آئندہ اس سے اختلاف نہیں کروں گا۔ تمہارے یہ لکھنے تک میں پروفائلز تیار کر لوں گا۔'' مولیا نے فوراً سے نوٹ پیڈ پہ قلم گھسیٹا۔

''میں نے یہ لکھ بھی لیا۔''

''اس کو پانچ سو پچپن دفعہ لکھو۔'' وہ غرا کے بولا اور فون کٹ گیا۔ مولیا نے گہری سانس لی' آستین سے پیشانی پونچھی اور جلدی جلدی قلم کاغذ پہ گھسیٹنے لگا۔

''پتہ نہیں اس شخص کی کون سی انا کو تسکین ملتی ہے ایسے کاموں سے۔'' وہ غصے سے بڑبڑا بھی رہا تھا۔

کمرے میں دھوپ پھیلتی جا رہی تھی۔ مگر اس نے اے سی کو تیز نہیں کیا۔ اسے خیال ہی نہیں آیا۔ بس سر جھکائے' لکھتا گیا۔ لکھتا گیا

۔جانے کتنی دفعہ لکھا گیا تھا کہ اس نے سر میز پہ رکھ دیا اور خالی نظروں سے قلم اور پنسلوں سے بھرے مگ کو دیکھنے لگا۔اس کا سر درد کر رہا تھا جیسے دماغ پھٹنے کو ہو۔انور صاحب کے ساتھ اس کی نوکری اور گھر دونوں جائیں گے.....

فون کی گھنٹی چنگھاڑی تو مولیا اچھل پڑا۔تیزی سے فون اٹھایا۔حالم کی ای میل آئی تھی۔اس کے جسم کا ہر عضو آنکھ بن گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ چند پرنٹڈ کاغذ اپنے سامنے پھیلائے بیٹھا تھا۔کھلا لیپ ٹاپ ترچھا کر کے یوں رکھا ہوا تھا کہ سورج کی کرنوں کا راستہ رک گیا تھا اور فوٹو فریمز چھایا تلے تھیں۔ان کو جیسے سائبان مل گیا تھا۔

''تنگو کامل کا ڈرائیور!''اس نے ایک کاغذ اٹھا کر چہرے کے سامنے کیا اور آنکھیں چھوٹی کر کے تفصیل پڑھی۔''اونہوں۔جو اتنے سال سے تنگو کامل کی ملازمت کر رہا ہو'بھلے وہ جوئے کا عادی بھی ہو'وہ نہیں بک سکتا۔''اس نے کاغذ واپس ڈالا اور دوسرا پرنٹ آوٹ اٹھایا۔

''بٹلر۔''بند مٹھی ہونٹوں پہ رکھ کے چند لمحے تفصیلات پڑھیں۔بٹلر کا سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا گیا تھا جیسے۔''یہ تو بالکل بھی نہیں۔اس کا کرمنل بیک گراونڈ اس کی کمزوری نہیں'اس کی طاقت ہے۔کیا سوچ کے حالم نے اس ہٹے کٹے آدمی کی پروفائل بنا کے دی ہے؟یہ تو مجھے پھونک مار کے اڑا دے گا۔''

جھرجھری لے کر کاغذ رکھ دیا۔اب پرسنل اسسٹنٹ کی باری تھی۔اس کی شکل دیکھ کر ہی مولیا کو رونا آگیا۔

''یہ تو مجھ سے عمر میں بھی بڑا ہے اور قابلیت میں کہیں آگے ہے۔امریکا کا پڑھا ہوا محنتی اور قابل نوجوان۔اس کے سامنے میں بات بھی نہیں کر پاؤں گا۔''اس کاغذ کو تو اس نے چھوا بھی نہیں۔پھر اگلے کو دیکھا تو نگاہ ٹھہر گئی۔دھیرے سے کاغذ اٹھا کے آنکھوں کے سامنے لایا۔

وہ ان تمام پروفائلز میں پہلی نسوانی پروفائل تھی۔

''تالیہ مراد''وہ نام پڑھتے ہوئے بڑبڑایا۔صفحے کے کونے میں اس کی تصویر بنی تھی۔(تصویر آج کی لی ہوئی تھی' جیسے کسی گھر کی چھت سے گلی میں چلتی لڑکی کی تصویر اتاری گئی ہو۔وہ لمبا سا مقامی طرز کا فراک پہنے ہوئی تھی'کہنی پہ ٹوکری ٹنگی تھی جس میں پھول تھے'اور وہ سر جھکائے کندھے کے پرس سے کچھ نکال رہی تھی۔ماتھے پہ سفید خوبصورت سا ہیٹ پہن رکھا تھا'جس سے سیاہ بال نکل کر کندھے پہ گر رہے تھے۔جھکے سر اور ہیٹ کے باعث چہرہ واضح نہ تھا مگر رنگت گوری'نکھری ہوئی لگتی تھی۔)مولیا کی نظریں ٹائپ شدہ الفاظ پہ جا رکیں جو حالم نے اس کی پروفائلنگ کرتے ہوئے لکھی تھیں۔

''تالیہ مراد۔اس کا تعلق کشمیر سے ہے۔تین ماہ سے تنگو کامل کی ملازمہ ہے....زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہے'مگر انگریزی اور ملے زبان ٹھیک سے بول لیتی ہے۔بہت باتونی لڑکی ہے۔قدرے بے وقوف اور جلد باز۔آدھا دن تنگو کامل کی ملازمت کرتی ہے اور شام میں ایک ریسٹورانٹ میں ویٹرس کے طور پہ کام کرتی ہے۔کشمیر میں اس کا لمبا چوڑا خاندان ہے جس کی کفالت یہی کرتی ہے۔جو کماتی ہے وہیں بھیج دیتی ہے۔خود عام کپڑوں اور جوتوں میں خوش باش گھوم رہی ہوتی ہے۔تالیہ کو سوپ بنانے'احمقوں کی طرح بہت بولنے'اور ہر چھپکلی'کاکروچ کو دیکھ کر چیخیں مار مار کے رونے کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔وہ ایسی لڑکیوں میں سے ہے جن کے پاس اچھی شکل اور دراز قد کے علاوہ

کوئی خصوصیت اور صلاحیت نہیں ہوتی۔ نہ ذہانت' نہ تعلیم۔ اس کے باوجود تنگو کامل ہو یا سوپ پارلر والے' سب تالیہ سے محبت کرتے ہیں۔ میں یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ ایک کم ذہن' کم علم اور سادہ سی لڑکی پہ سب اتنا اعتماد کیوں کرتے ہیں؟ مگر اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ ایماندار' سچ بولنے اور خیال رکھنے والی لڑکی ہے۔ خوش اخلاق اور ہنس مکھ ہے۔ انہی خامیوں کی وجہ سے وہ زندگی میں کبھی ترقی نہیں کر سکی اور نہ کبھی کر سکے گی۔'' وہ ایک بے رحمانہ تجزیہ تھا۔

مولیا کی پیشانی پہ افسوس کی لکیریں ابھریں۔ ''حالم کتنا بے مروت اور سفاک ہے۔ یا شاید مادہ پرست۔'' ابھی وہ کوئی اور تبصرہ کرتا لیکن صفحے کا آخری پیراگراف پڑھ کے ٹھٹک گیا۔

''تالیہ یہاں الیگل ہے۔ وہ نوکری کی تلاش میں آنے والے غیر قانونی پاکستانیوں میں سے ہے۔ اور یہی اس کی وہ کمزوری ہے جس کی بنا پہ اس کو ڈرایا دھمکایا جا سکتا ہے۔''

''او وہ تب ہی تنگو کامل نے اسے ملازمت دی۔ الیگل لڑکی یعنی کم تنخواہ اور مراعات۔ کنجوس تو وہ ہمیشہ سے تھا.... غیر قانونی تارک وطن....'' مولیا نے چہرہ اٹھایا تو اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ رنگت میں پھر سے سرخیاں گھل گئی تھیں اور فوٹو فریمز چھاؤں میں' محفوظ دکھائی دیتے تھے۔

''مجھے اس لڑکی کو ڈھونڈنا ہے۔'' کار کی چابی اٹھاتے ہوئے اس نے تمام کاغذ سمیٹ کر فائل میں رکھے' ایک نظر لڑکی کے پتے پہ ڈالی' اور فائل لئے اٹھا۔

''مجھے ان چند گھنٹوں میں اس لڑکی کے ذریعے باس کا لیپ ٹاپ واپس حاصل کرنا ہے۔'' وہ ایک عزم سے باہر کو بھاگا تھا۔

☆☆=========☆☆

سوپ پارلر میں دوپہر اپنی ساری حدت کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی تھی۔ یخنی کی خوشبو اور اشتہا انگیز دھوئیں سارے میں پھیلے تھے۔ کچن میں ایک ساتھ بہت سی چیزیں پک رہی تھیں۔

اندر جھانکو تو دو ویٹرز ٹرے پہ برتن لگا رہے تھے۔ ایک ویٹرس ایک پلیٹر پہ جھکی کھڑی اس میں رکھے ملغوبے کو سجا رہی تھی۔ ایک بوڑھا آدمی ایپرن اور ٹوپی پہنے کھڑا سوپ کے دیگچے میں چمچ ہلا رہا تھا۔ صرف وہ فارغ بیٹھی نظر آتی تھی.....

خالی کاؤنٹر پہ چوکڑی کے انداز میں بیٹھی' اس نے ایپرن پہن رکھا تھا' اور بال ٹوپی میں مقید تھے۔ یہ واضح نہ تھا کہ وہ کتنے لمبے تھے مگر چہرہ بیضوی اور سرخ سفید سا تھا۔ سیبوں جیسے گال جن پہ مسکرانے سے ڈمپل پڑتا تھا۔ اور بڑی بڑی سبز آنکھیں۔ وہ ایشیائی نقوش والی پیاری سی لڑکی تھی اور اس وقت آنکھیں گھما کے سب کو دیکھتی مسکراتے ہوئے گنگنائے جا رہی تھی۔

دفعتاً دوسری ویٹرس نے سر اٹھا کے اکتاہٹ سے اسے دیکھا۔

''کتنا کام پڑا ہے' اگر تم تھوڑا سا کر لو گی تو وزن نہیں کم ہو جائے گا تمہارا۔''

تالیہ گانا روک کے ہلکا سا ہنسی پھر آنکھیں سیدھی ویٹرس پہ جمائے بولی۔ ”میرے گانے سے سوپ میں ذائقہ آتا ہے۔ آپ لوگوں نے وہ مووی دیکھی ہے کنگ فو پانڈا؟ نہیں دیکھی نا؟ میں نے بھی نہیں دیکھی۔ لیکن سنا ہے اس میں ایک موٹا سا پانڈا تھا جو.....“

”تم نے اپنی تنخواہ کا کیا کیا تالیہ؟“ بوڑھے شیف نے ایک دم اس کی طرف گھوم کے سختی سے سوال پوچھا تو تالیہ کی زبان رکی' لیکن مسکراہٹ برقرار رہی۔

”جب معلوم ہے کہ تنخواہ پاکستان بھیجتی ہوں تو پوچھتے کیوں ہو' پیارے اور موٹے سے بوڑھے؟“ وہ کہہ کے خود ہی ہنس دی تو باقی سب بھی ہنس پڑے۔ سوائے شیف کے جو خفگی سے اسے گھور رہے تھے۔

”لٹا دیا ہر دفعہ کی طرح اپنے خاندان پہ سب کچھ؟ اپنے لئے کیوں کچھ نہیں رکھتی؟“ وہ زچ ہوئے۔

”ارے ارے... میرے کون سے اتنے خرچے ہوتے ہیں۔ اور پھر اتنے سارے پیسوں کا میں نے کیا کرنا ہے۔ اونہوں۔ کھاؤ نہیں' ایک۔“ اس نے بات کرتے کرتے کفگیر اٹھایا اور ویٹر کے ہاتھ پہ مارا جو ٹوکری سے گاجر بے پرواہی سے اٹھا رہا تھا۔ ہاتھ پہ لگی تو اس نے بدمزگی سے تالیہ کو دیکھا جس نے نفی میں دائیں بائیں گردن ہلائی۔ ”اونہوں۔ یہ مالک کی امانت ہے۔ ہم اسے نہیں کھا سکتے۔“

”بس بس تالیہ تم اپنی سچائی اور ایمانداری کو لے کر ہمیشہ ویٹرس کی ویٹرس ہی رہنا۔“ وہ برہمی سے ٹرے اٹھاتا باہر نکل گیا۔ تالیہ پھر سے ہنس دی اور کندھے اچکا دیے۔ پھر گردن موڑی تو ہیڈ شیف اسی طرح اسے ناراضی سے گھور رہے تھے۔ تالیہ نے مسکراہٹ دبالی۔

”تمہارے خاندان نے کیا تمہیں پیسہ کمانے والی مشین سمجھ رکھا ہے؟ تمہارا باپ اور بھائی خود کیوں کام نہیں کرتے؟ چلو ماں باپ تو ٹھیک ہے' بھائی بھابھی اور ان کے بچوں کا خرچہ بھی تم کیوں اٹھاؤ؟ کیا ان کو احساس نہیں ہوتا کہ تم ایک انسان ہو اور دو دو نوکریاں کر کے گزارا کرتی ہو؟“ غصے اور بے بسی کی حدت سے ان کی آنکھوں میں پانی آ گیا تھا۔

”ایسی بات نہیں ہے۔“ تالیہ اداس ہوئی۔ ”ابو بیمار رہتے ہیں' بھائی کی نوکری سے گزارا نہیں ہوتا۔ بھابھی کے بچے ہیں وہ کام نہیں کر سکتیں.... اور وہ سب کوشش تو کرتے ہیں نا۔ پھر ان کا کیا قصور؟ اگر میں ذرا پڑھ لکھ جاتی تو کوئی نوکری کر لیتی اچھی سی۔ لیکن خیر....“ وہ کھلے دل سے مسکرائی۔ ”میرے کون سے خرچے ہیں یہاں۔ نہ پڑھائی وغیرہ کرنی ہوتی ہے' نہ بیمار پڑتی ہوں۔ اوپر سے ہوں بھی الیگل۔“

کھٹاک سے ڈوئی بوڑھے شیف نے اس کے کندھے پہ دے ماری۔ وہ بلبلا اٹھی۔ ”کیا ہے؟“ تروٹھے پن سے چیخی بھی۔

”ہزار دفعہ کہا ہے' اس بات کا اعلان نہ کیا کرو۔ پولیس نے پکڑ لیا نا تو بری پھنسو گی۔“

”ہاں تو آپ کے سامنے ہی کہہ رہی ہوں کون سا کسی اور کو بتا رہی ہوں۔“ وہ کندھا سہلاتے ہوئے خفگی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ ”اب الیگل ہوں تو اس میں میرا کیا قصور؟ ٹریول ایجنسی نے دھوکہ دیا تھا۔ مجھے تو یہاں آ کر علم ہوا۔ میرے تو پیپرز بھی انہوں نے رکھ لئے۔ خیر وہ تو انہوں نے دوسرے نام سے بنوائے تھے۔ غلطی میری اتنی ہے کہ میں نے اسی وقت عقل سے کیوں نہیں کام لیا۔ مگر مجھے نوکری چاہیے تھی نا!“

کندھا سہلاتا اس کا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا۔ اداسی سے پلکیں جھک گئیں۔ ''اب اگر تنخواہ بھیج دیتی ہوں پاکستان تو کیا برا کرتی ہوں۔ ایک بھائی ہی تو ہے کمانے والا۔ اب فوج کی نوکری میں کہاں گزارا ہوتا ہے پانچ لوگوں کا؟'' اس نے سر جھٹک کر پانی کی بوتل نکالی اور بیٹھے بیٹھے منہ سے لگائی۔

معمر شیف نے پلٹ کے اسے دیکھا۔ ''نرسنگ چھوڑ دی اس نے؟'' تالیہ نے پانی کا گھونٹ بوتل اوپر لے جا کر بھرا' پھر بوتل لبوں سے ہٹائی اور ڈھکن بند کرتے ہوئے ان کو دیکھ کر بولی۔ ''کہاں؟ فوج میں میل نرس ہے نا وہ۔ آپ کو تو میرے گھر والے اتنے برے لگتے ہیں کہ ان کی اچھی باتیں بھی بھلا دیتے ہیں آپ!'' آخر میں نروٹھے پن سے بولی۔ شیف چند لمحے تاسف سے اسے دیکھتے رہے۔

''تمہارے کوئی خواب نہیں ہیں تالیہ؟'' اس سوال پہ تالیہ جو گوتم بدھا کے انداز میں چوکڑی مارے کاؤنٹر پہ بیٹھی تھی' تھوڑی تلے انگلی رکھے اوپر دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔ ''میرے خواب؟''

''ہاں تالیہ.... تمہارا سب سے بڑا خواب کیا ہے؟'' ایک ویٹر واپس آ گیا تھا اور گفتگو میں پر جوش سا داخل ہوا تھا۔ ویٹرز' شیف' سب رک کر اسے دیکھنے لگے جو انگلی سے گال پہ دستک دیتی اوپر دیکھتی سوچ رہی تھی۔ پھر اس کی آنکھیں چمکیں' اس نے ان سب کو دیکھا' اور چٹکی بجائی۔ ''ہے نا۔''

''کیا؟'' سب کام روکے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ تالیہ نے دانت سے نچلا لب دبائے بڑی بڑی سبز آنکھیں مسکرا کے جھپکیں۔ ''میرا سب سے بڑا خواب یہ ہے کہ میں ایک سوپ کارٹ دھکیلتے ہوئے شہر کی مصروف ترین سڑک پہ سوپ بیچ سکوں۔ میرا اپنا ذاتی سوپ کارٹ ہو' اور لوگ میری بہترین ریسیپی والے سوپ کے دیوانے ہوں!''

کچن میں لمحے بھر کو سناٹا چھا گیا۔ شیف کا چہرہ سب سے زیادہ اترا تھا۔ ویٹرس تو جل بھن گئی۔

''ایک سوپ کی ریڑھی؟ بس تالیہ؟ بس؟'' ایک نے پیر پٹخا۔

تالیہ ڈر کے ذرا خفیف ہوئی۔ ''کچھ غلط کہا میں نے؟''

''لڑکی تم نوجوان ہو' شکل کی بھی اچھی ہو' خود مختار ہو' اور تمہارے خواب اتنے محدود ہیں؟ سوپ کی ریڑھی.... اف تالیہ.... اف۔'' ویٹرس نے ٹرے اٹھائی اور پیر پٹختی باہر نکل گئی۔

''ارے ارے.... تمہیں معلوم بھی ہے ایک کارٹ کتنا مہنگا ملتا ہے' بات تو سنو۔'' وہ پیچھے سے پکارنے لگی۔

''تالیہ کیا تم دوسروں کی طرح اونچے اونچے خواب نہیں دیکھتی؟'' شیف نے دیگچہ ڈھکا اور اس کے سامنے آ کر حوصلہ افزاء انداز میں پوچھنے لگے۔ ''کیا تمہارا دل نہیں چاہتا تمہارا اونچا سا محل ہو' جس میں تم ملکہ کی طرح رہو' تمہارے پاس دولت کا ڈھیر ہو' شہزادوں سا شوہر ہو' تمہیں کوئی کام نہ کرنا پڑے' نوکر چاکر ہوں' تم جس شے کو ہاتھ لگاؤ وہ سونا بن جائے۔ تالیہ مراد کیا تم ایسے خواب نہیں دیکھتی؟''

تالیہ نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دائیں بائیں نفی میں گردن ہلائی۔ ''نہیں تو۔''

بوڑھے شیف کی ساری خوش اخلاقی ہوا ہو گئی۔ ماتھے کو چھوا' اسے غصے سے کوسا اور کام کی طرف پلٹ گئے۔ تالیہ کندھے اچکا کر پھر سے ہنس دی۔

''میں تو ایک عام سی لڑکی ہوں۔ نہ میری تعلیم ہے' نہ کوئی اعلیٰ خاندان۔ مجھے خوابوں میں دلچسپی ہے نہ مردوں میں۔ بس تنگو کامل کے گھر سے ریسٹورانٹ' اور ریسٹورانٹ سے ان کا گھر... میری زندگی جب ان ہی دونوں چکروں میں کٹ جانی ہے تو کیا کرنا ہے میں نے لمبے لمبے خواب دیکھ کر۔ اپنے لئے کماتی ہوں' کھاتی ہوں اور گھر والوں کو کھلاتی ہوں۔ میں تو بہت خوش ہوں ایسے۔ میری زندگی میں کوئی مسئلہ' کوئی پریشانی نہیں ہے۔'' وہ بے فکری سے ہنس مکھ سے انداز میں کہہ رہی تھی۔

شیف مزید اسے کچھ سخت سست سناتے کہ ایک ویٹر تیزی سے اندر آیا۔

''تالیہ.... تم سے کوئی ملنے آیا ہے۔''

''مجھ سے؟'' تالیہ نے انگلی سینے پہ رکھ کے آنکھیں حیرت سے پھیلائیں۔

''ہاں۔ سوٹ وغیرہ پہن رکھا ہے۔ پوچھ رہا تھا تم تنگو کامل کی ملازمہ ہو نا؟''

''اوہ۔'' تالیہ کی سبز آنکھیں چمکیں۔ ''میں سمجھ گئی۔'' وہ جلدی سے نیچے اتری' جوتے پیروں میں گھسیڑے (ویٹرس نے ناک سکوڑ کے اس کی اس حرکت اور خالی سلیب کو دیکھا۔ صفائی' تمیز' آداب' سب خاک میں مل جاتے تھے اس کی وجہ سے۔) اور باہر کو لپکی۔ کیپ سر سے اتار دی تھی' سیاہ بال جو کندھوں تک آتے تھے اس وقت پونی میں بند تھے۔ وہ ہاتھوں سے سامنے کے بال درست کرتی آگے چلتی آئی۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

کونے کی میز پہ مولیا بے چین سا بیٹھا تھا۔ چینی نقوش کا حامل وہ درمیانے قد کا نوجوان تھا' اور بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ پریشان لگتا تھا۔ دفعتاً نظر اٹھائی تو دیکھا' سامنے سے ایک ویٹرس چلتی آ رہی ہے۔ حالم کی دی گئی تصویر میں اس کی شکل واضح نہ تھی مگر وہ پہچان گیا۔ البتہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھا۔ چہرے کو بھی سنجیدہ بنالیا۔ وہ سامنے آئی تو اس نے کرختگی سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''بیٹھو! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

وہ اس کے سامنے بیٹھی۔ کہنیاں میز پہ رکھیں' ہتھیلیوں پہ چہرہ گرایا اور دلچسپی سے اس کو دیکھا۔ ''بولیے۔''

مولیا قدرے رعب سے کھنکارا' پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوا۔ ''تم تنگو کامل کی ملازمہ ہو نا؟''

''یعنی کہ میرا اندازہ درست تھا۔'' وہ ہلکا سا ہنس دی۔ ''آپ تنگو احمد کامل (تنگو کامل کے بیٹے کا نام) کی سالگرہ کی تقریب میں تھے شاید' اور میرا سوپ پیا تھا نا آپ نے۔ اور اب آپ یقیناً چاہتے ہوں گے کہ میں آپ کے لئے کام کروں مگر میں....''

''تم ملائیشیا میں الیگل ہو' ہے نا؟'' وہ سختی سے بولا تو وہ ٹھہر گئی۔ مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ سبز آنکھوں میں حیرت ابھری۔

''آپ کو کیسے....''

''دیکھو میں لمبی بات نہیں کرنے آیا لیکن اگر ابھی میں جا کر پولیس کو اطلاع کر دوں کہ تم یہاں الیگل ہو تو یہ سوپ پارلر کا مالک تو چھوڑو تنگو کامل بھی مشکل میں پھنس جائے گا۔''

تالیہ کے ہونٹ کھل گئے۔ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ پھر آنکھوں میں افسوس ابھرا۔

''آپ ایسا کیوں کریں گے؟ میرے ساتھ ٹریول ایجنسی نے دھوکا کیا تھا۔ اور پھر میں نے اپلائی کر رکھا ہے قانونی.....''

''تم جانتی ہو میں تمہیں ابھی کے ابھی جیل میں ڈلوا سکتا ہوں۔'' وہ آگے کو جھکا اور اس کو گھورتے ہوئے غرایا۔ وہ ہلکا سا چونکی۔

''آپ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟''

مولیا نے گہری سانس لی اور فائل کھولی۔ پہلے صفحے پہ تالیہ کی پروفائل (رپورٹ) رکھی تھی۔ تالیہ نے سر جھکا کے دیکھا تو آنکھیں پھیل گئیں۔ بے یقینی سے پلکیں اٹھائیں۔ ''میرے بارے میں آپ کو اتنا کچھ.....؟'' اب کے وہ ذرا سنبھل کر بیٹھی۔ چونکی سی۔ قدرے پیچھے بھی ہوئی۔ ''کون ہیں آپ؟''

مولیا نے اگلا صفحہ پلٹا اور ایک تصویر نکال کے اس کے سامنے رکھی۔ ''یہ تمہارے گھر والوں کی تصویر ہے نا' کشمیر میں رہتے ہیں وہ۔ جانتی ہو میں ان کے بارے میں کیسے جانتا ہوں؟ کیونکہ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔'' اس کی طرف جھکے وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا چبا چبا کے کہہ رہا تھا۔ تالیہ کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ وہ مزید پیچھے ہوئی پھر گردن گھما کے دیکھا۔ ارد گرد لوگ کھانے پینے اور باتوں میں مصروف تھے۔ کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ خوفزدہ لڑکی نے پھر سے مولیا کو دیکھا۔

''کیا چاہتے ہو؟''

''تمہارے اوپر قرضہ بھی ہے۔ بھائی کی شادی کے لئے لیا تھا نا؟ وہ کیسے اتارو گی؟ کبھی سوچا؟''

''آپ کو مجھ سے کیا چاہیے۔'' وہ شدید غیر آرام دہ نظر آ رہی تھی۔

''دیکھو تالیہ.....'' مولیا نے آواز دھیمی کی۔ لہجہ نرم کیا۔ لمحے بھر کے لئے بھی وہ لڑکی کے چہرے پر سے نظریں نہیں ہٹا رہا تھا۔ ''اگر تم چاہو تو میں تمہارا قرضہ بھی اتار سکتا ہوں' مزید رقم بھی دے سکتا ہوں اور تمہاری فیملی کو بھی کچھ نہیں ہو گا۔ بات نہیں مانو گی تو تمہارے ماں باپ کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور تم الیگل ہونے اور جیل چلے جانے کے باعث ان کی مدد بھی نہیں کر پاؤ گی۔ اب بتاؤ' میری مدد کرو گی؟''

''کیسی مدد؟'' وہ الجھی۔ رنگت قدرے بحال ہوئی۔

''تمہارے مالک تنگو کامل نے میرا لیپ ٹاپ چرایا ہے' اور مجھے وہ واپس چاہیے۔ یہ اس کی تصویر ہے۔'' اس نے کھلی فائل سے ایک اور کاغذ نکال کر سامنے رکھا تو نیچے رکھے ایک کاغذ کا کونا باہر کو سرک آیا۔ تالیہ نے گردن میڑھی کر کے پڑھا۔ نچلے کاغذ کو جس پہ ایک ہی فقرہ کسی نے بار بار پین سے لکھا ہوا تھا۔

''حالم کے ایل کا بہترین اسکام انویسٹی گیٹر ہے اور میں آئندہ.....'' مولیا نے ایک دم ہڑبڑا کے کاغذ اندر ڈالا۔ تالیہ نے چونک کے اسے

دیکھا۔ ''آپ نے کسی حالم نامی اسکام انویسٹی گیٹر کو ہائر کیا ہے میری چھان بین کے لئے؟'' آواز میں ہلکا سا غصہ در آیا۔

''میری بات دھیان سے سنو۔'' اس نے دوسرا کاغذ سامنے کر کے فائل بند کر دی۔ (سوال نظر انداز کر گیا۔) ''یہ اس لیپ ٹاپ کی تصویر ہے اور یہ تنگو کامل کے گھر میں موجود ہے۔ میرا لیپ ٹاپ چرایا ہے انہوں نے۔ تم مجھے یہ واپس لا کر دو گی اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم جانتی نہیں ہو میں تمہارے ساتھ کیا کر سکتا ہوں۔''

''آپ چاہتے ہیں میں چوری کروں؟'' وہ الجھن سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''ہاں۔ جو انہوں نے چوری کیا مجھ سے اس کو واپس چوری کرو۔ میں تمہیں ایک خطیر رقم دوں گا اور نیشنلیلیٹی لینے میں بھی تمہاری مدد کروں گا۔''

''میں اپنے مالک کے گھر چوری کروں؟ اپنے مالک کے گھر؟'' اس نے انگلی سینے پہ رکھ کے افسوس سے پوچھا۔ مولیا نے بے صبری سے جھٹ سر ہلایا۔ ''ہاں....''

تالیہ نے تاسف بھری سانس کھینچی اور سر جھٹکا۔ ''پھر آپ ایسا کریں' پولیس کو بتا دیں جو بھی بتانا ہے' کیونکہ تالیہ ایسی نہیں ہے۔ مجھے آپ کے پیسے نہیں چاہیے ہیں۔ میں اپنے مالک کو دھوکا نہیں دوں گی۔'' وہ سادگی سے کہہ کر کھڑی ہو گئی۔ مولیا بھی ساتھ ہی کھڑا ہوا۔

''سب یہی کہتے ہیں کہ ہمیں پیسے نہیں چاہئیں اس سے پہلے کہ انہیں چند صفر بڑھا کے رقم دی جائے۔ یہ میرا نمبر رکھ لو۔ تمہارے پاس ایک گھنٹہ ہے۔ ذہن بدلے تو مجھے کال کرنا۔ لیکن اگر پولیس یا تنگو کامل کے پاس جانے کی کوشش کی تو یاد رکھنا....'' اس نے اپنا موبائل لہرا کے دکھایا۔ ''میں نے تمہاری گفتگو ریکارڈ کر لی ہے جس میں تم نے الیگل ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ اگر مجھے میرا لیپ ٹاپ نہ ملا تو میں اس گفتگو کو کیسے استعمال کر سکتا ہوں' تمہاری سوچ ہے۔ ایک گھنٹہ۔'' ایک کاغذ کی چٹ اس کی طرف بڑھائی۔ جب وہ نہیں ہلی تو مولیا نے اسے زبردستی اس کے ایپرن کی جیب میں ڈال دیا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ خفگی سے اسے دیکھتی رہی' یہاں تک کہ وہ باہر نکل گیا۔

چند منٹ بعد وہ کچن سے تیز تیز اپنی چیزیں سمیٹتی دکھائی دے رہی تھی۔ ارد گرد کھڑے شیف اور ویٹرز بار بار پوچھ رہے تھے۔ ''تالیہ کیا ہوا ہے.... کیوں جا رہی ہو؟'' مگر وہ بار بار آنسو رگڑتی سر نفی میں ہلائے جا رہی تھی۔ ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔

کار میں بیٹھتے ہوئے مولیا نے دروازہ زور سے بند کیا اور چند لمحے کھڑکی سے باہر سڑک پہ بہتا رش دیکھتا رہا۔ بے فکر سیاح گھوم رہے تھے۔ کھانوں کی خوشبو۔ بازار کا رش۔ وہ مضطرب سا سارے کو بے دھیانی سے دیکھتا رہا' پھر فون نکال کے کال ملائی۔

''بولو!'' حالم کی کھردری' خشک آواز سنائی دی۔

''میں نے ان تمام ملازموں میں سے تالیہ کو چنا۔ تالیہ مراد کو۔''

''گڈ۔ میں ذرا مصروف ہوں تو....''

''وہ اچھی لڑکی ہے۔ میں نے خواہ مخواہ اسے اتنا ہراساں کیا۔ وہ سچی اور ایماندار ہے۔ وہ کبھی چوری نہیں کرے گی۔ اس نے انکار کر دیا

ہے حالم!" وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"رقم بڑھا دو۔" وہاں بے نیازی تھی۔

"تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا؟ وہ ایک ایماندار اور سچی لڑکی ہے۔ سادہ اور معصوم!"

"یہ سب اندر سے ایک سی ہوتی ہیں۔ یہاں کوئی سچا یا ایماندار نہیں ہے مولیا۔ پیسے بڑھا دو' وہ فوراً مان جائے گی۔" حالم کو جیسے اکتاہٹ ہو رہی تھی۔ مولیا کے لبوں پہ زخمی مسکراہٹ ابھری۔

"یہ تمہارا تجربہ بول رہا ہے کیا؟ کسی لڑکی نے دھوکہ دیا ہے تمہیں' یوں لگتا ہے۔"

جواب میں چند لمحے خاموشی چھا گئی۔ گہری خاموشی۔ پھر حالم کا زوردار قہقہہ گونجا۔ مولیا نے گڑبڑا کے فون کان سے ذرا دور کیا۔

"ارے مولیا.... تمہارا مینٹل کیلبر میرے پاؤں سے بھی نیچے ہے۔ میرے بارے میں اندازے نہ لگاؤ' اپنا لیپ ٹاپ ڈھونڈو۔" پھر سے ہنسنے کی آواز آئی اور اس نے فون بند کر دیا۔ مولیا بدمزگی سے کچھ بڑبڑایا تھا۔

☆☆=========☆☆

تنگو کامل کا گھر تین منزلہ تھا۔ خوبصورت اور پرتعیش۔ تالیہ نے دروازہ کھولا تو سنہری وال پیپر سے سجی لابی دکھائی دی جس سے سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں۔ ایک طرف لاؤنج میں کھلتا دروازہ تھا۔ سامنے ایک باوردی ملازم کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کے حیرت سے قریب آیا۔

"تالیہ... تمہارے ڈیوٹی آورز تو ابھی شروع بھی نہیں ہوئے پھر.....؟"

"سر گھر پہ ہیں؟ مجھے ان سے ملنا ہے۔ ابھی۔" وہ بے چینی سے بولتی آگے آئی تھی۔ ملے طرز کی سیدھی لمبی اسکرٹ اور بلاؤز پہنے' وہ ریستوران سے مختلف لباس میں تھی۔ بال ہیئر بینڈ لگا کے کھول رکھے تھے جو سیاہ تھے اور کندھوں تک آتے تھے۔ سبز آنکھوں میں پریشانی تھی۔

"تالیہ' سر اسٹڈی میں ہیں۔ تمہیں اگر تنخواہ وغیرہ چاہیے تو میم سے بات کرو' مگر وہ بھی کل صبح....."

"پلیز مجھے ابھی سر سے ملنا ہے۔ صرف پانچ منٹ کے لئے۔" وہ کہہ کر تیزی سے آگے بڑھی اور سیڑھیاں چڑھتی گئی۔ ملازم آوازیں دیتا رہ گیا اور وہ یہ جا وہ جا' اوپر بھاگ گئی۔

اوپر بھی اسی طرح کی لابی بنی تھی۔ سامنے کھلا سا لاؤنج تھا۔ ایک طرف اسٹڈی کا بند دروازہ۔ تالیہ نے جلدی سے دروازہ کھٹکھٹایا اور دھکیلا۔

اسٹڈی روم میں میز کے پیچھے کرسی پہ ایک ادھیڑ عمر چینی نقوش والے صاحب بیٹھے سامنے کھڑے نوجوان سے کچھ کہہ رہے تھے۔ آہٹ پہ دونوں نے مڑ کے دیکھا۔ تالیہ نے خفت اور پریشانی سے سر دروازے سے نکال کے ان کو دیکھا۔

"سر میں آ جاؤں؟"

وہ نوجوان جو تنگو کامل کا پرسنل سیکرٹری تھا' منہ بنا کے منع کرنے والا تھا مگر تنگو کامل نے تکلفاً مسکرا کے اسے اشارہ کیا۔ ''آ جاؤ تالیہ'' سیکرٹری چپ ہو گیا۔ تالیہ جھجھکتی' نظریں جھکائے اندر داخل ہوئی۔ ان کے عین سامنے آ کر اس نے نگاہیں اٹھائیں۔ ''سر مجھے بات کرنی تھی۔'' وہ مسلسل انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

''ہاں بولو مگر ذرا جلدی۔'' انہوں نے کہنے کے ساتھ گھڑی دیکھی۔

''سر... میرے ریسٹورانٹ.... ایک آدمی آیا آج۔ اس نے مجھے کہا کہ میں آپ کے گھر چوری کروں۔'' وہ ایک ہی سانس میں تیز تیز بتاتی گئی۔ تنگو کامل چونک کے آگے ہوئے۔ سیکرٹری کا بھی منہ کھل گیا۔ جب تک اس نے بات مکمل کی' وہ دونوں ہر شے بھول چکے تھے۔

''اس نے بتایا وہ کون تھا؟''

''کس کے لئے کام کرتا تھا؟''

''نام کیا تھا؟'' تابڑ توڑ سوالات کی تیز بوچھاڑ سے لڑکی قدرے ہراساں نظر آنے لگی۔ پھر بظاہر ہمت کر کے گردن کڑائی۔ ''نام نہیں بتایا اس نے سر' لیکن اتنا ضرور کہا کہ اس کا لیپ ٹاپ آپ کی اسٹڈی میں ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ لوگ کسی کا لیپ ٹاپ چوری نہیں کر سکتے۔ ہے نا؟'' تائیدی نظروں سے اس نے باری باری دونوں کو دیکھا۔ سیکرٹری نے فوراً مالک کو دیکھا۔

''بالکل بھی نہیں۔ ہم کیوں چرائیں گے؟ بلکہ ہو سکتا ہے وہ تمہارے ہاتھوں میرا کمپیوٹر چوری کروانا چاہتا ہو۔'' تنگو کامل تالیہ کو دیکھ کر پورے وثوق سے بولے تو اس نے تسلی بھری سانس خارج کی۔

''نہیں سر' اس نے مجھے لیپ ٹاپ کی تصاویر بھی دکھائی تھیں۔ وہ آپ کے جیسا نہیں تھا۔ سفید سا تھا۔ اس نے بولا یہیں ہے وہ....'' تالیہ نے ایک طائرانہ نگاہ اطراف پہ ڈالی۔

''تم نے بہت اچھا کیا تالیہ جو مجھے آگاہ کر دیا۔'' وہ توصیفی انداز میں اسے دیکھ کے بولے تھے۔ وہ مسکرا دی۔ سیکرٹری تیزی سے بک شیلف کی طرف گیا اور باری باری دراز کھولنے لگا۔ کتابیں ادھر ادھر پلٹائیں۔

''ہو سکتا ہے کسی نے ہمارے اوپر لیپ ٹاپ پلانٹ کیا ہو' ہمیں اسے فوراً ڈھونڈنا ہو گا۔'' تنگو کامل سوچتے ہوئے بولے تھے۔ سیکرٹری نے سر ہلا دیا۔ وہ تیز تیز چیزیں الٹا پلٹا رہا تھا۔ دفعتاً انہیں تالیہ کا خیال آیا۔

''تم پیسے لے سکتی تھیں' مگر تم نے مجھے کیوں بتایا؟'' اس نے پلکیں اٹھائیں۔

''سر اگر انسان میں وفاداری' سچائی اور ایمان ہی نہ ہو تو وہ کیسا انسان ہوا؟ باقی ساری خوبیاں اور ڈگریاں سب کے پاس ہوتی ہیں۔ مگر سچائی سیکھی نہیں جاتی۔ یہ تو انسان کی گھٹی میں ہوتی ہے۔''

دراز کھولتے' بند کرتے سیکرٹری نے پلٹ کے درزیدہ نظروں سے اسے دیکھا اور اونچا سا بولا۔ ''سر یہ اس کا فرض تھا کہ آپ کو رپورٹ کرتی۔ اگر محترمہ چوری کرتیں تو ظاہر ہے ہمیں پتہ چل جاتا' اور اس آدمی کی بھی گارنٹی نہیں تھی کہ پیسے دے گا یا نہیں۔'' آواز میں جلن تھی۔

تالیہ کا چہرہ بجھ گیا' البتہ تنگو کامل نے ایک ناپسندیدہ نظر سیکرٹری پہ ڈالی۔

''اگر جھوٹ بولنا ڈس کریڈٹ ہے تو سچ بولنے کا کریڈٹ دینے کی بھی عادت ڈالنی چاہیے' منگ۔''

''سر!'' وہ ایک دم بولی تو وہ جو اسے جھڑک رہے تھے' تالیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ ''کیا؟'' نرمی سے پوچھا۔

''مجھے یاد آیا' اس کے پاس ایک کاغذ پہ کسی scam انویسٹی گیٹر کا نام لکھا تھا۔'' تالیہ نے آنکھیں بند کر کے یاد کیا۔ ''حالم.... یہی نام تھا اس کا۔'' اس نے اب کے جوش سے تنگو کامل کو دیکھا۔ ''اس نے میری معلومات اسی انویسٹی گیٹر سے لی تھیں۔''

''حالم؟ ہوں۔'' انہوں نے سوچتے ہوئے ہنکارا ابھرا۔ سیکرٹری منگ ہاتھ جھاڑتے ہوئے واپس آیا۔ ''نہیں ملا سر۔ کچھ بھی نہیں ہے یہاں۔''

''تو اس حالم نے کیوں کہا اس آدمی کو کہ اس کا لیپ ٹاپ یہیں ہے؟ اسی نے بتایا ہوگا یقیناً۔'' وہ متفکر نظر آ رہے تھے۔

''میں نے حالم کا نام پہلی دفعہ سنا ہے' لیکن میں اس کی تحقیق ضرور کروں گا۔'' منگ پورے عزم سے کہہ رہا تھا۔ ایک دم تنگو کامل نیچے کو جھکے اور کچھ کھولنے لگے۔ آواز سے یوں لگتا تھا کہ جیسے اسٹڈی ٹیبل کے نچلے خانے میں رکھا کوئی سیف کھول رہے ہوں۔ پھر انہوں نے سیف سے چیزیں نکال نکال کر اوپر رکھنی شروع کیں۔ گن.... کاغذات.... جیولری کے بند ڈبے۔

سیکرٹری نے تالیہ کو فوراً رعب سے کہا۔ ''تم ابھی جاؤ۔'' وہ سر جھکائے مڑنے لگی تو تنگو کامل نے چند مزید چیزیں میز پہ رکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''تم رکو تالیہ۔'' وہ اپنا سیف خالی کر رہے تھے۔ وہ دونوں سیف تو نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن ان چیزوں کو دیکھ سکتے تھے جو وہ میز پہ ڈھیر کر رہے تھے۔ زیورات کے ڈبے۔ فائلز۔ چند چیک بکس۔ اور ایک شیشے کا ڈبہ جو گھڑی کے باکس کے جیسا تھا اور اس میں ایک سنہری سکہ چمک رہا تھا۔ پھر انہوں نے وہ چیزیں واپس ڈالنی شروع کیں۔ سیف بند کرنے کی آواز آئی۔ وہ سیدھے ہونے لگے' پھر جیسے کوئی خیال آیا اور اسٹڈی ٹیبل کا اوپری دراز کھولا۔

اندر سامنے ایک سفید لیپ ٹاپ رکھا تھا۔

تالیہ کا منہ کھل گیا۔ ''یہ یہاں.... واقعی....؟''

''یہ ہم نے نہیں چوری کیا۔ یقین رکھو۔'' انہوں نے گہری سانس لے کر اسے تسلی کروائی۔ اور لیپ ٹاپ سیکرٹری کی طرف بڑھایا۔

''یہ کسی نے ہمیں پھنسانے کے لئے یہاں رکھا ہے۔ دیکھو اوپر ان کی کمپنی کا لوگو بھی بنا ہے۔ میں جانتا ہوں یہ کس کا ہے۔'' تنگو کامل اور سیکرٹری نے معنی خیز نظروں کا تبادلہ کیا۔

''سر۔ ہمیں پولیس کو کال کرنی چاہیے۔ میں مسز کامل سے کہتی ہوں۔'' وہ جذباتی سی ہو کر دروازے کی طرف لپکی۔

''رکو رکو۔ کیا کر رہی ہو۔ تالیہ۔ اوہو۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو وہ الجھن سے واپس مڑی۔ ''پولیس کو نہ بلائیں؟''

''نہیں' پہلے ہمیں دیکھنا ہوگا کہ اس میں ہے کیا۔''

''لیکن سر جب یہ ہماری چیز ہی نہیں ہے تو ہم کیوں دیکھیں اسے؟''

''بھئی اصل مالک کا معلوم کرنے کے لئے دیکھنا تو ہوگا نا۔'' انہوں نے جلدی سے اسے تسلی کروائی پھر سیکرٹری کو اشارہ کیا تو وہ لیپ ٹاپ لے کر دوسری کرسی کھینچے بیٹھ گیا۔ تالیہ گومگوں کیفیت میں کھڑی رہی۔

''تم نیچے جاؤ اور میرے لئے اچھا سا سوپ بنا کر لاؤ' پھر میں بتاتا ہوں کہ ہم نے کیا کرنا ہے۔'' تالیہ نے بجھے چہرے کے ساتھ سر ہلا دیا اور باہر نکل گئی۔ آدھے گھنٹے بعد وہ سوپ کی ٹرے لئے اسٹڈی میں داخل ہوئی تو وہ دونوں تیار سے بیٹھے تھے۔ لیپ ٹاپ شاپنگ بیگ میں ڈال رکھا تھا۔ تالیہ نے ادب سے سوپ ان کے سامنے سجایا۔

''تم نے کہا' اس نے تمہیں اپنا نمبر دیا تھا' ہے نا؟''

''جی سر۔ میرے ایپرن میں رکھا ہے۔''

''تم اس کو کال کر کے سوپ پارلر بلاؤ اور یہ اس کو دے دو۔ ہم نے چیک کرلیا ہے' یہ اسی کا ہوگا۔ کسی سازش کے تحت کسی نے اسے ہم پہ پلانٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔ پولیس ہماری بات مانے گی نہیں۔ اس لئے چپ چاپ اسے واپس کر دو۔''

تالیہ نے غیر آرام دہ سی ہو کر ان دونوں کو دیکھا۔ ''مگر سر.... یہ یہاں آیا کیسے ہے؟ اور میں کس طرح؟.... وہ تو سمجھے گا میں نے چوری کی ہے۔''

''تو سمجھنے دو نا۔ اور وہ جو پیسے دے وہ رکھ لینا۔ تمہارے کام آئیں گے۔''

''میں پیسے نہیں رکھوں گی۔'' وہ بدک گئی۔

''رکھ لینا تالیہ' ورنہ وہ سمجھے گا کہ تمہیں ہم نے بھیجا ہے۔ اس کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ ہم اس میں انوالوڈ ہیں۔ ٹھیک ہے؟'' سیکرٹری اب خوشامدی انداز میں سمجھا رہا تھا۔ تالیہ کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔

''میں اس کو چور لگوں گی' سر۔ تالیہ چور نہیں ہے۔''

''ہم جانتے ہیں یہ بات تالیہ۔ اور ہم تمہیں اس کام کی اجازت دے رہے ہیں اس لئے دل سے کسی بھی گلٹ کو نکال کر یہ اسے واپس کر دو۔ یہ تمہارے مالک کا حکم ہے۔ ٹھیک ہے؟''

تالیہ نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں اور سر اثبات میں ہلایا۔

''اور یہ تمہارا انعام ہے۔'' انہوں نے نوٹوں کی ایک گڈی اس کی طرف بڑھائی۔ جسے سیکرٹری منگ نے ناپسندیدگی سے دیکھا تھا۔ تالیہ نے جیسے بے دلی سے وہ نوٹ اٹھائے تھے۔

جب وہ لیپ ٹاپ لے کر باہر نکلی تو پیچھے سے تنکو کامل نے سیکرٹری کو سنجیدگی سے مخاطب کر کے کہا۔ ''اس بے وقوف پہ نظر رکھنا۔ کہیں اس کو

سچ نہ بتادے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے سر۔ لیکن اگر آپ مجھے کچھ وقت دیتے تو میں اس لیپ ٹاپ کو keylog بھی کروادیتا۔ یہ ہمارے حریف کا لیپ ٹاپ ہے۔ وہ جو بھی کام اس پہ کرتا ہم اس کو دیکھ سکتے اور....."

"فائلز کاپی کر لیں ہم نے' یہی بہت ہے۔ اور ہاں پتہ لگاؤ یہ یہاں آیا کیسے؟" ان دونوں کی آوازیں مدھم سرگوشیوں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔

"مگر سر انعام کے طور پہ تالیہ کو اتنی خطیر رقم دینا غلط نہیں ہوگا؟" وہ ذرا جذباتی ہو کے بولا۔

"زیادہ بک بک نہ کرو۔ جو چیز اس کے توسط سے ملی ہے ہمیں' اس کی قیمت لاکھوں کروڑوں میں ہے۔" وہ اسے ڈپٹ رہے تھے۔

اور تالیہ سر جھکائے' لیپ ٹاپ سینے سے لگائے سیڑھیاں اتر رہی تھی ایسے کہ اسے بار بار گالوں پہ آئی نمی کو رگڑنا پڑ رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

سوپ پارلر پہ معمول کا رش تھا۔ مغرب اتر چکی تھی باہر برآمدے میں لگی کرسیوں پہ بھی مہمان بیٹھے کھا پی رہے تھے۔ سارے بازار میں رونق میلہ سا لگا تھا۔ ایسے میں سڑک کنارے ایک میز پہ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی' اور گود میں شاپنگ بیگ میں رکھا لیپ ٹاپ پڑا تھا۔ دفعتاً دوڑتے قدموں کی آواز آئی' پھر سامنے والی کرسی کھینچ کے کوئی بیٹھا۔ تالیہ نے گلابی متورم آنکھیں اٹھائیں۔ وہ خوشی سے تمتماتے چہرے والا مولیا تھا۔

"مجھے پتہ تھا..... مجھے پتہ تھا تم اچھی لڑکی ہو' میرا کام کر دو گی۔ لیپ ٹاپ لائی ہو؟" اس کی آنکھوں میں ڈر' خوف اور فتح کے ملے جلے تاثرات تھے۔ تالیہ نے اثبات میں سر اوپر نیچے ہلایا۔

"اوکے..... مگر ہاں..... پہلے تمہارے پیسے۔" اس نے جلدی سے جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکالا۔ "گن لو۔"

تالیہ نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی' پھر لفافہ اٹھا کر گود میں رکھ لیا اور لیپ ٹاپ میز پہ۔ مولیا نے بے قراری سے لیپ ٹاپ اٹھایا اور کھول کے دیکھا۔ سکون سا اس کے چہرے پہ پھیلنے لگا۔ "یہ ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک۔ تھینک یو تالیہ۔"

وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔ دور کھڑی کار میں سے ان پہ نظر رکھتے سیکرٹری منگ نے بھی تشفی بھرا ایک میسج اپنے باس کو لکھا۔

"بے فکر رہیں۔ تالیہ نے اسے کچھ نہیں بتایا۔"

"سوری تالیہ..... میں نے تمہیں اتنا پریشان کیا۔" پریشانی کی دھند چھٹی تو مولیا نے افسوس سے کہنا چاہا۔ مگر تالیہ مراد نے ہاتھ جھلا کے اسے جانے کا اشارہ کیا' اور خود بیگ میں رقم ڈالتی' چہرے پہ ناگواری' بے بسی اور غصہ لئے سوپ پارلر کی طرف بڑھ گئی۔

"خیر....." مولیا نے لیپ ٹاپ اٹھاتے ہوئے پیچھے سے بلند سا کہا۔ "میرے دوست نے ٹھیک کہا تھا' رقم بڑھا دو تو تم سب ایک سی ہوتی ہو۔ یہاں کوئی سچا اور ایماندار نہیں ہے۔"

وہ آگے بڑھتے بڑھتے رکی اور پلٹ کے چبھتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا' لیکن لب سختی سے بند رکھے اور پھر مڑ گئی۔

رات پھیل رہی تھی۔ مولیا کا دن بالآخر کامیابی لے آیا تھا۔ سیکرٹری منگ نے کار آگے بڑھا دی اور مولیا اپنی کار کی طرف چلا گیا۔ ان دونوں کو اور ان کے باسز کو مطلوبہ چیز مل گئی تھی' اور وہ سب مطمئن تھے۔

ایسے میں تالیہ مراد سوپ پارلر میں آئی' اپنا استعفیٰ لکھ کر کاؤنٹر پہ جمع کرایا' اور اسی خاموشی سے وہاں سے نکل گئی اس سے پہلے کہ کوئی اس کو روک کے وجہ پوچھ لے۔

بیگ میں دو مختلف نوٹوں کی گدیاں اٹھائے وہ بس اسٹاپ تک آ گئی۔ قریباً آدھے گھنٹے بعد بس اس کو کے ایل کے مختلف مقامات' سڑکوں اور گلیوں سے گزارتی ایک شاہانہ طرز کے علاقے میں لے آئی۔ وہ اسٹاپ سے اتری' اور بیگ سنبھالتی ہوئی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ایک کالونی میں آگے بڑھتی گئی۔

چند منٹ کی واک کے بعد وہ بالآخر ایک گیٹ کے سامنے رکی۔ گیٹ کھلا تھا۔ تالیہ نے اندر قدم رکھا۔ سامنے رات کی تاریکی میں لیمپ پوسٹس سے جگمگاتا لان دکھائی دے رہا تھا۔ خوبصورت نفیس' تراشیدہ سا لان اور اس کے اختتام پہ اونچا سا کھڑا بنگلہ۔ وہ بیگ کندھے پہ ڈالے آگے چلتی آئی' چلتی آئی.... یہاں تک کہ برآمدے کی سیڑھیاں عبور کرکے اونچے داخلی دروازے تک جا رکی۔ پھر بیل بجائی اور بند مٹھی سے دھپ دھپ دستک دی۔

بھاری قدموں کی آواز آئی اور پھر دروازہ کھل گیا۔ تالیہ نے نظریں اٹھائیں۔ سامنے بھاری بھرکم جثے والی سیاہ رنگت کی عورت کھڑی تھی۔ عمر کافی زیادہ تھی۔ پچاس پچپن کے لگ بھگ۔ بال موٹی موٹی گھنگریالی لٹوں کی صورت کندھوں تک آتے تھے' اور اس نے کھلے سے کپڑے پہن رکھے تھے۔ چوکھٹ پہ بازو جمائے' اس نے خشمگیں نگاہوں سے سامنے کھڑی ویٹرس کے یونیفارم والی لڑکی کو دیکھا اور استفہامیہ ابرو اٹھائی۔ ''ہوں؟''

تالیہ نے نظریں جھکا دیں اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

''آج تالیہ نے اپنا سب کچھ کھو دیا۔ اپنا وقار' اپنا ایمان' اپنی سچائی' اپنی عزت.... میں نے ہر شے کو بیچ ڈالا۔ میں نے.... تالیہ مراد نے اپنے ضمیر کا سودا کر لیا۔''

سیاہ موٹی عورت نے سر سے پیر تک اسے دیکھا اور بنا کوئی اثر لئے سنجیدگی سے بولی۔ ''کتنے میں؟''

تالیہ کی پلکیں ہنوز جھکی تھیں۔ اس سوال پہ چند لمحے وہ نہیں ہلی' پھر ایک دم پلکیں اٹھائیں تو ان میں آنسو غائب تھے اور لبوں پہ مسکراہٹ تھی

-

''سات لاکھ میں۔'' وہ چہکی اور دونوں ایک دم ہنس پڑیں۔

''اب سامنے کھڑی رہو گی یا مجھے میرے گھر میں داخل بھی ہونے دو گی؟'' وہ ایک دم مصنوعی خفگی سے بولی تو فربہ عورت مسکرا کے

سامنے سے ہٹی اور ہاتھ پھیلا کے اشارہ کیا۔

''ویلکم ہوم' تالیہ۔ یا شاید مجھے کہنا چاہیے.... ویلکم ہوم' حالم!'' تالیہ نے مسکرا کے بیگ اس کے بازوؤں میں تقریباً پھینکا اور مانوسیت بھری شان سے اندر داخل ہوگئی۔

اندر خوبصورت سا لاؤنج تھا جس کے آگے اوپن کچن تھا۔ وہ پھولوں' پینٹنگز اور اونچے وال مورالز سے سجا ایک اعلیٰ درجے کا گھر لگتا تھا۔

''کیسا رہا Scam (فراڈ؟) بے بی گرل؟'' سیاہ فام عورت بیگ اٹھائے اس کے پیچھے آئی تو وہ لاؤنج کے وسط میں کھڑی ایڑیوں پہ چاروں طرف گھومتی' مسکرا مسکرا کے اپنا گھر دیکھ رہی تھی۔ اس سوال پہ مڑ کے اسے دیکھا اور کھلکھلا کے ہنس دی۔

''پرفیکٹ۔ تین تین دفعہ پیمنٹ وصول کی ہے۔ ایک دفعہ اس بے وقوف مولیا سے حالم بن کے۔ ایک دفعہ تالیہ بن کے۔ اور ایک دفعہ اپنے کھڑوس باس سے ایمانداری کے انعام کے طور پہ۔ لیکن میں بتا رہی ہوں' آج کے بعد میں نے اس مولیا کے ساتھ کام نہیں کرنا۔'' وہ حتمی لہجے میں کہتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ آنکھوں میں جیسے کچھ یاد آنے پہ غصہ در آیا۔

عورت نے کمر پہ ہاتھ رکھ لئے اور آنکھوں میں حیرت لئے اسے دیکھا۔

''مولیا تو اتنا اچھا کلائنٹ ہے۔ اس کو تین دفعہ لوٹ چکے ہیں ہم۔ بے چارہ سب کی طرح تمہیں یعنی حالم کو Scam انویسٹی گیٹر سمجھتا ہے۔ حالانکہ ہم کے ایل کے سب سے بڑے Scam Artists (چور' فراڈ) ہیں۔''

''اور اسی لئے ہم ایسا کلائنٹ افورڈ نہیں کر سکتے جو میرا نام کاغذ پہ لکھ لکھ کے ہر جگہ گھومتا رہے۔ اف۔'' اس نے جھرجھری لے کر فریج کھولا اور ایک سیب نکالا' پھر اس میں دانت گاڑتے ہوئے واپس مڑی۔ اب وہ سوپ پارلر والی سادہ لڑکی سے بہت مختلف نظر آ رہی تھی۔ آنکھوں میں ایک شاہانہ سی چمک تھی' کندھے اعتماد سے سیدھے تھے اور پیشانی پہ خفا سے بل پڑے تھے۔

''مذاق میں اس گدھے کو کہہ دیا میں نے کہ کاغذ پہ لکھے' حالم کے ایل کا بہترین اسکام انویسٹی گیٹر ہے۔ وہ تو سچ مچ لکھ کر کاغذ ساتھ میں لئے گھوم رہا تھا۔ اس کو آج ہی کلائنٹ لسٹ سے خارج کرو۔''

''اوہ اچھا!'' فربہی عورت نے گہری سانس لی۔ وہ ابھی تک کمر پہ ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ ''مجھے لگا اسے ہماری اصلیت معلوم ہوگئی ہے۔''

''کیسے ہوسکتی ہے یار؟'' وہ ہتھیلیوں کے بل کاؤنٹر ٹاپ پہ چڑھی اور پیر لٹکا کے بیٹھ گئی' پھر سیب میں دانت گاڑتے ہوئے بے نیازی سے مسکرا کے بولی۔ ''ہم ڈارک انٹرنیٹ سے آپریٹ کرتے ہیں۔ ہماری لوکیشن کوئی نہیں جانتا۔ اور پھر سب سمجھتے ہیں کہ حالم ایک آدمی ہے کیونکہ میں encrypted فون سے کال کرتی ہوں' ہمیشہ مردانہ آواز میں۔ سب یہی جانتے ہیں کہ میں ایک اسکیم انویسٹی گیٹر ہوں اور ہمارا ہر کلائنٹ آگے یہی بتاتا ہے کہ میں ساتھ میں مغرور اور بدتمیز بھی ہوں۔'' وہ سیب کھاتے ہوئے ہنس دی۔ ''مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ نہ میں کوئی انویسٹی گیٹر ہوں نہ ہی کوئی مرد۔ میں اور تم.... ہم تو چور ہیں' چور۔ پہلے مسئلہ پیدا کرتے ہیں' پھر اسے حل کر کے پیسے لیتے ہیں۔ جیسے پہلے مولیا کے باس کا لیپ ٹاپ چرا کے تنکو کامل کے گھر رکھا' پھر تینوں جگہوں سے پیسے کمائے' ہاں لیکن اس طرح مولیا کسی مخالف کی

نوکرانی کے سامنے حالم کے نام کا کاغذ رکھ دے؛ ہرگز نہیں۔ اس لئے آج سے مولیا کلائنٹ لسٹ سے آؤٹ ہوگیا۔"

فربیہ عورت نے افسوس سے گہری سانس کھینچی۔ "ویسے تو میرا ذاتی خیال ہے کہ مولیا جیسے ناکارہ آدمی کو ہر اس درخت سے معافی مانگنی چاہیے جو اس کے لئے دن رات آکسیجن پیدا کرتا ہے؛ لیکن اس کو کلائنٹ لسٹ سے خارج کر کے مجھے افسوس ہوگا۔ ایک کلائنٹ کم ہوگیا۔"

"اونہوں۔ ڈونٹ وری!" تالیہ نے ہاتھ جھلا کے بے فکری سے کہا۔ "میں نے تنکو کامل کے سامنے حالم کا نام لے لیا ہے۔ مستقبل میں ہم ان کے لئے ایسا مسئلہ کری ایٹ کریں گے جس کو حل کرنے کے لئے وہ لازماً حالم کے پاس آئیں گے۔ پتہ ہے بہترین اسکام (فراڈ) کیا ہوتا ہے؟ جس میں ان مالدار لوگوں کو لگے کہ سب کچھ انہوں نے خود اپنی مرضی سے کیا ہے؛ سارا آئیڈیا انہی کا تو تھا۔ جیسے آج تالیہ بیچاری کی تو مرضی ہی نہیں تھی؛ مگر دونوں اطراف نے اسے مجبور کر دیا اتنے سارے پیسے کمانے پہ۔" وہ یاد کر کے پھر سے ہنسی اور سیب کو دوسری سمت سے دانت سے کاٹنے لگی۔ کاؤنٹر پہ وہ آلتی پالتی کیے بیٹھی بے فکر اور خوش باش نظر آتی تھی۔

"سوپ پارلر چھوڑ آئی ہونا؟" موٹی عورت نے بیگ اٹھا کے میز پہ رکھا اور پھر سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں.....وہاں کچھ چھپایا جو نہیں تھا۔ اب تو اداکاری کر کر کے تنگ آگئی تھی۔ آج تو اپنے فرضی بھائی کو فوجی بنا دیا میں نے حالانکہ جو کہانی میں نے تالیہ کی لکھی تھی اس میں وہ نرس تھا۔ لیکن پتہ ہے کیا....." وہ چھت کو دیکھتے ہوئے اداسی سے مسکرائی۔

"اس کردار کا نام ان تین ماہ کے لئے میں نے تالیہ مراد ہی رکھ لیا تھا۔ اپنا اصل نام۔ اچھا لگتا تھا اپنے نام کے ساتھ ایماندار؛ سچی کے القابات سننا۔ مگر ان بے چاروں کو کیا معلوم کہ میں ایک کرمنل؛ جھوٹی؛ چور اور دھوکے باز ہوں۔" اس نے نگاہیں نیچے کیں اور اپنی دوست کی موٹی سیاہ آنکھوں میں دیکھا۔ اس نے خفگی سے بھنویں بھینچیں۔

"تم ناخوش ہو اس حال میں کیا؛ تالیہ؟"

"ہرگز نہیں۔" وہ بے فکری سے ہنس دی اور شانے اچکائے۔ "ابھی تو ہم نے بہت سی چوریاں اور scams ایک ساتھ کرنے ہیں۔ ابھی تو ہمیں بہت بہت امیر ہونا ہے۔ میں نے کسی جزیرے پہ ایک محل خریدنا ہے.... جہاں میں ساری عمر عیش سے رہوں۔ ہماری ہر "جاب" ہمیں منزل سے قریب کرتی ہے۔ ہمارے خوابوں کی منزل سے۔ اور آج کی رات سیلبریشن کی رات ہے۔ تم کھانا بناؤ؛ میں فریش ہو کے آتی ہوں۔" سیب کا درمیانی حصہ بچا کے اس نے ٹوکری میں اچھالا اور کاؤنٹر سے نیچے زمین پہ اتری۔ پھر خیال آنے پہ پوچھا۔

"سی فوڈ کیوں نہیں بنا لیتیں تم آج؟ آخر اتنے دن تم نے میرے گھر کا خیال رکھا ہے؛ آج کیلیریز کی پرواہ کیے بغیر میں خوب کھانا چاہتی ہوں۔" وہ واقعتاً خوش لگتی تھی۔

"اوہ تالیہ!" موٹی عورت نے افسوس سے اسے دیکھا اور دھپ سے صوفے پہ گر گئی۔ "کیا تم نے کبھی ان جانوروں؛ ان مچھلیوں اور ان جھینگوں کی تکلیف کا احساس کیا ہے جن کو تم جیسے انسان ان کے خاندانوں سے چھین کر انہیں ذبح کر کے اپنے فریج میں چھپا لیتے ہو؟ کیا تم نے کبھی ان کے لاشوں کی کرب بھری پکار سنی ہے جو چاہتے ہیں کہ ان کو جلد از جلد فنا کیا جائے؟"

''نہیں لیکن تم شاید پچھلے اتنے دن میرے گھر میں یہی کرتی رہی ہو ٔ ہے نا؟''

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی' چہرے پہ غصہ در آیا۔ جارحانہ انداز میں آگے بڑھی اور فریزر کا دروازہ کھولا۔ صاف ستھرا تقریباً خالی فریزر.....

''اف!'' وہ غصے اور درد سے چلاتی واپس مڑی۔ ''تم میرا سارا راشن کھا گئیں؟''

موٹی عورت چہرے پہ سادگی سجائے ٹانگوں کی قینچی بنائے صوفے پہ بیٹھی اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''گو کہ تمہاری یہ ناشکری میری طبیعت پہ گراں گزر رہی ہے' لیکن میں تمہیں اس کے لئے معاف کر دوں گی۔ میں اس مرغی کی طرح ہوں جو ہمیشہ تمہارا خیال رکھے گی' اور تمہیں تمام جانوروں کی بد دعاؤں سے بچانے کے لئے اپنے پروں میں چھپا کے رکھے گی۔''

تالیہ نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ ''اتنی کالی براہلر مرغی پہلی دفعہ دیکھی ہے میں نے۔ ہونہہ!'' اور پیر پٹختی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

''ناشکری لڑکی۔'' وہ اس کے پیچھے تاسف بھری سانس کھینچ کر رہ گئی۔

☆☆==========☆☆

رات چند ساعتیں مزید آگے سرکی۔ تاریکی بڑھی۔ داغدار چاند کے آگے سے سارے بادل چھٹ گئے اور وہ حالم کے گھر کی کھڑکیوں سے صاف نظر آنے لگا۔ اپنے سارے عیوب' کالک اور چمک کے ساتھ..... عیاں اور واضح.....

لونگ روم میں اب اشتہا انگیز خوشبو پھیلی تھی۔ اوپن کچن جو سلور اور سیاہ رنگ میں آراستہ کیا گیا تھا' اس وقت کسی ریستوران کی طرح سجا نظر آتا تھا۔ مدھم زرد بتیاں جلی تھیں۔ میز پہ موم بتیاں روشن تھیں۔ وہ فربہ عورت' اپنے کھلے جھولے نما لباس کو سنبھالتی' کچن کے وسط میں رکھی مستطیل میز پہ برتن لگا رہی تھی..... جس پہ مختلف رنگوں اور شکلوں کے پکوان چن دیے گئے تھے۔ اس کا نام لیانہ تھا مگر تالیہ اس کو 'داتن' Datin کہتی تھی۔ (مالے اپنی دادی کو تعظیماً داتن کہہ کے مخاطب کرتے ہیں۔)

دفعتاً سیڑھیوں پہ آہٹ ہوئی تو اس نے چمچ کانٹے سجاتے گردن اٹھا کے دیکھا۔

تالیہ سیڑھیاں اترتی چلی آ رہی تھی۔ کندھوں تک آتے سیاہ سیدھے بال گیلے تھے اور چہرہ دھلا دھلایا' نکھرا ہوا تھا۔ آنکھوں کے سبز لینز اتار کے پھینک دیے تھے تبھی وہ سیاہ نظر آ رہی تھیں۔ وہ شب خوابی کے لباس کے طور پہ پہنے جانے والی رف ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس تھی مگر ریلنگ پہ ہاتھ رکھ کے' گردن اٹھائے' کندھے سیدھے رکھے' نیچے اترنے کا انداز شاہانہ تھا۔ سیڑھیوں کے اختتام پہ تالیہ مراد رکی۔ آنکھیں بند کیں اور چھوٹی سی ناک سے سانس اندر کھینچی۔ پھر آنکھیں کھول کے مسکرا دی۔

''میرا فیورٹ سی فوڈ اور سوشی!! ہے نا؟''

''ہاں۔ یہ سب میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔'' داتن نے کسی شیف کی طرح سینے پہ ہاتھ رکھے' گردن جھکا کے کہا۔ تالیہ رکی۔ آنکھوں میں ستائش ابھری۔ ''واقعی؟''

''ظاہر ہے' نہیں۔ تمہارے پسندیدہ ریستوران سے آرڈر کیا ہے۔'' داتن نے بھنویں اچکا کے شان بے نیازی سے کہا اور کرسی پہ بیٹھ گئی۔

تالیہ ہنس دی۔ ''تم بھی نا۔'' سر جھٹکتے ہوئے اس نے دوسری کرسی کھینچی۔ اب وہ دونوں مدھم روشنیوں میں... موم بتیوں سے سجی میز پہ آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔

''اب تنگو کامل کے Scam سے Exit ہونے کا وقت آگیا ہے تالیہ۔ آخری اسٹیپ کب کرنا ہے؟'' داتن نے کھانا نکالتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا۔

''ہر اچھے اسکام کا سب سے اچھا اصول یاد ہے' داتن؟ ہر اسٹیپ ایسا ہونا چاہیے کہ وہ سامنے والے کو اپنا آئیڈیا معلوم ہو۔'' وہ چاول پلیٹ میں نکالتے ہوئے سمجھداری سے کہہ رہی تھی۔ گیلے بال چہرے کے دونوں اطراف سیدھے گر رہے تھے اور پانی کے چند قطرے گالوں پہ پڑے تھے۔ نظریں کھانے پہ جھکی تھیں۔

''اسٹیپ ون۔ مجھے لیپ ٹاپ کو تلاش کروانے کے بہانے تنگو کامل سے اپنی موجودگی میں لاکر کھلوانا تھا تاکہ میں اس کا کامبینیشن دیکھ سکوں۔ یونو' وہ UL کلاس 360 کا سیف ہے' اور اس کو کھولنے میں بہت وقت لگتا تھا لیکن خوش قسمتی سے اس نے میرے سامنے لاکر کھولا اور میں نے اس کا کامبینیشن معلوم کرلیا۔''

''اس نے تمہیں کوڈ دیکھنے دیا؟'' سوال پہ تالیہ نے چمکتی نگاہیں اٹھائیں۔ اور مسکرائی۔ ''نہیں میں اس کے سامنے کھڑی تھی' وہاں سے لاکر نہیں نظر آتا تھا لیکن اس کے پیچھے بک ریک کے گلاس ڈور میں عکس دکھائی دے رہا تھا۔'' وہ کہہ کے خود ہی ہنس دی۔ پھر یاد آیا۔ ''مسز کامل کی تمام جیولری کی میں نے تصاویر تمہیں دی تھیں' تم نے ان کی نقل تیار کرلی؟''

''کیسے نہ کرتی؟ ایک تصویر ایک ہزار الفاظ پہ بھاری ہوتی ہے' اور وہ زیورات تصاویر میں ہی مجھ سے درخواست کر رہے تھے کہ میں ان کو اپنی ملکیت میں لے لوں۔'' داتن چاولوں کا چمچ بھر بھر کے کھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اچھا میں بتانا بھول گئی۔ اس میں جو تیارا (تاج) تھا' اس کو ہم نے نہیں چرانا۔ وہ مسز کامل کی والدہ کی نشانی ہے' اور اس کے کھو جانے پہ ان کا دل دکھے گا۔''

''مگر تالیہ وہ اچھا خاصا مہنگا ہوگا یار۔''

''Honour among thieves, Datin !''

اس نے اسٹکس کی مدد سے مچھلی کا ٹکڑا اٹھاتے ہوئے یاد دہانی کروائی۔ داتن نے افسوس سے کندھے اچکا دیے۔

''اگلا اسٹیپ۔'' وہ واپس پلان تک آئی۔ ''اتوار کی رات تنگو کامل کے گھر کوئی خاص مہمان آرہے ہیں۔ میں تقریب سے پہلے سیکیورٹی کیمراز ڈس ایبل کردوں گی اور موقعے کا فائدہ اٹھا کے تمام نقلی جیولری کو ان کے سیف میں ڈال دوں گی اور اصل نکال لوں گی۔ پھر اسی وقت میں کسی مہمان کے ساتھ بدتمیزی کروں گی یا کوئی احمقانہ حرکت جس کے اوپر مجھے نوکری سے جواب دے دیا جائے گا۔ یوں ایسا

لگے گا کہ انہوں نے اپنی مرضی سے مجھے نکالا ہے۔اور چند ماہ تو لگیں گے ان کو اندازہ کرنے میں کہ جو جیولری وہ پہن رہی ہیں وہ نقلی ہے' تب تک میرا نام ونشان بھی وہ لوگ بھلا چکے ہوں گے۔''

''میری forgeries اتنی جلدی نہیں پکڑی جاتیں تالیہ۔یاد ہے وہ انڈونیشین ایکسپورٹر جس کی گھڑی چرائی تھی ہم نے؟ اس نے پورے سال بعد جا کر تھانے میں درخواست دی تھی' وہ بھی سنار کے خلاف کہ اس نے مجھے گھڑی ہی نقلی بنا کے دی ہے۔''

اور وہ دونوں ہنس پڑیں۔دفعتاً داتن کی مسکراہٹ مدھم ہوئی اور اس نے محویت سے اسے دیکھا جو ہنستے ہوئے کھانے پہ پھر سے چہرہ جھکا گئی تھی۔

''تم خود سے محبت کرتی ہو تالیہ؟''

تالیہ نے روشن آنکھیں اٹھائیں اور مسکرا کے داتن کو دیکھا۔''سب سے زیادہ۔''

''مگر تم اپنی عزت نہیں کرتی۔''

تالیہ کی مسکان مدھم ہوئی۔آنکھوں میں سایہ سا لہرایا۔

''میں ایک Scam آرٹسٹ ہوں داتن۔اسکام آرٹسٹ۔یہ ساری دولت میں نے لوگوں کو دھوکہ دے کر.....ان کو لوٹ کر کمائی ہے۔ میں اپنے آپ کو جانتی ہوں۔''

''تم کبھی کسی کو ہرٹ نہیں کرتیں۔تم لوگوں کا دل نہیں دکھاتیں۔کسی کو جسمانی ایذا نہیں پہنچائی۔ہم صرف میوزیمز اور امیر و کبیر دولتمندوں کو لوٹتے ہیں....اور پھر ہم وہ ساری دولت غریبوں کو دے دیتے ہیں۔''

''ہیں؟ کون سے غریب؟'' تالیہ حیران ہوئی۔

''لو۔ہم دونوں سے زیادہ غریب کون ہو گا سارے شہر میں۔ہم خود پہ خرچ کریں تو مطلب یہی ہوا نا کہ غریبوں پہ خرچ کی دولت۔''

تالیہ زور سے ہنس دی۔''تم داتن کبھی نہیں بدلو گی۔مگر میں تمہاری طرح اپنے کام کو جسٹیفائی نہیں کرتی' لیکن مجھے یہ کام بہت پسند ہے۔ اور میں اس زندگی سے بہت خوش ہوں۔'' کہہ کر اس نے گلاس اٹھایا تو داتن نے مسکرا کے اپنا گلاس اس سے ٹکرایا۔

''گڈ گرل!'' پھر اس کا شفاف چہرہ دیکھتے ہوئے وہ گویا ہوئی۔

''سات سال گزر گئے تالیہ....سات سال پہلے ہم پہلی دفعہ ملے تھے یاد ہے؟'' اس پہ وہ اداسی سے مسکرائی۔

''ہاں۔اس سے پہلے میں کتنی مختلف زندگی گزار رہی تھی ۔لاہور میں اپنے پیرنٹس.....اپنے فوسٹر پیرنٹس کے ساتھ۔'' وہ موم بتیوں کو دیکھ کے آہستہ سے بولی۔میز پہ چنے کھانوں سے اڑتی بھاپ اور موم بتیوں کے شعلوں میں بہت سی یادیں گڈمڈ ہونے لگی تھیں۔

''تمہیں اپنے اصلی ماں باپ یاد نہیں؟''

''نہیں۔میری پہلی میموری گیارہ سال کی عمر کی ہے...آج سے سترہ سال پہلے....جب میں گیارہ سال کی تھی...میں کسی راہداری میں

چل رہی تھی....'' اس نے آنکھیں بند کیں۔ ''چرچ کے ڈیسک .... میں ان کے درمیان میں سے گزر رہی تھی.... میرا منہ میلا تھا.... لباس پھٹا پرانا تھا.... سینٹ پال چرچ.... ملاکہ.... (یہ شہر کوالالمپور سے ذرا فاصلے پہ واقع ہے۔)'' اس نے آنکھیں کھولیں۔ ''وہیں پہ میں پہلی دفعہ اسٹیٹ اتھارٹیز کو ملی تھی۔ انہوں نے مجھے یتیم خانے میں ڈال دیا' اور وہاں سے ایک کشمیری جوڑا مجھے ایڈاپٹ کر کے لے گیا۔ سب کہتے ہیں کہ میرے بارے میں کبھی کچھ پتہ نہیں چل سکا تھا۔ کون ہوں' کہاں سے آئی ہوں' کوئی ریکارڈ نہیں' کوئی نام نہیں۔''

''تمہارا نام کس نے رکھا تھا؟''

''یتیم خانے کی منتظم کہتی ہیں کہ میں نے ان کو اپنا نام تالیہ بتایا تھا۔ تالیہ بنت مراد۔ میرا لباس دیہاتی تھا' اور گندا میلا۔ بس یہ ایک نشان تھا میری گردن پہ۔'' اس نے انگلیوں سے گدی (گردن کے پچھلے حصے) سے نیچے چھوا۔ ''گول سا نشان جیسے کسی نے آگ سے داغا ہو۔ جیسے کوئی ٹیٹو ہو۔ کوئی مہر ہو۔ شاید کوئی حادثہ ہوا تھا میرے ساتھ جو میں ہر شے بھول چکی تھی۔'' وہ عام سے انداز میں بتا رہی تھی۔

''تمہیں کوئی لینے بھی نہیں آیا؟''

''اونہوں۔'' اس نے چاول کھاتے ہوئے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ ''اس علاقے میں دور دور تک کسی کا بچہ نہیں کھویا تھا۔ کسی نے مجھے Claim ہی نہیں کیا۔''

''لیکن تمہارے فوسٹر پیرنٹس تو بہت برے نکلے۔'' داتن ناپسندیدگی سے بولی تھی۔ تالیہ کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ بکھر گئی۔

''ہاں انہوں نے مجھے ایڈاپٹ تو کر لیا کیونکہ یہاں جاب تھی ان کی اور ان کو ایک نوکرانی چاہیے تھی' لیکن یہاں پھر بھی وہ بہتر تھے۔ پاکستان جا کر انہوں نے مجھے واقعتاً ملازمہ بنا لیا۔ اگر بچپن سے مجھے پیسوں اور کھانے کے لئے چھوٹی چھوٹی چوریاں اور بڑے بڑے جھوٹ نہ بولنے پڑتے تو میں شاید ایسی کبھی نہ ہوتی۔''

''چلو' کم از کم یہاں آ کر ان کی نوکری سے تو جان چھوٹی تمہاری۔''

''وہ بھی اس لیے کہ میں ان کی بیٹیوں کے رشتے کی راہ میں رکاوٹ بن رہی تھی۔ اس لئے انہوں نے میرج بیورو سے جو پہلا رشتہ ملا' مجھے نپٹا دیا۔ مگر میں بھی خوش تھی داتن کیونکہ رشتہ ملائیشیا کا تھا۔ یونو.... جان چھٹ جاتی اس فیملی سے۔ خوش شکل لڑکا تھا.... اتنا امیر.... اسکائپ پہ نکاح ہوا.... میں کتنی بے وقوف تھی نا۔'' وہ پھر سے ہنسی.... ''مجھے لگتا تھا یہاں آ کر میں خوش ہو جاؤں گی کیونکہ یہ میرا ملک ہے۔ ٹھیک ہے مجھے اپنا آپ لاہوری لگتا رہا ہے ہمیشہ مگر میری اصل قوم تو مالے تھی نا۔ اور انہی خوابوں کے ساتھ میں یہاں آئی تھی۔ لیکن ایئر پورٹ پہ....''

اس کی آنکھوں میں تکلیف سی لہرائی۔ کانٹا پلیٹ میں گرا دیا۔ داتن خاموشی اور اداسی سے بہت دفعہ کی سنی ہوئی کہانی سننے لگی۔

''ایئر پورٹ پہ اترتے ہوئے پہلی دفعہ میں نے پہلا وژن دیکھا تھا۔ جاگتی آنکھوں سے پہلا خواب۔ جیسے ایک دم آنکھوں کے سامنے منظر بدل جائے اور ایک منظر سا چلنے لگے۔ مجھے وہ وقت کبھی نہیں بھولتا.... میں نے دیکھا کہ میں ایک بھاری تھیلا کندھے پہ اٹھائے کانٹوں پہ چلتی جا رہی ہوں جس میں سے سونے کی اشرفیاں جھلک رہی ہیں۔ بس لمحے بھر کا منظر تھا اور غائب۔ وہ مجھے ریسیو کرنے آنے والا تھا۔

میرا کاغذی شوہر اور میں ائیر پورٹ کے وسط میں ہکا بکا کھڑی تھی۔ اور تم داتن..... تم تب ائیر پورٹ پہ ملازمہ تھیں۔ ایسی ہی موٹی اور کالی سی تھیں۔ مگر دکھی سی۔ میں گرنے لگی۔ تم نے مجھے سہارا دیا۔ مجھے باتھ روم تک لے گئیں۔ پانی پلایا۔ یاد ہے میرے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ میں نے تمہیں وہیں روک لیا۔ اور اپنا بیگ دیکھا۔ وہ بری میں آیا تھا اور اسکائپ سے میاں صاحب کا حکم جاری ہوا تھا کہ یہی بیگ ضرور ساتھ لاؤں۔ بس ایک بیگ..... میں نے وہیں اسے کھولا تھا..... تمہارے سامنے..... اور یاد ہے اس میں کیا تھا؟'' وہ زخمی سا مسکرائی۔

''نوٹوں کے بنڈل!''

''میں کتنی بے وقوف تھی۔ منی لانڈرنگ کی کوریئر گرل کے طور پہ استعمال ہو رہی تھی اور مجھے معلوم بھی نہ ہوا۔ کب میرا بیگ لاہور ائیر پورٹ پہ تبدیل ہوا' کوئی ہوش ہی نہیں تھا مجھے۔ اگر تم اس وقت میری مدد نہ کرتیں اور اس بیگ کے ساتھ ائیر پورٹ سے نکلنے میں میری مدد نہ کرتیں تو میں پتہ نہیں کہاں ہوتی۔''

''میرا کیا کام تالیہ۔ میں تو خود اولاد کے ہاتھوں اولڈ ہوم کی طرف دھکیلی جانے والی عورت تھی۔ بڑی دکھی رہتی تھی میں ان دنوں۔ ہائے۔'' اسے اپنے دکھ یاد آ گئے۔ ''لیکن یہ تمہاری آنکھیں تھیں جن پہ میں نے بھروسہ کیا۔ ان کی چمک مجھے سچی لگی اور مجھے محسوس ہوا کہ تم بے قصور ہو۔ ویسے کتنی زیادہ رقم تھی نا اس بیگ میں' یاد ہے تالیہ' کاش رکھ لیتے۔''

''کیسے رکھ لیتے' موٹی خاتون؟'' وہ غصہ ہوئی۔ ''اسی رقم کو حربہ بنا کر تو ہم نے میرے اس شوہر کو ڈھونڈا اور اس سے طلاق کے پیپرز لیے تھے۔ مگر خیر.....'' اس نے آخری نوالہ لیتے ہوئے گہری سانس لی۔ ''اس فراڈ آدمی نے مجھے ایک سبق تو سکھا دیا تھا کہ پیسے کمانے کے لیے کسی کو دھوکہ کیسے دیا جاتا ہے۔ اور دیکھو آج چھوٹی بڑی چوریاں کر کے ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔ انٹرنیٹ اسکام سے شروع کیا گیا سفر آج ہمیں کتنا بڑا اسکام آرٹسٹ بنا چکا ہے۔'' (اسکام آرٹسٹ بنیادی طور پہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو لوگوں کے لالچ کو ان کے خلاف استعمال کر کے ان سے مال لوٹ کر فرار ہو جاتے ہیں۔ اور عموماً ایسے کاموں کے کرنے کا لالچ دیتے ہیں جو قانونی نہیں ہوتے یعنی دھوکہ کھانے کے بعد لوٹا گیا شخص پولیس کے پاس نہیں جا سکتا۔ جیسے کسی بندے کو قتل کرنے کے لیے پیسے ایڈوانس میں بٹورنا اور پھر غائب ہو جانا۔)

''تمہیں ملائیشیا آنے سے پہلے کبھی اس طرح وژن یا سچے خواب نہیں نظر آئے تھے تالیہ؟''

''نہیں۔ پہلی دفعہ ائیر پورٹ پہ ہی نظر آیا تھا اور پھر کبھی وہ سلسلہ تھا ہی نہیں۔''

''اگر تمہارے خواب اور وژن ہمارا ساتھ نہ دیتے تو ہم اتنا کچھ نہیں کما سکتے تھے تالیہ۔ تم ایک Clairvoyant (جن کو مستقبل نظر آتا ہے) ہو۔ ایک Seer۔ تمہیں وقت سے پہلے بارش نظر آ جاتی ہے' کسی کی موت دکھائی دینے لگتی ہے..... کوئی حادثہ..... کوئی آفت..... مگر ان سارے چھوٹے چھوٹے وژن اور خواب ایک طرف..... اگر تم ان سات سالوں میں وہ دس بڑے خواب نہ دیکھتی تو ہم اتنے امیر نہ ہوتے۔''

''گیارہ!'' تالیہ نے نیپکین سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے تصحیح کی۔ ''تنگو کامل کو اپنا لیپ ٹاپ اور زیورات لاکر سے نکالتے دیکھا تھا میں

نے خواب میں.... تین ماہ پہلے.... جس کے بعد ہم نے اس پہ کام کرنا شروع کیا تھا' اور میں نے اس کے گھر ملازمت حاصل کی.... اس کو ملا کے گیارہ خواب ہوئے جو میں نے دولتمندوں کی تجوریوں اور میوزیمز کی قیمتی پینٹنگز اور آرٹ ورک کے بارے میں دیکھے تھے۔ جیسے قسمت مجھے خود بتا دیتی ہے کہ تالیہ' فلاں کے لاکر میں یہ سب رکھا ہے' اسے چرا لو۔ اور دس دفعہ ان کی مدد سے ہم نے کتنی دولت کمائی۔ اب دیکھو' گیارہویں دفعہ کامیاب ہوتے بھی ہیں یا نہیں۔ لیکن داتن....'' اس نے گہری آہ بھر کے چھت پہ لگی بتیوں کو دیکھ کے کہا۔ ''میں ایک بات سوچ رہی ہوں۔''

''کیا؟''

''میں اگلی دفعہ کوئی بڑی.... heist کرنا چاہتی ہوں۔ کوئی لمبا ہاتھ۔ ایک آخری جاب' جس سے کروڑوں کما لیں ہم اور پھر میں اس کام کو چھوڑ دینا چاہتی ہوں۔ پچھلے تین ماہ میں نے ایک سچی مگر بے وقوف لڑکی کا کردار کیا... اپنے اصل نام کے ساتھ.... مگر ان سب لوگوں سے اتنے اچھے الفاظ سن کر میرا دل چاہنے لگا ہے کہ میں یہ کام چھوڑ دوں۔ ایک آخری فراڈ.... ایک آخری چوری کے بعد....'' وہ چھت پہ لٹکتے لیمپ کو دیکھتے ہوئے مسکرا کے بولی تھی۔ اس کی چمکتی آنکھوں میں امید تھی' خوشی تھی۔ سادگی تھی۔

''تالیہ!'' داتن سنجیدگی سے آگے کو جھکی۔ ''پلان کیا گیا گناہ کبھی آخری گناہ نہیں بن سکتا۔ جس جرم سے پہلے تم سوچ لو کہ اسے آخری دفعہ کرنے جا رہی ہو' وہ جرائم کی زنجیر کی محض اگلی کڑی ہوتا ہے۔ اگلی چوری' اگلا گناہ۔ اس کے بعد مزید ایک اور ہوگا۔ پھر مزید ایک اور۔ جو لوگ چھوڑتے ہیں نا گناہ' وہ پچھلے گناہ کو آخری گردان کے چھوڑتے ہیں۔ لیکن میرے اور تمہارے جیسے لوگ.... تالیہ ہم چور ہیں اور ساری عمر یہی رہیں گے۔ ہم نہیں بدل سکتے۔ انسان نہیں بدلا کرتے۔''

تالیہ نے نگاہیں داتن کی طرف موڑیں تو ان کی جوت بجھ گئی تھی۔ ''ہم جب چاہیں یہ کام چھوڑ سکتے ہیں۔ ہم اچھے ہو سکتے ہیں۔''

''ہم پہلے ہی بہت اچھے ہیں تالیہ۔ مگر ہم اس کام کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ ہماری زندگیوں میں جھوٹ اور دھوکے بازی اس طرح رچ بس گئی ہے کہ ہم چاہیں بھی تو نہیں بدل سکتے۔ ہم نے ہمیشہ اسی طرح رہنا ہے۔''

''او کے! پھر میں اسی طرح خوش ہوں۔'' اس نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔ پھر نیپکین سے ہونٹ تھپتھپائے۔ ''اب میں سونے جا رہی ہوں۔ صبح کام پہ بھی جانا ہے۔ ویسے نوکرانی بننا بہت ہی روکھا پھیکا کام ہے۔'' وہ قدرے نروٹھے پن سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ داتن نے مسکرا کے اسے شب بخیر کہا۔ تالیہ جانے ہی لگی تھی کہ ٹھہری۔ آنکھوں میں شرارت سی چمکی۔ لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا۔

''میں نے کل رات ایک خواب دیکھا!''

داتن نے اطمینان سے اسے دیکھا۔ ''کالونی میں کون مرنے والا ہے؟ کس کا کتا بھاگنے والا ہے؟ کون اپنی بیوی کو دھوکہ دینے والا ہے؟''

''نہیں۔'' وہ نچلا لب دبا کے ذرا سی ہنسی۔ ''میں نے خود کو دیکھا۔ میں دو دریاؤں کے درمیان کیچڑ میں کھڑی ہوں اور میرے سامنے ایک

آدمی کھڑا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ اسے میری ضرورت ہے اور مجھے اس کی..... اور یہ کہ میں اس کے ساتھ رہوں۔'' داتن جو دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی آخر میں مایوس سی نظر آئی۔ ''اس میں اتنا خاص تو کچھ نہیں تھا۔''

''کیونکہ میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ آدمی کون تھا۔''

''کون تھا؟'' وہ چونکی۔ تالیہ نے اب انگلی دانتوں میں دبالی تھی اور کچھ یاد کر کے وہ پھر سے ہنسی تھی۔

''وہ مجھے کہہ رہا تھا..... کہ میں اس کے ساتھ رہوں.... اُف.... اُف۔'' اس کے چہرے پہ رنگ آ کے بکھرے تھے۔ داتن نے اچنبھے سے بھنویں بھینچیں۔

''مگر وہ تھا کون؟''

''اونہوں۔ اگر میں نے تمہیں بتا دیا تو تم مجھ پہ ہنسو گی۔ ایسا آدمی میرے خواب میں... اُف۔''

''اوہو کچھ تو بتاؤ۔ تم جانتی ہو اسے؟'' پھر وہ چونکی۔ ''شاید تم اسے پسند بھی کرتی ہو!''

''جانتی ہوں؟ پسند کرتی ہوں؟'' وہ جیسے محظوظ ہوئی۔ ''پیاری داتن... اس کو سارا ملائیشیا جانتا ہے... اور پسند؟ اونہوں۔ اس سے سارا ملائیشیا عشق کرتا ہے، عشق! گڈ نائٹ۔'' اور وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ داتن اسے پکارتی رہ گئی مگر اب وہ ہاتھ ہلاتی، سرنفی میں ہلاتی زینے چڑھتی جا رہی تھی۔

''کون ہو سکتا ہے؟'' وہ اپنے موٹے موٹے ہاتھوں پہ چہرہ گرائے مشکوک نظروں سے اسے جاتے دیکھے گئی۔

☆☆=========☆☆

دو دریاؤں کے سنگم پہ وہ دونوں اسی طرح کھڑے تھے۔ بارش تڑا تڑ برس رہی تھی۔ وہ دونوں بھیگے ہوئے تھے۔ پاؤں کیچڑ میں پھنسے ہوئے تھے۔ وہ اوپر دیکھ رہی تھی جہاں سرخ پروں اور سنہری ٹانگوں والا پرندہ اس آدمی کے سر کے عین اوپر فضا میں چکر کاٹ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نیلے ہیروں کی طرح چمک رہی تھیں۔

''میرے ساتھ رہو۔'' آواز پہ تالیہ نے نظریں پھیریں۔ وہ بھیگی کھڑی تھی۔ سنہری بال موٹی گیلی لٹوں کی صورت چہرے کے اطراف میں گر رہے تھے۔

''میرے ساتھ رہو۔'' وہ اب ٹائی نوچ کے اتار رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی شرٹ کا کف کھولا۔ اور آستین پیچھے موڑی۔ نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔ اسی طرح اس نے دوسری آستین تہہ کی۔ پھر زمین پہ جھکا اور مٹی میں کیچڑ اٹھایا اور سیدھا ہوا۔ مٹھی اس کی طرف بڑھائی۔

تالیہ نے دیکھا.... اس کی ہتھیلی میں کیچڑ کے اوپر ایک سنہری چابی دمک رہی تھی۔

''میرے ساتھ رہو۔'' وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی۔

بیڈروم میں اندھیرا تھا۔ تالیہ نے چند لمحے پلکیں جھپکا کے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر اسی طرح لیٹے لیٹے آنکھیں بند کر دیں اور دوبارہ سے سو گئی۔

چند گھنٹے بیتے اور صبح پوری طرح پھیل گئی۔ لاؤنج خاموش پڑا تھا۔ اوپن کچن کی میز پہ ناشتہ شیشے کے برتنوں میں ڈھکا ہوا لگا پڑا تھا۔

وہ زینے اترتی نیچے آئی تو ملازمہ کے یونیفارم میں ملبوس تھی۔ آنکھیں سبز تھیں۔ اور چہرے پہ بلا کی مسکینیت طاری تھی۔ لاؤنج میں رک کے اس نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔ ''داتن؟''

''نیچے ہوں۔'' آواز پہ وہ گہری سانس لیتی ایک دروازے کی طرف آئی۔ دیوار میں نصب چوکھٹے پہ اپنا انگوٹھا رکھا۔ خودکار آلے نے اس کی تشخیص کی اور دروازہ کھل گیا۔ آگے سیڑھیاں تھیں جو مزید نیچے جاتی تھیں۔ وہ زینے اترنے لگی۔

نیچے کھلا سا کمرہ تھا۔ دیواروں پہ مختلف پینٹنگز اور آرٹ ورک سجایا گیا تھا۔ چند ڈبے بند رکھے تھے۔ وسط میں بڑی میز تھی جس پہ چند مشینیں پڑی تھیں اور داتن حفاظتی گلاسز لگائے' گلوز پہنے' ایک گن نما آلے سے ایک نیکلیس پہ کام کر رہی تھی۔

تالیہ اس کے قریب آرکی اور تنقیدی نظروں سے سارے زیورات کو دیکھا۔ پھر ایک انگوٹھی کو اٹھا کے اوپر روشنی میں کر کے دیکھنے لگی۔

''پرفیکٹ۔'' اس نے انگوٹھی واپس ڈال دی۔

''بس یہی زیورات ہیں مسز کامل کے پاس؟'' داتن نے ایک نظر ان تھوڑے سے زیورات کو دیکھ کے کہا۔

''ہاں... لاکر میں کل چودہ Pieces ہیں۔ تاج کی نقل نہیں تیار کرنی۔ میں باقی تیرہ پیس اٹھاؤں گی۔'' وہ کہہ کے جانے لگی۔

داتن جو زیور پہ جھکی تھی' چونک کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''چودہ کیسے؟ تم نے صرف تیرہ کی تصاویر بھیجی تھیں۔ تاج نکال دو تو پیچھے بارہ بچ گئے۔''

تالیہ ٹھہری۔ واپس گھومی۔ زیورات سامنے پڑے جگمگا رہے تھے۔ پھر سے ان کو گنا۔ ذرا سی الجھی۔ ''نیکلیس' کڑے' بندے' انگوٹھیاں۔ یہ ہوئے بارہ پیس۔ مگر مسز کامل کے تمام زیورات جو لاکر میں تھے میں نے ان کی گنتی کی تھی تو وہ چودہ پیس تھے۔''

''تم نے پہلی دفعہ لاکر اندر سے کب دیکھا تھا؟''

''ایک ماہ پہلے جب میں نے مسز کامل کی انگوٹھی چھپا دی تھی اور ان کو میرے سامنے لاکر کھولنا پڑا تھا' تب میں نے سارا لاکر دیکھا تھا۔ کوڈ اس لیے نہیں دیکھ سکی تھی کہ مجھے انہوں نے لاکر کھولنے کے بعد بلایا تھا۔'' وہ الجھ کے انگلیوں پہ گننے لگی۔ ''کل بھی جب تنکو کامل نے میز پہ زیورات کے ڈبے رکھے تو میں نے گنے تھے' دو' پانچ... تیرہ...'' وہ بڑبڑاتے ہوئے گننے لگی۔ مگر گنتی پوری نہیں پڑ رہی تھی۔

''ہو سکتا ہے تم بھول رہی ہو۔ ٹوٹل تیرہ ہی ہوں۔''

''تالیہ کچھ نہیں بھولتی۔'' وہ تیزی سے آگے بڑھی اور ایک دراز کھولا۔ چند کاغذ الٹائے پلٹائے۔ ایک فولڈر نکالا۔

''جب مسز کامل نے میرے سامنے لاکر سے زیور نکالا تھا تو میں نے اپنے بلاؤز بٹن کے کیمرے سے اس کی ہائی کوالٹی تصاویر لی تھیں۔'' وہ فولڈر کھولتے ہوئے صفحے تیز تیز پلٹا رہی تھی۔

''اور تم نے مجھے تیرہ تصاویر دی تھیں تالیہ۔ وہ میرے گھر پڑی ہیں۔''

''میرے پاس اوریجنل ہوں گی۔ ایک منٹ۔'' اس نے وہ فولڈر رکھا اور ایک دوسرا نکالا۔ پہلا صفحہ کھولا تو لبوں سے گہری سانس خارج ہوئی۔ ''یہ لو... یہ رہی تمام تصاویر۔ ان کو میلی کرو۔ ہم نے کون ساز یور مس کر دیا ہے۔''

داتن گھوم کے اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ عینک اتار دی اور اب وہ دونوں باری باری تمام پرنٹ آؤٹس متعلقہ زیورات کے ساتھ رکھ رہی تھیں.... پانچ.... آٹھ.... بارہ.... تیرہ.....

''اوہ!'' آخری پرنٹ آوٹ سے متعلق کوئی زیور انہوں نے نہیں بنایا تھا۔ اسے دیکھتے ہی تالیہ کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔

وہ گھڑی کے باکس کے جیسے شیشے کے ڈبے میں رکھا ایک سنہری سکہ تھا۔ پرنٹ آوٹ پہ اس باکس کی آگے پیچھے سے چار تصاویر لی گئی تھیں۔

''یہ تو کوئی اینٹیک ہے۔'' داتن قدرے جوش سے جھکی مگر تالیہ نے بے دلی سے کاغذ پرے کر دیا۔

''اوپر دیکھو کیا لکھا ہے۔ ''مظفر شاہ۔'' یہ ملاکہ سلطنت کے سلطان مظفر شاہ کے زمانے کا سکہ ہے۔ تنکو کامل کو آرٹ اور ہسٹری میں خاصی دلچسپی ہے۔ اس لیے انہوں نے اس کو سنبھال رکھا ہے۔''

''مگر ہم اسے کیوں نہیں چرا رہے۔''

''کیونکہ مظفر شاہ کے سکے آج کل کوالالمپور کے ہر مال سے ملتے ہیں اور سارے نقلی ہوتے ہیں۔ ابھی ان کے کونے کھرچو تو سفید رنگ نکلنے لگے گا۔ اور یہ بھاری ہوتے ہیں۔ جبکہ اصلی سکے اتنی aging اور oxidation کے باعث ہلکے ہونے چاہئیں۔ بالفرض یہ اصلی بھی ہو تو اتنی ویلیو نہیں ہے ان کی۔ رہنے دو بیچاروں کے پاس ان کا سکہ۔''

داتن نے ایک دوسری عینک اٹھائی اور اسے ناک پہ جما کے غور سے کاغذ پہ چھپی تصویر کو دیکھنے لگی۔

''یہ واقعی اصلی سکہ نہیں ہے۔'' وہ ناپسندیدگی سے بولی تھی۔ آج کل کے Forgers کو خدا کا کوئی خوف نہیں۔ ٹھیک ہے میرے جیسے اعلیٰ درجے کے نقالے نہیں تراش سکتے وہ' میں جانتی ہوں لیکن نقلی سکہ تیار کرتے وقت انسان کو چاہیے کہ ایک دفعہ اصلی سکہ بھی دیکھ لے کیونکہ مظفر شاہ کے اصل سکوں پہ ایک طرف ''مظفر شاہ ال سلطان'' اور دوسری طرف ''نصیر من الدنیا والدین'' (دنیا اور دین میں مددگار) لکھا ہوتا ہے۔ اس پہ تو دونوں طرف مظفر شاہ ال سلطان لکھا ہے۔''

داتن کے آخری فقرے پہ وہ منجمد ہو گئی۔ پھر اتنی تیزی سے گردن موڑی گویا برف چٹخی ہو۔

''دونوں طرف مظفر شاہ لکھا ہے؟'' اس نے کاغذ داتن کے ہاتھ سے جھپٹا۔ اور اس پہ بے قرار نگاہیں دوڑائیں۔

''میں نے ایسا سکہ پہلے بھی دیکھا ہے۔ ہماری ایک واردات والی جگہ پہ یہ تھا مگر میں نے اسے تب بھی چھوڑ دیا تھا۔''

''ہاں مجھے یاد ہے۔ نیشنل ہسٹری میوزیم میں۔ ہے نا؟ میں نے بھی دیکھا تھا۔'' تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''نہیں.....میں نجیب بن سلامت کی بات کر رہی ہوں۔ پچھلے سال جب میں نے اس کی پرائیوٹ آرٹ کلیکشن کے بارے میں وژن دیکھا تھا اور ہم نے ان کے ذاتی سیف میں نایاب اینٹیک برتن چرائے تھے۔تب ایسا سکہ وہاں بھی تھا۔''

''یقیناً ہوگا مگر تین سال پہلے جب تمہارے ہی ایک خواب پہ ہم نے نیشنل ہسٹری میوزیم والی واردات کی تھی' تب یہ وہاں ڈسپلے تھا۔مگر میں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔''

تالیہ نے کرسی کھینچی اور وہیں بیٹھ گئی۔اس کی آنکھوں میں شدید الجھن تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟ایک جیسے بہت سے سکے مارکیٹ میں ہوتے ہیں۔''

''نہیں۔کچھ غلط ہے اس سب میں۔''اس نے نفی میں سر ہلایا۔''ہمارے سامنے یہ سکہ تیسری دفعہ آرہا ہے مگر ہم نے اسے نہیں چرایا۔''

''ہم واردات کی جگہ سے چند چیزیں ہی چراتے ہیں' ہر چیز تو نہیں اٹھا سکتے نا تالیہ۔''

''بات یہ نہیں ہے۔مسئلہ یہ ہے کہ پچھلے سال ایسا ہی سکہ نجیب بن سلامت کے پاس تھا۔اس کا باکس بھی یہی تھا۔داتن.....نجیب بن سلامت ہماری وجہ سے دیوالیہ ہو گیا تھا اور اس نے اپنی بہت سی آرٹ کلیکشن کو آکشن پہ ڈال دیا تھا۔اس کا ریکارڈ پبلک ہوگا ذرا معلوم کرو یہ سکہ اس آکشن میں تھا یا نہیں؟''

''مگر کیوں؟''

''کیونکہ تنگو کامل اور نجیب بن سلامت دوست ہیں اور میں نے مسز کامل سے سنا تھا کہ جب نجیب پہ برا وقت آیا تھا تو تنگو کامل نے اس کی مدد کی تھی۔اس کی آکشن سے کوڑیوں کے بھاؤ ملنے والی چیزیں مہنگی خرید کے۔کچھ پینٹنگز اور....''اس نے کاغذ اٹھا کے دیکھا۔''شاید یہی سکہ۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ یہ ایک جیسے بہت سے سکے نہیں ہیں بلکہ یہ ایک ہی سکہ ہے جو بار بار تمہارے خواب میں آتا ہے؟''

''ہاں۔میرے گیارہ خواب.....بلکہ بارہ.....ان میں سے تین میں یہ سکہ تھا۔شاید مزید میں بھی ہو مگر اس کے ساتھ رکھے جواہرات' زیورات' پینٹنگز اور نادر اشیاء نے میری آنکھوں کو ہمیشہ اتنا خیرہ کر دیا کہ میں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔''وہ حیران پریشان نظر آرہی تھی۔

''میں اس سکے کا ریکارڈ ٹریس کرنے کی کوشش کرتی ہوں' لیکن اگر تم یہ کہہ رہی ہو کہ یہ ایک سکہ پچھلے کئی سال سے ایک شخص سے دوسرے کی تحویل میں جا رہا ہے اور قسمت تمہیں بار بار خواب میں اشارہ دے رہی ہے کہ اسے حاصل کرو تو یہ بہت عجیب بات ہے۔''

مگر وہ کسی سی خلاء میں دیکھ رہی تھی۔''میں ہمیشہ اپنے خوابوں کی تعبیر غلط کرتی ہوں۔کسی کو پانی میں ڈوبتے دیکھوں تو سمجھتی ہوں وہ مرنے والا ہے مگر چند دن بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کوئی اعلیٰ تعلیمی کامیابی ملی ہے کیونکہ پانی ''علم'' کا سمبل ہے۔کسی کا زیور چوری ہوتے دیکھوں تو سمجھتی ہوں کہ اس کے ہاں ڈاکہ پڑنے والا ہے مگر اس کو طلاق ہو جاتی ہے۔اور وہ گروسری اسٹور والی روز میری.....میں نے دیکھا اس کے

بازو میں سونے کا نیا کڑا ہے تو میں نے تمہیں کہا تھا کہ وہ امیر ہونے والی ہے مگر اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔غریب وہ ابھی بھی ویسی ہے۔میں ہمیشہ اپنے وژن یا خواب کی غلط تعبیر کرتی ہوں مگر ان بارہ خوابوں کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ میں نے درست سمجھے ہیں کیونکہ انہی کی وجہ سے ہم امیر ہوئے لیکن شاید وہ بھی میں نے غلط سمجھے تھے۔" اس کی رنگت تاریک پڑ رہی تھی۔داتن کو افسوس ہوا۔

"تم کام پہ جاؤ میں اس سکے کو ٹریس کرتی ہوں۔" اس نے اس کا سر تھپک کے تسلی دی تو وہ بے دلی سے اٹھی اور سر ہلا دیا۔پھر ٹھہری۔

"میں اتنے سال سمجھتی رہی ہوں کہ میری تقدیر مجھ سے یہی سب کچھ چاہتی ہے کہ میں چوری کروں۔یہ ان دیکھے کو دیکھنے کا تحفہ مجھے اسی لئے ملا ہے لیکن شاید ایسا نہیں تھا۔شاید میں نے اس تحفے کو غلط استعمال کیا۔" اس کی آنکھ کا کنارہ بھیگ گیا۔

"تالیہ۔" داتن نے آگے بڑھ کے اسے شانوں سے تھاما۔"ہم اس سکے کو ڈھونڈ لیں گے اور اس کو حاصل بھی کر لیں گے۔تم فکر نہ کرو۔اب کام پہ جاؤ اور مجھے میرا کام کرنے دو۔" تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑ لیں۔اسے کام سے دیر ہو رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

تنگو کامل کی رہائش گاہ پہ صبح صبح سے روزمرہ کے کام شروع ہو چکے تھے۔کچن میں تالیہ اور ایک دوسری ملازمہ کھڑی کام میں مصروف تھیں۔بٹلر ٹرالی کو اپنی نگرانی میں سیٹ کروا رہا تھا اور ساتھ میں فون پہ بات بھی کر رہا تھا۔ایسے میں تالیہ بے دھیانی سے جگ میں جوس انڈیل رہی تھی۔چہرے پہ ابھی تک وہی الجھن چھائی تھی اور ہاتھ سست پڑ رہے تھے۔مارے باندھے اس نے جگ کو ٹرے میں رکھا اور آگے بڑھ گئی۔

ڈائننگ ٹیبل پہ تنگو کامل سربراہی کرسی پہ بیٹھے خوش مزاجی سے دائیں ہاتھ جلوہ گر اپنی بیوی سے محوِ گفتگو تھے۔بچے بھی ناشتہ کر رہے تھے۔ایسے میں وہ جوس لے کر آئی تو دونوں میاں بیوی نے خوشگوار مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

"کیسی ہو تالیہ؟ اور تمہارے گھر والے کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں سب۔تھینک یو سر۔" اس نے ادب سے سر جھکایا۔

"میں بیگم سے کہہ رہا تھا کہ اس ماہ سے تالیہ کی تنخواہ بڑھا دی جائے۔"

"شکریہ سر!" وہ مصنوعی مسکراہٹ اور تشکر کے ساتھ بولی۔اور ان کے گلاس میں جوس ڈالنے لگی۔

"تالیہ مجھے مارکیٹ جانا ہے۔تم میرے ساتھ آؤ گی۔" مسز کامل نے کہا تو اس نے سر کو ادب سے خم دیا۔اور کچن میں آگئی تاکہ جلدی جلدی کام نپٹا لے۔

"آخر جمعے کو آ کون رہا ہے جس کے استقبال کے لیے اتنی تیاری ہو رہی ہے؟" وہاں کھڑی دونوں ملازمائیں نور اور تسنیم آپس میں بات کر رہی تھیں۔پھر اس سے بھی پوچھا۔"تمہیں کچھ معلوم ہے تالیہ؟"

''نہیں۔'' وہ سادگی سے کہہ کے برتن دھونے لگی۔ (میرے جیسی رچ گرل اس وقت ان کے جھوٹے برتن دھو رہی ہے' مجھے فی الحال یہی معلوم ہے۔) جلتے دل کے ساتھ اس نے سوچا تھا۔

کے ایل کا وہ بازار شام کے وقت متوسط طبقے کے لوگوں سے بھرا ہوا نظر آتا تھا۔ بھانت بھانت کی بولیاں۔ مختلف وضع قطع کے لوگ۔ اکثریت چینی نقوش والے افراد کی تھی اور خواتین کی ایک بڑی تعداد کس کے چہرے کے گرد لپٹنے والا حجاب لئے ہوئی تھی جس کو مقامی زبان میں.... tudung.... کہا جاتا تھا۔ بازار میں سرخ ٹائلز سے بنی روش تھی اور روش کے دونوں اطراف دکانیں اور ان کے آگے اسٹالز لگے تھے۔ برآمدوں میں کہیں کہیں چھتری تلے کرسیاں بھی بچھی تھیں اور لوگ کھا پی رہے تھے۔

ایسے میں تالیہ سامان کے شاپر اٹھائے مسز کامل کے پیچھے چلتی جا رہی تھی۔

''جو مہمان آ رہے ہیں' ان کے لیے چاول لے رہی ہوں۔ ان کو اچھا چاول بہت پسند ہے۔''

مسز کامل ساتھ میں تبصرہ بھی کیے جا رہی تھیں۔ وہ جیسے ان مہمانوں کے آنے پہ بہت خوش تھیں مگر ان کا نام کسی وجہ سے نہیں لے پا رہی تھیں لیکن شاید ان کا دل کسی سے شیئر کرنے کو بہت چاہ رہا تھا۔ تالیہ خاموش رہی۔ پھر یونہی پوچھا۔

''بچے بھی آ رہے ہیں ساتھ؟''

''نہیں۔ بس دونوں میاں بیوی آئیں گے۔ ویسے ان کے دو بچے ہیں۔'' پھر رک کے تصحیح کی۔ ''تین تھے۔ لیکن ان کی بیٹی آریانہ بچپن میں کھو گئی تھی۔ چیئر لفٹ سے گری تھی۔ لاش نہیں ملی مگر سب کو یہی لگا کہ وہ مر گئی ہے اس لیے قبر وغیرہ بنا دی تھی۔'' پھر وہ چپ ہو گئیں جیسے بہت زیادہ بول گئی ہوں اور ایک دکان کی طرف چلی گئیں۔ وہ گہری سانس لے کر پیچھے آئی۔

مسز کامل نے اعلیٰ درجے کے چاول نکلوائے اور ان کو ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگیں۔ تالیہ یونہی ان کے ہاتھوں کو دیکھے گئی۔ یک دم جیسے ساری آوازیں آنا بند ہو گئیں۔ مسز کامل کے ہاتھوں میں بھرے چاول دیکھتے ہی دیکھتے جلنے لگے۔ بس لمحے بھر میں وہ سب راکھ ہو گئے۔ اور ان کے دونوں ہاتھ کالک سے رنگے خالی رہ گئے۔

وہ چونکی۔ سماعت کھل گئی۔ آوازیں آنے لگیں۔ اس نے مسز کامل کے ہاتھوں کو دیکھا۔ وہاں کوئی راکھ نہیں تھی۔ وہ چاول اٹھا اٹھا کے چیک کر رہی تھیں۔ تالیہ نے ایک گہری سانس بھری۔

''میم۔'' اس نے ہولے سے ان کو پکارا۔ ''کل آپ کی کسی دوست کا فون آیا تھا میں بتانا بھول گئی۔''

''کس کا؟ کیا کہہ رہی تھی؟'' وہ چونک کے اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''نام نہیں بتایا مگر یہ کہا تھا کہ وہ ذرا مصروف ہیں' مگر میں آپ کو بتا دوں کہ آپ صدقہ دے دیں اور آگ وغیرہ سے احتیاط کریں کیونکہ انہوں نے آپ کے بارے میں برا خواب دیکھا ہے۔''

''کیا؟ کیا دیکھا ہے اس نے؟'' وہ بے چین سی ہو کے پوری اس کی طرف گھوم گئیں۔ دونوں اب کاؤنٹر سے ہٹ کے کھڑی تھیں اور

سرگوشیوں میں بات کر رہی تھیں۔

''یہ کہ آپ نے ہاتھوں میں چاول اٹھا رکھے ہیں اور وہ راکھ میں بدل جاتے ہیں۔ شاید آپ کو چولہے اور ہیٹر وغیرہ سے احتیاط کرنی چاہیے۔''

''اوہ تم نے اچھا کیا مجھے بتا دیا لیکن کون سی دوست تھی میری؟''

''نام نہیں بتایا لیکن کہتے ہیں برے خواب کا بار بار ذکر نہیں کرنا چاہیے اس لیے بہتر ہے کہ آپ بس صدقہ اور دعا وغیرہ کر دیں۔'' اس نے خوبصورتی سے بات کا رخ پھیرا تو وہ سر ہلا کے رہ گئیں۔ البتہ چہرے پہ بے پناہ پریشانی اُمڈ آئی تھی۔

(مجھے لگتا ہے آپ کے ہاتھ جلنے والے ہیں۔ یا آپ کے گھر کو آگ لگنے والی ہے۔ میں آپ کو نہیں بتا سکتی کہ یہ وژن میں نے دیکھا ہے نہ ہی یہ کہ میرے خواب ہمیشہ سچ ہو جاتے ہیں۔ اوہ میرے اللہ..... یہ تحفہ نہیں ہے..... یہ تو ایک curse ہے۔) ان کے ساتھ سر جھکائے بازار میں چلتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ ساتھ ہی بار بار ان کے ہاتھوں کو بھی دیکھ لیتی تھی۔ گوری کلائی میں انہوں نے خوبصورت سا سونے کا بریسلیٹ پہن رکھا تھا جس پہ ننھے ستارے جھول رہے تھے۔ تالیہ نے یونہی اپنی خالی کلائی کو دیکھا اور پھر ایک دم وہ ٹھٹھک کے رکی۔ ذہن کے پردے پہ ایک منظر لہرایا تھا۔

لاکر میں رکھی ڈبی اس میں سجا بریسلیٹ۔ وہ وہیں سن سی کھڑی رہ گئی۔ ایک دم ساری گتھیاں سلجھ گئی تھیں۔ پزل کے بہت سے ٹکڑے اپنے اپنے خانوں میں آ گرے تھے۔

☆☆=========☆☆

لائبریری کے اندر مقدس' بارعب سی خاموشی چھائی تھی۔ اونچے ریکس' کتابوں کی طویل الماریاں..... جگہ جگہ بچھی میزوں پہ مطالعے میں منہمک سے دکھائی دیتے لوگ..... کمپیوٹرز کے آگے بیٹھے کام کرتے اشخاص..... غرض معمول کا خاموش سا ماحول تھا۔

ایسے میں دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ اس نے صبح کے ملازماؤں والے لباس کے برعکس سرخ خوبصورت اور قیمتی فراک پہن رکھا تھا۔ کہنی پہ ڈیزائنر بیگ تھا اور سر پہ سفید کورا ہیٹ جس سے نکلتے سیاہ بال کندھوں پہ گر رہے تھے۔ دروازے پہ وہ رکی' ہیٹ کو ڈائمنڈ رنگ پہنی انگلی سے ترچھا کر کے سیاہ آنکھیں آس پاس دوڑائیں۔ ایک لائبریرین جو قریب سے کتابوں کی ٹرالی دھکیلتا گزر رہا تھا' اسے دیکھ کے رکا اور جھٹ سلام جھاڑا۔

''السلام علیکم۔ مس ساشا۔''

تالیہ نے شانِ بے نیازی سے سر کو خم دیا۔ پھر ادھر ادھر دیکھا تو وہ بولا۔

''مسز لیانہ اس طرف ہیں۔'' وہ ہلکا سا مسکرائی اور اسی طرح اٹھی گردن کے ساتھ آگے چلتی گئی۔

کونے میں ایک آڈیو روم تھا۔ شیشے کی دیواروں نے اسے مکمل بند کر رکھا تھا' گویا شیشے کا کوئی ڈبہ ہو۔ اندر تنگ سی جگہ پہ وہ پھنس کر بیٹھی

سیاہ موٹی عورت دکھائی دے رہی تھی۔عینک لگائے' بال جوڑے میں باندھے وہ کتابوں میں الجھی ہوئی تھی۔آہٹ پہ اس نے نظریں اٹھائیں تو دیکھا' تالیہ دروازہ کھولتی اندر داخل ہو رہی تھی۔

''اتنے سالوں سے یہاں کام کر رہی ہو داتن' اور ایک ڈھنگ کا آفس بھی نہیں دیتے یہ تمہیں۔'' وہ مسکراہٹ دبا کے کہتی سامنے کرسی کھینچ کے بیٹھی۔پرس میز پہ رکھا' اور ہیٹ کو مزید ترچھا کیا تو چہرہ اور سیاہ مسکراتی آنکھیں مزید واضح ہوئیں۔

''کیا نہ بنت دانش صابری کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ چاہے تو یہ پوری لائبریری خرید لے....'' خشمگیں نگاہوں سے اسے گھور کے وہ بولی تو تالیہ نے ابرو اونچا اٹھایا۔''پوری؟''

''چلو....آدھی سہی!'' داتن نے ڈھٹائی سے تصحیح کی' پھر ناک سے مکھی اڑائی۔''اور تمہاری یہ تنقیدی نظریں جو میرے اس کوزی آفس کو پچھلے بیس سیکنڈ سے ملامت کر کے میرے اوپر ترس کھا رہی ہیں نا' میں ان کو کھلے دل سے معاف کر دوں گی کیونکہ تم بھول رہی ہو کہ یہی وہ ڈبہ ہے جس میں بیٹھ کے ہم نے وہ تمام کام پلان کیے تھے جن کے باعث تم آج اس اونچے محل میں رہ رہی ہو۔''

''لگتا ہے بڑے زور کی لگی ہے۔چچ چچ۔'' تالیہ نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔داتن نے چبھتی نظریں اس پہ جمائے ناک زور سے سکوڑی۔

''میں Sun Tzu کی ماننے والی ہوں اور وہ کہتا تھا کہ جب امیر ہو تب غریب نظر آؤ اور جب غریب ہو تب امیر۔''

''اس نے یہ فقرہ طاقتور اور کمزور کے بارے میں کہا تھا۔''

''مگر اس کا مطلب یہی تھا جو میں نے بیان کیا ہے۔''

''اچھا چائے نہیں پلاؤ گی؟'' وہ بور سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔داتن نے افسوس سے اسے دیکھ کے گہری سانس بھری۔

''تمہیں معلوم ہے ایک چائے کے اندر موجود caffine انسان کو کتنے خطرناک اثرات سے دوچار کر سکتی ہے؟ بے شک Emperor shennong نے دعویٰ کیا تھا کہ چائے بہت سی بیماریوں کی دوا ہے لیکن وہ چونکہ ایک بادشاہ تھا' اس لئے اس پہ کبھی بھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ چائے کی زیادتی سر درد' Panic اٹیکس' بے خوابی' ہارٹ برن' متلی' ڈائریا اور کنفیوژن کا باعث بن سکتی ہے۔''

''اوہ اسی لئے جب تم میرے گھر آتی ہو داتن تو میری پتی سب سے پہلے ختم ہوتی ہے۔''

''میں ایک موذی چیز سے تمہیں چھٹکارا دینے کی اپنی طرف سے کوشش ہی کر سکتی ہوں تالیہ لیکن اگر تم اس زہریلے مادے کی محبت میں' اس کی ایڈکشن میں اتنی مبتلا ہو ہی چکی ہو تو میں اس سے زیادہ تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتی۔''

''اُف تم اتنی لمبی بات کیوں کرتی ہو داتن؟''

مگر موٹی عورت نے میز پہ رکھے ٹریولر مگ کا ڈھکن کھولا' اور پیچھے سے تھرماس اٹھا کر اس میں گرما گرم چائے انڈیلی۔تالیہ نے شکریہ کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ داتن نے تھرماس واپس رکھی' کرسی پہ پیچھے کو ٹیک لگائی' اور مگ سے گھونٹ بھر کے تسلی سے اسے

دیکھا۔ ''ہاں تو تم کیسے آئیں؟''

تالیہ نے گہری سانس لی' ایک چبھتی ہوئی نظر اس پہ ڈالی اور گویا ہوئی۔

''تمہیں معلوم ہے میں کیوں آئی ہوں۔''

''او کے!'' داتن نے مگ پرے رکھا' اور اپنا ٹیبلیٹ نکال کے اسکرین اس کو دکھائی' یوں کہ ٹیبلیٹ داتن کے ہاتھوں میں ہی تھا۔

''یہ ہے وہ سکہ۔'' وہاں ایک اعلیٰ کوالٹی کی تصویر نظر آ رہی تھی۔ تالیہ آگے ہوئی۔

''نامعلوم ذرائع سے یہ سکہ چند برس پہلے منظرِ عام پہ آیا تھا۔ تقریباً سترہ سال پہلے۔ یہ سلطان مظفر شاہ کے زمانے کے سکوں سے مختلف ہے لیکن ہر میوزیم اور ہر بیوپاری نے اس سے متعلق بہت سی کہانیاں سنائی ہیں' اور ہم دونوں جانتے ہیں کہ وہ سب جھوٹی ہیں۔ یہ سکہ زیادہ دیر کسی کے پاس ٹھہرتا نہیں ہے' یا بیچ دیا جاتا ہے یا تحفے میں دے دیا جاتا ہے یا نیلام ہو جاتا ہے۔ میں اس کا پورٹریل تو نہیں ڈھونڈ سکی لیکن پچھلے سات سالوں میں ہماری.....'' وہ رکی اور مناسب لفظ ڈھونڈا۔ ''گیارہ بڑی ''جابز'' (وارداتوں) میں سے پانچ میں یہ سکہ موجود تھا۔''

''اور باقی میں؟'' اس نے بے قراری سے کہتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھایا تا کہ ٹیب لے مگر داتن نے اسے پیچھے کر لیا اور خفگی سے بھنویں سکوڑیں۔ ''اگر تم چند لمحے کا سکوت اختیار کرو اور مجھے خود کو متاثر کرنے کا موقع دو تو میں تمہیں دکھاتی ہوں کہ بے شک باقی سات وارداتوں میں یہ سکہ موجود نہیں تھا مگر ان ساتوں جگہوں پہ جو چیزیں موجود تھیں میں نے ان کی لسٹ بنائی تو.....''

''تو کوئی اور چیز تھی جو ان ساتوں جگہوں پہ موجود تھی' ہے نا۔'' وہ تیزی سے بولی تو داتن نے لب بھینچ لئے۔ منہ کا ذائقہ تک خراب ہو گیا تھا۔ مگر ضبط کر کے کہنے لگی۔

''ہاں۔ میں نے سارا دن لگا کر کرائم سین فوٹوز اور اپنے ریسرچ ورک کو جو ہم نے واردات سے پہلے کیا تھا' اکٹھا کیا اور تمام فہرستوں کو کراس چیک کیا تو وہ ایک آئٹم تھا جو ان سب میں مشترک تھا۔ بوجھو کون سا؟''

''ملاکہ سلطنت کی ایک ملکہ کا سونے کا بریسلیٹ۔ ہے نا۔''

داتن کے کندھے ڈھیلے ہوئے' منہ کھل گیا۔ ''تمہیں کیسے پتہ چلا؟''

''چونکہ میں چائے بہت پیتی ہوں اس لئے میری یادداشت بہت اچھی ہے' اور آج مسز کامل کے ساتھ شاپنگ کرتے ہوئے ان کا بریسلیٹ دیکھ کے مجھے یاد آیا کہ ملاکہ سلطنت کی ایک ملکہ کا بریسلیٹ بھی میں نے انہی سات جابز میں سے دو تین میں دیکھا تھا مگر نظر انداز کر دیا کیونکہ مجھے وہ نقلی لگا تھا اور ہم ہمیشہ اصلی اور تاریخی آرٹ پہ ہاتھ صاف کرتے ہیں داتن! اور وہ مجھے تاریخی نہیں لگا تھا۔''

''اگر سب کچھ معلوم ہو گیا تھا تو میرے پاس کیوں آئی ہو؟'' داتن نے برا سا منہ بناتے ہوئے ٹیب زور سے بند کر کے میز پہ رکھا۔

''کیونکہ اگر تم نے سارا دن اس کام پہ لگایا ہے تو شاید تمہیں کچھ ایسا معلوم ہوا ہو جو مجھے نہ ہو سکا ہو۔'' اس پہ داتن کھلے دل سے مسکرائی۔

''ویسے میں غرور نہیں کرنا چاہتی لیکن تم متاثر ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ تالیہ بی بی کیونکہ نہ وہ سکہ کوئی سکہ ہے' نہ وہ بریسلیٹ کوئی

بریسلیٹ ہے۔ یہ دیکھو۔'' داتن نے ٹیب اسکرین اس کے سامنے کی تو وہ چونک کے آگے کو ہو کے دیکھنے لگی۔ وہاں ایک طرف سکے کی تصویر بنی تھی اور دوسری طرف ایک زنجیر والا بریسلیٹ بنا تھا جس کے اوپر سونے کی مستطیل ڈلی سی تھی جس کے آخر میں تین دانت بنے تھے۔

''بظاہر یہ ایک سکہ ہے اور وہ ایک بریسلیٹ لیکن اگر ان دونوں کو جوڑ دو تو....'' داتن نے مسکراتے ہوئے بٹن دبایا تو ایک اور امیج جنریٹ ہوا جس میں ان دونوں اشیاء کے کنارے ملے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ''یہ دیکھو کیا بنتا ہے۔''

''چابی۔'' وہ مسحور سی بولی۔ ''یہ ایک چابی کے دو ٹکڑے ہیں جس کے ساتھ زنجیر لگی ہے۔''

''ہاں۔ یہ ایک ٹوٹی ہوئی چابی ہے جس کو ہمیں ڈھونڈنا ہے اور تمہاری تقدیر بار بار تمہیں اس کی طرف لے جاتی تھی لیکن تم کبھی سمجھ ہی نہ سکی۔'' تالیہ کی آنکھوں میں چمک سی در آئی تھی۔

''سکہ نکالنا تو کوئی مسئلہ نہیں۔ کل تنکو کامل کے گھر کچھ خاص مہمان آ رہے ہیں' ڈنر کی افراتفری میں' میں زیورات ادل بدل کر کے سکہ نکال لوں گی۔ سکے کی کاپی ہم اس لئے تیار نہیں کریں گے کیونکہ بعد میں اگر ہمیں اس کو fence کرنا پڑے تو تنکو کامل یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ اس کے پاس بھی ویسا ہی سکہ ہے ورنہ ہمیں اس کی اچھی قیمت نہیں ملے گی۔ تم بریسلیٹ کو ڈھونڈو کہ یہ کس کے پاس ہے۔'' وہ دبے دبے جوش سے بولی تو داتن نے ٹیک لگائے لگائے پرسوچ ہنکارا ابھرا۔ پھر مگ کا ڈھکن ہٹایا تو چائے کی خوشبو بھاپ کے ساتھ اوپر اٹھنے لگی۔ اس نے مگ لبوں سے لگایا' گھونٹ بھرا' اور مگ نیچے کیا۔ اس دوران جیسے الفاظ جوڑے۔

''جتنا ان دو چیزوں کی ملکیت کی چھین کو میں نے دیکھا ہے تالیہ....ان دونوں کو کبھی کسی نے نہیں چرایا۔ ان کو یا مالک بیچ دیتا ہے یا کسی میوزیم کو عطیہ کر دیتا ہے۔ جہاں کسی آکشن پہ ان کو فروخت کر دیا جاتا ہے یا مالک خود ہی کسی دوست کو تحفہ دے دیتا ہے مگر۔'' پھر وہ چپ ہوئی۔ تالیہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی جس کے سامنے چائے کے بے رنگ دھوئیں کے مرغولے تیرتے دکھائی دے رہے تھے۔

''مگر ایک عجیب بات مجھے محسوس ہوئی ہے۔'' داتن نے کہنا شروع کیا۔

''میرا خیال تھا میرے ساتھ رہ کر تم نے عجائبات پہ حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔''

''ہاں' میرا ذہن ہر اس چیز کو مان سکتا ہے جس کو لوگ جھوٹ قرار دیتے ہیں کیونکہ ہماری حکومتیں اور ہمارے دانشور ہمیں ادنیٰ سمجھ کر ہم سے حقائق چھپاتے آئے ہیں۔ لیکن....یہ بات پھر بھی عجیب تھی کیونکہ میں نے نوٹس کیا کہ ہر وہ پرائیوٹ اونر جس کے پاس یہ سکہ یا یہ بریسلیٹ رہا ہے' اس کو کوئی بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔ کوئی بڑی موذی بیماری۔''

''ہو سکتا ہے یہ تمہارا وہم ہو داتن۔ چھوڑو ان باتوں کو۔ بس اس بریسلیٹ کو ڈھونڈو تا کہ ہم جلد از جلد اسے حاصل کر سکیں۔'' پھر خلاء میں دیکھتے ہوئے وہ گہری سانس بھر کے بولی۔ ''مجھے ایسا لگنے لگا ہے جیسے میں نے اتنے سال ضائع کر دیے۔ میں کل سے یہی سوچ رہی ہوں۔ میری قسمت مجھے اس چابی تک لے جانا چاہتی تھی اور میں دوسری چیزوں میں پڑی رہی۔ اس چابی کی قیمت ان سب سے زیادہ ہو گی۔ یقیناً۔

مجھے لگتا ہے داتن....'' اس نے پُرامید نظریں اس پہ جمائیں۔ ''یہ وہی بڑی 'جاب' ہے جس کا میں انتظار کر رہی تھی۔ میری آخری چوری۔ آخری Heist۔ وہ کیا کہتے ہیں 'Score of the scores'۔ اور اس سے میں اتنا کما لوں گی کہ پھر دوبارہ کوئی غلط کام نہیں کرنا پڑے گا۔''

''تالیہ....کوئی چوری ہماری آخری چوری نہیں ہو سکتی۔ ہم نہیں بدل سکتے۔ نہ کبھی بدلیں گے۔'' اس نے سمجھانا چاہا مگر وہ بضد تھی۔

''مجھے لگتا ہے میں بدل جاؤں گی۔ اس لئے اس چابی کو ڈھونڈو داتن۔ ایک آخری اونچا ہاتھ مار کے ہم کسی دوسرے ملک چلے جائیں گے۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں۔''

''پتہ نہیں کیوں میرا دل کہتا ہے کہ ہم اس کی کھوج نہ لگائیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کوئی بری شے ...کوئی بلا ہماری گھات لگائے نہ بیٹھی ہو۔'' وہ غیر آرام دہ نظر آ رہی تھی۔

''تم وہم کر رہی ہو یار۔ حوصلہ رکھو۔'' وہ ناک سے مکھی اڑاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ بیگ بھی اٹھا لیا۔ داتن نے سمجھ کے سر ہلا دیا۔

''اوکے' میں اسے ڈھونڈ دوں گی۔ مگر جو اس روز تم نے خواب دیکھا' تم نے بتایا تھا کہ اس میں بھی تم نے ایک آدمی کو کیچڑ میں لتھڑی چابی تمہاری طرف بڑھاتے دیکھا تھا۔'' یاد کرتے ہوئے وہ خود چونکی۔ ''کیا وہ یہی چابی تھی؟'' چائے کے مگ کا ڈھکن ہٹا تھا اور اس سے بھاپ ہنوز اڑ اڑ رہی تھی۔ تالیہ ٹھہر گئی۔ خود بھی جیسے وہ چونکی تھی۔

''ہاں۔ وہ یہی تھی۔'' اس نے ٹیبلیٹ اٹھا کے پھر سے اس چابی کو غور سے دیکھا۔ اسے کچھ یاد آیا تھا۔ ایک ننھی کلائی پہ بندھا بریسلیٹ۔ پزل کا ایک اور ٹکڑا عین اپنی جگہ پہ آ گرا تھا۔

''ویسے وہ آدمی کون تھا تالیہ؟'' داتن نے تجسس سے پوچھا مگر وہ سن نہیں رہی تھی۔ وہ کہیں اور گم تھی۔

''میں نے یہ بریسلیٹ دیکھ رکھا ہے پہلے۔ مجھے پتہ ہے یہ کس کا تھا۔'' پھر اس کے چہرے پہ سختی آ گئی۔ جیسے بے چینی اور دکھ کی ملی جلی کیفیت ہو۔ ''مسز ماریہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔'' اس نے ٹیبلیٹ پٹخا اور تن فن کرتی باہر نکل گئی۔ داتن حیرت سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

''اسے کیا ہوا؟''

☆☆=========☆☆

اگلی صبح جب کوالالمپور کی بلند بالا عمارتیں دھوپ میں سینہ تانے کھڑی تھیں' اور نمی سے بوجھل فضا نے ماحول میں حبس سا پیدا کر رکھا تھا' شہر کے ایک مفلوک الحال علاقے میں فلیٹ بلڈنگز کی بالکونیوں میں رسیوں پہ کپڑے سوکھتے دکھائی دے رہے تھے۔ اتوار کے باعث شاید ساری عمارت کی عورتوں نے واشنگ مشین لگا رکھی تھی۔ ایسے میں تالیہ بنت مراد ایک فلیٹ بلڈنگ کی گندی میلی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔

وہ مالے طرز کا حجاب پہنے ہوئے تھی۔ اسکرٹ اور لمبی قمیص جیسا لباس اور اس کے اوپر کس کے لیا گیا اسکارف جس پہ مزید ایک دوپٹہ پھیلا رکھا تھا۔ آنکھوں پہ نظر کا چشمہ لگا تھا اور وہ پہلے سے مختلف نظر آ رہی تھی۔ تیسری منزل کے ایک دروازے کے سامنے وہ رکی اور بیل

بجائی۔

”آ رہی ہوں۔“ عورت کی آواز سنائی دی جیسے وہ تکلیف میں آہستہ آہستہ چلتی دروازے تک آ رہی ہو۔ پھر دروازہ کھل گیا اور ایک ادھیڑ عمر عورت نظر آئی جس کا چہرہ کریلے کے خول کی مانند جھریوں زدہ تھا اور سفید سرمئی بال چوٹی میں گندھے تھے۔ نظر کے موٹے چشمے سے اس نے سامنے کھڑی لڑکی کے چہرے کو دیکھا تو چہرہ کھل اٹھا۔

”تا...تالیہ....آؤ آؤ۔ بڑے عرصے بعد آئیں تم....آ جاؤ...“ انہوں نے خوشی سے اسے راستہ دیا۔ وہ سلام کر کے سر جھکائے اندر داخل ہوئی۔ وہ تنگ و تاریک سا فلیٹ تھا۔ سامنے ایک لاؤنج نما چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں صوفے رکھے تھے۔ خاتون گھٹنوں کے درد کے باعث میڑھی سیدھی چلتی آگے آئیں صوفوں سے کپڑے ہٹائے اور بیٹھنے کو جگہ بنائی۔

”آؤ بیٹھو۔ آج مشین لگا رہی تھی تو سارا گھر کپڑوں سے بھرا پڑا ہے۔ حالانکہ ایک میرے کتنے کپڑے ہوتے ہیں۔ تم بیٹھو میں شربت لاتی ہوں۔“

”اوکے مسز ماریہ۔“ وہ مسکرا کے بیٹھ گئی۔ وہ گئیں تو اس کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہوئی اور اس پہ خفگی نظر آنے لگی۔ جسے اس نے پھر سے مصنوعی مسکراہٹ کے پردے میں چھپا لیا۔

کچھ دیر بعد وہ اس کے سامنے شربت کی ٹرے رکھ رہی تھیں۔ ”اتنا اچھا لگتا ہے تمہیں یوں دیکھ کے۔ ابھی تک سکول میں پڑھا رہی ہو؟“

”جی۔“ وہ مسکرا کے بولی۔ ”دینیات اور میتھس پڑھاتی ہوں۔“ وہ نظریں جھکا کے شرافت سے بولی تھی۔

”شوہر' بچے' سب ٹھیک ہیں۔“

”جی۔ بچے اسکول گئے ہوئے تھے تو میں وقت نکال کے آ گئی۔“ اسکام آرٹسٹ کی مسکراہٹ ویسی ہی سادہ تھی۔

”کبھی ان کو ساتھ بھی لے آؤ مجھ سے ملوانے۔ صرف تصویریں دکھائی ہیں تم نے اب تک۔“ انہوں نے شکوہ کیا۔

”بس جب آپ سے ملتی ہوں تو اپنا آپ بھی بچہ لگنے لگتا ہے۔ آپ یتیم خانے کی منتظم تھیں اور تین سال میرا وہاں خیال رکھا تھا آپ نے۔ آپ کے ساتھ بیٹھ کے پرانی باتیں یاد کرنے کا دل کرتا ہے مسز ماریہ۔“ بات موڑ دی۔

”خوش رہو' جیتی رہو۔“ انہوں نے گہری سانس لی۔ ”جو بچے چھوڑ جاتے ہیں یتیم خانہ' وہ کبھی واپس نہیں آتے۔ مگر جس طرح تم واپس آ جاتی ہو' پیسے بھیجتی رہتی ہو۔ دل بہت خوش ہوتا ہے۔“

شربت سے بھرا گلاس دونوں کے درمیان اَن چھوا رکھا تھا۔ تالیہ نے اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ بس نظریں ان کے بیمار زرد چہرے پہ جمائے رکھیں۔ ”مسز ماریہ....آپ کو کبھی علم نہیں ہو سکا کہ مجھے وہاں کون چھوڑ گیا تھا۔“

”یہ معمہ میں بھی کبھی حل نہیں کر سکی۔ رات کو چرچ بند ہوتا تھا۔ صبح جو پہلا بندہ ادھر گیا' اس کو تم وہیں ملی تھی۔“

”مجھے وہ سب یاد ہے۔ وہ اتوار کا دن تھا۔ آپ عبادت کے لئے جلدی آ گئی تھیں اور مجھے روک کے کچھ پوچھا تھا آپ نے۔“

''ہاں' میں پھر تمہیں یتیم خانے لے آئی۔ وہیں پولیس بھی بلائی۔ مگر کوئی بھی تمہارے ماں باپ کو نہیں ڈھونڈ سکا تھا۔ تمہارے کپڑے عجیب سے تھے۔ پھٹے پرانے میلے کچیلے۔ تمہیں میں نے نئے کپڑے دیے تمہیں تیار کیا۔ اور....'' وہ یاد کر کے ذرا جوش سے بولے جا رہی تھیں کہ تالیہ ایک دم بولی۔ ''مجھے میرے ماں باپ مل گئے ہیں مسز ماریہ۔'' مسز ماریہ رکیں۔ منہ کھل گیا۔ بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا جس کی عینک کے پیچھے چھپی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیر رہے تھے اور وہ خوشی سے بتا رہی تھی۔

''ایک ویب سائٹ گمشدہ بچوں کو ان کے ماں باپ سے ملاتی ہے۔ میں نے اپنے بچپن کی تصویر ڈالی تو ایک جوڑے نے مجھ سے رابطہ کیا۔ وہ مالے ہیں مگر امریکہ میں رہتے ہیں۔ میں نے ان کو اپنی ڈی این اے رپورٹ بھیجی تو وہ میچ کر گئی۔ اب میں امریکہ جا رہی ہوں۔''

''واؤ تالیہ.... واؤ'' وہ خوشگوار سی گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبائے کہنے لگیں۔ ''میں بہت خوش ہوں تمہارے لیے۔ یہ تو انہونی ہوگئی۔ مگر اس وقت وہ کیوں نہیں آئے تھے تمہیں کلیم کرنے؟''

''ان کی مجبوریوں کی لمبی داستان ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے اغوا کیا گیا تھا لیکن....'' وہ ٹھہری۔ آواز رازدانہ سرگوشی میں بدلی اور آگے کو جھکی۔ ''انہوں نے بیس ہزار ڈالر کا انعام دینے کا وعدہ کیا ہے میرے کیئر ٹیکرز کو۔ میری لاہور والی فیملی اتنی اچھی نہیں تھی' میں نہیں چاہتی یہ انعام ان کو ملے۔ میں چاہتی ہوں یہ یتیم خانے کے لوگوں کو ملے یعنی آپ کو ملے۔'' اسکام آرٹسٹ نے پہلا پتہ پھینکا۔

''بیس ہزار ڈالر؟'' ان کی آنکھیں کھل گئیں۔

''جی مسز ماریہ' وہ بہت امیر لوگ ہیں۔ میرے بعد ان کی اولاد نہیں ہوئی۔ وہ خوشی میں کر رہے ہیں یہ سب۔ مگر.... ایک مسئلہ ہے۔''

''کیا؟'' ان کی سانس اٹک گئی۔

''وہ چاہتے ہیں کہ میں یہ ثابت کر کے دوں کہ آپ واقعی مجھے چرچ میں ملی تھیں۔ ظاہر ہے اتنی بڑی رقم دینے سے پہلے ان کو گارنٹی چاہیے کہ آپ واقعی میری کیئر ٹیکر تھیں یا نہیں۔''

''میں.... میں کیسے ثابت کروں؟'' وہ بالکل سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھیں اور مارے جذبات کے اس کے ہاتھ پکڑ لیے تھے۔

''آپ کوئی نشانی بتا سکتی ہیں۔ کوئی ایسی بات جو صرف آپ کو ہی معلوم ہو سکتی ہو۔ اصل میں....'' اس نے لہجے کو سرسری بنایا۔ نگاہیں ایک لمحے کو بھی خاتون کے چہرے سے نہیں ہٹائی تھیں۔ ''کل.... میں مال میں ایک بریسلیٹ دیکھ رہی تھی.... تو مجھے یاد آیا.... چرچ کا منظر.... میری یادداشت اچھی ہے کافی.... چرچ سے لے کر اب تک سب یاد ہے مجھے.... پہلے یہ بات مجھے اہم نہیں لگی تھی مگر کل.... اپنے ماں باپ کے ملنے کے بعد.... مجھے یاد آیا کہ میری کلائی میں ایک بریسلیٹ تھا' جس پہ سونے کی ایک چابی بنی تھی۔ صرف پہلے منظر میں مجھے وہ یاد ہے۔ پھر وہ پتہ نہیں کہاں گیا۔ اگر آپ اس کے بارے میں کچھ بتا دیں تو....'' وہ بنا پلک جھپکے مسز ماریہ کو دیکھ رہی تھی جن کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑا تھا۔

''وہ؟'' وہ چپ ہو گئیں۔

''چلیں اگر آپ کو نہیں یاد تو کوئی بات نہیں۔ میں اپنے والدین کو یتیم خانے والے قاسم صاحب کا نام دے دیتی ہوں تا کہ....'' وہ اٹھنے لگی تو انہوں نے جلدی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

''نہیں نہیں.... قاسم نے کیا کیا تمہارے لئے؟ مجھے یاد ہے میں بتاتی ہوں۔'' انہوں نے ہڑبڑا کے اسے روکا۔ ''تمہارے ہاتھ میں ایک بریسلیٹ تھا۔ اصل میں وہ چابی تھی جس کی سنہری چین کو تم نے کلائی پہ پہن رکھا تھا۔ میں نے وہ تمہارے ہاتھ سے اتاری تو وہ ایک دم ٹوٹ گئی۔ مجھے نہیں پتہ تالیہ یہ کیسے ہوا مگر اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ سکہ الگ ہو گیا اور بریسلیٹ پہ ڈلی سی رہ گئی۔ مجھے تمہاری نگہداشت کرنی تھی' تمہارے لئے یتیم خانے میں جگہ بنانی تھی' فنڈز نہیں تھے' میں کیا کرتی تالیہ۔''

''اٹس او کے۔'' تالیہ نے نرمی سے ان کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھا۔ ''آپ نے وہ چرا لیا کیونکہ آپ کو پیسے چاہیے تھے' میں اس بات کو سمجھ سکتی ہوں۔'' پھر اس نے سیل فون کی اسکرین سامنے کی۔ ''کیا وہ ایسا تھا؟''

انہوں نے غور سے اسکرین کو دیکھا۔ ''ہاں جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کوئی ایسا ہی ڈیزائن تھا۔ اتنے سال ہو گئے اب یادداشت جواب دینے لگی ہے۔ آئی ایم سوری مگر میری مجبوری تھی۔'' ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''میرا ایک رشتہ دار سنار تھا' میں نے وہ اس کو بیچ دیا۔ وہ عجیب سی چیز تھی۔ مجھے اس سے خوف آتا تھا۔ مگر اس کے جانے کے بعد تم چپ ہو گئیں بالکل۔''

تالیہ نے بے اختیار صوفے کی گدی مٹھی میں بھینچ لی۔ اس کا سانس اٹک گیا تھا۔ ''اس کے بعد چپ ہوئی؟ مگر آپ لوگ تو کہتے تھے کہ میں ہمیشہ سے چپ تھی' مجھے کچھ یاد نہیں تھا۔''

''نہیں۔ پہلے چند منٹ جب تک تمہارے ہاتھ میں بریسلیٹ تھا' تم نے کچھ باتیں کی تھیں۔ وہ تمہارے ہاتھ میں چمکتی تھا۔ جیسے اس سے روشنی نکلتی ہو۔ میں نے اسے تمہاری کلائی سے اتارا تو وہ بجھ گیا اور چابی دو ٹکڑے ہو گئی۔ مجھے اس سے خوف آیا تھا تالیہ۔''

''میں نے.... کیا باتیں کی تھیں۔'' اس نے رندھے گلے سے پوچھا تھا۔

''صحیح الفاظ یاد نہیں۔ اتنے سال بیت گئے اب تو تالیہ مگر اتنا یاد ہے کہ تم نے کہا تھا گاؤں والے مصیبت میں ہیں۔ تم ان کے لئے مدد لینے آئی ہو ورنہ سب مر جائیں گے۔ تم نے کہا تمہیں ان سب کو بچانا ہے۔ میں نے پوچھا یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے تو تم نے کہا یہ میرے بابا نے مجھے دی ہے۔ میں نے تمہارا نام پوچھا تو تم نے کہا تالیہ بنت مراد۔ لیکن جب میں نے وہ بریسلیٹ اتارا تو تم خاموش ہو گئیں' جیسے تمہیں سب بھول گیا ہو۔''

تالیہ کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے مگر اب کی بار وہ اصلی آنسو تھے۔ ''اور کچھ۔''

''اور مجھے یاد نہیں۔ کیا یہ کافی ہو گا تمہارے ماں باپ کو یقین دلانے کے لئے؟''

''ہوں؟'' وہ چونکی۔ پھر اپنی کور اسٹوری یاد آئی تو زبردستی مسکرائی۔ ''میں ان کو بتا دوں گی۔ اب میں چلتی ہوں۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔

''انعام کی رقم کب تک ملے گی؟'' وہ بے قراری سے اس کے ساتھ کھڑی ہوئیں۔ وہ بدقت مسکرا کے ان کو تسلی دلانے لگی۔

☆☆=========☆☆

رات اس پوش علاقے پہ اپنے پر پھیلائے اتری تو حالم کے اس اونچے عالیشان گھر کی بیرونی بتیاں جگمگاتی دکھائی دینے لگیں۔

لاؤنج میں البتہ اندھیرا تھا صرف بڑی سی ٹی وی اسکرین چمک رہی تھی جس کے سامنے وہ دونوں صوفے پہ بیٹھی تھیں۔

داتن نے سیاہ کھلا لباس پہن رکھا تھا اور ٹانگوں کی قینچی بنا رکھی تھی۔ گود میں پاپ کارن کا پیالہ تھا جس سے وہ بھنے ہوئے تازہ خستہ پاپ کارن نکال نکال کر منہ میں ڈال رہی تھی۔ نظریں اسکرین پہ جمی تھیں جہاں ایک مالے گیم شو چل رہا تھا۔ ایک فیملی گھر جیتنے ہی والی تھی اور داتن کی سانس رک رک کے آ رہی تھی۔

ساتھ پیر اوپر کر کے بیٹھی تالیہ دور خلا میں گھور رہی تھی۔ گم صم۔ کسی اور دھیان میں۔ سیاہ بال ہیئر بینڈ لگا کر پیچھے کر رکھے تھے اور سفید شرٹ پہن رکھی تھی۔ انگلی بے مقصد سی صوفے کے ہاتھ پہ بنے ڈیزائن پہ پھیر رہی تھی۔

''آخری راؤنڈ.... اُف اللہ۔'' داتن ذرا آگے ہوئی۔

''وہ چابی میری تھی' داتن۔ وہ میرے باپ نے بنائی تھی۔''

داتن چونکی اور گردن اس کی طرف پھیری۔ وہ اسی طرح صوفے کے ڈیزائن پہ انگلی پھیرتی بے خودی بولے جا رہی تھی۔ سیاہ آنکھوں میں زمانے بھر کی اداسی تھی۔

''میں آج مسز ماریہ سے ملنے گئی تھی۔'' الفاظ اس کے لبوں سے بہتے جا رہے تھے گویا مکئی کے دانے ہوں جو حدت ملنے پہ چیخ چیخ رہے ہوں۔ وہ کہے جا رہی تھی اور داتن بھٹے کی خستہ خوشبو سے دہک سی گئی تھی۔ اس کے ماتھے پہ بل پڑ گئے' آنکھوں میں غصہ ابھر آیا۔

''اس نے تمہارا بریسلیٹ بیچ دیا؟ اُف اُف۔ خبردار جو آئندہ تم نے مسز ماریہ کی کوئی مالی مدد کی۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ وہ ایک بددیانت چور ہے!''

''اور میں کیا ہوں؟'' اس نے سادگی سے داتن کو دیکھا تو وہ ناک سکوڑ کے رہ گئی۔

''اس عورت نے تین سال میرا خیال رکھا جب مجھے کوئی اور لینے نہیں آیا۔ مجھے ان پہ تھوڑا غصہ آیا تھا مگر مجھے ان سے گلہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔''

''خیر.... اب کیا کرنا ہے؟''

''تم بریسلیٹ تلاش کرو' میں سکے کو تنکو کامل کے لاکر سے چوری کرتی ہوں۔ کل جب مہمانوں کا رش ہو گا تو میں موقع دیکھ کے اسٹڈی میں چلی جاؤں گی۔''

''کیا تم وہ چابی صرف پیسوں کے لئے چرانا چاہتی ہو تالیہ؟''

تالیہ نے گہری سانس لی' داتن کو دیکھا اور مٹھی بھر کے پیالے سے پاپ کارن اٹھائے۔ ''جب تک مجھے یہ یاد نہیں آیا تھا کہ وہ میری چابی ہے' میں اسے دولت کے لیئے ہی چرانا چاہتی تھی' مگر اب....'' اس نے اسکرین کو دیکھتے ہوئے پاپ کارن پھانکے۔ اور بند ہونٹ ہلاتے ہوئے انہیں چبانے لگی۔ لمحے بھر کو لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔ داتن اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جو ٹی وی اسکرین کی نیلی روشنی میں دمک رہا تھا۔

''مگر اب شاید مجھے میرے تمام سوالوں کے جواب بھی مل جائیں' میں کون ہوں' کہاں سے آئی ہوں۔ سب معلوم ہو جائے۔''

''اور تمہارے ماں باپ۔ تم ان سے نہیں ملنا چاہتی؟ اور وہ گاؤں والے جن کا تم نے ذکر کیا تھا؟''

''سچ کہوں تو نہیں' داتن۔ میں اپنی زندگی میں خوش ہوں۔ مجھے ان سے نہیں ملنا۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ وہ دیکھیں میں کیا بن گئی ہوں۔'' تلخی سے مسکرا کے وہ اسکرین کو دیکھنے لگی۔ اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ مسز ماریہ کی آواز ہر جگہ گونج رہی تھی۔

(تم نے کہا تھا' گاؤں والے مصیبت میں ہیں۔ تم ان کے لیئے مدد لینے آئی ہو ورنہ سب مر جائیں گے۔ تم نے کہا تمہیں ان سب کو بچانا ہے۔)

مگر اس نے سر جھٹکا۔ (مجھے کسی کو نہیں بچانا۔ مجھے کسی کی مدد نہیں کرنی۔ اب تک تو سب مر کھپ گئے ہوں گے۔ مجھے صرف چابی کو اچھے داموں بیچنا ہے۔ تاریخی نوادرات مہنگے داموں بک جاتے ہیں۔ میرے خواب.... ایک جزیرے پہ ایک اونچا محل.... بس مجھے یہی سوچنا ہے۔)

''ویسے کل کون آ رہا ہے تنکو کامل کے گھر؟'' داتن کی بات نے اس کو گہری سوچ سے نکالا۔ ''پتہ نہیں۔'' اس نے شانے اچکائے۔ ''جب بڑے لوگ بڑے لوگوں کے گھروں میں آتے ہیں تو وہ ہم چھوٹے لوگوں کو تفصیلات نہیں بتاتے۔ سیکیورٹی پروٹوکول۔''

مگر داتن جواب سنے بنا اسکرین کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ فیملی آخری راؤنڈ میں تھی گھر جیتنے کے بہت قریب۔

☆☆=========☆☆

صبح سے تنکو کامل کے گھر صفائی اور تیاریوں کا ایسا سماء بندھا تھا کہ چند ایک بار تو تالیہ نے بٹلر کو روک کے پوچھنا چاہا کہ آخر آ کون رہا ہے؟ مگر پھر ارادہ بدل دیا۔ کون سا وہ بتا دے گا۔ ہونہہ۔

مسز شیلا کامل مضطرب اور پر جوش سی کچن میں ایک ایک چیز اپنی نگرانی میں تیار کروا رہی تھیں۔ باریک ہیل پہنے وہ بالوں کو پارلر سے سیٹ کروائے بے حد خوش اور نروس نظر آ رہی تھیں۔ مگر جب انہوں نے تالیہ اور تسنیم کو کھانا لانے کی ترتیب کی ہدایت دینا شروع کی تو تالیہ کے ابرو حیرت سے اکٹھے ہوئے۔

''پچیس منٹ؟ صرف پچیس منٹ کے لیئے وہ لوگ آ رہے ہیں کیا؟ مسز کامل نے اسے یوں دیکھا گویا اس کی عقل پہ افسوس کیا ہو۔ ''ہاں تالیہ۔ پچیس منٹ بھی بہت ہیں۔'' اور ناک سے مکھی اڑاتی آگے بڑھ گئیں۔ تسنیم نے کندھے اچکا دیے۔ کسی ملازم کو اندازہ نہ تھا کہ مہمان

کون تھے۔ بس بٹلر نے کام کے دوران اتنا بتایا کہ سر کے کلاس فیلو اور ان کی بیگم ہیں۔ تسنیم نے بٹلر کے آگے بڑھتے ہی اس کے کان میں سر گوشی کی۔

"کامل صاحب کے کلاس فیلو ہیں تو اچھے خاصے بوڑھے ہوں گے۔ آخر ایک بوڑھے اور بڑھیا کے آنے پہ اتنا ہنگامہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟"

تالیہ بے اختیار ہنس دی۔ پھر اس کے جانے کے بعد اس نے اپنے ایپرن پہ سامنے ہاتھ رکھ کے نقلی زیورات کی موجودگی کی تصدیق کی جو پوٹلی کی صورت بیلٹ کے ساتھ اس کی کمر سے بندھے تھے۔ لاکر کھول کے زیورات ادل بدل کرنے کے لیے پچیس منٹ بھی کافی تھے۔

شام ڈھل گئی اور گھر پہ اندھیرا چھانے لگا۔ مالے گھر بھی کراچی کے بنگلوں جیسے تھے۔ ویسے ہی لان 'پورچ' ڈرائیوے اور سامنے گیٹ۔ اونچی چار دیواری۔ کچن کی کھڑکی سے لان نظر آتا تھا۔ وہاں تنگو کامل اپنے بیوی بچوں سمیت کب سے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔

تالیہ منہمک سی کھڑی سلاد پلیٹ میں سجا رہی تھی جب باہر پر رونق سا شور مچا۔ تسنیم اور نور (ساتھی ملازمائیں) لپک کے کھڑکی میں جا کھڑی ہوئیں۔ گاڑیوں کے اندر آنے اور دروازوں کے کھلنے بند ہونے کی آوازوں کے ساتھ دعا سلام بھی گونجا تھا۔ تالیہ مزے سے سلاد کے قتلے ڈش میں سجاتی گئی۔

"او خدایا۔ اُف اُف۔ کیا تم نے انہیں دیکھا؟" کھڑکی سے باہر جھانکتی تسنیم نے مہمانوں کو گاڑی سے اترتے دیکھا تو مارے جوش کے اس نے منہ پہ ہاتھ رکھا۔ نور باقاعدہ اوپر نیچے اچھلی پھر دانتوں میں انگلیاں دبا لیں۔

"اُف.....یہ تو.....مجھے یقین نہیں آرہا۔"

"انہوں نے گرے سوٹ پہن رکھا ہے۔"

"وہ ان کی وائف کو دیکھو۔ اس نے صبح بھی یہی ڈریس مارننگ شو کے انٹرویو میں پہنا ہوا تھا۔ اُف اُف۔" ان دونوں کے چہرے سرخ پڑ کے تمتما رہے تھے اور وہ کبھی منہ پہ ہاتھ رکھتیں' کبھی ایک دوسرے کا ہاتھ مارے جوش کے پکڑتیں۔ تالیہ نے گردن اٹھا کے ایک نظر ان دونوں کو دیکھا اور افسوس سے سر جھٹکا۔

(خیر.....یہ بے چاریاں ملازمائیں ہیں' امیر اور مشہور لوگ دیکھنے کا موقع کہاں ملتا ہے ان کو۔ ان کا ایسا جذباتی ہونا بنتا ہے۔) اس نے سلاد کی ڈش رکھی اور تسلی سے ہاتھ رومال سے پونچھتی آگے آئی۔ ان دونوں کے قریب رکی اور باہر جھانکا۔

گارڈز اور چند افراد کے ہمراہ وہ دونوں میاں بیوی کار سے اتر چکے تھے اور میزبانوں سے مل رہے تھے۔ گرے سوٹ والا آدمی دراز قد اور دبلا پتلا تھا۔ فٹ اور اسمارٹ۔ مسٹر کامل سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کی پشت تالیہ کی طرف تھی۔ پھر وہ پلٹا تو تنگو کامل کے بیٹے علی کے قریب ٹھہرا۔ علی نے اس کا ہاتھ تھاما اور چوم کے آنکھوں سے لگایا۔ یہ مالے لوگوں کا بڑوں سے ملنے کا طریقہ تھا۔ اور تب تالیہ نے اس آدمی کا چہرہ دیکھا۔

''ہا!'' اس نے بے اختیار ہونٹوں پہ ہاتھ رکھا تھا۔ آنکھیں شاک سے پھیل گئیں' سانس اٹک اٹک گئی اور رنگت گلابی پڑنے لگی۔ ''اوہ گاڈ.....او گاڈ'' اس نے بے یقینی سے نور اور تسنیم کو دیکھا جو اتنی ہی بے یقینی سے اور خوشی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

وہ شخص اب مسکرا کے بچے کا سر تھپک رہا تھا' پھر چہرہ کامل صاحب کی طرف موڑ کے کچھ کہنے لگا۔ اور ادھر تالیہ مراد کھڑکی میں ہکا بکا سی کھڑی تھی۔ نور نے اس کا کندھا ہلایا۔ ''تمہارا فون بج رہا ہے تالیہ۔''

وہ چونکی' پھر ایپرن کی جیب سے فون نکال کر بغیر دیکھے کان سے لگایا۔ نظریں وہیں باہر جمی تھیں۔ دوسرا ہاتھ ابھی تک ہونٹوں پہ تھا۔ اُف۔

''بریسلیٹ کا پتہ چل گیا تالیہ۔ اور تم یقین نہیں کرو گی کہ وہ کس کے پاس ہے۔'' وہ جوش سے بتا رہی تھی۔ ''میری اس شخص سے بات ہوئی ہے جس نے آخری دفعہ اسے بیچا ہے۔ اس سے ایک آدمی نے خریدا تھا وہ بریسلیٹ اپنی بہن کی سالگرہ کے لئے اور جانتی ہو اس کی بہن کس کی بیوی ہے؟''

''شاید میں جانتی ہوں۔'' وہ نظریں باہر ٹکائے بے خودی کہہ رہی تھی۔

وہ پورچ میں کھڑا' علی بن کامل کی طرف اشارہ کر کے اس کے باپ سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ یا شاید بچے کی تعریف کر رہا تھا۔ وہ دراز قد تھا' کسرتی جسم والا بے حد فٹ اور تیز چلنے والا آدمی.....

''نہیں تم نہیں جانتیں۔ اس کی بہن کا شوہر اس ملک کا سب سے پاپولر لیڈر ہے.....''

اس کی رنگت صاف تھی' بے حد صاف' نقوش چینی تھے' مگر بہت پرکشش۔ وجیہہ چہرہ اور چمکتی ہوئی خوبصورت آنکھیں۔ وہ اب تنگو کامل کی بات پہ مسکرا رہا تھا۔

''باریسن نیشنل کا ہونے والا نیا صدر.....''

اس کے بال سیاہ تھے اور نفاست سے برش کر کے پیچھے کر رکھے تھے۔ کانوں کے اوپر سے وہ سفید تھے جو اس کے چہرے کی نرمی اور وقار میں اضافہ کرتے تھے۔ وہ اڑتالیس برس کا تھا مگر اپنی فٹنس اور جوان نظر آتے چہرے کے باعث عمر سے دس پندرہ برس کم دکھائی دیتا تھا۔

''.....ہمارے ملک کا اگلا وزیرِاعظم.....وان فاتح رامزل.....اس کے گھر ہے تمہارا بریسلیٹ' تالیہ۔''

بے یقین سی تالیہ ہنوز باہر نظریں جمائے کھڑی تھی۔ دونوں ملازمائیں باہر بھاگ چکی تھیں۔

''اور اگر میں تمہیں یہ کہوں داتن کہ وان فاتح بن رامزل اس وقت میرے سامنے کھڑا ہے تو کیا تم یقین کرو گی؟'' وہ بے خودی کے عالم میں کہہ رہی تھی۔ دوسری طرف داتن نے گہری سانس بھری تھی۔

''تالیہ.....میں جانتی ہوں اس کا نام سن کر تم صدمے اور Fan Moment کی ملی جلی کیفیت میں ہو اس لئے کوئی بات نہیں' ٹھنڈا پانی پیو اور پھر لاکر کی طرف جاؤ۔ بریسلیٹ کا ابھی نہ سوچو۔'' اس کے الفاظ نے کوئی بلبلہ سا پھاڑ دیا تھا۔ تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''چپ کرو موٹی کالی مرغی!'' وہ جل کر بولی اور فون بند کر کے جیب میں رکھا' پھر کھڑکی سے باہر جھانکا تو پورچ اب خالی تھا۔ یقیناً

مہمانوں کو لے کر میزبان اندر ڈرائنگ روم میں چلے گئے تھے۔اس نے بے قراری سے کچن کے دروازے کو دیکھا۔سب ملازم مہمانوں کے آگے پیچھے بھاگ چکے تھے۔وہ جائے یا نہیں؟

اونہوں۔اس نے گہرے گہرے سانس لے کر خود کو کمپوز کرتے ہوئے Fan Moment سے نکلنے کی کوشش کی۔کندھے اچکائے اور سینے پہ بازو لپیٹ کر وہیں کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔ ''میں نہیں جاؤں گی۔میں کوئی باقی لوگوں کی طرح فاتح رامزل کی اتنی بڑی فین تھوڑی ہوں جو اپنے ذاتی وقار اور خود اعتمادی کو پسِ پشت ڈال کر چھوٹے لوگوں کی طرح سیلبرٹی کے آگے پیچھے بھاگتی پھروں۔ہونہہ۔''

وہ اسی طرح اکڑ کے کھڑی رہی۔چند سانسیں لیں۔پھر ایک دم بازو نیچے گرائے اور باہر کو بھاگی۔

(مٹی ڈالو وقار اور اعتماد پہ۔وہ فاتح رامزل ہے۔اُف۔دی فاتح رامزل۔) تیز تیز دوڑتی وہ ڈرائنگ روم کے دروازے تک آئی تھی۔ چہرہ خوشی سے گلابی سا تمتمانے لگا تھا۔ملازمائیں وہاں پہلے سے کھڑی پہ جوش سی سرگوشیاں کر رہی تھیں۔وہ دھڑکتے دل کے ساتھ ان کے پاس آر کی۔دروازہ کھلا ہوا تھا مگر یہاں سے صرف کامل صاحب اور مسز کامل بیٹھے نظر آتے تھے۔مہمان نہیں۔تبھی بٹلر باہر نکلا اور سخت لہجے میں تالیہ کو مخاطب کیا۔''جوس تم سرو کرو گی۔جلدی۔''

اس کی رنگت مزید گلابی پڑ گئی۔جھٹ سر ہلایا اور کچن کی طرف بھاگی۔جلدی جلدی ٹرے لگائی اور ڈرائنگ روم تک آئی۔دروازے پہ لگے بیضوی آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ سائیڈ کی مانگ نکال کر بالوں کو کس کر جوڑے میں باندھے' وہ سرمئی سفید یونیفارم میں ملبوس تھی۔ چہرہ دھلا دھلایا اور آنکھیں سبز تھیں۔وہ زیادہ اچھی نہیں لگ رہی تھی۔اُف خیر ہے۔اس نے سر جھٹکا اور اندر داخل ہوئی۔

ڈرائنگ روم میں تیز اے سی چل رہے تھے مگر اس کے ہاتھوں پہ پسینہ آرہا تھا۔ٹھنڈے ماحول کو زرد لیمپس کی روشنیوں نے مزید مسحور کن اور پرفسوں بنا رکھا تھا۔میزبان جوڑے کے علاوہ مہمان جوڑا اور تین افراد بیٹھے تھے۔فاتح رامزل سامنے والے صوفے پہ موجود تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' ایک بازو صوفے کی پشت پہ پھیلائے' وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ چہرہ ذرا موڑے کامل صاحب کی بات سن رہا تھا۔برابر میں اس کی بیوی بیٹھی تھی۔ اس کے بال بھورے سرخ ڈائی تھے' اور ہاف باندھ رکھے تھے۔وہ بالکل سپاٹ چہرہ لیے ہوئے تھی۔آنکھیں بے جان تھیں۔وہ دونوں ٹرے اٹھائے آتی ملازمہ کی طرف متوجہ نہیں تھے۔تالیہ باری باری سب کے پاس رک کر جوس پیش کرنے لگی۔

''سوری میں آپ کی بات کاٹ رہی ہوں۔'' جذباتی سی مسز کامل نے اپنے شوہر کی بات ٹوکتے ہوئے مسکرا کے کہا۔''مگر وان فاتح رامزل اور مسز رامزل.....آپ دونوں کا ایک دفعہ پھر شکریہ کہ آپ نے ہمارے گھر کو رونق بخشی۔''

''مائی پلیور۔'' وہ بھاری مسکراتی آواز میں بولا تھا۔تالیہ کی اس طرف پشت تھی.....یہ آواز.....یہ شخص.....یہی تھا اس کے خواب میں.....(میرے ساتھ رہو.....میرے ساتھ رہو۔) اس نے سر جھٹکا۔اور جھک کے اگلے صاحب کے سامنے ٹرے کی۔

''کیا یہ درست ہے سر کہ آپ استعفیٰ دے رہے ہیں اور واپس امریکہ شفٹ ہو رہے ہیں؟ ہم نیوز میں سنتے رہتے ہیں۔'' کامل صاحب کے سوال پہ تمام نظریں فاتح رامزل کی جانب اٹھی تھیں۔وہ جواباً کھنکھارا۔

”دیکھوتنکو کامل.... بات یہ ہے کہ فاتح بن رامزل جیسا انسان جو دو دفعہ امریکہ میں اسٹیٹ اٹارنی کا الیکشن لڑ کے منتخب ہوا تھا' اور جس کے زمانے میں اسٹیٹ اٹارنی آفس میں پراسیکیوشن کا ریکارڈ مثالی رہا تھا.... اور جو پندرہ سال پہلے امریکہ چھوڑ کے..... امریکی شہریت چھوڑ کے صرف مالے قوم کے لئے واپس آیا تھا' اس آدمی کو اتنی لمبی اسٹرگل کے بعد اگر بارسین پارٹی کا صدر منتخب ہونے کے لئے اور فنڈز حاصل کرنے کے لیے بادشاہ کے محل میں ہر روز ماتھا ٹیکنا پڑے جیسے وہ عظیم بدھا ہو اور میں ایک پجاری' تو نہیں' فاتح یہ نہیں کرے گا۔ مجھ سے یہ منافقت نہیں ہوتی کیونکہ ہمارے بادشاہ اور ہمارے وزیرِ اعظم دونوں کو اس وقت جیل میں ہونا چاہیے۔ ہاں' میں جیل میں ان دونوں کو ہر ہفتے وزٹ کرنے کے لئے تیار ہوں۔“ اس بات پہ قہقہہ پڑا تھا۔ (مگر فاتح رامزل نے سوال کا جواب نہیں دیا۔) وہ سوچتے ہوئے سپاٹ چہرہ بنائے اب بڑے صوفے تک آرکی تھی۔ فاتح رامزل کے ایک طرف سے جھک کے ٹرے پیش کی۔ کپکپاتی پلکیں اٹھا کے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ تنکو کامل کو دیکھ رہا تھا' مسکرا کے۔ ایک شان بے نیازی سے۔ تالیہ کھڑی رہی تو مسز فاتح نے ایک نظر اسے دیکھ کے ہاتھ سے نفی کا اشارہ کیا۔ (وہ یہ جوس نہیں پیتے۔) تالیہ آگے بڑھ گئی۔ دل بجھ سا گیا تھا۔

باہر جا کر وہ وہیں دروازے کی اوٹ میں ٹھہر گئی۔ مسز کامل کہہ رہی تھیں۔

”لیکن آپ ایک ممبر پارلیمنٹ ہیں سر' کیا آپ واقعی استعفیٰ دے رہے ہیں؟“

”تنکو شیلا....“ وہ ہر ایک کو اس کے فرسٹ نیم سے پکار رہا تھا۔ ”میں سیاست میں طاقت یا دولت حاصل کرنے نہیں آیا تھا۔ فاتح بن رامزل ایک Dreamer ہے۔ ایک وژنری۔ جو ایک بہتر ملائیشیا کا خواب دیکھتا ہے۔ مگر مالے قوم کا اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہماری رولنگ پارٹی اتنی بھاری اکثریت سے منتخب ہوتی آرہی ہے کہ پارلیمنٹ میں اس کی کوئی اپوزیشن ہی نہیں رہ گئی۔ کوئی بھی جمہوری گورنمنٹ تب تک صحیح کام نہیں کرسکتی جب تک اس کے خلاف اپوزیشن نہ ہو۔ زندگی کے ہر مقام پہ یہ مخالفت ہوتی ہے جو ہم سے ہماری اصلاح کرواتی ہے اور ہم بہتر کام کرتے ہیں۔ اگر بارسین پارٹی ایک اچھی اپوزیشن نہیں بننا چاہتی' اگر پارلیمنٹ خود کو مضبوط نہیں کرتی تو اخلاقی طور پہ پارٹی صدر بننے یا ممبر پارلیمنٹ رہنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا۔“

باہر کھڑی تالیہ مسکرا دی۔ (اس نے پھر سے استعفے کا جواب نہیں دیا۔ آہ۔ سیاستدان۔)

دفعتاً اس نے گھڑی دیکھی۔ دس منٹ گزر چکے تھے۔ پندرہ رہتے تھے۔ ایک بے قرار نظر ڈرائنگ روم پہ ڈال کے وہ چپکے سے وہاں سے کھسک آئی۔

اسٹڈی کی بتی اس نے نہیں جلائی۔ پینسل ٹارچ جلا کر آگے آئی۔ لاکر کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھی اور لاکر پہ لگا گول چکر آہستہ آہستہ گھمانے لگی۔ چند ایک کلک ہوئے پھر دروازہ کھٹ سے کھل گیا۔ اس نے پوٹلی نکالی اور لاکر کھول کے زیورات کے ڈبے باہر نکالنے لگی۔

ایک دم وہ ٹھٹک گئی۔ ادھر ادھر ہاتھ مارا۔

سکے والا باکس غائب تھا۔ اوہ نو۔ تالیہ نے پریشانی سے سارا لاکر کھنگال دیا مگر وہ وہاں نہیں تھا۔ اس نے بے بسی بھرے غصے سے زیورات

کو ادل بدل کیا' لاک بند کیا' اصل زیورات یونیفارم میں چھپائے اور باہر نکل آئی۔

اب کے اس نے نور اور تسنیم کو کھانا سرو کرنے دیا اور خود کان لگا کر دروازے کے باہر کھڑی ہو گئی۔ بٹلر نے گھورا بھی مگر اس نے چہرے پہ مسکینیت طاری کر کے پلکیں دو بار جھپکائیں تو وہ ہنکارا بھر کے آگے بڑھ گیا۔

اندر گفتگو کا رخ ملائیشین پارلیمنٹ میں زیرِ بحث توہینِ رسالت بل کی طرف مڑ گیا تھا۔ فاتح رامزل کے ساتھ آئے افراد اس بارے میں اظہارِ خیال کر رہے تھے۔

''میرا خیال ہے تین سال کی قید یا بھاری جرمانے والی سزا کسی بھی دین کی توہین کرنے پہ درست ہے۔''

''نہیں میرا خیال ہے اس میں ترمیم ہونی چاہیے اور اس کو سزائے موت میں تبدیل ہو جانا چاہیے تاکہ مثالیں سیٹ کی جا سکیں۔'' مسٹر کامل اور دوسرے افراد باری باری اپنی رائے دے رہے تھے۔ تالیہ نے کان مزید زور سے دروازے کے ساتھ لگایا۔ اسے کافی دیر سے فاتح رامزل کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔

''آپ کا کیا خیال ہے سر؟'' تالیہ نے پردے کی اوٹ سے جھانکا۔ وہ نگاہیں کامل صاحب پہ جمائے مسکرایا تھا۔ پھر گہری سانس لی۔

''میرا ایک دوست تھا سکول میں۔ بدھسٹ تھا اور مجھے بہت پسند تھا۔ مگر میرے والد کو وہ بہت برا لگتا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ مجھے بگاڑ دے گا۔ وہ اس کی عزت نہیں کرتے تھے باوجود اس کے کہ وہ اس سے کبھی نہیں ملے تھے۔ میں ہر روز ان سے بحث کرتا تھا کہ میں اس کی دوستی سے نہیں بگڑوں گا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ اپنی ٹھنڈی' بھاری اور پرسکون آواز میں اور سب سن رہے تھے۔ ''پھر ایک دن مجھے احساس ہوا کہ میرے والد جب اسے جانتے ہی نہیں ہیں تو وہ اس کی عزت کیسے کریں گے؟ تب میں نے ان کو اپنے دوست کی خوبیوں کے بارے میں بتانا شروع کیا۔ تنکو کامل' میں نے ان کو بتایا کہ انسان ایک مکمل پیکج ہوتا ہے' اس میں خوبیاں بھی ہوتی ہیں خامیاں بھی' اور اگر ہم کسی کو اس کے Weakest Link سے جج کرتے ہیں تو ہم بہت برے جج بن جاتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ انسان ہیں جن کے اندر صرف خوبیاں اور اچھائیاں تھیں۔ ان کے گستاخ کو ہر وہ سزا ملنی چاہیے جو شریعہ نے مقرر کر رکھی ہے' علماء کو اس بارے میں کھل کے بولنا چاہیے اور مالے پارلیمنٹ کو پراپر قانون سازی کرنی چاہیے اور جو بھی سزا قرآن وسنت کے مطابق ہے وہ دی جائے' مثالیں سیٹ کی جائیں لیکن....'' وہ رکا۔ تالیہ نے گردن مزید اوپر کی۔ وہ انہی پرسکون آنکھوں سے ان سب کے چہرے دیکھ رہا تھا۔

''لیکن کوئی بھی Evil صرف سزا دینے سے ختم نہیں ہو سکتا۔ یہ دنیا ہمارے نبی ﷺ کی دل سے ریسپیکٹ تب کرے گی جب ہم ان کو بتائیں گے کہ وہ کون تھے۔ سزا دینا' چیخنا چلانا آسان ہے' یہ جلدی ہو جاتا ہے۔ زیادہ مشکل کام ہے نبی ﷺ کے لئے اپنی زندگیوں سے مسلسل وقت نکالنا اور اپنی توانائی کو دنیا تک ان کی اصل شخصیت سامنے لانے کے لئے خرچ کرنا۔ اس میں محنت لگتی ہے اور مسلمان بچے اس میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کیونکہ ہمارے بچوں کو خود معلوم نہیں کہ نبی ﷺ کون تھے تو وہ دوسروں کو کیا بتائیں گے؟ توہین اس لیے ہوتی ہے کیونکہ ہم اپنی جاب ٹھیک سے نہیں کر رہے۔ ہمیں دنیا کو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتانا تھا' ان کے قصے سنانے تھے۔ بنیادی طور پہ

دو قسم کے لوگ توہین کرتے ہیں۔ ایک وہ جو لاعلم ہیں اور ایک وہ جو شر انگیز ہیں اور جان کے ایسا کرتے ہیں۔ لیکن جس دن ہم اپنی جاب کرنا شروع کریں گے' اندھیرے میں دیے جلانے لگیں گے' تو لاعلم لوگ ہمارے رسول اللہ ﷺ سے واقف ہوں گے اور وہ خود ہر شر انگیز کے خلاف ہماری ڈھال بن جائیں گے۔ سزائیں لازمی دیں' مگر میری قوم کو خود بھی اس فتنے کو کم کرنے کے لیے توانائی خرچ کرنی پڑے گی۔ میں جس ملائیشیا کا خواب دیکھتا ہوں نا' وہاں ہمیں ملائے قوم کو میڈیا کے ذہنی شکنجے سے نکال کر اپنی سوچ کو آزاد کرنا سکھانا ہوگا۔''

''آپ خوابوں پہ یقین رکھتے ہیں وان فاتح؟'' مسز شیلا قدرے نروس سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔ ''مطلب برے خوابوں پہ۔ جیسے میری دوست نے میرے بارے میں خواب دیکھا۔'' تالیہ نے بے اختیار دل کو تھام لیا۔

تنگو کامل نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنی بیوی کو ٹوکا۔ (یہ مناسب موقع نہیں ہے۔) مگر وہ فاتح رامزل کے آنے کی خوشی اور اپنی پریشانی میں گھری کہتی گئیں۔

''اس نے دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں چاول ہیں جو ایک دم راکھ بن جاتے ہیں۔ آپ دوسری قسم کے خواب دیکھتے ہیں مگر ایسے خوابوں کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟'' تالیہ کے گردن کے بال تک کھڑے ہو گئے۔ کان مزید دروازے سے لگائے۔

ڈرائنگ روم میں خاموشی چھا گئی۔ پھر فاتح نے گہری سانس لے کر کندھے اچکائے۔ ''خوابوں میں ہر چیز علامتی ہوتی ہے۔ اس کا وہ مطلب نہیں ہوتا جو نظر آتا ہے۔ کیا آپ کے ہاں بچے کی پیدائش متوقع ہے تنگو شیلا؟''

میزبان میاں بیوی سن رہ گئے۔ ایک دوسرے کو دیکھا پھر فاتح کو۔ ''جی مگر ہمیں خود چند دن پہلے معلوم ہوا ہے تو آپ کو کیسے.....''

''چاول Fertility کی علامت ہوتے ہیں۔ ایسا خواب اس لئے آ سکتا ہے تاکہ آپ احتیاط کریں یا پھر کسی متوقع حادثے کے لئے تیار رہیں۔'' اس کی بات میں ایسی ٹھنڈک تھی کہ مسز کامل کی ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈی لہر دوڑ گئی۔ دروازے سے لگی تالیہ بھی شل کھڑی رہ گئی۔

فاتح کی بیوی نے بے اختیار تادیبی نظروں سے اسے گھورا تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ اسے ایسی بات اتنے عام انداز میں نہیں کہنی چاہیے مگر وہ کسی بھی جذباتی پن سے عاری ٹھنڈا پرسکون سا بیٹھا تھا۔ عصرہ رامزل پہلی دفعہ بولی۔

''کاش ہمیں بھی آریانا کو کھونے سے پہلے کوئی خواب آ جاتا تو ہم اس روز چیئر لفٹ پہ نہ جاتے۔'' اس کے لہجے میں تلخی تھی۔

(آریانا؟ اچھا۔ ان کی بیٹی جو کئی سال پہلے کھو گئی تھی۔) تالیہ کو ان کے انٹرویو میں کئی دفعہ کی دہرائی گئی بات یاد آئی تو اس نے اندر جھانکا۔ فاتح رامزل کا چہرہ سامنے نظر آ رہا تھا۔ اس پہ کوئی تاثر نہیں ابھرا تھا۔ وہی ٹھنڈا' مسکراتا' وجیہہ چہرہ.... مگر وہ اعتراف اسر ہلا کے بولا تھا۔

''ہاں.... وہ بڑا کٹھن وقت تھا۔ خیر۔'' اس نے کندھے اچکا کے گہری سانس لی۔

بٹلر نے اس کے سر کی پشت پہ چپت لگائی تو وہ چونکی۔ ''تمہارا کچن میں کام پڑا ہے۔ اندر جاؤ۔'' اس نے حکم صادر کیا تو وہ منہ بنا کے آگے بڑھ گئی۔ کام کیا خاک کرنے تھے' وہ کچن کے دروازے میں کھڑی ہو گئی۔ چند منٹ گزرے اور آوازیں آنے لگیں۔ وہ وہیں جمی رہی۔ وہ لوگ اب راہداری میں آ چکے تھے اور باہر جا رہے تھے' مگر کسی وجہ سے ٹھہر گئے تھے۔ تالیہ نے سر نکال کے دیکھا تو برف کا بت بن گئی۔

علی بن کامل اپنے مہمان کو تحفہ پیش کر رہا تھا۔اور وہ تحفہ... تالیہ کی سانس اٹکنے لگی...وہ وہی شیشے کا باکس تھا جس میں سنہری سکہ رکھا تھا۔

فاتح نے مسکرا کے بچے سے باکس لیا۔علی کامل اب اس سے منسلک کہانی سنا رہا تھا مگر فاتح رامزل نے باکس کھولا' اور سکہ نکال کے اوپر اٹھا کے دیکھا۔دونوں اطراف پلٹائیں۔

''ویسے یہ اوریجنل نہیں ہے۔اور یجنل میں ایک طرف نصیر من الدنیا والدین لکھا ہوتا ہے۔مگر آئی لائیک اٹ۔''سچائی سے تبصرہ کیا تو میزبان ایک دم شرمندہ ہو گئے مگر وہ آدمی اتنا بے پرواہ' اتنا بے نیاز تھا کہ اسے ان کے تاثرات سے فرق نہیں پڑتا تھا۔(اور اس کی بات کو کوئی برا نہیں مانتا تھا۔نہ مان سکتا تھا۔وہ مالے قوم کو بہت محبوب تھا۔)ایک ہی فقرے میں اس نے ایمانداری سے پسندیدگی کا اظہار بھی کر دیا۔پھر ذرا ٹھہرا۔''عصرہ یہ تمہارے بریسلیٹ کی طرح نہیں لگتا جو تمہیں ایش نے دیا تھا؟ ہے نا۔''مسکرا کے کہتے ہوئے اس نے باکس پیچھے کھڑے اپنے باڈی مین کی طرف بڑھا دیا اور آگے بڑھ گیا۔سب اس کے آگے پیچھے چلتے باہر نکل گئے۔وہ تیز تیز چلتا تھا' اور ہر شخص اس کے قدم سے قدم ملانے کا خواہشمند تھا۔

باڈی مین نے سکے کی ڈبیہ جیب میں ڈالتے ہوئے باہر نکلنے سے قبل ایک دفعہ مڑ کے یونہی پیچھے دیکھا تھا۔نگاہ چوکھٹ پہ ہکا بکا کھڑی لڑکی پہ پڑی تو وہ لمحے بھر کو ٹھہرا.....اس کی سبز آنکھوں کو دیکھا جو اس کے ڈبیہ جیب میں ڈالتے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھیں.....بس لمحے بھر کا اثر تھا.....پھر وہ آگے بڑھ گیا۔

اور وہ نڈھال سی چوکھٹ سے لگی کھڑی رہ گئی۔

☆☆=========☆☆

''سمبلز۔''گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے بیگ ایک طرف پھینکا اور جوتے اتار کے دوسری طرف اچھالے۔داتن جو لیپ ٹاپ اور کاغذ پھیلائے صوفے پہ بیٹھی تھی' اسے آتے دیکھ کے تیزی سے اٹھی۔ایک فکرمند نظر اس کے بے رنگ پریشان چہرے پہ ڈالی۔

''تم نے راستے سے فون کر کے اتنی تیزی سے سب بتایا کہ مجھے وہ سمجھنے میں آدھا گھنٹہ لگ گیا۔تم پریشان نہ ہو تالیہ۔اب دونوں چیزیں ایک ہی شخص کے پاس ہیں۔اور.....''

''سمبلز۔اس نے کہا خواب میں ہمیشہ سمبلز آتے ہیں۔علامتیں۔''وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے صوفے پہ گر گئی۔چند لمبے لمبے سانس لئے پھر نظریں اٹھا کے الجھی کھڑی داتن کو دیکھا۔

''میں نے دیکھا ہم دو دریاؤں کے سنگم پہ کھڑے ہیں جہاں کیچڑ ہے۔کیچڑ یعنی''لمپور''اور دریاؤں کا سنگم یعنی''کوالا''۔ہم''کوالا لمپور'' میں ملتے ہیں۔کوالا لمپور.....کے ایل.....ہمارا شہر...''وہ تیز تیز بولتی جا رہی تھی۔''آج ہم ملے مگر ملاقات نہیں ہوئی۔شاید اس خواب کے پورا ہونے کا ابھی وقت نہیں آیا۔لیکن میں نے یہ بھی دیکھا تھا داتن کہ اس کے سر پہ ایک پرندہ چکر کاٹ رہا ہے۔سنہری ٹانگوں والا سرخ پرندہ جس کی آنکھیں ایسی نیلی تھیں گویا Blue saphires ہوں.....''

"Eyes as blue as saphires۔" داتن نے چونک کے زیرِ لب دہرایا۔

"ایک ہی پرندہ ہے جو ایسا ہوتا ہے داتن۔ جو صرف خوابوں اور کتابوں میں ہوتا ہے۔ ہما۔ Pheonix" وہ جوش سے بولی تھی۔ رنگت ابھی تک اُڑی ہوئی تھی مگر چہرے پہ سکون واپس آ رہا تھا۔

"فاتح رامزل کے سر پہ ہما۔۔۔ ہما جو علامت ہے خوش بختی' دوبارہ جنم لینے۔۔۔ دوسری زندگی اور۔۔۔"

"اور حکومت کی۔ داتن۔ طاقت اور حکومت کی۔ فاتح رامزل ہمارا اگلا پردھانہ منتری (وزیر اعظم) بننے جا رہا ہے اور وہ یہ بات نہیں جانتا۔"

"اوہ خدایا۔۔۔ فاتح رامزل۔۔۔ نیکسٹ مالے پردھانہ منتری۔۔۔ داؤ تالیہ۔۔۔ داؤ" داتن نے خوشی سے اس کا ہاتھ دبایا تھا۔ لیکن پھر وہ ٹھٹک کے رکی۔ "مگر اس کا مطلب ہے کہ ہمیں۔۔۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اگلی چوری اپنے مستقبل کے وزیر اعظم کے گھر کرنی ہے۔" ایک عزم سے کہتی وہ اٹھی اور داتن کی آنکھوں میں دیکھا۔ "مجھے اپنی چابی فاتح رامزل سے واپس لینی ہے۔ کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟"

☆☆=========☆☆ (باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

حالم (نمرہ احمد)

باب دوم:

''گھائل غزال''

اس نے خواب میں دیکھا کہ.....

سنہرے بالوں والی لڑکی دو دریاؤں کے سنگم پہ کھڑی ہے....

بارش اسی طرح برس رہی ہے.....

سرخ پروں والا پرندہ سامنے کھڑے شخص کے سر پہ چکر کاٹ رہا ہے....

وہ شخص جو بارش میں بھیگتا جا رہا ہے اور ٹائی نوچ کے پھینک چکا ہے....

اور اب وہ ہاتھ میں کیچڑ سے لتھڑی چابی لیے اسے دیکھ رہا ہے.....

پھر وہ ہاتھ پیچھے کر لیتا ہے....اور چابی اپنی جیب میں ڈال لیتا ہے....

وہ گردن اٹھا کے دیکھتی ہے تو نیلی آنکھوں والا سرخ سنہرا پرندہ فاتح کے سر سے گزر کے بائیں طرف آ رہا ہے.....

وہ چونک کے بائیں جانب دیکھتی ہے تو وہاں ایک نوجوان کھڑا ہے.....

اس کا کوٹ اور شرٹ بھی بارش میں بھیگ گئی ہے.....وہ تالیہ کو دیکھ رہا ہے اور تالیہ اوپر پرندے کو.....

پرندہ فضا میں چند لمحے نوجوان کے سر کے اوپر ٹھہرتا ہے پھر تالیہ کی طرف آتا ہے.....تالیہ کے سر کے اوپر....وہ گردن پوری اٹھا کے آسمان کو دیکھتی ہے.....

ہما اس کے سر سے کئی فٹ اوپر اپنے پر پھیلائے گزر جاتا ہے....اس کے سر کے اوپر سے....عین اوپر سے.....

''میرے ساتھ رہو۔ تمہیں میری ضرورت ہے اور مجھے تمہاری۔'' وہ آواز پہ چونکتی ہے۔ سامنے کھڑا بارش میں بھیگا فاتح اسے پکار رہا ہے۔ وہ بدک کے پیچھے ہٹتی ہے....مڑتی ہے اور دوڑنے لگتی ہے.....مگر ایک پھندا سا اس کے ٹخنے میں جا پڑتا ہے.....رسی کا پھندا....تالیہ رپٹ کے گرتی ہے....اس کے لباس اور چہرے پہ کیچڑ لگ جاتا ہے....ہتھیلیوں کے بل اٹھتے ہوئے وہ مڑتی ہے تو ایک دوسرا پھندا اس کی گردن میں آ پڑتا ہے....وہ بدقت کھڑی ہوتی ہے.....

اپنی جگہ کھڑے فاتح کی گردن میں بھی ایسا ہی پھندا ہے.....وہ ہراساں نظروں سے بائیں جانب دیکھتی ہے تو نوجوان گھٹنوں کے بل گرا پڑا ہے اور اس کی گردن بھی رسی سے کسی ہوئی ہے.....

''تالیہ۔'' داتن نے اس کا کندھا ہلایا تو اس نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔

وہ روشنیوں میں نہائے لاؤنج کے صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی تھی۔خواب فضا میں تحلیل ہو چکا تھا اور وہ حال میں واپس آ چکی تھی۔تالیہ نے گہری سانس لے کر چہرے سے سیاہ بال ہٹائے اور جوڑے میں لپیٹے۔

''میں چائے بنانے کیا گئی تم تو غافل سو ہی گئیں۔'' داتن گرما گرم چائے کا کپ لیے سامنے آ بیٹھی اور قدرے تفکر سے اسے دیکھا۔

''حالم اتنی آسانی سے غافل نہیں ہوتا' بدصورت مرغی!'' وہ آواز کو بھاری بنا کے غرائی تو داتن کی ساری فکرمندی ہوا ہوئی۔اس کی جگہ ترحم اور افسوس نے لے لی۔

''ایک تحقیق کے مطابق کسی سیلبریٹی کو حقیقت میں دیکھ لینے کے چوبیس گھنٹے بعد تک دماغ ماؤف رہتا ہے اور انسان بغیر دماغ کے گھومتا پھرتا ہے۔اس لئے خیر ہے بچے میں تمہارا درد سمجھ سکتی ہوں۔'' اس نے بھاری ہاتھ سے تالیہ کے کندھے کو تھپکا تو تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''زیادہ اول فول نہ بولو۔میں فین مومنٹ سے نکل آئی ہوں اور میں کوئی سو نہیں رہی تھی۔میں اس کا خواب دیکھ رہی تھی....اُف وہ مجھے بار بار خوابوں میں کیوں نظر آنے لگا ہے....'' چہرے پہ سادہ تاثرات سجاتے ہوئے اس نے کشن اٹھا کے گود میں رکھا اور ہتھیلیوں پہ تھوڑی گرا کے دور چھت کو دیکھنے لگی۔''ہماری ملاقات تو کوالالمپور میں ہو گئی نا....گدلے پانیوں کے سنگم پہ....پھر وہی خواب' وہی وژن دوبارہ کیوں نظر آ رہا ہے مجھے داتن؟''

''اب کی دفعہ کیا دیکھا؟'' وہ اطمینان سے گھونٹ گھونٹ چائے پیتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''آج تو وہ ہمیرے سر پہ بھی تھا....پھر کسی نے میری گردن میں پھندا ڈال دیا۔مجھے لگتا ہے میں پہلے وزیر اعظم بنوں گی پھر پھانسی چڑھوں گی۔''

''اوں ہوں۔'' داتن نے غصیلی شکل بنا کے اسے دیکھا۔''کیا فضول بولے جاتی ہو۔عقل سے کام لو۔''

''عقل' دماغ' دل سب ساتھ چھوڑ گئے میرا' داتن پدوکا۔'' اس نے پھر سے چھت کو دیکھتے ہوئے آہ بھر کے کہا۔''میں نے فاتح رامزل کو اصل میں دیکھ لیا....میں نے اسے جوس پیش کیا....اس نے گلاس اٹھاتے ہوئے میری طرف دیکھا....وہ مسکرایا اور نرمی سے بولا' شکریہ تالیہ۔تم بہت اچھی ہو۔''

داتن کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔''اس نے واقعی تمہیں یہ کہا۔''

''ہاں۔وہ تو پہلی ہی ملاقات میں مجھ سے متاثر لگتا تھا۔'' وہ ڈھٹائی سے کندھے اکڑا کے بولی۔داتن نے ستائش سے ابرو اچکائے۔

''خیر اب بتاؤ اس کے گھر چوری کیسے کرنی ہے۔ کیا پلان ہے؟''

''حالم کے پاس ہمیشہ پلانز ہوتے ہیں۔ پلان نہیں 'پلانز'۔'' وہ زور دے کر بولی۔ ''پلان اے' بی اور سی۔ اگر اے فیل ہو جائے تو سی پہ آ جائیں گے' وہ کام نہ کرے تو ڈی سوچ لوں گی۔''

''اور بے چارہ بی کیوں نہیں؟''

''تالیہ کے پلانز ہیں' تالیہ کی مرضی۔'' وہ کندھے اچکا کے بے نیازی سے بولی اور پھر سے سر صوفے کی پشت سے ٹکا کے خلا میں دیکھنے لگی۔ ''وہ پچاس کا ہونے والا ہے مگر کتنا ینگ لگتا ہے۔ جب وہ مسکراتا ہے تو اس کا ڈمپل پڑتا ہے۔ تم نے کبھی نوٹ کیا؟''

''تم اٹھائیس سال کی ہو' وہ اڑتالیس کا۔ تمہیں اس کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے۔'' داتن اسی سنجیدگی سے بولی۔ ''اگر کسی کو اس کے بارے میں سوچنا چاہیے تو وہ میں ہوں۔''

تالیہ کو جیسے کرنٹ لگا۔ بلبلا کے اس نے گردن موڑی اور موٹی' کالی عورت کو سر سے پیر تک یکھا۔

''تم؟ تم داتن؟'' وہ حیرت اور صدمے سے غرا بھی نہ سکی۔

''ہاں.... آخر وہ میری عمر کے قریب قریب ہے۔'' داتن اب کے سادگی سے مسکرائی۔ تالیہ نے غصے سے ہونٹ بھینچ لیے۔

''اور وہ تمہیں کیوں پسند کرے گا؟''

''کیونکہ عشق اندھا ہوتا ہے۔''

''اندھا ضرور ہوتا ہے مگر کلر بلائنڈ نہیں۔'' وہ جل کے بولی تو داتن نے ساتھ رکھا کشن اٹھایا اور کھینچ کے اسے دے مارا۔ اس نے دونوں بازو آگے کر لئے تو وہ ان سے ٹکرا کے نیچے گر گیا۔

''خیر!!'' داتن نے خفگی سے چائے کا گھونٹ بھرا اور شانے اچکائے۔ ''ماڈرن سائنس نے گورا ہونے کے انجکشن بنا لئے ہیں۔''

''پتلے ہونے کے پھر بھی نہیں بنائے۔'' وہ اب کے مسکراہٹ دبا کے بولی۔ داتن نے ہاتھ جھلا کے جیسے اس کی بات ہوا میں اڑائی۔

''زیادہ خواب مت دیکھو اس کے۔ وہ تمہارے باپ کی عمر کا ہے۔ ارے ہاں۔'' وہ ٹھہری۔ آنکھیں چمکیں۔ ''اس کی بیٹی آریانہ بھی تو کھوئی تھی نا۔ یا مر گئی تھی۔ مگر لاش نہیں ملی تھی۔ ہم نے سکہ چرانے اس کے گھر داخل ہی ہونا ہے نا' کیوں نا تم آریانہ بن کے چلی جاؤ۔''

تالیہ نے افسوس سے اسے دیکھتے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ ''آریانہ چھ سال پہلے کھوئی تھی جب وہ سات سال کی تھی۔ اب اگر وہ زندہ بھی ہو تو تیرہ سال کی بچی ہو گی۔ اور میں اٹھائیس کی ہوں۔''

''تم آریانہ کی کوئی دوست یا ٹیچر بن کے بھی جا سکتی ہو نا۔''

''اپنی دبلی پتلی عقل پہ اتنا زور نہ دو اور پلاننگ کا کام مجھ پہ چھوڑ دو۔ اور اگر اپنی چابی چرانے کے لئے مجھے فاتح رامزل سے ملنا ہی پڑا تو میں اس کی بیٹی بن کے نہیں جانے والی۔'' پھر اس نے مسکرا کے چھت کو دیکھا اور جیسے خواب بنے۔ ''میں تو ایسی سچویشن بناؤں گی جس

میں اس کو مجھ سے پہلی نظر کی محبت ہو جائے۔"

"ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ تم اس سے ملی تھیں اور اس نے تمہاری تعریف بھی کی تھی۔"

"جیسے تمہیں تو معلوم ہی نہیں کہ میں جھوٹ بول رہی تھی۔" وہ اسی ڈھٹائی سے ترنت بولی پھر صوفے سے اتری اور پیروں میں سلیپرز گھسیڑے۔

"میں کے ایل کی سب سے ماہر اسکام آرٹسٹ اس لئے ہوں مسز لیانہ دانش صابری کیونکہ جب میں اپنا کردار لکھتی ہوں تو دنیا مجھے اتنا اور ویسا ہی دیکھتی ہے جتنا اور جیسا میں ان کو دکھانا چاہتی ہوں۔ میں نے اب تک بہت سے رول کیے ہیں' مگر یہ رول سب سے دلچسپ ہو گا۔ فاتح اور میرے راستے کہیں نہ کہیں جا کر ملتے ہی ہیں۔ ہماری قسمت ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہے۔ اور میرے خواب کے مطابق .....ہم تینوں کے سروں پہ ہما پرندہ تھا اور پھر ہم تینوں کی گردن میں پھندے تھے۔ اچھا یا برا' اس اسکام کا انجام بہت دلچسپ ہو گا' موٹی مرغی۔" وہ عزم سے کہتی مسکرا کے آگے بڑھنے لگی تو داتن نے کپ نیچے کیا اور چونک کے اسے پکارا۔

"تینوں؟ تیسرا کون؟"

اس سوال پہ وہ بھی ٹھٹکی' جیسے حیرت سے سوچا ہو۔

"ارے ہاں... اس دفعہ جب وہ منظر ذرا آگے چلا تو اس میں ایک تیسرا شخص بھی تھا۔"

"کون؟ کون؟" موٹی جوش سے آگے ہوئی۔ تالیہ نے انگلی تھوڑی پہ رکھ کے آنکھیں اوپر کیے ذرا سا سوچا۔

"میں نے اسے کہیں دیکھ رکھا ہے۔ تالیہ کو کبھی کچھ نہیں بھولتا۔ مگر...." اس نے آنکھیں بند کیں۔ "وہ نوجوان کون تھا؟ اونہوں۔ یاد نہیں آرہا۔" یاد کرنے میں ناکام ہوئی تو سر جھٹک کے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"گڈ نائٹ' داتن پدوکا....صبح ملتے ہیں۔ کوشش کرنا کہ میری نیند کے دورانیے میں تم میرے فریج کی ایسی ہی حفاظت کرو جیسے میرے رازوں کی کرتی ہو۔"

"ہونہہ۔ فکر ہی نہ کرو۔" وہ چبھتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اونچا سا بولی تھی۔ تالیہ سیڑھیاں چڑھتی گئی تو اس نے جلدی سے کپ رکھا' اور موبائل نکال کے اسکرین روشن کی۔ پھر گردن اٹھا کے احتیاط سے دیکھا۔ تالیہ اب باہر نہیں آنے والی تھی۔ داتن مسکرائی اور جلدی سے گوگل ٹیب میں ٹائپ کرنے لگی۔

"پتلا ہونے کے لئے سرجری" اور فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ گو بٹن دبا دیا۔

☆☆=========☆☆

چند گھنٹے پیچھے واپس چلتے ہیں.....

تنگو کامل کے ڈرائنگ روم سے مہمان نکل کے راہداری میں آئے کھڑے تھے جہاں کم عمر علی بن کامل نے فاتح رامزل کو شیشے کی ڈبیا میں

سجا سکہ پیش کیا تھا۔

"ویسے یہ اوریجنل نہیں ہے۔ اوریجنل میں ایک طرف نصیر من الدنیا والدین لکھا ہوتا ہے۔ مگر آئی لائیک اِٹ۔" سچائی سے تبصرہ کیا تو میزبان ایک دم شرمندہ ہو گئے مگر وہ آدمی اتنا بے پرواہ' اتنا بے نیاز تھا کہ اسے ان کے تاثرات سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ (اور اس کی بات کو کوئی برا نہیں مانتا تھا۔ نہ مان سکتا تھا۔ وہ ملے قوم کو بہت محبوب تھا۔) ایک ہی فقرے میں اس نے ایمانداری سے پسندیدگی کا اظہار بھی کر دیا۔ پھر ذرا ٹھہرا۔ "عصرہ یہ تمہارے بریسلیٹ کی طرح نہیں لگتا جو تمہیں ایش نے دیا تھا؟ ہے نا۔" مسکرا کے کہتے ہوئے اس نے باکس پیچھے کھڑے اپنے باڈی مین کی طرف بڑھا دیا۔

وہ آگے بڑھ گیا اور باڈی مین سکہ جیب میں ڈالتا' آگے بڑھنے کو تھا کہ ٹھہرا۔ یونہی گردن موڑی۔ نظر دور پیچھے کچن کی چوکھٹ پہ کھڑی ملازمہ پہ پڑی۔ یہاں واضح روشنی تھی۔ تیز سفید لائٹس۔ اندر تو زرد فینسی لائٹس تھیں اس لئے آتے جاتے ملازموں کی شکلوں پہ وہ غور نہیں کر سکا تھا مگر یہاں وہ سفید روشنیوں میں نہائی کھڑی شل سی' سوگوار سی اس سکے کو دیکھ رہی تھی جسے باڈی مین جیب میں ڈال رہا تھا۔ اس نے ایک نظر اس کی آنکھوں کو دیکھا اور پھر مڑ گیا۔

باہر آیا تو گاڑیوں کے دروازے بند ہو رہے تھے۔ دعا سلامت' الوداعی کلمات۔ وہ اپنے نئے کوٹ اور ٹائی کو لاشعوری طور پہ درست کرتا اس سیاہ کار تک آیا جس کی پچھلی نشست پہ فاتح رامزل اور اس کی بیوی بیٹھ چکے تھے۔ ڈرائیور نے اسٹیئرنگ سنبھالا اور باڈی مین فرنٹ سیٹ پہ مستعد سا بیٹھ گیا۔ کار چل پڑی۔ اس نے بیک ویو مرر پہ نگاہ دوڑائی۔ پیچھے بیٹھا فاتح رامزل جیب سے عینک نکال کر آنکھوں پہ ٹکا رہا تھا۔ پھر اس نے اسی جیب سے سیل فون نکالا اور اسکرین روشن کر کے دیکھنے لگا۔ باڈی مین نے ہاتھ بڑھا کے شیشہ ذرا سا ترچھا کیا تا کہ دونوں میاں بیوی دکھائی دیں۔ ڈرائیور نے ایک نظر اس پہ ڈالی مگر ٹوکا نہیں اور ڈرائیونگ کرتا رہا۔ اب شیشے میں وہ دونوں نظر آ رہے تھے۔ عصرہ گردن موڑے کھڑکی کے باہر بھاگتے درختوں کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں ہاتھ گھٹنے پہ اوپر نیچے رکھے ہوئے تھے اور ایک کلائی میں طلائی بریسلیٹ دکھائی دے رہا تھا۔

"تمہیں ان کے اینٹیک تحفے کے بارے میں ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا فاتح۔ علی کو برا لگا ہو گا۔"

"علی کون؟" وہ اسکرین انگلی سے نیچے کرتے مصروف سا بولا تھا۔

عصرہ نے چہرہ موڑ کے مذمتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "شیلا کا بیٹا۔"

"اچھا۔ اس کا نام علی ہے۔" اس نے سر کو خم دیا اور سیل فون پہ ای میلو نیچے کرتا گیا۔ باڈی مین بار بار آئینے پہ نظر ڈالتا پھر ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگتا۔ وہ ملک کا سب سے محبوب کپل تھا۔ ان کو بار بار دیکھ کے بھی دل نہیں بھرتا تھا۔

"تم نے استعفیٰ والی بات کا جواب نہیں دیا۔ ہم یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ تم ریزائن دو گے اور ہم امریکہ واپس چلے جائیں گے۔"

فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ اسکرین کو انگلی سے دباتا ٹائپ کر رہا تھا۔ عصرہ چند لمحے کے لئے خاموش ہوئی۔ سرخ بھورے بالوں والی

وہ خوبصورت عورت تھی۔ دبلی پتلی اسمارٹ سی۔ ماتھے پہ کٹے بال گرتے تھے اور باقی بالوں کو آدھا باندھ رکھا تھا۔ گردن میں موتیوں کا نیکلیس تھا اور بھوری آنکھوں میں تلخی سی تھی۔

''تمہاری انہی باتوں کی وجہ سے بہت سی لابیز ہمیں چھوڑ چکی ہیں۔ اپنے کریز ما' اور فین فالوونگ سے باہر نکل کے دیکھو تو تمہارا کوئی سیاسی مستقبل نہیں ہے۔ باریسن نیشنل کا چیئر مین منتخب ہونے کے لئے ہمیں فنڈز چاہئیں' جو ہمارے پاس نہیں ہیں۔ پہلے پارٹی الیکشن پھر جنرل الیکشن ..... ہم کچھ بھی افورڈ نہیں کر سکتے۔ میرا بزنس پہلے ہی اشعر (بھائی) کے قرضوں تلے دبا ہے۔ میں مزید قرضے نہیں لے سکتی۔ تم نے آج تک سیاست سے کچھ نہیں بنایا' اور میں اس کی قدر کرتی ہوں مگر اب میں مزید تمہیں ایک کھوکھلے خواب کے پیچھے پیسہ اور محنت لٹاتے نہیں دیکھ سکتی۔'' وہ اب کے نرمی سے کہہ رہی تھی۔ وہ جواب دیے بنا موبائل کی طرف متوجہ رہا۔

''ہمارے ساتھ کوئی لابی' کوئی سیاسی اتحاد نہیں ہے۔ اگر کوئی پارٹی کا صدر بننے کے لئے الیکشن میں کھڑا ہو سکتا ہے تو وہ تم نہیں ہو فاتح۔ تمہارے ٹوئیٹر فالورز کے علاوہ ہمارے ساتھ کوئی نہیں کھڑا۔ وہ اشعر ہے۔ ایش۔ ایش نوجوان ہے..... ''ملے زیا'' (ملائیشیا) کا جسٹن ٹروڈو۔ اس کے پاس پیسہ ہے' اس کے ساتھ سیاسی حلیف کھڑے ہیں۔ وہ ممبر پارلیمنٹ ہے اور محنت کر کے اس مقام پہ آیا ہے۔ میں اس لئے نہیں کہہ رہی کہ وہ میرا بھائی ہے بلکہ وہ نوجوان نسل کا نیا لیڈر ہے' اس کی کیمپئن میں زیادہ چارم ہے' تم ایک زمانے میں بہت پاپولر تھے اور خدا کا شکر ہے کہ اب بھی ہو مگر تمہارے غیر سیاسی فیصلوں نے تمہارا چارم کم کر دیا ہے۔ تمہارے ووٹ کم ہو گئے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم عزت سے اس مونوپلی سے نکل آئیں اور اپنا بڑھاپا امریکہ میں آرام سے گزاریں۔ تمہیں میں نے کہا تھا کہ اگلے ماہ جب ایش باقاعدہ پارٹی چیئر مین کے انتخاب کا اعلان کرے گا تو تم اس کو endorse کرو گے اور اس کے حق میں دستبردار ہو جاؤ گے۔ تمہارا ووٹ بینک ایش کے حق میں چلا جائے گا اور یوں یہ ایک بہترین ہیپی اینڈنگ ہو گی۔ ایش ملے زیا کا اگلا وزیر اعظم ہے' تم اس نوشتہ دیوار کو جتنی جلدی ہو سکے پڑھ لو فاتح۔ اور اس طرح خاموش نہ رہو جیسے میں یہ اپنی گیلری کے لیے کر رہی ہوں۔ میں یہ ہم دونوں اور ہمارے بچوں کے لئے کر رہی ہوں۔''

فاتح نے سیل فون اسکرین بجھائی اور عینک اتار کے فولڈ کی' پھر دونوں چیزوں کو کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈالا' چہرے پہ مسکراہٹ سجائے کھڑکی سے باہر آنکھیں جمائے کہنے لگا۔

''ملے زیا (ملائیشیا) کے دوسرے بچوں کی طرح مجھے بھی بچپن میں سب سے زیادہ ملے ادب کی جو کہانیاں پسند تھیں وہ ''ننھے غزال'' کی تھیں۔ ننھا چالاک ہرن۔ ماؤس ڈئیر (یہ ایک دم کٹا چوہے کی شکل والا ہرن ہوتا ہے جو قریباً کتے جتنا ہوتا ہے۔) وہ چھوٹا سا تھا مگر جانوروں میں اس جیسا con artist دوسرا کوئی نہ ہو گا۔ بہت عیار تھا وہ۔ ننھا کن چیل۔ (ہرن) کن چیل اسٹوریز کی ابتدائی داستانوں میں وہ ایک دھوکے باز' چور اور چرب زبان ہرن تھا۔ بعد میں وہ اچھا ہوتا گیا تھا مگر شروع کی داستانوں میں مجھے وہ کہانی بہت پسند ہے جب اس کو دریا پار کرنا تھا اور سامنے ایک مگرمچھ بیٹھا تھا۔ تو ننھے ہرن نے مگرمچھ سے کہا کہ بادشاہ نے مگرمچھوں کی دعوت کی ہے اور اس کو یہ ذمہ

داری سونپی ہے کہ وہ مگرمچھوں کی تعداد گن کے بتائے تا کہ اسی حساب سے کھانا پکوایا جائے اس لیے سب مگرمچھ لائن میں کھڑے ہو جائیں۔'' وہ کھڑکی سے باہر روشن عمارتوں کو بھاگتے دیکھ کر محظوظ سا بتا رہا تھا۔ سب سانس روکے اس کو سن رہے تھے۔ ایڈم کے کان پوری طرح کھڑے تھے۔ ''پھر کیا تھا.. مگرمچھوں نے پل کی صورت قطار بنالی۔ وہ ایک دو تین کر کے گنتا ہوا ایک مگرمچھ سے دوسرے پہ چھلانگ لگاتا اور یوں دریا پار کر گیا۔ مگرمچھ آج بھی بادشاہ کی دعوت کا انتظار کر رہے ہیں۔ سارے دم کٹے ہرنوں کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو لوگوں کو manipulate کرنے کی اتنی عادت پڑ جاتی ہے کہ یہ مینیپولیشن ان کی زندگی کا حصہ بن جاتی ہے۔ وہ ہاتھ پیر کٹ جانے سے مفلوج نہیں ہوتے' دوسروں کی زندگیوں کا اسٹیئرنگ وہیل چھن جانے پہ مفلوج ہو جاتے ہیں۔ ایسے غزالوں کو اس وقت سے ڈرنا چاہیے جب دعوت کا انتظار کرتے مگرمچھ دریا سے نکل آئیں اور اس کو تلاش کرلیں کیونکہ مگرمچھ خشکی پہ بھی اتنا ہی خطرناک ہوتا ہے جتنا دریا میں۔''

کہہ کے اس نے جیب سے موبائل دوبارہ نکالا اور اسکرین روشن کر کے عینک ناک پہ جمائی۔ عصرہ گہری سانس لے کر چہرہ موڑ گئی اور باڈی مین نے نگاہیں جھکالیں۔ (کیا فاتح صاحب نے اپنے سالے کو ''سنک کچیل'' the mouse deer بولا ہے؟ عیار اور چالباز؟ وہ بھی اپنے ملازموں کے سامنے؟ یا اللہ.... یہ امیر لوگ ملازموں کی موجودگی میں ایسے کیسے باتیں کر لیتے ہیں؟ ہمارے محلے میں تو یوں نہیں ہوتا۔) وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔

کار سگنل پہ رکی تو ایڈم نے دیکھا' ایک طرف سے چند بچے بینرز اٹھائے چلے آرہے ہیں۔ شاید کوئی واک وغیرہ تھی جس کا اختتام ہو چکا تھا۔ وہ معمول کے انداز میں قریب سے گزر رہے تھے مگر جیسے ہی ایک نے شیشے کے پار بیٹھے شخص کے جھکے چہرے کو دیکھا جس کو موبائل کی روشنی نے منور کر رکھا تھا.... اس کی آنکھیں حیرت سے چمکیں۔ وہ فوراً پلٹا اور اپنے گروہ کو خوشی اور جوش سے چیخ کے پکارا۔ (فاتح رامزل کی کار! جلدی آؤ!)

سگنل ابھی سرخ تھا۔ بچے اکٹھے ہونے لگے۔ ہنسی مسکراہٹوں کے ساتھ ایک دوسرے کو ٹہوکے دیتے ہوئے۔ ایک نے ڈرائیور کی کھڑکی کے قریب آکر اپنا موبائل دکھا کے کچھ کہا تو باڈی مین نے گردن موڑی۔

''سر' بچے شاید تصویر بنوانا یا ہاتھ ملانا چاہتے ہیں۔''

''ڈونٹ بی اوور ایفیشیٹ ایڈم۔ یہ بچے ہیں' ووٹرز نہیں۔'' عصرہ تلخی سے بولی۔ باڈی مین نے خفت سے سر ہلایا اور بچوں کو دور ہٹنے کا اشارہ کیا۔ ننھے چہروں کی جوت بجھ گئی اور وہ پیچھے ہٹے۔ سگنل ہرا ہو گیا اور کار آگے چل پڑی۔

اسی پل فاتح نے موبائل سے نظریں اٹھائیں اور فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے باڈی مین کو دیکھا۔ ''اور تم کون ہو؟'' وہ بچوں کو نظر انداز کر گیا تھا۔

اس نے جلدی سے گردن موڑی اور تابعداری سے کہنے لگا۔ ''سر' میں ایڈم بن محمد ہوں۔ آپ کا باڈی مین اور....''

''عبداللہ گیارہ دن کی چھٹی پہ گیا ہے تو اس نے اپنے محلے کے لڑکے کو کام کے لئے بھیج دیا۔ مجھے اس کی شکل پہ ترس آگیا اس لئے اسے رکھ لیا۔ ایڈم نام ہے اس کا۔'' عصرہ بے زاری سے بتانے لگی۔ ''آتے وقت یہ دوسری کار میں تھا۔ میں نے کہا اب آیا ہی ہے تو کام تو پورا

کرے۔" (ملائیشیاء میں آدم نام کو ایڈم رکھا اور بلایا جاتا ہے اور یہ مسلمانوں میں عام ہے۔)

سگنل کھل گیا اور ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی۔ فاتح نے پھر سے موبائل دیکھتے ہوئے بھاری رعب دار آواز میں پوچھا۔ "کیا کرتے ہو ایڈم؟" ایڈم کا چہرہ اتنی توجہ پہ تمتمانے لگا۔

"سر میں فوج میں تھا' مگر صحت کے واجبی سے مسئلے پہ وہاں سے فارغ ہو گیا۔ پھر دو تین جگہ اپلائی کیا مگر نوکری نہیں ملی۔ والد صاحب ایک دکان پہ سیلز مین ہیں' ان کے ساتھ بھی کام کیا۔ ایک سیکیورٹی فرم سے پرائیوٹ باڈی گارڈ کی تربیت بھی لی۔ اب عبداللہ کی جگہ گیارہ دن کے لئے آیا ہوں۔"

"اور تم کیا باڈی گارڈز والا لباس پہن کر آ گئے ہو۔" عصرہ نے پیچھے سے برہمی سے ٹوکا۔ "تم فاتح صاحب کے باڈی گارڈ نہیں' باڈی مین ہو' اور ان دونوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ آئندہ نہ دیکھوں میں یہ سوٹ اور ٹائی۔ اور یہ پستول.... اس کا لائسنس ہے؟" ڈیش بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔

"جی میم۔ مجھے لگا مجھے باڈی گارڈ بننا ہے۔" وہ شرمندہ ہو گیا۔

"خیر ٹھیک ہے' گن ساتھ لے کر گھوم سکتے ہو' مگر حلیہ درست کر کے آنا کل۔" وہ نخوت سے کہتی بات ختم کر کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ وان فاتح نے موبائل واپس جیب میں ڈالا اور عینک اتارتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"ووٹ کس کو ڈالا تھا تم نے ایڈم؟"

ایڈم نے گردن موڑ کے اس کو دیکھا اور لمحے بھر کو چپ رہ گیا۔ پھینے نقوش اور صاف رنگت کا وہ ایک عام سا ملئے نوجوان تھا اور سوٹ ٹائی اس پہ بہت نئے اور اوپرے لگ رہے تھے جیسے مانگ کے پہنے ہوں۔

"کسی کو نہیں' سر۔ مجھے سیاست سے دلچسپی نہیں ہے۔"

فاتح نے بے اختیار دونوں ابرو اٹھائے اور تعجب سے اسے دیکھا۔ "تمہیں معلوم ہے ایڈم کسی ملک کے لئے سب سے خطرناک آدمی کون ہوتا ہے؟"

"کرپٹ حکمران؟" اس نے گڑبڑا کے کہا۔

"ہاں مگر اس سے بھی زیادہ 'سیاسی جاہل' خطرناک ہوتا ہے۔" وہ اس پہ نظریں جمائے بھاری آواز میں افسوس سے کہہ رہا تھا۔ "وہ سیاسی جاہل جو سینہ تان کے کہتا ہے کہ اسے سیاست سے دلچسپی نہیں' بلکہ اسے تو سیاست سے نفرت ہے۔ ایسا آدمی نہ کچھ دیکھتا ہے' نہ سنتا ہے' نہ کرتا ہے۔ اس کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سیاست Policies بنانے کا نام ہے اور آٹے دال' چاول' دواؤں اور موبائل کریڈٹ کی قیمت سے لے کر ہر چیز کا تعین سیاست دان کرتے ہیں' اور اگر سیاسی جاہل اپنی رائے نہیں رکھے گا' سیاست میں ووٹ اور سپورٹ کے ذریعے حصہ نہیں لے گا' تو وہ کرپٹ حکمرانوں کو مضبوط کرے گا اور سڑکوں پہ بے حال پھرتے لوگوں' چور ڈاکوؤں' غریبوں' سب کا ذمہ دار وہ ہوگا۔ مجھے

زیادہ خوشی ہوتی ایڈم اگر تم کہتے کہ تم نے میرے مخالف کو ووٹ ڈالا تھا کیونکہ تب مجھے لگتا کہ میں ایک سیاسی خواندہ سے بات کر رہا ہوں جس کی کوئی سوچ ہے' بھلے مجھ سے مختلف ہو' مگر کوئی نظریہ' کوئی رائے' کچھ تو ہے اس کے پاس۔ یہ انسان کی آزاد رائے ہوتی ہے جو ہمیں ایک دوسرے سے مختلف کرتی ہے' ورنہ ہم میں اور بھیڑ بکریوں میں کیا فرق ہے؟'' آخر میں کندھے اچکا کے وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگ گیا۔

ایڈم پہ تو گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اس نے چہرہ بالکل جھکا دیا۔

دونوں میاں بیوی کو گھر اتار کے وہ کار سے نکلا اور چھٹی لے کر باہر آ گیا۔ آدھے گھنٹے کی بس کی خواری کے بعد وہ اپنے گھر کے باہر کھڑا تھا۔ ایک منزلہ چھوٹا سا گھر جس کی چھت مخروطی تھی اور دیواریں لکڑی کی تھیں۔ کھڑکیاں اس پہر بھی روشن تھیں۔ ضرور اس کی ماں جاگ رہی تھی۔ وہ احتیاط سے دروازہ کھول کے اندر آیا' اور کوٹ اتار کے اسٹینڈ پہ ٹانگا۔ پھر پلٹا تو دیکھا' کچن کے دروازے پہ ویسے ہی چینی نقوش والی عورت کھڑی تھی۔

''ایڈم! تم آ گئے۔ کھانا لاؤں؟'' لکڑی کی راہداری میں سدا بہار پھولوں کی مہک پھیلی تھی۔ گھر میں جا بجا چھوٹے برتنوں' ٹین ڈبوں اور بوتلوں میں پودے اور بیلیں لگی تھیں۔

''بھوک نہیں ہے' ماں۔'' وہ بددلی سے سر جھکائے کہتا آگے آیا۔ ''بابا سے کہنا کہ یہ سوٹ دکان پہ واپس کر دیں۔ کل سے مجھے دوسری قسم کے سوٹ پہننے ہوں گے۔ ٹو پیس نائپ۔''

''مگر گارڈز تو ایسے ہی سوٹڈ بوٹڈ رہتے ہیں نا۔'' ادھیڑ عمر عورت حیران سی ہوئی مگر وہ چہرہ لٹکائے کچن میں داخل ہوا اور کرسی کھینچ کے خاموشی سے بیٹھ گیا۔

''عبداللہ نے کہا تھا مجھے باڈی مین بننا ہے' میں سمجھا وہ باڈی گارڈ ہی ہوتا ہے۔''

''ایں؟ باڈی مین کیا ہوتا ہے؟'' ماں نے اچنبھے سے کہتے سامنے والی کرسی کھینچی۔ چھوٹا سا کچن نفاست سے صاف کیا گیا تھا اور کھڑکی پہ جالی دار پردے لہرا رہے تھے۔ وہاں بھی چھوٹے چھوٹے سرسبز پتوں والے گملے رکھے تھے۔ ایڈم نے بجھا ہوا چہرہ اٹھایا اور ماں کا چہرہ دیکھا۔ ''باڈی مین پرسنل ایڈ کو کہتے ہیں' ماں۔''

''جیسے سیکرٹری؟ اسسٹنٹ؟''

''نہیں ماں۔ سیاستدانوں کے سیکرٹری بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ پولیٹیکل سیکرٹری الگ' پرسنل سیکرٹری الگ۔ باڈی گارڈز بھی ماہر تربیت یافتہ کمانڈوز ہوتے ہیں۔ میں صرف باڈی مین ہوں۔ پرسنل ایڈ۔ جب انہیں پیاس لگے تو پانی پکڑانا ہے' جب وہ کھانا کھانے لگیں تو نیپکین سامنے کرنا ہے' جب وہ دستخط کرنے لگیں تو قلم کھول کے ان کے ہاتھ میں تھمانا ہے۔ ہر وقت مستعد اور تیار ان کے قریب رہنا ہے کہ کہیں ان کو کسی چیز کی ضرورت نہ پڑے۔''

''یعنی کہ نوکر؟'' وہ دھک سے رہ گئی۔

''نوکر بھی فلیپنو ہوتے ہیں' ایجنسی سے کانٹریکٹ کر کے آتے ہیں' ماں۔ نوکر بہتر ہوتے ہیں۔ باڈی مین تو ایک نوباڈی ہوتا ہے' بس۔''

''چند دن کی ہی تو بات ہے۔ پھر ختم ہو جائے گی یہ نوکری۔''

''اس کے بعد میں کیا کروں گا؟ دو ماہ بعد میری شادی ہے۔ اور میرے پاس نوکری تک نہیں ہے۔''

''تم فاتح رامزل سے کہو کہ وہ تمہاری کہیں سفارش کرا دے۔''

''اوہ میری بھولی ماں.....'' ایڈم نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دیا۔ ''وہ فاتح رامزل ہے۔ وہ کسی کا کوئی کام نہیں کرتا۔ اس پہ ایک دنیا مرتی ہے۔ لوگ اس پہ پیسہ لٹاتے ہیں۔ اس کے اعزاز میں بڑی بڑی تقریبات کرتے ہیں اس کی پارٹی کو فنڈز دیتے ہیں مگر وہ نہ کسی سے کچھ مانگتا ہے' اور اگر کوئی کروڑوں بھی خرچ کر دے تو وہ تھینکس کہہ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ وہ کسی کا احسان ''رجسٹر'' نہیں کرتا۔ کہتا ہے میں کسی کو بدلہ نہیں دے سکتا' ہم سب بہتر ملے زیا (ملائیشیا) کے لئے کام کر رہے ہیں' گڈ۔ بس۔ آپ فاتح رامزل کے لئے جان بھی دے دیں تو وہ تھینکس کہہ کے چلا جائے گا۔ اس کے اتنے چاہنے والے ہیں' اس پہ لوگ اتنا کچھ لٹانے کو تیار ہوتے ہیں کہ اس کو ان چیزوں میں دلچسپی ہی نہیں۔ وہ ایک الگ طرح کا بندہ ہے۔ میں تو اس سے کیا سفارش کرواؤں گا' وہ تو میری طرف بلا ضرورت دیکھے گا بھی نہیں۔ وہ بہت' بہت اونچا آدمی ہے' ماں۔''

''ایڈم!'' اس کی ماں نے جھک کے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا اور اس کی بجھی آنکھوں میں دیکھ کے نرمی سے گویا ہوئی۔ ''اگر وہ اتنا ہی خود غرض آدمی ہوتا تو سارا ملک اس سے محبت کیوں کرتا؟''

ایڈم نے پلکیں اٹھائیں۔ ان میں ناسمجھی کی سی کیفیت تھی۔

''لوگ فاتح سے محبت اس لئے کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کو بے نیاز لگتا ہے۔ وہ امریکہ میں ایک ایماندار اور محنتی پراسیکیوٹر رہا تھا' پھر اپنا کیریئر چھوڑ کے وہ قوم کے لئے واپس آیا اور اس نے الیکشن لڑا۔ اپنے حلقے میں اس نے اسکولز بنائے' کالجز بنائے۔ اس نے لوگوں کے لئے کام کیا اور وہ دن بدن مشہور ہوتا گیا۔ ایسے میں اس کے گرد سارے مفاد پرستوں کا ٹولہ جمع ہو گیا جن کو امید ہے کہ اگر وہ اس پہ پیسہ خرچ کریں گے تو رامزل حکومت میں آ کر ان کو اونچے عہدوں سے نوازے گا مگر تم یہ دیکھو کہ وہ ان غریب بچوں کے لئے' جو اس کو کچھ نہیں دے سکتے' اسکولز تو بناتا جاتا ہے مگر امیر دوستوں کو تھینکس کہہ کے آگے بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ ہر وہ شخص جو فاتح رامزل کے قریب اس سے چپکا ہوا ہے وہ اپنے ذاتی مفاد کے لئے وہاں موجود ہے۔ جیسے شہد کے اوپر مکھیاں چمٹ جاتی ہیں۔ سب کو اپنا حصہ چاہیے۔ اسی لئے وہ ایسے لوگوں سے سرد رویہ رکھتا ہے تاکہ ہر ایک کو یہ واضح ہو جائے کہ وہ کسی کے لئے کچھ نہیں کرے گا۔''

ایڈم نے سمجھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ بات اس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔

''تم پہلے سے ہی جانتے ہو کہ وہ تمہارے لئے کچھ نہیں کرے گا تو ایڈم' تم اس سے امید نہ لگاؤ۔ کوئی درخواست کرو' نہ کسی مفاد کے لئے

اس کو اپنے کام سے متاثر کرنے کی کوشش کرو۔ غریب کو بھی مفاد چاہیے' امیر کو بھی مفاد چاہیے۔ تم ان دونوں کی طرح نہ بنو۔''

''پھر میں کیا بنوں؟''

''باڈی مین!'' وہ سادگی سے مسکرائی۔ ''تم اس کے باڈی مین بنے رہو یہ گیارہ دن۔ بغیر کسی لالچ' کسی غرض اور کسی لمبی اسکیم کے۔ تم اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ سوچو کہ تم نے پوری سچائی' ایمانداری اور وفاداری سے اپنے مالک کی خدمت کرنی ہے۔ اسے غریب دوست بھی مل جائیں گے' امیر دوست بھی' مگر سچائی' ایمانداری اور وفا آج کل ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ تم بس یہ گیارہ دن اس کے ہو کر رہو۔ اس کے لئے جان مارنی پڑے' جان مارو۔ جان لگانی پڑے تو لگا دو۔ اس کی حفاظت کرو' اس کے کام آؤ۔ اپنی استطاعت سے بڑھ کے اس کی خدمت کرو اور کسی بدلے کی امید نہ رکھو۔ جو تمہارے نصیب میں ہے وہ تمہیں مل جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' ایڈم نے سر ہلایا اور پھیکا سا مسکرایا۔ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ ''میں پوری سچائی' ایمانداری اور وفاداری سے اس کی خدمت کروں گا اور بے شک وہ مجھے اس کا بدلہ نہیں دے گا۔ لیکن اب مجھے اس بات کی پرواہ نہیں ہوگی۔''

''ایڈم!'' اس کی روشن آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ماں مسکرائی اور اس کے ہاتھ پہ دباؤ بڑھایا۔ ''صداقت' امانت اور وفا کا بدلہ ہمیشہ ملتا ہے۔ تم دیکھنا' کسی کی بے غرض خدمت سے اللہ تمہیں وہ بخت لگائے گا کہ ساری دنیا دیکھے گی۔''

ایڈم ہلکا سا ہنس پڑا۔ ''میری بھولی ماں' گیارہ دن کی ہی تو بات ہے' ان گیارہ دنوں کی خدمت اسے یاد بھی نہیں رہنی۔'' اور پھر گھڑی دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے اب سونے جانا تھا۔ ماں بھی ساتھ ہی اٹھ گئی۔

اس وقت ایڈم بن محمد کو نہیں معلوم تھا کہ ان گیارہ دنوں کے اختتام پہ کون سی بلا اس کا انتظار کر رہی ہے۔ اگر وہ جانتا ہوتا تو فاتح رامزل کی ملازمت تو درکنار' وہ اس شہر' اس ملک کو ہی چھوڑ کے کہیں دور بھاگ جاتا......

☆☆=========☆☆

اگلی صبح منہ اندھیرے جو بارش شروع ہوئی تو سورج نکلنے تک کے ایل بھیگتا ہی رہا۔ کے ایل میں ہر دوسرے تیسرے روز بارش ہوا کرتی تھی۔ اگر چار پانچ دن خشک گزر جائیں تو مسجدوں میں بارش کے لئے دعا کروائی جاتی تھی۔ ملائیشیا ایک مسلمان ملک تھا۔ یہاں 60% ملے قوم بستی تھی جن کی رنگت گندمی اور نقوش پھینے سے تھے۔ یہ مسلمان تھے۔ 30% چائینیز تھے ادھر جو خوب گورے اور اصلی چینی نقوش کے حامل تھے۔ یہ بدھسٹ ہوتے تھے عموماً۔ باقی دس فیصد تامل انڈین تھے۔ یوں مختلف ادیان' اور ثقافتوں سے مزین یہ رنگا رنگ اور جادوئی سا ملک تھا۔

مسلم اکثریت کے باعث یہاں اسلام کا رنگ نمایاں نظر آتا تھا۔ مسلم عورتیں قابلِ اعتراض لباس میں نہیں پھرتی تھیں۔ اگر مغربی لباس زیب تن کرتیں تو بھی پورا کرتیں ورنہ عموماً ملے طرز کا لباس پہنتیں جو کھلی سی اسکرٹ اور گھٹنوں تک آتی قمیض پہ مشتمل ہوتا تھا۔ خواتین کی ایک بڑی تعداد تنگ حجاب اوڑھتی تھی اور وہاں مڈل کلاس میں سر ڈھکنا پسند کیا جاتا تھا۔

یہ خاموش طبع' اپنے کام سے کام رکھنے والا ملک ہے۔ یہاں آج سے چھ سو سال پہلے اسلام آیا تھا۔ تلوار یا جنگوں کے زور پہ نہیں۔ مسلم تاجر آئے اور یہاں بس گئے۔ اسلام کا پیغام لائے اور ان کو چلتا پھرتا قرآن بنے دیکھ کے مالے قوم اپنے آپ اسلام لے آئی۔ راجہ مسلمان ہو گیا اور یوں ملاکہ سلطنت کے بادشاہ کو سلطان کہا جانے لگا۔ دیکھتے دیکھتے امن امان سے لوگوں کی اکثریت مسلمان ہو گئی۔ جب 1957 میں ملائیشیا نے انگریز سامراج سے آزادی حاصل کی تب بھی کوئی جنگ وجدل نہیں ہوا۔ بات چیت سے معاہدے ہوئے اور ملائیشیا الگ ہو گیا۔

ملائیشیا میں بھی پارلیمنٹ اور وزیر اعظم ویسے ہی کام کرتے ہیں جیسے پاکستان میں' مگر ان کا ایک بادشاہ بھی ہوتا ہے جو کے ایل کے ایک محل میں رہتا ہے۔ ہر پانچ سال بعد نیا بادشاہ آتا ہے اور اس کی یہاں وہی حیثیت ہے جو پاکستان میں صدر کی۔ کوئی خاص کام کاج نہیں کرتا' بس ایک اعزازی کرسی ہے جس سے وہ لطف اندوز ہوتا ہے۔

ملائیشیا ہر ریاست کا اپنا (منتری بیسار) ہوتا ہے جیسے پاکستان میں صوبے ہیں اور ان کے وزرائے اعلیٰ۔ ملائیشیا میں سارے وزیروں' وزرائے اعلیٰ اور بادشاہ سے بھی زیادہ طاقتور ایک شخص ہوتا ہے.... وہ آدمی جس کو پارلیمنٹ منتخب کر کے وزیرِ اعظم یا پردان منتری بناتی ہے۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جس سیاسی جماعت کو زیادہ ووٹ ملتے ہیں' ان کے چیئر مین کو وزیرِ اعظم بنایا جاتا ہے اس لئے اگر کسی کو ملائیشیا کا وزیرِ اعظم بننا ہے' تو پہلے اس کو اپنی سیاسی جماعت کے ہر پانچ سال میں ایک دفعہ ہونے والے انٹرا پارٹی الیکشن میں چیئر مین کی کرسی کے لئے انتخاب لڑنا پڑے گا۔ اگر وہ چیئر مین منتخب ہو جائے' اور پارٹی پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کر لے' تو پارٹی چیئر مین ہی وزیرِ اعظم بنے گا۔ وہاں پارٹی چیئر مین ہر پانچ سال بعد منتخب ہوتے ہیں' اولاد کو وراثت میں پارٹی نہیں دی جاتی۔

نوے کی دہائی تک ملائیشیا' کچرے کا ڈھیر ہوتا تھا۔ بھوکا' کمزور اور لٹا پٹا ملک جس کو کرپشن کا کینسر کھائے جا رہا تھا۔ پھر ان کو ڈاکٹر مہاتیر بن محمد جیسا لیڈر ملا جس نے یہ ثابت کیا کہ اگر کسی پارٹی کا صرف چیئر مین بھی ایماندار اور بہادر ہو' اور نیچے بھلے پوری پارٹی بے ایمان ہو تو بھی وہ ایک شخص سارا ملک بدل سکتا ہے۔ اس ایک آدمی نے ملائیشیا کے ادارے مضبوط کیے' عدل وانصاف کا نظام لایا اور ملک کو کرپشن سے پاک کیا۔ نتیجتاً ملک خوشحال ہونے لگا۔ سیاح آنے لگے۔ ملائیشیا کی خوبصورتی کے چرچے ہونے لگے اور ملک دولت اور ترقی سے مالا مال ہوتا گیا۔ لوگ حکومت سے اتنے خوش تھے کہ بار بار اسی پارٹی کو منتخب کرتے گئے۔ باریسن نیشنل خود کوئی پارٹی نہیں تھی بلکہ بہت سی پارٹیوں کا اتحاد تھی۔ جہاں اس پارٹی نے ملک کو اچھے سے چلایا وہیں بے پناہ سیٹیں ملنے کے باعث اس کی اپوزیشن ختم ہو گئی۔ ضرورت سے زیادہ طاقت ہمیشہ انسان کو خراب کر دیتی ہے۔ یوں گزشتہ انتخابات میں پہلی دفعہ باریسن نیشنل (قومی فرنٹ) الیکشن ہار کے اپوزیشن میں آ گئی اور جس وقت کی کہانی ہم بیان کر رہے ہیں' اس وقت یہ مقبول جماعت اپوزیشن میں بیٹھی ہے۔ لیکن لوگ موجودہ حکومت سے بھی ناخوش نظر آتے ہیں' کیونکہ عوامی رائے سے زیادہ جلدی بدلنے والی شے کوئی نہیں ہوتی' اس لئے نوشتہ دیوار یہ کہتا ہے کہ باریسن نیشنل اپنی خامیوں پہ قابو پا کر اگلے سال کا انتخاب جیت کر اقتدار میں آئے گی اور لازماً اس کا چیئر مین ہی اگلا وزیرِ اعظم بنے گا۔

ملائیشیا کا میڈیا پاکستان سے بالکل مختلف ہے۔ جہاں پاکستان کا میڈیا پہلے آزاد اور پھر آوارہ ہوتا گیا' ملائیشیا کا میڈیا سرکاری دباؤ تلے ہی رہا۔ وہاں کے تمام چینل "پی ٹی وی" ہیں جن کا کام حکومت کے عیوب کو چھپانا اور اپوزیشن کو بالکل ہی چھپا دینا ہوتا ہے۔ اپوزیشن لیڈرز کے انٹرویوز' جلسوں اور ریلی وغیرہ کو میڈیا کوریج نہیں دیتا۔ یوں کسی بھی حکومت کی جب تک غلطیوں کی نشاندہی نہ کی جائے' وہ بگڑتی چلی جاتی ہے اور اس وقت ملائیشیاء میں بھی یہی حال تھا۔

اب ہم واپس کے ایل کی اونچی عمارتوں تک آتے ہیں جو بارش میں کھڑی بھیگ رہی تھیں۔ سرسبز پہاڑیاں' نیلا سمندر اور اونچی سرمئی عمارتیں.... یہ ہر روز کا کے ایل تھا۔ جیسے کسی بھیگی جنت کا ٹکڑا ہو۔

دیسا پارک سٹی کے ایل کا وہ علاقہ تھا جو امیر اور اثر ورسوخ رکھنے والے خاندان کا مسکن تھا۔ اس کے گرد چار دیواری بنی تھی جو اس کو باقی کے ایل سے منقطع کر کے خاص الخاص بناتی تھی۔ وہاں ایک کالونی میں بڑے سے لان اور پول سے گھرا ایک تین منزلہ محل نما گھر تھا جس کے ڈائننگ ہال میں ناشتے کی میز سجی تھی اور اشتہا انگیز خوشبوئیں سارے کو مہکا رہی تھیں۔

میز پہ چھوٹے چھوٹے برتنوں میں رنگ برنگی اشیاء چنی گئی تھیں۔ کری پفز' ناسی لیما' ڈاگنگ ریندنگ' تربوز کا جوس' اور تہہ تارِیک (چائے) مگر سربراہی کرسی پہ بیٹھے فاتح رامزل نے ان پرتکلف اشیاء کو ہاتھ لگانے کی بجائے صرف سوپ کے پیالے پہ اکتفا کیا تھا' جسے پیتے ہوئے وہ ناک پہ عینک جمائے اخبار کھولے مطالعے میں منہمک تھا۔ سوپ میں ابلی مرغی کا ٹکڑا منہ میں آ جاتا تو وہ نظریں الفاظ پہ رکھے بند ہونٹوں سے خاموشی سے چباتا اور اگلا چمچ بھر لیتا۔ دائیں ہاتھ کرسی پہ عصرہ بیٹھی تھی۔ بھورے سرخ بال ماتھے پہ کٹے ہوئے گر رہے تھے اور باقی پیچھے جوڑے میں بندھے تھے۔ کاجل لگی بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کے وہ گاہے بگاہے فاتح کا چہرہ دیکھتی' پھر کری پف کترنے لگتی۔ پیچھے ایڈم مستعد سا کھڑا تھا۔ ڈریس شرٹ اور پینٹ پہنے' وہ کل کی نسبت زیادہ پراعتماد اور آرام دہ لگ رہا تھا۔ اخبار اسی نے لا کر دیا تھا اور اب وہ منتظر تھا کہ ادھر فاتح نہانے کے لئے جائے' ادھر وہ اس کا فون چارج پہ لگائے۔ بس یہی کام تھے ایک باڈی مین کے۔

"السلام علیکم!" ایک خوشگوار مسکراتی ہوئی آواز آئی تو دونوں میاں بیوی نے نظریں اٹھائیں۔ داخلی دروازے سے ایک سمارٹ سا آدمی چلا آ رہا تھا۔ پینتیس چالیس کے درمیان ہوگا' کافی خوش شکل تھا اور عصرہ میں ملتا تھا۔ آنکھیں تو ہو بہو عصرہ والی تھیں۔ گرے سوٹ' ٹائی' کف لنکس پہنے اور گیلے بال سامنے سے سپائکس کی صورت کھڑے کیے' وہ خوشگوار اور تر وتازہ سا لگ رہا تھا۔

"کاکا (آپی)....آبنگ (بھائی)!" اس نے مسکرا کے کہتے باری باری دونوں کو سلام کیا اور فاتح کے دوسری طرف کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ فاتح ذرا سا مسکرایا' سر کو خم دیا اور واپس اخبار پڑھنے لگا۔ عصرہ البتہ پورے دل سے مسکرائی اور فخریہ محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ نووارد کے ملازم نے میز پہ ٹوکری لا کر رکھی جس میں سرخ گلابی سے انویٹیشن کارڈز جھلک رہے تھے۔

"کیسے ہو ایش؟"

"ہمیشہ کی طرح اچھا۔ اور سوری میں آنے سے پہلے بتا ہی نہیں سکا۔" وہ مسکرا کے کہنے لگا تو فاتح صفحہ پلٹاتے ہوئے سادگی سے بولا۔

"فکر نہ کرو تمہاری بہن کو وحی آجاتی ہے اس لئے وہ تمہاری پسند کا ناشتہ بنالیتی ہے۔ ریلیکس۔ ناشتہ کرو۔"

عصرہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ چہرہ خفت سے گلابی ہوا۔ نگاہیں چرائیں مگر اشعر ہنس پڑا اور پلیٹ قریب کھسکائی۔

"وہ کیا ہے آبنگ (بھائی) کہ خون کے رشتوں کی کشش کے آگے دنیا کے سارے رابطے ہیچ ہوتے ہیں۔" فاتح نے اگلا صفحہ پلٹا یا اور گہری سانس لے کر اخبار پہ نظریں جمائے بولا۔ "بہت لوگ دیکھے ہیں ایش مگر تمہاری طرح کا ڈھیٹ جھوٹا ابھی تک نہیں دیکھا۔"

"میری خوش قسمتی ہے' بھائی!" وہ پھر سے ہنس دیا اور پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے ایک نظر اطراف میں ڈالی۔ پیچھے کھڑے ایڈم نے محسوس کیا تھا کہ اس کی نظریں بہت تیز تھیں۔ عقاب جیسی نہیں۔ کسی لومڑی کی مانند۔

"عبداللہ کہاں گیا؟" فوراً سے تبدیلی محسوس کر کے پوچھا۔

"چھٹی پہ گیا ہے۔ تم سناؤ' کیسے آئے۔" عصرہ اشیائے طعام اس کے سامنے رکھتے ہوئے موضوع بدلنے لگی۔

"میں یہ آپ کے لیے نیلامی کے کارڈز لایا تھا۔ آپ کے آرٹ پیسز کی نیلامی کی تقریب کے سارے انتظامات مکمل ہو گئے ہیں۔ آپ کارڈز دیکھ لیں۔ ابھی میں نے کسی کو بھیجے نہیں ہیں۔ لیٹ نائٹ آئے تو میں صبح سب سے پہلے ادھر ہی چلا آیا۔ اور ایک تو صبح صبح اس دی مالے ٹائمز ملے میل کے رپورٹر نے فون پہ فون کرنے شروع کر دیے تھے۔ پتہ نہیں ان کو کون بتاتا ہے کہ فاتح بھائی چیئرمین کا الیکشن نہیں لڑ رہے۔ میری رائے پوچھ رہا تھا۔ ابھی تو میں نے پالیسی اسٹیٹمنٹ دی ہے' لیکن سچ پوچھیں تو میں آپ لوگوں کے اس فیصلے سے خوش نہیں ہوں۔" اس کے لہجے میں افسوس تھا۔ فاتح نے اخبار سے نظر تک ہٹانے کا تکلف نہیں کیا۔ سوپ پیتے ہوئے وہ کالم پڑھتا رہا۔

"میں آج جو کچھ بھی ہوں.... سیاست میں میرا جو مقام بھی ہے' وہ آپ دونوں' بالخصوص فاتح بھائی کی وجہ سے ہے۔ اگر بھائی مجھے انگلی پکڑ کے چلنا نہ سکھاتا' مجھے ہر وقت اپنے ساتھ نہ رکھتا تو میں ایک عام سا وکیل ہوتا۔ مگر ایک ممبر پارلیمنٹ نہ ہوتا۔ اور اب جب وہ وقت آیا ہے کہ آپ دونوں مجھے چیئرمین بنا رہے ہیں' مجھے اس عہدے تک لے جا رہے ہیں جس کے میں قابل نہیں ہوں' تو آپ سیاست سے کنارہ کش ہو کے باہر جانا چاہتے ہیں۔" وہ احساس بھری خفگی سے کہہ رہا تھا اور کہتے ہوئے اپنی سیاہ چمکتی آنکھوں سے باری باری دونوں کے تاثرات دیکھتا تھا۔ "میں اپنے حق میں آپ کی دستبرداری کے فیصلے کی جتنی قدر کرتا ہوں' اتنا ہی مجھے اپنا آپ اکیلا محسوس ہونے لگا ہے بھائی۔ اگر آپ لوگ چلے گئے تو مجھے کون گائیڈ کرے گا؟ کاکا.... اتنی ضد مت کریں۔" اس نے گویا بہن کی منت کی۔

"میں پولیٹیکل وائف پوز کر کر کے تھک چکی ہوں ایش۔ ہمارے پاس اس مہنگے شوق کو جاری رکھنے کے لئے کوئی فنڈز نہیں ہیں۔ آریانہ کے بعد تو میرا کسی چیز میں دل نہیں لگتا۔ میں بس واپس جانا چاہتی ہوں اور ظاہر ہے فاتح کو اپنی فیملی بہت عزیز ہے' بیوی بچوں سے الگ تو وہ نہیں رہ سکتا۔"

اشعر نے خستہ کری پف کا ٹکڑا منہ میں ڈالا اور اسے چباتے ہوئے پُرسوچ نظروں سے فاتح کو دیکھا۔ "آبنگ (بھائی).... آدمی کو آپ جیسا جمہوری بھی نہیں ہونا چاہیے۔ میرے حق میں دستبرداری کی میں بہت قدر کرتا ہوں' مگر یوں ملک چھوڑ کے...."

''تمہیں کس نے کہا کہ میں دستبردار ہورہا ہوں' ایش؟'' اس نے عینک اتارتے ہوئے' اور اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹاتے ہوئے ٹھنڈی نظروں سے ایش کو دیکھ کے کہا تو لمحے بھر کو نوجوان سیاستدان کی رنگت اڑ گئی مگر وہ سنبھل کے مسکرادیا۔ ''آپ کا جو بھی فیصلہ ہوگا' میں اس میں آپ کے ساتھ ہوں گا' آبنگ۔ جیسے آپ نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا' میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔ آپ میرے آئیڈیل ہیں' کبھی مت بھولیے گا۔''

''تھینک یو۔'' وہ اخبار تہہ کر کے کرسی دھکیلتا اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ایڈم نے جلدی سے اس کا سیل اٹھایا اور فاتح کے پیچھے لپکا۔ ذہن میں مسلسل ماں کی باتیں گونجنے لگی تھیں۔ اسے ان باتوں کے تہہ در تہہ معانی اب سمجھ آنے لگے تھے....

ڈائننگ روم خالی ہوا تو اشعر آگے کو جھکا اور فکرمندی سے بہن کو دیکھا۔ ''آپ نے کہا تھا' بھائی مان گیا ہے۔''

''ایش!'' عصرہ نے اس کا ہاتھ دبایا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ ''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اگلے وزیراعظم تم بنو گے تو تم ہی بنو گے۔ میں فاتح کو مزید سیاست میں خود کو تباہ کرتے نہیں دیکھ سکتی۔ اسی سیاسی Campaign کے دوران آریانہ کو کھویا تھا ہم نے۔ فاتح کے پاس صرف خواب ہیں' پیسے نہیں۔ میں اسے مزید اپنا اور میرا پیسا اس سیاست میں نہیں جھونکنے دوں گی۔''

''مگر میں برا فیل کررہا ہوں۔ بھائی مجھ سے خفا ہے۔''

''وہ تم سے خفا نہیں ہے۔'' عصرہ نے ٹوکری سے ایک کارڈ نکالتے ہوئے ہاتھ جھلا کے اس کے واہمے کو رد کیا۔ ''وہ خود سے خفا ہے۔ وہ ناکام ہوچکا ہے اور اس ناکامی کا اعتراف نہیں کرنا چاہتا۔''

''ویسے تمہیں ان کو ملک چھوڑنے کا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ ملائیشیا ان کے خون کا حصہ ہے۔'' وہ جانچتی پرکھتی نظروں سے بہن کو دیکھتے ہوئے بظاہر سادگی سے بولا تھا۔

''میں اس سے کم پہ راضی نہیں ہوسکتی۔ سوری۔'' پھر کارڈ کھولا تو اس کی بھوری آنکھوں میں ستائش ابھری۔ ''بہت خوبصورت کارڈز ہیں۔ تھینک یو ایش۔ تم نے میرے کہے بغیر سارا انتظام اپنے سر لے لیا۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو کاکا۔ تمہیں باعزت ہونے کے لئے یہ رقم چاہیے تھی۔ اتنے سالوں سے اتنی بڑی آرٹ گیلری کی مالک رہی ہو' اب اس سارے آرٹ کو فروخت کرنے لگی ہو تو اونے پونے داموں تو نہیں بیچنے دوں گا نا اس سب کو۔ ایک دنیا شریک ہوگی اس میں۔''

''زبردست۔ نیلامی کی رقم کا ایک چوتھائی چیریٹی میں جائے گا اور اسی چیز کو بنیاد بنا کے ہم اس کی تشہیر کریں گے۔'' وہ جوش سے بتا رہی تھی۔ پھر جیسے یاد آیا۔ ''جمعرات کی سہ پہر وہ کویتی امیر میری گیلری آئیں گے۔''

''کون سے کویتی؟''

''تم اور فاتح ایک جیسے ہو۔ بار بار بھول جاتے ہو۔ میں نے بتایا تھا نا کہ ایک کویتی امیر ہمیں نیلامی کے لیے ایک نادر پینٹنگ کا عطیہ دے رہے ہیں۔ سپائکم کی پینٹنگ ''گھائل غزال'' (زخمی ہرن)۔ وہ ایک مشہور آرٹ کلیکٹر ہیں اور جس وقت وہ گیلری آئیں تمہیں وہاں

ہونا ہے لازمی۔ سیاستدانوں کی بیویوں کو لوگ عطیے صرف سیاستدان سے تعلقات بنانے کے لیے دیتے ہیں۔ان کا کوئی کام وغیرہ ہو تو تم کر دینا۔ فاتح سے تو مجھے امید نہیں ہے۔" وہ بے رخی سے کہہ کے کارڈ کو دیکھ رہی تھی۔

"شیور مگر پینٹنگ کو کسی ایکسپرٹ سے چیک ضرور کروانا۔ نقلی نہ نکلے۔"

"ظاہر ہے' کرواؤں گی۔ ایسے ہی تو نیلامی پہ نہیں رکھ دوں گی نا۔ میری کریڈیبلٹی کا سوال ہے۔" وہ اب کارڈز واپس ڈال رہی تھی ۔اشعر نے ایک نظر کھڑکیوں کو دیکھا جن پہ ٹپ ٹپ قطرے برس رہے تھے اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔"چلتا ہوں کاکا۔ آج بہت کام ہیں۔"

عصرہ نے چہرہ اٹھا کے محبت بھری نظروں سے اشعر کو دیکھا۔"تم شادی کر لو اشعر۔"

"شادی!" اس نے بھنویں اکٹھی کیں جیسے اچانک اس ذکر پہ حیرت ہوئی ہو۔

"ہاں ایش.... کسی اعلیٰ خاندان کی خوبصورت لڑکی سے شادی کر لو۔ ملے زیا کے لوگوں کو کیا اچھا لگتا ہے؟ان کے لیڈر کی ایک مثالی' خوبصورت بیوی' اور دو بچے ہوں۔ پرفیکٹ فیملی۔ تمہاری ریٹنگز بھی اوپر جائیں گی اور شہرت بھی بڑھے گی۔"

"ہوں۔" وہ تھوڑی کھجاتے ہوئے سوچنے لگا۔"مگر کاکا اتنی پرفیکٹ لڑکی کہاں ملے گی؟"

"جیسے تمہارے حلقہ احباب اور عادتوں کو میں تو جانتی ہی نہیں۔ جاؤ' ڈھونڈو کوئی۔" عصرہ نے ہاتھ جھلا کے اسے ہلکا سا جھاڑ دیا اور کارڈز کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ایش ہنس دیا۔ پھر اپنی کالی آنکھوں سے اطراف کا عمیق جائزہ لیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆=========☆☆

کے ایل کے ایک دوسرے رہائشی علاقے میں آؤ تو یہاں تنگو کامل کے گھر بھی صبح ہو چکی تھی۔ بارش یہاں بھی تڑاتڑ برسے جا رہی تھی۔ لاؤنج کی کھڑکیوں سے بھیگتا لان صاف دکھائی دے رہا تھا۔ مسز شیلا صوفے پہ بیٹھی' دلگرفتگی سے سامنے بیٹھی تالیہ کو دیکھ رہی تھیں۔

"وہ ایسے تمہاری شادی کیسے کر سکتے ہیں؟"

تالیہ نے گلابی متورم آنکھیں اٹھائیں۔ وہ یونیفارم میں ملبوس تھی' سیاہ بال کس کے باندھ رکھے تھے' اور چہرے پہ اداسی تھی۔"سر نے جو پیسے مجھے دیے تھے اور جو اس آدمی نے دیے تھے' وہ میں نے اپنے والد کو بھجوائے۔ مجھے لگا تھا وہ خوش ہوں گے مگر ان کو لگتا ہے کہ میں غلط کاموں میں پڑ گئی ہوں' اس لئے انہوں نے میرا رشتہ طے کر دیا ہے اور مجھے واپس بلا لیا ہے۔" آنکھیں بھیگنے لگیں "مگر میں غلط کاموں میں تو نہیں پڑی تھی نا میم۔ تالیہ نے تو وہی کیا جو مسٹر کامل نے کہا تھا۔ تالیہ نے تو چوری نہیں کی تھی نا میم۔" آنسو اس کی آنکھ سے ٹپکا اور گلابی گال پہ لڑھک گیا۔

"میں تمہارا دکھ سمجھ سکتی ہوں تالیہ۔" شیلا نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔"میری ماں نے بھی میری بہن کے ساتھ یہ کیا تھا۔ آہ ہم ایشیائی عورتیں۔ میں تو اس وجہ سے ماں کو کبھی معاف نہیں کر سکی۔"

تالیہ چونکی۔"مگر آپ کو تو اپنی والدہ سے بہت محبت تھی نا۔ آپ نے بتایا تھا کہ انہوں نے آپ کو ایک تاج دیا تھا جو آپ نے اپنے بیٹے

کی بیوی کے لیے سنبھال رکھا ہے۔"

"کون سی محبت؟ ہونہہ۔ سوتیلی ماں تھی وہ ہماری۔ اس کا دیا زیور بھی پہننے کو دل نہیں چاہتا میرا۔ قیمتی نہ ہوتا تو سنبھال نہ رکھتی۔" انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا تو تالیہ کا منہ کھل گیا۔ ایک بے بس سی نظر اوپر ڈالی جہاں اسٹڈی کے لاکر میں وہ اس تاج کو ان پہ رحم کھا کے چھوڑ آئی تھی۔ (اُف اُف ...کاش خواہ مخواہ انسانیت کے چکر میں نہ پڑی ہوتی۔ ہائے۔ وہ کتنا پیارا اور قیمتی تھا۔ کاش موٹی کی بات سن لی ہوتی۔)

"میں چلتی ہوں میم۔ اور اگر آپ لوگ کبھی لاہور آئیں تو میرے پاس ضرور آیئے گا۔ ہم لاہور کے لوگ بہت پیارے ہوتے ہیں۔ کھلے دل کے مہمان نواز اور کھاتے پیتے سے۔" وہ بادل نخواستہ کہتی چھتری اٹھائے اٹھی تو وہ بھی کھڑی ہوگئیں۔

"انشاءاللہ کیوں نہیں۔" وہ مسکرا کے بولیں پھر پرس کھولا۔ "اپنی باقی تنخواہ لیتی جاؤ۔"

"نہیں میم ...سر نے اتنا کچھ دے دیا ہے میں اب مزید کچھ نہیں لوں گی۔" وہ فوراً پیچھے ہٹ گئی۔ اور سختی سے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ انہوں نے زبردستی تھمانے چاہے تو تالیہ نے ہاتھ پیچھے کر لیے۔ "نہیں میم! یہ میں نہیں لوں گی۔"

"اچھا میں کچھ اور کر سکتی ہوں تمہارے لیے؟" وہ خلوص سے پوچھ رہی تھیں۔ تالیہ نے بدقت اپنے خفا جذبات کو چہرے پہ آنے سے روکا۔ (ماں کے زیور کے قصے کیوں سنائے تھے آخر پھر؟ اُف تالیہ تم نے وہ کیوں چھوڑ دیا؟) "بس دعا میں یاد رکھیئے گا۔"

"کیوں نہیں تالیہ۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ تم اتنی اچھی، صاف اور سچے دل کی مالک جو ہو۔"

باہر ایک دم زور سے بجلی کڑکی۔ بارش کی بوچھاڑ تیز ہوئی۔ تالیہ کی آنکھوں میں سایہ سا لہرایا۔ سیاہ تاریک مایوس سا سایہ۔ دل ایسے ڈوبا ...جیسے نیلے سمندر میں ٹوٹا ہوا جہاز ڈوب جاتا ہے....

(اللہ تعالیٰ اس بات سے اتفاق نہیں کرے گا مسز شیلا ...مگر خیر....) اس نے سر جھٹک دیا۔ ہمیشہ کی طرح گلٹ کو بھی جھٹک دیا۔

مسز شیلا اب پرس واپس رکھ کے اسے وقتِ رخصت کی دعائیں دے رہی تھیں۔ بارش ویسی ہی برس رہی تھی۔

وہ گھر آئی تو دروازہ کھلا تھا۔ داتن پھیل کے لاؤنج کے مرکزی صوفے پہ براجمان تھی۔ ٹی وی چلا ہوا تھا اور وہ آلو کے گرما گرم چپس کھا رہی تھی۔ تالیہ نے سامنے آتے ہوئے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔

"اتنے سارے چپس....." ایک مشکوک نظر اوپن کچن کاؤنٹر پہ ڈالی۔ "اور اتنے سارے جھوٹے برتن ظاہر کر رہے ہیں کہ تم کب سے بیٹھی بس کھا ہی رہی ہو۔ یقیناً رات دیر تک جاگتی رہی تھیں....." وہ دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے سامنے پھیلے بکھراوے کو دیکھنے لگی۔ کاغذات۔ لیپ ٹاپ۔ کتابیں۔ "یہ کام تو تم نے صبح اٹھ کے میرے جانے کے بعد شروع کیا ہوگا' پھر رات بھر جاگ کے کمپیوٹر پہ کیا کرتی رہی تھیں؟ مجھے سوچنے دو۔ ہوں۔" تالیہ نے انگلی سے گال پہ دستک دی اور اوپر چھت کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ "جب داتن ساری رات کمپیوٹر پہ بیٹھے اور اتنا کھائے اور صبح اس کے چہرے پہ یہ پچھتاوے بھری خاموشی ہو تو اس کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے۔ کہ تم رات بھر گوگل پہ دبلے ہونے کے طریقے دیکھتی رہی تھیں۔"

داتن جو ناک پہ عینک جمائے اسکرین کو دیکھ رہی تھی اس بات پہ نظریں اٹھا کے اسے گھورا۔ ''اور تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟''

''تمہاری آنکھوں کے گرد لکیروں میں لکھا ہے بوڑھی عورت۔''

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تم نے صبح میرے لیپ ٹاپ کی ہسٹری چیک کی ہوگی۔''

''ظاہر ہے میں نے ہسٹری چیک کی تھی۔'' وہ کھلکھلا کے ہنس دی اور اس کے ساتھ صوفے پہ آ بیٹھی۔ پیروں کی قینچی بنا کے میز پہ رکھ لئے۔ ''اتنا ہلکان نہ ہوا کرو داتن۔ تم اب پتلی نہیں ہو سکتیں۔''

''پتلا ہونے کے لئے عمر کی شرط نہیں ہے۔ انسان کسی بھی عمر میں دبلا ہو سکتا ہے۔''

''انسان ہو سکتا ہے نا۔ برائلر مرغیاں نہیں۔'' وہ کہہ کے زور سے ہنسی۔ ''ویسے دیکھا ہے تم نے کبھی کسی مرغی کو ڈائٹنگ کرتے؟ سوپ اور ابلی سبزیاں کھاتے؟ نہیں نا۔''

داتن نے خفگی سے ناک سکوڑی اور اسے درزیدہ نظروں سے دیکھا۔ ''بہت خوش نظر آ رہی ہو۔ خیر ہے؟''

''ہاں نا۔ تنکو کامل کے گھر سے استعفیٰ دے آئی ہوں۔ بقایا تنخواہ بھی ان کو صدقہ کر آئی ہوں۔ جلد ان کو اس کی ضرورت پڑے گی۔ چچ چچ۔'' افسوس سے سر ہلایا۔ اپنی انسانیت کا نتیجہ گول کر گئی۔ ''خیر... اب ہم فاتح رامزل پہ کام کرنا شروع کریں گے۔ میں فریش ہو کے آتی ہوں اور پلان بتاتی ہوں۔''

کہہ کے اس نے پیر نیچے اتارے اور جھک کے جوتے کھولنے لگی۔ چونکہ تالیہ کے بال جوڑے میں بندھے تھے گردن کی پشت پہ گول سا جلنے کا نشان دکھائی دے رہا تھا۔ داتن اس کو دیکھے گئی پھر موبائل نکالا اور ہاتھ اونچا کر کے اس نشان کی تصویر لی۔

''کیا کر رہی ہو؟ میری جیسی پتلی تم اگلی دس زندگیوں میں بھی نہیں ہو سکتی۔'' تالیہ جوتے اٹھاتے سیدھی ہوئی اسے چڑانے کو بولی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ داتن نے کچھ نہیں کہا۔ بس اسکرین کو زوم کر کے اس نشان کو غور سے دیکھنے لگی۔ اس کی سیاہ موٹی موٹی آنکھوں میں اچنبھا سا تھا۔ اس نے تصویر موبائل سے لیپ ٹاپ میں ڈالی اس کا پرنٹ آؤٹ نکالا اور پھر اس کاغذ کو تہہ کر کے اپنے پرس میں رکھ لیا۔

وہ فریش ہو کر آئی تو داتن اس تصویر لینے کا ہر نشان مٹا چکی تھی۔ تالیہ نے گیلے سیاہ بال تولیے میں لپیٹ رکھے تھے اور پیروں میں سلیپرز پہن رکھے تھے۔ وہ سامنے والے صوفے پہ آلتی پالتی کر کے بیٹھی اور بولی۔

''تو ہم کیا جانتے ہیں فاتح رامزل کے بارے میں؟''

☆☆=========☆☆

(فاتح رامزل جس کے نام کے ساتھ وان لگتا ہے... اور تم جانتی ہو تالیہ کہ وان ملائیشیا میں ان لوگوں کے ناموں کے ساتھ لگتا ہے جو اوپر سے شاہی خاندان میں سے تھے مگر پھر کسی ایک نے کسی عام آدمی سے شادی کر لی تو ان کی نسل میں ملاوٹ ہو گئی۔)

کے ایل کی سڑک پہ وہ سیاہ لمبی کار دوڑ رہی تھی اور پچھلی سیٹ پہ بیٹھا فاتح کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں پر سوچ انداز میں چھوٹی کر

رکھی تھیں اور مسلسل تھوڑی کو انگوٹھے سے رگڑ رہا تھا۔ فرنٹ سیٹ پہ تابعداری سے بیٹھا ایڈم گاہے بگاہے آئینے میں اپنے مالک کو دیکھ لیتا تھا۔ عارضی مالک کو۔ اس نے سوچ کی تصحیح کی۔

(فاتح کم عمری میں اپنے والدین کے ساتھ امریکہ چلا گیا تھا۔ اس کو وہاں کی شہریت بھی مل گئی مگر وہ کبھی ملک سے کٹا نہیں۔ چھٹیوں میں' تہواروں پہ وہ کے ایل آ جاتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں وہ وہاں کالج میں کافی مقبول تھا۔)

''یوں کرو کار موڑ لو۔'' کھڑکی سے نظر ہٹائے بغیر فاتح نے ڈرائیور کو مخاطب کیا تو وہ چونکا۔

''سر ہم پارلیمنٹ نہیں جا رہے؟'' اس کے وقت کا ایک ایک منٹ ڈائری میں لکھا ہوتا تھا۔ ایسے میں یہ تبدیلی؟

''شمس کے گھر کی طرف لے چلو۔''

''مگر سر' کیا آج آپ سیشن اٹینڈ نہیں کریں گے؟'' ڈرائیور نے فکرمندی سے پوچھا۔

''راستے سے پھول بھی لیتے چلو۔ شمس بیمار ہے کچھ عرصے سے۔''

''اوکے سر۔ میں پولیٹیکل سیکرٹری کو انفارم کر دوں کہ آپ سیشن اٹینڈ نہیں کریں گے؟'' ایڈم نے جلدی سے فون نکالا۔ سیکرٹری دوسری کار میں آ رہا تھا۔

''گلاب مت لینا۔ شمس کو اس سے الرجی ہے۔ کچھ اور لینا۔'' وہ کھڑکی سے باہر دور نظر آتی اونچی عمارتوں پہ نظریں جمائے بولا تھا۔ ایڈم گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اتنا تو وہ پچھلے تین گھنٹوں میں سمجھ چکا تھا کہ اس کا عارضی مالک بات کا سیدھا جواب نہیں دیتا۔

(فاتح نے دو دفعہ اسٹیٹ اٹارنی کا الیکشن لڑا اور دونوں دفعہ ریاست کے لوگوں نے اسے منتخب کر کے آفس میں پہنچایا۔ وہ امریکہ میں کافی مقبول تھا۔ اس کا ریکارڈ شاندار تھا۔ ایماندار آدمی' سچا اور کھرا مگر وہ سب چھوڑ کے ملائیشیا واپس آیا' اور یہاں کی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔)

کار اب بھی سڑک پہ دوڑ رہی تھی اور وہ ہنوز باہر دیکھتے ہوئے کچھ سوچے جا رہا تھا۔ ڈرائیور اور باڈی مین اپنے اپنے فونز پہ لگے تھے۔ سیکرٹری کو اطلاع' شمس صاحب کے آفس میں اطلاع.... پروٹوکول.... سیکیورٹی انتظامات.... افراتفری سی مچ گئی تھی۔

(وہ دو دفعہ ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوا ہے اور ان دس سالوں میں اس نے اپنے حلقے کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ اس نے علاقے کو صاف کیا' وہاں بہترین اسکولز بنوائے' بہترین ہسپتالوں کا نظام لایا' سیکیورٹی بہتر کی۔ لوگ اس سے خوش ہیں۔ اگر کوئی نہیں خوش تو اس کی اپنی پارٹی ہے۔)

کار اب ایک پھولوں کی دکان کے سامنے رکی ہوئی تھی۔ وہ ابھی تک باہر دیکھتے ہوئے گہری سوچ میں گم تھا۔ جیب میں رکھا موبائل وقفے وقفے سے تھرتھراتا تھا مگر وہ ادھر متوجہ نہیں تھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

(اس کی صاف گوئی نے جہاں بہت سے دوستوں کو ناراض کیا وہاں حد سے زیادہ بے نیازی امیر lobbyists کو اس سے دور کر کے

اشعر کے قریب لے گئی۔اشعر اس کی بیوی کا بھائی ہے۔میٹھی چھری جیسا۔ ہر وقت ہنستا مسکراتا ہوا ایک نمبر کا دوغلا اور ambitiousانسان۔اشعر نے اپنے آہنگ کے نام پہ لوگوں سے قرضے لئے'فیورز مانگے۔ یہ نہیں کہ فاتح ان کوادا کرے گا' بلکہ یہ کہ اس طرح میں آپ کو فاتح سے قریب کر دوں گا۔اشعر امیر ہوتا گیا اور فاتح کی جمع پونجی کم ہوتی گئی۔ سیاست بہت مہنگا شوق ہے اور اس کی بیوی کا کام بھی اس سے متاثر ہوا ہے۔اوپر اوپر سے لگژری لائف اسٹائل کا ملمع تو ہے مگر اندر سے ان کے پاس کچھ نہیں بچا مگر وان فاتح کو اس کی پرواہ ہی نہیں ہے۔)

کار پھر سے چل پڑی تھی۔پھول ایڈم نے ڈیش بورڈ پہ رکھ دیے تھے اور ان کی خوشبو نے ساری کار کو مہکا دیا تھا۔ایسی دلفریب خوشبو کہ طبیعت خوش ہو جائے۔ایڈم کا موڈ بھی ایک دم کافی خوش ہو گیا۔

(وہ ایک خواب میں جی رہا ہے تالیہ۔ایک آئیڈیلزم میں۔لوگ کہتے ہیں اسے سیاست نہیں آتی۔اسے عیاریاں نہیں آتیں۔وہ عوام کے ووٹ کے بھروسے پہ وزیرِ اعظم بننے کے لئے پر یقین اور پر امید ہے مگر اسے اتنا بھی احساس نہیں کہ ملے زیا میں جمہور کی حمایت کافی نہیں۔امیر دوست زیادہ ضروری ہیں۔)

گاڑیوں کا قافلہ ایک بنگلے کے باہر پہنچا تو خود کار گیٹ کھل کے دیوار میں گھستا گیا۔کار طویل ڈرائیو وے پہ آگے بڑھتی آئی۔

(فاتح ایک سادہ آدمی ہے۔مغرور بھی ہے مگر ہر ایک پہ اعتبار کر لیتا ہے۔سب کو اپنے جیسا سچا سمجھتا ہے۔اس کے دوست اشعر کے ساتھ ملتے جا رہے ہیں۔دباؤ بڑھ رہا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ فاتح رامزل اپنے خواب سے دستبردار ہوتا ہے یا نہیں۔)

ایڈم جھٹ کار سے نکلا اور فاتح کا دروازہ کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر وہ فاتح نے دروازہ خود ہی کھولا' اور کوٹ کا بٹن بند کرتے باہر نکلا۔

☆☆=========☆☆

باہر نکل کے فاتح رامزل نے گردن اٹھا کے اس اونچے گھر کو دیکھا۔بارش اب تھم چکی تھی۔سیاہ بادل غائب ہو رہے تھے۔

''تم لوگ یہیں رکو۔'' اس نے بے نیازی سے تمام ملازموں کو ہاتھ سے اشارہ کیا جو ساتھ آ رہے تھے۔سب رک گئے' اور سمجھ کے چند قدم پیچھے ہٹ گئے۔فاتح گھر کے برآمدے کی طرف بڑھا جہاں شمس کے ملازم اس کو اندر لے جانے کے لیے مستعد کھڑے تھے۔

پھر وہ ٹھہرا اور گردن موڑ کے سوالیہ نظروں سے ایڈم کو دیکھا جو ساتھ چلا آ رہا تھا۔

''مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔یہیں رکو۔''

''سوری سر' مگر آپ کو صبح سے فلو کی شکایت ہے'آپ کو بار بار ٹشو کی ضرورت ہو گی جو میں ساتھ لایا ہوں اور آپ کو کسی دوسرے کے ملازم کے ٹشوز پہ نہیں چھوڑ سکتا۔مجھے آپ کے ساتھ آنا ہو گا۔''

فاتح نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے ایک ابرو اٹھائی۔''تم مجھے متاثر کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟''

"نہیں سر۔ میں نے آج صبح سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں آپ کے ساتھ سچائی اور ایمانداری سے کام کروں گا' کیونکہ میں آپ کے ملازموں میں وہ واحد شخص ہوں جس کو آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔" وہ سادگی سے مسکرایا۔

"واقعی؟" (تمام ملازمین' سیکرٹری' سب ایڈم کو گھور رہے تھے مگر وہ نڈر سا بولے جا رہا تھا۔)

"سر' میری نوکری ویسے بھی چند دن میں ختم ہو جائے گی اور آپ کبھی کسی کی سفارش نہیں کرتے' سو مجھے آپ سے کچھ نہیں ملنے والا۔ کل رات تک میرے دل میں لالچ تھا' اس لئے میں نے جھوٹ بولا تھا کہ میں نے کسی کو ووٹ نہیں دیا۔ میں نے آپ کی مخالف امیدوار کو ووٹ دیا تھا سر' حکمران پارٹی کو۔ اپنی موجودہ وزیر اعظم کو۔ مگر اب مجھے خوف نہیں ہے سر۔ سچ بولنے والے' انسانوں کی ناراضی سے ڈرتے نہیں ہیں۔ اس لئے سوری مگر میں آپ کو اکیلے اندر نہیں جانے دے سکتا جب کہ آپ کو فلو ہے۔"

فاتح ہلکا سا مسکرایا اور آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔ "تم واقعی مجھے متاثر کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔" اور آگے بڑھ گیا۔ ایڈم مستعدی سے پیچھے لپکا۔ سیکرٹری نے تادیبی انداز میں پکارا' ڈرائیور نے گھورا مگر چونکہ فاتح نے منع نہیں کیا' اس لئے وہ رکا نہیں۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ ایک خوبصورتی سے سجائے گئے شاہانہ طرز کے ڈرائینگ روم میں بیٹھے تھے۔ اونچی کھڑکیاں' سنہری پردے اور سفید مخملیں صوفے۔ جیسے کراچی کا کوئی بنگلہ ہو۔ شمس صاحب چینی نقوش کے حامل ادھیڑ عمر انسان تھے۔ ان کے سامنے فاتح رامزل براجمان تھا۔ ہاتھ صوفے کی پشت پہ پھیلائے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ ایڈم پیچھے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں ٹشو کا پیکٹ تھا۔

"تمہیں کچھ پریشان کر رہا ہے' فاتح؟" شمس صاحب تفکر سے اس کا چہرہ دیکھ کے بولے تھے۔

"میں ایک دوراہے پہ کھڑا ہوں۔ کراس روڈز پہ۔ سامنے تین سڑکیں ہیں۔ فیصلہ نہیں کر پا رہا کہ کون سی لوں۔" بات کے اختتام پہ وہ جھکا اور میز پہ رکھے ٹشو باکس سے تین ٹشو کھینچے۔ (ایڈم کا منہ کھل گیا۔) "تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں تاکہ اپنا ذہن کلیئر کر سکوں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے ہر برے وقت میں مجھے یاد رکھا ہے اور مجھ پہ بھروسہ کیا ہے۔"

"میں کسی برے وقت میں نہیں ہوں شمس۔" تہہ شدہ ٹشو سے ناک رگڑتے اس نے کندھے ذرا سے اچکائے تھے۔ ایڈم نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ٹشو کا پیکٹ پکڑا ہاتھ پہلو میں ڈھیلا سا گر گیا۔

"اگر مجھ پہ بھروسہ کیا ہی ہے تو میری رائے کو تحمل سے سنو۔ تم اچھے وقت میں بھی نہیں ہو فاتح۔ لوگ تم سے ہاتھ کھینچ رہے ہیں۔"

"ایش چاہتا ہے میں چیئرمین شپ کے الیکشن سے دستبردار ہو جاؤں۔ عصرہ چاہتی ہے کہ ہم امریکہ چلے جائیں۔"

"یہ سراسر ظلم ہے۔" شمس صاحب کے چہرے پہ غصہ نظر آنے لگا۔ "چیئرمین بننے کا اگر یہ درست وقت نہیں ہے تو وہ الگ بات ہے لیکن ملک چھوڑنا.... اپنی سیاست چھوڑ کے کسی lounge lizard کی طرح ریٹائرمنٹ گزارنا.... یہ تمہاری شان کے خلاف ہے۔"

فاتح نے اسی سادگی سے دوسرا ٹشو تہہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"سیاست درمیانی راستے کا نام ہے۔ مفاہمت کا۔ بات چیت سے مسائل حل کرنے کا۔" وہ سمجھداری سے کہہ رہے تھے۔ وہ ٹشو مٹھی

میں دبائے آنکھیں چھوٹی کر کے ان کو غور سے دیکھتا رہا۔

"تم کچھ اپنی منواؤ۔ کچھ اس کی مانو۔ چیئرمین شپ چھوڑ دو مگر کسی ایک ریاست کی حکومت مانگ لو۔ ایش وزیرِاعظم بن کے ایک ریاست تمہارے حوالے کر دے' تم اس شرط پہ ایش سے ڈیل کر لو۔"

"واقعی؟" فاتح نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"یہ بہترین آپشن ہے۔ پانچ سال تم اس ریاست کے حاکم بن کے خود کو مزید مضبوط کرو۔ پانچ سال بعد تم چیئرمین شپ کا الیکشن لڑو اور وزیرِاعظم بننے کی کوشش کرو۔"

"صحیح۔ میں اس بارے میں سوچوں گا۔" اس نے سر کو آہستہ سے ہلایا اور کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی' پھر ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ شمس صاحب بھی ساتھ ہی اٹھے۔

"اب اجازت۔ عصرہ کی نیلامی پہ ملاقات ہو گی اِن شاءاللہ۔"

"اچھا کوئی ایونٹ ہو رہا ہے مسز عصرہ کا۔ اللہ برکت دے۔"

"ہاں ایش ارینج کروا رہا ہے۔" وہ مصافحہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ ڈرائینگ روم سے نکل کر وہ لابی تک آئے تو درمیانی میز پہ پھولوں کی ٹوکری رکھی تھی۔ ایڈم نے گزرتے ہوئے یونہی نظر گھمائی تو چونکا۔

ٹوکری میں ایک سرخ اور گلابی کارڈ کا کونا جھلک رہا تھا۔ ذہن میں جھماکہ ہوا۔ ("لیٹ نائٹ کارڈز آئے تھے' صبح صبح سب سے پہلے ادھر ہی آیا)۔"

کسی خواب کی سی کیفیت میں ایڈم سیدھا ہوا' پھر آگے دیکھا۔ فاتح موبائل پہ بٹن دباتا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ ایڈم شل سا پیچھے آیا۔ اس کا دماغ سن ہو رہا تھا مگر اسے خود پہ قابو پا کر کار میں بیٹھنا تھا۔

گیٹ پہ کھڑے ہو کر شمس صاحب نے فاتح کی کار کو الوداعی ہاتھ ہلایا اور جب تمام گاڑیاں نظروں سے اوجھل ہو گئیں تو انہوں نے موبائل نکالا اور اسپیڈ ڈائل پہ ایک نمبر ملا کے فون کان سے لگایا' پھر ایک ہاتھ کمر پہ جمائے' گھنٹی سننے لگے۔

"ایش!" رابطہ ملنے پہ انہوں گہری سانس لی۔ "تم نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ سب سے پہلے میرے پاس آیا ہے۔ ہاں بے فکر رہو' میں نے وہی کہا ہے جو تم نے بولا تھا۔ ایک ریاست کی حاکمیت اور بس۔" دوسری طرف سے کچھ کہا گیا تو وہ سوچتے ہوئے بولے۔ "کچھ کہہ نہیں سکتا مگر وہ دستبرداری کے لئے نیم رضامند لگتا ہے۔ نہیں نہیں' اس کو مجھ پہ شک نہیں ہو گا' وہ مجھ پہ اعتبار کرتا ہے۔۔۔۔" وہ اب بولتے ہوئے اندر کی طرف مڑ گئے تھے۔ آواز ہلکی ہوتی جا رہی تھی۔

چند کلومیٹر دور۔۔۔۔ اپنے آفس فلور کے کارنر آفس میں اشعر یاور سیٹ سنبھالے بیٹھا تھا۔ ٹیک لگائے وہ فون کان پہ جمائے مسکرا کے سن رہا تھا۔ "گڈ۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کبھی بھی امریکہ نہیں جائے گا۔ ہم نے اس کو موت دکھا کے بخار پہ راضی کرنا ہے۔ وہ مجھ سے جلد ہی ایک

ریاست کی بات کرے گا اور میں اس کا مان رکھ لوں گا۔ وہ سمجھے گا سارا آئیڈیا اسی کا ہے۔''

کال بند کر کے اس نے اپنے چیف آف اسٹاف کو بلایا۔ جیسے ہی وہ اندر آیا اس نے دیکھا کہ اشعر سنجیدہ سپاٹ سا بیٹھا ہے۔ چہرے پہ بے رحمی بھری سختی اور ماتھے پہ بل ہیں۔

''عرب امیرزادے کا بندوبست کر لیا ہے؟'' اس نے سرد آواز میں پوچھا۔

''یس سر۔ سارے کاغذات پکے ہیں۔ مسز عصرہ کو شک بھی نہیں ہوگا کہ جس عرب امیر سے وہ ملنے جا رہی ہیں وہ ایک اداکار ہے۔''

''اور پینٹنگ؟''

''اسی شیخ کے ملازم سے ان کے گھر سے اٹھوائی ہے لیکن اصل شیخ صاحب اس کو مس نہیں کریں گے کیونکہ چند سال قبل جب زخمی ہرن کی پینٹنگ چوری ہوئی تھی تو چور ہمیشہ کی طرح ایک نقلی پینٹنگ چھوڑ گئے تھے۔ بہت مہارت سے بنائی گئی ہے وہ۔ شیخ صاحب نے غصے سے اس کو اسٹور میں پھینکوا دیا تھا۔''

''اور ایکسپرٹ؟''

''دو ایکسپرٹس کا بندوبست کر لیا ہے جو پینٹنگ کی تصدیق کریں گے اور مسز عصرہ کو بتائیں گے کہ وہ اصلی ہے۔ مسز عصرہ کے اپنے ایکسپرٹ کو عین موقعے پہ ملک سے بھیجنے کا بندوبست بھی کر لیا ہے۔ مسز عصرہ وہ گیلری اونر ہیں' ایکسپرٹ نہیں۔ وہ دھوکہ کھا جائیں گی۔''

''گڈ۔'' اشعر پہلی دفعہ مسکرایا۔ ''نیلامی پہ جب پینٹنگ مہنگے داموں بک جائے گی تو عین وقت پہ باہر سے آیا ایک مشہور ایکسپرٹ اس کا معائنہ کرے گا اور میڈیا کے سامنے یہ آشکار کرے گا کہ مسز عصرہ فاتح جعلی پینٹنگ چیرٹی کے نام پہ بیچ رہی تھیں۔ فاتح بھائی کو ذمہ داری قبول کر کے پارلیمنٹ کی رکنیت سے استعفیٰ دینا پڑے گا۔ چچ چچ۔''

''بہت بدنامی ہوگی سر۔'' مینیجر کے الفاظ میں افسوس تھا۔ پھر وہ ہچکچایا۔ ''مگر سر.... آپ مسز عصرہ کے بھائی ہیں۔''

''غلط!'' اس نے سپاٹ لہجے میں بات کاٹی۔ ''میں صرف ملے زیا کی وزارتِ عظمیٰ کا امیدوار ہوں! یہ تخت کا معاملہ ہے رملی۔ اور تخت کے لیے بیٹے اپنے باپ کو اور باپ بیٹوں کو مار دیا کرتے ہیں۔ ہم ملے زیا کا تخت ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں نہیں دے سکتے جو دس پندرہ سال پہلے ملے زیا آیا تھا۔ اس ملک میں ساری عمر ہم نے گزاری ہے۔ اس کو ایشین ٹائیگر بنتے ہم نے دیکھا ہے۔ اس کے وارث ہم ہی ہیں۔'' اور سختی سے ہاتھ جھلایا' گویا جانے کا اشارہ کیا۔

''جی سر!'' مینیجر نے جلدی سے بات ختم کی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆=========☆☆

کوالالمپور پہ چھائے سرمئی بادلوں کو سورج نے دونوں ہاتھوں سے دائیں بائیں دھکیل کر اپنے جھانکنے کا راستہ بنا لیا تھا۔ بارش ختم ہو گئی تھی اور سنہری دن نکل آیا تھا۔ ایسے میں شہر کا ایک مشہور و معروف کنونشن سینٹر جس کو پترا ورلڈ ٹریڈ سینٹر کہا جاتا تھا' اپنی پوری آب و تاب

سے کھڑا تھا۔ تکون عمارت جو سامنے سے شیشوں سے ڈھکی تھی اور اس کے اندر بڑے بڑے ہال بنے تھے جہاں کنونشن اور سیمینارز منعقد ہوتے تھے۔ ایک طرف شاپنگ مال تھا اور اوپر آفس بلڈنگز۔ بارلیسن نیشنل کا ہیڈ آفس اسی تکون عمارت کے اندر واقع تھا اور اس وقت فاتح رامزل آفس فلور کی لابی میں تیز تیز چلتا جا رہا تھا۔ چار پانچ افراد بھی اس کی معیت میں قدم اٹھا رہے تھے۔ ایڈم بالکل خاموش تھا۔ ذہن کے پردے پہ بار بار ٹوکری سے جھلکتا کارڈ آتا تھا۔

فاتح رامزل اس سے چند قدم آگے تھا۔ سیکرٹری اور باڈی گارڈز کی موجودگی کے باعث وہ اس کے قریب نہیں جا پا رہا تھا۔ اور پھر راستے میں اسے دیکھ کے رک رک جاتے لوگ.... جن کو وہ مسکرا کے ہاتھ ماتھے پہ لے جا کر سلام کہتا آگے بڑھتا جا رہا تھا....

"سر مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" ایڈم نے پیچھے سے اسے پکارا مگر فاتح نے اسے ایک نظر بھی نہیں دیکھا البتہ پولیٹیکل سیکرٹری ایڑیوں پہ گھوما اور غصے سے اسے گھورا۔ "ایڈم تم مجھ سے ملو کچھ دیر تک۔ مجھے لگتا ہے عبداللہ نے تمہیں مینرز سکھائے بغیر بھیج دیا ہے۔"

ایڈم خاموش ہو گیا۔ فاتح آفس میں چلا گیا تو وہ باہر بیٹھ گیا۔ جیسے ہی پولیٹیکل سیکرٹری کسی کام سے باہر گیا وہ تیزی سے دستک سے کر آفس میں داخل ہوا۔

اندر بلائنڈز کھلے تھے۔ روشنی میں کمرہ نہایا ہوا لگتا تھا۔ فاتح نے کوٹ اتار کے اسٹینڈ پہ لٹکا دیا تھا اور خود پاور چیئر پہ بیٹھا' عینک لگائے چند کاغذات دیکھ رہا تھا۔ آہٹ پہ بھی متوجہ نہ ہوا۔

"سر!" ایڈم سنجیدگی سے کہتا سامنے آیا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ محتاط سا نکھیوں سے دروازے کو بھی دیکھ لیتا کہ کہیں سیکرٹری واپس نہ آ جائے۔ "کیا میں آپ سے ایک بات کہہ سکتا ہوں؟"

"میں نہیں جانتا لوگ سوال پوچھنے کی اجازت کیوں طلب کرتے ہیں' جب کہ انہیں جواب میں صرف ہاں ہی سننا ہوتا ہے اور اجازت کی انہیں پرواہ نہیں ہوتی۔" وہ اپنی ڈائری کے صفحے پلٹاتے ہوئے مصروف انداز میں بولا تھا۔ اسے بہت سے کام کرنے تھے۔ وہ ملک کے مصروف ترین لوگوں میں سے تھا۔ ایڈم کا حلق سوکھنے لگا۔

"سر آپ شمس صاحب کے پاس گئے اور ان سے اشعر صاحب کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔" وہ جلدی جلدی کہنے لگا۔ فاتح اب سیل فون اٹھا کے کوئی چیز ڈائری کے صفحے سے ٹیلی کر رہا تھا۔ "انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ آپ کے دوست ہیں' اور یہ کہ انہیں مسز عصرہ کے ایونٹ کے بارے میں معلوم نہیں ہے' مگر اشعر صاحب نے صبح کہا تھا کہ وہ کارڈز سب سے پہلے آپ کی طرف لائے ہیں' مگر ایک کارڈ شمس صاحب کے گھر بھی پڑا تھا۔ شمس صاحب کا گھر اشعر صاحب کے گھر کے قریب ہے۔ اگر وہ پہلے ان کو کارڈ دے کر آئے ہیں' تو یقیناً دونوں کی دوستی گہری اور فارملیٹیز سے پاک ہے۔" مگر ایڈم کو لگا وہ سن نہیں رہا۔ اس کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپنے لگیں۔

"مجھے لگتا ہے سر' آپ غلط آدمی پہ بھروسہ کر کے اس سے مشورہ لے کر آئے ہیں۔ وہ آپ کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔"

فاتح کے چلتے ہاتھ رک گئے۔ اس نے نظریں اٹھا کے ایڈم کو دیکھا اور پھر آنکھوں کو پرسوچ انداز میں چھوٹا کیا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

ایڈم کی چلتی زبان کو بریک لگا۔ ''ایڈم بن محمد۔''

''ایڈم! رائٹ۔'' اس نے سر ہلایا اور پھر ایڈم پہ ٹھنڈی نظریں جمائے پیچھے کو ٹیک لگائی اور عینک اتاری۔ ''ایڈم' کسی گاؤں میں ایک آدمی کا قتل ہو گیا تو لوگوں نے شہر سے ایک ماہر سراغ رساں کو بلایا۔ اس نے موقع واردات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ مرنے والے کا کسی شادی شدہ عورت سے افیئر تھا۔ عورت کون تھی' کوئی نہیں جانتا تھا۔ سراغ رساں سیدھا چرچ گیا اور پادری کے ساتھ اعترافی کمرے میں بیٹھ گیا۔ یونو' ہمارے مسیحی بھائی جب گناہ کرتے ہیں تو پردے کے پیچھے وہ پادری کے سامنے اعتراف کر لیتے ہیں۔ سو اس نے پردے کے پیچھے پادری سے کہا کہ فادر... میں بہت گناہ گار ہوں' میرا ایک شادی شدہ عورت سے تعلق ہے۔''

ایڈم سانس روکے سن رہا تھا اور وہ اس پہ نظریں جمائے مدھم مسکراہٹ سے کہے جا رہا تھا۔

''پادری نے فوراً پوچھا' کیا مسز جولیا سے؟ اس نے کہا نہیں۔ پادری بولا' کیا مسز مارتھا سے؟ اس نے کہا نہیں تو پادری نے کہا۔ پھر یقیناً مسز باربرا ہوں گی۔ سراغ رساں وہاں سے نکل آیا۔ باہر کسی نے اس سے پوچھا کہ تم قتل کی تفتیش کی جگہ کیا کرتے پھر رہے ہو؟ تو اس نے کہا' جب میں چرچ میں گیا تھا تو خالی ہاتھ تھا' اب جب کہ میں نکلا ہوں تو میرے پاس تین مشتبہ عورتوں کے نام ہیں!'' آخر میں وہ ہلکا سا مسکرایا۔

ایڈم کا منہ کھل گیا۔ چند لمحے لگے اسے بات سمجھنے میں۔ ''آپ جانتے تھے کہ وہ اشعر صاحب کے ساتھ ملے ہوئے ہیں' اس لئے آپ ان سے ملنے گئے تا کہ... تا کہ یہ جان سکیں کہ اشعر صاحب اصل میں کیا چاہتے ہیں۔ ان کی اینڈ گیم کیا ہے۔'' فاتح نے جواب نہیں دیا مگر اسی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ ''تمہاری تسلی ہو گئی؟''

''میں... میں سمجھا کہ آپ... آپ...'' وہ کہہ نہیں سکا کہ آپ بے وقوف ہیں۔ رعب سا رعب تھا جو اس کے وجود پہ طاری ہو رہا تھا ۔ ٹانگیں ایک دفعہ پھر سے لرزنے لگی تھیں۔

''ایڈم!'' وہ آگے کو جھکا اور ہاتھ باہم پھنسائے گردن اٹھائے اسے مسکرا کے دیکھا۔

''اگر تمہیں کبھی کسی انسان کی قابلیت کو ماپنا ہو تو پیمانہ اس جنگ کو نہ بنانا جو اس نے جیتی یا ہاری ہے بلکہ ہمارے کردار کا تعین تو وہ جنگیں کرتی ہیں جن کو لڑنے کی ہم ہمت کرتے ہیں۔ اگر تم جاننا چاہتے ہو کہ کوئی انسان کس مقام پہ کھڑا ہے تو دیکھو کہ اس کے خواب کیا ہیں۔ وہ کون سے مقاصد اور منزلیں پا لینا چاہتا ہے۔ انسان وہ ہوتا ہے جو اس کا سب سے بڑا خواب ہوتا ہے' بھلے وہ اس کو نہ بھی حاصل کر سکے ۔ اور اگر ایک آدمی کا خواب اس ملک کے سب سے بڑے عہدے پہ پہنچنا ہے اور اپنے ملک کو ایشیاء کا لیڈر بنانا ہے' اور وہ شخص اس خواب کے لئے آخری حد تک کوشش بھی کر رہا ہے تو وہ کچھ بھی ہو سکتا ہے' مگر بے وقوف نہیں۔''

ایڈم نے شل سے انداز میں سر ہلا دیا۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

''سب کہتے ہیں کہ آپ ہر ایک پہ اعتبار کر لیتے ہیں۔''

''غلط نہیں کہتے۔''

''آپ نے مجھ سے ٹشو کیوں نہیں لیا سر؟ جبکہ آپ جانتے تھے کہ میں اسی کام کے لئے کھڑا تھا۔''

''ایڈم، تمہیں واقعی لگتا ہے کہ فاتح بن رامزل کسی پہ Depend کر سکتا ہے!' حیرت بھری مسکراہٹ کے ساتھ کے اس نے پھر سے عینک لگائی اور ڈائری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایڈم خاموشی سے باہر نکل گیا۔

وہ آج پہلی دفعہ فاتح رامزل سے ملا تھا اور اس کا دل ایک عجیب خوشگوار حیرت سے بھر گیا تھا۔ مگر پھر.... دل پہ ایک بوجھ سا آ گرا۔ گیارہ دن میں یہ ڈیوٹی ختم ہو جائے گی اور وہ کبھی اس سے یوں نہیں مل سکے گا۔ صرف گیارہ دن تھے اس کے پاس ملک کے سب سے بڑے Visionary (عالم) سے کچھ سیکھنے کے لئے۔

ظاہر ہے ابھی وہ یہ تھوڑا ہی جانتا تھا کہ یہ گیارہ دن کبھی نہ ختم ہونے والے دن بننے جا رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

اگلی دوپہر شہر پہ پھیلی تو سارا کے ایل سونے کے پانی میں نہا گیا اور گزشتہ روز کی بارش کی نمی کچھ دیر کے لیے کم ہو گئی۔ ایسے میں اس کالونی کے دونوں اطراف میں اونچے اونچے محل نما گھروں کی دو قطاریں بنی تھیں۔ تمام گھروں کے لان کشادہ تھے اور چار دیواری تین چار فٹ کی چھوٹی سی تھی۔ ان میں ایک فاتح رامزل کی رہائشگاہ بھی تھی جو چمکتے سورج تلے دہک رہی تھی۔

فاصلے پہ ایک درخت کی اوٹ میں ایک کار رکی کھڑی تھی اور اس میں وہ دونوں بیٹھی نظر آ رہی تھیں۔ تالیہ نے سیاہ لباس اور سیاہ ٹوپی پہن رکھی تھی اور نظریں جھکائے گلوز ہاتھوں پہ چڑھا رہی تھی۔ داتن نے اسکارف چہرے کے گرد لپیٹ رکھا تھا اور بھدا سا کالا چشمہ لگائے ہوئے تھی۔ چہرہ موڑ کے تالیہ کی کارروائی دیکھتی رہی، پھر رہ نہ سکی۔ ''دن دیہاڑے چوری زیادہ خطرناک نہیں ہو گی تالیہ؟''

تالیہ نے سیاہ آنکھیں اٹھا کے اسے گھورا۔ ''تم واقعی بوڑھی ہو رہی ہو، اس لئے بھول جاتی ہو کہ دنیا بھر میں 70% سے زائد چوریاں دن کے وقت ہوتی ہیں۔ ہم چور سیکیورٹی الارم یا کتوں سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا گھر والوں سے ڈرتے ہیں۔ اور دوپہر میں سب عموماً کام پہ ہوتے ہیں.... خیر.... سب تیاری مکمل ہے نا۔'' اس نے دوسرا گلو پہنتے ہوئے کسی لیڈر کی طرح پوچھا۔ داتن نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''ہاں۔ کل میں نے ان کا گھر case کر لیا تھا۔ دوپہر کے وقت یہاں صرف تین گارڈز ہوتے ہیں اور ایک ملازمہ۔ کچھ عرصہ پہلے مسز عصرہ نے بہت سے ملازم فارغ کیے تھے۔ باقی گارڈز فاتح صاحب یا عصرہ صاحبہ کے ساتھ جاتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ ان کا ہوم الارم سسٹم کون سا ہے۔''

''کاش تم ہیکر ہوتیں اور ہم اتنے تردد کرنے کی بجائے سیکیورٹی سسٹم کو صرف ہیک کر لیا کرتے۔''

اب کے داتن نے اسے گھورا تھا۔ ''اول تو یہ کہ ہیکر بننا آسان نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ کہ اس کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ ایک بچہ بھی کسی کا ہوم الارم بند کر سکتا ہے۔ چند فٹ کے فاصلے سے بھی میں اس عام سے جیمر کا ایک بٹن دباؤں گی اور ان کا الارم جام ہو جائے گا۔''

''اور سیکیورٹی کیمرے؟''

''وہ وائی فائی پہ ہیں۔ میں دوسرے جیمر سے وائی فائی بھی جام کر دوں گی۔ پھر میں دروازے پہ جا کے فاتح رامزل کی ناراض ووٹر بن کے دھرنا دوں گی' چاروں ملازم اکٹھے ہو جائیں گے' اور مجھے بھگانے کی کوشش کریں گے۔ تم کونے سے دیوار پھلانگ کے اندر چلی جانا۔'' پھر وہ ان گھروں کو دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھر کے بولی۔ ''کیا تمہیں ان امیر لوگوں پہ ترس نہیں آتا تالیہ جو یہ تک نہیں جانتے کہ ان کی سیکیورٹی کمپنیز ابھی تک ۹۰ کی دہائی والی الارم ٹیکنالوجی استعمال کر رہی ہیں۔ یہ ان بے چاروں کے ساتھ کتنا بڑا دھوکہ ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں یہاں ہر ایک گھر میں چوری کرنی چاہیے تاکہ ان کے الارم کی اصلیت کھول کے ان کے سامنے رکھی جائے۔ یہ ان پہ کتنا بڑا احسان ہو گا نا۔'' مگر تالیہ نہیں ہنسی۔ اس کا ذہن بٹا ہوا تھا۔ ٹوپی سے بال اچھی طرح ڈھکے اور گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے۔ پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ایک ایک لمحہ پلان کے مطابق استعمال کرنا تھا۔ ''میں تیار ہوں۔ سگنل جام کرو۔''

''کیا نہ صابری کا اس کالونی پہ پہلا احسان' مگر یقیناً یہ آخری نہیں ہوگا۔'' کیا نہ عرف داتن نے بہت فیاضی سے بٹن دبا دیا۔ تالیہ کی نظریں گھر کے گیٹ پہ جمی تھیں جہاں سیکیورٹی گارڈ سیاہ سوٹ اور ٹائی میں ملبوس کھڑا فون پہ بات کر رہا تھا۔

''الارم' وائی فائی' سب ہو گئے جام۔ اب تم جا سکتی ہو۔ اور میں بھی۔'' داتن دروازہ کھولنے لگی مگر تالیہ نے اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھا۔ ''ایک منٹ۔'' اس کی چوکنی نظریں گارڈز پہ جمی تھیں۔

وہ کال کے دوران ایک دم فون کان سے ہٹا کر دیکھنے لگا' پھر جلدی سے اسے کان سے لگایا اور شاید الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کیا۔ پھر اسکرین پہ انگلی پھیرتا اندر کو بھاگا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ غلط ہے' داتن۔'' وہ سانس روکے' بنا پلکیں جھپکے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی وہ اندر غائب ہوا' گھر کا الارم بجنے لگا۔ اگلے ہی لمحے وہ گارڈ دوسرے دو گارڈز کے ہمراہ باہر آتا دکھائی دیا۔ سب ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ پستول نکال لیے تھے۔

''نکلو یہاں سے۔ جلدی۔'' اس کا فقرہ مکمل ہی نہیں ہوا تھا کہ داتن نے گاڑی چلائی اور موڑ کاٹ لیا۔ وہ کالونی کے سرے پہ تھیں اس لئے گارڈز کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔

''الارم کیسے بجا۔'' داتن ہکا بکا تھی۔ یہ پہلی دفعہ ہوا تھا۔

''ان کے الارم سسٹم میں جامر سے بچاؤ کے لئے کوئی جامنگ Algorithm کا استعمال کیا گیا ہے۔ اگر کوئی سگنل جام کرنے کی کوشش کرے تو گارڈز کو ٹیکسٹ میسیج پہ الرٹ آ جائے گا اور پھر وہ خود اپنے ہاتھ سے الارم آن کر کے چور کی تلاش میں دوڑتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان امیر لوگوں کو تمہارے احسان کی ضرورت نہیں ہے کیا نہ صابری۔''

''ہاں'' داتن نے منہ پھلا لیا۔ وہ شدید خفا نظر آ رہی تھی۔ ''ہم نے ان کو انڈر اسٹیمیٹ کیا۔ اب ہم کیا کریں۔''

''ڈونٹ وری تالیہ کے پاس پلان سی ہے۔'' وہ گلوز اتارتے ہوئے آرام سے بولی تھی۔ ڈرائیو کرتی داتن نے گھور کے اسے دیکھا۔''مگر ہم ان کا الارم نہیں بند کر سکتے۔ یعنی ہم ان کے گھر تب تک نہیں جا سکتے جب تک وہ خود ہمیں انوائیٹ نہ کریں۔''

''بالکل۔ اور اب وہ ہمیں خود انوائیٹ کریں گے۔'' اس نے ٹوپی اتاری اور بیگ میں پھینکی۔ سیاہ بال کس کے جوڑے میں بندھے نظر آ رہے تھے اور دھلا دھلا یا نکھرا ہوا چہرہ گہری سوچ میں ڈوبا لگتا تھا۔

''مگر کیسے؟''

''جانتی ہو ایک بہترین Con Game کیسے کھیلی جاتی ہے؟ con کا لفظ کانفیڈینس سے ہوتا ہے۔ ہمیں دیکھنا ہوتا ہے کہ ہمارے شکار کو کس چیز پہ اعتماد ہے۔ اندھا اعتماد۔ مگر کچھ congames میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارا شکار کس چیز سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے۔ اور تمہیں پتہ ہے لاہور اور ملائیشیاء کے لوگ سب سے زیادہ کس سے ڈرتے ہیں؟''

''پولیس سے؟''

''نہیں' داتن۔ ڈینگی سے۔''

''رائٹ!'' داتن نے گہری سانس لے کر سر ہلایا تھا۔ "The dengue scam"

☆☆=========☆☆

اگلی صبح جب اس کالونی پہ اتری تو ایک لڑکی بائیسائیکل چلاتی سڑک پہ آتی دکھائی دی۔ اس نے ہاتھوں میں باریک دستانے چڑھا رکھے تھے' چہرے پہ سبز رنگ کا ڈسٹ ماسک تھا' اور سر پہ پی کیپ۔ سائیکل کی ٹوکری میں اخباروں کے رول پڑے تھے جن کو وہ ایک ایک کر کے ہر گھر میں اچھالتی جا رہی تھی۔ جیسے ہی وہ موڑ کاٹ کے غائب ہوئی' سڑک پہ پھر سے خاموشی چھا گئی۔

فاتح رامزل کے دروازے سے گارڈ نے اخبار کا رول کھولا تو وہ فلمی میگزین تھا۔ وہ صفحے پلٹاتے ہوئے اندر کی طرف چلا آیا اور رسالہ ملازمہ کی طرف بڑھا دیا جو اس نے لیتے ساتھ ہی ریک میں رکھ دیا کیونکہ ایسے بے کار رسالے گھر میں کوئی نہیں پڑھتا تھا مگر اخبار والے پھینک جایا کرتے تھے۔

ناشتے کے لئے ملازمہ جب تازہ بریڈ لینے باہر نکلی تو وہ نامحسوس انداز میں اپنی کلائی کھجا رہی تھی۔ وہ ہر صبح اس بیکری پہ تازہ بریڈ لینے آتی تھی۔ مگر آج وہ شدید کوفت میں نظر آ رہی تھی۔ ٹرالی میں روزمرہ کا سامان بھرتے ہوئے وہ کبھی ماتھے پہ خارش کرتی' کبھی گردن کی پشت کو رومال سے رگڑتی۔ سرخ ننھے ننھے دانے سے اس کی جلد پہ پھوٹ رہے تھے۔

''یہ بریڈ پکڑانا۔'' اس نے طبیعت پہ چھائی اکتاہٹ سے سامنے کھڑی موٹی سیاہ عورت کو مخاطب کیا جو آواز پہ پلٹی' اور پھر بریڈ کا پیکٹ اٹھا کے اس کی طرف آئی' مگر اس کی جلد دیکھ کے منہ کھلا رہ گیا۔ پیکٹ ٹرالی میں قریباً پھینکا اور خود بدک کے دو قدم پیچھے ہٹی۔

''مجھ سے دور رہو۔ تمہیں تو ڈینگی ہو رہا ہے۔''

''ڈینگی؟'' ملازمہ شل رہ گئی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ عورت اب آگے بڑھ گئی تھی' کسی اور نے نہیں سنا تھا۔ وہ سر جھٹکتی ٹرالی دھکیلتی گئی۔ البتہ چہرے پہ پریشانی کے آثار دکھائی دیتے تھے۔

''ان نقلی Symptoms کو اترنے میں کتنی دیر لگے گی تالیہ؟'' فاتح رامزل کے گھر سے دو گلیاں چھوڑ کے ایک پارک آتا تھا۔ اس کے سرے پہ ایک بنچ پہ تالیہ بیٹھی پیکٹ سے چپس نکال نکال کے کھا رہی تھی' جب ہانپتی کانپتی داتن اس کے ساتھ آ کر بیٹھی۔ ان دونوں نے اوپر تک تنگ پہن رکھا تھا جس میں سے صرف چہرہ دکھتا تھا اور نیچے ڈھیلا ڈھالا سا لباس تھا۔

''ایک دن' مگر بے فکر رہو۔ آدھی بیماری اللہ دیتا ہے تو باقی آدھی گوگل لگا دیتا ہے۔ جب یہ ڈینگی کو نیٹ پہ سرچ کرے گی تو دو چار مزید علامات بھی ظاہر ہونے لگیں گی جو ہمارے الرجک اسپرے کا حصہ ہی نہیں تھیں۔''

ملازمہ جس وقت ڈائننگ ٹیبل پہ ناشتہ سرو کر رہی تھی' اس کا جسم بخار سے ٹوٹ رہا تھا' سر دکھ رہا تھا' اور جلد پہ سرخ دھبے ظاہر ہو رہے تھے۔ وہ موبائل پہ ڈینگی کو سرچ کر چکی تھی اور اسے لگ رہا تھا کہ وہ مرنے والی ہے۔ خاموشی سے اس نے ناشتہ عصرہ کے سامنے لا رکھا جو گہرے نیلے اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس' گیلری جانے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔ گردن سے چپکی موتیوں کی لڑی اور کلائی میں طلائی بریسلیٹ پہنے' وہ سیل فون دیکھ رہی تھی جب کسی احساس کے تحت چونکی۔

''تمہیں کیا ہوا؟''

''میم مجھے شاید ڈینگی ہو گیا ہے۔''

''واٹ؟'' عصرہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ ''کیسے؟ کب؟ گاڈ تم لوگ اپنے گھروں میں پانی کیوں جمع رکھتے ہو؟''

''میم میرا قصور نہیں ہے۔ حسن کو بھی ایسے ہی دانے نکل رہے ہیں۔'' وہ منمنائی۔

''گاڈ۔'' عصرہ نے کنپٹی کو چھوا۔ ''چیک اپ کرواؤ اپنا۔ اور حسن سے بھی کہو۔ سمیع' تم بچوں کا خیال رکھنا۔ اور گھر کی صفائی اپنی نگرانی میں کرواؤ۔ اور آج خیال آیا تمہیں یہ بتانے کا؟ ریش تو ہفتے بھر کے بعد جا کے ہوتی ہے۔'' اس کا ناشتہ حرام ہو چکا تھا۔

''جی میم' بخار تو تھا کچھ دن سے۔'' اسے سوچ کے ہی تھکاوٹ ہونے لگی۔

پارک میں وہ ابھی تک اسی طرح بیٹھی تھیں۔ تالیہ مسلسل چپس کھا رہی تھی۔ داتن بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔

''کتنا انتظار کرنا ہے مزید؟''

''چند منٹ مزید۔'' وہ مسکرا کے بولی تھی۔ ''مسز فاتح اب تک پیسٹ کنٹرول فون کر چکی ہوں گی۔''

چند منٹ گزرے اور پیسٹ کنٹرول کی ایک بڑی سی وین قریب سے گزری۔ تالیہ نے گردن موڑ کے دیکھا۔ سیاہ حجاب کے ہالے میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا اور لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ وین کی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے چینی نوجوان نے اسے دیکھ کے صرف سر کو خم دیا اور وین روک لی۔ ''چلو۔'' وہ تیزی سے اٹھی۔ آگے پیچھے دونوں وین کی طرف بڑھی تھیں۔

وین کی پچھلی طرف سوار ہو کر انہوں نے اپنے تنگ اتار دیے۔ نیچے دونوں نے پیسٹ کنٹرول کا زرد یونیفارم پہن رکھا تھا۔ تالیہ نے اپنے بیگ سے ٹوپیاں اور ماسک نکال کے داتن کی طرف بڑھائیں۔ پچھلی طرف ایک ہی ورکر بیٹھا تھا جو ان سے واقف لگتا تھا اس لیے جلدی جلدی ان کو سلینڈر اور دوسری چیزیں تھمانے لگا۔

''کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے' دیکھو۔'' داتن نے رعب دار آواز میں اسے گھورا تھا۔

''یہ تیسرا اسکام ہے جو ساشا میں اور آپ کر رہے ہیں۔ پہلے کبھی گڑبڑ ہوئی تھی کیا؟ ہم پیسٹ کنٹرول میں نوکری ہی اس لیے کرتے ہیں تا کہ ڈھنگی اسکام کر سکیں۔ اگر ہماری جگہ آپ جعلی ورکرز لے کر جاتیں تو بعد میں بھانڈا پھوٹ جاتا۔ اب ہمارا سارا کام لیگل ہے۔'' وہ برا مان کے بولا تھا۔

''اور سنو.....'' داتن کہنے لگی تو تالیہ نے دبی آواز میں اسے ٹوکا۔

''زیادہ باتیں نہیں کرو اس سے' موٹی!''

''شرم کرو۔ میں تمہاری ماں کی عمر کی ہوں۔''

''غلط۔ تم میری دادی کی عمر کی ہو۔''

چند منٹ بعد فاتح رامزل کے لان میں ورکرز اسپرے کرتے نظر آ رہے تھے۔ عصرہ بادل نخواستہ رک گئی تھی مگر کار میں بیٹھی تھی۔ ملازم نگرانی پہ کھڑے تھے۔ ورکرز کا ہیڈ آصف اونچی اونچی ہدایات دے رہا تھا۔ سارے میں گھنی دھند پھیلی تھی۔ داتن لاؤنج میں اسپرے کروا رہی تھی۔ ایسے میں سب کو مصروف پا کر تالیہ دھند میں فاگ گلاسز کی مدد سے دیکھتی آگے چلتی آئی۔ وائی فائی جام کر دیا تھا اور ہوم الارم گارڈز نے خود ہی آف کر دیا تھا۔

''کہا تھا نا' وہ ہمیں خود دعوت دیں گے اب۔'' تالیہ کان میں لگے ننھے سے آلے میں بولی۔ ایسا ہی ایک آلہ داتن کے کان میں بھی لگا تھا۔ اس نے لاؤنج کے پرلے کونے سے اسے اشارہ کیا۔ کوئی اس طرف متوجہ نہیں تھا۔ تالیہ تیزی سے بیڈروم میں گھس آئی۔

اندر آ کے اس نے گلاسز اتارے اور گردن گھما کے اطراف کا جائزہ لیا۔ سادہ کمرہ۔ سادہ پردے۔ خالی دیواریں۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ رکھی ایک ننھی بچی کی تصویر اور ساتھ میں مسکراتا فاتح۔ تالیہ آگے آئی اور ڈریسنگ روم کی الماریاں کھولیں۔ مردانہ کپڑے ٹنگے تھے۔ یہ فاتح رامزل کا کمرہ تھا۔

''بریسلیٹ تو مسز فاتح کلائی میں پہنے رکھتی ہیں مگر ایک اینٹیک تحفہ انہوں نے یقیناً الماری یا لاکر میں رکھا ہوگا۔''

''مگر تالیہ تم تو کہہ رہی تھی کہ فاتح نے تنگو کامل کے بیٹے کے منہ پہ کہہ دیا تھا کہ وہ سکہ اصلی نہیں ہے۔''

''ہاں' اصلی نہ سہی قدیم تو ہے نا۔ کوئی اینٹیک ایسے پھینک تو نہیں دیتا اور مسز عصرہ جیسی آرٹ کلیکٹر تو بالکل بھی نہیں۔''

اب وہ جلدی جلدی دراز کھول رہی تھی۔ مختلف خانے چیک کیے۔ پھر آخری الماری کھولی تو دیکھا' سامنے کونے میں ننھا سا سیف نصب

تھا۔ سیف کی ہیئت دیکھ کر وہ مسکرا دی۔

''آج ہمارا اچھا دن ہے بڑھیا۔'' کان میں لگے آلے میں وہ بولی۔ ''کیونکہ اتنے بڑے لیڈر نے اپنی قیمتی چیزوں کو چھپانے کے لئے صرف ایک فائر سیف کا سہارا لیا ہے۔''

''کیا؟ فائر سیف؟'' دروازے کے باہر کھڑی داتن نے حیرت سے سرگوشی کی۔ پھر اندر آتے ملازم کو دیکھا تو اس پہ برس پڑی۔

''تم بغیر ماسک کے اندر کیا آ رہے ہو؟ کینسر کروانا ہے؟ پھیپھڑے خراب کروانے ہیں؟ جانتے ہو یہ کیمیکل کتنے نقصان دہ ہیں۔ ماسک پہن کر آؤ۔'' ملازم ہڑبڑا کے باہر بھاگا۔

''میرے کان میں مت چیخو۔'' اندر سیف کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتی تالیہ نے برا منہ بنایا پھر اپنا ننھا بیگ زمین پہ رکھا۔

(تجوریاں مختلف طرح کی ہوتی ہیں۔ فائر سیف وہ تجوری ہوتی ہے جو اگر گھر کو آگ لگ جائے اور تجوری دو تین گھنٹے جلتی بھی رہے تو اندر کی چیزیں محفوظ رہتی ہیں۔ ایسی تجوریوں میں لوگ قیمتی کاغذات رکھتے ہیں' اور ان کو کھولنا آسان ہوتا ہے۔ دوسری قسم کی تجوریاں جو زیورات یا رقم کے لئے ہوتی ہیں ان کو برگلری سیف (چوروں کی تجوری) کہا جاتا ہے۔ جلتی یہ بھی نہیں ہیں' مگر چوروں کے لئے ان کو کھولنا بہت کٹھن ہوتا ہے۔)

''تم مقناطیس لائی ہو؟'' داتن نے دبی سرگوشی میں کہا۔

''تالیہ سارا زادِ راہ ساتھ اٹھاتی ہے میڈم۔'' اس نے مسکرا کے بیگ سے ایک سلور رنگ کا گول ہائی پٹ رئیر ارتھ میگنٹ نکالا (وہ ایسا تھا جیسے دو شامی کبابوں کو اوپر تلے ملا کے رکھا گیا ہو) اور اس کو ایک جراب میں ڈالا۔ (اگر ڈائریکٹ مقناطیس لوہے پہ رکھ دیتی اور اس کی انگلی درمیان میں آ جاتی تو وہ وہیں چپکی پڑی ہوتی۔) پھر جراب میں لپٹے مقناطیس کو تجوری کے دروازے کے اوپری بائیں کونے پہ رکھا۔

''یہ سب سے پہلا سیف ہے جس کو کھولنا سیکھا تھا میں نے داتن۔'' وہ مسکرا کے بتانے لگی۔ ''اس کے اندر جو کنڈا دروازے کے لاک کو جوڑے ہوئے ہے... وہ مقناطیس کے ساتھ چپک جاتا ہے۔ یوں... اور....'' اس نے مقناطیس آہستہ سے دائیں طرف پھیرا تو دروازے کے دوسری طرف کنڈا ہلنے لگا۔ چند سیکنڈ مزید لگے اور کلک کی آواز آئی۔ تالیہ نے تجوری پہ نصب پاسورڈ پیڈ کو زبان نکال کے دکھائی (ہاہا..... جب مقناطیس ہے میرے پاس تو تمہارے پاسورڈ کو دبانے کی ضرورت کیا ہے۔) اور مزے سے دروازہ کھولا۔ وہ کھل گیا۔

''فاتح رامزل کے فرشتوں کو بھی نہیں علم ہوگا کہ کسی نے تجوری کھولی تھی۔'' مسکرا کے اب وہ کاغذات باہر نکالنے لگی۔ پھر اندر ہاتھ مارا۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ وہاں کچھ رقم' پاسپورٹ' کاغذات وغیرہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ تالیہ کا چہرہ اتر گیا۔

تجوری بند کر کے اٹھی اور کھلی الماری کو دیکھا۔ پھر بھنویں سکوڑیں۔ صرف مردانہ کپڑے' ٹائی' کوٹ؟ یہ صرف فاتح کا کمرہ ہے کیا؟ وہ چونکی۔ پھر جلدی سے سب کچھ ٹھیک کر کے باہر آئی۔

لاؤنج میں ورکرز اسی طرح کام کر رہے تھے۔ گہری دھند ہر سو پھیلی تھی۔ داتن کو اشارہ کرتی وہ دوسرے ماسٹر بیڈروم میں چپکے سے داخل

ہوئی (دو ملازم سامنے ہی تھے مگر دھند کے باعث اس کو نہیں دیکھ سکتے تھے)۔

واہ....کیا عالیشان کمرہ تھا عصرہ کا۔اونچے مخملیس پردے...قیمتی پینٹنگز اور آرٹ ورک.....ڈریسنگ ٹیبل پہ سجی پرفیوم کی بوتلیں....ستائشی انداز میں ادھر ادھر دیکھتی وہ سنگھار میز تک آئی اور دراز کھولے۔پھر وارڈ روب کھولا۔کوئی سیف نہیں تھا۔بیڈ سائیڈ ٹیبل چیک کی مگر بے سود۔ٹھہرو۔وہاں ایک ریموٹ پڑا تھا۔یہ بلائنڈز کے ریموٹ جیسا تھا۔اے سی کا تو نہیں تھا۔تالیہ نے ریموٹ ایک پینٹنگ کی طرف بلند کیا اور بٹن دبایا۔پینٹنگ آہستہ سے دائیں طرف ہٹی اور دیوار میں خانہ نظر آنے لگا۔اندر یقیناً سیف تھا۔وہ مسکرائی اور آگے بڑھی' مگر جیسے ہی وہ قریب آئی' مسکراہٹ پھیکی پڑی۔دل دھک سے رہ گیا۔

''جلدی کرو تالیہ۔'' داتن اس کے کان میں شور ڈالے ہوئی تھی۔

''داتن!'' اس کو اپنی آواز گہری کھائی سے آتی سنائی دی۔''سیف مل گیا ہے مگر...مگر یہ TL30 سیف ہے۔گروپ ۲ کمبینیشن لاک...'' اس نے دروازے پہ لگے پہیے کو چھوا۔''اگر اس میں ڈرل سے سوراخ کروں تو دروازے کے اندر شیشے کی تہہ ٹوٹ کر اس کو مزید مشکل طریقے سے لاک کر دے گی۔مکے ماروں تو اسپرنگ ری لاک ہو جائے گا۔آری سے کاٹوں تو ایک گھنٹے بعد دروازہ کٹے گا۔''

''فلموں میں تو لوگ ایک منٹ میں کھول لیتے ہیں تالیہ۔''

''شاید دو چار ایسے ایکسپرٹ ہوں دنیا میں لیکن اگر میں لاک کو گھما کر اندر pins کی آواز سنتے ہوئے اس کا پاسورڈ کمبینیشن معلوم کرنے کی کوشش کروں تو اس میں پچھتر منٹ لگیں گے۔سوا گھنٹہ۔''

''اتنا وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔''

''تو پھر....'' تالیہ نے رک کر حسرت بھری نگاہ سے سیف کو دیکھا اور چند قدم پیچھے ہٹی۔''پھر بھاگو' داتن۔میں تم سے گاڑی میں ملتی ہوں۔''

داتن تیزی سے باہر کو نکلی۔چہرہ جھکائے دھند میں چلتی وہ گھر سے باہر نکل آئی اور سڑک پار کی۔پارک تک آئی۔ان کی کار وہیں کھڑی تھی۔داتن نے بیٹھتے ہی اپنا ماسک اتارا اور ادھر ادھر دیکھا۔تالیہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔وہ کچھ دیر انتظار کرتی رہی۔

''تالیہ۔کدھر ہو' اسے فکر ہوئی۔ تالیہ کی پھنسی پھنسی سی آواز سنائی دی۔

''داتن....وہ ملازم آ گیا تو میں الماری میں چھپ گئی۔وہ مجھے الماری میں لاک کر گیا ہے۔'' داتن کے پیروں تلے سے زمین نکلنے لگی۔

''تالیہ....تالیہ....یہ کیسے ہوا۔''

''داتن...مجھے نکالو۔میرا دم گھٹ رہا ہے۔اوہ میں کیا کروں۔''

''تم پریشان نہ ہو۔میں کچھ کرتی ہوں۔'' داتن کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔

''داتن...مجھے نکالو....مجھے سانس نہیں آ رہا۔اوخدایا پلیز مجھے بچا لیں...میرا دمہ خراب ہو رہا ہے۔''

''تالیہ.... میری بچی تم....'' داتن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' وہ جلدی سے ماسک پہننے لگی پھر رکی۔ ''تمہیں کب سے دمہ ہوا۔''

''دو منٹ پہلے سے!'' وہ اس کے کان کے اتنا قریب چیخی کہ داتن اچھل پڑی۔

تالیہ ہنستی ہوئی دروازہ کھول کے اندر بیٹھ رہی تھی۔ داتن کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ اعصاب شل تھے۔ چند لمحے گزرے اور اس کی رنگت سرخ پڑنے لگی۔ ''تم!'' غصے کے مارے وہ بول نہیں پا رہی تھی۔

''ہاہاہا....'' اور وہ ہنستی جا رہی تھی۔ ''میں الماری میں پھنس سکتی ہوں کیا؟ ہاہا.... تم تو رونے والی ہو گئی تھیں۔ اُف تم کتنی کیوٹ ہو داتن پدوکا۔'' اس نے موٹی عورت کے سیاہ پھولے گال کی چٹکی کاٹی۔

داتن نے غصے سے آنکھیں رگڑیں اور بے بسی سے اسے دیکھا۔ ''تم.... تم چھوٹی ہرنی.... تم نے مجھے کتنا ڈرا دیا اندازہ ہے تمہیں؟ کسی دن سچ میں پھنسو گی اور میں نہیں آؤں گی' کن چیل (کہانیوں والا چھوٹا ہرن)۔''

''اچھا نا.... ڈانٹو تو نہیں۔'' وہ ٹوپی اتارتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ داتن نے ہونہہ کہہ کے کار اسٹارٹ کی۔ ''اب کیا ہو گا؟ پلان اے کے بعد پلان سی بھی بے کار ہو گیا۔''

''بے فکر رہو۔ پلان ڈی ہے نا۔'' پھر اس نے جیب سے ایک سرخ اور گلابی کارڈ لہرا کے دکھایا۔ ''مجھے دیر اس لئے ہوئی کیونکہ میں مسز عصرہ کی نیلامی میں اپنا زبردستی والا انویٹیشن کارڈ اٹھانے رک گئی تھی۔ یہی ہے ہمارا پلان ڈی۔''

''اور پلان بی کا کیا؟'' داتن کو سخت چڑ ہوئی۔

''تالیہ کے پلانز ہیں' تالیہ کی مرضی۔'' اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

''اور اگر..... ملازمہ نے چیک اپ کے بعد بتایا کہ اس کو ڈینگی نہیں ہوا تو عصرہ کو شک نہیں ہو گا؟'' داتن ابھی تک غصے سے اس کی غلطی نکالنا چاہ رہی تھی۔

''ابھی دنیا میں ملازموں کی وہ قسم پیدا نہیں ہوئی داتن جو مالک کو کہے کہ وہ بیمار نہیں ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے' وہ سب سچ بتا کے چھٹی اور مالی امداد لینے کا اتنا اچھا موقع گنوا دے گی؟'' داتن کا غصہ ہوا ہونے لگا۔ ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے ایک گہری سانس لے کر تالیہ کو دیکھا۔

''اس وقت مجھے بہت بری لگ رہی ہو تم لیکن ایک بات ہے..... تم کبھی بھی مایوس نہیں ہوتی' ہار نہیں مانتی۔ ایک پلان ٹھپ ہوئے تو دوسرا لے آتی ہو۔ اتنی ہمت کہاں سے لاتی ہو تم تالیہ؟''

''پتلے اور جوان لوگوں میں بڑی ہمت ہوتی ہے' بڑھیا۔ مگر تم کیا جانو۔'' وہ افسوس سے بولی تھی اور داتن نے چند منٹ کے لیے اس سے بات نہ کرنے کی قسم اٹھالی تھی۔

☆☆==========☆☆

کے ایل پہ اس دوپہر پھر سے سیاہ بادل چھا گئے تھے۔ بارش کے موٹے موٹے قطرے ایک دم سے برسنا شروع ہوئے اور ساری

سڑکیں جل تھل ہوتی گئیں۔ بازاروں میں پھرتے لوگوں نے چھتریاں تان لیں' اور سائبان کی طرف دوڑے۔ ایسے میں آفس کا دروازہ کھول کے ایڈم داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں کافی کا گلاس بند ڈھکن اور اسٹرا سے لیس رکھا تھا۔

آفس میں مدھم بتیاں جل رہی تھیں۔ بلائنڈز سختی سے بند تھے۔ فاتح کنٹرول چیئر پہ بیٹھا تھا۔ قدرے تکان زدہ' پیچھے کو ٹیک لگائے' ٹائی ڈھیلی کر کے سفید شرٹ کی آستین پیچھے کو موڑے۔ وہ سنجیدہ لگتا تھا۔ سامنے ایک سفید بالوں والے صاحب بیٹھے تھے۔ یہاں سے ایڈم کو ان کی پشت نظر آ رہی تھی۔ وہ کھنکھارتا ہوا میز تک آیا۔ مہمان کا چہرہ واضح ہوا۔ وہ فاتح کے ساتھ محو گفتگو تھے۔ عبد الطیف۔ ٹی وی پہ اس نے ان کو دیکھ رکھا تھا۔ نامور سیاستدان اور کاروباری شخصیت۔ ایک چور نظر ان پہ ڈالے سنجیدگی سے ایڈم نے میز پہ ٹرے رکھی۔ (مہمان کی چائے آ ئی رکھی تھی۔ یہ فاتح کی کافی تھی جو وہ مال میں ایک خاص شاپ سے لایا تھا۔ وہ اس کے علاوہ کہیں کی کافی نہیں پیتا تھا۔)

"اس کو فکس کرو۔" وہ کافی رکھ کے مڑنے ہی والا تھا کہ فاتح نے انگلی سے اشارہ کیا۔ ایڈم نے چونک کے اس طرف دیکھا۔ ایک آفس کیبنٹ کا دروازہ گرا پڑا تھا۔ دروازے کا جوڑ' قبضہ وغیرہ' سب اکھڑ گئے تھے۔

"رائٹ سر!" وہ آگے بڑھا' پھر رکا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ پھر فاتح کی طرف گھوما۔ "میخ اور ہتھوڑا ہوگا ادھر سر؟"

وہ جو الجھن اور اکتاہٹ سے گفتگو شروع کرنے جا رہا تھا' اس سوال پہ ایک نظر اٹھا کے ایڈم کو دیکھا اور پھر واپس مہمان کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ ایک سخت نظر ایڈم پہ گھڑوں پانی ڈال گئی۔ وہ تیزی سے باہر لپکا۔ فاتح کے سیکرٹری سے ہتھوڑا مانگا۔ وہاں نہیں تھا۔ کسی نے بتایا کچن میں دیکھے۔ وہ ادھر بھاگا۔ بہر حال تھوڑی تگ و دو بعد وہ میخیں' اور پیچ کس لئے آفس میں دوبارہ داخل ہوا اور باس سے نظر ملائے بغیر ٹوٹی کیبنٹ تک آیا اور پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا۔

"ایش نے تمہیں پھنسا دیا ہے فاتح۔ اب تم کیا کرو گے؟" انکھیوں سے وہ دیکھ سکتا تھا کہ عبد الطیف صاحب فکرمندی سے کہہ رہے تھے۔ وہ جواب میں کچھ نہیں بولا۔ خاموشی سے ایک ہاتھ گال تلے رکھے' کھڑکی کو دیکھتا رہا۔

"ہار مان جاؤ گے؟ صرف پیسوں کے پیچھے؟ ہم پولیٹیکل فنڈ ریزنگ کر سکتے ہیں۔ عوام تمہارے ساتھ ہوں گے۔ باریسن نیشنل کے ڈھائی لاکھ ممبرز کو ہم اپروچ کر سکتے ہیں۔ تم پارٹی چیئر مین منتخب ہو سکتے ہو۔"

"ایک آدمی تھا عرب میں۔" وہ گہری سانس لے کر عبد الطیف کی طرف چہرہ گھما کے کہنے لگا۔ آواز آہستہ اور تکان زدہ تھی۔ (ایڈم دھیرے دھیرے پیچ کسنے لگا۔ سر جھکائے' سنجیدہ صورت بنائے مگر کان گفتگو پہ لگائے ہوئے۔) "مالدار' عزت دار' باوقار۔ اس کا نام عمرو تھا۔ وہ لوگوں کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ کعبہ آنے والے حاجیوں کے لئے شوربے میں روٹی توڑ توڑ کے رکھ چھوڑتا جس کو سب کھاتے اور اسے دعائیں دیتے تھے۔' اس سے لوگوں نے اس کا نام ہاشم رکھ دیا۔ روٹی توڑنے والا۔ جو لوگ دوسروں کی مدد کرتے ہیں اور اخلاق کے اچھے ہوتے ہیں انہیں ایک دنیا اچھے ناموں سے یاد رکھتی ہے....."

ایڈم پیچ قبضے پہ جمائے آہستہ سے اسے اوزار سے کس رہا تھا۔ دھیان وہیں تھا۔

''ہاشم ایک دفعہ ملک شام گیا تو راستے میں مدینہ میں اس نے ایک خاتون سے شادی کر لی۔ کچھ دن وہاں ٹھہرا' اور پھر شام چلا گیا۔ اس سفر میں اس کا انتقال ہو گیا۔ پیچھے سے بیوی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا مگر ہاشم کے خاندان والے اس شادی سے واقف نہیں تھے' تو بچہ ماں کے پاس پلتا رہا۔ اس کے بال بالکل سفید سے تھے' بلونڈ سنہرے جیسے۔ اس لئے اس کا نام شیبہ (سفید بالوں والا) رکھا گیا۔ شیبہ دس بارہ سال کا ہوا تو ہاشم کے بھائی مطلب کو اس کا علم ہوا۔ مطلب کے لئے یہ ایک جذباتی دھچکا تھا۔ وہ فوراً مدینہ گیا اور بھتیجے کو اس کی ماں سے اصرار کے ساتھ اپنے ساتھ لے آیا۔

''عرب میں لوگ سفر سے واپسی پہ نوجوان غلام خرید کے ساتھ لایا کرتے تھے۔ مطلب جس وقت شیبہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو لوگوں نے سمجھا کہ وہ نیا غلام خرید کر لایا ہے' تو وہ اس لڑکے کو ''عبد المطلب'' پکارنے لگے۔ یعنی مطلب کا غلام۔ مطلب نے کلیئر کر دیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے مگر شیبہ کا نام اس دن سے عبد المطلب پڑ گیا اور آج تک ہم ان کو اسی نام سے جانتے ہیں۔ مگر میں تمہیں یہ قصہ کیوں سنا رہا ہوں؟ ٹھہرو....'' عبد اللطیف صاحب نے پہلو بدلا تو فاتح نے ہاتھ سے اشارہ کر کے انہیں ٹھہرنے کو کہا اور اسی سنجیدگی سے بات جاری رکھی ۔ایڈم کے کان بھی وہیں لگے تھے۔

''عبد المطلب مکہ کے اعلیٰ اور معزز خاندان میں سے تھے۔ اگر تم ان لوگوں کی تاریخ پڑھو تو دیکھو گے کہ یہ بہت اونچے اخلاق کے عظیم لوگ تھے۔ باوقار' بہادر اور جری۔ یہ ہماری طرح چھوٹے چھوٹے مفادات کے پیچھے بڑے بڑے سمجھوتے نہیں کرتے تھے۔ یہ دولت اور قیمتی چیزوں کے انبار اپنے گرد لگا کے خود کو ان کا غلام نہیں بناتے تھے۔ عبد اللطیف یہ آزاد لوگ تھے۔ یہ اپنے جذبات اپنی آستین پہ پہن کے رکھتے تھے۔ عبد المطلب کی مکہ میں بہت عزت اور ناموری تھی۔ وہ بہت اچھے انسان تھے۔ خوبصورت' نڈر اور دل کے سچے۔ ان کو ایک رات خواب میں کسی کی آواز آئی کہ زم زم کا کنواں کھودو۔ وہ اٹھے تو دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ اکیلے تھے۔'' وہ سانس لینے کو ٹھہرا۔ ایڈم کے ہاتھ رک چکے تھے۔ وہ بالکل دم سادھے سن رہا تھا۔ گردن کے پیچھے کے بال کھڑے ہو چکے تھے۔

''زم زم کا کنواں کئی صدیاں پہلے بنو جرہم نے مکہ چھوڑتے وقت دفن کر دیا تھا' اور ساتھ انہوں نے کعبہ کے سونے کے دو ہرن' قدیم تلواریں زرہیں وغیرہ بھی اس میں دفن کی تھیں۔ یہ سب نیشنل ٹریژر تھا۔ مگر عبد المطلب کو سمجھ نہیں آ سکا کہ وہ اس کو کیسے کھودیں۔ اگلی رات انہوں نے پھر خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے' زم زم کا کنواں کھودو۔ تم اسے کھود کے نہیں پچھتاؤ گے۔ یہ تمہارے آباؤ اجداد کی طرف سے تمہارا تحفہ ہے۔ یہ نہ کبھی سوکھے گا نہ اس کا پانی کم ہو گا۔ یہ حاجیوں کی پیاس بجھانے کو کافی ہو گا۔ عبد المطلب نے پوچھا کہ یہ کہاں ہے تو جواب ملا' ٹیلے کے پاس جہاں کوا چونچ سے زمین پہ دستک دے رہا ہے۔ اگلی صبح وہ اپنے اکلوتے بیٹے حارث کے ساتھ کعبہ کی طرف گئے۔ قریبی ٹیلے پہ ایک کوا اڑتا ہوا آیا اور زمین پہ چونچ رگڑنے لگا۔ دونوں باپ بیٹے نے کدالیں تھامیں اور اس جگہ کو کھودنے لگے۔ یوں صدیوں سے دفن کنواں دریافت ہو گیا۔ خزانہ بھی مل گیا' مگر دوسرے لوگ اکٹھے ہونے لگے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں ہمارا بھی حصہ ہے

مگر عبدالمطلب کا کہنا تھا کہ یہ ہمارا ہے' اسے ہم نے ڈھونڈا ہے۔ وہ لوگ لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ عبدالمطلب وہاں اکیلے تھے' اور ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ اس وقت ان کو اپنا آپ بہت کمزور لگا اور گو کہ بعد میں ان کو سارا خزانہ اور کنویں میں سے حصہ مل ہی گیا لیکن اس موقع پہ انہوں نے دعا مانگی تھی کہ اگر اللہ مجھے دس بیٹے دے تو میں ایک کو کعبہ کے پاس قربان کر دوں گا۔ ان کے مرتبے کا سردار' ایک بہادر آدمی' ایک جراءت مند لیڈر' وہ صرف ایک چیز کے بل بوتے پہ ان کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اپنے خاندان کی طاقت۔ اور کچھ نہیں۔ ہم تب تک کسی جنگ میں نہیں جا سکتے عبداللطیف جب تک ہمارا خاندان ہمارے ساتھ نہ کھڑا ہو۔ اگر ہم ان کو کنوینس نہ کر سکیں کہ ہم جیت سکتے ہیں.. اگر وہ ساتھ چھوڑ دیں تو چیزیں زیادہ مشکل ہو جاتی ہیں۔'' اس کی آواز میں تکلیف سمٹ آئی تھی۔ ایڈم بالکل شل سا بیٹھا تھا۔ اس نے باس کو اتنے دکھ سے بات کرتے پہلی دفعہ سنا تھا۔ ''میں اس انتخاب میں تب تک نہیں جا سکتا جب تک عصرہ اور بچے میرے ساتھ نہ ہوں۔ میں پیسے کی کمی سے نہیں ڈرتا۔ لیکن اتنے سال میں نے ملے زیا کے لئے جدوجہد کی' دکھ اٹھائے' قربانیاں دیں'' (اس نے ایک نظر اس فوٹو فریم پہ ڈالی جو میز پہ رکھا تھا۔ ننھی سی مسکراتی بچی۔ فاتح کی آنکھوں میں تکلیف ابھری۔) ''ہر بات کے اختتام پہ میں یہی سوچتا تھا کہ کبھی تو اللہ مجھے ہر چیز کے لئے Compensate کرے گا۔ لیکن اب ایش چاہتا ہے کہ میں اپنے خواب سے دستبردار ہو جاؤں۔ تو کیا وہ اتنے سال بے مصرف گئے؟ ان ساری قربانیوں کو میں ضائع کر دوں؟ خواب تو بچوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ہم ان کو اپنے ساتھ بڑا کرتے ہیں' لیکن میرے خواب شاید بوڑھے ہو گئے ہیں۔''

ایڈم نے آخری پیچ کسا اور سامان اٹھا کے اٹھ گیا۔ دروازے کھولتے ہوئے اس نے سنا کہ عبداللطیف کہہ رہے تھے۔ ''عصرہ کو کنوینس کیا جا سکتا ہے۔ میں اگر...'' اس نے باہر آکر دروازہ بند کیا تو آوازوں کا رستہ رک گیا۔ وہ وہیں سیکرٹری کے کیبن کے آگے منتظر افراد کے پیچھے صوفے پہ بیٹھا اور موبائل نکال کے اپنی ماں کو کال ملائی۔ جیسے ہی اس نے فون اٹھایا' ایڈم گہری سانس لے کر' نظریں جھکائے کہنے لگا۔

''تم صحیح کہتی تھی ماں۔ مجھے فاتح رامزل کی دل سے خدمت کرنی ہے۔ وفاداری' سچائی اور امانت کا آج کل کوئی مول نہیں ہوتا۔ اور پتہ ہے کیا..... اب میں بھی زندگی میں کچھ بننا چاہتا ہوں۔ بڑا آدمی۔ اونچے خواب' اونچے مقصد رکھنے والا.... مجھے اپنے آپ کو کسی بامقصد کام کے لئے استعمال کرنا ہے اور....'' وہ جو آنکھوں میں نئے نئے خواب سجائے کہہ رہا تھا' ایک دم اس کے جوتے پہ کسی نے بوٹ رکھا تو وہ بلبلا کے کھڑا ہوا اور موبائل نیچے کیا۔ سامنے سیکرٹری کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

''کیا ہوا' سر؟'' وہ بوکھلایا۔

''تمہیں اب تک برداشت کر رہا ہوں میں لیکن یہ جو تم اوور اسمارٹ بن کے فاتح صاحب کے آگے پیچھے پھرنے کی کوشش کر رہے ہو... عبداللہ کی نوکری ہتھیانا چاہتے ہو تم کیا؟ ہاں؟''

''نن نہیں سر... آپ کو غلط فہمی...'' وہ ہکلایا مگر سیکرٹری نے غصیلی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے بوٹ سے اس کا انگوٹھا مزید زور سے دبایا۔ ''اس آفس میں بہت سے آئے اور بہت سے گئے۔ جو آتا ہے ''طاقت'' کا خواب لے کر آتا ہے اور میں اسے مکھی کی طرح نکال پھینکتا

ہوں۔اس لئے لمبے لمبے خواب مت دیکھو۔اپنے گنے چنے دن پورے کرو'اور سر سے زیادہ فرینک نہ۔ورنہ ابھی عبداللہ کو کال کر کے بتا دوں گا کہ تم اس کی نوکری ہتھیانے کی کوشش کر رہے ہو۔وہ تمہاری جان لے لے گا۔سمجھ میں آیا؟''

''جی سر!''ایڈم نے نگاہیں جھکا دیں۔

''اب مجھ سے معافی مانگو!'' نوجوان سیکرٹری اسے اسی طرح گھورتے ہوئے چبا چبا کے بولا تو ایڈم نے گلابی پڑتی آنکھیں اٹھائیں۔''سوری سر!اب ایسا نہیں ہوگا۔''

''ہوں!''وہ ہنکارا بھر کے مڑا اور بوٹ اس کے پیر سے ہٹا دیا۔ایڈم نے فون اوپر کر کے دیکھا۔کال ابھی تک ملی ہوئی تھی اور ماں یقیناً خاموشی سے سن رہی تھی۔اس نے فون کان سے لگایا تو وہ خود سے ہی کہنے لگی۔

''لوگوں کی تنقید نہ ہو تو کوئی آگے بڑھ ہی نہ سکے۔تم دیکھنا'اللہ تمہیں دوہرا بخت لگائے گا ایڈم۔تم ایک دن دنیا پہ حکومت کرو گے۔یہ تمہاری ماں کی دعا ہے۔''اس نے جواب نہیں دیا اور فون بند کر دیا۔وہ جانتا تھا وہ صرف اس کا دل رکھنے کے لئے کہہ رہی ہے'ورنہ آج کل کے دور میں سونے کے ہرن اور زمزم کے کنویں کسے ملتے تھے؟

☆☆==========☆☆

اس نے دیکھا.....

کہ وہ کیچڑ آلود زمین تھی۔وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے.....چار پانچ درختوں میں گھرے ہوئے.....بارش تڑاتڑ برس رہی تھی.....

وہ درخت سے ٹیک لگائے اکڑوں بیٹھا تھا اور اسے پتلیاں سکوڑ کے چبھتی نظروں سے دیکھ رہا تھا.....وہ سامنے کیچڑ پہ بیٹھی تھی.....اس کے منہ پہ مٹی لگی تھی.....الجھے سنہرے بال گرد آلود تھے.....چہرے پہ زخم کے نشان تھے.....کپڑے پھٹے پرانے تھے.....وہ بھی فاتح کو ان ہی نظروں سے دیکھ رہی تھی.....اور بازوؤں میں کچھ پکڑے بیٹھی تھی.....

ایک ننھا ہرن تھا وہ.......وہ اس کو اپنے بازوؤں میں زبردستی جکڑے ہوئے تھی۔ہرن کسمسا رہا تھا'پھڑپھڑا رہا تھا'مگر تالیہ نے اپنا کیچڑ آلود پاؤں اس جانور کی گردن پہ رکھا ہوا تھا۔

''آپ نے مجھ سے پوچھا تھا.....یاد ہے.....''وہ نظریں اس پہ جمائے کیچڑ پہ رکھا چاقو اٹھاتے ہوئے غرائی تھی۔''کہ تاشہ تمہارے ٹیلنٹ کیا ہیں؟تمہاری زندگی میں کامیابیاں کیا ہیں؟تمہیں کیا آتا ہے؟''وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کے ادا کر رہی تھی۔چاقو اب ہرن کی گردن سے لگا لیا تھا'نظریں فاتح کے چہرے پہ مرکوز تھیں۔

''مجھے.....یہ آتا ہے۔''اور ساتھ ہی چاقو تیزی سے ہرن کی گردن میں گھونپ دیا۔معصوم جانور چلایا.....تڑپا.....خون کے تازہ چھینٹے فاتح کے چہرے اور شرٹ پہ آ گرے۔اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سر جھٹکا۔بولا کچھ نہیں.....

ہرن تڑپ رہا تھا.....خون بہہ رہا تھا.....اس کے کپڑے.....زمین.....سرخ خون سے رنگین ہوتی جا رہی تھی.....

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ گھبرا کے ادھر ادھر دیکھا۔

بیڈروم تاریک تھا۔ وہ اکیلی تھی۔ اے سی چل رہا تھا اور آرام دہ ٹھنڈے ماحول میں سکون ہی سکون تھا۔ مگر اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ سارا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ بال تک گیلے ہو گئے تھے۔ وہ تیزی سے بستر سے اتری اور لیمپ جلایا۔ زرد روشنی تاریکی میں گھل کے کمرے کو نیم روشن کر گئی۔ اس نے بے اختیار اپنے ہاتھ دیکھے۔ اپنے کپڑے جھاڑے۔ کوئی خون' کوئی جانور..... کچھ بھی تو نہ تھا۔

تالیہ نے سر ہاتھوں میں گرا لیا اور بیڈ کنارے بیٹھتی چلی گئی۔ ایسا پہلی دفعہ ہوا تھا۔ ایسے بھیانک' خوفزدہ کرنے والے خواب وہ پہلے نہیں دیکھا کرتی تھی۔ اسے ان سے کبھی ڈر نہیں لگا تھا۔ پھر اب کیا ہو رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

آرٹ گیلری اس شام اپنی مرمریں راہداریوں کے ساتھ چمکتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ دور دور تک دیواروں پہ آویزاں پینٹنگز..... شیشے کے چوکھٹوں میں نمائش کے لئے لگائے گئے نوادرات..... بڑے ہال نما کمرے کی چھت دو منزلیں اوپر تھی۔ کسی شاپنگ مال کی طرح فرش پہ کھڑے ہو کر گردن اٹھاؤ تو اوپری دونوں منزلوں کی' چوکور بالکونیاں اور ان میں ٹہلتے لوگ صاف دکھائی دیتے تھے۔ سیاح اور آرٹ کے قدردان رک رک کر نمائشی شہ پارے دیکھ رہے تھے۔

ایسے میں اوپری منزل پہ کارنر آفس کے اندر خوشگوار ماحول میں میٹنگ جاری تھی۔ کنٹرول چیئر پہ عصرہ محمود بیٹھی تھی۔ ماتھے پہ کٹے بال سامنے کیے' اور باقی کو فرانسیسی جوڑے میں گوندھے اس نے اسکرٹ کے اوپر گرے منی کوٹ پہن رکھا تھا۔ بڑی بھوری آنکھوں میں مسکراہٹ لئے' وہ ہاتھ باہم ملائے' آگے کو ہو کر بیٹھی کہہ رہی تھی۔

''میں آپ کی اس عنایت کی جتنی قدر کروں کم ہے۔ ہم اس پینٹنگ کو نیلامی میں رکھیں گے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم کا چوتھا حصہ خیراتی اداروں کو بھیجا جائے گا۔ اللہ آپ سے قبول کرے۔''

سامنے حبشی صورت سوٹ میں ملبوس لمبا تڑنگا آدمی بیٹھا تھا جس کی فرنچ داڑھی تھی اور اس کے آگے پیچھے تین چار افراد بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک اشعر بھی تھا۔ وہ بس مسکرا کے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ عصرہ کی سیکرٹری عصرہ کے پیچھے مستعدی کھڑی تھی اور میز پہ ایک بڑا سا لکڑی کا ڈبہ رکھا تھا جس کے اندر فریم میں یقیناً ایک پینٹنگ تھی۔

''نوازش' میم!'' وہ سر کو خم دے کر مسکرا کے بولا تھا۔ ''یہ پینٹنگ ہمارے خاندان میں پچھلے ستر سال سے موجود ہے۔ تمام لیگل ڈاکومنٹس میں نے آپ کو دے دیے ہیں۔ Spoilum (چینی پینٹر) عموماً چینی اور مغربی تاجروں کے پورٹریٹ بناتا تھا مگر اس کا یہ کام ''زخمی ہرن'' اس کے دوسرے تمام کام سے مختلف ہے۔'' پیچھے کھڑے گارڈ نے جھک کر ڈبے کا ڈھکن ہٹایا تو عصرہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تمام بیٹھے ہوئے افراد بھی اٹھ گئے۔

پینٹنگ ایک درخت کی تھی جس کے تنے کے ساتھ ایک ہرن گرا پڑا تھا۔ اس کی گردن سے خون بہہ رہا تھا اور اس کی آنکھیں آسمان پہ

جمی تھیں۔ ان آنکھوں کی یاسیت ....ان کا کرب۔عصرہ نے ستائش سے گہری سانس لی اور ہولے سے پینٹنگ کے شیشے کو چھوا۔''دسمپائکم کی سب سے مزیدار بات یہ تھی کہ وہ ریورس گلاس پینٹنگ کرنا جانتا تھا۔اس زمانے میں ....اٹھارویں صدی میں صرف مغربی پینٹرز اس میں مہارت رکھتے تھے۔شیشے پہ الٹی تصویر بنانا اور پھر اس کو سیدھا کرنا...سبحان اللہ۔''وہ تحسین سے کہہ رہی تھی۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور مسکرا کے مہمانوں کو دیکھا۔

''میں فاتح کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ وہ یقیناً ٹریفک میں پھنس گیا ہوگا ورنہ وہ پہنچ جاتا۔ اس نے وعدہ کیا تھا۔'' پھر وہ ذرا ٹھہری۔''اگر آپ تھوڑی دیر ٹھہر جائیں تو.....''

''میری شدید خواہش تھی مگر کچھ کام ایسے آن پڑے ہیں کہ مجھے جانا پڑ رہا ہے۔مگر آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ یہ تحفہ کسی مطلب کے لئے ہے۔''وہ خفیف سا ہو کے بولا تو وہ مسکرا دی۔

''بالکل بھی نہیں۔''(اشعر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔)

چند منٹ بعد جب تمام مہمان جا چکے تو عصرہ واپس کرسی پہ بیٹھی اور بے نیازی سے سیکرٹری کو اشارہ کیا۔''ایکسپرٹس کو بلاؤ۔وہ آئیں تو میں اس کام سے فارغ ہو جاؤں۔جینوئن ہے تو ہم اس کو رکھیں ورنہ پھینک دیں۔''

''احسان صاحب اور رزاق صاحب باہر انتظار کر رہے ہیں۔''

''اور عبدالحلیم صاحب؟ان کو نہیں بلایا؟''

''نہیں عبدالحلیم صاحب اور ملک سے باہر ہیں۔صرف یہی دستیاب تھے۔''

''ٹھیک ہے ان کو بلاؤ۔''اس نے نخوت سے ہاتھ کا اشارہ کیا اور فون کو دیکھنے لگی۔سیکرٹری جھٹ سے باہر نکل گئی۔

''فاتح کبھی میرا مان نہیں رکھ سکتا۔''وہ بے بسی بھرے غصے سے اشعر سے بولی تو وہ نرمی سے اسے تسلی دینے لگا۔

''کاکا.....اچھا ہوا کہ آبنگ نہیں آیا ورنہ شاید ان کی شان میں صاف گوئی سے کچھ ایسا کہہ دیتا کہ الٹا ہمیں ان کو دو چار انٹیکس دے کر بات ختم کرنی پڑتی۔''اس کے انداز پہ وہ بے ساختہ ہنس دی۔

☆☆=========☆☆

چند میل دور....حالم کے بنگلے پہ وہ صبح تازہ پھولوں کی خوشبو میں رچی بسی جلوہ گر ہوئی تھی۔اور لاؤنج میں داتن نے مہکتے گلاب لا کر رکھے تھے جنہوں نے سارے گھر کو مہکا دیا تھا۔اور خود وہ اوپن کچن میں کھڑی کھانا بنا رہی تھی۔

تالیہ لاؤنج کے بڑے صوفے پہ بیٹھی'بال باندھے'پیر اوپر کیے ریموٹ سے چینل بدلے جا رہی تھی۔

''تم ڈسٹرب ہو۔''

''ہوں۔''اس نے اداسی سے ہنکارا بھرا۔یاسیت بھری نظریں اسکرین پہ جمی تھیں۔چہرہ زرد لگتا تھا۔''میں نے خواب میں دیکھا....وہ

میرے سامنے بیٹھا ہے اور میں نے اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہرن کو ذبح کر ڈالا۔"

داتن کے ہاتھ سے ڈوئی چھوٹ گئی۔ ہڑبڑا کے وہ پلٹی اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"ہرن کو؟ ذبح؟" پھر اس نے جھرجھری لی۔ "شروع شروع میں جب میں مرغیاں پالتی تھی تو تم ایک آدھ کو ذبح کر لیتی تھیں مگر ہرن!"

"مجھے یہ سب چیزیں آتی ہیں داتن۔ خنجر کا استعمال، گن کا استعمال۔ ہاتھوں کا استعمال... مگر میں اس طرح کسی معصوم جانور کو نہیں مار سکتی۔" اس نے سر جھٹکا۔ پھر چونکی۔ "اور وہ مجھے تاشہ کہہ رہا تھا۔"

"ساشا؟" داتن کو لگا اسے سننے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ "وہ ساشا کے نام سے ایک آئی ڈی ہے نا تمہارے پاس۔"

"نہیں داتن۔ اس نے مجھے تاشہ کہا۔ بلکہ میں نے خود اسے بتایا کہ اس نے مجھے یہ کہہ کر کچھ پوچھا تھا... خیر..." اس نے سر جھٹکا۔ "میں نے اسے ہرن ذبح کر کے بتایا کہ یہ میرا ٹیلنٹ ہے۔ مگر یہ کیا بات ہوئی؟ خواب تو علامتی ہوتے ہیں نا تو پھر یہ سب کیا تھا؟" وہ الجھی ہوئی تھی۔

"تمہارا ٹیلنٹ کیا ہے؟" اس سوال پہ اس کا چہرہ زخمی سا ہو گیا۔

"لوگوں کو دھوکہ دے کر پیسے بٹورنا اور چوریاں کرنا۔" وہ تلخ ہوئی۔

"مگر اس کے علاوہ تم ایک اچھی آرٹسٹ بھی ہو، آرٹ کی پہچان ہے تمہیں، اگر تم کسی یونیورسٹی میں یا کسی آرٹ میوزیم میں بطور ایکسپرٹ کام کرو تو بہت پیسے بنا سکتی ہو۔ یو نو، اصلی اور نقلی آرٹ کی تصدیق بہت کٹھن کام ہوتا ہے۔"

"جانے دو۔ اس کا میرے خواب سے کیا تعلق؟ خیر۔ آج ہم پلان ڈی کی طرف آئیں گے۔" اس نے ریموٹ سے ٹی وی بند کیا اور تمام الجھنوں کو گویا جھٹک کے مکمل طور پہ داتن کی طرف متوجہ ہوئی۔

"مسز یاسمین اور مسز فوزیہ کس وقت گیلری جائیں گی؟"

"میں نے تمہارے نمبر سے ان دونوں کو میسج کر کے آج شام کا کہا تھا۔ مگر تالیہ..." داتن چین ڈھک کے سامنے آئی اور فکر مندی سے اسے دیکھا۔ "تم ان کے ساتھ گیلری جاؤ گی تو وہ وہاں کسی کو بھی بتا دیں گی کہ تم تالیہ مراد ہو۔"

"ہاں تو وہ کس تالیہ مراد کو جانتی ہیں؟ امیر کبیر سوشلائیٹ اور آرٹ کی قدر دان تالیہ کو جانتی ہیں نا وہ۔ ان کو یہ تو نہیں معلوم کہ میرا اصل ذریعہ آمدنی کیا ہے۔ اور میں نے جن علاقوں میں ویٹرس یا نوکرانی بن کے کام کیا ہے وہ یہاں سے کافی دور ہیں، اور وہ اپر مڈل کلاس ہے۔ تالیہ مراد ہائی ایلیٹ میں موو کرنے والی لڑکی ہے جس کے بال سنہری ہیں اور جو صرف ڈیزائنر ڈائمنڈز پہنتی ہے۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ مسز عصرہ سے بریسلیٹ چرانے کے لیے تم نے اگر grifter ہی بننا ہے تو کوئی اور روپ دھار لو۔"

(Theif وہ چور ہوتا ہے جو خاموشی سے مال چرا کے لئے جاتا ہے، اور گرفٹر وہ ٹھگ ہوتا ہے جو کوئی کردار اپنا کے، بھیس بدل کے کسی کے پاس جاتا ہے اور اپنی چرب زبانی سے ان سے مطلوبہ مال لوٹتا ہے جیسے بزنس انویسٹمنٹ کا جھانسہ دینا وغیرہ)

''میں کبھی گرفٹنگ نہیں کرتی داتن۔ وہ تم کرتی ہو۔ میرا چہرہ کے ایل کے اس علاقے میں ایک امیر سوشلائیٹ کے طور پہ مشہور ہے جو اپنے باپ کی دولت خرچ کر رہی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ کل کو جب میں یہ کام چھوڑوں تو کوئی مجھے پہچان لے۔ ابھی تک تالیہ نے کسی کے ساتھ grifting نہیں کی۔'' وہ بے فکر تھی۔ جیسے برستی بارش میں کوئی کھلے آسمان تلے خوش باش مراقبے میں بیٹھا ہو۔

''مگر تم نے نوکرانی کا رول ادا کرنے کے لئے یہ نام استعمال کیا تھا تالیہ۔''

''مجھے اچھا لگ رہا تھا اپنے نام کے ساتھ وہ اچھے القابات سننا' مگر اس میں میرا حلیہ بالکل مختلف تھا۔ اور اب بھی میں ساشا یا کچھ اور بن کے نہیں جاؤں گی۔ میں تالیہ مراد ہی بن کے جاؤں گی۔'' وہ مطمئن بیٹھی تھی۔ مگر داتن نے اسی بے چینی سے اسے دیکھا۔

''تم نے مسز عصرہ کو جوس سرو کیا تھا' اگر اس نے پہچان لیا؟''

''اوہ داتن.... ہم روز ریسٹورانٹ میں درجنوں ویٹرز کو دیکھتے ہیں۔ ایک دو سیکنڈ کے لئے ایک ہی یونیفارم میں ملبوس ایک عمر کی تین چار لڑکیوں کو دیکھ کر کوئی بعد میں نہیں پہچان سکتا۔ عصرہ دن میں دس جگہوں پہ جاتی ہیں اور انہوں نے مجھے دیکھا ضرور تھا' نظر نہیں ملائی تھی۔ کسی کو بھی میں یاد نہیں ہوں گی لائیٹس بھی ڈم تھیں۔ رہے ان کے ملازم تو وہ کوئی اتنے ذہین فطین عقابی نظروں کے مالک نہیں تھے کہ مجھے پہچان لیں۔'' وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے بات کرتی تھی۔ جیسے ہواؤں میں ان دیکھے تال چھیڑ رہی ہو۔ جیسے کوئی جادوگر سارے جادو بکھیر کے ہر چیز طے کیے بیٹھا ہو۔

''تو اب تم باقاعدہ عصرہ سے ملنے جا رہی ہو! مگر تم کیا کہو گی؟''

تالیہ کے چہرے پہ آسودہ سی مسکراہٹ بکھر گئی اور وہ پیر نیچے اتارتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں نے کچھ نہیں کہنا۔ جو کہنا ہے میرے ڈائمنڈز نے کہنا ہے۔ تم کھانا بناؤ' میں بال ڈائی کر کے واپس تالیہ مراد بن جاؤں۔'' اور پیروں میں چپل گھسیٹتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

پیچھے دیگچی میں تلنے کی خوشبو آنے لگی تو داتن ہڑبڑا کے اس طرف لپکی۔

☆☆=========☆☆

ایکسپرٹس پینٹنگ کی تصدیق کر کے جا چکے تھے اور اب عصرہ اور اشعر آفس کے باہر بالکونی میں کھڑے تھے۔ یہ گول بالکونی تھی۔ درمیان میں خلا تھا جہاں سے نیچے کا مرمریں ہال اور اس میں ٹہلتے لوگ صاف دکھائی دیتے تھے۔ رنگ برنگی لڑکیاں لڑکے۔ بے فکر لوگ۔

''شکریہ ایش.... تم نے آج میرے لیے اتنا وقت نکالا۔'' وہ اس کی ممنون ہوئی تو ایش نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھوں کے گرد بازو پھیلا لیا۔ ''میں تمہارا بھائی ہوں' کاکا۔ کیسی باتیں کرتی ہو۔''

''شادی کر لو ایش!'' وہ اس کے انداز پہ محبت سے بولی تو وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

''جتنا تم مجبور کر رہی ہو' میں واقعی اس بارے میں سوچنے لگا ہوں۔'' وہ دونوں بالکونی کی ریلنگ کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''تمہاری بات نے میرا مان بڑھا دیا ہے۔'' عصرہ کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ ''کوئی ڈھونڈ رکھی ہے تو مجھے ملوا دو اس سے۔ میں امریکہ

جانے سے قبل تمہاری یہ خوشی دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"نہیں کاکا۔" اس نے تاسف سے سر جھٹکا اور نیچے ہال میں چلتے پھرتے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ "میرے حلقہ احباب میں نامکمل لڑکیاں ہیں۔ جو حسین ہے اس میں وقار نہیں ہے۔ جس میں وقار ہے اس کا خاندان اعلیٰ نہیں ہے۔ جس میں یہ سب کچھ ہے وہ ذہین نہیں ہے۔ اگر اشعر محمود کسی لڑکی کو ملک کی فرسٹ لیڈی بنائے گا تو اس کو پرفیکٹ ہونا چاہیے۔"

"اچھا۔ مثلاً اس کو کس طرح پرفیکٹ ہونا چاہیے؟" عصرہ محبت اور دلچسپی سے اس کو دیکھ کے چھیڑنے لگی۔

"اس کو...." وہ عام سے انداز میں بات کا آغاز کرنے لگا مگر پھر ٹھہر گیا۔ نظر نیچے ہال کے دروازے سے اندر آتی تین لڑکیوں پہ پڑی۔ ان میں سے دو امراء کے کسی خاندان کی نک سک سے تیار معمولی شکل کی لگتی تھیں اور تیسری.... وہ لمحے بھر کو بالکل مبہوت ہو گیا۔ "اس کو...." اس نے نظریں اس پہ ٹکائے الفاظ جوڑنے چاہے۔ "اس کو منفرد ہونا چاہیے۔"

وہ پیر تک آتی سفید اسکرٹ اور سفید بلاؤز میں ملبوس تھی۔ جل پری کا سا لباس۔ بالکل سفید۔ کندھوں پہ چھوٹا سا سرخ منی کوٹ پہن رکھا تھا۔

"اور وہ بے حد حسین ہو...."

اس کے سیدھے سنہری بال تھوڑی سے نیچے تک آتے تھے۔ گوری سرخ رنگت' سیاہ آنکھیں' وہ ساتھ والی خاتون کی بات پہ مسکرا رہی تھی اور گال میں ڈمپل پڑ رہا تھا۔

"اور کافی دولت مند بھی ہو۔"

لڑکی نے کانوں میں موٹے موٹے نازک سے سرخ یاقوت جڑے ائیر رنگز پہن رکھے تھے اور یہاں سے بھی وہ دیکھ سکتا تھا کہ اس کی انگلی میں موٹے سے Solitaire ہیرے والی انگوٹھی تھی۔ کہنی پہ سفید ہینڈ بیگ ٹکا تھا۔

"اور اس کے ہر انداز سے اس کے اعلیٰ خاندان کا پتہ چلتا ہو۔ ریگل۔ ریگل سی لڑکی ہو وہ۔" اس کے ساتھ والی خواتین خوش گپیاں کرتیں آگے بڑھ گئیں مگر وہ پہلی پینٹنگ کے سامنے کھڑی ہو گئی اور اردگرد سے بے نیاز پوری توجہ سے اس آرٹ کو دیکھنے لگی۔

"اور ذہین بھی ہو!" وہ پہلی پینٹنگ کے سامنے سے جلد ہی ہٹ گئی البتہ اگلی کے سامنے ٹھہر گئی۔ لبوں پہ مسکراہٹ آئی۔ اشعر نے دیکھا وہ عام کو نظر انداز کر کے خاص اور قدیم کے سامنے رکی تھی۔ "کسی خوبصورت اور ذہین ہرنی کی طرح!"

"تم اس کو جانتے ہو؟" عصرہ نے اس کے قریب ہو کے سرگوشی کی تو اس نے چونک کے عصرہ کو دیکھا پھر ذرا خجل ہوا۔ "او ہو کاکا۔ میں تو یونہی ایک بات کر رہا تھا۔"

"اگر تمہیں وہ پسند آ گئی ہے تو مجھے بتاؤ۔" وہ مسکراہٹ دبا کر بولی تھی۔ اشعر ہلکے سے ہنس دیا۔ پھر دوبارہ نیچے دیکھا۔ وہ ابھی تک اس پینٹنگ کو دیکھ رہی تھی۔

"ویسے کون ہے یہ کا کا؟" عصرہ نے شانے اچکا دیے۔

"میں تو نہیں جانتی۔تم خود پوچھ لو۔"

اشعر نے دور کھڑی سیکرٹری کو چٹکی سے ادھر آنے کا اشارہ کیا۔وہ فوراً دوڑی چلی آئی۔

"یہ لڑکی کون ہے سفید لباس اور سرخ منی کوٹ والی۔معلوم کر کے دو۔" سنجیدہ صورت بنا کر اس نے سپاٹ انداز میں حکم دیا تو وہ فوراً "لیس سر" کہتی سیڑھیوں کی طرف دوڑی۔

گیلری کے باہر ایک کافی شاپ کے برآمدے میں چھتری تلے بیٹھی داتن گرما گرم کافی پی رہی تھی۔بارش ابھی تھمی تھی اور موسم ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ساتھ ہی وہ کان میں لگے ننھے ٹکڑے کو دبا کے کہہ رہی تھی۔"اور تمہیں کیوں لگتا ہے کہ تم عصرہ سے ملاقات کر لو گی۔"

اندر پینٹنگ کے سامنے کھڑی تالیہ نے ہونٹوں کی کم سے کم جنبش کے ساتھ جواب دیا۔"کیونکہ میرے ڈائمنڈز اسے متوجہ کر لیں گے۔وہ ابھی بھی اوپر کھڑی مجھے ہی دیکھ رہی ہے۔ساتھ اس کا بھائی بھی ہے۔"

"بس خدا کرے اس نے اس سنگاپوری تاجر کی بیوی کو کبھی یہ یاقوتی سیٹ پہنے نہ دیکھا ہو جس سے ہم نے یہ چرایا تھا۔"

"خدا کی قسم داتن' اگر تم نے مجھے اس سچوئیشن میں ہنسانے کی کوشش کی تو میں تمہارا کھانا پینا بند کر دوں گی۔" وہ بدقت مسکراہٹ دبا کے بولی تھی۔"اور تیر نشانے پہ لگا ہے۔عصرہ کی سیکرٹری مسز یاسمین کے ساتھ کھد بد کرتی نظر آ رہی ہے۔یقیناً میرا ہی پوچھ رہی ہو گی۔اور مسز یاسمین معصوم سی ہے' جو امپریشن میں نے بنا رکھا ہے اس کو بڑھا چڑھا کے بتائے گی۔" وہ کنکھیوں سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔نظریں پینٹنگ پہ جمی تھیں۔پھر جیسے ہی اس نے دیکھا کہ یاسمین خاموش ہوئی ہے' اور سیکرٹری سر ہلا کے مڑنے کو ہے' وہ ایک دم گھومی اور چند قدم چل کے ان کے قریب آئی۔

"سنو تم.....تم یہاں کام کرتی ہو؟" سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا تو سیکرٹری نے پہلے یاسمین کو دیکھا' جو اپنی جگہ خجل ہوئی تھی اور پھر تالیہ کو۔

"جی۔"

"مجھے یہ پینٹنگ خریدنی ہے۔ابھی۔اسی وقت۔" اس کے انداز میں ایک شاہانہ پن سا تھا۔

"یہ تو.....کافی.....آ....." وہ ہکلائی۔"قیمتی ہے' اور اس طرح ان کو بیچا نہیں جاتا' لیکن....."

"قیمت کا مسئلہ نہیں ہے۔میں ہر قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔" تالیہ نے اسی شاہانہ انداز میں ہاتھ جھلا کے جیسے اس کے خدشے کو رد کیا تھا۔"متعلقہ آفیسر کو میرے پاس بھیجو۔مجھے یہ ابھی چاہیے۔" اور بے نیازی سے واپس پلٹ کر اسی پینٹنگ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔سیکرٹری کچھ مرعوب' کچھ کنفیوز سی واپس اوپر بھاگی۔

"اس کا نام تالیہ مراد ہے۔باپ مرتے وقت لمبی چوڑی جائیداد چھوڑ گیا تھا' اس نے چند نامور کمپنیز میں انویسٹمنٹ کر رکھی ہے اور ان شیئرز کی خرید و فروخت کے منافع سے کافی آسودہ زندگی گزار رہی ہے۔" سیکرٹری اب ان دونوں کے ساتھ کھڑی دھیمی آواز میں بتا رہی تھی

۔اشعر کی نظریں نیچے ہال پہ جمی تھیں جہاں وہ اس جانب کمر کیے پینٹنگ کے مطالعے میں محو تھی۔عصرہ سینے پہ بازو لپیٹے بنا کسی تاثر کے سنتی رہی۔ ''یہ ایک سوشلائیٹ ہے (ایسی عورتیں جو بے پناہ دولت ہونے کے باعث سارا وقت پارٹیز اور فنکشنز اٹینڈ کرنے میں گزارتی ہیں۔) مختلف چیریٹی ایونٹس میں بھاری ڈونیشن بھی دیتی رہی ہے۔ آرٹ کلیکٹر ہے۔اور میم....'' وہ کھنکھاری۔''وہ اس پینٹنگ کو خریدنا چاہتی ہے۔''

''اس پینٹنگ کو؟'' عصرہ نے بازو گرائے اور تعجب سے ابرو اٹھایا۔''لینگ مئے کی اس پینٹنگ کو وہ خریدنا چاہتی ہے؟ اس کو اس کی قیمت معلوم بھی ہے۔''

''بیچ دو۔'' اشعر نے اطمینان سے عصرہ کی آنکھوں میں دیکھا اور دھیما سا بولا۔''اس کو جو چاہیے اس کو فروخت کر دو' کاکا۔''

عصرہ نے ایک نظر اشعر کو دیکھا' اور دوسری نظر نیچے کھڑی لڑکی پہ ڈالی جواب گردن ترچھی کر کے پینٹنگ کو بغور دیکھ رہی تھی۔پھر گہری سانس لی اور تحکم سے بولی۔''اسے اوپر بلاؤ۔''

سیکرٹری نے جب تالیہ کے قریب آ کر یہ پیغام دیا تو وہ چونکی' پھر گھوم کے اوپر دیکھا۔دونوں بہن بھائی وہاں کھڑے تھے مگر بظاہر آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔تالیہ اسی سنجیدگی سے سیکرٹری کے پیچھے چل دی۔کان میں داتن کی محظوظ آواز گونجی۔

''تیر نشانے پہ لگ چکا ہے۔عصرہ سے ہاتھ ملانا اور اس کے ہاتھ سے بریسلیٹ اتار لینا۔ہائے۔مجھے وہ وقت یاد آ گیا جب ہم غریب تھے اور کے ایل کے بازاروں میں عورتوں سے ٹکرا کے معذرت کرتے اور ان کے زیور اتار لیتے تھے۔یہ بھی ویسے ایک آرٹ ہے تالیہ۔اتنی احتیاط اور نزاکت سے کسی کے ہاتھ سے زیور اتارنا کہ اسے محسوس ہی نہ ہو۔چوروں کی کوئی ایوارڈز کی تقاریب کیوں نہیں ہوتیں؟ میں آدھ درجن تو جیت ہی جاتی۔''

''تمہارے جیتنے سے پہلے آدھے چور ایوارڈز چرا کے ہی لے جاتے۔'' کہہ کے بدقت اس نے ہنسی دبائی اور سنجیدہ چہرہ بنائے سیکرٹری کے پیچھے چلتی گئی۔

''یہ مس تالیہ مراد ہیں' میم۔'' سیکرٹری نے اس کے قریب آنے پہ تعارف کروایا تو وہ دونوں بہن بھائی اس کی طرف گھومے۔سامنے کھڑی سفید لمبی اسکرٹ اور سرخ منی کوٹ والی لڑکی کی خوبصورت آنکھوں میں خوشگوار حیرت در آئی تھی۔'مسز عصرہ فاتح۔آف کورس۔یہ تو آپ کی گیلری ہے۔مجھے خیال کیوں نہیں آیا کہ آپ سے بھی ملاقات ہو سکتی ہے۔'' وہ متاثر اور خوش سی آگے بڑھی اور مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ عصرہ مسکرائی (اس نے تنکو کامل کی نوکرانی کو نہیں پہچانا تھا) اور اس کا ہاتھ تھاما۔

''میں نے فاتح رامزل کو ووٹ دیا تھا۔باریسن نیشنل کو۔'' وہ گرمجوشی مگر وقار سے عصرہ کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھامے بولی اور انگلیاں طلائی بریسلیٹ کی طرف بڑھائیں۔جیسے ہی اس کے پوروں نے بریسلیٹ کی زنجیر کو چھوا' اسے کرنٹ سا لگا۔زنجیر دہکنے لگی تھی۔گرم' جیسے سونا ابل رہا ہو۔ایک دم اس نے ہاتھ پیچھے ہٹایا۔عصرہ چونکی' مگر وہ فوراً سے سنبھل گئی اور جبراً مسکرائی۔''فین مومنٹ۔یو نو۔'' زنگلت ذرا

پھیکی پڑی۔ ایک چور نظر اس کی کلائی پہ ڈالی۔ بریسلیٹ چمک رہا تھا۔ تیز روشن سا۔ مگر عصرہ اس کی طرف متوجہ نہ تھی۔ نہ اسے گرمائش محسوس ہوئی تھی۔ اس کی نظر تالیہ کے کانوں سے لٹکتے سرخ یاقوتقں پہ جم گئی تھیں۔ آنکھیں چمکیں۔

''مصباح کہہ رہی تھی آپ اس پینٹنگ میں انٹرسٹڈ ہیں۔'' اشعر پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے خاموشی سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''جی بالکل۔'' وہ انگلی سے سنہری بال پیچھے ہٹاتے ہوئے مسکرائی۔ ''مجھے قدیم چینی پینٹرز کا کام بہت فیسی نیٹ کرتا ہے۔ میرے بیڈروم میں صرف چینی آرٹ ورک ہے۔ پروسلین' اور چینی پینٹنگز۔''

''مگر یہ پینٹنگ برائے فروخت نہیں ہے۔'' عصرہ اسی اطمینان سے مسکرا کے بولی۔ تو اشعر نے بے اختیار اسے دیکھا۔ نظروں میں تنبیہہ کی مگر وہ تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔

''میں اس کو نیلامی میں رکھ رہی ہوں۔ آپ نیلامی میں آئیں اور دوسرے لوگوں کی طرح بولی لگائیں۔ اگر آپ کی قیمت اچھی ہوئی تو آپ اس کو جیت لیں گی۔'' اشعر نے ضبط سے گہری سانس لی۔ اور دانتن اس کے کان میں بولی۔

''چالاک بزنس وومن ہے یہ خاتون۔ معلوم ہوگیا کہ تمہیں پینٹنگ پسند آگئی ہے تو اب قیمت بڑھوا رہی ہے۔ نیلامی والے دن یہ اپنا بندہ بٹھا دے گی جو بولی لگا تا لگا تا قیمت کو لاکھوں میں لے جائے گا اور تم دس گنا قیمت پہ خریدنے پہ مجبور ہوگی۔ خیر' بریسلیٹ چرا لیا ہے تو نکل آؤ' کیونکہ باہر فاتح رامزل کی گاڑیوں کا قافلہ آ رہا ہے۔''

''شیور۔ میں آکشن میں خرید لوں گی اور مجھے معلوم ہے کہ میں اسے خرید لوں گی۔'' وہ جبراً مسکرا کے بولی تو عصرہ کھلے دل سے مسکرائی۔

''آپ سے مل کر اچھا لگا تالیہ۔ مصباح پلیز ان کو انویٹیشن کارڈ لا کر دو' اور گیسٹ لسٹ میں ان کا نام ڈالو'' پھر اشعر کو دیکھا اور اسی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''تالیہ' یہ میرا بھائی ہے اشعر محمود۔ آپ یقیناً ان کو جانتی ہوں گی۔'' ٹوپیس' ٹائی' ہیئر موز سے ماتھے کے اوپر کھڑے بال' اور وجیہہ چہرے کی مسکراہٹ۔ تالیہ نے پہلی دفعہ نگاہیں پھیر کے اشعر کو دیکھا۔ جبراً مسکرائی اور سر کو خم دیا۔

''ان کو کون نہیں جانتا۔'' اشعر جو پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا' اس بات پہ ہلکا سا ہنس دیا۔

''میں اس کو تعریف سمجھوں گا۔'' پھر اسی محظوظ انداز میں اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔ ''تو آپ کیا کرتی ہیں' تالیہ؟''

''میں مختلف کلبز کی ممبر ہوں' چند کارپوریٹ شیئرز کی مالک ہوں' پارٹیز' چیریٹیز۔ مصروف زندگی گزر رہی ہے۔'' وہ کنکھیوں سے دیکھ سکتی تھی کہ گیلری کا مرکزی دروازہ کھلا تھا اور اندر چند افراد داخل ہوئے تھے۔ سوٹ میں ملبوس باڈی گارڈز۔ اور ان کے درمیان مسکرا کے قدم اٹھاتا فاتح رامزل۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔

''ماشاءاللہ۔ امپریسیو۔'' اشعر نے ستائشی انداز میں ابرو اٹھائے۔

''اور آپ کو آرٹ کلیکشن کا شوق بھی ہے۔'' عصرہ نے ایک نظر نیچے ڈالی اور اسی بے نیازی سے واپس تالیہ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''بہت زیادہ۔''

''ڈیسنٹس گڈ۔ پھر تو آپ کو آرٹ کی قدر ہو گی بہت۔ اِن فیکٹ....'' اس کی آواز میں دبا دبا سا جوش بھرا۔'' ہمارے پاس سپا ئلم کی ایک پینٹنگ بطور عطیہ آئی ہے' اور میں اسے بھی نیلامی میں رکھ رہی ہوں۔''

''اچھا۔'' وہ خوشگوار حیرت سے بولی۔'' کون سی پینٹنگ؟''

''گھائل غزال۔'' تالیہ کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہوئی۔ آنکھوں میں بے یقینی در آئی۔'' گھائل غزال؟''

''ہوں۔ تم دیکھنا چاہوں گی؟'' کہنے کے ساتھ اس نے سیکرٹری کو ایک اشارہ کیا' پھر اشعر کو دیکھا۔'' تم اپنے بہنوئی کو اٹینڈ کرو اور ان کو بتاؤ کہ عرب مہمان جا چکے ہیں۔'' دانت پہ دانت جما کے بولی اور سینے پہ بازو لپیٹے مڑ گئی۔ تالیہ فوراً اس کے پیچھے لپکی۔ اشعر بدمزہ ہوا مگر گہری سانس لے کر مڑ گیا۔

''ایک منٹ.... کیا اس نے کہا گھائل ہرن؟'' کافی شاپ میں بیٹھی داتن کان میں لگا آلہ دباتے ہوئے چونک کے بولی۔'' مگر گھائل ہرن تو ہم نے اس عرب شہزادے کے جزیرے والے گھر سے چرایا تھا' اور اس کی جگہ تمہاری بنائی گئی نقلی پینٹنگ رکھ دی تھی۔''

''ہوں۔'' وہ دبی آواز میں غیر آرام دہ سا بولی اور عصرہ کے پیچھے چلتی گئی۔ ذہن میں جھکڑ چل رہے تھے۔

''تالیہ اصلی گھائل غزال تو ہمارے پاس ہے' پھر مسز عصرہ کو عرب مہمان نے نقلی پینٹنگ کیوں عطیہ دی؟'' داتن حق دق تھی۔'' ڈیڑھ سال سے اس عرب شہزادے نے پینٹنگ کی چوری کی رپورٹ نہیں کی تھی کیونکہ وہ اس کے باپ کی تھی اور وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اصلی پینٹنگ چوری ہو چکی ہے' باپ کی وجہ سے چپ رہا۔ تو اب کیوں؟''

تالیہ خاموشی سے عصرہ کے ہمراہ آفس میں داخل ہوئی۔ سیکیورٹی کے دو افسران وہاں کھڑے تھے اور پینٹنگ کو پیک کر رہے تھے۔ عصرہ نے ان کو اشارہ کیا تو وہ اسے دوبارہ سے واپس نکال کے سامنے رکھنے لگے۔

''واؤ۔'' تالیہ مصنوعی ستائش سے کہتی قریب آئی اور جھک کے غور سے اسے دیکھا۔'' یہ آپ کو عطیہ کی گئی ہے۔''

''ہاں۔ آپ کو سپا ئلم کا کام پسند ہے؟''

''ریورس گلاس پینٹنگ میری پسندیدہ ہے مسز عصرہ۔'' وہ اسی طرح جھکی کھڑی آنکھیں چھوٹی کر کے باریک بینی سے پینٹنگ کا جائزہ لے رہی تھی۔ کان میں داتن بولی۔'' یہ تمہاری والی ہے؟''

''ہوں!'' تالیہ نے مثبت سا ہنکارا بھرا پھر سیدھی ہوئی۔'' آپ نے اس کو کسی ایکسپرٹ سے authenticate کروایا؟''

''ہاں..... ابھی کچھ دیر پہلے کروایا ہے۔ یہ اصلی ہے۔'' عصرہ مسکرا کے زور دے کر بولی۔ تو تالیہ بھی مسکرا دی اور پھر سے اس پینٹنگ کو دیکھا۔

''تالیہ .... کوئی مسز عصرہ کو اسکام کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ خیر..... یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔'' داتن نے اپنی فکر کو خود ہی رد کر دیا۔'' تم بریسلیٹ لے کر نکل آؤ بس۔''

''او کے۔میں چلتی ہوں اب۔'' وہ مسکرا کے مصافحہ کرنے آگے بڑھی تو دیکھا'اس کے ہاتھ کے قریب آتے ہی بریسلیٹ کا سونا چمکنے لگا ہے۔تالیہ کا دل بیٹھنے لگا۔بس واجبی سا اس سے ہاتھ ملا کر واپس کھینچ لیا۔چمک ماند پڑ گئی جیسے بریسلیٹ ٹھنڈا پڑ گیا ہو۔

''اچھا لگا آپ سے مل کر تالیہ۔آکشن میں ملاقات ہوگی۔'' عصرہ خوش نظر آتی تھی۔وقار سے ایک ہاتھ بڑھا کے تالیہ کے کندھے کو دبایا' تو وہ پھیکا سا مسکرا دی۔تبھی دروازہ کھلا تو تالیہ کا دل دھڑکا۔البتہ وہ مڑی نہیں۔

''میں لیٹ ہو گیا؟ چلے گئے وہ صاحب؟'' وہ بے نیازی اور خوشگوار موڈ میں کہتا اندر داخل ہوا۔گارڈز باہر ہی رک گئے تھے اور اس کے ساتھ صرف اشعر اندر آیا تھا۔آتے ساتھ ہی اس نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔''تو یہ ہے ان کا عطیہ۔'' میز کے کنارے وہ رکا اور ایک بے نیاز سی نظر اس پینٹنگ پہ ڈالی۔''کیا قصور تھا اس بے چارے جانور کا جو اس کو زخمی حالت میں پینٹ کرنا ضروری تھا؟'' وہ افسوس سے چچ کر کے بولا تھا۔عصرہ نے اسے گھورا مگر جب بولی تو آواز کافی شائستہ تھی۔

''یہ ہماری نیلامی کی سب سے قیمتی پینٹنگ ہوگی۔''

''ایک تو میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ لوگ ایک کینوس کے ٹکڑے پہ اتنا پیسہ کیوں لٹاتے ہیں؟ جبکہ کروڑوں انسان بھوک کا شکار ہیں' پڑھ نہیں سکتے' اچھے کپڑے نہیں پہن سکتے اور......'' وہ بے رحمی سے پینٹنگ کو دیکھ کے تبصرہ کر رہا تھا۔وہ ہنوز رخ موڑے کھڑی تھی۔

''اسی لئے بھائی' کاکا کی آکشن کا ایک بڑا حصہ چیریٹی میں جائے گا۔'' اشعر نے نرمی سے اسے ٹوکا۔فاتح نے ہنوز گردن جھکائے پینٹنگ کو دیکھتے شانے جھٹکے۔''واقعی؟ ویلس گڈ عصرہ۔''

''فاتح ان سے ملو۔یہ تالیہ مراد ہیں۔'' عصرہ نے تالیہ کو یوں گومگو سا کھڑا دیکھا تو کھنکھار کے فاتح کو متوجہ کیا۔اس کے کہنے پہ اس نے نظر اٹھائی اور پھر دائیں طرف دیکھا۔وہاں سنہرے بالوں والی دراز قد لڑکی کھڑی تھی۔کندھوں پہ سرخ منی کوٹ پہنے' سفید پاؤں تک آتے لباس والی تالیہ نے نظریں اٹھائیں۔دونوں کی نگاہ ملی۔اشعر فوراً سے بولا۔''تالیہ ایک معروف سوشلائیٹ ہیں۔ایک وسیع وراثت کی مالک۔مختلف چیریٹیز اور آرٹ آکشن میں حصہ لیتی ہیں۔ہماری چیریٹی کی مستقبل کی ایک بڑی ڈونر بننے والی ہیں۔''

''اچھا۔'' وہ تالیہ کو دیکھ کے سادگی سے مسکرایا۔''سو آپ کیا کرتی ہیں تاشہ؟''

''تالیہ۔'' عصرہ نے ہلکے سے تصحیح کی مگر وہ متوجہ نہیں تھا۔تالیہ نے بدقت لب کھولے۔

''میں ایک کمپنی میں شیئر ہولڈر ہوں' سلیپنگ پارٹنر' اور مختلف چیریٹیز میں ڈونیٹ کرتی رہتی ہوں۔''

''مگر یہ تو آپ کے ماں باپ کا پیسہ ہے نا۔وراثتی دولت۔اس کو خرچ کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔آپ خود کیا کرتی ہیں۔آپ کے کیا ٹیلنٹس ہیں' کیا کامیابیاں ہیں؟'' وہ اسی سنجیدگی سے بولا تھا۔تالیہ کے سارے الفاظ ختم ہو گئے۔گلا سوکھنے لگا۔

''میں.....سوشلائزنگ اور.....''

''مطلب تم کچھ نہیں کرتیں تاشہ؟ کچھ بھی نہیں؟'' وہ متعجب ہوا تھا۔اتنا تیز بولتا تھا کہ سامنے والے کو جواب کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔

''کوئی زندگی میں بڑے گولز' بڑے خواب' کچھ نہیں ہیں تمہارے؟ Too Bad۔ انسان کو ایسے اپنی زندگی ضائع نہیں کرنی چاہیے۔'' عصرہ نے بے اختیار ماتھا چھوا مگر وہ اب اشعر کی طرف متوجہ تھا۔ ''تم ایک کام کرو' میرے ساتھ آفس آؤ' میں....''

''میں چلتی ہوں۔'' وہ کہہ کر جلدی سے مڑ گئی اور باہر نکل آئی۔

گیلری میں آ کر چند گہرے سانس لئے۔ رنگت بے رنگ پڑ رہی تھی۔ دل عجیب سی کیفیت کا شکار تھا۔ بار بار کنپٹی کو چھوتی۔ کبھی گردن پہ ہاتھ رکھتی۔ فاتح کے ملازم گیلری میں گروہ کی صورت کھڑے تھے۔

وہ گیلری میں چلتی گئی۔ آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔ رونے کا دل چاہ رہا تھا۔ کنکھیوں سے اس نے دیکھا کہ ملازموں کے گروہ میں سے ایک شخص نے مڑ کے اسے دیکھا اور پھر اس کے پیچھے آیا۔ وہ پرواہ کیے بنا چلتی رہی۔

''بات سنیں۔'' الجھی ہوئی آواز میں وہ اس کے پیچھے آ کر بولا تو وہ بادل نخواستہ رکی اور پلٹی۔ وہ کوٹ اور شرٹ میں ملبوس عام شکل وصورت کا ملے نوجوان تھا۔ اس کا چہرہ دیکھ کے وہ چونکی۔ (یہ وہی ہے خواب والا۔ میں' فاتح اور یہ۔ ہم تینوں کے سر پہ ہما تھا۔) مگر ظاہر نہیں کیا اور رکھائی سے بولی۔ ''آپ کون؟''

''میں.... فاتح صاحب کا باڈی مین ہوں۔ اس دن ہم تنگو کامل کے گھر آئے تھے۔ اصل میں وہ میری جاب کا پہلا دن تھا' پہلا دن کوئی نہیں بھولتا۔ میں نے آپ کو وہاں دیکھا تھا۔ ہے نا۔'' وہ الجھن اور ذرا جوش سے کہہ رہا تھا۔ ''آپ تنگو کامل کی ملازمہ ہیں نا؟''

تالیہ مراد اپنی جگہ بالکل سن کھڑی رہ گئی۔

''آپ کے بال فرق تھے' اور حلیہ بھی' مگر آپ وہی ہیں' ہے نا؟ اس دن آپ نوکرانی کیوں بنی ہوئی تھیں؟'' اس کے انداز میں سادگی اور تعجب تھا۔

تالیہ کی رنگت گلابی پڑنے لگی۔

☆☆=========☆☆

کوالالمپور سے چند گھنٹے کی مسافت پہ.... ملاکہ شہر میں ایک قدیم قلعہ واقع تھا۔ اس کی دیواریں گدلی اور خستہ حال تھیں۔ ایک اندرونی دیوار کے کونے میں چند الفاظ کھدے نظر آتے تھے۔ جیسے صدیوں پہلے کسی نے ہاتھ سے دیوار کے گارے میں نوکیلی شے سے لکھے ہوں جو گارا سوکھنے پہ وہاں امر ہو گئے تھے......

وہ قدیم جاوی رسم الخط میں لکھی ایک طویل نظم تھی جس کے پہلے دو مصرعے بدقت پڑھے جا رہے تھے....

''تاشہ کی یاد میں۔

وہ جو شاہزادیوں جیسی تھی.....

اور اس نے ایک غلام سے شادی کی تھی....

اور اس کو آزاد کر دیا...''

اگلے الفاظ دیوار کی کالک اور میل میں چھپ سے گئے تھے.......

(باقی آئندہ ماہ اِن شاءاللہ)

☆☆=========☆☆

حالم (نمرہ احمد)

باب 3:

''شکار باز''

اس نے دیکھا.....

گھنا جنگل ہے.....اونچے درخت...جھاڑیاں....کہیں بلندی کہیں نشیب ...

اور وہ دونوں بھاگتے چلے جارہے تھے.....

تیز سانس لینے کی آوازیں....ہانپتے ہوئے بار بار گردن موڑ کے پیچھے دیکھنا اور اندھادھند دوڑنا.....

وہ خود کو واضح دیکھ سکتی تھی...الجھے بکھرے آدھے بندھے سنہرے بال....چہرے پہ مٹی اور زخموں کے نشان....ڈھیلا ڈھالا سا لباس پہنے وہ بھاگتی جارہی تھی....کتوں کے بھونکنے اور غرانے کی آوازیں تعاقب کررہی تھیں.....

کوئی اس کے ساتھ بھاگ رہا تھا....وہ بھی بار بار گردن گھما کے تعاقب کرنے والوں کو دیکھتا تھا....

پھر ایک دم وہ رک گئی....جھک کے گہرے گہرے سانس لینے لگی....وہ جو چند قدم آگے نکل گیا تھا' واپس مڑا۔

''چے تالیہ....رکیں گی تو ان کا شکار بن جائیں گی....دوڑیے....''وہ اس کے کندھے کے پیچھے گھبراہٹ سے کچھ دیکھتا تھا....

''نہیں....''اس نے پھولتی سانسوں کے درمیان دائیں بائیں گردن ہلائی۔''ان کے پاس شکاری کتے ہیں۔تالیہ نہیں بھاگے گی۔''وہ کہتے ہوئے دائیں طرف بڑھی....چند قدم اٹھائے....آوازیں قریب آرہی تھیں....

''چے تالیہ....آپ کیا کررہی ہیں؟''

''تالیہ اور ایڈم میں یہی فرق ہے...تم ایڈم شکار بن کے سوچتے ہو....میں شکار باز بن کے سوچتی ہوں....''وہ ادھر ادھر جھاڑیوں میں ہاتھ مار رہی تھی۔''اگر میں شکاری ہوتی تو تالیہ اور ایڈم کو کیسے ڈھونڈتی؟''

''کیسے؟''

دو چیزیں....دو چیزیں ہوتی ہیں شکاری کتوں کے پاس جن سے وہ شکار کو پکڑتے ہیں....''اس نے جھاڑیوں میں کچھ تلاش کرتے انگلیوں کی وی بنا کے پیچھے دکھائی۔''ان کی رفتار اور سونگھنے کی حس....''وہ دھونکنی کی طرح چلتے تنفس کے درمیان رک رک کے کہہ رہی تھی ۔''رفتار اتنی تیز ہوگی جتنا تیز مالک چل سکتا ہے' اس نے کتے کی زنجیر تھام رکھی ہوتی ہے.....شکاری کتوں کو زنجیر کے بغیر کوئی نہیں جنگل

میں لاتا....اور اس کا مالک اتنا تیز نہیں ہے....کتوں کو ہم تک پہنچنے میں وقت لگے گا....ہمیں کتے سے زیادہ نہیں' اس کے مالک سے زیادہ تیز بھاگنا ہے۔"

بھونکنے کی آوازیں ہر پل قریب ہو رہی ہیں.....

"اور دوسری چیز...."

"اس کی حسِ مشامہ...." اس نے دمے کے مریض کی طرح سینے پہ ہاتھ رکھ کر سانس لیتے ہوئے کہا۔"سونگھنے کی خوشبو...." پھر چند پتے توڑ کھینچے۔" کالی مرچ کا پودا..اور وہ دیکھو .." بازو لمبا کر کے درختوں کی طرف اشارہ کیا۔"وہ شہتوت کا درخت....منگکدو....انڈین شہتوت....ان کی خوشبو کتوں کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے....وہ اس بو کا تعاقب نہیں کرتے....ان کو خود پہ مل لو ایڈم...ہم شکاریوں سے اور کسی طرح سے نہیں بھاگ سکتے....."

"یہ سب آپ کو کس نے بتایا ہے تالیہ؟" وہ دم بخود کھڑا تھا۔تالیہ نے زرد چہرہ اٹھا کے نقاہت سے اسے دیکھا۔

"کسی نے نہیں....میں خود شکار باز ہوں' بے وقوف!...." وہ کہہ کے درخت کی طرف بڑھی تھی....کتوں کے بھونکنے اور غرانے کی آوازیں بلند ہو چکی تھیں۔وہ قریب تھے.....بہت قریب.....

☆☆=========☆☆

"آپ تنگو کامل کی ملازمہ ہیں نا؟"

تالیہ مراد اپنی جگہ بالکل سن کھڑی رہ گئی۔

"آپ کے بال فرق تھے' اور حلیہ بھی' مگر آپ وہی ہیں' ہے نا؟ اس دن آپ نوکرانی کیوں بنی ہوئی تھیں؟" اس کے انداز میں سادگی اور تعجب تھا۔

تالیہ کی رنگت گلابی پڑنے لگی۔لمحے بھر کو وہ اپنی جگہ منجمد ہو گئی۔شل۔ساکت۔پھر داتن کی آواز کان کے آلے سے چنگھاڑی۔

"یا اللہ.....یہ کون ہے؟ اس نے کیسے پہچانا؟ تالیہ بھاگو یہاں سے....میں کار گیلری کے دروازے تک لاتی ہوں۔"

مگر وہ لمحہ گزر گیا' اور ہرنی جیسی آنکھوں والی لڑکی نے لب بھینچ لیے۔بھنویں اکٹھی کیں' اور چار پانچ قدم قریب آئی' یہاں تک کہ وہ ایڈم کے عین مقابل آ کھڑی ہوئی۔

"سوری' مجھے سنائی نہیں دیا۔کیا کہا آپ نے؟" ہر عادی جھوٹے کی طرح اس نے جواب سوچنے کے لئے وقت حاصل کیا۔

"میں....سوری میں کہہ رہا تھا کہ اس دن فاتح صاحب کے ساتھ آپ کی طرف آیا تھا۔آپ تنگو کامل کی ملازمہ ہیں نا۔" وہ بلا کسی ذرا جھجک کے سادگی سے پوچھ گیا۔عام سا چینی نقوش کا نوجوان اور اس کی سادگی....تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"کون ہو تم؟ وان فاتح کے ملازم؟"

''جی میں....''

''ادھر آؤ....تم!''اس نے ایک دم چہرہ غصے سے لال بھبھوکا کر کے چٹکی بجا کے باڈی گارڈز کو اشارہ کیا جو عصرہ کے آفس کے سامنے کھڑے تھے۔ پولیٹیکل سیکرٹری نے اس طرف دیکھا تو چونک گیا۔ایڈم کے سامنے کھڑی طرح دار امیر سی لڑکی غصے سے اسے بلا رہی تھی۔ وہ پریشانی سے اس طرف دوڑا۔

''کیا مسز فاتح اس طرح گیلری آئے مہمانوں کو بے عزت کرتی ہیں؟''

''سوری میم....کیا ہوا؟''

''میں ابھی ابھی مسز عصرہ کی چیریٹی کے لئے ایک بڑی ڈونیشن کی کمٹمنٹ کر کے آئی ہوں اور باہر کھڑا یہ باڈی مین مجھے روک کر کہتا ہے کہ تمہاری شکل ایک بدصورت غریب ملازمہ جیسی ہے۔ یا اللہ.... یا اللہ....''اس نے ہونٹ گول کر کے سانس باہر نکال' اپنے ہاتھ سے چہرے پہ پنکھا جھلا' جیسے ایک دم اس کا شوگر لو ہو رہا ہو.....

ایڈم کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ ششدر سے ہو کر اس نے سیکرٹری کو دیکھا۔''نہیں' میں نے یہ نہیں کہا' میں تو کہہ رہا تھا کہ تنگو کا مل.....''

''یہ کیا چیز پال رکھی ہے مسز عصرہ نے؟ ہاں؟''وہ نزاکت بھرے غصے سے چلائی۔''کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی تھی جو اس طرح میری توہین کی جاری ہے؟....یہ رکھو کارڈ اور مسز عصرہ کو کہہ دینا کہ میں اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتی۔ یا اللہ....یا اللہ!''اس نے کلچ سے کارڈ نکال کے سیکرٹری کے منہ پہ پھینکا اور مڑ گئی۔ باریک ہیل سے چلتی وہ راہداری میں آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ سیکرٹری گھبرا کے اس کے پیچھے دوڑا۔

''میم....رکیں پلیز....آپ مت جائیں....میں معذرت کرتا ہوں بلکہ ایڈم آپ سے خود معذرت کرے گا....میم سنیں تو۔''

مگر وہ ہاتھ جھلا کے' اس کو دفعان ہونے کا اشارہ کر کے تیز تیز سیڑھیاں اترنے لگی۔ ابھی تک خود کو ہاتھ سے پنکھا جھل رہی تھی جیسے نازک اندام طبیعت پہ یہ سب بہت گراں گزرا ہو۔ سیکرٹری نے بے چارگی سے اسے جاتے دیکھا' پھر پلٹا اور کسی بھوکے شیر کی طرح ایڈم کی طرف آیا۔ وہ اپنی جگہ حیران پریشان کھڑا تھا۔

''تم....تمہیں سمجھایا تھا میں نے کہ اپنی حد میں رہو۔''

''نہیں سر' میں نے ان کی شکل کا تو نہیں کہا۔ یا اللہ....میں تو کہہ رہا تھا کہ اس دن وہ ان کی ملازمہ تھی' اور اب.....''

''بکواس بند کرو!''سیکرٹری نے زور سے اس کو کندھے سے پکڑ کے پیچھے دھکا دیا تو ایڈم کا چہرہ سرخ ہوا' مگر اس نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔''سر آپ زیادتی کر رہے ہیں۔''

''تمہیں تو اب میں بتاؤں گا کہ زیادتی کے معنی کیا ہوتے ہیں۔''وہ آندھی طوفان کی طرح اندر لپکا۔

آفس میں وہ تینوں اسی طرح کھڑے تھے۔ عصرہ برہمی سے کچھ کہہ رہی تھی' اس کے یوں مداخل ہونے پہ اس طرف متوجہ ہوئی۔

''میم....وہ جو مس یہاں سے ابھی ابھی گئی ہیں' وہ کارڈ واپس کر گئی ہیں۔ بہت غصے میں تھیں۔''

''کیا؟'' جہاں عصرہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا' وہیں ایش تیزی سے سیدھا ہوا۔ ''کیوں؟ کیا ہوا؟'' فاتح مرکزی کرسی پہ بیٹھا تھا' بنا کسی تاثر کے سیکرٹری کو دیکھے گیا۔

''ایڈم نے ان سے بدتمیزی کی۔ ان کو روک کے ان پہ جملے کسے۔ وہ اس توہین پہ برا منا کے چلی گئیں۔''

''ایڈم کون ہے؟'' اشعر نے ناگواری سے ٹوکا۔

''عبداللہ کی جگہ جو نیا لڑکا آیا ہے۔ جب سے آیا ہے باس کے ہر ملنے جلنے والے سے فرینک ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کو مستقل نوکری چاہیے اس لئے شاید کانٹیکٹس بنانا چاہ رہا ہے' یقیناً ان خاتون کو بھی یہی کہا ہو گا پھر ان کے انکار پہ ان سے بدتمیزی کر بیٹھا۔''

''اُف۔ بلاؤ اس ایڈم کو۔'' عصرہ غصے سے چنگھاڑی۔ ''میں اس کے ساتھ اتنی مہربان رہی اور یہ میرے کلائنٹس کو بھگا رہا ہے؟''

''تم حوصلہ رکھو کاکا۔ میں دیکھتا ہوں۔ ارے تم بیٹھو' میں ہوں نا۔'' اشعر نے چہرے کو جلد ہموار کر لیا اور اسے تسلی دیتا باہر نکلا۔ سیکرٹری اس کے پیچھے لپکا۔ عصرہ نے بے بسی سے فاتح کو دیکھا تو اس نے ہلکے سے شانے اچکا دیے جیسے کہہ رہا ہو' میں معاملے سے واقف ہی نہیں تو کیا کروں؟

باہر تمام گارڈز موجود تھے۔ ایڈم پریشان سا ان سے الگ کھڑا نظر آتا تھا۔ اشعر سپاٹ چہرے کے ساتھ چلتا ہوا اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''تم نے مسز عصرہ کی مہمان سے بدتمیزی کی؟''

''نہیں سر' میں نے بدتمیزی نہیں کی۔ صرف یہ کہا تھا کہ میں نے ان کو تنکو کامل کے گھر.....''

''ارے واہ تم میں تو بہت ہمت ہے' کیا اسی لہجے میں تم نے ہماری مہمان سے گفتگو کی تھی؟'' وہ اتنی تیزی سے پھنکارا کہ ایڈم کا سانس رک گیا۔ وہ پلک تک نہ جھپک سکا۔ سامنے کھڑا قیمتی سوٹ میں ملبوس ایک طاقتور آدمی اس کو سلگتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ایڈم کو پہلی دفعہ خوف محسوس ہوا۔

''کتنے دن رہ گئے ہیں تمہارے کام کو ختم ہونے میں؟''

''چھے دن' سر!'' سیکرٹری گردن آگے کر کے تیزی سے بولا۔

''کیا میں نے تم سے پوچھا ہے؟'' اشعر نے ایک تیز نگاہ اس پہ ڈالی تو وہ گڑبڑا کے پیچھے ہو گیا۔ پھر وہ واپس ایڈم کی طرف متوجہ ہوا۔

''تم ان خاتون سے اپنے رویے کی معافی مانگو گے' سنا تم نے۔ رملی!'' اس نے تحکم سے اپنے چیف آف اسٹاف کو آواز دی۔ ادھیڑ عمر عینک والا رملی پیچھے ہی کھڑا تھا' فوراً آگے آیا۔ ''باس!''

''ان خاتون کا پتہ معلوم کرو' پھر دعوت نامے اور اس بے وقوف کو لے کر ان کے گھر جاؤ۔ اور اگر یہ لڑکا معافی مانگنے سے انکار کرے تو

اس کو گھر بھیج دو بغیر تنخواہ کے اور عبداللہ کو واپس بلالو۔'' مرمریں راہداری کی ساری یاسیت ایڈم محمد کی آنکھوں میں اتر آئی۔ اس نے سر جھکالیا۔ اشعر آگے بڑھ چکا تھا اور رملی اس کے ساتھ تھا۔ پیچھے اب اسے پولیٹیکل سیکرٹری کی کھری کھری سننی تھیں۔

''اس لڑکی کے بارے میں تمام معلومات لے کر آنا۔ بینک بیلنس کتنا ہے' شیئرز کن کمپنیز میں ہیں' اور سب سے بڑھ کے' کوئی شوہر' منگیتر' دوست وغیرہ ہے یا سنگل ہے۔'' اشعر راہداری میں سبک قدموں سے چلتا دبی آواز میں رملی کو ہدایات دے رہا تھا۔

''میں بخوبی سمجھ گیا باس!'' وہ تیز تیز اس کے قدم سے قدم ملانے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

داتن کار کا دروازہ کھولے گیلری کے باہر کھڑی تھی جب تالیہ باہر نکلی۔ ہوا سے اس کے سنہرے بال اڑنے لگے تو اس نے سفید ہیٹ سر پہ رکھ لیا۔ ماتھے پہ بل ویسے ہی تھے اور آنکھوں کی خفگی بڑھ چکی تھی۔ وہ پچھلی سیٹ پہ آ بیٹھی تو داتن اسٹیئرنگ وہیل تھامے' دوسرے ہاتھ سے موبائل پہ بٹن دبا رہی تھی۔

''کیا کر رہی ہو؟'' اس نے کوفت سے اسے مخاطب کیا۔

''معلوم کرنے کی کوشش کر رہی ہوں کہ ہم کس تھانے کی حدود میں موجود ہیں تاکہ جب یہ ہمیں گرفتار کروا کے وہاں بھیجیں تو مجھے پہلے سے پتہ ہو کہ یہاں میرا کون کون جاننے والا ہے۔''

''کار چلاؤ' داتن۔ ہم نہیں پکڑے جا رہے۔'' تلخی سے کہتے ہوئے اس نے دروازہ بند کیا تو داتن نے سر ہلا کے کار آگے بڑھا دی۔

''تھانہ یہاں سے دس منٹ کے فاصلے پہ ہے' جب تک وہ پولیس کو بلائیں گے ہم مین روڈ کراس کر کے آگے نکل چکے ہوں گے۔''

''داتن ریلیکس۔ ہم محفوظ ہیں۔''

''اور جب وہ ہمیں تھانے لے جائیں گے مین روڈ سے گرفتار کر کے تو تمہیں سب سے پہلے میرا پہلا اصول یاد آئے گا کہ جب ہماری اداکاری کھل جائے تو تالیہ.....'' (چیخ کر بولی) ''وہاں سے فوراً بھاگتے ہیں!!''

''تالیہ کے پاس ہمیشہ اگلا پلان ہوتا ہے' اور میرے کان میں مت چیخو' موٹی!'' وہ دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھ کے جواباً چلائی۔ داتن نے لب بھینچ کے اسے بیک ویو مرر میں دیکھا۔ وہ ڈسٹرب نظر آتی تھی۔ داتن دھیمی پڑی۔ ''یہ کون تھا اور اس نے تمہیں کیسے پہچانا؟''

''مجھے کیا معلوم۔ کوالالمپور اتنا بڑا شہر ہے' یہاں ہزاروں بہروپیے روز بھیس بدل کے لوگوں سے ملتے ہیں' کوئی کسی کو نہیں پہچانتا۔ میرا تو حلیہ بھی فرق تھا۔'' اس نے دونوں ہاتھوں میں سر گرا لیا' پھر چونک کے چہرہ اٹھایا۔ ''ضرور یہ کوئی خطرناک آدمی ہے جو وان فاتح کے ساتھ جڑا ہے۔ کسی ایجنسی کا بندہ یا انٹرپول کا انڈر کور ایجنٹ.....''

''یہ وان فاتح کے باڈی مین کی جگہ گیارہ دن کے لیے آیا ہے۔ ڈینگی اسکام کے وقت معلومات اکٹھے کرتے مجھے پتہ چلا تھا مگر مجھے اتنا اہم نہیں لگا تو میں نے اس کی زیادہ جانچ پڑتال نہیں کی۔'' داتن افسوس سے کہہ رہی تھی۔

''متبادل ملازم! اوہ۔'' تالیہ چونکی۔ ''سارے بہروپیے اور کرایے کے قاتل متبادل ملازم بن کے ہی آتے ہیں۔ اس کی پوری چھان بین کرو۔'' پھر آنکھیں بند کر کے کنپٹیوں کو سہلایا۔ ''مجھے کبھی کسی نے نہیں پہچانا۔ یا اللہ یہ مجھے کیسے پہچان گیا۔ مجھے اس کی اگلی پچھلی سات پشتوں کا حساب چاہیے۔'' داتن نے برا منہ بنا کے بیک ویو مرر میں اسے دیکھا۔

''پچھلی سات نسلوں کا مل جائے گا۔ اگلی کے لئے خواب میں مستقبل نظر آنا ضروری ہے اور معذرت کے ساتھ' یہ کام مجھے نہیں آتے۔''

مگر وہ اب کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے پریشانی سے بڑبڑا رہی تھی۔ ''کوئی اتنی طرحدار امیر لڑکی کو یوں سرِ راہ مخاطب کرنے کی ہمت نہیں کرتا' اس نے کیسے کر لی؟ کیا چیز تھا وہ؟''

''ویسے تمہارے چوری شدہ زیورات بھی کسی کام نہ آئے۔ اس نے پھر بھی تمہیں ملازمہ بنا ڈالا۔''

''تم تو چپ ہی کر جاؤ۔'' وہ اسے دیکھ کر جل کے بولی۔ داتن آگے سے چہک کے کچھ کہہ رہی تھی مگر یکدم تالیہ کی نظروں کے سامنے اندھیرا چھا گیا... اسے زور کا چکر آیا تھا.....

جنگل.... وہ دونوں بھاگ رہے تھے... تعاقب کرتے کتے... شہتوت کا درخت....

''تالیہ... تالیہ...'' داتن نے کار آہستہ کی اور زور سے اسے پکارا تو وہ چونکی۔ وہ گردن موڑ کے فکرمندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں سر میں درد ہے۔'' وہ رخ موڑ گئی مگر دل ابھی تک دھڑک رہا تھا... کتوں کی آوازیں... کالی مرچ کی خوشبو....

''میں اور ایڈم جنگل میں کیوں بھاگ رہے تھے؟ وہ مجھے چے تالیہ (مِس تالیہ) بلا رہا تھا! یا اللہ اس سب کا کیا مطلب ہے؟'' کہنی دروازے کے ہتھے پہ رکھے اس نے پیشانی ہتھیلی پہ گرا کے آنکھیں بند کر لیں۔

ایسا دھچکا پہلی بار لگا تھا۔ آخر کون تھا یہ ایڈم؟

☆☆==========☆☆

پولیٹیکل سیکرٹری کی اچھی خاصی جھاڑ سن کے اب ایڈم گیلری کے باہر فاتح کی کار کے ساتھ سر جھکائے کھڑا تھا۔ ڈرائیور اور دوسرے گارڈز بھی مستعد سے کھڑے تھے۔ (تمسخرانہ نگاہوں سے بار بار ایڈم کو دیکھتے بھی تھے۔) اسی اثناء میں فاتح باہر آتا دکھائی دیا۔ وہ سیکرٹری سے کچھ کہتے ہوئے پارکنگ تک آیا تھا۔ عادتاً مسکرا رہا تھا۔ بال ہوا کے باعث اڑ کے ماتھے پہ بکھرنے لگے تو اس نے ہاتھ سے ان کو دائیں جانب پیچھے کیا اور کار کی طرف بڑھا۔ ایڈم کو کھڑے دیکھ کر حسبِ معمول اشارہ کیا کہ وہ آگے بیٹھے۔ سیکرٹری نے فوراً مداخلت کی۔

''سر' اس کو میں گھر بھیج رہا ہوں۔ اس نے ڈسپلن کی خلاف ورزی کی ہے۔''

وہ جو اندر بیٹھنے کے لیے جھکنے لگا تھا' چونک کے واپس سیدھا ہوا اور پہلے سیکرٹری پھر ایڈم کو دیکھا۔ ''کیوں؟ کیا کیا ہے اس نے؟''

ایڈم کی نظریں جھک گئیں۔رنگت گلابی پڑی۔حلق میں آنسوؤں کا گولا اٹک گیا۔

''سر'وہ جو خاتون مسز عصرہ کی مہمان تھیں نا'وہ heiress سوشلائیٹ'اس نے ان کو روک کے بدصورت کہا ہے۔وہ کافی خفا ہو کے گئی ہیں۔''

دروازے پہ ہاتھ رکھے'فاتح نے آنکھیں پرسوچ انداز میں چھوٹی کر کے ایڈم کو دیکھا۔''کیا وہ واقعی بدصورت تھی؟ مجھے نہیں لگی۔مگر خیر...''اس نے گہری سانس لے کر سر جھٹکا۔''اس شہر میں اس جیسی بورنگ پریٹی ویمن بھری پڑی ہیں۔بیٹھو۔''ابرو سے اشارہ کیا تو ایڈم کی آنکھوں میں بے یقینی اتر آئی۔''میں بیٹھوں'سر؟''

ادھر سیکرٹری کی رنگت خفت سے اڑسی گئی۔جلدی سے بولا۔'مسز عصرہ کافی خفا ہیں'سر۔مجھے اس لڑکے کو ابھی گھر بھیجنا ہے تاکہ یہ اپنے رویے کو.....''

''مجھے فلو ہے' عثمان اور ایڈم کے پاس ٹشو ہیں۔بیٹھو۔میرے پاس تم لوگوں کی آفس **پالیٹیکس** میں ضائع کرنے کے لیے مزید وقت نہیں۔'' ٹھنڈی سی تپش سے کہا اور اندر بیٹھ گیا۔ ایڈم جو شل سا کھڑا تھا' جھٹ سر ہلا کے بولا ''جی سر۔''اور فوراً دروازہ بند کیا'پھر سیکرٹری سے نظر ملائے بغیر جلدی سے فرنٹ سیٹ پہ آبیٹھا۔دل ابھی تک دھڑک رہا تھا۔

کار زن سے آگے بڑھ گئی اور سیکرٹری تند و تیز نظروں سے اسے گھورتا رہ گیا۔یہ لڑکا ناقابلِ برداشت ہوتا جا رہا تھا۔اس کا کچھ کرنا ہی پڑے گا۔اس نے تہیہ کر لیا تھا۔

☆☆=========☆☆

حالم کے بنگلے کی بالائی منزل پہ ایک ہال نما کمرہ تھا جس کی سڑک کو چہرہ کرتی دیوار شیشے کی تھی۔اس سے اندر چھن کے آتی کرنوں نے سارا کمرہ روشن کر رکھا تھا۔وہاں قطار سے چند ایکسر سائز مشینیں رکھی تھیں۔ورزش کرتے ہوئے سامنے پھیلے بنگلوں کی قطار اور ان کے پار دور اوپر نیلا آسمان نظر آتا تھا۔

مگر وہ آسمان کو نہیں دیکھ رہی تھی۔بس ٹریڈمیل کے ہینڈریل پہ دونوں ہاتھ جمائے'بیلٹ پہ کھڑے کھڑے بھاگ رہی تھی۔ورزش کے رف کپڑوں میں ملبوس'سنہری بالوں کو اونچے جوڑے میں باندھے (جس سے گردن تلے گول جلنے کا سا نشان صاف نظر آ رہا تھا) وہ پسینہ پسینہ کھڑی تھی۔آنکھیں کھڑکی پہ جمی تھیں لیکن شاید دماغ کے اندر تک الجھی تھیں۔ان میں بے بسی بھرا غصہ ہلکورے لے رہا تھا۔

دفعتاً اسے شیشے کی دیوار پہ عکس دکھائی دیا۔داتن عقب میں کمرے کے اندر داخل ہوئی تھی۔تالیہ نہ رکی'نہ پلٹی'اسی طرح ٹریڈمیل پہ بھاگتے ہوئے بولی۔'معلوم کیا تم نے؟کون ہے وہ ایڈم؟کرایے کا قاتل؟کوئی جاسوس؟بہروپیا؟''

''تالیہ....''بھاری بھرکم داتن ہچکچاتے ہوئے قریب آئی۔تالیہ نے بٹن دبایا اور ٹریڈمیل کی رفتار بڑھائی۔قدموں تلے بچھا رننگ بیلٹ مزید روانی سے بھاگنے لگا۔''وہ لڑکا ایڈم....''

"میں کبھی گرفٹنگ نہیں کرتی۔" وہ پھولے تنفس کے دوران خود سے بولے جا رہی تھی۔ (گرفٹر وہ ٹھگ ہوتا ہے جو بھیس بدل بدل کے لوگوں سے مختلف اسکیموں کے نام پہ پیسے بٹورتا ہے) "میں cat burglar ہوں۔ رات کو دبے پاؤں پھلانگ کے آنے والا چور۔ ایسے کردار کرتی ہوں جو پسِ منظر میں رہتے ہیں۔ ویٹر' نوکرانی' بچوں کی آیا.... مجھے کبھی کسی نے نہیں پہچانا۔ اس نے پہچانا تو کیسے؟" وہ غصے میں تھی۔

"سنو....."

"وہ کوئی عام آدمی نہیں ہو سکتا۔" وہ کھڑکی کے پار دیکھتے ہوئے دانت پہ دانت جمائے کہہ رہی تھی۔ "بہت ذہین' بہت گہری نظر کا مالک تھا۔ اور اس کا وہ اعتماد جس سے اس نے مجھے پکارا۔ عام آدمی ایسا نہیں کرتا۔"

داتن آگے آئی اور ٹریڈ مِل کا بٹن دبایا۔ مشین بند ہو گئی۔ بیلٹ رک گئی۔ وہ ذرا سا لڑکھڑائی' پھر غصے سے داتن کو دیکھا۔ "کیا؟"

داتن نے پہلے جوس کی بوتل اس کے سامنے رکھی پھر بولی۔ "تحمل سے سنو۔ وہ ایک معمولی گھرانے کا معمولی لڑکا ہے۔ بے روزگار ہے۔ فوج میں نوکری ملی تھی مگر جلد ہی دمے کی شکایت کی وجہ سے واپس بھیج دیا گیا۔ تب سے اب تک ڈھنگ کی نوکری نہیں کر سکا۔ باپ ایک کپڑوں کے اسٹور پہ سیلز مین ہے۔ منگنی ہو چکی ہے اور جلد شادی ہونے والی ہے۔"

"ہاہ ہاہ بالکل۔ پرفیکٹ کور اسٹوری۔" اس نے بوتل منہ سے لگائی' چند گھونٹ غٹا غٹ بھرے پھر بوتل نیچے کی اور سرخ تمتماتے چہرے کے ساتھ داتن کو دیکھا۔ "مگر اصل میں کون ہے وہ' یہ بتاؤ؟"

"وہ یہی ہے تالیہ۔ ایک سادہ' سچا' ایماندار لڑکا۔"

"جیسے تنکو کامل کی ملازمہ تالیہ تھی؟ ہونہہ۔" اس نے سر جھٹکا اور ٹریڈ مِل سے اتر آئی۔ "کوئی سچا ایماندار نہیں ہوتا یہاں داتن۔ سب کی سیاہ داستانیں ہوتی ہے۔ یہ جو تم بتا رہی ہو یہ تو اس ایڈم نے اپنی فائل میں لکھا ہو گا نا۔ مگر وہ اصل میں کون ہے؟"

"وہ یہی ہے تالیہ۔ اس کے محلے میں میرا ایک کانٹیکٹ رہتا ہے۔ وہ چھبیس برس سے اس کو جانتا ہے۔ سارا محلہ اس کے خاندان کو جانتا ہے۔ وہ نیک شریف لوگ ہیں۔ وہ کوئی جاسوس' کوئی کرائے کا قاتل نہیں ہے۔ وہ سادہ اور سچا مشہور ہے۔"

تالیہ ٹھہر گئی۔ چہرے پہ شل ہو جانے کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔ "ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ بے یقین تھی۔ "سچے لوگ نہیں ہوتے دنیا میں۔ جو ہوتے ہیں وہ زیادہ دیر تک ٹھہرتے نہیں۔"

"دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک سانچے سے کوئی دو لوگ نہیں بنائے اللہ نے۔"

وہ تولیے سے گردن تھپتھپانے لگی۔ الجھی ہوئے نظر آ رہی تھی۔ چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔ باہر شام کی کرنیں اب ڈوبنے لگی تھیں۔

"اگر وہ اتنا ہی ذہین تھا تو ابھی تک زندگی میں کامیاب کیوں نہیں ہو سکا؟"

"کیونکہ ہر شخص کو اپنی ذہانت کا علم نہیں ہوتا تالیہ۔ ذہانت الگ چیز ہوتی ہے' ذہانت کا اعتماد الگ۔" داتن سبھاؤ سے اس کو سمجھا رہی

تھی۔

''یا شاید وہ شکار کی طرح سوچتا ہے۔'' وہ بڑبڑائی۔ داتن ٹھیک سے سن نہ پائی اور پوچھنے لگی۔ ''تم نے بریسلیٹ کیوں نہیں چرایا؟''

تالیہ پلٹ گئی اور دیوار گیر روشن کھڑکیوں سے باہر دیکھنے لگی۔ دور اوپر چاند مٹی پڑتا نظر آ رہا تھا... اپنی آغوش میں بہت سے انسانوں کے راز دبا کے بھی وہ شام کے اس پہر پر سکون لگتا تھا....

''جس کی مجھے تلاش ہے داتن' شاید اس کو بھی میری تلاش ہے۔ مگر وہ چوری نہیں کیا جا سکتا۔ اس سکے یا اس بریسلیٹ کو کبھی کسی نے چوری نہیں کیا۔ ہمیشہ بیچا یا تحفے میں دیا۔ میں نے اسے چھونا چاہا تو وہ دہکنے لگا۔ میں اس کو ایسے نہیں چرا سکتی۔''

داتن کی نظریں بے اختیار اس کی گردن کے نشان پہ ٹھہر گئیں۔ (کیا مجھے تالیہ کو بتا دینا چاہیے؟ اونہوں۔) اس نے سر جھٹکا۔

''مگر فکر نہ کرو... میرے پاس پلان ہے۔ میں اپنی چابی واپس لے کر ہی رہوں گی۔'' وہ عزم سے سلگتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''تالیہ.... شاید ہمیں اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔ شاید یہ واقعی کوئی ملعون شے ہو اور.....''

وہ تیزی سے گھومی اور غصے سے داتن کو دیکھا۔ ''تمہیں کیا لگتا ہے داتن؟ میرے پاس کیا ہے زندگی میں؟'' وہ ایک دم ایسے پھٹ پڑی تھی کہ لیانہ صابری ہکا بکا رہ گئی۔ ''تمہیں لگتا ہے میں جو ہنستی ہوں' مذاق کرتی ہوں' یہ سب سچ ہے؟ یہ جو میں کہتی ہوں کہ مجھے کبھی فلاں سلیبرٹی پہ کرش ہے تو کبھی وان فاتح پسند ہے' یہ سب میرے دل کی باتیں ہیں؟ نہیں داتن۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ میں جھوٹ بولتی ہوں۔ خود کو خوش رکھنے کے لئے بہانہ کرتی ہوں۔ ورنہ میری زندگی خالی ہے۔'' اس نے دونوں ہاتھ دائیں بائیں پھیلا کے دکھائے جن میں ہوا کے سوا کچھ نہ تھا۔

''میرے پاس کوئی رشتے نہیں ہیں۔ کوئی مستقبل نہیں ہے۔ اور وان فاتح کہتا ہے کہ تمہاری کامیابیاں کیا ہیں؟ تمہارا ٹیلنٹ کیا ہے؟ کہاں تھے اس وقت یہ تمام ممبر پارلیمنٹ جب میرے شوہر نے میرے ذریعے منی لانڈرنگ کروانی چاہی تھی۔ کہاں تھے یہ قانون کے ادارے جب میں اور تم ملائیشیا کی سڑکوں پہ مارے مارے پھرتے تھے اور ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ ہم نے اذیت کاٹی ہے' بھوک اور مفلسی کاٹی ہے۔ اور اب میری زندگی میں ایک ہی خواب بچا ہے.....'' اس کی آواز دھیمی ہوئی اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''.....ایک چھوٹا سا جزیرہ ہو اور وہ میرا ہو۔ اس کے اوپر ایک پہاڑ کی چوٹی پہ ایک قلعہ ہو' اور میں وہاں حکومت کروں۔ جزیرے کے لوگ مجھے چور نہ سمجھیں' وہ میری عزت کریں۔ ہاں وہاں میں سچی ایماندار بن کے رہ سکتی ہوں۔ مگر اس شہر میں شاید کبھی نہیں۔ مجھے اپنی زندگی کی ساری خوشیاں' ساری دولت ان امیر لوگوں سے حاصل کرنی ہے داتن۔ میں غریبوں کا مال کبھی نہیں چراتی' صرف ان امیر لوگوں سے لیتی ہوں جو پیسے کو مس نہیں کرتے۔ میں لوگوں کے دل نہیں دکھاتی' اور وہ کہتا ہے' تمہاری کامیابیاں کیا ہیں؟'' آنسو ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور بولتے بولتے اس کی ہچکی بندھ گئی تو وہ وہیں کھڑکی کے ساتھ فرش پہ بیٹھتی چلی گئی۔ ایسے ہی اکڑوں حالت میں' اور تھوڑی گھٹنوں پہ رکھ دی۔ آنسو ہنوز گر رہے تھے۔

''تم اتنی دکھی ہو تالیہ؟'' داتن دھیرے سے اس کے سامنے ہوم جم مشین کی سیٹ پہ بیٹھی اور ملال سے اس کا چہرہ تکا۔

''میں اندر سے خالی ہوں گیا نہ۔ میری زندگی کا کوئی مقصد' کوئی عزم کچھ نہیں ہے۔ شاید وہ ٹھیک کہتا ہے۔ میں کچھ نہیں کرتی۔ میری کوئی کامیابیاں نہیں ہیں۔'' اس نے ہتھیلیوں سے آنسو رگڑے اور رندھی آواز میں بولی۔ پھر گردن موڑی تو دیکھا' کالونی کی سڑک پہ ایک عورت واکر کو دھکیلتی دکھائی دے رہی تھی۔ واکر میں کوئی بچہ تھا جس کے اوپر وہ چھاتا تانے ہوئے تھی۔

''مجھے نہیں جاننا میرے ماں باپ کون تھے۔ مجھے صرف یہ بات دکھ دیتی ہے کہ انہوں نے مجھے کیوں چھوڑا؟ کیا کوئی ایسے اپنے بچے کو چھوڑ کے بھول جاتا ہے۔'' اس کی آزردہ آنکھیں سڑک پہ چلتی عورت پہ جمی تھیں۔ ''یہ لوگ خوش قسمت ہیں۔ ان کے پاس کوئی گھر ہے جہاں پہ کوئی ان کا انتظار کرتا ہے۔ میرے پاس تو وہ بھی نہیں ہے۔ داتن اگر میں اس اونچے محل میں مر بھی جاؤں تو کتنے دن ہمسائیوں کو بھی خبر نہیں ہوگی۔''

داتن کی آنکھیں نم ہوئیں۔ ''اور میں تالیہ؟''

تالیہ نے گردن موڑ کے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''ایک تم ہی ہو مگر لوگ کہتے ہیں خون کے رشتے سب کچھ ہوتے ہیں۔ دوستی کا رشتہ کچھ نہیں ہوتا۔ مجھے خوف آتا ہے کہ تم بھی مجھے چھوڑ کے چلی جاؤ گی۔ اگر میرے ماں باپ مجھے چھوڑ سکتے ہیں تو مجھے کوئی بھی چھوڑ سکتا ہے۔ اس لئے میں ڈھیر ساری دولت حاصل کرنا چاہتی ہوں داتن۔ وہ کم از کم میرے ساتھ تو رہے گی۔ سونا اور ہیرے دھوکہ نہیں دیتے۔ بس ایک آخری واردات۔'' اس نے سختی سے سیاہ آنکھیں رگڑیں جو اندر سے گلابی پڑ گئی تھیں۔ داتن نے ٹوٹے دل کے ساتھ گہری سانس لی اور گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اٹھی۔

''میرے تمہارے جیسے لوگ کبھی نہیں نیک ہو سکتے تالیہ۔ ہم کبھی سچے اور ایماندار نہیں ہو سکتے۔'' اس کا چہرہ بجھا بجھا سا تھا۔ وہ پلٹی اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی کمرے سے نکل گئی۔ تالیہ نے چہرہ گھٹنوں میں دے دیا۔ آنسو پھر سے بہنے لگے تھے۔

داتن باہر سیڑھیوں پہ بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں سے بھی آنسو ٹوٹ ٹوٹ کے سیاہ چہرے پہ پھسل رہے تھے۔

شام دھیرے دھیرے تاریک ہوتی گئی۔

☆☆=========☆☆

کیپونگ کا علاقہ رات کو اتنا روشن نہیں تھا جتنے امراء کے علاقے ہوتے تھے۔ یہاں لوگ وقت پہ سو جاتے تھے۔ سڑک کے دونوں اطراف قطار میں چھوٹے چھوٹے ایک منزلہ گھر بنے تھے جن کی مخروطی چھتیں تھیں۔ ایڈم جس وقت چھوٹا لکڑی کا گیٹ کھول کے' کوٹ کندھے پہ لادے اندر داخل ہوا' گھر کا برآمدہ روشن تھا۔ مگر اس کے چہرے کی جوت بجھی ہوئی تھی۔ وہ وہیں برآمدے کے اسٹیپ پہ بیٹھ گیا۔ قریب میں مرغیوں کا ڈربہ تھا جس کے اندر پروں تلے چوزے دبائے بیٹھی مرغی نے ہلکی سی کٹاک کی جیسے چونکی ہو۔

جالی دار دروازے کے کھلنے کی آواز آئی تو ایڈم نے گردن موڑی۔ اس کی ماں وہاں کھڑی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسکارف سر پہ لپیٹے' لمبی قمیص اور کرتنگ (اسکرٹ کی طرح) پہنے' وہ جیسے اس کو دیکھ کے فکرمند ہو گئی تھی۔

''تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ اندر آ جاؤ۔''

''میں اتنا بے وقوف کیوں ہوں' ای بو (ماں)۔'' وہ تھوڑی گھٹنوں پہ گرائے سامنے دیکھتے ہوئے اداسی سے بولا تھا۔ ماں نے گہری سانس لی اور چند قدم چل کے قریب آئی۔ ایڈم نے چہرہ موڑ کے اس کے جوتوں کو دیکھا جو اس کے ساتھ آ رکے تھے۔ ان سے نکلتے پیروں پہ ادھیڑ عمر کی کتنی لکیریں پڑی تھیں۔

''کیا ہوا ہے؟'' وہ ڈھارس بندھانے والے انداز میں پوچھتی اس کے ساتھ نیچے بیٹھی۔

''میں نے آج کتنی بڑی بے وقوفی کی' تم سوچ بھی نہیں سکتی' ایبو۔''

''سوچ سکتی ہوں۔ تم بتاؤ۔'' وہ گردن موڑ کے سکون سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''مجھے شرم آئے گی۔'' وہ خفت زدہ لگتا تھا۔

''سچ بولنے والوں کو اگر سچ پہ شرم آنے لگے تو جھوٹ بولنے والے جھوٹ کہتے وقت گردن کٹرا لئے کرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے میرا بیٹا جھوٹ نہیں بولے گا۔''

ایڈم نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''تم میرا یقین کرو گی۔''

''کیا پہلے کبھی نہیں کیا؟''

''میں سچ کہہ رہا ہوں..... میں نے اس کے ساتھ بدتمیزی نہیں کی تھی۔ وہ جھوٹ بول رہی تھی یا شاید غلط سمجھی تھی۔'' وہ روہانسا ہو گیا تھا۔

''کون؟''

''وہ لڑکی..... وہ گیلری میں آئی تھی.....'' وہ ڈھکن کھول کے انڈیلی جانے والی بوتل کی طرح روانی سے بتاتا گیا۔ ''پہلی نظر میں مجھے لگا میں نے اسے کہیں دیکھا ہے' پھر یاد آیا' جاب کے پہلے دن جس گھر میں ہم گئے تھے وہ ادھر کام کر رہی تھی۔ تب اس نے ملازمہ والے کپڑے پہن رکھے تھے۔ آج وہ بالکل فرق لگ رہی تھی۔ یہ اتنے سارے زیور پہنے' بال چمکیلے کیے۔ مگر مجھے وہ وہی لگی تھی۔ میں نے صرف اسے روک کے پوچھا کہ اس دن وہ ملازمہ کیوں بنی ہوئی تھی' اور اس نے سب کو اکٹھا کر دیا کہ یہ مجھے بدصورت کہہ رہا ہے۔ کسی نے میرا یقین نہیں کیا۔ باس نے کہا ہے کہ اب مجھے اس سے معافی مانگنی ہو گی.....''

''ہو سکتا ہے یہ غلط فہمی ہو۔''

''ہاں واقعی' یہ میری غلط فہمی ہو گی' اتنی بھی اس کی اس ملازمہ سے شکل نہیں ملتی تھی' ہو سکتا ہے وہ واقعی کوئی اور ہو اور.....''

''تمہاری نہیں' اس کی غلط فہمی ہو کہ تم اس سے کچھ اور پوچھ رہے ہو۔'' ماں زور دے کر بولی تو وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

''کیا ایڈم کو غلط فہمی نہیں ہو سکتی؟''

''ہو سکتی ہے' لیکن ہوتی نہیں ہے۔ ایڈم اگر تمہیں لگتا ہے کہ وہ وہی لڑکی تھی تو وہ وہی ہو گی۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ جانتی ہوں کہ تم ذرا سادہ ہو' مگر چالاک نہیں ہو' سچے اور ذہین ہو۔ لیکن ایک چیز ...تمہاری نظریں' وہ ہمیشہ سے بہت گہری تھیں۔ گھر میں کوئی چیز کھوتی تو میں تم سے کہتی 'تم منٹ میں ڈھونڈ لیتے۔ بازار سے سودا لانا ہوتا تو تمہیں بھیجتی۔ تم ایک نظر میں ساری دکان دیکھ لیتے کہ کچھ اور بھی تو کم نہیں ہے گھر میں!''

''واقعی؟ میری نظر اچھی ہے نا۔'' وہ خود بھی حیران رہ گیا۔

''ہاں ایڈم... تمہاری نظر جھوٹ نہیں بولتی' کیونکہ تمہارا دل جھوٹ نہیں بولتا۔ اگر تم کبھی جھوٹ بول بھی لیتے تھے تو چند گھنٹوں میں ہی سارا سچ میرے سامنے کھول دیتے تھے۔ دنیا میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں ایڈم۔ ایک وہ جو سچے ہوتے ہیں' اور ایک وہ جو جھوٹے ہوتے ہیں۔ تیسری قسم کا وجود ہی نہیں ہے۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی سچے تھے اور وہ ہم سے یہ چاہتے تھے کہ ہم بھی سچے بنیں۔ کیونکہ بیٹے' جب انسان دوسروں سے سچ بولتا ہے تو اس کے اعضاء اس سے سچ بولنے لگتے ہیں۔ اس کا دل اس کو غلط کا احساس دلاتا ہے اور نظریں اس کو کسی جھوٹ کا شکار نہیں بننے دیتیں۔ میں نہیں جانتی کہ وہ لڑکی کون ہے اور اس کا کیا معاملہ ہے' لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ تمہاری نظر تمہیں دھوکہ نہیں دے گی۔''

وہ اس کی باتوں پہ بالکل گم صم سا ہو گیا۔ ذہن کے جالے صاف ہوئے تو دل الجھنوں میں گھر گیا۔ وہ جو خود کو ملامت کر رہا تھا کہ کیوں ایک لڑکی کو ملازمہ سے ملایا' اب پھر سے چونک گیا تھا۔

''تم نے اسے اس لئے روکا کیونکہ تمہارے دل نے کچھ غلط ہوتے دیکھا۔ ایک انسان دوسرے روپ میں دیکھا تو دل کو لگا یہ غلط ہے اور تم نے سادگی سے اپنی الجھن بیان کر دی۔ یہی ہوا ہو گا' ہے نا؟ تم اس سے معافی مانگ لینا اور بات ختم کر دینا' کیونکہ تمہیں کیا معلوم کس کی کیا مجبوریاں ہیں۔ تم بس اپنے کام پہ دھیان دو۔ خوب محنت کرو۔ پتہ ہے.....'' وہ ایک دم مسکرائی اور یاد کر کے بولی۔ ''جب تم چھے سال کے تھے تو تمہارے بابا کے بڑے تایا ہمارے گھر آئے تھے۔ وہ بڑے نیک اور اچھے انسان تھے۔ میں نے کہا ایڈم کے لئے دعا کریں تو انہوں نے دعا مانگی کہ.....''

''کھانا... کھانا دو ماں۔'' وہ خجالت سے اس کی بات ٹوکتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''ایڈم!'' ماں نے سر اٹھا کے افسوس بھری گہری سانس لی۔ ''تمہیں تایا جان کی دعا پہ شرمندگی کیوں ہوتی ہے؟ اللہ سے جتنا زیادہ مانگو گے' وہ اتنا زیادہ ہی دے گا۔''

''ہاں ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ اب کھانا دو نا' '' وہ اسے اٹھاتے ہوئے پھر سے بات گول کر گیا۔ مبادا ماں وہ دعا دہرا ہی نہ دے۔ (اگر جو کسی نے سن لیا تو؟ اُف۔ اور اگر جو باس کے پولیٹیکل سیکرٹری نے سن لیا تو وہ کتنا ہنسے گا ایڈم پہ۔) اس نے جھرجھری لی۔ ڈربے میں بیٹھی

مرغی نے پھر سے کٹاک تو دیوار سے جھانکتی بلی پیچھے ہوگئی۔رات پھر سے پرسکون ہوتی گئی۔

ماں اب کچھ خفا سی بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کے اندر کی طرف جا رہی تھی۔دعا پہ کیسی ندامت' ہاں؟

☆☆=========☆☆

رات کو الالپور پہ اتری تو دیسا پارک کے اس اونچے محل کے لان میں لگے پھول مہک اٹھے۔خوشبو اتنی تیز تھی کہ اندر تک آنے لگی۔

وان فاتح گھر کے اندر داخل ہوا تو ہر سو سناٹا چھایا تھا۔ملازموں کی چہل پہل تھم چکی تھی۔اس نے ایک ہاتھ سے کوٹ اتارتے ہوئے دوسرے کی انگلیوں سے ماتھے پہ آئے بال پیچھے کیے اور کمرے کی طرف قدم بڑھائے۔پھر کھلا دروازہ دیکھ کے وہ ٹھٹکا بھنویں سکوڑیں۔

دروازہ پورا دھکیلا تو لبوں سے گہری سانس نکلی۔عصرہ اس کے کمرے میں سامنے کرسی پہ بیٹھی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''تم سوئی نہیں ابھی تک؟ یا آج تمہیں دیر تک کوئی کام نہیں کرنا؟'' اس نے کوٹ دوسری کرسی پہ ڈالا۔پھر بیڈ کے کنارے آ بیٹھا اور شرٹ کے کف کھولنے لگا۔

''تم نے آج اس لڑکی کے ساتھ بہت برا کیا' فاتح۔وہ ہماری کلائنٹ تھی۔ڈونر تھی۔'' وہ خفگی سے ایک دم بولی' تو وہ جو کف کا بٹن کھول رہا تھا' رک کے حیرت سے اسے دیکھا۔آنکھوں میں الجھن بھر گئی۔

''کون سی لڑکی؟''

''جس کو تم نے میرے آفس میں یہ کہہ کر بے عزت کیا کہ وہ کچھ نہیں کرتی۔اور اس کے آرٹ کے شوق کی توہین الگ کی۔''

فاتح چند لمحے اچنبھے سے اسے دیکھتا رہا' پھر یاد آیا۔سنہرے بالوں اور بڑی آنکھوں والی لڑکی....''اچھا وہ....اس کو میں نے برا بھلا کہا تھا ایڈم نے؟'' وہ سمجھ نہیں پایا کہ اس کی غلطی کیا تھی۔پھر یاد کیا۔'' ویسے میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا تھا اس کو۔'' اب وہ کندھے اچکا کے جھک کے بوٹ کے تسمے کھولنے لگا۔''میں اگر یہ دیکھوں کہ میرے سامنے ایک ایسا انسان کھڑا ہے جس کی زندگی میں کوئی بڑا مقصد نہیں ہے' وہ اپنی زندگی ضائع کر رہا ہے اور میں ظاہر کروں کہ میں اس سے اتفاق کرتا ہوں' یہ تو غلط بات ہے۔''

''مگر وہ دنیا کو ایسے نہیں دیکھتی ہوگی جیسے تم دیکھتے ہو۔''

''نہ دیکھے۔مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔'' اس نے بے نیازی سے کندھے دوبارہ اچکاتے جھکے جھکے دوسرا تسمہ کھولا۔

''فاتح تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے کیریئر میں تمہیں سپورٹ کرتی رہوں لیکن تمہیں میرے فائدے نقصان سے فرق نہیں پڑتا۔'' اس نے دکھ اور غصے کے ملے جلے تاثرات آنکھوں میں بھرے اسے دیکھا۔وہ بوٹ اتارتے ہوئے اسے سادگی سے بولا۔

''دیکھو عصرہ....میرے الفاظ کو Twist کر کے اگر تم آرگومنٹ جیتنا چاہتی ہو تو جیت لو۔میں برا نہیں مناؤں گا۔لیکن ہم دونوں کو معلوم ہے کہ یہ کوئی ایسا ایشو نہیں ہے جس پہ تم اتنی توانائی ضائع کرو۔''

''میری مہمان اور ڈونر کو خفا کرنا کوئی ایشو نہیں ہے؟ واہ۔ کیا میں تمہارے مہمانوں کے ساتھ ایسے کرتی ہوں؟ کیا میں اچھی بیوی کی طرح پوز کر کے ان کی خاطر مدارت نہیں کرتی؟ ہاں؟''

''اب تمہارا آرگومنٹ کمزور پڑ رہا ہے۔'' فاتح نے جرابیں اتارتے ہوئے افسوس سے نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''اگر تم اس بات پہ برا مناتی کہ میں کسی لڑکی سے اچھے سے بات کر رہا ہوں تو میں اسے ایک جائز ڈیل سمجھتا' لیکن برے سے بات کرنے پہ اتنا جھگڑا؟ چچ۔'' آخر میں گویا ملال کر کے وہ اٹھا اور ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے ڈریسنگ روم کی طرف چلا گیا۔ وہ بے اختیار اٹھی اور غصے بھری بے بسی سے اسے جاتے دیکھا۔

''تم کبھی نہیں سمجھتے کہ جو کنکر تم دریا میں پھینک دیتے ہو ان کے دائرے کتنی دور تک پھیل کے ہمیں متاثر کرتے ہیں۔ چاہے وہ میں ہوں... میرا کاروبار ہو... تمہارا کیریئر ہو... یا...'' اس کی آنکھیں گیلی ہوئیں۔ ''یا... آریانہ ہو۔''

وہ جو الماری کھولے کھڑا ہینگرز الٹ پلٹ کر رہا تھا' اس بات پہ ایک دم ٹھہر گیا۔ پھر آہستہ سے واپس پلٹا تو اس کے چہرے میں کچھ بدلا ہوا سا نظر آتا تھا۔ جیسے کوئی زخمی پن سا ہو آنکھوں میں... کسی بجھی راکھ کی پرچھائیں ہو...

''تم آریانہ کو درمیان میں لائے بغیر بھی بحث جیت سکتی ہو عصرہ۔'' جیسے کوئی اداس ماتم سا ہو آواز میں...

''میں تم سے جیتنا نہیں چاہتی۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں وان فاتح کہ تم اپنی arrogance کے خول سے باہر نکل کے دیکھو کہ تمہاری وجہ سے ہم سب کیا کچھ نہیں سہہ چکے۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ مٹھیاں بھینچ کر درد سے چلا رہی تھی۔ ''تم نے اپنے جنون کے ہاتھوں' ہم سب کو تباہ کر دیا ہے۔ آریانہ کو کھونا تمہاری غلطی تھی۔ میری بیٹی تمہاری وجہ سے مجھ سے دور ہوئی ہے۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ اپنے بچے کو کھونا ایک ماں کے ساتھ کیا کر دیتا ہے۔''

وہ خاموش کھڑا رہا۔ ہینگر پہ لگی شرٹ بازوؤں میں تہہ کیے زخمی آنکھوں سے اسے دیکھے گیا۔

''مگر تم نہیں سمجھتے۔ تم نہیں بدلتے۔ میں ایک بھڑکتے جہنم میں رہ رہی ہوں' مجھے باہر نکلنا ہے اس سے۔ وہ نیلامی میں اپنے بچوں کو تمہارے جنون کی آگ سے نکالنے کے لئے کر رہی ہوں اور تم اس کو نقصان پہنچانے سے بھی باز نہیں آتے۔ میں تمہاری بیوی ہونے کی قیمت آخر کب تک ادا کرتی رہوں گی؟''

''مجھے بھی آریانہ کا اتنا ہی دکھ ہے جتنا تمہیں ہے۔'' وہ زخمی سا بولا تھا۔

''تمہیں دکھ ہے اس کا؟ تمہیں تو شاید وہ یاد بھی نہیں آتی' وان فاتح۔'' وہ تنفر اور اذیت سے اسے دیکھ کے مڑی اور تیز تیز چلتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ فاتح نے آنکھیں بند کیں اور گہری سانس اندر کو کھینچی۔ پھر آنکھیں کھولیں اور ہینگر پرے رکھ دیا۔ جیب سے والٹ نکالا اور آگے آیا۔ والٹ لیے وہ اسی کرسی پہ بیٹھا جہاں عصرہ پہلے بیٹھی تھی۔ جگہ ابھی تک گرم تھی۔ شاید وہ بہت دیر سے اس کے انتظار کی آگ میں جل رہی تھی۔

اس نے والٹ کی ایک تہہ پلٹائی تو سامنے فوٹو کے خانے میں ان دونوں کی تصویر لگی تھی۔ فاتح اور آریانہ۔ وہ دونوں اس میں ہنس رہے تھے۔ ننھی سی بچی جس نے ہیئر بینڈ لگا رکھا تھا اور جس کی آنکھیں ہیروں جیسی چمکتی ہوئی تھیں۔

"عصرہ یہ نہیں سمجھتی کہ اپنی بیٹی کو کھو دینا ایک باپ کے ساتھ کیا کر دیتا ہے۔" وہ تصویر پہ انگوٹھا پھیر کے ہلکا سا بڑبڑایا تھا۔ اذیت سی اذیت تھی جو دل میں اٹھتی محسوس ہو رہی تھی۔

باہر مہکتے گلابوں کی اداس خوشبو اب بھی سارے گھر سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

حالم کے گھر میں اس رات کسی نے کوئی بتی نہیں جلائی۔ ایک سوگ سا تھا جس نے سارے کو لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ داتن اندھیر زینوں پہ بیٹھی سامنے خلاء میں گھور رہی تھی جب پیچھے آہٹ ہوئی۔ دروازہ چرچرایا۔ پھر ننگے قدم اٹھانے کی ہلکی سی چاپ سنائی دی.... یا شاید آواز اس نے تصور کی تھی کیونکہ cat burglar بنا چاپ کے چلنے میں ماہر تھی۔

وہ اس کے پیچھے آ رکی۔ داتن نہیں مڑی۔ یا سیت سے سامنے دیکھتی رہی۔

"لیانہ!" تالیہ نے دھیرے سے پکارا۔ آواز سنبھلی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

"تم ہر چیز سیکھنا چاہتی تھیں۔" وہ اسی طرح سامنے دیکھتے ہوئے ٹوٹے دل سے بولی۔ "کیا تمہیں یاد ہے تالیہ؟"

تالیہ کچھ نہیں بولی۔ اس سے پیچھے ایک زینہ اوپر بیٹھ گئی اور اسے بولنے دیا۔

"جب ہم نے تمہارے شوہر کے پیسے واپس کر کے اس سے تمہارے لیے طلاق لی تھی تو تم نے مجھے کہا تھا کہ اس شخص نے تمہیں دھوکہ دینا سکھا دیا ہے اور اب تم اسی طرح پیسے بنانے کے نت نئے طریقے سیکھنا چاہتی ہو۔ اسکام اور چوری کے طریقے۔ ہم نے چھوٹے چھوٹے اسکام سے شروع کیا تھا۔ تم نے انٹرنیٹ پہ ایڈ ڈالا کہ اپنے سابقہ بوائے فرینڈ' گرل فرینڈ یا میاں بیوی کا اکاؤنٹ ہیک کروانے کے لئے ہم سے رابطہ کریں۔"

تالیہ جو گھٹنوں پہ سر دیئے بیٹھی تھی اس بات پہ بے اختیار ہنس دی۔ داتن نہیں ہنسی۔ بولتی گئی۔

"عشق اور جلن سے تڑپتے لوگ ہم سے رابطہ کرتے' ہم پیسے ایڈوانس مانگتے اور جب وہ پیسے دے دیتے تو ہم ان کی ای میلز کا جواب نہ دیتے۔ اب وہ پولیس کے پاس بھی نہیں جا سکتے تھے کہ کیا کہتے؟ کسی کا اکاؤنٹ ہیک کروانے جیسے غلط کام میں ملوث رہے ہیں؟ خود پکڑے جاتے سو رو دھو کے چپ ہو جاتے۔ تم کہتی تھیں کہ اگر لوگ پیسے کی حفاظت نہیں کر سکتے تو وہ اس پیسے کے قابل ہی نہیں ہیں۔ مگر جلد تم بور ہو گئیں۔"

اندھیر سیڑھیوں پہ وہ دونوں ہیولوں کی صورت بیٹھی نظر آتی تھیں۔ داتن کی آواز جیسے کسی پس منظر میں بیٹھے پیانو ساز کی مدھر لے جیسی سنائی دے رہی تھی۔

''ہم نے کرایے کا گھر لے لیا تھا' سر چھپانے کا ٹھکانہ تھا' دو وقت کا کھانا مل جاتا تھا مگر تم ناخوش تھیں۔ تم کہتی تھیں' داتن..... دھوکہ دہی ایک آرٹ ہے اور آرٹ میں دھوکے کا احساس نہیں ہونا چاہیے۔ جس طریقے سے ہم لوٹ رہے ہیں اس میں لٹ جانے کے بعد لوگوں کو احساس ہو جاتا ہے کہ ان کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ یہ احساس میری ذہانت کی توہین ہے۔ دنیا کے سب سے بڑے con games (فریب) کبھی پکڑے نہیں جاتے۔ پھر ہم نے چھوٹی چھوٹی چوریاں شروع کیں۔ مالز میں' بازاروں میں عورتوں سے ٹکرا کے ان کے زیور اتار لیتے۔ تمہاری انگلیاں اس کام میں ماہر تھیں' مگر تم تب بھی خوش نہیں تھیں۔ تم کہتی تھیں کہ میں جزیرے پہ وہ اونچا قلعہ تو بنا لوں گی کسی نہ کسی طرح' مگر اہانت کے ساتھ نہیں۔ تمہیں مزید صفائی سے کام کرنا تھا۔ تب تم نے فیصلہ کیا کہ تم آرٹ theif بنو گی۔ کیٹ برگلر۔ (جو بلی کی طرح کہیں بھی گھس کے بنا آہٹ کے کچھ چرا لاتا ہے۔) تمہیں پینٹنگ کا شوق تھا مگر تم اسے کرنا نہیں جانتی تھیں۔ پھر تم آرٹ اسکول گئیں۔ تم نے پینٹ کرنا سیکھا۔ تم نے مختلف فن سیکھے۔ تم نے گن چلانا سیکھا۔ لڑنا سیکھا۔ تم نے خود کو کسی ہتھیار کی طرح تراشا۔''

تالیہ تھوڑی گھٹنوں پہ رکھے محویت سے سنے گئی جیسے شہریار کو شہرزاد کسی خوبصورت رات میں الف لیلوی داستان سنا رہی ہو۔ جیسے وہ کسی اور کی کہانی ہو۔

''جب تم نے پہلی نقال تیار کی جس کو تم نے اصلی پینٹنگ کی جگہ رکھ کے اصل کو چرانا تھا' تو میں وہ دیکھ کے مبہوت رہ گئی۔ وہ اتنی مکمل تھی کہ حد نہیں۔ میں نے تب تم سے پوچھا' تالیہ تم اتنا اچھا پینٹ کرنے لگ گئی ہو' تو تم اسی شعبے کو کیوں نہیں اپنا لیتی۔ تم نے کہا' داتن' اگر میں بہت اچھی پینٹنگ بھی بناؤں' تو وہ دو تین ہزار سے زیادہ کی نہیں بکے گی۔ لیکن اگر میں کسی قدیم پینٹنگ کی نقل تیار کروں' اور بھرپور پلاننگ کے ساتھ اس کو اصل کی جگہ رکھ کے اصلی چرا لوں تو اس اصلی پینٹنگ کو میں بلیک مارکیٹ میں پچاس ساٹھ لاکھ کا بیچ سکتی ہوں۔ کوالالمپور بھرا پڑا ہے بے کار پینٹرز سے اور کوالالمپور بھرا پڑا ہے چوروں سے' مگر آرٹ theif وہ ہوتا ہے جو یا تو کسی ماہر نقال کو اپنے ساتھ رکھے یا خود نقال پینٹ کرنا جانتا ہو۔ forger کے بغیر آرٹ تھیف نہیں بن سکتی میں۔ اور کسی فورجر پہ اعتبار نہیں کر سکتی۔ مجھے خود فورجری سیکھنی ہو گی۔ پھر تم نے پینٹنگز کے علاوہ دوسری چیزوں کی نقال بھی تیار کرنا شروع کیں۔ انعامی اسکیم' بلیک ٹکٹ' پرائز بونڈ' اور ہم امیر ہوتے گئے۔ تم نے ہر چیز سیکھی سوائے ایک چیز کے۔'' کہتے کہتے اس نے مڑ کے تالیہ کو دیکھا جو اب اس کے ایک دم بات کو اندھے موڑ پہ لانے پہ چونک کے گردن اٹھا کے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''اور وہ ہے چوری کا فن۔ ہاتھ کی صفائی۔ یہ تمہیں ہمیشہ سے آتا تھا۔ مجھے نہیں آتا تھا۔ میں نے کچھ نہیں سیکھا۔ ساری عمر ایک جیولری اسٹور اور ایک لائبریری میں کام کیا تھا۔ جب تمہیں جیولری چرانی ہوتی تو اس کی نقل تم نہیں تیار کر سکتی تھیں۔ وہ میں تیار کرتی۔ پھر ہم نے حالم کے نام سے کام شروع کر دیا' لوگوں کے لئے مسئلے کھڑے کرتے اور ان کو خود حل بھی کر دیتے۔ کبھی کسی کی پینٹنگ چرا کے خود ڈھونڈ لاتے۔ اصل رکھ کے نقل اس کو واپس کر دیتے۔ کبھی کسی سے انعامی اسکیم کے لیے پیسے بٹورتے۔ تم نے بس چوری کا فن نہیں سیکھا اور میں

نے تو کچھ نہیں سیکھا سوائے ہاتھ کی صفائی اور چوری کے فن کے۔ یہ مجھے نہیں آتا تھا۔ تم نے مجھے سکھایا۔ تم گمنام رہنا چاہتی تھیں۔ اپنا چہرہ نہیں دکھانا چاہتی تھیں۔ کیونکہ تمہیں امید تھی ایک دن تم اچھی بن جاؤ گی۔ میں نے یہ ذمہ اپنے سر لے لیا۔ سوائے چند لوگوں کے تمہیں شہر میں کوئی بطور ایک چور کے نہیں جانتا۔ مگر میں نے اسٹریٹ کانٹیکٹس بنائے۔ میں نے بلیک مارکیٹ میں تعلقات استوار کیے۔ اور یوں ہم دونوں آرٹ اور جیولری چرانے کے ساتھ بطور حالم ان کے مالکان سے کنسلٹنسی فیس بھی لیتے تھے' ہم ماہر scammers بن گئے اور ہم نے مڑ کے نہیں دیکھا۔''

''تم کیا کہنا چاہتی ہو' داتن؟'' اس بات پہ داتن نے سوگوار چہرہ موڑا اور ملال سے اسے دیکھا۔

''تمہیں لگتا ہے کہ تم یہ راستہ چھوڑ سکتی ہو مگر ایسا ممکن نہیں ہے تالیہ۔ میں نے جانتی ہو ہمیشہ اپنا چہرہ کیوں مخفی نہیں رکھا؟ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ ایک دفعہ ہم اس دریا میں اتر جائیں تو واپسی کی کوئی کشتی نہیں بچے گی۔ تم کبھی پینٹر بن کے خوش نہیں رہ سکتی نہ میں لائبریرین بن کے۔ جب مجھے میرے بچوں نے چھوڑا... یا... جب میں نے ان کو چھوڑا کیونکہ جیولری اسٹور کو جوان کاریگر مل گئے تھے اور میں ایک بوجھ تھی' تو میں نے لائبریری کے ساتھ ائیرپورٹ پہ نوکری کر لی اور اولڈ ہوم آ گئی۔ لیکن جب بعد میں میرے پاس تمہاری وجہ سے دولت آنے لگی' تو میں ہر ویک اینڈ پہ اپنے بچوں کے پاس جانے لگی۔ اب بھی جاتی ہوں۔ ان کے لئے قیمتی تحفے لے کر اور وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں ایک لائبریرین ہوں مجھ سے میرا ذریعہ معاش نہیں پوچھتے۔ وہ اب میری قدر کرتے ہیں' بھلے جہاں سے بھی پیسہ آئے' وہ خوش ہیں۔ میں بھی خوش ہوں کیونکہ میں ان پہ انحصار نہیں کرتی' ان کے سامنے ایک مضبوط عورت ہوں میں' لیکن اگر میں یہ کام چھوڑ دوں تو میری قدر و قیمت وہاں ختم ہو جائے گی اس لئے میں کبھی بھی ''نیک'' نہیں ہونا چاہتی کیونکہ تالیہ....خون کے رشتے ہر ایک کے لئے کامل نہیں ہوتے۔ ہم جیسے لوگوں کی کہانیوں میں دوستی کا رشتہ زیادہ اہم ہوتا ہے۔''

''آئی ایم سوری داتن۔'' اس نے پیچھے سے داتن کی گردن میں بازو لپیٹے اور اپنی تھوڑی اس کے کندھے پہ رکھ دی۔ ''میں اتنی ڈسٹرب تھی کہ میں بھولتی جا رہی تھی کہ میں کون ہوں اور کیا کرنے کی اہل ہوں۔ میں اپنی گیم سے باہر ہو رہی تھی مگر اب نہیں۔'' اس نے داتن کا سیاہ گال چوما اور پھر سیدھے ہو کر ایک عزم سے کھڑی ہوئی۔ دیوار پہ ہاتھ مارا اور لمحے بھر میں سارا گھر روشن ہو گیا۔ تیز روشنی سے داتن کی آنکھیں چندھیا گئیں' اس نے فوراً ان پہ ہاتھ رکھا۔ پھر ذرا ٹھہر کے تالیہ کو دیکھا جو سینے پہ بازو لپیٹے اب سنبھلی ہوئی سی سامنے کھڑی تھی۔

''اب؟'' داتن نے ہمیشہ کی طرح اس سے پوچھا جو کہتی تھی کہ اس کے پاس ہمیشہ اگلا پلان ہوتا ہے۔

''اب ہم نے انتظار کرنا ہے۔ یا تو ایڈم کی بات پہ یقین کر کے عصرہ محمود تنکو کامل سے رابطہ کرے گی اور وہ سب میری تصدیق کر کے مجھے گرفتار کرنے یہاں آئیں گے۔ یا پھر عصرہ محمود اپنے اسٹاف کے ہاتھوں مجھے دعوت نامہ بھجوائیں گی۔ پہلی صورت میں ہمارا سامان بندھا ہوا پڑا ہو اور ہم سگنل دیکھتے ہی شہر سے فرار ہو جائیں۔ اور دوسری صورت میں ہم کھیل جاری رکھیں۔'' داتن نے گہری سانس لی اور گھٹنوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھی۔

''مگر کھیل ہے کیا تالیہ؟ تم نے بریسلیٹ اتار کے واپس آ جانا تھا' نیلامی وغیرہ پہ تھوڑی جانا تھا۔''

''میں کھیل بدل رہی ہوں۔ پلان بی۔'' اس نے مسکرا کے موبائل ٹراؤزر کی جیب سے نکالا اور نمبر ملانے لگی۔ داتن نے اچنبھے سے اس کے سیاہ فون کو دیکھا جو حالم کا تھا۔

''یہ تم کس کو.....''

''السلام علیکم زین العابدین مولیا۔'' وہ بشاشت سے بولی اور داتن کو دیکھ کے آنکھ دبائی۔ ''کیسے ہو مولیا؟ ابھی تک درختوں پہ بوجھ بنے ہوئے ہو؟ اوہ ایچولی۔ اس بات پہ غور نہ کرنا' میرے حسِ مزاح کا لیول تمہارے ذہن سے کافی بلند ہے۔ خیر..... میں نے اس لئے فون کیا کہ.....'' وہ اعتماد سے بولتی ہوئی مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی اور داتن نے تکان بھری سانس اندر کھینچی۔

بالآخر وہ کھیل میں واپس آ چکی تھی۔ اس کی یہی بات تو سب سے اچھی تھی۔ گو کہ سب کی طرح گرتی تھی مگر گرنے کے بعد ہنس کے کپڑے جھارتی اٹھ کھڑی ہوتی تھی۔

پلان بی..... داتن گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اٹھتے ہوئے بڑبڑائی تھی۔ (مجھے یقین ہے کہ یہ پلان اس کے پاس پہلے نہیں تھا اور اس نے ابھی ابھی سوچا ہے مگر کبھی نہیں مانے گی۔ ہونہہ۔) وہ بھی واپس گیم میں آ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

جزیروں سے بنے ملک پہ اگلی صبح بھیگی بھیگی سی اتری۔ سیاہ بادل سورج کو جھانکنے تک نہیں دے رہے تھے۔ بس گرجتے اور چمکتے جا رہے تھے۔

ایسے میں قطار سے کھڑے اونچے محل اپنے سامنے سڑک پہ بھاگتے اس شخص کو دیکھ رہے تھے' جو ٹراؤزر کے اوپر آدھی آستین کی ٹی شرٹ میں ملبوس' دوڑتا جا رہا تھا۔ کنپٹی سے قطرے ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ بال گیلے ہو کے ماتھے پہ چپکے تھے۔ وہ دور سے جاگنگ کرتا آ رہا تھا۔ اپنے گیٹ کے قریب آ کر رفتار سست ہوئی' ایک ہاتھ گیلے بالوں میں چلا کے ان کو پیچھے کیا اور ہینڈز فری کانوں سے کھینچ نکالے۔ گارڈز نے اسے دیکھتے ہی راستہ کھول دیا۔

''فاتح صاحب!'' کسی نے تولیہ اچھالا جو اس نے ایک ہاتھ بلند کر کے تھاما اور اس سے چہرہ پونچھتا پورچ میں آگے چلتا گیا۔ لمبی جاگنگ سے چہرہ گلابی شفاف سا ہو رہا تھا اور تنفس تیز تھا۔

لاؤنج میں آ کر وہ میز تک رکا' جھک کے اخبار اٹھائی' الٹ پلٹ کر کے دیکھی' پھر سیدھا ہوا ہی تھا کہ سامنے ایڈم نظر آیا۔ وہ اس کی عینک بڑھائے ہوئے تھا۔

''تھینکس!'' فاتح نے اخبار یں رول کیں' عینک تھامی اور آگے بڑھ گیا۔

''سر!'' اس نے جلدی سے پکارا' مگر وہ رکا نہیں۔ سیڑھیوں کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔

''سر! اشعر صاحب نے کہا ہے کہ آج میں ان خاتون سے معافی مانگنے جاؤں!'' ہمت کر کے بلند آواز میں بولا۔

''کون سی خاتون' ایڈم؟'' وہ زینے چڑھتے ہوئے اخباروں کو الٹا پلٹا کر کچھ تلاش کر رہا تھا۔

''وہ گیلری والی۔'' وہ رکا اور جلدی سے اضافہ کیا۔''سر کیا مجھے ان سے معافی مانگنی چاہیے؟''

فاتح نے مطلوبہ میگزین نکال کے اوپر رکھا اور گردن موڑ کے ایک سادہ نظر اس پہ ڈالی۔''ایڈم ہر لفظ کے نتائج ہوتے ہیں۔ خاموشی کے بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے اپنے کہے گئے الفاظ کے نتائج مرد بن کے بھگتا کرو۔'' اور اوپر چڑھتا گیا۔ ایڈم کا چہرہ مزید بجھ گیا۔ (مگر میں نے ایسا کیا کہا تھا؟)

ٹیرس پہ اس کی کرسی بچھی رکھی تھی۔ ساتھ میز پہ جوس کا گلاس' اور پھل۔ سب ترتیب سے تھا۔ مگر وہ ذرا چونکا۔ وہاں عصرہ بھی بیٹھی تھی۔ اسے آتے دیکھ کے عصرہ نے نظریں اٹھائیں تو ان میں اداسی تھی۔

''تم ادھر؟'' وہ نارمل انداز میں کہتا اپنی کرسی پہ آ کے ڈھیر ہوا اور جوگرز لمبے کر کے میز پہ قینچی کی صورت رکھ لیے۔

''آئی ایم سوری۔ میں کل رات کچھ زیادہ بول گئی۔''

''ہاں تم کل رات کچھ زیادہ ہی بول گئیں۔'' اس نے تائیدی انداز میں کہتے ہوئے سر کو خم دیا اور اخبار سینے پہ رکھ کے بازوؤں کا تکیہ بنا کے سر ان پہ ٹکا لیا۔ اب اس کی آنکھیں توجہ سے عصرہ پہ جمی تھیں۔ بھورے بالوں کی پونی بنائے' اسکرٹ بلاؤز کے اوپر سفید رنگ کا دوپٹہ کندھوں کے گرد لپیٹے' ایک ہتھیلی پہ چہرہ ٹکائے وہ اداس نظر آتی تھی۔

''میں اندر سے دکھی ہوں فاتح۔ میرے زخم نہیں بھرتے۔ اور میں تمہارا بھی دل دکھا دیتی ہوں۔''

''اور تم سمجھتی ہو کہ میرے زخم بھر چکے ہیں۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''کیا نہیں بھرے؟''

''میں اپنے زخموں کے بھرنے کا انتظار نہیں کرتا عصرہ!'' وہ نیم دراز بازوؤں کے تکیے پہ سر رکھے' اسے سامنے بیٹھے دیکھ کے رسان سے بولتا گیا۔''ان کو سی کے آگے بڑھ جاتا ہوں مگر جس کھڑکی سے میں دنیا کو دیکھتا ہوں' تم نے وہ کھڑکی بند کر رکھی ہے۔''

''فاتح.....تم.....''

''عصرہ' یہ دنیا ماضی میں جینے والوں کے لئے نہیں ہے۔ وہ میری بھی بیٹی تھی' مجھے بھی دکھ ہے اس کا مگر اللہ کی چیز تھی' اللہ نے لے لی۔ میں پچھتاوؤں پہ یقین نہیں رکھتا۔ میں ماضی میں نہیں رہتا۔ میں آگے کا سوچتا ہوں۔ جبکہ تم....'' اس نے گہری سانس خارج کی۔''تم ہمیشہ ماضی میں جیتی ہو۔ اب نکل آؤ ماضی سے عصرہ۔ یہ دنیا بہادر اور daring لوگوں کے لئے ہے' جو آگے بڑھیں اور اس کو اپنی مثبت سوچ سے فتح کر لیں۔ یہ دنیا امید رکھنے اور خواب دیکھنے والوں کی ہے۔ بہت سی عورتیں گرتی ہیں عصرہ اور بہت سی گر کے اٹھتی ہیں' مگر جیتتی صرف وہ ہیں جو ہنس کے اٹھنے والی ہوں۔ مگر میں تم سے مایوس نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر تم تھوڑی سی کوشش کرو تو ایک دن تم بھی حال میں جینے

والی بن جاؤں گی۔" وہ بات کے اختتام پہ مسکرایا تھا۔ سیاہ بادلوں کے جھروکے سے چند آوارہ کرنیں ٹیرس پہ پڑ رہی تھیں' اور اس کے چہرے کو روشن کیے ہوئے تھیں۔ وہاں امید' نرمی' سکون سب کچھ تھا۔ عصرہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ اور پھر اسکے ہاتھ پہ دونوں ہاتھ رکھے۔

"مجھے مستقبل ڈراتا ہے فاتح۔" وہ بولی تو آواز کانپ رہی تھی۔ "تمہیں کھونے کا ڈر۔ اپنے بچوں کے رل جانے کا خوف۔ میرے دل کو سمجھو فاتح۔ ملائیشیا کا ہمارے بغیر کچھ نہیں بگڑے گا مگر ہم ٹوٹ جائیں گے۔ میں تمہارے لئے ڈرتی ہوں۔ تم یہ ایلکشن نہیں جیت پاؤ گے اور جب ہارو گے تو تمہارا دل ٹوٹ جائے گا۔ جانتی ہوں کہ تم مضبوط ہو' بہادر ہو' اپنے دکھ بتاتے نہیں ہو مگر میں تمہیں ضائع ہوتے نہیں دیکھ پاؤں گی۔"

"یہی فرق ہے ہم میں عصرہ۔" اس نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے گال پہ رکھ کے اس کا چہرہ تھپکا۔ "تم یہ سوچتی ہو کہ کہیں میں ہار نہ جاؤں۔ اور میں یہ سوچتا ہوں کہ مجھے جیتنا کیسے ہے۔" پھر اس نے دونوں ہاتھ پیچھے کر لئے' اخبار کھول کے چہرے کے سامنے کیا اور عینک آنکھوں پہ جمائی۔ عصرہ نے گہری سانس لی اور سر جھٹکا۔ وہ اس شخص کو نہیں سمجھا سکتی تھی۔

"جوس پی لو۔ گرم ہو جائے گا۔" اس کے کندھے کو ہلکا سا تھپکا اور اٹھ گئی۔ فاتح نے اخبار پہ نظریں جمائے "تھینکس" کہا۔ عصرہ نے چند قدم اٹھائے' پھر ٹھہری۔

"بس ایک بات مجھے پرسکون کرتی ہے کہ آریانہ زندہ ہے۔ وہ مری نہیں ہے۔ کسی کو مل گئی ہو گی وہ۔ کسی اچھے گھرانے میں تربیت پا رہی ہو گی۔ میں مر جاتی فاتح اگر مجھے یہ امید نہ ہوتی کہ وہ کبھی نہ کبھی ہمیں واپس مل سکے گی۔ تمہارے خواب بہتر ملائیشیاء کے ہیں' میرے آریانہ کے ہیں۔ اور اس خواب نے میری ہر کھڑکی کے آگے پردے ڈال دیے ہیں۔ تم اس کو "آریانہ تھی" کہہ کے بلاتے ہو' اور میں اس کو "آریانہ ہے" کہہ کے سوچتی ہوں۔ یہی فرق ہے ہم میں' وان فاتح!" کھڑے کھڑے' اس کو دیکھے بنا وہ کہتی گئی اور پھر آگے بڑھ گئی۔

وہ اخبار پڑھتا رہا۔ بادلوں نے پھر سے سورج کو چھپا لیا تو اس کا روشن چہرہ چھایا میں چلا گیا۔ ٹھنڈی سرمئی چھایا۔

☆☆=========☆☆

حالم کا اونچا بنگلہ بھی سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ بالائی منزل کے ہال کی شیشے کی دیوار سے وہ نیچے دیکھ رہی تھی جہاں ایک کار کھڑی تھی اور ایک آدمی نکل کے گھنٹی بجا رہا تھا۔

"کیا خیال ہے؟" داتن اس کے عقب میں آ کھڑی ہوئی۔ "ہم آج رات کا کھانا کون سے تھانے میں کھائیں گے؟"

"وہ اس باڈی مین کو ساتھ لائے ہیں۔" وہ سنجیدہ سی نیچے نظریں جمائے بولنے لگی۔ "ڈرائیور نہ گھڑی کو دیکھ رہا ہے' نہ آگے پیچھے۔ نہ اسے جلدی ہے نہ وہ کسی کو چھپا کے ساتھ لایا ہے۔ بار بار گیٹ کی دھات میں اپنا عکس دیکھتا ہے۔ یعنی اسے بہت ہدایت کے ساتھ خود کو بہترین پوز کرنے کا کہا گیا ہے۔ اپنے کوٹ کی جیب کو بھی تھپتھپاتا ہے' یعنی اندر کچھ ہے۔ یقیناً دعوت نامہ۔" پھر اطمینان سے داتن کی

طرف گھومی۔ ''ہم نہ صرف محفوظ ہیں بلکہ ہمارا شکار hook بھی ہو چکا ہے۔''

چند منٹ بعد تالیہ کی ایک جز وقتی ملازمہ ان دو افراد کو اندر لا رہی تھی۔ رملی طائرانہ نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیتا قدم اٹھا رہا تھا گویا آنکھوں سے ہر شے کی مالیت کا اندازہ کرنا چاہ رہا ہو جبکہ ایڈم بجھا بجھا مگر سنجیدہ دکھائی دیتا تھا۔ دونوں ڈرائینگ روم کے صوفے پہ بیٹھ گئے تو بٹلر چلا گیا۔ ذرا دیر بعد دروازے پہ آہٹ محسوس ہوئی۔ دونوں بے اختیار اٹھ کھڑے ہوئے۔

وہ سامنے سے چلتی آ رہی تھی۔ لمبی اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس ' پیشانی پہ بل لئے' سینے پہ بازو لپیٹے وہ ان کے سامنے آ ٹھہری۔ ناقدانہ نگاہوں سے دونوں کو دیکھا۔

''جی؟'' ماتھے پہ مصروفیت اور اکتاہٹ سے بھری شکن تھی۔ ایڈم نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ اتنی خوبصورت' طرحدار اور بااثر لڑکی جس کے کانوں کے چمکتے ہیرے نگاہیں خیرہ کر رہے تھے.... یہ وہ تھی یا نہیں؟ اس کا دل شک میں پڑنے لگا۔ پیچھے دیوار پہ اس کی فوٹو فریم میں تصویر بھی لگی تھی۔

''میڈم۔ کل آپ گیلری سے خفا ہو کر آئی تھیں' ہمیں باس نے بھیجا ہے تاکہ آپ کی غلط فہمی دور کی جا سکے۔''

''یہ!'' تالیہ نے چونک کے ایڈم کی طرف انگلی اٹھائی' اور جیسے ذہن پہ زور دیا۔ ''یہ مسز عصرہ کا وہی ملازم ہے نا جس نے کل مجھ پہ فقرے کسے تھے۔ یا اللہ.... اور آپ اس کو میرے گھر لے آئے۔'' خوبصورت آنکھیں برہمی سے سرخ پڑنے لگیں تو رملی جلدی سے بولا۔

''یہ معذرت کرنے آیا ہے' مادام۔ اس سے غلطی سے ہوا جو بھی ہوا۔'' ساتھ ہی ایڈم کو آنکھوں سے اشارہ کیا۔ (معافی مانگو) ایڈم نے پہلے اسے دیکھا' پھر تالیہ کو۔ ایک قدم آگے آیا۔ اس کے عین سامنے۔

''انسان کے ہر لفظ کے نتائج ہوتے ہیں بے تالیہ۔ خاموشی کے بھی۔ مجھے قطعاً یہ حق حاصل نہ تھا کہ میں سرِ راہ کسی خاتون کو روک کر ان کو کسی سے تشبیہ دوں۔ آپ وہ تھیں یا نہیں' مجھے بغیر کسی تعارف کے یوں بے تکلف نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں معافی چاہتا ہوں۔'' اپنی پوری دیانتداری اور دل کی سچائی سے وہ بولا اور جیسے اس کا دل شانت ہو گیا۔

وہ اسی طرح اس کو دیکھتی رہی۔ تند و تیز نگاہوں سے۔ جیسے اس کے الفاظ کو تول رہی ہو۔ پھر رملی کو دیکھا اور گہری سانس لی۔ ''ہوں.... ٹھیک ہے۔ میں نے معذرت قبول کی۔ اور کچھ۔''

''میم' اگر آپ نے دعوت نامہ قبول نہیں کیا اور نیلامی پہ نہیں آئیں تو اس بچے کی نوکری چلی جائے گی۔ اس کو اس نوکری کی اشد ضرورت ہے اور مسز عصرہ اس کو معاف نہیں کریں گی۔'' دعوت نامہ کوٹ سے نکال کے رملی نے سامنے رکھا اور لجاجت سے بولا تو ایڈم کی آنکھوں میں جہاں حیرت ابھری وہاں اہانت کا احساس بھی ہلکورے لینے لگا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا' تالیہ نے تحکم سے کہا۔

''باس کو کال ملاؤ۔'' رملی نے فوراً فون لگایا اور بولا۔ ''سر.... بے تالیہ بات کرنا چاہتی ہیں۔'' اور فون تالیہ کو پیش کیا۔

''تالیہ مراد بات کر رہی ہوں۔ اوہ آپ؟ میں مسز عصرہ کی توقع کر رہی تھی۔'' وہ فون کان سے لگائے حیران ہوئی۔

''ایک ہی بات ہے۔ بے تالیہ۔'' وہ شائستگی سے جواباً کہہ رہا تھا۔ '' آپ عصرہ اور میری کلائنٹ نہیں' مہمان تھیں اور ہماری مہمان کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر ہماری مہمان نوازی ٹھکرا دے' یہ ہمارے خاندان کے لئے تکلیف کی بات ہے۔''

''میں خود بھی معذرت خواہ ہوں اشعر صاحب۔'' اس کو نرم پڑتا دیکھ کے رملی کی سانس بحال ہوئی۔ '' یہ تو بچہ ہے' بھول چوک میں کچھ بول گیا تو مجھے ہی بڑے پن کا ثبوت دینا چاہیے تھا۔ مگر آپ کے اس قدم نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔''

''گڈ۔ میں عصرہ کو آگاہ کر دوں گا کہ ان کی مہمان نے مہمان نوازی قبول کر لی۔''

''میں شکر گزار ہوں' سر!'' اور فون واپس کر دیا۔ پھر فرصت سے ان دونوں کو دیکھا۔ بالخصوص ایڈم کو۔

''بے فکر رہو۔ تمہاری نوکری نہیں جائے گی۔'' ادائے بے نیازی سے ہاتھ جھلا کے گویا تخلیہ کا اشارہ کیا تو ایڈم کے ابرو بھنچ گئے۔

''تھینک یو' مگر مجھے یہ نوکری مستقل کرنی ہی نہیں ہے۔ میں صرف گیارہ دن کے لیے متبادل کے طور پہ آیا ہوں' بے تالیہ۔'' رملی نے گڑبڑا کے اسے گھورا' مگر وہ اسی طرح تالیہ کی آنکھوں میں دیکھتا رہا (یہ وہی ہے۔ یہ آنکھیں.... ان کے تاثرات.... وہی ہیں۔)

اور وہ.... وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے ٹھہر سی گئی۔ دم بخود۔ ساکن.....

نگاہوں کے سامنے منظر بدلا.... ایک جھلی پہ گویا فلم سی چلنے لگی.....

رات کا سیاہ آسمان تھا.... چاند چمک رہا تھا.... پہاڑی کا راستہ دشوار گزار اور پتھریلا تھا.... اونچا نیچا.... اور وہ دونوں آگے پیچھے چل رہے تھے.... تالیہ آگے تھی.... ایڈم پیچھے تھا.... لباس اندھیرے کے باعث ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتا تھا.... بس تاریکی میں گویا دو ہیولے تھے جو اوپر چڑھتے جاتے تھے۔

''بے تالیہ....'' وہ پیچھے سے ہانپتا ہوا بولا تو تالیہ نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''کیا ایڈم!''

''آپ کیا کرنے جا رہی ہیں؟''

''میں ہم دونوں کو بہت امیر کرنے جا رہی ہوں ایڈم!'' وہ چلتے چلتے رک گیا۔

''کیسے؟'' وہ پلٹی اور چمکتی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''تاشہ کے خزانے سے جسے ہم دونوں کھود کے نکالیں گے۔''

''کیا؟'' وہ حیران رہ گیا۔

''کیا تم اب بھی نہیں سمجھے ایڈم کہ تاشہ نے اس دیوار پہ وہ نظم کیوں لکھی تھی؟'' وہ مسکرائی۔

''کیوں؟''

''تاکہ ایڈم اور تالیہ اس دیوار تک جائیں اور وہاں مدفن خزانے کے راز کو کھود نکالیں۔ ہم دنیا کے سب سے طاقتور لوگ بن جائیں گے' ایڈم۔''

''اور وان فاتح؟'' وہ پوچھ رہا تھا مگر تصویر دھندلی پڑتی گئی.....

''ہمیں اجازت!'' رملی کی آواز نے اسے حال میں واپس کھینچا تو وہ چونکی۔ بس لمحے بھر کا اثر تھا اور وہ سنبھل گئی۔ پھر دوبارہ ایڈم کو دیکھا۔ اب کی دفعہ نگاہ مختلف تھی۔ حیران۔ متحیر۔ وہ البتہ مرعوب ہو کر نظر جھکا چکا تھا' مبادا مزید کوئی مصیبت نہ گلے پڑ جائے۔

''ہوں!'' اس نے ہاتھ سے برخاست ہونے کا اشارہ کیا تو وہ دونوں پلٹ گئے۔

ان کے باہر نکلتے ہی داتن کمرے میں داخل ہوئی تو دیکھا' وہ سر دونوں ہاتھوں میں گرائے بیٹھی ہے۔ داتن نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھا۔ ''کیا وہ پولیس کو لینے گئے ہیں؟''

تالیہ نے ماتھے سے ہاتھ ہٹائے اور سر اٹھا کے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''داتن... ایک خزانہ ہے کہیں۔''

''میری پیاری بچی.. میں جانتی ہوں تم مجھے کسی خزانے سے کم نہیں سمجھتیں' مگر....''

''تم سے تو بات کرنا فضول ہے۔'' وہ جھنجھلا کے کھڑی ہوئی۔ تھوڑی دیر پہلے کی شاہزادیوں والی شان اب ندارد تھی۔

''میری بات سنو۔'' وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔ ''جاتے وقت ایڈم نے لابی میں لگی تمہاری تصاویر میں سے ایک کو چپکے سے موبائل پہ اتارا ہے' تالیہ۔''

''ظاہر ہے اس نے یہ کرنا تھا۔ اس کا حل ہے میرے پاس۔ تم فی الحال میرے ساتھ پلان بی کی تیاری کرواؤ۔'' وہ اس موٹی مرغی کو کندھوں سے پکڑ کے دھکیل کے باہر لے جانے لگی۔

رملی کار چلا رہا تھا اور ایڈم موبائل اسکرین کو اس کی نظروں سے بچا کے وہ تصویر غور سے دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں الجھن بھری گہری سوچ پنہاں تھی۔ (یہ وہی تھی۔ یا شاید نہیں تھی؟)

☆☆=========☆☆

کوالالمپور کی وہ تکون شیشوں سے ڈھکی عمارت بادلوں کو سر اٹھا کے دیکھ رہی تھی جو دھیرے دھیرے اس پہ قطرے ٹپکا رہے تھے۔ بوندا باندی کافی دیر سے جاری تھی۔ عمارت کے اندر پارٹی کے آفس فلور پہ معمول کی چہل پہل جاری تھی۔ راہداریوں میں پارٹی ورکر آ جا رہے تھے۔ کام چل رہا تھا۔ ایسے میں ایڈم فاتح کے آفس کے باہر بے کار سا بیٹھا تھا۔ سر جھکا اور چہرہ بجھا ہوا تھا۔ دفعتاً دروازہ کھلا تو وہ تیر کی طرح سیدھا ہوا۔

فاتح کوٹ پہنتے ہوئے باہر نکل رہا تھا' ساتھ میں چلتے شخص سے بات بھی کر رہا تھا۔ گرے سوٹ' سفید شرٹ' ٹائی' اور ہلکے گیلے بال جو وہ دائیں جانب کو سنوار کے پیچھے کرتا تھا.. اور اس پہ مسکراتا چہرہ.... کسی بات پہ ہلکا سا ہنس کے وہ ساتھ موجود شخص کو جواب دے رہا تھا.... وہ ایڈم کی طرف متوجہ نہیں تھا اور ایڈم صرف اس کی طرف متوجہ تھا۔ گزشتہ روز اس امیر زادی کے ہاں ماتھا ٹیکنے کی ساری کلفت دور ہونے لگی۔

وہ شخص آگے بڑھ گیا اور فاتح کوٹ کا کالر سامنے سے برابر کرتا مڑا تو ایڈم پہ نظر پڑی۔ ''ہاں ایڈم.... کیا حال ہے تمہارا؟'' آنکھوں میں

مسکراہٹ لئے نرمی سے پوچھا اور بٹن کو ہول میں ڈال کے بند کیا۔

''فٹ' سر!'' وہ تازہ دم سا ہو کے مسکرایا۔

''گڈ۔ مجھے پارلیمنٹ جانا ہے' اور مجھے کافی چاہیے۔ میرے کار میں پہنچنے تک لے آؤ ورنہ میں تمہارے بغیر جا رہا ہوں۔'' نرم لہجے سے بات شروع کر کے آخر میں تنبیہ کی اور مڑ گیا۔ ایڈم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ بے ساختہ اس نے دوسری جانب دوڑ لگائی تھی۔

بارش ٹپ ٹپ برس رہی تھی جب فاتح سڑک پہ کھڑی کار میں بیٹھتا دکھائی دے رہا تھا۔ ڈرائیور نے اوپر چھتری تان رکھی تھی۔ فاتح نے دروازہ بند ہی کیا تھا کہ اسی پل بھاگتا' اور بھیگتا ایڈم کھڑکی تک آیا اور ایک کافی گلاس جس میں اسٹرا لگا تھا فاتح کی طرف بڑھایا۔

اس نے گلاس پکڑا اور اپنی چمکدار آنکھیں اٹھا کے ایڈم کو دیکھا۔

''وان فاتح پارلیمنٹ سیشن میں ہمیشہ دو کپ کافی پیتا ہے۔''

''اسی لئے میں دو کپ لایا ہوں سر۔'' اس نے دوسرا ہاتھ اٹھا کے ایک اور گلاس دکھایا تو فاتح کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیلی۔ شیشہ اوپر کر دیا اور کپ لبوں سے لگائے اپنی کوئی فائل کھول کے دیکھنے لگا۔ ایڈم دوسرا گلاس پکڑے فرنٹ سیٹ پہ آ بیٹھا۔

بارش تیز ہو رہی تھی۔ کار سڑک پہ رواں دواں تھی اور وہ عینک ناک پہ جمائے اپنی فائل پڑھ رہا تھا۔

''میں کچھ....'' ایڈم نے پوچھتے پوچھتے شیشے میں دیکھا مگر اسے محو دیکھ کے چپ ہو گیا۔ ڈرائیور نے ایک ناگوار نظر ایڈم پہ ڈالی۔

''پوچھو ایڈم!'' فاتح نے آخری صفحہ پلٹایا اور فائل بند کر دی۔ پھر عینک اتار کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

''کیا پھر عبدالمطلب کو اللہ نے دس بیٹے دیے؟'' وہ اس دن کے ادھورے قصے کے بارے میں پوچھنے لگا۔

وہ عینک کے ہینڈل کا کونہ دانتوں میں دبائے اس کی بات سن کے مسکرایا۔ نظریں کھڑکی کے باہر جمی تھیں۔

''ایڈم انسان شدید تکلیف کی حالت میں اللہ سے جب کسی سودے کا وعدہ کر لیتا ہے تو آزمایا بھی جاتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ اس کی قسمت بدل جاتی ہے۔ وہ چیز اس کو پہلے بھی ملنی تھی مگر وعدے کے باعث وہ اس کی قوت ارادی کی آزمائش بن جاتی ہے۔''

''عبدالمطلب کی قوتِ ارادی کیسی تھی؟''

''میرے اور تمہارے سے بہتر تھی۔ اس وقت ان کا ایک ہی بیٹا تھا' پھر اللہ نے ان کو کئی بیٹے دیے۔ دس یا شاید اس سے بھی زیادہ۔ جب وہ جوان ہوئے اور اپنا بہترین ورژن بن گئے تو عبدالمطلب نے وعدہ نبھانے کا سوچا۔ وہ ہماری طرح اللہ کے لیے کم ترین نہیں دیتے تھے۔ بہترین دیتے تھے۔ سو انہوں نے قرعہ ڈالا اور وہ عبداللہ کے نام نکلا۔''

ایڈم نے چونک کے گردن موڑی۔ ''ہمارے رسول اللہ ﷺ کے والد کا؟''

''ہاں۔'' اس نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے گردن اثبات میں ہلائی۔ نظریں دور بھیگتے شہر پہ جمی تھیں۔ ''مگر عبداللہ کے ماموں وغیرہ آڑے آ گئے اور کہا کہ اس کو قربان نہیں ہونے دیں گے مگر عبدالمطلب وعدے کے سچے تھے۔ ایک آدمی جو اتنے برس ایک وعدے کے

ساتھ جیا ہو وہ خائن نہیں ہوتا۔'' وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ انگلی سے تھوڑی کو ذرا کھرچا۔ نظریں باہر ثبت تھیں۔

''تو کیا انہوں نے عبداللہ کو قربان کر دیا؟''

''نہیں۔ وہ ایک کاہنہ عورت کے پاس معاملہ لے گئے تو اس نے کہا کہ ایک پرچی پہ عبداللہ کا نام لکھو اور دوسری پہ دس اونٹ' پھر قرعہ نکالو۔ ایسا ہی کیا تو پھر سے عبداللہ کا نام نکلا۔ وہ بولی' اونٹ بڑھاتے جاؤ' یہاں تک کہ اللہ راضی ہو جائے۔ سو وہ لوگ اونٹوں کی تعداد بڑھاتے گئے۔ ہر دفعہ عبداللہ کا نام نکلتا یہاں تک کہ سو اونٹ کی پرچی ڈالی تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ سو عبدالمطلب نے گمان کیا کہ اللہ راضی ہے' اور سو اونٹ قربان کیے۔ عبداللہ کو بچا لیا گیا اور تب سے آج تک مسلمانوں میں ایک انسان کی دیت سو اونٹ مقرر ہے۔ تب ہی ہمارے رسول اللہ ﷺ خود کو دو ذبیحوں کی اولاد کہتے تھے۔''

''اسمٰعیل علیہ السلام اور عبداللہ جن کو ذبح ہونے سے بچا لیا گیا۔ صحیح!'' وہ سر ہلا کے سمجھتے ہوئے بولا تھا۔ پھر ٹھہرا۔ ونڈ اسکرین کے پار دیکھا جہاں بارش کے قطرے مسلسل گر رہے تھے اور وائپر زروانی سے چل رہے تھے۔

''مگر وعدہ تو پورا نہیں کیا عبدالمطلب نے۔ آخر میں کفارہ ہی دیا۔ پھر اتنے برس کے وعدے کا کیا فائدہ ہوا۔''

''اللہ تعالیٰ سے انسان فائدے نقصان کے لئے کمٹمنٹ نہیں کرتا۔ اپنے اور اللہ کے اعتبار کے تعلق کو مضبوط کرنے کے لئے کرتا ہے۔ ہم اللہ سے وعدے کر کے چند دن میں ہی انہیں توڑ دیتے ہیں مگر تمہیں ایڈم' عبدالمطلب کو یاد رکھنا چاہیے جنہوں نے کئی برس اپنے وعدے کو پال پوس کے جوان کیا۔ اگر تم اللہ سے کوئی وعدہ کر لیتے ہو اور مقررہ گھڑی کے قریب آنے پہ تمہارا دل کمزور پڑنے لگ جائے' تب بھی اس وعدے کو نبھانے کی کوشش کیا کرو۔ اللہ کو تم سے کوئی چیز چھین لینا مقصود نہیں ہے' وہ صرف تمہیں کھو دینے کے خوف اور پا لینے کے لالچ سے آزاد کر کے ایک مضبوط انسان بنانا چاہتا ہے۔ ہم اپنے وعدوں کو جتنا زیادہ نبھائیں گے' اتنے ہی مضبوط بنیں گے۔ اور آخر میں اللہ خود ہی کوئی راہ نکال کے ہمیں ہماری محبوب شے لوٹا دے گا۔ عبدالمطلب کو مضبوط بننے کے لئے دس بیٹے چاہیے تھے۔ لیکن کیا تمہیں نہیں لگتا ایڈم کہ ان کو دس بیٹوں سے زیادہ ان کے وعدوں نے مضبوط کیا تھا؟'' کہہ کے اس نے گلاس لبوں سے لگایا' کافی کا آخری گھونٹ اندر انڈیلا اور گلاس سائیڈ بن میں ڈال دیا۔ ایڈم نے جواب دینے کی بجائے دوسرا گلاس اس کی طرف بڑھایا' جسے اس نے تھاما' ہونٹوں تک لے کر گیا' پھر ذرا اوپر کیا۔ خوشبو اندر اتاری اور چونک کے فرنٹ سیٹ کی طرف دیکھا۔

''یہ میری کافی نہیں ہے۔ شاید یہ تم اپنے لئے لائے تھے۔'' اور بغیر پیئے گلاس آگے بنے اسٹینڈ میں اٹکا دیا۔ ایڈم نے سخت شرمندگی سے آنکھیں میچ لیں۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اب اس گلاس کو اٹھاتا۔

فاتح اسی طرح کھڑکی سے باہر دور تک پھیلی عمارتوں کو دیکھتا رہا جو بارش میں بھیگے چلی جا رہی تھیں۔

☆☆=========☆☆

پارلیمنٹ ہاؤس وسیع و عریض اور روشنیوں سے منور تھا۔ دور دور تک ممبران کے ڈیسک اور کرسیاں بچھی تھیں جن پہ ان کی فائلز' مائیک

وغیرہ سجے تھے۔ مرکزی چبوترے پہ اونچی کرسی پہ اسمبلی کا سپیکر بیٹھا تھا اور عینک ناک پہ جمائے' نیچے کھڑے تقریر کرتے ممبر کو دیکھ رہا تھا۔

ہال کے اوپر.... کافی اوپر بالکونی بنی تھی۔ وہاں سینما گھروں کی طرف کرسیاں اوپر تک لگی تھیں جہاں لوگ بیٹھ کے پارلیمنٹ کی کارروائی دیکھتے تھے۔ عموماً لوگ کرسیوں پہ بیٹھے ہوتے تھے' مگر وہ گیلری میں ریلنگ کے ساتھ کھڑی نیچے دیکھ رہی تھی۔ سنہرے بال فرنچ چوٹی میں گوندھے' وہ سیاہ اسکرٹ اور سفید بلاؤز کے اوپر سیاہ منی کوٹ پہنے ہوئے تھی' اور سر پہ ترچھا کر کے سفید ہیٹ رکھا ہوا تھا۔ سفید گلابی چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

نیچے ممبران معمول کے انداز میں بیٹھے تھے۔ کچھ آپس میں بات کر رہے تھے' کچھ اپنے لیپ ٹاپس پہ ٹائپ کر رہے تھے' اور زیادہ تر تقریر کرتے فاتح کو سن رہے تھے۔ تالیہ یہاں سے اس کی پشت دیکھ سکتی تھی۔ وہ اپنی جگہ پہ کھڑا' اسپیکر کی طرف رخ کیے بات جاری رکھے ہوئے تھا۔

''مجھے آج افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ ملے پارلیمنٹ نے میرا ایجوکیشن بل نامنظور کر دیا ہے۔ تو ان اسپیکر (جناب اسپیکر)' ہم اس بل کے ذریعے تعلیمی شعبے میں وہ اصلاحات متعارف کروانا چاہتے تھے جو....''

تالیہ بور سی ہو کے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ قانون سازی کی خشک باتوں سے اسے دلچسپی نہ تھی۔ وہ دوسرے مقصد کے لئے آئی تھی۔ گردن آگے پیچھے گھمائی تو ٹھہری۔ فاصلے پہ ایڈم کھڑا تھا۔ توجہ سے تقریر کرتے وان فاتح کا ایک ایک لفظ سنتا ہوا۔ وہ بور نہیں ہو رہا تھا۔

وہ نامحسوس طریقے سے اس کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ جانے کس احساس کے تحت ایڈم نے یونہی گردن موڑی تو اسے دیکھ کے چونکا۔

''آپ یہاں؟'' تالیہ چونکی۔ پھر اسے دیکھ کے مشکوک نظر آنے لگی۔

''تم میرا پیچھا تو نہیں کر رہے؟ اور بعد میں اس پہ معافی مانگ لو گے؟''

''نہیں نہیں....'' وہ شرمندگی سے وضاحت کرنے لگا۔ ''میں تو وان فاتح کے ساتھ آیا ہوں۔''

''ہوں!'' وہ کروفر سے ہنکارا بھر کے گردن واپس موڑ گئی اور سنجیدگی سے نیچے دیکھنے لگی۔ البتہ ایڈم کا دھیان بٹ چکا تھا۔

''آپ یہاں کیسے؟''

''اشعر صاحب کہاں ہیں؟'' وہ نیچے دیکھتے ہوئے خشکی سے بولی۔

''وہ نیچے بیٹھے ہیں۔ وان فاتح کے پیچھے۔ کیا آپ ان سے ملنا چاہتی ہیں۔''

''ہوں۔'' اس نے بے چینی سے گھڑی دیکھی۔

''ابھی لنچ بریک ہوگی تو میں آپ کو ان کے پاس لے جاؤں گا۔ وہ اسی راستے سے باہر نکلیں گے۔'' وہ اشارہ کر کے سمجھانے لگا' پھر ایک غیر آرام دہ نظر اس پہ ڈالی۔ ''آپ نیلامی پہ آئیں گی نا۔'' اسے دیکھ کے اندیشہ سا ہوا کہ پھر کوئی گڑبڑ نہ کر دے۔

"ظاہر ہے بچے۔ میں نے کل کہا تھا نا' میں نے تمہیں معاف کیا۔"

"مگر میں نے آپ کو بدصورت نہیں کہا تھا۔ پلیز مجھے وضاحت کرنے دیں۔ میں نے آپ کی شکل کی ایک لڑکی دیکھی تھی کسی کے گھر' میں سمجھا وہ آپ ہیں۔"

تالیہ پوری اس کی طرف گھومی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ "تو کیا وہ میں ہوں؟"

ایڈم اس کی نظروں کی تاب نہ لا سکا۔ بس ایک نظر انہیں دیکھا اور شک وشبہ رفع ہونے لگا۔ یہ وہ نہیں تھی۔ اس نوکرانی کی تو شکل بھی اب اسے بھولتی جا رہی تھی۔

"نہیں۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ سوری۔" سچائی سے اس نے نظریں جھکا کے اعتراف کیا۔

"دلچسپ بات یہ ہے جناب اسپیکر کہ اس وقت اسمبلی میں آدھے سے زیادہ لوگ میری بات کو غیر اہم جان کے صرف لنچ بریک کا انتظار کر رہے ہیں۔ باقی آدھے سو رہے ہیں۔" اس نے ایک دم تقریر کا کاغذ ڈیسک پہ پٹخا اور اونچی آواز میں بولا تو وہ دونوں چونک کے متوجہ ہوئے۔ ہال میں چلتی سرگوشیوں میں کمی آئی۔ سناٹا چھانے لگا۔

وان فاتح اپنی جگہ پہ کھڑا' اسپیکر کو دیکھ کے دبے دبے غصے سے بول رہا تھا۔ گرے سوٹ' اور دائیں طرف کو پیچھے کر کے جمائے بالوں کے برعکس اس کی آواز آج قابو میں نہیں لگ رہی تھی۔

"کیونکہ ان کو تعلیم کی باتیں بورنگ لگتی ہیں۔ کیونکہ ان باتوں کا رزلٹ اگلے الیکشن تک نہیں ملتا۔ مگر اونچی عمارتوں اور لمبی سڑکوں کا مل جاتا ہے۔ شہر میں نئے پھول لگانے اور نئے پارک بنانے کا بھی مل جاتا ہے۔ سیاستدان ہمیشہ اگلے الیکشن کا سوچتا ہے' مگر لیڈر اگلی نسل کا سوچا کرتا ہے' سر! وان فاتح یہ بل اس لئے پاس کروانا چاہتا تھا کیونکہ وان فاتح اس وقت کا بھی سوچ رہا تھا جب وہ خود مر چکا ہو گا مگر ملائیشیا کے بچے آج سے زیادہ مشکل حالات میں ہوں گے۔" اس نے بلند آواز میں کہتے ہوئے جھک کے ڈیسک دو دفعہ بجایا تو سارے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ اشعر خاموشی سے پیچھے بیٹھا سن رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں وزیر اعظم صاحبہ کی پارٹی میں سے نہیں ہوں!" اس نے ہاتھ اٹھا کے کافی فاصلے پہ اگلی قطار میں بیٹھی خاتون کی طرف اشارہ کیا۔ تالیہ نے گردن اونچی کی۔ سفید اسکارف اوڑھے وزیر اعظم فرنٹ پہ بیٹھی تھی اور یہاں سے اس کی پشت دکھائی دیتی تھی۔ "مگر میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بچے میرے اور ان کے' ہم سب کے نہیں تھے؟ کیا ہم مل کے سیاسی اختلافات کو بھلا کے اپنے بچوں کے لئے ایک پلیٹ فارم پہ اکٹھے نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر نہیں۔ صرف اس لئے کہ وان فاتح نے تعلیم کے نام پہ ووٹ لیا ہے' میڈم وزیر اعظم نے میرے وعدے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے اس بل کو نا منظور کروایا۔ مگر مجھے آپ کو وعدوں کے متعلق ایک بات بتانے دیجئے۔" وہ برہمی سے اونچی آواز میں کہہ رہا تھا۔ نظریں وزیر اعظم کی کرسی پہ تھیں جس نے مڑ کے اسے دیکھا تک نہیں۔ بنا اثر لیے سامنے دیکھتی رہی۔

"چونکہ وزیر اعظم صاحبہ کو وعدے پورے کرنے کی عادت نہیں ہے' اور وہ ہمیشہ لینے پہ یقین رکھتی ہیں' دینے پہ نہیں اس لئے وہ اس بات

سے ناواقف ہیں کہ کچھ لوگ اپنے وعدوں کی پاسداری کے لئے اپنی قیمتی متاع کو بھی ذبح کر دیتے ہیں' اور آپ کے لئے بری خبر یہ ہے کہ وان فاتح ایسے ہی لوگوں میں سے ایک ہے۔ مجھے کہا جاتا ہے کہ میں اکیلا رہ گیا ہوں' میری پارٹی تک میرے ساتھ نہیں کھڑی۔ جیسے وان فاتح کو اس بات کی بہت فکر ہے کہ وہ اکیلا رہ گیا تو کیا ہو گا۔ اگر میرے اوپر ایسا وقت آیا کہ ملے قوم میں سے صرف ایک شخص بھی میرے ساتھ کھڑا ہو' میں تب بھی اپنا وعدہ پورا کروں گا' میں اس ایک شخص کا بھی لیڈر رہوں گا۔ اور یاد رکھیے گا میڈم' میں پھر سے اس بل کا ڈرافٹ تیار کروں گا اور اب کی بار.... میں.... اس بل کو.... آپ کے.... حلق سے.... نیچے اتاروں گا! اور آپ مجھے بے بسی سے ایسا کرتے دیکھیں گی۔'' کہہ کے اس نے زور سے ڈیسک پہ ہاتھ مارا۔ چہرہ جذبات کی حدت سے سرخ پڑ رہا تھا۔ پھر ٹائی کو ڈھیلے کرتے وہ واپس کرسی پہ بیٹھا تو اوپر گیلری سے جہاں تالیاں گونجنے لگیں' وہیں ہال میں بیٹھے اس پارٹی کے چند ارکان ڈیسک بجانے لگے۔ (اسمبلی میں بیٹھ کے ڈیسک بجانے کا مطلب تعریف اور کھڑے ہو کے بجانے کا مطلب احتجاج ہوتا ہے۔) حکومتی ارکان البتہ خاموش بیٹھے رہے۔

اور وہ دونوں بھی اوپر بالکل خاموش سے کھڑے تھے۔ ایڈم گم صم سا تھا اور وہ یک ٹک اس آدمی کو دیکھ رہی تھی جو اب ٹیک لگا کے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے کرسی پہ بیٹھ چکا تھا۔ قریب بیٹھے افراد نے آگے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کے اس کا کندھا تھپتھپایا تھا۔ کسی نے پانی کی بوتل آگے بڑھائی جو اس نے تھام کے لبوں سے لگا لی۔

چند منٹ بعد وہ نیچے راہداری میں ایڈم کے ساتھ کھڑی تھی۔ گارڈز بھی ساتھ ہی کھڑے تھے۔ دفعتاً لفٹ کے دروازے کھلے اور.... چند افراد باہر نکلے۔ آگے وہ دونوں تھے۔ اشعر اور.... تالیہ کے دل کی دھڑکن مس ہوئی.... وان فاتح۔

وہ اب قطعاً غصے میں نہیں لگ رہا تھا' مسکرا کے اشعر کی بات سن رہا تھا جو خوشگوار انداز میں اس کے قریب جھکے کچھ کہہ رہا تھا کہ اس کی نظر تالیہ پہ پڑی۔ آنکھوں میں حیرت اتری۔ اس نے ہلکے سے فاتح کی کہنی کو چھو کے کچھ کہا تو فاتح نے نظر اٹھا کے اس طرف دیکھا۔ پھر وہ دونوں چند قدم آگے آئے۔ تالیہ کو لمحے بھر کے لیے اپنا سارا اعتماد ہوا ہوتا محسوس ہوا۔ بے اختیار نظریں فاتح پہ جمی تھیں۔

''تالیہ! آپ یہاں؟'' اشعر نے کہتے ہوئے ایڈم کو دیکھا تو ذرا سا چونکا۔ ''کیا وہ بات ختم نہیں ہوئی۔''

''مجھے شرمندہ مت کریں' اشعر صاحب۔'' پھر فاتح کو دیکھ کر ادب سے سر کو خم دیا۔ ''وان فاتح!'' اس نے جواباً دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ سر کو جنبش دی اور کلائی کی گھڑی دیکھی۔ اسے جانا تھا۔ اس کے عجلت بھرے انداز نے تالیہ کو بے چین کیا۔ جلدی سے بولی۔

''میں اشعر صاحب سے بات کرنے آئی تھی مگر آپ کی تقریر.... بہت اچھی تھی۔ میں ایک ایک لفظ سے اتفاق کرتی ہوں۔ لیکن....'' وہ ٹھہری تو فاتح جو غالباً آگے بڑھنا چاہتا تھا' رک کے اسے دیکھنے لگا۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔ ''لیکن؟''

''میں نہیں مان سکتی کہ کبھی آپ پہ ایسا وقت آ سکتا ہے کہ آپ کے ساتھ ملے قوم میں سے سوائے ایک کے کوئی نہ کھڑا ہو' لیکن اگر کبھی ایسا وقت آیا تو میں اپنی پوری سچائی سے کہتی ہوں کہ میں وہ ایک شخص ضرور ہوں گی۔''

''میں بھی!'' ایڈم نے زیرِ لب کہا تھا۔

''تھینک یو تاشہ!'' وہ تکلفاً مسکرایا' جیسے اسے اس بات سے فرق نہ پڑا ہو۔ وہ ان باتوں کا عادی تھا۔

''تالیہ.....ان کا نام تالیہ ہے۔'' اشعر نے کھنکھار کے تصحیح کی۔ پھر ایک گہری نظر تالیہ پہ ڈالی۔ وہ گردوپیش سے بے نیاز فاتح کو دیکھے جا رہی تھی۔ اشعر کی پیشانی پہ ہلکی سی شکن ابھری۔

''صحیح.....صحیح...تالیہ....'' اس نے پیشانی چھوئی۔ ''میری بیوی شکر ہے یہاں نہیں ہے' ورنہ اس کو خفا ہونے کے لئے ایک اور وجہ مل جاتی ۔'' وہ جھرجھری لے کر ہلکا سا ہنسا۔ پھر گھڑی دیکھی اور اشعر کی طرف متوجہ ہوا۔ ''میں کار میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

''مجھے.....ایک بات کرنی تھی۔'' وہ جلدی سے بولی مگر وہ نہیں رکا اور آگے بڑھ گیا۔ اس کے گارڈز اور ایڈم اس کے ساتھ ہو لیے۔ تالیہ کی رنگت بجھی۔ تو اشعر مسکرا کے آگے ہوا' اور حوصلہ افزا انداز میں کہا۔ ''آبنگ کو دل رکھنے کی عادت نہیں ہے۔ وہ ہماری دنیا کے انسان نہیں ہیں۔ مگر آپ کہیے۔ میں سن رہا ہوں۔'' مگر تالیہ کا چہرہ بجھا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

''میں گھائل غزال میں انٹرسٹڈ ہوں۔''

''اور؟''

''میں صرف یہ چاہتی تھی کہ مسز عصرہ سے ذاتی طور پہ مل لوں۔ گیلری سے ہٹ کے مگر.....'' ایک اداس نظر اس طرف ڈالی جہاں وہ اپنے گارڈز کے ساتھ جاتا دکھائی دیا تھا۔ ''شاید مسز فاتح یوں ہر ایک سے نہیں مل لیتیں۔'' وہ جیسے ہرٹ ہوئی تھی۔

''وہ ہر ایک سے واقعی نہیں مل لیتیں لیکن میرا نہیں خیال کہ وہ آپ کو ہر ایک کی **کیٹیگری** میں رکھتی ہیں۔'' وہ چونک کے اشعر کو دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں امید جاگی۔ ''کیا یہ ممکن ہے؟''

''جی یہ ممکن ہے۔ آج رات آپ میرے اور عصرہ کے ساتھ ان کے گھر ڈنر کیجئے گا۔ وہیں آپ پینٹنگ کی بات کر لیجئے گا۔ آپ یقیناً یہ چاہتی ہیں کہ کاکا اس کو نیلامی پہ نہ رکھیں۔'' ابرو اٹھا کے سوال کیا گویا اس کا چہرہ پڑھ رہا ہو۔ دونوں ابھی تک راہداری میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''جی۔ نیلامی پہ مجھے ڈر ہے کہ وہ میرے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ میں زیادہ قیمت دے کر بھی اس کو اپنے لیے پہلے سے بک کرنا چاہتی ہوں۔ مسز عصرہ واقعی میری بات رک کے سنیں گی نا؟'' وہ آس سے بولی جیسے ابھی بھی خوفزدہ ہو کہ اشعر اپنا ذہن بدل نہ لے۔

''کاکا آبنگ جیسی نہیں ہیں بچے تالیہ۔ وہ آپ سے مل کے بہت خوش ہوں گی۔ ہاں لیکن میں یہ وعدہ نہیں کر سکتا کہ وہ پینٹنگ نیلامی سے نکالنے پہ راضی ہو جائیں گی۔'' اس بات پہ وہ مسکرائی۔

''اور اگر میں کوئی ایسی سفارش لے آؤں جس کو وہ رد نہ کر سکیں تو؟''

اشعر ہلکا سا چونک کے اسے دیکھنے لگا' پھر مسکرایا۔ ''آپ سفارش لائیں' ہم دیکھ لیں گے۔ مجھے اجازت!'' تالیہ نے مسکرا کے سر ہلایا اور ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ آگے بڑھا تو اس کے منتظر گارڈز بھی ساتھ چلتے گئے۔

''تو اس نے تمہیں گھر بلایا ڈنر پہ؟'' کار میں بیٹھتے ہی داتن نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ تالیہ اطمینان سے بیٹھی اور دروازہ بند کر کے سیٹ بیلٹ پہننے لگی۔

''کیسے نہ بلاتا۔ مجھے پتہ تھا وان فاتح نے مجھے گھاس نہیں ڈالنی اور اشعر ٹھہرا خوش اخلاق۔ مجھے ''ہرٹ'' دیکھ کے مداوا کرتے ہوئے ڈنر پہ بلا لے گا۔ سب پلان کے مطابق ہو رہا ہے۔'' ہیٹ اتار کے اس نے پچھلی سیٹ پہ ڈالا۔

''کل دعوت نامہ بھی اشعر نے بھیجا تھا۔ اب یہ دعوت بھی اشعر نے کر ڈالی۔ یہ تم میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہے۔'' داتن کار اسٹارٹ کرتے ہوئے تھوڑی کھٹکی تھی۔

''کیونکہ میں اس کی بہن کے کاروبار کے لئے منافع بخش ثابت ہو سکتی ہوں۔''

''اشعر جیسے سیاست دانوں کو گلیمرس بیوی کی تلاش ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ مزید پاپولر ہو جائیں۔''

''اسے لڑکیوں کی کیا کمی ہے داتن؟ وہ صرف اپنی بہن کے لیے کر رہا ہے یہ۔'' وہ شانے اچکا کے بے نیازی سے بولی تو داتن خاموش ہو گئی۔

''فاتح مجھے تاشہ کہتا ہے.... یہ تاشہ کون ہے؟'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے سوچ میں ڈوبی بولی تھی۔

''تمہارے پاس ایک شناختی کارڈ ساشا کے نام کا ہے نا۔''

''او ہو کتنی دفعہ بتاؤں موٹی مرغی' اس نے ساشا نہیں کہا' تاشہ کہا ہے۔ میں نے اس دن ایک وژن دیکھا تھا کہ ایڈم اور میں کسی تاشہ کے خزانے کو تلاش کر رہے ہیں۔ کوئی خزانہ ہے داتن.....اور کوئی تاشہ کی نظم جس سے مجھے وہ خزانہ ڈھونڈنا ہے۔''

''تو پھر انتظار کرو۔ تمہارے خواب تمہیں راستہ دکھا ہی دیں گے۔ فی الحال ڈنر کا سوچو۔''

''رائٹ!'' وہ سر جھٹک کے سیدھی ہوئی اور گہری سانس اندر اتاری۔ ''ہمارے پاس آج رات تک کا وقت ہے۔ ڈنر پہ مجھے عصرہ کے سامنے نقلی پینٹنگ کی اصلیت کھولنی ہے اور اس شخص کا پردہ بھی چاک کرنا ہے جو عصرہ کو دھوکہ دے رہا ہے۔ وہ کون ہے' اس کو ہم نے شام سے پہلے ڈھونڈنا ہے۔ یہاں سے رائٹ لے لو۔ ہمیں ابھی گیلری کی طرف جانا ہے۔ وقت نہیں ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی اور ساتھ میں چھوٹا آئینہ نکال کے چہرے کے سامنے کیے لپ اسٹک گہری کرنے لگی۔

☆☆=========☆☆

واپس پارلیمنٹ ہاؤس کے باہر آؤ تو پارکنگ میں کار کھڑی تھی اور دروازہ کھلا تھا۔ اندر بیٹھا فاتح موبائل پہ میلز چیک کر رہا تھا' اور غالباً اشعر کا انتظار بھی۔ اشعر پارکنگ کے سرے پہ کھڑا رملی کی بات توجہ سے سن رہا تھا۔

''تمام معلومات اکٹھی کی ہیں۔ وہ واقعی اتنی ہی امیر ہے جتنی نظر آتی ہے۔'' وہ دبے دبے جوش سے بتا رہا تھا۔ ''چند معروف کمپنیز میں اس کے شیئرز ہیں۔ باپ عرصہ ہوا مر کھپ گیا تھا' تب سے ساری دولت کی بلاشرکتِ غیرے مالک رہی ہے۔ کئی سال امریکہ میں رہی'

وہیں پلی بڑھی' تین سال ہوئے کے ایل آئی ہے۔ پارٹیز اور آرٹ کی خدمت بس یہی کام کرتی ہے۔ ریکارڈ بالکل صاف ہے۔ ایک چالان تک نہیں ہوا آج تک۔" پھر وہ ٹھہرا۔ اشعر جو مسکرا کے سن رہا تھا' اس کے وقفے پہ قدرے بدمزہ ہوا۔

"تمہاری ٹون سے لگتا ہے تم "مگر" کہنے والے ہو۔"

"نہیں سوری سر' مگر میں یہ سوچ رہا تھا کہ جس کا بھی بیک گراؤنڈ ڈیٹا اکٹھا کروں اس کے دامن کا کوئی نہ کوئی دھبا ضرور مل جاتا ہے۔ ایک پارکنگ ٹکٹ ہی سہی۔ ڈرنک ڈرائیونگ کا ایک ایکسیڈنٹ ہی سہی مگر یہ لڑکی بالکل صاف ہے۔ کچھ زیادہ ہی صاف ہے۔"

"بہت سے لوگ صاف ہوتے ہیں رملی۔ بےکار کی باتیں نہ سوچا کرو۔" وہ اکتا کے بولا اور کار کی طرف بڑھ گیا۔ اندر بیٹھتے ہی وہ قدرے درشتی سے فاتح سے مخاطب ہوا تھا۔

"وہ کاکا کے لیے بہت منافع بخش ڈونر ثابت ہو سکتی ہے۔ بھائی آپ کو اس کو تھوڑا سا وقت دینا چاہیے تھا۔"

وہ جو عینک ناک پہ جمائے موبائل دیکھ رہا تھا' اسی طرح سر جھکائے بولا۔ "کاکا کا بہانہ نہ کرو ایش۔ تمہیں وہ لڑکی پسند آگئی ہے۔ اس لیے تم اس پہ جتنا چاہے وقت ضائع کرو' میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔"

اشعر نے فوراً سامنے بیٹھے ڈرائیور اور ایڈم کو دیکھا اور پھر برہم سی خاموشی سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

☆☆=========☆☆

کوالالمپور کی وہ چوڑی سڑک درختوں سے گھری تھی۔ دونوں اطراف میں دو تین منزلہ اونچی لکڑی کی عمارتیں بنی تھیں۔ کسی زمانے میں یہ گھر تھے مگر اب ان کو تراش خراش کے بعد آرٹ گیلریز' ریسٹورانٹس اور ڈیزائنر شاپس میں ڈھال دیا گیا تھا۔ سرسبز درختوں کے پسِ منظر میں بھوری لکڑی کی اونچی شاپس بہت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ عصرہ کی آرٹ گیلری بھی ان کے وسط میں کھڑی تھی۔

گیلری کے بالکل سامنے سڑک پہ ایک پولیس کار آرکی' دروازے کھلے اور اندر سے وہ دونوں باہر نکلیں۔ تالیہ نے فرانسیسی جوڑا بنا کے سن گلاسز پہن رکھی تھیں۔ ہونٹوں پہ بھوری لپ اسٹک لگائے سیاہ کوٹ پہنے وہ سخت گیری آفیسر معلوم ہوتی تھی۔ جبکہ داتن پولیس کے یونیفارم میں ملبوس تھی۔

تالیہ اعتماد سے آگے چلتی' ماتھے پہ بل ڈالے گیلری کے مقابل شاپ میں داخل ہوئی جو ایک کپڑوں کا بوتیک تھا۔

"ساشا کمال... اے ایس پی رائل ملیشیا پولیس۔" وہ بیج کارڈ لہراتی ریسیپشن پہ آئی اور ایک کہنی کاؤنٹر پہ رکھی۔ "اور یہ انسپکٹر صوفیہ ہیں۔" سنجیدہ خشک انداز میں داتن کا تعارف کروایا۔

کاؤنٹر والا لڑکا سیدھا کھڑا ہو گیا۔ "جی آفیسر... کیا ہوا؟"

"ذی روم میں ایک قتل ہو گیا ہے۔ ہائی پروفائل۔ مجھے تمہارا سی ٹی وی ریکارڈ دیکھنا ہے۔" کروفر سے کہہ کر اس نے ہاتھ جھلایا اور جھک کے کاؤنٹر کی مانیٹر اسکرین اپنی جانب موڑی۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' مینیجر سامنے سے چلتا آیا تو دونوں پولیس آفیسرز نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ مینیجر ناخوش لگتا تھا۔ کبھی ان کو دیکھتا کبھی گاہکوں کو جو مڑ مڑ کے اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ تالیہ اسے نظر انداز کر کے واپس لڑکے کی طرف مڑی۔

''مصوفیہ تمام عملے سے پوچھ گچھ کریں گی' تم مجھے کل کی فوٹیجز نکال کے دو۔'' تحکم سے وہ بولی مگر اس سے پہلے کہ لڑکا کمپیوٹر پہ جھکتا' مینیجر سر پہ پہنچ چکا تھا۔ اس کے چہرے پہ ناگواری تھی۔

''وارنٹ ہے آپ کے پاس؟''

''آپ کے خیال میں میں وارنٹ کے لیے کورٹ کے چکر لگاتی رہوں اور قاتلوں کو بھاگ جانے دوں؟''

''کون سا قتل ہوا ہے یہاں؟ کمال ہے ہمیں خبر بھی نہیں ہوئی۔''

''پھر دعا کرو کہ تمہارے عملے کا تعلق نہ نکل آئے جرم سے' ورنہ سارے زمانے کو خبر ہو جائے گی۔ فوٹیجز نکالو یار' کیا کر رہے ہو۔'' لڑکے کو جھڑکا تو وہ فوراً کی بورڈ پہ بٹن دبانے لگا۔ مینیجر نے چبھتی ہوئی آنکھوں سے باری باری دونوں کا جائزہ لیا۔

''کون سے تھانے سے ہیں آپ؟''

''تن ایچ ایس لی پولیس اسٹیشن۔'' پیچھے کھڑی داتن روکھے انداز میں بولی تھی۔

''اچھا۔ میرا کزن بھی وہاں کام کرتا ہے۔ کبھی آپ کا ذکر نہیں کیا اس نے سا شا کمال صاحبہ۔''

''کیا نام ہے آپ کے کزن کا؟'' وہ پرسکون رہی۔ بے نیاز اور اکتائی ہوئی۔

''نصر اللہ پترا۔ سب انسپکٹر ہے۔''

تالیہ نے بے زاری سے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے کہ داتن تالیہ کے برابر آئی۔ ''نصر اللہ پترا تو دو سال پہلے کار ایکسیڈنٹ میں فوت نہیں ہو چکا؟ اس کی روح نے آ کر اگر تمہیں میڈم کے بارے میں خبر نہیں دی تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔'' سیاہ موٹی عورت اسے گھور کر چبا چبا کے کہتی دو تین قدم مزید قریب آئی تو مینیجر کے تاثرات بدلے۔ وہ پیچھے ہٹا۔

''اگر تم جیسے mysognist مرد عورتوں کو وردی میں برداشت نہیں کر سکتے اور چاہتے ہو کہ ہمارے تھانے فون کرو تو ملاؤ فون۔ اچھا ہے آج سارا دن پولیس کی گاڑیاں تمہارے اسٹور کے باہر کھڑی رہیں تاکہ گاہک ادھر آنے کی زحمت نہ کریں۔'' موٹی ایک ایک حرف تپش سے ادا کرتی گھورتے ہوئے آگے آ رہی تھی اور مینیجر پیچھے ہٹ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی کلفت اور شک سب زائل ہو چکا تھا۔

''اب ہم تھانے سے کسی مرد آفیسر کو بلا کے لائیں گے یا تم لوگوں نے تعاون کرنا ہے؟'' تالیہ برہمی سے بولی۔

''لگاؤ....ان کو کیا دیکھنا ہے....شاباش دکھاؤ۔'' وہ لڑکے کی طرف گھوما تو وہ لیس باس کہتا جلدی جلدی مطلوبہ فوٹیج لگانے لگا۔ تالیہ نے بدقت مسکراہٹ دبائے فلیش ڈرائیو اس کی طرف بڑھائی۔

باہر پولیس کار میں بیٹھتے ساتھ ہی وہ داتن کی طرف گھومی تھی۔ ''تمہیں کیسے پتہ کہ اس کا کزن مر چکا ہے۔''

داتن نے جواب میں شاہانہ بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ ''میں کردار میں خود کو اچھے سے ڈھالتی ہوں تالیہ۔ جس تھانے کی آفیسر کا رول کر رہی ہوں اس کے بیس سال کا ریکارڈ میرے زرخیز ذہن میں محفوظ ہوتا ہے۔ ایک ایک شخص کا نام' ایک ایک کیس کا نمبر۔''

''واؤ داتن!'' وہ بے حد متاثر ہو کے بولی۔ ''میں کتنی امپریسڈ ہوں تم سوچ نہیں سکتیں۔ اتنی ذہین اور باکمال گرفنڈ کا ساتھ میرے لئے کتنے فخر کی بات ہے۔ کاش میں بھی تم جتنی ذہین ہوتی۔'' آخر میں افسوس سے بولی تو داتن کے سیاہ گالوں میں سرخی گھلی۔ وہ شرمانے کے ساتھ حیران بھی ہوئی۔

''سچ؟''

''ہرگز نہیں۔'' وہ چیخ کے بولی۔ ''کیونکہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم جب بھی پولیس والی کا رول کرتی ہو تو کان میں لگے اس آلے سے....(اس کے کان سے ٹکڑا کھینچ نکالا) بروقت اپنی پولیس والی دوست سے آن لائن رابطے میں رہتی ہو' تاکہ ادھر کوئی کسی کا نام لے' ادھر تمہاری دوست تمہیں کان میں خبر کر دے۔ ہونہہ۔'' آلہ اس کی مٹھی میں پٹخا۔ لیکن داتن ذرا بھی شرمندہ نہ ہوئی۔

''یہ بھی آرٹ کی ہی ایک قسم ہے۔''

''اور اسے شارٹ کٹ کہتے ہیں۔''

داتن نے افسوس سے اسے دیکھا اور کار اسٹارٹ کی۔ ''دل دکھانے والوں کا قیامت کے دن الگ سے حساب ہوگا' تالیہ۔''

''اس سے پہلے دنیا کی آدھی آبادی کا کھانا کھا جانے والوں کا ہوگا۔'' سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس نے لیپ ٹاپ کھولا اور فلیش اس میں لگائی۔ اسکرین ذرا سیدھی کی اور گردن جھکا کے غور سے دیکھا۔ 'مسز عصرہ نے کہا تھا کہ میرے آنے سے پہلے عرب شیخ نے آ کر پینٹنگ ان کو دی۔ یہ دیکھو' یہ میں جا رہی ہوں شاپ میں۔'' وہ ویڈیو کو پیچھے کر رہی تھی جو اسٹور کے بیرونی کیمرے سے لی گئی تھی اور اس میں گیلری میں جاتے لوگ صاف دکھائی دے رہے تھے کیونکہ اسٹور اور گیلری آمنے سامنے تھے۔

''اوہ۔ یہ ہے وہ عرب شیخ جس نے مسز عصرہ کو پینٹنگ دی۔ اس کے گارڈز پینٹنگ کا باکس اٹھا کے اندر لے جا رہے ہیں۔ اسے پہچانتی ہو؟'' اس نے اسکرین کا رخ داتن کی طرف موڑا۔ اس نے ڈرائیو کرتے ہوئے ایک نظر ڈالی۔

''نہیں۔ کون ہے یہ؟''

''یہ نوفل ہے۔ شیخ جاسم کا ملازم جس سے ہم نے پینٹنگ چرائی تھی مگر یہاں تو یہ بڑے اچھے کپڑے جوتے پہن کے آیا ہے۔ ڈیزائنر گلاسز۔ واہ۔ شیخ بننے کی اداکاری کر رہا ہے۔''

''تمہیں اس کی ابھی تک شکل یاد ہے؟'' جواب میں تالیہ نے ایک سلگتی نظر اس پہ ڈالی۔ ''بدقسمتی سے میرا زرخیز دماغ بیس سال پہلے تھانے کا ریکارڈ تو اپنے اندر محفوظ نہیں رکھتا' مگر ڈیڑھ سال پہلے چوری کی گئی پینٹنگ سے متعلقہ گھر کی تمام معلومات یاد ہیں مجھے۔ یہ نوفل ہی ہے' اس کی پوری چھان بین کی تھی ہم نے۔''

"یعنی اس نے شیخ بن کے پینٹنگ مفت میں دی ہے۔عطیے کے طور پہ۔اگر پیسے کمانا مقصد نہیں ہے تو پھر کیا؟"

"دشمنی ۔کیونکہ جب نیلامی پہ عصرہ یہ پینٹنگ بیچیں گی اور وہاں خریدار نے ماہرین کو بلا کے اسے چیک کروایا اور میڈیا کے سامنے یہ بات کھلی کہ پینٹنگ نقلی ہے تو عصرہ مشکل میں پڑ جائیں گی ۔پچھلے دس سال سے بیچی ایک ایک پینٹنگ کا آڈٹ ہو گا۔مقدمے.....اسکینڈل....."

"تو ہم ان کی مدد کیوں کر رہے ہیں؟یہ ان کا معاملہ ہے۔ہمارا اس سے کیا لینا دینا۔"

"میں وان فاتح کو اس طرح ہرٹ ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔بس میں نہیں دیکھ سکتی۔"اس نے اسکرین آہستہ سے فولڈ کی۔"یہ جو کوئی بھی ہے اس کا مقصد وان فاتح سے دشمنی نکالنا ہے نا کہ عصرہ سے۔"

داتن نے ڈرائیو کرتے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی۔"وہ سیاستدان ہے اور وہ بھی شادی شدہ 'دو بچوں کا باپ ۔تمہیں اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے' تالیہ۔سیاستدان بہت رلاتے ہیں اچھے دل کی لڑکیوں کو۔"

"تین۔اس کے تین بچے تھے۔"وہ باہر دیکھ رہی تھی۔آنکھوں میں کرچیاں سی چبھنے لگی تھیں۔(کیا واقعی مجھے اس سے محبت ہونے لگی ہے؟)

"خیر آج رات تم کیا کرو گی؟"

"میں!"اس نے آنکھیں رگڑیں اور ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے مسکرائی جہاں بارش کے بعد اب سورج جھانکنے لگا تھا۔"میں آج ڈنر ٹیبل پہ وان فاتح کو بتاؤں گی کہ میرا ٹیلنٹ کیا ہے۔"ایک عزم ان چمک دار آنکھوں میں جھلملانے لگا تھا۔آنسو خاموش ہو گئے تھے۔

☆☆=========☆☆

شہر کے دوسرے حصے میں وان فاتح کی کار ایک عمارت کے سامنے رکی تو اشعر جو اس گفتگو کے بعد سے اب تک خاموش ہی تھا 'نکلنے سے پہلے اچنبھے انداز میں اسے دیکھ کے بولا۔"آپ اندر نہیں چلیں گے؟"

"ارادہ بدل دیا ہے۔آفس جاؤں گا۔"وہ سر جھکائے ابھی تک موبائل دیکھ رہا تھا۔

"شاید آپ اس گیدرنگ کو اس لیے avoid کر رہے ہیں کیونکہ یہاں سب آپ سے استعفے کی بابت سوال کریں گے۔میرا خیال ہے آبنگ اب وہ وقت آ ہی گیا ہے جب آپ اپنے استعفے کا اعلان بہادری کے ساتھ کر ہی ڈالیں۔"اس کے لہجے میں برہمی اور خفگی کا عنصر نمایاں تھا۔فاتح نے نظر تک نہیں اٹھائی اور وہ کار سے نکل گیا۔

"عثمان۔"اس نے بالآخر سر اٹھا کے ڈرائیو کرتے پولیٹیکل سیکرٹری کو دیکھا۔"دی سن کی ہدیٰ کے ساتھ شام کے انٹرویو کا وقت رکھو۔وہ کافی دن سے کہہ رہی تھی۔"

"اوکے سر مگر.....دی سن تو ہمارا مخالف اخبار ہے۔"وہ تذبذب سے بولا۔(ملائشیا میں آدھے اخبارات حکومت اور آدھے اپوزیشن کی

سیاسی جماعتوں کے ہوتے تھے۔ایک کا سچ جانبدار ہوتا تھا تو ایک کا جھوٹ۔)

''مجھے سیاست نہ سکھاؤ۔جو کہا ہے وہ کرو۔'' وہ جذبات سے عاری لہجے میں بولا تو عثمان خاموش ہو گیا۔ایڈم ہلکا سا کھنکھارا۔

''سر'میں آج کا دن آف لے سکتا ہوں دو تین گھنٹے کا؟میرا ایک دوست.....''

''شیور۔کار سے نکل جاؤ۔''موبائل پہ لگے فاتح نے ہاتھ جھلا کے کہا گویا مزید اپنے مطالعے میں خلل برداشت نہ کر پا رہا ہو۔ایڈم اگلے ہی پل باہر تھا۔

اندرا شعر عمارت کی لفٹ کی طرف بڑھتا فون کان سے لگائے مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔''آپ کو برا تو نہیں لگا' کا کا؟ایک ڈنر کا بوجھ ڈال دیا میں نے آپ پہ؟''

''برا کیوں لگے گا' ایش؟میں ہر رات کسی ڈنر کی میزبان یا مہمان بننے کی عادی ہوں۔اور اگر وہ دو پینٹنگز بھی خرید لے'اور اپنے جیسے دو تین آرٹ کلیکٹرز کو لے آئے تو بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔'' وہ حساب کتاب کر کے کہہ رہی تھی۔''اور میں جانتی ہوں کہ تم اس میں دلچسپی لے رہے ہو'اس لیے مجھے بھی اب اس میں دلچسپی محسوس ہونے لگی ہے۔''

''اچھا اتنا شور کیوں ہے آپ کے پیچھے؟''وہ مسکراہٹ دبا کے بولا تھا۔

''چیریٹی ایونٹ پہ آئی ہوئی ہوں ایک یتیم خانے میں۔شام کو وقت سے پہنچ جانا۔اچھا۔فاتح سے تو مجھے کوئی امید نہیں ہے مگر اسے بھی آنے پہ مجبور کرنا۔''عصرہ نے فون رکھا اور مسکرا کے پیچھے کھڑے لوگوں کی طرف متوجہ ہوئی جو اسی کا انتظار کر رہے تھے۔وہ ملے طرز کی لمبی قمیض اور اسکرٹ کے اوپر دوپٹہ سر پہ لیے ہوئے تھی۔ایک اونچی عمارت کے دالان میں وہ کھڑی تھی۔سامنے سیڑھیاں تھیں جہاں سے ان کو اوپر جانا تھا۔

''اس طرف۔''ساتھ چلتے افراد آگے بڑھے تو وہ مسکرا کے ان کی بات سنتی ننگے پیر زینے چڑھنے لگی۔دائیں بائیں منتظمین تھے۔چند مرد اور خواتین جو اسے وقفے وقفے سے ایونٹ کے بارے میں آگاہ کر رہے تھے۔فوٹوگرافرز بھی ساتھ ہی اوپر چڑھ رہے تھے۔

وہ اوپری زینے پہ آئی ہی تھی کہ جانے کس طرف سے ایک بچہ بھاگتا ہوا اس کی طرف آیا۔اس کی رنگت سیاہ اور آنکھیں نیلی تھیں۔عصرہ نے اسے نہیں دیکھا۔وہ مسکرا کے منتظم کی بات سن رہی تھی کہ اس بچے نے اس کا ہاتھ سختی سے پکڑا۔وہ چونکی' مگر پھر مسکرا کے ذرا سا جھکی تا کہ آہستہ سے اپنا ہاتھ نکال لے۔

''دھیان رکھنا۔خبردار رہنا۔''وہ اس کے قریب ہو کے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے غرایا تھا۔عصرہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔دیگر افراد فوراً اس طرف بڑھے تا کہ اس کو عصرہ سے علیحدہ کر سکیں مگر وہ اس کا ہاتھ جکڑے'اس کی آنکھوں میں بنا پلک جھپکے آنکھیں ڈالے غراہٹ کے ساتھ کہتا گیا۔

''ایک چور ہے۔اور وہ پمبورو (شکار بازوں) میں سے ہے۔

اس کو اپنی زندگی میں مت داخل ہونے دینا۔

وہ آئے گی اور تمہارے شوہر کو تمہاری دنیا سے دور لے جائے گی۔

وہ....،،مگر ایک شخص نے اسے زور سے کھینچ لیا تو اس کا ہاتھ عصرہ کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔وہ اسے جھڑکتے ہوئے اپنی گرفت میں لیے دور لے جارہا تھا اور عصرہ یک ٹک ادھر دیکھ رہی تھی۔چند لمحوں کے لیے وہ شل ہو گئی تھی مگر پھر جبراً مسکرائی اور زینے چڑھنے لگی۔رنگت ابھی تک قدرے اڑی ہوئی تھی۔منتظم گھبرا کے معذرت کرنے لگا۔

''یہ احمد ہے۔کچھ عرصے سے ذہنی توازن بگڑتا جارہا ہے اس کا۔کہتا ہے اس کو مستقبل کے خواب آتے ہیں۔ بس میں معافی چاہتا ہوں۔''

''نہیں کوئی بات نہیں۔''اس نے گردن موڑ کے اس طرف دیکھا جہاں وہ بچے کو لے کر گئے تھے۔''یہ پمبورو کیا ہوتے ہیں۔''

''پمبورو legend ہے ایک۔قدیم داستانوں میں اس کا ذکر آتا ہے۔ایک جادوگروں یا عاملوں کا گروہ سا تھا شاید جو اپنے آپ کو پمبورو (شکاری) کہتے تھے۔مگر آپ ان باتوں میں نہ پڑیں۔احمد کا ذہنی توازن درست نہیں ہے۔''وہ اسے تسلی دینے لگا تو وہ گہری سانس لے کر زینے چڑھنے لگی۔اسے ان حقیقت سے ماورا باتوں پہ ویسے بھی یقین نہیں تھا۔

☆☆=========☆☆

کوالالمپور کا وہ ایک مصروف بازار تھا۔درمیان میں اینٹوں کی روش بنی تھی اور دونوں اطراف میں دکانوں کی قطاریں تھیں۔ان کے برآمدوں میں چھتری والے اسٹال لگے تھے جہاں لوگ رک رک کے خریداری کرتے دکھائی دیتے تھے۔ایسے میں ایک ریسٹورانٹ کے اندر درمیانی میز پہ ایڈم بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔سامنے ایک کریو کٹ والا نوجوان تھا جس سے وہ ممنونیت سے کہہ رہا تھا۔

''شکریہ تم نے میرے لئے وقت نکالا۔''

''کوئی بات نہیں۔میں تو فوج سے چھٹی پہ آیا ہوا تھا۔پچھلے ہی ہفتے رینک بڑھا ہے۔تم سناؤ'تم کیا کرتے ہو۔''اس کے انداز میں بے نیازی تھی۔وہ شاہانہ انداز میں بائیں بازو کرسی کے پیچھے کیے بیٹھا تھا۔

''میں....''وہ رکا۔''میں ایک آدمی کا باڈی مین ہوں۔چند دن کے لئے۔''

''واٹ؟ باڈی مین؟ چچ چچ۔''اسے افسوس ہوا۔''اگر تمہیں دمہ نہ ہوتا تو تم فوج میں ترقی کرتے بہت۔میرے برابر پہنچ چکے ہوتے۔''

پھر نوجوان چپ ہو گیا تو وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''نصر'میں تم سے کبھی جیلس نہیں ہوں گا'بے فکر رہو۔اگر اللہ نے میرے دوست کو وہ کامیابیاں دے دی ہیں جو میں حاصل کرنا چاہتا تھا تو مجھے حسد نہیں کرنا چاہیے۔اللہ سب کا برابر کا ہوتا ہے۔میرا بھی ہے۔میں محنت کروں گا تو مجھے بھی کامیابیاں ملیں گی۔''

''ہاں یہ تو ہے۔''نصر نے کان کھجاتے ہوئے سر کو خم دیا۔پھر وہ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔کری پف آگئے تو وہ ان سے

انصاف کرنے لگے۔

''ایک بات بتاؤ..... مجھے ایک الجھن ہے۔'' بالآخر ایڈم مدعے پہ آیا۔ نوجوان پف کھاتے ہوئے غور سے اس کو دیکھنے لگا۔

''اگر کسی لڑ.....'' وہ لڑکی کہتے کہتے آدمی بول گیا۔ ''کسی آدمی کو تم دو مختلف جگہوں پہ دو مختلف حلیوں میں دیکھو تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟''

''یہ تو ان دو جگہوں پہ منحصر ہے ایڈم۔''

''کیا؟'' وہ سمجھ نہیں پایا۔

''اگر کوئی شخص دو مختلف حلیے بنا کے دو مختلف جگہوں پہ موجود ہے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ ان دو جگہوں میں کیا مشترک ہے۔ وہ کس کے آگے پیچھے گھوم رہا ہے؟''

ایڈم شل رہ گیا۔ بالکل شل۔ وہ تو حلیوں میں ہی الجھا رہا۔ یہ خیال ہی نہیں آیا۔

''ایک.....ایک بہت ہائی پروفائل شخص کے گرد.....'' ایڈم کی حیرت میں ڈوبی زبان لڑکھڑائی۔ ''دو دفعہ میں نے اسے دیکھا ہے۔ ایک دفعہ نوکر کے روپ میں' ایک دفعہ امیر انسان کے روپ میں۔''

''تو صاف ظاہر ہے' وہ اس ہائی پروفائل شخص کو ٹارگٹ کر رہا ہے۔''

''تمہارے خیال میں وہ ایسا کیوں کرے گا؟'' وہ الجھنوں میں گھر گیا تھا۔

''کیونکہ یہ بہروپیے (con artist) جاسوس یا کرایے کے قاتل ہوتے ہیں جو حلیے بدلتے ہیں اور کسی خاص جگہ یا شخص کو ٹارگٹ کرتے ہیں۔ ان کا مقصد کسی کو قتل کرنا یا کوئی اہم چیز چرانا ہوتا ہے۔''

''مگر میں نے اس سے پوچھا کہ وہ وہی ملازم ہے تو وہ بولا کہ نہیں' اور اس نے مجھے اتنا برا بھلا بھی کہا۔'' اس کو اپنا غم یاد آیا۔

''تو تمہارے خیال میں اس نے مان جانا تھا؟ بلکہ اسے تو ہنگامہ کر کے تمہیں نوکری سے نکلوانا چاہیے تھا تاکہ تم اس کے لیے رکاوٹ نہ بنو۔''

''یعنی وہ.....وہ وہی ہے۔'' پہلی دفعہ اسے ہزار فیصد یقین آیا تو وہ دنگ رہ گیا۔

''اگر ہنگامہ کھڑا کیا ہے تو وہ بالکل وہی ہے' کیونکہ چور ہی سب سے زیادہ شور مچاتا ہے۔'' وہ سینڈوچ کے بائٹ لیتے عام سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''مطلب میں ٹھیک تھا۔ یا اللہ۔ وہ کون ہے؟ چور' جاسوس' یا قاتل؟'' پھر چونک کے دوست کو دیکھا۔ ''اب میں کیا کروں؟''

''یہ اس گھر کا معاملہ ہے جہاں تم نوکری کرتے ہو؟'' ایڈم نے جھٹ سر ہلایا۔

''اور کسی نے تمہاری بات کا یقین نہیں کیا؟'' ایڈم نے نفی میں گردن دائیں بائیں ہلائی۔

''جہاں تم نے اس کو ملازم بنے دیکھا تھا' وہاں جاؤ اور ادھر کے مالکوں سے اس کے بارے میں معلومات لو۔ پھر اپنے مالک کے پاس

ثبوت سمیت جاؤ۔ایک منٹ کہاں جارہے ہو‘ کھانا تو کھالو۔‘‘ وہ اسے یوں اٹھتے دیکھ کے حیران ہوا مگر ایڈم نے جلدی سے آگے بڑھ کے اس کا کندھا تھپکا..... ’’تھینک یو‘‘ بولا.....جیب سے چند نوٹ نکال کے گلاس تلے رکھے اور باہر کو بھاگا۔

اس کی ساری دنیا میں بھونچال آ گیا تھا۔(کرایے کی قاتل؟) جاسوس یا چور کی بجائے یہی خیال پریشان کرنے کے لئے کافی تھا۔

☆☆=========☆☆

ابھی دوپہر پوری طرح نہیں ڈھلی تھی مگر اس سڑک پہ بنی مہنگی اور برانڈڈ شاپس کی ساری بتیاں جل اٹھی تھیں۔ایسے میں وہ اٹھی گردن کے ساتھ کہنی پہ پرس ٹانگے ایک بڑے اسٹور کے سامنے آرکی۔سبز فراک اور چھوٹا سفید منی کوٹ پہنے‘ وہ آنکھوں پہ بڑے بڑے سیاہ گلاسز لگائے ہوئے تھی۔گردن مغرور امیر زادیوں کی طرح کڑا رکھی تھی۔ایک ہاتھ میں ملک شیک تھا اور دوسرے میں موبائل جس پہ وہ پیغام دیکھ رہی تھی۔

’’جو تم نے کہا تھا میں نے کر دیا‘ حالم!‘‘ مولیا کا پیغام جگمگا رہا تھا۔

’’گڈ۔اب کوشش کرنا کہ مجھے تم بالکل یاد نہ آؤ۔‘‘ جواب دے کر فون رکھا تو دوسرا موبائل بجنے لگا۔اس نے کان سے لگایا۔’’داتن‘ مولیا نے کام کر دیا ہے۔‘‘

’’گڈ۔تم کہاں ہو؟‘‘

’’میں مسز عصرہ کے لئے کوئی قیمتی تحفہ لینے آئی ہوں‘ جو میری شان کے عین مطابق ہو۔‘‘

’’جیسے میں اس بات پہ یقین کر لوں گی؟‘‘ اس نے منہ بنا کے کہا تو تالیہ نے شانے اچکائے اور فون پرس میں ڈال دیا۔پھر اعتماد سے اندر چلی آئی۔

جیولری ریک پہ آکر اس نے سن گلاسز اوپر کر کے بالوں پہ ٹکائے اور گردن جھکا کے قیمتی زیورات دیکھنے لگی۔آنکھیں سوچنے والے انداز میں چھوٹی کر لیں۔ساتھ ہی ملک شیک کے گھونٹ بھی بھرتی رہی۔پھر دو عدد قیمتی مساک جیولرز کے دو ڈائمنڈ لاکٹ اٹھائے۔بالکل ایک جیسے۔ایک کو خالی ہاتھ میں پکڑا‘ دوسرے کو ملک شیک گلاس والے ہاتھ میں اور کاؤنٹر کی طرف چلی آئی۔

کاؤنٹر پہ ایک چینی نوجوان کھڑا بلنگ کر رہا تھا۔رش کافی تھا۔تالیہ کے آگے قطار لگی تھی۔وہ منتظر سی کھڑی رہی۔رش بہت تھا۔قطار سست تھی۔جیسے ہی سامنے والی عورتیں ہٹیں‘ وہ آگے آئی اور لاکٹ سامنے دھرا۔ملک شیک گلاس والا ہاتھ نیچے کر لیا۔نوجوان نے بل بنا کے دیا تو اس نے پرس سے نوٹوں کی گڈی نکال کے رکھی۔لڑکے نے پیسے رکھ لیے اور لاکٹ کا سیکیورٹی ٹیگ اتارا۔(اگر یہ ٹیگ لگا رہے تو دوکان سے باہر لے جانے کی صورت الارم بج جاتا ہے۔) ابھی وہ لاکٹ ساتھ والے ملازم کو دینے ہی لگا تھا کہ اسے باکس میں ڈالے‘ کہ وہ بولی۔

’’ایک منٹ۔میں اس کو ٹرائی کر لوں۔‘‘ لڑکے نے سمجھنے والے انداز میں لاکٹ اس کی طرف بڑھایا۔اس نے اپنا سیل‘ اور پرس کاؤنٹر

پہ دھرا۔ بقایا رقم بھی نہیں اٹھائی۔ گویا لاپرواہ امیر لڑکی نے سب ان کے سامنے رکھ دیا۔ پھر ملک شیک سے گھونٹ بھرا اور آئینے تک آئی جو قریب میں لگا تھا۔ اب اس نے دھیرے سے ٹیگ اترا لاکٹ ملک شیک گلاس میں گرا دیا اور خود ٹیگ والا دوسرا لاکٹ گردن میں پہن کے دیکھنے لگی۔ ہاتھوں کی یہ خفیف سی حرکت سی سی ٹی وی میں نظر نہیں آتی۔

آئینے میں اپنا عکس دیکھ کے اس نے منہ بنایا۔ ماتھے پہ سلوٹیں پڑیں۔ واپس آئی۔ دو تین گاہکوں کے بھگت جانے کا انتظار کیا اور پھر اداسی سے لاکٹ کاؤنٹر پہ رکھا۔

"یہ اچھا نہیں لگ رہا۔ کیا میں اسے واپس کر سکتی ہوں۔" بل اٹھا کے واپس بڑھایا۔ سیلز مین کے چہرے پہ افسوس ابھرا۔ مگر اس نے سر ہلاتے ہوئے بل تھام لیا۔ "آپ کچھ اور دیکھ لیں۔"

"نہیں' اب میرا موڈ آف ہو گیا ہے۔" وہ اداس نظر آتی تھی۔ لڑکے نے لاکٹ واپس لے لیا اور بل سے میچ کرنے لگا۔ پھر اس کی انگلیاں ٹیگ پہ ٹھہریں۔ تالیہ نے کھڑکی سے باہر دیکھا اور اونچا سا بولی۔ "اُف باہر کتنی haze پھیلی ہے۔ اس نے تو کے ایل اور تائی یوان میں کوئی فرق ہی نہیں چھوڑا۔" (ہیز وہ دھند ہوتی ہے جو انڈونیشیا کے جنگلات جلانے سے ملائیشیا تک پھیل جاتی ہے۔)

وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔ "آپ تائی یوان جا چکی ہیں؟" (تائی یوان چائینہ کا انتہائی فضائی آلودگی کا شکار ایک شہر ہے۔)

"جا چکی کیا مطلب؟ میں بڑی ہی وہیں ہوئی ہوں۔" وہ مسکرا کے چینی زبان میں بولی تو وہ خوشگوار حیرت سے مسکرایا۔ "میرے والد کا آدھا خاندان وہیں سے ہے۔ ہم بھی وہیں رہتے تھے۔ یہ آپ کے پیسے۔" اس نے لاکٹ واپس کروا دیا اور پیسے اس کے حوالے کر دیے۔

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" تالیہ نے شکریہ ادا کر کے مِلک شیک کا گلاس اٹھایا۔ سن گلاسز آنکھوں پہ گرائے اور اسی اعتماد سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ آرام سے کار تک آئی' اندر بیٹھی' گلاس کا آخری گھونٹ بھرا اور ٹشو سے نیچے بیٹھا لاکٹ نکال کر صاف کیا اور مسکرائی۔ "ہے کوئی حالِم جیسا' ہاں؟"

☆☆=========☆☆

تنگو کامل محمد کے گھر پہ شام اترنے لگی تھی جب ایڈم نے بیرونی گیٹ کی گھنٹی بجائی۔ دل دھڑک رہا تھا' بار بار لبوں پہ زبان پھیرتا تھا مگر جنون اس سے بڑا تھا۔ کھوج لگانی ہی تھی۔

دروازہ کھلا تو ایک ملازم دکھائی دیا۔ "مجھے مسز شیلا سے ملنا ہے۔ میں وان فاتح کا باڈی مین ہوں۔"

ملازم نے فوراً راستہ چھوڑ دیا اور اسے پورچ تک لے آیا' پھر وہیں رکنے کو کہا۔ ایڈم بے چینی سے آگے پیچھے ٹہلنے لگا۔ دروازہ کھلنے کی آہٹ ہوئی تو فوراً سیدھا ہوا۔ مسز شیلا باہر نکلیں تو اس نے فوراً جھک کے سلام کیا۔ انہوں نے مسکرا کے جواب دیا۔

"کیا آپ کو وان فاتح نے بھیجا ہے؟"

"نہیں میڈم۔ میں ذاتی کام کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔" وہ ذرا جھجکا مگر انہوں نے مسکرا کے "بتاؤ" کہا تو اس کی ہمت بڑھی۔

''اس روز جب ہم آپ کے گھر آئے تھے تو آپ کی نوکرانی تھی ایک....تا....تالیہ مراد نام کی۔ مجھے اس سے ملنا ہے۔''

''ہماری تو اس نام کی کوئی ملازمہ نہیں ہے۔'' وہ سکون سے بولیں تو ایڈم کا دل دھک سے رہ گیا۔ منہ کھل گیا۔

''نہیں ہے؟ آر یو شیور؟'' اس نے جھٹ موبائل نکالا اور ایک تصویر سامنے کی۔ ''یہ....یہ آپ کی نوکرانی نہیں ہے؟''

مسز شیلا نے ایک اچٹتی نگاہ سنہرے بالوں والی لڑکی پہ ڈالی۔ ''میں تو اس لڑکی کو پہلی دفعہ دیکھ رہی ہوں۔ میں تو اسے نہیں جانتی۔'' پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ''کچھ اور یا نہیں؟'' انداز پرخلوص ہی تھا مگر اس میں عجلت تھی۔ ایڈم کا چہرہ بجھ گیا۔ اپنا آپ انتہائی بے وقوف نظر آنے لگا۔ آہستگی سے اس نے فون جیب میں ڈالا اور نفی میں سر ہلایا۔

''آپ نے اتنا وقت دیا' اس کا شکریہ۔ سوری کہ میں نے یہ وقت ضائع ہی کیا۔'' معذرت کر کے وہ لٹکے چہرے کے ساتھ مڑ گیا۔

مسز شیلا اسے جاتے دیکھتی رہیں' پھر واپس اندر آ گئیں۔ لاؤنج میں سامنے تنگو کامل کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کے تفکر سے ابرو اکٹھے کیے۔ ''تالیہ کا پوچھ رہا تھا؟''

''ہاں۔ میں نے وہی کیا جو آپ نے کہا تھا۔ مگر کامل....'' وہ الجھیں۔ ''ہم تالیہ کے اپنے ہاں کام کرنے کا ہر ریکارڈ کیوں مٹا رہے ہیں۔''

''کیونکہ وہ لڑکا زین العابدین مولیا میرے پاس آیا تھا۔ میرے حریف کی کمپنی سے ہے وہ۔ وہی جس کو تالیہ نے لیپ ٹاپ دیا تھا۔'' وہ تلخی سے کہتے ہوئے صوفے پہ جا بیٹھے۔ ''وہ مجھے دھمکا رہا تھا کہ وہ جانتا ہے میں نے ان کے پراڈکٹ کا فارمولہ چرالیا ہے وہ بھی غیر قانونی ملازمہ کے ہاتھوں۔ جانتی ہو غیر قانونی ملازمہ رکھنا کتنا جرم ہے؟ بہت کر لیں ہم نے بچتیں۔ وہ کیس کرنے کی دھمکی دے کر گیا ہے۔ فراڈ اور چوری میں پکڑا جا سکتا ہوں میں۔ اس لیے ہم گھر سے تالیہ کا سارا ریکارڈ غائب کر دیں گے۔ یہ وان فاتح کا باڈی گارڈ کم اور پولیس کا بندہ زیادہ لگ رہا تھا۔ شاید یہ لوگ میری تفتیش کر رہے ہیں۔'' وہ ٹائی ڈھیلی کر رہے تھے گویا سانس لینا بھی دشوار ہو رہا ہو۔

مگر مسز شیلا کچھ اور سوچ رہی تھیں۔ ''تالیہ تصویر میں بڑی فرق لگ رہی تھی۔ بنی سنوری۔ مختلف سی۔''

''اتنے پیسے لے کر گئی ہے' خود کو سنوارنا آ ہی گیا ہو گا۔ بہر حال آئندہ میں تالیہ کا نام نہ سنوں۔'' وہ دوٹوک انداز میں کڑوے پن سے بولے تو مسز شیلا نے شانے اچکا دیے۔ (بس سارے مسئلے میرے ملازموں سے ہی ہوتے ہیں ان کو۔ ہونہہ۔) اور سر جھٹک کے آگے بڑھ گئیں۔

☆☆=========☆☆

عالم کے گھر پہ بھی دوپہر ڈھل چکی تھی اور شام کی آمد آمد لگتی تھی۔ داتن تہہ خانے کی سیڑھیاں اتر کے نیچے آئی' جہاں میز پہ چند مشینیں اور آلات رکھے تھے۔ تالیہ زمین پہ بیٹھی تھی اور گود میں ایک ڈبہ اٹھا رکھا تھا جس میں لاکٹ ڈال رہی تھی۔ ڈبہ اسی ڈیزائنر جیولر کا تھا۔ آگے پیچھے چار ایسے ہی ڈبے رکھے تھے گویا ان کو مشکل وقت کے لیے جمع کر رکھا ہو۔

''کیسے چرایا؟'' وہ کمر پہ ہاتھ رکھے اس کے سر پہ آ کھڑی ہوئی۔

''مِلک شیک اسکام۔'' ہنس کر بولی اور ڈھکن احتیاط سے بند کیا۔

''خریدنا تو تمہاری شان کے خلاف ہے۔''

''اب میں اپنی حرام کی کمائی ایک سیاستدان کی بیوی پہ کیوں خرچ کروں بھلا' ہاں!'' وہ بے نیازی سے بولی اور ڈبہ لئے اٹھی۔ داتن نے ایک نظر اطراف میں ڈالی۔ کمرے کے چاروں کونوں میں لکڑی کے بند ڈبے رکھے تھے۔ نوادرات اور پینٹنگز جو اتنے سال میں انہوں نے اکٹھے کیے تھے۔ یہ تالیہ کا حصہ تھا۔ داتن اپنا کہاں رکھتی تھی' اس نے کبھی نہیں بتایا۔ ایک سیف بھی بنا تھا جس کے لاک جدید طرز کے تھے اور اس میں تمام ہیرے جواہرات مقفل رکھے تھے۔ مگر جزیرے پہ محل خریدنے کے لئے یہ سب کم تھا۔

''میں اب ڈنر کے لیے تیار ہونے جا رہی ہوں۔'' وہ ڈبہ اٹھا کے اٹھ گئی تو داتن نے اس کے جانے کا انتظار کیا۔ پھر تیزی سے میز تک آئی۔ آنکھوں پہ چشمہ چڑھایا اور پرس سے ایک پرنٹ آؤٹ نکال کے سامنے کیا۔ تالیہ کی گردن کے پیچھے والا گول نشان۔ احتیاط سے سیڑھیوں کو دیکھا۔ تالیہ اب نہیں آئے گی۔ اس نے گہری سانس لی اور بیگ سے ایک چھوٹی مگر دبیز کتاب نکالی۔ اس کی جلد چمڑے کی تھی اور اس کے بھورے سرورق پہ زرد رنگ سے وہی نشان بنا تھا۔ نیچے قدیم جاوی رسم الخط میں لکھا تھا۔

''ہم شکار باز۔'' اس نے کتاب کے بوسیدہ صفحے کھولے۔ پہلے پہ لائبریری کی مہر تھی۔ داتن نے اگلا صفحہ پلٹا اور پڑھنا شروع کیا۔

☆☆=========☆☆

شیشوں سے ڈھکی تکون عمارت کے اندر شام کے اس پہر بھی مصروف ماحول بنا ہوا تھا۔ پارٹی کارکن کام کر رہے تھے' ٹائپنگ کی آوازیں' فون کی گھنٹیاں.... ایسا ہی رش وان فاتح کے آفس میں بھی لگا تھا۔ وہ کنٹرول چیئر پہ پیچھے ہو کر بیٹھا تھا اور مسکرا کے سامنے بیٹھی خاتون کے سوالوں کا جواب دے رہا تھا جو ہاتھ میں ننھا ریکارڈر مائیک پکڑے اس کی طرف بڑھائے ہوئے تھی۔ فوٹوگرافر تصاویر اتار رہا تھا۔ انٹرویو اپنے وسط میں پہنچ چکا تھا۔

''وان فاتح کیا یہ درست ہے کہ آپ استعفیٰ دے کر امریکہ منتقل ہو رہے ہیں؟'' وہ خشک سپاٹ انداز میں نظریں اس پہ جمائے پوچھ رہی تھی۔ وہ اسی سکون سے پیچھے کو ٹیک لگائے مسکراتے ہوئے اسے دیکھے گیا۔ گرے شرٹ پہنے' کف موڑے' بال دائیں طرف کو پیچھے کیے' اس کی چھوٹی چمکتی آنکھوں میں زمانے بھر کی سادگی تھی۔

''پُدی' میں نے ایسا کوئی بیان نہیں دیا جس کو وجہ بنا کے لوگ اس خبر کو چلائیں۔''

''مگر آپ اس کی تردید بھی نہیں کر رہے۔ ہر شخص جاننا چاہتا ہے کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔''

''میں تو تعلیمی بل کا سوچ رہا ہوں۔''

''آپ کے خیال میں اشعر محمود چیئرمین بننے کے اہل ہیں؟''

''اشعر بہت قابل اور بہت ٹیلنٹڈ نوجوان ہے' میرا خیال ہے وہ زندگی میں بہت ترقی کرے گا' اور میں اس کو زندگی کے ہر نیک مقصد کے لئے گڈ لک کہتا ہوں۔ اشعر میری فیملی ہے۔ مجھے بہت عزیز ہے۔'' مگر اس کی آنکھوں میں مسکراہٹ کے ساتھ کچھ اور بھی تھا جو رپورٹر کو مزید سوالات پہ اکسا رہا تھا۔

''کیا آپ اپنی جگہ اشعر محمود کو چیئرمین کے طور پہ قبول کر لیں گے؟''

فاتح نے گردن موڑ کے سیکرٹری کو دیکھا اور مسکرا کے پوچھا۔ ''تم نے مہمانوں کو کافی پیش نہیں کی؟'' رپورٹر گہری سانس لے کر تھم گئی اور کیمرے گرانے کا اشارہ کر دیا۔ اپنا ریکارڈر بھی بند کر دیا۔ سیکرٹری سر ہلا کے فوراً باہر نکل گیا۔ کچھ لمحوں بعد ٹرے کے ساتھ آمد ہوئی جس پہ چند مگ رکھے تھے۔

''آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا' وان فاتح۔'' وہ شکوہ کرتے ہوئے ایک مگ اٹھا کے بولی اور گھونٹ بھرا۔

''جو بات ہوئی ہی نہیں ہے' میں اس کے بارے میں رائے کیسے دے سکتا ہوں' بُدئی۔'' وہ اسی طرح ٹیک لگا کے مسکرا رہا تھا۔ سیکرٹری نے اس کا مگ اس کے سامنے رکھا مگر اس نے اسے نہیں چھوا۔ وہ رپورٹر پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔

''لیکن اب آپ کو اس بات کی وضاحت.....'' کہتے کہتے لڑکی نے مگ سے گھونٹ بھرنے کے لئے اسے چہرے کے قریب کیا تو چونکی۔ بالکل سُن۔ شل۔ مگ کو اوپر لا کے دیکھا۔ سرخ رنگ کا مگ جس پہ چند سمبلز بنے تھے۔ اس نے فوراً دوسرے مگ دیکھے جو سادہ سفید رنگ کے تھے۔ اب کے اس نے عجیب سی نظریں وان فاتح کی جانب اٹھائیں۔

''یہ مگ.....''

''اشعر نے مجھے گفٹ کیا تھا۔ چند برس پہلے۔ میں آفس پہ اتنا خرچہ کرتا نہیں ہوں' اس لئے نئے مگ ٹوٹ جائیں تو یہ لوگ پرانے نکال لیتے ہیں۔'' مسکرا کے کہتے ہوئے اس نے اپنا مگ اٹھایا اور پینے لگا۔ مگر لڑکی یک ٹک اس مگ کو دیکھے جا رہی تھی۔

''اور اشعر صاحب کو یہ مگ کسی نے سووینیئر کے طور پہ دیا ہو گا؟''

''ہاں۔ شاید اس کے دوستوں نے۔ مگر خیر یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ انسان کے ہر طرح کے دوست ہوتے ہیں۔''

مگر رپورٹر نے مگ اسی طرح بھرا ہوا واپس رکھ دیا۔ اس کا دماغ چونکا ہوا لگتا تھا۔ گردن موڑ کے اس نے فوٹوگرافر کو خفیف سا اشارہ کیا۔

(اس مگ کی تصویر لو۔) اور واپس وان فاتح کی طرف متوجہ ہوئی جو اب کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ ''ہم اس کو ریپ اَپ کر سکتے ہیں اب؟ مجھے ایک ڈنر پہ پہنچنا ہے۔''

''سر' بس دو سوالات مزید۔'' وہ بشاشت سے کہتی سلسلہ کلام وہیں سے جوڑنے لگی۔ اس کو خبر مل گئی تھی۔

☆☆=========☆☆

وان فاتح کے گھر کالان لائیٹس سے جگمگا رہا تھا۔اندھیرا چھانے لگا تھا اور ملازموں کی چہل پہل میں بھی اضافہ ہو چکا تھا۔عصرہ لابی میں کھڑی تالیہ سے مل رہی تھی۔یتیم خانے والے واقعے کا اس کے چہرے پہ شائبہ تک نہ تھا۔بھورے بال نفیس جوڑے میں باندھے' گہری نیلی اسکرٹ اور بلاؤز پہنے' گردن سے موتیوں کی لڑی چپکائے' وہ خوبصورت اور باوقار لگ رہی تھی۔

''مسز عصرہ...امید ہے آپ کے مصروف شیڈیول میں مخل نہیں ہوئی ہوں گی۔''تالیہ نے اپنا سفید ہیٹ اتار کے اسٹینڈ پہ لگی کھونٹی پہ اٹکایا۔سنہری بالوں کی فرانسیسی چوٹی بنا کے اسے بائیں کندھے پہ ڈالے' وہ پیروں تک آتا گلابی لباس پہنے ہوئے تھی اور کندھوں پہ نارنجی رنگ کا منی کوٹ تھا۔ایسے لباس وہاں عموماً چینی عورتیں پہنتی تھیں۔

''مجھے مہمان اچھے لگتے ہیں تالیہ بے فکر رہو۔'' عصرہ کہنے کے ساتھ اسے آگے لے آئی۔بٹلر نے ادب سے دروازے کھولے اور وہ دونوں ڈرائینگ روم میں داخل ہوئیں۔تالیہ نے میز پہ لاکٹ باکس کا بیگ رکھا تو عصرہ نے بیٹھتے ہوئے افسوس سے اسے دیکھا۔

''اس کی کیا ضرورت تھی تالیہ۔''

''مجھے آپ کے شایانِ شان لگا تو میں نے لے لیا۔'' وہ مسکرا کے بولی تو عصرہ آگے کو بڑھی' باکس بیگ سے نکالا اور واپس ٹیک لگا کر اس کا ڈھکن ہٹایا۔لاکٹ دیکھ کے اس ابرو پسندیدگی سے اٹھے۔

''بے عیب!''اور مسکرا کے باکس بند کر کے ایک طرف دھرا۔ جیسے وہ قیمتی تحفوں کی عادی ہو۔

ابھی دس منٹ ہی گزرے تھے کہ ملازم کھنکھار کے اندر داخل ہوا اور عصرہ کی طرف فون بڑھایا۔''آپ کے بینک سے ہے۔''

''اس وقت؟''اس نے حیران ہو کر اسے کان سے لگایا۔دوسری جانب دانتن مہذب انداز میں پوچھ رہی تھی۔'مسز عصرہ آپ کے اکاؤنٹ سے ایک بھاری رقم آج نکالی گئی ہے' آپ مجھے اپنا اکاؤنٹ نمبر کنفرم کر سکتی ہیں؟''

''ایک منٹ۔تالیہ' مجھے ایکسکیوز کرنا ذرا۔''معذرت کرتی وہ فون کان پہ لگائے باہر نکل آئی۔

چند منٹ بعد عصرہ فون پہ خفگی سے بولتی واپس ڈرائنگ روم کی طرف جاتی دکھائی دی۔''آپ نے میرا اتنا وقت ضائع کروایا اور اب کہہ رہی ہیں کہ عصرہ محمد کا معاملہ تھا؟میں عصرہ محمود ہوں' فار گاڈ سیک۔''اور اندر داخل ہوئی۔''سوری تالیہ' میں....''چوکھٹ پہ وہ ٹھٹھک کے رکی۔چہرے پہ خوشگوار مسکراہٹ در آئی۔

اس کے دونوں بچے تالیہ کے برابر صوفے پہ بیٹھے تھے۔ایک گیارہ سال کا لڑکا اور ایک آٹھ سال کی بے حد لمبے بالوں والی بچی۔

''ارے تم لوگ ادھر کب آئے؟''

''میں نے بلوایا تھا' مجھے ان سے ملنا تھا۔اچھی کمپنی دیتے ہیں یہ۔''مسکرا کے وہ کہہ رہی تھی۔عصرہ فون پہ بینک آفیسر کو جھڑکتے ہوئے سلسلہ کلام منقطع کرنے لگی اور اسی اثناء میں تالیہ آہستہ سے اپنا ہاتھ بچی کے پیچھے لے گئی۔بچی تالیہ اور اپنے بھائی سکندر کے درمیان بیٹھی تھی۔تالیہ نے بچی کے پرلی طرف کمر پہ زور سے چٹکی کاٹی اور پھرتی سے ہاتھ کھینچ لیا۔کنکھیوں سے سی سی ٹی وی کیمرے کا رخ بھی دیکھ چکی تھی۔

وہ گھوم رہا تھا۔ اس طرف متوجہ نہیں تھا۔

جولیانہ چیخی اور فوراً بائیں طرف بیٹھے بھائی کی ران پہ تھپڑ دے مارا۔ اس نے جواباً طیش اور شاک سے جولیانہ کا کان مروڑا۔

''ماما اس نے مجھے مارا ہے۔''

''ماما اس نے مجھے پہلے مارا تھا۔'' وہ ایک دم رونے لگی تو عصرہ خفگی سے کھڑی ہوئی۔

''بیٹا آپ گیسٹ کے سامنے کیا کر رہے ہو؟ چلو اٹھو میں آپ کو آپ کے کمرے میں لے جاؤں۔''

''اِٹس او کے مسز عصرہ۔ بچے ہیں یہ اور ان کو یہ بچپن دوبارہ نہیں ملے گا۔'' اور پھر مسکرا کے اپنے پرس میں ہاتھ ڈال کے بند مٹھی میں کچھ نکالا اور گھوم کے جولیانہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

''او ہو بے بی رو کیوں رہی ہو۔ چلو میں تمہیں ایک میجک دکھاتی ہوں۔'' آواز کو پراسرار بنایا تو سکندر گردن نکال کے چونک کے دیکھنے لگا مگر جولیانہ ہنوز روئے جا رہی تھی۔ اسے کچھ نہیں سننا تھا۔

''یہ دیکھو۔ یہ چاکلیٹ میری مٹھی میں ہے نا۔'' اس نے چاکلیٹ دکھا کے مٹھی بند کی اور پھر کھولی۔ مٹھی خالی تھی۔ جولیانہ ہتھیلی سے آنسو رگڑتی رک گئی۔ سکندر کا منہ کھل گیا۔

''چاکلیٹ کہاں گئی؟'' ننھی پیاری بچی حیرت سے تالیہ کو دیکھ کے بولی۔

''سکندر کی جیب میں۔'' سکندر چونکا' جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈال کے باہر نکالا تو اس میں ایک چاکلیٹ تھی۔

''واؤ!'' وہ حیرت زدہ سا مسکرایا۔ تالیہ نے آنکھیں گھما کے عصرہ کو دیکھا تو وہ اسی طرح کھڑی محظوظ نظر آ رہی تھی۔ ''یہ تم نے کیسے کیا؟''

''میجک۔'' اس نے ہلکے سے آنکھ دبائی۔

''میرے ساتھ بھی کریں نا۔'' جولیانہ نے بے چینی سے جلدی جلدی آنکھیں رگڑیں۔ پھر حسرت سے سکندر کو دیکھا جو اپنی جادوئی چاکلیٹ کو تحیر اور خوشی سے کھول رہا تھا۔ تالیہ اس کی فرمائش پہ ذرا کنفیوز نظر آئی' پھر پرس کھنگالا اور کچھ مٹھی میں نکالا۔

''جولی.....ان کو تنگ نہ کرو۔'' عصرہ سامنے بیٹھتے ہوئے بولی مگر تالیہ نے روک دیا۔

''نہیں.....ایک اور میجک ٹرک تو میں دکھا ہی سکتی ہوں۔ مجھے کوئی باریک چیز دیں۔'' ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھا' پھر عصرہ کے ہاتھ کو دیکھ کے ٹھہری۔ ''جولیانہ' ماما سے ان کا بریسلیٹ لے کر آؤ۔'' (دل زور سے دھڑکا بھی تھا۔)

جولیانہ جھٹ آگے آئی اور ہاتھ بڑھایا تو عصرہ نے مسکرا کے بنا کسی تامل کے بریسلیٹ اتار کے اس کو تھما دیا۔ وہ اسے واپس تالیہ کے پاس لے کر آئی اور تالیہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ اسے پکڑا۔ وہ گرم نہیں ہوا۔ وہ جلا نہیں۔ وہ ٹھنڈا' شانت رہا۔ وہ عصرہ کی رضامندی سے اس کے ہاتھ میں آیا تھا۔

اس کے جادو کو انسانی ذہانت نے مات دے دی تھی۔

''یہ دیکھو۔'' اس نے رومال پہ بریسلیٹ رکھا' پھر رومال کو تہہ بہ تہہ بند کرتی گئی۔ عصرہ بھی آگے کو ہو کے دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ جولیانہ اور سکندر اس کے گرد دم سادھے کھڑے تھے۔ آنکھیں رومال کی کھلتی تہوں پہ تھیں۔ یہ کھلی آخری تہہ اور... اندر ایک ننھا پھول رکھا تھا۔ بریسلیٹ غائب تھا۔ بچوں کے منہ کھل گئے۔ عصرہ کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''جولیانہ.... یہ پھول آپ اپنی پاکٹ میں ڈال لو۔'' جولیانہ نے خوشی خوشی اسے اٹھایا اور پاکٹ میں ڈال دیا۔

''اور ماما کا بریسلیٹ؟'' سکندر بے چین ہوا۔

''وہ تو تالیہ نے چرا لیا۔'' وہ مسکرا کے بولی تو عصرہ مسکرادی۔ بچے حیران ہوئے تو وہ ہنس دی۔

''ذرا وہ پھول نکالو جولیانہ۔''

جولیانہ نے جیب میں ہاتھ ڈال کے باہر نکالا تو اس میں کوئی پھول نہ تھا۔ بلکہ اس میں چمکتا دمکتا بریسلیٹ تھا۔

''واؤ۔'' سکندر نے تالی بجائی اور جولیانہ مسکرانے لگی۔ اس نے بریسلیٹ خود پہن لیا اور عصرہ نے منع نہیں کیا۔ اسے اپنے بچوں سے زیادہ کوئی عزیز نہ تھا۔

''اوکے بہت ہو گیا بچوں۔ اب آپ جاؤ۔ اور مجھے اپنی گیسٹ کے ساتھ باتیں کرنے دو۔'' عصرہ خود بھی کافی محظوظ ہوئی تھی' لیکن اب بہت ہو چکا تھا۔ بچے تالیہ کو خوش اخلاقی سے خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔

''ٹرکس کا راز پوچھنا بد اخلاقی نہ ہوتا تو میں ضرور پوچھتی۔''

''مجھے آپ خوش اخلاق ہی پسند ہیں۔'' اس نے مسکرا کے کہتے ہوئے پرس کو بند کیا (اور آستین کے اندر چھپایا اصلی بریسلیٹ پرس میں گرادیا۔) اس کی توقع کے عین مطابق بچی نے بریسلیٹ ماں کو فوراً واپس نہیں کیا تھا' اس لئے وہ کم از کم ابھی فرق نہیں پہچان سکے گی۔ گو کہ داتن کے نقال پہچاننا مشکل تھا مگر عصرہ ایک آرٹ کلیکٹر تھی۔ پھر بھی فی الحال کوئی خطرہ نہ تھا۔

☆☆=========☆☆

کھانے کی لمبی میز ڈائننگ ہال میں سجی دکھائی دیتی تھی اور اس پہ تالیہ سربراہی کرسی کی سیدھ میں بیٹھی نیپکین گود میں پھیلا رہی تھی۔ ملازم اشیاء لا لا کے رکھ رہے تھے۔ عصرہ گاڑیوں کی آواز سن کے باہر چلی گئی تھی۔

''اچھا لگا آپ کو دیکھ کے بچے تالیہ۔'' اشعر کی آواز پہ اس نے سر اٹھایا۔ وہ سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ تالیہ کی بے چین نظروں نے اس کے تعاقب میں دیکھا۔ وان فاتح نہیں تھا۔ پھر وہ جبراً مسکرا کے اشعر کی طرف متوجہ ہوئی۔

''اتنی پر تکلف دعوت کا شکریہ' اشعر صاحب۔ امید کرتی ہوں آپ آگے بھی میرا ساتھ دیں گے۔''

''اور میں یہ جاننے میں انٹرسٹڈ ہوں کہ آپ کس کی سفارش لائی ہیں۔'' وہ کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولا اور نیپکین اٹھالیا۔ گرے سلک ڈریس شرٹ پہنے بغیر کوٹ یا ٹائی کے وہ بالوں کو سامنے سے اٹھائے' کافی تیار لگ رہا تھا۔ گاہے بگاہے ایک گہری نظر اس پہ ڈالتا گویا اسے پڑھنے

کی کوشش کررہا ہو۔ وہ بس ہلکا سا مسکرا دی اور سر جھکا کے نیپکین درست کرنے لگی۔

فاتح بھی ساتھ ہی گھر میں داخل ہوا تھا مگر عصرہ نے اس کو باہر روک لیا تھا۔

''میں اس کو لاکھوں کی مالیت کی دو پینٹنگز بیچنا چاہتی ہوں فاتح پلیز' یہ بات یاد رکھنا۔'' وہ منت اور تنبیہہ دونوں کررہی تھی۔

''اچھا وہی لڑکی۔ ٹھیک ہے۔ تم بتاؤ' میں کیا کروں۔'' وہ صلح جو انداز میں بولا۔

''بس اس کو خفا نہ کرنا۔ پلیز۔''

''اوکے۔ بےفکر رہو۔'' اس نے نرمی سے عصرہ کا سر تھپکا تو وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔ ''آئی لو یو۔'' ذہن میں ایک لمحے کے لیے بچے کی نیلی آنکھیں تازہ ہوئی تھیں مگر جب فاتح نے مسکرا کے جواب میں ''لو یو ٹو'' کہا اور آگے بڑھ گیا تو اس نے ساری سوچیں جھٹک دیں۔

کمرے میں آ کے اس نے کوٹ اور ٹائی اتار کے پرے رکھی' پھر باتھ روم میں آیا۔ واش بیسن پہ جھک کے پانی کے چھینٹے منہ پہ مارے اور گیلا چہرہ اٹھا کے آئینے میں خود کو دیکھا۔

''یعنی اب مجھے اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے ایک obnoxious اور شو آف قسم کی بورنگ لڑکی کو کمپنی دینی پڑے گی۔ چلو۔ عصرہ کے لئے یہ بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں۔' تولیہ کھینچتے ہوئے وہ گہری سانس لے کر بڑبڑایا تھا۔

''تو آپ ساری عمر باہر رہی ہیں؟ یہاں اور وہاں میں کیا فرق....'' اشعر گردن موڑ کے تالیہ کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کررہا تھا کہ وان فاتح ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ وہ جو اس کی بات سن رہی تھی' بے اختیار کھڑی ہوگئی۔

''ہاں تاشہ کیا حال ہے... بیٹھو بیٹھو....'' ہاتھ کے اشارہ سے اسے ریلیکس رہنے کا اشارہ کرتا وہ سربراہی کرسی تک آیا اور اسے کھینچ کے بیٹھا۔ کوٹ اتار چکا تھا۔ سفید شرٹ کے کف موڑ رکھے تھے۔ بال جو صبح گیلے کر کے جمائے تھے اب سوکھ کے ماتھے پہ بکھرے تھے' اور وہ اس عام سے حلیے میں بھی سحر انگیز لگ رہا تھا۔

ایڈم کسی کونے سے نمودار ہوا پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ تالیہ کو وہ دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ اور تالیہ بس فاتح پہ نظریں جمائے واپس بیٹھ رہی تھی۔ اشعر بالکل خاموش ہو گیا تھا۔ عصرہ میزبانی کے فرائض سرانجام دیتی ملازموں کو ہدایات دے رہی تھی۔

''تو کب آئی تم؟ میں زیادہ لیٹ تو نہیں ہو گیا؟'' دوستانہ انداز میں کہتے ہوئے فاتح نے نیپکین گلاس سے نکال کے جھٹک کے گود میں بچھایا اور ڈش سے چاول پلیٹ میں نکالنے لگا۔ جانتا تھا سب کھانا شروع کرنے کے لیے اس کے منتظر تھے۔

''آپ مجھے بار بار تاشہ بلاتے ہیں' میرا نام تالیہ ہے۔''

''اچھا مجھے لگا میں تالیہ ہی کہہ رہا ہوں۔ خیر۔ کھانا شروع کرو۔ اشعر... لو'' وہ سب کو عام سے انداز میں ہدایات دیتا خود شروع کر چکا تھا۔ تالیہ بھی آہستہ سے کھانا نکالنے لگی۔ ہاتھوں میں ذرا سی لرزش تھی۔ حلق بار بار سوکھ رہا تھا۔ یہ شخص.... اُف یہ شخص....

''تو کیا بنا عصرہ تمہاری نیلامی کا؟ کل تک میں سن رہا تھا کہ تمہاری دوست ناراض ہو گئی ہیں۔ وہ معاملہ حل ہوا؟'' وہ بیک وقت عصرہ اور

تالیہ دونوں کو دیکھ کے بولا تھا۔ساتھ ہی چاولوں کا چمچ منہ میں رکھا۔

''ہاں'وہ غلط فہمی تھی'ایڈم نے کلیئر کر دی تھی۔''عصرہ خوشگوار انداز میں بولی تھی۔فاتح کا اچھا موڈ دیکھ کے وہ بہتر محسوس کر رہی تھی۔

''اسے بھول جایئے۔''اس نے مسکرا کے ایک نظر کونے میں کھڑے ایڈم کو دیکھا جس نے نظریں مزید جھکا لیں۔''ہم تو اب نیلامی کا سوچ رہے ہیں۔مسز عصرہ....''وہ اپنائیت بھرے انداز میں کہتی عصرہ کی طرف متوجہ ہوئی۔''میں مدعے پہ آتی ہوں۔مجھے ہر صورت گھائل غزال خریدنا ہے۔''پھر ایک نظر اشعر کو دیکھا۔اس نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔''میں سفارش ہی کر سکتا ہوں'آگے کاکا کی مرضی۔''

''تالیہ....مجھے بہت خوشی ہوگی اگر آپ اس پینٹنگ کو خرید وگی مگر میں اس کو نیلامی وا وچر میں ڈال چکی ہوں۔لوگ دور دور سے آئیں گے۔اگر اب میں اس کو نکال دوں تو میری کریڈیبلٹی پہ برا اثر پڑے گا۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں۔''پھر وہ رکی۔ذرا افسردہ نظر آتی تھی۔

''کیا میں کچھ اور کر سکتی ہوں تالیہ؟''عصرہ نے دلجوئی والے انداز میں لقمہ لیتے ہوئے پوچھا تو وہ جھینپ کے مسکرادی۔

''میں ایک دفعہ اس پینٹنگ کو چھونا چاہتی ہوں۔''

''اتنی سی بات؟ میں ابھی لاتی ہوں۔وہ میرے پاس ہی ہے۔''عصرہ نے پلیٹ پرے کھسکائی'ٹشو سے لب تھپتھپائے اور کرسی دھکیلتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ اس پینٹنگ میں اتنا خاص کیا ہے۔''فاتح پلیٹ پہ جھکے کندھے اچکا کے بولا تھا۔وہ ہاتھ روک کے اسے دیکھنے لگی۔

''اس میں ایک بے بس خوبصورت ہرن اکیلا زخمی حالت میں پڑا ہے'اور وہ زندہ ہے....وہ مرا نہیں ہے....تنہائی'بے بسی'محرومی....ان احساسات کا مکسچر ہے وہ پینٹنگ۔''وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

''اچھا مجھے پتہ ہے کیا لگتا ہے؟''اس نے لقمہ لیا'پھر خاموشی سے چبانے لگا۔حلق سے تلے اتار لینے کے بعد آنکھیں اٹھا کے تالیہ کو دیکھا اور نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔''مجھے لگتا ہے کہ آرٹ اچھا شوق ہے'میں اس کی قدر کرتا ہوں'مگر جن آرٹسٹ کی زندگی میں ان کو کوئی پوچھتا نہیں تھا'ان کے مرنے کے بعد ان کی بنائی اچھی اور بے کار دونوں طرح کی اشیاء کو اتنے کریزی ہو کر خریدنا....یہ مجھے نمود و نمائش لگتا ہے۔جیسے لوگ دیکھا دیکھی میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہے ہوں۔''

''میں اس بات سے اتفاق نہیں کرتی فاتح صاحب۔قدیم ادوار سست ادوار تھے۔لوگ جلدی مشہور نہیں ہو پاتے تھے۔لیکن ہزاروں مصور تب بھی موجود تھے'مشہور صرف بہترین ہوئے ہیں۔''

وہ دونوں میز کے دونوں سروں پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے یوں کہ طویل میز درمیان میں حائل تھی۔وسط میں اونچا سا کینڈل برار رکھا تھا جس پہ اوپر نیچے تین موم بتیاں جل رہی تھیں۔وہ فاتح کا چہرہ ان کے شعلوں کے پار دیکھ رہی تھی۔

اشعر فاتح کے بائیں جانب بیٹھا ٹینس میچ میں گیند کا تعاقب کرنے والی نظروں سے خاموشی سے دائیں بائیں.... دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔

''مشہور؟'' وہ ہلکا سا مسکرایا اور باربی کیو کا ٹکڑا چھری کانٹے سے توڑتے ہوئے بولا۔ ''صدیوں پہلے ایک اطالوی مصور نے ایک پینٹنگ بنائی تھی جس نام مونالیزا تھا۔ چار سو سال تک وہ غیر مقبول رہی۔ مصور اسے سراہتے تھے' مگر عوام اس کو جانتے تک نہ تھے۔ وہ پیرس کے Louvre میوزیم میں ٹنگی ایک عام پینٹنگ تھی' مگر پھر اس کو کس نے مشہور کیا؟''

''چوروں نے۔'' وہ سکون سے بولی۔ ''انہوں نے مونالیزا چوری کر لی۔''

''رائٹ۔ مونالیزا جب غائب ہوئی تو وہ ایک خبر بن گئی۔ ایک خواب بن گئی۔ اخباروں کی زینت' گفتگوؤں کا محور۔ سب اس میں دلچسپی لینے لگے۔ میں مانتا ہوں وہ ایک بہترین پینٹنگ ہو گی گو کہ مجھے اس کی کبھی سمجھ نہیں آئی' لیکن ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اور چوروں نے اسے مشہور کیا تھا۔ مگر وہ اسے بیچ نہیں سکے اور دو سال بعد وہ برآمد کر لی گئی۔''

''انہوں نے اسے بیچنے کے لئے نہیں چرایا تھا وان فاتح۔ انہوں نے اس کو پھر سے تخلیق کرنے کے لئے چرایا تھا۔'' وہ اب کہنیاں میز پہ ٹکائے دونوں ہاتھ ایک دوسرے پہ رکھ کے ان پہ تھوڑی جمائے کہہ رہی تھی۔ کھانا اسے بھول چکا تھا۔ وہ چاولوں کا چمچ بھرتا ذرا چونکا۔

''انہوں نے مونالیزا کی چھ نقالیں تیار کیں اور بے وقوف امریکی بزنس مینوں کو بیچ دیں۔ کئی ملین ڈالرز کے عوض۔''

''اور میں اس بات پہ حیران ہوں کہ انسان اتنی قیمتی چیزیں خریدتا ہی کیوں ہے جو کبھی بھی کوئی بھی چرا کے لے جائے۔'' وہ شانے جھٹک کے بولا۔

''لگتا ہے آپ کو چور بہت برے لگتے ہیں۔'' آواز میں اداسی سی تھی۔

''چوری کبیرہ گناہوں میں سے ہے' تاشہ۔''

''مگر آپ ہماری وزیرِ اعظم صاحبہ کو ہر وقت چور کہتے رہتے ہیں' مگر وہ اپنے کاروبار کو تقویت دینے کے لئے ایسے لوگوں سے پیسے چراتی ہیں جو پیسے کو مس نہیں کرتے۔ یہ تو بالکل ایسے ہے جیسے ہیروں کی دوکان سے کوئی ایک ہیرا چرا لے۔ اتنے بڑے جوہری کو ایک ہیرے کے جانے سے کیا فرق پڑتا ہے وان فاتح؟'' وہ اس کی آنکھوں سے نظر ہٹائے بغیر کہہ رہی تھی۔ فاتح نے چمچ پلیٹ میں گرا دیا اور سنجیدگی سے تالیہ کی طرف متوجہ ہوا۔

''جوہری کو فرق پڑے یا نہ پڑے' مگر وہ تمام نوکری پیشہ لوگ جو اس ہیروں کی دکان کی حفاظت پہ مامور ہیں' سیکیورٹی گارڈ' کیشیئر' سیلز مین.... کیا ان کی نوکریاں نہیں چلی جائیں گی؟''

تالیہ کے حلق میں کچھ پھنسنے لگا۔ وہ پلک تک نہ جھپک پائی۔

''ٹھیک ہے۔ وزیرِ اعظم چور ہے۔ بہت بری ہے وہ۔'' حلق میں شاید وہ آنسو تھے۔ ''لیکن اگر وہ کہے کہ وہ اچھی ہونا چاہتی ہے....

چوری چھوڑ کے نیک ہونا چاہتی ہے....تو کیا اسے معاف نہیں کیا جا سکتا؟''

''میں کون ہوں معاف کرنے والا؟ اس نے میرا نہیں عوام کا پیسہ چرایا ہے۔ اگر وہ سارا پیسہ واپس کر دے اور...''

''ہاں....اگر....اگر وہ سارا پیسہ واپس کر دے تو کیا وہ تب بھی بری ہوگی؟''

''تاشہ!'' وہ گہری سانس لے کر بولا۔ ''وہ صرف چور نہیں ہے' وہ جھوٹی اور خائن بھی ہے اور جھوٹے لوگوں کے لئے جھوٹ چھوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ناممکن نہیں مگر بہت مشکل۔ اور جانتی ہو ان کی سب سے بڑی سزا کیا ہوتی ہے؟ جب وہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا سچ بولنا چاہیں تو ساری دنیا ماننے سے انکار کر دے۔ میرے معاف کرنے کے باوجود اس کو اپنے اعمال کے نتائج بھگتنا ہوں گے۔''

تالیہ کی آنکھیں خشک تھیں مگر دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا تھا۔ ''آپ کو چور اتنے برے کیوں لگتے ہیں؟''

''کیونکہ وہ صرف آپ سے آپ کے پیسے نہیں چراتے۔ وہ ان پیسوں سے جڑے آپ کے خواب چرا لیتے ہیں۔''

''اور خواب چرانے والوں کی کیا سزا ہونی چاہیے؟'' وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھ کے کہہ رہی تھی۔

''ان کا....'' (فاتح نے کنکھیوں سے اشعر کو دیکھا) ''دایاں ہاتھ کاٹ دینا چاہیے۔''

الفاظ کی ٹھنڈک پہ اشعر نے ذرا چونک کے اسے دیکھا مگر اب وہ کھانے کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اسی اثناء میں کھٹکا ہوا تو تالیہ جبراً چہرے پہ مسکراہٹ لے آئی۔ عصرہ سامنے سے چلتی آ رہی تھی۔ ساتھ بٹلر تھا جس نے لکڑی کا ڈبہ اٹھا رکھا تھا۔ ملازم نے فوراً تالیہ کے سامنے جگہ خالی کی اور بٹلر نے ڈبہ ادھر رکھا۔

''مجھے امید ہے تم بور نہیں ہوئی ہو گی تالیہ۔'' وہ اپنی کرسی پہ واپس بیٹھتے ہوئے بولی تو تالیہ نے ''ہرگز نہیں۔ فاتح صاحب سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔'' کہتے ہوئے پینٹنگ کا ڈھکن ہٹایا۔ اندر شیشے پہ پینٹ کردہ زخمی ہرن اسی طرح تڑپتا دکھائی دے رہا تھا۔ یہ وہی تھا جو اس نے پینٹ کیا تھا۔ وہ ایک ایک رنگ کو پہچانتی تھی۔

''بے عیب!'' پینٹنگ کی سطح پہ ہاتھ پھیر کے وہ ستائش سے بولی تھی۔ عصرہ مسکرا کے کھانا کھانے لگی۔ تالیہ نے ایک نظر چھری کو دیکھا جو ساتھ رکھی تھی اور پھر پینٹنگ کو۔ وہ ابھی چھری سے پینٹنگ کے فریم کو کاٹ کے اندر چھپا ہوا میٹریل ان کو دکھا سکتی تھی جو ظاہر کر دیتا کہ وہ نقلی تھی۔ مگر اس سے پہلے اسے ایک اور کام کرنا تھا۔ فاتح کی ساری باتوں کو بھلا کے اس نے مسکراتا چہرہ اٹھایا۔ ''اگر میں کوئی بڑی سفارش لاؤں' تب بھی آپ اس کو مجھے نہیں دیں گی؟''

''مثلاً کس کی سفارش؟'' اشعر دیر بعد بولا تو تالیہ نے مسکرا کے فون اٹھایا اور کال ملا کے اسے چہرے کے سامنے کر لیا۔ اسپیکر آن تھا اور وہ تینوں رنگ ٹون سن سکتے تھے۔ وہ فیس ٹائم پہ کال ملا رہی تھی۔ فاتح اب سکون سے کھانا ختم کر رہا تھا۔

چند لمحے بعد اسکرین پہ ایک گندمی رنگت کے آدمی کا چہرہ نمودار ہوا۔ ''مجھے تمہارا پیغام مل گیا تھا تالیہ۔ تم ضروری بات کرنا چاہتی تھیں؟'' سلام کے بعد وہ بولا تھا۔ تالیہ نے مسکرا کے اسکرین عصرہ کے سامنے کی۔ ''یہ شیخ جاسم ہیں' میرے اچھے جاننے والے۔ وہ گھائل غزال انہی

کی ملکیت تھی۔ انہوں نے ہی دی ہو گی نا آپ کو؟'' سادگی سے پوچھا۔ عصرہ کھاتے کھاتے رکی۔ بھنویں سکڑیں۔ چہرہ سامنے کیا۔ پھر آنکھوں میں تعجب اور بے یقینی در آئی۔

''السلام علیکم۔ آئی ایم سوری مگر..... میں ان سے تو نہیں ملی۔ وہ تو کوئی اور تھے۔'' وہ ایک دم الرٹ نظر آتی تھی۔ فاتح چونکا مگر اشعر اسی طرح بیٹھا رہا۔ پر سکون۔

''جی مسز عصرہ آپ مجھ سے نہیں ملیں۔ آپ میرے کزن جاسم الثانی سے ملی تھیں اور وہ پینٹنگ اس نے آپ کو ہمارے پورے خاندان کی طرف سے عطیے میں دی تھی۔'' تالیہ جو مسکرا کے ساری کارروائی دیکھ رہی تھی' ان الفاظ پہ اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ فوراً سے اسکرین اپنی طرف موڑی۔

''اوہ..... وہ آپ کے کزن تھے؟'' دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔ الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ (یہ سب ملے ہوئے تھے؟)

''جی بالکل۔ اب آپ کو مجھ سے کیا فیور چاہیے تالیہ۔''

وہ اس لمحے کے لئے تیار نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا وہ شیخ کو اس کے ملازم کے اسکام سے آگاہ کرنے جا رہی ہے مگر یہاں تو.....

''چونکہ آپ کے ہاتھ سے مسز عصرہ نے پینٹنگ وصول نہیں کی اس لئے میں کچھ کہنے کے قابل نہیں ہوں فی الوقت۔'' الوداعی کلمات کہہ کر اس نے فون بند کیا' ذہن تیزی سے چل رہا تھا۔ بدقت مسکرا کے عصرہ کو دیکھا۔ ''میں آپ کی خواہش کا احترام کرتی ہوں۔ میں کوئی سفارش کیے بغیر نیلامی میں دوسرے لوگوں کی طرح ہی حصہ لوں گی اور چاہے جتنی قیمت ادا کرنی پڑے میں کروں گی۔''

''تالیہ....'' عصرہ کچھ غیر آرام دہ لگ رہی تھی۔ جیسے سوچ میں الجھی ہو۔ ''تمہیں کوئی شک ہے پینٹنگ کے بارے میں کیا؟ مطلب تم آرٹ کی پہچان رکھتی ہو' اگر کچھ کھٹک رہا ہے تو پینٹنگ تمہارے سامنے رکھی ہے۔ بتاؤ۔''

''جی تالیہ..... بتایئے۔'' اشعر بھی اتنی توجہ سے بولا تھا۔ اس نے باری باری دونوں کے چہروں کو دیکھا اور پھر.....فاتح کو۔ وہ پھلوں کے رس کے گھونٹ بھرتا خاموش آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ تالیہ پینٹنگ پہ جھکی' اس کو باہر نکالا' اور ذرا اوپر اٹھایا۔ عصرہ ہاتھ روک چکی تھی۔ سانس بھی تھم چکا تھا۔

وہ چند لمحے پینٹنگ اور اپنے ساتھ رکھی چھری کو دیکھتی رہی۔ دیکھتی رہی۔ پھر اس نے پینٹنگ واپس رکھی اور گہری سانس لے کر ان تینوں کو دیکھا۔

''یہ اصلی ہے۔ سو فیصد اصلی۔''

عصرہ کی سانس بحال ہوئی اور اشعر کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ (اس کو آرٹ کی پہچان نہیں ہے' شاید صرف فیشن کی ہے۔ مگر اچھا ہے۔)

فاتح نیپکین سے ہونٹ تھپتھپاتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ''مجھے اجازت!'' پھر رک کے تالیہ کو دیکھا۔ ''اچھا لگا تم سے مل کر۔ نیلامی میں ملاقات ہو گی اب۔'' رسماً کہہ کر وہ باہر کی جانب بڑھ گیا۔ اس سے زیادہ پرفارمنس وہ نہیں دکھا سکتا تھا اور عصرہ مطمئن تھی۔

''مگر آپ مجھے ایک اور فیور تو دیں گی نا مسز عصرہ۔'' وہ سوچ سوچ کے بولی تھی۔

☆☆========☆☆

تالیہ مراد کے جانے کے بعد اشعر عصرہ سے مل کر دروازے تک آیا تھا کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔ شیخ جاسم کا میسیج آیا تھا۔ اس نے مسکرا کے جواب لکھا۔ ''میں جانتا تھا ہماری ڈونر آپ کی ہی سفارش لائے گی۔ مدد کا شکریہ۔ میری حکومت میں آپ کو اس مدد کا اچھا بدلہ ملے گا۔''

وہ اچھے موڈ میں لگ رہا تھا۔ پیغام بھیجا ہی تھا کہ ایک کال آنے لگی۔ موبائل کان سے لگا کے ہیلو کہا مگر دوسری جانب سے کہے گئے الفاظ سن کے رنگت بدلتی گئی۔

''کون سا لنک؟'' چہرہ سفید پڑا پھر سرخ۔ ''وہاٹ؟'' وہ دھاڑا۔ پھر فون بند کیا اور تیزی سے واپس آیا۔ عصرہ کمرے میں جا چکی تھی اور ایڈم گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے ایڈم کو بازو سے تھام کے روکا۔

''آبنگ کہاں ہے؟'' اشعر کے تیور دیکھ کے وہ ٹھٹھک گیا۔ ''وہ اسٹڈی میں....'' اشعر نے اسے چھوڑا اور آگے دوڑا۔ دیوانہ وار زینے پھلانگے اور دھاڑ سے اسٹڈی کا دروازہ کھولا۔

وہ سامنے اپنی کرسی پہ بیٹھا' لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ ایک نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''اخبار میں موجود تمہارے ذرائع نے خبر دے دی تمہیں؟'' ٹھنڈے انداز میں سوال کیا۔ وہ آندھی طوفان کی طرح اس کے سر پہ آپہنچا۔

''آپ نے.... آپ نے ان کو میرا لنک دکھایا؟'' میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کے وہ جھکا اور غصے سے غرایا۔ فاتح نے عینک اتار کے پرے رکھی اور ٹیک لگا کے اسے فرصت سے دیکھا۔

''میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا' کوئی الزام نہیں لگایا۔ تم اس اینٹی چائینیز تنظیم کے ساتھ منسلک تھے' ایش!''

''وہ برسوں پرانی بات ہے۔'' اس نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ ''وہ بچپن کا ایک کریز تھا۔ کسی کو بھی نہیں معلوم تھا۔ مگر آپ نے اسے کھول دیا۔ واؤ۔ مجھے یقین نہیں آرہا۔ کل پورا ملک مجھے racist کہہ رہا ہوگا۔ سارے چینی اکٹھے ہو جائیں گے کہ میں چینی قوم سے نفرت کرتا ہوں۔ یا اللہ۔ یا اللہ۔'' وہ سیدھا ہوا اور پیشانی کو دونوں ہاتھوں سے تھاما۔

فاتح گال تلے تین انگلیاں رکھے اسے دیکھے گیا۔ ''ایک لڑکا تھا.... بہت ذہین' بہت....'' اشعر تیورا کے گھوما اور غصے سے اس کو دیکھا۔

''مجھے اس وقت آپ کی کوئی کہانی نہیں سننی۔''

''.... بہت عقلمند' بہت پھرتیلا سا۔ اپنے ماں باپ کے بعد وہ سب سے زیادہ اپنی بہن سے قریب تھا۔ اکثر چھٹیاں گزارنے امریکہ آتا تھا۔''

اشعر تھم گیا۔ آنکھیں ابھی تک غصے سے لبریز تھیں مگر اب وہ سن رہا تھا۔

فاتح کے پیچھے کھڑکی کے شیشے پہ ٹپ ٹپ بارش برسنے لگی تھی۔

''جب میں رات دیر تک کام کرتا رہتا...تو وہ میرے پاس آکر بیٹھ جاتا تھا۔ مجھ سے پوچھتا تھا' آبنگ آپ اتنی محنت کس چیز کے لئے کررہے ہیں؟ میں اس کو بتاتا کہ میں اسٹیٹ اٹارنی (شہر کے پراسیکیوٹر) کا الیکشن لڑ رہا ہوں۔ وہ پوچھتا' آبنگ لوگ الیکشن کیوں لڑتے ہیں؟ تو میں کہتا' مختلف وجوہات ہوتی ہیں مگر ایک وجہ سب میں مشترک ہوتی ہے۔'' اس کی نظریں اشعر پہ جمی تھیں' جو اسے لب بھینچے دیکھ رہا تھا۔

''اور وہ ہے.... طاقت حاصل کرنے کا جنون۔ خود مختاری اور طاقت.... یہ سب کو اچھی لگتی ہے۔ تب وہ نوجوان لڑکا مجھ سے کہتا تھا' آپ میں اور آپ کے مقابل میں پھر کس شے کا فرق ہے اگر آپ دونوں کو طاقت ہی چاہیے ہے۔''

قطرے زور زور سے کھڑکی پہ برس رہے تھے گویا شیشے کو چکنا چور کر ڈالنا چاہتے ہوں۔ اشعر کا تنفس آہستہ ہو چکا تھا۔ رنگت بحال ہو رہی تھی۔ وہ بس خاموش نظروں میں چبھن لئے فاتح کو دیکھے جا رہا تھا۔

''تب میں نے اس کو بتایا کہ جو میرا مخالف ہے وہ ایک دفعہ اسٹیٹ اٹارنی رہ چکا ہے اور اس نے بڑے بڑے مجرموں کے کیس رشوت لے کر بند کیے ہیں۔ اس کو طاقت اپنی دولت بڑھانے کے لئے چاہیے۔ مجھے طاقت زمین پہ اللہ کا انصاف قائم کرنے کے لئے چاہیے۔ پھر اس نے پوچھا۔ انسان کو معلوم کیسے ہوتا ہے کہ اس کو طاقت کیوں چاہیے؟ میں نے کہا' اس کے طریقے سے۔ تب جانتے ہو اشعر' اس لڑکے نے مجھے کیا کہا تھا؟'' اس کی آواز میں دکھ در آیا اور اشعر... اس کی فاتح پہ جمی آنکھوں میں گلابی نمی اترنے لگی۔ پلکیں بھیگنے لگیں۔

''اس لڑکے نے کہا۔ آبنگ اگر میں کبھی طاقت کی ہوس میں مبتلا ہو جاؤں تو مجھے روک لینا۔''

باہر بجلی زور کی کڑکی۔ پل بھر میں سارا شہر روشن ہو گیا' اشعر کی آنکھ کے کنارے پہ ایک آنسو اٹکا ہوا تھا۔ اگلے ہی پل پھر سے اندھیرا چھا گیا۔ آنسو اس نے اندر اتار لیا۔

''آپ کو لگتا ہے مجھ میں اور آپ میں فرق ہیں؟'' وہ سابقہ غراہٹ سے بولا تھا۔ ''آپ وائٹ نائٹ ہیں اور میں سیاہ بھیڑ؟ مگر نہیں۔ ہم دونوں ایک جیسے ہیں کیونکہ ہم دونوں کو ایک ہی چیز چاہیے۔ آپ نے وزیرِ اعظم بن کے وہی کرنا ہے جو موجودہ وزیرِ اعظم کر رہی ہے۔ کرسی لینے کے بعد سب ایک سے ہو جاتے ہیں' آبنگ۔'' پھر اس نے افسوس سے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ ''مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ یوں مجھے تباہ کرنے کی کوشش کریں گے!''

''اوہ لیکن میں تمہیں تباہ نہیں کر رہا۔'' اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ ''میں یہ بات لائیو ٹی وی پہ بھی کہہ سکتا تھا مگر میں نے اس اخبار کا انتخاب کیا جہاں تمہیں وقت سے پہلے خبر مل جائے گی مگر اس رپورٹر کو چنا جو خبر لگائے گی ضرور۔ میں نے ایش تمہیں ایک موقع دیا ہے۔''

وہ ٹیک لگائے' نرمی سے کہہ رہا تھا۔ ' کل جب تم ایک اسکینڈل کی زد میں ہو گے اور تمہیں racist کا خطاب مل جائے گا اور تم چائنیز اکثریت ووٹ کھو دو گے' تو میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم اس کو فکس کیسے کرو گے۔ ایک بزنس مین کی طرح' یا ایک لیڈر کی طرح؟ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے حق میں دستبردار ہو جاؤں تو پہلے مجھ پہ ثابت کرو کہ تم.... مجھ سے.... بہتر ہو۔ تب میں اس بارے میں سوچ سکتا ہوں

ورنہ....'' وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور سامنے کھڑے اشعر کے برابر آ کر اس کا چہرہ افسوس سے دیکھا۔ ''ورنہ پھر ہم دونوں کرسی کے لئے لڑیں گے۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ لڑنا تمہارا حق ہے' مگر میں یہ ضرور دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کیسے لڑو گے۔ میں نے اس لڑائی میں آریانہ کو کھویا ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کچھ کھونے کی اہلیت رکھتے ہو یا نہیں۔''

مگر وہ جواباً نفرت سے پھنکارا تھا۔ ''مجھے معلوم تھا' ہم ایک دن اس مقام پہ ضرور آئیں گے۔ آپ کو معلوم نہیں تھا۔ میں تیار ہوں' آپ نہیں۔'' ہاتھ اٹھا کے اشارے سے سلام کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اسٹڈی سے باہر نکل گیا۔ فاتح ہلکا سا مسکرایا اور واپس کرسی پہ بیٹھا۔

(تیار تو دور کی بات ایش... میرے پاس کوئی کارڈ بچا ہی نہیں ہے کھیلنے کے لئے۔ میں نے ساری عمر تم پہ اعتبار کیا اور تم نے ہر طرف سے مجھے مفلوج کر دیا۔) کھڑکی کے باہر بارش کو دیکھتا وہ زخمی سا مسکرا رہا تھا۔ خود پہ۔ زندگی پہ۔ برشے پہ۔

☆☆=========☆☆

وہ لاؤنج میں داخل ہوئی اور پرس اٹھا کے زور سے فرش پہ پھینکا' پھر غصے و بے بسی کے عالم میں صوفے سے کشن اٹھا کے دیوار پہ مارا۔

آوازیں سن کے داتن نیچے تہہ خانے سے اوپر آئی تو دیکھا' وہ سر دونوں ہاتھوں میں گرائے صوفے پہ بیٹھی تھی۔

''بریسلیٹ نہیں ملا؟'' تالیہ نے چہرہ اٹھایا تو آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔

''مل گیا ہے۔''

''یعنی کرائے بے بی اسکام کام کر گیا۔ گڈ۔ پھر منہ کیوں لٹکا ہوا ہے؟'' وہ دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''پینٹنگ کی اصلیت نہیں کھول سکی۔ وہ شیخ ملا ہوا تھا۔ اس نے نوفل کی اسٹوری کو پکا کر دیا۔''

داتن کا منہ کھل گیا۔ ''اوہ۔ مگر تم یہ تو بتا سکتی تھیں کہ پینٹنگ نقلی ہے۔''

''کیسے بتاتی؟'' وہ زہرخند ہوئی۔ ''میں سچ بولتی کب ہوں جو اتنا بڑا سچ بولتی؟ بڑی ہمت چاہیے ہوتی ہے سچ کے لئے داتن۔ اور میرے پاس وہ نہیں تھی۔'' آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ داتن نے افسوس سے گہری سانس لی۔ ''میری بچی۔ خود کو معاف کرنا سیکھو۔''

وہ جواباً تلخی سے کچھ کہنے لگی تھی کہ دروازے پہ گھنٹی بجی۔ داتن اٹھنے لگی مگر وہ آنکھیں رگڑتی کھڑی ہو گئی۔ ''تم بیٹھو۔ ملازمہ تھوڑی ہو تم جو بٹلر نہیں ہو گا تو تم یہ کام کرو گی۔ میں خود دیکھتی ہوں۔ اور شاید تھوڑی دیر واک پہ چلی جاؤں۔ مجھے تازہ ہوا کی ضرورت ہے۔'' خود کو سنبھالتی وہ دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

پورچ اندھیر پڑا تھا۔ صرف ایک بتی روشن تھی۔ وہ قدم قدم اٹھاتی گیٹ تک آئی مگر پھر..... ٹھہر گئی۔ رفتار سست پڑ گئی۔

گیٹ اور چار دیواری چھوٹی اور برائے نام تھی۔ سامنے کھڑے شخص کے سینے تک اونچی تھی۔ اور وہ شخص.....تالیہ کی سانس منجمد ہو گئی۔

وہ درمیانی عمر کا مرد تھا۔ سانولا' چمکتی آنکھوں والا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا ڈھٹائی سے مسکرا رہا تھا۔

''میں نے سنا جب کہ اشعر محمود کسی تالیہ مراد کی تفتیش کروا رہا ہے تو میں کھٹک گیا تھا۔ سوچا ہو نہ ہو' یہ وہی تالیہ ہے۔ میری سابقہ بیوی۔''

وہ دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''سمیع!'' لب پھڑ پھڑائے۔

''اور یہ بھی سنا ہے کہ وہ تم میں دلچسپی لے رہا ہے۔ یعنی شادی وغیرہ کرنا چاہتا ہے۔ تو میں نے تمہارا پتہ اچکا اور یہاں آ گیا۔ اور اب سوچ رہا ہوں کہ پہلے کیوں نہیں آیا۔'' ستائش سے اس نے گردن اٹھا کے اونچے بنگلے کو دیکھا جو بت بنی تالیہ کی پشت پہ کھڑا تھا۔

''بڑا مال بنالیا ہے تم نے۔ یقیناً امیر دوست بنائے ہوں گے' ان کو محبت کے جال میں پھنسایا ہو گا اور پھر لوٹ کے چھوڑ دیا ہو گا۔ تم جیسی خوبصورت مگر اکیلی لڑکیاں اس کے علاوہ کچھ کر بھی نہیں سکتیں۔ لیکن کیا ہے تالیہ کہ....'' وہ گیٹ کے جنگلے پہ ہاتھ رکھے آگے بڑھا۔ وہ اس سے دو میٹر کے فاصلے پہ تھی' پھر بھی یک لخت پیچھے ہٹی۔ آنکھوں میں خوف تھا۔

''اس دفعہ بندہ غلط چنا ہے تم نے۔ سیاستدان؟ چچ چچ۔ جانتی ہو سیاستدانوں کو فرشتہ صفت بیویاں چاہیے ہوتی ہیں۔ کیا اسے معلوم ہے تم پہلے بھی ایک شادی کر چکی ہو اور منی لانڈرنگ میں انوالوڈ رہی ہو۔ یقیناً نہیں۔ یو نو واٹ....میرے پاس نکاح کی ویڈیو تک پڑی ہے مگر طلاق کہیں رجسٹر نہیں ہوئی تھی۔ اگر چاہوں تو میں تمہیں ابھی بھی اپنی بیوی کلیم کر سکتا ہوں' اور ایک دفعہ یہ ذکر کھلا تو وہ سیاستدان تمہیں باہر اٹھا کے پھینک دے گا۔ لیکن....'' وہ رکا۔ دو انگلیوں سے تھوڑی کھجاتے ہوئے مسکرایا۔ وہ برف کا مجسمہ بنے سن رہی تھی۔ ''لیکن اگر....تم میرا کوئی ماہانہ وظیفہ مقرر کر دو یہی کوئی دو تین لاکھ ہر ماہ کے ....تو میں تمہیں تنگ نہیں کروں گا۔ ابھی تم ذرا شاکڈ ہو گئی ہو' خیر سے سنبھل لو' پھر آؤں گا میں۔ اتنے برسوں بعد دیکھا ہے تمہیں۔ بیٹھ کے گئے دنوں کی باتیں بھی کریں گے۔ اچھا' چلتا ہوں۔'' ماتھے تک ہاتھ لے جا کر سلام کیا اور مڑ گیا۔

اب وہ ٹہلتا ٹہلتا سڑک پہ دور جاتا دکھائی دے رہا تھا اور تالیہ....وہ شل کھڑی تھی۔

جیسے کاٹو تو لہو نہیں۔

مارو تو جان نہیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆=========☆☆

حالم (نمرہ احمد)

قسط نمبر: 4

باب: ''میراثِ پدرِ مَن''

اس نے دیکھا....

ایک نیم اندھیر کمرہ ہے جس کی چوکھٹ پہ وہ ننھی لڑکی کھڑی ہے....کھلے لمبے بال اور پیروں تک آتا لباس.....

اندایک آدمی پشت کیے بیٹھا ہے....اس کے آگے آگ جل رہی ہے اور وہ جھک کے سلاخ پہ کسی شے کو دہکار ہا ہے....

چھوٹی لڑکی قدم قدم چلتی اس کے کندھے کے پیچھے آرکتی ہے....

''بابا!''اس کے پکارنے پہ وہ چونک کے گردن موڑتا ہے....جیسے برے خواب سے جاگا ہو....پھر جبراً مسکرادیتا ہے۔

''تم سوئیں نہیں' تالیہ؟''

''یہ لوگ کون تھے جو ابھی یہاں سے گئے ہیں؟''اس کی کم عمر باریک آواز گونجتی ہے تو وہ زیادہ چونکتا ہے' پھر اس کا ہاتھ تھام کے اسے ساتھ بٹھاتا ہے۔

''میرے دوست تھے...فوج کے ساتھی!''اور سلاخ کو انگاروں پہ پلٹتا ہے۔اس کے سرے پہ سونے کے سکے جیسا کچھ ہے۔

بچی ہتھیلیوں پہ چہرہ گرا کے سوچ میں ڈوبی کہتی ہے....''مگر وہ سپاہی تو نہیں لگتے تھے۔میں نے خود سنا تھا' وہ بار بار پمبورو کہہ رہے تھے۔''

''یا اللہ تالیہ....''مراد کے ہاتھ میں پکڑی سلاخ لرزتی ہے....گھبرا کے ادھر ادھر دیکھتا ہے....

''یہ پمبورو (شکار باز) کون ہوتے ہیں' بابا؟''

''ششش......''اس نے بوکھلا کے اسے چپ کرایا۔''تم یہ لفظ اب نہیں بولو گی۔اگر شہر میں کسی نے سن لیا تو ہم سب مار دیے جائیں گے۔''

''مگر بابا....وہ کسی خزانے کی بات کر رہے تھے؟''پھر اس کی آنکھیں چمکیں۔''مجھے بتاؤ بابا....کیا کوئی خزانہ ہے بابا؟''

آدمی گہری سانس لیتا ہے اور سلاخ آگ سے اوپر اٹھا کے دکھاتا ہے....اس کے سرے پہ گول سکہ اور ڈلی جڑی ہے۔سنہری چابی۔

''جب یہ چابی تیار ہو جائے گی تو ہم اس کی مدد سے خزانہ ڈھونڈ لیں گے۔اور پھر ہمارے شہر کے لوگوں کو عافیت مل جائے گی۔''

بچی کی آنکھیں دہکتی چابی پہ جم سی جاتی ہیں۔لب کھل جاتے ہیں۔تحیر سے'ستائش سے.....

''یہ چابی کس کی ہے؟''

''انسانوں کے سب سے بڑے خزانے کی....میں اس کو اپنے لوگوں کی مدد کے لیے تیار کر رہا ہوں....چاند کی اکیسویں پہ یہ تیار ہو جائے گی....پھر یہ ہمیں خود خزانے تک لے جائے گی۔''

''وہ کیسے؟''وہ دلچسپی سے پوچھتی ہے۔

''جو اس چابی کو پہلی دفعہ پہنتا ہے'وہ اس کو راستہ خود دکھاتی ہے'اس کو اس جگہ خود لے جاتی ہے جہاں خزانے کا قفل ہے۔ہمارے گاؤں کے لوگوں کے مسئلے ختم ہو جائیں گے۔سب امیر ہو جائیں گے۔''وہ دھیرے دھیرے سمجھا رہا ہے۔

''اسے سب سے پہلے کون پہنے گا؟''اس کی نظر دہکتی چابی پہ ٹکی ہے جس کو وہ دوبارہ آگ میں ڈال رہا ہے.....

''میں....صرف میں....تم اس کے قریب بھی نہیں آؤ گی....اب جا کر سو جاؤ....''وہ آخر میں درشتی سے کہتا ہے مگر اس کی نظریں ابھی تک چابی پہ ٹکی ہیں جس پہ چند ہندسے بار بار ابھر کے مٹ رہے ہیں....جیسے وہ بہت سے الفاظ اپنے اندر بھینچ جا رہی ہو.....

وہ عجیب سے ہندسے تھے......

☆☆=========☆☆

تالیہ واپس لاؤنج میں داخل ہوئی تو اس کا چہرہ وہ نہ تھا جس کے ساتھ وہ گھنٹی بجنے پہ اٹھ کے باہر گئی تھی۔وہ برف کی مانند سفید پڑ رہی تھی۔ٹھنڈی۔بے جان۔

داتن اسی اثناء میں دوریان (پھل) اٹھا لائی تھی اور سینٹر میز پہ رکھ کے اب انہیں کاٹ رہی تھی۔دروازہ کھلا تو منہ میں پھل بھرے'اس نے کچھ کہتے ہوئے سر اٹھایا تو تالیہ کو دیکھ کے ٹھٹکی۔وہ سفید بے جان کپڑے کی گڑیا کی طرح گویا پانی پہ قدم رکھتی آ رہی تھی۔گم صم۔شل۔

''کون تھا؟''داتن نے پلیٹ پرے ہٹائی۔ماتھا ٹھنکا۔

''سمیع۔''

''کون؟وہ بجلی کے محکمے میں جو ہمیں.....''وہ یاد کرنے ہی لگی تھی کہ تالیہ بات کاٹ کے بولی۔

''میرا شوہر....میرا ایکس!''داتن کا منہ کھل گیا۔آنکھوں میں پہلے حیرت اور پھر شاک ابھرا۔

''وہ....وہ سمیع؟''

تالیہ بے دم سی صوفے پہ گر گئی۔آنکھیں کہیں دور خلاء میں ٹکی تھیں۔

''کیا کہا اس نے؟''داتن پریشانی سے اٹھ کے اس کے پاس آئی۔''اس نے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش تو نہیں کی تمہیں؟تم نے مجھے کیوں نہیں بلایا؟''

''وہ مجھے ڈرانے آیا تھا.....شاید وہ اشعر کو جانتا ہے۔دھمکا رہا تھا کہ اشعر کو بتا دے گا کہ میں فراڈ ہوں۔''

''اس کو کیسے معلوم کہ ہم اسکامرز ہیں؟'' داتن چونکی۔

''مگر یہ تو معلوم ہے کہ میں کسی فوت شدہ امیر خاندانی آدمی کی heiress نہیں ہوں۔اگر اس نے بتا دیا کہ میں لاہور سے شادی ہو کر آئی تھی تو سوال اٹھیں گے کہ میں نے یہ دولت کیسے بنائی۔وہ میرا کور blow کر دے گا۔سب ختم ہو جائے گا۔'' اس کی آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔وہ شدید ذہنی دباؤ اور خوف کے زیرِ اثر تھی۔

''مگر اس کو اشعر وغیرہ کا کیسے علم ہوا؟''

''مجھے صرف اتنا پتہ ہے کہ اس کو میرے گھر کا معلوم ہو گیا ہے اور اب وہ پیسے مانگ رہا ہے۔اوہ داتن.....وہ سب کچھ ختم کر دے گا!'' اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا تھا۔آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے تھے۔

''تم تو بہت بہادر ہو تالیہ۔ایسے گھبراؤ تو نہیں۔تم تو بڑے بڑوں کو انگلیوں پہ گھما دیتی ہو میری بچی۔''

تالیہ نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔''سمیع وہ پہلا آدمی تھا جس نے مجھے دھوکہ دیا تھا۔میں کبھی بھی اس کے خوف سے باہر نہیں نکل پائی۔'' داتن نے دلاسا دینے والے انداز میں اس کے دونوں ہاتھ تھامے۔وہ بے بسی سے روتے ہوئے کہتی جا رہی تھی۔''میں تو سب کچھ چھوڑنے والی تھی.....بس آخری واردات.....بس آخری چوری کرنی تھی.....اور اب سمیع سب خراب کر دے گا.....یا اللہ.....اگر اس نے وان فاتح کو بتا دیا کہ میں فراڈ ہوں تو وہ مجھے بھی ایسے دیکھیں گے جیسے وزیرِ اعظم کو دیکھتے ہیں۔میں ان کی نظروں میں نہیں گرنا چاہتی۔'' اس کا سر پھٹنے کو تھا۔

''کسی کو کچھ معلوم نہیں ہو گا۔تم تالیہ ہو۔تمہارے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔میری بات سنو۔'' داتن نے اسے شانوں سے تھام کے جھنجھوڑا۔''تم وہی کرو گی جو میں کہوں گی۔تم زخمی ہرن کی پینٹنگ کے معاملے اور اس سکے کو ڈھونڈنے پہ فوکس کرو۔سمیع کو مجھ پہ چھوڑ دو۔میں اس کا منہ بند کرنے کا طریقہ ڈھونڈ لوں گی۔'' تالیہ نے گہری سانس لی اور ہتھیلیوں کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔اب وہ ابتدائی شاک سے نکل آئی تھی اور اس کا ذہن کام کرنے لگا تھا۔اب کے وہ بولی تو آواز گیلی مگر سنبھلی ہوئی تھی۔

''کچھ کرو داتن۔ایک دفعہ وہ چابی مل جائے تو میں وان فاتح کی زندگی سے دور چلی جاؤں گی۔بس تب تک سمیع کا منہ بند رکھنے کی کوشش کرو۔''

''ایسا ہی ہو گا۔اور ہاں.....بریسلیٹ مل گیا نا؟'' داتن کو خیال آیا تو پوچھا۔تالیہ پھیکا سا مسکرائی۔

''ہاں۔جیسے ہم ویٹرز بن کے پارٹیز میں عورتوں کے بچوں کو رلا کر ان کا زیور چھپاتے تھے بالکل اسی طرح۔کرائے بے بی اسکام۔مجھے بس اب وہ سکہ ڈھونڈنا ہے۔''

''اور مجھے سمیع کا حل۔'' داتن اٹھی اور اپنی چیزیں اٹھا کے پرس میں ڈالنے لگی۔کشن کے پیچھے سے ایک پرانی چھوٹی کتاب اٹھائی۔(ہم

شکار باز)۔تالیہ اب بے چینی اور پریشانی سے بڑبڑا رہی تھی۔

''کہاں ہوسکتا ہے وہ سکہ؟ نہ اس کو نیلامی پہ رکھ رہی ہیں عصرہ' نہ وہ فاتح کے سیف میں تھا۔یقیناً عصرہ کے لاکر میں ہوگا یا گھر میں کسی دوسری جگہ۔'' داتن نے کتاب بیگ میں ڈال کر دوسری چیزوں تلے چھپا دی اور اسے پکارا۔

''سمیع پہ مجھے ابھی سے کام شروع کرنا ہوگا۔میں چلتی ہوں۔''

تالیہ پھیکا سا مسکرائی اور اس کی پھلوں والی پلیٹ کو دیکھا۔''تم دوریان کھا بھی نہیں سکیں میری وجہ سے۔''

''تالیہ!'' داتن نے مسکرا کے اسے دیکھا۔''میری پیاری بچی...میری ہرنی...میری بلی...تمہارے لئے میں ہر شے قربان کر سکتی ہوں...مگر....'' چہرے پہ غصہ طاری کیا۔''...تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں دوریان قربان کروں گی۔ہونہہ۔'' موٹی عورت نے یہ کہہ کے دوریان کی پلیٹ اٹھائی' ایک قاش منہ میں رکھی اور دھپ دھپ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔تالیہ کے ابرو اکتاہٹ سے اکٹھے ہوئے۔

''میری پلیٹ واپس نہ لائیں تم تو دیکھنا۔'' پیچھے سے پکارا مگر داتن ناک سے مکھی اڑاتی باہر نکل چکی تھی۔

داتن کے جاتے ہی گھر ایک دم خاموش اور سنسان ہوگیا تھا۔اونچا محل اور اندر مقید وہ تنہا شہزادی.....

خیال سا آیا تو چونکی اور پرس کھولا۔اندر بریسلیٹ رکھا تھا۔اس نے احتیاط سے اسے نکالا۔دل دھڑکا۔مگر وہ ٹھنڈا رہا۔تالیہ نے اسے ہاتھ میں نہیں پہنا بلکہ گردن تک لے گئی۔زنجیر لمبی تھی عصرہ اس کے کنڈے کو پہلی کڑی میں ٹائٹ کر کے ڈالتی تھی تو وہ کلائی پہ فٹ بیٹھتا تھا۔تالیہ نے اسے گردن سے لگایا اور آخری کڑی میں کنڈا ڈالا....وہ اس کی گردن پہ فٹ آ گیا...کسی پھندے کی طرح.....

ایک دم ارد گرد روشنی ہوتی گئی....تیز روشنی......

تب اس نے وہ منظر دیکھا...چابی کو دھکاتا اس کا باپ اور اس سے سوال پوچھتی ننھی تالیہ....شکار باز...فوجی دوست....گاؤں کے لوگ...خزانہ....ساری باتیں گڈمڈ ہورہی تھیں۔

اس نے زنجیر نوچ کے گردن سے اتاری۔روشنی غائب ہوگئی۔

حواسوں میں واپس آنے میں اسے چند لمحے لگے تھے۔سنہری زنجیر صوفے سے نیچے جا گری تھی.....اس نے جھک کے اسے اٹھایا۔وہ بے نور رہی۔مگر تالیہ کی آنکھوں میں تحیر' خوف اور جستجو مل جل کے ابھرنے لگی تھی۔

''شکار باز....؟ مگر کس چیز کے شکاری؟'' وہ آنکھیں چھوٹی کر کے لاکٹ کو دیکھتی بڑبڑائی تھی۔

''تو یہ تھے میرے بابا...پہلی دفعہ دیکھا ان کو....'' وہ خواب کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔''بابا فوج میں تھے ....اور ان کے دوست بھی ....شکار باز۔کوئی ایسی تنظیم جس پہ پابندی ہوگی...اور یہ لوگ خزانہ تلاش کر رہے تھے..اپنے گاؤں کے غریبوں کی مدد کرنے کے لئے...''

وہ دور خلا میں دیکھتی کڑیاں ملا رہی تھی۔

''اور وہ چابی...وہ شاید انہوں نے مجھے پہنا دی ہو۔میں اسے پہن کے دور کسی جرچ میں نکل گئی ہوں گی اور کھو گئی ہوں گی۔چابی

اترتے ہی میری یاد داشت چلی گئی ہو گی اور میں کسی کو بتا نہیں سکی ہوں گی کہ میں کہاں سے آئی ہوں۔ مگر پھر مجھے میرے بابا نے ڈھونڈا کیوں نہیں؟'' اس کا ذہن الجھ الجھ رہا تھا۔ ''شاید پیچھے سے لوگوں کو معلوم ہو گیا ہو کہ وہ شکار باز ہیں اور وہ کسی مشکل میں پھنس گئے ہوں۔ شاید وہ جان سے چلے گئے ہوں۔'' دل کانپا۔ ''شاید میرے پیچھے کوئی اس لئے نہ آیا ہو کیونکہ کوئی زندہ ہی نہ رہا ہو۔ پورا گاؤں تباہ ہو گیا ہو۔ یہی وجہ ہو سکتی ہے۔ یہی کہانی ہے میری۔ اور میری ساری یادداشتیں اسی سونے کی ڈلی میں محفوظ ہیں۔''

اب وہ احتیاط سے لاکٹ کو ٹشو میں لپیٹ رہی تھی۔ عصرہ کے بریسلیٹ کو اس نے لاکٹ بنا لیا تھا۔ اپنی داستان اب کچھ کچھ سمجھ آنے لگی تھی۔

مگر کیا اس کی داستان اتنی سادہ تھی؟ ایسا کیا تھا جو اس کے بابا میں بہت عجیب سا تھا.... جو اس کمرے اور اس ننھی بچی میں بھی تھا... کچھ بہت انوکھا اور منفرد.... جس کو سمجھنے کے لئے اس کی عقل چھوٹی پڑ رہی تھی.... کچھ غلط تھا......

☆☆=========☆☆

داتن کا اپارٹمنٹ چھوٹا مگر آرام دہ لگتا تھا۔ دروازے کے باہر سرسبز گملے رکھے تھے۔ وہ لفٹ سے اتری اور بھاری بھرکم جثے کے ساتھ چلتی اپنے دروازے تک آئی ہی تھی کہ.....

''ماں!'' پیچھے سے اس کے بیٹے کی آواز سنائی دی۔ چابی لاک میں گھساتی داتن رکی اور حیرت سے مڑ کے دیکھا۔ ٹوپیس پہنے ایک نوجوان چلا آ رہا تھا۔ سیاہ رنگت اور نقوش داتن جیسے ہی تھے اور لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ داتن کے سارے وجود میں خوشی پھیل گئی۔

''عدنان' تم آج کیسے؟ آج تو ویک اینڈ نہیں ہے۔'' وہ دونوں جب اندر آ گئے تو داتن اپنا سامان میز پہ رکھتے ہوئے خوشگوار حیرت سے پوچھنے لگی۔ عدنان اب صوفے کے کنارے پہ آگے کو ہوئے ٹک گیا تھا' اور ایک گھٹنا بے چینی سے ہلا بھی رہا تھا۔ سوال پہ ننھی داڑھی کھجاتے ہوئے کندھے اچکائے۔ ''آپ آرام سے آ کر بیٹھیں تو میں بتاتا ہوں۔''

''میں قہوہ لے آؤں۔'' وہ رسان سے کہتی کچن کی طرف آئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئی اور ٹرے سامنے رکھا۔ اس میں قہوے کے ساتھ بسکٹ سے بھرا ایک جار بھی تھا۔

''میں نے یہ گندم والے بسکٹ بنائے تھے۔ تم دونوں کو پسند ہیں۔ واپسی پہ لیتے جانا۔'' وہ مسکراتے ہوئے اسے قہوہ پیش کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''آپ کی جاب کیسی جا رہی ہے؟''

داتن نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''جاب؟''

''لائبریری کے علاوہ کسی امیر عورت کے ہاں ہاؤس کیپنگ کرتی ہیں نا آپ۔''

''ہاں.... ساشا میڈم کے ہاں۔'' داتن نے گہری سانس لی۔ ''اچھی جا رہی ہے' تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''کیا وہ آپ کو قرضہ دے سکتی ہیں؟ اصل میں....'' اس نے کپ اٹھا کے گھونٹ بھرا۔ بسکٹ کو چھوا بھی نہیں۔ ''مجھے نیا کاروبار شروع کرنا ہے' بھاری رقم چاہیے۔ میں سود سمیت واپس کر دوں گا۔ واپسی کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔''

داتن کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔ پیالی میں چائے انڈیلتے ہاتھ رک گئے۔ نظریں کپ پہ جھکی رہیں۔

''کتنی رقم چاہیے؟'' آہستہ سے تھرماس واپس رکھی اور نظریں جھکائے چائے میں چینی ڈالنے لگی۔ عدنان نے جھٹ رقم بتائی۔

''یہ تو کافی زیادہ ہے مگر میں میڈم سے مانگ لوں گی۔ کب تک چاہیے؟'' پلکیں نیچی کیے وہ چمچ ہلا رہی تھی۔ ایک ہاتھ سے بسکٹوں کا جار اٹھا کے قدموں کے پاس رکھ دیا۔

''اگر دو تین دن میں مل جائے تو میں کچھ سامان خرید لوں گا۔ کام جلد شروع ہو سکے گا۔''

''میں تمہارے اکاؤنٹ میں بھیج دوں گی۔ تمہیں مجھے ریمائنڈ بھی نہیں کروانا پڑے گا۔''

''اوکے تھینک یو ماں۔'' اس کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمکنے لگا تھا۔ پھر کلائی کی گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ''مجھے کہیں ضروری پہنچنا ہے۔ چلتا ہوں۔'' پھر رک کے داتن کے پیروں کے ساتھ رکھے بسکٹوں کے جار کو دیکھا۔ ''کیا یہ میرے بچوں کے لئے بنائے ہیں آپ نے؟'' جیسے یاد نہ آرہا ہو کہ ابھی ماں نے بسکٹوں سے متعلق کیا کہا تھا۔

لیانہ صابری نے پیر سے جار کو صوفے کے نیچے ذرا سا دھکیلا۔ ''نہیں۔ یہ شوگر فری ہیں۔ ساشا کے لئے بنائے تھے۔ وہ ہر وقت ڈائٹ اور ایکسرسائز کے چکر میں زیادہ کھاتی پیتی نہیں ہے نا۔ تم جاؤ' میں پیسے بھیج دوں گی۔'' نظریں اٹھا کے ویرانی سے اسے دیکھا تو وہ مسکرایا اور سلام جھاڑتا باہر نکل گیا۔

چھوٹا سا فلیٹ بالکل خاموش رہ گیا۔ سوگوار۔ تنہا۔ ویران۔

داتن کی چائے اسی طرح رکھی تھی اور وہ بے دلی سے اس کے شفاف مائع کو دیکھے جا رہی تھی۔ ذہن کا پردہ بھی چائے کی طرح ہو رہا تھا۔ سیاہ تاریک مگر شفاف.....اور اس پہ ابھرتے مناظر.....

سات سال قبل کی وہ گرم صبح جب سارا کوالالمپور پسینے سے پگھل رہا تھا۔ ایسے میں ایئر پورٹ کی عمارت کے اندر معمول کا رش اور شور تھا۔ آوازیں' اعلانات' الوداعی ملاقاتیں اور آنے والوں کو خوش آمدید کہنا۔ مگر لیانہ صابری کو اس وقت کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ سیاہ فام بھاری بھر کم عورت جس کے گھنگریالے بال جوڑے میں بندھے تھے' سر جھکائے باتھ رومز کے آگے بنے فرش پہ وائپر سے موپ لگا رہی تھی۔

(سمجھا کریں ماں' ہم مزید ساتھ نہیں رہ سکتے' میری بیوی کو ڈاکٹرز نے ریسٹ کا کہا ہے' آپ کے ساتھ رہے گی تو روز جھگڑا ہو گا' اور اس کی صحت پہ برا اثر پڑے گا۔ وہ یعقوب بھی تو ہے آپ کا بیٹا' آپ اس کے ساتھ بھی رہ سکتی ہیں۔)

سر جھکائے وائپر لگاتی لیانہ کی آنکھ سے آنسو ٹپکا اور فرش پہ جا گرا۔ اگلے ہی لمحے پوچے کے دھاگوں نے اسے وائپ کر کے فرش کو

صاف کر دیا۔ پہلے عدنان اوراب یعقوب کی آواز سنائی دینے لگی۔

(میرے ساتھ؟ نہیں ماں۔ یہ ممکن نہیں۔ عدنان اور اس کی بیوی تو باپا کے بنائے گھر میں رہ رہے ہیں' وہ وہاں سے آپ کو کیسے نکال سکتے ہیں۔ میرا فلیٹ تو پہلے ہی بہت چھوٹا ہے اور تنخواہ کم ہے۔ مگر میرے دوست کی والدہ اولڈ ہوم میں رہتی ہیں' تمام سہولیات میسر ہیں' خوراک' رہائش' آرام۔ اور پھر اپنی عمر کے لوگوں کا ساتھ بھی ہوگا۔ ان کے اتنے دوست بن چکے ہیں وہاں اور.....)

آنسو ٹپ ٹپ فرش پہ گر رہے تھے۔ پھر اس نے آنکھیں زور سے رگڑیں اور بے رحمانہ انداز میں پوچا دائیں سے بائیں لگایا۔ بکٹ اٹھائے وہ ٹوائلٹس کی طرف آئی اور آخری ٹوائلٹ کا دروازہ سختی سے دھڑ دھڑایا۔ ''کون ہے اندر؟ نکل بھی آیئے۔ میں نے صفائی کرنی ہے۔''

(جیولری اسٹور کے مالک نے تمہیں نوکری سے نکال دیا ہے لیانہ۔ اس کو جوان اور خوبصورت لڑکی مل گئی ہے۔ تمہاری دوست کی حیثیت سے سمجھا رہی ہوں' اب کسی اسٹور میں تمہیں ملازمت نہیں ملے گی۔ کیونکہ.....) اب کانوں میں ایک دوست کی آواز گونجنے لگی تھی۔

باتھ روم سے جولڑکی باہر نکلی وہ' وہ تالیہ نہیں تھی جس کے ساتھ اب داتن کام کرتی تھی۔ وہ ایک ڈری' سہمی' قدرے الجھی ہوئی لڑکی تھی جس کی آنکھیں رونے کے باعث سرخ نظر آرہی تھیں۔ کڑھائی والی شلوار قمیض' کندھوں پہ دوپٹہ اور ہاتھوں پہ مٹی مٹی سی مہندی۔ اس کے پاس ایک ایسا بیگ تھا جس سے وہ خود بھی ناواقف تھی۔ لیانہ کو وہ بیگ اور اس کے حالات دیکھ کے سارا معاملہ بھانپنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ ائیر پورٹ پہ اکثر ایسا ہوتا تھا۔ یا لڑکیاں مجبور ہوتیں' یا ناواقف۔ مگر یہ لڑکی بہرحال یہ ماننے کو تیار نہ تھی کہ اس کا شوہر یہ سب کر سکتا ہے۔

لیانہ نے اسے چھپ چھپاتے ائیر پورٹ سے نکلوا دیا اور اپنی دوست کے گھر لے آئی جہاں وہ خود بطور پے انگ گیسٹ کے رہ رہی تھی۔ تالیہ سمجھدار تھی' ذہین بھی۔ بات جلدی سمجھ جاتی اور تیزی سے وہ کام کر ڈالتی۔ دوست کے سامنے لیانہ کی رشتے دار کی اداکاری بھی اچھی کر لی لیکن وہ اب بھی پریشان اور سوگوار تھی۔ یہاں تک کہ اس نے اسکائپ پہ اپنے شوہر سمیع سے رابطہ کیا تو اس کا انداز اور باتیں..... بر شے اس کا رہا سہا شک رفع کرنے کے لیے کافی تھی۔

اب لیانہ کو لگا کہ تالیہ بالآخر مان گئی ہے کہ اس کے شوہر نے اسے صرف استعمال کیا اور آگے بھی کرنا تھا کیونکہ نوجوان گھریلو لڑکیوں کے بیگز ائیر پورٹ پہ کم ہی کھولے جاتے ہیں۔ لیکن مان جانے کے بعد وہ بالکل چپ ہو گئی۔ سمیع کو معلوم نہ تھا وہ کدھر ہے۔ وہ لیانہ کی دوست کے اس کمرے میں بالکل مقید ہو کے رہ گئی۔ خاموش۔ صدمے میں۔

پھر چند دن بعد اس نے خود کو سنبھالنا شروع کیا۔ اس سے لیانہ کا کوئی رشتہ نہ تھا لیکن وہ لڑکی اسے اچھی لگی تھی۔ بے حد ذہین اور قابل لیکن بے بس اور دکھی۔ خود کو ٹکڑا ٹکڑا کر کے اس نے جوڑا اور سمیع سے رابطہ کیا۔ شرط یہی طے پائی کہ وہ اسے طلاق دے گا تو وہ بیگ واپس کرے گی۔ سمیع کاغذات کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا اور چونکہ اس کے اسکائپ کے نکاح کا بھی کوئی ثبوت نہ تھا' (وہ ملائیشیا اپنے ملے پسِ منظر کے باعث آئی تھی۔ سپاؤز ویزا پہ نہیں۔) اور تالیہ اس سے جان چھڑانا چاہتی تھی' اس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ اس کو فون پہ طلاق

دے ڈالے۔ وہ ایک نئے ملک میں تنہا لڑکی تھی جس کو پیچھے بھی سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا۔ سمیع سے کوئی بعید نہیں معاملہ کتنا لٹکائے اور کاغذات کے لیے اس کو سمیع سے ملنا پڑتا اور لیانہ کو ہمیشہ لگا کہ وہ سمیع کا نام سن کے بھی خوفزدہ ہو جاتی ہے۔

اس نے تالیہ کو کسی ایسی چیز سے ڈرتے نہیں دیکھا جو عموماً اس کی عمر کی لڑکیوں کو خوفزدہ کیے رکھتی ہیں۔ طوفان، سانپ، بچھو۔ کبھی واک کرتے ہوئے کوئی موذی کیڑا نظر آ جاتا تو وہ اس کو جوتے تلے مسل کے آگے بڑھ جاتی۔ لیانہ کو اچھا نہ لگتا۔ ملے لوگ سانپوں کو بھی نہیں مارتے کہ ان کا دل دکھتا ہے۔ مگر وہ لڑکی مار ڈالتی تھی۔ ایک سمیع کے خوف سے وہ کبھی نہیں نکلی۔ طلاق دے دی، بیگ واپس ہو گیا، تعلق ختم مگر اس کے ذکر پہ وہ چونک جاتی تھی۔ وہ واحد آدمی تھا جس نے تالیہ کو اسکام کیا تھا ایسے کہ اس کا ذہن مفلوج ہو گیا تھا۔

لیانہ نے اسے ایک ریستوران میں نوکری دلوا دی۔ ویٹرس کی نوکری۔ لیانہ خود لائبریری میں کام کرتی تھی۔ دونوں اس کی دوست کے کمرے میں ہی رہتی تھیں۔ بالآخر وہ زندگی کی طرف واپس آنے لگی تھی۔ ویٹرس بن کے محنت مشقت کر کے پیسے جوڑنا.....لیانہ کو یہ تالیہ کے مسائل کا بہترین حل لگتا تھا۔ مگر پھر ایک دن.....

ریستوران میں اس روز معمول کی گہما گہمی تھی۔ تالیہ ٹرے پہ چپس، برگر اور کوک کے گلاس رکھے سامنے سے چلتی آ رہی تھی۔ یونیفارم پہنے، پونی کے اوپر پی کیپ جمائے، وہ سادہ اور سپاٹ سی ویٹرس لگ رہی تھی۔ ایک میز پہ تین مرد بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ تالیہ ان کے پاس رکی اور باری باری ٹرے سے اشیاء نکال کے سرو کرنے لگی۔ ایک رک کے یونہی اسے دیکھنے لگا۔ جیسے ہی وہ مڑی اور آگے بڑھی، اسے لگا کسی نے اسے چھوا ہے۔

وہ بدک کے پیچھے ہٹی اور غصے سے اس کو دیکھا۔ وہ آدمی مسکرا کے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''تفریح چاہیے تو گلی کے پار جاؤ.....وہاں چند رنگٹ کے عوض تفریح مل جاتی ہے۔ یہاں آ کر تمیز سے کھانا کھایا کرو۔'' غصے سے غرا کے آگے بڑھ گئی مگر ان پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔ تینوں مسکراتے رہے۔ چند قدم دور گئی تھی کہ ایک کی آواز سنائی دی۔ اس نے کوئی نازیبا بات کہی تھی۔ تالیہ کی رنگت سرخ ہوئی۔ اس کا ہاتھ قریبی میز کی طرف رینگا جہاں ایک چھری رکھی تھی۔ اس نے سرعت سے چھری اٹھائی اور گھما کر ایک دم ان کی طرف دے ماری۔ چھری گول چکر کی صورت گھومتی.....فضا میں اڑتی ہوئی.....سیدھی ان کی میز کے ساتھ دیوار کے وسط میں پیوست ہو گئی.....جیسے کسی ماہر نشانہ باز نے نشانہ باندھا ہو.....

دو گھنٹے بعد وہ لیانہ کے ساتھ اس کی لائبریری کے باہر ایک کیفے میں بیٹھی تھی اور فنگر چپس کھاتے ہوئے بولے جا رہی تھی۔

''اور پھر بہت شور واویلا ہوا۔ آخر میں میری یہ نوکری بھی چلی گئی۔ بہت سی گالیوں اور لعن طعن کے ساتھ ریستوران کی مالکن نے مجھے کسی شکاری کی اولاد کا طعنہ بھی دے دیا۔'' وہ کہہ کے ہنس دی جیسے خود بھی انجوائے کر رہی ہو یا شاید وہ زیادہ مضبوط ہو گئی تھی۔

''مگر تم نے اتنا اچھا نشانہ باندھنا کس سے سیکھا؟'' لیانہ حیران تھی۔

''پتہ نہیں۔ میں بچپن سے اچھے نشانے لگا لیتی ہوں۔ شاید مجھے یہ کام آتے ہیں۔'' اس نے بے پرواہی سے شانے اچکا دیے اور

کھاتی رہی۔

''مگر ایسی کیا بات ہوئی جو تم اتنی خوش ہو؟'' لیانہ نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے غور سے اسے دیکھا تو تالیہ نے چمکتی ہوئی آنکھیں اٹھائی۔ادھر ادھر دیکھا۔احتیاط سے آگے ہوئی اور پر جوش سرگوشی میں بولی۔

''کیونکہ جس نے میرے ساتھ بدتمیزی کی تھی' میں نے جاتے جاتے اس کا بٹوہ بھی نکال لیا۔اور اس میں اتنے ڈھیر سارے پیسے ہیں۔'' ہاتھ میز پہ رکھا تو اس میں ایک نوٹوں سے بھرا بٹوہ بھی تھا۔

''تم کسی شکاری کے ساتھ ساتھ کسی چور کی اولاد بھی لگتی ہو' تالیہ۔'' وہ خفگی سے بولی تھی۔

''ہر وقت شکار بننے سے شکاری بننا بہتر ہے موٹی عورت۔''

''مجھے موٹی عورت مت کہا کرو۔''

''تو کیا داتن پدوکا کہوں؟'' وہ ہنسی۔ (داتن پدوکا بوڑھی دادی قسم کی خواتین کے لئے دیا جانے والا سرکاری اعزاز ہوتا ہے۔)

''تو کیا میں کسی داتن پدوکا سے کم ہوں؟'' وہ گردن کڑا کے بولی تو تالیہ کے لب حیرت سے کھل گئے۔''تمہارا خواب یہی ہے کیا؟ کہ ایک دن سرکار تمہیں داتن پدوکا کا ٹائٹل دے؟''

''اگر ہے بھی تو کیا۔اتنے سال جیولری اسٹور اور اس لائبریری کی خدمت کی ہے میں نے۔حق بنتا ہے میرا۔'' وہ نتھنے پھلائے برا مان کے بولی تو تالیہ نے بے اختیار مسکراہٹ دبالی۔

''اوکے۔جب میں بہت امیر ہو جاؤں گی' میرا جزیرے پہ وہ اونچا محل بن جائے گا تو میں تمہیں یہ اعزاز دلوا دوں گی۔''

''یہ اعزاز امیر لوگ نہیں دلوا سکتے تالیہ مراد۔یہ صرف پردھان منتری (وزیرِ اعظم) دلوا سکتا ہے۔''

''تو پھر میں....'' وہ اٹھی اور میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کے جھک کے شرارت سے بولی۔''.... پردھان منتری سے شادی کر لوں گی اور اس سے پہلی درخواست یہ کروں گی کہ وہ تمہیں سچ مچ کی داتن پدوکا بنا دے۔خوش؟''

اس وقت کا وزیرِ اعظم ایسا بوڑھا اور ٹھگنا تھا کہ داتن یہ سب سوچ کے ہی کھلکھلا کے ہنس دی تھی.....

چائے ختم ہو گئی تھی۔داتن کے ذہن کا پردہ خالی ہو گیا تھا۔اس نے چونک کے سر اٹھایا تو دیکھا...وہ اپنے فلیٹ میں تنہا بیٹھی تھی۔

ایک گہری سانس لے کر اس نے موبائل اٹھایا اور اپنے اکاؤنٹ کا بیلنس چیک کیا۔اس میں بے پناہ رقم تھی۔اس نے عدنان کو میسج لکھا۔''ساشا بی بی ادھار دینے پہ راضی ہیں' میری تنخواہ سے کاٹ لیں گی' تم واپسی کی فکر نہ کرو' بس کاروبار پہ دھیان دو' صبح پیسے بھجوا دوں گی۔''

پیغام بھیج کر دل خالی سا ہو گیا۔پھر اٹھی اور جار اٹھا لیا۔اسے ان بسکٹس کو تالیہ کے لیے رکھنا تھا۔یہ محبت سے بنائے گئے تھے۔داتن کی کہانی میں ان کا تالیہ کے سوا کوئی حقدار نہ تھا۔

پھر اسے سمیع کو کھوجنے کا کام شروع کرنا تھا۔

☆☆==========☆☆

وان فاتح کے اونچے محل پہ چاند پوری آب وتاب سے چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔ ایڈم کچن سے اپنی چیزیں لے کر نکلا تو اشعر کو دھڑا دھڑ زینے اترتے دیکھا۔ وہ اس چہرے کے ساتھ نہیں پلٹا تھا جس کے ساتھ اندر گیا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں' ماتھے پہ بل تھے اور ہاتھ میں پکڑے موبائل پہ تیز چلتی انگلیاں۔ زینے پھلانگتا وہ سیدھا باہر نکل گیا۔

''اشعر آیا تھا واپس؟'' عصرہ نے اپنے بیڈروم کے دروازے سے گردن باہر نکالے حیرت سے اسے پکارا۔

''جی میم... شاید باس سے کوئی بات کرنی تھی۔ اب وہ چلے گئے ہیں۔'' اس نے رسان سے مطلع کیا تو اس نے سر ہلا دیا۔ پھر ایڈم کے چہرے کا ہیجان دیکھ کے رکی۔

''کچھ کہنا ہے تم نے ایڈم؟'' غور سے ملازم کو دیکھا جو متذبذب لگ رہا تھا۔ سوال پہ نظریں جھکا کے جھینپ گیا۔

''نہیں وہ... میم... مجھے کچھ چاہیے تھا۔'' کہہ کے خود بھی پریشان ہو گیا۔ عصرہ نے ہاتھ دروازے سے ہٹا لئے اور بازوؤں کو سینے پہ لپیٹ لیا۔ ''کس سلسلے میں۔''

''وہ... میری منگیتر... میری شادی ہو رہی ہے کچھ ماہ بعد... مگر اس سے پہلے...''

''پیسے چاہیے ہیں؟'' اس نے بات کاٹ کے سادگی سے پوچھا تو ایڈم نے چونک کے نظریں اٹھائیں۔ ''نہیں میم۔ ہرگز نہیں۔'' اس کا جیسے دل دکھ گیا تھا۔ لب بھینچ لئے۔ ''مجھے صرف ایک مشورہ چاہیے تھا۔''

''اچھا بتاؤ... کیا پوچھنا ہے؟'' وہ نرمی سے بولی تو لڑکے نے آنکھیں اٹھائیں۔ ماتھے پہ ابھی تک اداسی سے در آنے والی لکیریں تھیں۔ عصرہ کو اس پہ ترس آیا۔ تیئس چوبیس برس کا نوجوان جو اگر کسی بڑے گھر میں پیدا ہوتا تو آج یوں کسی کی ملازمت نہ کر رہا ہوتا۔ خیر۔

''میری منگیتر کی سالگرہ ہے' میں پوچھنا چاہتا تھا کہ اسے کیا تحفہ دوں۔''

''اتنی سی بات؟'' وہ مسکرا دی۔ ایڈم کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔ ''کوئی اس کا پسندیدہ پرفیوم' یا کسی اچھے برانڈ کا جوڑا' یا کوئی اچھی کتاب۔ اگر ہو سکے تو جیولری دے دو۔'' پھر رکی۔ ''وہ سکہ جو میں نے تمہیں دیا تھا' جو تنگو کامل کے بیٹے نے فاتح کو گفٹ کیا تھا' وہ سنبھال رکھا تھا نا؟''

''جی میم۔'' ایڈم نے جھٹ سر ہلایا۔

اس روز تنگو کامل کے گھر سے واپسی پہ جب ایڈم نے کوٹ کی جیب سے سکہ نکال کر عصرہ کو امانت واپس کرنی چاہی تو وہ جو کار سے نکل کے اندر جا رہی تھی' کچھ سوچ کے مڑی اور اسے دیکھا۔ ''یہ تم رکھ لو۔''

''میں؟ مگر یہ تو اینٹیک ہے اور...''

''آرٹیفیشل نہیں ہے یہ مگر ہے سونے کا۔ زیور وغیرہ بنوا لینا۔ میں تمہیں تمہارے کپڑوں پہ کچھ زیادہ ہی ٹوک گئی آج۔'' وہ سادہ مگر بلا جھجک انداز میں کہہ رہی تھی۔ یہ اس کے مداوے کا ایک طریقہ تھا۔

''مگر اس نے فاتح صاحب کو دیا تھا اور....''

''اور جب جب میں اسے دیکھوں گی مجھے یاد آتا رہے گا کہ فاتح نے ایک ننھے بچے کا کیسے دل دکھایا ہے۔'' اس کا اشارہ فاتح کا سکے کو نقلی کہنے پہ علی کامل کا چہرہ بجھ جانے کی طرف تھا۔ ''رکھ لو۔'' وہ شانِ بے نیازی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

''جی میم.... وہ سکہ ماں نے سنبھال رکھا ہے۔''

''اس کی انگوٹھی وغیرہ بنوالو اور اس کو دے دو۔ خوش ہو جائے گی۔''

ایڈم نے سمجھداری سے سر ہلایا اور تشکر سے مسکرایا۔ ''شکریہ میم!'' عصرہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر کو جنبش دی اور پیچھے ہٹ کے دروازہ بند کر دیا۔

''تم نے وہ لاکٹ دیکھا جو مہمان خاتون تالیہ نے بیگم صاحبہ کو تحفے میں دیا ہے؟'' وہ اپنا بیگ اٹھانے کچن میں آیا ہی تھا کہ دونوں ملازمائیں فرج کھولے کھڑی کھسر پھسر کرتی دکھائی دیں۔

''ہاں.... اُف.... کیا خوبصورت لاکٹ تھا۔ مہنگا بھی بہت ہوگا۔ تم نے اس کے اندر لگے ہیرے دیکھے؟ پورے پانچ تھے۔''

''یا اللہ!'' وہ حیران ہوا۔ ''تم لوگ مالکوں کی چیزوں پہ اتنی گہری نظر رکھتی ہو کیا؟''

ملازمہ پلٹی اور تندہی سے اسے گھورا۔ ''ملازم کا کام نظر رکھنا ہی ہوتا ہے۔ چاہے آگے مالک ہوں یا دوسرے ملازم!'' پھنکار کے اطلاع دی اور واپس مڑ گئی۔ مگر ایڈم محمد ایک دم بالکل سُن رہ گیا۔ ملازم کا کام نظر رکھنا ہی ہوتا ہے۔ چاہے آگے مالک ہوں یا دوسرے ملازم؟؟؟

ذہن میں بجلی کا کوندا سا لپکا اور اس کے چودہ طبق روشن کر گیا تھا.....

بیگ اٹھا کے وہ بے اختیار باہر کو بھاگا.....

تنکو کامل کے گھر کے گیٹ کے باہر گیلی سڑک ویران پڑی تھی۔ رات کی تاریکی کو اسٹریٹ پولز نے روشن کر رکھا تھا۔ بارش کچھ دیر ہوئی رک چکی تھی۔ ایسے میں سامنے اُگے درختوں کی اوٹ میں ایڈم کھڑا تھا۔ کوٹ ندارد تھا' سادہ شرٹ پینٹ میں ملبوس وہ آنکھیں چھوٹی کر کے گیٹ پہ جمائے ہوئے تھا۔

بالآخر گیٹ کھلا اور ایک ملازمہ باہر نکلتی دکھائی دی۔ یہ ملازموں کی چھٹی کا وقت تھا۔ یقیناً اسے بس اسٹاپ کی طرف جانا تھا۔ ایڈم محتاط قدموں سے درمیان میں فاصلہ رکھے اس کا پیچھا کرنے لگا۔

چند منٹ بعد وہ مین روڈ پہ آ گئی۔ گاڑیاں زن سے سامنے سے گزرتی جا رہی تھیں۔ ملازمہ بس کے انتظار میں ایک جگہ کھڑی ہو گئی۔ تب وہ تیز تیز چلتا اس کے قریب آیا۔ ''بات سنیں۔'' مصروف الجھے ہوئے انداز میں اسے پکارا۔ تو وہ چونک کے پلٹی۔

سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ وہ اندھیرے میں کھڑا تھا' پھر بھی وہ اسے دیکھ سکتی تھی۔ شاید پہچانی نہیں تھی کیونکہ ایڈم کو نہیں یاد اگر اس ملازمہ سے اس کا پہلے آمنا سامنا ہوا ہو۔

''تنگو کامل بن محمد کے گھر کام کرتی ہیں آپ؟'' دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ جھوٹ نہیں بولتا تھا مگر سچائی کو کھوجنے کے لئے آج اسے جھوٹ بولنا تھا۔

''ہاں.... کیوں؟'' وہ چونکی ہوئی۔

''مجھے تالیہ نے....'' تھوک نگلی۔ زبان لڑکھڑائی۔ ''بھیجا ہے۔ تالیہ نے کچھ تحائف بھیجے تھے آپ کے لئے اور اپنی ساری ساتھی ملازماؤں کے لئے۔'' بولتے بولتے اسے سانس چڑھنے لگا۔ جھوٹ بولنا کتنا دشوار تھا۔

ملازمہ کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ خوشگوار سی حیرت۔ ''اس نے تحائف پاکستان سے بھجوائے ہیں؟ وہ تو پاکستان چلی گئی تھی نا۔''

اور ایڈم اس لمحے بالکل پتھر کا بت بن گیا۔ یعنی تالیہ واقعی ان کی ملازمہ تھی؟

وہ سرخروئی کا لمحہ تھا۔ اس کا جج جیت گیا تھا۔ اس کے اعضاء نے اس سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ ایڈم سچا تھا۔ تالیہ جھوٹی تھی۔

''جی۔'' بدقت وہ بول پایا۔ ''مگر.... میں ذرا کنفیوزڈ ہوں۔ میں نے آپ کو تنگو کامل کے گھر سے نکلتے دیکھا لیکن کیا آپ واقعی تالیہ کے ساتھ تنگو کامل کے گھر کام کرتی تھیں؟ یہ نہ ہو میں تحائف کسی اور کو دے بیٹھوں۔''

''ہاں ہاں۔ میں نور ہوں۔ تالیہ مجھے جانتی ہے۔''

مگر اس نے پیشانی پہ آیا پسینہ پونچھا' جیسے کافی الجھ گیا ہو۔ ''اور کتنا عرصے آپ دونوں نے ساتھ کام کیا؟ سوری مگر مجھے کنفرم کرنا ہے کہ....''

''دو ماہ.... وہ دو ماہ پہلے آئی تھی' اس نے ریستوران میں تنگو کامل کے بیٹے کی جان بچائی تھی' یونواس کو الرجی ہے مونگ پھلی سے اور اس نے غلطی سے سلاد میں سے مونگ پھلی کھالی تو تالیہ جو وہاں ویٹرس تھی اس نے کوئی گھاس پھوس بچے کے منہ میں ڈالا جس سے اس کی حالت سنبھل گئی۔ ویسے کیا بھیجا ہے تالیہ نے۔''

''کچھ کپڑے اور پرفیومز ہیں۔ باقی ملازموں میں بھی آپ کو ہی بانٹنے ہوں گے۔ مگر اتنا سامان جو میں آپ کے حوالے کروں اور کل کو آپ کہیں کہ آپ تالیہ کو جانتیں تک نہیں۔'' ذرا سی ہمت کر کے بولا تو لڑکی کی آنکھوں میں خفگی ابھری۔ ''کتنی دفعہ بتاؤں کہ اس کو جانتی ہوں۔ آپ تالیہ سے بات کروادیں میری۔''

''تا کہ وہ مجھے ڈانٹے کہ میں نے اس کی دوست پہ شک کیوں کیا؟ مگر ایک منٹ۔'' اس نے سیل فون نکال کے ایک تصویر سامنے کی۔ ''کیا یہ تالیہ ہے؟''

وہ کسی چینی اداکارہ کی تصویر تھی۔ نور نے الجھ کے سر نفی میں ہلایا۔ ایڈم نے اسکرین آگے کی۔ ایک ملے اداکارہ۔ نور نے اچنبھے سے پھر

ناں کی۔ تیسری تصویر وہ سامنے لایا تو وہ سنہری بالوں والی تالیہ تھی۔ نور نے گہری سانس لی۔ ''امتحان لے رہے تھے آپ میرا؟ یہی ہے تالیہ۔ مگر.....'' اس نے انگلیوں سے اسکرین پہ چٹکی لی اور تصویر زوم کی۔ ''اچھی لگ رہی ہے یہاں۔ بال رنگ کر لئے اس نے۔''

''ہاں' پہلے اس کے بال سیاہ تھے۔'' وہ بڑبڑایا۔

''لگتا ہے اچھی جگہ شادی ہوگئی اس کی۔ میک اپ وغیرہ کرنا آ گیا۔''

''شادی؟'' وہ چونکا۔ نور نے آنکھیں اٹھا کے اسے گھورا۔

''کیا ابھی تک نہیں ہوئی؟ شادی کے سلسلے میں تو اس کے نکھٹو باپ نے اسے واپس بلایا تھا۔ سارا خاندان غریب تھا' ایک یہی کماتی تھی' اور سب اس کے پیسے پہ عیش کرتے تھے۔ مجھے لگتا تھا کسی نکمے سے شادی کر دیں گے اس کی مگر اس کے کپڑے اور جیولری تو دیکھو۔ لگتا ہے وہ امیر ہے۔'' پھر سر جھٹکا۔ ''خیر۔ سامان کدھر ہے۔''

''سامان۔'' ایڈم گڑبڑایا اور جلدی سے فون اس کے ہاتھ سے لیا۔ ''وہ میں کل لا دوں گا۔ آپ کی بس آ گئی۔'' نور نے مڑ کے دیکھا' بس خراماں خراماں چلتی قریب آ رہی تھی۔ اس نے بیگ اٹھایا اور واپس پلٹی۔ ''اچھا کل صبح میں....'' مگر بات ادھوری رہ گئی۔ پیچھے کوئی نہ تھا۔ ایڈم جا چکا تھا۔

''چلو۔ کل آئے گا نا۔'' اس نے خود کو تسلی دی اور بس کی طرف بڑھ گئی۔

وہاں سے جلدی سے کھسک کے ایڈم ایک دوسری بس پکڑ کے گھر آ گیا تھا۔ وہ حیران تھا' شاکڈ تھا' خوش تھا۔

وہ سچا تھا۔ وہ لڑکی وہ نہیں تھی جو وہ خود کو کہہ رہی تھی۔ وہ شاید بہروپیہ تھی۔ فاتح کو قتل کرنا چاہتی تھی۔ ہاں یہ بات ہو سکتی تھی۔ یا اللہ ...تو انکو (آقا)....مجھے اس جھوٹ کے لئے معاف کرنا....میرے پاس سچ ثابت کرنے کا کوئی اور طریقہ نہ تھا....وہ خطرناک لڑکی ہے اور مسز تنکو کامل اس کو اس دن صاف بچا گئی تھیں....سب جھوٹ بول رہے تھے تو انکو....انہیں مات دینے کے لئے مجھے انگلیاں ٹیڑھی کرنی پڑیں۔

وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا' توبہ کرتا اپنے گھر کا چھوٹے دروازے کھول رہا تھا۔ ڈربے میں بیٹھی مرغی نے زور کی کٹاک کی۔ اس کے پروں تلے چھپے ننھے چوزے چوں چوں کرنے لگے۔ ایڈم نے ہش کیا تو مرغی کے پر جو کھل گئے تھے' دھیرے دھیرے تھم کے سمٹتے گئے اور وہ پرسکون ہوگئی۔

ایڈم دبے قدموں گھر میں داخل ہوا۔ آہستہ سے چابی گھمائی۔ لبوں پہ پرجوش مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں فتح کی چمک۔ جسم میں توانائی سی بھری تھی۔ دھیرے سے اندر آیا اور سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ مگر پھر ٹھٹکا۔

آج ماں کیوں نہیں اس کی راہ تکتی نظر آئی؟ نگاہیں سامنے کو اٹھیں۔ ایبو (ماں کو ملے میں ایبو کہتے تھے) اور باپا کے کمرے کی بتی جل رہی تھی۔ وہ بنا چاپ کے دھیرے دھیرے چلتا آگے آیا مگر پھر قدم خود بخود زنجیر ہو گئے۔

''اب کیا ہوگا؟ بھائی صاحب واقعی سنجیدہ ہیں؟'' ابو پریشانی سے کہہ رہی تھی۔

''سنجیدہ ہیں تو اتنی سفا کی سے شرط رکھی ہے نا کہ جب تک ہم ایک بنا بنایا اپارٹمنٹ یا گھر فاطمہ کے نام نہیں لگائیں گے' وہ ایڈم اور فاطمہ کی شادی نہیں کریں گے۔''

باہر کھڑے ایڈم کی سانس تھم گئی۔

''مگر وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ جانتے تو ہیں کہ ایڈم محنتی ہے اور جلد اس کو نوکری مل جائے گی اور.....''

''ان کی طرف سے دیکھو تو بات غلط بھی نہیں ہے۔ جب انہوں نے ایڈم سے فاطمہ کا رشتہ طے کیا تھا تو ایڈم فوج میں تھا' اس کا مستقبل ان کو روشن نظر آیا تھا لیکن اب ایڈم کے پاس جاب نہیں ہے اور وہ بغیر کسی سیکیورٹی کے فاطمہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہیں دے سکتے۔''

''لیکن تمہارا اسٹور بھی ہے اور ایڈم محنتی ہے' ایک دن وہ بہت اوپر جائے گا محمد۔ لوگ اس بات کا یقین کیوں نہیں کرتے؟ فوج کی نوکری دنیا کا آخری کنارہ تو نہیں ہوتی کہ اس کے بعد خلاء آجائے؟'' ابو دکھی دل سے کہہ رہی تھی اور ایڈم شکستگی سے پلٹ گیا۔

اپنے کمرے کا دروازہ اس نے بنا آواز کے بند کیا اور بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ بالکل چپ۔ ساکت۔ جیسے دل ہی تھم گیا ہو۔

کتنی ہی دیر وہ یونہی بیٹھا رہا۔ پھر اٹھا اور الماری کھولی۔ چند کپڑے آگے پیچھے کیے اور پھر.....وہ یونیفارم نکالا.....اس پہ آج بھی نیم پلیٹ یونہی لگی تھی۔ ایڈم Adam۔ اس نے نیم پلیٹ پہ انگلیاں پھیریں۔

بہت کم لوگ جانتے تھے کہ ایڈم کو دمے کی وجہ سے فوج سے نہیں نکالا گیا تھا۔ نیم پلیٹ کو خالی نظروں سے تکتے ہوئے وہ ایک دم جیسے اس کی چمکتی دھات میں مناظر دیکھنے لگا تھا......

چیخ و پکار.....ننھی لڑکی کے چیخنے کی آواز نے پورے سفاری پارک کو سر پہ اٹھا رکھا تھا۔ مجمع ٹیلے پہ کھڑا ہکا بکا سا نشیب میں اُگے شوگر سیبوں کے اونچے درخت کو دیکھ رہا تھا جس کے اوپر.....بالکل اوپر ایک دس بارہ سال کی بچی چڑھی تھی' اور خوف سے چیخیں مار رہی تھی۔

سفاری پارک کا عملہ ڈنڈے لئے آگے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ کوئی کال ملا رہا تھا' کوئی مدد کے لئے دوسروں کو پکارنے بھاگ رہا تھا۔

کیپٹن ایڈم اور میجر بدرالدین درختوں کے درمیان بنی روش پہ چلتے آرہے تھے۔ کریو کٹ بال اور سن گلاسز لگائے میجر بدر صاف رنگت کا حامل ملے نوجوان تھا۔ ایڈم کی رنگت اس سے ذرا دبی تھی۔ سادہ کپڑوں میں ملبوس' وہ چھٹی کا دن انجوائے کرنے یہاں آئے تھے اور ابھی بدر کوئی بات کہہ ہی رہا تھا کہ دور سے لڑکی کی چیخوں کی آواز آئی۔

ایڈم چونک کے گھوما۔ یہ سفاری پارک تھا' اور جانوروں سے ہر وقت خطرہ بہر حال موجود رہتا تھا۔ خدا جانے کیا ہوا تھا؟ بنا سوچے سمجھے اس نے اس طرف دوڑ لگا دی۔

''کدھر جا رہے ہو؟ ہمیں فلم کے لئے جانا ہے....ایڈم...ایڈم!'' بدر اکتا کے اس کے پیچھے دوڑا۔ وہ تیز تیز بھاگتا اونچے نیچے راستے پھلانگتا ٹیلے کی چوٹی تک آیا تو مجمع سامنے تھا اور بچی چند گز کے فاصلے پہ درخت پہ چڑھی چلا رہی تھی۔ ٹیلے اور درختوں کے درمیان گہری

''نادیہ!'' وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

''نادیہ میں فوجی ہوں۔ تمہیں فوجی اچھے لگتے ہیں نا۔''

بچی نے جواب نہیں دیا۔ آنسو بہاتی اس کو دیکھتی رہی۔

''نادیہ... اس کو مت دیکھو' مجھے دیکھو۔ مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔'' وہ اونچی آواز میں اس کو پکار رہا تھا۔ بچی نے ڈریگن سے نظریں ہٹا دیں اور اس پہ جما دیں۔ اب وہ بات سننا چاہتی تھی۔

''ہمارے جنرل صاحب کہتے ہیں نادیہ کہ...'' وہ بچی سے نظریں ہٹائے بغیر باآواز بلند بات جاری رکھے ہوئے تھا۔ ''اگر کبھی زندگی میں کسی بری عادت' کسی نہ مل سکنے والی محبت یا کسی جنون اور شوق کا شکار ہو جاؤ تو یاد رکھنا... جتنا زبردستی چیخ چیخ کے اس کو خود سے نوچ پھینکنے کی کوشش کرو گے... وہ اتنا اور تمہارے اوپر سوار ہو گا... وہ اتنا تمہیں ڈرائے گا... تم سن رہی ہو نادیہ... کسی خوفناک درندے کی طرح وہ چیز ہمیں ڈراتی رہے گی...''

درخت کی شاخیں جکڑے بچی نے بھیگی آنکھیں اسی پہ جمائے ہوئے تھی۔

''وہ کہتے ہیں... ان چیزوں کا مقابلہ بھی ایسے ہی کیا جاتا ہے جیسے کسی بڑے خوفناک درندے کا کیا جاتا ہے۔ پتہ ہے کیسے؟ پرسکون ہو کر۔ خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔ مزاحمت چھوڑ دو۔ ڈرنا چھوڑ دو۔ اپنی خواہش' جنون' پاگل پن سے جب ہم ڈرنا چھوڑ دیتے ہیں تو وہ فیز گزر جاتا ہے... تم پرسکون ہو کے اس کے گزر جانے کا انتظار کرو... ریلیکس کرو... یہ تمہیں نہیں کچھ کہہ سکتا جب تک تم پرسکون ہو.... بہادری اس کو کمزور کرے گی۔ تمہارا خوف اس کو مضبوط کرے گا۔ سنا تم نے نادیہ؟''

بچی نے گہرے سانس لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ ابھی تک شاخوں کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھی۔

''اسے تمہاری شاعری نہیں سمجھ آئے گی ایڈم۔'' بدر نے اکتاہٹ سے اسے ٹوکا تھا۔

''شدید حالات میں کوششیں بھی شدید کرنی پڑتی ہیں۔''

وائلڈ لائف کے ورکرز تیزی سے دوڑتے آ رہے تھے۔ کسی نے ڈریگن کے سامنے کٹا ہوا ہرن پھینکا۔ باقی ڈنڈے لئے فاصلے پہ احتیاط سے کھڑے ہو گئے۔ ڈریگن نے خوشبو سے ایک دم گردن موڑی اور تیزی سے اس طرف رینگا۔ درخت سے دور۔

ایڈم تیزی سے درخت کی طرف لپکا۔ بدر نے اسے پکارا مگر وہ جواباً چلایا۔ ''تم ڈنڈے کے ساتھ ڈریگن کو پکڑنے کی کوشش کرو... ورکرز کی مدد کرو۔''

اور خود آگے بھاگ گیا۔ ورکرز نے بدر کو ڈنڈا پکڑایا تو وہ برا منہ بناتا ڈریگن کی طرف بڑھا۔ ایڈم درخت کے نیچے آ کر رکا۔ ڈریگن چند قدم کے فاصلے پہ تھا۔ اس کی طرف پیٹھ کیے ہوئے وہ ہرن کے کٹے جسم میں منہ ڈالے دیوانہ وار ماس کھا رہا تھا۔ ایڈم نے سر اونچا کر کے اوپر چڑھی خوفزدہ بچی کو دیکھا۔

''اور اب تم وہی کرو جو جنون' محبت اور درندوں کے مقابلے میں کیا جاتا ہے۔ پرسکون ہو جاؤ۔ گہرے سانس لو....خود کو ہلکا چھوڑ دو۔ آگے کیا ہوگا کے خوف سے نکل آؤ۔ مجھ پہ بھروسہ کرتے ہوئے.... چھلانگ لگا دو....خود کو ہوا کے حوالے کر دو۔ میں تمہیں پکڑ لوں گا۔ شاباش نادیہ۔'' وہ بازو پھیلائے کہہ رہا تھا...آواز اب کے کافی مدھم تھی۔ مجمعے کی سانسیں تھم گئی تھیں۔ ورکرز ڈنڈے پکڑے ابھی بھی دور کھڑے تھے۔ عجیب خوف تھا جو سب پہ طاری تھا۔ بچی نے شاخ پکڑے ڈریگن کو دیکھا تو ایڈم نے پکارا۔

''یہ نہیں سوچتے کہ بری چیزیں ہمارے ساتھ کتنا برا کر سکتی ہیں۔ یہ سوچتے ہیں کہ ہم دنیا میں کتنا اچھا کر سکتے ہیں۔'' بچی نے ڈریگن سے نظریں ہٹا کے اس پہ جمائیں۔ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی....پھر کود گئی....

اس کے پیرز مین چھونے سے قبل ایڈم نے اسے پکڑ لیا تھا۔ اگلے ہی پل وہ بچی کو اٹھائے دیوانہ وار اوپر کی طرف بھاگا تھا۔ مجمع خوشی سے شور مچانے لگا اور بدر سمیت ورکرز ڈنڈے لئے ڈریگن کی طرف بھاگے۔ اس کو اب لگام ڈالی جا سکتی تھی۔

''کیا اب یہ اس کو مار دیں گے؟'' اس کی گردن کے گرد بازو پھیلائے' اس سے لگی بچی نے سراسیمگی سے پوچھا۔ وہ اسے اٹھائے ٹیلے تک آ پہنچا تھا۔

''نہیں۔ چاہے درندہ کیسا بھی ہو' ہمیں اس کی جان لے لینا اچھا نہیں لگتا۔ لیکن۔'' اس نے ایک محفوظ جگہ پہنچ کے بچی کو زمین پہ اتارا اور اس کے ہاتھ تھامے اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا' پھر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''میں جانتا ہوں تم میٹھے سیب چرانے آئی تھیں۔ تم نادیہ' آئندہ چوری نہیں کرو گی۔ چوری کا پھل کبھی میٹھا نہیں نکلتا۔ ایک ذرا سی خواہش کے پیچھے زندگیاں چٹکی میں تباہ ہو جاتی ہیں۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا اور بچی نے نظریں جھکا لی تھیں۔ اس کے ہاتھ ابھی تک ایڈم کے ہاتھوں میں تھے.....

اپنے تاریک کمرے میں بیٹھا ایڈم ابھی تک نیم پلیٹ کو تک رہا تھا.... چمکتے دھات میں سے ایک اور منظر ابھر سا رہا تھا جیسے کنویں کے پانی میں ہچکولے کھاتا چاند کا عکس ہو.....

وہ ایک ملٹری اعزازات اور کتابوں سے سجا آفس تھا۔ وردی والا بارعب شخص مرکزی کرسی پہ بیٹھا تھا اور ابرو بھینچ کے ناگواری سے سامنے یونیفارم میں الرٹ کھڑے ایڈم کو دیکھ رہا تھا۔ ایڈم کے ہاتھ سیدھے تھے' سر پہ کیپ تھی' البتہ آنکھوں پہ سخت دکھ اور بے بسی بھرے غصہ پنہاں تھا۔

''اگر میجر بدر کو کوئی اعلیٰ اعزاز مل رہا ہے تو تمہیں اس میں کیا مسئلہ ہے' کیپٹن ایڈم؟''

''سر میں یہ نہیں کہتا کہ میجر بدر کو اعزاز نہ ملے۔ اس نے ڈریگن کو اس جگہ سے ہٹایا تھا' میں مانتا ہوں' مگر سر....اس بچی کو بچانے میں میرا بھی رول تھا۔ مجھے کوئی اعزاز' کوئی انعام' کچھ بھی کیوں نہیں مل رہا؟''

''تم نے انعام کے لئے بچی کو بچایا تھا؟''

''نہیں سر۔لیکن مجھے گھر میں اور فوج میں یہی سکھایا گیا ہے کہ جب کچھ غلط ہوتے دیکھوں تو ہاتھ یا زبان سے اسے روکوں۔میں نے تب بھی یہی کیا۔اب بھی اپنے ساتھ زیادتی ہوتے دیکھ کے یہی کر رہا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے جذباتی ہو گیا تھا۔

''ایوارڈ ایک ہی شخص کو مل سکتا ہے'چونکہ بدر کا کردار زیادہ نمایاں تھا'اس لئے وہ اس کا حقدار ہے۔''

''مگر سیاحوں کی فوٹیجز.....موبائل وڈیوز جو یوٹیوب پہ موجود ہیں...ان کا کیا سر؟''

''میں مزید اس بارے میں کچھ نہیں سننا چاہتا ایڈم۔'' وہ اب کرختگی سے بولا تو ایڈم نے نظریں جھکالیں۔چند گہرے سانس لئے اور آنکھیں اٹھائیں تو ان میں زمانے بھر کے شکوے تھے۔

''میرے ساتھ یہ سب صرف اس لئے ہو رہا ہے کیونکہ میں اورنگ اصلی ہوں۔ہے نا سر!''

(اورنگ اصلی original people نچلی ذات ہے جو بظاہر ملے جیسے ہی لگتے ہیں مگر رنگت ذرا دبتی ہوئی ہوتی ہے۔ان کو ملائیشیاء میں وہی مقام عموماً دیا جاتا ہے جو امریکہ میں سفید فام کے مقابلے میں سیاہ فام کو یا انڈیا میں براہمن کے مقابلے پہ شودر کو ملتا ہے۔)

''بہت ہو گیا۔میں آئندہ یہ racist گفتگو نہ سنوں اس چھاؤنی میں۔'' کمانڈر نے میز پہ غصے سے ہاتھ مارا تو ایڈم خاموش ہو گیا۔

بیڈروم ابھی تک تاریک تھا۔وہ کھڑکی کے سامنے بیٹھا تھا۔ہاتھ میں یونیفارم اٹھا رکھا تھا جس پہ لگی نیم پلیٹ چاندنی سے مزید روشن ہو گئی تھی۔ایڈم کی اداس آنکھیں اس پہ کندہ اپنے نام پہ جمی تھیں جس پہ وہ دن آج بھی تحریر تھا جب....

وہ لاکر روم میں اپنے کھلے لاکر کے سامنے کھڑا تھا اور اندر سے کپڑے الٹ پلٹ کر رہا تھا جب پیچھے کوئی آ کے کھڑا ہوا۔ایڈم نے ایک اچٹتی نظر اپنے عقب میں ڈالی مگر پھر ٹھہر گیا۔وہ میجر بدر تھا اور ناگواری سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''سب کہہ رہے ہیں کہ تم نے جنرل نصیر کو ای میل کی ہے کہ تمہیں ایوارڈ اورنگ اصلی ہونے کی وجہ سے نہیں دیا جا رہا۔''

''میں نے وہ کہا ہے جو سچ ہے۔'' وہ بے رخی سے کہہ کر واپس اپنے کپڑے کھنگالنے لگا۔

''جنرل نصیر آج چھاؤنی آ رہے ہیں'اگر تمہیں لگتا ہے کہ وہ اس نسلی امتیاز کی کہانی کو سن کر تمہیں ایوارڈ دلوا دیں گے تو تم غلط ہو۔'' ایڈم گھوما اور سنجیدگی سے اس کو دیکھا۔

''میں یہ ایوارڈ لینے کے لئے نہیں کر رہا۔اگر صرف مجھے ایوارڈ دیا جاتا اور آپ کو چھوڑ دیا جاتا تو میں آپ کے لئے بھی ایسے ہی لڑتا۔'' پھر رکا اور گہری سانس لی۔''میں شاید اس نسلی امتیاز پہ خاموش ہو جاتا لیکن اس روز میں نے ممبر پارلیمنٹ وان فاتح رامزل کا انٹرویو دیکھا تو جانتے ہیں اس نے کیا کہا؟ وہ کہہ رہا تھا' ذاتی زندگی ہو یا کیریئر'صرف سچ بولنا اور سچ کے لئے کھڑے ہونا آپ کو ترقی دلاتا ہے۔صرف سچ آپ کو بلندی پہ لے کر جائے گا' کیونکہ وہ آپ کو ہلکا کر دیتا ہے اور آپ ہر بوجھ سے آزاد فضا میں پرواز کر سکتے ہیں۔''

وہ ایڈم کے قریب ہوا اور آواز دھیمی کی۔''اگر تم کمانڈر کے خلاف جاؤ گے تو یہ مت بھولنا کہ کمانڈر میڈیکل بورڈ بٹھا کر تمہارے دمے کی تفتیش کروا سکتا ہے۔''

ایڈم لمحے بھر کو بالکل ہکا بکا رہ گیا۔ ''مگر مجھے دمہ نہیں ہے' وہ تو صباح کے جنگل میں ٹریننگ کے باعث معمولی الرجی ہوگئی تھی لیکن میں ....'' وہ پریشان حیران سا بولا تھا۔ ''میں یہ جڑی بوٹیوں سے علاج کی کتاب پڑھ رہا ہوں' اس میں ہر بیماری کا علاج ہے' میرا دمہ چند ماہ میں ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے لاکر سے کتاب نکال کے دکھائی۔ ''اور دمے کی وجہ سے کسی کو فوج سے نہیں نکالا جا سکتا۔''

''میں تم سے ہمدردی کر رہا تھا ایڈم۔ عقل سے کام لو۔ صحت کے مسئلے کی وجہ سے فوج سے نکالے گئے تو کوئی تمہیں باڈی گارڈ بھی نہیں رکھے گا۔ منگیتر شادی سے انکار کر دے گی۔ مگر تم شاید سمجھتے ہو کہ یہ کتابیں اور یہ وان فاتح والی آئیڈیالوجی تمہیں ترقی دلائے گی؟ بیوقوف لڑکے' کبھی سوچا کہ آج صوفیہ رحمن وزیرِ اعظم کیوں ہے اور وان فاتح خود کیوں وہ ترقی حاصل نہیں کر سکا؟''

اس کے کندھے کو ہلکا سا تھپکا اور ایک ترس کھاتی نظر اس پہ ڈال کے آگے بڑھ گیا۔ ایڈم بالکل چپ رہ گیا تھا۔ گم صم.....

لاکر روم کا منظر وقت کی سیاہ اسکرین پہ غائب ہو گیا اور اس میں سے ایک روشن دن طلوع ہوا.... چھاؤنی کی انگریز کے زمانے کی بنائی عمارت کے برآمدے میں گردن سیدھی کیے کھڑا ایڈم۔ بالکل چاق و چوبند اور مستعد۔ اور سامنے کمر پہ ہاتھ باندھے کھڑا سفید بالوں والا جنرل سنجیدگی سے اس سے مخاطب تھا۔

''اور تمہارے خیال میں اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ سوچ سمجھ کے کہنا جو بھی کہنا۔''

''میں سوچ چکا ہوں سر۔ ایڈم جھوٹ نہیں بولے گا۔'' وہ سپاٹ نظروں سے سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''ایڈم کے ساتھ یہ زیادتی اس لئے ہو رہی ہے کیونکہ ایڈم ایک اورنگ اصلی ہے اور ہماری فوج آج بھی ملے کو اورنگ اصلی پہ ترجیح دیتی ہے۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے سپاٹ نظروں سے کہہ رہا تھا۔ ''اور ایڈم سچ اس لئے بول رہا ہے کیونکہ ہمارے رسول اللہ ﷺ اس دنیا کے سب سے عظیم انسان ہیں اور انہوں نے ہمیں یہی سکھایا ہے کہ چاہے زمانہ کوئی بھی ہو.... انسان کو بلندی صرف سچ عطا کرتا ہے۔ سیاسی لیڈر غلط ہو سکتے ہیں' کمانڈر غلط ہو سکتا ہے' مگر رسول اللہ ﷺ ہمیشہ سچ فرماتے تھے' اور انہوں نے ہمیں یہ بھی سکھایا ہے کہ کسی گورے کو کالے پہ فوقیت نہیں ہے' پھر ایڈم کے ساتھ کسی صاف رنگت والے کے لئے کیوں زیادتی کی جائے سر؟''

جنرل نصیر آنکھیں چھوٹی کر کے خاموشی سے اسے سن رہا تھا جو بے خوفی سے بولے جا رہا تھا....

اور جو آخری منظر ایڈم بن محمد کو یاد تھا وہ چھاؤنی میں فوجیوں کے زیرِ استعمال کمروں کا تھا۔ وہ ایک کمرے کے اندر دروازہ بند کیے دیوار کے ساتھ نیچے زمین پہ اکڑوں بیٹھا تھا.... اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا جس پہ میڈیکل بورڈ نے اس کو فوج کے لئے اَن فٹ قرار دے دیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں اسے بھینچے' سر جھکائے بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ مگر کوئی سن نہ لے' اس خوف سے سسکیاں دبائے ہوئے تھا۔ سرخ گلابی چہرے پہ آنسو لڑھکتے اس کی وردی کے سینے کو بھگوتے جا رہے تھے۔ اور وہ روئے جا رہا تھا....

''سچ تو کامیابی دیتا ہے... سچ تو انسان کو عظمت دیتا ہے.... پھر میرے خواب کیوں چھن گئے مجھ سے اللہ تعالیٰ؟ ایڈم تو صرف اپنے ملک کی خدمت کرنا چاہتا تھا' فوج کی وردی پہن کر اپنے ملک کو دشمنوں سے نجات دلانا چاہتا تھا' مگر ایڈم کی رنگت ذرا گہری ہے اس لئے ایڈم

سے یہ موقع چھین لیا گیا' اللہ تعالیٰ ایڈم اس لئے ظلم کے خلاف کھڑا ہوا تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہی سکھایا ہے کہ ظلم کو خاموشی سے برداشت کر لینے والا بھی ظالم جیسا ہوتا ہے۔ پھر ایڈم کے خواب کیوں ٹوٹ گئے' تو انکو؟''

وہ گھٹنوں پہ سر رکھے گھٹی آواز میں روئے جا رہا تھا... ہچکیوں سے.... سسکیوں سے.... مگر وقت کا پہیہ پیچھے نہیں مڑ سکتا تھا.....

اور اب اپنے تاریک بیڈروم میں بیٹھے ایڈم کو تالیہ مراد کی ''دریافت'' یکسر بھول چکی تھی۔ یاد تھا تو صرف اتنا کہ جس منگیتر کے ساتھ اس کی جذباتی وابستگی کافی عرصے سے بن چکی تھی' وہ فوج سے نکالے جانے کے بعد پچھلے ایک برس سے اس کے ساتھ اس لئے کٹی کٹی رہنے لگی تھی کیونکہ وہ اب ''بے کار'' تھا۔ ملے قوم کے لئے' اپنے خاندان کے لئے' وہ سب کے لئے بے کار تھا۔

وہ اسی طرح اداسی سے بیٹھا رہا اور رات بھیگتی رہی.... بلی اس کی کھڑکی کے سامنے منڈیر پہ بیٹھی اسے دیکھتی رہی اور چاند خاموشی سے چمکتا رہا.....

☆☆=========☆☆

رات کے اس پہر بھی کوالالمپور جاگ رہا تھا۔ تالیہ مراد اپنے گھر کا گیٹ بند کر کے باہر نکل رہی تھی۔ اس نے ٹراؤزر کے اوپر ہڈ والی لمبی شرٹ پہن لی تھی اور پیروں میں جوگرز تھے۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ گیلی سڑک کے کنارے چلنے لگی۔ تیز تیز۔ نظریں دور سامنے جمی تھیں اور ذہن پیچھے تھا.....

سات سال پہلے.....لائبریری کے لان میں ایک بینچ رکھا تھا.... ہرے گھاس پہ رکھا سرمئی بینچ جس پہ بھاری سی داتن ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ چہرے پہ حیرت اور تحیر لئے وہ منہ کھولے تالیہ کو سن رہی تھی جو اس کے چاروں طرف چکر کی صورت ٹہلتی ہاتھ ہلا ہلا کے مزے سے اپنا کارنامہ بتا رہی تھی۔

سیاہ لمبے بالوں والی تالیہ کوالالمپور میں گزارے چند ماہ میں ہی خوش خوراکی کے باعث قدرے بھری بھری ہو گئی تھی۔ رف سی اسکرٹ اور اوپر لمبی قمیض پہنے' اس کا چہرہ گلابی اور بچوں کی طرح پھولا ہوا لگتا تھا۔ آنکھوں میں چمک تھی اور لبوں پہ شرارتی مسکراہٹ۔

''پرسوں میں سوچ رہی تھی کہ سمیع کے ساتھ میں کتنا برا کرنا چاہتی ہوں؟ یونو.... بدلہ وغیرہ.... تو میرا دل چاہا میں اس کا ای میل ہیک کر لوں اور اس کے سارے راز پڑھ کے دنیا کے سامنے کھول دوں مگر پھر....'' اس نے شرارت سے چٹکی بجائی۔ ''مجھے یہ خیال آیا کہ میری طرح کتنے لوگ اپنے ایکس کا ای میل ہیک کرنا چاہتے ہوں گے؟ بس پھر کیا تھا... میں نے ایک فیک فیس بک آئی ڈی سے اشتہار لکھا اور ایسے پیجز پہ لگا دیا کہ اتنے پیسے دو اور اپنے ایکس کا اکاؤنٹ ہیک کروا لو۔ داتن' دو دن میں پانچ لوگ آ گئے جو اپنے ایکس کی ای میلز پڑھنا چاہتے ہیں۔''

''وہ تمہیں کبھی بھی پیسے نہیں دیں گے' کیونکہ تم ہیک کر ہی نہیں سکتیں۔''

وہ گھوم کے اس کے سامنے آئی اور مسکرا کے بولی۔ ''آرجنٹینا' یوراگوئے اور امریکہ سے چار لوگوں نے پیسے ایڈوانس بھیج دیے ہیں'

صرف پچاس ڈالر تو ایڈوانس مانگے تھے میں نے۔ پانچواں عقلمند تھا' پہلے ایڈوانس کے جھانسے میں نہیں آیا۔''

''اور باقی کے پچاس ڈالر؟''

''یہی تو اسکام ہے اصل۔ ایڈوانس اچھا معاوضہ لے لو اور پھر اس کی ای میلز کا جواب ہی نہ دو۔ پچاس ڈالر سے وہ غریب نہیں ہو جائے گا' مگر ہم ضرور ایک کرایے کا مکان افورڈ کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ وہ کسی بھی طرح ہمیں نہیں پکڑ سکتے۔ پیسے کلیکٹ کرنے والی سروس پہ نام بھی غلط دیا ہے میں نے۔'' وہ اس کے ساتھ آ بیٹھی اور جوش سے بتانے لگی۔

داتن نے گہری سانس لی۔ ''تالیہ..... میں تمہارے ساتھ ہوں' مگر یہ یاد رکھنا کہ ایک دفعہ ہم اس راستے پہ چل پڑے تو کبھی واپس نہیں آ سکیں گے۔ ابھی بھی وقت ہے' سوچ لو۔''

''بس کچھ عرصے کے لئے میں یہ چھوٹے چھوٹے اسکام کرنا چاہتی ہوں' پھر چھوڑ دوں گی۔ ایک گھر' گاڑی بنالوں' اچھا کاروبار سیٹ ہو جائے' پھر مجھے اس کی ضرورت نہیں رہے گی اور ہم کوئی ان سیاستدانوں کی طرح غریب عوام سے لوٹ مار تھوڑی کر رہے ہیں؟'' اس نے ہاتھ سے سڑک کی طرف اشارہ کیا جہاں مرکزی شاہراہ پہ بل بورڈ لگا تھا جس پہ وان فاتح کی تصویر آویزاں تھی۔ سوٹ میں ملبوس وہ ہاتھ بلند کیے ہوئے تھا۔ مسکراتا ہوا روشن چہرہ جس کے ساتھ چند حمایتی نعرے درج تھے۔

''میں صرف ان لوگوں سے چند ڈالر لوٹ رہی ہوں جو کسی دوسرے کے ساتھ برا کرنا چاہتے ہیں' یعنی ای میل ہیک کروانا۔ وہ میرے خلاف پولیس میں نہیں جا سکتے کیونکہ جرم کے ارادے میں خود پکڑے جائیں گے۔ اور اگر وہ اپنے پیسے کی حفاظت نہیں کر سکتے تو وہ اس پیسے کی ملکیت کے اہل ہی نہیں ہیں۔'' وہ جذباتی انداز میں دلائل دے رہی تھی۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں تالیہ..... لیکن یہ یاد رکھنا کہ ہم اس کام کو کبھی چھوڑ نہیں پائیں گے۔''

''وقت آنے پہ دیکھیں گے داتن۔ میں پارلر جا رہی ہوں۔ میری شفٹ کا وقت ہونے والا ہے۔ تمہاری بریک بھی ختم ہونے والی ہے۔ آج ہم کھانا باہر کھائیں گے۔'' وہ مسکرا کے اٹھی' بیگ کندھے پہ لیا تو داتن پیچھے سے بولی۔

''تمہارے ماں باپ..... تمہارا خاندان..... وہ تو ملے تھے نا..... ملائیشیاء کے رہائشی..... کیا تم ان کو ڈھونڈنا نہیں چاہتی؟''

تالیہ رک گئی۔ لمحے بھر کے لئے بالکل خاموش ہو گئی۔ پھر آہستہ سے مڑی تو داتن نے دیکھا' نہ وہ پریشان ہوئی تھی نہ جذباتی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی تھی۔

''انہوں نے مجھے بچپن میں ہی چھوڑ دیا۔ کوئی مجھے لینے نہیں آیا۔ میں چڑیا کا چھوٹا سا بچہ تھی جس کو انہوں نے گھونسلے سے گرایا تو دوبارہ اٹھانے کا خیال تک نہ آیا۔ میں یتیم خانے میں رہی' میں ایک فوسٹر فیملی کے پاس ملازموں کی طرح بڑی ہوئی جہاں مجھے روٹی اور پاکٹ منی کے لئے چوری کرنی پڑتی تھی' سزا سے بچنے کے لئے بروقت جھوٹی کہانی گھڑنی پڑتی تھی۔ میں نے خود ہی اڑنا سیکھ لیا' اب میں اس گھونسلے کو تلاش کر کے کیا کروں گی داتن جو میرے خوابوں سے بہت چھوٹا' بہت پیچھے رہ گیا ہے؟'' آخر میں مسکرائی تو آنکھوں میں نمی تھی۔ پھر وہ پلٹ

گئی اور سر جھکائے آگے بڑھتی گئی۔

سڑک پہ آکے اس نے ایک نظر بھی اس بل بورڈ کو نہیں دیکھا' بلکہ بس یونہی قدم اٹھاتی رہی۔ کنارے پہ اسٹالز لگے تھے۔ کتابوں' اخباروں اور پھولوں کے۔ ایک اسٹال کے سامنے وہ رکی۔ وہاں سفید پھولوں کے گول تاج بنے پڑے تھے جو قدیم زمانوں میں شاہزادیاں اپنے سروں پہ پہنا کرتی تھیں۔ تالیہ کے لبوں پہ مانوس سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

اس نے ایک تاج اٹھایا اور آگے آئی.... اسٹال کے وسط میں بڑا سا آئینہ لگا تھا۔ تالیہ نے تاج سر پہ رکھ کے آئینے میں دیکھا۔ وہ کسی شاہزادی کی طرح لگنے لگی تھی۔ مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

نظر موڑی تو سامنے اخبار سجے دکھائی دیے۔ اس نے عادتاً نوکری کے اشتہار کے لئے اخبار اٹھایا اور تہہ کھولی۔ سامنے ہی وان فاتح کی تصویر تھی اور اس کے ساتھ انگریزی میں چھپا اس کا انٹرویو۔

سر پہ تاج پہنے کھڑی لڑکی رک کے ان الفاظ کو پڑھنے لگی۔

''دو برس قبل پہلی دفعہ ممبر پارلیمنٹ منتخب ہونے والے وان فاتح بن رامزل سے جب ہم نے پوچھا کہ وہ ملائیشیاء میں کس قسم کی بہتری دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کا جواب روایتی سیاستدانوں سے ہٹ کے تھا۔

''میں جس ملائیشیاء کا خواب دیکھتا ہوں....'' اکتالیس سالہ ممبر پارلیمنٹ اور سابق امریکی اسٹیٹ اٹارنی مسکرا کے ہمیں بتانے لگے۔ ''وہاں لوگ حلال گوشت خریدنے سے زیادہ حلال کمائی کا دھیان رکھنے والے بنیں گے۔ کیونکہ بظاہر ہم نے بہت ترقی کی ہے۔ اعلیٰ تعلیم اور نوکریاں.... خوبصورت سڑکیں' اونچی عمارتیں اور بے پناہ ٹوارزم تو ہم نے اپنی قوم کو دے دیا ہے مگر ہم اپنی وہ اقدار بھولتے جارہے ہیں جن کے بغیر کوئی مسلمان مکمل نہیں ہوتا۔ دو چیزیں....'' انہوں نے ہمیں انگلیوں کی وی بنا کے دکھائی گویا یہ ان کے نزدیک فتح کی واحد وجوہات تھیں.....

''دو چیزیں ہوتی ہیں جو کسی بھی انسان کو دنیا اور آخرت میں کامیاب کرتی ہیں۔ سچائی اور ایمانداری۔ اور ملائیشیاء کے لوگوں کو اور سیاستدانوں کو یہ بات وقت پہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ اگر وہ اپنے معاملات میں سچے نہیں ہوں گے' پیسے کمانے کے لئے ایماندار ذرائع استعمال نہیں کریں گے تو وہ فراموش کردیں اس بات کو کہ ان کے رزق میں اور زندگیوں میں اللہ کوئی برکت دے گا۔ ان کی لالچ بڑھتی جائے گی اور وہ کبھی مطمئن نہیں ہوں گے۔ وہ جتنے عقلمند اور شاطر ہوجائیں' اپنے جھوٹ کھلنے کا خوف ان کو کبھی بہادر نہیں بننے دے گا۔ اب آپ صوفیہ رحمن کی مثال لے لیں' محترمہ نے دو دفعہ.....''

تالیہ نے اخبار نیچے کردیا۔ سر اٹھا کے آئینے میں اپنی صورت دیکھی۔ تاج ویسے ہی کھلا کھلا سا لگ رہا تھا مگر آنکھوں میں اداس سا ہیجان تھا۔

''آپ کو کیا چاہیے؟'' دکاندار اس کو چناؤ کا کہہ رہا تھا۔ ''اخبار یا تاج.... یا دونوں؟''

''دونوں ایک ساتھ ایک دل میں نہیں رہ سکتے۔'' وہ بڑبڑائی۔ پہلے اپنے عکس کو دیکھا' پھر اخبار کو۔ چند ثانیے کے لئے اس نے سوچا۔ پھر اخبار ڈھیرے سے واپس اسٹال پہ ڈال دیا۔ ''مجھے یہ تاج چاہیے۔ میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتی۔'' بٹوے سے چند نوٹ نکالے اور سنجیدگی سے دکاندار کی طرف بڑھائے۔ اس نے چناؤ کرلیا تھا....

مگر آج رات شہر کی بارونق گیلی سڑک کے کنارے چلتے ہوئے وہ عجیب اداسی کا شکار ہو رہی تھی۔

اس سارے راستے میں.... تخت و تاج کی تگ و دو میں.... وہ گھونسلہ تو بھول ہی گیا تھا جس سے وہ گری تھی۔ بچپن میں ان سے شکوہ ہوتا تھا.... نوعمری میں نفرت ہوتی گئی جو پھر بےزاری میں بدل کے آخر میں اپنی ہر حیثیت کھو بیٹھی۔ جیسے برف کو پکڑے پکڑے انگلیاں سُن ہو جاتی ہیں۔ ان کی طرف سے تالیہ کا دل بھی سُن ہو گیا تھا۔ بے حس۔

مگر آج اس نے اپنے بابا کو دیکھا تھا.... وہ چابی تیار کر رہے تھے اور دل نے کہا تھا کہ اس رشتے میں تخت و تاج سے زیادہ کشش تھی۔ وہ مشکل میں تھے۔ کسی ایسی مشکل میں جس کے باعث وہ اسے بچانے نہیں آسکے تھے۔ وہ بھی تو ان کو بچانے نہیں گئی۔ وہ سب کچھ بھول گئی۔ کوئی ایسے بھی بھولا کرتا ہے کیا؟

سڑک کے وسط میں پھولوں کی چوڑی سی باڑ بنی تھی جو دونوں اطراف کی سڑکوں کو کاٹ رہی تھی۔ وہ اس کے سرے پہ سخت جگہ پہ بیٹھ گئی اور چہرہ ہتھیلیوں میں گرا دیا۔

''میرا بھی کوئی گھر تھا۔'' بے خودی کے عالم میں خالی نظروں سے سامنے دیکھتے ہوئے وہ بڑبڑائی۔ ''میرا کوئی خاندان تھا.... یا شاید اب بھی ہو....'' وہ چونکی۔ ''سترہ برس ہی تو گزرے تھے۔ خاندان والے زندہ ہوں گے' اگر اس مشکل سے نکل آئے ہوں تب۔'' دل کو دھڑکا لگا تھا۔ ''مگر گاؤں.... وہ گاؤں والے۔ جانے کتنے برس انہوں نے میرا انتظار کیا ہو' اور شاید اب تک کر رہے ہوں۔'' ایک دم وہ بےچینی سے اٹھی اور ادھر ادھر دیکھا۔

وہ شاہراہ کے وسط میں پھولوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اردگرد چاروں طرف سڑکیں جاتی دکھائی دیتی تھیں۔ وہ ایڑیوں پہ پوری گول گھومی۔ کون سا راستہ اس کا تھا' کچھ معلوم نہ تھا۔

''مجھے اپنے خوابوں کو سمجھنا ہے.... مجھے اس سکے کو ڈھونڈنا ہے.... مجھے چابی کو مکمل کرنا ہے....'' ٹریفک کے رش اور شور میں وہ زور سے خود سے بولی تھی۔

''مجھے اس چابی کے ذریعے تاشہ کا خزانہ ڈھونڈنا ہے اور پھر اس خزانے سے اپنے گاؤں اور اپنے خاندان والوں کی مدد کرنی ہے۔ وان فاتح کہتا ہے کہ میری کامیابیاں کیا ہیں؟ میں اسے بتانا چاہتی ہوں کہ میں چور اور جھوٹی سہی' میں بہت بری سہی' مگر اچھے لوگوں کے ساتھ برے ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ مجھے اپنے گاؤں کو ڈھونڈنا ہے۔ مجھے اپنے خوابوں کا تعاقب کرنا ہے۔''

بالآخر اسے منزل نظر آنے لگی تھی.... ایک مقصد.... ایک ٹارگٹ....

ایک عزم کے ساتھ اس نے ہُڈ چہرے پہ گرائی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور اٹھ کے سڑک کے کنارے چلنے لگی۔ اب اس کا ذہن پرسکون اور رخ گھر کی جانب تھا.....

آج اس نے پھولوں کو دیکھا تک نہیں تھا۔

☆☆=========☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ پہ بھی بارش تھم چکی تھی۔ سارا گھر پانی سے نہایا ہوا تھا۔ ایسے میں وہ ابھی تک اسٹڈی میں بیٹھا تھا۔ پیچھے کو ٹیک لگائے وہ بظاہر پرسکون لگ رہا تھا۔ مگر جیسے کھڑکی کے شیشے پہ گدلے پانی کی لڑیوں کے نشان جم گئے تھے' اس کی سوچیں بھی ایسی ہی دھندلی ہو رہی تھیں۔

(میرا اگلا کارڈ کیا ہوگا؟ مگر میرے پاس کوئی کارڈ بچا ہے؟) اس نے سر جھٹکا۔

خیر' کارڈ بہت سے ہوتے ہیں۔ میں ان لوگوں کے سامنے کبھی نہیں جھکا۔ کوئی وان فاتح کو کنٹرول نہیں کر سکتا۔ نہ پہلے کر سکا ہے۔ اشعر کے ساتھ بھلے ساری دنیا آ کھڑی ہو' مجھے گرا نہیں سکتا وہ۔ ہارتے وہ ہیں جو ہار مان لیتے ہیں۔

اشعر سمجھتا ہے' جدوجہد کے لئے ....سیاسی طاقت حاصل کرنے کے لئے .....بے پناہ پیسہ اور تعلقات ضروری ہیں....سالوں کی محنت' لوگوں کو خوش کرنا اور اشتہار بازی کی مہم....یہ سب انسان کو مقصد تک لے جاتی ہیں۔ ایش نہیں جانتا کہ عظیم مقاصد کے لئے عظیم قربانیاں بھی دینا پڑتی ہیں۔ میں نے اس سفر میں آریانہ کو کھویا ہے۔ اشعر نے کیا کھویا ہے؟

اس نے میز کے کنارے رکھا فوٹو فریم اٹھایا۔ اس میں ننھی آریانہ ہیلمٹ پہنے گھوڑے پہ بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ ہنستے ہوئے تھوڑی اٹھی ہوئی تھی اور سامنے سے دو دانتوں کا خلاء دکھائی دے رہا تھا۔ یہ اس دن کی تصویر تھی جب آریانہ کھوئی تھی۔

اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ آریانہ کے ساتھ اس روز کیا بیتی تھی....عصرہ بھی نہیں.....

سوائے وان فاتح کے....کوئی نہیں جانتا تھا....

دل کے اس کونے میں جہاں پہلی اولاد کے نام کا خانہ ساری عمر کے لئے وقف ہو جاتا ہے' بہت ڈھیر سارا درد اٹھا تھا۔ اس خانے کو کوئی پُر نہیں کر سکتا۔ اولاد چلی جائے تو بھی وہ خانہ ویران' سوگوار رہتا ہے۔ کسی بھی قسم کی خانہ پُری کا انتظار کیے بغیر۔ صبر بھی آ جاتا ہے' ڈپریشن کا فیز بھی نکل جاتا ہے....آدمی مضبوط ہو کر آگے بھی بڑھ جاتا ہے....مگر رات کو سونے سے پہلے ...نیند کی وادی میں ڈوبنے سے پہلے .... پلک جھپکنے سے پہلے ....وہ خانہ ہر رات پکارتا ہے....وہ غم کبھی نہیں جاتا....شکل بدل جاتی ہے' کیفیت ڈھل جاتی ہے ....مگر واللہ وہ غم ساتھ نہیں چھوڑتا.....

''اگر میں اب ہار مان گیا تو سمجھو آریانہ کی قربانی رائیگاں گئی!'' پھر اس نے گہری سانس لی...فریم واپس رکھا اور موبائل اٹھایا۔

چند لمحے بعد وہ فون کان سے لگائے جب یہ الفاظ ادا کر رہا تھا تو چہرے کی مسکراہٹ سچی اور اطمینان اصلی تھا۔

"عبداللطیف ....میں نے...." (ذرا سے شانے اچکائے) اشعر کے تالاب میں کنکر پھینکے ہیں اور وہ کنکر کافی بڑے ہیں۔نہیں' پریشانی کس بات کی؟"

وہ ہلکا سا ہنسا۔"تمہیں معلوم ہے' سیاست تھرل کے ساتھ اور بھی دلچسپ ہو جاتی ہے۔تم اگلے کچھ دن کے واقعات بہت انجوائے کرو گے۔" پھر دوسری طرف کچھ سن کے رکا اور سوچتے ہوئے چہرے کی لو کو انگلی سے رگڑا۔

"میں صرف اشعر کو مصروف کر رہا ہوں۔فاتح دنیا کو مثبت سوچ سے دیکھتا ہے....مجھے تو اپنا اور ملائیشیاء کا مستقبل بہت روشن نظر آ رہا ہے....وہ جتنی چالیں چل لیں' میرے ہاتھ کوئی نیا کارڈ لگ ہی جائے گا۔فی الحال میں صرف ایک جگہ مار کھا سکتا ہوں' اور وہ ہے فنڈز کی کمی۔مجھے پیسے چاہیے ہیں۔نہیں' میں امیر دوستوں کے عطیات قبول نہیں کر سکتا۔نہ قرض لینا چاہتا ہوں۔نہیں مجھے اپنی بیوی کے پیسے بھی نہیں چاہیے ہیں۔میں ملاکہ والا گھر بیچنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ہاں' اس بارے میں کوشش کرو۔" وہ عبداللطیف کا جواب سن کے ہنسا۔"نادر اور قیمتی ہے تو کیا ہوا؟ میرے باپ کا گھر ہے' مجھے وہ بیچنا ہی پڑے گا...سوائے اس صورت میں کہ کوئی خزانہ ہاتھ لگ جائے میرے جو پارٹی چیئر مین الیکشن کا مسئلہ حل کر دے۔ورنہ کل سے ہم اس گھر کو بیچنے کی تیاری کریں گے۔" مطمئن اور روشن آنکھوں کے ساتھ وہ ٹیک لگائے' خوشگوار انداز اور بے فکری سے مستقبل کا لائحہ عمل طے کر رہا تھا.....

☆☆=========☆☆

اپنے اندھیر کمرے میں بیٹھا ایڈم ابھی تک یونیفارم کو اداس نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ایڈم فاطمہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔" اس نے تکلیف سے خود سے کہا تھا۔"وہ واحد لڑکی ہے جس سے میری برسوں سے جذباتی وابستگی ہے۔مگر ایڈم اس کو نہیں چھوڑے گا۔" اس نے بند مٹھی سے آنکھیں رگڑیں۔"ایڈم محنت کرے گا....لیکن...." ایک دفعہ پھر مایوسی اس کے ارد گرد ڈیرا ڈالنے لگی۔"ایک گھر اور کاروبار سیٹ کرنے کے لئے مجھے نوکری نہیں بلکہ...کوئی...کوئی خزانہ چاہیے....اور خزانے ہم جیسوں کے ہاتھ نہیں لگا کرتے۔"

☆☆=========☆☆

سڑک کنارے وہ ہڈ سر پہ گرائے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے تیز تیز چلتی گھر واپس جا رہی تھی....لبوں پہ بالآخر پرجوش مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں پرانی چمک۔"میرے سارے خواب پورے ہو جائیں گے۔جزیرے کے اوپر پہاڑی کی چوٹی پہ محل....ڈھیروں دولت...اور...اپنے خاندان اور گاؤں والوں کی مدد کرنا...اور اس کے لئے مجھے کہیں دفن وہ خزانہ ڈھونڈنا ہے جو اس سنہری چابی سے کھلے گا...خزانہ صرف میرا ہے کیونکہ صرف میں جانتی ہوں کہ کوئی خزانہ Exist کرتا ہے....تاشہ کا خزانہ صرف میرا ہے!"

وہ مسکرا کے سوچتی ہوئی قدم اٹھا رہی تھی......

کوالالمپور پہ اتری روشنیوں سے منور رات اسی طرح بھیگتی جا رہی تھی.....

☆☆=========☆☆

اگلی صبح کی روشنی جب پھیلی تو سورج نے وان فاتح کی رہائشگاہ کے لان میں ایڈم کو سوچ میں ڈوبا بیٹھے دیکھا۔ وہ گاہے بگاہے کلائی پہ بندھی گھڑی بھی دیکھتا کیونکہ فاتح کے جاگنگ سے واپس آنے پہ اس کو الرٹ ہو جانا تھا۔ کچن میں ملازموں کی ٹھک ٹھوک شروع ہو چکی تھی۔ اندر یقیناً بچے اور عصرہ ناشتہ کر رہے تھے۔

تبھی گیٹ کھلنے کی آواز آئی تو وہ ہڑبڑا کے اٹھا۔ مگر نوارد فاتح نہیں تھا۔

پرس کہنی پہ ڈالے وہ اندر داخل ہو رہی تھی۔ سنہرے بال اونچی پونی میں باندھے' سن گلاسز سر پہ ٹکائے' وہ سفید پینٹ کے اوپر گھٹنوں تک آتی فراک نما شرٹ میں ملبوس تھی جو ملے لڑکیاں شوق سے پہنتی تھیں۔ مسکراتی ہوئی چیونگم چباتی اب وہ گارڈ سے کچھ پوچھ رہی تھی۔ ایڈم کے ابرو بھنچ گئے۔ (یہ یہاں اتنی صبح کیسے؟)

مگر گارڈ اس کی آمد سے باخبر دکھائی دیتا تھا' اس لئے اس کو اندر لے آیا۔ وہ مسکرا کے آگے بڑھی۔ پورچ کے وسط تک پہنچی کہ دروازہ کھلا اور اندر سے عصرہ آتی دکھائی دی۔ دونوں بچے اس کے ساتھ تھے۔ اسکول کے لئے تیار۔ عصرہ خود بھی کوٹ اسکرٹ پہنے' گردن میں موتیوں کی لڑی' اور بالوں کا جوڑا باندھے تیار لگ رہی تھی۔ تالیہ کو دیکھ کے ایک دم رکی۔ آنکھوں میں جیسے ''اوہ'' والے تاثرات ابھرے۔

''تالیہ....تم آ گئیں۔'' انداز کو معذرت خواہانہ بناتے ہوئے وہ تیزی سے اس کی طرف آئی۔

تالیہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''السلام علیکم مسز عصرہ....آپ کہیں جا رہی ہیں؟ مجھے لگا آپ نے رات ڈنر پہ میرے فیور مانگنے کو سنجیدگی سے لیا تھا۔'' وہ اداس ہو گئی تھی۔ چہرہ بجھ گیا۔

''سنجیدگی سے لیا تھا تو ہامی بھری تھی کہ تم میرا پورٹریٹ بناؤ گی جس کو ہم نیلامی پہ رکھیں گے۔'' وہ نرمی سے کہتی اس کے مقابل آ رکی۔ ''مگر میرے بچوں کی ہنگامی پیرنٹس ٹیچر میٹنگ کی کال آ گئی ہے۔ صرف تھوڑی دیر کے لئے مجھے جانا ہو گا۔''

تالیہ کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ مایوس نظر آنے لگی تھی۔ ''میں اسے کوئی کیمپئین پرامس سمجھوں پھر مسز عصرہ؟''

(الیکشن سے پہلے مہم کے دوران کیے گئے وعدوں کو کیمپئین پرامس کہا جاتا ہے جو اکثر یہ کہہ کے پورے نہیں کیے جاتے کہ وہ محض کیمپئن پرامس تھے اور صرف کیمپئین کے لئے کیے گئے تھے۔)

''ہرگز نہیں تالیہ۔'' خوشدلی سے مسکراتے ہوئے عصرہ نے اسے تسلی دی۔ ''میں ابھی واپس آ جاؤں گی۔ تم تب تک خود کو گھر میں کمفرٹیبل کر لو اور اپنا پینٹنگ کا سامان سیٹ کر لو۔''

''او کے!'' تالیہ جیسے اداسی سے مسکرائی۔ عصرہ کار کی طرف آئی تو اس نے پکارا۔

''کیا میں آپ کا پورٹریٹ بنانے کے لئے اپنی مرضی کی جگہ ڈھونڈ سکتی ہوں گھر میں؟'' ڈرائیور دروازہ کھولے کھڑا تھا عصرہ نے بیٹھتے بیٹھتے مسکرا کے ''شیور'' کہا اور سن گلاسز آنکھوں پہ لگائے۔ بچوں نے کار میں بیٹھتے وقت تالیہ کو مانوسیت بھری مسکراہٹوں سے ہاتھ ہلایا تو

اس نے بھی مسکرا کے جواباً بازو لہرادیا۔ کارزن سے باہر نکل گئی اور تالیہ ان کو جاتے دیکھتی رہی۔

ادھر کار گیٹ سے نکلی' ادھر وہ ایڑھیوں پہ گھومی اور تحکم سے لان میں کھڑے ایڈم کو انگلی سے اشارہ کر کے اپنی طرف بلایا۔

''تم .....ادھر آؤ!'' وہ پورچ میں کھڑی تھی۔ایڈم لان میں تھا۔پھر رات میں وہ اس کی حقیقت سے بھی واقف ہو چکا تھا کہ وہ جھوٹی لڑکی تھی۔پھر بھی اتنے فاصلے اور دل کے میل کے باوجود کوئی رعب سا تھا اس میں جو وہ تابعداری سے چلا آیا۔

''جی' چے تالیہ۔''

''میری کار کی بیک سیٹ پہ جو باکسز رکھے ہیں' وہ لے کر میرے ساتھ آؤ اور کار کو اندر پارک کر دو۔'' کار کی چابی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی۔

''مگر میں وان فاتح کے انتظار میں بیٹھا تھا' ان کو فوراً کچھ چاہیے ہوتا ہے اور .....''

''باکسز کے اوپر ایک پاؤچ میں برشز ہوں گے' وہ لانا مت بھولنا۔'' بے نیازی سے کہہ کر وہ گھوم گئی۔

ایڈم کو برا نہیں لگا۔حالانکہ لگنا چاہیے تھا۔کوئی بھی امیر زادی اور اوپر سے یہ طرحدار لڑکی جو روپ بدل کے آئی کھڑی تھی' اسے یوں حکم دے گی تو وہ لازمی برا منائے گا مگر اس نے نہیں منایا۔کچھ تھا جو اس امیر زادی میں جو اس کے اوپر چڑھے ملمع کے باوجود فطری اور عام لوگوں جیسا تھا۔ایڈم نے چابی تھام لی اور گیٹ کی طرف چلا گیا۔

(مگر آج میں فاتح صاحب سے ضرور بات کروں گا۔جو بھی ہے' اس لڑکی کا پول کھلنا چاہیے۔)

ایڈم سامان اٹھائے اندر آیا تو وہ ڈرائینگ روم میں بڑے صوفے پہ بیٹھی تھی۔ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ جوس پیتے ہوئے' گردن پھیر پھیر کے اطراف کا جائزہ لے رہی تھی جس سے اس کی اونچی پونی جھول رہی تھی۔ایڈم نے چیزیں سامنے دھر دیں۔تالیہ آگے کو جھکی اور ایک نیلا شاپنگ بیگ اٹھایا جس میں سے کچھ کپڑے جھلک رہے تھے۔

''یہ تم لے جاؤ۔'' وہ چونکا۔پھر حیرت سے بیگ کو دیکھا۔

''میں اس کا کیا کروں گا' چے تالیہ؟''

تالیہ نے جوس کا گھونٹ بھر کے گلاس نیچے کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرائی۔''نور کو دے دینا۔کہنا تالیہ نے بھیجا ہے پاکستان سے۔اب جو وعدہ اس سے کر آئے ہو اس کو سچا تو ثابت کرنا ہو گا نا۔''

اور ایڈم بن محمد برف کا بت بن گیا۔ہکا بکا۔شل۔گویا سانس تک رک گیا ہو۔(اس کو اتنی جلدی کیسے پتہ چل گیا؟)

''اوہ پور تھنگ .....چچ چچ .....'' تالیہ افسوس سے سر ہلا رہی تھی۔''تمہیں لگا تھا تم جیسن بورن بن کے وہاں جاؤ گے اور مجھے معلوم نہیں ہو گا؟ میری دو آنکھیں میری گردن کے پیچھے بھی لگی ہیں ایڈم۔میرے بارے میں سوال مجھ سے پوچھو تو زیادہ بہتر ہو گا۔'' جوس کا گلاس رکھ کے وہ اٹھی اور مسکرا کے شل ہوئے ایڈم کو دیکھا۔''اور سنو .....کوئی بھی بے وقوفی کرنے سے پہلے میری طرف کی کہانی ضرور سن لینا۔ یہ نہ ہو کہ بعد

میں تمہیں وان فاتح کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔میری بات کے مقابلے میں تمہاری بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی' یہ یاد رکھنا۔ باتھ روم کس طرف ہے؟''

شل سے کھڑے ایڈم نے میکانکی انداز میں کونے میں بنے گیسٹ روم کی طرف اشارہ کیا تو تالیہ سیدھی اس طرف چلی گئی۔

''عصرہ کی میٹنگ والی ٹرک کام کرگئی۔'' کچھ دیر بعد وہ سنک کے سامنے کھڑی اپنے عکس کو دیکھتی فون پہ کہہ رہی تھی۔''میں نے کہا تھا نا' دو چار مائیں اسکول فون کرکے کہیں گی کہ عصرہ کا بیٹا کلاس میں سیاسی پمفلٹ تقسیم کررہا ہے تو صبح صبح عصرہ کو بلوالیا جائے گا۔''

''پکا کام کیا ہے۔ گھنٹے سے پہلے عصرہ بیگم فارغ نہیں ہوں گی۔تم تب تک سکے کو ڈھونڈلو اور سنو۔'' داتن ساتھ میں کچھ کھا بھی رہی تھی ۔ایک دم یاد آنے پہ بولی۔''ایڈم کا کچھ کیا؟ میں نے تمہیں بتایا تھا نا' میرے آدمی نے کہا ہے کہ وہ رات میں.....''

''ہاں' اس کو میں نے الجھادیا ہے۔ کچھ بھی کرنے سے پہلے امید ہے مجھ سے بات کرے گا۔''

''تمہیں کیسے پتہ؟''

''کیونکہ کچھ لوگ لیڈ کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ کچھ لیڈ ہونے کے لئے۔ ایڈم دوسری طرح کے لوگوں میں سے ہے۔تم بتاؤ' وائی فائی کو جام کردیا؟'' وہ بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں۔ میں گھر سے ذرا فاصلے پہ ہی ہوں۔ وائی فائی جام ہو چکا ہے۔ اب گھر کے کیمرے کام نہیں کریں گے۔''

''کیمرے صرف اینٹرنیس اور ڈرائنگ روم میں ہیں۔ پرائیویسی کے باعث ہر جگہ کیمرے نہیں لگے۔ اچھا اب میں اوپر جا رہی ہوں۔'' سرگوشی میں کہہ کے اس نے فون رکھ دیا۔

کچھ دیر بعد وہ لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھتی دکھائی دیتی تھی۔ سر جھکا کے موبائل کے بٹن بھی دبا رہی تھی۔ مصروف اور موڈی انداز۔ اسی طرح اوپر چلی گئی اور ملازم خاموش رہے۔

فاتح کا ایک انٹرویو چند ماہ پہلے اس کی اسٹڈی میں لیا گیا تھا۔ اس کی تصویر میں فاتح کے عقب میں شیلف میں سکوں کی کلیکشن نظر آرہی تھی۔ کسی زمانے میں شاید وہ اکٹھا کرتا ہوگا۔ اسے وہی دیکھنی تھی۔ اگر گھر میں کہیں وہ سکہ رکھ سکتے تھے تو یا کلیکشن میں سجا کے یا عصرہ کے لاکر میں چھپا کے رکھ سکتے تھے۔ یہی دو جگہیں تھیں۔

وہ اوپر آئی اور ادھر ادھر دیکھتی آگے بڑھتی آئی۔ ایک دروازہ کھولا تو وہ گلابی رنگ سے سجا چھوٹا کمرہ تھا۔ (جولیانہ کا کمرہ ہے یہ۔)....اس نے دروازہ بند کردیا۔ دوسرا کھولا تو پوسٹرز اور گیمز کلیکشن سے معلوم ہوگیا کہ وہ سکندر کا تھا۔ تالیہ نے اس کو بھی احتیاط سے بند کر دیا۔ پھر وہ ٹھہری۔

راہداری کے سرے پہ ایک اور دروازہ بھی تھا۔ تجسس اور اسرار میں لپٹا۔ تالیہ کا دل یونہی دھڑکا۔ وہ آگے آئی اور ڈور ناب گھمایا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔

ایک کھڑکی کا پردہ ہٹا تھا جس سے روشنی چھن کے کمرے میں گر رہی تھی۔ وہ اونچی چھت کا کھلا سا کمرہ تھا۔ نہ بے بی پنک میں رنگا' نہ کھلونوں سے سجا... اس میں اونچے بک ریک رکھے تھے جن میں کتابیں سجی تھیں۔ کتابیں.... بہت سی کتابیں....

تالیہ نے اندر قدم رکھا اور بتی جلائی۔

کمرہ بالکل صاف تھا۔ مگر لگتا تھا عرصے سے بیڈ پہ کوئی بیٹھا نہیں ہے۔ کونے میں نفاست سے سجی اسٹڈی ٹیبل۔ اس پہ لکھنے پڑھنے کا سامان۔ وہ آگے آئی۔ بک ریک کے سامنے رکی۔ گردن اٹھا کے کتابوں کی جلدیں دیکھیں۔ فیری ٹیلز۔ فینٹیسی ناولز۔ ننھے غزال کی کہانیاں۔ دیو مالائی جادوئی داستانیں۔ ایک ہزار ایک راتیں۔ (الف لیلیٰ و لیلیٰ)۔

کسی سحر میں وہ کتابوں کی جلدوں کو پڑھتی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ الماری کا پٹ کھولا تو اندر کپڑے ٹنگے تھے۔ عام نہیں۔ صرف خاص۔ پیروں تک آتی کامدار میکسیز جو کسی سات آٹھ سال کی بچی کو پوری آسکتی تھیں۔ تاج۔ موتیوں کی مالائیں۔ قدیم طرز کی شہزادیوں والے لباس اور زیورات۔

''تو آریانہ کو شہزادیاں پسند تھیں۔ اور شاید فیری ٹیلز میں رہنا بھی۔'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ اگر اب وہ کہیں زندہ ہے تو تیرہ چودہ سال کی ہوگی۔ چچ۔ اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ وقت کم تھا۔ وہ احتیاط سے دروازہ بند کر کے باہر نکل آئی تو یوں لگا' کسی گزرے زمانے کا دروازہ بند کیا ہے... جیسے کوئی عہد تمام ہوا... جیسے ماضی دفن ہو گیا.....

اسٹڈی خاموش پڑی تھی۔ گردن دائیں بائیں گھماتی' پونی جھلاتی وہ سبک قدموں سے اندر داخل ہوئی۔ سامنے دیوار میں بنا اونچا شو کیس تھا۔ وسطی خانے میں اسٹینڈ کے اوپر سکے سجے تھے۔ مختلف ادوار اور حکومتوں کے سکے۔ وہ شوکیس کے شیشے کے بالکل قریب آ رکی۔ ایک ایک سکے کو دیکھا۔ ان کے نشان' علامتیں پڑھیں۔ وہ سکہ نادر تھا....

اور تبھی ...شوکیس کے شیشے میں عکس سا ابھرتا دکھائی دیا۔

''تم!'' وان فاتح کی برہم سی آواز سنائی دی۔ مگر وہ تالیہ تھی۔ نہ ڈری' نہ گھبرائی۔ آرام سے پلٹی اور مسکراتی نظریں ان پہ جمائیں۔

''گڈ مارننگ فاتح صاحب!''

وہ جاگنگ ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں ملبوس پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ ہاتھ میں چھوٹا تولیہ تھا جس سے بھیگی گردن پونچھتے ہوئے پتلیاں سکیڑے ناگواری سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم رات یہیں رک گئی تھیں کیا؟''

''نہیں سر... مسز عصرہ کا پورٹریٹ بنانا ہے میں نے نیلامی کے لئے۔'' وہ رسان سے مسکرا کے بتانے لگی۔ ''اسی لئے انہوں نے مجھے صبح صبح بلوایا تھا۔''

''مگر عصرہ کو تو اسکول جانا تھا۔'' وہ قدم قدم قریب آ رہا تھا۔ آنکھیں مشکوک انداز میں قدرے اکتاہٹ سے چھوٹی کر رکھی تھیں۔

''جی' اور انہوں نے واپس آنے تک مجھے پورٹریٹ کے لئے مناسب جگہ ڈھونڈنے کے لئے کہا ہے۔ میں وہی جگہ تلاش کر رہی تھی کہ آپ کی اتنی خوبصورت اسٹڈی اور یہ کلیکشن دیکھنے...''

''سے خود کو روک نہ سکی اور اندر چلی آئی۔ تم سب ہر دفعہ یہیں سے کیوں بات شروع کرتی ہو؟'' فاتح نے افسوس بھری گہری سانس لے کر اس کو ٹوکا تو تالیہ ٹھٹھک کے رک گئی۔

''جی؟''

''مجھے وقت نہیں ملتا ورنہ ضرور نوٹس کرتا' کہ تم نے میری بیوی کو آخر کس طرح اتنا چارم کر لیا ہے کہ اس نے تمہیں گھر میں داخل ہونے دے دیا ہے.... لیکن میں آج تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم سب لڑکیاں ہمیشہ گھر میں گھومنے پھرنے سے ہی کیوں آغاز کرتی ہو؟'' ٹھنڈے انداز میں کہتے ہوئے وہ اسٹڈی ٹیبل کے دراز تک آیا اور اسے کھولا۔ پھر سر جھکائے چند فائلز نکالیں۔ تالیہ کو بات سمجھ آئی تو اس کی رنگت سرخ ہوئی۔

''آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔''

''بالکل۔'' وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے فائل کے صفحے پلٹتے ہوئے کچھ تلاش کر رہا تھا۔ ''پھر بالکل یہی فقرہ بولا جاتا ہے۔ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ اس کے بعد عموماً تم میں سے کوئی رونا شروع کر دیتی ہے۔ میرے ساتھ فلاں مسئلہ ہے' فلاں مجھے ہراس کر رہا ہے' میرا فلاں کام اٹکا ہوا ہے۔'' فائل پہ جھکے' بازو پیچھے لمبا کر کے اس نے میز سے قلم اٹھایا اور صفحے پہ کچھ انڈر لائن کیا۔ ساتھ ہی بے رحمی سے بولے جا رہا تھا۔

''پھر اس کے بعد لڑکی اپنا نمبر چھوڑ جاتی ہے..... یا کارڈ..... اور ہاں' مجھے بھول گیا' ساتھ میں اپنی کوئی چیز بھی ..... کوئی کلپ' کوئی ائیر رنگ.... کوئی ٹشو..... کبھی میری اسٹڈی میں..... کبھی نیچے میرے کمرے میں نظر بچا کے داخل ہو کے..... اس لئے.....'' نظر اٹھا کے سادگی سے اسے دیکھا۔ ''اگر تم نے کچھ چھوڑا ہے تو ابھی لے جاؤ کیونکہ میں ایسی چیزوں کو کچرے میں پھینک دیتا ہوں' اور میری بیوی ان کی اتنی عادی ہے کہ وہ ایسی بے وقوف لڑکیوں پہ ہنس دیا کرتی ہے۔'' قلم رکھا اور چھوٹے تولیے سے چہرہ اور گردن دوبارہ سے پونچھے۔

''ہوں!'' تالیہ نے گلابی پڑتے چہرے کے ساتھ ضبط سے ہنکارا بھرا۔ ''آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کی فینز آپ کے گھر داخل ہو کر یہ سب کرتی ہیں۔''

''اور بالکل تمہاری طرح وہ ظاہر کرتی ہیں کہ ان کو معلوم ہی نہیں کہ دوسری لڑکیاں یہ کام پہلے بھی کرتی آئی ہیں۔''

بولتے ہوئے وہ میز کے کنارے پہ بیٹھا اور سیل فون نکال کے فائل سے کچھ اس پہ فیڈ کرنے لگا۔

''اور اکثر یہ لڑکیاں کسی بہانے سے مسز عصرہ سے شناسائی بنا کے آپ کے ارد گرد یہ ساری حرکتیں کرتی ہیں' ہوں؟'' وہ لب بھینچے بدقت مسکرا کے بولی۔

"کئی سالوں سے۔ بالکل اسی طرح۔" اس کی نظریں اسکرین پہ جھکی تھیں اور انگوٹھا ٹچ بٹنوں پہ حرکت کر رہا تھا۔

تالیہ کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے معدوم ہوئی۔ آنکھیں سرخ گلابی پڑنے لگی تھیں مگر وہ سیدھی کھڑی رہی' گردن کڑائے رکھی۔

"میں یہ نہیں پوچھوں گی کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں یا نہیں کیونکہ وہ یقیناً یہ سب کرتی ہوں گی۔ میں صرف اتنا پوچھوں گی وان فاتح...." چبا چبا کے وہ زہر خند سا بولی۔ "کہ وہ یہ سب آپ کے آس پاس اتنا کمفرٹیبل ہو کر کیسے کر لیتی ہیں؟"

فاتح نے چونک کے آنکھیں اٹھائیں۔ اسے شاید اس جواب کی توقع نہیں تھی مگر وہ لڑکی اب بازو سینے پہ لپیٹے' ڈھٹائی سے بلند آواز میں بولے جا رہی تھی۔

"آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ اپنی بیوی سے وفادار ہیں' اور یقیناً ہوں گے۔ آپ کے بارے میں ایسی باتیں ہم نے کبھی نہیں سنیں۔ بہت سچے اور ایماندار ہیں آپ لیکن ایک بات آپ کو ماننی پڑے گی کہ آپ ان فینز کو آرام سے یہ سب کرنے دیتے ہیں۔ بے شک آپ کی طرف سے حوصلہ افزائی نہ پا کر وہ پلٹنے پہ مجبور ہو جاتی ہوں گی مگر آپ.... ان کو.... یہ سب.... کرنے دیتے ہیں کیونکہ اس سے آپ کی سیلبرٹی والی حس کو تسکین ملتی ہے۔ ہے نا؟" تلخی سے مسکرائی تو فاتح کے ماتھے پہ برہمی سے بل پڑے مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا تالیہ نے تیزی سے بات جاری رکھی۔

"آپ نے ابھی تک صرف خوبصورت چہرے اور خالی دماغ والی لڑکیاں دیکھی ہیں جو آپ کے اردگرد منڈلاتی رہتی ہیں اور آپ کے غرور میں اضافہ کرتی ہیں۔ اس لئے اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو تالیہ مراد سے بات کرنے سے پہلے اپنے الفاظ کو خوب چن لیتی کیونکہ یہ نہ ہو کہ کسی دن گدلے پانی میں کھڑے ہو کر آپ کو اعتراف کرنا پڑے کہ آپ کو.... میری.... ضرورت ہے!"

تیز تیز بولتے ہوئے اس کو سانس چڑھنے لگا تھا مگر وہ کمالِ ضبط سے آواز کو ہموار رکھے ہوئے تھی۔ چبھتی نظریں فاتح پہ جمی تھیں جو اس کی بات پہ آنکھیں سکوڑ کے اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ پھر اٹھا۔ فائل رکھی اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"مجھے صبح صبح.... اپنے گھر میں.... اجنبی لڑکیوں کا.... یوں گھومنا پھرنا.... پسند نہیں ہے.... میری بیوی کی خوشامد تم ڈرائننگ روم کی حد تک بھی کر سکتی ہو۔"

"تو اپنے ملازموں سے کہیے کہ مجھے اٹھا کے باہر پھینک دیں کیونکہ میں یہاں پینٹنگ بنانے آئی ہوں' جگہ بنانے نہیں' اور اپنی مرضی کا اسپاٹ ڈھونڈے بغیر نیچے نہیں جاؤں گی۔"

وہ اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے پلک تک نہ جھپک رہی تھی۔ فاتح نے چہرہ اس کی طرف جھکایا اور سرگوشی کی۔

"پتہ ہے میں تمہیں اتنے دن سے برداشت کیوں کر رہا ہوں؟" اس کی آواز دھیمی ہو گئی تھی۔ "کیونکہ آریانہ.... تمہیں پسند کرتی تھی' تاشہ آ گاپو دا!" وہ واپس پیچھے ہوا۔ پھر اس کو دیکھے بغیر آگے بڑھ گیا۔

تالیہ چند لمحے شل کھڑی رہی۔ "تاشہ آ گاپو دا؟" بجلی کے کوندے کی طرح وہ نام ذہن میں لپکا اور اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

فاتح جاچکا تھا اور شاک سے نکلتے ساتھ ہی تالیہ کو اسٹڈی کی خاموشی میں اپنے کہے الفاظ کی بازگشت سنائی دینے لگی۔ اس نے ایک دم دل پہ ہاتھ رکھا۔ جیسے خوفزدہ اور بے یقین ہو۔

''میں نے یہ سب کہہ دیا ان سے؟ وہ وان فاتح تھے..... وہ ملائیشیاء کے محبوب وان فاتح تھے۔ لوگ ان کے قدموں میں رل جانے کو تیار رہتے ہیں اور میں..... میں ذرا سی توہین برداشت نہ کر سکی۔'' رنگت سرخ ہو رہی تھی اور آنکھیں پانیوں سے بھر رہی تھیں۔

''پسند تو کرتی ہوں میں ان کو۔ سب کرتے ہیں۔ ہاں نہیں ہوں میں ان لڑکیوں کی طرح مگر میں بھی تو چوری کی نیت سے آئی تھی۔ پھر ان کو ناراض کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ساری عمر کے لئے ان کو خود سے ناراض کر لیا۔ اب تو وہ مجھے شدید ناپسند کرنے لگیں گے۔'' اپنے سر پہ اس نے بے بسی سے چپت لگائی۔ ''وہ وان فاتح تھے تالیہ..... ان کو روز ایسی ہی لڑکیاں ملتی ہیں..... اتنا زیادہ اکڑنے کی کیا ضرورت تھی تمہیں۔ خاموشی سے برداشت کر لیتیں؟ اُف تم نے کس کو ناراض کر دیا۔''

''مگر وہ مجھے ہتک سے دیکھ رہے تھے۔'' اندر کی لڑکی نے انگڑائی لی۔ ''اور میں ایسی ہتک کسی کی طرف سے برداشت نہیں کر سکتی۔''

کیا سچ تھا کیا جھوٹ۔ اب فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس نے آنکھیں رگڑیں اور باہر نکل آئی۔ عصرہ آنے والی ہو گی۔

مگر دل ابھی تک کرلا رہا تھا اور احساسِ توہین سے کان ہنوز سرخ پڑے تھے۔

☆☆=========☆☆

وہ ایک قلعہ نما بلند و بالا گھر تھا جس کے چاروں طرف وسیع سبزہ زار پھیلے تھے۔ لان کے کونے میں ایک اونچا ٹیلہ تھا جس پہ لکڑی کی گول کینوپی بنی تھی۔ لکڑی کے ستونوں کی مدد سے کھڑی اونچی چھتری جس کے نیچے کرسیاں بچھی تھیں۔ وہاں بیٹھے افراد نشیب میں جاتے سبزہ زار اور دور واقع قلعے کا دلفریب نظارہ کر سکتے تھے۔ گھاس پہ چرتے ہرن..... ایک طرف ٹہلتا کتا..... بھاگتے پھرتے خرگوش..... غرض وہاں قدرتی حسن کو بکھیرنے کی بھرپور کوشش کی گئی تھی۔

یہ اشعر محمود کے والد محمود بن عزیزی کا گھر تھا جو اشعر کو ترکے میں ملا تھا۔

اشعر اس وقت کینوپی کی کرسی پہ بیٹھا تھا اور اس کے سامنے ایک سرمئی سوٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر گورا چٹا چینی شخص بیٹھا تھا۔ اشعر خاموشی سے مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا جو فون پہ ہدایات دے رہا تھا۔

''ہُدیٰ کی اسٹوری کل تو کیا کسی بھی دن پرنٹ نہیں ہو گی۔ جیسا میں نے رات میں کہا تھا' ویسے ہی کرو۔ ایک مگ کے پیچھے ہم اپنے اخبار کو قانونی کیسز کی طرف نہیں دھکیل سکتے۔ ہم نے ایک نسل پرست ایشو کو اٹھایا تو حکومت بھی ہمیں بیک نہیں کرے گی۔'' پھر موبائل بند کر کے میز پہ ڈالا اور مسکرا کے سامنے بیٹھے اشعر کو دیکھا۔ ''میں مزید تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں ایش؟''

''آپ نے رات کو ہی یقین دہانی کروا کے میرے لئے سب کچھ کر دیا تھا۔ اب میرے کچھ کرنے کا وقت ہے۔'' کہہ کے اس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی' اور ایک فائل میز پہ رکھی۔

''یہ ٹوارزم ملائیشیاء کے اشتہاروں کی تفصیلات ہیں' جو کل سے آپ کے اخبار کی زینت بنیں گے۔'' بادل زور سے گرجے اور پل بھر میں ٹپ ٹپ قطرے برسنے لگے۔

''یہ حکومتی اشتہار ہیں۔''

''اور میں اپوزیشن میں ہوں' جانتا ہوں لیکن میرے دوست ہر جگہ ہوتے ہیں۔'' چینی صاحب مسکرائے اور فائل کے صفحات دلچسپی سے پلٹنے لگے۔ اشعر نے گردن موڑ کے دیکھا۔ بارش تڑاتڑ برس رہی تھی اور کینوپی کی چھاتا کے کناروں سے پانی نیچے لڑھک رہا تھا۔ ہرن قلانچیں بھرتے آشیانے کے لئے بھاگ رہے تھے۔ کتا قلعے کی طرف دوڑا۔ پل بھر میں سارا منظر جل تھل ہو گیا تھا۔

''میرا خوبصورت ملائیشیاء۔'' وہ ستائش سے مسکرایا۔ (اور یہ ملک میں کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔)

''روزانہ کی بنیادوں پہ آدھے صفحے کے اشتہارات۔ وہ بھی فرنٹ پیج پہ۔ زبردست اشعر!'' اخبار مالک نے خوشگوار حیرت سے ابرو اٹھائے۔

''اور یہ سرکاری اشتہارات ہیں۔ پیسہ سرکاری خزانے سے جائے گا۔ کسی کو میرے اور آپ کے تعلق پہ شک نہیں ہوگا۔'' وہ بینچ کی پشت پہ بازو پھیلائے اطمینان سے بتا رہا تھا۔ ''لیکن آپ کو ایک اور کام بھی کرنا ہوگا۔''

چینی صاحب نے چونک کے عینک کے پیچھے سے آنکھیں اٹھائیں۔ ''اور وہ ہے؟''

''جس صحافی نے خبر لگانی چاہی تھی۔ اس کو نوکری سے نکال دیں۔''

''وہ کیوں؟'' اخبار مالک ٹھٹھک گئے۔

''کیونکہ کل کو وہ اگر کسی دوسرے اخبار کا رخ کرے تو ہم یہ کہہ سکیں کہ اس نے یہ سب صرف اور صرف اپنے چینی مالک کے خود کو نوکری سے نکالنے کی وجہ سے کیا ہے۔ تعصب' یونو۔'' مسکرا کے ہلکے سے شانے اچکائے تو چینی صاحب کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے اور ہونٹ مسکرا اٹھے۔ ''میں سمجھ گیا۔''

اشعر نے دوبارہ سے گردن موڑ کے پیچھے دیکھا۔ پتھریلا قلعہ بارش میں بھیگتا جا رہا تھا۔ سارے جانور' چرند پرند چھپ گئے تھے۔ تنہا بھیگتا قلعہ.....

☆☆=========☆☆

بارش نے موسم ٹھنڈا کر دیا تھا مگر وان فاتح کے لاؤنج میں پھر بھی ہلکا اے سی چل رہا تھا جیسے ہر وقت ہر جگہ ملائیشیاء میں چلتے رہتے ہیں۔ کھڑکی کے ساتھ اونچی شاہانہ کرسی پہ عصرہ بیٹھی تھی۔ روایتی لمبی سفید قمیض پہنے' نیچے نیلا اسکرٹ جسے باجو کرونگ کہتے تھے۔ (باجو قمیض اور کرونگ اسکرٹ)۔ کندھے پہ سلک کا سٹول تھا۔ بال جوڑے میں تھے۔ وہ مسکرا کے تالیہ کو دیکھ رہی تھی جو اپنا ایزل اور کینوس سامنے سیٹ کیے کھڑی تھی۔ اونچی پونی باندھے' وہ برش کا پچھلا کنارہ لبوں میں دبائے' تنقیدی پر سوچ نظروں سے عصرہ کو دیکھ رہی تھی۔

''ایک منٹ۔'' پھر برش رکھ کے آگے آئی اور کسی ماہر اسٹائلسٹ کی طرح عصرہ کا دوپٹہ کندھے پہ درست کرنے لگی۔ اپنی شرٹ سے بروچ اتار کے سٹول بروچ کے ذریعے عصرہ کے کندھے کے ساتھ نتھی کیا۔

''آپ کسی دوسرے کا زیور پہننا برا خیال تو نہیں کرتیں؟'' سوال پہ عصرہ مسکرا دی۔

''یہ بروچ بہت خوبصورت ہے۔''

(ہوں.....یعنی۔ برا خیال کرتی ہے مگر ابھی تکلف میں برداشت کرلے گی۔ گڈ۔)

''آپ کا پورٹریٹ بہت خوبصورت ہوگا مسز عصرہ۔ مجھے نیلامی کے ڈیڑھ درجن کارڈز بھی دیجیے گا کیونکہ میں چند ملکی اور غیر ملکی آرٹ کلیکٹرز کو مدعو کرنا چاہوں گی جو ویسے تو شاید وان فاتح کا نام سن کر بھی نہ آئیں' مگر میرے کہنے پہ آجائیں گے۔''

کنکھیوں سے فاتح کو دیکھ کے اونچا سا بولی جو تیار ہو کے اپنے کمرے سے نکل رہا تھا۔ سیاہ سوٹ' ٹائی میں ملبوس' بالوں کو دائیں طرف پیچھے کر کے جمائے' پارٹی آفس جانے کے لیے مکمل تیار تھا۔ اپنے نام پہ ایک اچٹتی نگاہ اس طرف ڈالی جہاں اونچی سنہری پونی والی لڑکی قدرے خفگی سے عصرہ کا سٹول جوڑتے کہہ رہی تھی۔

(جیسے اس کو پرواہ تھی؟) سر جھٹک کے وہ آگے بڑھ گیا۔

''مسز عصرہ.....اگر آپ برا نہ منائیں تو.....'' وہ پیچھے ہوئی اور پھر سے تنقیدی نظروں سے عصرہ کا جائزہ لیا۔ ''موتیوں کی بجائے ڈائمنڈز پہنیں۔ موتی آپ کو سیاسی بیوی کا لک دیتے ہیں جو کہ آپ ہیں' مگر میں مسز فاتح کا پورٹریٹ نہیں بنانا چاہتی۔ میں عصرہ محمود کو پینٹ کرنا چاہتی ہوں جو ایک وکیل' ایک ماں' ایک بیوی کے علاوہ بھی اپنی پہچان رکھتی ہیں۔ آپ وہ جیولری پہنیں جو بطور ایک عورت آپ نے سب سے زیادہ دل سے خریدی ہو۔ جو عصرہ نے عصرہ کو تحفے میں دی ہو۔''

اس کی بات پہ عصرہ چونکی۔ بات دل کو لگی تھی۔ وہ مسکرا کے ''میں سمجھ گئی'' کہتی اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

فاتح لاؤنج سے ملحقہ ڈائننگ ہال کی طرف جا رہا تھا جہاں اس کا ناشتہ تیار تھا۔ عصرہ کے اٹھتے ہی تالیہ ''میں ذرا ہاتھ دھولوں'' کہہ کے لاؤنج کے کونے میں بنے گیسٹ باتھ روم کی طرف چلی آئی۔

دروازہ بند کرتے ہی اس کے ہاتھوں میں تیزی آگئی۔ فون نکالا' اور ہینڈز فری نتھی کر کے کانوں میں گھسائے۔ پھر بے چینی سے اسکرین کو دیکھنے لگی' جہاں عصرہ کے بروچ میں نصب نینو کیمرہ وہ سب دکھا رہا تھا جو عصرہ دیکھ رہی تھی۔

کمرے میں داخل ہونے کا انداز.....پھر کیمرہ آگے بڑھتا گیا.....لاکر کے پاس ٹھہر جانا.....عصرہ کا ہاتھ سامنے آیا.....لاکر کے پہیے کو مخصوص نمبروں پہ گھمایا (تالیہ نے ان کو زبانی یاد کیا۔ ویڈیو کلیئر تھی) لاکر کا دروازہ کھل گیا۔ اب سارا لاکر سامنے تھا۔ عصرہ نے ایک ایک ڈبہ ہٹایا۔ چند زیورات چیک کیے۔ اور ایک نیکلس نکالا۔ لاکر اتنے اچھے طریقے سے آرگنائزڈ تھا کہ تالیہ اسکرین پہ دیکھ سکتی تھی.....سکہ وہاں نہیں تھا.....تالیہ کے وجود میں مایوسی پھیلنے لگی۔ وہ ہینڈز فری اتار دیتی کہ آواز سنائی دی.....

''عصرہ!'' کیمرہ گھوما (عصرہ گھومی) تو فاتح سامنے آیا۔ وہ ناشتہ ادھورا چھوڑ کے آیا تھا غالباً۔ چہرے سے ناخوش لگتا تھا۔ پیچھے کمرے کا دروازہ بھی بند تھا' تاکہ آواز باہر نہ جائے۔

''تم ناشتہ نہیں کر رہے؟''

''یہ لڑکی کب تک ہمارے گھر میں منڈلاتی رہے گی؟ اس کو فارغ کرو۔ مجھے یہ بالکل پسند نہیں آئی۔'' اندھیر باتھ روم میں کھڑی تالیہ موبائل کی روشن اسکرین پہ فاتح کا خفا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔

''کیا میں تمہارے سیاسی دوستوں کے ساتھ ایسے ہی کرتی ہوں؟''

''وہ تمہاری نئی کاروباری دوست ہے' یہاں تک ٹھیک ہے لیکن مجھے اس کا اپنے گھر یوں منڈلانا پسند نہیں آیا۔ کیا یہ وہی ہے جو یہ خود کو کہتی ہے؟'' (تالیہ کا دل زور سے دھڑکا۔)

''اشعر نے معلوم کروایا ہے۔ اس کی اچھی ریپوٹیشن ہے۔ کیا تم نے اس کویتی شیخ سے نہیں سنا؟ وہ تک اس سے واقف تھے۔ اور اشعر اس کو پسند کرنے لگا ہے' میں یہ سب اس کے لئے کر رہی ہوں۔'' تالیہ مراد نے دونوں آنکھیں کھول کے اسکرین کو دیکھا۔ (کیا؟ تو سمیع جو کہہ رہا تھا وہ درست تھا؟)

''تو پھر یہ سب ایش کے گھر کرو۔ مجھے اس کا اپنے گھر میں گھومنا پھرنا پسند نہیں آ رہا۔ کچھ عجیب dishonest سا ہے اس لڑکی کے بارے میں جو مجھے کھٹک رہا ہے۔'' وہ اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔ عصرہ کے سانس لینے کی آواز آئی۔

''چند دن کی بات ہے' پھر ہم نے کون سا ملائیشیاء میں رہنا ہے جو.....''

''ہم ملائیشیا سے کہیں نہیں جا رہے عصرہ۔'' وہ سختی اور درشتی سے بولا۔ نظریں عصرہ پہ تھیں۔ کیمرے پہ۔ تالیہ کو اس کی نظریں خود پہ محسوس ہوئیں۔ ''اشعر کی باتوں سے نکل آؤ۔ میں نے اپنی بیٹی کھوئی ہے اس جدوجہد میں۔ اگر اب میں نے یہ سب چھوڑ دیا تو اس کا مطلب ہے آریانہ کو ہم نے بے مقصد ضائع کیا۔''

''ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے فاتح۔'' عصرہ کی خشک آواز سنائی دی اور پھر کیمرہ آگے بڑھ گیا۔ عصرہ باہر آ رہی تھی۔ تالیہ نے جلدی سے ہینڈز فری کانوں سے نکالی۔

تھوڑی دیر بعد فاتح ڈائننگ ہال میں ناشتہ کر رہا تھا۔ دروازے کھلے تھے اور سامنے لاؤنج میں ایزل پہ برش چلاتی تالیہ دکھائی دے رہی تھی۔

''کاکا'' مرکزی دروازہ کھلا اور مانوس سی آواز آئی۔ جہاں بت بنی عصرہ مسکرائی' وہیں تالیہ مراد کے اندر تلخی سی پھیل گئی' مگر بنا اثر لیے پینٹ کرتی رہی۔

اشعر اندر داخل ہوا۔ مسکراتا ہوا' پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے۔ کوٹ غالباً کار میں چھوڑ آیا تھا۔ دور بیٹھے فاتح نے بس ایک نظر

اٹھا کے اس کے سلام کا جواب دیا اور سوپ پینے لگا۔ عصرہ البتہ مسکرا کے متوجہ ہوئی تھی۔

''آؤ ایش! میں تمہیں ہی مس کر رہی تھی۔'' وہ آگے آیا اور تالیہ کو دیکھ کے خوشگوار حیرت سے رکا۔ ''چے تالیہ۔ السلام علیکم۔''

برش کرتی تالیہ نے نظریں کینوس پہ جمائے وعلیکم السلام کہتے ہوئے سر کو جنبش دی۔ اشعر نے اس کا انداز غور سے دیکھا مگر اثر نہیں لیا۔ وہ عصرہ کے سامنے کرسی پہ آ بیٹھا اور متفکر انداز سے بات شروع کی۔

''میں نے سوشل میڈیا پہ ویڈیو دیکھی۔ آپ کے ساتھ یتیم خانے میں کل کسی نے بدتمیزی کی؟''

عصرہ نے افسوس سے سر جھٹکا۔ ''ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ ایک ذہنی معذور بچہ تھا۔ جیسے کچھ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کو سچے خواب آتے ہیں، وہ بھی یہی دعویٰ کر رہا تھا۔''

برش کرتی لڑکی کی ہرنی جیسی آنکھیں چونک کے تیزی سے اس طرف اٹھیں۔ ساری دنیا تھم سی گئی۔

''مگر اس نے کیا کہا تمہیں' کا کا؟'' اشعر ہنوز فکر مند تھا۔

''پتہ نہیں۔ کچھ اول فول بول رہا تھا۔ کوئی شکار بازوں میں سے آ کر میرا شوہر مجھ سے چرا لے جائے گا تو میں اسے گھر میں نہ داخل ہونے دوں۔''

سوپ پیتا فاتح ایک دم ہنس دیا تو عصرہ بھی جھینپ کے مسکرا دی۔ اشعر کے ابرو تحیر سے بھنچ گئے اور تالیہ مراد.... اس کا سانس تک رک چکا تھا۔ وہ بالکل شل کھڑی تھی۔

''آبنگ' آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟ ایسے لوگوں کی باتوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔'' وہ شکایتی انداز میں سر اٹھا کے دور بیٹھے فاتح سے بولا تو وہ دوبارہ سے ہنس دیا۔

''تم ایسی باتوں پہ کب سے یقین کرنے لگے ایش۔ نان سینس۔'' مسکرا کے سر جھٹکتے چمچ میں سوپ بھرا۔ (گزشتہ رات کی لڑائی کا شائبہ تک نہ تھا۔)

''کیا آپ اس بات پہ یقین نہیں رکھتے وان فاتح کہ لوگوں کو سچے خواب آ سکتے ہیں؟'' وہ ایک دم بولی تو فاتح نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ عصرہ اور اشعر بھی اسے دیکھنے لگے۔

''دنیا بہت عجیب ہے اور یہاں سب ممکن ہے' تاشہ... لیکن یہ تو کوئی فراڈ لگ رہا ہے۔ یونو... اکثر لوگ اس طرح دوسروں کا ہاتھ روک کے ان کے بارے میں پیش گوئی کر کے پیسے بٹورتے ہیں۔'' سنجیدگی سے اسے دیکھ کے جواب دیا اور سوپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''آپ ان باتوں کو مانتی ہیں؟'' اشعر کے استفسار پہ وہ چونکی' پھر شانے اچکا کے برش اٹھا لیا۔

''نہیں۔ کسی کو سچے خواب نہیں آیا کرتے۔ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ بس۔'' تلخی سے کہہ کر وہ پینٹ کرنے لگی تھی۔ عصرہ اسی طرح واپس مسکراتا مجسمہ بن گئی اور اشعر گہری سانس لے کر اٹھ گیا۔

"تمہارے تاثرات سے لگ رہا ہے تم نے خبر کو رکوا دیا ہے۔" اشعر اس کے پاس میز پہ آ کے بیٹھا تو وہ سوپ میں چمچ ہلاتے ہوئے بے نیازی سے پوچھنے لگا۔

"آپ نے مجھے انڈر اسٹیمیٹ کیا تھا' آ بنگ۔"

"کیا دیا تم نے اخبار کے مالک کو'ہوں؟ اپنے بزنس کے شیئرز کم قیمت پہ فروخت کیے' یا اخبار کے شیئرز کی قیمت بڑھوانے کے لئے اسٹاک مارکیٹ میں کوئی چال چلی' یا.... آف کورس....' فاتح نے سمجھ کے سر ہلایا۔" اشتہار.... اشتہار دیے تم نے!"

سیاستدانوں کو جب بھی کسی چینل یا اخبار میں کوئی خبر لگوانی یا رکوانی ہوتی ہے' وہ اس کو اشتہارات دے دیتے ہیں جو قومی منصوبوں کے ہوتے ہیں۔ ان کا پیسہ قومی خزانے سے اخبار مالک کو جاتا ہے' سیاستدان کو صرف دستخط کرنے ہوتے ہیں اور جہاں اخبار عام طور پہ ایک ڈالر کا اشتہار لے گا' وہاں سیاستدان پچاس ڈالر کے اشتہار پہ دستخط کر دے گا۔ اخبار مالک کو ایک کی جگہ پہ پچاس ڈالر ملیں تو وہ وہی کرے گا جو سیاستدان کہے گا۔

"مان لیجیے کہ آپ مجھے نہیں روک سکتے۔" وہ فاتح کے قریب چہرہ کر کے سرگوشی میں بولا۔ مسکراتی شاطر آنکھیں فاتح پہ جمی تھیں۔ "آپ بوڑھے ہو رہے ہیں۔ اور ملائیشیاء کو جوان خون کی ضرورت ہے۔"

وان فاتح نے سوپ کا پیالہ پرے کیا اور نیپکین سے ہونٹ تھپتھپائے۔

"جب میں لاء اسکول میں تھا تو ہمارا کرمنل لاء کا ایک پروفیسر تھا۔ بوڑھا' ٹھگنا' سفید بالوں والا۔ ساری عمر اس نے قانون پڑھنے پڑھانے میں گزاری۔" پھلوں والی پلیٹ اپنے قریب کرتے ہوئے فاتح مسکرا کے بتانے لگا۔ "وہ کہتا تھا جب لوگ جرم کرتے ہیں نا تو ان کو ان کا جرم نہیں پکڑواتا۔ ان کو ان کا خوف پکڑواتا ہے۔ وہ خوف جس کے ہاتھوں وہ اس جرم کو ڈھانکنے اور چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کوشش.... وہ کور اَپ.... اس کے خلاف سب سے بڑی گواہی بن جاتا ہے۔"

اشعر کے تاثرات بدلے۔ آنکھوں سے برہمی جھلکی۔ "کسی تنظیم سے نوجوانی کے دنوں میں وابستگی کوئی جرم نہیں ہے۔"

"تو پھر تم اس کو اس طرح کور کر کے جرم کیوں بنا رہے ہو' ایش؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرایا تھا۔

اشعر پل بھر کو سن رہ گیا۔

"اگر تم اس خبر کو چلنے دیتے' اور اس کو لاپرواہی سے ہنس کے اڑا دیتے اور قوم سے اس پہ معذرت کر لیتے تو تم لیڈر بن سکتے تھے لیکن تم نے خود ہی ایک معمولی چیز کو جرم بنا دیا۔ تم نے اخبار کے چینی مالک کو اپنی کمزوری تھما دی اور اب وہ جانتا ہوگا کہ تم سے مزید کام کیسے نکلوانے ہیں۔ تم نے یہ گیند بزنس مین کی طرح کھیلی۔ اوہ ایش!" افسوس سے سر جھٹکتے ہوئے پھل کی قاش منہ میں رکھی۔

اشعر کی رنگت متغیر ہوئی۔ آنکھوں سے چھلکتا غصہ بڑھتا گیا۔ "آپ میرے ساتھ یہ کیوں کر رہے ہیں؟"

"کیا؟" وہ لاتعلقی اور بے نیازی سے کندھے جھٹکتا اٹھ کھڑا ہوا اور سیل فون اٹھا لیا۔ منہ میں پھل چباتے ہوئے کوٹ کا بٹن بند کیا اور

لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔اشعر دبے دبے غصے کے ساتھ وہیں بیٹھا رہا۔

فاتح لاؤنج سے باہر کھلتے دروازے پہ رکا....اور ایک لمحے کے لئے....ایک خودسر' بے اختیار لمحے کے لئے....اس نے گردن موڑ کے اسے دیکھا تھا....وہ اونچی سنہری پونی والی لڑکی گردن ترچھی کیے....نظریں کینوس پہ جمائے....اس پہ برش پھیر رہی تھی۔

فاتح آگے بڑھ گیا۔

اسی پل تالیہ نے برش روکا....اور گردن ذرا موڑی تو....باہر نکلتے آدمی کی پشت دکھائی دی۔تالیہ نے واپس عصرہ کی طرف دیکھا تو اس کے پیچھے کھڑکی کے باہر کا منظر دکھائی دیا۔وہ آگے بڑھ رہا تھا اور چھتری اٹھائے ایڈم ساتھ تھا۔

بارش ابھی تک برسے جا رہی تھی۔ٹپ....ٹپ....وقت کی سوئیوں کی طرح......

☆☆=========☆☆

شیشوں سے ڈھکی تکون عمارت بھی بارش میں بھیگ رہی تھی۔اس کے اندر بنے مال میں گاہکوں کا رش اور رونق معمول کی لگی تھی۔مال سے چند منزلیں اوپر آفس فلورز بنے تھے جن میں سے ایک پہ باریسن نیشنل کے ورکرز اور سیاستدان اپنے معمول کے کام نپٹاتے دکھائی دیتے تھے۔

فاتح اپنے آفس میں میٹنگ میں تھا اور ایڈم بے کار سا باہر بیٹھا تھا۔صبح صبح تالیہ کی باتوں نے مزید الجھا دیا تھا۔مگر اس وقت زیادہ بڑی کشمکش ماں کی طرف سے ڈالی گئی تھی۔ماں نے عجیب مطالبہ سامنے رکھا تھا جس کو فاتح کے سامنے رکھتے ہوئے اس کو شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

''ایڈم!'' فاتح کا پولیٹیکل سیکرٹری عثمان چوکھٹ پہ نمودار ہوا تو وہ فوراً سیدھا کھڑا ہوا۔

''جی سر!'' جاب کے آخری تین دن رہ گئے تھے' اور وہ عثمان سے کسی قسم کی آفس پالیٹیکس میں نہیں الجھنا چاہتا تھا۔

''میں گھر جا رہا ہوں' والدہ کی طبیعت خراب ہے۔'' اس نے بازو پہ رین کوٹ فولڈ کر کے ڈالا ہوا تھا اور خلافِ معمول نرمی سے بتا رہا تھا۔''مس فرح آئیں تو تم ان کو یہ لسٹ دے دینا' وہ اگلی میٹنگ سنبھال لیں گی۔مجھے گھنٹہ لگ جائے گا' اچھا۔''

''شیور' سر' آپ جائیں۔ہم دیکھ لیں گے۔'' اس نے لسٹ تھامی تو عثمان تھینکس کہتا عجلت میں مڑا۔پیچھے سے ملازم کافی کے کپ ٹرے میں سجائے لا رہا تھا۔ایک ہاتھ سے موبائل پہ ٹائپ بھی کر رہا تھا۔ایڈم بوکھلا کے ''دھیان سے'' چیخا مگر ٹکر ہو گئی۔کافی الٹ گئی۔موبائل بھی دور جا گرا۔گرم گرم مائع عثمان کے اوپر جا گرا۔سب اس کی طرف دوڑے مگر اس نے ہاتھ اٹھا کے روک دیا۔

''بچت ہو گئی۔'' اس نے میز سے چند ٹشو کھینچے اور رین کوٹ پہ گری کافی صاف کی۔اس کے کپڑے بچ گئے تھے۔ایک کٹیلی نظر ملازم لڑکے پہ ڈالی جو ڈر گیا تھا مگر کچھ کہے بنا آگے بڑھ گیا۔ایڈم نے سکون کا سانس لیا۔یقیناً وہ والدہ کی وجہ سے الجھا ہوا تھا اس لیے موڈ خراب نہیں کیا۔

فرح کے آتے ہی ایڈم نے لسٹ اس کے حوالے کر دی۔ وان فاتح نے اگلے دو گھنٹے کس کس سے ملنا ہے' اور کس کی کیا خاطر کرنی ہے' سب اس پہ درج تھا۔ سیاستدان کا ایک ایک منٹ ہفتہ پہلے سے پولیٹیکل سیکرٹری کی ڈائری میں جمع تفریق کے ساتھ درج ہوتا تھا۔ اگر کوئی مہمان فاتح کے پاس مقررہ وقت سے پانچ منٹ بھی اوپر بیٹھ جائے تو سیکرٹری اندر آ کے وقت کا احساس دلاتا اور فاتح کو نشست برخاست کرنی ہوتی تھی۔ کبھی کبھی ایڈم سوچا کرتا کہ کون کس کے تابع ہے؟ سیاستدان سیکرٹری کے' یا سیکرٹری سیاستدان کے؟

"مِس فرح!" فرح کے بیٹھتے ہی اپنی ازلی مداخلت کی عادت سے وہ باز نہ رہ سکا۔ "سب کو چائے پیش کرنی ہے مگر یہ گیارہ بجے والے مہمانوں کی اتنی خاطر داری کیوں کرنی ہے؟"

فرح عثمان جیسی نہ تھی۔ اسکارف پہنے مستعد اور خوش اخلاق سی ملے لڑکی تھی۔ فوراً مسکرا کے سمجھداری سے بولی۔ "کیونکہ ان لوگوں سے وان فاتح کو کام ہے' اور جن سے ہم نے مطالبے منوانے ہوتے ہیں ان کی خاطر داری کی جاتی ہے تا کہ وہ خود کو اہم سمجھیں۔"

"مگر وان فاتح کو تو کسی کی ضرورت نہیں ہوتی' وہ تو ہر ایک سے بے نیاز ہوتے ہیں۔"

"کس دنیا میں رہتے ہو ایڈم؟ انہیں واقعی کسی کی ضرورت نہ ہوتی تو وہ روز اتنے لوگوں سے ملاقات نہ کرتے۔ وہ ظاہر نہیں کرتے مگر ہر سیاستدان کو لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کو اپنی ذات کے لیے ضرورت نہ ہو تو بھی اپنی کاز کے لیے ہے۔"

اور ایڈم چونک سا گیا۔ وان فاتح اتنے بڑے بڑے کام کروا سکتے ہیں لوگوں سے' اور میں اتنا چھوٹا سا کام نہیں کہہ سکتا؟

"میں چند منٹ کے لیے اشعر صاحب کے پاس جا رہا ہوں مِس فرح! مجھے ان سے کام ہے۔" وہی درست بندہ تھا۔ وہ فرح کو بتا کر باہر نکل آیا۔ بھاگ بھاگ لفٹ پکڑی۔ نیچے آیا اور برستی بارش میں ٹیکسی پہ سوار ہو گیا۔

کچھ دیر بعد وہ اشعر کے کاروباری مرکز میں موجود تھا۔ وہ ایک اونچی عمارت تھی جس کا اٹھارواں اور انیسواں فلور اشعر کے کاروباری ہیڈ کوارٹر کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔ چند روز قبل وہ فاتح کے ساتھ یہاں آیا تھا اس لئے داخلے میں کوئی مسئلہ نہ ہوا۔

اشعر کے آفس روم کے باہر لابی بنی تھی جہاں لوگ صوفوں پہ بیٹھے تھے۔ سیکرٹری اپنا کام کر رہی تھی۔ وہ بھی کونے میں بیٹھ گیا۔ اشعر کسی میٹنگ میں تھا۔ ایڈم کو انتظار کرنا تھا۔

سامنے میز پہ اخبار میں فاتح کا انٹرویو چھپا پڑا نظر آ رہا تھا۔ وہ مسکرایا اور اخبار اٹھا لیا' مگر پھر.....آنکھ کے کنارے نے کوئی شے پکڑی .....جیسے ذہن میں کوندا سا لپکا.....ایڈم نے نظریں موڑیں.....سیکرٹری کے قریب کوٹ اسٹینڈ پہ رین کوٹ لٹکا تھا۔

سفید رین کوٹ جس کے اوپر دھبے لگے تھے.....ایڈم سن رہ گیا۔ عثمان؟ ادھر؟ کیوں؟ اس کی تو ماں.....؟

مگر آج اس کا سیاستدانوں کے ساتھ نواں دن تھا اور دماغ اب تیزی سے کام کرتا تھا۔ عثمان مجھے دیکھ نہ لے۔ اوہ نو۔ جلدی سے اخبار اٹھایا اور چہرے کے سامنے پھیلائے ستون کی اوٹ میں جا کھڑا ہوا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ عثمان کو چھپ کے اشعر سے ملنے جانے کی کیا ضرورت تھی؟

اندر آفس میں مرکزی کرسی پہ اشعر ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ سنجیدہ نظریں سامنے بیٹھے عثمان پہ جمی تھیں جو تابعداری سے کہہ رہا تھا۔ ''مجھے اور تو کوئی بات نظر نہیں آئی لیکن صبح وان فاتح اپنے کسی دوست سے ملاکہ والے گھر کی بات کر رہے تھے۔ شاید وہ اس کو بیچنا چاہتے ہیں۔''

اشعر جواب تک اکتایا بیٹھا نظر آتا تھا اس بات پہ ٹھہر گیا۔ بالکل شل۔ پھر ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا۔

''ملاکہ والا گھر... سن باؤ کا گھر؟'' اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''سن باؤ؟'' عثمان الجھا۔ ''سن باؤ یعنی تین خزانے؟''

''وہ سن باؤ والا گھر... آبنگ اس کو بیچ کے چیئر مین کا الیکشن لڑنا چاہتا ہے؟'' اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''کیا بہت قیمتی گھر ہے وہ' سر؟''

''قیمتی؟'' اشعر کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔ ''وہ آبنگ کے والد کا ان کے لئے آخری تحفہ تھا۔ وہ گھر قدیم ہے۔ تاریخی ورثہ۔ صدیوں پہلے کسی چینی سفارتکار کی ملکیت تھا۔ اس کا نام پتہ نہیں کیا تھا مگر اس کو 'سن باؤ'' (تین خزانے۔ تین نگینے) کہتے تھے۔ آبنگ کے والد نے سستے داموں یہ ساری زمین لی تھی۔ کچھ عرصے بعد کا کا کو معلوم ہوا کہ یہ سن باؤ کا ویئر ہاؤس ہے جو وہ چھ سو سال پہلے استعمال کرتا تھا۔ کا کا نے اس کو احتیاط سے مرمت کروائی اور خوبصورت بنا دیا۔ تاریخی ورثے کی تصدیق بھی کروائی گئی۔ وہ گھر اگر نیلامی پہ چڑھا دیا جائے تو تاریخی نوادرات کے دیوانے امیر لوگ اس کو کروڑوں بلکہ اربوں میں خریدیں گے۔ آبنگ کو پھر پیسے کی کبھی کمی نہیں ہوگی۔'' اس نے پریشانی سے کہتے ہوئے ٹائی ڈھیلی کی۔ رنگت اڑ چکی تھی۔ وہ گھر فاتح کو عزیز تھا۔ اتنا عزیز کہ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اس کو بھی بیچ سکتا ہے۔

''میرے لئے کیا حکم ہے' سر؟''

اشعر چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر خود کو سنبھال کے بولا۔ ''تم وان فاتح کے ساتھ رہو۔ کسی سائے کی طرح۔ اس کی ہر حرکت کی خبر مجھے کرو۔ تمہیں ماہانہ اتنا پیسہ میں اسی لئے دیتا ہوں کیونکہ تمہارا اصل باس میں ہوں۔ اب جاؤ۔'' تحکم سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ موڈ خراب ہو گیا تھا۔ عثمان دروازے تک پہنچا کہ وہ بولا۔

''رکو۔'' آواز بدلی ہوئی تھی۔ عثمان چونک کے پلٹا تو دیکھا' اشعر کی آنکھوں میں چمک تھی' جیسے کچھ نیا سوچ رہا ہو۔ ''ایک کام تم آج بھی کر سکتے ہو۔''

ایڈم باہر ستون کی اوٹ میں کھڑا تھا جب اشعر کے آفس کا دروازہ کھلا۔ باہر نکل کے تیزی سے اپنا رین کوٹ اٹھانے والا عثمان ہی تھا۔ ایڈم نے اخبار مزید سامنے پھیلا لیا۔ عثمان متوجہ نہ تھا۔ وہ جلدی میں لگ رہا تھا۔ سیدھا آگے بڑھتا گیا۔

ایڈم کا ذہن شل تھا۔ وہ وان فاتح کو کیسے بتائے گا کہ نہ تالیہ مراد وہ ہے جو وہ خود کو کہتی ہے نہ عثمان اس کے ساتھ مخلص ہے۔ بیک وقت دو لوگوں پہ الزام سے تو لگے گا ایڈم خود عثمان کی جگہ لینا چاہتا ہے... مگر ماں کا کام؟ ایک نئی الجھن نے الجھنوں کے ہجوم سے سر نکالا تو وہ گہری

سانس لے کر رہ گیا۔ پہلے اسے ماں کا کام کرنا تھا۔

کچھ دیر بعد اشعر لفٹ میں سوار ہوا نیچے آ رہا تھا۔ مصروف' بے نیاز سا... لفٹ کے دروازے لابی پہ جا کر کھلے تو وہ باہر نکلا' پھر یکا یک رک گیا۔ سامنے سے بارش میں بھیگتا ایڈم آتا دکھائی دے رہا تھا۔ انداز سے لگتا تھا وہ ابھی ابھی عمارت میں داخل ہوا ہے۔

''سر...'' ہانپتا کانپتا اس کے پاس پہنچا تو اشعر نے ابرو بھینچ کے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''کیا ایک چھتری تک نہیں ہے تمہارے پاس؟''

''جلدی میں تھا سر۔ عثمان صاحب کو اپنی والدہ کے پاس جانا پڑا' پیچھے وان فاتح کو اٹینڈ کرنے کے لئے کوئی نہیں ہے' مجھے جلدی واپس جانا ہے' مگر آپ سے ضروری بات کرنی تھی۔''

گو کہ اشعر کو پرواہ نہ تھی کہ عثمان کو کوئی دیکھ سکتا ہے کیونکہ عثمان اپنی حفاظت کرنا جانتا تھا' مگر ایڈم کے انداز سے لگتا تھا وہ اپنی ہی دھن میں ہے۔ ناواقف۔ بے وقوف۔ اشعر نے گھڑی دیکھی اور پھر جبر اُرکتے ہوئے بولا۔ ''جلدی بولو۔''

''سر... میری والدہ کو نوکری چاہیے۔ کسی اچھے گھرانے میں ملازمہ رکھوا دیں ان کو۔ انہوں نے اصرار کیا ہے۔'' عزتِ نفس پہ پیر رکھ کے اس نے کہہ دیا۔ ''وہ صفائی' ستھرائی' گارڈننگ' سب کام جانتی ہیں۔ اور....''

''کھانا پکانا جانتی ہیں؟ خاص چینی طرز کا کھانا؟'' اشعر تیزی سے بولا تو ایڈم رکا۔ پھر جھٹ سر ہلایا۔

''ہر قسم کا کھانا بنا لیتی ہیں وہ۔ ملے۔ انڈین۔ چینی۔''

''میں نے ابھی ابھی شام کو گھر میں پارٹی رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ صرف چند چینی دوست مدعو ہوں گے۔ اگر تمہاری ماں بہترین چینی کھانا بنا سکتی ہے تو اس کو میرے گھر لے جاؤ اور کچن اس کے حوالے کر دو۔ اگر مجھے کوئی شکایت نہ ملی تو میں اس کو کہیں شیف رکھوا دوں گا۔'' پھر ہاتھ جھلا کے ہٹنے کا اشارہ کیا تو ایڈم ہکا بکا سا ہٹ گیا۔

''شکریہ... شکریہ سر۔'' پیچھے سے بوکھلا کے پکارا مگر اشعر اپنے گارڈز سمیت آگے بڑھ گیا تھا۔ ایڈم لابی میں اکیلا کھڑا رہ گیا۔

(تھوڑی دیر پہلے مجھے اشعر پہ غصہ تھا کہ وہ فاتح کے ملازم سے خفیہ تعلق کیوں رکھے ہوئے ہے۔) لابی میں آتے جاتے سوٹڈ بوٹڈ امیر لوگوں کو دیکھتے ہوئے وہ سوچنے لگا۔ (مگر میں نے اپنا کام کہتے دیر نہیں لگائی۔ کیا میں بھی سیاست سیکھنے لگا ہوں؟) پھر سر جھٹکا۔

نوکری کے لیے سفارش کروانا بری بات نہیں۔ کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ چوری نہیں کی۔ محنت مزدوری کر کے پیسے کمانا چاہتے ہیں ہم۔ اگر یہی سیاست ہے تو بری چیز نہیں ہے یہ۔

☆☆=========☆☆

حالم کا خوبصورت اور اونچا گھر اس دوپہر خاموش پڑا تھا۔ بارش رک چکی تھی اور لان کا گھاس پانی سے بوجھل تھا۔ تالیہ نے کار پورچ میں روکی اور خاموشی سے باہر نکلی۔ وہ بھیگی ہوئی لگ رہی تھی۔ شاید وہ عصرہ کے گھر سے واپسی پہ وہیں کار روک کے باہر نکل کے بارش میں

کھڑی رہی تھی۔ سنہرے بالوں سے موٹے موٹے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے.... وہ ان میں انگلیاں چلاتی دروازے کی طرف آئی

۔

''میں نے آج دو چیزیں دریافت کیں۔ سنوگی تو داد دوگی۔'' دروازہ کھولا تو سامنے لاؤنج کے صوفے پہ چپل کے بیٹھی بھاری بھرکم داتن دکھائی دی۔ سینے پہ پیالہ رکھے اس میں سے اخروٹ نکال نکال کے کھاتی بھی جا رہی تھی۔ ''پوچھو کون سی دو چیزیں؟''

تالیہ اندر آئی۔ دروازہ بند کیا۔ جوتے اتارے۔ ریک سے نرم چپل نکال کے پہنے۔ چہرہ جھکا ہوا اور خاموش تھا۔ داتن نے بے چینی سے چند لمحے انتظار کیا۔

''چونکہ مشرقی لڑکی کی خاموشی ہاں تصور کی جاتی ہے' اس لئے میں سمجھ گئی ہوں کہ تم میری دریافت جاننے کے لئے بے چین ہو' سو تمہارے پوچھے بغیر ہی بتائے دیتی ہوں۔''

تالیہ نے پرس اسٹینڈ پہ لٹکایا اور کچن تک آئی۔ ایک الماری کا پٹ کھولا۔ اندر سے سفید تولیہ نکالا۔

''جانتی ہو سمیع کو کیسے معلوم ہوا کہ اشعر محمود نے تمہاری تحقیقات کروائی ہیں؟ میں نے صرف سمیع کے شناختی کارڈ نمبر سے اس کا ایڈریس معلوم کروایا تو پتہ چلا' وہ اشعر کے آفس میں کام کرتا ہے۔ یعنی ڈائریکٹ رلی (اشعر کا مینیجر) کے نیچے۔''

تالیہ نے کمر موڑی اور سر جھکا دیا' پھر گیلے بالوں کو تولیے میں لپیٹ کے سیدھی کھڑی ہوئی۔

''سمیع کا تعلق منی لانڈرنگ گروہ سے تھا' اور وہ کئی سالوں سے اشعر کے پاس ہی کام کر رہا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اشعر بھی اسی کام میں ملوث ہو۔ منی لانڈرنگ کر کے ہی بنائی ہوگی اشعر اور اس کے باپ نے اتنی بڑی جائیداد۔ اب دوسری دریافت کا پوچھو۔''

تالیہ سر نیہوڑائے بالوں کو تولیے سے رگڑ رہی تھی۔ خاموش بالکل خاموش۔

''ہاں ہاں میں جانتی ہوں تم مزید جاننے کے لیے بے چین ہو۔ تجسس تمہارے اندر ابل ابل رہا ہے۔ اس لئے تمہیں انتظار کیوں کرواؤں' اتنی ظالم تو نہیں ہوں میں۔ بتا ہی دیتی ہوں۔'' وہ مٹھی بھر اخروٹ پھانکتے ہوئے جلدی جلدی جوش سے بتانے لگی اور تالیہ خاموشی سے بال خشک کرتی رہی۔

''اس کویتی شیخ کا ملازم نوفل شیخ بن کے جب عصرہ سے ملا تو عصرہ یا فاتح تو نہیں جانتے تھے کہ اصلی شیخ کی شکل کیا ہے لیکن اشعر تو ساتھ تھا۔ اس نے عصرہ کو نہیں بتایا کہ یہ اصلی شیخ نہیں ہے۔ نہ جب تم نے ڈائننگ ہال میں شیخ کو کال ملائی' تب اشعر نے شیخ سے واقفیت ظاہر کی۔ لیکن یہ دیکھو....'' صوفے سے ایک کاغذ اٹھا کے لہرایا۔ ''اشعر اور وہ شیخ جاسم ایک ہی گالف کلب کے ممبر رہے ہیں اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ کبھی ملے نہ ہوں۔ لوگ گالف کھیلتے بھی تو اونچی دوستیوں کے لئے ہیں۔ میرا خیال ہے ان دونوں کی پرانی دوستی ہے یعنی یہ اشعر ہی ہے جس کے کہنے پہ شیخ نے نقلی پینٹنگ اور اپنا ملازم دونوں اس کے حوالے کر دیے۔ یعنی یہ اشعر ہے جو عصرہ اور فاتح کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔''

تالیہ نے تولیہ زور سے کھینچ کے پرے اچھالا اور مڑ کے اسے دیکھا تو آنکھوں میں غصہ تھا۔

"کون فاتح؟ کون اشعر؟ لیانہ اور تالیہ کی بات کرو۔"

داتن حیران رہ گئی۔ "تالیہ......"

"ہمارے ہر اسکام کے لئے لوگوں کو تم ہائر کرتی ہو میں پسِ منظر میں رہتی ہوں' اپنا چہرہ نہیں دکھاتی.... رات کو چھپ کے چوری کرتی ہوں اور دن میں کسی نوکرانی' کسی ویٹرس جیسا معمولی سا کردار کرتی ہوں جو کسی کو یاد بھی نہیں رہتا۔ لیکن مجھے ہر بات یاد رہتی ہے۔" اتنی درشتی سے بولی کہ داتن دھک سے رہ گئی۔

"چار ماہ پہلے ہم نے ڈریم اسکام کھیلا تھا.... وہ اداکار چالاک لڑکا احمد جس نے یتیم خانے کے دورے پہ آنے والی امیر انڈونیشین خاتون کے سامنے پیش گوئی کی اور پھر ہم نے اس کو ڈرا کے اس سے مزید پیش گوئیوں کے لئے پیسے بٹورے تھے۔ کچھ یاد آیا؟"

داتن کے کھلے لب بند ہو گئے۔ اس نے نظریں جھکالیں۔ "تمہیں پتہ چل گیا؟"

"نہیں چلنا تھا کیا؟" وہ دبا دبا سا چلائی۔ "تم میری طرف ہو یا میرے مخالف ہو داتن؟ کیوں تم نے عصرہ کو اسی دن ڈرانا چاہا جب وہ مجھے گھر بلا رہی تھیں۔ میں اس کا شوہر چھین لوں گی؟ واٹ نان سینس؟"

چند لمحے لاؤنج میں موت کا سناٹا چھایا رہا۔ پھر داتن نے گہری سانس لے کر آنکھیں اٹھائیں۔ "میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم اس کا شوہر چھین لوگی۔ اتنا کہا تھا کہ تم اس کو عصرہ کی دنیا سے دور لے جاؤ گی اور یہ سب تمہارے خواب کہتے ہیں تالیہ۔ وہ دو دریاؤں والا خواب.... اس کا یہی مطلب ہے۔" مگر تالیہ نفی میں سر ہلاتی غصے سے ٹہلنے لگی تھی۔

"تم نے میری گردن کے نشان کی تصویر لی... تم اس کتاب کو چھپ چھپ کے پڑھتی رہیں.... مجھے سب پتہ چل رہا تھا مگر میں چپ رہی ... میری دو آنکھیں میری گردن کے پیچھے بھی ہوتی ہیں داتن مگر میں ہر وقت زبان نہیں چلاتی کیونکہ مجھے لگا تم میری حفاظت کر رہی ہو گی۔"

"میں تمہاری حفاظت ہی کر رہی ہوں۔"

تالیہ نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھا۔ مگر بولی کچھ نہیں۔

"ہو سکتا ہے تم مجھ پہ بالکل یقین نہ کرو تالیہ۔ یہ تمہارا حق ہے لیکن میں جانتی ہوں۔ وہ چابی تمہیں تباہ کر سکتی ہے۔ وہ ملعون ہے اور تم خفا ہوتی ہو تو ہو لیکن میں نہیں چاہتی تھی کہ تم اس بریسلیٹ یا سکے کو چراؤ کیونکہ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔" داتن کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"وہ خزانے کی چابی ہے' داتن۔ وہ میرے باپ کے خزانے کی چابی ہے۔ وہ میری وراثت ہے۔ میرے باپ کا ترکہ ہے۔" وہ سینے پہ انگلی رکھے درد سے اونچا سا بولی.... اب آواز میں غصہ کم اور دکھ زیادہ تھا... مگر داتن نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

"کوئی خزانہ نہیں ہے تالیہ۔ اس الوژن سے نکل آؤ۔ اس چابی سے تمہاری زندگی تباہ ہو جائے گی۔" آنسو اس کی آنکھ سے ٹپکا اور سیاہ گال پہ لڑھک گیا۔

"نہیں۔ میں جانتی ہوں۔ خزانہ ہے۔ تاشہ کا خزانہ۔ میرے بابا کا خزانہ۔ وہ جو بھی تھی اس نے میرے لئے خزانہ چھوڑا ہے۔ ایڈم اور

میں اس کے قریب پہنچنے والے تھے۔ میرے خواب غلط نہیں ہوتے۔ تم میرے راستے میں رکاوٹ کیوں بن رہی ہو؟'' وہ غصے اور دکھ سے بولی تو داتن اٹھ کھڑی ہوئی۔ میز پہ رکھا جار اٹھالیا جس میں سے خستہ بسکٹ جھلک رہے تھے۔

''تم نے خواب میں کوئی خزانہ نہیں دیکھا۔ کیا تم نے دیکھا؟ نہیں نا۔ لیکن تم نے دو دریا دیکھے۔ تم نے ہما پرندے کو دیکھا۔ اس کا مطلب حکومت یا طاقت نہیں ہے۔ یہ شکار بازوں کے نشان ہیں۔ تم شکار بازوں میں سے ہو اور وہ اچھے لوگ نہیں تھے تالیہ۔ یہ اچھی چیزیں نہیں ہیں۔ لیکن اگر تم اتنی ہی کنوینس ہو کہ خزانہ وجود رکھتا ہے تو تم اس کو ڈھونڈو۔ میں رکاوٹ نہیں بنوں گی' لیکن کنویں میں چھلانگ لگانے میں اپنی دوست کی مدد بھی نہیں کروں گی۔'' تالیہ اسے انہی خفا نظروں سے دیکھتی رہی اور وہ کہتی گئی۔ ''البتہ تمہارے راستے کی دوسری رکاوٹوں کو میں تم سے دور کرتی رہوں گی جیسے سمیع۔ اور یہ بسکٹ کھالینا' اور جار کا ڈھکن بند کر کے رکھنا۔ نمی گھس جائے تو ذائقہ خراب ہو جاتا ہے۔''

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ بس صوفے پہ بیٹھی اور کشن گود میں رکھ لیا۔ پھر چہرہ موڑے خفگی سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''جانتی ہو دوستی کا سب سے تکلیف دہ لمحہ کون سا ہوتا ہے؟ جب دوست کچھ غلط کر رہا ہو۔ اگر نہ روکا تو دوست تباہ ہو گا۔ روکا تو دوستی۔ مجھے نہیں معلوم اس لمحے میں کس کو چننا چاہیے۔ دوست کو۔ یا دوستی کو۔'' اتنا کہہ کے اس نے جار میز پہ رکھا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تو تالیہ نے خفا نظریں موڑ کے کھڑکی کو دیکھا۔ داتن باہر لان عبور کرتی نظر آ رہی تھی۔

وہ چند لمحے بیٹھی رہی۔ ایک دو دفعہ جار کو تندہی سے دیکھا بھی۔

''پہلے اپنے بیٹے کو دینے لگی ہو گی' پھر آخری وقت ارادہ بدل کے مجھے یاد کیا ہو گا۔ ہونہہ۔'' اور منہ موڑ لیا۔ کچھ دیر مزید گزری۔ پھر وہ تیزی سے آگے جھکی' جار اٹھایا' کھول کے گود میں رکھا اور بسکٹ نکال کے چکھا۔

''یہ بسکٹ موٹی نے یتیم خانے والی حرکت سے پہلے بنائے ہوں گے۔ یہ حلال ہیں۔ میں کھا سکتی ہوں۔'' اور اسی طرح خفگی سے ایک ایک بسکٹ کترنے لگی۔ چہرہ ہنوز سرخ دہک رہا تھا اور گیلے سنہرے بال شانوں پہ بکھرے تھے۔ اسے داتن پہ بہت سارا غصہ تھا۔

اور حالم کے گھر سے میلوں دور.... اپنے آفس میں کھڑا' مسکرا کے ملاقاتیوں سے مصافحہ کرتا وان فاتح ان کو الوداع کہہ رہا تھا۔ وہ افراد باہر نکلے تو وہ تکان سے اپنی کرسی پہ گرا' ٹائی کی ناٹ قدرے ڈھیلی کی اور موبائل اٹھالیا۔ ساتھ ہی عینک ناک پہ جمائی' اور اسکرین روشن کی۔ بیسیوں پیغامات۔ ای میلز۔ وہ میکانکی انداز میں ایک ایک کھولتا گیا۔ دفعتاً ایک ای میل پہ ٹھہرا۔ بدکی۔

''سر....میری اشعر کے متعلق اسٹوری نہیں چھاپی گئی اور مجھے نوکری سے بھی نکال دیا گیا ہے۔ کچھ کیجئے۔ یہ سب اس اسٹوری کی وجہ سے ہوا ہے جو آپ نے مجھے دی تھی۔''

فاتح کی انگلیاں کی پیڈ پہ چلنے لگیں۔

''کون سی اسٹوری؟'' سپاٹ چہرے کے ساتھ اس نے لکھا۔

''سر....آپ نے جو مجھے ہنٹ دیا تھا اشعر کے بارے میں....میں اس کی بات کر رہی ہوں۔''

''کون سا ہنٹ؟ آئی ایم سوری ہدیٰ مگر مجھے نہیں معلوم' تم کیا کہہ رہی ہو۔''

حیرت سے لکھا گیا جملہ اس نے بھیجا تو چہرہ شانت تھا۔ چند لمحے بعد ہی جواب موصول ہوا تھا۔

''یا اللہ۔ آپ سارے سیاستدان ایک سے ہوتے ہیں۔ آپ دیکھیے گا اب کہ میں کیا کرتی ہوں۔''

فاتح نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے ہدیٰ کا جواب پڑھا اور اگلی میلز دیکھنے لگا۔ چہرہ بالکل مطمئن اور پر سکون تھا۔

☆☆==========☆☆

سہ پہر ڈھلی تو کوالالمپور کے خوبصورت آسمان کو بادلوں نے راستہ دے دیا اور خود دور چھٹ گئے۔ خوشگوار' ٹھنڈی شام اونچی عمارتوں والے شہر پہ اترنے لگی۔ ایسے میں اشعر محمود کے شاہانہ قلعے میں اچانک منعقد کی جانے والی دعوت کے ہنگامے جاگنے لگے۔

سرخ رنگ جو چینیوں سے منسلک تھا' لان میں کیٹرنگ میں ہر جگہ نظر آ رہا تھا۔ اندر قلعے کے کچن میں جھانکو تو چند باوردی ملازم کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ اشتہا انگیز کھانوں کی مہک سارے میں پھیلی تھی اور ایک کاؤنٹر کے ساتھ کھڑی ایڈم کی ماں ایپرن' ٹوپی اور داستانے پہنے طعام سے سجی ایک ڈش کو سجانے میں مصروف تھی۔

چند میل دور.... وان فاتح کی رہائشگاہ پہ بھی شام اترنے کو بے تاب نظر آتی تھی۔

اپنے کمرے کے ڈریسر مرر کے سامنے کھڑا فاتح اپنے عکس کو دیکھتا ٹائی کی ناٹ باندھ رہا تھا۔ ایک نظر گھڑی پہ بھی ڈالی۔ دیر ہو رہی تھی۔

تب ہی دروازہ دھاڑ سے کھلا اور عصرہ آندھی طوفان کی طرح اندر آئی۔ فاتح نے ایک نظر عکس میں اسے اپنے عقب میں دیکھا۔ وہ زرد لباس' میک اپ اور جوڑے میں تیار نظر آتی تھی مگر چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

''ایلش کا فون آیا تھا۔''

''فکر نہ کرو ہم وقت پہ پہنچ جائیں گے۔ میں ابھی تو گھر آیا ہوں۔'' ٹائی کو بل دے کر باہر نکالتے وہ سادگی سے بولا۔

''تم کس کی سائیڈ پہ ہو فاتح؟'' وہ بھوکی شیرنی کی طرح اس کے دائیں طرف آ کے غرائی۔ دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے ہوئے تھی۔

''بارِیسن نیشنل کی۔'' وہ آئینے کی طرف متوجہ رہا۔

''تو اگر میرے بھائی کا لحاظ نہیں کرنا تھا تو باریسن نیشنل کے رکن کا تو کر لینا تھا۔ تم نے کیسے صحافی سے کہہ دیا کہ وہ اشعر کے خلاف خبر لگائے؟'' وہ دردے دبا دبا چلائی۔

''میں نے کسی کو کوئی خبر لگانے کو نہیں کہا۔'' اس نے گھڑی اٹھائی اور کلائی میں باندھنے لگا۔

''مگر تم نے اسے ذلیل کرنے کی کوشش کی' فاتح!'' اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

''ایک خبر کسی کو ذلیل نہیں کر سکتی عصرہ۔ میرے بارے میں ہر شام ایک سے زیادہ خبریں لگتی ہیں۔'' گھڑی بند کر کے اس نے کف لنکس اٹھائے۔

''ایش کے ambitions خاک میں مل سکتے تھے فاتح۔''

''اور میرے عزائم؟ میرے گولز؟'' وہ کف لنک پہنتے ہوئے چہرہ موڑ کے سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگا۔

''میں کہہ چکی ہوں' تم چیئر مین کا الیکشن نہیں لڑو گے اور ہم نیلامی کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے۔''

''اگر کہنے سے فیصلے ہو جاتے ہیں تو چلو میں بھی کہہ دیتا ہوں۔'' دوسرا کف لنک آستین پہ نتھی کرتے ہوئے وہ نظریں عصرہ پہ جمائے بولا۔

''پچھلے چھ ماہ سے جو اشعر کے دوستوں نے اس کا دماغ خراب کر کے اسے میرے خلاف اٹھنے پہ مجبور کیا ہے نا' اور تب سے مجھے ہر طرف جو مالی خسارہ ہو رہا ہے نا' کبھی میرے شیئرز ڈوب جاتے ہیں' کبھی مجھے مقدموں میں پھنسا کے قلاش کیا جاتا ہے' کبھی مال میں میری ہی دکانوں کو آگ لگ جاتی ہے..... یہ مت سمجھو کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ یہ کون کر رہا ہے۔ اگر میں اب تک خاموش تھا تو اس لئے کہ مجھے امید تھی اشعر پلٹ آئے گا' لیکن وہ مجھے اس نہج پہ لے آیا ہے کہ مجھے اس کو ایک پیغام دینا پڑا ہے۔ وہ یہ مت سمجھے کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں تو میں الیکشن کیمپین نہیں چلا سکتا۔ میں کسی سے بھیک نہیں مانگوں گا مگر الیکشن بھی لڑوں گا۔ فاتح کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے اور تم.....تم۔ آج آخری دفعہ سن لو۔ تمہیں نیلامی کرنی ہے اپنی آرٹ کلیکشن کی تو شوق سے کرو' امریکہ جانا ہے' میرے بچوں کو بھی لے کر جانا ہے تو تم جاؤ۔ میں ملائیشیاء کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گا۔ اب تمہیں کچھ اور کہنا ہے یا ہم پارٹی میں جا رہے ہیں؟''

وہ جیسے چبا چبا کے.....سختی سے بولا تھا' عصرہ محمود بالکل چپ ہو گئی۔ وان فاتح کو کبھی کبھار بہت شدید غصہ آتا تھا اور ایسے وقت پہ عصرہ کو لگتا' وہ ہر ایک کو چھوڑ سکتا ہے۔ بے نیاز۔ سرد مہر۔

''مجھے تمہارا جواب چاہیے' عصرہ۔ تمہیں میرے ساتھ رہنا ہے یا امریکہ جانا ہے؟'' وہ اسی غراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔ چبھتی ہوئی آنکھیں عصرہ پہ جمی تھیں۔

عصرہ نے خود کو سنبھالا۔ چہرے کی سرخی قدرتی طور پہ کم ہوتی گئی۔

''کیا تمہیں لگتا ہے مجھے تمہارے خوابوں کا احساس نہیں ہے؟ میں.....''

''یہ میری بات کا جواب نہیں ہے عصرہ!'' اور سیاسی بیوی نے گہری سانس لی اور اس کی کہنی تھامی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ غصہ مت کرو۔ ہم نہیں جائیں گے امریکہ۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کرو۔'' وہ ٹھنڈی پڑ گئی اور رسان سے اسے ٹھنڈا کرنے لگی۔ ''مگر مجھے نیلامی کرنے دو۔ نیلامی کے پیسوں سے تمہارے فنڈز کا انتظام ہو جائے گا۔ میں نے تمہاری ہر سیاسی مہم میں حصہ لیا ہے ہمیشہ' اس دفعہ بس میں خوفزدہ ہوں فاتح' ورنہ میں.....''

''مجھے تمہارے پیسوں کی نہیں' تمہارے سپورٹ کی ضرورت ہے۔'' بیوی کو معلوم ہوتا ہے شوہر کو ٹھنڈا کیسے کرنا ہے اور اسے con کیسے کرنا ہے۔ فاتح ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ کف لنک ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ عصرہ نے نرمی سے وہ اس سے لیا تو اس نے مزاحمت نہیں

کی۔

''ایسا سوچنا بھی نہیں کہ میں کبھی تمہیں چھوڑ کے جاسکتی ہوں۔'' وہ کف لنک دلجمعی سے اس کے کف پہ پہنانے لگی۔ ''اگر یہ تمہارے لئے اتنا ہی ضروری ہے تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم جیتے۔ بات ختم۔ ٹھیک؟''

فاتح بس آنکھیں چھوٹی کیے اسے غور سے دیکھتا رہا' گویا یقین کرے یا نہ کرے' پھر اس نے یقین کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ہلکا سا مسکرایا اور سر کو خم دیا۔ ''تھینک یو۔ میں کار میں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔'' پھر کوٹ کو کندھوں پہ برابر کیا اور سیل فون اٹھا کے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ کھلا تھا۔ وہ اسے عبور کرکے لاؤنج میں آیا تو ایک دم ٹھٹکا۔ ماتھے پہ بل پڑے۔

سامنے بڑے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے سنہرے بالوں والی لڑکی بیٹھی تھی۔ سرخ چھوٹی آستین کے چینی طرز کی لمبی میکسی میں ملبوس' اس نے میک اپ کچھ ایسا کررکھا تھا کہ شکل چینیوں کی طرح لگ رہی تھی۔ (ملے لوگوں کے نقش بھی چینیوں سے ملتے ہیں مگر رنگت گندمی مائل یا سانولی ہوتی ہے۔ تالیہ البتہ کافی گوری گلابی سی تھی۔) فاتح کو دیکھ کے وہ سادگی سے مسکرائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ سر کو خم دیا۔ ''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔ تم ادھر؟'' وہ حیران ہوا اور اسے کچھ برا بھی لگا۔

''مسز عصرہ نے ایمرجنسی میں بلوایا تھا۔ وہ کسی پارٹی میں مجھے ساتھ لے جانا چاہتی تھیں۔'' وہ اس کی ناگواری دیکھ کے ذرا پھیکی پڑی' پھر جبراً مسکرائی۔

''ہوں۔'' وہ آگے بڑھ گیا تو وہ بے اختیار بول اٹھی۔

''کیا آپ بھی اس پارٹی میں جارہے ہیں؟'' فوراً زبان دانتوں تلے دبائی۔ (کیا صبح والی بے عزتی کافی نہیں تھی تالیہ؟ مگر یہ دل کیا کیا کروادیتا تھا۔)

''ظاہر ہے۔'' وہ بے نیازی سے کہتا آگے بڑھ گیا۔

''سی یو.... توانکو! (پھر ملتے ہیں' میرے محترم!)'' لبوں سے بے اختیار پھسلا تھا۔ بنا کسی ارادے' کسی سازش' کسی سوچ' کسی مطلب کے .... اس لفظ پہ فاتح ٹھہرا۔ گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ سامنے سے آتی عصرہ کی طرف بڑھ گئی تھی اور اب مسکرا کے اس سے مل رہی تھی۔ سنہرے بال چہرے کے ایک طرف ڈال رکھے تھے اور کانوں سے سرخ آویزے لٹک رہے تھے۔ عصرہ مسکراتے ہوئے اسے اشعر کی پارٹی کا بتا رہی تھی جس پہ اشعر نے اسے خاص الخاص مدعو کیا تھا۔ فاتح یونہی اسے دیکھے گیا۔

(توانکو....) وہ لفظ اتنی محبت اور عقیدت لئے ہوئے تھا کہ اس کی بازگشت لمحے بھر کو سارے گھر میں پھیل سی گئی۔ (توانکو) (میرے آقا' مائی لارڈ) بس ایک لمحے کے لئے فاتح نے اسے ذہن میں دہرایا پھر سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔

(توانکو Tuanku ایک قابلِ احترام ٹرم ہے جو ملے اللہ کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں اور کسی محترم کے لیے بھی۔ جیسے میرے

مالک میرے آقا کہنا)

''ایڈم۔'' باہر نکلتے ہی فاتح نے برے موڈ کے ساتھ ایڈم کو پکارا۔''تم میری کار چلاؤ۔ ہم پہلے جائیں گے۔ بیگم صاحبہ اپنی مہمان کے ساتھ دوسری کار میں آئیں گی۔''اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ وہ اتنی بری کیوں لگتی تھی اسے؟

ایڈم نے جھٹ چابی تھام لی۔

راستے میں فاتح خفگی سے باہر دیکھتا رہا۔ وہ ہمیشہ سنبھلا ہوا اور پرسکون رہتا تھا' سوائے جب اسے بہت زور کا غصہ آتا۔ لیکن یہ لڑکی.... یہ ان دونوں میاں بیوی کی لڑائی کے وقت ان کے کمرے کے باہر بیٹھی تھی' یہ بات اسے بہت غیر آرام دہ کر رہی تھی۔ شاید صرف یہی بات تھی۔ یا شاید اس کو دیکھ کے آریانہ یاد آتی تھی.... آریانہ کو وہ اچھی لگی تھی.... اتنی کہ وہ کتنے ہی دن اس کے بارے میں باتیں کرتی رہی تھی۔ سنہرے بالوں والی تاشہ آ گا پووا.....

''ایک سوال پوچھوں' سر؟''ایڈم کی آواز نے اسے سوچ سے باہر کھینچ نکالا۔ فاتح نے گہری سانس لے کر خود کو پرسکون کیا اور اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''پوچھو۔''

''سر.... کچھ دن اچھے گزرتے ہیں مگر کچھ دن ہمارے بہت برے گزرتے ہیں۔ دل خراب ہوتا ہے۔ وجہ کبھی پتہ نہیں ہوتی کبھی ہوتی ہے۔ ایسے دنوں میں کیا کیا جائے؟''

''یہ سب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ برے دنوں سے لڑنا سیکھو۔ اپنے دل سے پوچھو مسئلہ کیا ہے' غلطی کیا ہے' اور اس کا حل سوچ کے خود کو پرسکون کرنا سیکھو۔ جتنا زیادہ تم برے موڈ کے آگے ہتھیار ڈالو گے' اتنے ہر گزرتے دن کے ساتھ کمزور ہوتے جاؤ گے۔ جتنا اس سے لڑو گے' پرسکون رہو گے۔''

''سر کبھی کبھی مسئلہ ہمارے کچھ عزیزوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جن سے ہمارا خونی رشتہ نہیں ہوتا' مگر ان کے بارے میں دل فکرمند رہتا ہے۔ اگر ان کو کچھ غلط کرتے دیکھیں تو ان کو روکنے کا دل چاہتا ہے' مگر ان کی ناراضی سے ڈر بھی لگتا ہے۔ ایسے میں کیا کرنا چاہیے؟''

''تمہارا مطلب ہے کسی کے ساتھ کوئی انہونا سچ بولتے ہوئے تمہیں ڈر لگ رہا ہے۔'' فاتح اب کھڑکی سے باہر بھاگتی عمارتیں دیکھ رہا تھا۔

''جی' سر!''ایڈم نے موڑ کاٹتے شرمندگی سے آواز پست کی۔

''تمہیں معلوم ہے ایڈم.... چودہ سو سال پہلے عرب میں ہمارے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے نوازا تھا۔ غارِ حرا میں فرشتہ ان کے پاس حق لایا تھا۔ جب وہ گھر واپس آئے تو خدیجہؓ نے ان کی بات پہ من وعن اعتبار کیا۔ بات کتنی ہی انہونی کیوں نہ تھی' انہوں نے وہ کیا جو ایک اچھا دوست' ایک اچھا ساتھی کرتا ہے۔ اپنے پارٹنر کو کمفرٹ کیا۔ ہمت بندھائی۔ ان کو کہا کہ آپ کو اللہ کبھی ذلیل ورسوا نہیں

کرے گا کیونکہ آپ غریبوں کی مدد کرتے ہیں' مصائب میں گھرے لوگوں کا سہارا بنتے ہیں۔ مشکل وقت میں اپنے ساتھی کو امید دکھائی' ان کی اچھائیاں ان کو یاد دلائیں۔ اور ان کی بات پہ یقین کیا۔ جانتے ہو کیوں؟''

''کیوں؟''

''کیونکہ خدیجہؓ محمد ﷺ کو اتنے اچھے طریقے سے جانتی تھیں کہ ان کو معلوم تھا' یہ جو کہہ رہے ہیں' سچ کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ عام معاملات میں بھی سچ بولتے تھے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہاری ہر خاص بات کا اعتبار کریں تو تم عام باتوں میں بھی سچے بنا کرو۔''

''اور اگر اس کا وقت نہ ہو؟ اگر مجھے اپنے اس عزیز کو....'' بیک ویو مرر میں فاتح کا چہرہ دیکھا جو بے نیاز سا باہر دیکھ رہا تھا۔ ''...ابھی آج ہی کسی شے سے آگاہ کرنا ہو...تو میں کیا کروں؟''

''تمہیں سچ اور حق کا فرق معلوم ہے' ایڈم؟'' وہ جواباً سوال پوچھ رہا تھا۔ ''سچ تو برہنہ تلوار ہے' جو سامنے آئے گا' کاٹ ڈالے گی۔ مگر حق وہ سچ ہوتا ہے جو درست طریقے سے درست وقت پہ درست جگہ بولا جائے۔'' ذرا ٹھہر کے وہ باہر دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ ''تمہیں معلوم ہے' رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سچا کوئی نہیں تھا مگر وہ blunt نہیں تھے۔ کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے۔ لوگوں کے منہ پہ ان کے لباس' گھر اور جسمانی اعضا کے عیوب نہیں بیان کرتے تھے۔ انسؓ بچے تھے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے۔ دس سال ان کے ساتھ رہے۔ وہ کہتے ہیں' آج تک رسول اللہ ﷺ نے ان کو نہیں ٹوکا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا۔ ہم لوگ ایسے نہیں کرتے۔ خود میں ایسے نہیں کر پاتا۔ بول دیتا ہوں۔ بعد میں سوچتا ہوں سامنے والے کا دل دکھا دیا۔ مگر بہر حال...تم نے پوچھا ہے تو تمہیں درست بات بتاؤں گا...سچ کی جگہ حق کہنا سیکھو۔ یعنی صحیح طریقے سے صحیح وقت پہ سچ بولنا سیکھو۔ اور یہ تم تبھی سیکھ سکو گے جب تم خود سے سچے ہو گے۔''

''خود سے سچے کا مطلب' سر؟'' وہ انہماک سے سنتا ڈرائیو کر رہا تھا۔

''کبھی اپنی کسی بری عادت سے جنگ کی ہے تم نے؟ بہت سے لوگوں کو بہت سی بری عادتیں ہوتی ہیں۔ ڈرگز' عورتیں' جوا....یا کم سے کم انٹرنیٹ پہ غلط اشیاء دیکھنا۔ لوگ ان کے ساتھ خود سے جھوٹ بول کے لڑتے ہیں۔ ''اب میں یہ نہیں کروں گا'' کہہ کر چند دن ان کو دبا لیتے ہیں' پھر وہی کام کر بیٹھتے ہیں۔ پھر گلٹ' توبہ' پھر وہی کام۔ یوں یہ ایک گھناؤنا سائیکل چلتا رہتا ہے۔''

''مگر بری عادتوں کو اسی طرح تو چھوڑا جاتا ہے سر' خود سے عہد کر کے کہ میں یہ کام نہیں کروں گا۔'' وہ حیران ہوا۔

''ایڈم بری عادت بیماری نہیں ہوتی۔ بیماری کی ایک علامت ہوتی ہے جو ظاہر ہو رہی ہوتی ہے۔ اگر کسی کو چکن پاکس نکل آئیں تو وہ دانوں پہ کریم لگانے سے نہیں جاتے۔ دانے تو ایک علامت ہیں۔ اس کو دوا لینی پڑے گا جو جسم کے اندر جا کر اصل مسئلے کو ختم کرے گی۔ cause کو ٹریٹ کرنا ہوتا ہے' علامتوں کو نہیں۔ مگر اس کے لئے خود سے سچ بولنا پڑتا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''اپنے آپ سے پوچھنا ہوتا ہے کہ اگر میں یہ کرتا ہوں تو کیوں کرتا ہوں؟ میں کس چیز کی کمی اس چیز میں ڈھونڈ رہا ہوں؟ بری عادت بار بار واپس آئے گی جب تک تم خود سے سچے نہیں ہو گے۔ بیماری کی وجہ کا علاج نہیں کرو گے۔ جب تم اپنے آپ سے سچے ہو گے تو دوسروں کے بارے میں تمہاری رائے بھی سچی ہو گی کیونکہ ضروری نہیں ہے کہ جو تم دیکھ رہے ہو' وہ سچ بھی ہے۔''

''یعنی ہمیں ایک دم سے مداخلت کرنے کی بجائے پہلے تصدیق کرنی چاہیے' پھر انصاف کی بنیاد پہ فیصلہ کر کے درست طریقے سے بات پہنچانی چاہیے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے ہم میں مداخلت کی عادت کچھ زیادہ ہی ہو۔'' اس نے گویا اعتراف کیا۔

فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ ہر بات کا جواب نہیں دیا کرتا تھا۔ وہ بس کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا....

وہاں سڑک کے پار دور اونچی آسمان کو چھوتی عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں۔

یکایک ان عمارتوں کی رنگت پیلاہٹ بھری ہو گئی... ارد گرد ماحول زرد ہو گیا... وان فاتح نے گردن موڑی تو کار کو ایک بوڑھا ڈرائیور چلا رہا تھا' اور فرنٹ سیٹ پہ قدرے نوجوان سا اشعر بیٹھا تھا۔ چھ سال پہلے کا ماحول.....

پیچھے فاتح کے بائیں ہاتھ ایک لمبے بالوں والی بچی بیٹھی تھی۔ وہ گردن سیدھے رکھے' سنجیدگی سے سامنے دیکھ رہی تھی۔ عمر کم تھی مگر ذہانت اور تمکنت ہر انداز سے جھلکتی تھی۔

''آبنگ' آپ کو گیارہ بجے فنڈ ریزر میں جانا ہے' مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ وہاں سے آدھے گھنٹے میں فارغ ہو جائیں کیونکہ پھر میں نے آپ سے ملاقات کے لئے چند انڈسٹریلسٹس کو وقت دے رکھا ہے۔'' وہ اپنی ڈیجیٹل ڈائری دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ ''اور اگلے الیکشن سے پہلے آپ کو بار بار ان سے ملنا پڑے گا۔''

''شیور!'' سوٹ میں ملبوس' سیل فون دیکھتے فاتح نے ہلکے سے کندھے اچکائے تھے۔

''کا فنڈ ریزر پہ نہیں آسکیں گی' میں نے ان کو آپ کی ری الیکشن مہم کے لئے مختلف ٹاسک دیا ہے' ان کو آج دو اپوئنٹ اٹینڈ کرنے ہیں۔ ٹھیک ہے نا' آبنگ۔'' اشعر تائیدی انداز میں بیک مرر کو دیکھ کے پوچھ رہا تھا' گویا اتنا رعب تھا کہ اگر وان فاتح انکار کر دے تو وہ فوراً سے شیڈیول بدل دے گا۔

''مجھے تم پہ بھروسہ ہے' ایش۔ تم میرے چیف آف اسٹاف اسی لئے ہو۔''

اشعر مسکرایا' پھر بیک ویو مرر کو ہاتھ سے ترچھا کیا تو اس میں سنجیدہ مگر بور سی ہوئی آریانہ بیٹھی دکھائی دی۔ ''آریانہ... اتنی بری شکل کیوں بنا رکھی ہے؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہارے ڈیڈ ہر گزرتے دن وزیر اعظم بننے کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔''

آریانہ نے بھنویں بھینچ کے پہلے اسے دیکھا اور پھر چہرہ موڑ کے باپ کو۔

''کسی کو یاد بھی ہے کہ کل کون سا دن ہے؟''

فاتح کی سیل فون پہ جمی نظریں چونک کے اٹھیں۔ چونکنے انداز میں آریانہ کو دیکھا۔

''تمہاری برتھ ڈے تو دسمبر میں آتی ہے نا۔'' ذہن نے فوراً جمع تفریق کی۔

''اور جولیانہ اور سکندر کی سالگرہیں بھی دور ہیں۔'' ایش نے بیک ویو مرر میں دیکھتے ہوئے حیرت ظاہر کی۔ آریانہ ہنوز خفگی سے باپ کو دیکھ رہی تھی۔

''ڈیڈ... کل آپ کی برتھ ڈے ہے۔''

''اوہ!'' جہاں فاتح کے ہونٹ سکڑے' وہیں اشعر کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔

''آبنگ کا برتھ ڈے تو اپریل میں ہوتا ہے۔''

''نہیں' آریانہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ بچپن سے پیپرز میں غلطی رہ گئی اور اس کو بدلوانا بڑا مسئلہ تھا۔ جو سالگرہ سیاسی طور پہ میں مناتا ہوں وہ واقعی میری درست سالگرہ نہیں ہے۔'' پھر مسکرا کے بیٹی کو دیکھا۔ ''اور صرف آریانہ کو میری اصل سالگرہ یاد رہتی ہے۔''

آریانہ نے اسی سنجیدگی سے ہتھیلی پھیلا دی۔ ''میرا گفٹ' ڈیڈ!''

فاتح کے ابرو بے اختیار اٹھے۔ ''اصولاً تمہیں مجھے گفٹ دینا چاہیے... نہیں؟''

''مگر میرا تو کوئی سورس آف انکم ہی نہیں ہے' ڈیڈ۔'' معصومیت سے کہہ کر وہ آگے بڑھی اور فاتح کے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس نے مزاحمت نہیں کی۔ اسے اپنا بٹوہ نکالنے دیا۔ آریانہ نے اس میں سے کریڈٹ کارڈ نکال کے لہرایا۔

''میں آج اس سے اپنے اور آپ کے لئے گفٹ لوں گی' اور آپ کو کل مجھے وہیں لے جانا ہوگا جہاں گفٹ ہوگا۔'' دھونس سے بولی۔

''اور کیا ہے تمہارا گفٹ؟'' اس نے والٹ واپس جیب میں ڈالتے دلچسپی سے پوچھا تو آریانہ پہلی دفعہ مسکرائی اور پراسرار انداز میں بولی۔ ''تاشہ آگاپووا!''

''تاشہ آگاپووا؟'' فاتح نے اچنبھے سے دہرایا۔ ''وہ کون ہے؟''

''کون نہیں ڈیڈ.... یہ پوچھیں کہ کیا ہے!''

کار کی رفتار سست ہوئی تو وہ چونکا۔ منظر بدلا۔ چھ سال گزر چکے تھے اور وہ ایڈم کے ساتھ کار میں تھا۔ اشعر کا گھر آچکا تھا جہاں پارٹی شروع ہو چکی تھی۔ سر جھٹک کے اس نے تمام خیالات کو ذہن سے جھٹکا اور چہرے پہ مخصوص مسکراہٹ طاری کر لی جس کے ساتھ اسے اب نیچے اتر کے مہمانوں سے ملنا تھا۔ سیاستدان کا مسکراتا ہوا چہرہ۔ بزنس فیس۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام گہری ہو رہی تھی اور قلعہ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ لان میں مختلف قسم کے لوگ سرخ' سفید یا سیاہ لباس میں خوش گپیوں میں مصروف ٹہل رہے تھے۔ موسیقی بج رہی تھی۔

''سو یہ پارٹی ہے کس کے اعزاز میں؟'' روش پہ چلتی تالیہ عصرہ سے سوال کرتے ہوئے خوشگوار انداز میں دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔

چونکہ وہ عصرہ محمود کے ساتھ کار سے اتری تھی' بہت سی نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں۔

''معلوم نہیں۔اب مجھے سیاسی دعوتوں کے مقاصد میں کوئی دلچسپی ہی نہیں رہی۔'' عصرہ شانے ذرا اچکا کے بولی تو تالیہ نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی۔وہ بھرپور تیار اور کافی خوبصورت لگ رہی تھی مگر ذرا اکتائی ہوئی۔نظریں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

''ایک زمانے میں آپ سیاسی طور پہ بہت ایکٹیو تھیں۔لوگ کہتے تھے وان فاتح کو اس کی بیوی کی سپورٹ نے وان فاتح بنایا ہے۔''

''تب آریانہ ہمارے پاس تھی۔'' پھر اس نے گہری سانس لی اور ایک بے تاثر نگاہ تالیہ پہ ڈالی۔

''تم خود کو کمفرٹیبل کرلو.....میں ایلش سے مل لوں۔'' اور تالیہ کا جواب سنے بغیر آگے بڑھ گئی۔

تالیہ نے نظریں گھما کے اطراف میں دیکھا۔سرخ لباس پہنے' کلچ اٹھائے' وہ کسی خالی دماغ والی امیر حسینہ جیسی لگ رہی تھی۔مگر اس کی تیز آنکھیں دائیں سے بائیں سارے لان کا جائزہ لے رہی تھیں۔جیسے ہر پارٹی پہ ''مارک'' (جس آدمی سے کچھ چرانا ہو) کے گھر کو وہ case کیا کرتی تھی۔وہ عموماً ان جگہوں پہ اسی نیت سے جایا کرتی تھی اور عادتاً آج بھی وہی کر رہی تھی حالانکہ اسے کچھ نہیں چرانا تھا۔ سیکیورٹی کے کتنے افراد ہیں' کیمرے کہاں لگے ہیں' ہنگامی صورت حال میں بھاگنے کا پہلا راستہ کون سا ہوگا۔وہ عقابی نظروں سے جائزہ لیتی آگے بڑھتی آئی۔

ایک جگہ سامنے فاتح کھڑا تھا۔تین لوگوں کے گروہ میں' ہاتھ میں گلاس اٹھائے وہ مسکرا کے بے فکری سے کسی بات پہ تبصرہ کر رہا تھا۔ بولتے ہوئے چہرہ دوسرے آدمی کی طرف موڑا تو اس کے کندھے کے پیچھے تالیہ کھڑی دکھائی دی۔فاتح نے اسے نظرانداز کر کے بات جاری رکھی۔تالیہ بھی شاید وہاں سے ہٹ جاتی مگر.....وان فاتح پہ جمی نظروں کے سامنے ایک دم سفیدی چھانے لگی.....اتنی چمکدار سفیدی کہ وہ ٹھہر گئی.....ساری آوازیں بند ہوگئیں.....ایک خواب سا منظر ابھرا.....

لکڑی کی سلاخوں والا بڑا سا پنجرہ جسے چند لوگ اٹھا کے لے جا رہے ہیں.....کسی جنگل میں درختوں کے درمیان.....پنجرے کے دروازے پہ تالے پڑے ہیں اور اندر وہ اکڑوں بیٹھی ہے۔سنہرے روکھے بال اور چہرے پہ مٹی۔تھوڑی گھٹنے پہ رکھی ہے اور خاموش سپاٹ نگاہیں فاتح پہ جمی ہیں جو پنجرے کے دوسرے کونے میں بیٹھا ہے.....اسی طرح اکڑوں مگر چہرہ.....زخمی لگتا ہے.....

''تاشہ.....میرے ساتھ رہو۔'' وہ اسے دیکھ کے آہستہ سے کہتا ہے۔''مجھے تمہاری ضرورت ہے۔اور تمہیں میری۔''

''میں آپ کے ساتھ ہوں' توانکو۔(میرے آقا)۔'' وہ بولی تو آواز پھٹی پھٹی سی تھی.....سفیدی مزید چھاتی گئی.....اتنی کہ منظر غائب ہونے لگا.....

تالیہ نے چونک کے پلکیں جھپکیں تو پارٹی کا لان واپس دکھائی دینے لگا...فاتح کے ساتھ والے افراد بکھر گئے تھے یا کیا.....وہ ''واپس'' آئی تو دیکھا' وہ گلاس لیے اس کے سامنے کھڑا ہے اور غور سے اسے دیکھ رہا ہے۔پارٹی کا شور پھر سے کانوں میں سنائی دینے لگا اور وہ مکمل طور پہ جاگ گئی۔زبردستی مسکرائی اور سر کو خم دیا۔''توانکو!''

''تم کیا دیکھ رہی تھیں؟'' پوچھتے ہوئے فاتح نے گردن موڑ کے اپنے پیچھے دیکھا اور پھر دوبارہ اسے۔

''میں.....'' وہ کچھ کہہ نہ سکی۔ صبح والی توہین بھول گئی۔ اس کا سحر اتنا تھا کہ الفاظ گڈ مڈ ہونے لگے۔ ''یونہی.... پارٹی کو دیکھ رہی تھی۔''

''اچھا؟.....'' وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے سوچتی نظروں سے اسے گویا پرکھ رہا تھا۔ ''مجھے لگا تم کچھ اور دیکھ رہی ہو.... کچھ غیر ماورائی .....جو ہم نہیں دیکھ سکتے.... جیسے کسی دوسری دنیا میں جھانکنا....''

''کیا کوئی دوسری دنیا وجود رکھتی ہے تو انکو؟'' وہ اس کی آنکھوں پر سے نظریں ہٹا نہیں پا رہی تھی۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''مجھے اس دنیا کی زیادہ فکر ہے۔ ہم نے اس کے لئے بہت کچھ کرنا ہے' دوسری دنیاؤں کی مخلوقات اپنی فکر خود کر لیں گی۔''

''آپ نے کبھی کسی سے درخواست کی ہے تو انکو (Tuanku) کہ وہ آپ کے ساتھ رہے کیونکہ آپ کو اس کی ضرورت ہے؟ کبھی ایسا موقع آیا؟''

وہ پھر سے مسکرایا اور کندھے اچکائے۔ ''میرے کاز کو بہت سے لوگوں کی ضرورت ہوگی مگر مجھے....'' انگلی سینے پہ رکھی۔ ''وان فاتح کو کسی کی ضرورت نہیں ہوتی نہ وہ کسی سے ایسی درخواستیں کرتا ہے۔'' نرمی سے کہہ کے وہ گلاس لیے آگے بڑھ گیا۔

سحر ٹوٹا۔ منتر سا ختم ہوا۔

تالیہ نے گہری سانس اور سر جھٹکا۔ کھانا لگایا جا رہا تھا۔ وہ اپنے نام کی میز ڈھونڈتی آگے بڑھ گئی۔

''تالیہ بنتِ مراد' جس گول میز پہ اس کے نام کا کارڈ لگا تھا' اس پہ اس کی نشست کے عین سامنے وان فاتح کا کارڈ تھا۔ فاتح البتہ ابھی میز پہ نہیں آیا تھا۔ تالیہ تلخی سے مسکرائی اور کرسی کھینچی' پھر ٹھہر گئی۔

کرسی کے قریب گھاس پہ لکیر کھنچی تھی۔ جوتے سے کھینچی گئی یہ لکیر کسی دوسرے کسی شخص کو نہ نظر آتی شاید.... لیکن وہ تالیہ تھی۔ اس کا کام یہی تھا۔ لکیریں کھینچ کے اپنی یاد دہانی کرنا کہ کس جگہ کھڑے ہونا ہے۔ ایسا پوائنٹ جہاں سے کوئی خاص شے دکھائی دیتی ہو۔ چونک کے اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

لکیر والی جگہ پہ ابھی کوئی نہیں کھڑا تھا مگر یقیناً کسی نے وہ جگہ مختص کر رکھی تھی۔ وہ آہستہ سے اس جگہ پہ کھڑی ہوئی اور دھیرے دھیرے گھومنے لگی۔ یہاں سے کیا نظر آتا تھا؟ میز کی طرف گھومی تو سامنے وان فاتح کے نام کی خالی کرسی تھی۔ کون تھا جو فاتح کے سامنے کھڑا ہونا چاہتا تھا؟ وہ خاموشی سے اپنی جگہ آ بیٹھی۔ دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔

ان سے فاصلے پہ بفے ٹیبل کے قریب اشعر کھڑا تھا۔ سفید کوٹ میں ملبوس' گلاس اٹھائے' وہ ہمیشہ کی طرح مسکراتا ہوا' شاندار لگ رہا تھا۔ عصرہ کے جلے بھنے انداز پہ بھی اس کی مسکراہٹ نہیں جا رہی تھی۔

''میں کسی سوشلائیٹ کو اتنی اہمیت نہیں دیتی کہ اسے اپنے ساتھ پارٹی پہ لے آؤں۔ ویسے بھی فاتح کو اس لڑکی کا ہمارے گھر آنا جانا پسند

نہیں ہے۔اب مجھے بتاؤ میں اسے کیوں ساتھ لائی ہوں؟ ہمیں تو اس سے صرف نیلامی کی حد تک مطلب تھا۔'' عصرہ شدید برے موڈ میں تھی۔

''کا کا!'' اس نے مسکرا کے بہن کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے دبایا۔''آپ کے شوہر نے جو بکھیڑا پھیلایا ہے'اس کو صاف کرنے کے لئے مجھے اس کی ضرورت تھی۔''

عصرہ کی پیشانی کے بل ڈھیلے پڑے۔آنکھوں کی خفگی' خفت میں بدلی۔''مجھے بہت افسوس ہے اس کے لئے۔''

''صرف افسوس کافی نہیں ہے کا کا۔آپ کو ثابت کرنا ہوگا کہ آپ مجھے پر دھان منتری دیکھنا چاہتی ہیں یا آبنگ کو۔'' وہ مسکرا کے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سرد لہجے میں بولا تو عصرہ نے بے اختیار اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

''صرف تمہیں'ایش۔میں فاتح کو اس جنون کے ہاتھوں مزید تباہ نہیں ہونے دوں گی۔وہ غصے میں تھا اور مجھے اس کو ٹھنڈا کرنے کے لئے یہ کہنا پڑا کہ ہم امریکہ نہیں جا رہے۔وہ تو مجھے چھوڑنے کی بات کر رہا تھا۔''

''وہ آپ کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔وہ آپ سے محبت کرتے ہیں۔''

''وان فاتح صرف وان فاتح سے محبت کرتا ہے'ایش!'' وہ زخمی سا مسکرائی۔''اس کی زندگی کا ایک ہی مقصد ہے۔اس نے اپنے محبوب وان فاتح کو طاقت کی کرسی پہ بٹھانا ہے۔بس۔''

''اور اس کام سے اسے روکنے کے لیے آپ کا امریکہ جانا ضروری نہیں ہے'صرف ان کا اس دوڑ سے نکلنا ضروری ہے۔'' اس کے قریب جھکے وہ سرگوشی میں بولا۔''اور صرف آپ یہ کام کر سکتی ہیں۔''

''وہ کیسے؟'' وہ چونکی۔

''آبنگ کے پاس فنڈز نہیں ہیں۔وہ نہ قرض لیں گے'نہ عطیہ۔پہلے وہ مجھ پہ انحصار کیے ہوئے تھے'مگر حال ہی میں جو آگ لگی تھی' ظاہر ہے وہ ایکسیڈنٹ تھا'اس کے بعد ان کے پاس پیسوں کی شدید کمی ہو چکی ہے۔ایسے میں وہ ملاکہ والا گھر بیچنے کا سوچ رہے ہیں.....''

''واٹ؟'' عصرہ کے اوپر سے گویا ٹرک گزر گیا۔اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔''سنباؤ کا گھر؟ تین خزانوں والا گھر؟ یہ تمہیں کس نے کہا؟''

''جس نے بھی کہا۔غلط نہیں کہا۔''

''وہ اس کے بابا کی وراثت تھی۔وہ اس کو عزیز ہے۔میں اسے وہ نہیں بیچنے دوں گی'ایش۔'' عصرہ کی آنکھیں گلابی ہونے لگیں۔

اشعر نے گہری سانس لی۔ایک نظر اطراف کا جائزہ لیا۔لوگ اب اٹھ اٹھ کے بفے کارنر کی طرف آ رہے تھے۔وہ عصرہ کے کان کے قریب جھکا۔''اگر آپ آبنگ کو اس جنون سے بچانا چاہتی ہیں'اگر اپنے بچوں کو آریانہ کی طرح کھونا نہیں چاہتیں' تو آپ کو میرے لئے.....اپنے لئے.....ایک چوری کرنی ہوگی۔''

''ہاں تم نے فون پہ یہ کہا تھا کہ مجھے آج فاتح کے لاکر سے کچھ چرانا ہوگا۔ اب بتاؤ' کیا چیز؟ کیونکہ میں تیار ہوں۔'' وہ گردن کڑا کے عزم سے بولی تو وہ اس کی آنکھوں میں تپش دیکھ سکتا تھا۔

تالیہ کھانے ڈالنے کی بجائے لان کے ایک کونے میں جا کھڑی ہوئی اور کلچ کھولا۔ اس میں ایک موٹے ہیرے والی انگوٹھی پڑی تھی۔ کچھ دیر پہلے یہ عصرہ کی انگلی میں تھی اور عصرہ ابھی تک ناواقف تھی کہ یہ تالیہ اتار چکی ہے۔ وہ ہلکا سا مسکرائی اور موبائل نکال کے نمبر ملایا۔ داتن نے پہلی گھنٹی پہ اٹھالیا تھا۔

''تم غلط ہولیانہ صابری اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ بھلے تم نے میرے لئے ہی کیا' جو کیا' مگر میں تمہیں اس لئے فون نہیں کر رہی کہ.....'' داتن کا ہیلو سنتے ہی وہ (مصنوعی) خفگی سے تیز تیز بولتی گئی۔

''بسکٹوں میں میٹھا زیادہ تو نہیں تھا؟'' وہاں سے بے نیازی سے پوچھا گیا۔

''پتہ نہیں۔ میں نے کون سا چکھے تھے۔''

''تو آدھا ڈبہ خالی کیوں ہے؟'' تالیہ نے بے اختیار فون کو گھورا۔ (موٹی پھر سے میرے گھر میں بیٹھی ہے؟ ہونہہ۔)

''مجھے کیا پتہ۔ تم نے دیا ہی آدھا ہوگا۔'' کلس کے بولی۔

''اچھا..... مجھے معاف کر دو۔ میں نے غلط کیا مگر تمہارے لئے ہی کیا۔ اب بھی نہیں چاہتی کہ تم اس ملعون چابی کا پیچھا کرو لیکن اگر تم کرنا ہی چاہتی ہو تو یاد رکھو' تمہیں ایڈم سے چھٹکارا پانا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ ''کسی کا کچھ چرا کے اس کے کوٹ میں ڈال دو۔ جب اس کے پاس سے برآمد ہوگا تو اس کا اعتبار اور نوکری ختم ہو جائے گی اور وہ تمہارا راز نہیں کھول سکے گا۔''

''ہاں..... عصرہ کی انگوٹھی کا انتظام کر لیا ہے میں نے۔ ایڈم کی نوکری ختم کروانی پڑے گی آج۔'' وہ دبی سرگوشی میں بولی۔ نظریں اس میز پہ جمی تھیں جہاں اب فاتح اور عصرہ آ کے بیٹھ چکے تھے اور اس لکیر والی جگہ پہ..... فاتح کا سیکرٹری عثمان ہاتھ باندھے آ کھڑا ہوا تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے فاتح کے عین سامنے۔

''داتن..... ایک بات بتاؤ..... اور ہاں' تمہیں معاف نہیں کیا میں نے ابھی..... اچھا بتاؤ..... ہم نے جب اس سنگاپوری میئر کو اسکام کیا تھا تو ایک سیاسی ٹرم ہم نے سنی تھی..... ٹریکر..... ذرا مجھے یاد کراؤ..... کیا ہوتا ہے ٹریکر؟'' وہ آنکھیں عثمان سے ہٹائے بغیر بولی۔ عثمان کی شرٹ کا دوسرا بٹن قدرے مختلف سا تھا۔ اتنے فاصلے سے بھی صرف ایک نظر دیکھ کے ہی تالیہ بتا سکتی تھی وہ بٹن کیمرہ کس کوالٹی کا تھا۔

''ٹریکر؟ ٹریکر بنیادی طور پہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو موبائل کیمرے یا بٹن کیمرے یا پین کیمرے وغیرہ آن کر کے کسی سیاستدان کے پاس نجی محفلوں میں جا بیٹھتے ہیں اور سیاستدان ٹھہرے سدا کے شوباز قسم کے لوگ..... ان کو بولنے کا شوق ہوتا ہے..... موضوع کو خاص سمت موڑو اور سیاستدان کو کسی کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہنے پہ مجبور کر دو۔ جیسے بچے اپنے دوستوں میں بری زبان استعمال کر لیتے ہیں مگر کبھی نہیں چاہتے کہ والدین کو پتہ چلے۔ سو سیاستدان اپنے دوستوں میں وہ کمنٹ بھی پاس کر دیتا ہے جو وہ عوام یا میڈیا کے سامنے نہیں کرتا

۔اس کی ویڈیو میں سے ایک آدھ فقرے کی چھانٹی کرو۔اور یوٹیوب پہ لگادو۔کسی بھی سیاستدان کے کیریئر کوایسی ٹریکرویڈیوز سے اچھا خاصا نقصان پہنچ سکتا ہے۔‘‘

’’تو سیاستدانوں کوبھی سوچ سمجھ کے بولنا چاہیے۔‘‘

’’ہرانسان غلطی کرتا ہے تالیہ مگر ہماری غلطیاں پرائیوٹ ہوتی ہیں اور سیاستدانوں کی غلطیاں پبلک۔مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟‘‘

’’فاتح کا سیکرٹری شاید فاتح کے لئے نہیں اشعر کے لئے کام کرتا ہے۔وہ اس وقت خود ٹریکر بنا ہوا ہے۔گھائل غزال کے پیچھے بھی اشعر تھا اس کے پیچھے بھی ہوگا۔‘‘وہ دلچسپی سے دبی آواز میں کہہ رہی تھی۔لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔تو یہ تھا پارٹی کا مقصد۔انٹرسٹنگ۔

’’تالیہ....یہ ان کا آپس کا معاملہ ہے۔اس کی فکر چھوڑو۔تم ایڈم کا بندوبست کرو۔‘‘

’’زیادہ حکم نہ چلاؤ۔میں ابھی تک ناراض ہوں تم سے۔‘‘

’’میں تو بس میری بچی یہی بتانا چاہتی تھی کہ بسکٹ میں میں نے ڈائٹ شوگر کی جگہ اصلی شوگر ڈالی ہے۔‘‘

’’کیا؟‘‘تالیہ کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔فون کان سے ہٹا کے دیکھا۔’’یا اللہ‘داتن تمہیں اندازہ ہے میں نے کتنے کھا لئے؟اف اتنی کیلوریز۔‘‘

’’تم تو کہہ رہی تھیں کہ تم نے چکھے تک نہیں۔‘‘مگر تالیہ غصے سے بول رہی تھی۔

’’میں کیا نہ صابری‘تمہیں اپنی حرام اور حلال دونوں کی کمائی سے عاق کرتی ہوں۔بات مت کرنا اب مجھ سے۔‘‘غصے سے فون رکھا تھا ۔اُف...آج ان کیلوریز کو برن کرنے کے لیے زائد ورک آؤٹ کرنا پڑے گا۔اُف اُف۔

میز پہ تمام افراد بیٹھ چکے تھے اور کھانا کھایا جا رہا تھا۔خوش گپیاں جاری تھیں۔تالیہ کھانا لے کر آئی تو سب کسی بات پہ ہنس رہے تھے جو یقیناً فاتح نے کہی تھی۔(اور یقیناً اسے عثمان کے کیمرے نے محفوظ کرلیا تھا۔)اشعر نے سب کو سیلفی کے لیے متوجہ کیا۔وہ بھی پلاسٹک کی گڑیا کے انداز میں مسکراتی رہی ا اور اشعر نے سیلفی اتاری۔سب واپس باتوں میں مصروف ہو گئے تو اشعر مسکرا کے آبنگ کی طرف جھکا۔’’ابھی ابھی اسی صحافی لڑکی نے وہ ساری خبر ٹویٹ کر دی ہے۔پوری کیس رپورٹ بنائی ہے۔میرے کسی پرانے دوست تک کا انٹرویو شامل کرلیا ہے۔‘‘

فاتح نے گہری سانس لی۔’’برا ہوا۔‘‘

’’اوہ آبنگ....جیسے مجھے اندازہ ہی نہیں کہ وہ نوکری جانے کے بعد سب سے پہلے آپ کے پاس گئی ہوگی مگر آپ نے اس کو ایسا جواب دیا ہوگا کہ اس نے غصے میں آکر خبر بریک کردی۔رپورٹرز کو لگتا ہے وہ سیاستدانوں کو تپاتے ہیں اور جواب اگلواتے ہیں۔مگر سیاستدانوں کو رپورٹرز کو تپانا زیادہ اچھا آتا ہے۔‘‘اس کے قریب جھکے بظاہر مسکرا کے کہہ رہا تھا۔فاتح نے چاولوں سے بھرا چمچ منہ میں رکھتے ہوئے سر ہلایا۔

''جیسا کہ میں نے کہا.... برا ہوا۔'' پھر منہ میں ذائقہ گھلا تو خوشگوار حیرت سے اشعر کو دیکھا۔ ''کھانا بہت اچھا ہے۔''

''جی... بلواتا ہوں آپ کو شیف سے۔'' اشعر نے ایک دم چٹکی سے رملی کو اشارہ کیا جو فوراً سر ہلا کے آگے بڑھ گیا۔ عصرہ نے دبی دبی سی مداخلت کی۔ ''شیف کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' مگر اشعر نے اَن سنا کر دیا۔ فاتح اب شوق سے کھا رہا تھا۔

تالیہ کھا کم رہی تھی' ان سب کے تاثرات زیادہ پڑھ رہی تھی۔ غور سے' خاموشی سے۔ پھر پل بھر کو گفتگو میں وقفہ آیا تو وہ کھنکھاری۔

''فاتح صاحب.... مجھے سیاست کی اتنی سمجھ تو نہیں جتنی اس میز پہ بیٹھے دوسرے لوگوں کو ہو گی.....'' بلند آواز اور مضبوط لہجے میں بات کا آغاز کیا تو تمام افراد کھانا جاری رکھتے ہوئے اسے دیکھنے لگے.... ''مگر کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آپ کو لوگوں کی پہچان نہیں ہے؟ کیا آپ کو تھوڑا سا زیادہ شاطر نہیں ہونا چاہیے تھا تا کہ آپ غلط لوگوں پہ بھروسہ کر کے دھوکہ نہ کھائیں؟''

''تمہارے خیال میں انسانوں کی پہچان رکھنا اور شاطر ہونا بہت ضروری ہے' تاشہ؟'' وہ ہاتھ روک کے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھنے لگا۔ ''تالیہ!'' اشعر نے تصحیح کی مگر کسی نے نہیں سنا۔

''سیاستدان کے لئے تو بہت ضروری ہے' سر۔ گھاگ اور شاطر ہونا۔''

فاتح مدھم سا مسکرایا۔ ''سیاستدان کے لیے؟ ہاں۔ مگر لیڈر کے لئے..... وژنری کے لئے..... جانتی ہو کیا ضروری ہے؟'' نظریں تالیہ کی آنکھوں پہ تھیں۔ ''ایک مقدس کاز کا ہونا۔ نظریے اور اصولوں کا ہونا..... مجھے انسانوں کی پہچان یا شاطر پن کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میرے پاس ایک کاز ہے' کہ مجھے اپنے ملک کو صوفیہ رحمن جیسے چوروں سے پاک کرنا ہے۔ تمہیں لگتا ہے کہ میں گھاگ نہیں ہوں اور لوگ مجھے دھوکہ دے کر چھوڑ جاتے ہیں مگر میں اس چیز کو ایسے نہیں دیکھتا۔''

''آپ اسے کیسے دیکھتے ہیں؟'' صبح والی توہین بھلائے وہ بے خودی اسے دیکھے گئی۔

''میں جس آنکھ سے دنیا کو دیکھتا ہوں تاشہ' وہ کہتی ہے کہ جو لوگ میرے کاز کے ساتھ مخلص ہوں گے' وہ آخر تک میرے ساتھ رہیں گے' اور جو دھوکے باز' غیر مخلص' بد دیانت لوگ ہیں' وہ خود ہی ساتھ چھوڑتے جائیں گے۔ جیسے چھلنی سے کنکر چھن جاتے ہیں۔''

وہ لمحے بھر کو بالکل لاجواب ہو گئی۔ مگر پھر..... کھنکھاری۔ ''مگر تب تک وہ لوگ آپ کو کتنا نقصان پہنچا چکے ہوں گے' یہ سوچا کبھی آپ نے؟''

''وہ مجھے اس لئے نہیں چھوڑ جاتے کیونکہ میں سادہ ہوں اور وہ مجھے دھوکہ دے ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ نہیں۔'' وہ لقمہ چبانے کو رکا' پھر اسے دیکھتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''لوگ میرے ساتھ اپنے مفاد کے لیے اپنی مرضی سے آتے ہیں۔ کسی کا مفاد خود غرض ہوتا ہے' کسی کا بے غرض۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ وہ مجھے اور میرے نظریے کو نہیں بدل سکتے' تو وہ چھوڑ جاتے ہیں۔ لیڈر بننے کے لئے شاطر ہونا ضروری نہیں ہوتا..... نہ جھکنے والا کردار ہونا ضروری ہوتا ہے۔''

''اشعر صاحب۔'' گفتگو کو مخل رملی کی آواز نے کیا تو سب اس طرف متوجہ ہوئے۔ وہ ایڈم اور ایک ادھیڑ عمر اسکارف والی عورت کو لا رہا

تھا۔عورت پرسکون اور سادہ لگتی تھی البتہ ایڈم خفیف زدہ نظر آ رہا تھا۔(ماں کوان لوگوں سے ملوانے کی کیا ضرورت تھی؟ خواہ مخواہ کی شرمندگی۔)

مگر تالیہ دیکھ سکتی تھی کہ رملی نے ایڈم کو وہیں کھڑا کیا جہاں کچھ دیر پہلے عثمان کھڑا تھا۔(کل کو وان فاتح کی کوئی ٹریکر ویڈیوز ریلیز ہوئی تو فوٹوگرافز میں اس اینگل پہ کون کھڑا نظر آئے گا؟ ایڈم! یعنی الزام ایڈم پہ لگایا جائے گا۔ واہ۔) تلخی سے سر جھٹکا۔

''اچھا... یہ کھانا ایڈم کی والدہ نے بنایا ہے؟'' عصرہ نے حیرت سے اشعر کو دیکھا تھا۔ وہ مسکرایا اور ایڈم کی ماں کو دیکھا۔

''میں آپ لوگوں سے مسز محمد کا تعارف کروانا چاہتا تھا کیونکہ ان کو نوکری کی ضرورت ہے اور ان کا کھانا آپ چکھ ہی چکے ہیں۔ میری سفارش بھی ساتھ ہوگی۔''

فاتح ابھی تک چاول کھا رہا تھا۔ قدرے بے نیاز سا۔ بس مسکرا کے ایک دفعہ دیکھا' پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دوسرے افراد نے سر ہلا کے توصیفی کلمات کہے۔ عصرہ نے بھی بظاہر خوش دلی سے تعریف کی۔ تالیہ البتہ دلچسپی سے آدھی گھوم کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''میں اپنے دوستوں میں پتہ کروں گی۔ کسی کو ضرورت ہوئی تو پہلا نام آپ کا تجویز کروں گی مسز محمد۔ کھانا واقعی بہت اچھا ہے۔'' ایک نظر قدرے خفیف سے کھڑے ایڈم کو بھی دیکھا۔

''آپ کا شکریہ' میڈم!'' عورت سادگی سے مشکور ہوتی نظر آئی۔

''ایڈم کے بھی بس دو دن رہ گئے نوکری کے۔ آگے کیا ارادہ ہے تمہارا ایڈم؟'' اشعر نے نرمی سے پوچھا۔ وہ ایڈم کے وہاں کھڑے ہونے کے دورانیے کو بڑھانا چاہتا تھا' سو بات کو طول دے رہا تھا۔

''سر.... میں نوکری ڈھونڈ رہا ہوں۔''

''اور اگر نوکری نہ ملی تو؟''

''میرے والد اسٹور پہ کام کرتے ہیں' وہاں بیٹھ جاؤں گا پھر۔'' وہ نظریں جھکا کے متانت سے بولا۔

''اسٹور میں بیٹھنے سے تو تمہارے مستقبل کے روشن ہونے کے کوئی امکان نہیں ہیں۔'' اشعر ٹیک لگائے' افسوس سے بولا تو اسکارف والی عورت بول اٹھی۔

''ایڈم کا مستقبل بہت روشن ہے' اشعر صاحب۔''

''اور یہ آپ کو کیسے پتہ؟'' تالیہ نے دلچسپی سے گفتگو میں مداخلت کی۔

''ایڈم کے ساتھ اس کے تایا کی دعائیں ہیں۔'' ابھی وہ اتنا بول پائی تھی کہ ایڈم نے ہڑبڑا کے اسے دیکھا۔(نہیں ماں.... اللہ کا واسطہ' ان لوگوں کے سامنے نہیں۔) گھبرا کے آنکھوں میں منت کی مگر ماں سب کو متوجہ دیکھ کے بات جاری رکھے ہوئے تھی۔ ''ایڈم کے تایا اس کے لئے بہت دعا کرتے تھے۔ ان کو سچے خواب بھی آتے تھے۔ انہوں نے....'' مگر ایڈم کی آنکھوں کی منت دیکھ کر وہ چپ ہو گئی۔

''کوئی خواب دیکھا تھا انہوں نے ایڈم کے بارے میں؟'' تالیہ نے چونک کے بات پکڑی۔ ایبو کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ سادگی سے گویا ہوئی۔

''جی میڈم۔ جب یہ بہت چھوٹا سا تھا تو انہوں نے اس کے بارے میں کوئی اچھا خواب دیکھا تھا۔ بتایا نہیں کبھی۔ بس بروقت دعا کرتے تھے کہ (یہاں پہ ایڈم نے مارے شرمندگی کے آنکھیں بند کر دیں) ایک دن آئے گا جب ایڈم محمد کو اللہ تعالیٰ زمین میں مدفن خزانوں کے راز بتا دے گا' اور اس دن ایڈم دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں اور بادشاہوں سے بھی زیادہ طاقتور ہو گا۔''

اس میز پہ چند ممبرز پارلیمنٹ اور سینیٹرز اپنی بیویوں کے ہمراہ بیٹھے تھے۔ عثمان' علی جیسے مضبوط نوکریوں والے لوگ بھی پیچھے کھڑے تھے جن کی عام لوگ سیاستدانوں سے ایک ملاقات کے لیے منتیں کرتے تھے۔ ایسے طاقتور لوگوں کی میز پہ پہلے تو خاموشی چھا گئی۔ پھر اگلے ہی لمحے زور کا قہقہہ بلند ہوا۔ فاتح بھی ہنسا تھا اور ایڈم شرم سے زمین میں گڑ گیا۔ سب نے اس بات کو انجوائے کیا تھا۔

''آمین۔'' قہقہہ تھما تو تالیہ کی آواز گونجی۔

میز پہ یکدم خاموشی ہوئی۔ تمام گردنیں اس کی طرف مڑیں۔ اور وہ ایڈم کی ایبو کو دیکھ رہی تھی۔ صرف وہ نہیں ہنسی تھی۔

''ثم آمین!'' وہ حوصلہ افزاء انداز میں مسکرا کے ایبو سے کہہ رہی تھی۔ ایڈم نے بے یقینی سے نظر اٹھائی۔ اسے لگا تالیہ نے طنز کیا ہے مگر اس کا چہرہ کسی بھی کھوٹ سے پاک لگ رہا تھا۔

''آپ میرے معزز دوستوں کے قہقہے کا برا نہ منایئے گا مگر یہ ایسا ناممکن بھی نہیں ہے مسز محمد۔ اس دنیا میں اگر لوگوں کو سچے خواب آ سکتے ہیں تو وہ سچ بھی ہو سکتے ہیں۔ اب اشعر صاحب کے دادا کو ہی لے لیجیے۔'' ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ''وہ چائے کی پتی کا کام کرتے تھے۔ آٹھ بائی دس کی چھوٹی سی دکان تھی اور اب ان کا گھر دیکھیں۔ (اشعر اور عصرہ دونوں کے ماتھے پہ ایک جیسے بل پڑے)۔ سینیٹر ذکری کو لے لیں۔ ان کے والد بجلی کے محکمے میں میٹر ریڈر تھے۔ اور یہ ممبر پارلیمنٹ لائی کھنوی صاحب بیٹھے ہیں جن کا قہقہہ سب سے اونچا تھا۔ یہ جوانی کے دنوں میں اخبار بیچا کرتے تھے۔ وہ بھی سائیکل پہ۔ خود اپنے انٹرویوز میں بتاتے ہیں اور اب یہ انہی اخباروں کی سرخیوں میں آتے ہیں۔ اور روان فاتح کو ہی لے لیں....'' نظریں گھما کے فاتح کو دیکھا جو دوسروں کی طرح بھنویں اکٹھی کیے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''ان کے والد....''

''وکیل تھے' معزز تھے' خوشحال تھے اور عزت دار زندگی گزارتے تھے۔'' فاتح نے برہمی سے فقرہ مکمل کیا مگر تالیہ نے بات جاری رکھی۔

''ان کے والد وکیل تھے' معزز اور خوشحال تھے مگر کافی شاطر اور گھاگ بھی تھے۔ لوگوں کو خوش رکھتے تھے۔ مگر فاتح صاحب ایسے نہیں ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے کردار اور قد کا تعین اس کے باپ کی وراثت نہیں اس کی اپنی قسمت اور محنت کرتی ہے۔'' وہ اٹھی اور کرسی پیچھے کی۔ سب اس کو ناگواری سے دیکھ رہے تھے۔ پہلو بدل رہے تھے۔ مگر کسی نے جواب دینے کی زحمت نہیں کی۔

''میں چلتی ہوں۔ دعوت کا شکریہ اشعر صاحب۔'' پھر ٹھہری اور عصرہ کو مخاطب کیا۔ ''آپ کی کرسی کے ساتھ ایک انگوٹھی پڑی ہے۔ کیا

آپ کی ہے؟''عصرہ جو خفا لگ رہی تھی' چونکی۔ گردن گھمائی۔ گھاس پہ انگوٹھی سامنے ہی دمک رہی تھی۔ سر جھٹک کے اسے اٹھایا اور بادل نخواستہ بولی۔ ''تھینک یو تالیہ۔''

تالیہ نے بھی ایک مصنوعی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی اور پرس اٹھائے آگے بڑھ گئی۔

ایڈم یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ ان سارے مصنوعی' اونچے' طاقتور لوگوں میں ایک وہی قدرتی سی لگی تھی۔ ایک دم اس کی ڈھال بن کے آ گئی۔ اور جیسے اس کو کسی کموڈو ڈریگن سے بچا لے گئی ہو۔

اب وہ چلتی ہوئی لان میں آگے جا رہی تھی۔ میز پہ اشعر نے مسکرا کے کوئی اور بات چھیڑ دی مگر ایڈم ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ راستے میں وہ عثان سے ٹکرائی مگر سنبھل گئی۔ عثان نے معذرت کی تو وہ اٹس اوکے کہہ کے آگے بڑھ گئی۔ تب ایڈم کو یاد آیا کہ اس کی کار تو فاتح کے گھر کھڑی تھی۔ وہ گھر کیسے جائے گی؟ وہ اجازت لے کر اس کی طرف بھاگتا آیا۔

وہ گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔ سڑک کنارے۔ سرخ لباس میں کلچ اٹھائے۔ خاموش' گم صم۔ ایک دم گردن موڑ کے ایڈم کو دیکھا تو انگلی سے اشارہ کیا یعنی ادھر آؤ۔ کوئی رعب سا تھا اس میں جو وہ دوڑا چلا آیا۔ ''جی' جی تالیہ۔'' اس کے دھوکے' جھوٹ سب بھول گیا۔ یاد رہا تو صرف یہ کہ وہ ڈھال بنی تھی۔

''میں نے کیب منگوائی ہے۔ میری کار وان فاتح کے گھر کھڑی ہے۔ میں عصرہ بیگم کے ساتھ آئی تھی۔ میری کار میرے گھر پہنچا دینا۔'' چابی اس کی طرف بڑھا کے تحکم سے بولی۔

تبھی ایک لگژری کیب سامنے آرکی۔ باوردی ڈرائیور نے باہر نکل کے دروازہ کھولا تو ایڈم نے جلدی سے چابی تھام لی اور تالیہ کار میں سوار ہو گئی۔ اس کے انداز میں سب شاہانہ تھا۔ مگر ایڈم کو آج لگا کہ اگر وہ ذرا سا کھرچے تو اندر سے ایک عام مڈل کلاس لڑکی نکلے گی۔

وہ اسی طرح اسے یک ٹک دیکھے گیا.... یہاں تک کہ کار دور نکل گئی۔

☆☆=========☆☆

لگژری کیب کوالالمپور کی سڑک پہ رواں دواں تھی۔ تالیہ پچھلی سیٹ پہ خاموش بیٹھی باہر دیکھ رہی تھی جہاں سیاہ رات میں اونچی روشن عمارتوں والا شہر دور تک پھیلا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکا اور پرس کھول کے سنہری زنجیر نکالی جس کے آگے ڈلی سی جڑی تھی۔ عصرہ کا بریسلیٹ جواب اس کا لاکٹ تھا۔ کوئی عجیب اسرار سا تھا اس میں۔ جیسے اس کی یادوں کا پنجرہ ہو۔ جیسے اس کے ماضی کا مقبرہ ہو۔

تالیہ نے اسے گردن میں ڈالا اور کنڈا بند کیا۔ لمحے بھر کی دیر تھی کہ.... زنجیر نے اس کی گردن کو مقید کیا اور.....

کوالالمپور کی سیاہ روشن رات اردگرد سے غائب ہوتی گئی.....

تیرہ سالہ تالیہ درختوں کے درمیان ایک ڈوبتی شام میں پہنچ گئی.... وہ خود کو نہیں دیکھ سکتی تھی.... بس اپنے کندھوں پہ آگے کو گرے لمبے بال

اور میلا لباس دکھائی دیتا تھا... منظر اس کی آنکھ سے دیکھا جا رہا تھا۔

اس نے خود کو پتوں سے ڈھکی زمین پہ بیٹھے پایا... چوکڑی مار کے .... ہاتھوں میں ٹوٹا ناریل تھا جس میں پانی بھرا تھا۔ وہ اسے لبوں کے قریب لے گئی اور اوپر اٹھا کے ہونٹوں کے اندر انڈیلا... ٹھنڈا میٹھا پانی.....

''تالیہ!'' پکار پہ وہ جو ناریل کے پیالے سے پانی پی رہی تھی' رکی اور گردن موڑی۔ وہی دبلا پتلا آدمی چلا آ رہا تھا۔ لکڑیوں کا گٹھا کندھے پہ اٹھائے' وہ پسینے میں بھیگا تھا۔ ''چلو۔ گھر چلیں۔''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور ایک جالی دار تھیلا اٹھا لیا جس میں ناریل بھرے تھے۔

''بابا۔'' دونوں درختوں کے درمیان سے گزرتے پہاڑ سے نیچے اتر رہے تھے جب اس نے پکارا۔ مراد نے قدم اٹھاتے ہوئے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ ''کیا؟''

''تمہاری چابی تیار ہو جائے گی تو ہم خزانے کے مالک بن جائیں گے کیا؟''

''میں نے کہا تھا' میں یہ ذکر نہیں سننا چاہتا۔'' مراد کے ابرو بھنچ گئے۔

''مگر گاؤں کے لوگ....''

''کوئی اور بات کرو تالیہ۔'' اس نے خفگی سے گھر کا تو وہ چپ ہو گئی۔ تھیلا کندھے پہ لادے چلتی گئی۔ سر خفگی سے خوب جھکا لیا۔

''کیا تم کل شکار پہ چلو گی میرے ساتھ؟'' کچھ دیر بعد اس نے نرمی سے پکارا۔

''نہیں۔'' وہ نروٹھے پن سے قدم اٹھاتی رہی۔ اونچے درختوں کے درمیان گیلی زمین پہ وہ چلتے جا رہے تھے۔ جیسے کوئی جنگل ہو۔ درختوں کے اوپر آسمان پہ سورج ڈوبتا دکھائی دیتا تھا۔ اندھیرا پھیلنے کو تھا۔

''ادھر سے مڑ جاؤ۔'' وہ اپنی دھن میں آگے چلتی جا رہی تھی۔ مراد نے شانے سے پکڑ کے موڑا تو وہ چونکی۔

''ہم نے اس طرف نہیں جانا؟''

''نہیں بے وقوف ہم دوسری طرف سے آئے تھے۔''

''جنگل میں سارے راستے ایک سے ہیں بابا۔ تمہیں راستہ کیسے مل جاتا ہے؟'' وہ ناراضی بھول کے پوچھنے لگی۔

''کیونکہ میں زمین کو نہیں دیکھتا۔ آسمان کو دیکھتا ہوں۔ راستہ اوپر دیکھنے والوں کو ہی آسانی سے ملتا ہے۔ وہ دیکھو۔'' اس نے درختوں سے دور اوپر انگلی اٹھائی تو لڑکی سر اٹھا کے دیکھنے لگی۔

''وہ تارہ.... اس کو دائیں ہاتھ رکھو گی اور سیدھ میں چلتی جاؤ گی تو ہم گاؤں پہنچ جائیں گے۔ غور سے دیکھو۔''

''میرے دیکھنے کی کیا ضرورت ہے بابا۔ تمہیں راستہ معلوم تو ہے۔'' وہ لاپرواہی سے کندھے اچکاتی سامنے دیکھ کے چلنے لگی۔

''میں تمہیں سکھانا چاہ رہا ہوں بیٹے.... اگر کبھی کھو جاؤ.... جنگل میں یا کسی دور کی جگہ پہ تو اس ستارے کو.... غور سے دیکھو۔'' اس نے

زبردستی اس کا سر اٹھایا تو وہ اوپر دیکھنے لگی۔

''اس کو دائیں ہاتھ رکھو اور یوں سیدھ میں چلتی رہو۔ کسی راہ گیر' کسی مسافر' کسی کی مت ماننا۔ صرف اپنے بابا کی بات یاد رکھنا۔ اور صرف اس تارے پہ بھروسہ کرنا...'' منظر مدھم پڑتا گیا... بوجھ سا بڑھتا گیا تو اس نے بے اختیار لاکٹ نوچ اتارا۔

''آپ کی منزل آ گئی' میم!'' ڈرائیور دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ وہ کوالالمپور کی چمکتی' جاگتی رات میں واپس آ چکی تھی۔

جھرجھری سی لے کر اس نے سر جھٹکا اور سنبھل کے اتری۔ سامنے حالم کا اونچا بنگلہ کھڑا تھا۔

اور کوئی وہاں اس کے انتظار میں موجود تھا۔

☆☆=========☆☆

فاتح پارٹی سے آتے ہی اپنی اسٹڈی میں چلا گیا تھا' جبکہ عصرہ گھر کے بیرونی پورچ میں کھڑی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ خاموشی سے ایڈم کو دیکھ رہی تھی جو تابعداری سے بتا رہا تھا۔

''چے تالیہ نے اپنی کار کی چابیاں دی ہیں۔ ان کے گھر ڈراپ کر آؤں کار؟''

''ہوں۔ کر آؤ۔ اور سنو۔'' آہستہ سے بولی۔ ''مگر فاتح کو بالکل پسند نہیں کہ اس کا باڈی مین دوسری امیر خواتین کا پوڈل (پالتو کتا) بن جائے۔ اگر کوئی پوچھے تو کہنا' تالیہ خود لے گئی تھی کار۔ تمہاری جاب کے دو دن رہ گئے ہیں' فاتح سے ڈانٹ نہ کھاؤ تو اچھا ہے۔''

''میں خاموش رہوں گا' میڈم!'' ایڈم نے سمجھداری سے سرِ تسلیم خم کیا تو عصرہ نے ہاتھ سے برخاست ہونے کا اشارہ کیا۔

اوپر وان فاتح اپنی اسٹڈی میں بیٹھا لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ کوٹ اتار چکا تھا اور آستینوں کے کف موڑ رکھے تھے۔ آنکھوں پہ عینک لگی تھی اور نظریں اسکرین پہ جمی تھیں۔

موبائل بار بار بج رہا تھا جس کو وہ نظر انداز کر رہا تھا۔ بالآخر تنگ آ کے اس نے اٹھا لیا۔

دوستوں' عزیزوں کے ایک ساتھ پیغامات آنا شروع ہو گئے تھے۔ اس نے چونک کے گھڑی دیکھی۔ بارہ بج چکے تھے۔ نیا دن شروع ہو گیا تھا۔

''آریانہ بنتِ فاتح کی یاد میں۔''

''خدا کرے آپ کی بیٹی جو آج کے روز چھ سال پہلے کھوئی تھی' کسی اچھے گھرانے کو مل گئی ہو۔''

''آریانہ جہاں بھی ہو' اللہ اسے خوش رکھے اور آپ سے دوبارہ ملا دے۔''

وہ سب آریانہ کے نام کے پیغامات تھے۔ دعائیں۔ گڈ لک میسجز۔ وہ اداس مسکراہٹ کے ساتھ پڑھتا گیا۔ چند ایک کو شکریہ لکھ کے بھیجا۔

پھر ایک دم دل ایسا اداس ہوا کہ اس نے عینک اتار دی اور ٹیک لگا لی۔ بازوؤں کا تکیہ بنا کے سر کے پیچھے رکھ لیا۔ مسکراتی غمزدہ نگاہیں

سامنے دروازے پہ جمی تھیں۔ سفید نکھرا نکھرا سا دروازہ.... جیسے سفید دودھیا لباس ہو.... کسی پری جیسا....

"میرا کریڈٹ کارڈ!" وہ دونوں ہال میں اوپر تک جاتی کرسیوں کے وسط میں بیٹھے تھے جب فاتح نے اسٹیج کو دیکھتے ہوئے ہتھیلی اس کی طرف پھیلائی۔ ساتھ بیٹھی آریانہ نے جھٹ سے کارڈ اس کے ہاتھ پہ رکھا۔ ہیئر بینڈ لگائے وہ خوش اور پرجوش نظر آتی تھی۔

ان کی نشستیں اندھیرے میں تھیں۔ روشنی اسٹیج پہ تھی۔ جہاں ڈرامے کا ایکٹ جاری تھا۔ کردار اپنے اپنے مکالمے بول رہے تھے۔

"ان میں سے تاشہ آگاپوا کون ہے؟" اس نے آریانہ کی طرف جھک کے سرگوشی میں پوچھا۔ وہ جو ہتھیلیوں کے پیالے میں چہرہ رکھے' دلچسپی سے اسٹیج پر فارمنس دیکھ رہی تھی' مداخلت پہ بدمزہ ہوئی اور خفگی سے نگاہیں موڑیں۔

"آپ کو ابھی تک کہانی نہیں سمجھ آئی' ڈیڈ۔"

"مجھے فکشن بور کرتا ہے بیٹا۔" وہ بے بسی سے شانے اچکا کے بولا۔ آریانہ نے افسوس سے گہری سانس لی۔

"جو لوگ جادوئی چیزوں پہ یقین نہیں رکھتے' ان کی زندگی میں کبھی جادو آتا ہی نہیں ہے' ڈیڈ!"

"یہ تم نے خود سے کہا؟"

"اگر آپ اسٹوریز پڑھتے تو آپ کو پتہ ہوتا کہ یہ کس نے کہا تھا۔" خفگی سے کہہ کر بتانے لگی۔ "یہ ایک پلے ہے۔ رشین پلے۔ اس میں ایک پری ہے تاشہ آگاپوا۔"

"وہ کالے کپڑوں والی؟"

"وہ اس کا گارڈ ہے ڈیڈ' اور اس کی مونچھیں بھی ہیں۔ تاشہ سفید کپڑوں والی ہے۔" آریانہ روہانسی ہوئی۔

"اچھا ٹھیک.... آگے؟" بظاہر سمجھتے ہوئے اس نے اسٹیج پہ کھڑی لڑکی کو دیکھا جس کے لمبے سنہرے بالوں پہ تاج رکھا تھا' اور سفید میکسی پاؤں تک آتی تھی۔ وہ گردن کڑائے کھڑی اپنے قدموں میں جھکے شخص کی بات نخوت سے سن رہی تھی۔

"تاشہ ایک رحم دل پری ہے جو دوسروں کی مدد کے لئے دنیا میں آئی ہے۔"

"مجھے تو یہ کوئی مغرور اور خشک عورت لگ رہی ہے۔ بورنگ پریٹی وومن۔" ابرو اٹھا کے تبصرہ کیا' پھر آریانہ کا چہرہ دیکھا تو سنبھلا۔ "میں ویسے ہی ایک بات کر رہا تھا۔"

مگر آریانہ مزید کہانی سنانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ ہونہہ کر کے سامنے دیکھنے لگی۔ کوئی جدید طرز کی فیری ٹیل جس کو دکھانے وہ باپ کو اس کی سالگرہ کے دن کھینچ کے تھیٹر لائی تھی۔

آریانہ کی ناراضی تھوڑی دیر برقرار رہی پھر جیسے جیسے کہانی آگے بڑھی' اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی۔ ایک موقع پہ اس نے جوش سے فاتح کی کلائی دبائی۔

"تاشہ کتنی پیاری ہے' ڈیڈ۔" وہ اس گوری گلابی پھولے گالوں والی لڑکی سے نظریں ہی نہیں ہٹا پا رہی تھی۔

''میں اس ہاتھ سے لکھتا ہوں' بیٹے۔'' اس نے کراہ کے ہاتھ پیچھے کھینچا۔

''ڈیڈ' مجھے تاشہ کا آٹوگراف لینا ہے۔ جیسے ہی شو ختم ہوگا' آپ مجھے اس کے پاس لے کر جائیں گے۔'' فاتح نے بے اختیار جھرجھری لی

۔

''میں نے آج تک کسی کا آٹوگراف نہیں لیا۔ اس لئے خاموشی سے بیٹھو۔''

''اچھا فوٹو تو لینے دیں۔'' وہ اپنی سیٹ پہ اوپر نیچے اچھلتی دبی آواز میں منت کر رہی تھی۔ اوپر نیچے بیٹھے لوگ گردنیں موڑ کے دیکھنے لگے۔

''بے بی اگر تم یونہی بولتی رہو گی تو ان بے چاروں کے ڈائیلاگ مس کر دو گی۔''

آریانہ چونکی۔ پھر فوراً سیدھی ہوئی اور سب بھول بھال کے سامنے دیکھنے لگی۔

پھر کتنے ہی دن وہ تاشہ آگاپوا کی باتیں کرتی رہی۔ آریانہ یہ ماننے کو تیار نہ تھی کہ تاشہ کوئی انسان تھی۔ اس کے نزدیک وہ کوئی پری تھی۔

آریانہ فیری ٹیلز میں رہنے والی پیاری سی ننھی بچی تھی جس کی خواہش تھی کہ وہ خود بھی کسی فیری ٹیل کا کردار بن کے کتابوں میں چلی جائے۔ فاتح اس کو تاشہ سے ملوانے نہیں لے کر گیا' اس بات پہ کتنے دن آریانہ نے اس سے ٹھیک سے بات نہیں کی۔

وہ ممبر پارلیمنٹ تھا۔ لوگ اس سے ہاتھ ملانے دیوانہ وار قطاروں میں کھڑے ہوتے تھے۔ وہ کسی عام سی ادا کارہ کے پیچھے پیچھے جاتا اپنی بیٹی کے ساتھ؟ نان سینس۔

مگر آریانہ کا جنون ختم نہیں ہوتا تھا۔ عصرہ نے بھی اس سے شکایت کی' پھر اگلے ہفتے وہ اسے دوبارہ تاشہ آگاپوا کی نمائش پہ لے گیا۔ مگر اس دفعہ ڈرامے میں جہاں دوسرے تمام ادا کار وہی تھے' تاشہ کا کردار کرنے والی لڑکی کوئی اور تھی۔

آریانہ کو مزا نہیں آیا۔ وہ واپسی پہ منتظم کو روک کے پوچھنے لگی۔ ''پچھلی دفعہ تو تاشہ کوئی اور لڑکی بنی تھی۔ وہ لڑکی کہاں ہے؟''

''ہماری ایکٹرس میڈم روز کی کار خراب ہو گئی تھی' وہ آ نہیں سکی تھیں' تو ہم نے جلدی میں ایک ایکسٹرا سے یہ رول کروایا تھا۔''

آریانہ مزید اداس ہو گئی۔ ''تو کیا وہ دوبارہ نہیں آئے گی؟''

''نہیں۔ میں تو اس کا نام بھی ٹھیک سے نہیں جانتا۔ ایک ہی دن آئی اور پھر غائب بھی ہو گئی۔''

وہ آریانہ کو وہاں سے لے آیا مگر اس نے سارا راستہ فاتح سے بحث کی کہ وہ اصلی پری تھی۔

''اوکے۔ مجھے کنوینس کرو کہ وہ اصلی پری کس طرح تھی؟'' کار ڈرائیو کرتے ہوئے فاتح نے کھلے دل سے پوچھا تو وہ جوش میں تیز تیز بولتی گئی۔

''کیونکہ وہ غائب ہو گئی۔ یعنی وہ اڑ گئی ہو گی۔ اور وہ اتنی پیاری تھی ڈیڈ کہ وہ کسی پریوں کی وادی سے آئی ہوئی ہی لگتی تھی۔ کسی کو اس کا نام تک نہیں معلوم۔''

''میں پتہ ہے کیا سوچ رہا ہوں۔'' وہ تھوڑی کو دو ناخنوں سے رگڑتے ہوئے بولا۔ ''اصلی ادا کارائیں کبھی پرفارمنس مس نہیں کرتیں۔

لیکن پچھلے ہفتے اصل ایکٹرس نہیں آسکی کیونکہ اس کی کار خراب ہوگئی تھی! عجیب۔ مجھے لگتا ہے یہ کوئی اداکارہ بننے کی خواہش مند لڑکی تھی جس نے اصل اداکارہ کو کسی مشکل میں پھنسا کے آنے سے روکا ہو اور خود رول لینے پہنچ گئی ہو۔''

''آپ کا مطلب ہے وہ پری نہیں تھی؟'' وہ برامان کے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میرا خیال ہے وہ کوئی فراڈ تھی جو کسی دوسرے کی جگہ ناجائز طریقے سے ہتھیانے جارہی تھی۔'' آریانہ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

''ہر کوئی آپ کے ان.....ان politicians جیسا نہیں ہوتا ڈیڈ۔'' وہ منہ پھلا کے رخ پھیر کے بیٹھ گئی اور فاتح نے گہری سانس لی۔

''میں سچ بولوں بیٹا تو تمہیں برا لگتا ہے مگر وہ کوئی پری نہیں تھی۔''

''پھر وہ شہزادی تھی۔ چاہے آپ مانیں یا نہ مانیں۔''

چند ہفتوں بعد آریانہ اس کو بھول بھال گئی.....مگر وہ چہرہ.....اور وہ نام فاتح کی یادداشت میں فیڈ ہو چکا تھا۔ سنہرے بالوں والی تاشہ آگاپوا۔ ایک دفعہ وان فاتح سے کسی کا تعارف ہو جائے اور کسی کا کوئی امپریشن بن جائے تو وہ اسے کبھی نہیں بھولتا تھا۔

اور جس لمحے اس نے عصرہ کی گیلری میں اس لڑکی کو دیکھا' وہ اسے پہچان گیا تھا۔ وہ پہلے سے دبلی پتلی اور گرد وڈ نگ رہی تھی مگر واللہ یہ وہی تھی۔ پھر اس نے سنا ایڈم نے اس سے بدتمیزی کی ہے۔ ایڈم کا خیال تھا کہ وہ تنکو کامل کے گھر کی نوکرانی کی طرح لگتی تھی۔ یہ بات ایڈم کو کسی نے پوری بولنے نہیں دی مگر فاتح سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے تنکو کامل کی نوکرانی کو نہیں دیکھا تھا' شاید چند سیکنڈ کے لئے کوئی نوکرانی اندر آئی تھی مگر اس کے کندھے کے پیچھے سر جھکائے کھڑی رہی تھی۔ وہ ایڈم کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتا تھا' نہ ہی عصرہ نے وہ نوکرانی دیکھی تھی مگر اس کے دل میں موجود اس لڑکی کے لئے لکھا 'فراڈ' کا لفظ مزید گہرا نقش ہو گیا تھا۔

کچھ غلط تھا اس لڑکی میں۔ کچھ پُراسرار۔ کچھ اچھوتا۔

''وہ پری ہے' ڈیڈ۔ یا پھر کوئی شہزادی۔ آپ مانیں یا نہ مانیں!'' آریانہ چپکے سے کان میں بولی تو وہ سوگواریت سے مسکرا دیا۔ ماضی غائب ہو گیا تھا اور وہ اپنی اسٹڈی میں تنہا بیٹھا تھا.....

موبائل پہ آریانہ کے لئے پیغامات ہنوز آرہے تھے۔ اس نے پھر سے عینک لگائی اور ان کو پڑھنے لگا۔

☆☆=========☆☆

اشعر محمود کے اونچے قلعے کے لان میں کیٹرنگ والے چیزیں سمیٹ رہے تھے۔ صفائی جاری و ساری تھی۔ قلعے کے اندر آؤ تو گول لاؤنج میں وہ صوفے پہ بیٹھا تھا۔ ٹانگیں قینچی صورت میز پہ رکھی تھیں اور ٹائی ڈھیلی کر رکھی تھی۔ ہاتھ میں موبائل تھا جس پہ وہ فاتح کو پیغام لکھ رہا تھا ''آریانہ کو اللہ آپ سے دوبارہ ملا دے۔ آمین۔'' پیغام جانے کے چند لمحے بعد ہی جواب موصول ہوا..... ''شکریہ ایش!''

اشعر نے موبائل پرے ڈالا اور گردن اٹھا کے اوپر جگر جگر کرتا فانوس دیکھنے لگا۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

''بابا.....کاش آپ یہ دن دیکھنے کے لئے زندہ ہوتے۔'' تلخی سے وہ بڑبڑایا تھا.....

فانوس کی روشنی سارے لاؤنج کو روشن کیے ہوئے تھی۔ اونچی دیواروں پہ خوبصورت بڑی بڑی سی پینٹنگز آویزاں تھیں۔ قیمتی لمبے صوفے، مخملیں نفیس پردے..... اس سارے عشرت کدے میں وہ تنہا صوفے پہ نیم دراز تھا.....

کبھی اس طرح اس کے بابا یہاں بیٹھے ہوتے تھے۔ اس نے آنکھیں بند کیں تو چھم سے سارا منظر سامنے آ گیا.....

وہ سامنے والے صوفے پہ بیٹھا تھا۔ قدرے بے چین اور غیر آرام دہ سا۔ اور ایک چینی نقوش اور صاف رنگت والے صاحب، بڑے صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے پہ برہمی تھی۔

''کب تک تم فاتح کے غلام بنے رہو گے؟''

''میں ان کا غلام نہیں ہوں، بابا!'' وہ برا مان کے بولا۔ ''میں ان کا کیمپئین مینیجر اور پولیٹیکل سیکرٹری ہوں۔ میں ان کو الیکشن جتوانا چاہتا ہوں تاکہ.....''

''اور کب تک تم یہ سب کر سکو گے، ایش؟'' وہ ناگواری سے کہہ رہے تھے۔ ''تمہارا اپنا بزنس ہے، اس کو تمہارا وقت چاہیے۔ تمہاری ایک زندگی ہے۔ کل کو شادی کرو گے۔ کیا تب بھی فاتح کے پیچھے پیچھے ڈائری لئے پھرتے رہو گے؟''

''آبنگ ایک کاز (مقصد) لے کر نکلا ہے اور میں ملائیشیاء کے لئے.....''

''تمہارا آبنگ بادشاہ آدمی ہے۔ بے نیاز اور بے فکر۔ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا اگر تم اس کے لئے اپنے کئی سال لگا بھی دو، وہ تب بھی اقتدار میں آ کر تمہارے لئے کچھ نہیں کرے گا۔ ایش، میرے بیٹے، تمہیں اس شخص سے کوئی بدلہ نہیں ملے گا۔'' ان کی آواز دھیمی ہوئی۔ آنکھوں میں اس کے لئے ہمدردی اور فکر مندی تھی۔ اشعر کا دل دکھنے لگا۔

''میں صرف ملائیشیاء کے لوگوں کے لئے یہ کر رہا ہوں ڈیڈ۔ مجھے اپنے ملک سے بہت محبت ہے.....''

''تم ملائیشیاء کو ایک ایسے شخص کے ہاتھوں میں دینا چاہتے ہو جو اتنے برس باہر رہا۔ اسے ہم سے زیادہ ملائیشیاء سے محبت نہیں ہے، ایش۔''

''میں آبنگ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ باریسن نیشنل میری زندگی ہے۔'' وہ تڑپ اٹھا۔ ''میں ہمیشہ باریسن نیشنل سے منسلک رہنا چاہتا ہوں۔''

''ایک کیمپئین مینیجر کی طرح؟ ایک پولیٹیکل سیکرٹری کی طرح؟ یا کسی بڑے درندے کی طرح؟''

اشعر چونکا۔ ''بڑا درندہ؟''

''اگر تمہیں اس گندے سمندر میں رہنا ہے تو رہو۔ شوق سے رہو۔ لیکن مچھلی بن کے رہنا ہے یا مگرمچھ بن کے، اس کا فیصلہ تمہیں ابھی کرنا ہو گا۔ تم فاتح سے کم نہیں ہو۔ تم نے اس کی پچھلی کیمپئین بھی چلائی اور اب وہ دوسری دفعہ ممبر پارلیمنٹ منتخب ہونے جا رہا ہے۔ پانچ سال بعد وہ وزیرِ اعظم بننے کا سوچے گا اور تم کہاں ہو گے؟ اس کے پیچھے ڈائری اٹھا کے گھوم رہے ہو گے کیا؟''

''آپ کیا چاہتے ہیں؟''

"تم بھی اس دفعہ الیکشن لڑو۔ ممبر پارلیمنٹ منتخب ہو۔ پھر تم پہ نئے مواقع اور نئے راستے کھلیں گے۔ تم فاتح کی مدد کرتے رہو' مگر اپنے لئے بھی راستے ہموار کرو۔ فاتح تمہیں کچھ نہیں دے گا۔ اس کو کل کو کوئی بہتر سیکرٹری مل گیا تو وہ ایک منٹ میں تمہیں نکال باہر کرے گا لیکن اگر تم ممبر پارلیمنٹ بن جاؤ تو تمہیں کوئی آسانی سے نکال نہیں سکتا۔"

"میں؟" وہ حیران رہ گیا۔ "مجھے کون ووٹ دے گا؟"

بابا نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو جھک کے بیٹھے۔ "وان فاتح کو کس نے پچھلا الیکشن جتوایا تھا؟ تمہاری محنت نے اور عصرہ کی سپورٹ نے۔ اگر تم اس کے لئے یہ کر سکتے ہو تو اپنے لئے کیا نہیں کر سکتے 'ایش؟"

فانوس ابھی تک جگر جگر کر رہا تھا۔ اس کی روشنی میں کھویا اشعر شاید مزید ماضی میں رہتا مگر اس کا موبائل بجنے لگا۔ چونک کے وہ سیدھا ہوا اور موبائل اٹھالیا۔

"جی کا کا۔"

"میں فاتح کے لاکر سے فائل نکالنے جا رہی ہوں۔ وہ اسٹڈی میں ہے' اسے علم نہیں ہوگا۔" وہ دبی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "تم اسٹریٹ کے کارنر پہ آجاؤ' میں فائل تمہیں دے دوں گی۔"

"میں خود نہیں آؤں گا' رملی کو بھیجوں گا۔ ٹھیک ہے؟"

"ہاں یہ بہتر رہے گا۔" اشعر نے مسکرا کے فون بند کیا اور ٹی وی ریموٹ اٹھا کے بٹن دبایا۔ دیوار پہ لگی جناتی اسکرین جل اٹھی۔ اشعر نے چند چینلز بدلے اور پھر ایک پہ ٹھہرا۔

"اشعر محمود کی نسل پرست چینی مخالف تنظیم سے وابستگی نے چینی حلقوں میں مایوسی اور بدظنی کی لہر پیدا کی ہے...." اینکر آگے کو جھکے' آواز کو سنگین بنا کے بتا رہی تھی۔ اشعر کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے فون اٹھایا اور ٹویٹر کھولا۔ اس کے نام کے مخالف ٹرینڈ چل رہے تھے۔ لوگ اسے گالیاں نکال رہے تھے۔

"وان فاتح.... میں ہر چیز کے لئے تیار تھا.... آپ نہیں تھے .... چند دن بعد کا کا کی نیلامی پہ نقلی پینٹنگ کا اسکینڈل جہاں آپ کی کریڈیبلٹی تباہ کرے گا' وہیں مکان کے اصلی کاغذات کی گمشدگی آپ کو مالی دھچکا لگائے گی۔" موبائل کے بٹن دباتے ہوئے وہ بڑبڑا رہا تھا۔ "مگر اس سے پہلے ... اپنے خلاف ہوئے سارے پراپیگنڈے کو میں اس ایک تصویر سے قتل کرنے جا رہا ہوں۔ اس ایک تصویر کی دھوم اور ہائپ میں ہر شے دب جائے گی۔ کسی خبر کو قتل کرنے کے لئے اس کی وضاحتیں دینا ضروری نہیں ہے' صرف اس سے زیادہ دلچسپ خبر لوگوں کو دینا ہوتا ہے۔"

ایک بٹن دبایا اور .... تصویر ٹویٹ ہوگئی۔ مسکرا کے اشعر نے فون پرے ڈال دیا۔ اس نے فاتح کا دیا دھچکا ہینڈل کر لیا تھا۔ کیا فاتح اس کا دیا دھچکا ہینڈل کر پائے گا؟

☆☆=========☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ پہ رات دھیرے دھیرے اتر رہی تھی۔عصرہ نے ٹرے اٹھائے اسٹڈی کا دروازہ کھولا تو وہ ٹیک لگائے' عینک آنکھوں پہ جمائے' مسکرا کے موبائل پہ ٹائپ کرتا دکھائی دیا تھا۔

''تمہاری بیڈ ٹائم چائے۔'' زبردستی مسکراتی وہ قریب آئی اور میز پہ کپ رکھا۔کانچ میز کی سطح کے شیشے سے ٹکرایا تو خاموش فضا میں ارتعاش پیدا ہوا۔ارتعاش اس کی انگلیوں میں بھی تھا جسے اس نے مٹھیاں باہم پھنسا کے چھپا لیا۔وہ احتیاط سے فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

''جلدی سو جانا۔زیادہ دیر کام نہ کرنا۔'' اسے متوجہ نہ پا کر وہ بولی۔وہ مسکرا کے میسیجز دیکھتا رہا۔وہ چند لمحے کھڑی رہی' پھر مڑی۔

''تھینک یو عصرہ۔امریکہ جانے کا خیال بدلنے کے لئے۔''

عصرہ کے لبوں پہ سوگوار مسکراہٹ ابھری۔گردن موڑ کے اسے دیکھا۔وہ اب بھی موبائل پہ ٹائپ کر رہا تھا۔

''جو تم چاہو' فاتح۔میں تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گی۔''

فاتح نے نظریں فون پہ جھکائے مسکرا کے سر کو خم دیا۔

عصرہ وہاں سے نکل آئی۔اب اس کے قدم تیز تھے۔لاؤنج میں آ کر ایک نظر سی ٹی وی کیمرے کو دیکھا جو وہ بند کر چکی تھی۔پھر تیزی سے فاتح کے کمرے میں آئی اور الماری کھولی۔لاکر کا پاسورڈ دبایا اور اندر کاغذات الٹ پلٹ کرنے لگی۔ایک پورا فولڈر نکالا اور لاکر بند کر دیا۔

کچھ دیر بعد وہ سر پہ شال اوڑھے' پیروں میں جوگرز پہنے' گیٹ سے باہر نکل رہی تھی۔رات کو دو گارڈز ہی گیٹ پہ ہوتے تھے۔

''میں واک پہ جا رہی ہوں۔'' وہ اکثر رات کو واک پہ نکل جاتی تھی۔گارڈز نے صرف سر ہلا دیا۔وہ فائل شال میں چھپائے' سینے پہ بازو لپیٹے تیز تیز چلتی گئی۔

اگلی اسٹریٹ کے کونے پہ رملی کار میں موجود تھا۔وہ فوراً باہر نکلا۔عصرہ نے شال سے فائل نکال کے اس کو دی اور کچھ کہے بنا مڑ گئی۔چند منٹ بعد وہ گھر میں واپس داخل ہو رہی تھی۔

''آپ جلدی آ گئیں۔'' گارڈ نے دروازہ بند کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں شوگر لو ہو رہا تھا۔'' اس نے پیشانی پہ ہاتھ رکھ کے فکرمندی سے کہا۔''مگر فاتح کو میری طبیعت کا مت بتانا۔اس کے دوسرے مسئلے کم ہیں کیا۔میں دوا لے لیتی ہوں۔'' گارڈز نے سر تسلیم خم کیا اور وہ آگے بڑھ گئی۔

فاتح بے خبر ابھی تک اوپر اسٹڈی میں موبائل ہاتھ میں لئے سوگواریت بھری مسکراہٹ سے پیغامات کا جواب دے رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

حالم کے اونچے گھر کی بیرونی بتیاں روشن تھیں جب باہر سڑک پہ سپر لکس کیب آ رکی۔شوفر نے دروازہ کھولا تو تالیہ مراد نے اونچی سفید

''ڈونٹ وری۔تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔تم بتاؤ' یہ اشعر نے کیا ٹویٹ کیا ہے؟ابھی کسی نے مجھے بتایا۔''اس نے سمیع کا ذکر نہیں کیا تاکہ داتن پریشان نہ ہو۔

''تم نے نہیں دیکھا؟ ساری دنیا نے دیکھ لیا۔میں کہتی تھی نا' یہ اشعر کسی اور چکر میں ہے۔'' کہہ کے داتن نے موبائل پہ بٹن دبائے اور اسکرین سامنے کی۔

''فیملی یونین'' لکھ کے اس نے ایک تصویر پوسٹ کی تھی۔کھانا کھاتے وقت کی سیلفی جو اشعر نے لی تھی اور فریم میں چار لوگ نظر آرہے تھے۔اشعر'عصرہ' فاتح اور تالیہ۔سرخ لباس میں مسکراتی ہوئی خوبصورت تالیہ جو نیچے کمنٹس کا مرکز تھی۔

''یا اللہ۔اس نے میرا چہرہ مشہور کر دیا۔''اس نے پیشانی چھوئی۔

''ہمارے بہت سے جاننے والے یہ دیکھیں گے تالیہ۔یہ سب غلط ہو رہا ہے۔''

''میں سب کو سنبھال لوں گی۔بے فکر رہو۔ویسے بھی یہ میری آخری واردات ہے۔''

''لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ اشعر محمود کی منگیتر ہے اور وہ تردید نہیں کر رہا۔'' داتن نے اسے تصویر کی سنگینی کا احساس دلانا چاہا۔''تصویر وائرل ہوگئی ہے اور صبح سے جسے چینیوں نے بندوقوں کی زد میں رکھا ہوا تھا' اب سارا ملک اس کا میکہ بنا بیٹھا ہے۔''

تالیہ کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔''وہ مجھے پسند نہیں کرتا' داتن۔وہ خبروں میں رہنے کے لیے مجھے استعمال کرنا چاہتا ہے۔میں بھی بدلہ لے آئی ہوں۔''پرس کھول کے بٹن کیمرہ نکال کے دکھایا۔''یہ وائی فائی سے جڑا ہوا نہیں تھا' سو اس پہ جو بھی فوٹیج فاتح کے سیکرٹری نے بنائی ہے' وہ اب میرے پاس ہے۔'' داتن نے اسے گھورا۔

''تم اتنی بے فکر کیوں ہو اشعر کی طرف سے؟ کہیں تم اسے پسند تو نہیں.....''

''کموٹی مرغی....کان کھول کے سنو....اشعر محمود اگر سمیع کا باس ہے تو وہ ان منی لانڈرز کا سربراہ ہے جنہوں نے مجھے ائیر پورٹ پہ رلنے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔میں اس کو کبھی پسند نہیں کر سکتی۔'' تیزی سے کہہ کے پرس سے ایک کارڈ نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔''تمہارے پاس نیچے میرے لاکر روم میں تمام مشینیں موجود ہیں نا۔پرنٹنگ وغیرہ کی۔''

''ہاں۔'' داتن نے الجھ کے اس کے کارڈ کو دیکھا جو پولیس آئی ڈی تھی اور اس پہ ساشا کمال لکھا تھا۔

''ساشا کو تاشہ کرو۔ابھی۔اسی وقت۔''

''تاشہ؟ وہ جو فاتح تمہیں کہتا ہے۔''

''ہاں۔یاد ہے وہ پلے تاشہ آگاپو واجس میں میں نے حصہ لیا تھا؟ اور ڈائریکٹر کے لاکر سے بانڈز چرا کے نقلی رکھ دیے تھے؟ وہ آریانہ کے ساتھ اس پلے کو دیکھنے تھیٹر گیا تھا' اس لئے اس نے مجھے پہچان لیا۔''

''اُف تالیہ۔اس کو شک تو نہیں ہوا کہ تم فراڈ ہو؟''

''بہت سی امیر لڑکیاں تھیٹر میں شوقیہ اداکاری کرتی ہیں۔ پوچھے گا تو کہہ دوں گی' شوقیہ کام کیا تھا۔''

''مگر.....''

''اگر مگر کچھ نہیں کیونکہ میں اس چیز کا فائدہ اٹھانے جارہی ہوں۔ تالیہ کے پاس...ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''مسکرا کے وہ اٹھی' شال کندھوں کے گرد لپیٹی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

قریباً پون گھنٹے بعد وہ اپنے باغیچے کے بینچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی نظر آرہی تھی۔ کارڈ اس کی گود میں رکھا تھا۔ برفی جیسی آنکھیں باہر سڑک پہ جمی تھیں جو گیٹ کے جنگلے سے صاف دکھائی دیتی تھی۔

ایڈم اس کی کار سیدھی اندر لے آیا کیونکہ گیٹ کھلا تھا۔ پھر اتر کے اس کے سامنے آیا۔ ادب سے چابی بڑھائی۔

''چے تالیہ۔ آپ کی کار۔''

''بیٹھو' ایڈم!''شہزادی کے سے انداز میں اشارہ کیا۔ وہ متذبذب سا بنچ کے پرلے کنارے پہ بیٹھ گیا۔ آگے کو ہوئے۔

''تم مجھے کوئی قاتل' چور یا جاسوس سمجھتے ہو' ہے نا۔''وہ کہنی بنچ کی پشت پہ جمائے اس کی طرف گھوم کے بیٹھی اور مسکرا کے گویا ہوئی۔

''میں نے آپ کو ایک گھر میں نوکرانی بن کے کام کرتے دیکھا ہے۔ مجھے اور کیا سمجھنا چاہیے۔''

''تمہارا قصور نہیں ہے۔ بہر حال میں ایک انڈر کور پولیس آفیسر ہوں اور مجھے وان فاتح کی حفاظت کا ٹاسک دیا گیا ہے۔''اعتماد سے گردن کڑائے وہ بولی تو ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔

''واقعی؟''وہ ٹھٹھکا۔''مگر میں کیسے مان لوں۔''

''تم وان فاتح سے پوچھ سکتے ہو۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں سچ بتا دیں' ہو سکتا ہے وہ تم پہ اتنا اعتماد نہ کریں۔ لیکن کیا تم نے نوٹ نہیں کیا کہ وہ مجھے تاشہ کہتے ہیں۔''

''جی۔ میں نے نوٹ کیا ہے۔''وہ چونکا۔

''تاشہ کمال۔ رائل ملیشیا پولیس!''اس نے شانِ بے نیازی سے کارڈ دو انگلیوں میں پکڑ کے اس کی طرف بڑھایا۔ ایڈم نے اسے تھاما۔ الٹ پلٹ کے دیکھا۔ پھر ذرا پیچھے ہو کے بیٹھا۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''یعنی باس جانتے ہیں کہ آپ....''

''آف کورس وہ جانتے ہیں۔ میری جاب ہی ان کے قریب موجود لوگوں پہ نظر رکھنا ہے کیونکہ ان میں سے بہت سے لوگ وان فاتح کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔''

ایڈم نے گہری سانس لی۔''میں جانتا ہوں۔''

''تو یقیناً تم جانتے ہو گے کہ پچھلے ماہ لنکاوی جزیرے پہ کیا ہوا تھا؟ اور تین ماہ قبل سنگاپور میں کس طرح وان فاتح کو دھمکانے کی کوشش

کی گئی تھی؟''

ایڈم چونکا۔''نہیں.... کیا ہوا تھا؟'' تالیہ نے ''اوہ'' میں لب سکیڑے۔

''اگر وان فاتح نے تمہیں نہیں بتایا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ تم پہ بھروسہ نہیں کرتے' یعنی تم ان کے لئے ایک عارضی ملازم ہو۔ جس کو وہ فارغ ہو جانے کے بعد مس بھی نہیں کریں گے۔''

ایڈم کے چہرے پہ اداسی اتری۔ لمحے بھر کو چپ ہو گیا۔''پھر آپ مجھ پہ بھروسہ کیوں کر رہی ہیں؟''

''دو وجوہات ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ تم گھر والوں کے سامنے میرا کور blow کرو۔ میری تو یہ نوکری ہے' میں کسی دوسرے ٹاسک پہ لگا دی جاؤں گی' لیکن وان فاتح کے دشمن چوکنے ہو جائیں گے۔''

''اور دوسری وجہ؟''

''میں چاہتی ہوں تم میری مدد کرو۔ اشعر محمود فاتح صاحب کے خلاف جو اقدامات کرنے جا رہا ہے' ان کو روکنے میں میرا ساتھ دو۔ اور میں ڈیپارٹمنٹ سے تمہیں اس کام کا پے چیک دلوا دوں گی۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں وان فاتح کے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں۔''

''دیکھو ایڈم....'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔''پولیس میں جب ہم سے اوپر والے ہمیں تنخواہ یا بونس دیتے ہیں تو اپنی جیب سے نہیں دیتے۔ قومی خزانے سے دیتے ہیں اور اس پہ ہمارا حق ہوتا ہے.... تم کیوں آرام سے ملنے والے تیس چالیس ہزار ٹھکراؤ گے؟''

''تیس چالیس ہزار؟'' ایڈم محمد کی آنکھیں کھل گئیں۔ (سات آٹھ لاکھ پاکستانی روپے)

''جتنا بڑا آدمی' اتنے زیادہ بونس۔ لیکن یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب ہم اشعر محمود کو پکڑ بھی لیں۔ اور ہاں' مجھے اس کے لئے تمہاری فائل اوپر بھیجنی پڑے گی۔ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپرووبھی ہو جائے مگر میں تمہاری سفارش کروں گی۔''

''مگر آپ کیوں کریں گی میری سفارش؟''

تالیہ مسکرائی۔''کیونکہ ایک دن تم دنیا کے سارے بادشاہوں اور حکمرانوں سے زیادہ طاقتور بن جاؤ گے۔ میں نہیں چاہتی تب تم مجھے بھول جاؤ۔''

ایڈم جھینپ گیا۔''وہ تو بس ماں کو لگتا ہے کہ....'' خفت سے سر جھٹکا۔

''خیر.... اب ہو سکتا ہے کہ تمہیں میری باتوں پہ یقین نہ آئے۔ تم مجھ پہ شک کرو' کہ شاید میں واقعی کوئی چور یا قاتل وغیرہ ہوں' تو ٹھیک ہے یہ تمہارا حق ہے۔ اب آگے تم چاہو تو وان فاتح سے پوچھ لو میرے بارے میں۔ مجھے نہیں معلوم وہ تم پہ کتنا بھروسہ کرتے ہیں' لیکن اپنی تسلی کے لئے تم....''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے آپ کی بات پہ بھروسہ ہے۔'' وہ گہری سانس لے کر سنجیدگی سے بولا۔''اور میں وان فاتح کے لئے

سب کر سکتا ہوں۔لیکن....''اس نے اعتراف کیا۔''مجھے واقعی پیسے بھی چاہیے ہیں۔آپ بتائیں' مجھے کیا کرنا ہو گا۔''

''اتنی جلدی نہیں بتا سکتی۔کیونکہ مجھے بھی تو دیکھنا ہے کہ میں تم پہ بھروسہ کر سکتی ہوں یا نہیں۔''ایڈم کے کندھے ڈھیلے پڑے۔

''اوکے۔یعنی آپ مجھ پہ نظر رکھیں گی۔ٹھیک ہے۔جب آپ مناسب سمجھیں مجھے بتا دیجئے گا۔میری جاب کا کل دسواں اور پرسوں گیارہواں دن ہے۔پرسوں میری جاب ختم ہو جائے گی۔''

تالیہ اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی ساتھ ہی اٹھا۔جتنا اس کے انداز میں رعب تھا' اتنا ایڈم مودب نظر آتا تھا۔

''وان فاتح سے میں بات کر لوں گی۔تمہارے گیارہ دن ابھی ختم نہیں ہوں گے' ایڈم۔''

''اوکے!''ایڈم نے سر کو خم دیا اور مسکرایا۔پھر اجازت چاہی۔دفعتاً رکا۔

''تم کچھ پوچھنا چاہتے ہو؟''

''میں....مجھے اپنی منگیتر کو....''تذبذب سے الفاظ ادا کیے۔''تحفہ دینا ہے۔کیا دینا چاہیے؟''اگر وہ اس کی ڈھال نہ بنی ہوتی تو وہ نہ کہہ پاتا مگر اس ایک واقعے نے ایڈم کا دل اس کی طرف سے صاف کر دیا تھا۔اور اب بھی وہ اتنے سادہ انداز میں سب بتائے دے رہی تھی کہ اسے اعتبار آ ہی گیا تھا۔

''تم کیا دینا چاہتے ہو؟''

''کوئی سونے کا زیور وغیرہ' جیسا کہ مسز عصرہ نے کہا تھا۔یا کوئی پرس' کپڑے۔''وہ کنفیوژ نظر آتا تھا۔

''تحفے کی قیمت نہیں ہوتی ایڈم۔وقعت ہوتی ہے۔تم اس سے پوچھو کہ اس کو اس کے بابا نے کیا تحفہ دیا تھا اولین سالگرہوں پہ جو اس کو یاد ہیں؟ تم بچپن کے اس تحفے کو کسی نئی شکل میں دے دو۔کوئی ناسٹیلجک سی قدیم شے جو اس کو خوشگوار ماضی کی یاد مستقبل میں بھی دلاتی ہے۔باپ کا تحفہ لڑکیوں کو بہت عزیز ہوتا ہے۔''

ایڈم بالکل ٹھہر گیا۔دل و دماغ جیسے منور ہو گیا تھا۔آہستہ سے سر ہلایا۔''تھینک یو' چے تالیہ۔''

اس کے جانے کے بعد وہ اندر آئی تو داتن لاؤنج میں بیٹھی تھی۔تند نظروں سے اسے گھورتی۔

''اس کہانی کا کیا مقصد تھا؟''

''وقت حاصل کرنا۔''وہ سنجیدگی سے کہتی آگے آئی اور کانوں سے ائیر رنگ اتارنے لگی۔''بہت سے اسپیشل فورس اہلکاروں کو اسی طرح سیاستدانوں کی حفاظت پہ مامور کیا جاتا ہے' کہانی ٹھوس تھی۔''

''اگر اس نے فاتح سے پوچھ لیا تو؟''

''ظاہر ہے وہ پوچھے گا' لیکن فوراً نہیں۔میں نے اس کے ذہن میں یہ تاثر ڈالا ہے کہ فاتح کے لئے وہ اجنبی ہے۔وہ کچھ عرصہ اس بات پہ غور کرے گا اور مجھے اتنا ہی وقت چاہیے۔ایک یا دو دن۔تب تک میں سکہ تلاش کر چکی ہوں گی۔اس کے بعد میں جانوں اور میرا خزانہ۔''

اب وہ جھک کے جوتے اتار رہی تھی۔

"کوئی خزانہ نہیں ہے تالیہ۔" داتن نے دکھ اور ہمدردی سے اسے دیکھا۔

"خزانہ ہے داتن۔ اور وہ ہمارا ہے۔ صرف ہمارا۔" وہ تیزی سے بولی جیسے خود کو بھی یقین دلایا ہو۔ داتن خاموش ہوگئی۔ باہر پچھلی رات کی طرح۔

☆☆=========☆☆

صبح صادق کی پہلی کرن کوالالمپور پہ پڑی تو جامنی اندھیرے میں ڈوبی اونچی عمارتیں مدھم مدھم سی روشن دکھائی دینے لگیں۔ عصرہ محمود اپنے نرم گرم بستر میں اے سی کی ٹھنڈک بھرے کمرے میں لحاف تانے سو رہی تھی جب زور سے دروازہ کھلا۔

"عصرہ!" فاتح کی آواز.... اور اس کا تیزی سے بتی جلانا۔ عصرہ کی آنکھیں فوراً کھلیں۔ تیز روشنی میں پہلے تو اس نے آنکھیں چندھیا لیں، پھر پلکیں جھپکیں۔ بصارت واضح ہوئی۔ سامنے فاتح کھڑا تھا۔ ٹراؤزر پہ ٹی شرٹ پہنے، اس کے ابرو بھنچے ہوئے تھے اور چہرے پہ پریشانی تھی۔

"عصرہ تم نے میرا لاکر کھولا ہے کیا؟"

"نہیں۔ کیوں کیا ہوا؟" وہ بال سمیٹتی، آنکھیں ملتی اٹھ بیٹھی۔

"ملاکہ والے گھر کی ساری فائلز کل صبح تک اس میں تھیں۔ اب نہیں ہیں۔"

"تم نے اچھی طرح دیکھا فاتح؟ کیا معلوم تم نے کہیں اور رکھ دی ہوں۔" وہ بستر سے اتری اور سلیپرز پہنے۔

"نہیں مجھے یاد ہے۔ اور میرا پاسورڈ بھی کسی کو نہیں معلوم سوائے مجھے اور تمہیں۔"

"تمہارا پاسورڈ بھی تو آریانہ کی برتھ ڈے ہے۔ آسانی سے کوئی بھی گیس کر سکتا ہے۔ میں ملازموں سے پوچھتی ہوں۔" اس نے بالوں کو پونی میں باندھا اور شال اٹھا کے کندھوں کے گرد لپیٹی۔ "تم فکر نہ کرو مل جائے گی۔"

"کیسے فکر نہ کروں، اس فولڈر میں گھر کے اصل کاغذات ہی نہیں اس کے تاریخی ہونے کی مصدقہ دستاویزات بھی ہیں۔ مہینے لگ جائیں گے مجھے یہ دوبارہ بنوانے میں۔" وہ دبی آواز میں بظاہر آرام سے کہہ رہا تھا مگر اس کی آنکھوں سے چھلکتی پریشانی اور گردن کے پیچھے ہاتھ رکھا .....وہ بے حد پریشان تھا۔

"تم نے ٹھیک سے دیکھا نہیں ہوگا۔ میں ڈھونڈ دیتی ہوں۔ ویسے بھی ملازموں میں سے کوئی ایسے نہیں کرے گا۔ ایڈم تو ہمارے ساتھ کل پارٹی میں تھا اور دوسری میڈ بھی۔ شام کو گھر میں کوئی نہیں ہوتا۔ بلکہ تالیہ بھی کار لینے آئی تو کہہ رہی تھی کہ اسے چابی لاؤنج میں ڈھونڈنے کے لئے کافی تگ و دو کرنی پڑی کیونکہ میڈز نہیں تھیں۔" وہ اس کے ساتھ باہر آتے ہوئے بتا رہی تھی اور فاتح رامزل ایک دم چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

''کون؟ وہ تالیہ؟ ادھر کیوں آئی تھی ہماری غیر موجودگی میں؟''

''اس کی کار یہاں کھڑی تھی نا فاتح۔ پھر مجھے اس کو اشعر کی وجہ سے برداشت کرنا پڑتا ہے۔'' وہ اکتا کے کہتی اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ لا کر سامنے کھلا پڑا تھا اور کاغذات بیڈ پہ رکھے تھے۔ عصرہ سلیقے سے چیزیں سمیٹنے لگی۔ ''اور تمہیں اتنی اچانک ملاکہ والے کاغذوں کی کیا ضرورت پڑ گئی؟''

مگر وہ بالکل ساکت چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔ ذہن ایک جگہ ٹھہر گیا تھا۔

''وہ لڑکی..... صبح وہ میری اسٹڈی میں تھی... پھر وہ ہمارے پیچھے ہمارے گھر میں پھرتی رہی اور آج میری فائل غائب ہوگئی۔'' اس کی رنگت سرخ پڑنے لگی۔ فائلیں الٹ پلٹ کرتی عصرہ نے چونک کے سر اٹھایا۔

''اوہو فاتح۔ مل جائے گی فائل۔ پھر تالیہ ایسا کیوں کرے گی۔ وہ تو اشعر...''

''اس کو تم سے متعارف کس نے کروایا تھا وہاں؟ ہم کیسے جانتے ہیں اس لڑکی کو؟'' اس نے تیزی سے سوال کیا جو عصرہ کے لئے غیر متوقع تھا مگر وہ محمود بن عزیزی کی بیٹی تھی۔ اس کے ذہن نے فوراً سے جمع تفریق کی اور بہترین جواب سوچ لیا۔

''اشعر نے۔ وہ اس سے شاید پہلے سے واقف تھا۔ شاید وہ دونوں شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

''اور یہ ان دونوں کا کام ہے۔'' وہ کسی نتیجے پہ پہنچ چکا تھا۔

''میں سمجھی نہیں۔'' پھر جیسے سمجھ آیا تو ایک دم حیران نظر آئی۔ ''یا اللہ فاتح' اشعر ایسا کیوں کرے گا؟''

فاتح نے گہری سانس لی اور بہت سارا غصہ اندر دبایا۔

''میں تمہارے بھائی کے بارے میں کوئی تبصرہ اس وقت نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے بتاؤ وہ لڑکی کہاں رہتی ہے۔''

''یہ تو اشعر کو پتہ ہوگا' مگر وہ ابھی میرا پورٹریٹ مکمل کرنے آئے گی۔ آج دوسری اور آخری سٹنگ ہے نا۔ لیکن تم...''

''وہ آئے تو اس کو میرے پاس بھیجنا۔ تمہارے بھائی نے اسے بہت آسمان پہ چڑھا رکھا ہے اور مجھے لوگوں کو زمین پہ اتارنا اچھی طرح آتا ہے۔''

''فاتح... تم اس کو کیا کہو گے؟ اگر اشعر کو پتہ چلا تو....'' وہ ہراساں سی کہنے لگی تو اس نے قطعیت سے ہاتھ اٹھا کے روکا۔

''وان فاتح کے گھر میں.... چوری کرنے سے پہلے.... اس لڑکی کو اندازہ ہونا چاہیے تھا کہ فاتح کو دنیا میں سب سے زیادہ نفرت چوروں سے ہے۔ اس نے میرا کتنا نقصان کر دیا ہے' کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ جیسے ہی آئے اس کو میرے پاس بھیجو۔'' برہمی سے کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

اس کے جاتے ہی عصرہ کے تاثرات بدلے۔ خوف' ہراسیت' پریشانی سب غائب ہوا اور اس نے اطمینان سے گہری سانس لی۔

فاتح نے جلد یا بدیر جان ہی لینا تھا کہ یہ اشعر کا کام ہے۔ مگر اشعر کی مدد کا الزام وہ کس کو دیتا ہے' یہ عصرہ کے نزدیک زیادہ اہم تھا۔ اپنے

بچوں اور اپنے شوہر کو اس جنون سے بچانے کے لئے وہ ہر جنگ اور ہر محبت میں ہر جائز ناجائز کام کر سکتی تھی۔

گہری سانس لے کر وہ مسکرائی اور کھڑکی کو دیکھا جہاں ایک نئی صبح طلوع ہو رہی تھی۔

اور حالم کی رہائشگاہ میں..... بیڈ پہ بے خبر سوئی تالیہ کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی تھی۔ چند لمحے لگے اس کو حواسوں میں واپس آنے میں اور پھر وہ ایک دم سے اٹھ بیٹھی۔

اس نے ابھی ابھی خواب میں جو منظر دیکھا تھا... وہ اس کے اندر کے خون کو جوش دلانے اور رونگٹے کھڑے کرنے کے لئے کافی تھا۔

''خزانہ ہے... خزانہ واقعی ہے...'' اس کے ہونٹوں کے کنارے مسکراہٹ میں ڈھلنے لگے اور چہرے پہ خوشگوار بے چینی در آئی... ''اور جو جگہ میں نے ابھی دیکھی ہے... تو یہاں دفن ہے وہ خزانہ!'' بے یقینی اور خوشی سے اس نے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''میں جانتی ہوں خزانہ کہاں دفن ہے۔ صرف... میں... جانتی ہوں!'' تیزی سے سلیپر پہنے اور باہر کو بھاگی۔

☆☆=========☆☆

حالم کی اگلی قسط انشاءاللہ پندرہ اگست کی رات 8 بجے نمرہ احمد آفیشل پر اپلوڈ کر دی جائے گی۔

ہمارا پیج بار بار چیک کرنا نہ بھولیے گا۔

حالم (نمرہ احمد)

باب پنجم:

''تین خزینوں کا مسکن''

اس نے خواب میں دیکھا....

وہ ایک دالان میں کھڑی ہے....سرخ اینٹوں والا کھلا سا صحن....سر اٹھا کے سامنے دیکھتی ہے تین اطراف میں کمرے ہیں۔ایک لکڑی کا دو منزلہ گھر....جیسے پرانے لاہور کے بازار میں بنی پرانی حویلیاں....

بالائی منزل کے کمروں کے آگے بالکونیاں کھلتی ہیں جن میں گملے رکھے ہیں....

صحن کے ایک کونے میں ایک گول چبوترہ بنا ہے جس پہ ایک مجسمہ نصب ہے....چغہ پہنے کھڑے آدمی کا مجسمہ جس کی میان میں تلوار ہے....

وہ خواب کی کیفیت میں قدم اٹھاتی ہے....آگے چلتی جاتی ہے....

مجسمے کے پیچھے....وہ اس قلعے اور حویلی نما گھر کی دیوار کے پاس وہ آرکتی ہے....دیوار کے ایک کونے میں الفاظ کھدے نظر آتے ہیں....

جیسے گیلے گارے اور سیمنٹ میں کسی نے کھود کھود کے لکھا ہو....

وہ الفاظ چمک رہے ہیں....

''تاشہ

جو شہزادیوں جیسی تھی....

اور جس نے ایک غلام سے شادی کی تھی....''

نیچے ایک طویل نظم لکھی ہے جو دھندلی سی ہے....وہ ان الفاظ پہ ہاتھ پھیرتی ہے....

پھر آوازیں سنائی دیتی ہیں....اس کی اپنی آواز...سکوں کی کھنک کے درمیان....

''ایک دن ایڈم....میں اور تم....اس گھر میں دفن خزانہ ڈھونڈنے آئیں گے۔''

وہ چونک کے گردن گھماتی ہے....گھر تنہا ویران پڑا ہے....وہاں کوئی نہیں ہے' مگر یوں لگتا ہے گویا در و دیوار بول رہے

ہیں.... جیسے یادیں آواز کی صورت سنائی دے رہی ہیں....

''اس گھر میں خزانہ؟ سن باؤ کے گھر میں؟ مگر پچے تالیہ....''

''اونہوں.... اس کے اندر نہیں.... اس کے نیچے ہے خزانہ.... ہمیں نیچے جانا ہوگا۔''

ایک جھٹکے سے تالیہ کی آنکھ کھلی۔

وہ اپنے ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں چت لیٹی تھی۔ چونک کے وہ اٹھ بیٹھی۔

''خزانہ ہے....'' اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ سارے وجود میں خوشگوار سی بے یقینی پھیل گئی تھی۔ ''خزانہ واقعی ہے اور صرف میں جانتی ہوں کہ وہ کدھر ہے۔ سن باؤ کا گھر۔''

وہ نیچے اتری.... سلیپرز پیروں میں اڑسے اور باہر بھاگی۔

نیچے آئی تو داتن کچن میں کام کر رہی تھی۔ پین کیک کی خوشبو.... تازہ مشروم کا آملیٹ.... خستہ کری پفز کی مہک.... وہ اہتمام سے ناشتہ کر رہی تھی۔ یقیناً اپنے لئے کیونکہ جانتی تھی، تالیہ یہ سب نہیں کھاتی۔

''داتن.... میری کالی موٹی برائلر مرغی....'' وہ خوشی سے چیختی سیڑھیاں اترتی بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی اور کندھوں سے تھام کے اسے اپنی طرف گھمایا۔ داتن کے ہاتھ سے کفگیر گر گیا۔ وہ بوکھلا گئی۔

''کیا ہم پکڑے گئے، تالیہ؟''

''داتن.... داتن....'' وہ اتنی خوش تھی کہ موٹی کی بات سنی بھی نہیں۔ ''داتن.... خزانہ ہے.... سن باؤ کے گھر میں.... میں نے خود دیکھا ہے....''

داتن نے پہلے الجھ کے اسے دیکھا پھر.... اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ سمجھ کے گہری سانس لی۔ ''خواب میں نا؟''

''میرے خواب جھوٹے نہیں ہوتے۔ وہ سن باؤ کا گھر ہے۔ تین نگینوں کا گھر.... تین خزانوں کا گھر۔''

''اور کہاں ہے وہ گھر؟'' وہ سنجیدگی سے تالیہ کا خوشی سے تمتمایا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''ملاکہ میں ایک ہی تو گھر ہے جس کو سن باؤ کا گھر کہتے ہیں۔ وانگ لی کا گھر۔ جو ان فاتح کی ملکیت ہے۔ اور میں نے کل سنا، وہ اس کو بیچنا چاہ رہا ہے۔'' وہ خوشی سے گلابی پڑتی بتا رہی تھی۔

''تالیہ.... مجھے تم سے بات کرنی ہے اور تمہارے خوابوں پہ پانی پھیرنا ہے۔'' داتن نے آہستہ سے کہا۔

''چونکہ میں امیر ہونے والی ہوں، اس لیے تمہاری کسی بدگوئی کا برا نہیں مناؤں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے کچن کے وسط میں اپنی ایڑیوں پہ گول گول گھومی۔ جیسے کوئی ان سنی دھن بج رہی ہو اور وہ اس پہ رقص کر رہی ہو۔

''لنکاوی...میں لنکاوی میں ایک پوووووورا جزیرہ خریدوں گی....پھر میں اس پہ ایک اونچا قلعہ بناؤں گی...'' وہ مہارت سے گول گول گھومتی ایک کونے سے دوسرے پہ جا رہی تھی جیسے برف کے اوپر اسکیٹنگ کر رہی ہو۔

''تالیہ...کوئی خزانہ نہیں ہے۔'' داتن نے اسے افسوس سے دیکھا۔

''ایک دفعہ پھر کہو یہ بات موٹی اور تمہیں میں اپنے محل کا سب سے چھوٹا کمرہ دوں گی۔'' اس کے پیر برق رفتاری سے گھوم رہے تھے اور وہ لٹو کی طرح آگے سیڑھیوں تک جا رہی تھی۔

''تالیہ.....وہ چابی ملعون ہے۔''

''اب تمہیں سرونٹ کوارٹر ملے گا!'' وہ گھومتے گھومتے رکی....چہرے سے سنہری بال ہٹائے اور لاپرواہی سے کہہ کے سیڑھیاں چڑھتی گئی۔ داتن بے بسی سے واپس چولہے کی طرف پلٹ گئی۔

چند منٹ بعد وہ واپس آئی تو بال فرنچ چوٹی میں بندھے تھے۔ زرد گھٹنوں تک آتے فراک اور ٹراوزر میں ملبوس اوپر سفید منی کوٹ پہنے وہ ہلکے میک اپ میں تیار لگ رہی تھی۔

داتن کچن کی گول میز پہ لوازمات چنے بیٹھی تھی۔ وہ عجلت میں قریب آئی اور کرسی کھینچی۔ کری پفز کی خوشبو....بین کیک کی تازگی....ساری فضا معطر ہو چکی تھی....تالیہ نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس اندر اتاری۔

''جانتی ہو میں یہ سب نہیں کھاتی' پھر کیوں بناتی ہو میرے لیے؟''

''کس نے کہا تمہارے لیے بنایا ہے؟ ہونہہ!'' داتن نے برا مان کے ایک پلیٹ اس کی طرف کھسکائی جس میں جوس کا ایک گلاس اور سیب رکھا تھا۔ تالیہ گہری سانس لے کے بیٹھی۔

''ابھی بھی وقت ہے' داتن۔ اپنے وزن کی فکر کرو۔ عورتوں کو فٹ رہنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ موٹاپا موت ہے۔ فٹ رہنا صحت ہے۔''

''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' داتن نے پلیٹ بھر رکھی تھی مگر کچھ بھی چھوئے بغیر سنجیدگی سے تمہید باندھی۔

''جلدی کرو کیونکہ عصرہ کا میسیج آیا ہے۔ انہوں نے آج جلدی بلوالیا ہے۔ پینٹنگ آج مکمل کرنی ہے۔'' وہ سیب میں دانت گاڑھتے ہوئے بولی۔

''یہ کتاب۔'' داتن نے ایک کتاب اٹھا کے دکھائی تو سیب کا ٹکڑا چباتے تالیہ نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑیں۔ ''ہم شکار باز''

''یہ کتاب میں نے پڑھ لی ہے۔ اور میں اندازہ کر سکتی ہوں کہ تمہارے بابا اور تمہارا سارا خاندان....سب ختم ہو چکا ہے۔ نہ تمہارا گاؤں اب وہاں ہے۔ نہ کوئی خزانہ تمہاری راہ دیکھ رہا ہے۔ آرام سے سنو تالیہ....میں تمہیں بتاتی ہوں کہ تم کہاں سے آئی تھیں

اور کیوں آئی تھیں۔" داتن نے اپنا بھاری ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھا جو بالکل ٹھہر گئی تھی....

گھڑی کی سوئیاں آگے چلتی رہیں۔ داتن پدو کا بولتی رہی۔ تالیہ سنتی رہی۔ درمیان میں چند ایک سوال اس نے پوچھے۔ آخر میں داتن بولی۔ "میں جانتی ہوں یہ سب تمہارے لئے بہت انہونا ہے اور تم شاید اس پہ یقین نہ کرو لیکن....."

اور تالیہ ایک دم کھلکھلا کے ہنس پڑی۔

داتن کا منہ کھل گیا۔ تالیہ ہنوز گردن پیچھے کو پھینکے ہنستی جا رہی تھی۔ پھر سیدھی ہوئی اور محظوظ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"کیا دیومالائی کہانیاں پڑھتی رہتی ہو تم داتن۔ ایسا کچھ نہیں ہوتا حقیقی دنیا میں۔ ہو بھئی۔"

"اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے تالیہ۔ جو قفل اس چابی سے کھلے گا اس کے پیچھے کوئی خزانہ نہیں ہوگا۔ بلکہ....."

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔ عصرہ نے جلدی آنے کا کہا تھا۔" وہ بے پرواہی سے سیب لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ داتن بہت کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر اس بات پہ ماتھے پہ بل پڑے۔ "عصرہ نے ایسے جلدی میں کیوں بلوایا؟"

"پتہ نہیں۔ شاید کہیں جانا ہو۔"

"احتیاط کرنا عصرہ سے۔ کیونکہ سیاسی بیوی سیاستدان سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"کیونکہ وہ واحد انسان ہوتی ہے جو ایک سیاستدان کو بھی con کر سکتی ہے۔"

تالیہ ہنس پڑی اور آگے بڑھ گئی۔ پھر دروازہ کھولتے ہوئے مڑ کے اسے دیکھا۔ "سمیج کا بندوبست کر لینا۔ میں نہیں چاہتی وہ روز میرے گھر آئے۔ اور کوشش کرنا کہ جب میں گھر آؤں تو میرا مہینے بھر کا راشن ختم نہ ہو چکا ہو۔"

داتن کے سامنے ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا تھا مگر اس کا دل کچھ بھی کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ بس بے دلی سے اس کتاب کو دیکھ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

محمود بن عزیزی کے خاندانی قلعے پہ صبح کی سفیدی پھیل رہی تھی۔ کھلے لان میں دو ہرن آگے پیچھے قلانچیں بھرتے دکھائی دے رہے تھے۔ برآمدے کے سامنے کار تیار کھڑی تھی۔ گویا مالک کا انتظار ہو رہا ہو۔

اندر آؤ تو اونچی چھت والے ڈائننگ ہال میں لمبی میز بچھی تھی۔ سربراہی کرسی پہ بیٹھا اشعر نیپکین سے ہاتھ پونچھتا، کافی کا آخری گھونٹ بھرتا اٹھ رہا تھا۔ سیاہ سوٹ اور بالوں کے سپائکس..... وہ سنجیدہ اور مغرور لگ رہا تھا۔

"فائل کہاں ہے؟" ساتھ کھڑے رملی سے پوچھا۔

"کار میں ہے۔ آپ باہر آئیں تو دیتا ہوں۔ آپ حفاظت سے کہیں رکھوا دیجئے گا۔"

''اور نیلامی کی تمام تیاریاں مکمل ہیں؟''

''جی سر۔اب تو تھوڑے دن ہی رہ گئے ہیں۔''

''ہاں۔وان فاتح کی بدنامی میں زیادہ وقت نہیں رہ گیا۔'' وہ تلخی سے مسکرایا اور موبائل اٹھالیا۔پھر پلٹا تو رملی کے چہرے پہ نظر پڑی۔اشعر کے ابرو تشویش سے اکٹھے ہوئے۔''تمہاری شکل کیوں اتری ہوئی ہے؟''

رملی نے بے چارگی سے کندھے اچکائے۔''عثمان سے کیمرہ کھو گیا۔بٹن کیمرہ جو میں نے اس کو دیا تھا۔''

اشعر محمود کے ماتھے پہ بل پڑے۔آنکھوں میں غصہ ابھرا۔''واٹ؟ کیسے کھو گیا؟اتنی اہم ویڈیو تھی اس میں۔''

''وہ کہتا ہے کہ جب پارٹی ختم ہوئی تو اس نے دیکھا' بٹن اس کے کوٹ پہ نہیں تھا۔وہ خود حیران پریشان ہے کہ....''

''جھوٹ بول رہا ہے وہ۔کہاں جا سکتا ہے کیمرہ؟اپنی قیمت بڑھا رہا ہے وہ بس۔اس سے ویڈیو نکلواؤ جیسے بھی ہو۔'' تلخی سے کہہ کے وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

قلعے کا دروازہ کھولتے ہی خوبصورت سبزہ زار اور اس پہ قلانچیں بھرتے بے فکر سے ہرن نظر آئے۔سبز گھاس....جا بجا پھولوں کی کیاریاں....ایک طرف بیٹھا مور....مگر اشعر کو کچھ بھی حسین نہیں لگ رہا تھا۔اس کا سارا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

☆☆=========☆☆

صبح جیسے جیسے باسی ہوتی گئی' کوالالمپور پہ آلودہ دھند سی چھاتی گئی۔دور سمندر پار انڈونیشیا کا ملک واقع تھا۔وہاں آج پھر کوئی جنگل جلایا گیا تھا اور فضا ملائیشیاء تک آلودہ ہو گئی تھی۔

وان فاتح کے لاؤنج کی کھڑکی سے دھند میں ڈوبا لان نظر آ رہا تھا۔عصرہ کھڑکی کے سامنے اونچی کرسی پہ بیٹھی تھی۔مسکراتے ہوئے بت بنی۔اور سامنے تالیہ ایزل پہ کینوس سجائے' گردن ترچھی کیے پینٹ کرتی نظر آ رہی تھی۔

لاؤنج میں خاموشی تھی۔ایسے میں مجسمہ بنی عصرہ نگاہ بار بار اٹھا کے وال کلاک کو دیکھتی تھی۔

''آپ کا ملاکہ والا گھر....کیا آپ لوگ اکثر وہاں جاتے ہیں؟ دراصل مجھے تاریخ بہت فیسی نیٹ کرتی ہے۔'' وہ سادگی سے پوچھ رہی تھی۔عصرہ مسکرائی۔

''وہ عرصے سے بند پڑا ہے۔کبھی کبھار چکر لگ جاتا ہے۔''

''اچھا میں نے کانگ ہو کو بھی آپ کی گیلری کی نیلامی پہ مدعو کیا ہے۔'' برش کینوس پہ پھیرتے ہوئے تالیہ نے بات پلٹ دی۔

''کانگ ہو؟ وہ چائینیز آرٹسٹ؟'' عصرہ نے ستائش اور تعجب سے ابرو اٹھائی۔تالیہ جھینپ کے مسکرائی۔

''چند برس پہلے میں نے پینٹنگ سیکھی تھی ایک آرٹ اسکول سے۔وہ وہاں پڑھاتے تھے۔اسی طرح میں ان کو جانتی ہوں۔

آرٹ بنانے اور اس کو محفوظ رکھنے والے ہی ہوتے ہیں میرے سوشل سرکل میں۔"

"اچھا لگا سن کر۔ تم تو کافی کام کی لڑکی ہو۔ کیا کانگ ہو آئیں گے؟"

"کانگ ہو نہ صرف آئیں گے بلکہ ان کو آپ کی گیلری سے تین نوادرات بھی خریدنے ہیں۔" وہ مگن انداز میں برش کر رہی تھی۔

"اچھا... کون سے نوادرات میں دلچسپی دکھائی انہوں نے؟"

"انہوں نے مجھے لسٹ دی تھی۔ ٹھہریں میں دکھاتی ہوں۔" برش کا کونا دانتوں میں دبایا' اور ساتھ رکھا پرس اٹھایا۔ زپ کھولی۔ احتیاط سے تہہ شدہ کاغذ نکالا اور عصرہ کو جا کر دے آئی۔ پھر واپس کھڑی بے نیازی سے پینٹ کرنے لگی۔

"عثمانی سلطنت کا خطاطی کا اجازہ۔" عصرہ کاغذ کھول کے پڑھ رہی تھی۔ "بالکل۔ یہ نیلامی پہ ہوگا۔ اور یہ دسویں صدی کا شمالی افریقہ کا قرآن کا نیلے رنگ کا نسخہ۔ یہ بھی میری کلیکشن میں ہے۔" پھر وہ ٹھہر گئی۔ آنکھیں سکوڑ کے آخری تصویر دیکھی جو اس کاغذ پہ چھپی تھی۔ (برش کرتی تالیہ کا دل زور سے دھڑکا۔)

"سنو تالیہ ... میرے پاس مظفر شاہ کے زمانے کا تو کوئی سکہ نہیں ہے۔" اچنبھے سے آنکھیں اٹھائیں تو تالیہ نے بظاہر چونک کے اسے دیکھا۔

"پتہ نہیں عصرہ.... انہوں نے کہا تھا کہ یہ مختلف سکہ ہے۔ اس کے دونوں طرف مظفر ال سلطان لکھا ہوا ہے اور یہ آپ کے ہی پاس ہے۔" وہ جیسے یاد کر کے بتا رہی تھی۔

"نہیں میرے پاس تو ....." عصرہ رکی' پھر گہری سانس لی۔ "اچھا وہ ... وہ تو نقلی تھا۔ ایک فیملی فرینڈ نے اوتھینٹک سمجھ کے دے دیا۔ مگر کانگ ہو کو کیسے معلوم کہ وہ میرے پاس ہوگا؟"

"جیسے مجھے معلوم ہے کہ ملاکہ سلطنت کی ایک ملکہ کی ہیئر پن آپ کے پاس ہے مگر آپ اس کو بیچتی نہیں ہیں۔ کہیں سنبھال کے رکھتی ہیں۔ آرٹ کلیکٹرز کو سب معلوم ہوتا ہے کہ کون سے نوادرات کس کے پاس ہیں' مسز عصرہ۔"

اس کی بات پہ عصرہ کھلکھلا کے ہنس دی۔ "ہاں۔ یہ درست کہا تم نے۔ میں بھی پوری خبر رکھتی ہوں۔ مگر یہ سکہ میرے پاس نہیں ہے۔"

تالیہ نے بے فکری سے کندھے اچکا دیے۔ "اگر آپ نہیں بیچنا چاہتیں تو انکار کر دیجیے گا' اٹس او کے۔"

"نہیں تالیہ .... یہ واقعی میرے پاس نہیں ہے۔ میں نے آگے دے دیا کیونکہ یہ سونے کا تھا مگر قدیم نہیں تھا۔ چند سال پرانا ہی ہوگا۔"

تالیہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا مگر اس نے بدقت اپنے تاثرات کو نارمل رکھا۔ "تو اگر وہ مجھ سے نئے مالک کا پوچھیں تو میں کیا

کہوں؟''

''ان کو بتانا کہ وہ سکہ fake تھا۔ ایڈم نے تو اب تک اس کو تڑوا کے جیولری بھی بنوالی ہوگی۔'' وہ رسان سے کہہ رہی تھی۔ نظریں گاہے بگاہے گھڑی کی طرف اٹھتی تھیں۔ مگر تالیہ کے قدموں تلے زمین سرکنے لگی۔

''ایڈم؟ آپ کا ملازم؟ تو وہ آپ نے اسے دے دیا؟'' ساری اداکاری بھول کے تیزی سے بولی۔

''ہاں۔ میں نے ایک تولے سونے کا کیا کرنا تھا؟''

''جی' یہ تو ہے!'' جلدی سے سنبھل کے مسکرائی اور دوبارہ پینٹ کرنے لگی۔ البتہ دوسرے ہاتھ کی مٹھی بھینچ لی تھی۔ دماغ کی چولیں تک ہل گئی تھیں۔

''کتنی دیر ہے؟'' عصرہ نے پوچھا' پھر مسکرا کے خود ہی وضاحت دی۔ ''دراصل مجھے کہیں ضروری پہنچنا ہے۔''

''بس.... چند سیکنڈ مزید۔'' وہ آخری ٹچ دے رہی تھی۔ ذہن میں آندھیاں الگ چل رہی تھیں۔ عجیب گول منجدھار تھا جس میں وہ گھومتی جا رہی تھی۔ اب ایڈم سے کیسے نکلوائے سکہ؟ اُف!

پینٹنگ مکمل ہوئی اور عصرہ فارغ ہو کے باہر آئی تو پورچ میں ملازمہ کھڑی تھی۔ وہ اس کے قریب رکی۔

''فاتح دس منٹ تک جاگنگ سے آجائے گا۔ وہ جس وقت آئے' یہ لڑکی ڈرائینگ روم میں بیٹھی ہوتا کہ اس کو سامنے نظر نہ آئے۔ وہ اوپر اسٹڈی میں چلا جائے تو اس کو تالیہ کی آمد کی اطلاع کر دینا۔'' سنجیدگی سے کہہ کے سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے۔ ''اور میری پینٹنگ کو سنبھال رکھنا۔'' پھر آگے بڑھ گئی جہاں ڈرائیور کار کا پچھلا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ کسی ملکہ کی سی بے نیازی سے عصرہ کار میں بیٹھی۔ لبوں پہ تلخ مسکراہٹ تھی۔ (بھری محفل میں کل یہ لڑکی بتا رہی تھی کہ میرا باپ چائے کی پتی کا کام کرتا تھا، ہونہہ۔)

تالیہ ہاتھ دھو کے باہر آئی تو ایزل سے پینٹنگ غائب تھی۔ ملازمہ اس کی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

''میں نے پینٹنگ اوپر ڈرائی ہونے رکھ دی ہے' آپ ناشتے کے لئے ادھر آجائیں۔ بیگم صاحبہ نے کہا ہے کہ اس کے بغیر میں آپ کو نہ جانے دوں۔''

تالیہ نے اپنا پرس اٹھاتے ہوئے سرسری سی اطراف پہ نگاہ دوڑائی۔ ''ایڈم آ گیا؟''

''وہ آنے والا ہوگا۔ آج دیر ہوگئی۔'' ملازمہ نے اسے ڈائننگ ہال میں بٹھایا' پردے برابر کیے اور غائب ہوگئی۔ تالیہ اب جان گئی تھی کہ سکہ گھر میں نہیں اس لیے ادھر ادھر پھرنے کے بجائے وہیں بیٹھی رہی۔ چند منٹ گزرے کہ ملازمہ دوبارہ نمودار ہوئی۔

''فاتح صاحب آپ کو اوپر اسٹڈی میں بلا رہے ہیں۔''

وہ عام سی بات تھی۔ سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ مگر تالیہ مراد کا ماتھا ٹھنکا۔ کچھ غلط تھا اس سب میں۔ جیسے تمام ملازم کسی

اسکرپٹ کو پڑھ رہے ہوں۔

وہ اٹھ کے سیدھی اوپر چلی آئی۔ تیز، گہری نگاہیں گھما کے اطراف کو بھی دیکھتی تھی۔ جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

اسٹڈی کا دروازہ دستک دے کر دھکیلا تو منظر سا کھلتا چلا گیا۔ دیوار سے لگے کتابوں کے ریک.... آبنوسی میز اور اس کے پیچھے ٹیک لگا کے بیٹھا وان فاتح رامزل۔ وہ سوٹ اور ٹائی میں ملبوس تھا۔ کہنی کرسی کے ہتھ پہ جمائے' دو انگلیاں گال تلے رکھے' فاتح اس کے اوپر آنکھیں جمائے ہوئے تھا۔

''آؤ!'' وہ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ قدم قدم چلتی قریب آئی۔ کچھ اس کی شخصیت کا سحر تھا۔ کچھ خاموش ماحول تھا.... ہر بڑھتا قدم اسے مرعوب کر رہا تھا۔ اس کے سامنے کرسی کھینچ کے بیٹھی۔ اب فاتح سامنے تھا اور اس کے پیچھے دھندلا شہر دکھاتی کھڑکی۔

''آپ نے مجھے بلایا' تو انکو'' وہ مسکرا کے گویا ہوئی۔ ہاتھ گود میں رکھ لیے اور پرس پیروں کے پاس۔

''تم نے کبھی Malay Annals پڑھے ہیں تالیہ؟ سارا جیوا ملایو؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ بولا تو تالیہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''سارا جیو ملایو؟ ملائیشیاء کی قدیم داستانوں کا مجموعہ جو کئی صدیاں پہلے لکھا گیا تھا آج بھی ہر ملے بچے کو بڑے ہوتے وقت پڑھایا جاتا ہے؟ میں نے اسے پڑھا نہیں ہے مگر اس کے بارے میں سنا بہت ہے۔''

''اس میں ایک کہانی ہانگ تواکی ہے۔ وہ سلطان منصور شاہ کے پانچ جری سپاہیوں میں سے ایک تھا۔ سورما۔ بہادر۔ نڈر۔ بے حد طاقتور۔'' وہ اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر بات جاری رکھے ہوئے تھا اور تالیہ پلکیں تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

''ان پانچوں کو سلطان نے عظیم ہتھیاروں کی طرح تیار کیا تھا۔ ہانگ توا ان کا لیڈر تھا۔ سب سے طاقتور۔ مگر اس کی بڑھتی مقبولیت اس کے لیے مسائل پیدا کرنے لگی۔ لوگوں کو اس سے حسد ہونے لگا۔ یوں ایک دن سلطان کو غلط فہمی ہوئی کہ ہانگ توا نے حرم کا اصول توڑا ہے تو اس نے وزیرِ اعظم کو حکم دیا کہ ہانگ توا کو قتل کر دیا جائے۔''

یہاں پہ اس نے وقفہ دیا۔ وہ اب آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ گویا سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

''وزیر دانا آدمی تھا۔ اس نے ہانگ توا کو قتل کرنے کے بجائے چھپا دیا۔'' فاتح نے نظریں تالیہ پہ جمائے بات جاری رکھی۔ ''مگر باقی چاروں کے اندر غصہ اور بغاوت جنم لینے لگی' یہاں تک کہ ایک دوسرے سورما نے ایک دن محل میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ وہ ہانگ توا کی موت کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ سلطان نے اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا مگر کوئی سپاہی اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ ایسے میں وزیر نے بادشاہ سے ہانگ توا کے لئے امان طلب کی اور بتایا کہ اس نے ہانگ توا کو مارا نہیں تھا' اور صرف وہی اپنے ساتھی سورما

کو پچھاڑ سکتا ہے۔ چنانچہ وزیر ہانگ تواکو لے آیا اور بادشاہ نے اسے معاف کر دیا۔ پھر دونوں سورماؤں میں مقابلہ ہوا اور ہانگ توانے باغی سورما کو، جو ہانگ تواکی موت کا ہی بدلہ لینے آیا تھا' مار دیا اور ایک دفعہ پھر سے سلطان کا پسندیدہ بن گیا۔''

اسٹڈی میں سناٹا چھا گیا۔ فاتح کے عقب میں کھڑکی کے شیشے پہ اتنی دھند جمع تھی کہ سارا منظر دھندلا گیا تھا۔

''تمہارا اس کہانی کے بارے میں کیا خیال ہے' تاشہ؟''

''یہی کہ یہ ایک بے کار کہانی ہے' جس میں ہانگ توانے اس سلطان سے وفا کی جو اسے ناحق قتل کی سزا سنا چکا تھا' اور اس دوست کی جان لے لی جو اس کے لئے ہی لڑ رہا تھا۔ میں نے یہ کہانی سن رکھی ہے اور میں کبھی نہیں سمجھ سکی کہ ہانگ تواکے دوست نے ہانگ تواکو زندہ دیکھ کے ہتھیار کیوں نہیں ڈال دیے۔ یا شاید وہ اپنی انا کے پیچھے لڑتا رہا؟ آپ کا اس کہانی کے بارے میں کیا خیال ہے' تو انکو؟''

''یہی کہ اسی کو سیاست کہتے ہیں۔ طاقت کی جنگ۔ جیسے ہی ہانگ توانے طاقتور سلطان کی طرف جاتا دروازہ کھلتا دیکھا' اس نے اپنے دوست کو مارنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ کچھ لوگ انسانوں سے وفادار ہوتے ہیں' کچھ طاقت سے۔ اور میں یہی تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں تاشہ!'' وہ آگے کو ہوا اور دونوں ہاتھ باہم پھنسا دیے' بات جاری رکھی۔

''تم نے وان فاتح کے گھر سے ایک شے چرائی ہے۔ (وہ چونکی۔) اور میں چاہتا ہوں کہ تم وہ مجھے واپس لا دو تاکہ میں تمہارے خلاف پولیس میں شکایت نہ کروں۔''

تالیہ بالکل سن ہوگئی۔ پیر سے نیچے رکھے پرس کو چھوا جس میں وہ بریسلیٹ ابھی بھی موجود تھا۔ (یا اللہ... ان کو کیسے علم ہوا؟)

''میں نے.... آپ کے ہاں سے.... چوری کی ہے؟'' بے یقینی سے دہرایا۔

''اور تم نے وہ فائل اشعر کو دی ہے' میں جانتا ہوں۔''

تالیہ کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ وہ ٹھٹکی۔ ''کون سی فائل؟''

''میں جانتا ہوں تم یہ ایش کے لئے کر رہی ہو۔ اس کے ساتھ پرتعیش زندگی گزارنا تمہارا خواب ہوگا۔ میرا خیال ہے تم اتنی امیر نہیں ہو جتنا خود کو ظاہر کرتی ہو کیونکہ ایک زمانے میں تم ایکسٹرا کردار کی طرح تھیٹر میں کام کرتی تھیں۔ تاشہ آگا پووا۔ یاد ہے؟ اس کے علاوہ بھی تمہارے بارے میں کچھ بہت dishonest سا ہے جو مجھے کھٹکتا ہے' لیکن مجھے اس سب سے کوئی غرض نہیں کیونکہ آج کے بعد تم ہمارے گھر نہیں آؤ گی۔''

تالیہ کی رنگت سرخ پڑ چکی تھی۔ لب کپکپانے لگے تھے۔ وہ اٹھی اور ہتھیلیاں میز پہ رکھے جھکی۔

''آپ نے مجھے ایک ہی سانس میں جھوٹی' چور' فراڈ اور gold digger کہہ دیا ہے' فاتح صاحب!'' اس کی آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کے وہ غرائی۔

''جیسا کہ میں نے کہا' مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تم اپنی زندگی میں کیا کرتی ہو۔ مجھے صرف اپنی فائل واپس چاہیے۔'' وہ ہلکے سے کندھے اچکا کے رسان سے بولا تھا۔ بالکل ٹھنڈا۔ کوئی غصہ' طیش کچھ بھی نہیں۔

''میں نے آپ کی کوئی فائل نہیں چرائی۔'' اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں اور گلا رندھ رہا تھا۔

''دیکھو تالیہ....تاشہ....واٹ ایور....کل تک اگر مجھے میری فائل نہیں ملتی تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تمہیں پڑے گا۔ تمہاری اپنی کریڈیبلیٹی خراب ہوگی۔ ویسے بھی اشعر کو جیسے ہی طاقت میری طرف نظر آئے گی' وہ اپنی پرانی صفوں میں واپس آنے کے لئے تمہارے ساتھ وہی کرے گا جو ہانگ تو انے اپنے دوست کے ساتھ کیا تھا۔''

دھند بڑھتی جا رہی تھی۔ اتنی کہ کمرے میں بھی بھرنے لگی تھی۔ تالیہ اسی طرح ہتھیلیاں میز پہ رکھے' زخمی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

''تم ایک آزاد انسان ہو۔ میری فائل تو مجھے مل جائے گی لیکن تمہیں اپنی نظروں میں معتبر ہونے کے لیے کوئی اخلاقی قدم لینا ہوگا۔ اب تم جا سکتی ہو۔''

وہ میز سے ہاتھ ہٹا کے سیدھی ہوئی....چند لمحے سلگتی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر دو قدم پیچھے ہٹی۔

''آپ کو واقعی انسانوں کی پہچان نہیں ہے' تو انکو!''

وہ اب سیل فون اٹھاتے ہوئے کھڑا ہو رہا تھا۔ سنجیدہ اور بے نیاز۔ ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔

تالیہ پیچھے ہٹتی گئی یہاں تک کہ اس کی کمر سے دروازہ لگا تو وہ مڑی اور باہر نکل آئی۔

دھند سی جیسے چھٹی۔ سانس بحال ہوئی۔ اس نے چند گہرے سانس لیے۔

وان فاتح کا اونچا محل خاموش پڑا تھا۔ ملازم کونوں میں دبک گئے تھے۔ سارا کھیل اسے سمجھ آ گیا تھا۔

''عصرہ محمود....تم نے مجھے con کیا۔ تم نے حالم کو con کیا۔ تم نہیں جانتیں کہ حالم کون ہے!''

وہ تیزی سے زینے پھلانگ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

گدلی دھند نے قلعے کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ دھند میں اشعر کی کار تیار کھڑی تھی اور اشعر ناشتے کے بعد رملی سے بات کر کے برے موڈ کے ساتھ ابھی باہر نکلا تھا۔ مگر پھر وہ ٹھٹک کے رکا۔ ایک کار تیزی سے اندر آئی۔ اس کی فوگ لائٹس آن تھیں۔ وہ سیدھی برآمدے کے سامنے آ رکی۔ چند لمحے بعد عصرہ اس سے نکل کے برآمدے کے زینے چڑھتی اوپر آئی۔ سرمئی کوٹ اور اسکرٹ

میں ملبوس' بالوں کا جوڑا بنائے' وہ برے موڈ میں لگ رہی تھی۔

''کاکا...اتنی صبح؟'' وہ مسکرایا مگر عصرہ نہیں مسکرائی۔

''میں پریشان ہوں' ایش۔ فاتح بہت غصے میں ہے۔''

''ان کو شک تو نہیں ہوا؟'' اس نے نرمی سے عصرہ کو دونوں شانوں سے تھاما۔

''شک؟ اسے یقین ہے یہ تمہارا کام ہے۔''

''مجھے اپنی فکر نہیں ہے' آپ کا پوچھ رہا ہوں۔ آپ پہ تو شک نہیں ہوا'' وہ پراعتماد تھا۔ عصرہ نے گہری سانس لے کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''مجھے خود سے شک ہٹانے کے لئے تالیہ کا نام لینا پڑا۔ وہ ابھی گھر پہ آئی ہے' اور فاتح جس طرح اس کی بے عزتی کرے گا' اس کے بعد تمہاری یہ پسندیدہ لڑکی ہمارے خاندان کے قریب بھی نہیں پھٹکے گی۔''

''یہ لڑکیاں ٹھیک ہو جاتی ہیں' اس کی پرواہ نہ کریں۔'' اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''آپ نے بس اپنی شادی کو متاثر نہیں ہونے دینا۔ اچھا کیا جو تالیہ کا نام لے لیا۔''

''اسی کے لئے تو سب کچھ کیا مگر اب میں panic کر رہی ہوں۔'' وہ پریشان تھی۔ بار بار پیشانی چھوتی۔ کبھی گردن کی پشت پہ ہاتھ رکھتی۔ ''مجھے ڈر ہے فاتح کو معلوم نہ ہو جائے۔''

''کون بتا سکتا ہے؟ رات کو تو دو گارڈز ہی ہوتے ہیں صرف۔''

''ان کا بندوبست کر لیا ہے۔ وہ زبان نہیں کھولیں گے۔ مگر وہ نیا لڑکا ایڈم۔ وہ باڈی مین۔ وہ گڑبڑ کر سکتا ہے۔''

وہ دونوں اونچے ستونوں والے برآمدے میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ صبح کی گدلی دھند ارد گرد پھیلی تھی اور ملازم باادب فاصلے پہ جا کھڑے ہوئے تھے۔

''میں رملی سے کہتا ہوں کہ عبداللہ سے کہے' ایڈم اس کی جگہ لینے کی کوشش کر رہا ہے۔ دیکھنا' عبداللہ دو روز قبل ہی بھاگا بھاگا واپس آئے گا۔ اب بتائیں' کوئی اور مسئلہ؟''

عصرہ اداسی سے مسکرائی۔ ''ایش....کیا میں اپنے شوہر کو دھوکا دے رہی ہوں؟''

''اگر یہ دھوکہ پہلے دیا ہوتا تو آج آریانہ ہمارے پاس ہوتی۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تو عصرہ کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

''وہ کسی اچھے خاندان میں تربیت پا رہی ہو گی' ایش' مجھے یقین ہے۔ وہ ایک دن ہم سے ضرور آ ملے گی۔''

''اِن شاءاللہ' کاکا۔'' اس نے کہتے ہوئے شفقت سے عصرہ کو گلے سے لگالیا۔ عصرہ نے اس کے کندھے پہ سر رکھے آنکھیں بند کیں تو دو آنسو ٹوٹ کے چہرے پہ لڑھکے۔

''بیمار آدمی کے منہ کا ذائقہ خراب ہو جاتا ہے' کاکا۔ اس کو کھانا اور دوا زبردستی کھلانی پڑتی ہے۔ آبنگ جنون کے ہاتھوں بیمار ہیں' آپ کی دوا ان کو ناگوار گزر رہی مگر یہی ان کا علاج ہے۔'' وہ نرمی سے اس کا سر تھپکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

چند لمحے وہ خاموشی سے دھند میں کھڑے رہے' پھر عصرہ اس سے علیحدہ ہوئی اور آنکھ کا کونا صاف کرتی مسکرائی۔

''اب میں مطمئن ہوں۔ تم عبداللہ کو بلواؤ۔ صبح تو ایڈم کو میں نے کام سے مارکیٹ بھیج دیا تھا' اب آتا ہے تو اس کا بندوبست کرتی ہوں۔''

پھر اس نے گردن گھما کے دیکھا۔

''دھند چھٹ رہی ہے۔ شکر۔'' سبزہ زار تھوڑا تھوڑا دکھائی دینے لگا تھا۔ دھند ہلکی ہو رہی تھی۔ سورج روشن چمکنے لگا تھا۔

اسے واپس گھر جانا تھا۔ یقیناً تالیہ اب تک جا چکی ہوگی۔ جان چھوٹی۔

☆☆==========☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ پہ سورج اب مکمل طور پہ طلوع ہو چکا تھا۔ دھند قریباً چھٹ چکی تھی۔ ایڈم ہاتھ میں شاپنگ بیگ لئے لاؤنج میں داخل ہوا تو عصرہ سامنے بڑے صوفے پہ براجمان تھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' مسکراتی ہوئی وہ جیسے اسی کی منتظر تھی۔

''میم' کیا مجھے دیر ہو گئی؟ سر آفس چلے گئے؟'' وہ باہر فاتح کی کار غائب دیکھ کے پریشان ہو گیا تھا۔

''عثمان ہے ان کے ساتھ' بےفکر رہو۔ سامان آسانی سے مل گیا تھا؟'' وہ نرمی سے گردن اٹھائے اسے دیکھتی پوچھنے لگی۔

''جی میم.... سب کچھ مل گیا۔ میں پھر اب آفس جاؤں؟''

''ایڈم.... ریلیکس۔ تم آج چھٹی لو اور گھر جاؤ۔''

ایڈم جو بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا' چونکا۔ ''مگر آج باس کی پارلیمنٹ میں تقریر ہے' ان کو کافی کے دو مگ چاہیے ہوتے ہیں اور ....''

''عبداللہ واپس آ گیا ہے۔'' اس نے نرمی سے بم پھوڑا تو ایڈم کی متفکرانہ انداز میں چلتی زبان کو بریک لگ گئی۔ لب ''اوہ'' میں سکڑے۔ پھر نگاہیں جھکا لیں۔

''یعنی میری جاب ختم' میم؟'' آسمان سے آہستہ آہستہ وہ زمین پہ آ گرا۔ اتنے دھیرے سے کہ چوٹ لگنے کی آواز بھی نہیں آئی۔

''ہاں مگر ایش تمہارے اور تمہاری ماں کے لئے نوکری کا بندوبست کر رہا ہے۔ عبداللہ تمہارے ہی محلے کا ہے نا؟ کوئی نوکری ملی تو

عبداللہ تمہیں بتادے گا۔ یہ پیسے رکھ لو۔ یہ تنخواہ کے علاوہ ہیں۔ تم نے اپنی منگیتر کے لئے تحفہ لینا تھا نا۔'' عصرہ نے ایک پھولا ہوا لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

''میم تنخواہ تو بینک میں آئے گی' وہی کافی ہے' میں یہ نہیں رکھ سکتا' اور تحفے کے لئے وہ سکہ بہت تھا۔'' وہ اداسی سے بولا۔

''رکھ لو۔ جیولرز میکنگ کے الگ پیسے لیتے ہیں۔ لے لو ایڈم۔'' ایڈم نے نظریں جھکائے ہاتھ بڑھایا اور لفافہ تھام لیا۔

''اب پریشان نہ ہو۔ جاؤ اور اپنی منگیتر کے لئے تحفہ لو۔ کبھی کوئی کام ہو تو آجانا۔ یہ بھی تمہارا ہی گھر ہے۔'' مسکرا مسکرا کے اب عصرہ محمود کے جبڑے دکھنے لگے تھے۔ اس سے زیادہ اداکاری وہ نہیں کر سکتی تھی۔ اب جلد وہ اکتانے والی تھی۔ ایڈم نے اس کا صبر نہیں آزمایا۔

''میں باس سے آخری دفعہ مل آؤں آفس جا کر؟'' وہ جیسے اس نو دن کی کہانی کا closure چاہتا تھا۔

''آج اس کا موڈ نہیں اچھا۔ اس کو تقریر بھی کرنی ہے۔ وہ یوں ڈسٹرب ہوگا' ایڈم۔''

''نہیں نہیں' میں ان کو ڈسٹرب نہیں کروں گا۔ کوئی بات نہیں۔'' وہ فوراً سنبھل گیا۔ اپنا مقام یاد آ گیا۔ پھر اسے خدا حافظ کہہ کے لفافہ تھامے باہر نکل آیا۔ عصرہ نے گہری سانس لی اور ریموٹ اٹھا کے ٹی وی لگالیا۔ سارے مسئلے ختم ہوئے۔

ایڈم باہر آ کے خالی خالی سا اطراف میں دیکھنے لگا۔ کہاں وہ بھاگ بھاگ کے سامان لے کر فاتح کے گھر پہنچا' اور کہاں سارے دن کی مصروفیت چٹکی میں ختم ہو گئی تھی۔ فراغت ہی فراغت.... نو دن کی تیز' مصروف زندگی.... وہ ان طاقتور لوگوں کے درمیان بیٹھنا.... سب راکھ ہو گیا تھا۔

اور اس نے کتنے ہی مواقع گنوا دیے۔ نہ تالیہ مراد کے بارے میں فاتح سے پوچھ سکا کہ وہ واقعی پولیس آفیسر ہے یا نہیں۔ نہ ہی عثمان کے بارے میں فاتح کو آگاہ کر سکا کہ وہ جھوٹ بول کے اشعر سے ملنے جاتا رہتا ہے۔ ایڈم کی تو زندگی سوائے ناکامی کے کچھ نہیں ہے۔ (اس نے سوچا۔) اب وہ تاشہ یا تالیہ جو بھی تھی' اس کو کیا جواب دے گا؟ اب وہ فاتح کی حفاظت کیسے کرے گا؟

سوال بہت سے تھے اور جواب ندارد۔ وہ سر جھٹکتا باہر کی طرف بڑھ گیا۔ ان لوگوں کو اس کی ضرورت کہاں تھی بھلا؟ وہ اس کے بغیر بھی ٹھیک تھے۔ اسے فاطمہ کا تحفہ لینا تھا۔ سارے کام ایک طرف' وہ اس سکے کو تڑوا کے فاطمہ کے لئے انگوٹھی بنوانے جائے گا آج

۔

اس نے تہیہ کر لیا تھا۔ اسے اب اپنی چھوٹی' بے رونق' معمولی زندگی میں واپس جانا ہی تھا۔

☆☆=========☆☆

گدلی دھند کا غبار ڈھیرے ڈھیرے چھٹتا جا رہا تھا۔ اس پارک میں بڑی سی جھیل بنی تھی۔ کنارے پہ جاگنگ ٹریک تھا جو دور

درختوں میں گم ہوتا دکھائی دیتا تھا۔ کچھ لوگ واک کر رہے تھے، کچھ بیٹھے ستا رہے تھے۔ ایسے میں بھاری بھرکم داتن، متلاشی نظروں سے دائیں بائیں دیکھتی چلتی آ رہی تھی۔ دفعتاً ایک بینچ کے سامنے وہ رکی۔

اس پہ تالیہ بیٹھی تھی۔ سفید منی کوٹ پہنے۔ سر ہاتھوں میں گرائے۔

''یعنی تمہیں شکار بازوں کی داستان پہ یقین آ ہی گیا اور اب تم پوری کہانی دوبارہ میرے منہ سے سننا....''

''عصرہ نے میرے ساتھ کھیل کھیلا ہے۔'' اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا تو اس کا چہرہ دیکھ کے داتن چونکی۔ اس کی آنکھیں اور ناک سرخ پڑ رہے تھے۔ وہ سخت ہرٹ لگ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' داتن پریشانی سے ساتھ بیٹھی اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''عصرہ نے مجھے جلدی بلوایا تاکہ میں پینٹنگ مکمل کرلوں اور پھر وہ غائب ہوگئی تاکہ وان فاتح مجھے ڈانٹیں....اور انہوں نے داتن.....انہوں نے مجھے چور کہا....بددیانت، جھوٹی اور فراڈ کہا۔''

''یہ سب تو ہم ہیں تالیہ۔''

تالیہ نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''مگر انہوں نے مجھ پہ کسی فائل کی چوری کا الزام لگایا جو میں نے نہیں چرائی۔ یہ زیادتی ہے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ سامنے وسیع جھیل تھی اور ساتھ ٹریک۔ وہ سینے پہ بازو لپیٹے، خفا خفا سی جھیل کنارے چلنے لگی۔ داتن نے اس کا پرس اٹھایا اور پیچھے لپکی۔

''یعنی اب وہ تمہیں اپنے گھر نہیں آنے دیں گے؟ چلو اچھا ہوا، اس سکے سے جان چھوٹی۔''

''اس سکے کے لیے ان کے گھر جانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ وہ ایڈم کے پاس ہے اور اسے میں سنبھال لوں گی، مگر داتن ....انہوں نے مجھ پہ غلط الزام لگایا۔'' وہ تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی، اور داتن اس کی رفتار سے ملنے کی کوشش میں ہانپنے لگی تھی۔ تالیہ کے اس طرف جھیل تھی جو دھوپ میں چمک رہی تھی۔ داتن تالیہ اس کو دیکھنا چاہتی تو تیز آتی روشنی آنکھوں کو چندھیا دیتی۔ وہ سامنے دیکھتے ہوئے، پھولے سانسوں کے درمیان کہنے لگی۔

''تم نے کون سا دوبارہ ان سے ملنا ہے جو ان کی باتیں اہمیت رکھیں؟''

''عصرہ نے مجھے پھنسایا ہے۔ وہ جانتی ہے کس نے فائل چرائی ہے، یقیناً اس کے بھائی نے۔ اگر وہ بے خبر ہوتی تو اپنے شوہر کی فائل چرانے والی لڑکی سے پینٹنگ مکمل نہ کرواتی۔ اس نے اصل چور کو بچانے کے لیے یہ سب کیا ہے۔ مجھے وہ فائل فاتح کو واپس لا کے دینی ہے۔'' وہ جھیل کے سرے پہ چل رہی تھی۔ سنہری چوٹی کندھے پہ آگے ڈال رکھی تھی، جس سے ناراض لٹیں نکل کے گردن کو چھو رہی تھیں۔

''پہلے گھائل غزال اور اب یہ فائل.... فاتح کے مسائل تمہارے مسائل نہیں ہیں' تالیہ۔'' داتن کا سر پیٹ لینے کا دل چاہا۔

''گھائل غزال کو بھی میں دیکھ لوں گی مگر وہ جو بھی فائل ہے وہ اس کے لئے ضروری ہے ۔'' وہ رکی اور داتن کی طرف گھومی۔اب دھوپ میں چمکتی جھیل اس کے پیچھے تھی جس کے باعث وہ اندھیرے میں نظر آ رہی تھی۔داتن نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے اسے دیکھا۔

''تمہیں ابھی سکہ بھی ڈھونڈنا ہے اور سمیع کو بھی سنبھالنا ہے' ایسے میں تم سب چھوڑ کے وہ فائل اشعر سے چرانا چاہتی ہو؟''

''کس نے کہا کہ میں اسے چراؤں گی؟'' وہ پہلی دفعہ مسکرائی۔وہ ایسے صرف تب مسکراتی تھی جب اس کے پاس پلان ہوتا تھا اور تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔

''پھر کون؟''

''حالم!'' اندھیرے میں کھڑی تالیہ مسکرائی۔کرنیں اس کے اطراف سے نکل کے سامنے پڑ رہی تھیں۔''حالم واپس لائے گا وہ فائل!''

داتن پدوکا کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔چھجا بنایا ہاتھ نیچے گر گیا۔

''تم حالم کو اس معاملے میں لانا چاہتی ہو؟''

''ہم نے پچھلے سال ایک ممبر پارلیمنٹ فارض ڈینئیل کی بیوی کا لاکٹ چرایا تھا اور حالم نے بھاری رقم لے کر لاکٹ واپس لا دیا تھا۔آگے تمہیں معلوم ہے کہ فارض صاحب کو کیسے استعمال کرنا ہے۔''

داتن نے بےبسی سے اسے دیکھا۔

''وان فاتح نے تمہاری توہین کی۔تم پھر بھی اس کے ساتھ اچھائی کیوں کرنا چاہتی ہو' تالیہ؟''

تالیہ کے اطراف سے اتنی تیز دھوپ نکل رہی تھی کہ اس کا چہرہ تاریک لگ رہا تھا۔داتن اس کے تاثرات نہیں دیکھ پا رہی تھی مگر اس کی آواز.... اس میں عجیب جادوئی پن تھا۔

''کیونکہ ایک دن آئے گا جب وہ مجھے کہیں گے کہ میں ان کے ساتھ رہوں۔ان کو میری ضرورت ہے۔میں اس دن کے انتظار میں وہ وعدہ نبھا رہی ہوں جو ابھی انہوں نے مجھ سے لینا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی اور عقب میں سورج کی کرنیں جھیل کے پانی پہ رقص کر رہی تھیں....گویا سونے کا چمکتا ہوا ڈھیر ہو جو حدِ نگاہ تک پھیلا ہو.....

دو دن سے چھائی گدلی دھند اب چھٹ رہی تھی اور دن طلوع ہو رہا تھا......

☆☆=========☆☆

ملائیشین پارلیمنٹ کی عمارت میں ایک اونچا ٹاور تھا جو ایک زمانے میں شہر کا بلند ترین ٹاور ہوا کرتا تھا۔ یہ ملے کرنسی کے سکے پہ بھی نقش کیا ہے' مگر کم لوگ جانتے ہیں کہ اونچے ٹاور میں صرف ورکرز کے آفس وغیرہ ہیں۔ اور اس کے ساتھ جو بظاہر چھوٹی' ٹینٹ نما عمارت بنی ہے' پارلیمنٹ اور سینیٹ کے ایوان دراصل اس میں موجود ہیں۔

اس وقت وان فاتح پارکنگ میں رکی کار سے باہر نکل رہا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس' بالوں کو دائیں طرف جمائے' وہ ازلی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے ہوئے تھا۔

''میری کافی کا دوسرا مگ کہاں ہے؟'' عثمان سے چھوٹتے ہی پوچھا تو عثمان گڑبڑا گیا۔

''سوری سر' یہ عبداللہ کی ڈیوٹی ہے اور وہ پہنچا نہیں ہے ابھی تک۔''

''تو ایڈم کہاں ہے؟'' فاتح نے صرف ابرو اٹھایا۔ نہ غصہ' نہ اکتاہٹ۔

''سر وہ بھی شاید چھٹی پہ....''

''ویری پور مینیجمنٹ۔'' بغیر غصے کے تبصرہ سا کیا اور آگے بڑھ گیا۔ سامنے ہی سوٹ اور روایتی لباس' ٹوپیوں میں موجود افراد عمارت میں داخل ہوتے نظر آ رہے تھے۔ فاتح کو دیکھتے ہی بہت سے اس کی طرف بڑھے۔ وہ بھی مسکراتا ہوا ان کے قریب آیا۔ سر کے خم سے سلام کا جواب دیا۔ اکثریت ممبرز پارلیمنٹ کی تھی۔

''وان فاتح.... آپ کے گھر سنا ہے چوری ہوگئی؟''

''کوئی کاغذات وغیرہ تھے؟ پولیس میں رپورٹ کی؟''

''اللہ کرے زیادہ نقصان نہ ہوا ہو۔''

فاتح کی مسکراہٹ برقرار رہی۔ سر کے خم کے ساتھ ''شکریہ... زیادہ مسئلہ نہیں ہے'' کہہ کے آگے بڑھتا گیا۔ جیسے ہی عمارت کے اندر لفٹ تک پہنچا' اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی اور قدرے برہمی سے وہ عثمان کی طرف پلٹا۔ ''یہ بات ساری دنیا کو کیسے معلوم ہوئی؟''

''پتہ کرتا ہوں' سر۔'' وہ فوراً واپس دوڑا اور فاتح نے سر جھٹکتے ہوئے لفٹ کا بٹن دبا دیا۔

ملے پارلیمنٹ کے ساتھ بنے اونچے ٹاور میں اپوزیشن پارٹیز کو جو فلور ملے تھے وہ تیرہویں اور چودھویں تھے جس بات کا اکثر مذاق بنایا جاتا تھا کیونکہ یہ بدقسمت نمبرز سمجھے جاتے تھے۔ ایسے ہی ایک بدقسمت فلور پہ وہ اپنے آفس میں داخل ہوا ہی تھا کہ عثمان واپس آیا۔

''ابھی آدھا گھنٹہ قبل...'' وہ ہانپ رہا تھا۔ ''...سب ممبرز پارلیمنٹ کو ان کے ورک ای میل پہ میلز ملی ہیں جس پہ ایک جعلی خبر بنا کے

لکھا گیا ہے کہ آپ کے گھر چوری ہوئی ہے۔"

"اشعر۔" اس نے دل میں سوچا اور عثمان کو جانے کا اشارہ کر دیا اور اپنی ڈائری کھول لی۔

اب وہ آفس میں اکیلا تھا۔ نفیس سا آفس جو لیڈر آف دی اپوزیشن کو ملا کرتا تھا۔ پچھلے سال اپوزیشن کے لیڈر نے (جو کہ فی الوقت بار یسن نیشنل کا چیئر مین بھی تھا) اس منصب سے استعفیٰ دے دیا تھا، جس کے بعد اپوزیشن نے وان فاتح کو اپوزیشن لیڈر چنا تھا۔ پچھلے ایک سال سے یہ اس کا آفس تھا۔

دروازے پہ آہٹ ہوئی تو اس نے نوٹس سے نظر اٹھائی۔ عبدالطیف صاحب چوکھٹ میں کھڑے تھے۔ سفید بالوں اور جناح کیپ والے عبدالطیف روایتی لباس میں ملبوس تھے۔ فاتح نے عینک اتاری، نوٹس رکھے اور مسکرا کے ان کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"یہ چوری کا کیا قصہ ہے؟" وہ کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"ملاکہ والے گھر کے ڈاکومنٹس غائب ہو گئے ہیں۔ قوی امکان ہے کہ اشعر نے یہ کیا ہے۔ مگر خیر...." اس نے شانے اچکائے "مل جائیں گے۔"

"مگر اشعر نے یہ کیا کیسے؟" وہ حیران ہوئے تھے۔ کھڑکی کے بلائنڈز بند ہونے کے باعث آفس میں نیم اندھیرا سا تھا مگر فاتح کا چہرہ پھر بھی روشن دکھائی دیتا تھا۔

"1849ء میں ایک آدمی ہوتا تھا امریکہ میں ولیم تھامسن نام کا۔" وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔ "بظاہر بڑا قیمتی لباس پہنے متاثر کن سا لگتا تھا۔ ایک دن وہ سڑک پہ آیا اور ایک ایک شخص کو روک کے پوچھنے لگا، کیا آپ کو مجھ پہ اتنا کانفیڈنس ہے کہ آپ کل تک کے لئے اپنی گھڑی میرے پاس رکھوا دیں؟ یہ اتنا ڈائریکٹ سوال تھا جس کا تعلق ایک انسان کی عزت نفس سے تھا کہ بہت سے لوگوں نے لحاظ میں اس کو اپنی گھڑی دے بھی دی۔ وہاں سے اس کھیل کا نام کانفیڈنس گیم یا con گیم پڑا اور ایسے آدمی کو کانفیڈنس مین یا con مین کہا جانے لگا۔ کون آرٹسٹ (بہروپیہ) وہ آدمی ہوتا ہے جو اس چیز کو استعمال کرتا ہے جس پہ ان کے شکار کا مکمل بھروسہ ہوتا ہے....اور....(گہری سانس لی)....عصرہ ہر دوسرے آرٹ کلیکٹر یا آرٹسٹ سے بہت جلدی متاثر ہو جاتی ہے، اس لئے اشعر نے ہماری زندگیوں میں ایک اسی شعبے سے تعلق رکھنے والے شخص کو داخل کیا جس نے یہ چوری کی۔"

"مرد ہے یا عورت؟" انہوں نے حیرت بھری دلچسپی سے پوچھا۔

"میں اس کے پیچھے اس کے بارے میں یوں بات نہیں کرنا چاہتا۔ جو بھی ہے، اپنے کیے کی سزا اس کو مل جائے گی۔" وہ بے نیاز لگتا تھا۔

"اور اگر کاغذات نہ ملے؟" ان کو تشویش ہوئی۔

''اللہ مالک ہے۔ میں کوئی اور حل نکال لوں گا۔ اور پھر میں کہاں ان چیزوں سے ہار مانتا ہوں' عبداللطیف۔'' وہ ابھی کچھ اور بھی کہنے جا رہا تھا کہ دروازہ ذرا سی دستک سے کھلا۔ دونوں نے چونک کے اس طرف دیکھا' پھر دونوں کے چہروں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''فارض صاحب.... آیئے۔'' فاتح نے گرمجوشی سے مسکرا کے دوسری کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ جو صاحب اندر آئے وہ سوٹ میں ملبوس تھے۔ پستہ قد اور چینی نقوش کے حامل' عینک لگائے خوش مزاج سے لگتے تھے۔ سلام کیا اور کرسی سنبھالی۔

''میں نے آپ کے گھر میں چوری کا سنا' فاتح!'' وہ تشویش سے بیٹھتے ساتھ ہی بولے۔ ''پولیس کارروائی کر رہی ہے کیا؟''

''زیادہ فکر کی بات نہیں۔'' اس نے نرمی سے مسکرا کے ان کو تسلی دی۔

''آپ مطمئن لگ رہے ہیں' لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ اندر سے پریشان ہیں' لیکن آپ ٹھہرے لیڈر.... کبھی کمزوری ظاہر نہیں کریں گے۔ بہر حال.... آپ نے کسی انویسٹی گیٹر کو ہائر کرنے کا سوچا ہے؟ یقیناً آپ اپنے گھر پولیس والوں کا داخلہ پسند نہیں کریں گے۔''

''میں ہینڈل کر لوں گا۔'' وہ نرمی سے بات کر رہا تھا۔ یوں لگتا تھا فارض صاحب کی بہت عزت کرتا ہے۔

''پچھلے سال میری بیوی کا ایک قیمتی لاکٹ چوری ہوا تھا۔ اس کی نانی کی نشانی۔ وہ بھی بھری پارٹی میں سے۔ مجھے کسی نے اس اسکام' اور فراڈ انویسٹی گیٹر کا بتایا تو میں نے اس سے رابطہ کیا۔ اس نے چند گھنٹوں میں برآمدگی کر دی۔ چوری کے پہلے چند گھنٹے بہت اہم ہوتے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اس کا نمبر دیتا ہوں۔''

''میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے بھی پرائیوٹ انویسٹی گیٹرز پہ مجھے اتنا اعتماد نہیں ہے۔''

''مجھ پہ تو ہے نا؟ میں نے اس آدمی سے کام لیا ہوا ہے۔ انتہائی ذہین اور شاطر ہے۔ تھوڑا گھمنڈی اور مغرور بھی ہے' پیسے بھی کافی لے گا لیکن اس کی مہارت کے اتنے پیسے تو بنتے ہیں' فاتح صاحب۔'' وہ مصر ہوئے۔

''اگر ضرورت پڑی تو میں آپ کو بتاؤں گا۔'' اس نے رسان سے بات کو ٹال دیا۔

فارض ڈینیئل باہر آئے اور فون پہ ایک نمبر ملا کے کان سے لگایا۔

''حالم.... میں نے تمہاری طرف ریفر کیا ہے وان فاتح کو۔ مگر مجھے نہیں معلوم وہ رابطہ کرتے ہیں تم سے یا نہیں۔ اب تک چوری کی خبر اتنی پھیل چکی ہے کہ بہت سے انویسٹی گیٹرز ان سے رابطہ کر کے ان کو اپنا کلائنٹ بنانے کی کوشش کریں گے۔ تمہارا احسان تھا مجھ پہ' میں اتنا ہی کر سکتا تھا۔'' پیشانی کو مسلتے ہوئے مایوسی سے کہہ رہے تھے۔

''خیر.... مجھے کون سا کلائنٹس کی کمی ہے....'' جواب میں حالم کا اکھڑ لہجہ سنائی دیا تھا۔ ''میں تو آپ کے لئے کہہ رہا تھا.... جب وان فاتح کا مسروقہ مال برآمد کر کے دوں گا تو وہ آپ کے ہی مقروض ہوں گے۔ ورنہ مجھے کیا۔ ہونہہ۔'' کھٹاک سے فون بند ہو گیا۔

فارض صاحب نے گہری سانس لے کر فون کان سے ہٹایا۔ مغرور اور گھمنڈی حالم......وہ کبھی نہیں بدل سکتا تھا۔

☆☆=========☆☆

وہ کوالالمپور کا ایک مصروف بازار تھا۔ درمیان میں پتھریلی روش تھی جس پہ خریدار چلتے دکھائی دے رہے تھے۔ ایسے میں ایک دکان کے آگے چھتری تلے کرسیاں میزیں لگی تھیں جن میں سے ایک پہ تالیہ بیٹھی تھی اور ابھی ابھی اس نے ہونہہ کہہ کے فون بند کیا تھا۔ داتن نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

''اگر حالم اپنے سابقہ کلائنٹ کو تھوڑی خوش اخلاقی دکھادے تو حالم کا کیا جاتا ہے؟''

''کس خوشی میں؟ حالم کا مارکیٹ میں کوئی امیج ہے' کوئی رعب ہے' اسے ختم تھوڑی کرنا ہے؟'' وہ نروٹھے پن سے بولی۔ ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی تھی۔ سفید کوٹ اتار دیا تھا اور زرد فراک نما قمیض دکھائی دے رہی تھی۔ سنہری چوٹی آگے کو ڈال رکھی تھی۔

''خیر...میں نے ای میلو کر کے دس منٹ میں ساری پارلیمان میں چوری کی خبر پھیلا دی تھی۔ فارض سمجھا ہوگا کہ حالم کو بھی اسی طرح اڑتے اڑتے خبر ملی ہے اور وہ کلائنٹ بنانا چاہ رہا ہے۔ کیا کہہ رہا تھا وہ؟ فاتح پھنس گیا؟''

''دیکھتے ہیں۔'' وہ پرامید تھی۔ پھر گھڑی دیکھی۔

''ایڈم آنے والا ہوگا۔ تم اب جاؤ' اور کام شروع کرو۔ ہمیں معلوم کرنا ہے کہ کس نے فائل چرائی ہے۔''

''ابھی تو فاتح نے ہمیں ہائر ہی نہیں کیا۔''

''کہانا' مجھے وہ وعدہ نبھانا ہے جو اس نے مجھ سے کبھی مستقبل میں لینا ہے۔ جاؤ موٹی! کام شروع کرو۔'' داتن ناک سکوڑ کے اٹھ کھڑی ہوئی اور بیگ اٹھالیا۔

''یہ وہ پہلا کیس ہوگا جو حالم ایمانداری سے حل کرے گا' کیونکہ پچھلے ہر کیس میں حالم خود ہی چور ہوتا تھا۔'' چڑانے کو بولی مگر تالیہ نے اثر نہیں لیا۔ بس میز پہ رکھا سفید ہیٹ اٹھا کے سنہری بالوں پہ رکھ دیا اور چہرے کے سامنے اخبار پھیلا لیا۔ گویا اب وہ چند منٹ یہاں ستانا چاہتی تھی۔

''چے تالیہ!'' زیادہ دیر نہیں گزری جب ایڈم کی آواز پہ اس نے اخبار ہٹا کے دیکھا۔ وہ سادہ پینٹ شرٹ میں ملبوس ہاتھ میں شاپنگ بیگ اٹھائے سامنے والی کرسی کھینچ رہا تھا۔ کنپٹی پہ پسینے کے قطرے تھے گویا دھوپ میں چل کے آ رہا ہو۔

''تم نے اس بازار میں ملنے کے لئے کیوں کہا؟'' تالیہ نے ایک نظر شاپنگ بیگ پہ ڈالی جو اس نے میز پہ رکھ دیا تھا۔

''دراصل میں یہاں آیا ہوا تھا' اگر کہیں دور ملتا تو بس کا کرایہ بہت لگ جاتا۔'' وہ سادگی سے کہہ کے بیٹھ گیا۔ چہرے پہ شفاف سی

مسکراہٹ تھی۔ ''میری جاب ختم ہوگئی آج' بے تالیہ۔''

''آج کیوں؟'' وہ چونکی۔ ''ابھی تو دو دن رہتے تھے۔''

''کیونکہ عبداللہ واپس آ گیا ہے۔''

''خیر... میرے نزدیک تمہارے گیارہ دن ابھی ختم نہیں ہوئے۔ تمہاری جاب جاری ہے۔'' وہ ٹیک لگائے' سر پہ ترچھا ہیٹ رکھے' مسکرا کے بولی۔

''او کے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''اب مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' وہ پر جوش اور متجسس تھا۔ تابعدار سا تابعدار۔

''ہمیں رپورٹ ملی ہے کہ وان فاتح کے دشمن صرف وان فاتح کے پیچھے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اس گھر میں موجود ایک قدیم artefact کو بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں... تم نے جب فاتح صاحب سے میرا ذکر کیا ہوگا تو انہوں نے بتایا تو ہوگا نا؟'' گہری آنکھیں ایڈم پہ جمی تھیں۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں ان سے مل بھی نہیں سکا' اور پوچھنا عجیب سا لگتا تھا۔'' (شکر!)

''خیر... تم ان کے لئے اجنبی ہو' ظاہر ہے وہ نہیں بتائیں گے۔'' تالیہ نے سکون کی سانس لی۔ ''یہ اینٹیک پیس فی الوقت ان کے پاس موجود نہیں ہے' اور وان فاتح نہیں جانتے کہ وہ کہاں گیا۔ یہ دیکھو... کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟'' اس نے ایک کاغذ کھول کے ایڈم کے سامنے رکھا۔

وہ پولیس رپورٹ لگتی تھی۔ نیشنل ٹریژر۔ (قومی ورثہ) اور ساتھ اس کی تاریخی اہمیت۔ مگر ایڈم کی نظر پرنٹڈ تصویر پہ جم گئی۔ سنہرے رنگ کا سکہ۔ اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''یہ؟ یہ تو...'' اس نے بوکھلا کے تالیہ کو دیکھا۔ ''یہ تو مسز عصرہ نے مجھے دے دیا تھا۔''

''اوہ!'' تالیہ نے لب سکیڑے۔ ''شاید عصرہ فاتح صاحب کو بتانا بھول گئیں۔ خیر' ایڈم۔ تمہیں وہ سرکار کو واپس کرنا ہوگا کیونکہ وہ سرکاری خزانہ ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ سرکاری خزانہ ہے۔'' وہ پریشان نظر آنے لگا تھا۔

''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ایڈم بلکہ سرکاری خزانہ واپس لوٹانے پہ سرکار تمہیں بونس دے گی اور...'' وہ رسان سے اس کو تسلی دینا چاہ رہی تھی مگر...

''میں نے اس کو تڑوا کے اپنی منگیتر کے لئے ابھی ابھی انگوٹھی بنوائی ہے' بے تالیہ۔''

تالیہ کا سارا سکون اور اعتماد غارت ہوا۔ دماغ بھک سے اڑا۔ ''واٹ؟'' وہ کرنٹ کھا کے سیدھی ہوئی۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ

گئیں۔

''تم.....بے وقوف.....بے عقل جلد باز انسان.....یہ تم نے کیا کر دیا ہے۔ کدھر.....کدھر ہے وہ انگوٹھی....'' پھر اس نے خود ہی شاپر میز سے جھپٹا اور کھولا۔ ڈبے کے اندر سے انگوٹھی نکالی۔ انگلیوں میں ٹٹول کے اسے دیکھا۔''اس نے تمہارے سامنے سکے کو پگھلایا ؟بتاؤ میں جو پوچھ رہی ہوں۔''

''نہیں۔ وہ سکہ اندر لے گیا اور انگوٹھی کے ساتھ واپس آیا۔ ڈیزائن میں نے اسے بتا دیا تھا۔ فاطمہ کو اسکے والد نے بچپن میں....''

مگر تالیہ کو اسکی لو اسٹوری میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ تیزی سے اٹھی۔''کہاں ہے وہ شاپ؟''

''یہیں قریب میں ہے....مگر اب کیا ہو گا چے تالیہ۔'' وہ پریشانی سے کھڑا ہوا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' ایک ہاتھ میں پرس اٹھایا' دوسرے میں انگوٹھی دبوچی اور جارحانہ انداز میں آگے بڑھ گئی۔ وہ اس کے پیچھے لپکا۔ بازار میں رش بڑھتا جا رہا تھا۔ دھوپ کی حدت میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ دونوں بھیڑ میں آگے پیچھے چلتے جا رہے تھے۔

آگے چلتی تالیہ کی چوٹی کندھے پہ سامنے کو پڑی تھی۔ پیچھے چلتے ایڈم کو اس کی گردن کی پشت پہ گول سا نشان صاف نظر آ رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

ایوان میں نشستیں انگریزی کے حرف U کی صورت لگی تھیں۔ مرکزی مقام پہ اسپیکر کا اونچا چبوترہ تھا جہاں وہ اپنی بلند کرسی پہ بیٹھا' کاغذات کو عینک لگا کے پڑھ رہا تھا۔ اولین نشستوں پہ وزیرِ اعظم بیٹھی نظر آ رہی تھی ۔ گردن کڑائے' سر پہ اسٹول لئے' وہ بت کی طرح بیٹھا کرتی تھی۔ اوپر ہال میں U کی ہی صورت میں گیلری بنی تھی جہاں کرسیاں بچھی تھیں۔ رپورٹرز اور حاضرین وہاں بیٹھے ایوان کی کارروائی دیکھ رہے تھے۔

پارلیمنٹ کسی بھی جمہوری ملک کا سب سے بڑا ادارہ ہوتا ہے۔ جمہور کا مطلب ہے ''عوام''۔ جمہوری ملک وہ ہوتا ہے جہاں عوام ووٹ دے کر اپنا صدر یا وزیرِ اعظم چنتے ہیں۔ بادشاہت جن ملکوں میں ہوتی ہے وہاں بادشاہ اپنا وارث خود چنتا ہے جو عموماً اس کا بیٹا ہوتا ہے۔

ملائیشیاء چونکہ جمہوری ملک ہے' اس لئے اس کا پارلیمان ملک کا سب سے بڑا اور مقدس ادارہ ہے۔ یہاں جو لوگ اپنے اپنے علاقوں سے ووٹ لے کر جیت کے آتے ہیں' جمع ہوتے ہیں اور ملک کے قانون بناتے ہیں۔ سیاستدانوں کا صرف ایک کام ہوتا ہے۔ مل بیٹھ کے قانون بنانا۔ ملک کے اداروں کو مضبوط کرنا۔

آج بھی یہاں یہی ہو رہا تھا۔ صوفیہ رحمٰن بل لائی تھی' یعنی ایک نیا قانون اس نے تمام ممبرز پارلیمنٹ کے سامنے رکھا تھا اور اس کے لئے ووٹنگ ہو رہی تھی۔ صوفیہ کی جماعت کے قریباً دو سو سے زائد لوگ پارلیمان میں تھے اور وان فاتح کی باریسن نیشنل کے

ساٹھ لوگ۔ رپورٹرز جمائیں روکتے پہلے سے لکھ رہے تھے کہ بل پاس ہو جائے گا۔ کہاں دو ڈھائی سو اور کہاں ساٹھ۔

وہ عبداللطیف کے قریب کرسی پہ ٹیک لگائے' انگلیاں بائیں گال تلے رکھے کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اسی اثناء میں دوسری طرف اشعر آ کے بیٹھا۔

''میں نے پارلیمان میں آتے ہی سنا کہ آپ کے گھر چوری ہو گئی ہے؟ کا کا نے بھی نہیں بتایا۔'' تشویش سے اس کی طرف جھکے وہ بولا تو فاتح نے صرف ایک گہری نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ "Who Cares?" اور سامنے دیکھنے لگا۔

اشعر البتہ ابھی تک تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''امید ہے زیادہ نقصان نہیں ہوا ہوگا۔''

وان فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مائیک درست کیا۔ اس کی تقریر کا وقت ہو چکا تھا۔ اشعر زیرِ لب مسکرا دیا۔

''جناب اسپیکر' مجھے کچھ کہنا ہے۔'' سوٹ میں ملبوس' مدھم مسکراہٹ لیے' وہ دراز قد اور اسمارٹ سا آدمی کہنے لگا۔ ''حکومتی اراکین کو چاہیے کہ وہ تحمل رکھیں۔ میں ان کو بور نہیں ہونے دوں گا۔''

ہال میں قہقہہ گونجا۔ دلچسپی بڑھی۔ توجہ اس کی جانب مبذول ہوئی۔

''کل مجھے کسی نے کہا کہ آج اس بل کو ڈھائی سو ووٹ مل جانے ہیں' تو ہم ساٹھ اپوزیشن اراکین کے ''ناں'' میں ووٹ کرنے کا کیا فائدہ؟'' وہ گردن گھما کے پورے ہال کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں ملائیشیاء کے لوگوں کو آج ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔ میرے لوگ جب بھی ایک بڑے عدد کے مقابلے میں چھوٹے عدد کی مخالفت دیکھتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ ان چند لوگوں کی ہاں یا ناں سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ غلط سوچ ہے۔ کیونکہ مخالفت عددی نہیں' اصولی ہوتی ہے۔ ہم لوگ صوفیہ رحمٰن کے اس قانون کے خلاف ووٹ اس کو ہرانے کے لیے نہیں ڈال رہے۔ ہم اپنا اختلاف' اپنا احتجاج ریکارڈ کروانے آئے ہیں۔ ہم تھوڑے ہیں مگر ہم ناں میں ووٹ دے کر سارے ملک کو پیغام دینے آئے ہیں کہ یہ جو ہو رہا ہے' یہ غلط ہے.... ہمارے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہی سکھایا ہے کہ اپنی کم تعداد سے گھبرائے بغیر ہم نے غلط کو غلط کہنا ہے.... اور اگر ہم یہ کہنا سیکھ لیں تو ہم میں سے ایک ایک' مخالف کے دس دس پہ بھاری ہوگا۔ کیونکہ صوفیہ رحمٰن صاحبہ صرف اپنی اور اپنے والد کی کرپشن کو چھپانے کے لیے....''

ہال میں شور گونجنے لگا.... تادیبی فقرے.... نعرے.... وان فاتح بھی مزید اونچا بولنے لگا....

''اور اپنی چوری کو بچانے کے لیے....'' (حکومتی ارکان جگہوں سے کھڑے ہو گئے) ''روز نت نئے بل لے آتی ہیں.... تاکہ لوگوں کو بے وقوف بنا سکیں....'' (لوگ کھڑے کھڑے ڈیسک بجانے لگے جس کا مطلب احتجاج تھا۔ فاتح کی آواز مزید بلند ہو گئی اور گردن پہلے سے زیادہ اونچی)

''مگر پردھان منتری صاحبہ....یاد رکھیے گا...جب تک وان فاتح رامزل زندہ ہے....وہ آپ سے آپ کی چوری کا حساب مانگتا رہے گا...اور ایک دن آپ کو اس ملک میں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی۔''

کسی نے بل کی کاپیاں ہوا میں اڑائیں....کسی نے فائلیں نیچے گرائیں....اپوزیشن کے ساتھ اراکین کاغذ اچھالتے ہوئے نعرے بھی لگا رہے تھے....

''اور اسی کے ساتھ ہم اس بل کی مخالفت میں ایوان سے واک آؤٹ کرتے ہیں۔'' کہہ کے وہ مائیک پہ جھکا اور ڈیسک پہ دو دفعہ زور سے ہاتھ مارا' پھر سیدھا ہوا اور نشست کے پیچھے سے نکل آیا۔ اس کا رخ باہر کی جانب تھا۔

باریسن نیشنل کے اراکین کاغذوں کے پرزے اچھالتے اس کی معیت میں دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ حکومتی اراکین شور کر رہے تھے اور اسپیکر مسلسل ''بیٹھ جایئے' ایسے نہ کیجئے۔'' کہہ کے معاملہ سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اپوزیشن اراکین باہر نکلے تو وہاں کھڑے رپورٹرز دھڑا دھڑ تصاویر کھینچنے لگے۔ فاتح جو سب سے آگے تھا' مسکرا کے ہاتھ فضا میں ہلاتا آگے بڑھ گیا۔

''مسز عصرہ کا فون ہے سر!'' وہ راہداری میں چلتا جا رہا تھا جب عثمان نے اپنا فون اسے لا دیا۔ فاتح نے فون کان سے لگایا۔ ''کیا ہوا؟''

''تمہیں کال کر رہی تھی' تم اٹھا نہیں رہے تھے۔ فائل کا کچھ پتہ چلا۔'' وہ فکر مند لگ رہی تھی۔

''تمہارے بھائی کو بہتر پتہ ہو گا۔'' وہ لفٹ میں داخل ہوا۔

''وہ تالیہ...جاتے ساتھ اشعر کو بتائے گی اور اشعر بہت برا منائے گا کہ ہم نے تالیہ پہ شک کیا۔''

''شک کیا؟ مجھے یقین ہے یہ اسی کا کام ہے۔'' وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔ لفٹ نیچے جا رہی تھی۔ عثمان خاموشی سے ساتھ کھڑا تھا۔

''کیا ہم اوریجنل فائل دوبارہ نہیں نکلوا سکتے؟ جب گھر تمہارے نام رجسٹرڈ ہے تو مسئلہ کیا ہے؟ وہ فائل اگر ایش نے چوری بھی کروائی ہے تو اب وہ تو ہمیں نہیں ملنی۔''

''بہت وقت لگ جائے گا اس میں۔ خیر میں مصروف ہوں۔ گھر آ کے بات کرتا ہوں۔'' اس نے فون عثمان کی طرف بڑھا دیا۔ اب وہ اکتایا ہوا لگنے لگا تھا۔

''فارض کو ڈھونڈو۔ اس سے کہو مجھ سے پارکنگ میں ملے۔ ہرنوں کے پاس۔'' کچھ سوچ کے بولا تو عثمان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ لفٹ کے دروازے کھلنے کو تھے۔ فاتح نے چہرے پہ وہی مسکراہٹ طاری کر لی۔

سیاستدان کا بزنس فیس....

☆☆=========☆☆

بازار میں سرخ اینٹوں کی روش بنی تھی جس پہ بھیڑ کے درمیان وہ دونوں چلتے جا رہے تھے۔ سفید ہیٹ پہنے' سنہری چوٹی آگے کو ڈالے' تالیہ آگے تھی اور ایڈم پیچھے۔ وہ جس جارحانہ انداز میں جا رہی تھی' ایڈم بار بار اس کا غصیلا چہرہ دیکھ کے سوچتا کہ یہ تو جاتے ساتھ ہی جیولر کی گردن دبوچ لے گی....

جیولری اسٹور پہنچتے ہی تالیہ سیدھی اندر گھس گئی۔ ایڈم پیچھے لپکا۔

شوکیس کے پیچھے ایک آدمی بیٹھا تھا۔ تالیہ کو دیکھ کے وہ خوش اخلاقی سے مسکرا کے اٹھا۔

''السلام علیکم میڈم!'' کہیں پیچھے تیز پنکھے چلنے کی آواز آ رہی تھی۔

''وعلیکم السلام انکل۔ یہ میرا بھائی ابھی آپ سے انگوٹھی لے کر گیا تھا۔ بہت ہی جلد باز ہے یہ۔ مجھے بتایئے میں اس کا کیا کروں؟ آخر یہ کب بدلے گا؟'' وہ کرسی پہ بیٹھتے ساتھ ہی شروع ہو گئی۔ دوستانہ لہجہ' قدرے بچگانہ آواز۔ ایڈم محمد نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ بالکل بھی غصے میں نہیں لگ رہی تھی۔ ''اب دیکھیں نا.... ہماری ماں کا سکہ ہی بیچ دیا' وہ بھی اپنی بیوی کے لئے۔ جس دن سے اس کی شادی ہوئی ہے' ہم بہن بھائی تو مشکل میں پڑ گئے ہیں۔ اب بتائیں' میں ماں کو کیا جواب دوں گی؟'' معصومیت سے پوچھتے ہوئے پلکیں جھپکیں۔

''وہ سکہ تو ہم نے پگھلا دیا میم۔'' سیلز مین متانت سے اس کے مقابل کھڑے بولا۔

''ان چے (مسٹر)....'' وہ آگے کو ہوئی اور بے بسی بھری معصومیت سے بولی۔ ''وہ سکہ ہمارے لئے بہت قیمتی ہے۔ ہمارے دو چھوٹے چھوٹے اکلوتے ماں باپ ہیں۔ وہ شدید ناراض ہوں گے۔''

ایڈم بس کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ منہ کھولے۔

''میم.... وہ صحیح کہہ رہا ہے' سکہ ہم نے پگھلا دیا ہے۔ ہم آپ کی رقم واپس کر سکتے ہیں' مگر سکہ نہیں۔'' ایک ادھیڑ عمر صاحب کونے سے اٹھ کے اس طرف آئے' تو تالیہ نے مسکرا کے گردن موڑی اور دلچسپی سے ان کو دیکھا۔ پھر ہیٹ اتار کے شوکیس پہ رکھا۔

''آپ نے ناشتے میں انڈا کھایا تھا کیا؟''

ان صاحب نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ ''جی؟''

''آپ کی شرٹ پہ ادھر انڈے کا داغ لگا ہے۔ شاید آپ ناشتے کے بیچ میں تھے جب آپ کے اس ملازم نے آپ کو کال کر کے بتایا کہ ایک بے وقوف (ایڈم کی طرف اشارہ کیا) ایک اینٹیک سکہ لے کر آیا ہے اور آپ بھاگے بھاگے چلے آئے۔ جیولر اور اتنے آرام سے اینٹیک پگھلا دیں' میں کیسے مان لوں' ہوں؟'' پھر سے پلکیں جھپکیں۔

"بیٹے، مجھے واقعی سکے کی تاریخی اہمیت کا علم نہیں۔ ہم فوراً سونا پگھلا دیتے ہیں اور وہ اس نے میرے سامنے پگھلا دیا ہے۔" وہ پکے رہے۔

تالیہ نے کہنی شوکیس پہ رکھی اور ہتھیلی پہ گال جمایا۔ "میں پولیس کو بلا لوں انکل؟"

"ہم نے قانونی طریقے سے انگوٹھی بنائی ہے' بل وغیرہ سب ہمارے پاس ہے۔ پولیس کیا کرے گی بیٹا؟"

"نہیں انکل' انگوٹھی کے لئے نہیں۔ ان پنکھوں کے لئے۔" اس نے مسکرا کے ابرو سے اشارہ کیا۔ سب کی گردنیں مڑیں۔ کونے میں ایک دروازہ تھا جو دکان کے اندر کھلتا تھا۔ ادھیڑ عمر سیلز مین کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ "کیا مطلب؟"

"یہ دکان بالکل کونے میں ہے۔ الگ تھلگ سی۔ اور اس کے بیسمنٹ سے پنکھوں کی آواز آ رہی ہے۔ آپ نے بیسمنٹ میں پنکھے کیوں چلا رکھے ہیں؟ ہوں۔ مجھے سوچنے دیں۔" ہتھیلی پہ گال رکھے آنکھیں بند کر کے سوچا پھر کھول کے مسکرائی۔

"نیچے تہہ خانے میں ...جڑی بوٹیاں اگاتے ہیں آپ ہے نا.... نشہ آور بڑی بوٹیاں.... ڈرگز....ان کی بو یہاں تک آ رہی ہے مجھے۔ تمہیں آ رہی ہے نا' بھائی؟"

ایڈم نے محض سر اثبات میں ہلایا۔ وہ بالکل چپ ہو گیا تھا۔ دونوں دکانداروں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"اب بازار کے لوگ تو آپ سے ڈرتے ہیں' کسی کو بتاتے نہیں' لیکن میں تو نہیں ڈرتی' میں تو پولیس کو بلا سکتی ہوں۔ ہاں لیکن میں اتنی بری نہیں ہوں۔ کیوں آپ کے رزق پہ پیر ماروں۔ اس لئے...." دوسری ہتھیلی سیدھی پھیلائی۔ "میرا سکہ میرے ہاتھ پہ رکھ دیں اور سمجھیں کہ ہم نے آپ سے کبھی کچھ لیا ہی نہیں۔"

ادھیڑ عمر دکان کا مالک چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر لڑکے کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کے اندر چلا گیا۔ واپس آیا تو تھیلی ہاتھ میں تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے تالیہ کے ہاتھ پہ رکھتا' ایڈم نے "شکریہ" کہہ کے وہ اس سے لے لی۔

"یہ واپس لے لیجیے۔" سنجیدگی سے اس نے انگوٹھی والا بیگ پرے دھکیلا۔

"ارے میں اس کی پیمنٹ کرتی ہوں۔" تالیہ نے پرس کھولا مگر وہ باہر جا رہا تھا۔

"ضرورت نہیں۔" وہ خشک لہجے میں کہہ کے نکل گیا تو تالیہ سنبھل کے مسکرائی اور "تھینک یو انکل" کہتی اس کے پیچھے لپکی۔

وہ باہر روش پہ چلتا جا رہا تھا۔ سنجیدہ' خاموش۔

"تمہارے موڈ کو کیا ہوا ہے؟" ایڈم نے ایک خفا نظر اس پہ ڈالی۔

"آپ نے ایک ہی سانس میں اتنے سارے جھوٹ بول دیے۔"

"کیا تم نے نور سے جھوٹ نہیں بولا تھا کہ میں نے تمہیں تحفے دے کر بھیجا ہے؟" وہ سنجیدگی سے بولی تو ایڈم نے مڑ کے اسے

دیکھا۔

سینے پہ بازو لپیٹے، سر پہ ترچھا ہیٹ رکھے، وہ اندر والی بچگانہ، سادہ لڑکی سے مختلف نظر آ رہی تھی۔

''جی، آپ کی وجہ سے جھوٹ بولنا پڑا تھا مجھے۔ لیکن آپ نے ایک ڈرگز کے چلتے کاروبار کو نظر انداز کر دیا اس سکے کے پیچھے۔''

''تو میں کیا کر سکتی تھی؟''

''آپ پولیس آفیسر ہیں، ان کو گرفتار کرتیں اور سکہ برآمد کر لیتیں۔''

''یہ میرا ڈیپارٹمنٹ نہیں ہے۔ جو کام ضروری ہوتا ہے، اس پہ فوکس کیا جاتا ہے، ہاں۔'' وہ روش کے درمیان میں کھڑے تھے۔ لوگ ان کے اطراف میں آ جا رہے تھے۔ دھوپ تیز ہو رہی تھی۔

''مگر آپ.... آپ اتنی آسانی سے جھوٹ کیسے بول لیتی ہیں؟''

''I Lie for a Living!'' وہ سنجیدگی سے اس کے زچ چہرے پہ نظریں جمائے بولی۔ ''اب مجھے یہ سکہ دو تا کہ میں اس کو سرکار کو لٹاؤں اور تمہارا بونس تمہیں دلاؤں۔'' ہتھیلی پھیلائی۔

''کیا آپ واقعی پولیس آفیسر ہیں؟ یو نو، میں فورسز میں تھا۔ تھوڑا بہت میں بھی جانتا ہوں ان چیزوں کے بارے میں۔''

''اوہ'' تالیہ کے ابرو بھینچے۔ ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ ''تم مجھ پہ شک کر رہے ہو۔ ٹھیک ہے۔ کرو شک۔ بلکہ ایسا کرو، یہ سکہ بھی تم ہی رکھ لو۔ میں رپورٹ لکھ دوں گی اور اس کیس سے الگ ہو جاؤں گی۔ آگے ڈیپارٹمنٹ جانے اور تم جانو۔''

کہہ کے وہ غصے سے آگے بڑھ گئی تو وہ کچھ خفا، کچھ الجھا ہوا مڑا۔ ''چے تالیہ!''

تالیہ تیورا کے گھومی اور انہی برہم آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں بھی جیولر کی طرح سکے کا لالچ آ گیا ہے، تم اپنے لئے رکھنا چاہتے ہو تو شوق سے رکھو۔ اگر مجھ پہ اعتبار نہیں تو جو چاہے کرو۔ ہاں اگر اعتبار آ جائے تو مجھے فون کر لینا۔ مجھے اور بھی کام ہیں۔'' پھر وہ رکی نہیں۔ تیز تیز آگے بڑھ گئی۔ ایڈم نے اسے نہیں پکارا۔ وہ شش و پنج میں کھڑا رہا۔

بازار سے باہر نکلتے ہوئے اس نے داتن کا نمبر ملایا اور موبائل کان سے لگائے، کار کی طرف آئی۔ اب وہ قدرے پریشان لگ رہی تھی۔

''سکہ مل گیا ہے، مگر وہ ایڈم کے پاس ہے۔ ایڈم کو مجھ پہ شک ہو رہا ہے۔ نہیں، میں اس سے وہ چرا نہیں سکتی۔ اس کو چرایا نہیں جا سکتا۔ فی الحال ایڈم اس کا مالک ہے اور اسے وہ مجھے اپنی مرضی سے دینا ہوگا۔ اس کا شک کم ہو تو وہ مجھے کال کر لے گا، نہیں تو کوئی اور حل سوچتی ہوں......''

وہ کار میں بیٹھتے ہوئے کہہ ہی رہی تھی کہ مانوس سی رنگ ٹون سنائی دی۔ وہ چونکی۔ پھر جلدی سے پرس کھولا اور سیاہ سیل فون نکالا۔

حالم کا فون جس کی اسکرین پہ فارض کا نمبر چمک رہا تھا۔تالیہ نے گہری سانس لی۔اور داتن کا فون کاٹ دیا۔

''سنہرے بالوں والی ساری لڑکیاں خالی دماغ کی نہیں ہوتیں' تو انکو! اب وہ وقت آ گیا ہے کہ آپ یہ بات سمجھ لیں۔''

تلخی سے مسکرا کے بڑبڑائی اور فون کان سے لگا لیا۔''بولو فارض۔''

☆☆=========☆☆

پارلیمان کے اونچے ٹاور کے عقب میں ایک سبزہ زار بنا تھا جس کے گرد باڑ لگی تھی۔اس کو ہرنوں کی پارکنگ کہا جاتا تھا۔بہت سے کن چیل اور ہرن وہاں ٹہل رہے تھے۔ایک زمانے میں چینی پارلیمنٹ اسپیکر ملائیشیاء کے دورے پہ آئے اور ہرنوں کا تحفہ لائے۔یہ سارے ہرن انہی کی اولاد تھے اور یہیں رکھے جاتے تھے۔

فارض صاحب باڑ سے ٹیک لگائے منتظر کھڑے تھے جب انہوں نے وان فاتح کو سامنے سے آتے دیکھا۔وہ تنہا آ رہا تھا۔مسکراتے ہوئے۔عثمان یا گارڈز کے بغیر۔

''کیا آپ نے اپنا ذہن بدل دیا؟''

''میں تمہارے انویسٹی گیٹر کو ہائر کرنا چاہتا ہوں' لیکن catch (معاملے کا منفی رخ) کیا ہے؟''مسکرا کے پوچھتے وہ باڑ کے قریب آیا۔دھوپ سارے کو جھلسا رہی تھی' ایسے میں ایک درخت تلے مادہ ہرن تین ننھے غزالوں کو لیے ستانے بیٹھی تھی۔بڑی بڑی آنکھوں سے وہ چاروں ان دو ممبرز پارلیمنٹ کو آمنے سامنے کھڑے گفتگو کرتے دیکھ رہے تھے۔

''کیچ؟''فارض نے اچنبھے سے پوچھا۔

''کم آن فارض۔یہ ہو نہیں سکتا کہ بلیک مارکیٹ کے کسی انویسٹی گیٹر کو ہائر کیا جائے اور کوئی کیچ نہ ہو۔''

''وہ قانونی طریقے سے کام کرتا ہے لیکن وہ رجسٹرڈ نہیں ہے' اپنا چہرہ نہیں دکھاتا' اور پیسے Bitcoin کے ذریعے لیتا ہے۔Bitcoin لیگل ہوتا ہے۔''(یہ ایک ڈیجیٹل کرنسی ہوتی ہے جو ٹریس نہیں کی جاسکتی۔)

فاتح گردن موڑ کے دور سڑک کو دیکھنے لگا۔اونچی عمارتیں....سڑک....دور تک پھیلا سبزہ۔ہرن ابھی تک اسے دیکھ رہے تھے اور وہ کچھ سوچ رہا تھا۔پھر چہرہ واپس موڑا۔

''ٹھیک ہے۔اسے کال ملاؤ۔''فارض نے فوراً فون نکالا اور نمبر ملایا۔

''وان فاتح تم سے بات کرنا چاہتے ہیں' حالم۔''اور پھر موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔

''السلام علیکم!''اپنی بھاری آواز میں فاتح بولا تو دوسری جانب لمحے بھر کو خاموشی چھا گئی۔پھر مردانہ آواز ابھری۔

''سوچ رہا ہوں سیاستدان پہ سلامتی واپس بھیجوں یا نہیں' کیونکہ آپ لوگ پیٹھ میں چھرے گھونپنے کے لیے مشہور ہوتے ہیں۔

لیکن خیر.... آپ مختلف دکھتے ہیں اس لئے وعلیکم السلام' وان فاتح رامزل۔ بتائیے۔ حالم آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔''

فاتح نے گہری سانس لی۔ ''کم از کم سیاستدان میں لوگوں کو فیس کرنے کا حوصلہ ہوتا ہے حالم، وہ انکرپٹڈ فون سے مشینی آواز میں بات نہیں کرتے۔''

''مجبوری ہے' جناب' آپ کی حکومتیں میرے جیسے لوگوں کی کمائی سے ٹیکس کاٹنے کے درپے ہوتی ہیں۔ اپنی اصل آواز کا رسک نہیں لے سکتا۔''

''ہوں۔ خیر تم بتاؤ... تم کیا کر سکتے ہو میرے لئے؟'' وہ اب آنکھیں چھوٹی کر کے دور سڑک پہ جمائے ہوئے تھا۔ مادہ ہرن ابھی تک بڑی بڑی آنکھوں سے اس کو دیکھے جا رہی تھی۔ اس کے بچے البتہ گھاس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

''یہ تو منحصر ہے اس پہ کہ آپ مجھ سے کیا کروانا چاہتے ہیں!''

''میرے گھر سے کل رات ایک فائل چوری ہوئی ہے۔''

''دیسا پارک سٹی والے گھر سے؟'' اس نے پروفیشنل انداز میں پوچھا گویا معلومات نوٹ کر رہا ہو۔ فاتح نے خود کو آرام دہ محسوس کیا۔

''ہاں۔ میرے کمرے کے لاکر سے۔''

''سیف کون سا ہے آپ کا؟''

''فائر سیف۔''

''وہ تو ریئر ارتھ میگنیٹ سے پانچ سیکنڈ میں کھل جاتا ہے' پاسورڈ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ خیر.... چوری کیا ہوا ہے؟''

''ایک فولڈر جس میں ڈاکومنٹس تھے۔''

''اس کی پہچان؟''

''نیلے رنگ کا ہے۔ میرے ملاکہ والے گھر کے کاغذات تھے۔ مجھے وہ ضروری چاہیے ہیں۔'' لمحے بھر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ جیسے حالم چونکا ہو۔ ''سن باؤ کا گھر؟'' تیزی سے پوچھا۔

''ہاں... وہی گھر۔''

''آخری دفعہ کاغذات کب دیکھے آپ نے؟'' حالم سنبھل گیا تھا۔

''کل صبح۔''

''اور چوری کا علم کب ہوا؟''

''آج صبح جب میں نے اپنا لاکر کھولا۔''

''یعنی چوبیس گھنٹے کی ونڈو ہے جس میں کسی نے آپ کا لاکر کھول کے پیپرز نکالے۔ کوئی نشان' کوئی زور زبردستی کے آثار؟ ملازموں کو زد و کوب کیا گیا ہو؟'' اس کے سوالات فاتح کو مزید آرام دہ کر رہے تھے۔

''اونہوں۔ صفائی سے کام کیا گیا ہے۔ کسی کو علم بھی نہیں ہوا۔''

''اور کب تک واپس چاہیے ہیں ڈاکومنٹس؟''

''کل صبح تک۔''

''مل جائیں گے۔'' وہ اتنے آرام سے بولا تو فاتح ہلکا سا حیران ہوا۔

''اتنی جلدی کیسے ڈھونڈو گے تم؟''

اس کی حیرت پہ ساتھ کھڑے فارض صاحب تفاخر سے مسکرائے جیسے اپنے انتخاب پہ فخر ہوا ہو۔

''وان فاتح.... کبھی کوئی میجک شو دیکھنے گئے ہیں آپ؟''

''شاید۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''لوگ جادوگروں کے تماشے دیکھنے کیوں جاتے ہیں؟ حیران ہونے کے لئے.... دھوکہ کھانے کے لئے... amazed ہونے کے لئے۔ اگر جادوگر آپ کو amaze نہیں کر رہا' اگر وہ آپ کو دھوکہ نہیں دے پا رہا' اگر آپ کو اس کی ٹرِک پہلے سے معلوم ہو گئی ہو تو وہ اچھا جادوگر نہیں ہوتا۔ آپ بور ہوتے ہیں۔ آپ کو مزا نہیں آتا۔ اس لیے آپ کو میرا طریقہ کار معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ میرے پاس دھوکہ کھانے آئے ہیں' حیران ہونے' ٹرِکڈ ہو جانے.... اگر آپ کی تشفی نہ ہو تو میں آپ سے پیسے نہیں لوں گا۔''

''چلو.... دیکھتے ہیں۔'' وہ مسکرایا۔ ''تمہارے پاس کل صبح تک کا وقت ہے۔''

''آخری سوال' آپ کو کسی پہ شک ہے؟ کون یہ کام کر سکتا ہے؟''

''تم جادوگر ہو' تم اپنے جادو سے خود معلوم کرو کہ کون یہ کر سکتا ہے۔'' وہ جیسے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''پھر جادو دیکھنے اور سہنے کے لئے تیار ہو جائیے' وان فاتح!'' حالم کا جواب اسی کے انداز میں آیا۔ ''اور ہاں.. اگلی دفعہ مجھے اپنے نمبر سے فون کیجیے گا۔ مجھے درمیانی لوگ نہیں پسند۔''

''اور تمہاری فیس!''

''وہ کام کے بعد ہو گی اور.... میری مہارت اور آپ کی شخصیت کے مطابق ہو گی۔ خدا حافظ!'' کال کٹ گئی۔ فاتح کی مسکراہٹ

مزید گہری ہوئی۔ستائشی انداز میں ابرواچکا کے فون فارض کی طرف بڑھایا۔

''کون ہے یہ آدمی؟ آئی لائیک ہم!''

''جو بھی ہے کمال ہے!'' وہ بھی خوشدلی سے مسکرا کے بولے اور اس کے ہمراہ آگے کو چل دیے۔واپس جاتے ہوئے فاتح کی مسکراہٹ قدرتی تھی۔جیسے وہ خوشگوار سی حیرت میں گھر گیا ہو۔جیسے عرصے بعد کسی سے بات کر کے اتنا لطف آیا ہو۔

مادہ ہرن ابھی تک آنکھیں کھولے سپاٹ سی ان دو افراد کو دیکھ رہی تھی جو دور ہوتے جا رہے تھے۔

دور بازار کے پارکنگ میں کار میں بیٹھی تالیہ نے سوگوار مسکراہٹ کے ساتھ فون بند کیا اور اگنیشن میں چابی گھمائی۔

''عصرہ کو ایک واضح پیغام دینے کا وقت آگیا ہے۔''اس نے سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے اور کار سڑک پہ ڈال دی۔

☆☆==========☆☆

وہ دورویہ سرمئی سڑک تھی۔دونوں اطراف لکڑی کی اونچی شاپس اور ریستوران بنے تھے۔یہ کسی زمانے میں دومنزلہ گھر ہوتے تھے' اب جدید تراش خراش کے بعد ان کو دوکانوں میں بدل دیا گیا تھا۔عصرہ کی گیلری بھی انہی میں سے ایک تھی۔

گیلری کے اندر کھلا سا ہال بنا تھا۔کسی شاپنگ مال کی طرح بالائی دونوں منزلوں کی بالکونیاں یہاں سے نظر آتی تھیں۔چھت بہت اونچی تھی۔سیاح آگے پیچھے ٹہلتے ہوئے نوادرات دیکھ رہے تھے۔

عصرہ کا آفس دوسری منزل پہ تھا مگر اس وقت وہ آفس میں نہیں تھی۔وہ اسٹورریج روم میں اپنی نگرانی میں سامان کو پیک کروا رہی تھی۔ اردگرد اسٹاف کام میں لگا دکھائی دیتا تھا۔

''سیکیورٹی ٹیگز کو ڈبل چیک کریں۔انچے وکرم....'' اس نے مڑ کے ایک انڈین شخص کو پکارا۔(جیسے چے سے مراد ''مس'' تھا ویسے ہی ''ان چے'' سے مراد مسٹر تھا۔)''آپ سے میں یہ توقع کرتی ہوں کہ میرے کسی آرٹ پیس کو نیلامی کی جگہ پہنچنے سے قبل آنچ بھی نہیں آئے گی۔''

''میم!تالیہ بنتِ مراد آئی ہے۔''سیکرٹری نے اندر جھانکا تو عصرہ بری طرح چونکی۔پھر گہری سانس لی۔

''اس نے آنا ہی تھا۔اسے میرے آفس میں بٹھاؤ۔میں نہیں چاہتی کہ جب وہ مجھ پہ چیخے چلائے تو باہر کے لوگ اس کی آوازیں سنیں۔''

''آفس میں ہی بٹھایا ہے' لیکن وہ چیخے گی کیوں؟وہ تو گیلری کے بڑے ڈونرز میں سے ہے۔''سیکرٹری الجھی۔

''فاتح نے اس کی صبح بے عزتی کی ہے۔مجھے لجاجت سے اس سے معذرت کر کے یہ معاملہ ختم کرنا ہوگا۔''عصرہ نے پرس سے ننھا آئینہ نکالا' اسفنج سے ناک اور گال پہ میک اپ درست کیا۔کوٹ کو نیچے کھینچ کے شکنیں درست کیں' پھر چہرے پہ فکرمندی کے

تاثرات ڈالے اور باہر نکل آئی۔

ہال عبور کر کے وہ اوپر آئی تو اچھی خاصی فکرمند لگ رہی تھی۔ تالیہ کو دروازے کی طرف پشت کیے بیٹھے دیکھا تو اندر قدم رکھتے ہی شروع ہوئی۔ ''آئی ایم سوسوری تالیہ.... مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ میرے پیچھے یہ سب ہو جائے گا اور تم....''

وہ اپنی سیٹ کی طرف آتے ہی بے حد دکھ انداز میں کہہ رہی تھی کہ....

''السلام علیکم مسز عصرہ.... میں اچھی خبر لائی ہوں۔''

تالیہ مراد خوشگوار چہرے کے ساتھ چہکی تو عصرہ کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ وہ ٹھہر کے تالیہ کا چہرہ تکنے لگی۔

وہ صبح والا سفید کوٹ پہنے ہوئے تھی' سنہری چوٹی آگے کو ڈالے' سر پہ ہیٹ ترچھا رکھے' گلابی گالوں والی پیاری سی لڑکی مسکراتے ہوئے بہت پرجوش لگ رہی تھی۔

''میری کانگ ہو سے بات ہوئی ہے' وہ سکوں کی شرط رکھے بغیر بھی آنے کو تیار ہیں اور آپ جانتی ہیں' کانگ ہو کے آنے کا مطلب ہے وہ دو تین بڑے ڈونرز کو ساتھ میں لائیں گے۔ میں سوچ رہی تھی کہ.... آپ کھڑی کیوں ہیں؟ بیٹھ جائیں۔''

آخر میں ذرا حیرت سے بولی تو ششدر کھڑی عصرہ سنبھلی' پھیکا سا مسکرائی اور اپنی پاور سیٹ پہ بیٹھی۔ آنکھیں ابھی تک حیران اور الجھی ہوئی تھیں۔

''اچھا صبح میں نے پینٹنگ کو فائنل ٹچ دے دیا تھا۔ یہ ایک کار پینٹنگ شاپ کا ایڈریس ہے۔'' ایک کارڈ میز پہ رکھا۔ ''ہے تو پرانی چھوٹی سی شاپ مگر آپ کے پورٹریٹ کی اس آدمی سے لاجواب فریمنگ کوئی نہیں کر سکتا۔ چونکہ نیلامی سر پہ آن پہنچی ہے' آپ اس کو آج ہی بلوا لیجیے گا۔''

''شیور!'' عصرہ زبردستی مسکرائی۔ تشویش بھری آنکھیں تالیہ پہ جمی تھیں۔ ''صبح میں گھر واپس آئی تو پورٹریٹ دیکھ لیا تھا.. مگر تم جا چکی تھیں۔ ملازم بتا رہے تھے کہ فاتح نے شاید تم سے بات وغیرہ کرنی تھی؟ میرے آنے تک وہ بھی جا چکا تھا' ملاقات نہیں ہو سکی۔''

وہ غور سے اسے دیکھتے سرسری سا بولی گویا پانی کی گہرائی ماپنی چاہی۔

تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ مسکراہٹ برقرار تھی۔

''جی انہوں نے مجھے اسٹڈی میں بلوایا تھا۔ آپ کو تو معلوم ہے' وان فاتح کا کیرزما اور سحر ہی اتنا ہوتا ہے کہ میں تو سارے الفاظ ہی بھول جاتی ہوں۔ کہاں سوچا تھا میں نے کہ میں وان فاتح کے سامنے بیٹھ بھی سکوں گی۔''

عصرہ نے جبری مسکراہٹ کے ساتھ سر کو خم دیا۔ اچنبھے بھری آنکھیں تالیہ سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ ''خیریت سے بلایا تھا اس نے؟''

''جی... کچھ زیادہ بات نہیں کی انہوں نے۔''اس نے گویا لاعلمی سے شانے اچکائے۔''وہ مجھے ہانگ تو ا کی کہانی سنا رہے تھے۔ سارا جیو املا یو کی ایک داستان۔ میں تو ہر دفعہ اتنی سٹار اسٹرک ہو جاتی ہوں کہ ان کی آدھی بات سن ہی نہیں پاتی۔ اور ہاں...''اس نے پیشانی کو چھو کے جیسے یاد کیا۔''انہوں نے مجھے کہا کہ اشعر صاحب کے پاس ان کی کوئی فائل ہے جو میں اشعر صاحب سے واپس لا دوں۔ میں تو بس یس سر کرتی رہی' ورنہ سب میرے سر سے گزر گیا۔ اب اشعر صاحب سے میری اتنی فرینکنیس کہاں۔ پتہ نہیں وہ کیا کہہ رہے تھے' بہر حال ان سے ملنا اور بات کرنا ہی اتنا آنر ہوتا ہے کہ بس۔'' آنکھیں میچ کے مسکراتے ہوئے کھولیں' جیسے بچے کسی بات کا مزا لیتے ہیں۔

''خیر' مجھے کہیں جانا ہے تو آپ اس کارپینٹر کو بلوا لیجیے گا۔ میں نے ایک فرنچ کرٹنگ سے بات بھی کی ہے' اگر وہ اگلے ہفتے ملائیشیاء میں ہوئی تو وہ بھی اٹینڈ کرلے گی نیلامی۔ وہ اکثر یہیں ہوتی ہے۔''مسکراتے ہوئے بیگ اٹھایا اور کھڑی ہوگئی۔''انشاءاللہ نیلامی پہ ملاقات ہوگی۔''

عصرہ نے بدقت سر اثبات میں ہلایا۔ جگہ سے نہیں اٹھی۔''فاتح ذرا مختلف طبیعت کا ہے تو.... آئی ایم شیور اس کی بات کا کوئی غلط مطلب نہیں ہوگا۔''

''کس بات کا؟''وہ انجانے پن سے بولی تو آنکھوں میں سادگی تھی۔

عصرہ جبراً مسکرائی اور کارڈ اٹھالیا۔''کچھ نہیں۔ میں ابھی.... اس کو.... بلوا لیتی ہوں' رائٹ۔''

''صحیح!''تالیہ مسکرادی اور پھر باہر چلی آئی۔ نکلتے ساتھ ہی چہرے کے تاثرات سنجیدہ ہوگئے۔ سیاہ چشمہ آنکھوں پہ چڑھا لیا' اور گزرتے گزرتے راہداری میں رکھے فلور لیمپ کو پیر سے ٹھوکر ماری۔ لیمپ اوندھا زمین پہ آگرا۔ دو ورکرز لیمپ کی طرف دوڑے تھے۔ وہ آگے بڑھتی گئی۔

اندر عصرہ اپنے آفس میں دم سادھے بیٹھی تھی۔ چپ۔ بالکل چپ۔ تبھی کسی افتاد کی طرح سیکرٹری اندر داخل ہوئی۔

''مس تالیہ تو آپ سے اتنی اچھی باتیں کر رہی تھیں' مگر جاتے جاتے انہوں نے کارنر لیمپ کو گرا دیا۔''

''اچھی باتیں؟''عصرہ نے سلگتی کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔''وہ صرف مجھے ایک پیغام دینے آئی تھی۔''

سیکرٹری کے لب حیرت سے کھل گئے۔''وہ کیا؟''

''وہ یہ کہنے آئی تھی کہ وہ ان گیمز میں مجھ سے زیادہ اچھی ہے' اور یہ کہ وہ ایک بہت خطرناک لڑکی ہے' مجھے اس سے ڈرنا چاہیے۔''اس نے بے اختیار کنپٹی چھوئی۔''یہ لڑکی کسی چیز کے پیچھے ہے۔ اسے کچھ چاہیے۔ یہ مجھے یہ بتانے آئی تھی کہ میں اسے روک نہیں سکتی۔''وہ بے بسی بھرے غصے سے ہتھیلیاں آپس میں ملتی شدید ڈسٹرب نظر آرہی تھی۔

نیچے تالیہ مراد ہال عبور کرتی نظر آرہی تھی۔ ہیل کی ٹک ٹک سارے میں گونج رہی تھی۔

گیلری سے نکلتے ہی تالیہ نے پرس سے ایک ننھا ائیر بڈ نکالا اور کان میں ڈالا۔ پھر سیدھی کار کی طرف چلتی گئی۔

''تم کہاں تھیں' تالیہ؟'' آلے سے داتن کی آواز گونجی۔

''میں عصرہ کو وارن کرنے گئی تھی۔ اور اب میں اس کے بھائی کے پاس جا رہی ہوں۔ تمہارا کام کہاں تک پہنچا؟'' وہ کار میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

''میں نے الارم کمپنی کی طرف سے جا کر وان فاتح کے گھر سے ملحقہ اسٹریٹس کے کیمرے چیک کیے ہیں....اور بوجھو مجھے کیا ملا؟'' داتن مزے سے کہہ رہی تھی۔ ''رات کو عصرہ چند منٹ کے لئے واک کرنے نکلی تھی اور اس نے جوگرز کی جگہ سینڈل پہن رکھے تھے۔ وہ کسی اسٹریٹ میں غائب ہوئی جہاں کیمرہ نہیں تھا' اور دو منٹ میں ہی واپس آ گئی۔ اس کی شال میں مجھے لگتا ہے کہ اس نے فائل چھپا رکھی تھی۔''

''یعنی اس اندھیر کارنر میں اس نے فائل کسی کو ڈراپ کی؟''

''یقیناً اشعر کا کوئی آدمی ہوگا۔''

''کوئی ویڈیو....کوئی تصویر جس میں وہ فائل دیتے دکھائی دے رہی ہو؟''

''نہیں تالیہ' لیکن میں سوچ رہی ہوں کہ اشعر کے خاص بندوں کا فون ٹریس کرواؤں کہ وہ رات کو اس جگہ آئے تھے یا نہیں' اور....''

''داتن ریلیکس.....ہم انویسٹی گیٹر نہیں ہیں۔ اس لئے کسی قسم کی تفتیش کی ضرورت نہیں ہے۔'' کار اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولی تو داتن لمحے بھر کو خاموش ہوگئی۔

''تو پھر ہم نے کرنا کیا ہے؟''

''وہی جو ہمیں آتا ہے۔ یعنی چوری۔'' اس نے کار سڑک پہ ڈال دی۔ لمبی سرمئی سڑک اطراف میں درختوں کی لمبی قطار کے باعث چھایا میں تھی۔

''لیکن ہمیں یہ کون بتائے گا کہ فائل کہاں ہے؟''

''اشعر بتائے گا۔'' اس نے گلاسز اتارے اور مسکرا کے اسٹیئرنگ وہیل گھماتے موڑ کاٹا۔

چند لمحوں بعد وہ سیاہ موبائل اسٹینڈ پہ لگائے' اسپیکر آن کیے ہوئے تھی۔ فاتح کا نمبر ملا رکھا تھا اور گھنٹی جا رہی تھی۔

''ہیلو؟'' اس کی بھاری آواز کار میں گونجی تو تالیہ کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''غالباً فارض نے آپ کو میرا نمبر دے دیا تھا تبھی آپ نے کال اٹھالی ورنہ میں نے سنا تھا آپ غیروں کی کیا' اپنوں کی کال بھی نہیں اٹھاتے۔''

دوسری جانب سے گہری سانس لی گئی۔ ''سنی سنائی سے زیادہ فرسٹ ہینڈ انفارمیشن پہ بھروسہ کیا کرو' حالم!''

(اور آپ نے عصرہ کی سن کے جو مجھ پہ الزام لگا دیا وہ؟) مگر بولی نہیں صبر کر گئی۔

''تو جادوگر کے شو کے لئے تیار ہیں آپ؟''

''ابھی تک تمہارا شو شروع نہیں ہوا کیا؟ تم نے تو صبح تک فائل واپس کرنی تھی۔''

''کوئی بھی جادوگر اپنے اسسٹنٹ کے بغیر کرتب نہیں کھیلتا لیکن اسسٹنٹ کے علاوہ بھی ایک چیز وہ کرتا ہے۔ حاضرین میں سے وہ کسی ایک کو بلاتا ہے اور اس کو کوئی کام کرنے کا کہتا ہے۔ کیا آپ کرتب کا حصہ بننا چاہیں گے؟''

''میں کسی سے احکامات نہیں لیتا' حالم!'' وہ بے نیاز تھا۔

''مگر اپنی فائل کے لیے آپ کو میرے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی' جیسے حاضرین میں سے آیا شخص اسٹیج پہ آتے ہی جادوگر کے تابع ہو جاتا ہے۔''

''حالم.... اگر تمہیں یقین ہے کہ تم میرا وقت ضائع نہیں کر رہے' تو میں یہ کروں گا' ورنہ مجھے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔''

''آپ نے مجھے ایک بہت چھوٹا دورانیہ دیا ہے کام کا۔ اس لئے آپ کو میری بات ماننی پڑے گی۔ کچھ دیر بعد میں آپ کو ٹیکسٹ کروں گا' عین اسی وقت آپ ایک کام کریں گے۔''

وہ ساری تفصیل بتاتی گئی۔ حالم کا روایتی گھمنڈی انداز سمجھانے والے انداز میں بدلتا گیا۔ یہ پہلا کلائنٹ تھا۔ جس کے لئے لہجہ نرم ہوا تھا۔ پتہ نہیں کیوں اس کے سامنے سر اور دل دونوں جھک جاتے تھے۔ وہ تو انکو تھے۔

''شیور۔ میں کر دوں گا۔ لیکن ٹیکسٹ مت کرنا' میرے فون پہ رنگ کرنا۔ میں میٹنگ میں ہوں تو فون نہیں دیکھتا۔'' وہاں ازلی بے نیازی کا وہی عالم تھا۔

''رائٹ' سر!'' وہ ضبط سے بولی اور اسٹینڈ پہ لگے فون کی اسکرین پہ انگلی پھیری۔ کال ختم ہوگئی۔ منہ میں کچھ بڑبڑا کے سر جھٹکا اور نظریں سڑک پہ جما دیں۔

☆☆==========☆☆

ایڈم محمد اس سکے کو جیب میں لئے جانے کتنی دیر سڑکوں کی خاک چھانتا رہا تھا۔ گھر آیا تو ننھا باغیچہ گرمی میں جھلس رہا تھا۔ مرغی ڈربے میں کسی کونے میں چھپی بیٹھی تھی۔ پھول مرجھائے ہوئے لگ رہے تھے۔ وہ تھکا ماندہ اندر داخل ہوا تو ماں راہداری میں پنکھ

کے دروازے پہ کھڑی نظر آئی۔ اسے دیکھ کے آنکھوں میں حیرت ابھری۔

''تم جلدی آ گئے۔ خیریت؟''

''عبداللہ خلافِ توقع آج واپس آ گیا ہے' اس لئے میری چھٹی ہو گئی۔''

''مگر ایڈم... میری تو ابھی دس منٹ پہلے عبداللہ کی والدہ سے بات ہوئی ہے۔ عصرہ نے اس کو بلوایا تھا' مگر بس نہ ملنے کی وجہ سے وہ کل صبح تک ہی آ پائے گا۔''

ایڈم وہیں ٹھٹک کے رک گیا۔ ''نہیں' مسز عصرہ نے کہا کہ وہ آ چکا ہے۔ اسی لئے تو انہوں نے مجھے بھیج دیا۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ انہوں نے تمہیں کسی اور وجہ سے نہیں بھیجا؟'' ایبو تشویش سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ایڈم کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

کیسی دنیا تھی یہ؟ کون سچا تھا؟ کون جھوٹا؟ وہ گم صم سا ہو گیا۔ پھر الٹے قدموں باہر نکل آیا۔

برآمدہ دھوپ سے محفوظ تھا۔ وہاں چھایا تھی۔ وہ کرسی پہ بیٹھ گیا اور ننھے باغیچے کو دیکھنے لگا۔ پیر قینچی صورت میز پہ رکھ لئے۔ چہرہ سوچ میں ڈوبا لگتا تھا۔

پھر اس نے فون نکال کے ڈرائیور کا نمبر ملایا۔ ڈرائیور ساری سیاستوں اور اندر کی سازشوں سے بے خبر ہوتا تھا۔ نہ اس کا اتنا عہدہ تھا' نہ مقام کہ اسے کوئی شریک کرتا۔

''ایڈم' تم آج آئے کیوں نہیں؟'' وہ اس کی آواز سنتے ہی شروع ہو گیا۔ ''فاتح صاحب پارلیمنٹ جاتے وقت ہمیشہ دو کپ کافی کے پیتے ہیں۔ عثمان کو بھول گیا تھا' اس نے صرف ایک دیا۔ یہ کیا طریقہ ہے۔'' اپنی طرف سے ڈرائیور نے رعب جھاڑا۔

''وان فاتح اس وقت کہاں ہیں؟''

''ابھی میں ان کو گھر لایا ہوں' پھر یہاں سے ہم نے آگے جانا ہے۔ باڈی مین کا فرض بھی عثمان ادا کر رہا ہے۔ تمہارا پوچھا بھی تھا فاتح صاحب نے۔''

''میں ابھی آتا ہوں۔ لیکن سنو۔'' وہ احتیاط سے پوچھنے لگا۔ ''آج گھر میں کچھ ہوا ہے کیا؟''

''کیا مطلب؟''

''کوئی غیر معمولی واقعہ؟ کوئی ایشو؟ میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ کہیں میری وجہ سے....''

''صبح فاتح صاحب کی اہم فائل چوری ہو گئی۔ ملازمہ بتا رہی تھی کہ صاحب نے وہ جو پینٹر لڑکی آتی ہے' اس سے بھی پوچھ گچھ کی ہے۔ صاحب بہت غصے میں تھے صبح۔ ادھر پارلیمان میں سب کو پتہ تھا۔ دو تین ڈرائیورز نے تو مجھ سے بھی آ کے پوچھا۔''

''پچے تالیہ سے؟''اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔''صاحب نے پچے تالیہ سے پوچھ گچھ کی؟''

''ملازم کہہ رہے ہیں کہ صاحب کو شک ہے پچے تالیہ نے ہی چوری کی ہے۔''وہ اتنا باخبر تھا جتنا ہر ڈرائیور ہوتا ہے۔ایڈم کے دماغ میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔''میں آتا ہوں'' کہہ کے فون رکھا اور باہر کو بھاگا۔

وان فاتح کی رہائش گاہ پہ گھنٹی بجاتے ہی گارڈ باہر نکل آیا۔''تمہارا کام ختم ہو چکا ہے'ایڈم'تم کیوں آئے ہو؟'' گارڈ کو شاید ایڈم کو اندر نہ آنے دینے کی ہدایت دی گئی تھی۔

''مجھے فاتح صاحب سے ملنا ہے۔''وہ بے چینی سے بولا تھا۔

''ایسے تو صاحب نہیں ملتے۔وہ بہت مصروف ہوتے ہیں۔''

''صرف پانچ منٹ کے لئے ملنے دو'میں چلا جاؤں گا۔''ابھی الفاظ منہ میں تھے کہ آٹومیٹک گیٹ کھلتا چلا گیا۔ایڈم نے چونک کے دیکھا۔فاتح کی کار باہر نکل رہی تھی۔فاتح پچھلی سیٹ پہ سر جھکائے'عینک لگائے'موبائل دیکھ رہا تھا۔البتہ ڈرائیور نے ایڈم کو دیکھ کے کار آہستہ کر دی۔ایڈم بھاگ کے فاتح کی کھڑکی تک گیا۔بے چینی سے دستک دی۔اس نے چونک کے سر اٹھایا'پھر بٹن پہ انگلی رکھی۔شیشہ نیچے ہوتا گیا۔

''تم کہاں تھے صبح سے ایڈم؟''اس نے سادگی سے پوچھا تو اگلی سیٹ پہ بیٹھا عثمان پورا گھوم کے تندہی سے بولا۔

''سر عبداللہ نے پہنچ جانا تھا تو اس کو فارغ کر دیا۔''

''کیا میں نے تم سے پوچھا ہے'عثمان؟''وہ اسی سنجیدگی سے عثمان کو دیکھ کے بولا تو وہ چپ ہو گیا۔فاتح نے گردن اس کی طرف موڑی۔''اور تم ٹھیک ہو'ایڈم؟''

''جی سر!''وہ جلدی سے بولا۔''سر عبداللہ ابھی تک نہیں آیا' کیا میں آپ کے ساتھ جا سکتا ہوں۔''وہ کار کی کھڑکی کو پکڑے کھڑا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے'ایڈم۔ایم فائن۔تھینکس۔خیال رکھو اپنا۔''نرمی سے کہہ کے فاتح نے عینک اٹھائی تو ایڈم کو پیچھے ہونا پڑا۔شیشہ اوپر ہوتا گیا۔کار آگے بڑھ گئی اور وہ وہیں خالی ہاتھ کھڑا رہ گیا۔

''اب تم جاؤ۔'' گارڈ اس کے سر پہ آ پہنچا۔جیسے اسے نکالنے کی جلدی ہو۔لیڈر جا چکا تھا۔وہ رکتا بھی تو کس کے لئے۔

گرمی کی حدت بڑھ گئی تھی۔وہ باہر سڑک کنارے چلتا گیا۔ذرا سی دیر میں پسینے سے پورا بھیگ گیا تو ایک جگہ درخت تلے فٹ پاتھ پہ بیٹھ گیا۔پھر جیب سے سکہ نکال کے دیکھنے لگا۔

وہ گول سنہری سکہ تھا جس کے دونوں طرف مظفر ال سلطان لکھا تھا۔اس نے سکہ مزید اونچا کی۔اس کے گول دائرے کے ساتھ

ننھے ننھے حروف تھے جو مٹ مٹ کے ابھر رہے تھے.... ایڈم کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ دھوپ میں لمحے بھر کو وہ نظر آئے تھے ۔1437۔ پھر وہ غائب ہوتے گئے۔ ایڈم بالکل سناٹے میں رہ گیا۔ یہ نظر کا دھوکہ نہیں تھا۔ یہ کوئی عجیب چیز تھی۔

اس نے جلدی سے سکہ ڈبے میں رکھ کے جیب میں ڈال دیا۔ پھر پریشانی سے سر پکڑ لیا۔

چے تالیہ سے وہ پہلی دفعہ کب ملا؟ جب وہ اس سکے کو تنگو کامل کے گھر اپنی جیب میں ڈال رہا تھا۔ چے تالیہ نے دو ماہ وہاں کیوں نوکری کی؟ دو ماہ پہلے تو اسے نہیں معلوم ہوگا کہ وان فاتح نے اس گھر مہمان بن کے آنا ہے۔ کیا وہ اس سکے کے پیچھے تھی؟ ایک نئے خیال نے اسے چونکا دیا۔

کیا یہ اس کا بار بار عصرہ کے گھر آنا.... یہ سب سکے کے لئے تھا؟ لیکن نہیں۔ وہ تو فاتح کی حفاظت پہ مامور ایک پولیس آفیسر تھی جس کو فاتح پہلے سے جانتا تھا تبھی اس کو تاشہ کہتا تھا۔ لیکن ایک منٹ.. اگر وہ پہلے سے اس کو جانتا ہوتا تو چوری کے بارے میں تالیہ سے پوچھ گچھ کیوں کرتا؟ اتنی کڑی پوچھ گچھ کی ہوگی تو ملازم گواہ ہیں نا اس کے!

اس کا ذہن شک اور یقین کے درمیان ڈول رہا تھا۔ بالآخر اس نے موبائل نکالا اور تالیہ کے نمبر پہ ایک پیغام لکھا۔ ''ہم کب مل سکتے ہیں؟'' اور بھیج دیا۔

اب اسے جواب کا انتظار تھا۔

☆☆=========☆☆

دوپہر دھیرے دھیرے شام میں ڈھل رہی تھی البتہ گرمی اور حبس ویسا ہی تھا۔ ایسے میں وہ نیلے شیشوں والا بزنس ٹاور سر اٹھائے کھڑا تھا جس کے انیسویں فلور پہ اشعر محمود کا آفس واقع تھا۔

انیسویں فلور پہ کشادہ سی لابی بنی تھی جس کے سامنے لفٹ کے دروازے اس وقت کھل رہے تھے اور تالیہ مراد باہر نکل رہی تھی۔ لباس بدل لیا تھا۔ گلابی قمیض پہ سیاہ منی کوٹ پہنے' کہنی پہ بیگ ڈالے' سنہری چوٹی کندھے پہ آگے گرائے اور سر پہ ترچھا سفید ہیٹ جمائے' وہ باہر آئی اور ریسپشن ڈیسک کے قریب رکی۔

''تالیہ بنتِ مراد..... مجھے اشعر محمود سے ملنا ہے۔''

''جی' ان کا آفس بالکل کارنر میں ہے۔'' لڑکی نے تہذیب سے گائیڈ کیا تو وہ ''ہوں'' کہہ کے نخریلی امیر زادیوں کی طرح آگے بڑھ گئی۔ کنکھیوں سے لابی کے صوفے پہ اخبار پھیلائے مطالعے میں منہمک داتن کو دیکھا مگر رکی نہیں۔

''فاتح وہ کر دے گا نا جو تم نے کہا ہے؟'' داتن اخبار سامنے رکھے آہستہ سے بولی۔ کان میں لگا آلہ دور جاتی تالیہ کو آواز پہنچا گیا۔

''حالم کی بات کون ٹال سکتا ہے۔'' وہ بے پرواہی سے بولی۔ اب وہ راہداری کے دوسرے سرے تک پہنچ گئی تھی۔

اشعر کے آفس کے باہر بیٹھی سیکرٹری فوراً اٹھی۔ ''جی تالیہ.... اشعر صاحب آپ کا انتظار کررہے ہیں۔''

سیاہ منی کوٹ والی لڑکی نے پرس میں ہاتھ ڈالا اور سیاہ موبائل سے نمبر ملایا۔ دو گھنٹیاں اور کال کاٹ دی۔ اب وہ اشعر سے ملنے کے لیے تیار تھی۔

وہاں سے چند میل دور.... ایک بین الاقوامی نشریاتی ادارے کے اسٹوڈیو روم میں وان فاتح موجود تھا۔ سیٹ لگا تھا' کیمرے سیٹ ہورہے تھے۔ اینکر اپنے کاغذات پڑھ رہا تھا' اور فاتح مطمئن سا ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' کافی پیتے ہوئے سارا منظر نامہ دیکھ رہا تھا۔ تب ہی جیب میں رکھا فون تھرتھرایا تو اس نے نکال کے دیکھا۔ حالم کا نمبر دیکھ کے مسکرایا اور موبائل واپس رکھ دیا۔ پھر قریب کھڑے عثمان کو بلایا۔

''یہ کافی لے جاؤ۔ میں فریش ہو چکا ہوں' اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''خیریت' سر؟'' عثمان نے مسکرا کے اس کا تازہ دم چہرہ دیکھا۔

''ہاں۔ صبح ایک انویسٹی گیٹر کو ہائر کیا تھا۔ اس نے بتایا ہے کہ فائل مل گئی ہے۔ اللہ کا شکر۔''

عثمان کا منہ کھل گیا۔ ''واقعی؟ اصلی فائل؟ کہاں سے ملی؟''

''جس نے چرائی تھی اس کے سیف سے۔'' مگ اس کی طرف بڑھا دیا اور سامنے دیکھنے لگا جہاں اینکر اپنی نشست پہ بیٹھ رہا تھا۔

عثمان پھیکا سا مسکرایا۔ ''مبارک ہو' سر!'' اور مگ لیے آگے بڑھ گیا۔

واپس اشعر کی آفس بلڈنگ میں آؤ تو لابی کے صوفے پہ بیٹھی' بظاہر اخبار پڑھتی داتن دبی آواز میں ہونٹ کم سے کم ہلائے کہہ رہی تھی۔

''اب تک وان فاتح نے اپنے سیکرٹری کے سامنے فائل مل جانے کا ذکر کر دیا ہوگا۔ وہ فوراً اپنے اصل خداؤں کو بتائے گا' اور وہ پریشان ہو کے اس جگہ جائیں گے جہاں فائل رکھی ہے۔ میں اس کا پیچھا کروں گی اور یوں وہ خود ہمیں فائل تک لے جائیں گے اور ہم اس کو چرا لیں گے۔''

تالیہ نے جواب نہیں دیا کیونکہ وہ اندر اشعر کے آفس میں بیٹھی تھی۔

آفس بہت روشن تھا۔ دو متصل دیواریں شیشے کی تھیں۔ وہ بلڈنگ کا کارنر آفس تھا (اونچی عمارتوں میں بنے آفسز کا بہترین آفس کارنر آفس ہوتا ہے جہاں ایک کے بجائے دو دیواریں شیشے کی ہوتی ہیں اور وہاں سے سارے شہر کا نظارہ کرنا بہت دلفریب لگتا ہے۔)

اشعر ٹیک لگائے اپنی کرسی پہ براجمان مسکرا رہا تھا اور سامنے تالیہ مراد سنجیدہ سی بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ ہیٹ سر پہ ترچھا رکھا تھا۔

”میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی اُن چے اشعر!“ وہ ناخوشی سے کہہ رہی تھی۔ (ان چے یعنی مسٹر....)

”آپ کہیے چے تالیہ! میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔“ وہ مسکرا کے بولا۔ گہری چھوٹی آنکھیں تالیہ کے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”آپ ایک معزز انسان ہیں اور میں ایک سوشلائیٹ اور آرٹ لور ہوں۔ کوالالمپور کے آرٹ سے تعلق رکھنے والے حلقوں میں میرا ایک نام ہے پہچان ہے۔ میرے کسی بھی قسم کے سیاسی عزائم نہیں ہیں نہ مجھے سیاست میں دلچسپی ہے۔ اس لئے کل جو تصویر آپ نے ٹوئیٹ کی اس کے بعد سے مجھے موضوع گفتگو بنایا جا رہا ہے جو میرے لئے تکلیف کا باعث ہے۔“ وہ ڈسٹرب نظر آ رہی تھی۔ اشعر کے چہرے پہ افسوس ابھرا۔

”جی مجھے بھی وہ سب بالکل اچھا نہیں لگا۔ اب تصویر اتارنا برا لگتا ہے لیکن آپ فکر نہ کریں۔ میڈیا کی تو عادت ہے بات کا بتنگڑ بنانا۔“

”آپ کوشش کیجیے کہ اس کی سختی سے تردید کر دیں تاکہ میرے عزیز و اقارب کو اس سب سے تکلیف نہ ہو۔ میرا آپ کی فیملی کا حصہ بننے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“

”تردید بات کو مزید اچھالتی ہے۔ آپ سیاست نہیں سمجھتیں چے تالیہ۔ خاموش رہنا اور نظر انداز کرنا بہتر ہے۔“ وہ اب آگے ہو کے بیٹھا تھا سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

”میں اس سیاست کو سمجھنا بھی نہیں چاہتی انچے اشعر۔ صبح وان فاتح نے بھی مجھے آپ کے حوالے سے باتیں کہیں جو مجھے اچھی نہیں لگیں۔ وہ کسی فائل کا ذکر کر رہے تھے پتہ نہیں کیا کہہ رہے تھے۔ براہِ مہربانی آپ لوگ اپنی سیاست میں مجھے نہ دھکیلیں۔“ وہ سپاٹ انداز میں کہہ رہی تھی۔

”میں آبنگ کی طرف سے معذرت کرتا ہوں۔ وہ paranoid ہیں۔“ وہ نرمی سے کہنے لگا تو تالیہ نے خفگی سے سر جھٹکا۔

”مجھے سچ میں آپ کے باہمی مسائل میں دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے صرف آرٹ آپ کی فیملی کے قریب لایا ہے۔“

”تو آپ کو آرٹ پسند ہے؟“ وہ بات کو طول دیتے ہوئے مسکرا کے پوچھنے لگا۔ تالیہ ذرا سا مسکرائی۔

”ہر قسم کا آرٹ۔ چاہے وہ کینوس پہ بکھیرا جائے.... یا سٹیج پہ پرفارم کیا جائے یا کتاب میں کہانی کی صورت لکھا جائے۔ آرٹ حیران کرنے کا نام ہے۔ لوگ آرٹ دیکھنے پتہ ہے کیوں آتے ہیں انچے اشعر؟ تاکہ وہ حیران ہوں۔ amazed ہوں۔ دھوکہ کھائیں اور جب ان پہ دھوکہ کھلے تو وہ ششدر رہ جائیں۔ لوگ عام زندگیوں میں ہر چیز پہلے سے جان لینا چاہتے ہیں تاکہ دھوکہ نہ کھائیں مگر آرٹ پہ وہ صرف حیران ہونے اور اپنا دماغ بھک سے اڑا دینے کے لئے پیسہ خرچ کرتے ہیں۔ عجیب بات ہے نا؟“

”تو آپ کو لوگوں کو حیران کرنا اچھا لگتا ہے؟“ وہ محظوظ ہوا۔

"جی۔ مجھے وہاں سے آنا اچھا لگتا ہے جہاں سے انہوں نے توقع بھی نہیں کی ہوتی۔" اس کی مسکراتی' چمک دار آنکھیں اشعر پہ جمی تھیں۔ "آپ کو کیا اچھا لگتا ہے؟"

اشعر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ "میں ایک آرکیٹیکٹ ہوں۔ مجھے اونچی عمارتیں بنانا اور بلندیوں پہ کھڑے ہو کے دنیا کو دیکھنا اچھا لگتا ہے۔" تالیہ نے دیکھا' اس کے عقب میں شیشے کی دیوار سے دور تک پھیلی اونچی عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔

دروازہ دستک کے ساتھ کھلا اور رملی نے اندر جھانکا۔ "سر...سوری مگر ضروری بات ہے۔" ادھر داتن کان میں بولی۔ "رملی ابھی اٹھ کے گیا ہے۔ عثمان نے اسے بتا دیا ہے شاید کہ فائل مل گئی ہے۔"

اشعر اس مداخلت پہ بدمزہ ہوا' ابھی خفگی سے رملی کو ٹوکنے والا تھا کہ تالیہ بیگ اٹھائے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "آپ کام کیجیے۔ میں چلتی ہوں۔" انداز سنجیدہ اور لیا دیا سا تھا۔ اشعر نے گہری سانس لی' مسکرایا اور کھڑا ہو گیا۔ "او کے۔ نیلامی پہ ملاقات ہوگی' چے تالیہ۔"

"سی یو۔" باہر آ کر وہ سیل فون پہ بٹن دباتی چلتی آئی جیسے کوئی ضروری میل کر رہی ہو۔ اشعر کے آفس کے سامنے لاؤنج سا بنا تھا۔ وہ ٹائپ کرتے کرتے وہیں بیٹھ گئی۔

"میں تیار ہوں۔ جیسے ہی رملی نکلے گا' میں اس کا پیچھا کروں گی۔" داتن کی آواز کان میں گونجی تو تالیہ جھکے سر کے ساتھ بولی۔ "اسے جلد ہی پریشان ہو کے نکلنا چاہیے۔"

ایک منٹ گزرا۔ دو منٹ۔ پانچ منٹ۔ بالآخر رملی باہر آیا اور سیدھا اپنے کیبن کی طرف بڑھ گیا جو سامنے ہی تھا۔ کرسی سنبھالی اور کام کرنے لگا۔ تالیہ غیر آرام دہ ہوئی۔ چند منٹ مزید گزرے۔ نہ اشعر آفس سے نکلا' نہ رملی اپنی جگہ سے اٹھا۔ داتن بھی گڑبڑائی۔ اس کے کان میں بولی۔

"تالیہ....یہ لوگ فائل چیک کرنے باہر کیوں نہیں نکلے؟ کسی بینک کی طرف' یا گھر کی طرف؟ کہیں تو رکھی ہو گی انہوں نے فائل۔"

تالیہ نے آنکھیں اٹھائیں۔ ہرن جیسی آنکھیں جو اطراف کا ایکس رے کر لیتی تھیں۔ پتلیاں سکوڑ کے اس نے اشعر کے آفس کے بند دروازے کو دیکھا۔

"یا شاید وہ فائل چیک کر چکے ہیں۔" اسے ساری سمجھ آ رہی تھی۔ "داتن....فائل اس کے آفس میں ہی موجود ہے۔"

"اوہ!" داتن کی فکرمند آواز آئی۔ "آفس میں واردات کرنے کے لئے ہفتے بھر کی تیاری چاہیے۔ کوئی لمبا con کھیلنا پڑے گا۔"

"ہمارے پاس ہفتہ نہیں ہے۔ ہمارے پاس چند منٹ ہیں۔ مجھے وہ فائل ابھی چرانی ہے۔"

''مگر تالیہ....''

''ساری زندگی میں نے لالچ میں چوریاں کی ہیں داتن۔ ساری زندگی میں نے پیسے کے لئے جھوٹ بولے ہیں۔ میں چور ہوں' جھوٹی ہوں' مگر مجھے پہلی دفعہ کسی سے وعدہ نبھانا ہے۔تو انکو کے پاس وقت نہیں ہے۔ مجھے ان کو کل صبح سے پہلے فائل دینی ہے تو دینی ہے۔سروس باتھ رومز میں آؤ' ہمارے پاس پلاننگ کے لئے دس منٹ ہیں۔'' وہ دبی آواز میں بولتی آگے بڑھ گئی۔ بجائے لفٹ کی طرف جانے کے' وہ ایک دوسری راہداری میں مڑ گئی۔ داتن نے گہری سانس لی۔

''وہ ایک بے نیاز سیاستدان ہے جو پرسوں تک تمہیں یاد بھی نہیں رکھے گا۔شکریہ کہہ کے آگے بڑھ جائے گا۔طاقتور سیاستدانوں سے محبت کرنے والی لڑکیاں ہمیشہ پچھتاتی ہیں' تالیہ۔'' افسوس سے داتن بولی تھی مگر تالیہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔اس کا ذہن نیا پلان سوچ رہا تھا۔

لابی کی گھڑی کی سوئیاں ٹِک ٹِک کرتی آگے بڑھ رہی تھیں۔

☆☆=========☆☆

اسٹوڈیو میں کیمرے آن تھے۔تیز روشنیاں جل رہی تھیں۔تین اطراف میں سبز رنگ کے کارڈ بورڈ کی دیواریں بنائی گئی تھیں۔ انٹرویو ریکارڈ ہوتے وقت سبز کارڈ بورڈ لگایا جاتا تھا' اور بعد میں جب ٹی وی پہ دکھایا جاتا' تو سبز رنگ پہ مختلف مناظر ایڈٹ کر دیے جاتے۔

اینکر سنجیدگی سے بیٹھا' فاتح کو دیکھ کے سوال پوچھ رہا تھا....

''جب آپ وژن کی بات کرتے ہیں تو آپ کے ذہن میں بیس سال بعد کا ملائیشیاء کیسا آتا ہے؟''

وان فاتح پر اعتماد سا بیٹھا تھا۔اس سوال پہ ہلکا سا مسکرایا اور گویا ہوا۔''ملاکہ سلطنت جیسا۔تمہیں معلوم ہے' جیفری' بلکہ میں ملائیشیاء کے لوگوں سے پوچھنا چاہتا ہوں۔کیا ان کو معلوم ہے کہ چھ سو سال پہلے کا ملاکہ کیسا تھا؟''......

اشعر کے آفس فلور کے سروس باتھ رومز میں وہ دونوں کھڑی تھیں۔تالیہ نے بیگ سنک کے سامنے انڈیل رکھا تھا' اور اندر سے کچھ چیزیں نکالتے ہوئے داتن سے کچھ کہہ رہی تھی۔وہ سر ہلا کے جواب میں اس کی تائید کر رہی تھی......

''جیفری' چھ سو سال پہلے ملاکہ میں مسلمان سلاطین کی حکومت تھی۔وہ سلطنت خطے میں ایک مضبوط اور طاقتور حیثیت رکھتی تھی۔ اس دور کے لوگ ہمارے جیسے نہیں تھے۔کہتے ہیں وہ عظیم لوگ تھے مگر آج میرے ملک کے لوگوں کو ان سے زیادہ بہادر بننے کی ضرورت ہے۔''.....

داتن باتھ روم کے کونے میں رکھی ڈسٹ بن میں اخبار پھاڑ پھاڑ کے ڈال رہی تھی۔ جب ڈسٹ بن بھر گئی تو اس نے لائٹر سے

کاغذ کو سلگایا۔ جلد ہی اخبار نے آگ پکڑ لی۔ شعلے بلند ہونے لگے.....

''آج میرے ملک کے لوگ عجیب منفی رویوں میں ڈوبے ہیں۔ مجھے سب سے زیادہ تکلیف ان کے مظلوم پنے سے ہوتی ہے۔ یہ کس نے ہم انسانوں کو ہر وقت مظلومیت کی چادر اوڑھے رکھنا اور ہمدردی تلاش کرنا سکھایا ہے......؟''

باتھ روم ایریا میں داتن ڈسٹ بن کو آگ لگاتی دکھائی دے رہی تھی اور تالیہ اپنا لباس بیگ میں اڑس رہی تھی۔ اس وقت اس نے سیاہ ٹائٹس شرٹ اور سیاہ ٹوپی پہن رکھی تھی۔ چست اور تیار۔ تیز تیز چلتے ہاتھ بیگ کی زپ بند کر رہے تھے۔ پھر بیگ کندھے پہ ڈالا اور کونے والے ٹوائلٹ میں گھسی جس کے اوپر روشن دان کی جالی لگی تھی۔ وہ اوپر چڑھی اور وینٹ کا ڈھکن اتارا.......

''آپ صرف سوشل میڈیا کو ہی دیکھ لیں' جیفری۔ مجھے اکثر لوگ وہاں اپنے دکھوں کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں۔ انسان کے پاس اگر تین چیزیں ہوں' رزق' عزت اور صحت اور وہ پھر بھی وہ غمزدہ ہو اور ہمدردی طلب کرتا نظر آ رہا ہو تو وہ ناشکرا ہوتا ہے......''

تالیہ نے روشن دان کی جالی اتار کے نیچے پھینکی اور بلی کی طرح اندر گھس گئی۔ اندر لمبی سرنگ سی تھی۔ یہ وینٹ تھے اور ہوا کے لئے ساری عمارت میں پھیلے تھے۔ اتنے چوڑے کہ وہ اس میں سینے کے بل لیٹ کے' رینگ رینگ کے آگے بڑھ سکتی تھی.....

نیچے داتن ابھی تک آگ لگاتی دکھائی دے رہی تھی....

''میں جس ملک کا خواب دیکھتا ہوں وہاں مجھے لوگوں کو یہ سکھانا ہے کہ مظلومیت اور کمزوری کو خود پہ طاری کرنا چھوڑ دیں۔ نکل آئیں اس مائینڈ سیٹ سے کہ دنیا نے ہم پہ ظلم ڈھادیا۔ خاندان والوں نے ہمارے ساتھ برا کر دیا۔ دوستوں نے یوں دھوکہ دیا۔ ہم دکھی' ہم اداس۔ ہر وقت دوسروں سے ہمدردی مانگنا۔ یہ منفی رویے ہیں۔ ہمیں ان سے نکلنا ہوگا۔ مجھے بالکل ایسے لوگ اٹریکٹ نہیں کرتے جو چاہتے ہیں کہ لوگ ہر وقت ان کے غموں کی داستان سنتے رہیں۔''

داتن نے باتھ روم کا دروازہ کھولا تو دھواں باہر کو نکلا۔ وہ آگے آئی اور راہداری میں لگا فائر الارم کھینچ دیا۔ ساری عمارت الارم سے گونج اٹھی۔ موٹی عورت تیز تیز آگے چلتی گئی۔ ہر ڈسٹ بن کے ساتھ رکتی...لائٹر سے آگ جلاتی اور آگے بڑھ جاتی.....سی سی ٹی وی وہ پہلے ہی جام کر چکی تھی....

''انسان بہت عظیم مخلوق ہے۔ اس میں بہت طاقت ہے۔ اسے تو ساری دنیا کو سنبھالنا ہے اور وہ اپنے آپ کو ہی نہیں سنبھال پائے' کتنے دکھ کی بات ہے! ہمیں اگر زندگی میں ''خوشی اور کامیابی'' حاصل کرنی ہے تو ہمیں ایک مثبت رویہ اپنانا ہوگا۔''

''اور مثبت رویہ کیسے اپنایا جاتا ہے آپ کی نظر میں؟''

وینٹ کے اندھیر سرنگ میں وہ کہنیاں گھسیٹ گھسیٹ کے آگے بڑھ رہی تھی۔ کندھے پہ چھوٹا بیگ بھی لاد رکھا تھا جس میں ضروری سامان تھا۔ ہر تھوڑی دیر بعد راستے میں کوئی جالی آتی اور وہ اس سے جھانکتی۔ نیچے آفسز کے کمرے نظر آتے جہاں ہڑبونگ

مچی تھی۔لوگ فائر الارم سن کے چیزیں سمیٹ رہے تھے' باہر بھاگ رہے تھے.........

''مثبت رویہ ماضی کے دکھوں اور پچھتاووں سے نکلنے کا نام ہے۔اگر آپ سے کچھ غلط سرزد ہوا ہے ماضی میں' اور سب سے ہی ہوتا ہے' تو اس پہ معافی مانگ کے اس سے سبق سیکھیں اور اس پہ ہر وقت کڑھنا چھوڑ دیں۔آپ انسان ہیں' آپ سے ہر وقت سیدھا نہیں چلا جا سکتا۔چند ایک بار اگر گر بھی گئے تھے آپ تو اس کو بھول جائیں اور آگے کا راستہ دیکھیں۔''

اشعر کے آفس کے عین اوپر وہ وینٹ میں رینگتے رینگتے پہنچ چکی تھی۔اب اس کی کہنیوں تلے چوکور جالی تھی جس سے آفس نظر آ رہا تھا۔اشعر چیزیں سمیٹتا اٹھ رہا تھا۔باہر سے اس کو سیکرٹری بلا رہی تھی۔فائر الارم مسلسل چنگھاڑ رہا تھا.....

''اور اگر آپ کو ماضی میں بڑے بڑے غم ملے ہیں تو ان کے پچھتاوے سے نکل آئیں۔غلط فیصلوں پہ دکھی ہونا چھوڑ دیں۔زندگی میں کوئی بھی چیز برا تجربہ نہیں ہوتی اگر آپ اس سے سبق سیکھ لیں۔یہ ہوتی ہے مثبت اپروچ۔جو برا ہوا ہے آپ کے ساتھ یا جو برا آپ نے کیا ہے.....دونوں سے سیکھنے کے پہلو نکالیں' سبق حاصل کریں اور ریلیکس ہو جائیں۔پھر وہ تجربہ آپ کو غمگین نہیں کرے گا۔''

اشعر موبائل اور والٹ لئے باہر بھاگ گیا۔دروازہ بند کر دیا۔آفس تنہا رہ گیا۔تالیہ نے وینٹ میں لیٹے لیٹے بیگ سے ایک آلہ نکالا اور بٹن دبایا۔تھوڑی دیر لگی اور آفس کے دونوں سی سی ٹی وی کیمرے بجھ گئے۔اس نے جالی اتاری اور نیچے کود گئی۔عین اشعر کی میز پہ۔چہرے کو وہ سیاہ ski ماسک سے ڈھانک چکی تھی......

''میں چاہتا ہوں میرے ملک کے لوگ دوسروں کو ہر وقت الزام دینا اور مظلوم بننا چھوڑ دیں۔یہود و نصاریٰ نے ہمارے ملک کی ترقی روک رکھی ہے' کفار ہمارے خلاف سازشیں کر رہے ہیں' ان بے کار باتوں سے نکل آئیں۔اگر کوئی قوم ترقی نہیں کرتی تو یہ اس کا اپنا قصور ہوتا ہے۔لوگ تو ہر قوم کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔تو پھر دوسری قوموں نے ترقی کیوں کر لی؟ یہ آئینہ دیکھنے کا وقت ہے۔اپنی غلطیاں بحیثیت قوم مان لینے کا وقت ہے۔''

تالیہ مراد اب اشعر کے آفس کی میز کا ایک ایک دراز کھول کے چیک کر رہی تھی۔ہاتھوں پہ دستانے چڑھا رکھے تھے۔

اللہ نے انسان میں بڑی طاقت رکھی ہے۔کامیاب آدمی کون ہوتا ہے بھلا؟ وہ جو ماضی کے غم سے نکل آتا ہے اور مستقبل کے بڑے بڑے خواب دیکھتا ہے۔ہمارے خواب اتنے بڑے اور انوکھے ہونے چاہئیں جنیفیری کہ وہ ہمیں ڈرائیں۔پہلی دفعہ ان کو سوچ کے بھی خوف آئے۔انسان صرف چھوٹے موٹے خوابوں کے لئے نہیں پیدا ہوا۔''

وہ اب دیواروں کی پینٹنگز ہٹا ہٹا کے دیکھ رہی تھی۔90 فیصد لوگ آفسز میں سیف کسی پینٹنگ کے پیچھے بناتے تھے۔مگر پینٹنگز کے پیچھے کچھ بھی نہ تھا۔سارے آفس میں کوئی سیف نہ تھا۔وہ کمرے کے وسط میں کھڑی ہوئی اور آنکھیں بند کیں۔

اگر وہ اشعر محمود ہوتو وہ اس آفس میں سیف کہاں بنائے گی؟ سوچو تالیہ! انسان کی کمزوری وہ ہوتی ہے جس پہ وہ بھروسہ کرتا ہے۔اشعر کس پہ بھروسہ کرتا ہے؟

''خوابوں کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔جان مارنی پڑتی ہے۔لوگ مسئلوں کا آسان حل مانگتے ہیں اور جب وہ نہ ملے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کو victimhood بالکل نہیں پسند۔ہمارے کچھ مسئلے ایسے ہوتے ہیں جن کو ٹھیک ہونے میں لمبا عرصہ لگتا ہوتا ہے' تو منفی لوگوں کی طرح اس عرصے کو مظلوم بن کے' اپنے دکھوں کی کہانیاں سنانے کے بجائے انسان کو آگے کے بارے میں اچھا سوچنا چاہیے۔اسے اتنا مثبت بننا چاہیے کہ اس سے مثبت شعائیں پھوٹنے لگیں۔وہ جہاں جائے' ان مثبت' خوشگوار روشنیوں کو بکھیرتا جائے۔''

آفس کے وسط میں کھڑی تالیہ نے آنکھیں کھولیں اور اب کے آفس کو دیکھا تو اس کی نظریں مختلف تھیں۔(میں ایک آرکیٹیکٹ ہوں۔مجھے اونچی عمارتیں بنانا اور بلندیوں سے دنیا کو دیکھنا اچھا لگتا ہے۔)وہ وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ آرکیٹیکٹ بھی تھا۔اس نے یہ آفس خود ڈیزائن کیا تھا۔

تالیہ نے دیکھا۔دیوار پہ ایک بک شیلف نصب تھا۔اس نے بتی بجھائی۔بلائنڈز بند کیے۔کمرہ اندھیر ہوگیا۔پھر اس نے ننھی ٹارچ نکالی' جس میں نیلی روشنی سی تھی۔اس نے وہ روشنی شیلف پہ پھینکی۔اوپری قطار میں چوتھے نمبر پہ رکھی کتاب کے اوپر نیچے نشانات نظر آرہے تھے۔(یہ ٹارچ اندھیرے میں وہ نشان بھی دکھا دیتی ہے جو روشنی میں نظر نہیں آتے۔)تالیہ نے مسکرا کے بتی جلائی اور اس کتاب کو ذرا سا باہر کھینچا۔بک شیلف میں گڑبڑاہٹ ہوئی اور وہ میکانکی انداز میں بائیں طرف کو سرکنے لگا......

''میں زندگی میں کبھی کسی چیز کو لے کر پچھتاتا یا گلٹ کا شکار نہیں ہوتا۔جو غلطیاں کی ہیں زندگی میں' ان کا مجھے احساس ہے' مگر میں ہمیشہ حل ڈھونڈتا ہوں۔بجائے خود کو لعنت ملامت کرنے کے' ہم ہر روز رات کو اگر یہ تسلیم کرلیں کہ ہم انسان ہیں' غلطیاں ہم سے ہو جاتی ہیں' کوئی بات نہیں' ہم اس سے سبق سیکھیں گے اور اگلے دن کو ایک نئے دن کے طور پہ گزاریں گے تو نیند اچھی آئے گی۔''

بک شیلف سامنے سے ہٹ چکا تھا اور پیچھے دیوار میں ایک سلور سیف نصب تھا۔تالیہ نے کان میں لگا آلہ دبایا۔''داتن۔یہ گلین ریڈر ہے۔بیس منٹ لگیں گے مجھے۔اشعر کے آفس اور راہداری کے درمیان مزید diversion کری ایٹ کرو۔آگ' دھواں کچھ بھی۔''

''تالیہ...جلدی کرو...وقت کم ہے دیوانی لڑکی!'' داتن پریشانی سے کہہ رہی تھی......

''اور جتنے میرے ساتھ زندگی میں حادثے ہوئے' میں ان کو بھی ایک تجربہ سمجھتا ہوں۔میری بیٹی آریانہ...سب جانتے ہیں کہ وہ

کھو گئی.... سب جانتے ہیں کہ اس کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا۔ میں چاہتا تو اس کا غم لے کر تارک الدنیا ہو جاتا.... خود کو بلیم کرتا.... دنیا بھر کو بلیم کرتا.... مگر میں نے اس کو ایک تجربے کے طور پہ لیا۔ اللہ کی چیز تھی' اللہ نے لے لی' لیکن کیا میں نے اس امانت کا شکر ادا کیا تھا؟ اور اب مجھے اپنے باقی دونوں بچوں کو کیسے پالنا ہے' ان کے لئے اللہ کا شکر گزار کیسے ہونا ہے' میں بس یہی سوچتا ہوں۔ مثبت رویہ وہ دیکھنے کا نام ہے جو آپ کے پاس بچ گیا ہے اور منفی رویہ ہر وقت اس کو سوچنے کا نام ہے جو کھو گیا ہے۔"

وہ کانوں میں ہیڈ فون لگائے سیف کے سامنے کھڑی مختلف سمتوں میں اس کا پہیہ گھما رہی تھی۔ ماسک تلے چہرے پہ پسینہ آ رہا تھا۔ وہ آوازیں سن رہی تھی۔ کس حرکت پہ کہاں کلک ہوتا تھا۔ سیف کا دھات دھیرے دھیرے اسے راز بتا رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ کاغذ پہ مختلف نمبرز لکھتی جا رہی تھی۔ جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا۔

"مجھے اپنے ملک کے لوگ مایوس اچھے نہیں لگتے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ مثبت بنیں۔ پر امید۔ اونچے خواب رکھنے والے۔ وسیع سوچ رکھنے والے۔ میں چاہتا ہوں لوگ شکر گزار بنیں۔ جو ہے اس کی قدر کریں۔ جو نہیں ہے' اس کو زیادہ نہ سوچا کریں۔"

واضح کلک کی آواز آئی۔ تالیہ نے گہری سانس لے کر پہیہ گھمایا تو دروازہ کھل گیا۔

اندر سامنے سامنے نیلے فولڈر والی فائل رکھی تھی۔ اس نے فولڈر نکالا' صفحے پلٹائے' تصدیق کی۔ پھر اپنے بیگ سے چند صفحے نکال کے فائل کے اندر لگائے' اور اصلی صفحات بیگ میں ڈال دیے۔

"قومیں وہی ترقی کرتی ہیں جو اونچے خواب دیکھتی ہیں' اور یاد رکھنا جیفری۔ اگر آپ کو آپ کا خواب ڈراتا نہیں ہے' تو وہ بڑا خواب ہے ہی نہیں۔"

باتھ روم کے روشن دان سے وہ نیچے اتری۔ وہاں دھواں بھرا تھا' مگر دروازہ کھلا تھا۔ اس نے ماسک اتارا۔ بال کھولے۔ گلابی شرٹ سیاہ لباس کے اوپر پہنی۔ ہیٹ سر پہ لیا' جوتے تبدیل کیے اور تیزی سے باہر کو دوڑی۔ دھوئیں کے باعث کھانسی آنے لگی تھی۔ فائر الارم ہنوز بج رہا تھا۔ فائر بریگیڈ کا عملہ عمارت میں داخل ہو چکا تھا......

"اگر ہم دنیا کو بدلنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنا رویہ بدلنا ہوگا' اور ہم دیکھیں گے کہ دنیا خود بخود بدلنے لگی ہے۔ یہ سوچ اور وژن کی تبدیلی ہے جو میں ایک بہتر ملائیشیا میں دیکھنا چاہتا ہوں۔" اسٹوڈیو میں بیٹھا شخص مسکرا کے کہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے روشنی پھوٹ رہی تھی اور اینکر سمیت سب محویت سے اسے سن رہے تھے۔

"تھینک یو وان فاتح آپ کے وقت کے لئے۔" اینکر نے کہہ کے کیمرے کی طرف رخ پھیرا۔ "ناظرین' مجھے امید ہے کہ آپ نے بھی میری طرح بہت کچھ سیکھا ہوگا اور...." انٹرویو ختم ہو چکا تھا۔

فاتح اب اپنی شرٹ پہ لگا مائیک اتار رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ سمٹ چکی تھی۔ ذہن میں حالم اور فائل کا خیال بار بار آ رہا تھا۔

☆☆==========☆☆
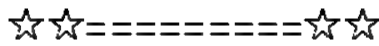
کوالالمپور پہ رات اتر رہی تھی۔ اونچی عمارتیں بتیوں سے جگمگانے لگی تھی۔ ایسے میں تکون شیشوں سے ڈھکی عمارت کے ایک فلور پہ جہاں باریسن نیشنل کا آفس تھا' وان فاتح لفٹ سے اتر رہا تھا۔ عثمان اور گارڈز ہمراہ تھے۔ آفس کیبن روشن تھے اور ورکرز کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

اس کو دیکھتے ہی بہت سی گردنیں مڑیں۔ لوگ کھڑے ہوئے۔ سلام' دعا۔ وہ اتنے سالوں سے اس سلیبریٹی پروٹوکول کا عادی تھا۔ سب کو مسکرا کے جواب دیتا آفس کی جانب آ گیا۔ ابھی دروازے کے قریب ہی تھا کہ جانے کس سمت سے ایک کیپ والا لڑکا نکل آیا۔ وہ پیروں میں پہیوں والے جوتے پہنے' مرمریں فرش پہ گویا skate کرتا تیزی سے سامنے آیا تھا۔ (ایسے میسینجر لڑکے اکثر پہیوں والے جوتے پہنے راہداریوں میں زن سے گزرتے دکھائی دیتے تھے۔)

''وان فاتح۔ کوریئر۔'' ایک پیکج اس کی طرف بڑھایا اور ٹیبلیٹ اسکرین آگے کی۔ فاتح ہلکا سا مسکرا دیا اور ٹیبلیٹ اسکرین پہ انگوٹھا رکھ دیا۔ وہ جانتا تھا یہ کس کی طرف سے ہو گا۔

آفس میں آتے ہی اس نے دروازہ بند کیا اور سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے پیکج کھولا۔ اندر کاغذات رکھے تھے۔ ترتیب سے۔ وہ جیسے جیسے صفحات پلٹتا گیا' آنکھوں میں خوشگوار حیرت بھرتی گئی۔ اسی اثناء میں فون بجا تو وہ چونکا۔ پھر نمبر دیکھ کے مسکرایا۔

''تمہارا میجک شو کامیاب رہا' حالم۔''

''کیا آپ متاثر ہوئے؟''

''بہت زیادہ۔ مگر ہر میجک شو کے بعد حاضرین کرتب کا راز جاننا چاہتے ہیں۔''

''مگر کیا آپ نے کسی جادوگر کو اسٹیج پہ کھڑے ہو کر اپنے راز بتاتے دیکھا ہے؟''

''بیک اسٹیج تو بتایا جا سکتا ہے نا!''

''آپ کیا جاننا چاہتے ہیں؟''

''یہ تم نے کہاں سے لئے؟''

''اشعر محمود کے آفس کے سیف سے۔ میں نے چند ردی کاغذ فائل کے اندر رکھ دیے ہیں' تا کہ ان کو فوراً شک نہ پڑے۔ اب آپ ان کاغذات کی حفاظت کیجیے گا۔''

''تم نے مجھے عثمان کے سامنے یہ سب کہنے کا کہا' تمہارے خیال میں وہ اشعر کے لئے کام کرتا ہے۔''

''آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ اشعر کے لئے کام کرتا ہے' اگر میں اتنے کم عرصے میں جان گیا ہوں تو آپ کیوں نہیں

جانتے ہوں گے بھلا؟'' حالم لمحے بھر کو بھی نہیں چوک رہا تھا۔ ترنت جوابات دے رہا تھا۔

فاتح ہلکا سا ہنس دیا۔ ''یہاں کوئی کسی کا وفادار نہیں ہوتا' ہمیں صرف کام نکلوانا ہوتا ہے۔ کسی اور کو رکھوں تو وہ بھی بک جائے گا۔''

''وفاداری آج بھی اپنا وجود رکھتی ہے وان فاتح۔ کچھ لوگ وفاداری کے ایسے وعدے کر لیتے ہیں کہ اس کے لئے آگ میں بھی کود پڑتے ہیں۔ خیر....'' حالم نے گہری سانس لی۔ ''آپ کا کام ہو گیا۔ مجھے اجازت؟''

''اور تمہاری فیس؟''

''میں نے یہ فیس کے لئے نہیں کیا۔ سیاستدانوں سے کون پاگل پیسے لے گا؟ سیاستدانوں سے تو فیورز مانگے جاتے ہیں۔ آپ اب میرے مقروض ہیں۔ کبھی کوئی کام لے کر آؤں تو کر دیجیے گا۔ وہی میری فیس ہو گی۔''

فاتح نے ٹیک لگائی اور فون کان سے لگائے مسکرا کے اس کو سنتے گیا۔

''کبھی مجھ سے ملنے آؤ' حالم۔''

''میں آپ کی توقعات کے برعکس ہوں' سر۔ ایسی خواہش نہ کریں تو اچھا ہو گا۔'' اس کی آواز میں اداسی گھل گئی۔

''ہوں... ویسے حالم کا کیا مطلب ہوا؟''

''خواب دیکھنے والا۔''

فاتح کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ وہ محظوظ ہو رہا تھا۔ ''یعنی کہ visionary!'' پھر جیسے یاد آیا۔ ''تم نے بتایا نہیں' یہ کام کس کا تھا؟''

چند لمحے کو خاموشی چھا گئی۔ ''آپ چور کا نام جاننا چاہتے ہیں؟'' حالم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''اور میں یہ جانے بغیر فون نہیں رکھوں گا۔ میری ہٹ دھرمی سے سارا ملائیشیا واقف ہے۔''

''تو پھر سنیے۔ آپ کے گھر چوری.... (وقفہ دیا)....تالیہ مراد نامی لڑکی نے کی تھی۔ وہ کوئی سوشلائیٹ ہے اور جس کا آپ کے گھر کچھ دنوں سے آنا جانا ہے۔''

فاتح نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سر اثبات میں ہلایا۔ ''یعنی میرا شک درست تھا۔ گڈ جاب' حالم۔''

''میں آپ کے لئے حاضر ہوں' وان فاتح۔ جہاں آپ کہیں' جب آپ کہیں۔'' اور کلک کے ساتھ فون بند ہو گیا۔ فاتح نے خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ فون پرے ڈالا اور صفحات اٹھا کے پھر سے دیکھنے لگا۔ سارے دن کی کلفت دور ہو گئی تھی۔

تکون عمارت کے باہر...اندھیر پارکنگ میں وہ دونوں موجود تھیں۔ تالیہ کار کی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھی فون کان سے ہٹا رہی تھی اور داتن ہکا بکا اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے دھچکا لگا تھا۔

”یہ بکواس کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ تالیہ مراد چور ہے؟ تم ایسا کیسے کر سکتی ہو اپنے ساتھ؟“

”تو کیا کہتی؟“ وہ اداسی سے داتن کو دیکھ کے بولی۔ ”آپ کی بیوی چور ہے؟“

”ہمارے پاس ویڈیو ہے عصرہ کی۔“

”داتن وہ کسی پہ بھی اعتبار نہیں کرتے۔ ان کا کوئی دوست نہیں۔ وہ کسی سے جلدی متاثر نہیں ہوتے۔ مگر انہوں نے حالم کو تھینکس تک نہیں کہا کیونکہ وہ صرف اجنبیوں کو شکریہ کہتے ہیں۔ وہ حالم کو اجنبی نہیں سمجھتے۔ حالم نے ان کا اعتماد جیتا ہے۔ مجھے ان کو وہی بتانا تھا جو وہ سننا چاہتے تھے۔“

”مگر تم نے اپنا امیج ہی کیوں خراب کیا؟“ داتن صدمے میں تھی۔

”میں نے ان سے سچ بولا ہے۔ تالیہ نے ان کے گھر چوری کی تھی۔ بریسلیٹ چرایا تھا نا۔ میں نے پہلی دفعہ کسی سے اتنا بڑا سچ بولا ہے۔ اور میرا امیج تو ان پہ پہلے ہی خراب ہے۔“ وہ تلخی سے کہہ کے کار اسٹارٹ کرنے لگی۔ داتن ابھی تک صدمے سے چور اس کو دیکھ رہی تھی۔

”تم نے آج اپنی جان خطرے میں ڈالی تم نے آج اندھا دھند کھائی میں چھلانگ لگائی میں نے تمہیں کبھی ایسا نہیں کرتے دیکھا تالیہ۔ ایسے مت کرو اس کے لئے۔ تمہارا دل بیمار پڑ گیا تو جسم کسی کام کا نہیں رہے گا۔“

”مجھے لگتا ہے میرا دل پہلے ہی بیمار پڑ چکا ہے لیانہ صابری۔“ وہ بولی نہیں بس دل میں کہا اور اسٹیئرنگ وہیل گھما دیا۔

کار آگے بڑھ گئی اور تکون عمارت پیچھے رات میں کھڑی رہ گئی۔

☆☆==========☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ کی بتیاں جگمگا رہی تھیں۔ رات دھیرے دھیرے سرک رہی تھی۔ ایسے میں فاتح کے کمرے میں آؤ تو وہ ڈریسنگ روم میں کھڑا دکھائی دیتا تھا۔ وارڈروب کے دونوں پٹ کھلے تھے اور وہ ہینگر سے کپڑے اتار رہا تھا۔ دو جوڑے لئے اور کمرے میں واپس آیا جہاں بیڈ پہ ایک چھوٹا سفری بیگ کھلا پڑا تھا۔ پھر ایک دم ٹھٹکا۔

عصرہ سامنے کرسی پہ آ بیٹھی تھی۔ خاموش۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے۔ اسے دیکھ کے جبراً مسکرائی۔

”کہاں جا رہے ہو؟“

وہ آگے آیا اور بیگ میں کپڑے تہہ کر کے رکھنے لگا۔ ”ملاکہ۔ کل چھٹی ہے نا۔“

”کیوں جا رہے ہو؟“ اس کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔

”سن باؤ (تین خزانوں) کے گھر کو بیچنے سے پہلے ایک آخری دن اس میں گزارنا چاہتا ہوں۔“

''ابھی کیسے بیچو گے؟ کاغذات تو ہیں ہی نہیں۔''

''کاغذات مل گئے ہیں۔'' وہ سر جھکائے بیگ میں سامان اڑس رہا تھا۔عصرہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''کیا مطلب؟ کہاں سے ملے؟'' تیزی سے بولی۔

''مجھے غلط فہمی ہوگئی تھی۔ میں نے اوریجنل ڈاکومنٹس کہیں اور رکھے تھے۔ یہاں صرف کلرڈ کاپیز تھیں۔'' اس کی نگاہیں جھکی تھیں اور وہ شیو کا سامان ایک خانے میں ڈال رہا تھا۔

''واٹ؟'' وہ شل رہ گئی۔ ''تو جو کاغذات یہاں تھے..... جو تالیہ نے چرائے تمہارے بقول' وہ صرف فوٹو کاپی تھی؟''

''ہوں!'' اب ڈریسر مرر کی طرف بڑھ گیا۔ جھک کے دراز کھولا اور جرابیں نکالیں۔ وہ بالکل بے نیاز لگ رہا تھا۔

عصرہ چند لمحے اسے دیکھے گئی۔ پھر اس نے لب بھینچ لئے۔ بازو سینے پہ لپیٹ لئے۔ ''تو صبح سے اتنا ہنگامہ کیوں مچایا ہوا تھا؟''

''کیونکہ وہ کاغذات اہم تھے۔'' وہ جرابیں لے کر واپس آیا اور ان کو بیگ میں ڈالا۔ ابھی تک عصرہ کو نہیں دیکھ رہا تھا۔

''اور میری نیلامی؟ میرے ڈونرز؟ وہ اہم نہیں تھے؟'' عصرہ کے اندر ابال سا اٹھنے لگا تھا۔ بے بسی.... غصہ.... فرسٹریشن.... وہ شدید کیفیات کا شکار تھی۔

''تم نے میری اس ڈونر کو بے عزت کیا جو کانگ ہو جیسے لوگوں کو مدعو کر رہی تھی' جس نے میرا پورٹریٹ بنایا' جو گھائل غزال خریدنے جا رہی ہے۔ میں پہلے دن سے تمہاری منت کر رہی ہوں کہ اس کے ساتھ سلوک اچھا رکھو' مجھے اس جیسے لوگوں کی ضرورت ہے مگر تم.....!''

فاتح نے اکتا کے چہرہ اٹھایا۔ ''اس نے چوری تو بہرحال کی ہے' کاپیز ہی سہی۔''

''بس وان فاتح!'' عصرہ نے ہاتھ اٹھا کے سرخ چہرے کے ساتھ اسے روکا اور کھڑی ہوئی۔ ''کبھی وہ چور ہے تو کبھی میرا بھائی۔ اور کبھی کہتے ہو فائل کھوئی ہی نہیں۔ وہ آج میرے آفس آئی تھی اور وہ شدید دکھی تھی۔'' فاتح کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''اس نے بدتمیزی کی تمہارے ساتھ؟''

''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے کہ اس نے کیا کیا۔ میں تمہارے ایک ایک معاملے میں تمہارا ساتھ دوں اور تم میرے کام کو خراب کرو۔ بس بہت ہوگیا۔ الیکشن لڑنا ہے' لڑو۔ ملاکہ والا گھر بیچنا ہے' بیچو۔ لیکن میرے دوستوں سے اب تم دور رہو گے۔ اتنے سالوں سے تمہارے جنون کے پیچھے ہم خوار ہو رہے ہیں۔ اب اور نہیں۔''

''تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ کاغذات مل گئے ہیں' نہ کہ غصہ کرنا چاہیے۔'' وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عصرہ کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

''کس بات پہ خوش ہوں؟ میرے بھائی پہ الزام لگایا تم نے؟ میری ڈونر کو بے عزت کیا تم نے؟ اس فائل کے پیچھے جو کھوئی بھی نہیں تھی۔ایک بات میری سن لو فاتح۔اگر آئندہ تم نے میرے دوستوں کے ساتھ یہ کیا تو....'' وہ انگلی اٹھا کے کہہ رہی تھی کہ....

''ایک بات میری بھی سن لو عصرہ...اگر مجھے کبھی پتہ چلا کہ تم نے اس کام میں اپنے بھائی یا اس لڑکی کی مدد کی ہے' تو یاد رکھنا' اس کے بعد ہم اس موڑ پہ آ جائیں گے جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہوگی۔'' وہ ٹھنڈے انداز میں بولا' ایسے کہ نگاہیں اس کے اندر تک جھانک رہی تھیں۔عصرہ نے انگلی گرا دی۔مگر وہ ٹھنڈی نہیں پڑی تھی۔غصے سے پیر پٹختی مڑی اور باہر نکل گئی۔

اسے پسینہ آ رہا تھا۔جسم تپ رہا تھا۔تیزی سے وہ کمرے میں واپس آئی۔دروازہ بند کیا۔پھر ڈریسنگ روم میں آئی۔یہاں کا بھی دروازہ مقفل کیا اور کپکپاتے ہاتھوں سے کال ملائی۔

''ایش....فاتح کہہ رہا ہے اسے فائل مل گئی ہے۔'' پیشانی چھوتی' وہ دبی آواز میں بولی تو شدید پریشان لگ رہی تھی۔

''ہاں کا کا....آبنگ نے یہی بات آگے پیچھے بھی دوسرے لوگوں کے سامنے بھی دہرائی ہے کہ اس کو کسی انویسٹی گیٹر نے فائل واپس لا دی ہے مگر ڈونٹ وری...فائل میرے پاس ہی ہے۔'' اس کی مطمئن آواز سنائی دی تھی۔

''نہیں۔میں فاتح کو جانتی ہوں۔وہ کہہ رہا ہے کہ اصل فائل کھوئی ہی نہیں تھی۔He is a terrible liar.۔وہ جھوٹ بول رہا ہے مگر اس کی شکل پہ لکھا ہے کہ اس کو واقعی فائل مل گئی ہے۔''

''ریلیکس کا کا۔میں نے خود چیک کیا ہے' وہ میرے پاس ہی ہے۔''

''میں کیا کہہ رہی ہوں' اشعر' وہ فائل تمہارے نہیں' فاتح کے پاس ہے۔وہ اسے تم سے نکلوا چکا ہے۔شاید کسی انویسٹی گیٹر کے ذریعے۔وہ وان فاتح ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔اور اسے مجھ پہ بھی شک ہو رہا ہے۔''

''کا کا۔ہم صبح بات کریں گے۔میرے آفس میں پہلے ہی حالات خراب چل رہے ہیں۔میں سارے دن کا تھکا آیا ہوں۔'' وہ بے زار ہوا تو عصرہ کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

''میں نے تمہارے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لیا اور تمہیں پرواہ ہی نہیں ہے۔ٹھیک ہے۔اب تم الیکشن لڑو یا فاتح' مجھے پرواہ نہیں ہو گی۔میں صرف اپنا فائدہ نقصان دیکھوں گی جیسے تم لوگ دیکھتے ہو۔'' کہہ کے ٹھک سے فون بند کیا۔اشعر شاید وضاحت دے رہا تھا مگر اس نے نہیں سنا۔

پھر وہ گھومی تو ڈریسر مرر سامنے آیا۔وہ خاموش ڈریسنگ روم میں تنہا کھڑی تھی۔قدم قدم چلتی آئینے کے قریب آئی اور اپنا عکس دیکھا۔انگلی کے پوروں سے آنکھوں کے کنارے کو چھوا۔

''آریانہ کے نقش بھی مجھ میں ملتے تھے۔ٹین ایج میں پہنچ کے وہ بھی ایسی ہی لگنے لگے گی۔آج کے دن وہ کھوئی تھی۔چھ سال

پہلے۔ تیرہ سال کی ہوگئی ہوگی وہ۔'' چند لمحے وہ خود کو دیکھتی رہی' پھر مسکرائی' جیسے چہرے کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔ کریم اٹھائی اور نرمی سے چہرے پہ لگانے لگی۔ جلد چمکنے لگی تو وہ دل سے مسکرائی اور فون اٹھالیا۔

اب وہ واپس کمرے میں آتے ہوئے آرام دہ انداز میں بات کر رہی تھی۔

''کیسی ہو تالیہ؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں' مسز عصرہ؟'' تالیہ کی سنجیدہ مگر نرم آواز سنائی دی۔ عصرہ بڑی کرسی پہ بیٹھ گئی اور ٹانگ پہ ٹانگ جما لی' پھر بھورے بالوں کی ایک لٹ انگلی پہ لپیٹتے ہوئے گویا ہوئی۔

''میں فاتح کی طرف سے معذرت کرنا چاہتی تھی۔ وہ آج کل الیکشن کی وجہ سے ٹینس ہے۔ جلد خفا ہو جاتا ہے۔ جانے تمہیں کیا کیا کہہ بیٹھا۔''

''کوئی بات نہیں۔ ان کو تو قوم دو چار قتل بھی معاف کر دے گی۔'' تالیہ کی اداس ہنسی گونجی۔

''مگر میں مداوا کرنا چاہتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ ایسی کوئی بھی بات ہمارے درمیان آئے۔'' عصرہ کی بادامی آنکھیں جیسے تانے بانے بنتی دکھائی دے رہی تھیں۔

''مداوا مت کہیں.... درخواست سمجھ لیں۔ ایک چھوٹا سا کام آپ میرے لئے کر سکتی ہیں۔''

''شیور۔ بتاؤ۔ مجھے خوشی ہوگی۔'' اور پھر تالیہ کی بات سن کے اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی۔

''بالکل' تالیہ۔ یہ میں کر سکتی ہوں۔ اور کل ہی کر سکتی ہوں۔''

کھڑکی سے باہر حبس آلود رات دھیرے دھیرے گہری ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆==========☆☆

حالم کا اونچا بنگلہ رات کے اس پہر خاموش پڑا تھا۔ تالیہ' داتن کو ڈراپ کر کے کار اندر لائی تو پورچ کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ وہ کار سے نکلی' اور سوئچ بورڈ کی طرف آئی۔ مگر ٹھٹک کے رک گئی۔ سانس بھی روک لیا۔ پھر ایک دم گھومی۔

وہ پورچ کے ستون کے ساتھ کھڑا تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے' مسکراتا ہوا۔ سمیع۔

تالیہ کا دل بری طرح دھڑکا۔ ایک نظر گیٹ کو دیکھا جو چار فٹ کا جنگلہ نما تھا۔ کوئی بچہ بھی اس کو پھلانگ لے۔ مگر پھر بھی یہ سمیع کی طرف سے ایک جراءت مندانہ قدم تھا۔ وہ اس کے گھر کے گیٹ کے اندر تک پہنچ چکا تھا۔

''کیوں آئے ہو؟'' بھنویں اکٹھی کر کے وہ غصے سے بولی۔ سمیع نے ایک ہاتھ جیب سے نکالا' اور چھوٹی سی کھچڑی داڑھی کھجائی

-

''تم سے ملاقات کا دل چاہ رہا تھا۔ سارا دن تو تم بڑے لوگوں کے ساتھ گھومتی پھرتی ہو۔ رات کو ہی فارغ ہو کے گھر آتی ہو۔''

''نکل جاؤ میرے گھر سے۔'' اس نے بازو لمبا کر کے غصے سے گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ رنگت گلابی پڑنے لگی۔ ایئر پورٹ .....وہ بیگ ... وہ تکلیف ... سب ذہن میں تازہ ہو گیا۔ ایک اس آدمی سے اسے ڈر لگتا تھا۔ اس ڈر نے جیسے کبھی ساتھ چھوڑا ہی نہیں تھا۔

''یہ میرا اکاؤنٹ نمبر ہے۔'' اس نے ایک پرچی تالیہ کی طرف بڑھائی۔ تالیہ برہمی سے اسے گھورتی رہی۔ پرچی نہیں تھامی تو سمیع نے اسے اس کی کار کی چھت پہ چپکا دیا۔ وہ sticky نوٹ تھا۔ فوراً چپک گیا۔

''تمہارے پاس دو دن ہیں۔ کل اور پرسوں۔ پھر میں وہ کروں گا جو تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ ان دو دنوں میں میرے وظیفے کی رقم کا تعین کر لو' میرا لائف ٹائم پلان تیار کر دو اور اس اکاؤنٹ میں پہلی قسط بھجوا دو۔'' وہ چبا چبا کے کہہ رہا تھا۔ ''اگر دو دن تک مجھے رقم نہ ملی تو تمہارا یہ تاش کے پتوں کا گھر (انگلی سے اونچے بنگلے کی طرف اشارہ کیا) نیچے آن گرے گا۔''

گھنٹی بجی تو دونوں نے چونک کے دیکھا۔ جنگلے نما گیٹ کے باہر نیم اندھیرے میں کھڑا ایڈم نظر آ رہا تھا۔ سمیع نے کالر کھڑکا کے سیدھے کیے۔

''تمہارے مہمانوں کے سامنے تمہاری اصلیت کھولنے کا دل تو بہت چاہ رہا ہے مگر کیا کروں' مسلمان کی ایک زبان ہوتی ہے۔ اور دو دن تک اس زبان کو میں بند رکھوں گا۔ صرف دو دن ہیں تمہارے پاس' میڈم تالیہ۔'' مسکراتی نظر اس پہ ڈالی اور گیٹ کی طرف چلا گیا۔ البتہ باہر نکلتے ہوئے اس نے سر سے پیر تک ایڈم کو دیکھا ضرور تھا۔

''آ جاؤ' ایڈم!'' خفا کھڑی تالیہ نے وہیں سے پکارا۔ اس نے ابھی کچھ دیر پہلے ایڈم کے کیسیج کا جواب دے کر اسے گھر آنے کا بولا تھا۔

ایڈم ایک ناپسندیدہ نظر اس آدمی پہ ڈالتا اندر آیا۔ تالیہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔ وہیں کار کے ساتھ اندھیر پورچ میں کھڑی رہی۔ بیگ کہنی پہ تھا اور بازو سینے پہ لپیٹ رکھے تھے۔

ایڈم ذرا فاصلے پہ رکا۔ سادہ پینٹ شرٹ میں ملبوس' ذرا دبی رنگت والا ایڈم آنکھوں میں الجھنیں لئے ہوئے تھا۔

''بولو۔ کیوں آئے ہو؟'' وہ خفا اور اکتائی ہوئی لگتی تھی۔

''کیا یہ آدمی آپ کو تنگ کر رہا تھا؟''

''اس کی فکر مت کرو۔ میں پولیس آفیسر ہوں' ان لوگوں سے نبٹ سکتی ہوں۔''

''یہی جاننے آیا ہوں۔ آپ پولیس آفیسر ہیں واقعی یا نہیں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے ٹھنڈے انداز میں بولا تو تالیہ کے

ماتھے پہ بل پڑے۔اس نے ہتھیلی پھیلائی۔

''میرا سکہ؟''

''آپ نے تو کہا تھا' وہ سرکار کا ہے۔''

''مگر وہ واپس میرے ذریعے ہی جائے گا نا۔''

''نہیں چے تالیہ۔''اس نے غور سے تالیہ کا چہرہ دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔''میں وہ آپ کو نہیں دے سکتا۔مجھے آپ پہ اعتبار نہیں رہا۔'' تالیہ نے مٹھی نیچے گرادی۔

''ایسا کیا کیا ہے میں نے جو تم مجھ پہ شک کر رہے ہو؟''

''آپ نے ابھی تک یقین دلانے کے لئے کچھ کیا ہی نہیں ہے۔''

''میں تمہیں ایک بونس آفر کر رہی تھی' ایڈم۔''وہ جھلا کے حیرت سے بولی۔

''آپ مجھے لالچ دے رہی تھیں۔مگر میرا دل نہیں مانتا۔مجھے لگتا ہے آپ شروع دن سے اس سکے کے پیچھے تھیں۔میرا نہیں خیال وان فاتح آپ سے واقف ہیں ورنہ وہ گھر میں ہونے والی چوری کے بارے میں آپ سے سوال جواب کیوں کرتے؟''

تالیہ لمحے بھر کو خاموش ہوئی۔''وہ سب عصرہ اور اشعر کو دکھانے کے لئے تھا تاکہ اصل چور مطمئن رہے کہ فاتح کو اس پہ شک نہیں اور ہم اس کو پکڑ لیں!''

''یہ سب کہانیاں ہیں۔''وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔آنکھوں میں افسوس تھا۔''اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کی مدد کروں تو آپ کو مجھ سے سچ بولنا ہوگا۔سچ بولنے سے معاملہ ماضی کا حصہ بن جاتا ہے اور جھوٹ اسے مستقبل کا حصہ بنا دیتا ہے۔آپ کون ہیں۔آپ کا مقصد کیا ہے اور میں آپ کی مدد کر کے درست کروں گا یا نہیں' مجھے صرف سچ بتائیں چے تالیہ۔''

اندھیرے پورچ میں کھڑی سنہرے بالوں والی لڑکی چند لمحے تندہی سے اسے دیکھتی رہی۔

''میرا نام تاشہ کمال ہے' اور میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔اگر چاہتی تو پولیس بھیج کے وہ سکہ تم سے ری کور کر کے تمہیں چوری کے الزام میں جیل بھیج سکتی تھی مگر مجھے تم پہ ترس آیا اور میں نے سوچا کہ تمہیں بونس ملنا چاہیے۔ بہر حال کل تک سوچ لو۔کس طرح واپس کرنا ہے تم نے وہ سکہ' یہ فیصلہ کر لو۔اس کے بعد ہم دونوں ساتھ کام نہیں کریں گے۔''

''یعنی آپ مجھے پورا سچ نہیں بتائیں گی۔''ایڈم زخمی لہجے میں بولا اور پھر شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھتا قدم قدم پیچھے ہٹتا گیا۔

''اب میں سچائی کی تلاش خود کروں گا' چے تالیہ۔''وہ پیچھے ہٹ رہا تھا اور تالیہ خاموشی سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

ایڈم چلا گیا اور وہ اسے روک بھی نہ سکی۔آج کے لئے بہت سچ بول چکی وہ۔اب مزید نہیں۔اسے ایڈم کا کوئی اور حل سوچنا پڑے

گا۔

''وہ تمہارے خواب میں تمہارے ساتھ خزانہ ڈھونڈ رہا تھا۔اس کو خزانے کا راز بتا دو' تالیہ!'' دل میں کسی نے کہا مگر اس نے سختی سے دل کو جھڑکا۔'

'میں خزانہ کسی کے ساتھ شیئر نہیں کروں گی۔ میں ایڈم کو سچ نہیں بتا سکتی۔ اسے لالچ آ گیا اور اس نے سارا خزانہ خود حاصل کرنے کا سوچ لیا تو؟ اونہوں۔ خزانہ صرف میرا ہے۔ میرے بابا اور میرے گاؤں والوں کا ہے۔''

رات تاریک ہوتی گئی اور وہ اپنے کمرے میں بیڈ پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی سوچتی رہی۔ ہاتھ میں سنہرا لاکٹ پکڑ رکھا تھا۔ بار بار خود کو جھڑکتی۔ اپنی ہی تردید کرتی۔ سکہ اس کا تھا۔ چابی اس کی تھی۔ وہ اس کو شیئر نہیں کرے گی۔

مگر کیا واقعی چابی اس کی تھی؟ اس نے سنہری لاکٹ کو دیکھا اور پھر اسے گردن میں پہنا۔ پیچھے ہُک بند کرتے وقت وہ تیار تھی۔ وہ اس کی یادوں کا پنجرہ تھا اور وہ اس میں کھو جانے کو تیار تھی....

منظر ایک دم بدلا.... آنکھوں کے سامنے روشنی چھانے لگی۔ آگ کی سی روشنی.... جیسے بھڑکتے شعلے ہوں۔ وہ مدھم ہوئے تو اس نے خود کو ایک چھوٹے سے کمرے میں پایا۔

مراد انگیٹھی کے پاس بیٹھا ہے.... جھک کے وہ لوہے کے چمٹے سے دہکتی چابی انگاروں کے اوپر سے اٹھاتا ہے.. وہ ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے' پنجوں کے بل اس کے پاس بیٹھی دلچسپی سے اس کی حرکات دیکھ رہی ہے....

چابی سنہری دہک رہی ہے.... مراد اس کو احتیاط سے اٹھائے کھڑا ہوتا ہے پھر واپس ایک میز کی طرف آتا ہے.. وہ بھی فوراً اٹھ کے پیچھے لپکتی ہے....

اب وہ دونوں میز کے مخالف سروں پہ کھڑے ہیں.... درمیان میں ایک پیالہ ہے جس میں پانی جیسا کوئی مائع ہے... مراد کو پسینے آ رہے ہیں' وہ ایک ہاتھ سے پیشانی پونچھتا ہے' اور دوسرے سے.... چمٹا پیالے کے اوپر لاتا ہے.... پھر چابی اندر گراتا ہے.... وہ ڈبکی کھاتی ہے اور ٹوٹ جاتی ہے....

تالیہ کے لب کھل جاتے ہیں... وہ ہراساں سی آنکھیں اٹھاتی ہے....

''بابا.... یہ تو ٹوٹ گئی....''

''اس کو ٹوٹنا ہی تھا' تالیہ.... پھر سے جڑنے کے لئے!''

''وہ کیسے؟''

''یہ چاند کی اکیسویں تک اس پانی میں پڑی رہے گی۔ پھر اس کو نکال کے جوڑا جائے گا۔ ابھی یہ اتنی گرم ہے کہ یہ میری روح

تک کھا جائے گی۔'' وہ میز پہ دونوں ہاتھ رکھے مسکرا کے اسے بتا رہا ہے۔ وہ درمیانی عمر کا آدمی ہے۔ دبلا پتلا' مگر چہرہ بے حد پر کشش ہے۔ سیاہ بال کندھوں تک آتے ہیں۔ سر پہ رومال لپیٹ رکھا ہے۔ زبوں حالی' غربت' کمرے کی ہر شے سے ٹپکتی ہے۔

''اور اسے کون جوڑے گا' بابا؟'' ننھی لڑکی کھوئے کھوئے انداز میں پوچھتی ہے....

''جو اس کا مالک ہوگا۔ یعنی میں۔ جو بھی اس کو ٹوٹنے کے بعد جوڑتا ہے' وہی چابی کا مالک ہوتا ہے۔ یہ خزانے کی کنجی ہے تالیہ۔ سوچو... اگر ہم خزانے کا قفل کھول لیں تو اپنے لوگوں کے لئے کیا کچھ نہیں کر سکتے....''

''جب ہمارے پاس خزانہ آجائے گا تو کیا آپ کا خاندان ہمیں قبول کر لے گا' بابا؟ کیا وہ لوگ....''

مگر مراد کی آنکھوں میں سرخی ابھرتی ہے۔

''میں ان کا ذکر بھی نہیں سننا چاہتا' تالیہ۔ وہ ظالم لوگ ہیں۔ انہوں نے کیا کیا ظلم نہیں ڈھائے ہمارے گاؤں پہ؟ اب چلو یہاں سے۔ اور سنو' تم اس کمرے میں میری اجازت کے بغیر نہیں آؤ گی۔'' وہ انگلی اٹھا کے تنبیہہ کرتا ہے اور ننھی لڑکی جھٹ سر ہلا دیتی ہے....

بوجھ بڑھ گیا تھا.... یادیں بھاری ہو رہی تھیں.... تالیہ نے کراہ کے لاکٹ نوچ ڈالا....

کوئی فلم سی بند ہوئی۔ روشنی چھٹ گئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔

وہ اپنے بیڈروم میں بیٹھی تھی... تکیہ گود میں رکھے۔ سب کچھ کتنا مختلف تھا اس کمرے اور اس کمرے میں.... کچھ غلط تھا ادھر... کچھ عجیب سا.... کچھ ایسا جو اس کا دماغ پکڑ نہیں پا رہا تھا....

کیا معلوم داتن درست کہہ رہی ہو اور....؟

اونہوں۔ اس نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔ ایسا ناممکن ہے۔ کبھی نہیں۔ یہ موٹی بھی نا!

وہ چت لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

''کیا مطلب ہوا حالم کا؟''

''کبھی مجھ سے ملنے آؤ' حالم!''

ذہن میں کسی کا محظوظ لہجہ گونجا تو وہ بند آنکھوں سے مسکرائی۔ ایک عجیب دن کا دورے بہتر انجام ہوا تھا....

☆☆=========☆☆

اگلی صبح ابھی فجر قضا ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا جب وان فاتح کی رہائشگاہ پہ صبح کے ہنگامے جاگ اٹھے۔

آسمان ابھی گہرا نیلا تھا اور پورچ میں بتیاں جلی تھیں۔ ملازمہ کار میں اس کا بیگ رکھ رہی تھی اور وہ ساتھ کھڑا موبائل پہ کچھ ٹائپ

کر رہا تھا۔ نیلی جینز کے اوپر سفید ڈریس شرٹ پہنے' اس نے آستین کہنیوں تک موڑ رکھے تھے اور پاؤں میں جوگرز تھے۔ ہمیشہ کی طرح ینگ اور فریش۔

پھر موبائل جیب میں ڈال کے ڈرائیور سے چابی مانگی۔ ''میں خود ڈرائیو کروں گا' تم گھر جاؤ۔''

''مگر سر... سیکیورٹی اسٹاف؟''

''کیا میں ایک دن کی چھٹی پہ نہیں جا سکتا؟'' ذرا سا مسکرا کے پوچھا اور ڈرائیونگ ڈور کھولا۔ ڈرائیور فکرمند سا ہوا۔

''سر دو گھنٹے کا سفر ہے.... آپ مجھے ڈرائیو کرنے دیں۔''

فاس سے پہلے کہ فاتح کچھ کہتا' اندر سے عصرہ آتی دکھائی دی۔ ساتھ ہی وہ دونوں بچوں کو باہر لا رہی تھی جو سوئے سوئے سے لگ رہے تھے مگر منہ دھلے اور بال بنے ہوئے تھے۔ فاتح نے اچنبھے سے ابرو اٹھائے۔

''یہ کیا؟''

عصرہ نے مسکرا کے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ ''سن باؤ کے گھر میں آخری دن ہم سب کو ساتھ گزارنا چاہیے۔'' پھر ڈرائیور کو اشارہ کیا۔ ''تم پچھلی کار میں سیکیورٹی گارڈز کے ہمراہ آؤ گے۔ جاؤ۔'' پھر اس نے فاتح کو دیکھا جو ذرا حیران ہوا تھا۔ ''تمہیں اعتراض ہے کیا؟''

فاتح کے چہرے پہ مسکراہٹ رینگ گئی۔ ''بالکل نہیں۔ اس سے اچھی بات کیا ہو گی کہ ہم سب ایک ساتھ جائیں۔'' وہ خوش ہوا تھا۔ ''مگر میں ساری فوج کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتا۔'' ابرو سے سیکیورٹی کی کار کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ تمہارے لئے نہیں ہیں فاتح۔ وہ ہمارے بچوں کی حفاظت کے لئے ہیں۔ اور مجھے شاید جلدی واپس آنا پڑے دوپہر تک' تو مجھے الگ کار چاہیے ہو گی۔'' وہ سارے فیصلے کر چکی تھی۔ سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے فرنٹ سیٹ پہ استحقاق سے بیٹھی تھی۔

وان فاتح نے سمجھ کے سر ہلا دیا اور بیلٹ پہنتے ہوئے گردن موڑی۔ پیچھے جولیانہ اور سکندر بیٹھے تھے۔ وہ مسکرایا۔

''آج میں تمہارے دادا کا گھر آخری دفعہ دیکھنے جا رہا ہوں۔ اور میں بہت خوش ہوں کہ تم لوگ میرے ساتھ ہو۔''

''ڈیڈ.... ہم وہ گھر کیوں بیچ رہے ہیں۔'' سکندر اداس سا ہوا۔ گیارہ سالہ خوبصورت بچہ جو اپنی عمر سے زیادہ ذہین لگتا تھا۔

''ہم کون سا وہاں رہتے ہیں سکندر؟'' جولیانہ نے ناک چڑائی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں نیند بھری تھی۔

''کتنے دنوں بعد ڈیڈ نے تمہارے لئے وقت نکالا ہے' کیا تم دونوں ان کو یونہی تنگ کرتے جاؤ گے؟'' عصرہ نے نرمی سے ٹوکا تو سکندر نے سمجھداری سے سر ہلایا۔

''میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا۔ ڈیڈ جو بھی کریں گے' صحیح کریں گے۔''

''ڈیڈ!'' جولیانہ نے ابرو اکٹھے کیے چہرہ واپس موڑا۔ ''اس گھر کو ''سن باؤ'' (تین خزانوں) والا گھر کیوں کہتے ہیں؟''

فاتح نے چابی اگنیشن میں گھمائی اور مسکرا کے اسٹیئرنگ وہیل پھیرا۔ ''یہ ایک دلچسپ کہانی ہے اور تمہیں پتہ ہے تمہارے ڈیڈ کو تمہیں کہانیاں سنانا کتنا اچھا لگتا ہے' ہوں؟'' وہ اب کار پیچھے موڑ رہا تھا۔

صبح کی سفیدی دور افق پہ پھیل رہی تھی اور کوالالمپور جاگنے لگا تھا۔

یہ ایڈم کی نوکری کا گیارہواں اور آخری دن تھا جو ساری دنیا کے لیے اسی رات بارہ بجے ختم ہو جانا تھا مگر ان تین انسانوں کے لئے وہ کبھی نہ ختم ہونے والا دن بننے جا رہا تھا....

☆☆=========☆☆

صبح کی سفیدی اب سنہرے پن میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اشعر محمود کی آفس بلڈنگ کے ۳۵ فلورز مکمل طور پہ جاگ چکے تھے اور کام کے دھنی لوگ منہ اندھیرے ہی جاب پہ پہنچ چکے تھے۔

صبح اٹھنے والے.... تازہ ذہن کے ساتھ کام کرنے والے.... اپنی زندگیوں کے ایک ایک منٹ کو استعمال کرنے والے لوگ.... کامیابیاں پھر ایسے ہی تو نہیں ملا کرتیں.... برکتیں ایسے ہی تو گھروں پہ نازل نہیں ہوتیں.... رزق ایسے ہی تو نہیں بڑھ جاتا۔ صبح اٹھنے والوں اور سورج نکلنے کے بعد اٹھنے والوں میں اتنا ہی فرق تھا جتنا کامیابی اور ناکامی میں۔

اشعر محمود اپنے آفس میں کھڑا تھا۔ بک شیلف سامنے سے ہٹا تھا اور دیوار میں نصب سیف کھلا پڑا تھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑے بھنویں بھینچے' فائل کے صفحے پلٹ رہا تھا۔ جیسے جیسے اگلا صفحہ سامنے آتا' اس کی رنگت تبدیل ہوتی گئی۔ آخر میں وہ مڑا اور پوری قوت سے فائل دیوار پہ دے ماری۔ صفحات ادھر ادھر بکھر گئے۔ خالی صفحات۔

ایک طرف ہاتھ باندھے کھڑا رملی کھنکھارا۔ ''سر.... میں نے خود چیک کیا تھا۔ جب مسز عصرہ نے فائل دی تھی تو اس میں اصلی ڈاکومنٹس تھے۔''

''اب اس میں صرف بلینک پیپرز ہیں۔ عثمان کی کال کے بعد میں نے صرف سیف کھول کے فائل کو دیکھا اور مطمئن ہو گیا کہ فائل پڑی ہے۔ اُف۔''

''کسی نے آگ کے دوران کل شاید کاغذات تبدیل کیے ہوں۔''

اشعر غصے سے اس کی طرف گھوما اور غرایا۔ ''سیف کی حالت دیکھو۔ ایک ضرب تک نہیں لگی اس پہ۔ کسی نے اسے کھولا تک نہیں۔ اندر زیورات ہیں' پیسے ہیں' ایک چیز بھی نہیں ہلی۔ تم نے پیپرز دیکھے ہی نہیں تھے شاید۔'' اس نے سر پکڑ لیا۔ ''میں نے بھی دیکھے بغیر اندر ڈال دیے۔ میں جلدی میں تھا۔ اُف۔''

''سر.... کل مس تالیہ بنتِ مراد بھی تو آئی تھیں۔'' رملی چونکا۔ اشعر نے گھور کے اسے دیکھا۔

''وہ سارا وقت میرے سامنے بیٹھی رہی تھی۔ اپنی غلطی اس کے سر مت ڈالو۔ یہ خالی دماغ کی سوشلائیٹس کو ایوننگ ڈریسز اور فیشن سے فرصت نہیں ملتی جو اس طرح کا کچھ سوچیں۔ نان سینس۔'' بیزاری سے کہہ کے وہ اپنی سیٹ تک آیا۔ رملی چپ ہو گیا۔

''وان فاتح صرف ایک صورت میں سرینڈر کرے گا اگر اس کے پاس الیکشن لڑنے کے لئے پیسے نہ ہوں۔'' اشعر نے سیٹ کا رخ پیچھے شیشے کی دیوار کی جانب موڑ لیا جس کے پار اونچی اونچی عمارتیں اور نیچے سڑکوں پہ بہتا ٹریفک صاف دکھائی دے رہا تھا۔ صبح کی کرنیں عمارتوں کے اطراف سے نکل کے سیدھی اس طرف آرہی تھیں۔

''ہمیں کسی بھی طرح وان فاتح کو پیسے کی طرف سے بے فکر نہیں ہونے دینا۔ وہ کسی سے قرضہ نہیں لے گا' نہ کا کا سے کچھ مانگے گا۔ یہ گھر کروڑوں کی مالیت کا ہے۔ یہ گھر نہیں بکنا چاہیے۔'' پھر اس نے کرسی واپس موڑی۔ اب چہرے سے غصہ چھٹ چکا تھا اور اس کی جگہ گہری سوچ نے لے لی تھی۔'

'مارکیٹ میں یہ خبر مشہور کر دو کہ وہ گھر haunted ہے۔ چونکہ وہ سن باؤ سے تعلق رکھتا ہے تو اس کے خریداروں چینی زیادہ دلچسپی لیں گے۔ سن باؤ چینی مسلمان تھا۔ سو کسی ایسے آسیب یا نحوست کا ذکر کرنا جو چینیوں کو متاثر کرتی ہو۔''

رملی کی آنکھیں چمکیں۔ ''درست۔ ایسا ہی کرتا ہوں۔ مگر سر.... یہ چوری؟'' اس نے سیف کی طرف اشارہ کیا۔

''میرا نہیں خیال کوئی چوری ہوئی ہے بہرحال' سی سی ٹی وی فوٹیج چیک کرو' ایک ایک فریم دیکھو۔ کوئی بھی مشتبہ شخص نظر آئے تو رپورٹ کرو۔'' وہ سختی سے تنبیہہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ رملی نے جھٹ سر ہلایا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اشعر نے اس کی پشت کو سوچتی نگاہوں سے دیکھا۔

''کیا رملی مجھے دھوکہ دے رہا ہے؟ کہیں یہ فاتح کے ساتھ تو نہیں مل گیا؟'' اس کا ذہن دوسرے نہج پہ سوچ رہا تھا۔

یہ ایسی دنیا تھی جہاں سایے کا بھی اعتبار نہیں تھا۔

☆☆=========☆☆

سورج نکل آیا تھا۔ سڑک پہ ٹریفک رواں دواں تھی۔ آج چھٹی کا دن تھا اس لئے رش کم تھا۔ فاتح کی کار ملاکہ کے قریب ہی تھی۔ چند منٹ کا سفر ابھی باقی تھا۔

وہ سن گلاسز لگائے' کہنیوں تک آستین موڑے اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے ڈرائیو کر رہا تھا۔ کلائی میں پہنی بھوری گھڑی صاف نظر آرہی تھی۔ منہ میں کچھ چبا بھی رہا تھا۔ عصرہ باہر بھاگتے درختوں اور اونچے نیچے سرسبز ٹیلوں کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں بچے پیچھے بیٹھے اپنے اپنے آئی پیڈز پہ لگے تھے۔ غرض سفر خاموشی سے کٹ رہا تھا۔

تبھی فاتح نے بیک ویومرر پہ نظر ڈالی تو سکندر کے اسکرین پہ جھکے چہرے پہ غصہ دیکھا۔فاتح نے سن گلاسز اتار کے پرے رکھے اور آئینے میں پیچھے دیکھتے اسے پکارا۔"سکندر....کیا تم انٹرنیٹ پہ کسی سے بحث کر رہے ہو؟"

سکندر نے چونک کے سر اٹھایا۔عصرہ نے بھی مڑ کے دیکھا۔

"گیم کھیل رہا تھا۔"سکندر نے خفت سے ٹیب نیچے کرلیا۔

"میں تمہارا باپ ہوں' سکندر۔مجھے معلوم ہے تم کچھ پڑھ رہے تھے۔"

سکندر نے ناک سکوڑا۔"او کے۔میں کچھ کمنٹس پڑھ رہا تھا۔میرے بھی کچھ فیوریٹس ہیں' ڈیڈ اور مجھے برا لگتا ہے اگر لوگ ان کو برا کہیں۔"پھر اس کے چہرے پہ بے بسی بھرا غصہ در آیا۔

"ڈیڈ لوگ اتنے بدتمیز اور پاگل کیوں ہوتے ہیں؟ کسی مشہور انسان (ایک چور نظر باپ کے کندھے پہ ڈالی) جس کو وہ جانتے تک نہیں ہوتے' اس کے خلاف اتنے برے برے کمنٹس کیسے لکھ دیتے ہیں؟"

"کس کے بارے میں کیا لکھا ہے لوگوں نے؟"وہ سامنے دیکھتے ہوئے موڑ کاٹتے ہوئے مطمئن سا پوچھ رہا تھا۔

سکندر نے ایک نظر گود میں رکھی اسکرین پہ ڈالی جس پہ وان فاتح کا ٹوئیٹر کھلا پڑا تھا۔فاتح نے صبح مارٹن لوتھر کنگ کا کوئی قول پوسٹ کیا تھا اور اس پہ ہزاروں کمنٹس آئے پڑے تھے۔مثبت کمنٹس سکندر نے صرف پڑھ کے گزار دیے تھے مگر ہر منفی پہ اس کا دل دکھتا گیا تھا۔

'بکواس بند کرو' 'پہلے خود تو سیکھ لو' 'کرپٹ سیاستدان' 'ملک کو لوٹ کے کھا گئے ہو' 'تم سارے ملے ہوئے ہو' 'یہ وان فاتح حکومت میں آ کے وہی کرے گا جو صوفیہ رحمٰن کرتی آئی ہے۔سب کرپٹ ہیں۔آئی ہیٹ پالیٹکس۔'

سکندر نے چہرہ اٹھایا۔باپ اس کے جواب کا منتظر تھا۔'

'میرا ایک...ایک فیورٹ سیلیبریٹی ہے'اس کے سوشل میڈیا اکاؤنٹ پہ لوگ اس پہ تنقید کر رہے ہیں۔"

"اور اس سے تمہارا دل دکھ گیا؟"

"دکھنا نہیں چاہیے کیا' ڈیڈ؟ لوگوں کو کیا پتہ کہ وہ آدمی کون ہے میرے لئے؟"اس کا گلا رندھ گیا۔عصرہ نے اداسی سے سر جھٹکا۔ جولیانہ باہر دیکھتی رہی۔سب جانتے تھے سکندر کس کی بات کر رہا تھا۔

"سکندر...."وہ ڈرائیو کرتے ہوئے....ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔"جب رسول اللہ ﷺ پہ پہلی دفعہ وحی نازل ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جانتے ہو کیا حکم دیا تھا؟ کہ وہ دوسروں کو بھی نیکی کی طرف بلائیں۔اور جانتے ہو تین سال تک آپ ﷺ نے دوسروں کو اچھے کام کرنے کا حکم کیسے دیا؟ خاموشی سے' privately۔چھپ کے۔کھلم کھلا علی الاعلان نہیں۔

صرف اپنوں کو بتایا اور وہ سب مانتے گئے کیونکہ وہ اپنے تھے۔ سمجھتے تھے۔ احترام کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی سچائی سے واقف تھے۔"

سکندر ابھی تک اداسی سے اسے دیکھ رہا تھا جو نرمی سے کہے جا رہا تھا۔

"تین سال بعد رسول اللہ ﷺ نے کھلم کھلا لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا شروع کیا۔ اور اسلام ہوتا کیا ہے؟ اچھے کاموں کی طرف بلانا۔ اور برے کاموں سے روکنا۔ جب آپ ﷺ نے یہ کام شروع کیا تو لوگوں کے آئیڈیاز چیلنج ہوئے۔ وہ جو اتنے عرصے سے جس طریقے پہ زندگی گزار رہے تھے، وہ طریقہ سوالیہ نشان بن گیا۔ لوگ بپھر گئے۔ دشمن بن گئے۔ رسول ﷺ کو اذیت دینے لگے۔ ابولہب کی بیوی نعوذ باللہ آپ ﷺ کو "مذمم" کہہ کے پکارنے لگی، یعنی کہ Condemned۔ جس کی مذمت کی جائے مگر جب رسول اللہ ﷺ نے یہ نام سنا تو انہوں نے کیا فرمایا؟"

سکندر نے مدد کے لئے بہن کو دیکھا جو کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی، پھر واپس چہرہ موڑا۔ "مجھے نہیں معلوم۔"

"آپ ﷺ نے فرمایا، مذمم تو میرا نام ہے ہی نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ساری باتوں کو اس طرح اگنور کر دیا کہ یہ جب مجھے جانتی ہی نہیں ہے تو یہ جو کہہ لے، یہ مجھے نہیں کہہ رہی، مجھے کیا فرق پڑتا ہے؟ اسی طرح بیٹے، جب بھی آپ کسی معاشرے میں reforms اور بہتری لانے کھڑے ہوتے ہو... ان کو بتاتے ہو کہ ان کا حکومت کرنے کا طریقہ یا ادارے چلانے کا طریقہ غلط ہے.... جب آپ جھوٹے کو جھوٹا اور چور کو چور کہتے ہو.. تو لوگوں کے آئیڈیاز چیلنج ہوتے ہیں۔ لوگوں کو نہیں معلوم ہوتا کہ ان کو کس چیز کی ضرورت ہے حتیٰ کہ آپ ان کو ثابت کر کے نہ دکھا دیں۔ مگر اس عرصے میں ایک طبقہ جس کے مفاد اسی پرانے سسٹم کے ساتھ ہیں، وہ بلبلا اٹھتا ہے۔ یہ جو صحافی تمہارے اس فیورٹ سیلیبریٹی (سکندر نے پلکیں جھکا لیں) کے خلاف روز اخبار میں لکھتے ہیں، تمہیں کیا لگتا ہے، وہ اندر سے اپنے لکھے پہ خود بھی یقین رکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ان سب صحافیوں اور میڈیا والوں کو سب پتہ ہوتا ہے کہ کون اچھا ہے، کون کم اچھا ہے اور کون برا ہے مگر ان کے حکومت کے ساتھ مفادات ہوتے ہیں۔ بیٹے کی نوکری، کاروباری ٹھیکے، سیاستدانوں سے دوستی... عدالتوں میں کیسز.... یہ انہی وجوہات کی بنا پہ اچھے کو برا بنا کے پیش کرتے ہیں۔ سیاست میں یہ نہ دیکھا کرو کہ کیا کہا جا رہا ہے، یہ دیکھا کرو کہ کون کہہ رہا ہے۔"

"فاتح.... تم سیاستدانوں کو انبیاؑ سے نہیں ملا سکتے۔" عصرہ نے قدرے خفگی سے ٹوکا تھا۔

"میں ملا بھی نہیں رہا، نہ ہی ملانا چاہیے۔ لیکن انبیاء کی زندگیوں میں ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ مشکل میں کیا کرنا ہے، یہ ہم نے انہی کی زندگیوں سے تو سیکھنا ہے۔ میں صرف یہ کہنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ جب بھی آپ کسی معاشرے کی اصلاح کے لئے یا کوئی بھی بڑا کام کرنے نکلیں گے، تو لوگ آپ کا مذاق اڑائیں گے۔ انبیاؑ کو بھی نہیں چھوڑا لوگوں نے تو ہم کیا ہیں اور تمہارا فیورٹ

سیلیبرٹی کیا ہے۔ لوگ ہمیں نہیں بتا سکتے کہ ہم نے زندگی کیسے گزارنی ہے۔ اس لئے لوگوں کی باتوں کا اثر نہ لیا کرو۔"

"مگر ڈیڈ... میرے اپنے فرینڈز فیس بک پہ جب میرے فیورٹ سیلیبریٹی کے خلاف کمنٹس کر رہے ہوتے ہیں تو میرا دل ان کا گلا مروڑ دینے کا چاہتا ہے۔"

"اور میرا دل چاہتا ہے میں ان سے دوستی ختم کرلوں۔" باہر دیکھتی جولیانہ اداسی سے بولی۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"بڑے ہو جاؤ سکندر... سیاستدانوں اور سیلیبریٹیز کے پیچھے آپس کی دوستیاں اور تعلقات نہیں خراب کیے جاتے۔ لیڈر کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ کون کون ان کے لئے لڑ کے ناراض ہوا بیٹھا ہے۔ اگر بحث کرنی ہے تو آئیڈیاز پہ کرو۔ اپنے فیورٹ سیاستدانوں کو 'انسان' سمجھ کے۔ انبیاؑ کے بارے میں بھی لوگ یہی کہتے تھے کہ وہ فرشتے کیوں نہیں ہیں۔ آج کے لیڈرز کے بارے میں بھی لوگ یہی چاہتے ہیں کہ وہ فرشتے ہوں۔ تم اپنے لیڈر کو انسان قبول کرلو۔ اس کی خامیوں اور خوبیوں کے ساتھ۔ مگر اس کے جرائم کے ساتھ نہیں۔ ذاتی خامیاں سب میں ہوتی ہیں لیکن اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ سیاستدان اپنے ملک کے لوگوں کو اپنی چوری کی وجہ سے نقصان پہنچا چکا ہے' اور سیاستدان بس اسی طرح ہی نقصان پہنچا سکتا ہے نا' تو تم اس سیاستدان کو قبول مت کرو۔ اس کو ڈیفینڈ مت کرو۔ باقی تمہیں کوئی بھی پرفیکٹ نہیں ملے گا۔ اگر تم اپنے لیڈر کو اس کی imperfections کے ساتھ قبول کرلو اور اس کو فرشتہ ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو' تو تمہیں ہر وقت دوستوں سے لڑنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

"مگر ڈیڈ... دوست جب برے کمنٹس دیں تو میرا دل دکھتا ہے۔" سکندر بضد تھا۔

"پھر اپنے دل کو مضبوط کرو اور ہر ایک سے یہ توقع رکھنا چھوڑ دو کہ وہ تمہاری بات سمجھے گا۔ ہر بات ہر ایک کے لئے نہیں ہوتی۔ جیسے شروع کے تین سال رسول اللہ ﷺ نے ہر ایک کو نصیحت نہیں کی' اس لئے تم بھی ہر ایک سے الجھنا چھوڑ دو۔ کچھ وقت گزرتا ہے' معاشرے بدلتے ہیں' لوگ بدلتے ہیں اور خود ہی سمجھ جاتے ہیں کہ ان کے لیے کون سا لیڈر بہتر ہے اور جو نہیں سمجھتے وہ خود ہی پیچھے رہ جاتے ہیں۔"

"مگر ڈیڈ...."

"سکندر... اللہ الحق ہے... سچ کا خدا ہے۔ اگر تمہارا فیورٹ سیلبریٹی سچا ہے تو اللہ ساری دنیا کو اس کی سچائی دکھا دے گا۔ سچ اپنے آپ کو خود ثابت کر لیتا ہے۔ لوگوں کی مخالفت کو وقار کے ساتھ اگنور کرنا ایک آرٹ ہے۔ اس کو جو سیکھ لیتا ہے' اللہ اس کو عزت دیتا ہے۔"

وہ زور دے کر مگر نرمی سے کہہ رہا تھا۔ سکندر نے سر ہلایا۔ وہ اب بہتر محسوس کر رہا تھا مگر مطمئن بہرحال نہیں تھا۔ مطمئن رہنا بھی شاید ایک آرٹ تھا۔

کار ملاکہ کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔ ملاکہ ایک خوبصورت شہر تھا جو سمندر کنارے واقع تھا اور جہاں سیاحوں کی بہتات تھی۔ تاریخی طرز کا شہر جو لوگ پیدل گھوم پھر کے دیکھا کرتے تھے۔ بازار سے کار گزارتے ہوئے فاتح کے چہرے پہ مانوس مسکراہٹ بکھر گئی۔

بالآخر وہ اس ٹھنڈی میٹھی سڑک پہ آ گئے تھے جہاں قطار میں ایک جیسے گھر بنے تھے جن کو رینوویٹ کر کے کافی شاپس اور ریستوران بنا دیا گیا تھا۔ کبھی یہ چینی تاجروں کا مسکن ہوتے تھے۔ اور یہ رہا اس کا گھر...اس نے کار سڑک کنارے پارک کی اور مسکراتے ہوئے بیلٹ کھولی، پھر باہر نکلا.....

سامنے سڑک کے اوپر ایک گھر بنا تھا۔ سرخ رنگ کا گھر (جیسے پرانے لاہور کی گلیوں میں قدیم ہندوستانی طرز کے گھر ہوتے ہیں جن کی کھڑکیاں سڑک پہ کھلتی ہیں)۔ ایسا ہی وہ دو منزلہ گھر تھا۔ وہ سڑک سے ہی شروع ہوتا تھا۔ نیچے دو کمروں کی کھڑکیاں، درمیان میں داخلی دروازہ۔ فاتح نے گردن اٹھائی۔ اوپر تین کمروں کی بالکونیاں بنی تھیں۔

خاموش پڑا خوبصورت گھر جس سے قدیم زمانوں کی مہک آتی تھی۔

''چلو آؤ....میں تم لوگوں کو سن باؤ کی کہانی سناتا ہوں۔'' وہ خوشگوار انداز میں کہتے ہوئے کار کی طرف مڑا جہاں بچے اور عصرہ باہر نکل رہے تھے مگر اگلے ہی لمحے فاتح کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

چند فٹ کے فاصلے پہ ایک سلور کار پارک تھی اور اس کے بونٹ سے ٹیک لگائے وہ کھڑی تھی۔ سر پہ سفید ہیٹ ترچھا رکھے، وہ مسکرا کے سینے پہ بازو لپیٹے ان کو دیکھ رہی تھی۔

''آنے کے لئے شکریہ تالیہ۔'' عصرہ سیدھی اس کی طرف گئی اور مسکرا کے اس سے ہاتھ ملایا۔ پھر واپس گھومی اور فاتحانہ مسکراتی نگاہوں سے فاتح کو دیکھا۔ ''تالیہ سن باؤ کا گھر دیکھنا چاہتی تھی تو میں نے اسے انوائیٹ کر لیا۔ امید ہے اس بہانے ہم اپنے نیلامی کے پراجیکٹ پہ بھی بات کر لیں گے۔'' جتاتے انداز میں بات مکمل کی۔

وان فاتح نے لب بھینچ لئے۔ ابرو برہمی سے اکٹھے ہوئے۔ ایک خاموش، چبھتی ہوئی نظر اس لڑکی پہ ڈالی جو سادگی سے مسکرا رہی تھی، اور گھر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اس کا سارا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ جانے وہ اتنی بری کیوں لگتی تھی؟

☆☆=========☆☆

کوالالمپور کے اس متوسط طبقے کے علاقے میں صبح سست سی طلوع ہوئی تھی۔ کم از کم ایڈم کے لئے وہ سست ہی تھی۔ وہ ڈھیلا ڈھیلا سا کچن میں کرسی پہ بیٹھا تھا۔ ناشتہ میز پہ لگا تھا مگر وہ بمشکل چند لقمے زہر مار کر پایا تھا۔ پھر پلیٹ پرے دھکیل دی۔

ماں سامنے کھڑی بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ ''نوکری کے لئے پریشان ہو ایڈم؟''

ایڈم نے افسردہ نگاہیں اٹھائیں۔ ''مجھے لگتا ہے میں ناکام انسان ہوں ایبو۔''

''کیوں ایڈم؟'' اس نے پیار سے پوچھا اور سامنے آ بیٹھی۔ اسکارف لپیٹے سادہ سی عورت جس کی چھوٹی سی دنیا تھی۔

''سب مجھے دھوکہ دے کر ٹھکرا کے گزر جاتے ہیں۔ کسی کی نظر میں میری اہمیت ہی نہیں ہے۔''

''اہمیت تو خود بنائی جاتی ہے۔''

''کیسے؟ ذہانت' مہارت' ٹیلنٹ' دولت وغیرہ سے؟'' وہ تلخی سے گویا ہوا۔

''نہیں۔ اپنے قدرتی اعتماد اور مثبت سوچ سے۔ جتنا تمہارے اندر سے مثبت شعائیں پھوٹیں گی' اتنا تم لوگوں میں محبوب ہوتے جاؤ گے۔''

''اور مثبت شعائیں کیسے پھوٹتی ہیں' ماں؟''

''جب تم سچ بولو اور دوسروں سے توقعات لگانا چھوڑ دو۔ نہ روپے پیسے کی' نہ توجہ اور محبت کی۔ جو لوگوں کے پاس ہے' اس کا لالچ چھوڑ دو۔ لوگ تمہارے گرویدہ ہو جائیں گے۔ لوگوں کو اپنی محبت میں گرفتار کروانے کا ایک یہی کلیہ ہے۔''

''مجھے نہیں پتہ۔'' اس نے اداسی سے سر جھکا لیا۔ ''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہر کوئی مجھے بے وقوف بنا کے آگے نہ بڑھ جایا کرے۔''

''کس نے بنایا ہے تمہیں بے وقوف؟''

''پے تالیہ نے۔ وہ مجھ سے جھوٹ بول رہی ہیں۔'' وہ خفگی سے تیز تیز بولنے لگا۔ ''وہ کبھی کچھ کہتی ہیں' کبھی کچھ۔ کبھی وہ مجھے اچھی لگتی ہے اور کبھی بالکل ناقابلِ اعتبار۔''

''اس نے اس دن بھری محفل میں تمہاری حمایت کی تھی۔''

''کہا نا' کبھی اچھی بھی لگتی ہے!'' اس نے منہ بسورا۔

''تو بری کب اور کیوں لگتی ہے؟ کس بات نے تمہیں اس سے بدظن کیا؟''

ایڈم اس بات پہ چونکا۔ ذہن میں بجلی کی طرح کوئی خیال کوندا تھا۔ جیسے ایک پانی کی لہر سی آتی ہے اور سارے جالوں کو بہا لے جاتی ہے' پھر پیچھے ذہن بالکل صاف ہو جاتا ہے۔

اس ایک لمحے میں ایڈم پہ آشکار ہوا کہ وہ اسے ناقابلِ اعتبار کب سے لگنے لگی تھی۔

''ہمبورو!'' وہ بڑبڑایا۔ ماں نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''ہمبورو کون؟''

''اُف ایبو۔ تم کتابیں نہیں پڑھتیں کیا؟'' وہ تیزی سے اٹھا۔ رستے میں جو کرسی میز آئی' اس سے اس نے ٹھوکر کھائی مگر رکا نہیں۔ سیدھا کمرے کی طرف بھاگا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

بیڈ کے نیچے سے ننھا صندوق باہر کھینچا اور کھولا۔ اندر سے دھول مٹی سانس میں آئی مگر اس نے ناک پہ ہاتھ رکھ لیا۔ اتنا پر جوش تھا کہ دمہ خراب ہونے کا ڈر بھی نہیں تھا۔ صندوق میں کتابیں بھری پڑی تھیں۔ وہ جلدی جلدی ان کو الٹ پلٹ کرتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک موٹی تاریخی کتاب نکالی اور جلدی جلدی صفحے پلٹائے۔

وہ تاریخی داستانوں پہ مبنی تھی اور اس میں ایک چھوٹا سا باب پمبورو (شکار باز) نام کا تھا۔

مطلوبہ صفحہ کھولا تو ایڈم کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سامنے بلیک اینڈ وائٹ میں اسی نشان کا اسکیچ بنا تھا جو اس نے کل بازار میں تالیہ کی گردن کی پشت پہ دیکھا تھا۔ پمبورو گروہ کا خاص گول نشان۔

اس نے جلدی جلدی اس صفحے کو پڑھا۔ وہ شکار بازوں کا ایک قدیم گروہ تھا جو کسی خزانے کے پیچھے تھے۔ ان کو خزانہ ملا یا نہیں' خزانہ کیا تھا' وہاں کچھ نہیں لکھا تھا' بس ایک چابی کا ذکر تھا اور ساتھ میں ایک مبہم سا اسکیچ بھی۔ گول سکے کی طرح کی چابی جس کے ایک کونے میں ڈلی جڑی تھی۔ مزید کوئی تفصیل اس تاریخی کتاب میں درج نہیں تھی۔ یقیناً اس موضوع پہ دوسری کتابیں بھی موجود ہوں گی مگر ایڈم کے پاس ان کو پڑھنے کا وقت نہیں تھا۔ ساری کہانی ذہن میں کھلتی جا رہی تھی۔

چابی کے دو حصے تھے۔ سکہ اور یہ لمبی سی ڈلی۔ سکہ اس کے پاس تھا۔ تالیہ مراد وہ سکہ حاصل کرنا چاہتی تھی تاکہ اس کی مدد سے خزانے کا قفل کھول سکے۔ خزانہ ملاکہ میں کہیں تھا کیونکہ شکار بازوں کا تعلق ملاکہ سے تھا۔

وہ کوئی پولیس آفیسر نہیں تھی۔ وہ صرف ایک ٹریژر ہنٹر تھی۔

وہ کتاب رکھ کے تیزی سے الماری کی طرف لپکا۔ اندر سے ڈبیا نکالی جس میں سکہ تھا۔

وہ ٹھنڈا پڑا تھا۔ سنہری دھات دمک رہا تھا' مگر آج اس میں کوئی ہندسے نہیں ابھرے تھے۔ اس نے سکہ الٹ پلٹ کے دیکھا۔ ایک کونے میں ننھا سا سوراخ تھا۔ یہیں سے ڈلی اندر جائے گی اور وہ چابی مکمل ہو جائے گی۔

اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اگلا سوال زیادہ پریشان کن تھا۔ کوئی بھی خزانہ جو کسی بھی ملک کے کھنڈرات یا زمین کے نیچے سے نکلتا ہے' وہ سرکار کی امانت ہوتا ہے۔ یہ خزانہ ریاست کا تھا۔ وہ اسے تالیہ مراد کو نہیں لینے دے گا۔ اسے وان فاتح کو خبر کرنی ہوگی۔

اس نے جلدی سے ڈرائیور کا نمبر ملایا۔ وہ اس وقت بے چینی' فکرمندی اور جوش کے ملے جلے تاثرات کے زیرِ اثر تھا۔

''ہیلو؟ ہاں سنو۔ وان فاتح اس وقت کہاں ہیں؟ آفس یا گھر؟''

''ہم تو ملاکہ میں ہیں ایڈم۔ فاتح صاحب کے پرانے گھر۔''

''اوہ۔''ایڈم کا جوش ٹھنڈا ہوا۔''کب تک آ جاؤ گے واپس؟''

''شاید شام تک۔معلوم نہیں۔''

''اچھا سنو... وہ تالیہ مراد صاحبہ... وہ دوبارہ تو گھر نہیں آئیں؟ اور چوری کا کچھ پتہ چلا؟''

''اس گھر تو نہیں' مگر ادھر ملاکہ میں وہ صاحب اور بیگم صاحبہ کے ساتھ ہی ہیں۔وہ لوگ اندر گھر دیکھ رہے ہیں۔تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

ایڈم کرنٹ کھا کے جگہ سے اٹھا۔''چے تالیہ صاحب کے ساتھ ملاکہ میں ہیں؟''پھر اسے یاد آیا۔کتنی دفعہ کا سن رکھا نام۔''سن باؤ کے گھر میں؟''بے یقینی سے پوچھا۔

''ہاں مگر تم کیوں....''

لیکن ایڈم نے فون کاٹ دیا۔دماغ کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔سن باؤ کا گھر...تین خزانوں والا گھر...کیا چے تالیہ وہاں خزانے کی تلاش میں گئی ہیں؟ کیا یہ ممکن تھا کہ خزانہ اسی گھر میں چھپا ہو؟ اوہ نو....اسے وان فاتح کو بتانا تھا۔

اس نے جلدی سے الماری کھولی' جو جوڑا ہاتھ آیا' کھینچ نکالا اور باتھ روم کی طرف بھاگا۔

آدھے گھنٹے بعد ایڈم ملاکہ جانے والی ایک بس میں سوار ہو رہا تھا۔سکہ اس کے لباس کی اندرونی جیب میں محفوظ رکھا تھا۔

☆☆=========☆☆

وہ کوالالمپور کی ایک خوبصورت سوسائٹی تھی۔ایک طرف مکان قطار سے بنے تھے اور ان کے آگے سڑک پہ ٹریفک بہہ رہا تھا۔ایسے میں ایک گھر کا دروازہ لاک کر کے سمیع باہر نکلا' اور سڑک کنارے چلنے لگا۔ٹراؤزر پہ رف سی شرٹ پہنے' وہ منہ میں کچھ چباتا' چھٹی والے دن گروسری لانے والے مردوں میں سے ایک لگ رہا تھا۔

اسے قریبی گروسری اسٹور پہ جانا تھا۔جیسے ہی اسٹور سامنے آیا وہ اس کے دروازے کے قریب آیا مگر..راستے میں کوئی رکاوٹ کی طرح حائل ہوا تھا۔یا شاید کسی پہاڑ کی طرح۔

وہ سیاہ کھلے بلاؤز اسکرٹ والی موٹی سی عورت تھی۔سیاہ رنگت' اور گھنگریالے کندھوں تک آتے سیاہ بال۔وہ اس کو گھورے جا رہی تھی۔پرتپش تیز نگاہوں سے۔

سمیع کی پیشانی پہ بل پڑے۔''کیا ہے؟ ہٹو سامنے سے۔''

''تالیہ کا پیچھا چھوڑ دو۔''وہ ٹھہر ٹھہر کے بولی۔آنکھوں کی تپش کی نسبت الفاظ ٹھنڈے تھے۔

سمیع کے دونوں ابرو استہزائیہ انداز میں اٹھے اور لب مسکراہٹ میں ڈھلتے گئے۔

''اوہ ... تو تمہیں تالیہ نے بھیجا ہے۔''

''میں کہہ رہی ہوں' اس کا پیچھا چھوڑ دو۔ وہ میری حفاظت میں ہے۔''

سمیع چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر زور سے ہنس دیا۔ داتن اسی طرح اسے گھورے گئی۔

''تو تالیہ نے اپنی باڈی گارڈ بھیجی ہے اور کیا ہی اعلیٰ باڈی گارڈ بھیجی ہے۔ واہ۔ اپنی جان بچانے کے لئے دو کوس تک تو تم سے بھاگا نہیں جائے گا بی بی اور تم آئی ہو مجھے دھمکانے۔ واہ۔'' وہ ہنستے ہوئے سر جھٹک رہا تھا۔

''تالیہ میری بیٹی ہے۔ اور بہن بھی۔ اور دوست بھی۔ کبھی کبھی وہ میری ماں بھی بن جاتی ہے۔ وہ میرے لئے ایسی ہے کہ میں اس کے نزدیک تم جیسے کچرے کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لئے تمہیں مجھ سے ڈرنا چاہیے' اور اس سے دور رہنا چاہیے کیونکہ میں ایک بہت خطرناک عورت ہوں۔''

سمیع نے طنزیہ مسکراتے ہوئے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ ''اور تم کیا کرو گی؟''

''میں تمہارا سانس بھی روک سکتی ہوں' سمیع!'' وہ اسی طرح اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ مگر سمیع نہیں ڈرا۔ اس موٹی عورت سے کون ڈر سکتا تھا جو ایک ہاتھ میں چاکلیٹس اور رنگ برنگے چپس کے پیکٹ اٹھائے ہوئے کھڑی تھی۔ اُف۔ بے چاری۔

''اگر تمہاری جگہ کوئی مرد ہوتا تو میں اس کو ہاتھوں کی زبان میں سمجھاتا' لیکن تم عورت ہو' اور بے شک دو تین عورتوں کے برابر ہو' لیکن مجھے تم پہ ترس آ گیا ہے۔ سو... تمہارے لئے ... اتنا ہی کافی ہے....'' کہہ کے وہ گھوما اور سڑک سے گزرتی پولیس کی کار کو اشارہ کرتے ہوئے چلایا۔ ''آفیسر ... آفیسر۔'' یہاں جگہ جگہ پولیس کی پٹرول کارز گھوم رہی ہوتی تھیں۔ پولیس اہلکار نے فوراً کار روکی اور اپنا پستول نکالتا باہر نکلا۔

''کیا ہوا' سر؟'' باوردی آفیسر تیزی سے اس کی طرف آ رہا تھا۔ سمیع نے خاموش کھڑی داتن کا بازو کہنی سے پکڑ لیا' اور چہرے پہ بے پناہ پریشانی طاری کر لی۔

''یہ عورت میرا بٹوہ چرا رہی تھی' پلیز اس کی تلاشی لیں' یہ....'' دکھی اور پریشان انداز میں اس نے بات شروع ہی کی تھی کہ....

''مسز لیانہ... آپ....'' آفیسر پستول ہاتھ میں لئے قریب آیا اور لیانہ کا چہرہ دیکھ کے خوشگوار حیرت سے مسکرایا۔ ''کیسی ہیں آپ؟'' پھر سمیع کی طرف دیکھا۔ ''سب ٹھیک ہے' میم؟''

سمیع کے الفاظ منہ میں رہ گئے تھے۔ اس نے رک کے باری باری دونوں کے چہروں کو دیکھا۔ موٹی عورت بالآخر مسکرائی۔ اور نرمی سے اپنی کہنی چھڑائی۔

''ہاں.... سب ٹھیک ہے.... یہ ہمارا دوست ہے.... سمیع.... سامنے والی اسٹریٹ میں مکان نمبر 26 اے میں رہتا ہے۔ تم آتے

جاتے اس کو دیکھنا تو اس کا خیال رکھنا' ہوں۔''

''ہاں شیور۔کوئی مسئلہ نہیں۔پرسوں زید کی برتھ ڈے پہ آرہی ہیں نا آپ؟'' وہ مسکرا کے ادب سے پوچھ رہا تھا۔

''تمہارے بیٹے کی سالگرہ ہو اور میں نہ آؤں' ایسا ہوسکتا ہے' فیاض؟'' وہ ہاتھ جھلا کے بولی تو آفیسر ہلکا سا ہنس دیا' پھر خوش اخلاقی سے دونوں کو سلام کیا اور گن ہولسٹر میں اڑستا' کار کی طرف بڑھ گیا۔

داتن اب فرصت سے سمیع کی طرف گھومی جس کے چہرے کے تاثرات بدل چکے تھے۔وہ قدرے شل' قدرے چوکنا لگتا تھا۔

''اب میں دوبارہ وہ تمام الفاظ دہراؤں گی جو میں نے ابھی کہے۔لیکن امید ہے اس دفعہ تم ان کو غور سے سنو گے۔'' وہ اس کو گھورتے چبا چبا کے بولنے لگی۔

''تالیہ کا پیچھا چھوڑ دو۔میں کہہ رہی ہوں سمیع....اس کا....پیچھا چھوڑ دو۔'' وہ ایک ایک قدم آگے بڑھنے لگی اور سمیع ایک ایک قدم پیچھے ہٹنے لگا۔

''وہ میری حفاظت میں ہے....وہ میری بیٹی بھی ہے' بہن بھی اور دوست بھی....اور کبھی کبھی....'' وہ قریب آرہی تھی اور سمیع شل چہرے کے ساتھ پیچھے ہٹ رہا تھا۔

''وہ میری....ماں بھی بن جاتی ہے۔وہ میرے لئے ایسی ہے کہ اس کے نزدیک....میں تم جیسے کچرے کو..برداشت بھی نہیں کر سکتی....'' اسٹور کی بیرونی دیوار سے سمیع کی کمر ٹکرائی....وہ مزید پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا....نہ اس کے ہاتھ میں پستول تک رینگ جانے کی سکت تھی۔داتن مزید قریب آئی۔وہ اس کے سیاہ چہرے کا ایک ایک نقش دیکھ سکتا تھا۔

''اس لئے....تمہیں مجھ سے....ڈرنا چاہیے....اور تالیہ سے....دور رہنا چاہیے....کیونکہ....میں....ایک بہت....خطرناک عورت ہوں....اور میں تمہارا....سانس بھی روک سکتی ہوں' سمیع!'' اس کے بالکل قریب آکے وہ غرائی۔وہ چپ' شل کھڑا رہا۔پھر وہ مڑی اور اسٹور کی طرف بڑھ گئی۔کچھ دیر بعد سمیع نے نظر اٹھا کے دیکھا۔

بھاری بھرکم عورت اب کینڈیز اور بچوں والی جیلیز کے ریک کے ساتھ جا کھڑی ہوئی تھی اور مختلف پیکٹ اٹھا کے دیکھ رہی تھی۔سمیع ہنوز ساکت کھڑا تھا۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ پہ دوپہر پھیل رہی تھی۔فضا نم آلود تھی۔دور سمندر کی لہروں کا شور یہاں تک سنائی دے رہا تھا۔

بازار میں معمول کی گہما گہمی تھی۔ٹریفک' دکانداروں کا شور اور آوازیں۔ایسے میں سرخ گھر کے اندر آؤ تو بڑے کمرے سے گزر کے صحن آتا تھا۔وہاں تالیہ گردن اونچی اٹھائے کھڑی' بالائی منزل کو دیکھ رہی تھی۔دونوں بچے ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔

اندر ایک کمرے کا دروازہ بند کیے وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ فاتح دونوں ہاتھ کمر پہ جمائے سخت ناخوش لگ رہا تھا۔

''اس لڑکی کو بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ ہمارا فیملی ہالیڈے تھا۔''

''کون سی فیملی؟ جس کو تو تم اپنی سیاست کے پیچھے چھوڑنے تک تیار ہو گئے تھے؟ اگر صرف سیاست ہی میٹر کرتی ہے فاتح' تو میں بھی وہی کر رہی ہوں۔ وہ میرا بزنس انٹرسٹ ہے' اور جیسے میں تمہارے مفادات میں تمہارا ساتھ دیتی ہوں' تم بھی دو گے!''

''اس نے ہمارے گھر سے چوری کی ہے' عصرہ!'' لیکن عصرہ نے درشتی سے بات کاٹی۔

''مگر تمہاری فائل تو کھوئی ہی نہیں ہے' فاتح۔ اور اگر کی بھی ہے تو کیا ہوا۔ کیا پارلیمنٹ میں کرپٹ سیاستدان نہیں ہیں جن کے ساتھ تم روز اٹھتے بیٹھتے ہو اور میں ان کی دعوتیں کرتی ہوں۔ جیسے ان چوروں کو میں برداشت کرتی ہوں' میری چور کلائنٹ کو تم کرو گے۔''

فاتح نے لب بھینچ لیے اور چہرہ موڑ لیا۔ اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

''ویسے بھی ابھی تم یہی کہہ رہے تھے نا کہ سیاستدانوں کے پیچھے دوستوں کو آپس کے تعلقات نہیں خراب کرنے چاہئیں۔'' تلخی سے کہہ کے وہ تیز تیز آگے بڑھ گئی۔

تالیہ ابھی تک دالان میں کھڑی گردن اٹھائے گھر کے بالائی کمروں کو دیکھ رہی تھی جب دھیرے دھیرے سارے گھر والے اسی طرف آتے گئے۔ بچے' عصرہ اور پھر ان کے پیچھے فاتح بھی۔ وہ بٹنوں والی سفید شرٹ کے آستین موڑے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے قدم اٹھاتا قریب آیا تو تالیہ نے گردن موڑی۔ وہ نارمل لگ رہا تھا۔ ٹھنڈا۔ پرسکون۔ بے نیاز۔ بزنس فیس۔

''اس گھر کو سن باؤ کا گھر کیوں کہتے ہیں' فاتح صاحب؟'' وہ سادگی سے اسے دیکھ کے بولی تو فاتح نے رخ موڑ لیا اور آگے چلتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ صحن کے دوسرے کونے میں نصب اونچے چبوترے تک جا ٹھہرا جس کے اوپر ایک مجسمہ نصب تھا۔

''یہ وانگ لی کا مجسمہ ہے۔'' اس نے مجسمے کی طرف اشارہ کیا۔ دھوپ آج نہیں تھی۔ موسم ٹھنڈا اور نم آلود تھا۔ ہر سو چھایا سی تھی۔ ایسے میں سرخ اینٹوں سے بنے صحن میں وہ سرمئی اونچا مجسمہ بہت حسین لگ رہا تھا۔ ایک چینی آدمی پورے قد سے کھڑا تھا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے۔ لمبے بال' سر پہ ٹوپی' لمبی باریک مونچھیں....اور کندھوں سے پیر تک گرتا چغہ۔ میان میں تلوار۔ چہرے پہ دوستانہ مسکراہٹ۔

تالیہ دھیرے دھیرے چلتی قریب آئی۔

''اور وانگ لی کو ''سن باؤ'' کیوں کہتے تھے' ڈیڈ؟'' سکندر بھی باپ کے پاس آ رکا۔

''سن باؤ...یعنی تین خزانے یا تین نگینے۔ بدھ مت کے تین نگینے ہوتے ہیں' بدھا' دھرما' سنگھا۔ ان کو سن باؤ کہا جاتا ہے۔

وانگ لی ایک چینی غلام تھا' پندرھویں صدی میں وہ اپنی ذہانت اور صلاحیت کے بل بوتے پہ کم عمری میں ہی محل میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیتا ہے۔ پھر چینی بادشاہ کا خاص سفیر مقرر ہوتا ہے' اور ایک بہت بڑا تاجر بن جاتا ہے۔'' وہ کمر پہ ہاتھ باندھے کھڑا' گردن اٹھا کے مجسمے کو دیکھتا بتا رہا تھا۔ تالیہ کے آنے کی کلفت' بےزاری۔ وہ سب بھول گیا تھا۔

''اس کو بادشاہ نے سن باؤ کا لقب عطا کیا تھا۔ وہ اکثر ملاکہ آتا تھا' ساری دنیا سے گھوم پھر کے' سامانِ تجارت اور مختلف حکومتوں سے معاہدے کر کے وہ سمندر کے راستے ملاکہ آتا۔ اس نے اور دوسرے تاجروں نے یہاں ویئر ہاؤسز بنائے تھے۔ یہ گھر وانگ لی نے بنوایا تھا۔ یہاں وہ سامان وغیرہ رکھتا اور خود بھی رہا کرتا تھا۔ اپنے آخری قیام میں وہ کافی عرصہ ادھر رہا تھا۔ وہ ایک اعلیٰ درجے کا ایکسپلورر' تاجر اور ایڈمرل تھا۔ اس نے چینی حکومت کو دنیا کی بہترین سپر پاورز میں سے بنا دیا تھا۔ کہتے ہیں وہ کمال کا آدمی تھا۔''

''آپ کے والد نے وانگ لی کا گھر کیوں خریدا؟'' وہ فاتح کے چہرہ کو دیکھ رہی تھی جو ابھی تک اس مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔ جولیانہ درختوں کے پتوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی اور عصرہ اندر کمروں کی طرف چلی گئی تھی تاکہ گھر کی مرمت کے کام کا جائزہ لے سکے۔

''میں چھوٹا تھا تو ایک دفعہ یہاں آیا تھا۔ تب کسی کو نہیں معلوم تھا کہ یہ وانگ لی کا گھر ہے۔ میں بابا کے ساتھ سامنے کسی دکان پہ بیٹھا تھا' پھر ادھر آ گیا۔ یہ مجسمہ.... تب یہ ٹوٹا پھوٹا تھا' عصرہ نے بعد میں اس کو ٹھیک کروایا' یہ مجسمہ مجھے بہت پسند آیا تھا۔ عجیب کشش تھی اس میں۔ اب بھی ہے۔ مانوسیت۔ اپنائیت۔ جیسے کوئی دوست ہوتا ہے نا۔'' اس کی گردن اٹھی تھی اور وہ مسکرا رہا تھا۔ ہاتھ ایسے کمر پہ باندھ رکھے تھے جیسے وانگ لی نے باندھے ہوئے تھے۔

''کس نے بنایا تھا یہ مجسمہ؟'' سکندر نے دلچسپی سے پوچھا۔

''شہزادی تاشہ نے!''

تالیہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ ''شہزادی تاشہ کون تھی؟ یونو' میں نے بھی ایک دفعہ ایک تھیٹر شو میں تاشہ آگاپووا کا کردار کیا تھا۔''

''وہ آریانہ کو بہت پسند تھی۔'' سکندر فوراً بولا مگر فاتح نے چہرہ موڑ کے قدرے خفگی سے اسے دیکھا۔ ''وہ کوئی روسی فیری ٹیل تھی جو دس سال پہلے لکھی گئی تھی۔ میں ملاکہ سلطنت کی شہزادی تاشہ کی بات کر رہا ہوں۔'' پھر دوبارہ سے مجسمے کو گردن اٹھا کے دیکھنے لگا۔

''تو کون تھی شہزادی تاشہ؟'' تالیہ کی نظریں بےاختیار دیوار کی جانب اٹھیں۔ شمالی دیوار جہاں اس نے وہ نظم لکھی دیکھی تھی۔ خواب کے برعکس وہ دیوار خستہ حال نہیں تھی۔ شاید رینوویشن میں مرمت کر دی گئی تھی۔ وہاں کسی بھی قسم کی لکھائی کا نشان نہیں تھا۔

''شہزادی تاشہ فاتح کے پسندیدہ کرداروں میں سے ہے۔'' عصرہ باہر آتے ہوئے محظوظ انداز میں بولی۔ ''فاتح کسی عورت کی تب تک تعریف نہیں کرتا جب تک وہ اس کی شدید مستحق نہ ہو مگر شہزادی تاشہ سے وہ ہمیشہ متاثر رہا ہے۔''

وہ مسکرا کے پلٹا۔ ''میں اکثر تمہاری تعریف کرتا ہوں۔''

عصرہ نے مسکرا کے شانے اچکائے اور پھر تالیہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ "شہزادی تاشہ ملاکہ کی سب سے حسین شہزادی تھی۔ وہ سلطان کی بیٹی نہیں تھی' بلکہ بنداہارا کی بیٹی تھی۔"

"بنداہارا کیا ہوتا ہے' ماما؟"

"وہی جو تمہارے بابا بننا چاہتے ہیں۔ پردھان منتری۔ وزیرِ اعظم۔ اس زمانے میں سب سے طاقتور بادشاہ ہوتا تھا' اور اس کے بعد وزیرِ اعظم۔ مگر آج کے ملائیشیا میں وزیرِ اعظم سب سے طاقتور ہوتا ہے اور اس کے بعد بادشاہ۔"

"تھینکس ٹو ڈیموکریسی!" وہ واپس جیبوں میں ہاتھ ڈالے آگے چلتا گیا۔ صحن کے دوسرے کونے میں درخت لگے تھے جو اس کے بابا نے لگوائے تھے۔ جولیانہ وہیں بیٹھی تھی۔ وہ جھک کے اس کو سرگوشی میں کچھ کہنے لگا اور وہ دبا دبا سا ہنسنے لگی۔ تالیہ نے ان سے نظر ہٹائی اور عصرہ کی طرف متوجہ ہوئی جو بتا رہی تھی۔

"شہزادی تاشہ کے بارے میں Malay annals میں کوئی ذکر نہیں ملتا لیکن چند دوسری تاریخی کتابوں میں تھوڑا بہت ضرور لکھا ہے۔ وہ پردھان منتری کی بیٹی تھی۔ بے حد ذہین' عقلمند اور دانا۔ کہتے ہیں وہ سب کچھ کر سکتی تھی۔ عورتوں والے کام بھی' مردوں والے کام بھی۔ گھڑ سواری' تیر اندازی' تلوار زنی ہو' یا پھر کھانا پکانا' کڑھائی سلائی' لکھنا پڑھنا غرض تاشہ کسی ساحرہ کی طرح تھی۔ اسے کئی زبانوں پہ عبور حاصل تھا۔ وہ سیاسی سمجھ بوجھ بھی رکھتی تھی اور اپنے باپ اور سلطان تک کو سیاسی مشورے بھی دیتی تھی۔ ایک وقت میں وہ اتنی طاقتور تھی کہ مورخ لکھتے ہیں' وہ سارے محل کو چلا رہی تھی۔ کہتے ہیں سلطان بھی اس سے بہت متاثر تھا اور اس کو اپنے لئے چاہتا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"معلوم نہیں۔ کہتے ہیں اس کی کہانی کا انجام دکھی تھا۔ مگر وہ اکثر سن باؤ کے گھر آیا کرتی تھی۔ یہاں اسی آنگن میں۔ اسی نے یہ مجسمہ بنایا تھا۔ کہتے ہیں سن باؤ سے اس کی دوستی تھی۔ یا معلوم نہیں کیا تھا جو وہ اس گھر میں اکثر آتی تھی۔" عصرہ نے آخر میں گہری سانس لے کر شانے اچکا دیے۔ پھر گردن موڑی اور سامنے والے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ سن باؤ کا کمرہ تھا۔ وہ یہاں انگیٹھی کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور وہ ادھر دالان میں کھڑے مجسمہ بناتی تھی۔ بالکل ادھر جہاں تم کھڑی ہو۔"

تالیہ ایڑھیوں پہ الٹی گھومی۔ اب اس کے سامنے سن باؤ کا کمرہ تھا اور اوپر.... اس نے نگاہیں اٹھائیں۔ اوپر تین کمرے تھے جن کی بالکونیاں سڑک کی طرف بھی کھلتی تھیں اور ایک ایک کھڑکی ادھر صحن میں بھی کھلتی تھی۔

"اوپر کون رہتا تھا؟" وہ سوچتی نظروں سے بولی۔

"اوپر؟" عصرہ نے اچنبھے سے اوپر دیکھا۔ "شاید سامان وغیرہ رکھا جاتا ہو کیونکہ سن باؤ کا کوئی خاندان تو تھا نہیں۔ وہ غلام تھا

نا!'' (غلام شادی سے معذور ہوتے تھے۔)

''اس جگہ سے کھڑے ہو کر سن باؤ کا کمرہ اتنا صاف نہیں دِکھتا جتنا اوپر والا کمرہ دِکھتا ہے۔''

وہ اوپر دیکھتی بے خودی کے عالم میں کہے جا رہی تھی۔ ''شاید کوئی سن باؤ کے ساتھ رہتا تھا یہاں۔ شہزادی ایک محل سرا سے ملنے نہیں آتی تھی۔ شاید وہ اس سے ملنے آتی تھی جو اوپر اس کمرے میں رہتا تھا....''

فاتح جو ابھی تک جو لیانہ سے جھک کے کچھ کہہ رہا تھا' اس بات پہ چونک کے پلٹا اور سیدھا ہوا۔

''یہ میرا کمرہ ہے۔''

تالیہ اسے دیکھ کے اداسی سے مسکرائی۔ ''شاید اس کمرے کے مکین کو بھی شہزادی تاشہ اتنی ہی پسند ہو جتنی آپ کو ہے۔'' اور آگے بڑھ گئی۔ فاتح نے چند لمحے اس کی بات پہ غور کیا پھر بیٹی کی طرف واپس مڑ گیا۔ عصرہ سیل فون سے تصویریں بنا رہی تھی اور سکندر مجسمے کے قدموں میں بیٹھا اس پہ غور کر رہا تھا۔

تالیہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی صحن کے دوسرے کونے میں بنے کنویں تک آئی۔

قدیم طرز کا کنواں جو کسی زمانے میں سن باؤ کے زیرِ استعمال تھا۔ وہ کنویں کے سر پہ رکی اور اندر جھانکا۔ پھر مڑ کے دیکھا۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

تالیہ نے جیب سے لائٹ نکالی اور اس کی نیلی روشنی کنویں کے اندھیروں کی سمت پھینکی۔

کنویں کی ایک دیوار کے ساتھ دھبے سے لگے تھے جو نیچے گہرائی میں اتر رہے تھے۔ وہ مزید آگے ہوئی۔ وہ دیوار میں کھدے ننھے ننھے سے زینے تھے جن کی مدد سے نیچے اترا جا سکتا تھا۔

نیچے کیا تھا؟

تالیہ مراد مسکرائی اور لائٹ بند کی۔ اسے معلوم تھا خزانہ کہاں ہے۔

پھر وہ مڑی اور اعلانیہ انداز میں اونچا سا بولی۔

''تو انکو.... میں یہ گھر خریدنا چاہتی ہوں۔''

☆☆=========☆☆

حالم کی اگلی قسط انشاءاللہ یکم ستمبر کی رات 8 بجے نمرہ احمد آفیشل پر اپ لوڈ کر دی جائے گی۔

ہمارا پیج بار بار چیک کرنا نہ بھولیے گا۔

حالم (نمرہ احمد)

باب ششم:

''بازگشتِ دختر''

اس نے دیکھا.....

بھوری لکڑی سے بنا دومنزلہ گھر ہے.....

تازہ' بے روغن لکڑی...مخروطی چھتیں....اوپر بالکونیاں ہیں

اندر ایک کھلا سا صحن ہے....

ایک طرف کنواں ہے....

بالائی منزل کے کمروں کی پچھلی کھڑکیاں صحن میں کھلتی دکھائی دے رہی ہیں....

کونے والے کمرے کی کھڑکی میں کوئی کھڑا ہے....کوئی ہیولہ سا....

جیسے کوئی دراز قد' توانا مرد ہو....

اور وہ نیچے دیکھ رہا ہے....

جہاں صحن کے کونے میں ایک نسوانی وجود کھڑا ہے....

اس نے مخملیں چغہ پہن رکھا ہے....جو شاہزادیاں سفر میں پہنا کرتی تھیں....

اس کی کھڑکی کی طرف پشت ہے....بالوں پہ ریشمی اوڑھنی لے رکھی ہے اور سر پہ جیسے تاج کی پشت دکھائی دے رہی ہے....

چغے کے آستینوں سے نکلتی سپید بانہوں میں سونے اور ہیرے کے کنگن ہیں....

خوبصورت ہاتھوں میں زمرد اور یاقوت جڑی انگوٹھیاں ہیں....

اور وہ ہاتھ مہارت سے مٹی اور گارے سے چبوترے پہ کچھ بنا رہے ہیں....

انداز سے لگتا ہے کوئی مجسمہ ہے....

اور وہ لڑکی....وہ شاہزادی....وہ مجسمہ بناتے ہوئے بار بار رکتی ہے۔

گردن ذرا سی موڑتی ہے....

شکل ابھی بھی دکھائی نہیں دیتی... بس ماتھے کے اوپر تاج کا کونہ کنپٹی سے جھلکتا ہے....

بار بار گردن موڑنے کی خواہش کے باجود وہ واپس چہرہ پھیر جاتی ہے....

جیسے واقف ہے اس بات سے .... کہ اوپر کھڑکی میں کوئی اسے دیکھ رہا ہے....

پھر دفعتاً وہ سر جھکا کے ہلکا سا ہنستی ہے.... اور گردن موڑنے لگتی ہے....

اور کسی دھوئیں کی طرح خواب فضا میں تحلیل ہو جاتا ہے.....

☆☆=========☆☆

"تو انکو... میں یہ گھر خریدنا چاہتی ہوں۔"

یہ فقرہ لبوں سے نکالنے سے چند منٹ قبل تالیہ نے یہ خواب دیکھا تھا۔

جس وقت وہ دالان میں داخل ہوئی تھی' اور گردن اوپر اٹھائے بالائی منزل کو دیکھ رہی تھی' (اور اندر فاتح اور عصرہ تلخی سے اس کے بارے میں بات کر رہے تھے) اس وقت تالیہ کی نظروں کے سامنے وہ منظر کسی خواب کی طرح چلنے لگا تھا۔ قدیم زمانوں کی زردی لئے.... یہ گھر مختلف نظر آتا تھا تب ... اور وہ مجسمہ بناتی شہزادی جو اوپر کھڑے شخص کی نگاہوں سے واقف تھی.... وہ اس کے انداز کی شوخی اور ہلکی سی ہنسی... سپید جلد اور زیورات بتاتے تھے کہ وہ اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہوگی جتنا تاریخ کی کتابوں میں لکھا تھا...

وہ خواب سے چونکی تو خود کو سن باؤ کے گھر میں کھڑے پایا۔

فاتح اور بچے باہر آ گئے تھے اور اب فاتح مجسمے کے بارے میں بتا رہا تھا۔ پھر گفتگو کا رخ شہزادی تاشہ کی طرف مڑ گیا اور عصرہ بتانے لگی کہ کس طرح وہ یہاں مجسمہ بناتی تھی.....

مگر عصرہ نہیں جانتی تھی کہ تالیہ کو بعض دفعہ دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی خواب یا وژن نظر آجاتے ہیں۔ اس قدیم مکان میں چھ سو برس قبل شہزادی کس سے ملنے آتی تھی' ... وہ دیکھ چکی تھی' اسی لئے جب اس نے مداخلت کر کے بتایا کہ شہزادی سن باؤ کے لیے نہیں ادھر آتی تھی تو یہ اندازہ نہیں تھا۔

یہ وجدان تھا۔

فاتح جولیانہ کے ساتھ مصروف ہو گیا اور عصرہ تصاویر بنانے لگی تو وہ کنویں تک آئی۔ اندر نیچے اترنے کے لئے نشان بنے تھے۔ پانی اب بھی کنویں میں موجود تھا۔ وہ مسکرائی اور پلٹی۔

"تو انکو.... میں یہ گھر خریدنا چاہتی ہوں۔" اعلانیہ بلند سا بولی تو صحن میں موجود ہر شخص چونکا۔ فاتح جو جھک کے بیٹی سے بات کر رہا تھا' چند لمحے ساکت سا جھکا رہا پھر سیدھا ہوا اور اسے دیکھا تو چہرہ سنجیدہ تھا۔

"ایکسکیوز می؟"

"میں.....یہ گھر.....(اطراف میں اشارہ کیا) خریدنا چاہتی ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرائی۔

"اور تمہیں کس نے کہا تاشہ کہ میں یہ گھر بیچنا چاہتا ہوں؟"

"آپ نے کل صبح ہی اس گھر کو مارکیٹ پہ ڈال دیا تھا۔ ملاکہ کے تمام پراپرٹی ڈیلرز واقف ہیں تو میں کیوں نہیں ہوں گی؟"

"مگر میں تمہیں یہ گھر نہیں بیچ سکتا۔" وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پہ کیاری کے ساتھ کھڑا تھا۔ دونوں کے درمیان سرخ اینٹوں کا پکا صحن حائل تھا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ تم اس کو افورڈ نہیں کر سکتیں۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔ استہزائیہ مسکراہٹ۔

"آپ کو کیوں لگا میں اس کو افورڈ نہیں کر سکتی؟"

"کیونکہ میرا نہیں خیال تمہارا بینک بیلنس اتنا ہے جتنا تم بتاتی ہو۔"

عصرہ جو موبائل اونچا کیے بالائی کمرے کی تصاویر اتار رہی تھی' اس بات پہ گردن موڑ کے تادیبی نظروں سے فاتح کو دیکھا جو تالیہ کی طرف متوجہ تھا۔

"واقعی!" وہ سر کو خم دے کر سادگی سے مسکرائی۔ "میرا بینک بیلنس واقعی اتنا نہیں جتنا بتاتی ہوں۔" اس کی آنکھوں میں دیکھ کے وقفہ دیا..... "بلکہ.....اس سے کہیں زیادہ ہے' تو انکو!"

"یعنی اثاثے چھپاتی ہو تم.....پھر تو پورا ٹیکس بھی نہیں دیتی ہو گی۔ یہ دونوں جرائم ہیں۔ چچ۔ میری حکومت میں تم جیل جانے والے پہلے لوگوں میں سے ہو گی۔" افسوس سے بولا اور پلٹ گیا۔

تالیہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔ اب وہ اندر جا رہا تھا۔

"وہ مذاق کر رہا تھا۔" عصرہ نے تصویر اتارتے ہوئے وضاحت دی تو وہ چونکی' پھر جبراً مسکرائی۔

"وان فاتح کے ساتھ گزارا کرنا بھی ایک آرٹ ہے' نہیں؟"

عصرہ ہنس دی اور سر جھٹکا۔ "وہ بہت اچھا شوہر' باپ اور سیاستدان ہے۔"

"خدا کرے وہ اتنا ہی اچھا میزبان بھی بن جائے۔" بولی نہیں' صرف دل میں سوچا۔

تبھی فون بجنے لگا۔ تالیہ نے نکال کے دیکھا تو ایڈم کا نام جل بجھ رہا تھا۔

"کانگ ہو کا فون ہے۔ نیلامی کے بارے میں جاننا چاہتے ہوں گے۔ میں ذرا ان کو سن لوں۔" مسکرا کے اس پینٹر کا نام لیا جس کے بارے میں عصرہ کو بتایا تھا کہ نیلامی پہ مدعو کر رکھا ہے اور فون کان سے لگائے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"ہاں بولو....." گھر سے باہر نکلی تو سڑک پہ اکا دکا گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ اردگرد شاپس اور ریستوران بنے تھے۔ ٹھنڈی سی چھایا میں

گھری صاف ستھری سڑک جس پہ قدیم گھروں کو سرخ سفید پینٹ کر کے ڈولز ہاؤس کی طرح نیا بنا دیا گیا تھا۔ دکانوں کے آگے چھتریاں لگی تھیں جہاں لوگ کرسی میزوں پہ بیٹھے چائے قہوے پی رہے تھے۔ ایسے میں وہ فٹ پاتھ پہ چلتے ہوئے فون پہ ایڈم کو سنے گئی جو کہہ رہا تھا۔

''کیا ہم مل سکتے ہیں؟''

''ہاں مگر شام کو۔ میں ابھی گھر پہ نہیں ہوں۔''

''میں جانتا ہوں' آپ ملاکہ میں ہیں۔ میں بھی وہیں آ رہا ہوں۔''

تالیہ چونکی۔ ''میری جاسوسی کرنے لگے ہو کیا؟''

''نہیں۔ ہاں۔ شاید۔ اچھا ہم کہاں مل سکتے ہیں۔''

''تم کیوں ملنا چاہتے ہو' ایڈم؟''

''کیا آپ کو وہ سکہ نہیں چاہیے؟'' تالیہ اس سوال پہ خاموش ہو گئی۔ گاڑیاں ساتھ سے گزر رہی تھیں اور وہ فٹ پاتھ کنارے آگے چلتی جا رہی تھی۔

''سکہ ساتھ لا رہے ہو؟''

''جی.... کیونکہ خزانہ ملاکہ میں ہی ہے نا۔''

تالیہ مراد رک گئی۔ بالکل ساکت۔ شل۔

''خاموش کیوں ہو گئیں آپ چے تالیہ۔ چابی کا دوسرا حصہ آپ کے پاس ہے لیکن سکہ میرے پاس ہے۔ اور خزانہ ملاکہ میں۔ اتنا مشکل نہیں تھا گیس کرنا۔''

''مجھے نہیں پتہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ یہ سکہ سرکار کی امانت ہے۔'' اس نے کہنے کی کوشش کی۔

''ہم کہاں مل سکتے ہیں' چے تالیہ؟'' وہ بے چینی سے بولا۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی۔ بولی نہیں۔

''اگر آپ کو سکہ چاہیے تو آپ کو مجھ سے سچ بولنا ہو گا۔ سچ آپ کو آزاد کر دے گا چے تالیہ۔''

''وانگ لی کے کنویں پہ مجھ سے ملو۔''

''کون سا کنواں؟ جو وانگ لی کے گھر میں ہے؟ سن باؤ کا گھر؟''

''نہیں اسٹوپڈ۔ وہ تو فاتح صاحب کا گھر ہے۔ میں بوکیت چینہ پہاڑی کی بات کر رہی ہوں جہاں وانگ لی نے کنواں بنوایا تھا۔ جس کا پانی چھ سو سال سے خشک نہیں ہوا۔''

''پانچ سو ستاون سال' چے تالیہ۔ اور اس کو وانگ لی کا کنواں نہیں کہتے۔ یہ نام سیاحوں نے غلط العام کر رکھا ہے۔ وہ کنواں وانگ لی

نے شہزادی ''یان سوفو'' کے لئے بنوایا تھا۔ اس کو ''یان سوفو'' کا کنواں کہتے ہیں۔''

''تمہیں اتنا کیسے معلوم ہے؟''

''کیا آپ کتابیں نہیں پڑھتیں، چے تالیہ؟'' وہ گہری سانس لے کر بولا تھا۔

''اب اس کا کیا کروں؟'' کال ختم کر کے وہ وہیں فٹ پاتھ کنارے کھڑی سوچتی رہی۔ پھر مڑی تو سامنے ایک دکان کے آگے تنی چھتری تلے کرسیاں میزیں بچھی تھیں۔ وہاں آمنے سامنے دو بوڑھے بیٹھے شطرنج کی بساط درمیان میں رکھے غور و فکر کر رہے تھے۔ وہ آگے آئی اور ان کے عین سر کے اوپر جھکی سوچتی نظروں سے بساط دیکھی۔

''اگر سیاہ والی فوج اپنے اس پیادے کو ایک قدم چلائے....'' دو انگلیوں سے پیادہ اٹھایا تو دونوں نے چونک کے گردنیں اٹھائیں۔ سفید ہیٹ والی لڑکی بورڈ کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی....

''اور سفید فوج اپنے فیلے کے ذریعے اس سیاہ گھوڑے کو مار دے تو سیاہ رخ اس فیلے کو مار دے گا اور سفید پیادہ یوں چل جائے تو سیاہ ملکہ کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ اور یہ کر دیا سیاہ ملکہ نے سفید بادشاہ کو.... شہہ مات!'' اس نے جھکے جھکے دو تین گوٹ چلائے اور سیدھی ہو کے مسکرائی پھر سیاہ فوج کے بوڑھے مالک کو دیکھا جو ہکا بکا بیٹھا تھا۔

''ہر وقت دفاعی انداز میں کھیلنا اچھا نہیں ہوتا۔ جب آپ کو لوگ کونے سے لگا دیں تو جارحانہ حکمتِ عملی اپنانی پڑتی ہے۔ پیادے کو ملکہ بنانا پڑتا ہے۔ یو آر ویلکم انکل۔'' ہیٹ کو ترچھا کرتے ہوئے سر جھکا کے 'تعظیماً بولی' اور مڑ گئی۔

سفید فوج کا مالک بوڑھا پریشان سا بساط کو دیکھ رہا تھا۔

''مگر... میرا دوسرا سفید گھوڑا تو راستے میں حائل تھا۔ وہ.... کہاں گیا....؟''

اور فٹ پاتھ پہ آگے بڑھتی تالیہ نے مٹھی میں دبایا سفید گھوڑا مسکرا کے فضا میں اچھال دیا۔

''ایمانداری سے بھی کوئی جیت سکتا ہے بھلا.... وہ بھی اس دنیا میں؟''

اب وہ واپس سرخ لکڑی کے روغن زدہ گھر کی طرف جا رہی تھی۔ اسے عصرہ سے اجازت لے کر ہوٹل جانا تھا اور شام کو خزانے کے بارے میں اگلا لائحہ عمل تیار کرنا تھا۔

یہ تو طے تھا کہ وہ خزانہ لیے بغیر ملاکہ سے واپس نہیں جائے گی۔

سن باؤ کے گھر کے دروازے کے سامنے وہ رکی اور گردن اوپر اٹھائی۔ بالائی کمروں کی بالکونیاں سڑک کی طرف کھلتی تھیں۔ اندر صحن میں ان کمروں کی کھڑکیاں تھیں جہاں سے شہزادی مجسمہ بناتے وقت اوپر موجود شخص کو دیکھتی تھی۔ مگر کیا وہ یہاں بالکونی میں بھی بیٹھتا ہوگا جب دور سے گھوڑے پہ شہزادی تاشہ آتی ہوگی؟

اس نے گردن موڑ کے شمال کی سمت دیکھا۔ ابھی تو یہاں دکانیں تھیں اور ان کے پیچھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ محض چند

میل کے فاصلے پہ ملاکہ سلطنت کا محل واقع تھا۔ جو ملک آج ملائیشیا تھا' وہ کسی زمانے میں ایک بڑا سا ملک تھا جو ملاکہ سلطنت کہلاتی تھی۔ ملائیشیا کے آس پاس کی ریاستیں بھی اس میں شامل تھیں۔ سولہویں صدی میں جب ملاکہ پہ پرتگال نے قبضہ کیا تو اس محل کو جلا ڈالا ۔ پھر ڈچ آئے ۔ اور گزشتہ صدی میں انگریز۔ 1957 میں ملائیشیا کو آزادی ملی اور اب ملاکہ اس کی صرف ایک ریاست ہے۔ محل تو صدیوں پہلے جلا دیا گیا تھا مگر چند برس قبل ملائیشیاء کی حکومت نے پرانی کتابوں اور نقشوں کی مدد سے محل کا خاکہ نکالا اور اسے ہو بہو ویسا ہی تعمیر کروایا۔ اب وہ ایک میوزیم تھا۔ کسی زمانے میں شہزادی تاشہ وہیں رہتی ہوگی۔

وہ بالکونی کو دیکھے گئی۔ جانے کون ہوگا یہاں جس کے لئے بنداہارا کی خوبصورت بیٹی آیا کرتی تھی؟ یقیناً کوئی جری مرد ہوگا۔ وہ جتنی حسین' طرحدار اور لائق تھی' کسی عام مرد کے لئے نہیں آئے گی۔ پتہ نہیں کیا کہانی ہوگی اس کی۔ وہ سوگوار مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھ گئی ۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کبھی اس کی داستان نہیں جان پائے گی۔

ظاہر ہے وہ غلط تھی۔

☆☆=========☆☆

تالیہ الوداعی کلمات کہہ کے چلی گئی تو عصرہ اوپر آئی۔ بیرونی زینے عبور کر کے بالکونی پار کی اور پہلے کمرے میں داخل ہوئی۔ توقع کے عین مطابق وہ وہیں موجود تھا۔

کمرہ سادہ تھا۔ ایک طرف سنگل پلنگ بچھا تھا۔ دوسری جانب الماری تھی۔ فاتح اس وقت دیوار کے سامنے کھڑا تھا جہاں کھڑکی تھی۔ عصرہ کی جانب پشت کیے' وہ نیچے صحن میں مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔

''بچے کھانا کھانے باہر جانا چاہتے ہیں۔ چلو گے؟'' اس نے نرمی سے پکارا۔

''ہوں!'' وہ بے توجہی سے نیچے دیکھتا رہا۔

''اس گھر کو بیچنا مشکل لگ رہا ہے کیا' فاتح؟'' وہ اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ نیچے صحن اور کنواں صاف دکھائی دیتا تھا۔

''نہیں تو۔ میں یہاں کم رہا ہوں۔ کبھی چھٹیوں میں آتے تو میں یہ کمرہ لے لیتا تھا۔ چار یا پانچ ماہ میں ایک آدھ دن کے لئے۔''

''مت ظاہر کرو کہ تمہیں اس کو بیچنے سے فرق نہیں پڑتا۔''

''واقعی نہیں پڑتا۔ بیچ ہی رہا ہوں' ڈھا نہیں رہا۔'' باہر دیکھتے ہوئے اس نے شانے اچکائے۔

''نئے مالک ڈھا دیں گے۔ کوئی کافی شاپ' کوئی ٹی ہاؤس بنا دیں گے اس کو۔''

فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ نیچے دیکھتا رہا۔ سینے پہ بازو لپیٹے' اس کی سیاہ آنکھیں مجسمے پہ جمی تھیں۔ جینز کے اوپر سفید شرٹ پہنے' بال ماتھے پہ بکھیرے' وہ عام دنوں سے مختلف لگ رہا تھا۔

''فاتح ... ریستوران!'' اس نے یاد دلایا تو وہ گہری سانس لے کر اس کی جانب گھوما۔

''میں کچھ آرڈر کرلوں گا۔تم جاؤ۔موسم خراب لگ رہا ہے‘تمہیں پھر واپس بھی جانا ہوگا۔''

عصرہ چند لمحے تفکر سے اسے دیکھے گئی۔

''ہاں‘ہم لنچ کرکے واپس چلے جائیں گے‘موسم اچھا نہیں ہے‘لیکن تم....تم کب آؤ گے؟''

''میں رات تک آؤں گا۔''

''اکیلے کیا کرو گے ادھر؟'' وہ قدرے تشویش سے اسے دیکھ رہی تھی۔

فاتح نے مسکراتے ہوئے اطراف میں دیکھا۔''اکیلا کہاں ہوں؟عنقریب اشعر مشہور کرنے والا ہے کہ اس گھر میں بھوت پریت بھی رہتے ہیں۔''

عصرہ کی آنکھیں حیرت سے پوری کھل گئیں۔''تمہیں کیسے معلوم؟''

''اور کس طرح کسی پراپرٹی کی قیمت گرائی جاتی ہے؟تمہیں لگتا ہے میں اس کے طریقوں سے واقف نہیں ہوں؟'' ابرو اچکا کے مسکرایا۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ بے فکر لگ رہا تھا۔عصرہ کی پیشانی پہ سلوٹیں پڑیں۔

''کیوں ایش کے بارے میں ایسے اندازے لگاتے ہو فاتح؟پہلے تو تم ایسے نہیں تھے۔''

''مگر وہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔دکھاوے کے ساتھ یہی مسئلہ ہوتا ہے۔کبھی نہ کبھی کھل جاتا ہے۔'' شانے ذرا سے اچکائے گویا اسے پرواہ نہیں تھی۔عصرہ نے ضبط سے گہری سانس لی۔

''خیر....جو بھی کرو....تمہاری سیاست‘تم دونوں جانو۔ہم لنچ کرتے ہی واپس نکل جائیں گے۔تم کچھ آرڈر کرلینا۔''

''شیور!'' وہ بے پرواہ تھا۔یا شاید قانع۔

عصرہ نے ایک الوداعی نظر اس پہ ڈالی‘اور باہر نکل گئی۔

کچھ دیر بعد جب وہ اور بچے کار میں بیٹھ رہے تھے‘ وان فاتح اوپر بالکونی میں کھڑا تھا۔عینک لگائے‘وہ جھک کے موبائل پہ ٹائپ کر رہا تھا۔ابھی گلی میں لوگوں کی نظر اس پہ نہیں پڑی تھی ورنہ وہ تانتا بندھتا کہ خدا کی پناہ۔

''فاتح!'' کار کا دروازہ کھولتے وقت عصرہ نے اسے پکارا تو فاتح نے سر اٹھایا‘پھر ان کو دیکھ کے مسکرایا اور عینک اتاری۔

''خدا حافظ!'' دایاں ہاتھ اٹھا کے الوداع کہا۔سکندر نے ''خدا حافظ ڈیڈ!'' پکارا اور جولیانہ نے مسکرا کے ہاتھ ہلایا۔وہ تینوں اندر بیٹھ گئے اور وہ مسکرا کے ان کو دیکھتا رہا۔سکندر کی نظریں اسی پہ جمی تھیں۔بار بار فکرمندی سے وہ باپ کو دیکھتا تھا جو ریلنگ پہ دونوں ہتھیلیاں رکھے‘ جھک کے ان کو دیکھ رہا تھا۔

''ماما...ہمیں ڈیڈ کو چھوڑ کے نہیں جانا چاہیے۔'' کار آگے بڑھ گئی تو وہ بے چینی سے پیچھے مڑ کے ماں سے بولا۔

''بیٹا‘تمہارے ڈیڈ 48 سال کے ہیں۔بے فکر رہو وہ راستہ نہیں بھولیں گے اور بالکل بھی نہیں کھوئیں گے۔ان کو بھی کوئی space

چاہیے۔" وہ جو سیل فون پہ لگی تھی' قدرے اکتا کے بولی تو سکندر گردن موڑ کے سڑک کنارے بھاگتے درختوں کو دیکھنے لگا۔

اس کا دل خراب ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں۔

(کیا بڑے لوگ راستہ نہیں بھولتے ؟)

☆☆=========☆☆

ملاکہ کا دارالحکومت ملاکہ شہر تھا جو سمندر کنارے واقع تھا۔ جس ہوٹل میں تالیہ نے کمرہ لیا تھا' اس کی کھڑکیاں ساحل کی طرف کھلتی تھیں۔

فرنچ ونڈو پہ پڑے سفید پردے ہوا سے پھڑپھڑا رہے تھے اور نیچے ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی دے رہا تھا۔

بیڈ پہ اس کا سامان بکھرا پڑا تھا اور وہ سامنے کھڑی تھی۔ ہاتھ میں ایک بیک پیک تھا۔ جیسے اسکول کالج جانے والے کندھوں پہ پہنتے ہیں۔ وہ کچھ چیزیں نکال نکال کے اس بیک پیک میں رکھ رہی تھی۔ رسی' ٹیپ' چند اوزار' پیسے' کریڈٹ کارڈز' گلوز۔ چھوٹے سے بیک پیک کو بھرنے کے بعد وہ روم فریج تک آئی اور اندر سے پانی کی ایک بوتل نکالی' ایک کولا کا کین اور اور چند چاکلیٹ بار۔

"اتنی کیلوریز؟ اونہوں۔" چاکلیٹ واپس رکھ دی۔ پانی اور کولا کو بیگ میں ڈال دیا۔ ایک تیز دھار خنجر رکھا۔ ٹیزر (کرنٹ لگا کے بے ہوش کرنے کا آلہ) ' کالی مرچوں کا اسپرے' اور ایسے تمام لوازمات جو وہ کسی بھی واردات کے وقت اپنے ساتھ رکھتی تھی' اس میں ڈالے اور زپ بند کی۔ پھر اسے کندھوں پہ پہنا اور خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے۔

تبھی موبائل بجا۔

ایڈم کنوئیں پہ پہنچ چکا تھا۔ وہ اسے وہیں رکنے کا کہہ کے باہر نکل آئی۔ ذہن تیزی سے مختلف ممکنات کو سوچ رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ کے ساحل کا یہ حصہ الگ تھلگ سا تھا۔ یہاں اونچی چٹانیں تھیں' اور نیچے سمندر بہتا نظر آرہا تھا۔ لہریں امڈ امڈ آتیں اور چٹانوں سے سر پٹخ کے واپس لوٹ جاتیں۔ یہاں اکا دکا لوگ نظر آتے تھے۔ دور تک ریت سنسان پڑی تھی۔

ایسے میں ایک چٹان کے اوپر وان فاتح کھڑا تھا۔ اس کی سفید شرٹ ہوا کے باعث پھڑپھڑا رہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے سمندر کو دیکھتے ہوئے سوگوار سا مسکرا رہا تھا.....

لہروں کی جھاگ میں شکلیں بن بن کے ابھرتیں' اور ابھر ابھر کے مٹتی تھیں۔ بہت سی یادیں گویا امڈتی چلی آرہی تھیں۔ چھ سال گزر گئے۔ چھ سال اور ایک دن۔ اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ آریانہ کے ساتھ اس روز کیا ہوا تھا۔

سوائے وان فاتح کے....

اسے ایک ایک لمحہ یاد تھا۔ آخری دن ان دونوں نے ملاکہ میں ساتھ گزارا تھا۔

ملاکہ آ کے سب سے پہلے وہی یاد آتی تھی۔

ملاکہ سے جاتے وقت سب سے آخر میں بھی وہی یاد آتی تھی۔

وہ ایک نم صبح تھی۔ سن باؤ کے گھر میں چھایا سی تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا تھا۔ ایسے میں صحن میں وہ بیٹھی تھی۔

ننھی آریانہ۔ اس مجسمے کے قریب پنجوں کے بل بیٹھے وہ اس کے پاؤں دیکھ رہی تھی۔ لمبے بال کمر پہ بکھرے تھے۔ وہ چینی نقوش والی گوری سی لڑکی تھی جس کی آنکھیں موٹی موٹی تھیں۔

وہ اس کی پشت پہ آ کھڑا ہوا۔ آریانہ نے گردن موڑی تو دیکھا۔ فاتح مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا۔ ٹی شرٹ اور جینز پہنے وہ چھٹی والے لاپرواہ حلیے میں لگتا تھا۔

''کیا تمہیں بھی سن باؤ پسند ہے۔'' وہ پنجوں کے بل اینٹوں والے فرش پہ بیٹھا۔ آریانہ نے واپس چہرہ مجسمے کی طرف موڑ لیا۔

''ڈیڈ.... کیا یہ آدمی اصل میں تھا کوئی؟''

''ہاں بیٹا۔ اس کا نام وانگ لی تھا۔''

''اس کا مجسمہ کیوں بنایا شہزادی تاشہ نے؟''

''کیونکہ وہ شہزادی تھی۔ اور شہزادیاں اپنی مرضی کی مالک ہوتی ہیں۔''

اوپر بادل زور سے گرجے اور یکا یک موٹی موٹی بوندیں صحن میں گرنے لگیں۔

''کاش میں بھی شہزادی ہوتی۔''

وہ ہنس دیا۔

''تمہیں کیوں لگا کہ تم شہزادی نہیں ہو؟'' سرخ اینٹوں والا صحن بارش میں بھیگ رہا تھا اور وہ دونوں پنجوں کے بل ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔

''کیونکہ آپ بادشاہ نہیں ہیں۔'' وہ ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے اداس نظر آتی تھی۔

''تاشہ کا باپ بھی بادشاہ نہیں تھا۔ بنداہارا تھا۔''

''وہ کیا ہوتا ہے؟''

''پردھان منتری۔ (وزیرِ اعظم)''

وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔

''اگر آپ پردھان منتری بن جائیں تو میں خود بخود شہزادی بن جاؤں گی؟''

''ہاں۔'' وہ کھڑا ہوا اور جھک کے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ آریانہ کسی اور سوچ میں لگتی تھی....

''مگر یہ تو چیٹنگ ہوئی۔ شہزادی تو بائی برتھ شہزادی ہوتی ہے۔ ایسے ہی کوئی تھوڑی شہزادی بن جاتا ہے۔'' وہ بھیگی ہوئی بچی اس کی گردن کے گرد باز و حمائل کیے سر اس کے کندھے پر رکھے بولی۔ وہ اسے اٹھائے اندر برآمدے میں لا رہا تھا۔

''یہ چیٹنگ نہیں ہے۔'' برآمدے میں آ کے وہ ٹھہرا اور آریانہ کو نیچے اتارا۔ وہ فرش پہ کھڑے ہوتے ہی حیرت سے سر اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔

''چیٹنگ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟''

''دھاندلی۔'' وہ سنجیدگی سے بولا... اور دونوں ہنس دیے۔

تبھی اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے نمبر دیکھا۔

''اندر جاؤ ماما کے پاس' اور اب بارش میں نہیں بھیگنا۔'' وہ تابعداری سے اندر جانے لگی' پھر رکی۔

''کل ہم کیبل کار (چیئر لفٹ) پہ جائیں گے نا' ڈیڈ؟''

فاتح نے صرف سر ہلا دیا اور فون کان سے لگاتے ہوئے برآمدے کے دوسرے سرے تک چلتا آیا۔ چہرے پہ سنجیدگی چھا گئی تھی۔

''کہاں ہو فاتح؟'' مردانہ آواز دوستانہ انداز میں سنائی دی۔

''میں چھٹی پہ ملاکہ آیا ہوا ہوں۔ کیوں؟'' وہ اب برآمدے کے ستون کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ اوپر مخروطی چھت کے کناروں سے پانی ٹپ ٹپ کے نیچے گر رہا تھا۔ سامنے صحن بھیگتا دکھائی دے رہا تھا۔

''فاتح....'' وہ کوئی سیاسی دوست تھا۔ تذبذب سے بولا۔ ''صوفیہ صاحبہ ایک پیغام دینا چاہتی تھیں۔''

''پردھان منتری کی بیٹی صوفیہ رحمٰن صاحبہ؟'' وہ استہزائیہ مسکرایا۔ (یہ ان دنوں کی بات ہے جب صوفیہ رحمٰن کے باپا ملک کے وزیرِ اعظم تھے۔)

''ہاں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر تم اور تمہارے ساتھ قریباً ۲۰ ممبر پارلیمنٹ....''

''میرا جواب ناں میں ہے۔''

''تم نے ابھی ان کی پیشکش سنی ہی نہیں ہے۔''

''اچھا ہے نہیں سنی' کیونکہ سن لوں گا تو اس پہ گواہ بن جاؤں گا' اور اگلا جلسہ جہاں بھی کرنے جاؤں گا' وہاں لوگوں کے سامنے دہرا دوں گا کہ صوفیہ رحمٰن کیسے لوگوں کو اپنے الائنس میں شامل ہونے کے لئے دھمکاتی ہیں۔''

''وہ ملک کی اگلی وزیرِ اعظم ہیں۔ ان کی بات تو سن لو۔''

ایک دم بارش کی بوچھاڑ اتنی تیز ہوگئی کہ مجسمے پہ گرتے قطروں کی تڑتڑاہٹ سے سارا آنگن گونج اٹھا۔

''میں ضرور سنتا اگر مجھے صوفیہ کے ساتھ بیک ڈور ڈیل کرنی ہوتی۔ یہی کہنا چاہتی ہوگی نا وہ کہ میں بیس پچیس لوگوں کے ساتھ باریسن نیشنل چھوڑ کے اس کی پارٹی میں آ جاؤں اور وہ مجھے وزیر بنا دے گی؟ ابھی الیکشن میں دو سال پڑے ہیں' وہ ابھی سے اپنی حکومت کے لئے جوڑ توڑ شروع کر رہی ہے۔'' وہ ستون سے ٹیک لگائے کھڑا' موبائل کان سے لگائے' بے نیازی سے کہہ رہا تھا۔

''صوفیہ رحمٰن ایک خطرناک عورت ہے۔''

''صوفیہ رحمٰن ایک بزدل عورت ہے۔اور اسے شاید بھول گیا ہے مگر ہم دونوں یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے ہیں۔اس کو کہنا' مجھے یہ بھی یاد ہے کہ وہ کیسی تھی'اور یہ بھی کہ میں کیسا تھا۔اسے مجھے ایسی آفر دیتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔بی این کا ایک رکن بھی اس کی طرف نہیں جائے گا۔''

''تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا' وہ اس آفر کو قبول کر لیتا۔''

''تمہارے خیال میں ایسی آفرز مجھے پہلے کبھی نہیں دی گئیں؟اگر مجھے دوسروں کے ساتھ سمجھوتے کر کے وزیر اعظم بننا ہوتا تو کب کا بن چکا ہوتا۔میرا خواب ہے کہ میں اپنے ملک کا وزیر اعظم بنوں اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔یہ ایک عظیم خواب ہے۔اپنے ملک کی اعلیٰ ترین سطح پہ نمائندگی۔لیکن مجھے اسٹرگل کر کے وزیر اعظم بننا ہے۔اور ہاں صوفیہ سے کہنا' اس نے جو کرنا ہے کر لے۔اس کے باپ اور اس کو لوگوں کو خریدنے کی عادت ہوگئی ہے۔عادت بدلنے میں وقت لگے گا۔''

اس نے موبائل رکھا اور پھر گردن نکال کے آسمان کو دیکھا۔وہ سیاہ پڑتا برسے جا رہا تھا..جیسے رونے لگ گیا ہو....زار و قطار....

آج....وان فاتح چٹان کے اوپر کھڑا تھا۔ہاتھ جیبوں میں تھے اور سوگوار مسکراہٹ سے سمندر کو دیکھ رہا تھا۔لہروں میں بنتی جھاگ میں دکھائی دیتا منظر بدل رہا تھا....

وہ سر سبز اونچی پہاڑیاں تھیں جہاں اونچے کھمبوں کی مدد سے تاروں پہ لٹکتی کیبل کار(چیئر زلفٹ)نیچے آتی دکھائی دے رہی تھیں۔پہاڑی پہ ٹریک بھی بنا تھا جہاں ہائیکنگ کے شوقین لوگ چڑھتے ترتے دکھائی دیتے تھے۔مگر ایسے لوگوں کی تعداد کم تھی۔زیادہ لوگ اوپر کیبل کار(چیئر زلفٹ)پہ بیٹھ کے سفر کرنا پسند کرتے تھے۔عصرہ'اشعر اور سکندر کے ساتھ اوپر کیبل کار پہ چلی گئی تھی۔جبکہ آریانہ کے شوق فاتح جیسے تھے۔اسے قدرت کے قریب' جنگلوں اور پہاڑوں میں پیدل چلنے میں مزا آتا تھا۔

ٹریک پہ جانے سے پہلے آریانہ پاپ کارن کا اسٹال دیکھ کے مچل گئی۔''مجھے یہ کھانے ہیں۔''

''ابھی واپسی پہ کھانا تو کھاؤ گی نا'پھر یہ کیوں؟''وہ ہلکا سا خفا ہوا۔جواب میں اس نے پورا چہرہ اٹھایا اور بڑی بڑی آنکھیں جھپک کے اسے دیکھا۔بولی کچھ نہیں۔

''اچھا۔کھالو'' فاتح نے گہری سانس لی اور جیب سے بٹوہ نکالا۔پھر آریانہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے پاپ کارن اسٹال تک لے آیا۔

اسے میٹھے پاپ کارن پسند تھے۔کیریمل والے۔پورا پیکٹ بھر کے لیا اور اپنی لمبی جیکٹ کی جیب میں ڈال دیا۔''میں ان کو واپسی پہ کھاؤں گی۔''

''مگر یہ تب تک ٹھنڈے ہو جائیں گے' بے بی۔پاپ کارن گرم کھائے جاتے ہیں۔''

''اس سے میری جیکٹ گرم ہو جائے گی نا۔'' کہنے کے ساتھ اس نے دو تین دفعہ پلکیں جھپکائیں۔فاتح مسکرا دیا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں سرسبز پہاڑی پہ اوپر چڑھ رہے تھے۔اس نے جینز میٹیریل کی شرٹ پہن رکھی تھی اور آریانہ نے پتلی سی سفید جیکٹ۔نیچے سفید فراک اور سفید ہی جرابیں تھیں۔جوگرز بھی سفید۔سر پہ ہیئر بینڈ پہنے وہ چھوٹی سی پری لگتی تھی۔

''میں نے صبح ماما کو کہا کہ جب آپ پردھان منتری بن جائیں گے تو میں شہزادی بن جاؤں گی۔''

''اور ماما نے کیا کہا؟'' وہ مسکراہٹ دبائے جوگرز کی مدد سے اوپر چڑھ رہا تھا۔

''انہوں نے کہا صرف میں شہزادی کیوں بنوں گی؟ جولیانہ بھی بنے گی۔''

وہ ہنس دیا۔عصرہ کو اس سے شکایت ہوتی تھی کہ وہ آریانہ اور جولیانہ میں فرق کرتا ہے۔ایسی بات نہیں تھی۔آریانہ بڑی تھی تو زیادہ قریب تھی۔

''ہاں' ظاہر ہے جولیانہ بھی بنے گی۔'' اس نے گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔وہ سرسبز پہاڑیاں تھیں جہاں بادل نیچے تک اترے ہوئے تھے۔ان کے سروں کے اوپر سے کیبل کار گزر رہی تھی۔کتنا خوبصورت تھا اس کا ملک۔وہ فخر سے مسکرایا۔

''آپ کو جنگل اور پہاڑ اچھے لگتے ہیں' ڈیڈ؟'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے چلتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''بہت زیادہ۔میں ہر سال صباح کے جنگلوں میں شکار کے لیے جایا کرتا تھا۔اب کچھ عرصے سے نہیں جا سکا مگر دل چاہتا ہے۔پارلیمان اور کوالالمپور کی مصروف زندگی سے بالکل کٹ کے کچھ دن پہاڑوں میں گزارنے کا۔''

''آپ کو ایسی جگہوں پہ کیوں مزہ آتا ہے؟''

''کیونکہ جو ملاح طوفانی بارش میں سمندر میں کشتی لے کر نہیں نکلتے' وہ کبھی اچھے ملاح نہیں بن سکتے۔انسان کو ہر روز خود کو کسی چیلنج کے سامنے پیش کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ اس سے بہت کچھ سیکھ کے نکلے۔''

آریانہ کو بات سمجھ نہیں آئی مگر اس نے سر ہلا دیا۔وہ دونوں ساتھ ساتھ اوپر چڑھتے جا رہے تھے کہ عقب سے آواز آئی۔

''ان چے فاتح (مسٹر فاتح)۔آریانہ۔'' وہ دونوں ایک ساتھ پلٹے۔

نیچے سے جولیانہ کی نینی چلتی آ رہی تھی۔یہ ایک انڈین عورت تھی جو چند ماہ سے ان کے گھر ملازمت کر رہی تھی۔بچوں کی دیکھ بھال کرتی کیونکہ عصرہ ایک ورکنگ وومن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سیاسی بیوی بھی تھی۔غرض اس عورت ثریا نے سارا گھر سنبھال رکھا تھا۔

''سر...'' وہ پھولتی سانس کے ساتھ قریب آئی۔''عصرہ بیگم آریانہ کو بلا رہی ہیں۔''

''کیوں؟''

''سکندر ضد کر رہا ہے کہ وہ آریانہ کے بغیر کچھ نہیں کھائے گا۔سکندر کو بخار بھی ہو رہا ہے۔''

''چلو' ہم واپس چلتے ہیں۔''

''نہیں' سر۔عصرہ بیگم نے کہا ہے کہ میں آپ کو ٹریک سے نہ روکوں۔آپ عرصے بعد ہالیڈے پہ آئے ہیں۔صرف آریانہ کو لے

آؤں۔آپ ٹریک جاری رکھیں۔'' وہ ہمدردی سے بولی تو آریانہ فوراً بولی۔

''آپ جائیں' ڈیڈ۔میں سکندر کو سنبھال لوں گی۔'' اس نے سمجھداری سے کہا۔تو اس نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔آریانہ کا ایک ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرا ہاتھ ثریا دیوی نے تھاما تو وہ اس کے ساتھ آگے بڑھی۔ فاتح نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ وہ مڑی اور اس کو دیکھ کے مسکرائی۔

''سی یو.....ڈیڈ!'' اور پلکیں دو دفعہ جھپکائیں۔ وہ ہلکا سا ہنسا اور اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ثریا اسے لیے نیچے اترنے لگی اور وہ اوپر پہاڑی پہ چڑھنے لگا۔

وہ چند منٹ تک اوپر چڑھتا گیا اور پھر یکا یک رک گیا۔عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔سکندر تو ابھی ٹھیک تھا۔اسے بخار کیوں ہو رہا ہے؟ وہ واپس پلٹ آیا۔ٹریکنگ میں دلچسپی ختم ہوگئی تھی۔ وہ نیچے اترنے لگا۔رفتار تیز تھی' اسے امید تھی کہ وہ جلد آریانہ اور ثریا سے جا ملے گا۔

مگر وہ اسے ٹریک پہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ وہ نیچے اترتا آیا۔ بیچ راستے میں رک کے اس نے سیل فون نکالا اور عصرہ کو کال ملائی۔

''سکندر ٹھیک ہے۔اسے کیا ہونا ہے؟'' وہ مطمئن لگ رہی تھی۔

وہ ایک عجیب سا لمحہ تھا۔جیسے کوئی روح کھینچ لیتا ہے۔

''تم نے ثریا کو ہماری طرف نہیں بھیجا؟''

''نہیں۔ میں تو خود اس پہ غصہ بیٹھی ہوں۔ وہ آدھے گھنٹے سے غائب ہے۔کیا وہ تمہاری طرف آئی ہے؟ فاتح؟'' وہ پوچھ رہی تھی مگر اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔وہ فون رکھتا ایک دم نیچے بھاگا تھا۔

پہاڑیاں خاموش تھیں۔سبزہ منہ بند رکھے ہوئے تھا۔

''آریانہ...آریانہ!'' وہ چلاتے ہوئے نشیب میں اتر رہا تھا....

اگلا ایک گھنٹہ کسی سلو موشن فلم کی طرح طے ہوا۔وہ جیسے ہی ٹورسٹ اسپاٹ تک پہنچا...عصرہ' اشعر اور بچے ادھر ہی آ گئے....پل بھر میں سارے گینٹنگ ہائی لینڈ کو خبر ہوگئی کہ وان فاتح کی بیٹی غائب ہوگئی ہے....کیمروں کے جلتے بجھتے فلیش....موبائل اسکرینز کی روشنیاں....پولیس کے سائرن....لوگ چلا رہے تھے....اس کے ساتھ دوڑ رہے تھے....وہ بھی بھاگ رہا تھا...دائیں بائیں...حلق کے بل چلاتے ہوئے آریانہ کو آوازیں دے رہا تھا...مگر آریانہ نہیں تھی....

وہ غائب ہوگئی تھی....

کسی نے کہا' ایک بچی کو چند ماسک والے افراد وین میں ڈال کے لے گئے ہیں....

وہ سڑک تک بھاگتا آیا۔ٹھنڈے موسم میں پسینہ پسینہ ہوئے...مگر نہ کوئی وین تھی....نہ اس کا نام ونشان....پولیس آگے پیچھے بھاگ

....کسی نے سی سی ٹی وی کا ریکارڈ کھولا مگر کیمرے میں وین نہیں تھی۔ نہ کیبل کار (چیئر لفٹ) کے کسی کیمرے نے ثریا اور آریانہ کو دیکھا تھا۔ پولیس وین کو ڈھونڈتی رہی اور بعد میں علم ہوا کہ وین کی ہوائی اڑانے والا ابھی لاپتہ ہے....وہ صرف پولیس کا وقت ضائع کرنے کی کوشش تھی اور کامیاب رہی تھی....کوئی وین نہیں تھی....ساری ناکہ بندیاں بے سود تھیں....

چند منٹ میں کیبل کار (چیئر لفٹ) اسپاٹ جائے حادثہ بن گیا۔ خوف و ہراس کی فضا قائم تھی۔ رپورٹرز دھڑا دھڑ ٹی وی چینلز پہ بیان دے رہے تھے' کیمرہ مین تصاویر اتار رہے تھے۔ اشعر روتی ہوئی عصرہ کو ہوٹل لے گیا مگر وہ وہاں سے نہیں گیا۔ وہ اب گیٹنگ ہائی لینڈ کے ریسٹورانوں کی طرف آ گیا تھا۔ آگے پیچھے بھاگتے ہوئے وہ ایک ایک کمرہ چیک کرر ہا تھا۔ آریانہ...آریانہ..کیا وہ واقعی اس کا نام پکار بھی رہا تھا یا گلا بیٹھ جانے کے باعث صرف لب ہل رہے تھے؟ وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ ساری دنیا ختم ہو گئی تھی اور صرف ایک حقیقت باقی تھی۔

آریانہ نہیں تھی۔

رات سرکتی رہی۔ بارش نہیں ہوئی۔ آسمان بھی شل تھا جیسے۔ پولیس رپورٹ تیار کر چکی تھی۔ ریسکیو ٹیمیں ناکام لوٹ چکی تھیں۔ کسی کو آریانہ نہیں ملی۔ قوی امکان تھا کہ ثریا اب تک بچی کو لیے شہر سے دور جا چکی ہوگی۔ وہ اس وقت ایک پولیس آفیسر کے ساتھ وہیں کے مقامی ریسٹوران میں بیٹھا تھا۔ پولیس نے اسے باخبر کیا تھا کہ اغوا کار فون کریں گے۔ وہ چپ بیٹھا رہا۔ کھڑکی سے باہر سیاہ آسمان اور دور تک پھیلی پہاڑیاں دیکھتا رہا۔ اس کا دل کہتا تھا' آریانہ یہیں ہے۔ وہ انہی پہاڑوں میں ہے۔ وہ قریب ہے۔ بہت قریب۔

آدھی رات بیت گئی جب پولیس نے اسے گھر جا کے آرام کرنے کا کہا تو وہ بنا احتجاج کے اٹھ آیا۔ مگر وہ گھر نہیں گیا۔ وہ واپس اسی ٹریک کی طرف چلتا گیا۔ سرسبز پہاڑی پہ بنا راستہ جہاں اس نے آریانہ کا ہاتھ آخری دفعہ چھوڑا تھا۔

بچپن میں جب کوئی شے کھو جاتی تو اس کی ماں کہا کرتی تھی۔ چیزیں ہمیشہ وہیں ڈھونڈنی چاہئیں جہاں وہ کھوئی تھیں۔ وہ ہمیشہ وہیں سے ملتی ہیں۔

پولیس کے کسی سپاہی سے جو ٹارچ اس نے لی تھی وہ اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی روشنی اندھیر پہاڑی پہ پھینکتا وہ اسی جگہ واپس آیا۔ پھر وہاں سے نیچے اترنے لگا.... بالکل ایسے جیسے اس نے ثریا اور آریانہ کو اترتے دیکھا تھا۔ پولیس نے یہ سارا علاقہ چھان مارا تھا مگر وہ ایک گمشدہ بچی کو ڈھونڈ رہے تھے۔

وہ اپنی سات سالہ بیٹی کو نہیں ڈھونڈ رہے تھے۔

وہ ٹریک سے ہٹ آیا۔ ثریا فاتح کے مڑتے ہی بچی کو بہلا پھسلا کے اس طرف لے آئی ہوگی جہاں اس کی مدد کے لیے کوئی موجود ہوگا۔ وہ ان جھاڑیوں کی طرف آ گیا جہاں لوگ نہیں چلا کرتے تھے۔ ٹارچ کی روشنی آس پاس مسلسل پھینک رہا تھا البتہ اب وہ اسے پکار نہیں رہا تھا۔ اس کے انداز میں احتیاط تھی۔

دور ایک طرف روشنی میں کچھ چمکا۔ وہ تیزی سے قریب آیا۔ کیرامل لگا پارپ کارن۔

اس کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ دوڑ کے اس کونے تک آیا۔ یہاں مٹی پہ نشانات تھے۔ گھاس مسلا ہوا تھا۔ مزاحمت۔ زور زبردستی۔

وہ پہاڑی سے نیچے اترتا' ٹارچ کی روشنی ڈالتا گیا۔ وہاں کچا راستہ سا بنا تھا جس پہ ذرا ذرا دیر بعد پاپ کارن کا ٹکڑا گرا نظر آتا تھا۔ وہ تیز تیز دوڑنے لگا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

اس کی فیری ٹیلز کی رسیا بیٹی.... جانے اس نے ہنسل اور گریٹل کی طرح بریڈ کرمب خود گرائے تھے یا جیب سے لڑھکتے گئے تھے.... اس کا دل بھر آ رہا تھا مگر وہ دوڑتا گیا۔ وہاں گھسیٹنے کے نشان تھے.... قدموں کے کھرے تھے.... اور وہ رک نہیں رہے تھے.... پولیس اور دوسرے لوگوں کو وین کے پیچھے لگا کے وہ دو افراد جو اس کی بیٹی کو اٹھائے ہوئے تھے' وہ اس راستے سے نکل گئے تھے۔ ثریا اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ اس کا ساتھی بھی تھا۔

اس نے چند گھاٹیاں عبور کیں۔ کچھ پرنالے پھلانگے.... اور دوڑتا ہوا نیچے اترتا گیا۔

پاپ کارن اب ختم ہو چکے تھے۔ اونچی نیچی گھاٹیاں اندھیرے میں ڈوبی تھیں۔

''آریانہ!'' وہ چیخا۔ ٹارچ چاروں اطراف میں ڈالی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ جنگل سا علاقہ خاموش پڑا تھا۔ ایک طرف سڑک دکھائی دیتی تھی۔ وہاں ایک کار کھڑی تھی۔ وہ دوڑ کے اس تک آیا۔ راستے میں باڑ وغیرہ لگی تھی مگر اس نے اسے پھلانگ لیا۔

کار لاکڈ تھی اور خالی تھی۔ اگر یہ اغوا کاروں کی کار تھی تو وہ واپس کیوں نہیں گئے؟ وہ ابھی تک پہاڑوں میں کیوں چھپے ہوئے تھے؟

وہ دوبارہ سے پہاڑی کی طرف آیا اور اسے پکارتے ہوئے نیچے اترنے لگا۔ ''آریانہ۔ آریانہ۔'' مگر اندھیرے میں ڈوبے پہاڑ خاموش رہے۔ وہ سب جانتے تھے مگر غم بانٹنے کے عادی نہ تھے۔ اسی لیے تخت اور اونچے تھے۔

نیچے ایک چھوٹا سا جھرنا بہہ رہا تھا۔ وہیں تھکا ہارا اس کے کنارے بیٹھ گیا۔ ارد گرد حشرات الارض رینگ رہے ہیں یا کوئی جنگلی جانور اس طرف آ سکتا ہے' اسے پروا نہ تھی۔ وہ بس وہیں بیٹھا رہا۔

پھر رات کی سیاہی میں سورج کی کرنیں گھلنے لگیں اور پہاڑ روشن ہونے لگے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اور نڈھال قدموں سے واپس اوپر چڑھنے لگا۔

وہ جو پوری رات کی خواری اور ٹھوکروں کے باوجود نہیں ملی تھی...... وہ واپسی کے چند قدم اٹھانے پہ مل گئی۔

ایک درخت کی کھوہ میں.... وہ لیٹی ہوئی تھی۔

دور سے اسے دیکھ کے فاتح ٹھہر گیا۔ بالکل ساکت۔ جامد۔

اس کا چہرہ دوسری طرف تھا۔ سفید اسکرٹ بلاؤز اور اوپر جیکٹ پہنے' وہ لیٹی ہوئی نظر آتی تھی۔ پہلو میں ڈھلکے ہوئے بازو کے ساتھ پاپ کارن بکھرے تھے۔ ساتھ ہی خون بہتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

وہ من من کے قدم اٹھاتا قریب آیا اور گھٹنوں کے بل آریانہ کے پاس بیٹھا۔ پھر آہستہ سے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

اس کا چہرہ صاف تھا۔آنکھیں ذرا سی کھلی تھیں۔مگر چہرے پہ ایک خراش بھی نہ تھی۔سر کا پچھلا حصہ پچکا ہوا تھا۔گردن سے نیچے جسم بری طرح مسخ ہو چکا تھا۔

مگراس کا چہرہ صاف شفاف تھا۔شہزادیوں جیسا۔

ہاں....صرف وان فاتح جانتا تھا کہ اس روز....آریانہ مرگئی تھی۔

صبح پھیل رہی تھی اور جب اس نے گردن جھکا کے دیکھا تو دور نیچے کھائی میں اسے دو لاشیں دکھائی دے رہی تھیں۔ایک ثریا کی تھی۔ دوسرے اس کے ساتھی کی تھی۔ان کا منصوبہ بچی کو یرغمال بنانے کا تھا مگر پہاڑی سے اترتے ہوئے یا تو اغوا کار پھسلا تھا' یا شاید آریانہ مزاحمت کر رہی تھی....اور یوں وہ تینوں بلندی سے نیچے گرے تھے۔آریانہ شاید سو فٹ تک کسی چٹان پہ گری اور وہ دونوں مزید نیچے لڑھکتے گئے تھے۔ان کی ہلاکت موقع پہ ہی ہوگئی تھی اور لاشوں کی حالت بری تھی۔

مگر....فاتح نے پھر سے آریانہ کو دیکھا....آریانہ کا چہرہ صاف اور نکھرا ہوا تھا۔لب ہلکی مسکراہٹ میں ڈھلے ہوئے تھے۔شاید وہ اس بات پہ خوش تھی کہ اس نے اغوا کار کو دھکا دیا ہے....مگر دھکا کھاتے ہی وہ آریانہ کو ساتھ لے کر گرا تھا۔وہ تکلیف سے تڑپ تڑپ کے نہیں مری تھی۔وہ اتنی تیزے سے نیچے آن گری تھی کہ یقیناً اس کی موت فوراً ہوئی تھی۔چند سیکنڈز میں۔مسکراہٹ کو لبوں سے جدا ہونے کا وقت بھی نہیں ملا تھا۔

اور پاپ کارن سے کیریمل کی خوشبو ابھی تک آرہی تھی۔

وہ کبھی زندگی میں ایسے نہیں رویا تھا جیسے اس دھندلی صبح آریانہ کے سرہانے بیٹھ کے رویا تھا۔وہ بار بار اس کا سفید چہرہ چومتا' پھر سر جھکائے رونے لگ جاتا۔ہاتھ خون آلود ہوگئے....گردن آنسوؤں سے بھیگتی رہی اور وہ روتا گیا۔

کتنے گھنٹے' کتنے پہر وہ وہاں بیٹھا رہا' اسے یاد نہیں۔

پھر وہ اٹھا۔ہاتھوں سے چہرہ صاف کیا اور قریب سے مٹی کھودنے لگا۔اپنے ناخنوں سے مٹی کھود کھود کے گڑھا بنایا۔پھر اپنی اوپری شرٹ اتاری۔اس میں احتیاط سے بچی کے اعضاء کو لپیٹا۔سر کے نیچے اس کا جسم ایسا قیمہ بنا ہوا تھا کہ ہاتھ لگانے پہ ہی اعضا بھربھری مٹی کی طرح بکھرنے لگتے تھے۔اس حالت میں کوئی اس کی بچی کو نہیں دیکھے گا' یہ تو طے تھا۔

آنسو برابر آنکھوں سے بہہ رہے تھے مگر اب وہ بے آواز تھے۔اس نے آریانہ کو گٹھڑی صورت قبر میں ڈالا۔پھر نیچے اتر آیا۔جھرنے کے پانی سے وضو کیا۔گرم دل پہ ٹھنڈی پھواریں مزید گھائل کرتی گئیں۔

واپس آکے....قبر کے کنارے....اس نے آریانہ کے لئے آخری نماز پڑھی۔

پھر بدقت ہمت مجتمع کی اور گڑھے کو مٹی سے بھرنے لگا۔پتھر اٹھا کے اوپر رکھے۔بھاری وزنی پتھر۔قبر بند ہوگئی۔آریانہ آرام دہ جگہ پہ پہنچ گئی تو وہ اٹھا۔ایک نظر نیچے دیکھا جہاں دور کئی سو فٹ نیچے دو لاشیں پڑی تھیں۔اسے ان سے نفرت بھی نہیں محسوس ہوئی۔وہ جانتا تھا ان کو

صوفیہ نے بھیجا تھا۔ان کو تو صرف آریانہ کو اغوا کرنا تھا۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ مر جائے۔

عصرہ کو اشعر گھر لے گیا تھا۔وہ بھی اپنی کار میں سیدھا کے ایل آ گیا۔کسی سے ملے بغیر کمرے میں گیا۔خون آلود شرٹ تو آریانہ کے ساتھ دفن ہو گئی تھی مگر نیچے والی شرٹ پہ بھی دھبے تھے۔اس نے لباس تبدیل کیا اور تازہ دم ہو کے باہر آیا۔تو عصرہ سامنے آ کھڑی ہوئی۔

وہ رو رہی تھی۔اس سے پوچھ رہی تھی کہ آریانہ ملی یا نہیں۔

''میں وہاں گیا تھا۔وہ نہیں ملی۔''اس نے بس اتنا جواب دیا۔عصرہ کے آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے۔وان فاتح اب بالکل سنجیدہ تھا۔

چپ۔خاموش۔یہ بھی ایک آرٹ تھا۔اس نے سیکھ لیا تھا۔

اگلے چند دن تفتیش ہوتی رہی۔سارے ملک میں سوگ سا تھا۔صرف آریانہ کی وجہ سے نہیں' بلکہ ان دنوں ملائیشیاء کی حکومت اور باغی کیمونسٹ پارٹی کی عسکری لڑائیاں عروج پہ تھیں۔بہر حال اس نے پولیس کو اس مشتبہ کار کی اطلاع دے دی تھی اور انہوں نے جلد ہی اس آدمی کو ٹریس کر لیا۔اس کا تانا بانا صوفیہ رحمٰن کی ایک فیکٹری کے کسی ملازم سے ملتا تھا۔نہ بھی ٹریس ہوتا تو سب کو معلوم تھا' یہ کسی اور کی نہیں' حکمران خاندان کی حرکت ہے۔وہ جانتا تھا وہ آریانہ کو مارنا نہیں چاہتے تھے۔اغوا کر کے پریشر ڈالنا مقصد تھا۔جو ہوا وہ صرف ایک حادثہ تھا' مگر بہر حال وہی اس کے ذمے دار تھے۔

پولیس کو ان دونوں کی لاشیں بھی نہیں ملیں۔شاید ان کو گدھ کھا گئے تھے۔مگر ان کی گمشدگی اور ان کا صوفیہ رحمٰن سے تانا بانا مل جانا....یہی ہنگامہ کھڑا کرنے کو بہت تھا۔

جس دن پولیس کی حتمی رپورٹ سامنے آئی' اس دن کیمونسٹ پارٹی کے مسلح ارکان نے فوج کے ساتھ جھڑپیں تیز کر دیں۔

اس صبح وہ عصرہ کے پاس آیا تو وہ بیڈ کے کنارے اکڑوں بیٹھی کھانے کو تک رہی تھی جو اَن چھوا رکھا تھا۔اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا' اور آنکھیں بے کیف تھیں۔آج آریانہ کو کھوئے چوتھا دن تھا اور وہ صدیوں کی بیمار لگتی تھی۔فاتح کو داخل ہوتے دیکھ کے اس نے چونک کے نظریں اٹھائیں۔ان میں آس سی جاگی۔

''آریانہ؟''

اب وہ ''آریانہ ملی'' نہیں پوچھتی تھی۔صرف ایک نام کافی ہوتا اور سارے سوال اسی میں شامل ہوتے۔وہ ہر دفعہ نفی میں سر ہلاتا تھا۔آج نہیں ہلایا۔اس کے سامنے جا کر بیٹھا اور اس کے ہاتھ تھامے جو ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔

''عصرہ...جو میں کہہ رہا ہوں....اسے غور سے سنو۔ہو سکتا ہے وہ ہمیں کبھی نہ ملے دوبارہ' مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ نہیں ہے۔وہ ہے' کہیں نہ کہیں ہے۔''اسے دیکھتے ہوئے وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔عصرہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''اب ہمیں صبر کرنا ہے۔اپنے باقی دونوں بچوں کو سنبھالنا ہے۔ایک گھنٹے بعد رپورٹرز ہمارے گھر کے دروازے پہ موجود ہوں گے۔ہم دونوں کو ساتھ باہر نکلنا ہے اور بڑے صبر اور حوصلے سے دنیا کو بتانا ہے کہ ہم اپنی بچی کے لئے پر امید ہیں۔وہ کبھی نہ کبھی ہمیں مل جائے گی مگر

اس وقت ہمیں ان فوجیوں کے درد کو سمجھنا ہے جو ان جھڑپوں میں شہید ہو رہے ہیں۔" عصرہ ایک لفظ پہ چونک گئی۔

"کیا وہ ہمیں مل جائے گی' فاتح؟"

"ہو سکتا ہے وہ ہمیں کبھی نہ ملے لیکن مجھے یقین ہے وہ کسی اور کو مل جائے گی۔ کسی نے اسے سنبھال لیا ہو گا اور وہ وہاں خوش رہے گی۔" وہ کچھ اور کہہ رہا تھا مگر عصرہ کو اس بات نے نئی امید دی تھی۔ اس نے آہستہ سے آنکھیں صاف کیں۔

"وہ زندہ ہے۔ مجھے یقین ہے۔ وہ ہمیں مل جائے گی۔" اس نے کہتے ہوئے ٹرے اپنے قریب کی تو آنکھیں پھر سے ابل پڑیں.... وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا وہ عصرہ کو وہ سب نہیں بتا سکتا جو اس نے دیکھا تھا۔ وہ سچ میں جھوٹ کی آمیزش نہیں کر سکتا تھا اور عصرہ سچ سننے کی تاب نہیں رکھتی تھی۔ سو اس وقت وان فاتح کو سچ چھپا دینا ہی بہتر لگا تھا۔ اسے لگا تھا' یہ جھوٹ نہیں ہوتا۔

مگر یہ کچھ تو ہوتا ہے نا۔

جھاگ میں ابھرتے ڈوبتے مناظر تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔ فاتح چٹان پہ کھڑا... لہروں کو پتھروں سے سر پٹختے دیکھتا رہا... اس کی مسکراہٹ کی سوگواریت ہنوز قائم تھی۔

اگلا منظر جو پانی کی سطح پہ چمکنے لگا وہ اس کے بیڈروم کا تھا.... وہ سنگھار میز کے شیشے کے سامنے کھڑا تھا۔ باہر سے اشعر آواز دے رہا تھا۔

"آ بنگ.... رپورٹرز پہنچ چکے ہیں۔"

وہ آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ بلیک پینٹ پہ سفید شرٹ پہنے ہوئے' جس کے کالر کھڑے اور کف کھلے تھے۔

"آ رہا ہوں۔" اس نے جواباً کہا تو اشعر دروازے سے ہٹ گیا۔

فاتح نے کف کے بٹن بند کرنے شروع کیے....

(پہاڑی کے دامن میں سرخ مائع میں بھیگی لاش نظروں کے سامنے گھومنے لگی....)

اس نے دوسرے کف کا بٹن کاج میں ڈالا....

(وہ دو زانو بیٹھے' جھک کے اس کا سفید چہرہ چوم رہا تھا... آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔)

فاتح نے خشک آنکھوں سے آئینے میں اپنا عکس دیکھتے شرٹ کا نچلا بٹن بند کیا۔

(وہ ہاتھوں سے' ناخنوں سے زمین کھود رہا تھا... آنسو برابر مٹی پہ گر رہے تھے۔)

دو' تین... اس نے اوپری بٹن بند کیا اور ٹائی اٹھائی۔

(وہ گٹھڑی کو گڑھے کے اندر لٹا رہا تھا... پھر مٹی میں اٹی آستین سے گیلی آنکھیں پونچھیں۔)

ٹائی کی گرہ باندھتے ہوئے وہ آئینے میں نظر آتی اپنی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

(وہ سینے پہ بازو باندھے' قبر کے سرہانے کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔)

اس نے کوٹ پہنا' شکنیں برابر کیں' اور پرفیوم اٹھایا۔

(وہ مٹی کی ڈھیری کے ساتھ اکڑوں بیٹھا تھا۔ ویران۔ خاموش۔ اب آنکھیں خشک تھیں۔ اب صرف دنیا میں خاموشی تھی۔)

پرفیوم چھڑکا' برش سے بال درست کیے' اور ایک آخری نظر خود پہ ڈالی۔ چہرہ خاموش تھا اور آنکھوں سے...آنکھوں سے جیسے کچھ چلا گیا تھا ۔کچھ ایسا جو اب کبھی لوٹ کے نہیں آتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ گھر کے دروازے کے باہر کھڑا تھا۔ عصرہ اس کے ساتھ تھی۔ اسٹول سر پہ لئے' اس کی آنکھیں خشک مگر ویران تھیں۔ مائیک اور کیمرے ان کے سامنے تھے اور وان فاتح 'تیز دھوپ کے باعث آنکھوں کی پتلیاں ذرا سکیڑے' کہہ رہا تھا....

''دنیا میں ہر مسئلہ اللہ کی طرف سے ہمارا امتحان ہوتا ہے۔ اور اللہ شاہد ہے' ہم اس امتحان میں ناکام نہیں ہوئے۔''

(وہ سبز پہاڑوں کے دامن میں پتھروں سے ڈھکی قبر کے سرہانے اکڑوں بیٹھا تھا۔ گیلی آنکھیں دور آسمان کو دیکھ رہی تھیں۔)

''ہماری بیٹی پانچ دن پہلے کیبل کار (چیئر لفٹ) اسپاٹ پہ ہم سے بچھڑ گئی۔ پولیس تا حال اس کو ڈھونڈ نہیں سکی' لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ یہ کس کا کام ہے۔'' صحافیوں نے ایک دم سوالوں کی بوچھاڑ کی مگر اس نے ہاتھ اٹھا کے انہیں خاموش کرایا۔

(وہ ابھی تک مٹی اور پتھروں کی ڈھیری کے کنارے بیٹھا تھا۔ اردگرد پہاڑ تنہا اور خاموش کھڑے تھے۔)

''میں اپنی بیٹی کے اوپر سیاست کروں گا نہ کسی کو کرنے دوں گا۔ ہوسکتا ہے وہ ہمیں مل جائے۔ ہوسکتا ہے' وہ ہمیں کبھی نہ ملے' لیکن اس وقت ہمارا ملک ایک مشکل دور سے گزر رہا ہے۔''

(اس نے آہستہ سے قبر کے پتھروں کو چھوا۔ ان پہ نرمی سے ہاتھ پھیرا۔)

''اس وقت سارے ایوان کو اکٹھا ہونے کی ضرورت ہے۔ یہ لڑائیوں کا وقت نہیں ہے۔ اگر ہم نے ان کیمونسٹ انتہا پسندوں کو شکست دینی ہے تو ہمیں اپنے ذاتی اختلافات بھلا کے ایک پیج پہ اکٹھا ہونا پڑے گا۔''

(اب وہ بکھرے ہوئے پاپ کارن چن رہا تھا۔ وہ جو آنکھوں سے کھویا تھا' وہ وہیں کھویا تھا۔)

''میں کل پارلیمنٹ جاؤں گا۔ باریسن نیشنل اور ہمارے چیئر مین کے ساتھ' ہم سب کل وزیرِ اعظم آذر رحمٰن کے ساتھ بیٹھیں گے اور کیمونسٹ تنظیم کے ساتھ معاہدے کا ڈرافٹ تیار کریں گے۔'' مائیک اس کے چہرے کے آگے لہرا رہے تھے' اور کیمروں کے فلیش جل بجھ رہے تھے۔ وہ دائیں سے بائیں رپورٹرز کے چہروں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

(جو کھویا' وہ وہیں رہ گیا۔ پاپ کارن اس نے جیب میں ڈال دیے اور اب وہ اوپر چڑھ رہا تھا...اوپر ایک لمبا سفر پڑا تھا جو اسے طے کرنا تھا....)

''میں بھولوں گا نہیں یہ سب....وزیرِ اعظم کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ وان فاتح کبھی نہیں بھولے گا جو اس کی بیٹی کے ساتھ ہوا....لیکن اس وقت اگر ہم اکٹھے نہ ہوئے تو ہمارے فوجی مرتے رہیں گے۔ میں نے اپنا بچہ کھویا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اب مزید کوئی اپنا بچہ کھوئے۔''

(وہ اوپر چڑھتا جا رہا تھا۔ جھاڑیاں' پتھر' گھاس۔ وہ ہر شے عبور کر رہا تھا۔ آنکھیں خشک تھیں۔)

"میں کسی کے خلاف کوئی کیس نہیں کرنے جا رہا۔ اس وقت میرا ملک کسی لڑائی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ میں نے.... آریانہ کے معاملے کو ....اللہ پہ چھوڑ دیا ہے۔ میں اس وقت صرف امن و امان کا سوچ رہا ہوں۔ آپ کے آنے کا شکریہ۔"

اس نے ہاتھ اٹھا کے ذرا سا لہرایا' پھیکا سا مسکرایا اور وہ دونوں میاں بیوی پلٹ گئے.... دروازہ کھولا اور اندر چلے گئے جبکہ ان کے پیچھے کیمروں کے فلیش دھڑا دھڑ جلتے بجھتے رہے.... بالآخر دروازہ بند ہو گیا....

وہ ابھی تک چٹان کے اوپر کھڑا تھا.... جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔ زخمی سا مسکراتے ہوئے۔ سفید شرٹ بار بار ہوا سے پھڑ پھڑاتی اور اڑتی ۔وہ پاپ کارن کے ٹکڑے اس نے کسی تبرک کی طرح اپنے پاس سنبھال رکھے تھے۔ دو دانے اس کے والٹ میں ہوتے تھے۔ گزرتے ماہ و سال نے ان کو سکھا دیا تھا مگر وہ موجود تھے۔

دور ایک ملے نوجوان کسی بھورے بالوں والی فارنر لڑکی کے ساتھ ساحل پہ چلتا آ رہا تھا۔ وہ دونوں باتوں میں مگن تھے۔ یکا یک لڑکے کی نظر چٹان پہ کھڑے فاتح پہ پڑی تو اس کا منہ کھل گیا

"یہ وان فاتح ہے۔" بے یقینی سے بولا تو لڑکی نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے اس جانب دیکھا' پھر ناک سکوڑی۔

"تم لوگ اس آدمی کے لئے اتنے پاگل کیوں ہو؟ کیا اس لئے کہ وہ وجیہہ اور خوبصورت ہے؟"

نوجوان نے برا منہ بنا کے اسے دیکھا۔ "وہ ایک اچھا اور ایماندار سیاستدان ہے۔"

"ہمارے ملک میں اس طرح کے بہت سے سیاستدان ہوتے ہیں جو اتنے ہی نیچرل اور ایماندار ہوتے ہیں۔ اس آدمی میں ایسا کیا ہے جو تم لوگ اس سے اتنی محبت کرتے ہو؟ میں تمہیں جج نہیں کر رہی' صرف پوچھ رہی ہوں۔"

"پہلے اتنی محبت نہیں کرتے تھے۔ یہ اچھا لگتا تھا بس۔ لیکن پھر...." وہ بے تابی سے دور کھڑے تنہا آدمی کو دیکھ کے بتانے لگا۔ "پھر اس کی بیٹی کھو گئی۔ کچھ کہتے ہیں وہ صرف کھوئی ہے۔ کچھ کہتے ہیں شاید وہ مر گئی ہو لیکن لاش وغیرہ نہ ملی ہو۔ مگر سارا ملک جانتا تھا کہ یہ صوفیہ رحمٰن اور ان کے والد نے کروایا ہے۔ اس وقت ملک میں ویسے ہی انتشار پھیلا تھا۔ اگر وان فاتح چاہتا تو حکومت گرانے کے لئے سڑکوں پہ آتا' لوگوں کو اکٹھا کرتا' مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ dividing force نہیں بنا۔ اس نے لوگوں کو اکٹھا کیا۔ خود کو "مظلوم" بنا کے نہیں پیش کیا۔ وہ سروائیور بن کے سامنے آیا۔ اس نے بیٹی کے نام پہ ووٹ نہیں مانگے۔ سیاستدان اپنے خاندان کی اموات یا حادثوں کو کیش کرواتے ہیں ساری دنیا میں' مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے ملک کو ٹوٹنے نہیں دیا۔ پھر کمیونسٹ پارٹی سے مذاکرات ہو گئے اور ملائیشیاء میں امن ہو گیا۔ اس وقت سے لوگ اس کی دل سے عزت کرنے لگے ہیں۔"

"تو مذاکرات کے بعد اس نے کیس کو فالو کیوں نہیں کیا؟"

"ایسا نہیں ہوتا ہیلن۔ جب آپ ایک دفعہ وقار کا مظاہرہ کرتے ہو تو پھر تھوک کے نہیں چاٹتے۔ جب معاملہ جانے دیا تو جانے دیا۔

بہر حال اسی دن کے بعد وہ مزید مقبول ہوتا گیا۔'' پھر موبائل نکال کے بے قراری سے بولا۔ ''آؤ سیلفی لیتے ہیں اس کے ساتھ۔''

لڑکی مسکرا دی اور وہ دونوں تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔ لڑکی کے پاس ڈی ایس ایل آر کیمرہ تھا۔ وہ برابر فاتح کی تصاویر اتار رہی تھی۔ وہ اب پلٹ گیا تھا اور تصاویر پشت کی آ رہی تھیں مگر وہ بناتی گئی۔

''سر..... السلام علیکم۔'' پر جوش سا نوجوان قریب آیا اور اسے پکارا تو وہ پلٹا۔ پھر اسے دیکھ کے مسکرایا اور ہاتھ ملایا۔

''میں کریم ذوالکفلی ہوں' سر!''

''اچھا.... کیا کرتے ہو تم' کریم؟''

''سر میں پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہوں۔ اور یہ میری دوست ہے ہیلن جو کینیڈا سے آئی ہے۔'' وہ جذبات سے گلابی پڑتا کہہ رہا تھا۔

''کیا ہم سیلفی لے سکتے ہیں۔''

''شیور۔'' اس نے سر کو خم دیا اور وہ دونوں اس کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ وان فاتح نے ہاتھ سامنے باندھ لئے اور اسکرین میں دیکھ کے مسکرایا۔ لڑکا تصاویر اتارتا گیا۔ پھر جب اس نے کیمرہ نیچے کر لیا تو فاتح اس کی طرف گھوما۔

''تو تم پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہو۔ کس چیز میں؟''

''کیمسٹری میں' سر۔'' خوشی سے بتایا۔

''کریم تمہیں معلوم ہے ہمارے ملک کو اس وقت سب سے زیادہ ضرورت کس چیز کی ہے؟''

نوجوان نے پہلے لڑکی کو دیکھا' پھر فاتح کو' پھر ذہن میں اس کی ساری تقاریر اور انٹرویوز دہرائے' اور جلدی جلدی بتانے لگا۔

''دھاندلی کے بغیر صاف شفاف انتخابات کی۔ اور.... اور کرپشن سے پاک مضبوط اداروں کی۔ اور حکمرانوں کے احتساب کی۔''

فاتح ایک دم کھل کے ہنس دیا۔

''کریم!'' محظوظ انداز میں اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ''میں کہہ رہا تھا کہ ہمیں اس وقت تم جیسے پڑھے لکھے نوجوانوں کی سیاست میں ضرورت ہے.....!'' پھر اس کا کندھا تھپکا' اور مسکرا کے آگے بڑھ گیا۔

وہ دونوں لاجواب سے..... دم بخود سے..... اس کو جاتے دیکھ رہے تھے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ توانا اور مضبوط آدمی اب ریت پہ دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

''اسی لئے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' لڑکی نے نوجوان کو کہتے سنا تو سر کو جنبش دی۔ الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

ساحل پہ چند سیاحوں نے اسے دیکھ لیا تھا اور اب وہ دوڑ دوڑ کے اس کے پاس آ رہے تھے۔ فاتح مسکرا کے تصاویر بنوانے رک گیا تھا۔ دوپہر کا سورج اب ڈھل رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

بوکیت چائینہ (چینی پہاڑی) ایک اونچی پہاڑی تھی جو سیاحوں کا مسکن تھی۔ یہاں صدیوں پہلے چینی شہزادی 'یان سوفو' کا محل ہوا کرتا تھا اور ایک کنواں بھی جو اس کے لیے سن باؤ نے کھدوایا تھا۔ شہزادی یان سوفو چینی بادشاہ کی بیٹی تھی جسے اس کے باپ نے کنیزوں اور خادموں کے ساتھ ملاکہ کے سلطان مرسل سے شادی کرنے بھیجا تھا۔ سلطان نے ان کے آتے ہی یہ پہاڑی اور اس کے محلات چینی لوگوں کے لئے مختص کر دیے تھے۔ شہزادی سلطان سے شادی کر کے ملکہ بن گئی جبکہ اس کی کنیزوں اور باقی دستے نے مقامی لوگوں سے شادی کی اور یہیں آباد ہو گئے۔

وہ کنواں وانگ لی نے شہزادی کے لیے کھدوایا تھا۔ جب شہزادی سلطان سے شادی کے لیے آئی تو بادشاہ نے وانگ لی کو بطورِ خاص چین سے ملاکہ شہزادی کے ہمراہ روانہ کیا تھا۔ کنواں اب ایک سیاحتی مرکز تھا اور کہتے تھے' جو اس میں ایک دفعہ سکہ اچھالتا ہے' وہ دوبارہ ملاکہ دوبارہ ضرور آتا ہے۔

تالیہ نے البتہ سکہ نہیں اچھالا تھا۔ وہ کنویں کے کنارے خاموش کھڑی تھی۔ گھٹنوں تک آتی فراک نما قمیض پہ منی کوٹ پہن رکھا تھا۔ ارد گرد سیاح گھوم پھر کے تصاویر اتار رہے تھے اور دوسری متبرک اشیاء دیکھ رہے تھے۔

''چے تالیہ۔'' ایڈم کی آواز پہ وہ پرسکون سی پلٹی۔

وہ سادہ سا ملے لڑکا سامنے کھڑا تھا۔ عام سی پینٹ شرٹ پہنے' چہرے پہ سفر کی تھکان' آنکھوں میں سنجیدگی۔ تالیہ سے عمر میں چار پانچ سال چھوٹا ہی ہو گا۔ اسے اس پہ غصہ نہیں آیا۔ بس کندھے اچکا کے بولی۔

''کیا چاہتے ہو؟''

''میرے پاس سکہ ہے۔ آپ کے پاس دوسرا ٹکڑا۔ آپ کیا چاہتی ہیں؟''

''تم مجھے سکہ دے دو۔ میں سرکار سے تمہیں بونس دلوا دوں گی۔''

''یعنی آپ واقعی رائل ملائیشیاء پولیس کی آفیسر تاشہ ہیں۔'' اس نے شک و شبہ سے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑیں۔

''ہاں ایڈم اور وان فاتح کی حفاظت کے ساتھ ساتھ' مجھے اس خزانے کو بھی ڈھونڈنا ہے جس کی وجہ سے لوگ فاتح صاحب کے پیچھے پڑے ہیں۔'' وہ پراعتماد تھی۔ لہجہ بھی نرم تھا۔ ایڈم کا یقین ڈانواڈول ہونے لگا۔

''اور خزانہ کہاں جائے گا؟''

''سرکار کی امانت ہے تو ظاہر ہے سرکار کے پاس جائے گا۔ مگر خزانہ ڈھونڈنے پہ ہمیں انعام میں معاوضہ بھی ملے گا۔''

''تو مزید کوئی آفیسر کیوں نہیں ہے آپ کے ساتھ؟''

تالیہ کے ماتھے پہ سلوٹ پڑی۔ وہ دو قدم قریب آئی اور آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔

''اول تو مجھے کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں' اور دوم۔ مجھے کسی دوسرے پہ اعتبار نہیں۔''

"کیوں؟"

"کیونکہ کوئی بھی آفیسر لالچ میں میری جان لے کر خزانے کے ساتھ فرار ہوسکتا ہے۔"

"اور آپ خود بھی تو یہ کام کر سکتی ہیں۔"

"اگر کر سکتی ہوتی تو اتنا بڑا کیس مجھے میرے سینئرز دیتے؟" وہ تڑ کی بہ تڑ کی جوابات دے رہی تھی۔ ایڈم چپ ہو گیا۔ دونوں کنویں کے پاس آمنے سامنے کھڑے تھے اور ان کے اوپر آسمان پہ سورج ڈھلتا دکھائی دے رہا تھا۔

"میں سکہ دے دوں گا' مگر آپ مجھے خزانے کی جگہ پہ ساتھ لے جائیں گی۔ ہم دونوں خزانہ ایک ساتھ ڈھونڈیں گے۔ اور پھر سرکار کے حوالے کر دیں گے۔" وہ سوچ کے بولا۔ ساتھ تھوک بھی نگلا۔ اندر کہیں وہ اس لڑکی کے رعب میں بھی تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے' میں خود سب کچھ کر لوں گی۔ بس تم مجھے سکہ دو۔"

"بے تالیہ.... اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ پہ اعتبار کروں تو آپ کو بھی مجھ پہ اعتبار کرنا ہو گا۔"

"مجھے تم پہ اعتبار ہے' ایڈم!" تالیہ نے لہجہ نرم کیا۔ اسے احتیاط سے کام لینا تھا۔

"مجھے کیسے معلوم کہ آپ سکہ لے کر فرار نہیں ہو جائیں گی؟"

"میں کیا کروں جو تم میرا اعتبار کرو؟"

"آپ چابی کا دوسرا حصہ مجھے دے دیں۔"

تالیہ کا تو مانو سر ہی گھوم گیا "کیا مطلب؟ کیوں دے دوں؟ دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟"

"میں کچھ دیر ان دونوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں تاکہ یہ دیکھ لوں کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے پہ اعتبار ہے یا نہیں۔"

"اور تم جو چابی لے کر بھاگ جاؤ؟"

"بے تالیہ' میں سچا انسان ہوں۔ دھوکہ نہیں دوں گا آپ کو۔ لیکن اگر آپ مجھے چابی نہیں دے سکتیں تو میں کیسے یقین کروں کہ خزانے کا انعام مجھے دیں گی؟"

اس بات پہ وہ چپ ہو گئی۔

"میں ابھی اس سکے کے ساتھ تھانے جا رہا ہوں۔ لیکن اگر آپ مجھے چابی کا دوسرا حصہ تھما دیں تو میں کسی اور کے پاس نہیں جاؤں گا۔ آپ کی اگلی کال کا انتظار کروں گا۔ ہم اکٹھے خزانہ ڈھونڈنے جائیں گے۔"

"اگر تم کسی تھانے گئے تو میرا پراجیکٹ فیل ہو جائے گا۔ بہت سے لوگ انوالو ہو جائیں گے۔ اوپر والے مجھ سے خفا ہوں گے۔ جاب کے بھی کچھ پروٹوکولز ہوتے ہیں' ایڈم۔" وہ چڑ گئی۔ کیا چیز تھا یہ لڑکا؟ اسے گھمائے جا رہا تھا۔

"میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ چابی آپ نے مجھے دے دی تھی۔ مگر میرا اعتبار کمانے کے لیے آپ کو یہ کرنا ہو گا ورنہ سکہ میں نہیں دوں گا۔"

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔ وہ سکہ چرا نہیں سکتی تھی۔ زبردستی چھین بھی نہیں سکتی تھی۔ ایڈم کو وہ سکہ اپنی رضامندی کے ساتھ تالیہ کو دینا تھا۔ اب وہ کیا کرے؟ ایڈم کو نہیں معلوم خزانہ فاتح کے گھر میں ہے۔ اور اس کا خواب.... اس کے مطابق وہ دونوں اکٹھے خزانہ ڈھونڈ رہے تھے۔ یعنی اسے اب اپنے خواب کے آگے ہتھیار ڈالنے ہوں گے۔ اسے ایڈم کے ساتھ خزانہ شیئر کرنا ہوگا۔

''ٹھیک ہے۔ میں خزانے کی جگہ پہنچ کے تمہیں بلالوں گی۔ تب تک تم اس چابی کو رکھ سکتے ہو۔'' اس نے پرس میں ہاتھ ڈالا اور سنہری زنجیر میں پروئی ڈلی نکال کے اس کی طرف بڑھائی۔ ''لیکن یاد رکھنا اگر تم اس کو لے کر بھاگے تو میں تمہارا وہ حشر کروں گی تم یاد رکھو گے۔''

''میں دھوکے باز نہیں ہوں۔ امانت لوٹا دوں گا۔'' اس نے زنجیر تھام لی۔ تالیہ کا دل ڈوب کے ابھرا مگر اسے رسک لینا تھا۔

''مگر یاد رکھنا۔ تم دونوں حصوں کو آپس میں نہیں جوڑو گے۔ یہ کام میں خود کروں گی۔ سنا تم نے ایڈم؟ تم چابی کو نہیں جوڑو گے۔'' تنبیہہ کرتے ہوئے اس نے بریسلیٹ چھوڑ دیا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں میں اسے نہیں جوڑوں گا۔'' اس نے احتیاط سے اسے اپنی جیب میں ڈال دیا۔

''تم مجھے جھوٹا کہتے ہو نا' ایڈم۔ چلو آج میں تمہاری سچی زبان پہ بھروسہ کر کے دیکھتی ہوں۔ رات کو میں تمہیں جہاں بلاؤں' وہیں آجانا۔''

ایڈم نے سر کو خم دیا۔ وہ آگے بڑھنے لگی تو وہ بول اٹھا۔

''آپ یان سوفو کے کنویں میں کوئی سکہ نہیں اچھالیں گی؟ کہتے ہیں اگر دوبارہ ملاکہ آنا ہے تو سکہ اچھالنا ہوگا۔''

وہ رکے بغیر بے گانگی سے بولی۔ ''میں دوبارہ ملاکہ آنا ہی نہیں چاہتی۔ یہ کیس ختم ہو تو میں ریٹائرڈ ہو جاؤں گی۔ دور کسی جزیرے پہ گھر بناؤں گی۔ بس۔'' اور اس کے قریب سے گزر کے آگے بڑھ گئی۔

کار میں واپس بیٹھتے ہی اس نے موبائل نکالا اور اسکرین پہ چند بٹن دبائے۔

ایڈم کی جیب میں جو ننھا سا جی پی ایس ٹریسر اس نے ڈالا تھا' وہ آن ہو گیا تھا۔ وہ جہاں بھی جائے گا' تالیہ کو معلوم ہوتا رہے گا۔ وہ کسی تھانے یا کسی مشتبہ ایڈریس پہ جائے گا تو وہ جان جائے گی۔ اس سے زیادہ کچھ بھی اس کے ہاتھ میں نہ تھا۔ جو چابی اتنے برس بعد بھی گھوم پھر کے اس کے پاس آ گئی تھی' ایڈم اس کو اس سے نہیں چھین سکتا تھا۔

سوچوں میں گم اس نے کار اسٹارٹ کی۔

اس کا بیک پیک فرنٹ سیٹ پہ خاموش رکھا تھا۔ اندر کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ تالیہ نے رکھی ہی نہیں تھی۔

☆☆=========☆☆

شام ڈھل گئی اور ملاکہ پہ رات اتر آئی۔

سن باؤ کے گھر والی گلی میں رات کے ہنگامے جاگ اٹھے۔ بتیاں جگمگانے لگیں اور گاہکوں کا رش ریستورانوں کے برآمدوں میں بڑھتا

گیا۔ ایسے میں سڑک کنارے ایک کیفے کے باہر تالیہ مڑا اخبار چہرے کے سامنے پھیلائے بیٹھی تھی۔ بیک پیک ساتھ رکھا تھا اور بار بار اخبار کا کونہ موڑ کے سن باؤ کے گھر کو دیکھتی تھی۔

گھر کا دروازہ بند تھا اور باہر فاتح کی کار کھڑی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ابھی ابھی واپس آیا تھا اور تالیہ کو امید تھی کہ اب وہ کوالالمپور جانے کے لئے نکل جائے گا۔ صبح پارلیمان کا اجلاس تھا اور فاتح کو لازمی وہاں پہنچنا ہوگا۔

بالآخر دروازہ کھلا اور وان فاتح سفری بیگ سمیت باہر آتا دکھائی دیا۔ اسی سفید شرٹ کے آستین کہنیوں تک چڑھائے وہ عجلت میں لگ رہا تھا۔ پھر اس کی کار زن سے تالیہ کے ساتھ سے گزر گئی تو اس نے سکون کی سانس خارج کی۔

اب اسے تھوڑی دیر مزید انتظار کرنا تھا جب گلی میں رش ختم ہونے لگے ....اور وہ اندر جا سکے۔ آج واردات کی رات تھی۔ راستہ صاف تھا۔ اس نے اخبار نیچے کیا اور ویٹر کو آرڈر لکھوانے لگی۔ ہاٹ چاکلیٹ۔

وان فاتح ڈرائیو کرتے ہوئے چند گلیاں آگے آیا تھا کہ موبائل بجنے لگا۔ اس نے ڈیش بورڈ سے فون اٹھا کے دیکھا۔ ایڈم کا نمبر جل بجھ رہا تھا۔ جانے کس وقت ایڈم نے اپنا نمبر اس کے فون میں فیڈ کیا تھا۔ اب وہ ملازم نہیں رہا تھا تو یقیناً اگلی نوکری کی بات کرنا چاہتا ہوگا۔ اس سے نہیں ہوتے تھے یہ کام۔ بےزاری سے اس نے فون پرے ڈال دیا۔

وہ دوبارہ بجنے لگا۔ اب کے اس نے برہمی سے موبائل اٹھایا تو دیکھا اس کا پیغام آیا پڑا تھا۔ فاتح نے کار کی رفتار آہستہ کی اور پیغام کھولا۔

''سر میں ملاکہ میں ہوں۔ آپ کے گھر کے قریب۔ مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔ چے تالیہ کے بارے میں۔ پلیز مجھ سے مل لیں۔''

فاتح کی آنکھیں پرسوچ انداز میں چھوٹی ہوئیں۔ کال دوبارہ آنے لگی تو اس نے فون اٹھالیا۔

''ہاں ایڈم .....بولو۔''

''سر.....میں جونکر اسٹریٹ پہ ہوں۔ کیا ہم مل سکتے ہیں؟'' وہ بےقراری سے بولا۔

''ایڈم مجھے لمبا سفر کرنا ہے' تم.....''

''سر آپ مجھے اتنا تو جانتے ہیں نا کہ اس بات پہ یقین کر سکیں کہ میں آپ کو کسی بےکار کام کے لئے نہیں روکوں گا۔'' وہ جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔ فاتح نے گھڑی دیکھی۔

''میں جونکر اسٹریٹ کے کارنر تک آرہا ہوں۔ میرے پہنچنے تک اگر تم پہنچ جاؤ تو ٹھیک' ورنہ میں آگے نکل جاؤں گا۔''

''میں ابھی آیا۔'' شاید وہ فوراً بھاگ پڑا تھا۔ فاتح نے رفتار آہستہ کی اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

دس بجنے والے تھے....

واپس سن باؤ کے گھر والی گلی میں آؤ تو تالیہ کا ہاٹ چاکلیٹ کا گلاس ان چھوا رکھا تھا اور چوکنی نظریں سرخ گھر کے دروازے پہ جمی تھیں...

پھراس نے گھڑی دیکھی اوراٹھ کھڑی ہوئی.....

چوک پہ فاتح نے کار ایک طرف روکی' پھر اے سی فل کھول دیا اور گھڑی دیکھی۔ وہ چند منٹ ایڈم کی بات سننے رک سکتا تھا۔خیر ہے۔

مگر دو منٹ بھی نہیں گزرے جب فرنٹ ڈور پہ دستک ہوئی پھر ایڈم تیزی سے اندر بیٹھا۔

''سر' میں جانتا ہوں آپ سوچ رہے ہوں گے کہ....''

''پہلے سانس لو' ایڈم۔'' اس نے آرام سے کہا تو ایڈم رکا۔اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور وہ خود پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔پھر وقت ضائع کیے بغیر وہ بولنے لگا۔''سر....کیا آپ اس کو پہچانتے ہیں؟''

ایڈم نے جیب سے دونوں چیزیں نکال کے اس کے سامنے رکھیں۔فاتح نے چونک کے دیکھا۔ایک عصرہ کا بریسلیٹ تھا اور دوسرا سکہ ۔اس نے بھنویں اچنبھے سے اکٹھی کیں۔

''یہ کیا ہے؟''

''سر' یہ مجھے چے تالیہ نے دیا ہے۔''

فاتح کے ماتھے پہ بل پڑے اس نے بریسلیٹ اٹھایا اور الٹا پلٹا کے دیکھا۔''یہ عصرہ کا ہے۔''

''سر....یہ اور سکہ ملا کر....چابی بن جاتا ہے۔یہ چابی....'' وہ ابھی کہہ ہی رہا تھا کہ فاتح نے سکہ اٹھایا' اور اس کو ٹیڑھا کیا۔سوراخ نظر آیا تو اس نے ڈلی کو اندر ڈال دیا۔ ہلکے سے کلک کی آواز آئی اور چابی مکمل ہوگئی۔ایک لمحے کو وہ تیز چمکی اور پھر ٹھنڈی پڑ گئی۔

وہ لمحہ امر ہو گیا.....

''نہیں سر....یہ جوڑنی نہیں تھی۔'' ایڈم فکر مند ہوا۔''چے تالیہ نے منع کیا تھا؟''

''مجھے مت بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے۔مجھے یہ بتاؤ' یہ اس لڑکی کے پاس کیسے آیا؟''

وہ بھنویں بھینچے اس چابی کو الٹ پلٹ کے دیکھ رہا تھا۔اس پہ ہندسے سے ابھر رہے تھے۔1437

''آپ چے تالیہ کو تاشہ اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ ان کا اصل نام ہے؟ کیا وہ کوئی پولیس آفیسر ہیں؟'' اس نے بے چینی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ چونکا۔''وہ ایک زمانے میں تھیٹر کی کوئی ایکسٹرا ایکٹرس ہوا کرتی تھی اور اس نام کا ایک کردار کرتی نظر آئی تھی۔''

ایڈم کا منہ کھل گیا۔

''تو وہ....واقعی....پولیس آفیسر نہیں ہیں؟''

فاتح نے بھنویں بھینچے ناگواری سے اسے دیکھا۔''مجھے شروع سے بتاؤ یہ سب کیا چل رہا ہے۔''

کار سڑک کنارے کھڑی تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف ترچھے ہوئے بیٹھے تھے۔

ایڈم نے تھوک نگل کے خشک گلا تر کیا اور بولنا شروع کیا۔

سچ سچ۔ سب کچھ۔

☆☆=========☆☆

گلی میں رش اب ماند پڑ گیا تھا۔ دکانیں ابھی تک کھلی تھیں مگر گہما گہمی کم ہو چکی تھی۔ تالیہ اپنا ہاٹ چاکلیٹ اَن چھوا چھوڑ کے اب سن باؤ کے گھر کے سامنے کھڑی تھی۔

دروازے پہ تالہ تھا۔ اس نے اس میں لاک پک گھسائی' اور چند لمحوں میں تالہ کھل گیا۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ سڑک پہ کوئی بھی اس طرف متوجہ نہ تھا' اور جتنے اعتماد سے وہ دروازہ کھول رہی تھی' اسے کسی نے دیکھ کے بھی گھر کی مالکن پہ محمول کیا ہو گا۔

اندر گھر سنسان اور اندھیر تھا۔ اس نے پنسل ٹارچ آن کی اور روشنی اطراف میں ڈالتی آگے بڑھنے لگی۔

کنواں کونے میں خاموش پڑا تھا۔ وہ تیزی سے اس تک آئی اور اس کے دہانے سینے کے بل الٹی لیٹی اور کنویں کی دیوار کو اندر سے چھوا۔ وہاں دیوار میں کھدے ننھے ننھے سے زینے تھے جن کی مدد سے نیچے اترا جا سکتا تھا۔ اس نے عصرہ کی ویب سائٹ پہ پڑھا تھا کہ سن باؤ کے کنویں میں قدیم لاک سسٹم تھا' ان زینوں کی مدد سے جب اس کو کھولا گیا تو اندر چند پرانے سکے اور سن باؤ کے استعمال کی چیزیں ملیں جن سے معلوم ہوا کہ یہ گھر واقعی سن باؤ کا تھا۔ مگر وہ جانتی تھی کہ ان ننھے ننھے سوراخوں میں کچھ اور بھی ہو گا۔

سینے کے بل لیٹی وہ کنویں کے اندر جھکی۔ چوٹی الٹی ہو کے نیچے لٹکنے لگی۔ وہ تین سوراخ تھے۔ اتنے بڑے جتنی ایک اینٹ ہوتی ہے۔ گویا اینٹ کی جگہ خالی چھوڑی گئی تھی۔ اس نے پہلے سوراخ میں ہاتھ ڈالا۔ وہ خالی تھا۔

وہ اٹھی اور کنویں کی منڈیر پکڑ کے اندر اتری۔ احتیاط سے پہلے سوراخ میں ہاتھ رکھے' اب وہ کنویں کے اندر لٹکی نظر آ رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے دوسرا سوراخ ٹٹولا۔ وہ بھی اندر سے خالی تھا۔

اسے پسینہ آنے لگا۔ پیر کو دیوار کے ایک ابھرے پتھر پہ جمایا اور مزید نیچے اتری۔

اب تیسرا سوراخ اس کے سامنے تھا۔ تالیہ نے دھڑکتے دل سے اس میں ہاتھ ڈالا۔

یہ سوراخ زیادہ اندر تک گہرا تھا۔ آس پاس بے تحاشا کائی جمع تھی۔ اندر کوئی پتھر سا پڑا تھا جو مٹی میں جما ہوا تھا۔ وہ زور سے اسے کھینچنے لگی۔ مگر وہ نکل کے نہیں دے رہا تھا۔

چند فٹ نیچے کنویں کا پانی جمع تھا۔ عجیب حبس زدہ ماحول تھا۔ اسے پسینے آنے لگے۔ پھر پیر سے بندھا خنجر نکالا اور اندر سوراخ میں مارنے لگی۔ یہاں تک کہ پتھر علیحدہ ہو گیا۔ اس نے پتھر باہر نکالا اور دیوار کی اینٹوں کو پکڑے واپس اوپر چڑھ آئی۔

باہر آ کے اس نے گہرے گہرے سانس لیے۔ صحن اندھیرے میں ڈوبا تھا سوائے ٹارچ کی روشنی کے۔ تالیہ نے روشنی پتھر پہ مرکوز کی جس پہ کائی جمع تھی اور اسے صاف کرنے لگی۔

بدقت پتھر کی سطح واضح ہوئی۔ اس پہ قدیم جاوی رسم الخط میں ایک عبارت کھدی تھی۔ کائی نے عبارت میں سبز رنگ بھر دیا تھا۔

"تکن ملایو ہلانگ دی دنیا۔" (ملے قوم کبھی بھی دنیا سے غائب نہیں ہوگی۔)

یہ ہانگ تواکا مشہور قول تھا جس کو یاد کرتے کرتے ملے بچے بڑے ہوتے تھے۔

"تکن ملایو ہلانگ دی دنیا۔" اس نے سوچتے ہوئے الفاظ دہرائے۔ پھر آنکھیں بند کیں۔ یہ کوئی نشانی تھی۔

کوئی پہیلی۔

کیا مطلب ہوا اس کا؟

ملے نسل کبھی بھی دنیا کے چہرے سے غائب نہیں ہوگی۔

ملے نسل کبھی بھی غائب نہیں ہوگی۔

ملے نسل کبھی بھی مٹے گی نہیں.... غائب نہیں ہوگی....

اس نے آنکھیں کھولیں۔ الفاظ دوبارہ دیکھے مگر اب وہ ان کو پڑھ نہیں رہی تھی۔ وہ اس انداز کو دیکھ رہی تھی جس میں وہ لکھے تھے۔ تیر کی صورت۔ آخر میں چھوٹے ہو جاتے۔ جس پوزیشن میں پتھر پڑا تھا اس لحاظ سے وہ نیچے کی طرف اشارہ کرتے تھے۔

تالیہ مسکرائی اور نیچے کنویں میں جھانکا جہاں پانی کسی بھرے ہوئے گول تھال کی صورت نظر آ رہا تھا۔

وہ پتھر کنویں کے اوپر لائی اور اسے گرا دیا۔ پتھر نے پانی میں ڈبکی کھائی اور لمحے بھر کو سکوت چھا گیا۔

وہ سر جھکائے دیکھتی رہی۔ فلیش لائٹ پانی پہ تان رکھی تھی۔

دھیرے دھیرے پانی سمٹتا گیا۔ گھٹتا گیا۔ جیسے سوکھ رہا ہو۔ یہاں تک کہ اس کی سطح نیچے ہوتی گئی۔ کائی زدہ دیواریں برہنہ ہونے لگیں۔

وہ نیچے جاتا گیا اور بالآخر.... وہ "غائب" ہو گیا۔

غائب.... یہی نشانی تھی۔

وہ کنویں میں جھانک رہی تھی کہ صحن کے دوسرے کونے میں گڑگڑاہٹ ہوئی۔ وہ چونک کے گھومی۔ مخالف طرف.... مجسمے کے ساتھ... زمین میں کچھ ابھرا تھا۔ وہ تیزی سے اس طرف آئی۔

وہ لکڑی کا ایک ٹریپ ڈور تھا۔ جیسے فرش میں لگا ڈھکن ہو۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ یہ پہلے یہاں نہیں تھا۔ مگر اب وہ کائی زدہ ڈھکن یوں نظر آ رہا تھا گویا صدیوں سے یہیں موجود ہو۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ خزانہ کنویں کے نیچے نہیں تھا۔ خزانہ اس کے نیچے تھا۔

اس نے ڈھکن اٹھایا۔ وہ آرام سے اٹھ گیا۔ تالیہ نے روشنی نیچے پھینکی۔ وہاں زینے تھے جو نیچے گم ہو رہے تھے۔ آخر میں مدھم سا ایک دروازہ تھا۔ اسے دروازے کی چابی چاہیے تھی۔ اُف ایڈم۔

''ایڈم۔کہاں ہوتم؟''اس نے فون ملایا اور اس کی آواز سنتے ہی بولی۔

''میں جونکر اسٹریٹ پہ ہوں۔کیا آپ کو خزانہ مل گیا۔''

''ہاں۔تم سن باؤ کے گھر آؤ۔''

''آپ سن باؤ کے گھر ہیں؟وان فاتح کے گھر؟''

''ہاں۔ڈونٹ وری وہ چلے گئے ہیں۔تم جلدی آؤ۔دروازہ کھلا ہے۔اور سنو۔''آخر میں قدرے غرائی۔''اگر تم نے کسی بھی قسم کی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں دنیا کے آخری کونے تک تمہارا پیچھا کروں گی'ایڈم۔''

''میں آرہا ہوں۔''وہ آہستہ سے بولا تھا۔

تالیہ نے بیک پیک کندھوں پہ ڈالا اور زینے اترنے لگی۔ٹارچ کی روشنی اپنے آگے پھینکتی جارہی تھی۔سنہری چوٹی بنائے'منی کوٹ اور لمبی قمیض پہنے لڑکی بہت پرجوش لگ رہی تھی۔

سیڑھیاں ایک دروازے پہ جاکے ختم ہوگئیں۔

وہ لکڑی کا قدیم دروازہ تھا۔اس پہ عجیب وغریب سے ہندسے لکھے تھے....یہی تھا خزانے کا راستہ۔

یہی تھا اس کا وہ آخری موقعہ....وہ آخری واردات جس کی وہ کب سے منتظر تھی۔

جزیرے کے اوپر وہ اونچا محل....وہ پرسکون زندگی....

ان سب خوابوں کی تکمیل کا وقت آن پہنچا تھا۔وہ جانتی تھی اس نے ایڈم کو چابی دے کر خطرہ مول لیا ہے'مگر اس کے خواب سچ بولتے تھے ہمیشہ۔ان کے مطابق ایڈم اور وہ اس کھوج میں اکٹھے تھے۔وہ اس کو بھی حصہ دے دے گی۔دس فیصد۔بس یہی بہت ہے۔

اب وہ دروازے کے ساتھ کھڑی بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔موبائل اسکرین کے مطابق ایڈم کا ٹریسر جونکر اسٹریٹ سے چل پڑا تھا اور اب وہ قریب ہی تھا۔ایڈم نے دھوکہ نہیں دیا۔گڈ۔وہ پرجوش سی دروازے کی سطح پہ ہاتھ پھیرنے لگی۔لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

اندر کیا ہوگا؟ضروری نہیں ہے کہ سونے چاندی کے ڈھیر ہوں۔اونہوں۔ان سے بھی کچھ زیادہ بیش قیمت ہوگا اندر۔جیسے نوادرات۔قدیم آرٹ۔سکے۔برتن۔زیورات۔مجسمے۔کروڑوں کے بکتے تھے یہ سب۔اگر یہ خزانہ سن باؤ کے دور کا تھا یعنی پندرہویں صدی کے وسط کا'تو قریباً چھ سو سال قدیم تھا۔بلیک مارکیٹ میں وہ باری باری سب کو فروخت کردے گی'اور تمام رقم آف شور منتقل کر کے وہ یہاں سے چلی جائے گی۔ڈن۔

دروازے پہ آہٹ ہوئی اور ایڈم کی آواز آئی۔''چے تالیہ؟''

''نیچے آجاؤ ایڈم۔''اس نے دروازے پہ لکھے ہندسے پڑھتے ہوئے پکارا۔

''یہ آپ نے کھودا ہے؟''ایڈم نے سیڑھیوں کے اوپر سے جھانکا تو اس نے گردن اٹھائی۔

''باتوں کا وقت نہیں ہے۔ مجھے چابی دو۔'' اس کا سرخ سپید چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا۔

اوپر کھڑے ایڈم کے چہرے پہ ہیجان سا ابھرا۔

''چابی جوڑ دی گئی ہے۔ دونوں ٹکڑے جڑ گئے ہیں۔''

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آنکھوں میں غصہ در آیا۔ ''واٹ؟ تم....اسٹوپڈ....میں نے منع کیا تھا نا تمہیں؟ تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم اس کو جوڑو۔''

''اس کی نہیں....میری ہمت ہوئی ہے۔'' ایڈم کے پیچھے سے کوئی نکل کے سامنے آیا۔

تالیہ بنتِ مراد پتھر ہو گئی۔

وہ فاتح تھا۔

اس کا سانس رک گیا۔ بے اختیار وہ دروازے کی طرف کھٹی۔ مگر اب فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتا زینے اترنے لگا۔

تالیہ کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔ اس نے بے یقینی سے فاتح کے پیچھے آتے ایڈم کو دیکھا جس کے چہرے پہ افسوس تھا۔

''آپ نے مجھ سے سچ نہیں بولا تو میں نے باس سے سچ بول دیا۔''

وان فاتح اس کے عین سامنے آن رکا۔ سلگتی' سخت نظریں اس پہ جمی تھیں۔ تالیہ کی کمر دروازے سے لگی تھی۔ بدقت تھوک نگلا۔ ''تو انکو!''

''تم....میرے گھر میں....کیا کر رہی ہو؟''

''میں....میں ایک پولیس آفیسر ہوں اور....'' اس نے بات بنانے کی کوشش کی مگر رنگت اڑی ہوئی تھی۔ یہ سب بہت غیر متوقع تھا۔

''تم کوئی پولیس آفیسر نہیں ہو۔ میں بتاتا ہوں تم کیا ہو۔'' وہ اس کے قریب رکا اور چبا چبا کے بولا۔ ''لالچی' جھوٹی اور چور! یہ ہو تم!''

الفاظ تھے کہ کیا۔ تالیہ نے لب بھینچ لیے۔ چند گہرے سانس لیے۔ تھوڑی دیر کے لیے سب خاموش رہے پھر اس لڑکی کی پیشانی پہ غصے سے سلوٹیں پڑنے لگیں۔ افسوس اور طیش سے اس نے فاتح کے عقب میں زینے پہ کھڑے ایڈم کو دیکھا۔

''وہ عثمان....وہ اس دن تمہیں ٹریپ کر رہا تھا' مگر میں نے تمہیں بچایا' میں نے ہر موقع پہ تمہیں بچایا' اور یہ کیا تم نے میرے ساتھ۔ چھوڑوں گی نہیں میں تمہیں۔'' انگلی اٹھا کے تنبیہہ کی۔ (ایڈم کا دل جانے کیوں دکھا۔) پھر فاتح کو دیکھا۔ ''میں جو بھی ہوں اس سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ چابی میری ہے۔ میرے بابا نے بنائی ہے۔ یہ خزانہ بھی میرا ہے۔''

''یہ گھر میرا ہے۔ تمہیں کس نے اجازت دی تھی تم یہاں کھدائی کرو؟'' وہ غرایا۔ اتنا زور سے کہ وہ سہم کے ذرا پیچھے ہوئی' پھر دوبارہ ہمت کر کے گردن کڑائی۔

''گھر آپ کا ہے۔ نیچے دبا خزانہ نہیں۔ اور میں نے یہاں کوئی کھدائی نہیں کی۔ یہ خزانے کا راستہ ہے۔''

''اول تو اس گھر کے نیچے کوئی خزانہ نہیں ہے اور اگر ہے بھی سہی تو وہ سرکار کا ہے۔ وہ کسی میوزیم میں جائے گا۔''

تالیہ نے تڑپ کے اسے دیکھا۔''وہ میرا ہے۔ اس پہ میرا حق ہے۔ خیر یہ فیصلہ ہم کورٹ میں کریں گے۔ مجھے میری چابی دیں۔ میں جا رہی ہوں یہاں سے۔'' دوٹوک انداز میں ہتھیلی پھیلائی۔

''اور تمہیں لگتا ہے میں تمہیں ایسے جانے دوں گا؟ ایڈم!'' اس نے نظریں تالیہ پہ مرکوز رکھے اسے پکارا۔

''جی سر۔''

''پولیس کو کال کرو۔ ابھی۔ بتاؤ کہ گھر میں چور آ گیا ہے۔''

''جی باس۔'' اس نے فون نکالا تو وہ تڑپ کے بولی۔

''میں نے کوئی چوری نہیں کی۔ یہ میرا حق ہے۔ یہ میرا ہے۔'' اس کی آنکھیں سرخ پڑنے لگی تھیں۔ وہ دروازے کے ساتھ کھڑی تھی اور فاتح اس کے عین سامنے اسے غصے سے گھور رہا تھا۔

''ایڈم' میں کہہ رہا ہوں کال کرو پولیس کو۔''

''ایک منٹ۔'' وہ جلدی سے بولی۔ دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔'' پولیس کو مت بلاؤ۔ ہم تینوں خزانہ بانٹ سکتے ہیں آپس میں۔''

فاتح نے گویا بے بسی سے دونوں ابرو اٹھائے۔''مجھے یقین نہیں آ رہا۔ تم کیا چیز ہو؟''

''آپ کو الیکشن کے لیے پیسے چاہیے ہیں' ہے نا۔'' وہ جلدی جلدی بول رہی تھی۔''آپ گھر نہ بیچیں۔ خزانے میں سے اپنا حصہ لے لیں۔ بیس فیصد اور ایڈم بھی....'' ایک سلگتی نظر اس پہ ڈالی۔''دس فیصد رکھ سکتا ہے باقی میرا۔''

''صرف دس فیصد۔'' ایڈم نے برا سا منہ بنایا تو وان فاتح نے گردن گھما کے غصے سے اسے دیکھا۔

''کوئی خزانہ نہیں بانٹ رہا یہاں۔ اول تو یہاں کوئی خزانہ ہے نہیں' اور اگر ہوا بھی تو یہ ملک کی امانت ہے۔ تم پولیس کو بلاؤ۔'' پھر واپس گھوما تو وہ کھڑی بے بسی سے لب کاٹ رہی تھی۔

''تم آج جیل جا رہی ہو۔ ایک لمبے عرصے کے لئے۔ میں نے فائل والے واقعے کو جانے دیا مگر تم میرے گھر میں آ گئیں؟''

ایڈم موبائل پہ کہہ رہا تھا۔''سن باؤ کا گھر.... وان فاتح کا گھر۔ وہاں پولیس کی ضرورت ہے۔ ایمرجنسی ہے۔'' پھر تالیہ کو دیکھا۔''ایک چور گھس آیا ہے۔ جی' جلدی بھیجیں کسی کو۔'' دوسری طرف سے یقین دہانی کروا دی گئی تو اس نے فون ہٹا لیا۔ تالیہ نے صرف تیز نظروں سے اسے گھورا تھا۔ پھر فاتح کو دیکھا۔

''میں نے کوئی فائل نہیں چرائی آپ کی۔ اور کہاں ہے وہ فائل؟ ابھی کیا الزام لگائیں گے آپ پولیس کے سامنے مجھ پہ؟''

''میری بیوی کا بریسلیٹ۔'' اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور سنہری چابی نکال کے لہرائی۔

''کیا ثبوت ہے کہ میں نے یہ چرایا ہے؟ یہ تو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میں پولیس کے سامنے انکار کر دوں گی۔''

''میری بات کے آگے تمہاری بات معتبر لگے گی کیا؟'' وہ بھنویں اکٹھی کیے برہمی سے کہہ رہا تھا۔

تالیہ نے سلگ کے ایڈم کو دیکھا۔ ''چھوڑوں گی نہیں میں تمہیں۔''

ایڈم نے اتنی ہی خفگی سے منہ بسورا۔ ''آپ نے اگر مجھ سے سچ بولا ہوتا تو....''

''تو تب بھی تم یہی کرتے' ڈفر۔ اس لئے اب چپ رہو۔'' جھڑک کے بولی تو وہ چپ ہو گیا۔

''تمہیں ایڈم کی نہیں اس وقت اپنی فکر کرنی چاہیے کیونکہ تم لمبے عرصے کے لیے جیل جا رہی ہو۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ''آپ مجھے جیل بھیج دیں مگر میں ایک دفعہ خزانہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے دروازہ کھولنے دیں۔''

''اوہ۔ تمہارے خیال میں سو کالڈ خزانہ دیکھ کے میرا ارادہ بدل جائے گا؟'' وہ تلخی سے مسکرایا۔

''کیا آپ کو خود خوف ہے کہ خزانہ دیکھ کے آپ کا ارادہ بدل جائے گا؟ آپ دروازہ کھولنے سے ڈرتے ہیں کیا؟'' وہ اپنے حواسوں پہ قابو پا چکی تھی اور اب چیلنجنگ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ وہ لمحے بھر کو چپ ہوا۔

''مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔ پولیس کے آنے تک دروازہ کھول کے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن یہ مت سمجھنا' تم مجھے لالچ دے سکتی ہو۔''

''دیکھتے ہیں....'' وہ اسی انداز میں مسکرائی اور دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ یہ چیلنج .... یہ مسکراہٹ .... گویا کہہ رہی ہو پیسے سے کوئی بھی خریدا جا سکتا ہے.... یہ انداز وان فاتح کو اکسانے کے لئے کافی تھا۔ وہ قریب آیا اور دروازے کے تالے میں چابی گھسائی۔

''تم جیل جاؤ گی' سمجھ آیا۔'' ایک نظر اسے دیکھا۔

تالیہ نے تعظیم سے سر ہلا دیا۔ ''جو حکم... تو انکو!''

تالہ ایک بڑی سی زنجیر پہ لگا تھا اور زنجیر نے دروازے کو جکڑا ہوا تھا۔ فاتح نے چابی گھمائی تو ایڈم پریشانی سے پکار اٹھا۔

''سر.... اس کو مت کھولیں۔ پتہ نہیں اندر کیا ہو۔''

تالیہ نے کھول کے اسے دیکھا۔ ''تم تو چپ ہی رہو۔''

''میرے پاس گن بھی ہے' چے تالیہ۔'' اس نے شرٹ اٹھا کے ہولسٹر میں لگا پستول دکھایا۔ ''اگر آپ اس دروازے کے ذریعے فرار کا سوچ رہی ہیں تو اس خیال کو ذہن سے نکال دیں۔ فی الوقت میں وان فاتح کا باڈی مین ہی نہیں' باڈی گارڈ بھی ہوں۔''

تالیہ نے برہمی سے چہرہ موڑ لیا۔ فاتح صرف مسکرایا' بولا کچھ نہیں۔ وہ زنجیر اتار رہا تھا۔

''ویسے میرا نہیں خیال اندر کوئی خزانہ ہے۔ تم نے اپنا وقت اور زندگی صرف ضائع کی ہے' little thief۔'' افسوس سے کہتے ہوئے اس نے دروازہ دھکیلا۔

آگے اندھیرا تھا۔گھپ اندھیرا۔تالیہ نے فلیش لائٹ کی روشنی پھینکی تو روش سی نظر آئی۔پتھروں کی بنی خالی روش۔

فاتح نے ہاتھ بڑھایا۔''ٹارچ!''بس یک لفظی حکم اور تالیہ نے چپ چاپ ٹارچ اسے تھما دی۔اس نے روشنی آگے پھینکی اور اندر داخل ہوا۔

''سر ہمیں پولیس کا انتظار کرنا چاہیے۔''ایڈم بے بسی سے بولا مگر وہ دونوں چوکھٹ عبور کر چکے تھے۔وہ بھی چار و ناچار پیچھے آیا۔ دروازے میں سے آخری داخل ہونے والا شخص ایڈم تھا۔اس کے اندر آتے ہی دروازہ ہلکی سی آواز سے بند ہو گیا۔

راہداری تاریک تھی۔کہیں ٹپ ٹپ کی آوازیں آ رہی تھیں گویا پانی ٹپک رہا تھا۔وہ تینوں قطار کی صورت آگے بڑھتے گئے۔

''پھر؟ کہاں ہے تمہارا خزانہ؟''فاتح آنکھیں چھوٹی کیے اطراف میں دیکھتا روشنی آگے ڈال رہا تھا۔

''ہوگا۔آگے ہوگا۔''وہ بے چینی سے بولی۔دل تجسس سے لبریز تھا۔اس کے خواب جھوٹے نہیں ہو سکتے تھے۔

ایک موڑ مڑ کے وہ آگے آئے تو راہداری چوڑی ہو گئی۔دو مخالف سمتوں سے دو راہداریاں آ کے مل رہی تھیں اور دونوں میں پانی تھا۔اتنا کہ پاؤں ڈوب جاتے۔تالیہ کو عجیب سا احساس ہونے لگا مگر وہ رکی نہیں۔وہ چلتی رہی۔

''پانی چل رہا ہے۔یہ سب کیا ہے؟'' اسے وحشت سی ہو رہی تھی۔پیر پانی میں ڈوب چکے تھے اور وہ عجیب پانی تھا جو لگتا تھا وائبریٹ کر رہا ہے۔دھیرے دھیرے۔

اوپر چھت سے قطرے زور زور سے بہنے لگے۔ٹپ ٹپ۔پھر تڑاتڑ۔تالیہ کو پہلی دفعہ لگا کچھ غلط ہے مگر نہیں....وہ ہار نہیں مانے گی۔خزانہ آگے ہوگا۔کسی محفوظ جگہ پہ۔

''تو کہاں ہے تمہارا خزانہ' تاشہ صاحبہ۔''وہ جو سب سے آگے تھا' اور پانی برسنے کے باوجود آرام سے چلتا جا رہا تھا...طنز سے بولا۔

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھتی رہی۔وہ پانی سے بھری دونوں راہداریوں کے ملاپ پہ موجود تھی۔

یکایک وہ ٹھہری۔بے یقینی سے اطراف میں دیکھا۔پھر اوپر۔جھماکے سے کچھ یاد آیا۔

دو دریاؤں کا سنگم۔برستی بارش۔اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے مدھم روشنی میں دیکھنا چاہا۔وہ تنگ سے دو دریا تھے۔زمین گدلی تھی۔ اس کے پیر کیچڑ میں لتھڑ گئے تھے۔یہی تو اس کا خواب تھا۔دو دریاؤں کا سنگم۔

وہ چونک گئی۔اپنے پیروں کو دیکھا۔وہ پانی اور مٹی سے لتھڑے ہوئے تھا۔

اس کے خواب علامتی نہیں تھے۔وہ مستقبل کا عکس تھے۔ہو بہو۔

''رک کیوں گئی ہو؟ چلو۔میں تمہارے خزانے والے ڈرامے کا بھی فائنل شو ڈاؤن دیکھنا چاہتا ہوں۔آؤ۔''وہ اسے رکتے دیکھ کے سختی سے بولا تو وہ چلنے لگی۔مگر حالت عجیب ہو رہی تھی۔اوپر چھت اندھیر تھی گویا آسمان ہو۔پانی ٹپ ٹپ برس رہا تھا۔وہ تینوں بھیگتے جا رہے تھے مگر چل رہے تھے۔

دوسری راہداری.... یا دوسرا دریا....اب سکڑتا جا رہا تھا' یہاں تک کہ پتھروں سے بنی سوکھی روش نظر آنے لگی جیسی شروع میں دروازہ کھولتے ہی نظر آئی تھی۔اس کے آگے ایک اور دروازہ تھا۔ ہو بہو پہلے جیسا دروازہ۔مگر نیا نکور۔لکڑی کی خوشبو تک آ رہی تھی۔

پانی ٹپکنا اب بند ہو گیا تھا۔

''تمہارا خزانہ تو نہیں آیا ابھی تک۔''طنز سے بولتے ہوئے اس نے دروازے کے قفل میں چابی ڈالی۔تالیہ خاموش رہی۔ایڈم البتہ بے چین سا لگتا تھا۔

''سر...ہمیں واپس جانا چاہیے۔کیا پتہ آگے بچے تالیہ کے لئے فرار کا راستہ ہو'ان کے گینگ کے ساتھی ان کا انتظار کر رہے ہوں۔''

''یہ فی الحال کہیں نہیں بھاگ سکتی۔''تالہ کھول کے اس نے زنجیر اتاری۔چابی مدھم سی چمک رہی تھی۔تالیہ کی آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔ اس پہ ہندسے ابھرے تھے۔885۔

''885؟''وہ الجھن سے بولی۔ایڈم چونکا۔ہندسے اب مٹ رہے تھے۔

''اس دن اس پہ کوئی اور ہندسے ابھرے تھے 1437۔''

''1437؟''تالیہ نے بے خودی کے عالم میں دہرایا۔فاتح نے دروازہ کھول دیا۔سامنے سیڑھیاں تھیں۔وہ تینوں چاہنے اور نہ چاہنے کے درمیان اوپر چڑھنے لگے۔جس وقت فاتح اوپر موجود ٹریم ڈور کا ڈھکن ہٹا کے پرے رکھ رہا تھا' تالیہ کے ذہن میں وہی الفاظ گردش کر رہے تھے۔

چودہ سو سینتیس....چودہ سو سینتیس....آٹھ سو پچاسی....

ایک جھماکے سے اسے یاد آیا تھا۔

داتن!

☆☆=========☆☆

دو روز قبل:۔

عالم کے گھر کے لاؤنج میں ناشتے کی خوشبو پھیلی تھی۔پین کیک' خستہ کری پف اور دیگر اشتہا انگیز لوازمات میز پہ سجے تھے اور وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔تالیہ گھڑی دیکھ رہی تھی'اس کو عصرہ کی پینٹنگ بنانے جانا تھا'مگر داتن نے اسے روک رکھا تھا۔

''یہ کتاب...شکار بازوں کے متعلق ہے....''وہ ایک قدیم کتاب دکھاتے ہوئے بتانے لگی۔تالیہ نے توجہ دینے کی کوشش کی۔

''اس کے مطابق ان کے پاس ایک علم ہے جس سے وہ ایک ایسی چابی بنا سکتے ہیں جو خزانے کا دروازہ کھول سکتی ہے۔''

''دیکھا۔یعنی خزانہ Exist کرتا ہے۔''تالیہ چہک کے بولی۔

''تالیہ...''داتن سنجیدگی سے آگے ہوئی۔''شکار بازوں کے مطابق وہ دنیا کے سب سے بڑے خزانے کا قفل کھول سکتے ہیں۔جانتی ہو

انسانوں کا سب سے بڑا خزانہ کیا ہے؟''

''کیا؟''

''وقت!'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی تو تالیہ کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

''وقت؟''

''ہاں۔ شکار بازوں کے مطابق.... اگر وہ وقت کے دروازے کو کھول لیں تو وہ وقت میں سفر کر سکتے ہیں۔ کسی مستقبل کے زمانے میں جا سکتے ہیں۔ کسی ماضی کے عہد میں واپس پہنچ سکتے ہیں۔''

''داتن....'' اس نے لیانہ کو یوں دیکھا گویا اس کا دماغ چل گیا ہو۔ ''کوئی بھی وقت میں سفر نہیں کر سکتا۔''

''تم نے بھی تو کیا تھا نا۔'' داتن نے کہتے ہوئے کتاب اس کی طرف دھکیلی۔ تالیہ الجھن سے اس کو دیکھنے لگی۔

''میں نے کب؟''

''جب تم چرچ میں پہلی دفعہ مسز ماریہ کو ملی تھیں تو تمہارا لباس عجیب تھا اور تم عجیب لہجے میں بولتی تھیں۔ تمہارے ماں باپ کا کوئی پتہ نہیں تھا' اور تم کسی گاؤں کا ذکر کرتی تھی۔ کوئی تمہیں لینے نہیں آیا کیونکہ تمہارے ماں باپ.... تمہارا گاؤں.... وہ سب اس زمانے کے نہیں تھے۔ تمہارے بابا نے تمہیں ماضی کے کسی زمانے سے.... اس دروازے کے پار بھیجا تھا.... میں نہیں جانتی کیوں.... لیکن مجھے اتنا یقین ہے کہ تم اکیسویں صدی کی لڑکی نہیں ہو۔ تم کسی پرانے عہد سے آئی تھیں۔''

''ہیں؟'' اس کو واقعی داتن کی دماغی حالت پہ شک ہونے لگا تھا۔

''وقت کے سفر کا اصول ہے۔ جو بھی روشنی کی رفتار سے تیز چل لے' وہ وقت کی قید سے دور نکل آتا ہے۔ کسی اور زمانے میں۔ اور پیچھے اس کا زمانہ وہیں منجمد ہو جاتا ہے۔''

''کیا کہہ رہی ہو۔''

''جس سکے کو تم ڈھونڈ رہی ہو وہ مظفر شاہ کے زمانے کا ہے یعنی تقریباً چھ سو سال پہلے کا زمانہ۔ تمہاری گردن کا یہ نشان بتاتا ہے کہ تم نے وہ دروازہ کھولا تھا۔ یہ نشان صرف دروازہ کھولنے والوں کی گردنوں پہ ہوتا ہے۔ وقت کی مہر۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ دروازہ تم نے مظفر شاہ کے زمانے میں کھولا تھا۔ پندرہویں صدی کے وسط میں۔ وہ وقت وہیں رک گیا تھا۔ تم آگے نکل آئی تھیں۔ اگر تم دوبارہ واپس جاؤ تو وہ دور وہیں سے شروع ہو گا جہاں سے تم نکلی تھیں۔ اسی لمحے' اسی دن سے۔ یہاں جتنے سال بھی گزر جائیں' پیچھے وقت آگے نہیں بڑھا تھا۔''

''اور میں وہاں دوبارہ جاؤں گی کیسے؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

''کیونکہ اس چابی کے آگے کوئی خزانہ نہیں ہے۔ یہ ایک دروازے کی چابی ہے' اگر تم نے اس کو کھول لیا تو آگے دو دریا ہوں گے۔ وہی دو دریا جو تم نے خواب میں دیکھے تھے۔ ماضی اور مستقبل کے دریا۔ ایک دفعہ تم نے وہ دریا پار کر لئے تو وہاں سے واپسی ممکن نہیں ہو گی۔ میں

اسی لئے تمہیں روکتی ہوں اس ملعون چابی کا پیچھا کرنے سے۔ کیونکہ روانگی اور واپسی کا چکر پورا کرنے کے بعد چابی تحلیل ہو جائے گی ۔ دروازہ غائب ہو جائے گا۔ تالیہ تم پندرہویں صدی میں واپس چلی جاؤ گی۔ اسی دن میں جب تم گیارہ سالہ بچی کے طور پہ وہاں سے غائب ہوئی تھیں۔ تم کبھی واپس نہیں آسکو گی۔'' وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔ تالیہ نے بدقت اس کی باتوں کو ہضم کیا۔

''تم یہ کہہ رہی ہو کہ میں ....پندرہویں صدی کی ایک لڑکی ہوں....''

''ہاں وہ خواب یاد کرو جو اپنے بابا کے بارے میں تم نے دیکھے....جنگل لکڑیاں....مشعلیں....موم بتیاں....تم کہتی تھیں نا کہ ان میں کچھ عجیب سا ہوتا ہے۔ وہ زمانہ تھا۔ قدیم زمانہ۔''

''یعنی کہ میں.... پندرہویں صدی کے کسی لکڑہارے کی بیٹی ہوں جو شکار باز بھی تھا اور اس نے مجھے خزانہ لینے وقت میں آگے بھیج دیا۔ میں نے وہ دروازہ پار کرلیا اور میں سن 2000 میں آگئی۔ اور اگر اب میں واپس جاؤں تو اسی دن میں واپس جاؤں گی جب میں گیارہ سالہ لڑکی کے طور پہ دروازے کو عبور کر گئی تھی۔''

''ہاں۔ دروازے کے پار....یہی شہر یہی ملک ہو گا۔ تمہارا گاؤں' تمہارے ماں باپ ہوں گے مگر زمانہ یہ نہیں ہو گا۔ یہ 2016 ہے۔ وہ کوئی پندرہویں صدی کا سال ہو گا۔ تم وقت میں پھنس جاؤ گی۔ کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔''

''تم واقعی ان ساری فضولیات پہ یقین رکھتی ہو' داتن؟''

جواب میں داتن آگے ہوئی اور سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ''یہ دنیا بہت عجیب ہے تالیہ۔ یہاں سب ممکن ہے۔ ہوسکتا ہے سائنس اس کی وضاحت نہیں کرسکتی کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے' لیکن اس لئے کہ سائنس کی عمر ابھی بہت کم ہے۔''

''کوئی بھی وقت میں سفر نہیں کرسکتا داتن۔ یہ صرف بے کار کی باتیں ہیں۔'' اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''ہوائی جہاز کے بننے سے پہلے لوگ یہی سمجھتے تھے کہ انسان فضا میں اڑ نہیں سکتا۔ مافوق الفطرت چیزوں کا مذاق نہ اڑاؤ ۔ اگر عقل ان کو سمجھنے سے قاصر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ ہوتی نہیں ہیں۔''

''تو تمہارا مطلب ہے کہ اگر میں نے وہ قفل کھول لیا تو میں واپس اس زمانے میں پہنچ جاؤں گی جب میں پندرہویں صدی میں کسی غریب لکڑہارے کی بیٹی تھی؟ اور میں وہاں پھنس جاؤں گی.... کیونکہ ایک چکر پورا کرنے پہ چابی تحلیل ہو جاتی ہے۔''

اس کی طنزیہ ٹون پہ داتن کی آنکھوں میں خفگی ابھری۔ ''میں جانتی ہوں یہ سب تمہارے لئے بہت انہونا ہے اور تم شاید اس پہ یقین نہ کرو لیکن....''

اور تالیہ ایک دم کھلکھلا کے ہنس پڑی۔

داتن کا منہ کھل گیا۔ تالیہ ہنوز گردن پیچھے کو پھینکے ہنستی جا رہی تھی۔ پھر سیدھی ہوئی اور محظوظ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

''کیا دیو مالائی کہانیاں پڑھتی رہتی ہو تم داتن۔ ایسا کچھ نہیں ہوتا حقیقی دنیا میں۔ ہنو بھئی۔'' اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

چین کیک اور کری پف کی خستہ اشتہا انگیز خوشبو وہیں پھیلی رہ گئی....

☆☆=========☆☆

فاتح نے لکڑی کا ڈھکن ہٹایا تو اوپر سے روشنی آ رہی تھی۔ وہ تینوں باری باری باہر نکلے تو روشنی دیکھ کے لمحے بھر کو مبہوت رہ گئے۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے دن جیسی روشنی؟

وہاں آس پاس اونچے درخت تھے۔ گھنے، سرسبز اور اونچے۔ دن نکلا ہوا تھا مگر درختوں کے باعث ٹھنڈی چھایا تھی۔ جیسے عصر کا وقت ہو۔

فاتح نے کلائی بلند کی اور گھڑی دیکھی۔ ڈیجیٹل واچ رات کے ساڑھے گیارہ کا وقت بتا رہی تھی۔ اس کے ابرو چنبھے سے اکٹھے ہوئے۔ گردن گھما کے تالیہ کو دیکھا۔

"یہ کہاں لے آئی ہو تم ہمیں؟"

"یہ تو کوئی جنگل ہے۔" ساکت کھڑا ایڈم بول اٹھا۔ تالیہ نے گردن اٹھا کے اوپر آسمان کو دیکھا۔

"یہاں روشنی کیوں ہے؟"

"یہی تو میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ کہاں لے آئی ہو ہمیں۔"

وہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

"خزانہ...." خشک گلے سے اس نے کہنا چاہا۔ "دروازے کے پار خزانہ ہونا چاہیے تھا۔ کوئی قدیم خزانہ۔"

"سر، ہمیں واپس جانا چاہیے۔ مجھے تو یہ عجیب سی جگہ لگ رہی ہے۔" ایڈم قدرے پریشانی سے بولا اور واپس مڑا۔ مگر پھر وہ دھک سے رہ گیا۔

"مجھے خزانے کی کہانیاں مت سناؤ۔ مجھے یہ بتاؤ کہ یہ کون سی جگہ ہے۔" فاتح درشتی سے تالیہ سے مخاطب تھا۔ وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

"تو انکو، میرا خیال تھا یہاں خزانہ ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم یہ کون سی جگہ ہے۔ میرا یقین کریں۔"

"سر...." ایڈم کی پھٹی پھٹی سی آواز آئی مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ وہ غصے سے کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تم لمبے عرصے کے لئے جیل جا رہی ہو، یہ تو طے ہے۔ مگر پہلے مجھے بتاؤ کہ کیا کھیل کھیل رہی ہو تم ہمارے ساتھ۔"

"مجھے خود سمجھ نہیں آ رہی۔ ہم تو نیچے گئے تھے۔ تو یہ جنگل کہاں سے شروع ہو گیا۔" وہ پریشانی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

"سر...." ایڈم حواس باختہ سا پکار رہا تھا۔ "وہ دروازہ کہاں گیا جس سے ہم آئے تھے؟"

ان دونوں نے چونک کے اس طرف دیکھا۔ زمین میں جہاں لکڑی کا ٹریپ ڈور (ڈھکن) تھا، جس کو ہٹا کے وہ اوپر آئے تھے، وہ اب وہاں نہیں تھا۔ کچی مٹی برابر تھی۔ وہ تینوں اونچے درختوں کے درمیان ایک جنگل میں کھڑے تھے۔

تالیہ نے بیگ نیچے پھینکا اور بے اختیار آگے بڑھی۔ ایک درخت سے دوسرے درخت تک۔ وہ ایک ایک تنے کو ہاتھ لگا کے ٹٹول رہی تھی جیسے کچھ کھوج رہی ہو۔ خزانہ۔ راستہ۔ کوئی نشان۔ مگر وہاں نہ بندہ تھا نہ بندے کی ذات۔

خاموش پرسکون درختوں کے جھنڈ جو ہر جگہ پھیلے تھے۔ اتنے گھنے درخت کہ چند میٹر دور تک کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اور اوپر ان کے پتے باہم گلے ملتے تھے۔ جیسے سبز چھت سی بنی ہو۔ چھت کے سوراخوں میں کہیں کہیں سفید آسمان جھلکتا تھا۔

''ایڈم' پولیس کو کال کرو اور اپنی لوکیشن دو۔'' اسے آگے دوڑتے دیکھ کے وہ برہمی سے بولا تو شل کھڑے ایڈم نے سیل فون نکالا۔ ''سگنل نہیں ہیں۔''

''میں خود کرتا ہوں۔'' فاتح نے اپنے فون کی اسکرین روشن کی۔ سگنل غائب تھے۔ اس نے ایس او ایس بھیجنے کی کوشش کی۔ بے سود۔ اکتا کے چہرہ اٹھایا۔ سنہرے بالوں والی لڑکی پریشانی سے ایک درخت کے ساتھ کھڑی تھی۔

''ہم کہاں ہیں؟'' وہ بے یقینی سی خود سے بڑبڑا رہی تھی۔

''میرے سامنے اداکاری مت کرو' تالیہ۔'' اس کو اس کے نام سے پکار کے درشتی سے بولا۔ سفید شرٹ کے آستین چڑھائے' وہ ابرو بھینچے شدید بے زار لگ رہا تھا۔

''یہ کوئی جنگل ہے۔'' ایڈم نے گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔ ''رین فاریسٹ۔''

''پانچ سو میٹر بھی نہیں چلے ہوں گے ہم۔ میرے گھر کے اتنے قریب کون سا جنگل ہے بھلا؟ مجھے بتاؤ تالیہ' یہ کون سی جگہ ہے۔ اور یہاں رات کے ساڑھے گیارہ بجے روشنی کیوں ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم' تو انکو۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔ خزانہ' محل' جزیرہ۔ عیش و عشرت کی زندگی۔ سب جنگل کی خاک میں مل چکا تھا۔

''تم پہلے سے جانتی تھیں کہ یہاں کیا ہے۔ بتاؤ مجھے' سب کچھ بتاؤ۔''

''میں سچ کہہ رہی ہوں' مجھے نہیں معلوم۔ میرا اعتبار کریں۔''

''مجھے تمہارے ایک لفظ پہ بھی اعتبار نہیں ہے۔'' فاتح نے سر جھکایا اور انگلیوں سے آنکھیں مسلیں' گویا چند لمحے کو سوچا۔ پھر آگے بڑھ گیا۔ چند منٹ تک وہ آگے چلتا گیا۔ درخت۔ درخت۔ نہ ختم ہونے والا سلسلہ۔ وہ اب غصے کے ساتھ ساتھ بے بسی بھی محسوس کر رہا تھا۔ واپس آیا تو وہ اسی طرح شل کھڑی تھی۔

''یہ کوئی الوژن ہے' ہے نا؟ اور تم illusionist ہو۔ تم نے یہ کسی فلم کا سیٹ بنایا ہے۔ ایک الوژن۔ جہاں تم جیسے لوگ شکار کو

گھیر کے اس کو ذہنی طور پہ مفلوج کر کے اس کے راز' کریڈٹ کارڈ نمبرز' بینک پاسورڈز لے لیتے ہیں۔ کیا تم میرے ساتھ اس وقت یہی کر رہی ہو؟'' وہ برہمی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''تم ابھی تک مجھے con کر رہی ہو؟''

''میرا یقین کریں تو انکو' مجھے نہیں معلوم یہ کون سی جگہ ہے۔'' وہ ایک دم زور سے چیخی۔ ساری اداکاری' سارے دکھاوے' سارے ملمعے غائب ہو گئے۔ وہ پریشان تھی۔ شدید پریشان۔

مگر فاتح نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں مان ہی نہیں سکتا کہ تم یہ سب نہ جانتی ہو۔''

ایڈم ان دونوں سے بے نیاز زمین پہ اس جگہ بیٹھا جہاں وہ ٹریپ ڈور تھا اور وہاں سے پتے اور لکڑی کی ٹہنیاں ہٹانے لگا۔ نیچے مٹی ہی مٹی تھی۔ وہ روہانسا سا ہو کر سیدھا ہوا۔ ''ہم واپس کیسے جائیں گے؟''

''وہ چابی۔ وہ چابی کہاں ہے؟'' وہ چونکی۔ فاتح نے اسے گھورتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا... مگر مٹھی باہر نکالی تو اس میں راکھ تھی۔ پل بھر کو تو وہ ساکت رہ گیا۔ پھر بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔

''کیا تم نے وہ میری جیب سے نکال لی؟ کیا چیز ہو تم؟''

مگر تالیہ کی نظریں اس کی مٹھی میں موجود راکھ پہ جم گئی تھیں۔ چابی راکھ ہو گئی تھی۔ اس کا چکر پورا ہو گیا تھا۔

''نہیں!'' اس نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ شاید خواب ہے۔ یقیناً... میں خواب دیکھ رہی ہوں۔''

فاتح نے اکتا کے سر جھٹکا اور دوسری سمت میں آگے چلنے لگا۔ درخت در درخت۔ ایک مسلسل چڑیوں کے چہچہانے کا شور۔ دور پانی کے چلنے کی آواز گویا کوئی جھرنا بہہ رہا ہو۔ ہوا۔ آسمان۔ ہر شے حقیقی تھی۔ اس نے درختوں کو چھو کے دیکھا۔

''نہیں۔ یہ سچ نہیں ہو سکتا۔ ملاکہ میں ایسا کون سا جنگل ہے؟ یہ کوئی الوژن ہے۔ یہ لڑکی ڈرامہ کر رہی ہے۔'' اس نے موبائل فضا میں بلند کیا مگر وہ سگنل کیچ نہیں کر رہا تھا۔ وان فاتح کی فرسٹریشن اور بے چینی بڑھنے لگی۔

تالیہ ایک درخت کے تنے سے لگی' آنکھیں موندے کھڑی تھی۔

''یہ یقیناً ایک خواب ہے۔ ابھی میں جاگ جاؤں گی۔'' وہ بڑبڑا بھی رہی تھی۔ دل میں بار بار کوئی کہتا کہ آنکھیں کھولو' مگر نہیں۔ یہ خواب ہی تھا۔ اس کا خزانہ اصلی تھا۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ دروازے کے آگے سنسان ویران جنگل ہو۔ نہیں۔ وہ ابھی نیند میں ہے۔ جب وہ جاگے گی تو وہ وان فاتح کے گھر جائے گی۔ خزانہ کنویں کے نیچے تھا۔ وہ اسے ڈھونڈ لے گی۔

ایڈم ابھی تک زمین پہ بیٹھا ہاتھوں سے مٹی کھود رہا تھا۔ پھر کسی خیال کے تحت رکا۔ ''پولیس آنے والی ہو گی۔ اوہ ہاں۔ پولیس سیڑھیاں دیکھ لے گی اور یہاں پہنچ جائے گی۔'' اس کی رنگت بحال ہونے لگی۔ آنکھوں میں امید جاگی۔ ''شکر ہے میں نے ان کو فون کر دیا تھا۔'' وہ ہاتھ جھاڑتے اٹھ کھڑا ہوا۔

تبھی وان فاتح واپس آتا دکھائی دیا۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور ناک پہ غصہ دھرا تھا۔ عین تالیہ کے سامنے آکے رکا۔

''آنکھیں کھولو اور مجھے بتاؤ' لڑکی' کہ یہ سب کیا ہے؟''

تالیہ نے آنکھیں کھولیں۔ جنگل ایک ٹھوس حقیقت کی طرح اس کے گرد موجود تھا۔

''تو انکو....''اس کا دل ڈوبنے لگا۔ ذہن خواب کے مفروضے سے نکلا تو پریشانی پھر سے چھانے لگی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں....میں نہیں جانتی یہ کون سی جگہ ہے۔ میں صرف خزانے کے لئے آئی تھی۔''

''مجھے کہانیاں مت سناؤ۔ مجھے سچ بتاؤ' تالیہ!''وہ دو تین قدم قریب آیا اور اس کی آنکھوں میں برہمی سے دیکھا۔تالیہ کے چہرے پہ بے بسی پھیل گئی۔

''میں کیا کروں جو آپ کو یقین آئے کہ میں بھی اتنی ہی ناواقف ہوں جتنے آپ ہیں۔ میں سچ بول رہی ہوں۔''وہ روہانسی ہوگئی

۔

عجیب وحشت ناک جنگل تھا۔ عجیب ناراض شخص تھا۔

''چے تالیہ' آخر آپ پورا سچ بتا کیوں نہیں دیتیں۔ آپ کو کہاں ملی یہ چابی۔ کس نے بتایا نیچے خزانہ ہے؟''زمین پہ بیٹھا ایڈم جھلا کے بولا۔

''میں اس چابی کو خواب میں دیکھتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس کے پیچھے خزانہ ہے' مگر میری دوست کہتی تھی کہ خزانہ نہیں ہے بلکہ ....''وہ ٹھٹک کے رکی۔ ایک دم شل ہوگئی ہو۔ ایسے جیسے کسی نے سر پہ بیلچہ دے مارا ہو۔

''بلکہ؟''فاتح نے غور سے تالیہ کو دیکھتے ابرو اٹھائی۔

''نہیں۔''تالیہ نے نفی میں سر ہلایا۔''وہ فضولیات بول رہی تھی۔ یہ ممکن نہیں ہے۔''وہ بے یقین تھی۔

''کیا؟ مجھے بتاؤ' کیا کہا اس نے؟''

''وہ کہتی تھی کہ....اس دروازے کے پار دو دریا ہیں' ماضی اور مستقبل کے۔ ان کو پار کر کے میں وقت میں پیچھے چلی جاؤں گی۔ کسی قدیم عہد میں جہاں سے میں کبھی واپس نہیں آسکوں گی۔ مگر یہ ممکن نہیں ہے۔ کوئی بھی وقت میں سفر نہیں کر سکتا۔''

''ظاہر ہے کوئی بھی وقت میں سفر نہیں کر سکتا۔''وہ اکتا گیا۔

''کر سکتا ہے۔''ایڈم کی آواز پہ دونوں نے گردن موڑی۔

''آئن سٹائن کی تھیوری ہے نا۔ اگر روشنی کی رفتار سے تیز چلو تو انسان ماضی یا مستقبل میں جا سکتا ہے اور اس کی واپسی تک وقت رک جاتا ہے۔''وہ تحیر سے کہتا آگے آیا۔ اس کی حیرت بھری نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔''تو آپ واقعی ہمبوروں میں سے ہیں۔ ہمبورو

کے بارے میں ہم بچپن میں کہانیاں سنتے تھے۔ کہ وہ وقت میں سفر کر سکتے تھے۔ انہوں نے دروازے بنائے تھے جن میں چابی ڈالنے سے وقت کا قفل کھل جاتا تھا۔'' وہ بنا پلک جھپکے تالیہ کو دیکھتا قدم اٹھاتا قریب آ رہا تھا۔ ''آپ کی گردن پہ نشان ہے' آپ ہمبورو ہیں۔ بچپن میں ایک کہانی سنی تھی میں نے' کہ یہ نشان صرف 'مسافروں' کی گردنوں پہ ہوتا ہے۔ کیا واقعی ہم نے وقت کا دروازہ پار کر لیا ہے؟''

''شٹ اپ ایڈم۔'' وہ بے زاری سے بولا۔ ''فضول باتیں مت کہو۔ یہ سب (تالیہ کو دیکھا) اس لڑکی کا کوئی ڈرامہ ہے۔ اس کو سب معلوم ہے۔''

''مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں صرف خزانے کے لیے۔۔۔۔''

''تم اور تمہاری کہانیاں۔'' فاتح سر جھٹک کے پلٹ گیا اور موبائل دیکھنے لگا۔ گوگل میپ۔ نو سگنل۔ وائی فائی' جی پی ایس' موبائل ڈیٹا' کچھ بھی کام نہیں کر رہا تھا۔ اس کی گردن جھکی تھی۔ تالیہ اور ایڈم کی نظریں اس کی گردن پہ جم گئی تھیں۔

''آپ کی گردن پہ بھی نشان ہے' سر۔'' ایڈم متحیر سا بولا تو وہ چونکا۔ پھر بے اختیار گردن کی پشت کو چھوا۔ انگلیوں نے کھال میں کوئی فرق محسوس کیا تھا جو اس کے ماتھے کی سلوٹیں غائب ہونے لگیں۔ ایڈم نے اپنے سیل سے اس کی گردن کی تصویر بنائی اور اسکرین اس کے سامنے کی۔ ''یہ تو بچے تالیہ نہیں بنا سکتیں۔ ہو سکتا ہے وہ درست کہہ رہی ہوں۔''

وہ اسکرین پہ اپنی گردن کی پشت دیکھ کے منجمد ہو گیا۔ یہ بنا درد کے جلنے کا نشان تھا۔

''نہیں۔'' تالیہ پریشانی سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ ''کوئی بھی وقت میں سفر نہیں کر سکتا۔''

''سکے پہ مظفر ال سلطان لکھا تھا۔'' ایڈم تیز تیز بول رہا تھا۔ ''پہلے 1437 لکھا آ رہا تھا مگر یہاں آتے ہی 885 لکھا آنے لگا۔''

''ان ہندسوں کا کیا مطلب ہے؟'' وہ اچنبھے سے بولی۔ وان فاتح ابھی تک اسکرین پہ تصویر دیکھ رہا تھا۔

''یہ سال 2016 ہے۔ اسلامی کیلنڈر کا 1437 واں سال۔ لیکن یہاں آتے ہی۔۔۔۔'' ایڈم خواب کی سی کیفیت میں بول رہا تھا ۔''ہندسے بدل کے 885 ہو گئے۔ یعنی عیسوی کیلنڈر کا 1459 واں سال۔ پندرہویں صدی کا وسط۔'' وہ دھک سے رہ گیا۔

(پندرہویں صدی سے مراد 1401 سے 1500 تک کے تمام سال ہوتے ہیں۔ جیسے 1980 انیسویں صدی میں نہیں' بلکہ بیسویں صدی میں شمار کیا جاتا ہے۔)

''کیسی باتیں کر رہے ہو؟ ایسا ممکن نہیں ہے' ایڈم!'' تالیہ کو وحشت ہونے لگی۔

''1459 سن عیسوی یا 885 سن ہجری وہ سال تھا جب سلطان مظفر شاہ کا انتقال ہوا تھا۔ شاید ہم واقعی مظفر شاہ کے دور میں پہنچ

گئے ہیں۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ تڑپ کے پیچھے ہوئی۔ "میں ملائیشیا ء کی ہی ایک لڑکی ہوں۔ میں کوئی پندرہویں صدی کے کسی لکڑ ہارے کی بیٹی نہیں ہوں' اچھا۔"

"یہاں دن نکلا ہوا ہے چے تالیہ۔ یہاں موبائل سگنلز نہیں کام کررہے۔"

"جب پولیس آئے گی تو میں ان سے کہوں گا کہ تمہیں بھی اس لڑکی کے ساتھ گرفتار کرلیں ایڈم۔ کیوں میرا دماغ خراب کررہے ہو۔" فاتح غصے سے بولا مگر اس کی آواز میں ویسی گرج نہیں تھی۔

"سر... یمبورو کی کہانیاں سب نے سن رکھی ہیں۔ شاید وہ کہانیاں سچ ہوں۔ ہم واقعی پندرہویں صدی میں...."

"یہ اس لڑکی کا کوئی کرتب ہے۔ مجھے اس کی کسی بات پہ اعتبار نہیں ہے۔" وہ اب بھی ماننے کو تیار نہیں تھا۔ "پہلے اس نے میرے گھر سے فائل چرائی' پھر...."

تالیہ تڑپ کے اس کی طرف گھومی۔ "کیا ثبوت ہے آپ کے پاس کہ میں نے آپ کی فائل چرائی' ہاں؟"

"گواہ ہیں میرے پاس۔"

"اچھا۔ کیا دیکھا گواہوں نے؟ مجھے بھی تو پتہ چلے۔" تالیہ کی آواز بلند ہوگئی۔ چند لمحوں کے لئے وہ بھول گئی کہ وہ کہاں کھڑی ہے۔ فاتح کے ابرو اسی طرح تنے رہے۔

"تم اشعر کی پارٹی سے اپنی کار لینے میرے گھر آئیں' جب گھر میں ہم لوگ نہیں تھے۔ پھر تم نے میرے لاکر سے...."

"مگر چے تالیہ تو گھر نہیں آئی تھیں۔" ایڈم حیرت سے بول اٹھا۔ "ان کی کار تو میں خود ان کے گھر ڈراپ کرنے گیا تھا۔"

فاتح کے الفاظ وہیں ٹوٹ گئے۔ اس نے ابرو اٹھا کے ایڈم کو دیکھا۔ "تم گئے تھے؟"

"جی' مجھے مسز عصرہ نے کہا تھا کہ کار چے تالیہ کے گھر چھوڑ آؤں۔ چے تالیہ تو ٹیکسی لے کر سیدھی اپنے گھر گئی تھیں۔"

فاتح نے تالیہ کو دیکھا جو چبھتی خاموش نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔ پھر اس نے دوبارہ ایڈم کو دیکھا۔ "تمہیں... عصرہ نے کہا تھا؟"

"جی۔ اور آپ کو بتانے سے منع کیا تھا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اس لئے چے تالیہ کو موردالزام ٹھہرا رہے ہیں تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوتا۔ اچھا تبھی مسز عصرہ نے مجھے اگلے دن آپ سے ملنے نہیں دیا' اور...."

"اچھا۔ ٹھیک ہے۔ بس!" اس نے برہمی سے ہاتھ اٹھا کے روکا۔ تالیہ کی سلگتی نظریں ابھی تک اس پہ جمی تھیں۔ وہ ماتھے پہ بل لئے پلٹا اور ایک طرف چلتا گیا۔ وہ ذہنی طور پہ ڈسٹرب ہوگیا تھا' صاف ظاہر تھا۔

تھوڑی دور وہ ایک درخت تلے رک گیا۔ ان دونوں کی طرف پشت کیے' اس نے پیشانی پہ ہاتھ رکھ کے آنکھیں کرب سے بند کیں۔ (عصرہ... تم... اشعر کے ساتھ... اُف۔)

وہ دونوں وہاں خاموشی سے کھڑے اسے دیکھتے رہے۔ پھر تالیہ نے ایک نگاہِ غلط ایڈم پہ ڈالی۔

''یہ مت سمجھنا کہ تم نے میری حمایت کی ہے تو میں وہ سب بھول جاؤں گی جو تم نے کیا۔''

ایڈم نے جواباً خفگی سے اسے دیکھا۔ ''میرا کیا قصور ہے؟ میں نے تو منع بھی کیا تھا کہ دروازے کو مت کھولیں مگر...''

''چپ کرو۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔''

وہ ناک سے مکھی اڑاتی جھلا کے بولی۔

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ فاتح فاصلے پہ خاموش کھڑا رہا۔ تالیہ درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑی رہی۔ اور ایڈم ایک پتھر پہ بیٹھا رہا۔

''مجھے یقین تھا کہ خزانہ ہے۔'' کچھ دیر بعد وہ خود سے بولی تھی۔ ''خزانہ ہونا چاہیے تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خزانہ نہ ہو۔''

''آپ کو اب بھی خزانے کی فکر ہے؟ ہم مصیبت میں پھنس چکے ہیں، چے تالیہ۔'' ایڈم بگڑا تو تالیہ نے گھور کے اسے دیکھا۔

''تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ وہ خزانہ میرے لیے کیا تھا۔''

''میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر یہ واقعی پندرہویں صدی ہوئی تو؟ ہم اگر واقعی وقت میں پانچ سو ستاون برس پیچھے چلے گئے ہوں تو؟''

''ایسا ممکن نہیں ہے۔'' اس نے اوپر دیکھا۔ ''یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہوگا۔ میں ڈھونڈتی ہوں۔'' بیگ کندھے پہ ڈالتی وہ شمال کی جانب چل دی۔ مٹی، پتھر، ٹہنیاں۔ وہ ہر شے کو جوگرز سے عبور کرتی درختوں کے درمیان آگے بڑھتی گئی۔ چند منٹ ہی چلی ہوگی کہ اسے احساس ہوا، یہ جنگل اصلی تھا اور بہت گھنا تھا۔

تالیہ مراد کا دل بیٹھنے لگا۔

یہ خزانے کا لالچ اسے کہاں لے آیا تھا۔ کیسی جگہ تھی؟ کون سی دنیا تھی یہ؟

''تم پندرہویں صدی کی لڑکی ہو تالیہ۔ کسی غریب لکڑہارے کی بیٹی جو کسی وجہ سے وقت میں سفر کر کے آگے نکل آئی تھیں۔ تم واپس جاؤ گی تو وقت وہیں سے شروع ہوگا جہاں سے تم گئی تھیں۔ جہاں سے مراد نے اپنی گیارہ سالہ بیٹی کو کھویا تھا۔'' داتن کی آواز گونجنے لگی۔ اس وحشت زدہ جنگل میں تو داتن کی آواز کی بازگشت بھی سنائی دیتی تھی۔

اسے خوف سا آنے لگا۔ فوراً پلٹی اور تیز تیز واپسی کے لیے قدم اٹھائے۔ ابھی وہ ایڈم اور فاتح سے چند میٹر ہی دور تھی کہ اس کا پیر رپٹا۔ وہ اوندھے منہ نیچے گری۔

فاتح چونک کے گھوما، پھر تیزی سے اس کی طرف آیا۔ ایڈم بھی جگہ سے اٹھا۔

گرتے ساتھ ہی وہ کراہی مگر ان کو اپنی طرف آتے دیکھ کے فوراً سے اٹھی اور کپڑے جھاڑے۔ منہ پہ گیلی مٹی لگ گئی تھی۔ اس نے ہتھیلی

سے وہ صاف کی۔ پھر ٹھٹکی۔ ''میرے خواب۔''

''کون سے خواب؟'' وہ جو اس کو گرتے دیکھ کے تیزی سے آیا تھا' سنبھلتے دیکھ کے چہرے پہ وہی بےزاری واپس لائے رک گیا تھا۔

''میرے خواب.... وہ ہمیشہ سچے ہوتے ہیں.... میں نے خواب میں دیکھا تھا یہ جنگل.... ہم تینوں تھے ادھر اور ہماری گردنوں میں پھندے تھے۔'' وہ خود سے بول رہی تھی جیسے۔ بالکل مبہوت ہوئے۔ ''تو میرے خواب علامتی نہیں تھے۔ وہ ہو بہو مستقبل کا عکس تھے۔''

''اور کیا دیکھا تم نے خواب میں؟'' وہ بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔ سوال پہ تالیہ پہلے چونکی' پھر ماتھے پہ بل ڈال دیے۔ ہاتھ جھاڑے اور 'کچھ نہیں' کہتی آگے بڑھ گئی۔

☆☆=========☆☆

جنگل میں تیز روشنی محض آدھے گھنٹے میں گھپ اندھیرے میں بدل جاتی تھی۔ جیسے ہی مغرب کا وقت ہوا' چند منٹوں میں ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ پرندوں کی چہچہاہٹ اونچی ہونے لگی۔ دور جھرنے کے بہنے کی آواز البتہ برابر سنائی دے رہی تھی۔

درختوں کے درمیان ایک قطعے پہ ایڈم کہیں سے تین پتھر اٹھا لایا تھا۔ بڑے بڑے تین پتھر اور خود ایک پہ بیٹھ گیا تھا۔ اب اس ڈوبتی شام میں وہ بار بار گھڑی دیکھ کے ان کو تسلی دے رہا تھا۔

''پولیس ہمیں لینے آجائے گی' کوئی تو آجائے گا۔ ان کو وہ سیڑھیاں مل جائیں گی اور پھر وہ ہمیں یہاں سے نکال لے جائیں گے۔''

تالیہ ساتھ والے پتھر پہ بیٹھی اس کو سنتی رہی۔ فاتح کا پتھر خالی تھا۔

وہ دور ایک درخت کے تنے کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں ٹہنی لئے اس سے پتے توڑ توڑ کے پھینک رہا تھا۔ گاہے بگاہے موبائل نکال کے دیکھتا۔ نو سگنل۔

پھر ایڈم بھی خاموش ہو گیا۔ پرندے گنگناتے رہے۔ جھرنے کا پانی بہتا رہا۔ اور حقیقت ہر گزرتے پل گہری ہوتی گئی۔ اٹل۔ اور ٹھوس۔ یہ الوژن نہیں تھا۔ یہ واقعی کوئی جنگل تھا۔ کس زمانے کا تھا' کوئی واقف نہ تھا۔ وہاں زمان اور مکان کے سارے پیمانے ختم ہو چکے تھے۔

''کوئی نہیں آیا ابھی تک۔'' تالیہ نے کلائی پہ گھڑی دیکھی۔ کوالالمپور کے وقت کے مطابق رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ مگر یہاں اندھیرا ابھی چھایا تھا۔

''کوئی آجائے گا۔ ایسا ہو نہیں سکتا کہ دان فاتح غائب ہو جائیں اور کوئی ان کو لینے نہ آئے۔ سارے ملک میں کہرام آجائے گا۔'' پتھر پہ بیٹھے ایڈم نے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے تسلی دی۔ تالیہ نے گھور کے اسے دیکھا۔

''خیر.... میں بھی کوئی لاوارث نہیں ہوں۔ رات گھر نہ پہنچی تو وہ موٹی میرے لئے بھی آجائے گی' دیکھنا۔''

''کون موٹی؟'' وہ حیران ہوا۔

''میری برائلر مرغی جیسی دوست کیا نہ۔ ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

''کسی کو یوں موٹی نہیں کہتے' بے تالیہ۔'' وہ برا مان گیا۔

''میں تو اس کو کالی اور بدصورت بھی کہتی ہوں۔'' وہ اونچے پتھر پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی تھی اور چہرہ دائیں ہتھیلی پہ گرا رکھا تھا۔

''کیوں؟'' ایڈم کی آنکھیں صدمے سے کھل گئیں۔ درخت تلے بیٹھا فاتح ٹہنی سے پتے توڑ توڑ کے پھینکتا جا رہا تھا۔

''کیونکہ اس سے کوئی اور پیار نہیں کرتا۔ دوست مطلب کے لئے تعلق رکھتے ہیں' اور بچے غرض کے لئے۔ کوئی اس کو صحیح غلط نہیں بتا سکتا۔ وہ پچاس سے اوپر ہے' مگر اس کا وزن بڑھتا جا رہا ہے' ڈاکٹرز نے اس کو کہہ دیا ہے کہ اگر وہ اسی رفتار سے چاکلیٹ اور جنک فوڈ کھاتی رہی تو وہ جلد مر جائے گی۔ میری نصیحتوں اور لیکچرز کا جب اس پہ کوئی اثر نہیں ہوا تو میں نے اسے موٹی' کالی اور بدصورت مرغی وغیرہ کہنا شروع کر دیا' تا کہ وہ اپنے وزن اور صحت کا احساس کرے۔''

''یہ تو غلط بات ہے۔'' اسے بہت برا لگا تھا۔

''تو کیا کروں؟ موٹی کہنے پہ وہ برا ہی نہیں مناتی تھی۔ بدصورت کہتی ہوں تو اب پتلا ہونے کے طریقے گوگل کرنے لگی ہے۔ دو چار نام اور رکھوں گی تو اپنے وزن کو سیریئسلی لے گی۔ اپنی لاپرواہی اور بداحتیاطی کی وجہ سے موٹے ہونے والوں کو بار بار ان کی صحت کا احساس دلانا چاہیے۔ کیونکہ انسان جتنا پتلا اور فٹ ہو' وہ اتنا ہی خوش اور motivated رہتا ہے۔ وہ چونکہ ایک عورت ہے اس لیے اگر کسی اور وجہ سے ڈائٹ پہ نہیں جائے گی تو کم از کم اچھا لگنے کے لئے تو چلی ہی جائے گی۔''

''پھر بھی بے تالیہ.... یہ کافی بے رحمانہ انداز ہے۔''

تالیہ نے تندہی سے اسے گھورا۔ ''تمہیں ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ تالیہ تمہاری کوئی ایوریج فیری ٹیل گرل نہیں ہے جو سادہ اور معصوم سی ہو۔ میں کرمنل ہوں' اور کرمنلز ایسے ہی ہوتے ہیں' ہاں۔'' پھر ناک سکوڑ کے منہ پھیر لیا۔

دفعتاً فاتح درخت تلے سے اٹھا۔ تالیہ نے کنکھیوں سے دیکھا' وہ اب اس طرف آ رہا تھا۔ وہ چہرہ موڑ کے دوسری طرف دیکھنے گئی۔ وہ اس کے سامنے پتھر پہ آ کے بیٹھا۔

''بولنا شروع کرو۔'' انداز غصیلا نہ تھا مگر نرم بھی نہ تھا۔ وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔

''کیا؟''

''سب کچھ بتاؤ مجھے۔ شروع سے۔ سچ سچ۔''

''اور آپ کو کیسے پتہ چلے گا کہ میں سچ بول رہی ہوں؟ میں تو جھوٹی اور چور ہوں نا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے سلگ کے بولی۔ وہ ہنوز اسے انہی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سیاہ آنکھیں چھوٹی کیے۔ ماتھے پہ بال بکھرے ہوئے تھے اور سفید شرٹ کے آستین اوپر چڑھا رکھے تھے۔ وہ جس فاتح سے واقف تھی' یہ اس سے مختلف نظر آتا تھا۔

''سچ کی پہچان ہو جاتی ہے۔''

''جیسے آپ کو مسز عصرہ کی باتوں کی ہو جاتی ہے۔''

''وہ الگ بات ہے۔تم نے میری فائل....''

''میں نے آپ کی فائل چرائی ہے' بالکل چرائی ہے' لیکن آپ کے گھر سے نہیں۔''

فاتح نے بے اختیار ابرو اٹھایا۔''مطلب؟''ایڈم بھی حیران سا اسے دیکھنے لگا۔

''میں نے وہ....اشعر محمود کے....سیف سے چرا کے.....آپ کو واپس کی ہے۔''وہ اسی طرح چبا چبا کے بولی۔ گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکا۔

فاتح نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔''ایکسکیوزمی؟''

تالیہ آگے ہوئی' اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔''کیا میرا میجک شو اچھا نہیں لگا آپ کو 'وان فاتح؟''

پل بھر کو وہ بالکل ساکت رہ گیا۔ پلک تک نہ جھپک سکا۔ پھر پتلیاں حیرت اور بے یقینی سے سکڑیں۔''تم....نہیں....''

''کیا کبھی کسی جادوگر کو اسٹیج پہ کھڑے ٹرک کا راز بتاتے دیکھا ہے آپ نے وان فاتح؟ مگر بیک اسٹیج تو بتایا جا سکتا ہے نا۔ آپ نے کہا تھا کبھی مجھ سے ملنے آؤ حالم مگر میں نے کہا تھا نا کہ میں آپ کی توقعات کے برعکس ہوں سر۔ایسی خواہش نہ کریں تو اچھا ہوگا۔''

فاتح کی قوت گویائی چند لمحے کے لیے زائل ہوگئی۔

''تم....تم حالم ہو؟''

''کوئی مجھے بھی بتائے....حالم کون ہے؟''ایڈم نے ناسمجھی سے باری باری دونوں کو دیکھا مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ تینوں پتھروں کے گرد اُگے درخت اندھیرے میں ڈوبے خاموشی سے ان کو سن رہے تھے۔

''کیا اب میری بات کا یقین کریں گے آپ؟''وہ شکوے سے بولی۔آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔

فاتح نے سر اثبات میں ہلایا۔''بولنا شروع کرو۔''اس کا سارا غصہ' کوفت' حقارت' سب غائب ہو گیا تھا۔

تالیہ نے پہلے اسے دیکھا' پھر ایڈم کو۔''اچھا ہو اگر آپ لوگ مجھے جج نہ کریں۔''

''تم بولنا شروع کرو' تالیہ۔ سچ بولنا صرف شروع میں مشکل لگتا ہے' پھر یہ وقت کے ساتھ ساتھ آسان ہو جاتا ہے۔''وان فاتح کی آواز میں نرمی تھی۔ وہ متوجہ تھا۔ سنجیدہ تھا۔ کچھ بدل گیا تھا۔ میجک شو کے الفاظ کے ساتھ ہی سارا سماں بدل گیا تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی' آنکھوں کے کنارے رگڑے اور اندھیر درختوں کو دیکھ کے کہنے لگی۔''میرا اصل نام تالیہ مراد ہے۔ میں گیارہ برس کی عمر میں ایک چرچ میں پائی گئی تھی۔ پہلے میں نہیں جانتی تھی کہ میں کہاں سے آئی ہوں' لیکن اب....''اس نے گردن اٹھا کے اوپر دیکھا ۔ جہاں گھنے درختوں کے پار گہرا پڑتا آسمان دکھائی دے رہا تھا۔ایڈم نے ٹارچ جلا دی تھی جس سے سفید نیلی سی روشنی تینوں پتھروں کے گرد پھیلی تھی۔

''اب مجھے یقین آرہا ہے کہ شاید داتن درست کہتی تھی۔ میں واقعی پندرہویں صدی کے کسی لکڑہارے کی بیٹی ہوں جو مجبور تھا۔ اس نے چابی بنائی تھی ۔ جانے کس قسم کی۔ میرے باپ کو خزانہ چاہیے تھا گاؤں کے لئے ۔ شاید اس نے مجھے وقت میں آگے بھیج دیا۔ اور میں اکیسویں صدی میں آگئی۔ یتیم خانے کی منتظم نے مجھ سے میرا بریسلیٹ اتروالیا تو چابی ٹوٹ گئی اور میری یادداشت ختم ہوگئی....''

وہ دونوں اسے سن رہے تھے۔ جنگل پہ اندھیرا چھا رہا تھا۔ پرندوں کی آوازیں دم توڑ رہی تھیں۔ اب تالیہ نے سر جھکا لیا تھا۔ ''میں کچھ سال یتیم خانے میں رہی۔ پھر ایک فیملی مجھے اڈاپٹ کر کے لاہور لے گئی۔ وہ میرے اوپر ظلم کرتے تھے۔ میں نوکرانی کی طرح بڑی ہوئی۔ جیب خرچ اور کھانے کے لئے مجھے چوری اور جھوٹ کی عادت پڑ گئی۔ میں چھوٹی باتوں پہ بڑے جھوٹ بولتے ہوئے بڑی ہوئی۔ سات سال پہلے انٹرنیٹ پہ رشتہ ڈھونڈ کے میرے ماں باپ نے میری شادی کر دی۔''

فاتح نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔ ''تم شادی شدہ ہو؟''

تالیہ نے جھکے سر کے ساتھ گردن ہلائی۔ ''وہ کوالالمپور میں رہتا تھا۔ وہی آدمی جو اس روز تم نے دیکھا' ایڈم۔'' (فاتح نے فوراً ایڈم کو دیکھا جس نے اثبات میں سر ہلایا۔) ''ایئرپورٹ پہ آئی تو پتہ چلا وہ میرے ذریعے منی لانڈرنگ کرنا چاہتا ہے۔ میں ایئرپورٹ سے بھاگ گئی۔ داتن کے ساتھ۔ پھر اس سے طلاق لے لی اور....'' وہ بولتی گئی۔ رات گہری پڑتی گئی۔

کوالالمپور میں گزارے سات سال.... حالم بننا اور لوگوں کی چیزیں چرا کے واپس ڈھونڈ لانے کی فیس لینا.... گھائل غزال.... خزانہ.... وہ سب بتاتی گئی۔ اپنے خواب.... تمام جزئیات کے ساتھ۔

''تم نے بتایا کیوں نہیں کہ گھائل غزال نقلی ہے؟'' وہ افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے شاکی نظریں اٹھائیں۔ آس پاس اندھیرا تھا مگر چاندنی کے باعث وہ صاف نظر آرہا تھا۔

''کیونکہ سچ بولنا مجھے مشکل لگتا ہے۔''

''اب کیسے بول رہی ہو۔''

وہ زخمی سا مسکرائی۔ ''کیونکہ اب آپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

دونوں نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''کیا؟''

''سوری ایڈم' مگر ہمیں کوئی لینے نہیں آئے گا۔ ہم وقت کی قید میں پھنس چکے ہیں اور اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ چابی تحلیل ہو چکی ہے۔ دروازہ غائب ہو گیا ہے۔ اور اب چونکہ آپ (فاتح کو دیکھا) مجھے پولیس کے حوالے نہیں کر سکتے تو مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔ ہاں میں چور ہوں' اسکامر ہوں' جھوٹی بھی ہوں۔ پھر کیا کر لیں گے آپ لوگ؟ سوائے مجھ سے نفرت کے؟''

''نہیں تالیہ۔ میں تمہیں جج نہیں کروں گا۔'' وہ اب کے ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔ نہ غصہ۔ نہ کوئی ترحم۔ ''تم نے کہا تم اس کام کو چھوڑنا چاہتی تھیں۔ میرے لیے یہی بہت ہے کہ تمہیں احساس تھا۔ میں ماضی میں رہنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

مگر ایڈم کا ذہن تالیہ کے بے رحم الفاظ پہ اٹک گیا تھا۔ ''آپ ہمت کیوں ہار رہی ہیں؟ پولیس ہمیں لینے آ جائے گی۔''

''کوئی نہیں آئے گا' ایڈم۔ ہم واپس نہیں جا سکتے۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''آئے گا' ضرور آئے گا۔ میں پازیٹو ہوں۔ سر' کیا انسان کو مثبت نہیں ہونا چاہیے؟'' اس نے دکھی ہو کر فاتح کو مخاطب کیا۔

فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ گردن اٹھا کے اوپر دیکھنے لگا تھا۔ آسمان سے آوازیں آنے لگی تھیں۔ گڑگڑاہٹ۔ ذرا سی بجلی چمکی اور پھر.... بڑا تڑ بارش برسنے لگی۔

''یا اللہ!'' تالیہ نے بوکھلا کے بیگ پیک سر پہ تانا۔ تینوں تیزی سے کھڑے ہوئے مگر بوچھاڑ اتنی تیز تھی کہ چند لمحوں میں ہی بھیگ گئے تھے۔

''ہمیں کوئی شیلٹر ڈھونڈنا ہوگا۔'' فاتح نے ٹارچ اٹھا کے روشنی ایک طرف پھینکی۔

''پولیس آئے گی۔ کوئی تو آئے گا۔'' ایڈم اسی طرح مغموم سا کھڑا بھیگ رہا تھا۔ اسے اور کسی بات کی پرواہ نہ تھی۔

''میں نے اس طرف چٹانیں دیکھی تھیں۔ میرے ساتھ آؤ' تم دونوں۔ ایڈم میں کہہ رہا ہوں میرے ساتھ آؤ۔'' وہ بلند آواز میں بولا تو ایڈم چونکا اور پھر اس کے پیچھے چلنے لگا مگر وہ غائب دماغ لگتا تھا۔

جنگل میں اندھیرا تھا اور چاندنی مدھم سی درختوں کے درمیان پہنچ رہی تھی۔ وہ بھی اس لیے کہ پورے چاند کی رات تھی ورنہ درخت اتنے گھنے تھے کہ سورج کی روشنی بھی پوری اندر داخل نہ ہو پاتی تھی۔

''چلو ایڈم۔'' وہ بار بار رک جاتا تو تالیہ کو جھڑک کے کہنا پڑتا۔ فاتح راہ مزل سب سے آگے تھا۔ ٹارچ کی روشنی راستے میں پھینکتا وہ راستہ دکھا رہا تھا۔ درختوں کے درمیان پتھروں' کیچڑ' پتوں اور سوکھی ٹہنیوں کا خاردار راستہ جس کو وہ تینوں آگے پیچھے عبور کر رہے تھے۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' تڑتڑاتی بوندوں کے درمیان وہ چلا کے بولی۔

''اس طرف ایک چٹان میں کھوہ سی بنی تھی۔'' وہ مڑے بغیر تیز تیز چلتا جا رہا تھا۔

''مزید کتنا چلنا پڑے گا؟''

وہ تیورا کے گھوما۔ وہ مکمل بھیگ چکا تھا۔ بال ماتھے پہ گیلے ہو کے جمے تھے اور آنکھوں میں غصہ تھا۔ اس کے رکنے پہ وہ بھی ہڑبڑا کے رکی۔ ''تم پکنک پہ آئی ہو یہاں' ہاں؟''

''میں بس پوچھ رہی تھی۔'' وہ خفیف ہوئی۔ وہ اسے گھور کے واپس مڑا اور تیز تیز چلنے لگا۔

چند منٹ وہ اس گھنے' اندھیر جنگل میں چلتے رہے۔ ساری دنیا جیسے ختم ہو گئی تھی۔ سارے شہر صفحۂ ہستی سے مٹ گئے تھے۔ کائنات بس ایک جنگل تک محدود تھی اور وہ اس میں موجود واحد انسان تھے۔ جیسے طوفان نوح ابھی گزرا ہو.... پانی سمٹ چکا ہو.... اور ان کو دنیا پھر سے آباد کرنی ہو....

ایسی حسین وحشت.....

ایک ڈھلان کے نیچے کھوہ سی بنی تھی۔ چھوٹا سا غار جو پتھروں کے گرنے کے باعث بن گیا تھا۔ اس کا دہانہ کھلا تھا اور وہاں پانی کا تالاب سا بنا پڑا تھا۔ فاتح اس کے کنارے آرکا اور اسے اشارہ کیا۔ (اندر آجاؤ۔) وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ اندر بارش نہیں تھی۔ خشک بھورے پتھروں کی غار.... جیسے کوئی محفوظ سائبان ہو۔ اس نے بیگ اتار کے نیچے پھینک دیا۔ سکون سا محسوس ہوا تھا۔

''اندر آؤ' ایڈم!'' فاتح ابھی تک غار کے دہانے پہ بارش میں کھڑا بھیگ رہا تھا۔ ایڈم قدرے سست روی سے غار میں آیا اور سیدھا ایک کونے میں جا کھڑا ہوا۔ ان دونوں کے سائبان میں آجانے کے بعد وہ اندر داخل ہوا۔

''کیا کوئی بھی ہمیں بچانے نہیں آئے گا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم غائب ہو جائیں اور کسی کو پرواہ بھی نہ ہو۔'' ایڈم وہیں کونے میں بیٹھ گیا اور تھوڑی گھٹنوں پہ ٹکا دی۔ وہ اداس دکھائی دیتا تھا۔ فاتح نے ٹارچ جلا رکھی تھی جس کی روشنی غار کی دیوار پہ گر رہی تھی۔ پورا غار نیلی سرمئی روشنی سے روشن ہو گیا تھا۔

''کوئی نہیں آئے گا' ایڈم۔ بغیر چابی کے کوئی وہ دروازہ کیسے کھولے گا؟ یاد ہے تمہارے پیچھے دروازہ بند ہو گیا تھا۔'' تالیہ اکتا کے بولی۔

''مگر ہمیں مثبت سوچ رکھنی چاہیے۔ یقیناً کوئی آئے گا اور ہمیں بچا لے جائے گا۔''

فاتح خاموشی سے متصل دیوار کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ مسلسل ٹارچ کا بٹن جلا بجھا رہا تھا۔ غار میں روشنی پھیلتی' پھر اندھیرا چھا جاتا۔ پھر روشنی' پھر اندھیرا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''کوئی نہیں آئے گا' ایڈم۔ ہم مصیبت میں پھنس چکے ہیں۔''

ایڈم کی آنکھوں میں کرچیاں سی ابھریں۔ ''کیا کسی کو ہماری پرواہ بھی نہیں ہو گی؟''

''میں بتا رہی ہوں نا' ہم نے دروازہ بند کر دیا تھا۔''

مگر ایڈم نے سر دونوں بازوؤں میں چھپا لیا۔ ''یا اللہ... میرا کیا قصور تھا؟'' وہ بے بسی سے روہانسا ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ چے تالیہ ہمیں اس مصیبت میں پھنسائیں گی تو میں کبھی بھی ملاکہ نہ آتا۔ میں کے ایل سے بھی دور بھاگ جاتا۔''

''میں نے پھنسایا ہے مصیبت میں؟'' وہ غصے سے بلبلائی۔ ''کتنا کہا تھا مجھے سکہ دے دو' تمہیں خود شوق ہوا تھا سراغ رساں بننے کا۔ ہم تمہاری وجہ سے اس میں پھنسے ہیں۔''

''مجھے کوئی شوق نہیں تھا کچھ بھی بننے کا۔'' اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ ''میری شادی ہے دو ماہ بعد۔ میری ایبو اور بابا میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

''تمہیں لگتا ہے مجھے شوق تھا اس.... اس جنگل میں پھنس جانے کا؟ میں کے ایل میں کتنی خوش تھی' میرے کتنے خواب تھے' تم سوچ بھی

نہیں سکتے۔''

''میں بھی کے ایل میں خوش تھا۔ مجھے نہیں چاہیے تھا خزانہ۔ آپ نے مجھے اپنے ساتھ کام کرنے کا کہا تھا۔''

''سارا قصور تمہارا ہے' تم فاتح صاحب کو بھی درمیان میں لے آئے' تم نے مجھے مشکل میں ڈالا ہے' میں نے تمہیں نہیں۔''

وہ دیوار کے ساتھ بیٹھا تھا' اور تالیہ کھڑی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف چہرہ موڑے تیز تیز بولے جا رہے تھے۔

وہ کمر پہ ہاتھ رکھے ان کو دیکھے گیا۔ افسوس سے.....ناپسندیدگی سے.....

بارش تھم گئی تھی۔ جیسے وہ ایک لمحے میں اچانک سے شروع ہوئی تھی' ویسے ہی اچانک سے تھم گئی۔ وہ دونوں ابھی تک تر کی بہ تر کی ایک دوسرے کو موردالزام ٹھہرا رہے تھے۔ فاتح غار سے باہر نکل آیا۔

پتوں اور سوکھی ٹہنیوں سے اٹی زمین کی مٹی گیلی ہو چکی تھی۔ پھسلن زندہ اور گیلی۔ دو قدم چلنا محال تھا۔ وہ ٹارچ کی روشنی سامنے پھینکتا چند میٹر دور چلتا آیا۔

یہاں ایک بڑا سا گڑھا بنا تھا جس میں بارش کا پانی تالاب صورت جمع ہو گیا تھا۔ وہ اس کے کنارے آرکا اور سامنے دیکھا۔

پانی کے دوسرے کنارے پہ آریانہ کھڑی تھی۔ فاتح زخمی سا مسکرایا۔

اسے کبھی خواب نہیں آتے تھے۔ جتنی ڈسٹرب نیند وہ سوئے' وہ خواب نہیں دیکھتا تھا۔ آریانہ تو اسے کبھی خواب میں نہیں دکھائی دی تھی۔ عصرہ کے خوابوں میں وہ اکثر آتی تھی۔ البتہ جب وہ بہت پریشان ہوتا' وہ تصور کرتا کہ آریانہ اس کے سامنے کھڑی ہے اور وہ اس سے بات کر رہا ہے۔ صبح جاگنگ پہ جاتے ہوئے.....کبھی اپنے ڈریسر مرر کے سامنے ٹائی باندھتے ہوئے.....وہ اپنا ذہن کلیئر کرنے اور کسی نتیجے پہ پہنچنے کے لئے اپنا مسئلہ اس تخیلاتی آریانہ کے سامنے رکھا کرتا تھا جو دراصل اس کے سب کانشس مائینڈ سے نکات ڈھونڈ ڈھونڈ کے لاتی اور اس کو جواب دیتی تھی۔ وہ جانتا تھا وہ خود سے باتیں کر رہا ہے' مگر اسے آریانہ کو اس گفتگو کا مخاطب بنانا اچھا لگتا تھا۔

''ڈیڈ!'' وہ سفید لباس میں ملبوس ہیئر بینڈ لگائے' سامنے کھڑی مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں بیٹا۔''

''آپ پریشان ہیں؟''

''بہت زیادہ۔''

''کیوں؟''

''میں پھنس گیا ہوں آریانہ۔ میں اس جادوئی دنیا میں پھنس گیا ہوں۔'' وہ بے بسی سے بولا تھا۔

''اور آپ غصہ بھی ہیں۔''

''ہاں۔ مجھے ان دونوں پہ غصہ آ رہا ہے جو ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہیں۔ مجھے لوگوں کا مظلوم بننا نہیں اچھا لگتا۔''

''تو لوگ کیا کریں؟'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی غور سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں کے درمیان بارش کے پانی سے بھرا نالہ حائل تھا۔

''اس بات کو سمجھ لیں کہ کوئی ہمارے ساتھ برا نہیں کرتا۔ یا تو ہم اسے اجازت دیتے ہیں۔ یا وہ ہماری تقدیر ہوتی ہے۔''

''اور یہ سمجھ کے وہ کیا کریں؟''

''کیا مطلب کیا کریں؟'' اس نے خفگی سے بھنویں بھینچی۔ ''دوسروں کو اپنی حالت کا الزام دینا چھوڑیں' اپنی قسمت کو قبول کریں اور باہر نکل کے دنیا کا مقابلہ کریں۔'' کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے وہ خفگی سے کہہ رہا تھا۔

''اور جو برے واقعات سے ہمارا دل غم کا شکار ہو جاتا ہے' اس کا کیا' ڈیڈ؟'' وہ یاسیت سے پوچھ رہی تھی۔ ہلکی ٹھنڈی ہوا میں اس کے ہیئر بینڈ سے نکلتے بال اڑ اڑ رہے تھے۔

''انسان برے واقعے کو اپنی یادوں میں خود اچھا واقعہ بھی بنا سکتا ہے۔''

''کیسے؟'' آریانہ کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''یہ دیکھ کے کہ غلطی کہاں ہوئی اور شکرادا کر کے کہ اسے ایک سبق سیکھنے کا موقع ملا۔'' وہ اب قدرے آرام سے بول رہا تھا۔ اس کا ذہن دھیرے دھیرے ریلیکس ہو رہا تھا۔

''کیا آپ اس مصیبت کو فیس کر رہے ہیں جو آپ کو پھانسے ہوئے ہے؟''

''میں کم از کم کسی کو الزام نہیں دے رہا۔''

''مگر آپ لیڈر ہیں' ڈیڈ۔ لیڈر کی ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے۔ آپ کو وہ چرواہا بننا ہے جو سرکش بھیڑوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان سے کام لینا جانتا ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے افسوس سے کہہ رہی تھی۔ ''مگر مجھے تو لگ رہا ہے کہ آپ نے خود بھی ان حالات کو قبول نہیں کیا ابھی۔''

''میرا ایک ملک ہے پیچھے' آریانہ۔ مجھے.... ایک.... ملک چلانا ہے۔''

''وہ ملک اب پیچھے رہ گیا ہے' ڈیڈ۔'' اس کے الفاظ وان فاتح کے دل میں بھالے کی طرح کھب گئے۔ تکلیف اتنی تھی کہ چہرے پہ ظاہر ہونے لگی۔

''میں نے اتنے سال ایک مقصد کے لئے کوشش کی ہے۔ وہ.... میرا.... ملک ہے آریانہ! مجھے اگلے ہفتے تک الیکشن کے لیے پیپرز جمع کروانے ہیں۔'' درد اس کے دل سے ہوتا سارے جسم میں سرایت کر رہا تھا۔

''اب وہ سب ختم ہو گیا ہے ڈیڈ۔ اب آپ کو اس جنگل کو قبول کرنا ہوگا۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا اور دو قدم پیچھے ہٹا۔ آنکھوں میں بے پناہ زخمی پن تھا۔ ''میرے بغیر میرے ملک کا کیا ہوگا؟''

''آپ کو اس وقت یہ سوچنا ہے صرف کہ آپ کے بغیر آپ کا کیا ہوگا؟'' وہ بھی دکھی لگ رہی تھی۔

''کیا میرا ملائیشیا وقت کی دھول میں غائب ہو گیا ہے' آریانہ؟'' اس کے حلق میں کچھ پھنسا۔

''ہو سکتا ہے وہ دوبارہ کسی موقع پہ ظاہر ہو جائے' ڈیڈ۔ مگر اس وقت آپ ''سلطنتِ ملاکہ'' میں ہیں۔ یہ جنگل اور اس سے مقابلہ کرنا ہی سب سے بڑی لڑائی ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا مجھے کیا کرنا ہے۔''

''ڈیڈ!'' وہ نرمی سے مسکرائی۔ ''میں اتنے گھنٹوں سے دیکھ رہی تھی۔ آپ اس درخت کے پاس اداس بیٹھے تھے۔ آپ اتنی جلدی اداس نہیں پڑتے تھے مگر وہ آپ کا فطری ردِعمل تھا۔ آپ انسان ہیں' آپ گھبرا سکتے ہیں' میں مانتی ہوں۔ لیکن آپ بہت بہادر انسان ہیں' آپ نے زندگی میں اس سے بڑے امتحان دیکھے ہیں۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''یہ جنگل ڈسٹرکٹ اٹارنی آفس کی دوسری کیمپئین سے زیادہ خوفناک نہیں ہے۔''

''یاد ہے ڈیڈ' کتنے مسئلوں میں پھنسے تھے ہم' مگر نکل آئے تھے نا۔'' وہ ہلکا سا ہنس دی تو اس نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔

''تو اب میں کیا کروں؟''

''آپ نے اپنے ساتھ ان دونوں کو بھی جنگل سے نکالنا ہے۔''

''وہ دونوں میرے لیے اجنبی ہیں۔ ایک میں مجھے دلچسپی نہیں اور دوسری مجھے شدید ناپسند رہی ہے۔''

''لیکن آپ پھر بھی ان کو سنبھال سکتے ہیں' ڈیڈ۔ پارٹی چیئرمین کا الیکشن ابھی نہیں ہوا مگر سب جانتے ہیں کہ موجودہ چیئرمین کی پچھلے ایک سال سے غیر دلچسپی کے باعث باریسن نیشنل کو آپ ہی سنبھال رہے ہیں۔''

''وہ ایک سیاسی پارٹی ہے' بیٹا۔ وہ اور بات ہے۔''

''سیاست ایک جنگل ہے اور باریسن نیشنل کے اس وقت ڈھائی لاکھ سے زیادہ ممبرز ہیں۔ آپ کے کارکن جن سے آپ ہر وقت ای میل' فون' جلسوں' اور باہمی ملاقاتوں کے ذریعے جڑے رہتے ہیں۔ آپ سے جو کارکن ایک دفعہ ملاقات کر لے آپ کو وہ ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ آپ سیاستدان ہیں۔ ڈونٹ ٹیل می جو شخص اپنے ہزاروں کارکنوں کے نام تک یاد رکھتا ہے' وہ ان دو لوگوں کو نہیں سنبھال سکتا؟''

وہ بالآخر مسکرا دیا۔ ''تم چاہتی ہو میں ان دونوں کے بارے میں اپنے جذبات پس پشت ڈال کے ان کو کارکنوں کی طرح ٹریٹ کروں؟ ان سے کام لوں اور ان کو لیڈ کرتے ہوئے اس جنگل سے نکالوں؟''

''آپ کو یقین آ چکا ہے ہے اب تک ڈیڈ' کہ آپ واقعی وقت میں پیچھے جا چکے ہیں۔ آپ کو جنگل سے نکلنا ہو گا اور آبادی ڈھونڈنی ہو گی۔ اس کے لیے آپ کو وہی کرنا ہو گا جو آپ ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں۔''

''Like Father, Like Daughter !'' وہ کھل کے مسکرایا۔

نالے کا دوسرا کنارہ اب خالی تھا۔ آریانہ جا چکی تھی۔

وان فاتح کے ذہن کے سارے جالے صاف ہو چکے تھے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحے گہرے گہرے سانس لیتا رہا پھر آنکھیں کھولیں تو وہ ایک مختلف انسان نظر آتا تھا۔ وہی جو پارلیمان میں گردن کڑا کے کھڑا ہوئے تقریر کرتا تھا... جو کسی جلسے میں اسٹیج پہ کھڑا مسکراتے ہوئے عوام کی طرف ہاتھ ہلاتا تھا.... جو کیمپین آفس میں تیز تیز چلتے ہوئے تحکم سے سٹاف ورکرز کو ہدایات جاری کرتا تھا....وہ چند گھنٹوں کے لئے کھو گیا تھا مگر اب وہ واپس آ چکا تھا۔ اس کے قدم تیزی سے غار کی طرف اٹھنے لگے۔

واپسی کا سفر ویسے بھی جلدی طے ہو جاتا ہے۔

وہ غار کے دہانے تک آیا تو وہ دونوں ابھی تک درشتی سے بحث کر رہے تھے۔ تلخ کلامی اب تالیہ کے چور ہونے تک پہنچ چکی تھی، اور وہ جواباً اس کو سکے کا لالچ آ جانے کا طعنہ دے رہی تھی۔ فاتح نے ٹارچ جلا کے ایک کونے میں کھڑی کی تا کہ سارا غار روشن بھی ہو جائے اور کسی کی آنکھوں میں روشنی بھی نہ پڑے۔

''وہ ٹھیک کہہ رہی ہے ایڈم۔'' وہ سنجیدہ آواز میں بولا تو دونوں نے چونک کے اسے دیکھا۔

''ہمیں لینے کوئی نہیں آئے گا۔ انتظار ترک کر دو۔''

تالیہ کے لب ابھی مسکراہٹ میں ڈھلنے لگے تھے کہ....

''مگر وہ غلط کہہ رہی ہے کہ ہم کبھی واپس نہیں جا سکتے .... ہم جائیں گے اور ضرور جائیں گے کیونکہ نہ میں ایڈم کی طرح انتظار کرتا ہوں کہ دوسرے آ کر مجھے مصیبت سے نکالیں، نہ میں تالیہ کی طرح دنیا میں صرف تلخ حقیقتوں کو دیکھتا ہوں۔'' تالیہ کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ ناک سکوڑ لی۔

''مگر سر...کوئی آئے گا۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے۔ آپ تو خود کہتے تھے کہ ہمیں مثبت سوچنا چاہیے ہمیشہ۔'' اس کے الفاظ غار سے ٹکرا کے واپس پلٹ رہے تھے۔ باہر پانی اور پرندوں کا شور پھر سے سنائی دینے لگا تھا۔

''دوسروں پہ تکیہ کرنا مثبت سوچ نہیں ہوتا۔ وان فاتح نے کبھی دوسروں کا انتظار نہیں کیا کہ وہ آ کر اس کو مصیبت سے نکالیں گے۔ ہمیشہ خود کوشش کی ہے۔ اس سے بڑے بڑے جنگل دیکھے ہیں میں نے اور میں کبھی نہیں ہارا۔ مجھے نہیں معلوم ہم کتنے وقت کے لیے اس جگہ پھنسے ہیں مگر دو باتیں آج دماغ میں بٹھا دو۔''

وہ دونوں دم سادھے اس کو بولتے دیکھ رہے تھے۔ رعب سا رعب تھا۔ ادب سا ادب تھا۔ ایڈم دھیرے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''پہلی بات، ہم یہاں کسی دوسرے کی وجہ سے نہیں پھنسے۔ ہم اپنی مرضی سے آئے تھے۔ اور دوسری یہ کہ.... ہم یہاں سے.... واپس اپنی دنیا میں... ضرور جائیں گے۔ اِز دیٹ کلیئر؟''

تالیہ نے سر ہلا دیا۔ ایڈم نے سر جھکا دیا۔

''مگر تب تک ہمیں ان حالات کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ ایڈم.... تم ملٹری میں رہے ہو، تم نے جنگل میں ٹریننگ حاصل کی ہو گی۔ تم تالیہ کو بتاؤ،

جنگل کے بارے میں پہلی بات کیا پڑھائی جاتی ہے؟'' وہ آستینوں کو مزید موڑتے ہوئے کسی کمانڈر کی طرح حکم دے رہا تھا۔

ایڈم نے چہرہ اٹھایا اور خالی خالی نظروں سے ان دونوں کو دیکھا۔

''بتاؤ ایڈم....ساری دنیا کے جنگلوں کے بارے میں پہلی اور بنیادی بات کون سی بتائی جاتی ہے؟''

ایڈم کے لب ہلے۔

''Never Fight the Jungle.''

غار میں ایک دم ہیبت ناک سی خاموشی چھا گئی۔تالیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

''سنا تم نے تالیہ۔ہم دونوں جانتے ہیں اس بات کو۔تم بھی جان لو۔جنگل سے کبھی لڑائی نہیں کی جاتی۔صرف اس کے اندر سے راستہ بنا کر اس سے نکلنا ہوتا ہے کیونکہ جنگل اور انسان کی لڑائی میں جنگل ہمیشہ جیت جاتا ہے۔''

''لڑیں گے نہیں تو زندہ کیسے رہیں گے؟'' اس کا دل ڈوبا۔

''زندہ رہنے کے لئے لڑنا ضروری نہیں ہے'خود کو زندہ رکھنا ضروری ہے۔'' وہ قدرے نرمی سے بولا تو تالیہ نے سر ہلا دیا مگر وہ ابھی تک متذبذب لگتی تھی۔کیا یہ وہی آدمی تھا جو اتنے دن اس کو نظر انداز کرتا یا جھڑکتا نظر آیا تھا۔اس کے بعد بے اعتباری کا فیز آیا۔پھر چ سن کے چپ ہو گیا اور اب.....؟؟ اتنا نرم؟ اسے حوصلہ ہوا۔

''کیا ہم.....واقعی واپس جا سکتے ہیں۔''

''اگر ہم آسکتے ہیں'تو جا بھی سکتے ہیں۔میں نہیں جانتا کب'لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم دونوں کو واپس لے جانے کے لئے مجھے جو کرنا پڑا'میں کروں گا۔''

''مگر.....''

''تالیہ.....'' وہ ایک دم الرٹ سا سیدھا ہوا۔''ہلنا مت۔''

وہ دیوار سے لگی کھڑی تھی۔آنکھیں حیرت سے چھوٹی کیں۔''کیا ہوا؟''

''ساکن کھڑی رہو۔بالکل اسٹل۔خاموش اور اسٹل۔اب میں جو کہنے جا رہا ہوں'اس پہ ری ایکٹ مت کرنا۔''

وہ بالکل ساکت ہو گئی'مگر چہرے پہ حیرانی تھی۔نظریں گھما کے ایڈم کو دیکھا جو دھیرے دھیرے اس سے دور ہٹ رہا تھا۔''سس.....'' اس نے تب وہ پھنکار سنی۔سارا وجود سن ہو گیا۔

''ریلیکس رہو۔تمہارے سر کے اوپر سانپ ہے اور یہ زہریلا ہے۔مگر ہلنا مت تالیہ۔ہلنا مت۔'' وہ پلک جھپکے بنا اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔وہ دم سادھے کھڑی رہی۔پھر پلکیں جھپک کے اثبات میں اشارہ کیا۔

ایک سیاہ چمکیلا سانپ اوپر دیوار پہ پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔

''اگر تم اچانک ہلیں تو یہ حملہ کر دے گا۔ سانپ ہمیشہ ڈر کے حملہ کرتا ہے۔'' وہ دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا۔ ''ایڈم.... تم بہت آہستہ سے نیچے پڑا بیگ اٹھاؤ اور کھولو۔ تالیہ مجھے بتاؤ' تمہارے پاس کوئی نوکیلی چیز ہے۔''

''خنجر ہے۔'' وہ بدقت بول پائی۔ وہ دیوار سے لگی تھی۔ چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور پیشانی پہ پسینہ آ رہا تھا۔ ایڈم نے آہستہ سے پیر سے بیگ کو قریب کیا اور دھیرے دھیرے نیچے بیٹھا....

سانپ ہل نہیں رہا تھا مگر گردن دائیں بائیں کر کے وہ آگے پیچھے دیکھ رہا تھا۔

''سانپ دشمن ہوتا ہے۔ اور دشمن کو ہرانے کا طریقہ کیا ہے' جانتی ہو؟'' وہ تالیہ کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ ایڈم نے بیگ کی زپ کھولی۔

''کیا؟'' اس کا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا تھا۔

''دشمن کے سامنے panic نہیں کرتے۔ خود کو ریلیکس رکھتے ہیں۔ اس کو علم نہیں ہونا چاہیے کہ تم اس سے ڈرتی ہو۔''

ایڈم نے بیگ کھولا.... اندر چند اوزار رکھے تھے۔ خنجر سامنے ہی تھا۔ سب کچھ بھیگا ہوا تھا۔ اس نے خنجر نکال کے فاتح کے ہاتھ میں دیا۔

''آپ کو....'' وہ فاتح کو دیکھتے ہوئے رک رک کے بولی۔ ''لگتا ہے کہ.... میں.... panic کر رہی ہو؟''

''ظاہر ہے تم panic کر رہی ہو.... بلکہ تم سفید پڑ رہی ہو.... ریلیکس.... ایک سانپ ہی تو ہے۔'' اس نے خنجر دستے سے ہاتھ میں پکڑا۔ نظریں کسی شکاری کی طرح سانپ پہ جمی تھیں۔

''میں .... خوفزدہ.... اس لئے نہیں ہوں کہ....'' اس کے ابرو سے پسینے کے قطرے ٹپ ٹپ گر رہے تھے اور لب ہلائے بغیر بدقت بول رہی تھی۔ ''کہ مجھے سانپ کا ڈر ہے۔''

''ریئلی.... پھر....'' وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا۔ قریب آ رہا تھا....

''مجھے.... اس بات کا ڈر ہے کہ.... آپ دونوں....'' اس نے گلابی پڑتی آنکھوں سے فاتح کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''مجھے.... اس سانپ کے.... حوالے کر کے.... اکیلا.... چھوڑ جائیں گے۔''

وہ ٹھہرا۔ قدرے بے یقینی' قدرے افسوس سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں لگتا ہے میں اتنا برا ہوں؟''

''نہیں۔ آپ کو لگتا ہے کہ میں اتنی بری ہوں۔'' ایک آنسو آنکھ کے کنارے سے ٹپکا اور پسینے کے ساتھ خلط ملط ہو گیا۔

اس نے جواب نہیں دیا۔ سانپ پہ نظریں جمائے مزید قریب آیا اور پھر ایک دم باز و بڑھا کے چاقو اس کے اندر گھونپ دیا۔ لمحے بھر کا عمل تھا۔ سانپ کا سر کٹ کے نیچے جا گرا۔ اور لمبا سا دھڑ دیوار پہ تڑپنے لگا۔

وہ تیزی سے باہر کو بھاگی۔ ایڈم نے سر کے گرتے ہی اسے بوٹ تلے کچل دیا۔

وان فاتح نے اس کا تڑپتا دھڑ اٹھایا اور الٹ پلٹ کے بغور دیکھنے لگا۔ چند سیکنڈ میں اس کی تڑپ دم توڑ گئی۔

وہ ہراساں سی باہر کھڑی تھی۔رسی نما دھڑ اٹھائے وہ باہر آیا اور اسے دور اچھال دیا۔جنگل کے گھنے درختوں اور اونچی نیچی ڈھلان میں وہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔پھر اس نے فرصت سے اس لڑکی کو دیکھا جو بار بار تھوک نگل رہی تھی۔اسے دیکھتا پا کے وہ دوسری جانب دیکھنے لگی

۔

''میں جھوٹے وعدے نہیں کرتا۔اگر آئندہ کہوں کہ میں تمہیں بچا لوں گا تو اس کا مطلب ہے میں.... تمہیں...بچا لوں گا۔''

''ہاں۔جھوٹ تو صرف میں بولتی ہوں۔آپ سب تو بہت عظیم انسان ہیں۔''اس کا جانے کیوں گلا رندھ گیا۔بھیگی آواز میں کہتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

چاندنی اتنی مدھم تھی کہ وہ چند قدم ہی آگے جا پائی۔پھر رکی۔(اگر یہاں بھی سانپ ہوئے؟اوہ نو۔)وہ واپس پلٹی اور غار کی طرف قدم بڑھانے لگی۔مٹی گیلی تھی'اس لئے اس کے قدموں نے چاپ پیدا نہیں کی۔پتے تک نہیں کھڑکے۔وہ غار کے قریب تھی کہ سماعت سے آوازیں ٹکرائیں۔اندر فاتح اور ایڈم کچھ بول رہے تھے۔وہ رک کے سننے لگی۔ایڈم نے جانے منمنا کے کیا کہا تھا'کہ وہ جواب میں کہنے لگا تھا۔

''میں آئندہ کبھی نہ سنوں کہ تم اس کو اس کی پرانی زندگی کا حوالہ دے رہے ہو۔یاد رکھو'اس نے ہم سے سچ بولا ہے۔اس کے لئے بہت ہمت چاہیے ہوتی ہے۔''

وہ چونک کے غار کو دیکھنے لگی۔

''مگر سر'چند گھنٹے پہلے تک تو وہ اسی زندگی میں تھیں۔انہوں نے وہ چھوڑی تو نہیں ہے اور کیا معلوم وہ اب بھی کچھ نہ کچھ جھوٹ بول رہی ہوں۔''

''وہ جھوٹ نہیں بول رہی اب۔''

''ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ وہ اب سچ بول رہی ہیں۔''

''ہمیں پتہ چلانے کی ضرورت ہے بھی نہیں۔ہمیں صرف انسان کے اندر کی اچھائی پہ بھروسہ کرنا ہوتا ہے۔کبھی کبھی کسی پہ ہمارا یقین اس کو سچا بنا دیتا ہے۔بہر حال'آئندہ میں تمہارے منہ سے نہ سنوں یہ سب۔''تالیہ کا دل بھر آیا۔

''آئندہ؟''ایڈم کا دماغ ایک ہی لفظ پہ اٹک گیا۔

''ہاں ایڈم....آئندہ!کیونکہ اس جنگل سے نکلنے میں ہمیں ابھی کافی وقت لگنا ہے....''

''کافی وقت کیوں؟''

''کیونکہ جنگل....زندہ ہوتا ہے۔''

غار کے باہر کھڑی لڑکی جہاں بہت سے بوجھ سے آزاد ہوئی'وہیں ایک بازگشت اسے چاروں طرف سنائی دینے لگی۔

جنگل زندہ ہوتا ہے۔جنگل ہمیشہ زندہ ہوتا ہے۔

☆☆=========☆☆

رات لمحہ بہ لمحہ بیت رہی تھی۔

رات صدی بہ صدی بیت رہی تھی۔

اتنی سیاہ گھور اندھیر رات... لگتا تھا کبھی ختم ہی نہیں ہوگی۔جنگل میں دور دور سے مسلسل آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔پرندوں اور جانوروں کی۔مگر وہ دکھائی نہیں دیتے تھے۔ایڈم غار سے نکل آیا تھا اور باہر ایک پتھر پہ بیٹھا تھا۔فاتح قریب میں ٹارچ سے روشنی ڈالے کچھ تلاش کرر ہا تھا۔آستینیں چڑھا رکھی تھیں اور انداز میں ٹھہراو تھا۔

تالیہ کافی فاصلے پہ بارش کے جمع ہوئے پانی کے جوہڑ کے ساتھ بیٹھی تھی۔سیل کی ٹارچ اس نے جلا رکھی تھی' کہ جانے کب کوئی سانپ بچھو نکل آئے۔جنگل زندہ تھا۔احساس ہو گیا تھا۔پتھروں کے نیچے....درختوں پہ....چٹانوں پہ رینگتے کتنے جانور اور کیڑے مکوڑے ان کے ساتھ موجود تھے۔وہ جنگل کو زندہ رکھے ہوئے تھے۔

اس کے پاس پانی کی ایک ہی بوتل تھی جس سے وہ تینوں پانی پی چکے تھے اور پانی ختم ہو چکا تھا۔کولا کا کین بھی ختم ہو چکا تھا۔شدید حبس اور گرمی ہو رہی تھی۔

"سر..." ایڈم نے فاتح کو یوں پتھروں میں کچھ تلاش کرتے دیکھا تو پکار اٹھا۔"آپ اتنے آرام دہ کیسے لگ ہو گئے ہیں؟ میرا تو مارے مایوسی کے برا حال ہے۔" وہ اداس لگ رہا تھا۔

"وان فاتح نے اس سے بڑے حادثے دیکھے ہیں' ایڈم۔"

"کیا آپ جنگلوں میں بہت آیا کرتے تھے؟ چھٹیوں وغیرہ میں...."

"تم نے تو ملٹری میں ٹریننگ لی ہے' تم سے زیادہ وقت نہیں گزارا ہو گا میں نے جنگلوں میں۔" اس نے ایک لکڑی کی ٹہنی زمین سے اٹھائی اور خنجر سے اسے کاٹا۔

تالیہ رخ موڑے پانی کے قریب بیٹھی تھی' البتہ کان وہیں لگے تھے۔خنجر سے ٹہنی کے کاٹنے کی آواز کی گونج پلٹ پلٹ کے سنائی دی تھی۔

"ملٹری کی یاد بھی تکلیف دہ ہے...." ایڈم نے چہرہ ہاتھوں میں گرا دیا۔"میں وہ سب بھلانے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔"

"کیوں؟" فاتح اس کے سامنے پتھر پہ آبیٹھا اور گھٹنے پہ ٹہنی رکھ لی۔پھر خنجر سے اسے چھیلنے لگا۔

"کیونکہ مجھے نسلی تعصب کی وجہ سے وہاں سے نکالا گیا تھا۔میں وہ سب نہیں بن سکا وہاں جو میرے دوست بنتے گئے۔"

"تو اس میں اتنا غمگین ہونے والی کون سی بات ہے؟ ہر انسان کسی نہ کسی مقام پہ جاب میں دھکا کھاتا ہے۔" وہ اب سر جھکائے لکڑی کو مہارت سے خنجر سے چھیل رہا تھا۔ایڈم نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''سر.....میری جاب چلی گئی' میرا کیریئر ختم ہو گیا۔ اس دھکے نے میری زندگی برباد کر دی۔''

''اور تم نے اس سے کیا سیکھا؟'' خنجر چلاتے ہوئے پوچھا۔ جواب نہیں آیا تو نظریں اٹھا کے ایڈم کو دیکھا۔ ''کیا تم نے اس واقعے سے کچھ نہیں سیکھا؟''

تالیہ نے گھٹنوں سے چہرہ اٹھایا اور مڑ کے اسے دیکھنے لگی۔

''وہ میری زندگی کا ایک ٹریجک ترین واقعہ تھا۔''

''ایڈم' ہمارے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو چیزوں سے آزاد کر دیا تھا۔ ماضی کے غم اور (تالیہ کو کنکھیوں سے دیکھا۔) مستقبل کے خوف سے۔ کوئی برا واقعہ تمہارے ساتھ گزرا بھی ہے تو تم اس کو اپنا استاد بنا لو۔ بس۔ بات ختم۔''

''وہ کیسے؟''

''سوچو کہ یہ کیوں ہوا؟ اور اگلی دفعہ وہ کام نہ کرو۔ اس کو میچور ہونا یا گرو کرنا کہتے ہیں۔ کیوں تم لوگ پرانے غم سینے سے لگائے بیٹھے رہتے ہو۔ دنیا ماضی اور مستقبل کی قید سے آزاد لوگوں کی ہے۔'' چاقو کے لکڑی پہ چلنے کی آوازیں برابر سنائی دے رہی تھیں۔

''مگر مجھے لگتا ہے میں ایک ٹوٹل فیلیئر ہوں۔ میں بات بات پہ گلٹی فیل کرتا ہوں۔ یہ کیا بول دیا' یہ کیوں کر دیا۔''

تالیہ نے ناک سکوڑ کے چہرہ موڑ لیا۔ (گلٹی کا بچہ۔ اتنے دن میرے پیچھے پڑا رہا۔)

''یہ ان لوگوں کی نشانی ہے جو نہ خود سے پیار کرتے ہیں' اور نہ ہی خود پہ بھروسہ کرتے ہیں۔''

''میرے پاس خود سے پیار کرنے کے لئے کوئی وجہ ہی نہیں ہے' سر۔'' اس نے پھر سے چہرہ جھکا لیا۔

''تو پھر خود پہ بھروسہ کرنے کی وجہ ڈھونڈو۔ کسی کام میں تو تم بھی اچھے ہو گے۔'' وہ ٹہنی کو اب ایک طرف سے کاٹ رہا تھا۔ ایسی مہارت سے گویا ساری عمر یہی کام کرتا آیا ہو۔

''اگر ہوتا تو جاب نہ مل جاتی؟ میرا تو کوئی ٹیلنٹ ہی نہیں ہے۔'' اس کی گردن ابھی تک جھکی تھی۔ اطراف میں کھڑے اونچے درخت خاموشی سے ان کو دیکھتے رہے۔

''ہر انسان میں کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ تم میں بھی ہو گا۔ مایوسی چھوڑو' اور یاد کرو۔ تم نے صباح کے جنگلوں میں تربیت لی ہے۔ جنگل میں انسان کو جو معلوم ہوتا ہے' وہ اس کی جان بچاتا ہے' اور جو معلوم نہیں ہوتا (توقف کیا) وہ مار ڈالتا ہے۔''

اس کی آواز کی سنسنی اور رات کا اندھیرا۔ تالیہ کو اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔

ایڈم نے پیشانی کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ ''مجھے کچھ بھی نہیں یاد۔ ہم تربیت لیتے تھے۔ ہمارے پاس گنز ہوتی تھیں۔ ہم دشمن کا سوچتے تھے۔ دشمن کے مورچے' باوردی سرنگیں۔'' اس نے کراہ کے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں ایک ٹوٹل فیلیئر ہوں سر۔''

دان فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ لکڑی کو چھیلتا رہا۔ ایڈم چند لمحے بے بسی سے اسے دیکھتا رہا' پھر لبوں کو جنبش دی۔ ''آپ کی بیٹی بھی

پہاڑوں میں کھوئی تھی نا' سر۔"

خنجر سے لکڑی کو چھیلتے اس کے ہاتھ تھمے۔سوگواریت سے مسکرایا اور نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔"ہاں۔گیٹنگ ہائی لینڈ کے ٹریک پہ۔"

تالیہ پھر سے مڑ کے اس کو دیکھنے لگی۔اسے آریانہ کے ذکر پہ وان فاتح کے چہرے پہ جس دکھ کی توقع تھی' وہ وہاں نہیں تھا۔

"کیا آپ اس کے بعد دوبارہ بھی جنگل یا پہاڑوں میں گئے؟ آپ کو تکلیف نہیں ہوتی تھی؟"

"ظاہر ہے' میں گیا۔اور تکلیف کا علاج فرار سے نہیں کیا جاتا۔جو تکلیف دیتا ہے' اس سے بھاگ جاؤ تو کیا زخم بھر جائے گا؟ نہیں' بے وقوف انسان۔ماضی سے نکل کے حال میں جینے سے زخم بھرتے ہیں۔تالیہ....مجھے تمہارا کوٹ چاہیے۔" آخر میں گردن گھما کے پانی کی طرف دیکھا جہاں وہ گردن موڑے بیٹھی اسی طرف دیکھ رہی تھی۔

"میرا کوٹ کیوں؟" اس نے اچنبھے سے ساتھ رکھے کوٹ کو دیکھا جو گرمی کے باعث اس نے اتار دیا تھا' پھر اسے اٹھایا اور گول مول کر کے فاتح کی طرف اچھال دیا۔

"کیونکہ میں فیز تھری میں ہوں' اور تم دونوں ابھی فیز ون سے نہیں نکلے۔" کوٹ اس کے قریب گرا تو فاتح نے جھک کے وہ اٹھایا اور اسے الٹایا۔پھر اندر ایک جگہ خنجر رکھا۔"جنگل میں آنے کے بعد....تمہیں ملٹری میں بتایا گیا ہوگا ایڈم...انسان تین فیزز سے گزرتا ہے۔" خنجر کو اندر گھونپا اور زور سے نیچے لایا۔کوٹ کی اندرونی لائننگ شڑپ کی آواز کے ساتھ کٹتی چلی گئی۔تالیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔(میرا رالف لارین کا کوٹ۔)

"فیز ون....جب انسان جنگل میں اترتا ہے' اور اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون سی دنیا میں آ گیا ہے۔خوف کا فیز۔"

اب وہ ہاتھوں سے لائننگ پھاڑ رہا تھا۔ریشمی کپڑے کے پھٹنے کی آواز دور دور تک جاتی اور بازگشت پلٹ کے سنائی دیتی۔

"فیز ٹو....جب اسے احساس ہوتا ہے کہ جنگل زندہ ہے۔سانپ' بچھو' کیڑے....وہ اس کے فرش اور درختوں میں چھپ کر انسان کو دیکھ رہے ہیں۔"

تالیہ کی گردن کے بال کھڑے ہونے لگے۔وہ پانی سے ذرا دور ہٹی۔ایڈم نے اپنے پیر اوپر نیچے کر کے دوسرے پتھر پہ رکھ لیے۔

"اور فیز تھری!" اس نے خنجر رکھ دیا اور کوٹ اٹھا کے دیکھا۔لائننگ کھل جانے کے باعث جو بڑا سا کپڑا بن گیا تھا۔"جب انسان جنگل سے لڑنے کا ارادہ ترک کر کے سمجھداری سے پلان بناتا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے' اور کہاں جانا ہے۔بہتر ہوگا اگر تم لوگ جلد اپنے حالات سے سمجھوتہ کر لو اور آگے کا سوچو۔" وہ کوٹ اور ٹہنی اٹھائے کھڑا ہوا اور ٹارچ کی روشنی آگے پھینکتا ایک طرف چلتا گیا۔وہ دونوں گردنیں موڑ کے اسے جاتے دیکھتے رہے' یہاں تک کہ روشنی غائب ہوگئی۔

"فاتح صاحب کہاں گئے؟" وہ بول اٹھا۔

"وہ اتنے مطمئن کیسے ہو سکتے ہیں؟" وہ بڑبڑائی۔گردن اٹھا کے اطراف کو دیکھا جہاں مہیب' پراسرار درخت اسے دیکھ رہے تھے۔

زندہ درخت۔زندہ جنگل۔اسے جھرجھری آئی۔ایڈم بھی یہی سوچ رہا تھا مگر بولا نہیں۔

دور.....کافی فاصلے پہ وہ ٹارچ کی روشنی آگے ڈالتا چلا جا رہا تھا۔سفید لباس والی آریانہ چپکے سے اس کے ساتھ چلنے لگی تھی۔

''مجھے پتہ ہے ڈیڈ' آپ ان کے سامنے خود کو کتنا مضبوط ظاہر کریں' آپ خود بھی پریشان ہیں۔''

''ظاہر ہے میں پریشان ہوں'فرسٹریٹڈ ہوں' بلکہ وحشت زدہ ہوں۔'' وہ ایک درخت کے قریب رکا اور اس سے لگی موٹی ٹہنی کو چھوا۔

''تو آپ کو واقعی یقین ہے کہ آپ ان کو اس جنگل سے نکال لیں گے؟''

''میں نے تمہیں ہمیشہ کیا سکھایا ہے آریانہ؟'' وہ آرام سے بولتے ہوئے ٹہنی کو درخت سے اتارنے لگا جو بل کی صورت میں اس سے لپٹی ہوئی تھی۔''انسان امید نہیں چھوڑتا۔ جتنے برے حالات ہوں' آنکھیں ہمیشہ'انعام'' پہ رکھنی ہوتی ہیں۔صبر کے میٹھے پھل پہ۔''

''Eyes on the Prize!'' وہ ہلکا سا ہنسی۔مگر اس کی ہنسی کی بازگشت نہیں سنائی دیتی تھی۔

''اور اگر میں ان دونوں کو ایک جنگل سے نہ نکال سکا...'' اس نے ٹہنی اتارتے ہوئے زخمی سا مسکرا کے آریانہ کو دیکھا۔''تو میں اپنے ملک کے کروڑوں لوگوں کو ان حالات سے کیسے نکالوں گا جس میں وہ جی رہے ہیں؟''

وہ مسکرا دی۔فاتح ٹہنی کے بل کھولنے لگا۔جب اسے اتار کے وہ مڑا تو آریانہ غائب ہو چکی تھی۔

وہ گہری سانس لے کر واپسی کے لئے قدم اٹھانے لگا۔

'Eyes on the Prize'

☆☆=========☆☆

رات ایسی طویل تھی کہ کٹتی ہی نہیں تھی۔اندھیرا چھٹتا ہی نہیں تھا۔چاند کی روشنی پہنچتی ہی نہیں تھی۔اس کے موبائل کی بیٹری گر رہی تھی مگر وہ پھر بھی اسے جلائے بیٹھی تھی۔نیند کا احساس تو غالب نہیں آیا مگر اب بالآخر بھوک لگنے لگی تھی۔

پتھروں اور پتوں پہ بوٹ رکھنے کی آواز آئی تو وہ چونکی۔فاتح اس کی طرف آ رہا تھا۔وہ ذرا چوکنی سی ہو کے بیٹھی۔مڑ کے نہیں دیکھا۔وہ اس کے ساتھ والے پتھر پہ آ کے بیٹھا اور کوٹ کا ٹکڑا اس کو دکھایا۔

''تمہیں اس کی ضرورت تو نہیں تھی؟''

اس نے اداس نظریں اٹھا کے اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔''نہیں تو انکل۔'' آواز دھیمی تھی۔

''کیا تمہارے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے؟''

''چاکلیٹ.....رکھتے رکھتے رہ گئی۔اب بہت یاد آ رہی ہیں۔''

''صبح ہوتے ہی ہم کھانا ڈھونڈیں گے۔فکر مت کرو۔'' وہ نرمی سے کہتے ہوئے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔تالیہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''میں نے آپ کے گھر میں چوری کی.....آپ کو حالم بن کے دھوکہ دیا۔گھائل غزال.....نیلامی.....گھر خریدنا.....پینٹنگ بنانا.....میں نے

اتنے اسکام کیے اور آپ ایک دم میرے ساتھ اچھے ہو گئے ہیں۔ کیوں؟"

"کیونکہ تم نے مجھ سے سچ بولا ہے۔" وہ اسی نرمی سے بولا تھا۔

"میرے پاس کوئی اور آپشن تھا کیا؟"

"تالیہ اگر تم اب ہمیشہ...." اس کی آنکھوں میں دیکھ کیا الفاظ ادا کیے۔ "مجھ سے سچ بولو گی.... تو مجھے تم سے کوئی پرابلم نہیں ہو گی۔"

"مگر آپ دل سے میری عزت نہیں کرتے نا۔" وہ دکھی ہوئی۔ "اگر ہم واپس گئے بھی تو آپ مجھے ایک دن میں ہی بھول جائیں گے۔"

"تمہیں واپس جانے کا یقین نہیں ہے؟" رات کے اندھیرے میں وہ شخص سامنے بیٹھا تھا جس پہ ایک دوسری دنیا میں جانے کتنے لوگ فدا تھے۔ جس کا ایک ایک منٹ کیلکولیٹڈ ہوتا تھا۔ پولیٹیکل سیکرٹری کی ڈائری میں نوٹ شدہ۔ اور اب....وہ اس کے سامنے فرصت سے بیٹھا تھا۔ ایک تنہا جنگل میں۔ جہاں کرنے کو کوئی اور کام نہ تھا۔

"میں کبھی بھی ہمت نہیں ہارتی تھی' تو انکو۔ ایڈم کی طرح میں ماضی میں بھی نہیں رہتی۔" وہ سوگواریت سے پانی کو دیکھتے ہوئے بتانے لگی۔ "میرے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔ پلان اے فیل ہوا تو سی' نہیں تو ڈی۔"

"اور بی؟"

"تالیہ کے پلان ہیں' تالیہ کی مرضی۔" ذرا سے کندھے اچکائے۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"مگر اب میرے پاس کوئی پلان نہیں ہے۔" اس نے تھوڑی گھٹنوں پہ رکھ دی اور تالاب کو دیکھنے لگی۔ "میں اتنے عرصے سے ایک بڑی واردات کا انتظار کر رہی تھی۔ میرے مستقبل کے سارے خواب اس کے ساتھ جڑے تھے۔ پھر خزانے کا ذکر آیا تو مجھے لگا' یہی میرے سارے مسئلوں کا حل ہے لیکن اب.... جب خزانہ نہیں ہے تو میرا مستقبل ہی ختم ہو گیا ہے۔ مجھے کوئی امید نہیں رہی۔"

"تم مستقبل کے خوف کا شکار ہو۔ یہ ماضی کے غم جیسا ہی برا ہوتا ہے۔" وہ افسوس سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ اندھیر جنگل خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ اور دور بیٹھا ایڈم بھی۔

"آپ کو مستقبل سے خوف نہیں آتا؟"

"مثلاً کس چیز سے"

"جب آپ وزیر اعظم نہیں بنیں گے تو جو جگ ہنسائی اور شرمندگی ہو گی۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ آپ وزیر اعظم نہیں بن سکتے' تو انکو۔"

"اچھا۔" وہ دلچسپی سے مسکرایا۔ "اور میں وزیر اعظم کیوں نہیں بن سکتا۔"

"کیونکہ آپ سیاسی طور پہ مضبوط نہیں ہیں۔ سیاستدان آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ آپ ان جیسے داؤ پیچ آزمانا نہیں جانتے۔ آپ...." اس کی آواز بلند ہوئی۔ بے بسی بھرے غصے سے۔ "آخر آپ کیوں لڑ رہے ہیں سیاسی جنگیں آپ کو خود بھی معلوم ہے کہ آپ نے ہار جانا ہے۔ آپ سب چھوڑ کے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ملک سے چلے کیوں نہیں جاتے؟"

''تم نے کبھی فٹبال میچ دیکھا ہے؟'' وہ اسی طرح دلچسپی سے مسکراتا گویا ہوا تو تالیہ نے گہری سانس لی اور اعصاب کو ڈھیلا چھوڑا۔

''جی تو انکو۔ دیکھا ہے۔''

''ایک دفعہ میں امریکہ میں ایک میچ دیکھنے گیا۔ بچپن کی بات ہے۔ جانتی ہو ایک ٹیم نے چار گول کر لیے تھے' اور دوسری کے گول صفر تھے۔ میچ کے آخری تین منٹ تھے اور دوسری ٹیم کے کھلاڑی آخری حد تک مقابلہ کر رہے تھے۔ بار بار حملہ کرتے۔ ہمت ہارے بغیر۔ تین منٹ میں ان کو جیتنے کے لیے پانچ گول چاہیے تھے۔''

''وہ تین منٹ میں پانچ گول تو نہیں کر سکتے تھے' پھر کیوں؟''

''یہی تو میں نے سوچا.... سب کو معلوم ہے کہ پہلی ٹیم جیت جائے گی' پھر دوسری ٹیم آخری سیکنڈ تک کیوں لڑ رہی ہے؟ ہتھیار ڈال دے اور بس کر دے۔ اور پھر پہلی ٹیم جیت بھی گئی لیکن آخری سیکنڈ تک دوسری ٹیم کے لڑکے جواں مردی سے لگے رہے۔''

خاموش مگر زندہ جنگل سن رہا تھا۔ ایک ایک حرف کو بغور پرکھ رہا تھا۔ وان فاتح کہے جا رہا تھا۔

''مگر جب میں بڑا ہوا اور میں نے دنیا دیکھی تو مجھے احساس ہوا کہ... لڑائی صرف جیتنے کے لئے نہیں لڑی جاتی۔ دوسری ٹیم ہتھیار ڈالتی' تو بھی ہار جاتی۔ آخری منٹ تک مقابلہ کرتی تو بھی ہار جاتی۔ پھر بھی اس نے لڑنے کو اس لئے چنا کیونکہ جب ہم لڑ کے ہارتے ہیں تو ہم اس سے کچھ سیکھتے ہیں۔''

تالیہ کا موبائل پتھر پہ پڑا چمک رہا تھا اور اس کی روشنی فاتح کے چہرے کو منور کیے ہوئے تھی۔

''پھر ہم اپنی غلطیوں کا جائزہ امید کے ساتھ لیتے ہیں اور اگلی دفعہ زیادہ جذبے سے میدان میں اترتے ہیں۔ زندگی میں یا ہم نیچے جا رہے ہوتے ہیں' یا اوپر۔ ہمیں ہر لمحہ خود کو اپنے کیریئر' رشتوں' اور عمل میں بہتر کرنا ہوتا ہے۔ جہاں ہم رکے.... وہاں ہم (ہاتھ سے اشارہ کیا) نیچے گئے۔''

''آپ کو اس بھیانک جنگل میں کون سی امید نظر آ رہی ہے؟ میری تو زندگی ہی ختم ہو گئی ہے۔''

وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ وہ شدید مضطرب اور چڑچڑی دکھائی دیتی تھی۔

''تم نے کہا تم ان کاموں کو چھوڑ دینا چاہتی تھیں۔ کیوں؟''

''کیونکہ میں تنگ آ گئی تھی۔'' وہ دبا دبا سا چلائی۔ اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ ''میں لوگوں کو دھوکے دے دے کر ان سے جھوٹ بول بول کر بے زار آ چکی تھی۔ مجھے سکون چاہیے تھا۔''

''گڈ۔ اب تمہیں یہاں کسی سے جھوٹ نہیں بولنا پڑے گا۔''

تالیہ مراد بالکل ٹھہر گئی۔ گم صم۔ لاجواب۔

''یوسی....'' وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اٹھا۔ ''تم یہاں بنا خوف و خطر سچ بول سکتی ہو۔ یہاں کوئی پولیس نہیں ہے۔ اگر یہ واقعی پندرہویں

صدی ہے تو یہاں کوئی تمہیں اکیسویں صدی کے جرائم کے لئے نہیں پکڑے گا' تالیہ۔ تم نئے سرے سے سب شروع کر سکتی ہو۔"

اس کے کھڑے ہوتے ہی آسمان کا وہ ذرا ذرا سا حصہ جو گھنے درختوں سے نظر آتا تھا' سفید پڑنے لگا۔ سورج کی پہلی کرنیں درختوں کے بیچ سے گزر کے جنگل کے فرش پہ پڑیں تو وہ دنگ رہ گئی۔

رات کو بالآخر صبح نے مات دے دی تھی' رات دم توڑ گئی تھی۔ کیا واقعی؟

وہ تو سمجھنے لگی تھی کہ دنیا سے سارے اجالے ختم ہو گئے تھے مگر...نہیں....

اس نے چونک کے وان فاتح کو دیکھا جو اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا....امید ابھی باقی تھی۔

اس کے چہرے پہ مغموم مسکراہٹ بکھر گئی۔ فاتح کو دیکھتے ہوئے اس نے سر کو خم دیا۔ گویا کچھ باتیں دماغ میں بیٹھی تھیں۔

"میں کچھ کھانے کے لئے ڈھونڈتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے مڑا اور درختوں کی قطار کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ یکدم رکا اور ہاتھ کو جھٹکا دیا۔ کوئی جھکی ہوئی نوکیلی شاخ اس کے ہاتھ کی پشت کو کھرچ گئی تھی۔ جنگل میں ہر طرف سب کچھ اتنا نوکیلا اور تیز تھا کہ بچنا ناممکن تھا۔ وہ رک کے اپنا ہاتھ دیکھنے لگا۔ سطح پہ معمولی سا کٹ لگا تھا اور خون کے دو قطرے بہے تھے۔

"تو انکو!" وہ پریشانی سے کھڑی ہوئی۔ "آپ کو زخم آیا ہے۔"

"ذرا سا کٹ ہے۔"

"آف کورس مجھے پتہ ہے کہ یہ ذرا سا کٹ ہے مگر یہ اوپن wound ہے اور ہم جنگل میں ہیں۔ یہ تو septic ہو جائے گا۔" وہ اٹھی اور فکرمندی سے کہتی قریب آئی۔

ایڈم جو ابھی تک سامنے اداس سا بیٹھا تھا' بس سر اٹھا کے دیکھنے لگا۔ افسوس اور مزید اداسی سے۔

"امید ہے septic نہیں ہوگا۔" فاتح نے ہاتھ نیچے کر لیا اور عام سے انداز میں تسلی دی مگر وہ پریشانی سے اسے دیکھتی رہی۔

"میرے پاس تو صرف اوزار ہیں۔ کوئی اینٹی سیپٹک ساتھ رکھنے کی عادت ہی نہیں ڈالی کبھی خود کو۔ اب کیا ہو گا؟ ہم تو ان چھوٹے چھوٹے زخموں سے ہی مر جائیں گے۔" صبح کی پھیلتی سفیدی بھی اس کی امید کو ناامیدی میں بدلنے سے نہ روک سکی۔

ایڈم بن محمد نے ایک دم سر اٹھایا۔ "antiseptic" وہ بڑبڑایا۔

دونوں نے گردنیں موڑ کے اسے دیکھا۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں وہ کھڑا ہوا تھا۔

"ہمیں اینٹی سیپٹک کی کیا ضرورت ہے؟ ہم رین فوریسٹ میں ہیں۔ یہ قدرت کی سب سے بڑی میڈیسن کیبنٹ ہے۔" چونکنے ہوئے انداز میں ایڈم اپنی ایڑیوں پہ گھوما۔ گول چکر کی صورت اس نے چاروں طرف دیکھا۔

(رین فاریسٹ اور جنگل میں فرق یہ ہوتا ہے کہ جنگل میں درخت بھی ہوتے ہیں' آسمان بھی دکھائی دیتا ہے اور زمین پہ پودے اور جھاڑیاں بھی اُگی ہوتی ہیں۔ رین فاریسٹ کے درخت اتنے گنجلک ہوتے ہیں' اور اوپر جا کے اتنے گھنے ہو جاتے ہیں کہ ان کی کینوپی سی بن

جاتی ہے۔سورج کی روشنی زمین تک نہیں پہنچ سکتی۔سو زمین پہ پودے اور جھاڑیاں کم کم ہوتے ہیں۔اور درخت بارش کے پانی کے باعث نشو ونما پاتے ہیں۔)

وہ جو پہلے درختوں سے اٹا جنگل دکھائی دے رہا تھا...ایک دم وہ کچھ اور دکھائی دینے لگا...مختلف قسم کے پتے...مختلف قسم کی لکڑیاں...کہیں کہیں اُگے جنگلی پھول...جڑی بوٹیاں...ہر شے جیسے چمکنے لگی تھی...ان کے نام...ان کے کام...صبح کی سفیدی نے ذہن کو کسی اور طرح سے بیدار کر دیا تھا۔

''ملائیشیاء کے رین فاریسٹ میں دس ہزار سے زیادہ اقسام کے پودے اور درخت ہوتے ہیں۔یہ تو قدرت کی پوری فارمیسی ہے۔''وہ مسحور سا کہہ رہا تھا۔

''تمہیں کیسے معلوم؟''وہ مشتبہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''سیریسلی چے تالیہ...آپ کتابیں نہیں پڑھتیں کیا؟''وہ تیزی سے فاتح کے قریب آیا جو غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔پھر اس کا ہاتھ اٹھا کے دیکھا۔

''ہمیں جنگل میں سکھایا گیا تھا کہ کیا کھانا ہے اور زخم پہ کیا لگانا ہے اور میں خود جڑی بوٹیوں سے اپنے دمے کا علاج کرتا تھا۔میرے پاس ایک کتاب بھی تھی۔''اس نے فاتح کا ہاتھ اٹھا کے معائنہ کیا۔''آپ کا اوپن wound ہے۔اس کے لئے ہمیں...''اس نے ادھر ادھر دیکھا۔''destroyer پلانٹ کے پتے چاہیے ہیں۔رین فاریسٹ میں اس کی بہتات ہوتی ہے۔مجھے لگتا ہے میں نے سفید پھولوں والا یہ پودا کل اس طرف دیکھا تھا۔میں ابھی لے کر آتا ہوں۔''

''اور ساتھ میں کچھ کھانے کے لئے بھی۔''فاتح مسکرا کے اس کا جوش دیکھ رہا تھا۔

ایڈم کی رنگت بدلی ہوئی تھی۔وہ بے کار اور ناکام نہیں ہے'یہ خیال اس کے اندر بجلیاں بھر رہا تھا۔اس نے جلدی سے تالیہ کا خنجر اٹھایا اور آگے بڑھ گیا۔پھر ذرا ٹھہرا اور قریب میں ایک پودے کے پتوں کو توڑ مروڑ کے ان کا رخ موڑ دیا۔چند قدم آگے بڑھا اور قطار میں ایک اور پودے کے پتے مروڑ کے موڑے۔

''یہ کیا کر رہا ہے؟''وہ ابھی تک شک سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''وہ راستے پہ نشانیاں چھوڑ رہا ہے۔تا کہ واپس آسانی سے پہنچ جائے۔وہ خود پہ بھروسہ کرنا سیکھ رہا ہے۔جو اسے معلوم ہے'وہ جان بچائے گا'جو نہیں معلوم'وہ جان لے سکتا ہے۔''وہ کمر پہ ہاتھ رکھے مسکرا کے اسے دور جاتے دیکھ رہا تھا۔پھر تالیہ کا چہرہ دیکھا۔''تم فکر مت کرو۔وہ کھانے کے لئے کچھ لے آئے گا۔پھر ہم اگلا لائحہ عمل تیار کریں گے۔''

''اوکے!''اس نے اثبات میں سر ہلایا اور مسکرائی۔چلو شکر ہے وہ صحرا میں نہیں تھے'بلکہ جنگل میں تھے۔یہاں مختلف پھل مل جائیں گے کھانے کے لئے۔پانی کے تازہ جھرنے بھی کہیں بہہ رہے تھے'آواز آرہی تھی۔یہ بارش کے پانی کا جوہڑ تو گندا تھا'مگر جھرنے تک جب

وہ جائیں گے تو خوب سیر ہو کے پی لیں گے۔

اس نے خود کو تسلی دی۔

جنگل میں اچھی خاصی روشنی پھیل چکی تھی۔ درخت کافی اونچے تھے اور اوپر جا کر ان کے پتے آپس میں گلے مل رہے تھے' گویا سبز سی چھت بنا رکھی تھی۔ سبز چھت کے درمیان بڑے بڑے سوراخوں سے روشنی چھاؤں کی صورت اندر آتی لیکن گرمی اور حبس بلا کا تھا۔

روشنی سنہری ہو گئی تھی جب ایڈم واپس آیا۔ اپنی اوپری شرٹ اس نے اتار دی تھی اور اب صرف سیاہ شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ دوسری شرٹ میں جانے کون سے پتے اور جڑی بوٹیاں بھر لایا تھا۔

فاتح وہیں پتھر پہ بیٹھا تھا۔ ایڈم نے اس کا ہاتھ تھاما اور ایک پتے کو مروڑ کے اس کا رس زخم پہ لگایا۔

''یہ کسی بھی اینٹی سپٹک سے زیادہ تیزی سے اثر کرے گا۔'' وہ جوش سے بتا رہا تھا۔

''تھینک یو ایڈم!'' وہ مسکرا کے اس کا انداز دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ کھڑا ہوا اور ایک پتے میں کچھ لپٹا ہوا تالیہ کی طرف بڑھایا۔

''یہ کھانے کے لئے ہے۔'' تالیہ کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ اس نے بھاری سادہ پتا پکڑا اور ساتھ پتھر پہ بیٹھی۔ گھٹنوں پہ پتا رکھ کے کھولا تو مسکراہٹ غائب ہوئی۔

پتے پہ ایک قطار سے کوئی انگلی جتنی چیزیں رکھی تھیں۔ پہلے اسے اچنبھا ہوا۔ گردن جھکائی۔ پھر ان چیزوں کے پر' ٹانگیں باز و نظر آئے تو وہ بلبلا کے کھڑی ہوئی۔

''یہ تو Grass hoppers ہیں۔'' بے یقینی سے آنکھیں پھاڑ کے اسے دیکھا۔ ''تم... تم گراس ہوپرز لائے ہو؟''

''ریلیکس بے تالیہ! ان کے سر کاٹ دیے تھے میں نے۔ اب آپ کھا سکتی ہیں۔ میں نے بھی دو کھائے ہیں۔ ادھر یہی ملے گا۔''

وہ گردن پہ ہاتھ رکھتی دور ہٹی۔ اسے متلی ہونے لگی تھی۔ ''دور ہو جاؤ تم مجھ سے ایڈم!''

''گراس ہوپر میں انرجی ہوتی ہے۔ میں نے اتنی مشکل سے پکڑے ہیں۔ انرجی نہیں ہو گی تو آپ زیادہ دیر چل نہیں سکیں گی۔''

''چپ کر جاؤ' ایڈم!''

''وہ درست کہہ رہا ہے۔ جنگل سے لڑتے نہیں ہیں' تالیہ۔ آنکھیں بند کر کے کھا لو۔''

''گراس ہوپرز؟'' اس نے صدمے سے ان دونوں کو باری باری دیکھا۔ ''پورے جنگل میں اس کو صرف گراس ہوپرز ملے؟ کوئی پھل' کوئی سبزی.... کچھ نہیں ملا؟''

''بے تالیہ.... میں کتنا چل سکتا تھا؟ مجھے سامنے یہی نظر آیا۔ اور یہ جنگل نہیں ہے۔ یہ رین فاریسٹ ہے۔''

''میں.... میں جھرنے کی طرف جا رہی ہوں۔'' اس کا اندر کھول رہا تھا۔ وہ تیزی سے مڑی۔ جہاں سے جھرنے کی آواز آ رہی تھی' اس

طرف بڑھی۔

''سوری مگر آپ جھرنے کا پانی نہیں پی سکتیں۔ نہ بارش کا پانی پی سکتی ہیں۔'' وہ اب اپنے پتے اور پھول جوڑ رہا تھا جیسے اپنی میڈیسن کیبینٹ سے بہت خوش ہو۔

وہ تلملا کے پلٹی اور گھور کے اسے دیکھا۔ ''وہ کیوں؟''

''کیونکہ وہ پانی صاف نہیں ہوتا۔ اس میں جراثیم اور پیراسائیٹ ہوتے ہیں۔ اس کو ابالے بغیر نہیں پیا جا سکتا اور درختوں کی لکڑی اتنی گیلی ہے کہ ہم اسے جلا بھی نہیں سکتے۔'' تالیہ کا دل ڈوبنے لگا۔ امید پھر سے ناامیدی میں بدلنے لگی۔

''تو ہم پانی کیسے پئیں گے؟ ہم کیسے زندہ رہیں گے؟'' خاموش کھڑے درختوں کی ہیبت پھر سے طاری ہونے لگی۔

''یہ ٹہنیاں...'' فاتح نے بیٹھے بیٹھے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ جانے بانس کا درخت تھا یا کیا' اس کی سیدھی سیدھی ٹہنیاں تھیں۔ جیسے بھوری لکڑی کی ڈنڈیاں ہوں۔

''ان کو کاٹیں گے تو اندر سے پانی نکلے گا۔ تازہ خالص پانی۔ تم وہ پی سکو گی۔''

تالیہ چپ ہو گئی۔ پھر ایک ناپسندیدہ نظر پتے پہ قطار میں رکھے گراس ہوپرز پہ ڈالی جن کے سر کٹے ہوئے تھے۔ (بدتمیز انسان نے رکھے بھی کیسے سجا کے ہیں۔)

''مگر... یااللہ.... میں یہ کیسے کھا سکتی ہوں؟''

''اچھا؟ میں تو سمجھا تھا تم ایوریج فیری ٹیل گرل نہیں ہو۔'' وہ سادگی سے بولا۔ سفید شرٹ گدلی ہو رہی تھی مگر چہرہ جھرنے سے ابھی دھو کے آیا تھا اور تازہ دم مسکرا رہا تھا۔ گیلے بال ہاتھ سے پیچھے کو کر دیے تھے۔

تالیہ نے لب بھینچ لیے۔ وہ دونوں اب پہلے سے زیادہ آرام دہ نظر آتے تھے۔ فیئر تو۔

''میں.... ایوریج فیری ٹیل گرل.... ہوں بھی نہیں۔'' وہ چبا چبا کے بولی اور قریب آئی۔ پتے سے ایک مرا ہوا گراس ہوپر اٹھایا۔ (آخ تھو) مگر ساری کراہیت کو اندر دبائے' اس نے وہ منہ میں ڈال لیا۔ آنکھیں زور سے میچیں اور چبایا۔

کرنچی.... کرسپی اور انتہائی بدذائقہ۔ یااللہ۔ مگر کراہ تک منہ سے نہیں نکالی۔ آخری لقمہ حلق سے اتارتے آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے مگر وہ اسے چباتی گئی۔ وہ دونوں خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

''مجھے نہیں معلوم میرے بابا کو کس سے خطرہ تھا جو انہوں نے مجھے ایک دوسری دنیا میں بھیج دیا' لیکن خدا کی قسم' جس دن مجھے وہ شخص ملا جس نے میرے گاؤں اور میرے بابا کو ان مسائل کا شکار کیا تھا' میں اس کی جان لے لوں گی۔'' بے بسی بھرے غصے سے بول رہی تھی۔ حلق تک کڑوا ہو چکا تھا۔

''گڈ۔ تمہارے پاس پلان ہے فائنلی۔ خیر۔ میرے پاس بھی پلان ہے۔'' فاتح اٹھتے ہوئے بولا۔ اس کی چھوٹی آنکھوں میں ڈھیر

ساری امید تھی۔

"ہمیں STOP کرنا ہے۔ایس ٹی او پی۔ایس سے stop۔ٹی سے think۔او سے observe اور پی سے plan۔ہم جب بھی جنگل جاتے تھے....اس STOP تدبیر کے ذریعے اگلا لائحہ عمل تیار کرتے تھے۔"

وہ کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے کھڑا کہہ رہا تھا اور وہ دونوں اس کو سن رہے تھے۔

"ہم اسٹاپ اور تھنک کے مرحلے سے نکل آئے ہیں۔اب مشاہدہ کرنا اور پلان کرنا ہے۔اس لیے سنو۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(ہم اس وقت جنگل میں ہیں' اور جنگل سے نکلنے کا واحد راستہ اس کے سب سے اونچے مقام تک پہنچنا ہوتا ہے۔)

وہ تینوں درختوں کے درمیان چل رہے تھے۔لمبی قمیض اور الجھے بالوں والی تالیہ بیگ اٹھائے سب سے پیچھے تھی اور وان فاتح سب سے آگے۔

(ہمیں اونچائی کی طرف سفر کرنا ہے' جہاں سے ہم دیکھ سکیں کہ جنگل سے نکلنے کا راستہ کیا ہے اور وہاں سے کسی کو مدد کے لئے پکار سکیں۔ یقیناً آس پاس آبادی ہوگی۔)

ایڈم چلتے ہوئے پتے موڑ رہا تھا۔فاتح آنکھیں چھوٹی کر کے متلاشی نظروں سے سامنے دیکھتے ہوئے قدم اٹھا رہا تھا اور وہ سب سے پیچھے نڈھال سی چلتی جا رہی تھی۔

(ہم ایک دن میں جنگل میں ڈیڑھ میل سے زیادہ نہیں چل سکیں گے۔زمین سلیپری ہے' پیر پھنس جاتے ہیں۔)

زمین پہ سرخ بھوری مٹی گیلی تھی۔اس میں پتھر' پتے' ٹہنیاں سب بکھرا ہوا تھا۔وہ بدقت قدم اٹھا پا رہی تھی۔بار بار کوشش کرنی پڑتی۔ اونچائی کو جاتے درخت خاموشی سے وقت کے ان تین مسافروں کو نم زمین پہ اوپر چڑھتے دیکھ رہے تھے۔

(چونکہ جنگل زندہ ہے' ہمیں ڈنڈوں اور جوتوں کی آوازوں کے ساتھ سانپوں اور بچھوؤں کو اپنی آمد کی خبر کرنی ہوگی تاکہ وہ چھپ جائیں۔وہ صرف ڈر کے حملہ کرتے ہیں۔جب وہ ہمیں دیکھ لیں گے تو دور ہٹ جائیں گے۔)

ان تینوں نے لاٹھیاں اٹھا رکھی تھیں جو دراصل درختوں کی موٹی ٹہنیاں تھیں اور وہ ان کو زمین پہ رکھتے ہوئے قدم اٹھا رہے تھے۔پتوں اور پتھروں پہ آواز پیدا ہوتی تھی۔جنگل کا معاملہ عجیب تھا۔درخت کے تنے پہ اگر آواز پیدا کرو' یا ذرا سا جھٹکا دو' تو اوپر شاخوں تک جا کر وہ آواز کئی گنا بڑھ جاتی تھی۔نیچے تھوڑی سی حرکت اوپر جاتے جاتے اتنے شور بن جاتی۔

(ہمیں بہت سارا پانی پینا ہوگا۔ٹہنیوں کو توڑ کے ہم رات بھر کے لئے ان کو بوتل پہ اور پتوں کے برتنوں میں الٹا کھڑا کر دیں گے۔صبح تک کافی پانی جمع ہو جائے گا۔)

وہ ایک درخت کے پاس رکے کھڑے تھے۔ایڈم ٹہنیاں کاٹ کاٹ کے ان کو دے رہا تھا۔تالیہ نے چہرہ آسمان کی طرف اٹھا کے ٹہنی

منہ پہ لٹکائی تو قطرہ بہ قطرہ پانی اندر گرنے لگا۔ تھوڑا اور آہستہ۔ مگر تازہ صاف پانی تھا۔

(یہ تالیہ کے کوٹ سے میں نے مچھلی پکڑنے کے لئے جال بنایا ہے' اگر ہم اس سے مچھلیاں پکڑ سکیں تو ہمیں گراس ہوپرز کی ضرورت نہیں پڑے گی)

وہ ایک جھرنے کے کنارے بیٹھے تھے۔ ایڈم چند کیڑے خنجر پہ اٹھائے' پانی پہ چھڑک رہا تھا۔ فاتح نے ایک ٹہنی کا loop سا بنایا' انگریزی حرف P کی طرح' اوپر کپڑا چڑھا کے بازو اور اس 'جال' کو پانی میں ڈال دیا۔ اس کے نم بال ماتھے پہ بکھرے تھے' جن کو وہ بار بار ہاتھ سے پیچھے کرتا تھا۔ وہ پتھر پہ بیٹھی اس کو دیکھے گئی۔ وہ اس لئے دیے اور سپاٹ سیاستدان سے مختلف نظر آرہا تھا جس سے وہ چند دن پہلے ملی تھی۔ مگر تب اور اب میں فرق تھا۔ اس نے ایک نظر اپنے حلیے کو دیکھا۔ گرد آلود قمیض' چہرہ بھی میلا۔ سنہری چوٹی سے نکلتے بال۔ وہ سوشلائیٹ' وہ طرحدار امیر زادی.... وہ غائب ہو گئی تھی۔

(مگر ہو سکتا ہے کہ ہمیں مچھلی نہ ملے اور ہمیں انہی کیڑوں پہ گزارا کرنا پڑے۔)

فاتح نے ٹہنیوں اور کپڑے کا جال پانی سے باہر نکالا تو وہ خالی تھا۔ اس نے گہری سانس لے کر شانے اچکا دیے۔ اس جھرنے کی مچھلیاں بہت تیز اور ہشیار تھیں۔ ہاتھ نہیں آرہی تھیں۔

(ہم زیادہ دیر جھرنے کے پاس رک نہیں سکیں گے۔ اگر مچھلیاں ہاتھ نہ آئیں تو ہمیں آگے بڑھتے رہنا ہوگا۔ ہر چند قدم پہ درختوں کی اقسام بدل جاتی ہے۔)

وہ اب گھنے اور موٹے تنے والے درختوں کے درمیان چل رہے تھے۔ ایڈم ایک درخت کے پاس رکا اور قدرے جوش سے کچھ بتانے لگا۔ وہ برے منہ کے ساتھ اسے دیکھے گئی۔ وان فاتح سنتے ہوئے بار بار چہرے پہ آیا پسینہ پونچھتا تھا۔

(ہو سکتا ہے ہمیں یہاں کوئی اور درخت مل جائیں جیسے ivory palm۔ اس کا پھل تمہارے کھانے کے قابل ہوگا' تالیہ۔)

ایڈم ایک پپیتے کی شکل کے پھل کو کاٹ کے اندر کا گودا اس کی طرف بڑھا رہا تھا اس نے برے دل کے ساتھ تھاما اور منہ میں رکھا۔ یہ بھی بدذائقہ تھا۔ یا اس کے منہ کا ذائقہ ہی کڑوا ہو چکا تھا۔ اُف وہ مر جانا چاہتی تھی۔

(رات کو سونے کے لئے ہم ان سانپ بچھوؤں کے ساتھ جنگل کے فرش کو شیئر نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمیں hammock بنانے ہوں گے۔)

شام اتر آئی تھی' مگر روشنی کافی تھی۔ وہ ایک جگہ رکے ہوئے تھے اور لکڑیاں جوڑ رہے تھے۔ تالیہ ٹہنیاں کاٹ رہی تھی۔ فاتح لکڑی کے دو پول زمین میں گاڑھے ان کے درمیان ٹہنیوں کا جھولا بنا رہا تھا۔ بار بار وہ رک کے رسی نما ٹہنی کھینچتا اور اس کی مضبوطی چیک کرتا۔ یہ جھولا زمین سے چار پانچ فٹ اونچا تھا۔

(مچھر بہت زیادہ ہیں یہاں اور ایڈم کا کہنا ہے کہ ہمیں چیونٹیوں کی بنائی سرخ مٹی جو وہ پتوں کو توڑ توڑ کے بناتی ہیں' خود پہ لگانی ہوگی

تا کہ مچھر اور کیڑے دور رہیں۔ یہ مٹی ابھی تک نظر نہیں آئی۔ چند میل کے سفر میں مل ہی جائے گی۔)

رات جنگل پہ چھائی تھی۔ وہ لکڑی کے دو پولز کے درمیان بنے ٹہنیوں کے جھولے پہ لیٹی تھی اور کھلی آنکھیں دور اوپر درختوں کے پتوں سے پار نظر آتے سیاہ آسمان پہ جمی تھیں۔ اس کے چہرے پہ سرخ مٹی لگی تھی۔

(اور جب ہم اس جنگل سے نکل جائیں گے تو ہمیں ملاکہ جانا ہوگا۔)

صبح کی سفیدی پھیلی تھی اور وہ جھرنے کے پاس بیٹھی ہاتھ منہ دھو رہی تھی۔ ایڈم قریب بیٹھا کسی ٹہنی کو چبا کے سوچنے رک جاتا۔ وہ مختلف پودوں کو ٹیسٹ کر رہا تھا کہ کون سا کھانے کے قابل ہے۔ وان فاتح ایک درخت کے ساتھ کھڑا پانی کے لئے ڈنڈیاں کاٹ رہا تھا۔

(ملاکہ یہاں سے کتنا دور ہے مجھے نہیں معلوم۔ لیکن ہمیں ملاکہ جانا ہوگا اور تالیہ کے والد کو ڈھونڈنا ہوگا۔)

کڑی دوپہر میں وہ خاموشی سے درختوں کے درمیان اوپر چڑھتے جا رہے تھے۔ بیگ اب فاتح نے اٹھا رکھا تھا۔ چہروں اور بازوؤں پہ سرخ مٹی لگی تھی۔ شکلیں میلی اور بدنما ہو رہی تھیں۔

(فی الحال تو آسمان نظر نہیں آ رہا مگر جیسا کہ تالیہ کا کہنا ہے اس کے بابا نے اسے ستاروں سے گاؤں کا راستہ سمجھایا تھا ہم جب جنگل سے نکلیں گے تو ستاروں سے راستہ ڈھونڈ لیں گے۔)

ایک اور رات اتر آئی تھی اور وان فاتح ٹہنیوں کے بستر پہ لیٹا تھا۔ ہاتھ میں اس نے اپنا بٹوہ کھول رکھا تھا جس میں آریانہ کی تصویر لگی تھی۔ اس نے تصویر سے اندر جھانکا۔ پاپ کارن کے دو دانے اندر چھپے ہوئے تھے۔ پھر اس نے تاریخ دیکھی۔ آج کاغذات نامزدگی جمع ہونے شروع ہو گئے ہوں گے۔ وقت کم رہ گیا تھا۔)

(مراد ایک شکار باز ہے۔ اگر وہ پہلے چابی بنا سکتا تھا تو وہ اب بھی چابی بنا لے گا۔ اس چابی کے ذریعے ہم واپس اپنی دنیا میں چلے جائیں گے۔)

جنگل میں روشنی پھیلی تھی اور وہ تینوں فاصلے فاصلے پہ بیٹھے تھے۔ تالیہ نے چہرہ گھٹنوں پہ گرا رکھا تھا اور فاتح ایک ٹہنیوں کے گٹھے کو جوڑ رہا تھا۔ ایڈم دور بیٹھا اپنے موبائل پہ تصویریں آگے آگے کرتا جا رہا تھا۔ باپ' ماں' فاطمہ.... اس کے دوست.... عید کی تصویریں.... عید کے پکوان.... محلے کی دوکان۔ بیٹری ایمپٹی۔ ٹون بجی اور موبائل بجھ گیا۔ پرانی زندگی سے تعلق کی جو ڈور بندھی تھی' وہ ٹوٹ گئی۔

(میرا نہیں خیال کہ تالیہ تم نے جو ہما ہم تینوں کے سر پہ دیکھا تھا' وہ حکومت یا بادشاہی کی علامت تھا۔ ہما پرندہ کچھ اور چیزوں کی علامت بھی ہوتا ہے۔)

رات کے اندھیرے میں جنگل کے درخت خاموش کھڑے تھے اور وہ ٹہنیوں کے جھولے پہ سکڑ کے لیٹی آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ چہرے پہ سرخ مٹی ہنوز لگی تھی۔ آنکھیں ویران تھیں۔

''ہم سولہ جولائی کی رات دروازہ پار کر کے آئے تھے۔ کل بیس جولائی شروع ہو جائے گی۔''

ان دونوں کے بستر دور بنے تھے۔ مگر وہ اس کی آواز سن سکتے تھے۔ فاتح بستر پہ نہیں تھا۔ پتھروں پہ بیٹھا بٹوہ کھولے دیکھ رہا تھا۔

کسی نے تالیہ کو جواب نہیں دیا۔ ہر روز چل چل کے گرمی اور حبس سے توانائی ختم ہوتی جا رہی تھی۔

''بیس جولائی کو میری سالگرہ ہوتی ہے۔ جو یتیم خانے میں لکھوائی گئی تھی۔''

وہ دونوں خاموش رہے۔ وہ اوپر آسمان کو دیکھتے ہوئے بے خودی کے عالم میں بولے جا رہی تھی۔

''مگر میری طرح میری سالگرہ بھی جعلی ہی ہوگی۔'' ایک آنسو آنکھ سے نکلا' کنپٹی پہ بہتا نیچے ٹپکا' اور جنگل کے فرش پہ جا گرا۔

وہ دونوں خاموش رہے۔ درخت خاموش رہے۔ دور پتھروں اور غاروں میں چھپے سانپ بچھو خاموش رہے۔

(ہما صرف خوش بختی یا حکومت کی علامت نہیں ہوتا۔ یہ اپنی راکھ سے دوبارہ جنم لینے والا پرندہ ہے۔ یہ rebirth کی علامت ہے۔ نئی زندگی کا نشان۔

نئی دنیا' نئے زمانے میں ایک دوسری زندگی کی پیش گوئی)

☆☆=========☆☆

اونچے درختوں کے پتوں سے چھن کے آتی روشنی نے جنگل منور کر رکھا تھا۔ وہ تینوں قطار میں چلتے ہوئے اوپر چڑھ رہے تھے۔ اب سامنے سیدھی زمین شروع ہوگئی تھی۔ درخت اتنے زیادہ اور قریب قریب اُگے تھے کہ چند میٹر سے آگے کیا ہے' دکھائی نہ دیتا تھا۔

وہ نڈھال سی چل رہی تھی۔ ڈنڈہ زمین پہ مارتی.... بے جان قدم اٹھاتی۔

''ایڈم.... کیا ہم ان پودوں میں سے کچھ کھا سکتے ہیں؟'' فاتح سب سے آگے چلتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں سر۔ ان پودوں میں سفید اور پیلی berries ہیں' یہ زہریلے ہوں گے۔ اور مشروم کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اکثر زہریلے ہوتے ہیں۔''

وہ بڑی سمجھداری سے بتاتے ہوئے قدم اٹھا رہا تھا۔ تالیہ تنک کے اس کی پشت کو دیکھتے چل رہی تھی۔

''اور یہ ان پودوں کے پتے بہت چمکیلے ہیں' سر۔ یہ بھی زہریلے ہیں۔ اور یہ والا میں نے اس لئے نہیں توڑا کیونکہ اس کے پتے تین تین کے گروپ میں ہیں۔ اور جن پودوں کے پتے تین تین کے گروپ میں ہوں' وہ کھانے کے لائق نہیں ہوتے اور یہ والے جو اس طرف ہیں۔'' وہ اشارہ کر کے بتا رہا تھا۔ ''یہ پہلے بھی گزرے تھے۔ ان سے بادام کی خوشبو آتی ہے اور یاد رکھیے گا' کبھی بھی بادام کی خوشبو والے پودے سے کچھ نہیں کھاتے کیونکہ....''

''کیونکہ وہ زہریلا ہوتا ہے۔'' وہ تلخی سے پیچھے سے بولی۔ ''ایڈم تمہارے اس جنگل میں کچھ ہے جو زہریلا نہ ہو۔''

''ریلیکس کریں بے تالیہ۔ ہم اس جنگل میں آپ کی وجہ سے....'' (وان فاتح نے گردن موڑی تو گڑبڑا کے بولا) ''نہیں ہیں۔ ہم اپنی وجہ سے ہیں۔'' آواز دھیمی کر لی۔ فاتح نے ایک تنبیہی نظر اس پہ ڈالی اور آگے بڑھ جاتا مگر تالیہ مراد نے ایک دم اپنا بیگ پھینکا اور ان دونوں

کے سامنے آئی۔

''اسے کہنے دیں' تو انکو۔ وہ سچ کہہ رہا ہے۔'' وہ درد سے چلائی تھی۔ منہ پہ مٹی لگی تھی اور سنہری بال گول مول پونی میں باندھ رکھے تھے ۔ٹراؤزر کے پائنچے کیچڑ آلود تھے اور قمیض کے دامن پہ کانٹے لگے تھے۔

''تالیہ....'' اس نے رسان سے پکارنا چاہا مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

''آپ دونوں اس میں میری وجہ سے پھنسے ہیں۔ میں ذمہ دار ہوں' میں قصوروار ہوں۔ ہم چار دن سے اس جنگل میں بھٹک رہے ہیں' ہم گراس ہوپرز' ٹرمائیٹ اور عجیب عجیب سے پودے کھا رہے ہیں' یہ میرے گناہوں کی سزا ہے۔ یہ سب میرے لالچ کا انجام ہے۔ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہم اس میں میری وجہ سے پھنسے ہیں۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو ابلنے لگے۔ ایڈم خفیف سا ہوا۔ ''چے تالیہ میرا یہ مطلب نہیں تھا....''

''میرے پاس پلان ہوتا تھا تو انکو' میرے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔ مگر اب نہیں ہے۔ کیونکہ میں چار دن سے گلٹی فیل کر رہی ہوں۔'' وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ گرتی گئی۔ گردن جھکا دی اور بچوں کی طرح رونے لگی۔

''اب میرا ذہن بلینک ہو گیا ہے۔ ساری تدبیریں' سارے راستے کھو گئے ہیں۔ داتن نے مجھے کتنا منع کیا' مگر میں نے اس کی ایک نہیں سنی۔ یہ میری سزا ہے۔'' وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رو رہی تھی۔ وہ دونوں سامنے کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔

''میں کمزور اور تلخ نہیں تھی۔ میں بہت بہادر اور مضبوط تھی۔ میں ہر مسئلے کا حل نکال لیتی تھی مگر اب.... میرا دل اتنا بوجھل' اتنا دکھی ہے کیونکہ میں نے آپ دونوں کی زندگی بھی خراب کر دی ہے۔ اس کو بولنے دیجیے' تو انکو۔ وہ سچ کہہ رہا ہے۔''

فاتح نے لکڑیوں کی گٹھی پرے پھینکی اور اس کے سامنے جھکا جیسے بڑا کسی بچے کے سامنے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے جھکتا ہے۔

''Make a wish!''

تالیہ نے ہاتھ ہٹا کے بھیگے چہرے سے اسے دیکھا۔ ''جی؟''

''آج تمہاری سالگرہ ہے۔ کوئی خواہش کرو۔''

وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ آنسو سرخ مٹی والے چہرے پہ نہروں کی صورت بہہ رہے تھے۔

''تم بتاؤ تالیہ.... تمہیں اس وقت سب سے زیادہ کس چیز کی خواہش ہے؟''

''میں واپس کے ایل جانا چاہتی ہوں' اور ایک اچھی زندگی.....''

''اونہوں.... وہ تمہاری ضرورت ہے۔ میں خواہش پوچھ رہا ہوں۔''

''خواہش!'' اس نے آنکھیں بند کیں تو آنسو ابل کے گردن تک لڑھکتے گئے۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔

''میں ملاکہ کے ہوٹل فریج سے چاکلیٹ رکھتے رکھتے رہ گئی تھی۔ میں نے آپ کے گھر کے سامنے والے کیفے میں بھی ہاٹ چاکلیٹ

آرڈر کر کے اَن چھوا چھوڑ دیا تھا۔ مجھے چاکلیٹ کھانی ہے' توانکو۔'' وہ پھر سے رونے لگی تھی۔ اسے اپنی بے بسی پہ غصہ آ رہا تھا۔ رحم بھی آ رہا تھا۔ وہ اتنی کمزور کیسے پڑ سکتی تھی؟

''کتنی کیلوریز ہوں... مجھے پرواہ نہیں۔ مجھے بس بڑا سا چاکلیٹ کیک کھانا ہے۔ اتنی... اتنی ساری چاکلیٹ!'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے بتایا۔ وہ چند لمحے جھکے کھڑا اسے دیکھتا رہا' پھر سیدھا ہوا اور آگے بڑھ گیا۔ قریب میں ایک موٹے تنے کا درخت لگا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے ایک پھل توڑا جو سخت خول میں تھا۔ دیکھ کے ہی طبیعت مکدر ہو جاتی تھی۔ پھر فاتح نے اسے چاقو سے کاٹا اور اندر سے سفید گودا کا خنجر پہ نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔ اس گودے میں سخت سخت سے بیج نظر آ رہے تھے۔

''تم تصور کرو' یہ چاکلیٹ ہے۔ تصور کرنے سے یہ واقعی تمہیں چاکلیٹ لگے گی۔ اور تم اسے شکر کر کے کھالو۔'' وہ دوستانہ انداز میں سفید شے بڑھائے ہوئے تھا جو دیکھنے سے ہی بدمزہ لگتی تھی۔ تالیہ نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

''یاد ہے تم نے کہا تھا... کہ اگر کبھی مجھ پہ ایسا وقت آیا کہ میرے ساتھ ملے قوم میں سے سوائے ایک کے کوئی نہ کھڑا ہو تو تم اپنی پوری سچائی سے کہتی ہو کہ تم وہ ایک شخص ضرور ہو گی۔ اس لیے کیونکہ تم مجھے اپنا لیڈر مانتی رہی ہو۔ اب میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ تم اس کو شکر ادا کر کے کھالو۔''

تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا' آنسو پونچھے اور کھڑے ہوتے ہوئے خنجر لے لیا۔ پھر اس گودے کو (اُف) تھوڑا سا منہ میں ڈالا اور بند ہونٹوں سے ذرا سا چبایا۔

ایک دم اس کی آنکھیں کھل گئیں۔

''یہ تو... یہ تو چاکلیٹ ہے۔'' اس نے بے یقینی سے اس گودے کو دیکھا۔ خوشبو' ذائقہ... سب چاکلیٹ والا تھا۔ ایسا لذیذ نرم مادہ جو منہ میں جاتے ہی گھل گیا تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے تالیہ۔ اور سالگرہ اسی دن ہوتی ہے جس دن ہم اسے مناتے ہیں۔'' وہ مسکرا کے کہتا آگے بڑھ گیا۔

''مگر یہ کیا تھا؟ توانکو؟ وان فاتح؟'' وہ حیران سی پکار رہی تھی مگر وہ آگے جا رہا تھا۔

''آپ ذرا سا صبر کر لیتیں تو میں بتانے والا تھا چے تالیہ کہ میں ان زہریلے پودوں کو اس لئے نہیں ہاتھ لگا رہا کیونکہ سامنے cocoa کا درخت ہے۔ اس کا بیج چاکلیٹ بنانے کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ کڑوا ہوتا ہے مگر یہ گودا میٹھا ہوتا ہے۔ پھولوں جیسا میٹھا۔ سر کو آپ سے زیادہ درختوں کی پہچان ہے۔''

ایڈم اس کا بیگ اٹھاتے ہوئے گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

وہ چند لمحے بے یقین رہی' پھر اس کی آنکھوں میں خوشی اور کوئی انہونی کیفیت ابھری۔ وہ دوڑ کے اس درخت کے پاس گئی۔ وہ اونچا بڑا قدیم درخت اپنی شاخوں پہ ایسے ڈھیروں پھل لادے ہوئے تھا۔ جانے اس میں اتنی توانائی کہاں سے آ گئی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور

بلی کی طرح شاخ پہ چڑھ گئی۔

آگے جاتے فاتح کے قریب آتے ایڈم نے سرگوشی میں کہا۔ ''چاکلیٹ حلق میں جاتی ہے تو دماغ میں وہ ہارمون ریلیز ہوتے ہیں جو ہمیں خوشی دیتے ہیں۔ ریلیکس کرتے ہیں۔ امید ہے چے تالیہ کا موڈ اب اچھا ہو جائے گا۔''

''تمہیں کیسے معلوم؟''

''آپ کتابیں نہیں پڑھتے کیا؟'' وہ خفگی مگر اعتماد سے کہتا آگے بڑھ گیا جہاں ایک ٹیلے پہ سرخ مٹی نظر آرہی تھی۔ اسے پوٹلی میں مزید وہ 'مچھر مار دوا' بھرنی تھی۔

تالیہ ابھی تک درخت پہ چڑھی اپنی قمیض کے دامن میں وہ بہشتی پھل اکٹھا کر رہی تھی۔ مٹی سے اَٹے چہرے پہ مسکراہٹ اور رونق واپس پلٹ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

دھوپ تیز ہوگئی تھی۔ گرمی اور حبس بڑھ گیا تھا۔ وہ تینوں قریب قریب چلتے جا رہے تھے۔ ایک دم چھایا سی چھا گئی اور ٹپ ٹپ بارش برسنے لگی۔ وہاں ہر روز اتنی دفعہ بارش برستی تھی کہ اب ان کو کسی سایے کی تلاش ہی نہ رہی تھی۔ بس ایک درخت تلے آ کھڑے ہوئے۔ پھوار یہاں بھی ان کو بھگوئے جا رہی تھی۔

فاتح نے گھڑی دیکھی۔ ''سورج ڈوبنے میں ابھی پون گھنٹہ ہے۔'' پھر آسمان کو دیکھ کے کچھ سوچنے لگا۔

''آپ کو کیسے پتہ؟'' وہ چونکی۔ اس نے اپنے پھٹے ہوئے کوٹ میں بہت سے کوکو کے پھل باندھ کے اٹھائے ہوئے تھے۔

''کیونکہ میں نے اپنی گھڑی صبح صادق پہ اندازے سے سیٹ کر دی تھی۔'' جواب میں خاموشی رہی تو اس نے ان دونوں کو دیکھا۔

''کیا تم لوگوں کی گھڑیاں ابھی تک کے ایل کے وقت کے مطابق ہیں؟''

''ہم نے کون سا یہاں ہمیشہ رہنا ہے' تو انکو۔'' وہ خفیف سی ہو کے بولی۔

''اور مجھے تو کبھی کبھی لگتا ہے کہ شاید ہم اس جنگل سے نکلیں تو سامنے ملائیشیا ہی ہو۔ شاید ہم اپنے زمانے کے ہی کسی جنگل میں کھوئے ہوئے ہوں۔'' وہ اب مایوس نہیں تھا۔ بس اس کی امیدیں کسی اور طرح کی تھیں۔

فاتح سر جھٹک کے سامنے دیکھنے لگا۔ وہاں اونچائی پہ کچھ بلند و بالا درخت اگے تھے۔

''سنو لڑکی...'' اس نے سوچتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ ''تم Cat burglar ہو نا؟''

''بہت شکریہ یاد دلانے کے لیے۔'' اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''یاد رکھو.... جو تمہیں معلوم ہے' وہ تمہاری جان بچائے گا۔'' وہ مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''وہ درخت دیکھ رہی ہو؟'' اس نے بارش میں بھیگتے اونچے درختوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''میرے خیال میں یہ اس جنگل کا سب سے بلند ترین مقام ہے۔ تمہیں دیواروں پہ

چڑھنے کی عادت ہوگی۔ بارش تھمے تو تم اس درخت پہ چڑھ کے وہ اوپر اس کی چوٹی تک جاؤ گی اور وہاں سے تمہیں دور دور تک کا سارا علاقہ دکھائی دے گا۔''

''او کے مگر مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''تمہیں دیکھنا ہوگا کہ جنگل سے نکلنے کا قریبی راستہ کون سا ہے۔ میدانی علاقہ کس طرف ہے۔ کوئی انسان آس پاس ہے یا نہیں۔ پھر ہم اسی سمت میں سفر کریں گے۔''

''اور اگر ہر طرف درخت ہی درخت ہوئے' تو؟''

''تو آپ یہ دیکھئے گا بے تالیہ کہ آس پاس کوئی جنگل ہے یا نہیں۔ ہم جنگل کی طرف چلے جائیں گے۔''

''عقلمند' ہم پہلے ہی جنگل میں کھڑے ہیں۔''

''یہ جنگل نہیں ہے گو کہ ہم اس کو جنگل کہہ رہے ہیں۔ یہ رین فاریسٹ ہے۔ بعض دفعہ بڑے بڑے جنگلوں کے درمیان چند میل کا علاقہ رین فاریسٹ بنا ہوا ہوتا ہے۔'' ایڈم رسان سے سمجھا رہا تھا۔ ''اگر ہم کسی جنگل میں نکل جائیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ وہاں پہ جانور اور پرندے ہوں گے جن کا ہم شکار کر سکتے ہیں۔ اور پھل بھی ہوں گے۔ آسمان بھی نظر آئے گا۔''

''اچھا بس کرو۔ ایسے بولتے جا رہے ہو جیسے مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔'' اس نے ہونہہ کر کے ناک سکوڑی۔ ''تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے میں نے کتنے کام کیے ہیں زندگی میں۔ اور ہاں.... مجھے شکار کرنا بھی آتا ہے۔''

''آپ کے والد شکاری جو تھے۔''

''اور لکڑہارے بھی۔ میں پچھلی زندگی میں بھی غریب تھی اور نئی زندگی میں بھی ایک عرصہ غریب رہی۔ ہاؤ فنی۔''

وہ تینوں درختوں کے ساتھ کھڑے تھے اور بارش آس پاس برسے جا رہی تھی۔ تالیہ مکمل طور پہ بھیگ چکی تھی مگر اب بارش سے فرق پڑنا ختم ہو گیا تھا۔ وہ تھمی تو وہ دونوں آگے بڑھ گئے' مگر وہ وہیں رکی رہی۔ بالکل ساکت۔ جامد۔

''تالیہ۔'' فاتح نے پلٹ کے پکارا تو وہ چونکی۔

''کیا ہوا؟'' اس نے غور سے اس لڑکی کا چہرہ دیکھا۔ یوں لگتا تھا وہ ابھی نیند سے جاگی ہے۔

''میں نے دیکھا' وہ میرے گاؤں کے لوگوں کو پکڑ رہے تھے۔'' وہ کسی اور کیفیت میں تھی۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

''کیا دیکھا تم نے؟ مجھے بتاؤ۔''

''وہ سپاہی میرے گاؤں سے پمبور کو چن چن کے گرفتار کر رہے تھے۔ وہ ان کو قید میں ڈال کے مار دیں گے۔ اب وہ میرے گھر آ رہے تھے۔ وہ میرے بابا کو بھی پکڑ کے لے گئے۔ اسی لیے میں نے چابی اٹھائی۔'' وہ چونک گئی۔ ''میرے بابا نے مجھے نہیں بھیجا۔ وہ تو قید میں ڈال دیے گئے ہیں۔ میں خود گئی تھی دروازے کے پار۔ تا کہ مدد لے کر آؤں اور اپنے گاؤں والوں کو قید میں مرنے سے بچاؤں۔''

اس نے نڈھال سے انداز میں اپنا سر تنے کی پشت سے ٹکا دیا۔

''کس کی قید سے؟ کیا تم نے کچھ سنا کہ تمہارے بابا کو کس نے قید کیا ہے؟''

تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ حیران سی لگ رہی تھی۔ ''وہ بندا ہارا اور شہزادی کے سپاہی تھے۔ شہزادی تاشہ کے۔''

لمحے بھر کو جنگل میں سکوت چھا گیا۔ چڑیوں کی آوازیں بھی پسِ منظر میں چلی گئیں۔

''شہزادی تاشہ کے سپاہی؟'' وان فاتح رامزل بالکل ساکت ہو گیا تھا۔ تالیہ نے سر ہلایا۔

''وہ سب کہہ رہے تھے کہ شہزادی ظالم ہے۔ اس نے سارے گاؤں کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ سوری تو انکو' شہزادی تاشہ اتنی حسین تو ہے جتنی وہ تاریخ کی کتابوں میں بتائی جاتی ہے کہ اس دن میں نے خواب میں اس کو مجسمہ بناتے دیکھا تھا۔ بلاشبہ وہ بہت حسین لگتی تھی۔ لیکن وہ نہ اتنی رحم دل ہے نہ ہی اتنی اچھی جتنا آپ اس کو سمجھتے تھے۔'' اس کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی۔ ''شہزادی تاشہ ذمہ دار ہے میرے گاؤں اور میری تباہی کی۔ خدا کی قسم میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔ اس نے مجھ سے میری سارے خواب لے لیے ہیں۔''

''ہو سکتا ہے لوگ اس کے بارے میں یونہی کہہ رہے ہوں' شاید وہ اتنی بری نہ ہو۔'' وہ فوراً مدافعانہ انداز میں بولا تھا مگر تالیہ کی آنکھوں میں کچھ سلگنے لگا تھا۔

''شہزادی کی وجہ سے ہوا ہے یہ سب۔ وہ ذمہ دار ہے اس سب کی۔ اس نے میرے بابا کو قید میں ڈالا ہوا ہے۔ چار دن پہلے میں اس دنیا سے گئی تھی۔ یہاں وقت نہیں گزرا۔ چار دن سے میرے بابا اس کی قید میں ہیں۔ خدا کی قسم میں اس کو نہیں چھوڑوں گی۔'' پھر اس نے کلائی اوپر کی اور آستین تلے چھپی گھڑی باہر نکالی۔ ''مجھے بتایئے یہاں کیا وقت ہوا ہے۔ مجھے وقت کے سارے حساب کتاب ابھی سے طے کرنے ہیں۔''

اس کی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں اور آواز رندھ رہی تھی۔

بارش ایک دفعہ پھر سے سلطنتِ ملاکہ کے اس جنگل پہ برسنے لگی تھی۔

☆☆=========☆☆

حالم کی اگلی قسط انشاءاللہ پندرہ ستمبر کی رات 8 بجے نمرہ احمد آفیشل پر اپ لوڈ کر دی جائے گی۔

ہمارا پیج بار بار چیک کرنا نہ بھولیے گا۔

حالم (نمرہ احمد)

باب ہفتم:

’’تاشہ پسونا‘‘

اس نے خواب میں دیکھا....

وہ ایک چھوٹا سا کمرہ ہے....نیم تاریک....

آتش دان میں لکڑیاں جل رہی ہیں....

الماری کے سامنے مراد کھڑا ہے....ہاتھ میں ایک بوتل ہے....

اندر پانی کی طرح کا بے رنگ مشروب ہے....

بوتل کے پیندے میں ایک سکہ اور ڈلی بیٹھی ہے....

وہ الماری کا پٹ کھول کے بوتل اندر رکھتا ہے....

پھر مڑتا ہے....تو ٹھٹھک جاتا ہے....

وہ لڑکی چوکھٹ پہ کھڑی ہے....انگلیاں مروڑتی....خوف کے باوجود خود کو سنجیدہ رکھے....مراد تیزی سے اس کے قریب آتا ہے....پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ کے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیتا ہے....

’’تالیہ....میں جانتا ہوں تم خوفزدہ ہو اور....‘‘

’’نہیں تو۔‘‘ وہ پریقین انداز میں سر کو نفی میں ہلاتی ہے مگر فضا میں خوف اور پریشانی کی خوشبو رچی بسی ہے۔

’’اور تم پریشان بھی ہو۔‘‘ وہ اس کو سنے بغیر اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہے جا رہا ہے۔ ’’مگر برے دن جلد ختم ہو جائیں گے۔ اچھے دن قریب ہیں۔‘‘

’’یہ شور کیسا ہے بابا؟ ’الور سونگائی‘ میں سرِ شام ہی کیسے لوگ گھس آئے ہیں؟‘‘

مراد گہری سانس لیتا ہے۔ ’’یہ بندہارا اور شہزادی کے سپاہی ہیں۔ یہ پورے گاؤں سے شکار بازوں کو گرفتار کر کے محل کے قید خانوں میں ڈال رہے ہیں۔‘‘

اسے اپنے اندر غصہ ابلتا محسوس ہوتا ہے۔ ’’شہزادی اتنی ظالم کیوں ہے بابا؟ وہ کب تک الور سونگائی کے لوگوں پہ ظلم کرتی رہے گی؟‘‘ پھر

یکدم وہ اپنے اندر خوف محسوس کرتی ہے اور یہ خوف اس کو چونکا دیتا ہے۔ وہ مراد کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھامتی ہے۔

''بابا... کیا وہ آپ کو بھی گرفتار کرلیں گے؟'' پھر ہراساں سی وہ نفی میں سر ہلاتی ہے۔ ''میں آپ کو گرفتار ہونے نہیں دوں گی۔''

باہر گھر کا بیرونی دروازہ دھڑ دھڑاتا ہے۔ مراد اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے۔

''تالیہ ....وہ آ گئے ہیں۔ میری بات غور سے سنو' بیٹی۔''

وہ دھیرے دھیرے سمجھا رہا ہے مگر دروازے پہ شور بڑھتا جا رہا ہے۔ سپاہی آواز لگا رہے ہیں کہ وہ محل سے آئے ہیں.... مراد حاضر ہو.... وہ مسلسل خوف اور پریشانی سے نفی میں سر ہلائے جا رہی ہے....

''تالیہ ... قوم کا راہبر قوم کا باپ ہوتا ہے.... اس کو قربانی دینی پڑتی ہے.... یہ میری قربانی کا وقت ہے.... وہ مجھے لینے آئے ہیں.... مگر تم سے میں اتنا چاہتا ہوں تالیہ ... کہ تم میرا ایک حکم مان لو....'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا ہے۔ تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگتی ہیں مگر وہ اثبات میں سر ہلاتی ہے۔

''جی بابا... میں کیا کروں... مجھے بتاؤ بابا۔''

''یہ قربانی تمہیں الور سونگائی کے لوگوں کے لئے دینی ہو گی... تالیہ ... اور اپنے بابا کی اٹھی گردن اور وقار کے لئے ... دو گی نا؟!''

آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل رہے ہیں.... خوف اور بے یقینی کی فضا... ہراسیت ... اور دروازے پہ ہوتی زوردار دستک....

اور یہیں خواب ٹوٹ گیا تھا......

☆☆=========☆☆

وہ سال تھا 1459 عیسوی۔

اور سلطنت تھی سرزمینِ ملاکہ کی جو کئی ریاستوں اور ملکوں سے وسیع و عریض تھی۔

اس میں کہیں وہ گھنا رین فاریسٹ واقع تھا جس کے اندر برستی بارش اب تھم چکی تھی اور کیچڑ زدہ زمین پہ وہ تینوں چل رہے تھے۔

تالیہ کی پیشانی خفگی سے سکڑی ہوئی تھی۔ تیز چلتے چلتے وہ فاتح کے برابر پہنچ گئی اور پھر دو قدم آگے نکل گئی۔ وان فاتح نے ایک گہری نظر اس کی پشت پہ ڈالی۔

''ضروری نہیں ہے شہزادی ویسی ہی ہو جیسی تمہارے خواب میں تمہیں بتائی گئی ہے۔ تم نے اپنی آنکھوں سے اسے ظلم کرتے نہیں دیکھا۔ صرف اس کے ظلم کے قصے سنے ہیں۔''

تالیہ نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا تو آنکھوں میں غصہ تھا۔

''اس کے آدمیوں نے گاؤں میں فساد برپا کیا ہوا تھا۔ وہ میرے بابا کو پکڑ کے لے جانے والے تھے۔ اور اس وقت بابا نے مجھے ایک حکم دیا تھا.... یقیناً چابی کے ذریعے دروازہ پار کرنے کا۔'' اس کی آواز اونچے درختوں سے ٹکرا کے پلٹنے لگی۔ ''شہزادی تاشہ کی وجہ سے میرا

خاندان ٹوٹا اور گاؤں تباہ ہوا۔ اور یہ سب چار دن پہلے ہوا ہے۔ وقت یہاں رک گیا تھا۔ چار دن پہلے جب ہم دروازہ پار کر کے ادھر آئے تو اسی دن میرے بابا کو قید میں ڈالا گیا ہوگا۔ چار دن سے ہم اگر ان درختوں میں بھٹک رہے ہیں تو میرے بابا قید خانے میں اذیت کاٹ رہے ہوں گے۔ کیا یہ شہزادی تاشہ کے ظالم ہونے کے لئے کافی نہیں ہے؟''

''سر ٹھیک کہہ رہے ہیں چے تالیہ۔'' ایڈم چھڑی سے زمین کو ٹٹولتا قریب آیا۔ ''کیا معلوم وہ سچا ہی شہزادی کے نہ ہوں۔ تاریخ کی کتابوں کے مطابق بندہارا انتہائی مکار اور سازشی آدمی تھا۔ مگر اس کی بیٹی.... تاشہ.... وہ بہت اچھی شہزادی تھی۔''

تالیہ لب بھینچ کے ایڈم کو دیکھنے لگی جو اس کے کھا جانے والے تاثرات سے بے نیاز بولے جا رہا تھا۔ البتہ فاتح بس غور سے اس کی پیشانی کی سلوٹیں دیکھ رہا تھا۔ چار دن سے بدل نظر آتی تالیہ کے اندر اب چنگاریاں سی بھر چکی تھیں۔

''ٹھیک ہے.... پرتگالیوں نے تاریخ کی کتابیں جلا دیں اس لئے ہمیں سلطان مرسل شاہ یا شہزادی تاشہ کا ذکر بہت کم ملتا ہے مگر جتنا ذکر موجود ہے' اس کے مطابق وہ ملاکہ کی سب سے خوبصورت شہزادی تھی۔ اتنی سحر انگیز کہ اس کے سامنے چاند سورج شرما جائیں۔'' وہ قدیم کتابوں کے الفاظ یاد کر کے دہراتے ہوئے ارد گرد درختوں کو دیکھ رہا تھا۔ ''وہ جب محل کی بارہ دریوں میں چلتی تھی تو ادب سے لوگوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ جب وہ دربار میں آتی تو وزراء درباری اور غیر ملکی سفیر بے اختیار کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہ بولتی تھی تو سلطان دم سادھے اس کو سنا کرتا تھا۔ وہ بہت سی زبانیں بول سکتی تھی۔ تیر اندازی' تلوار زنی' گھڑ سواری' نیزہ بازی.... وہ سب جانتی تھی۔ وہ لکھ پڑھ بھی سکتی تھی۔ رقص اور دوسرے فنونِ لطیفہ سے بھی واقف تھی۔ چین اور ملاکہ کا کوئی ایسا کھانا نہ تھا جو شہزادی تاشہ پکا نہ سکے۔ کوئی ایسا نانکا نہ تھا جس کو وہ کاڑھ نہ سکے۔ وہ حرم کی نگران تھی۔ بندہارا کی سب سے قابل اعتماد مشیر۔ وہ سیاست کے داؤ پیچ سے بھی واقف تھی۔ غرض کیا تھا جو راجہ کی بیٹی کو کرنا نہیں آتا تھا؟ اسی لئے اس کو تاشہ پُسونا کہا جاتا تھا۔''

''تاشہ پُسونا؟'' تالیہ نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ ابرو اٹھایا۔ اس ان دیکھی عورت کی اتنی تعریف برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

''پُسونا یعنی enchantress۔ ساحرہ.... جادوگرنی۔''

''اور یہ ساری باتیں تمہیں کیسے معلوم ہیں' ایڈم!'' وہ پھنکاری۔

''کیونکہ میں کتابیں پڑھتا ہوں چے تالیہ۔ کیوں؟ آپ نہیں پڑھتیں؟'' کچھ زیادہ ہی سادگی سے پوچھا۔ تالیہ کی رنگت اب ضبط سے سیاہ پڑنے لگی تھی۔ دانت کچکچا رکھے تھے۔

''تمہاری تاریخ کی کتابیں جھوٹی ہو سکتی ہیں مگر میرے خواب نہیں۔ وہ ایک ظالم شہزادی ہے اور بس!''

''اتنی ساری کتابیں ایک ساتھ جھوٹ نہیں بول سکتیں۔'' بالآخر فاتح سنجیدگی سے کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا تو وہ تڑپ کے اس کی طرف گھومی۔ ایڈم کہہ رہا تھا تو صرف برا لگا تھا' مگر اس کا انداز تو مانو تالیہ بنت مراد کے اندر آگ لگا گیا۔

''میرے خواب جھوٹ نہیں بولتے' تو انکو۔ میری زندگی کی تباہی کی ذمہ دار آپ کی تاشہ پُسونا ہی ہے۔''

''میں نہیں مان سکتا۔'' وہ بے نیازی سے نفی میں سر ہلاتا آگے جا رہا تھا جیسے اسے کسی بات کی پرواہ نہ تھی۔ تالیہ اور اس کے خواب غلط ہو سکتے تھے' مگر اس کے ذہن میں بنا تاشہ کا سونا کا امیج نہیں۔

''وان فاتح کو شہزادی تاشہ کی طرفداری کا شوق کیوں ہے' ہاں؟'' اسے دور جاتے دیکھ کے وہ بے بسی سے بولی۔

''کیونکہ وان فاتح اس کے فین ہیں۔ وہی فین جو آپ فاتح صاحب کی ہیں۔ فین۔'' زور دے کر بولا۔

''ہونہہ۔'' اس نے سر جھٹکا۔''فاتح صاحب کو احتیاط سے کسی عورت کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔ آخر وہ شادی شدہ ہیں۔''

''کیوں؟ آپ کو جلن ہو رہی ہے کیا؟'' وہ بیگ کندھے پہ ڈالتا ابرو اچکا کے بولا اور پھر بے نیازی سے آگے بڑھ گیا۔ تالیہ کی برداشت ختم ہو چکی تھی۔ لپک کے ایک پتھر اٹھایا اور ایڈم کی کتابوں سے بھری کھوپڑی کا نشانہ باندھا۔ مگر پھر ضبط کر گئی۔

(میں اور جیلس؟ ہونہہ۔ لیکن اس کو تو میں چھوڑوں گی نہیں۔) پتھر پرے پھینک دیا اور ڈنڈے کو زمین پہ رکھتی قدم اٹھانے لگی۔ ماتھے پہ سلوٹیں پڑی تھیں اور اندر غصہ ہی غصہ ابل رہا تھا۔

شہزادی تاشہ کے گناہوں میں ایک اور کا اضافہ ہوا۔

جنگل مزید گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ مسلسل گدلی' گیلی زمین پہ اوپر چڑھ رہے تھے۔ بار بار پیر پھسلتا اور خود کو سنبھالنا پڑتا۔ ایڈم وقفے وقفے سے گردن کے پیچھے ہاتھ رکھتا' پھر سر جھٹکتا۔ شاید اسے کہیں تکلیف تھی۔ (ہونہہ۔ اور پڑھے کتابیں۔)

''کیٹ برگلر!'' ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے فاتح اسے پکارتے ہوئے رکا۔ وہ سفید گدلی شرٹ کے آستین چڑھائے دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے ہوئے تھا۔ گیلے بال ماتھے پہ جمے تھے اور مٹی والا چہرہ اوپر اٹھائے اونچائی کی سمت دیکھ رہا تھا۔ یوں لگتا' وہ برسوں سے اس جنگل میں بھٹک رہا ہو۔

''جی تو انکو!'' وہ ڈنڈا نیچے پھینکتی سامنے آئی۔ گالوں پہ مٹی جمی تھی' الجھی چوٹی کندھے پہ گری تھی' اور آنکھوں میں ناراضی تھی۔

''اس درخت پہ چڑھو۔ اوپر آخری شاخ تک اور وہاں سے دیکھ کے بتاؤ کہ... اس جنگل کے پار کیا ہے۔'' وہ اوپر دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے حکم دے رہا تھا۔

تالیہ نے ہتھیلی سے گال پہ لگی مٹی صاف کی' آستین مزید پیچھے کو چڑھائیں اور تیز قدموں سے درخت کی جانب بڑھی۔ وہ چار دن کی تھکی اور پست حوصلہ تالیہ نہیں تھی۔ شہزادی تاشہ پہ آتا غصہ توانائی دے رہا تھا۔

درخت کانٹوں سے بھرا تھا۔ سب کچھ اتنا نوکیلا تھا کہ احتیاط سے چڑھنا پڑتا مگر اس کے لئے یہ آسان تھا۔ ہاتھوں پہ اس نے پھٹے کوٹ کا کپڑا لپیٹ لیا اور اوپر چڑھتی گئی۔ بالکل کسی بلی کی طرح۔

وان فاتح اور ایڈم گردنیں اٹھائے' ہاتھوں سے آنکھوں پہ سایہ کیے اس کو دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اونچے درخت پہ غائب ہو گئی۔

پھر چند منٹ بعد وہ نیچے اترتی دکھائی دی۔

''تو... کیا دیکھا تم نے؟ کیا ہے جنگل کے چاروں طرف؟''

''اوہ گاڈ تو انکو۔'' وہ درخت سے اترتے ہی آنکھوں میں حیرت اور خوشی سموئے بولی۔ ''ہمیں غلط فہمی ہوئی تھی۔ ہم تو 2016ء میں ہی ہیں۔ جنگل کے باہر کوالالمپور ہے۔ دو میل کے فاصلے پہ مجھے سینٹرل پارک نظر آرہا ہے۔''

ایڈم کا منہ بے یقینی سے کھلا۔ خوشی سے لب وا ہوئے۔ پھر ذرا ٹھہرا۔ فاتح کو دیکھا جو بالکل سنجیدہ تھا۔ ایڈم کی مسکراہٹ سمٹی۔ شک سے تالیہ کو دیکھا۔

''آپ جھوٹ بول رہی ہیں؟''

''ظاہر ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ کیوں؟ تم چہرے نہیں پڑھ سکتے کیا؟'' ناک سکوڑ کے جتا کے بولی اور اس کی طرف سے رخ پھیر لیا (ہونہہ)۔ ایڈم پہ گویا اوس پڑ گئی۔

''قریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پہ شمال کی طرف یہ رین فاریسٹ ختم ہو جاتا ہے۔'' وہ اب سنجیدگی سے فاتح کو بتا رہی تھی۔ ''اس کے آگے درختوں کا سلسلہ ہے مگر وہ کسی جنگل کے درخت لگتے ہیں۔ وہاں روشنی ہوگی' غذا ہوگی' جانور ہوں گے۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی آبادی دکھائی نہیں دی۔ بس درخت ہی درخت ہیں۔''

''یعنی ہمیں کل صبح ہوتے ہی شمال کی طرف سفر کرنا ہوگا۔ ایک دفعہ ہم جنگل پہنچ جائیں' آگے کوئی راستہ مل ہی جائے گا۔'' وہ پرامید لگ رہا تھا۔

(رین فاریسٹ اور جنگل میں فرق یہ ہوتا ہے کہ جنگل میں درخت ذرا فاصلے پہ ہوتے ہیں اس لیے آسمان دکھائی دیتا ہے اور سورج کی روشنی زمین تک پہنچ سکتی ہے یوں زمین پہ پودے اور جھاڑیاں خوشی خوشی نشوونما پاتے ہیں۔ مگر رین فاریسٹ کے درخت اتنے گنجلک ہوتے ہیں' اور اوپر جا کے اتنے گھنے ہو جاتے ہیں کہ ان کی کینوپی سی بن جاتی ہے۔ سبز چھت۔ یوں سورج کی روشنی زمین تک نہیں پہنچ سکتی اس لیے زمین پہ پودے اور جھاڑیاں بہت کم اگتی ہیں اور درخت بارش کے پانی کے باعث نشوونما پاتے ہیں۔ اکثر بڑے بڑے جنگلوں کے درمیان کچھ حصے پہ ایک گھنا سا رین فاریسٹ اُگ آتا ہے۔ یہ بھی کوئی ایسا ہی رین فاریسٹ تھا جو یقیناً کسی بڑے جنگل کے درمیان میں تھا۔)

☆☆=========☆☆

مغرب اترنے میں زیادہ وقت نہیں رہ گیا تھا۔ ایڈم خفا نظر آرہا تھا مگر اس سے زیادہ تھکا ہوا۔ وہ وہیں ایک پتھر پہ بیٹھ گیا اور پیشانی چھو کے دیکھنے لگا۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' سامنے کھڑے فاتح نے تشویش سے پوچھا۔

''توانائی ختم ہو رہی ہے میری۔ شاید بخار ہو رہا ہے۔'' وہ نڈھال لگ رہا تھا۔

''کیوں؟ تم نے اپنی کتابوں میں بخار کا علاج جڑی بوٹیوں سے کرنا نہیں سیکھا؟'' وہ پلکیں جھپک جھپک کے بولی تو فاتح نے ایک برہم

نظر اس پہ ڈالی۔

''اس کی طبیعت خراب ہے' تالیہ۔''

''اوہ۔افسوس ہوا۔مگر فکر نہ کرو۔ہم شہزادی تاشہ کے پاس پہنچ جائیں تو وہ ایڈم کا علاج کر دے گی۔بہت ہمدرد اور نیک دل شہزادی ہے نا وہ۔''

''جی ہاں۔اور بہت خوبصورت بھی۔'' وہ نقاہت سے چہرہ اٹھا کے بولا۔

''چھ سو سال پرانی شہزادی کے بارے میں کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ خوبصورت بھی تھی؟''

''پانچ سو ستاون سال' بے تالیہ!'' نقاہت سے آنکھیں بند کرتے' تنے سے ٹیک لگاتے وہ تصحیح کرنا نہیں بھولا تھا۔وہ ہونہہ کر کے رہ گئی۔

(تاشہ...تاشہ...اسے اس نام سے چڑ ہونے لگی تھی۔)

اوپر درختوں کے جھروکوں سے دکھائی دیتا آسمان تیزی سے اندھیر ہونے لگا۔یہاں سورج ڈھلنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔آدھے گھنٹے کے اندر اندر گھپ اندھیرا ہو جاتا تھا۔

فاتح اندھیرے کی پرواہ کیے بغیر آگے درختوں کی طرف بڑھ گیا تو وہ ایک تنے کے ساتھ بیٹھی اور تھیلے سے کوکو پھل نکال لیا۔یہ کٹا ہوا تھا۔وہ انگلی سے گودا پوروں پہ نکال نکال کے منہ میں ڈالنے لگی۔جیسے جار میں سے مایونیز کھا رہی ہو۔ایک سرسری نظر ایڈم پہ ڈالی جو نقاہت سے آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔

''تم تو نہیں کھاؤ گے نا؟''

ایڈم نے آنکھیں کھول کے ناراضی سے اسے دیکھا۔

''بہت شکریہ بے تالیہ۔میں نہیں کھاؤں گا۔''

وہ مسکرائی' شانے اچکائے اور انگلی لبوں میں ڈالے سفید گودا کھائے گئی۔ایڈم نے بے بسی بھری ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

''آپ شاید ٹارگٹ اور رینڈز زندگی گزارنے کی عادی ہیں۔اگلے مارک کے بارے میں سوچتے رہنے کی۔تب ہی جیسے ہی آپ کو معلوم ہوا کہ شہزادی تاشہ آپ کی دشمن ہے....آپ کے اندر توانائی سی بھر گئی ہے....''

وہ جو انگلی سے گودا چوس رہی تھی۔رکی' اور آنکھیں گھما کے اسے دیکھا۔

''اگر کوئی تمہارے بابا کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دے صرف اس لئے کہ وہ اپنے گاؤں کے غریبوں کے لئے لڑ رہے تھے' تو کیا تم بدلہ نہیں لینا چاہو گے؟''

''اور آپ بدلہ کیسے لیں گی شہزادی تاشہ سے؟''

''پہلے اپنے بابا کو اس کی قید سے چپکے سے نکال لاؤں گی اور پھر....'' وہ کچھ سوچ کے مسکرائی۔نچلا لب دانتوں سے دبالیا۔''شہزادیوں

کے پاس بہت زیور ہوتا ہے۔ سونے' چاندی' ہیرے' زمرد' یاقوت۔'' اس کے جیسے منہ میں پانی آ رہا تھا۔ ''شہزادی تاشہ سے اس سے اچھا بدلہ کیا ہوگا کہ اس کا سارا زیور اس سے چھین کے اس کو قلاش کر دیا جائے؟''

''یا اللہ' چ تالیہ۔'' ایڈم نے بے اختیار پیشانی چھوئی۔ ''آپ نے کہا تھا آپ چوری چھوڑ دیں گی۔ مگر آپ ابھی بھی شہزادی کے ہیرے جواہرات کا لالچ رکھے ہوئے ہیں۔''

''لالچ میرے ڈی این اے میں شامل ہے۔'' اور گودے سے بھری انگلی لبوں میں رکھ لی۔ ایڈم صدمے سے اسے دیکھے گیا۔

''کیا واقعی آپ تاشہ کے محل میں چوری کا منصوبہ بنائے ہوئے ہیں؟''

''تالیہ کے پلانز ہیں۔ تالیہ کی مرضی!'' اس نے شانے اچکائے' آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔ (خواب میں دیکھا شہزادی کا زیوروں سے بھرا ہاتھ یاد آیا۔ اگر وہ یہ زیور چرا کے واپس اپنے زمانے میں لے جائے تو اس کی قیمت....اُف!) اسے مزا آنے لگا۔

وہ فیز فور میں پہنچ چکی تھی۔

''دان فاتح کہاں رہ گئے۔'' یکدم ایڈم نے پریشانی سے ادھر ادھر دیکھا۔

''وہ تمہارے لئے آگ کا بندوبست کرنے گئے ہیں۔''

''مگر میں کتنی دفعہ بتا چکا ہوں کہ سارے فاریسٹ کی لکڑی گیلی ہے۔ نم لکڑی سے آگ نہیں جلے گی۔''

''ان کو کیا معلوم؟ وہ کتابیں تھوڑی پڑھتے ہیں۔''

ایڈم نے اس دفعہ جواب تک نہیں دیا۔ بس آنکھیں موندلیں۔

فاتح واپس آیا تو ایک ہاتھ میں لکڑیاں اٹھائے ہوئے تھا۔ گیلے بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور تنفس پھولا ہوا تھا۔

نیچے بیٹھ کے اس نے لکڑیاں سامنے رکھ دیں۔ پھر چند پتلی سوکھی ٹہنیوں کو گھونسلے کی صورت رکھا اور ایک بڑی گیلی لکڑی اٹھائی گویا درخت کے تنے کی چھال ہو جو لمبائی میں اکھاڑ لایا تھا۔

''سر.... یہ گیلی ہیں۔ ان سے آگ کیسے جلے گی؟''

فاتح نے جواب نہیں دیا۔ خنجر سے لمبی لکڑی کے سرے کو کاٹا اور اسے مٹر کے چھلکے کی طرح کاٹ کے دو حصوں میں کھولتا گیا۔ اندر ایک پتلی لمبی لکڑی پڑی تھی۔

''یہ ڈیڈ ووڈ ہے۔ مردہ خشک لکڑی۔ اس سے ہم آگ جلائیں گے۔'' بغیر جتائے کہتے ہوئے اس نے مردہ لکڑی سوکھی ٹہنیوں کے ساتھ رکھی۔ ایڈم کی رنگت خفت سے گلابی ہوئی۔ فوراً تالیہ کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''کیوں؟ تم نیشنل جیوگرافک نہیں دیکھتے کیا؟'' آنکھیں جھپکا کے سادگی سے پوچھا۔ اس کا جسم پہلے درد سے ٹوٹ رہا تھا' اوپر سے چ تالیہ کی باتیں۔ وہ سرخ پڑتے کانوں کے ساتھ رخ ہی موڑ گیا۔

جنگل کے اس حصے میں اب خاموشی چھا گئی تھی۔ واحد آواز پرندوں کی تھی یا اس خنجر کی جسے فاتح ایک گیلی موٹی لکڑی پہ رگڑ رہا تھا۔ لکڑی کا بورا سا ٹہنیوں کے ڈھیر پہ گرنے لگا۔ (یہی سفوف آگ کو بھڑکانے کے کام آتا تھا۔)

جس طرح وہ زمین پہ بیٹھا' گردن جھکائے لکڑی چھیل رہا تھا' اس کو دیکھ کے تالیہ کے دل میں افسوس جاگنے لگا۔

''آپ نے کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا... تو انکو.... کہ آپ چھ سو سال پیچھے چلے جائیں گے۔''

(''پانچ سو ستاون سال۔'' ایڈم رخ پھیرے بغیر خفگی سے بڑبڑایا۔)

''میں حال کے بارے میں سوچتا ہوں' تالیہ۔''

''کبھی آپ مجھے تاشہ کہتے تھے۔'' وہ مزید اداس ہوئی۔

''تب مجھے تم پہ بھروسہ نہیں تھا۔''

''اور اب؟''

''اب ہے۔'' وہ سر جھکائے چاقو لکڑی پہ رگڑے جا رہا تھا۔ بار بار گیلے بال انگلیوں سے پیچھے کرتا' لیکن وہ پھر سے ماتھے پہ آن گرتے۔

''آپ کا چیئرمین کا الیکشن سر پہ تھا۔ چار دن سے آپ غائب ہیں۔ سارا ملک آپ کو ڈھونڈ رہا ہو گا... اور اشعر اب چیئرمین بن جائے گا۔'' اندھیرے کے ساتھ اس پہ پھر سے قنوطیت طاری ہونے لگی۔

''جب ہم واپس جائیں گے تو میں راستہ نکال لوں گا۔ وان فاتح کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''

''ایک منٹ۔'' ایڈم نے رخ موڑا۔ چہرے پہ حیرت تھی جو اندھیرے کے باوجود عیاں تھی۔ ''وقت کا اصول ہے کہ اگر ہم اس میں سفر کریں تو ہماری واپسی تک وہ رک جاتا ہے۔ یعنی ہم اس کے آگے بڑھنے سے پہلے واپس آ سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے' ہمارے پیچھے ن باؤ کے گھر میں وقت وہیں ٹھہر گیا ہو۔ ہم کئی دن بعد بھی واپس جائیں تو وقت وہیں سے شروع ہو۔''

''اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہے' ایڈم۔ ہمیں ابھی یہ بھی یقین نہیں ہے کہ ہم کس دور میں واپس آئے ہیں!''

''مجھے یقین ہے یہ وہی دور ہے' تو انکو'' وہ تیزی سے بولی۔ ''چار دن پہلے جب ہم اس جنگل میں آئے اس سے چند لمحے قبل ہی گیارہ سالہ تالیہ نے دروازہ پار کیا تھا۔ وقت ٹھہر گیا تھا۔''

''مگر آپ گیارہ سالہ لڑکی کے طور پہ نہیں لوٹیں۔'' ایڈم بول کے پچھتایا۔ وہ تندہی سے اس کی طرف گھومی۔

''چابی سے وقت آگے اور پیچھے ہوتا ہے' ایڈم۔ ایک پلا پلایا انسان چھوٹا کیسے ہو سکتا ہے؟ سائنس نہیں پڑھی کیا تم نے؟''

''یا اللہ! ایسے ہی ایک بات کہہ رہا تھا!'' وہ چڑ گیا۔

''مستقبل کے بارے میں پریشان ہونا چھوڑ دو' حال کی فکر کرو۔'' وہ اب ٹہنیوں کو جوڑ رہا تھا۔ پھر اس نے چاقو اور ایک لوہے کا آلہ (لاک پک) جو تالیہ کے بیگ میں تھا نکالا اور ان کو اوپر تلے رکھ کے رگڑا۔ ایک دفعہ۔ دو دفعہ۔ چنگاریاں نکلتیں مگر آگ نہ جلتی۔

تالیہ آگے کو جھکی اور پھونکیں مارنے لگی۔ فاتح بار بار دونوں دھاتوں کو رگڑتا۔ یکا یک شعلہ سا جلا اور لکڑیوں نے آگ پکڑ لی۔ تالیہ ابھی تک پھونکیں مار رہی تھی۔ فاتح نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم فیز تھری میں آ چکی ہو۔'' آگ نے سارے کو روشن کر دیا تھا۔

''میں فیز تھری سے آگے نکل چکی ہوں۔ معلوم نہیں آپ لوگ میرا ساتھ دے بھی سکیں گے یا نہیں۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈنڈا اٹھا لیا۔ فاتح نے اسے نہیں روکا۔ وہ آگے چلتی جا رہی تھی۔ شاید یونہی جنگل میں ٹہلنے۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں' چے تالیہ؟'' ایڈم فکرمندی سے پکارا تھا۔ ''اس وقت جنگل خطرناک ہوتا ہے۔''

''یہ جنگل نہیں' رین فاریسٹ ہے۔ کیوں؟ ڈکشنری نہیں پڑھتے کیا؟'' وہ بے نیازی سے آگے بڑھ گئی۔ ایڈم نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''جب ہم واپس جائیں گے تو پہلا کام چے تالیہ کو پولیس کے حوالے کرنے کا کریں گے۔''

وہ جو ایڈم کے تھیلے سے پتے نکال نکال کے ان کا معائنہ کر رہا تھا' دھیرے سے ہنس پڑا۔

''وہ چوری چھوڑ چکی ہے' ایڈم۔''

ایڈم نے تڑپ کے اس کی طرف چہرہ موڑا۔ ''آپ کی اطلاع کے لیے وہ شہزادی تاشہ سے بدلے کے طور پہ اس کا زیور چرانا چاہتی ہیں۔ وہ اب بھی چوری کا ہی سوچ رہی ہیں' سر۔''

''ہم اس وقت ایک کرائسس میں ہیں' ایڈم۔'' آگ کے دوسری جانب وہ اکڑوں بیٹھا گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''زندگی کے کچھ کرائسس جنگل کی مانند ہوتے ہیں اور جنگل میں صرف ایک سمت میں چلا جاتا ہے۔ ورنہ بھول بھلیاں مار ڈالتی ہیں....''

تالیہ ان سے دور ڈنڈا زمین پہ مارتی چلتی جا رہی تھی۔ مسکراہٹ غائب تھی۔ وہ اداس لگتی تھی۔

''ہر انسان کرائسس میں مختلف طریقے سے ردِعمل دیتا ہے۔ بعض دفعہ اپنے برے وقت کو کاٹنے کے لئے اسے لالچ کا سہارا لینا پڑتا ہے....''

وہ ایک درخت تلے جا ٹھہری اور گردن اٹھا کے اوپر دیکھنے لگی....

''انسان کو ایک فینٹسی چاہیے ہوتی ہے۔ کچھ ایسا جس کی تکمیل اس کو متحرک رکھے.... دنیا والوں کے نزدیک وہ فینٹسی .... وہ ناممکن خواب بری چیز ہو سکتا ہے لیکن جو انسان اس جنگل میں گھرا ہوتا ہے اُس کے لئے واحد روشنی وہی فینٹسی ہوتی ہے۔''

اب وہ درخت کے تنے سے سر ٹکائے کھڑی اوپر دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں اداس تھیں۔ ہاتھ دل پہ رکھا تھا۔

''تو اگر کبھی انسان صرف چلتے رہنے کی غرض سے ....کسی اچھوتی چیز کی خواہش دل میں زندہ رکھے ....کوئی خواب' کوئی فینٹسی ....جس کا انتظار...جس کے ملنے کی تمنا اسے امید دلائے' اور اس کے قدم مثبت سمت اٹھتے رہیں....تو اِٹس او کے۔کبھی کبھی خود کو تھوڑی رعایت دے دینی چاہیے۔''

تالیہ نے آنکھیں موند لیں اور دھیمے سروں میں کوئی گیت سا گنگنانے لگی۔

''اور کرائسس سے نکل آنے کے بعد وہ عجیب خواہشیں خود ہی غائب ہو جاتی ہیں....اس لیے عجیب خواہشوں اور خوابوں پہ کبھی نادم نہیں ہونا چاہیے۔ہم انسان ہیں اور یہ ہماری ضرورت ہیں۔اس لیے ....خود کو رعایت دے دیا کرو....''

اب وہ آنکھیں کھولے اوپر درختوں کے سروں کو دیکھتی گنگنا رہی تھی۔ہاتھ ابھی تک دل پہ تھا۔

''رہی تالیہ...تو اگر اسے لگتا ہے کہ بہت سے زیور اسے خوشی دے سکتے ہیں' تو اسے اس خیال میں جینے دو۔اگر یہ خیال اسے جنگل سے باہر لانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اِٹس او کے۔''

''مگر وہ مجھے اتنی باتیں سنا رہی ہیں۔'' الاؤ کے پار نیم دراز ایڈم خفا ہوا۔

''وہ صرف تمہیں تنگ کر رہی ہے۔''

''مگر کیوں؟''

''کیا اس کے پاس کرنے کو کچھ اور ہے؟'' الاؤ کے پار بیٹھے فاتح نے ابرو اٹھا کے پوچھا تو وہ چپ ہو گیا۔ڈنڈے کی آواز آنے لگی تھی۔وہ اب واپس آ رہی تھی۔ایڈم خاموش ہو گیا۔سارا جنگل خاموش ہو گیا۔

اب ایک اور رات بہت سے شور اور بہت سی خاموشی میں کٹنی تھی۔

☆☆=========☆☆

صبح ہوئی تو سورج یوں نکلا گویا کبھی ڈوبا ہی نہیں تھا۔گرمی بڑھ گئی تھی۔اور ایڈم کی حالت مزید خراب ہو رہی تھی۔وہ کبھی پیٹ پہ ہاتھ رکھتا ' کبھی گردن پہ۔مگر چلتے رہنا بھی مجبوری تھی۔

وہ تینوں آگے پیچھے گدلی زمین پہ چلتے جا رہے تھے۔ایڈم بار بار پیچھے رہ جاتا تو فاتح کو رکنا پڑتا۔

''کیا تم کوئی دوا' کوئی بوٹی جانتے ہو جو تمہاری تکلیف رفع کر سکے؟'' فاتح اس کے لیے فکر مند تھا۔

''میں خود نہیں جانتا سر مجھے ہو کیا رہا ہے۔''

''نہیں جانتے تو جلدی چلو پھر...ہمیں دن کی روشنی میں اس رین فاریسٹ سے نکلنا ہے۔'' وہ ڈپٹ کے کہتی آگے بڑھ گئی تو ایڈم نے جہاں دکھ سے اسے دیکھا' وہیں فاتح کا دماغ کھول اٹھا۔

''وہ بیمار ہے' تالیہ!'' آواز میں غصہ اور گرج تھی۔ وہ رکی' اور گردن موڑ کے بے نیازی سے ان دونوں کو دیکھا۔

''ایڈم بیمار نہیں ہے۔ اب جلدی چلیں۔'' اور سر جھٹک کے آگے بڑھ گئی۔ فاتح ضبط کر گیا' پھر ایڈم کے کندھے کو تھپکا۔ ''ہمت کرو۔''

ایڈم نے اثبات میں سر ہلایا اور قدم اٹھانے لگا۔

قریباً ڈھائی گھنٹے گزرے تھے جب چلتے چلتے ایک دم ڈھیر ساری روشنی نظر آئی۔ سب سے آگے چلتی تالیہ ٹھہر گئی۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ پھر وہ تیزی سے اس طرف دوڑی۔

درخت ختم ہو گئے تھے۔ باہر گھاس تھی۔ سبز چھت کی حدود بھی ختم ہو گئی۔

جیسے کوئی طلسم سا ٹوٹا تھا۔ قید ختم ہوئی تھی۔

اس نے بے یقینی سے سر اٹھایا۔

اوپر کھلا آسمان تھا۔ صاف سنہری آسمان جہاں سورج چمک رہا تھا....وہ دونوں بازو پھیلائے بے یقینی سے ایڑیوں پہ گھومی۔ گول ۔گول۔

یہاں سے جنگل شروع ہو رہا تھا۔ جنگل کی زمین گھاس اور جھاڑیوں سے ڈھکی تھی۔ فاصلے فاصلے پہ موٹے تنے کے درخت اُگے تھے۔ یہ مختلف قسم کے درخت تھے۔ درمیان میں اتنا فاصلہ تھا کہ آسمان نظر آتا۔ زمین اور درخت یہاں بھی گیلے گیلے سے تھے مگر مٹی گھاس کے باعث پھسلن زدہ نہیں تھی۔ کہیں جنگلی پھول اُگے تھے۔ دور بہتے پانی کی آواز۔ جانوروں کی مختلف بولیاں۔ زندگی سے بھرپور وہ ''جنگل'' تھا۔ ایک خوبصورت جنگل۔

وہ خوشی سے مڑی تو وہ دونوں بھی درختوں کے جھنڈ سے باہر نکلتے دکھائی دیے۔ فاتح بیگ کندھے پہ ڈالے آگے تھا اور نڈھال سا ایڈم پیچھے۔ (بیگ وہ تینوں باری باری اٹھاتے تھے۔ ابھی ایڈم کی باری تھی اور تالیہ نے ایڈم کو بیگ پکڑا بھی دیا تھا مگر فاتح نے وہ اس سے لے لیا تھا۔)

''چلیں....ہم نے اس طرف جانا ہے۔ میں نے اوپر سے دیکھا تھا۔ اس طرف آگے جنگل کم گھنا ہو جائے گا۔'' وہ اشارہ کرتے ہوئے بولی تو فاتح کو اسے ٹوکنا پڑا۔

''تالیہ ہمیں ٹھہرنا ہو گا۔ ایڈم مزید نہیں چل سکتا۔''

''کیوں؟'' وہ ایڈم کی طرف گھومی اور کمر پہ ہاتھ رکھے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

''کیونکہ اگر اس کی جگہ تم بیمار ہوتیں تو بھی میں یہی کرتا۔''

''غلط کرتے۔ اور وہ کوئی بیمار نہیں ہے۔ اب چلیں۔'' وہ رکھائی سے کہتی آگے بڑھ گئی۔

''میں چل سکتا ہوں' سر! اِٹس اوکے۔'' وہ اداسی سے کہتے ہوئے قدم اٹھانے لگا۔ اس کے انداز سے لگتا تھا اسے رونا آ رہا ہو مگر ضبط کر

رہا ہو۔ وہ ان تینوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ کم عمر اور سادہ۔ اسے اپنی ماں یاد آ رہی تھی۔ جب وہ بیمار ہوتا تو وہ کس طرح... سر جھٹک کے اس نے یادوں کو ذہن سے جھٹکا' اور بہت سے آنسو پی کر چلنے لگا۔ اسے تالیہ سے کسی قسم کی رعایت کی امید نہ تھی۔

ان کے راستے میں بہت سے درخت آئے تھے مگر ان میں سے کوئی بھی پھلدار نہ تھا۔ ان جان چیزیں اُگی تھیں۔

کافی آگے ایک جگہ چشمہ بہہ رہا تھا۔ صاف' ٹھنڈے پانی کا۔ قریب ہی درخت اُگے تھے۔ فاتح نے ایڈم کو ادھر بیٹھنے کا اشارہ کیا' اور خود چشمے کی طرف آیا۔ جھک کے پانی سے ہاتھوں کے کٹورے بھرے اور اسے منہ پہ ڈالا۔

''تالیہ.... ہم یہاں ٹھہر رہے ہیں۔ میں آگ جلاتا ہوں' تا کہ ایڈم کو حرارت ملے۔ اسے ٹھنڈ لگ رہی ہے۔ تم اس کے لئے کوئی دوا ڈھونڈو۔''

''کیوں؟ وہ بیمار تھوڑی ہے۔'' وہ نروٹھے پن سے کہتی اٹھی' اپنا خنجر نکالا اور ایک طرف چل دی۔ فاتح نے برہمی سے مڑ کے اسے دیکھا۔ وہ دور جا رہی تھی۔ وہ سر جھٹک کے اپنے اوپر پانی ڈالنے لگا۔ جنگل میں شدید خارش اور الرجی سے بچنے کے لیے بار بار خود کو پانی سے دھونا بہت ضروری تھا مگر یہ پانی بھی تالیہ پہ آیا غصہ کم نہیں کر پا رہا تھا۔

☆☆==========☆☆

ایڈم بن محمد نقاہت سے آنکھیں موندے ایک درخت سے لگا بیٹھا تھا۔ فاصلے پہ فاتح ایک دوسرے درخت کے تنے سے ٹیک لگائے چند جنگلی پھول اپنے ہاتھ پہ رگڑ رہا تھا۔ کبھی کسی کو سونگھتا' کسی کو پھینک دیتا۔ فکرمندی سے بار بار ایڈم کو دیکھتا جس کی گردن اب ڈھلکی ہوئی تھی۔ دونوں کے درمیان الاؤ جل رہا تھا۔

یکا یک بارش کی بوندیں ٹپ ٹپ برسنے لگیں۔ اس نے بوٹیوں کا تھیلا پرے ڈال دیا اور خود بے بسی سے ٹیک لگالی۔ بارش نے چند لمحوں میں ہی الاؤ بجھا ڈالا۔ تب ہی قریب آتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس نے گردن نہیں موڑی۔ جانتا تھا کہ وہ تالیہ ہی ہے۔ بس سامنے دیکھتا رہا۔

پیچھے کہیں سے تالیہ کے آنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ کچھ گھسیٹ کے لا رہی تھی۔ کنکھیوں سے نظر آ رہا تھا کہ تالیہ ہرن کے ایک بچے کو گھسیٹ کے لا رہی تھی۔

وہ زندہ تھا شاید۔ تڑپ رہا تھا۔ گردن میں خنجر گھونپا ہوا تھا' خون بہے جا رہا تھا مگر وہ اسے قابو کیے ہوئے تھی۔ بدقت کھینچتی وہ اسے فاتح کے سامنے لائی' اور اس کی گردن پہ اپنا کیچڑ آلود پیر رکھ کے بیٹھی اور چاقو اس کی گردن سے نکالا۔ خون بھل بھل بہنے لگا۔

فاتح خاموش نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ اس کے منہ پہ مٹی لگی تھی اور الجھے سنہرے بال گرد آلود تھے.... چہرے پہ زخم کے نشان بھی تھے اور چبھتی ہوئی نظریں فاتح پہ جمی تھیں۔

ہرن اس کی گرفت میں کسمسا رہا تھا' پھڑپھڑا رہا تھا' مگر تالیہ نے اپنا پاؤں اس کی گردن پہ جما رکھا تھا۔

''آپ نے مجھ سے پوچھا تھا... یاد ہے...'' وہ نظریں اس پہ جمائے کیچڑ پہ رکھا چاقو اٹھاتے ہوئے مصنوعی ساغرائی۔ ''کہ تاشہ تمہارے ٹیلنٹ کیا ہیں؟ تمہاری زندگی میں کامیابیاں کیا ہیں؟ تمہیں کیا آتا ہے؟'' وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کے ادا کر رہی تھی۔ چاقو اب ہرن کی گردن سے لگا رکھا تھا۔

''مجھے... یہ آتا ہے۔'' اور ساتھ ہی چاقو تیزی سے اس کی گردن میں گھونپ دیا۔ معصوم جانور چلایا... تڑپا... خون کے تازہ چھینٹے فاتح کے چہرے اور شرٹ پہ آ گرے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سر جھٹکا۔ بولا کچھ نہیں.....

ہرن تڑپ رہا تھا... خون بہہ رہا تھا... اس کے کپڑے... زمین... سرخ خون سے رنگین ہوتی جا رہی تھی.... اور وہ زیرِ لب کچھ پڑھتے ہوئے مہارت سے ننھے غزال کی گردن کو ذبح کر رہی تھی۔ دھیرے دھیرے اس کی مزاحمت دم توڑتی گئی اور وہ بے جان ہو گیا۔

''اس طرف بہت سے ہرن ہیں۔ مگر ایک وقت میں ایک ہی کافی ہے ہم پہ۔ کیوں' تو انکو؟ کیسا لگا میرا نشانہ؟'' وہ جتاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ ''ویسے بھی حالم کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا' جیسے حالم کے خواب کبھی جھوٹے نہیں ہوتے۔'' پھر خنجر چلاتا ہاتھ روکا۔ ''یہی منظر میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ یعنی میرے خواب علامتی نہیں تھے۔ وہ ہو بہو حقیقت کا عکس تھے اور میں ان میں علامتیں تلاش کرتی رہی۔''

فاتح اسی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''اور جو میں نے تمہیں لینے بھیجا تھا؟ ایڈم کی دوا؟''

''مگر ایڈم بیمار نہیں ہے۔'' وہاں بے نیازی سی بے نیازی تھی۔ وان فاتح کے تو سر پہ لگی' تلوں پہ بجھی۔ ماتھے پہ بل پڑے۔ وہ کچھ سخت کہنے ہی لگا تھا کہ.....

''جب میں ملائیشیا آئی تھی تو میرا وزن اس سے پچیس کلو زیادہ تھا۔ میں نے کئی ماہ لگا کے وزن گھٹایا۔ اور تب سے وزن کے ساتھ جنگ لڑ رہی ہوں اور اس دوران میں نے فاقے بھی کیے۔ اور ڈپریشن میں اوور ایٹنگ بھی کی۔ غرض میں ہر طرح کی 'بھوک' سے لڑتی رہی ہوں۔'' وہ خون آلود ہاتھوں سے گوشت کے ٹکڑے ہرن کے اندر سے نکال رہی تھی۔ اتنی مہارت اور صفائی سے کہ وہ رک کے دیکھنے لگا۔

(وہ واقعی کسی شکاری کی اولاد تھی۔) پیچھے لیٹا ایڈم بھی سن رہا تھا گو کہ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

''مجھے قدرتی جڑی بوٹیوں کا تو علم نہیں مگر میں کئی سال سے ایک ایسی عورت کے ساتھ رہی ہوں جس کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی 'بھوک' ہے۔ ان سات سالوں میں اس کو پچاس قسم کے مختلف پیٹ درد ہو چکے ہیں جن کے لئے میں اس کے ساتھ ڈاکٹرز پہ گئی ہوں اور ہر دفعہ وجہ ایک ہی نکلتی ہے۔ بھوک۔ خوراک۔ اس لئے وان فاتح.... جب تالیہ کہہ رہی ہو کہ ایڈم بیمار نہیں ہے' تو ایڈم بیمار نہیں ہے۔ ایڈم .... صرف.... بھوکا ہے!''

گوشت کی چند بوٹیاں اس نے ایک پتے پہ رکھیں اور اٹھ کے بجھے الاؤ کے قریب آئی۔

''آپ سلیبرٹی ہیں' فٹ رہتے ہیں' مجبوری ہے کہ رہنا پڑتا ہے' آپ کی بھوک آپ کے تابع ہے۔'' وہ لکڑیوں پہ بوٹیاں سیخوں کی طرح پرونے لگی۔ ''میں کیٹ برگلر (چور) ہوں' مجھے روشن دانوں اور وینٹ کی سرنگوں میں گھسنا ہوتا ہے' دبلا رہنا میری مجبوری ہے۔ مگر ایڈم

کی بھوک اس کے تابع نہیں ہے۔ وہ نارمل انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہے اور وہ چار دن سے غیر فطری غذا کھا رہا ہے۔ ایڈم بیمار نہیں ہے' تو انکو۔ ایڈم صرف بھوکا ہے۔ اور جب وہ یہ بھنا ہوا گوشت کھائے گا' تو اس کی توانائی واپس آجائے گی۔ لیکن یہ بات پتہ نہیں کیوں ایڈم کو خود نہیں سمجھ آئی۔ کیوں ایڈم ...'' وہ معصومیت سے اس کی طرف گھومی۔ ''تم نے کبھی متوازن غذا کے اوپر لکھی کوئی کتاب نہیں پڑھی؟''

فاتح کے لبوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی۔ اس کی ساری کلفت دور ہو گئی تھی۔ ایڈم اپنی جگہ گنگ ہو گیا۔ پہلے تو اسے تالیہ کے اس ''خیال رکھنے کے عمل'' پہ یقین ہی نہ آیا۔ پھر جب محسوس ہوا کہ وہ اس کو دیکھ رہی ہے تو خفگی سے رخ موڑ گیا۔ دونوں ہاتھ ابھی تک پیٹ پہ تھے۔ درد بہت شدید تھی۔

بارش تھمنے کے بعد جب دوبارہ آگ جلائی گئی اور لکڑی کی سیخوں پہ دہکتی گوشت کی بوٹیوں کو آگ نے چھوا تو ان سے مختلف قسم کے رس نکلنے لگے۔ اشتہا انگیز خوشبو سے بوجھل دھوئیں کے مرغولے اٹھ اٹھ کے فضا میں گم ہونے لگے۔

باربی کیو کی زبردست مہک نے تینوں کی طبیعت پہ بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔ اتنے دن بعد ... اتنی بھوک کاٹنے اور اذیتیں اٹھانے کے بعد ... بھنے گوشت کی وہ مہک ... ایک دم ماحول خوشگوار ہو گیا تھا۔

اور پھر مہک سے بوجھل دھواں اوپر فضا میں گم ہونے لگا.....

مگر کیا وہ واقعی گم ہو رہا تھا؟ یا وہ مختلف سمتوں میں پھیلتا جا رہا تھا؟

جنگل سے لڑائی نہیں لڑی جاتی ... کیونکہ جنگل زندہ ہوتا ہے۔ اور جنگل میں انسان کا پتہ اس کی آواز اور چاپ سے پہلے اس کی ''خوشبو'' دے دیتی ہے....

یہ خوشبو ان کی جنگل میں پہلی سنگین غلطی تھی۔

☆☆=========☆☆

دوپہر اب ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ جنگل کے ان خوبصورت درختوں کے بیچ وہ تینوں الاؤ کے گرد بیٹھے تھے۔ ایڈم اپنے پتے پہ رکھا بھنے گوشت کا ٹکڑا شوق سے کھا رہا تھا۔ البتہ وہ خاموش تھا۔ فاتح کھاتے ہوئے کبھی اس کو دیکھتا اور کبھی تالیہ کو۔

تالیہ ... جو خاموش ہو ہی نہیں ہو رہی تھی۔

''جب فوڈ ڈیپارٹمنٹ ایڈم بن محمد کے پاس تھا تو ہمیں کیا ملتا تھا کھانے کو' تو انکو؟'' وہ بوٹی توڑتے ہوئے ہاتھ ہلا ہلا کے بول رہی تھی۔ گوشت سخت تھا مگر کھانے لائق تھا۔ ''مرے ہوئے منحوس گراس ہوپرز ... بدمزہ پپیتا ... اور تو اور اس نے ہمیں termites بھی کھلائے ... وہ کیڑے ... اور ایک دفعہ تو کوئی چھپکلی بھی لے آیا کہ چے تالیہ' یہ زہریلی نہیں ہے' یہ آپ کھا سکتی ہیں۔''

ایڈم نے بس منتقم خاموش نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ فاتح کی طرف متوجہ تھی۔

''اور ... وہ کراہت آمیز جانور جس کا نام بھی مجھے یاد نہیں ... وہ کھلایا اس نے ہمیں ... تو انکو! اور وہ موٹا سا کیڑا ... کریہہ ... اور ...''

''اور کوکو کا پھل۔'' فاتح نے دھیرے سے یاد دلایا مگر تالیہ نظر انداز کر گئی۔

''اور وہ گندا سا پھول.... آخ تھو.... کیا کیا نہیں کھلایا اس نے ہمیں۔ مگر جب فوڈ ڈیپارٹمنٹ تالیہ مراد کے ہاتھ میں آیا تو کیا کھانے کو ملا ہمیں؟''

اب وہ باری باری دونوں سے رائے مانگ رہی تھی۔ اگر بنا نمک کے باوجود تنا لذیذ گوشت تالیہ نے نہ بھونا ہوتا تو ایڈم اسے ابھی پھینک دیتا مگر ضبط کر گیا۔ سر جھکائے کھاتا گیا۔ توانائی آنے لگی تھی۔ پیٹ در دعنقا ہو رہا تھا۔

''تالیہ مراد کی وجہ سے ہمیں یہ غزال ملا کھانے کو' توانکو۔ یہ لذیذ غزال۔ سوچیں اگر میں نہ ہوتی تو آپ کا کیا بنتا۔'' وہ لقمہ چباتے ہوئے مزے سے کہہ رہی تھی۔ پھر ہاتھ جھاڑ کے اٹھی۔

''میں جھرنے پہ ہاتھ دھونے جا رہی ہوں۔'' پھر اپنا بیگ اٹھا کے وان فاتح کے قریب سے نکل کے چلی گئی۔ ایڈم نے دانت کچکچا کے اسے جاتے دیکھا۔

''ایڈم.... وہ تمہارا خیال رکھ رہی ہے۔'' وہ تحمل سے سمجھانے والے انداز میں بولا تو ایڈم نے تڑپ کے اسے دیکھا۔

''یہ خیال رکھنا ہے؟''

''یہ اس کی دوستی ہے۔''

''پھر نہ معلوم دشمنی کیسی ہو گی۔''

فاتح نے کوکو کے چھلکے کے کٹورے سے بھرا پانی پیا اور پھر درخت کے تنے سے ٹیک لگالی۔

''اس کا ذہن عام انسانوں سے کہیں زیادہ تیزی سے کام کرتا ہے' اس لئے مجھے یقین ہے' اس کی دشمنی بہت خطرناک ہو گی۔ شہزادی تاشہ کو خبر دار رہنا چاہیے۔''

ایڈم نہیں ہنسا۔ بس پتا پرے رکھ دیا۔ ''مجھے ایسی دوستی نہیں چاہیے جس میں ہر وقت اتنی باتیں سننی پڑیں۔''

''دوستی میں باتیں سننی پڑتی ہیں۔ دوستی میں ہی تو سننی پڑتی ہیں۔''

مگر ایڈم کے ماتھے کے بل صاف نہیں ہوئے۔ 'صرف اس لئے کہ آپ کا دوست آپ کا خیال رکھ رہا ہے' آپ اس کی ہر بری بات برداشت کرتے جاؤ؟''

''اگر کوئی دوست آپ کے لئے toxic نہیں بن رہا تو اس کو برداشت کرنا چاہیے۔''

وہ دونوں کھلے جنگل کی گھاس پہ بیٹھے تھے۔ فاصلے فاصلے پہ درخت اُگے تھے۔ بارش کے بعد اب ہر سو ٹھنڈی چھایا پھیلی تھی۔

''کیا فرق پڑتا ہے کہ دوستی کیا ہے؟ میں فلسفوں میں نہیں الجھتا۔ زیادہ فکر اس بات کی کرتا ہوں کہ دوستی بچائی کیسے جاتی ہے؟''

دونوں کے درمیان جلتا الاؤ اب ٹھنڈا پڑ رہا تھا۔ سرخ انگارے سلگتے دکھائی دے رہے تھے۔

''کیا دوستی کو بھی بچانے کی ضرورت ہوتی ہے؟''

اس سوال پہ فاتح کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''زندگی میں ہموار زمین کی طرح ہوتی کون سی چیز ہے' ایڈم؟ رشتے' کیریئر' شوق.... ہر چیز یا تو اوپر جاتی ہے' یا نیچے۔ اگر دوستی پہ محنت نہ کی جائے تو اس کا گراف نیچے چلا جاتا ہے۔''

''اور کیسے محنت کی جاتی ہے دوستی پہ؟''

''دیکھو.... کوئی آپ کو اسے زبردستی نبھانے پہ مجبور نہیں کر سکتا۔'' وہ بولتے ہوئے تھوڑی کو ناخن سے رگڑ رہا تھا۔ نظریں دور اس سمت لگی تھیں جہاں تالیہ گئی تھی۔ ''یہ خون کے تعلق سے بے نیاز ہوتی ہے۔ صرف دل سے کی جاتی ہے اور وہی لوگ اپنے دوست کے دل سے نہیں اترتے جن میں وہ دو چیزیں ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمائی ہیں۔ بہت سا صبر اور خوش نصیبی۔ ان دو چیزوں کی مدد سے ایک دوست دوسرے کے دل میں آئی عداوت کو اچھی باتوں سے دور کر سکتا ہے۔ یہ صبر انسان کو خود پیدا کرنا ہوتا ہے اور بخت اسے اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔''

''بخت؟'' اس نے اچنبھے سے دہرایا۔ ''کیا اچھا دوست نصیب سے ملتا ہے؟''

''بالکل! لیکن آج کل کے بچے تو اپنے دوستوں کی تنقید تک نہیں سہہ سکتے۔ ایسے نازک لوگوں کو بخت نہیں لگا کرتے' ایڈم۔ اس کے لیے برداشت سے دوستوں کی بری بھلی باتوں پہ منفی ردِعمل دینے سے خود کو روکنا ہوتا ہے۔ جو تحمل سے اپنے دوست کی خطاؤں کو معاف کرتا ہے' اسے ہی اللہ بخت لگاتا ہے۔ اور یہ خوش بختی اس کو مزید اچھی دوستیاں عطا کرتی ہے۔''

''یعنی کسی عام دوست کو برداشت کرنے پہ اللہ یا تو اسی کو خاص بنا دے گا یا آپ کو کوئی اور خاص دوست عطا کرے گا؟''

''میں نے تو ایسے ہی ہوتے دیکھا ہے۔ لوگوں کی فطرت سمجھ کے ان کو ڈیل کرو گے تو دل زیادہ نہیں دکھے گا۔ مجھے دیکھو۔ ہزاروں کارکنوں سے سب کی عادات اور طبیعت کے مطابق ہر روز ڈیل کرتا ہوں اور....'' وہ ٹھہرا۔ ''کرتا تھا۔''

الفاظ تھے کہ کیا' سارے جنگل میں ایک اداس سی خاموشی چھا گئی۔ کرب ناک سا سکوت۔ دونوں کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا تھا۔

ان سے دور.... ایک طرف تالیہ چلتی جا رہی تھی۔ پھر ایک جگہ درختوں کی اوٹ میں وہ ٹھہری اور احتیاط سے پیچھے دیکھا۔ آنکھوں میں شرارت تھی۔ صد شکر کہ فاتح یا ایڈم میں سے کوئی اس کا تعاقب نہیں کر رہا تھا۔ گڈ۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک بٹوہ نکالا۔ وان فاتح کا بٹوہ جو ابھی اس کے قریب سے گزرتے ہوئے تالیہ نے اچک لیا تھا۔ اس کے ہاتھ کی صفائی کمال تھی۔

''میں بھی تو دیکھوں' ہر رات سونے سے پہلے اپنے بٹوے سے کیا نکال کے دیکھتے ہیں فاتح صاحب۔'' نچلا لب شرارت سے دبائے اس نے بٹوے کو کھولا۔ اندر رقم تھی جو کافی کم تھی۔ کریڈٹ کارڈ۔ آئی ڈی کارڈ۔ آریانہ کی تصویر۔ اور تصویر کے پیچھے کچھ پھولا ہوا۔

اس نے دو انگلیاں خانے میں گھسا کے وہ شے باہر نکالی جو تصویر کے پیچھے چھپی تھی۔ پلاسٹک کا ننھا سا زپ لاک بیگ۔ بالکل آدھی انگلی کے جتنا۔ ایئر ٹائٹ۔ تالیہ اچنبھے سے اس کو آنکھوں کے سامنے اوپر لائی۔ شفاف پلاسٹک کے اندر پاپ کارن کے چند ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے تھے۔

اس کے ابرو حیرت سے اکٹھے ہوئے۔

(وان فاتح جیسا بڑی عمر کا پریکٹیکل آدمی.... سیاستدان.... پورے ملک کی حکمرانی کے قریب ہونے والا شخص.... وہ پلاسٹک بیگ میں یہ پاپ کارن کے ٹکڑے کیوں رکھے گا؟) ٹکڑے پرانے لگتے تھے۔ بہت پرانے۔ یہ غلطی سے اندر نہیں آن گرے تھے۔ بالخصوص محفوظ کیے گئے تھے۔

وہ سوچ میں گم بٹوہ جیب میں ڈالتی مڑی تھی کہ نظروں کے سامنے جھماکہ سا ہوا....

کیا خواب دیکھا تھا اس نے بھلا جب پہلی دفعہ وہ وان فاتح سے مل کے تنگو کامل کے گھر سے لوٹی تھی؟

چونک کے تالیہ نے اطراف کے درختوں کو دیکھا.... یہی درخت تھے وہ۔ یہی گدلی زمین۔

وہ ایڈم اور فاتح سے دور آئی تھی اور اس کی گردن میں پھندا آپڑا تھا.... ایسا ہی کچھ تھا اس کے خواب میں۔

پہلی دفعہ اسے احساس ہوا کہ.... وہ جنگل میں اکیلے نہیں تھے....

وہ تیزی سے واپس بھاگی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ سانس پھولنے لگا تھا۔

☆☆=========☆☆

پیچھے جنگل کے اس حصے میں ویسا ہی سکون تھا۔ فاتح درخت سے ٹیک لگائے' آنکھیں موندے ہوئے تھا.... اور ایڈم سستی سے سر تلے بازوؤں کا تکیہ بنائے گھاس پہ لیٹا تھا جب ان دونوں نے قریب آتے قدموں کی آواز سنی۔

''کیا معلوم ہے تالیہ اس دفعہ کوئی شیر شکار کر لائی ہوں۔'' ایڈم جل کے بولا تھا۔

فاتح ہلکا سا ہنس دیا اور آنکھیں کھول کے گردن گھمائی۔ درختوں کے پار سے قدم نزدیک آتے سنائی دے رہے تھے۔ ٹہنیاں ہٹاتے ہاتھ۔ پیچھے سے نکلتے سراپے.... دو سے زیادہ قدم.... مردانہ قدم....

فاتح کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ خطرے کی گھنٹی بجی۔

''ایڈم!'' وہ تیزی سے اٹھا مگر تب تک دیر ہو چکی تھی۔ آنے والے ان کے سروں پہ پہنچ چکے تھے۔

وہ تین آدمی تھے۔ لمبے بال.... سانولی رنگت.... ماتھے پہ پٹی' اور پاجامے کے اوپر بنا آستین کے قمیض پہنے.... ایک سے جیسے اور ہاتھوں میں خم دار' چمکتی تلواریں۔ ان دونوں کو دائرے کی صورت گھیرا اور تلواریں ان کی طرف تان لیں۔

فاتح نے احتیاط سے ان کو دیکھتے ہاتھ آہستہ آہستہ اوپر اٹھا دیے۔ ایڈم بھی تیزی سے سیدھا ہوا اور ہاتھ جیب تک گیا جس میں پستول

تھا۔

''ایڈم....کوئی بیوقوفی مت کرنا....یہ ہمارے جیسے لوگ نہیں ہیں۔'' اس نے دبی آواز میں انگریزی میں گھر کا۔ایڈم نے ہاتھ کھینچ لیا۔

تب ہی ان تینوں میں سے ایک غرا کے کچھ بولا۔ایڈم جو دھیرے سے ہاتھ اٹھائے سیدھا ہو رہا تھا' ٹکر ٹکر ان کے چہرے دیکھنے لگا۔

وہ آدمی پھر سے کچھ غرایا اور ان پہ تانی تلوار آگے کی۔

اور دان فاتح کو احساس ہوا کہ اسے ایڈم سے انگریزی میں بات کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اگر وہ ملے بھی بولتا تو وہ تب بھی اس کی بولی نہ سمجھ سکتے۔ بھلے ملک وہی تھا' زبان وہی تھی' قوم وہی تھی' مگر چھ سو سال پہلے کی 'ملے زبان' مختلف تھی۔لہجہ' الفاظ' سب کچھ جدا تھا۔وہ تینوں قدیم ملے میں بار بار ایک ہی سوال پوچھ رہے تھے اور فاتح اور ایڈم ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

ایک لفظ بھی سمجھ میں نہ آتا تھا۔

''ہم مسافر ہیں....راستہ بھٹک گئے ہیں۔'' فاتح نے ہاتھ فضا میں بلند کیے کہنے کی کوشش کی۔ان کا سرغنہ جس کے چہرے پہ زخم کا قوس نما نشان تھا' ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگا۔پھر دوبارہ اپنی بات دہرائی' جیسے اب غصے میں آ رہا ہو۔

درختوں کے جھنڈ میں سے تالیہ دوڑتی چلی آ رہی تھی۔ان سے کچھ دور وہ ٹھہر گئی۔پتوں سے لدی ٹہنی ہٹائی اور سامنے نظر آتا منظر دیکھا جہاں تین افراد ان دونوں کو نرغے میں لئے تلواریں تانے کھڑے تھے۔

تالیہ کا سانس رک گیا۔یا اللہ....اب وہ کیا کرے؟ اس نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

سرغنہ اب چلا کے اپنی بات دہرا رہا تھا۔''تم کون ہو؟ اور اس جنگل میں کیا کر رہے ہو؟ کیا تم اپنے مالک سے بھاگے ہوئے ہو؟ جواب دو!''

فاتح نے بے بسی سے ایڈم کو دیکھ کے کندھے اچکائے' جیسے سمجھ نہ پا رہا ہو وہ آدمی کیا پوچھ رہا ہے۔درخت کی اوٹ سے دیکھتی تالیہ کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

وہ اس زبان سے واقف تھی۔وہ لہجہ' وہ الفاظ....یہی اس کے باپا بولتے تھے ان خوابوں میں....وہ ان کو بنا کسی دقت کے سمجھ سکتی تھی۔تو یہ تھا وہ عجیب پن جو ان خوابوں میں تھا؟ صرف زمانہ نہیں' وہ 'زبان' کا فرق تھا جو بتاتا تھا کہ کچھ غلط ہے....

وہ تینوں اب آپس میں کچھ کہہ رہے تھے۔یہاں تک آواز نہیں آ رہی تھی۔فاتح نے دفعتاً ہاتھ دھیرے سے گراتے ہوئے مصالحتی انداز میں بات کرنے کی کوشش کی۔''میں یہاں جنگل میں راستہ ڈھونڈنے....'' مگر سرغنہ نے تیزی سے تلوار اس پہ تان لی تو اس نے ''اوکے اوکے ریلیکس'' کہتے ہوئے دوبارہ ہاتھ اٹھا دیے۔ان جنگلیوں کا کیا بھروسہ۔وہ تلوار چلا ہی دیتے۔

تالیہ نے جیب سے خنجر نکالا' اور ایک آنکھ بند کیے تاک کے نشانہ باندھا۔سرغنہ کے کندھے کا نشانہ۔پھر مہارت سے خنجر والا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور.....

کسی نے پوری قوت سے اس کے سر کی پشت پہ ضرب ماری تھی۔ اس کا ہاتھ فضا میں ہی رہ گیا۔ خنجر پھسل کے نیچے جا گرا...اور اسے اپنا وجود کسی کٹی ٹہنی کی طرح زمین نے گرتا محسوس ہوا....

اندھیرا....گھپ اندھیرا....وہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہی تھی مگر درد کی شدت سے وہ کھل کے نہیں دے رہی تھیں۔ سر کسی لکڑی سے ٹکرا کھاتا' اور جسم ہوا میں جھول رہا تھا۔ گویا وہ کسی چلتی چیز پہ سوار ہو....اور سواری تیزی سے راستے پہ آگے بڑھ رہی ہو اور اس کا جسم ساتھ ساتھ ہل رہا ہو....ہلکے ہلکے جھٹکے....اس نے پلکیں بدقت کھولیں....ذرا سی جھری سے روشنی نظر آئی پھر وہ بوجھ سے واپس گر گئیں.....

☆☆=========☆☆

سخت نیند میں پلکیں اٹھانا بہت پر مشقت کام لگ رہا تھا' مگر کانوں میں آتی آواز نے اس کو جگا دیا۔

گیارہ سالہ تالیہ نے آنکھیں کھولیں تو کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

یتیم خانے کے اس کمرے میں دو بنکر رکھے تھے جن میں اوپر تلے چار بستر بچھے تھے۔ باقی تین لڑکیاں اپنے اپنے بستروں میں سو رہی تھیں۔ صرف اوپری بنکر پہ لیٹی تالیہ تھی جو آواز سے جاگ گئی تھی۔

کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ باہر راہداری سے روشنی آ رہی تھی۔ تالیہ نے لیٹے لیٹے گردن دروازے کی سمت موڑی۔ وہاں دو ہیولے سے کھڑے تھے۔ دو عورتیں جو دھیمی آواز میں بات کر رہی تھیں۔ اس کا دماغ اس زبان کو سمجھ نہیں پا رہا تھا جو وہ بول رہی تھیں۔

''کیا وہ اپنے نام کے علاوہ کچھ نہیں بتاتی 'ماریہ؟'' ایک نے دوسری سے پوچھا۔ تالیہ خاموشی سے لیٹی وہ انجان زبان سنے گئی۔

''اس نے صرف اپنا نام بتایا' اور پھر اس نے چند باتیں کہیں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا سوائے چند الفاظ کے۔ وہ عجیب لہجے میں بولتی ہے' شاید کوئی علاقائی زبان۔''

''تمہیں کیا سمجھ آیا؟''

''میرا گاؤں....گاؤں کے لوگ....مر جائیں گے.... بابا کا ذکر....مدد....مجھے خالی جگہیں خود پر کرنی پڑیں۔''

''اور دوبارہ وہ کچھ نہیں بولی؟''

''نہیں۔ ایسے لگتا ہے وہ سب کچھ بھول گئی ہے۔'' مسز ماریہ اداسی سے کہہ رہی تھیں۔

''پولیس نے بھی کوئی سراغ نہیں لگایا؟''

''بچی کی تصاویر ٹی وی تک پہ دی ہیں' اخباروں میں بھی لگوائی ہیں مگر ایسے لگتا ہے وہ آسمان سے گری ہے یا زمین سے اُگی ہے....کیونکہ اسے لینے کوئی نہیں آیا نہ ہی کوئی اسے جانتا ہے!''

نیم اندھیرے میں کھڑے دونوں ہیولے باتیں کر رہے تھے اور اوپر بنکر پہ کروٹ کے بل لیٹی لڑکی سن رہی تھی مگر ان کی بات سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''کیا وہ کھاتی پیتی ٹھیک ہے؟''

''ہاں۔وہ کھانا پینا تو نہیں بھولی۔اپنے کام بھی خود کرتی ہے۔سمجھدار ہے۔بس باقی باتیں بھول گئی ہے۔''

''کل جب میں کھانے کی میز کے ساتھ سے گزری تو میں نے دیکھا ماریہ'وہ اپنی کلائی کو بار بار چھو کے دیکھ رہی تھی'جیسے کوئی لڑکی اپنے کڑے کو مس کرتی ہے۔''

''ایسے ہی کچھ دیکھ رہی ہوگی۔آپ زیادہ سیریس نہ لیں۔'مسز ماریہ جلدی سے بولیں۔کھڑے کھڑے انہوں نے پہلو بدلا۔

''کوئی چوڑی'کڑا وغیرہ تو نہیں پہن رکھا تھا اس نے جب وہ یہاں آئی تھی؟مجھے لگتا ہے اسے صرف یہی بات یاد ہے کہ اس کی کلائی میں کچھ تھا۔''دوسری عورت سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی'مگر مسز ماریہ اس کو کہنی سے تھام کے آگے لے جانے لگیں۔

''آپ تالیہ کی فکر نہ کریں۔وہ میری ذمہ داری ہے۔میں اسے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤں گی اور ان شاءاللہ اس کی یادداشت واپس آ جائے گی۔''

جاتے جاتے مسز ماریہ نے دروازے کو بند کر دیا۔پٹ چوکھٹ سے آن لگا تو روشنی کا راستہ رک گیا۔کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔اور اس گھپ اندھیرے میں وہ آنکھیں پوری کھولے اندھیر پڑی دیوار کو تکنے لگی۔

☆☆==========☆☆

تالیہ نے دوبارہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔پلکیں جدا ہوئیں تو روشنی سی اُمڈ آئی۔نقاہت سے اس نے پلکیں جھپکائیں۔منظر دھندلا تھا۔سبزہ سا ساتھ ساتھ چل رہا ہو۔یا وہ کسی سواری پہ تھی جو چلتی جا رہی تھی۔کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی....سوائے گھوڑے کے ٹاپوں کے....تیز آواز....پتھریلی زمین پہ سرپٹ دوڑنے کی آواز....

بوجھ بڑھ گیا تو اس نے پلکیں واپس گرا دیں....پھر سے ساری دنیا اندھیر ہونے لگی.....

☆☆==========☆☆

وہ گلاب سیاہی مائل سرخ تھے۔اتنا گہرا سرخ رنگ کہ ان پہ سیاہ رنگ کا گمان ہوتا تھا۔کھڑکی میں ان گلابوں پہ بڑا سا گلدستہ رکھا تھا۔کرسی پہ بیٹھی وہ پھولے گالوں والی قدرے موٹی بچی ان پھولوں کو تکے جا رہی تھی۔

ساتھ والی کرسی پہ مسز ماریہ بیٹھی تھیں جو میز کے اس پار براجمان ڈاکٹر کی طرف متوجہ تھیں۔وہ چھوٹے بالوں اور چشمے والی سانولی سی خاتون تھیں جن کے چہرے پہ تالیہ کے لیے خالص فکرمندی تھی۔

''میں نے ساری رپورٹس بھی دیکھی ہیں اور تالیہ کا بذاتِ خود معائنہ بھی کیا ہے۔''ڈاکٹر صاحبہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔تالیہ ان کے آفس کی ہر شے سے بے نیاز صرف ان پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔

''تالیہ جسمانی لحاظ سے بالکل فٹ ہے۔اس کی عمر گیارہ بارہ سال سے زیادہ نہیں ہوگی مگر قد کاٹھ میں یہ عمر سے بڑی لگتی ہے۔ہڈیاں

مضبوط ہیں' اور میرا خیال ہے کہ یہ خالص اور متوازن غذا پہ بڑی ہوئی ہے۔''

''مگر یہ ہمیں بہت برے حال میں ملی تھی۔ جیسے کسی غریب گھرانے کی افلاس کی ماری لڑکی ہو۔''

''ہوسکتا ہے کہ اس کا گھرانہ غریب ہی ہو مگر شاید کسی ایسی جگہ رہتی ہو جہاں اچھا کھانے کو ملتا ہو' جیسے کوئی گاؤں وغیرہ۔ وہ ہاتھوں سے کھاتی ہے مگر نفاست سے۔ یعنی خاندانی ہے اور اس کی تربیت اچھی ہوئی ہے۔'' ڈاکٹر صاحبہ ایک ایک بات پہ زور دے رہی تھیں۔

''مگر اس کی یادداشت۔'' مسز ماریہ کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

''کسی ذہنی صدمے کے باعث اس کی یادداشت چلی گئی ہے' یہ درست ہے' مگر بظاہر اسے کوئی چوٹ نہیں لگی۔ گردن پہ جلنے کا نشان ہے مگر میرا نہیں خیال اس کا تعلق اس کی یادداشت کھونے سے ہے۔ میں نے اس سے بات کر کے دیکھی ہے۔ اس کے چند الفاظ سمجھ میں آتے ہیں' شاید دور کسی گاؤں کی علاقائی زبان بولتی ہے جس سے ہم واقف نہیں مگر چند الفاظ ملے کے ہی ہیں۔''

''اگر اس کی یادداشت کھوگئی ہے تو وہ اپنی زبان کیوں نہیں بھولی؟''

''خیر..... کچھ علوم..... زبانیں..... یہ سب پروسیجرل میموری میں اسٹور ہوتے ہیں۔ اور یادیں ذہن کے دوسرے خانوں میں بنتی ہیں۔ بہت سے کیسز میں لوگ اپنی عادتیں نہیں بھولتے۔ وہ پیانو بجا لیتے ہیں' مختلف زبانیں بول لیتے ہیں' کھانا پینا نہیں بھولتے۔ ان کو بہت کچھ کرنا آتا ہے۔ بس ان کو یہ یاد نہیں ہوتا کہ ان کو کیا کیا کرنا آتا ہے۔''

ایک ترحم بھری نظر انہوں نے تالیہ پہ ڈالی جو ابھی تک پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔ گردن ترچھی تھی اور لمبے سیاہ بال چہرے کے اطراف میں گر رہے تھے۔

''یعنی اس کو بہت کچھ کرنا آتا ہے اور موقع ملنے پہ وہ خود دیکھ لے گی کہ وہ کیا کیا کرسکتی ہے مگر ابھی اسے وہ یاد نہیں۔''

''بالکل۔''

''اور کیا اس کی یادداشتیں بھی واپس آئیں گی۔''

''میں اس بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ کوئی جسمانی چوٹ تو اسے لگی نہیں ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ اسے جلد سب کچھ یاد آجائے۔''

مسز ماریہ نے ایک فکر مند نظر اس پہ ڈالی جو اب بھی کھڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ مسز ماریہ کی نظریں اس کے ہاتھوں پہ جھکیں۔ وہ ایک انگلی کلائی کے گرد دائرے کی صورت پھیر رہی تھی۔ گویا کوئی کھوئی ہوئی شے یاد آتی ہو.....

مسز ماریہ کا دل بری طرح دھڑکا..... کتنا اچھا ہوا سے وہ بریسلیٹ بھولا رہے جو انہوں نے اتنا مہنگا بیچا تھا۔ اگر اسے وہ یاد آگیا اور اس نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور دوسری ٹیچرز کو معلوم ہوگیا تو وہ کیا کریں گی؟

وہ جھرجھری سی لے کر ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوئیں۔

☆☆=========☆☆

تالیہ نے پلکیں وقت سے جھپکائیں.....اس کا جسم ابھی تک ہلکا ہلکا ہل رہا تھا۔سواری چل رہی تھی...منظر ذرا دھندلا تھا مگر چند لمحوں بعد دھند چھٹتی گئی.....

اس نے دیکھا کہ لکڑی کی سلاخوں سے بنا چوکور سا پنجرہ ہے جس میں وہ بیٹھی تھی...اور نقاہت سے سر لکڑی کی سلاخوں سے ٹکا رکھا تھا۔ وہ پنجرہ کسی سواری پہ رکھا تھا...گھوڑا گاڑی پہ شاید...اور گھوڑے اس کو دوڑاتے دور جا رہے تھے۔پتھریلی پکی سڑک...اور سڑک کنارے دور دور تک اُگے سبز کھیت....شام کا نیلگوں وقت....ٹھنڈی ہوا...اور وہ پنجرہ.....

درد...سر کے پچھلے حصے میں درد کی لہر پھر سے اٹھنے لگی تو اس نے نقاہت سے آنکھیں موند لیں۔

☆☆=========☆☆

یتیم خانے کا عقبی لان سر سبز گھاس سے ڈھکا تھا۔ایک طرف جھولے لگے تھے جن کے آگے پیچھے بہت سے بچے پھر رہے تھے۔کچھ ٹولیوں کی صورت گھاس پہ بیٹھے تھے۔

ایسے میں ایک تنہا بنچ پہ وہ بیٹھی تھی۔پہلے کی نسبت ذرا موٹی بچی جس کے گال خوش خوراکی سے مزید پھول گئے تھے۔وہ سر جھکائے' گھٹنوں پہ کاپی رکھے صفحے پہ قلم چلا رہی تھی۔

مسز ماریہ نے دور سے اسے بیٹھے دیکھا تو گہری سانس بھری اور قریب آئیں۔اس کے ساتھ بنچ پہ جگہ سنبھالی تو تالیہ نے آنکھیں اٹھا کے دیکھا اور مسکرائی' پھر دوبارہ سر جھکا کے قلم چلانے لگی۔لمبے سیاہ بال کندھوں پہ گر رہے تھے۔

''کل مسز حلمی نے بتایا کہ تم نیند میں ڈر گئی تھیں۔کوئی برا خواب دیکھا تھا تم نے؟''

تالیہ نے قلم صفحے پہ رگڑتے سر ہلایا۔''مجھے یاد نہیں کیا دیکھا' مگر کچھ برا ہی تھا۔'' کندھے ذرا سے اچکائے۔ان چند ہفتوں میں وہ ٹوٹی پھوٹی زبان سیکھ گئی تھی اور اب بات سمجھ اور سمجھا لیتی تھی۔

''مثلاً کیا؟'' مسز ماریہ محبت اور اپنائیت سے پوچھتے ہوئے اس کے بال نرمی سے پیچھے ہٹانے لگیں۔

''اندھیرا سا تھا...اور میں کسی سے کہہ رہی تھی کہ شہزادی ظالم ہے' وہ گاؤں کو تباہ کر رہی ہے۔'' وہ خاکے میں سیاہ رنگ بھرتے سادگی سے بولی۔

''کون سی شہزادی؟''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم۔'' پھر سے شانے اچکا دیے۔

''تم بہت کھانے لگی ہو تالیہ۔اس لئے معدہ ڈسٹرب ہو جائے تو برے خواب آتے ہیں۔اچھا دکھاؤ' کیا بنایا ہے تم نے؟'' انہوں نے بات بدلتے ہوئے نرمی سے کاغذ لینا چاہا تو اس نے مسکرا کے کاغذ خود ہی آگے بڑھا دیا۔مسز ماریہ نے کاغذ چہرے کے سامنے لا کر دیکھا۔

''ہوں...اچھا ہے' لیکن تم بس ایک ہی چیز کیوں بناتی ہو؟ جزیرے کے اوپر پہاڑی' چاروں طرف سمندر اور پہاڑی کی چوٹی پہ

محل....''

بچی نے دونوں ہتھیلیوں کے پیالے میں چہرہ گرا دیا اور شانے اچکا دیے۔ انہوں نے کاغذ سے نظر ہٹا کے اسے دیکھا۔

''کیا تمہارا دل چاہتا ہے کہ تم ایسے محل میں رہو؟''

تالیہ کی موٹی موٹی سیاہ آنکھیں چمکیں۔ مگر گال سرخ ہوئے۔ قدرے خجالت' قدرے جوش سے اس نے سر ہلایا۔ مسز ماریہ نے مسکرا کے اسے کاغذ واپس کر دیا۔

وہ جب واپس آفس آئیں تو ٹھٹک کے رکیں۔

وہاں ایک درمیانی عمر کا آدمی بیٹھا بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ ماریہ کی رنگت بدلی۔ جلدی سے دروازہ بھیڑا اور اندر آئیں۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

اس آدمی نے مسز ماریہ کو دیکھتے ہی ابرو غصے سے بھینچ لیے۔

''وہ سنار میری جان لے لے گا' ماریہ۔''

''آہستہ بولو... کوئی سن لے گا۔'' وہ اضطراب سے کہتے ہوئے سامنے بیٹھیں۔ نووارد پہ جمی آنکھوں میں پریشانی تھی۔

''ماریہ... وہ بریسلیٹ اور وہ سکہ.... وہ تم سے خرید کے جس سنار کو میں نے بیچا وہ کب سے اپنے پیسے واپس مانگ رہا ہے۔''

''مگر کیوں؟''

''کیونکہ وہ دونوں چیزیں پگھل کے ہی نہیں دے رہیں۔ وہ کوئی ملعون زیور ہے۔ جب سے اس نے خریدا ہے' اس پہ آفتیں آ رہی ہیں۔ وہ بہت پریشان ہے۔''

''اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ میں پیسے خرچ کر چکی ہوں۔'' انہوں نے فوراً ہاتھ جھلائے۔ نووارد نے غصے سے دانت کچکچائے۔ ''ماریہ ....اگر وہ مجھے اسی طرح تنگ کرتا رہا تو میرے پاس تم سے پیسے لے کر اسے واپس دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہو گا۔''

''اس کو کہو وہ اسے آگے بیچ دے۔'' وہ تیزی سے کہہ رہی تھیں۔ آدمی نے برہمی سے اسے دیکھا۔

''وہ ملعون چیز ہے' ماریہ۔ اسے ڈر ہے کہ وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔''

''میں اب کچھ نہیں کر سکتی۔ مجھے نہیں پتہ۔'' وہ خود کو سنبھال چکی تھیں اور اب الٹا اس پہ غصہ ہو رہی تھیں۔

''وہ لڑکی جس کے ہاتھ میں یہ تھا۔ تم اس سے احتیاط کرنا.... کیا معلوم وہ بھی کسی سحر کے زیرِ سایہ ہو۔ ملعون۔ سحر زدہ۔'' وہ اسے متنبہ کرنا نہیں بھولا تھا۔

ان سے دور.... باہر بینچ پہ بیٹھی تالیہ اب ایک نئے کورے کاغذ پہ خاکہ بنا رہی تھی۔ ایک مختلف جزیرہ.... ایک مختلف محل.... یہ ستونوں والا تھا اور زیادہ خوبصورت تھا۔

☆☆=========☆☆

''تالیہ...تالیہ!''

مدھم سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی...اندھیرے میں جیسے کوئی دھیمی سی سرگوشی ہو جو نیند کے سحر کو توڑ دے...تکلیف کے باوجود اس نے بدقت آنکھیں کھولیں....دھندلا سا منظر دکھائی دیا....

پنجرے میں اس کے سامنے کوئی بیٹھا تھا.. ہیولہ سا..قریب...اس کی طرف فکرمندی سے جھکا ہوا......

''تالیہ..!''

اس نے پلکیں جھپکائیں...تصویر واضح ہوئی...وہ کوئی مرد تھا...شکل ابھی تک دھندلی تھی..گدلی سفید شرٹ' ماتھے پہ آگے کو گرے بال....چھوٹی آنکھیں....اور آنکھوں میں فکرمندی....

''تم ٹھیک ہو تالیہ؟'' تشویش میں ڈوبی آواز...اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ یہ کس کی آواز تھی؟ شناسا سا....بہت شناسا سا.....

☆☆=========☆☆

چوکھٹ میں وہ ہچکچاتی ہوئی بارہ سالہ لڑکی کھڑی تھی۔ پہلے سے کافی موٹی ہو چکی تھی مگر بال اب بہت چھوٹے تھے۔ چہرے پہ تذبذب تھا۔

سامنے ایک آفس تھا جس میں فائلوں سے بھری اونچی الماریاں رکھی تھیں۔ کرسی خالی تھی اور آفس کی مالکن (یتیم خانے کی کچن انچارج) مسز اگنیس ایک الماری کے سامنے کھڑی تھیں۔ دستک پہ پلٹیں اور ذرا کوفت سے اسے دیکھا۔

''ہاں تالیہ....بولو....کیسے آئیں؟''

وہ ایک گال پہ آئے بال کان کے پیچھے اڑستی اندر داخل ہوئی۔ پھر ہاتھ باہم مروڑتے ہوئے ہچکچا کے کہنے لگی۔

''مجھے آپ سے ایک بات کہنی تھی میم۔''

''جلدی بولو' مجھے بہت کام کرنے ہیں۔'' وہ بےزاری سے کھڑے کھڑے بولیں۔

''وہ....میم....میس میں کھانا...بہت....کم ہوتا جا رہا ہے ہر روز۔ کیا آپ مقدار بڑھا نہیں سکتیں؟'' وہ اب صاف ملے بول رہی تھی۔

''نہیں۔ اور کچھ؟''

تالیہ نے خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ ''میم میرا پیٹ نہیں بھرتا۔ میں کیا کروں؟ مجھے ساری رات بھوک سے نیند نہیں آتی۔''

''بھوک' نیند اور لالچ جتنا بڑھاؤ بڑھتی ہے' جتنا گھٹاؤ گھٹتی ہے۔ یہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم اپنی بھوک کم کرنے پہ دھیان دو۔''

''میم پہلے ٹھیک تھا کھانا' اب آپ لوگوں نے مقدار کم کر دی ہے اور....''

''بات سنو تالیہ۔'' وہ اسے گھور کے درشتی سے بولیں۔ ''جو مل رہا ہے نا' یہ بھی لوگوں کی خیرات سے مل رہا ہے' اور خیرات پہ پلنے والے

نخرے نہیں کرتے۔''

تالیہ کی آنکھوں سے قطرے ٹپ ٹپ گالوں پہ لڑھکنے لگے۔

''اب جاؤ۔'' کروفر سے ہاتھ جھلا کے کہا تو وہ مڑ گئی۔ جاتے جاتے اس نے دیکھا' میم ایگنیس کی میز پہ خوبصورت ڈیزائنر بیگ رکھا تھا۔ میم کے جوتے بھی نئے تھے۔ کلائی کی گھڑی بھی قیمتی لگ رہی تھی۔ یہ سب کھانے کی مقدار گھٹانے سے پہلے تو نہیں ہوتا تھا۔

ہتھیلی سے آنکھیں رگڑتی وہ باہر نکل آئی۔ سامنے سے خاکروب وائپر اور جھاڑو لئے چلا آ رہا تھا۔ یقیناً اس نے اب آفس کی صفائی کرنی تھی۔

اگلی صبح وہ ابھی بستر میں سو رہی تھی' جب کسی نے زور سے اس کا لحاف کھینچا۔ تالیہ ہڑبڑا کے اٹھی۔

''نیچے اترو۔'' کمرے میں اتنے سارے لوگ۔ ان کے غصیلے چہرے۔ وہ نیند کی کیفیت میں چند لمحے ٹکر ٹکر دیکھتی رہی' پھر حواس واپس آئے تو تیزی سے بنکر کی سیڑھیاں پھلانگ کے نیچے اتری۔

میم ایگنیس کمر پہ ہاتھ جمائے سرخ چہرے کے ساتھ سامنے کھڑی تھیں۔

''میرے پیسے کہاں ہیں؟'' انگارہ ہوتی آنکھوں سے سوال کیا۔

''جی؟'' تالیہ نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

''ڈرامے نہیں کرو۔ کل تم آئی تھیں میرے آفس۔ میز پہ میرے بیگ میں نوٹوں کی گڈی رکھی تھی۔ وہ تمہارے جانے کے بعد غائب ہوئی۔ کہاں ہے وہ؟''

اس کے اوپر سے گویا ٹرک گزر گیا۔ بری طرح کچلے جانے کا احساس اسے یوں پہلی دفعہ ہوا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ۔ تالیہ چور نہیں ہے' میم۔ تالیہ نے چوری نہیں کی۔''

زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پہ لگا۔ وہ تیورا کے نیچے گری۔

ایگنیس کے پیچھے کھڑی افسردہ سی مسز ماریہ نے روکنا چاہا لیکن پھر ٹھہر گئیں۔ وہ مداخلت نہیں کر سکتی تھیں۔ آفس پالیٹکس۔

''اس کے سامان کی تلاشی لو۔ اور آج سے تالیہ کا ایک وقت کا کھانا بند۔ جب تک یہ میرے پیسے واپس نہیں کرتی۔'' ایگنیس ہدایات دے رہی تھیں۔

اور وہ گال پہ ہاتھ رکھے صدمے سے نیچے گری پڑی تھی۔ آنکھوں سے گرم گرم پانی بہہ رہا تھا...اور نظروں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا...پسِ منظر میں آوازیں آ رہی تھیں...اس کا سامان کھولنے کی...کچھ نہ ملنے کا اعتراف کرنے کی...مگر ایگنیس کی چیخ و پکار جاری تھی....

☆☆==========☆☆

''تالیہ...تم ٹھیک ہو؟''

گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز اس کو واپس کھینچ لائی تھی۔ اس کا جسم تیز دوڑتی سواری کے باعث جھول رہا تھا۔ بدقت اس نے آنکھیں کھولیں اور پلکیں جھپکائیں۔

وہ سامنے بیٹھا فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے پلکیں سکوڑ کے دیکھا۔ اس کا چہرہ واضح ہوا۔

''تو انکو۔'' وہ ذرا سا اٹھ کے بیٹھی۔ وہ وان فاتح تھا اور وہ پنجرے میں اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے پیچھے پنجرے کی سلاخوں سے سڑک کنارے دوڑتے کھیت نظر آ رہے تھے۔

''تم ٹھیک ہو؟'' اس نے پھر پوچھا۔ آواز بار بار پلٹ کے سنائی دیتی جیسے وہ کنوئیں میں بول رہا ہو۔ شاید اس کے کان بج رہے تھے۔

''ہوں!'' اس نے سر کو ذرا سی جنبش دی۔ کچھ بولا نہیں جا رہا تھا.... وہ جواب میں کچھ پوچھنے لگا مگر اب اس کی آواز آنا بند ہو گئی۔ صرف لب ہلنے لگے۔ گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز اس کی سماعت پہ چھانے لگی۔ تالیہ نہیں جانتی تھی کہ اس شور میں وہ کیا کہہ رہا ہے۔

☆☆=========☆☆

وہ ایک لمبا سا برآمدہ تھا جس سے کئی کمروں کے دروازے باہر کھلتے تھے۔ شام کے اس پہر وہ خاموش پڑا تھا۔ دفعتاً ایک دروازہ کھلا اور یتیم خانے کا خاکروب باہر نکلتا دکھائی دیا۔ منہ میں کچھ چباتا وہ دروازہ بھیڑ کے آگے بڑھ گیا۔

دیوار کی اوٹ سے تالیہ دھیرے سے نکلی۔ اس کے پھولے گال پہ نیل کا واضح نشان تھا اور آنکھوں میں سلگتا ہوا غصہ۔

خاکروب اب بے پرواہ سا دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ تیزی سے دروازے تک آئی۔ وہ مقفل نہیں تھا۔ وہ اناڑی چور تھا لیکن اگر اتنا ہی ذہین ہوتا تو خاکروب تھوڑا ہی ہوتا؟

وہ تیزی سے اندر گھس گئی اور دروازہ بند کر لیا۔ پھر بتی جلائی۔ سادہ کمرہ.... الماری.... صندوق۔ وہ تیزی سے آگے آئی اور ایک ایک چیز کھولنے لگی۔ چند منٹوں میں کمرے کا حشر نشر ہو گیا۔ جو آخری چیز اس نے کھولی وہ تکیے کا غلاف تھا۔ اسے الٹایا تو نوٹوں کی گڈی زمین پہ آن گری۔

وہ تلخی سے مسکرائی اور گڈی اٹھائی۔ (تو یہ تھی وہ رقم جس کے لئے ایگنیس نے مجھ پہ جھوٹا الزام لگایا؟ میرے بعد خاکروب آیا تھا۔ یہ واقعی اسی نے چرائی تھی۔)

اس نے رقم لباس میں چھپائی' ایک نظر کمرے کو دیکھا اور پھر اسے اسی طرح چھوڑ کے باہر نکل آئی۔ یہ اس کی پہلی چوری تھی اور تھی تو وہ بھی اناڑی چور مگر جانتی تھی خاکروب کبھی بھی گڈی نکال لینے والے کا سراغ نہیں لگا سکے گا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے نوٹوں کی گڈی چھپا دی اور پھر بستر پہ آلتی پالتی کر کے بیٹھی سوچتی گئی۔

کیا وہ یہ رقم ایگنیس کو واپس کر دے؟ مگر پھر گال پہ ہاتھ رکھا تو کراہ نکلی۔ درد ابھی تک ہوتا تھا۔ سر نفرت سے ہلایا۔ ہرگز نہیں۔

تو پھر وہ اس کا کیا کرے؟ چہرہ ہتھیلیوں میں گرائے وہ سوچتی رہی۔

اس رات جب میس میں کھانا لگا تو اس نے آہستہ آہستہ کھانا کھایا۔ یہاں تک کہ سب اٹھ گئے اور وہ ابھی تک بیٹھی ہوئی تھی۔ نرملا دیوی جو وہاں کام کرتی تھی، کوفت سے اس کی میز تک آئی۔ ''تم اٹھو گی یا نہیں؟''

''نرملا دیوی....'' اس نے ادھر ادھر دیکھتے لجاجت سے بات شروع کی۔ دل دھڑک رہا تھا۔

''کیا تم میرا ایک کام کر سکتی ہو؟''

''بتاؤ۔'' وہ سننے رک گئی۔ تالیہ نے ایک تہہ شدہ نوٹ کپڑوں سے نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔ نرملا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ''تالیہ۔ تم نے واقعی مسز ایگنیس کے پیسے چرائے تھے؟''

''ششش۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''اگر میں تمہیں روز پیسے دوں تو تم مجھے زیادہ کھانا دیا کرو گی؟ بہت زیادہ۔''

نرملا نے ایک نظر نوٹ کو دیکھا اور چہرے پہ غصہ لے آئی۔

''کیوں بھئی؟ میں کیوں کروں گی ایسا؟ بلکہ میں ابھی مسز ایگنیس کو بتا دوں گی۔''

''کیا بتاؤ گی؟ کہ تالیہ نے آپ کے پیسے چرائے ہیں؟ سارا یتیم خانہ پہلے سے ہی یہی سمجھتا ہے۔ لیکن اگر تم یہ پیسے رکھ لو تو تمہیں ہی فائدہ ہوگا....'' وہ جتنی تیزی سے بولی... نرملا لاجواب ہوگئی....

پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے ہاتھ بڑھایا اور نوٹ تھام لیا....

☆☆=========☆☆

''اس نے تمہارے سر پہ مارا تھا کچھ شاید۔ کیا تمہیں درد ہو رہا ہے؟'' فاتح کے الفاظ اب کچھ کچھ سنائی دینے لگے تھے۔ گھوڑا گاڑی سرپٹ دوڑ رہی تھی اور وہ پنجرے کے کونے میں بیٹھی یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ ویرانی اور خالی پن سے۔ ذہن اس کے الفاظ کو رجسٹر نہیں کر پا رہا تھا۔

''سر میں درد ہے کیا؟'' وہ فکرمندی بھری نرمی سے سوال پوچھ رہا تھا۔

''ہم... کہاں جا رہے ہیں؟'' اس نے خود کو کہتے سنا....

پنجرے کے باہر اب کھیت نیلے اندھیرے میں ڈوبتے جا رہے تھے... شاید مغرب پھیل رہی تھی.....

☆☆=========☆☆

نرملا دیوی راہداری میں چلتی جا رہی تھی جب تالیہ سامنے سے آتی دکھائی دی۔ وہ پہلے سے بڑی اور سنجید نظر آتی تھی۔ قد نرملا کے برابر پہنچنے کو تھا۔ گال زیادہ پھول گئے تھے۔ راہداری کے وسط میں اس نے نرملا کو روکا تو وہ اکتائے ہوئے انداز میں رکی۔

''کیا ہے؟'' لاپرواہی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ساڑھی پہ جیبوں والا لمبا سوئیٹر پہنے وہ ایک تیز طرار عورت لگتی تھی۔

''نرملا دیوی.... میں نے تم سے چاول زیادہ مانگے تھے اور تم نے مجھے نہیں دیے۔''

''کیونکہ تم اب مجھے پیسے نہیں دے رہیں۔''

''میرے پیسے ختم ہو گئے ہیں۔''

''ہاں میں جانتی ہوں' تم جب بازار جاتی ہو ٹرپ کے ساتھ تو اپنے کپڑوں میں کتنے کیک اور چاکلیٹس چھپا کے واپس لاتی ہو۔ اگر تم فضول خرچی نہ کرتیں تو اتنے سارے پیسے ختم نہ ہوتے۔'' وہ ناک سکوڑ کے بولی۔

''مگر اتنے ماہ تو میں نے تمہیں پیسے دیے ہیں۔ اب نہیں ہیں تو کیا کروں۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''تم چور ہو۔ چرالو کسی سے۔ لیکن اگر پیسے نہ دیے تو زیادہ کھانا نہیں دوں گی۔'' وہ ہونہہ کہہ کے آگے بڑھی۔ تالیہ راستے میں کھڑی تھی' سو اس کو ایک ہاتھ سے تالیہ کو پرے دھکیلنا پڑا۔ اور اسی وقت تالیہ کا ہاتھ نرملا کے سوئیٹر کی جیب میں گیا۔ نرملا چلتی گئی۔ تالیہ نے بند مٹھی کھولی۔ اندر چابی تھی۔

(آخر میں چور ہوں نا۔) اس نے دکھ سے وہ چابی دیکھی۔ ان میں سے ایک میس کے فریج کی چابی تھی۔ جو نرملا کی دسترس میں رہتی تھی۔

اگلی صبح چابی نرملا کی جیب میں واپس آ چکی تھی مگر جب ناشتے کے لئے اس نے فریج کا دروازہ دیکھا تو اس کا لاک کھلا تھا اور لاک کے اندر چابی ٹوٹی ہوئی تھی۔ شاید کل جلدی میں فریج بند کرتے ہوئے چابی لاک کے اندر ٹوٹ گئی ہو اور اسے علم نہ ہو سکا ہو۔ مگر شکر کے دروازہ لاک نہیں ہوا تھا۔ ورنہ یہاں سب اتنے ست تھے' کوئی بھی لاک تبدیل کروانے کی ہمت نہ کرتا۔

اب وہ فریج کو لاک نہیں کر سکتی تھی مگر دروازہ کھول بند کر سکتی تھی۔ (خیر ہے کسی دن لاک بدلوا دوں گی۔ کون سا بچوں کو علم ہے کہ دروازہ اب لاک نہیں ہوگا اور وہ کچھ چرا لیں گے۔) اس نے بے پرواہی سے اندر سے دودھ نکالا اور دروازہ بند کر دیا۔

مگر ایک بچی کو علم تھا کہ اب رات کو دبے پاؤں میس میں جا کر کھانا کہاں سے چرانا ہے۔

☆☆==========☆☆

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' اس کی آواز پھنسی پھنسی سی نکلی تھی۔

پتھریلی سڑک پہ دوڑتی گھوڑا گاڑی کو مسلسل جھٹکے آ رہے تھے۔ کھیت اب اندھیرے میں ڈوبتے جا رہے تھے۔

''میں نہیں جانتا۔ انہوں نے گن پوائنٹ پہ....'' وہ رکا۔ ''تلوار تان کر ہمیں اندر بیٹھنے پہ مجبور کیا۔ اور پھر یہ تمہیں بھی لے آئے۔ تم بے ہوش تھیں۔''

''اور ایڈم؟'' اس نے نظریں گھمائیں۔ دوسرے کونے میں ایڈم اکڑوں بیٹھا تھا۔ اسے خود کو دیکھتا پا کے سر کو خم دیا۔

''بری خبر ہے تالیہ۔ میں ابھی تک زندہ ہوں۔''

اس کی نظریں ایڈم کے ہاتھوں پہ جم گئیں۔ وہ آگے کو اکٹھے تھے اور کلائیوں کے گرد رسی بندھی تھی۔ رسی اس کی گردن تک جاتی تھی۔ اور

پیروں میں بھی۔ وہ پوری طرح سے بندھا تھا۔

''اس کے ہاتھ....'' وہ خواب کی سی کیفیت میں بولی.... ''کیوں بندھے ہیں؟''

اب سارے پہ اندھیرا چھا رہا تھا۔ سڑک تاریک ہو رہی تھی۔

☆☆==========☆☆

یتیم خانے کی پتھریلی عمارت اس ڈوبتی شام میں یوں کھڑی تھی کہ اس کے سائے لمبے ہو کے گھاس پہ گر رہے تھے۔ سورج کا نارنجی تھال ڈوبنے کے قریب تھا۔ تالیہ ایک درخت سے ٹیک لگائے گھٹنوں پہ کاپی رکھے قلم تیز تیز چلا رہی تھی۔ کاغذ پہ ایک سیاہ سفید سا اسکیچ ابھر رہا تھا۔ پہاڑی کی چوٹی پہ مخروطی چھت والا محل۔

دفعتاً بوٹ میں مقید دو پیر اس کے سامنے آ رکے۔ ایسے سیاہ چمکدار بوٹ کہ ان میں چہرہ نظر آئے۔ اس نے چونک کے سر اٹھایا۔

وہ ٹو پیس میں ملبوس ایک آدمی تھا جس کے سر پہ انگریزوں والا سیاہ ہیٹ تھا اور ہاتھ جیبوں میں تھے۔ صاف رنگت' چینی نقوش' دلکش مسکراہٹ اور ہاں....کوٹ کی اوپری جیب میں اٹکا' پیلا گلاب جو پہلی نظر میں ساری توجہ اپنی جانب مبذول کرا لیتا تھا۔

اجنبی یہاں کم کم نظر آتے تھے۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کی حیرت بھانپ کے نووارد نے ہیٹ اتارا اور سر جھکایا۔

''کیسی ہو تم' کم عمر لڑکی؟''

وہ مسکرائی نہیں۔ بس سنجیدگی اور اچھنبے سے اس کو دیکھے گئی۔

بھورے بالوں والا وہ آدمی بہت سحر انگیز شخصیت کا مالک تھا۔ عمر چالیس سے اوپر ہوگی۔ اور آنکھیں کسی کم عمر لڑکے جیسی جوان تھیں۔

''تمہارے بال کس نے کاٹے ہیں' ننھی لڑکی؟''

وہ اس کے سامنے گھاس پہ کھڑا تھا۔ پیچھے سورج ڈوب رہا تھا۔ پتھریلے قلعے کے سائے غائب ہو رہے تھے۔

تالیہ چپ رہی۔

''اچھے نہیں کاٹے۔'' اس نے ہیٹ دوبارہ سر پہ جمالیا۔ تالیہ نے ہاتھوں سے اپنے بالوں کو چھوا۔ وہ پہلے کی طرح لمبے نہیں تھے بلکہ کانوں سے ذرا نیچے تک باب کٹ کی صورت آتے تھے۔

''کیا تمہیں لمبے بال نہیں پسند؟''

تالیہ نے سر جھکا لیا اور بولی تو آواز میں سادگی تھی۔

''ہم یتیم ہیں اور ہم خیرات پہ پلتے ہیں۔ جتنے لمبے بال' اتنا زیادہ شیمپو۔ یہاں سب کے بال چھوٹے ہوتے ہیں۔''

''اور تمہارے کپڑے؟'' وہ اس کے ساتھ آ بیٹھا اور درخت کے تنے سے ٹیک لگالی۔

''ہمارے کپڑے کبھی درست سائز کے نہیں ہوتے۔ لوگ اچھے کپڑے اور کھلونے کبھی خیرات میں نہیں دیتے' اَن چے (مسٹر)....؟۔''

وہ رکی اور ہچکچا کے گردن اٹھائی۔

''ذوالکفلی!''وہ مسکرایا۔اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔

''ذل...کِف...لی؟''وہ مسحور سے توڑ توڑ کے دہرانے لگی۔جیسے اس ویران کھنڈر قلعے میں کوئی عجوبہ دیکھ لیا ہو۔

''ہاں۔صرف ذوالکفلی۔میں رائٹر ہوں اور یتیم خانے کی زندگی پہ ناول لکھ رہا ہوں۔کیا تم میری مدد کرو گی؟''

''میں؟''اس نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''مسز ماریہ نے مجھے یتیم خانے کے ان کوارٹرز میں رہنے کی اجازت دے دی ہے۔''اس نے قلعے کی اوپری منزل کی طرف اشارہ کیا۔وہاں ٹاور کی سب سے اونچی کھڑکی تھی۔''لیکن یہاں کوئی ٹھیک سے بات ہی نہیں کرتا۔تم کرو گی؟''

''ہوں۔''اس نے گردن اثبات میں ہلائی۔لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''کل رات جب میں ادھر رہا تو...چے....؟''وہ رکا۔(مِس؟)

وہ تیزی سے بولی۔''تالیہ بنتِ مراد۔''وہ مسکرایا۔کیا سحر انگیز مسکراہٹ تھی اس کی۔

''چے تالیہ۔بلکہ مجھے کہنا چاہیے۔پتری تالیہ(شہزادی تالیہ)....''تالیہ کے گالوں پہ سرخی پھیلی۔مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا پتری تالیہ....رات جب میں یہاں رہا تو چیخنے کی آوازیں آتی تھیں۔''

''ہر رات آتی ہیں۔یتیم خانے میں کبھی خاموش راتیں نہیں گزرتیں اُن چے ذوالکفلی۔''

''مگر کل رات وہ لڑکا کیوں چیخ رہا تھا۔''

''کیونکہ جب بھی کوئی نیا شخص یتیم خانے میں آتا ہے۔(اس کی نظریں ذوالکفلی کے چہرے پہ بہت مان سے جم گئیں۔)اور وہ ہم سے پیار سے بات کرتا ہے...تو ہمیں لگتا ہے وہ ہمارا فوسٹر فادر بن جائے گا۔اور وہ ہمیں اس جگہ سے دور لے جائے گا۔وہ ہمیں فیملی دے دے گا۔اس نے بھی یہی سمجھا لیکن وہ لوگ جب اس کو پسند کیے بغیر چلے گئے تو وہ ساری رات روتا رہا۔''

''ویری سیڈ۔''اس نے افسوس سے سر ہلایا۔پھر نگاہ تالیہ کے کاغذ پہ پڑی تو قدرے چونکا۔

''کیا بنا رہی ہو تم؟''اس نے کاغذ لیا تو وہ مسکرا دی۔

''مجھے محل بنانا اچھا لگتا ہے۔''

''مگر مجھے محل میں رہنا اچھا لگتا ہے۔''وہ بے ساختہ بولا تو وہ دونوں ہنس دیے۔قلعے کے اوپر شام کے سایے اب مزید گہرے ہو رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

''اس کے....اس کے ہاتھ کیوں بندھے ہیں؟''وہ تکلیف کے باعث گھٹا گھٹا سا بول پائی۔سامنے بیٹھے فاتح نے گہری سانس لی۔

''کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ ہم بھاگ جائیں' اس لیے انہوں نے ہمیں باندھ دیا ہے۔''

گھوڑا گاڑی پنجرہ والا دے سڑک پہ سرپٹ دوڑ رہی تھی۔ اردگرد کھیتوں پہ رات چھاتی جا رہی تھی۔

''ہم؟'' اس نے چونک کے دہرایا۔ حواس ذرا جاگے۔ گردن جھکائی تو دیکھا۔ گود میں رکھے اس کے اپنے ہاتھ بھی رسیوں میں بندھے تھے اور وہ رسی اس کی گردن تک آ کر اسے مقید کیے ہوئے تھی۔ پھر پیروں تک جاتی۔ پیر تک بندھے تھے۔

اس نے بدک کے ہاتھ اوپر کھینچے مگر رسیوں کی گرفت مضبوط تھی۔

''ریلیکس پے تالیہ.... ہم کوشش کر چکے ہیں.... یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔'' دور بیٹھا دھندلا سا نظر آتا ایڈم بولا تھا۔

وہ سنے بغیر مختل حواسوں کے ساتھ بار بار ہاتھ اوپر کھینچ رہی تھی .....

گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سماعتوں میں صور پھونکے جا رہی تھی.....

☆☆=========☆☆

ملاکہ شہر میں واقع یتیم خانے کا پتھریلا قلعہ دھوپ میں کھڑا دہک رہا تھا۔ اندر ایک راہداری میں چند بچے چلتے جا رہے تھے۔ سب سے پیچھے وہ دونوں تھے۔ پیلے گلاب کو کوٹ کی اوپری جیب میں ٹکائے' سیاہ ہیٹ پہنے ذوالکفلی ...اور... اس کے ساتھ چلتی تالیہ۔

''آج سب خوش کیوں ہیں' پتری تالیہ؟'' وہ سامنے چہکتے بچوں کی طرف اشارہ کر کے بولا تھا۔

سرخ سیبوں جیسے موٹے گالوں والی تالیہ مسکرا کے بتانے لگی۔ ''کیونکہ ملاکہ کی کسی امیر فیملی کے بچے کی آج سالگرہ ہے۔ جب امیر لوگوں کے بچوں کی سالگرہیں ہوتی ہیں نا' تو وہ یتیم خانے میں مٹھائی یا چاکلیٹ بھیجتے ہیں... یا ایک وقت کے چاول وغیرہ.... بہت مزہ آتا ہے۔ کاش امیر بچوں کی سالگرہیں روز ہوا کریں تا کہ ہمیں ان کے مال سے کچھ حصہ ملتا رہا کرے۔''

وہ آس سے بولی تو وہ راہداری کے درمیان رک گیا اور اس کی طرف گھوما۔ وہ بھی بے ساختہ ٹھہر گئی۔

ذوالکفلی گھٹنوں پہ دونوں ہاتھ رکھے اس کی جانب جھکا اور سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''امیر لوگ بھی ہم جیسے ہوتے ہیں تالیہ... مگر وہ امیر اس لئے ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہمارا پیسہ لوٹتے ہیں۔ ان کی دولت اصل میں ہماری ہوتی ہے۔''

''وہ کیسے؟'' تالیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''کیونکہ جو ٹیکس ہم دیتے ہیں وہ قومی خزانے میں جاتا ہے۔ امیر لوگ خزانے سے بہانے بہانے سے رقم نکلواتے ہیں۔ کبھی پراجیکٹس کی صورت میں' کبھی بینکوں سے قرضے کی صورت میں۔ امیر لوگ پھر وہ رقم کبھی واپس نہیں کرتے۔ اسی رقم سے وہ اپنے بچوں کی سالگرہیں کرتے ہیں۔''

''یعنی ان کا پیسہ ہمارا ہوتا ہے؟''

''ہاں...اور اپنا پیسہ واپس لینا کوئی جرم نہیں ہوتا۔'' وہ سیدھا ہو گیا۔ پھر مسکرایا۔ ایک دم سے اس مسکراہٹ نے اس کے سنجیدہ تلخ چہرے کو ڈھانک دیا۔

''چلو اوپر چھت پہ چلیں۔ میں ملاکہ کا نظارہ کرنا چاہتا ہوں۔'' تالیہ نے گہری سانس لی۔

''آپ کو چھت سے ہر وقت شہر دیکھنا کیوں پسند ہے اُن چے ذوالکفلی؟'' وہ افسوس سے بولی تھی۔ وہ جواب میں کچھ کہہ رہا تھا۔

وہ دونوں اب راہداری میں چلتے دور ہوتے جا رہے تھے...ان کی آوازیں مدھم ہو رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

''تالیہ۔ مت کرو۔ رکو۔ اسٹاپ اِٹ۔'' وہ اب کے جھڑک کے بولا تو وہ جو رسی مسلسل کھینچ رہی تھی ٹھہری...گردن اٹھا کے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا...

''یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے ہمیں کیوں پکڑا ہے؟'' پلکیں جھپکائیں تو بصارت واضح ہوئی جیسے پانی گدلے شیشے کو صاف کر دے....جامنی اندھیرے میں فاتح کا چہرہ صاف دکھائی دینے لگا۔

''میں نہیں جانتا۔ میں ان کی زبان نہیں سمجھتا۔'' وہ مدھم آواز میں بتانے لگا۔ ''انہوں نے ہمارے اوپر تلواریں تان لی تھیں۔''

''تو آپ لوگوں نے مزاحمت کیوں نہیں کی۔ ایڈم کے پاس تو پستول بھی تھا۔'' وہ شاکی نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے ان کی بہادری پہ شک ہوا ہو۔

''میں تو اس کو شوٹ کرنا چاہتا تھا مگر سر نے روک دیا۔'' ایڈم گلہ آمیز انداز میں بولا۔

''ایڈم نے آج تک ایک جیتا جاگتا انسان نہیں مارا' میں تم دونوں کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔'' وہ گہری سانس لے کر بولا۔ اور پنجرے کی سلاخوں سے ٹیک لگا لی۔ سفید گدلی شرٹ کے آستین اوپر چڑھائے' مٹی لگے چہرے کے ساتھ' وہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر بھی ویسے ہی بندھے تھے۔

''اور جب میں نے ان کی گاڑی دیکھی تو کوئی مزاحمت نہیں کی۔ گاڑی کا مطلب تھا کہ وہ راستوں سے واقف ہیں۔ میں ان کی زبان نہیں سمجھتا مگر وہ بار بار ایک ہی لفظ دہرا رہے تھے۔ ملاکہ۔ یقیناً یہ گاڑی ملاکہ شہر جا رہی ہے۔''

''اور آپ نے خود کو بندھوا کے جانوروں کی طرح اس پنجرے میں ڈالنے دیا ان کو۔ کوئی مزاحمت نہیں کی؟'' وہ غصے سے بولی۔ سر ابھی تک گول گول گھوم رہا تھا۔

''صرف اس لیئے کہ وہ ملاکہ جا رہے تھے۔ ان کو جنگل سے نکلنے کا راستہ معلوم تھا۔ کیا تم بھول گئیں؟ Eyes on the Prize۔ اور ہماری منزل ملاکہ ہے۔ منزل پہ سمجھوتہ نہیں کیا جاتا۔ راستوں اور طریقوں پہ کر لیا جاتا ہے۔''

وہ بالکل چپ ہو گئی...پھر سر دھیرے سے سلاخوں سے ٹکا دیا اور نظریں باہر دوڑتے کھیتوں پہ جما دیں۔

چاند نکل آیا تھا اور کھیت اندھیرے میں چاندنی کے باعث مدھم مدھم سے نظر آ رہے تھے....

گھوڑوں کے قدم دھول اڑاتے تیزی سے آگے بڑھتے جا رہے تھے....

☆☆=========☆☆

قلعے کے باغیچے میں بہار کے ڈھیروں پھول کھلے تھے اور ان کی خوشبو گھاس پہ بیٹھے لوگ محسوس کر سکتے تھے۔

وہ گھاس پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی تھی اور سامنے ہیٹ والا مسکراتا ہوا ذوالکفلی بیٹھا تھا۔

''اور کیا ہے وہ جادو جو آپ نے مجھے دکھانا تھا؟'' وہ مسکرا کے دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔ انداز میں اعتماد اور انسیت تھی۔

''ہاں وہ...!! '' وہ مسکرایا اور جیب میں ہاتھ ڈالا۔ تالیہ آگے کو جھکی اور جب مٹھی باہر نکال کے کھولی تو اس میں ایک سکہ تھا۔

''یہ کھوٹا ہے' اور یہ دنیا والوں کے پاس کھوٹا رہے گا مگر جب یہ تمہارے ہاتھ میں آئے گا تو....''

تالیہ نے دلچسپی سے اپنی ہتھیلی پھیلا دی۔ ذوالکفلی نے سکہ اس کے ہاتھ پہ رکھا اور اس کی مٹھی بند کی۔ اب ذوالکفلی کے ہاتھ اس کے ہاتھ کے اوپر نیچے رکھے تھے۔ پھر اس نے تالیہ کی آنکھوں میں دیکھا۔

''مگر تمہارے ہاتھ میں وہ کھوٹا نہیں رہے گا۔ وہ تمہارے دل جیسا ہو جائے گا۔ خوشبو دار اور خوبصورت۔'' اس نے ہاتھ کھینچ لیے۔ تالیہ نے بند مٹھی دھیرے سے کھولی۔

اندر سکہ نہیں تھا۔

اندر پیلا گلاب تھا۔

اس کی آنکھیں بے یقینی سے پوری کھل گئیں۔ ''یہ کیسے؟'' الفاظ ٹوٹ ٹوٹ گئے۔

''میں جادوگر ہوں' پتری تالیہ (شہزادی تالیہ)۔'' وہ آواز کو بھاری کر کے بولا تو وہ حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت میں ہنس دی۔

''اور وہ سکہ کہاں گیا؟''

''تمہاری جیب میں۔''

تالیہ نے جلدی سے فراک کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اندر سکہ واقعی رکھا تھا۔ اس کا چہرہ دمک اٹھا۔

''کیا آپ مجھے یہ جادو سکھا سکتے ہیں؟'' وہ لجاجت سے بولی مگر ذوالکفلی گھڑی دیکھتے اٹھ رہا تھا۔

''مجھے ابھی چھت سے ڈوبتا سورج دیکھنا ہے۔ اس کے بعد۔''

''پلیز ابھی۔'' وہ منت کرنے لگی مگر وہ مسکرا کے اپنا ہیٹ درست کرتا آگے بڑھ گیا۔

''سب کہتے ہیں ذوالکفلی صاحب یہاں تمہاری وجہ سے ٹھہرے ہیں۔'' ایک کم عمر بچہ اس کے قریب آ کے بیٹھا اور دھیرے سے کان میں سرگوشی کی۔ تالیہ کا چہرہ مزید چمک اٹھا مگر بظاہر خفگی سے اس کی طرف مڑی۔

''وہ ناول لکھ رہے ہیں' بس اس لئے ٹھہرے ہیں۔''

''نہیں۔کل مسز ایگنیس بھی کہہ رہی تھیں۔ وہ ایسے بچے کو ایڈاپٹ کرنا چاہتے ہیں جن سے ان کی انڈراسٹینڈنگ ہو جائے۔ وہ شاید تمہارے فوسٹر فادر بن کے تمہیں ایڈاپٹ کر لیں گے۔تم لکی ہو تالیہ... تم یہاں سے چلی جاؤ گی۔'' وہ سمجھداری سے کہہ کے اٹھ گیا تو وہ مسکرا کے پھر سے ان دونوں چیزوں کا جائزہ لینے لگی۔

ایک کھوٹا سکہ اور ایک پیلا گلاب....

واؤ.... جسٹ واؤ۔

☆☆=========☆☆

رات گہری ہو رہی تھی اور گھوڑا گاڑی کی رفتار قدرے سست ہو گئی تھی۔ وہ ہنوز پنجرے کی سلاخوں سے سر ٹکائے ہوئے تھی۔ البتہ نیند اب پوری طرح کھل چکی تھی اور آنکھیں دور سڑک پہ جمی تھیں۔ اوپر تاروں بھرا آسمان تھا۔ اتنے تارے' اتنے تارے ... گویا سیاہ دوپٹے پہ افشاں انڈیل دی گئی۔

''اس دنیا میں سب کچھ ہمارے ملائیشیا سے مختلف ہے... بس ایک ہوا ویسی ہی ہے...'' وہ سڑک کو تکتے بولی۔

''آپ کی اطلاع کے لیے' چے تالیہ' ہوا بھی ویسی نہیں ہے۔''

''کیا؟'' تالیہ نے چونک کے گردن موڑی۔

''جب ساٹھ ستر سال پہلے امریکہ نے جاپان پہ ایٹم بم برسائے تھے تو وہ بم ساری دنیا کی فضا کو آلودہ کر گئے تھے۔ یعنی ہمارے Planet ارتھ کی فضا میں' مٹی میں' پھلوں میں' ہر چیز میں ہلکا ہلکا سا Cesium-137 شامل ہو گیا تھا اور قیامت تک شامل رہے گا۔ اس سے پہلے یہ قدرتی طور پہ فضا میں نہیں ہوتا تھا۔ یعنی ابھی ....'' ایڈم نے گہری سانس اندر کھینچی۔ ''ابھی فضا اس سے پاک ہے۔ مگر ظاہر ہے' آپ کو کیا معلوم۔ آپ کتابیں تھوڑی پڑھتی ہیں۔''

فاتح نے فوراً تالیہ کا چہرہ دیکھا (کوئی ردِ عمل؟) مگر.... خلافِ توقع اس نے برا نہیں مانا۔ بس سر واپس سلاخوں سے ٹکا دیا۔

ایک جھٹکے سے گاڑی رک گئی۔ جھٹکا اتنا زور کا تھا کہ تالیہ کا سر جھول کے دوبارہ سلاخوں سے آ ٹکرایا۔ لبوں سے کراہ نکلی۔

گاڑی کی اگلی نشستوں سے کوئی جست لگا کے اترا اور پیچھے آیا۔ سر پہ پٹی باندھے وہ سانولا سا آدمی تھا۔ اس نے ان تینوں کو باری باری گھورتے ہوئے سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ اندر بڑھایا جس میں تین رول سے تھے۔ خوشبو بھی اچھی تھی۔ ساتھ ہی اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ تالیہ کا ہاتھ سب سے پہلے بڑھا۔ اس نے جلدی سے رول تھاما اور آنکھوں کے قریب کر کے دیکھا۔ روٹی جیسی چیز میں لپٹا قیمے جیسا آمیزہ۔

اس نے ندیدوں کی طرح دانت اندر گاڑھے۔ گیلا بھی تھا جیسے کوئی ساس اندر لگی ہو۔ مختلف سا ذائقہ تھا مگر مزیدار تھا۔ اتنے دنوں کی

محرومی جاگ اٹھی۔ وہ جلدی جلدی کھانے لگی۔ فاتح نے باقی دونوں رول تھامے اور ایک ایڈم کی طرف بڑھا دیا۔ رسیاں سختی سے بندھی تھیں مگر لمبی تھیں۔ وہ ہاتھ قدرے آگے پیچھے بڑھا سکتا تھا۔

اب وہ آدمی اپنی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ فاتح نے قدرے اکتا کے اسے دیکھا۔

''وقت ضائع مت کرو' ہم تمہاری زبان نہیں سمجھتے۔''

''کیا تم ہمیں ملاکہ لے کر جا رہے ہو؟'' وہ لقمے سے بھرے منہ کے ساتھ ایک دم بولی۔

اس کے لبوں سے نکلنے والے الفاظ.... لہجہ.... زبان.... اس کے ساتھی مسافروں کے لیے اجنبی تھا۔ وان فاتح نے بے یقینی سے ابرو اٹھایا۔ ایڈم کا منہ کھل گیا۔ وہ آدمی بھی چونکا تھا۔

''ہاں۔ ہم ملاکہ جا رہے ہیں۔''

''مگر تم نے ہمیں باندھا کیوں ہے؟ ہمارا جرم کیا ہے؟'' وہ رات کی تاریکی میں سلاخوں کے پار کھڑے آدمی سے نڈر انداز میں پوچھ رہی تھی۔ فاتح بس اسے دیکھ رہا تھا۔ رول ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

''ہم جانتے ہیں تم اپنے مالک کی قید سے بھاگے ہوئے غلام ہو۔ ہم تمہیں وہاں لے کر جا رہے ہیں جہاں جانے کے تم حقدار ہو۔'' قدرے سختی سے بولا اور آگے بڑھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی گاڑی جھٹکے سے چل پڑی۔ تالیہ کا سر پھر سے سلاخوں سے ٹکرایا تھا۔ عین وہاں جہاں گومڑ تھا......

☆☆==========☆☆

تیرہ سالہ تالیہ مراد سر جھکائے کرسی پہ بیٹھی تھی۔ میز کے پار کرسی پہ مسز ماریہ براجمان تھیں اور تالیہ کے سامنے بیٹھے پولیس آفیسر کو دیکھ رہی تھیں۔

''بچے تالیہ!'' پولیس آفیسر اس کی طرف جھکے سنجیدگی سے مخاطب تھا۔

تالیہ نے ویران چہرہ اٹھایا تو اس کی آنکھیں ایسے خالی تھیں جیسے لٹے ہوئے لوگوں کا دل خالی ہو جاتا ہے۔

''مسز ماریہ نے بتایا ہے کہ سارے یتیم خانے میں سب سے زیادہ ذوالکفلی تم سے گھلتا ملتا تھا؟''

تالیہ نے کھوئے کھوئے انداز میں سر ہلا دیا۔

''اب تک تم جان ہی چکی ہو گی کہ وہ ایک جھوٹا مکار شخص تھا۔ ایک کون آرٹسٹ۔ ایک چور۔'' وہ بے رحم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ تالیہ کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ ''وہ کوئی رائٹر نہیں تھا۔ وہ جعلی کاغذات پہ ادھر آیا اور اوپر ٹاور سے وہ سامنے والی عمارت کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ جہاں ایک آرٹ آکشن (نیلامی) ہوئی تھی۔''

تالیہ نے پھر سے سر ہلا دیا۔ سارے الفاظ معنی کھو چکے تھے۔ ذوالکفلی کے غائب ہونے کے بعد ساری دنیا جیسے اندھیر ہو گئی تھی۔

''کل رات اس نے نیلامی پہ ایک قیمتی ہیرا چرالیا ہے۔اور اب وہ غائب ہو چکا ہے۔میں جانتا ہوں اس نے تمہیں امید دلائی ہوگی کہ وہ تمہیں ایڈاپٹ کر لے گا مگر وہ ایک اسکامر تھا' تالیہ۔''

''اس نے مجھے کوئی امید نہیں دلائی تھی۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''بہر حال....ہم نے اس کو گرفتار کرنا ہے....کیا تم ہماری مدد کرو گی؟''

تالیہ نے ایک نظر مسز ماریہ کو دیکھا۔ پھر آفیسر کو۔''میں کیا کر سکتی ہوں؟''

''ہمارے پاس اب تک ذوالکفلی کی ایک بھی تصویر نہیں ہے۔مسز ماریہ کا کہنا ہے کہ تم اسکیچ بنانے میں ماہر ہو۔کیا تم اس کا اسکیچ بنا سکتی ہو یا ہمارے اسکیچ آرٹسٹ کی مدد کر سکتی ہو؟''

وہ چند ثانیے اس کو دیکھتی رہی۔ پھر خاموشی سے ایک کاغذ اٹھایا۔ پین ہولڈر سے قلم نکالا اور سر جھکائے قلم کاغذ پہ رگڑنے لگی۔ پولیس آفیسر نے گہری سانس لے کر ٹیک لگالی اور کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ کام آسان ہو گیا تھا۔

''کیا اس نے کسی کو نقصان پہنچایا تھا؟ کسی کی جان لی تھی؟'' وہ تیزی سے قلم چلاتے سر جھکائے بولی۔

''نہیں مگر وہ چور تھا۔اس نے ہیرا چرایا ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہے مسز عثمان کے لئے۔''

''مسز عثمان وہی جن کی پوتی کی سالگرہ پہ یتیم خانے میں کھانے کے ڈبے آتے ہیں؟''

''ہاں' وہی' تالیہ۔'' مسز ماریہ نے تائید کی۔ وہ خاموشی سے اسکیچ بناتی گئی۔ پھر سر اٹھایا اور کاغذ اس کے سامنے کیا۔ آفیسر نے غور سے اسے دیکھا اور مسز ماریہ کی طرف بڑھا دیا۔

''ذوالکفلی سے کم لوگ ہی ملے تھے۔وہ عموماً کمرے میں رہتا تھا اس لیے یتیم خانے میں زیادہ لوگوں نے اسے قریب سے نہیں دیکھا تھا۔اس لئے اگر مسز ماریہ آپ تصدیق کر دیں کہ یہ وہی آدمی ہے تو مجھے دوبارہ یتیم خانے کے چکر نہیں لگانے پڑیں گے۔''

مسز ماریہ نے ''شیور'' کہتے ہوئے مسکرا کے کاغذ تھاما' پھر اس پہ نظر ڈالی تو مسکراہٹ سمٹی۔ وہ ایک موٹے بھدے آدمی کا چہرہ تھا۔ ناک' آنکھیں' سب کچھ جدا تھا۔انہوں نے چونک کے تالیہ کو دیکھا۔ وہ انہی کو دیکھ رہی تھی۔ بنا پلک جھپکے۔

''کیا یہی ذوالکفلی ہے' مسز ماریہ؟'' آفیسر نے پھر سے کلائی کی گھڑی دیکھ کے عجلت میں پوچھا۔

''سر...جب میں دو سال پہلے یتیم خانے میں آئی تھی تو میری کلائی میں ایک بریسلیٹ تھا...سونے کا....مگر پھر وہ....'' تالیہ ایک دم سادگی سے کہنے لگی....اس سے پہلے کہ آفیسر اس کی طرف متوجہ ہوتا' مسز ماریہ جلدی سے بولیں۔

''جی یہی ہے وہ۔'' اور تیزی سے کاغذ واپس بڑھایا۔ رنگت قدرے پھیکی پڑی تھی۔

''شکریہ۔'' اس نے کاغذ تھاما اور تالیہ کو دیکھا۔''تمہارے بریسلیٹ کا کیا؟''

تالیہ نے ایک چبھتی ہوئی نظر مسز ماریہ پہ ڈالی جو حیران بھی تھیں اور پھیکی بھی پڑی ہوئی تھیں۔ پھر ذرا سا مسکرائی۔''میں کہہ رہی تھی کہ میرا

بریسلیٹ .... بالکل آپ کی گھڑی جیسا لگتا تھا۔اتنا ہی خوبصورت۔''

ماریہ کے لبوں سے بے اختیار سکون بھری سانس خارج ہوئی۔اف۔

''او کے۔'' آفیسر رسماً مسکرایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ذوالکفلی کی تصویر دکھا کے مزید ہمارے لوگوں کو ہراساں نہیں کریں گے۔کیونکہ اگر بات پھیل گئی کہ تالیہ نے تصویر بنائی ہے یا تصویر ہماری طرف سے آپ کو ملی ہے تو ذوالکفلی یا اس کے ساتھی ہمیں جانی نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔''

''آپ بالکل بے فکر رہیں' مسز ماریہ۔ہم دوبارہ آپ کو زحمت نہیں دیں گے۔'' وہ اب شکریہ ادا کر رہا تھا۔

اس کے جانے کے بعد آفس میں کتنی ہی دیر خاموشی چھائی رہی۔پھر تالیہ اٹھ کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''تم نے ذوالکفلی کو کیوں بچایا؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔''وہ ایک چور ہے۔''

ننھی لڑکی مڑی اور سپاٹ نظروں سے ان کو دیکھا۔''یہاں کون چور نہیں ہے؟''

مسز ماریہ پہ گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔تالیہ بنتِ مراد اب باہر جا چکی تھی۔

☆☆=========☆☆

گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز رات کے مقدس سناٹے کو چیر رہی تھی۔اس کے سر کا گومڑ پھر سے درد کرنے لگا تھا۔مگر وہ پرواہ کیے بنا مرغوبیت سے اس رول کو کھا رہی تھی۔

''تم ان کی زبان بول سکتی ہو۔'' فاتح ابھی تک تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔منہ لقمے سے پھولا ہوا تھا۔(یہ وہ نزاکت سے ٹیبل پہ چھری کانٹے سے کھانے والی سوشلائیٹ نہیں تھی جو ایک رات عصرہ' اشعر اور اس کے ساتھ ان کے ڈائننگ روم میں کھانا کھاتے ہوئے گھائل غزال کی بات کر رہی تھی۔)

''مگر کیسے؟''

''کیونکہ....'' لقمے کے باعث آواز پھنسی پھنسی نکلی۔''میں گیارہ سال اسی ملاکہ میں بڑی ہوئی تھی۔زبان آتی ہے مجھے اور ہاں....وہ کہہ رہا تھا کہ شاید ہم بھاگے ہوئے غلام ہیں۔''

''مگر تمہاری یادداشت تو کھو گئی تھی۔تمہیں زبان کیسے یاد رہ گئی۔''

''پتہ نہیں۔'' تالیہ نے کندھے اچکائے اور تیزی سے کھانے لگی۔

''کیونکہ سر....'' ایڈم کھنکھار کے بولا۔رول اس کے ہاتھ میں بھی تھا مگر وہ ذرا تہذیب سے کھا رہا تھا۔

''یادداشتیں اور علوم ایک جگہ دماغ میں اسٹور نہیں ہوتے۔گو کہ ابھی تک اس کی وجہ نہیں معلوم ہو سکی کہ اکثر یادداشت کھو جانے والے لوگوں کو اپنی زبان اور بہت سی عام معلومات کیسے یاد رہ جاتی ہیں' مگر شاید اس لئے کہ ان کے ذہن کا وہ حصہ متاثر ہوتا ہے جہاں ان کی

یادیں ہوتی ہیں۔ وہ نہیں جہاں معلومات ہوتی ہیں۔ آپ کھا کیوں نہیں رہے سر؟'' کہتے ہوئے وہ اپنا رول لبوں تک لے گیا اور لقمہ دانتوں سے توڑا۔

فاتح نے جواب میں سوچتی نظروں سے اس رول کو دیکھا۔ ''اس میں گوشت ہے۔''

''ملاکہ مسلمان ملک ہے' سر۔ یہ حلال ہوگا۔ ویسے بھی اس حالت میں سب جائز ہوتا ہے۔''

''یہ بات نہیں ہے۔ گوشت ہر دور میں ایک قیمتی غذا رہی ہے۔ اور ان لوگوں نے ہمیں قیدی بنایا ہے۔ قیدیوں کو اتنی اچھی غذا کون دیتا ہے؟'' وہ سوچ میں ڈوبا تھا۔

مگر وہ دونوں اس کی بات پہ غور نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ خاموشی سے اپنا اپنا کھانا کھا رہے تھے۔

رات قطرہ قطرہ پگھلتی جا رہی تھی.....

☆☆=========☆☆

یتیم خانے کے قلعے کا باغیچہ آج رنگوں اور روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ ہر طرف رنگ برنگے غبارے بکھرے تھے۔ ایک جانب اسٹیج تھا جہاں تقریبِ تقسیمِ انعامات ہو رہی تھی۔ چند مشہور سوشل ورکر خواتین... سجی سنوری امیر بیگمات... اور سوٹڈ بوٹڈ اصحاب کرسیوں پہ براجمان تھے۔

مسز ماریہ بھی ایک کرسی پہ براجمان مسکرا رہی تھیں۔ سامنے بچے قطاروں میں کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ سب اچھے سے تیار ہوئے تھے۔ (یتیم خانے کے بچے کم عمری میں ہی خود تیار ہونا سیکھ لیتے تھے کیونکہ ان کو کوئی تیار کرنے والا نہیں ہوتا تھا۔) چند بچے اسٹیج پہ قطار میں کھڑے تھے۔ ایک ایک کر کے آگے آتے' اور زیورات سے سجی خاتون سے انعام وصول کر کے اسٹیج سے اتر جاتے۔

مسز ماریہ کی نگاہ قطار میں تیسرے نمبر پہ کھڑی تالیہ پہ پڑی تو مسکراہٹ ذرا سمٹی۔ وہ بالوں کی پونی بنائے' خاموش سی کھڑی تھی۔ ذوالکفلی کے جانے کے بعد سے وہ چپ چپ رہنے لگی تھی۔ اور اگر کبھی مسز ماریہ سے سامنا ہو جاتا تو ان کو یوں دیکھتی کہ ان کو نگاہ چرانی پڑتی۔ بات صرف بریسلیٹ کی نہیں تھی۔ کوئی بھی بچے کی بات نہ مانتا۔ بات اپنے دل کے چور کی تھی۔ انہوں نے پھر سے نگاہ چرالی۔

سامنے والے دونوں بچے ہٹے تو تالیہ کی باری آئی۔ خاتون نے مسکرا کے اس سے ہاتھ ملایا اور میز پہ رکھا کھلونے کا ڈبہ اس کی طرف بڑھایا۔ تالیہ نے ہاتھ نہیں بڑھائے۔ بس نظریں اٹھا کے ان کو دیکھا۔

''کیا مجھے وہ والا نہیں مل سکتا؟'' اس نے انگلی سے ایک دوسرے ڈبے کی طرف اشارہ کیا۔ خاتون کی مسکراہٹ سمٹی' مگر پھر.... اسٹیج پہ بیٹھے اپنی طرف متوجہ لوگوں کو دیکھا... اور کیمرہ مین کو جو تصاویر بنا رہا تھا۔ جلدی سے سنبھل کے مسکرائیں اور ''کیوں نہیں'' کہہ کے ایک دوسرا ڈبہ اٹھایا اور اس کی طرف بڑھایا۔

تالیہ نے بہت شوق سے وہ ڈبہ پکڑا اور آگے بڑھ گئی۔ نیچے اپنی سیٹ پہ جاتے ہی اس نے وہ ڈبہ کھولا۔ اندر تیر کمان تھی۔ کھلونے والی

کمان جو اچھی کوالٹی کی تھی اور چند تیر۔ اس نے بہت محبت اور اپنائیت سے اس پہ ہاتھ پھیرا۔ اس سے متعلق کوئی یاد ذہن کے کسی گوشے میں موجود نہیں تھی مگر پھر بھی وہ اتنا اپنا اپنا سا لگتا تھا کہ....

آگے جو ہوا وہ خود ہی ہوا۔

اس نے خود کو تیروں کا ترکش کمر پہ پہنتے دیکھا۔ پھر کمان سیدھی کر کے تیر اندر لگایا اور اسٹیج کے کونے میں لگے غباروں کی طرف نشانہ باندھا... وہاں گیس والے غبارے ایک ساتھ بندھے تھے جیسے ... غباروں کا گلدستہ ہو۔ اس نے کھینچ کے تیر چلا دیا۔

تیر زن سے اڑتا ہوا عین اس جگہ لگا جہاں غباروں کے دھاگوں کا جوڑ تھا۔ چٹخنے کی آواز آئی اور غبارے غول کی صورت فضا میں بلند ہوئے۔

لوگوں نے چونک کے ادھر ادھر دیکھا۔ گردنیں مڑیں۔ آوازیں بلند ہوئیں۔ مگر وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔ وہ تیر کش سے تیر نکال کے ایک کے بعد ایک فضا میں نشانے پہ چلا رہی تھی۔ فضا میں اڑتے غباروں کو باری باری تیر لگ رہے تھے۔ وہ 'ٹھاہ... ٹھاہ' کی آوازوں کے ساتھ پھٹنے لگے۔ مگر تالیہ نہیں رکی۔ ہاتھوں میں کوئی جنون سا در آیا تھا۔

بچے چیخیں مارتے اٹھ گئے۔ اسٹیج پہ بھی ہلچل مچ گئی۔ مگر وہ تاک تاک کے فضا میں اڑتے غباروں کا نشانہ لیتی ان پہ تیر برسا رہی تھی۔ کوئی تیر خطا نہیں جا رہا تھا۔

غبارے پٹاخوں کی آواز کے ساتھ پھٹتے جا رہے تھے۔

زور سے مسز ماریہ نے اس کے ہاتھ سے کمان کھینچا اور ایک زناٹے دار تھپڑ اسے رسید کیا تو وہ ہوش میں آئی.... اور ادھر ادھر دیکھا۔

حیرت اور خوف سے دور ہٹے بچے.... اسٹیج پہ کھڑے لوگ... کیمرہ مین دھڑا دھڑ تصویریں اتار رہا تھا۔ وہ ایک دم ڈر سی گئی۔ جلدی سے پیچھے کو ہٹی۔ مسز ماریہ برہمی اور بے یقینی سے اس کو دیکھ رہی تھیں۔

اس لمحے انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس لڑکی کو وہ مزید اپنے یتیم خانے میں برداشت نہیں کر سکتیں۔ انہیں جلد از جلد اس کو ایڈاپٹیشن کے لئے دینا ہو گا۔ انہیں اس سے چھٹکارا چاہیے تھا۔

یہ لڑکی سحر زدہ تھی۔

☆☆==========☆☆

گھوڑا گاڑی تاریک راستے پہ تیز دوڑ رہی تھی۔ فاتح اکڑوں بیٹھا تھا' اور بندھے ہوئے ہاتھ گھٹنوں پہ رکھے تھے۔ رول وہ کھا چکا تھا مگر سوچ میں ڈوبا تھا۔ باقی دونوں بھی خاموش تھے۔ ایسے میں وہ بار بار اپنے بندھے ہاتھ جیب تک لے جانے کے لئے اٹھاتا' پھر ٹھہر جاتا۔ نہ ہاتھ وہ جیب تک لے جا سکتا تھا' نہ جیب میں وہ بٹوہ تھا جس کے اندر جھانکنے کی تڑپ اس کی عادتوں میں شامل تھی۔ جانے وہ کہاں گر گیا تھا۔

تالیہ ہنوز سلاخوں سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ ایڈم باری باری ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''اب ہم نے کیا کرنا ہے؟'' اس نے یکسانیت سے اکتا کے سوال پوچھا تو تالیہ نے چہرہ موڑا۔ اس کی آنکھیں سپاٹ سی تھیں۔

''ہم نے شہزادی تاشہ کو ڈھونڈنا ہے۔ اور وہ ہمیں میرے باپا تک لے جائے گی۔''

''مگر بچے تالیہ.... ہم اس وقت قید میں ہیں۔'' اس نے جتا کے یاد کرایا۔

''اب نہیں رہیں گے۔'' کہتے ہوئے وہ سیدھی ہو بیٹھی اور بندھے ہوئے ہاتھ سامنے اٹھائے۔ پھر کلائیوں کو موڑنے لگی۔ ایڈم کی نظروں میں اچنبھا ابھرا۔

''رسیاں پکی بندھی ہیں.... یہ چوڑیاں نہیں ہیں جن سے آپ کلائیاں نکال لیں۔''

تالیہ نے ایک سنجیدہ نظر اس پہ ڈالی۔ ''میں کے ایل کی سب سے ماہر چور اسی لئے ہوں کیونکہ مجھے اپنے ہاتھوں کو ہتھکڑیوں سے نکالنے کا فن آتا ہے۔'' وہ ایک مخصوص زاویے پہ ہاتھوں کو اکٹھا کر کے موڑے جا رہی تھی۔

فاتح نے ستائش سے ابرو اٹھائی۔ ''میں نے سن رکھا تھا کہ ایسے ٹرکس ہوتے ہیں مگر مجھے یقین نہیں تھا کہ یہ حقیقت میں ممکن ہے۔ پہلی دفعہ دیکھ رہا ہوں۔ کس سے سیکھا تم نے یہ؟''

اس نے نظریں اٹھا کے فاتح کو دیکھا۔ ''ایک جادوگر سے۔'' اس کے ہاتھ مسلسل رسیوں سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ رسی کلائی کی جلد کو چھیل رہی تھی۔ خون بہہ رہا تھا مگر ہاتھ اندر ہی اندر مڑ کے چھوٹا ہو رہا تھا۔ گویا پٹھے خود کو اکٹھا کر لینے کے عادی تھے۔

☆☆=========☆☆

وہ لاہور کی ایک اپر کلاس کالونی تھی جہاں قطار میں چھوٹے چھوٹے بنگلے بنے تھے۔ تیسرے نمبر کے بنگلے کے اندر کچن میں آؤ تو اونچی سیاہ پونی والی تالیہ سنک کے سامنے کھڑی برتن دھو رہی تھی۔ وہ بیس اکیس برس کی تھی مگر کافی موٹی اور گول مٹول۔ شلوار قمیص پہنے، دوپٹہ سائیڈ پہ باندھے وہ مگن سی کھلے نل تلے آخری برتن کھنگال رہی تھی۔ پھر اسے ٹوکری میں رکھا، تولیے سے ہاتھ پونچھے، چولہا بند کیا اور باہر نکل آئی۔

صوفے پہ فربہی مائل ادھیڑ عمر خاتون بیٹھی تھیں۔ ٹی وی چل رہا تھا اور وہ فون کان سے لگائے کسی سے محوِ گفتگو تھیں۔ تالیہ جس پل اندر آئی انہوں نے اسی وقت فون رکھا۔

''کھانا پک گیا؟''

''جی امی۔ کچن بھی صاف ہو گیا ہے۔'' وہ صاف اردو میں بات کر رہی تھی۔ ''ناشتہ ٹیبل پہ لگا دیا ہے، اور دادا جی کو ان کے کمرے میں ناشتہ ابھی دے آتی ہوں (شہناز بیگم کے ماتھے پہ بل پڑے بہر حال خاموش رہیں۔) پھر میں کالج چلی جاؤں گی۔'' پھر ہچکچا کے رکی۔

''امی.... کالج کا ٹرپ جا رہا ہے مری، دو دن کے لئے۔ مجھے کچھ پیسے چاہئیں۔''

انہوں نے گردن پوری گھما کے اسے دیکھا۔ ''میرے پاس ان فضولیات کے لئے پیسے نہیں ہوتے تالیہ۔ شفقت صاحب کتنی محنت سے

کماتے ہیں، ہماری دو بیٹیاں ہیں جن کی ہم نے شادی کرنی ہے۔ اگر یونہی جمع پونجی خرچ کر دیں گے تو شادیاں کہاں سے کریں گے؟''

''مگر مناہل اور زیمل بھی تو پچھلے ہفتے ٹرپ پہ گئی تھیں، ارسل بھی جاتا ہے۔ اور ان کے ٹرپ تو مہنگے والے ہوتے ہیں۔''

''کیونکہ ان کا کالج مہنگا والا ہے۔ تم سرکاری کالج میں پڑھتی ہو، اس لئے اپنی چادر دیکھ کے پاؤں پھیلایا کرو۔'' ناک سکوڑ کے سر جھٹکا اور ریموٹ اٹھالیا۔

وہ چند لمحے چبھتی نگاہوں سے ان کو دیکھتی رہی۔ وہ ابھی سو کے اٹھی تھیں اور بال جوڑے میں بندھے تھے۔ ٹی وی پہ ڈرامہ دیکھتے ہوئے بار بار جمائی بھی روکتی تھیں۔ تالیہ سے مکمل بے زار۔

''میں ایک فرینڈ سے ادھار لے کے چلی جاؤں؟''

''میری بلا سے جو بھی کرو۔'' انہوں نے ہاتھ جھلا کے اسے دفعان ہونے کا اشارہ کیا۔

وہ سر کو خم دے کر وہاں سے چلی آئی۔

اوپر آ کے اپنے کمرے میں جانے کے بجائے اس نے بڑے بیڈروم کا دروازہ کھولا جو شہناز اور شفقت صاحب کا تھا۔ کمرہ خاموش پڑا تھا۔ اس کے فوسٹر فادر آفس جا چکے تھے اور شہناز رات کا ریپیٹ ٹیلی کاسٹ ڈرامہ دیکھنے سے پہلے ٹی وی کے سامنے سے اٹھنے والی نہ تھیں۔ وہ دبے قدموں اندر آئی اور اسٹڈی شیلف کے سامنے رکی۔ تیسرا دراز کھولا۔ اندر ایک خفیہ خانہ تھا۔ تالیہ نے اسے کھولا۔ چابی نکالی۔ پھر ڈریسنگ روم میں آئی اور آخری الماری میں چابی لگائی۔ دروازہ کھل گیا۔

اندر ایک دراز میں نوٹوں کی گڈیاں رکھی تھیں۔ اس نے بینک کے نوٹوں کی ایک گڈی اٹھائی جو پورے ایک لاکھ کی تھی۔ مہارت سے Staple کی پن اتاری، چند نوٹ درمیان سے نکالے، اور پھر اسٹڈی ٹیبل کے دراز سے بڑا اسٹیپلر نکالا۔ گڈی کو دوبارہ اسٹیپل کیا اور احتیاط سے واپس رکھ دیا۔ کوئی بھی ثبوت چھوڑے بنا وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور پیسے چھپا دیے۔

(جاؤں گی تو میں ضرور۔ ہونہہ)

کچھ دیر بعد وہ نیچے دادا جی کے کمرے میں ان کو ناشتہ کروا رہی تھی۔ وہ نحیف اور کمزور سے تھے۔ سر کے سارے بال سفید تھے۔ بستر پہ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ وہ ان کے ساتھ اسٹول پہ بیٹھی، چائے پرچ میں ڈالتی، اور ان کے لبوں کے قریب لے جاتی۔ وہ گھونٹ بھرتے۔

''تالیہ!'' مسکرا کے اسے اپنی بوڑھی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگے۔ ''تم میری سگی پوتی نہ ہو کر بھی میری کتنی خدمت کرتی ہو۔''

''ریئلی دادا جی.... یہاں اس گھر میں کوئی اپنی بات مجھے ایڈاپٹڈ ہونے کا احساس دلائے بغیر کیوں نہیں ختم کر سکتا؟'' وہ ہنس کے بولی اور پھر سے چائے پرچ میں انڈیلنے لگی۔

''تم اس گھر میں خوش نہیں ہونا؟''

''آپ خوش ہیں؟'' انہوں نے گہری سانس لی اور چھت کو دیکھنے لگے۔

''میں گلہ نہیں کرسکتا۔ شفقت کا باپ ہوتا تو اس کا حق تھا کہ وہ میری خدمت کرتا۔ لیکن میں اس کا چچا ہوں۔ اس نے مجھے اپنے گھر رکھا ہوا ہے یہی بہت ہے۔''

''آپ نے تین دکانیں جو ابا کے نام کردی تھیں۔ اب بھی وہ نہ رکھتے آپ کو۔'' اس نے چائے سے بھری پرچ ان کی طرف بڑھائی مگر وہ اب سیر ہو چکے تھے۔

''پیسے سے خوشی نہیں خریدی جاسکتی۔''

''کبھی کسی محل میں رہنے والے کو اداس دیکھا ہے آپ نے؟'' اس نے پرچ اور پیالی پرے رکھ دی۔ پھر گھڑی دیکھی۔ کالج کی بس میں ابھی وقت تھا۔ وہ گردن اٹھا کے اسے دیکھنے لگے۔

''تمہیں محل اچھے لگتے ہیں نا؟''

''بہت زیادہ' دادا جی۔'' آنکھیں میچ کے اس نے جیسے مزہ لیا۔ ''میرا دل چاہتا ہے ایک دن میں نیند سے جاگوں تو سامنے ایک سڑک ہو...ایک طرف سمندر ہو....اور سیدھ میں سڑک اوپر ایک پہاڑی تک جاتی ہو....اس پہ ایک محل بنا ہو اور وہ میرا ہو.... دیکھئے گا دادا جی....تالیہ ایک دن میں بہت امیر ہو جائے گی۔''

''میں جانتا ہوں۔'' وہ بولے تو وہ چونکی۔ عموماً وہ اس کی ان باتوں پہ تبصرہ نہیں کرتے تھے۔ آج کچھ مختلف تھا۔

''کوئی بات ہے دادا جی؟'' اس نے ٹھٹک کے ان کا چہرہ دیکھا۔ انہوں نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''تالیہ...میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں' آج ہوں' کل نہیں' اس لئے....''

''آپ اب کیا فلموں کی طرح مجھے اپنی وصیت بتانے لگے ہیں؟'' وہ پھر سے ہنس دی۔ وہ نہیں ہنسے۔ سنجیدہ رہے۔

''یاد ہے کافی عرصے پہلے میں نے تمہیں ایک علاقے میں ایک پلازہ دکھایا تھا جس میں بارہ دکانیں تھیں؟ جب تم مجھے وہیل چیئر پہ وہاں لے گئی تھیں؟''

''جی' مجھے یاد ہے۔ کیوں؟''

''وہ سارا پلازہ میرا ہے۔ ان دکانوں کا مالک میں ہوں۔''

تالیہ مراد کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ چند لمحے شل رہی' پھر ادھر ادھر دیکھا۔

''ابا جی کو یہ بات نہیں معلوم' دادا جی؟''

''میں مرتے وقت وہ اس کو دینا چاہتا تھا' ان کا کرایہ میرے اکاؤنٹ میں آتا ہے۔ میرا رشتے کا پوتا جبران ان کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ مگر اب میں وہ پلازہ شفقت کو نہیں دینا چاہتا۔ میں وہ.....'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کے وقفہ دیا۔ ''تمہیں دینا چاہتا ہوں۔''

تالیہ کے قدموں تلے سے زمین سرکنے لگی۔ سانس تک بند ہو گیا۔

''دادا جی....''

''ابھی اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ جبران آئے گا تو میں اس سے قانونی کارروائی کا کہوں گا۔ وہ خاموشی سے تمہارے نام ہو جائے گا اور جب تمہاری شادی ہو گی تو تم اس کو بیچ کے اپنی مرضی کا محل خرید لینا کیونکہ میرا دل کہتا ہے' کہ ایک دن ہماری تالیہ کسی محل میں راج کرے گی۔''

وہ یک ٹک ان کو دیکھے جا رہی تھی۔ آنکھوں میں آنسو بھر رہے تھے.....

☆☆==========☆☆

گھوڑا گاڑی سرپٹ دوڑ رہی تھی.... پنجرے میں بیٹھی تالیہ مسلسل کلائیوں کو گھما رہی تھی۔ ہاتھوں کو اکٹھا کر کے وہ خاص زاویے پہ ان کو مروڑ کے رسی کو چوڑی کی طرح اوپر دھکیل رہی تھی۔ خون آلود ہاتھ دھیرے دھیرے باہر نکل رہا تھا۔

فاتح افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے زخمی ہاتھوں کو نہیں.... اس کے چہرے کو.... جہاں کوئی عجیب سا خالی پن تھا.... شاید وہ ماضی کی کسی یاد میں گم تھی.....

☆☆==========☆☆

چھوٹے سے بنگلے میں معمول سے زیادہ خاموشی تھی۔ کچن میں کھڑی تالیہ نے دوپٹہ سر پہ اوڑھ رکھا تھا اور دادا جی کے لئے دلیہ نکال رہی تھی۔ امی صبح ہی سلور کے پیالے لائی تھیں اور حکم ملا تھا کہ چینی کے برتنوں میں دادا جی کو کھانا نہیں دینا' مبادا وہ ٹوٹ نہ جائیں۔ خیر' یہ چاندی کے برتن بھی پیارے تھے۔ قیمتی اور خوبصورت۔

تالیہ نے مسکرا کے دلیہ ان میں نکالا' چمچ' پلیٹ ساتھ ٹرے میں سجائی اور ٹرے اٹھائے باہر چلی آئی۔ لاؤنج کے پرلے کونے پہ دادا جی کا کمرہ تھا' اور خلافِ توقع آج امی اور ابا وہیں موجود تھے۔ دادا جی کا بھانجا جبران بھی آیا ہوا تھا۔

وہ اندر داخل ہوئی' سب کو سلام کیا' ایک نظر سارے پہ دوڑائی (امی کا بے چین انداز.... ابا کی خاموشی.... پرسکون اور قدرے خوش بیٹھے دادا جی۔ آج کل امی' ابا اکثر دادا جی کے پاس جا بیٹھتے تھے' اور دادا جی کے ان سے گلے دور ہوتے جا رہے تھے۔ جبران بھی ساتھ ہی بیٹھا تھا۔)

اس نے خاموشی سے پیالہ دادا جی کی سائیڈ ٹیبل پہ دھرا تو امی فوراً بولیں۔

''تم جاؤ' جبران کھلا دے گا۔''

''جی اچھا۔'' تالیہ نے بس مسکرا کے دادا جی کو دیکھا' وہ بھی جواباً مسکرائے اور سر کو خم دیا۔ وہ واپس پلٹ آئی۔ مگر ذہن میں کچھ کھٹک رہا تھا۔ (جبران کے چکر زیادہ نہیں لگ رہے؟ کل بھی وہ لان میں امی کے ساتھ بیٹھا تھا جب میں ٹیوشن سے آئی تھی۔ کوئی تو بات ہے۔)

وہ کچن میں آئی اور چوکی پہ بیٹھ کے ہتھیلی گال تلے رکھے سوچ گئی۔ (کیا تھا جو اسے کھٹک رہا تھا؟)

قریباً پندرہ منٹ گزرے تھے کہ ابا کی گرج دار آواز سنائی دی۔ ''تالیہ... تالیہ۔'' وہ ایک دم ڈر گئی۔ پھر بھاگی بھاگی اندر گئی۔ دروازہ کھولا تو... ان سب کے چہرے ویسے نہ تھے جیسے وہ چھوڑ کے گئی تھی۔ ابا غصے سے سرخ تھے تو امی کمر پہ ہاتھ رکھے کھڑی تھیں... اور دادا جی ...ان کا چہرہ زرد تھا اور آنکھوں میں آنسو۔

''کیا ہوا؟'' وہ ہکلائی۔

''یہ دلیہ تم نے بنایا ہے نا؟'' امی چمک کے بولی تھیں۔ اس نے جلدی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''جی... کیا اچھا نہیں بنا؟'' اس کی نظریں دادا جی کی آنکھوں پہ ٹکی تھیں۔

''اچھا؟ ارے اس میں زہر ملا ہوا ہے۔'' انہوں نے پیالے سے چاندی کا چمچ نکال کے سامنے لہرایا۔

''زہر؟'' تالیہ کا سر گھوم گیا۔

''وہ تو شکر ہے میں نے صحت کے پیشِ نظر گھر میں چاندی کے برتن استعمال کروانے شروع کیے۔ اللہ نے ابا جی کی زندگی بچانی تھی، سو ہم نے وقت پہ دیکھ لیا کہ سارا پیالہ اور چمچ سیاہ پڑ رہا ہے۔ ایسا صرف تب ہوتا ہے جب زہر چاندی کے چمچ کو چھو جائے۔''

وہ چوکھٹ پہ کھڑے کھڑے پتھر بن گئی۔ ایک نظر اس پیالے کو دیکھا جو واقعی سیاہ پڑ رہا تھا۔ آدھا دلیہ زمین پہ گرا ہوا تھا۔ اور پھر مری مری نظروں سے دادا جی کو دیکھا۔ ''مجھے نہیں پتہ یہ کیسے ہوا۔ میں نے خود دلیہ بنایا ہے، کسی نے کیسے اس میں کچھ ڈال دیا۔''

''کسی نے نہیں، تم نے ڈالا ہے۔'' ابا جی غصے سے چلائے تھے۔

''تالیہ...!'' دادا جی کی آنکھوں سے آنسو ٹپکا۔ ''تالیہ... تم چاہتی تھیں... میں جلدی مر جاؤں؟ اتنی جلدی کیا تھی بیٹے؟'' وہ سارے حساب کتاب کیے بیٹھے تھے۔ پندرہ منٹ سے عدالت لگی تھی اور ساری تفتیش مکمل ہو چکی تھی۔ دادا جی کو یقین دلایا جا چکا تھا۔ ثبوت اس کے خلاف جاتے تھے۔

اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔ رنگت سفید پڑ گئی۔ بے یقینی سے ان کو دیکھتے نفی میں گردن ہلائی۔

''میں نے نہیں کیا یہ... دادا جی... میں ایسے کیوں کروں گی؟'' گلا رندھ گیا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے چوکھٹ پکڑ لی۔ چکر سے آ رہے تھے۔

امی اس کو جواب میں گالیاں دینے لگی تھیں۔ لے پالک، جانے کس نیچ خاندان کی تھی وہ۔ ابا کہہ رہے تھے کہ انہوں نے پولیس بلالی ہے۔ ان کی رشتے دار خاتون سب انسپکٹر بس آنے ہی والی ہوگی اور وہ تالیہ سے سارا معاملہ اگلوا لے گی۔

مگر وہ بھاگی نہیں۔ وہ چوکھٹ کو پکڑے کھڑی بے یقینی سی تھی۔ جبران بالکل چپ بیٹھا تماشہ دیکھ رہا تھا۔

''دادا جی... میں نے یہ نہیں کیا۔ میرا یقین کریں۔ یہ سب مجھ پہ الزام لگا رہے ہیں۔'' وہ بار بار ایک ہی بات کہہ رہی تھی۔

دادا جی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔انہوں نے چہرہ پرے پھیر لیا۔جبران نے ان کا ہاتھ تھاما تو انہوں نے جواب میں زیادہ سختی سے جبران کا ہاتھ پکڑ لیا۔خون'خون ہوتا ہے۔وہ اپنوں پہ زیادہ بھروسہ کرتے تھے۔اپنے جیت گئے تھے۔تالیہ کا دل پھر سے کچلا گیا۔

''میں نے یہ نہیں کیا۔'' وہ زور سے چیخی۔''یہ سب آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔جبران نے ان کو دکانوں کا بتا دیا ہے۔دادا جی یہ آپ سے جھوٹ بول رہے ہیں۔''

وہ بھاری بھرکم عورت پیچھے سے آئی تھی۔تھانیدارنی۔اور اب وہ اس کو پیچھے کھینچ رہی تھی۔حوالات کی باتیں کر رہی تھی....مگر وہ کچھ نہیں سن رہی تھی'وہ اس کی گرفت میں پھڑ پھڑاتی ہوئی چلا رہی تھی۔

''اللہ گواہ ہے'میں نے یہ نہیں کیا۔دادا جی میری طرف دیکھیں۔دادا جی میری بات سنیں۔دادا جی میں آپ کی تالیہ ہوں۔میں آپ کو فجر پہ وضو کروانے آتی ہوں۔میں آپ کو آدھی آدھی رات کو پانی پلانے آتی ہوں۔دادا جی میں آپ کی واحد فیملی ہوں۔آپ میری واحد فیملی ہیں۔میری بات تو سنیں۔'' وہ اب رو رہی تھی مگر وہ عورت اسے پیچھے کھینچ رہی تھی۔اس نے چوکھٹ پہ ہاتھ سختی سے جما رکھے تھے...ناخن لکڑی پہ گاڑھ دیے تھے۔کھینچنے اور گھسیٹنے کے باعث وہ چوکھٹ سے رگڑتے نشان چھوڑ گئے...کچھ ناخن ٹوٹ گئے...انگلیوں سے خون رسنے لگا مگر وہ چلائے جا رہی تھی....

''دادا جی....میری طرف دیکھیں تو سہی....دادا جی....''

☆☆==========☆☆

زخمی ہاتھ ایک جھٹکے سے رسیوں کی قید سے آزاد ہوئے تھے۔اس نے وحشیانہ انداز میں رسی پرے پھینکی'پھر گردن سے رسی کا طوق نکالا'اور تیزی سے پیروں کے گرد سے گانٹھیں کھولنے لگی۔پیر آزاد کرتے ہی وہ فاتح کی طرف بڑھی۔

''پہلے ایڈم۔'' اس نے فوراً اسے روکا۔اور وہ رک گئی۔فاتح کی آنکھوں میں دیکھا۔پھر اثبات میں سر ہلایا اور ایڈم کی طرف آئی۔ایڈم انکار کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔فوراً اپنے ہاتھ آگے کر دیے۔البتہ خود دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔وہ اس وقت تالیہ کی خوش گفتاری سننے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

☆☆==========☆☆

وہ چھوٹا اور سادہ سا کمرہ تھا۔تالیہ کا کمرہ۔اس بھاری بھرکم عورت نے اندر سے کنڈی لگا رکھی تھی اور تالیہ کو کرسی پہ بٹھا کے اس کے ہاتھ دوپٹے سے پیچھے باندھ دیے تھے۔میز پہ قلم کاغذ رکھا تھا۔تالیہ کا سر جھکا تھا اور وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔عورت آگے آئی اور اس کا چہرہ زبردستی اوپر اٹھایا۔

''شکر کرو شفقت بھائی نے مجھے گھر پہ بلا لیا'سب انسپکٹر دردانہ نام ہے میرا۔جانتی ہو تم مجھے اچھی طرح۔بلکہ پورا علاقہ واقف ہے مجھ سے۔تھانے لے کر جاتی تو تم ایک گھنٹے کی مار برداشت نہ کر سکتی۔'' جھٹکے سے اس کی تھوڑی چھوڑی۔اس کا بھیگا چہرہ پرے لڑھک گیا۔

عورت اب اس کے سر پہ جھکی غرا کے کہنے لگی۔ ''اس کاغذ پہ اعترافِ جرم لکھو کہ کس طرح تم نے داداجی کو زہر دینے کی کوشش کی۔ ورنہ میں تمہارا وہ حال کروں گی کہ تم یاد رکھو گی۔''

''مجھے داداجی کے پاس لے جاؤ۔ مجھے ان سے بات کرنی ہے۔'' وہ روتے بلکتے ایک ہی بات کہہ رہی تھی۔ تھانیدارنی نے زور کا جھانپڑ اس کے چہرے پہ رسید کیا۔ وہ کرسی سمیت نیچے جا گری۔ دردانہ جھکی اور گردن سے دبوچ کے اسے اٹھایا۔

''جو میں کہہ رہی ہوں وہ لکھو۔ بلکہ لکھا تو میں نے دیا ہے' اس پہ دستخط کردو۔''

وہ اسٹامپ پیپر تھا اور وہ تیار تھا۔

تالیہ کے آنسو یکدم رک گئے۔ وہ بالکل ٹھہر گئی۔ چند لمحے کے لئے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ پھر اس نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچتے سر اٹھایا اور دردانہ کو دیکھا۔ ''اچھا... کہاں کرنے ہیں سائن؟'' وہ بدلے ہوئے انداز میں بولی تو دردانہ نے گہری سانس لی۔ اور پیچھے سے آکر اس کے ہاتھ کھولنے لگی۔

''اسی کاغذ پہ.... بالکل نیچے.... جہاں تمہارا نام لکھا ہے.... اور ساتھ تاریخ بھی ڈالو۔'' وہ دوپٹے کی گرہیں کھول رہی تھی۔

''اگر میں سائن کردوں تو تم مجھے داداجی سے ملنے دو گی؟''

دردانہ اس کے پیچھے کھڑی تھی' اس بات پہ تلخی سے مسکرائی مگر بظاہر نرمی سے بولی۔ ''ہاں۔ بالکل۔''

''اچھا۔ میں کردیتی ہوں سائن۔'' وہ رضامندی سے جلدی سے بولی اور گردن کاغذ پہ جھکالی۔ اب وہ تحریر پڑھ رہی تھی۔ دردانہ نے آخری گرہ کھولی تو اس نے ہاتھ کھینچ لئے اور قلم اٹھالیا۔ پھر کاغذ چہرے کے سامنے لائے تحریر پڑھنے لگی۔ وہ تحریر جس کے مطابق وہ داداجی کو مارنے کا اعتراف کر رہی تھی۔

دردانہ گہری سانس بھر کے اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ تالیہ نے کاغذ میز پہ رکھا اور سائن کرنے جھک گئی' ساتھ ہی منہ میں کچھ بولی۔ دردانہ نے ابرو اٹھایا۔ ''کیا؟''

وہ پھر جھکے جھکے کچھ بڑبڑائی۔ دردانہ نے اکتا کے چہرہ جھکایا۔ ''کیا بک رہی....''

اس کا فقرہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ تالیہ کی مٹھی کی پشت زور سے اس کی ناک پہ آلگی تھی۔ دردانہ تیورا کے پیچھے کو لڑھکی۔ حملہ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ سنبھل نہیں پائی تھی' مگر یہ اختتام نہ تھا۔ یہ صرف آغاز تھا۔

''مجھے مارا تم نے؟ ہاں؟ تالیہ بنتِ مراد کو مارا تم نے؟'' وہ بھوکی شیرنی کی طرح اس پہ جھپٹی اور اسے گردن سے پکڑ کے اٹھایا' پھر تابڑ توڑ اس کے چہرے پہ مکے مارنے لگی۔ دردانہ نے چلاتے ہوئے اس کے بال کھینچے مگر تالیہ بھی کافی صحت مند تھی' اور اس کا جنون اور جوش کہیں زیادہ تھا۔ چند لمحوں میں اس نے دردانہ کو پھر سے نیچے گرا دیا اور کرسی اٹھالی۔

''میں تالیہ بنتِ مراد ہوں.... میں محلوں میں رہنے کے لئے پیدا ہوئی ہوں۔ میں دنیا پہ حکمرانی کرنے کے لئے بنی ہوں۔ مجھے مارا تم

نے؟'' وہ دیوانہ وار کرسی کی ٹانگ اس پہ برسائے جا رہی تھی۔ دردانہ زمین پہ گری دونوں ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کر رہی تھی' اس کے سر سے خون بہنے لگا تھا مگر تالیہ اسے مارے جا رہی تھی۔

چند منٹ بعد جب تالیہ کے کمرے کا دروازہ کھلا تو باہر راہداری میں کھڑے ابا' امی اور جبران نے پر امید نظروں سے اس طرف دیکھا.... دروازہ کھلتا گیا اور جو منظر سامنے آیا.... اس سے ان کی مسکراہٹیں سمٹیں۔

سامنے کرسی پہ دردانہ بے حال' خون آلود چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی' اس کے ہاتھ پیچھے کو بندھے تھے اور گردن نقاہت سے ڈھلکی تھی۔ امی کا منہ شاک سے کھل گیا۔

''دردانہ!'' اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتیں' دروازے کی اوٹ سے وہ نکل کے سامنے آئی۔

الجھی پونی سے نکلتے بال' ماتھے پہ گومڑ اور خون.... سرخ انگارہ ہرنی جیسی آنکھیں' اور ہاتھ میں پکڑی چھری۔ (جو وہ الماری میں رکھتی تھی' چوری شدہ پھل رات گئے کاٹ کے کھانے کے لئے!) اس چھری کو لہراتے ہوئے وہ ان سب کو گھورتی آگے آئی۔

''اور کس کو کروانا ہے مجھ سے اعترافِ جرم۔ ہاں؟ اور کون مجھے مارنے آئے گا؟ کس میں ہمت ہے کہ اب وہ تالیہ کو ہاتھ بھی لگائے!''

ابا تو وہیں کھڑے رہے مگر امی دو قدم پیچھے کو ہٹ گئیں۔

''اب ہٹو سامنے سے تم لوگ۔ مجھے دادا جی سے ملنا ہے۔'' وہ لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ غرا کے بولی تھی۔ ''اور اگر کوئی درمیان میں آیا تو میں اس کی جان لے لوں گی۔''

''اس کو.... اس کو نہ چھیڑو شفقت بھائی۔'' پیچھے سے نڈھال سی بندھی ہوئی دردانہ درد سے چلائی۔ ''یہ واقعی مار دے گی آپ کو۔ یہ پاگل ہو چکی ہے۔''

''تالیہ....'' جبران نے پکارا تو تالیہ نے غصے سے اس کو دیکھا۔

''تم نے کیا ہے یہ سب ان کے ساتھ مل کے۔ میں دادا جی کو تم لوگوں کی اصلیت بھی بتاؤں گی اور ثبوت بھی دکھاؤں گی۔ میں تم لوگوں کو....''

''تالیہ دادا جی کا کچھ دیر پہلے ہارٹ فیل ہو گیا ہے.... دادا جی مر گئے ہیں تالیہ۔'' وہ بنا کسی دکھ کے بے تاثر سا بولا۔

تالیہ کے کندھے ڈھلک گئے۔ چھری والا ہاتھ پہلو میں آ گرا۔ چند لمحے وہ ساکن سی کھڑی رہی.... پھر بے اختیار سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔ تیز تیز زینے پھلانگے اور دھاڑ سے ان کے کمرے کا دروازہ کھولا۔

جبران درست کہہ رہا تھا۔

دادا جی جا چکے تھے۔

اسے دیر ہو گئی تھی۔

☆☆=========☆☆

لب بھینچے، سر جھکائے، اس نے جھٹکے سے رسی کی آخری گانٹھ کھولی تو ایڈم کے ہاتھ کھل گئے۔ وہ جلدی جلدی باقی رسی خود اتارنے لگا۔ سوچا شکریہ کہے مگر چڑیلوں کو نالیہ کا جواب خوشگوار نہیں آتا تھا۔ اس لیے خاموش رہا۔

وہ واپس مڑی اور اس سے قبل کہ وہ فاتح کی طرف آتی، گھوڑا گاڑی کی رفتار سست ہونے لگی۔ وہ تینوں بری طرح چونکے۔ فاتح نے گردن موڑ کے پنجرے کی سلاخوں سے دیکھا۔ گاڑی کے سامنے کیا آیا تھا جو وہ رکی تھی، معلوم نہیں پڑتا تھا، مگر اتنا نظر آتا تھا کہ سامنے کوئی لمبی چوڑی سی دیوار تھی۔

''یہ کیسی دیوار ہے؟'' تالیہ اپنی طرف سے جھانکنے کی سعی کر رہی تھی مگر کچھ واضح نہ تھا۔

''یہ شہر کی فصیل ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''ملاکہ شہر کی فصیل۔''

وان فاتح کے الفاظ تھے کہ کیا... تالیہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

وہ تاریخی شہر... سلطنتِ ملاکہ کا دارالحکومت ''ملاکہ'' ان کے سامنے تھا... جہاں سلاطین کے محل تھے ..... جہاں شہزادیاں رہتی تھیں.... کیا وہ واقعی ملاکہ میں داخل ہونے والے تھے؟

اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

گھوڑا گاڑی رک چکی تھی۔ چند افراد کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ تالیہ نے سننے کی کوشش کی۔

''آپ درست کہہ رہے ہیں۔ یہ شہر کی فصیل ہی ہے کیونکہ گاڑی بان غالباً کسی پہریدار سپاہی سے کہہ رہا ہے کہ وہ کسی....'' اس نے کان لگا کے غور سے سننا چاہا۔ ''کسی 'ابوالخیر' کا آدمی ہے اور اس کے پاس قیمتی سامان ہے۔ اب فصیل کا سپاہی اس کو اندر جانے کی اجازت دے رہا ہے۔'' وہ سن کے ترجمہ کر رہی تھی۔

بھاری گیٹ کھلنے کی آواز آئی اور گاڑی پھر سے چل پڑی۔

تالیہ نے جلدی سے رسیاں واپس ہاتھوں اور گردن میں لپیٹ لیں، یوں کہ لگے وہ ہنوز مقید بیٹھی ہے۔ اسے دیکھ کے ایڈم نے بھی تقلید کی

۔

اب وہ تینوں دم سادھے بیٹھے تھے۔

گھوڑا گاڑی اب شہر کے اندر داخل ہو چکی تھی......

☆☆=========☆☆

چھوٹے بنگلے میں اگربتیوں کی مہک پھیلی تھی۔ لاؤنج میں سفید چادریں بچھی تھیں جن پہ جابجا کھجور کی گٹھلیوں کے ڈھیر لگے تھے۔ فضا میں بریانی کی خوشبو بھی رچی بسی تھی۔ چادریں البتہ خالی تھیں۔ لوگ مردے کو پڑھ بخش کے جا چکے تھے۔ وہاں صرف وہ بیٹھی تھی۔ سر پہ سفید

دوپٹہ اوڑھے اکڑوں بیٹھی، گھٹنوں پہ گال ٹکائے۔ آنسو آنکھ میں ہنوز اٹکا تھا۔ ماتھے کا گومڑ اب نیلا ہو چکا تھا۔

دفعتاً شفقت صاحب اندر داخل ہوئے۔ چادروں کے ایک طرف جوتے اتارے اور ننگے پاؤں چلتے اس کے قریب آئے اور سامنے بیٹھے۔

''تالیہ۔'' انہوں نے آہستہ سے پکارا۔ نہ سخت لہجہ تھا، نہ نرم۔ بس مطمئن۔ وہ گھٹنے پہ گال رکھے بیٹھی دور خلاء میں دیکھتی رہی۔

''گھر کی بات تھی، اس لئے میں نے تھانے کچہری کے معاملات کو سنبھال لیا ہے۔ پولیس تمہیں گرفتار نہیں کرے گی۔ سمجھو معاملہ رفع دفع ہو گیا ہے۔''

دادا جی نے اس کے نام دو کانوں کا انتقال ہی نہیں کروایا تھا ابھی اس لیے یقیناً انہوں نے جبران سے مل کے سب کچھ آپس میں تقسیم کر لیا تھا۔ اب تالیہ کو سزا دینا بے کار تھا۔

وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ پلکوں کے کنارے پہ آنسو اٹکا تھا، مگر گرتا نہیں تھا۔

''تمہارے لئے ایک میرج بیورو سے بات کی تھی۔ ایک اچھا رشتہ ڈھونڈا ہے ہم نے۔ لڑکا ملائیشیاء کا ہے۔ تمہارے ملک کا۔ اگلے ہفتے نکاح ہو گا اور چند دن بعد تم ملائیشیاء چلی جاؤ گی۔ ہم تمہیں اچھا زیور اور کپڑے دے کر رخصت کریں گے اور ہمارے سارے فرائض ادا ہو جائیں گے۔ جو تم نے چاچا جی کے ساتھ کیا، اس کی معافی تم خدا سے مانگتی رہنا، مگر آئندہ ہمارا تم سے کوئی لینا دینا نہیں ہو گا۔''

وہ جب اسی طرح بت بنی بیٹھی دوسری طرف دیکھتی رہی، تو وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میرے پاس کبھی جیب خرچ جتنے پیسے جمع نہیں ہوئے، لیکن جب بھی کچھ بچا پاتی، تو ایک تنظیم کو خیرات کے طور پہ بھیجتی جو ایشیاء کے مختلف ممالک میں کام کر رہی ہے۔'' وہ دیوار کو دیکھتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں بولی تو وہ وہیں رک گئے۔

''وہ تنظیم ایک مہم چلا رہی ہے جس کے تحت یتیم خانوں میں وولینٹیر پروگرام کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ وولینٹیر پروگرام سمجھتے ہیں آپ کیا ہوتے ہیں؟ جب اسٹوڈنٹس یا سوشل ورکرز رضا کار بن کے چند دن کے لئے یتیم خانے میں آتے ہیں، بچوں کے ساتھ وقت بتاتے ہیں، اپنی رپورٹس، تھیسز، اور پیپرز لکھتے ہیں اور چلے جاتے ہیں اور ان کو لگتا ہے وہ بہت نیک کام کر کے گئے ہیں، مگر نہیں۔'' اس کی دوسری آنکھ میں بھی آنسو اٹک گیا مگر گرا نہیں۔

وہ وہیں کھڑے اس کو سنتے گئے۔

''یہ رضا کار یتیم بچوں کو ظالم وارڈن سے زیادہ نقصان پہنچا جاتے ہیں۔ چند دن میں بچے ان کے ساتھ ایک بونڈ بنا لیتے ہیں۔ ہر اجنبی کو دیکھ کے بچوں کو لگتا ہے وہ ان کو ایڈاپٹ کر لے گا مگر جب وہ اپنے بھرے کاغذوں اور رجسٹرز کے ساتھ واپس چلے جاتے ہیں تو بچے کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور وہ ساری عمر کے لئے دوبارہ کسی سے محبت کرنے سے محروم ہو جاتا ہے۔''

شفقت صاحب وہیں کھڑے اس کے جھکے سر کو دیکھے گئے۔ جیسے بدقت برداشت کر رہے ہوں۔

وہ دیوار کو دیکھتی رندھی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''اور اگر کبھی وہ زندگی میں آگے جا کر کسی اجنبی کو اپنا مان بھی لے اور اس سے محبت کر بھی بیٹھے تو بھی آخر میں اس کو معلوم ہوتا ہے کہ بغیر خون کے رشتے پھیکے ہی ہوتے ہیں اور خون ہمیشہ جیت جاتا ہے۔ اس کے بعد کسی سے محبت کرنا' کسی سے اٹیچ ہونا اس بچے کے لئے ناممکن بن جاتا ہے۔ اسی لئے میں اتنے سال اس تنظیم کو خیرات دیتی رہی تاکہ دوبارہ کوئی رضا کار' کوئی اجنبی کسی یتیم بچے کا دل نہ توڑ سکے۔''

وہ اب خاموش ہو گئی تھی۔ چہرہ ہنوز گھٹنوں پہ رکھا تھا اور آنسو ٹپ ٹپ کر کے ہی نہ دے رہے تھے۔ شفقت صاحب نے سر جھٹکا اور اپنے ننگے پیر دروازے کی طرف بڑھا دیے۔ (تالیہ کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ہم نے اسے یتیم خانے سے آزادی دی۔ اس کو چھت دی۔ اس کو پال پوس کے بڑا کیا۔ اب اس کی شادی کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی کیا کر سکتا ہے کسی غریب بچی کے لیے؟ غربت کی وجہ سے ہی والدین نے اسے یتیم خانے میں پھینکا ہو گا۔ اگر اپنے اصل گھر میں پلتی بڑھتی تو فقیروں کی سی زندگی گزارتی۔ مگر بھئی انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔'' وہ افسوس کرتے باہر نکل گئے۔

اگر بتی کی مہک کافور میں گھل کے عجیب سی خوشبو بنا رہی تھی۔ ایسی خوشبو جو اعصاب کو مزید بھاری کر دیتی ہے۔

☆☆=========☆☆

اندھیرا املا کہ شہر پہ پھیلا تھا۔ گھوڑا گاڑی سست روی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ دونوں اطراف میں اندھیرا تھا۔ کہیں ایک منزلہ کمرے بنے تھے۔ کہیں ریڑھیاں رکھی تھیں جن کے اوپر چادریں پڑی تھیں۔ کہیں گھوڑے بندھے تھے۔ اکاڈکا مشعل کسی مکان کے سامنے روشن تھی تو تھی' ورنہ ہر طرف اندھیرا تھا۔ گھوڑا گاڑی اب ایک گلی میں مڑ گئی تھی۔ دونوں اطراف میں چاندنی میں واضح ہوتے مکان بنے تھے۔ بالائی منزلیں سن باؤ کے گھر جیسی تھیں۔ ویسی ہی بالکونیاں.....ویسے ہی دالان۔ وہ سلاخوں سے چہرہ لگائے' محویت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اس خاموش سوئے ہوئے شہر کو دیکھ رہی تھی۔

عجیب قدیم شہر تھا.....عجیب قدیم مکان تھے.....

بالآخر گھوڑا گاڑی ایک بڑے گیٹ کے سامنے جا رکی۔

آگے کیا ہو گا؟ تالیہ کا دل زور سے دھک دھک کرنے لگا.....

☆☆=========☆☆

کوالالمپور کا خوبصورت شہر اس دوپہر بہت روشن دکھائی دیتا تھا۔ سڑک کنارے ایک اخبار کے اسٹال پہ وہ رکی کھڑی تھی۔ کوالالمپور آنے اور سمیع سے چھٹکارا پانے کے چند ماہ کے اندر وہ خوش خوراکی کے باعث مزید بھری بھری سی ہو گئی تھی۔ گال پہلے سے زیادہ پھول گئے تھے۔ ایسے میں وہ اخبار میں چھپے وان فاتح کے انٹرویو کو دیکھ رہی تھی جب دکاندار نے اس کو چناؤ کا کہا۔ اس نے اخبار اور پھولوں کا تاج دونوں پکڑ رکھے تھے۔

''آپ کواخبار چاہیے یا تاج ؟یا دونوں؟''

اور تالیہ نے چند لمحوں میں ہی چناؤ کرلیا تھا۔اس نے اخبار چھوڑ دی۔اور تاج سر پہ رکھ لیا۔وہ پھولوں سے بنا تھا اور پھول بھاری نہیں ہوتے۔وہ اپنے فیصلے پہ مطمئن سی فٹ پاتھ پہ آگے چل دی۔

اسے پارلر پہنچنا تھا جہاں اس کی شفٹ کا وقت ہونے والا تھا۔تاج کے باعث فٹ پاتھ پہ چلتے لوگوں نے کئی بار مڑ کے اسے دیکھا تھا۔کسی نے ستائشی فقرہ بھی کہا۔وہ بے نیازی چلتی گئی۔

ایک دم سے ٹپ ٹپ کی آواز سنائی دی۔اس نے چونک کے گردن اٹھائی۔پتہ بھی نہ چلا تھا اور آسمان نے اپنے تھال الٹ دیے تھے۔موسلا دھار بارش یکا یک شروع ہوگئی تھی۔اس کے پاس چھتری نہ تھی۔وہ بھاگ کے دوکانوں کے چھجے تلے آکھڑی ہوئی۔مگر ان چند قدموں کے فاصلے نے ہی اسے بھگو ڈالا تھا۔

منہ بسورے اس نے سر کا تاج اتارا تو دیکھا'سفید اور زرد پھول گیلے ہو کے ادھڑنے لگے تھے۔ان کو جوڑنا چاہا تو ایک طرف سے تین زرد گلاب ٹوٹ کے قدموں میں آگرے۔وہ بے اختیار نیچے جھکی اور زمین پہ گرے پھولوں کو اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا....

گیلی زمین پہ گرے زرد گلاب....ذہن میں ایک جھماکہ سا ہوا۔

چند منٹ بعد بھیگی ہوئی تالیہ ایک دفتر کے اندر کھڑی تھی۔کرسی پہ بیٹھا شخص اسے سامنے والی کرسی پیش کررہا تھا مگر وہ عجلت میں کھڑی ہی رہی۔

''اگر اخبار میں ایک اشتہار لگوانا ہو تو کتنے پیسے لگیں گے؟''وہ بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔دفتر کے شیشوں پہ بارش تڑاتڑ برس رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

گھوڑا گاڑی گیٹ کے اندر داخل ہوگئی۔آگے چار دیواری کے اندر کھلا سا احاطہ تھا۔وہاں دور دور تک گھوڑے بندھے نظر آرہے تھے۔دیواروں پہ چند مشعلیں روشن تھیں جن کے باعث منظر نامہ نیم روشن تھا۔

گاڑی کو روک کے چند افراد نے وہ پنجرہ اٹھایا اور اسے نیچے لا اتارا۔پھر ایک کونے میں رکھ کے خود آگے بڑھ گئے۔

ہر طرف سناٹا چھا گیا۔جیسے سب ان کو بھول کے سونے جا چکے ہوں۔نیم اندھیرا اور سناٹا۔فاتح نے گردن اونچی کرکے دیکھا۔کچی مٹی کے احاطے میں ایک جگہ بجھی ہوئی لکڑیاں رکھی تھیں گویا شام میں جلتی رہی ہوں گی۔ایک کونے میں کنواں بنا تھا۔سامنے بہت سے گھوڑے قطار میں تھے۔

''یہ ہمیں یہاں کیوں لائے ہیں؟''تالیہ کی آواز پہ وہ چونکا۔وہ الجھی ہوئی سی سوال کررہی تھی۔''کیا یہ ہمیں ماردیں گے؟''

''اگر مارنا ہوتا تو اتنی اچھی غذا نہ دیتے۔''وہ بولا تو تالیہ نے ایک نظر پنجرے کے دروازے پہ ڈالی۔

''اس کو باہر سے تالہ لگا ہے۔ اگر ہم کھول بھی لیں تو اس عجیب شہر میں ہم کہاں جائیں گے' تو انکو؟ میرے بابا جانے کہاں ہوں گے۔کس سے راستہ پوچھیں گے؟'' اس نے اپنے ہاتھ کی کھلی رسیوں کو مایوسی سے دیکھا۔''ہم یہ رسیاں کھول کے بھی قید ہی ہیں۔''

''تالیہ.....ادھر دیکھو.....تالیہ۔'' فاتح نے سختی سے پکارا تو تالیہ نے اداسی سے سر اٹھایا۔

''تم پہ پھر سے چار دن پہلے والی قنوطیت طاری ہو رہی ہے۔ایسے مت کرو۔ مجھے نہیں معلوم تم زندگی میں کن حالات سے گزر چکی ہو مگر میں صرف یہ جانتا ہوں کہ ماضی کا ہر واقعہ ہمیں مستقبل کے امتحان کی تیاری کروانے کے لئے پیش آتا ہے۔ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم پھر سے ہمت ہار دو۔ہم تمہارے بابا کے بہت قریب ہیں۔اس لئے شاباش.....ہمت کرو اور دروازہ کھولو.....یا میرے ہاتھ کھولو تا کہ میں اس کو توڑنے کی کوشش کروں۔'' تالیہ نے گہری سانس لی اور گردن اٹھالی۔ساری اداسی اس قدیم فضا میں اڑ کے خاک ہوگئی۔

''آپ کی ریڈنگ گلاسز آپ کی جیب میں ہیں نا؟'' وہ ذرا پر سکون انداز میں سوال کرنے لگی تو فاتح کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

''ہاں کیوں؟'' وہ بندھے ہاتھ بدقت جیب تک لے گیا' عینک نکالی اور اس کی طرف اچھالی۔تالیہ نے دونوں ہاتھوں سے اسے فضا میں کیچ کر لیا۔پھر عینک کھولی اور کڑک کی آواز کے ساتھ اس کا بازو توڑ دیا۔پھر سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ باہر نکال کے تالے میں عینک کے ٹوٹے بازو کا نوکیلا حصہ ڈالا' اور گھمانے لگی۔

''یہ سب تم نے کہاں سے سیکھا؟'' وہ متحیر ہوا تھا۔ایڈم البتہ چپ رہا۔ یے تالیہ کی تعریف کا کوئی موڈ نہیں تھا اس کا۔

سلاخوں سے لگی' بازو باہر لے جا کے تالے کے اندر ''چابی'' گھماتی تالیہ فاتح کو دیکھ کے مسکرائی۔

''ایک جادوگر سے!''

عینک کے ہینڈل کی پن تالے کے اندر کی پنوں کو دھیرے دھیرے کھول رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

وہ ایک کیفے تھا جہاں کونے والی کرسی پہ تالیہ بیٹھی تھی۔ایک ہاتھ گال تلے رکھے' وہ دوسرے ہاتھ سے میز بجاتی منتظر سی نظر آتی تھی۔ نظریں دروازے پہ لگی تھیں۔میز پہ ایک اخبار بھی پڑا تھا جس میں ایک واضح اشتہار سامنے نظر آ رہا تھا۔

''میرے فادر جن کا نام ذوالکفلی ہے کچھ عرصے سے لاپتہ ہیں۔ میں ان کو اس پیغام کے ذریعے یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میں ہر شام مندرجہ ذیل پتے پہ ان کا انتظار کرتی ہوں۔میرے پاس ان کا دیا زرد گلاب اور کھوٹا سکہ اب بھی موجود ہے اور میں ان کے پلٹ کے آنے کی آج تک منتظر ہوں۔اگر ان کو میرا احسان یاد ہے تو براہِ مہربانی پلٹ آئیں۔تالیہ!''

ساتھ میں کتاب میں رکھے ایک سوکھے زرد گلاب اور کھوٹے سکے کی تصویر بھی شائع کی گئی تھی جو وہ ہمیشہ اپنے سامان میں اپنے ساتھ رکھتی تھی۔اتنے برس تک تالیہ نے اس پھول کو نہیں کھویا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور ایک ہیٹ والا آدمی اندر داخل ہوا۔ ہیٹ اس نے ماتھے پہ جھکا رکھی تھی۔صرف ہونٹ نظر آتے تھے۔یا چھوٹی

چھوٹی سفید سیاہ داڑھی۔

وہ سیدھا اس کی میز تک آیا اور کرسی کھینچی۔ پھر ہیٹ اتار کے رکھا تو چہرہ واضح ہوا۔

ذوالکفلی اب بوڑھا ہو گیا تھا۔ سر کے بال آدھے سفید تھے۔ جیب میں زرد پھول بھی نہ تھا مگر آنکھیں وہی تھیں۔ مسکرا کے اس نے تالیہ کو دیکھا۔

''کتنے دن سے اشتہار دے رہی ہو' تالیہ؟''

وہ گال ہتھیلی پہ جمائے اسے دیکھتی مسکرائی۔ ''آٹھ دن سے۔ شہر کے تینوں بڑے اخبارات میں۔ وہ اس عجیب وغریب سے اشتہار پہ حیران ہوتے ہیں مگر میں جانتی تھی' یہ آپ کی نظروں سے ضرور گزرے گا۔''

وہ صرف مسکرا دیا۔ نظریں اس پہ جمی تھیں۔ ''آئی ایم سوری۔ میں کسی الوداع کے بغیر ہی چلا گیا' لیکن میں نے کبھی تمہیں ایڈاپٹ کرنے کی امید نہیں دلائی تھی۔ مجھے معاف کر دینا اگر ایسا ہوا ہو تو۔''

''مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔ کم از کم اب نہیں۔''

''شاید تب بھی نہیں تھا' تبھی تم نے غلط خاکہ بنایا تھا۔ پولیس میں میرے مخبر بھی ہوتے ہیں' خبر مل ہی جاتی ہے۔ وہ تمہارا احسان تھا۔ میں شکر گزار ہوں۔ بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟'' وہ ہاتھ باہم پھنسائے سنجیدگی سے اس کی طرف جھکا۔

''میں چاہتی ہوں آپ مجھے اپنی طرح بنا دیں۔ بہروپیہ۔ چور۔''

ذوالکفلی کے چہرے پہ شاک ابھرا۔ وہ ایک دم پیچھے ہوا۔ ''تم ایسے کیوں کہہ رہی ہو؟ تم تو اتنی پیاری لڑکی ہو۔ تمہیں یہ سب نہیں سوچنا چاہیے۔''

وہ اسی طرح ہتھیلی پہ چہرہ جمائے بیٹھی اطمینان سے اسے دیکھے گئی۔

''مجھے فیری ٹیلز میں وہ شہزادیاں نہیں پسند ذوالکفلی صاحب جو ایک زہریلا سیب کھا کے مر جاتی ہیں... یا گھڑی کے بارہ بجاتے ہی خوابوں کی تقریب چھوڑ کے بھاگ جاتی ہیں۔ جنہیں کوئی بھی بھیڑیا دادی کے کپڑے پہن کے بے وقوف بنا سکتا ہے۔ مجھے تو وہ شہزادیاں پسند ہیں' جو زہر کی بو کو میلوں دور سے سونگھ سکیں... جو اپنی شیشے کی جوتی محل سے خود کھینچ کے واپس لے آئیں۔ جو اپنے جسم سے سوئیاں نکالنے کے لئے شہزادوں کا انتظار نہ کریں... جو اپنی ہر شے کو برف بنا دینے کی صلاحیت سے خوفزدہ نہ ہوں... جو ونڈر لینڈ میں خود کو جان بوجھ کے گم کر لیں جب کہ ان کو سارے راستے آتے ہوں اور جب وہ کسی beast کے قلعے میں داخل ہوں تو ان کو اچھی طرح معلوم ہو کہ اندر کیا ان کا منتظر ہے۔ سو ذوالکفلی صاحب' میں پیاری لڑکی ہوں نہ بننا چاہتی ہوں۔ میں وہ ظالم لڑکی بننا چاہتی ہوں جو ایک دن اپنے محل میں راج کرے گی' اپنی مرضی کی شہزادی بن کے۔''

وہ اس پہ سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ بس بنا پلک جھپکے اسے دیکھے گیا۔

''تم کہاں رہ رہی ہو؟'' کوئی سحر سا ٹوٹا تو اس نے سوال کیا۔

''ایک نئی دوست کے ساتھ جو ائیر پورٹ پہ ملی تھی۔ لیانہ صابری۔ مگر اس کو نہیں معلوم کہ میں آپ سے رابطے میں ہوں۔ جو میرے اور آپ کے درمیان ہوگا' وہ ہمارے درمیان ہی رہے گا۔ وہ میرے ہر کام میں میرا ساتھ دے گی مگر میں یہ چھوٹے موٹے ای میل اسکام نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے بڑے کام کرنے ہیں۔''

''تمہیں ان بڑے کاموں کی قیمت ساری زندگی چکانی پڑے گی۔ تمہاری نیک روح بدی سے داغدار ہو جائے گی۔''

''مجھے پرواہ نہیں ہے۔ کیا آپ میرا ساتھ دیں گے؟''

''ہاں!'' ذوالکفلی نے اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے اثبات میں سر ہلایا۔ ''تمہیں میں کوالالمپور کی بہترین کون آرٹسٹ بنا سکتا ہوں۔ تمہارے اندر نیچرل ٹیلنٹ ہے کہانی بازی کا۔ اور تم ذہین بھی ہو۔ لیکن تمہیں اپنا وزن کم کرنا ہوگا۔''

تالیہ نے گال تلے سے ہاتھ ہٹایا اور حیرت سے اسے دیکھا۔ ''اچھا ٹھیک ہے میں موٹی ہوں مگر وزن کا اس کام سے کیا تعلق۔''

''تم نے کہا تم 'بہترین' بننا چاہتی ہو۔ کسی بھی فیلڈ میں بہترین بننے کے لئے سستی اور موٹاپے سے نجات ضروری ہے۔ جتنا انسان فٹ ہوتا ہے' اتنا اس میں اسٹیمنا ہوتا ہے اور اتنی وہ محنت کر سکتا ہے۔ اگر تم کچھ سیکھنا چاہتی ہو تو پہلے پچیس کلو وزن کم کرو۔ اور پھر مجھے اس ای میل ایڈریس پہ میل بھیجو۔ اس سے پہلے میں تمہیں کچھ نہیں سکھا سکوں گا۔'' اس نے ایک چٹ سامنے رکھی۔ جس پہ ایک ای میل ایڈریس درج تھا۔ تالیہ نے اچنبھے سے چٹ اٹھائی۔

''میں ساتھ ساتھ وزن کم کرلوں گی' کیا آپ ابھی سے....''

''ہرگز نہیں۔ موٹے لوگ بے کار لوگ ہوتے ہیں۔ مجھے چڑ ہے موٹے لوگوں سے۔ وہ اس بات سے واقف ہی نہیں ہوتے کہ پتلا اور فٹ ہونا ان کی زندگی کو کیسے روشن کر سکتا ہے۔ اور جو لوگ اپنے وزن کو محنت سے کم کر کے خود کو فٹ کر لیتے ہیں' وہ اپنی اپنی فیلڈ میں بہت آگے جا پہنچتے ہیں۔ میں موٹاپے کی لعنت کے ساتھ کسی کے ہمراہ کام نہیں کر سکتا۔ پچیس کلو۔ ٹھیک!'' تنبیہ کرتے ہوئے سنجیدہ چہرہ بنائے وہ اٹھا' اور ہیٹ اٹھا کے سر پہ رکھا۔ وہ چٹ ہاتھ میں لئے گم صم سی اسے دیکھے گئی۔

''میں تمہیں دنیا کا ہر کام سکھا دوں گا۔ تم منٹوں میں بہروپ اور آوازیں بدل لوگی۔ تنگ سوراخوں سے گزر جایا کرو گی۔ تالے تمہارے ہاتھ میں آتے ہی کھل جایا کریں گے۔ تم ہر کام سمجھ لوگی۔ ایسا نہیں ہے کہ تمہیں ہر کام ''کرنا'' بھی آجائے گا' لیکن تم لوگوں کو کنوینس کر سکو گی کہ تم سب کرنا جانتی ہو۔ اس لیے جب تیار ہو جاؤ تو مجھ سے رابطہ کرنا۔'' ایک آخری نظر اس پہ ڈال کے وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا اور وہ گم صم سی اس ہیٹ والے پراسرار آدمی کو جاتے دیکھتی رہی۔

☆☆=========☆☆

عینک کا ہینڈل تالے کے سوراخ میں وہ مختلف زاویوں سے گھما رہی تھی۔ یہاں تک کہ کھٹک کی آواز کے ساتھ وہ کھل گیا۔ تالیہ مسکرائی

اور تالہ نکال کے زمین پہ گرا دیا۔ پھر فاتحانہ نگاہوں سے ان کو دیکھا۔

''صدیوں سے قدیم چینی تالے ایک ہی طرز پہ بنتے آرہے ہیں۔ یہ تو کافی آسان تھا۔'' اس نے پنجرے کا دروازہ کھولا اور باہر اتری۔ ٹانگیں سیدھی کرنے پہ درد اور تکان محسوس ہوئی مگر ساتھ میں خوشگوار احساس بھی ہوا۔ وہ آزاد تھی۔

اسی پل سامنے دیوار سے بندھا کھڑا گھوڑا زور سے ہنہنایا۔ تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ اپنے مالکوں کا وفادار جانور اس کو باہر نکلتے دیکھتے ہوئے زوردار آوازیں نکال رہا تھا۔ وہ جلدی سے مڑی۔

''ایڈم... فاتح صاحب کی رسی کھولو... ہمیں نکلنا ہوگا اس سے پہلے کہ وہ لوگ باہر نکل آئیں۔'' اس کی ہراساں نظریں عمارت کے بند دروازوں پہ جمی تھیں جہاں سب سونے اندر جا چکے تھے۔ ایڈم نے جلدی جلدی اپنے پیر کھولے پھر فاتح کے ہاتھوں کی طرف آیا۔

''ایڈم جلدی کرو۔'' وہ دبا دبا سا چلائی

دوسرے گھوڑے بھی ایک ساتھ آوازیں نکالنے لگے تھے۔ ایک نے فضا میں اگلے ٹاپ بھی بلند کر دیے۔ عمارت کے اندر سے آوازیں آنے لگیں... جیسے لوگ جاگ گئے تھے۔

''ایڈم!'' وہ چیخی۔

''میں کھول رہا ہوں۔'' وہ بدحواسی سے فاتح کے ہاتھوں پہ بندھی رسی کی گانٹھ ڈھونڈ رہا تھا۔ اندھیرا اور اتنی گانٹھیں... کچھ بجھائی نہ دے رہا تھا۔ یکدم فاتح نے ہاتھ پیچھے کھینچ لئے۔ ایڈم نے چونک کے سر اٹھایا.....

''تم جاؤ...'' وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔ ''تم دونوں جاؤ اور مراد کو ڈھونڈو۔''

تالیہ سناٹے میں رہ گئی۔ ''نہیں... ہم آپ کو کیوں چھوڑ دیں؟ نہیں۔''

''بے وقوفی مت کرو وہ لوگ جاگ گئے ہیں' وہ پہنچ گئے تو ہم تینوں پھنس جائیں گے۔ جاؤ۔ بھاگو۔'' وہ اب کے برہمی سے اونچا سا بولا۔ ہاتھ اس نے پرے کر لئے تھے۔ ایڈم شاکڈ تھا۔

''سر... ہم کیسے... آپ کا کیا ہوگا؟''

''وان فاتح کو زندگی میں کبھی کسی کی مدد کی ضرورت نہیں پڑی۔ تم دونوں میرے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ میں اپنا معاملہ خود سنبھال لوں گا۔ تم جاؤ۔ جاؤ۔''

تالیہ نے بے یقینی اور خوف سے اسے دیکھا... پھر عمارت کو۔ اندر سے آوازیں آرہی تھیں۔ کھڑکیوں کے پٹ کھلے پھر دروازے.... اس نے بے بس نگاہ فاتح پہ ڈالی۔ وہ اس نگاہ کو سمجھ گیا تھا۔

''تم نے کہا تھا اگر سارے ملائیشیاء میں میرے ساتھ صرف ایک شخص کھڑا ہو تو وہ تم ہو گی۔ کوئی بھی انسان میری بات ماننے والا نہ رہے' تم تب بھی میری بات مانو گی۔ کیا تمہیں وعدے نبھانے آتے ہیں' تالیہ؟''

تالیہ کے دل پہ زوردار پتھر آ گرا۔اس نے ایڈم کو دیکھا اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ ''بھاگو ایڈم۔'' پھر دوبارہ فاتح کو دیکھا۔ ''تالیہ آپ کو بچانے آئی گی' تالیہ آپ کا ساتھ نہیں چھوڑے گی' تو انکو۔''

مگر پنجرے میں بیٹھا شخص شانے اچکا کے بولا تھا۔ ''No Offence مگر فاتح کو کبھی کسی کی مدد یا ساتھ کی ضرورت نہیں پڑی۔ میں اپنا خیال خود رکھ سکتا ہوں۔اب جاؤ۔''

یہ حکم تھا۔

وہ دونوں پیچھے دیکھے بنا ایک ساتھ بھاگے تھے۔

☆☆=========☆☆

عمارت کے دروازے یکے بعد دیگرے کھلے۔دو تین آدمی ہڑبڑائے ہوئے سے باہر آئے۔ایک کی نظر دور گیٹ پہ پڑی جس کا بڑا سا کنڈا تالیہ کھول رہی تھی۔

''روکو....پکڑو!'' وہ حواس باختہ سا چلایا مگر تالیہ کنڈا کھول چکی تھی۔

گیٹ کھل گیا۔اور وہ دونوں باہر بھاگ گئے۔

پنجرے میں بیٹھے وان فاتح نے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی اور آنکھیں بند کر لیں۔ ہر طرف ان لوگوں کی روکو پکڑو کی پکار مچ گئی تھی۔ کسی نے مشعل اٹھائی' کسی نے گھوڑے پہ چھلانگ لگائی۔ بہت سے لوگ گیٹ کے پار ان کے تعاقب میں دوڑتے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ آنکھیں موندے اکڑوں بیٹھا تھا۔آریانہ دھیرے سے اس کے قریب آ بیٹھی۔

''کیا آپ کو واقعی کسی کی ضرورت نہیں ہے' ڈیڈ؟''

فاتح نے آنکھیں کھولیں۔سفید لباس والی آریانہ پلکیں جھپک جھپک کے اسے دیکھ رہی تھی۔وہ مدھم سا مسکرایا۔

''کبھی پڑی تو نہیں۔لیکن تالیہ کو لگتا ہے کہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔''

''لیکن نہیں....آپ درست کہہ رہے تھے....میرا نہیں خیال آپ کو کسی کی ضرورت ہے۔آپ اپنے لئے کافی ہیں۔''

''میں بھی ایسے ہی سمجھتا ہوں۔'' وہ پوری سچائی سے بولا تھا۔

اسی اثناء میں ایک آدمی پنجرے کی طرف دوڑتا آیا اور مشعل کی روشنی میں کھلی رسیاں دیکھنے لگا۔وہ دم بخود تھا۔پنجرے کے دروازے پہ ضرب کا کوئی نشان نہ تھا....وہ جھکا اور زمین پہ گرا تالہ اٹھا کے دیکھا۔وہ صحیح سلامت تھا۔جیسے چابی سے کھولا گیا ہو' نہ کہ توڑا گیا ہو۔

''کس نے کیا ہے یہ؟ تالہ کس نے کھولا ہے؟ بتاؤ۔'' وہ مقامی زبان میں تالہ لہرا کے غصے سے فاتح سے بولا تھا۔

''اب آپ کیا کریں گے' ڈیڈ؟'' آریانہ کی قدرے خائف سی سرگوشی سنائی دی.....

''یہ تالہ....' فاتح اپنی زبان میں تالے کی طرف انگلی کر کے اشاروں میں سمجھانے لگا۔''اس آدمی نے کھولا ہے۔وہ جو....'' اس نے

بالوں کی طرف اشارہ کیا" لمبے بالوں والا ہے' چہرے پہ زخم کا قوس نما نشان ہے۔ وہ آیا تھا اور اس نے یہ تالہ کھول کے ان کو بھگا دیا۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے اشارے کر کر کے بتا رہا تھا۔ آدمی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے چونک کے مڑ کے دیکھا۔ زخم کے نشان والا آدمی گھوڑے پہ سوار ہو رہا تھا۔

"کیا اس نے بھگایا ہے ان کو۔" اس نے اشارے سے پوچھا۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

"ہاں اس کے پاس چابی تھی.....اس نے تالے میں ڈالی' اسے کھولا' اور ان کو بھگا دیا۔" فاتح نے ہاتھوں سے ساری علامتیں بنا کے دکھایا۔ آدمی نے دانت کچکچا لئے۔ غصے سے دروازہ بند کیا' تالہ مقفل کیا اور اپنے گھوڑے کی طرف دوڑا۔

"آپ کیا کر رہے ہیں' ڈیڈ؟" وہ اس کے کندھے کو ہلا کے الجھن سے پوچھنے لگی۔

"سیاست!" وہ آنکھیں چھوٹی کر کے دور جاتے گھوڑوں کو دیکھ رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

"کس طرف جانا ہے۔" وہ دونوں تیز تیز دوڑ رہے تھے جب ایڈم نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔ گیٹ کے پار تاریک گلیاں تھیں۔ صرف چاند کی چاندنی پھیلی تھی جس سے بمشکل ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دیتا تھا۔

"پتہ نہیں۔ بس بھاگو۔" وہ تیز دوڑ رہی تھی۔ اندھیر گلی میں وہ دونوں بھاگتے چلے جا رہے تھے۔ پیچھے اس عمارت سے شور کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ لوگ جاگ چکے تھے اور ان کے تعاقب میں تھے۔

گلیوں کے درمیان سے ہوتے وہ کھلے سے احاطے میں آ گئے۔ یہاں دونوں اطراف میں لکڑی کی دکانیں اور چھابڑیوں کی قطاریں لگی تھیں جو رات کے اس پہر چادروں سے ڈھکی تھیں۔ شاید وہ بازار تھا۔ وہ بنا مڑے بھاگتے گئے۔

تعاقب کرنے والوں کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ تالیہ کے سرپٹ دوڑتے قدم تیزی سے اٹھنے لگے۔ جسم پسینے میں نہا گیا تھا۔ مگر وہ دوڑے جا رہی تھی۔

سامنے شہر کی طویل فصیل تھی۔ وسط میں گیٹ لگا تھا مگر وہ گیٹ کی طرف نہیں گئے۔ وہ دیوار کے ساتھ آگے دوڑتے گئے۔ یہاں تک کہ گیٹ کے پہریداروں سے دور نکل آئے۔ ایک دوسرے کو کسی ہدایت کی ضرورت نہیں پڑی۔ بولنے یا پوچھنے کا وقت ہی نہیں تھا۔ ایڈم نے دیوار پہ جست لگائی اور اوپر چڑھنے لگا۔

دور سے مشعلوں کی روشنی قریب آ رہی تھی.....آوازیں' شور.....تالیہ دیوار پہ ہاتھ جمائے پیر اوپر جمانے لگی۔ فصیل اتنی اونچی نہ تھی۔ صرف علامتی تھی۔ چند لمحوں میں وہ دونوں وقت کے مسافر دیوار کے پار کود چکے تھے۔

سامنے لمبی سڑک تھی.....اور اس کے گرد کھیت تھے۔ وہ دونوں کھیتوں کی طرف دوڑتے چلے گئے۔

"دان فاتح کہتے ہیں ان کو میری ضرورت نہیں۔" وہ ہانپتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "مگر میں نے جو خواب دیکھا تھا' وہ اس کے الٹ تھا۔"

وہ کھیتوں میں داخل ہو چکے تھے۔ پیچھے فصیل کا گیٹ کھلتا دکھائی دے رہا تھا۔ کتوں کے بھونکنے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ یقیناً وہ لوگ شکاری کتے ساتھ لائے تھے۔

''وہ مجھے خواب میں کہہ رہے تھے کہ میں ان کے ساتھ رہوں۔''

''سیر نیسلی چے تالیہ.... کیا یہ ان باتوں کا وقت ہے؟'' وہ حواس باختہ سا بھاگتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اور انہوں نے کہا تھا کہ ان کو میری ضرورت ہے.... اور مجھے ان کی.... لیکن آج انہوں نے یہ کیوں نہیں کہا۔''

کھیتوں کے دائیں طرف جھاڑیاں تھیں اور ان کے پار جنگل۔ ایڈم کے قدم اس طرف اٹھنے لگے۔ وہ بھی اسی سمت میں بھاگ رہی تھی

-

یہ کوئی اور جنگل تھا۔ اس رین فاریسٹ سے میلوں دور۔ مگر ویسا ہی تھا۔ اونچے درخت.. جھاڑیاں.... کہیں بلندی کہیں نشیب .....

وہ دونوں بھاگتے چلے گئے....

تیز سانس لینے کی آوازیں.... ہانپتے ہوئے بار بار گردن موڑ کے پیچھے دیکھنا اور اندھا دھند دوڑنا....

کتوں کے بھونکنے اور غرانے کی آوازیں تعاقب کر رہی تھیں.....

پھر ایک دم وہ رک گئی.... جھک کے گہرے گہرے سانس لینے لگی.... وہ جو چند قدم آگے نکل گیا تھا' واپس مڑا۔

''چے تالیہ.... رکیں گی تو ان کا شکار بن جائیں گی.... دوڑیئے....'' وہ اس کے کندھے کے پیچھے گھبراہٹ سے کچھ دیکھتا تھا....

''نہیں....'' اس نے پھولتی سانسوں کے درمیان دائیں بائیں گردن ہلائی۔ ''ان کے پاس شکاری کتے ہیں۔ تالیہ نہیں بھاگے گی۔'' وہ کہتے ہوئے دائیں طرف بڑھی.... چند قدم اٹھائے....

''چے تالیہ.... آپ کیا کر رہی ہیں؟''

''تالیہ اور ایڈم میں یہی فرق ہے.. تم ایڈم شکار بن کے سوچتے ہو.... میں شکار باز بن کے سوچتی ہوں....'' وہ ادھر ادھر جھاڑیوں میں ہاتھ مار رہی تھی۔ ''اگر میں شکاری ہوتی تو تالیہ اور ایڈم کو کیسے ڈھونڈتی؟''

''کیسے؟''

''دو چیزیں.... دو چیزیں ہوتی ہیں شکاری کتوں کے پاس جن سے وہ شکار کو پکڑتے ہیں....'' اس نے جھاڑیوں میں کچھ تلاش کرتے انگلیوں کی وی بنا کے پیچھے دکھائی۔ ''ان کی رفتار اور سونگھنے کی حس.....'' وہ دھونکنی کی طرح چلتے تنفس کے درمیان رک رک کے کہہ رہی تھی۔ ''رفتار اتنی تیز ہوگی جتنا تیز مالک چل سکتا ہے' اس نے کتے کی زنجیر تھام رکھی ہوتی ہے......شکاری کتوں کو زنجیر کے بغیر کوئی نہیں جنگل میں لاتا.... اور اس کا مالک اتنا تیز نہیں ہے.... وہ زخم کے نشان والا آدمی.. وہ موٹا ہے.. اس لیے کتوں کو ہم تک پہنچنے میں وقت لگے گا.... ہمیں کتے سے زیادہ نہیں' اس کے مالک سے زیادہ تیز بھاگنا ہے۔''

بھونکنے کی آوازیں ہر پل قریب ہو رہی ہیں.....

''اور دوسری چیز ...؟'' وہ گھبرایا کھڑا تھا۔

''کتے کی حس مشامہ...سونگھنے کی خوشبو...'' کہتے ہوئے اس نے چاند کی روشنی میں چند پتے توڑ کھینچے... '' کالی مرچ کا پودا...اور وہ دیکھو...'' بازو لمبا کر کے درختوں کی طرف اشارہ کیا۔'' وہ شہتوت کا درخت...منگکدو...انڈین شہتوت ...ان کی خوشبو کتوں کے لئے نا قابلِ برداشت ہوتی ہے....وہ اس بو کا تعاقب نہیں کرتے ....ان کو خود پہ مل لو ایڈم...ہم شکاریوں سے اور کسی طرح سے نہیں بھاگ سکتے.....''

''یہ سب آپ کو کس نے بتایا ہے تالیہ؟'' وہ دم بخود کھڑا تھا۔تالیہ نے زرد چہرہ اٹھا کے نقاہت سے اسے دیکھا۔ بھاگتے بھاگتے وہ بے حال ہو گئی تھی، کلائیوں سے خون ہنوز رس رہا تھا۔

''کیونکہ میں شکار باز ہوں۔'' پھر وہ ایک درخت کی جانب لپکی۔''اور اس لئے بھی کیونکہ کے ایل کے جس کون آرٹسٹ نے مجھے چوریاں کرنا سکھایا تھا' اس نے مجھے پولیس کے کتوں سے بچنا بھی سکھایا تھا۔''ایک درخت کے پاس وہ رکی اور دیوانہ وار پتے توڑنے لگی ۔ایڈم فوراً جھاڑیوں کی طرف دوڑا۔

''کالی مرچ یا شہتوت سے زیادہ skunkeed اچھی رہتی ہے کتوں کو دھوکہ دینے کے لئے۔'' اپنا علم یاد آیا تو جھاڑ دیا۔

''مگر میرے خواب کے مطابق یہاں مرچیں اور توت ہی ہیں۔'' وہ پتوں کو مسلنے لگی۔ان کا رس ....ان کی خوشبو....نا قابلِ برداشت تھی مگر تالیہ دیوانہ وار ان کو خود پہ ملے گئی۔

ایڈم بھی خود پہ پتے اور ان کے ننھے پھول مسل مسل کے مل رہا تھا۔آس پاس تیز خوشبو آنے لگی۔تالیہ کو زوردار چھینک آئی۔اس نے ناک بند کر لیا اور پھر ایک درخت کی کھوہ میں جا بیٹھی۔

دور کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔جنگل میں ذرا سی حرکت جو درخت کے قدموں میں کی جاتی' اس سے درخت ہلکا سا ہلتا اور وہ حرکت اوپر پتوں تک پہنچتے پہنچتے زوردار جھنجھناہٹ میں تبدیل ہو جاتی۔مزید بھاگنے کا مطلب تھا اپنی پوزیشن سے تعاقب کاروں کو آگاہی دینا۔وہ مزید بھاگ نہیں سکتے تھے۔ایڈم بھی اس کے ساتھ کھوہ میں آ بیٹھا۔اب وہ دونوں آس پاس کے درختوں سے بھی چھپ چکے تھے۔

چند لمحے خاموشی سے کٹ گئے۔پرندوں کی چہچہاہٹ' دور کتوں کے غرانے کی آواز....دوڑتے قدم....یہ جنگل کسی رین فاریسٹ کی طرح ہی تھا۔گیلا...کیچڑ آلود...گھنے درخت...اور ہر طرف اندھیرا۔ایسے میں ایڈم نے ساتھ بیٹھی تالیہ کو دیکھا جو گھٹنوں کو سینے پہ لگائے' سمٹی بیٹھی' محتاط سی تعاقب کاروں کی چاپ سن رہی تھی۔آدھی کھلی چوٹی آگے کو ڈالے' مٹی لگا چہرہ' گالوں پہ زخم کے نشان۔اسے اس سے ہمدردی ہوئی۔

''آپ کو آپ کے خواب یوں مدد بھی دیتے ہیں؟'' ذرا نرمی سے پوچھنا چاہا۔

''ہاں... کیوں؟ تم خواب نہیں دیکھتے کیا؟'' وہ پٹاخ سے بولی۔ ایڈم کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ لب بھینچ لئے۔

''آپ کو برداشت کرنا چھ سو سال پیچھے آنے سے زیادہ مشکل ہے' چے تالیہ۔''

''پانچ سو ستاون سال۔ کبھی ریاضی کی کتابیں نہیں پڑھیں' کیا؟''

وہ بس اسے دیکھ کے رہ گیا۔ پھر سے لب کھولے ہی تھے کہ تالیہ نے ہونٹوں پہ انگلی رکھ لی۔

''ششش۔'' کتوں کے بھونکنے کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ ایڈم کا سانس تھم گیا۔ بدقت تھوک نگلا۔ وہ البتہ بالکل ساکن بیٹھی تھی۔ چہرے پہ پریشانی کا شائبہ تک نہ تھا۔

''آپ کو ڈر نہیں لگ رہا' چے تالیہ؟'' وہ دبا دبا سا بولا۔ تالیہ نے آنکھیں گھما کے اسے دیکھا۔

''میں لوگوں کے سوتے ہوئے ان کے کمروں میں گھس کے چیزیں بنا آواز کے نکال لاتی ہوں۔ تالیہ کو کسی سے ڈر نہیں لگتا۔'' ذرا رکی۔ ''سوائے سمیع سے۔'' آخری فقرہ لبوں میں ادا کیا مگر اس نے سن لیا تھا۔ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''آپ اتنی بہادر ہو کے اس آدمی سے کیوں ڈرتی ہیں؟''

''پتہ نہیں۔'' وہ لمحے بھر کو سوگوار نظر آئی' پھر جلد ہی چہرے کو واپس سنجیدہ کر لیا۔ ''آوازیں دور جا رہی ہیں۔ ہے نا؟'' بھونکنے کی آواز مدھم ہو رہی تھی۔

''کتے شاید واپس پلٹ رہے ہیں۔ توت کے پتوں نے کام کر دکھایا۔'' وہ مسکرایا۔

چند منٹ میں آوازیں پست ہوتی گئیں اور پھر بالکل ہی دم توڑ گئیں۔ جنگل میں خاموشی چھا گئی۔ واحد شور پرندوں اور مینڈکوں کی آوازوں کا تھا۔

تالیہ کھوہ سے نکل آئی اور اوپر درختوں کے جھروکوں سے دکھائی دیتے آسمان کو دیکھا۔ یہاں سے وہ واضح نظر نہ آتا تھا۔ بس سیاہی پہ چند تارے تھے جیسے۔

''تارے!'' وہ چونکی۔ ''ہمیں جنگل سے نکل کے اس تارے کو ڈھونڈنا ہے جو ہمیں الور سونگائی لے جائے گا۔''

''وہ کیا ہے؟'' ایڈم بھی باہر نکل آیا۔

''میرے گاؤں کا نام۔'' وہ تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔ ایڈم اس کے پیچھے لپکا۔

''کیا آپ کو وہ تارہ یاد ہے؟''

''مجھے تاروں کا سارا ڈیزائن یاد ہے' میں پہچان لوں گی۔ تالیہ کچھ نہیں بھولتی۔'' کہہ کے وہ رکی۔ ''سوائے اپنی زندگی کے دس گیارہ سالوں کے۔'' اور ایک دم کھلکھلا کے ہنس دی۔ وہ بھی ہنس پڑا۔

''سچ تالیہ' آپ بہت ذہین ہیں۔'' وہ بے اختیار بولا تو تالیہ نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''اور آپ جیسے ذہین لوگوں کو کدھر ہونا چاہیے' جانتی ہیں؟''

''کدھر؟'' مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''جیل میں!'' وہ سنجیدگی سے جتا کے بولا اور آگے بڑھ گیا۔ تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ غصے سے اس کی پشت کو دیکھا اور پھر پیچھے لپکی۔

''ابھی وہ جیل بنی نہیں جس میں تالیہ مراد کو قید کیا جا سکے۔''

''بن بھی چکی ہے اور پچھلی رات ہم اس میں گزار بھی آئے ہیں' میڈم!''

''اور وہ توڑی کس نے تھی' ہاں؟'' وہ ترکی بہ ترکی جواب دیتی اس کے ہمراہ باہر جا رہی تھی۔ درختوں کی حدود ختم ہوئی تو سامنے سڑک نظر آئی۔ وہ جنگل کو کاٹ کے بنائی گئی تھی اور سیدھی ملاکہ شہر کی فصیل تک جاتی تھی۔

سڑک پہ قدم رکھتے ہی تالیہ نے گردن اوپر اٹھائی تو سیاہ آسمان اپنے تاروں کے ساتھ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ چند لمحے اوپر دیکھتی رہی' پھر بازو بلند کر کے اشارہ کیا۔

''اگر ہم اس تارے کو اس جانب رکھیں تو...'' اشاروں سے بتانے لگی۔ ''ہم الور سونگائی پہنچ جائیں گے۔ ہمیں اس سمت میں سفر کرنا ہے۔''

''اوکے!'' ایڈم نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ سڑک کے درمیان میں کھڑے تھے۔ ایک جانب ملاکہ تھا... دوسری جانب کا راستہ الور سونگائی کو جاتا تھا۔ تالیہ نے باری باری دونوں طراف میں دیکھا۔

''ہو سکتا ہے میرے بابا ابھی تک الور سونگائی میں ہوں۔'' وہ خواب کی سی کیفیت میں بولی' پھر چونکی۔ ''لیکن وان فاتح ملاکہ میں ہیں۔''

''لیکن ہمیں پہلے الور سونگائی جا کر آپ کے والد کا اتہ پتہ معلوم کرنا ہے۔ وہاں لوگ کچھ بتائیں گے تو ہم ان کو ڈھونڈ سکیں گے۔''

''اور وان فاتح کو یہیں چھوڑ دیں؟''

''ہم فاتح صاحب کے لئے واپس آئیں گے' مگر ہمیں وہی کرنا ہے جو انہوں نے ہمیں کرنے کا حکم دیا ہے۔''

''اگر بابا قید ہو چکے ہیں تو وہ ملاکہ میں ہی ہوں گے یا کسی دوسرے شہر میں۔ الور سونگائی جانے کا فائدہ نہیں۔''

''لیکن فاتح صاحب نے کہا تھا کہ...''

''تم میں اور مجھ میں جانتے ہو کیا فرق ہے؟'' وہ تیزی سے بولی۔ چبھتی ہوئی نظریں ایڈم پہ جمی تھیں۔

''میں کتابیں پڑھنا جانتا ہوں' یہی نا؟''

''تم حکم ماننے کے لئے بنے ہو' لیڈ ہونے کے لئے۔ اور تالیہ حکم دینے کے لئے بنی ہے۔ لیڈ کرنے کے لئے۔ اس لئے تم وہی کرو جو

میں کہہ رہی ہوں۔'' انگلی سے سینے پہ دستک دی تو اس کا انداز حتمی تھا اور آنکھوں میں گہری سنجیدگی تھی۔ ''میں وان فاتح کو چھوڑ کے کہیں نہیں جاؤں گی۔ ہمیں پہلے ان کا سوچنا ہے۔''

''مگر آپ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ...؟''

''کہ کیا؟ یہی کہ ان کو قید چھوڑ کے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ جاؤں؟ مجھے زیادہ عزیز وہ وعدہ ہے جو انہوں نے ابھی مجھ سے لیا ہے۔ مجھے وہ وعدہ نبھانا ہے۔'' اور اس نے فصیل کی طرف قدم بڑھا دیے۔

''مگر ملاکہ میں وہ لوگ ہماری تلاش میں ہوں گے۔ ہم ان سے کیسے بچیں گے؟'' تالیہ جواب میں مسکرائی۔

''وہ دو بد حال' پھٹے کپڑوں اور میلے چہرے والوں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ اگر ہم ایسے نہ رہیں تو وہ ہمیں کیسے ڈھونڈیں گے؟''

ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''کیا مطلب؟''

''بتاتی ہوں۔ پہلے واپس چلو۔ ہمیں صبح ہونے سے پہلے شہر کی دیوار پھلانگنی ہے۔''

وہ سڑک پہ آگے بڑھ گئی۔ اندھیر سڑک' دونوں طرف جنگل اور درمیان میں کھڑا ایڈم... اس نے ایک بے بس نظر الور سونگائی تک جاتے راستے پہ ڈالی اور پھر تالیہ کے پیچھے چل دیا۔

☆☆=========☆☆

صبح کی سفید روشنی اس وسیع احاطے میں پھیل رہی تھی۔ پنجرے میں تنہا بیٹھا وان فاتح آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے دور نظر آتے گیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں شکاری کتے اور گھوڑے واپس آ کھڑے ہوئے تھے۔ ناکام۔ نامراد۔ وہ تالیہ یا ایڈم کو پکڑ کے نہیں لائے تھے۔ اور ان کے سوار آتے ساتھ ہی ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے تھے۔ چہرے پہ زخم والا غصے اور حیرت سے کچھ کہہ رہا تھا اور دوسرا آدمی انگلی اٹھا اٹھا کے اس کو کھری کھری سنا رہا تھا۔ فاتح خاموشی سے اس منظر کو دیکھتا رہا۔ جانتا تھا کہ ان کا وقتی جھگڑا تالیہ اور ایڈم کو کافی مہلت دلا چکا ہوگا۔

ایسے میں ایک اور آدمی پنجرے کے قریب آیا' تالہ کھولا اور اسے کندھے سے کھینچ کے باہر آنے کو کہا۔

فاتح نے زور سے کندھا جھٹکا' اور بندھے ہاتھ سیدھے اٹھائے۔

''مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔ میں خود آ رہا ہوں۔'' زبان وہ نہیں سمجھا تھا مگر اشارہ سمجھ گیا تھا۔ رعب تھا یا کیا' وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

وان فاتح بندھے ہاتھوں پیروں کے ساتھ نیچے اترا اور سر اٹھا کے چمکدار سفید ہوتا آسمان دیکھا۔ گردن سے بندھی رسی پیروں تک جاتی تھی' مگر اس طرح کہ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا سکتا تھا۔

آدمی اسے اپنے تعاقب میں چلاتا ایک طرف لے آیا۔ عمارت کے دائیں جانب ایک لمبا سا برآمدہ بنا تھا جس میں سلاخوں کے دروازے تھے۔ گویا ایک طویل سا قید خانہ ہو۔ آدمی نے سلاخ دار دروازہ کھولا اور اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہ اندر چلا آیا۔ وہ طویل بیرک تھا۔ اور اس میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ نحیف' کمزور' کچھ توانا۔ پھٹے

پرانے کپڑوں میں ملبوس.... چہروں پہ تھکن اور زخم لئے.... کوئی بیٹھا تھا' کوئی لیٹا تھا۔ سب نے اس آدمی کو اندر آتے دیکھا جو گدلے لباس اور چہرے پہ لگی مٹی کے باوجود بارعب اور باوقار لگتا تھا۔

اس کا اغوا کار اب اس کی رسیاں کھولنے لگا۔ فاتح نے مزاحمت کیے بغیر ہاتھ سامنے کر دیے۔ رسیاں کھولنے میں کافی دیر لگی۔ پھر وہ باہر نکل گیا تو وان فاتح نے کلائیاں ہاتھوں سے دبائیں گویا درد سے سکون پانے کی کوشش کی۔

اردگرد تمام قیدی اسی کو دیکھ رہے تھے۔ بیٹھے ہوئے' کھڑے ہوئے' لیٹے ہوئے۔ سب کی نظریں اس پہ جمی تھیں۔

وہ سلاخ دار دروازے کے ساتھ جا کھڑا ہوا' یوں کہ پشت سلاخوں سے لگائی' اور چہرہ ان بدحال' مفلس قیدیوں کی طرف موڑ لیا۔ پھر وہ ہاتھ اٹھا کے ماتھے تک لے گیا۔ (سلام) سر کو خم دیا۔

وہ خالی چہرے اور ویران آنکھوں والے لوگ ٹکر ٹکر اس کو تک رہے تھے۔

''کیا سوچ رہے ہیں ڈیڈ؟'' ننھی پری نے کان میں سرگوشی کی۔

''یہی کہ یہ لوگ کون ہیں اور اس حال میں کیوں ہیں؟ کس نے حق دیا ان اغوا کاروں کو کہ وہ جیتے جاگتے آزاد انسانوں کو جانوروں کی طرح اس پنجرے میں قید کر ڈالیں؟'' وہ الجھا ہوا تھا.... سوچ رہا تھا۔ لب ہلائے بنا آریانہ کو جواب دے رہا تھا۔

''آپ ان کی فکر کیوں کرتے ہیں؟'ڈیڈ؟ آپ کو مراد اور اس کی چابی کا انتظار کرنا ہے جس کے ذریعے آپ جلد از جلد واپس اپنی دنیا میں چلے جائیں جہاں ملک کی سب سے طاقتور کرسی آپ کی منتظر ہے۔'' آریانہ پریشانی سے بولی تھی۔ (وہ اس کا سب کانشس مائینڈ تھا جو اسے باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔)

وہ دائیں سے بائیں ان خالی چہروں پہ نظریں دوڑا رہا تھا۔ ہر آنکھ میں کرب اور غم کی عجب داستان رقم تھی۔ اس مایوس لمحے میں فاتح رامزل کے اوپر عجیب سا انکشاف ہوا۔

''ہم تینوں کا غلطی سے وہ دروازہ پار کرنا.... میں سمجھتا رہا وہ ایک حادثہ ہے.... لیکن نہیں۔'' وہ چونک گیا تھا۔ ''وہ حادثہ نہیں تھا۔ میں یہاں کسی وجہ سے آیا ہوں۔ چھ سو سال پہلے کے ملاکہ میں کچھ ہے جو میرا منتظر ہے۔ کوئی مقصد' کوئی کام۔ کوئی شے جو چھ صدیاں پہلے ادھوری رہ گئی تھی اور اسے پورا کرنے کے لئے وقت نے خود کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ ہم وقت کے قیدی ہیں' مگر کسی وجہ سے۔ اور جب تک وہ پوری نہیں ہوگی....'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وقت ہمیں واپس جانے نہیں دے گا۔''

آریانہ دھک سے رہ گئی۔

''اور وہ وجہ آپ کو کیسے معلوم ہوگی' ڈیڈ؟''

اس نے ان لٹے پٹے چہروں سے نظر ہٹا کے ساتھ کھڑی بے چین سی آریانہ کو دیکھا اور مسکرایا۔

''کیا کوئی ایسی پہیلی ہے جو تمہارا باپ حل نہ کر سکا ہو' بے بی؟''

مگر آریانہ نہیں مسکرائی۔ وہ پریشانی سے اس کو دیکھے گئی۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ کا قدیم شہر جاگنے لگا تھا۔ فجر کی اذان کے ساتھ ہی لوگ اٹھ اٹھ کے کام کے لئے گھروں سے باہر نکلنے لگے تھے۔ ایسے میں وقت کے وہ دو مسافر ایک گھر کے باہر کونے میں چھپے بیٹھے تھے۔

وہ لکڑی کا دو منزلہ گھر تھا۔ اوپر ٹیرس' اور کمروں کے دروازے بنے تھے۔ سیڑھیاں بیرونی تھیں۔ گھر کی چھت دوسرے گھروں کی طرح لکڑی کی مخروطی طرز کی تھی۔ وہاں ساری گلی میں مخروطی چھتوں والے لکڑی کے ایک جیسے گھر ہی بنے تھے۔

دفعتاً ٹیرس کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر جاتا دکھائی دیا۔ جیسے ہی وہ سیڑھیاں اتر کے نیچے گیا' وہ دونوں دیوار کی اوٹ سے نکلے اور جھک کے چلتے ہوئے تیزی سے کمرے میں جا گھسے۔ تالیہ آگے تھی اور ناخوش سا ایڈم پیچھے۔ باہر ابھی تک جامنی اندھیرا پھیلا تھا۔

اندر آتے ہی جو منظر سامنے آیا' اس میں زمین پہ فرشی بچھونا بچھا تھا جس پہ ایک ننھا بچہ سو رہا تھا اور ایک عورت ان کی جانب پشت کیے چادر جھاڑ رہی تھی۔ تالیہ بلی کی چال چلتی اس کے پیچھے آئی اور اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔ عورت کو مزاحمت کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ اس کے بازو کے نرغے میں چند لمحوں میں بے ہوش ہو گئی۔ تالیہ نے احتیاط سے اسے اس کے بچھونے پہ ڈال دیا۔

''جب یہ جاگے گی تو اسے لگے گا یہ کمزوری سے چکر کھا کے گر گئی تھی۔'' وہ مڑی تو دیکھا' ایڈم ناخوشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا اس عورت کو تکلیف دینا ضروری تھا؟''

''تو کیا کہتی؟ محترمہ' ہم آپ کے گھر چوری کرنے آئے ہیں' خاموشی سے سائیڈ پہ ہو جائیں اور ہمیں ہمارا کام کرنے دیں؟''

''کانٹ بلیو میں ایک چوری کی واردات میں شریک ہو رہا ہوں۔''

''اس سے پہلے تم دھوکہ دہی کی واردات میں بھی شریک ہو چکے ہو جب تم مجھے دھوکہ دے کر فاتح صاحب کو سن باؤ کے گھر لے آئے تھے ....چابی جوڑ کے۔ اس لئے زیادہ پارسا نہ بنو۔''

''اللہ نے زندگی رکھی تو واپس جاتے ہی اپنے ہاتھوں سے آپ کو جیل بھجواؤں گا۔'' وہ جل کے بولا تھا۔ تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ وہ صندوقوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''یہ کھاتا پیتا گھرانہ لگ رہا ہے۔ قیمتی چیزیں ہوں گی ان کے پاس۔ خدا کرے اس گھر میں کوئی اور نہ ہو۔ اس لئے جلدی سے اپنے لئے کپڑے ڈھونڈو۔ خاوند کے آنے سے پہلے ہمیں تیار ہو کے یہاں سے نکلنا ہے۔'' وہ صندوق کھول کے کپڑے الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ کمرے کی دیوار پہ لگی مشعل جل رہی تھی اس لئے سب صاف نظر آ رہا تھا۔

بچہ ہنوز سویا ہوا تھا۔

فجر باسی ہو گئی اور ملاکہ پہ سورج طلوع ہونے لگا تو شہر کی گلیوں نے دیکھا۔ وہ دونوں چپکے سے سیڑھیاں اتر کے گلی میں آ گئے تھے اور اب

ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

اور یہ وہ بدحال وقت کے مسافر ہرگز نہ لگتے تھے۔

تالیہ نے جامنی ریشمی باجوکرنگ پہن رکھا تھا۔پیروں تک آتا لہنگا نما لباس' اور گھٹنوں تک آتی قمیص' کندھے سے دوپٹہ گزار کے دوسرے پہلو پہ باندھ لیا تھا۔انگلیوں میں دوانگوٹھیاں اور گردن میں موتیوں کی مالا تھی۔حمام میں رکھے عجیب دودھ سے بنے ملغوبے سے اس نے بال بھی دھولیے تھے۔کنگھی بھی کی تھی۔اور اب سنہری بال کنگھی ہوئے چہرے کے دونوں اطراف میں گر رہے تھے۔کان میں مصنوعی بڑا سا پھول لگا رکھا تھا۔اور سر پہ ہیٹ پہن رکھا تھا یہ ملے طرز کا ہیٹ تھا نہ کہ انگریزی طرز کا جو وہ ملائیشیاء میں پہنتی تھی۔یہ الٹے لٹو کی شکل کا تھا اور ڈوری تھوڑی تلے اڑس دی جاتی تھی' یوں کہ آدھا چہرہ چھپ جاتا تھا۔

ایڈم نے بھی ایسا ہی ہیٹ پہن رکھا تھا۔نیچے کھلا سا پاجامہ' اوپر لمبی قمیص' اور اس پہ نیلے رنگ کی پتلی جیکٹ جو سامنے سے کھلی تھی۔گویا کوٹ ہو۔یہ مقامی لباس تھا اور اس پہ کافی کھلا تھا۔

شہر جاگنے لگا تھا۔لکڑی کے مکان ....ان کے درمیان آتے جاتے لوگ۔کافی عورتوں کے سروں پہ دوپٹے تھے۔اور لباس کھلے سے تھے۔مردوں کے لباس ایڈم کی طرح تھے۔چند ایک نے گزرتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا بھی۔

غیر آرام وہ ایڈم جو بدقت کھلے جوتوں میں چل رہا تھا۔اور گردن کڑا کے شانِ بے نیازی سے چلتی تالیہ۔

''سنو....تم میرے بھائی ہو۔'' راستے میں ہدایت دی۔

اللہ مجھے جہنم میں بھی آپ کا بھائی نہ بنائے۔''

''میں کورا اسٹوری بتا رہی ہوں۔'' وہ بنا اثر لیے بولی۔''ہم چین سے آئے ہیں۔مصالحوں کا کاروبار کرتے ہیں۔اس زمانے میں یہی کاروبار بہت اِن تھا۔لوگ انڈیا سے سمندر کے راستے ملاکہ کی بندرگاہ تک آتے اور مصالحے بیچتے تھے۔''

''تو ہم انڈیا سے کیوں نہیں آئے؟ چین سے کیوں آئے ہیں؟''

''کیونکہ ہم انڈین نہیں لگتے' ڈفر۔ہم چینی لگتے ہیں۔'' وہ اسے گھرکتے ہوئے قدم اٹھا رہی تھی۔

چلتے چلتے وہ دونوں بازار کی حدود میں داخل ہو گئے تھے۔وہاں لکڑی کی دکانیں گلیوں میں بنی تھیں۔قہوہ خانے بھی تھے جہاں باہر کرسیاں میزیں بچھی تھیں۔ریڑھیوں پہ سامان رکھ کے بھی لوگ فروخت کر رہے تھے۔غرض فجر کے ساتھ ہی بازار میں گہما گہمی کا عالم تھا۔

بس ایک چیز نہ تھی جو آج کی دنیا میں ہوتی تھی۔شور۔ٹریفک کا' موسیقی کا' آوازوں کا۔اوں ہوں۔ ہرگز نہیں۔آبادی کم تھی۔لوگوں کے اپنے بولنے کی آوازیں ہی آ رہی تھیں بس۔وہ دونوں باوقار چال چلتے آگے بڑھتے گئے۔

جہاں کئی عورتیں سر سے پیر تک ڈھکی تھیں' وہاں کئی کندھوں سے گھٹنوں تک کا لباس پہنے ہوئے تھیں' یوں کہ کندھے بھی برہنہ تھے۔اونچے جوڑے بنائے وہ مردوں کے ساتھ بازار میں کام کر رہی تھیں اور انہیں کوئی ہراساں نہیں کر رہا تھا۔

''عجیب ماحول ہے چھ سو سال پہلے کے ملاکہ کا۔'' وہ اچنبھے سے بڑبڑائی۔

''پانچ سو ستاون سال' بے تالیہ۔'' وہ جتا کے بولا تھا۔ ''اور ہم بازار میں کیا کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس پیسے تو ہیں ہی نہیں۔''

ایک یہی چیز تھی جو ان صندوقوں سے نہ ملی تھی۔ ایک سکہ یا دمڑی بھی نہیں۔ غالباً وہ اپنے پیسے کہیں چھپا کے محفوظ رکھتے تھے۔

تالیہ رک گئی۔ ایک دکان کے سامنے کھڑے آدمی کو دیکھا جو کپڑے کا ایک تھیلا اٹھا رہا تھا۔ پھر اس نے سونے کا ایک سکہ دکاندار کی طرف بڑھایا۔

''سونا۔ ہمیں سونا چاہیے۔'' وہ بڑبڑائی۔ زیرک نگاہیں چاروں اطراف میں دوڑائیں۔ قدیم زمانے کے اس بازار میں لوگ معمول کی خریداری کرر ہے تھے۔ نگاہ ایک عورت پہ جا رکی جو لہنگے قمیص اور سر پہ دوپٹے میں ملبوس تھی' اور ایک سبزی کی ریڑھی پہ کھڑی' مختلف قسم کے پالک کے پتے اٹھا اٹھا کے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں اور کلائی میں موٹے کنگن تھے۔

''تم یہیں رکو۔ میں ابھی اس کے ہاتھ سے تھوڑا سا زیور اتار کے لاتی ہوں۔''

''ہیں؟'' ایڈم نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''مگر کیسے؟''

تالیہ نے ہیٹ ذرا سر پہ اوپر کیا تو دھلا دھلایا صاف چہرہ اور اس پہ چھائے مشکوک تاثرات ایڈم کو نظر آئے۔

''کیوں؟ تمہیں کیوں بتاؤں؟ تا کہ کل کو تم وہی تکنیک سیکھ کے چوریاں کرتے پھرو اور تمہارا گناہ بھی میرے سر آئے؟''

''آپ مجھے اچھی نیت سے بتا دیں نا۔ میری حفاظت کی نیت سے۔ تا کہ کل کو اگر میں بھرے بازار میں ہوں تو مجھے معلوم ہو کہ چور اچکے کیسے میرے ہاتھ سے گھڑی اتار سکتے ہیں اور میں ان کو موقع نہ دوں۔''

تالیہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔ بات میں وزن تھا۔

''ویسے تو یہ کام پریکٹس سے آتا ہے مگر تکنیک یہ ہے کہ....'' وہ نخریلے انداز میں شانِ بے نیازی سے بولی۔ ''پہلے ٹارگٹ سے ہاتھ ملاؤ۔ زور سے۔ اور اس کی گھڑی یا انگوٹھی کو زور سے دباؤ۔ جب بھی ہاتھ میں پہنی چیز زور سے دبائی جاتی ہے تو ہماری جلد پہ وہ ایک ''احساس'' چھوڑ جاتی ہے۔ اگلے ہی لمحے گھڑی کو آہستہ سے اتار لو۔ مگر چونکہ زور سے دبایا تھا' تو ٹارگٹ کو لگے گا کہ اس نے ابھی تک ہاتھ میں کچھ پہن رکھا ہے۔ اسے کافی دیر بعد سمجھ آئے گی کہ اس کا ہاتھ خالی ہے۔ آئی سمجھ؟''

ایڈم نے حیرت اور بے یقینی سے دونوں ابرو اٹھائے۔ ''واؤ... اور گردن سے زیور کیسے اتارا جاتا ہے؟''

''تم کون سا زیور پہنتے ہو گردن میں جو میں تمہیں تمہاری حفاظت کے لئے اس تکنیک کا راز بتاؤں۔ چپ کر کے کھڑے رہو ادھر۔ میں ابھی آ رہی ہوں۔'' ناک سکوڑ کے ہونہہ کہتی آگے بڑھ گئی۔

ایڈم بظاہر ریڑھی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس پہ بڑے بڑے دوریان (ایک قسم کا پھل) رکھے تھے۔ ان کی مہک اتنی تیز تھی کہ ہر سو پھیلی تھی۔ وہ ان کو اٹھا اٹھا کے دیکھنے لگا۔ دوکاندار نے کچھ کہا تو وہ گڑبڑا کے مسکرا دیا اور پھل واپس رکھ دیے۔

انکھیوں سے تالیہ اس عورت سے ٹکرائی' پھر اس کے ہاتھ تھام کے خود کو سنبھالنے کے لئے اس کا شکریہ ادا کرتی نظر آرہی تھی۔ لمحوں بھر کا کھیل تھا۔ وہ واپس آئی اور رومال میں چھپے کڑے دکھائے۔ انگوٹھی اس نے انگلی میں پہن بھی لی تھی۔

''اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کردیجیے گا' تو انکو'' ایڈم محمد نے بے اختیار آسمان کو دیکھا۔ ''میں صرف اپنی جان بچانے کے لئے ان خاتون کا ساتھ دے رہا ہوں جن کے جہنم میں جانے میں مجھے کوئی شک نہیں رہا۔''

وہ کرارا سا جواب دیتی مگر ایک دم ہر طرف شور سا مچا۔ آوازیں۔ گھوڑوں کی ٹاپ۔ لوگ دونوں طراف میں ہٹنے لگے۔ ہٹو بچو کے نعرے لگے۔ بگل.... اعلانات.... راستہ صاف ہونے لگا۔

وہ دونوں بھی جلدی سے ایک دکان کے چھپر تلے آکھڑے ہوئے۔

''کیا ہو رہا ہے؟ راستہ کیوں صاف کیا جا رہا ہے؟'' وہ حیران پریشان سا تالیہ سے پوچھنے لگا کیونکہ اعلان اور نعروں کی اسے سمجھ نہیں آرہی تھی۔

تالیہ یک ٹک اس طرف دیکھ رہی تھی جہاں سے کوئی قافلہ سا آرہا تھا۔

''چے تالیہ.... بتائیں نا.... یہ اعلان کس چیز کا ہے؟''

''شہزادی۔'' وہ خواب کی سی کیفیت میں بولی۔ ''ملاکہ کی شہزادی کی سواری آرہی ہے۔ ادب سے راستہ چھوڑا جا رہا ہے۔'' اس کی آنکھیں اس طرف لگی تھیں۔ ان میں تپش سی ابھرنے لگی تھی۔

''ظالم شہزادی آرہی ہے ایڈم.... وہ دیکھو۔''

سب کچھ سلو موشن میں ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ ایڈم نے فوراً اس جانب دیکھا۔ کچھ جوش' کچھ خوشی سے۔

شمال کی سمت سے قافلہ سا آرہا تھا۔ آگے گھڑ سوار تھے۔ کوئی بگل بجا رہا تھا۔ کوئی تلواریں تانے ہوئے تھا۔ درمیان میں شاہی طرز کی بگھی تھی۔ سونے چاندی کے تاروں سے اس پہ نقش و نگاہ ہوئے تھے اور سیاہ چمکدار گھوڑے اس میں جتے تھے۔ وہ سست روی سے چل رہی تھی۔ بگھی کی کھڑکی کھلی تھی' پردہ ہٹا تھا اور اندر.... تالیہ نے انہی پر تپش نگاہوں سے بگھی کو دیکھتے گردن اونچی کی....

گھوڑے قریب آرہے تھے۔ دونوں طرف لوگ شوق اور رعب کے زیر اثر شاہی سواری کو دیکھ رہے تھے۔ نعرے بھی گونج رہے تھے .... جو یقیناً شہزادی کے حق میں تھے.. جواب میں کھڑکی سے انگوٹھیوں سے مزین خوبصورت ہاتھ نکلا۔ اب شہزادی اپنے ہاتھ سے ان نعروں کا جواب دے رہی تھی۔ بگھی کے پہیے قریب آرہے تھے۔ جہاں ایڈم دم بخود کھڑا تھا وہاں تالیہ کا سانس تک رک چکا تھا۔

کھڑکی قریب آئی۔ اندر بیٹھی عورت کا نیم رخ نظر آیا۔ بڑا سا تاج جس سے لڑیاں نکل رہی تھیں۔ سرخ لباس جس کے کندھوں پہ سنہرے تاروں کا کام نظر آتا تھا۔ بندھے بالوں کا جوڑا اور کانوں میں لمبے لمبے ہیروں اور سونے کے آویزے۔ لبوں پہ سرخ لب اسٹک۔ وہ خوشبوؤں میں بسی شہزادی خوب گوری اور چھوٹی آنکھوں والی تھی۔ کافی خوش شکل تھی۔ بس خوش شکل۔ مسکرا کے اب وہ اس طرف دیکھ

رہی تھی جہاں تالیہ اور ایڈم کھڑے تھے۔

تالیہ بنا پلک جھپکے نگاہیں اس پہ جمائے ہوئے تھی۔

دفعتاً شہزادی کی نظریں تالیہ مراد پہ آرکیں۔تالیہ نے ہیٹ اوپر اٹھایا۔سنہری بال اور ان کے ہالے میں دمکتا چہرہ۔زخم کے نشان اور آنکھوں کی سرد نفرت....

شہزادی کی کاجل لگی آنکھوں نے چند لمحے تک اس لڑکی کو دیکھا پھر نگاہیں آگے لے گئی۔مگر وہ....وہ انہی سرد نظروں سے اس کو دیکھے گئی ۔بگھی دور چلی گئی۔سپاہیوں کے گھوڑے آگے بڑھ گئے۔

ایک سحر سا ٹوٹا۔

''اتنی خوبصورت نہیں تھی جتنا سنا تھا۔'' ایڈم مایوسی سے بولا۔تالیہ نے تلخی سے سر جھٹکا۔پھر ساتھ کھڑے بوڑھے آدمی کو دیکھا۔وہ بھی دور جاتے قافلے کو دیکھ رہا تھا۔وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''کیا آپ لوگ شہزادی کو پسند کرتے ہیں؟'' آدمی نے چونک کے اسے دیکھا تو وہ مسکرائی۔

''میں اور میرا بھائی پہلی دفعہ چین سے ملاکہ آئے ہیں' علاقے سے واقف نہیں ہیں اس لئے پوچھ رہی ہوں۔'' اس کا لہجہ مختلف تھا اور وہ یہ زبان ٹھیک سے بول نہیں سکتی تھی۔مگر آدمی سمجھ گیا۔سر ہلایا۔

''جب اتنے مسلح سپاہی ساتھ ہوں تو کون شہزادی کو ناپسند کر سکتا ہے۔'' انداز میں طنز تھا۔

''میں نے سنا ہے شہزادی بہت ظالم ہے۔الور سونگائی سے بہت سے لوگ قید کروائے ہیں اس نے۔''

''ایسا ہی ہوا ہے۔پورے ہفتے سے گرفتاریاں جاری ہیں۔سارے قید خانے بھر چکے ہیں۔''

''کچھ اندازہ ہے کہ یہ قید خانے کہاں ہوں گے؟'' وہ سرسری سا پوچھ رہی تھی۔دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔آدمی نے کندھے اچکا دیے۔

''محل میں ہی ہوں گے مگر یہ ظلم شہزادی نے اکیلے نہیں ڈھایا۔بندہارا اس میں برابر کا شریک تھا۔یہ سارے بندے اسی کی ایما پہ پکڑے گئے ہیں۔''

''ظاہر ہے وہ اس کا باپ ہے' دونوں ایک جتنے ہی قصوروار ہیں۔'' وہ تنفر سے بولی۔

بوڑھا گردن گھما کے ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگا۔

''کس کا باپ؟''

''شہزادی تاشہ کا باپ۔ملاکہ کا بندہارا (وزیر)۔''

بوڑھے آدمی کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔''بندہارا شہزادی کا باپ نہیں ہے اور یہ شہزادی ''یان سوفو'' تھی' جو چین کے بادشاہ کی

بیٹی ہے اور مرسل شاہ سلطان کی ہونے والی بیوی۔ بنداہارا تو سلطان کا پھوپھی زاد بھائی ہے۔ شہزادی سے تو اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

تالیہ ہکا بکا رہ گئی۔ سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''تو یہ شہزادی تاشہ نہیں تھی؟''

''شہزادی تاشہ کون ہے؟'' وہ آدمی اتنا ہی حیران تھا۔ ایڈم بے بسی سے ترجمے کا منتظر ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''شہزادی تاشہ.... ملاکہ کی شہزادی.... بنداہارا کی بیٹی.... جس کے قصے دور دور تک مشہور ہیں۔'' وہ بے چینی سے بولی۔ کچھ غلط تھا۔

''میں نے محل میں کافی عرصہ کام کیا ہے' بیٹی۔ ہمارے ملک میں تاشہ نام کی کوئی شہزادی نہیں ہے۔ میں یہ نام پہلی دفعہ سن رہا ہوں۔''

تالیہ کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ تاریخ کی کتابیں کیسے غلط ہو سکتی تھیں؟

''تو پھر.... بنداہارا کی بیٹی کا کیا نام ہے؟''

''پچھلے بنداہارا کی تو کوئی بیٹی ہی نہیں تھی.... دو بیٹے تھے مگر پانچ زور قبل اس کو پھانسی دے دی گئی اور بیٹے جلاوطن کر دیے گئے۔ اس نے سلطان کے پھوپھی زاد کے ساتھ مل کے سارے پمبورد کے لوگوں کو پکڑوایا' مگر وہ سلطان کا پھوپھی زاد.... اس نے محل میں آتے ہی بنداہارا کا پتا بھی صاف کر دیا اور خود نیا بنداہارا بن بیٹھا۔''

''اور اس کی بیٹی؟'' اس کی آواز کانپی۔

''اس کی ایک ہی بیٹی تھی۔ دس گیارہ سال کی۔ وہ چند دن پہلے کھو گئی تھی۔ مگر راجہ مراد کو لگتا ہے اپنی بیٹی کے کھونے کا کوئی غم نہیں ہے۔'' بوڑھا آدمی افسوس سے کہہ رہا تھا۔ ''سب جانتے ہیں وہ سلطان سے ناراض ہو کے الور سونگائی میں جا بسا تھا۔ سب جانتے ہیں وہ خود پمبورد تھا مگر اس نے اپنے ساتھیوں سے غداری کی۔ چال چلی۔ اس نے سارے لوگوں کو پکڑوا دیا اور سلطان کا پسندیدہ بن بیٹھا۔ پچھلا بنداہارا شہزادی ''یان سوفو'' کا ہمدرد تھا۔ اسی کی طرح ظالم' مگر راجہ مراد ''یان سوفو'' سے زیادہ ظالم ثابت ہونے والا ہے۔ سلطان آنکھیں بند کر کے اس پہ اعتبار کرتا ہے اور سچ پوچھو۔ تو اس وقت.... سرزمینِ ملاکہ کا سب سے طاقتور شخص.... اصل بادشاہ.... راجہ مراد ہی ہے.... وہ ہمیشہ سے شاہی خاندان کا حصہ تھا.... چند سال غریب لوگوں کے ساتھ رہ کے بھی وہ نہیں بدلا۔ وہی تکبر' وہی طاقت کی حرص۔'' بوڑھا نفرت اور غصے سے بول رہا تھا۔ ساتھ کھڑے دو آدمی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔

تالیہ مراد سفید چہرے کے ساتھ پیچھے ہٹی۔ ایک قدم.... دو قدم۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ سرخ آنسو جن میں خوف تھا۔ وحشت تھی۔ بے یقینی تھی۔

''راجہ مراد کہاں رہتا ہے؟''

''ابھی تو وہ سبز پہاڑی والے محل میں رہائش پذیر ہے۔ یہاں سے چند کوس دور.... اس طرف....'' ایک آدمی جوش سے بتانے لگا۔ وہ مردہ چہرے کے ساتھ پلٹی۔ ایڈم ناسمجھی سے اس کے پیچھے لپکا۔

''بچے تالیہ.... یہ کیا کہہ رہا تھا۔''

تالیہ نے اسی سمت قدم اٹھاتے زیور کی پوٹلی اس کی طرف بڑھائی۔

''تم یہیں رکو۔ میرا انتظار کرو۔''

''مگر میں کیسے...''

''حکم مانو ایڈم۔ حکم مانو۔'' وہ بھیگی آواز میں بولی تھی۔ قدم رک نہیں رہے تھے۔ وہ چلتی جا رہی تھی۔ ایڈم وہیں ٹھہر گیا۔ حیران پریشان۔

فاصلہ زیادہ نہ تھا۔ راستے صاف تھے۔ آبادی کم تھی۔ راستہ بتانے والے بہت تھے۔ وہ ساحل کی سمت میں جا رہی تھی۔ بے جان قدموں سے۔ توانا قدموں سے۔ سرد مردہ دل سے۔ گرم کھولتے ہوئے دل سے۔ پتھریلی آنکھوں سے۔ آگ کی لپٹیں لیے آنکھوں سے

-

سڑک کے اردگرد اونچے ناریل کے درخت لگے تھے۔ سڑک پہاڑی پہ اوپر تک جاتی تھی۔ ایک طرف ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آ رہا تھا۔ جہاں سپاہی تھے۔ کشتیاں کھڑی تھیں۔ وہ سڑک کے آغاز پہ رکی اور گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔

سامنے سبز پہاڑی کی چوٹی پہ ایک خوبصورت محل واقع تھا۔

بھوری لکڑی کا بنا مخروطی چھت کا اونچا محل۔

اس کی چار دیواری کا بیرونی گیٹ بند تھا اور باہر شاہی سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

تالیہ بنتِ مراد نے ہیٹ کی ڈوری دو انگلیوں سے کھینچی اتنے زور سے.... اتنے زور سے.' کہ وہ ٹوٹ گئی اور ہیٹ نیچے جا گرا۔ سمندر سے آتی ہوا سے اس کے سنہری بال پیچھے کو اڑنے لگے۔ اور ان کے ہالے میں دمکتا سفید گلابی خوبصورت چہرہ دور سے پہریداروں کو نظر آنے لگا۔ وہ چوکنے ہو گئے

''وہ ملاکہ کی سب سے خوبصورت شہزادی تھی۔''

وہ چمکدار آنکھیں محل پہ جمائے قدم قدم اوپر سڑک پہ چڑھ رہی تھی۔ دھوپ کی تمازت سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

''اتنی سحر انگیز کہ اس کے سامنے چاند سورج شرما جائیں۔''

شاہی پہریدار رک کے اس کو دیکھنے لگے جو جامنی لباس میں، گردن میں موتی پہنے نیچے سے اوپر چلتی آ رہی تھی۔ (چرچ کے احاطے میں وہ ایک ڈری سہمی لڑکی ہے جس کو مسز ماریہ نے نرمی سے تھاما ہے....اور اسی نرمی سے اس کا بریسلیٹ اتار لیا ہے۔)

''وہ جب محل کی بارہ دریوں میں چلتی تھی تو ادب سے لوگوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔'' وہ دھیرے دھیرے اوپر چڑھ رہی تھی۔ سنہری بال ہوا سے پیچھے کو اڑ رہے تھے۔

(مسز ایگنیس نے اسے چور کہتے ہوئے زور سے اس کے منہ پہ تھپڑ مارا ہے.... گیارہ سالہ بچی تیورا کے نیچے جا گری ہے۔ اب وہ چلا چلا

کے اپنے پیسوں کا پوچھ رہی ہیں۔)

''جب وہ دربار میں آتی تو وزراء درباری اور غیر ملکی سفیر بے اختیار کھڑے ہو جاتے تھے۔''

(وہ دبے پاؤں رات کو یتیم خانے کے فریج سے بن نکال کے منہ میں ٹھونس رہی ہے۔ خوف سے بار بار دروازے کو بھی دیکھتی ہے۔)

تالیہ مراد بنا پلک جھپکے پتھر نگاہیں گیٹ پہ جمائے اوپر چڑھ رہی تھی۔ قدم بہ قدم۔

''وہ بولتی تھی تو سلطان دم سادھے اس کو سنا کرتا تھا۔''

(وہ گھاس پہ بیٹھی اسکیچ بنا رہی ہے.... مسکرا رہی ہے اور زرد گلاب کوٹ میں اٹکائے ذوالکفلی اس کے ساتھ بیٹھا کسی بات پہ ہنس رہا ہے

۔)

''وہ بہت سی زبانیں بول سکتی تھی۔''

(وہ لاہور کے اس بنگلے میں فرش پہ پوچا لگا رہی ہے ....رگڑ رگڑ کے ....اور قریب بیٹھی 'ماں' کی اردو اور پنجابی کی گالیاں سن رہی ہے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔)

''تیراندازی' تلوارزنی' گھڑسواری' نیزہ بازی....وہ سب جانتی تھی۔''

(وہ اونچے اڑتے غباروں پہ ایک کے بعد ایک کر کے تیر چلا رہی ہے....کمان ہاتھ سے کھینچی جاتی ہے اور ایک زوردار تھپڑ اس کو آ کے لگتا ہے۔)

''وہ لکھ پڑھ بھی سکتی تھی۔''

(وہ تاریک کمرے میں لیمپ جلائے کتابیں کھولے بیٹھی پڑھ رہی ہے.... ہاتھ میں سیب ہے جسے وہ ساتھ ساتھ کھا بھی رہی ہے۔)

''رقص اور دوسرے فنونِ لطیفہ سے بھی واقف تھی۔''

(وہ ذوالکفلی کے ساتھ جم میں کھڑی ہے۔ اوپر لگے ہینڈل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے وہ اپنے پیر مشقت سے زمین سے اٹھا لیتی ہے۔ اور وہ گھڑی پہ وقت نوٹ کر رہا ہے۔ پھر اسے مزید بہتر کرنے کے لیے کہتا ہے۔)

''چین اور ملاکہ کا کوئی ایسا کھانا نہ تھا جو وہ پکا نہ سکے۔''

(وہ سوپ پارلر کے کچن کے کاؤنٹر ٹاپ پہ آلتی پالتی کر کے بیٹھی ہے' سر پہ جالی دار ٹوپی ہے اور سوپ بناتے بوڑھے شیف سے ہنس کے کچھ کہہ رہی ہے۔)

''کوئی ایسا ٹانکا نہ تھا جس کو وہ کاڑھ نہ سکے۔''

(وہ حفاظتی عینک لگائے' دستانے پہنے احتیاط سے ایک گلدان پہ دھاگے لپیٹ رہی ہے۔ ساتھ ہی اصلی قدیم گلدان پڑا ہے جس کی جگہ اس کو یہ گلدان رکھنا ہے۔)

''وہ حرم کی نگران تھی۔''

(وہ تھپڑوں اور ٹھڈوں سے موٹی دردانہ کو فرش پہ گرائے مار رہی ہے۔ دردانہ ہاتھ جوڑ رہی ہے۔اس کا خون بہہ رہا ہے۔مگر وہ اس کو پیٹے چلی جارہی ہے۔)

''بند ہارا کی سب سے قابلِ اعتماد مشیر۔''

(وہ ائیر پورٹ کے باتھ روم سے ڈرڈر کے بیگ لئے نکلتی ہے۔خوف....ڈھیر سارا خوف۔)

''وہ سیاست کے داؤ پیچ سے بھی واقف تھی۔''

(وان فاتح اس کو اسٹڈی میں بلا کے اسے فائل کی وجہ سے چور کہہ رہا ہے...پھر وہ عصرہ کو زیرِ لب کوستی تیز تیز سیڑھیاں اتر رہی ہے۔)

''غرض کیا تھا جو راجہ کی بیٹی کو کرنا نہیں آتا تھا؟''

(وہ جنگل میں ہرنوں کو دور درختوں سے چھپ کے دیکھ رہی ہے۔پھر تاک کے خنجر مارتی ہے۔خنجر فضا میں تیرتا ہوا سیدھا ننھے غزال کی گردن میں جا لگتا ہے۔وہ وہیں تڑپ کے گر جاتا ہے۔سرخ خون بہہ رہا ہے۔)

''اسی لئے اس کو تاشہ پُسونا کہا جاتا تھا۔''

تالیہ مراد چلتے چلتے گیٹ تک پہنچ گئی تھی۔پہریدار برہمی اور ناگواری سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''کیا بات ہے؟ کس سے ملنا ہے؟'' گرج کے پوچھا۔

تالیہ نے آنکھیں اٹھا کے باری باری ان تینوں کو دیکھا۔

(''پُسونا یعنی enchantress۔'')

''راجہ مراد کو باہر بلاؤ۔میں راجہ سے ملنے آئی ہوں۔'' اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ اوپر محل کی ایک کھڑکی میں کھڑے آدمی نے چونک کے اسے دیکھا تھا۔

(ساحرہ...)

تالیہ نے آنکھیں مزید اوپر اٹھائیں۔دور محل کی کھڑکی میں کھڑا شخص....جو سونے کے تاروں سے مزین شاہی چغے میں ملبوس تھا...اور جس کے سر پہ قیمتی کپڑا بندھا تھا...وہ کوئی لکڑہارا....کوئی مفلوک الحال آدمی نہ تھا۔

وہ اٹھی گردن والا....عقابی نگاہوں سے اسے دیکھنے والا....راجہ مراد ہی تھا۔

اور وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اچھنبے سے گیٹ پہ کھڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو گردن اٹھا کے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اور تم ہو کون؟'' پہریدار نے گرج کے پوچھا۔

''میں؟'' اس نے اپنے سینے پہ انگلی رکھی۔نظریں اوپر پہ جمی تھیں۔

''میں راجہ مراد کی بیٹی ہوں۔''بلند آواز میں کہا۔

کھڑکی میں کھڑا آدمی سن رہ گیا۔ یک ٹک۔۔بے سدھ۔

''راجہ کی ایک ہی بیٹی تھی جو....''پہریدار نے مداخلت کی کوشش کی۔

''جو پانچ دن پہلے کھو گئی تھی' میں جانتی ہوں۔اس کا نام تالیہ تھا۔میں وہ نہیں ہوں۔میں راجہ کی بڑی بیٹی ہوں' اس کی چینی بیوی کی واحد اولاد جس کو راجہ نے چین بھیج دیا تھا۔اور اب راجہ نے ہی مجھے واپس بلایا ہے۔''اسکامر نے کہانی گھڑ لی تھی۔''اس لئے میرے سامنے سے ہٹ جاؤ' اور دروازے کھول دو کیونکہ میں.... میں بندہارا کی بیٹی ہوں۔''وہ گردن اٹھائے اونچی گرج دار آواز میں کہہ رہی تھی۔انگلی سے سینے پہ دستک بھی دے رہی تھی۔منتقم آگ برساتی نظریں اوپر جمی تھیں۔پہریداروں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''میں کہہ رہی ہوں دروازہ کھولو....کیونکہ میں ....میں ملاکہ کی شہزادی ہوں....۔جاؤ اور بندہارا کو خبر کرو۔''

پہریدار نے سر کو قدرے ادب سے خم دیا۔

''اور....شہزادی....میں کس نام سے ان کو خبر کروں؟''

(وہ آرٹ گیلری کے آفس میں کھڑی تھی۔اور عصرہ مسکرا کے سامنے کھڑے فاتح سے اس کا تعارف کروا رہی تھی۔''یہ تالیہ مراد ہے۔''

فاتح نے سر کو خم دیا اور مسکرا کے رسماً بولا۔''کیسی ہو تم' تاشہ؟'')

''میرا نام....''تالیہ نے اٹھی گردن اور سرد آنکھوں سے اوپر دیکھتے کہا۔

''تاشہ بنتِ مراد راجہ ہے۔بنداہارا سے کہو...اس کی بیٹی شہزادی تاشہ آئی ہے...''

☆☆=========☆☆

حالم کی اگلی قسط آپ نمرہ احمد آفیشل پیج پر پندرہ اکتوبر کو پڑھ سکیں گے اِن شاءاللہ

حالم (نمرہ احمد)

باب ہشتم:

''ہم قیدی وقت کے''

اس نے خواب میں دیکھا....

وہ اس چھوٹے کمرے میں مراد کے سامنے کھڑی ہے....

آتش دان میں لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز سنائی دے رہی ہے....

دروازے پہ سپاہی آواز لگا رہے ہیں کہ وہ محل سے آئے ہیں....مراد حاضر ہو.....

''تالیہ...قوم کا راہبر قوم کا باپ ہوتا ہے...اس کو قربانی دینی پڑتی ہے....یہ میری قربانی کا وقت ہے....وہ مجھے لینے آئے ہیں....مگر تم سے میں اتنا چاہتا ہوں تالیہ....کہ تم میرا ایک حکم مان لو....'' مراد سنجیدگی سے کہہ رہا ہے۔تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگتی ہیں مگر وہ اثبات میں سر ہلاتی ہے۔

''جی بابا...میں کیا کروں....مجھے بتاؤ بابا۔''

''یہ قربانی تمہیں الور سونگائی کے لوگوں کے لئے دینی ہوگی...تالیہ...اور اپنے بابا کی اٹھی گردن اور وقار کے لئے....دوگی نا؟!''

آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل رہے ہیں....وہ ''ہاں'' میں گردن ہلاتی ہے۔

''میں یہ چاہتا ہوں تالیہ....کہ تم....'' وہ اس کے ہاتھ تھامے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہتا ہے۔'' تم ان تمام باتوں کو اپنے اندر راز کی طرح دفن کر دو جو تم نے مجھ سے بمبورو کے متعلق سنی تھیں۔''

آنسو تالیہ کی آنکھ میں ٹھہر جاتا ہے۔''وہ کیوں' بابا؟''

''کیونکہ بمبورو کا باب آج سے بند ہو رہا ہے۔سلطان مرسل نے ہمیں واپس شاہی محل بلوا لیا ہے۔اب ہم محل میں رہیں گے تالیہ' اپنی اصلی جگہ پہ۔''

تالیہ ایک دم اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے کھینچتی ہے۔''اور شکار بازوں کا کیا ہوگا؟''

''ان کو شہزادی کے سپاہی گرفتار کر رہے ہیں' مگر ہمیں کوئی نہیں گرفتار کرے گا۔یہ دستک دینے والے ہمیں محل لے جانے کے لئے آئے ہیں' گرفتار کرنے نہیں۔''

وہ بے یقینی سے اس کو دیکھتی ہے۔ ''مگر بابا... شہزادی کے سپاہیوں کو کیسے معلوم کہ کون شکار باز ہے' کون نہیں؟ کس نے بتائے پمبورو کے لوگوں کے نام انہیں؟''

''کسی قوم کا راہنما اس کا باپ ہوتا ہے' اس کو مشکل فیصلے لینے پڑتے ہیں۔ چند نام دینے کے عوض سوچو میں محل میں جا کر اپنے ہزاروں لوگوں کی بھلائی کے لئے کتنے کام کر سکتا ہوں۔''

''اور گاؤں کے لوگ؟ وہ تو قید خانوں میں مر جائیں گے۔ تو وہ خزانہ؟ وہ جو آپ نے لانا تھا۔ اس کا کیا؟'' وہ قدم بہ قدم پیچھے ہٹ رہی ہے۔ چہرہ سفید پڑ رہا ہے۔

''شش... اس کا ذکر اپنے سینے میں دفن کر دو اور میرے ساتھ محل چلنے کی تیاری کرو۔ خزانہ ہمارا ہے' اور ہمارا ہی رہے گا۔''

دستک اب مسلسل ہو رہی ہے۔ مراد حاضر ہو۔ بار بار پکارا جا رہا ہے۔ مراد اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

''میں ابھی ان کے ساتھ محل جا رہا ہوں' سلطان کی خدمت میں پیش ہونے۔ تم دروازہ بند کر لو اور باہر نہ نکلنا۔ اچھا!'' وہ پیار سے اس کے سر کو تھپکتا ہے مگر وہ ایک دم سر جھٹک دیتی ہے۔ مراد اثر لیے بنا باہر کی طرف بڑھ جاتا ہے....

تالیہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوتی ہے۔ مراد اسے باہر نکلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ سپاہی اس کو تعظیم پیش کرتے ہیں اور بگھی کی طرف لے جاتے ہیں۔ تالیہ آس پاس دیکھتی ہے۔ قریب میں بہت سے مکان قطاروں میں بنے نظر آرہے ہیں اور سپاہی ان کے دروازے توڑ توڑ کے اندر سے لوگوں کو نکال رہے ہیں... عورتیں ان کے پیر پڑ رہی ہیں' بچے رو رہے ہیں مگر وہ ان کے مردوں کو گھسیٹ کے گھوڑا گاڑیوں میں ڈال رہے ہیں۔

تالیہ کی آنکھیں بے بسی سے گلابی پڑنے لگتی ہیں۔

وہ ایک دم بھاگ کے الماری کے پٹ کھولتی ہے۔ اندر چھپی بوتل نکالتی ہے اور بلند کر کے دیکھتی ہے۔ بوتل کے پیندے میں چابی کے دونوں ٹکڑے بیٹھے ہیں۔

اسے معلوم ہے کہ آگے کیا کرنا ہے۔ یہ مشروب پیے بغیر وہ چابی تک نہیں پہنچ سکتی۔

وہ کارک کھینچ کے بوتل لبوں سے لگاتی ہے' اور مشروب اپنے اندر انڈیل لیتی ہے.... گھونٹ بہ گھونٹ.... مشروب اس کے خون میں شامل ہو جاتا ہے.... یہاں تک کہ چابی کے دونوں ٹکڑے اس کے لبوں سے آ ٹکراتے ہیں۔ وہ ان کو ہتھیلی پہ نکال لیتی ہے اور ڈلی کو سوراخ میں ڈالتی ہے۔ ہلکے سے کلک کے ساتھ چابی جڑ جاتی ہے۔ لمحے بھر کو وہ چمکتی ہے اور پھر.... ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔

تالیہ زنجیر میں پروئی چابی کو کلائی میں پہن لیتی ہے....

اور یہیں خواب ٹوٹ جاتا ہے۔

☆☆=========☆☆

''چے تالیہ.... یہ کیا کہہ رہا تھا؟'' ایڈم جھنجھلا کے اس کے پیچھے آیا۔

شہزادی کی سواری جا چکی تھی اور اس بوڑھے سے بات کرنے کے بعد تالیہ بے خودی بازار میں چلتی جا رہی تھی۔

''تم یہیں رکو... میرا انتظار کرو۔'' کہہ کے اس نے زیور کی پوٹلی ایڈم کی طرف بڑھائی۔

''مگر میں کیسے...''

''حکم مانو ایڈم۔ حکم مانو۔''

''مگر مجھے بتائیں تو سہی کہ اس آدمی نے کیا کہا۔''

وہ ٹھہری اور اس کی طرف گھومی۔ اس کی آنکھیں عجیب ہو رہی تھیں۔

''اس نے مجھے بتایا ہے کہ یہ شہزادی یان سوفو تھی۔''

''تو یہ شہزادی تاشہ نہیں تھی؟''

''شہزادی تاشہ کوئی نہیں ہے' ایڈم۔ شہزادی تاشہ کوئی نہیں ہے۔''

ایڈم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''مگر میں نے خود کتابوں میں اس کا ذکر پڑھا ہے' چے تالیہ۔''

تالیہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ''وہ میں ہوں۔''

ایڈم کا منہ کھل گیا۔ لمحے بھر کو دونوں خاموش کھڑے رہے۔

''خیر.... آپ کا قصور نہیں ہے۔ شہزادی کی سواری دیکھ کے میں بھی چند لمحے کے لیے خود کو شاہی منظر نامے کا حصہ سمجھنے لگا تھا مگر اب وہ جا چکی ہے۔ آپ واپس آجائیں۔'' ساتھ ہی تالیہ کے چہرے کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ ''یہ کتنی انگلیاں ہیں' آپ بتا سکتی ہیں؟''

مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔ ''ابھی جب میں اس بوڑھے سے بات کر کے ہٹی تو میں نے وہ خواب دوبارہ دیکھا جو جنگل میں دیکھا تھا مگر اس دفعہ وہ مکمل تھا۔ میرے بابا کو وہ لوگ گرفتار کرنے نہیں آئے تھے۔ عزت سے لے جانے آئے تھے۔ اور ہم تاشہ کی نہیں شہزادی یان سوفو کی بات کر رہے تھے۔ میرا باپ شہزادی کے مظالم میں برابر کا شریک ہے۔ میں کسی لکڑہارے کی نہیں' بندا ہارا مرادر اجہ کی بیٹی ہوں۔''

ایڈم بالکل شل کھڑا رہ گیا۔ ہکا بکا۔

''اس لئے تم یہیں رکو۔ جس گھر سے ہم نے کپڑے چرائے تھے اس کے عقب میں میرا انتظار کرو۔ میں رات کو تم سے ملنے ادھر آؤں گی۔ ابھی مجھے اپنے بابا کے پاس جانا ہے۔'' وہ آگے بڑھ گئی۔

''مگر....''

''حکم مانو ایڈم۔ حکم مانو۔'' اس کے قدم رک نہیں رہے تھے۔ چند ساعتیں لگی تھیں اس کو بندا ہارا کے محل پہنچنے میں۔

''کس نام سے خبر کروں' شہزادی؟'' محل کا پہریدار مودب انداز میں پوچھ رہا تھا اور تالیہ اوپر دیکھ رہی تھی جہاں محل کی ایک کھڑکی میں وہ شخص کھڑا تھا۔

''میرا نام تاشہ بنتِ مراد ہے۔ شہزادی تاشہ۔''

☆☆=========☆☆

کچھ دیر بعد وہ سپاہیوں کی معیت میں اندر داخل ہو رہی تھی۔ وسیع سبزہ زار۔ درمیان میں پتھریلی روش۔ آس پاس اونچے برآمدے اور ان کے اوپر مخروطی چھتیں۔ وہ محل قدیم فنِ تعمیر کا ایک شاہکار تھا۔

برآمدہ عبور کر کے وہ محل کے اندر آئے۔ کھلی کھڑکیوں کے باعث راہداریوں میں مناسب روشنی تھی مگر باہر کی نسبت قدرے اندھیرا تھا۔

سپاہی اسے ایک چھوٹے کمرے میں لے آیا جہاں طویل میز بچھی تھی اور اس کے گرد کرسیاں رکھی تھیں۔ اسے وہاں چھوڑ کے پہریدار غائب ہو گیا۔ تالیہ نے کرسی کھینچی مگر بیٹھی تو چونک گئی۔ کرسی کی گدی ایسی نرم..... جیسے وہ ہوا پہ بیٹھی ہو۔ اس نے میز کی لکڑی پہ ہاتھ پھیرا..... ملائم اور چمک دار۔ اس سے تو خوشبو بھی آتی تھی۔ تالیہ نے تحیر سے نظریں گھمائیں۔ بظاہر وہ ملائیشیا کے اچھے گھروں کے جیسا ایک سٹنگ روم ہی تھا مگر ہر شے مختلف تھی۔

پہریداروں نے ایک دم دروازہ کھولا تو وہ چونکی۔ راجہ مراد تیز قدموں سے اندر داخل ہوا تھا۔ ایک ہاتھ کمر پہ بندھا تھا اور دوسرا پہلو میں گرا تھا۔ پیروں تک آتی شاہی پوشاک.... گردن میں موتیوں کی مالا.... سر پہ کپڑے کی ٹوپی۔ اس سے نکلتے لمبے بال جو کندھوں کو چھوتے تھے۔

اس کی نظریں اوپر اٹھیں مراد کے چہرے پہ آن رکیں۔

وہ دبلا پتلا چہرہ تھا۔ قدرے سانولا۔ جیسے دھوپ میں رنگ سڑ گیا ہو۔ وہ ادھیڑ عمر مگر چھریرے بدن کا توانا مرد تھا۔ آنکھیں بالکل تالیہ کے جیسی تھیں.... سیاہ اور گہری مگر ان میں کچھ تھا جو تالیہ کی روشن آنکھوں میں نہ ہوتا تھا۔ ایک تپش' ایک چبھتا ہوا تاثر۔ جیسے ان آنکھوں کے ذریعے مراد دوسرے کے اندر تک اتر جاتا ہو۔

انہی آنکھوں سے وہ تالیہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل زور سے دھڑکا۔

''بابا!'' لب پھڑپھڑائے۔ عجیب میکانکی سا انداز تھا۔ خون کے رشتے کی کشش' جذباتیت' کچھ بھی محسوس نہ ہوا۔ یہ وہ مراد نہیں تھا جس کو وہ خوابوں میں دیکھتی تھی.... غریبوں کے لیے لڑنے والا ایک ہیرو.... جس کے لوگوں کے لیے وہ خزانہ ڈھونڈنے نکلی تھی۔

یہ تو کوئی اور تھا۔ اس شخص کے ساتھ تو طاقت اور دولت کے جن یوں چپکے تھے کہ ان سے ڈر لگتا تھا۔

ملعون۔ آسیب زدہ۔

''میں... میں تالیہ ہوں۔'' اس نے پھر پکارا۔ وہ خاموشی سے آنکھیں چھوٹی کیے اسے گھورے گیا۔

''پانچ روز پہلے میں چابی لے کر چلی گئی تھی اور ایک دوسری دنیا میں کئی سال گزارنے کے بعد میں پانچ روز پہلے ہی واپس بھی آ گئی تھی۔ یہ پانچ دن میں نے سلطنتِ ملاکہ کے جنگلوں میں بھٹکتے گزارے۔ بدقت یہاں پہنچی تو معلوم ہوا کہ آپ بنداہارا بن چکے ہیں۔ اور....'' وہ سوگواریت سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ ایک دم مراد اس پہ جھپٹا اور اس کی گردن زور سے دبوچی۔ تالیہ کا سانس لمحے بھر کو بند ہو گیا۔ اسے لگا وہ اسے مار دے گا مگر....

مراد نے ایک جھٹکے سے اس کو موڑا' اس کے بال ہٹائے اور گردن کی پشت دیکھی۔ (وقت کی مہر) پھر گہری سانس لی۔ گرفت ڈھیلی کی اور اسے سیدھا کیا۔

''تالیہ!'' وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تو اس نے رکی سانس بحال کی۔ چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔

''کتنے سال؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولا تو لب ہلتے ہوئے بھی محسوس نہ ہوتے تھے۔

''سترہ۔'' وہ ابھی تک دہلی ہوئی تھی۔

''کون سا زمانہ تھا؟''

''چھے سو سال بعد کا۔''

''تب دنیا کیسی تھی؟'' وہ سوال در سوال کر رہا تھا۔ تالیہ نے ایک پل کے لئے اطراف میں دیکھا۔

''اس سے بہت مختلف۔ بہت الگ۔ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

''کیا تمہاری شادی ہوئی؟ بچے ہیں؟'' اس کا انداز میکانکی سا تھا۔ بس اس کو دیکھ رہا تھا۔ کوئی اپنائیت' محبت.... کچھ بھی نہیں۔

''ہماری دنیا میں اتنی جلدی شادیاں نہیں ہوتیں۔'' وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔

اس قدیم دیوان خانے میں وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے مگر درمیان میں گویا صدیوں کا فاصلہ تھا۔ دو دنیاؤں کی دوری تھی۔

''اچھی بات ہے کہ تمہیں اس دنیا نے زنجیر نہیں کیا۔ تم آزاد ہو۔''

ان الفاظ میں کوئی سرد پن سا تھا جو تالیہ مراد کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سے گزرتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔

''بے شک۔ میں آزاد ہوں۔ مگر مجھے وہ چابی واپس جانے کے لئے....''

''تم نے اپنا نام غلط بتایا؟ کیوں؟'' وہ اس کی نہیں سن رہا تھا۔

''کیونکہ کوئی یقین نہ کرتا کہ میں تالیہ ہی ہوں۔ پانچ دن میں میں اتنی بڑی کیسے ہو گئی۔ اس لئے میں نے خود کو تاشہ کہلوایا۔''

''اور تاشہ کون ہے؟ میری تو کوئی دوسری بیٹی نہیں تھی۔''

''تاشہ.... اس دنیا میں میرا نام تھا.... مجھے وہاں سب یہی کہہ کے پکارتے تھے۔'' جو منہ میں آیا بولے گئی۔

''اور کیا تمہیں خزانہ ملا؟''

تالیہ نے نفی میں دائیں بائیں گردن ہلائی۔ "نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ کیونکہ میں نے بھی خزانے کا خیال دل سے نکال دیا ہے۔" وہ سپاٹ تھا۔ بالکل سپاٹ۔

"بابا... میں چاہ رہی تھی کہ مجھے وہ چابی...."

"میں خادمِ اعلیٰ کو حکم دے رہا ہوں۔ تمہارے لئے خواب گاہ اور شاہی لباس تیار کر دے گا۔ تم آرام سے رہو اور خوب کھاؤ پیو۔ تم بنداہارا کی بیٹی ہو۔ تمہیں بنداہارا کی بیٹی کے جیسا لگنا چاہیے۔"

اور بس!

راجہ مراد انہی تیز قدموں سے باہر نکل گیا جن سے وہ آیا تھا۔ دروازے پہرے داروں نے کھولے۔ اور اس کے جانے کے بعد بند بھی کر دیے۔ وہ ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔

ایسا سکوت اور خاموشی۔ جیسے وہ کسی سونے سے بنی قبر میں ہو۔

ایک دم وہ بھاگ کے کھڑکی کی طرف لپکی اور پردہ ہٹایا۔ نیچے محل کے سبزہ زار پہ پہریداروں اور ملازموں کی چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ حالم آنکھوں نے فوراً سے عقابی انداز میں اس سارے احاطے کا جائزہ لیا۔ محل کے گیٹ کس طرف ہیں؟ پہریدار کتنے ہیں اور کہاں ہیں؟ فرار کے کتنے راستے ہیں؟ ممکنہ ہتھیار؟ سیکیورٹی جھول؟

(کیا میں ایک قید سے نکل کے دوسری میں آ گئی ہوں؟) ذہن میں کوئی بار بار پوچھ رہا تھا۔

☆☆==========☆☆

بازار کی گلی کے دونوں اطراف دکانوں پہ گاہکوں کا رش لگا تھا۔ ایڈم زیور کی پوٹلی لباس میں چھپائے' لوگوں کے درمیان آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ ادھر ادھر دیکھتا چوکنا' اور محتاط سا۔ لٹو کی شکل والا ہیٹ سر پہ پہن رکھا تھا۔ سو چہرہ مکمل طور پہ واضح نہ تھا۔

چند موڑ مڑے تو ایک دکان کا دروازہ کھلا نظر آیا۔ ایڈم کے قدم اسی جانب اٹھ گئے۔

وہ بڑا سا ہال تھا۔ اندر جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ دور دور تک میزیں بچھی نظر آ رہی تھیں جن پہ بیٹھے لوگ بے فکری سے باتوں میں مصروف قہوے پی رہے تھے اور کھانے کھا رہے تھے۔ ایڈم کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ یہ کوئی سرائے تھی۔ یا شاید قہوہ خانہ۔

اس نے کندھوں کو اکڑایا' اور اندر داخل ہو گیا۔ آگے ایک آدمی چل رہا تھا۔ ایڈم کے جیسے جیسا حلیہ بنائے وہ کندھے پہ ایک تھیلا اٹھائے ہوئے تھا۔ ایڈم نے دیکھا کہ اس نے تھیلا ایک میز پہ دھرا اور کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ پھر چٹکی بجائی اور اندرونی دروازے سے نکلتے لڑکے کو دیکھ کر انگلیوں کی وی دکھائی۔

ایڈم اس کے انداز کی نقالی کرتے ایک دوسری میز تک آیا اور اسی طرح بیرے کو انگلیوں کی وی بنا کے دکھائی۔ لڑکا اثبات میں سر ہلا کے اندر چلا گیا۔ اندر غالباً قہوہ خانے کا باورچی خانہ تھا۔

اب ایڈم نے احتیاط سے قرب وجوار میں بیٹھے افراد کا جائزہ لیا۔لوگ ٹولیوں کی صورت بیٹھے بے فکری سے باتیں کر رہے تھے۔کوئی ہنس رہا تھا' کوئی سنجیدگی سے کچھ سنتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگا رہا تھا۔زبان وہی انجان سی تھی۔

تھوڑی دیر بعد بیرا ان دونوں کے لیے الگ الگ کھانا لے آیا۔پہلے تھیلے والے کے سامنے طشت سجائی۔پھر ایڈم کے پاس آیا اور ایک سوپ کا پیالہ اور ایک مشروب کا گلاس سامنے رکھا۔پیالے میں دھاتی چمچ رکھا تھا جس سے ایڈم نے سوپ چکھا۔مچھلی کا سا ذائقہ آیا مگر برا نہیں تھا۔وہ چمچ بھر بھر کے پینے لگا۔

سنکھیوں سے اس نے دیکھا کہ تھیلے والا کسی کے آواز دینے پہ پیالہ چھوڑ کے اٹھ گیا ہے۔دور تین چار افراد کا ایک گروہ بیٹھا تھا جو ہنس کے اونچے نعروں سے اس کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔تھیلے والا ہنستے ہوئے جواب دیتا باری باری ان سے ہاتھ ملانے لگا۔شاید کوئی پرانے دوست تھے۔

ایڈم نے سوپ درمیان میں چھوڑا' تیزی سے اٹھا اور اس کی میز کے قریب سے گزرتے گزرتے اس کا تھیلا اٹھالیا' پھر پیچھے دیکھے بنا تیزی سے باہر نکل گیا۔اتنے رش میں کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

گلی میں جاتے ہی اس نے ایک طرف سرپٹ دوڑ لگا دی۔وہ بھاگتا رہا' بھاگتا رہا' یہاں تک کہ مکانوں والی اسی گلی میں آ پہنچا جہاں ایک مکان میں صبح انہوں نے لباس تبدیل کیا تھا۔

ایک درخت تلے رک کے گہرے گہرے سانس لیتے اس نے گردن موڑ کے دیکھا۔کوئی اس کا تعاقب نہیں کر رہا تھا۔

''اے میرے اللہ تعالیٰ!'' ایڈم نے بے چارگی سے اوپر دیکھ کے شکوہ کیا۔''اس چوری کا گناہ آپ کو چے تالیہ کے سر ڈالنا ہوگا۔انہوں نے ہی مجھے ایسے کام کرنے کی ترغیب دی ہے۔''

پھر کانوں کو باری باری چھو کے استغفار پڑھا اور تھیلا کھولا۔دن کی روشنی اتنی تھی کہ وہ باآسانی اندر جھانک سکتا تھا۔

اور اندر جھانک کے اسے جھٹکا لگا۔اس میں چند سکوں کے علاوہ قلم' دوات اور کاغذوں کا ایک بنڈل رکھا تھا۔مزید کوئی پیسے نہ تھے۔ایڈم نے کاغذ نکال کے دیکھے۔وہ ذرا سخت مادے کے بنے قدرے زردی مائل سفید تھے۔پہلے صفحے پہ چند الفاظ لکھے تھے۔اس نے پڑھنے کی کوشش کی۔

''بنگارایا ملایو۔'' (ملے گل خطمی۔)

''بنگارایا ملایو!'' اس نے اچنبھے سے دہرایا۔یہ نام اس نے کہاں سنا تھا؟ بنگارایا (گل خطمی) ملائیشیاء کا قومی پھول تھا مگر یہ نام....یہ کچھ سنا سنا لگ رہا تھا۔

اور پھر ایک جھماکے سے اسے یاد آیا۔بنگارایا ملایو تاریخ کی ایک کتاب تھی جو اسکول کے نصاب میں پڑھائی جاتی تھی۔وہ مرسل شاہ کے عہد میں لکھی گئی ایک تاریخی داستان تھی جو شہزادی تاشہ پسونا کی زندگی پہ مبنی تھی۔اس میں اس دور کے حالات کا بھی تذکرہ تھا۔مگر یہ

داستان ایڈم نے کبھی نہیں پڑھی تھی۔اسکول میں اس نے آپشن میں چھوڑ دی تھی' اور شہزادی تاشہ کا جتنا ذکر اسے معلوم تھا' وہ ساتھ والے کلاس فیلوز کی منہ زبانی سن رکھا تھا۔ بنگارایا ملایو پڑھنے کی اس نے زحمت ہی نہیں کی تھی البتہ دوسری تاریخی کتب اس نے ڈھیروں کی تعداد میں پڑھ رکھی تھیں۔

''از عبداللہ بن ابوبکر۔'' ساتھ لکھنے والے نے اپنا نام درج کر رکھا تھا مگر آگے تمام صفحات کورے تھے۔ابھی اس نے کتاب تحریر کرنا شروع نہیں کی تھی۔

تو سرائے والا آدمی کوئی لکھاری تھا۔یا مورخ۔اور اس کو لوگ جانتے پہچانتے تھے۔تبھی چند لمحوں میں وہ لوگوں میں گھر گیا تھا۔ مگر....ایڈم الجھا۔

بنگارایا ملایو کے مصنف کا یہ نام نہ تھا۔اس کا نام کوئی اور تھا۔مگر شاید اسے یاد کرنے میں غلطی ہو رہی ہو۔خیر....اس نے تھیلا کندھے پہ چڑھا لیا۔تھیلے کا لمبا سا اسٹریپ تھا جس کو کندھے پہ پہنو تو تھیلا پہلو میں آگرتا تھا۔

ایڈم نے سکے جیب میں رکھے' ہیٹ سر پہ درست کی اور اب کے قدرے اعتماد سے ایک طرف کو چل دیا۔

☆☆=========☆☆

صبح اس قدیم احاطے پہ بھی پھیلی تھی۔برآمدوں میں بنی طویل جیل کی سلاخوں کے ساتھ کچھ قیدی کھڑے تھے' کچھ نیچے بیٹھے تھے۔وان فاتح بھی ایک کونے میں بیٹھا تھا۔دو آدمی قیدیوں میں کھانا تقسیم کر رہے تھے۔دونوں اس جیل کے پہرے دار بھی تھے۔ایک کی بغل میں تھیلا لٹکا تھا جس میں کھانے کا سامان تھا۔وہ تھیلے میں ہاتھ ڈالتا' ایک گیند جیسی سفید چیز نکالتا اور ایک ایک قیدی کو دیتا آگے بڑھتا جاتا۔قیدی جھپٹ کے اسے تھامتے اور دانتوں سے کترنے لگتے۔دوسرا پہریدار کوڑا (ہنٹر) لہراتا اس کے پیچھے آرہا تھا۔عجیب خوف اور ہیبت تھی اس کے انداز میں۔قیدی سر جھکائے اپنے اپنے توشے تھامتے اور فٹافٹ کھانے لگتے۔

فاتح خاموشی سے کوڑے والے کا کوڑا دیکھ رہا تھا۔یہ کس کے لئے تھا بھلا؟

دفعتاً پہریدار فاتح سے چند قدم کے فاصلے پہ آرکا۔وہاں ایک سنہری بالوں والا قیدی بیٹھا تھا۔وہ البینو تھا۔(پیدائشی بہت گورے سنہری بالوں والے لوگ) چہرے پہ ناراضی اور لاتعلقی تھی۔پہریدار نے کھانا اس کی طرف بڑھایا' اور ابھی البینو نے ہاتھ بھی نہ اٹھایا تھا کہ اس نے کھانا گرا دیا۔

وہ البینو کے قدموں میں مٹی پہ گر گیا۔ جہاں فاتح بے یقین رہ گیا' وہاں سارے میں خاموشی چھا گئی۔سب مڑ مڑ کے دیکھنے لگے۔البینو کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

''اسے کھاؤ!'' پہریدار گرج کے بولا' مگر البینو بس اسے غصے سے دیکھے گیا۔پہریدار دوبارہ چلایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

کوڑے والا آگے آیا اور کوڑا لہرا کے البینو کے بازو پہ مارا۔البینو نے آنکھیں بند کر لیں۔لبوں سے کراہ نکلی۔مگر اس نے ہاتھ نہیں

بڑھایا۔اب ایک پہریدار اس کو مار رہا تھا' دوسرا چلا چلا کے گرد آلود کھانا کھانے کو کہہ رہا تھا' مگر البینو خاموشی سے مار کھاتا رہا۔
قیدیوں کی گردنیں وان فاتح کی طرف گھومنے لگیں۔ نیا آنے والا جری مرد جو سب میں ممتاز لگتا تھا' یقیناً شجاع بھی ہوگا' شاید وہ اس مظلوم کو اس ظلم سے بچائے۔ وہ سب کو اپنی طرف دیکھتا محسوس کر رہا تھا' مگر خاموش بیٹھا رہا۔ بوڑھے کے بازوؤں سے اب خون رسنے لگا تو پہریدار اسے چھوڑ کے آگے بڑھ آئے۔ باقی قیدیوں میں کھانا تقسیم کیا۔ ایک سفید گیند فاتح کی طرف بھی بڑھائی جو اس نے تھام لی۔
ارد گرد بیٹھے لوگ مایوسی سے واپس اپنے اپنے کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان کو امید تھی کہ وہ پہریداروں کو دو لگا دے گا' ان کا ہاتھ روک دے گا' مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ وان فاتح خاموشی سے اپنا کھانا کھا رہا تھا۔ نظریں اب بھی چاروں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ بالکل خاموشی سے۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ شہر میں سمندر کنارے چھوٹی چھوٹی سبز پہاڑیاں بنی تھیں جن میں سے ایک کی چوٹی پہ بندا ہارا کا وہ خوبصورت محل واقع تھا۔ مخروطی چھتوں سے مزین' وہ لکڑی کا بنا محل تھا اور اس کے ہرے بھرے سبزہ زاروں میں شاہی پہریدار پہرہ دیتے دکھائی دے رہے تھے۔
ایک اونچی کھڑکی میں تالیہ مراد کھڑی نظر آ رہی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' سنجیدگی سے وہ نیچے جھانک رہی تھی۔ اس کے تو اتنے لمبے بال بھی نہ تھے جو کھڑکی سے گرا کے اس کی سیڑھی بن جاتے اور اسے آزاد کر دیتے۔
دروازے پہ دستک ہوئی تو وہ مڑی اور پردہ تیزی سے بند کر دیا۔ اب کمرے میں روشنی قدرے کم ہو گئی تھی۔ یہ وہی دیوان خانہ تھا جس میں کچھ دیر پہلے وہ راجہ مراد سے ملی تھی۔ دستک پھر سے ہوئی۔
''آجاؤ یار۔'' وہ سستی سے بولی' پھر فوراً آواز کو بارعب بنایا۔
''آجاؤ!'' کندھے سیدھے کیے اور گردن کڑا لی۔
دروازے کھلے۔ اور ایک ملے لڑکی اندر داخل ہوئی۔ چوٹی بنائے' روایتی لباس کو زرد اور سرمئی رنگ میں پہنے' (گویا یونیفارم ہو) وہ سامنے آئی اور سر جھکا کے سلام کیا۔ ''سلام' شہزادی!''
''ہاں بولو۔''
لڑکی نے آنکھیں اٹھائیں۔ وہ کوئی کنیز لگتی تھی۔
''آقا نے مجھے آپ کی خدمت پہ مامور کیا ہے۔ میرا نام شریفہ ہے۔ آج سے میں آپ کی خاص خادمہ ہوں۔''
''اچھا!'' اس نے بے نیازی سے سر کو خم دیا۔
''مجھے آپ کے لباس کا ناپ لینا ہے۔ آج آپ مہمان خانے میں رہیں گی' صبح تک ہم آپ کے لیے پوشاک تیار کروا دیں گے۔''
''ہاں ٹھیک ہے۔ لے لو ناپ۔'' اس نے ابرو اچکا کے بظاہر لاپرواہی سے کہا۔ کنیز پلٹی اور کسی کو اشارہ کیا۔ ایک لمبی قمیض اور ٹوپی والا

تائی زیان (خواجہ سرا غلام) اور دو کنیزیں اندر آئیں۔ ان کے ہاتھوں میں ناپ کے فیتے' مختلف اوزار اور چند ایک تھال تھے جن پہ طرح طرح کے رنگوں کی ریشم تہہ کی گئی رکھی تھی۔ کسی میں زیورات' کسی میں موتی۔

تالیہ نے ایک نظر دیوار پہ لگے بیضوی آئینے کو دیکھا جس کے کناروں پہ سنہری کام ہوا تھا۔ تالیہ کا عکس اس میں صاف نظر آتا تھا۔ اس کے چہرے پہ بے چینی اور آنکھوں میں ناخوشی تھی۔ عجیب سی اداسی' اور پریشانی۔

یہی سب وہ چاہتی تھی۔ نہیں؟

محل۔ شاہزادیوں والی زندگی۔ زیور۔ مگر.... یہ سب پا کر بھی اسے سب سے زیادہ فکر کس کی تھی؟

اس کی جسے وہ پنجرے میں چھوڑ آئی تھی۔

وہ جس کے ہاتھ بندھے تھے۔

وہ جس کی زنجیریں کھول کے وہ اسے آزاد نہیں کر سکی تھی۔

وہ جو اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا کہ مجھے چھوڑ کے بھاگ جاؤ۔

(وہ یہ کیوں نہیں کہتا تھا کہ میرے ساتھ رہو؟ کب کہے گا وہ یہ؟)

اس نے بازو اٹھا دیے اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی خدمت پہ مامور غلام اور کنیزیں جھٹ پٹ اس کا ناپ لینے لگے۔

(میرے ساتھ رہو۔ تمہیں میری اور مجھے تمہاری ضرورت ہے۔)

وہ آواز.... وہ پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

بازار میں وہی معمول کی گہما گہمی لگی تھی۔ کافی لوگ آ جا رہے تھے۔ بول بھی رہے تھے مگر ویسا شور اور آوازیں نہ تھیں جو اپنے زمانے میں ایڈم نے بازاروں میں سنی تھیں۔ ٹی وی کا شور' ٹریفک کی آوازیں۔ ملاکہ کا قدیم شہر ان سب سے پاک تھا۔ وہاں ایک خاموشی سی تھی۔ مقدس' پرسکون خاموشی۔ جس کو گھوڑوں کے ٹاپوں کی چاپ یا بگھیوں کے پہیوں کی آوازیں بھی گھائل نہ کر سکتی تھیں۔

ایسے میں ایڈم غور سے تمام عمارتوں کو دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ لٹو کی شکل کا ہیٹ سر پہ تھا' اور چوری شدہ تھیلا کندھے پہ۔ وہ ایک ایک دوراہے پہ رکتا' اور پھر اندازے سے ایک طرف بڑھ جاتا۔ رات وہ کس طرف سے بھاگتے ہوئے شہر سے باہر گئے تھے' اس کی اچھی یادداشت کو صد شکر کچھ بھولا نہیں تھا۔

ایک موڑ مڑا تو بے اختیار لبوں سے اطمینان بخش سانس خارج ہوئی۔ سامنے ہی اس وسیع احاطے کا گیٹ تھا جس کے اندر وان فاتح بند تھا۔ ایڈم ٹھہر گیا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ یہ بازار کا ہی علاقہ تھا' رہائشی علاقہ نہ تھا۔ یہاں گلی میں ایک ہی چائے خانہ بنا نظر آ رہا تھا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھ گیا۔

اس چائے خانے میں بیٹھ کے وہ آسانی سے اس احاطے پہ نظر رکھ سکتا تھا۔ وان فاتح کے "قریب" پہنچ کے ہی اس کے اندر توانائی بھر گئی تھی۔

☆☆==========☆☆

وہ احاطہ دراصل ابوالخیر نامی امیر تاجر کی حویلی کے گرد بنا تھا اور برآمدے میں تعمیر شدہ وہ طویل جیل اس کی ذاتی ملکیت تھی جہاں فاتح سمیت بہت سے دوسرے انسان قید تھے۔ رات بھر وہ اندر مقید رہتے اور دن بھر وہ مشقت کرتے۔

صبح سلاخ دار دروازے کھول دیے گئے اور پہریدار قیدیوں کو قطار کی صورت باہر نکال لائے۔ ہر قیدی کے پیروں اور ہاتھوں میں لمبی زنجیر بندھی تھی۔ اتنی لمبی کہ وہ ہاتھ پیر ہلا کے کام کر سکتا تھا' اتنی چھوٹی کہ وہ تیز بھاگ نہ سکتا تھا۔

پہریدار دو قیدیوں کو اپنے ساتھ حویلی کے اندر لے گئے اور جب واپس آئے تو وہ دونوں ان کے ہمراہ نہ تھے۔ جانے ان کے ساتھ کیا ہوا۔ کوئی پوچھنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

باہر سڑک پار ایک اونچی عمارت بنائی جا رہی تھی جس کے پاس لکڑی' گارے' مٹی اور اینٹوں کے ڈھیر لگے تھے۔ قیدیوں کو وہاں تعمیراتی کام کرنا تھا۔ باہر آتے ہی تمام قیدی روز کی روٹین کے مطابق اپنے اپنے کام میں جت گئے۔ فاتح بھی انہی لمبی زنجیروں میں بندھا تھا۔ جینز گھٹنوں سے پھٹ گئی تھی اور سفید شرٹ شدید گدلی ہو چکی تھی۔ شیو بھی پانچ روز کی بڑھی ہوئی تھی۔ دوسرے غلاموں کی پیروی میں وہ بھی خاموشی سے کام کرنے لگا۔ دھوپ تیز تھی اور زنجیروں کے باعث چلنے میں مشکل پیش آتی تھی مگر اس نے گارے کا تھال سر پہ رکھا اور اس طرف لے جانے لگا جہاں دوسرے قیدی جا رہے تھے۔

سورج سوا نیزے پہ پہنچا تو فاتح سڑک پہ چلتے لوگوں سے بے نیاز کھڑا' ایک دیوار پہ گارا لیپتا دکھائی دے رہا تھا۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ وہ بار بار آستین سے پیشانی پہ آیا پسینہ پونچھتا۔ سڑک کنارے وہ لوگ دیوار تعمیر کر رہے تھے۔ ادھر اس کا ہاتھ ڈھیلا پڑتا' ادھر کوئی پہریدار آ کے کمر پہ چھڑی رسید کرتا۔

قریب میں ایک خوانچہ فروش اپنی ریڑھی دھکیلتا آ رہا تھا۔ جب وہ فاتح کے قریب پہنچا تو کسی گاہک نے اسے روک لیا۔ وان فاتح اپنے ساتھ کھڑی ریڑھی سے بے نیاز دیوار پہ ہاتھوں سے گارا لگا رہا تھا۔

"سر!" سرگوشی پہ اس کے ہاتھ ٹھٹھک کے رکے۔ چونک کے مڑنے لگا مگر.....

"گارڈز دیکھ رہے ہیں سر۔ میری طرف مت گھومیں۔ اپنا کام کریں۔" فاتح نہیں گھوما' بس آہستہ سے ازسرنو گارا ملنے لگا۔ پھر اسی آہستگی سے رخ ذرا سا موڑ لیا۔

اب اسے کنکھیوں سے نظر آ رہا تھا کہ ریڑھی کے ساتھ سر جھکائے' ہیٹ پہنے' وہ معزز سا دکھائی دیتا آدمی ایڈم ہی تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ لب ہلائے بغیر بولا۔ دل کو سکون سا ملا تھا۔

''جی سر۔ مگر آپ ٹھیک نہیں ہیں۔'' ایڈم سر جھکائے' منہ میں بولتا' بڑھی کی ایک ایک چیز اٹھا کے دیکھ رہا تھا۔

''اور تالیہ؟'' اس نے اپنے متعلق سوال نظر انداز کیا۔

''آہ.....چے تالیہ!'' ایڈم نے گہری سانس بھری۔ ''وہ بھی ٹھیک ہیں۔ بلکہ سب سے زیادہ تو وہی ٹھیک ہیں۔''

''تم الور سونگائی کیوں نہیں گئے؟ تمہیں مراد کو ڈھونڈنا تھا۔'' فاتح اب جھک کے تھال سے مزید گارا ہاتھوں پہ اٹھا رہا تھا۔ انداز میں ناخوشی تھی۔

''ہم شہر سے باہر تک گئے' پھر چے تالیہ ہمیں واپس لے آئیں۔ وہ آپ کو چھوڑ کے نہیں جانا چاہتی تھیں۔''

''بے وقوف!'' خفگی سے سر جھٹک کے سیدھا ہوا اور پتھروں کی تہہ پہ گارا ابھرا۔ ''ابھی کہاں ہے وہ؟''

''صبح ہم نے ایک گھر سے کپڑے.....ادھار لے کر پہنے (تھوک نگل کے کہا) اور پھر ہم بازار آ گئے۔ وہاں سے وہ مجھے رات میں ملنے کا کہہ کے بنداہارا کے محل چلی گئیں۔''

''وہ محل کیوں چلی گئی؟''

ایڈم نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کے فاتح کو دیکھا' جس کا یہاں سے نیم رخ نظر آتا تھا۔ وہ سنجیدہ صورت بنائے گارے کی تہہ پہ پتھروں کی تہہ لگا رہا تھا۔ پسینے سے بھیگے بال شکن آلود پیشانی پہ جمے تھے۔

''وہ دراصل.....بات یہ ہے کہ.....'' ایڈم نے تھوڑی کھجائی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسے یہ بات کہے۔ ''چے تالیہ کو ابھی معلوم ہوا ہے کہ.....وہ خود ہی.....دراصل.....شہزادی تاشہ ہیں۔''

گارا لیپتے وان فاتح کے ہاتھ تھم گئے۔ بالکل ساکت۔

''جی' یہ سچ ہے' سر۔'' اس کی خاموشی پہ ایڈم کا حوصلہ بڑھا۔ ''وہ شہزادی تاشہ جن کے قصے ہم پڑھتے تھے' جن کے بارے میں بنگارا یا ملایو لکھی گئی تھی' وہ دراصل چے تالیہ ہی ہیں۔ وہی بنداہارا کی بیٹی ہیں' اور وہ.....''

فاتح سر جھکا کے ایک دم ہنس پڑا۔ ایڈم کے الفاظ منہ میں رہ گئے۔

''اس نے محل کی طرف جانے سے پہلے تمہیں کہا کہ وہ شہزادی تاشہ ہے اور تم نے یقین کر لیا؟'' محظوظ انداز میں سر جھٹکا تو ایڈم کو سمجھ نہیں آئی وہ کیا کہے۔

''سر' وہ واقعی.....''

''This is Taliyah for you , Adam!'' وہ اب بدقت مسکراہٹ دبا کے دیوار پہ گیلی مٹی لیپ رہا تھا۔ ''وہ ایک کون آرٹسٹ ہے' وہ کہانیاں گھڑتی ہے' She lies for a living۔ اس نے تم سے مذاق کیا.....ایک کہانی گھڑ دی اور تم نے یقین کر لیا۔ تمہیں کتنی دفعہ بتایا ہے میں نے کہ وہ تمہیں تنگ کرنے کے لئے ایسا کرتی ہے۔''

''نہیں سر' آپ غلط سمجھ رہے ہیں' وہ واقعی....''

''وہ جہاں بھی جا رہی ہوگی' وہ شیئر نہیں کرنا چاہتی ہوگی۔ تھوڑی عقل استعمال کرو۔ اس کی عادت ہے تمہارے ساتھ مذاق کر کے تمہیں شرمندہ کرنا۔''

خوانچہ فروش اب ایڈم سے مایوس ہو چکا تھا جو ہر چیز کو مسلسل الٹ پلٹ کے دیکھے جا رہا تھا مگر خریدنے کی بات نہیں کرتا تھا۔ تنگ آ کے وہ اپنی ریڑھی دھکیلنے لگا۔ پہریدار دور کھڑے نگرانی کر رہے تھے۔ ایڈم نے بےبسی سے اطراف میں دیکھا۔ یہاں کھڑے رہنے کا جواز چھوٹ رہا تھا۔

''سر....وہ واقعی میں شہزادی تاشہ ہیں' وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھیں' وہ....''

''مراد کو ڈھونڈو۔ الور سونگائی جاؤ اور چابی لے کر آؤ۔ اور اگر مراد قید میں ہے تو اس قید خانے کا پتہ لگاؤ۔''

فاتح کام میں مصروف تھا۔ ایڈم کے پاس اب آگے بڑھ جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

تھال خالی ہوا تو فاتح نے زنجیر والے ہاتھوں سے اسے اٹھاتے ہوئے پیچھے دیکھا۔ ایڈم اب وہاں نہیں تھا۔

''تالیہ بھی اس بےچارے کے ساتھ بہت زیادتی کر دیتی ہے۔'' مسکراہٹ دبا کے سر جھٹکا اور تھال اٹھائے آگے بڑھ گیا۔

☆☆=========☆☆

عشاء کی اذان کے ساتھ ہی ملاکہ شہر کی ساری مشعلیں اور قندیلیں بجھتی گئیں۔ مسجدوں سے گھروں کا رخ کرنے کے بعد لوگوں نے دروازوں کے کنڈے چڑھا لئے اور کھڑکیوں کے پردے گرا دیے۔ شہر گھپ اندھیرے میں ڈوب گیا۔ اوپر تاروں سے جھلملاتا آسمان البتہ خوب خوب روشن تھا۔

ایسے میں چند مکانوں کے عقب میں ایک درخت تلے ایڈم بیٹھا تھا۔ تھیلے کو سینے سے لگائے' وہ احتیاط سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے گرد و نواح میں دیکھتا تھا۔ رات کے اس پہر سب کچھ سنسان اور خاموش تھا۔

''ایڈم!'' پیچھے سے نسوانی سرگوشی ہوئی تو وہ اچھل ہی پڑا۔ پھر تالیہ کو دیکھ کے جان میں جان آئی۔ وہ صبح والے لباس میں تھی' مگر سر پہ لٹو والا ہیٹ تھا۔ ایڈم نے چہرے پہ خفگی طاری کی۔

''کہاں تھیں آپ؟'' دبی دبی آواز میں پوچھا۔

''میں اپنے بابا کے پاس گئی تھی۔ راجہ مراد میرے بابا ہیں۔'' وہ اس کو دیکھتے ہوئے جلدی سے بولی۔ اداس بھی لگ رہی تھی۔ سنہری بال جوڑے میں تھے اور چند لٹیں گالوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ ایڈم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ مذاق تو نہیں کر رہیں نا؟''

''نہیں۔ میں تو کامیڈین ہوں۔ میری زندگی میں تم سے مذاق کرنے کے علاوہ دوسرا کام کون سا رہ گیا ہے؟'' اس کے تو سر پہ لگی تلووں

پہ بجھی۔ایڈم خفیف سا ہوا۔

"نہیں میرا مطلب ہے میں کیسے یقین کروں کہ آپ ایک دم سے شہزادی نکل آئی ہیں ہاں؟ کل تک تو آپ لکڑ ہارے کی بیٹی تھی اور آج بنداہارا کی؟"

تالیہ نے گہری سانس لی۔

"دیکھو ایڈم!" آرام سے سمجھانے لگی۔"اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی حیثیت کے مطابق نوازتا ہے۔کسی کو کچھ کم دیتا ہے کسی کو زیادہ دیتا ہے۔تمہیں اللہ تعالیٰ نے صرف کھوپڑی سے نوازا ہے اور اندر دماغ کے نام پہ جو دیا ہے نا وہ پہلے ہی بہت تھوڑا ہے۔اس پہ زیادہ زور دو گے تو خدانخواستہ ختم ہو جائے گا۔سو چپ کر کے میری بات سنو!" ٹون بدل کے غرائی تو ایڈم کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔

"اچھا۔مان لیا۔آپ ہی شہزادی ہیں۔" بھنویں اکٹھی کر کے ناراضی سے بولا۔"تو پھر شہزادی تاشہ پہ اتنے دن سے غصہ کیوں کر رہی تھیں؟"

"کیونکہ میں اپنے خواب کو ٹھیک سے سمجھ نہیں سکی تھی۔جس شہزادی کو اس میں ظالم کہا جا رہا تھا وہ یان سوفو تھی۔شہزادی تاشہ کوئی نہیں تھی۔میرے بابا سلطان مرسل کے پھوپھی زاد ہیں۔سلطان مرسل کے والد کی حکومت میں ان کو شہر بدر کر دیا گیا تھا۔وہ الور سونگائی نامی گاؤں چلے گئے اور وہاں باغیوں کی ایک تنظیم بنائی جس کا نام پمبورو تھا۔وہ سلطان کی پالیسیز سے نالاں تھے اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کچھ کرنا چاہتے تھے مگر جب سلطان مر گیا اور اس کا بیٹا مرسل سلطان بن گیا اور اس کے بنداہارا اور شہزادی یان سوفو نے مل کے پمبورو کے لوگوں کو گرفتار کیا اور ان کے گھر اجاڑے تو بابا نے اپنے لوگوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور بنداہارا کے ساتھ مل گئے۔یوں بنداہارا نے ان کو دوست سمجھ کے ان کو مرسل سے معافی دلوا دی۔اس کے بعد بابا نے مرسل شاہ پہ جانے کون سا جادو کیا کہ بابا کے کہنے پہ مرسل نے پچھلے بنداہارا کو پھانسی چڑھا دیا اور بابا کو بنداہارا کی گدی دے دی۔اب شہزادی یان سوفو بابا کی دشمن ہو گئی ہے۔چند دن بعد اس کی سلطان مرسل سے شادی ہو رہی ہے مگر مجھے لگتا ہے مرسل شاہ اپنی شہزادی سے زیادہ میرے بابا کے زیرِ اثر ہے۔"

"بڑے کوئی ولن ہیں آپ کے بابا۔وہی تو میں سوچ رہا تھا کہ آپ کس پہ گئی ہیں۔" پھر تالیہ کے گھور کے دیکھنے پہ گہری سانس لی۔"خیر.....ہمیں ان کی لڑائیوں سے کیا۔آپ یہ بتائیں آپ کے بابا چابی دے رہے ہیں یا نہیں؟"

"یہ سب اتنا سادہ نہیں ہے۔" وہ ڈپٹ کے بولی اور سارے دن کی روداد سنا دی۔اندھیرے میں درخت تلے کھڑے وہ دو ہیولے لگتے تھے جو دبی سرگوشیوں میں بات کر رہے تھے۔

"یعنی راجہ مراد آپ کو اسی دنیا میں رکھنا چاہتے ہیں اور وہ چابی کے بارے میں کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہیں؟" وہ ساری بات سن کے سوچتے ہوئے بولا۔

"وہ عجیب انسان ہیں ایڈم۔شاطر چالاک اور بہت ہشیار۔ہمیں ان سے چھپا کے پلان کرنا ہے جو بھی کرنا ہے۔"

''آپ باہر کیسے نکلیں محل سے۔''

''چھتیں پھلانگنا اور دیواریں کودنا آتی ہیں مجھے۔'' ناک سے مکھی اڑائی۔

''تو اب آپ محل میں رہیں گی؟'' قدرے رشک سے اسے دیکھا۔

''ہاں۔تم ابھی کسی سرائے میں رہ لو۔میں تمہارے لئے سکے لائی ہوں۔'' اس نے ایک پوٹلی سی ایڈم کی طرف بڑھائی۔ایڈم نے جلدی سے وہ تھام لی۔''یہ تو بھاری ہے۔خیر....اب تو آپ کے پاس کافی دولت آگئی ہو گی۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔بمشکل ایک کمرے سے نکال کے لائی ہوں۔کسی کو اپنی طرف سے مشکوک بھی تو نہیں کر سکتی نا۔'' پھر ٹھہر گئی۔اور غور سے دیکھا۔ایڈم تھیلے میں پوٹلی ڈال رہا تھا۔

''یہ تم نے کہاں سے لیا؟ دکھاؤ۔'' مشکوک انداز میں بولی تو اس نے جھٹ تھیلا کھول کے دکھایا۔

''ایک سرائے میں بیٹھے کسی آدمی سے چرایا ہے۔وہ بنگار ایا ملایو کے نام سے کتاب لکھ رہا تھا مگر پیسے وغیرہ نہیں تھے اس کے پاس۔کنگال رائٹر۔ہونہہ۔'' مایوسی سے کورے صفحے نکال کے دکھائے اور واپس اندر ڈال دیے۔پھر یاد آیا۔

''میں آج ملا فاتح صاحب سے۔''

تالیہ چونکی۔''واقعی؟''

''جی بے تالیہ۔ان کو ساتھی قیدیوں سمیت اس احاطے کے باہر والی دیوار کی تعمیر کا حکم ملا ہے' وہ وہیں تھے۔میں نے ان سے بات کی۔ان کو یہ سب....'' (تالیہ کی طرف شرمندہ سا اشارہ کیا۔) بھی بتایا۔''

''یہ سب کیا؟''

''یہی کہ...آپ ہی....(تھوک نگلا) شہزادی تاشہ ہیں۔''

''اچھا!'' اس نے گردن ذرا اکڑاتے ہوئے نزاکت سے لٹ انگلی سے پیچھے کی۔''تو کیا کہا انہوں نے؟'' سرسری سا پوچھا۔

''یہی کہ آپ تو پیدائشی چور ہیں اور ماشاءاللہ سے جھوٹی کہانیاں گھڑنا آپ کے بائیں ہاتھ کا کام ہے اس لیے یہ بھی کوئی کہانی ہی ہے جو آپ نے مجھے فیڈ کر دی ہے اور بہتر ہے کہ میں آپ کی بات کا یقین نہ کروں اور الور سونگائی جا کر لکڑہارے مراد کو ڈھونڈوں' اس سے چابی لوں' اور ہم تینوں واپس چلے جائیں۔ان کو لگتا ہے میں آپ کی من گھڑت کہانیوں پہ جلدی اعتبار کر لیتا ہوں کیونکہ....'' آنکھیں سادگی سے جھپکائیں۔''میں کتابیں جو بہت پڑھتا ہوں۔''

ادھر اس کی بات ختم ہوئی' ادھر دانتوں پہ دانت جمائے تالیہ مراد کا چہرہ مارے غصے کے سیاہ پڑتا گیا۔

''ہونہہ۔ان کو انسانوں کی پہچان کبھی بھی نہیں تھی۔'' اور پیر پٹخ کے اٹھ گئی۔ایڈم نے ہڑبڑا کے پکارا۔

''آپ جا رہی ہیں....تو پھر اب ہم کہاں ملیں گے؟''

''کل صبح احاطے کے سامنے وان فاتح کے ساتھ میرا انتظار کرنا۔روشنی ہونے کے پورے گھنٹے بعد میں تم سے ادھر ہی ملوں گی۔'' وہ مڑے بغیر بولی اور آگے بڑھ گئی۔ایڈم ارے ارے کرتا رہ گیا مگر وہ اندھیرے میں گم ہو چکی تھی۔

ایڈم نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا۔شہر گھپ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔مکان تاریک پڑے تھے۔سرائے چند کوس کے فاصلے پہ تھی۔وہ وہاں پہلے ہی کمرہ لے چکا تھا' اور اسے چینی سمجھ کے اشاروں کی زبان میں بات کر کے سرائے کے مالک نے تسلی بھی کر لی تھی۔اس کا کمرہ فی الحال اس کا انتظار کر رہا تھا سو وہ اسی سمت میں چل دیا۔یہ تھیلی اس کے لیے کافی تھی۔

☆☆=========☆☆

صبح سورج کا تھال ملاکہ کے قدیم آسمان پہ نمودار ہونے لگا تو روشنی کی کرنیں سلاخ دار دیوار سے اندر گرنے لگیں۔دو پہریدار حسبِ معمول دروازے تک چلتے آئے تو ان کے قدموں کی چاپ سن کر قیدی بیدار ہونے لگے۔گدلے میلے جسموں اور کپڑوں والے بے حال مقید لوگ....کوئی اٹھ کھڑا ہوا' کوئی کونے میں کھسک گیا۔

ایسے میں اپنی جگہ پہ اکڑوں بیٹھا وان فاتح بار بار اس البینو کو دیکھ رہا تھا جو پہریداروں کی آمد کے ساتھ ہی غصے میں نظر آنے لگا تھا۔اس کے چہرے پہ کرب اور نفرت کے ملے جلے تاثر نمودار ہو گئے تھے جیسے وہ ایک خاموش احتجاجی لڑائی کے لئے تیار ہو۔ہر روز اس کا کھانا گرا دیا جاتا تھا اور اسے ذلیل کیا جاتا تھا۔شاید وہ کوئی معزز آدمی تھا جو ان کی قید میں آ پھنسا تھا اور وہ اپنے خودداری اور باعزت زندگی کو بھول نہیں پا رہا تھا۔

تالہ کھول کے دونوں پہریدار اندر داخل ہوئے' ایک ہنٹر لہرا رہا تھا اور دوسرے نے کھانے کا تھیلا اٹھا رکھا تھا۔باری باری کھانا بانٹتا وہ پہریدار آگے بڑھتا گیا' یہاں تک کہ وہ البینو کے پاس آ رکا۔دوسرے قیدی خاموشی سے انہیں دیکھنے لگے کہ چلو دیکھتے ہیں آج کیا ہوتا ہے۔

پہریدار نے تمسخر سے اسے دیکھتے تھیلے سے چاولوں کی گیند نکالی اور اس کی طرف بڑھائی۔پھر ابرو سے اشارہ کیا گویا کہہ رہا ہو''لے لو۔''

فاتح تیزی سے اٹھا اور پہریدار کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

جہاں پہریدار چونکا' وہیں سارے میں خاموشی چھا گئی۔سب نے دم سادھ لئے۔

فاتح نے کھانا لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔اپنی گہری آنکھیں وہ پہریدار کی آنکھوں میں ڈالے ہوئے تھا۔کوئی رعب تھا یا کیا' پہرے دار نے کھانا گرانے کی بجائے اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔

فاتح نے اس کی آنکھوں سے نظریں ہٹائے بغیر....گیند کو خود زمین پہ گرا دیا۔

بہت سے لوگوں کے منہ کھل گئے۔البینو خود دھک سے رہ گیا۔ہنٹر والے کا ہوا میں ہنٹر لہراتا ہاتھ ٹھہر گیا۔

پھر فاتح نیچے جھکا' گرد آلود گیند اٹھائی' اس کی گرد جھاڑی اور کھڑے ہوتے ہوئے الیبنو کی طرف مڑا۔

''اٹھو!'' جدید ملے میں کہتے ہوئے انگلی سے اشارہ کیا۔ بھلے الفاظ الیبنو کو نہ سمجھ آئے ہوں' مگر اشارہ سب کو سمجھ میں آ رہا تھا۔ الیبنو بس اسے دیکھتے ہوئے دھیرے سے اٹھ گیا۔

''اسے کھاؤ! ابھی!'' سختی سے کہہ کے کھانا اس کے ہاتھ پہ رکھا۔ ''کسی دوسرے سے دشمنی میں اللہ کے رزق سے منہ نہیں موڑتے۔ ہمارا جسم بھی ہمارے پاس اللہ کی امانت ہوتا ہے۔''

الیبنو نے میکانکی انداز میں کھانا لبوں کی طرف بڑھایا' تو فاتح نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ ''ٹھہرو۔'' پھر مڑا اور ہنٹر والے کی طرف اشارہ کر کے تھیلے والے سے بولا۔

''یہ آیندہ.... اس قید خانے میں.... یہ ہنٹر لے کر... نہیں آئے گا۔ اس سے کہو.... یہ واپس جائے۔'' وہ چبا چبا کے کہتا ساتھ میں اشارہ بھی کر رہا تھا۔ دو دفعہ پھر اس نے اپنی بات دہرائی۔

''یہ آدمی آج سے روز کھانا کھائے گا' ہر آدمی کھانا کھائے گا مگر یہ ہنٹر لے کر دوبارہ اندر نہیں آئے گا۔ ٹھیک؟'' اس کی آنکھیں پہریدار کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ پیچھے الیبولبوں کے قریب توشہ روکے ہوئے کھڑا تھا۔ سارے قیدی دم سادھے اس طرف دیکھ رہے تھے۔

تھیلے والے نے اثبات میں سر ہلایا اور ہنٹر والے کو اشارہ کیا۔ اس کے چہرے پہ غصہ اور مزاحمت در آئی۔ اس نے احتجاجاً کچھ کہا مگر جواباً تھیلے والے نے اسے جھڑک دیا۔ ہنٹر والے نے برہمی سے فاتح کو دیکھا' پھر زور سے ہنٹر زمین پہ مارا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

فاتح نے الیبنو کو اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے بیٹھا اور کھانا کھانے لگا۔ تھیلے والے پہریدار نے ایک گیند نکال کے فاتح کی طرف بڑھائی۔ فاتح نے ایک نگاہِ غلط اس پہ ڈالتے ہوئے اسے تھام لیا۔

پہریدار اب خاموشی سے باقی قیدیوں کو ان کا کھانا دینے لگا' البتہ بار بار وہ مڑ کے فاتح بن رامزل کو دیکھتا ضرور تھا۔

☆☆=========☆☆

سنہری صبح ملاکہ کی اس پہاڑی پہ پھیل رہی تھی۔ نیچے سمندر کی لہریں ٹھاٹھیں مارتی دکھائی دے رہی تھیں اور اوپر محل کی اونچی کھڑکیوں کے پردے ہوا سے لہرا رہے تھے۔ ایسی ہی ایک کھڑکی سے اندر جھانکو تو سامنے مسہری پہ تالیہ مراد بیٹھی نظر آ رہی تھی۔

کسی بت کی طرح گردن کڑائے' کمر سیدھی رکھے' وہ سپاٹ چہرہ لئے ہوئے تھی۔ دو کنیزیں اس کو تیار کر رہی تھیں۔ اس نے سرخ کامدار لباس پہن رکھا تھا' جیسے لہنگا ہو اور اوپر لمبی قمیض۔ کانوں میں قیمتی پتھر جڑے آویزے تھے۔ ایک کنیز اس کے بالوں کا اونچا جوڑا بنا رہی تھی اور دوسری ناخن تراش رہی تھی۔ شریفہ نامی کنیز ہاتھ باندھے سامنے کھڑی تھی۔

''بابا کہاں ہیں؟'' دفعتاً تالیہ نے شریفہ سے سپاٹ انداز میں پوچھا۔

''راجہ مراد محل کے لئے روانہ ہونے والے ہیں۔''(اس کا اشارہ سلطان کے محل کی طرف تھا جو یہاں سے چند کوس کے فاصلے پہ واقع تھا۔)

''مجھے ان سے ملنا ہے۔'' تالیہ نے ایک دم ہاتھ کھینچا اور بے چینی سے کھڑی ہوئی۔ دوسری کنیز کے ہاتھ سے اس کے بال بھی نکل گئے۔

''میں ان کو خبر کر دیتی ہوں شہزادی۔ وہ ملنا چاہتے ہوں گے تو روانگی کو موخر کر دیں گے۔ آپ یہیں بیٹھیے۔'' شریفہ نے ادب سے کہا تو وہ ذرا سنبھلی۔ پھر سرسری سا ''ہاں' خبر کر دو'' کہہ کے مصنوعی انداز میں گردن کڑائی اور واپس بیٹھ گئی۔ شریفہ باہر نکل گئی اور دونوں کنیزیں اس کو تیار کرنے لگیں ۔

''شہزادی آپ کے بالوں کا رنگ اتنا حسین کیسے ہے؟'' پیچھے کھڑی کنیز نے اس کے بال سنوارتے ہوئے حسرت سے پوچھا۔

''زیادہ سوال مت پوچھو۔ اپنا کام کرو۔'' وہ رعب سے بولی تو کنیز خفیف سی ہو کے جلدی جلدی بال بنانے لگی۔

دوسری کنیز اٹھی اور پاؤڈر سے بھرا پیالہ لے آئی۔ تالیہ نے اس میں جھانکا اور ناک چڑھائی۔

''یہ کیا ہے؟''

''یہ سنگھار ہے۔ خالص ترین گندم کو پانی میں پندرہ دن تک رکھتے ہیں' پھر پیس کے' چھان کے' سکھا دیتے ہیں۔ استعمال کرنے سے پہلے اسے عرقِ گلاب میں ملاتے ہیں۔ چہرے کو خوب سفید کر دیتا ہے یہ۔''

(آہ۔ فاؤنڈیشن۔) وہ گہری سانس بھر کے رہ گئی۔ کنیز ان مہارت سے وہ اس کے چہرے پہ لگا رہی تھی۔ پھر انجلیکا کے سرخ پتوں کے سفوف سے اس کے گالوں کو گلابی کیا۔ اسکے بعد ڈبیا سے ایک پیسٹ انگلی پہ نکالا اور ہونٹوں پہ ملنے لگی۔ وہ چربی اور نازبو سے تیار کردہ لپ اسٹک تھی۔ دوسری کنیز اس کا جوڑا بنا چکی تھی اور سامنے کو نکالی لٹوں کو اب گرم دہکتے لوہے کے راڈ پہ لپیٹ کے گھنگریالا کر رہی تھی۔

وہ چپ چاپ سارے کام اپنے اوپر ہوتے دیکھتی رہی۔ دیوار پہ لگے آئینے میں اس کا سجا سنورا روپ بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ جنگل میں اتنے دن مٹی سے اَٹے چہرے سے پھرنے کے بعد اسے ہر شے قبول تھی۔

☆☆=========☆☆

راجہ مراد جس کمرے میں اس کا انتظار کر رہا تھا وہ اس کا دربار تھا۔

تالیہ کے سامنے جب پہریداروں نے دروازے کھولے تو اس نے دیکھا' وہ مستطیل کمرہ ہے' اور سیدھ میں قالین بچھے ہیں۔ دائیں بائیں کرسیاں قطار میں رکھی ہیں۔ جب دربار لگتا تو وہاں درباری بیٹھتے تھے۔ ابھی وہ خالی تھیں۔

قالین جہاں ختم ہوتا وہاں اونچا چبوترہ بنا تھا جس پہ راجہ مراد تخت پہ شان سے بیٹھا میز پہ رکھے کاغذات دیکھ رہا تھا۔ سنہری اور سفید شاہی پوشاک پہنے' سر پہ سرخ ریشمی پٹی باندھے' اس کی نظریں کاغذوں پہ جھکی تھیں۔ آہٹ پہ محض نظر اٹھا کے دیکھا تو سامنے سے سرخ سنہری لباس میں مسکراتی ہوئی تالیہ چلتی آ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتا رہا' یہاں تک کہ وہ قریب آ گئی اور چبوترے کے زینوں کے ساتھ رکی۔

''بابا!''مسکرا کے بولی۔''صبح بخیر۔''

راجہ مراد نے صرف سر کو خم دیا۔ ہاتھ ہنوز رد کے ہوئے تھا۔

''آپ کو محل کے لئے روانہ ہونا ہے' اس لئے میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ میں اس چابی کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ مجھے وہ چابی دوبارہ بنا دیں' تو میں اپنی دنیا میں واپس جا سکتی ہوں۔ مجھے وہاں چند ایک کام نپٹانے ہیں' اس کے بعد میں واپس آ جاؤں گی' یہی میرا گھر ہے اور میں اپنے محل کو کبھی بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ مجھے واپس آنا ہی ہے۔ مگر چند دن کے لئے مجھے ادھر جانا ہوگا' سو اگر آپ....''وہ ایسے پیار سے کہہ رہی تھی جیسے کسی بچے کو بہلایا پھسلایا جاتا ہے۔

''تم سیدھ میں نہیں چلتیں۔''وہ سنجیدگی سے اس کو دیکھتے ہوئے بولا تو تالیہ کے الفاظ ٹوٹ گئے۔

''جی؟''

''تمہاری چال درست نہیں ہے' تمہارا لہجہ خراب ہے' تمہارے آدھے الفاظ سمجھ میں نہیں آتے' تم بہت تیز تیز گفتگو کرتی ہو۔ تم نے بات کا آغاز کرنے سے پہلے سر جھکا کے مجھے سلام نہیں کہا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محل میں آنے کے بعد تم مجھے 'بابا' نہیں 'بنداہارا' کہو گی۔ تمہیں ابھی تربیت کی ضرورت ہے۔''اس نے کاغذ رکھے' اور ایک شان سے اپنا چغہ سمیٹتے ہوئے اٹھا۔ چبوترے پہ کھڑا وہ تالیہ کو بہت اونچا' بہت پر ہیبت لگا تھا۔

اس نے بے اختیار تھوک نگلا۔

''چابی۔ مجھے وہ چابی چاہیے' بابا۔''

''میرے پاس کوئی چابی نہیں ہے' تاشہ۔ آج کے بعد میں اس کا ذکر بھی نہیں سننا چاہتا۔ وہ سب پیچھے رہ گیا ہے۔''وہ چبوترے کے زینے اترا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا' پھر دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پہ رکھے۔ ایسی آہنی گرفت تھی وہ کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

''تمہاری دنیا یہ ہے' وہ نہیں۔ وہاں تمہارے لئے کچھ نہیں تھا۔ میں چاہتا ہوں تم اس دنیا کو بھلا کر یہیں رہو۔ عیش و عشرت سے زندگی گزارو۔ راج کرو۔ دولت اور طاقت کا مزہ حاصل کرو۔ میں کبھی بھی دوبارہ تمہارے منہ سے اس دنیا کا ذکر نہیں سننا چاہتا۔ وہ باب اب بند ہو چکا' تاشہ!''اس کے الفاظ تھے کہ کوئی یخ بستہ ہوا جو تالیہ کی ہڈیوں میں گھس کے خون کو جما رہی تھی۔

وہ پھیکا سا مسکرائی اور سر کو اثبات میں خم دیا۔

''جیسے آپ کا حکم' بابا۔''مراد نے اس کے کندھوں سے ہاتھ ہٹائے اور آگے بڑھ گیا۔

حالم کا دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔ ایک دم وہ مڑی۔

''مگر اُس دنیا کے محل زیادہ خوبصورت تھے آقا۔ میں تو ایک دن میں ہی اس محل سے اکتا گئی ہوں۔ کیا ہم اس کی تزئین و آرائش نہیں کر

سکتے؟''

مراد کمر پہ ہاتھ باندھے باہر جا رہا تھا' اس بات پہ رکا اور واپس پلٹا۔

''یہ محل کافی خوبصورت ہے' تاشہ! اور محل تو کیا' ملاکہ بھی بہت خوبصورت ہے۔ تمہاری دنیا سے زیادہ خوبصورت۔'' پھر وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''تمہیں شاید اس بات پہ یقین نہیں ہے۔ تم یوں کرو' اپنے شاہی عملے کے ساتھ شہر کا دورہ کر آؤ۔ تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ ملاکہ اور تمہاری دنیا میں کیا فرق ہے۔'' اور پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھ گیا۔

(ہماری دنیا اور آپ کی دنیا بہت مختلف ہے' راجہ مراد!) وہ تندہی سے سوچ گئی۔ ماتھے پہ بل پڑے تھے۔ پہلا مرحلہ تو طے ہوا۔ اسے باہر جانا تھا مگر حالم ہمیشہ ایسے بات کرتا تھا کہ سامنے والے کو لگے' سارا آئیڈیا اسی کا تو تھا۔ اب وہ باآسانی باہر جا سکتی تھی۔ پلان اے۔ چابی مانگنے کی آخری کوشش بھی ناکام گئی تھی۔ مگر خیر۔ وہ صرف ایک کمزور سا پلان اے تھا۔ اب اسے پلان بی پہ عمل کرنا تھا۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ شہر کے بازار میں صبح سویرے ہی رونق لگ گئی تھی۔ گاہکوں کا رش دکانوں پہ لگا تھا۔ خوانچہ فروش صدا لگاتے اپنا سامان بیچ رہے تھے۔ ایسے میں بازار کی اس گلی میں آؤ جہاں وہ احاطہ واقع تھا تو اس کے سامنے والی زیر تعمیر حویلی کے اندر باہر مزدور کام پہ لگے دکھائی دیتے تھے۔ حویلی کی چار دیواری ایک جگہ سے چار ہاتھ اونچی تھی اور اس کے اوپر وان فاتح جھکا کھڑا تھا۔ اس کے پاس ڈرائی وڈ اور پتھروں کی بنی اینٹوں کا ڈھیر لگا تھا' اور وہ گارے سے لتھڑے ہاتھوں سے ان کو اٹھا اٹھا کے دیوار پہ جما رہا تھا۔ سفید گدلی شرٹ مزید گدلی ہو چکی تھی۔ بانہوں پہ کل والی مٹی ہنوز جمی تھی اور ذرا ذرا سا گارا ماتھے اور گال پہ بھی لگا تھا جس سے وہ بے نیاز' بے خبر نظر آتا تھا۔

''سر!'' ایڈم نے قریب آ کے پکارا تو وہ چونک کے پلٹا۔ ایڈم کے سر پہ ہیٹ تھا اور ہاتھ معزز افراد کی طرح کمر پہ باندھ رکھے تھے۔ لباس کل والا تھا۔ فاتح نے فوراً پہریداروں کی طرف دیکھا' اور پھر قریب کھڑے الیجو کو اشارہ کیا۔ الیجو نے سر ہلایا اور آس پاس کھڑے تین چار قیدیوں کو نگاہوں کی زبان میں کچھ کہا۔ چند ہی لمحوں میں تمام مزدور اپنی اپنی جگہ سے آگے پیچھے ہٹ گئے' اور انہوں نے کچھ اس طرح سے اپنی ترتیب جوڑی کہ دور کھڑے پہریداروں کے راستے میں حائل ہو گئے۔ فاتح اور ایڈم ان کی نظر سے چھپ گئے۔

''لگتا ہے آپ نے کچھ نئے دوست بنا لئے ہیں' سر!'' ایڈم متعجب ہوا۔ جس ریڑھی کی اوٹ میں وہ کھڑا تھا' اس کو بھی بھول گیا کیونکہ اب کوئی پہریدار اس طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ ''کل تک تو یہ آپ کے دوست نہیں تھے۔''

فاتح نے مسکرا کے گارے میں لتھڑی اینٹ اٹھائی اور دیوار پہ جمائی۔

''کل تک وہ مجھے کوئی جنگجو سمجھ رہے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ میں ان کے لیے پہریداروں سے لڑائی کر لوں۔''

''تو کیا آپ جنگجو نہیں ہیں' سر؟''

''ہر ایک کا لڑنے کا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔ میں سیاست دان ہوں۔ میں مفاہمت' بات چیت اور تدبیر سے درمیانی راہ نکالنے پہ یقین رکھتا

ہوں‘ جس میں دونوں فریقین کو ان کی مرضی کی شے مل جائے۔ خیر۔‘‘ اس نے سر جھٹکا۔ پھر احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا۔ ’’تم بتاؤ‘ کیا تم الور سونگائی جا رہے ہو تالیہ کے بابا کو ڈھونڈنے؟‘‘

’’نہیں۔ پچ تالیہ نے مجھے کہا تھا کہ وہ مجھے یہیں ملیں گی۔ ابھی کچھ دیر میں۔‘‘ ایڈم نے ہیٹ ذرا اوپر سرکایا۔

’’اس کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا یہاں آنا خطرناک ہے۔ تم دونوں کو چاہیے کہ فوراً یہاں سے نکلو۔‘‘ وہ واقعی جھنجھلایا۔

’’سر.... وہ....‘‘ ایڈم نے بار بار لب کھولے‘ پھر بند کر دیے۔ فاتح گارے سے لتھڑے ہاتھ کمر پہ رکھے‘ ناخوشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

’’تم وقت ضائع کر رہے ہو۔‘‘

’’سر... شہزادی تاشہ دراصل (تھوک نگلا) پچ تالیہ ہی ہیں۔‘‘

فاتح نے اچنبھے سے دونوں ابرو اٹھائے۔ ’’واقعی؟ اور یہ تمہیں تالیہ نے خود بتایا ہے؟‘‘

’’جی۔ وہ سچ کہہ رہی ہیں۔ بنداہارا ان کے بابا ہی ہیں۔ راجہ مراد۔ اور وہ اب محل کی مکین ہیں۔‘‘

’’اچھا اور تم نے اپنی آنکھوں سے یہ سب دیکھا ہے؟ اس کا محل‘ اس کا باپ؟‘‘

ایڈم نے بے اختیار گردن کی پشت کھجائی۔ ’’نہیں‘ مگر انہوں نے کہا تھا کہ شہزادی تاشہ وہ خود ہی ہیں.... وہ شہزادی تاشہ جن کے قصے ہم کتابوں میں پڑھتے آئے ہیں۔ وہ تمام قصے ابھی پیش نہیں آئے۔ وہ اب پیش آنے ہیں۔ اور اب وہ تاریخ کا حصہ بنیں گے۔‘‘

’’اوکے!‘‘ وہ قدرے برہمی سے مڑا اور زور زور سے اینٹیں اٹھا کے دیوار پہ جمانے لگا۔ ایڈم نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ ’’سر... اگر وہ واقعی شہزادی ہیں تو وہ بے پناہ اختیارات کی مالک ہوں گی‘ اور یوں....‘‘

فاتح تیورا کے اس کی طرف گھوما اور افسوس سے اسے دیکھا۔

’’تمہیں واقعی اس کے اس افسانے پہ یقین ہے؟‘‘

ایڈم نے جواب نہیں دیا۔ وہ فاتح کے کندھے سے پیچھے کچھ دیکھ رہا تھا۔ لب آدھے کھل گئے تھے۔ بازار میں شور سا مچا تھا۔ منادی کرنے والے نے اعلان کیا۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آئی۔ سپاہیوں نے بگل بجائے۔ بازار میں بکھرے لوگوں نے سٹ کے دونوں اطراف میں قطاریں بنالیں۔ سر ادب سے جھکا لئے۔ راستہ صاف ہو گیا۔

فاتح بن رامزل کسی خواب کی سی کیفیت میں گھوما۔

سامنے سڑک صاف تھی اور اس پہ شاہی سپاہی چمکتی تلواریں لئے چلتے آ رہے تھے۔ ان کے پیچھے سنہری اور چاندی رنگ کی بگھی تھی جس کی چھت کھلی تھی۔ ایسے کہ بگھی میں بیٹھی ’شاہزادی‘ صاف دکھائی دے رہی تھی۔

وقت کا جادو تھا.... یا تاشہ پسونا کا سحر.... وہ بالکل مبہوت رہ گیا.....

سرخ زرتار لباس پہنے.... بالوں کا جوڑا بنائے.... بالوں پہ ہیروں کا تاج سجائے.... بڑی شان سے کہنیاں اطراف میں جمائے‘ وہ

مسکراتی ہوئی قطار میں ہاتھ باندھے کھڑے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ سرخ لباس بگھی کی سیٹ پہ پھول کی طرح پھیلا تھا۔ منادی کرنے والا اس کے بارے میں لوگوں کو آگاہی دے رہا تھا اور لوگ اشتیاق سے گردنیں اٹھا اٹھا کے' ایڑھیاں اونچی کر کے بنداہارا کی سندر بیٹی کو دیکھ رہے تھے۔

اور وان فاتح بالکل ساکت ہوئے کے ایل کے اس بہروپیے کو دیکھ رہا تھا جس کو ہر طرح کا بھیس بدلنا آتا تھا۔ وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں حیرت سے زیادہ بے یقینی اور تعجب تھا۔

شہزادی تاشہ نے ہاتھ اٹھا کے اشارہ کیا تو بگھی بان نے بگھی روک دی۔ کسی نے لپک کے دروازہ کھولا۔ کسی نے نیچے پائیدان رکھا۔ وہ اسی شان سے زینے اترتی نیچے آئی۔

لوگ مزید پیچھے ہٹنے لگے۔ تالیہ ٹہلنے والے انداز میں دکانوں کے سامنے سے گزرنے لگی۔ پھر ایک دکان کے چھپر کے قریب رکی۔ ادھر میز پہ بہت سے سرخ سیبوں کا ڈھیر لگا رکھا تھا۔ تالیہ نے سیبوں میں ہاتھ ڈالا... چند سیب ادھر ادھر ہٹائے اور جب ہاتھ باہر نکالا تو اس میں ایک موٹی سی سنڈی تھی۔

''کیا تم سنڈیوں اور کیڑوں والے سیب لوگوں کو کھلا رہے ہو؟'' سنڈی لہرا کے اس نے دکاندار کو دکھائی اور پھر غصے سے نیچے پٹخی۔ دکاندار کا منہ کھل گیا۔ ہجوم میں کئی لوگوں نے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''گرفتار کر لو اس دکاندار کو۔ اس کو اپنی لاپرواہی کی سزا ملنی چاہیے۔'' شہزادی تحکم سے بولی تو سپاہیوں نے جھٹ سے دکاندار کو پکڑا اور اسے گھسیٹتے ہوئے آگے لے گئے۔ وہ بے چارا چیختا چلاتا رہا مگر اس کو کوئی نہیں سن رہا تھا۔

لوگ مزید پیچھے کھسکنے لگے۔ بازار میں ایک خوف کی فضا قائم ہو رہی تھی۔

اور وان فاتح....وہ بالکل خاموشی سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

شہزادی اب سڑک پہ آگے بڑھ رہی تھی۔ ایک ادا سے وہ اپنا انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ ریڑھیوں کے کناروں پہ پھیرتی جا رہی تھی۔ دفعتاً وہ ٹھہری۔ دائیں جانب ایک ریڑھی پہ کپڑوں کے تھان رکھے تھے۔ ریڑھی والے نے اسے اپنے پاس رکتے دیکھ کے ہی دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ تالیہ نے دو انگلیوں میں مسل کے کپڑے کو دیکھا۔

''کیا یہ تم چین سے لائے ہو؟''

ریڑھی بان نے جھٹ سر اثبات میں ہلایا۔ ''جی!''

''اسے بھی پوچھ گچھ کے لئے محل لے جاؤ۔ میں جاننا چاہتی ہوں یہ دوسرے ملک سے مال برآمد کرنے پہ محصول (ٹیکس) بھی دیتا ہے یا نہیں۔'' شہزادی نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں کہا تو ریڑھی بان نے گھبرا کے سپاہیوں کو دیکھا۔ وہ بنا کسی تامل کے اس پہ جھپٹے اور اسے کھینچ کے لے گئے۔

''چے تالیہ ویسے شہزادی کے روپ میں اتنی بری نہیں لگ رہیں۔'' ایڈم نے قدرے جوش سے فاتح کے قریب سرگوشی کی۔ (رش کے باعث سب اکٹھے کھڑے ہو گئے تھے ... ایڈم کا اس کے ساتھ کھڑے ہونا کسی کو قابل توجہ نہیں لگا تھا۔)

''یہ معصوم لوگوں کو کیوں گرفتار کر رہی ہے؟'' وہ دور سے آتی شہزادی کو دیکھ کے ذرا الجھن سے بولا۔

''یقیناً یہ لوگ معصوم نہیں ہوں گے۔ بے شک چے تالیہ چور ہیں' فراڈ ہیں' مگر اتنا مجھے یقین ہے کہ وہ کسی اچھے اور نیک انسان کو کبھی گرفتار نہیں کروائیں گی۔'' ایڈم نے خلوص سے کہتے ہوئے اسے تسلی دی۔ وہ ہیٹ ذرا اٹھا کے تالیہ کو دیکھتا فخر سے مسکرا رہا تھا۔ اس سے سارے گلے شکوے اس کو اس پراعتماد روپ میں دیکھ کر ختم ہونے لگے تھے۔

''اس ہیٹ والے آدمی کو بھی گرفتار کرلو۔ یہ گستاخ میری طرف دیکھ کے تمسخرانہ اشارے کر رہا ہے۔'' شہزادی نے تندہی سے ایڈم کو دیکھتے ہوئے دور سے اس کی طرف اشارہ کیا تو سپاہی اس جانب لپکے۔ دوسرے لوگوں نے جلدی جلدی راستہ چھوڑا۔

ایڈم بن محمد کا منہ کھل گیا۔ بے اختیار وہ پیچھے ہٹا۔

''مم .... میں نے کیا کیا ہے؟ چے تا ... شہزادی تاشہ .... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ چھوڑو مجھے .... ارے چھوڑو مجھے۔'' مگر اس کی چیخ و پکار کا سپاہیوں پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسے دبوچ کے آگے لے گئے۔ ایڈم ان کی گرفت میں مسلسل پھڑ پھڑاتے ہوئے چلا رہا تھا۔ ششدر' حیران' پریشان۔

تالیہ نے گردن اٹھا کے اوپر دہکتے سورج کو دیکھا اور پھر نزاکت سے اپنی پیشانی چھوئی جس پہ پسینے کی نادیدہ بوندیں موجود تھیں۔

''میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ واپس چلو۔'' غلام کو اسی بے نیازی سے حکم دیا اور بگھی کی طرف مڑی۔ مڑتے مڑتے ایک لمحے کو اس نے فاتح کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ شہزادی کو متوجہ پا کر ایک ابرو اٹھائی اور لب بے آواز ہلائے۔ ''سیر ئیسلی؟''

ملاکہ کی شہزادی نے دور کھڑے اس بدحال 'غلام' پہ نظریں جمائے ادب سے پلکیں جھکا کے اٹھائیں اور ہونٹوں کو جنبش دی۔ ''توانکو'' (میرے آقا) اور دونوں پہلوؤں سے کامدار لباس اٹھائے بگھی پہ سوار ہو گئی۔

لوگ پھر سے اطراف میں سمٹ کے شاہی قافلے کو راستہ دینے لگے۔

وہ اسی طرح خاموشی سے دور جاتی بگھی کو دیکھے گیا۔

(''وہ اتنی پیاری تھی ڈیڈ کہ وہ کسی پریوں کی وادی سے آئی ہوئی لگتی تھی۔''

''میرا خیال ہے وہ کوئی فراڈ تھی جو کسی دوسرے کی جگہ ناجائز طریقے سے ہتھیانے جا رہی تھی۔''

''ہر کوئی آپ کے ان سیاستدانوں جیسا نہیں ہوتا' ڈیڈ۔''

''میں سچ بولوں بیٹا تو تمہیں برا لگتا ہے۔ مگر وہ کوئی پری نہیں تھی۔''

''پھر وہ شہزادی تھی۔ چاہے آپ مانیں یا نہ مانیں۔'')

اور اب بھی ننھی آریانہ اس کے کان میں سرگوشی کر رہی تھی۔

"وہ شہزادی ہے ڈیڈ۔ چاہے آپ مانیں یا نہ مانیں۔"

☆☆=========☆☆

تالیہ محل کے اندر سبزہ زار پہ آ کے بگھی سے اتری تو دیکھا... سبزے کے اختتام پہ جہاں سے محل شروع ہوتا تھا' وہاں بیرونی زینے بنے تھے۔ ان کے قدموں میں مسلح سپاہیوں کا ہجوم لگا کھڑا تھا۔ وہ لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے' تیز تیز چلتی سامنے آئی تو سپاہیوں نے راستہ چھوڑا۔

زمین پہ ایک پھٹے پرانے لباس والا بدحال آدمی رسیوں سے بندھا' سجدے کی حالت میں پڑا تھا۔ اس کے بال لمبے اور سفیدی مائل تھے۔ چہرے اور بازوؤں پہ تشدد کے صاف نشانات نظر آتے تھے۔

دائیں جانب ایک جلاد کھڑا تھا جس کا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپا تھا اور ہاتھ میں تیز دھار چمکتی ہوئی ننگی تلوار تھی۔ وہ بار بار اوپر محل کے داخلی دروازے کی طرف دیکھتا جہاں دروازے بند تھے۔ گویا وہ سب کسی کے منتظر تھے۔

"کون ہے یہ آدمی؟ اس کو کیوں مارا جا رہا ہے؟" وہ بے یقینی اور اضطراب سے ان سب کو دیکھتی پوچھ رہی تھی۔

اندر اپنے کمرے میں بندا ہارا مراد راجہ کھڑا تھا۔ اس کے سامنے کنیز شریفہ ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ مراد کمر پہ ایک ہاتھ رکھے' سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"کیا تم میری بیٹی پہ نظر رکھ رہی ہو؟"

"جی' راجہ۔" اس نے سر کو گہرا خم دے کر نظریں اٹھائیں۔ "شہزادی کی ہر حرکت پہ میری نظر ہے اور میں اس کی خبر آپ کو دیتی رہوں گی۔ ابھی ابھی شہزادی بازار سے واپس آئی ہیں۔ میں قافلے سے آگے تھی اس لیے جلدی پہنچ گئی۔ بازار میں..." وہ تذبذب سے رکی۔

"بازار میں کیا؟" وہ سپاٹ سا بولا۔

"شہزادی کافی نازک طبع واقع ہوئی ہیں۔ انہوں نے کھڑے کھڑے معمولی باتوں پہ تین راہگیروں اور دکانداروں کو گرفتار کر کے شاہی قید خانے میں ڈلوا دیا ہے۔"

"کیسی باتوں پہ؟" اس نے سوچتے ہوئے ابرو اٹھائی۔

"میں وہیں موجود تھی۔ کوئی خاص بات نہ تھی۔ کسی کو محصول نہ دینے' کسی کو صفائی کا خیال نہ رکھنے پہ گرفتار کیا ہے اور ایک کو تو صرف اس بات پہ کہ اس نے شہزادی کی طرف دیکھ کے اشارہ کیا ہے۔ شہزادی شاید صرف ان لوگوں کو اذیت دینا چاہتی تھیں۔"

"اونہوں۔ وہ مجھے تنگ کرنا چاہتی ہے تاکہ میں اسے واپس بھیج دوں۔" وہ سوچ میں ڈوبا بولا۔ شریفہ چونکی۔

"واپس کہاں؟ چین؟"

مراد نے چونک کے اسے دیکھا اور سر جھٹکا۔ "ہاں۔ چین۔ اب تم جاؤ اور اس پہ نظر رکھو۔ اس کی ایک ایک حرکت کی خبر مجھے ہونی چاہیے۔"

"راجہ...." وہ ڈرتے ڈرتے نظریں جھکائے بولی۔ "شہزادی آپ کی صاحبزادی ہیں۔ کیا آپ کو ان سے .... کسی قسم کا کوئی.... خطرہ ہے؟ یا کوئی....؟" اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ کے تھوک نگلا۔

مراد راجہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا۔ شریفہ کا دل زور سے دھڑکا۔ سر مزید جھکالی۔

"نیچے دالان میں ایک آدمی جلاد کے ہاتھوں اپنی موت کا انتظار کر رہا ہے۔ جانتی ہو اس کا جرم کیا تھا؟"

شریفہ نے نظریں مزید نیچے کر لیں اور کپکپاتی آواز میں بولی۔ "کیا؟"

"وہ میرے ہر کام کی ٹوہ رکھتا تھا۔"

"مجھے معاف کر دیجیے راجہ۔" وہ ایک دم جھکی اور راجہ مراد کے جوتوں پہ دونوں ہاتھ رکھ دیے۔ "میری جان لے لیجیے۔ آئندہ آپ میرے لبوں سے کوئی سوال نہیں سنیں گے۔"

مراد نے کوفت سے پیر ہٹایا اور آگے بڑھ گیا۔

جب وہ محل سے نکلا اور بیرونی زینے اترنے لگا تو اس کی شاہی پوشاک زمین کو چھو رہی تھی اور بازو کمر پہ بندھے تھے۔

نیچے جلاد کے قریب تالیہ کھڑی تھی۔

"بابا...." اسے دیکھتے ہی بے چینی سے زینے چڑھتی اوپر آئی۔ "یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ آدمی پرانے بنداہارا کا تائی ثریان (غلام) ہے۔ کیا آپ اس کو اس لئے سزا دے رہے ہیں کیونکہ...." آواز دھیمی کی۔ "کیونکہ یہ آپ کے مخالف کا آدمی تھا؟ یا واقعی اس نے کوئی ناقابلِ تلافی جرم بھی کیا ہے؟"

تالیہ اس سے تین زینے نیچے کھڑی تھی۔ اس لیے راجہ کو دیکھنے کے لیے گردن پوری اٹھائے ہوئے تھی۔

"اور اگر اس نے کوئی جرم نہیں کیا سوائے جنگی جرائم کے تو آپ اس کو معزول کر کے جلاوطن کر دیں۔ یہ آپ کی سلطنت میں کبھی دوبارہ داخل نہیں ہو سکے گا۔ لیکن کیا اس کو مارنا ضروری ہے؟"

راجہ مراد نے اپنا ہاتھ کمر کے پیچھے سے نکالا اور ہتھیلی پھیلائی۔ تالیہ نے نازک انگوٹھیوں سے مزین اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے نیچے اترنے لگا۔

سیڑھیوں کے قدموں میں کھڑے سپاہی منتظر سے راجہ کو دیکھ رہے تھے۔ وہ دونوں نیچے اتر آئے تو راجہ اس کو ساتھ لئے آگے چلا گیا۔

سپاہی پیچھے رہ گئے۔ وہ دونوں گھاس کنارے بنی پتھریلی روش پہ آگے بڑھتے گئے۔

دفعتاً راجہ ٹھہرا اور پورا اس کی طرف گھوما۔ تالیہ کا ہاتھ ہنوز اس کے ہاتھ میں تھا۔

''تاشہ...'' وہ نظریں اس پہ جمائے نرمی سے پوچھنے لگا۔ ''تم اپنی اس دنیا میں سب سے زیادہ کس چیز کے پیچھے بھاگی تھیں؟''

''دولت کے!'' وہ بنا پلک جھپکے اس کی گہری آنکھوں میں دیکھ کے بولی۔

''اور کیا تم اس دولت کو حاصل کر پائی؟''

اس کی نگاہوں کے سامنے حالم کا بنگلہ، قیمتی لباس اور زیور گھوم گئے تو اس نے سر ہلا دیا۔

''کسی حد تک۔ جی ہاں۔''

''اور کیا تم وہ ساری دولت دنیا کو دکھا پائی یا تم نے اس کا ایک بڑا حصہ چھپا دیا؟ صندوقوں میں؟ زمین میں؟ دور دراز جزیروں پہ؟ جیسے ہماری دنیا میں چھپایا جاتا ہے۔''

مراد نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا تھا۔ بنا پلک جھپکے اب وہ تالیہ کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سرد تھے مگر تالیہ کے گرم تھے۔

''جی۔ چھپا دیا تھا۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ (حالم کے مکان کے تہہ خانے میں چھپائی گئی پینٹنگز، اور نوادرات۔ بینکوں میں رکھا گیا پیسہ۔ اسے سب یاد آ گیا۔) ''میں نے تقریباً سب کچھ ہی چھپا دیا۔''

''کیونکہ دولت چھپانے سے محفوظ رہتی ہے مگر طاقت دکھانے سے بڑھتی ہے۔ تم دولت کی تمنا کرتی ہو۔ میں طاقت کی کرتا ہوں۔ تبھی تو دولت چھوڑ کے الور سونگائی جا بسا تھا۔ کیونکہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتیں۔ جب دولت ملے تو صرف دولت ملتی ہے۔ مگر جب طاقت ملے تو دولت خود بخود کھنچی چلی آتی ہے۔ اس لئے طاقت چھپا کے نہیں رکھی جاتی۔ اس کو دکھانا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ آدمی....'' تالیہ کی آنکھوں پہ نظریں جمائے ابرو سے قیدی کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ ایک آدمی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک 'قربانی' ہے۔ اس کی موت ظلم نہیں ہے، بلکہ ایک پیغام ہے۔ جب نیا حکمران کسی علاقے پہ آتا ہے تو وہ ایک بستی کو تباہ ضرور کرتا ہے تاکہ ساری سلطنت میں ایک پیغام چلا جائے کہ حکمران.... بدل چکا ہے۔ اور وہ کسی کو رعایت نہیں دے گا۔ مجھے افسوس ہے اس تائی ژیان کے لئے مگر اس کو چھوڑ دینے سے میں دنیا کو کیا پیغام دوں گا؟ کہ راجہ مراد ایک پھانسی چڑھے بنداہارا کے خاص غلام کو مار تک نہیں سکا؟ کیا راجہ مراد اتنا کمزور نکلا؟ چڑیا کے دل جیسا کمزور؟'' وہ تعجب سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے ٹھنڈے ہاتھوں میں تالیہ کے ہاتھ مقید تھے اور وہ یک ٹک اس کو دیکھ رہی تھی۔ سارے الفاظ ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

''طاقت دولت کی طرح چھپانے والی چیز نہیں ہے۔ یہ مظاہرے سے بڑھتی ہے۔ مضبوط ہوتی ہے۔ اور یہ آدمی صرف ایک پیغام ہے۔ کہ اس ملک پہ حکمرانی کرنے والا چہرہ بدل چکا ہے۔ دھاک بٹھانے کے لئے ایسے پیغام دینے پڑتے ہیں۔''

اس نے تالیہ کا ایک ہاتھ چھوڑ دیا، اور دوسرے سے تھامے واپس قدم بڑھا دیے۔ وہ بالکل گم صم سی اس کے ساتھ چلی آئی۔ یہاں تک کہ وہ دونوں اس قیدی کے قریب آ رکے۔

سجدے میں جھکے رسیوں سے بندھے قیدی نے اپنا چہرہ اٹھایا اور آنکھیں چندھیا کے راجہ مراد کو دیکھا۔

''ایک دن یہ وقت تم پہ بھی آئے گا' مراد راجہ....ڈرو اس وقت سے....'' وہ غم و غصے سے اونچی آواز میں بولا تھا۔

راجہ مراد نے کمر پہ دونوں ہاتھ باندھ لئے اور گردن جھکا کے سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا۔

''تمہاری کوئی آخری خواہش؟''

قیدی نے گہری سانس لی اور قدرے سیدھا ہو کے بیٹھا۔ پھر گردن کڑائی اور ذرا ٹھہرے ہوئے انداز میں کہنے لگا۔

''میری آخری خواہش یہ ہے کہ میرے دونوں بیٹوں اور میری بیوی کو....''

راجہ مراد نے ایک دم قریبی سپاہی کے نیام سے تلوار کھینچی اور ایک ہی وار میں قیدی کی گردن پہ پھیر دی۔

اس کے الفاظ ٹوٹ گئے۔ گردن سے لکیر کی صورت خون نکلا۔ ساتھ ہی چہرے پہ شاک اور خوف ابھرا۔ پھر لبوں سے خون باہر کو چھلکا۔

گردن سے چند چھینٹے تالیہ کے چہرے پہ گرے۔ اس کی آنکھیں مارے شاک کے پوری کھل گئیں۔ وہ بے اختیار پیچھے ہٹی۔

اگلے لمحے...قیدی بیٹھے بیٹھے منہ کے بل زمین پہ گر گیا۔

خاک کا جسم خاک میں جا ملا۔

مراد راجہ نے استعجاب سے ابرو اچکا کے اپنے پیروں میں گٹھری صورت پڑی نعش کو دیکھا۔

''کیا اسے واقعی لگا تھا کہ مجھے اس کی آخری خواہش سننے میں دلچسپی ہے؟''

پھر اس نے اپنے لباس سے رومال کھینچ اتارا اور تلوار پہ شروع سے آخر تک پھیرا۔ رومال نے خون صاف کر دیا۔ تلوار کی چمک لوٹ آئی ۔اس نے تلوار سپاہی کی طرف اچھال دی۔

''اس کی گردن اتار کے چوک میں لٹکا دو اور لوگوں میں منادی کرا دو کہ سلطان مرسل شاہ کے بنداہارا کے خلاف سازشیں کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔'' کہہ کے وہ مڑا۔ ہاتھ پیچھے باندھ لئے اور زینے چڑھنے لگا۔

تالیہ ابھی تک ہکا بکا کھڑی تھی۔ چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور گالوں پہ خون کے چھینٹے نظر آ رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ کے بازار پہ سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ مزدور ابھی تک زیرِ تعمیر حویلی پہ کام میں مصروف تھے۔ بھوکے پیاسے' تھکے ہارے' وہ نڈھال سے ایک ایک شے اٹھا کے مطلوبہ جگہوں پہ فراہم کر رہے تھے۔ فاتح ایک ریڑھی پہ لکڑیاں لادے' زنجیروں کے باعث بدقت اس کو دھکیلتا آگے بڑھ رہا تھا۔ بار بار آستین سے پیشانی کا پسینہ بھی پونچھتا۔ پھر دانت پہ دانت جمائے ضبط سے اسے آگے دھکیلنے لگتا۔

دفعتاً کسی نے اس کا کندھا تھپتھپایا تو وہ ذرا چونک کے گھوما۔

سامنے دو پہریدار کھڑے تھے۔ ایک وہی تھا جو صبح کھانا دینے آتا تھا۔ دوسرا کوئی اور تھا۔

''کیا؟'' اس نے کندھے اچکا کے پوچھا۔

جواب میں پہریدار دونوں ہاتھوں کے اشارے سے اسے کچھ سمجھانے لگا۔ فاتح نے آنکھیں چندھیا کے باری باری دونوں کو دیکھا۔

''تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ آؤں؟'' اشارے سے تصدیق چاہی۔ پہریدار نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اچھا۔ چلو۔'' فاتح نے گردن کو جنبش دی اور ریڑھی کو ذرا دھکیل کے ایک طرف کھڑا کرنے لگا۔ ایسا کرتے ہوئے اس نے ریڑھی پہ رکھی لکڑیوں میں سے ایک نوکیلا تیز لکڑی کا ٹکڑا اٹھا کے مٹھی میں دبا لیا اور پھر ان کے ہمراہ چلنے لگا۔

وہ دونوں اسے واپس احاطے میں لے آئے۔ اس نے سختی سے نوکیلا ٹکڑا مٹھی میں بھینچ رکھا تھا۔ جسم کا رواں رواں الرٹ تھا۔ ابھی کسی نے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو وہ اس کو ان کے اندر اتارنے سے دریغ نہیں کرے گا۔

احاطے کا اندرونی دروازہ کھول کے وہ ایک راہداری میں آگے بڑھتے گئے۔ وان فاتح کے اعصاب تن رہے تھے۔ وہ غیر آرام دہ محسوس کر رہا تھا۔ مگر رکا نہیں۔ ان کے ساتھ چلتا گیا۔ ایک کے بعد دوسری راہداری۔ یہ حویلی کا اندرونی حصہ تھا اور کافی خوبصورت تھا۔ دیواروں میں بنے خانوں میں چینی کے خوبصورت برتن سجے تھے۔ چھت سے جلتے ہوئے فانوس لٹک رہے تھے۔ وہ اطراف کا سرسری جائزہ لیتا آگے بڑھتا گیا۔

وہ اسے ایک بڑے کمرے میں لے آئے۔ مستطیل کمرہ جو بہت وسیع تھا۔ وہ استعجاب سے گردن گھما گھما کے دیکھنے لگا۔ مٹھی میں بھینچے لکڑی کے ٹکڑے پہ گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

وہاں لکڑی کی اونچی لمبی میزیں بچھی تھیں۔ چولہے بنے تھے۔ ٹوکریوں میں سبزیاں رکھی تھیں۔ پکوان چڑھے تھے۔ اشتہا انگیز خوشبو۔ دھواں۔

یہ یقیناً اس حویلی کا باورچی خانہ تھا۔

''یہ ساتھ والا کمرہ تمہارا ہے۔ اور یہ لباس تم آج سے پہن کے کام کرو گے۔'' پہریدار نے ایک تہہ شدہ لباس اس کی طرف بڑھایا تو وہ چونکا۔

لکڑی کا ٹکڑا آہستہ سے پہلو میں گرا دیا۔ اور پھر احتیاط سے لباس تھام لیا۔ باورچی خانے میں موجود تمام لوگ اس طرح کے سرمئی لباس میں ملبوس تھے۔ پاجامہ اور ڈھیلی سی لمبی قمیص۔ وہ سب ہاتھ روک کے اس کو دیکھنے لگے۔

ایک سفید بالوں والا آدمی قریب آیا اور اپنی زبان میں پہریدار سے کچھ پوچھا۔ پہریدار نے جواباً کچھ بتایا اور پھر فاتح کی کلائیوں کی زنجیر چابی سے کھولنے لگا۔ پھر اس نے اس کے پیر آزاد کیے۔ ان کا کام ختم ہوا۔ وہ فاتح کو اس بوڑھے کے حوالے کر کے چلے گئے۔

بوڑھا اسے اپنے ساتھ ایک اور کمرے میں لے آیا جہاں حمام تھا۔

بھاپ اڑاتا پانی۔ صاف کپڑے۔ صندل کی خوشبو لئے ٹکیاں۔

کچھ دیر بعد وہ دوبارہ باورچی خانے میں داخل ہوا تو اس کے گیلے بال پیچھے کو سمٹ چکے تھے اور سرمئی پاجامے قمیص میں وہ تر و تازہ اور نکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ بوڑھے نے فوراً ایک پیالہ اس کی طرف بڑھایا۔ فاتح نے اسے تھام لیا تو دیکھا' اندر سوپ تھا جس میں گوشت کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ اس نے بے اختیار دوسرے کارکنوں کو دیکھا جواب چوکیوں پہ بیٹھے اپنا کھانا کھا رہے تھے۔ ان کے پیالے اس سے چھوٹے تھے اور ان میں جھلکتا سوپ پتلا تھا اور کم بھی۔

بوڑھے نے اشارہ کیا تو وہ ایک لکڑی کے اسٹول پہ بیٹھا اور پیالہ لبوں سے لگایا۔ لذیذ سوپ اندر تک اتر کے جسم میں توانائی بھرتا گیا۔ گھونٹ بھر کے فاتح نے یونہی کھڑکی کو دیکھا تو عقبی طرف باغیچہ سا نظر آ رہا تھا جس میں دنبے اور بکرے بندھے کھڑے تھے۔ قطار میں بندھے پہلے بکرے کو ایک آدمی جھک کے گھاس کھلا رہا تھا۔

ہری ہری ڈھیر ساری گھاس.....اس آدمی کی پشت فاتح کی طرف تھی۔ بکرا نہیں دیکھ سکتا تھا کہ اس کی پشت پہ ایک تیز دھار ٹوکا بندھا تھا۔ ایسا ٹوکا جس سے بکرے کو باآسانی ذبح کیا جا سکتا تھا۔ وان فاتح نے ایک نظر اس کے آگے ڈالے گئے گھاس پہ ڈالی اور دوسری اپنے پیالے میں تیرتے ابلے گوشت کے ٹکڑوں کو۔

اس کا دل ایک دم کھانے سے بیزار ہونے لگا۔ وہ بے دلی سے پیالہ واپس رکھ دینا چاہتا تھا مگر.....کسی بھی وجہ سے رزق سے منہ نہیں موڑتے۔ رزق اللہ بھیجتا ہے۔ وہ جبراً سوپ پینے لگا۔

☆☆=========☆☆

محل کے گنبد دھوپ میں پگھل پگھل رہے تھے۔ کھلی کھڑکیوں کے باعث اندر بھی سارے میں روشنی پھیلی تھی مگر تہہ خانے میں جاتی گول گول سیڑھیوں سے نیچے جاؤ تو وہاں بنی جیل اندھیر پڑی تھی۔ دیوار پہ مشعلیں روشن تھیں جن سے اتنا نظر آتا تھا کہ بڑے سے کمرے میں دو اطراف میں کوٹھڑیاں بنی ہیں جن کے سلاخ دار دروازے ہیں اور درمیان میں گزرنے کا راستہ ہے۔

ایسی ہی ایک کوٹھڑی میں بیڑیوں میں بندھا ایڈم موجود تھا۔ زمین پہ اکڑوں بیٹھے' ہاتھوں میں سر گرائے' وہ حیران پریشان سا لگ رہا تھا۔ بار بار پیشانی پہ بل آتے' کبھی آنکھوں میں غصہ در آتا' اور کبھی مضطرب ہو جاتا۔ سارا دن گزر گیا' نہ کچھ کھانے کو ملا نہ کوئی حال پوچھنے آیا۔ باقی دونوں قیدی جو اس کے ساتھ کوٹھڑی میں بند تھے مسلسل آہ و بکا کر رہے تھے۔ اور بار بار اپنا قصور تو وہ بھی پوچھے جا رہا تھا مگر پہریداروں کے کانوں پہ جوں تک نہ رینگتی تھی۔

اوپر محل کی بارہ دریوں سے گزر کے شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں آؤ تو کھڑکیوں کے ریشمی پردے ہٹے ہوئے تھے اور ڈھلتے سورج کی دم توڑتی روشنی اندر جھانک رہی تھی۔

تالیہ اسی زرتار لباس میں ملبوس' بے چینی سے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔ کنیز شریفہ ہاتھ باندھے سامنے کھڑی تھی۔ نظریں دائیں سے بائیں گھماتی وہ تالیہ کو ٹہلتے دیکھ رہی تھی۔

''آپ پریشان ہیں شہزادی!''

''صرف پریشان؟'' وہ رکی اور بگڑ کے اسے دیکھا۔ ''میں بہت زیادہ پریشان ہوں شریفہ۔ میرے سامنے میرے باپا نے ایک شخص کی گردن ماردی۔ (اس نے ہتھیلی کی پشت سے گال رگڑا جسے وہ کتنی ہی دفعہ دھو چکی تھی) مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں قیدیوں کے ساتھ یہ سلوک ہوتا ہے اور مجھے دیکھو... میں بھرے بازار سے تین دکانداروں کو گرفتار کروالائی اور اب مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ ان کے ساتھ کیا کروں۔'' وہ قریباً روہانسی ہوگئی تھی۔

''شہزادی۔ جب بھی کوئی قیدی گرفتار ہوکے آتا ہے تو بنداہارا اس کو سزا سنا دیتے ہیں۔ یا اگر ان کے مزاج اچھے ہوں تو اسے معاف کر دیا جاتا ہے۔'' شریفہ محل میں عرصے سے کام کررہی تھی۔ پانچ دن پہلے آنے والے نئے بنداہارا سے عہدِ وفا کرنے سے پہلے وہ پچھلے بنداہارا کی کنیز بھی رہی تھی۔ ''آپ ان کو معاف کرسکتی ہیں یا سزا سنا سکتی ہیں۔''

''معاف کرنے سے تو میں کمزور لگوں گی۔ ہرگز نہیں۔'' اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ پھر پلنگ کے کنارے پہ بیٹھی اور دونوں ہتھیلیوں سے دائیں بائیں پلنگ کی ریشمی چادر کو بھینچ لیا۔ وہ مضطرب بے چین سی لگتی تھی۔

''ان تینوں نے گستاخی کی تھی اور ان کو اس کی کڑی سے کڑی سزا ملنی چاہیے۔''

شریفہ نے گہری سانس لے کر افسوس سے سر جھٹکا۔ شہزادی کا رہا سہا رعب جو کل تک شریفہ نے محسوس کیا تھا اس کے بچگانہ رویے کے باعث اب اس کے دل سے جانے لگا تھا۔ سو وہ گردن پوری اٹھائے کھل کے بولنے لگی۔ ''شہزادی آپ اب ایک قدم اٹھا چکی ہیں۔ اب آپ کو شرمندگی سے بچنے کے لئے اس پہ قائم رہنا چاہیے۔''

''شرمندگی؟''

''شہزادی یان سوفو کو جانتی ہیں آپ؟ وہ چینی بادشاہ کی صاحبزادی ہیں۔ چند ماہ قبل وہ سلطان مرسل سے شادی کرنے کے لئے اپنے والد کی رضامندی کے ساتھ ایک بڑے چینی قافلے کے ہمراہ ملاکہ آئی ہیں۔ وہ بوکی چینہ (چینی پہاڑی) والے محل میں قیام پذیر ہیں مگر ان کا اکثر یہاں آنا جانا رہتا ہے۔ یہ چند ماہ ان کی شادی کی تیاریوں میں گزر گئے۔ دو ہفتے بعد ان کی اور سلطان مرسل کی شادی ہے۔ شہزادی یان سوفو نے ان چند ماہ میں اپنے بہت تعلقات بنالئے ہیں اور وہ سلطان کے فیصلوں پہ اثر انداز بھی ہوتی ہیں۔ انہوں نے ہی الورسونگائی کے لوگوں پہ ظلم ڈھایا اور وہ آپ کے والد کی دشمن ہیں۔ ان کو خبر مل گئی کہ آپ جذباتی فیصلے کرتی ہیں تو وہ آپ کو شرمندہ کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیں گی۔''

''تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' تالیہ کے کندھے ڈھیلے پڑے اور رنگت پھیکی پڑ گئی۔

''شہزادی!'' وہ سبھاؤ سے سمجھانے لگی۔ ''آپ کو قیدیوں کو سزا دینی ہوگی۔''

''سزا...؟ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میں ان کو سخت سے سخت سزا دوں گی۔ ان سے بھاری سے بھاری مشقت کروائی جائے گی۔ ایسے ٹھیک

رہے گا۔''

''بالکل شہزادی۔ یہ بہترین رہے گا۔''

تالیہ ایک دم کھڑی ہوئی اور جیسے اعتماد کو بحال کرتے ہوئے گردن کڑا کے بولی۔

''میں.....میں خود اپنے سامنے ان کو سزا سناؤں گی۔ مجھے قید خانے میں لے چلو۔''

''جو آپ کا حکم شہزادی۔'' شریفہ نے گہری سانس لے کر تالیہ کے چہرے کو دیکھا جو تائی ژیان کی گردن مار دینے کے بعد سے مرجھایا ہوا تھا اب کھل اٹھا تھا۔

ایڈم سر جھکائے نڈھال پڑا تھا جب اس نے قریب آتے قدموں کی چاپ سنی۔ وہ چونک کے سیدھا ہوا۔ کونے میں لگی گول سیڑھیوں سے چند افراد نیچے اتر رہے تھے۔ ایڈم تیزی سے کھڑا ہوا۔ اسے سرخ اور سنہری لباس کی جھلک دکھائی دی تھی۔

نیچے آنے والوں میں سب سے آگے تالیہ تھی۔ اس کا لمبا لباس زمین پہ جھاڑو دے رہا تھا اور وہ ہاتھ باہم پھنسائے بہت شان سے چلتی ہوئی سلاخ دار دروازے تک آئی تھی۔ سر کا تاج نیم اندھیرے میں بھی دمک رہا تھا۔

باقی دونوں قیدی بھی شہزادی کے احترام میں ہاتھ باندھے کھڑے ہو گئے تھے۔

''اتنا تو بتا دیں کہ آپ نے مجھے کیوں پکڑوایا ہے شہزادی صاحبہ!'' ایڈم سلاخوں کو پکڑے روہانسا ہو کے بولا۔ ''صبح سے بھوکا پیاسا پڑا ہوں۔ کوئی پوچھنے تک نہیں آیا۔ اچھا فائدہ ہوا ہمیں آپ کے شہزادی ہونے کا۔''

شہزادی نے اچنبھے سے اسے دیکھتے ہوئے ساتھ کھڑے سپاہیوں کو مخاطب کیا۔ ''یہ کیا کہہ رہا ہے؟''

''میں خود نہیں سمجھ پا رہا۔'' سپاہی نے لاعلمی ظاہر کی۔

ایڈم نے افسوس سے ان دونوں کو دیکھا جو نا سمجھی سے ایڈم کو دیکھتے ہوئے بات کر رہے تھے۔

''آپ کی یہ اداکاری میرے اوپر گراں گزر رہی ہے، بے تالیہ۔ آپ سمجھتی کیا ہیں مجھے؟ میں انسان نہیں ہوں کیا؟ میرے اندر سیل ڈالے جاتے ہیں کیا؟''

وہ کوفت سے سپاہیوں کی طرف گھومی۔ پھر ایڈم نے دیکھا کہ وہ باری باری تینوں کی طرف اشارہ کر کے ان کو ہدایات دے رہی تھی۔ زبان انجان تھی۔ مگر جیسے ہی باقی دونوں قیدیوں نے اس کے الفاظ سنے وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے نیچے کو جھک گئے۔ ایڈم ہیجان میں کھڑا رہ گیا۔ وہ آخر کیا حکم دے رہی تھی؟

تالیہ انہی اجنبی نظروں سے اسے دیکھتی سلاخ دار دروازے کے قریب آئی اور اپنے مرمریں ہاتھ سے ایک سلاخ تھامی۔ پھر قدرے برہمی سے ایڈم کو دیکھ کے اسی انجان زبان میں کچھ بولی جیسے اس کی سرزنش کر رہی ہو اور سنگین نتائج کی دھمکی دے رہی ہو۔

''مجھے کچھ کھانے کو ہی بھجوا دیں یار۔ وہ پنجرے والے کم از کم کھانا تو اچھا دیتے تھے۔'' وہ روہانسا ہو گیا۔ تالیہ نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور

پلٹ گئی۔اس کی معیت میں سپاہی بھی مڑ گئے اور چند لمحوں میں وہ لوگ جیسے آئے تھے ویسے ہی واپس چلے گئے۔

ایڈم سلاخوں کے قریب آیا اور آہستہ سے اپنا جوتا اس شے کے اوپر رکھا جو تالیہ کے ہاتھوں سے پھسل کے نیچے جا گری تھی۔وہ چند لمحے دم سادھے وہاں کھڑا رہا پھر جب اسے یقین ہو گیا کہ دوسرے قیدی نڈھال سے واپس بیٹھ گئے ہیں اور پہریدار اس طرف متوجہ نہیں ہیں تو وہ دھیرے سے وہیں بیٹھتا گیا اور پھر آہستہ سے وہ شے اٹھائی۔

وہ ایک ننھا سا کاغذ کا ٹکڑا تھا۔

ایڈم نے اسے کھولا اور مشعل کی پھڑ پھڑاتی روشنی میں غور سے پڑھا۔اس پہ انگریزی میں لکھا تھا۔

''مجھے پلان بنانے آتے ہیں، ایڈم مگر تمہیں صرف کتابیں پڑھنا آتی ہیں۔''

ایڈم نے پیغام کو مٹھی میں دبا لیا اور بے چینی سے پہلو بدلا۔

(بے تالیہ کے ہر پلان میں مجھ پہ طنز کرنا ضروری ہوتا ہے کیا؟)

☆☆==========☆☆

شام ڈھلتے ہی محل کی بیرونی دیوار پہ لگی قندیلیں روشن ہونے لگیں تو سارا محل دور سے جگمگاتا ہوا دکھائی دینے لگا۔

محل کے اندر بہت سے چوکور باغ تھے۔ایسے ہی ایک باغ کے وسط میں تالاب بنا تھا جس کے اندر سنگِ مرمر کا نیلاہٹ مائل فرش بچھا تھا۔دیواروں پہ جگمگاتی مشعلوں کے باعث تالاب کا پانی جھلملاتا دکھائی دیتا تھا۔

تالاب کے زینوں پہ تالیہ بیٹھی تھی۔گھٹنوں پہ تھوڑی ٹکائے، آنکھیں بند کیے وہ مغموم سی بیٹھی نظر آتی تھی۔یا شاید بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی۔

برآمدے سے شریفہ طشتری اٹھائے گزر رہی تھی۔تالیہ کو بے خبر پا کے اس نے رفتار تیز کر دی۔

محل کے اندر دیواروں پہ جابجا قندیلیں اور لالٹین لگے تھے۔کہیں موم بتیوں کے اسٹینڈ تھے۔چھتوں سے روشن فانوس لٹک رہے تھے۔یہ زرد روشنی ماحول کو مزید پرفسوں اور خوابناک بنا رہی تھی۔

شریفہ تیزی سے اوپر آئی اور شہزادی تاشہ کی خواب گاہ کا دروازہ کھولا۔پہریداروں کو وہ پہلے ہی بھیج چکی تھی۔

دروازہ بھیڑ کے وہ اندر آئی اور جلدی سے الماری کی طرف بڑھی۔اس میں بڑے بڑے دراز بنے تھے۔وہ ایک ایک کو کھولنے لگی۔شام میں اس نے دیکھا تھا کہ تالیہ نے اس کے آتے ہی کوئی شے جلدی سے گاؤ تکیے کے پیچھے چھپائی تھی۔وہ کوئی ریشمی گلابی رومال میں بندھی شے تھی جو شریفہ کے ذہن میں کھٹک گئی تھی۔

آخر شہزادی کا راز کیا تھا؟

اس نے بستر کے ساتھ رکھا صندوق کھولا اور چیزیں اوپر تلے کیں۔کونے میں وہ اسے نظر آ ہی گیا۔گلابی ریشم میں لپٹا ہوا کوئی بنڈل ہو جیسے۔شریفہ مسکرائی اور اسے نکال کے چہرے کے سامنے لائی۔

یکدم کمرے میں جلتی قندیل بجھ گئی۔ایک دم سارے میں اندھیرا چھا گیا۔شریفہ چونک کے گھومی۔

کھڑکی کے پٹ اچانک سے کھل گئے تھے اور تیز ہوا کے باعث پردے اڑتے جا رہے تھے۔آسمان پہ بادل گرج رہے تھے۔وقفے وقفے سے بجلی بھی چمکتی۔ہوا نے ہی قندیل بجھائی تھی۔

شریفہ قندیل آگے بڑھی' مگر اسی پل بجلی چمکی تو سامنے کوئی ہیولہ سا نظر آیا۔وہ بالکل ساکت رہ گئی۔اندھیرا دوبارہ چھا گیا۔

کنیز ریشمی رومال میں لپٹی شے سینے سے لگائے ایک قدم پیچھے ہٹی۔دل زور سے دھڑکا۔

''کل رات کیا ہوا تھا شریفہ؟'' بجلی دوبارہ چمکی تو پل بھر کو کمرہ روشن ہوا۔

کھڑکی کے سامنے وہ کھڑی تھی۔اس کے کھلے سنہری بال ہوا سے پیچھے کو اڑ رہے تھے۔آنکھیں شریفہ پہ جمی تھیں۔اور آواز....یہ وہ آواز نہیں تھی جس میں وہ دو دن سے اس سے بات کرتی آ رہی تھی۔

یہ تو لگتا تھا جیسے کوئی اور عورت ہے۔

''کل رات تمہیں یاد ہے کیا ہوا تھا شریفہ؟'' نیم اندھیرے میں وہ سرخ لباس کو دونوں پہلوؤں سے اٹھائے قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی۔شریفہ خوف سے پیچھے ہونے لگی۔

''تم رات کے دوسرے پہر کسی کھٹکے سے اٹھی تھیں۔تم نے اپنے کمرے میں کوئی آہٹ سنی تھی۔یاد ہے؟ تم نے ادھر ادھر دیکھا پھر بلی کی آواز آئی تو تم مطمئن ہو گئیں۔'' تالیہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔شریفہ پیچھے ہوتی جا رہی تھی یہاں تک کہ اس کی کمر دیوار سے ٹکرائی۔

''تم دوبارہ سو گئیں۔پھر تم نے کوئی آہٹ نہیں سنی کیونکہ بلی کوئی آہٹ پیدا ہی نہیں کرتی۔وہ دبے قدموں آتی ہے۔سانس بھی نہیں لیتی۔آہستہ آہستہ....وہ تمہاری موجودگی میں....'' بجلی کڑکی تو کمرہ روشن ہوا اور کھلے بالوں والی حسین شہزادی نظر آئی۔اس کی تیز نظریں اور وہ آنکھیں...شریفہ کا خون منجمد ہونے لگا۔

''تمہاری موجودگی میں وہ تمہارے سارے سامان کی تلاشی لے لیتی ہے مگر سانس لینے کی آواز بھی نہیں نکالتی۔اور اسی خاموشی سے واپس چلی جاتی ہے۔مگر اس شے کے ساتھ۔''

''شہزادی' میں آپ کے کمرے میں صرف صفائی کے لئے .....'' اس نے کہنا چاہا' مگر پھر تالیہ کے الفاظ پہ چونکی۔کرنٹ کھا کے اپنے ہاتھوں میں موجود شے کو دیکھا۔''جی؟''

''اسے کھول کے تو دیکھو کہ یہ کیا ہے؟''

باہر وقفے وقفے سے بجلی چمک رہی تھی۔بارش کی بوندیں تڑ تڑ برسنے لگی تھیں۔ایسے میں شہزادی عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی قندیل کے پاس رکی اور سلائی لگا کے اسے آنچ دکھائی۔شعلہ سا بھڑکا اور سارا کمرہ روشن ہو گیا۔

شریفہ نے تیزی سے رومال اتارا۔اندر چند کاغذ سیدھے رکھے تھے۔وہ دراصل کاغذات کا ایک بنڈل تھا۔

شہزادی آگے بڑھی اور کھڑکی بند کر دی۔پھر پردے جھٹکے سے برابر کیے۔ہوا کا راستہ رک گیا۔بارش کی تڑتڑاہٹ ختم ہوگئی۔اب صرف زرد روشن کمرہ تھا اور شریفہ جوان کاغذوں کو کھول کے دیکھ رہی تھی۔پہلے صفحے پہ نگاہ دوڑائی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔بے یقینی سے چہرہ اٹھا کے تالیہ کو دیکھا جو گردن اٹھائے شان سے مسکرا رہی تھی۔

''یہ تمہارے خطوط ہیں۔جو تمہارے نام لکھے ہیں کسی نے۔بھلا کس نے؟''شہزادی نے لمحے بھر کو سوچا۔''سابق بنداہارا کی فوج کے جرنیل بھوپالن نے۔وہ پہلے اسی محل میں رہتا تھا۔تم سے محبت بھی کرتا تھا' مگر اب وہ تمہیں خط لکھ کے مراد راجہ کی فوج اور اس کے رازوں کے بارے میں سوال کرتا رہتا ہے۔وہ مفرور ہے اور میرے بابا کے آدمی اس کی تلاش میں ساری سلطنت میں بھاگ دوڑ کر رہے ہیں لیکن اس کو ڈھونڈ نہیں پا رہے۔کیا ان کو معلوم ہے کہ وہ تم سے رابطے میں ہے؟''

خطوط شریفہ کے ہاتھ سے پھسل گئے۔وہ ایک دم دوڑتی ہوئی آئی اور تالیہ بنتِ مراد کے قدموں میں گر گئی۔''شہزادی میری جان لے لیجئے' مگر خدارا میرا یقین کریں۔میں نے اس کو کبھی کوئی راز نہیں بتایا۔''

تالیہ تیزی سے جھکی اور جھٹکے سے اسے کندھے سے دبوچ کر اوپر کھڑا کیا۔

''جان لے لوں گی تمہاری اگر تم دوبارہ میرے قدموں میں گریں۔میرے سامنے ایک انسان کی طرح کھڑے ہو کے بات کیا کرو شریفہ! یوں جانوروں کی طرح قدموں میں نہ گرا کرو!''وہ غصے سے غرائی تو شریفہ ہاتھ باندھے سیدھی کھڑی ہوگئی۔اس کا چہرہ خوف اور گھبراہٹ سے سفید پڑ چکا تھا۔

''شہزادی.....میں قسم کھاتی ہوں میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔''

''میں جانتی ہوں....''تالیہ نے جھٹکے سے اسے چھوڑا اور گہری سانس بھری۔''جو خط تم نے اسے کل لکھا تھا اور ابھی بھیجا نہیں تھا' وہ میں نے پڑھ کے واپس رکھ دیا تھا۔تم اسے کچھ نہیں بتاتیں۔میں جانتی ہوں۔کیونکہ تمہیں محل کا عیش و آرام پسند ہے۔تم اس سے صرف محبت بھری باتیں کرنا چاہتی ہو مگر وہ صرف تم سے دفاعی حکمت عملی کے رازوں کے بارے میں جاننے کے لئے رابطہ رکھتا ہے۔البتہ....''وقفہ دیا....''کوئی صرف اس کے خط پڑھے تو وہ یہی سمجھے گا کہ یہ رازوں کی تجارت دوطرفہ ہے۔''

شریفہ نے گھبرا کے نفی میں سر ہلایا۔''خدارا راجہ کو مت بتایئے گا۔آپ جو کہیں گی میں کروں گی۔خدا کے لئے شہزادی' مجھے معاف کر دیں۔بدلے میں آپ مجھ سے جو چاہے کروالیں۔''

تالیہ نے نزاکت سے چہرے پہ آئی سنہری لٹ پیچھے کی۔''تمہاری باتیں مجھے اچھی لگ رہی ہیں۔مگر یہ تم دل سے نہیں کہہ رہیں۔تم اندر ہی اندر یہ سوچ رہی ہو کہ صبح ہوتے ہی تم یہ خط میرے کمرے سے چرالو گی اور دوبارہ سے میرے باپ کے ساتھ مل جاؤ گی۔ہے نا؟''

''شہزادی' میں.....''

''تمہیں کیا لگتا ہے بے وقوف' میں نہیں دیکھ رہی کہ تم کس کس وقت میرے بابا سے مل کے آتی ہو اور ان کو میری ہر بات کی خبر دیتی ہو؟ چھپ کے کسی کی نقل وحرکت پہ نظر رکھنے کے کام میں تم مجھ سے اچھی نہیں ہو سکتیں۔تم ابھی تاشہ بنتِ مراد کو جانتی نہیں ہو۔''

شریفہ نے خفت سے آنکھیں جھکا دیں۔شہزادی آگے بڑھی اور نیچے گرا بنڈل اٹھایا' پھر واپس صندوق تک گئی اور اسے اندر ڈال کے بے نیازی سے ڈھکن گرا دیا۔پھر اسی شان سے واپس گھومی۔

''یہ خط اب اسی جگہ رہیں گے' اور تم چاہو تو ان کو واپس چرا سکتی ہو' لیکن بات یہ ہے شریفہ کہ تاشہ بنتِ مراد سے کوئی کچھ بھی نہیں چرا سکتا۔کیونکہ....'' وہ پلنگ تک آئی اور تکیے تلے سے ایک بنڈل نکالا۔پھر اوپری کاغذ اٹھا کے شریفہ کے سامنے لہرایا۔

''کیونکہ تاشہ صرف شہزادی نہیں ہے۔وہ ایک ساحرہ بھی ہے' جسے دنیا کا ہر کام آتا ہے۔''

شریفہ نے چہرہ اٹھا کے اس کاغذ کو دیکھا اور جیسے جیسے وہ پڑھتی گئی اس کی آنکھیں حیرت اور الجھن سے پھیلتی گئیں۔

''یہ اس جرنیل کا خط ہے شریفہ' اور اس پہ اس کی مہر بھی لگی ہے اور اس میں وہ تمہاری راجہ مراد کے خلاف مدد پہ تمہارا شکر یہ ادا کر رہا ہے۔''

''یہ خط.... یہ خط تو میں نے کبھی نہیں پڑھا۔''

''درست۔کیونکہ اس نے یہ خط تمہیں کبھی نہیں لکھا۔یہ خط میں نے لکھا ہے۔اس کی لکھائی میں۔اس کی مہر لگا کے۔چند منٹوں میں میں نے ایک پورا خط لکھ لیا۔نقول تیار کرنا میرے اوپر بہت آسان ہے' شریفہ۔''

کنیز نے حیرت' الجھن اور خوف سے اسے دیکھا۔ہاتھ پھر سے جوڑ لئے۔''شہزادی میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی۔''

''جس دن یہ خط میرے صندوق سے غائب ہوئے نا' اس دن میں اس طرح کے پچاس نئے خط بنا کے راجہ مراد کو دکھا دوں گی۔جرنیل کی خفیہ مہر اور لکھائی وہ پہچانتے ہیں اور میں ان خطوط میں وہ' وہ باتیں لکھوں گی کہ راجہ تمہاری گردن ایک لمحے میں اتار دے گا۔''

کہہ کے اس نے جعلی خط زور سے بستر پہ پھینکے۔شریفہ کو خوف سے جھٹکا سا آیا۔

''میں تاشہ پسونا ہوں اور جو چیز ایک دفعہ دیکھ لوں' وہ مجھے نہیں بھولتی۔میرے دماغ سے تم ان خطوط کو....'' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے' اس نے کنپٹی پہ انگلی سے دستک دی۔''کبھی نہیں چرا سکتی۔''

''شہزادی!'' شریفہ کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔اس نے ہاتھ جوڑ کے چہرہ جھکا دیا۔

''میں آج سے آپ کی غلام ہوں۔راجہ نے مجھے آپ کی جاسوسی کرنے کا کہا تھا اور میں یہ صرف اس لئے کر رہی تھی کیونکہ میں ان کی غلام تھی مگر آج سے مجھ پہ سب سے پہلا حق آپ کا ہے۔میں آپ کے لئے وہ سب بھی کروں گی جو میں کسی اور کے لئے نہیں کرتی۔بس مجھے معاف کر دیجئے شہزادی۔'' وہ دوبارہ جھکنے لگی مگر تالیہ کی تنبیہہ یاد آ گئی۔سو ہاتھ باندھے کھڑی رہی۔

تالیہ مسہری تک آئی' ایک شان سے لباس پھیلا کے اس پہ بیٹھی' اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔پھر گالوں پہ جھومتی سنہری لٹ دو انگلیوں کے

درمیان سے گزارتے ہوئے گویا ہوئی۔

"تم آج سے نہ صرف میری کنیز ہو بلکہ تم اس محل میں میری آنکھیں اور میرے کان ہوگی۔تم میرا ہر حکم بلا چوں چراں مانو گی۔تم میرے لئے ہر وہ کام کروگی جو میں تمہیں کہوں گی۔اس کے بدلے میں میں تمہیں اچھا مال اور اچھی خوراک دوں گی۔اور سب سے بڑھ کے میں تمہیں عزت دوں گی۔میں تمہیں اپنے پیروں کو چاٹنے سے بچاؤں گی۔میں تمہیں ایک انسان کی طرح رکھوں گی۔لیکن جس دن تم نے مجھ سے غداری کی' اس روز.....میں.....تمہاری.....جان لے لوں گی۔" آخری الفاظ چبا چبا کے ادا کیے۔اس کی آنکھیں شریفہ کے اندر تک اتر رہی تھیں۔وہ فوراً سے بولی۔

"آپ مجھے ہمیشہ وفادار پائیں گی شہزادی۔میں نے محل سے کوئی غداری نہیں کی' نہ کروں گی۔آپ حکم دیجئے' میں آپ کے لئے کیا کروں؟"

"ہوں۔" تالیہ نے ایک انگلی اپنے کان کے آویزے پہ پھیرتے ہوئے سوچتی نظروں سے شریفہ کو دیکھا۔

"آج جب ہم بازار گئے تھے تو وہاں ایک عمارت تعمیر ہو رہی تھی۔وہ اور اس کے سامنے والی حویلی کس کی ہے؟"

"وہ؟" شریفہ نے جلدی جلدی ہتھیلی کی پشت سے آنسو رگڑے اور بتانے لگی۔وہ دونوں حویلیاں ابوالخیر کی ہیں۔وہ ملاکہ کا سب سے بڑا تاجر ہے۔بہت مال' بیٹوں اور غلاموں والا۔"

"ہوں.....کس چیز کا تاجر ہے وہ؟"

"مچھلی' گوشت اور مصالحوں کا۔وہ ہندوستانی تاجروں سے سخت خار کھاتا ہے اور ان کے مصالحے چرا لیتا ہے یا خراب کروا دیتا ہے' اور اپنے مصالحے مہنگے دام بیچتا ہے۔وہ رئیس ہے اور اس کے ہاں سلاطین' وزراء اور امراء کا روز کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔راجہ مراد کا خاص دوست ہے وہ۔"

"اور وہ لوگ جو عمارت تعمیر کر رہے تھے' وہ کون تھے۔"

"وہ اس کے غلام ہیں۔عام لوگوں کی طرح وہ منڈی سے غلام نہیں خریدتا بلکہ لوگوں کو اغوا کرکے زبردستی غلام بنا لیتا ہے۔پھر ان سے مفت میں کام کرواتا ہے۔برسوں سے لوگ اس کے پاس یونہی قید ہیں مگر اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔وہ بربندا ہارا کا دوست جو ہوتا ہے۔"

"تو کیا سارے غلام ہمیشہ اس کے پاس قید رہتے ہیں؟"

"نہیں۔وہ چند غلاموں کو جو کسی ہنر سے آراستہ ہوں' اور دیکھنے میں تنومند اور مضبوط ہوں' ان کو وہ الگ کر لیتا ہے۔"

تالیہ چونک کے سیدھی ہوئی۔"اچھا۔اور ان کو وہ اچھی خوراک دیتا ہے نا؟ تاکہ وہ صحت مند لگیں؟"

شریفہ نے سر ہلایا۔

''جی ہاں۔وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے'انہیں سارے ہنر سکھاتا ہے اور انہیں خوب تیار کر کے ہر تھوڑے عرصے بعد نیلامی میں بیچ دیتا ہے۔''

''نیلامی؟''وہ چونکی۔''انسانوں کی نیلامی؟''اس کا دل ڈوبا۔

''جی شہزادی ۔چین میں بھی تو ہوتی ہوں گی نیلامیاں۔''اس کا انداز دفاعی مگر مغموم ہو گیا۔''بڑے بڑے امراء اور شہزادے ایسی نیلامیوں سے اپنے لئے خاص غلام خریدا کرتے ہیں۔''وہ رکی۔''کیا آپ اس کے پاس سے کسی غلام کو خریدنا چاہتی ہیں؟''

''جو میں چاہتی ہوں وہ میں تمہیں بتا دیتی ہوں'اور ہو سکتا ہے کہ تم وہ نہ کر سکو'لیکن اس سے مجھے فرق نہیں پڑتا۔کیونکہ یہ کام تم کو ہی کرنا ہے۔ہر صورت۔''اس کے الفاظ سرد تھے اور سنگین بھی۔دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔

دیوار پہ لگی قندیل ہلکی سی پھڑ پھڑا رہی تھی۔باہر تڑا تڑ بارش برسے جا رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

ابوالخیر کی حویلی کے باورچی خانے کے ساتھ چھوٹے چھوٹے کمرے بنے تھے۔ان کے اندر فرش پہ بھوسے کے بستر تھے اور دروازوں کی جگہ پردے لہرا رہے تھے۔ایسے ہی ایک چھوٹے سے کمرے میں وہ چت لیٹا چھت کو دیکھ رہا تھا۔بازوؤں کا تکیہ بنا کے سر تلے رکھا تھا اور گہری سوچ میں گم لگتا تھا۔

باہر بارش موسلا دھار برس رہی تھی۔وقفے وقفے سے بجلی چمکتی اور اوپر لگے روشن دان سے اندر آ کے سارا کمرہ روشن کر دیتی۔روشن دان چند فٹ ہی اونچا تھا۔اور شیشے کا بنا تھا۔اس کے علاوہ کمرے میں کوئی کھڑکی نہ تھی۔

یکدم پردہ ہلکا سا سرکا اور ننھی سی آریانہ اندر داخل ہوئی۔کھلے بالوں پہ سفید ہیئر بینڈ لگائے'سفید فراک پہنے وہ آہستہ سے ایک دیوار سے جا لگی اور اداسی سے اسے دیکھنے لگی۔

''ڈیڈ!''

''ہوں۔''وہ چھت کو تکتے ہوئے بڑبڑایا۔

''آپ دکھی ہیں نا؟ ہونا بھی چاہیے۔آخر آپ ایک قیدی ہیں۔وقت کے قیدی۔اس گندے میلے احاطے میں پھنسے قیدی'جہاں کوئی کبھی بھی آپ کو زخمی کر سکتا ہے۔مار بھی سکتا ہے۔جہاں یہ آپ سے جانوروں کی طرح کام کرواتے ہیں۔آپ کو اب اس زندگی'اور خدا سے مایوس ہو جانا چاہیے۔''وہ دھیرے دھیرے اس کو تلخ حقیقت سے روشناس کروا رہی تھی۔

''تمہیں معلوم ہے میں جب لاء پڑھ رہا تھا تو میں کیا بننا چاہتا تھا؟''وہ چھت کو دیکھتے ہوئے بولا تو وہ چڑ سی گئی۔

''آپ کو اپنی قسمت کو کوسنا چاہیے'آپ کو رونا چاہیے۔آپ کو اچھی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں۔''

''میں شیف بننا چاہتا تھا۔''وہ چھت کو دیکھ کے مسکرایا۔''مجھے کھانے سے محبت تھی۔سلاد کے پتوں کا رنگ۔آگ پہ پیاز بھوننے کی

خوشبو... اسٹیک کے پکنے کی آوازیں۔ مکئی کے دانوں کی ساخت.... مجھے کھانے سے محبت تھی آریانہ۔ اور مجھے کچن کاؤنٹر پہ کھڑے ہو کے سبزیاں کاٹنے میں جو مزا آتا تھا وہ اور کسی چیز میں نہیں آتا تھا۔ مگر میں اتنا مصروف ہوتا تھا کہ کچھ نہیں بنا پاتا تھا۔'' وہ مسکراتے ہوئے یاد کر کے کہہ رہا تھا۔ چہرے پہ زخم کے نشان ابھی تک نظر آ رہے تھے۔ شیو تازہ کی تھی مگر بلیڈ سے چند خراشیں پڑ گئی تھیں۔

''ڈیڈ... اس مایوسی اور بد دلی کو دیکھیں جو آپ کے ارد گرد پھیلی ہے۔ یہ کچرا... یہ انسانوں کو جانوروں کی طرح استعمال کرنا.... ڈیڈ....''

اس کا 'دماغ' آریانہ کے روپ میں اس کو یاد کروا رہا تھا کہ اسے دنیا کے دوسرے اکثر لوگوں کی طرح صرف برا ہی سوچنا ہے مگر وہ اپنے دل سے کچھ اور کہے جا رہا تھا۔

''شادی کے بعد ویسے ہی عصرہ کھانا بناتی تھی۔ پھر میں سیاست میں آ گیا۔ امریکہ میں جب میں اسٹیٹ اٹارنی کا الیکشن لڑنے نکلا تو میرے ساتھ پی آر کے لوگ ہوتے تھے ہر وقت۔ اور جب میں مشہور ہوتا گیا تو میرا اسٹاف بڑھتا گیا۔ لوگ میری ہر حرکت پہ نظر رکھے ہوئے تھے۔ میں ملائیشیا واپس آیا تو میرا نام مزید بڑھ گیا۔ پرائیویسی ختم ہو گئی۔ ملازم' کنسلٹنٹ' کیمپئین اسٹاف۔ باڈی مین۔ ہر وقت کوئی ساتھ چپکا ہوتا تھا۔ سیاست' ٹی وی شوز' پبلک appearances' میرا ایک بزنس فیس تھا۔ مجھے اپنے امیج کے مطابق کام کرنا تھا۔ میں کرتا رہا۔''

بارش کی بوندیں گرتی رہیں' بجلی چمکتی رہی اور وہ بولتا رہا۔ آریانہ ساتھ ہی کچھ کہہ رہی تھی مگر وہ اسے نہیں سن رہا تھا۔

''ہر وقت میڈیا' رپورٹرز' مخالف سیاستدان' میری اپنی پارٹی کے لوگ اور میرا خاندان' میرے فینز میری ہر حرکت کو جج کر رہے ہوتے تھے۔ اور جب میں تنہا ہوتا تو بھی اتنا مصروف ہوتا کہ کچن میں قدم تک نہ رکھ پاتا۔ مگر وہ شوق کبھی ختم نہیں ہوا۔ میں قید تھا۔ مجبوریوں' اور کاموں میں۔ مگر اب... اب میں آزاد ہوں۔''

''آپ قید ہیں' ڈیڈ!'' وہ روہانسی ہوئی۔ ''ہر چیز میں مثبت پہلو دیکھنا چھوڑ دیں' ڈیڈ۔''

''نہیں۔ میں آزاد ہوں۔ پہلی دفعہ میں آزاد ہوا ہوں' آریانہ۔'' اس نے نظروں کا زاویہ موڑا اور مسکرا کے دیوار سے لگی پریشان اور ڈری ہوئی لڑکی کو دیکھا۔ ''مجھے یہاں کوئی نہیں جانتا۔ کوئی میرا اسکینڈل نہیں بنائے گا۔ کوئی مجھے جج نہیں کرے گا۔ میں کبھی اتنا آزاد نہیں ہوا۔ میرے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ مجھے اس ملک کو نہیں چلانا۔ مجھے کوئی پارٹی نہیں چلانی۔ دیکھو ارد گرد.... یہاں کوئی مجھ میں انٹرسٹڈ نہیں ہے۔ مجھے کسی کے سامنے اپنا بزنس فیس قائم نہیں رکھنا۔ میں آزاد ہوں۔ اور میں اس باورچی خانے میں کھانا پکا سکتا ہوں۔''

''آپ پھنس چکے ہیں۔ آپ مظلوم ہیں۔ آپ وکٹم ہیں۔ آپ....''

''میں مظلوم نہیں ہوں۔ میں نے اپنی مرضی سے وہ دروازہ پار کیا تھا۔ یہ میری چوائس تھی۔ اور میں یہ نہیں کہہ رہا کہ میں یہاں خوش ہوں۔ نہیں۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں مشکل وقت میں ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے نہیں بیٹھوں گا۔ میں اس سے کچھ سیکھ کے ہی نکلوں گا۔ تمہارے باپ نے آج تک ہمت نہیں ہاری۔ give up نہیں کیا۔ تو اب وہ کیوں ہمت ہارے گا۔ نکل تو میں آؤں گا اس سے۔ مگر مجھے اس قید کو

بھی ایک تجربے جیسا سمجھتا ہے جو مجھے کچھ سکھائے۔ مجھے اس سے بہتر انسان بن کے نکلنا ہے۔زیادہ آزاد۔''

''آپ کو ڈرنا چاہیے کہ یہ جنگلی لوگ آپ کو مار نہ دیں۔''

''مرنا کیا ہوتا ہے آریانہ؟''اس نے گہری سانس لی اور بازوؤں کا تکیہ سر تلے رکھے دوبارہ سے اوپر دیکھنے لگا۔''ایک دنیا سے دوسری میں چلے جانا اور جب آپ ایک نئی دنیا میں چلے جاتے ہو تو پچھلی کے فائدے نقصان بے معنی ہو جاتے ہیں۔اگر مار بھی دیں تو کیا ہو گا؟ میں موت سے نہیں ڈرتا۔موت بھی صرف ایک تجربہ ہے۔اصل بات یہ ہے کہ میں دنیا سے جانے سے پہلے وہاں کتنی اچھائی اور positivity پھیلا کے جاتا ہوں۔جب انسان کو یہ ایمان آجاتا ہے نا' تو وہ موت سے نہیں ڈرتا۔''

اس نے پھر سے دیوار کو دیکھا تو اب آریانہ وہاں نہیں تھی۔وہ اپنے تمام تر واہموں اور خدشات سمیت غائب ہو چکی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔اس کی مثبت سوچ نے اندر سر اٹھاتے منفی پن کو شکست دے دی تھی۔

گہری سانس لے کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔بارش اب ہلکی ہو رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

صبح کا سورج ابھی پوری طرح قدیم ملاکہ پہ طلوع نہیں ہوا تھا۔نارنجی لکیریں جامنی آسمان پہ بکھری تھیں جب سپاہی ان تین قیدیوں کو اپنے نرغے میں لئے محل کے سبزہ زار پہ آگے بڑھ رہے تھے۔ان کے ہاتھ زنجیروں میں بندھے تھے اور وہ جھکے سروں کے ساتھ قطار میں چل رہے تھے۔

ایڈم سب سے پیچھے تھا اور اس کا چہرہ سب سے زیادہ لٹکا ہوا تھا۔

(جب ہم واپس جائیں گے تو اِن شاء اللہ چے تالیہ کے خلاف عدالت میں گواہی دینے اور ان کو جیل بھجوانے والا پہلا شخص میں ہوں گا۔)وہ بار بار زنجیر میں مقید ہاتھ شیو پہ پھیر کے تہیہ کرتا تھا۔

سپاہی ان کو لئے گھوڑوں کے اصطبل تک آ گئے۔تلوار کی نوک سے ایک سپاہی نے پہلے قیدی کو اصطبل کے اندر دھکیلا۔وہ ڈرتا ڈرتا آگے بڑھا۔وہاں موجود مستعد کھڑے سپاہی نے کندھے سے پکڑ کے قیدی کا جائزہ لیا' پھر اس کو گھما پھرا کے دیکھا' پھر اس کی زنجیر کھول دی اور اسے کوئی پر مشقت کام سمجھانے لگا۔قیدی مرے مرے انداز میں سر ہلانے لگا۔پھر اس نے جھک کے کدال اٹھائی۔سپاہی اس کو رعب سے ہدایات دیتا ایک طرف لے گیا۔

تو یہ تھی ان کی سزا۔

ہر قیدی کو مشقت کرنی تھی۔ایڈم بن محمد کا دل مزید بجھ گیا۔

دیگر سپاہی ان دونوں کو لئے آگے بڑھ گئے۔محل کی عقبی طرف ایک جگہ بہت سے جنگی آلات رکھے تھے اور منہ اندھیرے ہی شاہی غلام ان کو بنانے اور ان کی صفائی پہ جت جاتے تھے۔بھٹی جل رہی تھی اور لوہے کو اندر دہکایا جا رہا تھا۔وہاں موجود سپاہیوں نے دوسرے قیدی کو

ہاتھوں ہاتھ لیا اور فٹافٹ کام پہ لگا دیا۔

اب وہ ایڈم کو لئے مزید آگے آئے۔ وہ گم صم سالان کے ساتھ چلتا آیا۔

(بچے تالیہ پہ ملائیشیاء کے آئین کے مطابق چوری اور دھوکہ دہی کے ساتھ ساتھ معصوم شہریوں کو اغوا کر کے حبس بے جا میں رکھنے اور ان سے مشقت کروانے کا مقدمہ بھی بنتا ہے۔) لب کاٹتے وہ سوچ رہا تھا۔

آسمان کی رنگت ہلکی ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اسے لئے محل کی عمارت کے ساتھ ساتھ چلتے جا رہے تھے۔ بہت سے دروازوں پہ پہریدار کھڑے دکھائی دیتے تھے۔ وہ آگے بڑھتے گئے۔ پھر ایک اونچے اور بھاری لکڑی کے دروازے کے سامنے رکے۔ ایڈم ذرا ٹھٹھک کے آہستہ ہوا۔

وہاں شریفہ اور ایک دوسری کنیز کے ہمراہ.... وہ کھڑی تھی۔

تاج سر پہ سجائے' بالوں کا جوڑا بنائے ہوئے تھی۔ سر پہ کپڑا تھا جو تاج سے نکلتا ہوا کمر تک گر رہا تھا۔ نیچے اس نے گہرا نیلا اور سنہری لباس پہن رکھا تھا۔ ایڈم کو دیکھ کے شان سے مسکرائی تھی۔

''میری کیا سزا تجویز کی ہے چے تالیہ آپ نے؟'' وہ اسے دیکھتے ہی خفگی سے بولا۔ کسی کو اس کے الفاظ سمجھ میں نہ آئے تھے نہ کسی نے توجہ دی۔ بس پہریداروں نے اس کے ہاتھ کھول دیے۔ اور خود دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔ اب وہ شہزادی کے سامنے کھڑا اپنی سزا کا منتظر تھا۔

''جیسے میں نے آپ سے گیلری میں بدتمیزی نہیں کی تھی' مگر آپ نے وہاں بھی خوب واویلا مچایا تھا' ویسے ہی میں نے آپ سے اب بھی بدتمیزی نہیں کی تھی' لیکن پھر بھی آپ نے مجھے گرفتار کروا دیا اور ....'' وہ غصے سے بولنے لگا مگر شہزادی تاشہ نے ہاتھ اٹھا کے نزاکت سے اشارہ کیا تو پہریداروں نے جھٹ اس دروازے کے پٹ اندر کی طرف دھکیل دیے۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ ایڈم نے چونک کے دیکھا۔

اندر ایک طویل سا ہال تھا۔ جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ وہاں قطار در قطار لکڑی کے ریکس لگے تھے جن پہ ترتیب سے کتابیں سجی تھیں۔ ایڈم کا منہ کھل گیا۔

''یہ شاہی لائبریری ہے' ایڈم۔'' وہ اس کو دیکھ کے مدھم آواز میں بولی۔ (پہریدار اور کنیزیں اس کو اجنبی زبان میں بات کرتے دیکھ کے بھی خاموش رہے۔ جب شہزادی کچھ بول رہی ہو تو وہ گونگے بہرے بن جاتے تھے) ''اور تمہاری سزا یہ ہے کہ تم اس کی تمام کتابوں کو نئی جلدیں عطا کرو گے۔ یعنی جلد بھی بناؤ گے اور اس کو چپکاؤ گے بھی۔ یوں تم ساری کتابیں پڑھ بھی لو گے جو کہ قدیم ملے میں لکھی ہیں۔ ہمارے اسکولز میں کلاسیکل ملے کی چند کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ تم نے بھی پڑھی ہوں گی۔ تم ذہین ہو' رسم الخط سے واقف ہو۔ چند دنوں میں الفاظ اور زبان پہ عبور حاصل کر لو گے۔ کرنا بھی چاہیے کیونکہ جب تک تم زبان نہیں سیکھو گے' ہم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔ اس لئے جب تالیہ کہے کہ اس کے پاس پلان ہے تو اس پہ بھروسہ کیا کرو کیونکہ تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔'' وہ انگریزی میں کہہ رہی تھی۔ چہرہ سنجیدہ تھا اور وہ ہکا بکا سن رہا تھا۔

پھر وہ کنیزوں اور غلاموں کی طرف متوجہ ہوئی۔ ”تمہاری شہزادی کو سات زبانیں آتی ہیں۔ یہ قیدی چینی زبان بولتا ہے اور یہ سمجھتا تھا کہ میں اس کی فضول گوئی نہیں سمجھ سکوں گی۔ ہونہہ۔“ غرور سے کہہ کے‘ لباس پہلوؤں سے اٹھائے آگے بڑھ گئی۔ کنیزوں اور غلاموں کی گردنیں فخر سے اٹھ سی گئیں اور وہ اس کے پیچھے ہو لیے۔ دوسرے سپاہی ایڈم کو لئے اندر کی جانب بڑھ گئے۔ وہ ابھی تک اُدھ کھلے منہ کے ساتھ بار بار گردن موڑ کے شہزادی کو دیکھتا تھا۔

اندر کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ ایک دیوار سے دوسری تک۔ قطار در قطار ریکس۔ علم کے خزانے۔ قدیم کتابیں۔ ان کی خوشبو۔ مدھم جلتی روشنیاں۔ لکھائی کے لئے بنی میزیں۔ ان پہ رکھی سیاہی کی ڈبیاں۔ پرندوں کے پروں والے قلم۔ وہ مسحور سا گول گھوم گھوم کے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

سپاہی اب درشتی سے اس کو کام سمجھانے لگا۔ جلد کیسے بنانی ہے‘ اور کیسے کتاب پہ لگانی ہے۔ ایڈم نے بالآخر گہری سانس لی۔

(چلو... اغوا اور حبس بے جا کی دفعات میں اپنے مقدمے سے نکال دوں گا۔)

اس نے رحم دلی سے تالیہ کے بہت سے گناہ معاف کیے اور سپاہیوں کے ہمراہ آگے بڑھ گیا۔

اس کی مشقت سب سے دلچسپ تھی۔

☆☆=========☆☆

ابوالخیر کی حویلی پہ وہ رات جب گہری ہونے لگی تو اس کی ساری کھڑکیوں کی روشنیاں دھیرے دھیرے گل ہوتی گئیں۔ ایسے میں باورچی خانے میں ہنوز لالٹین جل رہا تھا۔ سفید مونچھوں والا باورچی آستین چڑھائے‘ ڈوئی ہاتھ میں پکڑے تندہی سے ایک کم عمر لڑکے کو جھڑک رہا تھا جو سر جھکائے‘ مٹھیوں سے آٹے نما کوئی شے گوندھ رہا تھا۔ ادھر اس کا ہاتھ درست طریقے سے نہ مڑتا‘ ادھر باورچی ڈوئی کھینچ کے اس کے کندھے پہ مارتا۔

وان فاتح ٹوکری پہلو پہ اٹھائے باورچی خانے میں داخل ہوا تو مچھلیوں کی بُو بھی ساتھ ہی اندر آئی۔ ٹوکری کٹی ہوئی صاف مچھلیوں سے بھری تھی جسے اس نے میز پہ لا دھرا اور پھر ناگواری سے باورچی کو دیکھا جو اس لڑکے کو کوستے ہوئے ڈانٹ مار کے کام کروا رہا تھا۔ لڑکے کے آنسو بہہ رہے تھے اور شانے سے خون بھی رس رہا تھا۔ فاتح خاموش کھڑا اسے گھورتا رہا۔

باہر سے کسی نے آواز دی تو باورچی برے منہ بنائے باہر نکل گیا۔ لڑکے نے بھیگا چہرہ اٹھا کے گلہ آمیز نظروں سے فاتح کو دیکھا۔

”غصے والی شکل کیوں بنا رہے ہو اگر میری مدد نہیں کر سکتے تو؟“ اس کو جیسے آس ٹوٹنے کا دکھ تھا۔ الفاظ نہ سمجھ آئے ہوں‘ انداز بتاتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

”مجھے اس پہ نہیں‘ تم پہ غصہ ہے۔ اگر کوئی تمہیں مار رہا ہے‘ اور تم اس کا ہاتھ خود نہیں پکڑ سکتے تو کوئی تمہیں اس کے ظلم سے نہیں بچا سکتا۔ جب تک تم اپنے لئے نہیں لڑو گے‘ کوئی تمہارے لئے نہیں لڑ سکتا۔“

لڑکے کو البتہ سمجھ نہ آئی تھی۔ بس خفگی سے آنسو پونچھتا پھر سے آٹا گوندھنے لگا۔

فاتح اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ رات سیاہ پڑ رہی تھی اور دھیرے دھیرے ساری حویلی نیند کی آغوش میں ڈوبتی جا رہی تھی۔ وہ البتہ بھوسے کے بستر پہ چت لیٹا کافی دیر بس چھت کو دیکھتا رہا۔ ذہن میں وہ آریانہ سے باتیں بھی کر رہا تھا۔

رات گہری ہوتی گئی۔ دوسرا پہر گزرنے لگا جب ایک دم اسے لگا اوپر روشن دان سے کوئی سانپ گرا ہے۔ وہ کرنٹ کھا کے اٹھا اور چند قدم پیچھے ہٹا۔ پھر اندھیرے میں آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے دیکھا۔

وہ سانپ نہیں تھا۔ وہ روشن دان سے لٹکی رسی تھی۔ وان فاتح کی گردن کے بال کھڑے ہو گئے۔

رسی سے اوپر چڑھنا قطعاً مشکل نہ تھا۔ چند منٹ میں وہ روشن دان سے نکل کے اوپر آ گیا جہاں چھت کا شیڈ بنا تھا۔ طویل شیڈ جو مخروطی تھا اور اوپر عمارت کے مینار تک جاتا تھا۔ رسی وہاں چمنی سے بندھی تھی۔ اور چمنی کے پاس.... وہ آرام دہ سی بیٹھی تھی۔

فاتح احتیاط سے اوپر چڑھتا اس تک آیا۔ پھر گردن گھما کے دیکھا۔ پہریدار بہت نیچے تھے۔ وہ انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔

تالیہ نے شاہی لباس کی بجائے سادہ کھلا سیاہ پاجامہ اور سیاہ لمبی قمیص پہن رکھی تھی۔ آلتی پالتی کر کے بیٹھی' وہ سنہرے بالوں کا جوڑا بنائے' بس سادگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے قریب فاتح نے قدم روکے۔

''شہزادی!'' سر کو خم دیا۔

وہ اٹھی نہیں۔ بس سر کو جنبش دی۔ ''تو انکو!''

(جگہ مخروطی تھی۔ ذرا ہلتی تو نیچے پھسل سکتی تھی۔)

فاتح نے ادھر ادھر دیکھا۔

''تم یہاں کیسے آئیں؟''

تالیہ گردن اٹھا کے اسے چمکتی آنکھوں سے دیکھتی مسکرائی۔

''جو مجھے آتا ہے' وہ میری جان بچا سکتا ہے۔ اور مجھے دو ہی کام آتے ہیں۔ بلی کی طرح دیواریں پھاند کے دوسروں کے گھروں میں داخل ہو جانا' اور کسی بھی آرٹ ورک کی ہو بہو نقالی کر لینا۔ ان کاموں نے مجھے ایک کنیز کی وفاداری خرید دی اور وہ مجھے یہاں تک لے آئی۔''

فاتح احتیاط سے اس کے ساتھ بیٹھا۔ ''تو کیا تم واقعی شہزادی تاشہ ہو؟''

وہ اداسی سے مسکرائی۔ ''جی ہاں۔ وہ تاشہ جس کا ذکر آپ کتابوں میں پڑھتے تھے' وہ میں ہی ہوں۔ وہ تمام کام جو اس نے کیے تھے' وہ میں اب کروں گی۔ ماضی نہیں بدل سکتا۔ ہم دراصل تاریخ کو بدل نہیں رہے۔ بلکہ ہم اس وقت تاریخ میں موجود ہیں اور ہم تاریخ کو بنا رہے ہیں۔''

''تم نے بنگارایاملایو پڑھی ہے؟''

وہ دونوں مخروطی چھت پہ بیٹھے تھے اور ان کو سامنے دور دور تک ملاکہ کا قدیم شہر پھیلا ہوا نظر آتا تھا۔

''نہیں' توانکو۔'' اس نے فاتح کو دیکھ کے کہا۔ دونوں نے چہرہ ایک دوسرے کی طرف موڑ رکھا تھا۔ ''میں نے صرف شہزادی تاشہ کا نام سنا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ اس نے کون سے کارنامے انجام دیے تھے۔''

''میں جانتا ہوں۔ میں نے بنگارایاملایو پڑھی ہے۔''

تالیہ کا دل زور سے دھڑکا۔

''تو مجھے بتایئے کہ میں یہاں کون سے بڑے کام کرنے جارہی ہوں۔'' وہ بے چینی سے پوچھنے لگی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔

''وہ کتاب تمہارے بارے میں لکھی گئی تھی مگر اس میں ان عظیم کاموں کا ذکر بھی ہے جو میں نہیں جانتا تم کر سکتی ہو یا نہیں۔ اس لئے میں تمہیں ان کے بارے میں نہیں بتاؤں گا۔ تم اپنی فری وِل کو استعمال کر کے اپنی مرضی سے جو کرنا ہے کرو۔ یا تو وہ کتاب جھوٹی تھی' یا تم واقعی اتنی ہی عظیم ہو جتنا کہ اس میں لکھا تھا...'' اس نے گہری سانس لی۔ ''خیر... ایڈم کو تم اپنے ساتھ رکھنے میں کامیاب ہو گئیں۔''

وہ جو انہماک سے سن رہی تھی' اس کے بات بدل دینے پہ بدمزہ ہوئی۔ ذرا سے شانے اچکائے۔ ''ہاں' وہ محل میں پورے عیش و آرام سے رہا ہے۔ درجنوں غلام اس کی خدمت پہ مامور ہیں۔ چھ سو کتابیں اس کو مطالعے کے لئے پیش کی گئی ہیں۔ تین وقت کا کھانا شاہی باورچی خانے سے آتا ہے اس کا۔ اور کیا چاہیے اس کو۔''

''مطلب تم نے اس کو شاہی لائبریری میں قیدِ با مشقت پہ رکھ دیا ہے۔''

''اب یہ تو اپنی اپنی نظر کی بات ہے' توانکو۔ چونکہ میری نظر مثبت ہے تو میرے خیال میں وہ بڑے آرام سے ہے۔'' مزے سے بولی اور مسکراہٹ دبائی۔ فاتح بھی مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

سلطنتِ ملاکہ کا قدیم چاند آسمان پہ تیر رہا تھا اور ایسے میں وہ دونوں اس مخروطی شیڈ پہ بیٹھے اطراف سے بے خبر نظر آتے تھے۔

''تم کیسی ہو؟'' فاتح نے دھیرے سے پوچھا۔

''میرے پاس پلان ہے' توانکو۔ راجہ مراد مجھے چابی نہیں دیں گے' اس لئے میں ایڈم کو زبان سکھا رہی ہوں تاکہ وہ میرے ساتھ رہ سکے۔ آپ کو بھی میں آپ کے مالک سے خرید کے محل میں لے جاؤں گی۔ پھر ہم اس چابی کو مل کے تلاش کریں گے اور...''

''میں پوچھ رہا ہوں ''تم'' کیسی ہو' تالیہ؟'' وہ نرمی سے بولا تو تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''میں؟'' وہ گم صم ہوئی۔

''اپنے بابا سے اتنے عرصے بعد ملی ہو۔ اپنے ملک واپس آئی ہو۔ خوش ہو؟''

وہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔ ''یہ میرا ملک نہیں ہے۔ یہ میرے لوگ نہیں ہیں۔ میرا ملک صرف ملائیشیاء ہے۔ 2016ء کا ملائیشیاء اور مجھے اس میں واپس جانا ہے۔''

''اور تمہارے بابا؟''

''مجھے ان سے کوئی اپنائیت' کوئی محبت محسوس نہیں ہوئی۔ ہمارے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ میری فیملی صرف داتن ہے۔ اور کوئی نہیں۔'' وہ اداس ہوئی۔ چہرہ موڑ لیا۔ اب وہ دور اندھیرے میں ڈوبے شہر کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ تو تم محسوس کر رہی ہو۔ راجہ مراد کیسا محسوس کرتا ہے؟''

''پتہ نہیں۔ میرا نہیں خیال ان کو مجھ میں کوئی دلچسپی ہے۔ انہوں نے پہلے ہی دن میرے پیچھے ایک کنیز کو لگا دیا۔''

''یا شاید تم فرض کر چکی ہو کہ تمہیں کوئی بھی انسان اپنی فیملی نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے تم اپنی اصل فیملی سے مل کے بھی پر امید نہیں ہو۔ تم اپنی عزت نہیں کرتیں' تالیہ۔''

اس نے شاکی نظریں فاتح کی طرف موڑیں۔ ''میں سترہ سال بعد ان سے مل رہی ہوں مگر ان کے انداز میں کوئی محبت' کوئی والہانہ پن نہ تھا۔''

''تم اس سے سترہ سال بعد مل رہی ہو' وہ تمہیں پانچ دن بعد مل رہا ہے۔ پانچ دن صرف تم اس سے دور رہی ہو۔ ظاہر ہے وہ نارمل ہو گا۔''

''کیا آریانہ کو کھونے کے پانچویں دن آپ نارمل تھے؟'' الفاظ تھے کہ کیا... فاتح ایک دم خاموش ہو گیا۔

''کیا اگر پانچویں دن اس چیئر لفٹ ٹریک پہ آپ جاتے اور وہ آپ کو مل جاتی تو کیا آپ اس سے محبت کا اظہار کرنے میں سرد مہری یا کنجوسی سے کام لیتے۔''

''میرا کیس مختلف ہے۔ میں اکیسویں صدی کا باپ ہوں۔ پہلے زمانے میں لوگ اتنے expressive نہیں تھے۔ باپ عموماً سخت گیر ہوتے تھے۔''

''ہاں!'' اس نے گہری سانس بھر کے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہماری دنیا اور اس دنیا میں بہت فرق ہے۔ اور اپنی دنیا میں واپس جانے کے لئے ہمیں راجہ مراد سے لڑنا پڑے گا۔''

''تم اپنے باپ کو اپنا دشمن کیوں سمجھتی ہو؟''

''کیونکہ وہ کوئی ہیرو نہیں ہیں۔ وہ خطرناک ہیں۔ قاتل ہیں۔ ظالم ہیں۔ انہوں نے اپنے لوگوں سے وعدہ کیا تھا' ان کی بھلائی کا وعدہ اور پھر انہوں نے اپنا ضمیر بیچ کے اس وعدے کو بھلا دیا اور ایک طاقت ور عہدہ حاصل کر لیا۔ ایسے شخص کو کیا کہتے ہیں' تو انکو؟''

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر آہستہ سے بولا۔ ''سیاست دان۔''

وہ لمحے بھر کو کچھ بول نہ پائی۔ "میرے بابا... ایک ظالم خطرناک...."

"سیاستدان ہیں۔ تمہارے بابا صرف ایک سیاستدان ہیں۔ اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ تحمل سے کہہ رہا تھا۔ "سیاستدان سے مقابلہ کرنے کے لیے کسی جنگ' کسی لڑائی' کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے تمہیں سوائے ایک چیز کے۔"

"کیا؟"

"The art of Politics"

تالیہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔ "جو ہماری دنیا کے سیاستدان کرتے ہیں؟ ملک کا پیسہ چور کرنا' لوگوں سے وعدے کر کے ووٹ لینا' اور پھر ان کو بھلا دینا' طاقت کا غلط استعمال کرنا.... یہ سب چیزیں اس پندرہویں صدی کے ملاکہ میں فٹ نہیں ہوتیں۔"

"اوہ تالیہ!" وہ پیچھے ہوا اور بازوؤں کا تکیہ بنا کے نیم دراز انداز میں مخروطی شیڈ سے ٹیک لگالی۔ تالیہ کو گردن موڑ کے اسے دیکھنا پڑا۔ وہ اوپر آسمان پہ نظر آتے تاروں کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔

"یہ تو برے سیاستدان کرتے ہیں۔ میں تمہیں برا بننے کے لئے نہیں کہہ رہا۔ صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ تم راجہ مراد سے چابی حاصل کر سکتی ہو اگر تم اس کو اسی کے انداز سے ہینڈل کرو۔"

"اور ان کا انداز جانتے ہیں آپ؟ کل ایک آدمی کی گردن اڑا دی صرف عوام کو پیغام دینے کے لئے کہ ملک میں نیا بنداہارا آ گیا ہے۔"

"ملک میں نئی شہزادی بھی تو آئی ہے۔ کیا شہزادی نے چند لوگ گرفتار کرنے کے علاوہ لوگوں کو کوئی پیغام دیا؟"

"میں طاقت کا اظہار کرنے کے لئے لوگوں کی گردنیں نہیں مار سکتی۔"

"گردنیں مارنا طاقت کے اظہار کا واحد طریقہ نہیں ہوتا۔ وہ برا ہے' تم اچھی ہو۔ تم اپنے طریقے سے اپنی طاقت کا اظہار کرو۔ طاقت کوئی ہموار زمین نہیں ہوتی۔ یا تو یہ اوپر جا رہی ہوتی ہے یا نیچے۔ تمہیں اس کو بڑھانا ہوگا۔"

"مگر کس طرح؟" وہ الجھن سے بولی۔ پھر چونکی۔ "آپ نے بنگارا یا ملایو پڑھی تھی۔ اس میں لکھا تھا کچھ ایسا کیا؟ کہ شہزادی تاشہ نے محل میں آتے ہی طاقت کا اظہار کیا تھا؟ کیا کیا تھا میں نے؟" وہ بے چین ہوگئی۔

"کیا تھا نہیں.... کرو گی۔ اب تم جو کرو گی وہ تاریخ بنے گا۔ اور ابھی وہ کتابوں میں بھی لکھا جائے گا۔ وہی جو میں نے پڑھا ہے یا تو وہ سچ ہے' یا جھوٹ۔ مگر میں یہ دیکھنا چاہوں گا کہ تم حقیقت میں کیا کرتی ہو۔ ہو سکتا ہے مورخین نے کتابوں میں سچ نہ لکھا ہو۔"

اس نے بددلی سے ابرو بھینچے۔ "یعنی آپ نہیں چاہتے کہ میں "اپنی" ہی نقل کرلوں۔"

"جو تم سمجھو۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر میں وہی کروں گی جو مجھے درست لگے گا۔ لیکن مجھے صرف ایک بات بتا دیں۔ شہزادی تاشہ کا انجام کیا ہوا تھا؟ عصرہ کہتی تھیں' اس کا انجام ٹریجک تھا۔ میں نے نہیں پڑھ رکھا۔ آپ نے تو پڑھا ہے نا۔"

وہ چند ثانیے کو اسے دیکھتا رہا' پھر گہری سانس لی۔ ''کیا تمہارے بابا کے پاس چابی موجود ہے یا اس کو نئی بنانی پڑے گی؟'' وہ بات ٹال گیا تھا۔ تالیہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''ٹھیک ہے۔ مت بتائیں۔ وقت خود ہی سب ظاہر کر دے گا۔'' پھر اس کا چہرہ دیکھ کے عجیب سے لہجے میں بولی۔ ''آپ کو کسی چیز سے خوف کیوں نہیں آتا؟ کبھی مایوس کیوں نہیں ہوتے آپ؟''

وہ جو گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنائے بیٹھا تھا' اس بات پہ دھیرے سے ہنس دیا۔

''میں نے زندگی میں بہت سی جنگیں لڑی ہیں۔ مجھے بھی سیٹ بیک ملتے ہیں مگر میں ایک دن کی بری باتوں کو صرف اس دن تک خود پہ طاری رکھتا ہوں۔ اگلی صبح میں نئی امید اور فریش ذہن کے ساتھ اٹھتا ہوں اور اپنے مقصد پہ فوکس کرتا ہوں۔''

''سب آپ جیسے نہیں بن سکتے۔''

''ظاہر ہے سب میرے جیسے نہیں بن سکتے۔ آسان تھوڑی ہے میرے جیسا بننا۔''

تالیہ اداسی سے مسکرا دی۔ پھر گردن گھما کے نیچے پھیلے احاطے کو دیکھا۔ یہاں سے احاطے کی صرف چار دیواری نظر آتی تھی۔ تبھی وہ پہریداروں کی نظروں سے محفوظ تھے۔

''میں اب چلتی ہوں۔ آپ نیچے اتر جائیں اور آرام کریں۔''

''اپنا خیال رکھنا۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسے سہج سہج قدم اٹھاتے جاتا دیکھتی رہی۔ پھر لباس میں چھپایا بٹوہ نکالا۔ گیلا بٹوہ اب سوکھ چکا تھا اور اس میں وان فاتح کے آئی ڈی کارڈ' کریڈٹ کارڈ' رقم اور پاپ کارن کے ٹکڑے اسی طرح رکھے تھے۔ وہ بٹوہ واپس کرنے آئی تھی مگر نہیں کر سکی۔ نہ جانے کیوں۔

چند ساعتوں بعد محل کے سبزہ زار پہ وہ خاموشی سے شریفہ کے ساتھ چل رہی تھی۔ دونوں نے چغے پہن رکھے تھے اور ٹوپیاں سروں پہ گرا رکھی تھیں۔ لائبریری کے سامنے وہ رکی اور چغے کی ٹوپی پیچھے گرائی تو پہریدار اسے دیکھ کے چونکے۔ پھر ادب سے پیچھے ہٹ گئے۔

اندر فرش پہ کتابیں پھیلائے' چہرے کو کاٹتا ہوا ایڈم بیٹھا تھا۔ چراغ اور قندیلیں روشن تھیں۔ وہ گال تلے ہاتھ رکھے ایک کتاب کے مطالعے میں منہمک تھا۔ ایک کتاب کی جلد چپکا کے اسے سوکھنے کے لئے سامنے رکھا تھا۔

آہٹ پہ وہ ہڑبڑا کے سیدھا ہوا۔ پھر جلدی سے سیدھا کھڑا ہوا۔

چغے والی شہزادی قریب آ رہی تھی۔ ساتھ کوئی نہ تھا۔

''آپ کو معلوم ہے بچے تالیہ.... اسکول میں ہمیں قدیم ملے میں لکھی چند کتابیں پڑھائی گئی تھیں۔ قدیم ملے بھی قدیم انگریزی کی طرح ہے۔'' وہ کتاب ہاتھ میں لئے جوش سے بتانے لگا۔ تھکا ہوا لگ رہا تھا مگر جوش قابلِ دید تھا۔ ''Chaucer کی کینٹر بری ٹیلز چودھویں صدی میں لکھی گئی تھی اور پہلی نظر میں اس کی انگریزی بالکل سمجھ نہیں آتی مگر غور سے پڑھو تو زبان وہی ہے' صرف تلفظ اور ہجے مختلف ہیں۔ یہ

قدیم ملے کی کتابیں میں تھوڑی بہت سمجھ سکتا ہوں کیونکہ صرف الفاظ کے ہجے زیادہ ہیں اور یہ لوگ ان کو مختلف طریقے سے ادا کرتے ہیں ورنہ زبان تقریباً وہی ہے۔''

''تم نے ہنگا رایا ملایو پڑھی ہے؟ شہزادی تاشہ کی داستان؟'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''نہیں تو.....کبھی دل ہی نہیں چاہا۔''

''یعنی تمہیں نہیں معلوم کہ شہزادی تاشہ نے کون کون سے کارنامے سرانجام دیے تھے؟''

''نہیں ﭼﮯ تالیہ۔ مجھے نہیں معلوم۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔'' پہلے وہ الجھا۔ پھر چونکا۔''اوہ میں سمجھ گیا۔ آپ ہر دفعہ کی طرح اس امتحان میں بھی چیٹنگ کر کے پاس ہونا چاہتی ہیں' ہے نا۔ آپ اس کتاب سے آئیڈیاز چرانا چاہتی ہیں۔ صحیح کہتے ہیں 'چور چوری سے جائے' ہیرا پھیری سے نہ جائے۔''

''چور ہیرا پھیری سے جائے یا نہ جائے' یہ قیدی ضرور اپنے سر سے جائے گا۔'' دانت جما کے سرد لہجے میں بولی تو ایڈم کا منہ بن گیا۔

''میں ملائیشیاء کا ایک قانون پسند شہری ہوں۔ آپ جو سارا دن میرے اوپر ظلم ڈھاتی ہیں' ان کا حساب آپ کو ایک دن دینا ہوگا۔''

''کام پہ دھیان دو اور زیادہ دماغ خرچ مت کرو۔ کہیں ختم ہی نہ ہو جائے۔'' اور پھر ایک برہم سا 'ہونہہ' کر کے وہ پلٹ گئی۔

وہ ماتھے پہ لکیریں ڈالے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

''اگر بے جا گمان کرنا گناہ نہ ہوتا تو میں ضرور سوچتا کہ کہیں ﭼﮯ تالیہ نے اصلی شہزادی تاشہ کو قید کر کے اس کی جگہ تو نہیں لے لی۔ ویسے ملائیشیاء کے قانون کے مطابق کسی دوسرے کی شناخت اپنا لینے پہ کون سی دفعہ لگتی ہے؟''

وہ بڑبڑاتے ہوئے واپس بیٹھا اور چمڑے کا ٹکڑا اٹھا لیا۔ ابھی اسے کافی سارا کام کرنا تھا۔

☆☆=========☆☆

صبح کی سفیدی محل کے میناروں سے ٹکرائی تو جامنی آسمان پہ تیرتے بادلوں کے نارنجی کنارے غائب ہونے لگے' یہاں تک کہ دودھیا پن سارے پہ چھا گیا اور آسمان خوب روشن ہو گیا۔

شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں سنگھار میز کے سامنے کرسی پہ وہ بیٹھی تھی اور ٹیک لگائے' بے نیاز' مغرور نظروں سے آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی۔ پیچھے کھڑی شریفہ اس کے بالوں میں نرمی سے ہاتھی دانت کا بنا کنگھا پھیر رہی تھی۔

ایک باز واس نے پھیلا رکھا تھا جس میں ایک دوسری کنیز سونے کے کنگن چڑھا رہی تھی۔

''راجہ نے کہا ہے کہ شاہی اتالیق کو بلوایا جائے۔ وہ آپ کو مختلف فنون اور آداب کی تربیت دیں گے۔ اس کے علاوہ....''

تالیہ نے ابرو اٹھا کے برہمی سے عکس میں اپنے پیچھے کھڑے اسے دیکھا۔

''تاشہ کو سب آتا ہے۔ اسے کچھ بھی نیا سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

"مگر شہزادی' میری عرض سنیئے۔ شہزادیوں کو شاہی آداب سیکھنے کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔"

"میں پہلے ہی بہت باادب اور سلیقہ مند ہوں۔ راجہ سے کہو' میری فکر نہ کیا کریں۔"

شریفہ خاموش ہوگئی۔

تبھی دروازے پہ دستک ہوئی اور ایک تائی ژیان ہاتھ باندھے اندر داخل ہوا۔

"شہزادی یان سوفو آپ سے ملنے آئی ہیں۔"

تالیہ چونکی۔ فوراً شریفہ کو دیکھا۔ پھر آئینے میں خود کو دیکھا۔ اس کا سنگھار مکمل ہو چکا تھا' لبوں پہ لپ اسٹک بھی لگی تھی اور آنکھوں میں کاجل بھی۔ مگر بال بنانے ابھی رہتے تھے۔

"شہزادی کو انتظار کرواؤ۔ مجھے ابھی دیر ہے۔" بے نیازی سے بولی اور واپس پیچھے ہو کے بیٹھ گئی۔ آئینے میں وہ اپنی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی جن میں یان سوفو کے ذکر کے بعد سے تپش سی بھر گئی تھی۔

وہ ظالم شہزادی جس نے الور سونگائی کے لوگوں پہ ظلم ڈھایا تھا... اور نہ جانے کتنے لوگوں کو قید میں ڈالا تھا... جس کی حد سے بڑھی حرکتوں پہ بھی سلطان اس ٹوکتا نہ تھا کیونکہ وہ چین کے بادشاہ کی بیٹی تھی اور سلطان کی محبوب منگیتر... جس سے چند دن بعد سلطان کی شادی ہونا تھی... وہ اس وقت ملاکہ کی سب سے طاقتور عورت تھی۔ سوائے راجہ مراد کے' اس کے مقابلے پہ کوئی نہ تھا۔

اس کی سازشیں وجہ بنی تھیں کہ تالیہ کا الور سونگائی اجڑ گیا اور وہ وقت کا دروازہ پار کر گئی۔

اور آج وہ اس شہزادی سے ملنے جا رہی تھی۔

تالیہ نے آج گلابی زرتار لباس پہنا تھا۔ بالکل شاکنگ پنک۔ لہنگا سا قدموں کے نیچے سے فرش پہ جھاڑو دیتا تھا' اور قمیض گھٹنوں تک آتی تھی۔ دونوں کہنیوں پہ ریشمی دوپٹہ پیچھے سے ڈال رکھا تھا جو لباس کے ساتھ ہی فرش کو چھوتا تھا۔ سنہری بال آدھے باندھے' وہ بالوں پہ تاج پہنے' باہر محل کے سبزہ زار کی روش پہ چلتی آ رہی تھی۔ دونوں کنیزیں اور خادم ایک قدم پیچھے تھے۔

باغ میں ایک جگہ چھوٹے چھوٹے درخت لگے تھے۔ ان کے ساتھ شہزادی یان سوفو کھڑی تھی۔ اس نے چینی طرز کی لمبی میکسی پہن رکھی تھی' اور بالوں کے جوڑے میں لمبی اسٹک اٹکی نظر آتی تھی۔ سیاہ بالوں والی دراز قد اور پرکشش شہزادی مسکرا کے دور سے اس کو آتے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ جو کنیزیں اور خادم کھڑے تھے' وہ سب بھی چینی تھے۔

گلابی لباس والی تاشہ دونوں پہلوؤں سے لباس اٹھائے' قریب آئی تو اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

"شہزادی۔" اس نے سر جھکا کے آداب کہا تو یان سوفو نے جواباً اپنا سر بھی جھکایا۔ "شہزادی!" پھر مسکرا کے اسے دیکھنے لگی۔

"ماشاءاللہ۔ راجہ مراد کی بیٹی تو میری سوچ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ آپ کو اس محل میں دیکھ کے بہت خوشی ہوئی شہزادی تاشہ۔ مگر اس بات کا افسوس بھی ہوا کہ تین ماہ سے ہم ملاکہ میں رہ رہے ہیں' مگر کسی نے ہم سے ذکر تک نہ کیا کہ سلطان کے پھوپھی زاد راجہ مراد کی کوئی بیٹی

چین میں بھی رہتی تھی۔ ویسے چین کے کس شہر میں اتنے سال گزارے آپ نے؟'' تالیہ جبراً مسکرائی۔

''کسی ایک شہر میں گزارے ہوں تو بتاتی۔ اتنے شہروں میں رہی ہوں کہ مجھے تو سارا چین اپنا ہی لگتا ہے۔''

یان سوفو کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔

''آپ کی بہن کی گمشدگی کا سن کے افسوس ہوا۔ کیا تالیہ ابھی تک نہیں ملی؟''

''تاشہ اور میں نے تالیہ کا معاملہ اللہ پہ چھوڑ دیا ہے۔ اللہ نے چاہا تو وہ ضرور مل جائے گی۔''

آواز پہ وہ چونک کے بے اختیار گھومی۔ راجہ مراد روش پہ چلتا آرہا تھا۔ ہاتھ کمر پہ باندھ رکھے تھے اور سپاٹ چہرے پہ سرد سی مسکراہٹ تھی ۔کندھوں پہ پہنی پوشاک قدموں تک آرہی تھی۔

تالیہ کے تنے اعصاب قدرے ڈھیلے ہوئے۔ وہ اس کے ساتھ آکھڑا ہوا تو اسے مضبوط سہارے کا سا احساس ہوا۔ نہ جانے کیوں۔

''راجہ! آپ کو دیکھ کے اچھا لگا۔ کیا آپ نے میرا کام کر دیا؟ پوچھتے ہوئے اچھا تو نہیں لگ رہا' آپ کو زحمت بھی بہت دے رہی ہوں' مگر کام ضروری تھا۔'' یان سوفو نرمی اور خفت سے بولی تھی۔ وہ خفت مصنوعی تھی' یا شاید اس کا انداز ایسا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے شہزادی۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پہ۔ جو سامان آپ کو درکار تھا وہ میں نے آپ کے محل بھجوا دیا ہے' اور ہاں.... آپ کا چور بھی پکڑا گیا ہے۔''

''آپ کا بہت شکریہ' راجہ!'' وہ ممنون ہوئی۔ پھر تالیہ کا چہرہ دیکھا جو باری باری دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''میرے محل سے تھوڑا سا سونا چوری ہوا تھا۔ راجہ نے وعدہ کیا تھا کہ ان کے سپاہی چور کا سراغ لگا لیں گے۔ میرا ہی ایک ملے غلام تھا جو بھاگا ہوا تھا۔ اور بالآخر راجہ نے اس کو ڈھونڈ ہی نکالا۔''

تالیہ نے محض سر ہلا دیا۔ اس کے اعصاب تن رہے تھے۔ شہزادی اب پھر سے راجہ کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ شہد سے میٹھے لہجے' ممنون چہرے۔ کیا یہ دونوں دشمن نہیں تھے؟

''یہ رہا آپ کا مجرم!'' چند سپاہی دور ایک شخص کو رسیوں میں باندھے لے کر جاتے نظر آرہے تھے۔ غالباً وہ راجہ کے ساتھ ہی آئے تھے ۔راجہ نے اشارہ کیا تو وہ اس شخص کو وہیں لے آئے۔ اس کی آنکھوں پہ پٹی بندھی تھی اور ہاتھ پیر بھی زنجیر پا تھے۔

یان سوفو نے ایک محظوظ نظر اس پہ ڈالی۔ وہ اب سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

''اس کی پٹی کھولو۔ میں چاہتی ہوں کہ سزا کے وقت یہ میری آنکھوں میں دیکھے۔''

''آپ اس کو ابھی سزا دینا چاہتی ہیں۔'' راجہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

یان سوفو نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''کیا آپ نہ دیتے؟''

''میرا مطلب تھا' اس جگہ؟ باغ میں؟ خیر!'' راجہ خاموش ہو گیا۔ سپاہیوں نے قیدی کی پٹی کھول دی۔ اس نے شہزادی کو دیکھا اور

نظریں خفت سے جھکا لیں۔ تالیہ کو عجیب سا احساس ہوا۔

شہزادی نے ایک ہاتھ پھیلایا تو ایک سپاہی نے اس پہ تلوار رکھی۔ دوسرے سپاہی نے قیدی کا دایاں ہاتھ رسی سے نکال کے زور زبردستی سے سامنے کیا۔ تالیہ کا سانس تھم گیا۔

(یہ آدمی چور نہیں ہے۔ اگر چور ہوتا تو منت سماجت کرتا۔ یہ تو سزا کے لئے تیار ہے۔) اس نے چونک کے راجہ مراد کو دیکھا جو کمر پہ ہاتھ باندھے کھڑا' سنجیدگی اور خاموشی سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ (یہ آدمی بابا نے پکڑا ہے۔ اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوئی۔ بابا نے اصل چور کو بچانے کے لئے اس کو سامنے کر دیا ہے۔) ایک سنسنی خیز لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑتی گئی۔

''اسلام میں جو چور کی سزا ہے' وہی میں' شہزادی یان سوفو' تمہیں دیتی ہوں۔'' کہہ کے شہزادی نے مہارت سے تلوار بلند کی۔ چور نے آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ تلوار نیچے آئی اور اس کا ہاتھ کلائی سے کاٹ کے نیچے گرا گئی۔ خون کے چھینٹے سیدھے تالیہ کے اوپر آتے مگر وہ تیزی سے پیچھے ہو گئی۔ بے اختیار اس نے باپ کی کہنی کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

وہ آدمی درد سے چلا رہا تھا۔ بازو سے خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔

یان سوفو نے تلوار واپس تھما دی' اور مسکرا کے تالیہ کو دیکھا۔ وہ لوگ سپاہی کو لئے واپس مڑ گئے۔ اس کا خون یہاں وہاں گھاس پہ گرتا جا رہا تھا۔

''شکریہ بنداہارا۔ مجھے امید ہے آئندہ بھی آپ میرے دشمنوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لئے میری مدد کرتے رہیں گے۔''

یہ کہہ کے شہزادی مڑ گئی۔ اس کا عملہ بھی ساتھ ہی پلٹ گیا۔ اور سبک رفتاری سے وہ روش پہ آگے بڑھتے گئے۔

تالیہ اسی طرح سن کھڑی تھی۔ مراد کی کہنی سے آستین اس نے سختی سے بھینچ رکھی تھی۔ آنکھیں دور جاتی یان سوفو پہ جمی تھیں۔

''بابا'' لب پھڑپھڑائے۔ مراد نے گردن موڑ کے غور سے اس کا سفید پڑتا چہرہ دیکھا۔

''شریفہ کہہ رہی تھی کہ آپ میرے لئے شاہی اتالیق بھجوانا چاہتے ہیں جو مجھے شاہی آداب کی تربیت دے۔'' اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی اور نظریں وہیں جمی تھیں۔ ''آپ کل صبح اس کو میرے پاس بھجوا دیں۔ میں شہزادیوں کی طرح رہنا سیکھنا چاہتی ہوں۔''

راجہ مراد ہلکا سا مسکرایا۔ ایک ہاتھ سے تالیہ کا کندھا ذرا دبایا اور آگے بڑھ گیا۔ تالیہ کی بھنچی مٹھی سے اس کی کہنی پھسل گئی۔ مٹھی خالی رہ گئی۔ اور دور اسی نکتے پہ جمی نظریں ویسے ہی خالی تھیں۔

☆☆=========☆☆

قدیم کتب خانے میں نیم اندھیرا پھیلا تھا۔ کونے میں زمین پہ دو زانو بیٹھا ایڈم ایک چوکی پہ کاغذ پھیلائے' سیاہی میں قلم ڈبو ڈبو کے لکھ رہا تھا۔ چراغ چوکی پہ رکھا تھا اور اس کی پھڑپھڑاتی زرد روشنی صفحات کو روشن کیے ہوئے تھی۔

(میرا نام ایڈم بن محمد ہے اور میں ہمیشہ سے ایک مستقبل کے خوف کا شکار انسان رہا ہوں۔) وہ قدیم جاوی رسم الخط میں لکھ رہا تھا....

(میں اپنے اتوار' سوموار کے آنے کے خوف میں ضائع کر دینے والا انسان ہوں۔ میں ہمیشہ کل کیا ہوگا اور میں یہ کیسے کروں گا سوچنے والا انسان ہوں۔)

ابوالخیر کی حویلی کی رسوئی میں کھڑا بوڑھا باورچی سیخوں پہ گوشت کے ٹکڑے پرو رہا تھا' اور ساتھ کھڑے فاتح کو سمجھا رہا تھا۔ وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے' غور سے اس کے ہاتھوں کی حرکت دیکھ رہا تھا۔

(مستقبل کے خوف کے ساتھ ناکامی کا خوف بھی میرے اوپر ہمیشہ طاری رہا ہے۔ میں زندگی کا ہر باب شروع کرنے سے قبل یہ سوچتا ہوں کہ کیا کروں جو ہار سے بچ جاؤں؟)

محل کے برآمدے میں اتالیق چند خادموں کے ہمراہ کھڑا تھا' اور انگلیوں پہ لمحے شمار کر رہا تھا۔ جبکہ تالیہ سر پہ سیبوں کا تھال رکھے' آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ سیدھی لکیر میں۔ چند قدم اٹھائے ہی تھے کہ توازن بگڑا۔ سارے سیب نیچے آ گرے۔

(مگروان فاتح کہتے ہیں کہ زندگی ان پہ مہربان ہوتی ہے جو یہ سوچ کے نئے باب شروع کرتے ہیں کہ ہمیں جیتنا کیسے ہے؟)

فاتح چولہے پہ چڑھے برتن میں بوتل سے مائع انڈیل رہا تھا.... آگ نے مائع کو چھوا' اور شعلہ سا بھڑکا۔ اس کے ہاتھ کو آگ کی لپٹ نے چھوا اور وہ کرنٹ کھا کے پیچھے ہٹا... جلن کا شدید احساس....

(میں ان ساری کتابی باتوں کو مانتا ہوں کہ ہاں' ہمیں ہمیشہ مثبت ہی سوچنا چاہیے وغیرہ وغیرہ مگر میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ مثبت سوچنے کا آغاز کیسے کیا جائے۔)

چھوٹی میز کے گرد وہ دونوں بیٹھے تھے۔ درمیان میں بڑے پیالے میں پانی رکھا تھا۔ اتالیق غور سے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ بار بار پانی میں ہاتھ مارتی تھی۔ پانی اچھل کے باہر آ گرتا۔ وہ بے بسی سے اس کو دیکھتی اور کندھے اچکاتی۔ (اس کا کیا فائدہ' استاد؟)

(میں بھی فاتح صاحب جیسا مثبت آدمی بننا چاہتا ہوں مگر میں کہاں سے شروع کروں؟)

فاتح جلے ہاتھ کے ساتھ گوندھے میدے کو بیل رہا تھا۔ روٹی بار بار ٹوٹ جاتی۔ وہ ضبط کر کے پھر سے شروع کرتا۔ پھر ایک دم اس نے روٹی اکٹھی کر کے مٹھی میں بھینچی اور دیوار پہ دے ماری۔ پھر دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ چند لمحے گزرے اور اس نے گہری سانسیں لے کر خود کو نارمل کیا اور دوبارہ سے پیڑے نکالنے لگا۔

(اور اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیوں نہ پہلے میں اپنے اندر کے منفی پن کو نکالنے کی سعی کروں؟ مجھے سب سے پہلے کون سی چیز منفی ردعمل کی طرف دھکیلتی ہے؟ لوگوں کی باتیں۔ غصہ دلاتی' خوف دلاتی باتیں۔)

وہ مسہری پہ بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں ریشمی کپڑا تھا جس پہ سوئی سے وہ کچھ کاڑھ رہی تھی۔ اتالیق اس کے کندھے کے پیچھے کھڑا' کمر پہ ہاتھ باندھے' جھک کے ٹانکا دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلایا تو تالیہ نے غصے سے کپڑا گول مول کر کے واپس پھینک دیا۔ اتالیق آگے بڑھا' جھک کے کپڑا اٹھایا اور ادب سے واپس شہزادی کو لا دیا۔ تالیہ نے روہانسی ہو کے اسے دیکھا اور تھام لیا۔

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان جلد باز بنایا گیا ہے۔ یعنی جلد ردعمل دے دینے والا۔ اس کا مطلب ہے ہم انسانوں کو اپنے اندر فیڈ اس پروگرام کو بدلنا ہوگا۔ ہمیں ذرا ذرا سی بات پہ ردعمل دینے سے خود کو روکنا ہوگا۔)

وہ رسوئی میں کھڑا تھا۔ اور سامنے ڈھیروں پیالیاں رکھی تھیں۔ وہ چائے دان کو ہوا میں کئی فٹ بلند کیے' پیالیوں میں چائے انڈیل رہا تھا۔ قہوے کی دھار سی نیچے آتی اور ایک ایک کپ کو بھرنے لگتی۔ جہاں اسکا ہاتھ ڈھیلا ہوتا اور قہوہ باہر چھلکتا' وہیں ایک ہٹا کٹا پہریدار زور سے چھڑی اس کی کمر پہ مارتا۔ وہ ضبط سے لمحے بھر کو آنکھیں میچتا' پھر دوبارہ سے گہری سانس لے کر چائے انڈیلتا....

(میں نے یہ سیکھا ہے کہ جب تک میں ہر ایک کی ہر بات کو دل سے لگاتا رہوں گا' تب تک میں اذیت میں رہوں گا۔ کسی دوسرے انسان کو صرف الفاظ سے میرا سکون چھیننے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے۔)

وہ گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھی تھی اور ہاتھوں میں ستار اٹھا رکھا تھا۔ اس کی مختلف تاروں کو چھیڑتی وہ اسے بجانے کی کوشش کررہی تھی۔ اتالیق کھڑا افسوس سے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ وہ دانت کچکچا کے مزید تیز تیز انگلیاں تاروں پہ رگڑنے لگی۔ انگلیوں کے پوروں سے خون نکلنے لگا۔

(اصل طاقت تو ٹھنڈے رہنے میں ہے۔ اصل طاقتور لوگ وہی ہیں جو لوگوں کی ہر رائے پہ یقین نہیں کر لیتے بلکہ اکثر باتوں کو در گزر کر جاتے ہیں اور ان کو بے جا سوچتے نہیں رہتے۔)

دو چولہوں پہ کڑاہیاں رکھی تھیں۔ وہ بیک وقت تیزی سے دونوں ہاتھوں سے ان میں چیزیں الٹ رہا تھا۔ پھر کڑاہی کے ہینڈل کو پکڑ کے اٹھا کے سبزیوں کو الٹا پلٹا۔ انداز میں مہارت اور چہرے پہ سنجیدگی تھی۔ دور بیٹھے بوڑھے باورچی نے محض نظر اٹھا کے اسے دیکھا' اور مسکرا کے جھک کے اپنا کام کرنے لگا۔

(اگر دوسروں کے مونہوں سے نکلے الفاظ ہمیں کنٹرول کرنے لگ جائیں تو اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ ہم نے اپنی پوری ذات کا کنٹرول دوسروں کے ہاتھوں میں دے رکھا ہے۔ نہیں۔ اگر مجھے مثبت انسان بننا ہے تو مجھے پہلے قدم کے طور پہ اپنے ''موڈ'' کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں واپس لینا ہوگا۔)

وہ سر پہ ایک کتاب کے اوپر سیب رکھے' سفید چاک کی کھینچی لائن پہ سیدھ میں چل رہی تھی۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ اب پیر نہیں رپٹ رہا تھا۔ وہ بالکل سیدھی چل رہی تھی۔

(میں بطور انسان کے اکیلا ہی اس دنیا میں آیا تھا اور اکیلا ہی جاؤں گا۔ میرے دوست اور میرے گھر والے بھی ہر وقت میری پسند کی بات نہیں کہہ سکتے۔ میں دن میں بہت دفعہ بہت سی باتوں پہ دکھی ہوں گا اور اس دکھ سے بچنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟)

ابوالخیر کی طویل ڈائننگ ٹیبل سجی تھی۔ اوپر فانوس جل رہا تھا۔ سربراہی کرسی پہ ابوالخیر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ دائیں ہاتھ کھڑا' غلام' چائے دان سے اس کی ننھی پیالی میں سرعت سے قہوہ انڈیل رہا تھا۔ دھار برابر تھی۔ ایک قطرہ بھی باہر نہیں چھلکا تھا۔

(مثبت سوچ! مجھے یہ مثبت سوچ رکھنی ہے کہ جو بری بات یہ شخص میرے بارے میں منہ سے نکال رہا ہے‘ یہ اس کی رائے ہے اور جیسے اس کی زندگی کے بارے میں بہت سی دوسری آرا غلط ہو سکتی ہیں‘ ویسے ہی یہ بھی غلط ہے۔)

تالیہ اور اتالیق لکڑی کی میز کے دونوں سروں پہ بیٹھے تھے۔ اس نے زور سے پانی کے پیالے پہ ہاتھ مارا۔ پانی چھلکا۔ اتالیق نے دوبارہ کرنے کو کہا۔ اس نے دوبارہ سیدھا ہاتھ مارا مگر اتالیق نے جلدی سے پیالہ ہٹا لیا۔ اس کا ہاتھ میز پہ پوری قوت سے لگا۔ لکڑی کی میز تڑاخ سے تین ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ تالیہ کی آنکھیں حیرت اور استعجاب سے پھیل گئیں۔

(اور کسی کی غلط آراء کے پیچھے صرف بے وقوف لوگ اپنا موڈ خراب کرتے ہیں۔)

اس کے سامنے tapestry رکھی تھی اور وہ کھڑے کھڑے اس پہ مہارت سے سوئی سے ٹانکے کاڑھے جا رہی تھی۔ ایک پورٹریٹ سا نقش ہو رہا تھا۔ وہ مسکرا کے رفتار تیز کیے گئی۔

(میں یہ نہیں جانتا کہ کس طرح مجھے وان فاتح کی طرح ہمیشہ جیت کا سوچنا ہے‘ یا مستقبل کے خوف سے نکل آنا ہے۔ میں واقعی نہیں جانتا مگر میرے خیال میں‘ زندگی کو جتنا اب تک میں سمجھا ہوں‘ اگر میں مثبت انسان بننا چاہتا ہوں تو مجھے سب سے پہلے اپنے موڈ‘ اپنی مسکراہٹوں اور اپنے آنسوؤں کا اختیار دوسروں کی زبانوں سے واپس لینا ہوگا۔)

وہ سلائیوں کو ہاتھ میں پکڑے‘ باغیچے میں کرسی پہ بیٹھی‘ تیزی سے اون کے دھاگے کو بنے جا رہی تھی۔ الٹا‘ سیدھا‘ اون کے گھر‘ ہر شے اس کی انگلیوں پہ بہت آسان ہوتی جا رہی تھی۔

(جب تک میں ہر آدمی کی رائے پہ دکھی ہوتا رہوں گا یا جواب میں اس پہ غصہ کرتا رہوں گا میں بڑا آدمی نہیں بن سکتا۔)

وہ چمٹے کی مدد سے بھنی ہوئی بوٹیاں اٹھا اٹھا کے طشتری میں رکھ رہا تھا۔ سارے باورچی خانے میں باربی کیو کا دھواں اور مہک پھیلی تھی۔ باورچی نے کلیجی کے ایک ٹکڑے کو منہ میں رکھا تو اس کے تاثرات خوشگوار ہو گئے لیکن پھر چہرہ سنجیدہ بنائے آگے بڑھ گیا۔

(میں یہ بھی نہیں جانتا کہ بڑا آدمی کون ہوتا ہے مگر اتنا ضرور معلوم ہے مجھے کہ سارے بڑے آدمی مثبت سوچ والے لوگ ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ایک بات مجھے اچھے سے معلوم ہو گئی ہے۔)

اتالیق کتاب اٹھائے اس سے کچھ پوچھ رہا تھا اور وہ سامنے کرسی پہ مودب بیٹھی‘ کتاب کو دیکھے بغیر مسکرا کے لفظ بہ لفظ سب سنائے جا رہی تھی۔

(انسان کو چھوٹا اس کی سوچ بناتی ہے۔ بڑی سوچ‘ اچھی سوچ اسے آزاد کرتی ہے۔)

وہ چھرا ہاتھ میں لیے لکڑی کے تختے پہ کٹ کھٹ سرخ ہری سبزیاں کاٹ رہا تھا۔

(اگر میں اپنی سوچ کو آزاد کرنا سیکھ جاؤں‘ اور میں اپنے ہر قسم کے خوف سے خود کو نکال لوں‘ تو میں اتنا ہی ٹھنڈا اور آزاد انسان بن جاؤں گا جتنا فاتح صاحب ہیں۔ جتنے سارے بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ ہاں میں ابھی سارے گر نہیں سیکھ پایا لیکن تھوڑی بہت زندگی کی حقیقت

مجھے معلوم ہونے لگی ہے۔)

تالیہ تیر کمان کو تانے فضا میں نشانہ باندھے زور سے کمان کھینچ رہی تھی۔ تیر فضا میں اڑتا ہوا سیدھا ایک پرندے کے اندر پیوست ہو گیا۔
اس نے مسکرا کے کمان نیچے کی۔ پرندہ گھائل ہو کے سیدھا نیچے آن گرا۔

(اور جو ہمیں معلوم ہوتا ہے' وہ ہماری جان ہمیشہ بچاتا رہے گا)

ایڈم نے سیاہی میں ڈوبا قلم پرے رکھا اور اداس مسکراہٹ سے کاغذ اٹھا کے دیکھا۔ اس پہ سیاہی ابھی گیلی تھی۔ اس نے کاغذ کا کنارہ چراغ کے شعلے پہ سلگایا۔ آگ نے کاغذ کو پکڑ لیا اور وہ پھیلنے لگی۔ وہ اپنے الفاظ کو جلتے ہوئے دیکھنے لگا۔

چند ہی لمحوں میں اس کے الفاظ راکھ کا ڈھیر بن گئے۔

قدیم ملے میں لکھے خوبصورت' پختہ الفاظ۔

☆☆=========☆☆

(چار ہفتے بعد)

اس صبح سورج نکلتے ہی بادل ایسے چھائے کہ آسمان پھر سے سیاہ پڑنے لگا۔ سارے پہ چھاتا سی تن گئی اور ٹپ ٹپ بارش برسنے لگی۔

محل کے کتب خانے کی کھڑکی کے ساتھ کرسی میز پہ بیٹھے ایڈم نے کتاب سے سر اٹھا کے کھڑکی کے شیشے سے تڑ تڑ ٹکراتی بوندوں کو دیکھا اور پھر چہرہ موڑا۔ مناسب خوراک اور صاف لباس کے باعث وہ نارمل لگ رہا تھا۔

''کیا میں اب شہزادی تاشہ سے مل سکتا ہوں؟ چار ہفتے سے میں قید ہوں اور شہزادی اول روز کے بعد دوبارہ مجھ سے نہیں ملیں۔''
انداز شکایتی تھا مگر لہجہ صاف تھا۔

پیچھے کھڑے پہریدار سپاہی نے بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔

''شہزادی آج کل اتالیق کے ساتھ مصروف ہوتی ہیں۔ اور وہ ہر وقت قیدیوں سے ملاقات نہیں کرتیں۔ اس لئے اپنے کام سے کام رکھو۔''

ایڈم نے گہری سانس لے کر چہرہ واپس کتاب پہ جھکا دیا۔ اس کے ساتھ کے دونوں قیدیوں کو شہزادی کے فرمان کے مطابق رہا کر دیا گیا تھا۔ ایک وہ ہی رہ گیا تھا۔ مگر اس دوران وہ قدیم ملے بول' سمجھ اور لکھ لیتا تھا۔ وہ جدید ملے سے بہت زیادہ مختلف نہ تھی۔ پھر بہت سی کتابیں یہاں دستیاب تھیں اور کتابیں پڑھنے میں وہ ہمیشہ سے اچھا رہا تھا۔

کتب خانے سے دور محل کے ایک اونچے مینار میں بنی کھڑکی شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں کھلتی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کھڑکی پہ بھی بوندیں تڑا تڑ برسے جا رہی تھیں۔

اندر پلنگ پہ ٹیک لگائے تالیہ بیٹھی تھی۔ ریشمی لحاف سینے تک ڈالے' وہ شب خوابی کے لباس میں تھی۔ بال کھلے تھے اور ہاتھوں میں کوئی

کتاب پکڑ رکھی تھی۔بار بار جمائی روکتی تھی۔قریب شریفہ ہاتھ باندھے کھڑی بتارہی تھی۔

''سلطان مرسل کو پیغام بھجوایا تھا کہ آپ ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔پچھلے چار ہفتوں میں کئی بار پیغام پہنچا چکے ہیں ہم مگر ملکہ یان سوفو منع کروادیتی ہیں۔آپ اپنے باپا سے کیوں نہیں کہتیں کہ وہ سلطان سے آپ کی ملاقات کروادیں۔''(یان سوفو کی سلطان سے شادی ہو چکی تھی اور اب وہ ملکہ بن کے سلطنت محل میں منتقل ہو چکی تھی۔تالیہ شادی پہ نہیں گئی تھی۔ابھی وہ اتنے سارے لوگوں کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔)

''رہنے دو۔''کتاب پڑھتے پڑھتے تالیہ نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔''باپا کو کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ کافی دن سے سلطان سے ملنے کی کوشش کررہی تھی مگر ملکہ اس کے قاصد کو سلطان تک پہنچنے سے قبل ہی واپس موڑ دیتی تھی۔

''آپ اتالیق کے ساتھ چند گھنٹے گزارنے کے سوا سارا دن اس کمرے میں پڑی رہتی ہیں۔آپ بیمار تو نہیں ہیں شہزادی؟ میں اس لئے پوچھ رہی ہوں کیونکہ اتنے پرتعیش کمرے اور ہر طرح کی اچھی خوراک کے باوجود بھی آپ اداس نظر آتی ہیں۔''

تالیہ نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔(کیونکہ یہاں زندگی بہت آسان ہے۔یہ دنیا بہت مختلف ہے۔یہاں کھانے کو بہت کچھ ہے۔تلے ہوئے' بھنے ہوئے گوشت سے بھرپور کھانے۔اتنی کیلوریز۔اور پھر یہاں میں میلوں جاگنگ نہیں کرسکتی۔یہاں جم نہیں ہے۔یہاں پارٹیز نہیں ہیں۔یہاں سوئمنگ نہیں کی جاسکتی۔صرف ایک چیز ہے۔ٹارگٹ۔راجہ کی دسترس سے وہ چابی چرانی ہے مجھے۔سارے پلان اسی کے گرد گھومتے ہیں۔)

سوچتی رہی مگر بولی کچھ نہیں۔پھر احساس ہوا شریفہ کچھ کہہ رہی ہے وہ چونکی۔''کیا؟''

''آپ کو ابوالخیر کی حویلی میں دلچسپی تھی ناشہزادی۔آج شام ابوالخیر نے راجہ مراد کو اپنے ہاں دعوت پہ مدعو کیا ہے۔سلطان مرسل اور ملکہ بھی وہاں ہوں گے۔''

''اچھا۔واقعی۔''وہ کتاب پرے پھینک کے ایک دم سیدھی ہوئی۔

(''کھانے کی دعوت ہے؟ جانے کھانا کون بنارہا ہوگا۔'') دل اس خیال پہ زور سے دھڑکا۔چہرہ تمتما اٹھا۔''تم میرا بہترین لباس اور زیور تیار کرو۔''

''آپ....آپ بھی جائیں گی دعوت میں؟''

''تاشہ کو کوئی روک کے دکھا سکتا ہے کیا؟!''وہ شریفہ کو دیکھ کے مسکرائی تھی۔

☆☆=========☆☆

ابوالخیر کی حویلی کے احاطے میں بنی جیل شام ڈھلتے ہی بھرنے لگی تھی۔قیدی غلاموں کو واپس لا کے اس میں بھرا جارہا تھا۔سارے دن کی مشقت کے بعد تھکے ہارے قیدی اندر آ کے نڈھال سے ادھر ادھر لڑھکنے لگے تھے۔

ایسے میں صرف وہی غلام باہر تھے جو احاطے کے دوسرے کاموں پہ مامور تھے یا جن کو حویلی کے اندر خدمت پہ رکھ لیا گیا تھا' جیسے فاتح رامزل جو باورچی خانے میں کام کر رہا تھا۔

وہ سر جھکائے کھڑا مچھلی کے قتلے بناتا نظر آتا تھا۔ ماتھے پہ مقامی لوگوں کی طرح پٹی باندھ رکھی تھی۔ سرمئی پاجامے کے اوپر کرتے کی آستینیں کہنیوں تک موڑ رکھی تھیں۔ رنگت کافی جھلس گئی تھی۔ پہلے سے کمزور بھی لگ رہا تھا گو کہ اسے اچھی غذا ملتی تھی مگر وہ جو بہت مناسب ڈائٹ فوڈ کھانے کا عادی تھا' اسے یہ غذا اب کہیں جا کے بمشکل سوٹ کی تھی' ورنہ شروع شروع میں اکثر معدہ الٹنے کو آ جاتا تھا۔ مگر وہ تحمل سے برداشت کر لیتا تھا۔

ایک ساتھی باورچی ساتھ آ کے کھڑا ہوا اور چولہے پہ چڑھے پتیلے کا ڈھکن اتار کے دیکھنے لگا تو فاتح نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''کون آ رہا ہے جس کے لئے اتنا اہتمام کیا جا رہا ہے؟'' وہ اب قدیم ملے کے چند الفاظ بول اور سمجھ لیتا تھا۔ ایڈم جیسی شستہ گفتگو تو نہیں کر سکتا تھا' مگر اشاروں اور چند الفاظ سے بات سمجھا لیتا تھا۔

''سلطان مرسل.... ملکہ یان سوفو.... بنداہارا راجہ مراد....'' دوسرا باورچی مہمانوں کے نام گنواتا گیا۔

فاتح کے سبزی کاٹتے ہاتھ دھیمے پڑے۔

''کیا بنداہارا کے ساتھ کوئی اور نہیں آئے گا؟'' سر جھکائے سرسری سا پوچھا۔

''مثلاً کون؟'' وہ دیگچے میں ڈوئی ہلا رہا تھا۔

''ملکہ ایک خاتون ہیں اور ابوالخیر کے گھر میں کوئی خاتون نہیں رہتی تو کیا ملکہ تنہا بیٹھیں گی؟ کس سے باتیں کریں گی؟'' مزید سرسری سا پوچھا۔

''وہ تنہا کیوں ہوں گی۔ ان کے سب سے معزز قرابت دار کو جو مدعو کر رکھا ہے ابوالخیر نے۔''

''کون؟'' وہ چونکا۔ غلام نے ڈھکن واپس رکھا اور ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔

''وہ جس کو ابوالخیر ہر چند دن بعد حویلی میں بلا لیتے ہیں۔ جو رات گئے تک یہاں بیٹھا ملکی امور پہ گفتگو کرتا ہے اور شطرنج کھیلتا ہے.... سن باؤ تائی ژیان۔ (تین نگینوں والا غلام۔)''

فاتح نے اتنی تیزی سے گاجر کا ٹکڑا کاٹا کہ چھنکنے کی زوردار آواز آئی۔ فوراً سے چہرہ اٹھایا تو اس پہ مختلف رنگ تھے۔ جیسے وہ شاک میں ہو۔

''سن باؤ۔ (تین خزینے) تائی ژیان (غلام)؟'' باورچی کو دیکھ کے دہرایا۔ ''یعنی چینی بادشاہ کا تائی ژیان (مخنث غلام) جو ملکہ یان سوفو کے ساتھ چین سے آیا تھا۔ کیا نام ہے اس کا؟''

''وانگ لی۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

فاتح کا چہرہ یوں تھا گویا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ پھر وہ جبراً مسکرایا۔ ''مجھے اس کو دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ کیا آج میں برتن لگا سکتا ہوں؟''

باورچی نے چونک کے اسے دیکھا' پھر فوراً دور کھڑے بوڑھے نگران کو۔ اس کا چہرہ جیسے دمک اٹھا تھا۔ ''ہاں کیوں نہیں۔ تم سب سیکھ تو چکے ہو۔ میں تمہارے کمرے میں آج آرام کر لوں گا۔ تم نگران کو کہنا میری طبیعت خراب ہے۔''

''فکر نہ کرو۔ میں تمہاری جگہ سنبھال لوں گا۔'' وہ بدقت مسکرایا۔

''تو پھر یہ شوربہ تم ہی اندر لے جاؤ۔ وانگ لی کب کا آیا بیٹھا ہے۔ ابھی دوسرے مہمان نہیں آئے۔'' دیگچے کی طرف اشارہ کر کے وہ غلام خوشی خوشی پیچھے ہٹ گیا۔ فاتح نے دور دوسرے ملازموں کے سر پہ کھڑے نگرانی کرتے بوڑھے کو دیکھا اور گہری سانس لی۔ چند منٹ اس کو راضی کرنے میں بھی لگنے تھے۔

جس لمحے وہ لکڑی کی طشتری میں چاندی کے پیالے میں شوربہ رکھے باورچی خانے سے نکلا تو سامنے طویل راہداری نظر آ رہی تھی۔ وان فاتح قدم قدم آگے بڑھنے لگا۔

(یہ سن باؤ وانگ لی کا مجسمہ ہے۔ سن باؤ... یعنی تین خزانے یا نگینے۔ بدھ مت کے تین نگینے ہوتے ہیں (تین عقائد)۔ بدھا۔ دھرما۔ سنگھا۔)

وہ طشتری اٹھائے راہداری میں آگے چلتا جا رہا تھا۔ بار بار لب کاٹتا۔ سر جھٹکتا۔

(وانگ لی ایک چینی غلام تھا۔ پندرہویں صدی میں وہ اپنی ذہانت اور صلاحیت کے بل بوتے پہ کم عمری میں ہی محل میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیتا ہے۔)

اس نے راہداری کا موڑ مڑا اور بڑے سے دیوان خانے میں داخل ہوا۔ وہاں ایک کونے میں شطرنج کی بساط ہوئی میز پہ بچھی تھی اور اس کے گرد دو کرسیوں پہ آمنے سامنے وہ دونوں بیٹھے تھے۔ ابو الخیر اور.....اور وانگ لی۔

(پھر وہ چینی بادشاہ کا خاص سفیر مقرر ہوتا ہے اور ایک بہت بڑا تاجر بن جاتا ہے۔)

فاتح ان کے قریب آیا اور ادب سے طشتری سے پیالہ نکال کے ابو الخیر کے سامنے رکھا۔

ابو الخیر مہندی رنگ لمبے بالوں والا آدمی تھا۔ جیسے ببر شیر کے بال اس کے چہرے کے دائیں بائیں پڑے ہوتے ہیں۔ اس کی ایک آنکھ تیر لگنے سے ضائع ہو چکی تھی مگر وہ اس کے اوپر کسی قسم کا patch نہیں پہنتا تھا۔ بدہیئت 'مجروح' کانی آنکھ جو پھولے انگور کی طرح تھی' اسی طرح سب کو نظر آتی رہتی اور طبیعت عجیب کر دیتی۔ غلام دبے الفاظ میں اس کو 'کانا دجال' بھی کہتے تھے۔

(یہ گھر وانگ لی نے بنوایا تھا۔ میں چھوٹا تھا تو ایک دفعہ یہاں آیا تھا۔ تب کسی کو نہیں معلوم تھا کہ یہ وانگ لی کا گھر ہے۔)

پھر وہ ترچھا ہوا اور دوسرا پیالہ وانگ لی کے سامنے رکھا اور پھر... نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔

(میں بابا کے ساتھ سامنے کسی دکان پہ بیٹھا تھا' پھر ادھر آ گیا۔ یہ مجسمہ... تب یہ ٹوٹا پھوٹا سا تھا۔ عصرہ نے بعد میں اس کو ٹھیک کروایا۔ یہ مجسمہ مجھے بہت پسند آیا تھا۔)

وہ فربہ سا' لمبے سیدھے سیاہ بالوں والا ایک ادھیڑ عمر چینی شخص تھا۔ پیروں تک آتا چغہ پہن رکھا تھا اور تھوڑی تلے ہتھیلی رکھے سوچ میں ڈوبا شطرنج کی بساط کو دیکھ رہا تھا۔ سارے بال پتلی پتلی مینڈھیوں میں بندھے تھے۔ سر پہ چینی طرز کی ٹوپی تھی۔ پھولے گال اور چھوٹی آنکھیں۔ اور چہرے کی وہ سادگی۔ ہو بہو مجسمے سا۔

(عجیب کشش تھی اس مجسمے میں۔ اب بھی ہے۔ مانوسیت۔ اپنائیت... جیسے کوئی دوست ہوتا ہے نا۔)

وانگ لی نے یکدم نظر اٹھا کے اس غلام کو دیکھا' اور ہلکا سا مسکرایا' پھر شوربے کا پیالہ اپنے آگے کرتے ہوئے دوبارہ توجہ شطرنج کی طرف مبذول کر لی۔

''تمہاری چال کا توڑ سوچ رہا ہوں' ابوالخیر۔ کیوں نا یہ پینے تک ہم کھیل کو روک دیں۔'' شوربے (سوپ) کو چمچ میں بھرتے ہوئے وہ بولا تھا۔ انداز میں ایک خوش مزاجی اور زندہ دلی تھی۔ جیسے وہ بات بہ بات ہنس دینے کا عادی ہو۔

(کس نے بنایا تھا یہ مجسمہ؟)

''میری چال کا توڑ کرنا اتنا آسان نہیں ہے' وانگ لی۔ میں وہاں سے آتا ہوں جہاں سے دوسروں کے فرشتوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔''

وان فاتح خالی طشتری اٹھائے پلٹ گیا۔ اب وہ قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا۔

(کس نے بنایا تھا یہ مجسمہ؟) سکندر نے اس کو روک کے پوچھا تھا۔

(شہزادی تاشہ نے۔) اس نے جواب دیا تھا۔

وہ اب واپس راہداری میں جا رہا تھا۔ باورچی خانہ چند گز کے فاصلے پہ تھا۔

(پھر تاشہ کا کیا ہوا؟)

(معلوم نہیں.... کہتے ہیں اس کی کہانی کا انجام دکھی تھا۔ مگر وہ اکثر سن باؤ کے گھر آیا کرتی تھی۔ اسی نے یہ مجسمہ بنایا تھا۔ کہتے ہیں سن باؤ سے اس کی دوستی تھی۔ یا معلوم نہیں کیا تھا جو وہ اس گھر میں اکثر آتی تھی۔)

باورچی خانے میں واپس آ کے وان فاتح نے طشتری (ٹرے) میز پہ دھری اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

وقت بھی کیا عجیب چیز ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ کب کسی کو کہاں لے جائے' کیا سے کیا بنا دے۔

☆☆=========☆☆

شام مزید گہری ہوئی اور مغرب اتر آئی تو رات کے کھانے کا وقت ہو چلا۔ ملاکہ میں لوگ سرِ شام ہی کھانا کھا کے سو جاتے تھے۔ پھر علی الصبح فجر کی پہلی اذان کے ساتھ اٹھتے اور کاموں میں جت جاتے۔

ابوالخیر کے دیوان خانے میں آدھ درجن فانوس جگمگا رہے تھے۔طویل ڈائننگ ٹیبل پہ جگہ جگہ کینڈل برار کھے تھے جن میں لمبی کھڑی موم بتیاں سارے کو روشن کر رہی تھیں۔خوبصورت دیوان خانے میں وہ زرد روشنی خوابناک سا ماحول بنائے ہوئے تھی۔

سربراہی کرسی پہ سلطان مرسل بیٹھا تھا' جو بہت مرغوبیت سے بھنے ہرن کا گوشت کھا رہا تھا۔سر پہ قیمتی پتھروں سے مزین ٹوپی اور نیچے سرخ زرتار چغہ پہنا تھا۔وہ بمشکل چوبیس پچیس برس کا خوش شکل اور لاابالی سا نوجوان لگتا تھا۔لمبے بال چوٹی میں بندھے تھے۔

اس کے دائیں ہاتھ ملکہ یان سوفو بیٹھی تھی۔لاپرواہ شوہر کی نسبت وہ سلجھے ہوئے انداز میں کھانا تناول کر رہی تھی' اور بار بار چھوٹی آنکھوں سے اطراف کا جائزہ بھی لیتی تھی۔سن باؤ وانگ لی ملکہ کے ساتھ ہی بیٹھا تھا اور وہ کھانا کھاتے ہوئے عادتاً مسکرا کے ذائقے کی تعریف بھی کر رہا تھا۔

سلطان کے بائیں ہاتھ موجود ابوالخیر بس خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا' البتہ وہ کچھ بے چین تھا۔بار بار اپنے ساتھ بیٹھے مراد کو دیکھتا جو اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی تسلی دے دیتا۔وہ سب سے زیادہ مطمئن' پرسکون اور پراعتماد تھا۔جیسے وہاں موجود ہر شخص کی سوچ سے واقف ہو۔جب ابوالخیر کی نگاہوں کا اصرار بڑھتا گیا تو مراد نے مسکرا کے مرسل شاہ کو مخاطب کیا۔

''آقا... جیسا کہ میں نے ذکر کیا تھا محل کو اس وقت ایک نئے خزانچی کی ضرورت ہے۔ایک قابل وزیر خزانہ۔جو محل میں سارے ملک سے آئے گئے خراج اور محصول (ٹیکس) کا حساب رکھ سکے اور اسے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے اچھے سے خرچ کر سکے۔میں اسی سلسلے میں آپ سے بات کرنا چاہتا تھا۔''

''ہاں تو کرو نا۔'' دونوں کہنیاں میز پہ جمائے مرسل نے خوش دلی سے کہا' اور پھر دانتوں سے ہرن کی بوٹی توڑی۔ذائقہ منہ میں گھلا تو اس نے جیسے سر دھنا۔''ابوالخیر تم اتنا اچھا ہرن بنا سکتے ہو۔تمہیں تو ہمارے شاہی باورچی خانے میں ہونا چاہیے۔ایسا ہرن تو میری ماں بھی نہیں بنا سکتی۔'' ساتھ ہی وہ ہنسا۔

کوئی بھی جواباً نہ ہنسا۔ملکہ نے آنکھیں میچ کے جیسے ضبط کیا اور ابوالخیر نے ایک شاکی نظر مراد پہ ڈالی۔مراد نے جواباً پلکیں جھپکا کے اشارہ کیا۔(دھیرج۔صبر۔ٹھنڈا کر کے کھاؤ۔) ابوالخیر نے سر جھٹکا اور مسکرا کے بولا۔''آقا کو پسند آیا' میری خوش نصیبی ہے۔''

وانگ لی نے محض ایک افسردہ نظر مرغوبیت سے کھانا کھاتے سلطان پہ ڈالی۔اسے جیسے ملاکہ کی قسمت پہ افسوس ہوا تھا۔

دروازے پہ آہٹ ہوئی تو ابوالخیر نے نظر اٹھائی۔نیا غلام صراحی اندر لا رہا تھا۔ابوالخیر نے سر کے خم سے اسے تائیدی اشارہ کیا تو فاتح اندر آیا' رواج کے مطابق جھک کے سلطان کو سلام کیا۔باقی سب کھانے میں اور اپنی سوچ میں گم تھے' اور سلطان کھانے میں۔ایسے میں صرف وانگ لی نے محسوس کیا' کہ اس توانا' وجیہہ مرد غلام نے سلطان کے سامنے سر جھکاتے ہوئے بھی گردن پوری نہیں جھکائی' اور اپنی آنکھیں مسلسل اٹھائے اس نے گہری نظروں سے سلطان کو بغور دیکھا تھا۔پھر سیدھا کھڑا ہوا' نظریں جھکا دیں اور صراحی سے سلطان کی پیالی میں قہوہ انڈیلنے لگا۔

وانگ لی یونہی اس کو دیکھنے لگا۔قہوے کی دھار پیالی میں گر رہی تھی۔فاتح کی نظریں جھکی تھیں۔ایک دم اس نے نظریں اٹھائیں اور وانگ لی کو دیکھا۔دونوں کی نظریں ملیں۔

غلام کی نظروں میں ایسی چمک تھی... ایسا ٹھنڈا آدمی لگا تھا وہ اس کو کہ وانگ لی نظر نہ جھکا سکا۔پھر فاتح نے نظریں جھکا دیں اور اپنا کام کرنے لگا۔

یکدم دروازے پہ ہلچل مچی۔ابوالخیر چونک کے اٹھا.....سلطان نے بھی چہرہ اٹھایا۔

''کیا کوئی اور بھی مدعو ہے'ابوالخیر۔''مرسل شاہ کے چہرے کے زاویے بگڑے۔باہر سے تیزی سے خادم اندر داخل ہوا اور ہاتھ باندھ کے سر جھکا کے اطلاع دی۔

''شہزادی تاشہ بنتِ مراد تشریف لائی ہیں۔''

میز پہ بیٹھے سب افراد چونکے تھے۔اور سر جھکائے قہوہ انڈیلتا فاتح ہلکا سا مسکرایا تھا۔

One a socialite , always a socialite!)

وہ یقیناً پارٹیز کو مس کرتی ہے)

ابوالخیر نے فوراً اثبات میں سر کو جنبش دی۔پہریداروں نے دیوان خانے کے دروازے کھولے۔چوکھٹ پہ وہ کھڑی تھی۔

وہ دو پیالوں میں قہوہ انڈیل چکا تھا۔صراحی سیدھی کر کے نظریں اٹھائیں تو وہ اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔

سنہرے بال گھنگریالے کر کے آگے ڈالے تھے۔سر پہ حجاب کے نام پہ ریشمی سبز کپڑا تھا جو برائے نام تاج تلے اٹکا تھا اور پیچھے کمر پہ گرتا تھا۔وہ پاؤں تک آتی لمبی کامدار میکسی پہنے ہوئے تھی۔گھاس جیسے سبز رنگ کی میکسی اور موٹے موٹے زمرد سے جڑے زیورات۔ایسا خوبصورت سبز رنگ کہ چہرہ دور سے دمکتا دکھائی دیتا تھا۔

اس نے قہوہ ڈالتے غلام کو ایک نظر بھی نہ دیکھا۔بس خوبصورت آنکھیں سلطان پہ جمائے رکھیں۔

''دیر سے آنے کے لئے معذرت چاہتی ہوں'آقا۔آج طبیعت ذرا سست تھی۔تیاری میں وقت لگا۔''سامنے آ کے پوری جھکی اور سیدھی ہوئی۔

سلطان مرسل نے پرندے کی بوٹی دانت سے توڑتے نظریں اٹھائیں تو ٹھٹھک گیا۔وہ سجی سنوری لڑکی اب باقی سب کو باری باری تعظیم پیش کر رہی تھی۔مرسل شاہ کی نظر اس سے ہٹنا بھول گئی۔

ملاکہ میں سنہرے بالوں والی عورت اس نے پہلی دفعہ دیکھی تھی۔وہ بھی اتنی حسین۔

''آپ کی آمد ہمارے لئے فخر کا باعث ہے شاہزادی۔''ابوالخیر اٹھا اور سر کو تعظیم سے جھکایا۔خادم نے سلطان کی سیدھ میں پڑی'میز کی دوسری سربراہی کرسی اس کے لئے کھینچی۔وہ مسکرا کے لباس پھول کی طرح گرد پھیلاتی اس پہ بیٹھی تو سلطان ہنوز اسے تک رہا تھا۔

''مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ بھی مدعو ہیں شہزادی!'' ملکہ بظاہر مسکرا کے بولی تو راجہ مراد ہلکا سا کھنکھارا۔

''ابوالخیر نے بمع اہل و عیال مدعو کیا تھا' اور تاشہ ہی میرا پورا خاندان ہے۔'' کہہ کے وہ گھونٹ گھونٹ قہوہ پینے لگا۔

''آپ کی بہن کے بارے میں سن کے افسوس ہوا۔'' سلطان مرسل نے زبان کھولی۔ پھر مدد طلب نظروں سے بائیں ہاتھ بیٹھی بیوی کو دیکھا۔ ''تالیہ'' اس نے سرگوشی کی۔ سلطان نے فقرہ دہرایا۔ ''آپ کی بہن تالیہ کے بارے میں سن کے افسوس ہوا۔ کیا اس کی کوئی خیر خبر ملی ؟''

صراحی میز پہ رکھ کے فاتح قدم قدم پیچھے ہٹا اور ابوالخیر اور مراد کی کرسیوں کے عقب میں جا کھڑا ہوا تھا۔ اس سوال پہ اس نے بھی تالیہ کی طرف نگاہیں موڑ دیں۔

''آپ کا شکریہ آقا۔'' اس کے چہرے پہ اداسی پھیلی۔ ''تالیہ ایسی کھوئی ہے کہ نہ جانے اب واپس آ سکے گی بھی یا نہیں۔ خدا معلوم کیسے لوگوں کے چنگل میں پھنس گئی ہو۔ برے برے خیال آتے ہیں مجھے۔ جیسے وہ کسی قید میں ہے اور بے بس ہے۔''

مراد نے گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے اسے دیکھا' پھر خاموشی سے سلطان کو' جس نے افسوس سے سر ہلا دیا تھا۔

''خدا تعالیٰ آپ کی مشکلات آسان کریں۔'' پھر ذرا کھنکھارا اور ٹوکری سے ایک پھل نکال کے اس میں دانت گاڑ ھے۔

(ملکہ اب غیر آرام دہ نہیں ہوئی کیونکہ وہ اس طرف متوجہ ہی نہیں تھی۔ وہ بار بار ناگواری سے تالیہ کو دیکھتی تھی جو کھانا شروع کر چکی تھی۔)

''چین کے کس شہر میں اتنے برس گزارے ہیں آپ نے؟''

''دارالحکومت میں کچھ عرصہ رہی ہوں۔'' وہ سادگی سے بولی۔ ''مگر اس سے زیادہ وقت ایک چھوٹے سے گاؤں میں گزارا ہے۔ اس کا نام تو کچھ اور ہے مگر میں اس کو کوالالمپور کہتی تھی۔''

ہاتھ باندھے کھڑے فاتح نے ابرو اکٹھے کر کے تادیبی نگاہوں سے اسے دیکھا مگر وہ سوپ میں چمچ ہلاتی' سلطان کو دیکھ کے سادگی سے بتا رہی تھی۔ ''کوالالمپور۔ یعنی گدلے پانیوں کا سنگم۔''

''واہ۔ اور کیسا تھا آپ کا کوالالمپور؟'' وہ پھل کا ٹکڑا چباتے ہوئے محظوظ سا اسے دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے ایک نظر چھت اور اطراف پہ ڈالی۔

''اس دنیا سے بہت مختلف۔ ایک ترقی یافتہ خوبصورت شہر۔ جہاں ہر قسم کا عیش میسر تھا' مگر لوگ خالص نہیں تھے۔ وہ لالچ' اور طاقت کی ہوس کا شکار تھے۔

''وہاں کچھ لوگ بھیس بدل کے دوسروں کی قیمتی چیزیں چرا لیتے تھے۔ رات کی تاریکی میں نقب لگا جاتے تھے۔ اور کچھ...'' وہ اداسی سے مسکرائی۔

''کچھ دن دہاڑے' بھیس بدلے بغیر سیاست کے نام پہ لوگوں سے ان کا اعتماد مانگتے' اور پھر حکومت کے بہانے خراج کے پیسوں کو

بے نامی جائیدادوں میں چھپا دیتے ہیں۔ کھلم کھلا چوری۔

"وہاں ایسے ایسے ملازم بھی تھے جو ایک شخص کی چاکری کرتے مگر تنخواہ کسی اور سے لیتے..." (فاتح بس اس کو دیکھ رہا تھا۔ باقی سب بھی سن رہے تھے اور وہ بولے جا رہی تھی۔)

"وہاں ایسی طاقتور بیویاں بھی تھیں جو میٹھے بولوں سے دوسروں سے فائدے حاصل کرتیں اور پھر مکھی کی طرح ان کو نکال باہر کرتیں۔ (یان سوفو نے پہلو بدلا)

"وہاں ایسے بدعنوان عہدیدار بھی تھے جو عوام کے خراج کے پیسوں سے ڈھیروں جائیدادیں اور اونچے قلعے نما گھر بنا لیتے تھے۔ (ابو الخیر داڑھی کو نوچتے ہوئے سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔)

"وہاں ایسے حکمران بھی تھے جو اپنی ناک تک پونچھ نہیں سکتے تھے مگر ان کو حکومت کے لئے ان کے ماں یا باپ کی گدی پہ بٹھا دیا جاتا تھا (وانگ لی نے فوراً سے سلطان کی طرف دیکھا مگر یہ باتیں اس بگڑے بادشاہ کی عقل سے اوپر کی تھیں۔)

"وہاں لوگوں کو خراج' اور سودی معاشی نظام کے ذریعے ان دیکھی زنجیروں میں باندھا جاتا تھا۔ قوموں کی قومیں قرضے دے دے کے غلام بنا لی جاتی تھیں۔ دن رات وہ غلام قومیں مشقت کرتی تھیں مگر ان کی زنجیریں ان کو بھاگنے دوڑنے تک نہیں دیتی تھیں اور وہ اپنے حقوق سے بے خبر کام کرتے رہتے تھے۔

"کوالالمپور' ملاکہ سے بہت مختلف تھا میرے آقا۔ وہاں عوام کے خراج کا پیسہ چوری کیا جا رہا تھا مگر عوام کو خبر ہی نہ تھی۔ مگر وہاں بھی ایک آدمی ایسا تھا جس سے مجھے امید تھی کہ وہ سب سے مختلف ہے۔"

اس نے نظریں موڑ دیں اور راجہ مراد کو دیکھا۔ وان فاتح اس کے پیچھے کھڑا تھا' مگر وہ مراد کو دیکھتی رہی۔ سب کی نگاہیں مراد کی طرف مڑیں۔

"مجھے یقین ہے کہ وہی ایک ایسا شخص ہے جو ملاکہ کے لوگوں کے مسائل حل کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی بیٹی کو کھونے کا دکھ سہا ہے۔"

مراد ہلکا سا مسکرایا' اور سر قدرے جھکا لیا۔ تالیہ نے نظریں ذرا اوپر اٹھائیں۔ فاتح اسی کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نگاہ ملی۔ کیا نہ تھا ان نگاہوں میں۔

"وہ ایسا شخص ہے جو سیاست اور حکومت کے فن سے آشناء ہے۔ ایک وہی ہے جو مجھے لگتا تھا کہ اگر میرے ملک کا سب سے طاقتور عہدہ سنبھال لے.... وزیر اعظم بن جائے.... یعنی کہ بنداہارا... تو میرے ملک کے اکثر مسائل حل ہو جائیں گے۔" اس نے نظریں سلطان کی طرف موڑیں۔ "اسی لئے میں واپس آئی ہوں تاکہ اس کو مضبوط کر سکوں۔ ان کی مدد کروں۔ ان کا دایاں بازو بن جاؤں۔ اور میں وہ سب کام کروں جس کے باعث وہ مجھ پہ فخر کریں۔" پھر گردن فخر سے بلند کی۔ "میں تاشہ بنتِ مراد ہوں۔ میں کوئی عام عورت نہیں ہوں۔ اور میں چاہتی ہوں کہ میرے ارد گرد موجود مرد مجھے کوئی بے مصرف خوبصورت عورت سمجھ کے نظر انداز نہ کر دیں۔"

(بورنگ بیوٹی ووومن) کرسی کے پیچھے کھڑا غلام مسکرایا تھا۔

تالیہ اب کھانا نکالنے لگی۔ سلطان جو سحر زدہ سا پھل کھانا بھول گیا تھا' آخر میں اثبات میں سر ہلانے لگا اور دوبارہ سے پھل اٹھالیا۔ ذرا دیر کی خاموشی کے بعد راجہ مراد کھنکھارا۔

''آقا... شہزادی تاشہ اپنا تعارف کروا چکی ہیں۔ اس لیے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ میری ناقص رائے میں' وزیرِ خزانہ کے لئے ابو الخیر سے بہتر نام کسی کا نہیں ہو سکتا۔ یہ میری ایک تجویز ہے۔''

یان سوفو نے اتنی گہری سانس بھری کہ وہ سب اسے دیکھنے لگے۔ وہ دانت پہ دانت جما کے مسکرائی۔ ''آقا... مراد راجہ کی ذہانت اور وفاداری پہ کوئی شک کر بھی نہیں سکتا۔ ان کا تجویز کردہ نام بہت مناسب ہوگا میں جانتی ہوں۔ لیکن ابو الخیر کے لئے اس عہدے سے زیادہ بہتر کام ہیں جہاں ان کی قابلیت کو ہم استعمال کر سکتے ہیں۔ میرے نزدیک اس عہدے کو اگر سن باؤ کے حوالے کر دیا جائے تو زیادہ بہتر رہے گا۔''

''سن باؤ ملے نہیں ہیں ایک چینی باشندے ہیں۔ معذرت کے ساتھ۔'' راجہ مراد نے فوراً ہاتھ اٹھا کے ملکہ کو ٹوکا۔ ''سن باؤ چینی حکومت کا ایک اہم حصہ ہیں۔ ان کے اوپر بھی اگر ہم اپنے کاموں کی ذمے داری ڈال دیں تو ہمارے دوست ملک چین کو یہ بات اچھی نہیں لگے گی۔ ہمیں سن باؤ کو ایسے امتحان میں نہیں ڈالنا چاہیے۔''

اپنے ذکر پہ سن باؤ نے سر جھکا دیا تھا۔ ابو الخیر البتہ دلچسپی سے داڑھی کے بال نوچتا دونوں اطراف کے دلائل سن رہا تھا۔

''بس بہت ہو گیا۔'' مرسل شاہ نے میز پہ ہاتھ مارا تو ایک دم خاموشی چھا گئی۔ ایک موم بتی نیچے گر گئی۔ فاتح فوراً آگے بڑھا اور موم بتی اٹھا کے سیدھی کھڑی کی۔ پھر واپس اپنی جگہ پہ جا کھڑا ہوا۔

''شہزادی تاشہ کا کیا خیال ہے' اس عہدے کا اہل کون ہونا چاہیے۔''

سلطان کے الفاظ تھے' یا کیا۔ راجہ مراد کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ملکہ کا رنگ اڑا۔ ابو الخیر نے برہمی سے بھنویں بھینچیں اور سن باؤ نے حیرت سے پہلے سلطان اور پھر تالیہ کو دیکھا۔

تالیہ نے رومال سے نزاکت سے لب تھپتھپائے اور پلکیں اٹھائیں۔ پھر مسکرا کے نرمی سے بولی۔

''آقا مجھے اپنا خیال ظاہر کرنا ہے' تجویز پیش کرنی ہے یا مشورہ دینا ہے۔''

''مشورہ!'' مرسل نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔

''اچھا مشورہ اگلے ہی لمحے نہیں دیا جا سکتا' آقا۔ آپ کے سامنے دو نام ہیں۔ ابو الخیر اور سن باؤ وانگ لی۔ مجھے ان دونوں شخصیات کا مطالعہ کرنے کے لئے کچھ وقت درکار ہے۔ اگر آقا مجھے صبح تک کا وقت دے دیں تو میں کل محل میں حاضر ہو کے خود آقا کو اپنا مشورہ سنا دوں گی۔ عمل کرنا یا نہ کرنا آپ کی اپنی صوابدید پہ منحصر ہوگا۔ ایسے ٹھیک ہے نا' ملکہ!''

سادگی سے پلکیں جھپکا کے یان سوفو کو دیکھا۔ وہ خون کے گھونٹ بھر کے رہ گئی تھی۔ مگر جبراً مسکرائی۔ ''ہاں' یہ مناسب رہے گا۔''

''بالکل۔ کل صبح آپ مشاورت کے لئے تشریف لے آیئے گا شہزادی۔'' مرسل شاہ اس سے نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔ ملکہ نے غیر آرام دہ پہلو بدلا۔

ابوالخیر نے خشمگیں نگاہوں سے مراد کو گھورا جس نے جواب میں ''دھیرج'' کا اشارہ کیا اور تالیہ کو دیکھا۔ مگر سنہرے بالوں والی شہزادی شاہی آداب کا خیال رکھے پوری توجہ سے قہوے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔

دان فاتح ہاتھ باندھے کھڑا مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

بنگارایا ملایو کے پہلے باب میں یہی لکھا تھا۔ مگر آگے.... آگے کیا ہوگا؟ اس نے بے اختیار سوچا تھا۔

☆☆=========☆☆

رات مزید سیاہ ہوئی تو ابوالخیر کی حویلی سے چلتے قافلے بنداہارا کے محل کے اندر پڑاؤ ڈالتے دکھائی دینے لگے۔ محل کے باہر بگھی رکی اور خادم نے دروازہ کھولا تو تالیہ پائے دان پہ پیر رکھتی' ایک شان سے نیچے اتری۔ لباس پہلوؤں سے اٹھایا اور قدم آگے بڑھائے ہی تھے کہ ....گھوڑے کے تیز ٹاپ قریب آتے سنائی دیے۔

وہ رک کے دیکھنے لگی۔

مراد راجہ اپنا سیاہ چمک دار گھوڑا دوڑاتا ہوا آرہا تھا۔ ماتھے پہ سرخ پٹی بندھی تھی اور لمبے سیاہ بال ہوا سے پیچھے کو اڑ رہے تھے۔ وہ کھڑی رہی' یہاں تک کہ وہ اس کے قریب آیا اور گھوڑا روک لیا۔ پھر ہاتھ سے اشارہ کیا تو تمام غلام اور کنیزیں دور ہٹتے چلے گئے۔

''اچھا لگا تمہارا آنا۔ تمہاری باتیں بھی اچھی لگیں۔ سلطان بھی کافی متاثر ہوئے تم سے۔'' گھوڑے پہ بیٹھے بیٹھے اس نے نظریں جھکا کے نیچے کھڑی تالیہ کو دیکھا۔ وہ مسکرا دی۔ دونوں محل کی عمارت کے باہر کھڑے تھے۔

''سلطان؟ کون سلطان؟ وہ بچہ جس کو تخت پہ بٹھا دیا گیا ہے' اور جو کھانے پینے اور موسیقی سے لطف اندوز ہونے کے بعد فارغ اوقات میں آپ کے حکم کے مطابق شاہی حکم ناموں پہ مہر لگا دیتا ہے؟ وہ سلطان؟''

''وہ ہمارے آقا ہیں' تاشہ!'' مراد کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آواز میں گرج پیدا کی۔ تالیہ گردن اٹھائے' اس کو دیکھتی رہی۔ چند ثانیے کو قدیم ملاکہ کے اس محل کے سبزہ زار پہ خاموشی چھا گئی۔ آسمان پہ دمکتا چاند اور بادل بھی ٹھہر کے ان دونوں کو دیکھتے رہے۔

''Cesium-137''

مراد کے ابرو نا سمجھی اور کوفت سے بھنچے۔ ''کیا؟''

''آپ نے مجھ سے پوچھا تھا راجہ' کہ تمہاری اور ہماری دنیا میں کیا فرق ہے۔ صرف Cesium-137 کا فرق ہے۔ (سر اٹھا کے آسمان کو دیکھا اور ناک سے سانس اندر کھینچی۔) ابھی یہ عنصر ہوا میں شامل نہیں ہوا مگر.... (واپس چبھتی نظروں سے باپ کو دیکھا۔) آج سے

پانچ سو سال بعد جب ایٹم بم پھٹے گا' اور دوسری جنگِ عظیم ہوگی تو یہ اس دنیا کی فضا میں شامل ہو جائے گا۔ کوالالمپور اور قدیم ملاکہ میں صرف Cesium-137 کا فرق ہے' ورنہ خدا کی قسم' دنیا تب بھی ایسی ہی ہوگی اور دنیا اب بھی ویسی ہی ہے۔''

وہ ایک دم اتنی نفرت سے بولی کہ مراد اسے دیکھ کے رہ گیا۔

''وہی لالچ... وہی حکومت ملتے ہی اپنی پسند کے آدمی اعلیٰ عہدوں پہ لگانا.. عوام کا خراج (ٹیکس) چوری کرنا.. موروثی سیاست کرنا... باپ کی جگہ پہ بغیر کوئی کامیابی حاصل کیے بگڑے بیٹے کو بٹھا دینا... آپ بنداہارا نہیں ہیں' راجہ... آپ صرف... ایک... سیاستدان ہیں۔ اور یہ مت سمجھیں کہ میں سیاستدانوں سے پہلی دفعہ مل رہی ہوں۔'' آخر میں استہزائیہ مسکرا کے سر جھٹکا تو گھوڑے پہ بیٹھا مراد نیچے اترا۔ پیر رکاب سے آزاد کیے' گھوڑے کو تھپکا تو وہ ایک طرف بھاگ گیا' اور پھر وہ تالیہ کی طرف گھوما اور تحمل سے بولا۔

''ایسے ہی ہوتا ہے۔ طاقت ملتی ہے تو شروع شروع میں سب کے دماغ ایسے ہی اوپر پہنچ جاتے ہیں۔ دھیرج' تاشہ۔ میرے ساتھ مل کے کام کرو۔ یان سوفو کے آدمی کو لگانے کا مطلب جانتی ہو؟ وہ سارا خزانہ لوٹ کے چین بھجوا دے گا۔ اگر تمہیں سلطان نے یہ طاقت دے ہی دی ہے کہ تم اس فیصلے میں ان کی معاونت کر سکو تو تمہیں وہ فیصلہ کرنا چاہیے جو اس ملک کے لئے اچھا ہو۔ ہم ایک چینی عورت سے سلطان کی شادی تو کروا سکتے ہیں مگر سارا ملک بیچ کے اس کے حوالے نہیں کر سکتے۔''

تالیہ اس بات پہ مسکرا دی۔

''جیسا کہ میں نے کہا' میری دنیا اور آپ کی دنیا ایک سی ہے' راجہ۔ مگر ان دونوں دنیاؤں میں آج بھی بڑے مقاصد کے لئے جینے والے' نڈر اور اچھے لوگ موجود ہیں۔ یقین مانیے' آپ کی بیٹی اگر پہلے ان لوگوں میں سے نہیں تھی' تو اب ہوگی۔ اب میں سیدھ میں چلتی ہوں اور آپ کو راجہ کہہ کے پکارتی ہوں۔ آپ کو ایک اچھی بیٹی سے نہیں ڈرنا چاہیے' راجہ۔'' اس نے نرمی سے مسکرا کے باپ کی کہنی تھامی اور جیسے یقین دلایا۔

''اور ان دونوں دنیاؤں میں سارے برے حادثات اچھے لوگوں کے ساتھ ہی ہوتے ہیں' میری بیٹی۔''

وہ ہموار لہجے میں کہہ کے آگے بڑھ گیا۔ اس کی کہنی تالیہ کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی۔

''شریفہ۔'' اپنی خواب گاہ میں آتے ہی تالیہ نے کنیز کو اشارہ کیا تو وہ فوراً دروازہ بھیڑ کے چلی آئی۔

''جی شہزادی۔''

''آج رات تم ابا کے پاس جا کے ان کو یہ بتاؤ گی کہ میں ابوالخیر کے حق میں فیصلہ دینا چاہتی ہوں۔ تمہیں میری باتوں سے یہی لگتا ہے' ٹھیک۔''

''لیکن شہزادی اگر آپ نے سن باؤ کے حق میں فیصلہ دے دیا تو وہ مجھ پہ شک کریں گے۔'' وہ متامل ہوئی۔

''اپنے وزن سے زیادہ بھاری ضرب نہ لگاؤ' شریفہ۔ جو کہا ہے' وہ کرو۔''

اس نے کنیز پہ ایک برہم نظر ڈالی تو اس نے جلدی سے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ تالیہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ اس کا دماغ مسلسل تانے بانے بُن رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

حویلی کے باورچی خانے کے باہر وہ ایک کھلی جگہ پہ بیٹھا تھا جہاں پانی کے ٹب بھرے رکھے تھے' اور دان فاتح دوسرے غلاموں کے ساتھ برتن دھو رہا تھا۔ غلام دبے لفظوں میں آج کے شاہی مہمانوں کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ جس نے جس کی جتنی جھلک دیکھی تھی' وہ اس کو بڑھا چڑھا کے بتا رہا تھا۔

''بنداہارا کی حسین بیٹی'' گفتگو کا مرکز تھی۔ وہ جاتے وقت ایک غلام کو موتیوں کی مالا دے گئی تھی اور ان موتیوں کی چمک باقی سب کی آنکھیں خیرہ اور دل مغموم کیے ہوئے تھی۔ فاتح مسکرا کے سر جھکائے برتن دھوتے سنتے گیا۔

''جلدی اندر آؤ۔ تمہیں مہمان کے لئے شوربہ لے کر جانا ہے۔'' بوڑھا باورچی عجلت میں اس کے سر پہ آ کے بولا تو فاتح نے چونک کے سر اٹھایا۔ گیلی چنگیر چھوڑ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''مہمان تو جا چکے ہیں۔''

''سن باؤ کو ابوالخیر نے شطرنج کی ایک بازی کے لئے روک لیا ہے۔ میں نے شوربہ تیار کر دیا ہے' تم لے جاؤ۔''

بوڑھا کچھ بے چینی سے کہہ رہا تھا۔ فاتح نے سر کو خم دیا اور ہاتھ پونچھتا اندر آیا۔ سامنے لکڑی کی میز پہ سنہری طشتری رکھی تھی جس میں سنہرا پیالہ سوپ سے لبالب بھرا پڑا تھا۔ ساتھ میں سنہرا چمچ بھی رکھا تھا۔ یہ کھانا ہضم کرنے کا شوربہ تھا جو رات گئے پیا جاتا تھا۔

''کیا ہم اس پیالے میں پیش کریں گے؟ اور ان چاندی کے برتنوں کا کیا؟''

''جو کہا ہے وہی کرو۔ لے جاؤ اسے۔'' بوڑھے نے ہاتھ جھلا کے کہا۔ فاتح میز کے قریب آیا۔ سوپ میں سے بھاپ تھوڑی بہت نکل رہی تھی۔ وہ کافی دیر پہلے ڈالا گیا تھا۔ ابھی اس نے باورچی خانے میں ابوالخیر کی آواز سنی تھی۔ وہ باورچی سے کچھ کہنے آیا تھا۔ سوپ کا پیالہ بھی پیتل کا تھا۔ نہ کے چاندی کا۔

طشتری اٹھاتے ہوئے اس کا ذہن تیزی سے چلنے لگا۔

بوڑھا باورچی اڑی رنگت کے ساتھ وہیں نیچے بیٹھ گیا اور سر جھکائے' آنکھیں میچ کے قرآنی آیات پڑھنے لگا۔ استغفار۔ توبہ۔ گلٹ۔

دان فاتح کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے آہستہ سے قدم آگے بڑھا دیے مگر ذہن اسی پیتل کے پیالے پہ اٹک گیا تھا۔

کیا ابوالخیر' سن باؤ کو زہر دینے جا رہا تھا؟

اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ مگر اب وہ رک نہیں سکتا تھا۔ وہ غلام تھا۔ اسے آگے جانا تھا۔

(اس زمانے میں عموماً arsenic بطور زہر استعمال ہوتا تھا۔ چاندی کے برتن میں آرسینک ملا کھانا اگر ڈالا جائے تو برتن سیاہ پڑ جاتا تھا

اور زہر کی تشخیص ہو جاتی تھی۔ حفظانِ صحت کے اصولوں کے باعث بھی امراء اور اچھے کھاتے پیتے گھرانوں کے لوگ چاندی کے برتن استعمال کرتے تھے کیونکہ چاندی جراثیموں کو بھی مار دیتی تھی اور زہر کے بارے میں خبردار بھی کر دیتی تھی۔)

دیوان خانے میں شام والی جگہ پہ اسٹول کے ارد گرد وہ دونوں بیٹھے تھے۔ مگر اب پہلے جیسی شگفتگی ان کے مزاجوں میں نہ تھی۔ ابوالخیر خاموشی سے سن باؤ کا جائزہ لے رہا تھا جو منہ پہ دو انگلیاں رکھے غور سے بساط کو دیکھ رہا تھا۔ آہٹ پہ ابوالخیر نے فاتح کو آتے دیکھا تو سر کو خم دیا۔ (ادھر رکھ دو۔)

چند گز کا فاصلہ میلوں کا ہو گیا تھا۔ وہ بھاری قدم اٹھاتا قریب آیا اور جھک کے اسٹول پہ طشت رکھا' ایسے کہ اس کی پشت ابوالخیر کی طرف تھی اور چہرہ سن باؤ کی طرف۔ سن باؤ نے شطرنج سے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔

فاتح نے سیدھے ہوتے ہوئے آنکھوں کو پہلے پیالے پہ جھکایا... پھر سن باؤ کو دیکھا... اور ہونٹوں کو "نو" میں گول کر کے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ (نہیں۔)

سن باؤ چونکا۔

فاتح نے نظریں جھکا دیں اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ سن باؤ بظاہر شطرنج کو دیکھنے لگا مگر اس نے تھوک نگلا تھا۔

لمحے بھر کا کھیل جیسے برسوں کا احسان چڑھا گیا۔

فاتح رامزل خاموشی سے چلا آیا۔ دروازے کے باہر رک کے اس نے اوٹ سے دیکھا۔

سن باؤ اب مہرہ اٹھا کے چال چل رہا تھا۔ بظاہر بے دھیانی میں مخالف پیادہ مار کے اس نے گوٹ کو اسٹول پہ رکھنا چاہا تو پیالے کو ہاتھ لگا۔ نازک پیالہ کنارے پہ رکھا تھا' فوراً لڑھک گیا۔ سارا سوپ نیچے چھلک گیا۔ ابوالخیر جہاں دھک سے رہ گیا' وہیں سن باؤ پریشانی سے کھڑا ہو گیا۔

فاتح نے سکون کا سانس لیا۔ ابوالخیر غلاموں کو پکار رہا تھا۔ وہ فوراً کپڑا لئے اندر لپکا۔ اسٹول کے قریب پنجوں کے بل بیٹھے' اس نے فرش صاف کیا اور اوندھے پڑے پیالے کو طشت میں رکھا۔

"تازہ شوربہ لاؤ۔ جلدی۔" ابوالخیر نے برہمی سے حکم دیا مگر سن باؤ اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں' اس کی ضرورت نہیں ہے' میں اب چلتا ہوں۔ کافی تھک گیا ہوں۔" وہ اٹھ کے شائستگی سے معذرت کرنے لگا۔ ابوالخیر جبراً مسکرا کے کھڑا ہوا اور اس سے مصافحہ کیا۔

"میں معذرت خواہ ہوں' وانگ لی۔ اس غلام نے ٹھیک سے پیالہ رکھا نہیں تھا۔ اگر تم ذرا دیر بیٹھ جاتے تو..."

"نہیں میری اپنی غلطی ہے۔ مجھے چال چلتے ہوئے احساس نہیں ہوتا کہ میرے دائیں بائیں کیا ہو رہا ہے۔" اس نے سادگی سے کہہ کے ابوالخیر سے ہاتھ ملایا۔ فاتح خاموشی سے سر جھکائے طشت اٹھائے کھڑا ہو گیا۔

جس وقت وانگ لی باہر اپنے گھوڑے پہ سوار ہورہا تھا' فاتح باورچی خانے کے دروازے پہ کھڑا تھا جو سامنے صحن میں کھلتا تھا۔ سن باؤ وانگ لی نے رکاب میں پیر ڈالتے ایک نظر دور کھڑے' سینے پہ بازو لپیٹے نظر آتے غلام کو دیکھا' اور سر کو ہلکا سا خم دیا۔ تشکر۔ احسان مندی۔ ممنونیت۔ کیا تھا جو اس کی آنکھوں میں نہ تھا۔

فاتح نے محض آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ مثبت اشارہ.... چہرے کو سپاٹ رکھا۔ وانگ لی گھوڑے پہ سوار ہوا اور اسے ایڑھ لگا دی۔ وہ اس کے قدموں کی دھول کو کافی دیر تک دیکھتا رہا۔

☆☆=========☆☆

سلطان مرسل شاہ کا ''سلطنت محل'' بالکل ویسا تھا جیسا آج کے ملاکہ میں تھا۔ فرق یہ تھا کہ سولہویں صدی میں پرتگالیوں نے جب ملاکہ پہ قبضہ کیا اور مسلمان سلطنت کا خاتمہ کیا تو بہت سی دوسری چیزوں اور عمارتوں کے ساتھ اس محل کو بھی جلا ڈالا۔ اب ملائیشیاء میں کچھ سال پہلے پرانی کتابوں' نقشوں اور تاریخی اوراق سے محل کا نقشہ اور پینٹنگز ڈھونڈ کے اکٹھی کی گئیں اور ان کو سامنے رکھ کے ہو بہو ویسا ہی محل تعمیر کیا گیا جو کہ اب ایک میوزیم ہے۔

ملکہ یان سوفو بیدار ہونے کے بعد آج عجلت میں تیار ہوئی تھی۔ رات سلطان اس سے بات کیے بغیر ہی اپنی آرام گاہ میں چلا گیا تھا ۔سلطان کا حصہ الگ تھا' اور محل کا حرم الگ۔ ملکہ حرم کی نگران تھی۔ وہ حرم میں رہتی تھی۔ مگر آج صبح وہ وقت سے پہلے تیار ہو کے حرم سے باہر نکل آئی اور اپنی کنیزوں کی معیت میں محل کے مرکزی حصے تک آئی۔ درمیان میں وسیع و عریض لان پھیلا تھا۔

وہ سنگھار زدہ چہرے پہ پریشانی طاری کیے دربار کی طرف جا ہی رہی تھی کہ دیکھا.... سامنے راہداری میں راجہ مراد چلتا آرہا ہے۔ اس کا رخ بھی دربار کی طرف تھا۔ یان سوفو کے ماتھے پہ بل پڑے۔ لب بھینچ کے تیزی سے آگے آئی اور دربار کے دروازے پہ راجہ کا راستہ روک دیا۔

وہ جو کمر پہ ہاتھ باندھے سنجیدہ صورت بنائے چلتا جا رہا تھا' چونک کے رکا' پھر اسے دیکھا تو سر پورا جھکا کے اٹھایا۔ ''ملکہ!''

''صبح ہی صبح آقا سے ملنے جا رہے ہیں آپ' راجہ؟''

مراد دھیرے سے مسکرایا۔ ''میں تہجد پڑھتے ساتھ ہی الور سونگائی چلا گیا تھا' وہاں سے واپسی پہ اپنے محل جانے کی بجائے سیدھا ادھر آ گیا ۔آقا کو میری ضرورت ہو گی۔''

''یا شاید آپ جلد از جلد آقا سے مل کے ان کے فیصلے پہ اثر انداز ہونا چاہتے ہیں۔'' وہ مسکرا کے بولی۔ ''مگر آپ کو اس کے لئے انتظار کرنا ہو گا۔ کیونکہ میں پہلے آقا کے پاس جا رہی ہوں۔''

''جیسا آپ کا حکم' ملکہ!'' اس کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے مراد نے سر جھکا کے اٹھایا۔ یان سوفو مسکرا کے آگے بڑھی اور دربار کے دروازوں کے سامنے کھڑے پہریداروں کو حکم دیا۔

''آقا کو خبر کرو۔''

''معذرت ملکہ مگر آقا مصروف ہیں۔''

جہاں یان سوفو ٹھٹکی' وہیں پیچھے کھڑے مراد نے بھی چونک کے اس طرف دیکھا۔

''ابھی تو درباری اور وزراء بھی تشریف نہیں لائے تو پھر آقا کس کے ساتھ مصروف ہیں؟''

''شہزادی تاشہ آئی ہوئی ہیں' ملکہ۔ آقا نے کہا ہے کہ آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔''

یان سوفو کا چہرہ خفت اور غضب سے سرخ پڑنے لگا' مگر وہ پیچھے مڑ کے مراد کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔

اندر دربار مستطیل سا تھا۔ دونوں اطراف اونچی شاہی کرسیوں کی قطاریں لگی تھیں جو خالی تھیں۔ آخر میں چبوترے پہ بڑا سا شاہی تخت رکھا تھا۔ تخت پہ مرسل اپنی پوشاک پھیلائے بیٹھا تھا۔ ٹوپی اور تاج سر پہ تھا اور وہ دلجمعی سے اپنے سامنے کھڑی تالیہ کو دیکھ رہا تھا جو رات کی طرح بناؤ سنگھار سے لیس تھی۔ مگر آج لباس سفید اور ہلکا زرد تھا۔ اور بال گھنگریالے کر کے کندھے پہ آگے کو ڈال رکھے تھے۔ مودب سی سامنے کھڑی وہ کہہ رہی تھی۔

''آپ کو چناؤ خود کرنا ہے' آقا۔ میرا بہترین مشورہ تو یہ ہے کہ آپ یہ فیصلہ کسی دوسرے کی مرضی کے مطابق نہیں بلکہ خود لیں۔''

''آپ بیٹھ جایئے' شہزادی۔'' وہ بے ساختہ بولا تھا۔

''آقا!'' وہ مسکرائی۔ ''یہ ملکہ کی جگہ ہے اور یہاں بیٹھنا شاہی آداب کے خلاف ہے۔ مجھے معاف کیجئے' میں کھڑی ٹھیک ہوں۔''

''پھر آپ ہی بتایئے' مجھے کس کا انتخاب کرنا چاہیے۔''

مرسل نے گہری سانس لی۔ وہ آگے ہو کے بیٹھا تھا اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

''وانگ لی بہت ایماندار اور اچھا آدمی ہے' وہ پوری دنیا گھوما ہے' ہر طرح کے لوگوں سے ملنے کا تجربہ رکھتا ہے۔ وہ ابھی ایک لمبا عرصہ ملاکہ میں رہے گا۔ جبکہ ابوالخیر کو تجارت اور حساب کتاب کا بہت تجربہ ہے۔ اس کے ملاکہ میں ہر اونچے شملے والے سے تعلقات ہیں اور وہ بہت ذہین بھی ہے۔''

''یعنی دونوں ہی اچھے ہیں مگر دونوں کو تو نہیں رکھا جا سکتا۔ کسی ایک کو منتخب کرنا ہوگا۔''

''آقا۔ بات یہ ہے کہ وانگ لی کبھی نہ کبھی چین چلا جائے گا' اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم کسی ایسے آدمی کو رکھیں جو ملاکہ میں ہی رہے' اور جس کی قبر بھی اسی ملک میں بنی ہوتا کہ ہمیں اس کی وفاداری پہ شک کرنے کا جواز ہی نہ ملے....'' وہ دھیرے دھیرے سمجھا رہی تھی۔ ''فیصلہ آپ کو ہی کرنا ہے.... جیسے آپ چاہیں' جو آپ بہتر سمجھیں مگر میری رائے میں....''

دربار کے دروازے کھلے تو باہر کھڑی ملکہ اور مراد تیزی سے اس طرف گھومے۔ چند وزراء اور درباری جو پہنچ چکے تھے' وہ بھی فوراً سیدھے ہوئے۔

مرسل شاہ اور تالیہ ساتھ چلتے ہوئے باہر آئے۔ مرسل نے ہاتھ کمر پہ باندھ رکھے تھے اور گردن کڑا کے چل رہا تھا جبکہ تالیہ لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے مسکراتی ہوئی باہر آ رہی تھی۔ ملکہ کو دیکھ کے فوراً جھکی۔

''ملکہ!''

یان سوفو نے اپنی ناپسندیدگی چھپانے کی زحمت بھی نہ کی۔ گھور کے مرسل کو دیکھا مگر وہ اس طرف متوجہ نہ تھا۔

''بنداہارا۔'' مرسل نے اٹھی گردن کے ساتھ حکم جاری کیا۔ ''تم وزیرِ خزانہ کی تعیناتی چاہتے تھے نا۔''

مراد نے ''جی آقا'' کہتے ہوئے ایک بےچین نظر تالیہ پہ ڈالی۔

''سرکاری دستاویزات بنوا کے لے آؤ۔ میں ابوالخیر کو ملاکہ کا نیا وزیرِ خزانہ مقرر کرتا ہوں۔''

جہاں مراد کے لبوں سے ایک تھکی ہوئی سانس نکلی، وہیں یان سوفو کی آنکھیں بےیقینی اور غصے سے پھیلیں۔

''مگر آقا.....'' وہ منمنائی۔

تالیہ اور مراد نے فاتحانہ مسکراتی نظروں کا تبادلہ کیا تھا۔

''شہزادی تاشہ آج سے دربار کا حصہ ہوں گی۔ میری خاص مشیر کے طور پہ۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کو جلد از جلد ان کی 'کرسی' (زور دیا) اور قلمبندان مہیا کر دیا جائے۔''

مراد نے مسکرا کے سر جھکایا۔ ''جو حکم آقا۔ میں ابھی بندوبست کر دیتا ہوں۔''

سامنے برآمدے میں کھڑے وزراء اور درباریوں نے مسکرا کے مبارک سلامت کی آوازیں بلند کیں۔ تالیہ نے مسکرا کے سر جھکا کے مبارکباد قبول کی پھر مرسل شاہ کی طرف دیکھا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک عرض کروں، آقا؟''

یان سوفو تندہی سے اسے گھور رہی تھی مگر کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ مرسل مسکرا کے حوصلہ افزائی سے بولا۔ ''کہیے شہزادی۔'' اس کی گردن آج پہلے سے زیادہ اٹھی ہوئی تھی۔

''میں شاہی مشیر کے طور پہ اپنا پہلا حکم جاری کرنا چاہتی ہوں۔''

مراد کی مسکراہٹ سمٹی۔ چونک کے اسے دیکھا۔ وہ واضح الجھا ہوا نظر آتا تھا۔

''بالکل۔ جو آپ مناسب سمجھتی ہیں، کہیے۔''

تالیہ نے چہرہ برآمدے میں کھڑے درباریوں اور وزراء کی طرف موڑا۔ وہ سب قیمتی پوشاک اوڑھے، خوبصورت پتھروں سے مزین ٹوپیاں پہنے کھڑے معزز افراد تھے۔ اس کی نگاہیں ان کے درمیان کھڑے ایک بوڑھے شخص پہ رکیں جو ہاتھ میں کاغذوں کا دستہ اٹھائے ہوئے تھا۔

''سیرل بن مرلی صاحب۔ آپ شاہی مورخ ہیں اور ملاکہ کی تاریخ لکھ رہے ہیں۔''

اس کا پکارنا تھا کہ سب کو سانپ سونگھ گیا۔ گردنیں اس کی طرف مڑیں۔ سیرل اچنبھے سے آگے آیا۔

''جی شہزادی۔'' جہاں وہ حیران تھا' وہاں ہلکا سا خوفزدہ بھی۔ حکومت ملتے ہی یہاں سب طاقت کے اظہار کے پہلے قدم کے طور پہ کسی کی گردن مار دیتے تھے۔

''کیا آپ نے قدیم مصر پہ لکھی کتابیں پڑھی ہیں؟''

''آ...نہیں شہزادی...مگر...''

''اور آپ قدیم یونان کی تمام جنگوں کی تاریخوں سے واقف ہیں؟''

''نہیں مگر...''

''اور آپ کو ہندوستان کے شاہی خاندان کا چودہ نسلوں تک کا شجرہ زبانی یاد ہے؟''

''نہیں' لیکن...''

''آپ کو آپ کی شاہی ملازمت سے برخاست کیا جاتا ہے' سیرل۔ آج سے آپ آزاد ہیں۔''

وہاں ٹھنڈی خاموشی چھا گئی تو وہ گہری سانس لے کر بولی۔ ''بے فکر رہیے۔ میں آپ کی گردن مار دینے کا حکم نہیں جاری کروں گی۔ تاشہ کو اپنی طاقت کا اظہار کرنے کے لئے کسی کا خون بہانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تاشہ کے پاس...'' انگلی سے دماغ پہ دستک دی۔ ''یہ ہے۔''

پھر ذرا سا مسکرائی۔ ''آپ آزاد ہیں۔ میں شاہی سپاہیوں کو حکم جاری کرتی ہوں کہ عزت و اکرام سے آپ کو اس محل سے رخصت کر دیں۔ آپ شہر چلے جایئے اور کوئی نیا کام ڈھونڈیے۔''

یان سوفو تن فن کرتی آگے آئی۔ ''کیا کسی کو نوکری سے اس لئے برخاست کر دینا درست ہے کہ اس کو یونان کی تاریخ نہیں معلوم؟''

''آپ کو معلوم ہے' ملکہ؟'' وہ اسی روانی سے بولی تو یان سوفو کا سانس اٹک گیا۔ چہرہ توہین سے سرخ ہوا۔ چند عزیزین' یہاں تک کہ مراد نے بھی تادیبی نظروں سے تالیہ کو گھورا مگر وہ مرسل شاہ کی طرف متوجہ تھی۔

''میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو آقا کے پاس صرف مسائل لے کر آتے ہیں۔ میں مسائل کا حل لے کر بھی آتی ہوں۔ پچھلے دنوں میں نے اپنے کتب خانے میں ایک ایسے نوجوان خادم کو پایا ہے جو کتابیں پڑھنے اور لکھنے سے شغف رکھتا ہے۔ وہ بنگارایا ملایونامی ایک کتاب لکھ رہا ہے۔ میں اس کی تحریر سے بہت متاثر ہوئی ہوں اور چاہتی ہوں کہ اسے شاہی مورخ مقرر کر دیا جائے اور پھر جو تاریخ وہ لکھے' آقا کی شان میں جو قصیدے اس کے قلم سے تحریر ہوں' وہ صدیوں تک سلطنتِ ملاکہ کے لوگوں کو زبانی یاد رہیں۔ وہ اپنے کام میں اتنا ماہر ہے آقا' کہ مجھے یقین ہے' اللہ تعالیٰ اس کے لکھے الفاظ کو قیامت تک کے لئے امر کر دے گا اور ایک وقت آئے گا جب ملاکہ کے بچے

مدرسوں میں نصاب کے طور پہ ہمارے آقا کے قصے پڑھ کے بڑے ہوں گے۔ آقا کے ذکر کے بغیر کسی شخص کی تعلیم مکمل نہیں ہو سکے گی۔ اگر آپ اجازت دیں' تو میں اس کو شاہی مورخ مقرر کر دوں' آقا۔'' وہ جتنی نرمی اور ادب سے کہہ رہی تھی' وہاں کھڑا ہر شخص محو ہو کے سن رہا تھا۔

''اس کا تعارف سن کے اچھا لگا مجھے۔ اس کو بلاؤ اور مورخ کا قلمبندان اس کے حوالے کر دو' مراد۔'' راجہ کو حکم جاری کرنے کے بعد تالیہ سے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔ ''ویسے نام کیا ہے اس کا؟''

تالیہ طمانیت سے مسکرائی۔

''آدم۔ آدم بن محمد۔''

☆☆=========☆☆

دربار برخاست ہوتے ہی یان سوفوتن فن کرتی اپنے کمرے میں واپس آئی تھی۔ تمام غلاموں کو اس نے باہر بھیج دیا اور ایک چینی عہدیدار کو اپنے پاس بلایا۔

جب وہ دونوں کمرے میں تنہا رہ گئے تو وہ اس کے قریب آئی اور چبا چبا کے کہنے لگی۔

''شہزادی تاشہ خود کو راجہ مراد کی بیٹی.... اس کی کسی چینی بیوی کی اولاد کہتی ہے۔ جس شہر کا نام اس نے بتایا تھا' تم ابھی چین جاؤ اور اس شہر کا دورہ کرو۔ ایک ایک شخص سے مراد کی بیٹی تاشہ کے متعلق پوچھو۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ یہ کون ہے۔ کیا یہ واقعی شہزادی ہے' یا کوئی کرائے کی عورت جسے مراد نے میرے خلاف تیار کر کے مرسل کے پاس بھیجا ہے۔''

وہ دانت پیس کے کہہ رہی تھی اور اس کی رنگت سرخ پڑ رہی تھی۔

''اصطبل سے تازہ دم گھوڑا لو' سفر کا سامان باندھو اور ابھی فوراً روانہ ہو جاؤ۔''

وفادار چینی عہدیدار نے فوراً سر جھکایا۔ ''جو حکم ملکہ۔'' اور تیزی سے باہر کو لپکا۔

ادھر ابوالخیر کے باورچی خانے میں کھڑے چاول صاف کرتے فاتح نے سر اٹھا کے ایک دم بوڑھے باورچی کو مخاطب کیا۔

''آج کیا تاریخ ہے؟''

بوڑھا جو مصروف انداز میں سبزے کے پتے نکال رہا تھا' تاریخ بتا کے سرسری سا پوچھنے لگا۔ ''کیوں؟ آج کے دن کیا ہونا ہے؟''

فاتح سوگواریت سے مسکرایا۔ ''آج کے دن شہزادی تاشہ نے آدم بن محمد کو شاہی مورخ مقرر کیا تھا۔ وہ آدم بن محمد جس نے ہنگارایا ملایو نامی کتاب لکھی تھی جو چھ سو سال بعد بھی نصاب میں پڑھائی جاتی رہے گی۔ آدم بن محمد۔'' دل میں سوچ کے وہ مسکرایا اور سر جھٹکتے ہوئے چاولوں پہ جھک گیا۔

☆☆=========☆☆

بنداہارا کے محل میں شہزادی تاشہ کے کمرے کے پردے ہٹے تھے اور دن کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ سلطنت محل سے واپس پہ وہ سیدھی کمرے میں آ گئی تھی اور بستر کنارے پہ بیٹھی مسکرا کے ایڈم کا متوقع ردِعمل سوچ رہی تھی جو اپنے مورخ بن جانے کی خبر سن کے دینے والا تھا۔ اسے بار بار ہنسی آ رہی تھی مگر کنیزوں کی موجودگی کے باعث وہ اسے دبائے ہوئے تھی۔

کنیزیں اور غلام اس سامان کو اس کے کمرے میں رکھ رہے تھے جو مرسل شاہ نے تاشہ کے گھر جاتے ہی بھجوایا تھا۔ خالص ریشم' شہد' موتیوں کی مالائیں...اور...تالیہ نے وہ مخملیں ڈبی کھولی...ایک قیمتی انگوٹھی۔

اس پہ آنسو شکل کا سرخ یاقوت جڑا تھا اور ننھے ہیرے آنسو کے کناروں پہ لگے تھے۔ وہ اتنی خوبصورت اور سحر انگیز تھی کہ چند لمحے کے لئے وہ بھی شل رہ گئی۔ پھر لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ اس نے انگوٹھی نکالی اور انگلی میں پہنی۔

اگلے ہی لمحے آنکھوں کے سامنے ایک منظر لہرایا۔

ایک خواب....

رات کا سیاہ آسمان تھا...چاند چمک رہا تھا... پہاڑی کا راستہ دشوار گزار اور پتھریلا تھا...اونچا نیچا...اور وہ دونوں آگے پیچھے چل رہے تھے....تالیہ آگے تھی....ایڈم پیچھے تھا...لباس اندھیرے کے باعث ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتا تھا...بس تاریکی میں گویا دو ہیولے تھے جو اوپر چڑھتے جاتے تھے۔ تالیہ کے ہاتھ میں وہی سرخ یاقوت والی انگوٹھی چمک رہی تھی۔

''چے تالیہ...'' وہ پیچھے سے ہانپتا ہوا بولا تو تالیہ نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''کیا ایڈم!''

''آپ کیا کرنے جا رہی ہیں؟''

''میں ہم دونوں کو بہت امیر کرنے جا رہی ہوں ایڈم!'' وہ چلتے چلتے رک گیا۔

''کیسے؟'' وہ پلٹی اور چمکتی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''تاشہ کے خزانے سے جسے ہم دونوں کھود کے نکالیں گے۔''

''کیا؟'' وہ حیران رہ گیا۔

''کیا تم اب بھی نہیں سمجھے ایڈم کہ تاشہ نے اس دیوار پہ وہ نظم کیوں لکھی تھی؟'' وہ مسکرائی۔

''کیوں؟''

''تاکہ ایڈم اور تالیہ اس دیوار تک جائیں اور وہاں مدفن خزانے کے راز کو کھود نکالیں۔ ہم دنیا کے سب سے طاقتور لوگ بن جائیں گے' ایڈم۔''

''اور وان فاتح؟'' وہ پوچھ رہا تھا مگر تصویر دھندلی پڑتی گئی.....

وہ چونکی۔ خواب ٹوٹا۔ اس نے بے یقینی سے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو دیکھا۔ یہی انگوٹھی اس نے خواب میں بھی پہن رکھی تھی۔

وہ سمجھی تھی کہ اس خواب کی تعبیر اس دن ہو گئی تھی جس دن ایڈم اور وہ مل کے سن باؤ کے گھر جا کے خزانے کو نکالنے کا سوچ رہے تھے۔ مگر نہیں۔ اس کے خواب ہو بہو مستقبل کا عکس ہوتے تھے۔

یعنی یہ منظر ابھی آنا تھا۔

یہ ''مستقبل'' تھا۔

یعنی.... اس نے بے یقینی سے سوچا..... خزانہ واقعی اپنا وجود رکھتا ہے۔

خزانہ 'ہے'۔

خزانہ 'واقعی' ہے۔

تالیہ کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ اس کی آنکھیں ایک دم چمکیں۔

وہ چابی لے کر جب ایڈم اور فاتح کے ساتھ واپس جائے گی تو وہ خالی ہاتھ نہیں جائے گی۔

خزانہ اس کا تھا۔ صرف اس کا۔

اور وہ اسے لے کر ہی قدیم ملاکہ سے واپس جائے گی۔

☆☆=========☆☆

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

حالم (نمرہ احمد)

باب نہم:

''جہاں ملتے ہیں تین چاند!''

اس نے خواب میں دیکھا.....

گہری سیاہ رات ہے.....

آسمان پہ پورا چاند چمک رہا ہے.....

اور وہ ٹھنڈی ریت پہ ننگے پیر چل رہی ہے...

ننھی ننھی چیزیں پیروں میں چبھ رہی ہیں....

مگر وہ چبھن سے بے پرواہ قدم اٹھا رہی ہے...

چغے کی ٹوپی نے اس کا سر ڈھانپ رکھا ہے....

مگر ہوا کے باعث وہ پشت سے پھڑ پھڑا رہا ہے...

دفعتاً ایک مقام پہ وہ ٹھہرتی ہے....

سامنے آسمان پہ مکھن کی ٹکیا جیسا چاند چمک رہا ہے...

وہ نظریں دائیں طرف موڑتی ہے.....

وہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جس کی چوٹی خوب روشن ہے...

جیسے شیشے کی بنی ہو...

اس چوٹی کے چمکتے شیشے میں ایک دوسرا چاند نظر آرہا ہے....

وہ ایک دم گھومتی ہے....

ہوا سے چغے کی ٹوپی پیچھے کو ڈھلک جاتی ہے....

سنہری بال پیچھے کو اڑنے لگتے ہیں۔

اور اس کی سیاہ آنکھیں سامنے جم جاتی ہیں....

وہاں سیاہ زمین ہے.... بالکل سیاہ کانچ جیسی....

اور ایک چاند اس زمین پہ چمک رہا ہے....

''جہاں ملتے ہیں تین چاند۔''

وہ چونک کے بڑبڑاتی ہے....

پھر اس کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلتے ہیں...

''یہاں.... ہاں' یہاں ملتے ہیں تین چاند!۔''

☆☆==========☆☆

تالیہ کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی۔

چند لمحے وہ چت پڑی رہی۔ پھر ایک طرف ہاتھ مارا تاکہ ٹیبل لیمپ جلائے.... یا ریموٹ اٹھا کے ٹی وی آن کرے .... یا موبائل اٹھا کے وقت دیکھے.... مگر.... پلنگ کے ساتھ تپائی پہ ایسا کچھ نہ رکھا تھا۔ نہ موبائل' نہ ریموٹ۔

ذہن کو بیدار ہونے میں چند لمحے لگے اور پھر اسے یاد آیا کہ وہ کوالالمپور میں نہیں تھی۔

وہ قدیم ملاکہ میں تھی۔

وہ سست روی سے اٹھی اور دیا سلائی سلگا کے چند موم بتیاں روشن کیں۔ کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

یہ آدھی رات کا وقت تھا اور سارا محل خاموش پڑا تھا۔ تالیہ نے کھڑکی کے پردے ہٹا کے جھانکا تو آسمان پہ باریک کمان سا چاند جگمگا رہا تھا۔

''جہاں تین چاند ملتے ہیں۔'' چاند کو تکتے ہوئے بے خودی سے دہرایا۔ ''کیسی عجیب سی جگہ تھی وہ....''

پھر چونک کے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ انگلی میں سرخ یاقوت اور ہیروں والی آنسو شکل انگوٹھی ہنوز موجود تھی۔ کیسا عجیب سا آنسو تھا وہ۔

دل کے رنگ جیسا۔

خون کے رنگ جیسا۔

ایک دم جیسے کوئی یاد آیا۔

اس نے میز سے گھڑی اٹھائی اور وقت دیکھا۔ یہ کانچ کی بنی قدیم گھڑی تھی جس کے دو خانے تھے۔ اوپر والے میں ریت بھری تھی اور سوراخ سے ذرہ ذرہ کرکے ریت نچلے خانے میں گر رہی تھی۔ آہستہ آہستہ۔ اس نے ریت کی مقدار سے اندازہ لگایا کہ ابھی رات کے بارہ یا ایک بجے تھے۔ وہ مسکرائی اور گھڑی رکھ دی۔

اسے کسی سے ملنے جانا تھا۔

☆☆==========☆☆

ابوالخیر کی حویلی اس وقت اندھیرے میں ڈوبی تھی۔ اوپر تیر کمان جیسا چاند جگمگا رہا تھا۔ چند پہریدار جمائیاں لیتے پھاٹک اور چار دیواری کے گرد پہرہ دے رہے تھے۔ مگر باورچی خانے کی چمنی کے ساتھ مخروطی چھت پہ بیٹھی تالیہ ان کی نگاہوں سے اوجھل تھی۔

وہ سیاہ پاجامے قمیص میں ملبوس' بالوں کو سیاہ کپڑے میں لپیٹے ہوئے تھی۔ دور سے وہ کوئی نوجوان لڑکا نظر آتی تھی جو اکڑوں بیٹھا' اداسی سے گھٹنوں پہ سر رکھے ہوئے تھا۔ ہاں ہاتھ میں دمکتی سرخ آنسو والی انگوٹھی اس کی نسوانیت کا پتہ دیتی تھی۔ اوپر چڑھتے فاتح کی پہلی نظر اس انگوٹھی پہ پڑی تھی۔ دوسری اس کے تاریکی میں ڈوبے چہرے پہ۔ رسی پرے پھینکتا وہ اس کے قریب آ کے بیٹھا۔

''تو کیا فیصلہ کیا تم نے؟''

تالیہ نے سر اٹھا کے اسے سادگی سے دیکھا۔

''مجھے راجہ کے کمرے کی تلاشی لینے کا موقع ابھی تک نہیں مل سکا۔ چابی کہاں ہے' میں نہیں جانتی' لیکن جیسے ہی وہ ہمیں ملی' ہم واپس.....''

''میں وزیرِ خزانہ کی تعیناتی کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔'' وہ کھنکھار کے بولا تو وہ چپ ہوئی۔ ''اوہ!''

''سن باؤ وانگ لی.....یا.....ابوالخیر...تم نے کس کو چنا؟''

''کس کو چننا چاہیے تھا؟''

''ظاہر ہے وانگ لی کو۔ اس میں وہ دونوں خوبیاں ہیں جو ہمیں کسی کو جاب دیتے وقت امیدوار میں تلاشنی چاہئیں۔ اس جاب کو کرنے کی قابلیت اور امانت داری۔'' اس کا ذکر کرتے ہوئے فاتح کی آواز میں نرمی گھل گئی۔ ''جبکہ ابوالخیر ایک بدنیت اور نااہل آدمی ہے۔''

وہ چند لمحے اس کا چہرہ تکتی رہی۔ ''میں نے ابوالخیر کا نام تجویز کیا ہے اور سلطان نے تائید کرتے ہوئے فیصلے پہ مہر لگا دی ہے۔''

حویلی کی چھت پہ سناٹا چھا گیا۔ فاتح چند لمحے تو کچھ کہہ نہیں سکا۔ پھر اس کے ابرو بھنچ گئے۔

''تم نے ابوالخیر کی طرفداری کیوں کی؟''

''کیونکہ مجھے اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے لئے مضبوط حلیفوں کی ضرورت ہے۔ اور مجھے مراد راجہ کو بھی خود سے خفا نہیں کرنا۔''

''تو تم نے یہ اپنے لئے کیا؟ ملاکہ کے لوگوں کے لئے نہیں؟''

تالیہ نے ٹھنڈی سانس بھری اور سادگی سے اسے دیکھا۔

''آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے' تو انکو؟''

''میں ملاکہ کے لوگوں کو وانگ لی جیسے ایماندار اور قابل آدمی کا تحفہ دیتا۔''

''وہ غیر ملکی ہے۔ بھلے اس کی ہمارے سلاطین اور رئیسوں سے گہری دوستی ہی کیوں نہ ہو' وہ ہمیشہ یہاں ایک اجنبی آدمی ہی رہے

گا۔ بالفرض میں اس کا چناؤ کر بھی دیتی تو صبح ہونے سے پہلے ابوالخیر یا راجہ مرادا سے مروا دیتا۔ مقابلہ ختم ہو جاتا اور ہمیں ابوالخیر کو ہی وزیر بنوانا پڑتا۔ (فاتح سر جھٹک کے سامنے دیکھنے لگا) یہ آپ کی ڈیموکریسی نہیں ہے' تو انکو... جہاں اتنی آسانی سے قتل نہیں ہو سکتے۔ یہ بادشاہت ہے۔ یہاں کوئی کسی کو پوچھنے والا نہیں ہے۔ یہاں عدالتیں حکمرانوں کے تابع ہوتی ہیں۔ میں ایک چینی کو ملاکہ کا وزیر خزانہ بنوا بھی دیتی تو لوگ اسے تسلیم نہ کرتے اور اگر وہ مر جاتا تو اس کے لئے کوئی نہ روتا۔ میں نے اس کی جان اور اپنے ملک کا امن بچایا ہے۔ یہ ایک سیاسی فیصلہ تھا۔ اگر سیاست یہ نہیں ہوتی تو میں نہیں جانتی کہ سیاست کیا ہوتی ہے۔''

''وانگ لی اس ملک کے لئے بہت کچھ کر سکتا تھا۔'' وہ تلخی سے سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہنگار املایو میں کیا لکھا ہے؟ کیا وانگ لی کو تاشہ نے وزیر بنایا تھا؟''

فاتح نے گہری سانس لی۔ ''اس میں اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں درج نہیں تھیں۔ لیکن مجھے لگا تھا کہ شاید وہ عظیم کارنامے جو وانگ لی نے سر انجام دیے تھے وہ وزیر بن کے کیے ہوں اور مورخ ان کو لکھنا بھول گیا ہو۔''

''مورخ!'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ ''جانتے ہیں شاہی مورخ کون ہے؟''

''جانتا ہوں۔'' اسے اس وقت مورخ کے ذکر میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ خفا نگاہیں سامنے پھیلی تھیں جہاں اندھیرے میں ڈوبا قدیم ملاکہ پھیلا تھا۔ دو چار گھروں میں مشعلیں جلتی نظر آ رہی تھیں۔ یوں لگتا جیسے سیاہ چادر کے سارے سنہری تارے ٹوٹ گئے ہوں اور صرف ایک آدھ تارہ اٹکا ہوا جگمگا رہا ہو۔

''ابوالخیر اور راجہ کی بلیک میلنگ سے ہار ماننے کی بجائے یہ عہدہ وانگ لی کو دے کر اس کی حفاظت کا بندوبست بھی کیا جا سکتا تھا۔''

''آپ کی وانگ لی سے کتنی بات چیت ہوئی؟''

''بات چیت؟'' فاتح کی آواز آہستہ ہوئی۔ نظریں دور پھیلے ملاکہ پہ جمی تھیں۔ ''میں باورچی خانے میں تھا جب اس کے آنے کی اطلاع ملی۔ اس کے نام نے مجھے چونکایا تھا۔ میں طشت لے کر اندر گیا اور اس کے سامنے شوربہ رکھا۔ اس نے مجھے صرف ایک نظر دیکھا۔ میرے اوپر دوسری نظر اس نے رات کھانے پہ ڈالی جب تم بھی وہاں موجود تھیں اور امورِ سلطنت پہ گفتگو کی جا رہی تھی۔ تمہارے جانے کے بعد ابوالخیر نے اسے زہر ملا شوربہ میرے ہاتھوں پلوانا چاہا مگر میں نے اسے خبردار کر دیا۔ پھر جب وہ اپنی سواری پہ چڑھ رہا تھا تو میں باورچی خانے کی چوکھٹ پہ کھڑا اس کو دیکھتا رہا۔ میری اس سے اتنی ہی ملاقات ہوئی بس۔''

تالیہ ایک دم ہنس پڑی۔ فاتح نے قدرے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھ لبوں پہ رکھے ہنستی جا رہی تھی۔

''اتنا مزاحیہ کیا تھا اس میں؟''

تالیہ نے بدقت مسکراہٹ روکے منہ سے ہاتھ ہٹائے۔

''آپ فین مومنٹ میں ہیں۔''

"کیا؟" اس نے ناگواری سے ابرو اٹھائی۔

"ایک زمانے میں میں' تالیہ مراد' کسی کے گھر کام کرتی تھی۔" ہتھیلی گال تلے جمائے مزے سے بتانے لگی۔ "ایک روز کچن میں میں نے ساتھی ملازماؤں سے پوچھا کہ اتنا اہتمام کس کے لئے کیا جارہا ہے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ملک کا اگلا وزیراعظم مدعو ہے۔ (فاتح ہلکا سا مسکرایا۔اب وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔) اور پھر میں نے اس سیاستدان کو جوس پیش کیا۔ میں بھی اعلیٰ ایوانوں کی گفتگو کے دوران دروازے سے باہر کھڑی سنتی رہی تھی' اور میں نے بھی کچن کی کھڑکی سے ان دونوں میاں بیوی کو اپنی سواری میں سوار ہوتے دیکھا تھا مگر مجھے اس سیاستدان نے ایک دفعہ بھی نظر اٹھا کے نہیں دیکھا۔ بلکہ جب میں نے ان ہی کے گھر' ان ہی کی ڈائننگ ٹیبل پہ ان کو گھائل غزال کے جعلی ہونے کی سازش سے مطلع کرنا چاہا تو مجھے لگا وہ میرا یقین نہیں کریں گے۔ اچھی بات ہے کہ آپ نے سچ بولنے کی ہمت کی اور سن باؤ کو مطلع کر دیا۔ میں نہیں کر سکی تھی۔ مگر شاید اس لئے کہ میں ان کے سامنے ہمیشہ فین موومنٹ میں ہوتی تھی۔ تالیہ دی فین گرل۔"

آخر میں وہ دوبارہ ہنسی مگر اب کی بار وہ ہنسی تلخ تھی۔ استہزائیہ۔ اپنا مذاق اڑاتی ہوئی۔

"میں اس کا فین نہیں ہوں۔ میں...." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر سر جھٹک دیا۔ تالیہ چند لمحے فقرہ مکمل ہونے کا انتظار کرتی رہی۔ مگر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ ایک اشارہ تھا کہ وقت کے اس قیدی سے ملاقات کا وقت ختم ہو چکا ہے۔

عموماً ملاقات کے ختم ہونے کا احساس ڈائری اٹھائے اس کا سیکرٹری دلایا کرتا تھا اور پھر اگلی میٹنگ کے بارے میں مطلع کرتا تھا۔ تالیہ نے یونہی ادھر ادھر دیکھا۔ آج اس کا کوئی سیکرٹری' کوئی باڈی مین اس کے وقت کا حساب رکھے ہوئے ارد گرد منڈلا نہیں رہا تھا۔ وان فاتح ان کی زندگیوں سے نکل چکا تھا اور چند دن پولیس نے اسے تلاش کرنے کے بعد کیس فائلز کے ڈھیر میں بھلا بھی دیا ہوگا۔ اس کے سیکرٹری نے اگلی جاب بھی شروع کر دی ہوگی۔ سب آگے بڑھ چکے ہوں گے۔ صرف وہی پیچھے رہ گئے تھے۔ قید۔

وان فاتح اب رسی سے نیچے اتر رہا تھا اور بالوں کو رومال میں لپیٹے بیٹھی تالیہ یاسیت سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

جنگل کے ان سارے دنوں کے بعد آج وہ عرصے بعد دوبارہ سے فین موومنٹ میں گھری تھی۔ مگر کیا وہ اب تک فاتح بن رامزل کی فین تھی؟ یا الوژن ٹوٹ چکا تھا؟

مگر پھر.... الوژن کے پار.... کیا نظر آیا تھا اسے؟

☆☆=========☆☆

اس صبح بنداہارا کے محل سے سورج کی کرنیں ٹکرا رہی تھیں۔ دربار کی کھڑکیوں سے چھن کے آتی روشنی دربار کو منور کیے ہوئے تھی۔ اونچے تخت پہ شہزادی تاشہ ریشمی لباس کو پھول کی طرح پھیلائے بیٹھی تھی۔ سر پہ ہیروں کا تاج سجا تھا اور ہاتھ میں چاندی کا آئینہ تھامے وہ آنکھوں کا سنگھار دیکھ رہی تھی۔

دفعتاً دروازے کھلے اور منادی کرنے والے نے صدا لگائی۔ "قیدی' آدم' حاضر ہو۔"

ایڈم اندر داخل ہوا تو پیچھے دروازے بند کر دیے گئے۔وہ دربار کی چوکھٹ پہ تنہا کھڑا تھا۔کوئی کنیز' کوئی غلام موجود نہ تھا اور تخت پہ بیٹھی شہزادی آئینہ دیکھنے میں مصروف تھی۔

ایڈم نے اطراف پہ نظر دوڑائی۔عالیشان وسیع وعریض دربار....چھت پہ بنے نقش ونگار ....کھڑکیوں پہ گرے مخملیں پردے.... ہر شے رعب طاری کر دینے والی تھی۔مگر ایڈم نے دل چھوٹا نہ کیا۔آج عرصے بعد اسے صاف لباس دیا گیا تھا' جس میں کلف بھی لگا تھا۔پاجامہ اور چھوٹا کرتا۔ہم رنگ جوتے۔وہ اعتماد سے قدم اٹھاتا تخت کے سامنے آیا اور سر جھکا کے سلام کیا۔

''شہزادی!'' سر اٹھا کے تالیہ کے چہرے کو براہ راست دیکھا۔

''میں جانتا ہوں آپ شرمندہ ہیں' مجھے اتنے دن جیل میں رکھنے اور تیسرے درجے کا کھانا دینے کے لئے۔مگر آپ بے فکر رہیں' میں نے آپ کو معاف کیا کیونکہ آپ نے مجھے دنیا کی بہترین کتابوں سے روشناس بھی تو کروایا ہے۔'' بڑی سخاوت سے انگریزی میں بولا۔

تالیہ نے ناک سکوڑی' آئینہ پرے رکھا اور تندہی سے اسے گھورا۔

''گرفتاری کے وقت یہ تھیلا تمہارے پاس سے ملا تھا۔'' سرخ انگوٹھی والی انگلی سے شہزادی نے اشارہ کیا تو ایڈم نے دیکھا' درباریوں کی خالی کرسیوں میں پہلی کرسی کے سامنے میز تھی جس پہ ایک تھیلا رکھا تھا۔ساتھ موم بتی' کاغذ' قلم' سیاہی وغیرہ ترتیب سے رکھے تھے۔ایڈم نے تھیلا اٹھا کے دیکھا۔

''جی یہ میرا ہی ہے۔'' اس نے اندر سے کاغذ نکال کے دیکھے۔پھر قدرے حیران ہوا۔''ایک منٹ۔پہلے صفحے ''بنگارایا ملایو'' اور نیچے مصنف کا نام بھی لکھا تھا۔ابوبکر سم تھنگ....وہ صفحہ کہاں گیا؟''

''وہ صفحہ میں نے پھاڑ کے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔''

''مگر وہ کیوں؟''

شہزادی نے ایک شان بے نیازی سے سنہری لٹ پیچھے کی۔

''اگر میں وہ رہنے دیتی تو قید خانے کا داروغہ جان لیتا کہ یہ دستہ تمہارا نہیں' کسی ابوبکر کا ہے۔تم پہ چوری ثابت ہو جاتی اور مجبوراً قانون کے مطابق اسے تمہارا ہاتھ کاٹنا پڑتا۔''

ایڈم نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔''ہیں؟''

''نہیں خیر ہے' اگر تمہیں اپنا ہاتھ پیارا نہیں تو کھل کے بتا دو۔میں ابھی کٹوائے دیتی ہوں۔''

''ارے واہ....کیسے کٹوائے دیتی ہیں؟'' وہ چمک کے بولا۔''پہلے بتایئے' مجھے چوری کرنا سکھائی کس نے تھی؟''

''جس نے سکھائی تھی' اس نے اپنے سکھانے کا ثبوت تو چھوڑا نہیں ہوگا۔ہے نا۔'' ہتھیلی پہ تھوڑی جمائے پلکیں جھپکا کے اسے دیکھا۔

ایڈم لمحے بھر کو چپ ہوا۔پھر نظریں اس کاغذ پہ جھکائیں۔

"خیر... فی الحال اس کتاب پہ کسی دوسرے کا نام نہیں لکھا۔ یعنی یہ تھیلا میرا ہی ہے۔" غور سے تالیہ کو دیکھا۔ وہ اونچے تخت پہ بیٹھی تھی اور ایڈم نیچے کھڑا تھا۔

"یہ ہوئی نا بات۔ اب تم محفوظ ہو۔ ویسے وہ کون تھا جس کی یہ کتاب تھی۔" وہ مسکرا کے دوستانہ انداز میں پوچھنے لگی۔

"ہونہہ۔ تھا کوئی کنگال رائٹر۔ بلکہ رائٹرز تو پھر بہتر ہوتے ہیں' وہ تو بے چارہ کوئی مورخ تھا۔" ایڈم نے خوب ناک چڑا کے سر جھٹکا۔ تالیہ نے مزید دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"اور مورخین کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

"مورخین؟ ہا!" اس نے بدمزگی سے سر جھٹکا۔ "میرے نزدیک مورخین انتہائی دو نمبر لوگ ہوتے ہیں۔"

"اچھا؟ دو نمبر؟" تالیہ نے دوبار پلکیں جھپکائیں۔

"اور نہیں تو کیا۔ آپ کے خیال میں کیا یہ سچ لکھتے ہیں؟ یہ بادشاہوں کی عظمت کے قصے جو ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں' اس میں زیادہ تر مبالغہ آرائی ہوتی ہے جو مورخین اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے لکھتے ہیں۔ تقریباً سارے بادشاہ طاقت کی ہوس میں مبتلا ظالم لوگ ہوتے تھے۔ سوائے دو چار کے' انسانی تاریخ کرپٹ حکمرانوں سے بھری پڑی ہے۔ مگر تاریخ کی کتابیں پڑھو تو بادشاہ رحم دلی اور عظمت کا پیکر لگتے ہیں۔ خوشامدی درباری مورخین کے کارنامے۔ ہونہہ۔"

"ہوں۔ کتنے نیک خیال ہیں تمہارے۔ اور بنگارایا ملایو کے مورخ کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟" وہ مسکرا مسکرا کے دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔

"بنگارایا ملایو میں نے پڑھی تو نہیں ہے' مگر اس کا رائٹر... اس کا کنگال رائٹر دیکھا تھا اس دن میں نے سرائے میں۔" پھر اس کی آنکھیں چمکیں۔ "ابھی اس نے کتاب کا پہلا صفحہ بھی نہیں لکھا۔ یعنی یہ کتاب ابھی اس نے لکھنی ہے۔ ہوں۔ یعنی اب وہ آپ کے پاس آئے گا اور آپ کی خوشامد کرے گا۔ جواب میں آپ اس کو مالا مال کر دیں گی کیونکہ میں نے سنا ہے بنگارایا ملایو میں شہزادی تاشہ کی وہ وہ خوبیاں بیان کی گئی ہیں جن کا آپ میں ہونا مشکوک ہے۔ اور ایسا صرف ایک صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپ نے ایک لالچی' مفاد پرست اور جھوٹے آدمی کو شاہی مورخ کا عہدہ دینا ہے۔"

اپنی طرف سے مسکرا کے وہ تاک تاک کے نشانے لگا رہا تھا۔ مگر تالیہ دلچسپی سے سنے جا رہی تھی۔

"چچ چچ... کتنا کوئی جھوٹا اور نیچ آدمی ہوگا ہمارا اگلا شاہی مورخ۔"

"ہونہہ۔ شہزادی کی خوشنودی کے لیے ایمان بیچ دینے والا مورخ۔ اور وہ کنگال رائٹر ابوبکر... وہ... ایک منٹ... جو بنگارایا ملایو ہمیں پڑھائی جاتی تھی اس کے مصنف کا نام ابوبکر نہیں تھا۔ اس کا نام آدم بن محمد تھا مگر خیر... ہوگا وہ بھی جھوٹا اور..."

ایڈم کو بولتے بولتے ایک دم چپ لگی۔ جیسے کسی نے سر پہ کچھ دے مارا ہو۔

ایک دم وہ آگے بڑھا اور جس میز پہ اس کا تھیلا پڑا تھا وہاں رکھی تختی اپنی طرف موڑی تاکہ اس پہ کندہ نام سامنے آسکے۔ وہ کرسی شاہی مورخ کی تھی' اور بھلا کون سا نام لکھا تھا اس پہ؟

''آدم بن محمد۔ شاہی مورخ۔''

ایڈم کے لب بے یقینی سے کھل گئے۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے۔

شہزادی اپنا گاؤن جھٹکتی اٹھی اور ایک شان سے چبوترے کے زینے اترنے لگی۔ ایڈم سانس روکے اس تختی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ شاہی مورخ کی کرسی اور اس کا سامان تھا۔

تالیہ اس کے قریب رکی اور ایک رول شدہ کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔

''آدم بن محمد۔ آج سے تم ملاکہ کے سلطان مرسل شاہ کے شاہی مورخ تعینات کیے جاتے ہو۔'' کاغذ جھٹکا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ شاہی حکم نامہ تھا اور نیچے مرسل شاہ کی مہر نصب تھی۔ ''تم بنگارایا ملایو لکھو گے۔ تاشہ پسونا کے دور کی کہانی جو صدیوں یاد رکھی جائے گی۔ تمہارے نام کے ساتھ۔ تم... ایڈم بن محمد ملاکہ سلطنت کے ''آدم بن محمد'' ہو۔''

وہ بالکل ششدر کھڑا تھا۔ ''کیا واقعی 'میں' وہ عظیم کتاب لکھوں گا؟ میں؟''

''بالکل۔'' وہ مسکرائی۔ ''اور تم اس داستان میں سب سچ لکھو گے۔ تمہاری شہزادی کبھی تمہیں جھوٹ لکھنے کو نہیں کہے گی۔ تم میری تاج اور تخت کی اس جنگ کو دیکھ کر جو محسوس کرنا' وہی سچ سچ لکھ ڈالنا۔''

''واقعی؟'' اس نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔ ''میں سب سچ لکھ سکتا ہوں؟''

''بالکل بھی نہیں' ڈفر'' مسکراہٹ غائب کی اور ماتھے پہ بل ڈال کے اسے گھر کا۔ ''اتنے اعلیٰ عہدے مفت میں نہیں ملا کرتے۔ اس لیے میرا احسان مانو اور جو میں کہوں' وہی لکھنا ہے تم نے۔ تمہارے ایک ایک لفظ پہ میری نظر ہوگی' اچھا! زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش نہ کرنا ورنہ ایک کنگال رائٹر کا تھیلا چوری کروانے کے جرم میں ہاتھ کٹوا دوں گی تمہارا۔ ہونہہ۔'' ایک ادا سے سر جھٹکا اور آگے چل دی۔ اس کا ریشمی شاہی لباس اس کے پیچھے پیچھے فرش پہ جھاڑو دیتا جا رہا تھا۔

ایڈم نے کینہ توز نظروں سے اسے دور جاتے دیکھا۔

''اگر اس تاشہ کو ساحرہ کی جگہ جادوگرنی بنا کے پیش نہ کیا تو میرا نام بھی ایڈم بن..... آدم بن محمد نہیں... ہاں۔'' چہرے پہ ہاتھ پھیر کے دل ہی دل میں تہیہ کیا۔

میز پر رکھے شاہی حکم نامے کی سیاہی سوکھ چکی تھی اور موی مہر جم چکی تھی۔ ساتھ سجے قلم دوات اب اپنے لکھاری کے منتظر نظر آتے تھے۔

☆☆=========☆☆

صبح کی سفیدی نے ابوالخیر کی حویلی کے صحن کو روشن کر رکھا تھا۔ صحن کے کونے میں پنجوں کے بل بیٹھا فاتح مشکیزے سے پانی ہاتھوں میں

بھرتا چہرے پہ ڈال رہا تھا۔ نماز کے بعد اس کی آنکھ لگ گئی تھی اور آج کسی نے دوبارہ آواز تک نہیں دی تھی۔ وہ اٹھا تو روشنی پھیل چکی تھی

۔

آستین سے گیلا چہرہ رگڑتا وہ کچن کی طرف چل دیا۔ زندگی عجیب مختلف سی ہو چکی تھی۔ وہ صبح کی میلوں دور کی جاگنگ۔ وہ شام کا جم۔ وہ کے ایل کی عمارتوں کے کاریڈورز میں اپنے جیسے افراد کے ساتھ ساتھ تیز تیز چلتے ہوئے سیکرٹری کی بریفنگ سننا۔ وہ میٹنگز اور کانفرنسز کی سربراہی کرنا۔ وہ لوگوں سے بھرے ہال اور اسٹیج پہ کھڑا تقریر کرتا وان فاتح۔ وہ کیمروں اور مائیکس کے سامنے فلیش لائیٹس کی چمک میں انٹرویو دیتا آدمی۔ وہ سب کتنا پیچھے رہ گیا تھا۔ بجلی اور برقی آلات سے غیر مانوس ایک قدیم شہر میں وہ پھنس گیا تھا جہاں وہ صرف ایک قیدی غلام تھا۔ اور کچھ نہیں۔ یہ سب کہاں جا کے ختم ہوگا؟ وہ اس بارے میں کم سے کم سوچنے کی کوشش کرتا تھا۔

خیالات کو ذہن سے جھٹکتا وہ باورچی خانے میں آیا تو سب مصروف نظر آتے تھے۔ ایک طرف دیگچے میں غلاموں کے لئے پھیکا بدمزہ دلیہ بن رہا تھا۔ باقی تمام چولہوں پہ ابوالخیر اور اس کے اقارب کے لئے شاہانہ ناشتے کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے آگے آیا اور چاولوں کا تھال اٹھایا تو نگران باورچی نے روک دیا۔

"تم رہنے دو۔" کڑاہی میں آٹے کے پیڑے تلتے ہوئے وہ عام سے انداز میں بولا۔ "تمہارے لئے نیا لباس رکھا ہے۔ وہ تم پہن لو۔ اور ابھی آرام کرو۔ کوئی کام ہوا تو بلوا لوں گا۔"

فاتح بس اسے دیکھ کے رہ گیا۔ پھر بے دلی سے تھال پرے ڈالا اور اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ وہاں تازہ پوشاک رکھی تھی۔ صاف ریشمی ٹوپی۔ نئے جوتے۔

عجیب وحشت ناک چیزیں تھیں وہ۔ جیسے آہنی بیڑیاں اتار کے طلائی بیڑیاں پہنائی جا رہی ہوں۔

کچھ دیر بعد وہ نیا لباس پہنے، ماتھے پہ سبز پٹی باندھے، اصطبل کے زینوں پہ بے کار سا بیٹھا تھا۔ اس کی طرح کے دو اور غلام بھی آج نئے لباس میں آگے پیچھے ٹہلتے نظر آ رہے تھے۔ ان کا بھی یہ آرام کا دن تھا۔ کسی بڑی قربانی سے پہلے کا آرام!

اصطبل میں جگہ جگہ گھوڑے بندھے تھے۔ ہر گھوڑے کی اپنی کوٹھڑی تھی جس میں وہ آرام سے بیٹھا یا کچھ کھاتا پیتا نظر آ رہا تھا۔ ایسے میں وہ البیو غلام ایک گھوڑے کو باہر نکال کے لایا اور اس کی گردن کے چمک دار بال کھینچنے لگا۔ (بال گھڑسواری کے دوران مشکل پیدا کر سکتے ہیں، اس لئے ان کو سنوار کے کھینچ کے اکٹھا کیا جاتا ہے تاکہ وہ سمٹے رہیں۔)

فاتح ایک دم آستینیں چڑھاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"خبردار.....رکو۔" لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ اس کے قریب آیا۔ "اس کے بالوں کو مت چھوؤ۔ ابھی اس نے کھانا نہیں کھایا۔ گھوڑے کے کھانے کے وقت سے پہلے اس کے بالوں کو نہیں چھوتے۔"

البیو نے رخ نہیں موڑا، نہ ہی کوئی تاثر دیا۔ بس سنجیدہ چہرے کے ساتھ جھٹکے سے بال چھوڑ دیے۔ فاتح نے ایک گہری نظر اس کے

چہرے کے زاویوں پہ ڈالی۔

"میں تم سے بات کر رہا ہوں۔"

الپینو نے اکھڑا اکھڑا سا چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ ارد گرد کام کرتے غلام بھی رک کے ان دونوں کو دیکھنے لگے تھے۔ وہاں ابوالخیر کا کوئی سپاہی موجود نہ تھا۔ سارے کام غلام ہی نبٹا رہے تھے۔

"اس گھوڑے کو واپس اندر لے جاؤ۔ ویسے بھی یہ ٹھوس بھورے رنگ کا ہے۔ ٹھوس رنگوں کے گھوڑوں کو سدھانا مشکل ہوتا ہے' یہ کام تم سے نہیں ہوگا۔ وہ سفید گھوڑا جس میں بھورے دھبے ہیں..... (بازو لمبا کر کے تحکم سے ایک طرف اشارہ کیا۔) اس کو لے کر آؤ اور اس کے بالوں سے شروع کرو۔ دھبوں والا گھوڑا اتنا اتھرا نہیں ہوتا۔"

الپینو نے تلخی سے گھوڑے کی لگام کھینچی اور پورا اس کی طرف گھوما تو آنکھوں میں غصہ تھا۔

"تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟"

"تا کہ یہ گھوڑا تمہیں دولتی مار کے ہلاک نہ کر دے۔ خدا کی قسم اگر اس نے ایسا کیا تو ابوالخیر کو تم سے زیادہ گھوڑے کے پیروں کی فکر ہو گی۔"

"اور کیا تمہیں ہماری فکر ہے؟ ہرگز نہیں۔ تم تو اب جا رہے ہو۔ اگلے ہفتے نیلامی ہے جس پہ تمہیں فروخت کر دیا جائے گا۔ کسی رئیس یا سلطان کے محل میں تم عیش کرو گے۔"

فاتح قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"میرا نام فاتح بن رامزل ہے۔ میں نے زندگی میں کبھی وعدے نہیں توڑے۔ کبھی اپنے لوگوں کو اکیلا نہیں چھوڑا۔ غور سے سن لو میری بات۔" کہہ کے وہ اپنے قدموں پہ آہستہ آہستہ گھوما۔

ارد گرد کام روک کے کھڑے تمام غلام یک ٹک اسے دیکھ رہے تھے۔

"پچھلے ایک ماہ میں ہر روز جب میں تم سے ملتا ہوں تو ایک ہی بات کہتا ہوں۔" اس کی آنکھیں ایک غلام سے دوسرے تک کا سفر کرتی آگے بڑھ رہی تھیں۔ "کہ اپنے لئے لڑنا سیکھو۔ کسی کو اجازت مت دو کہ وہ تمہیں جسمانی اذیت پہنچائے یا تمہیں اپنا غلام بنائے۔ اللہ نے ہم سب کو آزاد پیدا کیا ہے مگر کچھ انسان ہم سے یہ آزادی چھین لیتے ہیں۔ آزادی واپس لینے کے لئے لڑنا پڑتا ہے' جان مارنی پڑتی ہے۔ اور اگر تم لوگ....." اس کی آواز دھیمی مگر صاف تھی۔ سب دم سادھے سن رہے تھے۔

"اگر تم لوگ اپنے لئے نہیں لڑ سکتے' تو بھی میں تمہارے لئے لڑوں گا۔ میں تمہارے لئے واپس آؤں گا۔ میں تمہیں اس قید سے نکالوں گا۔ میں اپنے لوگوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا اور مجھے وعدے نبھانے آتے ہیں۔"

وہ واپس الپینو کی طرف گھوما۔ الپینو کے کندھے ڈھیلے پڑ چکے تھے البتہ آنکھوں کا شاکی پن کم نہ ہوا تھا۔

''اس لئے جب فاتح بن رامزل تمہیں حکم دے کہ گھوڑے کے شر سے خود کو بچاؤ تو اس حکم کی تعمیل کرنا سیکھو۔ مجھے وہ لوگ نہیں پسند جو مجھ پہ بھروسہ نہیں کرتے!''

پھر اس نے بھورے گھوڑے کی گردن تھپتھپائی۔ گھوڑے نے فوراً سر اس کی طرف جھکا دیا۔

''تم ادھر آؤ!'' ایک دوسرے غلام کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ وہ سارے کام چھوڑ کے بھاگا چلا آیا۔

''اس کو کھانا کھلاؤ' اور پھر استرا لے کر اس کے بال اطراف سے کاٹ دو' مگر تب جب وہ پرسکون ہو۔ پھر اس کے بالوں کی مینڈھیاں بناؤ تا کہ وہ گردن کے ایک طرف پڑی رہیں۔ ہر تیسرے دن تم اس کی مینڈھیوں کو کھول کے کنگھا کر کے دوبارہ ان کو گوندھ دو گے تا کہ اس کا ایک بھی بال خراب نہ ہو۔''

غلام نے ادب سے سر کو خم دیا۔ فاتح نے گھوڑی کی گردن سے ہاتھ ہٹایا اور ایک آخری نظر الینو پہ ڈالی جو قدرے نرم' قدرے خفا سا کھڑا تھا۔

''میں تمہارے لئے واپس آؤں گا' لیکن صرف تب جب تم مجھ پہ بھروسہ کرو گے۔ معجزے صرف ان لوگوں کو ملتے ہیں جو معجزوں کے ہونے پہ یقین رکھتے ہیں۔'' اور پھر آگے بڑھ گیا۔

تمام غلام راستہ چھوڑ کے ادھر ادھر ہو گئے۔ وہ ان کے درمیان سے گزرتا چلتا جا رہا تھا اور وہ مڑ مڑ کے اسے جاتے دیکھ رہے تھے۔

ان کے میلے' گدلے' مفلوک الحال چہروں پہ ڈھیروں امید تھی اور آنکھوں میں ہلکی سی نمی۔

☆☆=========☆☆

''سلطنت محل'' کا دربار اس دوپہر ویران ویران سا لگتا تھا۔ درباریوں کی کرسیاں خالی پڑی تھیں۔ تخت پہ سلطان مرسل شاہ بیٹھا میز پہ رکھے کاغذ دیکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی نازک سی پیالی سے قہوے کے گھونٹ بھی بھر رہا تھا۔

اس کے کندھے کے قریب کھڑا راجہ مراد ایک کے بعد ایک کاغذ اس کے سامنے رکھتا اور اس کے متن سے آگاہ کرتا۔

''ہم آپ کے چچا (سابق سلطان) کے مقرر کردہ تمام اعلیٰ عہدیداروں کو ان کی نشستوں سے معزول کر کے اپنے وفادار آدمی ان جگہوں پہ بٹھا رہے ہیں۔ یہ کوتوال کی تعیناتی کا حکم نامہ ہے' آقا۔ آپ مہر لگا دیجئے۔'' کہتے ہوئے وہ محتاط نظروں سے مرسل کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بھی دیکھ رہا تھا۔

''مفید بن غالب۔'' مرسل نے گھونٹ بھرتے ہوئے نئے کوتوال (پولیس چیف) کا نام پڑھا۔ ''کیا یہ آدمی سابق کوتوال سے زیادہ اچھا ہے؟ سابق کوتوال اپنی بہترین انتظامی صلاحیتوں کے باعث عوام میں بہت مقبول تھا' مراد۔'' اسے جیسے اچنبھا ہوا۔

''بالکل آقا' وہ مقبول تھا' مگر وہ آپ کے چچا زاد بھائیوں کا حامی ہے۔'' مراد جلدی سے بولا۔ تیز چمکتی آنکھیں مرسل کے چہرے پہ جمی تھیں۔

''آپ کے چچا زاد بھائی (سابق سلطان کے بیٹے) سلطان بننا چاہتے تھے مگر میں نے ان کو آپس میں لڑوا کے محل سے نکالا تھا۔ وہ مفرور ہیں مگر کبھی نہ کبھی واپس آنے کی کوشش ضرور کریں گے۔ ایسے میں پولیس چیف ان کا حمایتی ہوا تو شہر کی پولیس ان کی مدد کرے گی۔ ہمیں ہر اعلیٰ عہدے پہ اپنے وفادار لوگ چاہیے ہیں' آقا۔''

''ہاں وہ تو ٹھیک ہے مگر.....'' مرسل نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور سوچتے ہوئے ہنکارا ابھرا۔ ''یہ آدمی.... ایک تاجر ہے۔ کیا یہ شہر کی پولیس سنبھال سکے گا؟''

''آقا' ملازم رکھنے کی سب سے بڑی شرط وفاداری ہوتی ہے۔ وہ آقا کو دشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔ اس سے اوپر ہمیں کیا چاہیے؟''

''ہاں یہ بھی ہے۔'' مرسل آگے جھکا اور مہر اٹھا کے کاغذ پہ ثبت کی۔ راجہ مراد نے جلدی سے کاغذ کو رول کر کے سمیٹا اور پھر دوسرا کاغذ سامنے کیا۔

''میں شہر کا قاضی بھی بدل رہا ہوں۔ عارف بن مہور انیا قاضی ہوگا۔ وہ پیشے کے لحاظ سے سوداگر ہے مگر قرآن و حدیث اور علومِ فقہ میں اسے خاص مہارت حاصل ہے۔''

''گزشتہ قاضی اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے مشہور تھا' مراد۔'' مرسل نے قدرے الجھن سے پہلو بدلا۔ ''اور یہ آدمی تو سوداگر ہے۔ یہ عدالتیں کیسے چلائے گا۔''

''آپ کا خدشہ درست ہے آقا' مگر کیا چیز زیادہ بہتر ہے؟ ایک مقبول قاضی جو کسی بھی وقت دشمنوں سے جا ملے اور آقا کو قید یا جلاوطن کروا دے' یا ایک ایسا قاضی جو آقا کے ساتھ وفادار ہو؟''

مرسل نے جواب نہیں دیا۔ بس بے زاری سے مہر اٹھا کے ثبت کی تو مراد نے گہری سانس خارج کی۔ پھر اگلا کاغذ سامنے رکھا۔

''یہ نئے سفیروں کی فہرست ہے جن کو ہم دوسرے ممالک میں آقا کے ترجمانوں کی حیثیت سے بھیجیں گے' یہ لوگ میرے وفادار اور پرانے جاننے والے ہیں۔ یہ آقا کی ایسی حفاظت کریں گے جیسی میں کرتا ہوں۔'' وہ اب نئے نئے صفحات سامنے رکھ رہا تھا اور مرسل شاہ ان پہ مہریں ثبت کر رہا تھا۔ درمیان میں جمائی روکنے کے لئے اس نے منہ پہ ہاتھ رکھا اور بولا۔

''بس یا اور؟''

''یہ محکمہ اوقاف کے نئے سربراہ کا حکم نامہ ہے۔ یہ شہر کا معروف تاجر ہے' اور اس کا کاروبار تین براعظموں تک پھیلا ہے۔ گزشتہ وزیر اوقاف بہت مقبول تھا کیونکہ وہ غریبوں تک زکوٰۃ اور صدقات کے پیسے ایمانداری سے پہنچاتا تھا مگر یہ بھی کسی سے کم نہیں ہے۔ اور سب سے بڑھ کے یہ ہمارا وفادار ہے۔''

مرسل شاہ نے بغیر مزاحمت کے کاغذ پہ مہر ثبت کی اور پیچھے کو ٹیک لگا لی۔ مراد نے تمام کاغذات رول کر کے ایک ٹرے میں رکھے اور ساتھ ہی نرم خوئی سے کہنے لگا۔ ''آقا... طاقت حاصل کرنا کمال نہیں ہے۔ طاقت کو برقرار رکھنا اصل فن ہے۔ کوئی بھی شخص تنہا حکومت نہیں

چلا سکتا۔اس کو طاقتور لوگوں کا ساتھ چاہیے ہوتا ہے تا کہ سب مل کے آقا کے تخت کی حفاظت کریں۔ جب تک ہم اہم عہدوں پہ اپنے لوگ نہیں بٹھائیں گے، ہم سلطنتِ ملاکہ کو اپنے طریقے سے نہیں چلا سکیں گے۔''

''ہوں۔'' وہ بور سا ہو کے ادھر ادھر دیکھنے لگا' پھر یونہی سرسری سا بولا۔ ''تمہاری بیٹی.....تاشہ.....ہم نے ان کا ذکر پہلے نہیں سنا۔''

طشت میں کاغذوں کے رول سجاتے مراد کے ہاتھ تھمے۔ پھر آہستہ سے آنکھوں کو گھما کے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی۔ وہ اپنی جواہرات سے مزین انگوٹھیوں کو انگلیوں میں گھماتا سامنے دیکھ رہا تھا۔

''تاشہ میری پہلی بیوی سے ہے۔'' مراد تول تول کے کہنے لگا۔ ''ملک کے حالات اچھے نہ تھے اس لیے میں نے اس کو چین میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے بھیج دیا تھا۔ مگر جب میرے ملک کی باگ دوڑ ایک ایسے سلطان کے ہاتھ میں آ گئی (مرسل کی طرف اشارہ کیا) جو اپنی قوم کی حفاظت کرنا جانتا ہے تو میں نے اسے بلوا لیا (مرسل شاہ نے مسکرا کے فخر سے گردن ذرا اکڑا لی۔) اب ملاکہ میں رہنا اس کے لئے محفوظ تھا اور تالیہ کے کھونے کے بعد میں بہت اکیلا ہو گیا تھا۔ مجھے امید ہے وہ آقا کے دربار کے لئے نیک بخت ثابت ہو گی۔''

''ہاں۔ بالکل۔'' مرسل شاہ مسکرا کے کھڑا ہوا اور ہاتھ کمر پہ باندھے چبوترے کے زینے اترتا گیا۔ وہ تازہ دم سا خوشگواریت میں گھرا نظر آتا تھا۔

طشت میں باقی حکم نامے رکھتے مراد نے غور سے اس کی پشت کو دیکھا۔اس کی آنکھوں میں گہری سوچ پنہاں تھی۔

☆☆=========☆☆

بنداہارا کے محل کے پائیں باغ کا آسمان سرمئی بادلوں سے ڈھکا نظر آ رہا تھا۔ دوپہر کے باوجود باغ میں ٹھنڈی چھایا سی پھیلی تھی۔ شہزادی تاشہ کنیزوں اور غلاموں کی معیت میں روش پہ قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔ پیروں تک آتا زرتار جامنی گاؤن پہنے' سر پہ تاج سجائے وہ معمول کے مطابق سولہ سنگھار سے آراستہ تھی۔

باغ کے وسط میں ایڈم کھڑا تھا۔ پاجامے پہ اوور کوٹ نما گاؤن پہنے' سر پہ ٹوپی اوڑھے' وہ سنجیدہ نظر آتا تھا۔ جب تالیہ اس کے قریب پہنچی تو اس نے بھی سر پورا جھکا کے اٹھایا۔ ''شہزادی!''

''شاہی مورخ میرے ساتھ آئے۔'' دو انگلیوں سے اشارہ کیا اور روش پہ آگے بڑھ گئی۔ کنیزیں اور خادم پیچھے رہ گئے اور مورخ تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔ (کنیزیں کافی فاصلہ رکھ کے پیچھے چلنے لگیں۔)

''تم نے اپنی کتاب لکھنی شروع کر دی' ایڈم!'' سینے پہ بازو لپیٹے وہ چلتے چلتے پوچھنے لگی۔ ایڈم نے ایک جلی بھنی نظر اس پہ ڈالی۔

''جی۔ میں نے سارا قصہ لکھ لیا ہے کہ کس طرح مرسل شاہ اور پرانے بنداہارا نے مرسل کے چچا کا تخت الٹا' اس کو مارا' اس کے بیٹوں کو محل بدر کیا اور خود تخت پہ قبضہ جما لیا۔ اس سارے کام میں سابق بنداہارا کی مدد کرنے والا مرسل کا پھوپھی زاد بھائی راجہ مراد تھا۔ تخت پہ قبضے کے بعد جب مرسل اپنے کزن کو محل میں لے آیا تو مراد نے سب سے پہلے سابق بنداہارا کا پتا صاف کیا اور اس کو مروا دیا۔ پھر خود

بندا ہار ابن بیٹھا۔ اب میں اس مقام پہ پہنچ چکا ہوں جہاں مجھے (کھنکھار کے بولا) مراد راجہ کی بیٹی کا تعارف لکھنا ہے۔"

"بہت خوب۔" تالیہ نے محظوظ انداز میں ارد گرد لہلہاتے درختوں پہ نظر دوڑائی۔ "تو پھر لکھنا شروع کرو۔"

"جی جی... میں تو آپ کی ہدایات کا انتظار کر رہا تھا۔"

"تو پھر لکھو کہ شہزادی تاشہ بنت مراد ملاکہ کی سب سے حسین شاہزادی تھی۔ (سنہری بالوں کو جھٹکا) اتنی حسین کہ لوگ دیکھتے رہ جاتے' آنکھیں خیرہ ہو جاتیں' شہر کے سارے رئیس اس پہ جان دیتے' اور....."

اللہ کو جان دینی ہے میں نے بچے تالیہ۔" اس نے دونوں کان چھوئے۔ "اتنا جھوٹ؟ یا اللہ... ایسی کوئی حسین بھی نہیں ہیں آپ۔ اتنا زیور اور کامدار کپڑے کسی کو بھی پہنا دیں تو وہ خوبصورت لگے۔"

"اچھا تم بھی پہن لو... تو خوبصورت لگو گے؟"

"میں خواتین کی بات کر رہا تھا' اچھا۔ اور یہ جن بالوں پہ آپ بہت فخر کرتی ہیں نا' مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ ڈائی شدہ ہیں۔"

تالیہ نے (ہونہہ) سر جھٹکا' پھر آگے چل دی۔ گردن اٹھا کے مسکرا کے درختوں کو دیکھتی ایک دفعہ پھر سے شروع ہوگئی۔

"لکھو کہ اس نے چین میں اعلیٰ پائے کے اساتذہ کے ہاں تربیت حاصل کی تھی۔ وہ ہر طرح کے علوم و فنون سے آراستہ تھی۔"

"کون سے اساتذہ؟ کون سے علوم و فنون؟ یہ ایک مہینہ ملاکہ میں رہ کے چند باتیں کیا سیکھ لیں آپ نے' آپ تو بھول ہی گئیں کہ ساری عمر آپ ملائیشیا کی گلیوں میں بٹوے چراتی اور جیبیں کاٹتی رہی ہیں۔" مگر وہ اثر لیے بغیر بولتی جا رہی تھی۔

"لکھو کہ وہ بارہ زبانیں جانتی تھی۔" پھر لبوں پہ انگلی رکھ کے سوچا۔ "اونہوں۔ بارہ زیادہ ہو جائیں گی۔ آٹھ کر دو۔"

"آٹھ؟ آٹھ زبانیں؟" وہ جل بھن کے سیاہ ہوتا گھوم کے اس کے سامنے آیا۔ "آپ مجھے ان آٹھ زبانوں کے نام بتا دیں جو شہزادی تاشہ کو آتی ہیں تو قسم خدا کی' میں آپ کو مان جاؤں گا۔"

"تو سنو......" وہ انگلیوں پہ گنوانے لگی۔ "ملے' اردو' چینی' انگریزی۔" چار پہ گنتی ختم ہوگئی تو رکی۔

ایڈم نے اپنے پوروں پہ گنتے ہوئے فاتحانہ ابرو اٹھایا۔

"چار زبانیں رہتی ہیں ابھی۔"

مگر شہزادی کی اٹھی گردن میں ذرا بھی جھکاؤ نہ آیا۔ مسکرا کے بولی۔ "ٹیکسٹ میسج والی رومن ملے' ٹیکسٹ میسج والی رومن اردو... رومن چینی اور رومن انگریزی جو ملے حروف تہجی میں لکھی جاتی ہے۔ لو..... آٹھ زبانیں پوری ہوئیں۔ اب آگے لکھو....."

مسکرا کے آگے بڑھ گئی اور وہ دانت کچکچاتا پیچھے لپکا۔

"لکھو کہ اس کی رحم دلی کے قصے سارے ملاکہ میں مشہور تھے' وہ اتنی رحم دل تھی کہ ....." اونچے گملوں میں رکھے پھولوں کے اوپر سے ہاتھ گزارتی وہ خوشگوار موڈ میں بول رہی تھی۔

"کہ نیک معصوم لوگوں کو گرفتار کروا دیتی تھی' کال کوٹھڑیوں میں بند رکھتی تھی' اور.... اور...." وہ جلا بھنا سا کہہ رہا تھا مگر وہ رکی اور پھر سے اس کی طرف گھومی تو چہرے پہ برہمی تھی۔

"ابھی بلوا لیا نا میں نے اس کنگال رائٹر ابوبکر کو اور اس نے اپنا تھیلا پہچان لیا' تو دایاں ہاتھ کٹے گا تمہارا۔ دایاں!"

"یعنی آپ ظلم و جبر سے مجھ سے جھوٹ لکھوانا چاہتی ہیں؟ مطلب کہ...وہ ساری تعریفیں جو بنگارایا ملایو میں آپ کی لکھی گئی تھیں' وہ آپ نے مورخ کو ذرا دھمکا کے لکھوائی تھیں۔"

"اور نہیں تو کیا۔ ویسے بھی مورخ بڑے دو نمبر لوگ ہوتے ہیں۔ یہ بادشاہوں کی عظمت کے قصے جو ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں' وہ کوئی سچ تھوڑا ہی ہوتے ہیں؟ خوشامدی' درباری' ٹیپیکل لالچی مفاد پرست مورخ۔" وہ اس کے الفاظ معصومیت سے لوٹا رہی تھی۔

"میں نہیں بنوں گا ایسا مورخ' اچھا۔" اس کی رنگت گلابی پڑ گئی تھی۔ "اور اگر آپ ظلم و جبر سے مجھ سے اپنی جھوٹی تعریفیں لکھوا بھی لیں تو اس میں برکت نہیں ہو گی۔ جھوٹ جس چیز میں بھی شامل ہو جائے' اس کی برکت لے جاتا ہے۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی' شریفہ کنیز بھاگتی ہوئی آتی دکھائی دی۔ تالیہ رکی اور دھوپ کے باعث ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے دیکھنے لگی۔

"شہزادی!" اس نے جھک کے تعظیم پیش کی اور ایک رول ہوا کاغذ اس کے سامنے کیا۔ تالیہ نے کاغذ کھولا اور پڑھا۔

ہر لفظ کے ساتھ پیشانی پہ بل پڑتے گئے۔ شریفہ کو ہاتھ کے اشارے سے جانے کو کہا تو وہ فوراً ہٹ گئی۔

یہ کیا ہے' چے تالیہ؟" وہ اس کے چہرے کی سنگینی دیکھ کے سنجیدہ ہوا۔

"آج کے جاری ہونے والے حکم ناموں کی ایک نقل۔" وہ فکرمند نظر آ رہی تھی۔ "راجہ مراد نے شہر کا کوتوال (پولیس چیف)' قاضی' وزیر اوقاف اور سفیروں کو بدل دیا ہے۔ اس نے پرانے عہدیداروں کی جگہ اپنے دوست لگا دیے ہیں۔"

"تو آپ اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟ نئی حکومت آتی ہے تو چہرے تو بدل ہی جاتے ہیں۔"

وہ چند لمحے ایڈم کو دیکھتی رہی۔ "حکومت کیا ہوتی ہے' ایڈم؟"

"حکومت.... مطلب بادشاہ' وزیر... یا ہمارے دور میں وزیر اعظم اور پارلیمنٹ کے ممبرز وغیرہ۔"

"تمہارے خیال میں یہ لوگ کوئی ملک چلاتے ہیں؟"

"ہاں۔ کیونکہ یہ حکمران ہوتے ہیں۔"

"غلط.... کوئی بھی ملک صرف اس کا وزیر اعظم' بادشاہ یا ممبرز پارلیمنٹ نہیں چلاتے۔ ملک کو اس کے 'ادارے' چلاتے ہیں۔"

"ادارے؟" ایڈم نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔

"ہاں۔ جیسے عدلیہ کا ادارہ۔ پولیس کا ادارہ۔ فوج کا ادارہ۔ زکوٰۃ صدقات تقسیم کرنے کا ادارہ۔ خزانے کا ادارہ۔ سفارت کاری کا ادارہ۔ ملک اداروں سے مل کے بنتا ہے۔ اور ملک تب مضبوط ہوتا ہے جب اس کے ادارے مضبوط ہوتے ہیں۔"

''ادارے مضبوط مطلب؟'' وہ دونوں پھر سے روش پہ چلنے لگے تھے مگر ان کی گفتگو کی نوعیت بدل چکی تھی۔

''یعنی جب ان اداروں کے سربراہ قابل اور ایماندار لوگ ہوں گے تو ہی ادارہ مضبوط ہو گا۔ شہر کا قاضی ایماندار ہو گا تو بادشاہ کو بھی کٹہرے میں لے آئے گا۔ کوتوال ایماندار ہو گا تو شہزادے کو بھی گرفتار کر لے گا۔ لیکن جو بادشاہ اور بندا ہارا صرف اپنی طاقت کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں' وہ مضبوط ادارے برداشت نہیں کر سکتے۔''

''یعنی وہ اداروں کو کمزور کرنا چاہتے ہیں تا کہ ادارے ان کے جرائم پکڑ نہ سکیں۔''

''بالکل۔ اور اداروں کو کمزور کیسے کیا جاتا ہے بھلا؟''

''آپ بتایئے... کیسے؟'' وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

''میرٹ ختم کر کے۔ اب بتاؤ مجھے میرٹ کیا ہوتا ہے؟''

''میرٹ یعنی... یعنی... مجھے معلوم ہے میرٹ کیا ہوتا ہے مگر...''

''میرٹ کا مطلب ہوتا ہے' نوکری اس کو دی جائے جس میں دو باتیں ہوں۔ وہ اس کام کا اہل ہو اور وہ ایماندار ہو۔ یہ وان فاتح سے سنا تھا میں نے۔ مگر راجہ مراد جیسے سیاستدان اداروں کے سربراہ ایسے لوگوں کو بنا دیتے ہیں جو نہ ایماندار ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کام کے اہل۔ یہ لوگ...'' اس نے کاغذ لہرایا۔ ''یہ تاجر اور سوداگر ہیں۔ ان کو عدلیہ' یا پولیس کی الف بے بھی نہیں آتی مگر ان کو صرف راجہ کی دوستی کے باعث عہدہ ملا ہے۔''

''مگر چے تالیہ... حکمرانوں کو یہ عہدے اپنے وفادار لوگوں کو دینے پڑتے ہیں تا کہ ان کا تخت محفوظ رہے۔ اب اگر راجہ نے میرٹ کو پسِ پشت ڈال کے خود سے مخلص لوگوں کو یہ عہدے دے دیئے تو اس میں اتنا غلط کیا ہے؟''

جواب میں تالیہ نے گہری سانس لی اور ہاتھ سے دور ہاتھ باندھے کھڑے خادموں اور کنیزوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ راجہ کے ذاتی ملازم ہیں۔ ان کو ملازمت پہ رکھتے وقت کیا راجہ نے صرف وفاداری دیکھی ہو گی؟ یہ نہیں دیکھا ہو گا کہ ان کو کام کرنا بھی آتا ہے یا نہیں؟ باورچی خانے میں کیا راجہ کسی ایسے غلام کو جگہ دے گا جس کو چائے تک نہ بنانی آتی ہو؟''

''نہیں تو۔''

''کیا راجہ جیسے سیاستدان اپنے گھروں اور دفتروں میں اہلیت اور ایمانداری دیکھے بغیر کسی کو نوکری دیتے ہیں؟ کیا وہ اپنے ذاتی کاروبار کا اکاؤنٹنٹ کسی بے ایمان آدمی کو بنا دیتے ہیں؟''

''ہرگز نہیں۔''

''وہ تو ملک کے اداروں کی باگ دوڑ بغیر میرٹ کے کیوں کسی کے حوالے کر دیتے ہیں؟''

''کیونکہ...'' ایڈم نے گہری سانس لی۔ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ ''وہ ملک کے ساتھ مخلص نہیں ہوتے۔''

''اور یہ لوگ.....جو راجہ نے تعینات کیے ہیں....''اس نے کاغذ پھر سے لہرایا۔''یہ نہ صرف نا اہل ہیں' بلکہ یہ تو بزنس مین ہیں۔''

''بزنس مین کو سیاسی عہدے دینے میں کیا قباحت ہے' شہزادی؟''اس کی آواز خود بخود مؤدب ہو چلی تھی۔

''ایڈم بن محمد.....''وہ ایک قدم آگے آئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔''مجھے آٹھ زبانیں نہیں آتیں۔نہ ہی میں نے چین کے استادوں سے تربیت حاصل کی ہے' نہ میں نے کتب خانے کی ساری کتابیں پڑھ ڈالی ہیں۔مگر مجھے ایک بات اس محل نے سکھا دی ہے کہ اپنے ملک کی باگ دوڑ ایک تاجر کے ہاتھ میں کبھی نہیں دیتے۔کیونکہ اسے صرف ایک کام کرنا آتا ہے۔فروخت کر دینا۔''

ایڈم بالکل دھک سے رہ گیا۔وہ اب سر جھکائے کاغذ کو پھر سے پڑھ رہی تھی۔اس کی صبیح پیشانی سلوٹ زدہ تھی۔وہ فکرمند تھی۔وہ ملاکہ کے لوگوں کے لئے فکرمند تھی۔

''راجہ آتے ساتھ ہی ہر ادارے کو کنٹرول کر رہا ہے۔یقیناً کچھ ایسا ہے جو وہ کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ ادارے اس کے خلاف نہ کھڑے ہوں۔ایسا کیا ہے جو راجہ چھپا کے کر رہا ہے۔''وہ بڑبڑا رہی تھی۔

ایڈم بس چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔

''تمہیں میں نے اپنے ساتھ اس لئے رکھا ہے ایڈم کیونکہ ہمیں مل کے چابی ڈھونڈنی ہے۔تمہیں اپنی کتاب میں میری خوشامدیں لکھنی پڑیں گی تاکہ راجہ کو یہ لگے کہ میں خوشامد سے خوش ہوتی ہوں اس لئے ایک خوشامدی کو ہر جگہ ساتھ لئے پھرتی ہوں۔اس طرح کسی کو میرے اور تمہارے تعلق پہ شک نہیں ہوگا اور ہم ساتھ کام کر سکیں گے۔ہمیں راجہ مراد کا راز بھی کھوجنا ہے' اور وہ چابی بھی۔میں ابھی تک راجہ کے کمرے میں نہیں جا سکی۔کسی دن ہمیں اس کمرے کی تلاشی بھی لینی ہوگی۔اور.....''وہ ٹھہری اور آواز دھیمی کی۔''مجھے لگتا ہے خزانہ واقعی ہے۔کوئی خزانہ جو ہمارا منتظر ہے...اور اسے صرف میں اور تم نکالیں گے۔اس لئے تم...تم لکھو یہ سارے جھوٹ میرے بارے میں۔میں جانتی ہوں میں اتنی اچھی نہیں ہوں مگر ہمیں اپنی جانیں بچانے کے لئے یہ کرنا ہوگا اور جو ہمیں کرنا آتا ہے' وہ......''

''وہ ہمیشہ ہماری جان بچاتا رہے گا۔''ایڈم نے سمجھ کے اثبات میں سر ہلایا۔اس کی نظریں تالیہ کی چہرے پہ جمی تھیں۔وہ اب دور کھڑی کنیز کی طرف گھوم چکی تھی۔

''شریفہ!'' ایک آواز پہ کنیز دوڑی چلی آئی۔

''ابوالخیر کو پیغام بھیجو کہ اس کو وزیرِ خزانہ بنا دیا گیا ہے۔''

''مگر' شہزادی' اس کو تو یہ خبر کب کی مل چکی ہوگی۔''

''وہ بھی آگے سے یہی کہے گا۔پھر جواب میں کہنا کہ اگر خبر مل گئی تھی تو شہزادی کے شکریے کے لئے وہ ابھی تک آیا کیوں نہیں؟''

بگڑے ہوئے موڈ میں بولی اور دونوں ہاتھ باہم پھنسائے آگے بڑھ گئی۔ایڈم اسے جاتے دیکھتا رہا۔پھر وہیں گھاس پہ بیٹھا اور اپنا دستہ کھول لیا۔قلم کی نوک سیاہی میں ڈبو کے کاغذ پہ جمائی اور پھر دوبارہ سے تالیہ کو دیکھا جو اب برآمدے کے زینے چڑھ رہی تھی۔بال کندھوں

پہ جھول رہے تھے اور رنگت دھوپ میں سنہری لگ رہی تھی۔ آنکھوں میں سوچ تھی۔ گہری سوچ۔

اس کے سراپے کو نظروں میں رکھے ایڈم کاغذ پہ الفاظ اتارنے لگا۔

''نام تھا جس کا تاشہ بنت مراد...

تھی وہ ملاکہ کی سب سے حسین شاہزادی۔

نہ تھا اس کا حسن صرف ظاہری....

بلکہ روشن تھا اس کا باطن بھی۔

نیت تھی اپنے ملک کے لئے نیک' اور دل تھا غریب پرور۔

سمجھتی تھی وہ سیاست کی دانائی کو خوب خوب

بلکہ اگر تم پوچھو مورخ سے تو شاید وہ کہے'

کہ ملایا کے سارے جزوں میں سب سے زیادہ

بس وہی ہر بات کو سمجھتی تھی۔''

وہ دل سے لکھ رہا تھا۔ اپنے اندر کے لکھاری کو دریافت کر رہا تھا۔ اور تالیہ کے اندر کی شہزادی کو صدیوں کے لیے ''ملایا کے پھول'' کے صفحات میں قید کر رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

اس شام عصر کے بعد سے ہی آسمان سیاہ بادلوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ قدیم ملاکہ پہ سایہ سا ہو گیا اور پھر موٹی موٹی بوندیں برسنے لگیں۔ گلیاں اور چوبارے لمحوں میں جل تھل ہو گئے۔ لوگ گھوڑے اور جانور جلدی جلدی اندر باندھنے لگے۔ سڑکوں سے خوانچہ فروش اپنا سامان ڈھانپ کے گھروں میں گھس گئے۔ بارش نے سارا شہر سنسان کر دیا۔

اپنی کوٹھڑی میں نیچے بیٹھا فاتح کپڑے تہہ کر رہا تھا۔ ایک چمڑے کا سفری تھیلا اسے مہیا کیا گیا تھا جس میں اس نے اپنے استعمال کی چیزیں بھرنی تھیں۔ کل نیلامی کے بعد اسے اس تھیلے کے ساتھ یہاں سے رخصت ہو جانا تھا۔ ابوالخیر کے تربیت یافتہ غلام اعلیٰ آداب و اخلاق سے آراستہ ہوتے تھے' ان کا سامان' ان کا لباس ہر شے ان کے اعلیٰ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہوتی تھی' اسی لئے وہ مہنگے داموں فروخت کیے جاتے تھے' مگر صرف امراء اور سلاطین کو۔

''کیا تم واقعی ہمیں یاد رکھو گے؟''

آواز پہ وہ چونکا۔ کپڑے کی تہہ لگاتے ہاتھ تھمے۔

چوکھٹ پہ کم سن غلام لڑکا کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف اور امید دونوں تھے۔

فاتح نے گہری سانس لے کر کپڑا اپرے رکھا اور انگلی سے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ سر جھکائے آگے آیا اور اس کے بستر کے کنارے بیٹھا۔ (بستر فرشی تھا۔ گویا وہ دونوں زمین پہ ہی آمنے سامنے بیٹھے تھے)

"تمہیں کیوں لگتا ہے کہ میں تمہیں بھول جاؤں گا؟"

لڑکے نے اداس آنکھیں اٹھائیں۔ "کیونکہ ہم جیسوں کو کوئی یاد نہیں رکھتا۔"

"مفید!" اس نے نرمی سے لڑکے کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ "اللہ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔ ہم انسانوں کو کبھی کسی دوسرے کا غلام نہیں بننا چاہیے۔ نہ محبت میں، نہ مجبوری میں۔ تمہیں اپنے حق کے لئے لڑنا ہوگا۔ اور جب تم جیسے لوگ اپنے لیے لڑو گے تو دیکھنا... کئی صدیوں بعد ایک زمانہ ایسا آئے گا جب انسانوں کو غلام بنانے کا یہ رواج ختم ہو جائے گا۔"

لڑکے کی آنکھوں میں بے یقینی بھر آئی۔ "واقعی؟ یہ صدیوں پرانا رواج ختم بھی ہو جائے گا؟"

"ہاں، مفید بن مہورا۔ ایک زمانہ آئے گا جب یہ ظلم کا رواج ختم ہو جائے گا.... تب لوگ صرف چند گھنٹے دوسروں کے ہاں ملازمت کریں گے، مگر ان کو بھاری تنخواہ ملے گی۔ مراعات، گھر، کھانا ملے گا۔ ان کے حقوق ہوں گے۔ وہ جب چاہیں نوکری چھوڑ کے جا سکیں گے۔ وہ آزاد ہوں گے۔" مفید جیسے جیسے سنتا جا رہا تھا، اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں۔

"یہ زمانہ کب آئے گا؟"

فاتح چند لمحے خاموش رہا۔ "باقی دنیا کے لیے یہ کئی سو سال بعد آئے شاید، مگر ملاکہ کے لوگوں کے لیے مرسل شاہ کے ہی عہد میں ایک وقت آئے گا جب کوئی تم سب غلاموں کو ان ظالم لوگوں سے نجات دلائے گا۔"

"تم مستقبل کے بارے میں اتنا کیسے جانتے ہو؟"

اس سوال پہ وہ زخمی سا مسکرایا۔

"یوں سمجھو میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ ایک ایسے زمانے کا جب انسان آزاد ہوگا۔ میں تمہارے لئے وہ زمانہ تو نہیں لا سکتا لیکن تم سب کو ایک ایسے انسان سے ملوانے کا ذریعہ ضرور بننا چاہوں گا جو ملاکہ کی تاریخ بدلے گا۔ اس کے بعد اس ملک میں کم از کم چند سالوں تک کوئی کسی کو جبر سے اپنا غلام نہیں بنا سکے گا۔ بس تم... تم بھروسہ کرو۔"

"تم پہ؟"

"نہیں۔ اپنے آپ پہ۔" اس کے کندھے کو نرمی سے تھپکا اور واپس کپڑے تہہ کرنے لگا۔ لڑکا ناسمجھی اور اداسی سے اسے دیکھے گیا۔ آزادی کا خواب..... بہت عجیب مگر بہت خوشگوار تھا۔ باہر برستی بارش کی طرح جس میں اگر مٹی کی سوندھی مہک تھی تو خوفناک آوازوں کا ڈراوا بھی شامل تھا۔

☆☆==========☆☆
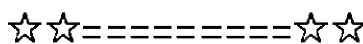
بارش ہنوز موسلا دھار برس رہی تھی۔ راجہ مراد کا محل اندھیرے میں کھڑا بھیگ رہا تھا۔ تیز ہوا درزوں سے اندر داخل ہوتی اور راہداریوں میں روشن مشعلوں کے شعلے پھڑپھڑانے لگتے۔ ایک راہداری سے تالیہ تیز قدم اٹھاتی گزر رہی تھی۔ تاج سر پہ تھا' اور گردن بے نیازی سے اکڑی تھی۔ کنیزیں دائیں بائیں دو قدم پیچھے تھیں۔

دفعتاً وہ رکی۔ کنیزیں بھی فوراً رک گئیں۔

ایک طرف تنگ سے زینے نیچے کو جا رہے تھے۔ وہاں پہریدار کھڑے تھے۔ تالیہ نے ابرو اکٹھے کیے۔

''نیچے کیا ہے؟''

''یہ راجہ مراد کا خزانے کا کمرہ ہے۔ محل چلانے اور دیگر اخراجات کے لئے تمام مال یہیں رکھا جاتا ہے اور قیمتی زیورات وغیرہ بھی۔ اس جگہ بھاری نفری تعینات رہتی ہے۔''

''کیا میں اندر جا سکتی ہوں؟''

''راجہ کے علاوہ کوئی اندر نہیں جا سکتا۔ وہ ہر روز اس جگہ کا معائنہ کرتے ہیں۔''

''ہوں۔ حیرت ہے میں نے یہ پہلے نہیں دیکھا۔'' اس نے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گئی۔ کنیز شریفہ نے قدرے اچنبھے سے قدم اس کے پیچھے بڑھائے۔ (ہر روز تو شہزادی یہاں سے گزرتی ہے۔ بلکہ اپنی آمد کے دوسرے روز تو اس نے اس جگہ کا پوچھا بھی تھا' تو اب؟) خیر۔ اس نے بھی سر جھٹک دیا۔ (شہزادی کی ادائیں!)

اپنے کمرے میں آ کے اس نے شریفہ کو حکم دیا۔ ''مورخ کو بلا بھیجو۔'' وہ جیسے بیزار اور تھکی تھکی ہو۔

مورخ کو اس کے کمرے میں بھیج کے شریفہ اور دوسری کنیزیں چلی گئیں۔ اب باہر صرف دربان کھڑے تھے۔

ایڈم اندر آیا تو اس شاہی پرتعیش کمرے کو دیکھ کے حیران رہ گیا۔ منہ کھل گیا اور گردن چاروں طرف گھوم گھوم گئی۔

اونچی چھت' ریشمی لحاف سے مزین بستر' نرم قالین.... کرسٹل اور چینی کے بنے آرائشی برتن۔ لٹکتے ہوئے جھلملاتے فانوس جن پہ دیے سجے تھے۔

تالیہ کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔ پھر ٹھٹک گیا۔ وہ کھڑکی کے ساتھ کھڑی تھی۔ شہزادی سے مختلف.... سیاہ پاجامے اور کرتے میں ملبوس' بال سیاہ ٹوپی میں ڈھک رکھے تھے۔ ایڈم نے منہ بنایا۔

''اتنے عیش سے رہنے والوں کا قیامت کے دن الگ سے حساب ہوگا۔''

''کوئی بات نہیں' ایڈم۔ فوج کی نوکری سے نکال دیے جانے والوں کا حق بنتا ہے کہ وہ حسد کریں۔''

ایڈم کو اتنے ترش جواب کی امید نہیں تھی۔ اس کے سر پہ لگی' تلووں پہ بجھی۔

''اصلی فوجی ہونا نقلی شہزادی ہونے سے بہتر ہوتا ہے' چے تالیہ۔''

”تم بھول رہے ہو کہ راجہ مراد شاہی خاندان سے ہیں اور میں ہائی بلڈ شہزادی ہوں۔“ گردن فخر اور استہزاء سے کڑائی۔

”جی نہیں۔ آپ بھول رہی ہیں کہ آپ ایک زمانے میں کے ایل کی گلیوں میں لوگوں کی جیبیں کاٹتی پھرتی تھیں۔“

”اور تم بھول رہے ہو کہ ابھی بلوالیا نا میں نے اس کنگال رائٹر کو تو تمہارا دایاں ہاتھ کٹے گا۔ دایاں!“

اس پہ ایڈم نے زور سے ہونہہ کیا۔ اور پھر ادھر ادھر دیکھا۔

”کہیے۔ کیوں بلوایا ہے؟ اپنی مزید جھوٹی تعریفیں لکھوانے کے لئے؟ یاد رکھیے گا‘ اللہ کو جان دینی ہے میں نے‘ اس لئے.....“

”آج بارش ہے‘ اور محل کے باہر تعینات پہریدار پناہ کے لئے اندر گھس گئے ہیں۔“ وہ سنجیدگی سے بولی تو ایڈم رک کے سننے لگا۔

”نیچے ایک کمرہ ہے جہاں راجہ اپنا خزانہ رکھتا ہے۔ اس کمرے کی تلاشی کا آج سے بہتر موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔ میں کافی دنوں سے اس کی تاک میں تھی۔“

”اوہ۔ تو میں کیا کر سکتا ہوں۔“ وہ بھی سنجیدہ ہوا۔

”تم اس رسی کو پکڑو گے۔ میں کھڑکی سے نیچے جاؤں گی اور اس کمرے کے روشن دان سے اندر اتر جاؤں گی۔ کمرہ خالی ہوتا ہے۔ اور محل کے سبزہ زار پہ اس وقت پہریدار بھی نہیں ہیں اس لئے کوئی مجھے نہیں دیکھے گا۔“

”کیا راجہ نے وہ چابی یا ایسی کوئی چابی وہاں چھپائی ہوگی؟“ اس کے اندر امید جاگی۔

”بالکل یہ ہو سکتا ہے۔ اور....“ وہ رکی۔ تذبذب سے ایڈم کے تاثرات دیکھے۔ ”اور کیا معلوم اس کمرے میں راجہ کے خزانے پہ ہمارا نصیب لکھا ہو۔“

ایڈم کی آنکھیں اچنبھے سے پھیلیں۔ ”کیا مطلب؟“

”ایڈم....“ وہ دبے دبے جوش سے کہتی قریب آئی۔ ”وہ خزانہ جس کی مجھے تلاش تھی‘ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اور تم اس کو تلاش کرنے جا رہے ہیں۔ یہ خواب آنے والے وقت کا ہے۔ یہ واقعہ ابھی ’ہونا‘ ہے۔“

”اف بے تالیہ۔ اللہ کی پناہ۔ آپ اس خزانے کا خیال دل سے نکال کیوں نہیں دیتیں۔“ ایڈم نے بے اختیار سر پہ ہاتھ رکھا۔ ”اس خزانے کے لالچ نے ہمیں وقت کا قیدی بنا ڈالا ہے۔ اس لئے اس کو بھول جائیں اور صرف چابی تلاش کریں۔“

”اگر ایسا خزانہ ہوا تو کیا تم....“

”بھول جائیں اس خزانے کو۔ رسی لٹکائیں اور نیچے اتریں۔“ وہ جھنجھلا کے بولا تو وہ چپ ہوگئی اور زبردستی مسکرائی۔ ”شیور۔ میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔“ اور کھڑکی کی طرف بڑھ گئی۔

چند منٹ بعد وہ اس کمرے کے روشن دان سے اندر اتر رہی تھی۔ بلی کی طرح دیوار پہ سیدھی اترتی اس نے فرش پہ بنا آواز کے جست لگائی۔ پھر سانس روک کے ادھر ادھر دیکھا۔

وہ چھوٹا سا کمرہ تھا۔ایک مشعل روشن تھی۔قطار میں چند صندوق رکھے تھے۔اوران کے اوپر چند رجسٹر شیلف میں پڑے تھے۔ ہر صندوق کے اوپر حساب کتاب کی تختی لکھی تھی۔وہ تیزی سے ان تک آئی۔ان کو تالے لگے تھے۔تالیہ نے ایک ننھی سلاخ جیب سے نکالی اور باری باری ان کے تالے کھولنے لگی۔

کل چھے صندوق تھے۔کسی میں چاندی کے سکے تھے' کوئی طلائی سکوں سے آدھا بھرا تھا۔کسی میں چند زیور تھے۔ہر صندوق کے اندر بھی حساب کتاب کے پرچے پڑے تھے۔راجہ ایک ایک پائی کا حساب رکھتا تھا' یعنی وہ ایک شے بھی نہیں چرا سکتی تھی۔ ویسے بھی ان صندوقوں نے اسے مایوس کیا تھا۔وہ محل کے اخراجات کے لئے تھے۔اوران میں مال کچھ اتنا زیادہ نہ تھا کہ نگاہیں خیرہ ہو جائیں۔آخری صندوق تو ویسے بھی خالی تھا۔

وہ واپس رسی کی طرف آئی۔پھر رکی۔

آخری صندوق خالی تھا؟

وہ الٹے قدموں واپس آئی اوراس صندوق کو دوبارہ دیکھا۔

وہ باقی سب سے چھوٹا تھا۔لکڑی کا صندوق جس کے اوپر نشان تھے۔جیسے ضربیں لگی ہوں۔تالیہ نے اس پہ ہاتھ پھیرا۔لکڑی نم تھی۔اس نے جھک کے دیا سلائی جلائی اور صندوق کے کونوں کو دیکھا۔پھر ناخن سے اسے کھرچا۔اندر ریت پھنسی تھی۔اس نے ڈھکن کھولا۔وہ خالی تھا۔البتہ اس کے کونے میں ایک جگہ ایک سکہ پھنسا تھا۔سونے سکہ جو پھنس جانے کے باعث نظر نہیں آیا تھا۔

تالیہ نے اسے زور سے کھینچا تو وہ نکل آیا۔صندوق کے اندر بھی جگہ جگہ ریت کے ذرے پڑے تھے۔

وہ واپس اوپر آئی تو سانس چڑھا ہوا تھا۔ایڈم تب تک گھوم پھر کے اس کا کمرہ دیکھنے کے ساتھ ساتھ شیلف پہ رکھی کتابوں کا معائنہ کرر ہا تھا۔

''میں شرط لگا سکتا ہوں کہ آپ نے ان میں سے ایک کتاب بھی نہیں پڑھی۔''

''ایڈم۔''وہ پھولے سانس کے ساتھ قریب آئی۔اور ٹوپی کھینچ اتاری۔سنہرے بال کندھوں پہ گر گئے۔''اندر کچھ خاص نہیں ہے سوائے ایک خالی صندوق کے۔''

''خالی صندوق؟''

''اس میں ایک سکہ پھنسا ہوا تھا۔''اس نے مٹھی کھول کے دکھایا۔سونے کا چھوٹا مگر موٹا سا سکہ۔

ایڈم نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔''پھر؟''

''باقی سارے صندوق بھاری تھے۔سوکھے تھے۔ان میں حساب کتاب کے کاغذ تھے۔وہ وہیں پڑے رہتے ہیں۔ان کو کوئی وہاں سے ہلاتا نہیں ہے۔مگر یہ چھوٹا صندوق ہلکا تھا۔یہ بار بار اٹھایا اور واپس لے جایا جاتا ہے۔''وہ جوش سے بتا رہی تھی۔''یہ ابھی نم تھا' یعنی شام کو ہی

کوئی اسے بارش میں واپس لایا ہے۔مگر اتنے خفیہ طریقے سے کہ معلوم ہی نہیں ہوا مجھے۔‘‘

’’شام کو بارش کے دوران تو چاول اور دوسرا غلہ محل میں آیا ہے صرف۔میں باہر ہی بیٹھا تھا۔‘‘

’’اس صندوق کو اس سامان میں چھپا کے لایا گیا ہے۔‘‘

’’مگر وہ خالی کیوں تھا؟‘‘

’’اس پہ رسیاں باندھنے کے نشان تھے۔اور اس میں ریت پھنسی تھی۔جیسے اس کو ساحل کی ریت پر گھسیٹ کے کہیں لے جایا گیا ہو۔وہ بار بار سفر کرتا ہے۔اور وہ یہاں خالی واپس آتا ہے۔‘‘

’’مگر خالی کیوں؟‘‘ تالیہ چپ ہوگئی پھر سکے کو دیکھا۔

’’شاید جب وہ یہاں سے جاتا ہے تو خالی نہیں ہوتا۔اس میں سکے بھرے ہوتے ہیں۔اور اس کو کسی ریتلی جگہ پہ لے جا کر خالی کیا جاتا ہے اور پھر واپس لایا جاتا ہے۔یہ کام جلدی جلدی کیا جاتا ہے تبھی ایک پھنسا ہوا سکہ ان کی نظروں سے اوجھل گیا۔‘‘

چند لمحے لگے ایڈم کو ساری کتھا سمجھنے میں۔

’’یعنی راجہ اس صندوق کے ذریعے سونے کے سکے کہیں منتقل کر رہا ہے۔‘‘

تالیہ کی آنکھیں چمکیں۔’’ہاں۔راجہ مراد کا اصل خزانہ کہیں اور ہے۔یہ کمرہ تو محض گھر کے اخراجات چلانے کے لئے ہے۔راجہ اپنی دولت کو کہیں اور جمع کرتا جا رہا ہے۔‘‘

’’مگر وہ چابی.....ہمیں تو اس سے مطلب ہے نا۔‘‘

’’راجہ کی محفوظ جگہ اگر کہیں اور ہے تو وہ چابی بھی کہیں اور ہوگی۔اگر ہم اس صندوق کی جگہ کا پتہ لگا لیں تو چابی بھی مل جائے گی۔‘‘

’’مگر کیسے؟‘‘

’’میں کچھ سوچتی ہوں۔‘‘ وہ اب کھڑکی کے ساتھ گری رسی لپیٹنے لگی۔دماغ الجھ سا گیا تھا۔مورخ نے ایک تنقیدی نظر اس کمرے پہ ڈالی اور منہ میں بڑبڑایا۔

’’انگ سے حساب ہوگا'یاد رکھیے گا۔‘‘ جلے دل سے بولا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔وہ جواباً منہ میں بڑبڑائی۔’’بھگوڑا فوجی۔‘‘

’’ہونہہ۔نقلی شہزادی۔‘‘اس نے سن لیا تھا'اس لئے کہے بغیر باہر نہیں نکلا۔

☆☆=========☆☆

’ملاکہ سلطنت محل‘ کے دربار کی کھڑکیوں سے اس صبح روشنی چھن چھن کے اندر داخل ہو رہی تھی۔تخت بچھا تھا۔دربان مستعد کھڑے تھے۔درباری وزراء اور امراء قطار میں لگی کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔سب کی نگاہیں خالی تخت سے دربار کے دروازے پہ بار بار اٹھتی تھیں۔سلطان مرسل کا انتظار کیا جا رہا تھا جو آ کے ہی نہیں دے رہا تھا۔وہ اتنی صبح خیزی کا عادی نہ تھا اور اس کے انتظار میں وزراء اور جرنیلوں کو پہروں بیٹھنا

پڑتا تھا۔

دربار سے چند کوس دور محل کے دوسرے حصے میں آؤ تو اپنی خواب گاہ میں مرسل شاہ بستر پہ نیم دراز تھا۔ آنکھیں موندے وہ اونگھتا ہوا دکھائی دیتا تھا جب دربان کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی۔ وہ ملکہ کی آمد کا اعلان کر رہا تھا۔

مرسل نے قدرے بے زاری قدرے مجبوری سے آنکھیں کھولیں اور اٹھ کے بیٹھا۔

ملکہ یان سوفو کامدار لباس میں ملبوس، تاج سر پہ سجائے، کروفر سے اندر داخل ہوئی اور اس کے سامنے آرکی۔ اٹھ کے بیٹھے جمائی روکتے مرسل شاہ نے محض پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

"کیا بات ہے ملکہ؟ اتنی صبح صبح؟"

"چین سے قاصد آیا ہے اور بری خبر لایا ہے۔" وہ سخت خفگی کے عالم میں بتانے لگی۔ "میرے والد، شاہِ چین، جب سے آپ سے ملاقات کر کے گئے ہیں، بیمار پڑے ہیں۔ ان کے جسم پہ پھوڑے نکل آئے ہیں۔ جو کہ جان لیوا بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔"

مرسل نے ابرو تعجب سے بھینچے۔ "یہ کیسے ہوا؟"

یان سوفو نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھا۔ "شاہی طبیب کا خیال ہے کہ ان کو آپ کی نظر لگی ہے۔"

"میری نظر؟" مرسل کا منہ کھل گیا۔

"جی آقا، آپ کی نظر۔ میرے والد کی جان بھی جا سکتی ہے۔ ہمیں اس کا جلد از جلد تریاق کرنا ہو گا۔"

مرسل فوراً کھڑا ہو گیا۔ وہ پریشان نظر آتا تھا۔ "مم.....میں کیا کروں پھر؟"

"طبیب نے ٹوٹکا لکھ بھیجا ہے۔ آپ کو اس کے مطابق غسل کرنا ہو گا اور غسل کا پانی بادشاہ سلامت کو بھیجا جائے گا، جو ان کے پھوڑوں کے لیے تریاق کا کام دے گا۔ جو بھی ہو آقا، آپ کو میرے والد کے لیے ہر کوشش کرنا ہو گی۔"

تن فن کرتی جیسے آئی تھی ویسے ہی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ مرسل ہکا بکا اسے جاتے دیکھتا رہا۔ منہ ابھی تک کھلا تھا۔

دربار میں مرسل شاہ کا انتظار ہوتا رہا، مگر وہ نہیں آیا۔

باہر دالان کے پار ایک تھکے ماندے گھوڑے کے ساتھ دھول میں اٹا سوار کھڑا تھا۔ باہر آتی یان سوفو اسے دیکھ کے رکی، اپنی کنیزوں کو تھم جانے کا اشارہ کیا، اور لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے تیزی سے سوار کی طرف آئی۔

"ملکہ!" اس نے جھک کے تعظیم پیش کی۔

"تم واپس آ گئے۔" وہ بے چینی سے دبی دبی آواز میں بولی۔ دالان کے فوارے کے ساتھ وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے اور کنیزوں کا گروہ دور خاموشی سے کھڑا ان کو دیکھ رہا تھا۔

"جی ملکہ۔"

"شہزادی تاشہ کے بارے میں معلوم ہوا کچھ؟" اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

"ان کے شہر کے کوتوال سے مل کے آ رہا ہوں۔ اس نے تاشہ شہزادی کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے کے لئے وقت مانگا تھا۔ جب مقررہ وقت پہ اس کے پاس گیا تو اس نے یہ مراسلہ تھمایا۔ یہ سربہ مہر ہے اور مجھے اس کو کھولنے کی اجازت نہیں۔ کوتوال نے خاص رازداری سے کہا تھا کہ اسے آپ ہی کھولیں گی۔"

اس نے ریشمی رومال میں لپٹا ایک رول اسے تھمایا جسے ملکہ نے فوراً لباس میں چھپا لیا۔

اپنی خواب گاہ میں آ کے اس نے دروازے بند کیے' جلدی سے بستر کے کنارے بیٹھی اور ریشمی کپڑے کی مہر پھاڑی۔ پھر اندر سے رول شدہ کاغذ نکالا۔ اس پہ لاکھ کی مہر تھی۔ (موم پگھلا کے دونوں سرے بند کر رکھے تھے۔) اس نے احتیاط سے اسے کاٹا اور دھڑکتے دل سے کاغذ کھول کے سامنے کیا۔

مگر اگلے ہی لمحے وہ بالکل شل رہ گئی۔

کاغذ خالی تھا۔

بالکل کورا سفید۔

☆☆=========☆☆

بنداہارا کے محل کا ملاقاتی کمرہ آج صبح خوب روشن تھا۔ کل کی بارش کے بعد سیاہ بادل چھٹ گئے تھے اور سنہرا چمکتا ہوا دن طلوع ہوا تھا۔ اونچی کھڑکی کے ساتھ ابوالخیر کھڑا باہر جھانک رہا تھا۔ اس کے لمبے بال چہرے کے اطراف میں گر رہے تھے۔ دربان نے شہزادی کی آمد کا اعلان کیا تو وہ چہرے پہ مسکراہٹ لئے پلٹا۔

پٹ کھلے اور تالیہ اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ سر پہ پہنے تاج سے لٹکتا کپڑا کندھوں پہ پھیلا تھا۔ نیچے گھیردار پاؤں کو چھوتا کامدار ریشمی لباس تھا۔ تاشہ کی گردن سیدھی اور چہرہ سنجیدہ تھا۔

"شہزادی۔" اس نے جھک کے سلام کیا۔ شہزادی کے چہرے پہ ذرہ برابر بھی مسکراہٹ نہیں آئی۔

"لگتا ہے ابوالخیر صاحب کو خبریں دیر سے ملتی ہیں۔"

"میں معذرت چاہتا ہوں شہزادی' طبیعت ناساز تھی' اس لئے پہلے حاضر نہیں ہو سکا۔" پھر دوبارہ سے جھکا اور سر واپس سیدھا کیا۔ گہری نظریں تالیہ کے چہرے پہ جمی تھیں۔ "میں آپ کا بہت مشکور ہوں کہ آپ نے آقا سے میری سفارش کی۔"

"میں نے وہ فیصلہ کیا جو آقا اور ملاکہ سلطنت دونوں کے حق میں بہتر تھا۔" وہ اب کے ہلکا سا مسکرائی۔

"کچھ تحائف حرم میں بھجوائے ہیں میں نے' امید ہے آپ کو اچھے لگیں گے۔"

"ہاں' میں نے ابھی دیکھے نہیں۔" بے نیازی سے کندھے پہ آئے بال پیچھے کرتے ہوئے بولی۔ "اب تو سارے تحائف ہی ایک سے

لگتے ہیں ابوالخیر۔ وہی زیور' وہی ریشم' وہی چینی کے برتن۔"

ابوالخیر نے اپنی شیر جیسے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔ "جی' یہ بات تو درست ہے آپ کی۔ (اسے جیسے تذبذب ہوا) اگر شہزادی کے ذہن میں میرے لائق کوئی اور خدمت ہو تو مجھے آگاہ ضرور کیجئے گا۔"

"خدمت تو میں نے سنا ہے آپ بہت اچھی کرتے ہیں۔ میرے بابا کی کرتے رہتے ہیں۔ مگر مجھے اپنے لئے کچھ درکار نہیں۔ میرے پاس...." دونوں بازو پھیلا کے ادھر ادھر دیکھا۔ "اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔" فخر سے گردن کڑائے مسکرائی۔

"الحمد اللہ شہزادی!" اس نے ادب سے سر کو خم دیا البتہ ابھی تک سوچتی نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔

"مگر ملاکہ کے لوگوں کے پاس سب کچھ نہیں ہے۔ تو کیوں نا میں اپنی رعایا کے لئے کچھ ایسا بنا جاؤں جو میرے اس دنیا سے جانے کے بعد بھی ان کے کام آتا رہے۔" وہ بات کرتے ہوئے کھڑکی کی طرف چلی آئی اور باہر جھانکا۔ محل کے باغات یہاں سے صاف دکھائی دیتے تھے۔

"اتنی کم عمری میں دنیا سے جانے کی باتیں شہزادی؟"

تالیہ مڑی' یوں کہ اب چہرہ ابوالخیر کی طرف اور پشت کھڑکی کی طرف تھی۔ "اس دنیا سے جانے کی واحد صورت صرف موت نہیں ہے' ابو الخیر۔ سفر کے طریقے اور بھی ہوتے ہیں مگر وہ آپ کی سمجھ سے ہٹ کے ہیں۔" روشنی اس کی پشت سے آرہی تھیں' ایسے میں شہزادی کا چہرہ تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ مسکرا رہی ہے یا اس پہ افسوس کر رہی ہے۔

"آپ کیا کرنا چاہتی ہیں؟"

"میں اپنی گمشدہ بہن تالیہ بنتِ مراد کے نام کی ایک مسجد بنوانا چاہتی ہوں' ایک عظیم الشان مسجد جو رہتی دنیا تک یاد رکھی جائے۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ اس کارِ خیر میں بھرپور حصہ لیں گے۔"

ابوالخیر بالآخر کھل کے مسکرایا اور سر کو پورا جھکا کے سیدھا کیا۔ "میرے لئے اعزاز کی بات ہوگی' شہزادی۔ آپ بے فکر ہو جایئے۔ میں آج ہی مسجد کا نقشہ تیار کرواتا ہوں اور اس نقشے کی منظوری کے بعد خزانے سے مطلوبہ رقم نکال کے مسجد کی تعمیر کا کام شروع کرواتا ہوں۔"

"مگر میں مسجد میں اعلیٰ پائے کی تزئین و آرائش بھی چاہتی ہوں جو سرکاری امداد سے پوری نہ ہو سکے گی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہی تھی۔

"وہ آپ میرے ذمے چھوڑ دیں۔ ہر کام بطریقِ احسن مکمل ہوگا۔ آپ کی خواہش جلد آپ کے سامنے مجسم صورت کھڑی ہوگی۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا تھا۔

"کب تک؟"

"بس نیلامی ختم ہو جائے' پھر میں اس کام کو شروع کرتا ہوں۔"

''نیلامی؟'' اس کا دل دھڑکا مگر بظاہر سادگی سے پوچھا۔ ''کوئی غلاموں کی نیلامی کرتے ہیں نا آپ؟''

''جی۔ کل نیلامی ہے میرے ہاں۔ ہمارے پاس بہترین قسم کے غلام ہیں۔ اعلیٰ تربیت اور آداب سے آراستہ۔ آپ بھی اگر تقریب کو رونق بخشیں تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''نہیں شکریہ۔ میں نے کیا کرنا ہے غلاموں کا۔ یہاں بہت غلام ہیں پہلے سے۔'' اس نے بے نیازی دکھائی۔

''کیا شہزادی تاشہ نے کوئی مسجد بنوائی تھی' بے تالیہ؟'' کچھ دیر بعد جب ایڈم اور وہ پائیں باغ کی روش پہ ٹہل رہے تھے تو ایڈم نے حیرت سے پوچھا۔ ''اور اگر بنوائی بھی تھی تو وہ اب ملائیشیاء میں کس جگہ واقع ہے۔ میں نے تو ایسی کسی مسجد کا نہیں سنا۔ ہاں ہو سکتا ہے پرتگالیوں نے ملاکہ پہ قبضے کے بعد اس مسجد کو شہید کر دیا ہو اور.....'' وہ مغموم ہونے لگا تو وہ ایک دم اس کی طرف گھومی۔

''کوئی مسجد نہیں بنے گی ایڈم۔ نہ ہی ابوالخیر اور میں کوئی مسجد بنانا چاہتے ہیں۔''

ایڈم کا منہ کھل گیا۔ ''کیا مطلب؟ تو ابوالخیر پیسے کس چیز کے دے گا؟''

''مسجد صرف کاغذوں میں بنے گی' ہم اس کا نقشہ منظور کروا کے اس کے لئے سرکاری خزانے سے فنڈز حاصل کریں گے' اور ان کو میں خود استعمال کروں گی۔ ابوالخیر جو بھی رقم مجھے آئندہ رشوت کے طور پہ دے گا' اس پہ قانون اس کو پکڑ نہیں سکتا کیونکہ کاغذوں میں وہ رقم چندے کے طور پہ دی جا رہی ہوگی۔''

''یعنی کہ مسجد..... مسجد نہیں بنے گی؟''

''نہیں ایڈم۔ یہ مسجد صرف ایک شیل کمپنی ہے۔ آف شیور کمپنی۔''

''آف شیور کمپنی کیا ہوتی ہے۔''

''بس کاغذوں میں لکھ دو کہ یہ میری کمپنی ہے' میں اس کی مالک ہوں' اور اس کی ملکیت میں یہ یہ عمارتیں شامل ہیں اور اس کو رجسٹرڈ کروا لو۔ پھر اپنا سارا مال جو رشوت یا کرپشن میں کمایا ہو اس کو اس کمپنی کی آمدنی کے طور پہ ظاہر کرو۔ اور بس۔''

''یعنی کہ آپ..... آپ حکومتی خزانے سے جو پیسے لیں گی وہ 'کرپشن' کے زمرے میں آئیں گے؟ اور جو چندے کے نام پہ ابوالخیر سے رقم لیں گی' وہ رشوت ہوگی۔ وہی میں کہوں' آپ اور مسجد؟ جی نہیں۔ اتنا نیک کام آپ سے نہیں ہوگا۔'' وہ دونوں ایک دفعہ پھر باغ کی روش پہ ٹہلنے لگے تھے۔ زمرد گھاس کے درمیان وہ دودھ جیسے سفید پتھروں سے بنی روش بہت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔

''ہمیں وان فاتح کو خریدنا ہے کل۔''

''وان فاتح؟'' وہ بالکل ٹھہر گیا۔ ''کیا غلاموں کی نیلامی ہو رہی ہے؟''

''ہاں۔ ابوالخیر نے بتایا ہے۔ جو تحفے اس نے صبح بھیجے تھے' ان میں موجود جواہرات کو ہم مال کے طور پہ استعمال کر لیں گے۔ اور سنو' اس کے بھیجے صندوقوں میں سے ایک صندوق بالکل اس جیسا ہے جو بابا کے خزانے والے کمرے میں رکھا ہے۔''

”یعنی اشرفیوں سے بھرا وہ صندوق جس کو راجہ بار بار پیسے لانے اور لے جانے کے لئے استعمال کرتا ہے‘ وہ اس کو ابوالخیر کی طرف سے ملتا ہے؟“ وہ کسی نکتے پہ پہنچ رہے تھے۔

”ہاں‘ اور اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ اس مال کو یہ لوگ کہاں سے حاصل کرتے ہیں اور یہ جا کہاں رہا ہے.....“

”ہم نہیں‘ آپ۔“ وہ انگلی اٹھا کے تنبیہ کرتا دو قدم پیچھے ہٹا۔ ”اس جہنم میں لے جانے والے سیاہ کام سے مجھے تو آپ دور رکھیں۔ پہلے ہی آپ کی وجہ سے بہت گناہ کر چکا ہوں میں۔“

”جیسے ایک کنگال رائٹر کی چیزیں چرا کے اس کا روپ دھارنا؟“ وہ چمک کے بولی تو ایڈم نے انتقامانہ نظروں سے اسے گھورا۔

”میں اب آپ کی اس دھمکی سے نہیں ڈرتا۔ کیونکہ اگر میرا راز کھلا تو مجھے یہ عہدہ دینے والے کو بھی سزا ملے گی ہے نا۔“

”تمہیں اس عہدے پہ سلطان مرسل نے رکھا ہے۔ اب ان کو کون سزا دے سکتا ہے بھلا؟“ آخر میں مسکرائی تو ایڈم نے مارے ضبط کے مٹھی بھینچ لی۔

”اس لئے اب جاؤ۔ اور اپنی کتاب پہ کام کرو۔“

تیکھے انداز میں کہہ کے وہ آگے بڑھ گئی اور ایڈم جلی بھنی نظروں سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

نقلی سہی‘ مگر شہزادی تو تھی۔ آہ۔

ایڈم بن محمد کے پاس سے مڑی تو وہی مسکراہٹ چہرے پہ در آئی جو ہمیشہ اس کو ستانے کے بعد اسے چھپانی پڑتی تھی۔ مسکراتے ہوئے وہ مگن سی اندر آئی تو راہداری میں راجہ مراد آتا دکھائی دیا۔ فوراً رکی‘ چہرہ سنجیدہ بنایا اور سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔

”راجہ!“

وہ کمر پہ ہاتھ باندھے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتا قریب آیا۔ لمبے بال کندھوں کو چھو رہے تھے اور گردن کا سریا اول روز کی طرح تھا۔

”تم اور ابوالخیر ’تالیہ‘ کے نام کی مسجد بنوا رہے ہو؟‘

تالیہ نے نظریں اٹھائیں اور ہلکا سا مسکرائی۔ ”آپ کو میرا یہ کام پسند آیا ہوگا‘ مجھے امید ہے۔ میں آپ کے ہی نقشِ قدم پہ چلنا چاہ رہی ہوں‘ راجہ۔“

مراد کے لب مدھم سی مسکراہٹ میں ڈھلے۔ ”ہوں‘ مجھے خوشی ہے۔“

تالیہ نے پھر سے سر جھکایا اور اس کے ساتھ سے نکل کے آگے بڑھی‘ مگر مراد کی آواز نے اسے روک دیا۔

”اور اپنی ماں؟ اس کے لئے کبھی کچھ تعمیر کرنے کا نہیں سوچا تم نے؟“

تالیہ بالکل ساکت رہ گئی۔ تھوک نگلا اور بظاہر مسکراتی ہوئی پلٹی۔ ”ماں کے لئے؟“

مراد اس کی طرف گھوما‘ ایسے کہ اس کے چہرے پہ نرمی تھی۔ ”تمہاری ماں کو مرے ہوئے چھ سال ہونے کو آئے ہیں۔ تم سات برس کی

تھیں جب وہ طاعون سے مری تھی۔ کیا اس کی قبر پہ جانے کا دل نہیں چاہا تمہارا تالیہ؟"

پہلی دفعہ مراد کے چہرے پہ احساس کی رمق دکھائی دی تھی۔ جیسے دکھ کا کوئی سایہ ہو۔ جیسے ماضی کا کوئی شائبہ ہو۔

"میں ماں کا ذکر کر کے آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی' بابا۔ یہ ذکر آپ کی کمزوری سامنے لے آئے گا' اور آپ بظاہر صورت زیادہ طاقتور لگتے ہیں۔ ایسے ہی رہا کریں۔" پھر سر جھکا کے بولی۔ "راجہ!" اور پلٹ گئی۔

اسے اپنی ماں یاد نہیں تھی' مگر اس سے کیا فرق پڑتا تھا؟ اس کے پاس سوچنے کو اور بہت کچھ تھا۔

☆☆==========☆☆

سوموار کی شام ابوالخیر کی حویلی کے سامنے کھلے میدان میں میلا لگا تھا۔ رنگ برنگی جھنڈیوں سے جابجا سجاوٹ کی گئی تھی۔ ایک جانب اونچا چبوترہ (اسٹیج) سا بنا تھا اور سامنے قطار در قطار کرسیاں رکھی تھیں جن پہ شہر کے معززین بیٹھے تھے۔ جگہ جگہ جھلملاتے قمقموں اور مشعلوں نے رات میں روشنی کا سماں باندھ رکھا تھا۔

چبوترے کے عقب میں عارضی دیواریں لگی تھیں۔ جہاں سے ایک آدمی باری باری غلاموں کو باہر لاتا اور چبوترے پہ دھکیل دیتا۔ غلام کسی فیشن ماڈل کی طرح لمبے چبوترے پہ آگے چلتا جاتا اور سرے پہ جا کے رک جاتا۔ اس کے ہاتھوں سے پیروں تک لمبی بیڑیاں بندھی ہوتیں۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے حاضرین کو دیکھتا۔

کرسیوں پہ بیٹھے امراء اور رئیس اپنے اپنے کارڈ بلند کرتے اور اس کی بولی لگاتے جاتے۔ جہاں بولی رکتی' وہاں فروخت کا اعلان کر دیا جاتا۔ اعلان کرنے والا ابوالخیر کا قریبی غلام محمود مرنی تھا۔ وہ ہر اعلان سے پہلے اول قطار میں ٹھاٹھ سے بیٹھے ابوالخیر کو ضرور دیکھتا تھا۔ جواب میں ابوالخیر مسکرا کے سر کو جنبش دیتا تو وہ اعلان کر دیتا۔

نیلامی کی تقریب ابھی جاری تھی۔ آغاز میں معمولی غلام اور لونڈیاں پیش کی جا رہی تھیں۔ ایسے میں چبوترے کے پیچھے جاؤ تو وہاں لمبی قطاروں میں پنجرے رکھے تھے جن میں غلام قید تھے۔

آخری پنجروں میں سے ایک میں فاتح کھڑا تھا۔ اس نے پنجرے کی سلاخوں سے کمر ٹکا رکھی تھی اور سینے پہ بازو لپیٹے کچھ سوچ رہا تھا' جب پیچھے کوئی کھنکھارا۔ وہ چونک کے پلٹا۔

اس کے پنجرے کے ساتھ وہ دونوں کھڑے تھے۔ چغوں میں ملبوس' سر پہ ٹوپیاں گرائے۔ نیم اندھیرے کے باوجود وہ ان کے چہرے دیکھ سکتا تھا۔ ایڈم اور تالیہ۔

فاتح نے گہری سانس لی اور احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا۔ قریبی پنجروں کے پاس بھی لوگ منڈلا رہے تھے' وہاں رش سا لگا تھا۔ پہریدار روک ٹوک نہیں کر رہے تھے۔ بولی لگانے سے قبل لوگ غلاموں کو جانچ لیں' اچھا تھا۔

"ہم آپ کو خریدنے آئے ہیں تو انکو۔" سیاہ ہڈ میں اس کا چہرہ پر امید سا دمک رہا تھا۔ سنہری لٹیں ٹوپی سے نکل رہی تھیں جن کو وہ بار بار

اندر اڑ سی تھی۔

''مجھے نہیں میری آزادی کو خریدنے!'' وہ سلاخوں کو پکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے جتا کے بولا تھا۔

وہ زخمی سا مسکرائی۔ ''ظاہر ہے' آپ کو کون خرید سکتا ہے۔''

''اتنی رقم ہے تمہارے پاس؟'' اس نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

''جی سر۔'' ایڈم جھٹ بولا۔ ''سب سے اونچی بولی ہم لگائیں گے۔''

''اور اتنی رقم آئی کہاں سے؟'' سنجیدگی سے تالیہ کو دیکھا۔

''میرے بابا مجھے کافی سارا جیب خرچ دیتے ہیں۔ میں نے بہت کچھ جمع کر لیا تھا۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''ہوں... اور ابوالخیر تمہیں پہچانے گا تو نہیں؟'' اسے تشویش ہوئی۔

''کیسے پہچانے گا؟'' اس نے پھر شانے اچکائے۔ فاتح نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ وہ پوری طرح سے چغے میں چھپی ہوئی تھی۔

''ویسے بھی بولی ایڈم لگائے گا۔ میں خاموش رہوں گی۔'' وہ اب اس کو طریقہ کار بتا رہی تھی مگر فاتح کی نظریں اس کے پیروں تک جو جھکیں تو اٹھی نہیں۔ تالیہ رک گئی۔ سر جھکا کے پیر دیکھے۔ ان میں پیلے رنگ کے جوتے تھے جن پہ موتی لگے تھے۔

''یہ جوتے تم نے کہاں سے لئے؟'' فاتح نے نظریں اٹھائیں تو ان میں کچھ عجیب سا تھا۔

''یہ؟'' اس نے بے پروائی سے سر جھٹکا۔ ''شہزادیوں کے پاس ان چیزوں کی کمی نہیں ہوتی' تو انکو۔''

''یہ ہاتھ سے بنے ہیں' تالیہ۔ اور یہ ابوالخیر کا ملازم محمود مرنی بناتا ہے۔ صرف خاص تحفوں کے لئے۔ یہ اس نے میرے سامنے ایک صندوق میں رکھے تھے جس میں بہت سے دوسرے تحفے بھی تھے۔ تو کیا وہ تحفے ابوالخیر نے تمہیں بھیجے تھے۔'' اس کا انداز ایک دم پھنکارتا ہوا ہو گیا۔ ایڈم نے بے اختیار تالیہ کا چہرہ دیکھا۔ پل بھر کو وہ پھیکی پڑی۔ مگر ابھی بھی جیسے وہ اچنبھے میں تھی۔

''شاید۔ مگر تحفے تو آتے رہتے ہیں اور...''

''سن باؤ کی جگہ ابوالخیر کو وزیر بنانے کے بدلے میں اس نے رشوت دی ہے نا؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا برہمی سے پوچھ رہا تھا۔

''مگر آپ خفا کیوں ہو رہے ہیں؟''

''کیونکہ ابوالخیر صرف تحفے نہیں بھیجتا' سونے چاندی کے زیورات بھی بھیجتا ہے۔ اور ابھی تم نے مجھے کہا کہ نیلامی کے لئے رقم تمہارے جیب خرچ سے آئی ہے' مگر مجھے لگ رہا ہے وہ بھی رشوت کے طور پہ ابوالخیر کی دی گئی ہو گی۔''

وہ لمحے بھر کو خاموش ہو گئی۔ ''اگر ایسا ہے بھی تو ہم اسے اسی کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ آپ نے خود ہی کہا تھا کہ جو ہمیں معلوم ہے۔ وہ ہماری جان بچائے گا۔''

''اور تم نے کہا تھا تم اب جھوٹ نہیں بولو گی۔'' وہ افسوس سے نفی میں سر ہلاتا سلاخیں چھوڑ کے پیچھے ہٹا۔ ''تم نے اتنی آسانی سے مجھ سے

جھوٹ بول دیا۔“

وہ بار بار لب کھولتی' پھر بند کر دیتی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ ”میرے پاس تفصیل بتانے کا وقت نہیں تھا' اور...“

”اور تم نے جھوٹ بول دیا؟ اس طرح نہیں ہوتا تالیہ.... کسی بھی رشتے اور تعلق میں' خواہ وہ صرف ورکنگ ریلیشن شپ ہی ہو' صرف سچ بولا جاتا ہے۔ تم مجھے سچ بھی بتا سکتی تھیں۔“

”آپ کو مجھ پہ غصہ ہے کس بات کا' ہاں؟“ اس کی آواز ہلکی سی بھرا گئی۔

”میں ابھی بات نہیں کرنا چاہتا۔“ اس نے برہمی سے کہہ کے رخ موڑ لیا۔ وہ دکھ اور غصے سے کچھ کہنے لگی تھی مگر ایڈم نے آہستہ سے پکارا۔ ”چلیں۔ ہماری باری آنے والی ہے۔“

وہ رخ موڑے کھڑا تھا۔ ایک دم وہ اتنا ناراض' اتنا اجنبی لگنے لگا تھا۔ جیسے اپنے گھر کی لائبریری میں لگتا تھا۔ جیسے کے ایل میں اس سے بیزار سا لگا کرتا تھا۔

وہ ملامتی نظروں سے اسے دیکھتی پلٹ گئی۔

کچھ دیر بعد فاتح بیڑیوں میں بندھا چبوترے پہ چلتا آ رہا تھا۔ اس نے سفید کرتا پاجامہ پہن رکھا تھا' پیشانی پہ سبز پٹی بندھی تھی اور چہرہ سپاٹ' بے تاثر تھا۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح چلتا ہوا آخری سرے تک آیا اور رک گیا۔ وہ سامنے حاضرین کو بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ بس میکانکی انداز میں دور سیاہ افق پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔

محمود مرنی چبوترے کے دوسرے سرے پہ کھڑا' اعلان کرتے ہوئے بولا۔ ”فاتح بن رامزل..... بولی شروع ہوتی ہے پانچ سو دینار سے۔ کیا کوئی پانچ سو طلائی سکے دے گا اس تنومند غلام کے لئے؟“

کرسیوں پہ آخری قطار میں بیٹھے ایڈم کے قریب وہ جھکی۔ ”وان فاتح نے اپنا نام درست بتایا ہے ان کو؟“

”وہ جھوٹ نہیں بولتے' چپے تالیہ۔“

”ہونہہ۔“ وہ سر جھٹک کے سیدھی ہوئی۔ ایڈم نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی بلند کی۔ ”چھ سو دینار۔“ چھڑی پہ بڑا سا پتا لگا تھا جس پہ ایک ہندسہ لکھا تھا۔

”چھ سو دینار۔“ محمود مرنی نے زور سے کہا۔ ”کیا کوئی اس سے اوپر دے گا۔“

”سات سو دینار۔“

”نو سو دینار۔“

”ایک ہزار۔“ تین چار آوازیں بلند ہوئیں۔

”پندرہ سو دینار۔“ ایڈم نے اپنا کارڈ مزید اونچا کیا۔

"بولی دلچسپ مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔کیا کوئی مزید رقم دے گا؟"محمود جوش سے اعلان کر رہا تھا۔

"دو ہزار دینار....." دوسرے کونے سے آواز آئی تو تالیہ نے چونک کے اس طرف دیکھا۔

آخری قطار میں بیٹھا وہ سن باؤ وانگ لی تھا۔آرام سے بیٹھا' کچھ منہ میں چباتے ہوئے' وہ کارڈ بلند کیے ہوئے تھا۔

تالیہ کے ابرو تن گئے۔"قیمت بڑھاؤ' ایڈم۔" وہ بے چینی سے بولی۔

"بائیس سو دینار۔"

"پچیس سو دینار۔" وانگ لی نے دوبارہ کارڈ بلند کیا۔اب کی دفعہ اگلی قطار میں بیٹھے ابوالخیر نے بھی گردن موڑ کے اسے دیکھا۔اس کے چہرے پہ ناپسندیدگی آ گئی تھی مگر وانگ لی ساتھ میں کوئی پھل بھی کھائے جا رہا تھا۔فاتح نے افق سے نظریں ہٹا کے وانگ لی کو دیکھا۔دونوں کی نظریں ملیں۔چینی مہم جو جواب میں صرف مسکرایا اور سر کو خم دیا۔

"تین ہزار دینار۔" ایڈم نے اونچا سا کہا اور اس کی طرف جھکا۔"کیا اتنے پیسے ہیں ہمارے پاس؟"

"رقم کی فکر مت کرو۔ہم انتظام کر لیں گے۔"

"چار ہزار دینار۔" وانگ لی نے اطمینان سے رقم بڑھائی۔تالیہ نے پہلو بدلا۔

"پانچ ہزار دینار۔" ایڈم کو پسینے آ رہے تھے مگر وہ صدا لگائے جا رہا تھا۔

"پانچ ہزار دینار۔زبردست۔کیا کوئی ہے جو....." محمود مرئی جوش سے اعلان کر رہا تھا جب ٹھہر گیا۔ابوالخیر نے اشارہ کیا تھا۔وہ فوراً چبوترے سے اترا اور مالک کے پاس آیا۔اس کے کان میں جھک کے بات کی ہدایات سنیں۔اور پھر اوپر آ کے حاضرین کی طرح رخ کیے کھنکھارا۔

"چونکہ یہ معاملہ اب سنگین صورت اختیار کرتا جا رہا ہے' اس لئے اس غلام فاتح بن رامزل کی بولی ہم واپس لے رہے ہیں۔یہ غلام اب نیلامی کے لئے دستیاب نہیں ہے۔"

تالیہ اور ایڈم نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔حاضرین میں سے حیرت اور اچنبھے سے بھری آوازیں بلند ہوئیں۔

"بجائے مقابلہ بازی اور نفرت انگیزی پھیلانے کے ہم نے یہ بہتر سمجھا کہ اس غلام کو ایک مقررہ قیمت پہ بیچ دیا جائے۔جو بھی شخص اس کو خریدنا چاہتا ہے' وہ دس ہزار دینار ادا کر دے اور اسے لے جائے۔"

"میں ادا کروں گا۔" ایڈم بھی تیزی سے اٹھا۔چغے کی ہڈ سے اس کے چہرے پہ سایہ سا پڑا تھا۔لوگ مڑ مڑ کے اسے دیکھنے لگے۔

"میں بھی ادا کر دوں گا۔" وانگ لی بیٹھے بیٹھے بولا۔پھولے گال مسلسل کچھ کھانے کے باعث ہل رہے تھے۔

البتہ ابوالخیر نے بس مسکرا کے چبوترے پہ کھڑے محمود کو اشارہ کیا۔جواباً محمود کسی رٹے رٹائے طوطے کی طرح بولا۔

"اگر دونوں فریقین مطلوبہ رقم ادا کرنا چاہتے ہیں' تو ہم یہ فیصلہ غلام پہ چھوڑتے ہیں کہ وہ کس کے ساتھ جانا چاہتا ہے۔" وہ فاتح کی

طرف گھوما۔ ''فاتح بن رامزل..... تم فریق نمبر چھے کے ساتھ جانا چاہتے ہو یا فریق نمبر بیس کے۔''

وہ بولی لگانے والے فریقوں کے کارڈز پہ لکھے نمبرز پڑھ کے کہہ رہا تھا۔ تالیہ نے فوراً ایڈم کے کارڈ کا نمبر پڑھا۔ بیس نمبر۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

بیڑیوں میں بندھے فاتح نے مجمع میں کھڑے دونوں آدمیوں کے نمبر دیکھے۔

ایڈم بیس نمبر اٹھائے امید اور بے چارگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

پھر اس کی نظریں سن باؤ کی طرف اٹھیں۔ وہ ایک ہاتھ سے دوریان پھل کھاتے ہوئے' دوسرے سے چھے نمبر کارڈ بلند کیے ہوئے تھا۔ فاتح نے لب کھولے۔

''میں چھے نمبر کے ساتھ جاؤں گا۔ سن باؤ وانگ لی کے ساتھ۔''

ابوالخیر کے چہرے پہ ناپسندیدگی پھیل گئی مگر اس نے ضبط کر کے تالی بجائی۔ تمام حاضرین تالیاں بجانے لگے۔ صرف ایڈم تھا جو ہکا بکا کھڑا تھا اور تالیہ..... وہ بے یقین' شل سی بیٹھی تھی۔

''فاتح بن رامزل دس ہزار دینار میں وانگ لی کو فروخت کیا جاتا ہے۔ اگلے غلام کو لایا جائے۔'' منادی ہو رہی تھی' شور بڑھ گیا تھا۔ چغے کی ٹوپی کے ہالے میں اس کا چہرہ پھیکا پڑ رہا تھا۔

ایڈم نڈھال سا واپس بیٹھا۔ ''یہ کیا ہو گیا؟''

تالیہ دھیرے سے اٹھی اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ ایڈم پیچھے لپکا۔

''بے تالیہ.....'' وہ تاریک خاموش گلیوں سے گزرتے جا رہے تھے جب اس نے ڈرتے ڈرتے پکارا۔ تالیہ کی ہڈ سر سے گر چکی تھی۔ سنہری بال چہرے پہ بکھرے تھے اور وہ سامنے دیکھتی چل رہی تھی۔

''فاتح صاحب نے ایسا کیوں کیا؟''

''کیونکہ انہوں نے ایک عرصہ وانگ لی کے مجسمے سے محبت کی ہے۔ وہ ان کو یوں لگتا تھا جیسے کوئی بچھڑا دوست ہو۔ وہ اپنے دوست کے پاس واپس جانا چاہتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ دوست دوست ہوتا ہے' اور فین فین۔''

''مگر.....''

''ہم دونوں ان کے فین ہیں بس' ایڈم۔ صرف فین۔ ادنیٰ کارکن۔ ہم کبھی ان کے دوست نہیں بن سکتے۔'' وہ تیز تیز چلتے ہوئے بول رہی تھی۔ چہرہ گلابی پڑ رہا تھا۔ آواز رندھ رہی تھی۔

''اور آپ نے ایسا کیوں کیا؟''

وہ رک گئی۔ چونک کے اسے دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''مجھے.....میں...'' وہ کہتے کہتے رکی' پھر سر جھٹکا۔ ''جو میرے منہ سے نکلا' میں بولتی گئی۔ اب کیا ان کو تفصیل بتاتی کہ کہاں سے آئی رقم۔ مگر اس میں کوئی اتنا خفا ہونے والی بات تو نہیں تھی کہ وہ یوں کرتے میرے ساتھ۔''

''آپ نے ان سے جھوٹ بولا تھا' چے تالیہ۔''

''میں نے جان کے ایسا نہیں کیا' بس....بس جو میری سوچ میں آیا میں نے بول دیا۔''

''بس....آپ کی سوچ میں ہی نہیں آیا وہ جواب' اس لئے آپ نے وہ دیا۔''

''کیا مطلب؟''

''آپ جانتی ہیں انسانوں اور جانوروں میں کس عضو کا فرق ہوتا ہے؟''

''میرے پاس ان باتوں کا وقت نہیں ہے' ایڈم۔''

''اس کا۔'' اس نے انگلی سے ماتھے پہ دستک دی۔

''دماغ؟ یہ تو جانوروں میں بھی ہوتا ہے۔'' اس نے سینے پہ بازو لپیٹے اور آنکھیں ترچھی کر کے اسے دیکھنے لگی۔

''دماغ نہیں۔ دماغ کا سامنے والا حصہ۔ فرنٹل لوب۔ انسان کی فرنٹل لوب ہوتی ہے۔ پیشانی کے اندر کا حصہ۔ جانور اس سے محروم ہوتے ہیں۔''

وہ لب بھینچے اسے دیکھتی رہی۔ بولی کچھ نہیں۔

''جب آپ کی آنکھ کچھ دیکھتی ہے' تو اس فرنٹل لوب کو پیغام بھیجتی ہے۔ (اس نے آنکھ سے پیشانی تک لکیر کھینچی' گویا راستہ متعین کیا۔) پھر فرنٹل لوب اس بات کو سوچتی ہے اور پیغام بھیجتی ہے پچھلے حصے کو۔ (انگلی ماتھے سے سر کے پیچھے لے گیا۔) پچھلا حصہ ہاتھ کو حکم دیتا ہے کہ یہ کام کرو' یا ٹھہر جاؤ۔ (انگلی پچھلے حصے سے دوسرے ہاتھ تک لے گیا۔) یوں ہم وہ کام کرتے ہیں' یا صبر کر کے خود کو روک لیتے ہیں۔''

''تو؟''

''تو یہ کہ....جانوروں میں یہ فرنٹل لوب نہیں ہوتی۔ ان کی آنکھ جیسے ہی کچھ دیکھتی ہے' ڈائریکٹ پچھلے حصے کو پیغام دیتی ہے' وہ ہاتھ کو حکم دیتا ہے اور جانور ہر شے چیر پھاڑ کر دیتا ہے' کیونکہ وہ اس بات کو ''پیشانی'' تک لاتا ہی نہیں ہے۔ وہ اس کو process ہی نہیں کرتا۔ اس کو سوچتا ہی نہیں۔''

وہ بس پتلیاں سکوڑے اس کو دیکھے گئی۔

''انسان ہر بات فرنٹل لوب کے پاس لاتا ہے' اس پہ غور کرتا ہے' مگر جب کوئی کام عادت بن جائے' تو آنکھ اس کو دیکھتے ہی پیشانی کو پیغام پہنچانے کی بجائے ڈائریکٹ پچھلے حصے کو پیغام دے دیتی ہے جو ہاتھ کو کہتا ہے کہ کر ڈالو' اور ہاتھ کر ڈالتا ہے۔ یوں سارے اعضاء پیشانی کو بائی پاس کر جاتے ہیں۔ وہ شارٹ کٹ بنا لیتے ہیں۔ جیسے ہم کمرے میں داخل ہوتے ہی عادتاً سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مار کے لائٹ

جلاتے ہیں۔یوں عادتیں بنتی ہیں۔مگر پھر...“اس نے گہری سانس لی۔

”کچھ کاموں میں دماغ کے پچھلے حصے کومزا آنے لگتا ہے۔وہ پیشانی کو بائی پاس کرنے لگ جاتا ہےاور وہ کام ہماری ایڈکشن بن جاتے ہیں۔لت۔نشہ۔کیوں ہیروئن ایڈکٹ یاشرابی یاانٹرنیٹ پہ غلط چیزیں دیکھنے والےان عادتوں کوچھوڑنہیں پاتے؟ کیونکہ ان کے اعضاء وہ کام کرتے وقت پیشانی کو Skip کردیتے ہیں۔وہ اس کو سوچتے نہیں۔اس سے پوچھتے نہیں۔اس بات کو پراسیس ہی نہیں کرتے۔اس کو Compulsive رویہ کہا جاتا ہے۔بنا سوچے سمجھے عادتاً کرڈالے جانے والا عمل۔“

”تم کہنا چاہتے ہو کہ میں Compulsive liar ہوں؟“وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

”بچے تالیہ۔“اس نے گہری سانس لی۔”آپ کو کہانیاں گھڑنے کی اتنی عادت ہوگئی ہے کہ آپ بلاضرورت جھوٹ بول دیتی ہیں۔اب وان فاتح کو آپ سچ بھی بتاسکتی تھیں مگر آپ کو لگتا ہے کہ سچ کوئی سمجھے گا نہیں۔سب Compulsive liars کو یہی لگتا ہے۔یہ بزدلی ہے۔سچ بہادری ہے۔خوداعتمادی ہے۔ایڈکشن کا بہترین حل وِل پاور استعمال کرنا ہے‘ ہر بار پیشانی (اس نے ماتھے پہ انگلی سے دستک دی) کے سامنے معاملہ رکھنا ہےاور اس معاملے پہ سوچنا ہے۔نفع نقصان۔پھراس کوکرنا ہے۔خود کو غلط کاموں سے روکنے کا یہی طریقہ ہے۔اگر آپ چاہتی ہیں کہ اپنی اس عادت کو بدلیں تو آپ کو اپنی فرنٹل لوب کو استعمال میں لانا ہوگا۔“

”یعنی میں جو بھی کرلوں‘ آخر میں تم دونوں کے نزدیک میں ایک جھوٹی اور بددیانت چور ہی رہوں گی؟ تھینک یو‘ ایڈم۔“دکھ اور غصے سے بولتی وہ پلٹی اور تیز تیز ایک طرف بڑھ گئی۔ایڈم گہری سانس لے کر اسے جاتے دیکھتا رہا۔

اوہ اندھیر گلی میں آگے بڑھتی جارہی تھی اور اس کے سنہری بال ہُڈ سے نکل کے اُڑ اُڑ رہے تھے۔

☆☆==========☆☆

چار عربی نسل گھوڑوں کا وہ مختصر سا قافلہ ملاکہ کی گلیوں میں آگے بڑھ رہا تھا۔پچھلے تین گھوڑوں پہ غلام سوار تھے اور پہلے کی لگام وان فاتح نے تھام رکھی تھی۔اس پہ فربہی سا پھولے گالوں والا وانگ لی سوار تھا۔لمبے بال چوٹی صورت بندھے تھے اور رات کے اس پہر بھی چہرے کی چکنی جلد چمک رہی تھی۔وہ گاہے بگاہے لگام تھامے‘ نئے غلام کو بھی دیکھ لیتا تھا۔

فاتح کا چہرہ سپاٹ تھا‘ اور وہ مشینی انداز میں سارے کام سرانجام دے رہا تھا۔اس کے انداز میں وانگ لی کے لئے شناسائی کی کوئی رمق تک نہ تھی۔

گلی کے وسط میں پہنچ کے وانگ لی نے گھوڑا رکوادیا تو فاتح نے نظر اٹھائی۔

سامنے ایک بڑا سا پھاٹک تھا۔سرخ پھاٹک۔اس کا سانس لمحے بھر کو تھم گیا۔

تین خزینوں کا مسکن۔سن باؤ کا گھر۔

وہ نئے دور سے مختلف تھا۔نئے دور میں اس گھر کا دروازہ عصرہ نے بنوایا تھا اور سامنے گلی تھی اور گلی کے دوسری طرف دکانوں کی قطار۔

مگر اس قدیم دور میں سن باؤ کے گھر کے سامنے کا علاقہ کئی کوس دور تک خالی سبزہ زار پہ مشتمل تھا۔ دور درختوں کے جھنڈ بھی نظر آتے تھے ۔اس گھر کے ساتھ قطار میں ایسے دوسرے کئی گھر بھی بنے تھے اور وہ سب نئے دور سے بڑے نظر آتے تھے۔

سن باؤ گھوڑے سے اترا تو فاتح نے لگام چھوڑ دی۔ دو غلام گھوڑے لئے پلٹ گئے۔ فاتح اور ایک غلام اس کے ساتھ اندر آئے۔ دروازہ عبور کیا تو سامنے راہداری سی تھی۔ وہ بالکل گم صم سا ادھر ادھر دیکھتا راہداری سے گزر کے اندرونی برآمدے تک آیا جس کے آگے چوکور صحن بنا تھا۔

دوسرے غلام نے جلدی جلدی چند مشعلیں روشن کیں تو اندھیرے میں اجالا سا ہو گیا۔ سن باؤ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ اور وہ.....وہ برآمدے میں مبہوت سا کھڑا ہر شے کو دیکھ رہا تھا۔

برآمدے میں آتش دان کے ساتھ خالی کرسی رکھی تھی۔ ایسے ہی عصرہ نے نئے دور میں رکھی تھی۔ صحن کے ایک کونے میں کنواں بنا تھا اور دوسرا کونا.....فاتح کی نظریں اس طرف گئیں۔ وہ خالی تھا۔

وہاں کوئی مجسمہ نہ تھا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتا صحن کے وسط میں آرکا۔ کوئی طلسم سا تھا اس گھر میں۔ یہ اس کے گھر جیسا بالکل نہ تھا۔ رنگ روغن' فرنیچر' پودے سب مختلف تھے' مگر یہ اس کے گھر جیسا ہی تھا۔ ویسا ہی پرفسوں اور پر اسرار۔

''فاتح بن رامزل نام ہے تمہارا؟''

وہ بے ساختہ پلٹا۔ برآمدے کے ستون کے ساتھ سن باؤ آ کھڑا ہوا تھا۔ لبوں میں سگار دبائے وہ دیا سلائی سے اس کو سلگا رہا تھا۔

''جی' مالک!'' اس نے سر کو خم دیا' مگر نظر نہ جھکائی۔ یہ اس کا جھک کے بھی نہ جھکنے والا انداز تھا جو ہر دفعہ کی طرف سن باؤ کو آج بھی بہت اچھوتا لگا تھا۔

''جانتے ہو تمہیں اتنی قیمت دے کر کیوں خرید لایا ہوں؟''

''نہیں جانتا' مالک۔''

سن باؤ نے گہرا کش بھرا اور سگار باہر نکال کے تاروں بھرے آسمان کو دیکھتے ہوئے منہ سے دھواں چھوڑا۔

''کیونکہ تم نے میری جان بچائی تھی۔ اللہ فرماتا ہے' احسان کا بدلہ سوائے احسان کے اور کیا ہو سکتا ہے بھلا؟''

''میں شکر گزار ہوں' مالک۔''

سن باؤ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ سگار کا کنارا سرخ دہکتا رہا۔

''تم نے مجھے مطلع کیا تھا کہ میرے شوربے میں زہر ہے۔ مجھے تمہاری اس وفاداری کی خصلت نے متاثر کیا اور میں تمہیں یہاں لے آیا ۔اب مجھے بتاؤ' کہ ابوالخیر مجھے کیوں مارنا چاہتا تھا؟ اور یہ سب اس کی ایماء پہ ہوا تھا نا؟''

"مالک' میں نہیں جانتا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" غلام سپاٹ کھڑا تھا۔

سن باؤ نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔ "تم نے مجھے زہر کے بارے میں مطلع کیا تھا' اور....."

"میں اپنے سابقہ مالک کی کوئی برائی آپ سے بیان نہیں کروں گا' مالک۔ یہ میرے آداب کے خلاف ہے۔"

سن باؤ نے گہری سانس لی اور افسوس سے اسے دیکھا۔ "میں نے تمہیں سونے کا ایک ڈھیر دے کر خریدا' اور تم نے پہلی ہی رات میری حکم عدولی کر دی۔ انجام جانتے ہو اس کا؟"

وہ کنویں کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس تاریک قدیم صحن میں۔ اس بات پہ ہلکا سا مسکرایا۔

"وفاداری! آپ نے کہا آپ کو میری وفاداری نے متاثر کیا' مالک۔ جبکہ آپ کی جان بچانے کا عمل انسانی ہمدردی کے زمرے میں آتا ہے۔ اور جو بھی آپ نے سب کہا' وہ حکم نہیں' امتحان تھا۔ آپ میرا امتحان لے رہے تھے اور میں اس امتحان میں پورا اترا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ جانچ رہے تھے کہ آیا میں اپنے سابقہ مالک کی برائی بیان کروں گا یا نہیں۔ تو جو وفاداری آپ کو میری پیشانی پہ ثبت نظر آئی تھی' جس کو پڑھ کے آپ نے مجھے خریدا' اس وفاداری کو ہلکا مت جانیے۔ اگر آج سابقہ مالک کی برائی نہیں کر سکتا تو کل کو آپ کی بھی نہیں کروں گا۔ آپ مجھے وفا کے ہر امتحان میں پورا پائیں گے۔"

سن باؤ برآمدے سے ایک قدم نیچے اترا تو چہرہ آدھے چاند کی چاندنی میں روشن نظر آیا۔ اس پہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"میری قیافہ شناسی (چہرے پڑھنا) کبھی غلط نہیں ہوتی۔ فاتح' مجھے خوشی ہے کہ میں نے درست انتخاب کیا ہے۔ اب تم سو جاؤ۔ صبح نمازِ فجر کے بعد سے کام شروع کرنا ہو گا تمہیں۔"

وہ مڑنے لگا تو فاتح بول اٹھا۔

"آپ ایک عظیم آدمی ہیں' مالک۔"

فربہی چینی سفارتکار ٹھہرا اور پلٹ کے حیرت سے اسے دیکھا۔ "تم مجھے کتنا جانتے ہو۔"

غلام سادگی سے مسکرایا۔ "آپ ایک جنگی قیدی کے طور پہ چینی شاہ کے دربار میں لائے گئے تھے۔ وہاں آپ کو غلام (تائی ژان) بنایا گیا تھا۔ آپ نے برسوں شاہِ چین کی خدمت کی۔ آپ شاہ کے وفادار غلام ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی بیٹی یان سوفو کو شادی کے لیے رخصت کرتے وقت بھی شاہ نے آپ کو ان کے ساتھ بھیجا۔ آپ ملک ملک گھومے ہیں' اور جائے کے جنگلات سے آپ کو عشق ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے سات بحری سفر کیے ہیں جو تاریخ میں یاد رکھے جائیں گے۔"

"چھ..... میں نے چھ سفر کیے ہیں۔"

فاتح ٹھہر گیا۔ رات ایک دم سوگوار ہو گئی۔

''آپ ساتواں بھی کریں گے' مالک۔''

''اچھا؟ مجھے تو سمندر میں اترے زمانے بیت گئے۔ تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟''

''مجھے بھی پیشانی کی لکیروں میں چھپا مستقبل پڑھنا آتا ہے۔ مگر میں چاہوں گا کہ آپ وہ ساتواں سفر کبھی نہ کریں۔''

''کیوں؟'' وہ چونکا۔

''ان سوالوں کے جواب نہیں پوچھنے چاہئیں جو اگر ہمیں معلوم ہو جائیں تو برے لگیں ہمیں۔''

سن باؤ اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔ ''مجھے زمانے ہوئے ایک بھکشو نے کہا تھا کہ مجھے سمندری سفر نہیں کرنے چاہئیں۔ اس دنیا میں میرا آخری سفر بھی سمندر میں ہوگا جہاں سے میں کبھی واپس نہیں آؤں گا۔ کیا واقعی ایسا ہوگا؟''

فاتح نے جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ ہاتھ کمر پہ باندھے تھے اور آنکھوں میں سارے جواب تحریر تھے۔

''مگر خیر..... تمہیں مستقبل کا کیا علم!'' سن باؤ نے مسکرا کے سگار پھینکا' انگارے کو جوتے سے مسلا اور پھر ادھر ادھر طائرانہ نظر ڈالی۔ ''تم کوئی بھی کونا لے سکتے ہو۔ سوائے اس برآمدے اور میرے کمرے کے' سارا گھر اپنا ہی سمجھو۔''

وان فاتح نے گردن اٹھا کے بالائی منزل کے اس کمرے کی کھڑکی کو دیکھا جو صحن میں کھلتی تھی۔

''وہ اوپر والا کمرہ..... وہ میرا ہوگا۔''

''وہ؟'' سن باؤ نے تعجب سے ابرو اچکائے۔ ''وہ کاٹھ کباڑ سے بھرا ہے اور اسے صاف کرنے کی ضرورت.....''

''وہ میرا ہے' مالک۔ مجھے وہی کمرہ چاہیے۔'' ادب سے اس کی بات کاٹی تو وانگ لی نے شانے اچکائے۔

''جیسے تمہاری مرضی' فاتح!'' اور پلٹ گیا۔ اب وہ ہلکا ہلکا زیرِ لب کوئی چینی دھن گنگناتا اندر کی طرف جا رہا تھا۔

تاریک صحن میں وہ کنویں کے ساتھ کھڑا اس قدیم خاموشی کو محسوس کرتا رہا۔

صحن کا دوسرا کونا خالی تھا۔

صاف' ہموار۔

وہاں کوئی مجسمہ نہ تھا۔

☆☆==========☆☆

ملاکہ شہر فجر کی نماز کے ساتھ ہی جاگ اٹھتا تھا اور بازار کھل جاتے تھے۔ محل میں بھی کام شروع ہو جاتے۔ شاہی مکین تیار ہو کے اپنی خواب گاہوں سے نکل آتے اور اپنے اپنے دربار سجا لیتے۔ یہاں زندگی سورج کی روشنی کی محتاج تھی۔ سورج جیسے جیسے سوا نیزے پہ پہنچتا' مصروفیت عروج پہ جا پہنچتی۔

''سلطنت محل'' میں سلطان کا دربار سجا تھا' اور مرسل شاہ تخت پہ براجمان نیم دلی سے مراد راجہ کو سن رہا تھا جو نئے حکم نامے اس کے

سامنے رکھ رہا تھا۔ درباری وزراء مرعوبیت اور حسد سے مراد راجہ کو دیکھ رہے تھے جو سلطان کے بائیں ہاتھ کھڑا' ساری طاقت کا منبع لگ رہا تھا۔ یہ معمول کی کارروائی تھی اور ہر روز کی طرح جاری وساری تھی۔

باہر محل کے پائیں باغ میں ملکہ یان سوفو اپنی کنیزوں کی معیت میں تیز تیز چلتی جا رہی تھی۔ بڑا سا تاج پہنے' وہ سولہ سنگھار سے آراستہ تھی۔ البتہ مزاج برہم لگتا تھا۔

سامنے سے تین افراد آتے دکھائی دیے تو ملکہ رک گئی۔ وہ تینوں قریب آئے اور جھک کے اسے تعظیم پیش کی۔ پھر ادھیڑ عمر آدمی جو کہ محل کا طبیب تھا' سر اٹھا کے کہنے لگا۔

''ملکہ... میں سلطنت محل کا پرانا طبیب ہوں۔''

''جانتی ہوں۔'' وہ بے زاری سے بولی۔ ''کیا میرا چینی طبیب ملا ہے آپ کو؟''

''جی ملکہ۔ وہ حاضر ہوا تھا اور اس نے وہ ٹوٹکا بتایا ہے جس سے چینی شاہ تندرست ہو سکتے ہیں۔'' رکا اور ٹھہر کے بولا۔ ''اس کے خیال میں۔''

یان سوفو کی خوبصورت پیشانی پہ بل پڑا۔ ''یہ آزمودہ ٹوٹکا ہے۔ آپ سلطان کے غسل کا پانی اکٹھا کریں اور اسے میرے طبیب کو دیں تاکہ وہ چین لے جائے اور میرے بابا کا علاج کر سکے۔ یہ کام ابھی تک ہوا کیوں نہیں ہے؟''

بوڑھے طبیب نے گہری سانس لی۔ ''معذرت ملکہ' مگر میں ایسا نہیں کر سکتا۔ مجھے اس ٹوٹکے کی افادیت من گھڑت لگتی ہے۔ سلطان کا غسل کا پانی سلطان پہ جادو ٹونے کرنے کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ ہم کسی اور کی جان بچانے کے لئے سلطان کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔''

یان سوفو نے لب بھینچے۔ چہرہ گلابی پڑنے لگا۔ ''یہ میرے بابا کی صحت کا سوال ہے۔ آپ میری حکم عدولی کیسے کر سکتے ہیں۔''

''ملکہ میرا کام سلطان کو درست مشورہ دینا ہے۔ ماضی میں بھی طبیب کا قول اس محل میں سلطان کے قانون سے بھی اوپر رہا ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں مگر میں آپ کے چینی طبیب کے ٹوٹکے پہ سلطان سے عمل نہیں کروا سکتا۔ ملاکہ کے قانون کے مطابق طبیب کی بات حرفِ آخر ہوتی ہے' اور اسے قاضی وقت بھی نہیں بدل سکتا۔'' ہاتھ باندھے' وہ ملکہ کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ اس کے انداز میں ایک ڈھکا چھپا استہزاء تھا۔

یان سوفو نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔ ''آپ کو اپنا قول بدلنا ہوگا' طبیب!''

''سلطنت محل کے طبیب اپنے اقوال نہیں بدلا کرتے' کیونکہ وہ مریض کی بہتری کو مقدم رکھتے ہیں۔ چاہے طبیب کا سر ہی کیوں نہ کٹوا دیا جائے۔'' وہ ہٹ دھرم تھا۔

یان سوفو کو ایک دم اپنا آپ بہت بے بس لگا۔ اس نے طبیب کے ساتھ کھڑے معالجوں کے چہروں کو دیکھا۔ وہ سب ملے تھے۔ ملے

نقوش والے اجنبی لوگ۔اور وہ چینی تھی۔وہ ان میں غیر تھی۔اس کے حلق میں آنسو گرنے لگے۔پرایا ملک۔پرایا محل۔یہ سب اس کے لیے اجنبی تھا۔آخر کیوں شاہِ چین نے شادی کر کے اس کو یہاں بھیج دیا؟ وہ اب کیسے رہے گی یہاں؟

آہ.....ہم شہزادیوں کی سیاسی' ناخوش شادیاں۔اسے خود پہ ترس آیا۔

''آپ نے درست فرمایا' طبیب صاحب۔'' آواز پہ وہ سب چونکے۔یان سوفو نے گردن موڑی۔

تالیہ مسکراتی ہوئی' کامدار لباس پہلوؤں سے اٹھائے' چلی آرہی تھی۔اپنی کنیزوں کو دور کھڑا کیے' وہ تنہا قریب آئی تھی' اور ان دونوں کے ساتھ آکھڑی ہوئی۔طبیب نے چونک کے اسے دیکھا' اور یان سوفو.....اس کے کان سرخ ہونے لگے۔وہ کم از کم بنداہارا کی بیٹی کے سامنے اپنی بے بسی کا تماشہ نہیں لگانا چاہتی تھی۔

''شہزادی!'' طبیب نے تعظیم پیش کی۔یان سوفو نے صرف اسے گھورا۔

''آپ نے درست فرمایا طبیب صاحب۔'' مسکراتے ہوئے تالیہ نے بات جاری رکھی۔سنہرے بالوں پہ سجا تاج اور اس کی آنکھیں دونوں چمک رہی تھیں۔''آپ کا سر بھی کٹ جائے تو آپ کو اپنا قول نہیں بدلنا چاہیے۔''

یان سوفو نے دانتوں پہ دانت جمالئے۔مٹھیاں سختی سی بھینچ لیں۔یہ بے بسی.....یہ لاچاری۔

''لیکن اگر تنخواہ کٹ جائے تو؟'' سنہری لٹ کو انگلی سے پیچھے کرتے شہزادی تاشہ نے سوال پوچھا تو طبیب چونکا۔

''میں سمجھا نہیں شہزادی۔''

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی اور چہرے پہ ایک دم برہمی آگئی۔

''چینی شاہ کی بیٹی.....ملاکہ کی ملکہ.....یہاں کھڑی ہو کے صرف ایک بیٹی کی حیثیت سے آپ سے سوال کر رہی ہے کہ آپ اس کے والد کی جان بچائیں اور آپ اس کو جواب میں قانون کی شقیں پڑھا رہے ہیں؟''

وہ غرا کے بولی تو طبیب نے ادب سے نظریں جھکائیں۔یان سوفو کی مٹھیاں ڈھیلی پڑیں۔وہ گم صا سی تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔

''صرف اس لئے کہ ملکہ کی شکل آپ سے مختلف ہے' آپ اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھا کے ملکہ کو اذیت دینا چاہ رہے ہیں؟'' وہ طبیب کے جھکے چہرے پہ نظریں جمائے پھنکار رہی تھی۔

''اگر بات قانون کی ہے' تو خاص مشیر کا عہدہ طبیب کے عہدے سے بڑا ہے۔میں سلطان کی خاص مشیر ہوں۔ابھی ابوالخیر کو حکم جاری کر سکتی ہوں کہ آپ کی تنخواہ آدھی کاٹ دی جائے۔اور یقین کریں' میں دلیل کے طور پہ ایسے اعداد و شمار دکھا سکتی ہوں جو یہ ثابت کریں گے کہ آپ حق سے بڑھ کے تنخواہ لے رہے ہیں۔مگر میں ایسا نہیں کروں گی۔میں آپ کو ایک دوسرا موقع دوں گی۔''

پھر ملکہ کی طرف اشارہ کر کے تحکم سے بولی۔

''ملکہ سے معافی مانگیئے اور اپنا سر ان کے حکم کے آگے جھکا دیجیے۔نہ صرف آپ کی تنخواہ اور مراعات بڑھیں گی' بلکہ عزت بھی دگنی ہو

جائے گی۔"

یان سوفو کے چہرے کی سرخی زائل ہو چکی تھی۔ وہ بس تالیہ مراد کا چہرہ تک رہی تھی۔ بنا پلک جھپکے۔ سانس روکے۔ بنداہارا کی بیٹی ابھی تک طبیب سے مخاطب تھی۔ جس کے چہرے پہ ایک رنگ آرہا تھا' دوسرا جارہا تھا۔

"کیونکہ اگر آپ نے انکار کیا تو میں قاضی وقت کے پاس فتویٰ لینے جاؤں گی کہ آپ منکرِ حدیث ہیں۔ نظر لگنے کا علاج حدیثِ پاک ﷺ میں نظر لگانے والے کے غسل کے پانی سے کیے جانے کا ذکر ملتا ہے۔ جائیے' طب نبوی کی کتابیں کھولیے' اور پڑھیے۔ چینی ٹوٹکا ہماری حدیث سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ملکہ نے آپ سے چند بوندیں پانی کی ہی تو مانگی ہیں۔ یہ سوچ کے انکار مت کیجیے کہ ملکہ تنہا ہیں۔ اگر آپ نے' یا اس محل میں کسی ملے عہدیدار نے....." اردگرد نظر دوڑا کے اونچی آواز میں بولی۔ "دوبارہ کسی چینی عورت کو تنہا جان کے اس پہ ظلم کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا' ملاکہ میں رہنے والی ہر چینی عورت اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوگی' مجھ سمیت۔" سینے پہ انگلی سے دستک دی۔ "کیونکہ میری ماں بھی چینی تھی اور میں نے بھی چین میں پرورش پائی ہے۔"

"مجھے معاف کر دیجیے' ملکہ۔" طبیب فوراً جھکا اور ملکہ کے جوتوں پہ ہاتھ رکھ دیے۔ "میری جان لے لیجیے مگر آئندہ حکم عدولی نہیں ہوگی۔"

یان سوفو نے قدموں میں جھکے طبیب کو نہیں دیکھا۔ وہ بس گردن موڑے یک ٹک تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔ پھر لبوں کو جنبش دی۔

"جاؤ' حمام کا انتظام کرو اور پانی بھجواؤ۔" گم صم نظریں اب بھی تالیہ پہ جمی تھیں۔ وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔ پر اعتماد' پرسکون' نارمل سی۔

وہ سب دور چلے گئے اور کنیزیں پیچھے ہٹ گئیں تو سن سی کھڑی یان سوفو نے اسے پکارا۔

"اس سب کا کیا مقصد تھا؟"

تالیہ پوری کی پوری اس کی طرف گھومی۔ تاج سے نیچے اس کے سنہری بال ہلکی ہوا سے کندھوں پہ جھول رہے تھے۔ اور چہرے پہ سادہ سی مسکراہٹ تھی۔

"میں آپ کو یہ بتا رہی تھی' ملکہ کہ میری ماں واقعی چین کی تھی اور میں نے چین میں ہی پرورش حاصل کی ہے' کیونکہ جب چینی کوتوال کے مراسلے خالی نکلیں تو شک لازمی پڑتا ہے۔"

یان سوفو بالکل دھک سی رہ گئی۔ لب کھل گئے۔ تالیہ نے لباس سے ایک سرخ ریشم میں لپٹا رول شدہ کاغذ نکالا۔

"یہ وہ مراسلہ ہے' جو چینی کوتوال نے آپ کے نام بھیجا تھا۔ آپ کا آدمی واپسی پہ جس سرائے میں ٹھہرا' وہاں میرے آدمی نے مراسلے بدل ڈالے۔ میں اصلی مراسلہ لے کر آپ کے پاس آئی ہوں۔ آپ کو دو باتیں بتانے۔"

وہ مراسلہ یان سوفو کی طرف بڑھائے ہوئے تھی۔ اور یان سوفو بالکل بت بنی کھڑی تھی۔

"کوئی بھی رشتہ' کوئی بھی تعلق' غلط پیر پہ نہیں شروع ہونا چاہیے۔ اس میں ہمیشہ سو فیصد سچائی ہونی چاہیے۔ اس لئے یہ خط میں خود آپ کو

پیش کرتی ہوں۔ اس کو کھول کے پڑھ لیں یا چاہیں تو اس کو کھولے بنا میری دوسری بات سن لیں۔"

"بولو۔" وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔ سوا نیزے پہ آئے سورج تلے وہ دونوں باغ میں آمنے سامنے کھڑی تھیں۔

"میں..... آپ کی..... دشمن ..نہیں ہوں۔ میں مرسل شاہ کو آپ سے دور نہیں کرنا چاہتی۔ میں مرسل شاہ کو صرف راجہ مراد سے دور کرنا چاہتی ہوں۔ میں ان کو ایک مضبوط اور طاقتور سلطان بنانا چاہتی ہوں۔ میرا اور آپ کا دشمن ایک ہی ہے اور وہ ہے راجہ مراد۔"

"اور تم راجہ مراد کی بیٹی ہو۔"

"تو پھر وہ مجھے سن باؤ کے گھر کھانے پہ کیوں نہیں لے کر گیا؟ پھر وہ مجھ سے ڈرتا کیوں ہے؟ اس نے کیوں اتنے سال مجھے خود سے دور رکھا۔ اور اس کی مرضی کے خلاف میں واپس کیوں آئی ہوں۔"

یان سوفو بھنویں اکٹھی کیے اسے دیکھتی رہی۔ اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

"میں نے ابوالخیر کو خزانچی اس لئے بنایا تاکہ سن باؤ کو ہم سرکاری عقابوں کی نظروں سے محفوظ الگ تھلگ رکھ سکیں گے۔ سن باؤ اس سے بڑے کاموں کا اہل ہو سکتا ہے۔ ہم اس سے دوسرے کام لے سکتے ہیں۔"

"ہم؟" یان سوفو کا ذہن اس ایک لفظ پہ اٹک گیا۔

"جی ملکہ۔ اگر آپ اس خط کو پڑھے بغیر جلا ڈالیں تو میں اور آپ 'ہم' ہو سکتے ہیں۔ دو چینی عورتیں..... اور مقابل ہوگا سارا ملاکہ۔" وہ رول ملکہ کی طرف بڑھائے، مسکرا کے بولی تو یان سوفو نے ایک نظر خط پہ ڈالی۔

"کیا تم نے پڑھا ہے کہ کوتوال نے تمہارے بارے میں کیا لکھا ہے؟"

"مجھے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے ملکہ۔ میں خود کو اچھے سے جانتی ہوں۔ وہ مجھے مجھ سے بہتر نہیں جان سکتا۔"

"اور دوسری بات کیا تھی؟"

تالیہ کی مسکراہٹ مزید زخم زدہ ہوئی۔ "میں جہاں سے آئی ہوں، تھوڑے عرصے بعد وہاں واپس چلی جاؤں گی۔ میں واپس جانے کے لئے آئی تھی۔ ملاکہ سے ایک چیز لے کر جانے کے لیے۔ کیونکہ میری دنیا، میری زندگی، اور میری محبتیں، وہ سب وہاں ہے۔ یہاں میرا کچھ بھی نہیں ہے۔"

یان سوفو کو جھٹکا لگا تھا۔ اس نے بے یقینی سے ابرو اٹھائے۔ "تم محل کے عیش و آرام چھوڑ کے اپنے گاؤں چلی جاؤ گی؟"

"میرے 'گاؤں' میں محل نہیں ہیں، گھر ہیں۔ وہاں میں شہزادی نہیں ہوں، عام لڑکی ہوں۔ مگر میری محبتیں اور یادیں وہیں ہیں۔ وہاں کوئی ایسا تھا جس پہ میں نے دل ہارا تھا، اور مجھے اسی کے لئے واپس جانا ہے۔"

یان سوفو کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑتے گئے۔ "تو کیا وہاں تم کوئی محبوب چھوڑ کے آئی ہو؟" پہلی دفعہ اس کے لہجے میں نرمی گھلی۔

تالیہ نے اداسی سے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ "جی ملکہ۔ ایک آدمی تھا۔ مجھے اتفاق سے ملا تھا۔ وہ جو میری طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔

(آنکھوں میں تنکو کامل کے نیم روشن ڈرائنگ روم کا منظر جاگا۔وہ جھک کے اسے جوس پیش کر رہی تھی۔) وہ جو میرا نام بھول جایا کرتا تھا۔(وہ سرخ لباس میں آرٹ گیلری کے آفس میں عصرہ اور اشعر کے ساتھ کھڑی تھی اور وہ اسے تاشہ کہہ کے پکار رہا تھا۔) وہ جو میرے جیسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔(وہ ڈائننگ ٹیبل کے مخالف سروں پہ بیٹھے بات کر رہے تھے اور گھائل غزال میز پہ رکھی تھی۔) وہ جو مجھے بلاوجہ ڈانٹ دیا کرتا تھا۔(وہ لائبریری میں کھڑی تھی اور فاتح ورزش کے لباس میں تولیے سے گردن پونچھتا' اسے تلخی سے کچھ کہہ رہا تھا۔) مجھے اس کا وہی روپ پسند تھا۔اور مجھے وہی واپس چاہیے۔" اور پھر دونوں ہاتھوں میں رول ملکہ کی طرف بڑھایا۔

"آپ اپنے تجسس کی تکمیل چاہتی ہیں یا خوابوں کی؟ فیصلہ آپ کا ہے۔"

یان سوفو چند لمحے اس سرخ رومال کو دیکھتی رہی' پھر اسے اٹھالیا اور مڑ گئی۔اب وہ تیز تیز اندر کی طرف بڑھ رہی تھی۔تالیہ وہیں کھڑی رہی' بازو سینے پہ لپیٹ لئے اور اسے جاتے دیکھتی رہی۔

برآمدے میں داخل ہوتے ہی یان سوفو دیوار پہ لگی مشعل کی طرف بڑھی اور سرخ رومال میں لپٹا کاغذ اس میں جھونک دیا۔پھر ساتھ رکھی دیا سلائی سلگائی اور مشعل کا شعلہ بھڑکا دیا۔آگ کی لپٹوں نے ریشم کو فوراً اپنی لپیٹ میں لے لیا۔کاغذ اور کپڑا دونوں جلنے لگے۔

یان سوفو برآمدے کے سرے پہ آرکی اور فاتحانہ نگاہوں سے دور کھڑی تالیہ کو دیکھا۔بنداہارا کی بیٹی مسکرائی اور سر کو پورا جھکا کے اٹھایا۔

ملکہ کی گردن مزید تن گئی۔وہ عرصے بعد خود کو بہت مضبوط محسوس کر رہی تھی۔

وہ اکیلی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔اسے ایک دوسری عورت کا ساتھ چاہیے تھا۔

"اس کاغذ میں کیا تھا؟ آخر کوتوال نے آپ کے بارے میں لکھا کیا تھا' چے تالیہ؟" اس دوپہر ایڈم نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔وہ دونوں سادہ چغوں میں ملبوس ملاکہ کے بازار میں بھیس بدلے چل رہے تھے۔

"کاغذ خالی تھا۔ملکہ کی ایک کنیز نے شریفہ کو بتا دیا کہ ملکہ ملازم کو چین بھیج رہی ہے میرے تعاقب میں تو ہم نے اس ملازم کو خرید لیا۔وہ چین گیا ہی نہیں۔وہ کوتوال سے ملا ہی نہیں۔دونوں کاغذ خالی تھے۔"

"تو آپ نے ملکہ کو بے وقوف بنایا؟"

"نہیں ایڈم' میں نے ملکہ سے سچ بولا۔میں نے اس کو اپنی طاقت بھی دکھائی' اور اپنی کمزوری بھی۔وہ سمجھ گئی تھی کہ دوسرے کاغذ میں بھی کچھ نہیں ہوگا اور اگر ہے بھی تو وہ میرے جیسی طاقتور حلیف سے بڑھ کے نہ ہوگا۔اور اسے یہ تسلی بھی ہو گئی کہ میں مرسل شاہ کو اس سے چھیننے نہیں آئی ہوں۔اس لئے اس نے بہتر فیصلہ کیا۔"

وہ دونوں اب بازار کے درمیان سے گزر رہے تھے۔صاف چہرے' سادہ کپڑے اور چہروں پہ ٹوپی کا سایہ' وہ بھیس بدل کے عام لوگ نظر آتے تھے۔بازار کی گہما گہمی اور رش عروج پہ تھا' پھر بھی خاموشی سے محسوس ہوتی تھی۔نہ ٹریفک کا ہارن' نہ موسیقی کی آوازیں۔کوئی مقدس خاموشی تھی جو اس دنیا میں جانے کتنی صدیوں سے تھی۔

ایک دکان کے سامنے قہوہ چائے کے لئے کرسیاں میزیں رکھی تھیں۔ وہ وہیں بیٹھ گئے۔ ایڈم نے چائے منگوالی اور پھر خاموشی سے اسے دیکھنے لگا جو بے زاری بیٹھی ایک طرف چہرہ موڑ کے دیکھ رہی تھی۔

''آپ کل رات سے خاموش خاموش ہیں۔ اور پھر آپ نے آج یان سوفو کو حلیف بنالیا۔ کیا اس سب کا تعلق فاتح صاحب کی باتوں سے ہے؟''

تالیہ نے سرد مہری نظریں اس کی طرف موڑیں۔ ''میں ان کے لئے ایک جھوٹی اور بددیانت لڑکی تھی اور رہوں گی۔ کل رات جو انہوں نے میرے ساتھ کیا' اس کے بعد میں اپنی زندگی کی ترجیحات خود سیٹ کر رہی ہوں' ایڈم۔ وہ اب اپنے فرار کا راستہ خود ڈھونڈیں گے۔ نہ میں ان پہ انحصار کروں گی' نہ وہ مجھ پہ۔ کل ہم الگ ہو گئے تھے۔''

''اور میں؟ میں کس گنتی میں ہوں بھئی؟'' اس نے منہ بسورا۔

''تم مورخ ہو' تاریخ لکھو۔ تاریخ بنانے کا کام مجھ پہ چھوڑ دو۔'' وہ خفگی سے بولی۔ بیرا چائے لے آیا تو اس نے شیشے کی نازک پیالی اٹھا لی اور گرم گرم گھونٹ بھرنے لگی۔

''آپ ان سے ناراض ہیں' ٹھیک ہے۔ مگر مجھ سے کیوں ناراض ہیں؟ کیا ان باتوں کی وجہ سے جو میں نے کل آپ سے کہیں؟'' ساتھ ہی اپنی پیشانی پہ انگلی رکھی' جیسے باتوں کا موضوع یاد دلایا ہو۔

تالیہ نے ایک اچٹتی نگاہ اس پہ ڈالی۔ ''تم نے درست کہا تھا۔ جو لوگ اپنی فرنٹل لوب کو استعمال نہیں کرتے' وہ ایڈکٹ ہو جاتے ہیں۔ ڈرگز' غلط چیزوں اور جھوٹ کے۔ مگر کچھ لوگ سچ کے بھی ایڈکٹ ہوتے ہیں۔ وہ پیشانی سے سوچے بغیر دوسرے کے جذبات کا احساس کیے بغیر' اگلے کو جج کر کے نصیحت شروع کر دیتے ہیں۔ ایڈکشن ہر چیز کی غلط ہوتی ہے' ایڈم۔ بھاشن دینے کی بھی۔ سچ بولنے کی بھی۔'' خالی پیالی میز پہ دھری اور خفگی سے چہرہ موڑ لیا۔ ایڈم گہری سانس لے کر رہ گیا۔ پھر اس نے اپنی پیالی رکھی' اور اپنا دستہ کھول لیا۔ دوات نکالی اور قلم اس میں ڈبو ڈبو کے لکھنے لگا۔

''اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے' آپ کا ہر واقعہ اتنا بڑھا چڑھا کے لکھنا پڑتا ہے کہ بس! اور شاہی مورخ کے طور پہ مجھے ہر جمعے کے روز یہ صفحات دربار میں سنانے ہوتے ہیں' اور پھر ان کو شہر کے تمام کتب خانوں میں پہنچانا ہوتا ہے تاکہ ان کو محفوظ کیا جائے اور ملک بھر میں ان کی نقول لکھ لکھ کے بھیجی جائیں۔ یہ کتاب ایک قسط وار ناول کی طرح ہے' جس کو ہر ہفتے پڑھا جاتا ہے۔ اور یہ ہم اس ہفتے سے چین اور پرتگال بھی بھیجیں گے جہاں....'' لکھتے لکھتے اسے احساس ہوا کہ وہ خاموش ہے تو سر اٹھایا۔

تالیہ گردن موڑے اس طرف دیکھ رہی تھی جہاں کھڑکی سی بنی تھی اور اندر باورچی تھا۔ ایک آدمی سامنے کھڑا اس کو بارعب انداز میں کہہ رہا تھا۔

''مجھے وزیرِ خزانہ ابوالخیر نے بھیجا ہے۔ اس ماہ کا محصول ادا کرو۔'' ساتھ ہی ایک کاغذ اس کے سامنے کیا۔

"یہ تو محمود مرنی ہے۔" ایڈم نے سرگوشی کی۔تالیہ خاموشی سے اس کو دیکھے گئی۔

"محصول میں دوگنا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ کیا سلطان کو ہم پہ ترس نہیں آتا؟" باورچی احتجاجاً دبا دبا سا بولا۔محمود مرنی آگے ہوا اور کہنیاں کھڑکی پہ رکھ کے جھکا۔

"میں ظاہر کروں گا کہ تمہاری یہ گستاخی میں نے سنی ہی نہیں ہے۔اس لئے...محصول دو!" غراتے ہوئے ہتھیلی پھیلائی۔ باورچی کے کندھے ڈھلک گئے۔وہ چپ چاپ اندر گیا اور پھر واپس آ کے ایک بھاری تھیلی اس کے ہاتھ پہ رکھی۔محمود نے تھیلی لی اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔

تالیہ فوراً اٹھی اور بظاہر عام سے انداز میں چلتی اس کے تعاقب میں ہو لی۔ وہ اب دوسری دکان کی طرف جا رہا تھا۔وہ چغے کی ٹوپی میں چہرہ چھپائے' سینے پہ بازو لپیٹے'ایک دکان کے چھپر تلے کھڑی اس کو دیکھے گئی۔چائے کی ادائیگی کر کے ایڈم بھی ساتھ آ کھڑا ہوا۔

"یہ محمود مرنی کس چیز کے پیسے لے رہا ہے دکانداروں سے' چے تالیہ؟"

"محصول کے۔" تالیہ کی سوچتی آنکھیں دکانوں پہ جمی تھیں۔

"محصول کیا ہوتا ہے؟"

"ٹیکس۔گورنمنٹ ٹیکس۔ملک کے ہر شخص سے یہ ٹیکس وصول کر کے ایک جگہ بھرا جاتا ہے۔اکٹھا کیا جاتا ہے۔اور اس کو کہتے ہیں' قومی خزانہ۔"

(محمود اب دوسرے دکاندار سے رعب سے محصول مانگ رہا تھا۔)

"ہاں...یہ تو مجھے معلوم ہے کہ ہمارے ٹیکس قومی خزانے میں ہی جاتے ہیں۔"

(محمود مرنی بڑے سے تھیلے میں ہر دکان سے چھوٹی چھوٹی تھیلیاں بھر کے اگلی دکان کی طرف بڑھ جاتا تھا۔)

"ہمارے ٹیکس قومی خزانے میں نہیں جاتے۔ بلکہ قومی خزانے میں ہوتے ہی ہمارے ٹیکس ہیں۔اسی لئے تو قومی خزانہ کبھی خالی نہیں ہوتا کیونکہ لوگ تو ہر ماہ' ہر سال ٹیکس دے رہے ہوتے ہیں' ایڈم!"

(گلی کے آخر میں ایک بگھی کھڑی تھی۔محمود تھیلا لئے اس تک آیا۔سپاہیوں نے اندر رکھا صندوق کھولا اس نے ساری تھیلیاں اس میں الٹ دیں۔)

"مگر سیاستدان وغیرہ کہتے ہیں کہ قومی خزانہ خالی ہونے والا ہے۔وہ سب کیا ہوتا ہے؟"

(کچھ دیر بعد بگھی ایک عمارت کے سامنے کھڑی تھی۔ وہاں صندوق نکالے گئے اور ایک بڑے کمرے میں لے جا کے رکھے گئے۔ جہاں ایسے کئی صندوق رکھے تھے۔یہ وزارتِ خزانہ کا ایک کمرہ تھا۔)

"سیاستدان بادشاہ لوگ ہوتے ہیں۔ان کا جھوٹ بولنے سے کیا جاتا ہے؟"

(صندوقوں کے کمرے میں اب چند افراد کھڑے ہر صندوق کا حساب کاغذوں پہ تحریر کر کے ان کو تالے لگا رہے تھے۔)

"تو یہ محصول قومی خزانے میں بھرنے کے بعد کہاں جاتا ہے؟"

(ایک عہدیدار اب وزیر خزانہ کی مہر والے حکم نامے دکھا کے چند صندوقوں کو مختلف گاڑیوں میں لادرہا تھا۔)

"اس سے حکومت کے اداروں میں تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ پولیس' فوج' عدلیہ وغیرہ کے دفتر اور تنخواہیں۔ اسی لئے سرکاری ملازم عوام کے ملازم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کی تنخواہ taxpayer's money سے آتی ہے۔ اس کے علاوہ اس محصول سے سڑکیں' پل اور دوسرے ترقیاتی کام کیے جاتے ہیں۔ کیا تم نے اپنی کتابوں میں یہ سب نہیں پڑھا؟"

(صندوقوں سے بھری ایک گاڑی ابوالخیر کی حویلی پہنچ چکی تھی۔ محمو دہرنی نے صندوق اتروائے اور انہیں بڑے کمرے میں پہنچا دیا۔)

"مگر یہ تو آئیڈیل منظر نامے میں ہوتا ہے۔ ہمارے جیسے ملکوں میں کیا ہوتا ہے چتالیہ؟"

(صندوقوں کے اوپر' تالیہ بنتِ مراد کی مسجد' کا نام درج تھا۔ ابوالخیر نے چار صندوقوں میں سے ایک کو الگ کیا' اس سے مسجد کی بنیادیں کھدوانے کا حکم دیا اور اس کو روانہ کر دیا۔)

"ہمارے جیسے ملکوں میں اس محصول کا تھوڑا سا حصہ ملک اور ملکی اداروں پہ خرچ کیا جاتا ہے۔ باقی سب مل کے کھاتے ہیں۔ ہر عہدیدار اس کے اندر سے اپنا حصہ الگ کرتا جاتا ہے۔ اسی کو کرپشن کہتے ہیں۔ جیسے جتنا مال ابوالخیر مسجد کے نام پہ نکلوائے گا' اس میں تھوڑا سا تعمیر کے لیے بھیجے گا۔ اور باقی خود رکھے گا۔"

(باقی تین صندوقوں سے اس نے اشرفیاں نکلوا کے لکڑی کے تین خاص صندوقوں میں بھریں۔ ایک خود رکھا اور دو صندوقوں کو گاڑی میں لا د دیا۔)

"یعنی ان غریب محنت کش لوگوں نے اعتماد کر کے ابوالخیر اور سلطان کو جو محصول دیا ہے' یہ حکمران اسی محصول کو اپنی دولت کی بڑھوتی کے لئے خرچ کرتے جاتے ہیں؟"

(اب وہ گاڑی بان کو رات کی تنہائی میں حکم دے رہا تھا کہ یہ صندوق شہزادی تاشہ کے محل خاموشی سے پہنچا دیے جائیں۔)

"ہاں' ایڈم۔ اسی لئے ملک کے حکمران صادق اور امین ہونے چاہیے ہیں تا کہ وہ اس محصول کی امانت کو نبھا سکیں۔ ابوالخیر کی طرح اپنی اور اپنے دوستوں کی دولت میں اضافہ نہ کریں۔"

(رات کی تاریکی میں وہ صندوق تاشہ کے محل میں لائے گئے اور خاموشی سے اس کی خواب گاہ میں رکھ دیے گئے۔)

"اچھا میں بچپن سے سمجھتا تھا کہ سیاستدان جو قومی خزانہ لوٹتے ہیں' یعنی جو کرپشن کرتے ہیں' وہ دراصل 'ملک' کا پیسہ ہوتا ہے۔ جیسے ....جیسے ملک میں کوئی خزانے کے کنویں ہوں جو بھرے ہوں اور بس اس کو وہ لوٹ رہے ہوں۔ اور میں سوچتا تھا کہ خیر ہے' اگر تھوڑی بہت کرپشن سیاستدان کر بھی لیں تو چلو' ملک پہ خرچ بھی تو کر رہے ہیں نا وہ۔"

(ابوالخیر اب اپنے دفتر میں بیٹھا کاغذوں پہ حساب کتاب تحریر کر رہا تھا۔ بنیادیں ڈلوانے کا خرچہ اس نے تین گنا بڑھا کے لکھا۔ جو کام ایک اشرفیوں سے بھرے صندوق سے ہو جانا تھا' اس نے اس کی قیمت تین گنا تحریر کی' اور دستخط کر دیے۔)

''ملک کا کوئی خزانے کا کنواں نہیں ہوتا' قومی خزانہ صرف محصول پہ مبنی ہوتا ہے۔ ملک کے لوگ اس کو بھرتے ہیں' اور بھرتے جاتے ہیں۔''

(اگلی صبح کاغذات کو تصدیق کے لئے بنداہارا کو بھیج دیا گیا۔ راجہ مراد نے مسکرا کے تفصیلات پڑھیں اور مہر لگا دی۔)

''یعنی جب سیاستدان کرپشن کرتے ہیں' تو دراصل وہ ہر غریب آدمی کی تنخواہ کا ایک حصہ چوری کر رہے ہوتے ہیں! یعنی ابوالخیر جو صندوق راجہ مراد کو بھیجتا ہے وہ اسی طرح مختلف فنڈز سے نکالا گیا حصہ ہوتا ہے۔''

(مسجد کی بنیادوں کے لئے دیا گیا فنڈ کاغذوں میں پورے کا پورا ایمانداری سے استعمال ہونا لکھا گیا اور کاغذ رجسٹر کی صورت الماری کی زینت بن گئے۔)

''بالکل اور تم مجھ جیسے چوروں کو ناپسند کرتے ہو جو صرف امیروں سے چراتے تھے؟ اصل چور تو یہ حکمران ہیں جو غریبوں سے چراتے ہیں۔''

ایڈم نے آنکھیں چھوٹی کر کے تالیہ کا چہرہ دیکھا۔ ''اس بات پہ میں اپنی رائے محفوظ رکھوں گا۔''

وہ ابھی تک ان دکانداروں کو دیکھ رہی تھی جو اپنی بقایا جمع پونجی گن رہے تھے۔

(وہ خالی میدان جہاں مسجد کی تختی لگی تھی.... وہ خالی تھا۔ وہاں تھوڑی سی کھدائی کی گئی تھی۔ مگر ان کھوکھلی جڑوں پہ کوئی عمارت کھڑی نہیں کی جاتی تھی۔ مسجد کے نام پہ قومی خزانے سے نکلوائے گئے چار صندوقوں میں سے ایک یہاں لایا گیا تھا۔ ایک ابوالخیر نے رکھا تھا اور دو اس نے تالیہ کو بھجوا دیے تھے۔

اسے کرپشن کہتے تھے۔

بدعنوانی۔)

☆☆=========☆☆

سن باؤ کے خوبصورت گھر پہ دوپہر اتری تھی۔ صحن میں لگے کنویں کی منڈیر پہ جھکا فاتح رسی سے ڈول باہر کھینچ رہا تھا۔ کرتے کی آستین اوپر چڑھائے' وہ پسینے میں بھیگا تھا مگر چہرہ سنجیدہ اور پرسکون تھا۔ ماتھے کی سبز پٹی بھی گیلی ہو چکی تھی۔

گاہے بگاہے وہ کنویں کی اندرونی دیوار کا جائزہ بھی لیتا تھا۔ تالیہ نے دیوار سے وہ پتھر کیسے نکالا تھا جس کو کنویں کے پانی میں ڈالنے سے صحن کے اندر سے سیڑھیاں نکلی تھیں' وہ قطعاً واقف نہ تھا۔ لیکن خیر.... بغیر چابی کے وہ اس دروازے کو کھول بھی نہیں سکتے تھے۔ چابی... انہیں چابی چاہیے تھی۔

پانی کا ڈول اوپر آیا تو اس نے اسے گھڑے میں انڈیلا۔ تبھی دروازے پہ دستک ہوئی۔ فاتح نے انگوٹھے سے پیشانی کا پسینہ پونچھا اور گھڑا رکھ کے دروازے کی طرف آیا۔

باہر محمود مرنی کھڑا تھا۔ سرکاری یونیفارم پہنے وہ سنجیدہ لگتا تھا۔ فاتح نے ایک نظر اس کے پیچھے ڈالی جہاں فاصلے پہ بگھی اور سرکاری سپاہی کھڑے نظر آتے تھے۔

''سن باؤ وانگ لی سے خراج وصول کرنے آیا ہوں۔'' اس نے سادہ انداز میں کہا۔

''مالک گھر نہیں ہے۔ مگر خراج کی تھیلی وہ رکھوا گیا تھا۔ میں لاتا ہوں' بلکہ تم اندر آجاؤ۔'' اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں محمود مرنی کو اشارہ کیا۔ محمود نے پیچھے دیکھا اور سپاہیوں کو وہیں رکنے کا کہا۔ پھر فاتح کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔

دروازہ بند ہوتے ہی محمود کے چہرے پہ بے چینی پھیل گئی۔ وہ تیزی سے گھوم کے اس کے سامنے آیا اور پریشانی سے فاتح کو دیکھا۔

''تم نے کہا تھا تم ہمارے لئے کچھ کرو گے۔ اب بتاؤ' کیا تم ہمیں آزاد کروا سکتے ہو۔'' سارا رعب' سارا طنطنہ ختم ہو گیا اور وہ فاتح کے سامنے ڈھلکے کندھوں والا ایک غلام لگ رہا تھا جو ابوالخیر کے آگے بے بس تھا۔

فاتح نے تپائی پہ دھری تھیلی اٹھائی اور اس کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے اسے تسلی دلائی۔

''محمود بن مرنی.... تم ان چند غلاموں میں سے ہو جن پہ ابوالخیر بھروسہ کرتا ہے اور ان کو باہر جانے کی اجازت ہے۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ تم بھی آزاد ہونا چاہتے ہو۔''

''میں نے مالک کے ساتھ کبھی دغا نہیں کیا مگر مجھے نفرت ہے مالک سے۔ وہ مجھے خرید کے نہیں' میرے گاؤں سے اغوا کر کے لایا تھا۔ اس کے آدھے سے زیادہ غلام ناجائز غلام ہیں۔ مجھے بتاؤ' فاتح.... ہم کیسے آزاد ہوں گے۔''

فاتح نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''وانگ لی تمہیں اس قید سے نجات دلائے گا۔ وہ ابھی آنے والا ہے۔ تم اس سے بات کرو' اور اپنی کہانی اس کے سامنے رکھو۔ وہ تمہارا کیس لے کر قاضی وقت کے پاس جائے گا اور قاضی ابوالخیر کو حکم جاری کرے گا کہ تمام ناجائز غلام آزاد کیے جائیں۔ یوں وانگ لی کی کوششوں سے مرسل شاہ کے دور میں نیا قانون پاس ہوگا جس کے مطابق تمام ناجائز غلام آزاد ہو جائیں گے۔''

محمود مرنی نے الجھن سے اسے دیکھا۔ ''تم تو یوں بتا رہے ہو جیسے تم نے ہماری قسمت پڑھ رکھی ہو۔''

فاتح دھیما سا مسکرایا۔ ''وانگ لی ایک عظیم انسان ہے' اور میں اس بات سے واقف ہوں کہ وہی تم لوگوں کو نجات دلوائے گا۔ یہ بات تاریخ کی کتابوں میں لکھی جائے گی۔''

باہر گھوڑے کی آواز آئی تو محمود مرنی چونکا۔ فاتح نے گہری سانس لی۔ ''تم اندر بیٹھو۔ میں قہوہ بنا کے لاتا ہوں۔ تمہیں صرف ایک دفعہ وانگ لی سے بات کرنی ہے وہ فوراً راضی ہو جائے گا۔''

محمود مرنی پھیکا سا مسکرایا۔اس کی بے بس آنکھوں میں امید جاگی۔"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔"

کچھ دیر بعد وان فاتح رسوئی سے نکلا تو اس کے ہاتھ میں طشت تھا جس پہ ننھی چینی پیالیاں اور چائے دان رکھی تھیں۔ساتھ میں شہد کی بوتل تھی۔

اس نے طشت برآمدے کی میز پہ رکھا اور چینک سے پیالیوں میں قہوہ انڈیلنے لگا۔

سامنے آرام کرسی پہ وانگ لی بیٹھا مقابل براجمان محمود مرنی کو سن رہا تھا جو پریشانی اسے اپنی داستان سنا رہا تھا۔

"سب جانتے ہیں سن باؤ' کہ ملاکہ کے قانون میں غلام دو طرح سے بنائے جا سکتے ہیں۔یا تو وہ جنگ کے قیدی ہوں' یا پھر منڈی میں باقاعدہ معاہدہ کر کے ان کو خریدا گیا ہو۔مگر ابوالخیر لوگوں کو اغوا کر کے لاتا ہے اور جبری غلام بنالیتا ہے۔اس کو راجہ کی سرپرستی حاصل ہے۔یوں اس کو مفت میں غلام مل جاتے ہیں۔ہم سب آزاد ہونا چاہتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ آپ ہماری مدد کریں گے۔"

فاتح نے جھک کے طشت سن باؤ کے سامنے کیا۔اس نے آرام سے پیالی اٹھائی اور لبوں سے لگائی۔فاتح طشت لئے محمود مرنی کے پاس گیا۔آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکرا کے اسے حوصلہ دلایا۔محمود نے پرامید سا مسکراتے قہوہ اٹھایا اور سن باؤ کو ذرا اعتماد سے مخاطب کیا۔

"سن باؤ.....آپ ہمیں سمجھائیں کہ ہمارا پہلا قدم کیا ہونا چاہیے۔ہم کس طرح ابوالخیر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔"

فاتح اب طشت لئے پیچھے کونے میں جا کھڑا ہوا۔کمر پہ ہاتھ باندھے وہ منتظر سا سن باؤ کو دیکھنے لگا۔

"محمود مرنی.....تم جانتے ہو میں بھی ایک غلام تھا۔تائی ژان۔"

"جی۔اسی لئے ہمیں لگا کہ آپ ہمارا درد....."

"اور مجھے بھی جبری طور پہ غلام بنایا گیا تھا۔میں شاہِ چین کے پاس کم عمری میں آیا تھا' اور مجھ پہ بہت ظلم بھی ڈھائے گئے' مگر میں ڈٹا رہا۔میں نے اپنے آقا کے دل میں جگہ بنائی۔میں نے محنت کی اور مجھے ان کا قرب حاصل ہوا۔مجھے بڑے بڑے عہدے ملے اور میں آج آزاد ہوں' ملک ملک گھومتا ہوں' جہاں چاہے رہتا ہوں' مگر ہر دن کے اختتام پہ اپنے آقا کو خط لکھ کے ساری صورتحال سے آگاہی دیتا ہوں۔میں آج بھی شاہِ چین کا غلام ہوں اور...." سن باؤ نے پیالی رکھی اور آگے کو جھک کے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"مجھے.....اس غلامی پہ.....فخر ہے۔"

پیچھے کھڑے وان فاتح کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"میں نے آج تک شاہِ چین کے خلاف دوسروں سے مدد نہیں مانگی۔میں نے اپنے آقا سے محبت کی اور وفاداری نبھائی۔ہر غلام کو جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔یہ سوچنا بھی مت کہ میں کسی غلام کو اس کے آقا کے خلاف بغاوت کا مشورہ دوں گا۔آج تو تم آگئے ہو اور میں نے معاف کر دیا لیکن اگر دوبارہ آئے تو میں ابوالخیر کو سب کچھ بتا دوں گا۔اس لئے گھر جاؤ اور اپنے آقا کی خدمت کرو۔غلام ہر طرح سے بنائے جاتے ہیں' اور یہ ان کی قسمت ہوتی ہے کہ انہیں اپنے مالک کی خدمت کرنی ہوتی ہے۔تم بھی میرے جیسا مقام حاصل کر سکتے ہو اپنی وفا اور

محنت سے۔ اور یاد رکھنا' ملاکہ کا کوئی رئیس' کوئی قاضی تمہارے ساتھ نہیں کھڑا ہوگا کیونکہ سب کے گھروں میں جائز اور ناجائز غلام موجود ہیں۔"

محمود مرنی خاموشی سے اٹھا' تھیلی اٹھائی اور فاتح پہ ایک دکھ بھری جتاتی نظر ڈال کے مڑ گیا۔ دروازہ کھل کے بند ہونے کی آواز آئی مگر فاتح اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔

وانگ لی اب پیالی سے گھونٹ گھونٹ پی رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ ہلکا سا ملال تھا۔

"مجھے ان غلاموں سے ہمدردی ہے' فاتح۔ مگر میں اس اجنبی دیس میں اجنبی ہوں۔ میں کبھی بھی ان غلاموں کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر تمہیں میری پیشانی لکیروں میں کوئی تحریر ایسی نظر آئی ہے تو یقین کرو تم نے غلط پڑھا ہے۔" وانگ لی نے پیالی رکھ دی اور آنکھیں موند لیں۔ وہ تھکا ہوا لگتا تھا۔

اور فاتح بالکل سن کھڑا تھا۔

پتھر کا بت ہو کوئی جیسے۔

ٹوٹا ہوا خواب ہو کوئی جیسے۔

☆☆==========☆☆

بنداہارا کے محل کی عقبی کھڑکیوں سے دور نیچے ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی دیتا تھا۔ تالیہ کی خواب گاہ میں دو صندوق کب کے لا رکھے گئے تھے اور وہ ان کو کھولے بیٹھی تھی۔ اوپر چاولوں کی تہہ لگی تھی۔ تلاشی کے وقت ابوالخیر کے ملازم نے یہی بتایا تھا کہ یہ دم کئے گئے چاول ہیں جو شہزادی کے لئے بھجوائے گئے ہیں۔ تہہ ہٹاؤ تو اندر ریشمی کپڑے میں سکے بھرے تھے۔

"یقیناً یہ کرپشن کے سکے راجہ مراد کو بھی چاولوں اور دالوں کے نیچے چھپا کے بھجوائے جاتے ہوں گے۔ صاف شفاف کرپشن جس کا کوئی سراغ نہیں لگا سکتا۔ خیر....." اس نے صندوق بند کیا اور کھڑکی میں رکھی گھڑی کی ریت دیکھی۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ راجہ اس وقت حکومتی امور میں مصروف رہتا تھا۔ ابھی کمرے میں نہیں آیا ہوگا۔ ایک خیال سا اس کے ذہن میں کوندا۔

کچھ دیر بعد وہ اشرفیوں کی تھیلی بھر کے راجہ کی خواب گاہ کی طرف جا رہی تھی۔

"راجہ اندر نہیں ہیں۔" پہریداروں نے ادب سے اطلاع دی۔

"میں ان کے لئے خاص تحفہ لائی ہوں۔ انتظار کر لوں گی۔" وہ بظاہر خوشی بھرے جوش سے بتاتی اندر چلی آئی۔

وہ اسے روک بھی نہ سکے۔

اندر آتے ہی اس نے تھیلی میز پہ رکھی اور جلدی سے الماری کی طرف بڑھی۔ اسے کھولا۔ ہر خانہ کھنگالا۔ بستر صفائی سے الٹ پلٹ کیا۔ چابی تو درکنار وہاں کچھ بھی ایسا نہ تھا جو قابلِ توجہ ہو۔ صرف کپڑے۔ کچھ اشرفیاں۔ کاغذ۔ مہر۔ کتابیں۔

وہ آخری صندوق بند کرنے لگی تو ٹھٹکی اندر ایک بوتل رکھی تھی۔خالی بوتل۔

بوتل دیکھ کے ذہن میں جھما کہ سا ہوا۔اس نے آنکھیں بند کیں۔ایک خواب ساذہن کے پردے پہ چلنے لگا.....

وہ الماری کھولتی ہے.... بوتل نکالتی ہے....اس کے اندر مائع سا بھرا ہے۔اور پیندے میں سکہ اور چابی تیر رہی ہے۔وہ بوتل سے مشروب پی لیتی ہے اور چابی نکال کے جوڑ دیتی ہے۔وہ لمحہ امر ہو جاتا ہے۔

اندھیر راستہ....اوپر تاروں بھرا آسمان....اور وہ ایک ستارے کو دیکھتی چلتی جا رہی ہے....چلتی جا رہی ہے....جیسے خواب میں اسے کوئی راستہ دکھا رہا ہے....

کوئی روشنی سی اس کی راہبر ہے....وہ چلتی جا رہی ہے....چلتی جا رہی ہے...

یہاں تک کہ اسے وہ سیڑھیاں نظر آتی ہیں....وہ نیچے اترتی جاتی ہے....آگے وہ قدیم دروازہ ہے....وہ زنجیروں سے لپٹے اس کے تالے میں چابی گھساتی ہے اور زیرِ لب بڑبڑاتی ہے۔

''بابا اگر الور سونگائی کے لوگوں کی مدد نہیں کر سکتے تو کیا ہوا....میں خود جاؤں گی اور خزانہ ڈھونڈ کے لاؤں گی۔''

وہ زیرِ زمین راہداریوں میں چلتی جا رہی ہے....اوپر بارش برس رہی ہے....نیچے دو دریا ہیں....پھر سیڑھیاں جن کو عبور کر کے وہ اوپر آتی ہے اور ڈھکن ہٹا کے زمین پہ باہر کو نکل آتی ہے۔پھر ڈھکن برابر کر کے سیدھی ہوتی ہے اور ادھر ادھر دیکھتی ہے....

وہ ایک چرچ میں کھڑی ہے۔لکڑی کے ڈیسک قطار در قطار لگے ہیں۔صلیب جگمگا رہا ہے۔موم بتیاں بجھی ہیں اور وہ چرچ کے وسط میں حیران پریشان کھڑی ہے.....

آوازوں نے ارتکاز توڑا تو تالیہ نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔وہ راجہ مراد کی خواب گاہ میں خالی بوتل ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔یہ وہی بوتل تھی جو کم سن تالیہ نے پی کے پھینک دی تھی۔

اس نے جلدی سے بوتل اندر واپس رکھی اور چیزیں درست کرتی خواب گاہ کے وسط میں آ کھڑی ہوئی۔بالوں میں انگلیاں چلاتے،وہ اب یوں سست روی سے کھڑی تھی جیسے کافی دیر سے بابا کی منتظر ہو۔

راجہ کسی سے تیز تیز بات کرتا ہوا آ رہا تھا۔بند دروازوں کے باوجود اس کی آواز سنائی دیتی تھی۔وہ اپنے کسی خاص خادم کو مصروف انداز میں ہدایات دے رہا تھا۔

''اگر کشتی میں سوراخ ہو گئے ہیں تو نئی کشتی لے لو۔مگر میں نہ سنوں کہ کشتی نہ ہونے کی وجہ سے کسی قسم کی دیر سویر ہوئی ہے۔''دروازہ کھلا اور وہ بولتا ہوا اندر داخل ہوا۔پھر کمرے کے وسط میں کھڑی تالیہ کو دیکھ کے رکا۔ہاتھ سے خادم کو جانے کا اشارہ کیا۔

''تم....یہاں؟''ساتھ ہی اس نے فوراً اپنی الماری کو دیکھا جس کے اندر بوتل چھپی پڑی تھی۔

''جی۔میں تحفہ لائی تھی۔''وہ مسکرا کے بولی اور میز پہ رکھی تھیلی کی طرف اشارہ کیا۔

مراد آگے آیا اور تھیلی اٹھا کے انگلیوں کے پوروں سے ٹٹولی' جیسے اشرفیاں محسوس کی ہوں۔

''ہوں۔ابوالخیر کے تحفوں میں سے ایک نذرانہ....اچھا لگا مجھے۔'' ہلکا سا مسکرایا۔اور اسے واپس رکھ دیا۔پھر اپنی قبا کندھوں سے جھٹک کے برابر کی اور تالیہ کے مقابل آ کھڑا ہوا۔شاہی قبا میں ملبوس' ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے' کندھے تک آتے بالوں والا مراد اب اپنی عقابی نظریں اس پہ جمائے ہوئے تھا۔''تم اس دنیا سے مانوس ہوتی جا رہی ہو۔''

''ہونا بھی چاہیے۔آخر مجھے یہیں رہنا ہے۔'' وہ مصنوعی سا مسکراتی رہی۔

''مگر تم پھر میرے کمرے کی تلاشی کیوں لے رہی تھیں؟''

لیکن وہ تیار تھی۔اسی طرح مسکرا کے بولی۔

''جانتے ہیں اس دوسری دنیا میں' میں کیا تھی؟''

''کیا؟''

تالیہ آگے بڑھی' اور چہرہ راجہ کے کان کے قریب کر کے سرگوشی کی۔

''میں وہ تھی جو بنا چاپ دروازوں کے اندر گھس جاتی تھی' دیواروں پہ رینگ کے اوپر چڑھ جاتی تھی' الماریوں اور صندوقوں کے اندر داخل ہو جاتی تھی۔''

''جیسے ناگن ہو کوئی؟'' راجہ نے ابرو اٹھایا۔

''جیسے بلی ہو کوئی!''

وہ سرگوشی میں بولی اور پھر کندھوں سے اپنا ریشمی لباس ذرا جھٹکا' اور مسکرا کے ہٹ گئی۔

راجہ پرسوچ نظروں سے اسے باہر جاتے دیکھنے لگا۔

راہداری میں تیز تیز آگے بڑھتی تالیہ کی پیشانی پہ پسینے کی چند بوندیں تھیں جن کو اس نے ہتھیلی کی پشت سے رگڑ کے صاف کر دیا تھا۔راجہ سے ایک دفعہ پھر اسے ہلکا ہلکا سا خوف آنے لگا تھا۔

☆☆==========☆☆

قدیم ملاکہ کے بازار میں ایک جگہ ایک خوبصورت سا چائے خانہ بنا تھا۔عام سرائے' اور قہوے خانوں کے برعکس یہ قدرے الگ تھلگ تھا' اور چاروں طرف سے سبز گھاس سے مزین باغیچے سے گھرا تھا۔

عمارت کے اندر نیم تاریک سا طویل ہال تھا جہاں میزیں کرسیاں لگی تھیں۔ ہر جگہ سرخ پردے اور سرخ کاغذی غبارے نظر آتے تھے۔وہ چینی چائے خانہ تھا' اور وہاں صرف چینی افراد کام کرتے تھے۔تقریباً سب وہی تھے جو ملکہ یان سوفو کے چینی وفد میں آئے تھے اور یہاں کے مقامی عورتوں سے شادی کر کے یہیں بس گئے تھے۔

اس چینی چائے خانے کا نام "جیا" تھا۔ جیا قدیم چینی میں 'چائے' کو کہتے تھے۔ یہ لفظ پھر "جیا" سے "چا" بنا جس سے "چائے" اخذ کیا گیا۔ 'جیا' اس زمانے میں بھی ایک پرانی اور کلاسیکل اصطلاح تھی اور چائے خانے کا نام اس پہ رکھنا کسی اعلیٰ اور ادبی ذوق کے حامل شخص کا کام تھا' اور وہ شخص کوئی اور نہیں' تین نگینوں والا غلام' وانگ لی تھا۔

'جیا' وانگ لی کا ذاتی قہوہ خانہ تھا جہاں وہ اکثر اپنی شامیں گزارتا تھا۔ یہاں شہر کے امراء اور روساء آیا کرتے تھے اور سیاست وسیاحت پہ لمبی بحثیں ہوتی تھیں۔

اس شام بھی سن باؤ وانگ لی 'جیا' کے اندر ایک میز پہ براجمان خوشگوار انداز میں محوگفتگو تھا۔ سامنے شاہانہ لباس میں چند اعلیٰ عہدیدار بیٹھے اس کو سن رہے تھے۔ فاتح اس کے کندھے کے پیچھے کھڑا' جھک کے چینک سے پیالی میں دھار کی صورت چائے انڈیل رہا تھا۔ وہ کرتے کی آستینیں پیچھے چڑھائے' سنجیدہ اور خاموش نظر آتا تھا۔

سامنے بیٹھے شخص نے پیالی اٹھاتے ہوئے ایک نظر اس کو دیکھا۔ "اس کو پہلی دفعہ دیکھ رہا ہوں' وانگ لی۔ یہ کون ہے؟"

سن باؤ نے مسکرا کے اسے دیکھا جواب سنجیدہ سا کھڑا تھا۔ "یہ میرا نیا غلام ہے۔ میں نے ابوالخیر سے اسے خریدا ہے۔"

"اچھا... تو یہ ہے وہ غلام جس کے اوپر لمبی لمبی بولیاں لگائی گئی تھیں۔" دوسرے شخص نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ وہ لمبے بالوں اور داڑھی والا درمیانی عمر کا آدمی تھا۔

فاتح نے ادب سے سر کو خم دیا' ایسے کہ نظریں اس پہ جمائے رکھیں۔ جھکائیں نہیں۔

"کہاں سے آئے ہو تم؟" داڑھی والے نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"ابوالخیر کی حویلی سے...." اس نے دوسری پیالی میز پہ رکھی اور سر جھکائے چینک سے قہوہ اندر انڈیلا۔

"دیکھنے میں اعلیٰ حسب نسب کے لگتے ہو۔ پیچھے سے کہاں کے ہو؟" داڑھی والے نے اسی دلچسپی سے پیالی اٹھاتے پوچھا۔

"قاضی صاحب کا مطلب ہے کہ ابوالخیر کے پاس کس علاقے سے آئے تھے۔" وانگ لی نے وضاحت کی۔ فاتح نے بس خاموش نظریں گھما کے وانگ لی کو دیکھا' اور پھر ایک سپاٹ نظر قاضی پہ ڈالی۔

"ابوالخیر کے پاس لوگ آتے نہیں ہیں۔ لائے جاتے ہیں...." چبا چبا کے بولا تو میز پہ سناٹا چھا گیا۔ قاضی نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور کھوجتی نظروں سے اس غلام کو دیکھا جو چینک اٹھائے بات کہہ کے پلٹ گیا تھا۔

"تم ابوالخیر پہ الزام لگا رہے ہو۔ وہ وزیر خزانہ ہے اور ہمارا دوست۔" دوسرے آدمی نے پیچھے سے ناگواری سے تنبیہہ کی۔ وانگ لی بھی ہلکا سا کھنکھارا۔

"فاتح کا الزام ضروری نہیں ہے کہ غلط ہو مگر.... (سفارتکارانہ انداز میں دونوں ہاتھ اٹھائے۔) یہ درست ہے کہ ایسے آدمی پہ الزام لگانے سے ڈرنا چاہیے جس کے ماشاءاللہ اتنے رئیس اور امراء دوست ہوں۔" خوش مزاجی سے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ جو آگے

چلتا جا رہا تھا' ایک دم رکا۔ نہایت ضبط سے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

(تو ثابت ہوا کہ سفارتکار آخر میں سفارتکار ہوتا ہے۔ کوئی انسان اپنے اصل سے نہیں بھاگ سکتا۔ نہ وانگ لی' جوان اعلیٰ عہدیداروں کے ساتھ سفارتکارانہ تعلقات نہیں خراب کر سکتا تھا۔ اور.....) وہ دھیرے سے پلٹا تو اس کی آنکھوں میں تپش تھی۔ (اور نہ وہ خود اپنے اصل روپ کو زیادہ دیر تک مصلحتوں کے پردے میں چھپا سکتا تھا۔)

اس کے اندر کوئی جوار بھاٹا سا پکنے لگا تھا۔

طشت قریبی میز پہ ڈالا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا واپس ان کے سامنے آیا۔ پھر میز کے دونوں کناروں پہ ہاتھ رکھے اور ان کی طرف جھکا' یوں کہ چہرہ ان تینوں کے سامنے تھا۔

"میرا نام فاتح بن رامزل ہے۔ مجھے اللہ نے ہر طبقے میں سے گزار کے اس مقام تک پہنچایا ہے۔ میں نے رئیسوں کی دوستی بھی دیکھی ہے' اور شاہوں کے محلوں میں ان کے ساتھ بھی بیٹھا ہوں۔ میں اعلیٰ سواریوں میں بھی گھوما ہوں اور میں نے ملک ملک کی سیر بھی کی ہے۔ میں کسی کی امارت یا طاقت کے رعب میں نہیں آیا کرتا' نہ میں طاقتوروں کی دوستی کے چھن جانے سے خوفزدہ رہتا ہوں۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے قبریں کھودی ہوئی ہیں' مالک۔ مجھے ان چیزوں سے مت ڈراؤ جن سے فاتح نہیں ڈر سکتا۔ بھلے سامنے قاضی وقت ہو یا وزیرِ خزانہ' میں ملاکہ کے ان بے بس غلاموں کے حقوق کے لیے آخری سانس تک لڑتا رہوں گا۔" پھر سیدھا ہوا' ایک نظر ان تینوں کے دم سادھے چہروں پہ ڈالی اور مڑ گیا۔ پھر اندر جانے کی بجائے تیز تیز باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

وہ پیچھے سے کیا کہہ رہے تھے' اسے پرواہ نہ تھی۔ باہر آ کے گھاس پہ وہ رکا اور گہرے گہرے سانس لیے۔

دن ڈھل رہا تھا۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ چند گھوڑے باہر گھاس کے اس پار کھڑے تھے۔ کچھ لوگ ٹہل رہے تھے۔ ایسے میں وہ آسمان کا نارنجی پن دیکھنے لگا اور تب ہی..... نگاہ ہٹائی تو سامنے..... ایک سنگی پتھر پہ..... قہوہ خانے کے دروازے کے ساتھ..... ایڈم بیٹھا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں دستہ تھا اور دوسرے پتھر پہ دوات رکھے وہ قلم ڈبو ڈبو کے اس پہ کچھ لکھ رہا تھا۔

فاتح کو اپنی طرف دیکھتا پا کے ایڈم نے صرف ایک دفعہ نگاہ اٹھائی اور واپس اپنا کام کرنے لگا' جیسے وہ اسے جانتا ہی نہ ہو۔ وہ یقیناً فاتح سے ملنے آیا تھا مگر ماحول ایسا تھا کہ وہ مل نہیں سکتا تھا۔ اس لیے نظر انداز کیے بیٹھا رہا۔ مگر وان فاتح کے ذہن میں ایک دم جھکڑ سے چلنے لگے۔ یادوں میں جھما کہ سا ہوا اور کچھ یاد آیا.....

دو ڈھائی سال پہلے..... وہ کار میں بیٹھا لمبے سفر پہ جا رہا تھا..... ڈرائیور کار چلا رہا تھا اور وہ پچھلی نشست پہ بیٹھا' عینک لگائے' کتاب پڑھ رہا تھا جس کے سرورق کے اوپری حصے پہ "بنگا رایا ملایو" (ملایا کا پھول) اور نیچے "آدم بن محمد" لکھا تھا۔

صفحے پہ لکھی تحریر پڑھ کے وہ مسکرا رہا تھا.....

"اور یہ اسی ماہ کی بات ہے جب وانگ لی کے چائے خانے "جیا" میں.....

ہوئی ایک شام گرم بحثوں کی نذر.....

ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا رئیسوں اور قاضی کے خلاف...

اور کرنے لگا غلاموں کی حمایت...

جن کو قید کرتے تھے با اثر لوگ اغوا کر کے....

اور بولا وہ بھری محفل میں آواز بلند کر کے...

نہیں ڈرتا میں رئیسوں کی دوستی کے چھن جانے سے...

کیونکہ اللہ نے مطمئن کر رکھا ہے میرا نفس شاہوں کی دوستی سے...

گھوما ہوں میں اعلیٰ سواریوں میں، رہا ہوں میں اونچے محلوں میں...

پھرا ہوں میں ملک ملک، اپنے ہاتھوں سے کھودی ہیں میں نے قبریں...

تو نہ ڈراؤ مجھے ان چیزوں سے، جو مجھے خوفزدہ نہیں کرتیں...

لڑتا رہوں گا بے کس غلاموں کی آزادی کے لئے آخر دم تک۔

کیونکہ میں وانگ لی ہوں۔ سن باؤ تائی ژان۔

شاہ چین کا سب سے وفادار غلام!"

جیا کے باہر گھاس پہ کھڑے فاتح کو وہ الفاظ حرف بہ حرف یاد تھے۔

چند لمحے کے لئے وہ شاک میں چلا گیا۔ وانگ لی؟ یہ الفاظ کہنے والے کا نام کتاب میں وانگ لی کیوں تھا؟

یہ الفاظ وانگ لی نے تو نہیں کہے تھے۔

وہ دھیرے دھیرے چلتا ایڈم کے سر پہ آیا اور اس کے کاغذوں پہ نظر ڈالی۔ وہ تاریخ کی کتاب کو خوبصورت نثریہ نظم کی صورت لکھ رہا تھا۔ وہی الفاظ۔ وہی کلمات۔

"پھرا ہوں میں ملک ملک، اپنے ہاتھوں سے کھودی ہیں میں نے قبریں...

تو نہ ڈراؤ مجھے ان چیزوں سے، جو مجھے خوفزدہ نہیں کرتیں...

لڑتا رہوں گا بے کس غلاموں کی آزادی کے لئے آخر دم تک....

کیونکہ میں فاتح بن رامزل ہوں۔

ایک آزاد انسان!"

ایڈم نے آخری الفاظ تحریر کیے تو وہ ایک دم اس پہ جھپٹا اور اسے گریبان سے پکڑ کے دیوار سے لگایا۔ صفحات بکھر گئے۔ دوات الٹ گئی۔

ایڈم بوکھلا گیا۔

''یہ کیا لکھ رہے ہو تم؟'' اسے دیوار سے لگائے وہ غرایا۔ ''کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ؟''

''میں....میں اپنی کتاب لکھ رہا ہوں۔'' گردن دبوچے جانے کے باعث ایڈم کی آواز پھنسی پھنسی سی نکلی۔ ''ایمانداری....اور اور سچائی کے ساتھ۔''

''جھوٹ....تم جھوٹ بول رہے ہو۔ کیونکہ یہ نہیں لکھا تھا تم نے اس کتاب میں۔'' ایک جھٹکے سے اس نے گریبان چھوڑا اور صدمے بھری نظروں سے اسے دیکھتا پیچھے ہٹا۔ ''میں نے یہ کتاب پڑھی ہے۔ میں نے اتنے سال وہ کتاب پڑھی ہے۔ جو باتیں تم وانگ لی سے منسوب کرتے رہے ہو، وہ اس نے نہیں کہی تھیں۔''

ایڈم نے گریبان درست کیا۔ اردگرد متوجہ ہوئے لوگوں کو مسکرا کے ''سب ٹھیک ہے'' کا اشارہ کیا۔ اور جھک کے کاغذ سمیٹے۔ پھر سیدھا ہوا اور گہری سانس لے کر فاتح کو دیکھا جس کا چہرہ صدمے اور غصے سے بے رنگ ہو رہا تھا۔

''میں نے یہ کتاب نہیں پڑھی۔ میں اسے اب لکھ رہا ہوں۔ مگر میں اس میں کبھی بھی آپ کے الفاظ کو وانگ لی سے منسوب نہیں کر سکتا' سر۔'' دبی آواز میں وہ بولا تھا۔ ''میں اس کتاب کو پوری ایمانداری سے لکھوں گا۔ اور اگر بعد میں اسے کوئی تبدیل کر دے تو وہ الگ بات ہے مگر میں....ایسا....نہیں کروں گا۔''

مگر فاتح کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ دکھ اور ملال میں گھرا کھڑا تھا۔ اس کا ہر ایک سے اعتبار اٹھ سا رہا تھا۔

''آپ کو لگتا تھا کہ وانگ لی ان غلاموں کو آزاد کرائے گا؟ ہرگز نہیں۔'' اس نے تلخی سے کہتے نفی میں سر ہلایا۔ ''محل میں رہ کے یہ تو جان ہی گیا ہوں' سر...کہ اس سفارتکار کے اپنے ذاتی کارنامے جتنے بھی ہوں' وہ صرف شاہِ چین کا وفادار ہے۔ بنگارایا ملایو میں اگر اس کی کسی جدوجہد کا ذکر ملتا ہے تو ہو سکتا ہے کتاب غلط کہتی ہو۔ ہو سکتا ہے وہ جدوجہد دراصل کسی اور کی ہو۔''

''نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔ ''وانگ لی ایک تحریک چلائے گا۔ وہ ان غلاموں کو آزاد کروائے گا۔ مجھے تفصیلات نہیں معلوم مگر....وانگ لی...اسے ہی چلانی تھی تحریک...''

''شاید وہ سب وانگ لی نے نہ کیا ہو۔ شاید وہ سب آپ نے کیا ہو۔ مجھے نہیں معلوم وانگ لی کا نام کتاب میں کیوں ہے مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ وانگ لی وہ 'ہیرو' نہیں ہے جو آپ اسے سمجھتے ہیں۔ آپ اس کے فین ہیں اور اب آپ اس سے مایوس نظر آتے ہیں مگر سر... فینڈم تو صرف ایک بلبلہ ہے۔ ست رنگہ بلبلہ۔ لوگ اس بلبلے کی قید میں اڑتے چلتے جاتے ہیں اور جب یہ پھٹتا ہے تو وہ نیچے آ گرتے ہیں اور....ٹوٹ جاتے ہیں....مگر....''

وہ ٹھہرا اور اداسی سے مسکرایا۔ ''میں سوچتا ہوں' سر....کیا ٹوٹنا ضروری ہے؟ کیا مایوس ہونا لازم ہے؟ ان کے لئے ہمارا پیار تو خالص تھا نا۔ کیا ہوا جو وہ اتنے عظیم نہ تھے جتنا ہم ان کو سمجھتے تھے۔ ہم تو اپنی وفا میں سچے تھے نا۔''

فاتح کی آنکھوں میں کرچیاں سی چبھنے لگیں۔اس کے ہاتھ ڈھیلے ہو کے پہلو میں آگرے۔

''کبھی کبھی ہم پرستار ان شخصیات سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں جن سے ہم محبت کرتے ہیں۔اس لئے الوژن کے ٹوٹنے پہ ہمیں خود نہیں ٹوٹ جانا چاہیے۔''

جیا سے کچھ لوگ باہر نکل رہے تھے۔ایڈم کے لئے مزید رکنا محال تھا۔وہ جلدی سے اپنی چیزیں سمیٹتا اٹھا اور سر جھکائے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔وان فاتح اسے ملال سے جاتے دیکھتا رہا۔

''وہ سب وانگ لی نے نہیں کیا تھا' ڈیڈ۔'' آریانہ ایک دم کہیں سے آئی تو اس نے دکھی نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔سفید فراک میں ملبوس وہ سایے جیسی بچی دیوار سے لگی کھڑی تھی۔''آپ نے عرصے بعد اپنے اوپر بھروسہ چھوڑ کے کسی دوسرے پہ بھروسہ کرنا شروع کیا۔غلط کیا۔آپ کو اپنے سے امید لگانی تھی۔بھلے تاریخ کی کتابوں میں جو بھی لکھا ہو۔''

اس نے سر جھکا کے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔کیا یہ ہاتھ ان غلاموں کو نجات دلانے جا رہے تھے؟

کوئی اپنے اصل سے نہیں بھاگ سکتا۔پھر کیا ضرورت ہے بھاگنے کی؟

اس نے چہرہ اٹھایا اور 'جیا' کی عمارت کو دیکھا۔

ایک بات طے تھی۔وہ سب 'جیا' سے شروع ہوا تھا۔اسی چائے خانے سے۔مگر کیسے؟تفصیلات اس کتاب میں درج نہ تھیں۔اسے خود ہی کچھ سوچنا تھا۔

اس کی آنکھیں عمارت پہ جمی تھیں۔اور ذہن دھندلکوں میں پھنسا تھا۔

☆☆=========☆☆

سلطنت محل کے حرم میں خوشگوار سی صبح دھوپ سینک رہی تھی۔بائیں باغ میں گھاس کی ننھی پہاڑی تھی جس پہ کینوپی بنی تھی۔کینوپی کی چھتری تلے میز کرسیاں لگی تھیں۔وہاں ملکہ یان سوفو ٹیک لگائے گرم چائے سے گھونٹ گھونٹ پی رہی تھی۔سنہری تاج سر پہ رکھا تھا اور بالوں کا جوڑا بندھا تھا۔وہ نوجوان اور خوبصورت تھی مگر عہدے کا رعب اب شخصیت کا حصہ بن چکا تھا۔

دفعتاً وہ پیالی رکھ کے مسکراتی ہوئی سیدھی ہوئی۔نیچے نشیب سے کنیزوں کی معیت میں تالیہ چلی آ رہی تھی۔اوپر آ کے اس نے جھک کے تعظیم پیش کی۔

''ملکہ!''

یان سوفو نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔''آئیے شہزادی۔بیٹھیے۔''

تالیہ مسکرا کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھی۔نارنجی ریشمی میکسی میں ملبوس' ہیروں سے مرصع تاج پہنے وہ بالوں کو گھنگریالا کیے نکھری ہوئی لگ رہی تھی۔

''شہزادی تاشہ کی طرف سے تحفہ قبول کیجیے۔'' اس نے اشارہ کیا تو دو کنیزیں آگے آئیں اور ایک چوکور شے سامنے کی جس پہ کپڑا گرا تھا۔ کپڑا ہٹایا تو نیچے ایک تین فٹ اونچی اور دو فٹ چوڑی پینٹنگ تھی۔ تصویر دیکھتے ہی یان سوفو کے لب کھل گئے۔

وہ یان سوفو کا پورٹریٹ تھا۔ طرحدار سی مسکراتی ہوئی ملکہ۔

ہو بہو اصل کا عکس۔

یان سوفو کی آنکھوں میں ستائش ابھری۔ اس نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا جس نے سر کو پورا جھکا کے اٹھایا۔

''یہ میں نے بنایا ہے' ملکہ۔ آقا دیکھیں گے تو ان کو اچھا لگے گا۔ اس کو آقا کی خواب گاہ میں ہونا چاہیے۔''

''میں بہت متاثر ہوئی ہوں' تاشہ۔'' پھر کنیزوں کو اشارہ کیا۔ ''اس کو آقا کی طرف بھجوا دو۔''

وہ رخصت ہوئیں تو متاثر اور ممنون سی یان سوفو نے تالیہ کو دیکھا۔

''آپ کے اس فن سے ناآشنا تھی میں۔ یہ کہاں سے سیکھا آپ نے؟''

''جب میں یتیموں کی طرح ایک دور افتادہ قلعے میں بڑی ہوئی تھی تو یہ کام سیکھا تھا۔ آپ کو اچھا لگا' میری محنت وصول ہوگئی۔ اور یہ پہلی دفعہ نہیں ہے کہ میں نے کسی حکمران کی بیوی کی تصویر بنائی ہے۔ دوبارہ وہی کام کرنا اچھا لگا مجھے۔'' اسے کچھ یاد آیا تھا۔

چند لمحے دونوں کے بیچ خاموشی حائل ہوگئی۔ پھر یان سوفو کھنکھاری۔

''چین سے آج صبح اچھی خبر آئی ہے۔ گزشتہ ہفتے سے میرے بابا روبہ صحت ہیں۔ نظرِ بد کے تریاق کے پانی نے اپنا اثر کیا ہے۔ میں اس کے لئے آپ کی ممنون ہوں' شہزادی!''

''آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں' ملکہ۔ والد کا رشتہ کسی بیٹی کی سب سے بڑی طاقت اور سب سے بڑی کمزوری بن سکتا ہے۔''

یان سوفو غور سے اس کے چہرے کو دیکھنے لگی جس پہ اداسی گھل گئی تھی۔ ''آپ کی اپنے والد سے ناچاقی کس بات پہ ہے؟''

تالیہ نے پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرائی۔ ''وہ مجھے واپس نہیں بھیجنا چاہتے اور میں یہاں رہنا نہیں چاہتی۔''

پھر گردن موڑی تو دیکھا' نیچے سبزہ زار پہ ہرنوں کی جوڑی ٹہل رہی تھی۔ یونہی اسے اشعر کے قلعے کا لان یاد آیا۔ اور وہ ہرن.... اس نے سر جھٹکا۔ یان سوفو اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بغور دیکھ رہی تھی۔

''کچھ یاد آ گیا آپ کو شہزادی؟''

''میرا شہر... میرا گھر.... جہاں بہت سے لوگ ہیں جن سے میں دوبارہ ملنا چاہتی ہوں۔''

''تو مل آیئے نا۔ اس میں ایسا مسئلہ کیا ہے۔''

اس نے گہری سانس لے کر یان سوفو کو دیکھا۔ ''آپ نہیں سمجھ سکتیں۔ اگر ایک دفعہ وہاں چلی گئی تو واپس نہیں آسکوں گی' اسی لئے بابا مجھے جانے نہیں دے سکتے۔''

''واپس تو صرف ایک جگہ سے نہیں آیا جاتا' پتری تاشہ' (شہزادی تاشہ) اور وہ ہے تین چاند والا آسیب زدہ جزیرہ۔ اس کے علاوہ ہر جگہ سے واپسی ممکن ہے۔'' ملکہ نے مسکرا کے ناک سے مکھی اڑائی۔

''تین چاند والا جزیرہ؟'' وہ چونکی۔

''ہاں۔ ملایا کا وہ آسیب زدہ جزیرہ جس میں ساری کشتیاں اور جہاز ڈوب کے غائب ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اب وہاں کوئی نہیں جاتا۔''

تالیہ ہلکے سے ہنس دی۔ ''نہیں' ادھر نہیں۔ مجھے جہاں جانا ہے' وہ جگہ اتنی پر آسیب نہیں ہے جتنے پر اسرار وہاں کے لوگ ہیں۔ ٹھنڈے اور معاف نہ کرنے والے۔'' اس کا چہرہ پھر سے بجھ گیا۔ ملکہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''کیا وہ بھی ایسا ہے؟'' اس کے سوال نے خوشگوار صبح میں اداس نغمے گھول دیے۔ تالیہ گردن موڑ کے درختوں کو دیکھنے لگی۔

''وہی تو ایسا ہے۔ ایک چھوٹی سی غلطی پہ منہ موڑ لینے والا۔ معاف نہ کرنے والا۔ میں تو اسے ہر سرد مہری اور بے رخی کے لئے معاف کر دیتی تھی' ملکہ۔ پھر مجھے ندامت میں ڈال کے وہ میرے سارے اچھے کاموں پہ پانی کیوں پھیر دیتا ہے؟''

''ندامت میں یا شرمساری میں ڈال کے؟''

تالیہ نے اداس نگاہیں اس کی طرف موڑیں۔ ''دونوں میں کیا فرق ہے؟''

''بہت فرق ہے۔ ندامت کہتی ہے کہ میں نے غلطی کی ہے اور مجھے آئندہ نہیں کرنی۔ جبکہ شرمساری کہتی ہے کہ میں خود ایک غلطی ہوں' ایک ناکامی' ایک بربادی۔ ندامت اچھی چیز ہے' پتری تاشہ۔ مگر شرمساری تو جان لے لیتی ہے۔''

وہ بس ملکہ کا چہرہ دیکھے گئی۔ وہ کم عمر تھی' مگر جب نخوت اور بغض کے پردے دونوں کے درمیان سے چھٹے تو اندر سے ایک مخلص عورت نکل کے سامنے آئی تھی۔

''میں اپنی غلطی پہ نادم ہوں' یا شرمسار' مجھے کیسے علم ہوگا؟''

''اگر تم اپنے آپ کو ناپسند کرنے لگی ہو تو تم شرمسار ہو اور یہ مہلک رویہ ہے۔ میں شاہِ چین کی دختر ہوں' میں نے اعلیٰ پائے کے اساتذہ سے تربیت حاصل کی ہے۔ انہوں نے مجھے ہمیشہ سکھایا ہے کہ اپنی غلطیوں پہ ندامت اچھی چیز ہے' مگر شرمساری اور خود سے مایوسی انسان کو اس کی اپنی نظروں میں گرا دیتی ہے۔ اگر تم اپنی عزت نہیں کرو گی تو کبھی پر اعتماد اور آزاد انسان نہیں بن سکتیں۔''

''میں نے کسی کا اعتبار توڑا ہے۔ اب میں اپنی عزت کیسے کروں؟''

''ہوں۔'' ملکہ نے لمحے بھر کو سوچا۔ ''اپنی غلطی کو چھوٹا نہ سمجھو مگر پھر یہ بھی دیکھو کہ تم اس کو درست کرنے کی کوشش بھی کر رہی ہو۔ یہ کام بے حد صبر اور عزم و ہمت والا ہے۔ تمہیں اس جدوجہد پہ اپنی عزت کرنی چاہیے۔''

تالیہ جبراً مسکرائی اور سر اثبات میں ہلایا۔ ''میں کوشش کروں گی۔''

"کیا تم محبت کرتی ہو اس سے؟" وہ نرمی سے سوال کر رہی تھی۔

"محبت؟" وہ زخمی سا مسکرائی۔ "پتہ نہیں مگر یوں لگتا ہے جیسے ہم نے کئی زمانوں کا سفر ایک ساتھ کاٹا ہے۔ اس کے لئے جان دے بھی سکتی ہوں، اور لے بھی سکتی ہوں۔ اس سے ناراض ہوں مگر اس کے ساتھ وفادار ہوں۔ سچ پوچھیں تو دل سے صرف اسی کو 'تو انکو' بولتی ہوں۔ سلطان مرسل کو بھی اس دل سے "آقا" نہیں کہتی۔ یہ محبت تو نہیں ہوتی شاید۔"

ملکہ ہنس دی۔ پھر محظوظ انداز میں اسے دیکھا۔ "یہ محبت نہیں ہوتی تو اور کیا ہوتی ہے؟"

"شاید پرستار ہونا اسی کو کہتے ہیں۔"

"یہ پرستار کیا ہوتا ہے۔" ملکہ کے لئے لفظ نیا تھا، یا شاید اصطلاح۔

"آپ نہیں سمجھیں گی۔ یہ ہمارے شہر کے روگ ہیں۔ ہمارے زمانے والوں کو لگتے ہیں۔" اور دل میں دہرایا۔ (تالیہ دی فین گرل۔)

"تم اچھی باتیں کرتی ہو تاشہ۔ میرا نہیں خیال تمہارے یہ شہر چھوڑ جانے سے میں خوش ہوں گی۔ یہ بھی نہیں جانتی کہ اتنی جلدی میں اور تم اتنے قریب کیسے آ گئے۔"

تالیہ ہنس دی۔ کھلکھلا کے۔ بہت دل سے۔

"دنیا میں کوئی تعلق اتنا مخلص اور گہرا نہیں ہوتا جتنا ان دو عورتوں کا ہوتا ہے جن کا دشمن ایک ہی مرد ہو۔"

ملکہ بھی ہنس دی اور دلچسپی سے آگے ہوئی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ "میں تمہاری واپس جانے میں مدد کروں گی۔ تم میرے شوہر کو بنداہارا کے تسلط سے نکالنے کے لئے کیا کر سکتی ہو؟"

"ہمیں سلطان کا دل راجہ کی طرف سے کھٹا کرنا ہوگا۔ سلطان کا جس دن راجہ سے اعتبار ٹوٹا، اس دن راجہ کمزور ہو جائے گا۔ دوسرا...." وہ آگے ہوئی اور آواز دھیمی کی۔ "ہمیں راجہ کی دولت کا سراغ لگانا ہوگا۔ میری اطلاع کے مطابق راجہ اپنی دولت کہیں بھیج رہا ہے۔ اگر ہم اس دولت کو حاصل کر لیں تو راجہ کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ وہ میری اور آپ کی ہر بات ماننے پہ مجبور ہوگا۔ راجہ کی تیسری طاقت اس کے رئیس دوست ہیں، ہمیں ان رئیسوں کو خوش کرنا اور اعتماد میں لے کر اپنے ساتھ ملانا ہوگا۔ ہمارے پاس ان کو دینے کے لئے کچھ ایسا ہونا چاہیے جو راجہ کے پاس بھی نہ ہو۔ وہ ہمارے ساتھ آ ملیں تو راجہ تنہا رہ جائے گا۔"

"تم نفرت کرتی ہو راجہ سے؟"

"نہیں۔ میں ان کے لئے کچھ بھی محسوس نہیں کرتی' ملکہ۔ نہ وہ میری کمزوری ہیں' نہ طاقت۔ اور یہی میری سب سے بڑی طاقت ہے۔" وہ ر سان سے مسکرا کے بولی تو ملکہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

دنیا میں واقعی ایسا دوسرا کوئی تعلق نہ تھا۔

دو عورتیں ایک ہی مرد کے خلاف۔

الآمان۔

☆☆==========☆☆

"جیا" کے نیم اندھیر ہال میں موم بتیوں نے زرد پرفسوں روشنی پھیلا رکھی تھی۔مہمان مختلف کرسیوں پہ بیٹھے خوش گپیوں کے دوران چائے پی رہے تھے۔وہاں صرف چائے نہیں بلکہ کھانا بھی دیا جاتا تھا جو خالص چینی لوزمات پہ مبنی ہوتا تھا۔

فاتح سست روی سے قہوے سے بھری چینک اٹھائے ایک میز پہ آیا جہاں دو اور نگ اصلی نوجوان بیٹھے تھے۔ایک سن رہا تھا اور دوسرا نم آنکھیں پونچھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اور اس دن وہ مجھے چھوڑ کے چلی گئی۔میرے خط واپس آنے لگے۔ایک ہندوستانی تاجر اس کے گھر کے چکر لگانے لگا۔اور پھر....." وہ اشکبار سا اپنے ناکام عشق کی داستان سنا رہا تھا۔فاتح نے سپاٹ انداز میں چائے اس کی پیالی میں انڈیلی اور واز کے ساتھ چینک میز پہ رکھی

۔

"اتنی چائے نہیں منگوائی ہم نے۔صرف ایک پیالی منگوائی تھی۔" غم سننے والا ساتھی بگڑ کے بولا تو فاتح چونکا۔لبا ب بھری چینک کو دیکھا اور گہری سانس لی۔

"میں معذرت خواہ ہوں۔میرا دھیان کہیں اور تھا۔غلطی سے پوری کتیلی بنا دی۔" ناکام عاشق رومال سے ناک پونچھ رہا تھا' جبکہ اس کا دوست خفگی سے فاتح کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ یہ چائے پی لیں۔ہم اس کے پیسے نہیں لیں گے۔یہ لیجئے' آپ بھی پی لیجئے۔" اس نے ایک خالی پیالی دوست کے سامنے رکھی ۔دوست نے حیرت سے ابرو اٹھایا۔

"واقعی؟یہ مفت ہے؟"

"جی۔یہ جن خاص پھولوں کی چائے ہے'اس کی طلب 'جیا' کے کسی دوسرے مہمان کو نہیں۔اس لئے یہ کوئی اور نہیں پیئے گا۔آپ پی لیجئے۔" متانت سے کہتا پیچھے ہٹ گیا۔دوسرے لڑکے نے جلدی سے چائے پیالی میں انڈیلی اور پھر گھونٹ گھونٹ بھرتے ہوئے دلچسپی سے اپنے دوست کی داستان سننے لگا۔

"وہ گئی ہے تو لگتا ہے جسم کا کوئی حصہ کاٹ دیا گیا ہے۔میں بے کار ہو گیا ہوں۔دل چاہتا ہے ساری ساری رات اسی قہوہ خانے میں بیٹھا اسے یاد کرتا رہوں۔اس کے بارے میں نظمیں لکھتا رہوں۔" فاتح واپس جا رہا تھا جب ناکام عاشق کی آواز کانوں میں پڑی۔لمحے بھر کو وہ ٹھٹکا' پھر آگے بڑھ گیا۔

آستینیں پیچھے چڑھاتے وہ باورچی خانے میں آیا تو نگران باورچی نے بگڑ کے اسے دیکھا۔

"تمہارا دھیان کہاں ہوتا ہے' فاتح؟تم نے پوری چینک ضائع کر دی۔"

''چند پتے اور زیادہ پانی ہی تو لگا ہے۔ ویسے بھی جیا کا کاروبار مندا جا رہا ہے۔ روز کھانا بچ جاتا ہے اور ضائع کرنا پڑتا ہے۔ اچھا ہے وہ پی لیں گے۔ دل بڑا کر کھا کرو۔'' بے نیازی سے کہہ کے وہ دوسرا طشت اٹھائے باہر آ گیا۔ پیچھے دونوں باورچی اس کے بارے میں کچھ بول رہے تھے' اس نے پرواہ نہیں کی۔

وہ دونوں کنوارے میز پہ ہنوز بیٹھے تھے۔ عاشق داستانِ غم سنائے جا رہا تھا اور دوست تسلی سے سن رہا تھا۔ چینک آدھی ہو چکی تھی۔ پیالیاں بار بار بھری جا رہی تھیں۔ چینی کی چینک' اور قہوہ کی دھار انڈیلنے کی آواز....وہ کھڑا اس سارے منظر نامے کو دیکھ رہا تھا اور ایک اچھوتا خیال اس کے ذہن میں جڑ پکڑنے لگا تھا۔

''وہ ہر کھڑکی' ہر دروازے میں نظر آتی ہے۔ آسمان کے ہر تارے میں اس کا عکس ہے۔ ہر پھول میں اس کی خوشبو ہے۔'' رومال سے آنکھیں رگڑتا عاشق اب رک کے پیالی سے گھونٹ بھرنے لگا تھا۔

وان فاتح ہلکا سا مسکرایا۔

☆☆=========☆☆

سلطان مرسل شاہ کا دربار اس شام تنہا اور ویران پڑا تھا۔ عصر ڈوبنے لگی تو ساری موم بتیاں' مشعلیں اور دیے جلا دیے گئے۔ طویل دربار روشنیوں سے جگمگا اٹھا۔ مرسل شاہ اپنے تخت پہ بیٹھا' سامنے میز پہ پھیلی پینٹنگ دیکھ رہا تھا۔ ابرو ستائش سے اٹھے تھے' اور بار بار وہ 'واہ' واہ' کہہ اٹھتا۔

دربان نے دروازے کھولے اور تالیہ اندر داخل ہوئی تو دروازے بند کر دیے گئے ۔ دور سیدھ میں اونچے تخت پہ بیٹھے سلطان نے سر اٹھایا اور مسکرا کے اسے دیکھا۔

''آیئے' پتری تاشہ!'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ تالیہ نے ادب سے سر جھکا کے ''آقا'' کہا اور ریشمی لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے قدم قدم آگے آئی۔ چبوترے کے زینے چڑھی اور تخت کے ساتھ ایک مخملیں اسٹول پہ بیٹھی۔ پھر گھنگریالی لٹیں انگلی سے کندھے پہ پیچھے کیں اور سادگی سے مسکرا کے سلطان کا چہرہ دیکھا۔

''کیا آقا کو میرا کام پسند آیا؟''

''کام؟ یہ تو کوئی معجزہ ہے جیسے۔'' وہ سر دھن رہا تھا۔ سر پہ ہیروں جواہرات سے مرصع ٹوپی پہنے' اور کندھوں پہ زرتار سنہری قبا اوڑھے' وہ اپنا انگوٹھیوں والا ہاتھ تعریفی انداز میں بلند کیے ہوئے تھا۔

''یوں لگتا ہے ملکہ کو اس تصویر میں قید کر دیا گیا ہو۔''

''ملکہ کا یہ مقام نہیں کہ ان کو قید کیا جائے۔ ہم تو صرف ان کے عکس کو قید کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں۔''

مرسل نے گردن موڑ کے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''یہ فن کہاں سے سیکھا آپ نے؟''

"آزاد انسان کی ہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ پنچھی کی طرح ہر ملک کی فضا میں اڑتا پھرتا ہے۔ اور بہت کچھ سیکھ لیتا ہے۔ مجھے فضائیں پسند ہیں آقا۔ یہ محل کے اونچے گنبد نہیں' جو قید کر لیتے ہیں۔"

مرسل نے گال تلے تین انگلیاں رکھیں اور دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔

"تو کیا ہم سب قید ہیں؟"

"اتنے آزاد بھی نہیں ہیں۔ مگر آپ کی بھی مجبوری ہے۔" وہ سرخ آنسو والی انگوٹھی کو انگلی سے گھماتی سادگی سے بولی۔ "بنداہارا کی ہر بات آپ کو ماننی پڑتی ہے۔"

"راجہ مراد کے احسان ہیں مجھ پہ۔ اس نے میرے لئے بہت کچھ کیا ہے۔"

"تو کیا وہ سب احسان میں کیا تھا انہوں نے؟" تالیہ کی آنکھیں مصنوعی حیرت سے پھیلیں۔ "میں تو سمجھی.... آقا کی محبت اور وفاداری میں کیا تھا۔"

مرسل یکدم گم صم ہو گیا۔ جیسے چونک گیا ہو۔ پھر تالیہ نے کندھے اچکائے۔

"مگر میں ٹھہری آقا کی ایک ادنیٰ کنیز.... مجھے ان باتوں کی کیا سمجھ۔ یقیناً آقا بہتر جانتے ہوں گے۔"

وہ چند ثانیے اسے دیکھتا رہا۔ کسی کھڑکی سے ہوا کا جھونکا آیا۔ دربار کی موم بتیوں کے شعلے ہلکے سے ٹمٹمائے۔

"میں آپ کو اپنے حرم میں لانے جا رہا ہوں' پتری تاشہ!"

وہ جو اپنی دانست میں دانائی سے چوٹ کر کے اٹھنے لگی تھی' لمحے بھر کو پتھر ہو گئی۔ چونک کے اسے دیکھا۔

"جی؟"

"اول درجے کی 'خاتون' بنا کر میں آپ کو.... اپنے حرم میں.... لانے جا رہا ہوں' شہزادی۔" وہ خوشگوار انداز میں بتا رہا تھا اور اس کی رنگت پیلی پڑنے لگی تھی۔ "ویسے بھی سلطان کی بیوی اور خاتون کا انتظام اور شادی کے معاملات طے کرنے کا اختیار ایک شخص کو ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے ملاکہ سلطنت کا بنداہارا۔ اور مجھے یقین ہے راجہ مراد کو اس بندھن پہ اعتراض نہیں ہو گا۔"

وہ بہت اطمینان اور خوشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ "آپ کو میرے حرم میں ہونا چاہیے۔ میرے ساتھ۔ میرے ہر فیصلے میں۔ میں ایک طاقتور اور آزاد سلطان بننا چاہتا ہوں شہزادی' مجھے یقین ہے آپ میری مدد کریں گی۔"

سلطان پر اعتماد تھا۔ تخت پہ بیٹھ کے تاج پہن کے مرد پر اعتماد ہو ہی جاتے ہیں۔ انکار کی تو گنجائش ہی نہیں تھی۔

تالیہ پھیکا سا مسکرائی۔ پھر ذرا کھنکھاری۔ "میری طبیعت آج کچھ ناساز ہے۔ ٹھنڈ پڑ رہی ہے۔ مجھے اجازت دیجئے آقا۔ پھر حاضر ہوں گی۔ اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔ مسکراہٹ برقرار تھی۔ مرسل نے سر کو خم دیا اور اسے اجازت دی۔

وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹتی گئی اور پھر مڑی۔ جیسے ہی پلٹی' تاثرات بدلے۔ چہرے پہ غصہ در آیا۔ کان سرخ ہوئے۔ وہ طویل دربار میں تیز

تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔تنفس مارے جذبات کے تیز ہوتا جا رہا تھا۔

''واہ.... آفرین....'' مرسل اب پھر سے بے حد دلچسپی سے اس پینٹنگ کو دیکھ رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

فجر کی اذان قدیم ملاکہ کی کسی مسجد سے گونجتی گردونواح میں پھیل رہی تھی۔سن باؤ کے صحن میں تاروں بھرا آسمان نظر آ رہا تھا۔برآمدے میں آرام کرسی پہ وہ سو رہا تھا۔اوپر کمبل تھا جیسے کسی نے بعد میں ڈالا ہو۔میز پہ رکھا دیا بجھا تھا اور ایک کتاب آدھی کھلی پڑی تھی۔

اذان کی آواز پہ وانگ لی کی آنکھ کھلی۔ذرا سا کسمایا اور آنکھیں ملتا اٹھ بیٹھا۔پھر چونک کے اپنے اوپر پڑا لحاف دیکھا۔ادھر ادھر گردن گھمائی۔

''فاتح۔'' آواز دی۔

وہ صحن کے کونے میں گھڑے کے پانی سے جھک کے وضو کر رہا تھا۔چہرہ اور بازو گیلے تھے۔پاؤں اب دھو رہا تھا۔آواز پہ آخری دفعہ پانی بہایا اور ''جی مالک'' کہتا گھڑا رکھتا اس طرف گھوما۔پھر قدم قدم چلتا برآمدے تک آیا۔اندھیر برآمدے میں تاروں بھرے آسمان تلے کھڑا غلام جس کے ہاتھ منہ گیلے تھے' بہت سادگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔وانگ لی نے گہری سانس لی۔

''تم کیا مجھ سے خفا ہو فاتح؟''

وہ ہلکا سا مسکرایا اور نفی میں سر ہلایا۔''میں زیادہ دیر خفا نہیں رہتا مالک اور آپ کی کوئی غلطی نہیں۔میری توقعات غلط تھیں۔''

پھولے گالوں والے وانگ لی کے معصوم صورت چہرے پہ اداسی گھل گئی۔''شاید میں اتنا عظیم نہ تھا جتنا تم مجھے سمجھتے تھے۔''

اس کی آواز کی اداسی صحن کی سرخ اینٹوں سے ٹکرا کے درختوں کی شاخوں سے لپٹنے لگی۔

''نہیں' مالک۔آپ صرف مختلف تھے۔ہر انسان دوسرے سے مختلف ہوتا ہے مگر ہر کوئی خاص ہوتا ہے۔ہم جب خود کو نہیں بدل سکتے تو دوسروں کو کیسے بدل سکتے ہیں۔ہمیں صرف دوسروں کو قبول کرنا ہوتا ہے۔''

''تو تم نے مجھے قبول کر لیا ہے؟''

''قبول کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ میں آپ کو آپ کی خامیوں کا احساس نہ دلائیں۔اصلاح کی ضرورت ہر انسان کو ہر وقت ہوتی ہے۔''

وہ اب گیلی آستینیں واپس موڑ رہا تھا۔سینے پہ کمبل ڈالے بیٹھے وانگ لی نے تکان سے گہری سانس لی۔

''میں جانتا ہوں۔تمہارے نزدیک میری خامی یہ ہے کہ میں غلاموں کے حقوق کے لئے نہیں لڑتا۔''

''نہیں۔آپ کی خامی یہ ہے کہ آپ فضول خرچ ہیں۔''

وانگ لی کو اسکی توقع نہیں تھی۔وہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''غلاموں کو بھول جائیے۔اپنی فکر کیجیے۔آپ نے ایک غلام کی ہزاروں دینار میں بولی لگائی۔کیا ضرورت تھی اس کی جب کہ آپ اتنے

امیر نہیں ہیں۔'جیا' مسلسل نقصان میں جارہا ہے۔آپ کو اپنے کاروبار کو واپس پیروں پہ کھڑا کرنا ہوگا۔''

''میرے بہت سے کاروبار ہیں مگر ہاں.... میں جیا کے لئے فکرمند رہتا ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے ہولے ہولے کرسی پہ جھولنے لگا۔رات کی مقدس خاموشی میں ہلکی ہلکی آواز پیدا ہوئی۔

''میرے پاس ایک طریقہ ہے جیا کو اپنے قدموں پہ کھڑا کرنے کا۔اگر آپ کو مجھ پہ ذرا سا بھی بھروسہ ہے تو اس پہ عمل کر کے دیکھیے۔''

وہ آگے آیا اور احتیاط سے وانگ لی کا چہرہ دیکھتے اس کے قدموں کے قریب بیٹھا۔جیسے غلام بیٹھتے ہیں۔مگر گردن اور نگاہیں اٹھی ہوئی تھیں۔وہ انہیں نہیں جھکاتا تھا۔

''کیا؟''

''ہم منادی کرادیتے ہیں کہ جیا میں کنوارے مردوں کو کھانا اور چائے مفت ملے گی۔''

''ایں؟'' وانگ لی ہڑبڑا کے سیدھا ہوا۔''ہم کیوں کسی کو مفت کھانا دیں؟''

''روز کتنا کھانا ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ لوگ دوسرے دونوں چائے خانوں کا رخ کر لیتے ہیں۔جیا سنسان ہوتا جا رہا ہے۔لوگ دوسری دکانوں میں اس لئے جاتے ہیں کیونکہ وہ بھری ہوتی ہیں۔انسان بھیڑ چال کا رسیا ہے۔وہ دوسروں کی پیروی کرتا ہے۔دکان میں ہجوم دیکھ کے سب کو اشتیاق ہوتا ہے کہ وہاں جانا چاہیے۔ہم بھی ایسا ہجوم اکٹھا کر سکتے ہیں۔''

''مفت کھانے کے لالچ میں تو سارے شہر کے مرد آجائیں گے'فاتح۔یہ تو سراسر نقصان ہے۔'' وہ متذبذب تھا۔

''مگر ہجوم تو لگے گا نا۔اور ان کی دیکھا دیکھی شادی شدہ مرد عورتیں سب آئیں گے اور پیسے دیں گے۔ویسے بھی کنوارے زیادہ تر ناکام عاشق ہوتے ہیں۔چائے پہ خوش ہوتے ہیں۔گھنٹوں باتیں کرتے ہیں۔اتنا زیادہ نہیں کھا سکتے وہ۔'' وہ اس کے گھٹنوں کے پاس بیٹھا آہستہ آہستہ بتا رہا تھا۔

وانگ لی توجہ سے سن رہا تھا۔اسے یہ خیال بھلا معلوم ہونے لگا تھا۔

اسے نہیں معلوم تھا کہ سب سے زیادہ کنوارے مرد جس ایک طبقے میں ہوتے ہیں'وہ غلاموں کا طبقہ ہوتا ہے۔

☆☆=========☆☆

دوپہر چمکیلی تھی اور آسمان بادلوں سے بالکل صاف تھا۔'جیا' چائے خانے کے اندر ہجوم لگا تھا۔باہر سبزے پہ کچھ لوگ اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔اندر میزیں کھچا کھچ بھری تھیں۔ایسے میں دو چغہ پوش چوکھٹ سے اندر داخل ہوئے تو مرکزی ہال میں کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی تھی۔دھوئیں اڑ رہے تھے اور خوش گپیوں کی آوازیں مل کر شور صورت بلند ہو رہی تھیں۔غرض'جیا' میں رونق لگی تھی۔

ایک چغہ پوش نے دوسرے کے قریب سرگوشی کی۔''یہاں اتنا رش کیوں ہے'ایڈم؟''

دوسرا قریب کھسکا اور بولا۔''کیونکہ اس چائے خانے کے مالک نے تمام کنوارے مردوں کے لئے کھانا اور چائے مفت کر دی ہے'چے

تالیہ۔ تین دن میں اس چائے خانے کی رونق بحال ہوگئی ہے۔"

"تو ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔"

"کیونکہ میں کنوارہ ہوں' اور آپ کی مہربانی سے جو میری شادی ہونے والی تھی' وہ وقت کی قید کے باعث نہیں ہو پائے گی۔ اس لئے مجھے اب یہاں سے مفت دال روٹی توڑنے دیجئے' شہزادی۔"

"ارے واہ۔ میں نے کیا کیا تھا؟ تمہیں ہی شوق تھا میرے خزانے کے ایڈونچر کو خراب کرنے کا۔" وہ اس کے ساتھ سیڑھیوں کی طرف بڑھتی کہے جا رہی تھی۔ گول زینے اوپر جاتے تھے اور وہاں ایک چھوٹا ہال بنا تھا۔ "تمہیں اور مجھے وہ خزانہ ڈھونڈنا تھا' اور تم نے کیا کیا' ہاں؟"

"میں نے کیا کیا؟" وہ اوپر آئے اور آگے پیچھے ایک میز کی طرف بڑھے۔

"تم نے جا کر چابی اور سکہ وان فاتح کو دے دیا' اور انہوں نے وہ دروازہ کھول دیا۔ تم اپنی وجہ سے کنوارے ہو' اچھا۔" اس نے ایک کرسی کھینچی اور اسے دبی آواز میں جھڑکتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "تمہارا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ جو بات میرے اور تمہارے درمیان تھی' تم اس میں وان فاتح کو لے آئے۔ تم ہر دفعہ ان کو بیچ میں لے آتے ہو۔"

میز پہ ہلکا سا ہاتھ مارا اور بات مکمل کر کے چہرہ موڑا تو....میز کے اس طرف کرسی پہ وہ بیٹھا تھا۔

تالیہ کا سانس تھم گیا۔

سفید کرتے پاجامے میں ملبوس' ٹیک لگائے' گہری سپاٹ نظروں سے تالیہ کو دیکھتا ہوا۔

تالیہ نے فوراً ایڈم کو دیکھا جو تیسری کرسی کھینچ کے بیٹھ رہا تھا۔

"یہ یہاں کیسے؟ یہ تو سن باؤ کے گھر..." پھر چونک کے اطراف میں دیکھا۔ دیواروں پہ سرخ رنگ کی سجاوٹ....چینی زبان میں لکھے بینرز۔ اس نے گہری سانس کھینچی اور خفگی سے ایڈم کو دیکھا۔

"تو یہ چائے خانہ سن باؤ کا ہے۔" ساتھ ہی خفگی سے رخ ذرا موڑ لیا۔ ٹوپی سر پہ تھی مگر اس کے ہالے میں دمکتا چہرہ اور تمتماتے گلابی ہوتے گال صاف دکھائی دے رہے تھے۔

"میں چاہتا تھا ہم تینوں مل کے بیٹھ کے باتیں کر لیں اور مستقبل کا..." ایڈم نے قدرے نرمی سے بات سنبھالنی چاہی مگر....

"اسے میں نے کہا تھا تمہیں یہاں بلانے کو۔" وہ سنجیدگی سے ہاتھ میز پہ رکھتے سامنے کو جھکا۔ تالیہ نے خفا خفا سا چہرہ اس کی طرف موڑا۔

"اور آپ کیوں ایک بددیانت' جھوٹی لڑکی سے ملنا چاہتے تھے؟ اس سچے' اور عظیم نئے دوست کے پاس کیوں نہیں بیٹھتے جس کے لئے آپ نے ہمیں چھوڑا تھا۔"

''میں نے کسی کو نہیں چھوڑا۔تم نے ایک غلطی کی' اور تم اس کو جسٹی فائی نہیں کر سکتیں۔ جہاں تک وانگ لی کا تعلق ہے تو میں اس سے جن کاموں کی توقع کر رہا تھا' وہ اس کے بس کی بات نہیں ہیں۔اب اگر تم ہماری ذاتی رنجشوں کو پسِ پشت ڈال دو تو ہم کام کی بات کر لیں۔'' وہ غصے میں نہیں تھا۔وہ بس دوٹوک' بے تاثر سا کہہ رہا تھا۔تالیہ نے رک کے اسے دیکھا۔

اس کے بال چھوٹے تھے۔قلموں سے کچھ سفید بھی تھے۔شیو تازہ بنا رکھی تھی' اور چہرہ پہلے سے تر و تازہ لگتا تھا۔بالآخر اسے ملاکہ کا پانی راس آ گیا تھا اور وہ روبہ صحت تھا۔البتہ اس کی آنکھوں کی سنجیدگی اور فکرمندی پہلے سے مختلف تھی۔نہ جانے کیوں وہ نرم پڑنے لگی۔

''کہیے تو انکو۔میں سن رہی ہوں۔'' خفگی ختم نہیں کی' مگر کم کر دی۔ایڈم نے سکون کا سانس لیا ۔تالیہ اور فاتح آمنے سامنے بیٹھے تھے اور ایڈم ان کے ایک طرف۔تکون صورت وہ میز پہ جھکے تھے۔ارد گرد میزوں پہ چند لوگ کھانے اور خوش گپیوں میں مصروف نظر آتے تھے۔کوئی یہاں خاص متوجہ نہ تھا۔

''ہمیں جلد از جلد وہ چابی ڈھونڈ کے اس جگہ سے نکلنا ہے تاکہ آپ لوگ اپنے اپنے کام کریں اور میری شادی ہو سکے۔'' وہ عرصے بعد اتنا مغموم اور بے چین نظر آ رہا تھا۔جیا کے سارے کنوارے مردوں کو دیکھ کے اس کے پرانے زخم جاگ گئے تھے۔

''ایڈم کا کہنا ہے کہ راجہ مراد اپنی دولت کو کہیں منتقل کر رہا ہے۔'' فاتح نے سنجیدگی سے تالیہ کو مخاطب کیا۔

''لگتا تو یہی ہے۔مگر کہاں' ہم نہیں جانتے۔'' اس کا انداز ہنوز لیا دیا سا تھا۔

''اور یہ دولت آ کہاں سے رہی ہے؟ راجہ کا کوئی کاروبار' کوئی جائیداد نہیں ہے۔جب اس کو محل سے نکالا گیا تھا پچھلے سلطان کے عہد میں تو وہ کنگال تھا۔تبھی تو الور سونگائی کے ایک خستہ حال مکان میں جا بسا تھا۔مجھے یہ سب وانگ لی نے بتایا ہے۔''

''یہ دولت ان کو ابوالخیر کی طرف سے ملتی ہے۔مگر وہ اسے کہیں اور منتقل کیوں کر رہے ہیں' یہ مجھے سمجھ نہیں آئی۔''

فاتح نے کہنیاں میز پہ رکھے اس کو غور سے دیکھا۔

''تم ہی تو کہتی ہو کہ فضا میں شامل Cesium کے علاوہ کوئی شے مختلف نہیں ہے ہماری اور ان کی دنیا میں۔''

''تو؟'' (ایڈم احتجاج کرنے لگا مگر کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔''یہ میری لائن تھی۔'')

''تو ہماری دنیا میں بھی تو یہ کام ہوتے ہیں۔اس کو منی لانڈرنگ بولتے ہیں۔''

''منی لانڈرنگ! اوہ۔'' اس نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔

''بے تالیہ تو ماشاءاللہ لوٹنے اور چوری چکاری کی فیلڈ سے تعلق رکھتی ہیں' اس لئے ان کا علم لامحدود ہو گا' مگر میں سچی بات ہے کہ ابھی تک ٹھیک سے نہیں جانتا کہ منی لانڈرنگ کیا ہوتی ہے۔''

''کیوں؟ تم نے کبھی اس موضوع پہ کوئی کتاب نہیں پڑھی کیا؟'' وہ چمک کے بولی۔جواب میں ایڈم نے منہ بنایا تھا۔

''سادہ سی بات ہے۔جب کوئی آدمی بینک میں پیسہ رکھوانے جاتا ہے تو بینک اس سے پوچھتا ہے کہ یہ پیسہ کہاں سے آیا ہے؟ کیسے کمایا

ہے؟اس کی رسیدیں دکھاؤ۔" وہ رخ موڑ کے ایڈم کو سمجھانے لگا۔ ایڈم تالیہ کی بڑبڑاہٹ کو نظرانداز کیے سننے لگا۔

"تو حلال کمائی والے رسیدیں دکھا دیتے ہیں۔ مگر نا جائز طریقے سے پیسہ بنانے والے رسیدیں نہیں دکھا سکتے' سو وہ اس پیسے کو اپنے ملک میں نہیں' بلکہ فیشن ایبل خوبصورت لڑکیوں کے بیگز میں بھر کے دوسرے ملکوں میں بھیج دیتے ہیں۔ کیونکہ خوبصورت لڑکیوں کے بیگز کی ائیرپورٹ پہ تلاشی کم کم لی جاتی ہے۔ اس کو پیسے کو آف شیور اکاؤنٹ میں رکھنا کہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ آف شیور کمپنی بناتے ہیں جو ایک کھوکھلی کمپنی ہوتی ہے۔ بس یہ جان لو کہ ہر ملک پوچھتا ہے کہ پیسہ کہاں سے آیا۔ سوائے چند ایک ملکوں کے۔"

وہ عرصے بعد ایڈم کو اپنا مخلص' اور سادہ لیڈر لگا تھا جو اسے آسان زبان میں کچھ سمجھا رہا تھا۔

"کون سے ملک؟"

"ہانگ کانگ اور پانامہ۔"

"یہ ملک کیوں نہیں پوچھتے کہ پیسہ حلال کا ہے یا حرام کا؟" وہ حیران ہوا۔

"یہ غریب جزیرے تھے۔ ان کے پاس کچھ ایسا نہ تھا جو لوگ یہاں سرمایہ کاری کرتے۔ جس ملک میں بھی لوگ آ کر پیسہ بینکوں میں جمع کراتے ہیں' وہ ملک امیر ہو جاتا ہے سو ان ملکوں نے دنیا کو یہ کہہ دیا کہ ہمارے بینکوں میں پیسہ محفوظ کرو' ہمارے ہاں آف شیور کمپنیاں رجسٹرڈ کرواؤ' ہم پیسے کا ذریعہ نہیں پوچھیں گے۔"

"اوہ' یعنی اس طرح سارے کرپٹ لوگ اپنا کالا دھن پانامہ اور ہانگ کانگ اور سوئس بینکوں میں بھرنے لگے۔ کیونکہ وہاں کوئی ان سے سوال نہیں کرتا تھا۔" ایڈم کو سمجھ آ گیا تھا۔

"اور پیسے کو ملک سے چوری چھپے نکال کے آف شیور میں محفوظ کرنا منی لانڈرنگ ہوتا ہے۔ یہ پہلے صندوقوں میں بھر کے ہوتا تھا۔ اب بیگز میں ڈال کے۔"

"ڈیٹس اِٹ۔ آف شیور!" تالیہ نے ایک دم میز پہ ہاتھ مارا تو وہ دونوں اسے دیکھنے لگے۔

"آف شور کا کیا مطلب ہے بھلا؟" وہ دبی آواز میں چمکتی آنکھوں سے گویا ہوئی۔ "ساحل سے دور.... سمندر کی طرف کسی شے کو رکھنا۔ سمندر کے اندر جزیروں میں چھپانا۔ یہ پانامہ' ہانگ کانگ' برٹش ورجن آئی لینڈز' یہ سب جزیرے ہیں۔ ہے نا۔"

"ہاں تو؟"

"تو ہو سکتا ہے اس قدیم زمانے میں بھی ایسے ہی کیا جاتا ہو۔ خزانوں کو صندوقوں میں بھر کے کسی ایسے جزیزے پہ لے جایا جاتا ہو جہاں کوئی اس دولت کے بارے میں سوال نہیں کر سکتا۔ اس چھوٹے خالی صندوق میں ریت کے ذرے پھنسے تھے۔ اسے ساحل پہ گھسیٹا گیا تھا۔ وہ نم تھا۔ اسے کشتی میں لاد کے لے جایا گیا تھا۔ راجہ مراد اس دن کشتی تیار کرنے کا حکم دے رہا تھا۔ ڈیٹس اِٹ۔" وہ ناراضی بھلائے جوش سے کہہ رہی تھی۔ "راجہ وہ سب ایک جزیرے پہ بھیجتا ہے۔"

"مگر ملایا میں سینکڑوں جزیرے ہیں۔ ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ وہ کون سا جزیرہ ہے' چے تالیہ۔"

"مجھے معلوم ہے۔" وہ چہکی۔ "ملکہ یان سوفو نے ایک Haunted جزیرے کا ذکر کیا ہے جس سے کوئی پلٹ کے نہیں آتا۔ تین چاند والا جزیرہ۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا تھا۔ یقیناً وہیں کچھ چھپا ہے۔"

"جہاں ملتے ہیں تین چاند۔" ایڈم بڑبڑایا۔ "میں نے کتب خانے کی کتابوں میں اس کے بارے میں پڑھا ہے۔ وہ آسیب زدہ ہے اور وہاں سارے جہاز ڈوب جاتے ہیں اس لیے وہاں کوئی نہیں جاتا۔"

"شاید یہ صرف باتیں ہوں۔ عام لوگوں کو اس سے دور رکھنے کے لئے۔" وہ پر جوش سی باری باری دونوں کے چہروں کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔ "مجھے معلوم ہے اب مجھے کیا کرنا ہے۔"

"کیا؟" فاتح نے ٹیک لگائی اور غور سے اسے دیکھا۔ تالیہ نے جواب میں بے نیازی سے نظریں اس کی طرف موڑیں۔

"میں یہ بتانے کی پابند نہیں ہوں' تو انکو۔"

"اور وہ کیوں؟" اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

وہ اٹھی' میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کے جھکی' اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "کیونکہ میرا الوژن ٹوٹ چکا ہے۔ کیونکہ میں اب.... کسی کے پیچھے بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ جب انسان اپنے آپ کو عزت دینے لگ جائے تو اسے کسی اپر وول کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں آزاد ہو چکی ہوں۔ میں نے خود سے وعدہ لیا ہے کہ اب اچھے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولوں گی' دھوکہ نہیں دوں گی' اور میں اس وعدے کے لئے صرف اپنے آپ کو جواب دہ ہوں' کسی دوسرے انسان کو نہیں۔ تالیہ دی فین گرل کے ایل میں رہ گئی ہے' تو انکو.... اور جو یہاں ہے' وہ آپ کی عزت کرتی ہے' مگر وہ 'ذہنی غلام' نہیں ہے۔ کسی کے فین ہونے کا مطلب اپنی رائے کو اس کی رائے کا غلام بنا دینا نہیں ہے۔ بعض اوقات ہم پرستار اپنی محبوب شخصیات سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔"

اس نے چغہ جھٹکا' سیدھی ہوئی اور ایک جتاتی نظر اس پہ ڈالتی مڑ گئی۔ آخری بات پہ فاتح نے چونک کے ایڈم کو دیکھا جس نے خجالت سے سر کھجایا تھا۔

"مجھے ہر بات شہزادی کو بتانی پڑتی ہے' ورنہ وہ میرا دایاں ہاتھ کٹوا سکتی ہے۔ دایاں!"

تالیہ اب دھپ دھپ زینے اتر رہی تھی۔ فاتح نے جواب نہیں دیا۔ بس خاموشی سے پیچھے ہو کے بیٹھا۔

"چلو اچھا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ اب وہ جھوٹ نہیں بولے گی۔" اس نے تالیہ کی بات کا اثر زائل کرنا چاہا۔

"انہوں نے کہا ہے کہ اچھے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولیں گی۔ اب یہ تو چے تالیہ ہی بتا سکتی ہیں کہ اچھے لوگوں میں ہم شامل ہیں یا نہیں۔ ان کا ویسے بھی کچھ نہیں پتہ۔ کل کو کہہ دیں ساری دنیا میں کوئی اچھا نہیں ہے۔"

فاتح نے گردن موڑ کے کام کرتے بیروں کو دیکھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ "تم اپنا کام کرو اور چوکنے رہو۔ کل ملتے ہیں۔ باورچی اوپر آنے

والا ہوگا۔‘‘ پھر وہ آگے بڑھ گیا۔

’’سر!‘‘ وہ کھڑا ہوا اور قدرے سنجیدگی سے پکارا۔ وہ جاتے جاتے رکا اور پلٹ کے اسے دیکھا۔

’’کوئی بات ہے؟‘‘

’’چے تالیہ نے مجھے بتایا ہے کہ سلطان مرسل.....ان کو.... (تھوک نگلی) اپنے حرم میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ اور جلد ہی وہ راجہ سے بات کرنے والے ہیں۔‘‘ اس نے نظریں جھکا لیں۔ ’’میں چاہتا تھا کہ آپ کو علم ہو کہ آگے کیا ہونے جا رہا ہے۔ انہوں نے مجھے آپ کو بتانے سے منع کیا تھا۔‘‘

فاتح بن رامزل کے کان سرخ پڑے۔ پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

’’ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ سنا تم نے؟ اپنی شہزادی سے کہو' سلطان سے دور رہے۔‘‘ وہ ایک دم اتنے غصے سے بولا کہ خود بھی ٹھٹک گیا۔ ایڈم نے نظر اٹھا کے خاموشی سے اسے دیکھا اور سر کو خم دیا۔

’’وہ اپنے فیصلوں میں آزاد ہیں۔ وہ ملاکہ کی شہزادی ہیں۔ میں یا آپ یہ بات ان کو کس حیثیت سے کہہ سکتے ہیں' سر؟‘‘ یہ سوال نہیں تھا۔ تبصرہ تھا۔ کہہ کے وہ رکا نہیں۔ چغے کی ٹوپی درست کی اور مڑ گیا۔

فاتح مٹھیاں بھینچ کے رہ گیا۔ اسے کچھ بہت برا لگ رہا تھا۔ سخت ناگوار۔ بے بسی کا عجیب احساس۔

☆☆==========☆☆

راجہ مراد کی خواب گاہ کے اندر قندیلیں جل رہی تھیں۔ سارے میں زرد روشنی پھیلی تھی۔ راجہ میز پہ جھکا بیٹھا ایک ننھے ہتھوڑے سے لکڑی کے ٹکڑوں میں میخیں ٹھونک رہا تھا۔ ماتھے پہ سرخ پٹی بندھی تھی اور بال پونی میں جکڑے تھے۔ نیچے سیاہ کرتا پاجامہ تھا۔ یہ اس کے آرام کا وقت تھا۔

آہٹ ہوئی تو اس نے سر اٹھایا۔ پھر مسکرایا۔ سامنے تالیہ کھڑی تھی۔ شہزادیوں والے لباس میں' تاج اور زیور پہنے' وہ سنگھار کیے مسکرا رہی تھی۔

’’آؤ تالیہ۔ بہت دیر لگائی آنے میں۔ سنا ہے آج کل تم شہر کی سیر کو نکلی رہتی ہو۔‘‘

’’مجھے بھیس بدل کے لوگوں کے حالات معلوم کرنا اچھا لگتا ہے۔‘‘ وہ مسکرا کے کہتی قریب آئی اور میز کے کنارے رکی۔ راجہ کے ہاتھوں پہ نظر ڈالی تو ٹھٹکی۔ اس نے ننھی لکڑی کی کشتی پکڑ رکھی تھی۔ جس کو وہ مہارت سے جوڑ رہا تھا۔ چند اوزار اور لکڑی کے ٹکڑے سامنے پھیلے تھے۔

’’یہ شوق بھی رکھتے ہیں آپ؟‘‘

’’شکار بازوں کے شوق وسیع ہوتے ہیں۔ بیٹھو۔ مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔‘‘

تالیہ ذرا سی چونکی مگر پھر سنبھل کے بیٹھ گئی۔ ذہن فوراً مرسل کی باتوں کی طرف گیا تھا۔ (کیا اس نے بابا سے بات کر لی؟ او نو۔ اب وہ

کیا کرے گی۔)

''کہیے۔کیا بات تھی؟'' دھڑکتے دل سے پوچھا۔کھوجتی نظریں راجہ کے چہرے پہ جمی تھیں۔وہ جھکا اور دراز سے کچھ نکال کے میز پہ رکھا۔تالیہ دھک سے رہ گئی۔

وہ خالی بوتل تھی۔

راجہ نے کشتی میز پہ رکھی اور پیچھے ہو کے بیٹھا۔''اس بوتل میں جو شروب تھا' وہ تم نے پیا تھا...تب جب تم نے چابی نکالی تھی' یاد ہے۔''

''جی' راجہ!'' اس نے پھیکا سا مسکراتے سر کو خم دیا۔''مجھے کیسے بھول سکتا ہے۔''

''یہی تو ساری بات ہے' تالیہ۔تمہیں بھولنا بھی نہیں چاہیے تھا۔'' وہ بھی مسکرایا۔اس کی عقابی آنکھوں کی چمک اور اندر تک اترتی نظریں...تالیہ کا دل بری طرح دھڑکا۔

''مطلب؟''

''وقت میں سفر کے لئے ایک قربانی دینی پڑتی ہے۔اس مشروب کو پینا پڑتا ہے۔یہ چابی کو جوڑنے کے لمحے سے پہلے کی ساری یادداشت بھلا دیتا ہے۔دروازہ کھولنے کے بعد جیسے ہی چابی ٹوٹے گی' تمہیں سب بھول جانا چاہیے تھا۔اور میں جانتا ہوں کہ تم بھول گئی ہو گی۔''

تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔کمرے کی خواب ناک فضا میں کچھ غلط تھا' وہ محسوس کر سکتی تھی۔

''مگر جس لمحے.....برسوں بعد تم نے چابی جوڑی....تمہیں سب کچھ یاد آ جانا چاہیے تھا۔دروازہ کھول کے''واپس'' آتے ہی تمہیں سب یاد آ جانا چاہیے تھا۔مگر تمہیں نہیں یاد آیا۔سوائے چند بے ربط مناظر کے تمہیں کچھ یاد نہیں۔تمہاری ماں تمہاری پیدائش کے وقت مر گئی تھی مگر تمہیں یہ بھی یاد نہیں۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

تالیہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔حلق سوکھ رہا تھا۔

''میں اتنے دن سوچتا رہا کہ میرے جادو میں کوئی کمی رہ گئی تھی کیا؟ تالیہ کو ماضی کیوں نہیں یاد آیا۔اور پھر مجھے ایک خیال آیا۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھا تو وہ بھی میکانکی انداز میں کھڑی ہو گئی۔کسی معمول کی طرح۔

''مجھے خیال آیا کہ ایسا تب ہوتا جب....'' وہ آگے آیا....وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھ رہی تھی۔مراد نے اس کو دونوں کہنیوں سے سختی سے پکڑا اور اپنی طرف کھینچا۔تالیہ کی آنکھیں بس اس پہ جمی تھیں۔

''ایسا صرف تب ہو سکتا تھا....جب یہ چابی 'تم' جوڑتیں۔تم نے....یہ چابی...نہیں جوڑی۔چابی کا چکر خراب ہو گیا ہے۔کیونکہ اسے.....کسی اور نے جوڑا ہے۔تم اکیلی نہیں آئیں....ہے نا۔''

وہ پتھر کی مورت بن گئی جس کو راجہ نے کہنیوں سے دبوچ رکھا تھا۔اپنا چہرہ اس کے کان کے قریب لا کے وہ دھیرے سے سرد آواز میں

بولا۔

''مجھے بتاؤ تالیہ بنتِ مراد... تم اپنے ساتھ اپنی دنیا سے کس کو لے کر آئی ہو؟...'' اس کی آواز بے رحم غراہٹ میں بدل گئی۔ ''میں پوچھ رہا ہوں... کہ تم میری دنیا میں... کس اجنبی کو لے آئی ہو؟؟۔''

باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ

☆☆==========☆☆

حالم (نمرہ احمد)

باب دہم:

''صنم تراش''

اس نے خواب میں دیکھا....

ایک ہال میں قطاروں کی صورت آفس کیبن بنے ہیں..

کی بورڈز کے کھڑکنے کی آوازیں...فون کی گھنٹیوں کا شور...

ہر طرف لوگ فائلوں اور لیپ ٹاپس میں سر دیے بیٹھے ہیں۔

تالیہ ہال کے سرے پہ کھڑی ہے...اس نے سفید منی کوٹ پہن رکھا ہے اور سنہری بالوں کے ہالے میں دمکتے چہرے پہ غصہ نمایاں ہے۔

وہ سیدھ میں دیکھ رہی ہے...ہال کے آخری سرے کی طرف جہاں کیبن ختم ہوتے ہیں۔

آخری کیبن میں ایک لڑکی سر جھکائے کام کرتی نظر آ رہی ہے۔

اس لڑکی کو نگاہوں میں رکھے تالیہ قدم قدم چلنے لگتی ہے۔

فائلیں اٹھائے آگے پیچھے جاتے لوگ ہٹ ہٹ کے اس کو راستہ دے رہے ہیں۔

وہ ماتھے پہ بل ڈالے تیز تیز چلتی' اس لڑکی کے سر پہ آ رکتی ہے۔

کیبن کی دیوار چھوٹی ہے۔ اندر بیٹھی لڑکی چونک کے اسے دیکھتی ہے۔

وہ جیب سے ایک لفافہ نکالتی ہے اور اسے بے نیازی سے لڑکی کی طرف ڈال دیتی ہے۔ لفافہ میز سے پھسلتا ہوا نیچے جا گرتا ہے۔

''میں تمہیں نوکری سے فارغ کرتی ہوں۔ ایک باکس میں اپنا سامان ڈالو اور رخصت ہو جاؤ۔ اور یہ...یہ تمہارا ٹرمینیشن لیٹر ہے!''

وہ جس انگلی سے لفافے کی طرف اشارہ کرتی ہے' اس میں آنسو شکل کی سرخ یاقوت جڑی انگوٹھی دمکتی دکھائی دے رہی ہے....

☆☆=========☆☆

''مجھے بتاؤ تالیہ...تم کس کو لائی ہو اپنی دنیا سے؟'' مراد راجہ اس کو دونوں کہنیوں سے تھامے' اس کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھ رہا تھا۔

تالیہ کے چہرے پہ سایہ سا آیا مگر پھر گزر گیا۔ لمحے بھر کو بھی نہیں ٹھہرا۔

''تو یہ رائے ہے آپ کی میری بارے میں؟'' وہ جبراً مسکرائی۔ ''اتنی کمزور ہے تالیہ کہ وقت کا دروازہ اکیلے پار کرنے سے ڈرتی ہے

2

؟'' استہزائیہ سا انداز تھا اس کا۔

مراد نے جھٹکے سے اس کی کہنیاں چھوڑیں اور برہمی سے اسے دیکھا۔

''میرے ساتھ کھیل نہ کھیلو لڑکی۔ جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔''

''کوئی نہیں آیا میرے ساتھ' بابا۔ میں اکیلی ہوں..مگر مجھے اکیلا دیکھ کے ادھورا مت سمجھئے گا۔ میرے زمانے کی لڑکیوں کو اپنی تکمیل کے لئے کسی مرد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں آپ کے سارے محل کو اکیلی ہی کافی ہوں۔ اور آخری بات....'' شانوں سے لباس جھٹک کے درست کیا' گویا مراد کے سخت لمس کو تحقیر سے جھٹکا ہو۔

''آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں سب کچھ بھول چکی ہوں؟ ہوسکتا ہے میں آپ کی سوچ سے زیادہ ماضی سے واقف ہوں۔ اور شاید مستقبل سے بھی!'' ایک نگاہ غلط باپ پہ ڈال کے اس نے ادب سے سر جھکایا۔ ''بابا!'' کہہ کے الٹے قدموں پیچھے ہٹتی گئی۔

راجہ مراد کمر پہ ہاتھ باندھے کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا۔ کمرہ اب خالی رہ گیا تھا۔ چند ثانیے بیتے اور دستک ہوئی۔ پھر ایک ادھیڑ عمر مرد اندر داخل ہوا۔ یہ راجہ کا خاص خادم تھا جس کو اس روز وہ نئی کشتی بنانے کا حکم دے رہا تھا۔

''عارف۔'' مراد نے اسے سوچتی نگاہوں سے دیکھا۔ ''میں درست تھا۔ وہ کسی کو ساتھ لے کر آئی ہے۔''

''مگر راجہ....'' عارف کو اچنبھا ہوا۔ ''کیا انہوں نے خود اقرار کیا ہے؟''

''اس نے مجھے بابا کہہ کے پکارا۔ وہ عرصہ ہوا مجھے راجہ کہتی ہے۔ بابا کہنے کا مطلب ہے وہ دیانت داری سے کام نہیں لے رہی۔'' پھر وہ میز کی طرف آیا اور دراز سے ایک کاغذ نکال کے عارف کی طرف بڑھایا۔

عارف نے کاغذ تھاما اور تہہ کھولی۔ سیاہ روشنائی سے بنا خاکہ دیکھ کے وہ چونکا۔

''یہ تو وقت کی مہر ہے۔''

''تم میرے واحد پمبورو (شکار باز) ساتھی ہو جس کو میں بچا کے محل تک لایا ہوں۔ تم وقت کی مہر سے واقف ہو۔ مگر تمہارے سپاہی نہیں جانتے ہوں گے۔ تم یہ خاکہ ان کو دو اور کہو' کہ وہ سارے ملاکہ میں بکھر جائیں اور جس مرد کی گردن کی پشت پہ یہ نشان دیکھیں' اس کو گرفتار کر کے میرے پاس لے آئیں۔''

''اس کے ساتھ آنے والی کوئی عورت بھی ہو سکتی ہے۔ اگر وہ اوڑھنی سے سر ڈھکے رہے تو ہم اس کو کیسے ڈھونڈیں گے' راجہ؟''

مراد نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''میں نے اپنی بیٹی سے ابھی تفتیش کیوں کی' عارف؟ اس لئے تاکہ وہ کوئی غلطی کر دے اور اس نے کر دی۔ اس نے کہا کہ اسے کسی مرد کے سہارے کی ضرورت نہیں تھی واپس آنے کے لئے۔ اس نے ''انسان'' نہیں کہا۔ اس لئے جاؤ اور ایسا مرد ڈھونڈو جس کی گردن پہ یہ مہر ہو۔''

عارف کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ سمجھ گیا۔

3

''جو حکم' راجہ!'' پھر اسے خیال آیا۔''اور .... وہ کشتی.... وہ اگلے ہفتے تک تیار ہو جائے گی۔ پھر میں اس مہینے کا بقایا سونا جزیرے پہ پہنچا دوں گا۔''

''ہاں' یہ کام جلدی کرنا۔ مال زیادہ ہے اور یہاں محفوظ نہیں ہے۔ مگر احتیاط سے۔ تمہاری کمی کسی کو محسوس نہیں ہونی چاہیے۔''

''جو حکم' راجہ۔'' وہ چلا گیا تو راجہ واپس کرسی کھینچ کے بیٹھا اور لکڑی کی ننھی کشتی اٹھالی۔ اب اسے اس کشتی کا بادبان بنانا تھا۔ اس نے سفید کپڑا اٹھایا اور قینچی سے اسے کترنے لگا۔ جھکے چہرے پہ چھائی سختی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

شہزادی تاشہ کی خواب گاہ کے سامنے بنی بالکونی میں تالیہ بے چینی سے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی اور سامنے مسہری پہ بیٹھے ایڈم کی نظریں اس کی رفتار سے ملنے کی کوشش میں دائیں بائیں گھوم رہی تھیں۔ اسے گمان گزرا کہ وہ مرسل شاہ کے رشتے کی وجہ سے پریشان ہے۔

''نہیں' نہیں۔ اور جائیں آپ سلطان مرسل کے پاس اتنی بن سنور کے۔ اور کریں آپ ان کو متاثر کرنے کی کوشش۔ یہ تو ہونا تھا۔''

وہ رکی اور اسے گھور کے دیکھا۔''میں اس وقت مراد راجہ کی وجہ سے پریشان ہوں۔ ان کو شک پڑ گیا ہے کہ میں اپنی دنیا سے کسی کو ساتھ لائی ہوں۔''

''اوہ!'' ایڈم کے لب سکڑے۔''مگر ان کو کیسے علم ہوا؟''

''کیونکہ پہلی دفعہ چابی سے دروازہ کھولنے پہ جب چابی ٹوٹتی ہے تو یادداشت چلی جاتی ہے۔ اسی چابی سے دوبارہ دروازہ کھولنے پہ چابی تحلیل ہوتی ہے' اور چکر مکمل ہو جاتا ہے تو یادداشت واپس آ جاتی ہے۔ لیکن راجہ نے بھانپ لیا ہے کہ میری یادداشت واپس نہیں آئی۔ کیونکہ ہم نے چابی کے چکر کو خراب کر دیا ہے.... پہلے دفعہ دروازہ میں نے کھولا تھا' میری یادداشت چلی گئی۔ دوسری دفعہ وان فاتح نے کھولا' اسلیے میری یادداشت واپس نہیں آ سکی۔''

''تو وان فاتح کی یادداشت کیوں نہیں گئی؟''

''کیونکہ یادداشت پہلے چکر پہ جاتی ہے' جب چابی ٹوٹتی ہے۔''

''بڑا ہی کوئی سائنسدان باپ ہے آپ کا۔''

تالیہ نے تیز نظروں سے اسے گھورا۔''اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ اگر تم چابی وان فاتح کے پاس نہ لے کر جاتے اور وہ اس کو نہ جوڑتے' تو میں خود دروازہ کھولتی اور راجہ کو ہرگز شک نہ ہوتا۔''

''ہاں بس گھوم پھر کے میرے اوپر آ جایا کریں۔'' وہ خفا ہوا۔ پھر دیکھا کہ وہ دوبارہ بے چینی سے ٹہلنے لگی ہے تو گہری سانس لی اور تسلی دینے والے انداز میں بولا۔''اچھا اتنی پریشان نہ ہوں۔ راجہ کو کیا معلوم کہ کون آیا ہے وہاں سے۔ میں تو ایک مورخ ہوں جس کو آپ نے گرفتار کر کے ماشاءاللہ اتنے ظلم ڈھائے ہیں کہ میرے اوپر شک....''

4

’’تمہاری فکر کون کر رہا ہے‘ ایڈم؟ مجھے وان فاتح کی فکر ہے۔‘‘

ایڈم نے خفگی سے ابرو اکٹھے کیے۔ ’’یعنی میرے اندر واقعی سیل ڈلتے ہیں؟‘‘

’’نہیں‘ ڈفر‘ کیونکہ تمہاری گردن پہ وقت کی مہر نہیں ہے۔ وان فاتح کی گردن پہ ہے۔ تمہاری طرف سے کوئی مشکوک نہیں ہوگا۔‘‘

’’ہیں؟‘‘ ایڈم نے بے اختیار اپنی گردن کو چھوا۔ ’’میری گردن پہ کیوں نہیں ہے مہر؟ میں نے بھی تو وقت کا دروازہ پار کیا تھا۔‘‘

’’کیونکہ مہر صرف چابی سے دروازہ کھولنے والے کی گردن پہ ہوتی ہے۔ یہ چابی ایک شخص کے لئے بنائی گئی تھی۔ شکار بازوں کو کیا معلوم تھا کہ ہم تین لوگ اس سے چوکھٹ پار کرلیں گے۔‘‘

(یعنی میں بس سپلی میں ساتھ آ گیا ہوں۔ ہونہہ۔) منہ میں بڑبڑایا۔ مگر تالیہ نے نہیں سنا۔ وہ تھک کے جیسے سامنے والی مسہری پہ آ کے بیٹھی اور چہرہ ہاتھوں میں گرالیا۔ سنہری بال چہرے کے دائیں بائیں گرتے چلے گئے۔

’’پہلے مسئلے کم تھے کیا جواب یہ نیا مسئلہ آ گیا ہے۔‘‘ وہ سخت کبیدہ خاطر لگ رہی تھی۔

’’آپ کا مطلب ہے‘ آپ کی سلطان کو متاثر کرنے کی کوشش سے جنم لینے والا مسئلہ۔‘‘ اس کی زبان پہ کھجلی ہوئی۔ تالیہ نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور برہمی سے اسے گھورا۔

’’بنا سنورنا شہزادیوں کی مجبوری ہوتی ہے۔ اور میں سلطان کے پاس ’کام‘ کے لئے جاتی تھی۔ وہ باس ہیں اور میں ان کی ایڈوائزر۔ ایسے میں ان کی طرف سے ذاتی ایڈوانسز ’’ہراس منٹ‘‘ کے زمرے میں آتے ہیں۔ اگر میں ملائیشیا میں ہوتی تو ان کو sue کر دیتی۔‘‘

ایڈم جواب میں ہنس پڑا۔ ’’آپ اس وقت وہ این جی اوز والی Feminist آنٹی لگ رہی ہیں‘ چے تالیہ۔‘‘

مگر وہ جواب میں نہیں ہنسی۔ سنجیدگی سے اسے دیکھتی رہی تو ایڈم کو چہرے پہ سنجیدگی لانی پڑی۔

’’یعنی تم بھی عام مردوں کی طرح ہو؟ Victim-Shaming کرنے والے؟ (مظلوم کو الزام دینے والے)؟ سنو ایڈم... اپنا رویہ تبدیل کرو۔ اگر آفس میں عورت ہراس ہوتی ہے تو یہ مت کہا کرو کہ وہ باس کے ساتھ بات کیوں کر رہی تھی۔ سڑک پہ ہراس ہوتی ہے تو یہ مت کہا کرو کہ وہ باہر کیوں نکلی۔ قتل ہونے والے Victim کے بارے میں تو کوئی نہیں کہتا کہ وہ قاتل کے پاس گیا ہی کیوں کہ قتل ہو گیا؟ مگر ہراس منٹ کا شکار ہونے والی عورت کے بارے میں ہمیشہ تم لوگ پہلے وکٹم کو الزام دیتے ہو۔‘‘

’’سلطان مرسل کا غصہ مجھ پہ کیوں نکال رہی ہیں آپ؟‘‘

’’مجھے سلطان پہ غصہ نہیں ہے۔ مجھے اپنے ’’باس‘‘ پہ غصہ ہے۔ ایک باس ہو کے انہیں اپنی ایمپلائی کو یوں ہراس نہیں کرنا چاہیے تھا۔‘‘ پھر اس کی شکل دیکھ کے وہ ذرا حیران ہوئی۔ ’’مگر نہیں... تم جانتے ہی نہیں ہو کہ ہراس منٹ کیا ہوتی ہے۔‘‘

’’آ آ.....‘‘ ایڈم نے ادھر ادھر دیکھا‘ پھر سر کھجایا۔ ’’مجھے معلوم ہے۔ کسی کو تنگ کرنا‘ دست درازی وغیرہ وغیرہ۔ مگر خیر اب اتنا کوئی ظلم بھی نہیں ہوا آپ کے ساتھ‘ چے تالیہ۔ ایک رشتہ ہی تو بھیجا ہے آقا نے۔‘‘

5

''آقا نے یہ رشتہ ''دربار'' میں بھیجا ہے۔ دربار ایک ''آفس'' ہے اور میں آقا کی ایڈوائزر ہوں۔ وہ ہماری ورک پلیس تھی' ایڈم۔ ورک پلیس پہ کام سے ہٹ کے ذاتی تعلق کا صرف اشارہ دینا بھی ہراس منٹ شمار ہوتا ہے اور اس نے تو اتنی بڑی بات کہہ دی۔''

''اگر آپ کا باس سلطان مرسل جیسا نکما آدمی نہ ہوتا تو آپ تب بھی برا مانتیں؟''

''ماننا چاہیے کیونکہ کام کی جگہ پہ تعلقات قائم کرنے والے لوگ ہر مہذب معاشرے میں برے سمجھے جاتے ہیں۔ اب تم ٹھہرے بھگوڑے فوجی' تم کہاں گھومے پھرے ہو گے مغربی ممالک میں...اس لیے تمہارے علم میں اضافہ کرتی چلوں (ایڈم نے دانت کچکچائے) یہ مغربی ممالک جن کو تم لوگ برائی کا گڑھ سمجھتے ہو نا' وہاں بھی کام کی جگہ پہ تعلقات قائم کرنا بہت برا سمجھا جاتا ہے اور ہراس منٹ کے قوانین وہاں بہت سخت ہوتے ہیں۔''

''میرے جاب لیس ہونے پہ چوٹ کرنے کا شکریہ۔ ذرا میرے علم میں مزید اضافہ کریں۔ گوروں کو اس سب سے کیا مسئلہ ہے؟ انہوں نے کون سا اللہ کو منہ دکھانا ہوتا ہے؟''

''کیونکہ ایسے تعلقات کبھی بھی برابری کی بنیاد پہ نہیں ہوتے۔ ان سے کام متاثر ہوتا ہے۔ باس سیکرٹری سے' ٹیچر اسٹوڈنٹ سے' ڈاکٹر مریض سے' فلم ڈائریکٹر کسی اداکارہ سے افیئر چلانا تو درکنار اسے اگر غلط ٹیکسٹ بھی بھیجتا ہے تو یہ جرم ہے۔ پوچھو کیوں؟''

''جیسے میں پوچھوں گا نہیں تو آپ بتائیں گی بھی نہیں۔''

''وہ اس لئے' عقل مند' کیونکہ ایسے تعلقات میں ایک فریق کمزور ہوتا ہے اور دوسرے پہ انحصار کرتا ہے' اپنی جاب یا گریڈز کے لئے... جیسے سیکرٹری یا اسٹوڈنٹ...اس کا پلڑہ نیچے ہوتا ہے..'' (ہاتھ سے نیچے کا اشارہ کیا) ''اور دوسرا فریق 'پوزیشن آف پاور' پہ ہوتا ہے۔ جیسے استاد یا باس۔ (اوپر ہاتھ کر کے اشارہ کیا) اس لئے یہ تعلق Predatory تعلق بن جاتا ہے۔ طاقتور کمزور کو نا جائز باتوں کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ اسی لئے مغربی ممالک میں بھی ایسے تعلقات برے سمجھے جاتے ہیں۔ میں نے اتنے روپ دھار کے اتنی نوکریاں کی ہیں ایڈم کہ تمہاری سوچ ہے' مگر ہر جگہ میں نے یہی دیکھا ہے کہ لڑکیاں نوکری کرنے تو آجاتی ہیں مگر ان کو کوئی یہ نہیں سمجھاتا کہ انہیں باس کی بات کا جواب مسکرا کے دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن خیر...یہ نوکری کرنے والی بات تم کہاں سمجھ سکتے ہو۔''

''بالکل۔ میں کہاں سمجھ سکتا ہوں۔ میں ٹھہرا بھگوڑا فوجی۔ خیر آپ سلطان مرسل کو sue کرنے کے منصوبے بنائیں۔ میں چلتا ہوں۔ اور یہ بنگار املایو کا اگلا باب لایا تھا' اسے پڑھ کے کل دربار میں بھجوا دیجیے گا' مجھے یہ پڑھ کے سنانا ہو گا۔'' وہ گلابی غلاف میں لپٹے کاغذوں کو میز پہ رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اور ہاں....'' ماتھے کو چھوا۔ ''وان فاتح نے کہا تھا کہ آپ.....سلطان مرسل سے.....دور رہیں!''

وہ بالکل تھم سی گئی۔ ''انہوں نے...یہ کہا؟''

''جی بے تالیہ۔ انہوں نے یہ کہا اور میں یہ کہتا ہوں کہ ایک دوسری دنیا میں.....وہ آپ کے ساتھ برابری کی سطح پہ موجود نہیں ہیں۔''

آخری فقرہ نظریں جھکا کے ادا کیا اور باہر نکل گیا۔

6

وہ گم صم سی بیٹھی رہی۔اس کی بات سنی ہی نہیں۔(فاتح نے ایسا کیوں کہا؟ کیا ان کو میری پرواہ ہے؟)

ایڈم باہر نکلا تو باہر دربان کے ہمراہ شریفہ کھڑی تھی۔وہ آگے بڑھنے لگا جب وہ لپک کے اس کے پیچھے آئی۔

''سنو.....آدم!'' کمر پہ ہاتھ باندھے وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی تھی۔

''سناؤ' شریفہ بنتِ آدم!''

وہ ٹھٹکی۔''میرے بابا کا نام تو جابر ہے۔''

''یقیناً کوئی جابر ہی ہوگا جو تمہارا باپ ہوگا۔ میں تو آدم علیہ السلام کی بات کر رہا تھا جو ہم سب کے بابا ہیں۔'' پھر وہ ٹھہرا۔''تمہارا نام شریفہ بنت جابر ہے؟ تمہارا نام سنا سنا کیوں لگتا ہے مجھے؟'' غور کیا مگر یاد نہ آیا۔شاید اس نام کی کوئی کلاس فیلو تھی اس کی کوئی۔خیر۔آگے بڑھ گیا۔شریفہ نے تنگ کے تیز رفتار کر کے اس سے ملنے کی کوشش کی۔

''اوہو۔بات تو سنو۔''

''میں کانوں سے سنتا ہوں اور الحمدللہ میرے دونوں کان کھلے' روشن اور ہوادار ہیں۔''

''تمہاری کتاب کا پہلا باب سنا تھا میں نے اس دن دربار میں۔شہزادی کی بہت تعریفیں لکھی تھیں تم نے۔''

''تم نہیں سمجھوگی' بی بی!'' اس نے چلتے چلتے اپنے دائیں ہاتھ کو دیکھا۔

''میں سمجھتی ہوں سب اچھی طرح اسی لئے تمہیں نصیحت کرنے رک گئی۔''

ایڈم کے قدم رکے۔اس نے ٹھٹھک کے گردن موڑی۔ابرو اکٹھے ہوئے۔''کیا مطلب؟''

شریفہ نے آنکھیں گھمائیں۔''ایسی تعریف مورخ بن کے لکھی تھی اسی لئے سلطان نے تمہیں انعام واکرام سے نوازا' مگر ایسی تعریف 'آدم' بن کے مت لکھنا۔محل سے باہر پھینک دیے جاؤ گے۔''

وہ بالکل سن ہو گیا۔دم سادھے۔پلک تک نہ جھپک سکا۔

وہ قریب آئی اور دھیرے سے بولی۔''محبت بھرے نامے لکھنے کا تجربہ مجھے بھی ہے' آدم۔مگر تم شہزادی کے برابر کے نہیں ہو۔تم ایک مورخ ہو' ایک غلام' ایک قیدی۔اور وہ شہزادی ہے۔شہزادیاں محبت کے معاملے میں اپنے سے اوپر دیکھتی ہیں' نیچے نہیں۔تمہارے لکھے الفاظ....وہ صرف خوشامد کے نہیں تھے۔وہ دل سے لکھے گئے تھے۔اتنا دل سے نہ لکھا کرو۔ورنہ مار دیے جاؤ گے۔'' وہ ہمدردی اور افسوس سے کہہ رہی تھی۔جب وہ خاموش ہوئی تو وہ ہلکا سا ہنسا۔

''جن لوگوں کے پاس کرنے کے لئے بڑے بڑے کام ہوتے ہیں' وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں نہیں الجھتے۔جاؤ شریفہ خاتون' جا کر محل کے جالے صاف کرو اور اپنے دماغ کے بھی۔'' پھر ہنستے ہوئے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گیا۔وہ پیر پٹخ کے ہونہہ کر کے رہ گئی۔

☆☆=========☆☆

7

جانے رات کا کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کھلی۔

گویا کرنٹ کھا کے وہ سیدھی اٹھ بیٹھی۔

کمرہ اندھیر تھا۔ کھڑکی کے پردے ہٹے تھے اور مدھم چاندنی اندر جھانک رہی تھی۔ تالیہ نے کسی قسم کی روشنی نہیں جلائی۔ بس دم سادھے بیٹھی رہی۔

اس کا خواب خوفناک ہرگز نہ تھا۔ اس نے ایک آفس دیکھا تھا جس میں وہ آگے چلتی جاتی ہے اور ایک لڑکی کاٹر مینیشن لیٹر اس کے منہ پہ مار کے آتی ہے۔ عام سا خواب تھا وہ.... مگر.... وہ نئے زمانے کا خواب تھا۔ آفس' کمپیوٹرز' اکیسویں صدی کا ملائیشاء...

وہ دنگ بیٹھی تھی۔

پہلے اسے لگا کہ ایڈم سے آج آفس جاب کے بارے میں بات کرنے کا اثر تھا کہ ذہن نے اسے ماضی میں کی گئی کوئی آفس جاب خواب کی صورت دکھادی ہے۔ مگر نہیں۔

خواب میں اس کے سنہری بال.... اور..... ہاتھ کی سرخ انگوٹھی.... وہ سب بتا رہا تھا کہ یہ منظر مستقبل کا تھا۔ یہ ابھی 'واقع' ہونا تھا۔

اس کا مطلب تھا.... وہ واپس جائے گی۔ وہ ایک دفعہ اپنی اصل دنیا میں واپس ضرور جائے گی۔

وہ دل پہ ہاتھ رکھے بے یقین سی بیٹھی تھی۔ دنگ' متحیر۔ پھر اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلتے گئے۔ دل خوشی سے بھرنے لگا۔

وہ واپس جائے گی۔ اسے وقت کی قید سے نجات مل جائے گی۔ بالآخر!

وہ اٹھی اور بال جوڑے میں لپیٹے۔ پھر دیا سلائی رگڑی تو شعلہ چمکا۔ اس نے چراغ روشن کیا اور پھر.. ریشمی رومال میں لپٹا دستہ اٹھا لیا۔

اندر خوبصورت لکھائی میں تحریر کردہ کاغذ سلیقے سے رکھے تھے۔ تالیہ نے آنکھیں رگڑیں' اور زرد روشنی میں انہیں پڑھنا شروع کیا۔

(دیکھوں تو سہی میرے بارے میں کیا کیا لکھا ہے اس نقلی فوجی نے۔ خدا کی قسم ایک بھی غلط لفظ ہوا تو....) مگر سوچیں منتشر ہو گئیں۔ پھر جیسے جیسے پڑھتی گئی' لب مسکراہٹ میں ڈھلنے لگے۔

"قصے ہم تم کو کیا سنائیں

بنداہارا کی بیٹی کی رحم دلی کے

اِک دن جو سوار ہوا مورخ شاہی بگھی میں

اور شہزادی کے قافلے کے ساتھ جا اترا ملاکہ کے بازار میں...

تو دیکھتا ہے کہ وہ سادہ لباس میں' چغہ پہنے' چہرہ ڈھکے

پھر رہی ہے عام لوگوں کی طرح...

اِک اِک کا حال پوچھتی...

8

غریبوں کے دروازوں پہ نشان لگاتی....

تا کہ شاہی سپاہی رات کو رکھ جائیں وہاں اشرفیوں کی تھیلیاں....

اور ایسے میں بنداہارا کی بیٹی کا چہرہ دیکھو تو وہ...

معصوم خوشی سے دمک رہا ہوتا تھا...اور...."

وہ پڑھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔اس کی سخاوت کے ایک ڈیڑھ واقعے کو ایڈم نے بڑھا چڑھا دیا تھا۔خیر سچ ہی تھا وہ۔

مسکرا کے اس نے ورق پلٹا۔

اگلے صفحے پہ لکھے الفاظ پڑھ کے اس کی مسکراہٹ ایک دم سے غائب ہوئی۔

☆☆==========☆☆

سن باؤ کی سرخ حویلی پہ فجر قضا ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔زمانہ جدید میں اس گھر کے باہر بازار تھا اور آس پاس مکانات۔مگر اس قدیم دور میں اس کے سامنے سبزہ زار تھا اور طویل قطار میں درخت لگے تھے جن کے ساتھ چند گھوڑے بندھے تھے۔

فاتح صبح صبح گھوڑوں کے ساتھ مصروف کھڑا دکھائی دیتا تھا۔سرمئی کرتے پاجامے میں ملبوس' بال استرے سے تازہ چھوٹے کر رکھے تھے اور چہرے پہ سنجیدگی طاری کیے وہ جھک کے ایک گھوڑے کی لگام کھول رہا تھا۔

"مارننگ واک پہ جا رہے ہیں کیا؟" آواز پہ لگام کھولتے اس کے ہاتھ تھمے۔جھکے جھکے چہرہ موڑا تو دیکھا...سامنے ہشاش بشاش سا ایڈم کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"تم؟" فاتح کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔لگام کھول کے سیدھا ہوا اور بازو سے سبزہ زار کی طرف اشارہ کیا' گویا اسے بھی ساتھ چلنے کی دعوت دے رہا ہوں۔

"محل سے وقت بے وقت نکلنا آسان ہوتا ہے تمہارے لئے؟"

وہ دونوں اب درختوں کی قطار کے ساتھ چل رہے تھے۔گھوڑے کی لگام فاتح نے تھام رکھی تھی۔وہ وانگ لی کا محبوب گھوڑا تھا اور روز صبح اس کو چرانے لے کر جانا غلام کے فرائض میں شامل تھا۔

"شہزادی نے مجھے مورخ مقرر کیا ہے' جناب!" مورخ نے فرضی کالر جھاڑے۔چھوٹے کرتے کے اوپر بنا آستین کے جیکٹ سی پہنے' نیچے پاجامہ' اور سر پہ ٹوپی جمائے 'وہ واقعی کوئی شاہی عہدیدار لگتا تھا۔"اور مورخ کے اوپر کوئی روک ٹوک نہیں کر سکتا۔"

"وہ کیوں؟"

"کیونکہ مورخ رائٹر ہوتا ہے اور رائٹرز سے سب کو ڈرنا چاہیے۔ان کو آپ اچھے لگیں گے تو آپ کا ذکر اپنی تحریر میں ایک بار کریں گے۔ برے لگیں گے تو بار بار کریں گے۔"

فاتح ہنس دیا۔ ''تم لکھنا انجوائے کرر ہے ہو؟''

''بہت زیادہ۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے اندر اللہ نے لکھنے کے لئے اتنی تڑپ رکھی ہے۔ مجھے لکھ کے سکون ملتا ہے۔ جیسے میں خود اپنا کتھارسس کرر ہا ہوں۔'' وہ گھاس پہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے خوش دلی سے کہہ رہا تھا۔

''کس وقت لکھتے ہو؟''

''جس وقت سارے بڑے رائٹرز لکھتے ہیں۔''

''اور وہ وقت کب ہوتا ہے؟''

''جب موڈ اچھا ہو۔'' اس نے ہنس کے شانے اچکا دیے۔

وہ دونوں اب درختوں کے پار سبزہ زار پہ نکل آئے تھے۔ فاتح نے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی تو وہ سر جھکائے گھاس میں منہ مارتا آگے بڑھتا گیا۔

''اپنی شہزادی کو میرا پیغام دیا تھا؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا تو ایڈم نے گہری سانس لی۔

''بے فکر رہیں۔ وہ آقا سے دور ہی رہیں گی۔ وہ خود بھی اس بات سے خوش نہیں ہیں۔''

''اس لئے اس کو چاہیے کہ جلد از جلد وہ چابی تلاش کرے تاکہ ہم واپس جاسکیں۔'' وہ اس بات سے بہت ناخوش لگتا تھا۔

''راجہ مراد کو شک پڑ گیا ہے کہ کوئی چے تالیہ کے ساتھ آیا تھا۔ وہ آپ کی گردن کے نشان کی مدد سے آپ کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے ۔ چے تالیہ نے یہ غازہ بھیجا ہے (اس نے ایک پوٹلی سی لباس سے نکال کے فاتح کی طرف بڑھائی۔) آپ روز یہ تھوڑا سا غازہ (پاؤڈر) پانی میں گھول کے اس نشان پہ لیپ لیا کریں۔ وہ چھپ جائے گا۔''

''ہوں۔'' اس نے پوٹلی الٹ پلٹ کر کے دیکھی اور جیب میں رکھ لی۔ پھر گردن موڑ کے گھوڑے کو دیکھنے لگا جو گھاس میں سر دیے کچھ تلاش کرر ہا تھا۔ گھوڑے پہ نظریں جمائے فاتح نے دوبارہ بات کا آغاز کیا۔ ''آج وانگ لی کے ساتھ مجھے سلطنت محل جانا ہے۔''

''معلوم ہے۔ وانگ لی نے آپ کا نام مہمانوں کی فہرست میں ڈالا ہے۔ دربار کی کارروائی کے بعد آج بنگارا یا ملایو کا نیا باب بھی پڑھ کے سنایا جائے گا۔ اس میں آپ کا ذکر بھی ہے۔''

''مگر جو بنگارا یا ملایو میں نے پڑھی تھی اس میں میرا ذکر نہیں تھا۔''

''کیونکہ آنے والی صدی میں پرتگالی جب ملاکہ پہ حملہ کریں گے تو محلات اور کتب خانے جلا ڈالیں گے۔ یقیناً انہوں نے ہی اس کتاب کو جلا ڈالا ہوگا اور بعد میں یہ لوگوں کی یادداشتوں سے دوبارہ لکھی گئی ہوگی اس لیے غلطی سے آپ کی جگہ وانگ لی کا نام لکھا گیا ہوگا۔''

وان فاتح نے جواب نہیں دیا۔ بس اس کے ساتھ گھاس پہ چلنے لگا۔

''اور تم ٹھیک ہو ایڈم؟ گزارا کیسا ہو رہا ہے تمہارا محل میں؟''

10

ایڈم کے چہرے پہ زخمی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''سر... اگر میں کسی انسان سے اس حد تک متاثر ہونے لگوں کہ مجھے اس کی ہر بات اچھی لگے اور اس کا رعب ہر وقت میرے اوپر چھانے لگے... اور مجھے مسلسل اس کی توجہ حاصل کرنے کی خواہش ہونے لگے... تو آپ کے خیال میں 'میں' کس جذبے کا شکار ہوں گا؟''

''low self esteem کا!''

وہ جو ''محبت'' کی طرح کے کسی جواب کی توقع کر رہا تھا' ایک دم بھونچکا رہ گیا۔

''جی؟''

''میری کلاس میں ایک لڑکی پڑھتی تھی۔ یہ تب کی بات ہے جب میں اسکول میں تھا۔ وہ اپنے آپ کو بے حد محبت کرنے والا سمجھتی تھی۔ کوئی نیا ٹیچر ہو یا نیا کلاس فیلو' لڑکی ہو یا لڑکا' وہ اس سے فوراً دوستی کی خواہش کرنے لگ جاتی اور پھر اس نئے شخص کی توجہ پانے اور اسے خوش کرنے کے لیے ہر حد تک چلی جاتی تھی۔ آخر میں لوگ اس سے بے زار آ کے اسے چھوڑ جاتے تھے اور وہ کراہتی رہتی تھی کہ لوگوں نے اس کے محبت کرنے والے دل کے ساتھ کیا برا سلوک کیا۔ مگر وہ لڑکی محبت سے مغلوب نہیں تھی۔ وہ صرف 'لو سیلف اسٹیم' کا شکار تھی۔''

''کیا مطلب' سر؟''

''تمہارا اور تالیہ کا ایک ہی مسئلہ ہے۔'' وہ افسوس سے سر جھٹکتے ہوئے آگے چلتا گیا اور گھوڑے کے قریب جا رکا۔ ''تم دونوں Low self esteem کا شکار ہو۔'' گھوڑے کی لگام کھینچ کے اس کا منہ گھاس سے نکالا اور اسے زبردستی آگے لے جانے لگا۔

''اور یہ self esteem ہوتی کیا ہے؟ ہر کوئی اس کا ذکر بہت کرتا ہے... آج تک میں اس کا اصل معنی نہیں جان سکا۔'' ایڈم خفا خفا سا لگتا تھا۔

''سیلف اسٹیم... اپنی نظر میں اپنی عزت کو کہتے ہیں۔ خود کو کچھ سمجھنا۔ اپنی عزت کرنا۔ اپنی قدر کرنا۔ اپنے آپ کو پہچاننا۔ ذاتی وقار۔ جن لوگوں میں یہ زیادہ ہوتی ہے ان کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ادھورے نہیں ہیں۔ ان کو ''اچھا'' لگنے کے لیے کسی دوسرے انسان یا چیز کو خود سے جوڑ لینے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے آپ میں کافی ہیں۔''

گھوڑے کو وہ کھینچ کے زبردستی درختوں کی طرف لے جانے لگا۔ گھوڑا مزاحمت کرتے ہوئے گردن ادھر ادھر مار رہا تھا۔

''اور مجھ میں اس کی کمی ہے؟''

''بالکل ہے۔ اور تالیہ میں بھی ہے۔ اور جو لوگ اپنی نظروں میں معزز نہیں ہوتے' وہ دراصل خود سے مطمئن نہیں ہوتے۔ انہیں لگتا ہے کہ لوگ ان کے 'اصل' کو قبول نہیں کریں گے۔ ایسے میں یا وہ تالیہ کی طرح بن جاتے ہیں... وہ مختلف روپ دھار کے لوگوں سے 'وہ' بن کے ملتے ہیں جو وہ ہوتے نہیں ہیں۔ بات بات پہ جھوٹ بولنا۔ کہانیاں گھڑنا۔ جانتے ہو وہ ایسا کیوں کرتی ہے؟ کیونکہ اس کو اپنے اصل 'سیلف' پہ اعتماد نہیں ہے۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو ویسا بنا لیتی ہے جیسا روپ لوگوں کے نزدیک معزز ہوتا ہے۔ اس کے خیال میں۔ ورنہ لوگوں کے

نزدیک کوئی پیمانہ حتمی نہیں ہوتا۔انسان کو اپنے اصل انداز میں رہنا چاہیے۔دنیا خود بخود آپ کے مطابق ڈھل جائے گی۔اور دوسری قسم کے لوگ تمہارے جیسے ہوتے ہیں۔" گھوڑے کو درخت کے قریب لے جا کر اس نے اس کا رخ جبراً پتوں کی طرف موڑا۔پہلے تو گھوڑے نے مزاحمت کی' پھر پتوں کو سونگھا تو ڈھیلا پڑا اور ذرا سا پتہ دانتوں میں توڑا۔

"تمہارے اندر چونکہ اپنی عزت نہیں تو ایک خلاء بن گیا ہے۔تم اس خلاء کو پُر کرنے کے لئے تالیہ کی طرح اپنے اوپر ملمع نہیں چڑھاتے۔تم بس خود کو ادھورا تسلیم کر لیتے ہو۔نامکمل' مسخ شدہ۔اور اس ادھورے پن کو دوسرے انسانوں سے بھرنے کی کوشش کرتے ہو۔میری کلاس فیلو کی طرح تم بہت جلد لوگوں سے متاثر ہو جاتے ہو۔تم نے صوفیہ رحمٰن کو ووٹ دیا تھا۔مجھے نہیں۔جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ میرے پاس ایک چیز تھی۔سچائی اور ایمانداری۔تمہیں اس خوبی نے کبھی اٹریکٹ نہیں کیا' کیونکہ وہ تمہارے پاس بھی ہے۔تم سچے انسان ہو۔مگر صوفیہ کے پاس سحر انگیز شخصیت اور مجمع کو اپنی تقریر سے مسحور کر دینے کا فن تھا۔وہ تمہارے پاس نہیں تھا۔وہ ایک اوور کانفیڈینٹ خاتون ہے' اور تم میں اعتماد کی شدید کمی ہے۔اس لئے تم اس سے متاثر ہو گئے۔"

"یعنی میں ان لوگوں سے متاثر ہوتا ہوں جن کے پاس وہ ہوتا ہے جو مجھے پسند ہے مگر وہ میرے اپنے پاس نہیں ہے؟" اسے یہ سب کہتے ہوئے برا لگ رہا تھا۔اپنی ذات کا کسی دوسرے سے بے رحمی سے تجزیہ کروانا کسی کو اچھا نہیں لگتا۔

"بالکل۔تم اب بھی اگر مسلسل کسی سے متاثر ہو رہے ہو تو تم اپنی کمی کو کسی دوسرے میں تلاش کر رہے ہو۔تمہارے جیسے لوگوں کو لگتا ہے کہ دوسرے ان کو ان کے 'اصل حال' میں قبول نہیں کریں گے' اس لئے وہ خود کو کسی متاثر کن انسان یا چیزوں کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کو اپنے اصل سیلف سے زیادہ بڑا دکھنے کا ایک ہی طریقہ نظر آتا ہے کہ وہ کسی طرح خود کو کسی 'بڑے' انسان کے ساتھ نتھی کر لیں۔تم صرف ایک بت تراش رہے ہو' اور پروانے کی طرح اس کے گرد چکر کاٹ کے اپنی وقعت دنیا کی نظر میں بڑھانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"تو اس بت کو کیسے توڑا جاتا ہے؟ کیسے میں انسانوں سے متاثر ہونے سے بچ سکتا ہوں؟" وہ سخت اداس نظر آنے لگا تھا۔

"اپنے آپ کو پہچانو۔اپنے اندر کی خوبیوں کو نکھارو۔کسی سے کوئی لالچ نہ رکھو۔دوسرے لوگوں کی رائے سے بے نیاز ہو کے اپنا کام کرو۔تمہاری عزت بڑھے گی۔اور تم لوگوں سے خواہ مخواہ متاثر نہیں ہو گے' کیونکہ تم یہ جان جاؤ گے کہ تم بھی کسی سے کم نہیں ہو۔"

گھوڑا اب سکون سے درخت کی ٹہنیوں سے چر رہا تھا' اور فاتح اس کے سر پہ کھڑا محتاط سا اس کو دیکھ رہا تھا۔ایڈم اداس سا پیچھے کھڑا تھا۔

"تو میں صرف بت تراشتا ہوں اور ان کی پرستش کرتا ہوں' پھر جب وہ لوگ مجھے چھوڑ جاتے ہیں تو میرا شیشے کا بت ٹوٹ جاتا ہے۔اسکول میں مجھے ہر دوسرے ٹیچر سے محبت تھی۔سیاستدانوں میں مجھے صوفیہ رحمٰن اچھی لگتی تھی۔رشتے داروں میں مجھے وہی خاندان کے بڑے پسند تھے جو سب سے زیادہ پُراعتماد اور بے نیاز تھے۔اگر یہ سب میری خود اعتمادی کی کمی کی وجہ سے تھا تو محبت.... محبت کیا ہوتی ہے سر؟"

قدیم ملاکہ کے اس سبزہ زار میں اس روشن صبح ایڈم نے ایک عام سا سوال پوچھا تھا۔

وان فاتح نے گردن موڑ کے اسے دیکھا' اور مسکرایا۔ ''محبت صرف فیری ٹیلوں میں ہوتی ہے' ایڈم۔ اس کو اصل زندگی میں نہیں ڈھونڈتے۔''
پھر اس نے گھوڑے کی گردن کو تھپکا تو وہ گھاس سے منہ ہٹا کے گردن ادھر ادھر گھمانے لگا۔ فاتح نے اس کی لگام تھام لی اور سامنے کو چل دیا۔ کہنیوں تک آستینیں موڑے' ایک ہاتھ سے لگام تھامے' دوسرے سے ماتھے پہ چھجا بنائے' وہ ابھرتے سورج کو دیکھتا اب آگے بڑھ رہا تھا۔ سبزہ زار کے اس پار ندی تھی جہاں سے اس نے گھوڑے کو پانی پلانا تھا۔
ایڈم خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں ہیجان ہی ہیجان تھا۔

☆☆=========☆☆

سلطنت محل میں اپنی خواب گاہ سے ملحقہ کمرے میں سلطان مخملیں صوفے پہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ انگوروں سے بھرا طشت سامنے رکھا تھا اور وہ کھڑکی سے باہر نظریں جمائے وقفے وقفے سے انگور منہ میں ڈالتا تھا۔ سنہری اور سبز زرتار پوشاک پہنے' سر پہ ریشمی پگڑی نما ٹوپی جمائے' جس کے اوپر قیمتی ہیرے اور زمرد جڑے تھے' وہ گہری سوچ میں گم لگتا تھا جب دروازے دستک کے بعد کھلا۔
مرسل نے چونک کے چوکھٹ کو دیکھا۔ مراد راجہ اندر داخل ہو رہا تھا۔
''صبح بخیر آقا۔'' مراد آگے آیا اور ہاتھ باندھے جھک کے سلام کیا۔
مرسل نے دو انگلیوں سے قریب آنے کا اشارہ کیا تو وہ قدم قدم چلتا اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔
''آقا کی طبیعت ٹھیک ہے؟ دربار میں آپ کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ میں نے سوچا خود حاضر ہو کے خیریت معلوم کر لوں۔'' انداز میں تشویش تھی مگر آنکھیں چھوٹی کر کے وہ غور سے مرسل شاہ کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔
''ہاں' ہاں۔ میں کچھ سوچ رہا تھا۔'' اس نے دو انگلیوں سے کنپٹی مسلی پھر مراد کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مراد محتاط نظروں سے اسے دیکھتا سامنے بیٹھا۔
''کہیے آقا۔ غلام کس طرح آپ کی پریشانی دور کر سکتا ہے؟''
''تم ہمارے بنداہارا (وزیرِ اعظم) ہو' مراد۔ اور ملاکہ سلطنت کا بنداہارا سلاطین کی شادیوں' اور ان کے بچوں کی پیدائش کے انتظامات کا نگہبان ہوتا ہے۔''
''میں اپنے فرض سے بخوبی واقف ہوں' آقا۔ آپ کی اور ملکہ یان سوفو کی شادی میری نگرانی میں ہوئی تھی اور میں نے کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی تھی۔''
''میں تم سے بہت خوش ہوں' اور اب....'' مرسل نے تھوڑی کھجاتے ہوئے شانے جھٹکے۔ ''اب میں شہزادی تاشہ کو اپنے نکاح میں لینا چاہتا ہوں لیکن ملکہ اس بات پہ بہت جزع فزع کریں گی۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم بذاتِ خود اس تقریب کا انتظام کرو' اور ملکہ کے کسی بھی ممکنہ ردِعمل سے نمٹنے کی حکمتِ عملی تیار کرو۔ یہ کام جلد از جلد ہو جانا چاہیے۔'' وہ عام سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ اگر فکر تھی تو صرف ملکہ کے

ردِعمل کی۔

مراد بالکل سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھے گیا۔

''آقا' آپ شہزادی کو صرف خاتون کا درجہ دینا چاہتے ہیں یا ان سے نکاح بھی کرنا چاہتے ہیں۔''

''میں پہلے صرف شہزادی کو خاتون بنانا چاہتا تھا لیکن اب میرا ارادہ بدل چکا ہے۔ میں ان کو ملکہ کا مقام دینا چاہتا ہوں۔تم تیاری کرلو۔''
سادہ سے انداز میں حکم جاری کیا اور پوشاک جھٹکتا اٹھ کھڑا ہوا۔سپاٹ چہرہ لئے مراد بھی فوراً سے کھڑا ہوا۔

''جو حکم' آقا۔''

مرسل نے محض سر کو خم دیا اور آگے بڑھ گیا۔مراد بے تاثر چہرے کے ساتھ پیچھے کو لپکا۔

باہر دروازے سے کان لگائے کھڑی کنیز فوراً اوٹ میں ہوگئی۔ دربان خاموشی سے اس کو دیکھتے رہے مگر کوئی روک ٹوک نہ کی۔ مرسل شاہ اور راجہ مراد آگے بڑھ گئے' تو کنیز اوٹ سے نکلی اور دوسری راہداری میں بھاگی۔ اس کا رخ ملکہ یان سوفو کے حرم کی طرف تھا۔

دربار میں تقریباً تمام افراد اب بیٹھ چکے تھے اور مسلسل سلطان کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ دربار کے بند دروازوں کے باہر برآمدہ بنا تھا جس سے چوڑی طویل سیڑھیاں نیچے محل کے صحن میں اترتی تھیں۔ سیڑھیوں کے دہانے پہ کنیزوں اور خادموں کی معیت میں تالیہ کھڑی تھی۔

سر پہ تاج سجائے' پیروں تک آتا سرخ کامدار لباس پہنے' وہ مسکرا کے نیچے دیکھ رہی تھی جہاں سے وانگ لی اوپر چڑھتا آتا دکھائی دے رہا تھا۔ پیچھے دو غلام بھی تھے۔ ایک تو خوشگوار انداز میں نظریں اطراف میں گھما رہا تھا' اور دوسرا...دوسرا' غلام' پرسکون چہرے اور پر اعتماد چال کے ساتھ وانگ لی کے پیچھے چل رہا تھا۔ ہاتھ بندھے تھے مگر گردن اور نگاہیں دونوں اٹھی ہوئی تھیں۔

تالیہ اس کو نظر انداز کیے وانگ لی پہ نظریں جمائے کھڑی مسکراتی رہی۔ وہ اوپر آیا اور ہاتھ جوڑ کے سلام کیا۔''صبح بخیر' شہزادی!''

''اچھا لگا آپ سے ملاقات کر کے' سن باؤ۔ میرا بہت جی چاہ رہا تھا آپ سے ملنے کا۔''

وانگ لی کا پھولے گالوں والا چینی چہرہ کھل اٹھا۔ ادب سے دوبارہ جھک کے سیدھا ہوا۔''آپ کا جب جی چاہے' آپ بلوا لیا کریں' مجھے' شہزادی۔ غلام کو شہزادی کی خدمت کر کے خوشی ہوگی....''

''بلواتی کیوں' سن باؤ؟ مجھے تو آپ سے ملنے سے زیادہ آپ کا گھر دیکھنے کا اشتیاق ہے۔ بہت قصے سن رکھے ہیں اس سرخ لکڑی والے گھر کے۔''

وہ وانگ لی کو دیکھ کے سادگی سے کہہ رہی تھی اور پیچھے کھڑے وان فاتح کی نظریں اس پہ جمی تھیں۔ وہ زیر لب مسکرایا تھا۔

''میرے غریب خانے کے قصے کہاں سن لئے آپ نے؟'' وہ حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔

''آپ سے پہلے جو اس گھر کا مالک تھا' وہ اس کی تعریف میں رطب السان رہتا تھا۔''ایک نظر فاتح پہ ڈالی۔

''ہاں' وہ میرا ایک جرنیل تھا' چند سال پہلے اسی نے یہ گھر بنوا کے دیا تھا مجھے' مگر وہ اس میں زیادہ عرصہ رہا نہیں۔''

''مگر یہ گھر اس کو بہت عزیز تھا' سن باؤ۔ اس کو اس میں ایک بھی خامی نظر نہیں آتی تھی۔ یا شاید وہ مغرور تھا کافی۔ جو پسند آ گیا اس کی خامیاں نہیں دکھتی تھیں' اور جو پسند نہیں آیا اس کی خوبیاں بھول جاتا تھا۔'' وہ اب بھی وانگ لی کو ہی دیکھ رہی تھی۔

فاتح نے بے اختیار ابرو اٹھائے۔ (سیریسلی) مگر وہ اس طرف متوجہ نہ تھی۔

''وہ احمق تھا۔'' وانگ لی بے اختیار ہنس دیا۔ پھر جھک کے سلام کیا اور اجازت لے کر دربار کی طرف چلا گیا۔

تالیہ مڑی تو دیکھا' عقب سے ملکہ یان سوفو چلی آ رہی ہے۔ اس کے پیچھے کنیزوں اور خادموں کا غول بھی تھا۔ ملکہ اس کے قریب رکی تو تالیہ نے جھک کے سلام کیا۔ ''ملکہ!''

''میں نے اس مسئلے کا ایک حل ڈھونڈ لیا ہے۔'' اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

''کون سا مسئلہ' ملکہ؟'' پھر اسے یاد آیا۔ ''قومی خزانہ مسلسل کم ہونے والا مسئلہ؟'' اسے آخری ملاقات میں زیرِ بحث آیا مسئلہ یاد آیا۔ ''اس مسئلے کا حل تو واقعی ضروری ہے' ملکہ۔ اخراجات بڑھتے ہی جا رہے ہیں اور (آواز دھیمی کی) ابوالخیر اور مراد راجہ کی مسلسل محصول (ٹیکس) کے پیسوں سے چوری کے باعث خزانہ کم ہوتا جا رہا ہے۔''

''مگر اس کا حل ڈھونڈ لیا ہے میں نے۔'' مسکرا کے کہتی ملکہ آگے بڑھ گئی۔ تالیہ نے بس مسکرا کے سر کو خم دیا البتہ سوچتی نظروں سے گردن موڑے ملکہ کو دیکھنے لگی۔ (کیسا حل؟)

دفعتاً ایک کنیز دور سے بھاگتی آتی دکھائی دی۔ دربار کے دروازے پہ ابھی ملکہ پہنچی ہی تھی کہ کنیز نے اسے روکا اور کان میں کچھ کہا۔ تالیہ یہاں سے ملکہ کا نیم رخ دیکھ سکتی تھی۔

کنیز کی سرگوشی سن کے یان سوفو کے گال گلابی پڑے' اور اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ آنکھیں زور سے میچیں۔

چند لمحے ضبط کی اس کیفیت میں کھڑی رہی پھر آنکھیں کھولیں اور برداشت سے مسکرائی' ایک گہری نظر پلٹ کے تالیہ پہ ڈالی اور آگے بڑھ گئی۔

کچھ عجیب تھا اس کے انداز میں۔

''آخر ہمارا قومی خزانہ جا کہاں رہا ہے' ابوالخیر؟''

دربار سجا تھا' اور تمام درباری اور وزراء اپنی کرسیوں پہ خاموش بیٹھے تھے۔ تخت پہ سلطان مرسل براجمان تھا' سامنے پھلوں کی ٹوکری رکھی تھی جس سے وہ رمبوتان پھل اٹھا کے اسے دانتوں سے کاٹتا' منہ میں چباتا وہ تنگ کے پوچھ رہا تھا۔

اس کے ساتھ سجی سنوری' خاموش سی ملکہ بیٹھی تھی۔ نظریں نیچے درباریوں کی قطار میں ایک کرسی پہ بیٹھی تالیہ پہ جمی تھیں۔

تالیہ اس طرف متوجہ نہ تھی۔ کبھی وہ سلطان کو دیکھتی جو ناخوش لگ رہا تھا اور کبھی نظریں پھیر کے... ستونوں کے پیچھے قطار میں کھڑے غلاموں میں سے اس ایک 'غلام' کو دیکھتی جو خاموشی سے دربار کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔ چونکہ وہ وانگ لی کا خاص غلام تھا اس لیے اسے اپنے

مالک کے پیچھے کھڑے رہنے کی اجازت تھی۔

دونوں کی نظریں ملیں تو تالیہ نے نظریں پھیر لیں۔

"آقا...." ابوالخیر اپنی جگہ سے اٹھا اور ادب سے کہنے لگا۔ "پچھلے سلطان کے وزیر خاصے بدعنوان تھے۔ خزانے میں سے محصول کے پیسے چرا لیتے تھے۔ مگر ہم نے ہر طرح کی چوری چکاری کی روک تھام کر لی ہے۔ فی الحال قومی خزانے سے پورے ملک میں ترقیاتی کام ہو رہے ہیں۔ پل بنائے جا رہے ہیں' مسافروں کے ٹھہرنے کو سرائے تعمیر کی جا رہی ہیں' اور فوج کو جدید اسلحے سے لیس کیا جا رہا ہے۔ اخراجات بڑھ گئے ہیں۔"

"حل.... مجھے حل بتاؤ۔ اس کا کیا حل ہے؟" مرسل بے زار ہوا۔

"آقا پچھلے سلطان کے وزراء جو دولت لوٹ کے چلے گئے تھے وہ تو واپس نہیں لائی جا سکتی' مگر ہم یہ کر سکتے ہیں کہ تاجروں اور دکانداروں پہ جو محصول لگایا جاتا ہے' اس کو دوگنا کر دیا جائے۔ چند دن میں دوگنا محصول ملنے سے خزانہ دوگنا ہو جائے گا۔"

تالیہ نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا اور کھنکھاری۔ سلطان سمیت بہت سی گردنیں اس کی طرف گھومیں۔

"کہیے شہزادی تاشہ۔ آپ کے پاس کوئی بہتر نکتہ ہے؟" سلطان نے دلچسپی سے سوال کیا۔ وہ کھڑی ہوئی اور ادب سے کہنے لگی۔

"میں جانتی ہوں آقا کہ ہماری سلطنت میں مہنگائی بڑھ گئی ہے اور آپ کے شاہی خزانے میں موجود دولت کم ہو رہی ہے...."

(عرصہ پہلے وہ کے ایل میں حالم کے بنگلے کے لاؤنج میں صوفے پہ بیٹھی تھی۔ ہاتھوں میں دلیے کا پیالہ تھا اور چمچ بھر بھر کے منہ میں رکھتی وہ ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھی جہاں دو خوبصورت صوفے آمنے سامنے رکھے تھے اور ایک پہ اینکر بیٹھا سوال پوچھ رہا تھا۔ "آپ کے خیال میں ملائیشیاء میں بڑھتی مہنگائی اور قومی خزانے میں خسارے کا کیا حل ہے' فاتح صاحب؟"

سامنے صوفے پہ بیٹھا سوٹ میں ملبوس سیاستدان ہلکا سا مسکرایا اور نرمی سے کہنے لگا۔

"پہلے یہ سوچو کہ قومی خزانے میں خسارہ ہے ہی کیوں' موہد؟")

دربار میں کھڑی تالیہ کہہ رہی تھی۔ "مگر ہمیں شاہی خزانے میں دولت کی کمی کی وجہ ڈھونڈنی ہو گی' آقا۔"

("موہد... ملائیشیا کے خزانے کی کمی کی وجہ یہ ہے کہ سیاستدانوں نے کرپشن کر کے ملک کا پیسہ منی لانڈرنگ کے ذریعے باہر بھیج دیا ہے اور وہ باہر کے بینکوں میں پڑا ہے۔")

"آقا اس دولت کی کمی کی وجہ یہ ہے کہ ملاکہ سلطنت کو چلانے والوں میں سے کچھ لوگوں نے خزانے میں سے مال لوٹ لوٹ کے کہیں دور چھپا رکھا ہے اس لیے ملاکہ میں مہنگائی بڑھ گئی ہے۔" وہ مضبوط لہجے میں کہہ رہی تھی اور سب اسے سن رہے تھے۔ مراد کے چہرے پہ ناپسندیدگی پھیلی تھی۔

(موہد... ملائیشیاء کے اربوں ڈالرز باہر کے بینکوں میں پڑے ہیں جو ہمیں واپس لانے ہوں گے..." سوٹ میں ملبوس سیاستدان اینکر کو بتا

رہا تھا....)

"آقا! پہلے تو ہمیں یہ سارا لوٹا گیا خزانہ واپس لانا ہوگا۔ راجہ مراد کو تحقیق کرنی چاہیے کہ پچھلی حکومتوں کے وزراء نے لوٹ کے مال کہاں چھپایا ہوگا۔ مگر یہ تو بعد کی بات ہے.. فوری اور موثر حل اس کا یہ ہے کہ...."

("اور جب تک باہر کے بینکوں سے ہمارا پیسا واپس نہیں آتا.." سیاستدان نے رک کے کافی کا مگ اٹھایا اور گھونٹ بھرا۔ "ہمیں ایک سادہ کام کرنا ہوگا۔ ہمیں امیر لوگوں سے ٹیکس لینا ہوگا اور ہمیں ہر اس امیر کو پکڑنا ہوگا جو ٹیکس نہیں دیتا۔")

"فوری حل یہ ہے آقا کہ ہمیں ملاکہ سلطنت کے امراء اور رؤساء سے محصول وصول کرنا ہوگا۔ ایک غریب دو سکے محصول دیتا ہے... مگر امیر کی چونکہ دولت زیادہ ہے تو محصول بھی سینکڑوں سکوں کے برابر ہوگا۔ جب سلطنت کے سارے امیر محصول دیں گے تو خزانہ خودبخود بھر جائے گا۔ غریب سے دو کی جگہ چار سکے محصول وصول کرنے کے، کیوں نہ ہم امیر سے دس سکے محصول وصول کریں؟"

("مگر موبد! ملائیشیا میں ہوتا یہ ہے کہ حکمران رشوت لے کر امیروں کو ٹیکس پہ چھوٹ دے دیتے ہیں۔ چند ہزار کی رشوت دے کر امیر لاکھوں کا ٹیکس معاف کرا دیتے ہیں۔ یوں خزانے میں کمی ہو جاتی ہے۔ خزانہ صرف ایک چیز سے بھرتا ہے اور وہ ہے ٹیکس!")

"مگر آقا مسئلہ یہ ہے کہ ابوالخیر کو اس امر کو لازمی بنانا ہوگا کہ ان کے امراء اور رؤسا دوست جو محصول ادا نہیں کرتے، وہ محصول ادا کرنا شروع کر دیں۔ اگر آقا اپنی فوج کے چند دستے امیروں کے گھروں کی طرف روانہ کر دیں اور وہ تلواریں میان سے کھینچ نکالیں تو یقین کیجیے شام تک قومی خزانہ دس گنا بڑھ جائے گا۔۔ یہ میری ایک تجویز ہے، آقا۔ اگر ابوالخیر مناسب سمجھیں تو اسے لاگو کریں۔" اور پھر وہ بیٹھ گئی۔

ایک نظر دور کھڑے فاتح پہ ڈالی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔ تالیہ نہیں مسکرائی، بس نظریں موڑ لیں کیونکہ سب اسی کو دیکھ رہے تھے۔

مراد سپاٹ سا بیٹھا رہا البتہ ابوالخیر کے چہرے پہ شدید کڑھن در آئی تھی۔

سلطان مرسل نے تھوڑی کھجاتے ہوئے سوچا۔ "ویسے یہ تجویز کافی مناسب ہے۔"

"مگر یہ ممکن نہیں ہے آقا۔" ابوالخیر تندہی سے بولتے ہوئے جگہ سے اٹھا۔ "امراء اور رؤساء کی ہمیں ضرورت ہے اس حکومت کو چلانے کے لئے۔ ان سے زبردستی محصول وصول کریں گے تو وہ ناراض ہوں گے۔ اگر سابق سلطان کے مفرور بیٹوں نے بغاوت کر دی تو یہ رؤساء ہمارا ساتھ نہیں دیں گے۔ خزانہ بڑھانے کا ایک ہی حل ہے کہ عوام پہ محصول بڑھا دیا جائے۔ آخر یہ محصول انہی عوام کے اوپر خرچ کیا جانا ہے۔"

تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑ گئے، مگر خاموش رہی۔

(وہ ابھی تک لاؤنج میں بیٹھی دلیہ کھا رہی تھی اور اسکرین پہ نظر آتا سیاستدان اینکر کو بتا رہا تھا۔

"مگر ہوتا یہ ہے موبد کہ حکومت امیروں سے ٹیکس نہیں لیتی۔ امیر لوگ ان وزیروں کے دوست ہوتے ہیں، اس لئے بچ جاتے ہیں۔ حکومت قومی خزانے کو بڑھانے کے لئے عوام پہ دگنے ٹیکس لگا دیتی ہے۔ موبائل فون کے کارڈ پہ کتنا ٹیکس لگ جاتا ہے، آپ سب

جانتے ہیں۔مگر قیمتی گاڑیوں پہ ٹیکس کیوں نہیں بڑھایا جاتا؟ آپ سمجھ سکتے ہیں!")

"آقا...میرے پاس ایک بہتر حل ہے۔" ملکہ نے مسکرا کے بات کا آغاز کیا تو سب نے چونک کے اسے دیکھا۔

"کہیے یان سوفو۔" مرسل شاہ فوراً متوجہ ہوا۔ ساتھ بیٹھی ملکہ اب گردن موڑے اس کو دیکھتے نرمی سے کہنے لگی۔

"آقا ہمیں فی الحال ہزاروں من سونا چاہیے تاکہ اخراجات پورے کیے جا سکیں۔ اس سارے مسئلے کا فوری حل صرف عوام کے محصول سے نہیں نکلے گا۔ اس کا اصل حل وانگ لی لائے ہیں۔" ملکہ نے کرسیوں کی قطار میں بیٹھے وانگ لی کو اشارہ کیا۔ وہ کھڑا ہوا اور سامنے آیا۔ پھر ہاتھ باندھ کے جھکا اور روایتی کلمات کہے۔

تالیہ اچنبھے سے اسے دیکھتی آگے ہوئی۔ پیشانی کے بل گہرے ہو گئے تھے۔

"آقا' آپ کا ملک اس وقت غربت کا شکار ہو رہا ہے اور اس کا ایک ہی حل ہے۔ وہ یہ کہ شاہِ چین سے مدد لی جائے۔"

تالیہ مراد کا سانس تھم گیا۔

("مگر....موبد...." سیاستدان گہری سانس لے کر افسوس سے کہنے لگا۔" ہماری کرپٹ حکومتیں ایسے حالات میں جانتے ہو کیا کرتی ہیں؟ وہ امیر ملکوں سے مدد لے لیتی ہیں۔")

"آقا....شاہِ چین ملاکہ کے حالات سے واقف ہیں اور انہوں نے آپ کے لئے ایک پیغام بھیجا ہے۔" قدیم ملاکہ کے دربار میں کھڑا وانگ لی کہہ رہا تھا۔ مرسل ذرا آگے کو ہوا۔ پھل واپس رکھ دیا۔ وہ سنجیدہ اور متوجہ تھا۔

سب وانگ لی کو دیکھ رہے تھے۔

("امیر ملک اور ورلڈ بینک غریب ملکوں میں ایک Economic hitman بھیجتے ہیں۔ جانتے ہو وہ کیا ہوتا ہے؟" سیاستدان نے رک کے سوال کیا تو اینکر نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"جی سر' میں نے Confessions of an Economic hitman پڑھ رکھی ہے مگر آپ ہمارے ناظرین کے لئے وضاحت کر دیں۔" اینکر متانت سے بولا تو دلیہ کھاتی تالیہ آگے کو ہوئی اور غور سے سننے لگی۔

"یہ ایک پیغام رساں ہوتا ہے جو غریب ملک میں کی حکومت کو کہتا ہے کہ وہ ان کے امیر ملک سے قرضہ لے لیں۔")

فربہی مائل چینی کہہ رہا تھا۔" اگلے ایک ماہ میں شاہِ چین اتنا سونا بھجوا دیں گے جو آپ کے ملک کا نظام سال بھر تک چلانے کے لئے کافی ہو گا۔ اور یہ رقم آپ کو قسطوں کی صورت اگلے دس سال تک ادا کرنی ہو گی۔ ادائیگی کا کوئی بوجھ نہیں ہو گا آپ پہ۔ آپ عوام پہ ذرا سا محصول بڑھا دیں' اور محصول کا وہ بڑھا ہوا حصہ ہر سال اکٹھا کر کے قرض اتارنے کے لئے استعمال کریں۔ چونکہ شاہِ چین مسلمان نہیں ہیں تو یہ قرض سود پہ دیا جائے گا۔"

"دس سال....واہ یہ تو کافی لمبی مدت ہے۔" سلطان کا چہرہ کھل اٹھا۔" اس میں تو با آسانی قرض اتارا جا سکتا ہے۔"

(یہ اکنامک ہٹ مین اس غریب ملک کو بھاری سود پہ قرضہ دلوا دیتا ہے۔ کرپٹ حکمرانوں نے کون سا اپنی جیب سے قرضہ واپس کرنا ہوتا ہے، وہ اس کانٹریکٹ کو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔)

''تم کیا کہتے ہو ابوالخیر؟'' مرسل نے پرجوش انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''آقا میرے نزدیک یہ...'' ابوالخیر نے توقف کیا۔ ملکہ کی بے چین نظریں اس پہ جمی تھیں۔ ''...یہ ایک بہترین حل ہے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا تو یان سوفو نے مسکرا کے گہری سانس خارج کی۔ ''ہمارے تمام مسئلے حل ہو جائیں گے اور ہم ترقی کر سکیں گے۔''

''مگر آقا....'' تالیہ مضطرب سی کھڑی ہوئی۔ ''ہم اتنا بھاری قرضہ کیسے اتاریں گے؟ ہماری نسلیں مقروض ہو جائیں گی۔''

''شہزادی تاشہ!'' مراد اپنی جگہ سے اٹھا اور سنگین سرد آواز میں اسے مخاطب کیا۔ ''قرضہ اتارنا مردوں کا کام ہے اور ملاکہ کے مرد یہ کام سر انجام دے دیں گے۔''

''راجہ ٹھیک کہہ رہا ہے شہزادی۔'' مرسل خوشگوار انداز میں کہتا ہلکا پھلکا سا لگ رہا تھا۔ ''ویسے بھی دس سال ایک طویل (طویل کو لمبا کر کے) عرصہ ہے۔ تب کی تب دیکھی جائے گی۔ فی الحال ہمیں اس قرض کو خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے۔'' پھر چہرہ سامنے کھڑے ین باؤ کی طرف موڑا۔ ''شاہ چین کو ہمارا شکریہ ادا کیجیے۔ ہمیں یہ معاہدہ منظور ہے۔''

(''مگر یہ کانٹریکٹ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔'' سیاستدان انٹرویو دیتے رکا اور جھک کے کافی کا مگ اٹھایا۔ ایک گھونٹ بھر کے اسے نیچے کیا اور اینکر کی طرف دیکھ کے بولا۔ ''ورلڈ بینک یا امیر ملک یہ قرضہ ایک خاص شرط پہ دیتے ہیں۔'')

''آقا۔'' وانگ لی کھنکھارا۔ ''شاہ چین کی ایک شرط بھی ہے۔''

دربار میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔

''اور وہ کیا؟'' مرسل کا پھل اٹھاتا ہاتھ تھما۔ تالیہ نے سامنے کرسیوں کے پیچھے کھڑے فاتح کو دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی آنکھوں میں افسوس تھا۔

(''امیر ممالک مثلاً امریکہ.....'' سیاستدان نے دوبارہ کافی کا گھونٹ بھرا اور توقف سے بولا۔ ''اس شرط پہ قرضہ دیتے ہیں کہ یہ قرضہ وہ غریب ملک کی حکومت کو نہیں دیں گے بلکہ یہ رقم وہ اس ملک میں موجود اپنے ہی اداروں کو دیں گے۔ اور اس ادارے کا سربراہ وہی اکنامک ہٹ مین ہوتا ہے جو اس قرض کی پیشکش کو لے کر آیا تھا۔''

''یعنی سر... ناظرین کی آسانی کے لیے... یہ قرضہ امیر ملک اپنے ہٹ مین کو ہی دیتا ہے جو اسے ملک کی ترقی کے لیے استعمال کرتا ہے۔'')

''آقا.... شاہ چین کو آپ پہ اعتماد ہے مگر ماضی میں ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ ان کو آپ کے عہدیداروں پہ اعتماد نہیں ہے۔ آپ کا خزانہ پہلے ہی چوری ہوتا جا رہا ہے۔ بدعنوانی عروج پہ ہے۔ اس لئے....'' وانگ لی ادب سے کہہ رہا تھا۔ ''شاہ چین یہ رقم بلواسطہ آپ کے

خزانے میں بھجوانے کی بجائے.... مجھے اور میرے چینی عہدیداروں کو بھجوائیں گے۔ اور ہم اس رقم سے آپ کے ملک میں ترقیاتی کام کریں گے' تاکہ ہمیں معلوم ہوتا رہے کہ پیسہ درست جگہ پہ خرچ کیا جا رہا ہے یا نہیں۔''

(''امیر ملک بہانہ تو یہ بناتا ہے کہ وہ یہ رقم اپنے اداروں کو اس لئے دے گا تاکہ کرپشن وغیرہ کی نگرانی کی جا سکے مگر یہ حقیقت نہیں ہے۔ عوام کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ایسے بھاری قرضے اگر دس بلین ڈالر کے ہیں تو امریکہ واقعی دس بلین اپنے ہٹ مین کو عطا کر دیتا ہے۔ مگر ہٹ مین ان میں سے ایک بلین اس غریب ملک پہ خرچ کرتا ہے۔ تعلیم' صحت' انصاف کو نظر انداز کر کے سڑکیں اور پل بناتا ہے۔ پارک بناتا ہے۔ یعنی وہ ترقی کرواتا ہے جو نظر آئے۔''

''اور باقی نو بلین' سر؟'' اینکر نے متانت سے پوچھا۔

''باقی نو بلین وہ ہٹ مین خاموشی سے اپنے ملک کو واپس بھیج دیتا ہے۔ کاغذوں میں اس ملک پہ دس بلین قرضہ چڑھا رہتا ہے اور وہ ملک ہر سال قرضہ ادا کرتا رہتا ہے۔ سود کبھی ختم نہیں ہوتا اور نسلیں مقروض ہو جاتی ہیں۔ لیکن اصل میں وہ قرضہ کبھی اس ملک کو ملا ہی نہیں تھا۔'')

سلطان مرسل نے قدرے اچنبھے سے بنداہارا کو دیکھا۔ ''اس شرط کو میں کیا سمجھوں' مراد؟ کوئی مجھے بتائے کہ اس کا کیا مقصد ہے۔ کیا یہ ہمارے حق میں اچھی ہے؟''

تمام درباریوں کی نظریں مراد کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ خاموشی سے اٹھا۔ اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ مرسل سے فیصلہ کروانے والے تھے۔ تالیہ نے منت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔ ''ملاکہ کی نسلوں کو مقروض مت کرو' راجہ!''

مراد راجہ نے ایک گہری نظر تمام افراد پہ ڈالی۔

(''سوال یہ ہے سر!'' اسکرین پہ نظر آتے اینکر نے نکتہ اٹھایا۔ ''غریب ملک کی حکومتوں میں کتنے ہی ذہین اور شاطر وزراء ہوتے ہیں۔ اگر بالفرض ملک کا سربراہ مان لیا کہ بے وقوف ہے اور ایسی شرطیں قبول کر لیتا ہے' تو اس کی حکومت کے سمجھدار لوگ اس کو منع کیوں نہیں کرتے؟''

''وہ اس کو منع کر ہی نہیں سکتے' موبد۔ کیونکہ وہ بھانپ لیتے ہیں کہ یہ غیر ملکی جو شرائط لے کر آیا ہے' یہ دراصل ایک اکنامک ہٹ مین ہے' اور جب ہٹ مین کی بات نہ مانی جائے اور حکومت اس کے خلاف اڑ جائے' تو وہ ملک میں انتشار پھیلاتا ہے' بدامنی کراتا ہے اور حکومت گرا کے نیا سربراہ لاتا ہے۔ پھر نئے سربراہ سے وہ معاہدہ سائن کروا لیتا ہے۔ کرپٹ وزیر کیسے سربراہ کو منع کریں؟ منع کرنے کی صورت میں ان کو امیر ملک سے اپنی حکومت ختم کروا دینے کا خوف ہوتا ہے۔ لیکن قرض حاصل کر لینے میں ان کا کیا جا رہا ہے؟'')

''آقا....'' مراد نے بات کا آغاز کیا۔ سب دم سادھے اسے دیکھ رہے تھے۔

''وانگ لی سے میرے ذاتی اختلافات ایک طرف.... شاہ چین کی شرط انصاف پہ مبنی ہے۔ یہ شاہ چین کا پیسہ ہے' ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کہاں خرچ ہو رہا ہے۔ وانگ لی ایماندار آدمی ہیں۔ پیسہ ان کے پاس آئے یا ہمارے پاس' ایک ہی بات ہے۔ ہمیں اس شرط کو قبول

کرلینا چاہیے۔"

وانگ لی مسکرادیا۔یان سوفو کی گردن مزید اکڑ گئی۔اور سلطان مرسل کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔وہ ہلکا پھلکا سا ہوگیا۔

"معاہدہ میرے پاس لاؤ۔میں اس پہ شاہی مہر لگانے کے لئے تیار ہوں۔" وہ خوش نظر آتا تھا۔دربار میں مبارک سلامت کے نعرے گونجے۔بادشاہ کی شان میں قصیدے پڑھے جانے لگے۔سب خوش نظر آرہے تھے۔سب کی کرسیاں محفوظ ہوگئی تھیں۔

اداس تھے تو صرف وہ دو لوگ جو اس دنیا کے باسی ہی نہیں تھے۔

جن کو معلوم تھا کہ ایسے قرضوں نے صدیوں بعد بھی قوموں کی قومیں غلام بنا رکھی تھیں۔

☆☆=========☆☆

سلطنت محل میں دربار سے مخالف عمارت میں ایک بڑا ہال نما کمرہ تھا جس میں فرشی نشست بچھی تھی۔گاؤ تکیے لگے تھے اور سامنے دو فٹ اونچا چبوترہ بنا تھا جیسے قوالی کے لئے بنایا جاتا ہے۔

اس فرشی نشست پہ حاضرین کی طرف رخ کرکے ایڈم دوزانو بیٹھا تھا۔سامنے چھوٹی میز پہ قرینے سے سجے صفحات رکھے تھے جن پہ وقفے وقفے سے وہ نظر ڈالتا اور پھر چہرہ اٹھا کے حاضرین کو دیکھ کے ادب سے پڑھتا جاتا۔

سامنے پہلی صف میں سلطان مرسل' بنداہارا اور چند وزراء بیٹھے تھے۔وانگ لی مرسل کے بائیں جانب تھا۔پچھلی صفوں میں درباری مرد بیٹھے تھے۔

"اور یہ اسی ماہ کی بات ہے جب وانگ لی کے چائے خانے "جیا" میں....

ہوئی ایک شام گرم بحثوں کی نذر....

ایڈم مرسل شاہ کی تعریفوں اور شہزادی تاشہ کے قصیدوں کے بعد اب 'جیا' کے اس قصے پہ آیا تو آواز جوش سے بلند ہونے لگی۔

بنداہارا مراد قدرے چونک کے سننے لگا۔

" ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا رئیسوں اور قاضی کے خلاف...

اور کرنے لگا غلاموں کی حمایت...

جن کو قید کرتے تھے بااثر لوگ اغوا کرکے...."

آخری صف میں دوزانو ہوئے چند خاص سپاہی اور اعلیٰ عہدیدار غلام بیٹھے تھے۔وان فاتح ان میں سے ایک تھا۔پلکیں سکوڑ کے وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ ایڈم کو دیکھ رہا تھا۔

" اور بولا وہ بھری محفل میں آواز بلند کرکے...

نہیں ڈرتا میں رئیسوں کی دوستی کے چھن جانے سے..."

مرسل شاہ نے قہوے کی پیالی نیچے رکھی اور دلچسپی سے سننے لگا۔ مراد البتہ چونکا ہوا لگتا تھا۔ تاثرات سنجیدہ ہو گئے۔

"کیونکہ اللہ نے مطمئن کر رکھا ہے میرا نفس شاہوں کی دوستی سے...

گھوما ہوں میں اعلیٰ سواریوں میں، رہا ہوں میں اونچے محلوں میں...."

ایڈم کی آواز جیسے جیسے نغمہ ساز کی طرح فضا میں بکھرتی گئی، حاضرین کا جوش و تجسس بڑھتا گیا۔ قصہ دلچسپ معلوم ہوتا تھا۔ بس سب کو یہ سب کہنے والے جری مرد کا نام جاننے میں دلچسپی تھی۔

"پھرا ہوں میں ملک ملک، اپنے ہاتھوں سے کھودی ہیں میں نے قبریں...

تو نہ ڈراؤ مجھے ان چیزوں سے، جو مجھے خوفزدہ نہیں کرتیں...

لڑتا رہوں گا بے کس غلاموں کی آزادی کے لئے آخر دم تک۔

کیونکہ میں...." ایڈم نے مسکراتے ہوئے حاضرین کو دیکھتے نظریں کاغذ پہ جھکائیں اور پڑھا۔

"وا....." وہ اٹکا...نظریں اٹھائیں تو یہ نظریں بدلی ہوئی تھیں۔ تھوک نگلا اور فقرہ مکمل کیا۔

"کیونکہ میں وانگ لی ہوں۔ سن باؤ تائی ژان۔

شاہِ چین کا سب سے وفادار غلام!"

اور اس کی پلکیں جھک گئیں۔ منوں بوجھ ان پہ آن پڑا تھا۔ بدقت اس نے آنکھیں اٹھائیں، تو دیکھا.... سامنے جہاں مرسل شاہ نے خوشگوار حیرت سے گردن موڑ کے وانگ لی کو دیکھا۔

"کیا واقعی یہ تم نے کہا وانگ لی؟ ایسے خوبصورت بے باک الفاظ؟"

وہاں مراد راجہ نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ "ظاہر ہے یہ وانگ لی کی اعلیٰ پائے کی تربیت ہی ہے آقا، جو وہ کسی خوف وخطر کے بغیر اپنے 'اصل' کو رئیس زادوں کے سامنے بھی یاد کرنے سے نہیں رکتا۔"

پیچھے بیٹھے درباریوں کی بھی توصیفی واہ واہ گونجی۔

وانگ لی جہاں خود قدرے حیران تھا، راجہ کی بات پہ پھیکا سا مسکرایا۔ "آقا... میں...." وضاحت دینے کے لئے لب کھولے۔

"ہمارے دل میں تمہاری قدر و منزلت مزید بڑھ گئی ہے، وانگ لی۔ خوش رہو۔" مرسل شاہ نے زور سے اس کا شانہ تھپکا۔ پھر خوشگوار انداز میں واپس مورخ کی طرف گردن موڑی۔ "تم اچھا لکھتے ہو، آدم! آگے پڑھو۔ تمہارا کلام سننے میں لطف آرہا ہے۔" اور سامنے چھوٹی میز پہ رکھے.... پھلوں میں سے ایک گچھا اٹھا کے لبوں میں رکھا۔

وانگ لی نے بدقت مسکراتے ہوئے سر کو خم دیا۔ "شکریہ آقا۔" اور خاموش ہو گیا۔ قدرے غیر آرام دہ سا تھا۔ بار بار ایڈم کو دیکھتا تھا جیسے اچنبھے میں ہو مگر ایڈم اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ اس نے بس ایک نظر دور پیچھے بیٹھے فاتح پہ ڈالی۔

22

فاتح اس کو خود کو دیکھتے پا کے تلخی سے مسکرایا اور استہزائیہ سر جھٹکا۔اس کی نظروں کا ملال اور تلخی....ایڈم کی آنکھیں جھک گئیں۔

محفل برخاست ہوئی اور سلطان' جو چینی امداد کی خوشی کے نشے میں سرمست تھا' اٹھنے سے پہلے ایڈم کو شاہی خلعت سے نواز گیا اور اشرفیوں سے بھری تھیلی بطور انعام بھی دی۔ایڈم نے خاموشی سے وہ رکھ لی' جھک کے سلطان کا شکریہ ادا کیا اور سر جھکائے کھڑا رہا۔

ایک ایک کر کے سب رخصت ہو گئے تو وہ تیزی سے باہر آیا۔وانگ لی اپنے غلاموں کے ہمراہ دوسری سمت میں جا رہا تھا۔ایڈم تیزی سے ان کے قریب آیا۔فاتح نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔بس رفتار آہستہ کر دی۔وانگ لی اور دوسرا غلام آگے نکل گئے۔وہ دونوں پیچھے رہ گئے۔

''سر....'' وہ بے چینی سے بولا۔''میں....میں شرمندہ ہوں۔جو میں نے کہا وہ سچ نہیں تھا' میں نے سچ چھپایا' مگر....''

''یہ خلعت سنبھالو' ایڈم۔یہ کافی بھاری ہے۔تم پہ بوجھ بڑھ گیا ہے۔''

''مگر سر...''

''مجھے کچھ برا نہیں لگا۔بلکہ اچھا ہوا کہ میرے خدشات دور ہو گئے۔میں نے جان لیا کہ اب بس وہی ہو گا جو بنگار ایا ملایو میں لکھا ہے۔ مجھے اسی طرح پلان بنانا ہو گا۔شکریہ ایڈم۔''

وہ سپاٹ سا کہہ کے آگے بڑھ گیا۔

ایڈم مٹھیاں بھینچے' بے بسی سے دور جاتے وانگ لی اور اس کے غلام کو دیکھتا رہا۔

وہ بنداہارا کے محل کے باغ میں تھی جب ایڈم اس کو ڈھونڈتا وہاں آیا۔

باغ میں ایک جگہ بڑے بڑے پتھروں سے سنگی نشستیں بنی تھیں' جیسے مشروم کے سر کاٹ دیے ہوں اور وہ ایک سر کٹے مشروم پہ بیٹھی' اپنا لباس دائیں بائیں پھیلائے' دور افق پہ دوپہر کے سورج کو دیکھ رہی تھی۔وہ بادلوں کے پیچھے چھپا آدھی نارنجی ٹکیا جیسا دکھائی دیتا تھا۔

''آپ نے ایسا کیوں کیا' بے تالیہ؟'' وہ لال بھبھوکا چہرہ لیے اس کے سر پہ آ کھڑا ہوا۔

تالیہ نے چونک کے گردن موڑی۔

''کیا میں نے آپ کو مسودہ اس لئے دیا تھا کہ آپ اس میں دان فاتح کے نام کی جگہ وانگ لی کا نام لکھ دیں؟ اس سے پہلے آپ نے میرا لکھا ایک حرف بھی نہیں بدلا۔تو یہ کیوں؟'' وہ سخت شکست خوردہ' دل ہارا نظر آتا تھا۔مسودہ سنانے سے قبل ایک دفعہ بھی پڑھ لیتا تو ذہنی طور پہ تیار تو ہوتا مگر اسے گمان تک نہ گزرا تھا کہ وہ یہ کر دے گی۔

''کیا وہ خفا تھے؟'' تالیہ کی نظریں سورج پہ تھیں۔

''ظاہر ہے ان کو برا لگا ہے۔کیونکہ ہم نے جھوٹ بولا ہے۔سچ کو چھپایا ہے۔''

''یا شاید اس لئے کہ ہم نے ان سے مزید 'فین' بنانے کا موقع چھین لیا ہے اور...''

23

''بات فینز کی نہیں ہے' چے تالیہ۔'' وہ بے زار ہوا تو وہ ایک دم سے اٹھی اور اس کی طرف گھومی تو چہرے پہ سختی تھی۔

''ایڈم بن محمد...میری بات کاٹے بغیر سنو..'' وہ غرائی تو وہ بالکل چپ ہو گیا۔''تمہارے فاتح صاحب اکیسویں صدی میں ایک اسٹار سیلبرٹی تھے۔ان کے لاکھوں فینز تھے۔وقت کی قید نے ان سے وہ مقام چھین لیا کہ جہاں ان کو صنم بنا کے ان کی پرستش کی جاتی تھی۔فینز کو پرستار اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے ستارے کی پرستش کرنے لگ جاتے ہیں۔جن لوگوں کو پرستاروں کی عادت ہو جائے' ان کے لئے پرستش کروائے بغیر رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔حب جاہ اور حب چاہ....وہ ان دونوں کے بغیر ادھورے ہیں۔ظاہر ہے ان کو برا لگے گا کہ ہم نے ان سے مزید پرستار بنانے کا موقع چھین لیا۔ارد گرد دیکھو...ان کا کوئی فین نہیں ہے یہاں۔''

''چے تالیہ...آپ نے...ایسا کیوں کیا؟'' وہ دکھی تھا۔

''کیونکہ...میں نہیں چاہتی ان کو توجہ ملے۔وہ کسی کی نظروں میں آئیں۔وانگ لی ایسے الفاظ بولے تو کوئی نہیں چونکے گا۔لیکن اگر کوئی غلام بولے تو بنداہارا ضرور چونکے گا۔میرا باپ اس وقت ملاکہ میں ہر آدمی کی گردن کو دیکھ رہا ہے تا کہ وہ نشان ڈھونڈ سکے۔اگر اس کو تمہاری کتاب میں دیوتا بنے شخص کی گردن پہ وہ نشان مل جائے تو وہ کیا حال کرے گا وان فاتح کا' احساس ہے تمہیں؟''

ایڈم بالکل چپ ہو گیا۔

''میں جو کر رہی ہوں' ہم تینوں کی بھلائی کے لئے کر رہی ہوں۔تم غلاموں کی کہانی لکھنا چاہتے ہو' لکھو' مگر اس کو وانگ لی کے نام سے لکھو یا کسی اور نام سے۔مگر فاتح کا نام تم اپنی کتاب میں نہیں لکھو گے۔یہ میرا حکم ہے۔'' وہ تحکم سے چبا چبا کے بولی۔

ایڈم نے اپنے سامنے کھڑی شہزادی کو نظر اٹھا کے دیکھا۔اس کے عقب میں بنداہارا کا محل نظر آ رہا تھا' اور وہ اس محل کی طرح اونچی' بارعب اور پُر تمکنت لگ رہی تھی۔

''میں اس حکم کو نہیں ماننا چاہتا۔میں نے وان فاتح سے وعدہ کیا تھا کہ...''

''ایڈم بن محمد...'' وہ ایک دم غرائی تو وہ بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹا۔''تم یہاں...میرے حکم پہ...کھڑے ہو۔تمہیں یہاں تک میں (سینے پہ انگلی رکھے) لائی ہوں۔میں ملاکہ کے بنداہارا کی بیٹی شہزادی تاشہ بنت مراد ہوں۔اس محل میں وہ ہوتا ہے جو میرا حکم ہوتا ہے۔ میرے سامنے اپنی توجیہات مت رکھو۔تم وہی لکھو گے جو میں چاہوں گی ورنہ تم اس دنیا میں تا عمر بھٹکتے رہو گے۔سنا تم نے!''

محل دونوں کے درمیان آ گیا تھا۔طاقت کا پلڑہ بے قابو ہو گیا تھا۔پیمانے اوپر نیچے ہونے لگے اور اپنی اپنی جگہ پہچاننے لگے۔

ایڈم کے کندھے ڈھیلے ہو کے گر سے گئے۔اس نے سر جھکا دیا۔''جو حکم' شہزادی۔''

وہ ایک برہم نگاہ اس پہ ڈالتی' لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے' تیز تیز آگے بڑھ گئی۔ وہ سر جھکائے اس اداس سے باغیچے میں کھڑا رہا۔سامنے موجود محل نے کان میں سرگوشی کی۔''طاقت میں بہت طاقت ہے' بے وقوف مورخ!''

☆☆=========☆☆

ملکہ کی خواب گاہ سرخ اور زرد رنگ کے پردوں اور قالینوں سے سجی تھی جن پہ مختلف طرح کے شیر اور ڈریگن کی شکلوں کے نقش و نگار بنے تھے۔ دیوار کے کھلے خانوں میں چینی کے برتن اور صراحیاں سجی تھیں۔ پلنگ کے اوپر سرخ جالی دار پردے گرتے نظر آتے تھے غرض وہ ہر طرح سے "شاہ چین کی دختر" کا کمرہ لگتا تھا۔

ملکہ یان سوفو اندر داخل ہوئی تو دربار کے برعکس اس کے چہرے کی خوشگواریت عنقا تھی۔ رنگت گلابی دہک رہی تھی' ماتھے پہ بل تھے اور وہ غصے میں تھی۔

اس کی خاص کنیز بھی پیچھے آئی اور دہلیز پار کر کے کونے میں کھڑی ہو گئی۔

یان سوفو آگے بڑھی... سنگھار میز تک آئی اور کلائی سے چوڑیاں اتارنے لگی۔

"ملکہ..... ہم کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔ آقا شہزادی تاشہ کو اپنے حرم میں داخل نہیں کریں گے۔"

"پانچ سال کی تھی جب گھوڑے پہ چڑھنا سیکھا تھا میں نے۔" وہ رگڑنے والے انداز میں چوڑیاں اتار اتار پھینک رہی تھی۔ آنکھیں شدت جذبات سے سرخ پڑ رہی تھیں۔ "نو سال کی ہوئی تو قیدیوں پہ مشقوں کے دوران ایک قیدی کی پیشانی میں پہلا تیر گھونپا تھا میں نے۔ شاہ چین کی بارہ بیٹیوں میں سے سب سے لاڈلی اور محبوب تھی میں۔"

"ملکہ....." کنیز نے دلگرفتہ نظروں سے اسے دیکھ کے کچھ کہنا چاہا مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

"بائیس برس کی ہوئی تو اپنی ہر فن سے آراستہ بیٹی کو بابا نے سینکڑوں چینی اہلکاروں کے ساتھ اس ملک کی طرف روانہ کر دیا۔ اپنے آباؤ اجداد کا دین چھڑوا کے مجھے مسلمان بنایا گیا۔ پھر ایک ایسے سلطان سے میری شادی کر دی جس کو میں جانتی تک نہ تھی مگر حکم تھا کہ یہی کرنا ہے۔ یہ دونوں ملکوں کے لئے خوش بختی لائے گا۔ کیسی خوش بختی ہے جو چین کی شہزادی کے دل کو روند کے ملتی ہے؟" اب وہ اپنی گردن سے زیور نوچ کے اتار رہی تھی۔ نظر اٹھا کے آئینے میں دیکھا تو آنکھیں بھیگ گئیں۔

"جس سلطان کو کھانا کھانے کی تمیز نہیں' جس کو اپنی عقل سے سوچنا تک نہیں آتا۔ جس کو دوسرے چلاتے ہیں۔ اور جس کو میں نے ہر قربانی دینے کے بعد سدھارنے کی کوشش کرنا چاہی۔ اپنے ملک کے لئے.... چین کے لئے۔ اپنے شاہ کے لئے۔ وہ سلطان آج کہتا ہے کہ وہ میرے مقابلے پہ ایک دوسری ملکہ لے آئے گا۔" آئینے میں اپنی صورت دیکھتے ہوئے اس نے تاج اتارا اور دیوار پہ دے مارا۔

کنیز سہم کے پیچھے ہوئی۔

یان سوفو نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔

"وہ شاہ چین کی بیٹی کے مقابلے پہ دوسری عورت لائے گا؟ وہ ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہے؟"

"ملکہ' ضرور شہزادی تاشہ نے آقا کو اپنے جال میں پھنسایا ہو گا ورنہ آپ کی خوبصورتی کے سامنے تو....."

یان سوفو نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔ "شہزادی تاشہ!" پھر چہرہ اٹھایا اور آئینے میں عکس دیکھا تو کاجل آنسوؤں کے باعث مٹا مٹا سا

تھا اور جوڑے سے لٹیں نکل کے ادھر ادھر بکھری تھیں۔

''شہزادی تاشہ کے چہرے پہ تیزاب پھینک سکتی ہوں میں.....اسے زنداں میں ڈال سکتی ہوں۔اس کی جان لے سکتی ہوں۔مگر.....''اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آنکھوں پہ رکھیں اوران کورگڑنے لگی پھرانگلیاں ہٹائیں'چہرہ اٹھایا اور گہری سانس لی۔

''مگر میں پانچ برس کی تھی تو گھوڑے پہ چڑھنا سیکھا تھا۔اتھرے جانور کو قابو کرنا مجھے تب سے آتا ہے۔'' آنسو ہتھیلی کی پشت سے رگڑے۔

نوسال کی تھی تو قیدی کے سر پہ رکھے سیب کی جگہ پیشانی میں تیر گھونپا تھا۔کیونکہ کان میں بابا نے کہا تھا کہ مشق تو ناٹک ہے'اصل مقصد اس قیدی کو مارنا ہے۔تب سے محل کے رازوں اور سازشوں کا استعمال کرنا آتا ہے۔''اس نے غازے سے اٹا رومال اٹھایا اوراس سے چہرے کو تھپتھپایا۔رنگت میں سفیدی اور گلابی گھل گئی۔

''شاہ چین کی بارہ بیٹیوں میں سے سب سے لاڈلی اس لئے تھی کیونکہ بابا کو معلوم تھا'میں انسانوں کو پڑھ بھی سکتی ہوں اور ان سے نپٹ بھی سکتی ہوں۔'' لالی اٹھائی اور لبوں پہ لگائی۔

''بائیس برس کی تھی تو اس لئے مجھے تنہا شاہی دستے کے ساتھ غیر ملک میں روانہ کر دیا کیونکہ وہ جانتے تھے' یان سوفو تنہا مقابلے کرنا بھی جانتی ہے۔دونوں ملکوں کو خوش بختی ملے گی' مگر یان سوفو کا دل اب مزید نہیں روندا جائے گا۔''اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور جیسے الجھی لٹوں کو شانت کر کے درست کیا۔پھر سنگھار میز پہ رکھا دوسرا تاج اٹھا کے سر پہ رکھا۔

''میں اب صرف شاہ چین کی بیٹی نہیں ہوں۔میں ملاکہ سلطنت کی ملکہ بھی ہوں۔اور مجھے مراد راجہ اور شہزادی تاشہ سے زیادہ چالیں چلنا آتی ہیں۔''پھر اس نے گردن موڑی اور کنیز کو دیکھا تو اب قدرے پرسکون اور سپاٹ نظر آتی تھی۔

''شہزادی تاشہ کو کل محل بلوا لو۔ہم ظہرانہ ایک ساتھ کھائیں گے۔''

کنیز نے الجھ کے اسے دیکھا مگر سر تسلیم خم کر لیا۔''جو حکم' ملکہ!''اور الٹے قدموں پیچھے ہٹتی گئی۔

☆☆==========☆☆

''جیا'' پہ مغرب کا اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔اندر قندیلیں روشن کر دی گئی تھیں اور بڑا ہال کھچا کھچ بھرا نظر آ رہا تھا۔پسماندہ'زبوں حال سے نوجوان اور ادھیڑ عمر مرد میزوں پہ بیٹھے کھانا کھانے میں مصروف نظر آتے تھے۔بعض عجلت میں کھا رہے تھے جیسے ان کو واپس پہنچنے کی جلدی ہو۔

ہال کا ایک دروازہ رسوئی میں کھلتا تھا جہاں چولہے رکھے تھے اور چھت کھلی تھی۔دھواں فضا میں اڑتا جا رہا تھا اور دیگچوں میں پکوان پکتے نظر آ رہے تھے۔ایک چولہے کے قریب فاتح بن رامزل پنجوں کے بل بیٹھا لکڑیوں کو چولہے کے اندر دھکیل رہا تھا۔

دھواں اٹھا تو اس نے جھک کے پھونک ماری۔ایک دم شعلہ سا جل اٹھا اور دھواں چھٹتا گیا۔اس نے آنکھیں مسلیں اور پھر ادھر ادھر

دیکھا۔

وہ رسوئی میں اکیلا بیٹھا تھا۔ دوسرے غلام کاموں کے سلسلے میں آ جا رہے تھے۔ وہ ان غلاموں کا نگران بنا دیا گیا تھا اور اس پہ اب روک ٹوک نہیں کی جاتی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہیں' ڈیڈ؟'' وہ آواز پہ چونکا۔ لکڑیوں کے ساتھ آریانہ آ بیٹھی تھی اور چہرہ ہتھیلیوں پہ گرائے' یاسیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

میلے کرتے پاجامے میں پنجوں کے بل بیٹھا فاتح ذرا سا مسکرایا۔ ''یہ سوچ رہا ہوں کہ آگے کیا کرنا ہے۔''

''آپ کے پاس تو ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''

''اب بھی ہے۔ مگر یہ لوگ....'' گردن موڑ کے اس دروازے کو دیکھا جو اندرونی ہال میں کھلتا تھا۔ ''یہ شہر کے غلام محکوم لوگ..... یہ کیسے اپنے لئے کچھ کریں گے؟'' اس کے انداز میں افسوس تھا۔

''کسی کو تو ان کے لئے لڑنا ہو گا' ڈیڈ۔ وانگ لی تو وہ ہیرو نہیں نکلا جو آپ اس کو سمجھتے تھے۔ صبح دربار میں اپنی تعریف سن کے وہ خوش تو ہو گیا مگر اس نے تب سے لے کر اب تک آپ سے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ وہ کوئی عظیم کارنامہ سرانجام نہیں دے گا۔''

''غلط۔ اس کے بارے میں تاریخ میں لکھے تمام واقعات درست تھے سوائے اس ایک کے۔ وہ جنگی فتوحات' وہ بحری سفر' وہ سفارتکاری' وہ سب کارنامے وہ انجام دے چکا ہے...''

''اس نے جو بھی کیا' ڈیڈ' وہ چین کے لئے کیا۔ اب بھی ملاکہ کو قرض کی غلامی میں ڈال کے وہ اپنے ملک سے حب الوطنی کو ثبوت ہی دے رہا ہے۔ وہ ہیرو ہے مگر چینی قوم کا۔ آپ کو اپنی قوم کا مسیحا خود بننا ہو گا۔''

''صحیح کہہ رہی ہو۔'' اس نے ہاتھ جھاڑے اور سوچتی نظروں سے ہال کے دروازے کو دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''تقدیر صرف ان قوموں کی بدلتی ہے جو اپنی تقدیر بدلنے کی کوشش کرتی ہیں۔''

وہ ہال کے اندر آیا اور ایک غلام سے طشت لے لیا۔ پھر ایک میز تک آیا جو وسط میں تھی۔ اس پہ دو آدمی کھانے کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ فاتح نے ان کے سامنے چاول اور ترکاری کے کٹورے رکھے تو وہ جلدی جلدی کھانے پہ ٹوٹ پڑے۔ وہ طشت اٹھائے کھڑا غور سے ان کو دیکھے گیا۔

''آرام سے کھا لو' اتنی جلدی بھی کیا ہے۔''

''تم میرے آقا کو نہیں جانتے۔ جلد واپس نہ گیا تو وہ میرا برا حال کر دے گا۔'' وہ انگلیوں سے چاول منہ میں رکھتے ہوئے بولا تو فاتح نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''تمہاری مجبوری صرف جسمانی غلامی تھی۔ ذہنی غلام کیوں بن گئے ہو؟'' وہ ذرا اونچا بولا تو قریب میں چند گردنیں مڑیں۔

''ذہنی غلامی؟ وہ کیا ہوتی ہے؟'' غلام کے چاول میں ہاتھ رہ گئے۔ ہونقوں کی طرح چہرہ اٹھا کے اس کو دیکھنے لگا۔

فاتح نے کرسی کھینچی اور اس کے سامنے بیٹھا' پھر بولا تو آواز بلند تھی۔

''کسی انسان سے اتنا ڈرنا یا اس سے اتنی محبت کرنا کہ اپنے ہر کام' ہر فیصلے کو کرنے سے پہلے اس کا متوقع ردِعمل سوچنا... یہ غلامی ہے میرے دوست اور یہ تم سب...'' انگلی سے اطراف میں اشارہ کیا۔ ''...کی عادت ہے۔ تم سب ذہنی غلام ہو۔''

''تو کیا کریں؟'' غلام نے خفگی سے چاول پلیٹ میں پھینکے۔ ''آقا کے غلام ہیں۔ حکم نہ مانیں تو ڈر لگتا ہے کہ سزا ملے گی۔''

''مسلمان ہو کیا تم' ہاں؟'' وہ برہمی سے بولا تو سارے میں سناٹا چھا گیا۔ لوگ گردنیں موڑ موڑ کے اسے دیکھنے لگے تھے۔ ''پھر کیوں بھول جاتے ہو کہ مسلمان کسی سے نہیں ڈرتا کیونکہ وہ صرف اللہ سے ڈرتا ہے۔''

''اللہ سے ہم بھی ڈرتے ہیں' مگر ہمارا مالک...''

''میرے بھائی' صرف اللہ سے ڈرنے کی عادت ڈالو۔ تمہارا مالک کیا' دنیا کا کوئی انسان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اگر تم اللہ سے مدد مانگو تو۔'' اس نے لہجہ قدرے نرم کیا اور انداز میں جیسے منت سی بھر لی۔ ''جسمانی غلامی تمہاری مجبوری ہے' مگر خدارا ذہن کو تو آزاد رکھو۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آزاد انسان بننا سکھایا تھا۔ ہم کیوں وہ سب بھول گئے ہیں۔''

کسی نے جواب نہیں دیا۔ لوگ کھانا روک کے ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

''میں جانتا ہوں تم لوگ پریشان ہو' اکیلے ہو' تمہیں اغوا کر کے یہاں لایا گیا ہے اور غلام بنایا گیا ہے مگر تمہیں اس حالت میں ڈالنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی انسان کو اکیلا کرتا ہے۔ سارے رشتے' دوست' مددگار' ایسے حالات بنا دیتا ہے کہ سب چھوڑ جاتے ہیں اور وہ سب سے انسان کو کاٹ کے کسی تنہا جزیرے پہ لے جاتا ہے۔ جانتے ہو کیوں؟''

کوئی جواب نہ آیا۔ بس خالی چہرے ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہے تھے۔

''کیونکہ محبت کرنے والے جب تک ہمارے اردگرد ہوتے ہیں' ان کی محبتوں کا شور ہمیں اپنے اندر نہیں جھانکنے دیتا۔ کبھی کبھی اس شور کو ختم کرنا پڑتا ہے۔ زبردستی' جبراً۔ یہ تمہارا اور میرا اللہ ہے جو انسان کو اکیلا کر کے اس کو اس کے اندر جھانکنے کا موقع دیتا ہے۔ تم اپنے مالک سے کیوں ڈرتے ہو؟ وہ تمہارا خدا نہیں ہے۔ کوئی انسان کسی کی زندگی کا خدا نہیں ہوتا۔ خدا صرف ایک ہے۔'' انگلی سے اوپر اشارہ کیا۔ نظریں ایک سے دوسرے تک جا رہی تھیں۔

''اس خدا سے ڈرنا سیکھو۔ اس خدا کو پہچاننا سیکھو۔ وہی ہماری زندگیوں کے سارے فیصلے ہم سے کرواتا ہے۔ وہی ہمیں خوشی دیتا ہے' وہی غم دیتا ہے۔ وہی ہنساتا ہے' وہی رلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ہمارے دل کو آرام نہیں پہنچا سکتا۔''

غلام نے پلیٹ اپنی طرف کھینچی اور پھر سے کھانا کھانا شروع کیا۔ مگر فاتح نے ہمت نہیں ہاری۔

''ہمارے رسول اللہ ﷺ کسی انسان سے نہیں ڈرتے تھے۔ ہر انسان کو برابری کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ اللہ نے ان کے سارے

خوف دور کر دیے تھے۔ یہ مشکل نہیں ہے۔ تم لوگ بھی اپنے خوف دور کر سکتے ہو۔ تم سب اچھے گھروں کے لوگ ہو جو اغوا کر کے جبراً ابو الخیر یا اس جیسے لوگوں کے غلام بنائے گئے ہو۔ اپنے مالکوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا سیکھو' ملاکہ کے لوگو! اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ نہیں پسند جو مظلوم بن کے ظلم کے سامنے پستے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ پسند ہیں جو بھلے امیر ہوں یا غریب' خوبصورت ہوں یا بدصورت' مگر وہ صرف اللہ سے ڈریں اور درست چیز کے لئے کوشش کرتے رہیں۔ اللہ کو کوشش کرنے والے پسند ہیں۔ کیا تم لوگ اپنے لئے کوشش کرنے والے نہیں بننا چاہتے؟''

غلام اب تیز تیز لقمے لے رہا تھا۔ گردنیں واپس مڑتی گئیں۔ ذرا دیر کی خاموشی کے بعد پھر سے بھنبھناہٹ شروع ہوگئی۔ سب کی توجہ کھانے کی طرف مبذول ہوتی گئی۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک میز سے دوسری میز تک امید بھری نظریں دوڑائیں مگر اس کی نگاہ خالی پلیٹ آئی۔ کسی نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے تو کسی نے خشمگیں نگاہوں سے اس کو گھور کے منہ موڑ لیا تھا۔ سب واپس مصروف ہو گئے تھے۔ کچھ لوگ تو مارے خوف کے باہر نکل گئے تھے۔ فاتح نے گہری سانس لی اور اداسی سے ان لوگوں کو دیکھا جو جلدی جلدی کھانا ختم کر رہے تھے۔ مالک کا خوف ہر شے پہ حاوی تھا۔

☆☆=========☆☆

'سلطنت محل' لکڑی کا بنا خوبصورت محل تھا جس کے مغربی کونے میں بڑا سا کتب خانہ سا بنا تھا۔ اس شاہی کتب خانے کے اندر وسیع و عریض ہال سا بنا تھا جس میں قطار در قطار ریک رکھے تھے اور ان کے اندر کتابیں سجی تھیں۔

ایڈم ایک ریک کے سامنے سے کھڑا کتاب اٹھا کے اسے کھولتا نظر آ رہا تھا۔ دو کتابیں بغل میں دبی تھیں۔

سلطنت محل کا کتب خانہ بنداہارا مراد کے محل سے کہیں زیادہ وسیع اور علمی خزانے سے مالا مال تھا۔ (سلطنت محل وہ محل تھا جس میں سلطان مرسل اور ملکہ یان سوفو رہائش پذیر تھے۔ مراد اور تالیہ کا محل اس سے دور سمندر کنارے اونچی پہاڑ پہ واقع تھا۔)

ایڈم نے کتاب بند کر کے ریک میں رکھی تو چونکا۔ اوپری خانے کے کونے میں قطار میں چار کتابیں رکھی نظر آ رہی تھیں۔ وہ ایک ہی سیریز کی کتابوں کی چار جلدیں تھیں۔ جلد اول' جلد دوم' جلد سوم' جلد پنجم۔ اس نے چاروں کے سرورق پڑھے۔ جلد چہارم نہیں تھی۔ درمیان کی جگہ بھی خالی تھی۔ جلد چہارم کس نے اٹھائی اور کہاں گئی؟

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ پہریدار اس طرف نہیں تھے۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ جلد اول نکالی اور اسے کھولا۔ اندرونی سرورق دیکھ کے وہ ٹھٹکا۔

وہ ملاکہ کے مختلف نامور جزیروں کے نقشوں' جغرافیہ اور وہاں کے سفرنامے کی کتاب تھی۔ بنیادی طور پہ وہ دس برس پہلے لکھے جانے والا ایک سفرنامہ تھا۔ جلد اول کے پہلے صفحے پہ فہرست تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ہر جلد میں کون کون سے مضامین شامل ہیں۔ وہ انگلی صفحے پہ پھیرتا نیچے آیا۔

جلد چہارم۔ ''تین چاند والے جزیرے کا دلچسپ احوال۔''

جو جلد غائب تھی' اس میں تین چاند والے جزیرے کا احوال لکھا تھا؟ یا خدا!

ایڈم نے جلدی سے کتاب بند کی اور واپس رکھی۔ اس کے ماتھے پہ پسینے کے قطرے تھے۔ وہ تیزی سے آگے آیا اور متلاشی نظروں سے ایک کے بعد ایک ریک دیکھنے لگا۔ وہ جامنی رنگ کے سرورق والی کتابیں تھیں' یہ رنگ خاصا نمایاں نظر آتا تھا۔

اور پھر اسے وہ رنگ نظر آ گیا۔

کونے میں رکھی شیشے کے پٹ والی قدیم الماری میں ''جلد چہارم'' رکھی تھی.... ایڈم کے اندر جوش سا ابھر گیا۔ فوراً سے الماری کا دروازہ کھینچا مگر وہ بند رہا۔ اس نے چونک کے دیکھا۔ کنڈے پہ یہ بڑا سا تالہ چڑھا تھا۔

''تم کیا کر رہے ہو یہاں؟'' پیچھے سے پہریدار غراتا ہوا آیا تو وہ چونک کے مڑا۔

''میں.... یہ کتابیں نکالنا چاہ رہا تھا اور.....''

''ہر کتاب پڑھنے کے لائق نہیں ہوتی۔'' وہ بگڑے تیوروں کے ساتھ اس کے سر پہ پہنچ گیا۔ میان میں چمکتی تلوار اور جسم پہ پہنا آہنی لباس... وہ لحیم شحیم سا پہریدار خاصا خوفناک تھا۔

''مگر میں مورخ ہوں اور مجھے.....''

''یہ بنداہارا کا محل نہیں ہے' یہ سلطنت محل ہے۔ یہاں تمہاری شہزادی کا حکم نہیں چلتا۔ یہاں سلطنت کے قوانین نافذ ہیں۔ یہ ممنوعہ کتب ہیں۔ شکل گم کرواپنی ورنہ۔'' تلوار پہ ہاتھ رکھا تو ایڈم نے جلدی سے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ بغل میں دبائی کتابیں نیچے جا گریں۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ ممنوعہ کتابیں ہیں۔ وہ کیا ہے کہ نظر کمزور ہے میری۔'' کہتے ہوئے جھکا اور جلدی جلدی کتابیں سمیٹنے لگا۔ ''اور تھوڑا سا دماغ بھی کمزور ہے۔ بات دیر سے سمجھ آتی ہے۔ خیر تم میری شکایت نہ کرنا۔'' کتابیں سنبھالتا اٹھا اور زبردستی مسکرا کے اسے دیکھا جو ہنوز شعلہ بار نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

''جا رہا ہوں۔ جا رہا ہوں۔'' معصومیت سے مسکرا کے آگے بڑھ گیا۔ مگر کنکھیوں سے اس نے الماری کے اندر رکھی دوسری کتابوں کے سرورق پہ نظر ضرور ڈالی تھی۔

پمبورو.... شکار باز.... تین چار کتابوں کی جلدوں پہ یہ لفظ اسے واضح لکھا دکھائی دیا تھا۔

ان کتابوں کو یقیناً مراد راجہ کے حکم پہ عام عوام کی پہنچ سے دور رکھا گیا تھا۔ اب وہ کیا کرے؟

☆☆==========☆☆

شہزادی تاشہ کے کمرے کی کھڑکیوں کے پردے ہٹے تھے اور سورج کی خالص' تازہ کرنیں اندر سارے کو روشن کیے ہوئے تھیں۔ وہ سنگھار میز کے سامنے بیٹھی' آئینے میں خود کو دیکھتی' گالوں پہ گلابی سا غازہ ہلکا ہلکا مل رہی تھی جو کھلی ڈبی میں سامنے رکھا تھا۔ پھر اسی کو ہونٹوں پہ

لگا کے ہونٹ آپس میں مس کیے۔

لباس زمرد رنگ کا تھا۔لمبی قمیص اور نیچے لہنگا سا۔(اسے باجو کرنگ کہتے تھے۔) تاج میز پہ رکھا تھا'اور بال گھنگریالے کر رکھے تھے۔ سنگھار سے مطمئن ہو کے اس نے چوڑیاں اٹھائی ہی تھیں کہ دروازے کھلے۔دربان نے صدا لگائی۔

''مراد راجہ تشریف لا رہے ہیں۔''

وہ چوڑیاں اٹھائے تیزی سے کھڑی ہوئی۔اسی اثناء میں مراد اندر داخل ہوا۔کمر پہ ہاتھ باندھے'ماتھے پہ سرخ پٹی'اور اپنی لمبی شاہی قبا پہنے ہوئے تھا۔سینے پہ لوہے کی زرہ بھی پہن رکھی تھی۔غالباً شکار پہ جا رہا تھا یا واپس آ رہا تھا۔آتے ساتھ ہی اسے ابرو کے اشارے سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''راجہ....آپ نے مجھے بلوا لیا ہوتا۔''وہ احتیاط سے بولی۔وہ ایسے کھڑی تھی کہ آئینے کی طرف اس کی کمر تھی۔اور راجہ کھڑکی میں سورج کی روشنی کے سامنے کھڑا تھا۔روشنی کا راستہ رک گیا تھا

''ملاکہ سلطنت کا بنداہارا شاہی شادی کا نگران ہوتا ہے'تم جانتی ہو۔''آنکھیں چندھیا کے باہر دیکھتے ہوئے سپاٹ انداز میں بولا۔''سلطان مرسل کی شادی میں نے ہی کروائی تھی۔''

''جی'راجہ۔تب آپ اور ملکہ ایک ساتھ کام کر رہے تھے۔پمبوروشکار بازوں کا سارا گاؤں تباہ کیا تھا آپ لوگوں نے اور مجھے اس ان دیکھی چینی شہزادی سے نفرت محسوس ہوتی تھی۔عجیب بات ہے کہ اب آپ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور میں ملکہ یان سوفو کے ساتھ ہوں۔شاید اسی کو سیاست کہتے ہیں۔''وہ چوڑیاں کلائی میں ڈالنے لگی۔ایک۔دو۔

''سلطان مرسل تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

تالیہ نے زور سے چوڑی کلائی پہ آگے کو دھکیلی تو وہ جلد کے ساتھ رگڑتی گئی۔اس کا سانس تھم گیا۔

''بنداہارا کی بیٹی اور ملاکہ سلطنت کے سلطان کا ملاپ ہمارے ملک کا پرانا رواج ہے۔اکثر سلاطین کی شادیاں بنداہارا کی بیٹیوں سے ہوئی ہیں۔حیرت ہے مجھے یہ خیال خود کیوں نہیں آیا۔وقت کا شکریہ جس نے تمہیں بہت جلد ایک مکمل شہزادی کے روپ میں مجھے واپس کر دیا۔''وہ سادہ سے انداز میں کہہ رہا تھا۔چھوٹی عقابی نظریں تالیہ کے چہرے پہ جمی تھیں جو سفید پڑنے لگا تھا۔

''تم واپس جانے کا ہر خیال ذہن سے نکال دو۔قسمت تم پہ مہربان ہو رہی ہے تاشہ۔اگر تم سمجھداری سے کام لو تو ہم اس چینی عورت کو ملاکہ سے نکال دیں گے۔تم ملکہ ہو گی اور میں بنداہارا۔مرسل شاہ صرف ایک کٹھ پتلی ہو گا۔میں اس نئے بندھن پہ بہت خوش ہوں۔اور تمہیں نصیحت کرنے آیا ہوں کہ تم بھی خوش رہنا۔کیونکہ....''انگلی اٹھا کے تنبیہ کی تو لہجے اور آنکھوں دونوں میں سختی در آئی۔

''میں....کوئی گڑبڑ....برداشت نہیں کروں گا۔اب یہ میری اور میری قوم کی عزت کا سوال ہے۔''

وہ یک ٹک کھڑی اسے دیکھے گئی۔ہاتھ بے جان سے ہو کے پہلو میں جا گرے تو چوڑیاں کھنک اٹھیں۔مراد راجہ جو کھڑکی سے آتی روشنی

کے ہالے میں کھڑا تھا' ایک بے تاثر نظر اس پہ ڈالتا' باہر کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے گم صم نگاہیں موڑ کے سنگھار میز پہ رکھے سنہری تاج کو دیکھا جس میں جڑے ہیرے دمکتے دکھائی دے رہے تھے۔

کون کہتا تھا کہ شہزادی ہونا آسان ہے؟

☆☆=========☆☆

سلطنت محل کا باغیچہ میلوں دور تک پھیلا دکھائی دیتا تھا۔ درمیان میں سفید روش بنی تھی جس پہ شہزادی تاشہ چلتی آتی دکھائی دے رہی تھی ۔عقب میں کنیزوں کا غول تھا۔ خود وہ پھیکی پھیکی سی لگتی تھی۔ گم صم سی۔ جیسے ہوا میں قدم رکھ رہی ہو۔ سامنے سے ایڈم آ رہا تھا۔ کتابیں بغل میں دبا رکھی تھیں۔ اسے دیکھ کے رفتار آہستہ کی اور سر جھکا لیا۔ اس روز کی تلخی ابھی تک یاد تھی۔

تالیہ نے کنیزوں کو اشارہ کیا تو وہ وہیں رک گئی۔ وہ خود بے جان سے قدم اٹھاتی اس کے قریب آ رکی۔

''تم یہاں کیسے؟''

''آقا نے کہا تھا کہ مجھے شاہی کتب خانے سے فیض اٹھانا چاہیے۔ اس لیے یہاں آیا تھا۔'' ذرا کی ذرا نظریں اٹھائیں۔ ''میرے لائق کوئی خدمت' شہزادی؟''

''میں صرف تمہاری شہزادی نہیں ہوں' ایڈم۔ یہ مت سمجھو کہ مجھے تاج اور تخت کا غرور آ گیا ہے۔''

''واقعی یہ نہ سمجھوں؟'' اس نے شکایتی نظروں سے شہزادی کو دیکھا۔

''ہاں' طاقت اپنا اثر دکھاتی ہے لیکن میں اور تم ایک برابر ہیں' ایڈم۔ ہم دونوں ہی یہاں قیدی ہیں۔ مجھ پہ بھروسہ کرو اور حکم مان لیا کرو۔'' کہہ کے وہ آگے بڑھ گئی۔ ایڈم کی ساری کلفت اور ناراضی جیسے دور ہو گئی۔ فوراً اس کے پیچھے لپکا۔

''اچھا سنیے۔ اس محل کے کتب خانے میں کچھ کتابیں تالے میں رکھی گئی ہیں۔ مجھے وہ چاہیے ہیں۔ ان میں تین چاند والے جزیرے کا راز چھپا ہے۔''

''میں ملکہ سے ملنے آئی ہوں' مجھے تنگ مت کرو ابھی۔'' وہ کسی قسم کی تلخی کے بغیر تکان سے بولی۔ اور سامنے دیکھتے ہوئے قدم بڑھاتی گئی ۔ایڈم نے قدرے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

''اس سے اچھے تو ہم کے ایل میں تھے' بے تالیہ۔ وہاں ہم برابر تھے۔ یہاں نہیں۔ بلکہ خیر... برابر کے تو وہاں بھی نہیں تھے۔ میں ٹھہرا ایک شریف' قانون کی پاسداری کرنے والا آدمی۔ اور آپ ٹھہری ایک لالچی خاتون جن کی زندگی کے سارے فیصلے خزانے کی کھوج کے گرد گھومتے تھے۔''

وہ ایک دم رکی اور اس کی طرف گھومی۔ ایڈم کی زبان کو بریک لگا۔ ذرا سا گڑبڑایا۔ رعب حسن اور شاہزادیوں والی جاہ۔ اسے ڈر لگا کہ کہیں دوبارہ اس روز کی طرح.....

''بالکل.....واقعی!'' وہ چونک کے بولی۔''یہی تو ہوں میں۔ایک لالچی عورت جس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد خزانے کی کھوج تھا۔
ویری گڈ!''اور دوبارہ سے چلنے لگی۔ایڈم کے ابرو حیرت سے سکڑے۔وہ اس کے پیچھے لپکا۔

''طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟میرے دائیں ہاتھ کو آج بری نظر سے نہیں دیکھا آپ نے۔''

''مراد راجہ میری سلطان سے شادی کی تیاری کر رہا ہے۔اس وقت میرا موڈ اچھا نہیں ہے' ایڈم۔''

''اوہ۔''وہ چپ ہو گیا۔دونوں خاموشی سے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔پھر ایڈم نے اسے امید دلانے کی کوشش کی۔

اگر آپ مجھے وہ کتابیں نکلوا کے دے دیں تو میں یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ڈھونڈتا ہوں۔میں کسی صورت آپ کو ان رسم ورواج کے اوپر قربان نہیں ہونے دوں گا۔''ذرا جذباتی ہو گیا تو تالیہ نے گردن موڑ کے ایک نظر ایڈم کو دیکھا۔کرتے پاجامے اور واسکٹ میں ملبوس' سر پہ ٹوپی پہنے' وہ اچھا لگ رہا تھا۔تالیہ اداسی سے مسکرائی۔

''تمہاری تو خواہش تھی نا مجھے پولیس سے گرفتار کروا کے قید میں ڈلوانے کی۔تو اس قید پہ خفا کیوں ہوتے ہو؟''

''وہ نیک کام تو میں اپنے ہاتھوں سے سرانجام دوں گا' مگر یہاں کسی صورت بھی میں آپ کو اس سب کا حصہ نہیں بننے دوں گا۔''وہ واقعی دبے دبے غصے میں آیا نظر آتا تھا۔

''تھینک یو ایڈم۔''

''ظاہر ہے چے تالیہ۔مانا کہ آپ انتہائی فراڈ اور بے وفا انسان ہیں' سوائے دولت کے آپ کسی کے ساتھ وفاداری نہیں نبھاتیں' مگر ہم اس سب میں ساتھ ہی آئے تھے' اور ساتھ ہی جائیں گے۔''

''ایڈم!''وہ برا مانے بنا چونک کے بولی۔''میں بتانا ہی بھول گئی..میں نے اس روز خواب دیکھا کہ....میں کے ایل میں ہوں۔ایک آفس میں۔نئے دور میں۔''

''اس میں کیا بڑی بات ہے؟میں روز خواب دیکھتا ہوں کہ میں کے ایل میں ہوں اور میری شادی ہو رہی ہے۔''

''نہیں ایڈم۔''اس نے ہاتھ اٹھا کے سرخ یاقوت والی انگوٹھی دکھائی۔''یہ انگوٹھی میں نے اس خواب میں پہن رکھی تھی۔یہ انگوٹھی!اور اس کا مطلب ہے.....وہ خواب آنے والے وقت کا ہے۔یعنی کہ ہم واپس جائیں گے' ایڈم!''وہ پہلی دفعہ دل سے مسکرائی۔ایڈم کے لب بھی خوشگوار مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''ہم؟کیا اس خواب میں میں بھی تھا؟اور وان فاتح بھی؟''

تالیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''کتابیں..تمہیں مقفل الماری کی کتابیں چاہیے ہیں نا' میں کچھ کرتی ہوں' اچھا۔''اور مڑ کے کنیزوں کو اشارہ کیا۔وہ فوراً سے اس طرف لپکیں۔تالیہ اس سے نظر ملائے بغیر آگے بڑھ گئی۔وہ بنا پلک جھپکے اس کو جاتے دیکھنے لگا۔

''کیا ہم اس خواب میں نہیں تھے' بچے تالیہ؟ کیا ہم واپس نہیں جائیں گے؟'' اس نے زیرِلب کہا مگر وہ اَن سنی کر کے آگے بڑھ گئی۔ وہ بالکل گم صم سا ہو گیا۔

ملکہ یان سوفو سبزہ زار پہ بنی اس اونچی بارہ دری میں بیٹھی تھی کس کے اوپر چھتری نما کنیوپی بنی تھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ گال تلے انگلی رکھے بیٹھی' گردن موڑ کے سبزے کو دیکھ رہی تھی۔ نیچے سبز ٹیلوں پہ گھاس اور پھول اگے دکھائی دے رہے تھے۔ درمیان میں ایک مصنوعی صاف پانی کا نالہ بھی بہہ رہا تھا۔

دفعتاً اس نالے کے ساتھ گھاس پہ شہزادی تاشہ چلتی دکھائی دی۔ اس کی رنگت قدرے بجھی بجھی سی لگتی تھی۔ کنیزوں کو اس نے وہیں چھوڑ دیا اور خود کینوپی کی طرف آئی۔ لکڑی کے زینے چڑھے اور اوپر ملکہ کے سامنے آ کے سر جھکایا۔

''ملکہ عالیہ۔ آپ نے یاد فرمایا تھا۔'' پھر سیدھی ہوئی۔

''شہزادی تاشہ!'' یان سوفو نے سر کو خم دیا اور مسکرا کے ابرو سے سامنے اشارہ کیا۔ ''بیٹھیے۔''

تالیہ سامنے لکڑی کے بینچ پہ بیٹھ گئی۔ زمرد لباس اردگرد پھول کی طرح پھیلتا گیا۔ گود میں رکھی انگلیاں باہم پھنسا رکھی تھیں۔

''تجویز کیسی لگی؟''

''کون سی تجویز؟'' وہ چونکی۔

''قرضے کی۔ اتنی جلدی بھول گئیں آپ؟'' ملکہ نے مسکرا کے غور سے اسے دیکھا تو اس کے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔

''سچ کہوں تو پریشان ہوں کہ ملاکہ یہ قرضہ کیسے اتار پائے گا۔'' وہ فکرمندی سے کہنے لگی۔ ''قرضہ ہر سال بڑھتا جائے گا۔ جب تک امیر لوگ خراج اور محصول نہیں ادا کریں گے' ہم اس قرض کو اتار نہیں سکیں گے۔ اور....''

''سلطان کی بیوی بننے کے بارے میں آپ نے مجھے کب بتانا تھا' شہزادی صاحبہ؟'' وہ مسکراتے ہوئے ایک دم سے بولی تو تالیہ کے الفاظ ٹوٹ گئے۔ لمحے بھر کو وہ چپ ہوئی۔

''مجھے خود مراد راجہ نے ابھی یہاں آتے وقت اطلاع دی ہے' ملکہ۔ میں بھی اتنی ہی پریشان ہوں جتنی کہ آپ۔''

''کس نے کہا کہ میں پریشان ہوں۔'' مسکراتے ہوئے یان سوفو نے سر جھٹکا۔ ''آقا نے جلد یا بدیر کسی خاتون کو اپنے نکاح میں لینا ہی تھا۔ یہ تو ازل سے طے تھا۔''

تالیہ نے سر جھکا لیا اور گھنگریالی لٹ کان کے پیچھے اڑسی۔ ''میں جلد از جلد یہاں سے جانے کی کوشش کرتی ہوں' تاکہ.....''

''اور اگر نہ جا سکیں' تو؟ سلطان کو کیسے روک پاؤ گی؟'' ملکہ کہنی کرسی کے ہتھے پہ جمائے' انگلی گال تلے رکھے دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

تالیہ نے شکوہ کناں نظر اٹھائی۔

''کوئی حل نکال ہی لوں گی۔ تال (رک کے تصحیح کی) تاشہ کے پاس منصوبہ ہمیشہ ہوتا ہے۔''

''وہ آدمی کہاں ہے؟ وہ جو اپنے شہر میں تمہارا محبوب تھا؟''

جھرنے کے اندر جیسے کسی نے زور سے پتھر پھینکا تھا۔سوال بے حد غیر متوقع تھا۔اس کی دھڑکن بے ترتیب سی ہوئی۔''وہ.....!''

''اسی شہر میں ہے کیا؟ اکٹھے آئے تھے تم دونوں یا تمہارے پیچھے آیا ہے؟ وانگ لی کا کہنا ہے کہ اس کے ایک غلام سے ملنے تم اور تمہارا مورخ اس کے قہوہ خانے میں گئے تھے۔ایسی باتیں چھپی نہیں رہتیں۔کیا وہی ہے وہ شخص؟''

''آپ تو بہت کچھ جانتی ہیں ملکہ۔'' آواز دھیمی رکھی۔

''بہت خوب۔'' ملکہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی اور باوقار انداز میں اپنی قبا کو جھٹکا۔''مجھے ملوا سکتی ہو اس سے آج ہی؟''

تالیہ مراد کے لب بے یقینی سے کھل گئے۔''جی؟'' وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

☆☆==========☆☆

سن باؤ تائی ژان کی سرخ حویلی پہ اندھیرا چھا رہا تھا۔مغرب ڈھل چکی تھی اور کھلے صحن سے آسمان پہ دمکتے تارے صاف دکھائی دے رہے تھے۔برآمدے میں قندیلیں جل چکی تھیں اور آرام کرسی پہ بیٹھا فربہ سا وانگ لی' ٹانگوں پہ کمبل ڈالے کتاب پڑھنے میں مشغول تھا۔

سامنے صحن چاند کی روشنی میں نہایا ہوا تھا اور کنوئیں پہ جھکا فاتح دکھائی دے رہا تھا۔کرتے پاجامے میں ملبوس' ماتھے پہ سبز پٹی باندھے' وہ جھک کے ڈول اوپر کھینچ رہا تھا جب دروازہ بجا۔

وانگ لی نے کتاب بند کر کے اچنبھے سے دروازے کو دیکھا۔''اس وقت کون آ گیا؟''

''میں دیکھتا ہوں' مالک۔'' فاتح نے ڈول اوپر نکالا اور زمین پہ رکھا تو پانی چھلک کے اس کے پیروں پہ گرا۔ہاتھ بھی گیلے ہو گئے۔وہ کرتے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے برآمدے میں آیا اور راہداری میں چلتا گیا۔سن باؤ کی حویلی کا دروازہ کمروں کے اس طرف سے کھلتا تھا' نہ کہ صحن سے۔

فاتح نے سرخ لکڑی کا دروازہ کھولا تو دیکھا۔سامنے کچی زمین پہ ایک بگھی کھڑی تھی جس کے ساتھ صرف تین سپاہی تھے مگر وہ شاہی سپاہی تھے۔وہ چونکا۔

دفعتاً بگھی کا دروازہ کھلا اور نسوانی پیر نیچے زمین پہ اترا۔پھر وہ پوری باہر نکلی۔بھورے چغے میں ملبوس' زیور اور سنگھار سے پاک چہرہ لئے وہ سیدھی سامنے کھڑی ہوئی تو فاتح کا سر ذرا جھک گیا۔

''ملکہ عالیہ!''

مگر ملکہ اکیلی نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد سن باؤ کے برآمدے میں جلتی قندیلوں میں اضافہ ہو چکا تھا۔دیوار کے ساتھ جہاں قالین بچھا تھا اور تکیے لگے تھے' وہاں فرشی میز کے گرد ایک طرف یان سو فو اور تالیہ بیٹھی تھی' دوسری طرف وانگ لی مودب سا بیٹھا تھا۔کونے میں کھڑا فاتح دیوار پہ لگی مشعل جلا رہا تھا۔

''میرے غریب خانے کو آپ نے رونق بخشی' ملکہ۔''

''سنا ہے اپنے قہوہ خانے میں ملاکہ کے رؤسا سے بڑی جرات مندانہ باتیں کہنے لگ گئے ہو'وانگ لی!'' چغے کی ٹوپی کے ہالے میں ملکہ کا چہرہ دمک رہا تھا۔تالیہ جو انکھیوں سے مشعل جلاتے غلام کو دیکھ رہی تھی' فوراً چونکی۔

''وہ وانگ لی کے الفاظ نہیں تھے۔وہ ان کے غلام کے الفاظ تھے۔غلام کو مرادراجہ کے عتاب سے بچانے کے لئے میں نے کتاب میں تبدیلی کروائی تھی۔''

وانگ لی جو شکریہ کہنے ہی والا تھا قدرے کھسیانہ ہو گیا۔

ملکہ نے نظروں کا رخ موڑا۔وہ مشعل جلا کے اب سنجیدگی سے رسوئی کی طرف جارہا تھا۔

''میں تمہارے اس غلام سے ملنے آئی ہوں'وانگ لی۔''

وان فاتح کے قدم زنجیر ہوئے۔چونک کے مڑا۔

''تم میرے سامنے بیٹھو اور وانگ لی...تم میرے لئے چینی قہوہ تیار کرو گے۔ملاکہ کے کڑوے قہوے پی پی کے اللہ کی قسم میرا اگلا اندر تک چھل گیا ہے۔''

نخوت سے بولی تو وانگ لی نے جھٹ سر جھکایا۔''جو حکم' ملکہ!'' وہ شاہ چین کا وفادار غلام تھا۔فوراً سے اٹھ گیا۔

فاتح سامنے آ کے خاموشی سے بیٹھا تو ملکہ یان سوفو ذرا سا مسکرائی۔(تالیہ مضطرب سی باری باری دونوں کو دیکھتی تھی۔)

''مجھے یہاں دیکھ کے حیران ہو رہے ہو'وانگ لی کے غلام!''

میز کے دوسری طرف زمین پہ وہ دوزانو بیٹھا تھا۔ہاتھ گود میں اور چہرہ سپاٹ تھا۔نگاہ نہیں جھکائی۔ملکہ کو دیکھتے ہوئے سادگی سے بولا۔''میرا نام 'وانگ لی کا غلام' نہیں ہے۔وہ میرا مقام ہے۔نام 'فاتح بن رامزل' ہے۔ہر انسان کا حق ہوتا ہے کہ اسے اس کے نام سے پکارا جائے۔''

''مگر میری نظر میں تو تم صرف ایک غلام ہو!''

''پھر آپ کو اپنی نظر پہ صرفِ نظر کرنے کی ضرورت ہے ملکہ' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کو عزت بخشی ہے۔ہر انسان مکرم ہوتا ہے اور اس کی عزت کرنے کے لئے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ آدم کی اولاد ہے۔''

''تو اے غلام فاتح بن رامزل....'' وہ کہنیاں چھوٹی میز پہ رکھے آگے ہوئی اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔''اس بات سے واقف تو ہو گے کہ ''تمہاری' شہزادی تاشہ کی شادی سلطان مرسل سے کی جارہی ہے۔''

تالیہ نے نظریں جھکا دیں۔صورتِ حال عجیب سی ہو گئی تھی۔

''جی ملکہ۔واقف ہوں۔''اس نے تالیہ کو دیکھے بغیر جواب دیا۔

''تو تاشہ کو اس مصیبت سے نکالنے کے لئے کیا کیا ہے تم نے؟ میری اطلاع کے مطابق تم تاشہ کے گاؤں سے ہو اور اس کے ساتھ آئے ہو۔''

فاتح نے اب کے تالیہ کو دیکھا۔ اس نے بھی نظریں اٹھائیں۔ وہ جیسے سمجھنا چاہ رہا تھا کہ ملکہ کیا جانتی ہے اور کیا نہیں۔

''میں اس چیز کی نوبت ہی نہیں آنے دوں گا۔ میں شہزادی کو جلد واپس لے جاؤں گا۔ واپس لے جانے کا وعدہ میں نے عرصے سے ان سے لے رکھا ہے۔''

''اور اگر....'' ملکہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آگے کو جھکی۔ ''اگر تم کبھی واپس نہ جا سکے تو' اس شادی کو کیسے روک سکو گے۔''

''ہم واپس جائیں گے اور ضرور جائیں گے۔''

''اور اگر نہ جا سکو' غلام فاتح؟ بولو۔ جواب دو۔'' وہ ایک دم پھنکاری۔ وہ خاموش ہو گیا۔ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے نظریں ملکہ پہ جمائے رکھیں۔

''شہزادی تاشہ اپنے بابا کو انکار کر دیں گی اور اس چیز کی نوبت نہیں آئے گی۔''

''شہزادیوں کے انکار کوئی نہیں سنتا' غلام فاتح۔'' وہ تلخی سے بولی۔ نظریں فاتح پہ جمی تھیں۔ ''بنداہارا اس رشتے سے خوش ہے۔ وہ جبراً یہ شادی کروا دے گا۔ اور سلطان مرسل.... وہ انکار کی صورت میں بنداہارا کے محل پہ چڑھائی کروا دے گا۔ عورت کے نام پہ پہلے بھی بہت سی جنگیں ہو چکی ہیں۔ ایک اور سہی۔''

''ملکہ... اگر آپ خود یہاں آئی ہیں تو یقیناً اس مسئلے کا کوئی حل بھی سوچ کے آئی ہوں گی۔''

ملکہ نے گہری سانس لی اور پیچھے کو ہو کے مسکرائی۔ ''جانتے ہو ملاکہ کے سلطان سے شادی کرنے والی عورتوں میں کون سی قدر مشترک ہونی چاہیے؟ چاہے وہ امیر ہو یا غریب' بدصورت ہو یا حسین' شاہ چین کی بیٹی ہو یا ایک جنگی قیدی کنیز۔ ان سب کا ایک شرط پہ اترنا لازم ہے!''

تالیہ گم صم سی اسے دیکھے گئی۔

''اور وہ کیا ہے' ملکہ؟'' وہ سمجھ رہا تھا۔

''سلطان کی دلہن غیر شادی شدہ ہونی چاہیے۔ نہ وہ پہلے کسی کی کنیز رہی ہو نہ بیوی۔''

لمحے بھر کو سرخ حویلی میں سناٹا چھا گیا۔ پھر صحن میں اگے بوڑھے درخت کے پتے ہوا سے جھنجھنائے اور قندیلوں کے شعلے پھڑ پھڑائے۔ عجیب پراسرار سا ماحول بن گیا تھا۔

فاتح ملکہ کی آنکھوں میں دیکھتا آگے کو جھکا اور ہاتھ باہم پھنسا کے میز پہ رکھے۔

''تو آپ چاہتی ہیں کہ میں شہزادی تاشہ سے شادی کر لوں؟''

الفاظ تھے یا کیا... تالیہ کا سانس تھم گیا۔ ناخن ہتھیلی میں پیوست کر لیے۔

ملکہ بھی اسی کے انداز میں آگے کو جھکی۔ وہ دونوں بس ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''کیا سلطان مرسل سے تاشہ کو بچانے کے لیے تم اس سے شادی کرو گے؟''

''ملکہ عالیہ!'' وہ ذرا سا مسکرایا۔ ''میں اس شہر میں ایک غلام ہوں' جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں۔ مگر اپنے شہر میں..... میں حاکموں میں سے ایک تھا۔ اور میرے جیسے لوگ بدلے میں کچھ مانگے بغیر فیصلے نہیں کیا کرتے۔''

تالیہ کی ہتھیلی ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ بس ساکت سی اسے دیکھے گئی۔ نہ وہ حیران ہوا تھا' نہ چونکا تھا۔ وہ شاید تیار تھا۔ کیا اس کو معلوم تھا کہ آگے کیا ہونے جا رہا ہے؟

ملکہ کو البتہ اچنبھا سا ہوا۔ اسے اس ردِ عمل کی توقع نہ تھی۔

''میں تم سے پوچھ رہی ہوں' تم تاشہ بنتِ مراد سے شادی کرو گے؟''

''اور میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ مجھے بدلے میں کیا ملے گا؟''

''میرے سوال کا جواب دو' غلام۔ تم تاشہ سے نکاح کر کے قاضی وقت کو گواہ بنا کر مراد اور سلطان کے سامنے جا کے یہ کہہ سکو گے کہ تم تاشہ کے شوہر ہو؟''

''ایک بحری جہاز' چند سپاہی۔ اور وانگ لی کی غلامی سے آزادی۔ کیا یہ دیں گی آپ مجھے؟'' وہ ابھی تک سرد سا مسکرا رہا تھا۔ ملکہ کی رنگت گلابی پڑنے لگی۔

''میں غلاموں سے بھاؤ تاؤ نہیں کرتی!''

''بہت سی چیزیں پہلی دفعہ کرنی پڑتی ہیں ملکہ عالیہ۔ آپ کے اوپر سلطان صرف ایک سوکن نہیں لا رہا۔ وہ ملاکہ کی نئی ملکہ لا رہا ہے۔ ایک بحری جہاز' چند سپاہی اور وانگ لی کی غلامی سے آزادی دلوا دیں مجھے۔ میں تاشہ سے شادی کر کے آپ کے تخت و تاج کو بٹوارے سے بچا لوں گا۔ میرے علاوہ آپ کو ملاکہ میں کوئی مرد ایسا نہیں ملے گا جو سلطان سے منسوب لڑکی سے شادی کرنے کی جراءت کر سکے۔''

ملکہ لب بھینچے اسے دیکھے گئی۔ ''کیا راجہ مراد کے سامنے اس کی بیٹی کو بیوی کہنے کی ہمت رکھتے ہو؟ کیا سلطان کو یہ بتا سکتے ہو کہ اس سے منسوب شہزادی شادی شدہ ہے؟''

وہ جواباً مزید آگے جھکا۔

''فاتح بن رامزل.... ایک آزاد انسان ہے.... اور وہ.... کسی سے.... نہیں ڈرتا!'' چبا چبا کے بولا۔

وہ سب کچھ خاموشی سے سنے جا رہی تھی۔ صحن میں اگے درخت کی ہلتی شاخیں اور برآمدے کی قندیلوں کے پھڑ پھڑاتے شعلے... اور وہ باتیں... اسے ہر چیز وحشت دلا رہی تھی۔ وہ اس سے زیادہ خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔

''ملکہ!'' وہ بولنے لگی...مگر ملکہ نے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کروا دیا۔

''تم نے مجھ سے وفاداری کی قسم کھائی تھی' تاشہ۔اس لیے خاموش رہو۔ ویسے بھی تمہیں اس آدمی سے شادی کرنی تھی نا' تم دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو..تو وہ شادی میں کروائے دیتی ہوں۔میں صبح اعلیٰ عدالت کے ایک چینی قاضی کو بلواتی ہوں۔ان کے سامنے تم اس غلام سے شادی کرو گی۔اور پھر یہ آزاد انسان بن جائے گا۔اگر تم مجھ سے وفادار ہو اور واقعی ملکہ نہیں بنا چاہتیں تو تمہارے پاس دوسرا راستہ نہیں ہے۔'' ملکہ سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہی تھی۔وہ اس وقت متضاد کیفیات کے زیرِ اثر تھی۔

تالیہ کا حلق خشک ہو گیا۔صحن کی تاریکی اور اوپر چمکتے تارے...ان سب کا سناٹا اس کے اندر اترنے لگا۔وہ بار بار لب کھولتی' مگر الفاظ جیسے ختم ہو گئے تھے۔پھر اس نے سر جھکا دیا۔''مجھے وعدے نبھانے آتے ہیں' ملکہ۔آپ ہماری واپس جانے میں مدد کریں گی۔جواب میں میں اور فاتح (اس کی طرف دیکھا بھی نہیں) وہی کریں گے جو آپ کہیں گی۔''

یان سوفو کا چہرہ ایک دم شانت ہو گیا۔اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''وانگ لی صبح قاضی کو لے آئے گا' اور اس کے سامنے یہ نکاح ہوگا۔''

''صبح!'' فاتح نے اچنبھے سے ابرو اٹھائی۔''اتنی جلدی کیا ہے' ملکہ؟ ابھی تو شادی میں کئی دن پڑے ہیں۔''

''سنو فاتح بن رامزل!'' وہ تیز لہجے میں پھنکاری۔''میں شاہِ چین کی بیٹی ہوں۔قیافہ شناسی کے علوم سے آراستہ کر کے بھیجا تھا مجھے میرے بابا نے۔چہرہ دیکھ کے سارا ماضی پڑھ لیتی ہوں اور بعض دفعہ مستقبل بھی۔''

''میرے چہرے پہ کیا نظر آتا ہے آپ کو' ملکہ؟''

یان سوفو استہزائیہ سا مسکرائی اور آگے کو جھکی۔

''سچے ہو اور ایماندار بھی۔نڈر ہو اور بہادر بھی۔مگر...'' اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ چبا چبا کے بولی۔''خود غرض ہو....مفاد پرست اور سب سے بڑھ کے....بے وفا مرد ہو تم۔صرف خود سے محبت کرتے ہو اور طاقت کی خواہش رکھتے ہو۔شہزادی کو تم سے سچی محبت ہے' (تالیہ کی نظریں فوراً جھکیں) مگر تمہیں اس سے محبت نہیں ہے۔اس لئے تمہارا اعتبار نہیں ہے مجھے۔صبح سے زیادہ انتظار نہیں کر سکتی میں۔''

وہ چہرہ سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ دونوں بھی ساتھ ہی اٹھے۔وہ اس کے الفاظ پہ ہلکا سا ہنس دیا۔

''آپ مجھے نہیں جانتیں' ملکہ۔آپ نے میری زندگی نہیں گزاری۔''

ملکہ اس کو نظر انداز کیے تالیہ کی طرف گھومی جو بددل سی نظر آ رہی تھی۔

''تمہارا انتخاب اتنا متاثر کن نہیں تھا' تاشہ۔عام حالات میں' میں تمہیں کبھی ایسے آدمی سے شادی کا مشورہ نہ دیتی جو صرف خود سے محبت کرتا ہو اور جسے وعدے نبھانے نہ آتے ہوں۔یاد رکھنا' یہ آدمی کبھی وعدے پورے نہیں کر سکتا۔مگر خیر....'' اس نے شانے جھٹکے۔''اس سے

کیا فرق پڑتا ہے۔ شہزادیوں کی شادیاں ایسے ہی ہوتی ہیں۔"

وہ کہہ کے آگے بڑھی تو تالیہ تڑپ کے اس کی طرف گھومی۔ "کیا آقا کو پسند آجانے والی ہر لڑکی کی شادی کروادیں گی آپ؟ کس کس کو آقا کے نکاح میں آنے سے روک پائیں گی آپ۔"

یان سوفو سکون سے اس کی طرف پلٹی اور گہری سانس لی۔ "کیا تم بھول گئی ہو کہ میں وہ ملکہ ہوں جس نے تمہارا گاؤں الور سونگائی جلا کے راکھ کر دیا تھا۔ سارے شکار بازوں کو قید کروالیا تھا۔ تمہیں اپنا وفادار سمجھتی ہوں اس لئے تمہارا نکاح کروارہی ہوں۔ دوسری کوئی ہوتی تو اس کی گردن اتروا کے چوک میں لٹکا دیتی۔"

اور ایک نگاہ غلط ان دونوں پہ ڈال کے آگے بڑھ گئی۔

"قہوہ کل پیوں گی میں وانگ لی' ابھی میرے ساتھ باہر آؤ۔ مجھے بات کرنی ہے تم سے۔" بلند آواز سے رسوئی میں موجود وانگ لی کو کہا اور باہر نکل گئی۔ وہ بھی سب کام چھوڑ کے اس کے پیچھے لپکا۔

وہ دونوں چلے گئے تو سرخ حویلی کے سناٹے بڑھ گئے۔ وہ شکوہ کناں سی اس کی طرف گھومی۔

"اچھا بھاؤ تاؤ کر لیتے ہیں آپ۔" اس کے کان سرخ دہک رہے تھے اور گلا رندھنے لگا تھا۔

"یہ تمہیں ملکہ کے سامنے اپنے اور میرے بارے میں کہانیاں گھڑنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔" وہ تیزی سے بولا' پھر گہری سانس لی۔ "مگر خیر.... یہ کہانی سچ بتانے سے بہتر تھی۔ سچ پہ وہ یقین نہ کرتی۔ شہزادی کے لئے بننے والے غلام پہ کر لیتی۔" اس نے کندھے اچکائے۔

تالیہ کے اوپر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ بدقت اس نے حواس پہ قابو پایا۔ "ظاہر ہے.... میں کہانیاں گھڑنے میں ہی تو اچھی ہوں۔ یہ تو نہیں بتا سکتی تھی کہ خزانے کی تلاش میں ہم چھ سو سال پیچھے آئے ہیں۔ اس لئے یہی کہہ دیا کہ آپ اور میں..." سر جھٹکا۔ ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہے تھے۔

"تم نے ٹھیک کیا۔ تم یہی کر سکتی تھیں۔"

"ملکہ کے سامنے راضی ہو جانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں ایسا چاہتی ہوں۔" وہ تیزی سے بولی۔ "ہم صبح ہونے سے پہلے یہاں سے بھاگ جاتے ہیں۔ الور سونگائی چلے جائیں گے یا کہیں اور لیکن..."

"تالیہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہمیں مراد راجہ سے وہ چابی حاصل کرنی ہے اور اس کے لیے ہمیں مراد کو اپنی بات ماننے پہ مجبور کرنا ہے۔ ہمیں وہی کرنا ہو گا جو ملکہ کہہ رہی ہے۔ اور سنو.... مجھ پہ بھروسہ کرو۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ تم دونوں کو نکال کے لے جاؤں گا یہاں سے تو مجھے اس وعدے کو پورا کرنے کے لیے جو بھی کرنا پڑے میں کروں گا۔ ملکہ میرے وعدوں سے واقف نہیں ہے۔"

"آپ شادی شدہ ہیں تو انکو۔ آپ کے دو بچے ہیں۔ بیوی ہے۔ آپ اس دنیا میں غلام نہیں ہیں۔ آپ ملک کے اگلے وزیر اعظم ہیں۔

میں آپ سے کیسے شادی کر سکتی ہوں؟''

''شادی نہیں کرنی' لڑکی۔صرف ایک کاغذ پہ دستخط کرنے ہیں جو ہمیں آزادی دلوا سکتا ہے۔کس طرح۔۔یہ تم مجھ پہ چھوڑ دو۔میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر ابھی تم ملکہ کی بات مان لو تو میں واپس جاتے ہی تمہیں آزاد کر دوں گا۔کسی کو علم بھی نہیں ہو گا۔''

تالیہ کا دل ایک دم خالی ہو گیا۔سارے خدشات' واہمے' خوف سب دم توڑ گئے۔وہ بس اس کو تعجب اور ملال سے دیکھے گئی۔

''تو یہ کوئی اصلی شادی نہیں ہو گی۔صرف۔۔۔صرف ایک پیپر میرج ہو گی۔جو واپس جاتے ہی ختم ہو جائے گی۔''

''بالکل۔کیونکہ یہ اسی طرح ہونا ہے۔'' وہ اب دھیمے لہجے میں اس کو سمجھا رہا تھا۔''ہمیں ملکہ یا سلطان کا نہیں سوچنا۔ہمیں صرف اپنا سوچنا ہے۔ہمیں وہ کرنا ہے جو اس۔۔۔اس وقت کی قید سے نکلنے میں ہماری مدد کرے۔''

''اور اس شادی سے ملکہ کے راستے سے میں ہٹ جاؤں گی لیکن ''ہمیں'' کون سا فائدہ ہو گا؟ مراد راجہ آپ کی جان لے لے گا' تو انکو۔''

''میں نے کہا نا' میرے پاس پلان ہے۔بھروسہ رکھو۔یہ اسی طرح ہونا تھا۔''

''تو آپ نے تاریخ کی کتابوں میں یہ پڑھ رکھا تھا۔'' اسے اب سمجھ آیا تھا۔''اور پڑھا تو میں نے بھی تھا۔شہزادی تاشہ کی شادی ایک غلام سے ہوئی تھی۔مجھے نہیں معلوم کیوں' مگر آپ جانتے ہیں۔۔۔آپ صرف مجھے ایک سیاسی چال کے طور پہ استعمال کر رہے ہیں۔ہے نا؟''

اس کے اعصاب دھیرے دھیرے ڈھیلے پڑنے لگے۔قسمت کے آگے بے بسی۔۔۔ان الفاظ کا مطلب آج سمجھ آیا تھا۔

''مجھے یہی کرنا آتا ہے تالیہ' اور جو ہمیں آتا ہے' وہ ہماری جان بچائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔میں ملکہ کی بات مان لیتی ہوں۔میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے مگر۔۔'' وہ ایک دم سپاٹ سی ہو چلی۔''ایک لمحے کے لئے بھی یہ مت سوچیے گا کہ ملکہ کو بتائی گئی اس کہانی میں کوئی صداقت تھی۔(تھوک نگلا)۔میں چاہوں گی کہ جیسے ہی یہ مسئلہ ختم ہو' آپ مجھے فوراً آزاد کر دیں اور عصرہ اور آپ کے بچوں کو کبھی علم نہ ہو کہ ایسا کچھ ہوا تھا۔''

''میں جانتا ہوں تمہیں مجھ سے شادی کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے' اور۔۔۔''

''مجھے آپ سے کیا' کسی سے شادی کرنے میں دلچسپی نہیں ہے۔ایک تجربہ بہت تھا۔میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جن کو اپنی تکمیل کے لئے کسی مرد کی ضرورت ہوتی ہے۔مجھے زندگی گزارنے کے لئے کسی جنگجو کا ساتھ نہیں چاہیے۔میرے لئے میری اپنی تلوار ہی کافی ہے۔'' آخر میں اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ہاتھوں کی کپکپاہٹ خود بخود ختم ہو گئی۔عجیب غصہ سا آنے لگا تھا۔

وان فاتح نے کندھے اچکا دیے۔''ظاہر ہے۔میں یہ سب سمجھتا ہوں۔''

''بہت بہتر!'' وہ آگے بڑھی' پھر رکی۔گردن موڑ کے چاندنی میں نہائے صحن کو دیکھا۔نگاہ ٹھہری تو ٹھہر ہی گئی۔

وہی صحن۔وہی کنواں۔اور دوسرے کونے میں خالی جگہ۔وہ خواب کی سی کیفیت میں آگے بڑھتی گئی۔یہاں تک کہ صحن میں قدم رکھا۔ہوا سے چغے کی ٹوپی پیچھے گر گئی اور سنہری بال نظر آنے لگے۔

وانگ لی واپس آیا تو کھنکھار کے اسے مخاطب کیا۔

''ملکہ رخصت ہوگئیں۔ آپ کے لیے دوسری بگھی روک رکھی ہے۔ کیا آپ قہوہ لیں گی ؟''

''نہیں شکریہ۔'' اس کی بے خود نگاہیں اس صحن پہ جمی تھیں۔ عجیب سی پراسراریت تھی اس میں۔ جیسے سرخ اینٹوں تلے صدیوں پرانی داستانیں مدفن ہوں۔

''سن باؤ۔'' وہ اسی کیفیت میں بولی۔ ''یہ کونا خالی کیوں ہے؟ کیا آپ نے یہاں کچھ نہیں بنوایا۔''

''میں نے اس کو مجسمہ سازی کے لئے چھوڑ رکھا تھا' شہزادی۔'' وہ ہاتھ باندھے اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

''مجسمے کے لئے؟'' وہ چونک کے اس کی طرف مڑی۔ ''آپ اپنا مجسمہ بنوانا چاہتے ہیں۔''

''ایک زمانے میں بڑی خواہش تھی میری' شہزادی۔ مگر پھر وقت نہیں مل سکا۔ کیا آپ کو بھی مجسمہ سازی سے شغف ہے۔''

''جی..... میں..... تصاویر اور مجسمے بنالیتی ہوں۔ تھوڑا بہت یہ کام آتا ہے مجھے۔'' وہ ذرا سا مسکرائی۔

''کیا آپ.....'' وہ جوش سے کہنے لگا تو وہ فوراً بولی۔

''نہیں' سن باؤ۔ میں مجسمہ بنا سکتی ہوں اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں آپ کا مجسمہ بنانا چاہتی ہوں۔ میں تو یونہی ایک سوال پوچھ رہی تھی۔''

پھر فاتح کو دیکھا جو اس کے صاف انکار پہ ابرو اٹھا کے زیر لب بولا تھا۔ (سیریسلی ؟)

''اتنے حیران مت ہو' غلام فاتح!'' وہ چبا چبا کے بولی۔ ''مجھے وانگ لی کا مجسمہ تراشنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ شاید تمہیں لگا ہو کہ شہزادی تاشہ وانگ لی کا مجسمہ بنائے گی۔ یقین کرو' تمہیں غلط لگا ہے۔ کیونکہ میں.....کوئی مجسمہ بنانے..... یہاں نہیں آنا چاہتی۔'' پھر وانگ کو دیکھا اور مسکرائی۔ ''شب بخیر' سن باؤ۔ صبح ملاقات ہوگی۔''

اور سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

ایڈم بن محمد جس وقت شہزادی تاشہ کے کمرے سے ملحقہ بیٹھک میں داخل ہوا وہ سن باؤ کے گھر سے رخصت ہونے والی پرسکون اور سپاٹ تاشہ نہیں لگ رہی تھی۔ وہ اڑی رنگت اور پریشان چہرے والی لڑکی لگ رہی تھی جو ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔

''ایڈم!'' اسے دیکھتے ہی تیزی سے اس کی طرف لپکی۔ ایڈم نے لاشعوری طور پہ اپنا' دایاں ہاتھ' پیچھے کرلیا۔

''دیکھیں شہزادی' آپ کے جو بھی ارادے ہیں' میں بتائے دیتا ہوں کہ کسی مسلمان کو اس کے ہاتھ سے محروم کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور.....''

''ملکہ چاہتی ہیں میں وان فاتح سے شادی کرلوں۔''

محل کے باہر ایک دم تیز ہوا چلی۔ کھڑکی میں رکھے چراغ کا شعلہ پھڑ پھڑایا۔

ایڈم بالکل ساکت رہ گیا۔ ہاتھ ڈھیلا سا ہو کے پہلو میں آن گرا۔

''کیا مطلب؟'' الفاظ حلق میں پھنس گئے۔

''مطلب میں ہی تو الجھی ہوں۔ اگر وان فاتح سے شادی نہ کی تو سلطان مرسل سے کرنی پڑے گی۔ اتنا وقت نہیں ہے کہ اس سے پہلے مراد راجہ ہمیں چابی دے دے۔ اس لئے ملکہ نے...'' وہ پھر سے دائیں بائیں ٹہلنے لگی اور سارا قصہ سنا ڈالا۔ آخر تک ایڈم سنبھل چکا تھا اور چہرے کے زاویے بگڑ چکے تھے۔

''بہت خوب۔ اور آپ کے خیال میں جب سلطان کو یہ معلوم ہوگا کہ آپ شادی شدہ ہیں تو وہ مسکرا کے کہیں گے... بہت معذرت 'محترمہ' میں نے ایسے ہی آپ کو زحمت دی۔ آپ پیا دیس سدھاریئے، میں اپنے گھر کا راستہ ناپتا ہوں۔ جی نہیں چے تالیہ۔'' وہ غصے سے بولا تھا۔ پتہ نہیں اسے غصہ کس بات پہ زیادہ آ رہا تھا۔ ''اس شادی پہ ایسی قیامت کھڑی ہوگی کہ الامان۔ راجہ مراد آپ کی اور فاتح صاحب دونوں کی جان لے لے گا۔''

''فاتح کا کہنا ہے کہ ان کے پاس پلان ہے۔ وہ راجہ کو قابو کر سکتے ہیں۔''

ایڈم نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ پھر مٹھیاں بھینچ لیں۔ ''ان کے وعدے سیاسی وعدے نکلے تو؟''

''وہ چاہتے ہیں میں ان پہ بھروسہ کروں۔''

''اور آپ خود کیا چاہتی ہیں؟''

''میں....'' وہ چونکی، پھر سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا اور مسہری پہ بیٹھ گئی۔ ''میں رضامندی دے چکی ہوں، اب میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''فرق پڑتا ہے، چے تالیہ۔'' وہ تیزی سے اس کے سامنے آ کے بیٹھا اور امید سے بولا۔ ''اگر آپ ایسا نہیں چاہتیں تو مجھے بتائیں۔ ہم کوئی اور حل نکال لیں گے۔ یہ ملکہ تو بالکل اولڈ فیشن ہے۔ اس کے زمانے میں سوائے ممکنہ سوکن کو زہر دینے، الٹا ٹانگنے یا اس کو کسی اور کے ساتھ بھگا دینے کے کوئی حل نہیں ہوتا تھا۔ مگر ہم اسمارٹ زمانے کے اسمارٹ لوگ ہیں۔ بھلے آپ نے ملکہ کو جو بھی کہانی گھڑ کے سنائی ہو، اگر آپ.....''

''وہ کہانی نہیں تھی، ایڈم!'' اس نے تڑپ کے سر اٹھایا تو بکھرے بکھرے سنہرے بالوں کے ہالے میں زرد پڑتا چہرہ بے بس سا نظر آتا تھا۔ شاہی مورخ کے سارے الفاظ دم گھٹ کے مر گئے۔

وہ وقت کی طرح تھم گیا۔

''تو وہ سچ تھا؟'' اس کے بدترین خدشات کی تصدیق ہوگئی تھی۔ ''آپ ان کی محبت میں گرفتار ہیں؟ یہ فین گرل ہونے سے زیادہ شدید ہے۔ اوہ چے تالیہ!'' اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

تخت و تاج کے لیے جنگیں لڑنے والے... محلوں میں رہنے والے... آخر میں کس مقام پہ آ کے روتے تھے؟ ایک دل تھا جو امیر غریب

سب کا ایک ہی طرح سے دھڑکتا تھا۔ اوہ بے تالیہ!

تالیہ کی سیاہ آنکھوں کے کٹورے بھیگتے گئے۔

''یہ صرف ایک خواہش تھی جو میں کبھی پوری نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ وہ شادی شدہ ہیں۔ ان کے دو بچے ہیں۔''

وہ کافی دیر کچھ بول نہ سکا۔

''مگر وہ کہتے ہیں کہ ان کی بیوی کو علم بھی نہیں ہوگا اور وہ آپ کو فوراً چھوڑ دیں گے!'' اب کے وہ بولا تو سنجیدہ اور سپاٹ سا تھا۔ بیٹھک میں مدھم بتیاں جل رہی تھیں اور ان کی زرد روشنی میں سامنے بیٹھی شہزادی ایک بے بس اور مجبور لڑکی سے زیادہ کچھ نہیں دکھ رہی تھی۔

''اور یہی تو وہ نہیں جانتے کہ ایسا ادھورا ساتھ میرے لئے کتنا تکلیف دہ ہوگا۔ اگر کسی سے صرف پیپر میرج کرنی ہوتی اور بعد میں چھوڑ دینا ہوتا تو مجھے فرق بھی نہ پڑتا۔ ایک طلاق ہو چکی ہے میری۔ اور جو لڑکی طلاق کو سروائیو کر لیتی ہے وہ ہر چیز سروائیو کر سکتی ہے۔ مگر ایڈم ....اس کاغذی کھیل کو میں کیسے سروائیو کروں گی۔''

''بے تالیہ!'' وہ ملال سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''کیا آپ کے پاس سلطان مرسل سے نجات کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔''

''میرے پاس شاید بہت سے راستے نکل آتے مگر وان فاتح کو لگتا ہے کہ ان کے منصوبے کے لئے یہ حل بہترین ہے۔ تاریخ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ تاشہ کی شہزادی ایک غلام سے ہی ہوتی ہے۔''

''اور آپ؟ آپ کو کیا لگتا ہے کہ وان فاتح پہ بھروسہ کر کے آپ کوئی غلطی کریں گی یا عقلمندی؟''

''میں نفع نقصان دیکھے بغیر ان پہ بھروسہ کرنا چاہتی ہوں۔''

ایڈم نے گہری سانس لی اور آنکھیں مسلیں۔ پھر کچھ دیر سوچتا رہا۔

''ٹھیک ہے۔ پھر آپ یہ شادی کر لیں۔ ہمارے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے اور واپس جا کے وہ آپ کو آزاد کر دیں گے یوں ان کا اپنا گھر بھی محفوظ رہے گا۔ کوئی ہرٹ نہیں ہوگا' کسی کا گھر نہیں ٹوٹے گا۔ آپ تو ان کے ساتھ رہنے کی خواہش کو کبھی بھی پورا نہیں کرنا چاہتی تھیں نا' تو پھر کیا ہوا جو وہ آپ کو چھوڑ دیں گے۔ جذباتیت کے بغیر اس کو ایک منصوبے کی طرح لیں۔ جیسے زندگی میں بہت سے کردار کیے ہیں آپ نے' ایسے ہی اس کردار میں بھی ڈھل جائیں۔ چند دن کا ایک scam جو ایک دن بلبلے کی طرح پھٹ جائے گا۔'' وہ دھیمے لہجے میں سمجھا رہا تھا۔ تالیہ نے ملال بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''یعنی تالیہ کی شادی ہمیشہ ایک scam ہی ہوگی؟ scam کی طرح شروع.... scam کی طرح ختم۔ کیا ساری عمر جھوٹ بولنے کی یہی سزا ہوتی ہے؟ کہ جب زندگی کا سب سے بڑا سچ بولنا چاہو تو کوئی یقین ہی نہ کرے۔''

ایڈم نے نظریں جھکا دیں۔ لمحے شرمندہ شرمندہ سے پھسلتے رہے۔

''ٹھیک ہے۔'' اس نے نم آنکھیں رگڑیں اور گردن اٹھا کے ذرا ہمت سے بولی۔ ''میں یہ شادی کر لوں گی اور وان فاتح پہ بھروسہ کروں گی

۔ہم واپس جائیں گے۔میرا خواب کہتا ہے کہ ہم نئے زمانے میں ہوں گے۔''

''مگراس خواب میں 'میں' نہیں تھا۔خیر!'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔''آپ نے وانگ لی کا مجسمہ بنانے سے انکار کیوں کر دیا؟'' اس نے سارے قصے میں تالیہ کی سنائی گئی دوسری اہم بات کا تذکرہ کیا۔تالیہ نے بے رخی سے کندھے اچکائے۔

''مجھے کیا ملنا ہے وانگ لی کا مجسمہ بنا کے؟''

''آپ کو عصرہ بیگم نے بتایا تھا نا کہ وانگ لی کا مجسمہ شہزادی تاشہ نے بنایا تھا۔ایک رائے یہ ہے کہ اس کی وانگ لی سے دوستی تھی' وانگ لی نے خواہش کی کہ وہ اس کا مجسمہ بنائے اسی لیے شہزادی سرخ حویلی میں آیا کرتی تھی۔''

''اور میں نے خواب میں شہزادی کو پشت سے دیکھا تھا۔وہ یقیناً 'میں' ہی تھی اور وہ مجسمہ بنا رہی تھی۔مگر میرا خیال ہے کہ وہ مجسمہ بنانے نہیں دراصل بالائی منزل کے مکین سے ملنے جاتی تھی۔''

''اور ہم دونوں جانتے ہیں کہ وہ مکین کون ہے۔سو مجسمہ بنالیں' شہزادی صاحبہ۔اس کو آپ کے ہاتھوں سے ہی بننا ہے۔وانگ لی کی دوستی میں نہ سہی' بالائی منزل کے مکین سے ملنے کے لئے ہی سہی۔''

''کیا ضروری ہے کہ ہم ہر کام وہی کریں جو اس کتاب میں لکھا ہے؟ ہونہہ۔میں تاریخ کو بدلنا چاہتی ہوں۔میں یہ نہیں کرنا چاہتی۔بس۔'' وہ ناگواری سے اٹھی اور لباس کی احتیاط کیے بغیر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔سادہ مگر لمبے گھیرے کے لہنگے کا کنارا میز کے کیل سے الجھا اور کپڑا اپھٹنے کی آواز آئی۔وہ رکی اور غصے سے کپڑا کھینچا۔تین چار انچ کا چاک پڑ گیا۔مگر کپڑا کیل سے علیحدہ ہو گیا۔

''احتیاط سے شہزادی!''

تالیہ نے مڑ کے دبے دبے غصے سے اسے دیکھا۔''کون سے ہیرے جواہرات لگے ہیں اس لباس میں جو میں احتیاط کروں؟''

''یہ آپ کا لباس ہے' اس کے قیمتی ہونے کے لئے یہی کافی ہے۔ویسے بھی شہزادیوں کے میلے اور پھٹے پرانے لباس بھی صدیوں بعد میوزیم میں رکھے جاتے ہیں' یہ تو پھر قیمتی ہے۔'' وہ جو سر جھٹک کے آگے بڑھ رہی تھی' ایک دم ٹھہر سی گئی۔جیسے منجمد ہو گئی ہو۔

سارا محل اور ساتھ بہتا ملاکہ کا سمندر ....سب برف بن گیا تھا اور وہ اس میں نیلا برف ہوا مجسمہ بنی کھڑی تھی۔دماغ میں جیسے کسی نے برف کی سل گھونپ دی تھی۔

چونک کے اس نے ایڈم کو دیکھا۔وہ اب ادب سے رخصت لے رہا تھا۔تالیہ سن کھڑی رہی۔

مگر اس ایک لمحے میں ہر چیز بدل گئی تھی۔

☆☆==========☆☆

صبح طلوع ہوئی اور شہزادی تاشہ کی خواب گاہ کی کھلی کھڑکیوں سے روشنی نے اندر جھانکا تو تالیہ مراد کو دروازے کے ساتھ کھڑے دیکھا۔شریفہ سامنے ہاتھ باندھے مود کھڑی تھی اور تالیہ ہاتھوں میں پکڑا رقعہ پڑھ رہی تھی جو راز داری سے اس تک پہنچایا گیا تھا۔

''اشراق کے وقت تک آپ کو میری حویلی میں ہونا چاہیے شہزادی تاشہ۔ باقی سب بھی موجود ہوں گے۔ سن باؤ۔''

اس نے رقعہ مٹھی میں مروڑ دیا اور بازو سے بندھا ایک دوسرا رقعہ نکال کے شریفہ کی طرف بڑھایا۔

''سب سامان کی فہرست ہے۔ اسے میری بگھی میں رکھواؤ۔ میں تیار ہونے لگی ہوں۔ پھر مجھے سن باؤ کی طرف جانا ہے۔'' دانستہ اونچی آواز میں بولی کیونکہ کھلے دروازے پہ اس نے مراد کو رکتے دیکھ لیا تھا۔

''سن باؤ وانگ لی کی طرف؟ خیریت؟'' وہ کمر پہ ہاتھ باندھے' شاہی قبا میں ملبوس' سنجیدہ رعب دار سے انداز میں سوال کرتا اندر داخل ہوا تو شریفہ جھٹ سامنے سے ہٹی اور تالیہ نے فوراً سر جھکایا۔ ''راجہ! صبح بخیر۔!'' پھر سر اٹھا کے مسکرا کے بولی۔

''وانگ لی نے مجھ سے ایک خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں اس کا مجسمہ بناؤں۔ شادی تک خود کو مصروف رکھنے کا اس سے بہتر بہانہ مجھے کہاں ملے گا۔ اسی لئے مجسمہ سازی کا سامان لے کر آج وانگ لی کی طرف جانا ہے مجھے۔''

''ویسے۔'' مراد اس کو بغور دیکھنے لگا جیسے سوچ میں پڑ گیا ہو۔ ''شہزادی کو ایک چینی غلام کا مجسمہ بنانا زیب نہیں دیتا۔''

''وہ چینی غلام نہیں سفارتکار ہے۔ ملاکہ کو قرضہ لا کے دے رہا ہے اور ملکہ یان سوفو کا وفادار ہے۔ ملکہ کے وفادار سے تعلقات اچھے رکھوں گی تو مجھے ہی آسانی ہوگی۔''

وہ مراد کے سامنے کھڑی' سادگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتی کہہ رہی تھی۔

''تو تم اب اس شادی کے لیے دلی طور پہ راضی ہو؟''

''طاقت میں بڑی کشش ہوتی ہے' راجہ! طاقت کسے بری لگتی ہے؟'' پھر کان کے پیچھے بال اڑستے ہوئے مسکرائی۔ ''امید کرتی ہوں آپ مجھے بھاری زیورات دے کر اس محل سے رخصت کریں گے' راجہ۔ آخر آپ کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ آپ کے سارے لوٹے گئے سونے پہ مجھ سے زیادہ کس کا حق ہوگا۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''کون سا سونا؟ میں نے کچھ نہیں چرایا۔ ہاں' میری حلال کی کمائی بہت ہے میرے پاس۔ میں سنار کو بھجوا دوں گا۔ زیورات پسند کر لینا۔ اور جو چاہو گی تمہیں ملے گا کیونکہ اس شادی کے بعد وہ ہوگا جو میں چاہوں گا۔''

''دیکھتے ہیں' راجہ!'' اس نے سر جھکا کے کہا تھا۔

مراد کے جانے کے بعد وہ مسہری تک آئی جس کے ساتھ لوہے کی کھونٹی پہ لٹکا لباس نظر آ رہا تھا۔ ریشم کا بنا سادہ سفید لباس۔ لمبا اسکرٹ نما لہنگا' اور گھٹنوں تک آتی قمیض۔ اور ایک مفلر جیسا دوپٹہ۔ تینوں چیزوں (باجو کرنگ) کا رنگ سفید تھا۔ نہ کام تھا' نہ زری نہ دبکا۔ ایک ستارہ تک نہ لگا تھا اس پہ۔

سفید ریشم کو ہاتھ سے مسلتے اسے وہ دن یاد آیا جب وہ پہلی دفعہ دلہن بنی تھی۔ سرخ کامدار لہنگا۔ سونے کے ہلکے سے زیورات بھی پہنے تھے۔

ٹیکا بھی تھا۔اور گلو بند بھی۔

کنگن اور مہندی بھی۔

اس نے سر جھٹکا اور لباس اٹھالیا۔اسے تیار ہونا تھا۔

دل پہ جو گزر رہی تھی اس سب کو نظر انداز کر کے ....اسے بس تیار ہونا تھا۔

☆☆=========☆☆

اس صبح سرخ حویلی کے صحن میں وہ کنویں کے ساتھ بے مقصد سا کھڑا تھا۔درخت کی چھایا کے باعث تیز روشنی اس کو نہیں چھو رہی تھی۔شیو ہلکی بڑھی تھی اور بازو سینے پہ لپیٹے پانی میں جھانکتا کچھ سوچ رہا تھا۔

''تو تم شہزادی تاشہ کے ساتھ ان کے گاؤں سے آئے تھے؟'' آواز پہ وہ چونک کے پلٹا تو دیکھا' وانگ لی قہوے کی پیالی ہاتھ میں لئے' ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔

فاتح نے ادب سے گردن جھکائی۔''مالک! میں شہزادی کے رازوں کا امین ہوں۔صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جو ملکہ نے فرمایا وہ درست تھا۔''

''میں جانتا تھا تم عام آدمی نہیں ہو۔سونے کا ایک ڈھیر دے کر میں نے تمہیں خریدا تھا۔جیا کے کاروبار کو تم نے اٹھا کے رکھ دیا۔اور اب ملکہ تمہارے بدلے مجھے سونے کا وہی ڈھیر دینے کو تیار ہیں۔تم شہزادی سے شادی کے بعد آزاد ہو گے' فاتح!'' وہ ایسے کہہ رہا تھا جیسے پچھتا رہا ہو۔

''آپ میرے لئے ہمیشہ محترم تھے اور رہیں گے۔کچھ چیزیں نہیں بدل سکتیں' مالک۔''

''واپس جا کے خط لکھتے رہنا۔مجھے اچھا لگے گا۔'' وہ مڑنے لگا تو فاتح تیزی سے بولا۔

''آپ ملاکہ کو قرض کی دلدل میں نہ دھکیلیں' مالک۔آپ اس تجویز پہ عمل کرنے والوں میں سے نہ بنیں۔''

''خط لکھتے رہنا' فاتح۔مجھے اچھا لگے گا۔'' چینی سفارتکار نے نرمی سے یاددہانی کروائی اور قہوے کی پیالی سے گھونٹ بھرتا آگے بڑھ گیا۔

باہر بگھیوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئی تھیں۔مہمان پہنچ چکے تھے۔

جس وقت قاضی کاغذات کا پلندہ لئے برآمدے میں داخل ہوا' سامنے سن باؤ' وانگ لی' ایڈم اور فاتح کو فرشی نشست پہ بیٹھے پایا۔

ان کے مقابل وہ بیٹھی تھی۔زمین پہ سادہ ملے عورتوں کی طرح۔سفید لباس میں ملبوس' سفید دوپٹہ سر پہ اوڑھے۔وہ بس نظریں جھکائے اپنے ناخنوں کو دیکھ رہی تھی۔

قاضی نے کاغذات چھوٹی میز پر رکھے اور دوزانو ہو کے بیٹھا۔ایک مضطرب نظر وانگ لی پہ ڈالی۔

''سن باؤ....یہ بہت خطرناک کام ہے۔مجھے راجہ مراد کے سامنے گواہی دینی پڑے گی۔کیا شہزادی تاشہ ان خطرات سے واقف ہیں؟''

''راجہ مراد کا اقتدار اب چند دن کا مہمان ہے۔ آپ کو ان سے نہیں' ان کو اب آپ سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔ آپ اپنے کام کا آغاز کیجیے۔ باقی سب میں دیکھ لوں گا۔ آپ چینی سفارتکار ہیں۔ آپ کو ملاکہ کا کوئی عہدیدار نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

وانگ لی کا انداز سپاٹ تھا۔ قاضی نے گہری سانس لی اور کاغذات سامنے رکھے۔

''نکاح نامے کی چار نقول بنائی گئی ہیں۔ ایک میرے پاس رہے گی' تصدیق کے لیے.... باقی دونوں آپ کے پاس ہوں گی۔ چوتھی نقل میں وانگ لی کو دے دوں گا۔''

(یعنی ملکہ کو۔) گواہ کے طور پہ سامنے بیٹھے ایڈم نے سوچا تھا۔

وہ بس پژمردہ سا بیٹھا تھا۔ اس کی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ صحن میں چڑیوں کے نغمے سنائی دے رہے تھے اور قاضی مقدس کلمات پڑھ رہا تھا مگر ایڈم کو صرف اس کے لب ہلتے دکھائی دے رہے تھے۔ ہر چیز سلوموشن میں ہوتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

اس نے قاضی کو کلمات پڑھتے دیکھا۔

پھر مرد سے رضامندی لیتے دیکھا۔

مرد سپاٹ اور بے نیاز سا تھا۔ اس کے چہرے پہ ڈھیروں سکون تھا۔ وہ جیسے ذہن میں اگلا لائحہ عمل ترتیب دے رہا تھا۔

اس نے بلا تامل رضامندی دے ڈالی۔

پھر قاضی نے سفید لباس والی شہزادی سے پوچھا تو اس نے بے تاثر چہرے کے ساتھ قاضی کو دیکھا اور بے خوف انداز میں اقرار کے بول بولے۔

پھر اس نے دعا کے لئے اٹھے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔

اپنے ہلتے لبوں کو محسوس کیا۔

اتنی سی بات تھی اور ایڈم بن محمد کا دل خالی ہو گیا۔

دل کی بات دل ہی میں رہ گئی۔

قاضی چلا گیا۔ وانگ لی باہر نکل گیا اور وان فاتح اپنے دیگر کام نپٹانے اٹھ گیا۔ ایسے میں صرف صحن میں مجسمہ سازی کا سامان پڑا رہ گیا۔ شہزادی بھی جس خاموشی سے آئی تھی' اس طرح اٹھ گئی۔ مرد اور شہزادی نے ایک دفعہ بھی نظر نہیں ملائی' نہ کسی نے کسی سے کوئی بات کی۔ ایسے لگتا تھا سب مشینی انداز میں ملکہ کا حکم ماننے کے لیے بیٹھے تھے۔ کام ختم ہوا تو وہ اپنی اپنی زندگیوں کی طرف واپس لوٹ گئے۔

تالیہ نے بگھی واپس بھجوا دی تھی اور خود پیدل چلتی وانگ لی کے گھر سے نکلی تھی۔ سامنے سبزہ زار تھا اور درختوں کی لمبی قطار۔ وہ ان درختوں کی طرف جانے لگی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' وہ خاموشی سے متوازن قدم اٹھا رہی تھی۔

''کیا محسوس کر رہی ہیں آپ؟'' ایڈم اس سے آملا۔

''جیسے خواب ہو کوئی اور ٹوٹ گیا ہو۔ numb۔ بے حس۔ سرد۔'' وہ سکون میں لگتی تھی' جیسے کچھ ہوا بھی نہ ہو۔ دونوں ساتھ ساتھ گھاس پہ قدم اٹھانے لگے۔

''یہ صحن میں مجسمہ سازی کا سامان کیسا ہے؟ رات تک تو ڈٹی ہوئی تھیں کہ مجسمہ نہیں بنائیں گی۔''

وہ رکی اور اس کی طرف گھومی۔ ایڈم بھی ٹھہر گیا۔ دونوں اب درختوں کے بیچ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ قریب میں گھوڑے چرتے دکھائی دے رہے تھے۔

''تم نے کہا تھا صرف اپنا سوچوں۔ سو میں صرف اپنا سوچ رہی ہوں اب۔ تم نے کہا تھا کہ میں ایک لالچی عورت ہوں جس کی زندگی کے سارے بڑے فیصلے خزانے کی کھوج کے گرد گھومتے ہیں۔ میں نے اس بات کو کھلے دل سے قبول کر لیا ہے' ایڈم۔''

''میرا وہ مطلب نہیں....''

''میں واقعی ایک خزانے کی پیچھے بھاگنے والی لڑکی ہوں' ایڈم! اور مجھے خزانہ مل گیا ہے۔'' وہ کھلے دل سے مسکرائی۔ ایک دم وہ کے ایل والی تالیہ لگنے لگی تھی۔ غلام سے نکاح اور شہزادی کا رتبہ' وہ سب جیسے ہوا ہی نہیں تھا۔

''خزانہ نہیں ہے' چے تالیہ۔''

''بالکل۔ خزانہ نہیں ہے' ایڈم! خزانے ہیں۔'' وہ مسکرا کے بولی تو ایڈم کے ابرو حیرت سے بھنچے۔

''خزانے؟''

''سن باؤ کا گھر۔ اور سن باؤ کا مطلب ہوتا ہے' تین خزانے'۔''

''وہ تو صرف وانگ لی کا لقب ہے اور....''

''پچھلے سو سال تک وہ گھر' تین خزانوں والا گھر' کہلاتا رہے گا۔'' وہ زور دے کر بولی۔ ''اس گھر میں تین خزانے ہیں' ایڈم!''

''تین خزانے؟''

''ہاں۔ پہلا خزانہ 'وقت کا خزانہ' تھا۔ جس کا قفل ہم نے کھول لیا۔ تیسرا خزانہ میں نہیں جانتی کیا ہوگا مگر دوسرا خزانہ وہ ہے جو میرے خواب میں' میں اور تم ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ خزانہ جو ہمیں واپس جا کے بے تحاشا امیر کر دے گا۔''

''وانگ لی کے گھر میں خزانہ مدفن ہے؟'' وہ ہکا بکا رہ گیا۔

''عصرہ نے کہا تھا' شہزادی تاشہ' وانگ لی کی دوستی کے باعث اس گھر میں آتی تھی۔ مجھے اپنے خواب سے لگا تھا کہ وہ بالائی منزل کے مکین سے ملنے آتی تھی۔ لیکن یہ دونوں باتیں غلط تھیں۔'' اس کی مسکراہٹ میں اب شرارت در آئی تھی۔ ''میں وہ مجسمہ بنانے روز جاؤں گی وانگ لی کے گھر.... لیکن اس کی ایک تیسری وجہ ہے!'' وہ مسکرا کے بتا رہی تھی اور وہ دنگ سا کھڑا تھا۔

''میں وہاں 'دوسرے خزانے' کے لئے جاؤں گی۔''

''کیا وہاں خزانہ مدفن ہے جس کو کم نے کھودنا ہے؟''

''نہیں ایڈم۔ ہم نے خزانہ دبانا ہے۔ چھ سو سال بعد ہم واپس جا کے اس خزانے کو اسی گھر سے نکالیں گے۔'' اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ ایڈم کا منہ کھل گیا۔

''آپ سن باؤ کے گھر میں زیورات وغیرہ دبانا چاہتی ہیں؟'' وہ اب بھی نہیں سمجھا تھا۔

''زیورات نہیں۔ میں کتنے ہی سونے چاندی اکٹھے کرلوں' وہ بیچ بیچ کے ختم ہو جائیں گے۔ کے ایل میں' میں ایک سوشلائیٹ ہوں' اور ایک چور۔ تم ایک باڈی مین ہو۔ بھگوڑے فوجی۔ ہم دونوں حقیقتاً امیر نہیں ہیں۔ اور ہم دونوں کو امیر ہونے کے لئے خزانہ چاہیے۔ اصلی خزانہ۔ ہمیں کچھ اور دبانا ہے۔''

سبزہ زار پہ ایک دم خاموشی چھا گئی۔ ایڈم ہونقوں کی طرح اس کا منہ دیکھ رہا تھا۔

''آپ کو اگر واپس جانے کا اتنا یقین ہے تو آپ تھیلے میں سب ساتھ لے جائیں۔ دفن کرنا کیوں ضروری ہے۔''

''میرے پاس زیور بہت کم ہے' ایڈم۔ اور مجھے کروڑوں ڈالرز کا خزانہ چاہیے۔ اگر زیور ساتھ لے گئے تو وہ وقت کا سفر طے کر کے ہمارے ساتھ نئے زمانے میں چلا جائے گا۔ وہ نیا ہی رہے گا۔ وہ age نہیں کرے گا۔ جیسے میرے خواب میں یہ انگوٹھی (ہاتھ اٹھا کے انگوٹھی دکھائی) میری انگلی میں بالکل نئی لگ رہی تھی۔''

''تو آپ زیور کو یہاں دفن کرنا چاہتی ہیں؟''

''نہیں۔ میرے پاس اتنا زیادہ زیور ہے ہی نہیں اور زیورات کی 2016 میں کوئی اہمیت نہیں ہے' ایڈم۔ مگر جانتے ہو کس چیز کی ہے؟''

''کس کی؟'' وہ تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''شہزادیوں کے استعمال شدہ پھٹے پرانے کپڑوں کی! تم نے ہی تو مجھے کل بتایا تھا۔ قدیم زمانے کے عام سے برتن' کتابیں' خطوط اور دوسری چیزیں نئے زمانے میں antique بن جاتے ہیں جو کروڑوں ڈالرز کے بکتے ہیں۔ جو نیلامی میں لگائے جاتے ہیں۔ جو میوزیم میں سجائے جاتے ہیں۔''

''اوہ۔'' اسے بالآخر سمجھ آنے لگی تھی۔ تالیہ جوش سے بتا رہی تھی۔

''ہم شہزادی تاشہ' سلطان مرسل' ملکہ یان سوفو اور راجہ مراد کے زیر استعمال عام سی چیزیں اکٹھی کریں گے اور ان کو سن باؤ کے مجسمے تلے زمین میں دبا دیں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ چھ سو سال بعد بھی وہ مجسمہ وہیں موجود رہے گا۔ اسے آنچ تک نہیں آئے گی۔ ہم ان چیزوں کو اپنے ساتھ وقت کے دروازے میں سے نہیں لے کے جا سکتے۔ ورنہ وہ میری انگوٹھی کی طرح نئے رہیں گے۔ وہ بریسلیٹ اور چابی کی طرح age نہیں کریں گے۔''

''اور antique بننے کے لئے ان کا age کرنا ضروری ہے۔ ان کی عمر گزرنا ضروری ہے۔'' وہ سمجھ رہا تھا۔

''ہاں۔اور یہ خزانہ ''چوری شدہ'' نہیں ہوگا۔یہ ہم نے اپنی محنت سے کمایا ہوگا۔فاتح بن رامزل مجھے وہاں جاتے ہی چھوڑ دیں گے۔ان کی زندگی میں میری کوئی جگہ نہیں ہوگی۔پھر میرا کیا ہوگا؟میں نے وعدہ کیا تھا کہ اب کوئی غلط کام نہیں کروں گی۔مجھے اپنے خواب پانے کے لئے یہ خزانہ چاہیے ہے ایڈم۔یہ ہماری زندگیاں بدل دے گا۔اور یہ..... ''جائز'' ہوگا۔''

وہ دم بخود کھڑا تھا۔''آپ کا دماغ.....کیسے کام کرتا ہے' چے تالیہ؟یہ اتنے شیطانی منصوبے کہاں سے آتے ہیں آپ کو؟''

تالیہ نے ابرو خفگی سے بھینچے۔

''بکومت۔یہ بتاؤ' کیا میرا ساتھ دو گے؟کیا چند بے کار چیزوں کو چھے سو سال کے لیے دفن کرنے میں میری مدد کرو گے؟''

''پانچ سو ستاون سال!''

''زیادہ میرے autocorrect نہ بنا کرو۔شکر ادا کرو کہ میں تھی۔میرے پلانز تھے۔''

''آپ شکر کریں کہ آپ کو میرے جیسا مفت کا غلام ملا ہوا ہے۔''وہ دونوں اب آگے بڑھ رہے تھے اور ان کی آواز دور ہوتی سنائی دے رہی تھی۔

''مفت کا کیوں؟خزانے میں سے بیس فیصد حصہ دوں گی تمہیں۔''

''ایک منٹ ایک منٹ۔بیس فیصد کس خوشی میں؟ہم ففٹی ففٹی کریں گے۔''

''ففٹی فیصد دماغ تو ہے نہیں تمہارا ہونہہ۔سارا پلان میرا' ساری محنت میری۔تمہیں صرف مورل سپورٹ کے لئے رکھا ہے۔اور زیادہ سودے بازی نہ کرو میرے ساتھ' ورنہ شہزادی کے جلال سے واقف نہیں ہو تم۔''

ایڈم نے چلتے چلتے بے اختیار اپنا دایاں ہاتھ جیب میں ڈال لیا۔

''تو شہزادی نہ وان فاتح کی محبت میں اس گھر میں آتی تھی' اور نہ ہی وانگ لی کی دوستی میں۔وہ صرف خزانہ دفن کرنے آتی تھی۔آپ نا ویسے بالکل نہیں بدلیں گی۔اور مجھے یقین ہے کہ اب آپ مجھ سے ''بنگار املایو'' میں یہی لکھوائیں گی کہ شہزادی وانگ لی کی دوستی میں اس گھر میں آتی تھی۔اے مکرم فرشتے!''اپنے بائیں کندھے کو دیکھ کے بولا۔''میرے اعمال نامے میں سے بنگار املایو نکال دو' خدا کے لئے۔اس کے سارے جھوٹوں میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''ویسے ایک بات ہے....وہ نظم جو سن باؤ کے گھر کی دیوار پہ لکھی تھی...شہزادی تاشہ والی...وہ یہاں نہیں لکھی۔وہ بھی یقیناً میں ہی لکھوں گی۔مگر کیوں؟''وہ پوچھ رہی تھی۔ایڈم کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

وہ دونوں درختوں کے درمیان اب اوجھل ہو رہے تھے۔

دور سن باؤ کی حویلی کی بالائی منزل کی کھڑکی میں کھڑے فاتح نے مسکرا کے ان کو دور جاتے دیکھا تھا۔وہ ان کی باتیں نہیں سن سکتا تھا' مگر اس کو ڈھیروں اطمینان میسر تھا۔

جھک کے اس نے پانی کے پیالے میں رومال ڈبویا اور گردن کے پیچھے لیپ شدہ غازہ رگڑ کے صاف کیا۔ وقت کی مہر واضح دکھائی دینے لگی۔

اس کو ظاہر کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

ہر شے پلان کے مطابق ہو رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

اس صبح قدیم ملاکہ میں زور کی بارش ہوئی تھی مگر دوپہر تک مطلع صاف ہو گیا اور سورج نکل آیا تو سارے میں دھوپ چھاؤں جیسا موسم ہو گیا۔ ایسا آنکھ مچولی والا موسم تھا کہ الامان۔

''جیا'' کی رسوئی میں فاتح زمین پہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ گود میں بہت سے پتے رکھے تھے جن کو وہ ٹہنیوں سے علیحدہ کر کے ایک ٹوکری میں ڈال رہا تھا۔ ہاتھ تیز تیز چل رہے تھے اور پوروں میں پتوں کی مہک رچ بس گئی تھی۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں' ڈیڈ!'' اداس سی آریانہ اس کے ساتھ آ بیٹھی تو اس نے نظر اٹھائی۔ سفید ہیئر بینڈ لگائے' وہ چہرہ ہتھیلیوں میں گرائے' چوکڑی مارے بیٹھی اسے یاسیت سے دیکھ رہی تھی۔

''کہتے ہیں قدیم چینی بادشاہ Shen Nong ایک دفعہ سفر پہ نکلا تو ایک جگہ پڑاؤ کے دوران اس کے غلام عادتاً اس کے لئے لکڑیاں جلا کے پانی ابالنے لگے۔ ہوا چلی اور درخت سے ایک پتہ ٹوٹ کے پانی میں جا گرا۔ کسی کو علم تک نہ ہوا اور معمول کے مطابق غلاموں نے بادشاہ کو کڑھا ہوا پانی پیش کر دیا۔ بادشاہ نے اسے پیا تو ذائقہ بے حد مختلف تھا۔ اس کڑھے پانی نے اسے تازہ دم کر دیا۔ اس نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ ایک پتہ پانی میں گرا تھا۔ کہتے ہیں بادشاہ shennong وہ پہلا انسان تھا جس نے پتے ابال کے پہلی 'چائے' بنانے کی روایت ڈالی۔ تب سے لوگ پتوں کو ابال کے قہوہ' چائے اور ''جیا'' بنانے لگے۔ میں بھی اس وقت چائے کے پتے علیحدہ کر رہا ہوں۔''

''میں اس کی بات نہیں کر رہی۔ میں پوچھ رہی ہوں کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟'' وہ دلبرداشتہ سی بولی۔

''میری ماما کا کیا ہوگا' ڈیڈ؟ آپ کیسے کسی اور سے شادی کر سکتے ہیں؟''

''یہ صرف ایک کاغذی معاہدہ ہے' اور یہ ہمیں یہاں سے آزاد کر دے گا۔'' وہ سر جھکائے پتے توڑ رہا تھا۔

''مگر کیسے؟''

''قدیم کہاوتیں کبھی غلط نہیں ہوتیں' آریانہ۔ اور ایسی ہی ایک کہاوت کہتی ہے کہ 'سچ تمہیں آزاد کر دے گا مگر...''

''مگر پہلے وہ تمہیں غصہ دلائے گا۔'' اس نے جھٹ فقرہ مکمل کیا۔

''تو صرف سچ ہے جو ہمیں آزاد کرے گا۔'' وہ ٹوکری رکھ کے اٹھ کھڑا ہوا' کپڑے جھاڑے اور جوتے پہنے۔ آج کل وہ خود سے باتیں کم کرتا تھا۔ اس کے پاس سارے جواب موجود ہوتے تھے۔ سادہ کرتے' پاجامے' کمر کے گرد کپڑا باندھے' وہ پہلے سے زیادہ پرامید لگ رہا

تھا۔

''جو اس دنیا میں ہوگا' وہ اس دنیا میں ہی رہ جائے گا۔ میں کوئی نیا رشتہ ساتھ نہیں لے کر جاؤں گا۔ مجھے کسی رشتے کو بنانے میں دلچسپی نہیں ہے' آریانہ۔ مجھے صرف آزادی چاہیے۔'' اور پھر وہ مڑ گیا۔ آریانہ اس کی گردن کے پیچھے ثبت مہر دیکھ سکتی تھی۔

ہال کمرہ کھچا کھچ بھرا تھا۔ میزیں لگی تھیں اور لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ کمرے کے آغاز میں ایک چبوترہ سا بنا تھا۔ وہ اس پہ کھڑا ہوا اور بلند آواز میں بولا۔

''مجھے پرسوں کسی نے 'غلام فاتح بن رامزل' کہہ کے پکارا تھا۔'' اس کی آواز کی گرج اور بھاری پن سے کئی ہاتھ رکے۔ کئی گردنیں مڑیں۔ وہ کمر پہ ہاتھ رکھے کھڑا' کمرے کے ایک کونے سے دوسرے تک سب کو باری باری دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''اور میں نے اس سے کہا کہ میرا نام غلام نہیں ہے اور مجھے میرے نام سے پکارا جانا چاہیے۔ جانتے ہو کیوں؟''

جیا کے نیم تاریک ہال میں خاموشی چھانے لگی لوگ اس کو دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ لقمے چبانے لگے۔ برتنوں کی کھٹر پٹر کم ہوگئی۔

''کیونکہ اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ اس نے بنی آدمی کو عزت بخشی۔ ان کو 'اکرام' سے نوازا۔ ملاکہ کے لوگو.... آدم علیہ السلام کی اولاد کا ہر شخص خواہ وہ نیک ہو یا بدکار' امیر ہو یا غریب' کالا ہو یا گورا' مسلمان ہو یا غیر مسلم' ہر انسان....عزت کے....قابل ہوتا ہے۔'' وہ ہاتھ اٹھا کے زور دے کر بول رہا تھا۔ لوگ خاموشی سے سن رہے تھے۔ لب ہل رہے تھے۔ گھونٹ بھرے جا رہے تھے مگر آواز نہیں آتی تھی۔

''بھلے ہمیں کوئی انسان برا لگتا ہو.... بھلے ہمیں کسی سے نفرت ہو.... مگر ہم سب پہ لازم ہے کہ ہم ہر انسان کی عزت کریں کیونکہ اللہ نے سب کو عزت سے نوازا ہے۔ جانور صرف کھانے اور سائبان کے ساتھ زندگی گزار سکتا ہے۔ انسان نہیں۔ انسان کو زندہ رہنے کے لئے 'عزت' بھی چاہیے ہوتی ہے۔''

وہ بلند آواز میں قدرے خفگی سے کہہ رہا تھا اور لوگ سن رہے تھے۔

''کیوں بے عزت ہونے کے بعد لوگ شہر چھوڑ دیتے ہیں' خودکشی کر لیتے ہیں' یہاں تک کہ غم سے مر بھی جاتے ہیں؟ کیونکہ انسان نہیں رہ سکتا عزت کے بغیر۔ تم کیسے لوگ ہو؟ تمہیں تمہارے گھروں سے اغوا کر کے یہاں غلام بنالیا گیا ہے اور تم اپنے مالکوں کی جھڑکیاں سنتے ہو مگر اپنے لئے کھڑے نہیں ہوتے؟''

اسے جیسے ان لوگوں پہ بے حد غصہ تھا۔ وہ چپ چاپ سنے گئے۔

''یاد رکھو۔ اگر کسی انسان کی محبت یا خوف تمہیں اتنا بے بس یا بے حس بنا دے کہ وہ تمہاری بے توقیری کیے جا رہا ہے اور تم چپ چاپ برداشت کر رہے ہو تو تم جانوروں سے بھی بدتر ہو۔ انسان کو کسی بھی رشتے میں اپنی عزت قربان نہیں کرنی چاہیے۔ تم اچھے ہو یا برے' تم معزز ہو۔ تمہارے معزز ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ تم آدم علیہ السلام کی اولاد ہو۔''

کچھ لوگ خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ کچھ خاموشی سے کھا رہے تھے۔

''میں یہاں تم لوگوں کو مفت میں اگر کھانا دلواتا ہوں تو عزت کے ساتھ۔تاکہ تم اپنی عزت خود کرنے لگو۔خدا کے لئے اپنی قدر کرنا سیکھو ۔جانوروں کی طرح دوسروں کی ناجائز باتیں مت برداشت کرو۔اپنے حق کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔اکٹھے ہو جاؤ اور احتجاج کرو۔سلطان کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ کہ تمہارے اوپر ظلم ہو رہا ہے۔اسے بتاؤ کہ تمہیں کسی منڈی میں نہیں خریدا گیا۔تمہیں ناجائز طور پہ غلام بنا کے بیچا گیا ہے۔میں تمہارے لئے سلطان کے پاس جانے کو تیار ہوں' ملاکہ کے لوگو...لیکن کیا تم لوگ اپنے لئے میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو؟''

کچھ نے ایک دوسرے کو دیکھا مگر وہاں ہر چہرے پہ تھکن تھی۔گردنیں واپس پلٹ گئیں۔برتنوں کی آواز آنے لگی۔کھانا دوبارہ سے کھایا جانے لگا۔فاتح نے گہری سانس بھری سر جھٹکا اور چبوترے سے اتر آیا۔پھر کونے میں دیکھا تو آریانہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی تھی۔اسے متوجہ پا کے اس نے نفی میں سر ہلایا۔(یہ لوگ بہت بزدل ہیں' ڈیڈ۔)

''ایک دن آئے گا جب یہ لوگ اپنے لئے کھڑے ہوں' آریانہ۔کیونکہ یہ تاریخ میں لکھا ہے۔یہ قسمت میں لکھا ہے۔بس تم انتظار کرو۔''

وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوتا رسوئی کی طرف بڑھ گیا۔اس کے چہرے پہ کوئی اضطراب' مایوسی کچھ نہ تھا۔

کونے کی ایک میز پہ بیٹھے چغہ پوش آدمی نے غور سے اسے جاتے دیکھا۔مدھم رشنیوں کے باوجود اسے 'جیا' کے اس نمایاں' خوش شکل اور تنومند سے غلام کی گردن کی پشت پہ ایک جلنے کا داغ سا نظر آیا تھا۔

آدمی نے جیب سے رقعہ نکالا اور کھول کے دیکھا۔اس پہ بنا خاکہ ہو بہو ویسا تھا۔وہ بالآخر مسکرایا۔پھر چپ چاپ اٹھا اور قہوہ خانے سے باہر نکل گیا۔

اسے بنداہارا کا مطلوبہ شخص مل گیا تھا۔

اب اس کا رخ مراد راجہ کے محل کی جانب تھا۔

☆☆=========☆☆

رات کا سیاہ آسمان تھا...چاند چمک رہا تھا...اونچے ٹیلوں کا راستہ پیدل چلنے کے لیے دشوار گزار اور پتھریلا تھا۔مگر وہ دونوں آگے پیچھے چل رہے تھے...تالیہ آگے تھی...ایڈم پیچھے تھا۔ان لباس اندھیرے کے باعث ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتا تھا...بس تاریکی میں گویا دو ہیولے تھے جو اوپر چڑھتے جاتے تھے۔

سامنے سبزہ زار دکھائی دیا اور چاندنی میں نہائے درخت تو وہ سانس لینے کو رکی۔جب سے مجسمہ بنانا شروع کیا تھا' ہر رات وہ دونوں یہاں آ کے درختوں میں کچھ چیزیں چھپا جاتے تھے۔دوپہر میں جب وہ شاہی بگھی میں حویلی آ کے مجسمے کا کام شروع کرتی تو ایڈم ان کو درختوں کی کھوہ سے نکالتا اور لباس میں چھپائے اندر لے آتا۔کسی سپاہی کو علم تک نہ ہوتا کہ وہ دونوں مجسمے کی بنیاد میں کیا بھر رہے ہیں۔

آج وہ درخت میں چند برتن چھپانے کے بعد پلٹی نہیں۔بلکہ سن باؤ کے گھر کی طرف آ گئی۔سن باؤ آج کسی تقریب میں گیا تھا اور گھر پہ نہیں تھا۔حویلی خاموش پڑی تھی۔اکا دکا غلام جو یہاں ہوتے تھے' وہ بھی غالباً جیا پہ تھے۔

حویلی کا دروازہ کھلا تھا۔اس زمانے میں لوگ اپنے گھروں کے دروازے مقفل نہیں کرتے تھے۔وہ چغے کی ٹوپی سر پہ جمائے تیزی سے اندر داخل ہوگئی تو ایڈم کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

''بے تالیہ....'' وہ پیچھے سے ہانپتا ہوا آیا تو تالیہ نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''کیا ایڈم!'' وہ راہداری میں آگے بڑھتی گئی اور صحن میں آگئی۔

''آپ کیا کرنے جا رہی ہیں؟'' وہ زچ ہو گیا۔

''میں ہم دونوں کو بہت امیر کرنے جا رہی ہوں ایڈم!'' وہ آخری دیوار تک آئی اور اندھیرے میں اسے ٹٹولنے لگی۔

وہ چلتے چلتے بیچ صحن تک آیا اور رک کے اسے دیکھنے لگا۔

''کیسے؟''

وہ پلٹی اور چمکتی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''تاشہ کے خزانے سے جسے ہم دونوں کھود کے نکالیں گے۔''

''وہ تو مجھے معلوم ہے مگر ابھی آپ کیا کر رہی ہیں؟''

''میں اپنے لیے نشانی چھوڑ رہی ہوں۔'' وہ دیوار کے اس کونے تک آئی جہاں اس نے خواب میں ایک نظم لکھی دیکھی تھی۔

''کیا؟'' وہ حیران رہ گیا۔

''کیا تم اب بھی نہیں سمجھے ایڈم کہ تاشہ نے اس دیوار پہ وہ نظم کیوں لکھی تھی؟'' وہ مسکرائی۔

''کیوں؟''

''تاکہ ایڈم اور تالیہ اس دیوار تک جائیں اور وہاں مدفن خزانے کے راز کو کھود نکالیں۔لیکن ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ مجسمے سے کتنی اینٹوں کے فاصلے پہ ہم نے خزانہ دبایا تھا؟ وہ نظم جس مقام پہ لکھی جائے گی اس کی سیدھ میں خزانہ ہوگا۔ایک دفعہ ہم خزانہ نکال لیں تو ہم دنیا کے سب سے طاقتور لوگ بن جائیں گے ایڈم۔'' وہ ایک اینٹ پہ انگلی پھیر رہی تھی۔یہ اس جگہ کی سیدھ میں تھی۔اس نے وہاں چاقو سے نشانی لگائی۔صبح وہ ادھر نظم لکھ دے گی۔

''اور وان فاتح؟ ان کا کیا؟'' ایڈم نے یاد دلایا۔وہ دونوں اب خاموشی سے گھر سے باہر آگئے تھے اور درختوں کی طرف جا رہے تھے۔

''وہ زر اور زمین سے بے نیاز انسان ہیں۔ان کو خزانے کی خبر تک نہیں ہوگی۔یہ صرف میرا اور تمہارا ہے۔اور مجھے یقین ہے کہ جب ہم نئے زمانے میں جا کر اس جگہ کو کھودیں گے تو خزانہ وہاں موجود ہوگا۔ہم نے خاص حفاظتی طریقے سے بنیادوں میں اسے بھرا ہے۔''

''ویسے نئے زمانے میں اس سب کی قیمت کیا ہوگی؟'' اس کو بھی دلچسپی ہوئی۔

''بندا ہارا کی نوکرانی شریفہ کے خطوط سے لے کر سلطان کے زیرِ استعمال مہر شدہ جام تک یہ ساری پھینکی ہوئی چیزیں جب ہم نکال کے

ماہرین کے پاس ٹیسٹ کے لئے کے کر جائیں گے تو یہ چیزیں ہر ٹیسٹ پاس کر جائیں گی۔ ہم ان کی عرب اور یورپی ممالک میں نیلامی کروائیں گے اور ایک ایک چیز کروڑوں ڈالر میں بکے گی۔ تم اور میں بہت امیر ہونے جا رہے ہیں ایڈم!"

پھر ایک دم وہ مسکرائی اور اوپر سیاہ آسمان کو دیکھا۔

"یہی منظر تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ مجھے لگا تھا اس میں ہم خزانہ ڈھونڈنے کی بات کر رہے ہیں مگر نہیں۔ ہم اس میں خزانہ دبانے کے بعد کھود کے نکالنے کی بات کر رہے تھے۔ سارے چکر وقت کے تھے ورنہ ہر بات سمجھ میں آسکتی تھی۔"

وہ دونوں اب سبزہ زار سے نیچے اتر رہے تھے جہاں ان کے گھوڑے منتظر کھڑے تھے۔ پہلی دفعہ ایڈم کو اس کی باتوں سے امید ہونے لگی تھی۔ واپس جا کے.... وہ بھی امیر ہو جائے گا۔ واہ!

☆☆==========☆☆

مجسمے کو بناتے بناتے یہ چھٹا دن آپہنچا تھا۔ اس دوپہر وہ سن باؤ کے صحن میں موجود تھی اور کام کر رہی تھی۔ سنہرے بالوں کا جوڑا بنائے' شفاف چہرہ لئے وہ مخملیں چغے میں ملبوس تھی۔ زیور پہنے ہاتھوں پہ گارا ابھی تک لگا تھا۔ بنیادیں بھری جا چکی تھیں اور مجسمے کی ٹانگیں بن چکی تھیں۔ تالیہ پیچھے ہٹی اور توصیفی انداز میں مجسمے کو دیکھا۔

"میرے آرٹ کو مانتے ہو یا نہیں؟" ساتھ کھڑے ایڈم سے ستائش طلب کی۔ اس نے گہری سانس لی۔

"قیامت کے دن اس میں جان ڈالنی پڑے گی آپ کو' محترمہ۔ میرے اعمال نامے کو ان سیاہ کاریوں سے دور رکھیے!"

تالیہ نے تنک کے اسے دیکھا۔ "چوری کرنے سے تو یہ بہتر کام ہے نا! اور پھر ایک دن میں اس کو خود ہی گرا دوں گی۔ جب.... ہم وہ خزانہ نکالیں گے!" دبے الفاظ میں یاد کروایا۔

"چلیں۔ مان لیا۔ اچھا اگر آپ کو مجسمے سے فرصت مل جائے تو مجھے ان کتابوں کا بتایئے گا' شہزادی صاحبہ۔ وہ ہمیں بنداہارا کے خزانے تک لے جا سکتی ہیں۔" اس نے بھی آواز دھیمی کی۔

"تم محل واپس جاؤ' ایڈم۔ ملکہ نے وہ کتابیں تمہارے کمرے میں اب تک بھجوا دی ہوں گی۔"

ایڈم کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ "اور آپ مجھے اب بتا رہی ہیں؟ جانتی ہیں' تین چاند والے جزیرے پہ چھپی دولت ملاکہ کے لوگوں کی امانت ہے اور اس کا ڈھونڈنا بہت ضروری تھا۔"

"مگر میں ٹھہری لالچی' خود غرض چور عورت۔ میرے لئے میرا خزانہ (مجسمے کے قدموں کی طرف اشارہ کیا) زیادہ ضروری تھا۔ اب جاؤ تمہارا کام یہاں ختم ہے۔"

شان بے نیازی سے ہاتھ جھٹکا تو وہ فوراً (سلام' آداب بھول کے) باہر کو بھاگا۔

تالیہ واپس اپنا کام کرنے لگی۔ اسی اثناء میں سن باؤ اپنے کمرے سے نکلا اور اس کی طرف آیا۔ ادب سے سلام کیا۔

''معذرت'شہزادی۔ میں آپ کو تنہا چھوڑ کے کام کرنے چلا گیا۔ چند اہم خطوط شاہِ چین کی طرف ارسال کرنے تھے۔اور ابھی ابھی قاصد نے اطلاع دی ہے کہ ملکہ نے مجھے بلوایا ہے۔''

''آپ آرام سے اپنے کام کیجیے' وانگ لی۔ میں یہ مجسمہ آپ کی طرف دیکھے بغیر بھی ختم کر سکتی ہوں۔ کل تک یہ تیار ہو گا۔'' وہ جھکی اور گارے کو ہاتھوں میں بھرے اٹھی۔ وانگ لی کی طرف پشت تھی۔ وانگ لی ممنونیت سے مسکرایا۔

''آپ کا شکریہ شہزادی۔ میری پرانی خواہش پوری کرنے کے لئے۔''

شہزادی نے جواب نہیں دیا۔ برآمدے کی طرف پشت کیے وہ مجسمے کے اوپر مٹی لیپتی رہی۔ کتنی دیر گزری اسے علم نہ ہو سکا۔ وانگ لی کام سے چلا گیا اور وہ مجسمہ بناتی رہی۔ آوازیں البتہ سنائی دی تھیں۔ کوئی باہر سے آیا تھا اور برآمدے کی طرف آنے کی بجائے راہداری سے سیڑھیوں کی طرف مڑ گیا۔ زینے چڑھنے کی آواز آئی.....

پھر تالیہ کو محسوس ہوا کہ کوئی بالائی منزل کے کمرے کی کھڑکی میں آ کھڑا ہوا ہے۔

کوئی ہیولہ سا..... جیسے کوئی دراز قد' توانا مرد ہو..... اور وہ نیچے دیکھ رہا ہو.....

جہاں صحن کے کونے میں وہ کھڑی تھی..... مخملیں چغہ پہنے..... جو شاہزادیاں سفر میں پہنا کرتی تھیں..... اس کی کھڑکی کی طرف پشت تھی..... بالوں پہ ریشمی اوڑھنی لے رکھی تھی اور سر پہ جمے تاج کی پشت دکھائی دے رہی تھی.....

چغے کے آستینوں سے نکلتی سپید بانہوں میں سونے اور ہیرے کے کنگن تھے.....

خوبصورت ہاتھوں میں زمرد اور یاقوت جڑی انگوٹھیاں تھیں.....

اور وہ ہاتھ مہارت سے مٹی اور گارے سے چبوترے پہ مجسمہ بنا رہے تھے.....

شاہزادی..... مجسمہ بناتے ہوئے بار بار رکتی تھی۔

گردن ذرا سی موڑتی تھی.....

شکل ابھی بھی دکھائی نہیں دیتی..... بس ماتھے کے اوپر تاج کا کونہ کنپٹی سے جھلکتا تھا.....

بار بار گردن موڑنے کی خواہش کے باوجود وہ واپس چہرہ پھیر جاتی تھی.....

جیسے واقف تھی کہ اوپر کھڑکی میں کوئی اسے دیکھ رہا ہے.....

پھر دفعتاً وہ سر جھکا کے ہلکا سا ہنسی..... اور گردن موڑی.....

بالائی منزل کی کھڑکی میں کھڑا مرد تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ چہرہ تکان سے لبریز تھا اور بال الجھے بکھرے سے تھے۔

اسے خود کو دیکھتے پا کے وہ مسکرایا اور پھر واپس پلٹ گیا۔ زینے اترنے کی آواز آئی۔

تالیہ پلٹ کے اپنا کام کرنے لگ گئی۔

دفعتاً اپنے عقب میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑکا مگر اطمینان سے مسکراتے ہوئے مجسمہ بناتی رہی۔

''شہزادی!'' ادب سے کہا گیا تو وہ اس نے بے نیازی سے چہرہ موڑا۔ ''توانکو!''

وہ دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے خوشگوار حیرت سے مجسمے کے قریب آیا اور چاروں طرف سے اسے گھوم پھر کے دیکھا۔

''میں پچھلے دن سے جیا میں تھا۔ وانگ لی نے گھر آنے سے منع کر رکھا تھا۔ یقیناً تم نے منع کیا ہوگا۔'' وہ ستائش سے مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔ ''پہلے تو کہہ رہی تھیں کہ مجسمہ بنانے نہیں آؤ گی۔''

''میں صرف یہ کہہ رہی تھی کہ بالائی منزل کے مکین سے ملنے نہیں آؤں گی۔''

''تو میری بیوی درست تھی۔ شہزادی تاشہ یہاں صرف وانگ لی کی دوستی میں آتی تھی۔'' وہ گردن جھکا کے مجسمے کا جائزہ لے رہا تھا۔

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ایک دم سرخ اینٹوں والے صحن میں کوئی عجیب مردنی سی چھانے لگی تھی۔

''آپ کی بیوی درست ہے۔'' ایک چور نظر مجسمے تلے زمین پہ ڈالی جواب برابر کر دی گئی تھی اور جس کے اندر بہت کچھ مدفن تھا۔ ''اور آپ کو مجھے میرا مقام یاد دلانے کے لئے عصرہ بیگم کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے وہ فیصلہ صرف آپ کے اوپر بھروسہ کر کے لیا تھا۔'' آواز میں درشتی گھل گئی۔

''ٹھیک کیا تھا۔'' وہ ابھی تک مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔ انداز بے نیاز سا تھا۔ اس کے لئے صرف آزادی اہم تھی۔ کوئی رشتہ' کسی کے احساسات' اس سب کے نتائج' سب ثانوی تھا۔

''اگر آپ نے میرے کام کو سراہ لیا ہو تو پلیز ہٹ جائیے۔ مجھے میرا کام کرنے دیں۔'' وہ سپاٹ سے انداز میں بولی تو فاتح نے بس مسکرا کے اسے دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔ تالیہ کی طرف پشت ہوئی تو اس کی گردن کا نشان اس کی نظروں میں چبھا۔

تالیہ کا سانس تھم گیا۔ ''توانکو۔ آپ نے وہ غازہ اتار دیا؟''

اس نے مڑ کے تالیہ کو دیکھا اور کندھے اچکائے۔ ''تمہیں لگتا ہے وان فاتح کسی سے ڈرتا ہے؟'' مسکرا کے سر جھٹکا اور برآمدے کی جانب چلا گیا۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی۔

ان کے درمیان کچھ بھی نہ بدلا تھا اور جیسے سب بدل گیا تھا۔

''میں اگلے تین دن مجسمہ بنانے کے لئے روز آؤں گی۔ کوشش کیجئے گا کہ آپ وہ وقت جیا میں ہی گزاریں' تاکہ میں آرام سے اپنا کام کر سکوں۔'' قدرے خفگی سے اسے پکارا مگر وہ ان سنی کر کے اندر جا چکا تھا۔

''ہونہہ۔ گستاخ۔'' وہ سر جھٹک کے واپس مجسمے کی طرف متوجہ ہوئی۔

☆☆=========☆☆

یہ تیسرے روز کی بات ہے جب وہ سن باؤ کے گھر سے تھکی ہاری واپس اپنے محل آئی اور اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو ایڈم بن محمد بے چین

ساواہاں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ میز پہ چند کاغذ رکھے تھے۔ اسے دیکھ کے فوراً سے اٹھا۔

''مجسمہ مکمل ہو گیا؟''

''اپنے سارے رازوں کے ساتھ وہ مکمل ہو گیا۔'' وہ مسکراتے ہوئے اندر آئی۔ دروازے بند کر دیے اور ایک قندیل بجھا دی۔ روشنی ہلکی ہو گئی۔ اور کمرے کا ماحول پراسراریت میں ڈوب سا گیا۔

''تھک گئیں کیا؟'' وہ جو کچھ اور کہنے لگا تھا' اس کا تکان زدہ چہرہ دیکھ کے بات روک لی۔

وہ سنگھار میز تک آئی اور ننھے صندوق سے خوشبودار گیلا رومال نکالا' پھر اس سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولی۔ ''میں نے ان معمولی چیزوں میں سے کوئی بھی چیز چرائی نہیں تھی' ایڈم۔ میں نے وہ خود حاصل کی تھی۔ جائز طریقے سے۔ سوائے شریفہ کے خطوط کے۔ ان کے لئے بھی آج ایک بھاری رقم اسے ادا کر دی ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ میں ان خطوط کو چھ سو سال بعد بیچنا چاہتی ہوں مگر وہ خوش ہے۔ اور میں بھی خوش ہوں کیونکہ یہ خزانہ جو ہمیں بہت امیر کرے گا' میری جائز کمائی کا ہو گا۔'' پھر رومال رکھا اور مسکرا کے سنگھار میز کے کنارے پہ ٹک گئی۔ ایڈم واپس بیٹھا اور کاغذ سامنے پھیلائے۔

''تین چاند والا جزیرہ ملاکہ سے مغرب کی سمت ڈیڑھ دن کی مسافت پہ ہے۔ ہمیں جلد از جلد وہاں جانا ہو گا۔ کچھ نقشے اس کتاب میں تھے' اور کچھ میں نے شہر کے کتب خانوں سے اکٹھے کیے ہیں۔'' پھر وہ جوش سے کاغذ پہ مختلف مقامات پہ انگلی رکھ کے اسے راستہ سمجھانے لگا۔ دفعتاً اسے ایک خیال آیا۔ ''مگر آپ کیسے جا سکیں گی؟ کم از کم تین دن تو آنے جانے میں لگ جائیں گے۔''

''اس کی فکر مت کرو۔ شہزادیاں رواج کے مطابق شادی سے قبل چند دن شاہی آداب کی تربیت حاصل کرنے جنوبی محل کی طرف چلی جاتی ہیں۔ راجہ مراد نے مجھے بھی وہاں جانے کو کہا ہے۔ انکار کروں گی تو راجہ کو شک ہو گا۔ یوں کرتی ہوں کل وہیں چلی جاتی ہوں۔ تم میرے ساتھ آنا۔ وہاں سے ہم سمندری سفر پہ نکل جائیں گے۔''

ایڈم کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ ''اگر ہم ملاکہ کے لوگوں کی لوٹی دولت واپس لا سکیں تو ملاکہ کو چین سے قرضہ لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہم تاریخ رقم کرنے جا رہے ہیں ہے تالیہ۔'' وہ بہت خوش لگ رہا تھا۔ تالیہ بھی مسکرا دی۔

''تم تیاری کرو۔ ہم علی الصبح روانہ ہوں گے۔'' وہ پرعزم تھی۔ ایک تھکا دینے والے دن کے بعد ایک مشکل صبح کا آغاز ہونے والا تھا۔

اپنے کمرے میں کرسی میز پہ براجمان مراد راجہ لکڑی کی ننھی کشتی میں کیل ٹھونکتا دکھائی دے رہا تھا۔ میز پہ چند آلات اور لکڑی کے باریک ٹکڑے بکھرے پڑے تھے اور وہ مہارت سے اپنا کام کیے جا رہا تھا۔ سامنے ہاتھ باندھے مودب سا عارف کھڑا اگلے حکم کا منتظر تھا۔

''شہزادی تاشہ جلد جنوبی محل روانہ ہو جائے گی۔'' وہ نظریں کشتی پہ جمائے سرد آواز میں بولا۔ ''اس کے جاتے ہی تم وانگ لی کے اس غلام کو گرفتار کر کے یہاں لے آؤ گے جس کے گردن پہ تمہارے آدمی کو چند دن پہلے وہ نشان نظر آیا تھا۔ ابھی تک میں صرف شہزادی کی وجہ سے خاموش تھا۔ اس کے جاتے ہی یہ کام ہو جانا چاہیے۔''

''جو حکم عالی جاہ!'' عارف نے فوراً سے سر جھکایا۔ مراد راجہ اب مہارت سے کشتی کے اوپر ننھا سا بادبان لگا رہا تھا۔

کھڑکی کے باہر گہری مہیب رات اتر رہی تھی۔ خاموشی سے۔ چپ چاپ۔

☆☆=========☆☆

اس صبح سرخ حویلی کے صحن میں وہ مجسمہ اپنے پورے قد سے کھڑا تھا۔ کنویں سے پانی کا ڈول نکالتے وقت وان فاتح نے گردن موڑ کے اسے دیکھا اور مسکرایا۔ عجیب لڑکی تھی۔ کبھی کہتی تھی مجسمہ نہیں بنائے گی اور اب.... چند دن میں یہ اونچا ساب ت تراش کے چلی گئی۔ اسے صنم تراشی' پینٹنگز اور ایسی چیزوں میں کبھی دلچسپی نہیں رہی تھی مگر یہ مجسمہ.... وہ اس کو ہمیشہ وہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی زندگی کا ایک حصہ اس مجسمے کو دیکھتے گزرا تھا۔

پانی کا ڈول اس نے برآمدے میں رکھا ہی تھا کہ دروازہ بج اٹھا۔ دستک ایسی گرج دار اور خوفناک تھی کہ وہ چونکا۔ پھر تیزی سے راہداری میں آیا اور دروازہ کھولا۔

سامنے اسلحے سے لیس شاہی سپاہی کھڑے تھے۔ ان کی تلواریں میان سے باہر تھیں۔

''فاتح بن رامزل... تمہیں بنداہارا مراد راجہ کے حکم پہ گرفتار کیا جاتا ہے۔'' ایک نے گرج دار آواز میں حکم سنایا' باقی دو اس پہ جھپٹے اور اسے بازوؤں سے پکڑ کے گھٹنوں کے بل زمین پہ بٹھایا۔ سختی سے اس کے ہاتھ کمر پہ باندھے اور رسی سے باندھے۔

شور سن کے وانگ لی بستر سے نکل کے فوراً باہر آیا تھا۔

''اس کو کیوں لے جا رہے ہو؟ کیا قصور ہے اس کا؟'' وہ چلایا تھا۔

گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھے فاتح نے چہرہ اٹھایا اور ایک نظر وانگ لی کو دیکھا۔ ''آپ آرام فرمایئے' مالک۔ مجھے اپنے سارے قصور معلوم ہیں۔ مجھے ان کے ساتھ جانے دیجئے۔'' وہ ضبط اور سکون سے نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے اس کے کندھوں پہ زور دے کے اسے گھٹنوں کے بل بٹھا رکھا تھا۔ ایک آدمی اس کے ہاتھوں کو رسی میں جکڑے جا رہا تھا۔

''مگر...'' وانگ لی نے پریشانی سے ان سپاہیوں کی فوج کو دیکھا اور پھر سیاہ گھوڑا گاڑیوں کو جو سامنے کھڑی تھیں۔ قیدی کو لے جانے کے لئے تیار!

''مالک!'' اس نے مسکرا کے وانگ لی کو مخاطب کیا۔ سپاہیوں نے اسے جبراً اٹھایا اور گاڑی کی طرف لے جانے لگے۔

''جب میں نے کہا تھا کہ میں بادشاہوں اور رئیسوں کے ساتھ بھی گھوما ہوں اور محلوں میں بھی رہا ہوں تو میں نے درست کہا تھا۔ وان فاتح نہ کسی سے متاثر ہوتا ہے' نہ کسی بنداہارا سے ملنے سے ڈرتا ہے۔ آپ فکر مت کیجئے۔ مراد راجہ کو ابھی معلوم نہیں ہے کہ یہ ملاقات میری مرضی اور خواہش سے ہو رہی ہے۔''

وہ اسے گاڑی کی طرف لے جا رہے تھے اور وہ ان کے ساتھ چلتا' گردن موڑے اپنے مالک کو مسکرا کے تسلی دے رہا تھا۔ فربہ چینی

سفار تکار بس سر پہ ہاتھ رکھے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

اس کا غلام آج اسے پہلی دفعہ آزاد لگا تھا۔

☆☆=========☆☆

سنہری دھوپ نیلے سمندر کی سطح پہ چمک رہی تھی۔ تاحدِ نگاہ پانی پھیلا تھا جو پرسکون اور شانت تھا اور بڑے وقار سے اپنے سینے پہ ایک وسیع وعریض کشتی کو اٹھائے ہوئے تھا۔

کشتی کا بادبان ہوا سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔ وہ کوئی عام کشتی نہ تھی۔ خوب اونچی اور چوڑی کشتی جس کے تہہ خانے میں کمرے بنے تھے اور وہاں شریفہ سامان جوڑتی دکھائی دے رہی تھی۔

زینے چڑھ کے اوپر آؤ تو کشتی کا یہ کھلا سا عرشہ تھا جس کے دونوں کونوں میں تیر کمان اور اسلحے سے لیس سپاہی چوکنے کھڑے سمندر کو نگاہوں میں رکھے ہوئے تھے۔ ابھی پانی میں کوئی ہلچل مچے تو ان کے تیر مدافعت کے لئے تیار تھے۔

عرشے کے وسط میں لکڑی کے پھٹے لگے تھے۔ تالیہ وہاں بیٹھی تھی۔ اس نے شہزادیوں کے لباس سے برعکس سیاہ پاجامہ قمیض پہن رکھی تھی ۔اس کے اوپر سیاہ چغہ تھا جو ہوا سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔ سرد ہوا سے چغے کی ٹوپی بار بار پیچھے گر جاتی اور کانوں پہ ہوا لگنے لگتی۔

"یہ تمام سپاہی آپ کے اعتبار کے ہیں نا؟" ایڈم سامنے والے پھٹے پہ بیٹھتے ہوئے بولا تو وہ جو دور تک پھیلے سمندر کو دیکھ رہی تھی' چونک کے گردن موڑی۔

ایڈم کافی آرام دہ نظر آ رہا تھا۔ کرتے پاجامے کے اوپر سیاہ چغہ پہنے' اس نے سردی سے بچنے کو مفلر بھی کانوں کے گرد لپٹا تھا۔

"ہاں....میں نے ان کی وفاداری فی الحال تو خریدی ہوئی ہے۔ اور ہم ان کے بغیر سفر نہیں کر سکتے تھے۔ مراد راجہ نے اس جزیرے پہ اپنا سونا یوں تو نہیں چھوڑا ہو گا۔ پوری فوج تعینات کر رکھی ہو گی۔ ہمیں ان کے مقابلے کے لئے ان سب کی ضرورت ہے۔" پھر اس نے کھوجتی نگاہوں سے سمندر کو دیکھا۔

"کتنا فاصلہ رہ گیا ہے؟"

"بس اب ہم قریب ہیں۔" ایڈم نے افق کو دیکھتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا تو وہ بے اختیار اسے دیکھنے لگی۔

"یہ کہاں سے سیکھا تم نے؟"

"کیا؟"

"یہ نقشے پڑھنا....سمندر میں راستے تلاش کرنا...."

"آپ بھول رہی ہیں' میں فوج میں تھا اور وہاں یہ سب سکھاتے ہیں۔"

وہ جواب میں کچھ تیکھا کہنے لگی مگر پھر ارادہ بدل دیا اور دوستانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''تم واپس جا کے کیا کرو گے؟''

ایڈم دھیما سا مسکرایا۔ ''آپ کو واپس جانے کا جتنا یقین ہے اتنا مجھے نہیں ہے' چے تالیہ۔ لیکن اگر میں واپس گیا تو...'' اس نے سوچنے والے انداز میں سانس اندر کھینچی۔ ''تو میں کسی سیکیورٹی کمپنی میں اپلائی کروں گا اور کہیں گارڈ بھرتی ہو جاؤں گا۔ اس سے بہتر جاب مجھے نہیں ملے گی کیونکہ نہ میری تعلیم ہے نہ تجربہ۔''

''تجربہ تو یہاں تم نے بہت حاصل کیا ہے۔''

''مگر یہ تجربہ وہاں میرے کس کام آئے گا؟ وہ دوسری دنیا ہے' چے تالیہ۔'' اس نے یاد دلایا۔ پھر قدرے ٹھہر کے بولا۔ ''اور آپ؟ آپ کیا کریں گی؟''

''میں!'' وہ پر جوش انداز میں مسکرائی۔ ''میں سب سے پہلے اس خزانے کو کھود کے نکالوں گی' پھر تھوڑا سا بیچوں گی اور ایک گھر خریدوں گی۔''

''جزیرے پہ محل؟ جو آپ کا خواب تھا؟''

تالیہ کا منہ بن گیا۔ ''ہرگز نہیں۔ بہت دیکھ لئے جزیرے اور بہت دیکھ لئے محل۔ اب مجھے کسی پر رونق ہجوم والی جگہ پہ گھر لینا ہے۔ جہاں مارکیٹ' ریسٹورانٹس اور ٹریفک کا شور ہنگامہ ہو۔''

''کے ایل کے بالکل وسط میں ایک علاقہ ہے جہاں....''

''کے ایل نہیں' ایڈم۔'' وہ آہستہ سے بولی۔ ''میں کہیں دور چلی جاؤں گی۔ کسی دوسرے ملک۔ اور نئی زندگی شروع کروں گی۔''

وہ بس اسے دیکھ کے رہ گیا۔ ''یعنی آپ یہ طے کر چکی ہیں کہ وان فاتح واپس جاتے ہی آپ کو چھوڑ دیں گے؟''

''انہوں نے مجھے اپنایا ہی کب ہے؟ اور ظاہر ہے وہ چھوڑ دیں گے۔ ویسے بھی میں اتنی باوقار ہوں کہ کسی کے بس نام کے سہارے پہ زندگی نہیں گزاروں گی۔'' نخرے سے سر جھٹکا۔

''لیکن ہو سکتا ہے وہ آپ کو نہ چھوڑیں۔ ان کو آپ سے محبت ہو جائے۔ ساری تلخیاں' سارے خواب' سب بھول جائیں وہ اور ایک دنیا سے ٹکر لے کر آپ کو اپنا لیں۔''

''میں چور تھی' جھوٹی تھی' لوگوں کو لوٹتی تھی مگر گھر توڑنے والوں میں سے نہیں تھی' ایڈم۔ میں ان کے بیوی بچوں کی زندگی کبھی خراب نہیں کروں گی۔'' اسے جیسے اس بات پہ دکھ ہوا تھا۔ ''اور یہ شادی..... یہ میری مرضی سے نہیں ہوئی۔ یہ ان کی ایماء پہ ہوئی ہے۔ داتن ہوتی تو کتنا ہنستی۔'' بڑے دن بعد آج وہ یاد آئی تھی۔ مگر پھر اس نے یاد کو جھٹک دیا۔

''اچھا۔ ٹھیک۔ فرض کیا انہوں نے آپ کو جاتے ساتھ ہی تنسیخ نکاح کے کاغذات پکڑا دیے ہیں' اس کے بعد کیا کریں گی آپ؟''

لہروں کے شور کو سنتے چند لمحے کے لیے دونوں خاموش ہو گئے۔

''تعلیم تو میری بھی خاص نہیں ہے مگر تجربہ بہت ہے۔ میں پینٹ کروں گی اور آرٹ ورکس بناؤں گی۔ اس خزانے سے امیر بھی ہو جاؤں گی' دنیا گھوموں گی' نئے دوست بناؤں گی۔''

''اور پرانے دوستوں سے بہت دور جانا چاہتی ہیں آپ!'' وہ اداسی سے مسکرایا۔

''پرانے دوست بھی تو اپنی زندگیوں میں مگن ہو جائیں گے۔ تم سیکیورٹی گارڈ بن جاؤ گے' میں آرٹسٹ اور وان فاتح ....''

''وہ تو وزیر اعظم بنیں گے۔'' دونوں ایک ساتھ بولے اور پھر ہنس دیے۔ نیلا سمندر بھی ان کے ساتھ ہنسا تھا۔

''کیا آپ ملاکہ کو مس کریں گی' چے تالیہ؟'' تھوڑی دیر بعد وہ سمندر کو دیکھتے ہوئے بولا۔ زاروں طرف گویا نیلی چادر سی بچھی تھی جس پہ وہ تیر رہے تھے۔

''یہاں ہے ہی کیا جسے میں مس کروں گی؟''

''یہاں ہے ہی کیا؟ محترمہ! یہاں آپ شہزادی ہیں' حکم چلاتی ہیں' بے پناہ طاقت کی مالک ہیں۔ اور وہاں آپ لوگوں کی جیبیں کاٹتی پھرتی تھیں۔ روپ دھار دھار کے نوکریاں کرتی تھیں۔''

تالیہ نے برہمی سے اسے دیکھا۔ ''زیادہ طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ میری خوش اخلاقی ایکسپائر ہو جائے گی۔''

ایڈم کے چہرے کے زاویے فوراً سیدھے ہوئے۔ تالیہ تفاخر سے مسکرائی' مگر بجائے تعظیم پیش کرنے کے وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ تالیہ نے چونک کے گردن موڑی۔

سامنے سبز سی لکیر دکھائی دے رہی تھی۔ دور کوئی جزیرہ سا تھا۔

''یہی ہے.... یہی ہے تین چاند والا جزیرہ۔'' وہ جوش سے کھڑا سپاہیوں کو ہدایت دینے لگا۔ ''کشتی کو اس طرف لے جاؤ۔''

وہ بے چینی سے اٹھی اور آسمان کو دیکھا۔ ''شام ڈھلنے کے قریب ہے۔ ہمیں چاند نکلنے کے وقت تک اس جگہ پہنچ جانا چاہیے۔'' پھر چغہ سنبھالتی آگے بڑھی اور سپاہیوں کے سر پہ جا رکی۔

''جزیرے پہ کچھ ضرور ہمارا منتظر ہو گا۔'' وہ بلند آواز میں بولی اور سب رک کے اسے سننے لگے۔

''سپاہی' فوج' مقامی لوگ۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر تم لوگ .... تم پوری جانفشانی سے لڑو گے... یاد رکھو' ہم نے زندہ واپس جانا ہے وہ سب لے کر جس کے لئے ہم آئے ہیں۔ واپس پہنچ کے نہ صرف میں تم میں سے ہر ایک کو انعام و اکرام سے نوازوں گی بلکہ تمہیں آزاد بھی کر دوں گی۔'' وہ پورے قد سے کھڑی ان سے مخاطب تھی۔ ہوا سے چغہ پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اور ٹوپی پیچھے کو ڈھلک گئی تھی۔

''لیکن اس سے پہلے .... تم لوگوں کو لڑنا ہو گا.... اس جزیرے اور اس کے آسیبوں سے .... تمہیں لڑنا ہو گا... اپنی شہزادی کے لئے لڑو گے نا؟''

''آپ ہمیں ہر امتحان میں پورا پائیں گی شہزادی۔'' ایک سپاہی جوش سے بولا تو وہ مسکرائی اور گردن موڑ کے ایڈم کو دیکھا۔

''سارے خزانے' ساری جابز' تعلیم' ایوارڈز' انسان جو کچھ بھی حاصل کر لے' ہر چیز ایک طرف....اور ''طاقت اور حاکمیت'' ایک طرف ہے' ایڈم۔ ہاں' شاید اس چیز کو میں مس کروں گی!''

ایڈم بس مسکرا دیا۔

وہ دونوں اب ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ کشتی تیزی سے تیرتی ہوئی جزیرے کے قریب جا رہی تھی۔ تالیہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہاں کیا ان کا منتظر ہو گا؟

کوئی آسیب....کوئی فوج؟

☆☆=========☆☆

سلطنت محل پہ شام اترتی دکھائی دے رہی تھی اور اونچی دیواروں پہ لگی قندیلیں جلنے لگی تھیں۔ غلام اور کنیزیں نظم و ضبط سے سارے کام نپٹاتے پھر رہے تھے۔ ایسے میں محل کی ایک اونچی بالکونی میں ملکہ یان سوفو کھڑی تھی۔ سینے پہ باز و لپیٹے' وہ تاج اور زیورات سے لدی پھدی' مسکرا کے نیچے دیکھ رہی تھی۔ بڑے دن بعد وہ اتنی پر سکون نظر آتی تھی۔

''اتنے پریشان کیوں ہو' وانگ لی؟'' اس کا مخاطب چینی سفارتکار عقب میں کھڑا تھا۔ چہرہ بے چین اور اداس لگتا تھا۔

''ملکہ عالیہ....مرادراجہ نے میرے غلام کو گرفتار کر لیا ہے۔ مجھے یہ سوچ کے خوف آرہا ہے کہ اب کیا ہو گا؟''

''خوف کی بات نہیں ہے' وانگ لی۔'' وہ پر سکون سی دور نیچے پھیلے باغات کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''جلد یا بدیر یہ تو ہونا تھا۔ بنداہارا اس کو قید کر کے اس کے ساتھ جو بھی سلوک کرے' وہ دکھ کی بات ہو سکتی ہے' مگر خوف کی نہیں۔''

''مرادراجہ کو اس نکاح کا علم ہو گیا تو.....؟''

''علم تو ہونا ہی تھا۔ مگر میرا نام نہیں آئے گا اور تم سفارتکار ہو' تمہارا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔''

''اور فاتح؟ اور شہزادی تاشہ؟''

''یہ اب ان کا مسئلہ ہے۔ بھلے مراد اپنی بیٹی کو گلے سے لگائے یا گستاخ غلام کی گردن اتار دے' ہر صورت میں سلطان تک خبر پہنچ جائے گی کہ شہزادی تاشہ کسی کی منکوحہ ہے۔ میرا مسئلہ یہیں تک تھا' وہ ختم ہو جائے گا۔'' وہ ہولے ہولے اپنے کان سے لٹکتے بندے پہ انگلی پھیر رہی تھی۔

''واقعی...ہمارا مسئلہ تو ہر حال میں ختم ہو جائے گا۔'' وانگ لی نے گہری سانس بھری۔ پھر جیسے اسے ملال ہو۔ ''مگر مجھے فاتح کے لئے دکھ ہو رہا ہے' ملکہ۔ اس کی پیشانی روشن تھی۔ وہ قید خانے کا ایندھن نہیں بن سکتا۔''

''میں نے کہا نا' خوف کی بات نہیں ہے' دکھ کی ہے۔ جب میں نے سنا تھا کہ چین کے پہاڑوں پہ ایک سرخ دھاریوں والے نایاب پرندے کی نسل ختم ہو رہی ہے تو مجھے بہت دکھ ہوا تھا۔ میں تب چھ برس کی تھی۔ مجھ سے کتنے دن کھانا نہیں کھایا گیا۔ میرا دل دکھ گیا تھا۔

مگر....'' چہرہ وانگ لی کی طرف پھیرا۔ کھلے دل سے مسکرائی۔ ''دل کی یہی تو اچھی بات ہے اس کے دکھ درد تھوڑے عرصے بعد بھول جاتے ہیں۔ بس تاج سلامت رہے' دل میں بہت جگہ ہے' وانگ لی۔''

''بجا فرمایا' ملکہ!'' اس سے اتفاق کرنا لازم تھا۔ سو تائیدی انداز میں وانگ لی نے سر کو خم دیا۔ وہ واپس نیچے باغات کو دیکھنے لگی۔ لالی لگے ہونٹوں پہ مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

مراد راجہ کے دربار کے دروازے بند تھے اور وہاں مسلح پہریدار کھڑے تھے۔ سامنے سے دو سپاہی فاتح کو اپنے آگے چلاتے لاتے دکھائی دیے اس حال میں کہ اس کی ہتھکڑیوں سے بندھی زنجیر پیروں کے گرد لپٹی تھی۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور آنکھوں میں کوئی خوف نہ تھا۔ بس نظریں گھما کے در و دیوار کا جائزہ لیتے قدم اٹھا رہا تھا۔

ایک سپاہی نے بازو سے جبراً دھکیلنا چاہا تو فاتح رک گیا اور ایک ٹھنڈی نظر اس پہ ڈالی۔

''میں خود چل سکتا ہوں' مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔'' کوئی رعب تھا یا کیا' سپاہی نے اس کی کہنی چھوڑ دی۔

وہ گردن اٹھائے' سیدھ میں دیکھتے آگے بڑھتا گیا۔ زنجیریں تھامے سپاہی اس کے ہمراہ چپ چاپ چلتے آئے۔

پہریداروں نے دربار کا دروازہ کھولا تو فاتح نے سامنے دیکھا۔

طویل سا دربار تھا.... درمیان میں لمبا سرخ قالین بچھا تھا جو آخر میں چبوترے تک جاتا تھا۔ چبوترے کے اوپر تخت رکھا تھا جس پہ (فاتح کی نظریں اس کے پیروں سے ہوتیں چہرے تک تھم گئیں) مراد راجہ براجمان تھا۔

شاہی قبا دائیں بائیں پھیلا رکھی تھی' ایک ہاتھ گھٹنے پہ رکھا تھا اور دوسرا شاہانہ انداز میں پہلو میں پڑا تھا۔ ماتھے پہ سرخ پٹی بندھی تھی اور لمبے سیاہ بال کندھوں کو چھو رہے تھے۔ اپنی عقابی چمکدار آنکھیں وہ قیدی پہ جمائے ہوئے تھا جو سفید کرتے پاجامے میں ملبوس' زنجیروں میں بندھا سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ قدرے بڑھی ہوئی شیو' چھوٹے بال (جو ملاکہ میں غیر معمولی لگتے تھے کیونکہ مردوں اور عورتوں سب کے بال لمبے ہوتے تھے۔) اور چھوٹی آنکھیں جو مراد پہ جمی تھیں۔

وہ پہلی نظر میں ہی مقامی باشندہ نہیں لگتا تھا۔

''سامنے آؤ۔'' مراد نے دو انگلیوں سے اشارہ کیا۔ آواز کھردری اور رعب دار تھی۔

فاتح سرخ قالین پہ ننگے پاؤں آگے چلتا آیا۔ سپاہی ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ چبوترے کے عین سامنے آ رکا۔

''تو تم فاتح ہو!''

''اور تم مراد ہو۔ مراد راجہ!'' وہ اسی کے انداز میں بولا تو چبوترے کے نیچے دربان کی طرح کھڑے عارف نے گھر کا۔

''تم اس وقت ملاکہ سلطنت کے بنداہارا مراد راجہ کے دربار میں کھڑے ہو۔ ادب سے بات کرو۔''

''ہمارے زمانے میں ادب اتنا ہی ہوتا ہے بس۔ان لمبے لمبے القابات' خطابات سے نہیں پکارتے لوگوں کو بھلے وہ ملک کے سربراہ ہی کیوں نہ ہوں۔صرف ان کا نام لینا کافی ہوتا ہے۔''پھر نظریں گھما کے عارف کو دیکھا۔

''مگر خیر' تم ہمارے زمانے سے واقف نہیں ہو گے۔وہ تمہارے ملاکہ سے بہت مختلف ہے۔اور.....''

''تم لوگ باہر جاؤ۔''عارف نے تیزی سے سپاہیوں کو مخاطب کیا۔وہ فوراً باہر نکل گئے۔

فاتح نے ہلکا سا مسکرا کے مراد کو دیکھا جو تخت پہ بیٹھا ہنوز اسے گھور رہا تھا۔

''تو صرف تمہارا یہ دربان تمہارے ''شکار بازی'' کے رازوں سے واقف ہے۔اچھی بات ہے۔کوئی راز دان ہونا چاہیے'ورنہ سب سے زیادہ تنہائی تخت پہ بیٹھنے والے کے مقدر میں ہوتی ہے' راجہ!''

''اور تم کیا جانتے ہو تخت پہ بیٹھنے والوں کے بارے میں؟''مراد اس پر سے ایک لمحے کو بھی نگاہ نہیں ہٹا رہا تھا۔عجیب بے خوف سا آدمی تھا۔

''میں اپنے ملک میں ایسے ہی لوگوں میں سے تھا۔کیا تالیہ نے نہیں بتایا؟''وہ ذرا سا مسکرا کے بولا۔''میں...اپنے ملک کا....بندا ہارا بننے والا تھا'مراد راجہ!''

''تاشہ سے کیا تعلق ہے تمہارا؟''مراد نے اگلا سوال داغا۔

''تالیہ کی میری بیوی سے شناسائی تھی'اس نے میری بیوی کی تصویر بنانی شروع کی تو ہمارے گھر اس کا آنا جانا ہوا۔بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک خزانے کی کھوج میں ہے۔اس خزانے کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس نے وقت کا دروازہ پار کیا اور میں صرف اس کو روکتے روکتے ساتھ آ گیا۔''

''اور تم اسے کیوں روکنا چاہتے تھے۔''

''کیا تالیہ نے تمہیں نہیں بتایا مراد' کہ وہ اس دنیا میں کیا تھی؟''

''کیا تھی؟''

فاتح ہلکا سا مسکرایا۔وہ نیچے کھڑا تھا اور مراد اوپر بیٹھا تھا مگر دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے پہ جمی تھیں۔

''وہ ایک چور تھی۔بہروپ بدل بدل کے لوگوں کو لوٹنے والی۔اسے قائل کرنے کا فن آتا تھا۔وہ لوگوں سے اپنے مطلب نکلوا لیتی تھی۔اور اسے مال وزر سے بہت محبت تھی۔اب بھی ہے۔لیکن اس سفر نے اسے بدل دیا ہے۔وہ واپس جانا چاہتی ہے کیونکہ اسے خود کو بدلنا ہے۔''

''ہونہہ۔''مراد تمسخر سے مسکرایا۔''انسان اپنی فطرت نہیں بدل سکتا' غلام فاتح!اور وہ واپس نہیں جانا چاہتی۔کیا تمہیں معلوم نہیں'اس کی سلطان مرسل شاہ سے شادی ہو رہی ہے۔''

''تمہاری دنیا میں کی گئی شادی کی ہماری دنیا میں کوئی اہمیت نہیں ہوگی' مراد راجہ۔ تمہیں مجھے اور تالیہ کو واپس بھیجنا ہوگا۔''

''میں تمہارے قہوہ خانے کے لوگوں جیسا نہیں ہوں جو تمہاری تقریر سے متاثر ہو جاؤں گا۔ ویسے کیوں کرتے ہو تم وہاں تقریریں؟''

''یہ فطرت ہے میری۔ انسانوں کو کسی جابر حکمران کا غلام بنے دیکھ نہیں سکتا۔ اور پھر تمہاری نظروں میں آنا چاہتا تھا۔ کافی دیر لگی تمہیں میری گردن کی مہر سے مجھے پہچانتے پہچانتے۔ تمہیں کیا لگتا ہے مراد راجہ؟ یہ ملاقات تمہاری خواہش سے ہو رہی ہے؟ اونہوں۔ تمہاری بیٹی نے مجھے ایک کام سکھا دیا ہے۔ چال ایسے چلنی چاہیے کہ دوسرے کو لگے یہ اس کا اپنا منصوبہ تھا۔''

''اور میرا منصوبہ یہ ہے کہ تم اب کبھی دوبارہ سورج کی روشنی نہیں دیکھ سکو گے۔''

''تم اپنے ہاتھوں سے ہمیں چابی دو گے' مراد راجہ۔ تم نہیں جانتے' مگر میں جانتا ہوں۔ تمہارے پاس میری بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔''

''تم کہہ رہے ہو کہ تم مستقبل سے واقف ہو؟''

''میں ماضی سے واقف ہوں' راجہ!'' وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا۔ زنجیروں میں جکڑے ہونے کے باوجود اس کا انداز ٹھنڈا اور شانت تھا۔

''میں نے تمہاری بات سن لی' فاتح۔ اب میری بات غور سے سنو۔'' مراد کہنی گھٹنے پہ رکھے آگے کو جھکا۔ ''تم بندا ہارا ر ہو گے اپنے ملک کے۔ یہاں تم صرف ایک غلام ہو اور جلد ایک بھولی بسری داستان بن جاؤ گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا کھیل کھیل رہے ہو' مگر میں تمہیں اپنی بیٹی یا اس کی زندگی کے قریب بھی برداشت نہیں کروں گا۔ تم اب قید میں رہو گے' اور تمہیں دوبارہ تب بلایا جائے گا جب مجھے لگے گا کہ تم میرے کسی کام آ سکتے ہو۔ اس لئے....'' عارف کو اشارہ کیا۔ ''اسے لے جاؤ۔''

''جانتے ہو میری سب سے بڑی طاقت کیا ہے' مراد راجہ؟'' عارف سپاہیوں کو آواز دینے لگا تھا کہ وہ بولا۔ ''میں سچ بولتا ہوں' اور تمہارے ساتھ بھی میں نے صرف سچ بولا ہے۔ مجھے قید کیوں کر رہے ہو؟ میں نے تمہارے ساتھ کیا برا کیا ہے؟''

''تم وانگ لی کے غلام ہو اور وہ ملکہ کا آدمی ہے۔ وہ دونوں بھی جلد نیست و نابود ہو جائیں گے' اس لئے تم.....''

''ملکہ آج سے بتیس سال بعد مرے گی۔ وہ بھی سرخ پھوڑے نکلنے سے۔''

الفاظ تھے کہ کیا' راجہ مراد سن ہو گیا۔ عارف اپنی جگہ پہ ٹھہر گیا۔

زنجیروں میں جکڑا قیدی گردن اٹھائے عام سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''ملک بدر ہونے کے بعد ملکہ گمنامی کی زندگی اختیار کر لے گی اور کئی سال ایسے ہی گزار دے گی۔ پھر آج سے بتیس سال بعد چین کے ایک پرانے محل میں اسے موت آئے گی۔''

''ملک بدر؟'' عارف بڑبڑایا۔ ''وہ ملک بدر کیوں ہوگی؟''

''جب مرسل شاہ کے خلاف گزشتہ سلطان کے بیٹے بغاوت کر دیں گے اور تھوڑے ہی عرصے بعد اس کا تخت الٹ دیں گے تو وہ ملک بدر کر دی جائے گی۔ مرسل کا المناک انجام ہوگا۔ منصور شاہ اگلا حکمران بن جائے گا۔ اور پدو کا راجہ (تن پیراک) اس کا بندا ہارا ہوگا۔ اگلے

پچاس سال سے زیادہ پیدوکا راجہ ملاکہ سلطنت کا بنداہارا رہے گا۔اس دوران دو یا تین سلاطین بدل جائیں گے مگر بنداہارا ایک ہی رہے گا۔یان سوفو کا باپ اگلے دس سال حکومت کرے گا اور پھر اپنے چھوٹے بیٹے کو شاہ چین نامزد کر کے مر جائے گا۔“

”اور اس کا بڑا بیٹا؟“ عارف فوراً بولا۔مراد پتھر ہوا سن رہا تھا۔

”اس کا بڑا بیٹا تو اب تک مر چکا ہوگا۔اس مہینے کی چار تاریخ کو اس نے طاعون سے مر جانا تھا۔“

”نہیں۔“ مراد چونکا۔”تم جھوٹ بول رہے ہو' وہ پچھلے ماہ ملاکہ آیا تھا' بھلا چنگا تھا۔اور دس دن پہلے اس کا خط بھی آیا تھا۔تم میرے دماغ سے کھیلنے کی کوشش کر رہے ہو فاتح! مگر میں ....“

”راجہ.....راجہ!“ عارف کھنکھارا تو مراد نے چونک کے اسے دیکھا۔

”ابھی ایک گھڑی قبل چین سے خط موصول ہوا تھا۔گزشتہ ہفتے ملکہ یان سوفو کا بھائی واقعی طاعون سے مر گیا ہے۔سب سے پہلے میرے آدمی نے خبر دی ہے۔ملکہ کو خود ابھی خبر نہیں ملی۔میں آپ کو غلام سے ملنے کے بعد بتانا چاہتا تھا۔“ عارف نے آہستہ سے بتایا۔

مراد کی رنگت سفید پڑنے لگی۔اس نے بے یقینی سے قیدی کو دیکھا جو اسی طرح کھڑا تھا۔عام سا انداز۔بے نیازی سی بے نیازی۔

مراد اپنی جگہ سے اٹھا اور زینے اتر کے نیچے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

”تم یہ سب کیسے جانتے ہو؟“

”تاریخ کی کتابوں میں میں نے تمہاری ساری داستانیں پڑھ رکھی ہیں' مراد راجہ! کیا تم جاننا چاہتے ہو کہ تمہارا انجام کیسا ہوگا؟“

وہ الفاظ روح کھینچ لینے والے تھے۔سانس روک دینے والے تھے۔جیتے جی مار دینے والے تھے۔

”مراد راجہ.....کیا تم جاننا چاہتے ہو کہ تمہیں کس زمین پہ موت آئے گی؟“

مراد پلک جھپکے بنا اسے دیکھ رہا تھا۔فاتح نے چند لمحے کا انتظار کیا' پھر لب کھولے۔

”ایک دن آئے گا مراد' جب تم ملاکہ کے شہر کے چوک میں.....“

”بس!“ وہ دھاڑا۔”بس! میں نہیں جاننا چاہتا کہ میرا کیا ہوگا۔میں اپنی موت کے بارے میں کچھ نہیں جاننا چاہتا۔“

سارے سایے جو اس کے چہرے پہ آئے تھے' وہ اب گزر چکے تھے۔مراد سنبھل گیا تھا اور اس کے چہرے کی سختی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

”درست فرمایا' راجہ۔کوئی انسان نہیں جاننا چاہتا کہ وہ کون سی زمین پہ مرے گا۔میں خود بھی نہیں۔“ پھر عارف کی طرف دیکھا۔”میں واپس قید میں جانے کے لئے تیار ہوں۔جلد تم لوگوں کو میری ضرورت پڑے گی۔تب مجھے باہر لے آنا۔“

وہ اپنے تئیں ملاقات ختم کر چکا تھا۔مڑنے ہی لگا تھا کہ مراد پکارا اٹھا۔

”اور تاشہ.....میری بیٹی.....اس کا کیا ہوگا؟“ اس کی آواز میں کچھ تھا جو فاتح مڑتے مڑتے رکا اور اس کی طرف گھوما۔پھر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میری ایک بیٹی تھی' مراد' جو پہاڑوں میں کھو گئی تھی۔ میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں ایسا سوال پوچھنا چاہیے۔''

''مجھے بتاؤ۔ میری بیٹی کا کیا ہوگا؟'' وہ مضطرب ہو گیا تھا۔

وان فاتح نے گہری سانس لی۔ اور جب بولا تو اس کی آواز مغموم تھی۔

''شہزادی تاشہ تاریخ کا ایک خوبصورت اور مضبوط کردار تھی. جس کی داستان بہت مختصر تھی۔ اس نے کچھ اچھے کام کیے تھے. جس کے باعث اس کو اچھے الفاظ میں یاد کیا جاتا ہے۔ مگر آخر میں .....(وہ ٹھہرا....) آخر میں اس کا انجام بھی افسوس ناک ہوا تھا۔''

''کیا؟ کیا ہوا تھا اس کے ساتھ؟ کیا لکھا ہے تمہاری کتابوں میں؟'' وہ بے چین سا ہوا۔ ''مجھے بتاؤ تاکہ میں اس کو ہونے سے روک سکوں۔''

''وہ ایک سمندری سفر پہ گئی تھی. جس سے وہ لوٹ کے نہیں آئی تھی۔ اگر تم اس کا بچانا چاہتے ہو تو اسے کسی سمندری سفر پہ نہ بھیجنا۔''

مراد کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حالم (نمرہ احمد)

گیارھواں باب:

''وقت کے اس پار''

اس نے خواب میں دیکھا...

گھنٹی کی تیز آواز سے اس کی آنکھ کھلتی ہے...

وہ ہڑبڑا کے لحاف پھینکتی ہے... پھر بستر سے پیر نیچے اتارتی ہے...

اور چپل پیروں میں ڈالے باہر کو لپکتی ہے...

اب وہ تیز تیز زینے پھلانگ رہی ہے... دل زور زور سے دھڑک رہا ہے...

وہ دروازہ کھول کے باہر ڈرائیو وے پہ آتی ہے...

سامنے گیٹ کے پار کوئی کھڑا ہے.... اس کے ہاتھ میں ایک ٹوکری ہے...

اس کے قدم سست پڑ جاتے ہیں... وہ گیٹ تک آتی ہے... جنگلے کے اوپر سے ہاتھ بڑھاتی ہے.... آدمی اس کو ٹوکری پکڑاتا ہے...

وہ وہیں نیچے زمین پہ بیٹھتی جاتی ہے.... ٹوکری اس کے ہاتھ میں ہے.... اور چہرہ شکست خوردہ سالگتا ہے.....

اب وہ ٹوکری میں موجود اشیاء پہ ہاتھ پھیر رہی ہے.... ان کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرا رہی ہے..... تیز مانوس خوشبو.....

اور اس کی آنکھیں بھیگی جا رہی ہیں.....

ٹوکری میں رکھی چیزیں دھندلی نظر آ رہی ہیں...

اور..... خواب ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے.....

☆☆==========☆☆

سرد ہوا کے زوردار جھونکے نے اس کے سر سے چغے کی ٹوپی گرا دی۔

تالیہ مراد چونک کے اٹھی۔

وہ سوئی نہیں تھی۔ بس کشتی کے کونے میں بیٹھے بیٹھے گھٹنوں پہ چہرہ ٹکا کے آنکھیں موندی ہی تھیں کہ یہ خواب دکھائی دیا۔ اب آنکھ کھلی تو

2

دیکھا... کشتی پانی پہ تیرتی آگے بڑھ رہی تھی اور جزیرہ قریب آتا دکھائی دے رہا تھا۔

''کوئی برا خواب دیکھا ہے کیا؟'' ایڈم ہاتھوں پہ رسی لپیٹتے ہوئے قریب آیا تو اس نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔ چغے میں ملبوس وہ رسی اٹھائے مصروف دکھائی دیتا تھا۔

''اچھے برے کا معلوم نہیں۔ مگر ہاں... خواب ہی دیکھا ہے۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''کیا دیکھا آپ نے؟'' وہ اس کے قریب آرکا۔ ساتھ ساتھ رسی بھی لپیٹ رہا تھا۔

''میں نے خود کو اپنے کے ایل والے گھر میں دیکھا۔ گھنٹی بجتی ہے۔ ایسی گھنٹی جس کا مجھے انتظار تھا جیسے۔ کوئی عادت ہو جیسے۔ میں بھاگ کے دروازہ کھولتی ہوں تو مجھے کوئی شخص ایک ٹوکری دیتا ہے... جیسے تحفہ ہو... مگر میں...'' وہ کہتے کہتے رک گئی جیسے خود میں ہی الجھ گئی ہو۔

''تحفہ ملنے پہ یوں غمگین کون ہوتا ہے ایڈم؟''

''جو خزانے ڈھونڈنے کے لئے جاتا ہے اور وقت کے اس پار کھو جاتا ہے... شاید وہ!'' اداسی سے مسکراتے ہوئے ایڈم نے رسی کا گچھا دور ایک سپاہی کی طرف اچھالا جس نے فوراً سے اسے تھام لیا۔ دوسرے سپاہی اور خادم بھی لنگر انداز ہونے کی تیاریوں میں لگے تھے۔

''مگر اس ٹوکری میں کیا تھا؟'' اس نے آنکھیں بند کر کے یاد کرنا چاہا۔ ''میں اس چیز کی خوشبو پہچانتی ہوں۔ ایسے جیسے... جیسے رسیلا چاکلیٹ ہو....'' پھر اس نے گہری سانس لی اور کھڑی ہوئی۔

''خیر... ایک بات تو طے ہے کہ ہم اس زمانے کی قید سے جلد نکل جائیں گے۔''

''ہم یا صرف آپ؟''

تالیہ نے گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں لگتا ہے میں تم دونوں کو چھوڑ کے جاسکتی ہوں۔''

''جی بالکل مجھے ایسا لگتا ہے۔ کیونکہ... آپ کو بیس فیصد خزانہ بھی مجھ سے بانٹنا برا لگ رہا ہوگا اندر ہی اندر۔''

''ہاں لگ تو رہا ہے۔ بیس فیصد جتنا کام تو تم نے کیا نہیں ہے۔ ہونہہ۔'' بالوں کو بے نیازی سے پیچھے جھٹکا اور عرشے پہ آگے کو بڑھ گئی۔

جزیرہ جیسے جیسے قریب آ رہا تھا... سورج اسی رفتار سے ڈھلنے کی تیاری میں تھا۔

ایڈم نے کینہ توز نظروں سے اسے دیکھتے گہری سانس بھری۔

چاہے تالیہ جل بھی جائیں تو ان کے بل نہیں جائیں گے' یہ تو طے تھا۔

☆☆=========☆☆

بندا ہارا کے دربار میں کھڑا وان فاتح کہہ رہا تھا۔

''وہ ایک سمندری سفر پہ گئی تھی جس سے وہ لوٹ کے نہیں آئی تھی۔ اگر تم اس کو بچانا چاہتے ہو تو اسے کسی سمندری سفر پہ نہ بھیجنا۔''

مراد راجہ کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا۔

3

''بس یہی یا کچھ اور بھی جاننا چاہتے ہو تم 'راجہ'؟'' بے تاثر سے انداز میں اس نے بات جاری رکھی۔

مراد کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھرتی دکھائی دی۔ مگر چہرے کے تاثرات اس نے بہت ضبط سے ہموار رکھے۔

''مجھے تمہاری کسی بات پہ یقین نہیں ہے۔ جاؤ اور میرے قید خانے میں اپنی باقی ماندہ زندگی گزارو۔'' قدرے غصے اور حقارت سے ہاتھ جھلا کے بولا تو فاتح ہلکا سا مسکرایا۔

''بہت جلد تم اتنے مجبور ہو جاؤ گے مراد راجہ کہ تم مجھے خود یہاں واپس بلاؤ گے اور اس کرسی (تخت کے ساتھ والی کرسی کی جانب اشارہ کیا) پہ بٹھا کے میرے ساتھ مذاکرات کرو گے۔''

مراد نے جواب نہیں دیا۔ ہاتھ دوبارہ جھلایا اور رخ موڑ لیا۔ سپاہی تیزی سے وارد ہوئے اور اسے بازوؤں سے پکڑا۔ اس نے مزاحمت نہیں کی۔ بس ایک نظر راجہ پہ ڈالی جو کمر پہ ہاتھ باندھے رخ موڑ گیا تھا' اور پلٹ گیا۔

''عارف!'' اس کے جانے کے بعد مراد قدرے بے چینی سے عارف کی طرف گھوما جو فکر مند سا وہیں کھڑا تھا۔ پیشانی شکن آلود تھی اور آنکھوں میں پریشانی تھی۔

''کیا تمہیں اس آدمی کی باتوں پہ یقین ہے؟'' عارف نے ایک نظر بند دروازے پہ ڈالی جہاں سے فاتح ابھی گیا تھا۔

''اس کی پیشانی کشادہ اور آنکھیں روشن ہیں۔ ایسے چہرے جھوٹوں کے نہیں ہوتے۔''

''پھر تم ابھی اسی وقت جنوبی محل کی طرف روانہ ہو جاؤ اور شہزادی کو بحفاظت واپس لے آؤ۔ ابھی' عارف!'' آخر میں اس کی مضطرب آواز بلند ہوئی تو عارف نے جھٹ سر جھکا دیا۔

''جو حکم راجہ!'' اور پھر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

مراد اب مارے اضطراب کے دربار میں دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ وہ اندر تک ہل کے رہ گیا تھا۔

☆☆=========☆☆

شام ڈھل گئی تو بند اہار محل کے در و دیوار نے سرگوشیوں میں ایک دوسرے کو تہہ خانے کا احوال سنایا۔ کھڑکیاں احتجاجاً ذرا کھڑکیں اور دروازوں نے اپنے پٹ جھلائے مگر اونچے ستون بے حسی سے قید خانے کا منظر نامہ سنتے رہے۔

وہ جیل نیچے تہہ خانے میں بنی تھی۔ اندھیر کال کوٹھڑیوں کی قطار جن کے دروازے آہنی اور سلاخ دار تھے۔ ایسی ہی ایک کوٹھڑی کے اندر زمین پہ فاتح بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ کھلے تھے مگر دائیں پیر سے بندھی زنجیر کے سرے پہ بڑا سا لوہے کا وزن بندھا تھا جس کے باعث وہ چند قدم سے زیادہ نہیں چل سکتا تھا۔ مگر اس نے کھڑے ہونے کی کوشش بھی نہیں کی۔ بس کونے میں اکڑوں بیٹھا دیوار کو دیکھتا رہا۔ دیوار پہ لگے گارے اور اینٹوں کی خراشوں میں وہ ناخن سے لکیریں کھینچ کے حساب کتاب کر رہا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں آپ؟'' آریانہ دوسرے کونے میں چپکے سے آن بیٹھی تھی۔ فاتح نے نظریں اس کی طرف اٹھائیں۔

4

وہ سفید ہیئر بینڈ میں بال جکڑے' آلتی پالتی کیے بیٹھی اس کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

''کتنے گھنٹے بیت چکے' یہ حساب کر رہا ہوں۔ تمہارے باپ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔ اور میرے حساب کے مطابق وہ ٹھیک جا رہا ہے۔'' وہ دوبارہ ناخن سے لکیر کھینچنے لگا۔

''آپ کو ڈر نہیں لگ رہا؟''

''مجھے ڈرنا نہیں' محض انتظار کرنا ہے۔ وقت کے اس پار جانے کا انتظار!''

''اور اس کے بعد؟ واپس جا کے آپ تالیہ کے ساتھ کیا کریں گے؟''

''وہی جو میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔ میں اس کو آزاد کر دوں گا۔ وہ اپنی زندگی گزارے' خوش رہے' میں اپنی زندگی گزاروں گا۔'' اس نے ہلکے سے کندھے اچکائے اور ایک لکیر کھینچی۔ ناخن کی سوکھے گارے سے رگڑے جانے کی ناقابل برداشت آواز سنائی دی۔

''اور اگر کسی موقعے پہ آپ کو 'واپسی' یا 'تالیہ مراد' میں سے کسی ایک کو چننا پڑے تو کیا کریں گے؟''

وہ چونکا۔ ''تمہیں ایسا خیال کیوں آیا؟'' بے حد حیرت سے اس نے کونے میں بیٹھی آریانہ کو دیکھا۔ جواب میں وہ استہزائیہ مسکرائی۔

''مجھے؟ مگر میں تو کوئی نہیں ہوں' ڈیڈ۔ میں آپ کا Subconcious mind ہوں جو آپ سے پوچھ رہا ہے کہ اگر چناؤ کا موقع آیا تو کیا کریں گے آپ؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔ بس گردن موڑ کے دیوار پہ لگی لکیروں کو دیکھنے لگا۔ ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے اور آنکھوں میں بے چینی در آئی تھی۔

ذہن میں ایک دم آوازوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔

(ایک وقت آئے گا جب آپ مجھے کہیں گے کہ آپ کو میری ضرورت ہے وان فاتح۔ کہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔) تالیہ ہنسی تھی۔

(یہ ایک بے وفا آدمی ہے جس کو عدے نبھانے نہیں آتے۔) ملکہ کی آواز میں سنجیدگی تھی۔

(میں وان فاتح ہوں اور مجھے کبھی کسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔) وہ ایک زمانے میں کبھی یہ بولا تھا۔

(وان فاتح کو صرف وان فاتح سے محبت ہے!) عصرہ بے رحم ہوئی تھی۔

آوازیں.... یادیں.... سب دیوار پہ لگی لکیروں سے ٹکرا رہی تھیں۔ وہ سر جھٹک کے اپنی توجہ منصوبے پہ مرکوز کرنے لگا۔

☆☆==========☆☆

تین چاند والے جزیرے پہ سورج ڈوب رہا تھا۔

جوان سمندر لہریں بار بار ساحل تک لاتا اور پھر واپس لے جاتا۔ کشتی ساحل پہ لنگر انداز ہو چکی تھی اور سپاہیوں کا گروہ ریت پہ اترا کھڑا تھا۔ دائرے کی صورت وہ تالیہ اور ایڈم کے گرد کھڑے تھے۔ مورخ خاموش تھا۔ جبکہ چغہ پوش شہزادی ان کو ہدایات دے رہی تھی۔

''سب ٹولیوں کی صورت جزیرے میں پھیل جاؤ' مگر ساحل کی پٹی کے ساتھ ساتھ۔ اندر کی طرف جنگل شروع ہو جاتا ہے۔ ہم نے

رات میں جنگل کے اندر نہیں جانا۔صرف ساحل کی پٹی کے ساتھ جزیرے کو چاروں اطراف سے لپیٹنا ہے۔کوئی بھی غیر معمولی چیز نظر آئے تو ایسی صورت میں....''اس نے ایک ترکش سامنے کیا جو تیروں سے بھرا تھا۔''یہ آتش باز تیر ہیں اور تم سب کے پاس یہ موجود ہیں۔ اس کو سلگا کے ہوا میں چھوڑو گے تو یہ فضا میں پھٹ جائے گا اور روشنی دیکھ کے باقی سب تمہاری طرف بھاگے آئیں گے۔''

''جو حکم شہزادی!''سپاہی سر ہلا رہے تھے۔

''آپ میرے ساتھ رہیے گا۔''وہ سب بکھر گئے تو ایڈم نے محافظانہ انداز میں کہا۔

''اوہ۔اتنے بڑے ہو گئے ہو اور اندھیرے سے ڈرتے ہو؟ چچ چچ!''تالیہ نے سادگی سے پلکیں جھپکائیں۔

ایڈم کی پیشانی پہ بل پڑے۔''میں آپ کے لئے کہہ رہا تھا۔''

''میرے لیے؟''وہ ہنسی۔''میں تاشہ پسونا ہوں' میں کسی سے نہیں ڈرتی۔''پھر بالوں کو جھٹکا' چغے کی ٹوپی برابر کی اور ایک طرف کو مڑی تو ایڈم بولا۔''ابھی تک نہ میں نے بنگارایا ملایو میں آپ کو''ساحرہ'' کا لقب دیا ہے' نہ ہی ملاکہ میں کوئی آپ کو اس نام سے پکارتا ہے۔''

''شاید وہ وقت ابھی آنا ہے جب میں پسونا بنوں گی۔تم جانا چھوڑو۔اور خزانے کو تلاش کرو۔''گھمنڈی شہزادی اس کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ایک طرف کو چل دی۔ایڈم ضبط کے گھونٹ بھرتا رہ گیا۔

سورج ڈوب گیا اور جزیرے پہ اندھیرا چھا گیا۔ایسے میں پورا چاند آسمان پہ چمکنے لگا۔

جزیرہ بالکل خاموش تھا۔کسی فوج' کسی مخلوق کی چاپ تک نہ سنائی دیتی تھی۔کیا واقعی خزانہ اسی جزیرے پہ تھا؟ یا ان کے سارے حساب کتاب غلط تھے؟

وہ ٹھنڈی ریت پہ قدم بہ قدم چل رہی تھی۔چوکنی نظریں چاروں طرف لگی تھیں۔جزیرہ بالکل خاموش اور ساکن تھا۔سوائے ساحل کی لہروں کے شور کے کوئی آواز....

اور ایک دم آواز سنائی دی۔غراتی ہوئی آواز۔

وہ سناٹے میں رہ گئی۔

پس ثابت ہوا کہ جزیرہ زندہ تھا۔ملاکہ کے اس قدیم جنگل کی طرح جس میں وہ چار دن تک پھنسے رہے تھے۔

تالیہ محتاط انداز میں آواز کی سمت چلنے لگی۔آواز کسی جانور کی معلوم ہوتی تھی۔جیسے کوئی مخلوق ڈکار رہی ہو...

جوتے میں کوئی سوراخ ہو گیا تھا جو ریت پیروں میں گھس رہی تھی۔یوں لگتا تھا وہ ٹھنڈی ریت پہ ننگے پیر چل رہی ہے۔

ننھی ننھی چیزیں پیروں میں چبھ رہی تھیں مگر وہ چبھن سے بے پرواہ قدم اٹھاتی رہی۔چغے کی ٹوپی نے اس کے سر کو ڈھانپ رکھا تھا مگر ہوا کے باعث وہ پشت سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔

دفعتاً ایک مقام پہ وہ ٹھہری۔سامنے آسمان پہ مکھن کی ٹکیا جیسا چاند چمک رہا تھا۔

اس نے نظریں دائیں طرف موڑیں۔ وہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی جس کی چوٹی خوب روشن تھی۔ جیسے شیشے کی بنی ہو...

اس چوٹی کے چمکتے شیشے میں ایک دوسرا چاند نظر آ رہا تھا....

وہ ایک دم گھومی۔

ہوا سے چغے کی ٹوپی پیچھے کو ڈھلک گئی۔ مگر اس کی سیاہ آنکھیں سامنے جم گئیں....

وہاں سیاہ کانچ جیسے سمندر کا پانی بہہ رہا تھا اور ایک چاند پانی کی سطح پہ چمک رہا تھا....

''جہاں ملتے ہیں تین چاند۔''

وہ چونک کے بڑبڑائی....پھر اس کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے...

''یہاں.... ہاں' یہاں ملتے ہیں تین چاند!۔''

پہاڑی کی چوٹی شیشے یا کانچ کی بنی لگتی تھی۔ چاند آسمان پہ چمک رہا تھا مگر اس کا عکس سمندر کے پانی اور چوٹی دونوں میں دکھائی دے رہا تھا۔

''تین چاند۔'' اس نے گہری سانس لی۔ تو یہ تھے تین چاند۔ انہی کے آس پاس آواز آئی تھی۔

''بچے تالیہ۔'' ایڈم نے قریب میں سرگوشی کی تو وہ چونکی۔ وہ پیچھے سے تیز تیز آ رہا تھا' تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''سنو....تم باڈی مین ہو گے وان فاتح کے.... میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں۔'' ایڈم نے جواب نہیں دیا۔ ایک دم ترکش سے تیر نکالا اور تالیہ کی طرف کمان تان کے تیر چلا دیا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ تیر زن سے اس کے پاس سے ہوا میں تیرتا پیچھے کو گیا۔ تالیہ گھومی۔

پہاڑی کے قدموں میں ایک آدمی کھڑا تھا اور وہ تالیہ کی طرف تلوار تانے بھاگا آ رہا تھا۔ تیر اس کے ہاتھ پہ لگا تو تلوار چھوٹ گئی۔ وہ کراہ کے نیچے گرا۔ تالیہ نے جھٹ اپنا تیر کمان اس پہ تان لیا۔

''آپ اپنی حفاظت خود کرنا جانتی ہیں شہزادی' ہے نا۔'' طنز سے کہتا ایڈم قریب آیا۔ تالیہ نے بس تھوک نگلا۔ نظریں اس آدمی پہ جمائے رکھیں۔

اس کی تلوار دور جا گری تھی۔ تلوار اٹھانے کی بجائے وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا' اور پیچھے ہٹنے لگا۔ ہاتھ سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا۔

''رک جاؤ ورنہ اگلا تیر تمہارے سر کے آر پار ہو گا۔'' وہ تیر سے اس کا نشانہ لیے غرائی تو آدمی ٹھہر گیا۔ تالیہ نے اس کے آس پاس نظر دوڑائی۔

''تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟ بولو۔ کہاں ہیں مرادراجہ کے دوسرے آدمی۔''

وہ خستہ حال حلیے والا جنگلی سا آدمی لگتا تھا۔ جواب دینے کی بجائے دائیں طرف دیکھنے لگا۔ ہونٹ سلے رہے۔

''میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔''

7

مگر وہ مسلسل دائیں طرف دیکھ رہا تھا جیسے کسی کا منتظر ہو۔

''کہیں اس کے ساتھی حملہ ہی نہ کر دیں۔ ہمیں سپاہیوں کی ضرورت ہے۔''

ایڈم نے فکرمندی سے کہتے آتش بھرے تیر کو سلگایا اور زور سے اوپر فضا میں چھوڑا۔ تیر اوپر جا کے پھٹ گیا۔ ہر سو آتش بازی کی صورت روشنیاں بکھر گئیں اور پھر اندھیرا چھا گیا۔ مگر ذرا سی روشنی میں تالیہ کو اس آدمی کے دائیں طرف کوئی حرکت دکھائی دی تھی۔

کوئی رینگتی ہوئی شے۔ جو اس طرف بڑھ رہی تھی۔

تیر کمان تانے تالیہ کی نظریں اس طرف اٹھیں۔ چاندنی میں اب واضح دکھائی دینے لگا تھا۔

زمین پہ کوئی چیز رینگ رہی تھی۔ چھپکلی کی شکل کا مگرمچھ۔ لیکن عام مگرمچھ سے دوگنا۔

''کموڈو ڈریگن ہے یہ تو۔'' تالیہ چونکی۔ ''تو راجہ نے اپنے خزانے کی حفاظت کے لئے کموڈو ڈریگن پال رکھا ہے اور اس کا خیال یہ شکار باز رکھتا ہے۔ یعنی.....''

''یعنی اس آدمی کا کوئی ساتھی ادھر تعینات نہیں ہے۔ یہ ایک ڈریگن کافی ہے۔''

ڈریگن زمین پہ رینگتا آہستہ آہستہ اس آدمی کے سامنے آ رکا۔ اس کا بھاری پیٹ نیچے رگڑ تا ریت پہ نشان لگاتا جا رہا تھا۔ سامنے آ کے اس نے منہ کھولا اور غرایا۔ ایڈم اور تالیہ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''اب کیا کریں؟'' وہ ذرا فکرمند ہوئی۔ ڈریگن ایک ہی نوالے میں سالم بندہ نگلنے کی صلاحیت رکھتا تھا' اور یہ آج کے ملائیشاء کے ڈریگن سے دوگنا تھا' یہ تو ایک ہی سانس میں ان دونوں ہضم کر جاتا۔

''ایسا کرو تم اس آدمی پہ تیر چلاؤ' اور میں ڈریگن کا نشانہ باندھتی ہوں۔ ان دونوں کو مار کے ہی ہم اس پہاڑی تک جا سکتے ہیں۔ یہ اگر اس پہاڑی کی حفاظت کر رہے ہیں تو خزانہ ادھر ہی ہے۔''

''مگر ہم کموڈو ڈریگن کو نہیں مارتے۔'' ایڈم ایک دم بولا۔

''اف ایڈم.....'' اس نے دانت پیسے۔ ''یہ ہمیں کھا جائے گا۔''

مگر ایڈم نے کمان نیچے کر دی۔ ''ہم سانپ کو بھی نہیں مارتے۔ ان کو ان کے علاقوں میں چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نے وائلڈ لائف پارک میں ایک بچی کی جان بچائی تھی کموڈو ڈریگن سے.....لیکن میں نے اس کو نہیں مارا تھا۔ نہیں چے تالیہ.....ہم جانوروں کو مارنے والے لوگ نہیں ہیں۔'' اس کے اندر کا اورنگ اصلی جاگ گیا تھا۔ تالیہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

''تو تم کموڈو ڈریگن سے پہلے مقابلہ کر چکے ہو؟'' اس نے اپنا تیر کمان نیچے کر لیا۔

''میں ایک بچی کی جان اس سے بچا چکا ہوں لیکن سرکاری اعزاز دیتے وقت مجھے بھلا دیا گیا تھا۔''

''مگر تم تو اس واقع کو نہیں بھولے نا۔ ہو سکتا ہے اُس دنیا کے واقعات اِس دنیا کی تیاری کے لیے ہوں۔ جاؤ اور ہمیں اس ڈریگن سے

نجات دلا کے دو۔" شہزادی نے کمان بلند کر کے اس طرف اشارہ کیا جہاں ڈریگن تھا۔

شہزادی کے حکم پہ ایڈم نے بے اختیار تھوک نگلا۔ چند فٹ کے فاصلے پہ ڈریگن کھڑا غرا رہا تھا اور شکار باز اس کی اوٹ میں کھڑا اپنے زخم کو دوسرے ہاتھ سے دبائے ہوئے تھا۔ خون دھاروں کی صورت بہہ رہا تھا مگر اس کی بے تاثر آنکھیں ایڈم پہ جمی تھیں۔ عجیب پتھریلا چہرہ تھا اس کا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" ایڈم بھاری آواز میں استفسار کرتے ہوئے آگے بڑھا۔

پیچھے دوڑتے قدموں کی آواز آ رہی تھی۔ ایک ایک کر کے سپاہی وہاں اکٹھے ہو رہے تھے۔ تالیہ نے ان کو خاموشی سے اپنے عقب میں کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے اپنے کمان تانے وہیں جگہ سنبھال لی۔

"احمد... کمال... علی... ایسا ہی کوئی نام ہو گا تمہارا۔" ایڈم تبصرہ کرنے والے انداز میں ڈریگن کی سیدھ میں کئی فٹ کے فاصلے پہ ٹھہر گیا۔ سنجیدہ نظریں اس شکار باز پہ جمی تھیں۔

"مفید۔" وہ ہلکا سا بولا۔ "مفید نام ہے میرا اور تم نے اگر آگے بڑھنے کی کوشش کی تو میرا دوست تمہیں نگل جائے گا۔"

"یعنی تم نے اس کی اچھی تربیت کی ہے 'مفید۔'" وہ اونچی آواز میں بولا۔ "یہ جانور تمہارا پالتو ہے۔ تمہارے اشارے کی تعمیل کرنا جانتا ہے۔"

"یہ سب کچھ کرنا جانتا ہے۔"

"سب کچھ کرنا تو تم بھی جانتے ہو' لیکن کیا یہ معلوم ہے کہ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟"

چاندنی میں ڈوبا خاموش جزیرہ... اور اس پہ ایڈم کی آواز... سب خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔ تالیہ البتہ بے چینی سے بار بار ڈریگن کو دیکھتی تھی۔ کمان تانے وہ ڈوری کو پیچھے کھینچے ہوئے تھی۔ ادھر انگلی چھوڑی' ادھر تیر ڈریگن کی آنکھ میں جا لگے۔

"ہر انسان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جو وہ کر رہا ہے' وہ اسے "کیوں" کر رہا ہے! تم بتاؤ۔ تم اس بیاباں جزیرے پہ ایک جانور کے ساتھ راجہ کے خزانے کی حفاظت کیوں کر رہے ہو۔"

"تم کچھ نہیں جانتے۔" زخمی شکار باز غصے سے بولا۔ "یہ چند مشکل دن ہم نے گزارنے ہیں' پھر ہمارے پاس اتنا خزانہ اکٹھا ہو جائے گا کہ ہم ساری دنیا پہ حکومت کریں گے۔" اس کے لمبے بال کندھوں پہ گر رہے تھے۔ میلا کچیلا چہرہ' الجھی داڑھی.. لہو ٹپکاتی آنکھیں... وہ ذہنی طور پہ تندرست نہیں لگتا تھا۔

"تو یہ وعدہ کیا ہے راجہ نے تم سے؟"

"مراد راجہ ہمارا سردار ہے اور یہ خزانہ... یہ صرف ہمارا ہے۔"

"میرے پیارے دوست!" دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑے ایڈم نے افسوس سے گہری سانس لی۔ "تم غالباً مراد راجہ کے تخت

سنبھالنے کے دن سے یہیں ہو۔ تم نہیں جانتے کہ ملاکہ میں کیا ہو رہا ہے۔ بے وقوف انسان مراد راجہ اس وقت ملاکہ کا بے تاج سلطان 'بن' چکا ہے۔"

"نہیں۔ ابھی سلطان مرسل زندہ ہے۔" شکار باز فوراً سے غرایا۔ "جب وہ مرے گا تو ہم حکومت کریں گے۔"

"تم کتنے بے وقوف ہو' مفید۔ تم یہاں مراد راجہ کے خزانے کی حفاظت کر رہے ہو اس آس میں کہ مراد سلطان کو قتل کر کے تخت سنبھال لے گا؟ نادان انسان.... وہ سلطان کو کبھی قتل نہیں کرے گا۔ پوچھو کیوں۔"

"وہ سلطان کو قتل کر دے گا!" وہ ہٹ دھرمی سے چلایا۔ خون بہاتے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

"نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنی بیٹی شہزادی تاشہ کی شادی مرسل شاہ سے کر رہا ہے۔ کیا اپنے داماد کو قتل کرے گا وہ؟"

"تم جھوٹ بول رہے ہو کیونکہ مراد راجہ کی کوئی بیٹی تاشہ نہیں ہے۔"

"میں ہوں۔ مراد راجہ کی بڑی بیٹی! اور اللہ شاہد ہے کہ میں سچ کہہ رہی ہوں۔" تیر سے اس کا نشانہ باندھے وہ بلند آواز میں بولی تو مفید بے اختیار اس کو دیکھنے لگا۔ "شاید تمہیں میرے بابا نے اپنے بارے میں ہر بات نہیں بتائی۔ میں شہزادی تاشہ بنت مراد ہوں اور مجھے میرے بابا نے یہ خزانہ لینے اور تمہیں مارنے بھیجا ہے.... لیکن میرا یہ جرنیل چاہتا ہے کہ تمہاری جان بخش دی جائے۔"

ایڈم نے گردن موڑ کے اسے گھورا۔ (اپنی کہانیاں گھڑنے والی عادتوں سے آپ باز نہ آیئے گا۔)

"اب بتاؤ' مرنا چاہتے ہو یا قید ہونا چاہتے ہو۔"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو؟"

"مجھے بات کرنے دیں۔" ایڈم ہلکے سے بولا پھر مفید کی طرف چہرہ موڑا "مفید' تم راجہ مراد کے وفادار ہو' مگر اپنے دل سے پوچھو۔ راجہ تمہیں بھول چکا ہے۔ وہ وہاں عیش سے حکمرانی کر رہا ہے اور تم ادھر تنہا ہو۔ تمہارا دل اب راجہ سے محبت نہیں کرتا۔"

مفید لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔

"جانتے ہو تمہارا دل کس سے محبت کرتا ہے؟" انگلی اٹھا کے اشارہ کیا۔ "اس جاندار سے جس کے ساتھ تمہیں جنگل میں چھوڑ دیا گیا ہے۔ جب ایسے کوئی کسی کو کسی کے ساتھ جنگل میں چھوڑ دے تو پیچھے ساری دنیا اجنبی ہو جاتی ہے۔ صرف وہ اندھیروں کا دوست رہ جاتا ہے۔ یہ تمہارا دوست' تمہارا ساتھی ہے۔ تمہیں اسی سے محبت ہے۔ اور جن سے محبت کی جاتی ہے' ان کو اپنی خواہشات کی رسی سے قید نہیں کیا جاتا۔ انہیں آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ انہیں اپنی زندگی کھل کے جینے دی جاتی ہے اور دنیا کے جنگلوں میں اپنی مرضی سے بھٹکنے دیا جاتا ہے۔ اگر وہ لوٹ کے آجائیں تو ہم محبت میں سچے تھے۔ اگر نہ آئیں تو ہم صرف بدقسمت تھے۔ اب وقت آگیا ہے کہ تم اس معصوم جانور کو آزاد کر دو۔"

مگر مفید نفی میں سر ہلاتا ان سب کے چہرے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے جیسے تھک کے خون بہاتا ہاتھ پہلو میں گرا دیا۔ "تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو۔"

''مراد راجہ وہاں عیش کر رہا ہے اور تم یہاں پاگل ہو رہے ہو۔ کب تک اس جانور کو اپنے ساتھ قید میں رکھو گے؟ کم از کم اس کو آزاد کر دو۔ اس کو کہو کہ واپس جنگل میں چلا جائے اور تم ہمارے ساتھ ملاکہ چلو۔ پھر اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ مراد راجہ نے تمہیں کس کس طرح دھوکہ دیا ہے.....اور اگر تم نے یہ نہ کیا تو ہم سب تیر مار مار کے اس ڈریگن کی آنکھیں اور شریان پھوڑ دیں گے۔''

مفید نے ایک نظر اس ڈریگن کو دیکھا جو پنجوں کے بل کھڑا ان لوگوں پہ مسلسل غرا رہا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ اس نے سیٹی سی بجائی۔ انجان زبان میں چند آوازیں نکالیں۔ ڈریگن نے اس کی طرف گردن موڑی۔ مفید نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

سپاہیوں کے تیر کمان ابھی تک ہاتھوں میں تھے۔ خود تالیہ کا دل زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔ تیر تیار تھا۔ ادھر ڈریگن حملہ کرتا' ادھر وہ اس کے اندر تیر اتار دیتی۔

مگر ڈریگن نے چند لمحے کے لئے ارشد کی بات سنی' پھر واپس مڑا اور درختوں کی طرف جانے لگا۔ ایڈم نے گہرا سانس لیا۔ تالیہ کی بھی تیر کمان پہ گرفت ڈھیلی ہوئی۔

''تم نے اچھا فیصلہ کیا' مفید۔ اب ہمیں راستہ دکھاؤ۔ خزانہ کہاں ہے اور تم یقین رکھو' واپس جا کے میں....''

''راجہ سے کہنا مجھے معاف کر دے' میں خزانے کی حفاظت نہیں کر سکا۔'' مفید نے آنسوؤں بھری آنکھوں سے کہتے اپنے ہاتھ میں لگا تیر ایک دم کھینچ نکالا اور پھر....اگلے ہی لمحے.....اسے اپنے سینے میں پیوست کر دیا۔ زور سے اس کی چیخ نکلی' اور وہ زمین پہ گر کے تڑپنے لگا۔

لمحے بھر کو وہ سب ششدر رہ گئے۔ پھر ایڈم بے اختیار اس کی طرف بھاگا۔

اور صرف ایڈم نہیں تھا جو اس کی طرف بھاگا تھا۔ جنگل کی طرف جاتا کموڈو ڈریگن بھی اپنے مالک کی چیخ سن کے تیزی سے واپس لپکا تھا۔

اگلے ہی لمحے سپاہیوں کے تیر فضا میں بلند ہوئے اور ڈریگن کے جسم میں پیوست ہو گئے۔ تالیہ کا تیر اس کی آنکھ میں لگا۔ ڈریگن گھائل ہو کے زمین پہ لوٹنے لگا۔ اس کے حلق سے چیخیں نکل رہی تھیں۔

''اسے مت مارو....'' ایڈم منت بھرے انداز میں چلایا۔ ''خدارا اسے مت مارو۔''

تالیہ نے چغے کی ڈوری گردن تلے سے کھینچی۔ چغہ کندھوں سے ڈھلک کے زمین پہ جا گرا۔ پھر اس نے تیر کمان پرے پھینکا اور تلوار میان سے نکالی۔

جانور الٹا زمین پہ گرا تڑپ رہا تھا۔ تیر زہر میں بجھے تھے اور اثر دکھا رہے تھے۔ تالیہ تلوار لیے تیزی سے اس کے سر پہ آئی۔

''بچے تالیہ....اس کو مت ماریں.....یہ ایک معصوم جانور ہے.....'' ایڈم چلاتا ہوا اس کی طرف بڑھا' مگر تالیہ نے زور سے تلوار اس کی گردن پہ دے ماری۔

ڈریگن کے سر کے حصے میں بڑا سا کٹ پڑ گیا۔ اس کی تڑپ دم توڑ گئی۔ آنکھوں سے زندگی کی روشنی نکل گئی۔

ایڈم ساکت کھڑا رہ گیا۔

تالیہ اسی طرح آگے بڑھی اور زمین پہ گرے مفید کو گردن سے دبوچ کے اٹھایا۔ پھر اس کے سینے سے زور سے تیر باہر کھینچ نکالا۔ خون بھل بھل گرنے لگا۔

''جنگل میں رہتے ہوئے اتنے سے زخم سے مر نہیں جاؤ گے۔'' اس کا چہرہ اپنے سامنے کیے وہ غرائی۔ وہ مسلسل کراہ رہا تھا۔ ''ناٹک بند کرو۔ رابعہ کے چوری کے مال کی حفاظت نے تمہیں یہ دن دکھایا ہے۔ اب سیدھی طرح مجھے خزانے کا راستہ دکھاؤ تاکہ تمہاری جان بخش دوں۔ ورنہ خدا کی قسم، تمہارے جسم میں اتنے گھاؤ لگاؤں گی کہ گھنٹوں تکلیف سے تڑپتے رہو گے۔'' اس کی گردن کو جھٹکا دیا تو تکلیف سے بے حال شکاری باز فوراً ایک طرف اشارہ کرنے لگا۔

''ادھر... غار میں..... ہے خزانہ۔'' سپاہی فوراً مشعلیں اٹھائے اس طرف لپکے۔

تالیہ اس کی گردن دبوچے آگے بڑھنے لگی، پھر رک کے مڑی اور ایڈم کو سنجیدگی سے دیکھا۔

''سارے بھاؤ تاؤ جنگ سے پہلے کے ہوتے ہیں۔ لیکن جب ایک دفعہ لڑائی شروع ہو جائے تو دشمن پہ ترس کھانا کمزوری ہوتی ہے، ایڈم، اور یہ اصول سارے زمانوں کے لئے ہے۔'' اور اسے لئے آگے بڑھ گئی۔ ایڈم بس شل سا کھڑا رہ گیا تھا۔

سپاہی اب غار کی طرف بڑھ رہے تھے، اور سر کٹا کموڈو ڈریگن خون کے تالاب میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔

☆☆=========☆☆

سلطنت محل کی مخروطی چھتوں پہ اس رات بارش برس رہی تھی۔ اپنی خواب گاہ سے ملحقہ بالکونی میں سلطان مرسل شاہ کھڑا تھا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے، شاہی قبا میں ملبوس، وہ نیچے دور تک پھیلے اندھیر سبزہ زار کو دیکھ رہا تھا۔ پانی چھت کے کناروں سے پھسلتا بالکونی کے ستونوں پہ لڑھک رہا تھا۔ موسم خاصا خوشگوار تھا۔

''آقا!''

ملکہ کی آمد کی منادی کے چند ثانیے بعد یان سوفو اس کے عقب میں آ کھڑی ہوئی تو مرسل چونکا۔ پھر اس کی طرف گھوما۔

''ملکہ۔ طبیعت کیسی ہے آپ کی؟ مجھے خبر ملی تھی کہ آج قدرے بیمار تھیں آپ۔''

''میرے بابا کی جان آپ نے بچالی، ان کی نظرِ بد کا علاج ہو گیا، اس سے زیادہ اور کیا چاہیے مجھے آقا؟'' اس نے مسکرا کے تعظیم پیش کی۔ پھر سیدھی ہوئی اور انہی مسکراتی آنکھوں سے سلطان کو دیکھا۔ ''آپ کو مجھ سے بات کرنی تھی؟''

وہ دونوں بالکونی میں آمنے سامنے کھڑے تھے، اردگرد بارش برس رہی تھی مگر وہ محفوظ تھے۔

''جی ہاں۔''

''حکم کیجیے، آقا!'' وہ اس کی آنکھوں پہ مسکراتی نظریں جمائے ہوئے تھی۔

12

''اب تک آپ کو اطلاع تو مل گئی ہو گی کہ میں شادی کرنے جا رہا ہوں۔ تیاری شروع ہو چکی ہے اور انتظامات کیے جا رہے ہیں۔''

یان سوفو کے چہرے پہ ایک دم ڈھیروں اداسی بکھر گئی۔ اس نے سر جھکا دیا۔ ''جی آقا۔ سنا تو تھا میں نے مگر یقین نہیں آیا تھا۔''

''آپ خفا ہوں گی' یقیناً۔'' مرسل شاہ احتیاط مگر پرسکون سا پوچھ رہا تھا۔

''یہ تو شہزادیوں کی قسمت ہوتی ہے آقا۔'' ملکہ نے تھکی تھکی سی پلکیں اٹھائیں۔ ''میرے بابا کے حرم میں تین بیویاں اور کئی خواتین تھیں۔ میں نے اپنی والدہ کی تکلیف دیکھی ہے۔ یہ نہیں کہوں گی کہ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ فرق تو پڑتا ہے۔ دل دکھتا ہے' لیکن....'' وہ زخمی سا مسکرائی۔

''اگر آقا کی خوشی اسی میں ہے تو میں اعتراض نہیں کروں گی۔ میں اس تقریب میں شامل بھی ہوں گی اور کھلے دل سے آپ کی نئی منکوحہ کو خوش آمدید کہوں گی۔''

مرسل شاہ کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ پورے دل سے مسکرایا۔ ''مجھے آپ سے یہی امید تھی ملکہ۔ جو ہونا ہے وہ ہونا ہے۔ لیکن میں آپ کو اتنا یقین دلا سکتا ہوں کہ آپ ملاکہ سلطنت کی ملکہ ہیں' اور رہیں گی۔''

''سارے سلاطین دوسری شادی سے پہلے یہی کہتے ہیں' آقا۔'' وہ بجھے دل سے مسکرائی۔ پھر سر جھٹکا۔ ''خیر....کیا کسی خاتون کا انتخاب کیا ہے آپ نے یا یہ کام بھی مجھے کرنا ہوگا؟'' (شاہی دستور کے مطابق بعض دفعہ ملکہ خود سلطان کی نئی منکوحہ یا خاتون چنتی تھی۔)

''کیا آپ کو نہیں معلوم۔'' سلطان حیران ہوا۔ ''میں نے شہزادی تاشہ کا انتخاب کیا ہے۔ مگر آپ کو کیسے معلوم ہوگا۔ یہ نام میرے اور مراد راجہ کے درمیان ہی تھا اب تک۔''

''شہزادی تاشہ؟'' ملکہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

بالکونی کے باہر زور کی بجلی کڑکی۔ پل بھر کو سارا محل روشن ہو گیا۔ جگہ جگہ زمین پہ پانی کھڑا نظر آتا تھا۔ اگلے ہی پل اندھیرا چھا گیا۔

''جی۔ مراد راجہ کی دختر۔''

''مگر....'' ملکہ بے اختیار الجھن سے بولی۔ ''شاہی دستور کے مطابق....آپ کے نکاح میں آنے والی خاتون کا چند شرائط پہ اترنا ضروری ہے' آقا۔''

''تو شہزادی تاشہ کسی لحاظ سے کم نہیں ہیں۔ وہ ہمارے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں' ان کی رگوں میں ہمارا ہی خون ہے۔ پھر وہ خوبصورت ہیں اور شاہی آداب جانتی ہیں۔'' مرسل شاہ نے سینہ کڑاتے ہوئے فخر سے کہا تھا۔

ملکہ چند لمحے سادگی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''تو پھر....طلاق دلوائیں گے اسے یا اس کے شوہر کی گردن ماری جائے گی؟''

بادلوں کے گرجنے کی زوردار آواز سنائی دی۔ ایسی دہشت' ایسی گرج کہ محل کے ہر ذی نفس کی روح تک کانپ گئی۔

مرسل شاہ بھونچکا کھڑا رہ گیا۔

13

''کیا کہہ رہی ہیں آپ ملکہ؟''اس کی رنگت سرخ پڑنے لگی۔''دماغ درست ہے آپ کا؟''

''میرا دماغ تو درست ہے آقا لیکن آپ کی معلومات درست نہیں۔شہزادی تاشہ نے خود مجھے راز میں لیتے ہوئے بتایا تھا کہ چین سے جو آدمی اس کے ساتھ آیا ہے'وہ اس سے شادی کر چکی ہے۔کیا آپ کو مراد راجہ نے نہیں بتایا؟حیرت ہے۔وہ اپنی شادی شدہ بیٹی کو کنواری لڑکی کے طور پہ کیسے پیش کر سکتا ہے۔چچ چچ۔یہ تو سنگین جرم ہے۔گناہ کبیرہ ہے۔''وہ خود حیران تھی۔

''آپ کو....'' مرسل کی آواز بلند اور آنکھیں سرخ ہوئیں۔''غلط فہمی ہوئی ہوگی۔شہزادی تاشہ غیر شادی شدہ ہیں۔''اس کا تنفس تیز ہو گیا تھا۔

''آپ خود شہزادی سے اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب پہ ہاتھ رکھوا کے پوچھ لیں۔اگر اس نے اس شادی سے انکار کیا تو میری گردن مار دیجئے مگر آقا....وہ لڑکی شادی شدہ ہے۔اور اس کے شوہر کو مراد راجہ نے اپنے محل میں پناہ دے رکھی ہے۔آپ کو جس سے شادی کرنی ہے' کیجئے آقا' لیکن بزرگوں کے رسم و رواج کو ٹھوکر مار کے نہیں۔یہ آپ کی خاندانی غیرت اور حمیت کا سوال ہے ۔''وہ اس کی آنکھوں سے نظریں ہٹائے بغیر کہہ رہی تھی۔مرسل کے چہرے پہ ایک رنگ آ رہا تھا' ایک جا رہا تھا۔

''یہ جھوٹ ہے۔میں نہیں مانتا۔''وہ ایک دم ملکہ کے ساتھ سے گزرتا آگے بڑھ گیا۔ملکہ یان سوفو نے آرام سے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور زیرِ لب بڑبڑائی۔چچ چچ۔پھر افسوس سے سر جھٹکا۔

بالکونی کی مخروطی چھت کے کنارے ٹپکے جا رہے تھے۔بارش میں تیزی آ گئی تھی۔

☆☆=========☆☆

جس غار کی حفاظت کموڈو ڈریگن کرر ہا تھا' اس کا راستہ تنگ اور تاریک تھا' لیکن زخمی مفید کراہتا ہوا' تالیہ کی راہنمائی کرتا انہیں اندر لے آیا۔

غار کے اندر پتھروں کا ڈھیر لگا تھا۔سپاہیوں نے فوراً سے پتھر ہٹائے تو وہاں زمین میں ایک ڈھکن بنا تھا۔ایک سپاہی نے ڈھکن اٹھایا' دوسرے نے اندر روشنی کی۔وہاں سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔محض پندرہ بیس سیڑھیاں جن کو اتر کے ایک بڑا سا کمرہ آ جاتا تھا۔

اس نے مفید کی گردن چھوڑ دی۔دو سپاہی اس کی پٹی وغیرہ کرنے اسے باہر لے گئے۔دیگر سپاہی نیچے اترے اور کمرے کی دیواروں پہ لگی مشعلیں روشن کیں۔پل بھر میں وہ کمرہ خوب روشن ہو گیا۔

تالیہ مراد کے کندھے پہ تیروں سے بھرا ترکش تھا اور ہاتھ میں پکڑی تلوار سے ڈریگن کا خون ٹپک رہا تھا۔وہ مٹی کی سیڑھیاں قدم قدم نیچے اترنے لگی۔لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔اداسی سے بھری مسکراہٹ۔

ایک زینہ....دوسرا زینہ....جیسے جیسے وہ اترتی گئی' کمرہ سامنے آنے لگا۔اس میں قطار در قطار لکڑی کے صندوق رکھے تھے۔سپاہیوں نے فوراً صندوقوں کے منہ کھول دیے تھے۔اندر سونے کے موٹے موٹے سکے چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔

اس نے ایک عرصہ یہ منظر دیکھنے کی خواہش کی تھی۔

کوئی رازوں سے بھرا کمرہ جس کا دروازہ وہ کھولے گی تو اندر سونے کے ڈھیر لگے ہوں گے۔

آج وہ پندرہویں صدی کے قدیم ملاکہ کے اس جزیرے کے زینے اتر رہی تھی اور سامنے موجود کمرہ ڈھیروں خزانے سے بھرا پڑا دکھائی دیتا تھا۔

بالآخر اسے خزانہ مل گیا تھا۔

ایڈم اس کے عقب میں زینے اتر رہا تھا۔ وہ خاموش تھا مگر سنبھل چکا تھا۔

تالیہ پہلے صندوق تک آئی اور اندر ہاتھ ڈالا۔ سکوں کی کھنک.... سونے کی چمک... اس کے جذبات مچلنے لگے۔

وہ دوسرے صندوق تک آئی.... ہاتھ اس کے سکوں کے اوپر سے گزارا۔ سونے کا لمس.... وہ ٹھنڈک... وہ چمک جو آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی۔

''تم لوگ اوپر جاؤ۔'' ایڈم نے سپاہیوں کو اشارہ کیا تو وہ سر تسلیم خم کرتے اوپر کی طرف چلے گئے۔

دیواروں پہ لگی مشعلوں کے شعلے جل رہے تھے اور زرد روشنی میں وہ دونوں اس دولت سے بھرے کمرے میں تنہا کھڑے نظر آ رہے تھے۔

''یا اللہ... اتنا سونا... اتنی دولت۔'' وہ ایک صندوق پہ جھکی اور جس میں طرح طرح کے زیورات کا ڈھیر لگا تھا۔ اس نے ہاتھ سے چند زیور اٹھائے اور ان کو واپس اندر گرا دیا جیسے اس سے کھیل رہی ہو۔

''یہ آپ کے نہیں ہیں' چے تالیہ۔'' ایڈم کھنکھارتا ہوا آگے آیا اور صندوق کا ڈھکن بند کیا۔ وہ سنے بغیر اگلے صندوق تک آئی اور اس میں رکھی سونے کی ننھی اینٹ اٹھائی۔

''خالص سونا۔ اس کی چمک دیکھو۔ اس کو محسوس تو کرو ایڈم۔'' اس کے چہرے پہ بچوں جیسی خوشی تھی۔

''یہ ملاکہ کے غریب لوگوں کی امانت ہے' چے تالیہ۔'' ایڈم نے جلدی سے اینٹ اٹھا کے واپس اندر ڈالی اور دھڑام سے اس صندوق کا بھی ڈھکن گرایا۔ وہ بدقت ضبط کر رہا تھا۔

مگر وہ مست مگن سی ایک کے بعد ایک صندوق کی طرف جا رہی تھی۔ سونے میں ہاتھ ڈالتی اور کچھ نہ کچھ نکال لیتی۔ ایڈم بار بار اس کے پیچھے لپکتا اور ہر چیز اس سے واپس لے کر اندر ڈالتا۔

''یہ امانت ہے' چے تالیہ۔ ہم اس کو نہیں چھو سکتے۔''

''سوچو.... اگر یہ ہمارا ہو جائے تو....''

''چے تالیہ۔'' وہ ناراض ہوا تو اس نے گہری سانس لی اور نروٹھے پن سے اسے دیکھا۔

''جانتی ہوں جانتی ہوں۔ مگر تھوڑی دیر کے لئے خوش تو ہو لینے دو۔''

''آپ نے خوشی خوشی میں اس خزانے میں نقب لگانا شروع کر دینا ہے۔''

''بے فکر رہو۔ اب میں اپنی اصلاح کر چکی ہوں۔ اب میں چوری نہیں کرتی۔'' وہ مڑ کے جانے لگی۔

''جی اسی لئے آپ نے ہر صندوق سے چند اشرفیاں اور اس والے سے تھوڑا ساز یور کھسکا کے اپنی جیب میں ڈالا ہے۔'' وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور کڑے تیوروں سے اسے دیکھتے ہتھیلی پھیلائی۔ تالیہ نے خفگی سے پلکیں اٹھائیں اور اسے دیکھا۔

''اتنے سے سارے خزانے میں سے دو تین چیزیں نکال لینے سے کس کا نقصان ہو گا؟''

''ہمارے ایمان کا نقصان ہو گا۔ اور وہ سب سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ اب واپس کریں سب۔''

تالیہ نے (ہونہہ) کر کے سر جھٹکا اور جیبیں الٹ دیں۔ زیور' انگوٹھی' سکے نکال کے اس کی ہتھیلی پہ رکھے۔

''اور وہ جو آپ نے کان کے پیچھے بال اڑستے ہوئے سکہ اپنے جوڑے میں چھپایا تھا' وہ بھی دیں۔''

تالیہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بالوں میں ہاتھ ڈالا اور سکہ اس کی ہتھیلی پہ پٹخا۔ ایڈم کے لبوں پہ فاتحانہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''میدانِ جنگ میں نہ دشمن پہ ترس کھاتے ہیں نہ دوست کی طرف سے آنکھیں بند کرتے ہیں۔'' سمجھداری سے اسے بتایا۔

تالیہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئی۔

کمرے کے کونے میں ایک ڈیوڑھی سی بنی تھی جس میں مختلف خانے تھے۔ ان میں عجیب وغریب چیزیں رکھی تھیں۔ کڑے' انگوٹھیاں۔ تالے۔ ایک سونے کی گڑیا۔ اور سب سے اوپر ایک بوتل تھی۔ وہ اس بوتل کو پہچانتی تھی۔

اس نے بوتل اٹھائی اور اسے اوپر کر کے غور سے دیکھا۔

کانچ کی بنی بوتل خالی تھی۔ صرف پیندے میں چند قطرے جتنا باقی ماندہ مائع موجود تھا۔

''ایسی ہی بوتل میں ایک مشروب کے اندر چابی رکھی ہوتی تھی۔'' وہ بڑبڑائی۔

''مگر اب یہ خالی ہے۔''

''خالی ہے نہیں۔ اس کو خالی کیا گیا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہتے بوتل واپس رکھی۔ ''بابا کے ملازم یقیناً چابی کو کہیں اور لے گئے ہیں۔ شاید واپس بابا کے پاس!'' وہ اس کی طرف گھومی تو قدرے فکرمند لگتی تھی۔

''اب ہم چابی کیسے ڈھونڈیں گے؟''

تالیہ نے ایک نظر اطراف میں دوڑائی۔ ''ابھی چابی کی فکر نہیں کرنی۔ وان فاتح کا کہنا تھا کہ ہمیں پلان کے مطابق چلنا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم پلان کے مطابق چلیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' ایڈم نے گہری سانس لی اور ایک عزم سے بولا۔ ''میں ان صندوقوں کو باہر نکلواتا ہوں۔ پھر میں واپس چلا جاؤں گا

اور...‘‘

’’نہیں ایڈم!‘‘ وہ بولی تو آنکھیں ایڈم کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ ’’یہ خزانہ تم نے ڈھونڈا ہے۔ یہ جزیرہ تم نے ڈھونڈا ہے۔ تمہارے الفاظ نے ڈریگن کے مالک کو مجبور کیا کہ وہ پسپائی اختیار کرے۔ اس خزانے کا راز تمہارا ہے۔ اس راز کو افشاء کرنا بھی تمہارا حق ہے۔‘‘

’’مگر...‘‘ ایڈم لمحے بھر کو گنگ ہو گیا۔ ’’پلان کے مطابق میں نے واپس جانا تھا اور آپ نے بعد میں یہ خزانہ لے کر واپس ملاکہ آنا تھا۔ آپ شہزادی ہیں اور میں تو بس.... (نگاہیں جھک گئیں)... ایک ادنیٰ غلام ہوں۔‘‘

’’اور ساتھ میں ایک بھگوڑے فوجی بھی ہو۔ مگر خیر...‘‘ شہزادی نے بڑی نخوت سے گال پہ آئی لٹ پیچھے کی۔ ’’تم بھی کیا یاد کرو گے! کیا اعزاز بخشنے جا رہی ہوں تمہیں!‘‘

’’کیا واقعی؟‘‘ اس نے حیران سی نظریں اٹھائیں۔ ’’آپ مجھے اس خزانے کا امین بنا رہی ہیں؟‘‘

’’میں جانتی ہوں پلان کے مطابق مجھے یہیں رہ کے اگلے مرحلے کا انتظار کرنا تھا مگر میں نے واپس جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے ملکہ کی طرف سے خطرہ ہے۔ وہ فاتح کو مشکل میں نہ ڈال دیں۔‘‘

’’مگر وان فاتح کو تو کبھی کسی کی ضرورت نہیں رہی۔‘‘

’’یہ ان کا خیال ہے اور ضروری نہیں کہ ان کا ہر خیال درست ہو۔‘‘ پھر تالیہ نے گردن گھمائی اور خزانے سے بھرے کمرے کو دیکھا۔

’’تمہاری ماں نے کہا تھا کہ ایک دن آئے گا جب ایڈم بن محمد کو اللہ تعالیٰ زمین میں مدفن خزانوں کے راز سمجھا دے گا‘ اور اس دن ایڈم دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں اور بادشاہوں سے بھی زیادہ طاقتور ہو گا۔ اور میں نے کہا تھا۔ آمین۔ شاید یہ وہی دن ہے‘ ایڈم۔ تم اس خزانے کے مالک ہو۔ اب یہ تمہارا امتحان ہے کہ تم حق کے لئے کھڑے ہوتے ہو یا نہیں۔ رہی میں‘ تو میرا خزانہ سن باؤ کے گھر چھپا ہے اور میرا مراد مقصود صرف وہ چابی ہے۔ اس لئے مجھے جانا ہو گا۔‘‘

تالیہ مراد کی آواز میں تحکم کی ہلکی سی رمق موجود تھی۔ ایڈم بن محمد نے سر کو تسلیم خم کر دیا۔

شہزادی حکم سنا کے اب سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اس کے کندھے کی پشت پہ بندھے ترکش میں اب بھی کافی تیر باقی تھے۔ چے تالیہ کے منصوبوں کی طرح۔

وہ خزانے سے بھرے کمرے میں تنہا کھڑا سوچ رہا تھا۔

اگر یہ وہ دن ہے.... جب مجھے زمین کے خزانوں کا راز معلوم ہو جانا تھا... تو مجھے دنیا کے سارے بادشاہوں سے زیادہ طاقتور ہونا تھا۔ پھر اتنا طاقتور کیوں نہیں محسوس کر رہا میں خود کو؟

وہ سوچ رہا تھا۔ حیران۔ پریشان۔

سپاہی اب نیچے اتر رہے تھے۔ کچھ نے تالیہ کے ساتھ واپس جانا تھا۔ کچھ نے ایڈم کے ساتھ یہیں رہ کے اگلے مرحلے کا انتظار کرنا تھا۔

17

☆☆=========☆☆

مدھم موم بتیاں مراد راجہ کی خواب گاہ کو نیم روشن کیے ہوئے تھیں۔ وہ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ چوکڑی مار رکھی تھی۔ اور ارد گرد تیرہ موم بتیاں قطار میں جلا رکھی تھیں۔ سامنے ایک بھری ہوئی بوتل رکھی تھی جس کے پیندے میں سنہری سکہ اور زنجیر تیر رہی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے' دونوں ہاتھ بوتل سے چند انچ اوپر پھیلائے زیر لب کچھ پڑھ رہا تھا جب دروازے پہ دستک ہوئی۔

مراد نے توجہ نہ دی۔ وہ اسی طرح آنکھیں موندے منتر پڑھنے میں مصروف رہا۔

دفعتاً دوبارہ دستک ہوئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ وہ سرخ پڑ رہی تھیں۔

دستک تواتر سے ہونے لگی۔

مراد نے برہمی سے دروازے کو دیکھا۔ پھر پھونک مار کے ساری موم بتیاں بجھا دیں۔ کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ وہ اندھیرے میں اٹھا۔ کھڑکی تک گیا۔ پیالے سے پانی لے کر چہرے پہ ڈالا' پھر دیا سلائی سلگائی اور قندیل روشن کی۔

اندھیرا چھٹا اور اب کی دفعہ کمرہ عام روشنی سے روشن ہوا۔ وہ موم بتیوں کی نحوست بھری روشنی عنقا ہو چکی تھی۔

اس کے گیلے چہرے کے تاثرات نارمل ہو چکے تھے اور آنکھوں کی سرخی کم تھی۔ سادہ سفید کرتے پاجامے میں ملبوس مراد نے سرخ پٹی ماتھے پہ باندھی اور دروازے کی طرف بڑھا جو مسلسل بج رہا تھا۔

''کون سا عذاب آ گیا تھا جو مجھے اس وقت تنگ کیا ہے؟'' پٹ کھولتے ہی وہ دھاڑا تھا۔ ''کیا جانتے نہیں ہو یہ بنداہارا کی عبادت کا وقت ہوتا ہے۔''

''راجہ!'' سپاہی نے دونوں ہاتھ باندھے عرض کی۔ ''سلطان کا پیغام آیا ہے۔ آپ کو فوری طور پہ بلا بھیجا ہے۔''

''اس وقت؟'' مراد کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''سلطان نے... کہا ہے کہ...'' سپاہی نے تھوک نگلا۔ ''اگر مراد اپنے پیروں پہ چل کے نہ آئے تو بیڑیوں میں لے آؤ۔''

ملاکہ سلطنت کے عظیم بنداہارا مراد راجہ کے ماتھے کی ساری شکنیں غائب ہو گئیں۔

''ہوا کیا ہے؟'' اسے پریشانی ہوئی۔

''معلوم نہیں' راجہ۔ مگر آقا سخت برہم لگ رہے ہیں۔''

''چلو۔'' وہ فوراً مڑا' اپنی قبا اٹھا کے کندھوں پہ ڈالی' پیروں میں جوتی گھسیٹی' تلوار اٹھانے لگا' پھر واپس رکھ دی۔ اس کے کسی انداز سے جارحیت کی بو نہیں آنی چاہی۔

باہر نکلنے سے قبل وہ بوتل کو خاص جگہ پہ چھپانا نہیں بھولا تھا۔

☆☆=========☆☆

تین چاند والے جزیرے کی وہ چھوٹی پہاڑی چاندنی میں دمک رہی تھی۔ اس کی چوٹی پہ بڑا سا شیشہ تراش کے لگایا گیا تھا یا شاید وہ نمک تھا جو اتنا شفاف تھا کہ چاند کا عکس اس میں جھلملاتا تھا۔

دوسرا چاند سمندر پہ تیر رہا تھا اور تیسرا چاند آسمان پہ بادلوں کے اوپر ٹیک لگائے نیم دراز نیچے جزیرے کے ساحل کو دیکھ رہا تھا۔

دور افق پہ مدھم سی روشنی دکھائی دیتی تھی۔ سیاہ آسمان جامنی ہو رہا تھا اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ صبح ہونے میں کم وقت رہ گیا تھا۔ ایسے میں ساحل پہ کھڑی کشتی کو سپاہی سفر کے لئے تیار کر رہے تھے۔ چند سپاہی پہاڑی کے دامن میں غار کی طرف آتے جاتے دکھائی دیتے تھے۔

تالیہ اور ایڈم کشتی کے ساتھ کھڑے تھے۔ آمنے سامنے۔ تالیہ نے اپنا چغہ پہن رکھا تھا' تیز ہوا سے اس کے بال بار بار چہرے پہ آتے جن کو وہ کانوں کے پیچھے اڑستی۔ ایڈم اداس مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''احتیاط سے جایئے گا۔ سمندری سفر خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔''

''ہمیشہ مایوسی کی باتیں کرتے ہو ایڈم۔'' وہ بے فکری سے مسکرائی۔ ''ہم پلان پہ چل رہے ہیں تو ڈر کیسا؟ بس کل تک میں واپس ملاکہ پہنچ جاؤں گی۔ تم تب آنا جب دوسرا مرحلہ پورا ہو جائے۔'' اس نے ذو معنی انداز میں یاد دلایا۔

ایڈم نے سر اثبات میں ہلایا۔ پھر آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے غور سے اسے دیکھا۔

''کیا واقعی آپ یہاں سے کچھ چرا کے نہیں جا رہیں؟ آپ چوری سے جا سکتی ہیں۔ ہیرا پھیری سے نہیں۔''

''ارے وہ سب تو میں نے مذاق میں اٹھایا تھا۔'' وہ کھلکھلائی۔ ''ابھی اتنے ٹرکس نہیں سکھائے تمہیں کہ میرے ہاتھ کی صفائی پکڑ سکو۔''

''میری نظر بہت اچھی ہے چے تالیہ۔ یاد کریں۔ مسز عصرہ کی گیلری میں پہچان گیا تھا کہ آپ تنکو کامل کی ملازمہ ہیں۔''

اور وہ دونوں ہنس پڑے۔ پھر تالیہ نے گردن گھمائی۔ وہ دونوں ساحل پہ کھڑے تھے اور سامنے چاندنی سے چمکتے پانیوں والا سمندر بہہ رہا تھا۔ خاموش' ساکن سمندر۔ پندرہویں صدی کا جوان سمندر۔

''وقت کے اس پار کیا ہو رہا ہو گا' ایڈم؟'' نیلے پانیوں کو دیکھتے ہوئے اس کی آواز میں اداسی گھل آئی۔

''میں تو صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ پانی کے اس پار کیا ہو رہا ہو گا۔ اگر وان فاتح کا راز کھل گیا اور راجہ نے ان کو گرفتار کر لیا یا ان کی جان لینے کی کوشش کی تو کیا ہو گا۔''

''نہیں۔ بابا ان کو یوں ایک دم مار نہیں دیں گے۔''

''یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ اگر راجہ نے ان کو مارا نہیں بلکہ چناؤ کا اختیار دے دیا تو وہ کس کو چنیں گے۔''

تالیہ چونکی۔ سمندر کی لہریں پل بھر کو تھم گئیں۔ سارا جزیرہ دم سادھے سننے لگا۔

''کیا مطلب؟''

''یاد رکھیے گا۔ اگر ان کو چناؤ کا موقع ملا تو وہ آپ کو یا مجھے کبھی نہیں چنیں گے۔''

تالیہ کی رنگت گلابی پڑنے لگی۔ ماتھے پہ بل در آئے۔ ''تم میں اور مجھ میں فرق ہے ایڈم۔''

''صرف اتنا کہ آپ سے انہوں نے نکاح کیا ہے' مگر یاد رکھیے گا۔ وہ ہمیشہ ہمارے ہیرو رہیں گے اور ہم ان کے فینز۔ ادنیٰ کارکن۔ بس!''

''تمہیں کیوں لگتا ہے بابا ان کو چناؤ کا اختیار دیں گے اور کس قسم کے چناؤ کی بات کر رہے ہو تم؟'' وہ الجھی الجھی ہوئی تھی۔ اسے یہ باتیں ناگوار گزر رہی تھیں۔

''یہ مجھے نہیں معلوم۔ مگر اتنے مہینے ایک محل میں رہا ہوں میں بچے تالیہ۔ اتنا تو بتا سکتا ہوں کہ یہ حکمران بڑے فیصلوں میں ہم ادنیٰ کارکنوں کو شریک نہیں کرتے۔ اس لئے.... اگر آپ کو چناؤ کا موقع ملے تو میرے جزیرے سے آنے کا انتظار مت کیجئے گا۔ خود اس دروازے کو پار کر لیجئے گا۔''

''نہیں ایڈم!'' وہ بولی تو آنکھوں میں قدرے غصہ تھا۔ ''ہم ایک ساتھ آئے تھے اور ایک ساتھ جائیں گے۔ اگر ہم میں سے کوئی مر گیا تو اس کی لاش ساتھ جائے گی۔ تم فی الحال اس خزانے کو سنبھالو۔ میں ملاکہ میں تمہاری منتظر رہوں گی۔''

اس کا انداز قطعی اور حتمی تھا۔ ایڈم نے پھر سے سر کو خم دیا۔

''الوداع شہزادی!''

تالیہ نے چغے کی ٹوپی سر پہ برابر کی اور کشتی کی طرف بڑھ گئی۔ اس پہ بیٹھتے ہی اس نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔

ساحل کنارے چغہ پوش آدم بن محمد کھڑا اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔ چند سپاہی اس کے آس پاس کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ ملاح سپاہی نے بادبان کھول دیا اور کشتی کو پانی پہ دھکیل دیا۔ پھر چپو چلانے لگے۔

وہ عرشے پہ ایک لکڑی کی چوکی پہ بیٹھ گئی اور رخ پانی کی طرف موڑ دیا۔ انکھیوں سے وہ ساحل کنارے کھڑے ایڈم کو دیکھ سکتی تھی۔

جب کشتی سمندر پہ دور نکل آئی اور آسمان پہ فجر طلوع ہونے لگی تو تالیہ نے چغے کے اندر ہاتھ ڈال کے نکالا تو اس میں ایک چمکتی ہوئی شے تھی۔

یہ وہ چیز تھی جو اس نے غار میں رکھی عجیب و غریب چیزوں میں سے اٹھائی تھی۔ یہ سونے کی ہیئر پن تھی جس کو جوڑے میں لگایا جاتا تھا۔ اس کے دہانے پہ ہرن کا چہرہ بنا تھا' آنکھوں میں ہیرے لگے تھے۔ اور پیچھے جا کے وہ لمبی نوکیلی ہو جاتی تھی۔ تالیہ نے اسے اٹھا کے روشنی میں دیکھا اور مسکرائی۔

''ایڈم بن محمد.... یہ ملاکہ کے لوگوں کی نہیں میرے بابا کی شے تھی۔ جانے یہ کس لئے استعمال ہوتی ہے مگر نئے دور میں جا کے یہ اچھی خاصی قیمت پہ بک جائے گی۔ اس میں قیمتی ہیرے اور خالص سونا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔'' وہ خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھی۔ اس کی کشتی سمندر پہ تیرتی جزیرے سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

20

☆☆=========☆☆
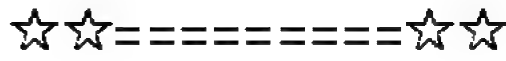
مراد راجہ جب سلطنت محل پہنچا تو صبح ہونے میں کافی وقت تھا۔ سپاہی اسے فوراً اندر لے گئے۔ مراد نے چہرہ بے تاثر رکھا مگر حقیقتاً وہ پریشان تھا۔

اسے ایک ملاقاتی کمرے میں بٹھا کے سپاہی چلے گئے۔ وہ کافی دیر انتظار کرتا رہا۔ بے چینی سے ٹہلتا رہا۔ ایک دوبار دربانوں کو آواز دی تو انہوں نے بتایا کہ آقا غسل فرما رہے ہیں۔ مراد ضبط کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔

اسے اتنا انتظار مرسل نے پہلی دفعہ کروایا تھا۔

صبح کی پہلی کرن باہر آسمان پہ دکھائی دی تو مرسل شاہ کمرے میں داخل ہوا۔ وہ کہیں سے بھی حالت نیند میں نہیں لگتا تھا نہ بال گیلے تھے۔ شاید وہ اتنی دیر کچھ سوچنے میں مصروف رہا تھا۔ پیشانی سلوٹ زدہ تھی۔ مراد نے غور سے اسے اندر آتے اور مسہری پہ براجمان ہوتے دیکھا۔ ایک ہاتھ گھٹنے پہ جمائے 'وہ سیدھا بیٹھا قدرے خفگی سے مراد کو دیکھ کے بولا۔

''آ گئے تم؟'' ساتھ ہی اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

مراد آہستہ سے سامنے بیٹھا۔

''کافی دیر ہو چکی' آقا۔ خیریت تھی؟ کہیں بغاوت کا اندیشہ تو نہیں ہوا؟ یا دشمن کا حملہ؟'' وہ بظاہر فکرمندی سے بولا مگر آواز میں معمولی سا گلہ بھی تھا۔

''مراد راجہ!'' مرسل نے بھنویں اکٹھی کیے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''دشمن کے حملے سے زیادہ تکلیف دہ بات میرے لئے یہ ہو گی کہ میرا بندا ہارا مجھ سے جھوٹ بولے۔''

مراد کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔ تاثرات میں حیرانی گھل گئی۔

''میری جان لے لیجئے آقا' مگر مجھے بتائیے تو سہی کہ ہوا کیا ہے۔'' پھر اسے خیال گزرا۔ ''کیا چین سے قرضہ لینے کے فیصلے پہ میری رائے....''

''تم نے اپنی بیٹی کو کنواری کیوں کہا جب کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ شادی شدہ ہے۔'' وہ اکھڑے اکھڑے مگر مضطرب لہجے میں بولا تو مراد نے تعجب سے دونوں ابرو اچکائے۔

''میری بیٹی...شادی شدہ؟'' پھر وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ ''ایسا مذاق کس نے کیا آپ سے آقا؟'' وہ حیران تھا مگر جیسے محظوظ بھی ہوا تھا۔

مرسل کے تاثرات قدرے بدلے۔ چہرے کے تناؤ میں کمی آئی۔ وہ ذرا آگے کو ہوا۔

''تو یہ بات غلط ہے کہ ملک چین میں تمہاری بیٹی کی پہلے شادی ہو چکی ہے اور اس بات کو چھپا کے مجھ سے جھوٹ بول رہے تھے۔'' وہ بے چین لگتا تھا۔

کھڑکی کے پار جامنی آسمان سفید پڑ رہا تھا۔روشنی اندر آئی تو کمرہ منور ہونے لگا اور قندیلوں کی روشنی ماند پڑنے لگی۔

''میں سمجھ گیا آقا۔''مراد نے گہری سانس لے کر سر ہلایا۔''آپ کو ایسی بات کسی چینن سے تعلق رکھنے والے نے کہی ہوگی۔ظاہر ہے اس شادی پہ سب سے زیادہ تکلیف چینیوں کو ہی ہوگی۔کیا آپ نے سمجھ لیا تھا کہ یہ شادی آپ آرام سے کر لیں گے اور گستاخی معاف 'ملکہ کوئی ردِعمل نہیں دیں گی؟ آپ تو برے سے برے حالات کے لئے بھی تیار تھے آقا' پھر اب ان فضول باتوں پہ کیوں دھیان رے دہے ہیں۔''کمرہ مزید منور ہوا تو مرسل کے چہرے پہ آئے شک کے بادل بھی چھٹنے لگے۔

''یعنی....شہزادی تاشہ کی کوئی شادی نہیں ہوئی۔اور وہ....وہ میرے نکاح میں آسکتی ہیں۔''

مرسل کے چہرے پہ خوشی اور اندیشے ایک ساتھ موجود تھے۔مراد رسان سے مسکرایا اور آگے کو جھکا۔

''آقا' یہ صرف ایک سازش ہے' مجھے آپ سے دور کرنے اور اس شادی کو رکوانے کے لئے۔میری بیٹی غیر شادی شدہ ہے اور وہ آپ کی ہی ملکہ بنے گی۔آپ اس کو بلوا کے بھی پوچھ سکتے ہیں۔میں خود قرآن پہ ہاتھ رکھ کے حلف لینے کو تیار ہوں۔آپ ان واہموں سے نکل آئیں۔''

''اوہ۔''مرسل شاہ نے گہری سانس لی۔کھڑکی سے آتی روشنی نے کمرے کے سارے اندھیرے دور کر دیے تھے۔فضا جیسے صاف ہوگئی تھی۔''تو یہ صرف ایک سازش تھی؟ میں خواہ مخواہ اتنا پریشان رہا۔''اس نے بے اختیار پیشانی مسلی جیسے بہت سے تناؤ کو خارج کیا۔

''یہ تو ابھی شروعات ہیں' آقا۔آگے بہت کچھ ہوگا۔آپ کو خود کو مضبوط بنانا ہوگا۔ہمیں مل کے ان سب سازشوں کا مقابلہ کرنا ہے۔''

پھر مراد نے کھڑکی سے باہر نگاہ دوڑائی۔''مجھے فوج کی مشقوں کی نگرانی کے لئے جانا ہے۔اگر آپ کی اجازت ہو تو....''

''ہاں ہاں۔تم جاؤ۔''مرسل نے ہاتھ جھلایا۔وہ مطمئن اور پرسکون نظر آنے لگا تھا۔مراد ادب سے سر کو خم دے کے اٹھا اور الٹے قدموں دروازے کی طرف بڑھا۔کمرہ اتنا روشن ہو چکا تھا کہ دروازے کے ساتھ جلتی قندیل کا شعلہ بے معنی سا لگتا تھا۔اس نے لوہے کا ڈھکن اٹھایا تاکہ قندیل کے اوپر رکھ کے شعلہ بجھا دے۔

''اصل میں ملکہ نے بھی عجیب غلط سلط باتیں میرے ذہن میں ڈال دیں۔''مرسل شاہ پیچھے سے بڑبڑا رہا تھا۔''وہ بولیں کہ تاشہ کی شادی اس مرد سے ہوگئی تھی جو اس کے ساتھ چینن سے یہاں آیا ہے' اور تو اور 'مراد راجہ نے اس کو اپنے محل میں پناہ دے رکھی ہے۔''

مراد نے زوردار آواز سے لوہے کا ڈھکن شعلے کے اوپر رکھا۔

ہوا کا رستہ رک گیا۔

شعلہ بجھ گیا۔

مگر اس کا ہاتھ ڈھکن پہ ساکت ہوگیا۔

مرسل کی طرف اس کی پشت تھی' اس لئے مرسل اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا جو ایک دم زلزلوں کی زد میں آگیا تھا۔

سیاہ پڑتا ساکت چہرہ۔

اس نے ڈھکن سے ہاتھ ہٹایا تو وہ بہت وزنی محسوس ہوتا تھا۔ بدقت مرادراجہ نے قدم آگے بڑھائے اور باہر نکل گیا۔

راہداری میں تیز تیز قدم اٹھاتا بندا ہارا اس چہرے کے ساتھ نہیں جار ہا تھا جس کے ساتھ وہ آیا تھا۔

☆☆==========☆☆

تین چاند والے جزیرے پہ بھی صبح طلوع ہو چکی تھی۔ سمندر کا پانی لہروں کی صورت بار بار ساحل سے ٹکراتا اور واپس پلٹ جاتا۔ پہاڑی کے دامن میں درختوں تلے صندوق قطار در قطار رکھے تھے اور ان کے اوپر لکڑیوں کے چھپر بنائے گئے تھے۔ تا کہ وہ بارش سے محفوظ رہیں۔ سپاہی اب ایک طرف آگ جلا کے ناشتے کا انتظام کرنے میں مصروف تھے۔ جنگل کے اندر کوئی نہیں گیا تھا کیونکہ یقیناً وہاں بہت سے خونی کموڈو ڈریگن موجود تھے جو ہر سیاح کو کھا جاتے تھے اور لوگ اس جزیرے سے واپس نہیں لوٹتے تھے۔

پھر ایک سپاہی نے جنگل میں جانے کی ہمت کی اور تھوڑی دیر بعد چند پرندے شکار کر کے لے آیا۔ ویسے تو ان کے پاس کھانے کا وافر سامان موجود تھا مگر پرندے مل جانا بھی غنیمت تھا۔ اب دو افراد ان پرندوں کو آگ پہ بھونتے دکھائی دے رہے تھے۔

ایڈم ساحل کے پتھروں کے پاس بیٹھا تھا۔ کاغذ گھٹنوں پہ رکھے' وہ سیاہی میں قلم ڈبو ڈبو کے الفاظ صفحے پہ اتار رہا تھا۔

''مورخ صاحب!'' پیچھے سے ایک سپاہی نے اسے مخاطب کیا تو اس نے گردن موڑی۔

''ہاں کیا ہوا۔''

''میں سوچ رہا ہوں لکڑیاں کاٹ کے کشتی بنانے کا انتظام کروں۔ شہزادی تاشہ کے چلے جانے کی وجہ سے ہمارے پاس کوئی کشتی نہیں ہے۔ بالفرض 'دوسرا مرحلہ' ناکام ہو جاتا ہے تو ہم کیا کریں گے؟'' وہ فکرمند لگتا تھا۔

ایڈم ہلکا سا مسکرایا۔ ''ہاں تم اپنا انتظام پورا رکھو مگر مجھے یقین ہے کہ ہم دوسرے مرحلے تک ضرور پہنچ جائیں گے۔ جو لوگ سچ کا ساتھ دینا چاہتے ہیں' ان کے لئے راستے اللہ تعالیٰ خود کھولتا ہے۔''

سپاہی نے گردن موڑ کے درختوں کے چھپر تلے رکھے صندوقوں کو دیکھا اور پھر اس مورخ کو جو واپس کاغذوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ (سچ کیسا؟ ہم تو شہزادی کی غلامی اور احسانات کی وجہ سے ان سے وفا کر رہے ہیں۔ مگر خیر بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔)

پھر ایڈم کے قلم کاغذ کو دیکھا تو بولا۔ ''آپ لکھنے کا سامان ساتھ لائے تھے؟'' اسے حیرت ہوئی۔

''سراقہ کے کنگن والا واقعہ سنا ہے تم نے' سادو تنگ؟'' وہ مسکرا کے لکھتے ہوئے بولا تو سپاہی سوچ میں پڑ گیا۔

''وہ صحابی جن کو عمر بن خطاب ؓ نے فتح ایران کے بعد کسریٰ کے کنگن بھجوائے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھے تھے؟''

''ہاں۔ جانتے ہو جب وہ صحابی نہیں تھے تو کیا تھے؟'' ایڈم لکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ لہروں کا شور اور نم ہوا' کچھ بھی اسے کام سے غافل

نہیں کرپا رہا تھا۔" وہ ہجرت مدینہ کے موقع پہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کا پیچھا کرتے ان سے جا ملے تھے۔ وہ ان کو گرفتار کروانا چاہتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ کی دعا سے ان کا گھوڑا ہلنے سے انکاری ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں۔ اس وقت انہوں نے آپ ﷺ سے امن کا پروانہ لکھ دینے کی درخواست کی تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم پہ ان کو وہ پروانہ لکھ کے دے دیا گیا تھا۔ جانتے ہو مجھے اس واقعے میں سب سے زیادہ کیا چیز حیران کرتی ہے؟" شاہی مورخ قلم ہاتھ میں لئے کہہ رہا تھا۔

"یہی کہ ہجرت کے وقت کی بے سروسامانی کے عالم میں بھی لکھنے کا سامان ساتھ رکھا گیا تھا۔ جب مدینہ کی طرف جانے والوں کو اپنی جان بچانی تھی اور تعاقب کرنے والے کو سواونٹوں کے لالچ نے بے تاب کر رکھا تھا' تب بھی کسی کے پاس لکھنے کا سامان موجود تھا۔ یہ لکھنا بھی عجیب چیز ہے۔ یہ کام انسان کو شروع سے نہیں آتا تھا۔ بہت سے کام انسان نے خود سیکھے۔ غاروں سے عمارتوں تک وہ خود پہنچا مگر لکھنا بالواسطہ اسے اللہ تعالیٰ نے سکھایا۔ کہتے ہیں کہ ادریس علیہ السلام کو وحی کے ذریعے لکھنا سکھایا گیا تھا۔ اس سے پہلے انسان لکھا نہیں کرتے تھے۔"

سادونگ نے گہری سانس لے کر اس مورخ کو دیکھا جو اپنے کاغذات کو دیکھتے ہوئے محبت سے کہہ رہا تھا۔

"تم نے پوچھا کہ میں نے لکھنے کا سامان کیوں ساتھ رکھا ہے؟ تو یہ ہے میرا جواب۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہم مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھی ہیں۔ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ بڑے بڑے کام کریں۔ میں شاید بڑے بڑے کام نہیں کر سکتا۔ مجھ میں نہ اتنا ہنر ہے نہ اتنی ذہانت۔ نہ میرے پاس اتنے ذرائع ہیں۔ میں اکثر مایوس ہوتا تھا کہ میں اس اعلیٰ مقام تک کبھی نہیں پہنچ سکتا جس کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ وان فاتح مجھے بڑی بڑی مثالیں دیا کرتے تھے۔ مگر مجھے ملاکہ نے یہ سکھایا ہے کہ انسان کو بڑے کام کرنے کے لیے پہلے چھوٹے چھوٹے کام کرنے پڑتے ہیں۔ اور میں نے اس چھوٹے کام سے شروع کیا!" اس نے اپنا قلم اٹھا کے دکھایا۔ سادونگ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ اس کی باتیں سننا اس کی مجبوری تھی۔

"قلم سے۔ قلم نے اس واقعے میں کسی کی زندگی بچائی تھی۔ برسوں بعد بھی سراقہ بن مالک نے اس پروانے کو دکھا کے امن حاصل کیا تھا۔ تحریر میں جان بچانے کی طاقت ہوتی ہے سادونگ۔ جن لوگوں کو لکھنا آتا ہے' ان کا نہ لکھنا گناہ ہوتا ہے۔ اور مجھے لکھنا آتا ہے۔ جو سکون مجھے لکھنے سے ملتا ہے' کسی چیز سے نہیں ملتا۔ اب لکھنا میری مجبوری ہے۔ میں اگر نہیں لکھوں گا تو ایک عطائے خداوندی کو ضائع کروں گا۔ اور یہ گناہ ہے۔ تو میں یہ قلم کاغذ اس لئے ساتھ لایا تھا کیونکہ میں نے یہ بات اپنے نبی ﷺ کی زندگی سے سیکھی ہے۔ وہ دنیا کے سب سے عظیم انسان ہیں۔ میں یہ نہیں سوچتا کہ ہر وقت لکھنے کا سامان ساتھ رکھنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے' مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر مجھے آپ ﷺ جیسا سچا اور دیانت دار انسان بننا ہے تو مجھے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنانا ہوگا۔ تب ہی میں بڑے بڑے کام کر سکوں گا۔"

جرنیل سادونگ نے گہری سانس لی اور دونوں ابرو اٹھائے۔ "درست فرمایا۔ اب میں ذرا کشتی کا سامان بنانا شروع کر دوں۔" اور ذرا سی جھرجھری لے کر وہ مڑ گیا۔ ایڈم نے مسکرا کے سر جھٹکا اور واپس کاغذ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ابھی اسے کافی سارا لکھنا تھا۔اگر شہزادی تاشہ کی امیدیں سچی تھیں اور انہوں نے واقعی وقت کے اس پار چلے جانا تھا تو اسے یہ کتاب جلد از جلد مکمل کرنی تھی۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ سلطنت کا بنداہارا مراد راجہ اپنے محل میں داخل ہوا تو اس کی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔اس کی نظر سے دیکھو تو سارے منظر نامے پہ سرخ دھند چھائی تھی۔دھندلی سی راہداری تھی جس میں وہ لمبے ڈگ بھرتا جا رہا تھا۔تیز تیز...راہداری بڑھتی جا رہی تھی....وہ چلتا جا رہا تھا...سرخ دھند گھنی ہوتی جا رہی تھی.....

درمیان میں کتنے لوگ آئے....پہریدار' دربان' سپاہی' غلام۔اس نے ہر ایک کو ہاتھ جھلا کے ہٹنے کا کہا۔

لوگ ہٹتے گئے۔راستہ دیتے گئے۔سرخ دھند دھوئیں میں بدلنے لگی۔ایسا دھواں جس میں سانس لینا تک دشوار ہو رہا تھا۔

اس کا سینہ بار بار گھٹ رہا تھا۔مٹھیاں بھنچی ہوئی اور ناخن ہتھیلی میں پیوست محسوس ہوتے تھے۔آنکھیں دہکتے انگاروں جیسی ہو رہی تھیں۔کسی بھوکے بھیڑیے کی مانند وہ جارحانہ انداز میں قدم اٹھا رہا تھا۔

(شہزادی نے اس شخص سے شادی کر رکھی ہے جو چین سے اس کے ساتھ آیا ہے۔اور مراد راجہ نے اس کو اپنے محل میں پناہ دے رکھی ہے۔)الفاظ اس کے کانوں میں پگھلا سیسہ انڈیل رہے تھے۔

گول زینہ سامنے آیا تو وہ بھی سرخ دھوئیں کی لپیٹ میں تھا۔ایسا دھواں جس میں انسانی گوشت کے جلنے کی بو شامل ہوتی ہے۔

مراد راجہ زینے اترنے لگا۔ایک ایک زینہ چھوڑ کے پھلانگتا....وہ گول سیڑھیاں چکر کی صورت عبور کرتا نیچے آیا۔

وہاں قید خانے بنے تھے۔قطار در قطار۔قیدی اسے دیکھ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔مگر وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔سرخ دھواں گھنا ہوتا گیا۔بو شدید محسوس ہو رہی تھی۔

راہداری کے سرے پہ وہ کال کوٹھڑی تھی۔اس نے آتے ساتھ ہی زور سے دروازے پہ ہاتھ مارا۔ساتھ کھڑے پہریدار نے جلدی سے تالہ کھولا تو مراد پٹ دھکیلتا اندر داخل ہوا۔

سرخ دھند میں اتنا نظر آیا کہ قیدی کونے میں زمین پہ بیٹھا ہے۔پیر سے زنجیر بندھی ہے اور زنجیر کے سرے پہ وزنی لوہے کی گیند ہے۔ اسے دیکھ کے قیدی نے سر اٹھایا' اس کی چھوٹی آنکھوں میں چمک آئی اور وہ مسکرایا۔سنہری رنگت اور چھوٹے بالوں والا خوش شکل قیدی جو بوسیدہ سفید کرتے پاجامے میں ملبوس اکڑوں بیٹھا تھا' اس وقت کسی دوسری دنیا کا فرد لگ رہا تھا۔

راجہ مراد کو سرخ دھند میں اس کے کپڑے بھی سرخی مائل نظر آ رہے تھے۔

اس نے قیدی کو گریبان سے پکڑ کے کھڑا کیا اور دیوار سے لگا کے غرایا۔

''تمہارا میری بیٹی سے کیا تعلق ہے؟''

فاتح نے اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے۔سر کی پشت دیوار سے لگائے رکھی۔اور ابرو اچکا کے مسکرایا۔

''تم یہ سوال مجھے کرسی پیش کر کے بھی پوچھ سکتے ہو۔''

''بتاؤ مجھے....کون ہو تم؟ ورنہ میں تمہاری جان لے لوں گا۔'' مراد کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

چند لمحے کے لیے قید خانے میں خاموشی چھا گئی۔صرف مراد کے تیز' بے ربط تنفس کی آواز سنائی دیتی تھی۔

''ہماری دنیا میں' ہمیں گیم تھیوری پڑھائی جاتی تھی۔گیم تھیوری۔حکمتِ چال۔ایک ایسی حکمت ہے جو کھیل' سیاست' جنگ' حتیٰ کہ تمام بڑے فیصلے لیتے وقت استعمال کی جاتی ہے۔کیا تم نے کبھی حکمتِ چال کے بارے میں سنا ہے' راجہ؟'' وہ تحمل سے بولا تو مراد راجہ نے جھٹکے سے اس کا گریبان چھوڑا اور دو قدم پیچھے ہٹا۔اسے جیسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ اس آدمی کے ساتھ کیا کرے۔بس دانت کچکچاتا وہ اسے دیکھ رہا تھا جو اپنی ہی رو میں کہہ رہا تھا۔

''کھلاڑی دو طرح کے ہوتے ہیں۔متناہی اور لامتناہی۔متناہی کھلاڑی محدود ہوتے ہیں۔تمہارے جیسے۔وہ جب کھیلتے ہیں تو اصولوں کے اندر رہتے ہوئے' ایک مقرر کردہ ہدف کو حاصل کرنے کے لئے کھیلتے ہیں۔وہ صرف جیتنے کے لئے کھیلتے ہیں۔محدود کھلاڑی ہارتے بھی ہیں' اور جیتتے بھی ہیں کیونکہ ان کا مقصد صرف طاقت کا حصول ہوتا ہے۔''

''میں آخری بار انسانوں کی زبان میں پوچھ رہا ہوں کہ تم کون ہو؟'' وہ غرایا تھا۔اس کا چہرہ غیض وغضب سے سیاہ پڑ رہا تھا۔

''مگر لامتناہی کھلاڑی میرے جیسے ہوتے ہیں۔لامحدود۔وہ بغیر اصولوں کے بغیر کسی ہدف کے کھیلتے ہیں۔ان کا مقصد جیتنا یا کوئی مقصد حاصل کرنا یا طاقت پا لینا نہیں ہوتا۔وہ اپنے ارادے کی مضبوطی سے کھیلتے ہیں۔وہ اپنی مرضی سے اصول بدل لیتے ہیں' حدود کو آگے پیچھے کر لیتے ہیں' کیونکہ وہ اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہوتے ہیں۔وہ صرف کھیل کو بڑھاتے رہنے کی غرض سے کھیلتے جاتے ہیں۔وہ جیتنے کے لیے نہیں کھیلتے اس لیے غیر لامتناہی کھلاڑی کبھی نہیں ہارتے۔ان کو کوئی ہرا ہی نہیں سکتا۔''

''تمہارا...میری بیٹی سے....کیا تعلق ہے؟'' راجہ نے چبا چبا کے الفاظ ادا کیے تو غصیلی نظریں اس پہ جمی تھیں....کال کوٹھڑی کے اندر وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے اور باہر راہداری میں سپاہی ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑے تھے۔

''ہماری دنیا کی حکمتِ چال کے مطابق...تم ایک لامتناہی کھلاڑی کو نہیں ہرا سکتے۔بقا کی جنگ لڑنے والے زماں ومکاں کی قید سے نکل کے کھیلتے ہیں۔'' پھر اس نے افسوس سے سر ہلایا۔''ہمیں تم سے تب تک کھیل کھیلنا ہے جب تک کھیل جاری رہ سکے اور تم تھک کے ہمیں یہاں سے جانے دو۔میں جب چاہتا ہوں اپنی مرضی سے اصول بدل لیتا ہوں کیونکہ تالیہ اور میرے کوئی اصول' کوئی حدود نہیں ہیں۔ہمیں طاقت اور اہداف نہیں چاہئیں۔ہمیں صرف اپنی دنیا میں واپس جانا ہے اور جب تم مجھے اپنے سامنے کرسی پہ بٹھانے کے لئے تیار ہو جاؤ گے تو میں تمہیں بتا دوں گا....کہ میرا اور تالیہ کا کیا تعلق ہے۔''

مراد نچلا لب دانتوں سے دبائے' نفی میں سر ہلاتا الٹے قدموں پیچھے ہٹتا گیا۔

26

''خدا کی قسم اگر ملکہ کی بات درست ہے تو میں تمہارا کھیل تم پہ الٹ دوں گا۔'' وہ الٹے قدموں پیچھے جا رہا تھا۔ سرخ دھواں آہستہ آہستہ چھٹ رہا تھا۔ نیم اندھیر کمرہ صاف دکھائی دینے لگا۔

''میں تم سے نہیں ڈرتا' راجہ۔ تم مجھے کبھی نہیں مارو گے' میں جانتا ہوں۔ اور اب تو بالکل بھی نہیں۔'' وہ دیوار سے لگا کھڑا تھا اور ہاتھ سینے پہ لپیٹ لئے تھے۔ آنکھوں میں راجہ کے لیے صرف ترحم تھا۔

''میں تمہیں.... ابھی.... ابھی اسی وقت مار سکتا ہوں۔'' وہ بلند آواز میں گرجا۔ غم و غصے سے اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

سینے پہ بازو لپیٹے کھڑے فاتح نے ابرو اچکائے۔ ''اگر تم نے مجھے مار دیا تو تمہاری بیٹی اور تمہارے رشتے کا کیا بنے گا؟ وہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ یہی سوچ رہے ہو نا تم اس وقت۔ میں تمہارا ذہن پڑھ سکتا ہوں' بنداہارا!'' سرد سا مسکرایا۔ ''اس لئے بہتر ہے کہ مجھے مارنے کی بجائے تم اپنی فکر کرو کیونکہ تمہیں بہت جلد اس سے بڑے جھٹکے ملنے والے ہیں۔ کیونکہ میں کھیل جاری رکھنے کے لیے کھیل رہا ہوں۔''

''میں تمہیں دیکھ لوں گا۔'' وہ اس پہ غراتا ہوا آگے بڑھا۔ ساتھ ہی بلند آواز میں حکم صادر کیا۔ ''اس کا کھانا پانی بند کر دو اور.... اور....'' بے بسی سے جیسے وہ بس یہی حکم جاری کر پایا تھا۔ ''اور اس کو اتنا مارو کہ یہ خود کو بھی نہ پہچان سکے۔''

سپاہی فوراً سے فاتح کی کوٹھری کی طرف لپکے۔ دوسری کوٹھریوں کے قیدی بھی کھڑے ہونے لگے۔

مراد راجہ ماتھے پہ بل ڈالے' بازو پیچھے باندھے' لمبے ڈگ بھرتا زینے کی طرف بڑھ گیا۔

سرخ دھند کی جگہ اب سیاہ دھوئیں نے لے لی تھی۔

اس کے اندر کا سارا گوشت جیسے جل گیا تھا اور اب صرف راکھ رہ گئی تھی۔

☆☆==========☆☆

بنداہارا کے محل کے داخلی دروازے کے سامنے جو روش بنی تھی' اس پہ پھولوں کی پتیاں گری پڑی تھیں۔ آج صبح شہزادی تاشہ واپس آئی تھی تو بگھی سے اترتے ہی اس کا استقبال کنیزوں اور خادموں نے بہت محبت سے کیا تھا۔

اس کا کمرہ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کے گئی تھی' البتہ مختلف جگہوں پہ کھونٹیاں لگا کے زرتار کامدار ملبوسات لٹکائے گئے تھے۔ یہ اس کی شادی کے لئے بنوائے گئے تھے۔ وہ چغہ اتار کے مسہری پہ چھینکتی کینہ توز نظروں سے ان کپڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے جوڑے میں بندھے بال خشک ہو رہے تھے۔ دو دن پرانا سیاہ کرتا پاجامہ پہنے' وہ قدرے بے رونق سی لگ رہی تھی۔ چہرے پہ سفر کی تکان تھی اور آنکھوں میں بےزاری۔

ایک زمانے میں اس کی کتنی خواہش تھی کہ....

کہ وہ کوئی شہزادی ہوتی....

جس کی شادی کسی بادشاہ سے ہوتی...

اور سونے چاندی کے ڈھیر کے ساتھ زرتار عروسی ملبوسات میں اس کو رخصت کیا جاتا۔

اور آج اس نے جانا تھا کہ کچھ خواب پورے ہونے کے لئے نہیں صرف دل کو خوش کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ فینٹسی۔ ذہن میں بنی کہانیاں۔ ان کو پورا نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ وہ ٹریجڈی بن جاتی ہیں۔

شریفہ ایک دم آندھی طوفان کی طرح اندر بھاگتی ہوئی داخل ہوئی تو تالیہ نے بے زاری سے اسے دیکھا۔ ''ابھی تو ہم سفر سے آئے ہیں.... دو گھڑی سانس تو لے لو شریفہ!''

''شہزادی... شہزادی....'' پھولے تنفس سے اس نے جو بات بتائی' وہ تالیہ مراد کو پتھر کا بت بنا گئی تھی۔

قید خانے میں وہ صلیب کی صورت میں بندھا تھا اور سپاہی اسکی کمر پہ زور زور سے کوڑے مار رہا تھا۔ فاتح نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ اس کے کندھوں اور کمر سے خون بہہ رہا تھا۔ ہر ضرب کے ساتھ دماغ کی چولیں ہل جاتیں۔ اور خون کے ہر قطرے کے ساتھ وہ مناظر یاد آنے لگتے۔

آریانہ سفید لباس میں پہاڑی پہ گری پڑی تھی۔

اس کا لباس خون آلود تھا۔

اس کی آنکھیں بند تھیں۔

وہ اس کا سر گود میں رکھے رو رہا تھا۔

وہ اپنے ہاتھوں سے مٹی کھود رہا تھا۔

سپاہی اس کی کمر پہ زور زور سے کوڑے برسا رہا تھا اور وہ.... وہ آریانہ کی پتھروں سے ڈھکی قبر کے سامنے گم صم بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پہ آنسوؤں کے نشانات تھے۔

اس کی کمر پہ خون کی دھاریں تھیں۔

جب تالیہ اس گول زینے کو اتر رہی تھی تو اس کے سامنے کوئی سرخ دھند نہ تھی۔ صرف خوف تھا۔ اور امید تھی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ چہرہ غم و غصے سے سرخ دہک رہا تھا۔

وہ بھاگتی ہوئی نیچے آئی تھی۔ سیاہ کرتے پاجامے میں ملبوس' وہ ننگے پیر دیوانہ وار اس آخری کوٹھڑی کی طرف لپکی۔

چوکھٹ پہ پہنچ کے وہ دھک سے رہ گئی۔

کوٹھڑی کا دروازہ کھلا تھا۔ چند سپاہی اندر کھڑے تھے۔ ایک دیوار سے لگا کھڑا فاتح صلیب کی صورت بندھا تھا۔ اس کی گردن بائیں کندھے پہ ڈھلکی ہوئی تھی اور لباس پھٹا ہوا خون آلود تھا۔ پیشانی اور سر کے مختلف حصوں سے خون بہہ بہہ کے جسم پہ گر رہا تھا۔ کندھے' کمر'

بازو.... ہر جگہ زخموں کے نشان نظر آتے تھے۔اس کی آنکھیں بند تھیں جیسے بے ہوش ہو یا کرب سے میچ رکھی ہوں۔

''ہٹو۔چھوڑو اس کو۔میں کہہ رہی ہوں' چھوڑو اس کو۔''شہزادی تاشہ غراتی ہوئی آگے آئی اور جو سپاہی فاتح کے سر پہ کھڑا ہنٹر فضا میں بلند کیے اسے مارنے ہی لگا تھا' اسے پرے دھکیلا۔سپاہی چونکا' پھر گرتے گرتے سنبھلا اور اس کی طرف دیکھا۔

سامنے وہ بھوکی شیرنی کی طرح کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم اس کو ہاتھ بھی لگاؤ!''وہ جب اس کو سرخ آنکھوں سے دیکھتی غرائی تھی تو اس کی آواز میں نسوانی پن نہ تھا۔وہ کسی وحشی درندے کی غراہٹ لگتی تھی۔وان فاتح نے اس عجیب آواز پہ آنکھیں ذرا سی کھولیں۔جھری سے نظر آیا۔وہ دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑی سپاہی پہ چلا رہی تھی۔

''شہزادی.... یہ راجہ کا حکم ہے'اس لئے خدارا آپ یہاں سے جائیے اور ہمیں ہمارا کام کرنے دیں۔''ہنٹر والا ہاتھ اس نے پیچھے کر کے بصد احترام بتایا تو شعلہ بار نظریں اس پہ جمائے چند قدم آگے آئی۔سپاہی نے گردن جھکا دی۔

''میں ملاکہ سلطنت کے بنداہارا مراد راجہ کی بیٹی تاشہ ہوں۔میں....سلطان مرسل شاہ کی ہونے والی بیوی ہوں۔میں ملاکہ سلطنت کی ہونے والی ملکہ ہوں۔جب سلطان مرے گا تو میں اس ملک کی حکمران ہوں گی اور میرے بیٹے تخت سنبھالیں گے۔مراد راجہ ماضی ہو گیا ہے۔ملکہ بنتے ہی سب سے پہلے میں اس کی گردن قلم کرواؤں گی۔اب تم بتاؤ' جرنیل' تمہیں کس کا حکم ماننا ہے؟ ہونے والی ملکہ کا؟ یا ہونے والے مقتول کا؟''وہ آنکھوں میں خون لئے اسی غراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔فاتح کی طرف اس کا نیم رخ تھا۔اس نے بدقت دھندلی بصارت سے منظر دیکھنا چاہا۔

سپاہی نے مزید سر جھکا دیا اور ہنٹر زمین پہ پھینک دیا۔دوسرے سپاہی بھی پیچھے ہٹ گئے۔

''میں تمہارے راجہ سے مل کے آتی ہوں۔تب تک اس قیدی کو کھانا کھلاؤ' پانی پلاؤ اور نیا لباس دو۔پھر اس کی مرہم پٹی کرو۔''

اب غراہٹ نہیں تھی مگر آواز ہنوز بھاری تھی۔اس میں شہزادیوں والا ناز و انداز نہیں' ملکہ والا قہر تھا۔پھر وہ فاتح کی طرف گھومی جو بے حال سا بندھا کھڑا تھا۔اور ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔

''جب میں واپس آؤں تو مجھے یہ تندرست نظر آنا چاہیے۔اپنی ملکہ کی بات ماننا سیکھو' جرنیل!''

وان فاتح نے اسے دیکھتے ہوئے زخمی چہرے کے ساتھ ابرو اچکائے۔(سیریسلی ؟) لب بے آواز ہلائے۔

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔بس اسے بھی ایک خشمگیں نظر سے نوازا اور تیز تیز باہر نکل گئی۔

مراد راجہ باغیچے میں تنہا ٹہل رہا تھا۔سر پہ قیمتی جواہر سے مزین ٹوپی تھی اور کندھوں پہ سنہری قبا۔بازو کمر پہ باندھے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''راجہ..مراد راجہ!''آواز پہ وہ تیزی سے گھوما۔

سامنے سے دوڑتی ہوئی تالیہ آ رہی تھی۔وہ ملگجے لباس میں تھی اور چہرے پہ سخت طیش چھایا تھا۔

مراد اس کو دیکھ کے یک لخت سن ہو گیا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ قریب آئی اس نے اسے کندھوں سے تھاما۔ ''تالیہ... تم آ گئیں۔''

اس نے سختی سے مراد کے ہاتھ جھٹکے۔

''آپ کو لگتا تھا میں نہیں آؤں گی؟''

''وان فاتح نے کہا تھا کہ تمہارا انجام یہ ہو گا کہ.... (اس کی آواز ٹوٹی) تم سمندری سفر سے نہیں لوٹو گی۔''

''تو کیا آپ وان فاتح سے ہر ایک کا انجام پوچھ رہے تھے؟'' اس کی آواز میں ترشی در آئی۔ ''میرے جاتے ہی آپ نے اسے کھوج نکالا اور پھر قید کر کے یوں تشدد کیا جیسے میں نے کبھی واپس ہی نہیں آنا تھا؟ یہی چاہتے تھے آپ؟''

مراد کے چہرے پہ افسوس ابھرا۔ ''میں کبھی بھی ایسا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے تمہارے پیچھے سپاہی بھیجے تا کہ وہ تمہیں واپس لائیں۔ وہ کل رات کو لوٹ آئے۔ ان کے مطابق تم جنوبی محل نہیں گئی تھیں۔ میں نہیں پوچھوں گا کہ تم کہاں گئیں کیونکہ تم اب واپس آ گئی ہو، یہی بہت ہے۔'' پھر اس کی آنکھوں میں تکلیف ابھری۔ ''تم میری بیٹی ہو، تالیہ۔ تم نے اتنے سال میرے ساتھ سارے کام مل کے کیے ہیں۔ تم جنگل میں میرے ساتھ جاتی تھیں، جب میں 'عبادت' میں مشغول ہوتا تھا تو تم میرے لئے کھانا بناتی تھیں۔'' وہ تاسف سے اسے دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''ہاں تم ایک دم سے.... بڑی ہو گئی ہو... اور میں تمہارے اس.... (اس کی طرف اشارہ کیا) نئے روپ سے سمجھوتہ نہیں کر سکا کیونکہ میرے لئے میری بیٹی وہی چھوٹی سی تھی۔ لیکن 'وقت' تمہیں جتنا بھی بدل دے، وہ میرے دل سے تالیہ کی جگہ کو نہیں بدل سکتا۔''

مگر سامنے کھڑی تالیہ کی پیشانی شکن آلود ہوتی گئی۔ ''اب ان باتوں کا وقت گزر گیا ہے، راجہ۔ یہ باتیں اب مجھ پہ اثر نہیں کرتیں۔ مجھے صرف اتنا بتائیے کہ وان فاتح پہ اتنا ظلم کیوں کیا آپ نے؟''

''کیونکہ اسے کرسی پہ بٹھانے کا وقت نہیں آیا۔'' مراد کے تاثرات تن گئے۔ چہرے پہ برہمی عود آئی۔ ''تم اس کی فکر کرنا چھوڑ دو۔''

''وہ کرسی کا حقدار ہے، راجہ۔ وہ کرسی پہ ہی بیٹھے گا۔ وہ محلوں میں رہنے والا ہے اور محل ہی اس کا مقدر ہیں۔ اس کے سر کے اوپر سے حکمرانی کا ہما گزرا ہے۔ آپ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

''تمہارا کیا تعلق ہے اس سے؟'' وہ زیرِ لب آہستہ سے بولا۔ تیز شکاری نظریں تالیہ کے چہرے پہ جمی تھیں۔

''جب اس کو کرسی پیش کریں گے تو وہ بتا دے گا۔ لیکن ابھی کے لئے، آپ اس کو جانے دیں۔ ورنہ میں سپاہیوں سے کہوں گی، اور وہ اسے جانے دیں گے۔''

''میری پیاری شہزادی!'' وہ طنز سے مسکرایا۔ ''سپاہی میرے ہیں اور میرا حکم مانتے ہیں۔ کل میں نے ان سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ اسے تب تک مارو جب تک تاشہ نہ آ جائے اور اگر وہ کہے کہ مت مارو تو ہاتھ روک دینا، لیکن اگر وہ کہے کہ اسے چھوڑ دو تو اپنی تلواریں شہزادی تاشہ کے اوپر تان لینا۔ وہ خود ہی پیچھے ہٹ جائے گی۔''

کاٹ دار لہجے میں بولتا وہ بالکل اجنبی ہو گیا تھا۔

تالیہ کے اکڑے کندھے ڈھیلے پڑنے لگے۔

''بابا....''اس کے لب پھڑ پھڑائے۔

''بابا کہنے کا وقت بھی گزر چکا ہے۔مجھ پہ اب یہ الفاظ اثر نہیں کرتے۔چند ثانیے پہلے تک میں شک میں تھا کہ ملکہ کی بات غلط ہو گی لیکن تمہارا انداز سب عیاں کر چکا ہے۔''وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔''تم مجھے اپنا دشمن سمجھتی ہو'باپ نہیں۔تم نے مجھ سے جھوٹ بولا کہ تم اکیلی آئی ہو۔تم نے اپنی شادی کو چھپایا۔تم نے سلطان کے سامنے مجھے مجرم بنا دیا۔وان فاتح درست کہتا تھا۔تم اپنی دنیا میں ایماندار نہیں تھیں۔مجھے تم سے ایمانداری کی توقع نہیں کرنا چاہیے تھی۔''

وہ بس چپ کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

''میں تمہیں ملاکہ کی سلطنت دینے جا رہا تھا اور تم نے اپنی اس دنیا کو ترجیح دی جہاں تم اپنی محنت سے دو آنے تک نہیں کما سکتی تھیں۔کیا ہو تم اس دنیا میں؟یہ جو یہاں تمہاری آواز میں غراہٹ در آتی ہے نا'یہ اس دنیا میں نہیں ہو گی۔کیونکہ یہاں تمہارے پاس طاقت ہے اور طاقت جیسا اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔تم اپنی دنیا میں واپس چلی گئیں تو دیوانی ہو جاؤ گی'پاگل ہو جاؤ گی کیونکہ وہاں تم شہزادی نہیں ہو گی۔اس لئے قدر کرو اس سلطنت کی جو تمہاری ہونے والی ہے۔ابھی بھی وقت ہے تالیہ'ملکہ کے الزامات کو رد کر دو اور کہہ دو کہ تم نے اس (دانت پیسے)اس غلام سے نکاح نہیں کر رکھا۔خدا کی قسم میں تمہیں بچا لوں گا۔''

تالیہ بس سپاٹ نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

''سوچ لو'تالیہ!میں آخری بار کہہ رہا ہوں!''

''اس کو کرسی پیش کریں'راجہ۔اس سے پوچھیں کہ وہ کیا چاہتا ہے تو وہ بتا دے گا۔اور یہ آپ کی بھول ہے کہ آپ اسے قید میں زیادہ دیر رکھ سکتے ہیں۔اگر میں اسے نہیں آزاد کروا سکتی تو کوئی ہے جس کے پاس مجھ سے زیادہ طاقت ہے۔اور جس دن اس کو اپنی طاقت کا علم ہوا' وہ اسے آزاد کروا لے گا۔''

مراد راجہ کے ابرو بھینچ گئے۔''کون؟''

''آپ جلد جان جائیں گے۔''وہ تنفر سے کہتی ایک آخری نظر اس پہ ڈالتی پلٹ گئی۔یقیناً اسے قیدی کے پاس جانے کی جلدی تھی۔

مراد نے ایک خشمگیں نگاہ اس پہ ڈالی اور پلٹ گیا۔اس کا رخ اپنی تیار سواری کی طرف تھا۔اسے بھی کسی سے ملنے کی جلدی تھی۔

دھند کا جالا بنتی سرخ مکڑی اس نے ذہن سے نکال کے دور پھینک دی تھی۔

☆☆=========☆☆

قید خانے کا ماحول اب قدرے مختلف تھا۔فضا سے تناؤ'خوف اور وحشت چھٹ چکی تھی۔اب وہاں صرف خاموشی تھی۔

وان فاتح کی کوٹھڑی کا دروازہ بدستور کھلا تھا۔اس کے پیر سے لگی زنجیر ویسی ہی تھی'مگر لباس بدل چکا تھا۔خاکی رنگ کا صاف پاجامہ اور

اوپر بنا آستین کی جیکٹ نما شے پہن رکھی تھی۔ کمر پہ پٹیاں بندھی تھیں اور سامنے کھلے سینے پہ بھی کئی جگہ مرہم لگے تھے۔ وہ اکڑوں بیٹھا تھا اور دیوار سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ چہرہ اب صاف تھا' مگر خون آلود کٹ دکھائی دیتے تھے۔

ایک خادم اس کے برہنہ بازو کے زخم کو دیکھ رہا تھا' دوسرا دوا کا تھال لئے سر پہ کھڑا تھا۔

''تم لوگ جاؤ' میں دیکھ لوں گی۔'' آواز کے ساتھ نسوانی جوتی کی قریب آتی آہٹ سنائی دی تو فاتح نے آنکھیں کھولیں۔ کوٹھڑی کے کھلے دروازے میں وہ نظر آئی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکیں۔ دھندلا منظر ذرا واضح ہوا۔

وہ بھورے باجو کرنگ میں ملبوس' سر پہ دوپٹہ لپیٹے' سادہ مگر خوبصورت کنیز لگ رہی تھی۔ سپاٹ چہرے کے ساتھ قریب آئی اور روئی خادم کے ہاتھ سے لی۔ پھر فاتح کے ساتھ دوزانو ہو کے بیٹھی۔

''یہ تھال یہیں رکھ دو اور جاؤ۔ مجھے دوسری دفعہ نہ کہنا پڑے۔'' انداز حتمی تھا۔

خادم تعظیم بجالائے اور باہر نکل گئے۔ دروازہ کھلا رہ گیا۔

تالیہ نے روئی تھال میں پڑے پیالے میں ڈبوئی' اس پہ پانی جیسا مائع لگ گیا اور پھر اس کے بازو کے اوپری حصے تک لائی۔ وہ جو ادھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا' کندھا پیچھے کیا۔ تالیہ نے محض سیاہ آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''مجھے زخم کو دیکھنے دیں۔'' انگریزی میں زیرلب بولی۔ گویا منت کی۔

''تمہیں زخموں کا کیا پتہ؟''

''سنگاپور کی ایک امیر بیوہ کو لوٹا تھا میں نے۔ اس کی نرس بن کے گئی تھی۔ وہ ایکسیڈنٹ میں زخمی ہوئی تھی۔'' اس نے فاتح کے بازو کو دیکھتے اب بھیگی روئی زخم پہ رکھی تو اس نے (سس) کر کے آنکھیں موندیں۔

''کیا چرایا تھا اس سے؟''

''زیور۔ اور کچھ نقدی۔ مگر جتنی خدمت اس کی میں نے کی' وہ میرا حق بنتا تھا۔ اس لئے تھوڑا بہت یہ کام آتا ہے مجھے۔''

''وقت کے اس پار زخموں کی دیکھ بھال کے طریقے مختلف ہوتے ہیں' حالم!''

وہ جو روئی سے آہستہ آہستہ زخم صاف کر رہی تھی' بے اختیار ہاتھ روک کے اسے دیکھنے لگی۔

''اتنے دن بعد میرا یہ نام کیسے یاد آیا آپ کو' تو انکو؟''

''جیسے تمہیں اتنے دن بعد اپنا پرانا کام یاد آیا۔'' وہ ماتھے پہ شکنیں لئے' آنکھیں میچے ہوئے تھا۔ بازو پہ سرخ لکیروں کی صورت لمبے لمبے کٹ پڑے تھے۔ تالیہ آہستہ آہستہ بھیگی روئی سے ان کو صاف کرنے لگی۔

''آپ تو کہتے تھے آپ کسی سے نہیں ڈرتے۔ راجہ کے سامنے کھڑے ہونے کے لئے تیار ہیں۔ اب ان زخموں سے تکلیف کیوں ہو رہی ہے؟''

فاتح نے آنکھیں کھول کے مصنوعی خفگی سے اسے دیکھا۔

''تکلیف تو سب کو ہوتی ہے۔''

''ڈر بھی سب کو لگتا ہے اور کسی کا ساتھ بھی سب کو ہی چاہیے ہوتا ہے۔ آپ بھی جتنے بہادر اور مضبوط بن جائیں' فاتح صاحب' فطری جذبات سے نہیں بھاگ سکتے آپ!'' وہ پلکیں زخم پہ جھکائے کہہ رہی تھی۔ وہ چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

''تم جلدی آ گئیں۔ حالانکہ تمہیں ادھر رہنا تھا اور ایڈم کو واپس آنا تھا۔''

''آپ کو میری ضرورت تھی۔ اسی لئے آ گئی۔'' فاتح نے ہلکا سا سر جھٹکا مگر پھر بات بدل دی۔

''جزیرہ مل گیا تھا؟''

''اور سونا بھی۔ ایڈم وہ سب ساتھ لے کر ہی آئے گا۔'' وہ اب دھیمی آواز میں تفصیلات بتا رہی تھی۔

''گڈ۔ ہر چیز پلان کے مطابق جا رہی ہے۔''

''سوائے آپ کی گرفتاری اور اس قید کے۔'' اس نے روئی رکھی اور مرہم سے بھرا پیالہ اٹھایا۔ پھر انگلی اس میں ڈبوئی اور کندھے پہ دوا لگانا شروع کی۔ ٹھنڈے مرہم کے زخم پہ لگتے ہی وہ (سس) کراہا مگر ضبط کر گیا۔

''تو تم آ گئی ہونا۔ مجھے چھڑوا لو گی۔''

''نہیں۔ راجہ کو ملکہ نے ہمارے نکاح کا بتا دیا ہے' وہ اب آپ سے کسی قسم کی رعایت نہیں برتے گا۔ سپاہی میرا حکم نہیں مانیں گے۔''

''پھر؟'' اس نے تشویش سے ابرو اٹھائے۔ ''آخری مرحلے کے لئے میرا آزاد ہونا ضروری تھا۔''

''تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔ پلان اے ناکام ہو جائے تو پلان بی ہے نا۔''

''اور پلان بی کا کیا؟''

''تالیہ کے پلانز ہیں۔ تالیہ کی مرضی!'' وہ توجہ سے دھیرے دھیرے دوا لیپ رہی تھی۔

کوٹھڑی میں خاموشی چھا گئی۔ باہر کون سا پہر ہوا تھا' اندر ہمیشہ اندھیرا ہوتا تھا۔ ایسے میں دیوار پہ نصب مشعلوں کے شعلے مدھم روشنی بکھیرے ہوئے تھے۔

اس کے ہاتھ پہ بھی ضرب لگی تھی اور ہتھیلی کے اندر کی طرف بڑا سا کٹ لگا تھا۔ تالیہ نے اس کی ہتھیلی اپنے ایک ہاتھ پہ پھیلائی' اور پھر بھیگی روئی سے ہتھیلی پہ لگی خون کی لکیر صاف کی۔

''تم واپس جا کے کیا کرو گی؟'' وہ اس کی جھکی پلکیں دیکھ کے پوچھنے لگا تو انداز نرم تھا۔

تالیہ نے چہرہ نہیں اٹھایا۔ بس مگن انداز میں اس کی ہتھیلی سے خون کے دھبے صاف کرتے ہوئے بولی۔ ''میں اپنی وہ دولت جس کو میں نے محنت سے نہیں کمایا....''

''یعنی ساری دولت....''

''....اس کو میں اپنے پاس نہیں رکھوں گی۔ فارغ وقت میں پینٹنگز بناؤں گی۔ جائز کمائی کروں گی' اور خوش رہوں گی۔ شاید کسی دوسرے ملک چلی جاؤں۔ آپ تو ظاہر ہے جاتے ساتھ ہی مجھے چھوڑ دیں گے۔''

''ہاں' ظاہر ہے۔'' اس نے عام سے انداز میں کہا۔ تالیہ کے ہاتھ لمحے بھر کو بھی نہیں تھمے۔ وہ زخم صاف کرتی رہی۔

بس اس وقت اس کو کمزور نہیں پڑنا تھا۔ اس تعلق پہ رونے کے لیے عمر پڑی تھی۔

''آپ کیا کریں گے؟''

''میں واپس جا کے ایک دنیا کو وضاحت دیتا رہوں گا کہ یہ چار ماہ میں نے کہاں گزارے۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''چار ماہ!'' تالیہ نے گہری سانس لی۔ ''چار ماہ بیت گئے! لیکن....'' وہ چونکی۔ ''اگر وقت رک گیا ہو تو؟''

''اور اگر نہ رکا ہو تو؟ ہمیں ہر شے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ سس۔'' وہ ہاتھ پہ دوا لگا رہی تھی اس لئے اس کے لبوں سے سسکاری نکلی۔ آنکھیں بھی تکلیف سے میچیں۔ تالیہ نے رک کے اسے دیکھا۔ ''ایک بات پوچھوں۔'' اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے بولی۔ ''آپ کا والٹ کہاں گیا؟''

''موبائل' والٹ' جوتے' ہر چیز جنگل میں کھو گئی تھی جب ہمیں گرفتار کیا گیا تھا۔''

''آپ کا والٹ میرے پاس ہے۔ گر گیا تھا تو میں نے اٹھا لیا۔ دینا بھول گئی۔''

وہ چونکا' پھر اسے دیکھ کے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

''اور تمہیں تو بھول کے چیزیں اٹھانے کی بہت عادت ہے۔''

اس نے مسکراہٹ دبا کے شانے اچکائے۔ پھر دوا کا پیالہ رکھ دیا اور پٹی اٹھا لی۔

''اس کے اندر ایک زپ لاک بیگ میں مکئی کے چند دانے تھے۔ ٹوٹے پھوٹے پرانے پاپ کارن۔ آپ نے انہیں کیوں رکھا ہوا ہے سنبھال کے؟'' وہ اب پٹی اس کے ہاتھ پہ باندھ رہی تھی۔ جواب نہیں آیا تو سر جھکائے کام کرتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے' نہ بتائیں۔ ویسے بھی میں ہوں تو آپ کی بس ایک ادنیٰ سی کارکن۔ تالیہ دی فین گرل۔ اس لئے....''

''وہ آریانہ کے تھے۔'' تالیہ نے چونک کے سر اٹھایا۔ پٹی کا بل دیتے ہاتھ وہیں تھم گئے۔

وہ اسی کو دیکھ رہا تھا مگر اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آواز بھی دھیمی ہو گئی تھی۔

''جس دن آریانہ کھوئی تھی' وہ انہیں کھا رہی تھی۔ جب میں اس کی تلاش میں پہاڑیوں کی طرف دوڑا تو مجھے وہ نظر آئے تھے۔ وہ اغوا کاروں کی نشاندہی کے لئے پاپ کارن گراتی گئی تھی تاکہ ہم ان کی مدد سے اسے تلاش کرلیں۔''

''اسے فیری ٹیلز پسند تھیں!'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ پھر چونکی۔ ''لیکن آپ نے تو پریس میں کہا تھا کہ آریانہ کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ سب

کو ہی معلوم ہے کہ اسے صوفیہ رحمٰن نے اغوا کروا کے غائب کر دیا تھا۔ مسز عصرہ تو ٹی وی پہ برملا کہتی ہیں کہ ان کی بیٹی کسی اچھے گھرانے کو ہی ملی ہوگی کیونکہ ان کو واپس نہیں ملی مگر...‘‘ اس کی آنکھیں وان فاتح کی زخمی آنکھوں پہ ٹھہر گئیں۔ ’’مگر.... کیا آپ کو پاپ کارن ملے تھے؟‘‘

وہ خاموش رہا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ وہ پلک تک نہ جھپک پا رہی تھی۔

’’تو انکو.... آپ کو.... وہ مل گئی تھی‘ ہے نا؟‘‘ اس کو اپنی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ فاتح نے ہلکا سا سر کو خم دیا۔

’’وہ جہاں مجھے ملی تھی‘ اس کے پاس سے مجھے یہ پاپ کارن ملے تھے۔ کچھ کو میں نے سنبھال لیا۔ کچھ مجھ سے کھو گئے۔‘‘

’’اور آریانہ؟‘‘ اس کا سانس اٹکا ہوا تھا۔ ’’آپ کی بیٹی؟‘‘

’’وہ مر چکی تھی‘ تالیہ۔ میں نے اسے وہیں دفنا دیا اور میں واپس چلا آیا۔‘‘ وہ گہری سانس لے کر بولا اور وہ اگلا سانس نہیں لے سکی۔

’’مسز عصرہ کو معلوم ہے؟‘‘ بہت دیر بعد وہ بول پائی۔

’’میں نہیں بتا سکا اسے۔‘‘

’’مگر کیوں؟‘‘ وہ دنگ رہ گئی۔

’’مجھے جو درست لگا‘ میں نے وہ کیا۔ اس وقت میں اپنی بیٹی کی موت کو سیاسی ایشو نہیں بنا سکتا تھا۔ ہم خاندان کو سیاست سے الگ رکھنے والے لوگ ہیں۔ بہت سے لوگ خود ہی سمجھ گئے کہ وہ زندہ نہیں ہوگی۔‘‘ وہ ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا۔ اسے تکلیف ہو رہی تھی۔

’’نہیں۔ مسز عصرہ کو نہیں معلوم تو کسی کو نہیں معلوم۔ آپ ان کو تو بتا سکتے تھے۔‘‘

’’کیسے بتاتا؟ اور اگر بتاتا تو وہ لاش دیکھنے کی ضد کرتی۔ میں اپنی آریانہ کی وہ حالت کسی کو نہیں دکھا سکتا تھا۔‘‘ اس کی آواز تیز ہوئی۔

’’اور عصرہ بالکل ٹوٹ جاتی۔ اس لئے میں نے اس کو ایک امید تھما دی۔ کم از کم وہ Stable تو رہے گی۔ اسے سکون تو رہے گا۔‘‘

’’ماں کو سکون کیسے آ سکتا ہے بھلا؟ آپ کو انہیں بتانا چاہیے تھا۔ مر جانے والے کا سکون کھو جانے والے سے جلدی آ جاتا ہے۔‘‘ وہ شکوہ کرنے لگی۔ پٹی لپیٹتے ہاتھ وہیں اس کے ہاتھ کے اوپر ٹھہرے ہوئے تھے۔

’’عصرہ کو نہ آتا۔ وہ ایک مثبت عورت نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ منفی رہتی ہے۔ میں اس کو مزید منفی پن سے بچانا چاہتا تھا۔‘‘

’’یا شاید آپ کو یہ ڈر تھا کہ وہ آپ کو الزام دیں گی۔ کیونکہ آپ کی سیاست نے یہ دن دکھایا تھا۔ اسی لئے اس روز پارٹی پہ وہ مجھے کہہ رہی تھیں کہ (اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ چار ماہ پہلے کی شام بدقت یاد آئی۔) کہ آریانہ کے بعد انہوں نے سیاست میں حصہ لینا چھوڑ دیا۔ لیکن اگر آپ نے پہلے نہیں بتایا تو اب بتا دیں۔‘‘

’’کبھی بھی نہیں۔‘‘ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ آنکھوں سے وہ چیز چلی گئی اور پہلے جیسی سنجیدگی واپس چھا گئی۔ ’’ہماری شادی پہلے ہی بہت پیچیدہ ہو چکی ہے‘ میں اس میں مزید پیچیدگیاں نہیں بھر سکتا۔‘‘

''آپ کی شادی پیچیدہ ہے؟'' وہ چونکی۔ ''کیا آپ دونوں کے درمیان مسئلے چل رہے ہیں؟''

''اس بات کو جانے دو۔ اور ہاں....'' اس نے بات بدلی۔ ''میں نے تمہارے باپا کو بتایا تھا کہ تم اس دنیا میں چور تھیں۔ اور مجھے وہ سب کہتے ہوئے اچھا نہیں لگا۔''

''مگر وہ پلان کا حصہ تھا۔ میں نے خود ہی آپ سے کہا تھا کہ ان کو بتا دیجئے گا تا کہ وہ آپ پہ بھروسہ کریں۔''

''لیکن تم.... اپنے باپ سے اپنا معاملہ درست کر لو تو اچھا ہو گا۔''

''اس کا وقت گزر چکا۔'' وہ بات کاٹ کے بولی۔ ''ویسے بھی ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا اگر میں کسی سمندری سفر پہ جا کے کبھی واپس نہ آؤں۔'' پھر وہ ہلکا سا ہنسی۔ ''یہ جھوٹ کیوں بولا آپ نے میرے انجام کے بارے میں؟'' وہ پٹی لپیٹ کے گرہ دیتے ہوئے بولی۔ ''ایسی بے کار بات کہنے کی کیا ضرورت تھی؟''

وہ خاموشی سے اس کی جھکی نظریں دیکھے گیا' پھر نگاہیں پھیر لیں۔ گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

''تم مجھے یہاں سے نکالنے کی فکر کرو۔ باقی باتیں چھوڑو۔'' موضوع بدل دیا تو اس نے مسکرا کے پٹی کی گرہ لگائی اور تھال سے رومال اٹھا کے ہاتھ پونچھے۔

''جیسا کہ میں نے کہا.... تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''

اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ مدھم روشنی میں بھی اس کی چمکتی آنکھیں واضح دکھائی دیتی تھیں۔

فاتح نے بس مسکرا کے اسے دیکھا۔ زخمی قیدی کے جسم پہ جا بجا پٹیاں بندھی تھیں اور رنگت زرد ہو رہی تھی لیکن پھر بھی وہ مسکرا رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

ابو الخیر کی حویلی کے احاطے میں غلام معمول کے مطابق کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ سامان کندھوں پہ اٹھائے سوکھے سڑے نقاہت زدہ اجسام کے مالک غلام ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ پھر سے کوئی تعمیراتی کام شروع تھا اور وہ جانوروں کی مانند مشقت میں لگے تھے
۔

حویلی کے اندر دیوان خانے میں بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں جن کے پردے ہٹے تھے اور خوب ساری روشنی اندر آ رہی تھی۔ سامنے خوبصورت مسہریاں رکھی تھیں جن میں سے ایک پہ ابو الخیر بیٹھا غور سے سامنے براجمان مراد راجہ کو دیکھ رہا تھا۔

مراد بظاہر پر سکون نظر آتا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' روشن کھڑکیوں کو دیکھتے ہوئے مسلسل ناخن سے تھوڑی کو رگڑتا ہوا.... مگر جب سے وہ آیا تھا فضا میں ایسا تناؤ گھل گیا تھا کہ ابو الخیر کو بھی اب تجسس ہونے لگا تھا۔

''راجہ.... سب ٹھیک تو ہے نا؟''

''بندا ہارا تمہارے مہمان خانے پہ آیا ہے تو ظاہر ہے سب ٹھیک نہیں ہے۔'' مراد نے ابرو بھینچ لئے اور ناخوشی کے عالم میں کہنے لگا۔

''عجیب مشکلات آن پڑی ہیں۔''

ابوالخیر آگے کو ہوا۔ چہرے پہ تشویش ابھری۔

''راجہ.... آپ ہر مشکل میں مجھے اپنے ساتھ پائیں گے۔ بتائیے۔ کیا بات ہے۔''

''میں نے تمہیں جب وزیرِ خزانہ بنوایا تھا اور ملاکہ میں امان دی تھی حالانکہ تم پچھلے سلطان کے حامی تھے تو میں نے ایک عہد لیا تھا تم سے۔''

''مجھے یاد ہے' راجہ۔ آپ نے کہا تھا کہ اگر میں سلطان سے زیادہ آپ کا وفادار ہو جاؤں تو وقت آنے پہ آپ سلطان سے زیادہ مجھ سے وفا نبھائیں گے۔''

''اور وہ وقت آ گیا ہے' ابوالخیر۔'' مراد بھی آگے کو جھکا اور آواز دھیمی کی۔ ''ہمیں مرسل شاہ کا تخت الٹنا ہے۔''

کمرے میں ایک دم گھنا سناٹا چھا گیا۔ ابوالخیر نے بے یقینی سے ابرو اٹھایا۔ ''لیکن مرسل شاہ تو ہماری مرضی کے مطابق کام کر رہا ہے۔''

''کبھی تاریخ کی کتابیں پڑھو تو جانو گے کہ دنیا کے عظیم حکمران.... جو شاطر سے شاطر دشمن کے سامنے بھی سیسہ پلائی دیوار بن جاتے تھے.... جن کے پہاڑ جیسے ارادوں سے مکار دشمن مات کھا جاتا تھا.... اپنی ساری عقل و سمجھ کے باوجود.... ایک وقت آتا تھا جب وہ کسی عورت کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے تھے۔ عورتوں کے فریب سے کسی کو پناہ نہیں' ابوالخیر۔ ملکہ یان سوفو اور شہزادی تاشہ.... یہ دونوں مرسل شاہ کو اپنے اپنے فریب میں الجھا کے اسے ہمارے لئے ناکارہ بنا رہی ہیں۔''

''لیکن شہزادی کی تو شادی ہونے والی ہے سلطان سے۔'' وہ متعجب ہوا۔

''اور اگر نہ ہو سکی تو مرسل میرے خون کا پیاسا ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں تم میری مدد کرو گے۔''

''میں آپ کے ساتھ ہوں' راجہ! لیکن....'' وہ رکا اور سوچنے والے انداز میں داڑھی کھجائی۔

''لیکن مجھے کیا ملے گا' راجہ؟ میری آپ سے وفاداری کا انعام؟''

مراد راجہ اٹھا' اور قبا کو ہلکا سا جھٹکا دے کے درست کیا۔ ''جس دن میں سلطان بنا' تم میرے بنداہارا ہو گے! اور وہ دن بہت سا خون بہانے کا دن ہو گا۔''

ابوالخیر زیرِ لب مسکرایا اور ساتھ ہی کھڑا ہوا۔ ''میں آپ کے ساتھ ہوں' راجہ۔ بہت سے صوبوں کے گورنر بھی میرے ساتھ ہوں گے۔ آپ جب حکم دیں گے' ساری فوجیں آپ کے ساتھ آ کھڑی ہوں گی۔''

اب وہ دونوں کھڑکی سے آتی روشنی کے ہالے میں کھڑے تھے۔

تیز چمکتی دھوپ کا ہالہ جو جہنم کی آگ جیسا دہک رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

وانگ لی کا قہوہ خانہ "جیا" اس دوپہر کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ وسیع ہال کمرے میں کرسیاں میزیں اور فرشی نشستیں لگی تھیں اور غلام بیٹھے کھانا کھانے میں مشغول تھے۔ وہ باتیں کرنے کی بجائے تیز تیز نوالے منہ میں ڈال رہے تھے۔

تبھی قہوہ خانے کا دروازہ کھلا تو چوکھٹ سے بہت سی روشنی اندر آئی۔ چند ایک لوگوں نے سر اٹھا کے دیکھا تو وہاں چغہ پہنے 'سر پہ ٹوپی جمائے ہیولہ سا نظر آیا۔ چونکہ وہ دھوپ میں کھڑا تھا' اس لئے اس کا چہرہ واضح نہ تھا۔

پھر وہ شخص آگے بڑھنے لگا۔ میزوں کی قطار کے درمیانی راستے پہ قدم قدم چلنے لگا۔ چال سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کوئی نسوانی وجود ہے۔

بہت سی گردنیں مڑیں مگر وہ سیدھ میں چلتی آگے آئی۔ اور اس اونچے چبوترے پہ جا کھڑی ہوئی جہاں کبھی وان فاتح کھڑا ہو کے اپنی قوم کے لوگوں کو پکارا کرتا تھا۔

"کیا تم لوگوں نے اس شخص کو بھلا دیا ہے جو تمہیں اپنے لئے کھڑا ہونے کی تلقین کرتا تھا؟" چغے کی ٹوپی پیچھے گرائی تو سنہری بالوں کے ہالے میں دمکتا چہرہ سامنے آیا۔ ماتھے پہ بل تھے اور سیاہ آنکھیں ایک سے دوسرے کی طرف سفر کر رہی تھیں۔

لوگوں کی چہ مگوئیاں دم توڑ گئیں۔ سکوت سا چھا گیا۔ نوالوں والے ہاتھ فضا میں رک گئے۔ نظریں چبوترے پہ کھڑی چغہ پوش سنہرے بالوں والی لڑکی پہ جم گئیں۔

"کیا تمہیں وہ بہادر غلام یاد ہے جو کسی انسان سے نفع نقصان کی امید نہیں رکھتا تھا؟ نہ وہ کسی سے ڈرتا تھا۔"

وہ ماتھے پہ بل ڈالے کہہ رہی تھی اور لوگ یک ٹک اسے دیکھ رہے تھے۔

(تین چاند والے جزیرے کے ساحل پہ ایڈم اور سارے سپاہی اب گروہ کی صورت بیٹھے تھے۔ سب کی نگاہیں بار بار سمندر سے خالی لوٹ آتیں تو بے اختیار ایڈم کی طرف اٹھتیں جو بہت امید سے پانی کو دیکھ رہا تھا۔)

"وہ دلیر غلام تمہارے حق کے لئے آواز اٹھانے بنداہارا کے پاس گیا تھا۔ اس نے بنداہارا سے کہا کہ مسلمان کو غلام نہیں بنایا جا سکتا اس لیے وہ تمام ناجائز غلاموں کو آزاد کر دے۔"

(مراد راجہ اور ابوالخیر ایک نیم روشن کمرے میں میز کے گرد کھڑے تھے۔ میز کی سطح پہ زرد کاغذ والا نقشہ پھیلا رکھا تھا۔ مراد انگلی جگہ جگہ رکھے نئی حکمت عملی سے اسے آگاہ کر رہا تھا۔)

"اور جانتے ہو اس کے ساتھ کیا ہوا؟ اس کو مراد راجہ نے قید کر دیا۔ اور اس کو اتنا مارا کہ اس کی ہر رگ سے خون بہنے لگا۔"

(وان فاتح خاموش اندھیر کوٹھڑی میں دیوار سے لگا بیٹھا' دیوار پہ لگی لکیروں کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے پہریدار کو آواز دے کر وقت پوچھا۔ جواب ملنے پہ اس نے ناخن سے ایک لکیر مزید کھینچی۔ وقت قریب آ پہنچا تھا۔)

"اب تم لوگ مفت کی وہ روٹی توڑ رہے ہو جو اس کی وجہ سے تمہیں ملی تھی۔ کیا تم نے اس کو ایک دفعہ بھی یاد نہیں کیا جو تمہارے لئے اپنی جان خطرے میں ڈال بیٹھا ہے؟"

(غلام اور کنیزیں سلطنت محل کے ایک حصے کو از سر نو سجانے میں مشغول تھے۔ اپنے خاص مشیروں کے ہمراہ سلطان مرسل راہداری میں گھومتا' کمر پہ بازو باندھے' خوش باش سا تیاریوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ حرم شہزادی تاشہ کے لئے آراستہ کیا جا رہا تھا۔)

''اگر وہ مر گیا تو کون تمہارے لئے دوبارہ کھڑا ہوگا؟ کون تمہارے لئے لڑے گا؟ ملاکہ کے لوگو... تم کب تک اپنے مالکوں سے ڈرتے رہو گے؟'' چغہ پوش لڑکی تکلیف سے کہہ رہی تھی اور سب دم سادھے اس کو سن رہے تھے۔

(ساحل کی ریت پہ تھکے تھکے بیٹھے جرنیل نے شکایتی انداز میں ایڈم کو کچھ کہا مگر ایڈم جواب دینے کی بجائے ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ پانی کو دیکھ رہا تھا۔ ان سب نے بھی چونک کے اس طرف دیکھا۔ دور سمندر پہ ایک بحری جہاز کے خدوخال دکھائی دیے تھے۔)

''کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم اپنے خوف دور کر دو اور اس انسان کے لئے کھڑے ہو جاؤ جس کو تمہاری ضرورت ہے؟''

(ساحل پہ موجود سپاہیوں نے جھٹ سے لکڑیوں کو آگ لگا دی۔ شعلے جل اٹھے۔ ڈھلتی شام میں اس جہاز کو اشارہ دیا جانے لگا۔ خود ایڈم سرخ رومال ہاتھ میں لیے لہرانے لگا۔ اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ ملکہ نے وعدہ پورا کیا تھا۔ چینی بحری جہاز پہنچ چکا تھا۔)

''کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ ہوتا ہے؟ کیا اپنا خیال رکھنے والے ساتھی کے لئے تم کوشش نہیں کر سکتے؟''

(جیا سے غلام نکل کے اپنے مالکوں کی حویلیوں کی طرف نہیں گئے تھے۔ وہ جوق در جوق بازاروں میں جا کے کھڑے ہو گئے تھے۔ سر ایک دوسرے کے قریب جوڑے وہ سرگوشیاں کر رہے تھے۔)

''کیا تم اس کے لئے کچھ نہیں کرو گے؟ کیا تم اس کے لئے ویسے جان نہیں مارو گے جیسے اس نے تمہارے لئے ماری؟ کیسے دوست ہو تم لوگ؟''

(غلاموں کی سرگوشیوں نے قدیم ملاکہ کی فضا میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔ مفلوک الحال' چیتھڑوں میں ملبوس جھلسی ہوئی جلد اور سخت چہروں والے غلام ڈھیرے ڈھیرے دور دور سے اکٹھے ہو رہے تھے۔)

''دوستوں کے لئے تو جان تک دے دی جاتی ہے۔ اگر مشکل میں ایک دوسرے کے لئے وقت ہی نہیں نکالنا تو پھر کیسے دوست ہوئے تم؟''

(بنداہارا کا محل کی پہاڑی پہ واقع تھا اور سامنے سڑک تھی جو اونچی ہو کے محل تک جاتی تھی۔ سڑک کے نشیب میں ڈھیرے ڈھیرے لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔ مگر وہ 'لوگ' نہیں تھے۔ وہ غلام تھے۔ مضبوط جسموں والے سخت جان غلام۔)

''اپنے کن مالکوں سے ڈرتے ہو تم؟ ان سے جنہوں نے تمہیں بھوک اور ظلم تلے پیس کے رکھا ہوا ہے؟ مسلمان ہونے کے باوجود غلام بنا رکھا ہے؟ جانتے ہونا' مسلمان کو غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ صرف غیر مسلم جنگی قیدی غلام بنتے ہیں۔''

(بنداہارا کے محل کے سامنے جمع لوگوں کے ہاتھوں میں کوئی ہتھیار نہ تھا۔ ان کے لب خاموش تھے۔ ان کی آنکھیں شکایتی تھیں۔ وہ پس چاروں سمت سے آتے اس مقام پہ بیٹھ رہے تھے جہاں سے سڑک اونچی ہو کے محل تک جاتی تھی۔ سپاہی مستعد ہو گئے مگر قدرے الجھی

گئے۔ سامنے سڑک پہ بیٹھے بے ضرر لوگوں پہ وہ حملہ کرتے بھی تو کیسے؟)

''اگر آج تم اپنے ساتھی کے لئے نہیں کھڑے ہوئے تو کل کو تم میں سے ایک ایک کو مرادراجہ اٹھا کے اپنے قید خانے میں ڈال دے گا۔ ڈرو اس وقت سے۔''

(غلام کسی کو کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔ وہ بس زمین پہ اکڑوں بیٹھے' گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے' خاموش نظروں سے اوپر محل کو دیکھ رہے تھے۔)

''اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کرو اور وان فاتح کے لئے آواز بلند کرو۔ میں مرادراجہ کی بیٹی تاشہ بنت مراد ہوں اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں کوئی سپاہی نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

(مرادراجہ نے کھڑکی سے ان غلاموں کو وہاں بیٹھے دیکھا۔ ہر پل ان کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ جیا میں جس غلام نے ایک دفعہ بھی مفت کھانا کھایا تھا' وہ وان فاتح کے لئے ادھر آ کے بیٹھ گیا تھا۔)

''میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے مالک بھی تمہیں نقصان نہیں دے سکیں گے۔ کیونکہ تم حق کے ساتھ ہو۔ حق کے لئے کھڑے ہونے والوں کا ساتھ ہمارا رب تعالیٰ دیتا ہے۔''

(سپاہی بے بسی سے کبھی دور بیٹھے اس خاموش ہجوم کو دیکھتے' کبھی گردنیں اوپر کر کے کھڑکی میں کھڑے مرادراجہ کو جس کا چہرہ سرخ دہک رہا تھا۔ سپاہیوں کے ہاتھ میان پہ تھے مگر دونوں اطراف سے کوئی بھی حملے کا عندیہ نہیں دے رہا تھا۔ عجیب ہیجان سا ہیجان تھا۔)

''کیونکہ اگر آج تم نے مرادراجہ سے اس ظلم کا حساب نہ لیا تو اس کا ہاتھ نہیں رکے گا۔ خود کو کمزور سمجھنا چھوڑ دو۔''

(وہ مظلوم' کمزور لوگ چپ چاپ بیٹھے اوپر محل کی کھڑکیوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں نہ نفرت تھی' نہ غصہ' نہ انتقام کی آگ۔ صرف شکوہ تھا۔ وہ بلی جیسی معصوم شاکی آنکھیں تھیں جو مرادراجہ کی کھڑکیوں پہ لگی تھیں۔ اس نے زور سے کھڑکی کے پردے بند کیے اور مڑا تو پیچھے تالیہ کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وہ سب تھا جو غلاموں کی آنکھوں میں نہ تھا۔)

''تم کمزور نہیں ہو۔ تم اس شہر کے سب سے طاقتور لوگ ہو۔ تمہیں اٹھنا ہے اپنے ساتھی کے حق کے لئے۔ تمہیں اٹھنا ہے ظلم کے خلاف۔''

(سرخ نشان والا بحری جہاز ساحل پہ لنگر انداز تھا۔ سپاہی صندوق اٹھا اٹھا کے اندر رکھ رہے تھے۔ ایڈم بن محمد عرشے پہ کھڑا مسکراتا ہوا ان کو دیکھ رہا تھا۔ ہوا سے اس کے چغے کی ٹوپی گر گئی تھی اور بال ماتھے پہ بکھر آئے تھے۔ مگر اسے وہ تازگی بھری ہوا اچھی لگ رہی تھی۔)

''اور تم یہی سوچ رہے ہو نا کہ تم لوگ آخر کیا کر سکتے ہو؟ تو میں تمہیں بتاتی ہوں کہ کس طرح تم مرادراجہ کے سارے محل کو ہلا کے رکھ سکتے ہو۔ نہ کسی تیر سے نہ تلوار سے۔ صرف اپنی ایک چپ سے۔''

☆☆=========☆☆

مراد نے کھڑکی کا پردہ زور سے جھٹکا اور تیوریاں چڑھائے پلٹا تو سامنے تالیہ کھڑی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ سرد نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا خوبصورت منظر ہے' بابا۔''

''تم نے.....تم نے کیا ہے یہ سب؟ تین دن شہر کے قہوہ خانوں میں جا کے میرے خلاف بولتی رہی ہو تم۔'' مراد دانت پیس کے غصے سے بولا تو تالیہ نے کندھے اچکائے۔

''اس سے فرق نہیں پڑتا کہ میں نے کیا کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اب آگے کیا ہونے جا رہا ہے۔''

''ہٹاؤ ان لوگوں کو یہاں سے۔ ابھی اسی وقت۔'' وہ سرخ بھبھوکا چہرے کے ساتھ بولا۔

''میں تو ان کو نہیں ہٹا سکتی۔ یہ اپنی مرضی سے آئے ہیں' اپنی مرضی سے جائیں گے۔''

''ہٹاؤ ان کو ورنہ محل کی چھت پہ بیٹھے تیرانداز ان کو چھلنی کر دیں گے۔''

''کن کو چھلنی کر دیں گے؟ ان غلاموں کو جو شہر کے روساء اور امراء کے سارے کام کرتے ہیں؟ ایسی غلطی مت کیجئے گا بابا۔ کیونکہ آج دوپہر سے ملاکہ کی اکثر اونچی حویلیاں خالی ہو چکی ہیں۔ مالک پریشان ہیں اور غلام غائب ہیں۔'' وہ چبا چبا کے کہہ رہی تھی۔ ''غلام ہر معاشرے کا سب سے اہم رکن ہوتا ہے' بابا۔ ارے آپ حکمران لوگ تو ہل کے پانی نہیں پی سکتے۔ ایسے میں یہ لوگ اگر بنا بتائے اپنی حویلیاں چھوڑ دیں تو سارے امراء گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔''

''میں ان بے وقوف نیچ لوگوں سے نہیں ڈرتا۔ کتنی دیر بیٹھ سکتے ہیں یہ یہاں؟ ہاں؟''

''آپ بھول گئے ہیں۔ یہ غلام ہیں۔ عام عوام نہیں۔ ان کو کئی کئی دن کھانا نہیں ملتا۔ ان سے سخت سے سخت موسم میں بھی کام کروایا جاتا ہے۔ بھوک اور موسم کی سختی ان پہ اثر نہیں کرتی۔ یہ تب تک یہاں بیٹھیں گے جب تک آپ وان فاتح کو کرسی پیش نہیں کرتے۔''

''میں...ان سے...نہیں ڈرتا۔'' وہ بےبسی بھرے غصے سے مٹھیاں بھینچ کے بولا۔ تالیہ نے پھر شانے اچکائے۔

''مگر آپ روساء اور امراء سے ڈرتے ہیں جو بھی اپنے غلاموں کی خبر لینے یہاں پہنچ جائیں گے۔ سب پوچھیں گے کہ آخر وان فاتح کون ہے؟ سلطان تک بھی خبر جائے گی۔ وہ بھی شک میں پڑ جائے گا کہ اس غلام کو قید کیوں کیا گیا تھا آخر؟ کیا جواب دیں گے سب کو؟ یہی کہ اس نے شہزادی تاشہ سے نکاح کر لیا تھا اس لئے؟''

''تم!'' مارے ضبط کے مراد نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''وقت کم ہے' بابا۔ اور وقت ہی سارے مسئلوں کا حل ہے۔ وان فاتح کو کرسی پیش کریں اور اس سے پوچھیں کہ وہ کیا چاہتا ہے۔'' پھر بازو سینے سے ہٹائے اور سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔ ''راجہ!'' اور مسکرا کے مڑ گئی۔

مراد راجہ خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔

41

کھڑکی تلے دور نیچے بیٹھے غلاموں کے ہجوم کی خاموشی اس کے کانوں میں صور کی صورت گونج رہی تھی۔

☆☆========☆☆

ملاکہ کی بندرگاہ پہ سرخ جھنڈے والا بحری جہاز لنگر انداز ہو چکا تھا۔ سمندر دوپہر کے اس وقت پرسکون لگتا تھا۔ پانی دھوپ میں چمک رہا تھا اور بندرگاہ پہ روانہ ہوتے قافلوں کا شور معمول کے مطابق تھا۔

ایسے میں چینی بحری جہاز کے عرشے کے اوپر ایڈم بن محمد کھڑا تھا۔ دونوں ہاتھ پہلوؤں پہ جمائے' وہ گردن اٹھائے دور تک پھیلا ملاکہ شہر دیکھ رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا اس کے بالوں سے سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی۔

اس کے سپاہی عقب میں مستعد سے کھڑے تھے۔ جب وہ ان کو اشارہ کرے گا تو وہ اپنے' صندوق نیچے اتاریں گے' مگر ایڈم کو پہلے خود ایک اشارے کی ضرورت تھی۔ اس کی کھوجتی نگاہیں ایک سے دوسرے سے ہوتیں ہجوم میں الجھی تھیں اور تبھی وہ اسے نظر آ گئی۔

سادہ بھورے رنگ کی باجو کرنگ میں ملبوس' وہ سر پہ مفلر کی طرح دوپٹہ لپیٹے مسکراتی ہوئی بحری جہاز کے زینے چڑھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کے ایڈم بھی مسکرایا۔ اپنی راجھدانی میں ہونے کے باوجود وہ آج سادہ نظر آ رہی تھی۔

ایڈم نے پل بھر کو پلکیں موندیں اور سات دن پہلے کی وہ دوپہر یاد کی جب وہ تینوں جیا کی بالائی منزل کے ہال نما کمرے میں ملے تھے۔ کونے کی میز کے گرد بیٹھے انہوں نے سارا منصوبہ ترتیب دیا تھا۔

"تم دونوں تین چاند والا جزیرہ ڈھونڈو گے اور اس کی طرف جاؤ گے۔ تالیہ... تم اپنے بہترین اور وفادار سپاہی ساتھ لے کر جاؤ گی جن کے خاندان تمہارے پاس محل میں ہوں گے تاکہ وہ خزانہ دیکھ کے تمہیں مارنے کی بجائے بحفاظت واپس لانے پہ مجبور رہیں۔" سفید کرتے پاجامے میں ملبوس وان فاتح سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ درمیان میں نقشہ پھیلا رکھا تھا۔

"جزیرے پہ کچھ تو ہمارا منتظر ہوگا۔" ایڈم کو تشویش ہوئی۔

"جو بھی ہو' تم اس سے لڑنا اور خزانے کو نکال لانا۔ ایڈم کشتی پہ واپس آ جائے گا اور تالیہ وہیں رہے گی۔ جہاز چین سے روانہ ہو چکا ہے وہاں پہنچنے میں چند دن لگیں گے۔ تمہیں صبر سے اس کا انتظار کرنا ہے۔"

"پلان سی!" تالیہ نے کسی شاگرد کی طرح ہاتھ اٹھا کے اجازت مانگی تو دونوں اسے دیکھنے لگے۔

"اگر وہاں جا کے مجھے کوئی برا احساس ہوا تو میں ایڈم کو چھوڑ کے واپس آ جاؤں گی۔"

"مجھے پہلے ہی آپ سے یہی امید تھی کہ آپ مجھے چھوڑ کے آنے کا بہانہ ڈھونڈ رہی ہیں۔" ایڈم خفا ہوا تو تالیہ نے اسے گھورا۔

"میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ جلد یا بدیر راجہ کو وان فاتح کا علم ہو جائے گا۔ ملکہ بھی کوئی حرکت کر سکتی ہے۔ ایسی صورت میں میرا یہاں ہونا زیادہ ضروری ہے۔ ایک دفعہ خزانہ مل جائے تو تمہیں میری ضرورت نہیں ہوگی۔"

"میں اکیلا کیسے.....؟"

''ایڈم!'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔ ''کب تک تم لیڈ ہوتے رہو گے؟ اب وقت آ گیا ہے کہ تم اپنے فیصلے خود کرو اور بڑی بڑی مہموں پہ نکلنا خود سیکھو۔''

ایڈم نے بس ایک خفا نظر تالیہ پہ ڈالی اور پھر فاتح کو دیکھا۔

''اور اگر ملکہ نے جہاز نہ بھیجا تو؟''

''ایڈم ٹھیک کہہ رہا ہے' تو انکو۔ کیا ہمیں اس بات پہ یقین کر لینا چاہیے کہ ملکہ ہماری مدد کرے گی؟''

''بالکل نہیں کرنا چاہیے۔'' وہ اطمینان سے بولا۔ ''ملکہ کا ہم سے کیا رشتہ ہے جو وہ ہماری مدد کرے گی۔'' وہ دونوں اس کی شکل دیکھنے لگے تو وہ توقف سے بولا۔

''مگر ہمیں اتنا یقین ہے کہ ملکہ مراد راجہ کو نقصان پہنچانے کا موقع نہیں گنوائے گی۔ ملکہ ہماری بھی دشمن ہے مگر ہمیں اس کے اوپر اپنے اعتبار کو نہیں ماپنا۔ ہم نے اس کی مراد راجہ سے نفرت کو ناپ کے فیصلے کرنے ہیں۔''

''دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔ میں سمجھ گئی!'' تالیہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''ملکہ ضرور جہاز بھیجے گی اور ہم سارا سونا لے بھی آئیں گے۔ اس کے بعد؟''

''امید ہے تب تک مراد سے میرا تعارف ہو چکا ہوگا۔ اس وقت تک اس کی ساری طاقت ختم ہو چکی ہوگی۔ میں اس کو مجبور کروں گا کہ وہ ہمیں واپس جانے دے۔''

''اور وہ سونا۔'' ایڈم فوراً بولا تو تالیہ نے اسے دیکھا۔

''سونا ملاکہ کے لوگوں کی ملکیت ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں وہ شہر کے سارے غریب لوگوں میں بلا تفریق بانٹ دینا چاہیے تاکہ وہ اس سے اپنی زندگیاں سنوار سکیں۔ میں صحیح کہہ رہی ہوں نا تو انکو۔''

''سونا ملاکہ کے لوگوں کا ہے اور اس کا فائدہ لوگوں کو ہی ملنا چاہیے۔'' اس نے رسان سے کہا تو تالیہ مسکرا دی۔ ایڈم کو بھی سن کے بھلا معلوم ہوا۔

''لیکن سر....'' پھر اسے خیال گزرا۔ ''آپ راجہ کو کیسے مجبور کریں گے کہ وہ ہمیں واپس جانے دیں۔''

''جس دن تم جہاز لے کر واپس آؤ گے' تم خود جان لو گے۔'' اس نے بھی مسکرا کے تسلی دی۔ اور جیا کی وہ پر اسراریت بھری فضا میں ڈوبی دوپہر دھندلی ہوتی گئی۔

''امانت داری سے واپس لے آئے سب کچھ؟'' تالیہ کی بات پہ چونکا۔ وہ اب عرشے تک آ چکی تھی۔ ایڈم سنبھل کے مسکرایا۔ وہ بحری جہاز کے عرشے پہ کھڑا تھا اور تالیہ سیڑھیاں چڑھتی اوپر آ رہی تھی۔

''آپ تو شاید میرا تابوت دیکھنے کی دعا کر رہی تھیں۔''

''اگر تمہارے لئے میری دعائیں پوری ہوتیں تو آج تمہارے جنازے کو چار ماہ بیت چکے ہوتے۔'' وہ اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ عرشے کے کناروں پہ لوہے کی ریلنگ لگی تھی۔ تالیہ نے اسے تھام لیا اور سمندر کے پانی کو دیکھنے لگی۔

''حالات کیسے ہیں؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''جیسے ہم نے سوچے تھے۔ اب بہت جلد مراد راجہ گھٹنے ٹیک دے گا۔''

''شکر۔ اور یہ سارا سونا ہم ملاکہ کے غریبوں میں بانٹ دیں گے۔ مجھے یہ سب کر کے بالکل رابن ہڈ والی فیلنگ آ رہی ہے۔ وہ بھی اسی طرح خوش ہوتا ہوگا۔''

تالیہ ہنس دی۔ ''رابن ہڈ ایک چور تھا۔''

''مگر وہ غریبوں میں اپنی چوری بانٹ دیتا تھا۔ چور چور میں فرق ہوتا ہے۔''

وہ دونوں عرشے کی ریلنگ کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے اور نیچے ایک طرف سمندر پھیلا تھا' دوسری طرف ساحل پہ کشتیوں' ملاحوں اور مسافروں کا ہجوم دکھائی دیتا تھا۔ وہ جواب میں پھر سے ہنسی تو ایڈم بولا۔

''آپ رابن ہڈ کو چھوڑیں' اپنے وان فاتح کی سنائیں۔ آپ کی ضرورت پڑی ان کو یا نہیں؟''

تالیہ نے جواباً بے نیازی سے شانے اچکائے۔ ''شہزادی جیسی تاشہ نے ایک غلام سے شادی کی تھی اور اسے آزاد کر دیا تھا۔ سو میں نے بھی انہیں آزاد کروا ہی دیا۔ تقریباً۔'' پھر چونکی۔ ''تاشہ کی نظم!'' کچھ یاد آیا۔ ''وہ تو میں نے لکھی ہی نہیں۔''

''وہ جو آپ نے خواب میں سن ہاؤ کے گھر لکھی دیکھی تھی۔''

''ہاں وہی۔ وہ تو میں نے ابھی لکھنی تھی۔''

''تو جا کے لکھ لیں۔''

تالیہ نے پھر گومگوں نظروں سے اسے دیکھا۔ ''مگر ضروری تو نہیں کہ وہ نظم میں نے ہی لکھی ہو۔ اور کیا ضرورت ہے مجھے اسے لکھنے کی۔''

''درست کہا۔ جو تاریخ میں ہو چکا ہے' وہ کسی وجہ سے ہوا ہے۔ آپ زبردستی حالات کا رخ نہیں موڑ سکتیں۔'' پھر وہ ساحل کی طرف دیکھنے لگا جہاں چینی فوجیوں کا قافلہ آتا دکھائی دے رہا تھا۔ ان کے ہمراہ گھوڑا گاڑیوں کی ایک قطار تھی۔ ایڈم نے گہری سانس لی۔

''آخری مرحلہ شروع ہو چکا ہے۔'' تالیہ نے چونک کے اس طرف دیکھا۔

ایڈم اب سپاہیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اسے بہت سی ہدایات جاری کرنی تھیں۔

☆☆=========☆☆

عصر کا وقت ہوا تو بندا ہارا کے محل پہ ٹھنڈی چھایا اتر آئی۔ دیوان خانے کی اونچی کھڑکیوں کے پردے ہٹے تھے اور اندر ایک میز کے گرد دو کرسیاں رکھی دکھائی دیتی تھیں۔ دونوں خالی تھیں۔

مراد راجہ دیوار سے ٹیک لگائے ہاتھ میں ننھا سا حقہ تھامے کھڑا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ حقے کی نال لبوں میں دباتا اور گڑ گڑاہٹ سے تمبا کو اندر کھینچتا۔ پھر نال ہٹا کے منہ سے دھواں باہر نکالتا۔ دھوئیں کے مرغولے بنتے ہوئے فضا میں تیرنے لگتے۔ وہ بظاہر پرسکون لگتا تھا مگر کبھی کبھی چہرے پہ اضطراب دکھائی دینے لگتا جسے وہ مسلسل چھپانے کی سعی کر رہا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور دو سپاہی وان فاتح کے ہمراہ اندر داخل ہوئے۔ اس نے اب پاجامے پہ خاکی کرتا پہن رکھا تھا۔ آستین پورے تھے اور ہاتھ کی پٹیاں نظر آتی تھیں۔ کنپٹی کے زخم اور سر کے زخم پہ لیپ شدہ دوا سوکھ چکی تھی۔ کوئی زنجیر نہیں، کوئی ہتھکڑی نہیں۔

اس کے چہرے کے تاثرات ہموار تھے۔ پرسکون۔ ٹھنڈے۔ سپاہی چلے گئے تو اس نے بس نگاہیں گھما کے اس خالی خالی سے کمرے کو دیکھا، پھر نظر کرسی میز پہ ٹھہری۔ لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''ہماری دنیا میں جب کوئی مذاکرات کرنے پہ راضی ہو جائے تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں میز پہ آمنے سامنے بیٹھنے کو تیار ہے۔''

وہ محظوظ سا بولا۔ مراد راجہ نے کھڑکی سے ٹیک لگائے، شکاری نظریں اس پہ جمائے، حقے کا کش لیا اور حقہ کھڑکی کی منڈیر پہ رکھا۔ پھر سر کے خم سے اشارہ کیا۔

''کرسی حاضر ہے۔ تم بیٹھو۔''

فاتح نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ پیشکش قبول کی اور کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ پھر ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ ''تم بھی بیٹھو، راجہ۔''

''تمہارے بیٹھنے کی بات ہوئی تھی، میرے نہیں۔'' وہ وہیں ٹیک لگائے کھڑا رہا۔

''اوہ۔ تم مجھے اپنے برابر کا نہیں سمجھتے۔ خیر۔'' اس نے سادگی سے شانے اچکائے۔ اس کی چھوٹی خوبصورت آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔

''اس ہجوم کے بارے میں تو سن لیا ہوگا تم نے۔'' مراد راجہ نے کھڑکی سے نیچے نظر آتے لوگوں کی طرف اشارہ کیا تو کرسی پہ بیٹھے فاتح نے سر کو خم دیا۔

''میں ایک عرصہ ان لوگوں کو ان کے اپنے لئے کھڑا ہونے کی ترغیب دیتا رہا، مگر کمزور لوگ شاید اپنے لئے کھڑے نہ بھی ہوں تو اس کے لئے ضرور ہوتے ہیں جس سے وہ محبت کرتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ کم از کم یہ لوگ کھڑے تو ہوئے۔''

مراد نے حقہ اٹھایا اور غور سے دور بیٹھے فاتح کی آنکھوں میں دیکھا۔

''ان لوگوں کو یہاں سے بھیجنے کا کیا لوگے؟''

''یقیناً ان کے مالک تمہیں تنگ کر رہے ہوں گے۔ جلد سلطان کو خبر ملنے والی ہوگی۔ لیکن یہ لوگ تمہارا مسئلہ نہیں ہیں۔ تمہارا مسئلہ آج دوپہر ملاکہ کی بندرگاہ پہ لنگر انداز ہوا ہے۔''

مراد چونکا۔ ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ ''کیا مطلب؟''

''ہم نے تین چاند والا جزیرہ ڈھونڈ لیا ہے' اور تمہارا پالتو وحشی درندہ مار کے تمہارا خزانہ بحفاظت ملاکہ لے آئے ہیں۔''

مراد لمحے بھر کو ششدر رہ گیا۔ پلک تک نہ جھپک سکا۔

''وہ خزانہ چینی بحری جہاز پہ آیا ہے۔ اور اسے چینی سفارتخانے بھیجا گیا ہے۔ بظاہر وہ چین سے آئے قرضے کے سکوں سے بھرے صندوق ہیں لیکن ان میں سے اکیس صندوق تمہارے ہیں۔''

مراد ایک دم تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا' مگر پھر رک گیا۔

''یہی سوچ کے رکے ہو نا کہ چینی سفارتخانے پہ حملہ نہیں کروا سکتے تم! میں نے بھی یہی سوچ کے چینی جہاز میں سامان لانے کو کہا تھا۔ بالفرض تم چینی سفارتخانے پہ حملہ کروا بھی دو تو اپنی فوج اور سلطان کو کیا وجہ بتاؤ گے؟ تم خزانے کی حقیقت کھولنے کے متحمل نہیں ہو۔''

مراد کے قدم زنجیر ہو گئے۔ وہ کمرے کے وسط میں مجسمے کی طرح کھڑا فاتح کو دیکھنے لگا' اس حالت میں کہ اس کی رنگت متغیر ہو رہی تھی۔

''یان سوفو... وہ تمہارے ساتھ شریک تھی۔ ہے نا!'' اسے سارا کھیل سمجھ میں آ رہا تھا۔

''آگے کا سوچو' راجہ۔ اگر تم ہر خطرہ مول لے کر چینی سفارتخانے پہ حملہ کر بھی دو تو جانتے ہو سفارتکاروں کو مارنا کتنا سنگین جرم ہے؟ وہ بھی اس دور میں جب کہ تمہاری ملکہ چینی ہے؟ نہیں مراد راجہ۔ تم چین سے جنگ چھیڑنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' اس کی آنکھیں سرخ پڑنے لگیں مگر آواز میں نہ کوئی غراہٹ تھی' نہ گرج۔ اس کے قدموں تلے سے زمین سرک چکی تھی۔

''تم جانتے ہو میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ شہزادی تاشہ جنوبی محل نہیں گئی تھی۔ وہ جزیرے پہ گئی تھی اور ملاکہ کے لوگوں کی امانت واپس لے آئی ہے۔''

چند لمحے کمرے میں ہولناک خاموشی چھائی رہی۔ مراد راجہ بت بنا کھڑا بے یقینی اور غیض و غضب سے اسے دیکھے گیا جو مطمئن سا کرسی پہ بیٹھا تھا۔

''تم.... کیا چاہتے ہو؟''

''میں تمہیں چند راستے دکھانا چاہتا ہوں! اگر تم نے سفارتخانے پہ حملہ کروایا تو سلطان کو ناراض کر دو گے اور چین سے جنگ چھڑ جائے گی۔ اگر تم نے ان لوگوں کو محل کے سامنے سے نہ ہٹایا تو سلطان کو علم ہو جائے گا کہ تم نے کسی غلام کو قید کر رکھا ہے۔ بات کھلے گی اور میرے اور تالیہ کے نکاح کے بارے میں سب کو علم ہو جائے گا۔ اس نکاح کے گواہ بھی ہیں اور ثبوت بھی۔ اس کے بعد سلطان تمہیں جان سے مارنے کا حکم بھی دے سکتا ہے۔ اور اگر اس سب سے پہلے تم نے مجھے مار دیا تو نہ صرف تمہاری بیٹی تم سے نفرت کرے گی بلکہ تمہارے پاس خزانے کے بارے میں مذاکرات کرنے کے لئے کوئی نہیں بچے گا۔''

''تم.... کیا چاہتے ہو؟''

''میں جانتا ہوں اب تک تم نے سلطان سے بغاوت کرنے کا سوچ لیا ہوگا۔ اپنی خفیہ فوجیں بھی تیار کر رکھی ہوں گی کیونکہ تم جانتے ہو اب تالیہ اور سلطان کی شادی ممکن نہیں ہے۔ تمہیں اس وقت 'خطرے' کو سامنے سے ہٹانا ہے۔ اور میں سب سے بڑا خطرہ ہوں۔ اصولاً تمہیں میری جان لے لینی چاہیے مگر یہ ناممکن ہے اس لئے تم ایک کام کرو۔''

''تمہیں چابی دے دوں تاکہ تم واپس چلے جاؤ؟'' وہ طنز سے بولا۔

''صرف میں نہیں۔ تالیہ میرے ساتھ جائے گی۔ جب ہم دونوں غائب ہو جائیں گے تو تم سلطان کو کوئی بھی وجہ بتا کے ٹال سکتے ہو۔ ملکہ نکاح والی بات دہرا بھی دے تو تم کہہ سکتے ہو کہ یہ جھوٹ ہے کیونکہ دونوں منکوح تو ملاکہ سے جا چکے ہوں گے۔ تالیہ چلی جائے تو ملکہ بھی مزید اس معاملے کو نہیں کریدے گی۔ تم بندا ہارا رہو گے اور حکومت کرو گے۔ ہاں اگر ہمارے جاتے ہی سلطان تمہارے خلاف ہو گیا تو تم بغاوت کر کے تخت پہ قبضہ کر سکتے ہو۔ اس سارے مسئلے کا حل ہم دونوں کے یہاں سے چلے جانے میں ہے۔'' وہ روانی سے بتا رہا تھا۔

مراد کے وجود میں حرکت ہوئی۔ وہ قدم قدم چلتا فاتح کے سامنے آیا اور مقابل رکھی خالی کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھے جھکا۔

''تالیہ.... میری.... بیٹی ہے۔ میں اسے نہیں جانے دوں گا۔''

''وہ تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ اسے جلد یا بدیر یہ دنیا چھوڑ کے جانا ہی ہے۔ اور ہمارے یہ مذاکرات تب ہی کامیاب ہوں گے جب تم تالیہ کو میرے ساتھ بھیجو گے۔''

مراد خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھتا ضبط سے گہرے سانس لیتا رہا۔

''اور خزانہ؟ اس کو غریبوں میں بانٹ دو گے کیا؟'' انداز میں تحقیر اور استہزاء تھا۔

''تالیہ یہی چاہتی ہے کہ اسے غریبوں میں بانٹ دیا جائے۔'' وہ ٹھہرا۔

مراد مزید اس کی طرف جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''مگر تم تالیہ نہیں ہو۔ تم لامتناہی کھیل کھیلنے والے آدمی ہو اور تمہارے کھیل میں حدود و قیود اپنی مرضی سے بدلی جا سکتی ہیں۔ تم بتاؤ خزانے کا کیا کرنا چاہتے ہو۔''

کرسی پہ بیٹھا وان فاتح بن رامزل مسکرایا۔

''ہاں میں تالیہ نہیں ہوں۔ اس لئے میں اور تم خزانے کے بارے میں ایک معاہدہ کر سکتے ہیں۔''

مراد کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ بکھری۔

''تم بالکل میرے جیسے ہو۔ وہی طاقت کی ہوس، وہی اپنی ذات کی پرستش!''

''مراد راجہ!'' اس نے مراد کی بات نظر انداز کی۔ ''میں تمہیں سارا خزانہ واپس کر سکتا ہوں اگر تم ملاکہ کے تمام ناجائز غلاموں کو آزادی

دلوا دو۔"

مراد کے ابرو تن گئے۔"وہ کیسے؟"

"تم ملک میں قانون بنا دو کہ صرف غیر مسلم جنگی قیدی کو غلام بنایا جا سکے گا۔ ساری دنیا میں مسلمانوں کا یہی اصول ہے۔ مسلمان کو غلام نہیں بنایا جاتا۔ اس وقت ملا کہ کے چند بڑے رئیسوں کے پاس بہت سے ایسے غلام ہیں جو مسلمان ہیں اور اغوا کر کے جبراً ان کو غلام بنایا گیا ہے۔ اب تم ان کے مالکوں کو ان کی قیمت ادا کرو یا ان کو ڈراؤ دھمکاؤ' جس وقت وہ غلام آزاد ہو جائیں گے میں تمہارا خزانہ واپس کر دوں گا۔ ملا کہ کے لوگوں کی دولت لوگوں کے ہی کام آنی چاہیے۔"

"اور پھر میں تمہیں چابی دے دوں اور تمہیں یہاں سے جانے دوں؟" وہ طنز سے بولا۔

"ہاں۔ ورنہ سلطان کو اس نکاح کی خبر ہو جائے گی اور تمہاری مشکلات بڑھ جائیں گی۔ لیکن اگر تم میری بات مان لو تو تم بدستور حکمرانی کرتے رہو گے اور مزید جزیروں پہ اپنا مال چھپاتے رہو گے۔ میں تمہیں بدعنوانی کرنے اور لوگوں کا مال لوٹنے سے نہیں روک سکتا' لیکن میں اپنے اور تالیہ کے لئے بقا کا راستہ ڈھونڈ سکتا ہوں۔"

چند لمحے وہ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا جیسے ذہن میں جمع تفریق کر رہا ہو۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"تم چلے جاؤ۔ میں تمہیں چابی دے دوں گا۔ لیکن تالیہ کو مت لے کر جاؤ۔ وہ گئی تو واپس نہیں آئے گی۔"

"تم نے اسے خود اپنے اعمال سے کھویا ہے۔ وہ تمہارے کردار سے نفرت کرتی ہے۔ تمہاری طاقت کی ہوس' تمہاری چالبازیاں...."

پھر سر جھٹکا۔"خیر' اس کے بغیر ہمارا کوئی معاہدہ مکمل نہیں ہوگا۔"

مراد نے گہرا ہنکارا ابھرا۔"مجھے سوچنے دو۔"

"وقت کم ہے' مراد۔ اور یہ سارے کھیل وقت کے ہی ہیں۔"

"کچھ دیر.... مجھے کچھ دیر سوچنے دو۔" اس نے بے بسی بھری ناگواری سے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

مراد سیدھا اپنے کمرے میں گیا تھا۔ سارے دروازے کھڑکیاں بند کر کے وہ زمین پہ بدھا کے انداز میں آلتی پالتی کر کے بیٹھا اور سرخ پٹی اتار پھینکی۔ پھر آنکھیں بند کر لیں۔ ساری آوازوں اور سوچوں کو ذہن سے جھٹک دیا۔ دماغ کو ایک نکتے پہ مرکوز کیا۔

اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا اور لب بڑبڑا رہے تھے۔

"میں مراد راجہ ہوں۔ ملا کہ سلطنت کا بندا ہارا۔ مجھے کوئی یوں نہیں ہرا سکتا۔ کوئی مجھ سے میرا تخت اور میری بیٹی نہیں چھین سکتا۔"

مغرب ڈھل گئی اور باہر بیٹھے لوگ اسی طرح بھوکے پیاسے بیٹھے رہے۔ ان کو بلانے کے لئے آنے والے ان کے مالکوں کے وفادار غلام بھی گھوڑوں پہ آئے سامنے کھڑے تھے۔ انہوں نے بہت پکارا' غصہ کیا' آوازیں دیں' مگر وہ غلام ٹس سے مس نہ ہوئے۔ وہ بس محل کی اونچی کھڑکیوں کو دیکھتے رہے اور لبوں پہ چپ کی مہر لگی رہی۔

وان فاتح کرسی پہ بیٹھا کھڑکی کے باہر آسمان پہ چھاتی سیاہی دیکھ رہا تھا۔ کافی وقت بیت چکا تھا اور مراد واپس نہیں آیا تھا۔

اسے ذرا فکر ہوئی مگر اس نے اعصاب کو ٹھنڈا رکھا۔

مغرب اتر آئی تو دروازہ کھلا اور مراد اندر داخل ہوا۔ آتے ساتھ ہی اس نے دروازہ بند کیا اور کھڑکیوں کے آگے پردے جھٹک کے برابر کیے۔ پھر فاتح کے سامنے آیا۔ سرخ پٹی ماتھے سے غائب تھی اور ہاتھ میں ایک بوتل تھی۔ اس نے بوتل میز پہ رکھی تو فاتح نے دیکھا۔ اس کے پیندے میں سکہ اور ڈلی پڑی تھی۔ ٹوٹی ہوئی چابی۔

مراد کا چہرہ وہ نہیں تھا جو پہلے تھا۔ وہ پرسکون نظر آتا تھا۔ مسکرا بھی رہا تھا۔ پھر اس نے کرسی کھینچی اور سامنے بیٹھا۔ دونوں ہاتھ میز پہ جما کے اس کی طرف جھکا۔

''میں تمہاری دنیا کے باسیوں کی طرح میز پہ آنے کو تیار ہوں۔''

وان فاتح نہیں مسکرایا۔ کچھ عجیب سا تھا' مراد راجہ کی مسکان میں جو اسے غیر آرام دہ کر رہا تھا۔

''کیا فیصلہ کیا تم نے؟'' وہ بظاہر ٹھنڈا رہا۔

''میں نے ابوالخیر اور تمام روساء کو پیغام بھیج دیا ہے۔ چند ساعتیں پہلے انہوں نے تمام ناجائز غلام آزاد کر دیے ہیں۔ حکم نامے تحریری طور پہ تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔''

''تم نے ان کو رقم ادا کی؟''

''میں ان کا بنداہارا ہوں۔ میرے احسان ہیں ان پہ۔ اور تم جانتے ہو میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ ناجائز غلام آزاد ہیں۔ وہ کل صبح سے اپنی نئی زندگی شروع کریں گے۔''

''مجھے تمہاری بات پہ یقین ہے۔''

''اس کے علاوہ یہ رہی چابی۔ تم مجھے سونا واپس کر دو اور اپنی دنیا میں چلے جاؤ۔ تالیہ کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ مجھے تمہاری ہر بات منظور ہے۔''

''کیا واقعی!'' اس نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے بنداہارا کا چہرہ دیکھا۔

''ہاں۔ سونا میرے پاس آجائے گا۔ میں نے جان لیا ہے کہ میں تالیہ کو زبردستی یہاں نہیں رکھ سکتا۔ وہ بھی آزاد ہے۔ تم دونوں جا سکتے ہو۔''

''اور ابھی تم ''مگر'' کہنے والے ہو' ہے نا' راجہ!'' وہ غور سے اس کی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

مراد راجہ مسکرایا۔ ''مگر....'' زور دے کے بولا۔ ''مگر میری ایک شرط ہے۔''

فاتح نے گہری سانس لی۔ ''شرط ماننے یا نہ ماننے کا فیصلہ میں کروں گا۔''

"نہ ماننے کی صورت میں' میں بغاوت کر دوں گا' جب چینی ملکہ ملک بدر ہو جائے گی تو چینی سفارتخانے کا ڈرکس کو ہوگا۔ تم میرے قیدی رہو گے۔ تالیہ مجبوراً یہاں رہے گی اور سونا اور تخت میرا ہوگا۔"

"راجہ تم اتنا خون خرابہ نہیں کرنا چاہتے میں جانتا ہوں۔"

"میں یہ کر سکتا ہوں مگر واقعی کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے تم میری شرط مان لو اور یہ چابی اٹھا کے یہاں سے چلے جاؤ۔" مراد کی مسکراہٹ گہری ہو چکی تھی اور شکاری آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

"کیا شرط ہے تمہاری؟" اس کے اعصاب تن رہے تھے۔ کچھ بہت غیر آرام دہ سا تھا اس ماحول میں۔

راجہ نے حقہ اٹھا کے کش بھرا۔ پھر نال ہٹائی اور دھوئیں کا مرغولہ لبوں سے چھوڑا۔ مرغولے فضا میں اوپر کو اٹھتے گئے۔

تمباکو کی خوشبو اور سلگتے انگاروں کی مہک آپس میں گھل مل گئی۔

پھر مراد راجہ نے کہنا شروع کیا۔

☆☆=========☆☆

چینی سفارتخانے کے نام پہ بنی حویلیاں سن باؤ کی حویلی کے دائیں بائیں واقع تھیں۔ آج وہاں بھاری چینی فوج تعینات تھی۔ اکثریت ان چینی افسران کی تھی جو ملکہ یان سوفو کی شادی کے وقت ساتھ آئے تھے اور یہیں بس گئے تھے۔

سونے سے بھرے صندوق اندر رکھوائے جا چکے تھے اور سن باؤ کے سرخ دروازے کے باہر ایڈم اور تالیہ متفکر سے کھڑے تھے۔ ابھی ابھی ایک چینی سفارتکار نے آ کے اطلاع دی تھی کہ بندا ہارا کی حویلی کے سامنے اکٹھے ہوئے غلام وہاں سے اٹھ گئے ہیں۔

"کیا وہ تھک گئے تھے؟" ایڈم نے پریشانی سے سوال کیا۔

"نہیں۔ راجہ نے اس قیدی فاتح کو باہر بھیجا اور اس نے ان کو اٹھنے کے لئے کہہ دیا۔ مگر وہ غلام اپنے مالکوں کے پاس نہیں گئے۔ راجہ نے نیا قانون نافذ کر دیا ہے جس کے تحت ناجائز مسلمان غلام آزاد ہیں۔ اب وہ غلام ملاکہ کی گلیوں میں خوشیاں مناتے پھر رہے ہیں۔ اور ان کی زبان پہ ایک ہی نعرہ ہے کہ شہزادی تاشہ کی سفارش پہ ان کو آزاد کروایا گیا ہے۔"

سفارتکار یہ کہہ کے وہاں سے ہٹ گیا تو تالیہ نے گہری سانس لی۔

"یعنی وان فاتح نے غلاموں کو آزاد کروا دیا۔ مگر تم اپنی کتاب میں لکھنا کہ یہ سب شہزادی تاشہ نے کروایا ہے۔"

"جی میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں۔ جہاں اتنے جھوٹ بولے' وہاں ایک اور سہی۔"

"اور یہ بھی لکھنا کہ...."

"شہزادی صاحبہ اب دیر ہو چکی ہے۔ میں اپنی کتاب مکمل کر کے شاہی کتب خانے کے منتظم کو دے آیا ہوں۔ اب اس میں ایک ہی صورت میں اضافہ ہو سکتا ہے اگر آپ دونوں مجھے ملاکہ میں چھوڑ جائیں۔" وہ جل کے بولا تھا۔

چند ساعتیں گزریں تو تالیہ نے فکر مندی سے سڑک کو دیکھا جو اندھیر پڑی تھی۔

''وان فاتح کہاں رہ گئے؟ان کو اس وقت یہاں ہونا چاہیے تھا۔معلوم نہیں راجہ سے مذاکرات کامیاب ہوئے یا نہیں۔''

اس کی بات منہ میں رہ گئی۔دور افق سے دھول اڑتی دکھائی دی تھی۔وہ چونکی۔

آس پاس تعینات چینی سپاہی بھی چوکنے ہوئے۔

سڑک پہ تیز گھوڑے دوڑتے آرہے تھے۔گھوڑا گاڑیوں کے پہیوں کی آواز...چینی سپاہیوں نے تلواریں نکال لیں۔

قافلہ قریب آیا اور چاند کی روشنی میں نظر آیا...مراد راجہ سب سے آگے والے گھوڑے پہ تھا۔اور دوسرے گھوڑے پہ فاتح بیٹھا تھا۔

تالیہ اور ایڈم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔یہ پلان کا حصہ نہیں تھا۔

''یہ یہاں کیوں آیا ہے؟''سن باؤ ساتھ آکھڑا ہوا اور پریشانی سے بولا۔ہاتھ نیام کی تلوار پہ تھا۔

''وانگ لی''۔گھوڑے پہ بیٹھے فاتح نے ہاتھ اٹھا کے ان کو تھم جانے کا اشارہ کیا' اور اپنا گھوڑا قریب لایا' پھر نیچے اترا۔تالیہ نے گردن اٹھا کے شاکی نظروں سے مراد راجہ کو دیکھا۔اس نے ماتھے پہ سرخ پٹی باندھ رکھی تھی اور لمبے بال کندھوں پہ گر رہے تھے۔وہ بھی تالیہ کو ہی دیکھ رہا تھا۔تالیہ نے نظریں پھیر لیں۔

''وانگ لی۔'' فاتح نے ان دونوں کو نظر انداز کر کے سن باؤ کو مخاطب کیا۔''مراد راجہ کے اکیس صندوق اس کے حوالے کر دو۔''

ایڈم کا منہ کھل گیا۔

تالیہ شل رہ گئی۔

سن باؤ بھی چونکا۔''مگر....''

''یہ میرا فیصلہ ہے۔اور تم سب کو یہ ماننا ہوگا۔''وہ قطعیت سے کہہ رہا تھا۔

''مگر وہ تو غرباء کے لئے....''تالیہ نے بولنا چاہا تو فاتح نے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کرایا۔

''اس کے بدلے میں تمام غلام آزاد ہو گئے ہیں۔سونے کے چند سکے ہر شخص کے حصے میں آئیں' اس سے بہتر یہ نہیں کہ انہیں آزادی مل جائے؟میں نے جو کیا ہے وہ ملاکہ کے لوگوں کی بہتری کے لئے کیا ہے۔میں نے غلاموں سے آزادی اور تم دونوں سے واپسی کا وعدہ کیا تھا۔کسی کی غربت مٹانے کا نہیں۔اس لئے مجھے میرے وعدے نبھانے دو۔''

کچھ تھا جو اس کے انداز میں بدل گیا تھا۔سختی' سنجیدگی۔کوئی سایہ سا تھا جو چہرے پہ آن پڑا تھا۔

ایڈم یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا' البتہ تالیہ نے سر ہلا دیا۔''جو آپ کو مناسب لگے' تو انکو!'

''مگر....ملکہ نے تو....''سن باؤ نے سرگوشی میں احتجاجاً فاتح سے کچھ کہنا چاہا مگر اس نے سختی سے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔

''میں ملکہ کا غلام نہیں ہوں۔سلطان کو دوسری ملکہ نہیں لانے دوں گا۔یہ وعدہ کیا تھا میں نے۔مراد راجہ کو تباہ کرنے کا نہیں۔اس

لئے.... راجہ کے صندوق واپس کر دو۔“

غلام حکم دے رہا تھا۔ پٹی بندھا ہاتھ اٹھا کے اشارہ کر کے کہہ رہا تھا۔ سن باؤ نے گہری سانس لی اور سپاہیوں کو اشارہ کیا۔

کوئی بعید نہیں یہ غلام سلطان کو جا کے کہہ دے کہ اس سازش میں ملکہ بھی شریک تھی۔ ایسی صورت میں سارا کھیل پلٹ جاتا۔

مراد کے ساتھ آئے سپاہی ان حویلیوں کی طرف چلے گئے۔ سن باؤ بھی ساتھ ہولیا۔ البتہ بار بار ناخوشی سے پلٹ کے ان کو دیکھتا ضرور تھا

۔

ایڈم گم صم کھڑا تھا۔ تالیہ خاموش تھی۔ فاتح حویلیوں کی سمت دیکھ رہا تھا۔ اور گھوڑے پہ بیٹھا راجہ ان تینوں کو۔

”تو یہ شاہی مورخ بھی تمہارے ساتھ آیا تھا؟“ اس نے براہ راست تالیہ کو مخاطب کیا تو اس نے خفا سی نظریں اٹھائیں۔

”ہمارا آنا آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔ ہم کیسے جائیں گے‘ کیوں نا اس بارے میں بات کر لی جائے۔“ وہ برہمی سے بولی تو فاتح نے اس کو دیکھا۔

”راجہ نے مجھے چابی دے دی ہے۔“ ساتھ ہی کرتے کے گریبان کے اندر سے سنہری زنجیر نکال کے دکھائی جس میں ڈلی اور سکہ دونوں کو جوڑ کے بنی چابی پروئی تھی۔

تالیہ نے چونک کے باپ کو دیکھا جو مدھم سا مسکرا رہا تھا۔

”تم جاؤ تالیہ۔ یہ چابی تمہیں خود راستہ دکھا دے گی۔ تمہیں اسی جنگل میں جانا ہے جہاں سے تم آئے تھے۔“

”ہم تینوں.... جا سکتے ہیں؟“ وہ حیران تھی۔ بار بار فاتح کو دیکھتی۔ جیسے ابھی وہ کوئی ”مگر“ کہے گا لیکن وہ سنجیدہ رہا۔

”مراد راجہ درست کہہ رہا ہے۔ ہم ابھی یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں۔ سونا لینا اور سلطان سے بات کرنا‘ یہ سب مراد راجہ کا کام ہے۔ کیا تمہیں محل سے کچھ اٹھانا ہے؟“ عام سے انداز میں رک کے تالیہ کی طرف دیکھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میں لعنت بھیجتی ہوں بنداہارا کے اونچے محل پہ۔“ تنفر سے بولی تو فاتح نے سر ہلا دیا۔

”پھر آؤ۔ ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔“ وہ گھوڑے کی طرف بڑھ گیا۔ ایڈم کو بھی اشارہ کیا تو وہ بھی گم صم سا ساتھ ہولیا۔

ذرا فاصلے پہ فاتح کے گھوڑے کے ساتھ دو مزید تازہ دم گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ ان پہ کھانے پینے کا مناسب سامان بھی لدا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے پہ سوار ہو رہا تھا جب ایڈم پیچھے سے شاکی انداز میں بولا۔

”تو آپ نے وہی کیا جو سیاستدان کرتے ہیں۔ آپ نے ڈیل کر لی۔“ وہ ابھی تک سُن تھا۔

وان فاتح رکاب پہ پیر رکھ کے اوپر چڑھا اور گھوڑے کی لگام تھامے سرسری سا ایڈم کو دیکھا۔ ”میں نے اس سے زیادہ کا وعدہ نہیں کیا تھا۔“ اور پھر دل میں سوچا۔

(تم کیا جانو میں نے کیا قربان کیا ہے۔)

"مگر ہمیں ملاکہ کے لوگوں کے سامنے راجہ کی بدعنوانی کا پول کھولنا تھا۔ ہمیں....."

"ہمیں صرف واپس جانا تھا ' ایڈم۔ ہمیں اپنی اصل زندگیاں واپس چاہیے تھیں۔ اس دنیا میں ہمارا کوئی ہدف نہیں تھا۔ ہم لا متناہی کھلاڑی تھے۔ بس۔ اس لئے خوش ہونا سیکھو۔ تم واپس جا رہے ہو۔" وہ رعب سے بولا تو ایڈم نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ فاتح اس سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔

ادھر مراد گھوڑے سے اترا اور تالیہ کے سامنے آیا۔ وہ ہنوز سلوٹ زدہ پیشانی لئے کھڑی تھی۔ چہرے پہ خفگی اور الجھن تھی۔

"تم نے اس غلام سے نکاح کر کے میرے پاس کوئی راستہ نہیں چھوڑا ' تالیہ۔" وہ اس کے سامنے کھڑا ملال سے کہہ رہا تھا۔

"آپ اپنے ہی لوگوں سے دھوکہ کرنے والے ایک بدعنوان آدمی ہیں ' بابا۔ آپ نے مجھے محل میں قید کر رکھا تھا۔ آپ کی چابی نے مجھ سے میری دنیا چھین لی۔ مجھے ابھی بھی آپ پہ شک ہے۔"

"کیا شک ہے؟" وہ پرسکون سا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"یہی کہ آپ مجھے کسی طرح اس دنیا میں روکنے کی کوشش کریں گے۔"

"نہیں۔ میں تمہیں اپنی مرضی سے جانے دے رہا ہوں کیونکہ....." وہ آگے بڑھا ' اس کے کندھوں کو نرمی سے تھاما اور اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکا۔ "کیونکہ مجھے یقین ہے ' تم واپس ضرور آؤ گی۔"

تالیہ نے زور سے اس کے ہاتھ جھٹکے۔ اسے مراد راجہ پہ بری طرح سے غصہ آیا تھا۔

"تالیہ واپس کبھی نہیں آئے گی۔ مجھے آپ کا محل ' آپ کی دولت اور آپ کی طاقت نہیں چاہیے۔ مجھے اپنی عام سی دنیا واپس چاہیے۔ میں اسی میں خوش تھی ' بابا۔"

اور ساتھ سے گزر کے آگے نکل گئی۔ اس کا گھوڑا تیار تھا۔ ایڈم اور فاتح گھوڑوں پہ بیٹھے اس کے منتظر تھے۔ تالیہ اپنے گھوڑے پہ چڑھی اور تیزی سے اس کا رخ موڑ دیا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا ' تالیہ۔" عقب میں کھڑا مراد کمر پہ ہاتھ باندھے ' پرسکون سا گردن اٹھائے ان تینوں کو اندھیر سڑک پہ آگے بڑھتے دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے مڑ کے دیکھا تک نہیں۔

مڑ کے دیکھنے والے نمک کے مجسمے بن جاتے ہیں۔

البتہ وان فاتح نے گردن موڑ کے ایک خاموش نظر مراد پہ ڈالی اور سر کو ہلکا سا خم دیا۔ یہ تشکر تھا ' یا کسی سمجھوتے کا اشارہ۔ وہ غور سے اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ وہ چپ چپ لگتا تھا اور اس کی ازلی امید بھری چمک آنکھوں سے غائب تھی۔

"ہمیں اس طرف جانا ہے۔" فاتح اپنا گھوڑا سب سے آگے لے گیا۔ وہ اب راستہ بتا رہا تھا اور وہ دونوں اس کی پیروی کر رہے تھے۔

ایڈم اداس لگتا تھا۔ وہ ایک بدعنوان حکمران کا پردہ فاش نہیں کر سکا تھا۔

اوپر چمکتا چاند... تارے.... اور اندھیر سڑک پہ دوڑتے تین گھوڑے۔ بظاہر سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ مگر فضا میں کچھ تھا جو بھاری اور مہلک سا محسوس ہوتا تھا۔

Cesium سے زیادہ مہلک۔

☆☆=========☆☆

جس جنگل سے نکلنے میں ان کو چار دن لگے تھے' راستہ معلوم ہونے کی وجہ سے وہ اس جنگل کے اندر تین دن میں پہنچ گئے۔ فاتح اس دوران زیادہ تر خاموش رہا تھا۔ ایڈم کا موڈ بدستور بہتر ہوتا آیا' اور تالیہ بھی جلد نارمل ہو گئی۔ بلکہ جیسے جیسے سفر گزرتا جا رہا تھا' وہ پرجوش ہوتی جا رہی تھی۔

''واؤ... ہم بالآخر واپس جا رہے ہیں۔''

''ہم واقعی واپس جا رہے ہیں نا' سر؟'' وہ رات کو جنگل کے اندر اپنے اپنے بستر بنا رہے تھے جب ایڈم نے پھر سے پوچھا۔

گھنے رین فاریسٹ کے اونچے درخت خاموشی سے اس قطعے کو دیکھ رہے تھے جہاں خشک پتے گرے تھے اور فاتح ایک درخت کے ساتھ کھڑا رسیوں کا جھولا سا باندھ رہا تھا۔ آستین پیچھے کو چڑھائے وہ سنجیدگی سے اپنا کام کر رہا تھا۔ ایڈم کے سوال پہ محض اتنا بولا۔

''تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے کیا؟''

''آپ پہ ہے۔ مگر اپنے بابا پہ نہیں ہے۔'' وہ جو مقابل درخت کے ساتھ اپنے بستر کو باندھ رہی تھی' مداخلت کرتے ہوئے بولی۔

''وہ تمہارا باپ ہے' تالیہ۔ اس کو تم سے محبت ہے۔'' وہ کام جاری رکھے ہوئے تھا۔ دونوں کی ایک دوسرے کی طرف پشت تھی اور وہ کام میں لگے تھے۔ ایڈم درمیان میں پتھر پہ بیٹھا باری باری دونوں کو دیکھتا تھا۔

''مگر مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں وہ آخر میں ہم میں سے کسی کو روک نہ لیں۔ یا پتہ نہیں کیا... مگر بابا ایسا ضرور کچھ نہ کر دیں جس سے ہمیں نقصان ہو۔'' پھر چونک کے اس کی طرف پلٹی۔

''انہوں نے اس ساری ڈیل میں کوئی ''کیچ'' تو نہیں رکھا نا؟ کوئی شرط؟ کوئی ...کوئی ضرر دینے والی بات۔'' اس کی الجھن ختم نہیں ہو رہی تھی۔

فاتح کے رسیاں کستے ہاتھ تھمے۔ صرف ایک پل کو۔ پھر اس نے کام جاری رکھا اور عام سے انداز میں بولا۔ ''میں نے کہا نا' ہم صحیح سلامت واپس پہنچ جائیں گے تو تم اتنی وہمی کیوں ہو رہی ہو؟''

''تو آپ اتنے چپ چپ کیوں ہیں۔''

''کیونکہ میں آگے کا سوچ رہا ہوں۔ مجھے ایک دنیا کو اپنی گمشدگی کے متعلق جواب دینے ہوں گے۔ چار ماہ چھوٹا عرصہ نہیں ہوتا۔'' اس

نے جھولا مکمل کر لیا تھا۔ پھر ایک کپڑا سامان سے نکالا' اسے جھاڑا اور رسیوں کے پنگھوڑے پہ ڈالا۔ اس بار جنگل میں پچھلی دفعہ کی طرح کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی کیونکہ سامان ان کے پاس تھا۔

''آپ فکر مت کریں' تو انکو۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔''

فاتح نے پلٹ کے ایک اچٹتی نگاہ اس پہ ڈالی۔ ''وان فاتح کو کسی کے ساتھ کی ضرورت نہیں پڑی کبھی' تالیہ۔''

شاید وہ ویسا ہی بے نیاز تھا جیسا ہمیشہ ہوتا تھا۔ شاید یہ سب اس کا وہم تھا۔ اس نے بس شانے اچکا دیے اور واپس اپنا بستر بنانے لگی۔

''مراد راجہ اب کیا کرے گا' سر؟ سلطان کو بیٹی کی گمشدگی کی خبر کیسے دے گا؟ کیا بہانہ کرے گا؟''

''ایڈم یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ ہمیں صرف اپنی نجات کے بارے میں سوچنا ہے۔ اور یہ تم ہی تھے جو چار ماہ سے واپس جانے کے لئے شکایتیں کر رہے تھے۔ اب جب تمہیں راستہ مل رہا ہے تو بہتر ہے کہ ملاکہ کے ہیرو نہ بن سکنے کے غم کو بھول کے تم اپنے ماں باپ اور اپنی منگیتر کا سوچو۔''

وہ ایک دم یوں جھڑک کے بولا تو ایڈم کے چہرے کے سارے زاویے درست ہو گئے۔ اس نے جلدی سے سر ہلایا۔ ''جی سر۔''

فاتح اپنے بستر پہ لیٹ گیا۔ دو درختوں کے درمیان فضا میں جھولتا رسیوں کا جھولا۔ اور اس نے ان کی طرف سے کروٹ موڑ لی۔ وہ درختوں کے درمیان خالی جگہ تھی جہاں چاند کی روشنی مدھم سی پہنچ پا رہی تھی۔ جانوروں کے بولنے اور کیڑوں کے رینگنے کی آوازوں کے ساتھ ساتھ دور کسی جھرنے کے بہتے پانی کی آواز بھی آ رہی تھی۔

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ تالیہ چپ چاپ کام کرتی رہی اور ایڈم پتھر پہ بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر اس نے تالیہ کو مخاطب کیا۔ ''آپ جاتے ہوئے اپنے بابا سے کیا کہہ رہی تھیں؟''

''یہی کہ میں ان کے محل اور دولت پہ لعنت بھیجتی ہوں۔''

''جی اور اسی لئے آپ نے اپنے کپڑوں میں جو پوٹلی چھپا رکھی ہے اس میں اچھے خاصے سونے ہیرے اور جواہرات جڑے زیورات موجود ہیں۔'' وہ تین دن سے جس راز کو دبائے پھر رہا تھا' آج اگلے بنا رہ نہ سکا۔ تالیہ نے پلٹ کے کینہ توز نظروں سے اسے دیکھا۔

''جائز اور حلال زیورات ہیں وہ۔ شہزادیوں کا حق ہوتا ہے۔ چوری کر کے نہیں لے جا رہی۔'' کپڑا جھٹک کے بستر پہ بچھاتے ہوئے وہ بولی تو ہاتھ کی سرخ انگوٹھی چمکی۔

''میں کب کہہ رہا ہوں کہ ناجائز ہیں؟ صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ اتنی جلدی محل اور دولت پہ لعنت بھیجنے والی نہیں ہیں آپ۔''

تنک کے بولا اور اپنا بستر بنانے اٹھ کھڑا ہوا۔ تالیہ خفگی سے کچھ بڑبڑاتی درخت کی طرف مڑ گئی۔

بالآخر ان کے درمیان تناؤ والی فضا ختم ہو رہی تھی۔ بالآخر تالیہ کو یقین آنے لگا تھا کہ سب ٹھیک ہے اور فاتح اس سے کچھ نہیں چھپا رہا۔ ان کی طرف سے کروٹ موڑے فاتح کو اپنے سرہانے کھڑی اداس سی آریانہ دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتی وہ فکر

مندی سے اس کی طرف جھکی۔

''یہ آپ نے کیا کر دیا ڈیڈ؟''اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔''اتنا بڑا فیصلہ اکیلے کر دیا۔ان دونوں کو بتایا ہی نہیں۔جب ان کو معلوم ہو گا تو کیا ہو گا؟''

''آریانہ۔''وہ اس کو دیکھتے ہوئے اداسی سے بڑبڑایا۔''میں ان کے برابر کا نہیں ہوں۔انہوں نے ہمیشہ مجھے اپنے سے اوپر رکھا ہے اور Its very lonely at the Top۔''

پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔جنگل کی ساری سیاہی ان آنکھوں میں سمو گئی اور دل بھی اندر تک اندھیر ہو گیا۔

☆☆=========☆☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب دو درختوں کے درمیان بندھے جھولے نما بستر پہ سوئی تالیہ کی آنکھ کھلی۔

نرم سا لحاف اس نے چہرے سے اتارا اور پلکیں چند بار جھپکائیں۔وہ چت لیٹی تھی سو اونچے درختوں کے آسمان کو چھوتے سرے نظر آ رہے تھے۔مدھم چاندنی کہیں کہیں سے جھانک رہی تھی۔

پھر اس نے گردن چونکنے انداز میں موڑی۔

فاتح ایک پتھر زمین پہ کھینچتا اس کے جھولے کے قریب لا رہا تھا۔وہ تیزی سے اٹھنے لگی تو اس نے ہاتھ اٹھا کے روکا۔

''شش شش....ریلیکس!''اور پتھر قریب لا کے سیدھا ہوا۔پھر اس پہ بیٹھا' یوں کہ تالیہ کی طرف رخ تھا۔وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی۔گرم لحاف اپنے گرد لپیٹے رکھا۔جھولا ذرا سا جھولنے لگا' پھر ساکن ہو گیا۔

''کیا ہوا' فاتح صاحب؟''تالیہ نے بال کان کے پیچھے اڑستے ہوئے مندی مندی آنکھوں سے دیکھا۔وہ ہاتھ میں کچھ اٹھائے ہوئے تھا۔ساتھ ہی مانوس سی خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔چاکلیٹ۔

''مجھے نیند نہیں آ رہی تھی تو جنگل میں آگے نکل گیا۔وہاں کوکو کا درخت تھا۔سوچا تمہارے لئے لے آؤں۔یاد ہے تمہاری سالگرہ پہ تمہیں یہ بہت لذیذ لگا تھا۔''وہ پتھر پہ بیٹھا' مسکرا کے کہتا چاقو سے پھل کاٹ رہا تھا۔وہ بھی دھیرے سے مسکرا دی۔

''آپ کو یاد تھا۔''ہاتھ بڑھایا تو فاتح نے پھل اسے تھماتے ہوئے چہرہ اٹھایا۔وہ قدرے تھکا تھکا لگ رہا تھا مگر لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔تین دن کی خاموشی کے بعد آج وہ' وہ فاتح لگا تھا جو اسی جنگل میں چار ماہ پہلے اس کو تسلی دیتا تھا اور ہمت دلاتا تھا۔

''ظاہر ہے مجھے یاد تھا۔''وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔آواز دھیمی تھی۔

''یہ اب بھی لذیذ ہے۔''اس نے انگلی کٹے پھل کے پیالے میں ڈالی اور گودا منہ میں رکھا تو لذیذ رس اندر تک گھل گیا۔وہ بس مسکرا کے اسے کھاتے ہوئے دیکھنے لگا۔

''تالیہ!''پھر نرمی سے پکارا۔''ان چار ماہ میں تمہارے خیال میں تمہارے اندر کیا تبدیلی آئی ہے؟''

''چار پانچ کلو وزن بڑھا ہے میرا۔ اور ہاں چند جنگی امور کی تربیت لی ہے میں نے۔ شاہی آداب دیکھے ہیں۔ ہر روز ڈھیروں زیورات خود پہ لا دلینے کی مشق کی ہے اور....''

''تالیہ!'' اس نے نرمی سے ٹوکا۔ ''باہر نہیں' تمہارے اندر کیا تبدیلی آئی ہے؟ تم نے کیا سیکھا ہے؟''

اس نے گودے بھری انگلی لبوں پہ رکھ کے نکالی اور سوچا۔ ''پتہ نہیں تو انکو۔ شاید کچھ بھی نہیں سیکھا۔ اب بھی دولت کی وہی حرص ہے مجھے ۔ اتنے زیورات ساتھ لائی ہوں۔ خزانہ اب بھی چاہیے مجھے۔ ہاں کوشش کروں گی کہ پرانی روش چھوڑ کے نئی زندگی شروع کروں۔''

''جب میں تمہیں چھوڑ دوں گا (تالیہ کی پلکیں جھکیں مگر پھر اس نے ان کو اٹھالیا اور مسکراتی رہی) تو تم کیا کرو گی؟''

''میں شاید امریکہ چلی جاؤں۔ اپنے سارے جائز مال و دولت کے ساتھ اور بطور آرٹسٹ ایک نئی زندگی شروع کر لوں۔'' پھر ٹھہری۔ پھل والا ہاتھ نیچے کر لیا۔

اندھیر رات میں وہ لحاف میں لپٹی جھولے پہ بیٹھی تھی اور وہ سامنے پتھر پہ بیٹھا اس کو دیکھ رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں ہم نے یہ نکاح صرف مراد راجہ کو بلیک میل کرنے کے لئے کیا تھا' ورنہ وہ زبردستی میری شادی سلطان سے کر دیتا۔ اور اب ہم اس کو ختم کر دیں گے۔ لیکن.... میں چاہوں گی کہ ہم اچھے دوست رہیں۔ میں چھٹیوں میں ملائیشیا آنا چاہوں گی اور بھلے آپ وزیرِ اعظم بھی بن جائیں' آپ ایڈم اور میرے لئے ہمیشہ وقت نکالا کریں گے۔ سال میں ایک دو مرتبہ ہم تینوں مل بیٹھ کے ان دنوں کو یاد کیا کریں گے۔ ٹھیک ہے نا' تو انکو۔''

''میں بھی چاہتا ہوں کہ ایسا ہی ہو۔ مگر میں ایک اور بات اس سے زیادہ چاہتا ہوں۔'' وہ نرمی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے ابرو بھینچ کے اسے حیرت سے دیکھا۔ ''وہ کیا؟''

''تمہاری حقیقت جاننے سے قبل میں تمہیں تاشہ کہا کرتا تھا۔ اسی جنگل میں' میں نے تمہیں پہلی دفعہ تالیہ کہنا شروع کیا تھا۔ جس لڑکی کو میں تاشہ کہہ کے بلاتا تھا وہ میرے لئے ایک ناقابلِ بھروسہ' بے ایمان اور اداکارہ قسم کی عام سوشلائیٹ تھی۔ مگر جب میں نے تمہیں جانا.... کہ تمہارا پیشہ کیا ہے اور تم ہی حالم ہو' تو میں نے تمہیں تمہارے اصل نام سے پکارنا شروع کیا۔ پھر کبھی تاشہ نہیں کہا۔ کبھی تمہیں شہزادی نہیں سمجھا۔ کیونکہ اتنا زیورلا دکے' تاج اور زرتار لباس پہن کے بھی تم میرے لئے وہی تالیہ تھیں جو میری دنیا کی باسی تھی۔ لیکن اس روز....'' وہ ٹھہرا۔ وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھ رہی تھی۔ ''اس روز قید خانے میں جب تم سپاہیوں پہ غرائیں تو میں نے تمہاری وہ آواز سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔''

وہ ذرا سی شرمندہ ہوئی۔ فوراً وضاحت دینا چاہی۔ ''وہ تو میں غصے میں...''

''نہیں تالیہ۔ مجھے برا نہیں لگا تھا۔ بلکہ مجھے اچھا لگا تھا۔ جانتی ہو کیوں؟''

وہ تعجب سے اسے دیکھنے لگی۔ ''کیوں؟''

''کیونکہ بنا کسی تاج اور شاہی لباس کے.....اس دن تم مجھے شہزادی لگی تھیں۔ وہ تمہارا اصل روپ تھا۔ تمہارا ریئل سیلف۔ تم مجھے تو انکو کہتی ہو۔ ہماری دنیا میں اس لفظ کا مطلب My Boss ہوتا ہے۔....لیکن اس وقت میں نے جانا تھا کہ تمہارا اصل مقام ایک باس کا مقام ہے۔ تم نے ان چار ماہ میں اپنے اصل روپ کو دریافت کرلیا ہے' تالیہ۔ تم ایک شہزادی ہو۔ ایک دانا شہزادی۔ تم روپ بدل بدل کے تنگو کامل کی ملازمہ یا کوئی ویٹرس یا کوئی سطحی سوشلائیٹ بننے کے لئے پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ تم یہ بہروپ اس لئے بناتی ہو' سچ اس لئے نہیں بول سکتیں کیونکہ تم نے اپنے اصل کو کبھی دریافت ہی نہیں کیا تھا۔''

وہ ٹکٹکی باندھ کے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں یہ چاہتا ہوں کہ تم نے ان چار ماہ میں جو سیکھا ہے' اس کو ضائع مت کرو۔ واپس جا کے تم اس کو اپنی زندگی پہ لاگو کرنا۔ پھر تمہیں کسی چیز کا خوف سچ سے دور نہیں کرے گا۔ تم اپنے ساتھ سچی ہو جاؤ گی۔ تمہیں اپنے اوپر ملمع چڑھانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ کیونکہ تمہیں اپنے اصل روپ پہ اعتماد آ جائے گا۔ میں اس تالیہ کو کے ایل میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں جو قید خانے کے سپاہیوں پہ غرا رہی تھی۔ ان کو ظلم کرنے سے روک رہی تھی۔ یہی چیز تمہاری سب سے بڑی طاقت ہو گی۔ تالیہ تمہیں کسی 'خزانے' کسی زیور کی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے صرف وہی بننا ہے جو تم اس قدیم ملاکہ میں تھیں۔''

''مجھے آپ کی باتیں سمجھ نہیں آ رہیں۔ میں چوری کرنا چھوڑ کے نئی زندگی شروع....'' اس نے کہنا چاہا مگر.....

''ایک وقت آئے گا جب تمہیں میری باتیں یاد آئیں گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس وقت اس رات کو یاد کرنا۔ تم یاد کرنا کہ میں تمہیں ایسی ہی تالیہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ شہزادی تاشہ جیسی تالیہ۔ صرف تاشہ جیسی نہیں۔ بلکہ کسی باس کی طرح۔ نڈر اور جراءت مند۔ اور اس وقت اگر کوئی تمہارے اس روپ کو پسند نہ کرے تو تم اس کی پرواہ نہیں کرو گی۔ چاہے تمہیں ناپسند کرنے والوں میں میں ہی کیوں نہ شامل ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے نیم رضامندی سے سر ہلایا۔ ''میں اپنے اصل سے نہیں بھاگوں گی۔''

''اور ایڈم.....'' اس نے گردن موڑ کے دور سوتے ایڈم کو دیکھا۔ ''اس نے اس دنیا سے یہ سیکھا ہے کہ انسان کو اپنی خوشی اپنے اندر خود ڈھونڈنی ہوتی ہے۔ بجائے دوسروں کے پیچھے بھاگتے رہنے اور دوسروں کی رائے پہ انحصار کرنے کے' انسان کو اپنی ذات پہ اعتماد کرنا سیکھنا ہوتا ہے۔ ہم اپنے سب سے اچھے دوست اور سب سے اچھے جج خود ہوتے ہیں۔ کوشش کرنا کہ تم ایڈم سے رابطے میں رہو اور اس کو بیساکھیوں کے بغیر اپنے قدموں پہ چلنا سکھاتی رہو۔ تمہیں اور اسے اس دنیا سے سیکھے اسباق بھولنے نہیں چاہئیں۔''

پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا تو تالیہ نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''ہم اچھے دوست تو رہیں گے نا' فاتح صاحب؟'' یونہی اس کو نام سے پکار دیا۔

''میں ایسا ہی چاہتا ہوں کہ ہم ہمیشہ اچھے دوست رہیں۔'' وہ مسکرا کے پلٹا تو وہ پکار اٹھی۔

''اور آپ نے کیا سیکھا؟''

اس اندھیر رات میں درختوں کے ساتھ کھڑا فاتح ٹھہر گیا۔

پھر آہستہ سے مڑا اور سادگی سے مسکرا کے تالیہ کو دیکھا۔

''کچھ بھی نہیں۔ میں جیسا تھا ویسا رہوں گا۔''

''ظاہر ہے۔'' تالیہ نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔ ''آپ سیلبرٹی ہیں' پرفیکٹ ہیں۔ آپ میں خامیاں کیسے ہوسکتی ہیں جن کو اصلاح کی ضرورت ہو؟'' تر و ٹھے پن سے بولی تو اس نے جواب نہیں دیا۔

''آپ کا والٹ میرے پاس ہے۔ اس میں وہ پاپ کارن بھی ہیں۔''

''وہ تم رکھ لو۔ اس وقت تک جب تک میں اسے واپس نہیں مانگتا۔'' وہ مبہم انداز میں کہتا اپنے بستر کی طرف بڑھ گیا۔ تالیہ بھی واپس لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

کروٹ موڑ کے لیٹے ایڈم کی آنکھیں کھلی تھیں اور اس نے حرف حرف سنا تھا۔

''وان فاتح یہ سب مجھے ڈائریکٹ بھی کہہ سکتے تھے' پھر بے تالیہ کو کیوں کہا کہ وہ مجھے کہیں۔ تین دن سے سر مجھے اگنور کر رہے ہیں۔ ہونہہ۔'' اس نے خفگی سے آنکھیں بند کی تھیں۔ اسے سو جانا چاہیے تھا۔

صبح انہوں نے ''دروازے'' کی طرف سفر کرنا تھا۔

☆☆=========☆☆

جنگل پہ صبح اتری تو گھنے درختوں نے دیکھا' تین مسافر قطار میں چلتے جا رہے تھے۔ سب سے آگے چلنے والے مرد کی گردن میں سنہری چابی لٹک رہی تھی جو اس کو راستہ دکھا رہی تھی۔ گھوڑے وہ جنگل سے باہر چھوڑ آئے تھے اور اب پیدل تھے۔ چہروں پہ مٹی لگی تھی' اور لباس میلا ہو رہا تھا مگر وہ چل رہے تھے۔

بڑھتے قدم کے ساتھ تالیہ کو ان چار ماہ کا گزرا ایک ایک پل یاد آ رہا تھا۔

(چار ماہ قبل وہ کے ایل میں سن باؤ کے گھر کے صحن میں کھڑے تھے۔ زمین میں ڈھکن سا کھل گیا تھا اور نیچے سیڑھیاں جا رہی تھیں۔ فاتح مشکوک سا تالیہ کو برہمی سے دیکھ رہا تھا اور وہ خزانے کی طمع میں زینے اتر رہی تھی۔)

جنگل میں وہ تینوں اس مقام تک پہنچے تو فاتح نے گردن سے زنجیر اتاری اور سنہری چابی زمین پہ رکھی۔ ایک دم ہوا چلی اور سوکھے پتے اڑتے گئے۔ جگہ خالی ہوتی گئی۔ وہاں ایک لکڑی کا ڈھکن نظر آنے لگا۔

(وہ رین فاریسٹ کی غار میں کھڑی تھی۔ ساکن ساکت۔ اس کے سر کے اوپر سانپ تھا جس کو فاتح چاقو سے مار رہا تھا۔ سانپ کی گردن کٹ کے گر گئی۔ وہ خوف سا سے دیکھ رہی تھی۔)

پتے ہٹ گئے اور ڈھکن صاف نظر آنے لگا۔ وان فاتح نے تیزی سے ڈھکن کھولا۔ نیچے زینہ سا بنا تھا۔ ان تینوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔ تالیہ کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ خوشی اندر باہر بھرنے لگی۔

(وہ تینوں جنگل میں بیٹھے تھے۔ درختوں کی چھایا تلے اور وہ ہرن کی گردن پہ چاقو پھیر رہی تھی۔ خون کے چھینٹے وان فاتح کے اوپر آ گرے تھے۔)

وہ قدم بہ قدم زینے اترنے لگے۔ ایڈم بار بار دیواروں کو ہاتھ لگا کے ٹٹولتا۔ کیا وہ واقعی واپس جا رہے تھے؟ وہ بے یقین تھا۔

(وہ پنجرے میں بند تھے اور پنجرہ اٹھائے گھوڑا گاڑی سڑک پہ سرپٹ دوڑ رہی تھی۔ تالیہ کے سر پہ چوٹ لگی تھی اور درد ہو رہا تھا۔)

زینے اترتے وقت وان فاتح سب سے آگے تھا۔ دروازے پہ وہ پہلے پہنچا۔ تالیہ نے چابی مانگی مگر وہ خود آگے آیا اور تالے میں چابی ڈالی۔ پھر زنجیر ہٹا کے اسے کھولا۔ لکڑی کا قدیم دروازہ کھلتا چلا گیا۔

(وہ بندا ہارا کے محل میں کھڑی اپنے بابا سے پہلی دفعہ مل رہی تھی۔ اس نے جامنی لباس پہن رکھا تھا اور کان کے اوپر بڑا سا پھول لگا تھا۔)

دروازے کے پار وہی سب تھا جو پہلے نظر آیا تھا۔ طویل راہداری جو گیلی تھی۔ وہ تینوں تیزی سے اس پہ چلنے لگے۔ تالیہ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ ایڈم اب بھی دیواروں کو بے یقینی سے ٹٹول رہا تھا۔

(وان فاتح ابوالخیر کی حویلی کی رسوئی میں کھڑا صراحی سے پیالیوں میں قہوہ انڈیل رہا تھا۔ دھار کی صورت میں گرتا قہوہ پیالی کو بھر رہا تھا۔ پتوں کے کڑھنے کی خوشبو سارے میں پھیلی تھی۔)

ان کے پیر پانی میں ڈوب رہے تھے اور اوپر سے قطرے بھی برس رہے تھے مگر وہ چلتے گئے... چلتے گئے... چلتے گئے۔

(ایڈم کتب خانے میں کتابیں اور قلم کاغذ پھیلائے بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو وہ شعلہ دکھا چکا تھا اور کاغذ دھیرے دھیرے جل رہا تھا۔)

راہداری ایک دوسری پانی بھری راہداری کے ساتھ آملی۔ دو دریاؤں کا سنگم۔

تالیہ کی آنکھیں فرطِ مسرت سے بھیگنے لگیں۔ صرف فاتح تھا جو سنجیدہ تھا۔ بے تاثر۔ سرد۔

(وہ دونوں ابوالخیر کی حویلی کی چھت پہ اکڑوں بیٹھے باتیں کرتے ہوئے دور تک پھیلے اندھیرے میں ڈوبے ملاکہ کو دیکھ رہے تھے۔)

دو دریاؤں کے سنگم پہ تالیہ نے سر اٹھا کے دیکھا۔ وہاں کوئی ہمانہ تھا۔ مگر وہ نئی زندگی کی شروعات تھیں۔ وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگی 'یہاں تک کہ سب سے آگے نکل گئی۔

(وہ ملکہ یان سوفو کے محل میں اس کے سامنے کھڑی تھی اور طبیب کو ڈانٹ رہی تھی۔ اس کا تاج سنہری دھوپ میں چمک رہا تھا اور ملکہ ونگ کھڑی اس کو اپنی حمایت کرتے دیکھ رہی تھی۔)

فاتح اب سست روی سے چل رہا تھا۔ اسے اب واپس پہنچنے کی جلدی نہ تھی۔ ایڈم کا چہرہ اب جیسے پرسکون ہونے لگا تھا۔ اسے یقین آنے لگا تھا۔

(ایڈم دربار میں رکھی سنہری میز پہ موجود اپنے نام کی تختی پہ مسحور سا ہاتھ پھیر رہا تھا۔ ساتھ ہی دستے رکھے تھے جن کے اوپر لکھا بنگار لیا ملایو جگمگا رہا تھا۔)

دوسرے دریا کے پار وہی زینہ تھا۔ تالیہ بھاگ کے اس پہ چڑھی۔ سامان کی پوٹلی سنبھالے' وہ تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی۔ فاتح بن رامزل کے قدم اتنے ہی بھاری ہو رہے تھے۔

(مراد راجہ تخت سے اس کا بازو پکڑے اس کے ساتھی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ میز پہ رکھی اس کی ننھی سی لکڑی کی کشتی خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔)

لکڑی کا ڈھکن اس نے ہٹایا تو سیاہ رات دکھائی دی۔ وہ باہر نکلی تو خود کو سن باؤ کے صحن میں پایا۔ تاروں بھرا آسمان اور.... اس نے گردن موڑی... نئے ملاکہ میں جدید تراش خراش سے آراستہ سن باؤ کا گھر۔

(وہ جیا کے چبوترے پہ کھڑا بلند آواز میں لوگوں سے مخاطب تھا' مگر وہ گردنیں افسوس سے ہلاتے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔)

ایڈم باہر نکلا تو بالکل دنگ رہ گیا۔ پھر بالآخر کھل کے مسکرایا۔ پیروں پہ گول گول گھوم گیا۔ وہ جدید ملاکہ ہی تھا۔ وہ جدید گھر ہی تھا۔

(وہ تینوں سن باؤ کے برآمدے میں زمین پہ بیٹھے تھے اور چینی قاضی ان سے ان کی رضامندی لے رہا تھا۔ گواہ بنا ایڈم خالی دل اور خالی نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔)

فاتح نے اوپر قدم رکھے اور سیدھا کھڑا ہوا تو ڈھکن خود بخود بند ہو گیا۔ زمین برابر ہو گئی۔ کنویں کا پانی بھر آیا۔

ایسے جیسے وہاں کوئی ڈھکن تھا ہی نہیں۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

(وہ دونوں مجسمے کی جگہ کے نیچے زمین میں سامان بھر رہے تھے۔ سن باؤ کے قدیم صحن میں تالیہ اور ایڈم تنہا تھے اور ان کے ہاتھ تیز تیز کام کر رہے تھے۔)

وان فاتح نے صرف برآمدے کی طرف دیکھا۔ دیوار پہ لگی گھڑی ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی۔ گھڑی پہ تاریخ کی اسکرین سولہ جولائی دکھا رہی تھی۔ وقت رک گیا تھا۔

(وہ مراد کے قید خانے میں مقید صلیب صورت بندھا کھڑا تھا۔ سپاہی اس کو پیٹ رہے تھے اور وہ کرب سے آنکھیں موندے ہوئے تھا۔)

تالیہ نے دونوں بازو فضا میں پھیلا دیے اور آسمان کی طرف دیکھ کے آنکھیں موند لیں۔ جدید ملاکہ کی ٹھنڈی ہوا اس کے سنہری بالوں میں سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی۔ وہ آزاد تھی۔

ایڈم بھاگ کے برآمدے میں گیا اور وہاں رکھا ٹی وی آن کیا۔ اسکرین پہ نیوز کا سٹر خبریں پڑھ رہا تھا۔ تاریخ' وقت.. خبر کی پٹیاں... سب سولہ جولائی تاریخ کا تھا۔ وقت واقعی تھم گیا تھا۔

اور کون کہتا ہے کہ وقت کسی کے لئے نہیں رکتا؟

کبھی کبھی....

کسی کسی کے لئے....

کسی کسی زمانے میں....

وقت تھم بھی جاتا ہے۔

اور تھم کے...وہ انتظار کرتا ہے۔

اپنی بھول بھلیوں میں

کھو جانے والے

مسافروں کی واپسی کا!

☆☆=========☆☆

تاریخ تھی سولہ جولائی۔ دن تھا اتوار کا۔ سن تھا 2016 اور وقت تھا رات کے ساڑھے گیارہ بجے جب وہ تینوں یکے بعد دیگرے زینے چڑھ کے اوپر آئے تھے۔

سن باؤ کا گھر پہلی نظر میں پہچانا نہیں گیا۔ یہ قدیم صحن اور گھر جیسا نہ تھا۔ ہر شے مرمت اور تزئین و آرائش کے بعد نئی بنا دی گئی تھی۔ مصنوعی سی۔ سوائے مجسمے کے۔ وہ چند ایک جگہوں سے ذرا ٹوٹا ہوا تھا' مگر یوں لگتا تھا کہ ماہرین بار بار اس کی Repairing کرتے تھے۔ کنواں بھی اب مصنوعی سا لگتا تھا کیونکہ وقت خود مصنوعی سا ہو گیا تھا۔

اور ہاں....تالیہ نے آنکھیں موندے' بانہیں پھیلائے' فضا کو سونگھا....کوئی بو نہ تھی مگر وہ جانتی تھی کہ اس فضا میں Cesium بھی تھا۔

''چھ سو سال گزر گئے!'' اس نے آنکھیں کھولیں اور پیروں پہ گول گول گھومی۔ چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

''پانچ سو ستاون سال' چے تالیہ۔'' ایڈم ٹی وی بند کر کے واپس صحن کی طرف آیا تو اس کے چہرے پہ بھی الوہی خوشی تھی۔ فاتح ان دونوں کو دیکھ کے بس ذرا سا مسکرایا۔ وہ نہ کسی چیز کو دیکھ رہا تھا' نہ فضا کو سونگھ رہا تھا۔ وہ بس ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

دھیرے دھیرے تالیہ کو باہر شور سنائی دینے لگا۔ بہت سی آوازیں' بے ہنگم موسیقی۔ گاڑیوں کے ہارن' ہر طرح کی بولیاں۔ اس کے تاثرات بدلے۔ قدرے فکرمندی سے بند دروازے کو دیکھا۔

''یہ شور کیوں ہے اتنا۔''

''یہ 2016 ہے چے تالیہ۔ یہاں ہمیشہ ہی اتنا شور تھا۔ آپ قدیم زمانے کی خاموشی کی عادی ہو گئی تھیں۔'' پھر اس نے فاتح کی طرف دیکھا۔ ''سر آپ نے تو آج کے ایل واپس جانا تھا۔'' اسے سب یاد تھا۔ ''بلکہ آپ جا رہے تھے تو میں نے آپ کو روکا تھا۔''

"نہیں میں آج رات ادھر ہی رہوں گا۔ میں تھکا ہوا ہوں۔" فاتح نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا تو ایڈم لمحے بھر کو خاموش ہو گیا۔ تالیہ نے شور کے باعث جھرجھری سی لی۔

"کیا کے ایل میں ہمیشہ اتنا شور تھا؟ اف۔ انسان کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا سے کیا بنتا جا رہا ہے۔"

اسی اثناء میں باہر پولیس کے سائرن سنائی دیے۔ تالیہ چونکی۔ "کیا میرے کان بج رہے ہیں۔"

"نہیں ایڈم نے جانے سے پہلے پولیس کو بلایا تھا۔ تمہیں گرفتار کروانے۔" فاتح نے گہری سانس لی اور دروازے کی طرف بڑھا۔ "میرا نہیں خیال اب ایڈم تمہیں گرفتار کروانا چاہے گا اس لئے میں ذرا ان کو فارغ کرتا ہوں۔ تم لوگ اندر ہی رہو۔" ایڈم ساتھ آنے لگا تو اس نے سختی سے منع کیا۔ ایڈم رک گیا۔ اسے ذرا خفت ہوئی۔

"ایڈم مجھے گرفتار کروانے کا سوچے تو سہی۔" تالیہ نے کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے گھور کے اسے دیکھا۔

ایڈم جواب میں کچھ تیکھا سا کہنے لگا، پھر مجسمے کے قدموں تلے زمین کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ ایڈم کی آنکھوں میں سوال اترا۔ (کب؟)

"دھیرج.. ابھی کافی وقت ہے ہمارے پاس۔" وہ مسکرا کے سرگوشی میں بولی۔

فاتح پولیس والوں سے معذرت کر کے واپس آیا تو اتنا ہی سنجیدہ لگ رہا تھا۔ سیدھا برآمدے کی طرف چلا گیا۔ وہاں میز پہ لکھنے کا سامان رکھا تھا۔ اس نے نوٹ پیڈ اٹھایا اور قلم کھولا میز پہ جھکے کھڑے سرسری سا پوچھا۔

"ایڈم تمہارا ای میل ایڈریس کیا ہے؟"

ایک دم مخاطب کیے جانے پہ ایڈم گڑبڑایا۔ "جی؟"

"ہمارے موبائلز تو جنگل میں چار ماہ پہلے ناکارہ ہو گئے تھے نا۔ تم سے ابھی رابطہ تو ای میل پہ کرنا ہو گا نا۔"

"جی جی سر... لکھیں۔" وہ جلدی سے بتانے لگا۔

"اور میرا ای میل ہے...." وہ بھی کہنے لگی تو فاتح قلم بند کر کے سیدھا ہوا۔ "اس کی ضرورت نہیں۔ تم لوگ اب جاؤ۔" وہ سنجیدہ تھا۔ اور اس کے اعصاب بالکل پرسکون تھے۔ آنکھیں بے تاثر تھیں۔ برآمدے میں روشنی تھی اور وہ روشنی میں کھڑا تھا۔ دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ جمائے وہ اب ان کو یوں منتظر سا دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو اب جاؤ میں تھکا ہوا ہوں۔

"جی بالکل۔ آپ آرام کریں۔ ہم اپنے اپنے گھروں کو جاتے ہیں۔" وہ سمجھنے والے انداز میں بولی۔

"شکریہ!" فاتح نے سر کو خم دیا۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ نگاہیں بے تاثر تھیں۔

ایڈم نے سلام کیا (فاتح نے اسے نہیں دیکھا) اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ بھی مڑنے لگی تو وہ بولا۔ "تالیہ!"

وہ ٹھہری اور مڑ کے سیاہ آنکھوں میں سادگی لئے اسے دیکھا۔ "جی؟"

فاتح چند قدم چل کے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ اس کی گردن میں پہنی سنہری چابی صاف دیکھ سکتی تھی۔ وہ چمک رہی تھی۔

''میں صبح ہونے سے پہلے پیپرز ایڈم کو بھیج دوں گا۔ کوئی ثبوت ہونا چاہیے نا رشتہ توڑنے کا۔ تم آزاد ہو گی۔ اپنی زندگی اپنے اصل کے ساتھ گزارنا۔ اور اتنا سچ بولنا کہ تمہاری ہر بات پہ لوگ آنکھیں بند کر کے یقین کرنے لگ جائیں۔ ٹھیک ہے نا تالیہ؟'' وہ اس رات کی طرح نرمی سے نہیں سمجھا رہا تھا۔ بس بے تاثر انداز تھا اس کا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''کیا کچھ ہے جو آپ مجھ سے چھپا رہے ہیں۔''

''میں جو کہہ رہا ہوں اس کو سنو یاد رکھو۔ جو تم نے سیکھا ہے' اس کو تم نہیں بھلاؤ گی۔ تم اپنی زندگی نئے طریقے سے شروع کرو گی۔ تم وہ عورت بنو گی جس کو اپنی ذات کی تکمیل کے لئے کسی دوسرے انسان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تالیہ بنتِ مراد....'' اس نے دھیرے سے اس کے دونوں ہاتھ تھامے اور ان کو اکٹھا کر کے سامنے کیا۔ وہ شل رہ گئی۔

''میں کہنا چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو..... مجھے تمہاری اور تمہیں میری ضرورت ہے لیکن مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ یہ خود غرضی ہو گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے آزادی کے بعد امریکہ چلی جاؤ اور ایک اچھی زندگی گزارو۔''

اس کے ہاتھ فاتح کے ہاتھوں میں تھے اور وہ دم سادھے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا آپ مجھے یاد کریں گے؟'' اس کی آنکھیں یونہی بھیگنے لگی۔

''مجھ سے ایک وعدہ کرو۔ تم کبھی بھی واپس قدیم ملاکہ میں جانے کی کوشش نہیں کرو گی۔''

''میں پاگل ہوں جو واپس جاؤں گی؟''

''چاہے کچھ بھی ہو جائے.... تم.... واپس نہیں جاؤ گی۔ تم یہاں سے دور چلی جانا۔ تم ہماری اس دنیا میں شہزادیوں کی طرح رہنا لیکن کبھی قدیم ملاکہ کی شہزادی بننے کا مت سوچنا۔ کسی کے لئے نہیں۔ وان فاتح کے لئے بھی نہیں۔''

اس کی بھیگی آنکھیں فاتح کے بے تاثر مگر تکان زدہ چہرے پہ جمی تھیں۔ ''آپ کو کیوں لگتا ہے میں واپس جانے کا سوچوں گی؟''

''تم کبھی اس چابی کو دوبارہ نہیں ڈھونڈو گی۔ بھلے جتنی شدت سے تمہارے اندر واپسی کی تڑپ اٹھے.... تم تالیہ.... تم واپس نہیں جاؤ گی۔'' وہ اس کے کسی سوال کا جواب نہیں دے رہا تھا۔

''آپ ایسے کیوں کہہ رہے ہیں جیسے آپ مجھے چھوڑ کے کہیں دور جا رہے ہوں۔''

فاتح نے دھیرے سے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ ''میں کہیں نہیں جا رہا۔ میں کے ایل میں ہی رہوں گا۔ میں ایک خود غرض آدمی ہوں تالیہ۔ وان فاتح کو صرف وان فاتح سے محبت ہے۔ الیکشن کا سال شروع ہونے والا ہے۔ میرے خواب اور میرے عزائم کی تکمیل کا سال ہے یہ۔ مجھے بہت کام کرنا ہے اس سال۔ میں اپنے سفر میں کھو جاؤں گا اور میں تمہیں یاد نہیں کر پاؤں گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم میری ان باتوں کو کبھی نہ بھلاؤ۔''

''میں بھلا بھی نہیں سکتی!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ آنسو پھسل کے گال پہ لڑھکا۔ پھر دروازے کو دیکھا۔ اس کے پار ایڈم رکا کھڑا تھا

۔

وہ واپس جانے کو مڑی تو فاتح نے پکارا۔'' ایڈم کا خیال رکھنا۔ قدیم ملاکہ میں اس کا دل ٹوٹا تھا۔ کوشش کرنا کہ کے ایل میں آ کے وہ اپنے دل اور ذات دونوں کو جوڑنا سیکھ لے۔''

تالیہ نے بس سر ہلا دیا۔ وہ نہیں مڑی۔ اسے پتھر نہیں بننا تھا۔

باہر کھڑے ایڈم کو ان الفاظ نے سُن کر دیا تھا۔ اس نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھا۔ (تو فاتح جانتا تھا؟)

''سنو۔ تمہارا دل کیوں ٹوٹا ملاکہ میں؟'' وہ باہر نکلتے ہی اس پہ گرجی۔ ساتھ ہی گیلی آنکھیں رگڑ کے صاف کیں۔

''میرے دل کو چھوڑیں۔ اپنے کی فکر کریں۔ جب وہ اپنے بیوی بچوں کے لئے آپ کو چھوڑیں گے تو آپ کا دل بھی ٹوٹے گا۔'' وہ جل کے بولا اور قدم بڑھا دیے۔

''میرا دل تو مجسمے تلے دفن ہے' شاہی مورخ۔ میرا خزانہ' میرا مستقبل۔'' وہ پھر سے خوشگوار موڈ میں آ گئی تھی' جیسے بارش کے بعد سارا منظر صاف ہو جاتا ہے۔

باہر سڑک کے دونوں اطراف کی دکانیں اور ریستوران ابھی تک کھلے تھے۔ شور' رش' آوازیں۔ سڑک پہ چلتی گاڑیاں۔ وہ باہر آئی تو ایک دم گھبرا گئی۔ دل پہ ہاتھ رکھا۔

''یہ کیسی عجیب جگہ ہے۔'' سڑک بمشکل پار کی اور جھرجھری لے کے ایڈم سے بولی۔

پھر اس ریستوران کے سامنے رکی۔ باہر میز کرسی اسی طرح لگی تھی اور اس پہ ہاٹ چاکلیٹ رکھا تھا۔ بل اس نے ادا نہیں کیا تھا' اسلئے ویٹر نے ہاٹ چاکلیٹ نہیں اٹھایا تھا۔ وہ ابھی تک تازہ تھا۔

یہ اس نے آرڈر کیا تھا۔ آدھ گھنٹہ پہلے۔ یا پھر.... چار ماہ پہلے۔ وقت کے سارے حساب وہ کتاب الٹے ہو گئے تھے۔ وہ اداسی سے مسکرا دی اور آگے بڑھ گئی۔ اس کی کار وہیں کھڑی تھی۔

''سنو.... تم میرے ساتھ آنا.... بس سے مت جانا۔ میں تمہیں گھر ڈراپ کر دوں گی۔'' فراخ دلی سے پیش کش کی۔

''میں اس حلیے اور اس گندے میلے چہرے کے ساتھ بس میں جا بھی نہیں رہا۔''

وہ کار کے قریب آئی تو یاد آیا۔ چابی.... چابی کہاں گئی؟ پرس کہاں گیا؟ شاید ساتھ لے گئی تھی۔ وہ تو جنگل میں کھوگئی تھی جب ان کو قیدی بنا کے ان کا سامان ضبط کیا گیا تھا۔ اس نے بے اختیار سر پہ ہاتھ مارا۔ اب اتنے لوگوں کے سامنے وہ کار کو ''کسی اور طریقے'' سے نہیں کھول سکتی تھی۔

''چلو کسی ریستوران سے منہ ہاتھ دھو لیتے ہیں اور پھر ٹیکسی کر لیتے ہیں۔ ہمارے پاس پیسے بھی نہیں ہیں۔ بس کا ٹکٹ کیسے خریدیں گے

ٹیکسی کو گھر کے پاس اتار کے میں پیسے اندر سے لا دوں گی۔''

''دو گھنٹے کی ڈرائیو ہے۔ٹیکسی والا بہت پیسے لے گا۔''

''بے فکر رہو' ہم بہت جلد بہت امیر ہونے والے ہیں۔'' وہ واقعی بے فکری آگے بڑھ گئی۔

''آپ کو وان فاتح کا انداز کچھ عجیب سا نہیں لگا۔'' وہ ساتھ چلتا الجھا ہوا سا کہہ رہا تھا۔کچھ تھا جو اسے کھٹک رہا تھا۔

''انہوں نے اپنی بیوی کو سمجھو دھوکہ دے کر ایک شہزادی سے نکاح کیا ہے۔وہ اس نکاح کو ختم کرنے تک ڈسٹرب رہیں گے' ایڈم۔سمجھا کرو۔'' وہ خود کو مطمئن کر چکی تھی۔

جدید ملاکہ کے بازار میں شہزادی اور مورخ ساتھ ساتھ چلتے جا رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

ٹیکسی نے ایڈم بن محمد کو اس کے گھر کے باہر اتارا تو اس کے نکلنے سے قبل تالیہ نے تاکید کی تھی۔

''صبح اپنی سم نکلوا لینا اور نیا فون لے لینا۔میں کال کروں گی۔تمہارا نمبر میرے آئی کلاؤڈ میں محفوظ ہو گا۔''

ٹیکسی ڈرائیور نے بیک ویو مرر میں اس لڑکی کو دیکھا جو پچھلی سیٹ پہ بیٹھی باہر نکلتے نوجوان کو ہدایت دے رہی تھی۔بندھے بال رف ہو رہے تھے۔سوتی سادہ باجو کرنگ پہنے وہ کسی لمبے سفر سے لوٹی لگتی تھی۔اور وہ نوجوان....ڈرائیور نے ایک تنقیدی نظر اس پہ ڈالی جو 'اچھا'' کہتا دروازہ بند کر رہا تھا۔اس کا لباس زیادہ عجیب تھا۔پاجامہ اور قمیض بے ڈھنگی سی سلی تھی اور اوپر بنا آستین کے نیلی جیکٹ۔بال بھی کانوں سے نیچے تک آ رہے تھے جیسے کافی دن سے کٹوانے کی زحمت نہ کی ہو۔ان دونوں کے لباس اور جوتوں پہ جگہ جگہ کانٹے اور مٹی لگی تھی ۔چہرے شاید دھو لیے تھے۔

''آپ کہاں سے آئی ہیں؟'' سڑک پہ کار ڈالتے ہوئے وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

پیچھے بیٹھی تالیہ نے کھڑکی سے نظر ہٹا کے اس کے سر کی پشت کو دیکھا۔''ملاکہ سے۔''

''کوئی حادثہ وغیرہ ہو گیا تھا کیا؟ یعنی....کار وغیرہ چھن گئی؟''

''ہاں' حادثہ ہو گیا تھا' مگر شکر ہے جان بچ گئی۔'' وہ واپس شیشے کے پار دیکھنے لگی۔

کار اب مرکزی شاہراہ پہ آ چکی تھی۔

جگمگاتی آسمان کو چھوتی عمارتیں....سڑک کنارے لگی چم چم کرتی بتیاں....بھاگتی ٹریفک....وہ بس مسحور سی ہو کے کوالالمپور کی مصروف زندگی کو دیکھ رہی تھی۔

یہ کیسی دنیا تھی جہاں ہر کوئی بھاگ رہا تھا...سب کو جلدی تھی...

کام ختم کرنے کی جلدی....نیا کام شروع کرنے کی جلدی....کامیاب ہو جانے کی جلدی...اچھا بن جانے کی جلدی...ہر کام میں

جلدی...

کیا ان لوگوں کو نہیں معلوم تھا کہ ہر چیز ایک کٹھن عمل سے گزر کے مکمل ہوتی ہے؟

ہر کام میں وقت لگتا ہے۔اور لگنا بھی چاہیے۔

مگر ان لوگوں کا وقت پہ زور نہیں چلتا' یہ اس کو روک نہیں سکتے سو اپنی رفتار تیز کر دینا چاہتے ہیں۔

لیکن شاید وقت کو روکنا ضروری نہیں ہوتا۔

ضروری صرف ایک ایک لمحے کو جی لینا ہے۔اسے ضائع کیے بغیر۔

اس نے شیشہ گرا دیا اور کے ایل کی ٹھنڈی ہوا کو اپنے چہرے سے کھیلنے کی اجازت دے دی۔پھر آنکھیں موند لیں۔

وقت۔سارے کھیل وقت کے ہی تو تھے۔

کسی کا اس پہ زور نہیں چلتا تھا۔

☆☆=========☆☆

کے ایل پہ سترہ جولائی کی صبح طلوع ہوئی تو شہر کے سارے پھول مہک مہک اٹھے۔آج آسمان صاف تھا۔بارش کا کوئی امکان نہ تھا۔ تالیہ نے اپنے کمرے کے پردے ہٹائے تو کھڑکی بے نقاب ہوئی اور ڈھیر ساری روشنی اندر آئی۔اس نے آنکھیں چندھیا لیں۔

ایک نئی صبح....ایک نئی زندگی....ایک مختلف دنیا۔

وہ سادہ ٹراؤزر اور قمیض میں ملبوس کھڑی تھی۔گیلے بال تولیے میں لپٹے تھے۔

اس نے جیسے پانی سے اپنے وجود پہ ان چار ماہ کے تمام نشان دھو ڈالنے کی کوشش کی تھی۔چار ماہ میں سر کی جڑوں سے دو انچ جتنے سیاہ بال نکل آئے تھے اور سنہری ڈائی نیچے چلا گیا تھا۔اس لئے صبح صبح اٹھ کے اس نے اپنے بال واپس سنہری رنگے۔پھر خود ہی ان کو ذرا کاٹ کے لمبائی برابر کی تھی۔ای میل کھول کے یاد کیا کہ جانے سے پہلے کیا مصروفیات رہی تھیں۔اپنے پرانے شیڈیول کو پھر سے ذہن نشین کیا ۔عصرہ کی نیلامی سر پہ آئی کھڑی تھی۔وہاں بھی جانا تھا۔غرض وہ صبح تک خود کو 2016 کے کے ایل میں فٹ کر چکی تھی۔

مگر کیا واقعی؟

وہ سیڑھیاں اتر کے نیچے آئی تو سارا گھر نیا نیا سا لگ رہا تھا۔گو کہ ہر شے وہیں تھی' مگر 'احساس' نیا تھا۔ریلنگ کی ٹھنڈی لکڑی پہ ہاتھ گزارتی....پینٹ شدہ دیواروں اور جا بجا لگے شیشوں پہ نظر دوڑاتی' اس نے آخری زینے پہ قدم رکھا تو سامنے صوفے پہ داتن بیٹھی تھی۔

میز پہ پلیٹ میں کوئی مرغن ڈش اور فرنچ فرائز سجائے وہ چھری کانٹے سے جھک کے کھانے میں مشغول تھی۔اسے دیکھ کے ابھی سر اٹھایا ہی تھا کہ تالیہ تیزی سے اس کی طرف بھاگی اور اس کو گلے لگایا۔

''اوہ لیانہ صابری۔میری موٹی مرغی....تم کیسی ہو۔'' خوشگوار حیرت کے ساتھ کہتی وہ علیحدہ ہوئی تو داتن نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا

دماغ چل گیا ہو۔ پھر سمجھ کے گہری سانس لی۔

''کیا چاہیے تمہیں؟'' مشکوک نظر اس پہ ڈالی مگر تالیہ کا موڈ اتنا اچھا تھا کہ اس نے بس مسکرا کے شانے اچکا دیے اور اس کی پلیٹ سے آلو کا چپس اٹھا کے منہ میں رکھا۔

''بس تمہیں اچانک سے اپنے گھر میں دیکھا تو محبت کا اظہار کر ڈالا۔ چاہیے کچھ نہیں۔''

''اچانک مطلب؟ میں تو روز ہی ادھر ہوتی ہوں۔''

تالیہ نے جواب دیے بنا چپس اور اٹھائے۔ پھر محسوس کیا' داتن اس کو غور سے دیکھ رہی ہے۔ وہ ذرا سنبھلی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

''تم کچھ.... مختلف لگ رہی ہو۔'' داتن ذرا الجھی تھی۔

''اچھا؟ وہ کیسے؟'' اس نے سرسری سے انداز میں بے پرواہی سے کہا تو داتن نے سر جھٹکا۔

''تمہارا وزن شاید بڑھنے لگا ہے' تالیہ۔ گال ذرا پھولے لگ رہے ہیں۔'' وہ جو اگلے چپس کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھی' رک گئی۔ ''ہاں' میں کھانے بہت لگی ہوں۔ دو دن احتیاط نہ کروں تو تمہارے جیسی ہو جاؤں گی۔ اف۔'' جھرجھری لے کر اٹھی اور داتن سے نگاہ ملائے بغیر اوپن کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''رات میں نے تمہیں اتنی کالز کیں۔ تم نے فون نہیں اٹھایا۔''

''ہاں وہ میرا فون کھو گیا تھا۔ ملاکہ میں۔'' وہ چولہے تک آئی اور غائب دماغی سے برتنوں کو دیکھا۔ کون سی چیز کہاں رکھی تھی؟ کون سے بٹن سے کون سا برنر چلتا تھا؟ قہوہ کیسے بنائے؟ مگر قہوہ کہاں سے آ گیا؟ اف وہ پہلے کس چیز سے ناشتہ   کیا کرتی تھی؟

''تم ملاکہ کیوں گئیں' تالیہ؟'' داتن نے افسوس سے اس کی پشت کو دیکھا۔ ''تم اس خزانے کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔ اس ملعون چابی کو مکمل کرنے کی کوشش....''

''میں نے اس کا پیچھا چھوڑ دیا ہے۔'' وہ اس کی طرف گھومی اور کاؤنٹر سے ٹیک لگائے سادگی سے بولی۔ ''مجھے یقین آ گیا ہے۔ وہ چابی' وہ خزانہ' وہ سب ملعون ہے۔ میں اب اس کا پیچھا نہیں کروں گی۔ خوش؟''

داتن نے ابرو بھینچ کے تعجب سے اسے دیکھا۔ ''ارے واہ' اتنی جلدی مان گئیں تم؟''

''ہوں!'' اس نے شانے اچکائے اور واپس گھوم گئی۔ دھیرے دھیرے کچن کی ترتیب یاد آتی جا رہی تھی۔

''کوئی بات ہے' تالیہ؟'' داتن ذرا اچنبھے سے اس کو کام کرتے دیکھ رہی تھی۔ ''کل تک تم دیوانی ہو رہی تھیں' اس خزانے کے لئے اور آج....''

''اف داتن!'' وہ مڑے بغیر برتن پٹخ پٹخ کرتی مصنوعی ناگواری سے بولی۔ ''ایک تو تمہاری بات مان رہی ہوں' اوپر سے....''

''یہ انگوٹھی کہاں سے لی؟ دکھاؤ!''کیا نہ صابری کو اس کے برتن پٹختے ہاتھوں میں وہ انگوٹھی اب نظر آئی۔ ذرا سی جھلک نے اس کی جوہری جیسی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ وہ اٹھی اور تیزی سے لپک کے تالیہ کے سامنے آئی۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کے بے یقینی سے اس انگوٹھی کو دیکھا۔ سرخ آنسو شکل یاقوت کے گرد ننھے ہیرے لگے تھے۔ انگوٹھی سونے کی تھی اور سونا بھی چوڑا اور بھاری تھا۔ داتن نے اس کی انگلی سے سرعت سے انگوٹھی نکالی اور اوپر کر کے روشنی میں اسے دیکھا۔

''میرے خدا... یہ تو بہت قیمتی ہے۔ یہ نئی خریدی ہے کیا تم نے۔''وہ انگشتِ بدنداں رہ گئی تھی۔

''تالیہ نے پہلے کبھی زیور''خریدا''ہے جو اب خریدے گی؟ لاؤ واپس کرو۔''نروٹھے پن سے کہتے اس نے انگوٹھی واپس لی اور انگلی میں ڈالی۔

''میں سمجھ گئی!''داتن نے پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے اس کو مشکوک نظروں سے گھورا تو تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔'

'کیا؟''دل زور سے دھڑکا۔

''تم نے خزانے کا خیال اس لئے ذہن سے نکال دیا ہے کیونکہ تمہیں کسی اور واردات کا موقع مل گیا ہے۔ یہ تم نے کسی کی چرائی ہے نا اور مجھے بتایا تک نہیں۔ جلدی بتاؤ کیا معاملہ ہے۔''

''تم جانتی ہو کہ جب تک میں خود نہ بتانا چاہوں' تم مجھ سے نہیں اگلوا سکتیں' اس لئے کیوں نا ہم ابھی بیٹھ کے ناشتہ کریں۔ اچھے دوستوں کی طرح۔''اس نے نرمی سے داتن کے کندھوں پہ ہاتھ رکھا تو اس نے شک بھری نظروں سے تالیہ کو دیکھا۔

''تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو' تالیہ۔''

''ظاہر ہے میں تم سے کچھ چھپا رہی ہوں۔ لیکن ابھی میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔ ابھی مجھے زیادہ بڑے مسئلے درپیش ہیں۔''

''اوہ ہاں۔ سمیع جیسے۔''داتن سنجیدہ ہوئی۔

''سمیع؟''تالیہ نے یاد کرنا چاہا۔ (سمیع کا کیا مسئلہ تھا؟)

اور پھر جھماکے سے یاد آیا۔ سمیع... اس کا سابقہ شوہر... اس کو دھمکا رہا تھا۔ پیسے مانگ رہا تھا' ورنہ وہ وان فاتح اور اشعر کو بتا دے گا کہ وہ کوئی امیر زادی نہیں ہے' بلکہ طلاق یافتہ اور... وہ ایک دم ہنس پڑی۔

اب یہ ساری باتیں ثانوی ہو گئی تھیں۔ فاتح کو چار ماہ پہلے جنگل میں اس نے سب بتا دیا تھا اور وہ دونوں اتنا آگے نکل آئے تھے کہ ان باتوں سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

''سمیع...''وہ مسکرا کے سر جھٹکتی قہوہ پیالی میں انڈیلنے لگی۔ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑی داتن ہنوز خفگی اور شک بھری نظریں اس پہ جمائے ہوئے تھی۔

☆☆=========☆☆
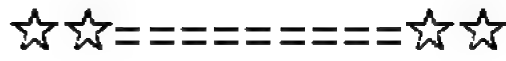
ایڈم بن محمد کے چھوٹے سے گھر پہ صبح روشن ہو چکی تھی۔ مرغیاں اپنے ڈربے میں کٹ کٹار ہی تھیں اور بلی دھوپ سے چمکتی دیوار پہ سو رہی تھی۔

اندر کچن میں ناشتے کی اشتہاء انگیز خوشبو پھیلی تھی۔ گول میز کے گرد محمد بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے اور ایبو (ماں) چولہے کے سامنے کھڑی تھی۔ سر پہ اسکارف لپیٹے' ڈھیلے ڈھالے باجو کرنگ میں ملبوس' وہ آستین اوپر چڑھائے کام میں مصروف تھی۔

''ایڈم کہاں ہے؟'' محمد صاحب نے چونک کے ایک دم پوچھا تو ایبو پلٹی اور سادگی سے ان کو دیکھ کے بولی۔

''کل اچانک سے ملاکہ چلا گیا تھا۔ رات دیر سے واپس آیا۔ میں کھانا گرم کرنے اٹھی مگر کمرے میں چلا گیا اور اندر سے آواز لگا دی کہ تھکا ہوا ہے' سونا چاہتا ہے۔ میں نے بھی تنگ نہیں کیا۔''

''اور اب؟''

''اب صبح سویرے جب میں باتھ روم میں تھی تو باہر جانے کی آواز آئی تھی۔ لو آ گیا۔''

اسی اثناء میں راہداری کا دروازہ کھلا تو ایبو نے گہری سانس لی۔ ''ایڈم... ناشتہ لگ گیا ہے۔ ادھر آ جاؤ۔'' ساتھ ہی آواز دی۔

محمد صاحب اخبار پڑھتے ہوئے چائے پیتے رہے۔ دفعتاً ایڈم اندر داخل ہوا اور سلام کہہ کے نظر ملائے بغیر کرسی کھینچی۔

ایبو نے اس کے لیے فرائیڈ رائس پلیٹ میں نکالے اور میز تک آئی تو لمحے بھر کو دھک سے رہ گئی۔ ''یا اللہ ایڈم.... یہ بالوں کو کیا کیا؟''

محمد صاحب نے بھی چونک کے اسے دیکھا۔

وہ سادہ ٹی شرٹ اور پینٹ میں ملبوس تھا۔ چہرہ سنجیدہ تھا اور بال.... بال بالکل چھوٹے کٹوا لئے تھے۔ ''کل'' سے پہلے جتنے بال تھے' اس سے بھی کافی چھوٹے۔

''یونہی' ماں۔ گرمی بڑھ گئی ہے۔ تو سوچا... بال کٹوا لوں۔'' وہ مسکرا کے تازہ دم سا بولا۔

''چلو... اچھا کیا۔ بال کٹوانے سے تمہاری رنگت کتنی صاف نکل آئی ہے۔''

محمد صاحب نے بھی ایک تائیدی نظر اس پہ ڈالی اور اخبار کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ایڈم نے بس سعادت مندی سے سر ہلایا۔ ''بس ماں... صرف بالوں کی وجہ سے لگ رہا ہے۔ ورنہ رنگت تو ایسی ہی تھی پہلے بھی۔'' نظریں چرا کے پلیٹ اپنی طرف کھسکائی۔ ناسی لیما کی خوشبو بھوک بڑھا رہی تھی۔ چاولوں کے ساتھ مونگ پھلی کا سالن۔ اس نے ایک چمچ منہ میں ڈالا تو ماں کے ہاتھ کا ذائقہ یاد آیا۔ ساتھ ہی قدیم ملاکہ کے سارے کھانے۔ گراس ہوپرز سے محل کے لوازمات تک۔ ایک فلم سی چل گئی۔

''فاتح صاحب سے جوبات کرنے گئے تھے' وہ کرلی؟''

''وہ....'' ایڈم نے نوالہ نگلتے ہوئے یاد کیا۔ ''ہاں جی' وہ کرلی۔''

''کون سی بات؟'' محمد صاحب نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر پوچھا تو ایبو سامنے والی کرسی کھینچتے ہوئے بولی۔

''کل جلدی میں جب نکلا تھا تو کہہ رہا تھا کہ وہ جو امیر زادی فاتح صاحب کے خاندان کو ٹکرائی ہے' اس کی اصلیت کھولنے جا رہا ہے۔ وہ شاید کوئی مجرمانہ عزائم رکھتی تھی۔''

''اوہ.. ایسے لوگوں کو ضرور بے نقاب کرنا چاہیے. تم نے اچھا کیا!''

ایڈم نے زور سے گلاس میز پہ رکھا۔

''وہ.... وہ ایسی نہیں ہے۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔'' جلدی سے تردید کی۔ گال گلابی ہو گئے۔

''مگر تم خود تو کہہ رہے تھے کہ اس کو تم نے نوکرانی بنے دیکھا تھا اور اب وہ امیر بننے کی اداکاری کر رہی ہے۔''

''وہ... نوکرانی ... نہیں ہے' ایبو۔ وہ واقعی ... واقعی اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ سمجھ لیں ملک کے سب سے اعلیٰ خاندان سے۔''

اس کو وہ الفاظ نہیں مل رہے تھے جن سے وہ سچ کے دائرے میں رہ کے اپنا راز محفوظ رکھتے ہوئے جواب دے سکے۔

''یا اللہ ایڈم... اگر ایسی بات تھی تو اتنے دن سے خود کو پریشان کیوں کر رہے تھے اس کے پیچھے؟''

''میں چلتا ہوں' ایبو۔'' وہ ہاتھ صاف کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ مزید بیٹھا رہا تو شاید گھبرا جائے۔ وہ تو اس ڈر سے ماں باپ سے گلے بھی نہ ملا تھا کہ وہ شک میں نہ پڑ جائیں۔

''نوکری ڈھونڈنے جا رہے ہو؟''

سوال پہ وہ ٹھٹکا۔ نوکری؟ اس کے پاس نوکری نہ تھی؟

وہ بے روزگار تھا؟ وہ شاہانہ وظیفے پہ مامور شاہی مورخ نہ تھا؟

اوہ... اسے تو اس دنیا میں نوکری بھی ڈھونڈنی تھی اور اس کی شادی بھی ہونا تھی۔ ایک دم کندھوں پہ بہت سا بوجھ آن گرا۔

''آ..... جی... میں....'' وہ ہکلایا۔ پھر باپ کو دیکھا۔ ''بابا.... مجھے کچھ پیسے چاہیے تھے' موبائل گم گیا ہے تو نیا لینا ہے۔''

''کیسے گم گیا؟'' انہوں نے اخبار رکھی بٹوہ نکالتے ہوئے پوچھا۔

''ملاکہ میں چھن گیا۔'' اس نے تھوک نگلا۔ پیسے لے کر اس کو جلد از جلد گھر سے نکلنا تھا تاکہ وہ سنبھل سکے۔ وہ تو ان سے نظریں تک نہیں ملا پا رہا تھا۔

2016 کا کے ایل پہلے کبھی اتنا مشکل نہیں تھا جتنا آج لگ رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

کے ایل پہ دوپہر اتری تو پارک کی جھیل دھوپ میں چمکنے لگی۔ اطراف میں دور دور تک گھاس پھیلا تھا۔ ایک طرف درخت تھے اور سامنے لمبا ٹریک۔ ٹریک کے ساتھ بنچ رکھا تھا جس پہ وہ بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں نیا فون پکڑ رکھا تھا۔ سیاہ لمبی اسکرٹ بلاؤز پہ سرخ منی کوٹ پہنے

سنہری بالوں کو کھولے' سر پہ ترچھا کر کے سفید ہیٹ پہنے' وہ منتظر سی دائیں طرف ٹریک کو دیکھ رہی تھی جب بائیں طرف سے ایڈم چلتا ہوا آیا اور اس کے ساتھ بیٹھا۔

تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

ڈریس شرٹ پہنے' کف کے بٹن بند کیے' چھوٹے چھوٹے بالوں میں وہ سنجیدہ سا نظر آتا تھا۔

''تم مجھے تعظیم پیش کیے بغیر ہی بیٹھ گئے۔'' شہزادی کی طبع پہ یہ بات ناگوار گزری تھی۔ ایڈم نے جل کے اسے دیکھا۔

''آپ غالباً ابھی تک قدیم ملاکہ سے واپس نہیں آئیں۔'' طنز کر کے بولا تو اس نے گہری سانس لی اور جھیل کو دیکھنے لگی۔

''شاید واقعی... میں واپس نہیں آئی۔ ذہن ابھی تک اسی جگہ مقید ہے۔ خوشی سے نہیں' عادت سے۔ کے ایل کو دوبارہ سمجھنے میں ذرا وقت لگے گا۔''

اس کی بات ایڈم کو بھی اداس کر گئی۔

''میں نے تو بال اس لئے کٹوا لیے تاکہ سب کی نظریں بالوں پہ جائیں اور رنگ پہ نہیں۔ مگر ماں نے فوراً سے بھانپ لیا کہ میری رنگت اچھی ہو گئی ہے۔''

''ہاں... چھ سو سال پہلے کی خالص خوراک نے ہمیں کافی صحت مند بنا دیا ہے۔''

''پانچ سو ستاون سال' چے تالیہ۔'' وہ بگڑ کے بولا۔ تالیہ نے پہلے اسے گھورا۔ پھر اس کے دائیں ہاتھ کو۔ لیکن پھر ضبط کے گھونٹ بھر کے رہ گئی۔

''کبھی کبھی سچ بولنا کتنا مشکل ہوتا ہے' چے تالیہ۔ میں چاہ کے بھی ماں اور بابا کو نہیں بتا سکتا کہ میں کل ایک رات میں کن زمانوں سے پھر آیا ہوں۔''

''میں بھی داتن کو کچھ نہیں بتا سکتی۔ کوئی ہمارا یقین نہیں کرے گا' ایڈم۔''

''آپ تو شاید اتنے رازوں کے ساتھ رہ سکتی ہیں مگر میرے لئے یہ چھپانا مشکل ہے۔ اس لئے کچھ وقت گھر سے باہر رہوں گا تاکہ جب تک نارمل نہیں ہو جاتا' ماں سے کم سے کم سامنا ہو۔'' پھر اس نے یاسیت سے تالیہ کو دیکھا۔ ''ہم نارمل ہو جائیں گے نا' چے تالیہ؟''

وہ جواباً اسے دیکھ کے مسکرائی۔

''وقت سب سے بڑا مرہم ہے' ایڈم۔ وقت بہت کچھ خود ہی ٹھیک کر دیتا ہے۔''

''وقت!'' ایڈم نے گہری سانس لی۔

''تمہاری وان فاتح سے بات ہوئی؟'' اسے خیال آیا تو پوچھنے لگی۔ ایڈم نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھ سے ان کا نمبر کھو گیا ہے۔ آپ کی طرح کوئی آئی کلاؤڈ اکاؤنٹ تو ہے نہیں مجھ غریب کا جو سارے کانٹیکٹس محفوظ ہوں۔ ای میل

بھی نہیں کی انہوں نے۔ میرے پاس تو آپ کا نمبر بھی نہیں تھا۔''

''شکر مجھ امیر کے سارے کانٹیکٹس محفوظ تھے۔ اسی لئے تمہیں کال کر لی۔'' جل کے بولی۔ پھر گہری سانس بھری۔ ''ان کو کال کی تھی میں نے لیکن ان کا نمبر آف جا رہا ہے۔ امید ہے بخیریت ہوں گے۔''

''چے تالیہ۔'' ایڈم بنچ پہ بیٹھا بیٹھا اس کی طرف گھوما۔ چہرے پہ الجھن تھی۔ ''آپ کو نہیں لگتا وان فاتح ہم سے کچھ چھپا رہے ہیں۔''

''مجھے لگتا ہے وہ ڈسٹرب ہیں۔ انہوں نے اپنی بیوی کو....''

''اگر وہ بیوی کی وجہ سے ڈسٹرب ہیں تو اس دن ہوتے جب آپ سے نکاح کیا تھا۔ مگر وہ اس وقت سے ڈسٹرب ہیں جب سے وہ مراد راجہ کے ساتھ سن باؤ کے گھر آئے تھے۔ یہ آپ کے ولن نما والد نے ضرور کچھ کیا ہے میں بتا رہا ہوں۔''

''مجھے بھی یہی شک ہے لیکن ایک بات میں نے ان چار ماہ میں سیکھی ہے ایڈم' کہ وقت کے ساتھ سچ خود ہی سامنے آجاتا ہے۔ وقت اور سچ کا لین دین چلتا رہتا ہے۔'' وہ مطمئن تھی۔

''پتہ نہیں کیا بات ہے۔ مجھ سے تو وہ بات ہی نہیں کر رہے تھے۔'' وہ پھر سے خفا ہوا۔

''اپنے احساسِ کمتری سے نکل کے جینا سیکھو' ایڈم۔ اور ہم نے بھی تو ان سے خزانے والی بات چھپائی ہے نا۔ پھر اگر انہوں نے کچھ چھپا بھی لیا تو....؟''

ایڈم نے چونک کے بنچ کے دوسرے سرے پہ بیٹھی ترچھے ہیٹ والی لڑکی کو دیکھا۔'

'ہاں وہ خزانہ....وہ کب نکالیں گے ہم؟ وہ تو فاتح صاحب کے گھر میں ہے۔''

''تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔ پلان اے' بی' سی' سب تیار ہیں۔ نہ صرف ہم خزانہ نکالیں گے' بلکہ اس کو بلیک مارکیٹ میں بیچ کے امیر بھی ہو جائیں گے۔''

''پھر مجھے کسی نوکری کی ضرورت نہیں ہوگی۔'' ایڈم نے سکون کا سانس لیا۔

''ہاں' اور پھر تم خوب شاندار طریقے سے اپنی شادی کرنا۔''

''شادی؟'' وہ چونکا۔ ''ہاں...دو ماہ بعد میری شادی ہے۔''

''مجھے کتنا الزام دیتے تھے کہ تمہاری شادی میری وجہ سے نہیں ہو پائی۔ شکر ہے اب یہ الزام تو نہیں دے سکو گے۔''

''اگر میری شادی نہ ہوئی تو الزام آپ کے ہی سر ہوگا' چے تالیہ۔'' وہ زیر لب بولا مگر تالیہ سن نہ سکی۔ وہ پرس اٹھاتے ہوئے کھڑی ہو رہی تھی۔

''فاتح صاحب سے ملنے چلتے ہیں کسی دن۔ ان کے اردگرد لوگ بہت ہوتے ہیں اس لئے یوں ایک منہ اٹھا کے نہیں جا سکتے۔ بلکہ....'' اسے یاد آیا۔ ''نیلامی پہ چلتے ہیں دونوں۔ وہاں ملاقات ہو جائے گی ان سے۔ اور پھر ہم ان سے پرائیوٹ ملاقات کے لیے وقت مانگ

لیں گے۔'' پھر وہ ذرا سا ہنسی۔ ''وہ وان فاتح جن سے ملنے کے لئے ایک دنیا کئی کئی ہفتے پہلے سے اپائنٹمنٹ لیتی ہے' ان کو اب فوراً ہمیں اپائنٹمنٹ دینی پڑے گی۔ کیونکہ دنیا والے نہیں جانتے کہ ہم نے ایک زمانے کا سفر ایک ساتھ کیا ہے۔'' اس کے انداز پہ ایڈم بھی مسکرا کے اٹھا۔

''اچھا تو میں نیلامی میں آپ کا پلس ون بن کے جاؤں گا۔''

تالیہ نے گھور کے اسے دیکھا۔ ''مت بھولو کہ میں شہزادی ہوں اور تم وہ قیدی جس کا....''

''جس کے دائیں ہاتھ پہ آپ بری نظر رکھنا چھوڑ دیں تو بہتر ہو گا' چے تالیہ بنت مراد'' وہ اعتماد سے کہتا اس کے مقابل کھڑا ہوا۔ ''یہ دو ہزار سولہ کا کے ایل ہے۔ اور ہم ایک جمہوری ملک میں رہتے ہیں۔ یہاں سارے شہری برابر ہوتے ہیں۔ میں اور آپ.... ہم یہاں برابر ہیں۔ آپ یہاں شہزادی نہیں ہیں۔''

وہ بنچ کے ساتھ کھڑے تھے۔ دائیں ہاتھ وسیع جھیل تھی جس کا پانی دھوپ میں چمک رہا تھا۔ تالیہ نے دھوپ کے باعث ماتھے پہ ہیٹ سیدھا کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرائی۔

''شہزادی نہ سہی' میں ملک کے اگلے وزیرِ اعظم کی بیوی ضرور ہوں' ایڈم۔ تمہاری فرسٹ لیڈی۔ چاہے تھوڑے دن کے لئے ہی سہی۔''

ایڈم پہ گھڑوں پانی پڑ گیا۔ دل ڈوب کے ابھرا۔

''میں چاہوں گا کہ آپ ہمیشہ فرسٹ لیڈی رہیں اور یہ مقام وہ آپ سے کبھی واپس نہ لیں۔''

''ارے چھوڑو ایڈم۔ میں ایسے خواب نہیں دیکھتی۔ بس ہم ساری عمر دوست رہیں' اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ بھلے وہ کل ہی مجھے چھوڑ دیں۔'' پھر رخ موڑ لیا۔ آنکھوں میں تکلیف سی ابھری تھی۔ ''وہ اگر تمہیں میرے لئے کوئی پیپر ای میل کریں تو مجھے بتا دینا۔'' ہیٹ درست کرتی' بیگ کندھے پہ لٹکاتی' وہ ٹریک کی طرف بڑھ گئی۔

ایڈم اداسی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ نئے زمانے کی نئی پیچیدگیاں۔

☆☆=========☆☆

نیلامی کی تقریب عصرہ اور فاتح کی رہائشگاہ پہ منعقد ہوئی تھی۔ سنہری اور سفید رنگ سے سارے میں آرائش کی گئی تھی۔ لان میں کرسیاں دو قطاروں کی صورت سجائی گئی تھیں اور درمیان میں گزرنے کا راستہ تھا۔ دوسری طرف بفے ٹیبلز لگی تھیں۔ جگہ جگہ سجے سفید اور سنہری پھولوں کے گلدستے تقریب کو ایک باوقار رنگ دے رہے تھے۔

تقریب کا ابھی آغاز ہوا تھا۔ بہت سے مہمان آ چکے تھے مگر بہت سوں نے آنا تھا۔ ڈرنکس سرو کی جا رہی تھیں اور لوگ ٹولیوں کی صورت لان میں پھیلے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

عصرہ لان کے دہانے پہ بچھے سرخ کارپٹ پہ استقبالی انداز میں کھڑی مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ ساتھ موجود ملازمائیں بر آنے

والے کو راستہ دکھاتیں۔عصرہ کے ساتھ اس کا بیٹا سکندر کھڑا تھا۔گیارہ سال کالڑکا سوٹ اور ٹائی پہنے بڑا بڑا لگ رہا تھا۔ماں کی طرح وہ بھی مہمانوں کا استقبال کرر ہا تھا۔

تالیہ اور ایڈم جب کار سے اتر کے کھلے گیٹ سے اندر آئے تو سرخ کارپٹ کے سرے پہ کھڑی عصرہ نے دور سے ان کو دیکھ لیا تھا۔مسکرا کے وہ چند قدم آگے آئی۔بالوں کو نفاست سے جوڑے میں باندھے'موتیوں کی لڑی گردن میں پہنے'وہ سفید اور سنہری باجو کرنگ میں ملبوس تھی اور سنہری اسٹول کندھے پہ پن سے جما رکھا تھا۔میک اپ سے بجی سنوری وہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔

جیسے جیسے وہ قدم اس کی طرف بڑھا رہی تھی'تالیہ کے اندر اداسی پھیلنے لگی۔

عصرہ نہیں جانتیں کہ فاتح اور میں نے....پھر اس نے سر جھٹکا اور مسکرا کے آگے بڑھی۔عصرہ اس سے گال سے گال ٹکرا کے گلے ملی۔پھر علیحدہ ہو کے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم بہت اچھی لگ رہی ہو تالیہ۔تمہارے آنے سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔''

تالیہ جواباً دقت سے مسکرائی۔اس نے سنہری رنگ کی انڈین ساڑھی باندھ رکھی تھی جس کے آستین کلائی سے ذرا پیچھے تک ختم ہوتے تھے۔سنہری بالوں کو گھنگریالہ کر کے چہرے کے ایک طرف ڈالے وہ قدیم ملاکہ سے لائے گئے ننھے ٹاپس اور ہیرے کا لاکٹ پہنے ہوئے تھی۔ عصرہ کی نظر اس کے سجے سنورے چہرے سے ہوتی زیور پہ جا ٹھہری....لیکن مزید تعریف کرنا اس کی شان کے خلاف تھا۔بس مسکرا کے ساتھ کھڑے نوجوان کو دیکھا تو چونکی۔

وہ سیاہ کوٹ پینٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس'کٹے ہوئے بالوں والا قدرے غیر آرام دہ نظر آتا تھا'ایڈم تھا۔

''ایڈم!''اس کے ابرو تعجب سے اٹھے۔

''ایڈم سے آپ کی طرف ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا کہ اس کی جاب ختم ہوگئی ہے۔اب میں اس کو اپنے ساتھ رکھتی ہوں تا کہ اس کی جاب کا بندوبست کر سکوں۔ہم اچھے دوست بن گئے ہیں'اس لئے میں نے....''

''اچھا کیا تم اس کو لے آئی۔اچھا لگا تمہیں دیکھ کے ایڈم!''عصرہ جبراً مسکرائی۔اگر اسے اچھا نہیں بھی لگا تھا تو اس نے ظاہر نہیں کیا۔

عصرہ دوسرے مہمانوں کی طرف متوجہ ہوگئی اور وہ دونوں آگے لان تک آئے تو ایڈم نے جھک کے سرگوشی کی۔''مسز عصرہ نے مجھے وقت سے پہلے نوکری سے نکال دیا تھا تا کہ میں فاتح صاحب کے سامنے ان کا بھانڈا نہ پھوڑ دوں کہ اس روز آپ کی کار میں واپس کرنے گیا تھا۔انہوں نے فاتح صاحب کو بتایا تھا کہ کار آپ خود لینے آئی تھیں اور آپ نے فائل چرا لی۔''

''مگر عصرہ کی سازشیں ناکام ہوئیں کیونکہ ہم وان فاتح کو جنگل میں ساری حقیقت بتا چکے ہیں۔امید ہے اب تک فاتح صاحب نے گھائل غزال کو بھی نیلامی سے ہٹا دیا ہوگا کیونکہ وہ نقلی ہے اور اشعر اس کو بکوا کے عصرہ اور فاتح کو بدنام کرنا چاہتا ہے۔''تالیہ بظاہر مسکرا کے اطراف میں دیکھتی زیرلب کہہ رہی تھی۔وہ دونوں لان کے سرے پہ کھڑے تھے اور اس کی نظریں مسلسل کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

''وہ رہی آپ کی بنائی گئی پینٹنگ۔'' ایڈم نے نیلامی کی کرسیوں کے سامنے اسٹیج پہ رکھے عصرہ کے پورٹریٹ کی طرف اشارہ کیا تو وہ چونکی۔ وہ خوبصورت پورٹریٹ اپنے سارے وقار کے ساتھ آویزاں ہر ایک کی توجہ کھینچ رہا تھا۔ اسے بے اختیار کچھ یاد آیا.....

(قدیم ملاکہ کا محل.....سبزہ زار پہ بنی لکڑی کی کینوپی.....اس پہ براجمان ملکہ یان سوفو.....اور سامنے بیٹھی شہزادی اس کو ایک پورٹریٹ دکھا رہی تھی.....ملکہ کی تصویر.....)

تالیہ نے سر جھٹکا۔ یہ قدیم ملاکہ بار بار کیوں یاد آ جاتا تھا؟

''اور وہ رہے وان فاتح۔''

''کدھر!'' اس نے بے قراری سے ایڈم کے اشارے کے تعاقب میں دیکھا۔

قدرے فاصلے پہ ایک پھولوں سے سجا ستون تھا اور اس کے ساتھ فاتح کھڑا تھا۔ اشعر اور اس کا باڈی مین عبداللہ بھی ساتھ کھڑے تھے۔ تینوں کے ہاتھوں میں گلاسز تھے اور وہ کسی بارے میں بات کر رہے تھے۔

تالیہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

وہ سیاہ کوٹ کے اندر سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ شیو بنائے' بال دائیں طرف کو جمائے' وہ مسکراتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا۔ ازلی پر سکون انداز' ازلی شاہانہ مسکراہٹ۔ گلاس پکڑے ہاتھ پہ بینڈ ایج لگا تھا۔ چہرے کے زخم مندمل تھے البتہ کنپٹی پہ مدھم سا کٹ یہاں سے بھی نظر آ رہا تھا۔

وہ ایڈم کو یکسر بھلائے کسی خواب کی سی کیفیت میں اس کی طرف بڑھی۔ کلچ تھامے' سنہری ساڑھی سنبھالتی وہ گھاس پہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہی تھی۔

وہ جدید کے ایل میں یوں پہلی دفعہ ملیں گے۔ اتنے لوگوں کے درمیان۔

وہ اسے دیکھ کے مسکرائے گا؟

یا بعد میں ملنے کا کوئی اشارہ کرے گا؟

یا کوئی معنی خیز بات مسکرا کے کہے گا جس کا مطلب صرف وہ دونوں جانتے ہوں گے...؟

.وہ قدم اٹھا رہی تھی...

اس پارٹی میں موجود یہ تمام بااثر طاقتور لوگ نہیں جانتے تھے کہ وہ دونوں کس دنیا کے ساتھی تھے.....

وہ قریب آ رہی تھی جب کوئی صاحب آئے اور فاتح سے ہاتھ ملایا۔ اس نے گرمجوشی سے ہاتھ تھاما تو ان کی نظر اس کے پٹی زدہ ہاتھ پہ گئی ۔پھر کنپٹی کے زخم پہ۔

''اوہ آپ ٹھیک ہیں' سر؟ یہ کیا ہوا؟''

''ارے یہ کچھ نہیں ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے۔ ''رات کو باتھ روم کے لئے اٹھا تو اندھیرے کے باعث ٹھوکر لگ گئی۔''

''الیکشن قریب ہیں، سر۔ ٹھوکروں سے اجتناب کریں۔''

جواباً وہ تمام افراد ہنس دیے۔ اشعر نے تالیہ کو نہیں دیکھا تھا' وہ ان صاحب کو گرمجوشی سے ملتا انہیں لئے آگے بڑھ گیا تو پل بھر کے لئے فاتح اور باڈی مین عبداللہ تنہا رہ گئے۔ وہ قریب آ چکی تھی۔ مسکرا کے ذرا سا کھنکاری۔

''شام بخیر... تو انکو!''

وان فاتح گلاس سے گھونٹ بھر رہا تھا۔ آواز پہ چہرہ موڑا' اسے دیکھا اور گلاس نیچے کیا۔ پھر سنجیدگی سے سر کو خم دیا۔

''آپ کو پینٹنگز کی یہ نیلامی دیکھ کے کبھی خیال آتا ہے فاتح صاحب... کہ قدیم زمانوں میں انسانوں کی بھی اسی طرح نیلامی ہوا کرتی ہوگی؟'' وہ مسکراہٹ دبائے معنی خیزی سے بولی۔

فاتح نے نظریں گھما کے گہرے انداز میں دیکھا' پھر مسکرایا۔ یہ مسکراہٹ کافی سرد تھی۔

''میرا جواب انکار میں ہے' تاشہ!''

''جی؟'' اس کی مسکراہٹ سمٹی۔

''نہیں' میں تمہیں اپنا گھر نہیں بیچ رہا۔ نہ میں کبھی دوبارہ تمہیں اس گھر میں خوش آمدید کہوں گا۔ اس روز تم عصرہ کے ساتھ ملاکہ آ گئیں' میں خاموش رہا۔ میری چھٹی Spoil ہوئی' میں نے برداشت کیا' لیکن میں یہ نہیں بھولا کہ تم نے اشعر کے لئے اس گھر کی فائل کے ساتھ کیا کیا تھا۔ اس لئے میرا جواب انکار میں ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں دوٹوک کہہ رہا تھا۔

وہ بالکل ٹھہر کے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں اچنبھا لئے' ابرو حیرت سے اکٹھے کیے۔ وہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔

''سوری' فاتح صاحب' مگر وہ گھر...''

تبھی عبداللہ کے ہاتھ میں پکڑا فون بجا تو اس نے جھٹ فاتح کو تھما دیا۔

وہ تالیہ کو نظرانداز کر کے فون کان سے لگائے بات کرنے لگا۔

''جی جی... میں نے نمبر چینج کیا ہے۔ میرا فون کہیں کھو گیا ہے' مل نہیں رہا تھا۔ جی مجھے آپ کا پیغام ملا تھا۔'' وہ مسکرا کے کسی سے بات کر رہا تھا۔ وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگی۔ چلتے چلتے وہ ستون کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ اس کا سارا وجود کان بنا ہوا تھا۔

پھولوں سے ڈھکے ستون کے اس طرف کھڑے فاتح نے فون بند کر کے عبداللہ کو تھمایا تو اس نے رازداری سے پوچھا۔

''سر... مسز عصرہ نے کہا تھا یہ آج کی اسپیشل گیسٹ ہیں۔ کیا ان کے کچھ اور عزائم ہیں؟'' اس نے نہیں دیکھا تھا کہ تالیہ پیچھے جا کھڑی ہوئی تھی۔

''کون؟ یہ تاشہ؟ ہاں یہ عصرہ کی نئی دوست ہے۔ اشعر کے ساتھ انوالوڈ ہے شاید۔ اور میز بانی عصرہ نبھا سکتی ہے' میں نہیں۔ مجھے اس لڑکی سے شدید Dishonest قسم کی وائبز آتی ہیں۔'' اکتاہٹ سے کندھے جھٹک کے کہتا وہ آگے بڑھ گیا۔

وہ گردن موڑ کے شل سی اس کو جاتے دیکھنے لگی۔ اس کا دل بہت آہستہ آہستہ سے دھڑک رہا تھا۔

آگے بڑھتا فاتح گھاس پہ تنہا کھڑے ایڈم کو دیکھ کے رکا۔ پھر ہلکا سا مسکرایا۔

''ایڈم!'' سر سے پیر تک اس کا حلیہ دیکھا۔

ایڈم بھی خوش دلی سے مسکرا کے اپنائیت سے آگے بڑھا۔ ''کیسے ہیں آپ' سر؟'' اس کا چہرہ دمکنے لگا تھا۔

''ایم فائن۔ تم ٹھیک ہو؟'' بس رسما مسکرا کے کہتا وہ آگے بڑھنے لگا' پھر رک کے ایڈم کو دیکھا۔ ''اس روز میں تمہاری بات نہیں سن سکا تھا شاید۔ تم کیا کہنے آئے تھے؟''

''میں' سر؟ کس روز؟'' ایڈم کو فوری یاد نہیں آیا۔

''جب میں ملاکہ سے جا رہا تھا تو تم نے مجھے روکا تھا۔ تم کچھ کہنا چاہ رہے تھے۔'' وہ جیسے آگے جانا چاہتا تھا مگر مشکل سے چند لمحوں کے لئے بات کرنے رکا تھا۔

''ایڈم آپ سے بات کرنے چھٹی والے دن ملاکہ تک چلا گیا؟'' عبداللہ نے ایک جلن بھری نظر ایڈم پہ ڈالی۔

''سر' میں....'' ایڈم کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ وہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ ''آپ نے میری بات سن لی تھی' سر۔''

''اچھا' مجھے لگا شاید وہ بات درمیان میں رہ گئی۔ عجیب تکان بھرا ویک اینڈ تھا یہ۔''

وان فاتح بن رامزل یہ کہہ کے' گلاس تھامے' سر جھٹکتا آگے بڑھ گیا۔

چند ہی لمحوں میں دوسرے کئی مہمان اس کی طرف جانے لگے۔ وہ جہاں جاتا تھا وہاں محفل لگ جاتی تھی۔

صرف دو لوگ تھے جو بالکل شل تھے۔ اپنی اپنی جگہ حیران۔

''ایڈم!'' دفعتاً تالیہ اس کے قریب چلتی آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک کارڈ تھا۔

''یہ وان فاتح کو کیا ہوا ہے' چے تالیہ؟ شاید وہ لوگوں کے سامنے ہمیں پہچان کے کسی کو شک میں نہیں ڈالنا چاہتے۔''

''ایڈم! یہ دیکھو!'' اس نے کارڈ اس کے سامنے کیا تو اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

''گھائل غزال نیلامی پہ موجود ہے۔''

''ایں؟ وان فاتح نے اس کو ہٹوایا نہیں؟'' وہ دنگ رہ گیا۔

''ایڈم!'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''اپنا ای میل دیکھو۔ انہوں نے تمہیں ای میل کی ہوگی۔''

''اوہ ہاں۔ میں نے تو اس روز سے میل نہیں دیکھی۔ نیا فون ہے نا۔ میں بھول گیا۔'' اس نے جلدی سے فون نکالا اور الجھے الجھے انداز

میں اسکرین پہ بٹن دبائے۔ وہ اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ اردگرد ٹہلتے مہمانوں سے بے نیاز ان دونوں کی نظریں اسکرین پہ جمی تھیں۔

وان فاتح کے نام سے میل سامنے پڑی تھی۔ یہ آج صبح کی تاریخ میں وصول ہوئی تھی۔ ایڈم نے دھڑکتے دل سے اس کو دبایا۔

ایک طویل پیغام کھل گیا۔

بے قرار آنکھوں نے پڑھنا شروع کیا۔

''ڈیئر ایڈم.....

جس وقت میں یہ ای میل لکھ رہا ہوں' رات کے پونے بارہ بجے ہیں' اور تاریخ سولہ جولائی ہے۔ تم دونوں ابھی ابھی میرے گھر سے نکلے ہو بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وانگ لی کے گھر سے۔ وہ گھر جہاں ہم نے خود کو کھو کے دوبارہ پایا ہے۔

میں اس ای میل کو اپنے ای میل اکاؤنٹ کی بجائے ایک ویب سائٹ سے بھیج رہا ہوں اور اس کو شیڈیول کر رہا ہوں تاکہ یہ تمہیں تین دن بعد ملے۔ شکر کہ سکندر نے مجھے یہ کام کرنا سکھا رکھا تھا کیونکہ اگر ابھی یہ میل تمہیں ملی اور تم نے دیکھ لی تو تم دونوں واپس آ جاؤ گے اور جو ہونے جا رہا ہے اس کو روکنے کی کوشش کرو گے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور اپنے ای میل سے اس لئے نہیں بھیج رہا تاکہ تم اس کا جواب نہ دے سکو اور مجھے کبھی یہ میل دوبارہ اپنے اکاؤنٹ میں واپس نہ ملے۔

میں اتنے دن سے تمہیں نظر انداز اسلئے نہیں کرتا کہ تم سے بات نہیں کرنی تھی' بلکہ اس لئے کہ تم ہی سے تو بات کرنی تھی۔ تمہارا اور میرا تعلق اس سے مختلف ہے جو تالیہ اور میرا تھا۔ میں نے الوداعی لمحات میں تمہیں کوئی نصیحت اس لئے نہیں کی کیونکہ تم تجربے سے سیکھنے کے عادی ہو۔ امید ہے تالیہ تمہارا خیال رکھے گی اور تم اس کا۔

مجھے یہ ای میل لکھنے کی نوبت اس لئے پیش آئی کیونکہ ہمارے سارے مطالبے ماننے کے لئے مراد راجہ نے میرے سامنے ایک شرط رکھی تھی اور میں نے وہ شرط مان لی تھی۔ اس لئے کیونکہ میں نے تم لوگوں سے صرف واپس لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے بعد کے ساتھ کا نہیں.....

☆☆=========☆☆

مراد راجہ اور وان فاتح میز پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ درمیان میں موم بتی جل رہی تھی اور مراد کرسی سنبھالے' آگے ہو کے اس کی آنکھوں میں دیکھتا مسکرا رہا تھا۔ فاتح نے ابرو بھینچے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیا شرط ہے تمہاری؟''

جواباً مراد نے حقے کا کش بھرا اور منہ سے دھواں چھوڑا.....مرغولے سے بن کے اوپر فضا میں اٹھنے لگے۔ پھر وہ کھلے دل سے مسکرایا۔

''وہ دروازہ تم نے کھولا تھا نا؟ چابی تم نے جوڑی تھی نا؟''

''ہاں۔''

''نہیں جوڑنی چاہیے تھی۔تم نے یہ کر کے چابی کا چکر خراب کردیا ہے۔''

''کام کی بات پہ آؤ' راجہ۔لمبی کہانیاں مت سناؤ۔''

راجہ نے حقہ پرے دھکیلا اور گویا ہوا۔

''میری شرط صرف یہ ہے کہ دروازہ اب بھی تم ہی کھولو گے اور اس چکر کو مکمل کردو گے۔مگر پہلے تمہیں یہ چابی اس بوتل سے نکال کے جوڑنی ہوگی۔اور اس سے بھی پہلے تمہیں یہ مشروب پینا ہوگا۔''

فاتح نے ایک گہری نظر بوتل پہ ڈالی جو بے رنگ مائع سے بھری تھی۔سکہ اور ڈلی پیندے میں پڑے تھے۔''اور اس سے کیا ہوگا؟'' مشکوک انداز میں مراد کو دیکھا۔

''جب دروازہ کھولنے کے بعد چابی ٹوٹے گی تو وہ لمحہ امر ہو جائے گا۔اور کفارہ پورا ہو جائے گا۔''

''کس چیز کا کفارہ؟''

''چابی کا چکر خراب کرنے کا کفارہ۔کیا تم اب بھی نہیں سمجھے؟ چلو دیکھو....''

وہ نرمی سے سمجھانے لگا اور فاتح تنے ہوئے اعصاب کے ساتھ اسے دیکھے گیا۔

''تمہیں وہ لمحہ یاد ہے جب تم نے چابی جوڑی تھی؟''

''ہاں۔میں اپنی سواری میں بیٹھا تھا اور میرا دوست میرے پاس وہ چابی لے کر آیا تھا اور میں نے دونوں ٹکڑوں کو جوڑ دیا تھا۔پھر؟''

''وہ بھی ایک امر لمحہ تھا۔اس لمحے سے لے کر اس چابی کے دوبارہ ٹوٹنے تک کا وقت تمہارا کفارہ ہوگا' اور وہ وقت....تمہارے ذہن سے محو ہو جائے گا۔''

فاتح پیچھے کو ہوا۔اور بے اختیار ابرو اٹھایا۔''تمہارا مطلب ہے کہ یہ سارا وقت جو میں نے قدیم ملاکہ میں گزارا ہے....میں اسے بھول جاؤں گا؟''

''میرا مطلب یہ ہے کہ چابی خود جوڑنے کے بعد کا جتنا وقت تم نے گزارہ ہے' وہ ہمارے اصول کے مطابق ایک ناجائز وقت تھا۔اس کا کفارہ صرف یہی ہے کہ جو بھی دوبارہ اس چابی کو جوڑ کے دروازہ کھولے گا' چابی کے ٹوٹنے کے بعد وہ اس ناجائز وقت کو بھلا دے گا۔یہ چابی ایک شخص کے لئے تھی۔یہ تالیہ کے لئے تھی۔تم نے اس کو جوڑ کے غلط کیا۔اور یہی تمہارا کفارہ ہے۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' اس نے ناگواری سے بھنویں بھنچیں۔''کوئی اور راستہ بھی ہوگا وقت میں واپس جانے کے لئے۔''

''فاتح بن رامزل!'' وہ ہتھیلیاں میز پہ جمائے مزید آگے ہوا اور سرخ پڑتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔''تم میری بیٹی سے شادی کرو گے' میرے محل کے باہر لوگوں کو بٹھا دو گے' مجھے سلطان کے سامنے رسوا کرو گے' تو تمہارا خیال ہے کہ میں تمہیں دوسرے راستے دکھاؤں گا؟

نہیں۔ اگر تمہیں واپس جانا ہے تو اس کا ایک یہی راستہ ہے۔ ورنہ میں بغاوت کر دوں گا۔ سلطان کو مار دوں گا اور پھر مجھے کسی چھپے ہوئے نکاح کا ڈر نہیں ہوگا۔''

کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔ فاتح کا ذہن ان الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اور میرے سب بھول جانے سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟''

اب کے مراد معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''تالیہ واپس آ جائے گی!''

فاتح کے ماتھے پہ بل گہرے ہوئے۔

''تالیہ.... کبھی واپس نہیں جائے گی۔''

''تم میری بیٹی کو نہیں جانتے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ اس نے چار ماہ ایک محل میں حکومت کی ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے' وہ واپس جا کے عام سی زندگی گزارے گی؟ نہیں فاتح.... طاقت میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ حکمرانی ایک نشہ ہے جس کی تڑپ روح نکلنے کے ساتھ ہی جاتی ہے' اس سے پہلے نہیں۔ اس نے طاقت کے پیالے کو چکھ لیا ہے' وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکے گی۔''

''اچھا۔ اور میں سب بھول جاؤں گا تو وہ مجھ سے مایوس ہو کے تمہارے پاس آ جائے گی؟''

''ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ تم نے خود کہا تھا' میری بیٹی کی موت ہمارے اسی زمانے میں لکھی ہے۔ سمندری سفر پہ۔ وہ سمندری سفر ابھی 'آنا' ہے' فاتح.... ہے نا۔''

اس نے جواب نہیں دیا۔ بس ضبط سے اس کو گھورتا رہا۔

''اور اگر میں یہ نہ مانوں تو؟ اگر میری جگہ تالیہ دروازہ کھولے تو؟''

''تو وہ اس امر لمحے سے لے کر چابی کے دوبارہ ٹوٹنے تک کا سارا وقت بھول جائے گی۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔''

''یعنی جو بھی دروازہ کھولے گا' وہ سب بھول جائے گا۔ اور اپنی زندگی میں یوں واپس چلا جائے گا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں!'' اس کی آواز میں اضطراب چھلکا۔

''ہاں۔ اب یہ تم پہ منحصر ہے کہ تم یہ قربانی خود دیتے ہو یا تالیہ کو آگے کرتے ہو۔''

''اور تم ہمارے جاتے ہی تالیہ کے منتظر ہو گے۔ مگر تمہارا انتظار' انتظار ہی رہے گا' مراد۔ جتنے برس انتظار کرو' وہ نہیں آئے گی۔''

''تم بھول رہے ہو کہ وقت یہاں بھی ٹھہر جائے گا۔ وہ تمہاری دنیا میں جتنے برس گزارے' میری دنیا میں جب وہ آئے گی تو وہ اسی دن' اسی پل واپس آئے گی۔ میں مرسل شاہ سے اس کی شادی منسوخ نہیں کر رہا۔ تم اپنی دنیا میں میری شہزادی بیٹی کو جتنے برس روکنا چاہو' روک لو۔ اور آخر میں وہ ہمارے ملاکہ واپس آ جائے گی اور ملکہ بنے گی۔ میں نے کہا نا' تم مراد راجہ کو نہیں ہرا سکتے۔''

''اور اگر اس سب کے باوجود وہ واپس نہ آئی تو؟''

''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے' وان فاتح ... تم نے تو صرف یہی فیصلہ کرنا ہے کہ کیا تم اس چابی کو (بوتل کی طرف اشارہ کیا) پانے کے لئے یہ قربانی دے سکتے ہو؟'' مراد مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

فاتح نے ہلکی سی نظریں موڑیں۔ کمرے کے کونے میں آریانہ کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے نفی میں سر ہلایا' گویا اسے روکا ہو۔

''ڈیڈ... آپ اس کی بات نہ مانیں۔ ایڈم کو یہ مشروب پینے دیں۔ اگر وہ سب بھول بھی جائے تو کیا ہو گا؟ مگر آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیے۔ نہ ہی تالیہ کو بھولنا چاہیے۔'' وہ منت کر رہی تھی۔ فاتح نے اس کو نظر انداز کیا۔

''ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے۔'' اس نے بوتل اپنے قریب کی۔

''یعنی تم سب بھلا دینے پہ راضی ہو۔'' مراد مسکرایا۔ ''پوچھ سکتا ہوں کیوں؟''

''تم مجھے نہیں جانتے راجہ۔ میں کیا کر رہا ہوں اور کیوں کر رہا ہوں۔ یہ تم نہیں سمجھ سکتے۔'' اس نے بوتل کا ڈھکن زور سے باہر کو کھینچا' پھر اسے لبوں سے لگا لیا۔ گھونٹ بہ گھونٹ پانی اندر اترتا گیا۔

اس کا کوئی ذائقہ نہ تھا۔ بے لذت۔ بے سواد۔

مشروب ختم ہوا تو سونے کے دونوں ٹکڑے باہر آ گرے۔ اس نے آرام سے ان کو اٹھایا اور جوڑ دیا۔ چابی جڑتے ساتھ ہی چمکنے لگی۔ فاتح نے اس کی زنجیر کو گردن میں پہن لیا اور پھر مراد کو دیکھا۔

''دروازہ کھولنے کے کتنی دیر بعد چابی ٹوٹے گی؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''دروازہ کھلتے ہی یہ ہر گزرتے پل بھاری ہوتی جائے گی' یہاں تک کہ تم اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکو گے۔ اور آخر کار تم اس کو گردن سے نوچ پھینکو گے۔''

''تقریباً کتنی دیر بعد؟'' اس نے دہرایا۔ ''کتنا وقت ہو گا میرے پاس؟''

''تقریباً ایک پوری رات۔ اس سے زیادہ نہیں۔ کیوں؟ تم اس ایک رات میں کیا کرنا چاہتے ہو؟'' مراد نے غور سے اسے دیکھا۔

''ایک رات تو بہت طویل عرصہ ہے راجہ۔ یہاں تو ایک لمحے میں دنیا بدل جاتی ہے۔ زمانہ پلٹ جاتا ہے۔ میں نے کہا نا' تم مجھے نہیں جانتے۔'' اور کرسی دھکیل کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے تاثرات پتھر جیسے ہو رہے تھے۔

''اور مجھے معلوم ہے کہ میں یہ کیوں کر رہا ہوں۔''

☆☆=========☆☆

''ڈیئر ایڈم.....

میں نے راجہ کی شرط مان لی تھی۔ واپس آنے کے بعد جب چابی ٹوٹے گی تو میرے ذہن سے یہ گزرے چار ماہ محو ہو جائیں گے۔ میں

نے یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگائی کیونکہ یہی ہم تینوں کے لئے بہتر ہے۔

اگر ایڈم تم یہ مشروب پیتے تو تم سب بھول جاتے۔قدیم ملاکہ کے سارے اسباق بھول کے تم وہی عام سی زندگی گزارنے لگتے جو پہلے گزار رہے تھے مگر اب تم وہ زندگی نہیں گزارو گے۔میں نہیں چاہتا تھا کہ تم اپنے اصل کو بھول جاؤ۔

اور اگر تالیہ یہ پیتی تو وہ بھی اسی زندگی کی طرف لوٹ جاتی جس کو اس نے بہت مشکل سے چھوڑ کے اپنے اصل کو دریافت کیا تھا۔میں اس سے اس کا اصل نہیں چھین سکتا تھا۔

رہا میں تو..... مجھے یہ فیصلہ مشکل نہیں لگا۔میری زندگی پہلے ہی بہت پیچیدہ ہے۔یہ الیکشن ائیر ہے۔مجھے بہت سے کام کرنے ہیں جن کو میری مکمل توجہ چاہیے۔اور قدیم ملاکہ کو بھول جانے سے میری زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔مجھے بھول جانا چاہیے کہ میں نے اپنی بیوی سے بے وفائی کی ہے۔کاغذوں پہ ہی سہی۔

یہ ای میل لکھنے سے قبل میں نے سوچا تھا کہ اس میں تالیہ کے لئے آزادی کا پروانہ لکھ بھیجوں گا'لیکن جیسے جیسے یہ چابی بھاری ہو رہی ہے' مجھے احساس ہو رہا ہے کہ رشتے چاہے صرف کاغذی ہی ہوں' اتنی آسانی سے نہیں توڑے جا سکتے۔تالیہ سے کہنا 'میں اب اسے نہیں چھوڑنا چاہتا۔میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ایک دن وہ مجھے ہر وہ چیز یاد کروا دے جو میں بھول بیٹھا ہوں۔خود غرضی کہہ لو یا کچھ بھی' میں تالیہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔میں اسے خود سے مایوس بھی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ تب وہ واپس چلی جائے گی۔میں چاہتا ہوں' وہ میرے ساتھ رہے۔کیونکہ اسے میری اور مجھے اس کی ضرورت ہے۔

چار ماہ قبل..اس چابی کو جوڑنے سے پہلے میں اسے ایک بد دیانت اور سطحی سوشلائیٹ ''تاشہ'' کے طور پہ جانتا تھا جس نے میری فائل چرائی تھی۔اگر چیزیں واپس اسی مقام پہ پہنچ جائیں' تب بھی میں چاہوں گا کہ وہ میرے ساتھ رہے۔بھلے میں اسے ناپسند کروں' اسے دھتکاروں' میں چاہتا ہوں کہ وہ تب بھی میرے ساتھ رہے۔امید ہے اسے وعدے نبھانے آتے ہوں گے۔

اور میں چاہوں گا ایڈم' کہ تم اپنی زندگی کو دوبارہ سے تعمیر کرنا شروع کرو'لیکن اس دفعہ وہ کوئی عام زندگی نہیں ہونی چاہیے۔میں تمہاری توقعات کے مطابق راجہ کی بدعنوانی کو بے نقاب نہیں کر سکا کیونکہ میں لیڈر تھا' اور لیڈرز کو مشکل فیصلے کرنے پڑتے ہیں' لیکن تم لیڈر نہیں ہو۔تم آزاد ہو۔کسی سمجھوتے' کسی مشکل فیصلے کی بجائے تم بہادر فیصلے لے سکتے ہو۔میں تمہیں کوئی نصیحت نہیں کرنا چاہتا کیونکہ بہت جلد تم خود سمجھ جاؤ گے کہ اب تمہیں آگے کیا کرنا ہے۔

بارہ بج رہے ہیں اور میری چابی بھاری ہو رہی ہے۔میں صبح تک ہی اس کا بوجھ سہار پاؤں گا اور تب تک مجھے چند اہم کام کرنے ہیں۔ اپنا اور تالیہ کا خیال رکھنا۔

اور ہاں...میں جانتا ہوں تم دونوں نے سن باؤ کے صحن میں کیا دبایا ہے۔تالیہ سے کہنا وہ یہ گھر مجھ سے خرید لے اور اپنا خزانہ نکال لے۔یہ خزانہ تم دونوں کی محنت کی کمائی اور تمہاری صدیوں کی مسافت کی اجرت ہے۔

اور میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں اس سفر کو کبھی نہ بھلاؤ۔

فقط۔

وہ غلام جس کو شہزادی تاشہ نے آزاد کیا تھا۔

☆☆=========☆☆

موسیقی ہنوز بج رہی تھی۔اور مہمانوں کی خوش گپیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ہر طرف گہما گہمی لگی تھی۔ایسے میں وہ دونوں لان کے سرے پہ کھڑے ایڈم کے موبائل سے وہ ای میل پڑھ رہے تھے۔

میل ختم ہوئی تو ایڈم نے اسکرین بجھادی اور مردہ ہاتھوں سے فون جیب میں ڈالا۔پھر تالیہ کو دیکھا۔

اس کی رنگت زرد پڑ چکی تھی اور وہ کسی مجسمے کی طرح ساکت کھڑی تھی۔

''ایڈم!''اس نے بے یقینی سی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔''یہ سب کیا تھا؟''

ایڈم کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔گلا رندھ سا گیا۔''بے تالیہ...انہوں نے ہمیں چننے کی بجائے اپنی پرانی زندگی کو چن لیا۔میں نے آپ سے کہا تھا نا' یہ حکمران لوگ سمجھوتے کرتے وقت ہم ادنیٰ کارکنوں کو بھلا دیتے ہیں۔''

''ایڈم!''اس کی خالی خالی آنکھیں ایڈم پہ جمی تھیں۔''وہ مجھے بھول چکے ہیں۔وہ اداکاری نہیں کر رہے' وہ واقعی مجھے بھلا چکے ہیں۔ میری ساری ریاضتیں' ساری کوششیں...میری ساری اچھائی وہ سب فراموش کر چکے ہیں۔ان کو اتنا بھی یاد نہیں کہ ہماری شادی ہوئی تھی!''

وہ سکتے میں تھی۔زمین اس کے پیروں تلے سے سرک رہی تھی اور سارا وجود جیسے کھائی میں گرتا جا رہا تھا۔

''وہ تو میری طرف دیکھنے کے روادار نہیں' میں انہیں کیسے وہ سب یاد کرواؤں گی جو قدیم ملاکہ میں ہوا تھا؟''

وہ بنا پلک جھپکے اس مشہور سیاستدان کو دیکھ رہی تھی جو کافی فاصلے پہ کھڑا تھا۔اس کے گرد لوگوں کا جھمگھٹا لگا تھا۔وہ مسکرا کے بات کر رہا تھا اور لوگ موبائلز اور کیمروں سے مسلسل اس کی تصاویر بنا رہے تھے۔ باڈی مین' گارڈز' سیکرٹری...دائرے کی صورت اس کو اطراف سے گھیرے ہوئے تھے اور جیسے جیسے رش بڑھ رہا تھا' وہ غیر متعلقہ لوگوں کو اس کی طرف جانے سے روک رہے تھے۔

وہ ناقابلِ رسائی تھا۔

وہ ان سے بہت اوپر تھا۔

وہ ان کو ان پہچانتا تک نہیں تھا۔

اسے بس ان کے نام یاد تھے۔

ایک اس کا باڈی مین تھا۔عام سا لڑکا جس نے دس گیارہ دن اس کے پاس کام کیا تھا۔

اور دوسری اس کی بیوی کی نئی دوست' بد دیانت سطحی سی لڑکی تھی جو اس کے سالے میں انوالوڈ تھی۔

اور جس نے اس کی فائل چرائی تھی۔

وہ اپنی زندگی میں واپس چلا گیا تھا۔

اور وہ دونوں....وہ اب اس کے کچھ بھی نہ تھے۔

اور اگر وہ اس کو کچھ بتاتے تو وہ کبھی یقین نہ کرتا۔

کوئی بھی یقین نہ کرتا۔

کیا ساری عمر جھوٹ بولنے کا یہ نقصان ہوتا ہے؟

کہ جب آپ اپنی زندگی کا سب سے بڑا سچ بولنا چاہو تو کوئی اس پہ یقین ہی نہ کرے؟

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

☆☆=========☆☆

حالم (نمرہ احمد)

بارہواں باب:

"سلطان ساز"

اس نے خواب میں دیکھا کہ...

وہ راہداری میں کھڑی ہے...

سامنے چند آفسز بنے ہیں...

جن کی دیواریں شیشے کی ہیں...

ایک آفس کے اندر کا منظر وہ صاف دیکھ سکتی ہے...

اس میں ایک سیاہ کوٹ والا آدمی کھڑا ہے...

میز سے ٹیک لگائے' سینے پہ بازو لپیٹے'

وہ تالیہ کی طرف دیکھ رہا ہے...

اور تالیہ...

وہ راہداری میں کھڑی ہے...

ہاتھ میں ایک بڑا سا زرد پلے کارڈ ہے'

جسے وہ شیشے کے دروازے پہ چسپاں کر رہی ہے!

آفس کاریڈور میں نیم اندھیرا ہے...

جیسے اکثر لوگ جا چکے ہوں...

کارڈ چسپاں کر کے وہ مڑتی ہے..

اور ایک چبھتی ہوئی نظر اس آدمی پہ ڈالتی ہے...

☆☆==========☆☆

تاریخ تھی سولہ جولائی۔ شہر تھا جدید ملاکہ۔ سن تھا دو ہزار سولہ اور وقت تھا رات کے ساڑھے گیارہ بجے جب وہ تینوں سن باؤ کی حویلی

میں کھڑے تھے۔

زمین اپنے خفیہ راستوں کو چھپائے برابر ہو چکی تھی۔ ایڈم ٹی وی چلا کے تاریخ معلوم کر رہا تھا اور تالیہ بے یقینی سے گول گول گھوم کے اطراف کو دیکھ رہی تھی۔

صرف وان فاتح دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے بے تاثر سا کھڑا تھا۔ صرف اسے معلوم تھا کہ کیا ہونے جا رہا ہے۔ گردن میں پڑی زنجیر ہر گزرتے لمحے بھاری ہوتی جا رہی تھی۔

(''تم اس کو اپنی جیب میں نہیں ڈالو گے۔ اس کو ہاتھ یا گردن میں پہنے رکھنا۔'' راجہ مراد کی آواز ذہن میں گونج رہی تھی۔ ''اس کو اپنی جلد کے ساتھ لگائے رکھنا ورنہ یہ راکھ بن جائے گی۔ اگلے دن کا سورج طلوع ہوتے ہی یہ ٹوٹ جائے گی۔ اور تمہارے ذہن سے سب کچھ محو ہو جائے گا جو دو امر لمحوں کے درمیان میں ہوا تھا۔''

''اور میری یادداشت واپس کیسے آئے گی؟'' خالی بوتل دونوں کے درمیان میز پہ رکھی تھی۔ اس کو دیکھ کے فاتح نے پوچھا تھا۔

''نہیں آئے گی۔ کبھی نہیں آئے گی۔ واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے غلام فاتح!'' وہ ایک دم غصے سے بولا تھا۔)

پولیس کے سائرن سنائی دینے لگے تو ایڈم دروازے پہ جانے لگا۔ فاتح نے اسے روک دیا۔ ان دونوں کو صحن میں چھوڑ کے اس نے راہداری عبور کی اور باہر کا سرخ دروازہ کھولا۔

باہر چھوٹی صاف ستھری سڑک تھی جس کے دونوں اطراف میں ایسے ہی تاریخی گھر اور ریستوران بنے تھے۔ دکانوں کے باہر چھپر تلے لوگ کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔

سن باؤ کے گھر کے سامنے پولیس کار کھڑی تھی اور دو آفیسرز گھر کے دروازے پہ منتظر کھڑے تھے۔ فاتح نے دروازہ بند کیا اور باہر نکل آیا

۔

''السلام علیکم فاتح صاحب!'' ایک افسر نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ ''آپ کے گارڈ کی کال آئی تھی کہ چور گھس آئے ہیں۔ خیریت ہے؟ ہم اندر آ جائیں۔'' ساتھ ہی ایک نظر اس کے کرتے پاجامے پہ ڈالی۔

''نہیں، گھر میں نہیں۔ باہر سڑک پہ لوٹا ہے انہوں نے۔'' وہ گہری سانس لے کر بتانے لگا۔ ''میں ابھی تھانے آ کے پورا واقعہ بتاتا ہوں، فی الحال گھر میں کچھ میڈیا والے موجود ہیں۔ ان کے جاتے ہی میں آتا ہوں۔''

''مگر سر.....!''

''کیا تم مجھے نہیں جانتے، آفیسر؟ تمہارا ڈپٹی کمشنر میرا کلاس فیلو ہے۔ اس سے کہو کہ میرا انتظار کرے۔ میں خود آ کے رپورٹ لکھواؤں گا۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولا۔ ''مجھے لباس بدل کے منہ ہاتھ دھونے دو۔'' ایک افسر بے چین ہوا تو دوسرے نے فوراً اشارہ کیا۔

''جی سر، ڈی سی پی صاحب نے ذکر کیا تھا۔ ٹھیک ہے ہم آپ کا انتظار کریں گے۔''

3

فاتح نے ہاتھ سے اشارہ کیا (اب جاؤ) اور واپس مڑ گیا۔

تالیہ اور ایڈم کو وہاں سے بھیجنے میں اسے چند منٹ لگے تھے۔ جیسے ہی وہ گھر سے نکلے' وہ تیزی سے برآمدے کی طرف لپکا۔ چار ماہ پہلے ایڈم کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہی عادتاً اس نے کار کی چابی دروازے کے ساتھ ہی کھونٹی پہ لٹکائی تھی۔ وہ وہیں تھی۔ اس کا لوہا اب بھی ٹھنڈا تھا۔

وہ باہر سڑک پہ آیا تو تالیہ اور ایڈم جا چکے تھے۔ اس نے کار سے اپنا بیگ نکالا اور واپس برآمدے میں آ کے اسے کھولا۔ گردن میں جھولتی چابی ہر گزرتے پل بوجھل ہوتی جا رہی تھی۔

"پلان کیا ہے' ڈیڈ؟" کونے میں کھڑی آریانہ کی آواز نے اسے چونکایا۔ اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔ وہ بازو سینے پہ لپیٹے تنقیدی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میرے پاس صبح تک کا وقت ہے' اور مجھے چند اہم کام کرنے ہیں۔" لیپ ٹاپ نکالتے ہوئے وہ برآمدے میں بچھی مسہری تک آیا' اور اور وہاں بیٹھا۔ اسکرین روشن ہوئی۔ نیلی روشنی میں اس کا چہرہ دمکتا ہوا دکھائی دینے لگا۔

"کیا کر رہے ہیں' ڈیڈ؟" وہ ابھی تک فاصلے پہ کھڑی تھی۔ فاتح تیز تیز کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

"ایڈم کو ای میل لکھ رہا ہوں۔ جو نہیں بتایا وہ بتا رہا ہوں۔"

"اور تالیہ؟ اس کو چھوڑ دیں گے آپ؟"

ٹائپ کرتی اس کی انگلیاں تھمیں۔ گلہ آمیز نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ "چھوڑنا اتنا آسان ہوتا ہے کیا؟"

"تو پھر اسے کہا کیوں تھا کہ چھوڑ دیں گے؟"

"چھوڑ تو دوں گا۔ یہی بتانے کے لئے میل لکھ رہا ہوں۔" وہ اب سرعت سے ٹائپ کر رہا تھا۔ "یہ الگ بات ہے کہ ایسا لگ رہا ہے جیسے....."

"جیسے؟"

"جیسے مراد راجہ نے چند گھنٹے دیے ہوں کہ وان فاتح .... یہ اتنا وقت ہے تمہارے پاس' اس کے بعد تم مر جاؤ گے۔ سو جو کرنا ہے اس دوران کر لو۔ اب تم بتاؤ آریانہ.... کیا مرنے سے پہلے کوئی کسی کو چھوڑنے کی خواہش کر سکتا ہے؟"

سن باؤ کے قدیم برآمدے میں خاموشی چھا گئی۔ کنویں کے اندر جیسے خاموشی۔ آریانہ دکھ سے اسے دیکھے گئی۔

"ڈیڈ... اس کو چھوڑ دیں۔ جب سب بھولنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اس کو خود سے کیوں باندھ کے رکھتے ہیں؟"

وہ ٹائپ کرتے ہوئے رکا تو وہ جلدی سے بولی۔

"واپس آ کے میل مکمل کرتا ہوں۔ ابھی ہمت نہیں ہو رہی۔" اس نے آدھی میل چھوڑ کے اسکرین فولڈ کر دی۔ پھر وہ اٹھا اور اوپر کی طرف

چلا گیا۔

چند منٹ بعد وہ سیڑھیاں اترتا دکھائی دیا تو زینوں کے اختتام پہ بیٹھی آریانہ نے گردن اس کی جانب موڑی۔

''ان چار ماہ کی ساری نشانیاں مٹا آئے ہیں آپ؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

اس نے سیاہ شرٹ اور پینٹ پہن رکھی تھی۔ شیو بن چکی تھی۔ بالوں کو قدرے تراش کے پرانی حالت پہ لے آیا تھا۔ قلموں سے بال سفید تھے' باقی دائیں طرف مانگ نکال کے گیلے کر کے جما رکھے تھے۔ گردن میں زنجیر اب بھی نظر آ رہی تھی۔ ہاتھ میں شاپر تھا جس میں ملاکہ والے کپڑے اور جوتے تھے۔ اپنے تمام زخموں پہ اس نے نئے زمانے کے بینڈ ایڈ لگا دیے تھے۔

''نشانیاں مٹانے کے سوا چارا ہے کیا؟ کل جو وان فاتح نیند سے جاگے گا' اس کو کسی بھی چیز پہ شک نہیں ہونا چاہیے ورنہ وہ شدید ذہنی پریشانیوں میں گھر جائے گا۔ اس کے لیے ہر چیز نارمل ہونی چاہیے۔'' وہ تیز تیز زینے پھلانگ رہا تھا۔ آخری زینہ عبور کر کے آگے بڑھ گیا تو آریانہ نے پکارا۔ ''اور جسم پہ لگے اَن گنت زخموں کا کیا؟''

''انہی کا بندوبست کرنے جا رہا ہوں۔''

کار کی چابی اٹھائے وہ تیز قدموں سے گھر سے باہر نکل آیا۔ سڑک کنارے لگے کوڑے دان میں سیاہ شاپر میں مقید چیزیں پھینکیں اور ڈھکن بند کیا۔ گویا زندگی کا ایک باب بند کیا۔

چند لمحوں کے لیے اندر تک سب خاموش ہو گیا۔

کچھ دیر بعد وہ پولیس اسٹیشن کے ایک کشادہ کمرے میں موجود تھا۔ آفس چیئر پہ ڈپٹی کمشنر براجمان تھا اور اس کے سامنے بیٹھا فاتح کندھے اچکا کے کہہ رہا تھا۔ سامنے ہی اسٹینڈ پہ کیمرہ نصب تھا جو اس کا بیان ریکارڈ کر رہا تھا۔

''میں ملاکہ تین دن کے لیے آیا تھا مگر تین گھنٹے بھی نہ رک سکا۔ میں ملاکہ سے واپس جا رہا تھا کہ میرا باڈی گارڈ میرے پاس آیا۔ یہ ریکارڈ ہو رہا ہے نا؟'' اس نے اپنے دوست کو اشارہ کیا تو اس نے سر کو خم دیا۔

''گڈ۔ مجھے یہ ویڈیو ای میل کر دینا۔ میرا دماغ اس وقت سب چیزوں کو مکس اپ کر رہا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ صبح جب میں یہ ویڈیو دیکھوں تو مجھے یاد رہے کہ ان تین گھنٹوں میں میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔'' اس نے تین انگلیوں سے کنپٹی مسلی۔

''آپ کہہ رہے تھے...؟''

''ہاں... میرا باڈی گارڈ آیا تھا میرے پاس۔ وہ میرے ساتھ گاڑی میں ہی تھا جب تین آدمی آئے اور انہوں نے ہم پہ پستول تان لئے۔ پھر ہمیں باہر نکالا۔ وہ مجھ سے والٹ' پیسے اور فون مانگ رہے تھے۔ وہ تین چیزیں جو یہ سارے چور مانگتے ہیں۔ مگر...'' کندھے اچکا کے کیمرے میں دیکھتے ہوئے گہری سانس لی۔ ''اتنی آسانی سے وان فاتح ہار کب مانتا ہے؟ میں بحث اور سوال و جواب کرنے لگا۔ ان کو میرے سوال برے لگے تو انہوں نے جارحیت کا مظاہرہ کیا۔''

''کیسے؟'' آفیسر نے تشویش سے اسے دیکھا۔

''ہاتھا پائی ہوئی۔ اور وہ موبائل، بٹوہ سب چھین کے لے گئے۔ مجھے بے ہوش کرنے کے لئے کوئی سرنج بھی لگائی۔'' اس نے اپنے بازو کی طرف اشارہ کیا جو شرٹ کے آستین سے ڈھکا تھا۔ ''اس کے بعد سے میرا دماغ غنودگی کی سی کیفیت میں ہے۔ میرا باڈی مین.. (تصحیح کی) باڈی گارڈ مجھے گھر لایا۔ ہم وہاں تماشہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو خبر ہو کہ مجھے یوں لوٹا گیا ہے۔ اب بھی میں رپورٹ نہیں کروانا چاہتا۔ اس سب کو صیغہ راز میں رہنا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے سر۔ جیسے آپ کی مرضی۔ میں اس بات کو کور کر دوں گا۔'' پھر آفیسر نے غور سے اسے دیکھا۔ ''میں ایک بات نہیں سمجھ سکا۔ وہ مسلح تھے اور انہوں نے آپ پہ تشدد بھی کیا لیکن... انہوں نے آپ سے گاڑی نہیں چھینی؟''

وان فاتح کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھرتی دکھائی دی مگر چہرہ پرسکون رہا.....

''میں نے ان سے یہ سوال نہیں پوچھا۔ ہر سوال کا جواب مل جائے، یہ ضروری نہیں ہوتا قمر الزمان!''

''خیر.... ہم اپنے طور سے تفتیش کریں گے، جو بھی سامنے آیا آپ کو مطلع کیا جائے گا۔''

وان فاتح اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک نظر کیمرے کو دیکھا۔ ''مجھے یہ ویڈیو بھیج دینا۔ لازمی۔ تین منٹ سے زیادہ مت لینا۔ مجھے بار بار تم سے سوال کرنا اچھا نہیں لگے گا۔'' زور دیا۔

''جی سر۔ اور آپ کا میڈیکل چیک اپ....''

''اس کی ضرورت نہیں، میں ٹھیک ہوں۔ بس یوں لگتا ہے کہ سارا واقعہ ذہن سے پھسل رہا ہو۔'' اس نے مصنوعی نقاہت سے کہتے ہوئے کنپٹی کو چھوا۔ افسر نے کیمرا آف کیا تو فاتح نے ہاتھ نیچے کر لئے۔ وہ ایک دم بہتر نظر آنے لگا۔ بس عجلت میں مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور خدا حافظ کہہ کے باہر نکل گیا۔ کمشنر اس کو ابھی سوچتی نگاہوں سے جاتے دیکھنے لگا۔

وان فاتح کو اتنی جلدی کیوں تھی؟ جیسے وقت کم ہو اور اسے بہت کچھ کرنا ہو۔ جیسے اسے کسی جگہ پہنچنا ہو۔ اتنی رات میں؟

صبح ہونے میں ابھی گھنٹہ بھر باقی تھا جب سن باؤ کے گھر کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا۔ آہستہ سے دروازہ بند کر کے وہ مڑا تو چہرے پہ شدید تھکن کے آثار تھے۔

رات کے اس پہر راہداری سنسان پڑی تھی۔ وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتا آگے آیا۔ برآمدے کی مدھم بتی جل رہی تھی اور لکھائی کی میز پہ لیپ ٹاپ فولڈ شدہ دکھائی دے رہا تھا۔ چارجنگ لگی تھی۔ وہ پژمردہ سا کرسی تک آیا اور اسکرین اوپر اٹھائی۔ آدھی لکھی ای میل سامنے جگمگا رہی تھی۔

کیا اب وہ ''چھوڑ دیئے'' کی باتیں لکھ سکے گا؟ بالخصوص ان گزشتہ چند گھنٹوں کی 'دوڑ دھوپ' کے بعد علم میں آنے والی 'باتوں' کے بعد .... کیا اب بھی وہ اس کو چھوڑ سکے گا؟

6

وہ کرسی پہ گر سا گیا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ اس نے بھول جانے کا فیصلہ تب کیا تھا جب رابعہ مراد نے اس کے سامنے کوئی راہ نہیں چھوڑی تھی۔ تب نہیں لگا تھا کہ تالیہ کو چھوڑنا اتنا کٹھن ہوگا۔ اور اب بھی وہ چھوڑ دیتا اگر یہ چند گھنٹے درمیان میں نہ آئے ہوتے۔

مگر اب نہیں۔

اس نے چہرہ اوپر اٹھایا اور لیپ ٹاپ قریب کھسکایا۔ آنکھیں سپاٹ ہو گئیں اور انگلیاں کی بورڈ پہ حرکت کرنے لگیں۔

''اس کو چھوڑ دیں' ڈیڈ۔ اس کو آزاد کر دیں۔ اپنا نہ سوچیں۔ اس کا سوچیں۔''

آریانہ اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑی ہوئی اور التجا کرنے لگی۔ وہ کی بورڈ سے نظریں ہٹائے بغیر ٹائپ کرتے ہوئے بولا۔

''پہلے اسے بھول جانے کا فیصلہ اس لئے کیا تھا کیونکہ تب مجھے اپنی یہ جدید دنیا واپس چاہیے تھی۔ اور ان دونوں کو بھی۔ لیکن اب اسے ساتھ رکھنے کا فیصلہ اس لئے کیا ہے کہ مجھے اپنی ''امید'' بھی واپس چاہیے۔ ملکہ درست کہتی تھی' میں واقعی خود غرض ہوں۔'' آواز میں آنچ سی تھی۔

ای میل مکمل کر کے اس نے اسے شیڈیول کیا۔ رات پونے بارہ شروع کی گئی میل صبح چار بجے کے قریب مکمل ہوئی تھی۔ اختتام آغاز سے مختلف تھا۔ میل بھیج کے وہ رکا اور ایک دوسری میل کی۔

''یہ ایڈم کو بیس جولائی کی صبح ملے گی۔ اور تب ہی ملنی چاہیے۔'' ایسے دہرایا جیسے بالآخر اس نے اپنے مقصد کو جان لیا ہو۔ آریانہ خاموشی سے اسے کام کرتے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اپنی ذاتی ای میل کھولی تو سامنے پولیس ڈیپارٹمنٹ کی ای میل جگمگا رہی تھی۔ اس نے اس کو ان چھوا رہنے دیا اور اسکرین فولڈ کر دی۔

پھر گلے کی زنجیر اٹھا کے آریانہ کو دکھائی۔ ''اب اس سے نجات حاصل کرنی ہے۔ اس کے ٹوٹتے ہی مجھے نیند آ جائے گی اور صبح میرے ذہن کی سلیٹ خالی ہو چکی ہوگی۔ اور میں خود بھی بھول چکا ہوں گا کہ وہ چابی.... کہاں گئی!''

یہ کہہ کے وہ زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ گردن میں پڑی زنجیر کو ابھی تک ہاتھ میں مروڑ رکھا تھا۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے اور وہ اوپر چڑھتا جا رہا تھا۔

ایک نئی زندگی کی طرف۔

☆☆=========☆☆

سترہ جولائی کی صبح ملاکہ کے باسیوں کو جگانے کے لئے روشنی نے ہر کھڑکی پہ دستک دی تو سن باؤ کے گھر کا وہ کمرہ بھی منور ہونے لگا۔ بیڈ پہ آڑے ترچھے لیٹے وان فاتح کی آنکھ تیز روشنی سے کھلی تو وہ جیسے چونکا۔ پھر اٹھنا چاہا تو جسم میں شدید ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ وہ واپس لیٹ گیا اور آنکھیں بار بار جھپکیں۔ ذہن بالکل خالی تھا۔ وہ کہاں تھا' کیوں تھا' کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

پھر دھیرے سے وہ اٹھا اور اطراف میں دیکھا۔

7

وہ اپنے ملاکہ والے گھر کے کمرے میں تھا۔نیند اتنی گہری آئی تھی کہ یوں لگتا تھا عرصے بعد جاگا ہو۔

سوچوں کو مجتمع ہونے میں چند لمحے لگے تھے۔وہ اٹھ کے بیٹھا اور تعجب سے کمرے کو دیکھا۔

آہستہ آہستہ یادداشت واپس آنے لگی۔

وہ تو رات کے ایل واپس جا رہا تھا۔پھر رک کیوں گیا؟ یاد کیوں نہیں آ رہا تھا؟

سکندر جولیانہ اور عصرہ شام سے پہلے چلے گئے تھے۔پھر وہ سمندر پہ گیا تھا۔پھر وہ بیگ سمیٹ کے جا رہا تھا۔پھر؟ وہ کیوں رک گیا؟

سیل فون کی تلاش میں ہاتھ مارا تو سائیڈ ٹیبل خالی تھا۔وہ اچنبھے سے اٹھا۔جسم بے حد درد کر رہا تھا۔وہ آنکھیں مسلنے کو ہاتھ اوپر لایا تو چونکا۔ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی۔فاتح کی آنکھوں میں بے یقینی اُمڈ آئی۔ہاتھ الٹ پلٹ کر کے دیکھا۔پھر بازو اٹھا کے اوپر نیچے گھمایا۔وہاں بھی چند بنڈیج لگے تھے۔

وہ قدم قدم چلتا دیوار پہ آویزاں آئینے تک آیا اور پھر بالکل منجمد ہو گیا۔

شیشے میں دکھائی دیتی اس کی شکل تو وہی تھی مگر....کچھ مختلف تھا۔اس نے آنکھیں چندھیا کے بے یقینی سے خود کو دیکھا۔پھر مزید قریب آیا۔آنکھ اور کنپٹی کے قریب زخم تھا۔گردن پہ خراشیں۔اس نے شرٹ گریبان سے نیچے کی' بٹن کھولے اور شرٹ اتاری۔پھر گھوم کے دیکھا۔کمر اور کندھوں پہ زخموں کے نشان تھے۔سینے پہ بھی ضربیں لگی تھیں۔

اس نے پیشانی چھوئی اور آنکھیں موندیں۔آخری چیز کیا ہوئی تھی؟

ہاں وہ ایڈم کے ساتھ کار میں بیٹھا تھا۔

ایک جھماکے سے اسے یاد آیا۔

اور ایڈم کچھ کہہ رہا تھا۔اسے کچھ دے رہا تھا۔سنہری چیز۔پھر کیا ہوا تھا۔

مگر ذہن بالکل صاف تھا۔تختہ سیاہ کی طرح صاف۔بلیک ہول کی طرح خالی۔

پھر وہ تیزی سے باہر نکلا۔زینے پھلانگتے اور نیچے آیا۔برآمدے میں آ کے وہ ٹھٹکا۔لیپ ٹاپ سامنے رکھا تھا۔اس نے تو کل سامان سمیٹ کے کار میں ڈالا تھا اور وہ کے ایل واپس جا رہا تھا پھر اب...؟؟

وہ قریب آیا اور اسکرین روشن کی۔سامنے آفیسر کی ای میل جگمگا رہی تھی۔وہیں میز کنارے جھکے جھکے فاتح نے بھنچی بھنووں کے ساتھ ای میل کھولی۔

''آپ کی درخواست کے مطابق آپ کے بیان کی ویڈیو بھیج رہا ہوں۔''

ویڈیو چلائی تو جو منظر سامنے آیا اس نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔تعجب اور بے یقینی' سے وہ خود کو اسکرین پہ بولتے دیکھ رہا تھا۔تھکا ماندہ زخمی سا فاتح اسی لباس میں بیٹھا لوٹے جانے کا واقعہ بتا رہا تھا...پھر اس نے کہا کہ لٹیروں نے اسے کوئی سرنج لگائی تھی جس سے اس کا

ذہن ماؤف ہو رہا تھا... ایسے جیسے وہ بار بار بھول رہا ہو۔

"تو یہ ہوا تھا رات کو؟" وہ بے یقین تھا۔ "مگر مجھے کچھ یاد نہیں۔ کیا میں بوڑھا ہو رہا ہوں؟ یا شاید... کوئی غنودگی کی دوا انہوں نے مجھے دی تھی؟ یا اللہ!"

اس نے کراہ کے سر جھٹکا۔ یہ پستول دکھا کے لوٹ لینے والا واقعہ اسے کیوں نہیں یاد تھا؟ عجیب بات تھی.... ایسا کبھی پہلے نہیں ہوا تھا۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا کہ موبائل نکال کے آفیسر کو کال کرے مگر.... موبائل کہاں گیا....

اچھا ہاں' ویڈیو کے مطابق وہ چور لے گئے تھے۔ عجیب بات تھی۔ بہت عجیب بات تھی۔

پھر اس نے برآمدے کی دیوار پہ آویزاں گھڑی دیکھی۔ آج پارلیمان کا اجلاس تھا۔ اور وہ ناغہ کر چکا تھا۔ اُف۔ ساری باتیں ذہن سے نکلنے لگیں۔ شدید غصہ اور فرسٹریشن چھانے لگی۔ اسے جلد از جلد واپس پہنچنا تھا۔

دوپہر تک وہ واپس گھر پہنچا تو عصرہ اور بچے لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔ وہ اندر داخل ہوا تو سکندر اسے دیکھتے ہی بھاگتا آیا اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ کسی زخم پہ سکندر کا ہاتھ لگ گیا اور اسے شدید درد ہوا مگر وہ ضبط کر گیا اور جھک کے اسے پیار کیا۔

"ڈیڈ.... مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ آپ واپس نہیں آئیں گے۔ کھو جائیں گے۔" وہ اس سے لپٹے لپٹے کہہ رہا تھا۔ فاتح نے مسکرا کے اس کے بالوں کو ہاتھ سے سنوارا۔ "بڑے بھی کبھی کھوتے ہیں کیا؟"

"آریانہ بھی تو کھو گئی تھی۔ وہ تو ہم سے بڑی تھی۔"

فاتح کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ایک دم جیب میں ہاتھ ڈالا۔ بٹوہ غائب تھا۔ وہ پاپ کارن۔ وہ کھو چکے تھے۔

اس کے اندر ابال سا اٹھا مگر وہ ضبط کر کے رہ گیا۔ وہ چور یقیناً بٹوہ بھی لے گئے تھے۔ اف۔ اف۔

سکندر الگ ہوا تو فاتح نے چہرہ اٹھایا۔ عصرہ تعجب سے اسے دیکھتی قریب آ رہی تھی۔ "آنکھ پہ کیا ہوا؟ اور ہاتھ پہ؟"

"رات باتھ روم کے لئے اٹھا تو ٹھوکر لگ گئی۔ بے فکر رہو' کچھ نہیں ہوا۔ چند چوٹوں کے ساتھ بھی میں الیکشن لڑ سکتا ہوں۔"

مسکرا کے بات کو کور کرتا وہ اندر کی طرف بڑھا۔ جھوٹ بولنا اس کی فطرت نہیں تھی لیکن لوٹے جانے کا بتانا باعث توہین تھا۔ عصرہ نے الجھ کے اسے جاتے دیکھا' پھر کندھے اچکا دیے۔ وہ ایک ہی دن میں اتنا کمزور لگ رہا تھا۔ رنگت کملائی ہوئی تھی۔ شاید زیادہ دیر ساحل پہ بیٹھ گیا ہو' اس لئے رنگ ٹین ہو گیا ہو۔

"یہ تمہاری گردن پہ کیسا نشان ہے۔" کمرے کے دروازے پہ اس کے قدم رک گئے۔ گردن کی پشت کو ہاتھ سے چھوا۔ کچھ ابھرا کھدا ہوا سا معلوم ہوتا تھا۔

"کہا نا' گر گیا تھا۔"

"یہ گرنے کا نشان تو نہیں لگتا۔" عصرہ قریب آنے لگی تو وہ بے زاری سے "مجھے آرام کرنے دو" کہہ کے اندر کی طرف بڑھ گیا

9

۔دروازہ عصرہ کے منہ پہ بند کر دیا تو اس کے ابرو تن گئے۔ ہونہہ میں سر جھٹکا اور مڑ گئی۔

اندر آتے ہی اس نے بتی جلائی۔ پھر سنگھار میز تک آیا۔ دراز سے پاکٹ مرر نکالا اور آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ننھا آئینہ گردن کی پشت پہ لے گیا اور بڑے آئینے میں عکس دیکھا۔

وہاں گول سا جلنے کا نشان تھا۔ اور بھورا پڑ چکا تھا۔ یہ چوٹ اسے کب لگی؟ اتنا صاف گول نشان؟

اس نے آئینہ پرے پھینکا اور نڈھال سا بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟

شام کو وہ کے ایل میں واقع ایک پرائیوٹ کلینک کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ ماتھے پہ بل تھے اور چہرے سے ناخوش لگتا تھا۔ سخت بے زار

-

سامنے بیٹھا ادھیڑ عمر ڈاکٹر دونوں ہاتھ اٹھائے اس کو سمجھا رہا تھا۔

''میں نے آپ کے سارے زخم دیکھے ہیں' اور میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے واضح بتائیں کہ یہ آپ کو کب آئے؟''

''میں بتا رہا ہوں اتنی دیر سے کہ کل رات تین لوگوں نے چوری کی کوشش کی تو میں نے مزاحمت کی۔ اس پہ انہوں نے مجھے مارا۔'' اس نے پولیس کو دیا بیان دہرا دیا۔

''اسٹرینج۔'' ڈاکٹر نے گہری سانس لی۔ ''ڈریسنگ ہو گئی ہے' دوا بھی دے دی ہے میں نے آپ کو۔ مرہم کا بھی سمجھا دیا ہے' مگر....'' اس نے توقف کیا۔ ''یہ زخم کل کے نہیں ہیں۔''

''تو پھر کب کے ہیں؟''

''کم از کم بھی چار سے پانچ دن پرانے ہیں۔ ایسے لگتا ہے کسی نے آپ کو لوہے کی زنجیروں سے مارا ہو۔ آپ کے ہاتھ باندھے گئے ہوں۔ کمر پہ چمڑے کے کوڑے یا ہنٹر سے مارے جانے کے نشان ہیں لیکن....'' ڈاکٹر نے پھر توقف کیا۔ ''مجھے آپ کی کمر پہ پرانے نشان بھی ملے ہیں۔ کم از کم تین سے چھ ماہ پرانے نشان۔ وہ بھی مار پیٹ کے ہیں۔ اور یہ گردن کا زخم' اس کو بھی کافی عرصہ بیت چکا ہے۔ یہ تو صاف گرم چیز سے داغے جانے کا نشان ہے۔''

وہ جواب میں ذرا جھنجھلایا۔ ''میں نہیں جانتا کہ آپ کو ایسا کیوں لگ رہا ہے۔ مگر یہ کل کے ہی ہیں۔''

''مگر اتنی جلدی کھرنڈ کیسے بن سکتے ہیں' فاتح صاحب؟'' پھر فاتح کا ناخوش چہرہ دیکھ کے بات بدل دی۔ ''خیر آپ فکر نہ کریں' دوا لیتے رہیں' مرہم لگاتے رہیں' یہ ٹھیک ہو جائیں گے۔''

اسے لگا شاید فاتح چھپا رہا ہے سو مزید زور نہیں دیا۔ وان فاتح ڈاکٹر کے پاس سے آنے کے بعد پہلے سے زیادہ الجھ گیا تھا۔

کلینک سے نکل کے وہ پارکنگ تک آیا تو رک گیا۔ ایک نظر سامنے سڑک پہ دوڑتی گاڑیوں کو دیکھا۔ پھر رک کے کچھ محسوس کرنا چاہا۔

کیا تھا جو طبیعت پہ ناگوار گزر رہا تھا؟ یہ زن سے بھاگتی دوڑتی گاڑیاں؟ یہ شور؟ یہ اس لباس میں ملبوس آگے پیچھے جاتے مصروف سے

لوگ؟ سب ویسا ہی تھا جیسے ہمیشہ لگا کرتا تھا۔ پھر سب اتنا اجنبی اجنبی کیوں لگ رہا تھا؟

سوال بہت سے تھے، مگر جواب کوئی نہیں تھا۔

عصرہ کی نیلامی کے پہلے روز تک وہ کافی حد تک نارمل ہو چکا تھا۔ بڑھتی عمر، دماغ پہ چوٹ، یا ڈرگ انجیکٹ کرنے کے باعث۔ یقیناً وہ اس رات کے واقعات بھول چکا تھا۔ ایسا ہوتا ہے۔ ٹراما کے باعث انجری سے ذرا دیر پہلے کے واقعات بھول جایا کرتے ہیں۔ اس نے سوچوں کو اس واقعے سے ہٹا کے کام کی طرف مبذول کر دیا۔ البتہ رات میں آریانہ اکثر آ جاتی اور بیڈ کے کنارے کھڑے ہوئے کھوئے کھوئے سے انداز میں پوچھا کرتی۔

''ڈیڈ... ذہن اتنا خالی خالی سا کیوں ہے؟ جیسے کچھ ہوا ہو۔ جیسے بہت کچھ ہوا ہو مگر یاد نہ آ رہا ہو۔''

''ایک رات میں کتنا کچھ ہو سکتا ہے آخر؟'' وہ سر جھٹک کے کہتا اور کروٹ لے لیتا۔ نرم بستر نامانوس کیوں لگتا تھا؟ اسے تخت بچھونے کی عادت بھی نہیں تھی نہ زمین پہ سونے کی۔ پھر اب...؟ لیکن وہ بار بار سر جھٹک دیتا۔

نیلامی کے پہلے روز پارٹی ابھی شروع ہی ہوئی تھی کہ اسے وہ نظر آ گئی۔ سرخ ساڑھی میں ملبوس سنہرے بالوں والی سوشلائیٹ جس کو اس روز عصرہ نے ملاکہ والے گھر بلوا کے اس کی چھٹی بدمزہ کر دی تھی۔ فاتح جانتا تھا کہ وہ اس کے گھر کے پیچھے ہے اس لئے اسے دوٹوک انداز میں منع کر کے وہ دوسرے مہمانوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔ البتہ اسے یوں لگا جیسے وہ شل ہو گئی ہو۔ طبیعت کے برخلاف کوئی تیکھا جواب بھی نہیں دیا۔ خیر... وہ آگے بڑھا تو ایڈم نظر آیا۔ ایک جھماکے سے اسے یاد آیا۔ ایڈم اس رات کچھ کہنے آیا تھا۔

فاتح نے رک کے اس سے سوال کیا مگر وہ ہمیشہ کی طرح کم اعتماد نظر آنے لگا۔ جیسے الجھ گیا ہو۔ شاید اسے اس رات کے واقعات کا پیچھا چھوڑ دینا چاہیے۔ ایک باڈی مین کے سامنے یہ بات نہیں کھلنی چاہیے کہ وہ ذہنی طور پہ اتنا کمزور بھی ہو سکتا ہے کہ لوٹے جانے کے اس واقعے کو بھول جائے۔ اونہوں۔ اسے اپنے استفسار پہ پچھتاوا ہوا سو بات ختم کر کے آگے بڑھ گیا۔

پارٹی کی رونق اپنے عروج پہ تھی۔ دو روزہ نیلامی میں آج آدھے آئٹمز رکھے گئے تھے۔ باقی آدھے اور زیادہ قیمتی چیزیں عصرہ نے کل کے لئے بچا رکھی تھیں۔ وہ کال سننے مہمانوں سے ذرا الگ ہوا تو سیکرٹری عثمان قریب آیا اور سرگوشی کی۔

''سر وہ پیسے میں اب ادا کر دوں ایڈم کو؟''

وان فاتح نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''کون سے پیسے؟''

''سر... جو آپ نے میرے اکاؤنٹ میں آن لائن بھجوائے تھے۔ اس رات جب آپ ملاکہ میں تھے اور آپ نے مجھے کال کر کے کہا تھا کہ سیل فون کھو گیا ہے تو میں آپ کے لئے نیا فون اور نئی سم لے لوں۔'' وہ وضاحت دیتے دیتے خود بھی حیران نظر آنے لگا۔

''ہاں ہاں... رائٹ۔'' وہ سنبھل کے مسکرایا۔ ''تو تم وہ پیسے ایڈم کو کیا کہہ کے دو گے؟ کیوں دے رہے ہو اسے یہ؟''

''سر وہی جو آپ نے کہا تھا کہ اس کو معلوم ہے یہ کس چیز کے ہیں۔ آپ نے اصل میں صبح سے پہلے ٹرانسفر کا کہا تھا مگر مجھے اس کا

اکاؤنٹ نمبر نہیں معلوم تھا اس لئے دیر ہوگئی۔“

”ہاں‘ ابھی دے دو پھر۔“ وہ سرسری انداز میں کہہ کے گلاس سے گھونٹ بھرتا مڑ گیا البتہ ذہن میں بہت سے سوالیہ نشان پھر سے ابھرنے لگے تھے۔

سوموار کو اس کی واپسی پہ عثمان نیا فون اور سم کارڈ لے کر جب آیا تو اس نے یہ بتایا تھا کہ یہ حکم آدھی رات کو اسے فون کر کے فاتح نے ہی دیا تھا‘ مگر عصرہ سامنے تھی تو عثمان نے اس بات کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

وہیں کھڑے کھڑے فاتح نے فون نکالا اور اپنا بینک اکاؤنٹ پورٹل کھولا۔ پھر آخری ٹرانزیکشن چیک کی۔ بیس ہزار رنگٹ۔ اس کی آنکھیں تعجب سے کھل گئیں۔ اس نے بیس ہزار کیوں بھیجے ایڈم کو؟ ٹرانزیکشن کرتے وقت یادداشت کے لئے جو نوٹ لکھا جاتا ہے‘ فاتح نے وہ نوٹ کھولا۔ وہاں ایک سطر لکھی تھی۔

For Chocolates

کیا یہ ٹرانزیکشن میں نے ہی کی ہے؟ مگر کسی اور کو میرا پاسورڈ نہیں معلوم۔ اور عثمان کو جب میں نے خود فون کر کے کہا ہے تو.. اوہ خدایا۔ اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ وہ سخت کبیدہ خاطر ہو رہا تھا۔

گلاس ایک قریبی میز پہ رکھا اور لوگوں کے درمیان سے گھاس پہ راستہ بناتا آگے بڑھنے لگا۔ شدید گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟

اندر لاؤنج میں بھی چند لوگ آ جا رہے تھے جو کسی ضرورت سے اندر آئے تھے یا ملازم تھے۔ وہ سب کو نظر انداز کرتا لاؤنج کے پرلے کونے پہ بنے پاؤڈر روم کی طرف بڑھا۔ (یہ ایسا کمرہ تھا جس میں بڑا سا آئینہ دیوار پہ لگا کے سامنے سنک بنے تھے۔ یہ صرف مہمانوں کے ہاتھ دھونے کے لئے تھا۔ باتھ روم کے طور پہ استعمال کرنے کے لیے نہیں۔)

دروازے کا ناب گھمایا اور اسے دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اندر تیز زرد بتیاں جلی تھیں۔ دیوارگیر آئینے کے سامنے ماربل کا بڑا سا سلیب تھا جس میں فاصلے پہ دو سنک بنے تھے۔

ایک سلیب پہ ہتھیلیاں جمائے وہ جھکی کھڑی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ سرخ ساڑھی اور سنہری بالوں والی تالیہ۔

”سوری۔ میں باہر جا رہا ہوں۔“ وہ واپس ہونے لگا تو تالیہ نے چونک کے چہرہ اٹھایا۔ آئینے میں اپنے عکس کے عقب میں چوکھٹ پہ ڈور ناب پکڑے فاتح کو دیکھا۔ اور فاتح نے بھی آئینے میں اس کا چہرہ دیکھا تو ٹھٹکا۔

اس کے گال آنسوؤں سے بھیگے تھے اور رنگت زرد ہو رہی تھی۔ جیسے جسم میں خون کا قطرہ بھی نہ رہا ہو۔ وہ نڈھال سی لگ رہی تھی۔ شاید کافی دیر سے رو رہی تھی۔ کاجل بہہ گیا تھا۔ اسے عکس میں دیکھ کے بالکل ٹھہر گئی۔ فاتح نے ابرو تعجب سے اکٹھے کیے۔

”تم ٹھیک ہو تاشہ؟“ رسمی سا پوچھا۔

12

تالیہ نے ٹشو رول سے لمبا سا ٹشو کھینچا' اور اس کے قریب آئی۔ فاتح نے ڈور ناب چھوڑ کے راستہ دیا۔ تالیہ بے دردی سے آنکھیں رگڑیں اور ایک دکھ بھری نظر اس پہ ڈالی۔

''میرا نام... تالیہ ہے۔ تالیہ بنتِ مراد۔'' تکلیف سے چبا چبا کے بولی۔

''ہاں' واٹ ایور' تاشہ۔ تم آرام سے منہ دھولو۔ میں اپنے باتھ روم کی طرف جا رہا ہوں۔'' وہ پیچھے ہٹنے لگا تو وہ گلوگیر آواز میں چیخ کے بولی۔

''آپ یہیں رہیں۔ آپ اپنی صحیح جگہ پہ کھڑے ہیں۔ میں ہی غلط جگہ پہ کھڑی تھی۔ مجھے جانا چاہیے۔ آپ کو آپ کا گھر اور یہ زندگی مبارک ہو۔''

دکھ اور تنفر بھری نظروں سے اسے دیکھتی وہ پیر پٹختی آگے بڑھ گئی تو فاتح نے اچنبھے سے اسے جاتے دیکھا۔

''ہاؤ روڈ!'' پھر سر جھٹک کے آگے چل دیا۔

ایڈم لان کے دہانے پہ کھڑا عثمان سے بات کر رہا تھا جب وہ اندر سے آتی دکھائی دی۔ عثمان نے اسے ایک پھولا ہوا لفافہ تھمایا اور بے زاری سے چند جملے کہہ کے پلٹ گیا۔ تالیہ قریب آئی تو نڈھال لگتی تھی۔

''عجیب بات ہے۔ وان فاتح نے یہ پیسے مجھے کیوں بھجوائے ہیں؟'' وہ حیران سا اس سے پوچھنے لگا۔ ''میں نے پوچھا یہ کب بھیجے ہیں انہوں نے تو وہ بولا کہ اتوار کی رات کو کہا تھا' یعنی جب ہم واپس آئے تھے۔ یعنی ان کی یادداشت جانے سے پہلے انہوں نے....''

''ایڈم .... پلیز.... مجھے گھر چھوڑ آؤ۔'' وہ اس کو نہیں سن رہی تھی۔ ایڈم نے بے اختیار اسے دیکھا۔ اس کا میک اپ منہ دھونے کے باعث ہلکا ہو گیا تھا۔ کاجل کچھ بہہ گیا تھا۔ اور آنکھوں کے کٹورے بار بار پانی سے بھر رہے تھے۔

''چے تالیہ... خود کو سنبھالیں۔'' اس کے دل کو کچھ ہوا۔

''مجھے اس وقت کسی چیز کا ہوش نہیں ہے۔ بس تم کار اسٹارٹ کرو۔'' اس نے چابی اس کی طرف بڑھائی۔ ''میں عصرہ کو الوداع کہہ دوں۔''

ایڈم کو وہیں چھوڑ کے وہ عصرہ کی طرف جانے لگی۔ وہ لان کے دوسرے دہانے پہ کھڑی مہمانوں سے خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ چند گز کا فاصلہ بھی اس کے لئے دوبھر ہو گیا۔ قدم بھاری بھاری سے ہونے لگے۔ وہ بدقت چلتی قریب آئی۔ جسم اتنا نڈھال تھا کہ لگتا تھا ابھی گر پڑے گی۔

''عصرہ.....'' اس کے پکارنے پہ مسکراتی ہوئی عصرہ مڑی تو اس کی شکل دیکھ کے مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''تالیہ تم ٹھیک ہو؟'' اسے تشویش ہوئی۔

''نہیں۔ میری طبیعت اچانک سے خراب ہو گئی ہے۔ مجھے جانا ہو گا۔ بہت معذرت۔'' وہ بدقت اپنے وجود کو مجتمع رکھے بول رہی تھی۔

13

''اوہ....ابھی تو تمہارے بنائے میرے پورٹریٹ کی نیلامی بھی ہونا تھی۔''

''میں نہیں رک سکتی۔پلیز۔''

''اٹس او کے۔کل آجانا۔ویسے بھی گھائل غزال تو کل ہی لگے گی۔''

مگر اس کی بلا سے اب گھائل غزال اور عصرہ کے ساتھ جو بھی ہو۔اسے اب کسی چیز کی پرواہ نہ تھی۔بس ایک دل تھا جو رک رک کے دھڑک رہا تھا۔سارے مسئلے اس دل کے ہی تو تھے۔

راستے میں ایڈم خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا اور وہ چپ چاپ بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔آنسو بنا آواز کے بہہ رہے تھے۔ایڈم بار بار ونڈ اسکرین سے نظر ہٹا کے اسے دیکھتا' مگر کچھ کہہ نہ پاتا۔پھر اس نے کوشش کی۔

''مجھے نہیں معلوم ان کا زیادہ بڑا جرم کیا ہے۔''اسٹیرنگ وہیل گھماتے ہوئے وہ کہنے لگا۔''وہ پانی پی لینا' ہمیں بے خبر رکھنا یا آپ کو آزاد نہ کرنا۔پتہ نہیں وہ یہ سب کیوں کر رہے ہیں لیکن اگر وہ ہمیں اس طرح اپنی زندگی سے نکالنا چاہتے ہیں تو نکالنے دیجئے۔دکھ مجھے بھی ہے' اور دماغ شل ہے لیکن میں نے کبھی ان سے لمبی امیدیں نہیں باندھی تھیں۔اس لئے اب ہمیں بھی اپنی عام زندگیوں میں واپس چلے جانا چاہیے۔''

''ایڈم گاڑی روکو۔''وہ ایک دم بلند آواز سے رونے لگی تو ایڈم نے جلدی سے کار آہستہ کی پھر اسے سڑک کے کنارے کھڑا کیا۔وہ مصروف شاہراہ تھی اور کنارے پہ فٹ پاتھ بنے تھے جن کے ساتھ کھجور کے درخت قطار میں لگے تھے۔وہ درخت کے سائے تلے رک گئے تھے اور شاخوں کے جھروکوں سے ڈوبتا سورج دکھائی دے رہا تھا۔

''وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟''وہ بچوں کی طرح رونے لگی۔''وہ مجھے یوں اکیلا کیسے کر سکتے ہیں؟ وہ مجھے پہچان کیوں نہیں رہے؟ وہ مجھ سے پہلے کی طرح بات کیوں نہیں کر رہے۔''

''بے تالیہ....ان کو کچھ یاد نہیں ہے۔''

''مگر میں نے ان کو خود بتایا تھا۔جنگل میں ساری کہانی سنائی تھی ان کو۔اور تم نے ان کو خزانے کا بتایا تھا' جب تم ان کو میرے پاس سن باؤ کے گھر لائے تھے۔مجھے پکڑنے کے لئے۔پھر ان کو کیوں نہیں یاد؟''وہ روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''وہ سب چابی جوڑنے کے بعد ہوا تھا۔جب میں کار میں ان کے ساتھ بیٹھا تو بات شروع کرنے سے قبل میں نے ان کو چابی دے دی تھی جس کو انہوں نے فوراً جوڑ دیا تھا۔آپ کا خزانے کی تلاش میں آنا' اور ہمارا دروازہ پار کرنا' یہ سب بعد میں ہوا تھا۔''

''میں نے ان کو سب بتایا تھا جنگل میں۔''وہ نفی میں سر ہلاتی آنسوؤں اور ہچکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔''اپنے بارے میں' حالم کے بارے میں' اشعر کی گھائل غزال سے متعلق سازش' عصرہ کا فائل چرانا' سب بتایا تھا۔''

''مگر ان کو یہ سب نہیں یاد۔ان کی یادداشت میں آپ صرف ایک بگڑی امیر زادی ہیں جس نے ان کی فائل چرائی تھی۔''

14

''اوران کے احساسات کا کیا؟ کیا یادداشت جانے سے وہ بھی ختم ہو گئے؟'' وہ بے یقینی بھری گیلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ' بے تالیہ۔مگر احساسات تو یادوں سے مشروط ہوتے ہیں۔آپ کو بھی تو مراد راجہ سے کبھی وہ انسیت محسوس نہیں ہوئی جو وقت کا سفر کرنے سے قبل چھوٹی تالیہ کو ہوتی تھی۔''

''نہیں۔''اس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا اور نفی میں گردن ہلائی۔''یہ سب ان کا کوئی پلان ہے۔وہ صرف اداکاری کر رہے ہیں۔ ان کو سب یاد ہے۔''

''وہ جھوٹ نہیں بولتے۔''

''نہیں۔میں نہیں مانتی۔زندگی مجھے اتنی بڑی سزا نہیں دے سکتی۔قسمت میرے ساتھ اتنا بڑا جھوٹ نہیں بول سکتی۔''

''آپ denial میں ہیں۔''اس نے افسوس سے تالیہ کو دیکھا۔وہ روتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''میں نہیں مانتی۔میں اتنی بری تو نہیں تھی کہ میرے ساتھ یہ سب ہوتا۔میں ان کی بیوی ہوں۔سنا تم نے۔میں ان کی بیوی ہوں۔وہ مجھے یوں پہچاننے سے انکاری نہیں ہو سکتے۔''

''بے تالیہ.....''

''وہ صرف اداکاری کر رہے ہیں۔وہ عصرہ سے ڈرتے ہیں۔میں ان کو دیکھ لوں گی۔میں سب کو دیکھ لوں گی۔میں ان سے بات کروں گی۔''پھر اس نے ہتھیلی سے آنکھیں رگڑیں۔''ابھی لوگ تھے نا سامنے۔کل میں ان سے اکیلے میں بات کروں گی۔دیکھنا' وہ تب وضاحت کریں گے کہ ان کا رویہ ایسا کیوں تھا۔''

''شاک ملنے کے بعد پہلا فیز denial (نہ ماننے) کا ہوتا ہے۔''وہ گہری سانس لے کر کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

''پھر جب یقین آتا تو وہ صدمے میں بدلتا ہے۔پھر یا تو وہ ملال بن کے ختم ہو جاتا ہے' یا غصے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔''اس نے کار سڑک پہ ڈال دی۔تالیہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔اداس سا ایڈم کہہ رہا تھا۔

''غصے کے بعد وہ انتقام کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔آپ کو خود کو اس فیز سے نکالنا ہو گا تاکہ یہ ملال بن کے ختم ہو جائے۔میری طرح۔ جیسے میں ابھی صدمے میں ہوں اور اس صدمے کو غصہ نہیں بننا چاہیے۔''

''تمہیں یہ سب کیسے پتہ؟''وہ دکھی لہجے میں بولی تو ایڈم اداسی سے مسکرایا۔

''آپ کتابیں نہیں پڑھتیں کیا؟''اور ایکسیلیٹر پہ پیر کا دباؤ بڑھا دیا۔

تالیہ کے آنسو ایک دفعہ پھر تیزی سے بہنے لگے۔اس نے گردن موڑ لی اور بھاگتی ٹریفک کو دیکھنے لگی۔اس دنیا کے لیے وہ واپس آئی تھی؟ اس زندگی کے لیے؟

وہ گھر آئی تو صد شکر آج داتن نہیں تھی۔اس نے بس دروازہ بند کیا اور کشن لے کر وہیں لاؤنج میں صوفے پہ لیٹ گئی۔کروٹ کے بل ٹمی

15

سمٹی سی لیٹی وہ روئے گئی۔زاروقطار۔بنا آواز کے۔دل کے سب سے گہرے خانے سے ابل ابل کے آتے آنسواس کی آنکھوں سے گرتے گئے۔

کب رات گزری۔کب صبح ہوئی۔اسے علم نہیں ہوا۔بس وہ گھنٹوں اسی پوزیشن میں لیٹی رہی۔

پھر کھڑکیوں سے روشنی اندر آنے لگی تو وہ آنکھیں پونچھتی اٹھی۔سارے جسم میں درد ہو رہا تھا۔مگر اسے صرف ایک بات یاد تھی۔

اسے وان فاتح سے ملنا تھا۔

چند منٹ بعد وہ تیار ہو کے سیڑھیاں اترتی دکھائی دی تو خلافِ معمول سادہ سی سفید اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس تھی اور سیاہ منی کوٹ پہن رکھا تھا سنہرے بال پونی میں باندھے' دھلا دھلایا چہرہ اور خالی آنکھیں.....وہ جیسے اندر تک بدل گئی تھی۔

پورچ ابھی عبور کیا ہی تھا کہ گیٹ پہ گھنٹی بجی۔وہ قریب آئی تو دیکھا' سامنے کوریئر سروس کا رائیڈر کھڑا تھا۔اس کے ہاتھ میں ٹوکری تھی جسے اس نے ادب سے بڑھایا اور ایک کاغذ سامنے کیا۔

''یہ آپ کے لئے آیا ہے۔''

تالیہ نے چپ چاپ دستخط کیے اور ٹوکری تھامی۔وہ ہیلمٹ پہنتا' واپس بائیک پہ بیٹھ گیا۔

''آج صبح مجھے وان فاتح کی دوسری ای میل موصول ہوئی ہے اور مجھے ان پیسوں کا مقصد انہوں نے سمجھا دیا ہے۔''ٹوکری کے اندر کھے کارڈ پہ لکھا تھا۔''وہ چاہتے ہیں کہ میں ہر ہفتے آپ کو یہ بھیجا کروں۔میں نہیں جانتا وہ ایسے کیوں کر رہے ہیں' مگر وجہ جو بھی ہو....پیچی برتھ ڈے۔''

اس نے ٹوکری میں جھانکا۔اندر تازہ رسیلے کوکوپھل رکھے تھے۔اور ان کے درمیان کہیں کہیں چاکلیٹ بارز پڑے تھے۔

(وہ اداکاری کر رہے ہیں۔وہ عصرہ سے ڈرتے ہیں۔مجھے معلوم ہے۔) وہ کار کی طرف بڑھتے ہوئے بدگمانی سے سوچ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

کے ایل پہ کب سے بادل برس رہے تھے۔وہ درمیانے طبقے کا علاقہ بارش سے بھیگ بھیگ چکا تھا۔سڑک نشیب میں گرتی دکھائی دیتی تھی اور اطراف میں گھروں کی قطاریں تھیں۔اس گیلی سڑک پہ ایڈم بن محمد آتا دکھائی دے رہا تھا۔چیک والی میرون شرٹ سیاہ پینٹ پہ پہنے' وہ موبائل پہ چہرہ جھکائے ٹائپ کرتا چل رہا تھا۔

کیلکولیٹر پہ وہ حساب کر رہا تھا کہ جتنے پیسے وان فاتح نے دیے تھے ان سے اگر وہ ہر ہفتے کوکوپھل لے کر چے تالیہ کو دے تو وہ کتنے عرصے میں ختم ہوں گے؟

قریباً چار ماہ میں۔اور اس کے بعد؟اس نے گہری سانس لی اور موبائل اسکرین پہ وہ ای میل کھولی جو آج علی الصبح اسے موصول ہوئی تھی۔وان فاتح نے وہ چار روز قبل بھیجی تھی مگر شیڈیول کر دینے کے باعث وہ آج اس تک پہنچی تھی۔

''ایڈم.....میرا سیکرٹری عثمان اب تک ایک خطیر رقم تمہارے حوالے کر چکا ہو گا۔میں چاہتا ہوں کہ تم اس رقم سے ہر ہفتے تالیہ کو چاکلیٹس اور کوکو پھل بھجوایا کرو۔وہ جہاں بھی ہو'اس کو یہ ہر ہفتے ملنا چاہیے۔بیس تاریخ کو اس کی سالگرہ ہے...میں چاہوں گا کہ تم بیس تاریخ سے اس کام کو شروع کرو اور جب تک یہ پیسے تمہارے پاس ہوں'تم یہ کام کرتے رہو۔

فقط،

تمہارا وقت کا ساتھی۔''

وہ ای میل صبح سے کئی دفعہ پڑھ چکا تھا۔تالیہ کو پھل بھجوانے کے بعد بھی وہ اسے بار بار کھولتا تھا۔انہوں نے یہ کیوں نہیں لکھا کہ وہ اسے معلق کیوں کر گئے ہیں؟ یہ کیوں نہیں بتایا کہ اسے کوکو پھل بھیج کے وہ بار بار اسے اپنا آپ کیوں یاد دلانا چاہتے ہیں؟ ایسے تو وہ کبھی آگے نہیں بڑھ پائے گی۔نئی زندگی نہیں شروع کر پائے گی۔اوہ دان فاتح۔آپ نے ایسا کیوں کیا؟

اس نے موبائل جیب میں ڈالا اور گیلی سڑک پہ تیز قدم بڑھانے لگا۔گھروں کی قطار کے آگے ننھے ننھے باغیچے بنے تھے۔بارش نے ان سب کو بھی دھو کے نکھار ڈالا تھا۔ایڈم سرسری نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیتا'جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلتا جا رہا تھا جب وہ رکا۔

اس کے گھر سے دو گھر چھوڑ کے ایک گھر کے باہر پتھریلی چوکی پہ ایک نوعمر بچی بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ہاتھ میں قلم بھی تھا جس سے وہ بار بار کچھ انڈرلائن کرتی۔بارہ تیرہ سالہ بچی نے ابھی تک اسکول یونیفارم پہن رکھا تھا اور سر کتاب پہ جھکا تھا۔

کتاب کا سرورق دکھائی دے رہا تھا'اس لئے اس کے قدم رکے۔پھر دھیرے دھیرے چلتا وہ اس کے قریب آیا۔

''لیزا!'' نرمی سے ہمسائیوں کی بچی کو پکارا تو اس نے سر اٹھایا۔

''ایڈم آبنگ....'' پھر بھنویں بھنچیں۔''آپ مختلف لگ رہے ہیں۔یہ بالوں کو کیا کیا؟''

''تم اسے چھوڑو۔یہ بتاؤ' کیا پڑھ رہی ہو؟'' دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''یہ!'' لڑکی نے کتاب اٹھا کے دکھائی۔بھوری جلد پہ سنہری رنگ سے واضح لکھا تھا۔بنگا رامِلایو (ملایا کا نرگسی پھول) از آدم بن محمد۔

''یہ ایک تاریخی داستان ہے جو ہمارے کورس میں شامل ہے۔''

''اچھا'' وہ اداسی سے مسکرایا۔''کیسی کتاب ہے یہ؟''

''ہونہہ۔خواہ مخواہ میں ہی لکھی مورخ نے۔'' وہ منہ بنا کے بولی تو ایڈم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''پتہ نہیں یہ کیوں اتنی موٹی تاریخی کتابیں لکھی جاتی ہیں؟ کون سا سلطان کس سن میں مرا' کون سی جنگ کس تاریخ کو ہوئی۔ایک دم بے کار۔بھلا پوچھو'جب بھی ہوئی ہو جنگ'اس کے بارے میں علم ہونے سے مجھے کیا فائدہ ہو گا؟ اوپر سے اتنا مشکل ٹیسٹ آتا ہے اس سے۔دل کرتا ہے اس مورخ کو بھرے چوک میں الٹا لٹکا کے....''

''بس تم ساری زندگی نکمی' کام چور اور جاہل رہنا۔'' وہ سرخ پڑتے کانوں کے ساتھ چمک کے بولا۔ ''ہمسائیوں کے گھروں سے مرغیوں کے انڈے اور محلے کی دکان سے چاکلیٹس چرا چرا کے کھاتی رہنا۔ تمہیں کتابوں کی اہمیت پتہ ہوتی تو یوں مرمر کے پاس نہ ہوتیں۔ ہونہہ۔ یہ لٹکائیں گی مورخ کو!''

بچی نے جواباً زور سے ''ہونہہ' کر کے سر جھٹکا اور چہرے کے آگے کتاب کر لی۔ ایڈم نے پیر پٹخا' زیادہ بلند آواز میں ''ہونہہ'' کیا اور برے برے منہ بناتا آگے بڑھ گیا۔

وہ گھر میں داخل ہوا تو بادل چھٹنے لگے تھے اور دھوپ نکل رہی تھی۔ سفید بلی گھاس پہ انگڑائیاں لیتی ستانے میں مصروف تھی۔ ڈربے کے اندر بیٹھی مرغی چوکنی سی باہر جھانکتی بلی کو دیکھ رہی تھی۔ اپنے بچے اس نے پروں کے قریب دبا رکھے تھے۔

ایڈم نے پنجرے پہ رکھے مرتبان کا ڈھکن کھولا' خوراک کی مٹھی بھری اور جھک کے جالی سے اندر پھینکی۔ چوزے چوں چوں کرتے فوراً سے دانوں کی طرف لپکے۔

''کیا صبح ہی صبح جاب ڈھونڈنے نکلے تھے؟'' ماں اس کے عقب میں کب آ کھڑی ہوئی اسے علم ہی نہ ہوا۔ بس مسکراتے ہوئے چوزوں کو دیکھتا رہا۔

''ایڈم...نوکری ڈھونڈ رہے ہو نا؟'' ایبو کے چہرے پہ تشویش تھی۔ وہ جھاڑو ہاتھ میں لئے' آستینیں اوپر چڑھائے' کام کے غالباً درمیان سے اٹھ کے آئی تھی۔

''نوکری کرنے سے کیا ہوگا ایبو؟'' اس کی نظریں چوزوں پہ جمی تھیں جو پھدک پھدک کے دانے چگ رہے تھے۔

''پھر وہی مایوسی کی باتیں۔''

''غلط۔ مایوسی کی بات نہیں کر رہا۔ سوال پوچھ رہا ہوں۔ نوکری کرنے سے گھر میں 'دانہ' آئے گا نا؟'' وہ اس کی طرف گھوما تو چہرے پہ سنجیدگی تھی۔

''ہاں بیٹا' تم پیسے کمانے لگو گے تو شادی کر سکو گے' پھر اپنے بچے پال سکو گے' خوشحال رہو گے۔''

''یعنی نوکری صرف کمانے اور بچے پالنے کے لئے کی جاتی ہے۔ مگر ماں....وہ تو جانور ہوتے ہیں جو صرف کھانے اور بچے پیدا کرنے کے لئے زندہ رہتے ہیں۔''

''وہ الگ بات ہے' ایڈم۔'' ایبو نے سمجھانا چاہا مگر پنجرے کے سامنے کھڑا ایڈم اس کی نہیں سن رہا تھا۔

''میں سیکیورٹی گارڈ کی نوکری ڈھونڈ رہا ہوں ماں۔ میں نوکری ضرور کروں گا' پیسے بھی کماؤں گا اور کیا پتہ کوئی بڑا خزانہ بھی میرے ہاتھ لگ جائے' لیکن' ماں.....کیا انسان کی زندگی میں کوئی بڑا مقصد نہیں ہونا چاہیے جو اس کو جانوروں اور پرندوں پہ فوقیت عطا کرے؟ کوئی تو فرق ہم میں ہونا چاہیے نا۔''

''ہاں ضرور۔ تم بامقصد نیک کام بھی کرو زندگی میں۔ لیکن نوکری الگ چیز ہے۔''

''نیک' بامقصد کام اور نوکری ایک ہی چیز کیوں نہیں بن سکتے ماں؟ اس سوال کا جواب میرے پاس خود بھی نہیں ہے' مگر آج کل میں اکثر یہی بات سوچتا ہوں۔'' پھر اس نے گہری سانس بھری اور ایک نظر پنجرے پہ ڈالی۔ چوزے دانہ چگ چکے تھے اور اب مٹی میں آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ ان کو مزید دانوں کی تلاش تھی۔ ننھے ننھے پیٹ تھے مگر بھوک مٹتی ہی نہ تھی۔ ان کی ساری دوڑ دھوپ صرف بھوک مٹانے کے لئے تھی۔

کیا ایڈم بن محمد ان ننھے پرندوں سے بھی گیا گزرا تھا؟ وہ اداسی سے سوچ گیا۔

☆☆=========☆☆

آسمان خوب بارش برسا کے اب ہلکا ہو چکا تھا اور بادل چھٹ چکے تھے۔ دھوپ نکل آئی تھی' اور ایسے میں پارلیمان کی عمارت فخر سے سر اٹھائے کھڑی تھی۔

پارلیمان ایک اونچے ٹاور اور ساتھ زمین پہ پھیلی عمارتوں پہ مشتمل تھی۔ زمین پہ لیٹی عمارت میں (پارلیمان اور سینٹ) کے ایوان تھے اور اونچے ٹاور میں پارلیمانی ممبرز کے آفسز تھے۔

ٹاور کے اندر قطار میں لفٹس لگی تھیں۔ ایک لفٹ کے دروازے کھلے تو اندر سے وان فاتح باہر نکلا۔ سامنے طویل کاریڈور تھا جس میں بتیاں جلی تھیں اور چند افراد آ جا رہے تھے۔ فاتح موبائل کوٹ کی جیب میں ڈالتا عثمان سے کہہ رہا تھا۔

''مجھے اس نئے legislation کا ڈرافٹ اپنی میز پہ چاہیے۔''

''سر وہ تو میں نے آپ کو ہفتے والے روز ہی دے دیا تھا۔''

''ہاں آف کورس!'' فاتح نے گہری سانس لی اور پیشانی چھوئی' پھر تیز قدم اٹھاتے عثمان کی طرف جھک کے کہا۔ ''مگر درمیان میں اتوار کا دن آ گیا جو میں نے ملاکہ میں گزارا۔ کبھی ایسا ہوا تمہارے ساتھ عثمان کہ تم صرف ایک رات کے لئے سوؤ اور جب جاگو تو لگے ایک زمانہ بیت چکا ہے۔'' ساتھ ہی جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔

''کبھی میں بہت تھکا ہوا ہوں تو ایسا لگتا ہے' سر۔'' عثمان نے اٹک اٹک کے جواب دیا اور پھر فاتح کو دیکھا۔ وہ گرے سوٹ اور ٹائی میں ملبوس تھا' گیلے بال دائیں طرف کو جما رکھے تھے اور آنکھ کے قریب زخم کنسیلر لگا کے چھپا رکھا تھا۔ وہ اپنے ساتھ کھڑے ایک' کارکن' سے یوں دل کی بات پہلے نہیں کیا کرتا تھا۔ یہ عادت کب سے پڑی اس کو؟

راہداری میں وہ مڑے تو لیڈر آف اپوزیشن کا آفس سامنے نظر آیا۔ وان فاتح کے قدم سست ہوئے۔ بند دروازے کے سامنے تالیہ کھڑی تھی۔

''تم.... ادھر؟'' اسے حیرت ہوئی۔ پھر ایک برہم نظر عثمان پہ ڈالی۔

''اگر پرس میں پیسے ہوں تو لیڈر آف اپوزیشن کے آفس تک پہنچنے کی اجازت مل جاتی ہے فاتح صاحب!'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سادہ سفید اسکرٹ بلاؤز پہ سیاہ کوٹ.. پونی میں بندھے بال' دھلا دھلا یا چہرہ....روئی روئی آنکھوں تلے سرخی....وان فاتح پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھتا قریب آیا۔

''خیریت؟ تم یہاں کیوں آئی ہو؟'' اسے یہ ناگوار گزرا تھا۔

''ضروری بات کرنی تھی آپ سے۔ اگر آپ کو مناسب لگے تو میں اندر آسکتی ہوں؟ نہ بھی لگے تو میں اندر آنا چاہوں گی۔'' وہ ہٹ دھرم لگ رہی تھی۔ آج آر یا پار ہونا تھا۔

فاتح نے ضبط سے پہلے عثمان کو جانے کا اشارہ کیا اور پھر تالیہ کو پیچھے آنے کا کہا۔ اندر آتے ہی وہ سیدھا اپنی کرسی کی طرف گیا۔

''بیٹھو' تاشہ۔ اور بتاؤ کیا بات ہے۔'' ہاتھ جھلا کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

کمرے میں وہ دونوں تنہا تھے۔ کوئی ان کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا۔ وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھتی قریب آئی۔ کرسی کھینچی۔ اس پہ بیٹھی۔ مگر پلک تک نہ جھپکی۔ بس اسے دیکھے گئی۔

''تاشہ جو بھی کہنا ہے تمہیں' بس پانچ منٹ میں کہو اور مجھے کام کرنے دو۔ اس سے زیادہ مروت کا مظاہرہ میں نہیں کر سکتا۔'' وہ ہموار لہجے میں بولا۔ سپاٹ آنکھیں تالیہ پہ جمی تھیں۔ کوئی شناسائی..کوئی بیتے زمانوں کا عکس۔۔۔ان آنکھوں میں کچھ بھی نہ تھا۔

''آپ جانتے ہیں میں کیا کہنے آئی ہوں۔'' اس کی آواز بلند ہو گئی۔ گلا رندھنے لگا۔

''میں وہ گھر تمہیں نہیں بیچنا چاہتا۔ وہ بات ختم ہو چکی ہے۔ مزید کوئی بات کرنی ہے تو بتاؤ۔'' وہ ناراض نہیں لگ رہا تھا' بس بےزار تھا۔ یہ بےگانگی' یہ بے نیازی....

تالیہ کا دل ہر دھڑکن کے ساتھ ڈوبنے لگا۔

وہ اداکاری نہیں کر رہا تھا۔

وہ واقعی سب فراموش کر چکا تھا۔

وہ اس کے لئے صرف ایک سطحی' بگڑی ہوئی امیرزادی تھی جو بار بار اس کے پیچھے آ رہی تھی۔ یا اللہ....اگر اسے واقعی کچھ یاد نہیں تو وہ اس کے بارے میں اس وقت کیا سوچ رہا ہو گا؟

حقیقت کی روشنی ذہن کی کھڑکیوں سے اندر گئی تو اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اس نے تھوک نگلا اور سارے آنسو پی گئی۔ پھر ذرا سنبھل کے بیٹھی۔

''میں صرف ایک وضاحت دینے آئی تھی۔ آپ نے....'' وہ سوچ سوچ کے بول رہی تھی۔ نیم اندھیر آفس ایک دم ٹھنڈا لگنے لگا تھا۔

''آپ نے مجھ پہ الزام لگایا تھا کہ وہ فائل میں نے چرائی تھی۔ اشعر صاحب کے کہنے پہ۔ آپ اپوزیشن لیڈر ہیں۔ حکومتی اراکین پہ الزام

لگاتے ہیں تو ثبوت بھی دیتے ہیں۔ مجھ پہ الزام لگانے کا ثبوت نہیں دیا مجھے آپ نے۔"

"تمہیں شکر ادا کرنا چاہیے کہ میں نے ثبوت پولیس کو نہیں دیے۔ خیر۔ فائل میں واپس لے چکا ہوں۔ اس لئے اس ٹاپک کو بند کر دو تو اچھا ہوگا۔"

"پوچھ سکتی ہوں فائل واپس کیسے لی آپ نے؟ سچے اور ایماندار لیڈر ہیں آپ' اپنی ووٹر کے سوال کا جواب دیانتداری سے دینا چاہیے آپ کو۔"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے سوال کرتی میز پہ دونوں مٹھیاں رکھے ہوئے تھی۔ سرد شیشے سے ٹھنڈک سی نکلتی اس کے سارے جسم میں سرایت کر رہی تھی۔

"اچھا تو تم نے مجھے ووٹ دیا تھا۔" وہ ٹائی کو ذرا ڈھیلا کرتا کرسی پہ پیچھے ہو کے بیٹھا۔

"میرا سوال وہیں موجود ہے' فاتح صاحب۔ اگر آپ نے سچ بولا تھا کہ فائل واقعی چوری ہوئی ہے تو اتنی جلدی واپس کیسے آ گئی؟" اس نے ٹھنڈے شیشے سے ہاتھ ہٹا کے گود میں رکھ لئے۔ نظریں وان فاتح کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

"میں نے ایک انویسٹی گیٹر ہائر کیا تھا۔ خوش؟" ساتھ پہ ابرو اچکائے۔ وہی ازلی بے نیازی۔ وہ واقعی بھول چکا تھا۔

تالیہ نے بدقت خود کو سنبھالا۔ دل زخم زخم ہو رہا تھا۔

"میں نے آپ کی فائل نہیں چرائی تھی۔ کل بھی کہا تھا اور آج بھی کہوں گی۔ لیکن ٹھیک ہے۔ اس ٹاپک کو بند کر دیتے ہیں۔ آپ مجھے گھر نہ بیچنا چاہیں' آپ کی مرضی۔ بس میرے ایک آخری سوال کا جواب دیانتداری سے دے دیں۔"

پرس اٹھاتے ہوئے وہ کھڑی ہوئی تو وہ "عادتاً" اٹھ کھڑا ہوا۔ اٹھتے ہی اسے احساس ہوا کہ اسے نہیں اٹھنا چاہیے تھا' پھر کیوں؟

وہ ہلکا سا مسکرائی۔ وہ اس عادت کو پہچانتی تھی۔ یعنی اس کی صرف narrative memory کھوئی تھی۔ عادات اور سیکھی ہوئی چیزیں اس کے وجود سے الگ نہیں ہوئی تھیں۔

"آپ مجھے وہ گھر کیوں نہیں بیچنا چاہتے؟"

"کیونکہ وہ ایک تاریخی ورثہ ہے اور تم تاریخی چیزوں کو صرف پیسے کمانے کا ذریعہ سمجھتی ہو۔"

"اور کس لیے ہوتی ہے تاریخ؟"

"تاریخ "سیکھنے" کے لئے ہوتی ہے۔ عبرت کے لئے۔ وہ گھر میں اس کو بیچوں گا جو اس کی قدر کرنا جانتا ہوگا۔ اور تم صرف پینٹ کرنا جانتی ہو۔" دونوں کے درمیان میز تھی اور وہ اس کے کناروں پہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ فرش سے اٹھتی ٹھنڈک اس کے پیروں میں سرایت کرتی اسے برف کر رہی تھی۔

"آپ پینٹرز کو کمتر سمجھتے ہیں؟" اس کی ریڑھ کی ہڈی مارے سردی کے دکھنے لگی تھی۔

''تاشہ!'' وہ میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کے جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''انیسویں صدی میں ایک امیر گھرانے کی لڑکی الزبتھ تھامسن پینٹ کیا کرتی تھی۔ تب عورتیں اگر پینٹرز بنتی تھیں تو وہ تمہاری طرح عام چیزیں بناتی تھیں۔ پھول' انسانی شکل' گلدان۔ سینری۔ مگر الزبتھ کی سوچ گہری تھی۔ وہ جنگی پینٹنگز بناتی تھی۔ اور ہاں' تب یہ جنگوں پہ مبنی فلمیں نہیں بنتی تھیں نہ اس نے جنگیں دیکھی تھیں جو اس کو معلوم ہوتا کہ جنگیں کیسی ہوتی ہیں۔ جانتی ہو اس نے اپنی ایک شہرہ آفاق پینٹنگ بنانے کے لئے ایک کھیت میں بچوں کو دوڑایا' پھر بہت سے گھوڑے خریدے اور ملازموں کو فوجی وردیاں پہنا کے اس میں دوڑایا۔ پھر نقلی لڑائی کروائی۔ اس سے کھیت تباہ ہوا' دھول اٹھی' میدان کا رنگ بدلا۔ اور وہ ناز و نعم میں پلی لڑکی پینٹ کرتی گئی۔ مجھے صرف اس پینٹر عورت نے متاثر کیا تھا۔ وہ لوگوں کو جنگ کی تباہ کاریوں سے روشناس کروانے کے لیے پینٹ کرتی تھی۔ میں پینٹرز کو کمتر نہیں سمجھتا۔ مگر میں صرف ا ن پینٹرز سے متاثر ہوتا ہوں جو کسی بڑے مقصد کے لئے پینٹ کرتے ہیں۔ جیسے الزبتھ کرتی تھی۔''

یکدم ساری ٹھنڈک تالیہ کے جسم سے نکلتی گئی۔ اس کا چہرہ دہکنے لگا۔ تنفس تیز ہو گیا۔ وہ آگے بڑھی' ہتھیلیاں میز پہ رکھ کے اس کے انداز میں جھکی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''آپ یہ بتانا بھول گئے فاتح صاحب کہ.... الزبتھ نے لارڈ بیلی سے شادی کر لی تھی۔ اس کا تنگ ذہن جاگیردار نواب شوہر سمجھتا تھا کہ عورت کی اپنی سوچ نہیں ہو سکتی' وہ اپنی رائے نہیں رکھ سکتی اور اسے پینٹ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ کبھی الزبتھ کے ٹیلنٹ اور شوق کی انتہا کو نہیں سمجھ سکا۔ اس نے اپنے نظریات الزبتھ پہ تھوپنے شروع کر دیے اور اس کا کیریئر آہستہ آہستہ ختم ہوتا گیا۔ شاید اس کا دل مر گیا تھا۔ آپ نہیں جانتے فاتح صاحب' ظالم اور بے حس آدمی سے شادی اونچے ارادوں والی لڑکی کو کیسے مار دیتی ہے۔''

پرس کا اسٹریپ پھسل کے نیچے آ گیا تھا۔ اس نے اسے کندھے پہ دوبارہ جمایا اور ایک شکوہ کناں نظر اس پہ ڈالتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

فاتح نے گہری سانس لے کر سر جھٹکا اور کرسی سنبھالی۔ اسے بہت سے کام کرنے تھے۔ شکر کہ وہ مزید وقت ضائع کیے بغیر چلی گئی۔

☆☆=========☆☆

کے ایل کے قریب پترا جایا کا شہر تھا۔ کے ایل کی اکثر سرکاری عمارتیں اب پترا جایا منتقل ہو چکی تھیں اور وہ طاقت اور اثر و رسوخ کا منبع بن چکا تھا۔ بارش کے بعد آسمان صاف ہو چکا تھا مگر تھوڑی ہی دیر بعد دھوپ چلی گئی اور سارے شہر پہ ٹھنڈی سی چھایا چھا گئی۔ پترا جایا میں ایک بڑا سا پل تھا جس کے چاروں طرف اونچے ٹاورز بنے تھے۔ پل کے درمیان میں سڑک گزر رہی تھی اور دونوں اطراف میں سرکارپٹ سے مزین فٹ پاتھ بنے تھے جن کے اوپر لوگ پیدل بھی پل عبور کر رہے تھے۔

دونوں طرف کے سرخ فٹ پاتھ کو اونچے ریلنگ نے مقید کر رکھا تھا۔ نیچے دریا کی صورت بنی جھیل بہہ رہی تھی۔ وہاں سیاح جگہ جگہ کھڑے تصاویر کھنچواتے دکھائی دے رہے تھے۔

مگر وہ سیاحوں کی طرح کھڑی نہیں تھی۔ وہ ریلنگ سے ٹیک لگائے' سرخ کارپٹ پہ اکڑوں بیٹھی نیچے بہتی جھیل کو دیکھ رہی تھی۔ سیاہ کوٹ ساتھ زمین پہ پڑا تھا۔ اور ہوا سے پونی جھول رہی تھی۔ خالی خالی سیاہ آنکھیں دور پانیوں پہ جمی تھیں۔ پل کی پتھریلی سڑک کی طرف اس کی پشت تھی اور سڑک پہ دوڑتی ٹریفک کا شور اس کو محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

اس کے جیسے سارے احساسات برف ہو گئے تھے۔ اور جب برف پگھلی تو ہر شے بہہ گئی۔ وہ خالی ہاتھ' خالی دامن بیٹھی تھی۔

سیاہ بوٹ میں مقید دو قدم اس کے قریب آ کے رکے۔ اس نے سر نہیں اٹھایا۔ بس پانی کو دیکھتی' خود فراموشی کے عالم میں بولی۔

''میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا۔ سب کھو گیا۔ میرا اس کے ساتھ گزارا اچھا وقت چوری ہو گیا۔ میرے سارے سچ جھوٹ بن گئے۔ وہ مجھے اب پہچانتا بھی نہیں ہے۔ کوئی ایسے کیسے اجنبی بن جاتا ہے' ذوالکفلی صاحب؟'' شکوہ کناں پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

وہ سیاہ پینٹ شرٹ میں ملبوس' آنکھوں پہ سیاہ چشمہ چڑھائے ہوئے تھا۔ بال جگہ جگہ سے سفید تھے اور چہرے پہ مسکراتے ہوئے جھریاں پڑ رہی تھیں۔

''کیا ہوا ہے' تالیہ؟ تم فون پہ اتنی ٹوٹی ہوئی کیوں لگ رہی تھیں؟'' وہ نرمی سے سوال کرتا اس کے سامنے سرخ قالین پہ بیٹھا' ایسے کہ ذوالکفلی کی پشت جھیل کی طرف اور چہرہ تالیہ کی جانب تھا۔

''میں زندگی میں پہلی دفعہ اتنی بری طرح ہاری ہوں۔ مجھے غلط آدمی سے محبت ہو گئی۔ وہ شادی شدہ تھا' اس کے دو بچے تھے' اسی لئے میں اس کا خواب نہیں دیکھتی تھی۔ مگر وہ ان دیکھا خواب سچا ہو گیا۔ وہ مجھے مل گیا' لیکن وہ چھوڑ دیتا تو اچھا تھا۔ کم از کم وہ میرا دوست تو رہتا...''

اس کی آنکھوں کے کٹورے پانیوں سے بھرنے لگے۔ ''مگر اس نے تو مجھے اپنی زندگی سے کاٹ کے پھینک دیا۔ وہ ایسا بے نیاز اور بے حس ہو گیا کہ اسے میری ساری اچھائیاں بھول گئیں۔ اسے میری ذہانت' میری کوشش سب بھول گیا۔ میں اس کے لئے صفر ہو گئی ہوں بلکہ شاید منفی کا کوئی ہندسہ!'' آنسو ٹپ ٹپ گالوں پہ گرنے لگے۔

''میں کیا کروں' ذوالکفلی صاحب' میں اتنی دکھی ہوں کہ میرا دل زندہ رہنے کو بھی نہیں چاہتا۔ میں نے ہر چیز ہار دی ہے۔ میرے پاس کچھ نہیں بچا۔''

ذوالکفلی نے سیاہ چشمہ اتارا اور اپنی جھریاں زدہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اس کا بھیگا چہرہ دیکھا۔

''کیا اسے تم سے محبت تھی؟''

''اپنائیت تھی' دوستی تھی' محبت کا علم نہیں۔ پھر اس کا ایک حادثہ ہو گیا۔ اس کی یادداشت کھو گئی۔ اب وہ مجھے نہیں پہچانتا۔ اس کا ذہن اس وقت تک رک گیا ہے۔ جب تک وہ مجھے نہیں جانتا تھا۔ اس کو یاد ہی نہیں کہ ہم نے ایک ساتھ کن بلندیوں کا سفر کیا تھا۔''

اس نے روتے ہوئے سر گھٹنوں پہ ٹکا کے آنکھیں بند کر دیں۔ گرم پانی گالوں پہ بہتا محسوس ہوا۔ سارا منظر سیاہ ہو گیا۔ پھر اس میں ذوالکفلی کی آواز گونجی۔

23

''کیا تم نے اس کے ساتھ زندگی کی کوئی بلندی دیکھی تھی؟''

''ہاں۔'' وہ روئے جا رہی تھی۔ ''ساری دنیا ختم ہوگئی تھی اور بس ہم رہ گئے تھے۔ جنگل کے ساتھی۔ محل کے ساتھی۔ قید خانے کے ساتھی ۔اور اب وہ اپنے محل میں واپس جا چکا ہے۔ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ۔ وہ اپنی بلندی پہ واپس جا چکا ہے اور میں پاتال میں پڑی ایک بھکارن کے سوا کچھ نہیں رہ گئی۔''

''تمہیں یہ تصویر یاد ہے۔'' آواز پہ اس نے گیلی پلکیں کھولیں اور سر اٹھایا تو اندھیرا چھٹا اور سامنے سرخ قالین پہ آلتی پالتی کیے بیٹھا ذوالکفلی نظر آیا۔ وہ موبائل اسکرین پہ اسے ایک تصویر دکھا رہا تھا۔ منظر دھندلا تھا۔ تالیہ نے پلکیں جھپکیں تو وہ واضح ہوا۔

''یہ تم نے بچپن میں بنائی تھی۔ تم اکثر اسی طرح کی تصاویر بناتی تھیں۔ پہاڑی پہ بنے اونچے محل' اور نیچے بہتا سمندر۔''

تالیہ نے اس پینٹنگ کو دیکھا تو آنسو پھر سے بہنے لگے۔ سرسبز پہاڑی۔ تعمیر شدہ بھوری لکڑی کا محل ....اور عقب میں بہتا نیلا سمندر ۔اسے بنداہارا کا محل یاد آیا۔

''تمہارے سارے محل ایک دوسرے سے مختلف ہوتے تھے۔ پہاڑی کبھی سرسبز ہوتی' کبھی بھوری بنجر۔ سمندر کبھی رات کے باعث سیاہ ہوتا' کبھی سورج میں نیلا سبز چمک رہا ہوتا۔ مگر جانتی ہو ان سب میں مشترک کیا ہوتا تھا؟''

''کیا؟'' اس نے چونک کے ذوالکفلی کو دیکھا۔ وہ مسکرایا تو اس کی آنکھوں کے گرد جھریاں گہری ہونے لگیں۔

''تم نے کبھی سڑک نہیں بنائی۔''

تالیہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔ ''سڑک؟''

''محل تک پہنچنے کے لئے پہاڑی پہ سڑک ہونا ضروری تھی' تالیہ۔ مگر تم کبھی سڑک نہیں بناتی تھیں۔''

اس نے بے یقینی سے تصویر کو دیکھا۔ اس پہ واقعی کوئی سڑک' کوئی راستہ نہیں بنا تھا جو پیدل چلنے والے کو اوپر لے جائے۔

''اور یہی زندگی ہے۔ بلندی پہ بنے محل تک پہنچنے کے لئے کوئی صاف سڑک موجود نہیں ہوتی' پتری تالیہ (شہزادی تالیہ)۔ دشوار گزار پہاڑی راستوں پہ سہج سہج کے چلنا ہوتا ہے۔ ذرا سا قدم پھسلا تو نیچے سمندر میں جا گرو گی۔''

تالیہ نے آہستہ سے ہتھیلی کی پشت سے گال صاف کیے۔ وہ بالکل سُن سی اس تصویر کو دیکھ رہی تھی۔

''زندگی نے آسان سڑکوں کا وعدہ کر بھی نہیں رکھا' پتری! اگر تمہیں اس سے محبت ہے تو کسی دوسرے کا راستہ کاٹنے کی بجائے اپنا راستہ خود بنانا ہوگا۔ اس تک پہنچنے کا راستہ آسان نہیں ہوگا۔ بار بار گرو گی' زخمی ہوگی' اور شاید اس تک پہنچ بھی نہ سکو' لیکن کم از کم ایک دفعہ کوشش تو کرو۔''

اس کے آنسو رک چکے تھے اور وہ گم صم سی نظریں اسکرین پہ جمائے ہوئے تھی۔

''وہ مجھے اپنی زندگی سے نکال چکا ہے۔''

''اگر اس کو کسی حادثے نے تم سے الگ کیا ہے' اس کے دل کے گدلے پن نے نہیں' تو تم اس کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتی ہو؟''

''تو کیا کروں؟ کسی Low life 'بے وقار' بے خود عورت کی طرح اس کی توجہ حاصل کرنے کے لئے اس کے گرد منڈلاتی رہوں؟'' قدرے غصے سے بولی۔ ''یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔''

''اگر وہ محل پہ رہنے والوں میں سے ہے اور تم اس کے ساتھ تعلق کی بلندی تک جا چکی ہو' تو یہ اسی صورت ہوا ہوگا کہ تم بے وقار' بے خود عورت نہیں بنی ہوگی۔ اور بلندیوں پہ رہنے والوں کو بلند قد کے لوگ ہی بھاتے ہیں۔ کسی کے ساتھ رہنے کے لئے خود کو بے توقیر کرنا ضروری تو نہیں۔ اور تم اتنی ذہین ہو کہ مجھے یقین ہے' تم بہتر راستے نکال ہی لوگی۔ اگر نہیں نکال سکتیں تو میں نہیں مان سکتا کہ تم نے کبھی اس کے ساتھ کوئی بلندی دیکھی تھی!'' تالیہ نے چہرہ موڑ کے دور نظر آتی اونچی عمارتوں کو دیکھا۔

''دیکھی تھی۔ ہم ایک زمانہ ساتھ رہے تھے۔ پھر میرے باپ نے مجھ سے وہ بلندی چھین لی۔ آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ سب مجھے واپس مل سکتا ہے؟''

''انسان دل سے کوشش کرے اور اس کی تکنیک درست ہو تو اسے سب مل سکتا ہے۔'' ذوالکفلی نے اسکرین بجھائی اور موبائل واپس جیب میں ڈالا۔

''میرا دل ٹوٹ گیا ہے' میرے جھوٹوں نے میرا پیچھا کر کے مجھے آن لیا ہے۔ مجھ میں اس دشوار گزار گھاٹی پہ چڑھنے کی ہمت نہیں ہے۔ میں تو بالکل ہار چکی ہوں۔''

''پتری تالیہ... میں جانتا ہوں کہ تم اس وقت بالکل مایوس ہو۔ تمہیں اپنا آپ ایک فیلیئر لگ رہا ہے لیکن اب بھی اگر تمہارے پاس دو چیزیں ہیں تو تم دوبارہ سے کھڑی ہو سکتی ہو۔''

اس نے چونک کے ذوالکفلی کو دیکھا۔ ''دو چیزیں؟''

''پہلی چیز... تمہاری sanity قائم ہے۔ تم کتنی بھی ٹوٹی ہوئی کیوں نہ ہو' کم از کم تم جھیل میں کود نہیں رہیں' یا لباس چاک کر کے سر میں مٹی نہیں ڈال رہیں۔ ساری مایوسی ایک طرف' تم اب بھی اپنے حواسوں میں ہو۔ اس کا مطلب ہے تم پھر سے کھڑی ہو سکتی ہو...''

تالیہ نے اثبات میں سر کو خم دیا۔ آنسو پھر سے گرنے لگے۔ ''ظاہر ہے میں جانتی ہوں کہ اگر اس سے مایوس ہو بھی جاؤں تو کہیں دور چلی جاؤں گی' خاموش اور اداس زندگی گزاروں گی۔ مگر حواس سلامت ہیں میرے۔ اپنا تماشہ نہیں بناؤں گی نہ خودکشی کروں گی۔'' پھر توقف سے بولی۔ ''اور دوسری چیز؟'' ساتھ ہی ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

''تمہیں اپنی غلطی معلوم ہے اور اس کو اب بھی درست کر سکتی ہو۔ تمہاری غلطی کیا تھی' تالیہ؟'' اس نے دہرایا۔

''میری کریڈیبلٹی نہیں ہے۔ میری 'بات' بے وزن اور بے معنی ہے کیونکہ میں سچ نہیں بولتی تھی۔ اگر میں نے خود کو سچا بنایا ہوتا تو میرا قول معتبر ہوتا اور میری ہر بات پہ وہ آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتا۔''

''دیکھا.... یہ دونوں چیزیں تمہارے پاس ہیں۔ تمہارے حواس برقرار ہیں اور تمہیں اپنی غلطی معلوم ہے۔'' وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا۔ اس کے عقب میں بہتی جھیل کے اوپر پرندوں کا ایک غول اڑ رہا تھا۔ تالیہ کی نظریں ان کے پروں پہ جم گئیں۔

''کیا شدید پچھتاوؤں اور مایوسی سے نکلنے کے لیے بس یہی دو چیزیں چاہیے ہوتی ہیں؟ حواس برقرار ہونا اور اپنی غلطی پہچان کے اسے درست کرنے کی کوشش کرنا؟''

''میرے نزدیک تالیہ.... یہ دونوں کافی ہوتی ہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دہرا رہا تھا۔ تالیہ نے دوبارہ سے آنکھیں رگڑیں۔

''تو اب میں کیا کروں؟ کہاں سے شروع کروں؟''

''یہ میں تمہیں کیونکر بتا سکتا ہوں؟'' وہ حیرت سے مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ گردن اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔ مسکراتے ہوئے ذوالکفلی کی آنکھیں مزید چھوٹی ہو گئی تھیں۔

''تم تالیہ مراد ہو اور تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان بی ہوتا ہے۔''

''میرے پاس کبھی پلان بی نہیں ہوتا۔ پلان سی' ڈی سب بناتی ہوں مگر بی کا خانہ خالی چھوڑتی ہوں۔ سب مجھ پہ اعتبار کرتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ اگر ہر چیز ناکام ہو جائے تو بھی تالیہ کا پلان بی انہیں مصیبت سے نکال دے گا مگر ذوالکفلی صاحب.. تالیہ کے پاس کوئی پلان بی نہیں ہوتا۔''

''اب ہو گا!'' وہ پر یقین تھا۔

چند لمحے بعد ذوالکفلی سرخ فٹ پاتھ پہ دور جاتا دکھائی دے رہا تھا اور وہ اسی طرح وہاں اکڑوں بیٹھی جھیل کے اوپر اڑتے پرندوں کو دیکھ رہی تھی۔

بنا کسی بوجھ کے' وہ ہلکے اور آزاد پرندے' اپنے پر پھیلائے فضا کو چیر کے اوپر اڑتے جا رہے تھے۔

اوپر.... بلندیوں کی طرف.....

☆☆=========☆☆

سرخ مخروطی تکون سے مزین شیشوں سے ڈھکی عمارت پوری شان سے کے ایل کے کاروباری علاقے میں کھڑی تھی۔ اندر آؤ تو نیچے ایک شاندار سا شاپنگ مال بنا تھا جہاں بے فکر لوگ راہداریوں میں ٹہلتے' شاپنگ بیگز اٹھائے' خریداری میں مصروف نظر آتے تھے۔ مال کی چھت جہاں ختم ہوتی' اس سے اوپر والے فلورز مختلف کمپنیوں کے آفسز پہ مشتمل تھے۔ ایک فلور باریسن نیشنل (سیاسی جماعت) کا ہیڈ آفس تھا۔ اس فلور کا ماحول یکسر مختلف نظر آتا تھا۔ یہاں ہر طرف چھتوں پہ سفید بتیاں جل رہی تھیں اور شیشے کی دیواروں سے بنے کیبن میں لوگ کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

ایک آفس میں اشعر محمود کنٹرول چیئر پہ بیٹھا لیپ ٹاپ پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔ تک سک سے تیار، گہرے نیلے سوٹ اور ٹائی میں ملبوس، بال جیل سے کھڑے کیے، وہ اس چھوٹے سے آفس سے مطابقت رکھتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ یہ آفس پارٹی عہدے کی وجہ سے اس کو اس عمارت میں ملا ہوا تھا جبکہ اس کا اصل آفس یہاں سے کچھ دور کاروباری مراکز پہ مبنی ایک اونچی عمارت میں تھا۔ وہ آفس شاہانہ اور پرتعیش تھا، اور اسی کے لاکر سے 'حالم' نے سن باؤ کے گھر کی فائل چرائی تھی۔ جبکہ یہ والا عام سا تھا۔

"سر!" سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رملی کھنکھارا۔ اشعر نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کے اپنے ادھیڑ عمر سیکرٹری کو دیکھا۔

"میں نے بہت تلاش کیا ہے مگر میں یہ معمہ حل نہیں کر سکا کہ وہ فائل وان فاتح کے پاس واپس کیسے پہنچی۔"

اشعر نے ایک گہری نظر رملی پہ ڈالی۔ "یہ معمہ تو میں بھی حل نہیں کر سکا، بہر حال تم اس کی فکر نہ کرو۔" رملی کے اندر تک اترتی نظروں سے اسے گھورا۔ "جو بھی چور ہے، چاہے وہ اپنا ہے، چاہے وہ دشمن ہے، میں اسے ڈھونڈ لوں گا۔ فی الحال تم آج کی نیلامی کی فکر کرو۔"

"سر، ساری تیاری مکمل ہے۔" رملی جوش سے بتانے لگا۔ "آج گھائل غزال نیلامی کے لئے رکھی جائے گی۔ ہمارا آدمی جو کہ ایک قابل بزنس مین ہے، وہاں بولی لگائے گا۔ وہ بولی کو بڑھاتا جائے گا اور مہنگی ترین قیمت پہ گھائل غزال خرید لے گا۔ چونکہ رقم فوراً نہیں بلکہ دو دن میں ادا کرنی ہوتی ہے، اس لئے وہ سودا طے ہوتے ہی دو ماہر ایکسپرٹس کو بلائے گا اور سب کے سامنے وہ گھائل غزال پہ ٹیسٹ کرنا چاہیں گے۔ عصرہ بیگم منع کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گی اور ماہرین یہ راز فاش کریں گے کہ پینٹنگ جعلی ہے۔ یوں ہمارا بندہ پیسے دینے سے بچ جائے گا اور...."

"اور عصرہ اور فاتح کی ساکھ خاک میں مل جائے گی۔" اشعر پیچھے ہو کے بیٹھا اور سگریٹ نکال کے لبوں میں دبائی۔ "پچھلے دس سال میں عصرہ کے بیچے گئے ایک ایک آرٹ پیس کا آڈٹ اور تحقیق شروع ہو جائے گی۔ مقدموں کے انبار لگ جائیں گے اور ان دونوں کے پاس الیکشن کے بارے میں سوچنے کے لئے وقت نہیں ہوگا۔ لیکن...." وہ لائٹر سے سگریٹ جلاتے ہوئے چونکا۔ جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

"وہ لڑکی.... تالیہ مراد.... وہ بھی یہی پینٹنگ خریدنا چاہتی تھی۔ تم اس امر کو یقینی بناؤ گے کہ پینٹنگ ہمارا بندہ ہی خریدے۔ کیونکہ وہ عصرہ کی دوستی اور مروت میں ٹیسٹ نہیں کروانے دے گی۔ اور سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔"

"سر، بے فکر رہیں۔ ہم بولی کو اتنا اوپر لے جائیں گے کہ وہ اس لڑکی کی پہنچ سے دور ہو جائے گی۔" رملی پر اعتماد تھا۔ اشعر محمود کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔ اس نے جلتے سگریٹ کا کش بھرا، اور پھر جھک کے سگریٹ کو ایش ٹرے تک لے گیا۔

"عصرہ اور فاتح اتنے بڑے اسکینڈل میں پھنس جائیں گے کہ ان کی صداقت اور امانت مشکوک ہو جائے گی۔ اور پھر...." اس نے سگریٹ کو جھٹکا۔

راکھ شیشے کے پیالے میں جا گری۔

"Ashes Ashes, We all fall down!"

پیالے کے وسط میں راکھ کے ٹکڑے پڑے تھے۔دہکتے انگاروں سے نکلنے والے ٹھنڈے بے جان ٹکڑے....اشعر کی نظریں ان پہ جم گئی۔سرمئی پن میں یادوں کی ملاوٹ گھلنے لگی....

وہ اس وسیع وعریض پرتعیش آفس میں میز کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔چند برس پہلے کا اشعر۔اس کے بال نسبتاً چھوٹے اور چہرا کم عمر لگتا تھا۔سفید براق شرٹ پہ میرون ویسٹ پہنے وہ نک سک سے تیار لگتا تھا مگر آنکھیں قدرے اداس تھیں۔

کنٹرول چیئر پہ محمود صاحب براجمان تھے۔ادھیڑ عمر پختہ چہرے اور برہم آنکھوں والے صاحب جن کی آنکھوں میں ناپسندیدگی تھی۔ایک زمانے میں یہ ان کا آفس ہوتا تھا۔اور بے بس سا اشعر سامنے کھڑا ہوتا تھا۔

''آفرین ہے اشعر۔تم اپنا مت سوچنا۔بس اپنے بہنوئی کی غلامی کرتے رہنا۔''وہ سخت خفا نظر آتے تھے۔

اشعر نے تذبذب سے کرسی کھینچی اور سامنے بیٹھا۔''بابا...''آگے کو جھکے ہاتھ باہم پھنسائے اس نے سمجھانے والے انداز میں بات شروع کی۔''فاتح آبنگ کے ساتھ کام کرنے سے مجھے بہت فائدہ ہوگا۔میں تعلقات بنا رہا ہوں اپنا نام کما رہا ہوں ہم ان کی الیکشن مہم شروع کرنے جا رہے ہیں۔میں نے بہت محنت کی ہے ان کے لئے۔اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔کل کو وہ ممبر پارلیمنٹ بنیں گے اور پرسوں انہیں مزید اونچا عہدہ ملے گا تو میں بھی نفع میں رہوں گا۔میں ان کے سیاسی تعلقات استعمال کر کے اپنے کاروبار کو فائدہ دوں گا۔ان کو بھی معلوم ہے کہ میرا بھی اس میں فائدہ ہے اور وہ اس بات سے مطمئن ہیں۔''

''تو کیا تم ساری عمر اس کے غلام بن کے رہو گے؟''محمود صاحب تیوری چڑھائے پوچھ رہے تھے۔

''میں ان کا پولیٹیکل سیکرٹری ہوں بابا۔اور میں یہی بننا چاہتا تھا۔''

''ایک سیکرٹری؟''

''نہیں سیکرٹری نہیں۔''وہ پیچھے کو ہوا اور گہری سانس لی۔پھر اٹھی ہوئی گردن کے ساتھ بولا۔''میں کنگ میکر ہوں۔ان کا سلطان ساز!''

''آہ....کنگ میکر۔''محمود صاحب نے برہمی سے ناک سے مکھی اڑائی۔''اب کیا تم پہ اتنا برا وقت آ گیا ہے کہ تم ایک سیاستدان کے کنگ میکر بنو گے؟جانتے ہو کنگ میکر کیا ہوتا ہے؟''

''جی میں جانتا ہوں اور مجھے یہ کام پسند ہے۔''وہ پرسکون تھا۔مطمئن تھا۔

(کنگ میکر سیاست میں اس آدمی یا گروہ کو کہتے ہیں جس کا کسی سیاستدان پہ گہرا Influence ہوتا ہے۔وہ اپنے عسکری مذہبی سماجی اور سیاسی تعلقات کے ذریعے سیاستدان کو تراشتا ہے اس کو اٹھاتا ہے اس کو کامیاب کرواتا ہے اور اس کو طاقت کے مقام پہ پہنچاتا ہے۔اقتدار حاصل کرنے کے بعد بھی اسی کے مشورے سے وزرائے اعظم اور حکمران کام کرتے ہیں۔کرسی پہ کوئی اور بیٹھا ہوتا ہے اور اس کی ڈوریاں پیچھے سے اس کا سلطان ساز کھینچ رہا ہوتا ہے۔مگر اپنی ساری صلاحیتوں کے باوجود کنگ میکر خود کبھی سیاسی امیدوار کے طور پہ کھڑا

نہیں ہوتا' نہ اس کو عوام جانتے یا پسند کرتے ہیں۔)

''میرے بیٹے' تم اگر کسی اور شخص کے دائیں ہاتھ بنتے تو میں معترض نہ ہوتا۔'' وہ بے بسی سے جھنجھلاتے ہوئے آگے جھکے اور سمجھانے لگے۔ ''مگر تم وان فاتح کو اقتدار دلوانا چاہتے ہو۔ وہ بے نیاز اور خود غرض شخص ہے۔ وہ تمہیں بھلا دے گا۔ تم اپنا ٹیلنٹ' اپنی صلاحیتیں اپنے لئے استعمال کرو۔''

''ہم یہ بات پہلے کر چکے ہیں' بابا۔'' وہ اداس ہوا۔

''مگر دوبارہ اس لئے کہہ رہا ہوں تا کہ تم اس بارے میں سوچو۔''

اشعر چپ ہو گیا۔

''میرا سارا پیسہ پھنسا ہوا ہے' بابا اور آپ کے پاس بھی ابھی اتنا پیسہ نہیں کہ میں فوراً الیکشن کی تیاری کر سکوں۔ آپ کاروباری آدمی ہیں اور آپ پہ بھی قرض چڑھے ہیں' بالفرض میں ایم پی کے الیکشن کے لئے کھڑا ابھی ہو جاؤں تو پیسہ کہاں سے لاؤں گا؟'' وہ جیسے زچ ہوا۔

محمود صاحب نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''یعنی یہ خیال تمہارے ذہن سے گزرتا ہے۔'' ان کے تنے تاثرات ڈھیلے ہوتے گئے۔

''انسان ہوں' بابا۔ طاقت کی خواہش میرے اندر بھی ہے مگر پیسہ کہاں سے لاؤں؟'' وہ بے بس تھا۔ محمود صاحب خاموش ہو گئے۔ پھر چند لمحے کے لئے چھت کو تکنے لگ گئے۔

آفس میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ اشعر نے سر جھکا دیا۔ دل برا ہونے لگا۔ اسے ایسا سوچنا بھی نہیں چاہیے تھا۔

''تم میری شاپ بیچ دو۔''

اشعر کا منہ کھل گیا۔ ''وہ تو آپ کی ہے' بابا۔''

''ہاں مگر میرا سب کچھ تمہارا اور عصرہ کا ہی ہے۔ وہ شاپ میں تمہیں دے دیتا ہوں' تم اس کو بیچ دو۔ وہ تاریخی مقام پہ ہے اور اس کی بہت قیمت ہوگی۔ تم خود الیکشن لڑو اور اس پیسے کو استعمال کرو۔''

اشعر چپ ہو گیا۔ ''میں نے ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کیا' بابا۔''

''تو پھر جلدی فیصلہ کرو۔ تمہارے پاس زیادہ دن نہیں ہیں۔ اگر تم نے ایک ہفتے میں کاغذات نامزدگی داخل نہ کروائے تو تمہیں پانچ سال انتظار کرنا پڑے گا۔'' وہ اس کو سمجھا رہے تھے مگر اشعر متامل تھا.... آفس کی سادہ دیواریں راکھ کے رنگ کی تھیں.... ایش ٹرے میں ٹھنڈی راکھ پھر سے اسے واضح نظر آنے لگی تھی۔

اشعر محمود نے سر جھٹکا اور اوپر دیکھا تو بجھی جا چکا تھا۔ وہ اس چھوٹے سے سیاسی آفس میں تنہا بیٹھا تھا۔ ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔ اس نے سگریٹ کی تازہ بنی راکھ کو پھر سے ایش ٹرے پہ جھٹکا اور دہرایا۔

Ashes Ashes We all fall down!

☆☆=========☆☆

حالم کے بنگلے پہ دوپہر پگھل رہی تھی۔ بادل چھٹ چکے تھے اور آسمان صاف تھا۔ ڈرائیوے پہ بھاری بھرکم داتن سامان کے شاپرز اٹھائے ہانپتی کانپتی چلتی جا رہی تھی۔ دروازہ کھلا تھا۔ وہ شاپر اٹھائے اندر آئی تو لاؤنج کی ساری بتیاں جلی تھیں۔ دوپہر کے وقت اتنی روشنیاں؟ وہ حیران ہوتی لاؤنج عبور کر کے کچن تک آئی اور شاپر سلیب پہ رکھے۔ پھر ٹھٹک کے رکی۔ اطراف میں نگاہیں دوڑائیں۔

ہیل والی جوتیاں ادھر ادھر قالین پہ لڑھکی تھیں۔ جیولری، ٹاپس، میز پہ اتار پھینکے گئے تھے۔ صوفے کی حالت سے لگ رہا تھا وہ رات وہیں سوئی ہے۔ ساڑھی کی چم چم صوفے پہ بھی لگی تھی۔ غرض ہر چیز ابتر تھی۔

''تالیہ... تالیہ...'' داتن نے چہرہ اوپر کر کے آواز دی۔ جواب ندارد۔ پھر اس نے پریشانی سے فون نکالا اور اسے کال ملائی۔ کال فوراً کاٹ دی گئی تھی۔ تالیہ اس کی کال بھلا کب کاٹتی تھی؟ وہ ٹھیک تو تھی نا؟

لیانہ دوبارہ کال ملانے لگی مگر درمیان میں اس کے بیٹے عدنان کی کال آنے لگی۔ اس نے فون کان سے لگایا۔ ''ہاں بولو....''

''ماں.... کیا حال ہے؟'' وہ توقف سے بولا۔

''ذرا مصروف ہوں۔ تم بتاؤ۔'' پھر اسے یاد آیا۔ ''پیسے پورے مل گئے تھے اس دن؟''

''ہاں ماں، لیکن میں سوچ رہا تھا کہ اگر ساشا میڈم نے اتنے پیسے آرام سے دے دیے ہیں تو....'' وہ رک رک کے احتیاط سے کہہ رہا تھا۔ ''تو اگر تم ان کی تھوڑی سی منت کر لو تو کیا معلوم اتنی رقم مزید بھی دے دیں۔ دیکھو ماں، یہ کم پڑ جائیں گے میرے لئے اور....''

''عدنان، میں اس وقت شدید پریشان کھڑی ہوں۔ پلیز تم کچھ دیر کے لئے مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' لیانہ چیخ کے بولی۔ ساتھ ہی لاؤنج کی حالت کو تشویش سے دیکھ رہی تھی۔

''کیوں کیا ہوا؟''

'''' ساشا میری کال نہیں اٹھا رہی۔ پتہ نہیں وہ کہاں ہے۔''

''کہاں ہونا ہے، ماں؟ امیر لوگوں کے اپنے مشغلے ہوتے ہیں۔''

''عدنان، تم بار بار بھول جاتے ہو کہ وہ مجھے بیٹیوں کی طرح عزیز ہے، مگر تم نہیں سمجھو گے۔'' اس نے کوفت سے فون بند کیا۔ پھر بے چینی اور تشویش سے تالیہ کا نمبر ملانے لگی۔ اب کی بار فون آف ہو گیا تھا۔

☆☆=========☆☆

کوالالمپور کے اس علاقے میں سڑک کنارے ریستوران اور کافی شاپس کی بہتات تھی۔ دونوں اطراف میں بنی دکانوں کے سامنے کرسیاں میزیں بچھا کے گاہکوں کو کھانا پیش کیا جا رہا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا اور لنچ بریک کے باعث طرح طرح کے لوگ اس فوڈ اسٹریٹ میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

ایسے میں ایک سوپ پارلر کے سامنے وہ کھڑی تھی۔ سفید اسکرٹ پہ سیاہ کوٹ پہنے سنہرے بالوں کو پونی میں جکڑے اداس مسکراہٹ سے اس پارلر کو دیکھ رہی تھی۔ تنکو کامل کے گھر 'نوکرانی' والا کردار ادا کرنے سے قبل اس نے یہاں نوکری حاصل کی تھی کیونکہ تنکو کامل ادھر اکثر آیا کرتے تھے۔ تالیہ مراد کی ہر چیز پلان کا حصہ ہوتی تھی۔

''تالیہ!'' آواز نے اسے چونکایا۔ سڑک کی طرف سے بوڑھا شیف سبزیوں کی ٹوکری اٹھاتا چلا آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کے وہ خوشگوار حیرت میں گھر گیا۔

''تم کب آئیں؟ آؤ آؤ اندر آؤ۔ یہاں کہاں کھڑی ہو؟'' وہ جو نفی میں سر ہلانا چاہتی تھی' شیف کے اصرار پہ منع نہیں کر سکی۔ وہ اسے مہلت دینے پہ راضی نہ تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ریستوران کے کچن میں کرسی پہ بیٹھی تھی اور مختصر سا عملہ اس کے گرد جمع تھا۔ ویٹرس' ایک (ویٹر)' شیف' سب اس کو حیرت' خوشی اور خفگی سے دیکھتے سوالوں کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔

''تم بنا بتائے چلی گئیں؟ پورے دو ہفتے بعد آ رہی ہو۔ بدلی بدلی لگ رہی ہو۔''

''تنکو کامل کی ملازمہ نور نے بتایا کہ تمہاری شادی ہوگئی ہے اور تم پاکستان چلی گئی ہو۔''

''واللہ تالیہ ہم تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ تم کیسی ہو؟'' بوڑھا شیف بہت اپنائیت سے کہہ رہا تھا۔ تالیہ نے اداس مسکراہٹ سے اس خالی کاؤنٹر سلیب کو دیکھا۔ کبھی وہ اس پہ چوکڑی مارے بیٹھی ہوتی تھی۔ ان کو ایمانداری کی تلقین کرتی تھی۔ گانے گاتی تھی۔ سوپ اور باتیں بناتی تھی۔

اور آج وہ کرسی میز پہ سنبھلے ہوئے انداز میں بیٹھی تھی۔

''قسمت مجھ پہ مہربان ہوئی۔'' اس نے ان کے سوالوں کے جواب میں متانت سے کہنا شروع کیا۔ ''میں اپنے ملک واپس چلی گئی' اپنے بابا کے پاس۔ وہاں میری شادی ہوگئی اور یوں میں مالی طور پہ بہت مستحکم ہوگئی۔'' وہ سچ بول رہی تھی۔ ''میں نے ان کچھ دنوں میں دولت کی بہت سی ریل پیل دیکھ لی لیکن پھر....'' اس کی آواز میں اداسیاں گھل گئیں۔

''پھر میں لیگل طریقے سے واپس آ تو گئی لیکن واپسی کی قیمت مجھے یہ چکانی پڑی کہ میرا شوہر.... وہ مجھ سے کھو گیا۔''

''ایں؟ وہ کہاں گیا؟ اتنی جلدی؟''

اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔ ''بس یوں سمجھیں کہ اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ پتہ نہیں اس کو میری کیا بات بری لگی۔ خیر....'' اس نے انگلی کی نوک سے آنکھ صاف کی۔ ''اب میرے پاس کافی پیسہ ہے' سو میں ویٹرس جیسی نوکری نہیں کروں گی بلکہ کوئی بہتر کام ڈھونڈوں گی۔ البتہ آپ لوگوں کو میں ہمیشہ مس کروں گی۔ آپ نے.... اس جگہ نے.... (نگاہیں اطراف میں دوڑائیں) مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔ یہاں میں نے ہر ایک کو 'تالیہ ایک سچی اور امانت دار لڑکی ہے۔'' کہتے سنا تھا۔ ان الفاظ کو دوبارہ سننے کی خواہش نے مجھ سے بہت بروقت

فیصلے کروائے ہیں۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کے کہہ رہی تھی۔ اداس نظریں ان سب کے چہروں سے ہوتیں در و دیوار پہ لپٹ جاتی تھیں۔ بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ کیسے وہ ایک کردار بناتی تھی.... کیسے وہ اس میں ڈھل جاتی تھی۔

"تالیہ.... میری بچی...." شیف کی آنکھوں میں آنسو تھے۔"تم جب چاہو واپس آ سکتی ہو۔ ہمارے دروازے تمہارے لئے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔"

"نہ بھی ہوں تو میں کھڑکی سے کود آؤں گی' داتو سری!" وہ نم آنکھوں سے ہنس کے بولی تو وہ سارے بھی ہنس دیے۔

اس جگہ نے ایک اور فیصلہ اس کے لئے آسان بنا دیا تھا۔

☆☆==========☆☆

داتن لاؤنج میں ٹہل رہی تھی جب پورچ میں کار رکنے کی آواز آئی۔ آواز تالیہ کی کار کی تھی۔ اس نے سکون کا سانس لیا اور اپنے بھاری جثے کو سنبھالتی دروازے تک آئی۔

تبھی دروازہ کھلا اور تالیہ اندر داخل ہوئی۔ وہ سادہ حلیے میں دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ سپاٹ سی لگ رہی تھی۔ داتن کو دیکھ کے بس سر کو خم دیا اور آگے بڑھ گئی۔ داتن اس کی طرف گھومی یوں کہ اب دروازے کی طرف اس کی پشت تھی۔

"تم کہاں تھیں' تالیہ؟"

"جب میں کوئی اسکام شروع کرتی ہوں تو سب سے پہلا کام معلوم ہے کیا کرتی ہوں؟" تالیہ پرس صوفے پہ ڈالتی کہہ رہی تھی۔ داتن نے الجھ کے اسے دیکھا۔"تالیہ نے جو کردار ادا کرنا ہوتا ہے' میں اس کی پروفائل لکھتی ہوں' اور پھر خود کو اس میں ڈھال لیتی ہوں۔ آج میں پرانے سوپ پارلر گئی تو مجھے یاد آیا کہ میرا ہر پلان میری پروفائل پہ انحصار کرتا ہے۔"

"میں جانتی ہوں' تالیہ۔ تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہی ہو؟"

تالیہ پرس رکھ کے مڑی اور سادگی سے اسے دیکھا۔"میں تمہیں نہیں بتا رہی' داتن۔"

داتن چونکی۔ پھر دروازے کی طرف گھومی۔ کھلی چوکھٹ سے دھوپ اندر آ رہی تھی اور وہاں.... ایڈم کھڑا تھا۔

"اندر آ جاؤ' ایڈم۔ ہمارے پاس وقت کم ہے۔" وہ بے نیازی سے کہتے ہوئے لاؤنج کے کونے میں بنے دروازے تک چلی گئی۔

ایڈم نے داتن کو دیکھ کے سلام کہا اور پھر طائرانہ نظریں اطراف میں دوڑائیں۔

داتن شل ہو گئی حی۔

وان فاتح کا باڈی مین اب اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس کے بال بے حد چھوٹے ہو گئے تھے۔ سادہ پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا اور جیبوں میں ہاتھ ڈالے دلچسپی سے تالیہ کے گھر کا جائزہ لے رہا تھا۔

''نیچے میرا ورک روم ہے۔'' تالیہ نے کونے والے دروازے کے ساتھ بنے چوکھٹے پہ انگوٹھا رکھا اور پھر کوڈ دبایا۔ برقی دروازہ کھل گیا۔ نیچے زینے تھے۔ وہ زینے اترنے لگی تو بتیاں خودبخود جلنے لگیں۔

''تو آپ جو بھی چراتی ہیں' وہ نیچے محفوظ کرتی ہیں۔'' جب وہ نوجوان بھی سیڑھیوں پہ نیچے اترنے لگا تو داتن کو ہوش آیا۔ وہ ہڑبڑا کے ان کے پیچھے لپکی۔

ورک روم کی ساری بتیاں روشن ہو چکی تھیں۔ وہاں بہت سے ڈبے رکھے تھے جن میں سامان محفوظ تھا۔ ایک دیوار پہ بڑے بڑے سے لاکر بھی بنے تھے جن کے ہر خانے کے مختلف کوڈز تھے۔ درمیان میں بڑی سی ورک ٹیبل تھی۔ تالیہ نے کوٹ اتار کے ایک کرسی کی پشت پہ ڈالا اور کونے سے ایک وائٹ بورڈ کھینچ کے سامنے لائی۔ اسٹینڈ پہ لگا وائٹ بورڈ اس نے دیوار کے سامنے رکھا اور پھر سیاہ مارکر اٹھایا۔

''تالیہ.... میں تم سے بات کر سکتی ہوں؟'' داتن ہانپتی ہوئی سیڑھیاں اتر کے نیچے آئی۔ ساتھ ہی بار بار ایڈم کو گھور رہی تھی جو اس کمرے کے لاکرز دیکھ رہا تھا۔

''ایڈم سب جانتا ہے اور یہ میرے نئے اسکام میں میرا ساتھ دے گا۔'' تالیہ بورڈ پہ کچھ لکھتے ہوئے بولی تو داتن نے بے بسی سے اس کی کہنی چھوئی۔

''تالیہ.... تم اس پہ کیسے اعتبار کر سکتی ہو؟'' وہ دبی سرگوشی میں بولی۔

''مجھے آواز سنائی دے رہی ہے ویسے۔'' وہ کندھے اچکا کے بولا تو داتن نے پلٹ کے اسے بس کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

''داتن پدوکا۔'' تالیہ اس کی طرف گھومی اور رسان سے کہنے لگی۔ ''ایڈم میرا دوست ہے۔ بلکہ اب ایڈم فیملی ہے۔ مجھے اس پہ مکمل اعتماد ہے۔ وہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گا۔''

''مگر تالیہ.... تم اس کو کیسے کسی اسکام میں شامل کر سکتی ہو؟ اور اسکام ہے کیا؟''

''داتن!'' تالیہ نے اس کے دونوں کندھوں کو تھاما اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''میں نے تم سے بہت دفعہ کہا تھا کہ میں اس جھوٹ اور خیانت کاری کے کام کو ترک کرنا چاہتی ہوں۔ تم نہیں مانیں۔ جو اسکام اب ہم کھیلنے جا رہے ہیں' وہ سچائی اور ایمانداری سے کھیلا جائے گا۔ اگر تم خود کو وہ راستہ چھوڑنے کے لئے تیار کر سکتی ہو تو یہاں بیٹھو۔ ہم تمہیں سب بتا دیں گے۔ لیکن اگر تم تیار نہیں ہو تو کچن میں جاؤ' اور میرے لئے کچھ کھانے کو لاؤ' مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ کم از کم میری توانائی برقرار رکھنے کی حد تک تو تم میری مدد کر سکتی ہو۔''

داتن بالکل ٹھنڈی پڑ گئی۔ دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا' پھر گھنگریالے سیاہ بال کان کے پیچھے اڑستی مڑ گئی۔ جاتے جاتے بھی وہ ایک جارحانہ قسم کی گھوری ایڈم پہ ڈالنا نہیں بھولی تھی۔ (ایڈم نے جلدی سے نظریں موڑ لیں اور تالیہ کی طرف متوجہ ہوا۔)

''آپ نے اتنی جلدی میں بلایا' میں بتا نہیں سکا۔ صبح وہ کوکوچھل....'' داتن چلی گئی تو وہ کہنے لگا مگر....

''میں کام کے وقت کام کے علاوہ بات نہیں کرتی' ایڈم۔ یہ دیکھو۔'' سپاٹ سے انداز میں کہتے اس نے ایک فائل ایڈم کی طرف

اچھائی۔ ایڈم نے فائل تھامتے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ دونوں میز کے کنارے پہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ تالیہ کی آنکھیں سپاٹ تھیں اور ایڈم کی متاسف۔

''آپ ٹھیک ہیں نا؟'' شاہی مورخ کو شہزادی کی فکر ہوئی۔

''ہاں' میں ٹھیک ہوں۔ اور تم جانتے ہو' اب میں جھوٹ نہیں بولتی۔'' وہ سنجیدہ تھی۔

''اس بارے میں میری رائے ابھی محفوظ ہے۔'' پھر فائل کھولی اور صفحے پلٹانے لگا۔

''یہ تالیہ مراد' تنگو کامل کی ملازمہ کی پروفائل ہے۔ تنگو کامل کا خاندان اور سوپ پارلر والے اس تالیہ کو جانتے تھے۔ مولیا کو بھی میں نے حالم بن کے یہی فائل بھیجی تھی۔''

''اوکے.... اس کا کیا کرنا ہے۔''

تالیہ نے مارکر اس کی طرف بڑھایا اور فائل اس سے لے لی۔ ''میں اس پروفائل جیسی نہیں ہوں' اس لئے مجھے نئی پروفائل بنانی ہے۔ سچائی اور ایمانداری کے ساتھ۔ تم لکھتے جاؤ۔''

ایک دم سے وہ جیسے قدیم ملاکہ میں چلا گیا۔ فضا میں مانوس سی خوشبو آنے لگی۔ محل کا باغیچہ۔ روش پہ ٹہلتی شہزادی.... جس کا تاج اور زیورات دھوپ میں چمکتے تھے اور قلم سے الفاظ کاغذ پہ گھسیٹتا شاہی مورخ جو اس کے پیچھے پیچھے چلتا تھا.....

''لکھو!'' ایڈم اس کی آواز پہ چونکا۔ سفید اسکرٹ بلاؤز اور پونی میں بندھے بالوں والی لڑکی میز کے گرد ٹہلتی فائل کھولے لکھوا رہی تھی۔ ایڈم نے غیر ارادی طور پہ سر کو تعظیم میں خم دیا' پھر مارکر لے کر وائٹ بورڈ تک آیا۔

''تالیہ مراد'' تالیہ فائل سے پڑھتی شروع ہوئی۔ وہ پہلے فائل کے الفاظ پڑھتی پھر اس سے مختلف الفاظ لکھواتی۔

(تالیہ مراد۔ اس کا تعلق کشمیر سے ہے۔)

''تالیہ بنتِ مراد راجہ.... اس کا تعلق ملاکہ سے ہے۔''

ایڈم تعمیل کرتے ہوئے مارکر سے سفید بورڈ پہ الفاظ اتار رہا تھا۔

(تین ماہ سے تنگو کامل کی ملازمہ ہے۔ زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہے' مگر انگریزی اور ملے زبان ٹھیک سے بول لیتی ہے۔)

''وہ پچھلے کئی سال سے کے ایل میں مقیم ہے۔ وہ نہ صرف تعلیم یافتہ ہے بلکہ اس کو آدابِ معاشرت سے مکمل آگاہی ہے۔'' تالیہ میز کے گرد ٹہل کے لکھوا رہی تھی۔ ''وہ چار زبانیں بول اور لکھ لیتی ہے اور اس کو آرٹ کی گہری سمجھ ہے۔''

(بہت باتونی لڑکی ہے۔ قدرے بے وقوف اور جلد باز۔)

''وہ بہت ذہین لڑکی ہے۔ اسے لمبے لمبے صبر آزما کھیل کھیلنے کی عادت ہے اور وہ انسانوں کے لالچ کو اندر تک پڑھ لیتی ہے۔''

(آدھا دن تنگو کامل کی ملازمت کرتی ہے اور شام میں ایک ریستوران میں بطور ویٹرس کام کرتی ہے۔ کشمیر میں اس کا لمبا چوڑا خاندان

ہے جس کی کفالت یہی کرتی ہے۔)

"لکھو۔اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے کے باعث اسے بے پناہ دولت ورثے میں ملی ہے۔وہ کوئی جاب نہیں کرتی بلکہ سوشلائیٹ ہے اور مختلف چیریٹی ورکس میں حصہ لیتی ہے۔اس کا کوئی خاندان نہیں ہے جو اس کی کمزوری بنے۔"

کمرے میں یا تالیہ کی آواز تھی یا شاہی مورخ کے سفید بورڈ پہ مارکر گھسیٹنے کی۔

(جو کھاتی ہے اپنے خاندان کو بھیج دیتی ہے۔خود عام کپڑوں اور جوتوں میں خوش باش گھوم رہی ہوتی ہے۔)

"لکھو کہ تالیہ صرف اپنے لئے کماتی ہے' اپنے لئے جیتی ہے۔شہزادیوں کی طرح رہتی ہے اور قیمتی چیزیں اوڑھتی پہنتی ہے۔"

(تالیہ کو سوپ بنانے' احمقوں کی طرح بہت بولنے اور ہر چھپکلی کاکروچ کو دیکھ کے چیخیں مار مار کے رونے کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔)

"لکھو کہ...تالیہ کو تیراندازی اور تلوارزنی کے علاوہ پینٹنگ اور مجسمہ سازی میں بھی مہارت حاصل ہے۔وہ اتنی بہادر ہے کہ ایک تیر سے کموڈو ڈریگن کو ہلاک کر سکتی ہے۔"

ہر فقرے کے ساتھ تالیہ کی آواز بلند ہو رہی تھی۔اندر جیسے بہت سا غصہ تھا جو ابل ابل کے آ رہا تھا۔ایڈم بار بار ایک خاموش نظر اس پہ ڈالتا تھا۔اسے اس کی فکر ہو رہی تھی۔

(وہ ایسی لڑکیوں میں سے ہے جن کے پاس اچھی شکل اور دراز قد کے علاوہ کوئی خصوصیت اور صلاحیت نہیں ہوتی۔نہ ذہانت نہ تعلیم۔)

"وہ ایسی لڑکیوں میں سے ہے جو ہمت نہیں ہارتیں' بہادری سے ہر مشکل کا سامنا کرنے کی ترکیب ڈھونڈتی ہیں اور ان کو اپنی تکمیل کے لئے کسی مرد کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

(اس کے باوجود تنکو کامل ہو یا سوپ پارلر والے' سب تالیہ سے محبت کرتے ہیں۔میں یہ دیکھ کے بہت حیران ہوا کہ ایک کم ذہن' کم علم اور سادہ سی لڑکی پہ سب اتنا اعتبار کیوں کرتے ہیں؟ مگر اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ ایماندار' سچ بولنے اور خیال رکھنے والی لڑکی ہے۔خوش اخلاق اور ہنس مکھ ہے۔انہی خامیوں کی وجہ سے وہ زندگی میں کبھی ترقی نہیں کر سکی اور نہ کر سکے گی۔)

اگلی سطور پڑھ کے وہ چند لمحے تک خاموشی سے فائل پہ سر جھکائے کھڑی رہی۔ایڈم کھلا مار کر لئے منتظر سا اسے دیکھے گیا۔پھر تالیہ نے فائل بند کی' اور چہرہ اٹھا کے جیسے حقیقت کا سامنا کیا۔

"لکھو کہ تالیہ بنت مراد کی انہی خوبیوں کی وجہ سے اس سے دل سے کوئی محبت نہیں کرتا۔ایک بے حد شاطر' ہنرمند اور پراعتماد لڑکی جو کسی سے نہ ڈرتی ہو' اسے لوگ مشکل سے ہی پسند کرتے ہیں۔کیونکہ مرد عورتوں کو مضبوط بننے کے لئے تو کہتے ہیں' لیکن وہ خود کو ان مضبوط عورتوں کے لئے تیار نہیں کرتے۔لکھو کہ وہ اب جھوٹ نہیں بولتی اور ایمانداری سے معاملات ڈیل کرنا چاہتی ہے اور اسے خود بھی نہیں معلوم کہ ان خوبیوں کے ساتھ وہ کبھی ترقی کر بھی سکے گی یا نہیں۔"

پر وہ فائل ختم ہو چکی تھی۔اس نے فائل میز پہ ڈال دی اور وائٹ بورڈ کو دیکھا جہاں ایڈم کا ہاتھ سرعت سے چلتا الفاظ رقم کر رہا تھا۔پھر وہ

پیچھے ہٹ گیا اور تالیہ قریب آئی۔ اس کی آنکھیں ان الفاظ پہ جمی تھیں۔

''کیا یہ پروفائل من گھڑت ہے' چے تالیہ یا اب آپ ایسی ہی بن چکی ہیں؟''

''کیا تم اب تک یہ نہیں جان پائے ہو؟'' وہ الفاظ کو پڑھتے ہوئے بولی۔

داتن ٹرے لئے نیچے آئی اور اسے میز پہ رکھا۔ پھر کرسی کھینچی اور کہنیاں میز پہ رکھے ناراض سی بیٹھ گئی۔ ایڈم نے ایک نظر ٹرے کو دیکھا اور پھر تالیہ کی پشت کو۔

''آپ کچھ کھالیں' چے تالیہ۔'' ساتھ ہی چاکلیٹ براونیز کی پلیٹ اس کی طرف دھکیلی۔

داتن اسے گھورتے ہوئے قریب ہوئی۔ ''یہ براونیز میں اپنے لئے لائی تھی۔ تالیہ اتنی ساری چاکلیٹ اور میٹھا نہیں کھاتی۔ وہ گرل چکن کھائے گی۔''

ایڈم نے بہت ضبط سے جواباً سرگوشی کی۔ ''ان کو چاکلیٹ سب سے زیادہ پسند ہے۔ شاید آپ نہیں جانتیں۔''

''تالیہ۔ کھانا کھالو۔'' داتن نے بلند آواز میں پکارا تو وہ جو وائٹ بورڈ پڑھنے میں مصروف تھی' چونکی اور پلٹی۔ پھر میز پہ رکھی اشیاء کو متلاشی نظروں سے دیکھا۔ ٹرے تک جھکی اور گرل چکن کی پلیٹ اٹھا کے واپس وائٹ بورڈ کی طرف مڑ گئی۔

داتن نے فاتحانہ نگاہوں سے ایڈم کو دیکھا۔ ''اس کو چاکلیٹس پسند ہیں لیکن وہ اپنی ہر پسند کو عادت نہیں بنالیتی!'' اس کے تو جیسے اندر تک طمانیت بکھر گئی۔ اور ایڈم اندر تک جل گیا۔

''اور کچھ؟''

''بس اتنا کہ.....'' داتن اس کی طرف جھکی اور اسے گھورا۔ ''یہ وائٹ بورڈ پہ تالیہ نے کموڈو ڈریگن کو ایک تیر سے ہلاک کرنے کا لکھا ہے' وہ سچ ہو یا نہ ہو' اگر تم نے میری تالیہ کو کبھی نقصان پہنچایا تو واللہ میں تمہیں کسی بھوکے کموڈو ڈریگن کے سامنے ڈال دوں گی۔''

''پھر ایک بات میری بھی سن لیں۔'' وہ بھی اس کے قریب جھکا۔ ''ایڈم بن محمد کو کموڈو ڈریگن سے ڈر نہیں لگتا۔ اس لئے آپ اپنی دھمکی اپ گریڈ کرنے کے بارے میں سوچیں۔''

داتن نے ''ہونہہ'' میں سر جھٹکا اور تالیہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ اپنی پروفائل کو ذہن نشین کر کے ان کی طرف گھوم چکی تھی اور سنجیدگی سے لائحہ عمل بتا رہی تھی۔

''داتن..... میں جانتی ہوں اس کام میں تم ہمارا ساتھ نہیں دو گی۔ نہ میں تمہیں ساتھ چلنے کے لئے کہوں گی۔ مگر تمہیں یہیں سے ایک کام کرنا ہو گا۔ میں تمہیں ٹیکسٹ کر رہی ہوں۔''

ساتھ ہی موبائل پہ بٹن دبائے تو داتن کے فون کی ٹون بجی۔ اس نے عینک لگائی اور اسکرین دیکھی۔ پھر عینک اتاری اور تالیہ سے بولی۔ ''کام ہو جائے گا۔'' پھر ایک جتاتی نظر ایڈم پہ ڈالی۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں' چے تالیہ؟'' وہ قدرے حیران تھا۔

''عصرہ کے گھر نیلامی میں۔ آج گھائل غزال کی نیلامی ہے اور مجھے اس کی سب سے بھاری بولی لگانی ہے' تاکہ اشعر کے بندے اسے نہ خرید سکیں کیونکہ وہ پینٹنگ کو ٹیسٹ کروا کے عصرہ کو بے عزت کرنا چاہیں گے۔ میں تیار ہونے جا رہی ہوں۔ وقت کم ہے۔'' وہ بے نیازی سے کہہ کے زینوں کی طرف بڑھی تو ایڈم نے الجھن سے پکارا۔

''مگر ہمیں مسز عصرہ کو اس نقلی پینٹنگ کو نیلامی پہ رکھنے سے روکنا چاہیے۔ اگر آپ اسے نہ خرید سکیں اور ان لوگوں نے وہ خرید لی' تو کیا ہو گا؟''

''ایڈم' جب میں مشورہ مانگوں' تب دینا۔ ابھی کھانا کھا لو۔'' وہ بے نیازی سے کہہ کے زینے چڑھنے لگی۔ ایڈم نے خفگی سے اسے دیکھا پھر داتن کو جو فاتحانہ مسکراہٹ سے اسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔

''تالیہ کے پلانز میں تالیہ کی مرضی چلتی ہے' لڑکے!''

''بہت شکریہ۔'' وہ جل کے بولا۔

داتن کے اندر تک ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔

☆☆=========☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ کے لان میں تقریب کے انتظامات ہو چکے تھے اور مہمانوں کی آمد آمد تھی۔ بڑے بڑے شوکیسز میں قیمتی نوادرات اور پینٹنگز سجی تھیں جن کے گرد لوگ گھوم پھر کے ان کو دیکھ رہے تھے۔ چوکس سیکیورٹی اہلکار جگہ جگہ تعینات تھے۔

وان فاتح اپنے کمرے میں موجود تھا۔ سنگھار میز کے آئینے کے سامنے وہ کالر کھڑے کیے ٹائی پہن رہا تھا۔ پھر آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے ٹھہرا۔ انگلیوں سے گردن کی پشت کو ٹٹولا۔ ابھرا ہوا گول نشان واضح محسوس ہوتا تھا۔

اس کی آنکھوں میں بے بس سی الجھن ابھری۔ یہ زخم... یہ نشان؟ پھر اس نے سر جھٹکا (جن لڑکوں سے ہاتھا پائی ہوئی تھی' یقیناً انہوں نے ہی یہ چوٹ دی ہو گی۔ یا شاید یہ پرانی ہو اور اس نے پہلے نوٹس نہ کی ہو)۔

پھر ایک دم وہ چونکا۔ ٹائی وہیں گردن میں چھوڑے' اس نے موبائل اٹھایا۔

اس کی سوشل میڈیا ٹیم نے ملاکہ کے ساحل پہ چار روز قبل فاتح سے ملاقات کرنے والے نوجوان کی تصاویر شیئر کی تھیں۔ یقیناً اس نوجوان نے تصاویر سوشل میڈیا پہ لگائی تھیں جہاں سے معمول کے مطابق اس کی ٹیم نے انہیں آفیشل ہینڈل پہ پوسٹ کر دیا تھا۔ فاتح نے تیزی سے ان تصاویر کو کھولا۔ پھر دو انگلیوں سے بڑا کیا۔

ایک تصویر ساحل پہ چلتے وان فاتح کی پشت سے کھینچی گئی تھی جس میں اس کی سفید شرٹ ہوا سے پھڑ پھڑا رہی تھی۔ اور گردن صاف دکھائی دیتی تھی۔ وہ بالکل صاف اور بے داغ تھی۔

فاتح کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ یہ شرٹ.... یہ شرٹ کہاں گئی؟ پولیس اسٹیشن کی ویڈیو میں اس کی سیاہ شرٹ تھی۔ وہ ملاکہ میں صبح اٹھا' تب بھی اس کی سیاہ شرٹ تھی۔ مگر اس روز تو اس نے سفید شرٹ پہن رکھی تھی۔ وہ شرٹ کہاں گئی؟

اس نے کوفت سے موبائل رکھا اور سر جھٹکا۔ ان لڑکوں نے اسے زخمی کیا ہوگا یقیناً... کپڑے خون آلود ہو گئے ہوں گے ....اس نے پھینک دیے ہوں گے.... یہ اتنا بڑا مسئلہ تو نہیں کہ وہ اس بارے میں اتنا سوچے۔

وہ اب سنجیدگی سے آئینے میں خود کو دیکھتا ٹائی باندھنے لگا۔ پھر کالر برابر کیے۔ پرفیوم اٹھا کے خود پہ چھڑکا۔ سفید شرٹ پہ گہری نیلی ٹائی رات کی تقریب کی مناسبت سے بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ گیلے بال دائیں طرف کو پیچھے کر کے جما رکھے تھے۔ آنکھ کا زخم ویسا ہی تھا۔

تبھی عقب میں دروازہ کھلا اور عصرہ داخل ہوئی۔ جوڑا باندھے' کانوں میں آنسو شکل موتی پہنے' وہ پیر تک آتے سلور لباس میں ملبوس تھی۔ دو لٹیں گھنگریالی کر کے گالوں پہ چھوڑ رکھی تھیں۔ مسکراتی ہوئی وہ اس کے قریب آئی اور میز سے کنسیلر کی ڈبی اٹھائی۔

''اتنے برس پہلے جو گیلری میں نے بنائی تھی.... اتنے برس جو سامان اکٹھا کیا تھا... آج وہ سب بک جائے گا۔'' وہ اداس مسکراہٹ سے کہتی کنسیلر کی ڈبی کھول رہی تھی۔ فاتح نے کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے اس کی طرف رخ موڑا۔

''حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ میں تو اب بھی چاہوں گا کہ تم اپنا کام جاری رکھو۔''

''ہمیں امریکہ میں سیٹل ہونے کے لئے....''

''ہم امریکہ نہیں جا رہے۔ تم جانا چاہو تو الگ بات ہے۔ میں یہیں رہوں گا۔ ہم یہ بات کر چکے ہیں عصرہ!'' وہ ٹھنڈے انداز میں بولا تو عصرہ نے ڈبی سے ذرا سا غازہ انگلی کے پورے پہ لگایا اور پھر اسے فاتح کی آنکھ کے قریب احتیاط سے ملنے لگی۔

''تم ضد چھوڑ کیوں نہیں دیتے' فاتح۔ تمہارے پاس ویسے بھی الیکشن کے لئے اتنی رقم نہیں ہے۔'' اب وہ غازہ اس کی کنپٹی پہ مل رہی تھی۔ زخم دھیرے دھیرے چھپنے لگا۔

''پیسوں کی فکر نہ کرو۔ میں سن باؤ والا گھر بیچ رہا ہوں۔ بات ختم۔'' وہ.... ذرا بے رخی سے بولا تو عصرہ نے جتاتی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

''تمہیں جلد یا بدیر احساس ہو جائے گا' فاتح کہ میں درست ہوں اور تم غلط۔ خیر....''

زخم چھپ گیا تھا۔ اس نے ڈبی رکھی اور مسکرا کے فاتح کو دیکھا جو کچھ ناخوش نظر آتا تھا۔

''آج کے دن تم میرا مکمل ساتھ دو گے۔ جیسے میں نے تمہیں سپورٹ کیا ہے اتنے سال' تم آج اس سب کا لحاظ کرو گے۔''

''ظاہر ہے۔'' اس نے ٹائی کو دوبارہ کستے ہوئے کندھے اچکائے۔

پھر وہ دونوں ایک ساتھ باہر نکلے۔ سیاہ ٹوپیس میں ملبوس وجیہہ صورت مسکراتا ہوا فاتح اور اس کی کہنی تھامے سلور چمکتے لباس میں خوش باش سی عصرہ۔ وہ دونوں ایک ساتھ چلتے بے حد بھلے معلوم ہوتے تھے۔

پرفیکٹ کپل۔

''سر درد کی دوا ملے گی مسز عصرہ؟''

آواز پہ عصرہ چونک کے پلٹی۔

☆☆=========☆☆

نیلامی کی تقریب شروع ہو چکی تھی۔لان میں اونچا اسٹیج بنا تھا اور سامنے کرسیوں کی دو قطاریں لگی تھیں۔درمیان میں گزرنے کا راستہ تھا۔اولین کرسیوں میں سے دو نشستوں پہ تالیہ اور ایڈم بیٹھے تھے۔ایڈم اس زبردستی کے سوٹ میں غیر آرام دہ سا بیٹھا بار بار گردن موڑے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔

''میں اور آپ ایک دفعہ پہلے بھی ایک نیلامی اٹینڈ کر چکے ہیں' بے تالیہ۔'' وہ ہچکچا کے بولا۔''مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں ''ماضی'' خود کو دہرانے نہ لگ جائے۔''

''دہرا بھی دے تو کیا ہوا'' تالیہ لمبی گردن سیدھی رکھے' چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ سجائے سکون سے بیٹھی تھی۔اس نے اونچا جوڑا باندھ رکھا تھا اور سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔میک اپ کے نام پہ صرف سرخ لپ اسٹک تھی۔البتہ انگلی کی سرخ آنسو شکل انگوٹھی' کانوں کے یاقوتی ٹاپس اور گردن میں پڑا ہیرے کا نیکلیس...قدیم ملاکہ کا وہ زیور اسے مزید دلکش بنا رہا تھا۔

تالیہ نکھیوں سے اپنے دائیں جانب' دو نشستیں چھوڑ کے بیٹھی عصرہ کو دیکھ رہی تھی جو چم چم کرتے لباس میں مسکرا کے اپنے شوہر سے کچھ کہہ رہی تھی۔وہ بھی مسکرا کے جواب دے رہا تھا۔فاتح کے ساتھ بیٹھا اشعران کی بات پہ محظوظ سا ہنسا تھا۔لوگ تصاویر اتار رہے تھے۔ان کو سراہ رہے تھے۔وان فاتح' اس کی بیوی اور سالہ....پرفیکٹ فیملی کی تکون۔

''کیا ان کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ کے برا لگتا ہے آپ کو؟'' ایڈم نے سرگوشی کی تو وہ چونکی۔وہ قدیم ملے میں مخاطب ہوا تھا۔جب لوگ آس پاس ہوتے تو وہ دونوں قدیم ملے زبان بولنے لگتے تھے۔

تالیہ کے لبوں پہ مبہم مسکراہٹ بکھر گئی۔

''نہیں' شاہی مورخ' کیونکہ میں ان تینوں کے رشتے کی حقیقت جانتی ہوں۔یہ ایک دوسرے سے بےزار لوگ ہیں۔'' پھر گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''تمہارے کیا ارادے ہیں اب؟''

''پتہ نہیں' بے تالیہ۔'' وہ گہری سانس لے کر اسٹیج کو دیکھنے لگا۔کوٹ اور ٹائی میں ملبوس' چھوٹے بالوں اور گندمی رنگت والا ایڈم غیر آرام دہ نظر آتا تھا۔

''مجھے لگتا ہے میں دو دنیاؤں کے درمیان پھنس گیا ہوں۔''

''سنو ایڈم!'' وہ اس کی طرف ذرا جھکی اور سرگوشی کی۔ ''ماضی صرف سیکھنے کے لئے ہوتا ہے۔ نہ اس کے خیالوں میں گم رہا جاتا ہے' نہ اس سے بالکل فرار حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔''

''کل تک اتنی اپ سیٹ تھیں آپ۔ ایک دن میں خود کو سنبھال کیسے لیا ہے؟'' ایڈم بس اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت ضبط سے مصنوعی مسکراہٹ سجا کے بیٹھی تھی۔ اس سوال پہ محض شانے اچکائے۔

''ایک بات تو طے ہے کہ جو بھی ہو جائے' تالیہ کی ہمت نہیں ٹوٹے گی۔''

ایڈم کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اسٹیج پہ کھڑے آدمی نے ڈائس کے مائیک پہ چہرہ جھکا کے اعلان کیا۔

''گھائل غزال۔'' ساتھ ہی بازو سے اشارہ کیا۔ دو باوردی ملازم آئے اور وہ نادر چھوٹی سی پینٹنگ اسٹینڈ پہ رکھ کے چلے گئے۔ سنہرے فریم میں مقید وہ پینٹنگ محض دو بالشت جتنی تھی۔

پیچھے اسٹیج پہ لگی بڑی پروجیکٹر اسکرین پہ اس پینٹنگ کی تعارفی ویڈیو چلنے لگی۔ کس نے بنائی' کب بنائی' وغیرہ وغیرہ۔

''بولی شروع ہوتی ہے پچاس ہزار رنگٹ سے۔ کیا کوئی اس سے زیادہ پیش کرے گا؟'' ویڈیو کے ختم ہوتے ہی میزبان نے جوش سے حاضرین کی طرف اشارہ کیا۔ تالیہ نے اپنی اسٹک اٹھائی جس پہ اس کا نمبر لکھا تھا اور با آواز بلند بولی۔

''ایک لاکھ رنگٹ!''

دو کرسیاں چھوڑ کے بیٹھی عصرہ نے مسکرا کے اسے دیکھا۔ فاتح البتہ اسٹیج کو دیکھتا رہا۔ اور اشعر... وہ کنکھیوں سے عصرہ کو دیکھ رہا تھا....

دوسری قطار میں بیٹھے ایک صاحب نے اپنا کارڈ بلند کیا۔ ''ایک لاکھ پچیس ہزار۔'' مگر اشعر کو اس کی آواز نہ سنائی دی۔ لمحے بھر کے لئے اس کی آنکھوں کے سامنے سے حال لپیٹ دیا گیا اور ماضی کا منظر چلنے لگا.....

وان فاتح کی رہائشگاہ کے سامنے وہ کار میں بیٹھا تھا اور اسٹیئرنگ وہیل پہ چند کاغذ رکھے ان کو پڑھ رہا تھا۔ کاغذات نامزدگی۔ اشعر محمود۔ بالآخر اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ کاغذ جمع کروانے کی کل آخری تاریخ تھی۔

اس نے کاغذات کو تہہ کر کے پینٹ کی جیب میں ڈالا اور باہر نکلا۔ پورچ سنسان پڑا تھا۔ فاتح کی کار وہاں نہیں تھی۔ البتہ عصرہ کی کار موجود تھی۔ لان بھی خالی تھا۔ وہ جوش اور مسرت سے اندر داخل ہوا تو لاؤنج میں سامنے پہ آریانہ بیٹھی دکھائی دی۔ وہ چہرہ جھکائے کسی کلرنگ بک میں رنگ بھر رہی تھی۔ لمبے بال چہرے کے اطراف میں گر رہے تھے۔ آہٹ پہ سر اٹھایا تو اشعر کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ ہلکا سا مسکرائی اور سر کو خم دے کر سلام کیا۔

''آریانہ... ممی کہاں ہیں؟'' وہ مسکراتا ہوا سامنے آیا۔ تبھی اپنے کمرے سے عصرہ نکلتی دکھائی دی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے کان کا ٹاپس بند کرتی' بغل میں پرس دبائے' عجلت میں لگتی تھی۔

''اوہ شِٹ.... یہ میں کیا سن رہی ہوں؟'' وہ خفا خفا سی ٹاپس بند کرتے قریب آئی۔ اشعر کی مسکراہٹ سمٹی۔

''کا کا میں.....''

''بابا نے بتایا کہ تم کاغذات نامزدگی کے بارے میں سوچ رہے ہو۔یقیناً یہ بے کار خیال بھی انہوں نے تمہارے دل میں ڈالا ہوگا۔خیر میں نے ان کو اچھی خاصی سنا دی ہیں۔بھئی حد ہوتی ہے۔یہ کوئی تمہارے کرنے کا کام ہے۔تم جو کر رہے ہو اسی میں ٹھیک ہو۔''وہ برہمی سے کہہ رہی تھی۔

اشعر کی مسکراہٹ بالکل معدوم ہوگئی۔وہ چپ چاپ سننے لگا۔

''بابا کی ہر بات پہ فضول چیزیں نہ سوچنے لگ جایا کرو ایش۔وہ تو ہمیشہ سے ہی ایسے تھے،اور وہ شاپ تو میں نے کب سے بابا کو کہہ رکھا ہے کہ مجھے چاہیے۔میں نے اس پہ آرٹ گیلری بنانی ہے۔''

اشعر کے کندھے ڈھیلے ہو کے نیچے جا گرے۔

''آپ نے.... پہلے تو کبھی نہیں کہا۔''

''تو اب کہہ رہی ہوں نا۔دیکھو ایش....''وہ مصالحتی انداز میں قریب آئی۔ایک ہاتھ سے کلچ پکڑ لیا'دوسرا اس کے کندھے پہ رکھے نرمی سے سمجھانے لگی۔''مجھے آرٹ گیلری کھولنی ہے۔میں ایک سیاسی بیوی ہوں'مجھے فاتح کے ساتھ پبلک کی نظر میں رہنا ہے۔میرا ابھی کوئی کیریئر'کوئی پہچان ہونی چاہیے۔وکیل ہونے کے باوجود فاتح کے تین بچے پالتے پالتے میں کبھی پریکٹس نہیں کر سکی'(آریانہ نے سر اٹھا کے ماں کو دیکھا)اور مجھے شوق بھی نہیں ہے'لیکن یہ آرٹ گیلری فاتح کو بھی فائدہ دے گی اور تم....تم بالکل بھی سیاست میٹریل نہیں ہو۔میں کبھی بھی بابا کو یا تمہیں وہ دکان بیچنے نہیں دوں گی۔''

اشعر کے لب بھنچ گئے تھے۔آنکھوں میں تکلیف ابھری مگر وہ کہے جا رہی تھی۔

''ایش دیکھو....اگر تم وہ دکان بیچ بھی دو تو تم جیت نہیں سکتے۔یہ بہت مشکل کام ہے۔ابھی تم صرف فاتح کو سپورٹ کرو۔دکان کو ضائع مت کرو۔اس سے بہتر ہے وہ دکان بابا مجھے دے دیں۔تم جو ہو وہی ٹھیک ہو۔سمجھ رہے ہو نا۔''

اشعر نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کار میں بیٹھا تھا۔کاغذات ہاتھ میں اٹھائے وہ ان کو آخری نظر دیکھ رہا تھا۔پھر اس نے لب بھنچ لئے اور ان کو چاک کر دیا۔چار'پھر آٹھ ٹکڑے کیے.....اور ان کو ڈیش بورڈ کے خانے میں ڈال کے ڈھکن زور سے بند کیا۔

اس کا چہرہ اب غصے بھری بے بسی سے سرخ پڑ رہا تھا۔مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔اس کے پاس اس دکان کے علاوہ بیچنے کو کچھ نہیں تھا ....پانچ سال...اسے پانچ سال مزید انتظار کرنا تھا....

''دو لاکھ۔''نیلامی اپنے عروج پہ تھی۔وہ میزبان کی آواز پہ چونکا'اور پھر جلدی سے سر جھٹکا۔کنکھیوں سے ساتھ بیٹھی عصرہ کو دیکھا جو جوش سے مسکراتی اسٹیج کو دیکھ رہی تھی۔

''دو لاکھ پچاس ہزار!'' پہلی قطار میں بیٹھی تالیہ نے سکون سے کارڈ بلند کیا۔

''دو لاکھ ستر ہزار۔'' دوسرے کونے میں بیٹھا آدمی فوراً سے کارڈ اٹھا کے بولا۔

''تین لاکھ۔'' وہ سکون سے اسٹیج کو دیکھتی قیمت بڑھا رہی تھی۔

''سوا تین لاکھ۔'' اس آدمی نے اس سے زیادہ سکون سے کہا تو تالیہ چونکی۔ پوری گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ چہرے پہ ہلکی سی پریشانی نظر آئی۔

''بے تالیہ... آپ کو یہ ہر حال میں خریدنی ہے۔'' ایڈم نے اضطراب سے سرگوشی کی۔

''سوا تین لاکھ ایک... سوا تین لاکھ دو۔ بے تالیہ... کیا آپ رقم بڑھانا چاہیں گی۔'' میزبان جوش سے پوچھ رہا تھا۔

تالیہ نے تھوک نگلا۔ پھر کارڈ اٹھایا۔ ''تین لاکھ پچاس ہزار۔''

''چار لاکھ!'' وہ آدمی سرعت سے بولا۔

پہلی قطار میں سب کی گردنیں تالیہ کی طرف گھومیں۔ وہ اسٹیج کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ایک کھلی لٹ کان کے پیچھے اڑسی اور بولی۔

''چار لاکھ پچیس ہزار۔''

''ساڑھے چار لاکھ۔'' وہ آدمی اسے موقع نہیں دے رہا تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور گردن پھیر کے عصرہ کو دیکھا۔ وہ مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔ عصرہ کے اس طرف بیٹھا فاتح بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے پھر سے کارڈ اٹھایا۔ ''پونے پانچ لاکھ۔''

''چھ لاکھ!'' اس آدمی نے ایک دم چھ لاکھ پہ چھلانگ لگائی تو تالیہ نے گہری سانس لے کر کارڈ گود میں ڈال دیا۔

''چھ لاکھ ایک... چھ لاکھ دو...'' پرجوش میزبان تالیہ کو دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔ اکسا رہا تھا مگر اس نے نظریں جھکا لیں۔

''بے تالیہ... پلیز...'' ایڈم کراہا مگر وہ دبی دبی سرگوشی میں بولی۔ 'میرے پاس اس سے زیادہ پیسے نہیں ہیں ایڈم۔''

''چھ لاکھ فائنل۔ مبارک ہو مسز عصرہ۔ گھائل غزال چھ لاکھ میں جناب جعفر غنی کو فروخت کی جاتی ہے۔'' میزبان نے نعرہ لگایا تو لان میں بیٹھے تمام لوگ تالیاں بجانے لگے۔ سوائے ایڈم کے۔

جعفر صاحب کھڑے ہوئے اور مسکرا کے مبارکبادیں وصول کیں۔ پھر کھنکھارے۔

''مجھے یہ اعتراف کرنے دیں کہ میں اپنی جمع پونجی کا ایک حصہ اس پینٹنگ پہ لٹا رہا ہوں۔'' حاضرین نے اس بات پہ بے اختیار قہقہہ لگایا تھا۔

''لیکن...'' وہ دوبارہ کھنکھارے۔ ''میں اس کو خریدنے سے پہلے ایک دفعہ اس کو ٹیسٹ کروانا چاہوں گا۔''

ایک دم سے تقریب میں سناٹا چھا گیا۔ بہت سی گردنیں اس کی طرف گھومیں۔ خود عصرہ پوری کی پوری گھوم گئی۔ ابرو بھنچ گئے۔

''جعفر صاحب' یہ تمام پینٹنگز اصلی ہیں' میرے پاس ان کے کاغذات ہیں۔'' وہ جبراً مسکرا کے بولی۔ ''اور ہم تمام ٹیسٹ کروا چکے ہیں۔'' (اشعر زیر لب مسکرایا۔)

''جی مگر اپنی تسلی کے لئے اگر اس تقریب میں موجود دو آرٹ ایکسپرٹس اس پینٹنگ کو جانچ پرکھ لیں تو میں آپ کا مشکور ہوں گا۔'' اس نے پچھلی قطار کی طرف اشارہ کیا تو دو افراد کھڑے ہوئے۔ ایک نوجوان تھا' دوسرا ادھیڑ عمر۔

''تنگو منیر صاحب۔'' عصرہ خوشگوار حیرت سے ان کو دیکھ کے جگہ سے اٹھی۔ پھر حاضرین کو دیکھا۔ ''یہ تنگو منیر اور اسمٰعیل صاحب ہیں۔ یونیورسٹی پروفیسرز ہونے کے علاوہ یہ ہمارے اقرباء میں سے ہیں۔ اگر یہ پینٹنگ کو جانچ پرکھ کے دیکھنا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ پلیز آپ لوگ اوپر تشریف لے آئیں۔'' وہ جوش سے کہہ رہی تھی۔

''مگر اس ٹیسٹ کی کیا ضرورت ہے؟'' تالیہ اونچا سا بولی تو سب مڑ مڑ کے اسے ہی دیکھنے لگے۔ ''کیا مسز عصرہ کی نیک نامی اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ یہ پینٹنگ اصلی ہے؟ اگر آپ مسز عصرہ سے کچھ خریدنے آئے ہیں تو ان پہ اعتبار بھی کریں۔'' وہ ناگواری سے کہہ رہی تھی۔ عصرہ نے ہاتھ اٹھا کے نرمی سے اسے روکا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے' تالیہ۔ پلیز آپ لوگ پینٹنگ کو دیکھ لیں۔''

وہ دونوں افراد اپنی جگہ سے اٹھے اور کرسیوں کے درمیان سے گزرتے اسٹیج تک آئے۔ پھر پینٹنگ کو اسٹینڈ سے اتار کے میز پہ رکھا۔ اپنے آلات کا بیگ کھولا۔ عینکیں چڑھائیں۔

عصرہ واپس جگہ پہ بیٹھ گئی اور فاتحانہ نظروں سے اسٹیج کو دیکھنے لگی۔ تبھی اشعر نے سرگوشی کی۔ ''کاکا.... مجھے ڈر لگ رہا ہے.... آپ کو ٹیسٹ کی اجازت نہیں دینی چاہیے تھی۔''

''مجھے عرب شہزادے کی بات پہ اعتبار ہے۔ وہ مجھے نقلی پینٹنگ کیوں عطیے میں دے گا۔ ڈونٹ وری۔'' عصرہ نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں اس کے خدشے کو رد کیا۔ ''ویسے بھی یہ دونوں ایکسپرٹ میرے پرانے جاننے والے ہیں۔ یہ کبھی جھوٹ نہیں بولیں گے۔''

''بے تالیہ۔ کچھ کریں۔'' ایڈم نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

''میں کیا کرسکتی ہوں۔'' وہ تلخی سے بڑبڑائی۔ ''وان فاتح کو جنگل میں بتایا تھا میں نے کہ گھائل غزال نقلی ہے۔ ان کو وہ مشروب نہیں پینا چاہیے تھا۔ اب نتائج کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے۔''

دونوں افراد باری باری پینٹنگ کو جانچ رہے تھے۔ پرکھ رہے تھے۔ مختلف زاویوں سے جائزہ لے رہے تھے۔ پھر معمر صاحب نے سر اٹھایا اور حاضرین کو سنجیدگی سے دیکھا۔

''میری پیشہ وارانہ اور ماہرانہ رائے کے مطابق.....''وہ سانس لینے کو رکے تو سب نے دم سادھ لیا۔

''یہ پینٹنگ اصلی ہے۔''

پھر سوالیہ نگاہوں سے دوسرے ایکسپرٹ کو دیکھا۔اس نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

''جی.....پینٹنگ واقعی اصلی ہے۔سو فیصد۔''

جہاں پورا لان تالیوں سے گونج اٹھا' وہاں اشعر محمود کی ساری مسکراہٹیں غائب ہوگئیں۔اس نے بے یقینی سے ایکسپرٹس کو دیکھا۔پھر گردن موڑ کے جعفر صاحب کو جو اپنی جگہ پہ کھڑے ہکا بکا رہ گئے تھے۔رنگت ایسی پیلی پڑی گویا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

''جعفر صاحب امید ہے آپ کی تسلی ہوگئی ہوگی۔''میزبان نے جوش سے اسے مخاطب کیا تو جعفر صاحب جبری مسکرائے اور جگہ پہ بیٹھے۔''آپ کے پاس رقم ادا کرنے کے لئے تین دن ہیں۔اب ہم اگلے آئیٹم کی طرف بڑھتے ہیں....''نیلامی پھر سے شروع ہوگئی۔

ایسے میں اشعر محمود بالکل گم صم ہو گیا تھا اور عصرہ....اس نے گردن ذرا نکال کے دو کرسیاں چھوڑ کے بیٹھی تالیہ کو مسکرا کے دیکھا۔اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

تالیہ نے بھی جواباً مسکرا کے سر کو خم دیا اور سامنے دیکھنے لگی۔ایڈم ابرو بھینچے ان دونوں کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

''بے تالیہ....کیا کیا ہے آپ نے؟''

تالیہ نے مسکرا کے اس کی طرف چہرا موڑا۔

''اے شاہی مورخ...تمہاری گہری نظریں اس وقت کہاں تھیں جب بنداہارا کی حسین بیٹی نیلامی سے پہلے اندر گئی تھی؟''

''بنداہارا کی نقلی والی حسین بیٹی نے کہا تھا کہ وہ مسز عصرہ سے سر درد کی دوا لینے جا رہی ہے۔لیکن سیانے ٹھیک کہتے تھے۔چور چوری سے جائے' ہیرا پھیری اور کہانیاں گھڑنے سے نہ جائے۔''وہ جل بھن گیا تھا۔

☆☆==========☆☆

''ایک گھنٹہ پہلے''

فاتح اور عصرہ ایک ساتھ چلتے لاؤنج میں آگے بڑھ رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی۔

''سر درد کی دوا ملے گی' مسز عصرہ؟''

عصرہ چونک کے پلٹی۔فاتح بھی ساتھ ہی مڑا۔

وہاں تالیہ کھڑی تھی۔سرخ لپ اسٹک کے ساتھ مسکراتی ہوئی' سنہرے بالوں کا فرانسیسی جوڑا بنائے' وہ جل پری کی طرح کا سیاہ لباس پہنے ہوئے تھی۔

''اوہ تالیہ.....تم....''عصرہ مسکرائی۔ساتھ ہی ایک محتاط نظر فاتح پہ ڈالی جس کے ماتھے پہ اسے دیکھ کے بل پڑے تھے۔پھر جلدی سے

تشویش سے بولی۔

''ہاں میرے پاس دوا ہوگی۔ تمہارے سر میں درد ہے کیا؟''

''میرے نہیں' آپ دونوں کے سروں میں جلد ہی شدید درد ہونے والا ہے اس لئے اسپرین کی گولیاں اپنے ساتھ رکھیں۔''

عصرہ اور فاتح کے تاثرات ایک ساتھ بدلے۔ دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا' پھر الجھن بھری حیرت سے تالیہ کو۔ ''کیا مطلب؟''

''مجھے کچھ ایسا معلوم ہے جو آپ دونوں کو بھی معلوم ہونا چاہیے کیونکہ....'' سنہرے جوڑے والی خوبصورت لڑکی قریب آئی اور فاتح کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''جو ہمیں معلوم ہوتا ہے' وہ ہماری جان بچاتا ہے۔ اور جو ہمیں معلوم نہیں ہوتا' وہ ہماری جان لے بھی سکتا ہے۔''

مگروان فاتح کے صاف سلیٹ جیسے ذہن کے لئے وہ فقرہ بے معنی تھا۔ وہ بھنویں اکٹھے کیے سنجیدگی سے بولا۔ ''کیا کہنا چاہ رہی ہو۔''

''کیوں نا ہم اندر بیٹھ کے بات کریں؟'' پھر سرسری سا اطراف میں دیکھا۔ ''ویسے مجھے معلوم نہیں کہ کون سے کمرے میں بیٹھنا چاہیے۔ آپ کی فائل یقیناً میں نے آنکھیں بند کر کے چرائی تھی اسی لیے معلوم نہیں کہ کون سا کمرہ کس کا ہے۔ لیکن اس کمرے میں چلتے ہیں۔'' اس نے سامنے والے دروازے کی طرف اشارہ کیا جو عصرہ کے کمرے کا تھا۔ دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''تالیہ' مہمان آ رہے ہیں' میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے' اس لئے امید ہے تم نے کسی ضروری بات کے لئے بلایا ہے۔'' کمرے میں آ کے عصرہ سنجیدگی سے بولی۔

تالیہ نے دروازہ بند کیا اور ان دونوں کی جانب گھومی۔ پھر سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا اور بتیاں جلا لیں۔ شاہانہ بیڈروم سفید روشنیوں سے جگمگا اٹھا۔ بیڈ کے کنارے وہ دونوں کھڑے تھے اور ان کے مقابل تالیہ۔

''بات بہت ضروری ہے۔''

''ٹو دی پوائنٹ بات کرو' تاشہ!'' بے زار سے فاتح نے کوٹ کی آستین کے پیچھے کر کے گھڑی دیکھی۔ تالیہ نے سینے پہ بازو لپیٹے اور قریب آئی۔ باری باری دونوں کی آنکھوں میں دیکھا۔

''جو گھائل غزال آپ بیچنے جا رہی ہیں' وہ نقلی ہے۔''

روشن کمرے میں یکدم سناٹا چھا گیا۔ پھر عصرہ کے ماتھے پہ بل ابھرے۔

''کیا مطلب؟ میری پینٹنگ کو ماہرین نے authenticate کیا ہے۔'' اس کے گال سرخ ہوئے۔''

صرف ان ماہرین نے جن سے آپ پہلی دفعہ ملی تھیں کیونکہ آپ کے جاننے والے دونوں ماہرین اچانک سے غائب ہو گئے تھے۔''

فاتح جو آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے سامنے کھڑی لڑکی کو خود اعتمادی سے بولتے دیکھ رہا تھا' اس بات پہ چونک کے عصرہ کو دیکھا۔

''تم نے پینٹنگ اپنے قابلِ بھروسہ ماہرین کو نہیں دکھائی تھی؟''

''وہ.....وہ اس وقت ملائیشاء میں نہیں تھے' مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' عصرہ کا بے بسی اور غصے سے چہرہ دہکنے لگا۔ ''میرے پاس سارا پیپر ورک موجود ہے۔اور.....''

''جو آدمی آپ سے شہزادہ (شیخ جاسم) بن کے ملا تھا' وہ دراصل اس شہزادے کا مینیجر ہے۔ایک ملازم۔گھائل غزال واقعی اس کی تھی' مسز عصرہ' لیکن وہ ڈیڑھ سال پہلے چوری ہوگئی تھی اس نے آپ کو وہ نقلی پینٹنگ دی ہے جو چور وہاں لگا کے چلے گئے تھے۔''

''اور تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہے' تاشہ؟'' وہ مشکوک چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔تالیہ نے نظروں کا رخ اس کی طرف پھیرا اور مسکرائی۔کئی زمانے پہلے ایک اور نیلامی پہ بھی وہ تقریب سے پہلے اس سے ملاقات کرنے اندھیر پنجروں تک گئی تھی۔

وقت کیسے بدل گیا تھا۔اور وقت کیسے ایک سا تھا۔

''کیونکہ جب پینٹنگز چوری ہوتی ہیں تو وہ بلیک مارکیٹ پہ بیچی جاتی ہیں جہاں سے خریدنے والے کو ٹیکس نہیں دینا پڑتا۔اور آپ کی گھائل غزال اس لئے نقلی ہے کیونکہ اصلی گھائل غزال میرے پاس ہے۔''

اس نے کہنی پہ ٹنگے پرس کو کھولا اور اندر ہاتھ ڈال کے کتاب جتنی پینٹنگ نکال کے سامنے کی۔عصرہ کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔

''مگر تم نے میری ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھ کے کہا تھا کہ میری پینٹنگ اصلی ہے۔'' وہ دھک سے رہ گئی۔

''کیونکہ مجھے یقین نہیں تھا کہ آپ میرا اعتبار کریں گی۔''

''تم بعد میں بھی بتا سکتی تھیں۔'' فاتح درشتی سے بولا۔اس کی مشکوک نظریں ہنوز تالیہ پہ جمی تھیں۔

''میں بتانے والی تھی مگر پھر آپ دونوں نے میرے اوپر فائل چوری کا الزام ڈال دیا۔اگر میں اتنی بدنیت ہوتی فاتح صاحب تو آپ کو خاموشی سے یہ بیچنے دیتی۔یہ نقلی پینٹنگ کسی نے غلطی سے آپ کو نہیں دی۔اس کے پیچھے پوری پلاننگ ہے۔اور جس نے یہ کیا ہے' اس نے اپنا خریدار باہر بٹھا رکھا ہوگا جو اونچی بولی لگا کے سب کے سامنے پینٹنگ کو ٹیسٹ کروائے گا اور نقلی نکلنے کی صورت میں آپ کی بدنامی الگ ہوگی۔مسز عصرہ پہ پولیس رپورٹ درج ہوگی' یہ جیل جائیں گی اور آپ کی بر بیچی گئی پینٹنگ کا آڈٹ شروع ہو جائے گا۔''

''نہیں۔'' عصرہ نے مضطرب چہرے کے ساتھ گردن کڑائی۔''میری پینٹنگ اصلی ہے۔تمہاری نقلی ہوگی۔''

''ہاں تاشہ' ہم کیسے مان لیں کہ تمہاری پینٹنگ نقلی نہیں ہے۔''

''میں نے آپ کے ایک پرانے ماہر طلٰہ زہری صاحب کو بھی تقریب پہ بلایا ہے۔وہ اس وقت کے ایل میں نہیں تھے جب آپ نے اس پینٹنگ کو ٹیسٹ کروایا تھا۔مگر فی الحال وہ یہیں موجود ہیں۔آپ ان کو کال کریں۔دونوں پینٹنگز دیکھ کے خود بتا دیں گے کہ کون سی اصلی ہے۔'' وہ پر اعتماد تھی۔داتن نے اس کا دیا کام بر وقت کر دیا تھا۔

عصرہ نے اسے گھورتے ہوئے کلچ کھولا' موبائل نکالا اور سنگین لہجے میں بولی۔''تم یہیں رہو' میں ابھی آ رہی ہوں۔'' وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔دروازہ ادھ کھلا رہ گیا۔

فاتح آنکھیں چھوٹی کر کے اس کو بغور دیکھ رہا تھا۔ ''سو تم بلیک مارکیٹ سے چیزیں خریدتی ہو۔ یہ جرم ہے۔ Tax evasion ' یو نو۔''

''میں نے یہ تو نہیں کہا کہ یہ پینٹنگ میں نے وہاں سے خریدی ہے۔'' وہ سچ بول رہی تھی۔

''ایک ہی بات ہے۔ خیر... اگر یہ شہزادے جاسم کے ہاں سے چوری ہوئی تھی تو اس نے پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں کی۔''

''رپورٹ کر کے وہ کیا کہتے؟ یہ وہ پینٹنگ ہے جو اس نے خود بلیک مارکیٹ سے خریدی تھی اور اس پہ کبھی ٹیکس ادا نہیں کیا۔''

''اچھا مان لیا کہ تمہاری پینٹنگ اصلی ہے' اور تم میری بیوی کو ایک اسکینڈل سے بچانے آئی ہو مگر تمہیں اس سے کیا فائدہ ہوگا؟''

''شاید آپ کو ہماری ملاقات کے آخر تک معلوم ہو جائے کہ میں پینٹر سے زیادہ بھی کچھ ہوں۔'' اس نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

فاتح نے بے رخی سے سر جھٹکا اور ساتھ رکھی سنگھار میز کے کنارے پہ جا بیٹھا۔ وہ بے زار کے ساتھ ساتھ مشکوک بھی لگ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عصرہ اور ایک معمر صاحب اس کمرے میں موجود تھے اور عصرہ کی گھائل غزال کا معائنہ کیا جا رہا تھا۔ عصرہ کی رنگت زرد تھی اور وہ اضطراب سے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ دفعتاً طٰہٰ صاحب نے سر اٹھایا اور سادگی سے عصرہ کو دیکھا۔

''یہ نقلی ہے۔''

عصرہ نے کرب سے آنکھیں میچیں۔ اب وہ صاحب بتا رہے تھے کہ کس طرح اس نقلی پینٹنگ کو غالباً کسی اوون میں بیک کر کے age کیا گیا تھا' پینٹ سال ڈیڑھ پرانا تھا.....

''اور یہ پینٹنگ؟'' تالیہ نے بیگ سے نکال کے چھوٹی سی پینٹنگ سامنے کی تو اس نے اسے احتیاط سے تھاما پھر اونچا کر کے دیکھا۔ پھر میز پہ رکھا اور اپنی ٹول کٹ کھول لی۔ عصرہ اب بالکل خاموشی سے سینے پہ بازو لپیٹے' لب بھینچے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''یہ اصلی ہے۔ سو فیصد اصلی۔ یہ دیکھیں....'' ماہر نے پینٹنگ پہ جھکے جوش سے بتانا شروع کیا تو میز کے کونے پہ بیٹھا فاتح تیزی سے بولا،

''شکریہ طٰہٰ صاحب۔''

ماہر کی بولتی بند ہوگئی۔ اس نے گہری سانس لی اور چیزیں سمیٹنے لگا۔

اس کے جاتے ہی عصرہ نے اپنی پینٹنگ اٹھائی اور زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

''اب یہ پینٹنگ نیلامی پہ نہیں جائے گی۔'' اس نے پینٹنگ کو زور سے ردی کی ٹوکری میں پھینکا۔ چھناکے کی آواز آئی اور شیشہ چکنا چور ہو گیا۔

''اس طرح تو آپ کو کبھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ یہ سب آپ کے ساتھ کس نے کیا ہے!''

عصرہ نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''میں نقلی پینٹنگ کو کیسے نیلامی پہ لگا سکتی ہوں؟''

تالیہ نے میز پہ رکھی اصلی پینٹنگ دو انگلیوں سے اس کی طرف دھکیلی۔

''آپ اس پینٹنگ کو نیلامی پہ لگا دیں۔ میں اس کی بولی لگاؤں گی۔''

''تم اپنی پینٹنگ خریدو گی؟''

''نہیں۔ آپ پہلے اس لڑکی کو بولی لگانے سے منع کریں گی جو غالباً کوئی عام سی ورکر ہے اور آپ نے اسے اچھا لباس اور زیور پہنا کے باہر معزز مہمانوں میں بٹھا رکھا ہے تاکہ وہ میرے مقابلے میں بولی لگائے اور قیمت بڑھائے۔''

فاتح کے کندھے سیدھے ہوئے۔ اس نے چونک کے عصرہ کو دیکھا۔ عصرہ کی پلکوں میں لرزش ہوئی۔ اس نے تھوک نگلی۔

''اتنے حیران مت ہوں فاتح صاحب۔ نیلامیوں پہ اتنا تو چلتا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی امیر زادی ہر قیمت پہ نیلامی جیتنا چاہتی ہے تو اپنا بندہ بٹھایا جاتا ہے تاکہ وہ قیمت بڑھاتا جائے۔ شاید آپ نے بھی کبھی کوئی نیلامی اٹینڈ کی ہو مگر آپ کو یاد نہ ہو۔'' سرسری سا کہہ کے عصرہ کی طرف دیکھا۔

''جس نے بھی یہ کیا ہے' اس کا خریدار بھی وہاں بیٹھا ہو گا۔ میں صرف قیمت بڑھاؤں گی' اور وہ مجھ پہ سبقت لے جائے گا کیونکہ اس کو معلوم ہو گا کہ پینٹنگ نقلی ہے اور اسے قیمت نہیں ادا کرنی۔ لیکن اگر پینٹنگ اصلی نکل آئے تو قانوناً اس کو لازماً قیمت ادا کرنی ہو گی۔ نہ صرف آپ کو مالی فائدہ ہو گا بلکہ اس خریدار کے ذریعے آپ اصل سازشی شخص کو ٹریس بھی کر سکتی ہیں۔''

عصرہ بے بس سی بیڈ کے کونے پہ جا بیٹھی اور دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

''اور تم مفت میں ہمیں اتنی قیمتی پینٹنگ دے دو گی؟'' فاتح غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا کھڑا ہوا اور سامنے آیا۔ اب وہ دونوں مدمقابل کھڑے تھے۔ تالیہ جتانے والے انداز میں مسکرائی۔

''مفت میں تو صرف پندرہویں صدی کے چائے خانوں میں غلاموں کے لئے کھانا ملا کرتا تھا' فاتح صاحب۔ دو ہزار سولہ میں مفت میں کچھ نہیں ملتا۔''

سر پکڑے بیٹھی عصرہ نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔ ''یعنی تمہیں کچھ چاہیے؟ کیا؟ نیلامی والی رقم؟''

''نہیں۔ بے تاشہ کو میرا گھر چاہیے۔'' وہ اس کے چہرے کو بغور پڑھ رہا تھا۔

تالیہ کھلے دل سے مسکرائی۔ ''آپ کا گھر اس پینٹنگ سے کافی مہنگا ہے' اس لئے آپ اسے مجھے نہ بیچیں۔ صرف کرائے پہ دے دیں۔''

''کرائے پہ؟'' فاتح نے تعجب سے ابرو اچکائے۔ ''تم اس کا کیا کرو گی؟''

''مجھے اس گھر میں بیٹھ کے ایک پینٹنگ بنانی ہے۔ آپ ایک ماہ کے لئے اسے مجھے کرائے پہ دے دیں اور اگر درمیان میں آپ اسے بیچنا بھی چاہیں تو میں وہ گھر خالی کر دوں گی۔ بھلے آپ اسے اگلے ہفتے ہی بیچ دیں۔''

''اور جب تک میں وہ گھر نہ بیچوں تم اسے استعمال کرتی رہو گی؟''

''جی۔ آج بیس جولائی ہے (اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کو وہ تاریخ یاد نہ تھی۔) بیس اگست کو میں اسے خالی کر دوں گی۔ اگر میں

آپ کی جگہ ہوتی تو ہاں کرنے میں دیر نہ لگاتی' فاتح صاحب۔"

"تم میری جگہ پہ نہیں ہو۔" وہ درشتی سے بولا تو تالیہ نے شانے اچکا دیے۔

"گھائل غزال آپ کی میز پہ ہے۔ میں اب باہر جا رہی ہوں۔ اگر آپ نے اسے نیلامی پہ لگا دیا تو پارٹی کے اختتام پہ آپ گھر کی چابی میرے حوالے کر دیں گے۔"

"اور اگر میں ایسا نہ کروں۔ تو؟" فاتح ماتھے پہ بل ڈالے پوچھ رہا تھا۔

"تو نہ کریں۔ ویسے بھی یہ پینٹنگ میں نے آپ کو نہیں دی' مسز عصرہ کو دی ہے۔ اسے میری طرف سے اس نیلامی کے لئے عطیہ سمجھ کے قبول کر لیں' جیسے عرب شہزادے سے قبول کی تھی۔" اسی کے لہجے میں الفاظ لوٹا کے وہ مڑی اور باہر نکل گئی۔

اس کے جاتے ہی عصرہ تیزی سے کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پہ بے حد پریشانی تھی۔

"فاتح۔" اس نے جلدی سے فاتح کے دونوں ہاتھ تھامے اور اس کے سامنے آئی۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ "اگر میں نے اب نیلامی سے پینٹنگ ہٹائی تو بہت بدنامی ہو گی۔ پلیز فاتح' گھر اس کو دے دو.... وہ کریزی سی سوشلائیٹ ہے۔ وہ اسی پہ خوش ہو جائے گی۔"

"تم اس لڑکی کے ساتھ کیسے کوئی سودا کر سکتی ہو جس نے میری فائل چرائی تھی۔"

"کیا پتہ اس نے نہ چرائی ہو؟ اور وہ الگ بات ہے۔" وہ جلدی سے بولی۔ فاتح نے جھنجھلاہٹ سے سر جھٹکا۔

"مجھے اس گھر کو بیچنا ہے' عصرہ!"

"وہ ایک ماہ میں گھر خالی کر دے گی' فاتح۔ اس کی بات کا اعتبار کرو' اس نے ہمیں اسکینڈل سے بچایا ہے۔ یا اللہ۔ ہم تباہ ہو سکتے تھے۔" اس نے نم پیشانی کو چھوا۔ وہ اندر تک ہل گئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں اسے گھر دے دیتا ہوں' لیکن آج کے بعد تم کبھی بھی امریکہ جانے کی بات نہیں کرو گی۔ سنا تم نے؟"

عصرہ کچھ کہنے لگی' پھر سر ہلا دیا۔ "جو تم کہو۔ بس ابھی مجھے اس سچویشن سے نکالو۔"

"جمعے کو میں کاغذات نامزدگی جمع کروا رہا ہوں عصرہ۔ اور تم مجھے نہیں روکو گی۔ از دیٹ کلیئر!"

"تم بھی تالیہ کی طرح موقعے کا فائدہ اٹھا رہے ہو۔ واقعی۔ مفت میں کچھ نہیں ملتا لیکن خیر..." عصرہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "مجھے ہر شرط منظور ہے۔"

"عصرہ تم راضی نہ ہو تب بھی میں نے یہی کرنا ہے۔ اگر پینٹنگ نہ رکھی تو خوامخواہ باتیں بنیں گی۔ اور ہم یہ نہیں جان سکیں گے کہ یہ کس کی حرکت ہے.... دیکھو عصرہ...." وہ چہرے پہ نرمی لائے اس کے ہاتھ تھامے سمجھانے لگا۔ "تم کسی کو بھی پینٹنگ کے بدلے جانے کا نہیں بتاؤ گی۔ یہ جس نے بھی کیا ہے وہ پینٹنگ کے اصلی نکلنے پہ حیران ہو گا۔ اور کسی طریقے سے تم سے اگلوانے کی کوشش کرے گا۔ وہ یقیناً کوئی قریبی دوست وغیرہ بھی ہو سکتا ہے۔"

''اوکے' پھر؟'' وہ اس کی بات سمجھ رہی تھی۔

''تم غور کرنا کہ نیلامی کے بعد تم سے کون آ کے غیر ضروری سوالات پوچھتا ہے۔کوئی پوچھے گا عصرہ۔کوئی ضرور پوچھے گا۔'' وہ اسے غور سے دیکھتا دھیرے دھیرے سمجھا رہا تھا اور عصرہ سمجھتے ہوئے سر ہلا رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

''سو آپ نے سر درد کی دوا لینے کے بہانے جاکران کو سب بتادیا۔میں سمجھا آپ کے سر میں واقعی درد ہے اور آپ اندر تھوڑی دیر آرام کرنے گئی ہیں۔''

تقریب میں واپس آؤ تو اسٹیج پہ نیلامی جاری تھی اور پہلی قطار میں بیٹھا ایڈم دانت پیستے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔''آپ مجھے اپنا پلان بتا بھی سکتی تھیں لیکن نہیں۔آپ ابھی تک خود کو شہزادی سمجھتی ہیں اور مجھے ایک غلام۔''

''اور بھگوڑا فوجی بھی۔'' اسٹیج کو دیکھتی تالیہ نے تصحیح کی۔

''مگر آپ نے ان کو اشعر کے بارے میں کیوں نہیں بتایا کہ یہ سب اسی کی سازش تھی؟'' ایڈم نے تالیوں کی گونج کے دوران سرگوشی کی۔ تالیہ نے آنکھیں گھما کے اسے گھورا۔

''اگر وہ اپنے دوست اور دشمن میں خود تفریق نہیں کر سکتے تو وہ اس قابل نہیں کہ ان کی مدد کی جائے۔''

ایڈم نے جواباً پتلیاں سکوڑ کے اسے گھورا۔''تاریخ گواہ ہے کہ آپ مجھے ہمیشہ اندھیرے میں ہی رکھتی ہیں اس لئے اس کے پیچھے بھی کوئی اور وجہ ہوگی۔'' اور منہ بنا کے چہرہ سیدھا کر لیا۔

تقریب ختم ہوئی تو اندھیرا چھا رہا تھا۔لان میں نصب تمام برقی قمقمے جلا دیے گئے تو سارے میں روشنی پھیل گئی۔بفے ٹیبلز پہ کھانا چن دیا گیا تھا اور مہمان اب ٹہلتے ہوئے کھانا لینے میں مصروف تھے۔

فاتح ایک ٹیبل کے سامنے کھڑا' پلیٹ اٹھائے ساتھ کھڑے ایک دوست سے بات کر رہا تھا۔کھانا ڈال کے وہ مڑا تو دیکھا' سامنے ایڈم کھڑا ہے۔فاتح مسکرایا اور بات ختم کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا۔''کیسے ہو ایڈم؟''

''کنفیوژڈ ہوں' سر۔سوچا آپ سے ایک مشورہ مانگ لوں۔'' وہ متانت سے کہنے لگا۔

''پوچھو۔'' فاتح سلاد کے پتے کو کانٹے میں پھنسا رہا تھا۔ایڈم کی نظریں سبز پتے پہ جھکیں تو اسے گھوڑے کو چارہ کھلاتے ہوئے اس کو سیلف اسٹیم پہ لیکچر دیتا غلام فاتح یاد آیا۔ ماضی ہر قدم پہ ایسے کیوں یاد آتا ہے؟ بھول کیوں نہیں جاتا جیسے فاتح کو بھول گیا تھا؟

''ایک کام ہے جو میں کرنا ''جانتا'' ہوں اور مجھے اسی سے متعلق جاب ملے گی۔مگر ایک کام ہے جو میں کرنا ''چاہتا'' ہوں مگر اس کام میں نوکری تلاش کرنا ناممکن سا لگتا ہے۔''

''کرنا کیا جانتے ہو اور کرنا کیا چاہتے ہو؟'' وہ اب پلیٹ پہ چہرہ جھکائے چاولوں کو سلاد میں مکس کر رہا تھا۔

''گارڈ بن سکتا ہوں بس ۔مگر مجھے لکھنے کا شوق ہے۔'' وہ جھینپ کے بولا۔شرمندگی سی محسوس ہوئی تھی ۔فاتح نے چاولوں کا چمچ لبوں میں رکھا اور چند لمحے خاموشی سے ان کو چبایا۔

''گارڈ کا کام کیا ہوتا ہے'ایڈم؟''

''اپنے مالک کی حفاظت کرنا۔''

''مگر کس طرح؟ہاتھ سے پستول تو وہ خطرے کی صورت میں نکالتا ہے'اس سے پہلے وہ سارا وقت کیا کرتا ہے؟''

ایڈم نے لمحے بھر کے لئے سوچا۔''وہ ماحول پہ گہری نظر رکھتا ہے'اور اپنے مشاہدے سے ہر غیر معمولی بات کو نوٹس کرتا ہے۔''

''اور لکھنے والے کیا کرتے ہیں؟''

''وہ....ایڈم اٹکا۔''وہ اپنے ماحول پہ گہری نظر رکھتے ہیں اور اپنے مشاہدے سے ہر غیر معمولی بات کو نوٹس کرتے ہیں۔'' الفاظ ادا کر کے جیسے وہ خود گم صم ہو گیا تھا۔

''مل گیا جواب؟'' فاتح مسکرا کے پلٹنے لگا' پھر واپس مڑا اور اسے غور سے دیکھا۔

''مجھے یاد پڑتا ہے تمہارے پاس پستول بھی ہوتا تھا۔مگر تم نے اس دن ان لڑکوں پہ پستول نہیں اٹھایا۔کیا تم واقعی اچھے گارڈ ہو؟''

ایڈم چونکا۔پھر ہونقوں کی طرح اس کی شکل دیکھی۔''کون سے لڑکے؟''

''اس رات ملاکہ میں جن چور لڑکوں نے ہمیں روکا تھا اور مجھے زخمی کیا تھا۔کیوں؟تمہیں یاد نہیں؟تم اس وقت میرے ساتھ تھے'ایڈم!'' وہ غور سے ایڈم کے تاثرات کو دیکھ رہا تھا۔اسے یاد نہیں تھا' مگر ایڈم کو یاد ہونا چاہیے تھا۔کیا واقعی وہی سب ہوا تھا جو اس نے پولیس کو ویڈیو میں بتایا تھا؟؟یا کچھ اور ہوا تھا؟....فاتح کے اندر جو چار دن سے کھٹک رہا تھا' وہ اب زور زور سے کھٹکنے لگا۔

''مجھے....مجھے یاد ہے'سر!'' ایڈم اٹک اٹک کے بولا۔''اور میں نے پستول نکالا تھا مگر آپ نے مجھے منع کیا تھا کہ میں....گولی نہ چلاؤں۔'' وہ سچ کہہ رہا تھا۔ذہن میں جنگل کا منظر گھوم رہا تھا جب قدیم ملاکہ میں وہ غیر مانوس زبان بولنے والے لوگ ان کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔اس نے پستول نکالا تھا مگر فاتح نے اس ہتھیار ڈالنے کا کہہ دیا تھا۔

''کیا آپ کو نہیں یاد' سر؟'' اب کے ایڈم نے غور سے اسے دیکھا۔

فاتح نے سر جھٹکا۔''مجھے کیوں یاد نہیں ہوگا۔'' پھر بات پلٹ دی۔''تم اچھے گارڈ ہو مگر کام وہ کرو جو تمہارے دل کو پسند ہو۔'' سرسری سا کہتا وہ مڑ گیا۔اندر کھٹکتی شے خاموش ہو گئی۔سب ویسا ہی ہوا تھا یقیناً' بس اسے یاد نہ تھا۔

''تعجب کی بات ہے'کسی کو گھائل غزال پہ کیسے شک ہو سکتا ہے۔'' عصرہ اور تالیہ ایک بفے ٹیبل کے ساتھ کھڑی تھیں جب اشعر کی آواز نے دونوں کو چونکایا۔تالیہ نے گردن موڑی تو وہ جوانی بہن کو مخاطب کرتا قریب آرہا تھا'ایک مسکراتی نظر تالیہ پہ ڈال کے سلام میں سر کو جنبش دی۔''کیسی ہیں آپ' چے تالیہ؟''

"ہمیشہ کی طرح چوکنی اور ہوشیار!" اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولی۔ وہ ہلکا سا ہنسا۔ سرمئی سوٹ اور ٹائی میں ملبوس' اس نے اپنے وجیہہ چہرے پہ ایسی مصنوعی مسکراہٹ سجا رکھی تھی جس کی ایک لکیر بھی مدھم نہ پڑتی تھی۔

"کا کا.... یہ کیا حرکت تھی تمہارے خریدار کی؟ وہ تم پہ شک کیوں کر رہا تھا؟" وہ پھر سے موضوع کی طرف آیا۔

عصرہ جو پلیٹ پکڑے کھڑی تھی' ذرا متذبذب ہوئی۔ سیاہ رات میں اس کے چمچماتے لباس کے باوجود ایک دم مرجھا جانے والا چہرہ چھپ نہ سکا۔

"وہ.... شاید...." (اسے فاتح کی تنبیہہ یاد آئی۔)

"میں بتاتی ہوں۔" تالیہ نے دھیمی آواز میں سرگوشی کی۔ "جو گھائل غزال مسز عصرہ کو کسی نے تحفے میں دی تھی' وہ نقلی تھی۔ کیونکہ اصلی گھائل غزال کافی عرصہ قبل بلیک مارکیٹ پہ بک چکی ہے۔ عرب شہزادہ بھی نقلی تھا اور ماہرین بھی۔ سو میں نے مسز عصرہ کو اصلی پینٹنگ لا دی اور نقلی کو ہم نے ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔"

اشعر لمحے بھر کو سن ہو گیا۔ پھر آنکھوں میں تشویش ابھری۔ فوراً عصرہ کو دیکھا جو متذبذب نظر آ رہی تھی۔ "کا کا' کیا یہ سچ ہے؟"

"اشعر آپ کے بھائی ہیں' مسز عصرہ۔" تالیہ نے تادیبی نظروں سے اسے گھورا۔ "وہ آپ کی فیملی ہیں۔ ان کو نہیں بتائیں گی تو کس کو بتائیں گی کہ کتنے بڑے کرائسز سے آپ لوگ بال بال بچے ہیں۔"

عصرہ کے سارے بوجھ جیسے ہلکے ہو گئے۔ وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی اور فوراً اشعر کی طرف متوجہ ہوئی۔ اب وہ تیزی سے اس کو ساری بات بتا رہی تھی اور وہ تشویش سے سن رہا تھا۔

تالیہ ان کو چھوڑ کے گھر کے بیرونی حصے کے سامنے آئی جہاں وان فاتح چلا آ رہا تھا۔ اس نے تالیہ کو قریب آنے کا اشارہ کیا تو وہ مسکراہٹ دبائے چلی آئی۔

"جی تو ا...." (تو انکو کہتے کہتے رکی۔) "جی' فاتح صاحب۔" مسکراہٹ سمٹی۔ یہ وہ شخص نہیں تھا جو بالائی منزل کی کھڑکی سے اسے دیکھتا تھا جب وہ اس قدیم صحن میں مجسمہ بنا رہی ہوتی تھی۔ یہ کوئی اور شخص تھا۔

فاتح نے مٹھی میں بند ایک چابی اس کی طرف بڑھائی۔ جسے تالیہ نے تھام لیا۔

"تم نے آج جو بھی کیا' اپنی مرضی سے کیا۔ یہ مت سمجھنا کہ میں اس کا احسان رکھوں گا یا مجھے اس کی ضرورت تھی۔ میری رائے تمہارے متعلق اب بھی وہی ہے' تاشہ۔ تم کبھی سیدھی بات نہیں کرتیں۔ پتہ نہیں اب تمہیں میرا گھر کیوں چاہیے۔ لیکن...." اس کے مقابل کھڑے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے تنبیہہ کی۔ "اگر میرے گھر کے ایک انچ کو بھی نقصان پہنچا تو میں تمہیں وہاں سے فارغ کرنے میں دیر نہیں لگاؤں گا۔"

اس کو کھری کھری سنا کے فاتح کی نظر اس کے عقب میں پڑی جہاں بفے ٹیبل کے ساتھ عصرہ اور اشعر کھڑے سرگوشیوں میں بات کر

رہے تھے۔فاتح کی پیشانی پہ بل پڑے۔

''بے فکر رہیں۔اشعر صاحب آپ کی فیملی ہیں۔اس لئے میں نے پینٹنگ والا معاملہ ان کو بتا دیا۔آخر ایسے موقع پہ فیملی کام نہیں آئے گی تو کون آئے گا ہوں؟''طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہہ کے آگے بڑھ گئی۔فاتح نے بہت ضبط سے اسے دور جاتے دیکھا۔اور پھر عصرہ اور اشعر کو۔

اس کا سارا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

☆☆=========☆☆

حالم کے بنگلے پہ اندھیرا چھایا تھا۔کالونی کے دوسرے گھروں کی بتیاں روشن تھیں مگر آج داتن نہیں تھی'اس لئے تالیہ کے پورچ کی بتی بجھی تھی۔اس نے کار اندر کھڑی کی اور پھر پرس کہنی پہ ٹکائے سست روی سے باہر نکلی۔موبائل پہ ساتھ ہی کچھ ٹائپ کرتے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا تو سارا پورچ روشن ہو گیا۔

وہ موبائل پہ چہرہ جھکائے گیٹ بند کرنے پیچھے آئی تو کسی احساس کے تحت گردن اٹھائی۔

گیٹ کے اندر کی طرف سمیع کھڑا تھا۔سینے پہ بازو لپیٹے'کھچڑی بالوں کو پی کیپ سے ڈھانکے'سانولی رنگت والا سمیع اس کو گھور رہا تھا۔

تالیہ بالکل ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔

''اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم اس موٹی عورت کو بھیج کے'مجھے ڈرا دھمکا کے خاموش کرا دو گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔''وہ اپنی چمکتی سیاہ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔''میں پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

پھر ایک قدم آگے آیا اور سینے پہ لپٹے ہاتھ کھول کے دونوں پہلوؤں پہ رکھے۔

''میں تمہارے ماضی سے واقف ہوں۔جو تم یہاں مرحوم امیر باپ کی بیٹی بنی پھر رہی ہو نا'جس کو ترکے میں اتنی دولت مل گئی تھی'میں جانتا ہوں کہ تم یہ نہیں ہو۔تمہارے اشعر محمود کے خاندان میں جتنے چکر لگ رہے ہیں'امید ہے جلد وہ تمہیں اپنا حصہ بنا لیں گے...لیکن...''

داتن پیس کے ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا۔تالیہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھے گئی۔

''اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ تم ایک fake ہو۔ایک یتیم خانے سے نوکرانی کے طور پہ ایڈاپٹ کی جانے والی لڑکی جس کو بوجھ کی طرح اس کے فوسٹر پیرنٹس نے اتار پھینکا تھا'اور جس کی پہلے ہی شادی ہو چکی ہے مگر طلاق کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔اور جانے کن کن طریقوں سے تم نے یہ دولت بنائی ہے۔''تحقیر سے اس کے سر سے پیر تک ہاتھ سے اشارہ کیا۔

''تو وہ تمہیں فوراً سے دور کر دیں گے۔تمہاری ساری عزت ختم ہو جائے گی۔اس لئے بہتر ہے کہ تم مجھے میرا شیئر دو۔''

کالونی کی مدھم روشنیوں اور خالی سڑک سے ہٹ کے'وہ دونوں تالیہ کے گیٹ کے اندر آمنے سامنے کھڑے تھے۔وہ کچھ بھی بولے بنا اسے سنتے ہوئے وقفے وقفے سے پلکیں جھپکتی تھی۔

''تمہیں ملائیشیاء میں لایا تھا۔تمہاری اس ترقی میں میرا بھی ہاتھ ہے۔ مجھے.... اپنا حصہ.... چاہیے۔'' دانت کچکچاتے ہوئے بولا۔

چند ثانیے کے لئے پورچ میں سناٹا چھا گیا۔ سمیع نے دیکھا' وہ بس اسے دیکھے جارہی ہے.. دیکھے جارہی ہے.... اور پھر.... ایک دم.... وہ ہنس پڑی۔

''یااللہ سمیع....'' وہ گردن پیچھے پھینک کے ہنستی جارہی تھی۔ سمیع کے تاثرات بدلے۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''تم میرا حصہ....''

''تم کتنے فنی ہو' سمیع۔'' بمشکل ہنسی روک کے اس نے سمیع کو دیکھا تو آنکھوں میں بے تحاشہ ہنسنے کے باعث پانی آ گیا تھا۔

''میں تو تمہیں بھول ہی گئی تھی۔ اتناااا عرصہ ہو گیا تمہاری شکل دیکھے' مگر یااللہ سمیع.... تم تو ابھی تک وہیں ہو۔'' وہ پھر سے ہنس دی۔

''تم مجھے جانتی نہیں ہو' تالیہ۔'' وہ غرایا۔

''اونہوں۔'' اس نے انگلیوں سے نم آنکھیں رگڑیں۔'' بلکہ تم مجھے نہیں جانتے۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کے طمانیت سے مسکرائی۔ اور دو قدم آگے آئی' پھر چہرہ اس کے قریب جھکایا اور سرگوشی کی۔

''تالیہ نے ٹوٹے جوتوں کے ساتھ جنگلوں میں سفر کیا ہے۔ اس نے کچے جانوران دانتوں سے کھائے ہیں۔ وہ رسیاں تڑوا کے انسانی پنجروں سے اندھیری رات کو نکل کے بھاگی تھی۔ اس نے اپنے گدھ جیسے باپ کو ان انگلیوں پہ نچایا ہوا ہے۔ اسے وقت کے امراء اور رؤساء کے خلاف کھڑا ہونا بھی آتا ہے اور اسے تنہا سمندروں کا سینہ چیر کے وحشی جزیروں کو سر کرنا بھی آتا ہے۔ وہ ایک دنیا پہ حکومت کر کے آئی ہے سمیع اور تم ابھی وہیں کھڑے ہو۔''

وہ بھنویں بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔

''جو تالیہ تم سے ڈرتی تھی' وہ کہیں پیچھے رہ گئی۔ جو تمہارے سامنے کھڑی ہے' اسے کچھ کھونے کا خوف نہیں ہے۔ جاؤ' جس کو جو بتانا ہے' بتا دو۔'' پھر ہاتھ اٹھا کے انگلیاں ہلائیں۔ ''Bubye''

''ٹھیک ہے۔ اب میں تمہیں وارننگ نہیں دوں گا۔ اب میں جو کروں گا' وہ تم دیکھ لو گی۔'' وہ تنفر سے اسے دیکھتا مڑا اور باہر نکل گیا۔

تالیہ نے مسکرا کے گیٹ بند کیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

لاؤنج تنہا ویران پڑا تھا۔ اس نے بتیاں جلائیں اور بڑے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ پیر میز پہ رکھ دیے اور موبائل کھول لیا۔

''آج آپ سے ٹھیک سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ کیا ہم دوبارہ مل سکتے ہیں۔'' اشعر کا پیغام جگمگا رہا تھا۔

''شیور اشعر صاحب۔ صبح ناشتے پہ ملتے ہیں۔''

اشعر کو شاید اتنی جلدی مثبت جواب کی توقع نہ تھی۔ اس نے فوراً اسے جواب بھیجا۔

''کہاں؟''

''صبح بتاؤں گی۔'' اس نے فون پرے ڈال دیا۔ ایک دم کال کی گھنٹی بجی تو اس نے مسکرا کے فون اٹھایا مگر پھر چونکی۔ بجنے والا فون یہ نہیں تھا۔

تالیہ ایک دم سیدھی ہوئی اور پرس میں ہاتھ ڈالا۔ دوسرا فون نکالا جو ''حالم'' کا تھا۔ آج ہی اس نے یہ دوبارہ ایکٹو کروایا تھا۔

اس پہ غیر شناسا نمبر جگمگا رہا تھا۔ شاید حالم کا کوئی کلائنٹ تھا۔ تالیہ نے فون کان سے لگایا۔ ''ہیلو؟''

''سلام علیکم! وان فاتح بات کر رہا ہوں۔ یہ میرا نیا نمبر ہے۔ کیا ہم تھوڑی بات کر سکتے ہیں، حالم؟''

تالیہ لمحے بھر کو بالکل سن رہ گئی۔

اس سارے گورکھ دھندے میں اسے ایک بات بالکل بھول گئی تھی۔

اگر وان فاتح تالیہ کی ساری اچھائیاں بھول چکا ہے تو اسے حالم کی شناخت بھی یاد نہیں رہی تھی۔

وہ تالیہ پہ اعتبار نہیں کرتا تھا، مگر حالم پہ کرتا تھا۔

''شیور، فاتح صاحب۔'' اس نے ٹیک لگائی اور پیر لمبے کر کے قینچی صورت میز پر رکھے، پھر سنہری لٹ کو انگلی پہ مروڑتی، چھت پہ چمکتے فانوس کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''حالم آپ کے لئے کیا کر سکتا ہے؟''

کھیل تو ابھی شروع ہوا تھا۔

☆☆=========☆☆

وان فاتح کے گھر کے لان کا منظر بدلا ہوا تھا۔ کیٹرنگ والے ہر چیز کا صفایا کر کے جا چکے تھے اور لان اصلی حالت پہ واپس آ چکا تھا۔ اندر لاؤنج میں سناٹا تھا۔ گھر ذرا بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ ایسے میں فاتح اپنے کمرے سے نکلا۔ رات کی مناسبت سے اس نے ٹراؤزر پہ سادہ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی اور پیروں میں سلیپرز تھے۔ وہ عصرہ کے ادھ کھلے دروازے پہ رکا اور کھٹکھٹایا۔

سامنے عصرہ میز پہ کاغذ اور لیپ ٹاپ پھیلائے حساب کتاب میں سر دیئے بیٹھی تھی۔ آہٹ پہ سر اٹھایا اور مسکرائی۔ ''تقریباً سب کچھ بک گیا۔ نیلامی نفع بخش رہی۔ تھینکس ٹو تالیہ۔''

''وہی تالیہ جس نے تمہارے بقول ہماری فائل چرائی تھی۔''

عصرہ لمحے بھر کو خاموش ہوئی، پھر کندھے اچکا دیے۔ ''اپنی آنکھوں سے تو میں نے نہیں دیکھا تھا اسے فائل چراتے ہوئے۔ میں نے تو صرف کہا تھا کہ وہ اپنی کار لینے ہمارے گھر ہماری غیر موجودگی میں آئی تھی۔ تم نے ہی فرض کر لیا تھا کہ فائل اس نے چرائی ہوگی۔''

''خیر... فائل میرے پاس واپس آ گئی ہے اس لئے میں اس قصے کو فی الوقت نہیں چھیڑ رہا۔'' پھر وہیں چوکھٹ پہ ہاتھ رکھے رکھے ٹھہرا۔ ''امید ہے تم اپنا وعدہ یاد رکھو گی۔''

''میں نے امریکہ جانے کی بات نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا، فاتح۔ تمہارے کسی بھی ایکشن میں تمہیں سپورٹ کرنے کا نہیں۔ اس کی توقع

مجھ سے نہ رکھنا۔" وہ قطعی انداز میں بولی۔

"شب بخیر عصرہ!" اس نے ڈورناب سے دروازہ اپنی طرف کھینچا اور اسے بند کر دیا۔ چہرے پہ گہری سوچ چھا گئی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ اوپر اپنی اسٹڈی کی کھڑکی میں کھڑا تھا۔ ٹھنڈے شیشے پہ ایک ہاتھ رکھے' دوسرے سے موبائل کان سے لگائے وہ نیچے نظر آتی اندھیر کالونی کو دیکھتے حالم کو سن رہا تھا۔

"حالم آپ کے لیے کیا کر سکتا ہے فاتح صاحب؟"

"تم نے مجھے کہا تھا کہ میری فائل تالیہ نے چرائی تھی۔ کیا تمہیں یقین ہے؟"

بنا توقف کے حالم کی مردانہ آواز گونجی۔ "تمام ثبوت تو اس کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں۔ یہ آپ کے کسی ملازم کی حرکت نہیں ہے۔ صرف تالیہ مراد وہ اجنبی تھی جو آپ کے گھر آئی تھی اور جو اشعر محمود کے گھر اور آفس بھی آتی جاتی رہی تھی۔"

"ہوں۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن کیوں' حالم؟ سن باؤ کے گھر میں ایسا کیا ہے جو اس کو چاہیے؟"

"میں پتہ کر کے بتا سکتا ہوں۔"

"نہیں تم اس کو چھوڑو۔ ایک آدمی کی تفصیلات تمہیں بھیج رہا ہوں۔ اس نے میری بیوی سے گھائل غزال خریدی ہے' مگر وہ پینٹنگ در اصل....." اس نے مختصراً سارا واقعہ کہہ سنایا۔

"ٹھیک ہے' سر۔ میں اس آدمی کو چیک کرتا ہوں۔ آپ کو کس پہ شک ہے۔"

"پچھلی دفعہ میں نے تالیہ مراد پہ شک کا اظہار کیا تو تم نے بھی اسی کا نام لے دیا۔ اس لئے میں اپنا شک محفوظ رکھوں گا۔ مجھے ثبوت چاہیے۔" وہ نرمی سے کہہ رہا تھا اور اس نرمی کے اندر خشکی بھی تھی۔

"آپ مجھے ہمیشہ مخلص اور نیک نیت پائیں گے فاتح صاحب۔" پھر حالم نے توقف کیا۔

"کچھ اور؟"

"اتوار کی رات ملاکہ میں میرے ساتھ ایک حادثہ ہوا ہے۔"

"کیسا حادثہ؟"

"تم انویسٹی گیٹر ہو' حالم۔ تم تحقیقات کر کے مجھے بمع ثبوت آگاہ کرو کہ میرے ساتھ اتوار کی رات کیا ہوا تھا اور کس نے کیا تھا؟"

"کیوں؟ کیا آپ کو نہیں یاد کہ آپ کے ساتھ کیا ہوا تھا؟"

"اگر میں کہوں کہ ایک پوری رات میری یادداشت سے محو ہو چکی ہے تو تم کیا کہو گے؟"

"یہی کہ آپ ایک سچے انسان ہیں۔"

اور کال کٹ گئی۔

فاتح نے کھڑکی سے ہاتھ ہٹایا تو اس پہ پانچ انگلیوں کا نشان ثبت ہو چکا تھا۔اس نے گہری سانس لی تو دھواں سا شیشے پہ بکھر گیا اور وہ نشان دھندلا ہو گیا۔دھندلے شیشے کے پار نیچے سیاہ رات میں ڈوبی کالونی خاموشی سے وقت گزرنے کا انتظار کرتی رہی۔

☆☆=========☆☆

باریسن نیشنل کا آفس دیکھ کے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس کے فرش تلے ایک بڑا سا مال بنا ہے کہاں دفتری ماحول کے برعکس ٗ رنگوں اور روشنیوں کی بہار ہے۔

مال کی گیلریز میں شاپنگ کرتے لوگ ٹہل رہے تھے۔دکانیں کھل چکی تھیں اور فوڈ کورٹ میں کھانے کی خوشبو پھیلی تھی۔

ایسے میں اشعر محمود مسکراتا ہوا فوڈ کورٹ کی طرف چلتا آرہا تھا۔اس کے ساتھ اس کی رفتار سے بمشکل ملتا رملی ہانپتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''سر...جعفر صاحب...وہ خریدار...بہت تیخ پا ہیں۔قانوناً ان کو پینٹنگ کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ پینٹنگ نقلی ہوگی اور....''

اشعر ایک دم رکا اور اس کی طرف گھوما۔رملی بھی ہڑبڑا کے رکا۔اشعر نے اس کے سینے پہ انگلی رکھی۔''میں نہیں...تم.. !تم نے وعدہ کیا تھا اس سے۔'' دانت پیس کے مسکراتے ہوئے اسے گھورا۔''واللہ اگر اس آدمی کا مجھ سے کوئی بھی تعلق ثابت ہوا تو تمہیں اس مال کی چھت سے کود جانے پہ مجبور کر دوں گا۔''

''نہیں ہو گا سر۔کبھی نہیں ہو گا۔'' وہ جلدی سے کہنے لگا۔دونوں آمنے سامنے فوڈ کورٹ کے دہانے پہ کھڑے تھے اور اطراف میں لوگ آ جا رہے تھے۔

''میں نے ہر چیز بہترین انداز میں پلان کی تھی اور....''

''ہاں تبھی عین وقت پہ پینٹنگ کا راز کھل گیا۔ایڈیٹ!'' اشعر مصنوعی مسکراہٹ برقرار رکھے پھر سے چلنے لگا تو رملی پیچھے لپکا۔

''سر ٗوہ بے تالیہ نے پتہ نہیں کیسے....''

''بے تالیہ دکھاوے کی شوقین بگڑی امیرزادیوں میں سے ہے۔اس کے پاس اصلی پینٹنگ تھی تو اس نے دکھاوا کرنا ہی تھا۔اپنی ناکامی اس کے سر مت ڈالو۔''

پھر ہاتھ جھلا کے اسے دفعان ہونے کا اشارہ کیا تو رملی گہری سانس بھر کے وہیں رک گیا اور اشعر آگے بڑھتا گیا۔مسکراہٹ کو مزید گہرا کر لیا اور ٹائی کی ناٹ درست کی۔سرمئی سوٹ اور سفید شرٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح وجیہہ لگ رہا تھا۔

فوڈ کورٹ میں ایک میز پہ تالیہ بیٹھی نظر آرہی تھی۔سنہرے بالوں کا جوڑا بنائے ٗوہ گرے اسکرٹ پہ سفید منی کوٹ پہنے ٗ گردن میں گرے رومال کی گرہ باندھے بیٹھی ٗ کافی کے گھونٹ پی رہی تھی۔ایک گھنگریالی لٹ گال پہ جھول رہی تھی۔اشعر کو آتے دیکھ کے مسکرا کے لٹ پیچھے کی اور کپ رکھا۔

''مجھے امید نہیں تھی کہ آپ کی صبح کا مطلب واقعی صبح ہوگا۔'' وہ ہشاش بشاش سا کہتا سامنے بیٹھا۔

''مجھے وعدے اور دوستی' دونوں کو نبھانا آتا ہے۔اشعر صاحب۔'' وہ مسکراتی ہوئی تازہ دم سی لگ رہی تھی۔

''سب سے پہلے' تالیہ....'' اشعر نے دونوں ہاتھ اٹھا کے کہا۔''آپ کا بہت شکریہ....کل آپ نے ہمارے خاندان کو جس کرائسز سے بچایا...آبنگ (بھائی) نے تو ٹھیک سے شکریہ کہا نہیں ہوگا'اس لئے میں....''

''شکریہ کہنا تو درکنار' وہ تو آخر میں بھی مجھ سے خفا ہی تھے۔'' اس نے اداسی سے سر جھٹکا اور کپ اٹھالیا۔پھر رکی۔''آپ کافی لیں گے ؟''

''نہیں'شکریہ۔ جب آپ کا ٹیکسٹ ملا میں کافی ہی پی رہا تھا۔خیر آبنگ خفا کیوں تھے؟''

''کیونکہ انہوں نے عصرہ کو کسی سے یہ بات کرنے سے منع کیا تھا اور میں نے آپ کو بتا دیا۔آپ تو فیملی ہیں نا۔مطلب وہ آپ کو کیونکر اپنے دائرے سے نکال سکتے ہیں؟'' اس نے خفگی سے سر جھٹکا اور گھونٹ بھرا۔

اشعر مسکراتا رہا البتہ اس کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھری۔

''انہوں نے جلد یا بدیر مجھے بتانا ہی تھا۔ہم ایک فیملی ہیں۔''

''ظاہر ہے ان کو بتانا چاہیے تھا۔اب اگر وہ عرب شہزادہ حقیقتاً شہزادہ نہیں تھا تو اس میں آپ کا کیا قصور؟ لیکن میں نہیں چاہتی کہ آپ کے بہنوئی اور آپ کے درمیان کوئی بدگمانی پیدا ہو۔آپ اپنے فیس بک سے وہ تصویر اتار دیں۔''

''کون سی تصویر؟'' وہ چونکا۔تالیہ نے جواب میں حیرت سے اسے دیکھتے کپ نیچے رکھا۔

''ارے۔ایک سال پہلے کی ایک سفارتخانے کی تقریب کی تصویر جس میں آپ شہزادہ جاسم کے ساتھ کھڑے نظر آرہے ہیں اور ساتھ میں اس کا وہ مینیجر بھی ہے جو عصرہ سے شہزادہ جاسم بن کے ملا اور بعد میں اس کے مالک نے کہہ دیا کہ یہ میرا کزن ہے۔اگر فاتح صاحب نے وہ تصویر دیکھی تو وہ بدگمان ہو جائیں گے حالانکہ دیکھا جائے تو آپ دن میں سینکڑوں لوگوں سے ملتے ہیں۔آپ کو ہر ایک کی شکل تھوڑی یاد رہتی ہوگی۔''

اشعر نے بدقت مسکراہٹ قائم رکھی۔''میں نہیں جانتا آپ کس تصویر کی بات کر رہی ہیں۔لیکن میں نے کچھ کیا ہی نہیں تو میں کوئی تصویر کیوں اتاروں؟'' وہ پر اعتماد تھا۔''اور آبنگ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں' وہ کبھی میرے لئے اتنا برا نہیں سوچ سکتے۔''

''اوہ...پھر میں مطمئن ہوں۔'' پھر جیسے یاد آیا۔''شاید وہ تصویر آپ کے نہیں' کسی ٹورازم کے پیج پہ دیکھی تھی میں نے۔خیر جانے دیں۔''

ارد گرد ٹہلتے لوگ' مال کی رونقیں' اشعر کو اپنے اور اس کے درمیان پھیلے تناؤ میں کچھ یاد نہیں رہا تھا۔وہ جبراً ہنوز مسکرائے جا رہا تھا۔

''خیر آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟'' وہ معصومیت سے بولی تو اشعر نے اطراف میں دیکھا۔

''تھوڑی دیر قبل میں شاید کہتا کہ ناشتے کے لئے۔ یہاں کارنر والا ریسٹوران میرا پسندیدہ ہے ...مگر آپ شاید ناشتے کی بجائے بات چیت کرنا چاہیں گی۔تو کیوں نا آپ بتائیں....چے تالیہ....کہ کل رات والے آپ کے ''احسان'' کے بدلے میں میں کیا کر سکتا ہوں آپ کے لئے؟''

وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے پوچھ رہا تھا۔وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ کل رات والے احسان کی نہیں' اس تصویر کو فاتح کو نہ دکھانے کی بات کر رہا تھا۔

''میرے پاس دولت' مقام' جائیداد سب ہے' اشعر صاحب۔لیکن ہاں' ایک چیز ہے جو آپ مجھے دلوا سکتے ہیں۔'' وہ کہنیاں میز پہ جمائے آگے ہوئی۔

''حکم کیجیے۔''

''مجھے بارسین نیشنل....'' ابرو سے چھت کی طرف اشارہ کیا۔ مال کی چھت سے اوپر ایک فلور بارسین نیشنل کا ہیڈ آفس تھا۔''...میں جاب چاہیے۔''

''جاب؟ واقعی؟'' اس نے تعجب سے ابرو اچکائے۔''آخری دفعہ جب ہم میرے آفس میں ملے تھے تو آپ نے کہا تھا آپ کو سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں۔''

''اس بات کو ایک زمانہ بیت گیا ہے۔''

''چھے دن بھی نہیں گزرے' تالیہ۔خیر۔میں سمجھ سکتا ہوں۔آپ سوشل ورک کی شوقین ہیں اور آپ کو لگتا ہے کہ آپ سیاسی پارٹی میں یہ کام کر سکتی ہیں۔اچھی سوچ ہے مگر یہ یاد رکھیے گا کہ سیاسی پارٹی میں کام کرنے پہ آپ کو ملے گا کچھ نہیں۔''

''تو آپ کیوں کرتے ہیں؟''

''کیونکہ صرف دو عہدے ایسے ہیں جو pay back کرتے ہیں۔ایک سیاستدان ہونا یا دوسرا کسی سیاستدان کا کنگ میکر ہونا۔ایک میں ہوں اور ایک میں رہ چکا ہوں۔اس کے علاوہ تمام جابز بے کار ہیں۔''

''تو کوئی بے کار جاب ہی دلوا دیں آپ مجھے۔کوئی اعلیٰ عہدہ۔'' اس نے کافی پیتے ہوئے شانے اچکائے۔

اشعر نے تھوڑی کو ناخن سے رگڑتے سوچا۔''فنانس ڈیپارٹمنٹ میں' یا میڈیا اسٹریٹجی کمیٹی میں آپ کو بہت اچھی جاب مل سکتی ہے۔آپ کو میڈیا اسٹریٹجی میں ہونا چاہیے۔سیلری بھی اچھی ہوگی اور جاب بھی اسٹیٹس والی ہے۔آپ سی وی لائی ہیں؟''

''جی۔بالکل۔'' اس نے پرس کی طرف اشارہ کیا۔

''او کے تو پھر میرے ساتھ اوپر آئیں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ساتھ ہی کوٹ کا بٹن بند کیا۔

''مگر امید ہے ایک بات آپ کو اچھی طرح معلوم ہوگی کہ میں بارسین نیشنل میں کسی کو جاب نہیں دے سکتا۔میں صرف سفارش کر سکتا

ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔" وہ بھی مسکرا کے پرس اٹھاتے ہوئے کھڑی ہوئی۔ "اگر کوئی آؤٹ آف دی وے جا کر مجھے ایک اچھی پوسٹ پہ ہائر کرسکتا ہے تو وہ وان فاتح ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ آپ میری سفارش کریں تا کہ وہ انکار نہ کرسکیں۔" اس کا انداز قطعی اور حتمی تھا۔

"شیور۔ آ بنگ آفس میں ہوں گے۔ چلیں۔ ان سے ابھی بات کر لیتے ہیں۔" وہ فوراً تیار ہو گیا تھا۔ اسے فاتح کے آفس میں صرف اشعر کی سفارش سے جاب مل سکتی تھی اس لیے وہ نہیں چاہتی تھی کہ فاتح یہ جان پائے کہ اشعر نے گھائل غزال والی حرکت کی تھی۔ اشعر محمود اس بات کو بخوبی سمجھ رہا تھا اور پہلی دفعہ اس کی رائے تالیہ کے بارے میں بدل رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

مرغی آج صبح سے ہی مسلسل کٹ کٹا رہی تھی۔ چوزے چوں چوں کرتے باغیچے میں بھاگتے پھر رہے تھے۔ بلی نے صبح حملے کی کوشش کی تو ایڈم کی ماں نوکیلی تار لے آئی اور چھوٹی دیواروں کی منڈیر پہ لگانے لگی۔ اسکارف لپیٹے' آستین چڑھائے' ایبو ٹھنڈی میٹھی دھوپ میں کھڑی تار لگا رہی تھی۔ دفعتاً کسی احساس کے تحت پیچھے دیکھا تو ایڈم کو برآمدے کے اسٹیپ پہ بیٹھے پایا۔ وہ نوٹ پیڈ گھٹنوں پہ رکھے' قلم کا کنارہ لبوں پہ دبائے دور افق کو دیکھ رہا تھا۔ ابھی تک شب خوابی کی رف ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔

"کیا لکھ رہے ہو؟"

"اپنے اردگرد کے ماحول کا گہرے مشاہدہ کر کے کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ سوچ رہا ہوں' کیا لکھوں۔"

"اصلی لکھاری لوگوں کو قلم اور کاغذ اٹھانے سے پہلے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کیا لکھنا ہے، اگر وہ خالی کاغذ کو گھوریں تو یا ان کا موڈ نہیں یا وہ لکھاری نہیں۔"

"اور تمہیں لکھاریوں کے بارے میں اتنا کیسے معلوم' ایبو؟"

"تمہارے تایا کسی زمانے میں شاعری کرتے تھے۔ ان کی چائے قہوے بناتے بناتے اتنی سمجھ تو آ ہی گئی تھی۔" وہ اس کی طرف پشت کیے تار لپیٹ رہی تھی۔

ایڈم نے سست روی سے ہاتھ کی پشت سے جمائی روکی۔ پھر اداسی سے دور آسمان کو دیکھنے لگا۔ "کہانی لکھنا چاہ رہا ہوں' ایبو۔"

"یہ تمہیں لکھنے کا شوق کب سے ہو گیا۔"

"جب سے ملاکہ گیا ہوں' تب سے۔"

"میں دیکھ رہی ہوں' ایڈم۔ جب سے واپس آئے ہو بدلے بدلے لگ رہے ہو۔ کوئی بات ہے کیا؟" وہ میخ کے ساتھ تار کو لپیٹ کے گرہ باندھتے ہوئے بولی۔

"نہیں۔ میں تو ویسا ہی ہوں۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے کندھے اچکائے۔ مرغی کٹ کٹاتی ہوئی اس کے قدموں کے قریب آ

کھڑی ہوئی۔ چوزوں کا غول بھی پیچھے لپکا۔

''پھر اس لکھنے کے شوق کو چھوڑو اور نوکری تلاش کرو۔ بغیر نوکری کے فاطمہ کے گھر والے شادی نہیں کریں گے ایڈم۔ اور شادی میں صرف دو ماہ رہتے ہیں۔''

''پیسے آجائیں گے' ماں۔ بہت جلد۔'' اس نے بے پرواہی سے کہا اور پیڈ پہ جھک گیا۔ قلم کھولا اور الفاظ اتارنے لگا۔

ایبو نے تار کا آخری سرہ باندھا اور پھر ستائش سے اسے دیکھا۔ دیوار کی منڈیر پہ سرحدی علاقے جیسی گول گول تار لگ چکی تھی۔ اب بلی کوئی جسارت کرکے تو دکھائے۔

''ایبو۔'' ایڈم کا دماغ بھٹکنے لگا تو اسے پکارا۔ وہ مڑ کے اسے دیکھنے لگی۔ نکھری دھوپ میں برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھا ایڈم بن محمد غمزدہ لگ رہا تھا۔ کسی اور کے لئے غمزدہ۔

''اگر کوئی انسان کسی دوسرے کو بھول جائے.... ایسے بھول جائے جیسے یادداشت کھو جاتی ہے۔ جیسے سمندر میں جہاز ڈوب جاتا ہے۔ اور دوسرا انسان مسلسل تکلیف میں ہو تو اس دوسرے کو کیا نصیحت کرنی چاہیے؟''

''دوسرا تکلیف میں کیوں ہے؟'' ایبو اس کے سامنے آرکی اور غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''دوسرے کو پہلے سے محبت تھی اور اب اس کی بے اعتنائی اس کے لئے تکلیف بن رہی ہے۔''

''اور تیسرا کیا چاہتا ہے؟''

ایڈم نے چونک کے اس کو دیکھا۔ وہ تیز دھوپ میں کھڑی تھی اس لئے اس کا چہرہ واضح دکھائی نہ دیتا تھا۔

''تیسرا بس یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔''

''پھر اس کو چاہیے کہ دوسرے کو بتائے کہ زندگی میں ایسا ہو جاتا ہے۔ کبھی جو دل کے بہت قریب تھا' وہ یوں بے پرواہ ہو جاتا ہے جیسے ہم اس کے پیر کی خاک برابر بھی نہ تھے۔ لوگ ہمیں بھول کے اپنی زندگیوں میں آگے بڑھ جاتے ہیں اور ہم ان کی بے اعتنائی سے مسلسل اذیت میں رہتے ہیں۔''

''تو ایسے وقت میں کیا کیا جائے؟''

''یہ سمجھ لیا جائے کہ کوئی تیسرا یا چوتھا کسی دو لوگوں کے رشتے کو توڑ نہیں سکتا۔ رشتوں کو وہ دو لوگ خود بھی نہیں توڑتے۔ یہ ہمارا مالک ہوتا ہے' ہمارا اللہ تعالیٰ جو لوگوں کو ہماری زندگی میں لاتا ہے اور ہمارے دلوں میں ان کی محبت ڈالتا ہے۔ وہی ہنساتا ہے' وہی رلاتا ہے۔ وہی مردہ ہوئے دلوں کو محبت سے زندہ کرتا ہے اور وہی ان لوگوں کو پھر ہماری زندگی سے لے بھی جاتا ہے۔ دل اللہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ وہی ان کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔''

''اللہ تعالیٰ ایسا کیوں کرتا ہے؟''

''کیوں کا جواب ڈھونڈنے سے اذیت کم تو نہیں ہو جائے گی' بیٹا۔ جسم میں تکلیف ہو تو ہم جان جاتے ہیں کہ کوئی شے درد دے رہی ہے۔ پھر ہم اس شے کو جسم سے دور کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ کبھی دوا لے کر' کبھی چبھا ہوا کانٹا نکال کے' کبھی گرم توے سے ہاتھ دور لے جا کے۔ جب بھی کچھ تکلیف دیتا ہے تو ہمیں اپنے آپ کو اس سے دور کرنا ہوتا ہے۔''

''میں انسانی رشتوں کی بات کر رہا ہوں۔ محبتوں کی۔''

''محبت تو راحت دیتی ہے' تکلیف نہیں۔ اور اگر یہ تکلیف دینے لگے تو یہ بھی ایک نشانی ہوتی ہے کہ خود کو اذیت دینے والے شخص سے دور کرنے کا وقت آن پہنچا ہے۔''

''کیا فرار اس کا واحد حل ہے؟ جس سے محبت ہے اس کو نہ دیکھو' اس سے دور چلے جاؤ۔ کیا ایسے دلوں کے روگ ٹھیک ہو جاتے ہیں؟''

''اکثر کے ہو جاتے ہیں۔''

''میں چاہتا ہوں' وہ اس سے دور چلی جائے تا کہ اس کے دل کا روگ دور ہو سکے مگر اس نے اسے ایسی مجبوری اور وعدے کے رشتے میں باندھ دیا ہے کہ وہ تکلیف سہتی رہے گی مگر اس کے ساتھ رہے گی۔ اور ساتھ رہنے کے بہانے ڈھونڈے گی۔ وہ ایسے کانٹے کی طرح ہے جو اس کے دل میں چبھا ہے مگر وہ اسے نکال کے تکلیف کو کم بھی نہیں کر سکتی۔'' وہ اب باغیچے میں بھاگتے چوزوں کے ننھے پیروں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تو پھر تیسرے کو چاہیے کہ ان دونوں کو ان کے حال پہ چھوڑ کے اپنی تکلیف کی فکر کرے۔''

ایڈم نے سر جھٹکا اور پھر نگاہیں چرا کے چہرہ کاغذ پہ جھکا دیا۔

''شکریہ ماں۔ مجھے لکھنے کے لئے موضوع مل گیا ہے۔'' وہ ماں سے نظر ملائے بغیر تیز تیز قلم کاغذ پہ گھسیٹنے لگا۔ ایبو دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے افسوس سے اسے دیکھتی رہی۔

☆☆=========☆☆

جس وقت اشعر محمود نے آفس کا دروازہ کھولا' فاتح اپنی کرسی سے اٹھ کے کافی ٹیبل کی طرف جا رہا تھا۔ کوٹ اسٹینڈ پہ ٹنگا تھا اور وہ سفید شرٹ اور اسٹرائپ والی ٹائی میں ملبوس تھا۔ دروازہ کھلنے پہ گردن موڑ کے دیکھا۔ اشعر کو وہاں پا کے ہلکا سا مسکرایا اور کافی اسٹینڈ تک آیا۔

''خیریت؟''

''میرا ایک کام کرنا ہے آپ کو۔'' اشعر بشاشت سے کہتا سامنے آیا اور کھڑے کھڑے بولا۔ ''کسی کو جاب چاہیے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کو ہمارے آفس میں کوئی اونچا عہدہ دیں۔ ڈیپارٹمنٹ ہیڈ بنا دیں یا کوئی بھی اچھی جاب۔ آپ یہ کر سکتے ہیں۔''

فاتح نے پانی کی بوتل اٹھائی اور ڈھکن انگلیوں سے گھما کے کھولا۔ ''میرٹ بنتا ہے اس کا؟''

''وہ ٹیلنٹڈ بھی ہے اور ایبل بھی۔ مجھے یقین ہے وہ بہت اچھا اضافہ ثابت ہوگی۔'' وہ وہیں میز کے کنارے کھڑا کہہ رہا تھا۔

''ایش.... یوں ایک دم کسی کو رکھنا آسان نہیں ہوتا۔ مجھے ایچ آر کو مطمئن کرنا ہوگا۔ پھر ایتھکس کمیٹی کو بھی مسئلے ہو جاتے ہیں اس طرح کی تقرریوں سے۔'' کہتے ہوئے فاتح نے کافی میکر کا ڈھکن اٹھایا اور بوتل اس کے اندر انڈیلی۔ پانی کی دھار گرنے لگی تو وہ بوتل اوپر لے گیا۔ کافی اوپر۔ پانی اب لمبی دھار کی صورت نیچے گرتا خانے کو بھر رہا تھا۔ اشعر نے گردن اونچی کر کے پہلے اس کے ہاتھوں کی مہارت دیکھی۔ پھر اس کو دیکھا۔

''آبنگ.... صاف بات کرتے ہیں۔ میں نے اتنے سالوں میں آپ کے کہنے پہ بہت سے غریب لوگوں کو اپنی فرم میں نوکریاں دی ہیں۔ پارٹی میں کارکنوں کو اپنی طاقت کے مطابق اکوموڈیٹ کرتا رہتا ہوں۔ اس لئے مجھے آپ ایچ آر کے حوالے مت دیں۔ مجھے زبان دیجئے کہ آپ میری امیدوار کو ایک بہت اچھی جاب دلوا دیں گے۔ اپنے آس پاس۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولا۔

''شیور۔ میں اس کی اہلیت کے مطابق اس کو یہاں جاب دلوا دوں گا۔ اسے بھیجو۔''

پھر فاتح نے کین کھول کے کافی نکالی اور کافی میکر کے اندر الٹی۔ ہر خانے کو جگہ پہ فکس کیا' اور بٹن آن کیا۔ اسی دوران دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ وہ بوتل اور فلٹر پیپرز کو اپنی جگہ پہ سیٹ کر کے اسی بے نیازی سے مڑا تو دیکھا۔

اشعر کے ساتھ وہاں تالیہ کھڑی تھی۔ گردن میں رومال کی گرہ لگائے' سنہرے بالوں کو جوڑے میں سمیٹے' وہ سادگی سے کبھی اس کو دیکھتی کبھی اشعر کو۔ فائل سینے سے لگا رکھی تھی۔

وان فاتح نے دونوں ابرو اٹھا کے اسے دیکھا۔

''سیریئسلی؟'' پھر جیسے تعجب سے سر جھٹک کے ہنسا۔

''تالیہ.... آبنگ نے مجھے زبان دی ہے کہ وہ تمہیں اپنے قریب بہت اچھی جاب دلوا دیں گے۔'' ساتھ ہی اشعر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی تو فاتح نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہے' تم جاؤ۔ اور تاشہ.... تم بیٹھو۔''

اشعر نے جانے سے قبل اس کی آنکھوں میں دیکھ کے یاد دہانی کروائی' جیسے کہہ رہا ہو۔ (آبنگ.... آپ یہ ضرور کریں گے کیونکہ میں بھی آپ کے کام کرتا رہا ہوں۔) فاتح نے خاموشی سے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

وہ دونوں کمرے میں تنہا رہ گئے تو تالیہ کرسی پہ بیٹھی اور فائل سامنے رکھ دی۔ کندھے اور گردن سیدھی رکھے' اب وہ خود اعتمادی سے فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

''تو تمہیں بی این (باریسن نیشنل) میں اچھی جاب چاہیے؟'' عینک لگاتے ہوئے سامنے کرسی پہ بیٹھا اور فائل اٹھا کے کھولی۔ انداز پروفیشنل ہو گیا۔ رات والے واقعے کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔

''جی' سر!''

''ہوں!'' وہ اس کے کاغذات کو پڑھ رہا تھا۔ کونے میں رکھے کافی میکر سے پانی ابلنے کی آواز آنے لگی تھی۔

''ماسٹرز میں تم نے پولیٹیکل سائینس یا آئی آر یا سوشیالوجی نہیں پڑھی لیکن کوئی بات نہیں۔'' اس نے صفحہ پلٹایا۔ ''تمہارے مارکس اچھے تھے۔لاہور سے کیا تھا تم نے ماسٹرز!'' وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''کے ایل سے تم نے چند آرٹ کورسز کیے ہیں۔ پینٹنگز اور مجسمے بنا سکتی ہو۔ رائفل شوٹنگ کا کورس' جمناسٹک۔ ہوں۔''

پانی ابلنے کی آواز بلند ہوئی تو کافی کی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرانے لگی۔ وہ خاموشی سے اس کو اپنی فائل پڑھتے دیکھے گئی۔

''سی وی اتنی متاثر کن نہیں ہے تمہاری لیکن اشعر سے وعدہ کیا ہے میں نے۔'' اب اس نے واپس پہلا صفحہ پلٹایا اور رک کے اس کا نام پڑھا۔ ''تالیہ مراد بنت مراد راجہ۔'' پھر عینک کے اوپر سے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرایا۔

''تمہارے دادا کو بھی تمہاری طرح تاریخ سے دلچسپی تھی کیا؟ کیونکہ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام ملاکہ سلطنت کے ایک بنداہارا کے نام پہ رکھا ہے۔''

تالیہ کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھری مگر تاثرات ہموار رہے۔ ''مراد راجہ صرف سلطان مرسل شاہ کے بنداہارا کا نام نہیں تھا' یہ عام سا نام ہے۔'' پھر توقف کیا۔ ''اور ویسے بھی بنداہارا مراد راجہ اتنا مشہور نہیں کہ اس کے نام کے اوپر لوگوں کے نام رکھے جائیں۔'' آواز تلخ ہو گئی۔ اندر جیسے اپنے باپ کے لئے غصہ ابلنے لگا۔

''مشہور ہونے کی بات نہیں ہوتی' تاشہ۔ مراد راجہ تاریخ کا ایک عظیم کردار تھا اور اس کو میرا خیال ہے لوگ misunderstand کرتے آئے ہیں۔ وہ ایک اچھا اور honourable آدمی تھا۔ مگر ہماری سوشلائٹ لڑکیوں کو تاریخ کی گہرائی میں جانے کا شوق نہیں ہوتا۔ افسوس۔" فاتح کی نظریں فائل پہ جھک گئیں تو وہ بہت ضبط سے بولی۔

"تاریخ ویسی نہیں ہوتی جیسی مورخ قلمبند کرتے ہیں۔"

مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔

"تمہارے والد حیات ہیں؟" پھر یاد آیا۔ "اوہ رائٹ، ان کی وفات ہو چکی ہے جس کے بعد تمہیں یہ سب ترکے میں ملا تھا۔ عصرہ نے بتایا تھا۔ خیر۔ کیا کرتے تھے وہ؟"

"وہ سیاست دان تھے۔ بہت دانا، بہت زیرک انسان تھے۔ اور ان کی وفات نہیں ہوئی۔" فاتح نے چونک کے اسے دیکھا۔ وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔ "جب آخری دفعہ میں نے انہیں دیکھا تھا تو وہ زندہ تھے اور صحیح سلامت تھے۔ ہاں، اب ان کی قبر بھی ہے اور وقت کی دھول میں وہ قبر ملیا میٹ ہو چکی ہو گی مگر میرے لیے وہ ابھی بھی زندہ ہیں۔"

"ہاؤ نائس!" اس نے بغیر اثر لیے صفحہ پلٹایا۔ پھر کچھ پڑھ کر چونک کے اسے عینک کے اوپر سے دیکھا۔

"میریٹل اسٹیٹس۔ میرڈ؟ تو تم شادی شدہ ہو؟ پھر ہم ابھی تک تمہارے شوہر سے کیوں نہیں ملے؟" فائل بند کرتے ہوئے عینک اتار

کے رکھی اور پیچھے کو ٹیک لگائی۔ تالیہ مراد کے اندر تک کانٹے سے چبھ گئے۔ تکلیف بہت زیادہ تھی۔

"میں اور میرے شوہر۔ ہم ساتھ نہیں رہتے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہنے لگی۔ وہاں کوئی جذبہ، کوئی بے چینی کچھ نہ تھا۔ یادوں کے ساتھ احساس بھی مر گئے تھے۔

" کیوں؟" اس نے تعجب سے ابرو اکٹھے کیے۔

"ہم ایک لمبے سفر سے لوٹے تو میں نے جانا کہ وہ واپس نہیں آیا۔ وہ ایک دوسرے سفر پہ نکل گیا۔ شاید خودغرض تھا، شاید مجھے protect کرنا چاہتا تھا۔ ساتھ بھی نہیں رہا اور چھوڑا بھی نہیں۔ اب اس کے آگے اونچی منزلیں ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ وہ ان کو پا لے۔"

کرسی پہ ٹیک لگائے، گال تلے انگلی رکھے بیٹھے فاتح نے سوچنے والے انداز میں پوچھا۔ "واپس آئے گا کیا؟"

وہ مسکرائی اور آگے کو جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "میں تالیہ بنت مراد راجہ ہوں۔ اگر وہ خود سے واپس نہ آیا تو اس کو گردن سے دبوچ کے واپس کھینچ لاؤں گی۔ پھر چاہے مجھے کسی کی قبر بنانی پڑے یا پرانی قبر کھودنی پڑے، ایک بات تو طے ہے کہ تالیہ کی ہمت نہیں ٹوٹے گی۔"

"اوکے کول..خیر... باریسن نیشنل میں کیوں کام کرنا چاہتی ہو؟ حالانکہ تم جانتی ہو میں تمہیں بالکل پسند نہیں کرتا۔"

ابلتی کافی قطرہ قطرہ جگ میں گر رہی تھی اور اس کی کڑوی خوشبو سارے آفس میں پھیل چکی تھی۔

(میں چاہتا ہوں وہ میرے ساتھ رہے کیونکہ اسے میری اور مجھے اس کی ضرورت ہے۔ چار ماہ قبل میں تالیہ کو ایک بددیانت اور سطحی سوشلائٹ کے طور پہ جانتا تھا جس نے میری فائل چرائی تھی۔ اگر چیزیں واپس اسی مقام پہ پہنچ جائیں، تب بھی یہی چاہوں گا کہ وہ میرے ساتھ رہے۔ بھلے میں اسے ناپسند کروں، اسے دھتکاروں مگر میں چاہتا ہوں کہ وہ تب بھی میرے ساتھ رہے۔ امید ہے اسے وعدے نبھانے آتے ہوں گے۔)

اس نے بہت سی کڑوی مہک اندر اتاری اور مسکرا کے گویا ہوئی۔

" آپ کے ساتھ کام کرنا میری سی وی کو چار چاند لگا دے گا۔ کچھ عرصے کی جاب سے مجھے مستقبل میں بہتر جابز مل جائیں گی۔ اور میں ایک اعلیٰ عہدہ اس لیے بھی چاہتی ہوں کیونکہ مجھے لیڈ کرنے کی عادت ہے، لیڈ ہونے کی نہیں۔ مجھے boss lady بن کے حکم چلانا اچھا لگتا ہے۔ میرا خیال ہے میں ماتحتی کرنے کی بجائے ایک اچھی پروجیکٹ ہیڈ بن سکتی ہوں۔ مجھے سیاست کی سمجھ بوجھ بھی ہے اور مجھے عالمی سیاست سے دلچسپی بھی ہے۔ آپ مجھے کام دیں، میں ہر کام کر سکتی ہوں۔"

"اعلیٰ عہدے کا مطلب ہے، کام کا بہت زیادہ بوجھ۔۔ اور جہاں تک میں اپنے معاشرے کو جانتا ہوں، نازک سوشلائٹس دن کے بارہ بجے اٹھتی ہیں اور ان کی ساری زندگی شام کو ہونے والی پارٹی کا گاؤن منتخب کرنے تک محدود رہتی ہے۔ اگر میں تمہیں کوئی بہت بڑا عہدہ

دے بھی دوں تو کیا تم کام کرلوگی؟'' وہ سنجیدہ تھا۔

کافی ابل ابل کے جگ کو بھر چکی تھی اور پھر مشین ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔

"میرا آپ سے وعدہ ہے کہ آپ مجھے جو کام جب بھی اور جتنا بھی دیں گے، میں بغیر شکایت کے اسے مکمل کر کے دوں گی۔ میں سب کر سکتی ہوں۔ آپ جلد جان جائیں گے۔"

"سو تمہارے کوئی سوشل ورک، لوگوں کی بہبود وغیرہ کے عزائم نہیں ہیں؟"

"میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ گو کہ مجھے بہت اچھی سیاسی سمجھ بوجھ ہے، مگر میں یہ نہیں کہوں گی کہ میں بی این میں اس لیے آنا چاہتی ہوں کہ ملائشیا جیسے ایک تیسری دنیا کے ملک کو دنیا کا بہترین ملک بنا دوں، وغیرہ وغیرہ، یا پھر۔۔۔"

"تیسری دنیا کیا ہوتی ہے تاشہ؟"

اس نے ایک دم پوچھا تو وہ بولتے بولتے رکی۔ ابرو بھینچ کے پوچھا۔ "سوری؟"

"تیسری دنیا کا ملک ہونے کا کیا مطلب ہوتا ہے؟" وہ کہتے ہوئے کھڑا ہوا، کرسی دھکیلی اور کافی ٹیبل تک گیا۔

"ترقی پذیر ملک۔ گو کہ ملائشیا اب ایسا نہیں ہے مگر میری بات کا مطلب تھا کہ۔۔۔"

"سرد جنگ ایک بہت طویل جنگ تھی جو ہماری دنیا میں ہوئی تھی۔ یہ دراصل جنگ نہیں تھی، بس امریکہ اور روس کے درمیان ایک تناؤ، ایک تلخی تھی کہ کس کا نظام بہتر ہے۔ امریکہ کا کیپیٹل ازم یا روس کا کمیونزم۔" وہ کیبنٹ کھول کے کافی کا مگ نکالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ تالیہ کرسی پہ ترچھی ہو کے اسے دیکھنے لگی۔

"ایک طرف مغربی بلاک تھا۔ امریکہ اور نیٹو ممالک کا۔ دوسری طرف مشرقی بلاک تھا۔ سوویت یونین (روس) اور اس کے اتحادیوں کا۔ کئی سال یہ دونوں بلاک اپنے نظام کو بہتر ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہے۔" اس نے کافی میکر کے اندر سے گرم جگ نکالا اور مگ میں اسے انڈیلا۔

"جن ممالک نے اس جنگ میں امریکہ کا ساتھ دیا، ان کو پہلی دنیا کے ممالک کہا جاتا تھا۔ جنہوں نے روس کا ساتھ دیا، وہ دوسری دنیا کے ممالک کہلائے اور۔۔" اس نے جگ کو مگ سے دو تین فٹ اوپر اٹھا دیا۔ لمبی سی سیاہ دھار نیچے گرتی دکھائی دے رہی تھی۔ تالیہ کی نظریں اس دھار پہ جم سی گئیں۔ اندر ہی اندر کچھ ڈوب کے ابھرا تھا۔ ابوالخیر کا بہترین غلام قہوے کو دھار کی صورت پیالے میں بھرا کرتا تھا۔

"اور جو ممالک نیوٹرل رہے۔۔۔ انہوں نے کسی کا ساتھ نہ دیا۔۔ ان کو تیسری دنیا کے ممالک کہا جاتا تھا۔" اس نے جگ رکھا اور مگ اٹھائے کرسی تک واپس آیا۔ سیٹ سنبھالی اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے مسکرا کے اسے دیکھا۔

"آج لوگ غلط العام انداز میں تیسری دنیا کے ممالک سے مراد غریب ترقی پذیر ممالک لیتے ہیں، حالانکہ یہ کوئی تحقیر آمیز اصطلاح نہیں

تھی۔مگراب لوگوں نے اس کا مطلب بدل دیا ہے۔جیسا کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں۔آرٹ اور تاریخ کو کمرشل فائدے کے لیے استعمال کرنا الگ چیز ہے اور اس میں دلچسپی لے کر اس سے کچھ سیکھنا الگ۔" پھر گھونٹ بھر کے مگ میز پہ رکھا اور اسی جتاتی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔" سیاسی سمجھ بوجھ رکھنے والوں کو سر دجنگ کے بلاکس کے بارے میں عموماً معلوم ہوا کرتا ہے مگر خیر۔۔۔تم یہاں کام کروگی تو سیکھ جاؤ گی۔" پھر اس کی فائل اس کی طرف دھکیلی۔" تم سوموار سے جوائن کر سکتی ہو۔"

اس کی ساری کڑواہٹ کو پی کے وہ سپاٹ سا مسکرائی اور فائل لیے اٹھی۔

"سوموار بہترین رہے گا کیونکہ ویسے بھی مجھے ویک اینڈ پہ ملاکہ جانا ہے۔اپنے نئے گھر کا جائزہ بھی تو لینا ہے۔" جتاتے ہوئے کہا تو اس نے لیپ ٹاپ کھول لیا اور عینک ناک پہ جمائے اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔نہ خدا حافظ، نہ الوداع۔بس بے رخی کافی تھی۔اور وہ یہ پہلی دفعہ تھوڑی کر رہا تھا۔

مگر یہ طے تھا کہ تالیہ کی ہمت نہیں ٹوٹے گی۔باہر نکلتے ہوئے اس نے خود سے دہرایا تھا۔

" کیسا رہا انٹرویو؟" وہ آفس سے نکل کے کاریڈور تک آئی تھی کہ اشعر جو سامنے سے دو افراد کے ساتھ چلتا آ رہا تھا، اسے دیکھ کے رکا اور مسکرا کے پوچھا۔

"توقع کے برخلاف، بہت اچھا۔" اس نے گہری سانس بھری۔اسے واقعی امید نہ تھی کہ فاتح اتنی آسانی سے جاب دینے پہ راضی ہو جائے گا۔

اشعر کو الوداع کہہ کے وہ راہداری کے دہانے تک آئی تو کونے میں اس کی طرف پشت کیے کھڑے آدمی نے ایک دم رخ موڑا۔تالیہ جو فائل سینے سے لگائے چلتی جا رہی تھی، ٹھٹک کے رکی۔پھر اس کا چہرہ دیکھ کے سُن رہ گئی۔

وہ سمیع تھا۔

ڈریس شرٹ پہنے وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا جتانے والے انداز میں مسکرا رہا تھا۔تالیہ نے فوراً اس طرف دیکھا جہاں سے وہ آئی تھی۔وہاں اشعر ابھی تک کھڑا ان دو افراد سے کوئی بات کر رہا تھا۔آگے پیچھے دوسرے لوگ بھی آ جا رہے تھے۔

"اشعر صاحب سے میرا تعارف نہیں کرواؤ گی ڈیئر وائف؟" وہ گہری نظریں اس کے چہرے پہ جمائے ہوئے تھا جو ایک دم فق ہوا تھا۔ پھر وہ سنبھلی۔ماتھے پہ بل پڑے۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"تم نے خود کہا تھا کہ میں ان کو سب بتا دوں۔وہی بتانے آیا ہوں۔" بے نیازی بھری مسکراہٹ سے کہتا وہ اس کے ساتھ سے گزر کے اشعر کی طرف بڑھا تو تالیہ جلدی سے بولی۔

"رکو۔پلیز رکو، سمیع۔" وہ جیسے پریشانی کو چھپاتے ہوئے سوچ سوچ کے کہہ رہی تھی۔

سمیع رکا اور مسکرا کے پلٹا۔

"ادھر آؤ... یہاں بات کرتے ہیں۔" وہ تیزی سے ریسٹ رومز کی طرف بڑھی۔ سمیع پیچھے آیا۔

وہ ایک طویل ہال تھا جس میں سنک بنے تھے اور دوسری طرف باتھ رومز کے دروازے تھے۔ سمیع جیسے ہی اندر آیا' تالیہ نے دروازہ بند کیا اور غصے سے اس کی طرف گھومی۔

"تم میری جان چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"

"تم اب بھی مجھ سے ڈرتی ہو۔" وہ دونوں وہاں اکیلے تھے۔

"میں کسی سے نہیں ڈرتی۔" جواباً سمیع نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

"تم جاب لینے آئی ہو یہاں، ہے نا؟ میں نے اشعر صاحب کی بات سن لی تھی۔ تم جتنی بہادر رہنے کی اداکاری کرلو، تم اپنے نئے آفس میں کوئی تماشہ نہیں بنانا چاہو گی۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"صرف اپنا اتنا سا حصہ!" دو انگلیوں کے درمیان ذرا سا خلا بنا کے دکھایا۔

"میرے پاس اتنا کیش ہے، نہ ہوتا ہے۔" وہ زچ ہوئی۔ "اور بینک سے میں تمہیں ایک پیسہ نہیں بھیجوں گی۔"

"ہاں ظاہر ہے سیاسی جماعت میں کام کرنے کے بعد تمہاری بینک ٹرانزیکشنز پہ کڑی نظر رہے گی۔ میں تمہیں مشکل میں تھوڑی ڈالوں گا تالیہ۔"

''سمجھ میں آ گیا نا تمہارے؟ اب میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔''

''یہ بات وہ عورت کہہ رہی ہے جو صرف جاب انٹرویو پہ بھی لاکھوں کی جیولری پہن کے آئی ہے۔''

تالیہ بدک کے پیچھے ہٹی۔ اس کے ہاتھ خالی تھے مگر کانوں میں پہنے ائیر رنگز کے موٹے موٹے ہیرے جگمگا رہے تھے۔

''تم مجھے یہ ہیرے دے سکتی ہو۔'' اس نے اس کے کانوں کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ.... یہ نقلی ہیں۔ یہ سب زرقون ہیں۔'' گردن کڑا کے بولی۔

''یہ سب اصلی ہیں اور یہ تو صرف پہلی قسط ہے۔ ائیر رنگز پلیز۔'' وہ ہتھیلی پھیلائے کھڑا تھا۔

''اور یہ مت سمجھنا کہ میں ان کو بغیر رسید کے بیچ نہیں سکتا۔ میرے اتنے سنار جاننے والے ہیں کہ میں صرف ہیرے الگ کروا کے بیچ سکتا ہوں۔ اب میرا وقت ضائع مت کرو اور مجھے یہ ائیر رنگز دو۔''

''یہ پہلی اور آخری دفعہ ہے سمیع۔'' وہ بے بسی سے غرائی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے نوچنے والے انداز میں اپنے کانوں سے موٹے موٹے ہیروں والے ٹاپس اتارے اور اس کی مٹھی پہ پٹخے۔

"آئندہ مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔ ورنہ تمہاری جان لے لوں گی۔"

سمیع نے روشنی میں اٹھا کے ان ہیروں کو دیکھا' پھر مسکرا کے سر کو خم دیا۔ "شکریہ دوست۔"

اور انہیں جیب میں ڈالتا آگے بڑھ گیا۔ تالیہ زیرِ لب کچھ بڑبڑاتی رہی۔ اس کا چہرہ غصے سے دہک رہا تھا اور وہ سخت جھنجھلائی ہوئی لگتی تھی۔

☆☆=========☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ پہ وہ رات اتری تو لان کی ساری بریاں جگمگا رہی تھیں۔ اندر لاؤنج میں عصرہ صوفے پہ بیٹھی' لیپ ٹاپ کھولے کام کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سادہ سی سرمئی میکسی میں ملبوس' کندھے پہ سیاہ اسٹول ڈالے' بالوں کو الجھے ہوئے جوڑے میں باندھے' پوری توجہ سے اسکرین پہ جھکی تھی جب جولیانہ روتی ہوئی بھاگتی آئی۔

"ماما.....ماما...سکندر نے مجھے مارا ہے۔" لمبے بالوں والی بچی بھیگی آنکھیں ملتی تیزی سے اس کے گھٹنے سے آ لگی۔ عصرہ نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا اور اپنے گال پہ آئے بال پیچھے اڑسے۔

"کیوں؟"

"وہ گیم میں ہار رہا تھا تو اس نے میرا جوائے اسٹک چھین لیا اور مجھے مارا"۔ وہ بھاں بھاں کیے روئے جا رہی تھی۔

"سکندر!" عصرہ نے اسکرین فولڈ کی اور پرسکون انداز میں زور سے آواز دی۔ سکندر تیوریاں چڑھائے خفا خفا سا باہر نکل آیا۔

"جی ماما؟"

عصرہ نے دو انگلیوں سے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ سرخ چہرہ لئے سامنے آیا۔

"ماما...سکندر کو بھی ماریں جیسے اس نے مجھے مارا ہے۔" اسے دیکھ کے وہ مزید زور سے رونا شروع ہوئی۔ سکندر نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا مگر خاموش رہا۔

"سکندر ..." وہ سنجیدہ سی سادگی سے گویا ہوئی۔ "آپ نے ابھی کچھ غلط کیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ غلط کیا تھا مگر کیا آپ کو معلوم ہے؟"

سکندر خاموش رہا۔

"آپ میرے کمرے میں جاؤ اور گیارہ منٹ تک سوچو کہ آپ نے کیا غلط کیا ہے' کیوں کیا ہے۔ پھر واپس آ کے مجھے اپنی reasons بتاؤ گے۔" ساتھ ہی ابرو سے جانے کا اشارہ کیا۔ سکندر خفا خفا سا فوراً اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جولیانہ نے آنسو پونچھتے خفگی سے اسے دیکھا۔

"اسے گیارہ منٹ کیوں دیے' ماما؟ مجھے ہمیشہ آٹھ منٹ ملتے ہیں۔"

''کیونکہ آپ آٹھ سال کی ہو اور وہ گیارہ سال کا۔ ہم جتنے بڑے ہو جاتے ہیں' ہمیں اپنی غلطیوں پہ غور کرنے کے لئے اتنا زیادہ وقت درکار ہوتا ہے۔ اب آپ آنسو صاف کرو۔'' وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔ جولیانہ نے زبردستی آنسو صاف کیے اور منہ پھلا کے بیٹھ گئی۔ عصرہ نے فون اٹھایا اور نمبر ملا کے اسے کان سے لگایا۔

''کتنا سامان بچا ہے گیلری میں؟'' اب وہ اپنی سیکرٹری سے پوچھ رہی تھی۔

''بس چند ہی آئٹمز ہیں جو بک نہیں سکے۔''

''ان کو آن لائن سیل پہ لگا دو۔ مجھے اس سارے مال سے جان چھڑانی ہے بس۔''

وہ واقعی جان چھڑانے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔ ساتھ ہی کنپٹیوں کو دبایا۔ نیلامی کی سر دردی بالآخر ختم ہونے والی تھی۔

بات مکمل ہوئی تو سکندر باہر آتا دکھائی دیا۔ اس کا چہرہ اب قدرے جھکا ہوا تھا۔ سرخی غائب تھی۔ وہ چپ چاپ اس کے دوسری طرف آ بیٹھا۔ درمیان میں ماں تھی... جولیانہ نے گردن نکال کے اس کا جائزہ لیا۔

''پھر آپ نے سوچا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تھا؟''

''جی۔'' اس نے جھکے سر کے ساتھ کہا۔ ''جولیانہ جیت رہی تھی تو مجھے غصہ آ گیا۔ یہ گیم میں نے اسے سکھائی تھی۔ میں اس میں جیتنا چاہتا تھا۔''

''تو آپ اسے جیتنے دیتے بعد اور میں نئی گیم شروع کر کے زیادہ اچھا کھیل کے اسے ہرا دیتے۔''

''وہ تو میں اسے ہرا ہی دوں گا۔'' ابرو اچکا کے بولا' پھر ماں کی شکل دیکھ کے چہرہ جھکایا۔ ''سوری ماما۔''

''جیتنے کے لئے دوسرے کو تکلیف دینا ضروری نہیں ہوتی' سکندر۔ میں آئندہ یہ نہ سنوں کہ آپ نے بہن پہ ہاتھ اٹھایا ہے۔ آپ کو معلوم ہے رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی بچے پہ ہاتھ نہیں اٹھایا تھا؟ آپ مسلمان ہو۔ اور مسلمان ایسے کرتے ہیں کیا؟''

''مگر ماما۔ جولیانہ چیٹنگ بھی تو کر رہی تھی۔''

عصرہ نے چونک کے گردن گھمائی۔ جولیانہ یکدم پھیکی پڑ گئی۔

''سکندر سچ کہہ رہا ہے؟'' اس نے اسے گھورا۔ جولیانہ کے آنسو آ گئے۔

''میں صرف....''

''آٹھ منٹ' جولیانہ! صرف آٹھ منٹ!'' اس نے چٹکی بجا کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آنسو روکتی کمرے کی طرف بھاگی۔

سکندر نے گہری سانس بھری اور ذرا چوڑا ہو کے صوفے پہ بیٹھا۔ ''ماما.... آپ اس کو سمجھایا کریں۔ یہ جھوٹ بھی بولنے لگی ہے اور چوری بھی کرتی ہے۔''

''کیا اس نے پہلے بھی ایسے کیا ہے؟'' وہ متفکر ہوئی۔

''جی ماما۔ یہ فرینڈ کی نوٹ بک کپڑوں میں چھپا کے لے آئی۔ میں نے دیکھ لی تو کہا کہ یہ غلط بات ہے۔ مگر ماما وہ آگے سے بدتمیزی سے بولی' ماما نے بھی تو ڈیڈ کے لاکر سے فائل نکال کے کپڑوں میں چھپائی تھی۔ ایسا کرنے سے گناہ نہیں ملتا۔''

عصرہ بنت محمود بالکل شل رہ گئی۔ دل دھڑکنا بھول گیا۔

''کیا بے کار بات کر رہے ہو' سکندر؟ میں نے کب کچھ چھپایا ہے؟'' پھر غصے سے اس کا چہرہ دہکا۔

''ماما مجھے پتہ ہے جولیانہ جھوٹ بول رہی ہے۔'' وہ فوراً بولا تو عصرہ نے تھوک نگلا۔

''اگر یہ بات آپ کے ڈیڈ کو معلوم ہوئی تو وہ آپ دونوں سے ناراض ہو جائیں گے۔ وعدہ کرو آپ یہ بات ان کو نہیں کہو گے۔ اگر وہ ناراض ہوئے تو گھر نہیں آئیں گے۔'' وہ گھبرا گئی تھی۔

''آف کورس ماما۔ میں نہیں بتاؤں گا۔'' اس نے جلدی سے ماں کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا۔ عصرہ کو ایک دم ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں اب جولیانہ کو الگ سے ڈانٹتی ہوں۔'' سکندر کو تسلی دلا کے وہ تیزی سے کمرے کی طرف آئی۔ جولیانہ بیڈ پہ بیٹھی سر ہاتھوں پہ گرائے ہوئے تھی۔ اسے دیکھ کے چونک کے گردن اٹھائی۔

''ماما ابھی تو فائیو منٹ ہوئے ہیں اور....''

''جولی۔'' عصرہ جلدی سے اس کے ساتھ بیٹھی اور نرمی سے اس کے بالوں کو سہلایا۔ ''آپ نے سکندر کو یہ کہا ہے کہ ماما نے ڈیڈ کی الماری سے کچھ چھپایا تھا؟''

جولیانہ نے فوراً نظریں جھکا لیں۔ ''میں نے نہیں کہا۔''

''آپ جھوٹ بھی بولنے لگ گئی ہو' جولی۔'' وہ بے بسی بھرے غصے سے بولی۔ پھر گہری سانس لے کر خود کو نارمل کیا۔ ''مجھے تو نہیں یاد کہ میں نے کبھی کچھ کپڑوں میں چھپایا ہو۔''

''وہ اس رات.... میں نے دیکھا تھا۔'' اٹک اٹک کے بولی۔ عصرہ کے دل کی دھڑکن سست ہو گئی۔

''کیا؟ مجھے بتاؤ' میں نہیں ڈانٹوں گی۔''

''میں ڈیڈ کے باتھ روم میں تھی تب آپ آئی تھیں اور آپ نے....'' وہ رک رک کے بتا رہی تھی۔ ''کوئی فائل لاکر سے نکال کے کپڑوں میں چھپائی تھی۔ پھر آپ چلی گئی تھیں۔''

''اور آپ ڈیڈ کے باتھ روم میں کیا کر رہی تھیں؟ ایکچوئلی مجھے پتہ ہے۔ آپ ٹوتھ پیسٹ کھا رہی تھیں' ہے نا؟'' وہ ایک دم غصے سے بولی تو جولیانہ نے سہم کے سر جھکا لیا۔

''آپ کے باتھ روم کی ٹوتھ پیسٹ میں چیک کرتی ہوں تو آپ نے سوچا' آپ ڈیڈ کی کھاؤ گی تو مجھے پتہ نہیں چلے گا۔ بتاؤں میں ڈیڈ کو؟

بتاؤں؟''

''ماما سوری۔آئندہ نہیں کروں گی۔''

''اگر آئندہ آپ نے ٹوتھ پیسٹ کو منہ میں ڈالا تو میں ڈیڈ کو بتا دوں گی کہ آپ ان کی ٹوتھ پیسٹ کھاتی ہو۔اس دن بھی مجھے پتہ تھا کہ آپ اندر ہو اسی لیے میں آئی مگر سوچا آپ کو خود احساس ہو جائے گا اسی لیے میں اپنی چیزیں لے کر چلی گئی۔'' وہ اب بے ربط انداز میں کہتی اسی کو ڈانٹے جا رہی تھی۔ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ چکی تھیں۔

جب وہ دونوں باہر نکلیں تو جولیانہ نارمل لگ رہی تھی اور عصرہ بھی سنبھلی ہوئی تھی۔فاتح گھر آ چکا تھا اور کچن سے آوازیں آ رہی تھیں۔

وہ جولیانہ کا ہاتھ تھامے قدرے تعجب سے راہداری میں آگے بڑھتی گئی، یہاں تک کہ کچن کا کھلا دروازہ سامنے آیا تو اس نے چوکھٹ سے اندر جھانکا۔

کچن کھلا اور سفید ٹائلز سے آراستہ تھا۔کاؤنٹر پہ سکندر بیٹھا تھا اور دوسرے کے ساتھ فاتح ٹیک لگائے' بازو سینے پہ لپیٹے کھڑا تھا۔ٹائی ڈھیلی کیے' شرٹ کے کف موڑے' وہ تھکا تھکا لگتا تھا مگر مسکرا کے سکندر سے کچھ کہہ رہا تھا جب وہ اندر داخل ہوئی۔

''تم آج کچن میں کیسے؟''

فاتح نے نگاہیں پھیر کے اسے دیکھا اور مسکرایا۔''بھوک لگی تھی۔کھانا لینے آیا تھا۔''

کھانا ملازمہ نے ٹیبل پہ لگا تو دیا تھا' عصرہ تعجب سے اندر آئی۔

''ڈیڈ کو کھانے کا ذائقہ نہیں پسند آ رہا، ماما۔'' سکندر نے نوڈلز کے پیالے سے سر اٹھا کے اطلاع دی۔

''کھانا ہمیشہ صبوحی ہی بناتی ہے۔آج کیا ہو گیا ہے اچانک؟''

''عجیب سا کھانا بناتی ہے وہ۔میرے معدے میں جلن ہو رہی ہے۔'' وہ کندھے اچکا کے بولا تو عصرہ آگے آئی۔

''میں تمہیں کچھ اور بنا دیتی ہوں۔''

''ہاں شیور۔'' وہ بس مسکرا دیا۔تکان کے باوجود موڈ اچھا لگ رہا تھا۔جولیانہ شرماتی شرماتی باپ کے قریب آ کے کھڑی ہوئی۔فریج سے پیکٹ نکالتی عصرہ نے کنکھیوں سے اسے دیکھا۔وہ اس کے لیے چلتا پھرتا ٹائم بم بن چکی تھی۔

''مجھے تم لوگوں سے ایک ضروری بات کہنی ہے۔''

نوڈلز سوپ پیتے سکندر نے گردن موڑی۔جولیانہ جو کیبنٹ سے ٹیک لگائے کھڑی اپنے لمبے بالوں سے کھیل رہی تھی' چہرہ اٹھا کے دیکھنے لگی۔عصرہ البتہ نیم رخ موڑے سلیب پہ قیمہ رکھ کے تیز تیز اس سے پیڑے نکالنے لگی۔ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

''میں نے پارٹی چیئرمین شپ کے لیے کاغذات جمع کروا دیے ہیں۔دو ماہ بعد الیکشن ہے۔سوموار سے ہم کمپئین شروع کریں گے۔''

''کیا پھر آپ پارٹی چیئرمین بن جائیں گے۔''

''کیا آپ پردھان منتری بن جائیں گے؟'' دونوں بچوں نے یکے بعد دیگرے سوال پوچھا۔عصرہ کے ہاتھوں میں مزید تیزی آ گئی۔

''جب کوئی اسکول کی فٹ بال ٹیم میں شامل ہوتا ہے تو اس کا خواب ہوتا ہے کہ وہ بہترین پلئیر بنے۔ پھر وہ کیپٹن بنے، پھر وہ قومی لیول پہ کھیلے۔اور آخر میں وہ قومی ٹیم کا کیپٹن بنے۔ جب کوئی فوج میں بھرتی ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ ایک دن وہ آرمی چیف بنے۔اپنے ملک کی اعلیٰ ترین سطح پہ نمائندگی کرنے کا خواب دیکھنا بری بات نہیں ہے۔ ہر سیاستدان اعلیٰ ترین مقام پہ پہنچنا چاہتا ہے۔اور میں......'' اس نے باری باری تینوں کو دیکھا۔''اس کے بہت قریب ہوں۔تم لوگوں سے میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم میرا ساتھ دو۔''

بچے چپ ہو گئے۔ جولیانہ نے ماں کو دیکھا اور سکندر کا چہرہ جھک گیا۔

''جب بھی کیمپین شروع ہوتی ہے ڈیڈ، ہر طرف سے مسئلے شروع ہو جاتی ہیں۔''اس کو ''مسئلوں'' کے علاوہ کوئی لفظ نہیں مل رہا تھا۔

''تم یہ یقین رکھو سکندر کہ تمہارا باپ ہر موقع پہ تمہاری حفاظت کرے گا اور......''

''جیسے آریانہ کی حفاظت کی تھی؟''عصرہ نے ایک دم میٹ بال ڈش میں پٹخی اور اس کی طرف گھومی تو آنکھوں میں بے بسی بھرا غصہ تھا۔''اور اگر میں آریانہ کو بھلا بھی دوں'تب بھی ہر کیمپین کے شروع ہوتے ہی منفی مہم شروع ہو جاتی ہے۔میرے بچوں سے رپورٹرز سوال پوچھتے ہیں۔ مجھے ہر جگہ مسکرا مسکرا کے لوگوں سے وعدے کرنے پڑتے ہیں۔انٹرویوز'اخبارات...اور پھر آئے روز اخبارات میں تمہارے اوپر کیچڑ اچھالا جاتا ہے۔بچے اسکول جانے سے ڈرنے لگتے ہیں۔تم گھر کی شکل دیکھنا بھول جاتے ہو۔ہم تمہارے لیے ترس جاتے ہیں۔اور اس ساری بھاگ دوڑ کے آخر میں فاتح بن رامزل تم ہار جاؤ گے تو کیا ہوگا؟ہاں؟''

بولتے بولتے اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔

''اور اگر ہم جیت گئے تو؟'' وہ اتنا ہی پرسکون کھڑا تھا۔عصرہ نے تاسف بھری نظر اس پہ ڈالی'پھر ڈش پرے کھسکائی اور پیر پٹختی وہاں سے نکل گئی۔

فاتح نے گہری سانس بھری اور خاموشی سے سنک تک گیا۔ ہاتھ دھوئے اور قیمے کی ڈش کو اپنے قریب کیا۔پیڑہ اٹھایا اور اسے گول شکل دینے لگا۔اس کے ہاتھ مہارت سے چل رہے تھے۔ ذہن عصرہ کی باتوں میں الجھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ خاموشی سے پاستہ کے اوپر میٹ بالز پلیٹ میں سجائے میز پہ رکھ رہا تھا تو ٹوکری میں پڑی سبزیاں دیکھ کے چونکا۔

''پہلے خیال کیوں نہیں آیا۔''ماتھے کو چھوا پھر چھریوں کے اسٹینڈ کی طرف بڑھا۔سب سے بڑا چھرا نکالا اور سلاد کی سبزیاں الگ کر کے کٹنگ بورڈ پہ رکھیں۔اب وہ تیز تیز ہاتھ چلاتے ان کو کاٹ رہا تھا۔

سکندر آہستہ آہستہ سوپ پیتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ڈیڈ......آپ کو یہ کرنا آتا ہے۔''

''نہیں......لیکن تمہاری ماں ناراض ہو چکی ہے اور ملازم گھر جا چکے ہیں۔ خود ہی کرنا پڑے گا۔'' اس نے سلاد پلیٹ میں ڈالا اور جھک کے چمچ سے پاستہ کا ذائقہ چکھا۔ مگر چہرے پہ بدمزدگی پھیلی۔ ''بس گزارے لائق ہے۔''

اسے ذائقہ پسند نہیں آرہا تھا۔ پرائیس کیے گئے پیکٹ والے کھانے' بے تاثیر بے سواد۔

معلوم نہیں کیوں مگر ذہن میں کوئی ''موازنہ'' سا تھا جس کے سامنے یہ کھانا بے کار لگ رہا تھا۔

اپنے کمرے میں عصرہ آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی تھی اور ساتھ بیڈ پہ آڑی ترچھی لیتی جولیانہ کوئی کلرنگ بک کھولے' رنگ بھرتی' کہہ رہی تھی۔

''آج ڈیڈ خود کیوں کھانا بنا رہے ہیں؟ وہ تو پانی پینے بھی کچن میں نہیں آتے تھے اور آج کہہ رہے تھے مجھے پکتے سوپ کی مہک اچھی لگ رہی ہے۔ ماما......ڈیڈ ایسے کیوں ہو گئے ہیں۔'' پھر رک کے انگلیوں پہ کچھ گنا۔ ''آپ ان سے ناراض ہیں تو کیا آپ ان کو فورٹی ایٹ منٹس دیں گی؟''

''مجھے تنگ مت کرو' جولی۔'' ناگواری سے کہتے اس نے کروٹ بدل لی۔ ایک آنسو آنکھ سے گرا اور تکیے میں جذب ہو گیا۔

(ساری اداکاری تھی فیملی مین بننے کی تاکہ وہ لوگ یقین کر لیں کہ اس کو ان کی پرواہ ہے۔ ہونہہ۔)

عصرہ کے اندازے لامحدود تھے۔

☆☆==========☆☆

یونیورسٹی میں اکثر کلاسز ختم ہو چکی تھیں اس لیے طلباء طالبات کا جمِ غفیر گیٹ سے باہر نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔ پارکنگ میں حسب معمول بے حد رش تھا اور سب اپنے اپنے بیگز اٹھائے اپنی مطلوبہ سواری کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اسکارف' اسکرٹ' یا جوکرنگ' مغربی لباس غرض ہر طرح کا لباس پہنے لڑکیاں باہر آتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ایسے میں ایک پھولدار اسکارف والی لڑکی بیگ کندھے پہ ڈالے' موبائل کے بٹن دباتی سڑک کراس کرنے لگی تو عقب سے آواز آئی۔

''فاطمہ!''

وہ چونک کے گھومی۔ پھر اس نے نوجوان کو وہاں کھڑے دیکھ کر تعجب سے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''ایڈم۔ تم؟ ادھر؟'' وہ حیران رہ گئی تھی۔ دھوپ کے باعث ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے دیکھا۔ وہ واقعی ایڈم ہی تھا۔ چھوٹے بالوں اور نکھری رنگت والا ایڈم۔ سیاہ پینٹ پہ سفید ٹی شرٹ پہنے سنجیدہ لگ رہا تھا۔

''فاطمہ......ہم بیٹھ کے بات کر سکتے ہیں؟''

''ہاں...ادھر آجاؤ۔'' فاطمہ سنجیدگی سے کہتی آگے بڑھ گئی۔

دونوں فٹ پاتھ پہ چلتے بس اسٹینڈ تک آئے جہاں چھپر تلے بینچ رکھا تھا۔ فاطمہ قدرے تکلف سے ادھر بیٹھی' درمیان میں کتابیں اور

بیگ رکھا اور ہاتھ سے اسے کتابوں کے اس طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ سر جھکائے متانت سے بیٹھ گیا۔

''تم خیریت سے آئے ہو؟'' پھر جیسے یاد آیا۔ ''تمہارا تحفہ مل گیا تھا مجھے۔ شکریہ اس کے لئے۔''

ایڈم بن محمد نے گہری سانس لی۔ چار ماہ پہلے بھیجا گیا تحفہ اسے یاد بھی نہ تھا۔ بلکہ.... ایک ہفتہ قبل بھیجا گیا تحفہ (دل ہی دل میں اپنی تصحیح کی) جس کے لیے اس نے عصرہ اور تالیہ دونوں سے مشورہ مانگا تھا۔ تب اس کے مسئلے محدود تھے۔ اور اب تو زمانہ ہی بدل چکا تھا۔ وہ وقت اور وہ احساسات دونوں ہی گم گشتہ سے لگتے تھے۔ پرانے اور فراموش کردہ۔

''فاطمہ.... میں ہماری شادی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''سنو ایڈم!'' وہ بات کاٹ کے بولی تو ایڈم نے دیکھا۔ پھولدار اسکارف کے ہالے میں مقید اس کے چہرے پہ خفگی تھی۔ وہ خوش شکل اور صاف رنگت والی پراعتماد مگر سنجیدہ سی لڑکی تھی اور اس وقت وہ تکلف سے بیٹھی نظر آتی تھی۔

''میں کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ تمہارا اور میرا رشتہ ارینج طریقے سے ہوا تھا تب تم فوج میں تھے۔ میں کتنے عرصے سے تمہارے نام پہ بیٹھی ہوں۔ تم نے فوج چھوڑ دی' پھر تمہیں کوئی نوکری نہیں ملی۔ وان فاتح کی نوکری بھی تم سے مستقل نہ ہو سکی....''

''وہ تو صرف چند دن کی تھی۔'' مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

''اب تم بتاؤ میرے والدین کیسے تمہارے ساتھ میری شادی کر دیں؟ ایڈم جب تک ان کو کوئی فنانشل سیکیورٹی نہیں ملے گی' وہ شادی نہیں کریں گے۔ اب خالہ بتا رہی تھیں کہ تم ایک دم سے لکھنے لکھانے کی طرف چلے گئے ہو۔ ایڈم یہ کیا ہے؟''

ایڈم کے رخسار گلابی ہوئے۔ (یہ ابو بھی نا!)

''وہ الگ بات ہے' فاطمہ۔ میں صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ انکل اگر مجھے تھوڑا وقت دے دیں' بس چند ماہ تو میں کچھ نہ کچھ کر لوں گا۔ بس وہ یہ دو ہفتے کے اندر اندر اسٹیبلیش ہونے کی شرط چھوڑ دیں۔ تم خود بتاؤ فاطمہ دو ہفتے کے اندر میں کیسے امیر ہو سکتا ہوں۔'' وہ روہانسا ہوا۔

''تو چند ماہ میں کیسے ہو گے؟''

ایڈم چپ ہوا۔ تھوک نگلا۔ ''مجھے امید ہے کسی طرف سے۔ بس یہ سمجھو بہت جلد میرے پاس پیسہ آ جائے گا۔'' (خزانہ نکالنے کے بعد بیچنے میں بھی وقت لگنا تھا۔)

''بغیر محنت کے؟ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے؟'' وہ طنز سے بولی۔ ''اس طرح اچانک سے کیا تمہارے باغیچے سے تیل کا کنواں نکلے گا یا صحن میں خزانہ دفن ہوا ملے گا؟''

بس زور سے ہارن بجاتی سائیڈ سے گزری اور ایڈم بھی اندر تک ہل گیا۔ نظریں چرالیں۔

''بالفرض میرے گھر کی زمین سے خزانہ نکل آئے تو کیا تب تم مجھ سے شادی کر لو گی؟''

''نکل بھی آیا تو کون سا تمہارا ہو گا؟'' وہ سر جھٹک کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''ایڈم تم کوئی اچھی نوکری ڈھونڈو اور اگر ایسا نہ ہوا تو یقین رکھو' بابا

یہ رشتہ ختم کر دیں گے۔ میں پہلے ہی ماما بابا کی پریشانی دیکھ کے ڈسٹرب ہوں۔"

"فاطمہ فاطمہ..." وہ ملتجی انداز میں کھڑا ہوا۔"پلیز تم میرا یقین رکھو۔ میں محنت کروں گا اور کوشش بھی اور..." یکدم وہ ٹھہرا اور ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگا۔ اطراف سے گاڑیاں ہارن بجاتی زن سے گزر رہی تھیں مگر ایڈم بن محمد بالکل گم صم ہو گیا تھا۔

"کیا کہا تم نے؟"

"بابا یہ رشتہ ختم کر دیں گے ایڈم۔"

"نہیں اس سے پہلے... تم نے کہا خزانہ نکل بھی آیا تو میرا نہیں ہو گا۔ کیوں؟" وہ جیسے کسی خواب سے جاگا تھا۔ پانچ سو ستاون سال قدیم خواب سے... "کیوں نہیں ہو گا وہ میرا؟"

"وہ تو میں روانی میں کہہ گئی۔ یہ کتابیں پڑھ پڑھ کے دماغ خشک ہو جاتا ہے۔" اس نے سر جھٹکا اور بنچ سے اپنی قانون کی موٹی سیاہ کتابیں اٹھائیں۔ ایڈم یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ فاطمہ نے چیزیں سمیٹ کے اس کو دیکھا تو وہ اسی طرح حیران اور گم صم سا کھڑا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔

"Treasure trove Act 1995... تمہیں نہیں معلوم ایڈم؟"

اور ایڈم بن محمد کے سارے خواب کسی ایسے ہیرے کی طرح چکنا چور ہوئے جس کو آسمان سے زمین پہ پھینکا جائے اور اس کی چمکتی کرچیاں دور دور تک پھیل جائیں۔

☆☆=========☆☆

حالم کے بنگلے پہ اندھیرا پھیلا تھا۔ پورچ کی بتی آج پھر بجھی تھی۔ داتن اندر آئی تو پہلے پورچ روشن کیا، پھر لاؤنج کی بتیاں جلائیں۔ تالیہ وہاں نہیں تھی۔ تہہ خانے کی طرف جاتا دروازہ کھلا تھا اور وہاں سے روشنی آ رہی تھی۔ داتن نے گروسری کے تھیلے وہیں رکھے اور برہمی سے ماتھے پہ بل ڈالے زینوں کی طرف آئی۔

"تم نے لاپرواہی کی حد کر دی۔ دروازہ کھول کے بیٹھی ہو... اتنا قیمتی سامان رکھا ہے یہاں اور..." داتن زینے دھپ دھپ اترتی نیچے آئی اور اس پہ چڑھ دوڑی جو فرش پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ اور اگلے ہی لمحے وہ ٹھٹکی۔

بے یقینی سے گردن چاروں طرف موڑی۔

وہاں بنے سیف کے مختلف دروازے کھلے تھے اور وہ اندر سے خالی تھے۔ پینٹنگز کے کارٹن بھی غائب تھے اور خالی ڈبے اور کھڑکی کے ٹکڑے ادھر ادھر بکھرے تھے۔ داتن پدوکا نے دل کے سینے پہ ہاتھ رکھا۔

"وہ خوف تھا۔"

"تالیہ!" داتن نے اسے سر سے پیر تک دیکھا ۔ پھر اسے فکر ہوئی " تمہیں کیا ہوا ہے؟ اور یہ سب کہاں گیا ہے؟"

"اگر اب میں سوچوں تو وہ خوف تھا۔ بچپن میں... "..وہ اس کو دیکھتی اپنی رو میں کہہ رہی تھی ۔شاید داتن کے چہرے کی لکیروں میں اپنی زندگی کی فلم چلتی دیکھ رہی تھی۔ ''اور وہ لالچ بھی تھا اور جبر بھی ۔کون سا جذبہ پہلے آیا، مجھے نہیں یاد۔لیکن جب یتیم خانے اور بعد میں میرے فوسٹر پیرنٹس کے گھر مجھے جبر سے دبایا جاتا ،خواہشات کو پورا کرنے سے روکا جاتا ...تو میں چوری کرنے پر مجبور ہو جاتی ۔پھر وہ عادت بن گئی۔ چرالینا اور پوچھے جانے پہ جھوٹ بول دینا۔لیکن اب اگر سوچوں تو حاوی ترین جذبہ خوف ہوتا تھا".

"تالیہ...تم ٹھیک ہو؟" . داتن اس سے لمحے بھر کے لیے بھی نظریں ہٹائے بغیر کرسی کھینچتی قریب آئی اور بیٹھی۔

"میں ہمیشہ خوفزدہ رہی ہوں ۔ یہ ڈر کہ میری بات سنی نہیں جائے گی یا مجھے ڈانٹ کے خاموش کرا دیا جائے گا، مجھ سے جھوٹ بلواتا رہا۔اور جب ڈر ختم ہو گیا تو یہ ان سیکیورٹی پیدا ہو گئی کہ اگر میں من گھڑت باتیں نہیں کہوں گی تو مجھے کچھ نہیں ملے گا۔لوگ مجھے میرے سچ کے ساتھ قبول نہیں کریں گے۔ میں ہمیشہ خوف کے زیر اثر رہی ہوں داتن۔ میں کبھی بہادری سے اپنے اصل کا سامنا نہیں کر سکی۔'' الجھی بکھری سنہری لٹیں اس کے گالوں پہ جھول رہی تھیں اور وہ دیوار کو دیکھتی بے خودی بولے جا رہی تھی۔

"لیکن پھر میں ایسے انسان سے ملی جس نے مجھے سکھایا کہ انسان کی سب سے بڑی خوبی اس کی سچائی اور امانت داری ہوتی ہے۔ جو لوگ سچے ہوتے ہیں وہ اپنی نظروں میں باعزت ہوتے ہیں۔اپنے قول کے پکے ہوتے ہیں۔ان کے سارے خوف دور ہو جاتے ہیں۔وہ سر اٹھا کے جی سکتے ہیں۔صرف وہی ہوتے ہیں بہادر اور میں نے سوچا کہ میں بھی ایسی بننا چاہتی ہوں۔''

"تالیہ؟" داتن اسے تشویش سے دیکھ رہی تھی۔

" مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا۔'' تالیہ اداسی سے مسکرائی ''پہلے اپنے سارے جھوٹوں کی سزا ملنا تھی۔ پہلے کفارے ادا ہونے تھے۔میرے ساتھ زندگی نے ہی جھوٹ بول دیا، داتن!'' اس کی گم صم آنکھیں پانی سے چمکیں'' مجھے کچھ اور دکھا کے کچھ اور عطا کر دیا۔ مجھے اتنا نا قابلِ اعتبار بنا دیا کہ اگر میں اپنی زندگی کا سب سے بڑا سچ بولنا چاہوں تو بھی کوئی یقین نہیں کرے گا۔''

"تالیہ ... کیا ہوا ہے؟"

" مگر اب نہیں، داتن!" اس نے آنکھیں پوروں سے رگڑیں۔ ''اب میں اس خوف کے ساتھ نہیں جیوں گی۔اب میں بھی ایڈم کی طرح سچ بولنا چاہتی ہوں اور وان فاتح کی طرح اپنے قول کو سچا بنانا چاہتی ہوں۔میں نے بہت سے قانون توڑے ہیں اب مزید نہیں توڑوں گی۔یہ سب...'' اطراف میں نظر دوڑائی۔ ''یہ سب میرا نہیں تھا۔یہ سب دوسرے لوگوں اور میوزیمز کا تھا۔میں نے ایک ایک چیز واپس کر دی ہے۔جیسے چرانا آتا ہے ویسے ہی گمنام طریقے سے لوٹانا بھی آتا ہے".

داتن نے دہل کے پھر سے سینے پہ ہاتھ رکھا۔'' تالیہ ....نہ کرو ....وہ سب...''

"اور جو کچھ میں خرچ کر چکی ہوں"...وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔'' اس کا میں کچھ نہیں کر سکتی۔میں امید کرتی ہوں کہ میری

ایمانداری کے باعث اللہ تعالیٰ اور پھر وہ لوگ جن سے میں نے وہ چیزیں چرائی تھیں، مجھے معاف کر دیں گے۔''

''اب کیا ہوگا تالیہ؟ تم کہاں سے کھاؤ گی؟ کیا کماؤ گی؟'' داتن نے دل کے سینے پہ ہاتھ رکھا ہوا تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور بال کان کے پیچھے اڑسے۔

''میں نے جاب ڈھونڈ لی ہے۔ اور میرے پاس بہت سا زیور بھی ہے۔ جو واقعی میرا ہے۔ اور مجھے ایک اور جگہ سے بھی امید ہے۔'' اس کے ذہن میں سن باؤ کا صحن گھوما۔ ''ہاں مجھے ابھی بھی بہت سارا پیسہ حاصل کرنے کا شوق ہے لیکن اب میں صرف اس پیسے کو قبول کروں گی جو واقعی میرا ہوگا۔''

پھر نم آنکھوں سے مسکرائی تو داتن نے دیکھا، اس کی ناک سرخ پڑ رہی تھی۔

''رہی تم تو میں تمہیں یہ کام چھوڑنے پہ مجبور نہیں کروں گی۔ تم اپنے فیصلوں میں آزاد ہو۔ میں اور تم ہمیشہ دوست رہیں گے۔''

داتن نے ملال سے اس خالی خالی سے کیمرے کو دیکھا۔ ''ایسا کیا ہوا ہے چار دن میں جو تم اتنی بدل گئی ہو تالیہ؟''

''مجھے وان فاتح سے محبت ہوگئی ہے داتن'' زخمی سا وہ مسکرائی اور کپڑے جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ داتن سانس روک کے اسے دیکھے گئی۔ پھر کہنے کی کوشش کی۔

''اسی فیصد لوگوں کو ہر چھے ماہ بعد نیا کرش ہو جاتا ہے اور وہ چار ماہ میں اتر بھی جاتا ہے مگر .....''

''تم نہیں سمجھو گی، داتن!'' وہ مسکراتے ہوئے بولی پھر ایڑیوں پہ گول گول گھوم گئی۔ خالی کمرا بہت کھلا کھلا سا لگ رہا تھا۔

''میں نے یہ سب واپس کر دیا ہے، پھر بھی میرا دل ہلکا کیوں نہیں ہوا؟'' اس نے سوچا تھا۔ تبھی موبائل بجا تو تالیہ نے اسے نکال کے دیکھا۔

''کیا ہم مل سکتے ہیں؟'' ایڈم کا پیغام وہاں جگمگا رہا تھا۔

☆☆==========☆☆

ایڈم ریستوران کی آخری میز پہ بیٹھا بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ تالیہ جیسے ہی دروازے سے اندر داخل ہوتی دکھائی دی، وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ ہشاش بشاش اور تازہ دم لگتی تھی۔ سادہ باجو کرنگ پہنے ، بالوں میں ہیر بینڈ لگائے، سر پہ ترچھی ہیٹ جمائے، مسکراتی ہوئی اس کے سامنے آئی اور کرسی سنبھالی۔ پھر کہنیاں میز پہ رکھیں اور پھر چمکتی آنکھوں میں شرارت بھرے اسے دیکھا۔

''میں نے سارا ''ادھار شدہ'' مال اصل مالکوں کو واپس کر دیا ہے۔'' فاتحانہ انداز میں بولی تو ایڈم پھیکا سا مسکرایا۔

''گڈ۔''

''صرف گڈ؟ ارے اس پہ تو تمہیں اپنی شہزادی کی شان میں ایک قصیدہ لکھنا چاہیئے تھا۔''

''ہے تالیہ......'' وہ دھیما سا بولا۔ چہرہ بجھا بجھا سا لگتا تھا اور اداس نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔ ''سن باؤ کا خزانہ......''

''ہاں وہی بتانے لگی تھی۔'' وہ جوش سے آگے کو جھکی۔ ''فاتح صاحب نے گھر میرے حوالے کر دیا ہے۔ کل صبح ہم ملاکہ جائیں گے۔ میں نے کھدائی کا سامان خرید لیا ہے۔ ہمیں احتیاط سے کھدائی کرنی ہے تاکہ خزانہ نکال کے ہم کوئی نشان چھوڑے بغیر صحن کو برابر کر دیں اور......''

''ہے تالیہ وہ خزانہ ہمارا نہیں ہے۔''

ایک دم سے جیسے سارے شہر میں سناٹا چھا گیا۔ تالیہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''کیا؟'' اسے واقعی سمجھ نہیں آیا تھا۔

وہ خزانہ ہم نہیں لے سکتے۔''

تالیہ نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ پھر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ لوگ اپنی اپنی میزوں پہ کھانے پینے میں مگن تھے، کوئی اس طرف متوجہ نہ تھا۔

''کیوں؟ وہ ہمارا ہے۔ ہم نے دبایا ہے۔''

''مگر چھ صدیوں تک اس کی حفاظت ہم نے نہیں ''زمین'' نے کی ہے۔ اسے امانت کی طرح اپنے اندر ہم نے نہیں ''زمین'' نے چھپایا ہے۔''

''تو؟''

''تو یہ کہ ''زمین'' سرکار کی ہوتی ہے۔''

وہ بالکل سن رہ گئی۔ ساکت' مجسم۔ ارد گرد پھرتے لوگوں کے ہجوم میں بھی اسے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

''Treaure trove act کے تحت ملائیشیا کی زمین سے کوئی بھی چھپا ہوا خزانہ ڈھونڈنے پہ شہری کا فرض ہے کہ وہ اسے حکومت کے حوالے کر دے کیونکہ زمین میں چھپے خزانے سرکار کی ملکیت ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس کی اطلاع حکومت کو نہیں دیں گے تو ہم مجرم ہوں گے اور پولیس ہمیں گرفتار کر سکتی ہے۔ خزانہ چھپانے پہ بھاری جرمانہ اور قید کی سزا ہے۔''

''وہ خزانہ......'' وہ ایک دم غرائی' پھر آواز مدہم کی۔ ''وہ خزانہ ہمارا ہے۔ جائز اور حلال۔ وہ حکومت کا نہیں ہے۔''

''وہ صرف اسی صورت میں ہمارا ہو سکتا تھا اگر اس پہ 50 سال سے کم عرصہ گزرا ہو یا اس کو ہمارے آباؤ اجداد نے دفنایا ہو اور ہم اس پہ کلیم کر سکیں۔ مگر ہم کلیم ثابت نہیں کر سکتے۔ قانوناً وہ ہمارا نہیں ہے۔''

''میری بات کان کھول کے سنو' ایڈم!'' وہ میز پہ زور سے ہاتھ مار کے بولی۔ ''میں نے سارا لوٹا مال واپس کر دیا کیونکہ وہ میرا نہیں

تھا۔میں نے پھر سے زندگی شروع کی۔ جاب ڈھونڈی۔ایک نیلامی پہ ان سے جھوٹ بولا تھا تو وہ ناراض ہو گئے تھے۔اس نیلامی پہ ان سے سچ بولا۔اب میں زمین کو سونپی اپنی امانت واپس لینے آئی ہوں تو تم کہہ رہے ہو کہ میں اسے چھوڑ دوں؟ غلط۔میں نہیں مانتی ایسے قانون کو۔مجھے اور تمہیں معلوم ہے کہ وہ خزانہ ہمارا ہے اور جائز ہے تو ہم کس طرح اس کو چھوڑ دیں؟''

''مجھے بھی اس کی اتنی ضرورت ہے جتنی آپ کو لیکن میں قانون نہیں توڑوں گا۔البتہ میں آپ کو منع بھی نہیں کروں گا نہ میں کسی کو بتاؤں گا۔آپ خزانہ نکال لیں.....بیچ دیں.....جو بھی کریں، آپ یہ سب اپنے لیے کریں گی۔مگر ایک فیصلہ آپ کو ابھی سے کرنا ہے۔کیا آپ واقعی ایماندار بننے جا رہی ہیں؟ اگر ایسا ہے تو آپ کو ملک کے قانون کا احترام کرنا ہوگا۔اور اگر آپ یہ نہیں کرتیں تو کیا آپ خود اپنے وعدوں پہ یقین کر پائیں گی۔''

''وہ خزانہ میرا ہے۔'' وہ دونوں ہتھیلیاں میز پہ جمائے اٹھی اور اس کی طرف جھک کے غرائی۔''تم.....تمہارے اصول.....تمہارے قانون.....تم سب جہنم میں جاؤ۔مجھ سے میری زندگی لے لی گئی۔مجھ سے فاتح کو لے لیا گیا۔میرا باپ وقت کی چابی نے مجھ سے دور کر دیا..میرا آخری رشتہ تھا وہ اور وہ بھی مجھ سے چھن گیا (غصے سے منہ سے نکلا).میں پہلے ہی اپنی بیشتر دولت دے چکی ہوں۔اور اب میں اپنا جائز خزانہ بھی دے دوں؟ ہرگز نہیں۔'' اس کا رنگ شدتِ جذبات سے سرخ پڑ چکا تھا۔

''میں نے کہا نا..آپ اپنے فیصلوں میں آزاد ہیں۔فتویٰ بہت سی چیزوں کی اجازت دے دیتا ہے لیکن جس دین کو میں مانتا ہوں اس میں تقویٰ انسان کو بہت سے غیر ضروری بوجھ سے بچا بھی لیتا ہے۔میں اپنے ضمیر پہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔'' وہ سادگی مگر اداسی سے کہہ رہا تھا۔اس کی آنکھیں بجھی بجھی سی تھیں۔تالیہ نے ایک غصیلی نظر اس پہ ڈالی، پرس دبوچ کے اٹھایا اور تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

ایڈم نے اسے دکھی دل کے ساتھ جاتے دیکھا۔ملال اور درد بہت تھا مگر ایک بات طے تھی کہ آدم بن محمد کا سر جھکا ہوا نہیں تھا۔ ہر بوجھ سے آزاد۔

☆☆==========☆☆

اتوار کی صبح اشعر محمود کے قلعہ نما گھر کے لان میں ہرن دھوپ سینکتے دکھائی دے رہے تھے۔صبح خوب بارش ہوئی تھی۔سارا لان نہا دھو کے نکھر نکھر گیا تھا۔اب چانک سے دھوپ نکل آئی تو ہرن گھاس پہ سست سے لیٹ گئے تھے۔

لان کے وسط میں لکڑی کی سیڑھیاں بنی تھیں جو اوپر ایک کینوپی تک جاتی تھیں۔مخروطی چھت والی کینوپی کے اندر لکڑی کے بینچ آمنے سامنے رکھے تھے۔اشعر ایک بینچ پہ براجمان، پیر قینچی صورت میز پہ رکھے ہوئے تھا۔جینز کے اوپر ٹی شرٹ پہنے، بالوں کو عام دنوں کے برعکس ماتھے پہ بکھیرے وہ اخبار سامنے پھیلائے ہوئے تھا۔

''ایش!'' اس نے زینے چڑھنے کی آواز سن لی پھر بھی اخبار پڑھتا رہا۔جب عصرہ سامنے آ کھڑی ہوئی تو اشعر نے اخبار کا کونا موڑا اور

سپاٹ سے نظروں سے اسے دیکھا۔

''اتنی صبح؟ خیریت؟'' انداز سرد تھا۔

''مجھے بات کرنی تھی۔'' عصرہ شدید پریشان نظر آتی تھی۔ اسکرٹ کے اوپر کندھوں کے گرد سادہ شال لپیٹے' وہ میک اپ سے خالی چہرہ لیے' بال باندھے یوں دکھائی دے رہی تھی گویا ابھی نیند سے اٹھ کے آئی ہو۔

''فاتح نے کاغذات جمع کروا دیے.. میں جانتی ہوں اس بات پہ تم مجھ سے ناراض ہو لیکن اس روز گھائل غزال والی مدد کے بدلے میں اس نے کہا تھا کہ...''

''آپ نے عظیم طاعون کے بارے میں سن رکھا ہے' کا کا؟'' تلخی سے اخبار لپیٹتے ہوئے اس نے عصرہ کو دیکھا۔

''اب تم فاتح کی طرح باتیں مت کرو۔'' وہ خفگی سے کہتی سامنے بیٹھی مگر اشعر نے بات نہیں سنی۔ اخبار میز پر ڈالتے ہوئے بولا

''اور آپ نے وہ نظم سنی ہے Ring-a-Ring-a-roses؟ بعض کہتے ہیں کہ وہ نظم یورپ کے عظیم طاعون کے بارے میں تھی' جب لاکھوں لوگ طاعون سے مر گئے تھے۔ ان کو سرخ دانے نکلتے تھے۔ جو سرخ دائروں کی صورت نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ اور ہاں......طاعون کے مریض جیب میں poises (پھول) اٹھا کے پھرتے تھے تا کہ خوشبو بیماری کی بو کو ڈھانک دے اور شفا دے۔ ان کے جسم سیاہ پڑ جاتے اور طاعون کے مریضوں کے مرنے کے بعد ان کی لاشیں اور ان کے گھر جلا دیے جاتے۔ یعنی آخر میں......'' وہ آگے ہوا اور پھر چبھتی نظروں سے عصرہ کو دیکھا۔ ''آخر میں وہ سب مر جاتے تھے۔''

پھر اس نے آہستہ سے نظم پڑھی۔

Ring around the rosies

(سرخ پھول جیسے دانے کے گرد دائرہ)

A pocket full of posies

(پھولوں کا چھوٹا سا گلدستہ جیب میں ہے)

Ashes Ashes

(راکھ......راکھ)

We all fall down

(اور ہم سب ڈھاتے چلے گئے)

اس نے آخری الفاظ اتنے سرد انداز میں ادا کیے عصرہ نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

''اشعر پلیز میری بات سنو۔''

''وان فاتح کیا سمجھتے ہیں؟ اگر وہ چیئر مین شپ کی لیے کاغذات جمع کرائیں گے یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں کہہ چکا ہوں' یہ سیٹ میری ہے'تو وہ کامیاب ہو جائیں گے؟ نہیں کاکا۔ ہم سب راکھ کا ڈھیر بن کے ایک ساتھ ڈھے جائیں گے۔''

''میں نے بہت کوشش کی ہے'اشعر لیکن وہ نہیں مانتا۔ اس نے آخر میں اپنی مرضی ہی کرنی ہوتی ہے۔''

''آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ چیئر مین میں بنوں گا۔ آپ نے کہا تھا کہ آبنگ سیاست سے کنارہ کش ہو کے مجھے endorse کریں گے لیکن کل میں نے سنا کہ وہ الیکشن لڑ رہے ہیں۔ واہ کاکا۔ واہ۔'' ناگواری بھرے غصے سے کہتا وہ گردن موڑے گھاس کو دیکھنے لگا۔ وہ سخت ناراض لگتا تھا۔

''اگر وہ گھائل غزال والا معاملہ نہ ہوتا تو......'' عصرہ بے بسی سے بولی، پھر سر جھٹکا۔ ''مگر نہیں۔ وہ تب بھی میری نہ مانتا۔ اسے اپنی ہی کرنی ہوتی ہے۔ اور اب تو وہ عجیب سا ہو گیا ہے۔ بے نیاز سا۔ جب سے وہ ملاکہ سے واپس آیا ہے' بدلا بدلا لگتا ہے۔''

اشعر نے چونک کے اسے دیکھا' پھر تعجب سے ابرو اٹھایا۔ ''کیا بدلا ہوا لگتا ہے؟ مجھے تو ویسے ہی لگے ہیں۔ سوائے آنکھ کے زخم کے۔''

''تم اس کے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہتے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ اسے سمجھنا کتنا مشکل ہے۔'' وہ پھٹ پڑی۔ پھر کنپٹی پہ ہاتھ رکھا۔ ''اشعر...... میں مزید کوشش نہیں کر سکتی۔ میں تھک گئی ہوں۔ تم لوگوں کے مسئلے ختم نہیں ہوئے تھے کہ نیلامی والا مسئلہ آ گیا۔ میرے ساتھ ایسا کون کر سکتا ہے؟ تم نے پتہ کروایا؟''

''کروا دوں گا۔ میرے اپنے کام پھنسے پڑے ہیں ابھی۔'' اس نے بے زاری سے چہرہ دوبارہ موڑ لیا۔ عصرہ نے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

''فاتح نے کاغذاتِ نامزدگی کیا جمع کروائے' تم نے تو نظریں ہی پھیر لیں' ایش۔ تم بھول گئے ہو میں نے تمہارے لیے اس کی فائل تک چرائی۔ اب اور کیا کروں میں؟''

''کاکا میرے سر میں درد ہے، میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ رکھائی سے کہہ کے اٹھا' میز پہ رکھا موبائل اٹھایا اور لکڑی کے زینے اترنے لگا۔ ہر قدم کے ساتھ لکڑی کے چٹخنے کی آواز آتی تھی۔ عصرہ بے بسی بھرے غصے سے کھڑی ہوئی۔

''میں کیا کروں مزید' ایش؟ میں تھک گئی ہوں۔''

اشعر جواب دیے بنا لان پہ اترا اور آگے چلتا گیا۔ اس کے ابرو تنے ہوئے تھے اور چہرے پہ برہمی تھی۔ اس نے نیلامی کے اسکینڈل کی تیاری کب سے کر رکھی تھی۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اگر اسکینڈل نہ بن سکا تو وہ عصرہ سے کیسا رویہ رکھے گا؟ اس بارے میں اس کے ذہن میں کوئی اسکرپٹ تیار نہ تھا۔ فی الوقت وہ عصرہ اور فاتح کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

☆☆=========☆☆

حالم کے بنگلے کو بھی بارش نے دھو ڈالا تھا۔ کھڑکیوں پہ قطرے جم گئے تھے مگر دھوپ نکلی تو وہ سوکھتے گئے۔ تالیہ اپنے کمرے کی کھڑکی کی

ساتھ زمین پہ بیٹھی تھی۔شیشے سے چہرہ ٹکا رکھا تھا اور نظریں باہر جمی تھیں۔رات والے سلیپنگ سوٹ میں ملبوس وہ ویران ویران سی لگ رہی تھی۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور داتن سنجیدہ چہرہ بنائے اندر داخل ہوئی۔ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے تھی جو اس نے تالیہ کے قدموں کے پاس رکھی اور پھر اپنا بھاری بھرکم سراپا سنبھالتی بیڈ کے کنارے جا بیٹھی۔اب وہ تالیہ سے دو فٹ کے فاصلے پہ تھی۔

''اگر اپنے سارے مال و دولت کو گنوانا تمہیں اتنا تکلیف دے رہا ہے تو تم نے ایسا کیا کیوں؟'' اس نے تھکی تھکی سی تالیہ کا پژمردہ چہرہ دیکھا جو گال شیشے سے ٹکائے باہر جھانک رہی تھی۔

''میں دو دنیاؤں کے درمیان پھنس گئی ہوں'داتن۔''اس کا انداز کھویا کھویا سا تھا۔

''تالیہ ہم اچھے دوست رہے ہیں مگر اب تم راستہ بدلنا چاہتی ہو۔تمہیں نئے نیک دوست مل گئے ہیں اور اب تمہیں پرانے دوست گناہگار اور بھٹکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔اچھا ٹھیک ہے۔پرانے دوست برے سہی اور نئے بہت اچھے سہی'مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم پرانے دوست سے اب دل کی بات نہیں کہہ سکتی۔''

تالیہ نے نظریں موڑیں تو اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔''پرانے دوستوں جیسی میں رہنا نہیں چاہتی......مگر نئے دوست اخلاق اور کردار میں اتنے اعلیٰ ہیں کہ ان تک میں نہیں پہنچ سکتی۔میں کیا کروں'داتن؟''

''تم میرے جیسی کبھی نہیں تھیں۔میں تنکو کامل کی بیوی کے سارے زیور چرانا چاہتی تھی مگر تم نے کہا کہ اس کا تاج (تیارا) چھوڑ دوں'وہ اس کی ماں کی نشانی ہے۔تم دھوکہ دہی اور جھوٹ کی اس دنیا میں بھی دل دکھانے سے ڈرتی تھیں۔تم تلخ اور زہرخند نہیں تھیں۔ہنس مکھ اور خوش اخلاق تھیں۔''

''مگر میں ان جیسی بننا چاہتی ہوں۔''اس کی نگاہ محل پہ تھی جو اونچی پہاڑی پہ بنا تھا اور اس تک جانے کے لیے کوئی سڑک نہ تھی۔

''تم کردار اور اخلاق کے اعلیٰ ترین معیار پہ پہنچ کر بھی ان جیسی نہیں بن سکتیں۔جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ کوئی کسی کی طرح نہیں بن سکتا۔ہر انسان مختلف ہوتا ہے۔اور کیونکہ انہوں نے تمہاری طرح دو زندگیوں کے ذائقے نہیں چکھے۔وہ سچے ہیں'اس لیے انہیں جھوٹوں سے لڑنا نہیں آتا۔وہ ہمیشہ سیدھے راستے پہ رہے ہیں اس لیے انہیں میڑھا تنی آسانی سے دکھائی نہیں دیتے۔تمہیں دکھائی دیں گے۔ہمیشہ دکھائی دیتے رہیں گے۔تم بے شک ان جیسی بننا چاہتی ہو شوق سے بنو،لیکن تم ان سے ہمیشہ مختلف رہو گی۔''

تالیہ نے دھیرے سے سر اثبات میں سر ہلایا۔''اور یہ میرا اصل ہے جس کے ساتھ مجھے رہنا ہے؟''

''ہاں۔تم نے اتنے میڑھے پن اختیار کیے ہیں کہ اب تم انسانوں کے وہ سارے میڑھ دیکھ سکتی ہو جو تمہارے نئے دوست نہیں دیکھ سکتے۔تم سچ جھوٹ کی پہچان ان سے بہتر کر سکتی ہو کیونکہ تم اس سب سے گزر چکی ہو۔''

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ وہ پھر سے گردن موڑ کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

داتن چلی گئی اور کمرے میں کافی دیر خاموشی پھیلی رہی تو اس نے فرش پہ رکھا سیاہ موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔ پھر اسپیکر آن کر کے موبائل ہاتھ میں پکڑ لیا اور گال گھٹنوں پہ رکھ دیا۔

''کیسے ہو حالم؟'' چند گھنٹیوں بعد وان فاتح کی آواز سنائی دی۔ اس کا سانس اتھل پتھل لگتا تھا جیسے وہ بھاگتا ہوا آ رہا ہو۔ یقیناً وہ صبح کی جاگنگ کر رہا تھا۔

''فاتح صاحب...... آپ کے کام ابھی تک نہیں ہو سکے' مگر......''

''میں نے پوچھا.... کیسے ہو تم؟'' وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ سن باؤ کا غلام مجسمہ بناتی شہزادی سے ایسے ہی نرمی سے مخاطب ہوا کرتا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔ ایک مسئلہ پوچھنا تھا آپ سے۔''

''میرا خیال تھا تم اکثر مسئلے خود حل کر لیتے ہو۔ خیر' پوچھو۔'' وہ تیز تنفس کے درمیان بولا۔ رفتار آہستہ کر دی تھی۔

''آپ legislator ہیں۔ قانون بناتے ہیں۔ خود بھی وکیل رہے ہیں۔ مجھے بتائیں' یہ treasure trove ایکٹ کیا ہے؟''

''خزانہ ڈھونڈنے والوں کے فرائض' رائٹ؟ اس میں یہ ہوتا ہے کہ اگر آپ کو ملائیشیا میں کوئی مدفن خزانہ ملے تو آپ کو فوراً اس شہر کے ڈسٹرکٹ آفیسر کو اطلاع دینی ہوتی ہے۔''

''اور اگر کوئی اطلاع دینے کے بجائے وہ خزانہ خود رکھنا چاہے تو؟''

''تو یہ جرم ہے۔''

''لیکن اگر خزانہ اس کے اپنے آباؤ اجداد کا ہو یا اس نے خود دبایا ہو..... تو یہ جرم کیسے ہوا؟''

''پچاس سال گزر جانے کے بعد مدفن چیزیں سرکار کی ملکیت بن جاتی ہیں' ہاں اگر کوئی یہ ثابت کر سکے کہ اس نے خزانہ خود دبایا تھا یا واقعی اس کے آباؤ اجداد کا ہے' تو وہ اسے مل سکتا ہے۔''

"ثابت نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر ہمیں خود معلوم ہو کہ ہم سچے ہیں... کیا تب بھی ہم وہ خزانہ خود نہیں رکھ سکتے؟ اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہو کہ ہم سچے ہیں' تب بھی نہیں؟"

"اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہوتا ہے مگر وہی ہمیں کہتا ہے کہ ہمیں law of the land کی پاسداری کرنی ہے اور ملک کا قانون ثبوت مانگتا ہے۔''

"فاتح صاحب!'' اس نے آنکھیں رگڑیں۔ ''اگر انسان ایک راستے سے تائب ہونے کا عہد کر لے مگر پھر ایک موقع آئے۔ ایک temptation سامنے ہو تو کیا ایک آخری مرتبہ اس کو چکھا جا سکتا ہے؟ بس یہ آخری ہو' اس کے بعد وہ عہد کرے کہ وہ ہر رغبت سے

اجتناب کرے گا۔"

"اور اگر وہ امتحان آخری امتحان ہوا...؟ اگر اس کے بعد امتحان ہی نہ ہونا ہو اور اسی کے اوپر ہمیشہ کے لیے پاس یا فیل ہونے کا فیصلہ کیا جانا ہو؟ تب؟"

کھڑکیوں پہ ایک دم سے بوندیں برسنے لگیں۔ بارش پھر سے شروع ہوگئی تھی۔ تالیہ نے بے اختیار چہرہ شیشے سے دور کیا۔

"توبہ کا وقت تو موت تک ہوتا ہے 'فاتح صاحب۔"

"دیکھو حالم... کچھ امتحانات میں سپلی آ جاتی ہے اور کچھ کو فیل کرنے کی صورت میں کالج سے نکال دیا جاتا ہے۔ لیکن کچھ امتحانات انٹری ٹیسٹ ہوتے ہیں۔ ایک نئے طرز زندگی میں داخلے کا امتحان۔ ان کو فیل کیا تو آپ داخل ہی نہیں ہوں گے۔ بعد میں توبہ کر بھی لیں تو کس نے گارنٹی دی ہے کہ توبہ قبول بھی ہوگی؟"

"اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش سامنے ہو تو اسے کیسے چھوڑا جائے' فاتح صاحب؟ اتنا بڑا دل کوئی کہاں سے لائے؟"

"دیکھو حالم ... جب اللہ تعالیٰ ہمیں امتحان میں ڈال کے محبوب چیز اور درست چیز کے چناؤ کا موقع دیتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ہمارے اندر اچھائی کی رمق باقی ہے۔ ابھی سیدھا راستہ ہمارے قدموں سے مایوس نہیں ہوا۔ سیدھے راستے کی خود سے لگی یہ امید نہیں توڑنی چاہیے۔ ایک طرف سے رزق نہیں آئے گا تو کسی دوسری طرف سے آجائے گا۔ اتنا تو اچھائی کی طاقت پہ بھروسہ رکھو نا!" وہ اب تیز تیز چلتے ہوئے اسے سمجھا رہا تھا۔ تالیہ اسے مزید کچھ نہ کہا گیا۔ اس کے آنسو زاروقطار گرنے لگے۔ وہ ابھی بول ہی رہا تھا جب اس نے کال کاٹ دی اور فون پرے ڈال دیا۔

سارے فیصلے اس برستی بارش نے کروادیے تھے۔

☆☆==========☆☆

وہ حالم سے فون پہ بات کرتے ہوئے سڑک پہ تیز تیز چل رہا تھا جب بارش شروع ہوئی۔ ٹریک سوٹ میں ملبوس' کانوں میں ہینڈز فری لگائے' اس نے چہرہ اٹھا کے آسمان کو دیکھا' پھر قدم تیز کردیے۔ قریب میں بس اسٹینڈ کا چھپر بنا تھا۔ فاتح نے بات جاری رکھتے ہوئے' جیب سے پانی کی ننھی سی بوتل نکالی اور شیڈ کی طرف آ گیا۔

حالم نے ایک دم سے کال کاٹ دی تو اس نے برا مانے بغیر ہینڈز فری کانوں سے نکالے اور بینچ پہ آ بیٹھا۔ پھر بوتل لبوں سے لگائی اور موبائل کھول کر دیکھنے لگا۔

گیلے بالوں اور کپڑوں کے ساتھ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے وہ اب ایک بھرپور چھٹی انجوائے کرتا نظر آ رہا تھا۔

"فاتح صاحب .... وان فاتح!"

آوازوں سے ہی اسے معلوم ہوگیا تھا کہ رپورٹرز نے اسے ڈھونڈ لیا ہے۔ اس نے بس مسکرا کے چہرہ اوپر اٹھایا وہ تو مکھیوں کی طرح

اطراف سے اس پہ جھپٹے۔ پل بھر میں سامنے پانچ چھے افراد جمع ہو گئے تھے۔ ایک دو نے چھتریاں تان کے باقی سب کو بھی بارش سے بچالیا تھا۔ کچھ چھپر تلے بھی آ گئے تھے۔

"آپ نے کاغذات نامزدگی جمع کروا دیے ہیں۔ کیا آپ خود کو پی این کا اگلا چئیر مین بنتے دیکھ رہے ہیں جبکہ کچھ عرصہ پہلے تک آپ کے استعفیٰ کی افواہیں گردش کر رہی تھیں۔"

کسی نے مائیک اس کے چہرے کی طرف کیے سوال جھاڑا۔ وہ مسکرا کے پیچھے ہوا' ایک بازو بینچ کی پشت پہ پھیلایا اور ٹانگ پہ ٹانگ جما لی۔

"وان فاتح استعفیٰ نہیں دے رہا...نہ دے گا .میں الیکشن لڑ رہا ہوں اور بالکل لڑ رہا ہوں".

"مگر کچھ عرصہ پہلے تک لوگ آپ سے یہ سوال پوچھتے تھے تو آپ جواب گول کر جاتے تھے۔ اب آپ بہت دھڑلے سے الیکشن لڑنے کی بات کر رہے ہیں۔ کیا تب آپ کو لگتا تھا کہ آپ کو مخالفتوں کے باعث الیکشن سے دستبردار ہونا پڑے گا؟"

"دیکھیں الیکشن لڑنا تو میں اس دن چھوڑوں گا جس دن آپ کو اطلاع ملے گی کہ بعد نمازِ عصر وان فاتح کا جنازہ ہے۔ ورنہ اس زندگی میں سیاست میں ایک دفعہ اتر جانے والا اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔"

بارش میں کھڑے رپورٹرز کا قہقہہ گونجا۔

"مگر فاتح صاحب .... جب سے آپ کی دکانیں جلی تھیں اور آپ کی انوسٹمینٹ ڈوبی تھی' عام تاثر یہ بن گیا تھا کہ آپ کے پاس الیکشن لڑنے کا پیسہ نہیں ہے۔ تو اب آپ کے مالی حالات کیسے ہیں؟"

"اب صوفیہ رحمٰن کی طرح میرے باپ نے بھی کرپشن کر کے لامحدود دولت اکٹھی کی ہوتی تو میرے مالی حالات کو اس آگ سے فرق نہ پڑتا مگر خیر .... میں الیکشن لڑنے کی پوزیشن میں ہوں۔"

"فاتح صاحب یہ بتائیے۔" دوسرے رپورٹر نے سانس لیے بغیر پوچھا۔ "تازہ اطلاع ہے کہ کل اشعر محمود بھی چئیر مین شپ الیکشن کے لئے کاغذات جمع کرانے جا رہے ہیں۔ اس بارے میں آپ کیا کہیں گے؟"

فاتح نے جیب سے ہینڈز فری نکالے اور ان کی گرہ کھولتا اٹھا۔ "کاغذات جمع کروانا ہر ایک کا حق ہے اور پھر الیکشن سے پہلے بہت سے کاغذات جمع کروائے جاتے ہیں۔"

ہینڈز فری کانوں میں ڈالتا وہ فٹ پاتھ پہ آگے بڑھا تو رپورٹرز اپنے مائیک اس کی طرف بڑھائے الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگے۔

"آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اشعر صاحب صرف کورنگ امیدوار ہیں؟ اور وہ بعد میں کاغذات واپس لے لیں گے؟" ایک لڑکے نے بلند آواز میں پوچھا۔ (کورنگ امیدوار اصل امیدوار کا حامی ہوتا ہے اور اس لئے کاغذات جمع کرواتا ہے تاکہ اگر اصل کے کاغذات مسترد ہو جائیں تو اس کا گروپ اس کو کھڑا کر سکے۔ مستردگی کے فیصلے کے آنے تک کاغذات نامزدگی جمع کروانے کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے۔)

"اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اپنی جاگنگ مکمل کرلوں کیونکہ میرے سامنے ایک لمبا دن ہے". اس نے جواب دیے بغیر فون جیب میں ڈالا اور ہینڈز فری کانوں میں پکے کرتے ہوئے قدم تیز کر دیے۔ صحافی مزید سوالوں کی بوچھاڑ کرنے لگے مگر وہ جلد ہی ان کے درمیان سے راستہ بناتا... ہلکا ہلکا سا بھاگتا آگے نکل گیا۔

اور ایسے میں اس کے ذہن میں ایک خیال گردش کرنے لگا تھا۔

معلوم نہیں حالم نامی اس انویسٹی گیٹر کا کیا مسئلہ ہوگا؟

بار بار ذہن بھٹک کے اس ہی کی طرف جا رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

ایڈم کے چھوٹے سے گھر کا باغیچہ اتوار کی صبح پھولوں سے مہک رہا تھا۔ مرغی گھاس پر چونچ مار رہی تھی اور چوزے چوں چوں کرتے اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ دیوار پہ لوہے کی تار لگی تھی جس کے باعث بلی اب وہاں دکھائی نہ دیتی تھی۔ ایڈم کی ماں برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی ڈش میں میدہ لیے پیڑے بنا رہی تھی۔ بارش ختم ہوئے گھنٹہ بھر ہونے کو آیا تھا اور موسم خوشگوار تھا۔

گیٹ کی بیل بجی تو ماں نے چونک کے سر اٹھایا۔ پیڑے بناتے اس کے ہاتھ رک گئے۔ سامنے لگے چھوٹے سے جنگلے نما گیٹ کے پار کھڑی لڑکی صاف دکھائی دیتی تھی۔ پاؤں کو چھوتا سرخ فراک پہنے کہنی پہ بیگ ڈالے' سر پہ ترچھا سفید ہیٹ رکھے' وہ سنہرے بالوں والی لڑکی شناسا تھی۔

"سلام!'' سر کو خم دے کر سلام کیا تو ایبو ڈش رکھ کے آٹے سے لتھڑے ہاتھوں کے ساتھ اٹھی۔

"چ...'' وہ رکی۔ اس کا نام کیا تھا؟ بھول سا رہا تھا۔ مگر وہ جلدی سے آگے آئی اور مسکرا کے دروازہ کھولا۔

"میں ایڈم سے ملنے آئی ہوں". وہ ہچکچا کے بولی۔ ساتھ ہی نظروں سے باغیچے کا جائزہ لیا۔ گھاس کے اختتام پہ ماچس کی ڈبی جیسا ننھا سا گھر تھا جس کی چھت مخروطی تھی۔

"آپ اندر آئیے۔ میں اسے بلاتی ہوں". ایبو اسکرٹ سے بندھے رومال سے ہاتھ صاف کرتی اندر کو لپکی۔

"ایڈم ..ایڈم!" ماں ایڈم کے کمرے کا دروازہ تیزی سے کھول کے اندر داخل ہوئی تو دیکھا' وہ اسٹڈی ٹیبل پہ جھکا کچھ لکھنے میں مصروف تھا .چیک والی سرمئی شرٹ پہنے' وہ سادہ حلیے میں تھا۔ ماں کو دیکھ کے چہرہ موڑا اور جمائی روکی۔

"میں ناشتے کے لئے آ ہی رہا تھا۔"

"وہ باہر آئی ہے . کہہ رہی ہے ایڈم سے بات کرنی ہے".

"کون؟" وہ چونکا" .فاطمہ؟" بےیقینی سے قلم رکھا۔

"نہیں .وہ لڑکی جس نے تمہارے تایا کا خواب سن کے آمین کہا تھا".

ایڈم بن محمد کو چند ثانیے سمجھ ہی نہیں آیا۔وہ ہونقوں کی طرح ماں کا چہرہ دیکھنے لگا .

" کون؟"

"وہ جو اشعر صاحب کی پارٹی میں موجود تھی۔سنہرے بالوں والی "....

ایڈم اتنی تیزی سے بوکھلا کے کھڑا ہوا کہ اس کے کہ اس کی ہڈیاں چٹخنے کی آواز آئی۔

''چے تالیہ؟''

"ہاں۔یہ وہی ہے نا جو کسی کی نوکرانی تھی اور اب خاندانی رئیس بننے کی اداکاری کرتی ہے؟"ابو نے یاد کیا۔

وہ کوئی نوکرانی وغیرہ نہیں ہے .وہ ملک کے اعلیٰ ترین شاہی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔شہزادیوں سے بھی اعلیٰ ہے وہ۔''وہ بگڑ کے جلدی جلدی بولا تھا۔

تالیہ گیٹ کی طرف پشت کیئے کھڑی تھی جب وہ دوڑتا ہوا باہر آیا .اس کا لمبا سرخ فراک ,سر کا ہیٹ ,اور پیچھے گرتے سنہری بال یہاں سے دکھائی دیتے تھے .ایڈم نے شرمندگی سے اپنے چھوٹے سے باغیچے کو دیکھا ,پھر ہاتھوں سے شرٹ کی نادیدہ شکنیں درست کیں اور کنکھارتا ہوا قریب آیا۔

"چے تالیہ!''

وہ اس کی طرف گھومی۔دونوں کی نظریں ملیں .تالیہ نے سفید ہیٹ ترچھا کیا تو اس کا چہرہ پورا نظر آیا۔اس چہرے پہ صرف سادگی تھی۔

"اندر ...اندر آیئے۔''

وہ گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔یعنی سڑک پہ۔اردگرد چھوٹے گھروں کی قطار تھی اور لوگ آ جا رہے تھے۔ایک لڑکی پرام دھکیلتی آ رہی تھی۔ایک فربہی مائل عورت گروسری کے تھیلے اٹھائے سامنے جا رہی تھی۔ایک بوڑھا جوڑا خوشگوار موسم کے باعث واک کرنے نکلا ہوا تھا۔

"یہ عورت کبھی اس لڑکی جیسی ہوگی۔''اس نے ابرو سے سامان اٹھائے چلتی عورت کی طرف اشارہ کیا تو ایڈم نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں پہلے اس موٹی عورت کو دیکھا' پھر اس نوجوان لڑکی کو۔''کبھی یہ اتنی پتلی ہوگی لیکن اپنی شادی کے تین چار سال بعد یہ ایسی ہوگئی ہوگی۔تقریباً بیس کلو وزن بڑھا ہوگا جس کو یہ گھٹا نہیں سکی ہوگی۔''

ایڈم غور سے اسے بولتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔اپنے گھر پہ شرمندگی 'اپنا ارف حلیہ 'ساری فکریں ذہن سے محو ہونے لگیں۔

"جانتے ہو پتلے لوگ موٹے کیوں ہو جاتے ہیں؟"تالیہ گردن موٹے پتلی لڑکی کو پرام دھکیلتے دیکھ رہی تھی.

" کیونکہ وہ بہت کھاتے ہیں۔''

" مگر کتنا کھاتے ہیں؟ پتہ ہے ایک تحقیق ہوئی اس بارے میں کہ پتلے لوگوں اور موٹے لوگوں کی روزانہ کی خوراک میں کتنا فرق ہے؟"

وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ بتا رہی تھی۔

"موٹے اور پتلے لوگوں کی سال بھر کی خوراک کا موازنہ کیا گیا تو معلوم ہے' شاہی مورخ' ہر روز موٹے لوگ پتلے لوگوں سے کتنا زیادہ کھاتے ہیں؟" اس نے چہرہ موڑ کر چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"صرف ایک نوالہ زیادہ!"

ایڈم نے بے یقینی سے ابرو اٹھائے۔

"ایک نوالہ؟ صرف ایک نوالے سے کون موٹا ہوتا ہے؟"

"بالکل۔ یہ عورت بھی یہی سمجھتی ہو گی کہ روز کا ایک نوالہ زائد کھانے سے میں موٹی کہاں ہو سکتی ہوں۔ مگر ہر روز کا ایک زائد نوالہ جو اندر جاتا ہے' وہ جمع ہوتا جاتا ہے اور سال بھر میں چار پانچ کلو وزن بڑھا دیتا ہے۔ شادی کے چوتھے پانچویں سال تک لڑکیاں پندرہ بیس کلو بڑھا کہ موٹی مرغیوں جیسی بن جاتی ہیں کیونکہ ان اب کو لگتا ہے کہ ایک نوالہ .... ذرا سی چیٹنگ ..... سے کوئی فرق نہیں پڑتا"۔

پھر وہ پوری اس کی طرف گھومی اور اداس مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"لیکن فرق پڑتا ہے۔ روز کے چھوٹے چھوٹے جھوٹ اور چھوٹی چھوٹی خیانتیں جمع ہو کے بہت بڑا ڈھیر لگا دیتی ہیں اور ان سے جان چھڑانا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے جیسے بڑھا ہوا وزن کم کرنا۔ ان دونوں کاموں کے لئے بہت سا صبر اور پرہیز کرنا ہوتا ہے۔ پلیٹ میں پیش کی گئی رغبتوں کو دیکھ کے بھی انکار میں سر ہلانا پڑتا ہے۔"

"آپ نے فیصلہ کر لیا ہے؟"

"ہاں ... میری کار میں کھدائی کا سامان پڑا ہے۔ میرے ساتھ ملاکہ چلو۔ ہم اپنا خزانہ کھود کے نکالیں گے اور پھر ہم فوراً ڈسٹرکٹ آفیسر کو خبر دیں گے۔ ہم اسے پوری ایمانداری سے سرکار کے حوالے کر دیں گے"۔

ایڈم نے اسے پتلیاں سکوڑ کے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ "میں کیسے یقین کروں کہ آپ خزانہ دیکھتے ہی کدال میرے سر پہ نہیں دے ماریں گی؟ اور کھودے ہوئے گڑھے میں میری لاش ڈال کے جے دفنا کے سارے ثبوت نہیں مٹا دیں گی؟"

تالیہ نے تھکی ہوئی سانس بھری۔

"اگر مجھے ایسا کرنا ہوتا تو تمہیں ساتھ کیوں لے کر جاتی؟ اکیلی ہی سارا خزانہ نکال کے غائب ہو جاتی۔ تم نے پولیس کو نہ بتانے کا وعدہ کیا تھا۔"

"واقعی مجھے ساتھ لے کر جا کیوں رہی ہیں آپ؟"

"تاکہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ تالیہ بنت مراد اپنے باپ جیسی نہیں ہے۔ وہ اس خزانے کو نہیں لوٹے گی جو اس کے ملک کے لوگوں کی

امانت ہے۔اور میرے خواب کے مطابق ہم دونوں اکٹھا خزانہ نکالنے کی باتیں کررہے تھے۔ایک خزانہ ہم نے پہلے بھی ایک ساتھ ڈھونڈا تھا۔جیسے تم نے اس خزانے کی حفاظت کی تھی' آج مجھے اس کی کرنے دو۔"

ایڈم کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ماتھے کے بل غائب ہو گئے۔وہ پورے دل سے مسکرایا.

"آپ واقعی بدلنا چاہتی ہیں؟"

"ہاں مجھے اچھائی کی طاقت پر اتنا بھروسہ تو ہے ہی". ہیٹ والی لڑکی مسکرا رہی تھی .ایڈم کا دل خوشی سے بھر گیا.

"لیکن آپ کے امیر ہونے کا خواب ادھورا رہ جائے گا۔"

تالیہ مراد نے ہیٹ ترچھی کی اور معنی خیزی سے مسکرائی". کس نے کہا؟"

ایڈم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔"یک منٹ...آپ نے ابھی کہا کہ آپ خزانے کو ہاتھ نہیں لگائیں گی۔"

"ہرگز نہیں...میں نے یہ کہا کہ ہم ڈسٹرکٹ آفیسر کو اطلاع دیں گے 'اور خزانہ حکومت کے حوالے کر دیا گے . مگر یو نو وات ایڈم۔تم میں اور مجھ میں یہی فرق ہے .تم بہت سیدھے ہو .میں نہیں ہوں .میں نے ٹریژر ٹروو ایکٹ پڑھا ہے .اس کے مطابق حکومت کو خزانہ ڈھونڈنے والوں کو انعام بھی دینا ہوتا ہے".

"انعام؟"..ایڈم کا منہ کھل گیا۔

"ہاں اور جب ہم سرکار سے خزانے کی ڈیل کریں گے تو ان سے عہد لیں گے کہ انعام خزانے کا percentage ہونا چاہئے. کروڑوں کے خزانے کا معمولی حصہ بھی بہت ہی ہو گا۔حکومت بہت آرام سے چند نوادرات ہمیں دے دے گی جس کو میں بھرپور پروموشن کے بعد کروڑوں میں بیچوں گی .ہاں ہم اس رقم سے بہت امیر نہیں ہو جائیں گے مگر ایک نئی زندگی شروع کرنے کے لیے اتنی رقم کافی ہے. اور پھر میرے پاس ملاکہ سے لایا گیا قیمتی زیور بھی ہے اور وان فاتح مجھے بی این اعلیٰ پائے کی جاب بھی دلوا دیں گے .یہ بھی کم نہیں ہے".

"اور میں سمجھا تھا تالیہ اپنے سارے خواب بھلا کر درویشانہ زندگی گزارنے جا رہی ہیں مگر آپ نہیں بدلیں گی۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا تو تالیہ نے کندھے اچکائے.

"خوابوں پر شہزادی تالیہ کبھی سمجھوتہ نہیں کرتی..گستاخ مورخ" پھر اس کے دائیں ہاتھ کو دیکھا جسے ایڈم نے سرعت سے پیچھے کر لیا۔"میں لباس تبدیل کر کے آتا ہوں , آپ یہیں رکیں"

وہ جیسے ہی اندر آیا ایبو پیچھے پیچھے چلتی آئی "تم دونوں کسی خزانے کی بات کر رہے تھے ,ایڈم مجھے بتاؤ یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"ایڈم بن محمد کوز مین میں چھپے خزانے کا راز ملنے والا ہے ,ماں۔تایا کی دعا قبول ہونے والی ہے۔" وہ الماری میں ہینگر زادھر ادھر کرتے ہوئے عجلت میں بتانے لگا .چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا.

چوکھٹ میں کھڑی ایبو نے گہری سانس لی" .اور اس روز تم دنیا کے بادشاہوں سے زیادہ طاقتور بن جاؤ گے .یہ بات بھی اس خواب

میں شامل تھی ۔

ایڈم کے ہاتھ رکے ۔ وہ ٹھٹھکا ۔ بے اختیار کموڈو ڈریگن کی لاش اور وہ غار یاد آیا جو سونے سے بھرا تھا۔

(ایک خزانے کا راز اسے پہلے بھی ملا تھا مگر اس نے کسی مقام پہ خود کو بادشاہ سے زیادہ طاقتور تصور نہیں کیا تھا ، اور طاقتور تو وہ اب بھی نہیں بنے گا ۔ تو پھر ..؟)

خیر....اس نے سر جھٹکا اور کپڑے نکالنے لگا۔

☆☆=========☆☆

اس مصروف سڑک کے دونوں اطراف میں ڈیزائنر شاپس بنی تھیں ۔ شاپنگ کرتے لوگ سڑک کنارے ٹہل رہے تھے ۔ دکان کے اندر بھی اشیاء دور سے چمکتی دکھائی دے رہی تھیں ۔ ایک جیولری اسٹور کے دروازے سے سمیع اندر داخل ہو رہا تھا۔

سمیع کے بال مناسب کٹے تھے اور آنکھوں پہ مہنگے فریم والا نظر کا چشمہ تھا۔ ڈیزائنر کوٹ پہنے ، انگلی میں سونے کی قیمتی انگوٹھی ، کلائی میں سنہری گھڑی باندھے وہ بظاہر کوئی مالدار آدمی لگتا تھا۔ سانولے چہرے پہ بے نیاز مسکراہٹ تھی اور عقاب جیسی آنکھیں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

مینجر اس کو دیکھ کے فوراً اٹھا۔ وہ مسکرا کے قریب آیا اور زیورات سے سجے شوکیس کے ساتھ رکھی کرسی پہ بیٹھا.

"بتایئے سر کیا دیکھنا چاہیں گے؟" یہ درمیانے درجے کا اسٹور تھا اور اس میں ڈیزائنر جیولری تو نہ تھی ، لیکن پھر بھی اس کا شمار قابل بھروسہ جیولرز میں ہوتا تھا۔

سینئر مینجر نے نگاہوں سے اس آدمی کی مالی حیثیت کا اندازہ کرنا چاہا ۔ وہ کوئی ونڈو شاپر نہیں لگتا تھا ۔

ظاہر ہے وہ اس بات سے واقف نہ تھا کہ سمیع نے ادھار کی چیزیں پہن رکھی تھیں ۔ اسکے مالی حالات خراب تھے آج کل اور کام ٹھنڈا تھا. قرض الگ چڑھے تھے ۔ ایسے میں تالیہ کے ٹاپس اس کا واحد ہتھیار تھے ۔ ہاں مگر وہ بیوقوف نہ تھا کہ ٹاپس بیچنے کی کوشش کرتا ۔ اس نے اپنے سنار دوست سے ہیرے نکلوائے تھے اور ان ہیروں کی پرانی تاریخوں میں کسی درمیانے درجے کے اسٹور کی رسیدیں بھی بنوائی تھیں. ایسے اسٹور کے جیولر مالکان اپنے جاننے والے چوروں اور نوسر بازوں کی چوری شدہ رسیدیں بنا دیتے تھے تا کہ انہیں بیچنا آسان ہو. اسکے سنار دوست نے ہیرے دیکھتے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ بہت قیمتی ہیں ۔ وہ ٹاپس بلیو ڈائمنڈ کے تھے اور ڈیزائنر جیولری معلوم ہوتے تھے. یقیناً تالیہ کو اس کے کسی چاہنے والے نے دیئے ہونگے ۔

"اپنی والدہ کے ڈائمنڈز کو میں انگوٹھی میں جڑوانا چاہتا ہوں ۔ دراصل میری شادی ہو رہی ہے" وہ مسکرا کے بتا رہا تھا ۔ ساتھ ہی جیب سے ایک باکس نکالا اور اسے کھولا ۔ اس کے اندر وہ دونوں ہیرے ایک سونے کے لاکٹ کے ساتھ پڑے دکھائی دیتے تھے ۔ لاکٹ پرانا تھا اور ایسا لگتا تھا اندر سے ہیرے اتارے گئے ہیں۔

"میں نے ایک جیولر سے ان کو اتروایا مگر اس نے انگوٹھی کے جو ڈیزائن دکھائے وہ مجھے پسند نہیں آئے۔ میں اسے آپ کے پاس لے آیا۔"

"شیور سر...آپ کے ذہن میں کوئی ڈیزائن ہے؟"

مینجر نے فوراً باکس قریب کیا اور ٹویزر سے ایک ہیرا اٹھا کے دیکھا۔ اس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

"میں یہ ڈیزائن چاہ رہا تھا۔ میری منگیتر کو یہ پسند ہے مگر سرپرائز دینا ہے تو اس لیے..." وہ موبائل پہ ایک ڈیزائن دکھانے لگا۔

"آپ کے پاس رسید ہے نا اس کی؟ دراصل سسٹم ایسا ہے کے"... مینجر وضاحت دینے لگا۔ بظاہر شک کرنے کی وجہ تو نہ بنتی تھی مگر وہ مجبور تھا۔

"آف کورس ہے"۔ اس نے جیب سے فوراً کاغذ نکال کے دکھائے"۔ والدہ نے قریباً پانچ برس پہلے یہ لاکٹ بنوایا تھا۔ ان کی وفات کے بعد سے ایسے ہی پڑا ہے"۔ اب وہ رٹی رٹائی کہانی سنا رہا تھا۔

"بہت قیمتی ہیرا ہے یہ"۔ مینجر متاثر کن نظروں سے ہیرے کو الٹ پلٹ کے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے احتیاط سے دونوں ہیروں کو ڈبی میں ڈالا۔

"میں ان کو چیک کر لوں' پھر بتاتا ہوں کہ کیا کرنا ہے"۔ خوش اخلاقی سے کہتا مینجر ہیروں کو لئے شوکیس کے سرے تک آیا جہاں نیچے چند مشینیں رکھی تھیں۔ اس نے مائیکروسکوپ کی طرح کی مشین میں ایک ہیرا رکھا اور آنکھ مقررہ جگہ پہ لگا کہ اسے پرکھنے لگا۔

اسٹور کے قیمتی ہیروں اور سونے کی چمک سمیع کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اے سی کے ٹھنڈے اور خنک ماحول میں وہ خود کو بہت آرام دہ محسوس کر رہا تھا جب مینجر واپس اس تک آیا۔

"آپ کے ہیرے بالکل اصلی ہیں۔ اچھا اب میں آپ کو چند فریش ڈیزائن دکھا دیتا ہوں جو آپ کی خوش قسمت وائف کو بہت پسند آئیں گے۔" مینجر خوش دلی سے چند کیسز نکال لایا۔ پھر ایک ایک انگوٹھی نکال کے دکھائی۔ اپنی چرب زبانی سے وہ ہر انگوٹھی کے ڈیزائن کی شان میں قلابے ملا رہا تھا۔

سمیع کچھ دیر ان کو دیکھتا رہا۔ یوں ظاہر کیا جیسے اسے ڈیزائن پسند نہ آرہے ہوں۔

"شاید ہیرے بہت بڑے ہیں۔ ان کو بیچ کے میں چھوٹے ہیرے خرید کے اگر انہیں یوں بنوالوں تو..." وہ ایک ڈیزائن پہ انگلی رکھ کے بولا تو جیولر گہری سانس لیتے ہوئے پیچھے ہوا۔

"تھینکس جناب۔ مجھے آپ کے چوری کے ہیرے نہیں خریدنے۔" جیولر کا لہجہ ایک دم روکھا ہوا تو سمیع نے چونک کے اسے دیکھا جو سمیع کے پیچھے کسی کو دیکھ رہا تھا۔

سمیع ایک دم گھوما۔ کرسی بھی ساتھ ہی گھومی۔

دکان کے دروازے سے تین پولیس آفیسرز داخل ہو رہے تھے۔

"ایک منٹ- میرے ہیرے چوری کے نہیں ہیں۔ "اس نے بوکھلا کر منیجر کو پکارا۔ " آپ نے پولیس کیوں بلالی ہے؟"

" کہانی اچھی گھڑلی آپ نے جناب۔ " جیولر رکھائی سے کہتا اٹھا اور اپنے کیسز سمیٹنے لگا۔ پولیس والے اس کے گرد گھیرا بنائے کھڑے ہو گئے۔ وہ سمیع کو گھور رہے تھے جو حیران پریشان رہ گیا تھا۔

"اور میں آپ کی کہانی میں آ بھی گیا تھا لیکن میں نے ہیروں کو چیک کرلیا۔ جس سنار سے آپ نے یہ جعلی رسیدیں بنوائی ہیں، اس کے پاس میرے والی مشین نہیں ہوگی ورنہ بتا دیتا کہ ان ہیروں پہ laser inscription کی گئی ہے جس میں ان کا سرٹیفائیڈ نمبر لکھا ہے۔ یہ آپ کی والدہ کے نہیں ہیں جناب۔ یہ ہیرے Joyalukkas کے ٹاپس سے اتارے گئے ہیں اور یہ ایک سال پہلے ایک سنگاپورین خاتون کے پاس سے چوری کیے گئے تھے اور ان کا سرٹیفکیٹ نمبر پولیس نے تمام ڈائمنڈ ڈیلرز کو بھیج رکھا تھا۔ آپ کو شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ ڈیزائنر جیولری جب بھی چوری ہوتی ہے، اس کے مالکان اس کا laser انسکرائبڈ نمبر پولیس کو دے دیتے ہیں۔ "وہ ٹھک ٹھک انگوٹھیوں کے ڈبوں کے ڈھکن بند کر رہا تھا اور سمیع کے قدموں تلے زمین سرک رہی تھی۔

''یہ میں نے نہیں چرائے۔ مجھے میری بیوی نے دیے تھے یہ۔''

''یہ ہیرے صرف چوری شدہ نہیں ہیں' مسٹر۔'' افسر نے اس کے ہاتھ پیچھے لے جا کر ہتھکڑی لگاتے کہا۔ ''یہ ہیرے ایک قتل کے سین سے چرائے گئے تھے۔ اب تم تھانے چل کے ہمیں یہ بتاؤ گے کہ اس قتل سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

"اف!" سمیع نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

وہ اسے جان بوجھ کے باتھ رومز تک لائی تھی کیونکہ وہاں کیمرے نہیں لگے تھے۔ اس نے جان بوجھ کے اس وقت صرف موٹے موٹے ٹاپس پہن رکھے تھے تاکہ وہ ان کے لالچ میں آ جائے۔۔ اس کا وہ ڈرنا' وہ غصہ کرنا' وہ سب۔۔۔ سب اداکاری تھا۔ اس نے اسے بہت برا پھنسایا تھا۔

اف! اس کا دماغ گول گول گھوم رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ شہر میں سن باؤ کا گھر ویسا ہی تھا جیسا وہ ہفتہ بھر پہلے رات کو چھوڑ کے گئے تھے۔ وہی سرخ حویلی- وہی کنواں- وہی تر و تازہ پودے اور وہی لال اینٹوں والا صحن۔ مجسمہ بھی ویسے ہی فخر سے سر بلند کیے کھڑا تھا۔ اس کی پتھریلی آنکھیں سنجیدگی سے سامنے والی دیوار کو دیکھ رہی تھیں۔

اس وقت ان کو کھدائی کرتے کئی گھنٹے بیت چکے تھے۔ مجسمے کے قریب اینٹیں اکھڑی پڑی تھیں اور گہری جگہ کھدی ہوئی تھی۔ شام ہو چکی

تھی اور وہ دونوں مٹی سے اٹے کپڑوں کے ساتھ دستانے چڑھائے، بال پلاسٹک کیپ میں ڈھانکے، کدالیں پکڑے کھودنے میں لگے تھے۔

"اب تک ہمیں یہ جگہ کھود لینی چاہیے تھی۔" ایڈم سانس لینے کو رکا تو شکایتی انداز میں بولا۔ اس کا چہرہ مٹی سے اٹا تھا اور کپڑے بھی میلے ہو رہے تھے۔

تالیہ نے کدال کا پھل زمین پہ گاڑھا اور اس پہ دونوں ہاتھ جما کے ذرا دیر کو ستانے رکی۔

"احتیاط سے کام کرنا تھا نا۔ ورنہ سارے بازار کو اطلاع مل جاتی کہ یہاں کھدائی ہو رہی ہے۔"

"آوازیں تو اب بھی گئی ہوں گی۔"

"اسی لیے آتے وقت آس پاس بتا دیا تھا کہ نئی کرایہ دار ہوں اور گھر کی ری ماڈلنگ کروا رہی ہوں۔ بے فکر رہو۔ کوئی شک نہیں کرے گا۔" اس نے پھر سے کدال اٹھالی اور زمین کھودنے لگی۔

چھ سو سال نے اس جگہ کو بدل کے رکھ دیا تھا۔ مجسمہ ویسا نہ تھا جیسا اس نے بنایا تھا۔ جگہ جگہ سے وہ ٹوٹا ہوا لگتا تھا گویا بعد میں مرمت کی گئی ہو۔ صحن بھی کئی دفعہ بنایا گیا تھا مگر زمین پرانی تھی۔

جیسے آسمان پرانا تھا۔ جیسے ملاکہ کا بوڑھا سمندر پرانا تھا۔

بس ہوا میں cesium کی ملاوٹ تھی۔

کدال کی ہر ضرب کے ساتھ مٹی نکلتی جا رہی تھی اور وہ اپنے مطلوبہ صندوق کے قریب پہنچتے جا رہے تھے۔۔۔ مٹی پہ نظریں جمائے، کدال اس میں مارتے، اس کے ذہن کے پردے پر ایک نیلی شام اترنے لگی۔

پرانے وقتوں کے ملاکہ میں سن باؤ کے گھر کی شام۔۔۔

سن باؤ وانگ لی کام سے باہر گیا تھا۔ شاہی سپاہی حویلی کے سامنے پہرے پہ مقرر تھے۔ ایڈم آج جلدی چلا گیا تھا مگر شہزادی تاشہ وہیں بیٹھی مجسمہ بنا رہی تھی۔ اس نے تاج سر پہ جما رکھا تھا اور جھمکے پہنے ہوئے تھے۔ لباس بھی زرتار تھا۔ تاج سے نکل کے پیچھے گرتا کپڑا سر کو ڈھانکے ہوئے تھا۔ اس کامدار لباس کے باوجود وہ مہارت سے مجسمے پہ ہاتھ چلا رہی تھی۔

"اتنے سال میں نے اس مجسمے کو دیکھا۔ مگر میں نہیں جانتا تھا کہ یہ وقت میں پیچھے جا کے تم نے بنایا تھا۔" آواز پہ وہ چونک کے پلٹی۔

فاتح اوپر اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا تھا۔ تالیہ نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرائی۔

"تو انکو!"

"شہزادی!" فاتح نے سر کو خم دیا۔ ادب یہاں بھی پہلا قرینہ ہی تھا۔

"آپ کے گھر میں جو مجسمہ نصب ہے، اس پہ جگہ جگہ ٹوٹ پھوٹ ہوئی نظر آتی ہے۔ مجھے یاد ہے ہمارے وقت میں سفر والے روز عصرہ

کے مدعو کرنے پہ میں وہاں گئی تھی تو دیکھا تھا۔"

"ہاں کونوں سے وہ ٹوٹتا رہتا ہے مگر تاریخی ورثے کی حفاظت کے شوقین لوگ اس کی مرمت کرواتے رہتے ہیں۔ آخری دفعہ عصرہ نے اس کی نوک پلک سنواری تھی۔" وہ زینے اترتے ہوئے نیچے آیا تو ساتھ ہی بولتا جا رہا تھا۔ وہ گارے میں لتھڑے ہاتھ لیے اس کو دیکھے گئی۔

سفید چھوٹے کرتے اور پاجامے میں وہ صاف رنگت والا اونچا لمبا غلام مسکراتے ہوئے قریب آ رہا تھا۔ ملائشیا میں وہ ایک اسٹار سیلیبریٹی تھا۔ اور یہاں وہ ایک غلام۔

مگر دونوں جگہوں پہ وہ 'اس' کا تھا۔

" کیا سوچنے لگیں؟" وہ اس کے بالکل سامنے آ رکا۔ مسکراتے ہوئے غور سے اس کی آنکھوں کو دیکھا۔

وہ سنبھل کے مسکرائی۔ "عجیب باتیں سوچتی ہوں میں آج کل۔"

"مثلاً؟"

" کیا ہم واپس جا سکیں گے تو انکو؟"

"میں نے وعدہ کیا ہے کہ ہم جائیں گے تو ضرور جائیں گے۔" پھر آواز دھیمی کی۔ "ایک دفعہ ہمیں مراد راجہ کا خزانہ مل جائے۔۔۔ ہم اس کو ایسے گھیریں گے کہ اسے اپنی جان بچانے کے لیے ہمیں وہ چابی دینی پڑے گی۔" وہ مطمئن تھا۔ پر امید تھا۔ اس وقت تک اس کو مراد راجہ کی "شرط" کا گمان تک نہ ہوا تھا۔

"سوچ رہی ہوں واپس جا کے کیا ہو گا؟" وہ اپنی سوچتی نظریں اس کے وجیہہ چہرے پہ جمائے ہوئے تھی۔ ہاتھوں کی مٹی سوکھنے لگی تھی۔

" آپ تو مجھے آزاد کر دیں گے مگر۔۔۔ سارا ملک، آپ کا خاندان۔۔ دوست۔۔۔ فینز۔۔ کوئی کبھی نہیں جان پائے گا کہ آپ نے چھ سو سال پہلے کی ایک شہزادی سے شادی کی تھی۔"

" کیا تم چاہتی ہو کہ لوگ جانیں؟"

"میں چاہتی ہوں کہ مجھے آزاد کرنے کے بعد بھی آپ ایسے ہی رہیں۔ کے ایل میں آپ مجھے ایک بگڑی ہوئی امیر زادی سمجھتے تھے۔ مگر اب آپ جانتے ہیں کہ میں ایسی نہیں ہوں۔ ہم نے اندھیر جنگلوں کا سفر ایک ساتھ کیا ہے۔ میں چاہتی ہوں آپ مجھے کبھی نہ بھلائیں۔"

"میں تمہیں کیسے بھلا سکتا ہوں؟ یہ وقت تو ایک سرمایہ ہے۔ ہم نے اس سے سیکھنا ہے۔ ماضی ہوتا ہی سیکھنے کے لیے ہے۔"

تالیہ نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ "میرے خواب میں آپ نے کہا تھا کہ میں آپ کے ساتھ رہوں آپ کو میری ضرورت ہے اور مجھے آپ کی۔"

"سوری مگر وان فاتح کو کسی کی ضرورت کبھی نہیں رہی۔" اس نے شانے اچکا دیے۔ پھر ساتھ سے گزر کے آگے آیا اور قریب سے مجسمہ

دیکھنے لگا۔ تالیہ نے پلٹ کے اسے دیکھا۔

"اور اگر مجھے آپ کے قریب رہنا ہو تو میں کیا کروں؟"

نیلی شام ابھی تک روشن تھی اور سن باؤ کا گھر خاموش تھا۔ ایسے میں آدھے بنے مجسمے کے ساتھ وہ دونوں یوں کھڑے تھے کہ فاتح مجسمے کو دیکھ رہا تھا اور وہ آدھی مڑ کے اسے۔

"تم کئی دفعہ کہہ چکی ہو کہ تم یہاں سے دور چلی جاؤ گی۔ امریکہ وغیرہ۔"

"چلی تو میں جاؤں گی... اپنی کچھ چیزیں لے کر۔" اس نے نظریں جھکا کے مجسمے کے قدموں کو دیکھا جہاں زمین برابر تھی مگر منوں مٹی تلے اس کا خزانہ چھپا تھا۔ "لیکن اگر کبھی ارادہ بدل دوں اور آپ کے ساتھ رہنا چاہوں تو کیسے رہوں؟"

وہ آہستہ سے اس کی طرف گھوما۔ ایسے کہ پتلیاں سکیڑے اس کی بات پہ کچھ سوچنے لگا تھا۔

"میرے آفس میں جاب کر لینا۔"

" مگر آپ کو تو میری ضرورت نہیں ہے۔" اس نے فوراً جتایا۔

"ہاں وہ تو نہیں ہے، لیکن میری زندگی، تالیہ، صرف کام کے گرد گھومتی ہے۔ اگر تمہیں میرے قریب رہنا ہے تو تمہیں میرے آفس میں جاب کرنی پڑے گی۔" پھر سے کندھے اچکائے۔ سدا کا بے نیاز اور مطمئن آدمی۔

""" آپ کے آفس میں مجھے کون سی جاب مل سکتی ہے؟" پھر ٹھہر کے بولی۔ " آپ کے آفس میں کون سی جاب اعلیٰ ترین ہے اور کون سی ادنیٰ ترین؟"

"اعلیٰ ترین تو ممبرز پارلیمنٹ ہوتے ہیں۔"

"وہ تو میں بن نہیں سکتی۔ ادنیٰ ترین کون ہوتے ہیں؟"

" سب سے ادنیٰ اور معمولی جاب سیکورٹی ورکرز کی ہوتی ہے مگر نہیں، وہ آفس کے باہر ہوتے ہیں۔ پھر رہ گیا لفٹ والا آدمی۔ اونہوں۔ وہ بھی ہمارے فلور پہ نہیں ہوتا۔'' وہ تھوڑی کھجاتے ہوئے سوچنے لگا۔'' ہاں... سب سے کم تنخواہ والے تو پرسنل ایڈ یا باڈی مین ہی ہوتے ہیں۔ اور سب سے اچھی جاب ڈیپارٹمنٹ ہیڈز کی ہوتی ہے۔ وہ اپنی ذہانت اور دانائی کی وجہ سے وہاں تعینات ہوتے ہیں۔ کوئی سوشل میڈیا ٹیم کا مینجر ہے تو کوئی میڈیا اسٹریٹجی کمیٹی کا ہیڈ، مگر دراصل یہ لوگ کنگ میکرز ہوتے ہیں۔"

''تو سب سے اعلیٰ جاب کنگ میکرز کی ہوتی ہے؟" اس کی آنکھیں چمکیں۔

"بالکل۔" پھر اسے دیکھ کے مسکرایا۔ "میرا تم سے وعدہ ہے۔ تم جب بھی مجھ سے جاب مانگنے آؤ گی، میں تمہیں اپنا کنگ میکر بناؤں گا۔ اس عہدے کا جو نام بھی ہو' وہ کنگ میکر کا عہدہ ہی ہوگا۔"

"اور اگر شہرت اور طاقت کی چکا چوند میں آپ اپنا وعدہ بھول گئے تو؟" اسے واہمہ سا ہوا۔

"بھول بھی گیا تو تم اتنی قابل ہو کہ کسی بھی سیاسی جماعت میں بہت جلد میرٹ اور محنت سے کنگ میکر بن جاؤ۔" پھر وہ ٹھہرا۔ "لیکن یاد رکھنا۔ راسپوٹین کسی کو اچھے نہیں لگتے۔" تنبیہہ کی۔ تالیہ کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

"راسپوٹین کون؟"

"فرانس کے بادشاہ نکولیس کا سلطان ساز۔ ویسے تو وہ نکولیس کے بیمار بیٹے اور بیوی الیگزینڈرا کا معالج اور پیر تھا، لیکن بادشاہ کا اصل ہمراز اور مشیر بھی تھا۔ بادشاہ ہر فیصلہ اپنے اسی روحانی پیشوا سے پوچھ کے کرتا تھا۔ الیگزینڈرا اور راسپوٹین، ان دونوں کے غلط مشوروں سے نکولیس کو نقصان پہنچا تھا۔ دونوں سے عوام شدید نفرت کرتے تھے۔ آخر میں راسپوٹین کو ایک دوسرے شہزادے نے دعوت کے بہانے گھر بلا کے قتل کر دیا تھا۔"

الفاظ کی سنگینی نے سرخ صحن کو اداس کر دیا۔

"عوام سلطان سازوں سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں؟"

"کیونکہ وہ اپنے لیڈر کو اپنے علاوہ کسی کی خواہش پہ چلتا نہیں دیکھ سکتے۔ آزاد لیڈر کسی سلطان ساز، کسی مشیر کی خواہش پہ چلتا بھی نہیں ہے۔ وہ اصولوں پہ چلتا ہے اور صرف درست مشورہ قبول کرتا ہے۔ مگر مزے کی بات یہ ہے کہ عوام کبھی اپنے لیڈر کو قصوروار نہیں ٹھہراتے۔ وہ راسپوٹین جیسے سلطان سازوں اور الیگزینڈرا جیسی ناعاقبت اندیش بیویوں سے نفرت کرتے ہیں۔ لیڈر آخر تک ہیرو رہتا ہے۔"

وہ دونوں مجسمے کے ساتھ صحن میں کھڑے دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔

"اور آخر میں سارے طاقتور سلطان ساز قتل کیوں ہو جاتے ہیں؟"

"کیونکہ اگر وہ بادشاہ کے ساتھ وفادار نہ رہیں تو بادشاہ کو مار کے تخت پہ قبضہ کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر وفادار رہیں تو بادشاہ کا ان سے اعتبار کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ کوئی سازش، کوئی چال ان کا مقام نہیں گھٹا سکتی تو حاسد رقیب ان کی جان لے لیتے ہیں۔ سلطان ساز بننا آسان نہیں ہے۔ اور گو کہ میں تمہیں جاب دینے کا وعدہ کرتا ہوں، لیکن میں دل سے کبھی نہیں چاہوں گا کہ تم میرے آفس میں میرے ساتھ اس طرح کام کرو۔"

"کیوں؟" وہ چونکی۔

"کیونکہ۔" وہ چند قدم آگے بڑھ آیا اور ملال سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "یہ ایسی دلدل ہے جس میں کیچڑ ہی کیچڑ ہے۔ یہ تمہیں اپنے اندر دھنسا لے گی۔ اور اگر دھنسا نہ سکی تو لباس داغدار ضرور کر دے گی۔ میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ صرف میرے ساتھ رہنے کے لیے تم اس دلدل میں قدم رکھو۔"

وہ فکر مند لگتا تھا۔ تالیہ مسکرا دی۔

"جیسے آپ کو میری ضرورت نہیں، ویسے ہی مجھے بھی آپ کی ضرورت نہیں۔ میں تو آپ کا امتحان لے رہی تھی۔" پھر شہزادی نے گھمنڈی

انداز میں سر جھٹکا اور بے نیازی سے واپس گارے کی طرف پلٹ گئی۔

فون کی گھنٹی نے اسے چونکایا تو وہ حال میں واپس آئی۔

ایڈم اور وہ خزانے کے قریب پہنچ چکے تھے اور اس کا فون بج رہا تھا۔ تالیہ نے کدال رکھی اور فون جیب سے نکالا۔ دستانہ اتارتے ہوئے پیغام دیکھا۔ پھر مسکرا دی اور فون واپس رکھ دیا۔

" کیا ہوا؟" ایڈم نے زمین کھودتے ہوئے تشویش سے سر اٹھایا۔

"میرا ایکس۔۔۔ سمیع۔۔۔ میرے پیچھے پڑا تھا۔ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ اسے پولیس پکڑ کے لے گئی ہے۔"

"اور آپ تو اتنی معصوم ہیں کہ اس میں آپ کا ہاتھ ہی نہیں ہوگا۔"

"ہاتھ نہیں، دماغ ہے۔ دماغ۔" مسکراتے ہوئے دستانہ چڑھاتے اس نے واپس کدال اٹھالی۔

"میرا اور داتن کا ایک چور دوست ہے آصفل۔ اس نے مجھے ایسی ڈیزائنر جیولری کا بندوبست کر کے دیا جو قتل کے کیس سے تعلق رکھتی تھی اور بیچنے والے نے کوڑیوں کے مول بیچ کے جان چھڑائی تھی۔ سمیع نے وہ ہیرے مجھ سے لیے اور انہیں بیچنے کی کوشش کرتے پکڑا گیا۔ پوچھو کیسے؟"

"ان ہیروں پہ یقیناً laser inscription کی گئی ہوگی جو کہ سرٹیفائیڈ ڈائمنڈز پہ ہوتی ہے۔"

"اوہ... تمہیں کیسے پتہ؟"

" کیونکہ میں کتابیں پڑھتا ہوں۔" اس نے زور سے کدال کی ضرب لگائی۔ بالآخر لوہے کے صندوق کا کنارہ نظر آرہا تھا۔

"یا اللہ!" وہ دونوں گڑھے میں اترے اور تیزی سے مٹی ہٹانے لگے۔ کیڑے، پودوں کی جڑیں، پتھر اور یہ تاریں۔۔۔ جگہ جگہ سے نکلتی تاریں بہت رکاوٹ ڈال رہی تھیں مگر جلد ہی وہ مٹی کم کرتے گئے، یہاں تک کہ صندوق کی اوپری سطح واضح ہوئی۔ لوہا یوں لگتا تھا جیسے گل گیا ہو۔ زنگ آلود۔ بوسیدہ لوہا۔۔۔ جس کے درمیان میں بڑا سا شگاف تھا اور مٹی بھری تھی۔

تالیہ کا ماتھا ٹھنکا۔ یہ شگاف کیوں ہے؟

مگر نہیں۔۔۔ اس نے سارے واہموں کو ذہن سے جھٹکا اور ہتھیلیوں سے مٹی ہٹانے لگی۔۔۔ ان دونوں کی زبانیں ساکت تھیں اور ہاتھ تیز تیز کام کر رہے تھے۔

یہاں تک کہ صندوق کی ساری مٹی انہوں نے باہر نکال دی۔

اور۔۔۔

وہ صندوق خالی تھا۔

خزانہ وہاں نہیں تھا۔

تالیہ کا مٹی سے اٹا چہرہ ساکت ہو گیا۔ ایڈم بھی شل رہ گیا۔

وہ صحن اتنا پکا اور قدیم تھا کہ یوں لگتا تھا، برسوں سے کسی نے ایک اینٹ بھی نہیں ہلائی تھی۔ مجسمہ بھی اپنی جگہ پہ موجود تھا۔ تو پھر خزانہ کہاں گیا؟

صندوق اتنا مضبوطی سے فٹ کیا گیا تھا کہ خزانہ نکالنے والے نے اس کو ویسے ہی چھوڑ دیا اور صرف اس کے ڈھکن میں شگاف کر کے ساری چیزیں نکال لی تھیں۔ مگر کس نے اور کب؟

''یہ نہیں ہو سکتا۔ چے تالیہ یہ ناممکن ہے!''

اب حالت یہ تھی کہ صحن کے درمیان میں گڑھا کھدا ہوا تھا اور اس کے دہانے پہ وہ دونوں مٹی مٹی ہوئے' پیر لٹکائے بیٹھے تھے۔

''ہمارا خزانہ کہاں گیا ایڈم؟'' وہ سرگوشی میں بولی۔ ششدر نظریں ٹوٹے ہوئے صندوق پہ جمی تھیں۔

''کسی نے ہم سے پہلے خزانہ نکال لیا ہے۔ مگر کس نے؟''

''اب ہمیں حکومت کا انعام نہیں ملے گا۔''

''اور میری شادی کے پیسے بھی اکٹھے نہیں ہو پائیں گے۔''

''یعنی ہم وہیں پہ آ گئے ہیں جہاں سے شروع ہوئے تھے۔ ہمارا خزانہ چوری ہو گیا ہے۔'' وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔ ''اور ہم پھر خالی ہاتھ ہیں۔''

وہ دونوں کتنی ہی دیر وہاں بیٹھے رہے۔ شل۔ ماؤف دماغ لیے۔ سب کچھ جیسے ختم ہو گیا تھا۔

''ہم نے کیوں سوچ لیا تھا چے تالیہ کہ چھ سو سال گزرنے کے بعد بھی خزانہ اپنی جگہ پہ موجود ہو گا۔''

وہ ابھی تک بنا پلکیں جھپکے درختوں کو دیکھ رہا تھا۔

''پانچ سو ستاون سال ایڈم۔''

اور ان دونوں میں سے کوئی نہ ہنسا۔ وہ چپ چاپ گم صم سے بیٹھے رہے۔

سن باؤ وانگ لی کا مجسمہ اپنی پتھریلی آنکھوں میں صدیوں پرانے راز چھپائے خاموشی سے دور افق کو دیکھتا رہا۔

صرف وہی جانتا تھا کہ خزانہ کس نے نکالا تھا۔

مگر بنداہارا کی بیٹی نے اس کا پتھریلا چہرہ بناتے وقت اندر زبان تک نہیں رکھی تھی جس کو ہلا کے وہ انہیں حقیقت بتا سکتا۔

اس کی صرف آنکھیں تھیں جن میں سارے راز پتھر ہو چکے تھے۔

☆☆=========☆☆

سوموار کی صبح کے ایل کے دفتروں میں کام شروع ہو چکے تھے۔ منڈے مارننگ کسی کو پسند نہیں تھی' مگر جمائیاں روکتے' اتوار کے

ہنگاموں کو بھلانے کی سعی کرتے ورکرز کام میں لگے تھے۔ پتر اور لڈ ٹریڈ سنٹر کے اس فلور پہ باریسن نیشنل کا دفتر بھی معمول کی مصروفیات کا شکار دکھائی دیتا تھا۔
وان فاتح کے آفس کے سامنے بنے چھوٹے سے سٹنگ ایریا میں تالیہ مراد بیٹھی نظر آتی تھی۔ بالوں کا جوڑا بنائے، وہ بھوری اسکرٹ بلاؤز پہ سفید کوٹ پہنے کوئی ایگزیکٹو لگ رہی تھی۔
وہ ابھی ابھی آ کے بیٹھی تھی اور اسے دیکھتے ہی فاتح کا سیکرٹری عثمان فوراً چلا آیا تھا۔
''میم آپ تھوڑا سا انتظار کریں۔ میں فاتح صاحب سے آپ کے اپائمنٹ لیٹر کا پوچھ کے آتا ہوں۔'' شائستگی سے بولا تو تالیہ نے بے نیازی سے گردن ہلا دی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔
عثمان چلا گیا تو اس کا فون بجا۔ اس نے موبائل نکال کے اسکرین روشن کی۔
''میں نے ساری جگہ کھود کے دیکھ لی کہ شاید چیزیں آس پاس مٹی میں گر گئی ہوں۔ مگر نہیں۔ سب غائب ہے۔ میں ابھی ملاکہ میں ہوں۔ زمین برابر کر دی ہے اور اینٹیں جوڑ دی ہیں۔ سیمنٹ سوکھ جائے گی تو صحن پہلے جیسا ہو جائے گا۔ مگر چے تالیہ.... ہمارا خزانہ کہاں گیا؟''
تالیہ کی انگلیاں تیزی سے چلنے لگیں۔
''آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ کسی کی جائز کمائی کو یوں لوٹ لیا جائے تو کیسا دکھ ہوتا ہے ایڈم۔ میں ملاکہ سے اسی لیے رات میں ہی واپس چلی آئی تھی کیونکہ اب خزانے کا ذکر میرے لیے تکلیف دہ بن گیا ہے۔ آج سے تالیہ کسی خزانے کا پیچھا نہیں کرے گی۔ اپنی زندگی کا یہ باب میں نے سن باؤ کے صحن میں دفن کر دیا ہے۔''
جس وقت وہ پیغام ٹائپ کر رہی تھی، عثمان اندر کھڑا فائلوں میں الجھے فاتح سے پوچھ رہا تھا۔
''سر وہ چے تالیہ کو کیا کام دینا ہے۔ وہ آ گئی ہیں۔ آپ مجھے بتا دیتے تو میں ان کا اپائنٹمنٹ لیٹر ٹائپ کروا دیتا۔''
فاتح نے عینک اتاری اور فائل پرے رکھی، پھر ٹیک لگا کے اسے دیکھا۔
''ایش نے اسے میرے پاس بھیجا ہے یہ کہہ کر کہ میں اس کو کوئی اعلیٰ جاب دوں۔''
''اوکے سر! تو کون سی جاب ان کو......''
''لیکن یہ ایش کی غلط فہمی ہے کہ وہ میرے آفس میں آ کے حکم صادر کرے گا اور میں اس کی بات مان لوں گا۔'' سرد لہجے میں کہا گیا اس کا فقرہ عثمان کو ششدر کر گیا۔
''مگر سر آپ نے جاب دینے کا وعدہ کیا تھا۔''
''ہاں اور وعدہ پورا کرنا پڑے گا' اس لیے یوں کرتے ہیں' کسی کو چند دن کی چھٹی دے کر اس کو ہائر کر لیتے ہیں۔ یہ نازک طبع لڑکی ہفتے

سے زیادہ نہیں ٹکے گی۔"

"او کے سر' لیکن ڈیپارٹمنٹ ہیڈز میں سے کسی کو بھی چھٹی دی تو وہ برا مان جائیں گے اور۔۔۔"

"میں ایک سوشلائیٹ کو ڈیپارٹمنٹ ہیڈ بناؤں گا عثمان؟ تمہارا دماغ درست ہے؟" اس نے تنفر سے سر جھٹکا۔

"مگر آپ نے ان کو اعلیٰ ترین عہدہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔"

"غلط۔ میں نے وہ جاب دینے کا کہا تھا جو وہ ڈیزرو کرتی ہے۔ تم یوں کرو عبداللہ سے کہو جہاں اس نے گیارہ دن چھٹی کی' وہاں بیس دن مزید ناغہ کر لے۔ یہ لڑکی اول تو اس جاب کو اپنی توہین سمجھ کے لینے سے انکار کر دے گی' اور اگر قبول کر لی تب بھی زیادہ دن یہ مجھے برداشت نہیں کر پائے گی۔ روز کے پندرہ سولہ گھنٹے وان فاتح کے ساتھ رہنا آسان نہیں ہوتا۔ ہو گیا مسئلہ حل' عثمان؟ اب مجھے کام کرنے دو۔"

اس نے سرد انداز میں کہتے ہوئے عینک اٹھائی اور اسے آنکھوں پہ جماتے ہوئے فائل کھول لی۔ آستینیں موڑے' کہنیاں میز پہ جمائے' اب وہ فائل کے مطالعے میں مصروف ہو گیا تھا۔

"عبداللہ کی جگہ جاب؟" عثمان حق دق رہ گیا۔ "سر۔۔اشعر صاحب بہت خفا ہوں گے۔"

"یہ تو اور بھی اچھا ہو گا۔" ساتھ ہی دو انگلیوں سے اسے نکل جانے کا اشارہ کیا۔

عثمان کے کان سنسنا اٹھے۔ ٹائی کی ناٹ کسی' تھوک نگلا اور ہمت جمع کرتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

اب اسے باہر جا کے تالیہ کو یہ بتانا تھا کہ اس کے باس نے اسے آفس کا سب سے ادنیٰ ترین عہدہ دیا تھا۔

اسے تالیہ مراد کو بتانا تھا کہ....

آج سے...

وہ وان فاتح بن رامزل کی باڈی ووٹمن ہو گی۔

☆☆=========☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

حالم (نمرہ احمد)

تیرھواں باب:

"وقت کے تین سوال"

اس نے خواب میں دیکھا کہ

سڑک پہ ٹریفک تیز رفتاری سے گزر رہا ہے ...

زیبرا کراسنگ عبور کرتے لوگوں کی دائیں بائیں مڑتی گردنیں....

ڈرائیو کرتے لوگوں کے کانوں سے لگے ہینڈز فری اور ان کے ہلتے لب....

سڑک کنارے اخبار کھولے بیٹھے معمر لوگ....

خواب روز روشن کی طرح واضح تھا....

ایسے میں وہ سڑک عبور کرتی ہے

اور اندر ایک گلی کی طرف مڑ جاتی ہے۔

پھر تین موڑ مزید مڑتی ہے....

گلی آگے جا کے تنگ ہونے لگتی ہے....

اس کی دیواریں نیلی اینٹوں کی بنی ہیں....

وہ قدم بڑھاتے ہوئے اینٹوں پہ ہاتھ پھیر رہی ہے....

کہیں ٹوٹا کانچ اس کے پوروں سے ٹکراتا ہے....

کہیں کوڑے دان کے کھلے دہانے کے اندر ٹوٹا ہوا گملا رکھا نظر آتا ہے....

اس گملے میں تین فیروزی پھول کھلے ہیں....

وہاں قطار میں دروازے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے مکانوں کے ....

وہ حساب سے ایک کے سامنے رکتی ہے....

اور دستک دینے کو ہاتھ بڑھاتی ہے....

2

تو دروازہ خود بخود کھلتا چلا جاتا ہے...

وہ اندر قدم رکھتی ہے... نیم تاریک راہداری میں آگے چلتی جاتی ہے...

جب عقب سے مردانہ آواز آتی ہے....

''شہزادی تاشہ!''

وہ چونک کے گھومتی ہے....

اور یہاں خواب ٹوٹنے سے پہلے اسے دھندلا سا ایک وجود نظر آتا ہے....

بھورے لمبے بالوں والا مرد جس کی دھندلی پڑتی آنکھیں نگینوں کی طرح چمک رہی ہیں....

☆☆=========☆☆

چند لمحے کے لئے قدیم ملاکہ اس شام میں واپس جاتے ہیں جب مراد راجہ کے سامنے بیٹھے غلام فاتح نے وہ بے رنگ' بے ذائقہ مشروب پی کے چابی کی زنجیر کو گردن میں ڈال لیا تھا۔

دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور ان کے درمیان میز کے ساتھ ساتھ خاموشی بھی حائل تھی۔ پھر فاتح نے کھنکھارتے ہوئے اس خاموشی کو توڑا۔

''دروازہ کھولنے کے کتنی دیر بعد چابی ٹوٹے گی؟''

''دروازہ کھلتے ہی یہ ہر گزرتے پل بھاری ہوتی جائے گی' یہاں تک کہ تم اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکو گے۔ اور آخر کار تم اس کو گردن سے نوچ پھینکو گے۔''

''قریباً کتنی دیر بعد؟'' اس نے دہرایا۔ ''کتنا وقت ہو گا میرے پاس؟''

''قریباً ایک پوری رات۔ اس سے زیادہ نہیں۔ کیوں؟ تم اس ایک رات میں کیا کرنا چاہتے ہو؟'' مراد نے غور سے اسے دیکھا۔

''ایک رات تو بہت طویل عرصہ ہے راجہ۔ یہاں تو ایک لمحے میں دنیا بدل جاتی ہے۔ زمانہ پلٹ جاتا ہے۔ میں نے کہا نا' تم مجھے نہیں جانتے۔'' اور کرسی دھکیل کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے تاثرات پتھر جیسے ہو رہے تھے۔ ''اور مجھے معلوم ہے کہ میں یہ کیوں کر رہا ہوں۔''

''کیوں کر رہے ہو؟'' مراد راجہ نے گردن اٹھا کے استہزاء سے اسے دیکھا۔

''کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ہر جادو کا توڑ ہوتا ہے۔ یادداشت کا کھو دینا مستقل نہیں ہو گا۔ اس کا کوئی حل بھی ہو گا۔''

مراد راجہ لمحے بھر کو گنگ رہ گیا۔ گردن میں تھوک نگلنے سے گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

''تمہاری یادداشت واپس نہیں آئے گی' غلام فاتح۔''

فاتح جواباً طنز سے مسکرایا۔

''غلط۔ تالیہ کی یادداشت ٹکڑوں کی صورت میں واپس آئی تھی۔ اسے قدیم ملاکہ میں اپنے بچپن کے کچھ حصے یاد ہیں۔ مجھے بھی قدیم ملاکہ میں گزرے یہ چار ماہ یاد آجائیں گے مگر سوال یہ ہے کہ کیسے؟''

مراد کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''تم سمجھتے ہو کہ یہ آسان ہے؟''

''وان فاتح نے زندگی میں آسان کام کبھی نہیں کیے کیونکہ وہ سب کر لیتے ہیں۔ تم مجھے بتاؤ' وہ کیا مشکل کام ہے جسے میں کروں تو میری یادداشت واپس آجائے گی؟''

راجہ چند لمحے لب بھینچے اسے گھورتا رہا۔ ''میں تمہیں کبھی نہیں بتاؤں گا۔''

''تمہارے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں ایک حکایت پڑھی تھی میں نے۔'' فاتح نے ہتھیلیاں میز پہ رکھیں اور جھک کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''ایک لڑائی کے دوران تمہارے مدِ مقابل شخص کا تلوار والا ہاتھ کٹ گیا۔ ہاتھ بھی گیا اور تلوار بھی۔ تو تم نے اپنی تلوار پھینک دی اور اپنا ایک ہاتھ کمر کے پیچھے کر کے نہتے وہ لڑائی لڑی اور اسے مار گرایا۔ یہ غیرت مند مردوں کا طریقہ ہوتا ہے' راجہ۔ وہ مقابلے برابری کی سطح پہ کرتے ہیں۔ مجھے نہتا کر کے ہرانے میں کیا مزا ہے؟'' وہ غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ ''یا شاید تمہیں ڈر ہے کہ میں کامیاب ہو جاؤں گا؟''

''تم کچھ بھی کر لو۔ میری بیٹی میرے پاس واپس ضرور آئے گی۔''

وہ تیزی سے بولا' پھر خاموش ہو گیا۔

''تم کہہ کے تو دیکھو۔''

مراد راجہ چند لمحے اس کی آنکھوں کی ہٹ دھرمی دیکھتا رہا' پھر گہری سانس بھری۔

''ہم شکار باز صدیوں سے چلے آرہے ہیں۔ ہم زمانوں کے مسافر ہیں۔ وقت میں سفر کرتے ہیں۔ ہر زمانے میں شکار بازوں کا ایک راہبر ہوتا ہے۔ ان کا سربراہ۔ تمہاری یادیں اگر کوئی لوٹا سکتا ہے تو وہ وہی ہے۔''

''اور وہ کون ہے؟''

''وہی جو تمہارے سامنے بیٹھا ہے' اور وہ تمہیں کبھی تمہاری یادیں نہیں لوٹائے گا۔'' وہ ٹھنڈے سے تنفر سے بولا۔ ''لیکن شاید تمہاری دنیا کا شکار باز تم پہ رحم کھا لے۔''

''تمہاری دنیا کا شکار باز!'' وہ چونکا۔ کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ آہستہ سے سیدھا ہوا۔ ''تو شکار باز ختم نہیں ہوں گے۔ وہ نسل در نسل اپنے علم

کو منتقل کرتے جائیں گے اور ہر زمانے میں موجود رہیں گے۔"

"ہم زمانے کے مسافر ہیں۔ ہم کبھی ختم نہیں ہوں گے۔" وہ تفاخر سے مسکرایا۔ "تمہارے پاس ایک رات ہو گی وان فاتح۔ تمہیں اپنی دنیا کے شکار باز راہبر سے ملنا ہوگا۔ وہ تم سے تین سوال پوچھے گا۔ اگر تم ان کا جواب دے سکو تو تمہارے لئے امید نکل سکتی ہے۔"

"کیسے سوال؟"

مرادراجہ نے لباس شانوں سے جھٹکا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ہاتھ کمر پہ باندھ لئے۔ "معلوم نہیں۔ ہر زمانے کے اصول اور سوال مختلف ہوتے ہیں۔ وقت کا چکر مکمل ہونے پہ جب بھی چابی تحلیل ہوتی ہے وہ شکار باز راہبر کے پاس چلی جاتی ہے۔ تالیہ جب بچپن میں تمہاری دنیا میں گئی تھی تو وقت کا چکر مکمل نہیں ہوا تھا اس لئے وہ چابی ٹوٹ گئی اور کئی برس تحلیل نہ ہوئی۔ تم نے میری دنیا میں آتے وقت دروازہ کھول ڈالا جس سے چابی تحلیل ہوتے ہی میرے پاس تو آ گئی لیکن وہ ناکارہ ہو چکی تھی کیونکہ تم نے وقت کا چکر خراب کر دیا ہے۔"

وہ سانس لینے کو رکا۔ فاتح غور سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

"اب جو چابی میں تمہیں دے رہا ہوں یہ تحلیل ہوتے ہی تمہارے زمانے کے شکار باز کے پاس چلی جائے گی۔ اس چابی میں تمہاری یادیں قید ہوں گی۔ اگر تم اس راہبر کو ڈھونڈنا چاہتے ہو تو تمہیں چابی اس کا رستہ خود دکھائے گی۔ اب میں نے تمہیں سب بتا دیا ہے۔ اب ہم اس مقابلے میں برابر ہیں۔ اب تمہاری یادداشت واپس آئے یا نہ آئے میری بیٹی واپس ضرور آئے گی۔"

"دیکھتے ہیں۔" وہ سرد لہجے میں بولا تھا۔

☆☆=========☆☆

سولہ جولائی کی رات تالیہ اور ایڈم کے ایل کے لیے نکل پڑے تو وہ پولیس اسٹیشن چلا آیا۔ اپنا بیان ریکارڈ کروایا مگر یہاں سے وہ گھر نہیں گیا۔ اس نے گردن میں پڑی چابی کو ہاتھ میں اٹھا کے دیکھا۔

"مجھے اپنے وقت کے شکار باز سے ملنا ہے۔ مجھے اس کے پاس لے چلو۔"

چابی سے سنہری سا پنکھ نکلا اور فضا میں اڑنے لگا۔ فاتح نے گاڑی وہیں چھوڑی اور اس سنہری پنکھ کے پیچھے قدم بہ قدم چلنے لگا۔ اس پنکھ کو اس کے سوا کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ ہوا میں تیرتا پر صرف فاتح کو راستہ دکھانے کے لیے تھا۔

وہ کتنی ہی دیر ویران سڑکوں پہ چلتا رہا۔ چابی ہر گزرتے پل کے ساتھ بھاری ہوتی جا رہی تھی مگر وہ اس وزن کو برداشت کیے ہوئے تھا. پنکھ اڑتا چلا جا رہا تھا۔

ملاکہ کے ایک گنجان آباد علاقے میں وہ اس کو کھینچ لایا۔ وہاں قطار میں ایک منزلہ گھر بنے تھے جن کی مخروطی چھتیں تھیں اور دیواریں سرمئی نیلی اینٹوں کی بنی لگتی تھیں۔ وہ درمیانے درجے کا علاقہ لگتا تھا۔ اور رات کے اس وقت سنسان پڑا تھا۔

پنکھ ایک دروازے کے ڈورمیٹ پہ جا گرا اور ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ منزل آ چکی تھی۔

5

وان فاتح نے ہتھیلی سے دستک دی۔ پھر گھنٹی بجائی۔

دفعتاً قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر کسی نے دروازے کے پیچھے سے سوال کیا۔ ''کون؟''

''وقت کا مسافر ہوں اور اپنی یادیں واپس مانگنے آیا ہوں۔''

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ پھر آہستہ سے دروازہ کھلا۔ وان فاتح نے چہرہ اٹھایا تو اپنے سامنے چوکھٹ پہ ایک ادھیڑ عمر آدمی کو کھڑے پایا۔ اس نے کرتے پاجامے کے اوپر ناف کے گرد کپڑا باندھ رکھا تھا اور سر پہ جناح کیپ جیسی ٹوپی تھی۔ تھوڑی پہ ذرہ ذرہ سی داڑھی بھی تھی۔ آنکھیں چندھیا کے فاتح کو دیکھا اور مسکرایا۔

''خوش آمدید۔'' پھر راستہ چھوڑ دیا۔

اس نے جوتے چوکھٹ پہ اتارے اور اندر داخل ہوا۔ وہ آدمی آگے بڑھتا گیا۔ صاف ستھری چھوٹی سی راہداری عبور کر کے ایک دیوان خانے میں اسے لے آیا جہاں فرشی نشست بچھی تھی۔ دیوار پہ شیلف بنے تھے جن کے خانوں میں کانچ کی بہت سی بوتلیں رکھی تھیں۔ اگر بتی اور خوشبودار موم بتیوں نے فضا کو معطر کر رکھا تھا۔

وہ دونوں آمنے سامنے چٹائی پہ دوزانو ہو کے بیٹھ گئے تو اس آدمی نے غور سے فاتح کو دیکھا۔

''وقت کے مسافر ہو؟''

''اپنی خوشی سے نہیں گیا تھا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''غلطی سے دروازہ پار کیا تھا۔ صبح اس چابی کے تحلیل ہوتے ہی قدیم ملاکہ میں گزرے پل بھول جاؤں گا۔''

''یاد رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟'' وہ نرمی سے مسکرایا۔

''میں فرار ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔ جو کیا ہے' اس کو یاد رکھ کے اس کا سامنا کرنے والوں میں سے ہوں۔ مجھے بتائیے' میں کیا کروں جو اس جادو کا توڑ ہو سکے اور صبح میری یادداشت نہ کھوئے۔''

اس آدمی کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں فاتح کی گردن میں پڑی زنجیر پہ جمی تھیں۔

''یادداشت تو کھو جائے گی لیکن ایک صورت ہے اس کے واپس آنے کی۔''

''بتائیے۔'' وہ تحمل سے بولا۔ گردن میں پڑی زنجیر بھاری ہو رہی تھی۔

''اگر تم وقت کے تین سوالوں کا جواب پا لو تو تمہاری یادیں وقت تمہیں خود لوٹا دے گا۔''

''پوچھیے۔ وہ تین سوال کیا ہیں۔''

شکار باز کی نظریں زنجیر سے اٹھ کے اس کے چہرے تک جا رکیں۔

''تو پھر بتاؤ۔ کوئی کام شروع کرنے کے لئے سب سے اہم وقت کون سا ہوتا ہے؟ انسان کی زندگی کا سب سے اہم کام کون سا ہوتا ہے؟

6

اور انسان کی زندگی میں سب سے اہم شخص کون ہونا چاہیے؟"

چند ثانیے کے لئے اس دیوان خانے میں خاموشی چھاگئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ دونوں نے پلک تک نہ جھپکی۔

"اور اگر میں کہوں کہ مجھے ان تینوں سوالوں کے جواب معلوم ہیں تو؟"

"تو میں یہ کہوں گا کہ اکثر کو ہوتے ہیں' لیکن ان کا جواب 'دینا' کافی نہیں ہے۔ تمہیں ان کا جواب "پانا" پڑے گا۔ کل جب تمہاری یادداشت کھو جائے گی تو تمہارا امتحان شروع ہو گا۔ جس دن تم ان جوابات کا دل کے اطمینان سے اقرار کر لو گے تو وقت تمہیں تمہاری یادداشت لوٹا دے گا۔ لیکن ایک شرط ہے۔"

"کہیے۔" وہ بدقت بولا۔ چابی بھاری ہو رہی تھی۔ شاید وہ دہکنے بھی لگی تھی کیونکہ اسے گردن پہ گرمائش محسوس ہو رہی تھی۔

"تم کسی سے بالواسطہ مدد نہیں مانگ سکتے۔ تم اپنے لئے کوئی تحریر یا اشارہ چھوڑ کے نہیں جا سکتے۔ تم اس امتحان میں نقل کر کے کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تم ان سوالوں کے بارے میں کسی کو بالواسطہ کچھ نہیں بتا سکتے ورنہ تم کامیاب نہیں ہو گے۔ تمہیں ان کا جواب فطری طریقے سے خود حاصل کرنا ہو گا۔"

"اگر کوئی اپنے طور پہ میری مدد کرنا چاہے تو؟"

"تم ان تین سوالوں کے بارے میں کسی کو بتا تو سکتے ہو لیکن ان سے مدد نہیں مانگ سکتے۔ اس کے علاوہ جو کہو اس کے لئے تم آزاد ہو۔ کوئی خود سے تمہارے مدد کرے' وہ اس کے لئے آزاد ہے۔"

ادھیڑ عمر آدمی دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا۔

"یہ سوال تم سے کل کے بعد اگر کوئی زبانی کلامی پوچھ بھی لے تو بھی ان کا جواب 'دینا' درکار نہیں۔ تمہیں اپنے عمل سے ان کا جواب خود کو دینا ہو گا جس دن تمہاری زندگی میں یہ جوابات شامل ہو جائیں گے' تمہاری یادیں میں تمہیں لوٹا دوں گا۔"

رات پگھلتی جا رہی تھی اور شکار باز کی آواز دھیمی ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بڑھتے ہوئے بوجھ کے ساتھ سن رہا تھا۔

"یعنی میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔"

"شہزادی تاشہ کو؟ ہرگز نہیں۔ اگر تم نے اسے چھوڑ دیا تو آخری سوال کا جواب کیسے ڈھونڈ پاؤ گے۔"

"آپ اس کو جانتے ہیں؟" فاتح نے ابرو اٹھائی۔ پراسرار آدمی مسکرایا اور شیلف کی طرف اشارہ کیا جہاں کانچ کی ننھی صراحیاں رکھی تھیں۔

"ان میں سے تیسرے نمبر والی میں تالیہ کی یادداشتیں ہیں۔ اس کو ایک سوال کا جواب مل گیا تھا اس لیے کچھ یادیں واپس چلی گئیں۔ تم دیکھ سکتے ہو کہ یہ بھری ہوئی نہیں ہے۔ اور وہ جو خالی صراحی ہے وہ تمہاری ہے۔ صبح یہ بھر جائے گی۔"

فاتح نے کنپٹی کو چھوا۔ چابی کا وزن بڑھتا جا رہا تھا۔

''اگر اسے میرے ساتھ رہنا ہے تو اسے ایک بات کا علم ہونا ضروری ہے۔'' فاتح نے قریبی میز پہ دھرا قلم کاغذ اٹھایا اور صفحے پہ چند ہندسے گھسیٹے۔

''وہ میرے قدموں کے نشانات کا پیچھا کرتے یہاں ضرور آئے گی۔ جب وہ آئے تو اس کو یہ ہندسے دے دیجئے گا۔'' صفحہ پھاڑ کے اس کی طرف بڑھایا۔ شکار باز نے اس کاغذ کو تہہ کیا اور جیب میں رکھا۔

''درست وقت اور درست جگہ پہ میں اسے یہ پہنچا دوں گا۔ اب تمہیں جانا چاہیے۔''

وان فاتح نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ''مجھے واقعی جانا چاہیے۔ ایک ادھوری ای میل کو مکمل کرنا ہے مجھے۔''

واپسی کا راستہ طویل تھا مگر جلدی کٹ گیا۔ جیب میں کچھ سکے تھے جن سے اس نے رک کے ایک فون بوتھ سے عثمان کو کال کی اور ایک رقم ایڈم کے اکاؤنٹ میں ڈلوانے کو کہا۔ ساتھ ہی اپنے لیے نئے موبائل کا بندوبست کرنے کا حکم دیا۔

واپس گھر آ کے اس نے ای میل کی آخری سطور مٹائیں اور اسے دوبارہ سے لکھا۔ پھر ایڈم کو ایک ای میل الگ سے لکھی۔ وہ چاہتا تھا کہ تالیہ کو ان پیسوں سے ایڈم چاکلیٹس اور کوکو پھل بھیجا کرے۔

وہ سب کچھ بھول بھی جائے تو بھی تالیہ نہ بھولے کہ وہ دونوں ابھی تک مکمل طور پہ وقت کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئے تھے۔

☆☆=========☆☆

واپس حالیہ دن میں آتے ہیں۔

وان فاتح کے آفس کے باہر سیکرٹری کا کیبن تھا۔ اس کے آگے چھوٹا سا لاؤنج بنا تھا۔ لاؤنج کے صوفے پہ براجمان تالیہ اس کیبن کے ساتھ کھڑے سرگوشیوں میں بات کرتے عثمان (سیکرٹری) اور عبداللہ (باڈی مین) کو صاف دیکھ سکتی تھی۔

عثمان اب دونوں ہاتھ اٹھا کے تسلی دینے والے انداز میں اسے کچھ سمجھا رہا تھا۔ عبداللہ کا چہرہ بجھ گیا۔ سر اثبات میں ہلایا۔ شکوہ کناں انداز میں تالیہ کی طرف دیکھ کے کچھ کہہ بھی ڈالا۔ عثمان اس کے کندھے کو تھپکتا مڑا' ٹائی کی ناٹ درست کی اور چہرے پہ مسکراہٹ سجائے تالیہ کی طرف آیا۔

''ہے تالیہ۔'' خوش آمدی انداز میں کہتا اس کے قریب صوفے پہ بیٹھا۔

وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی ناقدانہ انداز میں اسے دیکھے گئی۔

''کیا مجھے جاب دینے سے انکار کر دیا ہے فاتح صاحب نے؟''

''نہیں نہیں.... اصل میں... ابھی کوئی ویکنسی خالی نہیں تھی لیکن عبداللہ کچھ دن سے چھٹی مانگ رہا تھا تو کیوں نا کچھ دن آپ عبداللہ کی جگہ پہ کام کر لیں۔''

تالیہ نے ٹانگ دوسری ٹانگ سے ہٹائی اور سیدھی ہوئی۔ تاثرات بدلے۔ ''باڈی وومن کی جاب؟''

8

"بس کچھ دن کے لئے.... عبداللہ جیسے ہی واپس..."

"عبداللہ ابھی تو چھٹی سے واپس آیا تھا۔ غالباً آپ اس کو چند دن کے لئے چھٹی پہ بھیج رہے ہیں کیونکہ باس کو لگتا ہے کہ (بند دروازے کو دیکھا) چے تالیہ چند دن سے زیادہ نہیں ٹکے گی۔"

"ہرگز نہیں، میم...." عثمان شرمندہ ہوا۔ تالیہ نے ماتھے پہ بل ڈالے ہنکارا بھرا۔

"خیر... آپ باس کو جا کے بتائیں کہ تالیہ مراد کو یہ جاب منظور ہے۔ کب سے کام شروع کروں؟" ایک دم طنزاً مسکرا کے بولی۔

عثمان کو شاید توقع نہ تھی۔ لمحے بھر کو چپ ہو گیا۔ پھر مسکراہٹ لبوں پہ واپس لے آیا۔

"کل سے۔ آج آپ پورا دن خود کو ذہنی طور پہ تیار کر لیں۔"

وہ اٹھنے لگا تو وہ بولی۔ "ویسے مجھے کیا کرنا ہو گا؟ کیا وان فاتح کی حفاظت کرنی ہو گی؟"

"وہ تو باڈی گارڈز کا کام ہے۔" عثمان جھینپ کے ہنسا۔ "یہ باڈی وومن کی جاب ہے۔ ہر سیاستدان کے ساتھ ایک سیکرٹری اور چند گارڈز ہوتے ہی ہیں، مگر ایک پرسنل ایڈ بھی ہوتا ہے جو باڈی مین کہلاتا ہے۔ وہ بالکل بھی باڈی گارڈ جیسا نہیں ہوتا۔"

"اور اس کا کام کیا ہوتا ہے؟" وہ گردن اٹھا کے سامنے کھڑے عثمان کو دیکھ کے پوچھ رہی تھی۔

"باس کے کھانے پینے اور کپڑوں کا خیال رکھنا۔ چیزیں پکڑانا، کوٹ پہ داغ لگا ہے تو اسے صاف کرنا۔ ان کی صحت کا خیال رکھنا۔ کام کی زیادتی باس کو اپنا آپ بھلا دیتی ہے تو آپ ان کو انرجی بارز اور کافی لا کے دیتی رہیں گی۔ وہ کار سے نکلیں تو ان کے ہاتھ سے خالی کپ لے لینا وغیرہ وغیرہ۔"

"پندرہویں صدی کے ملاکہ میں یہ کام غلام لوگ کیا کرتے تھے۔ وان فاتح مجھے غلام بنانا چاہتے ہیں؟" وہ اداسی سے مسکرائی۔

"نہیں چے تالیہ۔ یہ جاب بہت قابل بھروسہ لوگوں کو دی جاتی ہے۔"

عثمان کے جانے کے بعد وہ اٹھی اور کرسی پہ خاموش بیٹھے عبداللہ کی طرف آئی۔

"میں امید کرتی ہوں آپ کو مجھ پہ غصہ نہیں آ رہا ہو گا۔ کیونکہ ایسے لگ رہا ہے جیسے میں نے آپ کی جاب لے لی۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولی تو وہ جلدی سے کھڑا ہوا۔

"ہرگز نہیں، چے تالیہ۔ مجھے شرمندہ مت کریں۔" وہ جھینپ گیا۔

"میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آپ کو آپ کی جاب واپس مل جائے گی۔ آپ میری طرف سے دل برا مت کیجئے گا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ باس کبھی بھی مجھے یوں ضائع نہیں کریں گے، میں جانتا ہوں۔ وہ مجھے کہیں اور ایڈجسٹ کر دیں گے۔" وہ خوش دلی سے مسکرا کے بولا تو تالیہ نے بند دروازے کو دیکھا۔

"عبداللہ!" آواز دھیمی کی۔ "کیا آپ مجھے میری جاب ڈسکرپشن لکھ کے دے سکتے ہیں؟"

9

''جے ڈی؟'' عبداللہ نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔ تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''فاتح صاحب کو آپ سے بہتر کون جانتا ہوگا۔ اگر آپ مجھے تھوڑا گائیڈ کر دیں کہ میری جاب کے اندر کیا کیا شامل ہے تو میرا کام آسان ہو جائے گا۔''

''آف کورس' بے تالیہ۔ میں ابھی لکھ دیتا ہوں۔ آپ نہ کہتیں' تب بھی میں پورا چارٹ بنا کے جاتا' تا کہ باس کو پیچھے سے مشکل نہ ہو۔'' اس نے فوراً جیب سے چھوٹی ڈائری نکالی اور قلم کھولا۔ پھر کرسی پہ بیٹھا اور جلدی جلدی کاغذ پہ الفاظ گھسیٹنے لگا۔ ساتھ ہی اسے سمجھاتا بھی جا رہا تھا۔ وہ وہیں کھڑے کھڑے سنے گئی۔

باڈی مین کو آفس تک نہ ملتا تھا۔ صرف ایک کرسی ملتی تھی۔ ہونہہ۔

''کیا پڑھ رہی ہو؟'' دوپہر میں وہ اپنے گھر کے برآمدے کے زینوں پہ بیٹھی عبداللہ کے دیے کاغذات کو پڑھ رہی تھی جب داتن ساتھ آ کے بیٹھی۔ تالیہ چونکی' پھر کاغذ اس کی طرف بڑھا دیے۔

''مجھے وان فاتح نے پرسنل ایڈ کی جاب دے دی ہے۔ یہ میری جے ڈی (جاب ڈسکرپشن) ہے۔''

اب وہ سامنے گھاس پہ پھیلی ٹھنڈی دھوپ کو دیکھ رہی تھی۔ داتن نے عینک ناک پہ جمائی اور کاغذات کو الٹ پلٹ کے دیکھا۔

''یہ اس کے آفس کی ادنیٰ ترین جاب ہے۔''

''جانتی ہوں۔''

''جانتی ہو تو قبول کیوں کی؟'' وہ خفا ہوئی۔

''مجھے خزانے سے بہت امید تھی' داتن' مگر خزانہ وہاں نہیں تھا۔ خزانہ کھو چکا ہے۔ اپنا لوٹا ہوا مال میں واپس کر چکی ہوں۔ چند زیورات کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں وان فاتح کے قریب رہنا چاہتی ہوں۔ ایسے ہے تو ایسے ہی۔''

''کیا ان کو معلوم ہے کہ تم ہی حالم ہو۔''

تالیہ چونکی۔ ''حالم!'' اسے یاد آیا۔ ''نہیں مگر انہوں نے حالم کو ایک کام کہا تھا۔ داتن' تم ایک کام کرو۔ تم ملاکہ جاؤ اور معلوم کرو کہ سولہ اور سترہ جولائی کی درمیانی شب وان فاتح کے ساتھ وہاں کیا ہوا تھا۔ ان کو کچھ چوٹیں آئی ہیں اور وہ یاد نہیں کر پا رہے کہ ان کے ساتھ یہ کیسے ہوا۔''

''تم خود یہ کیوں نہیں معلوم کر سکتیں؟''

''کیونکہ میں جانتی ہوں ان کے ساتھ کیا ہوا تھا لیکن جو میں جانتی ہوں وہ ان کی عقل سے اوپر ہے۔ تم ایک عام انسان کے طور پہ جو بھی معلوم کرو گی وہ ان کی عقل میں آ جائے گا۔'' مگر داتن کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔

''اگر تمہیں سب معلوم ہے تو ان کو آسان الفاظ میں بتا کیوں نہیں دیتی؟''

تالیہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''وہ یقین نہیں کریں گے۔ کوئی یقین نہیں کرے گا۔''

''تو پھر میرے جانے کا فائدہ؟''

''جو کام انہوں نے سونپا ہے اور جس کے پیسے وہ دیں گے' اس کو ایمانداری سے کرنے کے لئے تمہیں وہاں جا کے اس رات کو ٹریس کرنا ہوگا۔''

''اور اس رات ہوا کیا تھا؟'' داتن غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''اس رات کے بعد سے تم بدلی بدلی سی ہو' تالیہ۔''

''میرے ساتھ کیا ہوا تھا' اس کو جانے دو۔ لیکن ان کے ساتھ جو بھی ہوا تھا وہ کسی سی سی ٹی وی فوٹیج پہ نہیں ملے گا۔ زیادہ سے زیادہ تمہیں یہی معلوم ہوگا کہ وہ ایڈم کے ساتھ سوا گیارہ کے قریب گھر میں داخل ہوئے اور پھر ساڑھے گیارہ بجے ایڈم اور میرے جانے کے بعد وہ وہاں سے نہیں نکلے۔ یہ بات ثبوتوں کے ساتھ میں ان کو سمجھا دوں گی تو وہ اس رات کا پیچھا چھوڑ دیں گے۔''

وہ داتن کے ہاتھ سے کاغذات لیتی اٹھی۔ ''ابھی میں اپنی نئی جاب کی تیاری کر لوں۔''

''اوہ لڑکی... تم کیسے ایک سیاسی پارٹی میں کام کرو گی؟ تم آخر اپنے اصل سے اتنا دور کیسے بھاگ سکتی ہو؟''

تالیہ جو برآمدے میں آگے چلتی جا رہی تھی' رکی اور مسکرا کے داتن کو دیکھا۔

داتن زینوں پہ یوں بیٹھی تھی کہ اس کے عقب سے دھوپ آ رہی تھی۔ تالیہ کی آنکھیں چندھیا گئیں اور اس نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا لیا۔

''وہ کون ہوتا ہے جو دوسرے کے لالچ کو اس کے خلاف استعمال کر کے.... اسے سنہرے مستقبل کا جھانسا دے کر لوٹتا ہے اور پھر یوں آنکھیں پھیرتا ہے کہ اس کا شکار ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے اور کچھ کر بھی نہیں سکتا کیونکہ شکار کو لگتا ہے کہ یہ اس کا اپنا آئیڈیا ہی تھا۔ کون ہوتا ہے وہ بھلا؟''

''ایک اسکامر۔''

''ہاں اور سیاستدان بھی۔''

آنکھیں چندھیا کے تاریک نظر آتی داتن کو دیکھ کے وہ کہہ رہی تھی۔

''ہر الیکشن کے بعد عوام ہاتھ ملتے ہیں' افسوس کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو ووٹ کیوں دیا۔ یہ تو ہمیں لوٹ کے چلے گئے' مگر یہی تو سیاستدانوں کا اسکام ہے۔ وہ لوگوں کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ان کو ووٹ دینا عوام کا اپنا آئیڈیا تھا۔ غلط' داتن پدوکا۔ غلط۔ الیکشن ایک لمبا اسکام ہوتا ہے۔ ایک خوبصورت con game۔ عوام ووٹ نہیں دیتی۔ سیاستدان عوام کے خوابوں کو ان کا لالچ بنا کے استعمال کرتا ہے' وہ اتنے دلفریب وعدے کرتا ہے کہ عوام مجبور ہو جاتی ہے۔ عوام سے ووٹ لیا جاتا ہے۔ اور رہی میں.. تو میں اس دفتر میں اس لئے کام کر سکتی ہوں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ اسکام کیسے کھیلے جاتے ہیں۔ اور ان کا توڑ کیا ہوتا ہے۔''

11

''وان فاتح کے اتنا قریب کام کرنے کے بعد یاد رکھنا کہ چیزیں پیچیدہ ہو جائیں گی۔''

''تالیہ کی ہمت اب کوئی پیچیدگی نہیں توڑ سکتی۔'' پھر لبوں تک دو انگلیاں لے جا کر ان کو پھونک مار کے ہوا کے حوالے کیا اور مسکرا کے ہاتھ ہلاتی اندر چلی گئی۔

''تالیہ کو کیا ہو گیا ہے!'' داتن پدوکا کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہ اتنی نڈر اور بے خوف تو کبھی نہیں تھی۔ آخر اس رات کیا ہوا تھا؟

☆☆==========☆☆

جدید ملاکہ کے خوبصورت شہر پہ بارش ساری دوپہر دل کھول کے برسی اور پھر تھمی تو شام اترنے لگی۔ سن باؤ کے گھر کا صحن گیلا تھا اور مجسمے کے قریب ایڈم زمین پہ بیٹھا' دستانے چڑھائے اینٹوں کو جوڑ رہا تھا۔ کانوں میں ہینڈز فری لگا رکھا تھا۔

''جی چے تالیہ صبح تک سارا صحن برابر کر دیا تھا میں نے مگر کیاری والا حصہ بارش نے پھر سے خراب کر دیا۔ جی.....جی اب دوبارہ اسے جوڑ رہا ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ جینز کے گھٹنے کیچڑ آلود تھے اور دستانے گارے میں لتھڑے تھے۔ سر پہ ٹوپی تھی اور چہرے پہ مسکراہٹ۔

''آپ بتائیں آپ کی جاب کا پہلا دن کیسا رہا؟''

دوسری طرف سے جلا بھنا جواب موصول ہوا۔

''باڈی وومن بنا دیا مجھے اس غلام نے جس کی ایک زمانے میں میں نے بھری منڈی میں بولی لگائی تھی۔'' شہزادی تاشہ نے ساتھ میں ''ہونہہ'' بھی کیا تھا۔

''باڈی وومن؟'' اینٹ اٹھاتے ہوئے ایڈم ہنس دیا۔ ''یعنی کہ پرسنل ایڈ؟ اوہ چے تالیہ۔ مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ شہزادی کو غلام کی چاکری کرنی پڑے گی۔'' وہ ہنستا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی دونوں ہاتھوں سے اینٹ رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گارا زیادہ ڈال دیا تھا' اینٹ برابر نہیں بیٹھ رہی تھی۔

''خود جاب لیس ہو اور مجھ پہ ہنس رہے ہو۔ ارے تمہیں تو کوئی باڈی مین تک نہیں رکھتا۔ ایک میں تھی جس نے شاہی مورخ بنا دیا تھا۔'' ایڈم رکا اور دائیں ہاتھ سے دستانہ اتار کے اسے الٹ پلٹ کے دیکھا۔ ''اور یہ معجزہ ہی ہے کہ آپ کی غلامی کے بعد بھی یہ ہاتھ سلامت ہے۔''

''اگر ہاتھ سلامت ہے تو ایک جاب ہے تمہارے لئے۔''

''حکم کیجئے شہزادی۔'' اینٹ کو زور سے دبایا۔ وہ اندر فٹ بیٹھ ہی نہیں رہی تھی۔ کچھ تھا جو غلط تھا۔

''قدیم ملاکہ میں تم شاہی مورخ تھے۔ تمام حالات حاضرہ کو رقم کرتے تھے۔ جانتے ہو ایسے شخص کو جدید زمانے میں کیا کہا جاتا ہے؟''

''کیا' بے تالیہ؟'' جھنجھلا کے اینٹ نکالی اور کیاری کے شگاف کو دیکھا۔ برابر سطح میں ایک اسی اینٹ کا خانہ خالی تھا۔ اس نے مٹھی سے مزید اینٹ نکالی۔

''رپورٹر!''

''رپورٹر؟'' ایڈم حیران ہوا۔ ساتھ ہی مٹھیوں سے مٹی بھی نکالے جا رہا تھا۔

''ہاں ایڈم۔ تم لکھنا چاہتے ہونا؟ وہ بھی سچ؟ تو تم رپورٹنگ کی طرف چلے جاؤ۔ اور یہ مت کہنا کہ تمہیں جاب کون دے گا۔ میرا ایک کلائنٹ ایک اخبار چلاتا ہے۔ اس سے تمہارے لئے وقت لیا ہے۔ دو دن بعد تم انٹرویو دینے پہنچ جانا۔''

''آپ اور اتنی مہربان؟''

''اور سنو' کوئی اچھی سی تحریر لکھ کے لے جانا۔ وہ تحریر تمہاری سی وی ہوگی۔ اس کو پڑھ کے ہی وہ تمہیں نوکری دینے یا نہ دینے کا فیصلہ کریں گے۔'' اس کی بات کو نظر انداز کر کے کہے جا رہی تھی جب ایڈم ایک دم کراہا۔ ''آوچ۔''

''یا اللہ ایڈم.... کیا ہوا؟''

''جی بے تالیہ.... میں انٹرویو دینے ضرور جاؤں گا۔ اچھا میں ٹھہر کے کال کرتا ہوں۔'' اس نے فون بند کیا اور ٹارچ جلا کے مٹی پہ روشنی پھینکی۔ ویسے تو شام کی روشنی پھیلی تھی مگر وہ کافی نہ تھی۔ ایڈم نے چہرہ جھکایا اور تعجب سے پتلیاں سکوڑ کے دیکھا۔ اس کے ہاتھ پہ کیا چبھا تھا بھلا؟

مٹی میں تار کا ٹکڑا دکھائی دے رہا تھا۔ موٹی سیاہ تار کا کٹا ہوا سرا جس سے برہنہ تاریں نکل رہی تھیں۔ ایڈم نے دستانے سے تار پکڑ کے کھینچی تو کسی سانپ کی طرح وہ باہر نکلتی آئی۔

''یہ کیا؟''

وہ اچنبھے اور تعجب سے اس تار کو دیکھ رہا تھا۔ (یہ تار کہاں جا رہی ہے؟)

تار کیاری میں دبی ہوئی تھی۔ وہ اسے مٹی سے کھینچ کے نکالتا کیاری کے سرے تک آیا جہاں وہ زمین کے اندر دب جاتی تھی۔ وہ کہاں تک جاتی تھی؟ یہ عجیب سی تار سن باؤ کے صحن میں کیوں دفن تھی؟

ذہن کے کسی تہہ خانے میں تالیہ مراد کی آواز گونجی۔

''سن باؤ کا گھر.... تین خزانوں کا گھر....''

پہلا خزانہ وقت کا تھا.... جس کا قفل کھلنے سے دل خالی ہو گیا تھا۔

دوسرا خزانہ انہوں نے مجسمے تلے اپنے ہاتھوں سے دبایا تھا.... جسے کھودنے کے بعد بھی ہاتھ خالی رہ گئے تھے۔

ایک دفعہ مذاق مذاق میں تالیہ نے کہا تھا کہ اس گھر میں ایک تیسرا خزانہ بھی ہونا چاہیے۔

13

کیا سن باؤ کے گھر میں کوئی تیسرا خزانہ بھی دبا تھا جس سے کوئی واقف نہ تھا؟

ایڈم بن محمد یک ٹک اس تار کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی گردن کے بال کھڑے ہونے لگے تھے۔

☆☆=========☆☆

اس صبح عصرہ بنت محمود ناشتے کی میز کی طرف جا رہی تھی جب لاؤنج کی کھڑکی کے جالی دار پردے کو دیکھ کے رکی۔ وہاں سے لان اور پورچ دکھائی دے رہا تھا۔ وان فاتح کے گارڈز کار کے قریب مستعد کھڑے تھے۔ صبح ہی صبح یہ عملہ پہنچ جاتا تھا اور رات تک اس کے ساتھ رہتا تھا۔ عصرہ کو ہر صبح عثمان' دو گارڈز اور عبداللہ کو اس جگہ دیکھنے کی عادت تھی مگر آج وہاں ایک نیا چہرہ بھی تھا۔

''تالیہ؟''

وہ کار سے ٹیک لگائے کھڑی' موبائل پہ سر جھکائے ہوئے تھی جب عصرہ کی حیرت بھری آواز سنائی دی۔ چونک کے سر اٹھایا۔ عصرہ نہار منہ' بالوں کو جوڑے میں لپیٹتی' کندھوں پہ شال لپیٹے چلی آ رہی تھی۔

''صبح بخیر مسز عصرہ۔'' تالیہ سنبھل کے مسکرائی اور فون کہنی پہ اٹھائے بڑے سے لیدر بیگ میں ڈالا۔

''اشعر صاحب سے جاب کا کہا تو انہوں نے مجھے فاتح صاحب کے اسٹاف میں بطور باڈی وومن جاب دلوا دی۔'' کندھے اچکا کے بولی۔ عصرہ نے سر سے پیر تک ایک ہی نظر میں اس کا جائزہ لے لیا۔

وہ عام دنوں کے برعکس سادہ سی تیار ہوئی تھی۔ ٹائٹس پہ لمبی بھوری فراک' گردن میں پھولدار رومال' بالوں کی اونچی پونی' پیر میں کینوس شوز.....وہ واقعی ایک پرسنل ایڈ لگ رہی تھی۔ وہ ایگزیکٹیو ڈیزائنر کوٹ' وہ قیمتی لباس' سب ندارد تھا۔ ہاں انگلی کی سرخ آنسو شکل انگوٹھی اور بالوں میں لگا سنہرے ہرن کے چہرے والا کلپ ویسا ہی تھا۔

''باڈی وومن۔ اوہ اچھا۔ اچھا۔'' عصرہ سنبھل کے مسکرا دی۔ پھر ادھر ادھر سارے عملے کو دیکھا جو فاتح کے انتظار میں کھڑے تھے۔

''مجھے نہیں معلوم تھا تم سیاسی عزائم بھی رکھتی ہو۔''

''عزائم کا تو علم نہیں' البتہ وہ تمام خوبیاں میرے اندر موجود ہیں جو بی این میں کام کرنے کے لئے درکار ہیں۔''

''گڈ۔'' عصرہ نے مسکرا کے شانے اچکا دیے' البتہ ایک گہری نظر اس پہ ضرور ڈالی جو کار سے ٹیک لگائے بے نیازی سے دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔

عصرہ کے جانے کے بعد گیٹ کھلا اور وہ اندر داخل ہوتا دکھائی دیا۔ ٹی شرٹ ٹراؤزر میں ملبوس' پسینے سے تر چہرہ لئے' گہرے گہرے سانس لیتا وہ اندر آیا تو وہ فوراً سیدھی کھڑی ہوئی۔ ایک ہاتھ بیگ میں چلا گیا۔

''آپ کی پوسٹ ورک آؤٹ ڈرنک۔ سر!'' آگے آئی اور ادب سے بوتل نکال کے پیش کی۔ بوتل سلور رنگ کی تھی اور عبداللہ نے سامان کے ساتھ حوالے کی تھی۔ فاتح نے بوتل پکڑتے اسے ایک نظر دیکھا۔

''تم آ گئیں'تاشہ!'' بوتل منہ سے لگائی۔ گھونٹ بھرا۔ پھر منہ بنا کے بوتل نیچے کی۔

''لگتا ہے تم نے اپنی ساری کڑواہٹ بھی میری ڈرنک میں گھول دی ہے۔''

چوٹ بہت زور کی تھی مگر وہ ضبط کر گئی۔ تحمل سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی۔ ''یہ آپ کی فیورٹ ڈرنک ہے'سر' لیکن اگر آپ نے ابھی ابھی اپنے فیورٹس بدلنے کا فیصلہ کیا ہے تو مجھے نیا فیورٹ بتا دیں۔ میں کل سے وہی لے آؤں گی۔''

''میری پسند ناپسند معلوم کرنا تمہاری جاب ہے'تاشہ!'' بوتل اس کے ہاتھ میں تھمائی اور خود آگے بڑھ گیا۔ تالیہ نے کینہ توز نظروں سے اسے جاتے دیکھا۔ اردگرد کھڑے گارڈز اور عثمان خاموشی سے اس کی ''بے عزتی'' دیکھ رہے تھے۔ بالکل نہ بولے۔ اس نے ٹھنڈی بوتل بیگ میں ڈال دی۔ بے حد لذیذ مشروب صرف تالیہ کے ہاتھ میں جانے سے اب اسے کڑوا محسوس ہو گا؟ واہ' تو انکو!

کار میں وہ خاموشی سے اگلی سیٹ پہ بیٹھی تھی۔ عثمان ڈرائیو کر رہا تھا اور فاتح پیچھے بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً سگنل پہ کار رکی تو تالیہ کھنکھاری۔ ''آپ کو اس سگنل سے آفس تک اخبار پڑھنے کی عادت ہے'تو میں ذرا اخبار لے آؤں۔'' جتا کے بولی تو فاتح نے محض اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ گھر میں آئی اخبار کار میں نہیں لے کر جاتا تھا۔ راستے سے عبداللہ ہمیشہ تازہ اخبار لیتا تھا۔

وہ کار سے نکلی تو ایک دم بوندا باندی شروع ہو گئی۔ چھتری بیگ میں تھی اور کے ایل کا موسم وان فاتح کے موڈ جیسا تھا۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ۔ اخبار کے اسٹال جانے تک بارش کی تیز بوچھاڑ برسنے لگی۔ تالیہ بھیگ گئی۔ اخبار کو تو پلاسٹک ریپر میں ڈالا مگر خود کو کہاں ڈالتی؟ بھاگتی بھاگتی واپس کار میں آئی اور اندر ریپ نادلی۔ پھر ریپر کھول کے اخبار پیچھے باس کی طرف بڑھائی۔

اس نے ایک نظر بھیگی ہوئی لڑکی پہ ڈالی اور اخبار پکڑ لی۔ پھر عینک لگائی اور چند لمحے سرسری نظر سے خبروں کا جائزہ لیا۔ پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

''تم یہ اخبار خود پڑھ لو۔ تمہاری سیاسی سمجھ بوجھ میں اضافہ ہو گا۔'' شاید کسی خبر کو دیکھ کے موڈ آف ہوا تو عینک اتاری اور ناگواری سے اخبار آگے بڑھا دی۔

عثمان خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا جیسے چے تالیہ کی بے عزتی نمبر دو سنی ہی نہ ہو۔

اس نے چپ چاپ اخبار پکڑ لی اور رول کر کے بیگ میں ڈال دی۔ تاثرات سپاٹ رکھے۔ (اب میری لائی اخبار بھی کڑوی ہے کیا؟ ہونہہ۔)

وہ آفس کے اندر چلا گیا تو وہ باہر کرسی پہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ بار بار گھڑی کو دیکھتی۔ کافی کا وقت ہوا تو اٹھی اور کچن میں گئی۔ آفس کا چھوٹا سا کچن تھا جو اسٹاف کے لئے تھا۔ ایگزیکٹیو کچن علیحدہ تھا۔

ابھی اس نے کافی بنائی ہی تھی کہ ساتھ ایک لڑکی آ کے کھڑی ہوئی۔ وہ اپنے لئے مگ نکال رہی تھی۔ اس کو دیکھ کے تالیہ رکی۔ ماتھے پہ کٹے ہوئے بھورے بالوں والی یہ وہی لڑکی تھی جسے خواب میں وہ ٹرمینیشن لیٹر دے رہی تھی۔ قدیم ملاکہ کی سونے کی قید میں ایک وہ خواب تھا

جو امید دلاتا تھا کہ کبھی وہ واپس جائیں گے۔ کون تھی یہ لڑکی؟

"تم فاتح صاحب کی اسٹافر ہو؟" اس نے اپنی چائے بناتے ہوئے ایک سرسری نظر تالیہ پہ ڈالی۔ تالیہ نے سر ہلا دیا۔ "جی۔"

"کافی میکر استعمال کے بعد صاف کر دینا اور فلٹر پیپر نکال کے پھینک دینا۔ یاد سے۔" نخرے سے یاد کرایا تو تالیہ نے بس ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی۔ (یہ نہیں جانتی کہ ایک دن میں اس کو ٹرمینیٹ کروں گی۔ مگر ایک باڈی وومن کسی کو ٹرمینیٹ کیسے کر سکتی ہے؟)

کافی لے کر وہ اندر آئی تو وہ فائلز میں الجھا بیٹھا تھا۔ تالیہ نے مگ رکھا تو عادتاً بولا۔ "تھینکس عبد....."

پھر رکا۔ نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ تاثرات سپاٹ ہو گئے۔ خاموشی سے مگ اٹھایا اور گھونٹ بھرا۔ وہ جان بوجھ کے رک کے اس کے تاثرات دیکھنے لگی۔

"خود بنائی ہے؟" گھونٹ بھر کے پوچھا۔

"جی سر!"

"بہت بدمزہ ہے۔ آئندہ مت بنانا۔ نیچے مال سے لے آنا۔ اسے گرا دو۔" ناگواری سے کہتے مگ پرے دھکیلا اور لیپ ٹاپ سامنے کر لیا۔ ماتھے پہ شکنیں اور آنکھوں میں برہمی تھی۔

ملاکہ کی شہزادی کے لئے صبر کے گھونٹ بھرنا بہت مشکل ہو گیا تھا' مگر وہ جانتی تھی کہ وہ جان بوجھ کے ایسا کر رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے وہ خود جاب چھوڑ کے چلی جائے۔

"نیچے مال سے لے آتی ہوں' سر۔"

"ابھی پارلیمنٹ کے لئے نکلیں گے' تب لے آنا۔" وہ کی بورڈ پہ ٹائپ کر رہا تھا۔ بے نیازی سی بے نیازی تھی۔ وہ اتنا مصروف تھا کہ اس کے پاس تالیہ کو دیکھنے کا وقت بھی نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ پلٹ گئی۔

فاتح کار میں بیٹھ چکا تھا جب وہ کافی کے دو گلاس اٹھائے' بیگ سنبھالتی کار تک آئی۔ عبداللہ نے بتایا تھا کہ وہ پارلیمنٹ والے دن راستے میں دو مگ کافی پیتا ہے۔ اس نے ایک مگ پکڑ لیا اور دوسرا اس کی طرف بڑھا دیا پھر آگے بیٹھ گئی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ بیک ویو شیشے میں اس کا عکس دیکھا۔

فاتح نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے مگ لبوں سے لگایا۔ دو گھونٹ بھرے۔ پھر سڑک کنارے بھاگتی عمارتوں کو دیکھ کے کہنے لگا۔

"تم نے راپا چینی کی بیٹی والی کہانی پڑھی ہے' تاشہ؟"

"نہیں سر!" وہ سانس روکے اس کے تاثرات پڑھ رہی تھی۔ دل برا ہونے لگا تھا۔

"راپا چینی نے اپنے گھر میں زہریلے پھولوں کا باغ لگایا اور بچپن سے اپنی بیٹی کو زہریلے پھولوں کا رس پلانے لگا۔ تھوڑا تھوڑا زہر اس کے اندر اترا تو وہ مری نہیں' بلکہ زہر سے Immune ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ وہ خود ایک زہریلا پھول بن گئی۔ وہ لڑکی جس پھول کو چھوتی

وہ اس کے ہاتھ میں مرجھا جاتا۔ جس شخص کو چھوتی ' اسے اپنے لمس کے زہر سے مار دیتی۔ میں ابھی تک سمجھتا تھا کہ یہ ناممکن ہے کہ کسی انسان کے ہاتھ میں اتنی کڑواہٹ بھر جائے کہ وہ جس کو چھوئے ....'' سر جھٹک کے عثمان کو پکارا۔ ''پلیز اس کافی کو اس پھول بیچنے والے کو دے آؤ۔ شاید اس کو یہ اتنی بدمزہ نہ لگے۔''

عثمان نے کار روکی۔ خاموشی سے دونوں کپ لئے اور باہر نکل کے ایک پھولوں کے اسٹال تک چلا گیا۔

وہ چپ چاپ بیٹھی لب کاٹتی رہی۔ وہ جواب نہیں دے گی' یہ طے تھا۔ وہ یہی چاہتا تھا نا کہ وہ جواب میں پھٹ پڑے اور وہ اسے نکال دے۔ نہیں۔ وہ چپ رہے گی۔ وہ اسے خود کو فائر کرنے کی معقول وجہ نہیں دے گی۔ تالیہ مراد اگر کڑوی تھی تو وان فاتح کو یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑے گا کیونکہ یہ اس کی اپنی خواہش تھی کہ تالیہ اس کے ساتھ رہے۔ وہ صرف اپنا وعدہ نبھا رہی تھی۔

☆☆==========☆☆

ملاکہ میں آج مطلع صاف تھا۔ سن باؤ کا گھر خاموشی سے کھڑا اپنے سامنے بنے بازار کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں قطار میں شاپس اور ریستوران بنے تھے۔ باہر کرسیاں میزیں ڈالے بیٹھے لوگ کھانے پینے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

ایسے میں ایک ریستوران جو سن باؤ کے گھر کے عین سامنے تھا' اس کے کاؤنٹر کے ساتھ رکھے اسٹول پہ داتن بیٹھی تھی۔ کاؤنٹر پہ ٹشو کا ڈبہ رکھا تھا جس سے ٹشو نکال نکال کے وہ آنکھیں پونچھ رہی تھی اور ساتھ کھڑی معمر سیلز وومن ہمدردی بھرے تاثرات سے اس کی کتھا سن رہی تھی۔

''نہ وہ پیسے بھیجتا ہے' نہ ملنے آتا ہے۔ اتنے بڑے آدمی کی نوکری نے میرا بیٹا مجھ سے چھین لیا ہے۔''

موٹے موٹے آنسو صاف کرتی وہ گیلی آواز میں بتا رہی تھی۔ سر پہ اسکارف لپیٹے' داتن پدو کا ایک دکھیاری عورت لگتی تھی جس کے غم دوسری عورتوں جیسے تھے۔

سیلز وومن نے تاسف سے سر ہلایا۔ ''یا اللہ.... آج کل کی اولاد'' پھر جیسے رائے دینے لگی۔ ''تم اس کے باس سے کیوں بات نہیں کرتی ''۔

''اس کا باس؟ ہونہہ۔ وہ وان فاتح... ممبر پارلیمنٹ کا سالا ہے۔ اشعر محمود۔ اس سے کیا بات کروں۔ میرے جیسوں کو تو وہ اندر گھسنے ہی نہ دے۔''

''وان فاتح کا سالا؟'' سیلز وومن نے چونک کے سڑک کی طرف دیکھا جس کے دوسری طرف سن باؤ کی حویلی تھی۔

''یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ میں زہری سے کہتی ہوں وان فاتح سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے۔ تمہیں معلوم ہے۔'' راز داری سے کاؤنٹر پہ جھکی۔ ''یہ سامنے والی سرخ حویلی وان فاتح کی ہے۔''

''ایں؟'' روتی ہوئی داتن نے سر اٹھا کے بے یقینی سے اسے دیکھا' پھر منہ بنایا۔ ''ادھر ملاکہ میں اس کی حویلی کہاں سے آگئی؟''

''یقین کرو میں سچ بول رہی ہوں۔''

''خیر.. ہو بھی سکتی ہے مگر اس جیسے بڑے لوگ یہاں نہیں آتے۔ وہ تو اپنے محلوں سے ہی نہیں نکلتے۔'' آنسو پھر سے اس کی آنکھوں سے ابلنے لگے۔ ''اور ان کے محلات کی حفاظت میرے بیٹے جیسے لوگ کرتے ہیں۔''

''نہیں نہیں وہ آتا ہے۔ رک کے دکان والوں کی خیریت بھی پوچھتا ہے۔ مہینے دو مہینے بعد ایک دن کے لئے آجاتا ہے۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی وہ آیا تھا۔'' بتانے والی عورت تھی اور شروع ہو چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد داتن سڑک کنارے چلتی فون کان سے لگائے کہہ رہی تھی۔

''تھوڑا بہت علم ہوا ہے کہ اس رات وان فاتح نے کیا کیا تھا۔''

''مجھے معلوم ہے، داتن۔'' تالیہ اس وقت پارلیمنٹ کی گیلری میں بیٹھی تھی اور فون کان سے لگائے روکھے سے انداز میں کہہ رہی تھی۔ نیچے سیشن جاری تھا۔ ڈیسک بجے تھے اور نیچے بیٹھے اشعر اور فاتح دکھائی دے رہے تھے جو خاموشی سے ایک ساتھی کی تقریر سن رہے تھے۔

''میں نے ارد گرد لوگوں کو کریدا ہے۔ ایک نے تو سی سی ٹی وی فوٹیج بھی دکھادی ہے۔''

''اور اس میں تم نے مجھے اندر داخل ہوتے دیکھا ہوگا۔''

''ہاں۔ اور بعد میں ایڈم آتا ہے فاتح کو لے کر۔ پھر پولیس والے آتے ہیں اور کچھ دیر بعد تم اور ایڈم باہر نکلتے ہو مگر تمہارے لباس مختلف ہیں۔''

''اور پھر وان فاتح سو جاتا ہے اور صبح جب وہ اٹھتا ہے تو اس کو گزشتہ رات بھول چکی تھی....'' تالیہ بے زاری سے دہرا رہی تھی۔ وہ لمبی کتھا سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔ ''اب تفتیش ایمانداری سے مکمل ہو گئی ہے' داتن' تم واپس جاؤ' اور سی سی ٹی وی فوٹیج مجھے بھیج دو۔ میں فاتح کو دکھا دوں گی۔''

''وان فاتح سوتا نہیں ہے۔ وہ تمہارے جانے کے بعد گھر سے نکل گیا تھا اور صبح فجر سے پہلے واپس آیا تھا۔''

تالیہ مراد تیزی سے سیدھی ہوئی۔ نظر نیچے بیٹھے فاتح پہ جم گئی جو یہاں سے بہت چھوٹا نظر آرہا تھا۔

''وہ گھر سے باہر گئے تھے؟ مگر کہاں؟ انہوں نے تو کہا تھا کہ وہ اب آرام کرنے لگے ہیں۔''

''اطراف والوں نے اڑتے اڑتے سنا ہے کہ اس رات وان فاتح کے ساتھ کوئی چوری چکاری کی واردات ہوئی تھی اور وہ پولیس اسٹیشن گیا تھا۔ یہ چھوٹا علاقہ ہے اور فاتح مشہور آدمی ہے' ایسی باتیں چھپی نہیں رہتیں۔''

ایک دم سے معاملہ دلچسپ ہو گیا تھا۔ وہ بالکل الرٹ ہو گئی۔

''داتن.. تم معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ کیا وہ ساری رات تھانے میں رہا تھا یا کہیں اور بھی گیا تھا۔''

''میں یہی کرنے آئی ہوں' ملاکہ' لیکن وعدہ کرو کہ واپسی پہ تم مجھے سب سچ بتاؤ گی۔''

تالیہ نے جواب دیے بنا فون بند کر دیا۔ پھر اپنا دوسرا موبائل نکالا اور فاتح کو پیغام لکھا۔

''اس رات آپ کے ساتھ چوری کا واقعہ ہوا تھا اور آپ پولیس اسٹیشن گئے تھے۔ کیا ایسا کچھ یاد ہے آپ کو؟''

نیچے اپنی نشستوں پہ بیٹھے افراد بور سے ہو کے ایک قانون ساز کی تقریر سن رہے تھے۔ ایسے میں وان فاتح جو ٹیک لگائے' گال تلے انگلی جمائے بیٹھا تھا' فون کی تھرتھراہٹ پہ چونکا۔ حالم اس کے ان چند کانٹیکٹس میں تھا جن کے لئے اس نے الگ رنگ ٹون لگا رکھی تھی۔ وہاں موبائل کا استعمال پروٹوکول کے خلاف تھا مگر وہ پرواہ نہیں کیا کرتا تھا۔ اطمینان سے فون نکالا اور اسکرین کو چھوا۔ پھر جواب لکھنے لگا۔

''ہاں۔ جب میں صبح اٹھا تو میرے دوست کمشنر نے مجھے رات میرے بیان کی ویڈیو بھیجی تھی۔''

''آپ نے مجھے ویڈیو کے بارے میں پہلے کیوں نہیں بتایا؟''

''کیونکہ تفتیش تمہارا کام تھا' میرا نہیں۔'' وہاں بے نیازی کا وہی عالم تھا۔ تالیہ

''اوکے' مجھے ویڈیو بھیجیں۔ مجھے وہ دیکھنی ہے... ابھی...'' وہ ماتھے پہ بل لئے ٹائپ کر رہی تھی۔

تو وان فاتح اس رات فوراً سے سویا نہیں تھا بلکہ وہ کچھ کرتا رہا تھا مگر کیا؟

فاتح نے اس کے بتائے ای میل ایڈریس پہ فوراً سے کمشنر کی ای میل فارورڈ کر دی۔

تالیہ نے ہینڈز فری کانوں سے لگائی اور گیلری سے باہر نکل آئی۔ باہر ایک خاموش راہداری میں کھڑے اس نے وہ ویڈیو دیکھی۔ یوں لگتا تھا وہ ویڈیو اس نے خود کو لگی چوٹوں سے مطمئن کرنے کے لئے بنوائی تھی تاکہ جب وہ صبح اٹھے تو اسے رات کے واقعات پہ شک نہ ہو۔

مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اسے شک پڑ گیا تھا اور اس نے حالم کو ہائر کر لیا تھا۔

البتہ ایک خیال تالیہ کا دل برا کرنے کے لئے کافی تھا۔ اس نے اتنی محنت سے ویڈیو بنوائی تاکہ جو فاتح صبح جاگے اسے بھولے سے بھی ماضی کی کرید نہ ہو۔ وہ تالیہ کو اپنے لاشعور سے بھی نکال پھینکنا چاہتا تھا۔ واہ فاتح صاحب.... واہ.... اس نے بہت سے آنسو اندر اتارے اور کانوں سے ہینڈز فری کھینچ ڈالی۔

سامنے لفٹ کے دروازے کھلے اور فاتح' عثمان کے ہمراہ آتا دکھائی دیا۔ ایک تھکا دینے والے طویل سیشن کے بعد وہ یقیناً تھک چکا تھا۔

''آپ کا انرجی بار' سر!'' ایک انرجی بار اپنی سیاہ زنبیل سے نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔ فاتح نے بار تھاما' اس کو الٹ پلٹ کے دیکھا' پھر ایک خاموش نظر تالیہ پہ ڈالی اور بولا۔

''مجھے انرجی کی ضرورت نہیں ہے' میں بالکل فریش ہوں۔'' بے زاری سے کونے میں رکھے ڈسٹ بن میں بار اچھال دیا اور راہداری کا موڑ مڑ گیا۔

تالیہ کے گال دہکنے لگے۔اندر موجود شہزادی نے کہا کہ لعنت بھیجو اس نوکری پہ اور ابھی استعفیٰ اس مغرور آدمی کے منہ پہ دے مارو...مگر پھر....اس نے کڑوے گھونٹ بھر لئے۔

اگر اس کے ہاتھ لگانے سے ہر چیز فاتح کے لیے زہریلی ہو جاتی تھی تو راپا چینی کی بیٹی کی طرح اس سیاستدان کو بھی اس زہر سے Immune ہونا پڑے گا۔اس نے زور سے پیر پٹخا اور اس کے پیچھے ہولی۔

☆☆=========☆☆

اس صبح ابھی آفس میں معمولات کا آغاز ہی ہوا تھا کہ لفٹ کے دروازے کھلے اور عصرہ بنت محمود اترتی دکھائی دی۔راہداریوں میں فائلیں اٹھائے آتے جاتے لوگوں نے مڑ مڑ کے اسے دیکھا' مگر وہ سپاٹ تاثرات چہرے پہ سجائے سیدھ میں آگے بڑھتی گئی۔اسکرٹ کے اوپر کوٹ پہنے' سر کو اسٹول سے ڈھانپے' اسٹول کا ایک سرا سامنے اور دوسرے کو پیچھے ڈالے' وہ ہمیشہ کی طرح مغرور اور طرح دار دکھائی دیتی تھی۔راستے میں عثمان نے اسے دیکھا تو فوراً سامنے آیا۔

''مسز عصرہ....خوش آمدید۔فاتح صاحب کانفرنس روم میں ایک دوست کے ساتھ ہیں اور....''

''میں اس سے ملنے نہیں آئی۔'' بے رخی سے کہہ کے آگے بڑھ گئی۔عثمان گہری سانس لے کر رہ گیا۔

اشعر اپنے پی این کے چھوٹے سے آفس میں موجود تھا اور میز کے پیچھے کھڑے کاغذات پہ سائن کر رہا تھا گویا بیٹھنے کا وقت بھی نہ ہو جب دروازہ کھلا اور عصرہ اندر داخل ہوئی۔

اشعر نے محض نظر اٹھا کے دیکھا' پھر واپس کاغذوں کی طرف جھک گیا۔جبڑے کی رگیں البتہ بھنچ گئی تھیں۔

''رملی نے کہا کہ تم آج اس آفس میں ملو گے۔شکر ہے یہاں مل گئے ورنہ تم سے ملاقات کے لئے تو لگتا ہے اب وقت لینا پڑے گا۔''

''مبالغہ آرائی سے کام مت لو' کاکا۔کوئی کام ہے تو بتاؤ۔'' وہ خشک انداز میں کہتے ہوئے جھک کے کھٹا کھٹ دستخط کر رہا تھا۔عصرہ نے زور سے پرس میز پہ رکھا' کرسی کھینچی اور بیٹھی۔پھر چبھتی ہوئی نظریں اشعر پہ جما دیں۔

''تم نے معلوم کیا کہ گھائل غزال کا خریدار کون تھا اور اس کو کس نے بھیجا تھا؟''

''کاکا تم کیوں بھول جاتی ہو کہ میرے پاس الیکشن کے علاوہ کسی چیز کا وقت نہیں ہے۔''

''اور تم کیوں بھول جاتے ہو کہ کسی نے تمہاری بہن کی گیلری میں ایک جعلی عرب شہزادے کو بھیجا تھا۔''

''وہ گیلری جو تم نے میرا حق مار کے لی تھی؟'' اشعر نے جھکے جھکے آنکھیں اٹھا کے کاٹ دار انداز میں اسے دیکھا تو وہ کچھ بول نہ سکی۔پھر اس کی آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔آگے کو جھکی اور غرائی۔

''مجھے اس وقت اس گیلری کی ضرورت تھی۔تم اپنی بہن کے لئے اتنا پرانا بغض سنبھال کے بیٹھے ہو؟''

''اور مجھے اس وقت تمہاری غیر مشروط سپورٹ چاہیے ہے' کاکا' لیکن تم اپنے شوہر کو روک نہیں سکیں۔'' اس نے زور سے فائل بند کی اور

سیدھا ہوا۔ چہرہ سرخ پڑنے لگا تھا۔

"اف ایش... وہ برسوں سے اس کرسی کی تیاری کر رہا ہے۔ میری امید تو دکانیں جلنے اور شیئرز ڈوبنے سے ختم ہوگئی مگر وہ تو ابھی تک وہیں ہے نا۔ کسی آدمی کے خواب اس سے چوری کیسے کیے جاتے ہیں، تم مجھے سکھا دیتے تو وہ بھی کر لیتی۔ اس سے زیادہ کیا کروں میں تمہارے لئے؟"

"میرے لئے؟ مائی فٹ۔" وہ غرایا۔ "میرے لئے کچھ نہیں کیا تم نے' کا کا۔ سب کچھ اپنے لئے کیا ہے۔ اپنے خاندان کو الیکشن کی آلودگی سے دور رکھنے کے لئے، اپنے ذہنی سکون کے لئے۔"

"ہاں کیا ہے میں نے سب اپنے لئے تو پھر تمہیں کیا مسئلہ ہے؟ جب سے اس نے الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا ہے، تم نے مجھ سے اپنا رویہ کیوں بدل لیا ہے؟" اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ "میں بیک وقت کئی محاذوں پہ لڑ رہی ہوں' ایش۔ میں تمہاری وہی بہن ہوں جس نے اتنے سال تمہارا خیال رکھا ہے۔"

"مگر میں تمہارا وہ بھائی نہیں رہا۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم اس کو روک لوگی۔ میں نے اتنے ماہ تمہارے وعدے کے بھروسے پہ تیاری کی اور اب تم کہہ رہی ہو کہ تم بے بس ہو۔"

"میرے بس میں ہے بھی کیا؟" وہ بھیگتی آنکھوں کے ساتھ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اشعر چند لمحے کھڑا اسے چبھتی نظروں سے دیکھتا رہا۔

"تم آبنگ سے کہو' اگر اس نے الیکشن لڑا تو اسے تمہیں طلاق دینی ہوگی۔ اسے تمہیں اور چیئر مین شپ میں سے کسی ایک کو چننا ہوگا۔"

عصرہ چند ثانیے اسے دیکھتی رہی' پھر ٹشو پیپر کے باکس سے ایک ٹشو کھینچا' اسے موڑ کے نوک بنائی۔ آنکھوں کے کنارے اس کی نوک سے صاف کیے اور کھڑی ہوئی۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھا اور چبا چبا کے کہنے لگی۔

"ابھی میں اتنی بے وقوف نہیں ہوئی کہ تمہاری ہر بات کی اندھی تقلید کرنا شروع کر دوں۔ اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔ اور مجھے اس پینٹنگ کا خریدار ڈھونڈ کے دو۔ دو دن میں رزلٹ میری ٹیبل پہ ہونا چاہیے اشعر محمود' ورنہ یاد رکھنا' اگر میں بابا کی جائیداد میں سے اپنے حصے کے لئے کورٹ گئی تو چند ہفتوں میں بٹوارا ہو جائے گا اور تمہاری سب سے قیمتی ملکیت.... بابا کا قلعہ... ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور تم اس دن کو یاد کر کے پچھتاؤ گے کہ کاش تم نے دو دن میں مجھے رزلٹ دے دیا ہوتا۔ مت بھولنا کہ میں تمہاری بڑی بہن ہوں۔ تم سے پہلے دنیا میں آئی تھی' تم سے زیادہ چالبازی آتی ہے مجھے۔"

سرخ آنکھوں سے اسے گھورتی مڑی اور تن فن کرتی باہر نکل گئی۔ اشعر جواباً کچھ نہ بولا' بس چپ چاپ اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر زور سے فائل پرے اٹھا کے دے ماری۔

عصرہ باہر آ کے سیدھی ریسٹ روم کی طرف آ گئی۔ وہاں ایک ہال میں لمبا سا شیشہ لگا تھا جس کے سامنے قطار میں سنک بنے تھے۔ وہ

ایک سنک کے سامنے کھڑی ہوئی اور نل تلے ہاتھوں کا پیالہ رکھا۔ پانی ہتھیلیوں میں بھرنے لگا تو اس نے منہ پہ چھینٹا مارا۔

"کیا آپ خوش ہیں مسز عصرہ؟"

منہ پہ پانی پڑنے کی وجہ سے بصارت دھندلی ہوگئی تھی۔ چونک کے چہرہ اٹھایا تو دھندلا گیلا سا منظر نظر آیا۔

تالیہ اس کے قریب سنک سے ٹیک لگائے سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی تھی۔

"سوری؟" عصرہ نے پیپر ناول سے چہرہ تھپتھپایا اور دوبارہ دیکھا تو منظر واضح ہوا۔ وہ سر پہ ترچھی سفید ہیٹ جمائے آج نیلا پھولدار فراک پہنے ہوئے تھی اور آنکھوں میں ڈھیروں سادگی لیے عصرہ کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ خوش ہیں مسز عصرہ؟ اور مطمئن بھی؟"

باہر سے آتا فاتح اس آواز پہ دروازے کے دوسری طرف رک گیا۔ عثمان نے سرگوشی کی تھی کہ جذباتی انداز میں اس نے عصرہ کو اشعر کے آفس سے نکلتے دیکھا ہے تو فوراً اس طرف آیا تھا۔ مگر چونکہ یہ لیڈیز ریسٹ روم تھا' اسے باہر ہی رکنا پڑا۔

"خوش؟ مطمئن؟" عصرہ آئینے میں خود کو دیکھتے ٹشو سے آنکھ کے کنارے پونچھنے لگی۔

"آپ نے اس روز مجھ سے پوچھا تھا کہ آپ کو نہیں معلوم تھا میرے سیاسی عزائم بھی ہیں۔ ایک زمانے میں میرے سیاسی عزائم نہیں تھے۔ میں اپنی زندگی میں خوش اور مطمئن تھی گو کہ میری زندگی قابلِ رشک نہیں تھی۔" وہ اطمینان سے ٹیک لگائے کھڑی کہہ رہی تھی۔ عصرہ خاموشی سے اپنا میک اپ صاف کرتی رہی۔ وپ آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ اس کا تالیہ سے کوئی بات کہنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

"مگر پھر میں نے اپنے بابا کو دیکھا۔ وہ بہت دانا سیاستدان تھے۔ ایک دنیا پہ حکمرانی کرتے تھے مگر وہ خوش اور مطمئن نہ تھے۔ ان کے اندر بہت آگ تھی۔ ہوس' ambition' طاقت کی خواہش۔ اور پھر میں نے جانا کہ خوش اور مطمئن لوگ دنیا پہ حکمرانی نہیں کر سکتے۔ کسی ملک کو صرف وہی چلا سکتا ہے جو نہ اپنی زندگی سے خوش ہو نہ اپنے معاشرے سے مطمئن۔ جس کے پاس ٹوٹا ہوا دل ہو' وہی اپنے لوگوں کے لئے کچھ کرنے کے ارادے سے نکلتا ہے اور ان کے دلوں پہ حکمرانی کرنے لگتا ہے۔"

وہ بولے جا رہی تھی اور عصرہ اپنے عکس کو دیکھتی آنکھیں صاف کر رہی تھی۔

"مگر جب کسی کی مشکلیں دور ہو جائیں اور اسے بے پناہ خوشیاں مل جائیں تو وہ فیز اس شخص کو Productive نہیں رہنے دیتا۔ آسانیاں اور راحتیں انسان کو نکما بناتی ہیں۔ بڑے مقاصد کے لئے جینے والے.... بڑی بڑی تحریکیں چلانے والے... ان سب کے دلوں کا ٹوٹا ہوا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ دوسروں کا غم سمجھ سکیں۔ میں اب خوش نہیں ہوں۔ دکھی ہوں۔ مطمئن بھی نہیں ہوں۔ محرومی کا شکار ہوں۔ پانے کے بعد چھین لئے جانے کی محرومی۔ اس لئے اب میں اس تحریک کا حصہ بننا چاہتی ہوں۔ اس آفس میں کام کرنا چاہتی ہوں کیونکہ میں بالکل بھی خوش نہیں ہوں۔ کیا آپ ہیں؟"

کمرے میں لگے ڈھیروں آئینے ہر کونے میں ان دونوں کا عکس دکھا رہے تھے۔ ہیٹ والی لڑکی سنک سے ٹیک لگائے کھڑی تھی اور عصرہ

22

ابھی تک آئینے میں دیکھتی اپنا میک اپ درست کر رہی تھی۔ پھر اس نے پاوڈر کی ڈبی بند کی اور تالیہ کی طرف گھومی۔

''اس سیاست نے مجھ سے میری بیٹی چھین لی۔ مجھے خوشی اور اطمینان کا اب کرنا بھی کیا ہے؟'' زہر خند لہجے میں بولی اور مڑ گئی۔

باہر کھڑا وان فاتح آہستہ سے پلٹ گیا۔عصرہ کو اس کی ضرورت نہیں تھی' وہ جان گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ کام سے اس کے آفس میں آئی تو دیکھا' وہ لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کر رہا ہے اور اس کی کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔

فاتح نے آج بھی اس کی لائی کافی کو چھوا نہیں تھا۔ اس کے دل کو دھکا سا لگا مگر ضبط سے سپاٹ چہرے کے ساتھ اندر آئی اور شیلف کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ اسے وہاں رکھی فائلز کی ترتیب جوڑنی تھی۔

''تمہیں کیوں لگتا ہے کہ خوش اور مطمئن لوگ اچھے حکمران نہیں بن سکتے۔''

ہیٹ والی لڑکی آواز پہ چونک کے مڑی۔ وہ ٹائپ کرتے ہوئے عینک لگائے اسکرین کی طرف متوجہ تھا۔

(تو اس نے ان کی باتیں سن لی تھیں۔ کیسا کھرا آدمی تھا۔ دو منٹ بھی نہیں چھپا سکا اس بات کو۔)

''کیا مجھے غلط لگتا ہے' سر؟''

''میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اتنی معقول بات تمہارے ذہن میں کیسے آئی؟'' وہ اس کو اتنا عقلمند نہیں سمجھتا تھا' یہ تو طے تھا مگر انداز اتنا بے ساختہ تھا کہ وہ مسکرا دی۔

''مجھے کسی نے کہا تھا ایک دفعہ کہ خوش اور مطمئن لوگ حکومت نہیں چلا سکتے اور میں نے اس کی بات نہیں مانی تھی۔ اب مانتی ہوں۔''

''کس نے کہا تھا؟'' وہ مصروف سے انداز میں بدستور ٹائپ کرتے پوچھ رہا تھا۔

''تھا کوئی خود غرض انسان۔'' وہ گہری سانس لے کر پلٹ گئی اور ڈسٹر اٹھا لیا۔

''تم خوش اور مطمئن کیوں نہیں ہو اپنی زندگی سے؟ ہر چیز تو ہے تمہارے پاس۔'' خود غرض انسان نے سوال کیا۔

''ہر چیز ہونے سے کوئی خوش ہو سکتا ہوتا تو شہزادیاں سب سے زیادہ خوش ہوتیں' سر۔''

''تم ناشکری ہو' لڑکی!'' وہ گہری سانس لے کر کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ چپ چاپ فولڈرز صاف کر کے شیلف کے اندر رکھتی گئی۔

یکدم چھناک کی آواز آئی تو وہ کرنٹ کھا کے پلٹی۔ فاتح بے دھیانی میں کرسی پہ مڑا تو ہاتھ کافی کے مگ کو لگ گیا۔ مگ میز پہ اوندھا ہو گیا جسے اس نے تیزی سے تھام لیا۔ مگ بچ گیا مگر کافی میز پہ گر گئی۔

''اس کو یہاں سے ہٹا لینا تھا' تاشہ!'' وہ قدرے کوفت سے بولا۔ ہاتھ کی پشت پہ بھی گری تھی مگر صد شکر کہ اب تک ٹھنڈی ہو چکی تھی

۔تالیہ تیزی سے وہاں آئی اور جلدی سے ٹشو باکس سے ٹشو کھینچ نکالے۔ فٹافٹ میز صاف کی۔ دو ٹشوز سے فرش پہ گرے مائع کو ڈھانپا۔ پھر فاتح کو دیکھا جو ہاتھ کی گیلی پشت کو بیزاری سے دیکھ رہا تھا۔ باکس دور تھا اور وہ ٹشو نہیں نکال سکتا تھا۔ تالیہ نے باکس کی بجائے اپنا بیگ اٹھایا جو شیلف پہ رکھا تھا اور اندر سے گیلے وائپس کا پیکٹ نکالا۔ موتیے کی خوشبو والے وائپس وان فاتح کے پسندیدہ تھے۔ اس نے پیکٹ

کھولا تو ایک دم سارے میں موتیے کی خوشبو پھیلنے لگی۔اس نے ادب سے پیکٹ سامنے کیا۔

''جاؤ' تاشہ'میں خود کرلوں گا۔'' سردمہری سے واپس جھٹک دیا اور آگے بڑھ کے ڈبے سے سوکھے ٹشو کھینچے۔پھرانہی سے ہاتھ صاف کرنے لگا۔

تالیہ کا ہاتھ فضا میں معلق رہ گیا۔موتیے میں جیسے ایک دم کافور کی بُو گھل گئی۔

وہ چپ چاپ کام سمیٹ کے باہر نکل گئی۔نہ کوئی سخت جواب دیا' نہ غصے کا اظہار کیا۔اسے دکھ ہوا تھا۔

باہر کرسی پہ بیٹھے اس نے ہتھیلیوں پہ چہرہ گرا دیا اور دور شیشے کی دیواروں سے بنے Cabins کو دیکھنے لگی۔ان کے شیشوں پہ مختلف رنگوں کی روشنی بکھری تھی۔

ایسے جیسے جھیل کے پانی پہ سنہری کرنوں نے سونے کا خول چڑھا رکھا ہو۔اور اس دہکتے' پگھلے سونے کے اندر ایک منظر ابھر ابھر کے معدوم ہو رہا تھا۔

سنہرا چمکتا تاج اس کے سر پہ جما تھا' اور تاج کے پیچھے سے نکلتا سرخ ریشمی کپڑا اس کی کمر تک گرا تھا۔پاؤں کو چھوتا کامدار سرخ لباس پہنے' وہ قدیم ملاکہ کی اس سڑک کے کنارے چل رہی تھی۔کہنی پہ خالی ٹوکری لٹکی تھی۔

یہ بن باؤ کی حویلی کے سامنے بنی سڑک تھی جس کے دوسری جانب درختوں سے مزین سبزہ زار تھا۔وہاں جگہ جگہ جنگلی اور دیسی پھول لگے تھے۔تالیہ ایک پودے کے سامنے رکی اور جھک کے پھول توڑنے لگی۔دفعتاً درختوں میں ہلچل ہوئی۔اس نے جھکے جھکے گردن اٹھائی' پھر مسکراتی ہوئی سیدھی ہوئی۔

''آپ آج جیا نہیں گئے' تو انکو؟''

وہ سامنے سے گھوڑے کی باگ تھامے چلا آرہا تھا۔جواب دینے کی بجائے پہلے مسکرا کے سر کو مخصوص انداز میں جنبش دی۔

''شہزادی' سلام۔'' پھر قریب چلتا آیا۔سفید کرتے پاجامے میں' ماتھے پہ بال بکھیرے' قدم اٹھاتا غلام شہزادی کو وہاں دیکھ کے جیسے محظوظ ہوا تھا۔

''آپ نے آج مجسمہ بنانے کا کام نہیں کیا شہزادی؟''

''ایڈم اندر ہے اور کام کررہا ہے۔میں باہر پھول توڑنے آئی تھی۔''

وہ اس کے قریب آچکا تھا۔دونوں اب آمنے سامنے سڑک کنارے درختوں تلے کھڑے تھے۔فاتح نے گھوڑے کی باگ اب تک تھام رکھی تھی۔نظریں جھکا کے اس کے پھولوں کی ٹوکری کو دیکھا اور مسکرایا۔

''اور تمہیں لگتا ہے کہ میں آسانی سے یقین کرلوں گا کہ تم یہاں صرف پھول چننے آئی ہو۔''

تالیہ کا دل زور سے دھڑکا' لیکن بظاہر بے پروائی سے کندھے جھٹکے۔

''صبح سویرے اور کس لئے ان درختوں میں بھٹکوں گی میں تو انکو؟''

(ایڈم اندر گھر کے صحن میں خزانہ بنیادوں میں بھرنے میں مصروف تھا اور وہ گھر کے باہر ٹہلتی دراصل پہرہ دے رہی تھی۔ سن باؤ اور غلام فاتح دونوں اس وقت گھر نہیں ہوتے تھے۔ یہ اب جانے اچانک کہاں سے نکل آیا تھا۔)

''چلو..... مان لیا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''آپ مجھ پہ شک کر رہے ہیں۔'' وہ برا مان گئی۔ ''یا میرا یہاں گھومنا آپ کی طبیعت پہ ناگوار گزر رہا ہے؟''

''میرے اندر بڑا حوصلہ ہے' شہزادی۔ میں صرف ان باتوں کا برا مناتا ہوں جو کسی دوسرے کو نقصان دیں۔ اپنی طبیعت پہ گراں گزرنے والی باتوں کو نظر انداز کر دیتا ہوں' اس لئے جانے دیں۔ آپ بتائیں' آپ کا وقت کیسا گزر رہا ہے محل میں؟''

تالیہ نے گہری سانس لی اور گردن موڑ کے دور تک پھیلے درختوں کو دیکھنے لگی۔ تازہ ہوا' جنگلی پھولوں کی مہک اور صبح کی شبنم سے لدی مٹی.....قدیم ملاکہ کتنا حسین تھا۔

''بہت کچھ ہے میرے پاس محل میں' لیکن ہر گزرتے دن کے ساتھ میں ناخوش اور غیر مطمئن ہوتی جا رہی ہوں۔ وقت کی قید بہت طویل ہو گئی ہے' تو انکو۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔ خوش اور مطمئن لوگ تو ویسے بھی بے کار ہوتے ہیں۔ اپنی ذات سے آگے نکل کے کسی کا نہیں سوچتے۔''

وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ وہ اب اپنے گھوڑے کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''خوش ہونا تو اچھی بات ہے' تو انکو۔''

''بہت اچھی بات ہے' یقیناً۔ لیکن مکمل خوش یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ ہاں زندگی میں کچھ مرحلے آتے ہیں جب ہم بہت خوش اور مطمئن ہوتے ہیں مگر وہ وقت جلدی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ بہت زیادہ اطمینان اور راحت ہمیں Productive نہیں رہنے دیتی۔ ہم بے کار ہو جاتے ہیں۔ اپنی خوشیوں کے چھن جانے کے خوف سے بڑے بڑے خطرات نہیں مول لیتے۔'' گھوڑے کے بالوں کو دھیرے دھیرے سنوارتے ہوئے اس نے گردن موڑی اور تالیہ کی آنکھوں میں جھانکا۔

''غم ملنا زیادہ اچھی بات ہے۔ ٹوٹا ہوا دل بہتر ہوتا ہے۔ بڑے بڑے خواب صرف ٹوٹا دل دیکھ سکتا ہے۔ یا اس کی ہوس اور لالچ اسے بے چین رکھتی ہے اور وہ طاقت ملتے ہی اس طاقت کو بڑھانے کے لئے ظلم ڈھانے لگتا ہے۔ یا پھر اس کا ٹوٹا دل اسے دوسروں کی بھلائی کے لیے کام کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ اچھے یا برے' دونوں طرح کے حکمران ان عہدوں پہ اپنے ٹوٹے دلوں کی وجہ سے پہنچتے ہیں کیونکہ خوش اور مطمئن لوگ کبھی ملک نہیں چلا سکتے نہ بڑے خوابوں کے لئے جدوجہد کر سکتے ہیں۔''

''مگر آپ تو ہمیشہ خوش باش لگتے ہیں۔''

''خوش کوئی نہیں ہوتا تالیہ۔ میں صرف شکر گزار ہوں' نعمتوں کا قدردان اور مسکراتے رہنے والا مثبت انسان ہوں۔ ورنہ اندر سے تو ہر

کوئی زخمی ہوتا ہے۔بس لوگ اپنے زخم سے مختلف طرح کے سبق سیکھتے ہیں۔کوئی مرہم رکھنے والا بن جاتا ہے تو کوئی مزید گھاؤ دینے والا ۔‘‘

’’میں کیا بنوں گی؟‘‘

گھوڑے کے بالوں کو سہلاتا اس کا ہاتھ تھما۔چند لمحے وہ غور سے اپنے سامنے کھڑی شہزادی کو دیکھتا رہا۔

’’میرا ماننا ہے کہ سب انسان اچھائی پہ پیدا ہوتے ہیں اور بعد میں اچھے یا برے کام کرنے لگ جاتے ہیں۔اچھے لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنی اصلاح کر لیں۔برے لوگ وہ ہوتے ہیں جو برائی پہ اصرار کریں اور کرتے چلے جائیں۔برائی انسان کے ساتھ پیدا نہیں ہوتی۔وہ انسان خود اپنے ساتھ چپکا لیتا ہے۔تمہارا ماضی جیسا بھی ہو،تمہارا مستقبل کورا کاغذ ہے۔تم اسے خود اپنے ہاتھوں سے لکھ سکتی ہو۔سیاہی کا رنگ تمہاری چوائس ہے۔‘‘

وہ درخت،پھول،گھوڑا اور قدیم ملاکہ شیشے کی دیواروں میں تحلیل ہو گیا۔

وہ چونکی تو دروازہ کھل رہا تھا اور عثمان اور فاتح باتیں کرتے ہوئے باہر آرہے تھے۔شہزادی تاشہ نے اپنے سر پہ رکھا نادیدہ تاج جھٹکا اور خود کو باڈی ووٹمن تالیہ کے روپ میں واپس لاتے ہوئے جلدی سے اٹھی اور ان کے پیچھے ہولی۔

وہ اس سے یکسر بے نیاز عثمان سے بات کرتا چلا جا رہا تھا۔وہ اس کے بائیں طرف تیز تیز قدم اٹھاتی چل رہی تھی۔ہیٹ سر پہ ترچھا تھا،اور پھولدار لمبا فراک پہنے وہ کوئی پھول چننے والی لڑکی لگتی تھی۔

لفٹ کے قریب وہ تینوں پہنچے ہی تھے کہ دروازے کھلے اور تین افراد باہر نکلے۔دو تو آگے بڑھ گئے مگر ایک ادھیڑ عمر سرمئی سوٹ والے صاحب خوش دلی سے فاتح کی طرف بڑھے۔

’’فاتح صاحب۔شکر ہے آج آپ سے ملاقات ہو گئی۔‘‘انہوں نے گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔تو فاتح نے مسکرا کے ان کا ہاتھ تھاما۔

’’کیسے ہیں آپ،درمان صاحب؟آج اپنی انڈسٹریز کو اکیلا چھوڑ کے ہمارے دفتر میں کیسے؟‘‘

’’کسی سے ملنے آیا تھا مگر شکر ہے کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔‘‘وہ گرمجوشی سے کہہ رہے تھے جیسے فاتح سے مل کے بہت خوش ہوئے ہوں۔’’آپ کا چیئرمین کے انتخاب کے لئے کھڑے ہونا بہت اچھا لگا۔دراصل....‘‘آواز دھیمی کی۔’’میں آپ کی الیکشن کمپین کے لئے فنڈز مہیا کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کو کوئی مسئلہ نہ ہو اور آپ چیئرمین بن سکیں۔‘‘

تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا،پھر فاتح کو۔فاتح فنڈز کی بات پہ مسکرا دیا اور شکریے میں سر کو خم دیا۔’’بہت نوازش آپ کی۔‘‘

(تالیہ کے لب بھی مسکرا اٹھے۔اگر اسی طرح انڈسٹریلسٹ فنڈز دینے لگیں تو سارے مسئلے ختم ہو جائیں گے۔)

’’پلیز اپنے اسٹاف سے کہیے گا کہ میرے آفس سے رابطہ کریں تاکہ ہم فنڈز کی منتقلی پہ بات کر سکیں۔‘‘انہوں نے جھٹ اپنا کارڈ نکال کے دیا۔فاتح نے کارڈ لیتے ہوئے سر کو دوبارہ خم دیا۔وہ صاحب آگے بڑھ گئے اور وہ تینوں لفٹ میں داخل ہوئے۔تو تالیہ نے ہاتھ بڑھایا

''سر... میں اور عثمان ان سے کل ہی میٹنگ ارینج کر دیں؟ کل آپ کے پاس دوپہر میں وقت ہو گا اور...''

لفٹ کے دروازے جیسے ہی آپس میں ملے' فاتح نے کارڈ کو شڑپ سے دو اور پھر چار ٹکڑوں میں پھاڑا' پھر بے نیازی سے وہ ٹکڑے تالیہ کے ہاتھ پہ رکھے۔ ''ٹریش کین میں ڈال دینا۔''

تالیہ کی ہتھیلی فضا میں ٹھہر گئی۔ صدمے سے لب کھل گئے۔

''مگر سر وہ ہمیں فنڈز دے رہے تھے۔ آپ کا سب سے بڑا مسئلہ اس وقت الیکشن کے لیے پیسے نہ ہونا ہی تو ہے...''

''تاشہ!'' وہ اس کی طرف مڑا اور سنجیدگی سے بولا۔ ''آفس لائف میں تمہیں بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جو اپنی خوش اخلاقی اور شہد ٹپکاتی باتوں سے خود کو تمہارا مخلص ترین دوست ثابت کرنے کی کوشش کریں گے لیکن یاد رکھنا۔ آفس لائف میں لوگوں کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ ان کی میٹھی زبانوں سے نہیں' ان کے عمل سے کرتے ہیں۔''

''عمل سے؟'' اس نے مٹھی بند کر کے دھیرے سے گرا دی۔ لفٹ تیزی سے نیچے جا رہی تھی۔

''ہاں۔ ہمیشہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ شخص جتنی اچھی یا بری باتیں کر لے' کیا اس کے عمل سے مجھے کوئی فائدہ بھی ہو رہا ہے یا نہیں؟'' نرمی سے سمجھا کے چہرہ واپس بند دروازوں کی طرف موڑ لیا۔

''یہ صاحب ہر دفعہ یہی کہتے ہیں' چے تالیہ۔'' عثمان کھنکھار کے بتانے لگا۔ ''جھوٹے وعدے' اور ڈھکوسلے۔ آج تک انہوں نے پارٹی کو ایک دھیلے کا فنڈ نہیں دیا۔''

اس نے چپ چاپ مٹھی سیاہ بیگ میں الٹ دی۔ کارڈ کے ٹکڑے اندر گرتے چلے گئے۔ یہاں تو لوگ اسکامرز سے زیادہ دھوکے باز تھے۔

وہ باہر پارکنگ ایریا میں اپنی کار کے قریب آئے تھے جب فاتح رکا۔ کنپٹی پہ ہاتھ رکھ کے آنکھیں ذرا موندیں۔ عثمان فوراً الرٹ ہوا۔

''سر آپ نے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا آج اور کھانا بھی نہیں کھایا۔ آپ کا شوگر لو ہو رہا ہے۔ چے تالیہ۔'' فوراً اسے تالیہ کو دیکھا۔ تو اس نے تیزی سے زنبیل میں ہاتھ ڈالا اور بسکٹ کا پیکٹ نکال کے جلدی جلدی اسے کھولا اور فاتح کی طرف بڑھایا۔

''آپ کچھ کھا لیں۔'' وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس کی ذرا سی تکلیف اسے بوکھلائے دے رہی تھی۔

فاتح نے اس کو دیکھا۔ پھر بسکٹ کے کھلے پیکٹ کو۔ دوبارہ ایک سپاٹ نظر اس پہ ڈالی۔

''ضرورت نہیں۔''

''کھا لیں سر۔ آپ کی طبیعت بہتر ہو جائے گی۔ یقین کریں یہ کڑوا نہیں ہے۔''

وہ جو کار کا دروازہ کھولنے لگا تھا' تیورا کے پلٹا اور برہمی سے اسے دیکھا۔

''تم جان بوجھ کے ایسا کر رہی ہو؟ ہاں؟'' ایک دم سے اسے جھاڑا تو بسکٹ والا ہاتھ ڈھیلا ہو کے نیچے آ گرا۔

''میں صرف....''

''اگر تمہیں جاب نہیں کرنی تو نہ کرو مگر یہ بچوں والی حرکتیں مت کرو۔'' غصے سے جھڑک کے وہ کار کی طرف بڑھ گیا۔

تالیہ کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا اٹکنے لگا۔ مگر اس نے آنکھوں کو گیلا نہ ہونے دیا۔ چپ چاپ فرنٹ سیٹ پہ آ بیٹھی۔ عثمان نے بھی خاموشی سے لب سیئے اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ ایک لفظ نہ بولا۔ دروازہ بند کر کے تالیہ نے زور سے بسکٹ کا پیکٹ بیگ میں پھینکا۔ سارے بسکٹ اندر بکھر گئے۔ اس نے غصے سے زپ بند کی اور باہر دیکھنے لگی۔

(اکھڑ' مغرور آدمی ہونہہ۔ اگر اس نے ایک دفعہ میرے ساتھ ایسے کیا تو میں اس کی نوکری چھوڑ دوں گی۔ اکیلا رہے پھر یہ ساری زندگی۔) اس نے طے کر لیا تھا۔ بس ایک چانس اور دینا تھا وان فاتح کو۔

☆☆=========☆☆

پولیس اسٹیشن کی کھڑکیوں سے باہر پھیلی شام دکھائی دے رہی تھی۔ اس بڑے سے ہال نما کمرے میں ٹی وی چل رہا تھا اور کرسی پہ بیٹھا آفیسر' پیپر میز پہ رکھے برگر کھاتے ہوئے شوق سے میچ دیکھ رہا تھا۔

''مجھے ایک فون کال تو کرنے دو۔'' ایک طرف بنی کوٹھڑی میں سمیع کھڑا سلاخوں کو تھامے مسلسل منت کر رہا تھا۔ ''خدا کے لئے میری بات سنو۔'' وہ زور سے چلایا تو آفیسر نے برا سا منہ بنا کے گردن موڑی۔ بڑا نوالہ چبانے کے باعث اس کے گال پھولے ہوئے تھے۔ نوالہ حلق میں اتارا اور بولا۔ ''وکیل کو کال کروا تو دی تھی۔ اب اور کیا چاہیے۔''

''ایک کال....خدا کے لئے صرف ایک کال کرنی ہے دوست کو۔ پلیز۔'' اب وہ جلدی جلدی منت کر رہا تھا۔ آفیسر نے برگر میز پہ رکھا اور اسے گھورتے ہوئے اٹھا۔ پھر موبائل فون لئے اس کے قریب آیا۔

''صرف اس لئے کرنے دے رہا ہوں تاکہ تم میرا میچ خراب نہ کرو۔ پانچ منٹ بات کر سکتے ہو تم۔ صرف پانچ منٹ۔'' اسے گھور کے موبائل تھمایا تو سمیع نے اسے بے قراری سے جھپٹا۔ پھر جلدی جلدی نمبر ملانے لگا۔

آفیسر واپس کرسی پہ بیٹھ گیا اور اپنا برگر اٹھا لیا۔ نظریں ٹی وی پہ جما دیں۔ سمیع بار بار نمبر ملا رہا تھا مگر لمبی گھنٹیوں کے بعد جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا دل ڈوب ڈوب کے ابھرنے لگا۔

''ہیلو۔'' بالآخر فون اٹھا لیا گیا۔

''رملی۔ رملی صاحب۔ پلیز فون مت بند کیجیے گا۔ مجھے آپ کو بہت اہم بات بتانی ہے۔'' فرط جذبات میں وہ جوش سے تیز تیز کہنے لگا۔

''میں تالیہ مراد کا شوہر ہوں اور مجھے آپ کو تالیہ کے بارے میں کچھ بتانا ہے۔''

☆☆=========☆☆

حالم کا بنگلہ اس ڈوبتی شام میں اپنے پورے قد کے ساتھ کھڑا تھا۔ اندر لاؤنج کے بڑے صوفے پہ بھاری بھرکم داتن بیٹھی تھی۔ اس کی

گھورتی ہوئی نظریں سامنے والے صوفے پہ بیٹھے ایڈم پہ جمی تھیں۔ ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس' وہ سادہ سا نوجوان مسلسل گردن موڑ موڑ کے اطراف کا تنقیدی جائزہ لے رہا تھا۔

وہ دونوں تالیہ کے انتظار میں وہاں بیٹھے تھے۔ ایڈم دیکھ سکتا تھا کہ لاؤنج بہت خوبصورتی سے جدید طرز پہ آراستہ کیا گیا تھا۔ ایک طرف اوپن کچن تھا۔ اوپر جھلملاتے فانوس سجے تھے۔ دائیں طرف زینہ تھا جو اوپر جاتا تھا۔ وسط میں مخملیں صوفے چوکھٹے کی صورت رکھے تھے اور ان پہ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ ایڈم کی نظریں سائیڈ ٹیبل پہ رکھی ایک نمائشی ایش ٹرے پہ جا ٹکیں تو داتن نے ابرو بھینچ کے اسے دیکھا۔

''یہ تالیہ نے بہت محنت سے سنگاپور سے چرائی تھی۔ اس کو بری نظر سے نہ دیکھو۔''

ایڈم نے اثر لئے بغیر نظروں کا رخ دیوار کی طرف موڑا جہاں سنہرے فریم میں ایک پینٹنگ آویزاں تھی۔

''یہ ہم نے ایک میوزیم کے کیوریٹر کی تحویل سے چرائی تھی۔ اصلی پینٹنگ کو نقلی سے بدل کے۔ وہ اصلی بیچنے جا رہا تھا۔ اس کو نہ ہی دیکھو تو اچھا ہے۔''

ایڈم نے محض ایک چبھتی ہوئی نظر داتن پہ ڈالی اور پھر گردن پوری پھیر لی۔ اب وہ کونے میں رکھے ایک گلدان کو دیکھنے لگا تھا۔

''اس کو چرانے کا سوچنا بھی مت۔ یہ ایک نیلامی کے اسٹور روم سے اٹھایا تھا ہم نے اور....''

''اس گھر میں کوئی ایسی چیز بھی ہے جو یہاں اپنی مرضی سے آئی ہو؟'' وہ جل کے بولا تو داتن نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

''ہاں.... تم!''

ایڈم نے سر جھٹکا جیسے بہت ضبط کیا ہو اور پھر میز پہ رکھے لیپ ٹاپ کی طرف اشارہ کیا۔ ''آپ مجھے وہ ویڈیو دکھا دیں جو ان فاتح نے پولیس اسٹیشن میں بنوائی تھی۔ جے تالیہ نے وہی دیکھنے کے لئے مجھے یہاں بلوایا ہے۔''

''مگر وہ خود ابھی تک نہیں آئی۔'' داتن مزے سے ڈھیٹ بنی بیٹھی رہی۔

''اور جب وہ آ کے یہ دیکھیں گی کہ آپ نے اتنی دیر مجھے مشکوک گردان کے فارغ بٹھائے رکھا تو ان کی نظروں میں برا کون بنے گا' ہوں؟'' معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

داتن کے تاثرات بدلے۔ پہلے اس تخمی سے لڑکے پہ غصہ چڑھا مگر پھر خیال آیا کہ وہ درست کہہ رہا ہے۔ چپ چاپ اٹھ کے لیپ ٹاپ پہ ویڈیو لگانے لگی۔

''میں ملاکہ تین دن کے لئے آیا تھا مگر تین گھنٹے بھی نہ رک سکا۔''

وہ دونوں اب ساتھ ساتھ صوفے پہ بیٹھے تھے اور ایڈم لیپ ٹاپ پہ جھکے غور سے ویڈیو دیکھ رہا تھا جہاں اسکرین پہ فاتح اپنا بیان ریکارڈ کروا رہا تھا۔

''مگر وہ تو صرف ایک دن کے لئے ملاکہ آئے تھے۔اور تین گھنٹے سے زیادہ رکے تھے۔''

اس کے یوں بڑبڑانے پہ داتن نے گھور کے اسے دیکھا۔

''میں ملاکہ سے واپس جارہا تھا کہ میرا باڈی گارڈ میرے پاس آیا۔ یہ ریکارڈ ہو رہا ہے نا؟''اسکرین پہ نظر آتا فاتح کمشنر سے پوچھ رہا تھا۔

''میں ان کا باڈی گارڈ نہیں' باڈی مین تھا۔''ایڈم نے خفگی سے کہا تو داتن نے زور سے پیرز مین پہ پٹخا۔وہ چونکا۔

''تم چپ کر کے نہیں دیکھ سکتے؟غلطی سے باڈی گارڈ بول دیا ہوگا۔''

ایڈم نے سر جھٹکا اور خاموشی سے ویڈیو دیکھنے لگا۔ سارا قصہ سنا کے فاتح کہہ رہا تھا۔''اس کے بعد سے میرا دماغ غنودگی کی سی کیفیت میں ہے۔میرا باڈی مین....''رکا اور جیسے تصحیح کی۔''باڈی گارڈ مجھے گھر لایا۔''

ایڈم تیزی سے سیدھا ہوا۔''نہیں۔غلطی نہیں ہے یہ۔وہ جان بوجھ کے غلط الفاظ بول رہے ہیں۔ یہ ویڈیو انہوں نے ہمارے لئے ریکارڈ کی ہے۔اس میں کوئی پہیلی ہے۔کوئی بات جو وہ ہمیں بتانا چاہتے ہیں۔''

اب کے داتن چونکی۔''واقعی۔اس نے باڈی مین کہتے کہتے باڈی گارڈ کا لفظ بول دیا۔ یہ غلطی نہیں ہو سکتی۔''

ایڈم نے جلدی سے پینٹ سے چھوٹا سا نوٹ پیڈ نکالا اور قلم سے اس پہ الفاظ گھسیٹنے لگا۔ویڈیو شروع سے لگالی۔

''کیا لکھ رہے ہو؟''اب کے داتن کے چہرے کے زاویے بھی سیدھے ہو گئے تھے۔

''ہر وہ لفظ جو وہ بول رہے ہیں۔غلط الفاظ کا مطلب ہے' وہ چاہتے ہیں ہم ان کے الفاظ پہ غور کریں۔''ویڈیو ختم ہوئی تو اس نے کاغذ چہرے کے سامنے اٹھا کے غور سے دیکھا۔

''وان فاتح جھوٹ اور غیر ضروری الفاظ دونوں سے احتراز برتتے ہیں۔اور اس ویڈیو میں....''اس نے پیڈ گھٹنے پہ رکھا اور جگہ جگہ دائرے لگانے لگا۔''یہ دو الفاظ انہوں نے بار بار دہرائے ہیں۔''تین'' اور ''سوال''۔ میں تین دن کے لئے ملاکہ آیا' تین گھنٹے سے زیادہ نہ رک سکا' وہ تین چور تھے' انہوں نے والٹ موبائل اور پیسے مانگے' وہ تین چیزیں جو چور مانگتے ہیں' یہ ویڈیو مجھے تین منٹ کے اندر اندر بھیج دو۔ضروری نہیں کہ ہر سوال کا جواب ملے' مجھے تم سے بار بار سوال کرنا اچھا نہیں لگے گا۔''وہ جوش سے اس کے الفاظ دہرا رہا تھا۔

داتن نے گال تلے انگلی رکھے سوچتی نظروں سے اسے دیکھا۔''تین...سوال...اور اس کا کیا مطلب ہوا؟''

ایڈم کا سارا جوش ایک دم جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔''یہ تو مجھے نہیں پتہ۔''

''ہوں۔''داتن کے لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔دل کو جیسے سکون پہنچا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور تالیہ اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ ہیٹ اور بیگ ہاتھ میں تھا اور چہرے کے زاویے بگڑے ہوئے تھے۔

''چے تالیہ' وان فاتح نے اس ویڈیو میں کوئی ہنٹ چھوڑا ہے اور...''

''یہ آدمی اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے' ہاں؟'' اس نے آتے ساتھ ہی غصے سے ہیٹ پرے اچھالا۔ وہ دونوں ہکا بکا سے اسے دیکھنے لگے۔

''آرام سے تالیہ۔'' داتن نے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ ''مانا کہ یہ لڑکا انتہائی نامعقول' منہ پھٹ اور ناقابلِ برداشت ہے' مگر تم آرام سے بھی اس کو گھر سے نکلنے کا کہہ سکتی ہو۔''

ایڈم نے جواباً کھا جانے والی نظروں سے داتن کو گھورا اور تالیہ نے جھنجھلا کے سیاہ پرس صوفے پہ پھینکا۔

''میں وان فاتح کی بات کر رہی ہوں۔ خود کو کوئی مہاراجہ سمجھتے ہیں وہ..... میں سارا دن ان کی خدمت کروں مگر ان کو میرے ہر کام پہ اعتراض ہوتا ہے۔''

بیگ پھینکنے سے ساری چیزیں الٹ کے زمین پہ جا گریں۔ وہ اب گلابی تمتماتے چہرے کے ساتھ لاؤنج میں آگے پیچھے ٹہلتے ہوئے غصے سے بولے جا رہی تھی۔

''کافی میرے ہاتھ کی زہر لگتی ہے۔ ٹشو مجھ سے لینا پسند نہیں۔ شوگر لو ہو تو بھی میرا دیا بسکٹ نہیں کھائیں گے۔ اتنا غرور' اتنی حقارت۔ مسئلہ کیا ہے اس شخص کے ساتھ۔''

جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ کراہ کے پلٹی اور غصے سے ایڈم کو دیکھا۔ ''تم دو منٹ میری ہاں میں ہاں نہیں ملا سکتے؟''

مگر ایڈم اس کے پرس سے گری چیزوں کو دیکھ رہا تھا۔

''یہ پرس چوری کا نہیں ہے' اچھا۔'' داتن نے اسے گھور کے وضاحت دی۔

ایڈم نے جھک کے بسکٹ کا کھلا پیکٹ اٹھایا اور تالیہ کو دیکھا۔

''آپ نے ان کو یہ بسکٹ دیے؟''

''شوگر لو ہو تو اور کیا دیتے ہیں؟ اور یہ ان کے فیورٹ بسکٹ ہیں۔''

ایڈم نے دونوں ابرو بے یقینی سے اٹھائے۔

''چے تالیہ۔ فاتح صاحب کو مونگ پھلی سے شدید الرجی ہے۔ ان کا سانس بند ہو سکتا ہے مونگ پھلی سے' ایک دانہ ان کو آئی سی یو میں پہنچا سکتا ہے اور آپ نے ان کو مونگ پھلی والے بسکٹ دے دیے؟''

ایک دم سے جیسے کسی نے تالیہ پہ ٹھنڈا پانی انڈیل دیا ہو۔ وہ سن سی کھڑی رہ گئی۔

''اور یہ گیلے وائپ...'' ایڈم اب زمین پہ جھکا ایک ایک چیز الٹ پلٹ رہا تھا۔ ''وہ بھی موتیے کی خوشبو والے۔ ان کو یہ خوشبو ناپسند ہے اور وہ سوکھے ٹشو استعمال کرتے ہیں۔ کافی کون سی بنا رہی ہیں آپ؟''

''کیپیچینو کریم کے ساتھ۔'' وہ ہکلائی۔

''وہ Loctose intalerant ہیں۔ دودھ سے بنی چیزیں نہیں پی سکتے اور آپ ان کو دودھ والی کافی دے رہی تھیں۔ اور یہ

اخبار... یہ تو حکومتی پارٹی کا شائع کردہ ہے۔ ان کا حکومتی کالم نگاروں کی تحریریں پڑھ کے بی پی ہائی ہونے لگتا ہے۔"

مگر تالیہ مراد سن نہیں رہی تھی۔ ذہن میں فاتح کے الفاظ گونج رہے تھے۔

"آفس لائف میں تمہیں بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جو اپنی خوش اخلاقی اور شہد ٹپکاتی باتوں سے خود کو تمہارا مخلص ترین دوست ثابت کرنے کی کوشش کریں گے لیکن یاد رکھنا۔ آفس لائف میں لوگوں کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ ان کی میٹھی زبانوں سے نہیں' ان کے عمل سے کرتے ہیں۔ ہمیشہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ شخص جتنی اچھی یا بری باتیں کر لے' کیا اس کے عمل سے مجھے کوئی فائدہ بھی ہو رہا ہے یا نہیں؟"

تو وہ جس کو اس کا تحقیر آمیز رویہ سمجھ رہی تھی' وہ دراصل اس کا ضبط تھا؟ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ جان کے اسے غلط چیزیں دے رہی ہے پھر بھی اس نے اسے نوکری سے نہیں نکالا۔ بس اس کی چیزیں رد کر دیں تاکہ وہ خود اپنی تصحیح کرے۔ اس لئے اس نے کہا کہ اس کی پسند ناپسند معلوم کرنا تالیہ کی جاب ہے؟ اور وہ کیا سوچتا ہوگا جب اس نے مونگ پھلی کے بسکٹ دیکھے ہوں گے؟ کہ وہ اسے مارنا چاہتی ہے؟

"تم جان بوجھ کے یہ کر رہی ہو؟" سارا غصہ ضبط کر کے بس اتنا کہا گویا اسے جھنجھوڑا۔ وہ اسے نوکری سے نہیں نکالنا چاہتا تھا۔ وہ اسے کام کرنے کا موقع دے رہا تھا۔ یا اللہ...... وہ اپنا کیا امپریشن دے رہی تھی۔

"عبداللہ.... عبداللہ نے مجھے غلط گائیڈ کیا۔" اس کے ذہن میں جھکڑ چل رہے تھے۔

"عبداللہ کی جگہ آپ مجھ سے پوچھتیں تو.... خیر... یہ دیکھیں...."

داتن نے چونک کے اسے دیکھا جواب جوش سے تالیہ کو کاغذ دکھانے لگا۔ تالیہ اس کے ساتھ آبیٹھی اور بے دھیانی سے سننے لگی۔

"ہم نے اس ویڈیو سے ایک نتیجہ نکالا ہے کہ..."

(ہم نے؟) وہ اپنی ذہانت کو داتن اور اپنا مشترکہ کام بتا رہا تھا۔ داتن کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔

"تین سوال؟ کیا مطلب ہوا اس کا؟" تالیہ نے بے توجہی سے اسے دیکھا۔

ایڈم نے شانے اچکا دیے۔ "ہم کیسے جان پائیں گے۔"

"داتن.. تھانے کے بعد وہ کہاں گئے تھے؟ یہ ویڈیو تو بارہ بجے کے بعد کی ہے جبکہ وہ چار پانچ بجے تک گھر سے باہر رہے ہیں۔ کیا ہم شہر کے دوسرے سی سی ٹی وی کیمروں سے ان کی نقل و حرکت معلوم کر سکتے ہیں؟"

"ہاں بالکل' میرے پاس جوالہ دین کا چراغ ہے وہ جھٹ سے ایسا کر دے گا۔" داتن مصنوعی ناراضی سے بولی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یار داتن...." تالیہ کراہی۔ ایک تو پہلے عبداللہ اور اب یہ داتن....

"ایک دو دکانوں کے باہر لگے کیمروں کی فوٹیج تو میں نکلوا سکتی ہوں مگر ہر سڑک کے کیمرے کا ریکارڈ لینا ناممکن ہے۔ مچھلی بنائی ہے میں نے۔ اور سنو تم لڑکے.... تم کھانا کھا کے جانا۔ پتہ نہیں زندگی میں کبھی مچھلی تمہیں نصیب ہوئی بھی ہے یا نہیں۔" بڑبڑاتے ہوئے کہتی کچن کی طرف چلی گئی۔ ایڈم پیچھے سے چہک کے بولا۔

''جب بھی نصیب ہوئی ہے' الحمدللہ حلال کی ہوئی ہے۔''

پھر مڑا تو دیکھا...تالیہ سوچتے ہوئے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔تھوڑی ہتھیلی پہ گرا رکھی تھی۔

''وان فاتح نے اس رات کیا کیا تھا؟ وہ ہمیں کیا بتانا چاہ رہے ہیں جو ڈائریکٹ ای میل میں نہیں لکھ سکے؟ کیا اس جادو سے نکلنے کا کوئی طریقہ ہے؟'' وہ چونکی۔''کیا ان کی یادوں کے واپس آنے کا کوئی راستہ ہے۔''

''آپ کی یادداشت بھی تو ٹکڑوں کی صورت میں کچھ کچھ واپس آئی تھی۔''

''جب میں کے ایل آئی تھی اتنے سال بعد تو ائیرپورٹ پہ مجھے پہلی دفعہ خواب سا دکھائی دیا تھا۔اس کے بعد وقفے وقفے سے کبھی کبھی کوئی بچپن کا وژن آتا تھا۔کبھی ماضی کا۔کبھی مستقبل کا۔''

''جب آپ کو پہلی دفعہ کوئی وژن نظر آیا تھا تو ایسا کیا تھا جو اس کا محرک بنا تھا؟''

''مجھے نہیں یاد' ایڈم۔''اس نے مایوسی سے سر جھٹکا۔''اور ابھی میرے ذہن میں صرف عبداللہ گھوم رہا ہے۔اس کی تو میں کل خبر لیتی ہوں۔''

''دایاں ہاتھ کٹوا دیجیے گا اس کا۔اوہ سوری' یاد آیا۔اب تو آپ کسی کا ہاتھ بھی نہیں کٹوا سکتیں۔'' مسکرا کے بولا اور اپنے کاغذ سمیٹنے لگا۔تالیہ اتنی کبیدہ خاطر تھی کہ جواب میں کچھ بولی ہی نہیں۔

☆☆=========☆☆

آفس کیبن قطار میں بنے تھے اور اس صبح وہ فون کی گھنٹیوں' ٹائپنگ کی آوازوں اور گفتگو کی بھنبھناہٹ سے گونج رہے تھے۔ایسے میں عبداللہ اپنی شرٹ کا کالر درست کرتا کیبن کے درمیانی راستے سے گزرتا آگے بڑھ رہا تھا۔راہداری کے ایک طرف وان فاتح کا آفس تھا جس کے باہر تالیہ بیٹھی تھی اور سیکرٹری کی کرسی پہ عثمان براجمان لیپ ٹاپ پہ کام کرتا دکھائی دے رہا تھا۔

''سر اندر ہیں؟ انہوں نے بلوایا تھا۔'' عبداللہ خوش دلی سے کہتا قریب آیا تو عثمان نے چونک کے گردن اٹھائی۔

''سر نے بلوایا؟ کس وقت کے لئے؟'' اس نے اچنبھے سے کہتے اپنی ڈائری کھولی تو تالیہ مسکراتی ہوئی کھڑی ہوئی۔پھولدار فراک پہ سر کے اوپر ترچھا سفید ہیٹ جما رکھا تھا۔

''بہت اچھا لگا تمہیں یہاں دیکھ کے عبداللہ۔'' وہ بہت اپنائیت سے کہہ رہی تھی۔''دراصل میں نے بلوایا تھا تمہیں۔''

عبداللہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔اس کا ماتھا ٹھنکا۔''پے تالیہ...میں....''

''شش!'' تالیہ نے مسکراتے ہوئے لبوں پہ انگلی رکھی اور چند قدم چل کے قریب آئی۔اب اس کے عین سامنے کھڑے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔''یہ تمہاری لکھائی میں لکھی جے ڈی ہے عبداللہ۔'' شفاف پلاسٹک بیگ میں مقید کاغذ لہرایا۔''اس کو جانتے ہو میں نے پلاسٹک بیگ میں کیوں بند کر رکھا ہے؟''

عبداللہ نے تھوک نگلا مگر بظاہر کندھے اچکائے۔ ''دیکھیں میں....''

''کیونکہ یہ Conspiracy to murder کا ثبوت ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے چباچبا کے کہہ رہی تھی۔ ''تم نے لکھا کہ وہ مونگ پھلی کے بسکٹ شوق سے کھاتے ہیں۔تم ان کو میرے ہاتھوں قتل کروانا چاہتے تھے کیا؟''

''بے تالیہ۔'' عثمان اٹھ کھڑا ہوا اور مصالحتی انداز میں مداخلت کی کوشش کی تو وہ تیزی سے اس کی طرف گھومی۔ ''عثمان صاحب' آپ جانتے تھے کہ یہ مجھے غلط گائیڈ کر کے گیا ہے لیکن آُ نے ایک دفعہ بھی مجھے احساس نہیں دلایا۔ جیسے تب چپ رہے ویسے اب بھی چپ رہیں۔'' پھر شعلہ بار نظروں سے واپس عبداللہ کو دیکھا۔

''بے تالیہ... غلطی سے شاید....''

''اپنی وضاحت بچا کے رکھو۔تم صرف مجھے ڈانٹ پڑوانا چاہتے تھے'میں جانتی ہوں تم ان کو قتل نہیں کرنا چاہتے اور یہی بات تم اندر جا کے انہیں بتاؤ گے۔''

''بے تالیہ۔ دیکھیں یہ....''

''اگر تم نہیں بتاؤ گے تو میں بتا دوں گی لیکن تمہیں زندگی گزارنے کا ایک گُر بتاؤں عبداللہ؟ جس کو دھوکہ دیا جاتا ہے'اس کو اپنے منہ سے سچ بتانا بہتر ہوتا ہے بجائے اس کے کہ اسے کسی تیسرے شخص سے پتہ چلے۔ جاؤ۔ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''

پلاسٹک بیگ اس کی طرف بڑھایا تو عبداللہ نے لب بھینچ لئے اور بیگ تھاما۔ پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

عثمان کرسی پہ بیٹھ گیا لیکن بار بار افسوس سے بند دروازے کو دیکھتا تھا۔

''بے تالیہ یہ آفس کے معاملات ہمیں آپس میں حل کرنے چاہیے ہیں۔ ہر بات باس کو بتانا آپ کے لئے مشکلات کھڑی کر سکتا ہے۔''

''عثمان انچے! (صاحب)'' اس نے سینے پہ بازو لپیٹے اور مسکرا کے اسے دیکھا۔ ''ایک بات آج آپ میری لکھ کے رکھ لیں۔ تالیہ مراد اگر سب کے ساتھ ایمانداری سے معاملات کر رہی ہے'تو اس کے ساتھ غلط بیانی کرنے والے کو سزا ملنی چاہیے۔''

عثمان نے خاموشی سے لیپ ٹاپ اپنے سامنے کر لیا اور ٹائپ کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد عبداللہ باہر آیا اور خاموشی سے تالیہ کو دیکھتے ہوئے کاغذ کے چار ٹکڑے کر کے ڈسٹ بن میں پھینکے۔

''آئی ایم سوری! بے تالیہ۔'' جیسے زبردستی یہ الفاظ ادا کیے۔ پھر ٹھہرا۔ ''آپ باس کو پہلے ہی بتا چکی تھیں تو مجھے اعتراف کرنے کو کیوں کہا؟''

''یہ بتایا تھا کہ غلطی کی ہے۔ یہ نہیں بتایا تھا کہ کیا غلطی کی ہے۔ بہر حال' باس نے یقیناً تمہیں کہا ہو گا کہ مجھ سے معافی مانگنے کے بعد میں تمہیں عثمان سے لیٹر بنوا دوں گی۔''

''میرا اٹرمینیشن لیٹر' رائٹ!'' وہ کڑواہٹ سے بولا۔ چہرے پہ بے بسی بھرا غصہ تھا۔تالیہ نے پرس سے ایک کاغذ نکالا اور عثمان کی میز پہ لا رکھا۔

''یہ عبداللہ کا اپائنٹمنٹ لیٹر ہے۔ہم عبداللہ کو اکاؤنٹس میں ایک بہتر جاب دے رہے ہیں۔'' وہ جتنی سنجیدگی سے بولی' عثمان کا منہ کھل گیا ۔عبداللہ نے بھی بے یقینی سے اسے مڑ کے دیکھا۔

''آپ مجھے جاب دلوا رہی ہیں؟ دوبارہ؟''

''ہاں' کیونکہ تم نے وان فاتح سے سچ بولا ہے۔اور تمہاری اس سے بڑی سزا کیا ہوگی کہ تم روز ایک ہی آفس میں ان کا سامنا کرو گے اور روز اپنی حرکت پہ شرمندہ ہو گے۔'' رکھائی سے کہہ کے عبداللہ کو گھورا ۔عبداللہ دل سے شرمندہ نہ تھا' اسے بے بسی بھرا غصہ چڑھا ہوا تھا' مگر اس بات نے اس پہ گویا گھڑوں پانی ڈال دیا۔چپ چاپ عثمان کے قریب چلا آیا۔

(اگر اپنی لکھائی میں نہ لکھتا تو یہ کبھی میرے خلاف اسے نہ استعمال کر سکتی۔)

تالیہ کافی بنا کے واپس آئی تو عبداللہ جا چکا تھا اور عثمان اسی طرح بیٹھا تھا۔اسے دیکھ کے کھنکھارا۔

''مجھے خوشی ہے اس کی جاب نہیں گئی' بے تالیہ۔ جاب کا چھوٹ جانا انسان کے ساتھ کیا کر دیتا ہے' آپ نہیں جانتیں۔'' عثمان نے تنبیہہ کی مگر اس نے محض سر جھٹک دیا۔

''اعمال کے نتائج ہوتے ہیں جو بھگتنے پڑتے ہیں۔''

فاتح عینک لگائے ایک فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔کوٹ اسٹینڈ پہ ٹنگا تھا اور وہ شرٹ کے آستین موڑے' ٹائی ڈھیلی کیے میز پہ کہنیاں رکھے بیٹھا تھا۔اسے دیکھ کے نظریں اٹھائیں۔

''تو اس نے تمہیں غلط ڈی جے دی تھی؟ معافی مانگی اس نے تم سے؟'' انداز دوستانہ تھا۔

صبح اس کی ساری بات سن کے اس نے بس یہی کہا تھا کہ وہ تم سے معافی مانگ لے تو ہم اسے دوبارہ اسی آفس میں accomodate کر دیں گے۔

''جی سر' مانگ لی۔ پوچھ سکتی ہوں کہ آپ نے اسے جاب سے کیوں نہیں نکالا؟'' اس نے کافی کا مگ اس کے سامنے میز پہ رکھا اور اچنبھے سے بولی۔ ''آپ تو سچ جھوٹ کے معاملے میں بہت سخت ہیں۔ پھر کیوں اسے رکھ لیا؟''

''کیونکہ مجھے الیکشن لڑنا ہے' تاشہ۔ میں اپنے ساتھ سولہ گھنٹے گزارنے والے لڑکے کو اس موقع پہ اپنا دشمن نہیں بنا سکتا۔اور یہ تم لوگوں کی ایک دوسرے کے خلاف آفس پالیٹکس تو چلتی رہے گی۔'' وہاں سکون ہی سکون تھا۔

''رائٹ سر۔ یہ رہی آپ کی کافی' جو آپ کو واقعی پسند ہے۔'' پھر اس نے ایک گم کا پیکٹ میز پہ رکھا۔ ''یہ رہی crunchy gums کیونکہ آپ کام کرتے ہوئے soggy gums نہیں چباتے۔ اور ہاں.... آپ کے کوٹ سے آپ کی فلیگ پن گر گئی تھی تو میں

یہ نئی لے آئی ہوں۔ دو ایکسٹرا فلیگ پنز میرے بیگ میں بھی ہیں۔'' مہارت سے بتاتے ہوئے وہ اسٹینڈ تک آئی اور ایک ننھی جھنڈے والی پن اس کے کوٹ پہ لگائی۔ فاتح نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''اور اب تمہیں ایک دم سے میری پسند ناپسند کا علم ہو گیا؟''

''وہ کیا ہے سر کہ یہ میری جاب ہے۔'' تالیہ مراد اس کی طرف گھومی اور مسکرا کے بولی۔

''میں نے عبداللہ پہ بھروسہ کر کے سستی دکھائی تھی لیکن اب میں نے آپ پہ ریسرچ کی ہے اور آپ کے نئے پرانے سب انٹرویوز دیکھ اور پڑھ ڈالے۔ امید ہے اب میں آپ کی ہر چیز کا خیال رکھ سکوں گی۔ ویسے آپ کا وہ بٹوہ کہاں گیا جس میں آپ پاپ کارن کے دانے رکھتے تھے؟''

ایک دم گرم کڑوے گھونٹ نے فاتح کی زبان جلا ڈالی۔ اس نے تیزی سے مگ نیچے کیا۔ مسکراہٹ غائب ہوئی اور پیشانی پہ سلوٹیں پڑیں۔

''کون سا بٹوہ؟ یہ کس نے کہا تمہیں؟''

''آپ نے۔ آپ نے ہی تو کہا تھا کہ آپ کی پسند ناپسند کا پتہ چلانا میری جاب ہے اور میں اپنی جاب آخری حد تک کرنا جانتی ہوں سر۔ انٹرویو والے روز میں نے آپ سے کہا تھا' تالیہ مراد کو سب کرنا آتا ہے۔ امید ہے الیکشن تک آپ مجھے بھی فائر کرنے کا نہیں سوچیں گے۔ وہ بٹوہ آپ کے پاس ہوتا تھا ہمیشہ۔ اب نہیں ہے۔ اسے ڈھونڈ لیجئے گا۔'' جتاتی مسکراہٹ سے کہتی وہ مڑی اور باہر نکل گئی۔

وان فاتح کچھ دیر لب بھینچے بیٹھا رہا۔ پھر موبائل اٹھایا اور تیزی سے انگلیوں کو کی پیڈ پہ حرکت دی۔

''حالم.... کچھ علم ہوا کہ اس رات میرے ساتھ کیا ہوا تھا؟'' ایک یہی معمہ تھا جو حل نہیں ہو رہا تھا۔

وہ باہر کرسی پہ بیٹھی اس کا پیغام پڑھ رہی تھی۔ پھر جواب لکھنا شروع کیا۔

''میں کوشش کر رہا ہوں فاتح صاحب۔ امید ہے آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔''

پھر اس نے ہینڈز فری کانوں میں لگائے اور وہیں بیٹھے بیٹھے وہ ویڈیو دوبارہ دیکھنے لگی۔ رات تو عبداللہ کی وجہ سے ذہن بٹا ہوا تھا۔ اب پوری توجہ سے اس کا ایک ایک لفظ سننے لگی۔ تین.... سوال.... وہ ان الفاظ کو بار بار دہرا رہا تھا۔ آخر کیا مطلب تھا ان کا؟

وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

☆☆=========☆☆

وہ ایک شور سے بھرپور آفس تھا۔ لوگ ہر کونے سے گویا نکل نکل کے آ جا رہے تھے۔ فون کی گھنٹیاں کانوں میں صور پھونک رہی تھیں۔ ہر کوئی بول رہا تھا' چل رہا تھا۔ ایسے میں ایڈم بن محمد ایک فولڈر تھامے دھڑکتے دل کے ساتھ راہداری میں آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک دروازے کے سامنے وہ رکا' اور ٹائی درست کی۔ تالیہ کی ہدایت کے مطابق اس نے سوٹ پہنا تھا جس میں وہ شدید غیر آرام دہ تھا۔ دروازے کو کھٹکھٹایا

اور اندر جھانکا۔

اندر ایک ادھیڑ عمر صاحب فائلوں میں الجھے بیٹھے تھے۔ وہ ایک ٹیبلوئڈ کا دفتر تھا۔ یہ دلچسپ اور سنسنی خیز قسم کے میگزین ہوتے ہیں جو عام خبروں سے زیادہ چٹ پٹے اسکینڈلز کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس آفس میں بھی جابجا ایسے ہی پوسٹر لگے تھے۔ اسے دیکھ کے ان صاحب نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

''آجاؤ' آجاؤ۔'' پھر بالوں کو کھجایا۔ الجھے انداز میں فائلز آگے پیچھے کیں۔ وہ شدید مصروف نظر آتے تھے۔

''میں حالم کے ریفرنس سے آیا ہوں۔'' وہ سامنے بیٹھا اور کھنکھارتے ہوئے فولڈر میز پہ رکھا۔ ''اس میں حالم کی طرف سے ایک سفارشی لیٹر بھی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ آپ کو ایک رپورٹر کی ضرورت ہے۔ جو حقیقی واقعات کو دلچسپ کہانی کی صورت لکھ سکے۔''

''دیکھو میاں ضرورت تو ہمیں کسی کی نہیں ہے' لیکن حالم کے احسان بہت ہیں مجھ پہ تو میں تمہیں نوکری دے دیتا ہوں۔'' انہوں نے فولڈر اپنے قریب کھسکایا مگر اسے کھولا نہیں۔ بس سادے انداز میں بتانے لگا۔ ایڈم کے کندھے ڈھلک گئے۔ لیکن پھر دوبارہ اپنے جوش کو جگاتے ہوئے بولا۔

''اگر آپ مشہور ایکٹرس ڈیزی مل کے اسکینڈل پہ لکھی میری تحریر پڑھ لیں تو میں شکر گزار ہوں گا۔ اور ....''

''سمجھو میں نے پڑھ لی۔ اور تمہیں بطور فری لانس رپورٹر رکھ رہا ہوں۔ تنخواہ مل جایا کرے گی اور آفس آؤ نہ آؤ تمہاری مرضی ہے۔ چاہے سارے شہر کی خاک چھانتے رہو' مگر ہفتے میں ایک دن آکے تمہیں کوئی سنسنی خیز اسٹوری جمع کرانی ہوگی۔ ہمارا ٹیبلوئڈ پرنٹ سے زیادہ آن لائن چلتا ہے۔ دیکھو میاں یہ کتابوں کا دور تو رہا نہیں۔ یہ اسکرین کا دور ہے اس لئے تصویریں' ویڈیوز' آرٹیکلز' جو بھی ہو لے آیا کرو۔ اب اگر تمہاری طبیعت پہ گراں نہ گزرے تو باہر تشریف لے جاؤ کیونکہ میں اس اداکارہ کے ایکدم اسکارف اوڑھ لینے کو کوئی سازشی رخ دے کر کہانی بنانا چاہ رہا ہوں۔'' ایک تصویر لہرا کے دکھائی۔ وہاں تو نہ لحاظ تھا' نہ مروت۔ کھڑوس ایڈیٹر نے ایک ہی سانس میں اس کے سفارشی اور اپنے جھوٹے ہونے کی تصدیق کی اور جانے کا اشارہ کیا۔

''پڑھ ضرور لیجیے گا' سر۔'' وہ گہری سانس لے کر بولا اور پھر تھکے تھکے انداز میں باہر نکل گیا۔

(کتابوں کا دور نہیں رہا۔) یہ الفاظ میگزین کے دفتر سے گھر تک اس کا پیچھا کرتے آئے تھے۔ گھر کے قریب چھوٹی سی مارکیٹ میں وہ کتابوں کی دکان کے سامنے رک گیا۔ بدقت قدم اٹھائے اور قریب آیا۔

''بنگار ایا ملایو ہے؟'' تھوک نگل کے استفسار کیا۔ وہ کورس کی کتاب تھی اور ہر جگہ مل جاتی تھی۔ دکاندار نے جھٹ اسے تھما دی۔ ایڈم نے دونوں ہاتھوں میں اسے تھاما اور اوپر چہرے کے سامنے لے آیا۔ دھوپ میں اس کا سرورق چمک رہا تھا۔

ملایا کا پھول

از آدم بن محمد۔

ایک اداس مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلایا اور کتاب واپس کر دی۔ دکاندار حیران ہوا۔

''نہیں چاہیے؟''

(ایسی کتابیں پڑھ کے ماضی کی خوفناک قید یاد آنے لگے گی اور اس سب کو یاد کرنے کے لئے بہت حوصلہ چاہیے۔) دل میں سوچا مگر کہا صرف اتنا۔

''ابھی نہیں۔ کچھ وقت گزر جائے تو شاید اسے خرید لوں یا جیسے بچپن میں چوائس میں چھوڑ دیا تھا اب بھی چھوڑ دوں۔ اس کو پڑھنا یا نہ پڑھنا میری اپنی چوائس ہے۔''

دکاندار نے کتاب رکھ لی اور ایک اچٹتی نظر اس نوجوان پہ ڈالی جو اب قدم اٹھاتا دور جا رہا تھا۔ دنیا عجیب وغریب نمونوں سے بھری پڑی ہے۔ دکاندار نے سوچا اور سر جھٹک کے واپس کام کرنے لگ گیا۔

وہ گھر میں داخل ہوا تو چھوٹے باغیچے میں ٹھنڈی چھایا اتری تھی۔ مرغی اپنے پنجرے میں پرسکون بیٹھی چوزوں کو پروں میں دبائے ہوئے تھی۔ دیوار پہ رکھی باجرے کی پلیٹ سے پرندے دانے چگ رہے تھے۔ اس نے اندر آ کے گیٹ بند کیا تو پرندے جھپاک سے اڑ گئے۔ وہ سیدھا ہوا تو دیکھا' برآمدے میں ماں کھڑی سوگوار گیلی نظروں سے اسے دیکھ رہی ہے۔

''ماں؟ کچھ ہوا ہے کیا؟'' اس کا ہاتھ دھیرے سے پہلو میں آ گرا۔ نظریں ماں پہ جم گئیں۔

''ایڈم۔ فاطمہ کے والد نے شادی سے انکار کر دیا ہے۔ منگنی کا سامان بھی واپس بھیج رہا ہے۔'' ابیو نے پلکیں جھپکائیں تو آنسو ٹوٹ کے گرتے گئے۔ ایڈم نے دیکھا' پہلے بائیں آنکھ سے آنسو گرا تھا۔ اس نے کہیں پڑھا تھا کہ جب انسان دکھ سے روتا ہے تو آنسو بائیں آنکھ سے پہلے گرتا ہے۔ جب خوشی سے روتا ہے تو دائیں سے۔ اس کی نظر اس آنسو کے ساتھ نیچے لڑھکتی گئی۔

''میں نے ان کو بہت سمجھایا مگر وہ نہیں مانے۔ تمہاری نوکری کو اتنا بڑا مسئلہ بنا دیا۔''

''مجھے....'' اس کے الفاظ ٹوٹے۔ ''نوکری مل گئی ہے ابیو۔''

آنسو پہ ٹکی نظر ابیو کی تھوڑی کے ساتھ نیچے جھکی۔ ''تنخواہ بھی اچھی ہے۔ اور نوکری بھی۔''

''وہ اپنا ذہن بنا چکے ہیں۔ اب نہیں بدلیں گے۔''

''کوئی بات نہیں ابیو۔'' آنسو گریبان میں جذب ہو گیا تو ایڈم کا سکتہ ٹوٹا۔ بس گہری سانس لی اور آگے آیا۔ ''میں افسردہ نہیں ہوں۔''

''ایڈم' تم میرا دل رکھنے کے لئے کہہ رہے ہو' مجھے معلوم ہے۔'' ابیو نے بے آواز روتے ہوئے اس کا بازو تھاما تو اس نے نرمی سے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں' ماں۔ میں نے ایک بات جان لی ہے کہ کچھ لوگ ہماری زندگی میں صرف تھوڑے وقت کے لئے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو لاتا ہے اور پھر نکال کے لے جاتا ہے۔ تکلیف ہوتی ہے مگر دنیا کا کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس نے کسی کو کھویا نہ ہو۔ سب کسی نہ کسی کو کھوتے ہیں'

ماں۔کوئی بے وفائی کے ہاتھوں' کوئی موت کے باعث اور کوئی ذرا سی غلط فہمی کی وجہ سے۔''

''مگر تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔ بے قصور ہوتے ہوئے کوئی ہمیں چھوڑ دے.... یہ تو ناانصافی ہوتی ہے۔''

''کہانا' لوگ ہمیں کچھ سکھانے کے لئے آتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو اس لئے ہم سے دور کر دیتا ہے تا کہ ہم اپنے آپ سے قریب ہو سکیں۔ میں اپنے اصل سے متعارف ہو چکا ہوں' ماں۔ مجھے زندگی کی کچھ کچھ سمجھ آنے لگی ہے۔ میں نے فاطمہ کے لئے لکھنا نہیں چھوڑا۔ کسی عام سی زندگی اور نوکری پہ راضی نہیں ہو گیا۔ مجھے عام زندگی نہیں چاہیے۔ ''ماضی'' نے مجھے یہ سکھایا ہے کہ اگر ایڈم بن محمد کے تایا اس کے بارے میں بڑے خواب دیکھ سکتے تھے تو ایڈم ان کو پورا بھی کر سکتا ہے۔''

''ایڈم.... تم کچھ دن ہر چیز سے دور ہو کے چھٹیاں گزارنے کہیں دور چلے جاؤ۔ اپنے ذہن کو سکون دو اور....'' ایبو پریشانی سے اس کا اتنا پر سکون انداز دیکھ رہی تھی۔

''اس شور ہنگاموں سے بھرپور دنیا سے دور بہت چھٹیاں گزار لیں ایڈم نے' ماں۔ اب اس دنیا میں واپس آنے کا وقت ہے۔ اب اس دنیا کے راز کھوجنے کا وقت ہے۔ میں ملاکہ جا رہا ہوں۔ وہاں کچھ ہے جو میرا منتظر ہے۔''

نرمی سے کہہ کے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔ ایبو اسے بھیگی آنکھوں سے جاتے دیکھتی رہی۔ وہ ٹوٹے دل کے ساتھ نوکری کیسے کرے گا؟ وہ پریشان تھی۔ مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا دل قدیم ملاکہ میں کب کا ٹوٹ چکا تھا۔ اب تو دل کو دوبارہ سے جوڑنے کا وقت تھا۔

☆☆=========☆☆

رات بھر بارش برستی رہی تو صبح تک کے ایل کی سڑکیں خوب گیلی اور موسم خوب ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ سڑک پہ گاڑیاں معمول کی رفتار سے گزر رہی تھیں اور فٹ پاتھ پہ وان فاتح تیز تیز دوڑتا جا رہا تھا۔ اس نے ٹراؤزر پہ سیاہ ہڈی پہن رکھی تھی جس کی ہڈ پیچھے کو گری تھی۔ پسینے میں شرابور وہ کانوں میں ہینڈز فری لگائے' بس بھاگتا جا رہا تھا۔

ایک دم ایک سائیکل عین اس کے سامنے آ رکا۔ وہ تیزی سے رکا اور پیچھے ہٹا۔ اگر بروقت نہ رکتا تو سائیکل والے سے ٹکرا جاتا۔ کانوں سے ہینڈز فری نکالتے وہ خفگی سے اس لڑکے کو ٹوکنے لگا تھا کہ اس نے ایک پیکٹ فاتح کی طرف بڑھایا۔

''حالم کی طرف سے۔'' ہیلمٹ والے بائیک میسنجر نے پیغام دیا' پیکٹ تھمایا اور زن سے سائیکل موڑ کے آگے لے گیا۔

فاتح نے گہری سانس بھری اور پیکٹ لئے ایک بنچ پہ آ بیٹھا۔ جاگنگ کے باعث تنفس تیز تھا اور بال بھیگ چکے تھے۔ اس نے پیکٹ کھولا تو اندر چند تصاویر تھیں۔ وہ باری باری ان کو دیکھے گیا۔ پھر فون نکالا اور کال ملائی۔

''ایک کام تو کر دیا میں نے آپ کا۔'' حالم کی مطمئن آواز سنائی دی تھی۔ ''فائل چرانے والی تالیہ نہیں تھی۔ اس کا ثبوت بھیج دیا ہے۔''

''ہاں دیکھ رہا ہوں۔ یہ سی سی ٹی وی کی تصاویر ہیں۔'' وہ تصویروں کو الٹ پلٹ کر کے دیکھ رہا تھا۔ ''ان میں وہ اشعر کی پارٹی سے نکل کے کیب میں بیٹھتی دکھائی دے رہی ہے۔ اور پھر وہ کیب میں اپنے گھر کے سامنے اتر رہی ہے۔ اور یہ....'' اس نے آخری تصویر کو سیدھا کیا

''یہ ایڈم ہے میرا باڈی مین.... یہ اس رات تاشہ کی گاڑی میرے پورچ سے لے جا رہا ہے۔''

''جی۔ میں غلط تھا۔ اس رات تالیہ مراد آپ کے گھر نہیں آئی تھی۔ وہ تو کیب میں گھر گئی تھی۔''

''یعنی فائل تالیہ نے نہیں چرائی۔'' اس نے کرب سے آنکھیں بند کرلیں۔ ''میں خواہ مخواہ اس کو الزام دیتا رہا۔'' حالم کی طرف خاموشی چھا گئی۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔

''تو کیا ایڈم نے؟''

''ہرگز نہیں۔'' حالم نے تیزی سے کہا۔ ''وہ ایسا نہیں کرسکتا۔ وہ کار لے کر چلا گیا تھا۔ یقیناً اشعر نے کسی چور کو ہائر کیا ہوگا۔''

''حالم۔ تمہیں کیا میں بے وقوف لگتا ہوں؟'' اس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے تصاویر پیکٹ میں ڈالیں۔ ''اگر تمہیں میرے گھر کی سی سی ٹی وی فوٹیج مل گئی ہے جس میں ایڈم آتا اور جاتا دکھائی دے رہا ہے تو تمہیں اس رات کی پوری فوٹیج بھی مل گئی ہوگی جس میں وہ چور داخل ہوتا دکھائی دیا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ تم مجھے اس کے بارے میں کیوں نہیں بتا رہے؟''

''سر! اشعر نے فائل چرائی تھی۔ چاہے جیسے بھی چرائی ہو۔ میں نے آپ کو فائل واپس لا دی ہے۔ آپ ان بے کار باتوں میں کیوں الجھتے ہیں۔''

''کیا وہ کوئی میرا قریبی شخص ہے جسے تم بچا رہے ہو؟ کوئی خاص ملازم؟ میرا اسیکرٹری عثمان؟ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ کون میرا دشمن ہے اور دوست۔''

''فاتح صاحب ان سوالوں کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے جن کے جواب اگر معلوم ہو جائیں تو ہمیں برے لگیں۔ اگر کسی قریبی شخص سے غلطی ہو بھی گئی ہے تو میں سیکنڈ چانس پہ یقین رکھنے والا انسان ہوں۔ خدا حافظ۔'' اور فون بند ہو گیا۔

وہ جاگنگ کے بعد اپنے گھر میں داخل ہوا تو اس کی کار کے ساتھ تالیہ کھڑی تھی۔ گارڈ فاصلے پہ مستعد کھڑے تھے۔ اسے دیکھتے ہی وہ سیدھی ہوئی اور جوس کی بوتل اس کی طرف بڑھائی۔

''السلام علیکم سر۔'' فاتح نے سلام کا جواب دیا اور ایک گہری نظر اس پہ ڈالتے ہوئے بوتل تھام لی (تو یہ لڑکی چور نہیں تھی!)۔ پھر ڈھکن کھولتے ہوئے سوچ کے بولا۔

''تمہاری پینٹنگ بن گئی کوملا کہ والے گھر میں بنانا تھی؟'' انداز نرم تھا۔

''بس سمجھیں کام ہو ہی گیا ہے۔''

''تم اب بھی وہ گھر خریدنا چاہتی ہو؟'' سرسری سا پوچھتے ہوئے بوتل لبوں سے لگائی۔ تالیہ سادگی سے مسکرائی۔

''نہیں سر.... میں چابی کچھ روز میں آپ کے حوالے کردوں گی۔''

وان فاتح کے اندر افسوس سا ابھرا۔ مگر بولا کچھ نہیں۔ خاموشی سے بوتل اونچی کیے گھونٹ بھرتا رہا۔ وہ منتظر سی اس کا بوتل والا ہاتھ دیکھتی

رہی۔ کیونکہ بوتل اس نے تالیہ کو ہی پکڑائی تھی۔ ہاتھ کا زخم اب مندمل ہو چکا تھا۔ نظریں انگلیوں سے کلائیوں تک پھسلیں تو ایک دم وہ منجمد ہو گئی۔ پھر احساس ہوا کہ وہ بوتل بڑھائے ہوئے ہے۔ گڑبڑا کے جلدی سے اسے تھاما۔ وہ ناخوش لگتا تھا۔

"آپ کا پسندیدہ جوس تھا یہ 'سر'۔"

"یہ بات نہیں ہے۔ میرے ٹیسٹ بڈز آج کل کسی شے کو پسند نہیں کر رہے۔" وہ سر جھٹک کے بولا پھر اسے یک ٹک خود کو دیکھتے پا کے پوچھا۔ "کیا؟"

"آپ کی گھڑی دیکھ رہی تھی۔" وہ سنبھلی۔ "آپ یہ اپنے ساتھ آفس نہیں پہن کے آتے' ہے نا۔"

"یہ فٹنس واچ ہے' لڑکی۔ صرف ورک آؤٹ کے وقت پہنتا ہوں۔" وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔

تالیہ کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اس رات وان فاتح کہاں گئے تھے' یہ جاننا کچھ مشکل نہیں ہے' داتن۔" وہ کار سے ٹیک لگائے مسکرا کے میسج ٹائپ کر رہی تھی۔

"اس رات کی ویڈیو میں گھر سے نکلتے فاتح نے فٹنس واچ پہن رکھی تھی۔ وہ جاگنگ کے علاوہ اسے کبھی نہیں پہنتے۔ وہ گھڑی ایک "کلیو" تھا۔ فٹنس واچ میں جی پی ایس ہوتا ہے۔ ہمیں اس گھڑی کا ڈیٹا چاہیے۔ اس رات وہ کس سڑک' کس جگہ سے گزرے ہیں' اور وہاں کتنی دیر رہے ہیں' سارا نقشہ سامنے آجائے گا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے قدموں کے نشانات کا پیچھا کروں۔ اس لئے انہوں نے جان بوجھ کے وہ واچ پہنی تھی۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔

وہ اندر آیا تو عصرہ ڈائننگ ٹیبل پہ موجود ناشتہ کر رہی تھی۔ بس ایک نگاہ غلط اس پہ ڈالی اور توس پہ جام لگانے لگی۔

"تم کاغذاتِ نامزدگی واپس لے رہے ہو یا نہیں' فاتح؟" عجیب انداز تھا اس کا۔

"تم نے اس رات تاشہ کو ہمارے گھر سے کار لے جاتے خود دیکھا تھا؟" وہ تولیے سے گردن پونچھتا سامنے آیا اور سنجیدگی سے پوچھا۔ عصرہ نے اس غیر متوقع سوال پہ چونک کے اسے دیکھا۔ پھر کندھے اچکائے۔

"ہاں اس نے کہا تھا کہ وہ کار لینے جا رہی ہے اور ملازموں نے بھی یہی بتایا تھا کہ وہ خود آئی ہے۔ کیوں؟"

"ملازموں کو بلواؤ۔ میں دوبارہ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

عصرہ نے زور سے چھری پلیٹ میں رکھی اور چہرہ اٹھا کے ناگواری سے اسے دیکھا۔ "تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے کیا؟"

وہ تولیے کو گردن اور بازوؤں پہ ملتے ہوئے غور سے اسے دیکھا۔ "اتنا غصہ کیوں عصرہ؟"

عصرہ نے بے بسی سے نیپکین پرے پھینکا۔ "مجھے نہیں معلوم اس نے فائل چرائی تھی یا نہیں' لیکن کیا ہم اس ٹاپک کو بند کر سکتے ہیں؟ جب سے یہ لڑکی ہماری زندگی میں آئی ہے' ہر چیز خراب ہونے لگی ہے۔" وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔ "کیا اب ہم اس کی وجہ سے صبح صبح لڑیں گے؟"

''اس کو ہماری زندگی میں کون لایا ہے؟ میں یا تم؟'' فاتح نے سوالیہ انداز میں کندھے اچکائے۔ ''تم نے کہا اس کو ڈنر پہ بلاؤ۔ اس کو اچھا ٹریٹ کرو۔ وہ گھائل غزال خریدے گی۔ تم نے کہا اسے ملاکہ والا گھر دے دو۔''

''یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسے چوبیس گھنٹے سر پہ سوار کر لو۔'' وہ نہ جانے کس بات پہ اتنی غصہ تھی۔ ''یہ صبح صبح یہاں کیوں آ جاتی ہے؟''

''کیونکہ تمہارے بھائی نے کہا تھا کہ اسے جاب دو۔ وہ باہر کھڑی اپنا کام کر رہی ہے۔ تم اتنی اَپ سیٹ کیوں ہو رہی ہو؟'' وہ واقعی حیران ہو رہا تھا۔

''ایک پیسہ آج تک اس نے نہیں دیا میری نیلامی میں' نہ گھر کے کرایے کی مد میں۔ صرف پینٹنگ دی جو پتہ نہیں اصلی تھی یا نقلی۔ مگر جب سے یہ آئی ہے تم گھر آنا بھول گئے ہو۔''

''عصرہ ہماری الیکشن کمپین شروع ہو رہی ہے' تمہیں معلوم ہے میں مصروف....''

''اسی لئے تو کہتی ہوں کہ مت قدم رکھو اس دلدل میں۔ ایک آریانہ کو کھونا کم تھا کیا۔ میرے دوسرے بچے بھی دشمنوں کے نشانے پہ آ جائیں گے۔''

''ہم تاشہ اور اس فائل کی بات کر رہے تھے۔ یہ آریانہ درمیان میں کہاں سے آ گئی۔''

وہ جو بات کو گھما پھرا کے دور لے گئی تھی' اپنی چوری پکڑے جانے پہ غصے سے کرسی دھکیلتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آریانہ درمیان سے چلی گئی ہے' یہی تو سارا غم ہے' فاتح۔ بہر حال اس لڑکی کو میں تمہارے ساتھ کام کرتے نہیں دیکھنا چاہتی۔ اسے فارغ کرو' پلیز۔''

''وہ اچھا کام کر رہی ہے' میں اسے کیوں فارغ کروں؟''

''کل تک تم اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اب؟''

''اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ اس نے فائل نہیں چرائی تھی۔ بس!'' وہ اطمینان سے کہتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔ عصرہ دھک سے رہ گئی۔ جرم سے زیادہ جرم کا کور اَپ اس کے لئے ٹک ٹک کرتا بم بن چکا تھا۔ اب وہ کیا کرے؟

☆☆==========☆☆

اشعر نے بھی شام کو منعقد ہونے والی اس پارٹی میں جانا تھا جہاں اس وقت تالیہ' وان فاتح اور عصرہ محمود کے ساتھ موجود تھی' لیکن ہر کوئی دبے الفاظ میں یہی کہہ رہا تھا کہ اشعر نہیں آیا' نہ آئے گا۔ جب سے اس نے کاغذات نامزدگی جمع کروائے تھے' وہ کھل کے فاتح سے کنارہ کشی اختیار کر رہا تھا۔

پارٹی ایک ریستوران کے ٹیرس پہ منعقد کی گئی تھی۔ یہاں ہر شام کنسرٹ ہوتے' کبھی آرٹ کی نمائش لگتی' کبھی شادیاں ہوتیں۔ یہ کے ایل کا ایک ایلیٹ ریستوران تھا۔ ٹیرس پہ دور دور تک کرسیاں میزیں لگی تھیں۔ اوپر آسمان نظر آ رہا تھا اور ریلنگ سے جھانکو تو نیچے

بہتا ٹریفک 42

دکھائی دیتا تھا۔

وہ اس وقت دونوں ہاتھ ریلنگ پہ رکھے گردن اٹھائے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ گردن پوری اٹھانے سے سنہرے بالوں کی پونی پیچھے سے نیچے جھک گئی تھی۔

''تم موقع کی مناسبت سے تیار نہیں ہوئیں۔'' عصرہ کی آواز پہ وہ چونک کے پلٹی تو دیکھا' عصرہ تنقیدی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی جو ٹائیٹس پہ گھٹنوں تک آتا سفید فراک پہنے' کندھے پہ بیگ لٹکائے سادہ سی کھڑی تھی۔ خود عصرہ نے روایتی باجو کرنگ پہن رکھا تھا اور بالوں کو جوڑے میں باندھ کے کانوں سے ہیرے لٹکا رکھے تھے۔

''میں اپنا مقام نہیں بھولتی' مسز عصرہ...'' وہ بظاہر مسکرا کے بولی البتہ عصرہ کا طنز اسے چبھا تھا۔ ''میں یہاں ایک باڈی وومن ہوں' مہمان نہیں۔ میرا کام صرف فاتح صاحب کی زندگی کو ترتیب سے رکھنا ہے۔''

''گڈ۔'' عصرہ نے رکھائی انداز میں شانے اچکائے' پھر مڑ کے فاتح کو دیکھا جو قریب کھڑا کسی سے مسکراتے ہوئے بات کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں دوسری طرف کھڑی کچھ لڑکیوں اور لڑکوں پہ عصرہ کی نظر پڑی جو فاتح کو دیکھ کے سرگوشیوں میں دبی دبی پرجوش ہنسی کے ساتھ بات کر رہے تھے۔

''سنو' تالیہ۔'' عصرہ نے تحکم سے ابرو سے اشارہ کیا۔ ''گیدرنگ میں تمہارا کام فاتح کو ان غیر ضروری جھنجھٹوں سے محفوظ رکھنا ہے تاکہ وہ آرام سے اپنے دوستوں سے ملاقات کر سکے۔ رائٹ؟'' حکم دے کر وہ آگے بڑھی۔ اسی پل فاتح دوست سے بات ختم کر کے ان کی طرف پلٹا تھا۔

''کیوں؟''

تالیہ کے 'کیوں' پہ جہاں عصرہ بے یقینی سے مڑی' وہاں وہ جو ان کی طرف آ رہا تھا' ٹھہر کے اسے دیکھنے لگا۔

''کیا مطلب کیوں؟ یہ تمہارا کام ہے۔'' عصرہ نے بگڑ کے ابرو چڑھائے۔

''نہیں مسز عصرہ' یہ میرا کام نہیں ہے۔ میں پرسنل ایڈ ہوں' کنیز نہیں۔ یہ اکیسویں صدی ہے اور ذہنوں کو غلام بنانا مشکل ہے' میم۔ اگر فاتح صاحب کو خوش آمدی پرسنل ایڈز کی عادت رہی ہے تو ان کو یہ عادت بدلنی پڑے گی۔ میرا کام ان کی سیاسی زندگی کو ترتیب میں رکھنا ہے' مگر میں فاتح صاحب کو ملائیشیا کی عوام کو 'جھنجھٹ' کہنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ وہ اگر اس مقام پہ ہیں تو اس عوام کے ووٹ کی وجہ سے ہیں۔ یہ لوگ ان سے پیار سے ملنے آئے ہیں اور ایک باڈی وومن کی حیثیت سے میرا فرض ان کو روکنا نہیں' بلکہ یہ ہے۔''

سادگی اور سکون سے کہہ کے اس نے اپنی سیاہ زنبیل سے ایک سیلفی اسٹک نکالی' عصرہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے موبائل کھٹ سے اسٹک میں لگایا اور مسکرا کے اس گروپ کی طرف مڑی جو چند قدم دور تھا اور جوش اور ہچکچاہٹ سے پرے کھڑا تھا۔

''صرف ایک تصویر!'' وان فاتح کی باڈی وومن مسکرا کے گروپ کو کہہ رہی تھی اور جہاں عصرہ ہکابکا کھڑی رہ گئی اور فاتح بالکل ٹھہر کے

اسے دیکھنے لگا' وہاں گروپ کے لڑکے لڑکیوں کے چہروں پہ بے یقینی بھری خوشی پھیلی۔ وہ دوڑ کے اس طرف آئے۔

عصرہ اور فاتح میکانکی انداز میں ساتھ ساتھ ہوئے۔ چہروں پہ خود بخود مسکراہٹیں طاری کر لیں۔ لڑکے لڑکیاں دائیں بائیں کھڑے ہو گئے اور تالیہ ان دونوں کے آگے آ گئی۔

''سمائل ایوری ون۔'' وہ اب سیلفی اسٹک بلند کیے مسکرا کے تصاویریں اتار رہی تھی۔ تصویریں کھنچوا کے لوگ ہاتھ ملاتے اور ہٹ جاتے۔ دونوں میاں بیوی مسکرا مسکرا کے تصاویر کھنچوا رہے تھے۔

پارٹی میں دیگر مہمان مڑ مڑ کے ان کو دیکھ رہے تھے۔ وہاں رش سا لگ گیا تھا۔ آخری شخص ہٹا تو تالیہ نے اسٹک نیچے کر لی اور خوش اخلاقی سے بولی۔ ''آپ کو تصاویر ہمارے فیس بک پیج سے مل جائیں گی۔ ایکسکیوز اس ناؤ۔'' اور ساتھ ہی مڑ کے ان دونوں کو آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ فاتح نے ہجوم کو مسکرا کے ہاتھ ہلایا اور مڑ گیا۔ عصرہ نے مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں مگر چہرے پہ جبری مسکراہٹ تھی۔ رش ادب سے چھٹ گیا اور وہ تینوں محفوظ گوشے کی طرف چلے آئے۔

وہ ایک دفعہ پھر سے ریلنگ پہ ہاتھ رکھے جھک کے نیچے دیکھنے لگی جب تھوڑی دیر بعد وہ اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ ''آئی ایم سوری' تاشہ!''

وہ چونک کے سیدھی ہوئی۔ فاتح گلاس تھامے اس کو افسوس سے دیکھ رہا تھا۔ سیاہ کوٹ سے جھلکتی سفید کالر والی شرٹ... ماتھے پہ سلیقے سے جمے بال... وہ اس کرتے پاجامے والے غلام سے کس قدر مختلف تھا.... تالیہ کی نظریں اس کی آنکھوں پہ جم گئیں۔

''کیوں' سر؟''

''میں نے تم پہ اس فائل کے لئے شک کیا۔ مجھے معلوم ہے تم نے وہ نہیں چرائی تھی۔''

ڈھیر سارے آنسو ایک دم اس کے حلق میں جمع ہوئے' مگر وہ خشک آنکھوں سے مسکرائی۔ ''کیا معلوم واقعی چرائی ہو۔''

فاتح نے مسکرا کے شانے اچکائے اور گلاس سے گھونٹ بھرا' پھر ناپسندیدگی سے چپ چاپ گلاس واپس رکھ دیا۔ اس کی ذائقے کی حس متاثر ہو چکی تھی۔ پتہ نہیں کیوں۔

''آپ چاہتے ہیں میں وہ گھر خرید لوں؟'

''میں نے ایسا کب کہا؟'' وہ انجان بن گیا۔ تالیہ چند لمحے اس کی آنکھوں کو دیکھتی رہی۔

''آپ کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے اس وقت' سر؟''

''مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے' اللہ کا شکر ہے۔'' وہ ازلی بے نیازی سے مسکرا کے بولا۔ دونوں ریلنگ کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے اور نیچے دور تک بہتا روشن ٹریفک نظر آ رہا تھا۔

''آپ کو فنڈز چاہئیں' ہے نا۔'' وہ بنا پلک جھپکے اس کی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔ ''اگر میں آپ کا یہ مسئلہ حل کر دوں تو مجھے کیا ملے گا؟''

''تمہارا مطلب ہے تم میرا گھر بکوا سکتی ہو؟''

''میرا مطلب ہے کہ میں آپ کو وہاں سے پیسے دلوا سکتی ہوں جہاں سے آپ نے گمان بھی نہ کیا ہو تو کیا آپ میری ایک بات مانیں گے؟''

''وہ کیا؟''

''وہ بات میں آپ کو تب بتاؤں گی جب میں فنڈز کا چیک آپ کے ہاتھ میں تھماؤں گی۔'' پھر توقف سے بولی۔ ''چیئرمین صاحب!''

''چیئرمین صاحب؟'' فاتح نے ابرو اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''یہ قبل از وقت ہے لڑکی!''

''مجھے کبھی کسی نے کہا تھا کہ جو ہمیں معلوم ہوتا ہے وہ ہماری جان بچاتا ہے' اور مجھے بہت کچھ کرنا آتا ہے۔ پہلی چیز ہے مثبت سوچ۔ چیئرمین صاحب۔'' پھر گھڑی دیکھی۔ ''اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں گھر چلی جاؤں؟ مجھے کچھ کام کرنے ہیں۔''

''پارٹی ویسے بھی ختم ہونے والی ہے۔''

''جی مگر آپ کا گھر دوسرے کونے پہ ہے۔ ڈرائیور آپ کو ڈراپ کرے گا اور پھر میں بس پکڑوں گی تو دیر ہو جائے گی۔ اور...''

''ہم پہلے تمہیں ڈراپ کریں گے۔ سمپل۔'' وہ قطعی انداز میں کہہ کے مڑ گیا۔ اسے کوئی بلا رہا تھا۔ وہ اداس مسکراہٹ کے ساتھ اسے جاتے دیکھتی رہی۔ اس کا رویہ بدلنے لگا تھا۔ تالیہ کی ''ایمانداری'' کا یقین ہو جانا سب کچھ بدل رہا تھا۔ اور اگر اس کو یہ پتہ چلے کہ وہی حالم ہے تو وہ کیسا ری ایکٹ کرے گا؟ وہ جتنی کوشش کرتی' اس کے راز اور جھوٹ پھر کسی کونے سے نکل کے اس کے سامنے آ کھڑے ہوتے تھے۔

☆☆=========☆☆

عثمان کار چلا رہا تھا۔ وہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی تھی اور وہ دونوں میاں بیوی پیچھے تھے۔ فاتح بے نیازی سے باہر دیکھ رہا تھا البتہ عصرہ کو رہ رہ کے غصہ آ رہا تھا۔

''یہ سیلفیز والی حرکت غیر دانشمندانہ تھی' تالیہ۔ ہجوم آؤٹ آف کنٹرول ہو جاتا ہے۔ فاتح کی یہ سیکیورٹی کے لئے بھی غیر مناسب تھا۔'' بالآخر وہ تنبیہہ کرتے ہوئے بولی۔ ''آج تو ہو گیا مگر کوشش کرنا کہ آئندہ...''

''ہم ٹوئیٹر پہ ٹرینڈ کر رہے ہیں۔ نمبر ٹو پہ....'' تالیہ نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔ موبائل چہرے کے سامنے کیے جوش سے اطلاع دی۔ فاتح نے چونک کے اسے دیکھا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ سے پیچھے بیٹھا تھا اور اس کا نیم رخ دیکھ سکتا تھا۔

''عثمان نے نوجوان کا چیئرمین کے نام سے وہ تصاویر ٹوئیٹ کی تھیں۔ اور اب وہ تمام لڑکے لڑکیاں اس Hashtag کو آگے پھیلا رہے ہیں۔ ساتھ ہی عثمان نے پارٹی ممبرشپ کے لئے لنک ڈال دیا ہے۔ پارٹی الیکشن میں یہ لوگ ووٹ ڈالیں گے نا۔''

اس نے فون فاتح کی طرف بڑھا دیا۔ فاتح نے عینک آنکھوں پہ لگائی اور مسکرا کے چمکتی اسکرین پہ انگلی پھیرنے لگا۔ پھر فون واپس کر

دیا۔ تعریف توصیف کے بجائے ایک مسکراہٹ کافی تھی۔

"بس یہیں ڈراپ کر دیں مجھے۔" اس کے گھر کا گیٹ سامنے آیا تو عثمان نے کار روکی۔ ہیڈلائٹس نے گیٹ کو روشن کیا تو گیٹ سے نصب لیٹر باکس کے اوپر رکھی سجی ہوئی ٹوکری صاف دکھائی دی۔ تالیہ کی نظریں اس پہ رکیں تو وہ بے چین ہو کے سیدھی ہوئی۔ عصرہ نے گردن اونچی کر کے اس کا انداز دیکھا۔

"میں..... میں چلتی ہوں۔" بیگ اٹھاتے ہوئے دروازہ کھولنے لگی' پھر رک کے مروتاً کہا۔

"آپ لوگ اندر آئیں نا' کافی پیتے ہیں ساتھ۔"

فاتح مسکرا کے نفی میں سر ہلا کے انکار کرنے ہی لگا تھا کہ.....

"شیور۔ مجھے بھی کافی کی شدید طلب ہو رہی تھی۔" عصرہ ایک دم مسکرا کے بولی تو فاتح نے پوری گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ آنکھوں میں تنبیہہ کی مگر بے سود۔ تالیہ سنبھل کے جلدی سے بولی۔

"پلیز آئیں نا۔ عثمان کار اندر لے آؤ۔" خود وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ جلدی سے گیٹ کھولا اور پھر ٹوکری اٹھائی۔ اوپر کارڈ رکھا تھا۔ ایڈم کی لکھائی میں لکھا۔ "وان فاتح کی طرف سے۔"

(یا اللہ' ایڈم۔ تمہیں کسی کمبوڈو ڈریگن کے آگے ڈالوں گی میں۔)

جلدی سے کارڈ کے دو ٹکڑے کیے اور ان کو بیگ میں پھینکا۔ پھر کوکو پھل اور چاکلیٹس سے بھری ٹوکری اٹھالی۔ کار اب تک اندر آ چکی تھی۔ عصرہ نے کھڑکی سے اس کا کارڈ پھاڑنا غور سے دیکھا تھا۔

"اتنا خوبصورت تحفہ بھیجنے والے کا کارڈ پھاڑنا اچھی بات نہیں ہے' تالیہ۔" وہ نیچے اترتے ہوئے خوشگوار انداز میں بولی۔ فاتح نے بھی اترتے ہوئے ایک اچٹتی نظر تالیہ کی ٹوکری پہ ڈالی۔

"بھیجنے والا خود غرض ہے۔ واپس آنے کی بجائے تحفے بھیجتا ہے تا کہ میں اسے بھول نہ جاؤں۔ اتنا بھی بھروسہ نہیں تھا ہمارے رشتے پہ۔ ہونہہ۔" ایک تیکھی نظر فاتح پہ ڈال کے بولی۔ عصرہ نے دلچسپی سے ابرو اکٹھے کیے۔ "یعنی.....؟"

"یہ یقیناً تاشہ کے شوہر کی طرف سے ہوں گے۔ کانٹ بلیو کوئی اتنی چاکلیٹس کیسے کھا سکتا ہے۔"

وہ بھری ہوئی ٹوکری کو دیکھ کے جھرجھری لیتا دروازے کی طرف بڑھا تو عصرہ چونکی۔ بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔

"تمہارا شوہر بھی ہے؟"

وہ دروازے تک آئی اور اسے کھولتے ہوئے سرد مہری سے بولی۔ "بالکل ہے مسز عصرہ۔ اور میرا اسے چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ بھلے کوئی کچھ بھی کر لے۔"

"تاشہ کا ہزبینڈ دوسرے ملک ہوتا ہے سفر وغیرہ پہ۔" فاتح آگے بڑھتے ہوئے بیوی کو بتا رہا تھا۔ تالیہ نے دروازہ کھولا تو سامنے لاؤنج

سفید بتیوں سے جگمگا رہا تھا۔

''آ گئیں تم اس مغرور انسان کی خدمتیں کر کے؟''

''آج کسی کا دایاں ہاتھ کٹوایا شہزادی صاحبہ نے یا نہیں؟''

داتن اور ایڈم ایک ساتھ بولے تھے۔ وہ دونوں بڑے صوفے پہ بیٹھے تھے۔ لیپ ٹاپ سامنے رکھا تھا اور ایک بڑا سا کیک آدھا کھایا پڑا تھا۔

تالیہ نے ان کو بری طرح گھورا اور سامنے سے ہٹی۔ پیچھے سے فاتح 'عصرہ اور عثمان اندر داخل ہوئے تو جہاں داتن کا چمچ پلیٹ میں آ گرا' وہیں ایڈم ہکا بکا سا کھڑا ہوا۔

''ایڈم؟ تم یہاں؟'' ان تینوں کو جھٹکا لگا تھا۔ ایڈم کی زبان جیسے گم ہو گئی۔ ٹکر ٹکر ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''یہ لیانہ صابری ہیں' میری دوست۔ اور ایڈم سے میری حال ہی میں بہت اچھی دوستی ہوئی ہے۔ آپ جانتے ہیں۔ ایڈم اور لیانہ میرے گھر کے ری ڈیکور کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اسی لئے میں آج جلدی گھر آنا چاہتی تھی تاکہ شاپنگ لسٹ فائنل کر دوں۔'' وہ جلدی جلدی بتاتی آگے آئی اور ٹھک سے لیپ ٹاپ فولڈ کیا۔ کاغذات اکٹھے کر کے داتن کو تھمائے۔

''مہمانوں کے لئے جگہ صاف کرو۔'' بظاہر مسکرا کے کہا۔ داتن نے جلدی سے سلام کیا اور سارے کاغذات جو فاتح کی اس رات کی نقل و حرکت کے پرنٹ آؤٹس تھے' سمیٹ کے اٹھ گئی۔

''سو ایڈم اور تم اچھے دوست ہو۔ ہوں۔'' کچھ دیر بعد بڑے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کے بیٹھے فاتح نے باری باری دلچسپی سے دونوں کو دیکھ کے پوچھا۔

عثمان بھی گاہے بگاہے ایک چبھتی ہوئی نظر ایڈم پہ ڈالتا تھا۔ وہ شرمایا گھبرایا ہوا کم اعتماد لڑکا نہیں لگ رہا تھا جو پچھلے ماہ وان فاتح کا باڈی مین بننے آیا تھا۔ یہ تو ایک اچھا لباس پہنے' پر اعتماد اور پر سکون سا نوجوان لگتا تھا۔

''جی۔ مسز عصرہ کا شکریہ کہ انہوں نے مجھے ایڈم سے متعارف کروایا۔'' تالیہ سامنے والے صوفے پہ بیٹھی تھی۔ ایڈم قریب تھا۔ بس جبری مسکرا کے وضاحت دینے لگی۔ عصرہ کے لئے مزید خود کو روکنا مشکل تھا۔ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

''تو تمہارا شوہر... اس کی بات کرتے ہیں۔''

کچن میں کھڑی داتن نے گردن گھما کے اور ایڈم نے پوری آنکھیں نکال کے تالیہ کو دیکھا۔

''جی پوچھیے؟'' تالیہ عصرہ کو دیکھ رہی تھی جو ٹھوڑی تلے بند مٹھی جمائے دلچسپی سے مسکرا رہی تھی۔

''تمہارا شوہر کہاں ہے؟''

''جیل میں۔''

''قید میں۔''

داتن اور ایڈم ایک ساتھ بولے تھے۔ داتن تو زیرِ لب بولی مگر ایڈم کا ٹھنڈا سانس لے کر فاتح کو دیکھ کے ''قید میں'' کہنا سب کو سنائی دیا۔

''قید میں؟'' فاتح نے ابرو اٹھایا۔

''شادی سے بڑی قید کیا ہو سکتی ہے بھلا؟'' تالیہ دانت پہ دانت جما کے جبراً مسکرائی۔

''شادی قید تو نہیں ہوتی۔ تم ایسا کیوں سمجھتی ہو؟'' وہ حیران ہوا۔ پھر نظر گھما کے کونے میں رکھی کوکو پھل کی ٹوکری کو دیکھا۔ ''تو کیا وہ واپس نہیں آئے گا؟'' وہ واقعی اپنی باڈی وومن کی سادی کے لیے فکرمند ہوا۔

''بھلا دینے والوں کی واپسی مشکل ہے سر!'' ایڈم نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''میں کافی لاتی ہوں۔'' تالیہ جلدی سے کہہ کے اٹھی۔ ایڈم کو تادیبی نظروں سے گھورا بھی سہی مگر وہ اسی سادگی سے ان دونوں کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔

''بے چہ تالیہ کا شوہر ہر ہفتے ان کو چاکلیٹس سے بھری ٹوکری بھیجتا ہے۔ مگر خود واپس آنے سے انکاری ہے۔ آپ ایسے شخص کو کیا کہیں گے۔''

''شاید مجبور!'' فاتح نے محتاط انداز میں شانے اچکائے۔ ''کسی کے بارے میں یوں ججمنٹ پاس کرنا اچھا نہیں لگتا ویسے۔''

وہ کچن میں آئی اور جلدی جلدی چولہے پہ پانی رکھنے لگی۔ داتن اس کے قریب کھسکی اور سرگوشی کی۔ ''یہ کیا کہہ رہا ہے؟''

''اگنور کرو۔'' وہ نظر ملائے بغیر تیز تیز کام کر رہی تھی۔

''سر مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی تھی۔'' ایڈم نے بات کا رخ بدلا۔ صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے بیٹھے فاتح نے حوصلہ افزاء انداز میں سر کو خم دیا۔ ''پوچھو۔''

''آپ اپنے ملاکہ والے گھر میں کم ہی رہتے ہیں۔''

''کم؟ ہم تو سال میں دو چار دفعہ ہی وہاں جاتے ہیں۔'' عصرہ نے شانے اچکائے۔ نظریں کچن میں کھڑی تالیہ پہ جمی تھیں۔

''آپ نے اس سے پہلے کبھی یہ گھر کسی کو کرایے پہ دیا تھا؟''

''کرایے پہ؟ نہیں۔'' فاتح مختصراً بولا تو عصرہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''اپنے اس برڈ واچر دوست کو تو دیا تھا پچھلے سرما میں۔ بھول گئے؟''

''وہ کرایے پہ تھوڑی تھا۔ چند دن کے لئے چھٹیاں گزارنے آیا تھا وہ۔'' فاتح نے فوراً کہا تو ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔

''برڈ واچر؟''

''ہاں۔تمہارے فاتح صاحب کا ایک دوست تھا۔پورا مہینہ رہا تھا دسمبر میں۔سارا دن پینٹنگ کرتا تھا یا آسمان پہ خوردبین سے پرندے دیکھتا تھا۔'' عصرہ بولے جا رہی تھی تو فاتح نے پہلو بدلا۔

''ایڈم اس روز اشعر کی پارٹی کے بعد تاشہ کی کار ہمارے گھر سے کون لینے آیا تھا؟''

عصرہ کو ایک دم سانپ سونگھ گیا۔ٹرے میں پرچ پیالیاں رکھتی تالیہ کے ہاتھ میں کانچ ٹکرائے۔ایڈم نے ایک نظر عصرہ کو دیکھا جس کی آنکھوں میں ملے جلے تاثرات ابھرے تھے۔اس نے ایڈم کو منع کیا تھا کہ وہ فاتح کو نہیں بتائے گا

''میں لایا تھا۔مسز عصرہ کو بتایا تھا میں نے۔ان سے باقاعدہ اجازت لی تھی شاید۔بلکہ میم کو میرا چے تالیہ کے لئے یہ کام کرنا اچھا لگا تھا اور اس کام کے انہوں نے مجھے زائد پیسے بھی دیے تھے تنخواہ کے علاوہ۔کیوں سر؟ کوئی خاص وجہ ہے کیا؟'' معصومیت سے ایڈم بن محمد نے سب اگل دیا۔

عصرہ بدقت خود کو سنبھالے بیٹھی رہی۔فاتح کا چہرہ بھی بظاہر بالکل پرسکون تھا۔اس نے بس مسکرا کے سر کو خم دے دیا۔لاؤنج میں خاموشی چھا گئی۔

تالیہ جلدی سے ٹرے میں بھاپ اڑاتی پیالیاں رکھے لے آئی۔میز پہ ٹرے رکھی اور چائے دان کو پہلے کپ میں انڈیلا۔

''یہ کافی تو نہیں ہے۔'' عصرہ نے دھار کا رنگ دیکھ کے ذرا نخوت سے کہا۔بظاہر پچھلے موضوع کو بدلا۔

''یہ کافی سے اچھی ہے مسز عصرہ۔'' عصرہ اور عثمان کو ان کے کپ پکڑائے۔پھر فاتح کے سامنے آئی اور چینک سے اس کے کپ میں قہوہ انڈیلنے لگی۔چینک اونچی کر لی۔سبز بھوری دھار سی لمبی ہو کے کپ میں گرنے لگی۔وہ مہک' وہ دھار گرنے کا انداز' وان فاتح یک ٹک اس دھار کو دیکھے گیا۔

''سوری تالیہ مگر اس میں تو کوئی ذائقہ ہی نہیں ہے۔'' عصرہ نے گھونٹ بھر کے پیالی رکھ دی۔

مگر وہ صرف فاتح کو دیکھ رہی تھی۔اس نے پیالی اٹھائی۔پرچ پیالی کی کانچ آپس میں ٹکرائی۔ماضی کی یادیں اس کے سامنے اردگرد بکھرنے لگیں مگر وان فاتح کے دماغ کی سلیٹ صاف تھی۔بس کپ لبوں سے لگایا۔چند گھونٹ بھرے۔

''یہ کون سی چائے ہے؟'' اسے جیسے خوشگوار حیرت نے آن لیا تھا۔

''یہ ان پتوں کی چائے ہے جو قدیم چین میں پائے جاتے تھے۔ان کا ذائقہ چند صدیوں پہلے کے پتوں جیسا تو نہیں ہے مگر میں نے ان کو اپنے لان میں اگایا ہے۔کوئی کھاد نہیں ڈالتی۔یہ بالکل آرگینک طریقے سے بڑے ہو رہے ہیں۔آپ کو اچھی لگی چائے چیئر مین۔''

''ہوں۔مختلف ہے۔'' وہ گھونٹ در گھونٹ پی رہا تھا۔یوں لگتا تھا جیسے ذہن کے کسی خانے پہ وہ مہک اور ذائقہ دستک دے رہا ہو مگر اندھیرا اتنا تھا کہ کوئی دروازہ دکھائی نہ دیتا تھا۔

وہ لوگ جس وقت رخصت ہوئے' تالیہ نے گھر کا دروازہ بند کیا اور آندھی طوفان کی طرح ان دونوں کی طرف آئی۔

''تم نے وہ ٹوکری میرے گھر کے باہر رکھ دی؟ کیوں؟ اور عصرہ پہ شک کیوں دلوایا ان کو؟''

''اور آپ کب تک ان سے چھپاتی رہیں گی کہ ان کی بیوی ان کو دھوکہ دے رہی ہے۔''

''میں ان کی کسی لڑائی کی وجہ نہیں بننا چاہتی۔ تم نے وہ ٹوکری کیوں وہاں رکھی؟''

''کیونکہ ان کا حکم تھا کہ اس کو آپ کے دروازے پہ رکھنا ہے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ انہیں ساتھ لے آئیں گی۔''

''ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ تم اس کے ساتھ اپنی تصاویر ٹوئیٹ کر رہی ہو گی۔'' ان دونوں کے درمیان داتن نے بھی غصے سے مداخلت کی۔

''میں ان کی باڈی ووؤمن ہوں۔ میں ٹی وی اور اخبارات میں ان کے ساتھ نظر آؤں گی تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے۔'' وہ غصے میں چلائی تھی۔

''اور تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے تالیہ کہ تم نے اسی شہر میں بیسیوں اسکام کیے ہیں۔ کوئی نہ کوئی تمہیں پہچان جائے گا۔ کسی ویٹرس، کسی ملازمہ، کسی ریسپشنسٹ کے روپ میں۔''

''مجھے پرواہ نہیں ہے۔ جب میں نے راستہ درست کرلیا ہے تو کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' وہ تلخی سے بولی، پھر پرس سے ایک موبائل اور گھڑی نکال کے میز پہ رکھی۔

''اگر تم دونوں نے اپنی جرح مکمل کرلی ہو تو اس واچ پہ کام کرو۔ اس کا جی پی ایس ڈیٹا نکالو اور معلوم کرو کہ وہ اس رات کہاں گیا تھا۔'' برہمی سے کہتی اس نے لیپ ٹاپ کھولا اور صوفے پہ بیٹھی۔ وہ دونوں خاموشی سے اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔

''آپ ماشاءاللہ ان کا موبائل بھی چرا لائیں۔''

''اس کی جگہ ایک خراب بیٹری کا ہو بہو یہی موبائل رکھ دیا ہے۔ صبح تک فاتح صاحب کو موبائل بدلے جانے کا علم نہیں ہو گا۔ صبح اصلی موبائل واپس رکھ دوں گی۔'' پھر تفتیشی نظروں سے ایڈم کو دیکھا۔ ''اور یہ تم سن باؤ کے گھر کا کیوں پوچھ رہے تھے۔''

''کیونکہ اس گھر میں کچھ ہے جو صحیح نہیں ہے۔ شاید تیسرا خزانہ ہے جو....''

''شٹ اپ اٹ، ایڈم۔'' اس نے غصے سے ٹوکا۔ ''کوئی خزانہ نہیں ہے وہاں۔ میں نے کم اپنی زندگی خراب کی ہے خزانے کے پیچھے جو تم بھی اسی لالچ میں پڑ گئے ہو؟ میں وہ گھر ان کو واپس کر رہی ہوں۔''

ایڈم اس بات پہ پریشان ہو گیا۔

''اچھا کل آپ کی چھٹی ہے ہم دونوں ملاکہ جاتے ہیں۔ آپ اس رات کا سراغ لگانا اور میں خزانے کا۔ اگر میں کل ناکام ہو گیا تو ٹھیک ورنہ آپ وہ گھر ان کو ابھی واپس نہیں کریں گی۔''

اس نے گھور کے ایڈم کو دیکھا۔ ''ایک دن... صرف ایک دن ہے تمہارے پاس۔ جو کرنا ہے کرلو۔''

داتن خاموشی سے کی بورڈ پہ انگلیاں چلاتی رہی۔ وہ دونوں اپنی باتوں میں بھول جاتے تھے کہ وہ ان کے ساتھ ہے اور ان کے کسی خاص راز سے ناواقف ہے۔

''یہ رہا وان فاتح کا روٹ۔'' داتن نے اسکرین سامنے کی۔ ''وہ پولیس اسٹیشن سے نکل کے پیدل چلنے لگا۔ وہ ان گلیوں کو عبور کر کے اس گلی کے اس گھر میں گیا۔ کافی دیر وہ یہاں رہا' پھر وہ باہر نکلا اور....'' اسکرین پہ بنے نقشے پہ سرخ لکیر بنی آ رہی تھی۔ داتن انگلی اس لکیر پہ پھیرتی بولے جا رہی تھی۔ ''پھر وہ سڑک کنارے اس جگہ پہ رکا۔ یہاں ٹیلی فون بوتھ ہے شاید۔ میں اس جگہ کو پہچانتی ہوں۔ اس نے کوئی کال کی۔''

''عثمان کو کال کی تھی انہوں نے۔'' ایڈم تیزی سے بولا۔ ''عثمان نے ذکر کیا تھا کہ اس رات فاتح صاحب نے اسے کال کر کے مجھے پیسے بھیجنے کو کہا تھا۔''

''کس چیز کے پیسے؟'' داتن نے سوچتے ہوئے اسے دیکھا۔ ایڈم چپ رہا۔ بس ایک نظر کو کوچل کی ٹوکری پہ ڈالی۔

''یہ گھر...'' تالیہ نے اس گھر پہ انگلی رکھی۔ ''مجھے اس گھر جانا ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے ایک عزم سے بولی تھی۔ بہت سے سوالوں کے جواب ملنے والے تھے۔

☆☆=========☆☆

گھر آتے ہی فاتح سنجیدہ چہرے کے ساتھ کمرے کی طرف بڑھ گیا تو عصرہ کا دل بری طرح دھڑکا مگر پھر بڑے حوصلے سے گردن کڑا کے پیچھے آئی۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' بظاہر لاعلمی سے پوچھا۔

''تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟ تاشہ کار پک کرنے نہیں آئی تھی اور تم جانتی تھیں۔'' وہ دونوں ہاتھ پہلوؤں پہ جمائے سامنے کھڑا اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''تا کہ تم میرے بھائی پہ الزام نہ لگاؤ۔ اگر میں تالیہ پہ شک نہ کرتی تو تم فوراً سارا ملبہ میرے بھائی پہ گرا دیتے۔''

''وہ تو میں نے تب بھی گرا دیا تھا۔ تم چپ ہو گئی تھیں۔ نہیں' عصرہ!'' وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ماتھے پہ بل پڑے تھے اور رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ ''تم نے مجھ سے غلط بیانی کی۔ تم اپنے کسی ملازم کو بچا رہی تھیں؟ یا شاید...'' وہ جیسے چونکا۔ ''شاید خود کو...''

''فاتح اتنا بڑا ایشو ہے نہیں جتنا تم اس کو بنا رہے ہو۔'' وہ چیخ پڑی۔ ''ایک فائل ہی تو تھی۔''

''فائل نہیں تھی۔ وفاداری تھی۔ سچ تھا۔ عصرہ خدا کی قسم اگر مجھے کبھی علم ہوا کہ تمہارا اس میں کوئی ہاتھ ہے' تو....''

''تو کیا؟ کیا کرو گے تم' ہاں؟'' وہ غصے سے بولی۔ سارے خوف' خدشے زائل ہو گئے اور اس نے گویا سینہ تان لیا۔

''دی تھی میں نے وہ فائل اشعر کو۔خود دی تھی میں نے تا کہ تم اس گھر کو جسے میں نے اتنے پیار سے سجایا تھا' یوں نہ بیچو۔تم جب سادہ طریقے سے میری بات نہیں سن رہے تھے تو مجھے یہی طریقہ استعمال کرنا پڑا۔ ہاں دیا ہے میں نے تمہیں دھوکہ لیکن صرف تمہاری محبت میں۔کیا کرو گے تم' ہاں؟ چھوڑ دو گے مجھے؟ وہ تو تم تب سے چھوڑ چکے ہو جب سے آریانہ کھوئی ہے۔میری بیٹی کے ساتھ ہماری شادی بھی کہیں کھوگئی ہے' فاتح۔تم بھی کھوگئے ہو۔'' آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرنے لگے۔غصے سے بولتے بولتے ایک دم وہ رو پڑی۔

وہ بالکل سن کھڑا صدمے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم اتنی ناخوش ہو میرے کام سے؟'' وہ افسوس سے کچھ کہہ نہیں پا رہا تھا۔دکھ اتنا شدید تھا کہ دل کٹ گیا تھا۔

''جب تم میری ہر بات اور ڈیل سننے کے دروازے ہی بند کر دو گے فاتح تو بتاؤ تمہارے گھر والے کہاں جائیں؟ ہم کس سے فریاد کریں؟ میری ایک بیٹی کو تمہاری سیاست نے مار دیا۔میرے باقی بچوں کو خطرے میں مت ڈالو' یہ فقرہ بار بار سن کے بھی تم نظر انداز کر دیتے ہو کیونکہ تم کسی سے نہیں ڈرتے۔مگر واللہ میں ڈرتی ہوں۔اور میں تمہیں یہ الیکشن نہیں لڑنے دوں گی' یاد رکھنا۔'' اس نے تنفر سے فاتح کو دیکھتے ہوئے مٹھیوں سے آنسو رگڑے اور پیر پٹختی باہر نکل گئی۔

وان فاتح کی رنگت بالکل سفید ہو گئی تھی۔دکھ اور صدمہ بہت شدید تھا۔وہ چپ چاپ باہر آیا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔اوپر زینوں کے سرے پہ آریانہ اپنا سفید فراک پھیلائے بیٹھی تھی۔اسے اوپر آتے دیکھ کے بولی۔

''آپ کو ہمیشہ سے ماما پہ شک تھا' ہے نا؟ تالیہ کو صرف اس لئے الزام دیتے تھے کیونکہ آپ یہ ماننا نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی اپنی بیوی ایسا کر سکتی ہے۔اب آپ اس شادی میں کیسے رہیں گے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ آپ سے یوں خیانت کر سکتی ہیں۔''

''تمہیں آریانہ یوں جانا نہیں چاہیے تھا۔وہ درست کہتی ہے۔تمہارے ساتھ ہمارا رشتہ بھی کہیں کھو سا گیا ہے۔''

وہ سوگواریت سے کہتا زینے چڑھتے گیا۔وہ اس وقت کسی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔آریانہ سے بھی نہیں۔

☆☆=========☆☆

جدید ملاکہ میں رات پھر بارش ہوئی تھی جس کی وجہ سے صبح سارا شہر دھلا دھلایا سا کھڑا تھا۔سڑکیں گیلی تھیں اور درختوں کے پتے قطروں سے جگمگا رہے تھے۔ایسے میں تالیہ اس سہانی صبح ایک سڑک کنارے چلتی جا رہی تھی۔لمبی اسکرٹ پہ سفید منی کوٹ پہنے' بالوں پہ ترچھا ہیٹ جمائے' وہ موبائل پہ جی پی ایس کے بتائے رستے کا تعاقب کرتی احتیاط سے قدم بڑھا رہی تھی۔

وان فاتح کا اس رات کا سارا روٹ اس کے سامنے تھا۔سفر اپنے اختتام کو تھا۔

ایڈم کو اس نے سن باؤ والے گھر میں چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ ابھی تک ان تاروں کے پیچھے لگا ہوا تھا اور خود تنہا یہاں آئی تھی۔داتن کے ایل میں ہی تھی۔تالیہ نے گزشتہ رات اسے ایک نیا کام تھما دیا تھا۔

''تم نے Oppo Research کرنی ہے' میری موٹی دوست!''

''یعنی کہ مخالف امیدوار کی تحقیق کروانی ہے؟'' داتن نے پھر سے پوچھا۔

''ہاں' داتن۔ جب بھی کوئی الیکشن شروع ہوتا ہے تو سب سے پہلے مخالف امیدوار کی ریسرچ ہی کی جاتی ہے۔ کوئی اسکینڈل' کوئی جرم' کچھ بھی ایسا ڈھونڈنا ہوتا ہے جو اس کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔ لیکن عثمان اور پوری کیمپئن ٹیم پہلے ہی فاتح کے مخالف امیدواروں پہ ریسرچ میں لگا ہوا ہے۔ اس لئے ہم ان کے اوپر ریسرچ نہیں کریں گے۔''

''تو پھر کس پہ کریں گے؟'' داتن نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ شہزادی تاشہ ایک ناز سے مسکرائی تھی۔

''اس پہ جس پہ دوسرے سارے امیدوار ریسرچ کر رہے ہوں گے۔ یعنی وان فاتح بن رامزل پہ۔''

''تالیہ تم اپنے ہی امیدوار کے راز ڈھونڈنا چاہتی ہو؟'' داتن کو جیسے صدمہ ہوا۔

''صرف اس لئے کہ اگر میں ڈھونڈ سکتی ہوں تو کوئی اور بھی ڈھونڈ سکتا ہے' اور اگر دوسروں کو وہ راز مل جائیں تو ہم ان کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ فاتح کے فنانشل ریکارڈز' اسکینڈلز' دوست وغیرہ سب کی چھان بین کرو اور جو بھی ملے مجھے بتاؤ۔ دوسرے امیدواروں کے ریسرچرز اور تم میں فرق ہے' داتن۔ اگر وان فاتح کا کوئی مجرمانہ راز ہے تو صرف تم اس کو ڈھونڈ سکتی ہو۔ کیونکہ....''

وہ مسکرا کے بولی۔ ''It Takes a thief to catch a thief''

داتن نے بس افسوس سے اس کی ہٹ دھرمی کو دیکھا۔ تعمیل اس کی مجبوری تھی۔ دوستوں کی محبت کبھی کبھی انسان کو خود اپنی حدود کو آزمانے پہ مجبور کر دیتی ہے۔

اور اب تالیہ وہاں ملاکہ کی گلیوں میں جی پی ایس کو دیکھتی بھٹکتی پھر رہی تھی۔

سڑک پہ ٹریفک تیز رفتاری سے گزر رہا تھا...وہ صاف دیکھ سکتی تھی....

زیبرا کراسنگ عبور کرتے لوگوں کی دائیں بائیں مڑتی گردنیں....

ڈرائیو کرتے لوگوں کے کانوں سے لگے ہینڈز فری اور ان کے ہلتے لب....

سڑک کنارے اخبار کھولے بیٹھے معمر لوگ....

ایسے میں وہ اندر ایک گلی کی طرف مڑ گئی....

گلی آگے جا کے تنگ ہونے لگی....

اس کی دیواریں نیلی اینٹوں کی بنی تھیں....

وہ اینٹوں پہ ہاتھ پھیرتی قدم بڑھا رہی تھی....

کہیں ٹوٹا کانچ اس کے پوروں سے ٹکرایا....

کہیں کوڑے دان کے کھلے دہانے کے اندر ٹوٹا ہوا گملا رکھا نظر آیا....

53

اس گملے میں تین فیروزی پھول کھلے تھے....

ایک موڑ مڑی وہاں قطار میں دروازے تھے۔ چھوٹے چھوٹے مکانوں کے....

وہ حساب سے ایک کے سامنے رکی....

اور دستک دینے کو ہاتھ اس پہ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ کسی نے اسے بند کیوں نہیں کیا تھا؟

اندر چھوٹی سی راہداری تھی جس کے سرے پہ اسٹینڈ رکھا تھا۔ تالیہ نے ہیٹ اسٹینڈ پہ رکھا اور احتیاط سے اندر داخل ہوئی۔

"کوئی ہے؟ ہیلو؟" چوکنے انداز میں پکارتی وہ قدم قدم آگے بڑھنے لگی۔ گھر خاموش تھا۔ اور پر اسرار بھی۔ اس کی دیواروں میں قدیم ملاکہ کی خوشبو بسی تھی۔ لگتا تھا اس کے فرش تلے بھی صدیوں پرانے راز دفن ہوں۔ دوپہر کے باوجود وہاں روشنی خاصی مدھم تھی۔

ایک دم دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تو وہ کرنٹ کھا کے مڑی۔

راہداری میں کوئی نہیں تھا۔

اور اسٹینڈ خالی تھا۔ اس کا ہیٹ وہاں نہیں تھا۔

تالیہ کا ہاتھ اپنے پرس میں رینگ گیا۔ آہستہ سے اس نے ننھا ٹیزر نکالا (ننھا سا آلہ جو کرنٹ لگا کے بے ہوش کرنے کے کام آتا ہے۔) اور اسے پکڑے آگے بڑھی۔

"کون ہو تم اور سامنے کیوں نہیں آتے؟" اونچی آواز میں پوچھا۔ پھر ایک دیوان خانے میں داخل ہوئی تو وہ بھی سنسان پڑا تھا۔

سامنے فرشی نشست بچھی تھی۔ اور اوپر ایک شیلف میں کتابیں رکھی تھیں اور چند عجیب و غریب چیزیں۔ پتھر اور سونے سے بنے جانور۔ سیپیاں۔ موتی۔ وہ ٹرانس میں چلتی کتابوں کے شیلف تک آئی۔ وہاں قدیم جلدوں والی کتابیں سجی تھیں اور ہر دوسری پہ "پمورو" لکھا نظر آتا تھا۔ جانے کتنے برسوں کی شکار بازوں پہ لکھی ساری کتب یہاں جمع کر دی گئی تھیں۔

تو کسی شکار باز کا گھر تھا۔ کیا اس زمانے میں بھی وہ تھے؟ اور اگر تھے تو فاتح وہاں اس سے ملنے کیوں آیا تھا؟ کیا اپنی یادداشت کا علاج پوچھنے؟

ہوا کے جھونکے کی جیسی آواز آئی تو وہ ایڑیوں پہ گھومی۔

خالی کمرے کے وسط میں میز پہ اس کا سفید ہیٹ رکھا تھا۔

تالیہ مراد کی ریڑھ کی ہڈی میں سرلہر دوڑ گئی۔ اتنی خاموشی سے کون اس کا ہیٹ وہاں رکھ گیا؟

"یونو....." وہ اونچا سا بولی۔ "ہاتھ کی اتنی مہارت سے چیزوں کو غائب اور حاضر صرف دو لوگ کر سکتے ہیں۔ جادوگر اور چور۔ تم کیا ہو؟"

وہ خالی در و دیوار سے سوال پوچھ رہی تھی۔ لگتا تھا وہاں کوئی نہ تھا۔ سانس لینے کی آواز تک نہ آتی تھی۔

"میں دونوں ہوں شہزادی تاشہ بنت مراد راجہ!"

آواز عقب سے آئی تو وہ کرنٹ کھا کے گھومی۔

بغلی دروازے کی چوکھٹ پہ وہ کھڑا تھا۔ سینے پہ ہاتھ باندھے' مسکرا رہا تھا۔ تالیہ کی ششدر نظریں اس کے ننگے پیروں سے اوپر اٹھتی گئیں۔ شب خوابی کے ٹراؤزر اور گاؤن میں سامنے بیلٹ سے گرہ لگائے' وہ چمکتی آنکھوں سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ لمبے بھورے بال اور وہ چمکتی آنکھیں جن کو برسوں سے پہچانتی تھی۔

تالیہ مراد ساکت رہ گئی۔ ٹیزر آہستہ سے ہاتھ سے چھوٹا اور فرش پہ جا گرا۔

''تم...تم بھی شکار باز تھے؟ اتنے سال گزر گئے اور تم نے.....مجھے.....کبھی نہیں بتایا کہ تم شکار باز تھے۔'' وہ بے یقینی سے سامنے کھڑے شخص سے اٹک اٹک کے مخاطب تھی۔

''کیا تمہیں کبھی سمجھ نہیں آیا کہ میں تمہیں یتیم خانے میں 'شہزادی' کیوں کہا کرتا تھا' پتری تالیہ؟''

ذوالکفلی دھیرے سے بولا تھا۔ وہ ابھی تک منجمد تھی۔

☆☆==========☆☆

سن باؤ کے آنگن میں تازہ صبح پھیلی تھی۔ صحن اب برابر ہو چکا تھا اور اینٹیں کب کی سوکھ چکی تھیں۔ ایسے میں ایڈم بن محمد آستینیں چڑھائے تار کو باہر نکال رہا تھا۔ تار کیاری میں دبی تھی اور اب اس نے مٹی سے لتھڑے ہاتھوں سے اسے پورا نکال لیا تھا۔ پھر اس کا تعاقب کرتا وہ اس دیوار تک آیا جہاں دوسری تاروں کے ساتھ وہ بندھی تھی۔

ایک موٹی سیاہ تار بغیر مقصد کے یہاں کیوں تھی؟

ایڈم نے دستانے چڑھائے اور غور سے تمام تاروں کو الگ کرنے لگا۔ کیبل' انٹرنیٹ' بجلی' ٹیلی فون' ہر ایک کی تار الگ تھی۔ یہ تار ان میں سے کسی مقصد کے لئے استعمال نہ ہوتی تھی۔ بظاہر یہ کیبل کی موٹی سیاہ تار لگتی تھی مگر جب کیبل کی تار پہلے سے موجود تھی تو اس کا یہاں کیا کام ؟

گچھے سے تاریں الگ کرنے پہ اسے نظر آیا کہ وہ موٹی تار گھر سے باہر جا رہی تھی۔ کیا وہ اس تار کا پیچھا کرے یا اسے یونہی چھوڑ دے؟ مگر نہیں۔ سن باؤ کا تیسرا خزانہ کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ وہ وقت میں سفر کر کے آیا تھا۔ وہ سلاطین کے درباروں اور محلوں کو دیکھ آیا تھا۔ وہ فیری ٹیلز کو ماننے لگا تھا۔ جے تالیہ کا یقین اگر کھو گیا تھا تو اس کا بڑھ گیا تھا۔ انہوں نے دو دفعہ اس گھر کے صحن کے رازوں کو کھوجنا چاہا تھا۔ پہلی دفعہ وقت کا خزانہ ملا اور دوسری دفعہ مجسمے تلے خالی صندوق۔ کیا وہ سب بغیر مقصد کے تھا؟ نہیں۔

وہ سب تیاری تھی یقیناً۔ کسی تیسرے خزانے کی۔

ایک عزم سے اس نے دستانے اتارے اور اندر جا کے ہاتھ دھوئے۔ پھر گھر سے باہر نکل آیا۔

سیاہ تار گھروں کی دیواروں سے گزرتی بجلی کے کھمبے تک جا رہی تھی۔ وہ اتنی خوبصورتی سے درختوں اور دیواروں میں کیموفلاج کی گئی تھی

کہ دور سے دکھائی نہ دیتی تھی۔

ایڈم پیدل چلتا اس تار کا پیچھا کرتا گیا۔ وہ اگلی گلی میں داخل ہو کے اس سے بھی آگے مین روڈ پہ نکل گئی۔ وہاں وہ کھمبوں سے گزرتی سڑک کے پار جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ کوئی عام تاریں اتنی دور تک نہیں جایا کرتی۔ ہر گزرتا لمحہ ایڈم کی ایکسائٹمنٹ میں اضافہ کر رہا تھا۔

سڑک عبور کر کے وہ سامنے آیا جہاں کاروباری مرکز سا بنا تھا۔ ایک طرف پارک تھا اور سامنے قطار میں تین اونچے اونچے ہوٹل کھڑے تھے۔ وہ تار ایک ہوٹل تک جا رہی تھی۔ ایڈم تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے پیچھے چلتا آیا۔

ہوٹل کی عقبی دیوار سے گزرتی وہ پیچھے اس طرف چلی گئی جہاں کمروں کی عقبی کھڑکیاں تھیں اور اسپلٹ یونٹس لگے تھے۔ ایڈم نے گردن اٹھا کے دیکھا۔ وہاں تار کو مہارت سے پینٹ کر دیا گیا تھا اور وہ بالکل ڈھکی چھپی نظر آ رہی تھی۔ لیکن وہ اتنا دیکھ سکتا تھا کہ وہ پانچویں منزل کے ایک کمرے کی دیوار تک جا کے غائب ہو گئی تھی۔ یقیناً دیوار میں کوئی سوراخ کر کے اسے کمرے کے اندر گھسایا گیا تھا۔

تعاقب یہاں تک ختم ہو جاتا تھا۔ اب آگے وہ کیا کر سکتا تھا؟ احتیاط سے کمرے کی پوزیشن نوٹ کی اور پھر ہوٹل کے اندر چلا آیا۔ سنجیدہ شکل بنائے سیدھا اوپر گیا۔ پانچویں منزل پہ آ کے وہ اس طرف آیا جہاں وہ کمرہ تھا۔ بند دروازے پہ Do not disturb کا سائن لگا تھا۔ وہ ابھی متامل سا وہاں کھڑا ہی تھا کہ سامنے ٹرالی دھکیلتے ہوئے بیرا چلا آ رہا تھا۔

''کچھ چاہیے آپ کو سر؟''

''ہاں وہ....'' ایڈم گڑبڑایا۔ ''یہ لیانہ صابری صاحبہ کا کمرہ ہے؟'' جلدی میں یہی نام ذہن میں آیا۔

''سر یہ ہوٹل کا پریزیڈینشل سوئیٹ ہے' یہاں خاص مہمان ٹھہرا کرتے ہیں اور ہم ان کی معلومات یوں نہیں دے سکتے۔''

''اوکے اوکے فائن۔ مجھے شاید چوتھے فلور پہ جانا تھا۔'' وہ جلدی سے کہتا تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

ہوٹل سے نکلتے ہی اس نے قدم ایک بجلی کے کام والی دکان کی طرف بڑھا دیے۔ وہ آتے وقت کیاری میں دبی تار کے سرے کا ایک بالشت بھر لمبا ٹکڑا کاٹ لایا تھا۔ دکان میں جاتے ہی اس نے وہ سیاہ سانپ جیسا ٹکڑا کاؤنٹر پہ رکھا۔

''یہ کس چیز کی تار ہے؟'' لگی لپٹی کے بغیر پوچھا۔

''یہ کیبل کی تار ہے۔ بلکہ....'' سیلز مین نے الٹ پلٹ کے بغور جائزہ لیا۔ ''ایک منٹ۔'' اس نے چاقو سے تار کو کاٹا اور اندر لگی رنگ برنگی پتلی تاروں کو علیحدہ کیا۔

''یہ Ehternet کیبل ہے' سر۔ اس کو باہر سے موٹا سیاہ خول چڑھا کے کیموفلاج کیا گیا ہے۔''

ایڈم نے گہری سانس لی۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کس چیز کی تار تھی اور وہ ''برڈ واچر'' (پرندے دیکھنے والا) اس تار کے ذریعے سارا سارا دن اس گھر میں بیٹھ کے کیا دیکھتا تھا۔

کم سے کم پرندے نہیں۔

''مجھے ایک ڈی وی آر ادھار پہ مل سکتا ہے؟'' اس نے معصوم شکل بنا کے پوچھا تھا۔

☆☆=========☆☆

اس کے دونوں ہاتھ بے جان سے گود میں دھرے تھے اور وہ گھٹنے ملائے شل سی دوزانو بیٹھی تھی۔ سامنے کھڑا ذوالکفلی اس کی طرف پشت کیے دیا سلائی رگڑ رہا تھا۔

''تو آپ شکار بازوں کے سربراہ ہیں۔ اتنے برس گزر گئے اور مجھے کبھی پتہ نہیں چل سکا۔'' وہ جیسے صدمے میں تھی۔

''پتہ چلنا ضروری بھی نہیں تھا۔ میں نے اپنا کام کرنا تھا اور تم نے اپنا۔'' دیا سلائی رگڑنے سے آگ کا بھڑکتا ہوا ننھا سا شعلہ جل اٹھا۔ ذوالکفلی جھکا اور دیوار پر نصب سیڑھیوں کی مانند اسٹینڈ کی آخری شیلف پہ رکھی موم بتی کو سلگایا۔

''آپ جانتے تھے کہ میں کون ہوں؟'' اس نے گلہ آمیز نظروں سے اس کی پشت کو دیکھا۔

''تم پندرہویں صدی کے ملاکہ کی شہزادی تالیہ بنتِ مراد ہو جس نے بعد میں اپنا نام تاشہ رکھ ڈالا تھا۔''

''تاریخ کی کتابوں میں مجھے تالیہ کی بڑی بہن لکھا جاتا ہے۔ اگر آپ کو حقیقت معلوم ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ بھی وقت کے مسافر رہے ہیں۔''

''نہ صرف میں وقت کا مسافر ہوں بلکہ اپنے زمانے کے وقت کے مسافروں کی یادداشتیں میرے پاس محفوظ ہوتی ہیں۔ کیا اب ہم اس شخص کی بات کریں جس کی بات تم کرنے آئی ہو؟'' وہ جھک کے ایک ایک موم بتی جلا رہا تھا۔ موم بتیاں Scented تھیں۔ دھیرے دھیرے چہار سو رسبری کی خوشبو پھیلنے لگی۔

''وان فاتح.... آپ کے پاس کیوں آیا تھا؟''

وہ سیدھا ہوا اور پھونک مار کے دیا سلائی بجھائی۔ پھر تالیہ کی طرف پلٹا اور ہلکا سا مسکرایا۔

''اپنی یادداشت کے بارے میں سوال کرنے۔''

''کیا اس کی یادداشت واپس آسکتی ہے؟'' وہ بے قراری سے آگے ہوئی۔ لمحے بھر کو دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔

''میں تمہیں وہی بتاؤں گا جو اس کو بتایا تھا۔ وہ بوتل دیکھ رہی ہو؟'' ذوالکفلی نے نظریں تالیہ پہ جمائے رکھے انگلی سے شیلف کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی نگاہیں اسی طرف اٹھیں۔ وہاں شیشے کی ننھی بوتلیں رکھی تھیں۔ ان میں سفید دھوئیں جیسا مائع بھرا تھا۔

''ان میں سے پہلی والی وان فاتح کی ہے۔ اس کی یادداشت وقت کی قید میں ہے۔ جس دن اس کو تین سوالوں کا جواب مل جائے گا' یہ بوتل خالی ہو جائے گی۔''

''کون سے تین سوال؟'' وہ یک ٹک ان ننھی بوتلوں کو دیکھ رہی تھی۔

''کوئی کام کرنے کا سب سے اہم وقت کون سا ہوتا ہے؟ انسان کی زندگی میں سب سے اہم کام کون سا ہوتا ہے؟ اور انسان کی زندگی

میں سب سے اہم شخص کون ہوتا ہے؟''

''یہ کیسے سوال ہوئے؟ کاموں کے مختلف وقت ہوتے ہیں' اور سب کی زندگی کے ترجیحی کام بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اور شخص....'' اس نے اچنبھے سے ذوالکفلی کو دیکھا۔ ''ہر ایک کا اہم شخص دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔''

''نہیں پتری تالیہ۔ ان سوالوں کے جواب سب کے لئے ایک ہی ہیں۔ اس کو یہ جواب معلوم تھے۔ مگر معلوم ہونا کافی نہیں۔ جس دن وہ ان کی حقیقت قبول کرلے گا' اس کی یادداشت واپس آجائے گی۔ تم اس کی خود سے مدد کرو تو یہ الگ بات ہے' مگر وہ مدد نہیں مانگ سکتا۔ لیکن یہ جواب اس کو خود ڈھونڈنے ہوں گے۔''

''مگر میری یادداشت.... وہ کیوں ٹکڑوں میں واپس آنے لگی تھی؟ جب میں پہلی دفعہ کے ایل کے ائیر پورٹ پہ تھی تو مجھے وژن نظر آنے لگے تھے۔ مگر وہ مستقبل کے تھے۔ ماضی کے نہیں۔''

''سچے خواب دیکھنا تمہارا ذاتی گفٹ ہے۔ یہ ہر وقت کے مسافر کے پاس نہیں ہوتا۔ میرے پاس بھی نہیں ہے۔ البتہ اس کا اتنے سال بعد واپس آنا اس بات کی نشانی تھا کہ تم نے ائیر پورٹ پہ کچھ ایسا ضرور کیا تھا جس نے تمہارے دل کو کسی ایک سوال کی حقیقت سمجھا دی تھی۔ اس کی وجہ سے تمہارے دماغ پہ لگی وقت کی زنجیر کی چند کڑیاں کھل گئی تھیں۔ مگر مکمل یادداشت اس لئے واپس نہیں آئی کیونکہ تم نے باقی دو سوالوں کے جواب نہیں سمجھے۔''

''مجھے نہیں یاد اس روز میں نے کیا کیا تھا۔'' تالیہ نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا اور دوبارہ سے شلیف پہ رکھی بوتلوں کو دیکھا۔ ''ان میں سے میری یادداشتیں کس بوتل میں محفوظ ہیں؟''

ذوالکفلی اس کو دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ ''اس سوال کا کوئی فائدہ نہیں' پتری تالیہ۔''

اس نے واپس ذوالکفلی کو دیکھا تو آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''کیا آپ فاتح کو بغیر جواب ڈھونڈے اس کی یادداشتیں واپس نہیں کر سکتے ہیں؟ کیا یہ سب کرنا ضروری ہے؟ میں بہت تکلیف میں ہوں۔ وہ خود تکلیف میں ہے مگر اس کو علم نہیں۔''

''ہر جادو کی قیمت ہوتی ہے جو چکانی پڑتی ہے۔''

ذوالکفلی نے نرمی سے شانے اچکا دیے۔ ایک دم ہوا کا جھونکا آیا اور موم بتی بجھ گئی۔ تالیہ کی امیدوں کا دیا بھی جیسے ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ وقت میں سفر کی قیمت بہت بھاری تھی۔

☆☆=========☆☆

اتوار کی صبح کے ایل کی سڑکیں چھٹی کے باعث ویران ویران لگتی تھیں۔ ایسے میں سڑک کنارے ٹہلتے لوگوں میں سے ایک وان فاتح بھی تھا جو جاگنگ کر کے اب تھکا ماندا آہستہ قدموں کے ساتھ گھر کی طرف جا رہا تھا۔ کانوں میں سفید ہینڈز فری لگے تھے اور ٹی شرٹ پشت سے پسینے میں بھیگی تھی۔ پیشانی اور بال بھی تر تھے۔ ملائیشیا میں ویسے بھی ہواؤں میں نمی بہت تھی اور باہر نکلو تو ذرا دیر بعد پسینہ آنے لگتا تھا۔ وہ تو

پھر جاگنگ کرکے آیا تھا۔

گھر کا گیٹ ہاتھ سے کھول کے اندر داخل ہوا تو نظریں کار کی طرف اٹھیں۔ وہ روز وہاں ٹیک لگائے' جوس کی بوتل لئے کھڑی ہوتی تھی ۔آج اس کی چھٹی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔ یونہی اس کی کمی محسوس ہوئی تھی۔

مگر پھر کار کی طرف اٹھی نظریں وہیں ٹھہر گئیں۔ پورچ میں تین کاریں کھڑی تھیں۔ تینوں مختلف پارٹی عہدیداران کی تھیں۔ یعنی اتنے سارے لوگ اتوار کی صبح اس کے گھر آئے تھے؟ وہ حیرت سے ہینڈز فری کان سے کھینچتا تیز قدموں سے آگے آیا۔

اندر داخل ہوتے ہی لاؤنج سے آوازیں آتی سنائی دیں۔ ڈائننگ روم کی جگہ عصرہ نے ان کو لاؤنج میں بٹھا دیا تھا؟ فاتح کے ابرو تعجب میں بھنچے۔ سبک قدمی سے چلتا سامنے آیا تو دیکھا۔ وہاں عصرہ اور چار پارٹی عہدیداران موجود تھے۔ عصرہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی جیسے اس کی منتظر ہو۔ اسے دیکھ کے سب خاموش ہوئے اور جگہوں سے اٹھے۔

ٹراوزر اور ٹی شرٹ میں ملبوس' ماتھے پہ آئے بھیگے بالوں والا فاتح بن رامزل نے تعجب سے باری باری سب کو دیکھا۔

''سب ٹھیک ہے؟''

ایک صاحب نے ریموٹ اٹھایا اور خاموشی سے ٹی وی آن کر دیا۔ فاتح نے چونک کے اسکرین کو دیکھا۔ ملائیشیاء میں خبروں کے چینل حکومت کے ہوتے تھے اور ان پہ اپوزیشن کے لیڈرز کے خلاف خبریں پورے دھڑلے سے چلائی جاتی تھیں۔ اب بھی وان فاتح کے بارے میں خبر چل رہی تھی۔

''پہلے ایک اخبار نے یہ ویڈیو لیک کی' پھر ٹی وی چینلز نے اس کو اٹھا کے چلانا شروع کر دیا۔ سارا میڈیا آپ کے خلاف بول رہا ہے اس وقت۔''

فاتح رک کے خبر دیکھنے لگا۔

وہ اشعر کی پارٹی کی ویڈیو تھی۔ اور فاتح گول میز پہ بیٹھا مسکرا کے گفتگو کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تو پھر کیا ہم بھی صوفیہ رحمٰن والے کام شروع کر دیں؟'' وہ استہزائیہ انداز میں مسکرا کے ساتھ والے دوست سے پوچھ رہا تھا۔ ''وزیر اعظم صاحبہ تو وہ خاتون ہیں جو کسی بھی Intellect یا achievement کے بغیر اس مقام پہ آئی ہیں۔ ایسی عورتوں کو gold digger کہا جاتا ہے۔ تم چاہتے ہو میں بھی گولڈ ڈگر بن جاؤں؟ یو نو میری بیوی میرے ساتھ بیٹھی ہے۔'' محظوظ انداز میں کہنے پہ گول میز والے دوستوں نے قہقہہ لگایا۔ عصرہ اور اشعر کو بھی اس ویڈیو میں ہنستے ہوئے دیکھا جا سکتا تھا۔

لاؤنج کے سرے پہ کھڑا فاتح ایک دم ہنس پڑا۔ ''یہ کس نے بنائی؟''

عصرہ نے ٹی وی بند کیا اور تادیبی انداز میں اسے گھورا۔

''فاتح یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے۔ تم نے صوفیہ رحمٰن کو گولڈ ڈگر کہا ہے۔ اور ساتھ میں میرا بھی حوالہ دیا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ تم

نے صوفیہ کے ایک امیر آدمی سے شادی پہ چوٹ کی ہے۔" عصرہ تیز تیز بولتی سامنے آئی۔

"میں کہہ رہا تھا کہ میں بھی گولڈ ڈگر بن جاؤں یعنی ایک بیوی کو چھوڑ کے کسی اور امیر عورت سے شادی کرلوں؟ یہاں الیکشن کے فنڈز کی بات ہو رہی تھی۔ مگر لوگوں کو سیاق و سباق نہیں معلوم۔" اس نے فوراً وضاحت دی۔ رات کی جھڑپ ایک دم دونوں بھول گئے تھے۔

"فاتح صاحب.... سارا میڈیا آپ کے خلاف بول رہا ہے۔ وہ آپ کے اس کمنٹ کو mysognist کہہ رہے ہیں۔ سارے feminist سوشل میڈیا پہ ٹویٹس کرر ہے ہیں۔ کہ آپ نے ہر مطلقہ عورت کی بے عزتی کی ہے۔" پھر عثمان پریشانی سے بولا۔

"سر ہم بہت مشکل میں پڑ گئے ہیں۔ آپ کا امیج خراب ہو رہا ہے۔ اب ہم کیا کریں؟"

فاتح لمحے بھر کو خاموش ہوا۔ تاثرات سنجیدہ ہوئے۔ پھر قدم بقدم چلتا قریب آیا۔

"ویل..... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ بہر حال اب جو ہونا تھا ہو گیا ہے۔ مگر یہ ویڈیو بنا کے لیک کس نے کی ہے؟" وہ معاملے کی سنگینی کا احساس کر کے سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"سر شاید ہم کبھی نہ جان سکیں کہ یہ کس کی حرکت تھی۔ اور اس وقت اہم صرف یہ ہے کہ ہم اس مسئلے سے کیسے نکلیں۔" عثمان فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے شائبہ تک نہیں ہوتا تھا کہ یہ ویڈیو اس نے خود بنائی تھی۔

وہ سب فاتح کو اسی فکرمندی سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے گہری سانس لی۔ اخبارات، چینلز، سوشل میڈیا اس کو اس وقت لعن طعن کرر ہے ہوں گے، وہ احساس کر سکتا تھا۔ چند لمحے کے لئے سوچتا رہا۔

"اوکے میں کپڑے بدل لوں پھر آفس میں میٹنگ بلاؤ اور پھر ہم ڈسکس کرتے ہیں کہ ڈیمیج کنٹرول کیسے کرنا ہے۔" تحکم سے کہہ کے وہ مڑنے لگا پھر واپس گھوما اور عثمان کو مخاطب کیا۔ "میری کافی، میری انرجی ڈرنکس.... ان سب کو کون دیکھے گا؟"

عثمان گڑبڑا کے کھڑا ہوا۔

"سر.... آپ کی پرسنل ایڈ نے آج چھٹی لی تھی اور...."

"تو میری پرسنل ایڈ کو بتاؤ کہ جیسے خبروں کے بننے کی چھٹی نہیں ہوتی، ویسے ہی اس کو بھی چھٹی کرنے کی لگژری نہیں ہے۔" ذرا رکھائی سے کہہ کے مڑ گیا۔ کمرے میں ایک دم تناؤ کی سی کیفیت چھا گئی تھی۔ وہ اب تیز تیز راہداری کی طرف جاتا دکھائی دے رہا تھا اور وہ سب خاموش اور فکر مند بیٹھے لوگ ہر گزرتے پل کے ساتھ فاتح کو فکر مند ہوتے محسوس کر سکتے تھے۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ کی صبح باسی ہو رہی تھی۔ دھوپ نکل آئی تھی اور حبس ہونے لگا تھا۔ وہ سرخ حویلی میں داخل ہوئی تو راہداری پار کرتے ہی برآمدے میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھا ایڈم نظر آیا۔ اسے دیکھ کے وہ جوش سے اٹھا۔ جیسے کچھ بتانے لگا ہو، پھر اس کا تھکا تھکا چہرہ دیکھ کے رکا۔

"آپ کو ملا وہ گھر؟"

''ہاں۔ اور شکار بازوں کا سربراہ بھی مل گیا۔'' اس نے پست لہجے میں مختصر اً روئیداد سنائی۔ ساتھ ساتھ وہ بے دلی سے اپنی چیزیں بھی اکٹھی کر رہی تھی۔

''اوہ۔ تو کیا تھے وہ تین سوال؟''

''ایڈم میں ابھی بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ عثمان نے واپس بلوایا ہے۔ آفس میں کوئی مسئلہ ہو گیا ہے۔ مجھے فلائیٹ پکڑنی ہو گی۔ تم آ رہے ہو؟''

''نہیں۔ میں....'' وہ پھر جلدی سے لیپ ٹاپ اس کی طرف پھیرتا بتانے لگا۔ ''یہ دیکھیں مجھے کیا ملا۔''

ہینڈ بیگ میں چارجر وغیرہ ڈالتی تالیہ نے مڑ کے اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔ اسکرین پہ ویڈیو کھلی تھی۔ ایک پر تعیش کمرے کا اندرونی منظر جہاں نفاست سے بیڈ بنے تھے اور خالی صوفے دکھائی دے رہے تھے۔

''وہ تار ایتھرنیٹ کیبل تھی جو ایک قریبی ہوٹل کے ایک کمرے کے اندر جاتی ہے اور وہاں کوئی خفیہ جاسوسی کیمرہ نصب ہے۔ کسی بلب یا گلدان وغیرہ میں۔ یہ انتہائی ہائی ڈیفینیشن کیمرہ ہے۔ جو آدمی یہاں رہتا تھا یقیناً اس نے یہ تار لگائی تھی تا کہ اس کمرے کے مکین پہ نظر رکھ سکے۔''

''اوہ۔ میں تمہیں بتانا بھول گئی۔ صبح میں نے فاتح صاحب کو میسج کر کے پوچھا تھا اس بڑ ڈواچر کے بارے میں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ وہ کسی خفیہ سرکاری ایجنسی کا کارندہ تھا اور اسے کسی ہوٹل میں کسی پہ نظر رکھنے کے لئے یہ گھر چاہیے تھا۔ کوئی ہیروئن اسمگلر تھا شاید جو اس کمرے میں رہائش پذیر تھا۔''

''چلو جی۔'' ایڈم کے کندھے ڈھلک گئے۔ ''آپ مجھے صبح بھی بتا سکتی تھیں۔''

''مگر ایڈم وہ بندہ تو سال پہلے پکڑا گیا اور اس کمرے میں اب تو وہ رہتا بھی نہیں ہے۔ عصرہ کو معلوم نہ تھا مگر یہ گھر میرے پاس ہے تو میرے پوچھنے پہ فاتح صاحب نے صاف صاف بتا دیا۔''

''ہاں مگر کیمرہ تو اس نے نہیں اتارا نا۔ کیمرہ تو موجود ہے۔''

''ایڈم تم فضول میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ اس کمرے میں کوئی نیا آدمی آ کے ٹھہرتا ہو گا۔ تم اس پہ نظر رکھ کے کیا کرو گے۔'' اس نے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے بے زاری سے کہا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ کچھ سوالوں کے جواب صرف وقت دے سکتا ہے مگر چے تالیہ میں بتا رہا ہوں اس کمرے میں کچھ ہے۔''

''اوہ ایڈم تم....''

''آپ کو دیر ہو رہی ہے۔'' وہ بے مروتی سے کہہ کے دوبارہ اسکرین کے سامنے جم گیا۔ تالیہ نے افسوس سے اسے دیکھ کے سر جھٹکا اور بیگ اٹھا کے مڑ گئی۔

''جتنی جاسوسی کرنی ہے اس خالی کمرے کی' کرلو۔ ایک ہفتے بعد میں اس گھر کو واپس کررہی ہوں۔''

خفگی سے پکارتی وہ اب باہر جارہی تھی۔ ایڈم ڈی وی آر سے بڑی سیاہ تار اور لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھا اب پوری دلجمعی سے اس کمرے کو دیکھ رہا تھا۔

وہ خالی تھا... نہ کوئی حرکت' نہ کوئی ذی نفس۔ صرف ایڈم بن محمد کا ''یقین'' تھا جو اس کے ساتھ تھا۔ کچھ تو ہے اس کمرے میں۔

☆☆=========☆☆

چھٹی کے باوجود آج بی این کا آفس دھیرے دھیرے لوگوں سے بھرتا جارہا تھا۔ جس جس کو خبر ملی کہ متوقع چیئر مین کی ذاتی ویڈیو لیک ہوئی ہے' وہ فکرمندی سے آفس آگیا... کیا اشعر اور کیا فاتح' سب کانفرنس روم میں اکٹھے ہوگئے۔ فاتح اور اشعر کے علاوہ جو تیسرا امیدوار چیئر مین کا الیکشن لڑرہا تھا' وہ بھی وہیں موجود تھا۔

الیکشن پارٹی صدارت کا آپس کا معاملہ تھا اور اگلے ماہ ہونا تھا۔ مگر یہ مسئلہ بی این پارٹی کے ایک سیاستدان کا تھا جس کے خلاف مخالف حکومتی پارٹی کے عہدیداران دھڑا دھڑ بیان دے رہے تھے۔ سوشل میڈیا پہ Feminist اور لبرل لوگ الگ محاذ کھولے کھڑے تھے۔ صوفیہ رحمن نے بھی ٹوئیٹ کردی تھی کہ ''وان فاتح سے اس طرح کے ذاتی حملے کی امید نہیں تھی۔ اس کے علاوہ میں اس پہ کچھ نہیں کہوں گی۔ ہم اس طرح کی نان سینس کو Dignity سے نظر انداز کرنے والے خاندانی لوگ ہیں' جیسے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب لغو باتوں کو دیکھو تو وقار سے نظر انداز کرو۔ اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔''

سب کانفرنس روم میں اکٹھے تھے۔ سوٹ وغیرہ کے برعکس سب ٹی شرٹس اور جینز ٹراؤزرز میں تھے اور اسی وقت کسی نے یہ ٹوئیٹ پڑھ کے سنائی۔

فاتح جو گول میز کی ایک مرکزی کرسی پہ بیٹھا تھا' اس بات پہ استہزاء سے سر جھٹکا۔

''اچھا اور میرے ملک کے لوگوں کا امانت والا پیسہ کھاتے ہوئے قرآن یاد نہیں آتا؟ یہ اچھا طریقہ ہے دین کا کارڈ کھیلنے کا۔'' وہ شدید بےزار لگ رہا تھا۔ دو گھنٹے سے ہر جگہ یہ بات ایسے توڑ مروڑ کے پیش کی جارہی تھی کہ اس پہ بڑھتا دباؤ نا قابلِ برداشت ہوتا جارہا تھا۔

تبھی دروازہ کھلا اور تالیہ نے گردن نکال کے اندر جھانکا۔ وہ جیسے بھاگم بھاگ ہانپتی ہوئی یہاں پہنچی تھی۔ فاتح کی نظر اس پہ پڑی تو ابرو بھینچے بس ہاتھ سے کپ لبوں تک لے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ کافی مانگ رہا تھا اور برے موڈ میں لگ رہا تھا۔

تالیہ نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا اور دروازے کے پیچھے غائب ہوگئی۔

کانفرنس روم میں سارے سیاستدان اور عہدیداران ایک ساتھ بول رہے تھے۔ ہر کوئی فکرمندی کا اظہار کررہا تھا یا آنے والے خطرناک حالات کی طرف اشارہ کررہا تھا۔ فاتح نے بےزاری سے ان سب کو دیکھا۔

''حل بتاؤ مجھے۔ حل کیا ہے اس کا؟'' وہ لیڈر آف اپوزیشن تھا۔ اس کا رعب' اس کا طنطنہ' لمحے بھر کے لئے سارے میں خاموشی چھاگئی

پھر ایک صاحب کھنکھارے اور اپنی طرف سے ایک تجویز پیش کرنے لگے۔ فاتح بےزاریت سے سننے لگا۔

ان کے خاموش ہوتے ہی اشعر کہنے لگا۔ ”میرا خیال ہے آہنگ‘ اس اسکینڈل سے نکلنے کا بہترین طریقہ...(تالیہ ٹرے لئے اندر داخل ہوئی)....یہ ہے کہ آپ پریس کانفرنس کرکے کہیں کہ ویڈیو ڈاکٹرڈ ہے۔ آپ کے مختلف فقروں کو ملا جلا کے ایسے پیش کیا گیا جیسے آپ صوفیہ کی بات کر رہے ہیں۔“ (تالیہ ٹرے لئے فاتح کے قریب آرکی۔)

”جی سر۔ ہم ایسے ایسے فارنزک ایکسپرٹ میڈیا پہ لائیں گے جو یہ ثابت کر دیں گے کہ ویڈیو جعلی ہے۔“

”نہیں‘ یہ جھوٹ ہوگا۔“

”تو پھر....“ ایک اور صاحب بولے۔ ”آپ سادہ الفاظ میں معذرت کر لیں۔ معذرت کر لینا لوگوں کو خاموش کرا دے گا۔ معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ دو دن میں لوگ بھول جائیں گے۔“

”ہوں۔ دس ساؤنڈز گڈ۔“ بات وان فاتح کے دل کو لگی۔ ”میں ٹوئیٹ کر کے معذرت کر لیتا ہوں اور کہہ دیتا ہوں کہ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں عورتوں کی عزت کرتا ہوں اور یہ بات دوسرے سیاق و سباق میں کہی گئی تھی۔“

”یہ بہتر ہے۔“ اشعر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”مگر ٹوئیٹ کی جگہ پریس کانفرنس بہتر رہے گی۔“

”پریس کانفرنس میں صحافی سوال در سوال کر کے شرمندہ کریں گے۔ نہیں۔ ویڈیو پیغام جاری کر دیتے ہیں۔ زبانیں بند ہو جائیں گی۔“ فاتح نے ناک سے مکھی اڑائی۔ وہ اب بھی ڈسٹرب تھا مگر ظاہر نہیں کر رہا تھا۔ پھر گردن ترچھی کر کے ٹرے اٹھائے کھڑی تالیہ کو دیکھا۔

”رکھ دو۔“ میز کی طرف اشارہ کیا۔ تالیہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔ ٹرے پکڑے کھڑی رہی۔

”رکھ دو۔“ اس نے قدرے بےزاری سے اونچا دہرایا۔ مگر وہ ٹرے پکڑے کھڑی غور سے سوچتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

کانفرنس روم کی بھنبھناہٹ قدرے کم ہوئی۔ لوگ بات روک کے فاتح کی باڈی وومن کو دیکھنے لگے جو ٹرے لئے اس کے سر پہ کھڑی تھی

-

”تاشہ!“ فاتح نے دبی آواز میں غصے سے کہا۔ وہ پہلے اتنے مسئلوں میں تھا‘ اوپر سے....

”آپ ہنسے تھے؟“ وہ اسے غور سے دیکھ کے بلند سا بولی۔

”کیا؟“

”میں شرط لگا سکتی ہوں کہ آپ ہنسے تھے۔“

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ سچوئیشن ایک دم آکورڈ ہو گئی تھی۔ سب تالیہ کو دیکھ رہے تھے۔ اور وہ اپنے باس کو جو اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

”میں کدھر ہنسا تھا؟“

''صبح جب آپ نے ویڈیو پہلی دفعہ دیکھی تھی' تو آپ ہنسے تھے' ہے نا۔'' وہ ٹرے اٹھائے آہستہ آہستہ قدموں سے آگے بڑھنے لگی جیسے کمرے میں ٹہل رہی ہو۔فاتح کی پیشانی کے بل غائب ہونے لگے۔وہ ایک دم ٹھہر کے اسے دیکھنے لگا۔

''آپ کا پہلا ری ایکشن کیا تھا جب آپ نے وہ ویڈیو دیکھی تھی' سر؟ میں شرط لگا سکتی ہوں آپ دل کھول کے ہنسے ہوں گے۔'' وہ ٹرے اٹھائے چلتی جا رہی تھی اور سب کی نگاہیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔

''انسان کا پہلا ردِعمل سچا ہوتا ہے۔لوگوں کے بارے میں پہلا امپریشن حقیقت ہوتا ہے۔بعد میں تو مصلحت پسند لوگوں کے ہجوم نے آپ کو پریشان کرنا شروع کر دیا ہو گا یقیناً' مگر جانتے ہیں سر آپ پہلی دفعہ بے فکری سے کیوں ہنسے تھے؟''

وہ گول میز کے ساتھ گولائی میں چلتی جا رہی تھی۔اب وہ فاتح کی بالکل سیدھ میں رکھی کرسی کے پیچھے جا کھڑی ہوئی تھی۔نظریں باس پہ جمی تھیں۔

''کیونکہ آپ اپنے الفاظ پہ شرمندہ نہیں تھے۔آپ نے وہی کہا جو آپ کے دل کی آواز تھی۔میں ایک مطلقہ لڑکی ہونے کے ناتے کسی کے بارے میں ایسی بات نہیں کہوں گی مگر میں' میں ہوں۔آپ آپ ہیں۔میں ہوتی تو معافی مانگتی۔مگر آپ اس بات کی معافی کیوں مانگنے جا رہے ہیں جس کے لئے آپ شرمندہ ہی نہیں ہیں۔''

وہ اب ٹرے اٹھائے کرسیوں کے ساتھ سے گزرتی....گولائی رخ میں چلتی قریب آ رہی تھی۔اس کی نظریں فاتح پہ تھیں اور فاتح کی اس پہ۔

''سر آپ کو لوگوں نے اس لئے ووٹ دیا تھا کیونکہ ان کو آپ کی باتیں پسند تھیں۔چاہے غلط' چاہے صحیح' چاہے بہادری' چاہے منہ پھٹ ہونا' جو بھی کہیں لوگوں کو پسند تھا کہ آپ وہ بات کہتے تھے جن پہ آپ کا سچا یقین ہوتا تھا۔میں ہوتی تو شرمندہ ہوتی اور معافی مانگتی کیونکہ میں تو بہت سے لوگوں سے ڈرتی ہوں۔آپ تو کسی سے نہیں ڈرتے تو آپ کیوں معافی مانگیں گے؟ جب آپ کے عوام غلاموں کی طرح معاشی قید کی زنجیروں میں جکڑے ہوں' تو ان کو ایسا لیڈر چاہیے ہوتا ہے جو بندا ہارا کے سامنے میز کرسی پہ بیٹھ کے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے اسے غلط کہہ سکے۔ایسا شخص صحیح معنوں میں آزاد ہوتا ہے۔اور یہ کافی....آپ کو بوجھل کر دینے والی کافی چھوڑ کے چائے پہ منتقل ہو جانا چاہیے جو ہر بوجھ سے ہلکی اور تازہ دم کرنے والی ہے۔''

ٹرے سامنے رکھی اور فاتح کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چینک کپ میں انڈیلی۔اس کی نظریں قہوے کی سنہری دھار پہ اٹھیں۔وہ گرتی دھار....وہ سنہرا رنگ....وہ اتنا مانوس سا کیوں لگتا تھا؟

''چائے لیجیے چیئرمین صاحب۔'' دوسروں کو بلند آواز میں 'چیئرمین صاحب' سنوا کے اس نے پرچ پیالی سامنے رکھی اور ٹرے اٹھائے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

سب ایک دم خاموش ہو گئے تھے۔معنی خیز نظروں کے تبادلے ہوئے۔اشعر نے سوچنے والے انداز میں باہر جاتی تالیہ کو دیکھا تھا۔اور

فاتح… اس نے خاموشی سے کپ اٹھایا اور دو گھونٹ بھرے۔ پھر تیسرا اور کپ خالی کر کے رکھا۔

"ویسے بات تو ٹھیک ہے۔ صوفیہ رحمٰن سے بڑی گولڈ ڈگر عورت اس ملک میں پیدا نہیں ہوئی۔ عثمان…. پریس کو باہر بلواؤ۔ میں جا کے ان کو دیکھتا ہوں۔" وہ کرسی دھکیلتا اٹھا اور شرٹ کے کف کے بٹن کھولنے لگا۔ چہرہ ایک دم پرسکون اور ہموار ہو گیا تھا۔

مشیران نے گھبرا کے اسے دیکھا۔ "مگر سر…. رکیں…."

"فاتح صاحب… معذرت کرنا بہتر…."

"مگر سر…. یوں جارحانہ انداز…." بہت سی آوازیں بلند ہوئیں۔

لیکن وہ کف موڑ کے آستینیں چڑھاتا' ابرو بھینچے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

☆☆=========☆☆

بی این کے آفس میں ایک ہال نما کمرہ پریس کانفرنس کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ سامنے کرسیوں کی قطاریں لگی تھیں اور اوپر پوڈیم پہ ڈائس رکھا تھا جس سے تین چار مائیک لگے تھے۔ کرسیوں پہ بیٹھے رپورٹرز اپنے قلم کاغذ اٹھائے دھڑا دھڑ لکھ رہے تھے۔ کوئی ریکارڈر پکڑے ریکارڈ کر رہا تھا۔ پیچھے قطار میں کیمرہ مین کیمرے اسٹینڈ پہ لگائے کھڑے تھے۔ ان کے چمکتے فلیش کی روشنیوں میں ڈائس کے پیچھے کھڑا فاتح اٹھی گردن کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"جی' بالکل میں نے صوفیہ رحمٰن کو گولڈ ڈگر کہا ہے۔" آستینیں اوپر چڑھائے دونوں ہاتھ ڈائس کے کناروں پہ جمائے' وہ صحافیوں کو دیکھتے ہوئے بڑے ٹھنڈے انداز میں شروع ہوا۔

"کیونکہ وہ ہیں گولڈ ڈگر۔ اور یہ میں نے ان کو بطور عورت نہیں کہا۔ صوفیہ رحمٰن کو عورت کارڈ کھیلنا چھوڑ کے اپنے اعمال کی ذمہ داری لینی پڑے گی۔ عورت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ کرپشن کرتے جاؤ اور کوئی آپ کو آپ کے اعمال کا احساس دلائے تو آپ نازک بننے کی اداکاری کرو اور عورت کارڈ کے پیچھے چھپ جاؤ؟"

الفاظ تیکھے اور آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ ماتھے پہ بل بھی پڑ رہے تھے۔

"کیا ہم اس دین سے تعلق نہیں رکھتے جہاں ہمارے نبی ﷺ نے امیر عورت فاطمہ کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا تھا کیونکہ اس نے چوری کی تھی؟ یہ بھی فرمایا کہ میری اپنی بیٹی فاطمہ بنتِ محمد بھی چوری کرتی تو میں یہی سزا دیتا۔ یہ mysogny نہیں ہوتی۔ یہ انصاف اور حق کی بات کہنا ہوتا ہے۔" تیوریاں چڑھائے وہ اٹھی گردن کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ "بالکل ٹھیک کہا ہے میں نے وزیرِ اعظم صاحبہ کو گولڈ ڈگر بلکہ ان کا شوہر بھی گولڈ ڈگر ہے۔ اور کون سا گولڈ ہے جس کی میں بات کر رہا ہوں؟ ہر ملک کے حصے کا سونا جو سرکاری خزانوں اور فیڈرل ریزرو بینک میں پڑا ہوتا ہے' جس کو یہ حکمران لوٹے جا رہے ہیں' وہ آپ کا سونا ہے۔ آپ کا خزانہ ہے۔ کیا ہم اتنے بے حس ہو گئے ہیں کہ ان حکمرانوں کو چوری کرنے دے رہے ہیں اور اگر کوئی ان کے بارے میں سچ بولے تو اس کو چپ کروا دیتے ہیں؟"

وہ ہموار آواز مگر جارحانہ انداز میں کہہ رہا تھا اور رپورٹرز ادھر ادھر لکھے جا رہے تھے۔

کیمروں کی قطار کے پیچھے کھڑے کیمرہ مین جہاں آنکھیں کیمروں کے سوراخوں پہ لگائے جھکے کھڑے تھے' وہاں ان کے پیچھے قدرے نیم اندھیرے میں تین چار افراد کھڑے تھے۔ تالیہ سب سے آگے تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' مسکرا کے اسے تقریر کرتے دیکھ رہی تھی.....

وہ جیا چائے خانے میں تھے اور وہ اونچے چبوترے پہ کھڑا ایسے ہی تقاریر کرتا تھا۔ شہزادی چغہ پہنے' ہڈ ماتھے پہ گرائے کونے میں بیٹھ کے سنا کرتی تھی۔ اب سب بدل گیا تھا مگر چائے کی خوشبو ویسی ہی تھی..... یا شاید محسوس ہوتی تھی.....

☆☆=========☆☆

راہداری کے دوسری طرف اشعر کے چھوٹے سے آفس میں اس وقت اشعر اور رملی کھڑے تھے۔ اشعر کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے نفی میں سر ہلاتا افسوس کا اظہار کر رہا تھا۔

''آبنگ تو سیاسی خودکشی کرنے چلے گئے ہیں۔ چے تالیہ کو کچھ زیادہ ہی سیریس لے لیا ہے انہوں نے۔ اور سنو....'' پھر کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھے اور ذرا جھک کے برہمی سے اسے دیکھا۔

''وہ آدمی جس نے تمہیں جیل سے فون کیا تھا' وہ واقعی تالیہ مراد کا شوہر ہے؟''

''سابقہ شوہر' سر!'' رملی جو فون پہ کچھ اسکرول کر رہا تھا' سر اٹھا کے بتانے لگا۔ ''اس کے مطابق یہ ایک عام گھرانے کی لڑکی تھی جو پاکستان سے یہاں شادی ہو کے آئی تھی مگر دونوں کی بن نہیں سکی اور یہاں آتے ساتھ ہی اس نے ناجائز طریقوں سے پیسے کمانے شروع کر دیے۔ علیحدگی کے بعد چند سالوں میں ہی وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ اس کا کہنا ہے کہ تالیہ مراد کوئی heiress نہیں ہے۔ صرف ایک فراڈ ہے۔''

''ہوں۔ صبح کاکا نے بھی ٹیکسٹ کر کے بتایا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ میں نے جواب نہیں دیا۔ مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ بظاہر بے نیازی سے شانے اچکا کے بولا تو رملی نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی مگر بولا کچھ نہیں۔

''خیر.... یہ ویڈیو لیک والا کام عثمان نے زبردست کیا ہے۔ وان فاتح پہ خوب کیچڑ اچھالا جا رہا ہے۔'' وہ خود کو مطمئن کرنے کے لئے بولا تو رملی کھنکھارا۔

''سر.... آپ نے سوشل میڈیا نہیں دیکھا کیا؟ وان فاتح کی پریس کانفرنس نے سب بدل دیا ہے۔'' وہ پست آواز میں بولا تو اشعر چونک کے سیدھا ہوا۔ کرسی کی پشت سے ہاتھ ہٹائے۔

''ڈونٹ ٹیل می۔''

''سر لوگوں نے گولڈ ڈگر پرائم منسٹر کو ٹوئیٹر پہ ٹرینڈ کرنا شروع کر دیا ہے۔ لوگ فاتح صاحب کے ہم آواز ہو کے وزیراعظم کو برا بھلا کہہ رہے ہیں اور فاتح صاحب کی جرات مندی کو سراہ رہے ہیں۔'' اشعر نے چند ایک ٹوئیٹس پڑھیں تو دل برا ہونے لگا۔

''عثمان کو بلاؤ۔'' اس کا موڈ ایک دم خراب ہوا۔ ''اس نے خواہ مخواہ اس ویڈیو کو....'' ابھی وہ کہہ ہی رہا تھا کہ دروازہ تیزی سے کھلا اور عثمان اندر داخل ہوا۔ اس کی رنگت اڑی ہوئی تھی۔

''سر..'' اس نے آتے ساتھ ہی اشعر کو بے تابی سے پکارتے دروازہ جلدی سے بند کیا۔ ''سارا پلان بیک فائر کر گیا ہے۔ لوگ فاتح صاحب کی تقریر کو سراہ رہے ہیں۔''

اشعر محمود نے ہاتھ مار کے کرسی کو پرے ہٹایا اور غصے سے اس کے قریب آیا۔ ''تمہیں ویڈیو لیک کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا۔ بغیر اسٹریٹجی بنائے تم نے....''

''میں نے؟'' عثمان نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''میں نے تو ویڈیو لیک نہیں کی۔ وہ بٹن کیمرہ تو پارٹی میں مجھ سے کھو گیا تھا۔ میں سمجھا آپ کے گھر گرا ہو گا تو آپ کو مل گیا ہو گا اور آپ نے ویڈیو لیک کی ہے۔''

اشعر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ ٹکر ٹکر ان دونوں کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''ہم نے تو نہیں لیک کی۔ ہم سمجھے یہ تمہارا کام ہے۔'' اس نے تعجب سے باری باری دونوں کو دیکھا جو اتنے ہی بے یقین نظر آ رہے تھے

۔

''رملی.... عثمان.... اگر ہم نے ویڈیو لیک نہیں کی تو کس نے کی ہے؟''

☆☆=========☆☆

بی این کے آفس میں اتوار کے باوجود آئے ورکرز اب پریس کانفرنس کے بعد اپنے حق میں بدلتے ماحول پہ خوش باش ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ فضا یکسر بدل گئی تھی۔ وان فاتح پریس روم سے نکلا تو لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو کے اسے مبارکباد دینے لگے تھے۔ وہ ان کے درمیان گھرا اب مسکراتا ہوا اپنے آفس جا رہا تھا البتہ نگاہیں ہجوم میں اس چہرے کو تلاش کر رہی تھیں جو وہاں موجود نہ تھا۔

تالیہ اس وقت کچن میں تھی۔ کافی میکر کے سامنے کھڑی وہ اپنی کافی کا پانی اندر ڈال رہی تھی۔ بنا کسی چاپ کے داتن پدوکا اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی تو تالیہ نے کافی میکر کو سیٹ کرتے ہوئے مصروف انداز میں پوچھا۔

''تمہیں آفس میں آتے ہوئے کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا''

''بالکل نہیں۔ آخر فاتح صاحب کی باڈی وومن میری دوست ہے۔'' کاؤنٹر سے ٹیک لگائے گھنگریالے بالوں اور سیاہ چشمے والی داتن نے کندھے اچکائے۔ وہ دونوں اس وقت وہاں تنہا تھیں۔

''تو تالیہ بی بی.... ذرا بتاؤ کہ ہم نے وہ ویڈیو کیوں لیک کی؟'' داتن نے سرگوشی کی۔

تالیہ نے کلک کی آواز کے ساتھ کافی میکر کو بند کیا اور صرف آنکھیں اٹھا کے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

''کیونکہ کے ایل میں جو وان فاتح سیاستدان بن کے رہتا ہے یہ وہ فاتح نہیں ہے جو اگر کسی قدیم زمانے میں غلام بنا لیا جائے تو ہر شے

سے بے خوف ہو کے لوگوں کے لئے لڑنے اٹھ کھڑا ہو گا۔ اس فاتح کے اوپر مصلحت پسندوں کا دباؤ ہے۔ اتنے ماہ سے وہ کھل کے کہہ بھی نہیں پا رہا تھا کہ وہ الیکشن لڑے گا یا نہیں کیونکہ وہ بیوی سے ڈرتا تھا۔ میں صرف اسے اس کے خوف اور ان ڈرپوک لوگوں کے تسلط سے آزاد کر رہی ہوں۔"

سرد مہری سے کہہ کے وہ کیبنٹ سے مگ نکالنے لگی۔ داتن نے گہری سانس لی۔

"لوگ اس کے خلاف صبح سے اتنا کچھ بول رہے تھے۔ تمہیں کیسے پتہ تھا کہ معاملات شام تک اس کے حق میں ہو جائیں گے۔"

"مجھے نہیں پتہ تھا۔ میں نے صرف ایک خطرہ مول لیا۔ اگر وہ واقعی سچا لیڈر ہے تو اسے خود اپنے آپ کو عوام سے جوڑنا پڑے گا۔ اس مسئلے کا حل اس نے خود نکالا ہے، میں نے نہیں۔"

بے نیازی سے کہہ کے اس نے مگ میں کافی انڈیلی۔ پھر جھکے چہرے پہ اداس مسکراہٹ بکھری۔ "جیسے ایک زمانے میں وہ نکالا کرتا تھا۔ ہو نہیں آتا ہے وہ ہماری جان بچائے گا۔ مجھے دھوکے دینے آتے ہیں، داتن۔ اور میں اسی صلاحیت کو درست کام کے لئے استعمال کر رہی ہوں۔" پھر دونوں ہاتھوں میں مگ پکڑے کاؤنٹر سے ٹیک لگائی اور گھونٹ بھرا۔ داتن نے ہلکا سا مسکرا کے اسے دیکھا۔ وہ ملاکہ سے سیدھی یہاں آ گئی تھی اور صبح سے آفس میں تھی۔

"میں نے Oppo ریسرچ شروع کر دی ہے۔" دفعتاً داتن اس کے قریب ہوئی اور سرگوشی کی۔ تالیہ نے چونک کے مگ نیچے کیا۔ احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا۔

"کچھ معلوم ہوا؟ آہستہ سے پوچھا۔

"ابھی اتنی جلدی کہاں؟ البتہ...." داتن مزید نزدیک کھسکی۔ "اس کی بیٹی آریانہ کا معاملہ مجھے مشکوک لگتا ہے۔ کچھ ہے جو وان فاتح چھپا رہا ہے۔" تالیہ کی پیشانی کی سلوٹیں سیدھی ہوئیں۔

"میں جانتی ہوں۔" اور گہری سانس بھری۔ "آریانہ کا راز وہ مجھے بتا چکے ہیں۔"

داتن نے اپنی موٹی موٹی آنکھوں میں خفگی بھرے اسے دیکھا۔ "تو تم مجھے ابھی بتا دو۔"

"پہلی بات، وہ راز ان کی امانت ہے۔ دوسری بات، تم اس کو اگر خود معلوم کر لو گی تو اس کا مطلب ہو گا کہ کوئی اور بھی اس کو ڈھونڈ سکتا ہے۔ اور تب ہمیں کاؤنٹر اسٹریٹجی بنانی ہو گی۔ فی الحال تم بس اس کو ڈھونڈو۔" اس نے داتن کا کندھا تھپکا اور مگ لئے آگے بڑھ گئی۔

"تالیہ...." داتن نے سوچتی نظروں سے اسے پکارا تو وہ گھونٹ بھرتی مڑی۔ "ہوں؟" ابرو اچکا کے استفسار کیا۔

"ملاکہ میں اس رات کیا ہوا تھا؟ کس چیز نے تمہیں ایک رات میں اتنا بدل دیا ہے؟" وہ جیسے ابھی تک اچنبھے میں تھی۔

شہزادی تاشہ بنتِ مراد راجہ چند لمحے اداس مسکراہٹ کے ساتھ لیانہ صابری کو دیکھتی رہی۔ پھر کندھے اچکا دیے۔

"میں نے ان سے ساتھ رہنے کا وعدہ کر لیا تھا، اور مجھے وعدے نبھانے نہیں آتے تھے مگر اب سیکھ رہی ہوں۔" اور پھر آگے بڑھ گئی۔

تالیہ واقعی بدلتی جارہی تھی۔ یہ شانِ بے نیازی یہ تمکنت پہلے اس کے وجود کا حصہ نہیں تھی' مگر یہ اندر تک اترتی اداسی .... یہ داتن کا دل کاٹ دینے والی اداسی بھی اس کی آنکھوں میں پہلے نہیں ہوا کرتی تھی۔ آخر ایسا کیا ہوا تھا جو وہ اتنی بدل گئی تھی؟

مگر خیر.... بن باؤ کے گھر اس رات تالیہ بمشکل ایک گھڑی رکنے کے بعد ایڈم کے ساتھ باہر آتی دکھائی دی تھی۔ محض ایک گھڑی میں کتنا کچھ ہوسکتا ہے؟ داتن نے سارے واہموں کو سر سے جھٹک دیا اور کیبنٹ کی طرف مڑ گئی۔

ذرا میں بھی تو دیکھوں کہ عوام کا پیسہ چوس چوس جانے والی سیاسی پارٹی کے دفتر میں کھانے کے لئے کیا کیا پڑا ہے۔ وہ اب چمکتی آنکھوں سے ایک کے بعد ایک کیبنٹ کھول رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

وہ شام گہری ہو کے رات میں بدل گئی تھی۔ سارے دن کا منظر نامہ اس پریس کانفرنس کے بعد جہاں بدلا' وہاں کانفرنس روم میں وان فاتح سے ملنے کے لئے آنے والوں کا رش لگ گیا۔ شہر کے مختلف حصوں سے پارٹی ورکرز آرہے تھے اور اس کی جرات مندانہ قدم کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کررہے تھے۔ وہ کانفرنس روم میں لوگوں کے رش کے درمیان بیٹھا تھا۔

آستینیں ابھی تک پیچھے موڑے' ٹائی ڈھیلی کیے' وہ ہنستے ہوئے خوش باش انداز میں ان سے باتیں کررہا تھا۔ ہر آنے والا صوفیہ رحمٰن' اس کے شوہر اور والد کی شان میں نئے کلمات کا اضافہ کرتا' اپنے غصے کا اظہار کرتا' فاتح سے ہاتھ ملاتا اور اگلے ملاقاتی کو جگہ دیتا۔ وہ کرسی پہ ٹیک لگائے' بھرے ہوئے کمرے میں موجود مسکرا مسکرا کے لوگوں کی باتوں کا جواب دے رہا تھا۔ البتہ نگاہیں اٹھا کے بار بار دروازے کو دیکھتا۔ اتنے سارے مجمعے میں وہ کہیں بھی نہیں تھی۔ پتہ نہیں کہاں تھی۔

عثان سب ملاقاتیوں کے درمیان معاملات کو ترتیب دیتا اچھا خاصا کھپ چکا تھا۔ اس نے دوپہر سے کافی تک نہیں پی تھی اس لئے درمیان میں اپنی جگہ کسی اور کو کھڑا کر کے وہ باہر چلا آیا۔ آفس کی لفٹ میں سوار ہو کے وہ نیچے مال تک آیا اور کافی شاپ سے جا کے کافی خریدی۔ فی الحال خود میں کافی بنانے کی ہمت نہیں تھی۔

سینڈوچ کھاتا' کافی دوسرے ہاتھ میں پکڑے وہ واپس باہر آیا تو لفٹ کے دروازے کھلتے ہی سامنے ریسپشن پہ بیٹھی پارٹی ورکر نے اسے دیکھ کے مسکرا کے ہاتھ ہلایا۔

''تم نے بتایا ہی نہیں عثان!'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کے خوشگوار حیرت سے بولی۔ وہ حیران سا قریب آیا۔

''کیا؟''

''کہ تمہارے ہاں بیٹا ہوا ہے۔ مبارک ہو۔''

عثان چند لمحے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''میری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔ یہ کس نے کہا ہے؟''

''اوہ۔ میں نے سنا ہے ابھی آفس میں۔'' وہ حیران سی وضاحت دینے لگی تھی۔

لاؤنج میں وہ کافی کا گلاس لئے آ کے بیٹھا ہی تھا کہ دو کولیگز اس کے قریب آ رکے۔

''مبارک ہو عثمان۔ اللہ تمہیں بیٹا مبارک کرے۔''

وہ گردن اٹھا کے بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگا۔ ''یار میری شادی بھی نہیں ہوئی ابھی۔''

''عثمان.....بہت مبارک ہو۔ مٹھائی کہاں ہے؟'' باتھ رومز کی طرف جاتے ہوئے ایک سینئر سیاستدان نے اسے روک کے کہا تو اس نے ضبط سے گہری سانس لی۔

''سر کسی دوسرے عثمان کا بیٹا ہوا ہوگا' میرے ہاں ایسی کوئی خوشخبری نہیں ہے۔''

کافی ختم کر کے' سینڈوچ کی کلنگ فلم ردی کی ٹوکری میں ڈال کے' وہ ہاتھ دھو کے نکلا اور کانفرنس روم کی طرف جانے لگا تو راستے میں وان فاتح کے آفس کا کھلا دروازہ نظر آیا۔ آفس خالی تھا صرف تالیہ اندر کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کے مسکرا کے ہاتھ ہلایا۔ عثمان چکرا کے رہ گیا۔ پھر تیزی سے چوکھٹ تک آیا اور بے چارگی سے پھٹ پڑا۔

''پلیز مجھے مبارکباد مت دیجیے گا' چے تالیہ۔ میرے ہاں کوئی بیٹا نہیں ہوا۔ یہ خبر غلط ہے۔'' بے بسی سے اطلاع دے کر وہ مڑنے لگا جب تالیہ کی آواز آئی۔

''خبر غلط ہو تو بھی کتنی جلدی پھیلتی ہے نا عثمان؟''

واپس مڑتے عثمان کے قدم زنجیر ہوئے۔ یہ ٹھنڈی' بے رحم آواز تالیہ کی تھی مگر انداز.....وہ اس انداز سے ناآشنا تھا۔ دھیرے سے وہ ایڑیوں پہ واپس گھوما۔

فاتح کی میز کے کنارے پہ وہ بیٹھی تھی۔ پھولدار رومال گردن میں باندھے' اونچی سنہری پونی والی تالیہ مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔ فضا میں کچھ ایسا تھا جو غلط تھا۔

''جی؟'' عثمان نے پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔ پھر ہاتھ پیچھے کر کے دروازہ بند کیا۔ ایک دم سارے آفس کا شور اور ہنگاموں کی آوازیں آنا رک گئیں۔

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ اب وہاں صرف وہ دونوں موجود تھے۔

''صرف ایک شخص کو کہا میں نے کہ عثمان کا بیٹا ہوا ہے اور کسی نے وضاحت نہیں مانگی۔ یقین کر لیا۔ کارپوریٹ ورلڈ میں خبریں کتنی جلدی پھیل جاتی ہیں عثمان۔''

عثمان نے کنکھیوں سے کھڑکیوں کو دیکھا۔ بلائنڈز بند تھے۔ فاتح ان کو کھول کے رکھتا تھا۔ وہ تالیہ نے بند کیے تھے۔ وہ اس ملاقات کے لئے کمرے کو تیار کر چکی تھی۔

''چے تالیہ.....میں سمجھا نہیں۔'' اسے غور سے دیکھتے احتیاط سے الفاظ ادا کیے۔

''وان فاتح سمجھتے ہیں کہ جو آدمی اتنا عرصہ ساتھ کام کرے اس کو نکالنا نہیں چاہیے۔لیکن میں یہ سمجھتی ہوں کہ اگر اسے نکال بھی دو اور وہ جا کے کسی کو اپنے باس کا راز بتا بھی دے تو اسے Wistle blower کہا جائے گا۔آج اگر میں ایک آفس میں سرگوشی میں بھی کہوں کہ .....(اپنے ہونٹوں کے گرد ہاتھوں کا پیالہ بنا کے سرگوشی میں بولی) عثمان وسل بلوور ہے (باس کا راز کھولنے والا) تو تم دیکھنا (ہاتھ واپس نیچے گرا دیے اور آواز بلند کرلی) کہ تمہیں سارے شہر میں کوئی جاب نہیں دے گا۔خبر بہت جلدی پھیلتی ہے یہاں عثمان۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا۔''اس کے ماتھے پہ بل پڑے اور جبڑا بھینچ گیا۔

''ہم دونوں جانتے ہیں کہ یہ ویڈیو تم نے بنائی تھی۔''وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے تنفر سے بولی۔''تم اشعر کے لئے کام کرتے ہو۔تم اشعر کے آفس بھی جاتے ہو۔اور یو نو واٹ'فاتح صاحب کو سب معلوم ہے مگر ویڈیو والی بات ان کو نہیں معلوم۔''

''اول تو میں نے کچھ کیا ہی نہیں لیکن اگر آپ فاتح صاحب کو بتائیں گی بھی سہی تو کیا ثبوت دیں گی'ہاں؟''وہ چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ کے بولا۔

میز کے کونے پہ بیٹھی تالیہ اٹھی اور مسکرا کے قدم بقدم چلتی اس کے مقابل آ رکی۔''تم نے ہی کہا تھا کہ ایسے معاملے ہمیں خود ہینڈل کرنے چاہئیں'فاتح صاحب کو درمیان میں نہیں لانا چاہیے۔تو ٹھیک ہے۔نہیں لاتے۔''اس نے نظریں عثمان پہ جمائے بازو پیچھے کیا اور میز پہ رکھا تہہ شدہ کاغذ اٹھا کے سامنے کیا۔

''یہ تمہارا استعفیٰ ہے عثمان۔اس میں لکھا ہے کہ تم زیادہ اچھی جاب کی تلاش میں بہت افسوس سے یہ جاب چھوڑ رہے ہو۔اسے سائن کر دو۔''

عثمان کی آنکھوں میں سرخی اترنے لگی۔وہ اسے گھورتے ہوئے غرایا۔''اور اگر میں ایسا نہ کروں تو؟''

''تو میں سرگوشی کروں گی کہ تم وسل بلوور ہو اور بٹن کیمرہ کوٹ پہ لگائے تمہاری پارٹی کی تصاویر لیک کر دوں گی۔اللہ تو انکو کی قسم تمہیں سارے شہر میں کوئی اپنا سیکرٹری نہیں رکھے گا۔یہ تو طے ہے کہ اس آفس میں آج تمہاری آخری شام ہے۔''وہ کاغذ بڑھائے چبا چبا کے کہہ رہی تھی۔''اب تمہارے پاس دو راستے ہیں۔عزت سے استعفیٰ دے دو تو میں تمہیں وان فاتح سے ریکمنڈیشن لیٹر لکھوا دوں گی اور تمہیں اچھی جگہ مل جائے گی۔یا پھر واقعی میں وسل بلوور بن جاؤ اور فاتح صاحب کے دشمنوں کے پاس جا کے ان کے راز اگلنے لگو۔سولہ گھنٹے ان کے ساتھ گزارنے پہ ان کی کئی کمزوریوں سے واقف ہو گے۔یوں چار پیسے تو کما لو گے مگر سارے شہر کی سیاسی کمیونٹی میں بدنام ہو جاؤ گے۔فیصلہ تمہارا ہے۔''

''اور اگر میں آپ کے بارے میں سرگوشی کر دوں کہ ویڈیو آپ نے بنائی ہے'تب؟''

تالیہ نے مسکرا کے شانے اچکائے۔''تو کر دو۔تالیہ مراد تو کسی سے نہیں ڈرتی نہ میں کوئی سیکرٹری ہوں جس کی روزی عدوتی سیاسی پارٹیوں سے لگی بندھی ہے۔میں تو پہلے ہی صاحب ثروت ہوں۔مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اور وان فاتح....وہ کس کے وسل بلوور ہونے کا

یقین کریں گے تم خوب جانتے ہو۔"

عثمان نے ایک خشمگیں نگاہ اس کے بڑھے ہاتھ میں پکڑے کاغذ پہ ڈالی اور پھر جھپٹ کے کاغذ کھینچا' اسے کھولا اور اوپر لے جا کے سطور پڑھیں۔اس کے اندر با ہر کڑواہٹ گھلتی جا رہی تھی۔

پھر وہ میز تک جھکا۔ کاغذ کو میز کی سطح پہ رکھا اور قلم کھینچ نکالا۔ پھر جھک کے اس پہ دستخط گھسیٹے اور تالیہ کی طرف مڑا۔ وہ اب اس کی طرف گھوم چکی تھی۔

"ایک ماہ کا بونس اور جاب ریکمنڈیشن لیٹر۔ مجھے دونوں چاہئیں۔"

"ڈیل۔" وہ مسکرا دی۔

"اور ایک بات میں آپ کو بتا دوں' چے تالیہ۔" اس نے استعفیٰ زور سے اس کے ہاتھ میں تھمایا اور چبا چبا کے بولا۔" آپ وان فاتح کی کنگ میکر بنتی جا رہی ہیں اور آج تو سب نے آپ کو نوٹس کر لیا۔ سیاسی پارٹی میں نوٹس میں آ جانا بڑی خطرناک بات ہوتی ہے' چے تالیہ۔ راسپوٹین بننا آسان نہیں ہے۔ مجھے وہ وقت دور نہیں نظر آ رہا جب اتنی تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے آپ کو معلوم ہو گا کہ باریسن نیشنل دراصل سانپ سیڑھی کا کھیل ہے۔ طاقت کی ہوس میں ایک غلط قدم آپ کو بری طرح نیچے پٹخ دے گا۔"

"میں تمہاری طرح نہیں ہوں' عثمان۔" اس کی مسکراتی سرد آنکھیں عثمان پہ جمی تھیں۔ وہ طنزاً مسکرایا۔

"شروع شروع میں سب یہی کہتے ہیں۔ مگر آپ ایک دن میری جگہ پہ کھڑی ہوں گی۔ مارک مائی ورڈز!" اسے گھورتے ہوئے مڑ گیا۔

تالیہ کے چہرے پہ سایہ سا گزرا مگر پھر وہ زخمی انداز میں مسکرا دی۔" دیکھتے ہیں۔" باہر نکلتے عثمان کو پکارا تو وہ سر جھلا کے نکلتا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اشعر کے آفس میں بیٹھا بے بسی بھرے غصے سے روئیداد سنا رہا تھا۔ اشعر کنٹرول کرسی پہ بیٹھا مسکرا کے سن رہا تھا۔ پھر ستائشی انداز میں ابرو اچکائے۔

"چے تالیہ میری امید سے زیادہ guts والی ہیں۔ انٹرسٹنگ۔" پھر مسکرا کے آگے ہوا اور تسلی دینے والے انداز میں کہا۔" تم فکر نہ کرو' میں بھی تمہیں ریکمنڈیشن لیٹر لکھ دوں گا۔ یہ ایک باعزت ایگزٹ ہو گی تمہارے لئے۔"

"میرے لئے ویسے بھی اب یہاں کام مشکل ہو گیا تھا۔" وہ برہمی اور مایوسی کے ملے جلے تاثرات سے کہہ رہا تھا۔

"مگر عثمان.... ایک بات سچ ہے۔ تم یہاں سے جا کر آبنگ کے خلاف کسی سے ایک لفظ نہیں کہو گے۔ تالیہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اگر تم وسل بلور بن گئے تو تمہیں دوبارہ کوئی نوکری نہیں دے گا۔" سنجیدگی سے تنبیہہ کی تو عثمان نے فوراً سر ہلایا۔

"آف کورس' سر۔ میرا دماغ خراب ہے جو ان سے ریکمنڈیشن لیٹر لکھوا کے یوں کروں گا؟" عثمان نے جھرجھری لی تھی۔ اس کا موڈ بے حد خراب تھا مگر وہ اپنی حدود پہچانتا تھا۔

☆☆=========☆☆

جدید ملاکہ کے اس ہوٹل کی لابی میں معمول کی چہل پہل تھی۔ ایسے میں ایڈم ایک دفعہ پھر ہوٹل میں داخل ہو رہا تھا۔ صبح کے برعکس اس وقت وہ نروس دکھائی دیتا تھا۔ اس نے سوٹ پہن رکھا تھا جو ادھار مانگا لگتا تھا۔ اور بار بار ٹائی درست کرتا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

لابی عبور کر کے وہ اندازے سے اس طرف آیا جہاں ہوٹل کے باتھ رومز بنے تھے۔ ایک باتھ روم میں جلدی سے گھسا اور دروازہ بند کیا۔ پھر اندر آ کے آئینے کے سامنے کھڑا ہوا اور کوٹ اتار' پھر سیاہ ٹائی اتار دی اور جیب سے سیاہ پٹی نکال کے کالر پہ Bow بنا کے گرہ باندھی۔ سفید شرٹ' سیاہ پینٹ اور سیاہ بو' کے باعث اب وہ ایک دم سے ویٹر لگنے لگا تھا۔ نیم پلیٹ بھی لگالی تھی۔

پھر اس نے دو تہہ شدہ تولیے اٹھائے اور سر جھکا کے باہر نکلا۔ پھر یونہی ویٹرز کی طرح چلتا سرنیہوڑائے آگے گیا۔ ایک موڑ مڑا تو سامنے سروس رومز تھے۔ سنجیدہ شکل بنائے اندر داخل ہوا وہاں چند بیرے اور یونیفارم والی ملازمائیں کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ایک ریک کے سامنے کھڑا ہو گیا اور بظاہر تولیے اور صابن درست کرنے لگا۔

کمرے میں دوسرے لوگ بھی تھے' اور یوں لگتا تھا کہ کوئی مسلسل اسے دیکھ رہا ہے۔ ایک دو دفعہ ڈر کے دیکھا بھی سہی مگر سب اپنے کام میں مگن تھے۔ یہ شفٹ کے بدلنے کا وقت تھا اور ویٹرز اپنے لاکر سے سامان نکال کے گھر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ ایڈم کے ہاتھ کپکپانے لگے۔ کہیں کوئی پکڑ نہ لے۔ پھر جلدی سے ایک اسٹاف باتھ روم کی طرف آیا اور دروازہ بند کر کے تالیہ کو کال ملائی۔

وہ اس وقت آفس کے ایگزیکٹو کچن میں کھڑی برنر پہ ساس پین میں پانی ابلتے دیکھ رہی تھی۔ چائے کے پتے ساتھ رکھے تھے۔ فون بجا تو اس نے موبائل کان سے لگایا۔

''ہاں شیر لاک.... کہاں پہنچی تمہاری تفتیش؟'' محظوظ انداز میں پوچھا۔ خلافِ توقع اس نے برا نہیں منایا۔ پریشان لگتا تھا۔

''جی تالیہ۔ میں بھیس بدل کے ایک کمرے میں موجود ہوں اور مجھے لگ رہا ہے کہ کوئی مجھے مسلسل دیکھ رہا ہے۔''

''ریلیکس ایڈم۔ کوئی نہیں دیکھ رہا تمہیں۔''

''اف میری جان نکل رہی ہے۔ اگر کوئی میرے سر پہ آ گیا اور کچھ پوچھنے لگا تو میں کیا کروں گا؟ آپ کی بری صحبت کا اثر ہے جو میں بھی لوگوں کو Con کرنے لگ گیا ہوں۔''

''کسی کو Con کرنے کا سارا آرٹ اسی لفظ Con میں چھپا ہے۔ Con یعنی کانفیڈنس' ایڈم۔ تم جتنے اعتماد سے کردار نبھاؤ گے اتنے کامیاب ہو گے۔''

وہ اب پتے اندر جھونک رہی تھی۔ قدموں کی چاپ سنائی دی تو بالکل نہیں مڑی۔ جانتی تھی پیچھے کون ہے جس کو چائے کی طلب ہو رہی ہے۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ کون مجھے دیکھ رہا ہے؟''

''اگر تمہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ مجمع میں سے کون تمہیں دیکھ رہا ہے تو جمائی لو۔''

''ہیں؟'' وہ حیران ہوا۔

''جمائی contagious ہوتی ہے۔ کسی کو لیتے دیکھ کے ہمیں بھی آنے لگتی ہے۔ تمہیں دیکھنے والے کو دور سے بھی تمہیں جمائی لیتے دیکھ کے جمائی آئے گی۔ اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون تمہیں گھور رہا ہے۔''

فون رکھ کے گردن موڑی تو فاتح چوکھٹ سے ٹیک لگائے' سینے پہ بازو لپیٹے مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''جمائی؟ سیریسلی؟''

''یو سی.... میں کچھ لوگوں کی ٹیچر بھی ہوں۔'' مسکرا کے شانے اچکائے اور واپس چائے کی طرف پلٹ گئی۔ اس نے بازو نیچے کیے اور قدم قدم چلتا قریب آیا۔

''تھینک یو.... اس تقریر کے لئے.... اس نے بہت مدد کی۔'' وہ صاف گوئی سے کہہ رہا تھا۔ ''مگر تم سیلبریشن گیدرنگ میں موجود نہیں تھیں۔''

''مجھے دوسرے اہم کام کرنے تھے' چیئرمین۔'' اس نے ساس پین اٹھایا اور ساتھ ہی مگ پہ چھلنی رکھی۔ ''عثمان نے استعفیٰ دے دیا ہے۔ اس کو بہتر جاب مل گئی ہے۔''

''تو میرا شک درست تھا۔ مجھے یقین تھا یہ ویڈیو عثمان نے لیک کی ہے۔'' وہ سنجیدہ ہوا تو تالیہ نے چائے کپ میں انڈیلتے شانے اچکائے۔

''مجھے نہیں معلوم' چیئرمین۔ وہ عزت سے استعفیٰ دے رہا ہے' ہمیں بھی باوقار طریقے سے خاموش رہنا چاہیے۔''

''تم نے مجھے اپنی ڈائیورس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟'' اس نے جواب میں ایک دم اتنی غیر متوقع بات کہی کہ چائے کی دھار مگ میں انڈیلتی تالیہ کے ہاتھ سست ہوئے۔ پر دوسرے ہاتھ کو اوپر اٹھا کے سرخ آنسو والی انگوٹھی دکھائی۔

''میری دوسری شادی ابھی قائم ہے' سر۔''

''اوہ گڈ۔'' اس کی جیسی تشفی ہوئی۔ ''تو وہ سیکنڈ ہزبینڈ ہے جو سفر پہ گیا ہے اور وہاں سے چاکلیٹس بھیجتا ہے۔ کول!'' اس نے جیسے تبصرہ کیا۔ گرم قہوہ ذرا سا چھلکا مگر وہ سنبھل گئی۔ سیدھی ہوئی اور چہرے پہ جبری مسکراہٹ سجائے کپ اس کی طرف بڑھایا۔

''تھینک یو۔ مجھے اس کا ذائقہ بہت پسند ہے۔ کیسے بناتی ہو تم یہ؟'' وہ مگ تھامے ستائش سے کہہ رہا تھا۔ وہ لمحے بھر کو اس کی آنکھوں میں دیکھ کے رہ گئی۔ ''چھوڑیں' سر۔ چائے بنانا آپ کا کام نہیں ہے۔''

''ہاں' میرے پاس اس سے بڑے کام ہیں۔''

''اور وہ بڑے کام بھی ہو جائیں گے' سر۔ فنڈز مل جائیں گے۔''

فاتح نے جواب نہیں دیا۔ بس مگ تھامے پلٹ گیا تو وہ پیچھے سے بولی۔ ''ہو سکتا ہے آپ کے اپنے گھر میں ایک خزانہ موجود ہو جو ک

کیمپئین فنڈز کے لئے کافی ہو۔ اگر میں وہ خزانہ آپ کو لادوں تو آپ کو اپنی ڈیل یاد ہے نا' سر؟'' وہ اچنبھے سے پلٹا۔

''سن باؤ والے گھر میں؟''

''آپ کے گھر میں سر!'' اس نے مسکرا کے دہرایا اور پرس اٹھاتی ساتھ سے گزر کے باہر نکل گئی۔

وہ راہداری میں آگے بڑھ رہی تھی کہ اشعر کے آفس سے نکلتے ایک آدمی کو دیکھ کے رکی۔ وہ سوٹ میں ملبوس باوقار سا آدمی فائل اٹھائے نکل رہا تھا۔ تالیہ ٹھہر گئی۔ یک ٹک اس کو دیکھنے لگی۔ ابھی چند روز قبل تو اس نے اس آدمی کو خواب میں دیکھا تھا۔ وہ اپنے آفس میں کھڑا شیشے کی دیوار سے نظر آ رہا تھا اور تالیہ راہداری کی شیشے کی دیوار پہ زرد پوسٹرز چسپاں کر رہی تھی۔ جھماکے کی طرح اسے یہ منظر یاد آیا۔

وہ آدمی اشعر سے آخری بات کہہ کے باہر نکلا تو تالیہ کو وہاں کھڑے دیکھا۔ ذرا سا مسکرایا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ گردن موڑ کے اسے دیکھتی چوکھٹ تک چلی آئی۔ اشعر جو کرسی پہ ٹیک لگائے تنہا سا بیٹھا تھا' سیدھا ہوا۔

''ہے تالیہ۔''

''یہ... کون صاحب تھے؟''

''یہ ادیب بن سوتہیں۔ معروف سیاستدان۔ کچھ دن پہلے امریکہ گئے تھے۔ آج ہی واپس آئے ہیں۔ اب یہ آپ کو اکثر یہاں نظر آئیں گے۔'' اشعر مسکرا کے بتا رہا تھا۔ وہ 'ہوں' کر کے سوچتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اشعر بے اختیار جگہ سے اٹھ گیا۔

''آپ نے کبھی بتایا نہیں اپنی شادی کا... اور اپنی ڈائیورس کا۔'' شائستگی سے پوچھا تو وہ ہلکا سا مسکرائی۔

''آپ نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔'' وہ میز کے دوسرے سرے پہ اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ سے بیگ کا اسٹریپ تھام رکھا تھا۔ کمرے میں آکورڈ سی خاموشی ہو گئی۔

''ویل... آپ گھر جا رہی ہیں؟''

''تھوڑی دیر تک۔ بس ڈسپنسر کی طرف جا رہی تھی پانی پینے تو ان صاحب کو دیکھ کے رکی۔''

''میرے آفس کا پانی زیادہ صاف ہے۔'' وہ مسکرا کے کہتا میز کے پیچھے سے نکلا اور سائیڈ ٹیبل تک آیا۔ ٹھنڈی بوتل فریج سے نکالی اور واپس آ کے اسے تھمائی۔

''شکریہ اشعر صاحب۔'' اس نے مسکرا کے بوتل پرس میں رکھی۔ اور مڑنے لگی تو وہ جلدی سے بول اٹھا۔

''اگر آپ نے کھانا نہیں کھایا تو ہم ساتھ ڈنر کر سکتے ہیں۔ اصل میں کارنر پہ ایک بہت اچھا نیا ریستوران کھلا ہے اور میں نے ان کا کھانا ابھی ٹرائی نہیں کیا۔ سوچ رہا تھا کہ آپ کا ٹیسٹ....''

''میں نو بجے وہاں پہنچ جاؤں گی۔ لوکیشن ٹیکسٹ کر دیجئے گا۔'' وہ بات کاٹ کے بولی تو اشعر گنگ رہ گیا۔ اسے تالیہ سے اتنی جلدی ہامی بھرنے کی امید نہ تھی۔

وہ جس طرح آئی تھی' ویسے ہی چلی گئی۔اور وہ خوشگوار حیرتوں میں گھرا رہ گیا۔

☆☆=========☆☆

ہوٹل کے اسٹاف روم میں ایڈم مسلسل جمائی لیتا ٹرالی پہ چیزیں جوڑ رہا تھا۔ کنکھیوں سے وہ اطراف کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ جب اپنے اپنے کاموں میں لگے تھے۔کوئی بھی جمائی نہیں لے رہا تھا۔ بے تالیہ کو تو اللہ پوچھے۔

وہ ٹرالی دھکیلتا باہر نکلا ہی تھا کہ پیچھے سے گرج دار آواز آئی۔

''اسے سنو....تم کون ہو؟''

ایڈم نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔(میں قدیم ملاکہ کے محلات میں سلطان بندا ہارا شہزادی' ملکہ وغیرہ کے ساتھ چہل قدمی کرنے کا شرف حاصل کر چکا ہوں۔اور تو اور میں وقت میں بھی سفر کر چکا ہوں اور وہ بھی اسپلی میں کیونکہ میری گردن پہ نہ مہر بنی نہ میری یادداشت کھوئی۔تو تم کیا چیز ہو' ہونہہ)

اور پھر پورے اعتماد سے مڑا۔سامنے فرنچ کٹ والا ہیڈ ویٹر کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

''سر میری نائٹ شفٹ ہے آج۔اور میں کب سے آپ کو ڈھونڈ رہا ہوں۔آپ کو مینیجر صاحب اپنے آفس میں بلا رہے ہیں۔وہاں ہنگامہ ہوا کھڑا ہے۔آپ کے گھر سے کوئی خاتون بھی ہیں وہاں اور....'' راز داری سے آواز آہستہ کی۔''کسی ویٹرس کو بھی پیش ہونے کا حکم دیا ہے انہوں نے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ تعجب مگر ہلکی سی پریشانی سے بولا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ایڈم نے گہری سانس لی اور جلدی سے ٹرالی دھکیلتا آگے بڑھ گیا۔

اسے عمر سے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ ہیڈ ویٹر شادی شدہ لگتا ہے اور پھر بیویاں تو سب کی شکی ہوتی ہیں۔تیر نشانے پہ لگا یا نہیں' اس کی خلاصی ہو گئی تھی۔

وہ پانچویں منزل پہ آیا جہاں اس کمرے کا بند دروازہ تھا جس کے اندر کیمرہ لگا تھا۔ٹرالی اس نے ایک طرف رکھی۔ماتھے پہ پی کیپ جمائی اور خاموشی سے آگے بڑھ کے فائر الارم بجا دیا۔پھر جلدی سے اوٹ میں ہو گیا۔

الارم زور زور سے چنگھاڑنے لگا۔چند لمحوں میں یکے بعد دیگرے دروازے کھلے اور لوگ باہر بھاگنے لگے۔ایڈم اوٹ سے دیکھنے لگا۔ دفعتاً مطلوبہ کمرے کا دروازہ بھی کھلا اور ایک نوجوان تیزی سے باہر آیا۔ڈریس شرٹ اور پینٹ میں ملبوس وہ خوش شکل اور مہذب سا لمبے نوجوان تھا۔دوسرے مہمانوں کے ساتھ وہ بھی فائر ایگزٹ کی طرف بھاگا۔

اس کے جاتے ہی ایڈم تیزی سے اندر داخل ہوا اور دروازہ بند کیا۔اس کے ہاتھ پھر سے کپکپانے لگے تھے۔جلدی سے گلدان تک آیا

اور اسے ایک طرف کیا۔ بلب میں لگے کیمرے کو فکس کیا تاکہ اب منظر درست نظر آئے۔ گڈ۔ پھر مڑا اور ادھر ادھر دیکھا۔ میز پہ چند کاغذات رکھے تھے۔ اس نے جلدی جلدی ان کو کھنگالا۔ وہاں کچھ خاص نہ تھا۔ وہ آدمی اپنا والٹ وغیرہ ساتھ لے گیا تھا۔ بریف کیس بھی لاکڈ تھا اور لیپ ٹاپ کو وہ اتنے کم وقت میں کھولنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کیا کرے؟

پھر ایک دم وہ گھوما۔ وہ فلاور بکے جو ہوٹل کے مہمانوں کے استقبال میں کمرے میں پہنچایا جاتا تھا وہ سامنے میز پہ رکھا سوکھ رہا تھا۔ ایڈم نے جھپٹ کے اس پہ رکھا کارڈ اٹھایا۔

''ہم مسٹر فہمی بن سلام کو خوش آمدید کہتے ہیں۔'' وہاں اس آدمی کا نام لکھا تھا۔ اس نے مسکرا کے نام ازبر کیا اور کارڈ واپس رکھ کے تیزی سے باہر نکلا۔ لوگ ابھی تک راہداری میں بھاگتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ پی کیپ سر پہ ترچھی کیے رش کے درمیان گم ہو گیا۔

☆☆=========☆☆

وہ ریستوران سمندری غذا کھانے والوں کے لئے خاص بنایا گیا تھا، اندر سرخ مدھم سی روشنیاں بکھری تھیں اور ماحول کو خوابناک اور پر اسرار سا بنا رہی تھیں۔ فضا میں مچھلی اور تلے ہوئے جھینگوں کی خوشبو پھیلی تھی۔ بالائی منزل پہ شیشے کی دیوار کے ساتھ والی کرسی پہ اشعر محمود منتظر سا بیٹھا بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ ادھر سوئی نو اور بارہ پہ آئی' ادھر سامنے گلاس ڈور دھکیلتی تالیہ اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ اس نے آتے ساتھ ہی گردن دائیں بائیں گھمائی۔ وہ اسی فراک' پھولدار رومال اور اونچی پونی والے حلیے میں تھی۔ سیاہ بڑا سا پرس بھی کہنی پہ تھا۔ اشعر پہ نظر پڑی تو ہلکا سا مسکرائی اور سیدھ میں چلتی آئی۔

وہ مسکرا کے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے لئے کرسی کھینچی۔ تالیہ نے نشست سنبھالی' پرس قدموں میں رکھا اور کہنیاں میز پہ رکھ کے بڑی فراغت سے اشعر کو دیکھا جو اب سامنے بیٹھ رہا تھا۔

دونوں کے درمیان کانچ کی صراحی میں رکھا ایک تازہ سرخ گلاب حائل تھا۔ سرخ مدھم روشنیوں سے مزین ہال کے کونے میں وہ شیشے کی دیوار کے ساتھ میز کے دونوں اطراف اب بیٹھ چکے تھے۔

''آج آپ کے بارے میں بات کریں گے' تالیہ۔'' وہ مسکرا کے گویا ہوا۔ ''سو آپ کا ایکس ہزبینڈ کیا کرتا تھا۔''

ہتھیلی پہ تھوڑی گرائے تالیہ نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ ''آپ دونوں نے تھائی لینڈ میں ایک ایکسپورٹ پراجیکٹ ساتھ کیا تھا اور اس سے پہلے آپ اس سے سنگاپور کے سفر کے دوران ٹرین میں ملے تھے۔''

اشعر حیرت زدہ رہ گیا۔ ''آپ کے ایکس ہزبینڈ کو؟''

''نہیں اشعر صاحب۔ میں اس آدمی کی بات کر رہی ہوں جو گھائل غزال کی بولی لگا کے مسز عصرہ کو بدنام کرنے جا رہا تھا۔ جعفر صاحب' اس آدمی اور آپ کا کنکشن ڈھونڈ لیا ہے میں نے۔''

اشعر کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ وہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھتا ذرا پیچھے ہوا۔ ''تالیہ میں سمجھا نہیں۔''

''اور اگر میں یہ ڈھونڈ سکتی ہوں تو یہ بھی جانتی ہوں کہ وان فاتح کو فنڈز کی کمی کا شکار کرنے اور سن باؤ کا گھر بیچنے پہ مجبور کرنے والے بھی آپ ہیں۔ ان کی دکانوں میں آگ بھی آپ نے لگوائی تھی اور شیئرز کو ڈبونے میں بھی آپ کا ہاتھ تھا۔ ہمارا یہ ڈنر میرے بارے میں نہیں' آپ کے بارے میں بات کرنے کے لئے ہے' ایش!'' ہتھیلی پہ چہرہ گرائے پلکیں جھپکا جھپکا کے اسے دیکھتی وہ کہہ رہی تھی پھر پرس میں ہاتھ ڈال کے ایک تہہ شدہ کاغذ میش پہ رکھا۔

اشعر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر ایک دم کھل کے ہنس پڑا۔

''اور آپ تالیہ کو لگا کہ عبداللہ اور عثمان کے بعد وہ مجھ سے بھی استعفیٰ پہ دستخط کروالیں گی۔ نہیں نہیں تالیہ۔ اتنی جلدی نہیں۔'' وہ ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ''یوسی' میں عثمان نہیں ہوں جو چپ چاپ کاغذات نامزدگی واپس لے لوں گا یا عبداللہ جس کو ڈرا دھمکا کے آپ وان فاتح سے معافی مانگنے پہ مجبور کر دیں گی۔'' پھر آگے کو جھکا اور مسکرا کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''میں اشعر محمود ہوں۔ میں..... کنگ میکر ہوں۔ میں ابھی جا کے وان فاتح کے سامنے بانگِ دہل کہہ سکتا ہوں کہ یہ سب میں نے کیا ہے۔ اور وہ چپ رہیں گے۔ نہ وہ میرے خلاف پولیس میں جا سکتے ہیں۔ نہ پریس میں۔ خاندانی کی بدنامی ان کو لے ڈوبے گی۔ سو..... یوسی...'' کندھے اچکائے۔ ''میرے ساتھ یہ استعفوں پہ دستخط کروانے والے tantrums نہیں کام کریں گے۔''

وہ ابھی تک مسکرا کے دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''آپ نے شہزادی تاشہ والی کہانی سنی ہے' ایش؟''

''وہ بنداہارا کی بیٹی؟ ہاں کورس میں پڑھی تھی۔''

''اس نے ابوالخیر نامی امیر اور بدعنوان سوداگر سے مسجد کے نام پہ چندہ لیا تھا۔ تاریخ کہتی ہے کہ اس کی نیت نیک تھی اور مسجد واقعی بنی تھی' مگر میں آپ کو بتاؤں' ایش.....''

مسکرا کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''اسے نہ مسجد کی ضرورت تھی' نہ چندے کی۔ اسے اس طاقت کی ضرورت تھی جو ابوالخیر جیسے دولت مند آدمی کو اپنا حلیف بنانے پہ اسے ملنے والی تھی۔ یہ استعفیٰ نہیں ہے۔'' اس نے کاغذ کھولا تو وہ کورا تھا البتہ اس کے اندر ایک اور ننھا کاغذ رکھا تھا جس کو دیکھ کے اشعر چونکا۔

''یہ.....''

''میں نے فاتح صاحب سے کہا کہ ان کے گھر میں ایک خزانہ ہے جو الیکشن میں ان کے کام آئے گا۔ وہ کیوں گھر بیچیں یا قرضہ لیں؟ وہ اس خزانے کو استعمال کیوں نہ کریں؟'' اور ننھا کاغذ اس کے سامنے رکھا۔ اشعر نے نظریں جھکا کے اس کاغذ کو دیکھا۔

وہ ایک چیک تھا۔ اشعر محمود کی چیک بک کا چیک۔

''آپ نے مجھ سے پانی اس لئے مانگا کیونکہ آپ کو میری میز پہ رکھی چیک بک سے ایک چیک پھاڑنا تھا' پانچ سیکنڈز میں آپ نے یہ کیسے کیا' تالیہ۔ میں حیران ہوں۔''

''کیونکہ وہ خزانہ آپ ہیں اشعر صاحب۔'' وہ ہنوز مسکرا رہی تھی۔ ''آپ مجھے اس چیک پہ لکھی رقم سائن کر کے دیں گے۔ آپ آج سے وان فاتح کی کیمپئین کو فنڈ کریں گے۔ میں آپ کو استعفیٰ دینے کے لئے مجبور کرنے نہیں آئی۔ میں آپ کو واپس اپنے کیمپ میں دعوت دینے آئی ہوں۔''

اشعر کے تاثرات بدلے۔ ماتھے پہ بل پڑے۔ لب بھینچ لئے۔ ایک سخت نگاہ اس پہ ڈالی۔

''اور میں چیئرمین الیکشن چھوڑ کے آبنگ کی کیمپئین میں کیوں شامل ہوں گا'ہاں؟''

''کیونکہ آپ ابھی تک ان کو آبنگ (بھائی) کہتے ہیں۔ کیونکہ جب سے آپ نے ان کے خلاف کاغذات جمع کروائے ہیں آپ سوشل گیدرنگز سے کٹ گئے ہیں۔ لوگ آپ کو وہ پروٹوکول نہیں دے رہے جو وان فاتح کے سائے میں ہونے کی وجہ سے دیتے تھے۔ آپ اکیلے رہ گئے ہیں اور آپ نے عمر کا ایک بڑا حصہ فاتح کا کنگ میکر بن کے گزارا ہے۔ ان سے الگ ہونا آپ کو اندر سے دکھی کر رہا ہے۔ آپ ان کو مِس کرتے ہیں' اشعر۔ اور آپ کو میرا ایش کہنا ان کی یاد دلا رہا ہے۔ آپ ان کا جتنا برا چاہ لیں' آپ کے اندر کا وہ ٹین ایج لڑکا جو بہن اور بہنوئی کے ساتھ چھٹیاں گزارنے جایا کرتا تھا' وہ آج بھی وان فاتح کی وجہ حاصل کرنے کا متمنی ہے۔ بے چین ہے۔ آپ الیکشن اس لئے جیتنا چاہتے ہیں تاکہ فاتح کو کچھ بن کے دکھا دیں۔ آپ....ان کے ساتھ....کام کرنے کو.... miss کرتے ہیں' ایش!'' زور دے کر وہ ایک ایک لفظ ادا کر رہی تھی اور اشعر کے جبڑے کی رگیں بھینچ چکی تھیں۔ آنکھوں میں گلابی پن نظر آنے لگا تھا۔ چبھتی ہوئی نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔

''آپ کو لگتا ہے کہ آپ کے اور فاتح کے حالات اتنے خراب ہو چکے ہیں کہ واپسی کا کوئی راستہ نہیں مگر یہ غلط ہے۔ میں آپ کو واپسی کا ٹکٹ دینے آئی ہوں۔ یہ آپ کی واپسی کی قیمت ہے۔ اسے ادا کریں اور واپس آجائیں۔''

وہ چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔ کچھ نہیں بولا۔

''آپ ایکسپورٹ کے بزنس سے وابستہ ہیں۔ اگر فاتح صاحب حکومت میں آئے تو۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ کاروباری اصلاحات کا وہ بل پاس کروائیں گے جس کا مسودہ آپ کب سے تیار کر رہے ہیں۔ آپ کے آفس کا ہر ورکر جانتا ہے آپ اس بل کے بارے میں کتنے پُجی ہیں۔ ہم آپ کو ایک چوری ریاست میں حکومت دیں گے۔ آپ کو آپ کا پسندیدہ بل مل جائے گا اور ہمیں پارٹی فنڈز۔ اور اگر آپ یہ نہیں کرتے تو آپ اکیلے رہ جائیں گے۔ ٹریلر آپ ایک ہفتے سے دیکھ رہے ہیں۔ پوری فلم زیادہ بھیانک ہو گی۔ زیادہ کے چکر میں تھوڑے سے بھی محروم نہ ہوں' ایش!'' اور پھر وہ کرسی دھکیلتی اٹھی اور بیگ اٹھالیا۔ وہ ابھی تک چبھتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا ۔ بھینچی مٹھیاں چیک پہ رکھی تھیں۔

''آپ جمعے تک سوچ لیں۔ جمعے کو کاغذات واپس لینے کی آخری تاریخ ہے۔ میں آپ کو کھونا نہیں چاہتی۔ میں چاہتی ہوں کہ ہم سب ساتھ مل کے چلیں۔ جمعے کی صبح آپ اس چیک کو سائن کر کے دے دیں گے تو یہ آپ کی واپسی ہو گی۔ نہیں دیں گے تو بھی ہم عزت سے

راستے الگ کرلیں گے اور پھر... الیکشن جیسے فورم پہ ملاقات ہوگی۔ اور خاندان کی بدنامی آپ دونوں کو لے ڈوبے گی۔''

اشعر بس چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔ لب سختی سے بھینچ رکھے تھے۔

''اور وہ ایک منی لانڈر تھا۔ اسی لئے ہماری علیحدگی ہوئی اور میں نے پھر...'' انگلی کی انگوٹھی دکھائی۔ ''ایک دوسرے آدمی سے شادی کرلی جو ابھی تک قائم ہے۔''

اشعر کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ ابھری۔ سر کو خم دیا۔ نظریں اس پہ جمی تھیں۔ ''اور وہ کیا کرتا ہے۔''

''وہ؟'' تالیہ اداسی سے مسکرائی۔ ''وہ ایک Adventurer ہے۔ مہم جو۔'' اور پرس کندھے پہ ڈالتی مڑ گئی۔

اس کے باہر نکلتے ہی اشعر نے غصے سے چیک اٹھایا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پرے اچھال دیے۔ کاغذ کے ٹکڑے شیشے کی دیوار سے ٹکرا کے فرش پہ بکھر گئے۔ سرخ روشنیاں اس کے اردگرد.....

☆☆=========☆☆
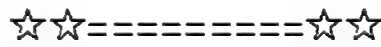
جمعرات کی شام وان فاتح کی پرسنل ایڈ خاتون جب فاتح کے ساتھ آفس میں داخل ہوئی تو اسے عثمان کی خالی میز پہ ایک لفافہ رکھا نظر آیا۔ جس کے اوپر پیپر ویٹ رکھا تھا۔

وہ بارش بھری ایک گیلی صبح تھی۔ فاتح دو افراد کے ساتھ تیز تیز چلتا سیدھا اندر آفس چلا گیا تھا وہ لوگ ابھی ابھی ایک میٹنگ سے واپس لوٹے تھے اور سیدھا آفس آئے تھے۔ عثمان کے نہ ہونے سے کام بڑھ گیا تھا اور وہ اس کی میٹنگز کا حساب کتاب بھی رکھ رہی تھی۔ سیاہ بیگ سامان سے بھرا آج بھی کہنی پہ تھا اور گلے میں مختلف رنگ کا پھولدار رومال' گلابی فراک کے ساتھ Casual حلیے کی عکاسی کر رہا تھا۔

لفافہ دیکھ کے وہ میز تک آئی اور تیزی سے اسے اٹھایا۔ پھر اندر ہاتھ ڈال کے باہر نکالا تو دیکھا... وہ اشعر کا دستخط شدہ چیک تھا۔ تالیہ مسکرا دی۔

ساتھ میں ایک دوسرا کارڈ بھی تھا۔ اس نے وہ کھولا۔

وہ ایک ہائی پروفائل ڈنر تھا جو ویک اینڈ کی شام ہونا تھا۔ وہاں وزیر اعظم صوفیہ رحمٰن بھی مدعو تھی۔ وان فاتح ایسے ڈنرز کم اٹینڈ کرتا تھا مگر اشعر ضرور جایا کرتا تھا۔ اس کی حمایت اس بات سے مشروط تھی کہ وان فاتح اس کی تجاویز بھی سنا کرے گا اور اشعر کی پہلی تجویز اس کارڈ کی صورت تھی۔

اس کو اٹینڈ کرنا اب لازم تھا۔ اشعر محمود ایک حلیف کے ساتھ اب ڈونر بھی بن چکا تھا اور کوئی سیاستدان اپنے ڈونر کو انکار نہیں کر سکتا۔

تالیہ نے مسکرا کے دونوں چیزیں خاموشی سے اپنے بیگ میں رکھ لیں۔ اسے جو کرنا تھا' صبح کرنا تھا۔

☆☆=========☆☆
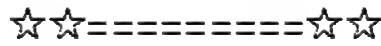
اشعر محمود کے قلعے نما گھر کا لان رات کے وقت برقی پولز کی سفید روشنی میں نہایا کھڑا تھا۔لکڑی کی کینوپی کے سائے تلے مادہ ہرن اپنے ننھے غزالوں کو لئے گھاس پہ بیٹھی تھی۔اس کی بڑی بڑی بے تاثر آنکھیں قلعے پہ جمی تھیں جس کی کھڑکیاں روشن نظر آتی تھیں۔

اندر لاؤنج میں لٹکتے سارے فانوس روشن تھے۔پرتعیش صوفوں پہ عصرہ ٹیک لگائے تیوری چڑھائے بیٹھی تھی اور اشعر اس کے سامنے آگے ہو کے بیٹھا منت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''کاکا....پلیز میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''ایش مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی۔''عصرہ نے بے اختیار کنپٹی چھوئی۔بھورے بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنائے' وہ سادہ پاجو کرنگ اور کندھے پہ اسٹول جمائے اس وقت ایک ٹوٹی بکھری ہاؤس وائف لگ رہی تھی۔''تم نے اتنے مہینے مجھ سے فاتح کی مخالفت کروائی اور اب جب کہ میرا دل بھی کھٹا ہو چکا ہے تم چاہتے ہو کہ ہم اس کی حمایت شروع کردیں۔''

''میں نے آبنگ کی مخالفت نہیں کروائی آپ سے۔میں نے صرف اقتدار میں پہنچنے کا بہتر راستہ ڈھونڈنا چاہا تھا لیکن کاکا....''وہ اسے دیکھ کے نرمی سے کہہ رہا تھا۔''میں آبنگ کے ہوتے ہوئے چیئرمین نہیں بن سکتا وزیراعظم تو دور کی بات ہے۔اس لئے پلیز....ہم دونوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ ہم آبنگ کی حمایت کریں۔''

''میں نے اس کی فائل چرائی ایش!''وہ ابرو چڑھائے برہمی سے اسے دیکھ رہی تھی۔''میں نے فاتح کو دھوکہ دیا۔ایک ہفتے سے ہماری بات چیت بند ہے۔اب میں کس منہ سے اسے کہوں کہ ہم نے صلح کرنی ہے؟''اشعر نے ابرو اچکائے اور کندھے جھٹکتا پیچھے ہوا۔

''ایمانداری کی بات تو یہ ہے کاکا کہ آپ کو بھی اقتدار کا لالچ ہمیشہ سے اتنا ہی رہا ہے جتنا کہ مجھے تھا۔آریانہ کے کھونے کے بعد آپ بدل گئیں ورنہ ڈونٹ ٹیل می کہ فرسٹ لیڈی بننا آپ کا سب سے بڑا خواب نہیں تھا۔''وہ سفاک ہوا تو عصرہ کی آنکھیں گلابی پڑیں۔جبڑا بھینچ گیا۔

''آریانہ کا نام مت لو۔وہ میرے دل کا ٹکڑا تھی۔اسے تم لوگوں کی سیاست نے چھین لیا اور اب میں دوبارہ فاتح کو اسی سیاست میں دھکیل دوں؟میں تو سب کچھ بیچ کے امریکہ جانا چاہتی تھی ایش۔''وہ روہانسی ہوئی۔''تم مجھے کیا دوبارہ اسی دلدل میں دھکیل رہے ہو۔''

''کیا آپ آریانہ کا بدلہ نہیں لینا چاہتیں؟کیا اس کی قربانی رائیگاں جائے گی؟''وہ زچ سا ہو کے بولتا چلا گیا۔پھر یکدم چپ ہوا۔عصرہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''قربانی؟کیا مطلب؟''وہ یک لخت سیدھی ہو کے بیٹھی۔''میری بیٹی کوئی مری نہیں ہے۔وہ کھو گئی ہے۔مجھے یقین ہے کہ وہ زندہ ہوگی۔وہ....وہ کسی اچھی جگہ پرورش پا رہی ہوگی۔''اس کی آواز کپکپائی۔آنکھ سے آنسو لڑھکا۔

''ہاں میرا بھی یہی مطلب تھا۔''

☆☆=========☆☆

"نہیں ایش۔تمہارا مطلب کچھ اور تھا" وہ بے قراری آگے ہوئی۔"تم کچھ جانتے ہو آریانہ کے حادثے کے بارے میں؟اگر جانتے ہو تو پلیز مجھے بتاؤ۔"

"کا کا میں صرف یہ جانتا ہوں کہ صوفیہ رحمٰن نے آریانہ کے ساتھ یہ سب کروایا تھا" وہ سنجیدگی سے کہنے لگا۔"اور میرے واپس آبنگ سے آملنے کی ایک وجہ آریانہ بھی ہے۔آپ آریانہ کی وجہ سے سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو چکی ہیں نا۔تو پھر ٹھیک ہے....اب آپ "آریانہ" کی وجہ سے ہی واپس آئیں گی۔"

عصرہ کا گیلا چہرہ وہیں ساکت ہو گیا۔آنکھوں میں بے پناہ الجھن ابھری۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اشعر اٹھا اور اس کے ساتھ صوفے پہ آ کے بیٹھا۔

"آپ کیا چاہتی ہیں؟آریانہ کا بدلہ لینا ہے آپ کو یا نہیں؟"اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولا۔عصرہ کا سر اثبات میں ہلا۔

"تو پھر ہفتے کی رات ہم ایک ڈنر میں شریک ہو رہے ہیں جہاں صوفیہ رحمٰن بھی ہو گی۔اب وہ وقت آ گیا ہے جب صوفیہ اپنے اعمال کا حساب دے۔اگر آبنگ اس بات پہ راضی ہوتے ہیں تو میرا چیک کیش ہو جائے گا'ورنہ میں ان کے کیمپ میں نہیں جاؤں گا۔" وہ قطعی لہجے میں بہن کو سمجھا رہا تھا۔گہری نظریں عصرہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پہ جمی تھیں۔عصرہ کی آنکھوں میں ابھی تک الجھن تھی۔

"ہم نے آریانہ کا معاملہ اللہ پہ چھوڑ دیا تھا۔اتنے سال بعد ہم کیسے صوفیہ رحمٰن سے باز پرس کریں گے؟"

"میں سمجھاتا ہوں۔" اشعر کی آنکھیں چمکیں اور وہ تیز تیز بولنے لگا۔

باہر گھاس پہ ستاتے ہرن خالی بے تاثر آنکھوں سے قلعے کی روشن کھڑکیوں کو دیکھے جا رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔بہت سے آفسز میں کام ابھی تک جاری تھا۔ایسی ہی ایک اونچی عمارت پہ بنے ایک فلور میں بہتر سی سفید بتیاں روشن تھیں البتہ کچھ آفس رومز اندھیرے میں ڈوب چکے تھے۔بہت سے ورکرز اپنے کمرے لاک کر کے اٹھ چکے تھے اور کچھ ابھی تک کام کر رہے تھے۔

شیشے کے دروازے کے پیچھے ایک کمرہ روشن دکھائی دے رہا تھا۔ایڈم نے دروازے پہ دستک دی تو اندر فائلوں میں الجھے شخص نے سر اٹھایا۔پھر ایڈم کو دیکھ کے مسکرایا۔آستین چڑھائے'ٹائی ڈھیلے کیے وہ سارے دن کا تھکا ہارا لگتا تھا۔مگر خوشدلی سے بولا۔

"آؤ ایڈم۔اندر آ جاؤ۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

ایڈم سادہ پینٹ شرٹ میں ملبوس ازلی معصومیت چہرے پہ سجائے اندر داخل ہوا۔شرما کے مسکراتے ہوئے ہاتھ ملایا۔

"تمہارا کام بہت مشکل تھا ایڈم۔مگر فوج کے دنوں کا ساتھ ہے اس لئے میں نے کر دیا ہے۔"

نوجوان نے جھک کے دراز کھولا اور ایک فائل نکال کے اس کے سامنے رکھی۔ ایڈم جلدی سے کرسی کھینچ کے بیٹھا اور فائل کھولی۔ پہلے صفحے پہ فہمی بن سلام نامی اس آدمی کی تصویر لگی تھی جو ہوٹل کے اس کمرے میں رہائش پذیر تھا۔

''تو پھر کون نکلا یہ آدمی؟ کوئی کرمنل؟ کوئی مافیا کا بندہ؟ یا جاسوس؟'' ایڈم نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

اس کا سرکاری ایجنسی کا آفیسر دوست ہاتھ باہم پھنسائے آگے ہوا اور سنجیدگی سے بولا۔ ''ایڈم.... یہ کوئی مجرم یا برا آدمی نہیں ہے۔ یہ بالکل کلین ہے۔ ایک نوکری پیشہ' اچھی شہرت والا وکیل ہے جو ہانگ کانگ میں ایک لاء فرم کے ساتھ کام کرتا ہے۔ اس کے ماں باپ ملاکہ میں رہتے ہیں ان سے ملنے آتا ہے۔ بیوی بچے ہانگ کانگ میں ہی ہوتے ہیں۔''

ایڈم نے بے چینی سے صفحے پلٹائے۔ فائل میں لکھی تفصیلات اس شخص کی نیک نامی کی گواہی دے رہی تھیں۔

''یہ تو اتنا کلین ہے کہ ایک پارکنگ ٹکٹ تک نہیں ہے اس کے ریکارڈ پہ۔ تم اس کی تفتیش کیوں کر رہے ہو۔''

''کچھ تو ہے اس کے بارے میں۔ کچھ تو ہونا چاہیے۔'' وہ بے چینی سے صفحے پلٹانے لگا۔ اضطراب' مایوسی' اداسی' ہر طرف سے منفی جذبات نے اس پہ حملہ کر دیا تھا۔

''کچھ ہوتا تو ہمیں مل جاتا یار۔ بے چارہ سادہ آدمی ہے۔ وکیل ہے۔ محنت مزدوری کرتا ہے۔ اپنے ماں باپ کے لئے وہاں سے قیمتی تحفے لاتا ہے۔ ائیر پورٹ پہ سامان میں زیادہ تر تحفے ہی تھے۔ کوئی اسمگل شدہ چیز بھی نہیں تھی۔ اور اب تو یہ چند دن بعد چلا بھی جائے گا۔''

ایڈم ایک دم چہرہ اٹھا کے اسے دیکھنے لگا۔ ''ہاں۔ وہاں اس کے کمرے میں تحفے بھی پڑے تھے۔''

''تم اس کے کمرے تک چلے گئے۔''

''ایک منٹ ایک منٹ۔'' وہ چونک گیا۔ ''وہ اتنے دن سے یہاں ہے۔ اس نے اب تک ماں باپ کو تحفے کیوں نہیں دیے؟ اور وہ ہوٹل میں کیوں رہتا ہے ان کے پاس کیوں نہیں ٹھہرتا؟''

''ہاں میں نے پتہ کروایا تھا۔ وہ تحفے لے کر ان کے گھر تک دو تین دفعہ گیا تھا مگر وہ شاید وہاں نہیں تھے' تبھی دروازہ نہیں کھولا۔''

''تو کیا اس کا ماں باپ سے فون پہ کانٹیکٹ تک نہیں ہے؟ کم آن باہر سے آنے والا بیٹا کال کیے بغیر کب گھر آتا ہے؟''

''کہہ رہا ہوں نا' معلوم کیا تھا میں نے۔ محلے والوں کا کہنا ہے کہ اس کی ماں باپ سے کوئی ناراضگی چل رہی ہے۔''

ایڈم ایک دم جوش سے سیدھا ہوا۔ چہرہ چمک اٹھا۔ ''اور وہ اس کے لئے دروازہ نہیں کھولتے۔''

''ایڈم گھروں میں سو سو طرح کے مسئلے ہو جاتے ہیں۔ اس سے وہ کرمنل نہیں بلکہ ایک اداس غمزدہ بیٹا ثابت ہوتا ہے جو ماں باپ کو منانے کے لئے یہاں آیا بیٹھا ہے۔''

''چلو.... کچھ تو ثابت ہوتا ہے نا۔'' ایڈم خوشی خوشی فائل سمیٹنے لگا۔ ''میں آج ہی کے ایل واپس آیا تھا۔ پرسوں دوبارہ ملاکہ جاؤں گا۔ مجھے اس کے ماں باپ سے ملنا ہے۔ اور پلیز منع مت کرنا۔ زندگی میں پہلی دفعہ ایڈم بن محمد نے اپنے دل کے یقین پہ بھروسہ کر کے ایک

راستے کا پیچھا کیا ہے۔اگر میں کچھ اور نہ ڈھونڈ سکا تو کم از کم خود کو دریافت کرلوں گا۔'' وہ جوش اور اداسی سے کہتا فائل میں صفحے لگا رہا تھا۔اس کا دوست تکان سے مسکرا کے اسے دیکھے گیا۔اگر ایڈم کی خوشی اسی میں تھی'تو ٹھیک ہے۔اسے کوئی اعتراض نہ تھا۔

☆☆=========☆☆

جمعے کی صبح کے ایل پہ طلوع ہوئی تو بہت سے دلوں پہ جمی برف پگھلا کے لے گئی۔وان فاتح اپنے کمرے کی سنگھار میز کے آئینے کے سامنے کھڑا ٹائی باندھ رہا تھا جب ادھ کھلے دروازے پہ چاپ سنائی دی۔اس نے گرہ لگاتے عکس میں اپنے پیچھے آتی عصرہ کو دیکھا' پھر نظر انداز کر کے ٹائی کے بل دیتا رہا۔

عصرہ نے شب خوابی کا لباس پہن رکھا تھا اور آنکھیں رتجگے کے باعث گلابی تھیں۔

وہ چپ چاپ اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔فاتح نے ٹائی کسی اور کف لنک اٹھانے کے لئے جھکتے ہوئے بولا۔''میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ فائل والی بات کی طرف اشارہ کرر ہا تھا۔

''فاتح میں تمہاری کیمپئین میں تمہارا ساتھ دوں گی۔'' وہ آئینے میں فاتح کا چہرہ دیکھ کے بولی تو وہ وہیں ٹھہر گیا۔پھر کف لنک بھول کے سیدھا ہوا اور حیرت سے اس کی طرف گھوما۔

''ساتھ دوگی مطلب؟''

''میں تمہارے ساتھ.... کیمپئین چلاؤں گی۔'' وہ سنجیدگی سے گردن کڑا کے کہہ رہی تھی۔

''جہاں کہو گے چلوں گی۔ریلی میں' دعوتوں پہ'فنڈ ریزنگ پہ۔ہر جگہ سیاسی بیوی کا رول پلے کروں گی۔بچے اور میں امریکہ نہیں جائیں گے۔ہم تمہارے ساتھ کھڑے ہوں گے۔اشعر بھی تمہارے ساتھ ہو گا۔میں رات اس سے ملی اور میں نے اسے راضی کرلیا ہے۔اس نے فنڈز کے لئے چیک بھی کاٹ دیا ہے۔وہ کیمپئین کو فنڈ کرے گا۔'' پھر چپ ہوئی۔دونوں سنگھار میز کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ تم کسی لیکن کی طرف جا رہی ہو۔'' اسے دیکھتے ہوئے کف لنک اٹھایا۔

''لیکن....'' وہ زور دے کر بولی۔نظریں فاتح کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔''تم ہمارے درمیان سے آریانہ کی پھانس نکالو گے۔''

فاتح کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔کف کا بٹن بند کرتے ہوئے وہ بولا۔''یعنی؟''

''میری صرف ایک شرط ہے اور اگر تم اس کو مان لو تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔پلیز فاتح میری پوری بات سن لو۔''

''مجھے منظور ہے۔جو بھی ہے۔'' اس نے کف لنک رکھے اور نرمی سے اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔''عصرہ مجھے کوئی بات اس سے زیادہ خوشی نہیں دے سکتی کہ تم میری جدوجہد میں میرے ساتھ کھڑی ہو۔''

''مگر پہلے میری بات تو سن لو۔'' وہ ملتجی انداز میں بولی اور پھر اشعر کے الفاظ دہرا دیے۔وہ تحمل سے سنتا رہا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے ویسے۔اتنے سال بعد اس سب کو....'' مگر عصرہ کے تاثرات دیکھ کے گہری سانس لی۔''او کے۔میں ایسا ہی

کروں گا۔ ڈن۔" اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

عصرہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ مسکرا دی۔

"ٹھیک ہے۔ پھر میں اور ایلش تمہارے ساتھ ہیں۔"

وان فاتح کے کندھوں سے بوجھ سا اتر گیا۔ سارے مسئلے جیسے حل ہوتے جا رہے تھے۔

آج تالیہ گھر نہیں آئی تھی۔ وہ آفس آیا تو وہ اسے دروازے پہ ملی۔ اسے دیکھ کے لمحے بھر کے لئے تو وہ چونک گیا پھر سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا۔

وہ سیاہ اسکرٹ کے اوپر سفید منی کوٹ میں ملبوس تھی۔ بالوں کا باوقار جوڑا بنائے' گردن میں موتیوں کی لڑی پہنے' اسٹول سر پہ جمائے اور سامنے مفلر کی طرح بکل مارے' وہ اونچے عہدے پہ فائز ملے کاروباری یا سیاسی عورتوں کی طرح لگ رہی تھی۔

"سیر ئیسلی!" اس نے ابرو اچکا کے پوچھا تو وہ مسکرا دی اور اس کے پیچھے آفس میں چلی آئی۔ وہ اپنی کرسی پہ بیٹھا تو تالیہ نے میز پہ چیک اس کے سامنے رکھا۔ فاتح چیک اٹھا کے مسکرایا۔

"ہاں مجھے عصرہ نے بتایا ہے کہ اس نے اشعر کو فنڈنگ کے لئے راضی کر لیا ہے۔"

وہ جو بہت جوش سے کہنے لگی تھی' اس بات پہ مسکراہٹ پھیکی ہوئی۔ گم صم سی ہو کے فاتح کو دیکھنے لگی۔

"اشعر نے اپنے لئے اچھا فیصلہ کیا۔ اس کے پاس اور کوئی چوائس نہیں تھی۔ یہ چیک فنانس میں دے دو۔" وہ بے نیاز اور مطمئن سا آدمی کندھے اچکا کے کہہ رہا تھا اور تالیہ کا چہرہ بجھ سا گیا تھا۔ خاموشی سے چیک اٹھایا تو وہ بولا۔

"یہ چیک کب بھیجا اس نے؟"

"کل شام میں' سر۔" وہ بے دلی سے کہہ کے مڑنے لگی۔

"تو تم مجھے نہیں بتاؤ گی کہ اسے عصرہ نے نہیں تم نے کنوینس کیا تھا؟"

تالیہ بے یقینی سے واپس مڑی۔ وہ مسکرا کے ٹیک لگائے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔

"آپ کو..... کیسے پتہ؟"

"کیونکہ یہ چیک دو دن پہلے کاٹا گیا ہے۔ اور تمہیں یہ شام کو ملا ہے جبکہ عصرہ اور اشعر رات میں ملے تھے۔ اور میں ان دونوں کو اچھے سے جانتا ہوں۔ اشعر عصرہ کو کنوینس کر سکتا ہے' وہ اشعر کو نہیں۔ اور پھر تم نے کہا تھا کہ تم میرا فنڈنگ کا مسئلہ حل کرو گی تو مجھے تمہاری شکل دیکھتے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ تم یہاں مجھے اپنی ڈیل یاد کروانے آئی ہو۔ سو بولو..... کیا چاہیے تمہیں؟"

وہ قلم کو انگلیوں میں گھماتا کہہ رہا تھا اور اس کے لب خود بخود مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

"بول دوں' سر؟"

فاتح نے اثبات میں گردن ہلائی۔''Make a Wish''

وہ الفاظ نشتر کی طرح دل میں پیوست ہوئے۔ بہت سے آنسو بھی گلے میں جمع ہوئے مگر وہ مسکرا دی وہ واپس اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''میں آج سے آپ کی باڈی وومن کے ساتھ ساتھ آپ کی پولیٹیکل سیکرٹری اور کیمپین مینیجر بھی ہوں گی۔''

''یعنی میری چیف آف اسٹاف؟''

''بالکل سر۔میں آپ کے لئے کام کرنے والے تمام عملے کی چیف ہوں گی۔میرا خیال ہے میں نے یہ پوزیشن earn کی ہے۔''

گردن کڑا کے بولی تو وہ مسکرا دیا۔سوٹ پہنے' بالوں کو جیل سے دائیں طرف جمائے' وہ نکھرا اور تازہ دم لگ رہا تھا۔

''شیور۔اپنا اپائنٹمنٹ لیٹر بنا لاؤ' میں دستخط کر دوں گا۔'' وہ راضی تھا۔مطمئن تھا۔نرم پڑ چکا تھا۔

''اور سر....اشعر صاحب ایک پارٹی پہ آپ کو لے جانا چاہتے ہیں جہاں....''

''جہاں صوفیہ رحمٰن ہوگی اور مجھے وہاں اشعر اور عصرہ کی تشفی کے لئے کچھ کرنا ہوگا۔'' وہ سر جھٹکتے ہوئے فائلز کی طرف متوجہ ہوا تو وہ چونکی۔''کیا کرنا ہوگا؟''

''اٹس اے فیملی تھنگ' تاشہ۔'' شائستگی سے اسے اس کے مقام کا احساس دلایا اور فائل کھول لی۔وہ ذرا پھیکی پڑی۔ظاہر ہے وہ اس کی فیملی کا حصہ نہ تھی۔بس چپ چاپ مڑ گئی۔

قریباً ایک گھنٹے بعد وہ پوری تمکنت سے عثمان کی کرسی پہ بیٹھی اپنے سامنے رکھی فائلز کا موازنہ کر رہی تھی۔یہ اسٹاف کا اعمال نامہ تھا جو اس نے ان سارے دنوں میں جمع کیا تھا۔

(طاقت تب مضبوط ہوتی ہے جب اس کا اظہار کیا جائے۔) مراد راجہ کے الفاظ اس کی سماعتوں میں آج بھی گونجتے تھے۔

پھر وہ ایک کاغذ لے کر اٹھی اور باہر ہال میں آئی۔

ہال میں قطاروں کی صورت آفس کیبن بنے تھے..

کی بورڈز کے کھٹ کنے کی آوازیں...فون کی گھنٹیوں کا شور...

ہر طرف لوگ فائلوں اور لیپ ٹاپس میں سر دیے بیٹھے تھے۔

تالیہ ہال کے سرے پہ کھڑی تھی...اس نے چہرے پہ غصہ طاری کر رکھا تھا۔

اور سیدھ میں دیکھ رہی ہے...ہال کے آخری سرے کی طرف جہاں کیبن ختم ہوتے تھے۔

آخری کیبن میں ایک لڑکی سر جھکائے کام کرتی نظر آ رہی تھی۔

اس لڑکی کو نگاہوں میں رکھے تالیہ قدم قدم چلنے لگی۔

فائلیں اٹھائے آگے پیچھے جاتے لوگ ہٹ ہٹ کے اس کو راستہ دینے لگے۔

وہ ماتھے پہ بل ڈالے تیز تیز چلتی' اس لڑکی کے سر پہ آ رکی۔

کیبن کی دیوار چھوٹی تھی۔ اندر بیٹھی لڑکی چونک کے اسے دیکھنے لگی۔

''میں آپ کو نوکری سے فارغ کرتی ہوں۔ ایک باکس میں اپنا سامان ڈالیں اور رخصت ہو جائیں۔ اور یہ... یہ آپ کا ٹرمینیشن لیٹر ہے!''

اس نے ایک لفافہ لڑکی کی طرف اچھالا.

وہ لڑکی ہکا بکا سی اٹھ گئی۔ ارد گرد کے لوگ بھی گردنیں نکال نکال کے دیکھنے لگے۔

''مگر.... چے تالیہ.... میرا قصور کیا ہے۔''

''آپ چھٹیاں بہت کرتی ہیں۔ آپ کو دو دفعہ زبانی اور دو دفعہ تحریری نوٹس جا چکا ہے جبکہ آفس کے قوانین کے مطابق دو زبانی اور ایک تحریری نوٹس کے بعد ٹرمینیشن لازم ہو جاتی ہے۔ آپ کو عثمان نے زیادہ مواقع دیے ہیں مگر میں عثمان نہیں ہوں۔'' بلند آواز میں وہ تمکنت سے کہہ رہی تھی۔ سب دم سادھے سن رہے تھے۔

''میں وان فاتح کی چیف آف اسٹاف تالیہ بنت مراد ہوں۔ میرے الفاظ یہاں حرفِ آخر ہوں گے۔ میری وارننگ حتمی ہو گی۔ جو کام نہیں کرے گا وہ یہاں نہیں رہے گا۔ اور جو فاتح صاحب کے ساتھ مخلص ہو کے کام کرے گا' صرف وہی یہاں رہے گا۔ آپ فنانس سے اپنے dues لے لیں اور شام تک یہ سیٹ خالی کر دیں۔ میں آپ کی پورے مہینے کی تنخواہ ایشو کروا رہی ہوں۔''

اس لڑکی نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ پھٹی پھٹی نظروں سے تالیہ کو دیکھا۔

''یو کانٹ فائر می!''

''Ooops I Just did.'' وہ سنجیدگی سے کہہ کے پلٹ گئی۔

کیبن کے درمیانی راستے سے گزرتی وہ سیدھ میں آگے بڑھتی گئی اور سب اس کو خاموشی سے جاتے دیکھتے رہے۔ یہ چال' یہ اٹھی گردن' یہ تحکمیہ لہجہ.... جو پیغام وہ دینا چاہتی تھی' وہ سب تک بخوبی پہنچ چکا تھا۔

تالیہ مراد اب ان کی باس تھی اور اس کی بات نہ ماننے کا انجام یہاں سے بے دخل ہو جانا تھا۔

اشعر تھوڑی دیر کے لئے اپنے آفس میں آیا تھا جب اس نے رملی سے سارا واقعہ سنا۔ لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ مگر بولا کچھ نہیں۔ چپ چاپ باہر چلا گیا۔

نیچے عمارت کے سامنے کھڑی اپنی کار میں بیٹھتے ہوئے اس نے عثمان کو کال ملائی۔

''میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم وان فاتح کے کسی دشمن سے جا کے نہیں ملو گے' لیکن اب میں تمہیں حکم دے رہا ہوں کہ تم وان فاتح کی

سب سے بڑی دشمن کے پاس جاؤ گے۔ میٹنگ میں ارینج کروادوں گا۔تم نے بس صوفیہ رحمن سے وہ کہنا ہے جو میں تمہیں بتانے جارہا ہوں۔"

وہ اندر بیٹھ گیا تو رلی نے دروازہ بند کردیا۔ چمکتی سیاہ کار کے سیاہ شیشے اندر کا منظر ڈھانپ گئے اور ان کے اوپر اونچی عمارت اور آسمان کا عکس نظر آنے لگا۔

☆☆=========☆☆

کے ایل پہ وہ رات سیاہ گہری ہوتی چلی گئی تو بادل یکا یک بوجھل ہو کے برسنے لگے۔تالیہ کے گھر پہنچنے تک بارش تیز ہو چکی تھی۔ وہ پورچ میں کار روک کے باہر نکلی تو برآمدے کے زینوں پہ ایڈم کو بیٹھے دیکھا۔ وہ ہاتھوں پہ چہرہ گرائے جانے کب سے منتظر سا بیٹھا تھا۔اسے دیکھ کے وہ مسکرادی اور دروازہ بند کر کے اس کی طرف آئی۔

"تم ملاکہ سے کب آئے؟"

"جب سارا دن اس آدمی کی فوٹیجز دیکھ دیکھ کے تھک گیا تو آ گیا۔" وہ کھڑا ہو گیا۔تالیہ چابی سے دروازہ کھولنے لگی۔ ایڈم ساتھ ہی اسے اپنے دوست سے ملی معلومات سے آگاہ کیے جارہا تھا۔ وہ مسکراہٹ دبائے سنتی گئی۔

"تم خواہ مخواہ اس بے چارے کے پیچھے پڑے ہو۔"

تھوڑی دیر بعد وہ لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھا تھا اور تالیہ کچن میں کھڑی کافی کا پانی رکھ رہی تھی۔ اس کی بات پہ وہ جل سا گیا۔

"کم از کم آپ تو ظالم سماج جیسی باتیں نہ کریں۔"

"میں تو ہمیشہ سے ہی ظالم شہزادی مشہور تھی۔" شہزادی نے کندھے اچکائے۔اب وہ رمبوتان (پھل) ٹوکری میں نکال رہی تھی۔

"نوکری کیسی جارہی ہے؟ کتنوں کے داہنے ہاتھ کٹوا دیے؟"

"آج پہلی ٹرمینیشن کی ہے۔دل کو سکون سا مل گیا۔"

"یا اللہ۔ کس غریب کی نوکری چھینی ہے آپ نے؟"

"وہ یہ ڈیزرو کرتی تھی اور ویسے بھی کسی نہ کسی کو تو فائر کرنا تھا۔ سب کو پیغام بھی تو دینا ہوتا ہے نا کہ نیا باس آچکا ہے۔" وہ وہیں کھڑی سادگی سے بتاتی پھل پلیٹ میں سجا رہی تھی۔

"آوچ۔ سیاست بڑی گندی چیز ہے پھر تو۔"

"تمہاری سوچ سے بھی زیادہ گندی۔" اس نے ٹرے میں پلیٹیں سجائیں اور اسے لئے سامنے لاؤنج میں آئی۔ ٹرے میز پہ رکھی تو ایڈم نے فوراً ہاتھ بڑھایا مگر تالیہ نے پلیٹ اٹھالی اور صوفے پہ بیٹھتے ہوئے اسے گود میں رکھ لیا۔

"میں سارے دن کی تھکی ہاری آئی ہوں۔ یہ میرے ہیں۔ فریج میں مزید پھل پڑے ہیں۔اپنے لئے خود لے کر آؤ۔" اور ابرو اچکا کے

ایک ادا سے کھانے لگی۔ ایڈم نے بھنویں بھینچ کے خفگی سے اسے دیکھا۔

"قدر کیا کریں میری۔ میں نہ ہوتا تو آج ملائیشاء کے اسکولز میں آپ کے جھوٹے سچے کارناموں کی کتاب نہ پڑھائی جاتی۔"

تالیہ نے بس ناک سکوڑا اور پھل کھاتی رہی۔ پھر ایڈم سنجیدہ ہوا۔ "آپ نے جلدی میں بتایا ہی نہیں اس دن کہ ذوالکفلی نے کیا کہا؟"

تالیہ نے بس یہی بتایا تھا کہ وہ آدمی ذوالکفلی دراصل تھا اور اس نے اسے تین سوال دیے تھے۔ تفصیل نہیں بتا سکی تھی۔ وہ دونوں اس روز کے بعد آج مل رہے تھے۔

"وقت کے تین سوال ہیں جن کا جواب اگر وان فاتح معلوم کر کے سمجھ جائیں تو ان کی یادداشت واپس آسکتی ہے مگر وہ بہت عجیب سوال ہیں۔"

"تو پھر ہم اسکالرز کے پاس جائیں گے' لائبریریز کھنگالیں گے' کچھ بھی کریں گے مگر جواب ڈھونڈیں گے۔ آپ مجھے وہ سوال لکھوائیں۔" وہ بہت امید سے کہتا جلدی سے قلم کاغذ سنبھال کے بیٹھ گیا۔ سامنے صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی تالیہ نے تینوں سوال دہرا دیے۔ ایڈم نے انہیں نہیں لکھا۔ بس ٹکر ٹکر تالیہ کو دیکھنے لگ گیا۔ اسے ایڈم کے ساتھ ہمدردی ہوئی۔

"کہا تھا نا' بہت عجیب سوال ہیں۔ کہاں سے ڈھونڈیں گے جواب۔"

"سیریسلی سچے تالیہ... آپ کتابیں نہیں پڑھتیں کیا؟" اس نے قلم بند کر کے پرے ڈال دیا تو وہ یکدم سیدھی ہوئی۔ آنکھوں میں بے یقینی اتری۔

"تمہیں ان کے جواب آتے ہیں؟"

"کس کو نہیں آتے؟ یہ تو ٹالسٹائی کی کہانی سے اخذ شدہ ہیں۔"

"تو مجھے بتاؤ نا۔ کیا جواب ہے ان کا۔"

"پہلے!" اس نے مسکرا کے پھل سے بھری پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ تالیہ نے منہ بنا کے پلیٹ میز پہ رکھی اور انگلی سے پرے دھکیلی۔ "اب بولنا شروع کرو ایڈم۔"

ایڈم بن محمد نے ایک رمبوتان اٹھایا' مزے سے دانت گاڑھے' تھوڑی دیر چبایا اور گویا ہوا۔ "ایک بادشاہ یہ تین سوال ہر ایک سے پوچھتا تھا کہ کسی کام کا سب سے اہم وقت کون سا ہوتا ہے؟ انسان کی زندگی کا سب سے اہم کام کون سا ہوتا ہے؟ اور انسان کی زندگی میں سب سے اہم شخص کون ہوتا ہے۔"

وہ پھر سے پھل کھانے کے لئے رکا تو وہ بے چینی سے بولی۔ "ایڈم لمبا قصہ نہ سناؤ' بس جواب بتاؤ۔"

"صبر' شہزادی صاحبہ۔ صبر۔" اس نے مزے سے پھل چباتے ہوئے کہا۔ پلیٹ اب اپنے گھٹنوں پہ رکھ لی تھی۔ "آپ کو پوری کہانی سننی پڑے گی۔ اگر آپ کتابیں پڑھتی ہوتیں تو یہ دن ہمیں نہ دیکھنا پڑتا مگر خیر... ایک بادشاہ یہ سوال سب سے پوچھا کرتا تھا مگر کوئی اسے تسلی بخش

جواب نہ دے پاتا۔ پھر کسی نے اسے ایک درویش کا بتایا جو علم و دانائی سے مالا مال تھا۔ بادشاہ بھیس بدل کے اس کے پاس گیا' ویسے اس زمانے میں بادشاہ کتنے مزے سے بھیس بدل لیتے تھے۔ آج کل تو....''

''آگے ایڈم' آگے۔''اس نے دانت پیسے۔

''اچھا... اچھا....''ایڈم نے لاشعوری طور پہ دایاں ہاتھ ذرا پیچھے کرلیا اور قصہ سنانے لگا۔

''بادشاہ درویش کے پاس گیا تو دیکھا وہ اپنی جھونپڑی کے سامنے گڑھے کھود رہا ہے۔ ساتھ پودے بھی رکھے ہیں۔ بادشاہ نے اس سے وہ سوال پوچھے تو وہ چپ رہا۔ بادشاہ بھی اس کے ساتھ کام کروانے لگا۔ دونوں نے پودے لگا لیے تو جھاڑیوں سے کراہنے کی آواز آئی۔

دیکھا تو ایک آدمی زخمی ہوا پڑا ہے۔ بادشاہ فوراً اس کو اٹھا لایا اور قریب چھپے اپنے سپاہیوں کو بلالیا۔ وہ فوراً آئے اور زخمی کی مرہم پٹی کی۔''

اس نے رک کے ایک پھانک منہ میں رکھی اور تالیہ نے بہت تحمل سے اسے کھاتے دیکھا۔

''زخمی نے بتایا کہ اس کے بھائی کو بادشاہ نے پھانسی دلوائی تھی اور وہ بادشاہ کو بھیس بدل کے جاتے دیکھ کے اسے قتل کرنے کی نیت سے آیا تھا مگر راستے سپاہیوں نے اس پہ حملہ کر دیا' اور اب بادشاہ کی رحم دلی دیکھ کے وہ سخت شرمسار ہے۔ بادشاہ کو اس پہ ترس آ گیا اور اسے نہ صرف معاف کر دیا بلکہ شاہی طبیب کے ساتھ روانہ کر دیا۔ پھر درویش سے سوالوں کے جواب پوچھے تو درویش بولا کہ وہ تو آپ کو پہلے ہی مل چکے ہیں۔ بادشاہ بہت حیران ہوا اور بولا کہ میں نہیں سمجھا۔ تب درویش نے بتایا کہ اگر تم میری کمزوری پہ ترس کھا کے میری مدد کرنے نہ رک جاتے تو وہ آدمی جو تمہاری گھات میں بیٹھا تھا' تمہیں گھائل کر دیتا اور تم میرے ساتھ نہ ٹھہرنے پہ پچھتاتے۔ *

''اس وقت تمہارا سب سے اہم کام میری مدد کرنا تھا۔ اس کام کا سب سے اہم وقت ''اسی وقت'' تھا اور میں تمہارے لئے سب سے اہم شخص تھا۔ پھر جب وہ زخمی آیا تو اس کے زخم صاف کرنا اسی وقت ضروری تھا۔ اور وہ تمہارے لئے سب سے اہم کام اور سب سے اہم شخص بن گیا۔ اس لئے اے بادشاہ یاد رکھو کہ کوئی بھی کام کرنے کا سب سے اہم وقت ''اب'' ہوتا ہے۔ Now۔ ابھی اسی وقت۔ کیونکہ ہمارے پاس اپنے ''حال'' میں سب سے زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ مستقبل کا کوئی بھروسہ نہیں۔

''اسی طرح سب سے اہم شخص وہ ہوتا ہے جو اس وقت تمہارے ساتھ ہے۔ چاہے وہ جو بھی ہو۔ زندگی کے اس حالیہ فیز میں جو ہمارے ساتھ ہے وہی سب سے اہم ہے ماضی میں بچھڑے لوگوں کا غم اور مستقبل میں ملنے والے لوگوں کی تمنا غیر اہم ہے۔

''اور سب سے اہم کام اس موجودہ اہم شخص کے ساتھ بھلائی کرنا ہے۔ کیونکہ انسان کو دنیا میں اسی لئے بھیجا گیا ہے کہ جو اس کے ساتھ ہے' اس سے وہ بھلائی کرے۔''

وہ یک ٹک سن رہی تھی اور ایڈم بولے جا رہا تھا۔ وہ بالکل چپ تھی۔

"تو بچے تالیہ.... بات بس اتنی سی ہے کہ وقت کے ان تینوں سوالوں کا جواب "حال" میں پوشیدہ ہے۔ انسان کو ہر کام کل پہ ٹالنے کی بجائے بروقت شروع کرنا چاہیے۔ اور اصل وقت "اب" ہوتا ہے۔ مستقبل کے خیالی پلاؤ بنانا غلط ہے۔ خوابوں کے لئے آج سے محنت شروع کر دینی چاہیے۔ اور اہم شخص وہ ہے جو زندگی کے حالیہ فیز میں ہمارے ساتھ ہے۔ کوئی کولیگ یا گھر والے یا ہاسٹل کے ساتھی یا میاں بیوی.... اس شخص کو ہر ایک سے زیادہ اہم رکھنا ہے ہم نے اور اس کے ساتھ بھلائی کرنا اور اس کا خیال کرنا' اس سے وفا نبھانا ہماری اولین ترجیح ہونی چاہیے۔ جس دن وان فاتح یہ سمجھ جائیں گے' وقت ان کو ان کی یادیں لوٹا دے گا۔"

مگر وہ بالکل کھوئی کھوئی سی دور خلاء میں دیکھ رہی تھی۔

"میں جب ائیر پورٹ پہ تھی.... سات سال پہلے.... تو میں نے ایک سوال کا جواب پا لیا تھا۔" وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی۔

"مجھے میرے منہ بولے دادا کی خدمت کے باوجود ان کی جائیداد سے پھوٹی کوڑی بھی نہیں ملی تھی جس کی مجھے امید تھی۔ وہ میرا سنہرا مستقبل تھا۔ مجھے اپنے اصلی ماں باپ کے ملنے کی بھی امید تھی جو میرا ماضی تھے۔ مگر جب میری شادی ہوئی ایڈم تو میں نے ائیر پورٹ پہ آ کے ملائیشیاء میں قدم رکھتے ہوئے ایک بات طے کر لی تھی۔ کہ میں ماضی اور مستقبل کے غم اور خوف بھلا کے صرف اس شخص کو اہم جانوں گی جو اس وقت میرے ساتھ موجود ہے۔ میرا شوہر سمیع۔"

"مگر بعد میں سمیع نے جو آپ کے ساتھ کیا' اس کے بعد آپ نے صرف مستقبل کا سوچنا کیا۔ لمبی پلاننگ' دولت کمانا' ہر شے مستقبل کے لئے تھی۔ حال پہ غور نہیں کیا۔ ہے نا۔"

تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر چونک کے اسے دیکھا۔

"مگر ہم.... کیسے وان فاتح کو ان تین سوالوں کے جوابات سمجھائیں' ایڈم؟" وہ بے چین ہوئی۔

"یہ ان کی اپنی جدوجہد ہے' بچے تالیہ۔ ہم چاہیں بھی تو کچھ نہیں کر سکتے۔

"Let it Happen naturally."

اس کی بات نے فضا میں اداسیاں گھول دی تھیں۔ رمبوتان کی پلیٹ اب دونوں کے درمیان میز پہ دھری تھی اور وہ اس کے دونوں اطراف میں چپ چاپ بیٹھے اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔

☆☆=========☆☆

رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ کے ایل کے آسمان پہ قدیم ملاکہ کے برعکس چند ایک تارے ہی ٹمٹماتے دکھائی دیتے تھے۔ دنیا والوں کے لئے ان تاروں کی روشنی اور راہنمائی کافی نہ تھی اس لئے انہوں نے اپنے برقی قمقمے بنا بنا کے عمارتوں پہ اور سڑکوں کے کنارے افشاں کی طرح چھڑک دیے تھے۔

ایسی ہی ایک خالی سڑک تھی جو شہر کے حفاظتی زون میں واقع تھی۔ اسٹریٹ پولز اس خوبصورت اور کھلی سڑک کو روشن کیے ہوئے تھے۔

وہاں قطار میں تین لمبی لمبی کارز کھڑی تھیں جن کے سیاہ شیشے سڑک کا عکس دکھا رہے تھے۔ایسے میں ایک کار کا دروازہ کھلا اور باہر کھڑا عثمان کھنکھارتا ہوا اندر بیٹھا۔سلائیڈنگ ڈور بند کر دیا گیا اور کار کے اندر کی مدھم بتی روشن ہو گئی۔

اندر سٹنگ روم کی طرح آمنے سامنے نشستیں لگی تھیں۔عثمان کے مقابل نشست پہ صوفیہ رحمن بیٹھی تھی۔نیلا اسکارف لپیٹے' اسکرٹ کے اوپر نیلا کوٹ پہنے جس کے اوپر ننھی فلیگ پن لگی تھی۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے گہری نظروں سے عثمان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ چھوٹی چمکتی آنکھوں اور گوری رنگت والی خوبصورت عورت تھی اور اس کے انداز میں ایک ازلی تمکنت اور ایک بے حس سا سر د پن تھا جو اس کو کسی ملکہ جیسا بنا دیتا تھا۔صوفیہ کے ساتھ سوٹ میں ملبوس ایک آدمی بیٹھا تھا جو غالباً اس کا چیف آف اسٹاف تھا۔

''ملاقات کے لئے شکریہ' عزت مآب!'' عثمان نے سینے پہ ہاتھ رکھ کے سر کو جھکایا۔

''جو بھی کہنا ہے پانچ منٹ سے زیادہ مت لینا۔میری رائے وسل بلوورز کے بارے میں ویسے بھی بہت خراب ہے۔''

عثمان نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔اور گہری سانس لی۔''میں یہاں وان فاتح کے خلاف زہر اگلنے نہیں آیا۔میں ان کا وفادار ملازم رہا ہوں اور کسی بھی قیمت پہ میں ان سے غداری نہیں کروں گا۔''

''واؤ'' صوفیہ نے نزاکت سے اسکارف کے کنارے پہ انگلی پھیرتے ہوئے اسے یکھا۔''تو پھر تم نے مجھ سے ملنے پہ اصرار کیوں کیا ؟''

''کیونکہ میں اپنے ملک کو بچانا چاہتا ہوں۔''

''کس سے؟'' اس نے ابرو بھینچے۔''

عثمان نے کوٹ کی جیب سے ایک فائل نکالی اور اس کے سامنے کی۔صوفیہ نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالتے ہوئے فائل گھٹنوں پہ رکھی اور کھولی۔سامنے تالیہ کی تصویر جگمگا رہی تھی۔

''ہوں۔یہ تو تمہارے ایکس باس کی نئی چیف آف اسٹاف ہے نا۔''

''عزت مآب وزیر اعظم صاحبہ.....یہ لڑکی فراڈ ہے۔اس فائل میں اس کے شوہر کا پتہ بھی لکھا ہے جو اس وقت جیل میں ہے۔یہ چند سال پہلے جب کے ایل آئی تھی تو ایک غریب لڑکی تھی۔اب اس نے دولت بنا لی ہے اور یہ وان فاتح کے قریب ہو گئی ہے۔یوں میں تو اپنے باس کو اس سے بچانا چاہتا ہوں۔آپ وزیر اعظم ہیں' آپ کو چاہیے کہ اس لڑکی کے ماضی کو کھنگال لیں اور اگر یہ کسی بھی جرم میں ملوث ہے تو اس کو گرفتار کروائیں۔آپ کو وان فاتح کے خلاف ایک جیت ملے گی اور مجھے میری جاب واپس مل جائے گی اور وقتی طور پہ فاتح صاحب کو دھکا لگے گا مگر وہ ایک بڑے خطرے سے محفوظ ہو جائیں گے۔

صوفیہ رحمن نے فائل بند کر کے بے پرواہی سے اپنے چیف آف اسٹاف کو تھما دی۔

''مجھے دلچسپی نہیں ہے۔تم جا سکتے ہو۔''

عثمان کو اشعر نے اس جواب کے لئے تیار رہنے کا کہا تھا۔ وہ سلام کہتا خاموشی سے نیچے اتر آیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی صوفیہ نے گردن موڑ کے اپنے چیف آف اسٹاف کو دیکھا اور سوچتے ہوئے بولی۔

''اتنی تیزی سے ترقی کرنے والی خوبصورت لڑکیاں یا کرمنل ہوتی ہیں یا کال گرلز۔ اگر وان فاتح کی چیف آف اسٹاف ان دونوں میں سے ایک نکلے تو یہ بہت بڑا اسکینڈل ہوگا' ہے نا۔''

اس کا ملازم مسکرایا اور سر کو خم دیا۔ ''یہ اسکینڈل اس کو تباہ کر دے گا۔ جو شخص اپنے آفس میں ایماندار انسان کو نہیں تعینات کر سکا وہ ملک کیسے چلائے گا۔''

''گڈ۔ تم یہ فائل کل صبح کے ایل کے سب سے ایماندار پراسیکیوٹر کو دے دو۔ کل سے ہم....'' جھک کے فائل پہ نام دیکھا۔ ''تالیہ مراد کو انویسٹی گیٹ کرنا شروع کریں گے۔ حکومتی ذرائع' ایجنسیز' سب کو استعمال کرو اور مجھے بتاؤ کہ یہ لڑکی کون ہے' کہاں سے آئی ہے اور اس کا مقصد کیا ہے۔''

''یس میم!''

''نفرقان۔'' صوفیہ تھوڑی تلے انگلی رکھے شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے سوچتے ہوئے بولی۔ ''اس لڑکی پہ نظر بھی رکھو۔ مجھے یہ بھی معلوم کر کے بتاؤ کہ اس کے اور وان فاتح کے درمیان کچھ اور تو نہیں چل رہا ہے؟''

''شیور میم۔'' وہ تعمیل کے لئے تیار تھا۔ صوفیہ مسکراتی ہوئی باہر موجود خالی سڑک کو دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

☆☆=========☆☆

ایڈم رمبوتان کی پوری پلیٹ ختم کر کے چلا گیا تو وہ غمگین سی وہیں صوفے پہ لیٹ گئی۔ سارے دن کی تھکاوٹ کے باوجود نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کچھ دیر گزری تو چابی سے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ پھر بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔

''تالیہ... تم یقین نہیں کرو گی مجھے تمہارے فاتح صاحب کا کون سا راز معلوم ہوا ہے۔''

داتن نے اندر آتے ہی خوف اور جوش سے بھرے انداز میں اسے پکارا۔ وہ صوفے پہ دائیں کروٹ لیٹی رہی۔ گال کشن پہ رکھے' وہ یہاں سے داتن کو آتے دیکھ سکتی تھی۔

''آریانہ والا راز؟'' بس سادگی سے پکارا۔ داتن اثبات میں سر ہلاتی تیز تیز چلتی اس کے سر پہ آ کھڑی ہوئی۔

''یار تالیہ.... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اتنی بڑی بات دنیا سے چھپائے گا۔''

''مگر مجھ سے نہیں چھپائی تھی۔ مجھے سب بتا دیا تھا انہوں نے۔'' وہ لیٹے لیٹے اداسی سے بولی۔

''خیر... اگر تم نے معلوم کر لیا ہے تو صوفیہ رحمن بھی کر سکتی ہے۔ ہمیں کوئی کاؤنٹر اسٹریٹجی بنانی ہوگی۔'' محض نظریں اٹھا کے داتن کو دیکھتے وہ سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''ویسے تم نے کیسے معلوم کیا؟ وہ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے اسے دفن کیا تھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔''

اس کے سرہانے کھڑی داتن بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔ ''دفن؟ کس کو؟'' پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ پڑیں، ''آریانہ مرچکی ہے؟ وہ تو صرف کھوئی تھی۔''

تالیہ کرنٹ کھا کے اٹھ بیٹھی۔ سنہری بال کندھوں پہ بکھر گئے۔ ''تم یہی معلوم کر کے آئی تھیں نا داتن؟ تم یہی بتانے لگی تھی نا مجھے؟'' اسے احساس ہو رہا تھا کہ کچھ غلط ہے۔

''نہیں تو۔ مجھے تو تم سے پتہ چل رہا ہے کہ وہ مرچکی ہے۔ یا اللہ....! اسے وان فاتح نے خود دفن کیا ہے؟'' داتن نے کانوں کو چھوا۔ تالیہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''تو پھر تم مجھے کیا بتانے آئی تھیں؟ آریانہ کا تو ایک ہی راز ہے۔ مجھے فاتح نے خود بتایا تھا۔''

داتن نے افسوس سے اسے دیکھا اور میز کے کنارے بیٹھی' پھر پرس نیچے رکھا اور تالیہ کے ہاتھ تھام لئے۔ اس کے سیاہ ہاتھوں میں تالیہ کے سفید ہاتھ ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔

''تالیہ.... میری بچی.... کیا تم واقعی وان فاتح کو جانتی ہو؟''

''ہاں..... میں ان کو اچھے سے جانتی ہوں۔'' سنہرے بالوں کے ہالے میں اس کا چہرہ زرد پڑ رہا تھا۔ سانس روکے وہ داتن کو دیکھ رہی تھی۔ ''اور وہ آریانہ کے متعلق سب سے اہم بات مجھے بتا چکے ہیں۔ پیچھے کچھ باقی نہیں رہتا۔''

داتن نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے اس کے ہاتھ دبائے۔ ''تمہارے نزدیک وان فاتح کی زندگی کا سب سے بڑا سچ کیا ہے، جس کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا؟''

تالیہ کی آنکھوں کے کنارے بھیگے۔ ''یہ کہ ان کو اپنی بیٹی آریانہ سے زندگی میں سب سے زیادہ محبت تھی۔''

''اور اگر میں کہوں کہ یہ ایک جھوٹ ہے تو؟''

تالیہ نے تڑپ کے اپنے ہاتھ کھینچے۔ ''غلط۔ بالکل غلط۔ ان کو آریانہ سے ہی سب سے زیادہ محبت تھی۔''

''ہاں تالیہ' یہ سچ ہے' اس کو ''آریانہ سے سب سے زیادہ محبت تھی'' ''اپنی بیٹی'' آریانہ سے نہیں۔''

تالیہ مراد اپنی جگہ منجمد ہو گئی۔ برف کے مجسمے کی طرح ساکت اور جامد۔

''آریانہ فاتح کی بیٹی نہیں تھی۔ کیا اس نے تمہیں نہیں بتایا؟''

باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ

☆☆=========☆☆

حالم (نمرہ احمد)

چودھواں باب:

''ملکہ بدُ''

اس نے دیکھا اپنے ذہن کے پردے پہ....

ایک عجیب منظر جس میں وہ خود بھی تھا....

نیم تاریک کال کوٹھڑی میں ٹھنڈے فرش پہ بیٹھا....

اس کے جسم کے انگ انگ میں درد اٹھ رہا تھا....

کنپٹی سے بہتے خون کی نمی گردن پہ محسوس ہوتی تھی....

سامنے وہ دوزانو بیٹھی تھی....

سنہرے الجھے الجھے بالوں کی کس کے پونی بنائے....

ملگجے سا سیاہ کرتا پاجامہ پہنے....

وہ سر جھکائے اس کے ہاتھ پہ مرہم لگا رہی تھی....

گرم زخم پہ ٹھنڈا مرہم اسے اندر تک جلائے دے رہا تھا....

یکا یک لڑکی نے آنکھیں اٹھائیں.....

دونوں کی نظریں ملیں....اور وہ مبہوت رہ گیا....

وہ اس لڑکی کو پہچانتا تھا۔

☆☆=========☆☆

تالیہ مراد کرنٹ کھا کے سیدھی ہوئی اور اپنے سر پہ کھڑی داتن کو بے یقینی سے دیکھا۔

''آریانہ فاتح کی بیٹی نہیں تھی؟''

''اونہوں۔'' داتن نے گردن دائیں بائیں گھمائی اور پھر دھپ سے اس کے ساتھ صوفے پہ آ گری۔ ''جس بچی کو فاتح اور عصرہ نے بیٹی

2

کی طرح پالا تھا' اور جس سے ان دونوں کو بہت محبت ہے' وہ ان کی سگی بیٹی نہیں تھی۔"

"ایں؟ تو پھر وہ کون تھی؟" وہ ہکا بکا سی داتن کو دیکھنے لگی۔ ساری نیند رفو چکر ہو گئی تھی۔

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔"

"تو باقی کیسے معلوم ہوا؟"

"کیونکہ تم نے مجھے وان فاتح کی فنانشل ٹرانزیکشنز چیک کرنے کے لئے کہا تھا۔ پیسہ کہاں سے آتا ہے اور کہاں جاتا ہے۔ اب پیسے کا روٹ لیانہ صابری سے بہتر کوئی نہیں چیک کر سکتا۔ تو اسی مد میں مجھے وان فاتح کا ایک خفیہ بینک اکاؤنٹ ملا جس کو وہ زیادہ استعمال نہیں کرتا۔"

"اور؟" وہ دم سادھے سن رہی تھی۔

"دلچسپ بات یہ ہے کہ فاتح ایک زمانے میں اس اکاؤنٹ سے ایک مخصوص رقم ہر ماہ کسی رپورٹر کو بھیجتا تھا۔ رقم کافی زیادہ تھی اور آریانہ کی گمشدگی تک ادائیگی کا سلسلہ چلتا رہا۔ پھر بند ہو گیا۔"

"ظاہر ہے کوئی رپورٹر اسے بلیک میل کر رہا تھا۔"

"اور میں پہنچ گئی رپورٹر کے پاس۔" داتن فخر سے بتا رہی تھی۔ "اس کی زبان کھلوانا مشکل نہ تھا۔ ویسے بھی آریانہ کی گمشدگی کے بعد اس نے خوفِ خدا کے ہاتھوں وان فاتح کو بلیک میل کرنا چھوڑ دیا تھا۔"

لاؤنج میں داتن کی آواز کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ وہ تفاخر سے مسکراتے ہوئے اپنی کارکردگی بتا رہی تھی اور تالیہ دونوں پیر اوپر کر کے بیٹھی بے چینی سے اصل بات سننے کی منتظر تھی۔

"اس رپورٹر کو گزشتہ الیکشن پہ صوفیہ رحمٰن کے باپ کے کیمپین مینیجر نے وان فاتح پہ Oppo ریسرچ کرنے کے لئے ہائر کیا تھا۔ وہ رپورٹر میری طرح زیرک تھا اور بال کی کھال اتار لیتا تھا۔ میری طرح اس کی تفتیش انتہائی باریک بین اور............"

"تم اپنی یہ تعریفیں بعد میں بھی کر سکتی ہو۔ پہلے کام کی بات کر لیں؟"

داتن نے اسے خفگی سے گھورتے ہوئے ناک سکوڑی۔

"کہتے ہیں اچھا دوست قسمت سے ملتا ہے اور اگر دوست میرے جیسا....."

"لیانہ صابری!" اس نے زور سے صوفے کی گدی پہ ہاتھ مارا۔ "رپورٹر۔ کیا معلوم ہوا رپورٹر کو؟"

داتن جلدی جلدی بولنے لگی۔ "جب آریانہ دو سال کی تھی تو وان فاتح اس نے اس کا برتھ سرٹیفکیٹ بنوانے کے لئے ایک سرکاری آفیسر کو رشوت دی تھی۔"

"وہ کبھی ناجائز کام کے لئے رشوت نہیں دے سکتے۔ ناممکن۔" وہ نہیں مان سکتی تھی۔

3

"رپورٹر نے جب سرکاری افسر کا بیان سامنے لا کے رکھا تو فاتح نے سچائی سے اعتراف کر لیا کہ اس نے واقعی برتھ سرٹیفیکیٹ کے لئے رشوت دی تھی۔"

"تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس کی بیٹی نہیں ہے۔"

"کیونکہ اس وقت اس بچی کی عمر دو سال تھی اور وان فاتح کی شادی کو صرف ایک سال گزرا تھا۔"

وہ ایک دم چپ ہو گئی۔ "یعنی وہ عصرہ اور فاتح کی بیٹی نہیں ہے مگر ہو سکتا ہے وہ فاتح کی کسی پہلی بیوی یا....."

"رپورٹر کو بھی یہی لگا کہ یہ بچی یا تو کسی خفیہ بیوی سے ہے یا ناجائز نہیں ہے' مگر جب اس نے فاتح کو بلیک میل کرنا چاہا تو فاتح نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ وہ بچی اس کی اپنی نہیں تھی' نہ عصرہ کی تھی۔ اس نے اسے ایڈاپٹ کیا تھا۔"

"تو ایڈاپٹ شدہ بچی پہ اتنا پردہ ڈالنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ اتنے ماہ اس رپورٹر کو منہ بند کرنے کے لئے پیسے کیوں دیتے رہے؟"

"رپورٹر کا کہنا ہے کہ کچھ تو تھا جس کو وہ چھپانا چاہتا تھا کیونکہ اس نے جیسے ہی فاتح سے کہا کہ وہ صوفیہ کے باپ کو بتا دے گا تو فاتح اس کو پیسے دینے پہ راضی ہو گیا۔ البتہ جب بچی کھو گئی تو انسانیت کے ناتے اس رپورٹر نے فاتح سے رابطہ منقطع کر دیا۔"

"اگر وہ بچی شروع سے اس کے ساتھ تھی تو اس کا مطلب ہے اس نے شادی بھی اس بچی کو کاغذی ماں' باپ فراہم کرنے کے لئے کی تھی۔" وہ چونک کے بولی۔ "ایک انٹرویو میں عصرہ نے ہنستے ہوئے بتایا تھا کہ فاتح کو شادی کی جلدی تھی۔"

"اور عصرہ نے اس کی مدد کی۔ وہ دونوں امریکہ میں رہتے تھے تو انہوں نے ہر طرح سے اس بچی کے معاملے کو کور کر کے رکھا۔ ملائیشیا میں لوگ یہی جانتے تھے کہ وہ فاتح اور عصرہ کی بیٹی ہے۔ انہوں نے اس کی عمر ایک سال کم لکھوائی تھی۔۔"

"اور یہ الیگل برتھ سرٹیفکیٹ اس نے امریکہ کی بجائے ملائیشیا میں کیوں بنوایا؟"

"کیونکہ یہاں ناجائز کام زیادہ آسانی سے ہو جاتے ہیں۔"

تالیہ اب تھوڑی پہ ہاتھ رکھے چھت کو دیکھتی سوچ رہی تھی۔

"یعنی وان فاتح نے اس بچی آریانہ کے لئے اپنی ساری زندگی بدل کے رکھ دی۔ عصرہ نے بھی اس کا مکمل ساتھ دیا۔ ماننا پڑے گا' وہ اچھی بیوی تھی۔ اس کے لئے اپنے بچوں کا تحفظ سب سے بڑھ کے ہے۔" (نہ چاہتے ہوئے بھی اعتراف کیا۔)

"تم نے ایک دفعہ بھی میرا شکریہ ادا نہیں کیا' لڑکی۔" داتن پدوکا نے کافی دیر انتظار کے بعد سوچ میں گم تالیہ کو ٹہوکا دیا تو اس نے برا سا منہ بنایا۔

"ابھی تو تم بڑا دوست دوست کا راگ الاپ رہی تھیں۔ دوستوں کو شکریہ اور سوری نہیں کہتے۔"

"مگر کچھ کھانے کے لئے تو کہہ دیتے ہیں نا۔"

وہ خفگی سے اٹھی اور خود ہی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ پھر کاؤنٹر کے قریب رکی۔ وہاں کوکو پھل کی ٹوکری اس دن سے ایسے ہی رکھی تھی۔

4

''یہ ایڈم کیوں بھیجتا ہے تمہارے لئے اتنے ہائی کیلوری تحفے؟''

''وہ نہیں بھیجتا۔''

''پھر کون؟'' داتن چونک کے اس کی طرف گھومی۔ وہ ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے سوچ میں گم نظر آ رہی تھی۔

''بتا دوں تو کون سا تم یقین کر لو گی؟''

داتن نے دونوں ہاتھ پہلوؤں پہ رکھے اور بھنویں بھینچ کے اسے دیکھا۔

''کیا تمہیں ہماری دوستی پہ اتنا بھی یقین نہیں ہے؟''

تالیہ نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔ ''تم یقین نہیں کرو گی۔ کوئی یقین نہیں کرے گا۔''

''تم آزما کے تو دیکھو۔''

تالیہ نے کاؤنٹر کے پار کھڑی متفکر سی داتن کو دیکھا اور مسکرائی۔

''اگر میں کہوں کہ میں نے اڑنا سیکھ لیا ہے؟ یا انسانوں کو ہاتھ کے اشارے سے سانپ بچھو بنا سکتی ہوں؟ یا جس شے کو چھوؤں اس کو سونا بنا دیتی ہوں۔ تو کر لو گی یقین؟''

''تمہیں اب بھی شک ہے؟''

''اور اگر میں کہوں کہ.....'' داتن پہ جمی اس کی آنکھیں بھیگیں۔ آواز کپکپائی۔ ''کہ میں نے وقت میں سفر کیا ہے؟ میں چھ سو سال پہلے کے ملاکہ کی شہزادی تاشہ ہوں؟ اور میں نے وہاں کے غلام فاتح سے شادی کر لی تھی؟ اس ایک رات میں ایڈم' میں اور فاتح چار ماہ قدیم ملاکہ میں گزار آئے ہیں تو یقین کر لو گی؟''

کسی کھلی کھڑکی سے تیز جھونکا آیا اور اس کے چہرے پہ آئے بال پیچھے کو اڑنے لگے۔ اس کی گردن اٹھی تھی اور داتن پہ جمی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

داتن کے ہاتھ پہلو میں آن گرے۔ لب ہلکے سے کھل گئے۔ پھر وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی قریب آئی اور میز کے کنارے پہ بیٹھی۔

''تو تم نے چابی کا قفل ڈھونڈ لیا تھا؟ اس کتاب میں لکھا تھا کہ وہ وقت کا دروازہ ہے۔ کیا واقعی وہ.....؟''

تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ آنسو سست روی سے گرنے لگے۔ اس سفر کو یاد کرنا خوف اور تکلیف کو یاد کرنا تھا۔ وہ وقت کی قید' وہ مراد راجہ کا اصلی چہرہ جاننا' وہ جنگل میں ننگے قدموں سفر کرنا..... یا اللہ!

''تم نے وقت کا دروازہ پار کر لیا؟ میں نے تمہیں منع کیا تھا مگر تم نے نہیں سنا۔'' وہ ایک دم بے بسی سے غصہ ہوئی۔ ''وہ کتاب درست کہتی تھی۔ تمہاری گردن کا نشان..... تم پمبورو تھیں۔ شکار باز۔ اوہ تالیہ..... تمہیں کیوں لگا میں تمہارا یقین نہیں کروں گی؟''

''کیونکہ میں نے ساری عمر جھوٹ بولے ہیں اور دیکھو وقت نے کیسے میرے ساتھ جھوٹ بول دیا۔ مجھے ایسا سچ تھما دیا جس کو کہنے کی

5

ہمت بھی نہیں رہی۔ میں بہت تکلیف میں ہوں' داتن۔'' وہ ہموار لہجے میں کہہ رہی تھی البتہ آنسو گرتے جارہے تھے۔

''اسی لیے میں جھوٹ اور دھوکے کے اس راستے کو چھوڑ آئی ہوں۔ پلیز میری مدد کیا کرو۔ مجھے یہ مت کہا کرو کہ انسان نہیں بدل سکتے۔ مجھے امید اور ہمت دلایا کرو۔ مجھے کہا کرو کہ تالیہ تم بھی اچھی ہو سکتی ہو۔ میں نے بہت کوشش' بہت محنت کی ہے 'بہتر' بننے کے لئے۔ سچا بننے کے لئے۔ پلیز مجھے حقیقت کا آئینہ مت دکھایا کرو۔ پلیز مجھے اس فیری ٹیل میں زندہ رہنے دیا کرو جس میں جب لوگ اچھے ہو جاتے ہیں تو ان کے گناہ ان کا پیچھا نہیں کرتے اور ان کو ان کی ہیپی اینڈنگ مل جاتی ہے۔ مجھے میری ہیپی اینڈنگ چاہیے داتن۔ مجھ سے جھوٹ بولا کرو اور کہا کرو کہ وہ مجھے مل جائے گی۔''

وہ بڑے صبر سے دھیرے دھیرے کہہ رہی تھی مگر اس کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ داتن نے دل تھام کے اسے یوں دیکھا۔ اس کا تو جیسے کلیجہ کٹ گیا تھا۔

''مجھے شروع سے بتاؤ کہ اس رات کیا ہوا تھا۔'' وہ واقعی تالیہ کے لیے پریشان ہو گئی تھی۔

پھر وہ جو بولنا شروع ہوئی تو صبح تک بولتی رہی۔

کچن کاؤنٹر پہ رکھی پھلوں سے بھری ٹوکری خاموشی سے ان دونوں کو صوفوں پہ بیٹھے باتیں کرتے دیکھتی رہی۔

روشنی پھیلنے لگی تھی جب داتن تیسری دفعہ چائے بنانے اٹھی' پھر رک کے اس کی طرف گھومی۔

''تم آج سے مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گی۔ تمہیں تمہاری ہیپی اینڈنگ دلانے کے لئے لیانہ صابری کو جو بھی کرنا پڑے' وہ کرے گی مگر تمہاری امید نہیں ٹوٹنے دے گی۔ تم اچھی بن چکی ہو' تالیہ۔ اور جب انسان اچھا بن جاتا ہے تو اس کے گناہ اس کے پیچھے نہیں آتے۔''

''واقعی' داتن؟'' اس نے امید اور خوف سے داتن کا ہاتھ تھام کے پوچھا۔ ''کسی کو کبھی نہیں علم ہو گا نا کہ میرا ماضی کیسا تھا؟ اگر میں مستقبل کو اچھے رنگوں سے لکھوں تو میرا ماضی Irrelevant ہو جائے گا نا۔''

''ہاں' تالیہ۔ تمہارا ماضی کبھی کوئی نہیں ڈھونڈ سکے گا اور نہ ہی تمہارے جرائم تمہارے پیچھے آئیں گے۔'' داتن نے اسے تسلی دی۔

وہی جھوٹی تسلی جو تالیہ نے تھوڑی دیر پہلے اسے دینے کے لئے کہا تھا۔

☆☆==========☆☆

اس صبح پراسیکیوشن آفس میں دو لوگ ایک میز کے گرد بیٹھے تھے اور ان کے درمیان ایک فائل کھلی رکھی تھی۔ پہلے صفحے پہ تالیہ مراد کی انلارج تصویر چسپاں تھی اور دیگر صفحات پہ اس کی پروفائل تحریر تھی۔

جو شخص تصویر اٹھا کے غور سے دیکھ رہا تھا' وہ ادھیڑ عمر کا سرمئی بالوں والا ملے مرد تھا۔ آنکھوں پہ سلور فریم کا چشمہ لگائے' وہ کشادہ پیشانی اور ٹھنڈے مزاج کا حامل انسان لگتا تھا۔ اس کا نام احمد نظام تھا اور وہ چیف پراسیکیوٹر تھا۔

''تنکو احمد....'' سامنے بیٹھا آفیسر رازدارانہ لہجے میں کہنے لگا۔ ''یہ تالیہ بنتِ مراد ہے۔ وان فاتح بن رامزل کی نئی کیمپین مینیجر۔ ایک

معروف سوشلائیٹ اور چیریٹی ورکر۔ مگر اٹارنی جنرل کے آفس سے یہ فائل آپ کو اس لیے بھیجی گئی ہے تا کہ آپ معلوم کریں کہ کیا یہ لڑکی وہی ہے جو یہ خود کو کہتی ہے؟"

سلور بالوں والے پراسیکیوٹر نے تصویر رکھی' عینک اتاری اور آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے غور سے دیکھا۔

"حکام بالا ایک دم سے ایک عام سی لڑکی میں کیوں دلچسپی لینے لگے ہیں؟"

"کیونکہ وہ ایک دم سے وان فاتح کے گرد نظر آنے لگی ہے۔"

"مگر سیاستدانوں کے گرد تو سارے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ دولتمند Heirs۔ سوشلائیٹ heiresses' تاجر' کاروباری لوگ۔ عام لوگوں کو کہاں نوکری ملتی ہے سیاستدانوں کے قریب؟ مجھے اس میں کوئی معیوب بات نہیں لگتی۔"

"ہمیں مصدقہ اطلاع ملی ہے کہ یہ لڑکی وہ نہیں ہے جو وہ خود کو کہتی ہے۔ اور اگر ایسا ہے' اور وہ واقعی کوئی جاسوس' کوئی خفیہ operative ہے تو یہ آپ کا فرض بنتا ہے کہ آپ باریسن نیشنل کے ہونے والے صدر کو اس سے محفوظ رکھیں۔ تنگو احمد' کیا آپ یہ ذمہ داری بغیر گھبرائے قبول کر سکتے ہیں؟" اس کا انداز جتانے والا تھا۔

احمد نظام مسکرایا اور پیچھے کو ٹیک لگائی۔ "میں اس آفس میں اتنے عرصے سے کام کر رہا ہوں جتنے عرصے میں بچے جوان ہو جاتے ہیں۔ میں جب کسی کیس کی ابتدائی فائل دیکھتا ہوں تو بتا دیتا ہوں کہ کیس میں کچھ ہے یا نہیں' اور اس کیس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ جب کوئی جرم ہوا ہی نہیں تو ایک بے چاری لڑکی کو پریشان کرنے کا کیا فائدہ؟"

"اس فائل میں اس کے ایکس ہزبینڈ کا پتہ بھی لکھا ہے جو کہ اس وقت جیل میں ہے۔ اس کا بیان سن کے آپ کی رائے بدل جائے گی۔"

"کتنے لوگ ہیں جو اپنے ایکس کی تعریف کرتے ہیں؟ تو اس (فائل پہ نام پڑھا) تالیہ کے ایکس ہزبنڈ کی رائے کو میں کیسے معتبر مان لوں؟" سامنے بیٹھے آفیسر نے گہری سانس بھری۔ سرکاری افسر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"آپ اس کیس کو دو ہفتے کے لئے ٹرائل کے طور پہ لے لیں۔ اگر اس میں کچھ نہ ملے تو اسے چھوڑ دیجیے گا۔"

"صاحب اگر مجھے کسی مقام پہ یہ معلوم ہوا کہ...." احمد نظام نے آگے کو جھک کے سنجیدگی سے تنبیہہ کی۔ "....یہ کیس صرف ایک سیاسی Fishing expedition تھا اور مجھے اس کا حصہ بنایا گیا ہے تو میں اسی وقت استعفیٰ دے دوں گا۔ میں وان فاتح اور صوفیہ رحمٰن' ان دونوں جیسے سیاستدانوں سے نالاں ہوں۔"

"یہ کوئی سیاسی فشنگ مہم نہیں ہے سر!" وہ یقین دلا رہا تھا۔

(فشنگ مہم ایسی تفتیش کو کہتے ہیں جس میں یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ فلاں مجرم ہے اور اسے سزا دینی ہے تو ذہن بنا کے اس کے خلاف بہت سی معلومات اکٹھی کی جاتی ہیں تا کہ کچھ ایسا مل جائے جس پہ اسے سزا دی جا سکے۔ جیسے کنڈیاں لگا کے جھیل کنارے بیٹھ جانا۔ پھر آگے مچھلی

پھنسے یا کینچوا۔)

''ٹھیک ہے۔ میں تمہاری زبان پہ اعتبار کر رہا ہوں۔ میرے نزدیک انسان کی زبان اس کی گردن کو رہن رکھ سکتی ہے۔'' پھر وہ کھڑا ہوا تو آفیسر بھی ساتھ ہی اٹھا۔ دونوں نے مصافحہ کیا اور تنگو احمد نے اپنی بات دہرائی۔

''اس لڑکی نے ابھی تک کوئی جرم نہیں کیا جو ہمیں معلوم ہو اور نہ ہی کسی نے اس کی شکایت کی ہے۔ دو ہفتے.... اگر دو ہفتوں تک مجھے کچھ نہ ملا تو میں اس فائل کو بند کر دوں گا۔''

اس کا لہجہ پرعزم اور اٹل تھا۔ وہاں کوئی لچک' کوئی ڈھیل نہ تھی۔ سرکاری افسر نے مسکرا کے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔

''میرے خیال میں' سر.... یہ کیس اتنی جلدی بند نہیں ہوگا۔''

☆☆=========☆☆

ٹیبلوئڈ کے دفتر میں معمول کے مطابق صبح سویرے ہی گھنٹیوں اور آوازوں کا شور گونج رہا تھا۔ کیبن در کیبن قطار میں بنے تھے اور رپورٹرز' کمپوزرز اور ایڈیٹرز اپنے اپنے کی بورڈ میں سر دیے کام کر رہے تھے۔

ایڈم بن محمد کندھے پہ لمبے اسٹریپ والا بیگ اٹھائے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ چیک والی شرٹ اور سادہ انداز میں جمائے بال معمول کے مطابق تھے۔ آج اس نے سوٹ وغیرہ نہیں پہنا تھا۔ اب تو اس کی جاب پکی تھی۔ مگر کیا یہ آگے بھی پکی رہے گی؟ یہی اندیشہ اس کو پریشان کیے ہوئے تھا۔

ایڈیٹر کا دروازہ کھٹکھٹا کے اندر سر نکال کے جھانکا تو وہ کام کرتے دکھائی دے رہا تھا۔ وہی پہلے دن والے تاثرات' ماتھے پہ بل' ناک پہ غصہ۔ چہرہ جھکا ہوا تھا۔ ایڈم نے تھوک نگلا۔

''سر...... میں آجاؤں؟''

انہوں نے سر اٹھا کے اسے دیکھا تو وہ فوراً سے اندر آیا اور شروع ہو گیا۔ ''سر میں شرمندہ ہوں کہ اس ہفتے کوئی اسٹوری نہیں دے سکتا۔ آپ نے مجھے جاب دی مگر میں آپ کی توقعات پہ پورا نہیں اتر سکا۔ لیکن میں وعدہ کرتا ہوں اگلے ہفتے میں.....''

''ایڈم..... آؤ آؤ... بیٹھو۔ کب آئے تم؟'' ایڈیٹر کے چہرے پہ ایسی خوشی اتری کہ ایڈم کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ گنگ سا اس کو دیکھنے لگا جو کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اور اسٹوری کی کیا بات کرتے ہو؟ اتنی دلچسپ خبر ہم نے بریک کی وہ بھی تمہاری وجہ سے۔ بیٹھو نا۔''

پہلے تو اسے لگا وہ طنز کر رہا ہے مگر ایڈیٹر کی خوش اخلاقی قدرتی تھی۔ ایڈم نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''میری کون سی اسٹوری؟ وہ ایکٹرس کے اسکینڈل والی تو آپ نے چھاپی ہی نہیں۔''

ایڈیٹر نے مسکرا کے ہاتھ جھلایا۔ ''جانے بھی دو اسے۔ اصل اسٹوری تو تم نے حالم کے خط کے لفافے کے اندر ڈال کے دی تھی۔ وہ تو

8

شکر ہے میں نے وہ لفافہ کھول لیا ورنہ وہ بٹن کیمرہ اور وان فاتح کی ویڈیو تو ردی کی ٹوکری میں چلی جاتی۔ ویسے کیا شاندار ویڈیو لیک تھی ۔ ہماری ویب سائٹ کے ہٹس ایسے اوپر گئے کہ ......"

وہ جوش سے بتا رہا تھا اور ایڈم بن محمد کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

حالم کے بنگلے تک کا سفر اس نے غصے صدمے اور بے بسی کی جس حالت میں کیا صرف وہی جانتا تھا۔ گیٹ بند تھا۔ اس نے زور سے گھنٹی بجائی، پھر غصے سے چھوٹا گیٹ پھلانگا اور تیزی سے پورچ میں آیا۔ بند دروازے کو زور سے دھڑ دھڑایا۔

"آرام سے..... آرام سے!" داتن نے دروازہ کھولا اور ساتھ ہی برہمی سے اسے ٹوکا۔ مگر ایڈم کا سرخ چہرہ اور بھنچی ہوئی بھنویں دیکھ کے ٹھہری۔ "تمہیں کیا ہوا؟"

"چے تالیہ کہاں ہیں؟" وہ غرایا۔

"جہاں اس وقت سارے کنگ میکرز ہوتے ہیں۔ اپنے سیاستدانوں کے گرد۔"

وہ تیزی سے مڑا اور گیٹ کی طرف بڑھا تو داتن نے پکارا۔ "تمہارے خیال میں تمہیں کوئی سیاسی پارٹی کے دفتر میں اس ایٹی ٹیوڈ کے ساتھ گھسنے دے گا؟ مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟" لہجہ ابھی تک سخت تھا۔

ایڈم واپس گھوما اور چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"آف کورس آپ تو جانتی ہی ہوں گی۔ بہر حال چے تالیہ سے کہیے گا مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ انہوں نے میرے ذریعے..... میرے ذریعے (زور دے کر) فاتح صاحب کی ویڈیو لیک کروائی تھی۔"

"تو؟"

اس نے کندھے اچکائے تو ایڈم نے غصے اور بے بسی سے سانس باہر خارج کی۔

"تو یہ کہ مجھے ان کے فاتح صاحب سے دھوکہ دہی کرنے سے زیادہ اس بات کا افسوس ہے کہ انہوں نے کہا تھا وہ خود کو بدل رہی ہیں۔ اور میں نے یقین کر لیا تھا۔ مگر وہ اب بھی ویسی ہی ہیں۔"

"اکیلی کیوں بدلے وہ؟" داتن نے غراتے ہوئے باہر قدم رکھا تو وہ ٹھہر گیا۔

"تم کیوں نہ بدلو؟ فاتح رامزل کیوں نہ بدلے؟ ساری دنیا کیوں نہ بدلے؟" وہ پورچ پہ قدم قدم اس کے قریب آ رہی تھی۔ بھاری بھرکم داتن نے ہاتھ دونوں پہلوؤں پہ جما رکھے تھے اور غیض و غضب سے چہرہ تمتمانے لگا تھا۔

"صرف میری تالیہ کیوں بدلے؟ اس نے تو طے کر لیا ہے کہ وہ اپنے اصل سے نہیں بھاگے گی اور اپنے ٹیلنٹس کو اپنے عزیز لوگوں کے فائدے کے لئے استعمال کرے گی مگر میں پوچھتی ہوں لڑکے، تم لوگ کیوں نہ بدلو؟ وان فاتح کیوں مصلحت پسندی کی سیاست چھوڑ کے، اپنی بیوی اور اس کے بھائی کے خوف سے آزاد ہو کے اپنے "اصل" کے ساتھ قدیم ملاکہ والا بے خوف انسان کیوں نہ بنے؟" وہ اسے

گھورتے ہوئے قریب آرہی تھی۔ایڈم کے تاثرات بدلے۔قدم قدم پیچھے ہٹنے لگا۔

''اور تم کیوں نہ بدلو؟ کب تک خود ترسی کا شکار ہو کے بے روزگار پھرو؟ تم اس ڈنر پہ اسی جگہ کھڑے تھے جہاں عثمان نے کھڑے ہو کے وہ ویڈیو بنائی تھی۔ہم نے بٹن کیمرے کو چیک کیا تو وہ وائی فائی سے کنیکٹڈ نہیں تھا مگر عثمان کے فون سے ضرور تھا۔اشعر وغیرہ کے پاس ویڈیو ہو یا نہ ہو‘ عثمان کے پاس اس کی کاپی ضرور تھی۔کبھی نہ کبھی اسے لیک ہونا تھا اور تم پہ الزام لگتا۔مگر جانتے ہو عثمان نے تم پہ الزام کیوں نہیں لگایا؟''

وہ جارحانہ انداز میں آگے بڑھ رہی تھی اور وہ چوکنا سا پیچھے ہٹ رہا تھا۔دیوار سے کمر ٹکرائی تو رک گیا۔

''کیونکہ تالیہ نے تمہیں وہ ڈھال تھما دی تھی جس کو اٹھائے تم کسی کی خبر لیک کر سکتے ہو‘ کسی کا راز کھول سکتے ہو‘ کسی کی جاسوسی کر سکتے ہو۔تمہیں اس چیز کا لائسنس مل گیا ہے‘ ایڈم۔اور جانتے ہو وہ ڈھال کیا ہے!''

''رپورٹر ہونا!'' دیوار سے لگا ایڈم دھیرے سے بولا۔اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے۔''کیونکہ رپورٹر یہ سب کر سکتا ہے۔''

''بالکل‘ ایڈم بن محمد!'' داتن اس کے عین سامنے کھڑی اسے گھور رہی تھی۔''تمہیں اب immunity مل گئی ہے۔اور جاب بھی۔تمہیں کیا لگتا تھا‘ تمہیں بغیر کسی ڈگری یا قابلیت کے اتنے بڑے اخبار میں یونہی جاب مل جائے گی؟ وہ ویڈیو تمہاری سی وی تھی۔اسی سے تمہیں عزت ملنے لگے گی۔وہ ویڈیو وان فاتح کے گرد سے عثمان جیسے لوگوں کو دور کرنے کا ہتھیار تھی۔وان فاتح کو آزاد کرنے کی چابی تھی۔آئندہ کوئی بھی فاتح کی ویڈیو بنانے کی کوشش نہیں کرے گا کیونکہ اس ویڈیو سے اس کو ملنے والی عزت اشعر جیسے لوگوں کی عبرت کے لئے کافی ہے۔اس لئے آئندہ تالیہ پہ غصہ کرنے کی بجائے اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے یہ گیٹ پھلانگنا تو بہتر ہوگا۔''

ایڈم پہ گھڑوں پانی پڑ چکا تھا۔

تو یہ طے تھا کہ صرف تالیہ کو نہیں بدلنا تھا۔اس کے گرد موجود باقی دنیا کو بھی تالیہ کے مطابق خود کو تبدیل کرنا تھا۔چاہے خوشی سے چاہے نا خوشی سے۔

''ظاہر ہے جب میں نے سنا تو مجھے.....غصہ آیا مگر....'' ایڈم نے ہونٹ کاٹتے شانے اچکا دیے۔الفاظ ختم ہو گئے تھے۔پھر ایک دم وہ چونکا۔''آپ نے کہا قدیم ملاکہ والا فاتح۔آپ کو.....کیسے پتہ؟''

داتن نے گہری سانس لی‘ ہاتھ پہلوؤں میں گرائے اور آنکھیں گھمائیں۔''ظاہر ہے تالیہ میری بہترین دوست ہے۔اس نے تمہارے وقت کے سفر کی روداد پہلے دن ہی سنا دی تھی مجھے۔''

''پہلے دن؟'' ایڈم نے مشکوک انداز میں ابرو اٹھائی۔

''مطلب دوسرے دن۔''

ایڈم نے دوسری ابرو بھی اٹھائی۔

10

''مطلب... کل... کل بتایا اس نے۔'' داتن برے موڈ سے بولی تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔ ماحول سے تلخی خود بخود جانے لگی۔

''تو بالآخر انہوں نے آپ پہ یقین کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔'' اس کے چہرے کی سرخی ابھی تک ختم نہیں ہوئی تھی مگر اب وہ بہتر محسوس کر رہا تھا۔ چیزیں سیاہ اور سفید نہیں ہوتیں' چیزیں اس سے زیادہ پیچیدہ ہوتی ہیں۔

''اس کو ہمیشہ سے مجھ پہ یقین تھا۔'' اس نے شانے اچکائے پھر اسے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

☆☆=========☆☆

کچھ دیر بعد وہ دونوں لاؤنج سے ملحقہ اوپن کچن میں میز کے گرد بیٹھے تھے۔ ماحول کی تلخی اب چائے کی خوشبو میں گھل کے عنقا ہو چکی تھی۔ البتہ داتن کے چہرے کے زاویے بدستور اکھڑے اکھڑے سے تھے۔

''آج چائے ٹھیک سے نہیں بنی۔ ضائع ہونے سے بہتر ہے تم پی لو۔ تمہیں اپنے کڑوے رویے کی سزا بھی تو ملنی چاہیے۔''

''آپ مجھے اس چیز کے ساتھ بھی چائے کی پیشکش کر سکتی تھیں جس کو خوش اخلاقی کہتے ہیں۔''

''میرے اندر وہ چیز ناپید ہے' خوش؟'' وہ اسی طرح ماتھے پہ بل لیے اس کے سامنے چائے کے برتن نکالنے لگی۔ ''اور ویسے بھی یہ ادب آداب تمہارے ملاکہ میں چلتے ہوں گے۔ ہم نئے زمانے کے لوگ ہیں۔ فاسٹ فوڈ جنریشن!''

''تو چے تالیہ نے سب بتا دیا؟'' ایڈم نے محظوظ انداز میں اپنا مگ اٹھایا اور گھونٹ بھرا۔ چائے بے حد خوش ذائقہ تھی۔

''ہاں۔ یہ بھی کہ تم وہاں مورخ تھے۔ ہاہاہا۔ تصور کرو۔ مورخ۔'' وہ طنز سے ہنسی۔ ''ویسے مجھے افسوس ہے کہ تمہارا سامان سن باؤ کے گھر سے نہیں نکلا۔''

''سامان؟''

''ہاں۔ تالیہ نے کہا تم نے کچھ چیزیں چھپائی تھیں روزمرہ کی مگر واپس آ کے کھدائی پہ وہ نہیں نکلیں۔ افسوس ہوا۔''

وہ واقعی طنز کر رہی تھی مگر ایڈم سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔

''وہ صرف 'چیزیں' نہیں تھیں اور نہ ہی فقط ''میں'' نے چھپائی تھیں۔ شاید چے تالیہ شرمندگی سے بچنے کو بات چھپا گئیں۔ وہ پورا خزانے سے بھرا صندوق تھا جو ہم دونوں نے مل کے چھپایا تھا''۔

داتن کے ہاتھ سے چمچ زور سے ٹرے میں آ گرا۔ اس کا منہ کھل گیا۔

''خزانے کا صندوق؟ پورا صندوق؟'' اس کے دماغ کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

''جی ہاں۔ پورا صندوق بھرا تھا ہم نے مگر کوئی ہمارے واپس آنے سے پہلے ہی نکال کے لے گیا۔''

''کون لے گیا؟ کہاں لے گیا؟ تم لوگوں نے کوئی تفتیش بھی نہیں کی؟ یا اللہ پورا صندوق!'' داتن کو ہول اٹھ رہے تھے۔

''سارا صحن کھود لیا۔ کچھ نہیں ملا۔ اب تو میں نے اس کی فاتحہ بھی پڑھ لی ہے۔'' اور دعائیہ انداز میں دونوں ہاتھ چہرے پہ پھیرے۔

11

''چلو۔ اٹھو۔ اسی وقت ہم ملاکہ جا رہے ہیں۔ اللہ کی پناہ' تم لوگوں نے اپنا خزانہ اتنی آسانی سے کیسے چوری ہونے دیا۔'' وہ اٹھی اور اسے چٹکی بجا کے اٹھنے کا اشارہ کرنے لگی۔ ایڈم گڑبڑا کے کھڑا ہوا۔ چائے کا مگ میز پہ رکھ دیا۔

''مگر خزانہ تو غائب ہو چکا ہے۔ اسے اب کیسے ڈھونڈا جا سکتا ہے؟''

''کبھی اسکول گئے ہو؟ کبھی سائنس کی کتابیں پڑھی ہیں؟ مادے کا پہلا اصول یاد ہے؟''

وہ منہ بنا کے کہنے لگا کہ اے خاتون' کتابوں تک نہ ہی آئیں تو اچھا ہوگا مگر وہ بولتی جا رہی تھی......

''مادہ نہ تخلیق ہوتا ہے' نہ تباہ ہو سکتا ہے اس کی بس حالت بدل جاتی ہے۔ خزانہ بھی غائب نہیں ہوتا۔ اس کا بس مالک بدل جاتا ہے۔ اور نئے مالک کو ان چیزوں کو بیچنا بھی پڑے گا اور جب وہ بیچے گا تو ہم اس کو ٹریک کر لیں گے۔ اب راستے میں تم مجھے ہر چیز کی تفصیلی ڈسکرپشن دو گے۔ چلو بھی۔''

وہ گھرک کے بولی تو ایڈم بس اسے دیکھ کے رہ گیا۔

''یہ کتابیں نہ پڑھنے والا طعنہ آپ نے مجھے کس خوشی میں دیا؟'' وہ خفا ہوا۔

''کیونکہ تمہاری جنریشن کے لوگوں کو کتابوں سے الرجی ہے۔ سارا وقت اسکرینوں میں گھسے رہتے ہیں۔ کبھی کتابیں پڑھو تو جانو کہ دنیا کتنی بڑی اور انسان کتنا گہرا ہے۔'' وہ اپنے پرس میں جلدی جلدی چیزیں ڈالتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ایڈم نے آنکھیں تیکھی کر کے اسے دیکھا۔

''ہو سکتا ہے ایڈم نے آپ سے زیادہ کتابیں پڑھی ہوں۔''

داتن نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''میں برسوں سے کے ایل کی سب سے بڑی لائبریری میں لائبریرین ہوں۔ میں اپنے ساتھ چار کتابیں اٹھا کے چلتی ہوں۔ ایک ٹریفک سگنل پہ رکے ہوئے پڑھتی ہوں۔ ایک ڈاکٹرز اپائنمنٹ کے انتظار پہ۔ ایک لنچ بریک میں کھانے کے ساتھ اور ایک رات کو سونے سے پہلے۔ تم ایک دن میں کتنی کتابوں کو پڑھ سکتے ہو؟''

ایڈم کا منہ کھل گیا۔ پھر جلدی سے اسے بند کیا اور کندھے اچکائے۔ ''آپ نے صحیح کہا۔ مجھے واقعی کتابوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ کم از کم آپ جتنا تو نہیں معلوم۔'' اور جھرجھری لے کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

یہ طے تھا کہ دنیا میں ایڈم بن محمد سے زیادہ عجیب لوگ بستے تھے۔

☆☆=========☆☆

شام کی اس تقریب سے پہلے وان فاتح ایک جگہ لنچ پہ مدعو تھا سو یہ طے ہوا کہ وہ سیدھا تقریب میں پہنچے گا جہاں عصرہ اور اشعر پہلے سے موجود ہوں گے۔ اشعر سے وہ اتنے دن بعد آج پہلی دفعہ ملنے جا رہا تھا اور تالیہ جانتی تھی کہ اس ملاقات میں گئے دنوں کی تلخی کا شائبہ تک نہ ہوگا۔

12

لنچ سے قبل وہ کسی کام سے آفس واپس آئی اور اپنی میز کے دراز کو کھول کے کچھ تلاشنے لگی کہ اپنی کرسی پہ چسپاں ایک پیلا نوٹ دیکھ کے ٹھہر گئی۔ ماتھے پہ بل پڑے۔ دو انگلیوں سے نوٹ اتارا اور چہرے کے سامنے کیا۔

"The Evil Queen"

تالیہ نے ارد گرد دیکھا۔ سامنے ہال بنا تھا جہاں اسٹافرز اپنے اپنے کیبن میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔ یقیناً انہی میں سے کسی نے اس لڑکی ایمان موسیٰ کو نکالے جانے کے باعث اپنا غصہ تالیہ پہ یوں نکالا ہوگا۔ اس نے ایک تیکھی نظر اوپر لگے سی سی ٹی وی کیمرے پہ ڈالی اور دراز سے مطلوبہ کاغذ نکالتی آگے بڑھ گئی۔

لفٹ میں نیچے جاتے ہوئے اس نے دوبارہ سے اس پرچی کو پڑھا۔

آفس اسٹافرز اسے اتنی جلدی ترقی ملنے پہ پسند نہیں کرتے تھے مگر وہ تالیہ مراد کو نہیں جانتے تھے۔ چند ماہ قبل تک وہ ایک خوش باش سی اسکامر تھی جس کو لوگوں کو لوٹنے میں مزا آتا تھا۔ پھر وہ وقت کے الٹے چکر میں پھنسی تو جانا کہ وہ ایک شہزادی ہے۔ تب اسے شہزادی کا کردار ادا کرنا آسان لگا تھا۔ وہ تب بھی چور تھی اور بھلے وہ ملاکہ سے نکلنا چاہتی تھی مگر اسے راج کرنا اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ ملاکہ کے لوگوں کے لیے کام کر رہی تھی مگر وہ ایک خود پسند اور مغرور شہزادی بن گئی تھی۔ لیکن جب وقت نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا اور اس نے یہ جان لیا کہ اسے کے ایل میں اپنی زندگی نئے اصولوں پہ شروع کرنی ہوگی تو وہ بدل گئی تھی۔ اس نے ایمان کو صرف اپنی طاقت دکھانے کے لیے فائر نہیں کیا تھا مگر آفس کے لوگ یہی سمجھتے تھے۔

"مگر اب میں ویسی نہیں ہوں۔" تالیہ نے لفٹ کی دھاتی دیوار میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے دہرایا۔ "میں ایک ظالم ملکہ بننے کی خواہشمند لڑکی نہیں ہوں۔ میں ایک عاجز ورکر ہوں جو فاتح رامزل کے تابع ہے۔ میں یہ سب ان کے "ساتھ رہنے" کے لیے کر رہی ہوں اور مجھے اس دنیا میں "حکومت کرنے کی" کوئی خواہش نہیں ہے۔ یہ پرچی لکھنے والا غلط ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ میں نے کتنی محنت سے خود کو بدلا ہے۔ میں اب وہ شہزادی نہیں ہوں جو قید خانے میں فاتح پہ تشدد کرتے دیکھ کے سپاہیوں پہ چلائی تھی کہ وہ ان کی ہونے والی ملکہ ہے۔ میں بس تالیہ ہوں۔" پرچی مروڑ کے پرس میں ڈال دی اور سر اٹھایا تو دھات میں اس کا عکس بدلا بدلا سا تھا۔ عکس میں تاج پہنے' کامدار لباس میں ملبوس مسکراتی ہوئی شہزادی تاشہ اس کو دیکھ رہی تھی۔

"پرچی درست کہتی ہے' تالیہ۔ تم اپنے اندر کی طاقت کی ہوس میں ڈوبی شہزادی تاشہ کو خود سے الگ نہیں کر سکتیں۔"

تالیہ نے جلدی سے سر جھٹکا۔ لفٹ کے دروازے کھل گئے اور وہ تیزی سے باہر نکل آئی۔ اسے اپنے اندر کی آوازوں کو ہر صورت دبانا تھا۔

تقریب ایک فارم ہاؤس پہ منعقد کی گئی تھی۔ وسیع لان کے درمیان میں مستطیل سا نیلا تالاب تھا جس میں غبارے تیر رہے تھے۔ تالاب نے لان کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ دونوں اطراف میں مہمان گلاس تھامے' خوش گپیوں میں مصروف ٹہلتے دکھائی دیتے تھے۔

وہ فاتح کے کندھے کے پیچھے تھی۔ آلو بخارے کے رنگ کے منی کوٹ کو سفید اسکرٹ بلاؤز پہ پہنے' بالوں کو درمیان کی سیدھی مانگ نکال کے جوڑے میں باندھے' وہ چوکنی اور محتاط نظروں سے اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔

اس کے برعکس اس کا باس ریلیکسڈ نظر آ رہا تھا۔ ٹائی ندارد تھی اور سفید شرٹ کے اوپر سرمئی کوٹ پہنے' بالوں کو ماتھے پہ بکھیرے وہ مسکرا کے بر آنے والے سے مل رہا تھا۔

وہ دونوں گارڈز کے ہمراہ لان کے سرے تک آئے تو سامنے عصرہ اور اشعر منتظر کھڑے تھے۔ عصرہ نے سرمئی اسٹول سر پہ اوڑھ رکھا تھا مگر اس کے باوجود سامنے سے بھورے بال اور موتیوں کا نیکلیس دکھائی دیتا تھا۔ وہ فاتح کو دیکھتے ہی مسکرا کے اس کے پہلو میں آ کھڑی ہوئی۔

اشعر بھی ''آ بنگ'' کہتا آگے بڑھا اور اس کے آ بنگ نے بھی فوراً سے پر جوش انداز میں اس کا ہاتھ تھام کے مصافحہ کیا۔ ان دونوں کے درمیان جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ اب وہ تینوں ایک تکون کی طرح مسکرا کے بات کر رہے تھے اور تین قدم دور کھڑی تالیہ کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

سیاسی مفاد کے لئے سب کتنے مزے سے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ انسان تو ابھی تک قدیم ملاکہ جیسا تھا۔ وہاں بھی ملکہ یان سوفو اور تالیہ مشترکہ دشمن (مرادراجہ) کے خلاف اکٹھی ہوگئی تھیں۔ اور..... یکدم احساس ہوا کہ عصرہ چبھتی نظروں سے اس کی مسکراہٹ دیکھ رہی ہے تو اس نے چہرہ سیدھا کر لیا۔ عصرہ واپس فاتح کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''تھینک یو فاتح!'' وہ تشکر سے کہہ رہی تھی۔ ''یہ کرنے کے لئے۔'' ساتھ ہی کنکھیوں سے لان کے دوسرے سرے کی طرف اشارہ کیا۔ تالیہ نے چونک کے ادھر دیکھا۔

تالاب نے لان کو دو حصوں میں یوں بانٹا تھا کہ حکومتی ارکان کا جمگھٹا دوسری طرف لگ چکا تھا۔ اور وہاں سب کے درمیان کھڑی صوفیہ رحمن نمایاں نظر آ رہی تھی۔

''فیملی کے لئے کچھ بھی!'' فاتح نے جواباً مسکرا کے شانے اچکائے۔ تالیہ کا ماتھا ٹھنکا۔ اشعر عصرہ اور فاتح کی مسکراہٹ کچھ کہہ رہی تھی۔

''کچھ ہونے جا رہا ہے' سر؟'' اس نے بے چینی سے پوچھا تو عصرہ نے سرد مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

''اِٹس اے فیملی تھنگ' تالیہ!''

''رائٹ!'' تالیہ کی تنی پیشانی ڈھیلی ہوگئی۔ بس سر کو خم دے دیا۔ اشعر نے بھی محظوظ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اب وہ وقت آ گیا ہے جب ہم صوفیہ رحمن سے آریانہ کا حساب لیں۔'' اور تالیہ کی طرف سے رخ پھیر لیا۔ وہ جانتا تھا کہ تالیہ کی اگر فائل کھلی تو وہ زیادہ عرصہ تک آفس میں نہیں ٹکے گی۔ اس لیے اسے تالیہ کو پلان سے آگاہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ آخری ڈنر میں اپنے شادی شدہ ہونے کا بتا چکی تھی اور اشعر کی رہی سہی دلچسپی بھی ختم ہو چکی تھی۔

14

فاتح اور اشعر ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے۔

''اب عوام کو کھل کے بتانا بہت ضروری ہے کہ آپ کی قربانی کتنی بڑی تھی۔ لوگوں کو احساس ہونا چاہیے اور.....''

''ایش میں یہ ہمدردی لینے کے لئے نہیں کر رہا بلکہ تمہاری اور عصرہ کی خواہش پہ کر رہا ہوں۔ اگر تمہاری حمایت کی یہ قیمت ہے تو مجھے منظور ہے۔'' وہ دونوں دور ہوتے گئے تو ان کی آوازیں بھی دم توڑ گئیں۔ تالیہ کی بے چین نگاہوں نے ان کا تعاقب کیا تو عصرہ کی آواز نے اس کی توجہ ہٹائی۔

''خود کو مت تھکاؤ' تالیہ۔ ہم فاتح کی فیملی ہیں اور ہماری بات وہ کبھی نہیں ٹالتا۔''

طنز سے بولی تو تالیہ زبردستی مسکرائی۔ پھر عصرہ بھی وہاں سے ہٹ گئی اور وہ بھری پارٹی میں اکیلی کھڑی رہ گئی۔

ان کی تکون دوراپنے مہمانوں میں مشغول ہو چکی تھی گویا آج فاتح کو تالیہ کی ضرورت ہی نہ تھی۔

مگر بنداہارا کی بیٹی کو تنہا کھڑے ہونا کب برا لگتا تھا؟ آرام سے ایک مشروب سے بھرا گلاس اٹھایا اور قدم قدم آگے چلنے لگی۔ عقابی نگاہیں تالاب کے دوسری طرف کھڑی صوفیہ رحمن پہ جمی تھیں۔

وہ بھورے اسکارف کو چہرے کے گرد لپیٹے' باجو کرنگ پہنے' مسکراتے چہرے والی عورت تھی۔ نقش پھیکے مگر خوبصورت تھے۔ گردن یوں تنی تھی گویا سریا لگا ہو مگر چہرے کی میٹھی مسکراہٹ دل لبھاتی تھی۔ شاہانہ انداز میں مسکرا مسکرا کے ساتھ کھڑے افراد سے بات کر رہی تھی۔ یکدم نگاہیں اٹھا کے تالاب کے پار کھڑی تالیہ کو دیکھا۔

دونوں کی نظریں ملیں تو اسے بے اختیار ملکہ یان سوفو یاد آئی۔ کچھ تھا ان دونوں عورتوں میں جو ایک جیسا تھا۔ کچھ evil queen جیسا!

صوفیہ اسے دیکھ کے مسکرائی اور دوبارہ سامنے والے شخص سے گفتگو میں مصروف ہو گئی۔

تالیہ کی نظر ابھی تک اس پہ جمی تھی۔ کچھ تھا جو اسے چبھا تھا۔

(میں نے اس عورت کے ساتھ کبھی کوئی اسکام نہیں کھیلا مگر اس کی یہ اندر تک اترتی نظر..... یہ معنی خیز مسکراہٹ کیسی تھی؟ جیسے کہہ رہی ہو۔ میں تمہیں جانتی ہوں!)

فاتح اپنے اقرباء کے درمیان کھڑا تھا جب عصرہ اشعر کو ایک طرف لے گئی' پھر اس کی کہنی تھامے قدرے بے چینی سے پوچھا۔ ''ہم ٹھیک کر رہے ہیں نا' ایش؟''

''آف کورس' کاکا۔ کیا آپ کو صوفیہ سے آریانہ کا بدلہ نہیں لینا؟''

''ہاں مگر..... ہم کسی بے گناہ پہ الزام تو نہیں لگانے جا رہے نا ایش؟'' وہ قدرے ڈسٹرب ہو گئی تھی۔ ''واقعی صوفیہ نے ہی ہماری آریانہ کو غائب کروایا تھا نا؟''

15

''آف کورس۔اس کے علاوہ کون ایسا کر سکتا ہے' کا کا؟''پھر نرمی سے اس کے ہاتھ تھامے اور سمجھانے لگا۔''آریانہ ہماری سنو وائٹ تھی اور صوفیہ رحمٰن وہ ظالم ملکہ ہے جس نے ہماری سنو وائٹ کو ہم سے دور کیا ہے۔صوفیہ رحمٰن ہماری کہانی کی ولن ہے اور ہو سکتا ہے وہ اب بھی جانتی ہو کہ ہماری سنو وائٹ کہاں ہے۔اس طرح کرنے سے شاید وہ اسے ہمیں لوٹانے پہ مجبور کر دے۔''

''واقعی'ایش؟''وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔''وہ ہمیں واپس مل جائے گی نا؟ہماری سنو وائٹ؟ہاں مجھے یاد ہے تم اسے یہ کہتے تھے۔سنو وائٹ۔''ایک آنسو مسکاراتی آنکھوں سے ٹوٹ کے گرا اور گال پہ بہہ گیا۔''وہ فیری ٹیلز میں جیتی تھی'اور خود بھی فیری ٹیل ہی بن گئی۔''

''کا کا میرے تم سے اور آبنگ سے لاکھ اختلاف اور لڑائی جھگڑے ہو جاتے ہیں'میں جانتا ہوں'مگر ایک بات میں اللہ تو انکو گواہ بنا کے کہتا ہوں کہ مجھے آریانہ سے بہت محبت تھی۔اور اب اس ظالم ملکہ کے حساب دینے کا وقت آ گیا ہے۔''وہ اسے ٹھوس لہجے میں یقین دلا رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں اتنا یقین تھا کہ عصرہ کے سارے خدشے دور ہونے لگے۔وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

تالاب کے پار کھڑی صوفیہ رحمٰن نے گلاس کا آخری گھونٹ بھرا اور پھر خالی گلاس کو دیکھا۔پھر ایک دم نظریں تالیہ کی طرف اٹھائیں۔وہ ابھی تک اسی کو دیکھے جا رہی تھی۔دونوں کے بیچ تالاب حائل تھا۔صوفیہ نے مسکرا کے خالی گلاس کی طرف اشارہ کیا۔

ملکہ کو مشروب درکار تھا۔تالیہ مراد نے سر کو مسکرا کے اثبات میں جنبش دی اور آگے بڑھ گئی۔

چند لمحے بعد وہ ایک بھرا ہوا گلاس لئے صوفیہ کے قریب جا رہی تھی۔اس کی چال متوازن اور گردن اعتماد سے اٹھی تھی۔اسے معلوم تھا صوفیہ اس سے ملنا چاہتی ہے اور ایسا ہی ہوا۔وہ قریب آئی تو صوفیہ کے گرد سے (ہدایت کے مطابق) لوگ چھٹنے لگ گئے۔

اب وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل تنہا کھڑی تھیں۔

''یانگ امت برحرمت!''(معزز ترین) تالیہ نے ادب سے گلاس پیش کیا۔گردن جھکائی مگر نظریں اٹھائے رکھیں۔

یہ اس نے ایک غلام سے سیکھا تھا۔

یانگ امت برحرمت (وزیر اعظم کا لقب) نے ہیروں کی انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ سے گلاس تھاما اور محظوظ مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

''تو تم میرے کلاس فیلو کی نئی چیف آف اسٹاف ہو۔ویسے اس کی بیوی تم سے خوش نہیں لگتی' ہے نا؟''

وہ جانتی تھی کہ صوفیہ اس کے اور فاتح کے درمیان کسی ''تعلق'' کی طرف اشارہ کر رہی تھی'اور ایسے الزامات پہ عقلمند لوگ دفاع نہیں کرتے۔

''ان کی بیوی تو خود ان سے بھی خوش نہیں لگتی۔جیسے آپ کی والدہ آپ کے والد سے خوش نہیں لگتی تھیں۔''

صوفیہ کے چہرے پہ برہمی کی جگہ ہنسی در آئی۔وہ ہلکا سا ہنسی۔

''بہادر ہو۔بولڈ بھی۔پی این کو تمہارے جیسے لوگوں کی ضرورت ہے۔''مسکرا کے گھونٹ بھرا۔

''وہ کیا ہے یانگ امت برحرمت کہ مجھے ملکاؤں اور سلاطین کی آنکھوں میں دیکھ کے بات کرنے کی عادت ہے'مگر ان کا ادب ملحوظ

خاطر رہتا ہے۔آپ کو کوئی اور چیز لا دوں؟ آپ نے فرائیڈ ونگز چکھے؟ میں نے آپ کے انٹرویو میں پڑھا تھا کہ وہ آپ کے فیورٹ ہیں۔" ادب اور شائستگی سے پوچھا۔ بھورے اسکارف والی شاہانہ سی عورت کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"تمہارے انداز سے لگتا ہے تم کسی اعلیٰ خاندان سے ہو۔ وان فاتح کو تم جیسے لوگوں کی بہت ضرورت ہے۔"

"بالکل۔ کیونکہ وان فاتح کے دشمن بھی بہت خاندانی ہیں۔"

"آہ تالیہ ...." ملکہ نے گھونٹ بھرتے ہوئے شانے اچکائے۔"میں اس کی دشمن نہیں ہوں۔ میں اس کی Competitor ہوں۔مگر بدقسمتی یہ ہے کہ وہ ایسا نہیں سمجھتا۔"

"سیاست میں تو دونوں ایک ہوتے ہیں' یا نگ امت برحرمت!"

"غلط۔ دشمن وہ ہوتا ہے جو ذاتی دشمنی پہ اتر جائے۔ میں کبھی ذاتی دشمنی پہ نہیں اتری۔ میں نے اس مقابلے کو ہمیشہ dignified رکھا ہے مگر بے چارہ میرا کلاس فیلو۔ وہ ہمیشہ مجھ سے بدگمان رہتا ہے۔" افسوس سے چچ کیا۔

"dignified?" تالیہ نے دبی دبی برہمی سے ابرو اٹھائے۔"گستاخی معاف وزیراعظم صاحبہ' مگر اس dignified مقابلے کا کولیٹرل ڈیمیج ان کی سات سال کی معصوم بچی بن گئی تھی۔ کبھی فرصت سے سوچیے گا۔ وہ اگر آپ کو اس کا قصوروار پبلک میں ٹھہرانے لگیں تو کچھ غلط نہیں کریں گے۔" جو اسے اشعر اور فاتح کا ارادہ لگ رہا تھا' وہ بے دھیانی میں بول بھی گئی تو صوفیہ رحمٰن چونکی۔ تیزی سے تالاب کے پار دیکھا جہاں فاتح اور اشعر مسکرا کے لوگوں سے بات چیت میں مگن تھے۔

"تو اس لئے وہ اس پارٹی میں آیا ہے؟ تا کہ بھری محفل میں مجھے اپنی بیٹی کا مجرم کہہ سکے۔ میں بھی کہوں اس نے یہ دعوت کیوں قبول کی؟ ناؤ آئی گیٹ اِٹ!"

تالیہ نے کچھ کہنا چاہا تو صوفیہ نے رعب سے ایک ہاتھ اٹھا دیا۔ وہ چپ ہو گئی۔

"بچے تالیہ ....." وہ اب سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔"اسے جو کہنا ہے' میں اسے کہنے دوں گی۔ اچھا ہے وہ اتنے سالوں کی بھڑاس نکال لے' مگر جب آریانہ کے کھونے کے بعد میں اس کے گھر افسوس کے لئے آئی تھی تو اس نے مجھ سے بڑی خشکی سے باہر نکل جانے کو کہا تھا کیونکہ وہ مجھ سے کوئی سخت بات نہیں کہنا چاہتا تھا۔ میں نے اس وقت بھی اسے کہا تھا کہ فاتح' جو دل میں ہے کہہ دو تا کہ میں وضاحت دے سکوں مگر وہ اتنا گرم دماغ کا ہے کہ توجیہات نہیں سن سکتا تو آج تم اس کو میرا ایک پیغام دے دینا۔"

کچھ تھا اس برف کی ملکہ کے لہجے میں جو تالیہ مراد کی ہڈیوں کا خون منجمد کر رہا تھا۔ وہ بنا پلک جھپکے صوفیہ کو بولتے دیکھ رہی تھی۔

"اسے کہنا کہ صوفیہ بنتِ رحمٰن کے حکومت کرنے کے اصول تم سے مختلف ہیں۔ میرے ethics بھی مختلف ہیں۔اس کی نظر میں' میں کرپٹ ہوں تو ٹھیک ہوں۔ مگر میں جو کرتی ہوں' ڈنکے کی چوٹ پہ کرتی ہوں۔ میں اس بے وقوف اور ناشکری عوام کو جتنی سہولیات دے رہی ہوں' وہ ان کے لئے بہت ہیں۔ جو کچھ میں اس کے علاوہ کروں' اس کے لئے میں کسی کو جوابدہ نہیں ہوں مگر میں تین بیٹیوں کی ماں

ہوں۔میرا دل اتنا سیاہ نہیں ہے کہ میں کسی کی بچی کو نقصان پہنچاؤں۔اگر مجھے اسے آریانہ کے ذریعے ہرٹ کرنا ہوتا تو میرے ایک اشارے پہ میری کیمپئین ٹیم لوگوں کو بتا دیتی کہ آریانہ اس کی بیٹی ہی نہیں ہے مگر میں نے کبھی اس پہ آریانہ کے حوالے سے کچھ نہیں اچھالا کیونکہ میں ایک ماں بھی ہوں اور ایک خاندانی عورت بھی۔اور اس کو یہ بھی کہہ دینا کہ آج اگر اس نے پبلک میں مجھے قاتل یا اغوا کار کہا تو وہ اس حد کو عبور کرے گا جو ہمارے "مقابلے" کو مہذب رکھے ہوئے ہے۔اس کے بعد میں آریانہ کی ولدیت کو اس کے خلاف جس طرح بھی استعمال کروں، نتائج کا ذمہ دار وہ خود ہوگا۔"

چبا چبا کے بولتی وہ ماتھے پہ بل لئے آگے بڑھ گئی اور تالیہ مراد سن سی وہاں کھڑی رہ گئی۔گلاس اس کے ہاتھ میں گویا پتھر کا بن گیا۔

اس نے ایک عمر اتنے جھوٹ بولے تھے کہ اسے سچ اور جھوٹ کی تفریق آ گئی تھی اور ایک بات وہ جانتی تھی۔

یہ عورت جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔آریانہ کو صوفیہ نے نہیں مروایا تھا۔تو پھر کس نے؟

اور اگر فاتح اس پہ الزام لگا دے اور بعد میں وہ غلط ثابت ہو جائے تو؟ یا اللہ!

وہ تیزی سے تالاب کے اوپر بنے پل کی طرف لپکی۔

اسے فاتح بن رامزل کو اپنے پیروں پہ کلہاڑا مارنے سے روکنا تھا۔اسے فاتح کو غلط فیصلے سے بچانا تھا۔

اسی لئے اس نے یہ جاب عثمان سے چھین کے حاصل کی تھی تا کہ وہ فاتح کو وہ سب یاد کرواتی رہے جو ان دونوں نے قدیم ملاکہ میں سیکھا تھا۔اور جو وہ بھول چکا ہے۔اس میں سے ایک شے فاتح کا اپنی بیوی اور اس کے بھائی کے تسلط سے آزاد ہونا تھا......

تالاب کے پل پہ ایک دم مہمانوں کا تانتا بندھ گیا تھا۔بہت سے لوگ دوسری طرف جانا چاہ رہے تھے جہاں فاتح مطمئن سا کھڑا دو رپورٹرز سے بات کر رہا تھا جو اپنے مائیک اس کے چہرے کے سامنے کیے ہوئے تھے۔ایک غیر رسمی سی پریس بریفنگ کا ماحول بن گیا تھا۔اس کے دائیں بائیں اشعر اور عصرہ کھڑے تھے۔

"سر آج آپ کو کافی عرصے بعد وزیر اعظم صاحبہ کے ساتھ ایک چھت تلے دیکھا ہے۔" ایک رپورٹر تیزی سے پوچھ رہا تھا۔فاتح نے مسکرا کے اوپر آسمان کو دیکھا۔اور پھر واپس رپورٹر کو۔"چھت؟ سیریسلی؟"

ہجوم میں قہقہہ سنائی دیا تھا۔

"چلیں ایک ہی لان کے اوپر دیکھا جا رہا ہے آپ دونوں کو۔کیا آپ کے درمیان مفاہمت کی کوئی امید ہے؟"

پل پہ لوگ سست روی سے آگے بڑھ رہے تھے۔وہ کسی کو دھکا نہیں دے سکتی تھی۔بس تیزی سے ایکسکیوزمی ایکسکیوزمی کہتی راستہ بنا رہی تھی۔کوئی اسے آگے نہیں جانے دے رہا تھا۔

ایسے لگتا تھا سارے راستے بند ہو گئے ہوں۔

ایسے لگتا تھا وہ قدیم ملاکہ میں ہو اور غلام فاتح کی بولی سن با وجیت رہا ہو۔اور وہ بے بسی سے ہاتھوں میں زنجیریں پہنے غلام کو آزاد کرنے

کے لئے تڑپ رہی ہو.... رش تھا کہ چھٹتا ہی نہیں تھا.....

''مفاہمت؟'' فاتح نے سنجیدگی سے ابرو اٹھائی۔ ''اس خاتون کے ساتھ مفاہمت جن کی وجہ سے....'' وہ سانس لینے کو رکا۔

تالیہ لوگوں کو ادھر ادھر ہٹاتی تیزی سے آگے آئی۔ وہ سامنے ہی ہجوم میں گھرا کھڑا تھا۔ تالیہ نے بے چینی سے اسے دیکھ کے نفی میں اشارہ کیا۔

(پلیز نہیں!) بنا آواز کے لب ہلائے۔ لمحے بھر کو اسے لگا کہ فاتح اس کو دیکھ رہا ہے مگر نہیں.... کیمروں کی فلیش لائیٹس کی چکا چوند نے اسے تالیہ کا منت بھرا چہرہ نہیں دیکھنے دیا تھا۔

''اس خاتون کے ساتھ مفاہمت جن کی وجہ سے میری بیٹی مجھ سے چھن گئی؟ جنہوں نے مجھے اپنے اتحاد میں شامل نہ ہونے کی صورت میں سنگین نتائج کی دھمکی سرِ عام دی تھی؟ مفاہمت میں کچھ لو اور دو ہوتا ہے' جناب۔ صوفیہ رحمٰن مجھے کیا دے سکتی ہیں؟ کیا وہ مجھے میری بیٹی واپس کر سکتی ہیں؟ کیا وہ آریانہ کو لوٹا سکتی ہیں؟'' وہ سنجیدگی سے مجمعے کو دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔

ایک دم سارے میں سناٹا ہو گیا۔ دبی سرگوشیاں پہلی دفعہ پکار بنی تھیں۔ اتنے سال بعد پہلی دفعہ وان فاتح نے صوفیہ رحمٰن کو اپنی بیٹی کا مجرم کہا تھا۔

لوگ دم سادھے کھڑے تھے۔ تالیہ بھی اپنی جگہ پہ نڈھال سی رک گئی۔ پھر مڑ کے تالاب کے پار دیکھا۔ وہاں صوفیہ رحمٰن عجلت میں محفل چھوڑ کے جا رہی تھی۔ اس کے مصاحب اس کے ساتھ تھے۔ امن و امان کی صورتحال کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ اب وہ خاموشی سے وہاں سے چلی جائے۔

''اور چونکہ وہ آریانہ کو نہیں لوٹا سکتیں تو آپ لوگوں کو مفاہمت کی باتیں نہیں پوچھنی چاہئیں۔'' وہ مائیک میں سنجیدگی اور دکھ سے کہتا محض ایک باپ لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بہت ضبط کے باوجود تکلیف دکھائی دیتی تھی۔

کتنے ہی لوگوں نے دل پہ ہاتھ رکھ لئے تھے۔

اتنے سال جو شخص اپنی بیٹی کے مجرموں کو نامزد کرنے کی بجائے خاموش رہا' آج اس نے خاموشی توڑ دی تھی۔ بہت سی گردنیں مڑیں اور وہاں سے نکلتی صوفیہ رحمٰن کو گلہ آمیز اور غصیلی نظروں سے دیکھا گیا۔ ملامت' چبھن اور حقارت بھری نظروں نے وزیر اعظم کا دور تک پیچھا کیا تھا۔

صوفیہ نے باہر جاتے ہوئے اپنے چیف آف اسٹاف سے سرگوشی کی۔ ''فاتح کا ملازم درست کہہ رہا تھا۔ یہ کوئی عام لڑکی نہیں ہے۔ اس کی کھوج لگاؤ۔ وان فاتح کو گرانے کے لیے یہی لڑکی کافی ہوگی۔''

☆☆=========☆☆

واپسی پہ اشعر ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ خاموش سی آگے بیٹھی تھی۔ فاتح اور عصرہ پچھلی سیٹ پہ براجمان تھے اور دونوں مطمئن سے اس پریس

19

بریفنگ کو ڈسکس کر رہے تھے۔

''بالآخر ہم نے اپنی خاموشی کو توڑ دیا اور صوفیہ رحمٰن کو بے نقاب کر دیا۔تھینک یو فاتح۔''عصرہ ممنون تھی۔جیسے ماں کے دل کو ٹھنڈک پہنچی ہو۔

''ہاں۔کبھی نہ کبھی تو اس سے حساب لینا تھا۔آج سہی!''وہ بھی بالکل مطمئن تھا۔کہہ کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔کار میں خاموشی چھا گئی۔تالیہ نے ایک نظر بیک ویو مرر میں دکھائی دیتے میاں بیوی کو دیکھا۔

کتنا بورنگ کپل تھا۔یہ ان کی فیملی کے لئے ایک بڑا موقع تھا جب وہ اپنی دانست میں اپنی بیٹی کا بدلہ لینے جا رہے تھے مگر اس کے بعد بھی یہ دونوں ایک دوسرے سے کتنے بے نیاز تھے۔

''آج آپ سے وزیر اعظم صاحبہ کیا کہہ رہی تھیں' چے تالیہ؟''اشعر نے ڈرائیو کرتے ہوئے محظوظ انداز میں پوچھا۔تالیہ نے ایک سپاٹ نظر اس پہ ڈالی۔

''وہ مجھ سے کیوں کچھ کہیں گی؟میں ایک عام سی ورکر ہوں' اشعر صاحب۔نہ میں آپ کی فیملی ہوں نہ ہی کوئی سیاستدان۔میرے جیسی ایک ادنیٰ کارکن سے وزیر اعظم صاحبہ کیا بات کریں گی بھلا؟''

وہ ایک دم پھٹ پڑی۔

''کوئی مسئلہ ہے' تاشہ؟''فاتح نے سنجیدگی سے ابرو بھینچے تو وہ پلٹی اور قدرے برہمی سے اسے دیکھا۔نہ باس' نہ کوئی سیلبریٹی....وہ شہزادی تھی اور وہ غلام تھا اور شہزادی کا جیسے من چاہے' وہ غلام سے بات کرے گی۔

''مسئلہ یہ ہے سر کہ آپ نے صوفیہ رحمٰن کو آریانہ کا مجرم قرار دے کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔کیونکہ آپ کی بیٹی کے ساتھ وہ سب.....صوفیہ رحمٰن نے نہیں کیا تھا۔''

اشعر نے تیزی سے کار کو بریک لگائے۔ٹائر چرچرائے۔کار ایک جھٹکے سے بند ہوئی۔

''واٹ؟''اشعر محمود غصے سے گرجا۔عصرہ کا منہ کھل گیا اور فاتح.....وہ اچنبھے سے اسے یوں دیکھنے لگا جیسے تالیہ کا دماغ چل گیا ہو۔

''جی۔صوفیہ رحمٰن آریانہ کی قاتل نہیں ہے۔''وہ دانت کچکچا کے بولی۔سارے آداب آج بھول گئے تھے۔

''قاتل؟''کار میں خاموشی چھائی تو عصرہ کی بے یقین آواز سنائی دی۔اشعر بھی چونکا اور فاتح سن رہ گیا۔

''قاتل؟تم نے قاتل کیوں کہا؟''عصرہ بے قراری سے آگے ہوئی۔اس کی بے یقین آنکھیں گلابی پڑنے لگی تھیں۔تالیہ نے ایک ناپسندیدہ نگاہ اس پہ ڈالی۔

''یہ سوال آپ اپنے شوہر سے کیوں نہیں پوچھتیں جو ہر کام آپ کے مشورے سے کرتے ہیں؟کیا آپ نے کبھی وہ خون آلود پاپ کارن نہیں دیکھے جو ان کے والٹ میں ہوتے تھے؟جو ان کو آریانہ کی لاش کے پاس سے پہاڑوں میں ملے تھے؟اگر آپ واقعی ایک فیملی ہیں تو

پبلک میں اپنی بیٹی کا معاملہ اچھالنے کی بجائے پہلے آپ کو اپنے گھر والوں کو بتانا چاہیے تھا فاتح صاحب' کہ آپ کو آریانہ مل گئی تھی اور آپ جانتے ہیں کہ اس کی قبر کہاں ہے۔جیسے آپ نے مجھے جنگل میں اس رات بتایا تھا۔'' وہ غراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔اس کے سارے جسم میں آگ سی بھر گئی تھی۔

''اور میں ....میں اب آپ کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتی۔میں ریزائن کر رہی ہوں۔میں ایک شہزادی ہوں' کسی کی باڈی وومن نہیں۔ چلے کیوں نہیں جاتے تم سب میری زندگی سے؟ تم مجھ سے زیادہ بڑے جھوٹے اور چور ہو۔''

غصے سے چلاتے ہوئے ہوئے اسے اپنے ہاتھوں میں پہنی ہیروں سے مزین انگوٹھیاں نظر آنے لگیں۔سر پہ ہاتھ رکھا تو وہاں تاج سجا تھا۔اور نیچے وہ سرخ ریشمی کامدار لباس پہنے تھی.....چند لمحے کے لئے وہ شہزادی تاشہ بن گئی تھی۔

یا شاید.....بننا چاہتی تھی.....

''وزیرِ اعظم صاحبہ آپ سے کیا کہہ رہی تھیں چے تالیہ؟''

اشعر کی آواز نے کوئی صور سا پھونکا۔وہ بری طرح چونکی۔

ساری آوازیں' شہزادیوں کی سجاوٹ دم توڑ گئی۔اس نے چونک کے خود کو دیکھا۔(اوہ شکر۔میں نے یہ ساری بکواس حقیقت میں نہیں کی۔)

کار میں سکون تھا۔وہ دونوں میاں بیوی اپنے اپنے فونز پہ لگے تھے۔اور اشعر اس سے صوفیہ سے بات چیت کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔تالیہ نے گہری سانس لی اور سر جھٹکا۔

''کچھ خاص نہیں۔بس باریسن نیشنل کے مردوں پہ تبصرہ کر رہی تھیں۔چ اے بورنگ پرینی وومن!''

اسٹاپ آ گیا تو وہ لاک کھولنے لگی۔پھر چہرہ موڑ کے ان دونوں کو دیکھا جن کو خیال ہی خیال میں بہت کچھ سنا دیا تھا۔جبراً مسکرائی اور ادب سے سلام کہہ کے باہر نکل گئی۔(میں شہزادی تاشہ نہیں ہوں جو ان کو کھری کھری سنا دوں۔میں تالیہ ہوں اور تالیہ ایک تابعدار لڑکی ہے۔)

کار زن سے آگے بڑھ گئی اور تالیہ بیگ کندھے سے لٹکائے بس اسٹاپ کے بنچ کی جانب بڑھ گئی۔

باریک ہیل کی ٹک ٹک اسے کندھے کے پیچھے سے سنائی دی تو اس نے اکتا کے کہا۔'میرے پیچھے مت آؤ۔مجھ سے دور رہو۔''

بس اسٹاپ پہ رات پھیلی تھی۔اسٹریٹ پولز روشن تھے۔سڑک کنارے چھپر تلے بنچ بنے تھے۔وہ بنچ کی طرف بڑھ گئی مگر وہ تعاقب کار کے جوتے قریب آتے محسوس کر سکتی تھی۔یکدم تیورا کے گھومی اور غصے سے اسے دیکھا۔

''کہا نا' مجھ سے دور رہو۔میں تمہارے جیسا بننا افورڈ نہیں کر سکتی۔''

سامنے کھڑی لڑکی ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔

اندھیر فٹ پاتھ پہ وہ دونوں آمنے سامنے کھڑی تھیں۔ایک اسکرٹ بلاؤز اور سادہ جوڑے والی جھنجھلائی ہوئی سی تالیہ تھی' اور سامنے.....پیروں تک آتا سرخ کامدار لباس پہنے گھنگریالے سنہرے بال کندھوں پہ ڈالے سر پہ تاج سجائے' شہزادی تاشہ تھی۔

''تم مجھے خود سے الگ نہیں کرسکتی' تالیہ۔'' شہزادی کے انداز میں استہزاء تھا۔

''یو نو' مجھے پتہ ہے تم یہاں نہیں ہو۔'' وہ رکھائی سے کہہ کے بنچ پہ بیٹھی اور جھک کے جوتے اتارنے لگی۔ ہیلو سے پیر درد کرنے لگے تھے۔

''ظاہر ہے میں یہاں نہیں ہوں۔'' شہزادی نے کندھے اچکائے۔ ''میں تمہارے اندر کی شہزادی ہوں جسے تم ان لوگوں کے سامنے دباتے دباتے تھک گئی ہو۔تمہارا لاشعور جو تم سے بات کرنا چاہتا ہے اور جسے تم مزید نظرانداز نہیں کرسکتیں۔''

وہ جوتے اتار کے سیدھی ہوئی اور تکان سے شہزادی کو سر سے پیر تک دیکھا۔

''سیریسلی؟ میرا دماغ کتنا imaginative ہو چلا ہے۔'' پھر حسرت بھری سانس خارج کی۔ ''تم شہزادی ہو اور میں اب تم نہیں ہوں۔''

''میں صرف شہزادی نہیں تھی۔ میں ملاکہ کی ملکہ بننے والی تھی جب تم مجھے واپس اس نئے زمانے میں لے آئی۔'' وہ گھمنڈ سے بولی تو تالیہ نے سر افسوس سے جھٹکا۔

''کسی نے آج میری آفس سیٹ پہ ایک چٹ لگادی جس پہ لکھا تھا' دی ایول کوئین۔ملکہ بد۔'' اور سر شکستگی سے جھکا دیا۔

''ملکہ تو تم تب بنتیں جب تم ملاکہ میں رہتیں۔مگر تم.....تم نے اس خودغرض انسان کی باڈی وومن بننا پسند کیا۔''

''چیف آف اسٹاف....مائینڈ یو!'' تالیہ نے ناراضی سے سر اٹھا کے شہزادی کو دیکھا تھا۔اس کے اندر کی شہزادی اس کے سامنے برہم برہم سی کھڑی تھی اور وہ اتنی پرتمکنت تھی کہ اس سے پھوٹتی روشنیاں نگاہوں کو خیرہ کررہی تھیں۔بس اسٹاپ کے بنچ پہ رات کے نیم اندھیرے میں بیٹھی تالیہ کے لیے اس شہزادی سے پیچھا چھڑانا مشکل ہوتا جارہا تھا۔

''تمہیں کیا بات تکلیف دے رہی ہے' تالیہ؟'' شہزادی افسوس سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں ان کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔'' باڈی وومن نے بےچارگی سے کندھے اچکائے۔ ''میں ان کے لیے سونے سے بھرے صندوق ہر دور میں لائی مگر ان کو ہمیشہ دوسرے لوگ خرید کے لے جاتے ہیں۔''

''تم اس کی بیوی ہو۔تم ان لوگوں کو اس کی زندگی سے نکال کے کیوں نہیں پھینک دیتی؟'' شہزادی رعب سے گرجی۔

''اوہ پلیز!'' اس نے اکتا کے سر جھٹکا۔ ''میں کوئی ولن' کوئی Home wrecker نہیں ہوں۔نہ بن سکتی ہوں۔میں نے ایک عمر یتیم خانوں اور فوسٹر فیملیز کے درمیان کاٹی ہے۔میں کبھی کسی کے گھر کو نہیں توڑ سکتی۔''

''تالیہ اس مسئلے کا کوئی اور حل نہیں ہے۔تمہیں عصرہ کو اس کی زندگی سے نوچ کے نکالنا ہوگا۔صرف تب تم اس کے لیے اہم بنو گی۔''

''اونہوں۔'' سادہ باڈی وومن نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ ''میں استعفیٰ دے دوں گی۔ ان کی زندگی سے چلی جاؤں گی۔''

''اُف تالیہ۔'' شہزادی نے داتن پیتے ہوئے پیر پٹخا۔ ''اتنی مشکل سے تم ادھر تک پہنچی ہو۔ کیسے سب گنوا دو گی؟''

''میں تھک گئی ہوں اس کے قریب رہتے رہتے۔''

''تم عصرہ سے جیلس ہو رہی ہو۔''

''ہاں میں جیلس ہو رہی ہوں۔ سب ہی ہوتے ہیں۔'' بنچ سے ٹیک لگائے' بازو سینے پہ لپیٹے وہ خالی اندھیر سڑک کو دیکھ کے تلخی سے کہنے لگی۔ ''کوئی کسی کی دولت سے' کوئی کسی کے بچوں سے' کوئی کسی کے لائف پارٹنر سے۔ مگر میں کوئی غلط کام نہیں کروں گی۔ میں نے بہت مشکل سے...... بہت بہت مشکل سے سچ بولنا سیکھا ہے۔ میں اب کوئی بددیانتی نہیں کر سکتی۔''

پھر بے بسی سے بند مٹھی سینے پہ رکھی۔ ''میرا دل زخمی ہوتا جا رہا ہے۔ ہر گزرتے دن تکلیف بڑھتی جا رہی ہے۔ میں اس کے ساتھ کیا وعدہ مزید نہیں نبھا سکتی۔ میں اس کے ساتھ اب نہیں رہوں گی کیونکہ اس کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھنا مجھ سے مزید برداشت نہیں ہو رہا۔ میں کل استعفیٰ دے دوں گی۔''

''مگر......''

تالیہ نے زور سے ہاتھ جھلایا جیسے ہوا کے ناگوار جھونکے کو دور ہٹایا ہو۔ شہزادی غائب ہو گئی۔ اس کی آوازیں آنا بھی بند ہو گئیں۔

بس آ گئی تو اس نے ہاتھوں میں سینڈل اٹھا لیے اور ننگے پیر بس کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے شعور اور لاشعور میں چلتی لڑائی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ ایک طرف جیت چکی تھی اور دوسری طرف نے فی الوقت پسپائی اختیار کر لی تھی۔

فی الوقت!

☆☆=========☆☆

جدید ملاکہ کے اس بازار میں صبح ہو چکی تھی اور اشیائے طعام کی دکانیں کھل چکی تھیں۔ سن باؤ کی سرخ حویلی کے سامنے ایک ریستوران کے باہر بچھی میز کے گرد داتن اور ایڈم بیٹھے تھے۔

فجر کے وقت کی بارش کے باعث سڑک ابھی تک گیلی تھی۔ دھوپ ٹھیک سے نکلی ہی نہیں تھی اور صبح ٹھنڈی سی چھایا جیسی تھی۔

ان دونوں کے سامنے بھاپ اڑاتے چائے کے مگ رکھے تھے۔ داتن عینک لگائے' نوٹ پیڈ پہ قلم چلا رہی تھی اور ایڈم ٹیک لگا کے سست سا بیٹھا اس کو دیکھ رہا تھا۔

''دو دن میں آپ نے سن باؤ کی ساری حویلی چھان ماری مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔''

''بھئی کسی نے خزانہ بہت پہلے نکال لیا ہے اور بڑی مہارت سے نکالا ہے۔ اب اس ''کسی'' کا سراغ لگانا ہو گا۔'' داتن ابھی تک پرعزم تھی۔ ایڈم نے جمائی لی۔

''ہمیں واپس آئے ایک مہینہ ہوا ہے تو خزانہ اس سے پہلے کس نے نکالا ہوگا؟''

''اُف ایڈم۔تم نے کبھی زندگی میں کچھ پڑھا لکھا نہیں ہے؟سوائے تمہاری اس بنگارایا ملایو کے جو مجھے یقین ہے تم نے پیسے دے کر کسی سے لکھوائی ہوگی۔''عینک کے اوپر سے اسے گھورتے ہوئے بولی تو ایڈم نے مٹھیاں سختی سے بھینچ لیں اور جبراً مسکرایا۔

''جی بالکل.....مجھے کیا معلوم کتابوں کا؟میں تو غالباً آپ کو اَن پڑھ لگتا ہوں نا۔''

''خیر اب اَن پڑھ بھی نہیں لگتے۔''فیاضی سے کندھے اچکائے۔

''پھر کیا لگتا ہوں؟''

''زیادہ سے زیادہ آٹھویں فیل!''اور واپس نوٹ پیڈ پہ جھک گئی۔

ایڈم نے بہت سارا غصہ اندر اتارا اور تحمل سے پوچھا۔''فہرست مکمل ہوگئی''ہمارے''خزانے کی؟''

''اے لڑکے.....اگر اس خزانے کو میں نے ڈھونڈ لیا تو اس میں میرا حصہ بھی ہوگا۔''

''آپ نے ڈھونڈ لیا تو پھر ہمیں تو ویسے ہی کچھ نہیں ملنا۔''وہ مگ اٹھاتے ہوئے بڑبڑایا۔(سو شیاطین مرے ہوں گے تو ان خاتون نے جنم لیا ہوگا۔)

''مجھے پتہ ہے تم اس وقت دل ہی دل میں مجھے شیاطین سے تشبیہہ دے رہے ہوگے۔''وہ کاغذ پہ جھکے بڑبڑائی تو ایڈم نے معصوم شکل بنا کے پوچھا۔

''آپ کے خیال میں صرف شیاطین سے؟''اور پلکیں جھپکائیں۔داتن نے سیاہ آنکھیں اٹھا کے اسے گھورا پھر جواب کسی اور وقت کے لئے سنبھال کے نوٹ پیڈ سامنے کیا۔

''یہ دیکھو۔فہرست مکمل ہے یا کچھ اور رہ گیا ہے؟''

ایڈم نے مگ رکھا اور نوٹ پیڈ اٹھا کے تمام چیزیں گننے لگا۔اس کا حافظہ بہترین تھا۔اسے ایک ایک شے یاد تھی۔

''شریفہ کے خطوط رہ گئے۔میں نے شروع میں اس کا نام لیا تھا شاید آپ نے سنا نہیں۔کیونکہ آپ اس وقت اپنی تعریفوں میں مصروف تھیں۔''ساتھ ہی وہ کاغذ پہ آخری شے کا نام لکھنے لگا۔

''شریفہ کون؟''

''شریفہ بنتِ جابر۔ہماری کنیز تھی محل میں۔''پھر رکا۔''ٹیکنیکلی چے تالیہ اور ان کے ولن باپ کی کنیز تھی'میں تو خیر اسپلی میں وہاں گیا تھا اور.....''

داتن نے زور سے نوٹ پیڈ کھینچا اور بے یقینی سے تحریر پڑھی۔اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔قلم ایڈم کے ہاتھ میں رہ گیا۔وہ بونقوں کی طرح اسے دیکھنے لگا۔

''ڈونٹ ٹیل می.....شریفہ بنتِ جابر کے خطوط؟'' داتن کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔''وہ پانچ خطوط جو اس نے فوج کے باغی جرنیل کو لکھے تھے؟ اُف ایڈم اُف!'' اس نے ماتھے کو چھوا۔

''ہاں مگر آپ کو کیسے معلوم؟'' اس کا منہ کھل گیا۔

داتن نے زور سے صفحہ پیڈ سے الگ کیا اور اس کے چار ٹکڑے کیے پھر بے بسی بھرے غصے سے اسے دیکھا۔

''مجھے معلوم ہے تمہارا خزانہ کہاں گیا ہے۔اور مجھے کیا' سارے ملائیشیاء کو معلوم ہے۔''

''ایں؟ کہاں؟''

''اف ایڈم۔تم کتابیں نہیں پڑھتے کیا؟'' داتن نے افسوس سے اسے دیکھا تھا۔

☆☆=========☆☆

صبح کی کرنیں کے ایل پہ پھیلیں تو تالیہ کے کمرے کی کھڑکی سے روشنی اندر جھانکنے لگی مگر وہ سست سی لحاف اوڑھے لیٹی رہی۔اس کا بیگ سائیڈ ٹیبل پہ دھرا تھا جس میں اوپر اوپر اس کا تازہ ٹائپ شدہ استعفیٰ رکھا تھا۔اور چونکہ آج اس نے استعفیٰ جمع کروانے جانا تھا' سو صبح صبح جانے کی ضرورت نہیں تھی۔آرام سے جائے گی' اور جاب چھوڑ آئے گی۔فاتح سے ملاقات نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔(ناراضی سے سوچا۔) اتنی محنت اور مغز ماری کیوں کرے اس شخص کے لیے جو اسے کچھ سمجھتا ہی نہیں؟ اس آفس کے لیے جہاں لوگ اسے Evil Queen سے تشبیہہ دیتے ہیں؟ ہونہہ!

فون کی گھنٹی زور سے بجی تو اس نے موبائل اٹھایا۔امید تھی کہ ایڈم یا داتن ہوں گے۔جو نہ جانے کس شے کی تلاش میں ملاکہ گئے ہوئے تھے۔وہ اتنی مصروف تھی کہ ان سے تفصیلی بات ہی نہیں ہو سکی تھی۔مگر وہ داتن یا ایڈم کی کال نہیں تھی۔

اشعر کالنگ۔(یہ آج مجھ سے کچھ سنے گا۔) اس نے داتن پیسےاور فون کان سے لگایا۔

''جی اشعر صاحب؟''

وہ جواب میں برہمی سے شروع ہو گیا۔''کیا آپ نے ایمان بنتِ موسیٰ نام کی لڑکی کو فائر کیا تھا؟''

''جی مگر تمام قانونی تقاضے پورے کر کے فائر کیا تھا۔ڈونٹ وری کوئی ہمیں sue نہیں کرے گا۔''

''اور آپ نے اسے کیوں نکالا؟''

''کیونکہ میرے پاس ٹھوس وجوہات تھیں' اشعر صاحب۔'' وہ سخت بے زار ہوئی۔

''اور سب سے بڑی وجہ کیا تھی؟''

ایک دم اس کے اندر کل شام سے بھری فرسٹریشن ابل ابل کے باہر چھلکنے لگی۔

''کیونکہ قدیم ملاکہ میں جب شہزادیاں تخت سنبھالتی تھیں تو کسی درباری کی گردن ضرور قلم کرواتی تھیں تاکہ سارے شہر کو معلوم ہو جائے

کہ.....نیا باس کون ہے۔'' چبا چبا کے بولی۔

''تو پھر آپ کے لئے بری خبر یہ ہے تالیہ کہ یہ قدیم ملاکہ نہیں ہے۔ جانتی ہیں ان دونوں زمانوں میں کیا فرق ہے؟''

''آپ بتا دیں۔'' وہ بے زاری سے اٹھ بیٹھی تھی۔

''قدیم ملاکہ میں.....'' وہ چبا چبا کے بولا۔ ''ٹویٹر نہیں تھا۔''

تالیہ کی ساری تلخی اور کوفت اڑن چھو ہوگئی۔ ایک جھٹکے سے وہ سیدھی ہوئی۔

''ایمان موسیٰ نے کیا کیا ہے؟ کوئی ٹویٹ؟''

''بات اب ٹویٹ سے آگے نکل چکی ہے۔ آفس آئیں۔ ہم اس وقت آپ کی وجہ سے کرائسز میں ہیں کیونکہ یہ قدیم ملاکہ نہیں ہے جہاں گردن اڑنے پہ درباری چپ چاپ مر جاتے تھے۔ یہاں لوگ ٹویٹ کر دیتے ہیں۔''

کال منقطع ہوئی تو تالیہ نے بے چینی سے موبائل نیچے کیا اور ٹویٹر کھولا۔

ایمان موسیٰ کی ٹویٹ سامنے تھی۔

اور وہ ٹویٹ.....وہ لرزہ خیز تھی۔

یا اللہ.....وہ لحاف پھینکتی تیزی سے بستر سے اتری۔

☆☆=========☆☆

ایڈم بن محمد سن باؤ کی حویلی کے صحن میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا جب بیرونی دروازے پہ آہٹ ہوئی۔ وہ تیزی سے اس طرف لپکنے لگا' پھر رکا' اپنے جذبات پہ قابو پایا اور چہرے پہ مصنوعی غصہ طاری کر کے' وہیں کھڑا انتظار کرنے لگا۔ گھورتی نظریں راہداری پہ جمی تھیں جہاں سے داتن چلتی آ رہی تھی۔

''مجھے خزانے کے سسپنس میں ڈال کے آپ دو گھنٹے کے لئے کہاں غائب ہوگئی تھیں؟'' ناراضی سے بولا تو وہ جو ایک بھاری بھرکم کتاب اٹھائے چلی آ رہی تھی' کندھے اچکا کے برآمدے میں آ رکی۔

''ایک گھنٹے سینتیس منٹ کے لئے۔ تم تو حساب کتاب میں بھی برے ہو۔'' ناک سکوڑ کے ہونہہ کیا اور آتش دان کے ساتھ میز پہ وہ کتاب رکھی۔ ''میں تمہارے خزانے کو ڈھونڈنے گئی تھی۔''

''کیسے؟'' اس نے اچنبھے سے اس کتاب کو دیکھتے ہوئے ہاتھ پہلوؤں میں گرا دیے۔

''ہاں کیونکہ جب تمہارا یہ انٹرنیٹ ایجاد نہیں ہوا تھا' تب ساری تحقیق ان کے ذریعے ہی کی جاتی تھی۔'' اس نے گہرے سانس لیتے ہوئے کرسی کھینچی اور بیٹھی۔ وہ تیزی سے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا اور کہنیاں میز پہ جما لیں۔

سن باؤ کی حویلی کی سرخ دیواریں سنسان کنواں اور ویران صحن برآمدے کے کونے میں میز کے گرد بیٹھے دو نفوس کو خاموشی سے دیکھنے

لگے۔

"تم نے وہ خزانہ پچھلے ماہ نہیں چھپایا تھا۔" داتن بند کتاب پہ ہاتھ رکھے سمجھانے والے انداز میں کہنے لگی۔ "تم نے وہ پندرہویں صدی میں واپس جا کے چھپایا تھا۔"

"بہت شکریہ کہ آپ نے بتا دیا ورنہ مجھے تو علم ہی نہیں تھا۔"

"اور تمہارے اس کو چھپانے کے بعد....." وہ اس کی بات ان سنی کیے کہہ رہی تھی۔ "اس حویلی پہ وقت گزرتا رہا۔ سن رہے ہو؟ تم تو ایک پلک جھپکنے میں جادو کے ذریعے تالیہ اور فاتح کے ساتھ واپس آ گئے مگر یہاں وقت لمحہ لمحہ کر کے چھ سو سال میں گزرا۔"

"پانچ سو ستاون سال۔"

"اور ان چھ سو سالوں میں ملاکہ پہ مختلف حکمران قابض ہوئے۔ آخری صدیوں میں انگریز ایسے آ کے قابض ہوئے جیسے تم تالیہ کے گھر ایسٹ انڈیا کمپنی بنے گھسے رہتے ہو۔ پھر 1957 میں ہم نے انگریز سے آزادی حاصل کی۔ اور اس دوران کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ ین باؤ وانگ لی کا گھر تھا۔"

وہ چونکا۔ "ہاں۔ یہ کیسے معلوم ہوا تھا کہ یہ ین باؤ کا گھر ہے؟"

"یہ تب معلوم ہوا' جب 1940 میں دو انگریز فوجی افسران کو اس گھر کے صحن میں کھدائی کر کے ایک خزانہ ملا جس میں ین باؤ کی چیزوں کے علاوہ ملاکہ سلطنت کی اہم یادگاریں بھی تھیں۔" اس نے کتاب کا ایک صفحہ درمیان سے کھولا اور اسے تحریر دکھائی۔ "ان انگریزوں نے کچھ چیزیں امانت داری سے اپنی سرکار کے حوالے کر دیں جس نے انہیں مختلف میوزیمز میں بھیج دیا۔ کچھ چیزیں ان دونوں نے چھپا لیں جن کو بعد میں راز داری سے بیچا گیا ہو گا۔ یوں وہ تمام چیزیں آج بھی ایشیاء اور یورپ کے مختلف عجائب گھروں اور پرائیوٹ کلیکٹرز کی ملکیت میں ہیں۔"

"اور شریفہ بنتِ جابر کے خطوط؟"

"وہ نویں کلاس کی ملے گرامر میں خط نویسی کے کورس میں پڑھائے جاتے ہیں' ایڈم۔ مگر تم چونکہ آٹھویں فیل ہو تو تمہیں کیسے معلوم ہو گا۔" داتن نے کتاب بند کی اور سادگی سے پلکیں جھپکا کے پوچھا تو ایڈم نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔

"ڈیم اِٹ۔ مجھے پہلے ہی شک تھا میں نے اس کنیز کا نام کہیں سنا ہے۔ اتنے پرانے خطوط مجھے کہاں یاد ہونے تھے مگر نام ذہن میں اٹک گیا تھا۔" پھر اس نے بے بسی بھرے غصے سے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"یعنی وہ خزانہ جو ہم نے پچھلے ماہ دبایا تھا' وہ 80 سال پہلے ہی دو انگریز نکال چکے تھے؟"

"بالکل۔ یہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے موجودہ دور کے جانشین (سر سے پیر تک ایڈم کو دیکھا) ہوتے ہی بدنیت ہیں۔"

"خیر۔ وہ خزانہ پچاس سال گزرنے پہ ویسے ہی ہماری ملکیت نہیں رہا تھا اس لئے....." ایڈم نے گہری سانس لے کر لہجے کو سرسری

بنایا۔ ''ہم اس کو ڈھونڈ بھی لیتے تو حکومت کے حوالے ہی کرنا تھا۔''

''ہاں ہاں انگور نہ ملیں تو کھٹے ہی ہوتے ہیں۔''

ایڈم کے تو سر پہ لگی تلووں پہ بجھی۔

''آپ ایک تو ہر ایک کو بدنیت نہ سمجھا کریں۔ میں کوئی چور نہیں ہوں جو چے تالیہ کی کسی چیز پہ نظر رکھے ہوئے ہوں۔ میں صرف ان کے ساتھ.....(بولتے بولتے اٹکا)....رہنا چاہتا ہوں۔'' آہستہ سے فقرہ مکمل کیا۔ نظریں چرا لیں۔

داتن کی تمسخرانہ جتاتی نظریں بدلیں۔ آنکھیں پوری کھلیں۔ وہ ایک دم سیدھی ہو کے بیٹھی۔ ''اوہ!''

''کیا اوہ؟'' وہ چڑ گیا۔ اندر ہی اندر دل زور سے دھڑکا۔

''تمہیں تالیہ سے محبت ہو گئی ہے۔ ہے نا؟'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ایڈم کے سارے جسم کا خون چہرے پہ سمٹ آیا۔ نگاہیں چرا کے جلدی سے بولا۔

''ایک تو میرے بارے میں فضول کے اندازے لگانے چھوڑ دیں۔ نہ میں کتابوں سے نابلد ہوں' نہ ہی آٹھویں فیل ہوں اور نہ ہی....''

''نہ ہی محبت سے ناآشنا ہو۔ میں سمجھ گئی۔ اوہ لڑکے.....یہ تم نے اپنے دل کو کہاں لگا لیا۔'' وہ ماتھے کو چھو کے بولی تو وہ بے بسی سے دانت کچکچاتا اٹھ گیا۔

''میں بس سے کے ایل واپس جا رہا ہوں۔ آپ جب آئیں آپ کی مرضی۔'' اور سر جھلا کے اس کونے کی طرف بڑھا جہاں اس کا سامان رکھا تھا۔

''ہم کہیں نہیں جا رہے۔''

''میں اب کسی صورت نہیں رکوں گا کیونکہ آپ اب مجھے ہراس کر رہی ہیں۔''

''اچھا سنو تو.....'' داتن نے ایک دم لہجے میں مٹھاس گھولی۔ ''تم اس ہوٹل والے لڑکے کا راز معلوم کرنا چاہتے ہو نا؟ اس کے لئے ہمیں یہیں رکنا ہو گا۔''

وہ جو بیگ میں لیپ ٹاپ ڈال رہا تھا' تیورا کے گھوما اور برہمی سے اسے دیکھا۔ ''پہلی بات.....ہم کوئی ''ہم'' نہیں ہیں اور دوسری بات' صبح تک تو آپ بار بار جانے کی بات کر رہی تھیں تو اب کیا ہوا؟''

''اب....'' داتن نے ہتھیلی پہ چہرہ گرایا اور دلچسپی سے اسے دیکھا۔ ''اب میرا دل چاہ رہا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ کسی کوہِ نور کا سراغ لگاؤں۔ تم سوچ لو۔ لیانہ صابری جیسی انویسٹی گیٹر کا ساتھ تمہیں اگلے پانچ سو ستاون سال میں بھی نہیں ملے گا۔''

ایڈم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''لیکن اگر آپ نے مجھ سے کوئی فضول بات کہی تو میں.....'' چہرہ پھر سے گلابی ہوا۔

''تو تم Me too کو hashtag کر کے ٹویٹ کر دینا۔ تم نوجوانوں کو ویسے بھی آج کل ہراس منٹ ہراس منٹ کھیلنے کا بہت شوق

ہو چلا ہے۔'' ساتھ ہی وہ ہنسی۔ ایڈم البتہ سنجیدہ رہا۔

''ہراس منٹ اور وہ بھی جو ورک پلیس پہ ہو' واقعی ایک ایشو ہے' داتن صاحبہ۔ آپ نے اپنی کتابوں میں نہیں پڑھا اس کے بارے میں کیا؟''

داتن نے ہاتھ جھلایا اور اسے لیپ ٹاپ کھولنے کا اشارہ کیا۔ ''چھوڑو۔ عورتیں خود ایسا لباس پہنتی ہیں کہ لوگ ان کو ہراس کرنے پہ مجبور ہو جاتے ہیں۔ خیر.... دکھاؤ ذرا مجھے کون ہے وہ معصوم انسان جس کے پیچھے ایسٹ انڈیا کمپنی پڑی ہے۔''

ایڈم کچھ کہنا چاہتا تھا' مگر پھر خاموشی سے لیپ ٹاپ واپس نکالا اور اس کے سامنے میز پہ لے جا کر رکھا۔ داتن اشتیاق سے اسے کھولنے لگی تو اس نے اسکرین کو ہاتھ سے واپس گرا دیا۔ داتن نے چونک کے اسے دیکھا۔

''میں ایک ساتھ چار مختلف کتابیں نہیں شروع کرتا' مگر جو کتاب شروع کرتا ہوں' اسے یکسوئی سے مکمل بھی کرتا ہوں۔ میں نے کئی برس کسی لائبریری میں کام نہیں کیا' مگر میں نے ملاکہ کے قدیم کتب خانوں کی کتابیں پڑھ پڑھ کے قدیم ملے زبان سیکھی ہے۔ میں کے ایل کا بہترین انویسٹی گیٹر بے شک نہیں ہوں مگر میں ایک بہت اچھا رائٹر ہوں اور رائٹرز سے بہت احتیاط سے بات کرتے ہیں' ورنہ....'' جھک کے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''.....وہ آپ کو اپنی کہانی میں ڈال کے مار بھی سکتے ہیں۔''

''واقعی؟ میں تو ڈر گئی۔ دیکھو میرے ہاتھ بھی کانپ رہے ہیں۔'' وہ بدمزہ ہو کے بولی تو ایڈم سیدھا ہوا اور شانے اچکائے۔

''میری وارننگ یاد رکھیے گا۔'' اور پھر اس کے ساتھ کرسی کھینچ لی۔

یہ تو طے تھا کہ اسے لیانہ صابری جیسی انویسٹی گیٹر اگلے پانچ سو ستاون سال میں بھی نہیں ملنی تھی۔

☆☆=========☆☆

بارسین نیشنل کے دفتر میں اس صبح لوگ اپنے آفس اور کیبن چھوڑ کے درمیانی گزرگاہ کے دونوں اطراف میں کھڑے تھے۔ تقریباً سب کی گردنیں اوپر اٹھی ہوئی تھیں اور وہ دیوار پہ نصب ٹی وی اسکرین پہ چلتی خبر دیکھ رہے تھے۔

کسی نے قلم دانتوں میں دبا رکھا تھا تو کوئی افسوس سے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

تالیہ جب لفٹ سے نکل کے لابی تک آئی تو ریسیپشن والی لڑکی بھی اس طرف پشت کیے پریشانی سے ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

''بارسین نیشنل آپس کے اختلافات کا شکار۔''

''بی این کی اسٹافر ایمان موسیٰ کی انکشافات سے بھرپور ٹوئیٹس۔''

''ایمان موسیٰ نے الزام لگایا ہے کہ بی این کے ایک ممبر پارلیمنٹ ''ادیب بن سوت'' نے ان کو متعدد بار دفتر میں ہراساں کیا ہے۔''

''ایمان موسیٰ کا کہنا ہے کہ ادیب بن سوت ان کو ہراساں کرتے تھے۔ جب انہوں نے آواز اٹھانے کی کوشش کی تو وان فاتح کی چیف آف اسٹاف تالیہ مراد نے ان کو ادیب بن سوت کے کہنے پہ فائر کر دیا۔

"ایمان موسیٰ کا مزید کہنا تھا کہ ان کو برطرف کرنا ناانصافی ہے۔ پارٹی میں خواتین کو ہراساں کرنے کا رواج عام ہو چکا ہے۔"

"یاد رہے کہ چوبیس سالہ ایمان موسیٰ گزشتہ ایک سال سے بی این کے ساتھ منسلک ہیں اور وہ وان فاتح بن رامزل کے الیکشن اسٹاف اور سوشل میڈیا ٹیم کا بھی حصہ ہیں۔ بی این کے اگلے چیئرمین کے انتخابات اس وقت قریب ہیں۔ بی این میں دو گروپ بن چکے ہیں۔ ایک گروپ کے امیدوار حامی صاحب ہیں اور دوسرے کے وان فاتح۔ اور یہاں ہم اپنے ناظرین کو بتاتے چلیں کہ ادیب بن سوت جن پہ خاتون نے ہراسمنٹ کا الزام لگایا ہے' ان کا تعلق فاتح رامزل کے حمایتی گروپ سے ہے۔

بی این کے کسی نمائندے نے ابھی تک اس خبر پہ تبصرہ نہیں کیا۔ ہم مسلسل ان سے رابطہ کرنے کی کوشش میں ہیں۔"

لابی سے ہال تک کا فاصلہ عبور کرتے ہوئے وہ بار بار دہرائی جانے والی خبروں کو سن سکتی تھی۔ گزرگاہ کے اطراف میں کھڑے اسٹافرز گردنیں موڑ موڑ کے تالیہ کو دیکھنے لگے۔ سب خاموش تھے اور ان کی ملامتی نظریں اس چیف آف اسٹاف پہ جمی جس نے وہیں کھڑے کھڑے ایک اسٹافر کو فائر کیا تھا۔ غصیلی نظروں سے اسے گھورتا اشعر سب سے آگے تھا۔

"اس اسکینڈل کو کھڑا کرنے کے لیے شکریہ' چے تالیہ۔" وہ چبا چبا کے بولا تو تالیہ نے ایک بے زار نظر اس پہ ڈالی۔

"باس کہاں ہیں؟" پھر نظریں ہال کے دوسرے سرے کھڑے فاتح پہ جا ٹھہریں۔ سفید شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک موڑے' پہلوؤں پہ ہاتھ جمائے' وہ سنجیدگی سے تالیہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں ہر کوئی اس سے ناراض لگتا تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور گردن کڑا کے اطراف میں دیکھا۔

"آپ لوگ کانفرنس روم میں اکٹھے ہوں۔ میں وہاں آپ کے تمام سوالوں کے جواب دوں گی اور جو ضروری ہوا' وہ بلا جھجک کر گزروں گی۔"

ان الفاظ پہ بھی ملامتی نظریں برقرار رہیں۔ کسی نے ہونہہ میں سر جھٹکا' اور کوئی ٹی وی اسکرین کو دیکھتا رہا۔ ایک شخص بھی کانفرنس روم کی طرف جانے کے لیے جگہ سے نہیں ہلا۔ شہزادی نے مٹھیاں بھینچ کے ضبط کیا اور فاتح کی طرف آئی۔ اسٹاف لاؤنج پیچھے رہ گیا اور وہ آہستہ سے بولی۔ "آپ بھی مجھے ملامت کر رہے ہوں گے مگر....."

"نہیں' مجھے تم پہ اعتماد ہے!"

اس کی ساری توجیہات' وضاحتیں' شکوے ان کہے رہ گئے۔ وہ بس اسے دیکھنے لگی۔ وہ بڑے رسان سے سمجھانے لگا تھا۔

"میں نے کل صوفیہ رحمٰن کو چیلنج کیا تھا۔ اس نے جوابی حملہ تو کرنا تھا۔ ایک عام سی اسٹافر اتنا بڑا قدم صرف تب اٹھا سکتی ہے جب اس کی پشت پناہی کی جائے۔ فکر نہ کرو۔ سیاسی پارٹیوں میں ایسے مسئلے آتے ہیں۔ تم اسے ہینڈل کر لو گی۔"

اس نے نظریں جھکا کے اپنے بیگ کو دیکھا جس میں استعفیٰ رکھا تھا۔

"اسٹاف مجھے ناپسند کرتا ہے۔ وہ مزید مجھے اپنی چیف نہیں دیکھنا چاہتے۔" ہاتھ زپ کی طرف بڑھے۔ دور کھڑے اسٹافرز اور اشعر کی

خود کو گھورتی نگاہیں وہ محسوس کر سکتی تھیں۔

''استعفیٰ دینے کے بارے میں سوچنا بھی مت' تاشہ!''

اس نے تنبیہہ کی تو تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''آپ کو کیسے....؟؟''

''میرے نیچے ہزاروں کارکن کام کرتے رہے ہیں' لڑکی۔'' وہ نرمی سے مسکرایا۔ ''یہ پہلی دفعہ نہیں ہو گا کہ کوئی نیا باس اس وجہ سے ناراض ہو کے جاب چھوڑ جائے کہ اسے لگے کوئی اس کی عزت نہیں کرتا۔''

''کوئی میری عزت نہیں کرتا۔ چاہے وہ مسز عصرہ ہوں' اشعر ہو یا وہ لفٹ مین۔ سب مجھے Evil Queen سمجھتے ہیں۔'' وہ دبی آواز میں خفگی سے بولی۔

''عزت کمائی جاتی ہے۔ جیسے تم نے میری نظر میں کمائی' ویسے ہی ان کی نظروں میں بھی کما سکتی ہو۔ لیکن میدان چھوڑ کے نہیں۔ بلکہ سامنے سے لیڈ کر کے۔''

اس نے زپ سے ہاتھ ہٹا دیے اور گہری سانس لی۔ ''اب میں کیا کروں؟''

''وہی جو اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو کرتا۔ جاؤ۔ شاباش۔'' فاتح نے سینے پہ بازو لپیٹ لیے اور چوکھٹ سے ٹیک لگائے اسے اسٹاف کی طرف واپس جانے کا اشارہ کیا۔

(فاتح کیا کرتا؟) اس نے سوچا اور اگلا مرحلہ آسان ہو گیا۔ تیزی سے واپس ہال کے وسط میں آئی اور اونچی آواز سے بولی۔

''وہ تمام لوگ جو اس کرائسز کو حل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں' وہ گھر جا سکتے ہیں۔ اور جو واقعی کام کرنا چاہتے ہیں' وہ کانفرنس روم میں میرا انتظار کریں۔ میں اب بھی آپ کی چیف آف اسٹاف ہوں اور میرا حکم نہ ماننا وان فاتح کی حکم عدولی سمجھا جائے گا۔ ناؤ موو ایوری ون!'' تحکم سے کہا اور واپس فاتح کی طرف آئی۔ پیچھے سے اسٹاف ورکرز قدرے خاموش ہوئے اور پھر کچھ اپنی چیزیں سمیٹنے لگے۔ باقی وہیں ہٹ دھرمی سے کھڑے رہے۔ فاتح نے مسکرا کے اسے دیکھا اور اندر چلا آیا جہاں تالیہ کی میز کرسی رکھی تھی اور سامنے اس کے آفس کا بند دروازہ تھا۔

''ادیب اندر ہمارا انتظار کر رہا ہے۔'' اس نے دروازے کے باہر رک کے دھیمی آواز میں کہا۔ ''اب بتاؤ' تمہارے ذہن میں کوئی لائحہ عمل ہے؟''

''نہیں!'' تالیہ نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔

''تو تم نے اس کو فائر ہی کیوں کیا تھا؟'' نرمی سے وہی سوال پوچھ ہی لیا جو ہر کسی کی ملامتی نظروں میں تھا۔ تالیہ نے گہری سانس لی۔

''سر.... میرے پاس اس کو فائر کرنے کی ٹھوس وجوہات تھیں۔'' اس نے فاتح کی آنکھوں میں قطعیت سے کہا۔

''کیا اس نے کبھی یہاں ہراسمنٹ کی شکایت کی تھی؟''

''نہیں سر۔ اس نے ایک دفعہ بھی شکایت نہیں کی۔ اور ادیب صاحب تو اس روز واپس آئے ہیں بیرونِ ملک سے۔ ان کا تو ڈیپارٹمنٹ اور آفس ہی الگ ہے۔''

''ادیب بہت معزز آدمی ہے۔ اور اس کے بیوی بچے اس بات سے بہت ڈسٹرب ہوئے ہیں۔ وہ اندر موجود ہے۔ مگر اس سے بات کرنے سے پہلے ....'' وہ رک کے تنبیہہ کر رہا تھا۔ ''تم یاد رکھنا کہ اس کا ایک بچہ ہارٹ پیشنٹ ہے' اور وہ اسی کے علاج کے لئے بیرونِ ملک تھا۔ ہمیں کسی بھی طرح اس خبر سے اس کی خراب ہوتی ساکھ کو بچانا ہے تاکہ اس کی فیملی پہ اثر نہ پڑے۔ ایسی ہی باتوں کی وجہ سے عصرہ جیسی بیویاں اپنے شوہروں کو الیکشن نہیں لڑنے دیتیں۔'' آخر میں فاتح نے افسوس سے سر جھٹکا۔ جب اس کی اپنی ویڈیو لیک ہوئی تھی تو وہ ڈسٹرب ہوا تھا کیونکہ معاملہ اس کا اپنا تھا۔ لیکن آج پارٹی کرائسز میں تھی اور تالیہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ خود کو بالکل ٹھنڈا اور مطمئن رکھے ہوئے تھا۔

ایک لیڈر کی طرح۔ تاکہ اسے دیکھ کے دوسرے حوصلہ پکڑیں۔ اور تالیہ کو بھی حوصلہ ملا تھا۔

''سر.... میں نے اس سے بڑے کرائسز دیکھے ہیں۔ میں اس کو ہینڈل کر لوں گی۔''

''میں نہیں .... ہم!'' اس نے ابرو اٹھا کے یقین دلایا تو ایک دم گزشتہ شام کی ساری تلخی زائل ہونے لگی۔ اس نے سوچا بھی کیسے تھا کہ وہ اس سے الگ ہو سکتی تھی؟

ادیب بن سوت سامنے کرسی پہ بیٹھا بار بار کلائی کی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ عمر پچاس کے لگ بھگ ہو گی اور اچھا خاصا خوش شکل مرد تھا۔ دبلے چہرے اور دراز قد کا حامل ادیب پریشان نہیں' البتہ متاسف ضرور لگتا تھا۔

فاتح کو آتے دیکھ کے کھڑا ہوا۔ تالیہ کو عقب میں دیکھا تو سر کے خم سے اشارتاً سلام کیا۔ کوٹ شاید اپنے آفس میں اتار دیا تھا' اور اس وقت وہ سیاہ پینٹ اور سفید شرٹ کے ساتھ ٹائی میں ملبوس تھا۔ وہ چند دنوں میں ہی دیکھ چکی تھی کہ وہ خاصا رکھ رکھاؤ اور نرم انداز والا آدمی تھا۔

''کوئی مجھے بتائے گا یہ کیا ہو رہا ہے۔'' اس نے افسوس سے فاتح سے پوچھا۔

''ادیب .... یہ میری چیف آف اسٹاف ہے تاشہ....'' وہ رکا۔ ''تالیہ۔''

فاتح نے اپنی پاور سیٹ سنبھالتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا تو اس نے ادیب کے ساتھ والی کرسی کھینچی۔ اب فاتح میز کے ایک جانب بیٹھا تھا اور وہ دونوں دوسری جانب۔ تالیہ بیٹھتے ہی بتانے لگی۔

''ادیب صاحب' ایمان کو میں نے برحق برطرف کیا تھا۔ مگر کل ہم نے .....'' فاتح کو ایک نظر دیکھا۔ ''صوفیہ رحمن پہ ذاتی حملہ کیا ہے' تو یہ ان کا جواب ہے۔''

''ظاہر ہے میں یہ سمجھتا ہوں مگر میرا نام کیوں لیا اس نے؟'' وہ پریشان سے زیادہ حیران تھا۔ ''میں اس لڑکی کے پورے نام سے بھی

واقف نہیں ہوں۔ نہ میری اس سے کوئی بات چیت ہے۔ میرا بچہ بیمار ہے۔ میں تو پچھلے کتنے ماہ سے اس آفس میں بھی کم آتا ہوں' اور مجھے نہیں معلوم وہ کس ہراسمنٹ کی بات کر رہی ہے۔ آپ میرا..." جیب میں ہاتھ ڈال کے ایک آئی فون نکالا اور میز پہ رکھا۔ "فون چیک کر سکتی ہیں۔ میں کسی بھی ethics کمیٹی یا ڈسپلنری کمیٹی کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"سر' مجھے معلوم ہے اس لڑکی کو آپ نے کبھی بھی ہراس نہیں کیا۔" وہ بے حد یقین سے بولی تو ادیب نے گہری سانس بھری۔ البتہ اس کی آنکھوں کا اچنبھا کم نہیں ہوا تھا۔

"مگر میں ہی کیوں؟ میری فیملی ڈسٹرب ہے' میرا بچہ بیمار ہے۔" اسے جیسے صدمہ پہنچا تھا۔ "دیکھیں چے تالیہ.... آپ اس مسئلے کو جیسے بھی ہینڈل کریں' مجھے ایک بات کا جواب آپ لا کر دیں گی کہ اس نے میرا نام کیوں خراب کرنے کی کوشش کی!" کہتے ہوئے ادیب کے کان سرخ ہونے لگے تھے۔

"وہ صرف صوفیہ رحمٰن کے کہنے پہ یہ کر رہی ہے۔" ٹیک لگائے بیٹھے فاتح نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"جی سر' اور اس کو آپ سے کوئی ذاتی پرخاش بھی ہو سکتی ہے۔ مگر آپ فکر نہ کریں' میں اس معاملے کے ختم ہونے کے بعد سارے جواب لے کر آپ کے پاس آؤں گی۔" وہ اسے بہت ذمہ داری سے یقین دلا رہی تھی۔

"ادیب تم پہ یہ مصیبت میری وجہ سے آئی ہے۔ تم اپنے گھر جاؤ اور اپنی فیملی کو دیکھو۔ ہم تمہیں اس سے نکال لیں گے۔" اس کے تسلی دلانے پہ ادیب نے شانے اچکائے اور کھڑا ہو گیا۔

"جب میں نے کچھ غلط نہیں کیا تو مجھے کوئی ڈر بھی نہیں ہے۔ صرف فیملی کی پریشانی ہے۔ مگر خیر.... آئی ٹرسٹ تالیہ۔" وہ اس پہ اعتماد کا اظہار کر رہا تھا۔

"تھینک یو ادیب صاحب!" وہ ہلکا سا مسکرائی۔ ادیب بن سوت باہر نکل گیا تو وہ دونوں آفس میں تنہا رہ گئے۔ فاتح اسے غور سے دیکھنے لگا تو وہ جلدی سے بولی۔

"اس کو فائر کرنا غلط نہیں تھا۔" انداز مدافعانہ تھا۔

"مجھے اصل وجہ بتاؤ۔ تم نے اسے کیوں فائر کیا؟" وہ ہتھیلیاں میز پہ رکھے آگے کو جھکے پوچھ رہا تھا۔ "مجھے صرف سچ سننا ہے۔"

"چاہے وہ کتنا ہی ناقابل یقین کیوں نہ ہو؟"

"میں یقین کروں گا۔ تم کہہ کے دیکھو۔"

اس کے انداز کا اعتماد اور بھروسہ..... تالیہ کا دل پگھلنے لگا۔ وہ پیچھے ہوئی اور سینے پہ بازو لپیٹے۔ "پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اس کا رویہ نان پروفیشنل تھا۔ اور دوسری وجہ سن کے آپ کو لگے گا کہ میں کوئی کہانی گھڑ رہی ہوں یا...."

"مجھے ایسا کیوں لگے گا؟ تمہاری کہی کوئی بات کبھی جھوٹ ثابت نہیں ہوئی۔ اور ہم اس فائل کے ایشو سے آگے بڑھ چکے ہیں' تاشہ!"

وہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔ بنا پلک جھپکے' آنکھیں اس پہ جم گئیں۔ ''تو آپ کو میں سچی لگتی ہوں؟''

''ظاہر ہے۔'' وہ پوری دیانتداری سے کہہ رہا تھا۔ تالیہ کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا لگنے لگا مگر اس نے کوشش کی کہ پانی کو آنکھوں تک نہ آنے دے۔

''میں سچے خواب دیکھتی ہوں اور کچھ عرصہ پہلے جب میں کہیں 'قید' تھی.... مشکل میں تھی.... تو میں نے خود کو اس آفس میں اس لڑکی کو ٹرمینیٹ کرتے دیکھا تھا۔''

''سیریسلی؟ تمہیں سچے خواب دکھائی دیتے ہیں؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''آپ کو یقین نہیں آیا؟''

''ہو سکتا ہے تمہارا خواب غلط ہو' لیکن مجھے معلوم ہے کہ تم سچائی سے وہی بتا رہی ہو جس پہ تمہیں یقین ہے۔'' پھر ابرو اچکائے۔ ''سچے خواب۔ ہاؤ کول۔''

''وہ صرف ایک خواب نہیں تھا۔ اس سیاہ طویل رات میں ایک 'امید' تھا کہ مجھے آزادی ملے گی۔ مگر میں نے اندھا دھند یہ قدم نہیں اٹھایا۔ میں نے کہا نا سر' اس کا رویہ نان پروفیشنل تھا۔ اور مجھے اب بھی یقین ہے کہ میری امید غلط نہیں ہو سکتی۔ اس ٹرمینیشن کا اختتام کسی بہت اچھی چیز پہ ہوگا۔''

''بہر حال اس کو فائر کرنے کی وجہ جو بھی ہو.... جو ہو گیا سو ہو گیا۔ تمہیں اب اس مسئلے کو خود حل کرنا ہوگا۔''

''میں بڑی باہمت لڑکی ہوں سر۔ میں ہار نہیں مان رہی لیکن میں کیسے کچھ کروں جب کہ اسٹاف مجھے پسند نہیں کرتا نہ اب کوئی میری بات مانے گا۔'' وہ تلخ ہوئی۔

''تو بات منواؤ۔ جیسے لیڈرز منواتے ہیں۔''

''کیسے منواتے ہیں؟''

وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ سامنے کرسی پہ بیٹھی تالیہ کچھ خفا' کچھ پریشان نظر آتی تھی۔

''تمہیں معلوم ہے بعض قبائل میں جب کوئی لیڈر کسی مسئلے کے حل کے لیے عمائدین کو اکٹھا کرتا ہے تو وہ ایک دائرے میں ان لوگوں کو بٹھاتا ہے۔ ایک دائرہ جہاں سب برابر ہوتے ہیں۔ اچھا لیڈر سب کو ان کے فرسٹ نیم سے پکار کے ان کی رائے مانگتا ہے اور سب کے خاموش ہونے کے بعد بولتا ہے۔ اس کی بات آخری اور حتمی ہوتی ہے۔'' اس نے شرٹ کی آستینیں کھولیں اور کف کے بٹن بند کیے۔

''اگر تمہیں لیڈر بننا ہے تو جا کے سب کو ایک گول میز کے گرد بٹھاؤ' اور ان کے آئیڈیاز سنو۔ آخری شخص کو سننے تک تمہارے ذہن میں پلان بی آ چکا ہوگا۔ پھر تمہیں کوئی ایڈوائس' کوئی راہنمائی چاہیے ہو تو تم میرے پاس آ سکتی ہو۔ مگر اس مسئلے کو تمہیں خود حل کرنا ہوگا۔ میں ابھی پارلیمنٹ جا رہا ہوں۔'' وہ اب کوٹ اٹھاتے ہوئے برشے اس کے سپرد کر رہا تھا۔ تالیہ کا دل بری طرح دھڑکا مگر بظاہر اس نے چہرے کو

پر سکون رکھا۔

''میں سنبھال لوں گی، سر!''

''گڈ۔ اور یاد رکھو۔'' میز کے پیچھے سے نکلتے ہوئے اس نے آخری تنبیہ کی۔ ''لیڈر وہ نہیں ہوتا جس کی تدبیریں اعلیٰ اور دماغ چالاک ہوتا ہے۔ لیڈر وہ ہوتا ہے جو پریشر برداشت کر سکے اور گھبراہٹ پہ قابو پائے۔''

''یس سر!'' وہ جلدی سے اٹھی اور باہر نکل آئی۔

کچھ دیر بعد وہ کانفرنس روم کی بیضوی میز کے ایک سرے پہ بیٹھی تھی اور خاموشی سے سب کو سن رہی تھی۔ تمام کرسیاں بھری تھیں اور کچھ لوگ کرسیوں کے پیچھے کھڑے تھے۔ کبھی وہ باری باری بولتے اور کبھی ایک ساتھ رائے دینے لگتے۔

''آپ نے اسے فائر کیا اور یہ سارا مسئلہ کھڑا ہوا۔''

''ایمان کو بلاوجہ فائر نہ کیا جاتا تو وہ اس حد تک نہ جاتی۔ اب تو ہر کسی کو اپنی نوکری کا ڈر لگ گیا ہے۔''

''اور ہو سکتا ہے کہ اسے واقعی ہراس کیا جا رہا ہو۔ ہو سکتا ہے وہ سچ بول رہی ہو۔'' ایک عینک والی لڑکی نے ہچکچاتے ہوئے سوال کیا تو سب گردنیں موڑ کے اسے دیکھنے لگے۔ آوازیں بلند ہوئیں۔

''ادیب صاحب ایسے بالکل نہیں ہیں۔''

''ادیب صاحب تو اس کو ٹھیک سے جانتے بھی نہیں ہیں۔''

دروازہ کھلا اور تیوریاں چڑھائے اشعر اندر داخل ہوا۔ چونکہ اس وقت بہت سے کارکن بول رہے تھے تو وہ خاموشی سے کھڑکی کے ساتھ.... تالیہ کی سیدھ میں جا کھڑا ہوا اور ہاتھ جیبوں میں ڈالے ضبط سے جیسے اپنی باری کا انتظار کرنے لگا۔

تالیہ جو گال تلے انگلی رکھے بیٹھی تھی، بالآخر مسکرا کے بولی۔ ''آپ میں سے اسنو وائٹ کون ہے؟''

کارکن ایک دم باتیں روک کے اسے دیکھنے لگے۔ ''جی، میم؟''

''میری سیٹ پہ کسی نے ایک پرچی لگائی تھی جس پہ Evil Queen لکھا تھا۔ لکھنے والا یا (ایک تیکھی نظر عینک والی لڑکی پہ ڈالی جس نے نظریں فوراً جھکا لی تھیں۔) یا لکھنے والی اس عمل کی ذمہ داری قبول کرنا چاہے گی؟'' اس نے پرچی پرس سے نکال کے ان کو دکھائی۔ (اشعر نے بیزاری سے سر جھٹکا۔)

کانفرنس ہال میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔

''آپ میں سے اکثر لوگ مجھے ایک ظالم ملکہ کے طور پہ دیکھتے ہیں جو بلاوجہ کسی بھی کارکن کا سر قلم کر دیتی ہے۔ لیکن میں آپ کو ایسے نہیں دیکھتی۔''

گھومنے والی کرسی پہ ٹیک لگائے، گال تلے انگلی رکھے بیٹھی وہ رسان سے کہہ رہی تھی۔ تنقیدی، چبھتی نگاہیں اس پہ ہنوز جمی تھیں۔

''میں آپ لوگوں کو مردوں اور عورتوں کی ایک ٹیم کے طور پہ دیکھتی ہوں جو ایک مقصد کے لیے اکٹھے کام کر رہے ہیں۔ یہ فریدہ ہے (عینک والی لڑکی کی طرف قلم سے اشارہ کیا) جو اپنی کڈنی پیشنٹ والدہ کی خدمت کے لیے جاب کر رہی ہے۔ یہ نعیمہ ہے جو سنگل مدر ہے اور اسے تنخواہ سے اپنے بیٹے کی اسکول فیس دینی ہوتی ہے۔'' وہ باری باری ہر ایک کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

''یہ رضوانہ ہے جو اپنے شوہر حارث کے ساتھ مل کے کماتی ہے تاکہ دونوں اپنا گھر چلا سکیں۔ اور یہ آمنہ ہے جو باہر سے ڈگری لے کے آئی ہے اور جاب کرنا اس کی مجبوری نہیں ہے مگر یہ اپنے خوابوں کی تکمیل کے لیے جدوجہد کر رہی ہے۔''

کانفرنس روم میں ایک ششدر سا سناٹا چھا گیا تھا۔ جہاں لڑکیاں یک ٹک اسے دیکھ رہی تھیں وہاں اشعر بھی چونک گیا تھا۔ (بے تالیہ اپنے اسٹاف کو جانتی ہیں۔ انٹرسٹنگ۔)

''اور یہاں عارفین بھی ہے جو نظر کے مسئلے کی وجہ سے اگر فوج میں نہیں جا سکا تو بی این میں کام کر کے ملک کی خدمت کر رہا ہے۔ یہاں دانیال بھی ہے جو اکیلا اپنے چھے بہن بھائیوں کو پال رہا ہے کیونکہ اس کے والدین اس کی ٹین ایج میں وفات پا گئے تھے۔ اور شکور... جو اپنی مُف پڑھائی کے ساتھ پارٹی کے سوشل میڈیا سیل کے لیے وقت نکالتا ہے۔ جاب کرنا آپ میں سے کسی کی مجبوری ہے تو کسی کا خواب۔ یہ جاب بہت سے مردوں اور عورتوں کو ایک چھت تلے لے آتی ہے جہاں ہمارے درمیان اچھی بات چیت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ ہم فارغ وقت میں ساتھ بیٹھ کے لطیفوں پہ ہنستے بھی ہیں' باس کا مذاق بھی بناتے ہیں' اور ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں کیونکہ اچھے کردار کے لئے کرخت شکل بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نہ ہی صرف حجاب پہن لینا آپ کو بچا سکتا ہے۔ آپ میں سے کچھ لڑکیاں حجاب پہنتی ہیں اور کچھ نہیں پہنتیں مگر میں آپ سب کو مضبوط کردار کی لڑکیوں کے طور پہ جانتی ہوں کیونکہ آپ آفس کے مردوں کے ساتھ ایک اچھا ورکنگ ریلیشن شپ رکھنے کے باوجود اپنی اخلاقی حدود کو نہیں پھلانگتیں اور چھپ کے کرنے والی یا ذومعنی رومانوی گفتگو میں نہیں پڑتیں۔''

اس پہ جمی نظریں اور تاثرات آہستہ آہستہ بدل رہے تھے۔ کچھ کے ماتھے کے بل سیدھے ہوئے تو کسی نے نظریں جھکا لیں۔

''آفس میں جو شخص اخلاقی حدود کو عبور کرے' نازیبا گفتگو کرے' بھلے سامنے والی لڑکی نے حجاب پہنا ہے یا نہیں' اس شخص کو ہراسر کہتے ہیں۔ ہراس کے عمل کی وجہ اس کا اپنا ذہنی فتور ہوتا ہے' عورت کا لباس نہیں۔ ہمارا لباس ہماری اپنی پاکیزگی کے لئے ہے' دوسرے کی نظر کی نہیں۔ ہم اگر غیر اخلاقی لباس پہنیں گے تو ہم اپنی پاکیزگی کھو دیں گے لیکن ہراسر عموماً لباس سے آگے نکل چکے ہوتے ہیں۔ وہ برقے والی کو بھی تنگ کرتے ہیں اور سات سال کی یونیفارم والی بچی کو بھی۔ آپ نے حجاب نہیں اوڑھا لیکن کوئی قابل اعتراض اور تنگ لباس بھی نہیں پہنا' تب بھی ایسے لوگ آپ کو ستائیں گے۔''

''بے تالیہ.... آپ کی تقریر اچھی ہے۔ مگر پلان کیا ہے؟ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' اشعر سے مزید برداشت نہیں ہوا۔ کلائی کی گھڑی دکھائی۔ تالیہ نے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بات جاری رکھی۔

''میں آپ کو یہ یقین دلانا چاہتی ہوں کہ ایمان کو کسی نے اس آفس میں ہراس نہیں کیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو تالیہ مراد آج ایمان کے

ساتھ جا کے کھڑی ہو جاتی۔ میرے نزدیک ہراس منٹ اتنا سنگین جرم ہے۔ اور اسی لیے میں نے ایمان کو فائر کیا تھا۔''

''جی؟'' فریدہ نے اچھنبے سے کہا تو تالیہ نے گہری سانس لی۔

''میں نے ایمان کو دو وجوہات کی بنا پہ نکالا۔ ایک میں نے ابھی باس کو بتائی اور دوسری آپ کو بتا رہی ہوں۔ ہراس منٹ صرف مرد نہیں کرتے۔ عورتیں بھی کرتی ہیں۔ جیسے ایمان منیر الکلام کو ہراس کر رہی تھی۔ منیر میرے پاس شکایت لے کر نہیں آیا حالانکہ اسے آنا چاہیے تھا۔''

سب نے گردنیں گھما کے منیر نامی اس نوجوان کو دیکھا جو خود بھی حق دق رہ گیا تھا۔ منہ تک کھل گیا۔ ''میں؟''

''منیر.... یہ کیا کہہ رہی ہیں؟'' اسٹاف لڑکیوں نے حیرت سے اسے پکارا۔ منیر نے بے بسی اور بے یقینی سے لب آپس میں پیوست کر لیے۔ نظریں جھکا لیں۔ وہ خوش شکل مگر دبلا پتلا سا نوجوان تھا جو دیکھنے سے ہی کم اعتماد لگتا تھا۔

''میں نے ایمان کو اس لئے فائر کیا تھا کیونکہ وہ آفس کا ماحول خراب کر رہی تھی۔ وہ منیر جیسے شریف اور ڈرپوک لڑکے کو غیر اخلاقی کاموں کے لئے اکسایا کرتی تھی۔ دانیال کو علم ہے اور شاید منیر کے چند دوستوں کو بھی معلوم ہے۔ وہ اس سے سینئر تھی اور اس کو دھمکاتی تھی کہ وہ اس کی جاب چھین سکتی ہے۔ وہ پوزیشن آف پاور پہ تھی اور منیر کمزور تھا اس لیے چپ رہا اور عثمان یا میرے پاس نہیں آیا۔''

اشعر نے حیرت سے ابرو اٹھا کے ان سب کو دیکھا۔ ''واقعی؟''

دوسرے اسٹافر نے اثبات میں گردن ہلائی اور منیر نے سر مزید جھکا دیا۔ ''جی سر۔''

عینک والی فریدہ نے لبوں پہ ہاتھ رکھ دیا۔ بہت سے لوگ ششدر رہ گئے تھے۔

''منیر....'' تالیہ نے اسے نرمی سے مخاطب کیا۔ ''میں جانتی ہوں کہ تم اپنی عزت کے لئے ڈرتے تھے مگر وہ لڑکی اب دشمنوں سے جا ملی ہے اور تمہیں اس وقت اپنے بیوی بچے' خاندان اور دوستوں وغیرہ کی باتوں کا سوچ کے فکرمند نہیں ہونا۔ تمہیں اپنے آفس سے وفا نبھانی ہے۔ میں اس مسئلے کو نہیں حل کروں گی۔ تم کرو گے۔ کیونکہ ہم تمہاری ٹیم ہیں اور جو ٹیم سے غداری کرے.... (آواز بلند ہو رہی تھی) ہم اس کو ایسی عبرت ناک مثال بنا کے رکھ دیں گے تاکہ آئندہ کوئی یوں میڈیا پہ ہمیں بلیک میل نہ کر سکے۔''

''ونڈرفل۔'' اشعر بالآخر مسکرایا اور چلتا ہوا قریب آیا۔ اسے تالیہ کی حکمت عملی سمجھ آ رہی تھی۔ ''ہمیں ایمان کو ہراسر کے طور پہ پیش کرنا ہوگا۔''

''میم وہ ایک لڑکی ہے اور ہم اس کو یوں سر عام بے عزت کریں؟ یہ ٹھیک ہوگا؟'' نرم دل نعیمہ کے منہ سے نکلا۔

''یہ آپ کو سیاسی پارٹی جوائن کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا نعیمہ۔ سیاست تو ہے ہی گندی چیز اور اب ہم سب اس گند کا حصہ ہیں۔ اگر عورت کسی دوسرے پہ کیچڑ اچھالے گی یا جرم کرے گی تو اسے اس کی سزا ملے گی۔ وہ باہر میدان جنگ سجا کے پریس کانفرنس کرنے جا رہی ہے اور میدان جنگ میں دشمن پہ ترس نہیں کھاتے۔ کھیل ایمان نے شروع کیا تھا۔ ختم ہم کریں گے۔''

''مگر کیسے؟''

''ہم پراپیگنڈا کرنے جا رہے ہیں۔ پراپیگنڈا سمجھتی ہو نعیمہ؟'' وہ اٹھتے ہوئے میز سے اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔ ''اتنا شور مچانا کہ باقی ہر آواز دب جائے۔ ایمان کے الزام کے جواب میں ہمیں خاموش رہ کے پیچھے نہیں ہٹ جانا۔ ہم نے اتنا شور مچانا ہے کہ اس کی آواز کوئی سن ہی نہ سکے۔'' ساتھ ہی وہ ہدایات دینے لگی۔ (اس کے کھڑے ہوتے ہی دوسرے لوگ بھی کھڑے ہونے لگے۔)

''دانیال تم ایمان کے خلاف ٹوئیٹر پہ ٹوئیٹس کرو۔ اس کو اتنا Evil پینٹ کرو کہ لوگ اس سے بے زار ہو جائیں۔ بعد میں فاتح ٹوئیٹ کر کے پارٹی ورکرز کو ایمان کو برا بھلا کہنے سے روک دیں گے لیکن تب تک تم اس کو خاطر خواہ نقصان پہنچا چکے ہو گے۔ حارث' تم مجھے ایمان کی پیدائش سے اب تک کی زندگی کی ساری اہم معلومات لا کے دو۔ وہ پہلے کہاں جاب کرتی تھی اور وہ جاب اس نے کیوں چھوڑی' یہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ آہنہ' تمہارے بینک میں کانٹیکٹس ہوتے ہیں۔ تم مجھے ایمان کی مالی ٹرانزیکشنز کا حساب لا کے دو گی۔ ہمیں اس کے اور صوفیہ رحمٰن کے درمیان کسی رقم کی منتقلی کا ثبوت اگر مل جائے تو بہت اچھا ہو گا۔'' پھر رک کے بولی۔ ''ویسے تو میرے پاس ایک بہت قابل انویسٹی گیٹر ہے جو وزن اور عقل میں تم میں سے دس کے برابر ہے لیکن میں اس وقت صرف اپنی ٹیم پہ بھروسہ کرنا چاہتی ہوں۔ آل رائیٹ ایوری ون۔ گیٹ ٹو ورک ناؤ۔''

وہ وہاں کھڑی کہہ رہی تھی اور اسٹافرز سر ہلا کے فوراً سے اپنے اپنے کیبن کی طرف لپکنے لگے تھے۔

ماحول یکسر بدل گیا تھا۔ سب میں توانائی سی بھر گئی تھی۔

منیر البتہ متذبذب اور پریشان کھڑا تھا۔ ''مجھے کیا کرنا ہو گا میم۔''

''تمہیں.....'' اشعر مسکراتا ہوا آگے آیا۔ ''تمہیں براس منٹ وکٹم بنا ہو گا۔''

''اشعر صاحب درست کہہ رہے ہیں' منیر۔ تمہیں اور مجھے مل کے ایمان کی پریس کانفرنس خراب کرنی ہے۔'' وہ بھی مسکرا کے بولی تو منیر الکلام کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

باہر راہداری میں تیز تیز چلتے اشعر نے سرگوشی کی۔

''آپ نے واقعی ایمان کو اسی وجہ سے نکالا تھا؟''

''کہا نا۔ مجھے اس کو نکالنا ہی تھا۔ شو آف پاور کے لیے۔'' وہ دبے الفاظ میں بولی۔ ''لیکن میں نے پہلے اس پہ پوری تحقیق کی تھی۔ فنشنگ مہم' یونو۔ اور میرے ہاتھ اتنی بڑی وجہ آ گئی کہ اسے نکالنا آسان ہو گیا۔ اور مجھے معلوم ہے کہ اکیسویں صدی میں لوگوں کو فائر کرنا آسان نہیں ہوتا۔'' جتا کے بولی تو وہ محض مسکرا دیا۔ وہ دونوں آگے چل رہے تھے اور منیر ذرا پیچھے تھا۔ ان کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا۔

''مگر میں نے ٹرمینیشن لیٹر میں وجہ اس کی چھٹیاں لکھی تھیں تاکہ اس لڑکی کا پردہ رہے۔ لیکن اب چونکہ اس نے کسی کا پردہ نہیں رکھا تو....'' اس نے کوٹ کی جیب سے ایک تہہ شدہ کاغذ نکال کے اشعر کی طرف بڑھایا۔ ''یہ ایک دوسرا ٹرمینیشن لیٹر ہے جو میں نے آپ کی طرف سے

بیک ڈیٹ میں اس وقت بنایا تھا جب سارے ورکرز اپنی اپنی رائے دے رہے تھے۔ اس کے مطابق اسے میں نے نہیں، اصل میں آپ نے فائر کیا تھا۔ سیاست ایک con game ہے اشعر صاحب اور اس وقت ہم میڈیا کو کون کرنے جا رہے ہیں۔ وہ اسی بات میں الجھ جائیں گے کہ اصل بزنیشن لیڈر کون سا ہے۔ جو ایمان دکھا رہی ہے یا جو ہم دکھائیں گے۔"

"گڈ۔ میں ابھی سائن کر دیتا ہوں۔" اشعر نے قلم نکالتے ہوئے کاغذ کی تہہ کھولی تو دیکھا، وہ پہلے سے سائن شدہ تھا۔ اس نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔ سارے دن کے بعد وہ اب کھل کے مسکرائی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا آپ راضی ہوں گے یا نہیں اس لیے میں نے خود ہی آپ کے سائن کر دیے۔ یہ مسئلہ میرا کھڑا کردہ ہے۔ اسے مجھے ہی حل کرنا ہے۔" اور لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔

اشعر نے گہری سانس لی اور پھر ہلکا سا مسکرا دیا۔ اس کے قدم اب تالیہ کے تعاقب میں بڑھ چکے تھے۔ وہ بالآخر بہتر محسوس کر رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

سن باؤ کے صحن میں ٹھنڈی سی دھوپ پھیلی تھی۔ برآمدے کی میز پہ وہ دونوں اسی طرح بیٹھے تھے۔ داتن لیپ ٹاپ پہ ویڈیو دیکھتے ہوئے بار بار جمائی روک رہی تھی۔ جبکہ ایڈم ایک فائل سے کاغذات نکال نکال کے اسے دکھا رہا تھا جس کو دیکھنے میں وہ بالکل دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔

"میرے دوست نے فہمی بن سلام کے بارے میں مکمل چھان بین کی ہے مگر اس کا کہنا ہے کہ یہ بالکل کلین ہے۔"

داتن نے بےزاری سے اسے دیکھا۔ "کوئی بھی کلین نہیں ہوتا۔"

"میں نے بھی یہی کہا تھا۔ کوئی تو وجہ ہے جو اس کے ماں باپ اس سے بات نہیں کرتے۔ حالانکہ وہ ہانگ کانگ کی ایک اعلیٰ درجے کی لاء فرم میں کام کرتا ہے جو...." وہ ایک کاغذ دکھانے لگا تو داتن ایک دم سیدھی ہوئی اور سنجیدگی سے اسے گھورا۔

"اس کے ماں باپ اس سے بات نہیں کرتے؟ یہ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"قریباً چھے دفعہ بتا چکا ہوں۔ پہلی دو دفعہ آپ کھانے اور آخری چار دفعہ مجھے نظر انداز کرنے میں مصروف تھیں۔"

"ہوں۔" اس نے سوچتے ہوئے انگلی سے گال پہ دستک دی۔ "اس کے ماں باپ کی اس سے کیا لڑائی ہو سکتی ہے بھلا؟"

"یہی تو پتہ کرنا ہے مگر کیسے؟"

"سادہ طریقہ۔" داتن پدو کا بشاشت سے کہتی اٹھی۔ "اس کے والدین سے پوچھ لیتے ہیں۔"

ایڈم نے آنکھیں پوری پھیلا کے اسے دیکھا۔ "یعنی ہم اس کے ماں باپ کے گھر منہ اٹھا کے چلے جائیں اور پوچھیں کہ آپ اپنے بیٹے سے کیوں نہیں ملتے؟"

"بالکل!" اس نے مسکرا کے پلکیں جھپکائیں۔ "ایڈریس تو تمہارے دوست نے دیا ہی ہوگا۔"

''اور میں سمجھا آپ کوئی اعلیٰ پائے کی انویسٹی گیٹر ہیں۔ آپ تو ماشاءاللہ مجھ سے بھی زیادہ فارغ ہیں۔'' کہا نہیں۔ صرف سوچا۔

فہمی سلام کے والدین کا گھر چھوٹا مگر صاف ستھرا سا تھا۔ ایک منزلہ تکون مخروطی چھت والا گھر جس کے سامنے چھوٹا سا گھاس سے سبز قطعہ بنا تھا جس میں خوشنما گملے لگے تھے۔ ایڈم کو بے اختیار اپنا گھر یاد آیا۔ بعض چھوٹے چھوٹے گھروں کو حلال کی آمدن اور گھر والوں کی سچی عادتیں کتنا بابرکت بنا دیتی ہیں نا۔

گھنٹی بجائی تو جلد ہی ایک ادھیڑ عمر آدمی آتا دکھائی دیا۔ داتن نے مسکرا کے گیٹ کے پار سے ہی ان کو مخاطب کر لیا۔

''سلام صاحب.... کیسے ہیں آپ؟ ہم ایچ کے بزنس ایوارڈز کے ادارے کی طرف سے آئے ہیں۔ آپ سے کچھ سوالات پوچھنے ہیں۔''

''جی بتائیے۔'' وہ صاحب متذبذب سے قریب آئے اور گیٹ کھولا۔ کرتے اور پاجامے میں ملبوس' وہ جناح کیپ پہنے ہوئے تھے۔

''میں ذیابیطس کی مریض ہوں' زیادہ دیر کھڑی نہیں رہ سکتی۔'' ایڈم نے گردن موڑ کے معصومیت سے کہتی داتن کو گھورا۔ (اب سمجھ آیا چے تالیہ کہانیاں گھڑنے میں کس پہ گئی ہیں۔)

چھوٹے سے لاؤنج میں وہ دونوں اب ایک صوفے پہ بیٹھے تھے۔ درمیان میں میز حائل تھی اور میز کے پار بیٹھا بوڑھا ملے اب متفکر سا ان کو دیکھ رہا تھا۔

''ایچ کے بی کیا ہے؟ سوری میں واقف نہیں ہوں۔''

ایڈم نے کنکھیوں سے داتن کو دیکھا۔ وہ نوٹ پیڈ اور قلم نکالے بیٹھی مکمل پراعتماد تھی۔

''ہانگ کانگ بزنس ایوارڈز۔ ہم دراصل....''

''فہمی.... آپ فہمی کے سلسلے میں آئے ہیں۔'' سلام صاحب کے تاثرات سنجیدہ ہوئے۔ آنکھوں میں سرد مہری سی آئی مگر ایڈم نے دیکھا' اس سرد مہری میں تکلیف بھی تھی۔

''جی سر۔ آپ کا بیٹا فہمی اپنی فیلڈ میں Excel کر رہا ہے اور اس سال اس کو بزنس ایوارڈ کے لئے نامزد کیا گیا ہے۔ اس کی پروفائل تیار کرنے کے لئے ہمیں کچھ معلومات....''

''دیکھئے خاتون....'' سلام صاحب نے مہذب مگر قطعی لہجے میں بات کاٹی۔ ''ہمارا فہمی سے کوئی تعلق نہیں ہے خصوصاً اس کے کام سے۔''

''آپ اپنے بیٹے سے خفا لگتے ہیں۔'' داتن نے حیرت سے پوچھا تو سلام صاحب جو باہم انگلیاں پھنسائے بیٹھے تھے' خاموش رہے۔ نظریں میز پہ رکھے گلدان پہ جمی تھیں۔

''یا شاید آپ اپنے بیٹے کے 'کام' سے خفا ہیں۔'' ایڈم بغور ان کو دیکھ رہا تھا۔ سلام نے چونک کے نظریں اٹھائیں۔ پھر اس کا جبڑا بھنچ گیا

''ظاہر ہے میں خفا ہوں۔ ہم مسلمان ہیں۔ ہم نے اپنی اولاد کو ہمیشہ حلال کا لقمہ کھلایا ہے۔ مگر اب ہم اس کو جہنم کا ایندھن بنتے دیکھ

رہے ہیں تو اور کیا کریں؟''

''سر' وہ وکیل ہے' محنت کرتا ہے' اور.....'' ایڈم نے کہنا چاہا۔

''میں کم پڑھا لکھا ہوں مگر اچھی طرح جانتا ہوں کہ Clyde & Lee میں کیا محنت کی جاتی ہے۔'' وہ برہمی سے کہہ رہے تھے۔ چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

''کلائیڈ اینڈ لی؟'' داتن کا منہ کھل گیا۔ گردن موڑ کے بے یقینی سے ایڈم کو دیکھا اور آنکھوں میں پوچھا۔ (وہ آدمی کلائیڈ اینڈ لی میں کام کرتا ہے؟)

ایڈم نے پلکیں جھپکائیں اور کچھ کہنے کے لئے واپس منہ موڑا ہی تھا کہ داتن اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چونکہ آپ بات نہیں کرنا چاہتے تو ہم چلتے ہیں۔ چلو۔'' وہ ایک دم عجلت میں نظر آنے لگی۔ ایڈم نے اسے اشارہ کیا (ایک منٹ مجھے بات تو کرنے دو) مگر داتن نے طے کر لیا تھا کہ اب مزید وہاں نہیں رکنا۔

''مجھے کم از کم ان کی ناراضی کی وجہ تو پوچھنے دیتیں۔'' وہ باہر آتے ہوئے زچ سا کہہ رہا تھا۔ سڑک کنارے وہ تیز تیز چلتی جا رہی تھی۔ اس سوال پہ گھور کے اسے دیکھا۔

''تم نے یہ کیوں نہیں بتایا کہ وہ کلائیڈ اینڈ لی میں کام کرتا ہے؟''

''بتایا تھا مگر اس وقت آپ میرے اور چے تالیہ کے بارے میں گھما پھرا کے سوالات کر رہی تھیں۔ اس لیے آپ نے سنا نہیں۔''

''تمہارے ایجنسی والے دوست نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ کلائیڈ اینڈ لی کیا ہے؟''

''بتایا تھا۔ لاء فرم ہے۔ جہاں وکیل کام کرتے ہیں۔ یونو کچھ لوگ محنت مزدوری سے پیسہ کماتے ہیں کیونکہ وہ چور نہیں ہوتے۔'' اس کی رفتار سے ملتا طنز سے بولا تو داتن اس کی طرف گھومی۔ دونوں اب سڑک کے وسط میں کھڑے تھے اور ان کے اطراف میں قطار میں چھوٹے چھوٹے گھر بنے تھے۔

''کلائیڈ اینڈ لی دنیا کی چوتھی بڑی لاء فرم ہے جو آف شور فنانشل سروسز مہیاء کرتی ہے۔ ہانگ کانگ ایک Tax haven ہے۔ جانتے ہو tax haven کیا ہوتا ہے؟''

''ظاہر ہے مجھے پتہ ہے کہ....''

''مگر تم کتابیں جو نہیں پڑھتے تو تمہیں کیسے معلوم ہو گا کہ tax haven کیا ہوتا ہے۔ میں بتاتی ہوں۔'' داتن نے گھنگریالے بال کانوں کے پیچھے اڑسے اور بولنے لگی۔ وہ ضبط سے مٹھیاں بھینچے رہ گیا۔

''دنیا میں کچھ ملک ایسے ہیں جو اپنے بینکوں میں پیسہ رکھوانے والوں پہ ٹیکس نہیں لگاتے یا اگر لگاتے ہیں تو بہت تھوڑا۔ اور وہ ان سے بالکل نہیں پوچھتے کہ پیسہ کہاں سے کمایا۔ بڑے اچھے اور پیارے ہوتے ہیں یہ ملک۔ کیا چور اور کیا بادشاہ' سب کا پیسہ محفوظ ہوتا ہے۔''

''جی جی.... اور ہانگ کانگ....'' بنچ پہ اس کے ساتھ بیٹھتے ایڈم نے اضافہ کرنا چاہا۔

''اور ہانگ کانگ' پانامہ' cayman کے جزائر' برٹش ورجن آئی لینڈز.... یہ ان ملکوں میں ٹاپ پہ ہیں۔ اب پوچھو یہ کیا کرتے ہیں۔''

''مجھے پتہ ہے یہ کیا کرتے ہیں۔ یہ تین چاند والے جزیرے ہیں جہاں لوگ اپنا خزانہ چھپاتے ہیں اور.....''

''ایک تو یہ قدیم ملاکہ والی زبان نہ بولا کرو۔ میں بتاتی ہوں۔'' وہ اسے بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھی۔ ''امیر لوگ پیسہ بناتے ہیں کرپشن اور دھوکہ دہی سے.....''

(جیسے مراد راجہ خزانے سے تھوڑا تھوڑا کر کے چراتا تھا۔) ایڈم نے سوچا۔

''مگر اب اس پیسے کو وہ کہاں چھپائیں؟ اپنے ملک میں رکھا اور پکڑے گئے تو حساب دینا پڑے گا۔ اس لئے وہ اس کو منتقل کر دیتے ہیں۔ پوچھو کیسے؟''

(جیسے مراد راجہ خزانے کا صندوق بھر کے تین چاند والے جزیرے پہ بھیجا کرتا تھا!) مگر تحمل سے پوچھا۔ ''بتایئے کیسے؟''

داتن نے فاتحانہ مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔ ''منی لانڈرنگ کر کے۔ بیگز میں نوٹوں کی گڈیاں ڈال کے یہ پیاری پیاری لڑکیوں کو پکڑا دیتے ہیں جن کو ائیر پورٹ پہ چیک نہیں کیا جاتا اور پیسہ دوسرے ملک چلا جاتا ہے۔ بھئی بینک کے ذریعے بھیجا تو ٹیکس لگے گا نا۔ اور حساب الگ کہ کہاں سے آیا پیسہ۔''

''جی۔ آگے۔'' وہ ضبط سے بولا۔ وہ دونوں اب سڑک کنارے ایک بنچ پہ بیٹھ گئے۔ دھوپ تیز ہو گئی مگر داتن کی باتیں سننا ایڈم کی مجبوری تھی۔

''پھر دوسرے ملک میں ان کے آدمی پیسے ریسیو کرتے ہیں مگر اب ان کو کہاں چھپائیں؟''

''غار میں چھپا دیں اور باہر کموڈو ڈریگن کھڑا کر دیں۔ نہیں؟'' ایڈم نے معصومیت سے پوچھا۔

''یہ تمہارا قدیم ملاکہ نہیں ہے۔ ہانگ کانگ اور پانامہ جیسے ممالک بے شک نہ پوچھیں کہ پیسہ کہاں سے آیا مگر بینک میں جمع کرانے کو کوئی تو کاغذ چاہیے ہوتا ہے نا۔''

''یعنی رسمی کارروائی۔''

''ہاں۔ رسمی کارروائی کے لیے ہانگ کانگ میں لوگ آف شور کمپنی بناتے ہیں۔ مثلاً میں نے ایک آف شور کمپنی بنائی ایڈم اینڈ سنز کے نام سے۔''

''اب یہ ایڈم کے سنز کہاں سے آ گئے؟'' وہ واقعی برا مان گیا۔

''سمجھو میں ہانگ کانگ میں ہوں اور ایک لڑکی بیگ بھر کے میرا ناجائز پیسہ لاتی ہے۔ میں اس کے پاس جاؤں گی اور اس کو یہ دوں گی۔ یہ چاکلیٹ کا پیکٹ۔'' اس نے پرس سے چاکلیٹ نکال کے دکھائی۔ ''چونکہ ایڈم اینڈ سنز ایک کھلی کمپنی ہے (آف شور) تو اس کے پاس

کوئی آفس یا کارخانہ تو ہے نہیں...تو میں بازار سے ایک چاکلیٹ لے جاؤں گی اور کاغذ پہ معاہدہ تحریر کروں گی کہ اس لڑکی کو ایڈم اینڈ سنز نے یہ چاکلیٹ دس لاکھ ڈالرز میں بیچ دیا۔اور پیسوں کا بیگ لے لوں گی۔اب وہ پیسے قانوناً میرے ہو گئے۔"

"یعنی کہ آف شور کمپنی سستی سستی چیزوں کو مہنگا ظاہر کر کے بیچے گی اور لڑکی سے پیسوں کا بیگ لے کر بینک میں جمع کرائے گی اور جب بینک پوچھے گا کہ بھئی یہ پیسہ کہاں سے آیا تو وہ چاکلیٹ کی فروخت کا کاغذ دکھا دے گی۔بینک والے بھی اندر سے دو نمبر ہیں تو وہ اس کاغذ کو تسلیم کر لیں گے ہے نا؟"

"میرے ساتھ رہ کے تم عقلمند ہوتے جا رہے ہو۔" داتن تفاخر سے مسکرائی۔"لیکن آف شور کمپنی بنانا....بینک والوں سے ڈیل کرنا....ان سب کے لئے کوئی وکیل ہونا چاہیے تو کلائنڈ اینڈ لی ایسی ہی فرم ہے جو دنیا بھر کے امیر امیر لوگوں کو مکمل راز داری سے اپنا کلائنٹ بناتی ہے اور ان کے پیسے کو محفوظ کرواتی ہے۔"

"یعنی کلائیڈ اینڈ لی وہ کموڈو ڈریگن ہے جو مراد راجہ جیسے کرپٹ حکمرانوں کے چوری شدہ خزانے سے بھرے غار کی حفاظت کر رہا ہے۔"

"بڑی کوئی واہیات مثال دی ہے تم نے مگر خیر...." داتن نے سر جھٹکا۔"کلائیڈ اینڈ لی کے وکلاء بنیادی طور پہ اپنے کرپٹ کلائنٹس کے ان پیسوں کی حفاظت پہ لگے ہیں جو وہ کالے دھندوں سے کما کے ان جزیروں میں چھپاتے جا رہے ہیں۔اسی لئے فہمی بن سلام کے ماں باپ اس سے ناراض ہیں۔قانونی طور پہ اس کی جاب جائز ہے مگر وہ جانتے ہیں کہ وہ حرام کام میں ملوث ہے۔حرام حلال اولاد اور ماں باپ کے درمیان ایسی ہی آڑ بن جایا کرتا ہے۔" آخری فقرہ آہستہ سے ادا کیا۔نظریں بھی سامنے کو پھیر لیں۔ایڈم نے غور نہیں کیا۔

"تو سن باؤ کے گھر سے نکلتی تار بالآخر ہمیں کلائیڈ اینڈ لی تک لے کر جا رہی ہے۔" وہ پرجوش ہو گیا۔مگر پھر ذرا ٹھنڈا پڑا۔"لیکن اس ساری معلومات اور جاسوسی کا فائدہ کیا ہوا؟"

داتن نے گہری سانس بھری اور افسوس سے اسے دیکھا۔"چونکہ تم ضدی اور ہٹ دھرم ہو تو میں تمہیں بتائے دیتی ہوں۔سن باؤ کے گھر سے ہمیں تیسرے خزانے کا سراغ مل رہا ہے۔وہ خزانہ جو دنیا کے بہت سے بادشاہوں نے ہانگ کانگ میں چھپا رکھا ہے۔فہمی بن سلام اس کے نگہبانوں میں سے ایک ہے۔تم قدیم ملاکہ میں وان فاتح کی مراد راجہ کے ساتھ ڈیل کی وجہ سے ایک کام نہیں کر سکے تھے۔یاد ہے؟"

ایڈم کا سارا جسم پل بھر کو سن ہو گیا۔

"میں ملاکہ کے لوگوں کو نہیں بتا سکا تھا کہ ان کا پیسہ چوری کر کے سمندر پار جمع کیا جا رہا ہے۔میں مراد راجہ کو اس کے عوام کے سامنے ایکسپوز نہیں کر سکا تھا۔"

"ویسے تم شکل سے اتنے خوش بخت نہیں لگتے اس لئے دل نہیں چاہ رہا یہ تسلیم کرنے کو مگر حقیقت یہی ہے لڑکے' کہ تمہیں دوبارہ موقع مل گیا ہے۔کرپٹ حکمرانوں کو بے نقاب کرنے کا۔" ساتھ ہی داتن نے جمائی لی۔

ایڈم کے جسم کے بال کھڑے ہونے لگے۔ساتھ ہی چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔"اور ہم فہمی بن سلام کو استعمال کر سکتے ہیں۔جو ہمیں کرنا

آتا ہے وہ ہماری جان بچاتا رہے گا۔“

”تمہارا تو علم نہیں مگر مجھے بہت کچھ کرنا آتا ہے۔“ کنکھیوں سے اس کے چہرے کو دیکھا اور سرسری سا بولی۔ ”خیر تو تم صبح کہہ رہے تھے کہ تم تالیہ کو پسند کرتے ہو؟ کب سے؟“

ایڈم جو اپنے خیالوں میں تھا' پہلے چونکا پھر خفگی سے اسے گھورا۔ ”ہمیں فی الحال فہمی سے نپٹنے کا پلان بنانا ہے۔ چلیں اٹھیں۔“

”شیور ایڈم۔ مگر یہ موضوع ابھی ختم نہیں ہوا۔“ داتن تفاخر سے مسکراتی اٹھی اور چھتری کھول لی۔ ملاکہ کے آسمان پہ سیاہ بادل اکٹھے ہو رہے تھے اور بارش برسنے کو تھی۔

☆☆=========☆☆

ہوٹل کے اس روشنیوں سے منور ہال میں اسٹیج بنا تھا جس پہ رکھے ڈائس کے پیچھے ایمان موی کھڑی تھی۔ سامنے قطار در قطار کرسیوں پہ رپورٹرز بیٹھے تھے اور ان کے پیچھے کیمرہ مین اپنے کیمروں کے اسٹینڈز کھڑے کیے اس پریس کانفرنس کی عکس بندی کر رہے تھے۔ فلیش چمک رہے تھے اور دھڑا دھڑ اتصاویر اتاری جا رہی تھیں۔

ایمان چہرے کے گرد اسکارف لپیٹے' لمبی اسکرٹ پہ سیاہ کوٹ پہنے' سپاٹ تاثرات اور خوبصورت موٹی آنکھوں والی نوجوان لڑکی تھی جو سپاٹ انداز میں مائیک میں کہہ رہی تھی۔

”ادیب بن سوت نے مجھے متعدد مقامات پہ ہراس کیا۔ وہ ایک بدکردار انسان ہیں جن کی اصلیت میں ان کے ووٹرز کو.....ووٹرز کو بتانا چاہتی ہوں۔“ بے تحاشا کیمروں کو دیکھتی اس کی آواز کبھی کبھی لڑکھڑا جاتی لیکن پھر سے سنبھل جاتی۔

اپنے آفس میں بیٹھی صوفیہ رحمٰن نے ناپسندیدگی سے ٹی وی اسکرین پہ دکھائی دیتی ایمان کو دیکھا۔

”تم لوگ اس کو ریہرسل تو کروا دیتے۔ یہ تو خود کنفیوژ لگ رہی ہے۔“

”میم آپ نے کہا تھا کہ ہمیں آج ہی جوابی اٹیک کرنا ہے تو ایسے میں جلدی میں جو لڑکی ملی ہم نے اسے تیار کر دیا۔ اگر زیادہ وقت لگاتے تو میڈیا والے کہتے کہ وہ اتنے دن بعد کیوں بولی اور....“

”اچھا۔ خاموش۔“ ٹیک لگائے بیٹھی صوفیہ نے انگوٹھیوں والا ہاتھ اٹھایا تو چیف آف اسٹاف چپ ہو گیا۔

”میرے پاس اس ہراسمنٹ کے ثبوت ہیں اور اگر ادیب میرا سامنا کریں تو میں ثابت کر سکتی ہوں کہ وہ کس طرح مجھے ہراس کرتے تھے۔“

ایمان بار بار تھوک نگلتی اور خود کو مضبوط کرتی۔ صحافی ہر فقرے کے آخر میں سوال در سوال پوچھنے لگتے مگر وہ رٹا رٹایا سبق دہرائے جا رہی تھی۔ ”ادیب نے مجھے ہراس کیا اور میں یہاں ان عورتوں کی آواز بن کے نکلی ہوں جو آفس میں ہر روز ہراسمنٹ کا نشانہ بنتی ہیں۔“

سامنے دوسری قطار میں ہیٹ چہرے کے آگے کیے بیٹھی تالیہ اٹھی اور ہیٹ اوپر اٹھایا یوں کہ اس کا مسکراتا چہرہ سامنے آیا۔

''میرا بھی ایک سوال ہے۔'' تالیہ مراد ساری توانائی لگا کے اونچا سا بولی تو دوسرے رپورٹرز بھی ''میرا سوال.... سنیں مس ایمان ....'' وغیرہ کہنے لگے مگر ڈائس کے پیچھے کھڑی ایمان کی نظر تالیہ پہ جمی تو آنکھیں پھیلیں' پھر گال سرخ ہوئے۔

''غیر ضروری لوگ یہاں کس نے مدعو کیے ہیں؟ میری آواز کو دبانے کی کوشش نہ کی جائے تو بہتر ہے۔'' ہاتھ اٹھا کے سختی سے بولی۔

''کوٹ..... آپ کے کوٹ کا پوچھ رہی ہوں ایمان۔ یہ کہاں سے لیا آپ نے؟'' وہ کرسیوں کی قطار کے درمیان سے نکلی اور اسٹیج کے عین سامنے جا کھڑی ہوئی پھر اونچا سا دہرایا۔ ''یہ Chanel کا پانچ ہزار رنگٹ کا کوٹ کہاں سے لیا آپ نے؟''

رپورٹرز اب مڑ مڑ کے دلچسپی سے اسے دیکھنے لگے تھے۔ دوسرے لوگوں نے سوال بند کر دیے۔ کیمرہ مین دھڑا دھڑ اسٹیج کے سامنے کھڑی لڑکی کی تصاویر اتارنے لگے جس کے پیچھے اس کے تینوں اسٹافرز بھی آ کھڑے ہوئے تھے۔

''ادیب بن سوت نے میرے بار بار منع کرنے کے باوجود مجھے ہراساں کیا۔ میں نے کہا کہ وہ باز آ جائیں مگر.....'' ایمان ان کو نظر انداز کر کے بولنے لگی مگر وہ میڈیا کی اتنی توجہ کے لئے تیار نہیں تھی اس کا اعتماد ڈگمگا رہا تھا۔

''جن لوگوں نے آپ کی پریس کانفرنس پہ پیسہ لگایا ہے' انہوں نے آپ کو یہ کوٹ گفٹ کیا ہے نا؟ کیونکہ آپ کی تنخواہ سے تو یہ خریدا ہی نہیں جا سکتا۔ جواب دینا پسند کریں گی آپ؟''

ہال میں خاموشی تھی اور دلچسپی سے ان دونوں کے مناظرے کو ریکارڈ کرنے میں لگے تھے۔

دفعتاً سنہری بالوں پہ ہیٹ پہنے کھڑی باربیسن نیشنل کی تالیہ نے ایمان کو گھورتے ہوئے اپنے عقب میں اشارہ کیا۔ ''یہ منیر الکلام ہے .....اس کو ہراس کرنے کی وجہ سے اشعر صاحب کی ریکمنڈیشن پہ میں نے آپ کو نوکری سے نکالا تھا۔ یاد آیا؟''

ایمان نے کچھ کہنا چاہا مگر وہ کنفیوز ہو کے چپ ہو گئی۔ ہال میں سرگوشیاں بلند ہوئیں۔ دلچسپی بڑھی۔ سب نے چپ سادھ لی۔

تالیہ کا چہرہ فلیش لائیٹس میں دمک رہا تھا اور ابرو بھینچے وہ زور سے کہہ رہی تھی۔

''آپ تو کبھی میرے پاس ادیب صاحب کی شکایت لے کر نہیں آئیں البتہ میں نے آپ کو تین دفعہ وارننگ دی اور پھر جب آپ مسلسل منیر سے غیر اخلاقی رویہ اپنائے رہیں تو میں نے آپ کو ٹرمینیٹ کیا۔''

''آپ نے مجھے اس بات پہ ٹرمینیٹ نہیں کیا تھا۔'' وہ سرخ بھبھوکا چہرے سے غصے سے بولی۔

''یہ آپ کے ٹرمینیشن لیٹر کی کاپی ہے۔'' اس نے ایک کاغذ کھول کے لہرایا۔ ''اس میں وجہ ہراسمنٹ لکھی ہے۔ سب دیکھ سکتے ہیں۔'' اس نے لیٹر ایک رپورٹر کی طرف بے نیازی سے ڈالا اور مڑ کے منیر کو اشارہ کیا۔ جہاں رپورٹرز نے فوراً سے لیٹر کو دیکھنے لگے وہاں منیر متذبذب پریشان سا کھڑا تھا۔

''مجھ سے نہیں ہو گا۔'' زیر لب منت کی۔

''اُف منیر..... بولو..... کچھ تو بولو۔'' اس نے پلٹ کے اسے گھورا۔ منیر نے تھوک نگلا۔

''جی...... جی تالیہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' مزید نہیں بولا گیا۔ (اس کے گھر والے دوست بیوی اُف ......وہ سب کیا سوچیں گے؟ کتنی شرم کی بات ہے!)

وہ چپ ہو گیا تو تالیہ نے جلدی سے بات آگے بڑھائی۔

''کیا مرد کی کوئی عزت نہیں ہوتی؟ کیا ہم ایمان کی حرکتوں کو نظر انداز کر دیتے اس لیے کہ وہ عورت ہے؟ ٹھیک ہے۔ ہم ایمان موسیٰ جیسے نہیں ہیں جو عزتیں چوراہوں پہ اچھالیں۔ ہم باوقار لوگ ہیں مگر یہاں صرف یہ بتانے آئے ہیں کہ اس خاتون اور ان کو استعمال کرنے والی حکومتی پارٹی کو یہ جان لینا چاہیے کہ بی این کا سارا اسٹاف متحد ہے اور وہ ہم پہ یوں کیچڑ نہیں اچھال سکتے۔'' وہ پر عزم انداز میں با آواز بلند کہہ رہی تھی۔ ساتھ ہی آہستہ سے سرگوشی کی۔ ''منیر...... کچھ تو بولو۔''

''یہ جھوٹ بول رہی ہیں۔'' ایمان کو منیر کی خاموشی سے حوصلہ ہوا تو جلدی سے کہنے لگی۔ ''یہ ادیب صاحب کو بچانے کے لیے الزام لگا رہی ہیں۔ ادیب صاحب نے مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا کہ میری جاب چھوٹ گئی۔''

''کیا ثبوت ہے آپ کے پاس ایمان صاحبہ؟'' ایک سینئر صحافی نے سوال پوچھا۔

''بھئی ہراس منٹ کے خلاف نکلنے والی لڑکیوں اور لڑکوں کے پاس عموماً نازیبا ٹیکسٹ ہوتے ہیں تصاویر یا ای میلز ہوتی ہی ہیں۔ آپ کے پاس ہے کچھ؟'' دوسرے نے تائید کی۔

''ای میلز......ای میلز ہیں میرے پاس۔'' ایمان جلدی سے بولی۔ پھر تھوک نگلا۔ پھر ڈائس پہ رکھے اپنے فون کو دیکھا۔ رپورٹرز کی نظریں بھی وہیں اٹھیں۔

''ایمان صاحبہ آپ ہمیں وہ ای میلز دکھا سکتی ہیں؟'' رپورٹرز کی تکرار سنائی دی۔

''وہ.....'' (اٹکی) ''وہ میرے دوسرے فون میں ہیں اور.....''

''میرے پاس بھی تمام ای میلز ہیں۔'' تالیہ کے پیچھے کھڑا منیر ایک دم بلند سا بولا تو رپورٹرز تو ایک طرف وہ خود پوری ایڑھیوں پہ گھومی۔ منیر کی گردن اٹھی تھی اور ابرو خفگی سے بھینچے تھے۔

''یہ کس طرح کہہ سکتی ہیں کہ یہ مجھے نہیں جانتیں؟ یہ جن باتوں کا الزام ادیب صاحب پہ لگا رہی ہیں وہ سب تو یہ میرے ساتھ کرتی رہی ہیں۔ ساری ای میلز میرے پاس ہیں۔ ان کے آفس کے ای میل آئی ڈی سے بھی ہیں۔ میں ای میل ہیڈرز تک دکھا سکتا ہوں۔'' وہ سرخ چہرے سے کہہ رہا تھا۔

رپورٹرز کے کیمروں اور مائیکس کا رخ اب منیر کی طرف مڑ گیا۔ لوگ جگہوں سے اٹھ اٹھ کے ان کے گرد گھیرا ڈالنے لگے۔ وہ اب تالیہ اور منیر سے تابڑ توڑ سوال پوچھ رہے تھے۔ ڈائس پہ بے بس سی کھڑی ایمان تنہا رہ گئی تھی۔

''مطلب یہ کس طرح جھوٹ بول سکتی ہیں۔ میں ابھی دکھاتا ہوں ای میلز۔''

لال چہرے کے ساتھ حیران سے منیر نے اپنا فون نکالا اور اسکرین ان رپورٹرز کو دکھانے لگا۔ ایمان کے اسے پہچاننے سے انکار نے منیر کی ساری کم اعتمادی ہوا کر دی تھی۔

ٹی وی اسکرین پہ یہ منظر وان فاتح نے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

وہ اس وقت ادیب کے لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھا تھا اور ہاتھ میں کافی کا مگ تھا۔ ادیب مقابل صوفے پہ براجمان تھا اور اس کی بیوی لیزا ٹرالی سے کیک نکال کے اس کو پلیٹ میں منتقل کر رہی تھی۔ وہ اسکارف اوڑھنے والی نمکین نقوش کی حامل پرسکون سی عورت تھی جسے اس سارے کرائسز سے ذرہ بھی فرق نہیں پڑا تھا۔

''فاتح... تمہاری چیف آف اسٹاف نے تو اس لڑکی کی ساری پریس خراب کر دی ہے۔'' ادیب خوشگوار حیرت سے بولا تو وہ مسکرایا۔ اور گھونٹ بھرا۔

''تالیہ بہت قابل ہے۔'' پھر چہرہ گھما کے مسز لیزا کو دیکھا۔ ''امید ہے آپ بہتر محسوس کر رہی ہوں گی۔''

''آف کورس' فاتح آبنگ۔'' وہ اپنا کپ اٹھاتے ہوئے واپس صوفے پہ بیٹھی اور مسکرا کے بولی۔ ''یہ نہ بھی ہوتا تو بھی مجھے ادیب پہ پورا یقین تھا۔ ہم ایک عرصے سے سیاست میں ہیں۔ اس طرح کے الزامات سے نہیں گھبراتے۔''

فاتح نے خاموشی سے مسکرا کے اسے دیکھا اور کافی پینے لگا۔ اس کے بیٹے کی آواز آئی تو وہ معذرت کرتی اٹھ گئی۔

''بہت سپورٹ کرنے والی بیوی ہے تمہاری۔'' وہ ستائشی انداز میں کہے بغیر نہ رہ سکا تو ادیب نرمی سے مسکرایا۔

''کیونکہ ہم ایک دوسرے سے ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ جھوٹ جب بھی کسی دو لوگوں کے درمیان آتا ہے تو ان کے رشتے کو زنگ آلود کر دیتا ہے۔ لیزا اور میں نے کبھی جھوٹ کو اپنے درمیان نہیں آنے دیا۔ اور دیکھو اللہ نے کتنی برکت ڈالی ہمارے رشتے میں۔'' اس کا چہرہ مطمئن اور نرمی لئے ہوئے تھا۔

فاتح زخمی سا مسکرا دیا۔

اسے سرسبز پہاڑوں میں خاموشی سے دفن کی گئی آریانہ یاد آئی۔ شاید یہی جھوٹ تھا جو عصرہ اور اس کے درمیان آ گیا تھا۔

شام کو وہ آفس واپس آیا تو چپ چپ سا تھا۔ اپنے کمرے میں کھڑا میز کے دراز سے کچھ نکال رہا تھا جب دروازہ دستک کے ساتھ کھلا اور تالیہ نے مسکراتے ہوئے اندر جھانکا۔

''پریس دیکھا آپ نے سر؟''

وہ چہرہ جھکائے مطلوبہ شے تلاشتا مسکرایا۔ ''ہاں۔ ویل ڈن۔ تم نے ایک سیاہ رنگ کا لفافہ دیکھا ہے؟ صبح یہیں رکھا تھا میں نے۔''

تالیہ کی مسکراہٹ سمٹی۔ دل بجھ سا گیا۔

''نہیں سر۔'' اندر آئی اور غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ ''آپ کو دیر ہو گئی واپسی پہ؟''

''ہاں میں ادیب اور اس کی بیوی سے ملنے ان کے گھر چلا گیا تھا۔ وہ دونوں آپس میں خوش تھے اور انہیں ایمان والے مسئلے سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا تو میں واپس آ گیا۔'' الفاظ میں تلخی سی تھی جو اس نے پہلی دفعہ محسوس کی تھی۔ وہ مسلسل سر جھکائے کچھ تلاش کر رہا تھا۔

''ان کی وائف بہت سپورٹیو ہیں۔ آئیڈیل سیاسی بیوی۔'' وہ غور سے اس کا بجھا چہرہ دیکھتی قدم قدم چلتی قریب آئی۔ ''اور آپ کو شاید یہ محسوس ہوا کہ آپ کی وائف اتنی سپورٹیو نہیں ہیں۔''

فاتح نے بری طرح چونک کے سر اٹھایا۔ ''واٹ؟''

''میں آپ کو اچھی طرح جانتی ہوں سر۔ آپ کے دل کا حال چہرے پہ آ جاتا ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔ عصرہ بہت اچھی بیوی ہے۔'' اسے برا لگا تو فوراً یہ تاثر رد کیا۔

''وہ تو اچھی ہیں مگر آپ بھی اتنے اچھے ہیں یا نہیں؟'' اس نے سینے پہ بازو لپیٹ لئے اور سادگی سے فاتح کو دیکھا۔

آفس نیم روشن تھا۔ وہ دونوں میز کے اطراف میں آمنے سامنے کھڑے تھے اور اوپر لٹکتا ایک سفید بلب روشن تھا۔

''میرا نہیں خیال کہ میں برا شوہر ہوں۔'' اس کے ابرو تن گئے۔ اسے یہ بات ناگوار گزری تھی۔

''تو پھر آپ کے اور آپ کی بیوی کے درمیان کیا چیز آ گئی ہے۔''

''کیا آ سکتا ہے؟ میں مصروف رہتا ہوں اور.....''

''اور ان پاپ کارن کا کیا؟'' سادگی سے شانے اچکائے۔ نظریں فاتح پہ جمی تھیں۔ وہ بالکل ٹھہر گیا۔ گردن کے بال کھڑے ہو گئے۔

''مطلب؟''

''میں نے آپ پہ 'اوپو ریسرچ' کی تھی، سر۔''

فاتح کا چہرہ سرخ ہوا۔

''واٹ؟ کس سے پوچھ کے؟ میری اجازت کے بغیر.....''

''کیا صوفیہ صاحبہ آپ کی اجازت لیتی ہیں؟ نہیں نا؟ تو مجھے بھی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اگر مجھے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ نے آریانہ کو اس چیئر لفٹ کے نیچے پہاڑوں میں دفنایا تھا اور اس کے خون آلودہ پاپ کارن والٹ میں رکھ لئے تھے' تو کسی کو بھی ہو سکتا ہے۔''

اس کا ایک ہاتھ دراز میں تھا' اور وہ سیدھا کھڑا بس یک ٹک تالیہ کو دیکھ رہا تھا۔ گویا برف کا مجسمہ ہو کوئی۔ کتنے ہی لمحے ششدر سے گزر گئے۔

''تمہیں کیسے.....'' اس سے تردید بھی نہیں ہوئی۔

''آپ کے اور آپ کی بیوی کے درمیان شاید یہی جھوٹ آ گیا ہے' سر۔ آپ مجھے اور باقی سب کو تو سچائی کے درس دیتے ہیں' مگر خود آپ اتنا بڑا سچ عصرہ سے کیسے چھپا سکتے ہیں؟ وہ تو اچھی بیوی ہیں مگر آپ اچھے شوہر ہیں کیا؟''

وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے' بے یقینی اور تعجب سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ ''تمہیں پتہ ہے تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''جی سر۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آریانہ آپ کی بیٹی نہیں تھی' اور اس سے پہلے کہ آپ کے دشمن ان حقائق کو آپ کے خلاف استعمال کریں' آپ کو انہیں خود فیس کر لینا چاہیے۔'' جراءت مندی سے وہ کہہ تو گئی مگر پھر دیکھا۔ فاتح کا چہرہ سرخ پڑنے لگا ہے۔ اس کا جبڑا بھنچ گیا ہے۔

''ہاؤ ڈیئر یو۔''

''میں صرف آپ کو ان لوگوں سے بچانا چاہتی ہوں سر۔''

''گیٹ آؤٹ۔'' بازو دروازے کی طرف لمبا کر کے غرایا۔ ''آؤٹ۔ ناؤ۔''

''جا رہی ہوں' جا رہی ہوں!'' وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی چیز اٹھا کے دے مارے۔

وہ چلی گئی تو وہ کمرے میں تنہا رہ گیا۔

اسی طرح ساکت وجامد کھڑا... شاک' غصے اور بے بسی سے اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ رنگت متغیر ہو رہی تھی۔

وان فاتح کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان چند لمحوں میں وہ کیا کیا کہہ کے چلی گئی تھی۔

جو راز اس نے خود سے بھی اونچی آواز میں نہیں کہا تھا' وہ اس کی چیف آف اسٹاف اسے سنا کے چلی گئی تھی۔

☆☆==========☆☆

وہ باہر بیٹھی تھی جب فاتح آفس سے نکلا اور اسے نظر انداز کر کے سیدھا آگے بڑھتا گیا۔ وہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ (ایسے ہے تو پھر ایسے سہی۔) وہ لفٹ تک پہنچا تھا جب ڈیلیوری بوائے آیا اور اسے ایک لفافہ تھمایا۔ فاتح نے خاموشی سے اسے پکڑ لیا اور لفٹ میں سوار ہو گیا۔ اس کے سنجیدہ تاثرات اور غصیلی آنکھیں دیکھ کے ارد گرد کسی نے اس سے بات کرنے کی ہمت نہیں کی۔

کار کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھے گھر کے راستے میں اس نے لفافہ کھولا اور اندر سے کاغذات نکالے۔ وہ حالم کی لکھی رپورٹ تھی۔ اس کے مطابق اس رات فاتح کے ساتھ کچھ خاص نہیں ہوا تھا۔ چوری کے واقعے کے بعد وہ پولیس اسٹیشن گیا اور واپس آ کے سو گیا۔ بس۔ بات ختم۔

اس نے بے زاری سے کاغذ اندر ڈالے اور پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ غصہ' بے بسی' کوفت' بہت سے جذبات نے اکٹھے حملہ کر دیا تھا۔ جبڑے کو بھینچے' وہ بالکل چپ تھا۔

گھر آیا تو عصرہ لاؤنج میں ہی بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کے نظر اٹھائی' سلام کیا اور واپس اپنے فون کو دیکھنے لگی۔ وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اسے رک کے دیکھنے لگا۔

ان کے درمیان کیا آ گیا تھا؟ اتنے سالوں کی بے برکتی کیا اس ایک جھوٹ کی وجہ سے تھی؟ مگر نہیں' وہ عصرہ کو تکلیف سے بچانے کے لئے کر رہا تھا وہ سب۔ اس کی نیت درست تھی۔ اسے تالیہ کی بے وقوفانہ باتوں پہ دھیان نہیں دینا چاہیے تھا۔

بے زاری سے سر جھٹک کے وہ کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ آفس سے گیا تو جیسے سارے میں اداسی چھا گئی۔ وہ میز پہ گال رکھے اداس سی بیٹھی تھی جب فریدہ بھاگتی بھاگتی آئی۔ آہٹ پہ اس نے سر اٹھایا۔

''چے تالیہ.....آپ یہاں کیا بیٹھی ہیں؟ سب کانفرنس روم میں جمع ہیں۔'' وہ چہک رہی تھی۔ ''ایمان بے چاری کھسیانی بلی کی طرح ٹوئیٹس کر رہی ہے اور سب اس پہ مل کے ہنس رہے ہیں۔ آئیں نا۔''

تالیہ مسکرا دی۔ ''ایمان والا باب ابھی ختم نہیں ہوا۔ یاد رکھنا وہ دوبارہ حملہ کرے گی۔''

''تو آپ ہیں نا۔ آپ اس سے نپٹ لیں گی ۔ ہمیں تو ہنسنے دیں۔'' وہ مزے سے بولی اور اسے دوبارہ آنے کی تاکید کرتی آگے بھاگ گئی۔

''صبح یہ آپ کو Evil Queen سمجھتی تھی اور اب سارا اسٹاف آپ کی عزت کرنے لگا ہے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے' چے تالیہ۔'' اشعر جانے کب وہاں آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ اس کی آواز پہ چونکی تو دیکھا' وہ چوکھٹ میں کھڑا جیبوں میں ہاتھ ڈالے مسکرا رہا تھا۔

تالیہ کرسی پہ پیچھے کو ٹیک لگاتے مسکرائی۔ ''عزت کمانی پڑتی ہے۔''

''آج آپ نے بہت اچھا کام کیا' تالیہ۔ سوری میں صبح غصے میں آپ کو غلط سمجھ گیا تھا۔'' وہ معذرت کر رہا تھا۔ وہ بس اداسی سے مسکرائے گئی۔ (یہ الفاظ وان فاتح بھی کہہ سکتا تھا مگر نہیں.....اسے عصرہ کی زیادہ فکر تھی۔)

''اور یہ مسئلہ آپ کی وجہ سے نہیں ہوا۔'' اشعر اعتراف کرتا قریب آیا۔ ''میں نے آبنگ کو غلط مشورہ دیا کہ صوفیہ کو پبلک میں آریانہ کا ذمہ دار ٹھہرائیں۔ میں ہمدردی کا ووٹ لینا چاہتا تھا مگر یہ پلان بیک فائر کر گیا۔''

''اگر آپ مجھ سے مشورہ کرتے تو میں آپ کو منع کر دیتی۔ آریانہ کے واقعے کو استعمال کرنے کے دوسرے طریقے بھی ہیں۔''

''بہر حال.....'' ایش نے گہری سانس بھری۔ ''منیر کے بیوی بچے اس کا یوں نام اچھلنے سے ڈسٹرب ہوئے ہوں گے۔''

''ہاں مگر ہم سیاسی لوگ ہیں۔ ہمیں اسے براس منٹ وکٹم بنانا تھا۔ پارٹی کی عزت کے لئے کسی کو تو قربانی دینی تھی۔'' اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

اشعر ہلکا سا مسکرایا۔ ''آپ پارٹی سے وفادار ہیں۔ یہ دیکھ کے اچھا لگا۔''

وہ واپس اپنے آفس تک آیا تو رلی بتیاں بجھا رہا تھا۔ اشعر نے فون اٹھاتے ہوئے رک کے اس سے پوچھا۔

''عثمان کی ملاقات کیسی گئی تھی صوفیہ صاحبہ سے؟''

''اس کا کہنا تھا کہ وزیر اعظم کو تالیہ مراد میں دلچسپی پیدا ہوئی تھی۔ یعنی وہ اس کو مشکوک گردان کے اس کی فائل کھلوائیں گی۔ امید ہے جلد چے تالیہ ڈس کریڈٹ ہو کے اس آفس سے رخصت ہو جائیں گی۔''

اشعر کا چہرہ بجھا۔ ہلکا سا 'ہوں' کہہ کے آگے بڑھا تو رملی نے چونک کے اسے دیکھا۔

''سر..... آپ پچھتا رہے ہیں۔''

''نہیں تو۔'' وہ جلدی سے بولا' ساتھ ہی ناک سے مکھی اڑائی۔ ''وہ جتنا تیز اڑ رہی ہے اس کے ساتھ یہی ہونا تھا۔ اور اگر وہ چلی جائے تو مجھے میری جگہ واپس مل جائے گی۔ فاتح آبنگ کا کیمپئین مینیجر ہمیشہ سے میں رہا ہوں۔''

''سر میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ پچھتا رہے ہیں۔'' رملی پریشان ہوا۔

اشعر نے گہری سانس بھری اور اپنی چیزیں سمیٹیں پھر آفس کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ''نہیں..... بس..... یہ سوچ رہا تھا کہ..... وہ پارٹی سے وفادار ہے اور ایسے لوگ قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔'' پھر خود کو تسلی دی۔ ''مگر خیر..... شاید صوفیہ رحمٰن کو اس کے خلاف کچھ نہ ملے۔''

خود کو تسلی دی اور باہر نکل گیا۔ رملی گومگوں سا پیچھے آیا۔

اسے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اشعر پچھتا رہا ہے۔ اب وہ تالیہ کو کھونا نہیں چاہتا۔ انہوں نے جلد بازی میں غلطی کر دی شاید!

☆☆=========☆☆

صبح ڈائننگ روم کی کھڑکیوں پہ نکھری نکھری سی دستک دے رہی تھی۔ جالی دار پردے ہٹے تھے اور روشنی نے سارے ہال کو منور کر رکھا تھا۔ ناشتے کی میز کی سربراہی کرسی پہ فاتح بیٹھا توس پہ مکھن لگا رہا تھا۔ سفید کلف لگی شرٹ اور ٹائی میں ملبوس' وہ آفس کے لئے تیار تھا۔

ذرا کی ذرا نظر اٹھا کے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ اس کی کار کے ساتھ صرف گارڈز اور ڈرائیور کھڑے تھے۔ آج تالیہ نہیں آئی تھی البتہ ڈرائیور قمر جس کو اس نے اپنی ترقی کے بعد فاتح کا آدھا باڈی مین بھی بنا دیا تھا' وہاں موجود تھا۔

''ڈیڈ.....'' بائیں ہاتھ بیٹھے سکندر نے سر اٹھا کے اچانک سے کہا تو مقابل بیٹھی عصرہ بھی رک کے دیکھنے لگی۔ جولیانہ نے بھی سر اٹھایا اور بھائی کو دیکھا۔ وہ کم کم بولتا تھا اور آج صبح ہی صبح شروع ہو گیا تھا۔

''ادیب سوت کا بیٹا فاران سوت میری کلاس میں پڑھتا ہے۔''

''میں جانتا ہوں' بیٹا!'' وہ مکھن کو چھری سے توس پہ پھیلا رہا تھا۔

''وہ بہت اپ سیٹ ہے ان خبروں سے۔ میں کیا کروں؟''

''جب دوست اپ سیٹ ہو تو اس کو نصیحت نہیں کرتے نہ حقیقت پسندانہ تجزیے دیتے ہیں۔''

''پھر کیا کرتے ہیں؟''

''بس خاموشی سے اس کو سن لیتے ہیں' تا کہ اس کا دل ہلکا ہو جائے۔ کسی کا دل ہلکا کرنا ایک آرٹ ہے اور تمہیں وہ سیکھنا چاہیے' سکندر!''

سکندر نے ناسمجھی سے بس سر ہلا دیا۔ ناشتہ ختم ہوا تو دونوں بچے اٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد عصرہ بھی اٹھنے لگی تو وہ جگ سے تربوز کا شربت گلاس میں انڈیلتے ہوئے بولا۔

’’ہمارے درمیان کیا آ گیا ہے عصرہ؟‘‘

لہجے میں اداسی تھی۔ وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئی اور حیرت سے اسے دیکھا۔ ڈھیلے جوڑے میں بال باندھے‘ وہ کندھوں کے گرد شال لپیٹے ‘سادہ اور حیران سی لگ رہی تھی۔ ’’کیا مطلب؟‘‘

فاتح نے اداس مسکراہٹ سے اسے دیکھا اور گھونٹ بھرا۔

’’ہمارے درمیان اتنے فاصلے کیوں آ گئے ہیں؟ ہم ایک کمرے میں نہیں رہتے‘ ایک میز پہ ہوں تو بات کرنا بھول جاتے ہیں۔‘‘

’’ویل.... تمہیں لیٹ نائٹ کام کرنا ہوتا تھا اس لئے میں دوسرے کمرے میں شفٹ ہو گئی تھی اور....‘‘ پھر آنکھیں سکوڑیں۔ ’’کچھ ہوا ہے کیا؟‘‘

’’کیا میں برا شوہر ہوں؟‘‘ اس کی آواز میں تکلیف تھی۔

عصرہ دم بخود رہ گئی۔ پھر اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔

’’نہیں فاتح.... میں تلخ ہو جاتی ہوں‘ لڑ پڑتی ہوں مگر سب ایسے ہی لڑتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تم برے ہو۔‘‘

’’میں تمہیں بالکل وقت نہیں دے پاتا۔‘‘ وہ اداس سا لگتا تھا۔ جیسے اندر سے ڈسٹرب ہو۔ ’’ہم ایک زمانے میں لمبی واک پہ جایا کرتے تھے‘ یاد ہے؟ ہم کتنے عرصے سے ساتھ نہیں چلے۔‘‘

وہ ہلکا سا مسکرائی اور تھوڑی تلے ہتھیلی رکھے اسے دلچسپی سے دیکھنے لگی۔

’’تمہارے فینز جو پہنچ جاتے ہیں ہر جگہ۔ کیا کریں۔‘‘

فاتح ہنس دیا۔ ’’ہمیں اپنے لئے وقت نکالنا چاہیے۔ ہمارا رشتہ زنگ آلود ہو رہا ہے۔‘‘

’’میرے پاس وقت ہی وقت ہے۔ تم نکالو تو بات بنے نا۔‘‘

’’اوکے۔‘‘ اس نے شکست تسلیم کرتے ہوئے سر ہلایا۔ ’’سارے قصور میرے۔ اس لیے مداوا بھی مجھے کرنا ہو گا۔ آج لنچ بریک میں ہم لمبی واک پہ چلتے ہیں۔ میں تمہیں جگہ ٹیکسٹ کر دوں گا۔ اور آج ہم سیاست یا کام کی بالکل بات نہیں کریں گے۔‘‘

عصرہ مسکرا دی۔ ’’اتنے عرصے بعد تم پرانے فاتح لگے ہو۔ یہ خیال کیسے آیا۔‘‘

’’تالیہ.... اس نے مجھے احساس دلایا کہ میں ایک برا شوہر ہوں۔‘‘ وہ اٹھتے ہوئے بولا تو عصرہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

’’کیا مطلب؟‘‘

’’اس کا مطلب یہ تھا کہ مجھے ملائیشیا کو بہتر بنانے سے پہلے اپنے گھر کو بہتر بنانا ہو گا۔ شاید وہ درست کہتی ہے کہ میں برا شوہر ہوں اور تم اچھی بیوی ہو۔‘‘

عصرہ ہلکا سا مسکرائی۔"چلو کسی نے تو تمہیں احساس دلایا۔اور ثابت ہوا کہ تالیہ کے بارے میں میرا پہلا اندازہ درست تھا۔وہ اچھی لڑکی ہے اور ہمارے لئے مثبت تبدیلی لائے گی۔"

"بولتی بہت ہے مگر۔" وہ ہلکا سا ہنس دیا تو عصرہ نے بھی ہنس کے سر جھٹکا۔

"میں لمبی واک کا انتظار کروں گی۔"

وہ موبائل اور کوٹ اٹھائے جا رہا تھا جب عصرہ نے پیچھے سے پکار کے یاددہانی کروائی۔

اب وہ بہتر محسوس کر رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

تالیہ نے اس کو دوپہر تک اپنی شکل نہیں دکھائی۔وہ چند میٹنگز میں مصروف رہا البتہ لاشعوری طور پہ اس کا منتظر تھا۔پھر دوپہر میں جب وہ آفس میں دو تین فائلز سامنے کھولے بیٹھا تھا' دروازے پہ وہ مخصوص دستک ہوئی جو وہ انگوٹھی کے سرخ نگینے سے کرتی تھی۔فاتح زیرلب مسکرا دیا۔

دھیرے سے دروازہ کھولا۔وہ سر جھکائے کام کرتا رہا۔قدموں کی چاپ قریب آئی اور پھر خفا خفا سی آواز۔

"آپ کی آج کی میٹنگز کا شیڈیول تیار کر دیا ہے سر۔آپ اس کو اپروو کر دیں تو میں....."

"سٹ ڈاون!" فائل پڑھتے ہوئے انگلی سے کرسی کی طرف اشارہ کیا تو اس کی بولتی بند ہوئی۔پھر کرسی کھینچنے کی آواز آئی۔چند لمحے خاموشی کی نذر ہوئے۔پھر فاتح نے فائل بند کی اور چہرہ اٹھایا۔

وہ سیاہ کوٹ اور اسکرٹ میں ملبوس تھی۔بیچ کی مانگ نکال کے سنہری بالوں کا جوڑا بنائے اس کی سیاہ آنکھیں ناراض لگتی تھیں۔

"سر آپ ان انٹرویوز کی لسٹ کو دیکھ کے بتا دیں کہ....."

"جو تم نے کل کہا' کوئی اور کہتا تو میں اسے نوکری سے فارغ کر چکا ہوتا۔"

پیچھے کو ٹیک لگاتے وہ سنجیدگی سے شروع ہوا تو تالیہ کی پیشانی پہ سلوٹیں پڑیں۔

"سچ بولنا جرم ہے کیا؟"

"سچ اور کسی کی زندگی میں انٹرفیئر کرنے میں فرق ہوتا ہے۔"

"آپ "کسی" نہیں ہیں۔میں آپ کی کیمپین مینیجر ہوں اور آپ اس لحاظ سے میرے کلائنٹ ہیں۔ہمارے کانٹریکٹ کے کلاز بی فائیو کے تحت میں آپ کو زندگی کے ہر اس پہلو پہ مشورہ دینے کی جراءت رکھتی ہوں جو آپ کے الیکشن کے لئے فائدہ مند ہو۔"

"واللہ' میں نے یہ کانٹریکٹ بغیر پڑھے سائن کیا تھا۔" سادگی سے شانے اچکائے۔

"کانٹریکٹ کی بجائے آپ کو کیمپین رولز پڑھنے چاہیے ہیں' سر۔آپ جانتے ہیں عوام کو کیا پسند ہوتا ہے؟" وہ خفگی سے کہتی آگے کو جھکی

اور تیز تیز بولنے لگی۔ ''ایک فیملی مین لیڈر جس کی ہنستی مسکراتی بیوی' دو بچے اور ایک پالتو جانور اس کے ساتھ خوش باش نظر آتا ہو۔ ایک پرفیکٹ امریکن فیملی کا تصور الیکشن میں سب سے زیادہ بکتا ہے۔''

''اور میں اپنی فیملی کو خوش نہیں رکھتا؟''

''آپ فیملی کو خوش رکھنے کی اداکاری نہیں کر سکتے۔ اس لیے انہیں خوش رکھنے کی ''کوشش'' کریں۔ میں آپ کے کپل انٹرویوز سے ڈر رہی ہوں کیونکہ آپ کے درمیان موجود لاتعلقی دور سے ہی نظر آجاتی ہے۔ اگر آپ کو الیکشن جیتنا ہے سر' تو آپ کو اپنی بیوی سے اپنا معاملہ درست کرنا ہوگا۔''

''اور یہ بھی تمہیں خواب میں نظر آیا ہے کہ اس کی وجہ آریانہ کے بارے میں نہ بتانا ہے؟'' بہت اطمینان سے پوچھا جیسے راز کھل جانے سے اسے کوئی فرق نہ پڑا ہو۔

وہ چپ ہوئی' پھر گردن کڑا کے بولی۔ ''جی نہیں۔ میں نے ایک انویسٹی گیٹر ہائر کیا تھا۔''

فاتح نے تعجب سے ابرو اچکائے۔ ''انویسٹی گیٹر؟ کون؟''

تالیہ مراد کھلے دل سے مسکرائی۔ ''اس کا نام حالم ہے۔ کہتے ہیں وہ کے ایل کا سب سے بڑا اسکام اور فراڈ انویسٹی گیٹر ہے۔''

''حالم؟ تم نے حالم کو ہائر کیا؟'' وہ بظاہر سنبھلا ہوا بیٹھا رہا مگر چونک جانا واضح تھا۔ ''اور اس نے تمہیں میرے بارے میں اتنی ذاتی باتیں بتا بھی دیں۔''

''کیونکہ میں نے اسے پیسے دیے تھے' سر۔ انویسٹی گیٹر کو تو کوئی بھی ہائر کر سکتا ہے۔''

''واؤ'' اس نے تعجب اور خفگی سے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''میں نے بھی ایک دفعہ اس کو ہائر کیا تھا۔''

''اوہ اور آپ کو لگا وہ آپ کا لحاظ کرے گا؟ نہیں سر۔ اسے ہائر کرنا اسے خریدنے کے مترادف نہیں ہے۔ کل کو صوفیہ رحمٰن نے اسے ہائر کیا تو....''

''اچھا اچھا ٹھیک ہے۔'' ہاتھ اٹھا کے اسے چپ کرایا۔ چند منٹ خاموشی کی نظر ہو گئے۔ وہ چپ بیٹھا ہاتھ میں قلم گھماتا رہا اور وہ خاموشی سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھے گئی۔

''یہ سچ ہے کہ میری بیٹی اس روز....'' وہ رک گیا اور سر جھٹکا جیسے اس ذکر سے ابھی تک تکلیف ہوتی تھی۔ ''اس روز....''

''سر یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے اور آپ میرے آگے جوابدہ نہیں ہیں۔'' وہ بر کھائی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''آپ صرف عصرہ کو جوابدہ ہیں۔''

فاتح نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''اور تمہیں لگتا ہے وہ یہ سن کے مجھے فوراً معاف کر دے گی؟ شاید ہمارے درمیان چیزیں مزید خراب ہو جائیں۔''

''سچ آزاد کرتا ہے اور وہ آپ کو معاف کریں یا نہیں' آپ اس جھوٹ کی غلامی سے آزاد ضرور ہو جائیں گے۔ اور جب جھوٹ نکل جاتا ہے تو برکت خود بخود واپس آجاتی ہے۔'' وہ کہہ کے جانے لگی تو وہ اسے پکار اٹھا۔

''تاشہ!'' وہ رکی اور دھیرے سے پلٹی۔ ''جی سر؟''

''اگر مجھے ایک اچھی اور لمبی واک پہ جانا ہو جہاں کوئی مخل نہ ہو تو....''

''تو تتلیوں والے پارک میں جائیں' سر۔ وہاں آپ کو پرائیویسی مل جائے گی اور میں انتظامیہ سے کہہ دوں گی کہ وہ آپ کے اور عصرہ کے قریب عام شہریوں کو نہیں آنے دیں گے۔ سیکیورٹی بھی دور رہے گی تاکہ آپ ڈسٹرب نہ ہوں۔ میں انتظام کرتی ہوں۔'' وہ ساری بات سمجھ کے ذمہ داری سے کہتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ فاتح مدھم سا مسکرا دیا۔

باہر آ کے تالیہ نے گہرے گہرے سانس لے کر سینے پہ ہاتھ رکھے خود کو نارمل کرنا چاہا۔ ابھی کرسی پہ بیٹھی تھی کہ میز کے کنارے پہ شہزادی تاشہ آ بیٹھی۔

سر پہ تاج سجائے' اپنی کامدار میکسی پھول کی طرح پھیلائے' وہ سنہرے گھنگریالے بالوں والی شہزادی غصے سے اسے گھور رہی تھی۔

''تم اس کی اور عصرہ کی ڈیٹ ارینج کر رہی ہو؟ اف تالیہ! وہ تمہارا ہے۔ تم اسے کیسے عصرہ کو دے سکتی ہو؟''

سیاہ کوٹ والی سادہ سی تالیہ نے اداسی سے اسے دیکھا۔ ''وہ میرا ابھی نہیں تھا۔''

''مگر اچھا تھا نا وہ عصرہ سے دور رہتا... تم ان دونوں کے درمیان فاصلے بڑھا سکتی تھیں۔ پھر اتنی اچھی بننے کی کیا ضرورت ہے؟'' اندر کی شہزادی زچ ہو رہی تھی۔

''میں نے ساری عمر دھوکے سے چیزیں لی ہیں' تاشہ' مگر اب میں بہت محنت سے اس زندگی کو پیچھے چھوڑ آئی ہوں۔ میں کسی عورت سے اس کا شوہر بے ایمانی سے نہیں چھینوں گی۔ اس لئے اب تم خاموش رہو۔''

سر جھٹکا اور اپنے اندر سے بغاوت کرتی شہزادی کو خاموش کرا دیا' پھر فون اٹھا کے سیکیورٹی کو کال ملانے لگی۔

بدقت خود کو 'حسد' کی طرف جانے سے اس نے روک رکھا تھا۔ وہ حسد جو ابل ابل کے اس کو اندر سے جلا رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

تتلیوں کا چمن کے ایل کا ایک خوبصورت پارک تھا جو عام پارکس سے اس طرح مختلف تھا کہ اس میں تنگ راستے بنے تھے جن کو دونوں اطراف سے درختوں اور سبز بیلوں نے ڈھانک رکھا تھا۔ اندر قطار میں بہت سے گرین ہاؤسز تھے جن کے اوپر کینوپی کی طرح شیٹ سے چھتیں بنائی گئی تھیں۔

وہاں ہر جگہ تتلیاں اڑ رہی تھیں۔ دو سو سے زائد رنگوں اور نسلوں کی چھوٹی بڑی تتلیاں۔ گویا وہ کوئی تتلیوں کی جنت ہو۔

وہ دونوں روش پہ چلتے آگے نکل آئے تھے۔ روش تنگ تھی اور دونوں اطراف میں ریلنگ بنا کے اس پہ سبز بیلوں کی چادر چڑھائی گئی تھی۔

ان کے پتوں پہ جا بجا تتلیاں بیٹھی تھیں۔

عصرہ کا موڈ وہاں آتے ہی خوشگوار ہو چلا تھا۔ وہ باجو کرنگ پہنے' سر پہ سیاہ اسٹول لئے' مسکراتی ہوئی پتوں سے ہاتھ سرسراتے ہوئے گزر رہی تھی۔

''ہم کتنے عرصے بعد کھلی فضا میں یوں ساتھ نکلے ہیں۔'' وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے' ٹائی ڈھیلی کیے ساتھ قدم اٹھا رہا تھا۔ کوٹ کار میں رکھ آیا تھا اور سفید شرٹ کے آستین پیچھے کو موڑ لیے تھے۔

''ہاں۔ ہر مسئلے اور ذمہ داری سے آزاد۔ اوہ یہ کتنی خوبصورت ہے۔''

وہ دونوں لکڑی کے پل کے دہانے پہ تھے جب عصرہ رکی اور ایک پتے سے انگلی کے پوروں پہ تتلی اٹھائی۔ سبز اور سیاہ تتلی فوراً سے اس کی ہتھیلی پہ آ بیٹھی۔ عصرہ مسکرا دی۔ وہ وہیں کھڑا اسے دیکھے گیا۔

لکڑی کا پل تنگ تھا اور دونوں طرف سے سبز بیلوں سے ڈھکا تھا جو اوپر جا کے مل جاتی تھیں۔ نیچے جھرنا بہہ رہا تھا جس میں تیرتی رنگ برنگی مچھلیاں یہاں سے نظر آ رہی تھیں۔

پل کے کنارے وہ دونوں کھڑے تھے۔ وہ تتلی کو ہتھیلی پہ اٹھائے کھڑی تھی اور وہ اسے اداسی سے دیکھ رہا تھا۔

''کوئی طریقہ کام نہیں کرے گا سوائے سچ کے۔''

عصرہ نے چونک کے سر اٹھایا پھر اس کی آنکھوں کو دیکھ کے وہ ٹھٹکی۔ ''کیا؟''

''اس واک کا کوئی فائدہ نہیں نہ ہی ساتھ وقت گزارنے کا۔ اگر میں نے سچ نہ بولا تو ہم کبھی اپنے درمیان کی یہ بے برکتی ختم نہیں کر سکیں گے۔''

''کون سا سچ؟''

''عصرہ.....'' وہ بولا تو آواز تھکی ہاری اور زخمی تھی۔ ''ہمارے درمیان ایک جھوٹ آ گیا تھا جو ہماری زندگی کی ساری برکت لے گیا۔ جو اب میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں' وہ سچ ہر سچ کو اصلی حالت پہ نہیں لا سکے گا' میں جانتا ہوں مگر اب یہ راز بھاری ہو گیا ہے۔''

وہ رک رک کے کہہ رہا تھا۔ آنکھیں عصرہ کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔ جھرنے کا پانی اور تتلیوں کے پھڑ پھڑاتے پروں کی آوازیں... سب خاموش ہو گئی تھیں۔

''فاتح کیا ہوا ہے؟'' اس کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔ ''تم ایسے کیوں کہہ رہے ہو؟''

''آریانہ.....''

بس ایک لفظ تھا اور عصرہ نے تیزی سے مٹھی بند کی۔ تتلی اندر قید ہو گئی۔

''کیا ہوا آریانہ کو؟'' اس نے بے قراری سے اس کے چہرے پہ جواب تلاشنا چاہا۔ ''وہ مل گئی کیا؟''

فاتح نے نفی میں سر ہلایا۔عصرہ کے کندھے ڈھیلے پڑے۔

''پھر؟اس کا کیس آگے بڑھا ہے؟پولیس کو کوئی سراغ ملا ہے؟بتاؤ نا۔''اس کا سانس رک رہا تھا۔

''آریانہ مل گئی تھی مجھے....اسی رات جب وہ کھوئی تھی....''

عصرہ کی آنکھیں بے یقینی سے کھل گئیں۔''فاتح....''

''تم ان دنوں بیمار تھیں۔کمزور تھیں۔اور وہ جس حالت میں ملی تھی....میں اس کا تماشا نہیں بنانا چاہتا تھا....میں اسے گھر نہیں لا سکتا تھا۔''

''فاتح!''اس نے بند مٹھی سینے پہ رکھ دی۔آنکھیں بے یقینی سے پھیلی تھیں۔

''آریانہ مر گئی تھی عصرہ۔میں نے اسے دفنا دیا تھا۔اس دن مجھے لگا وہ صرف میری بیٹی ہے اور صرف میرا اس پہ حق ہے۔تمہیں صرف تکلیف ہوگی اس لئے میں نے یہ بات چھپالی۔آئی ایم سوری عصرہ۔مجھے تمہیں بتانا چاہیے تھا۔''وہ تکلیف سے کہہ رہا تھا۔

''مگر....''اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔''مگر آریانہ تو صرف....کھوئی تھی....اس کو کسی اور کو مل جانا تھا....وہ کسی اچھے گھر میں پرورش پا رہی ہوگی....اتنے سال میں نے....میں نے یہی دعا مانگی کہ وہ....''

''وہ کسی کو نہیں ملی تھی عصرہ۔''اس نے بے چارگی سے کہتے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لینا چاہا مگر عصرہ کرنٹ کھا کے پیچھے ہٹی۔

''وہ....وہ تو اپنی نینی کے ساتھ....''

''آریانہ....اس کی نینی....اس کے ساتھ موجود آدمی....وہ سب پہاڑ سے گر گئے تھے....وہ تینوں مر گئے تھے عصرہ۔کوئی بھی نہیں بچا۔''

مگر عصرہ نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔''یہ نہیں ہوسکتا۔آریانہ کسی کو مل گئی تھی۔''

''عصرہ۔''اس نے قریب آنا چاہا مگر عصرہ مزید پیچھے ہٹتی گئی۔

''تم....تم آفس جاؤ۔مجھے اکیلا چھوڑ دو۔مجھے گھر جانا ہے۔''وہ نفی میں سر ہلاتی مڑی تو وہ پریشانی سے بولا۔

''عصرہ....رکو....''

''پلیز فاتح....مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا....مجھے جانے دو....پلیز۔''وہ تیز تیز کہتی پل پہ آگے بڑھ گئی۔اس کی آنکھیں پانیوں سے لدی تھیں اور سختی سے بھنچی مٹھی پہلو میں گری تھی۔وہ افسوس سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

پل عبور کرتے ہوئے عصرہ نے مٹھی کھول دی تو کچلی ہوئی سیاہ سبز تتلی نیچے لڑھک گئی۔

اس کا رنگ عصرہ کی ہتھیلی پہ رہ گیا تھا۔

☆☆==========☆☆

وہ جدید ملاکہ کی ایک فوڈ اسٹریٹ تھی۔درمیان میں سرمئی سڑک اور دونوں طرف دکانوں کی قطاریں جن کے آگے چھاتے تانے اسٹالز

پہ اشیاء بک رہی تھیں۔ لوگوں کا ایک ہجوم خریداری کرتا نظر آ رہا تھا۔

ایسے میں ایک فریم کی دکان کے اندر فہمی بن سلام کھڑا تھا۔ دکاندار اسے چند فریم دکھا رہا تھا۔ وہ ہاتھ میں پکڑی تصویر کو ہر فریم پہ لگا لگا کے دیکھتا پھر نفی میں سر ہلاتا۔ تصویر پرانے پرنٹ کی تھی۔ ماں باپ اور بچہ۔ اور وہ غالباً اسے فریم کروانا چاہتا تھا۔

''فہمی بھائی۔'' آواز پہ وہ پلٹا تو دیکھا' سامنے ایک نوجوان کھڑا ہے۔ چھوٹے کٹے بالوں اور گندمی رنگت مگر چمکدار آنکھوں والا مسکراتا ہوا نوجوان۔ فہمی نے استفہامیہ نظروں سے ابرو اچکائے تو ایڈم جلدی سے بولا۔

''یہ پچھلی اسٹریٹ میں آپ کے والد کا گھر ہے نا۔ وہ مجھے اکثر کارپنٹری کے لئے بلاتے ہیں۔ میں کارپینٹر ہوں۔ مراد راجہ نام ہے میرا۔''

''اچھا چھا۔ کیا حال ہے' مراد۔'' فہمی نے رسمی شائستگی سے پوچھا تو ایڈم مصنوعی جوش سے کہنے لگا۔

''اس دن آپ کی والدہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ آپ بہت اچھی جاب کرتے ہیں۔ اصل میں ہانگ کانگ میں میرا بھائی رہتا ہے' اس کو مدد چاہیے تھی۔''

فہمی نے دکاندار سے معذرت کی اور جیب میں تصویر واپس ڈالتا ایڈم کے ساتھ باہر نکل آیا۔

''ہانگ کانگ میں کہاں رہتا ہے وہ؟'' اب وہ ادھر ادھر گردن گھماتا کوئی اور دکان ڈھونڈ رہا تھا۔

''سینٹرل میں۔''

''اچھا۔ کیا مدد چاہیے تھی اس کو؟''

وہ دونوں دکانوں کے باہر کھڑے ہو کے بات کر رہے تھے۔

''اس کے پاس اصل میں کافی.....'' آواز مدھم کی۔ ''پیسہ آ گیا ہے کچھ عرصے سے۔ امپورٹ ایکسپورٹ سے۔''

''ہوں۔'' فہمی نے سوچتی نظروں سے اسے دیکھتے ہنکارا بھرا۔ ''پھر؟''

''تو وہ اس کو آف شور رکھوانا چاہتا تھا۔ اگر میں آپ کا اس سے رابطہ کروا دوں تو آپ اس کی مدد کر دیں گے؟''

''ہاں کیوں نہیں۔ وہ میری فرم آئے اور مجھ سے مل لے۔''

''مجھے اپنا نمبر دے دیں اور یہ بھی بتائیں کہ مزید اسے کیا کرنا ہو گا۔'' ایڈم نے ڈائری اور قلم نکالا اور درمیانی صفحہ موڑ کے نمبر لکھنے لگا۔

فہمی اب کھڑے کھڑے اسے چند ضروری باتیں سمجھانے لگا۔ آخر میں اس نے کہا۔

''اور یوں اس کا اکاؤنٹ کھل جائے گا اور.....''

مگر ایڈم نے اسے ٹوک دیا۔

''نہیں مگر ابھی آپ نے کہا کہ ٹیکس کا قانون اس طریقے سے لاگو نہیں ہو گا۔ تو اس کا مطلب ہے ہم قانون کو بائی پاس کر رہے ہیں۔''

وہ قلم ہاتھ میں لئے پوچھ رہا تھا۔فہمی نے رک کے اسے دیکھا۔آنکھیں سوچنے والے انداز میں چھوٹی کیں۔

''تم کارپینٹر نہیں ہو۔''نفی میں سر ہلایا۔''پھر کیا ہو؟انویسٹی گیٹر؟اونہوں۔''پھر نظریں اس کے قلم پکڑے ہاتھ تک گئیں تو اس نے سمجھنے والے انداز میں گہری سانس بھری۔

''تمہاری درمیانی انگلی ناخن کے نیچے سے سوجی ہوئی ہے۔یہ لکھاریوں کی نشانی ہوتی ہے۔لیٹ می گیس۔تم رپورٹر ہو۔''

بےزاری سے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گیا۔ایڈم بے اختیار پیچھے لپکا۔

''ایک منٹ.....میری بات تو سنیں۔''

''میرا پیچھا مت کرو۔''اس نے بے پرواہی سے کہا اور قدم بڑھاتا گیا۔ساتھ ہی وہ دکانوں کے نام دیکھ رہا تھا۔اسے فریمز کی دکان کی تلاش تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔میں رپورٹر ہوں مگر دیکھیں مجھے صرف تھوڑی سی معلومات درکار ہیں۔میں لوگوں کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ آف شور کمپنی کیا ہوتی ہے۔پلیز آپ میرے سوالوں کا جواب دے دیں۔''

''ناٹ انٹرسٹڈ!''وہ ایک دکان کی طرف بڑھ گیا۔ایڈم بے تابی سے پیچھے آیا۔

''کیا آپ اپنے ملک کے لوگوں پہ یہ احسان.....''

''اگر تم نے مجھے ہراس کرنے یا فالو کرنے کی دوبارہ کوشش کی تو میں پولیس کو بلا لوں گا۔بلاؤں؟''فہمی نے پلٹ کے سنجیدگی سے کہا تو ایڈم رک گیا۔ پھر فہمی اسی بے نیاز انداز میں دکان کے اندر چلا گیا اور وہ وہاں ہاتھ ملتا رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک دکان کے سامنے بنی چھتری تلے کرسی پہ موجود داتن کی طرف بڑھ رہا تھا جو دور سے اس کا لٹکا چہرہ دیکھ کے مسکرائی تھی۔

''ہماری شرط لگی تھی کہ تمہاری کہانی فلاپ ہو جائے گی۔میں نے کہا تھا دو منٹ میں۔تم نے کہا تھا پانچ منٹ میں۔تو کتنی دیر میں تمہیں پکڑا اس نے؟''

''ڈیڑھ منٹ میں۔''وہ جل کے کہتا منہ بناتا کرسی کھینچ کے بیٹھا اور کہنیاں میز پہ رکھ دیں۔سخت خفا لگ رہا تھا۔

''گڈ۔اب دوپہر کا کھانا تم کھلاؤ گے۔''

''شیور۔''ویٹر کو اشارہ کیا اور جب وہ قریب آیا تو خفا خفا سا بولا۔''آج شیف اسپیشل جو بھی ہے وہ لے آئیں۔اب آپ پوچھیں گے کتنے بندوں کے لئے تو...''اپنی طرف اشارہ کیا۔''ایک.....!''پھر داتن کی طرف اشارہ کیا۔''اور ساڑھے تین افراد کا کھانا لے آیئے۔''

ویٹر نے مسکراہٹ دبالی اور اندر چلا گیا۔داتن البتہ ٹیک لگائے ریلیکس سی بیٹھی مسکراتی رہی۔

''تمہیں پتہ ہے باڈی شیمنگ جرم ہے۔''

''اور آپ کو معلوم ہے کہ کل سے سارے بلز میں پے کر رہا ہوں کیونکہ آپ ساری شرطیں جیت جاتی ہیں۔''

''اور میری آخری شرط یہ تھی کہ اگر تم اس سے کچھ نہ اگلوا سکے تو ہم اس کو میرے طریقے سے Con کریں گے۔''

ایڈم نے ناراض ناراض نظروں سے اسے دیکھا۔''اور اگر میں پھر بھی کامیاب نہ ہوا؟''

''تو گوگل سے معلومات لے کر لکھ لینا۔''

''وہ تو ہر کوئی لکھ لیتا ہے۔ پھر تو ہر کوئی رپورٹر بن جائے۔ میری فیچر اسٹوری میں کچھ تو انوکھا ہونا چاہیے۔''لیکن پھر کسی خیال سے اس کا چہرہ بجھ گیا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''داتن نے غور سے اس کے جھکے سر کو دیکھا۔

''میں ملاکہ میں مراد لجہ کے خزانے کو ایکسپوز نہیں کر سکا تھا۔ اگر میں اب بھی ناکام ہو گیا تو؟''

داتن چند لمحے کچھ نہ بولی۔ وہ لڑکا کافی دلبرداشتہ لگ رہا تھا۔

''بتائیے لیانہ صابری..... میں ایسا کیا کروں کہ اب کی بار میں کامیاب ہو جاؤں؟''

''تم وہ غلطی مت دہرانا جو تم نے پچھلی بار کی تھی۔''

''کیا؟''ایڈم چونکا۔

''مجھے کیا معلوم۔ خود غور کرو۔ کوئی غلطی تو ہوئی ہو گی۔ کوئی کمزوری' کوئی جھول تو ہو گا نا جس نے تمہیں کمزور کر دیا ہو گا۔''وہ بظاہر بے نیازی سے کہہ کے شانے اچکاتی گردن موڑ گئی۔

ایڈم اچنبھے میں گھر گیا۔ اس نے کیا غلط کیا تھا بھلا؟

☆☆=========☆☆

بی این کے دفتر میں فاتح رامزل کے آفس کے سامنے بنے اسٹاف کیبن قریباً خالی نظر آ رہے تھے کیونکہ تمام افراد ایک وسطی کیبن کے گرد اکٹھے تھے۔ درمیان میں تالیہ کھڑی تھی اور مصروف سی نظر آتی تیز تیز بول رہی تھی۔

''یہ طے ہے کہ ایمان عمر بار بار حملہ کرے گی تو فریدہ..... تم اس کی منیر الکلام کو کی گئی ای میلز ٹوئیٹر پہ ڈالو گی۔ اور حاتم.. میں نے تمہیں اس کے خاندان کے ناراض افراد اور تمام ناراض دوستوں کو ڈھونڈنے کو کہا تھا میں نے۔''

''جی میم۔ میں نے دو کے ویڈیو انٹرویوز کر لئے ہیں اور ہم ان کو شام میں ٹوئیٹر پہ ڈال دیں گے جن میں وہ بتائیں گے کہ وہ کتنی دوغلی لڑکی ہے۔''

''گڈ۔''اس نے ستائش سے کہا تو فریدہ تیزی سے بولی۔

''میم ای میلز تو میں ڈال دوں گی مگر لوگ کہہ سکتے ہیں کہ ای میلز فیک ہیں۔ ہے نا؟''

''مغربی سیاست میں الزام اگلے کا جواب سننے کے لئے نہیں لگایا جاتا۔ اس کو وضاحتیں دینے میں مصروف کرنے کے لئے لگایا جاتا ہے۔ ہم نے عوام کے ذہن میں صرف شک کا بیج بونا ہوتا ہے۔ آگے اپنی رائے وہ خود قائم کریں گے۔''

وہ ہدایات دے رہی تھی جب سنکھیوں سے لفٹ سے نکلتا فاتح دکھائی دیا۔ دو گارڈ عقب میں تھے اور وہ ان کے آگے چلتا اپنے آفس کی طرف جا رہا تھا۔ وہ غالباً تتلیوں والے پارک سے واپس آ رہا تھا اور اس کا چہرہ اتنا خاموش لگ رہا تھا کہ اس کے دل کو کچھ ہوا۔

''میں باس سے ایک سائن کروا لوں۔ یو گائز.... گیٹ ٹو ورک۔'' اس نے ایک خالی فائل اٹھائی اور محفل برخاست کر دی۔ فاتح آفس کے اندر جا چکا تھا۔ وہ بے تابی سے پیچھے آئی۔

''سر!'' دروازے سے اندر قدم رکھا تو وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ اپنی کرسی سنبھال رہا تھا۔

''مجھے کافی چاہیے' تاشہ۔'' وہ مصروف سے انداز میں اپنے کاغذات الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ چہرے پہ کوئی خوشی' کوئی جوش' کچھ نہ تھا۔ عصرہ کے ساتھ ملاقات ناخوشگوار رہی تھی' وہ سمجھ گئی تھی مگر وان فاتح نے ایک دم اپنے گرد دیواریں اتنی بلند کر دی تھیں کہ وہ کچھ کہہ نہ سکی۔

''اوکے سر۔'' الٹے قدموں پیچھے مڑی اور دروازہ بند کر دیا۔

(میرا مشورہ غلط نکلا؟ کہیں میں نے اسے نقصان تو نہیں پہنچا دیا؟) دل میں ایک دم دکھ سے بھر گیا۔

وہ ظالم شہزادی اب آس پاس کہیں بھی نہ تھی جو کہتی تھی کہ فاتح کو عصرہ سے چھین لو۔

یہ طے تھا کہ اگر اس کا گھر ٹوٹا تو وہ خود بھی خوش نہیں رہے گی۔

☆☆=========☆☆

سن باؤ کے آنگن میں اتری شام ڈھل گئی اور اندھیرا سارے میں پھیل گیا تو پورے چاند کی روشنی میں وانگ لی کا مجسمہ چمکتا دکھائی دینے لگا۔ البتہ کونے کا درخت اور کنواں تاریکی میں ڈوبے ویران لگ رہے تھے۔ ایسے میں برآمدے کی میز پہ ایڈم لیپ ٹاپ اسکرین روشن کیے بیٹھا تھا۔ وہ اس پہ کلائیڈ اینڈ لی کے بارے میں مختلف معلومات پڑھ رہا تھا اور مقابل بیٹھی داتن اس کو پڑھ رہی تھی۔

''تم نے کبھی تالیہ کو بتایا؟''

''کہ آپ کے کھانے کے بل میں ادا کر رہا ہوں؟ نہیں۔'' وہ سمجھ گیا تھا اس لیے رکھائی سے بولا۔

داتن نے اس بات پہ ناک سکوڑا۔ وہ گھنگھریالے سیاہ بال کھولے' ڈھیلے ڈھالے سے بھورے جبے میں ملبوس' اپنے چھوٹے مگر موٹے ہاتھوں پہ چہرہ گرائے اسے گھور رہی تھی۔

''اس کی تعریف میں پوری کتاب لکھ ماری مگر دو فقروں میں دل کی بات نہیں بتا سکے؟''

''کتاب بھی کیا معلوم کسی کو پیسے دے کے لکھوائی ہو۔ آخر کتابیں جو نہیں پڑھتا میں۔'' وہ نظریں جھکائے ٹائپ کر رہا تھا۔ برآمدے میں اندھیرا تھا اور اسکرین کی نیلی روشنی ایڈم کے چہرے کو دمکا رہی تھی۔

''تمہیں لگتا ہے تمہارا چانس نہیں ہے۔ وان فاتح کے سامنے تمہیں اپنا آپ کچھ نہیں لگتا۔''

''پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں۔'' وہ بےزاری سے کہنے لگا تو ایک دم داتن اس کے سر پہ آکھڑی ہوئی اور دھپ سے لیپ ٹاپ اسکرین گرائی۔ ایڈم نے تلملا کے اسے دیکھا۔ ''میں کام کر رہا تھا۔''

''تمہاری ماں تمہارا ٹوٹا دل دیکھ کے پریشان نہیں ہوتی؟ اس مسئلے کو حل نہیں کرو گے تو کیا کرو گے؟''

وہ اس کے قریب کرسی کھینچ کے بیٹھی اور لیپ ٹاپ پرے دھکیل دیا۔ پھر سنجیدگی سے اسے دیکھا تو ایڈم نے سر جھکا دیا۔

''یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے جسے حل کیا جا سکے۔''

''تالیہ نے مجھے صبح جانتے ہو کیا میسج کیا ہے؟''

ایڈم نے سوالیہ آنکھیں اٹھائیں۔ ''کیا؟''

''وہ عصرہ اور فاتح کے درمیان کی سرد دیوار پگھلانے کی کوشش کر رہی ہے۔''

''حالانکہ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ خودغرض بن جائیں اور فاتح صاحب کو چھین کے حاصل کر لیں۔''

''تم کیوں نہیں خودغرض بن جاتے؟'' وہ سنجیدگی سے بولی تو ایڈم نے نظریں صحن کی طرف موڑ لیں۔ اس کی آنکھیں کنویں پہ ٹھہر گئیں۔ داتن نے دیکھا' کنویں کی ساری ویرانی اس نوجوان کی آنکھوں میں بھر گئی تھی۔

''میں چے تالیہ کی خوشی چاہتا ہوں۔ اور ان کی خوشی وان فاتح کے ساتھ رہنے میں ہے۔''

''اور اگر وہ اپنی خوشی سے فاتح کو عصرہ کے سپرد کر دے تو؟''

''وہ ایسا کیوں کریں گی؟''

''کیونکہ ایک بات تم سب جانتے ہو کہ قدیم ملاکہ میں فاتح کو بہت کچھ ہوا تھا سوائے محبت کے۔ وہ تالیہ کی محبت میں کبھی بھی گرفتار نہیں ہوا تھا۔ اسے وہ پسند تھی' ان دونوں میں دوستی ہو گئی تھی اور انہوں نے ساتھ کام کیا تھا۔ لیکن وہ وقت کے تین سوال جاننے سے پہلے تک تالیہ کو چھوڑ دینے پہ راضی تھا۔''

''میں مانتا ہوں کہ انہیں چے تالیہ سے محبت نہیں ہوئی تھی لیکن اب تو ہو سکتی ہے نا۔'' وہ ہنوز اداسی سے کنویں کو دیکھ رہا تھا۔ ''انہیں اپنے رشتے کو ایک بھرپور چانس دینا چاہیے۔''

''تم نے سنا نہیں میں کیا کہہ رہی ہوں؟ وہ عصرہ کو فاتح سے ملانا چاہ رہی ہے۔ یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے۔''

''مگر وہ دونوں ابھی تک ملے تو نہیں ہیں نا۔ چے تالیہ کی امید ابھی بھی زندہ ہے۔''

''اور اگر وہ مل جائیں تو تمہاری امید زندہ ہو سکتی ہے؟''

ایڈم نے نظریں پھیر کے اسی ویرانی سے داتن کو دیکھا۔ ''آپ مجھے ایسی امید نہ دلائیں جو پوری نہ ہو تو میرا دل پھر سے ٹوٹ

جائے۔میں نے بڑی مشکل سے خود کو سمجھایا ہے کہ میں ان کے قابل نہیں ہوں۔وہ مجھ سے بہت بہتر ڈیزرو کرتی ہیں۔"

"تم سے بہتر؟ فاتح رامزل جیسا سلیبریٹی کیونکہ آخر میں ہے تو وہ ایک فین گرل نا؟" اس کے انداز پہ ایڈم خفیف ہوا۔

"وہ مجھ سے بہت اوپر ہیں۔"

اور اگر تم اس اسٹوری کو لکھ لو (انگلی سے بند لیپ ٹاپ کی طرف اشارہ کیا)....مجھے نہیں معلوم اس میں کیا ہے جو لکھنا ہے' لیکن اگر تم کوئی دنیا کو ہلا دینے والی کہانی لکھ ڈالو' تو تم بھی راتوں رات سلیبریٹی بن سکتے ہو' ایڈم۔"

"ایں؟" اس نے حیرت سے داتن کو یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔داتن کو البتہ اپنی ہی بات نے لطف دے دیا تھا۔

"سوچو ایڈم!" وہ آنکھوں کو گول گھما کے مزہ لیتے ہوئے بولی۔"تم ڈیزائنر وئیر پہنو گے۔انٹرویوز دو گے۔اپنی کتابوں کی رونمائی کی تقاریب میں آٹوگراف سائن کرو گے۔فینز تمہارے گرد جمگھٹا لگائے ہوں گے۔"

"اور آپ مجھے اتنے بڑے بڑے خواب کیوں دکھانا چاہتی ہیں؟" مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیونکہ تم وہ واحد انسان ہو جو تالیہ کا ماضی اور مجرمانہ زندگی جاننے کے بعد بھی اسے "چے تالیہ" کہہ کے عزت سے پکارتا ہے۔تمہیں اس سے محبت اس کو جاننے کے بعد ہوئی۔اس لیے میں نہیں چاہتی کہ وہ تمہیں کھوئے۔تم مجھ سے ایک وعدہ کرو کہ اگر فاتح عصرہ کی طرف چلا جائے تو تم تالیہ کو پانے کی کوشش کرو گے۔"

"میں کوشش کروں گا۔" اس نے بجھے دل سے کہا تو داتن مسکرا دی۔

"گڈ بوائے۔تالیہ نے مجھے بتایا تھا کہ تم ملاکہ میں بھی کتنی جلدی اس کی دایاں ہاتھ کاٹنے والی دھمکی سے ڈر جاتے تھے۔"

"چے تالیہ نے آپ کو اتنی باریک بینی سے ساری کہانی سنائی؟" ایڈم نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے بغور اسے دیکھا۔

"دوست ہوں اس کی۔اس کا فرض تھا کہ سنائے۔"

"تو پھر یقیناً انہوں نے میرا وہ فقرہ بھی سنایا ہوگا جس سے ان کو چڑ تھی؟ ان کو کتابیں نہ پڑھنے کا طعنہ دینے والا فقرہ۔"

داتن نے کندھے اچکائے۔"شاید۔"

"اور آپ اتنے دن سے مجھ سے اس ایک فقرے کا بدلہ لے رہی تھیں۔" وہ دانت کچکچا کے بولا۔"آپ کو اچھی طرح میرے کتابوں سے رومانس کے بارے میں علم تھا۔"

"ہو سکتا ہے۔" وہ اٹھ کے میز سے برتن سمیٹنے لگی جیسے اس کی بات کی اہمیت ہی نہ ہو۔ایڈم نے خفگی سے سر جھٹکا اور لیپ ٹاپ قریب کھسکا کے کھول لیا۔پھر کلائیڈ اینڈ لی کی سامنے کھلی ویب سائٹ کو دیکھ کے چونکا۔

"ایک منٹ۔آپ کو کلائیڈ اینڈ لی کے بارے میں اتنی معلومات کیسے تھیں؟ کہیں آپ نے بھی اس فرم میں کوئی ایک آدھ آف شور کمپنی تو نہیں کھول رکھی؟"

داتن نے مسکرا کے پلکیں جھپکائیں۔ "صرف ایک؟"

"لاحول ولا قوہ...." وہ پڑھنے لگا پھر رک گیا کہ کہیں لیانہ صابری غائب ہی نہ ہو جائے۔ اور جھرجھری سی لے کر دوبارہ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اندھیر صحن میں کھڑا چاندنی میں نہایا مجسمہ دلچسپی سے اسے کام کرتے دیکھ رہا تھا۔

☆☆==========☆☆

وہ چاند کے ایل کے آسمان پہ بھی ویسا ہی سجا تھا۔ حالم کے گھر کے سامنے والی سڑک اس وقت سنسان تھی مگر اندھیرے کو چاندنی نے کسی حد تک کم کر رکھا تھا۔ ایسے میں تالیہ بس اسٹاپ سے پیدل چلتی گھر واپس آ رہی تھی۔ اسٹریٹ پولز کی روشنی اور چاندنی اس کو راستہ دکھانے کے لیے کافی تھی۔ بس اسٹاپ سے گھر دومنٹ کی واک پہ تھا اور سارا دن فاتح کی کار میں اس کے ساتھ گھومنا پڑتا تھا تو وہ اپنی کار نہیں لے کر جاتی تھی۔

"کیسی ہو شہزادی تالیہ؟" عقب میں کسی نے پکارا تو وہ فوراً سے ایڑھیوں پہ گھومی۔

نیم اندھیر خالی سڑک پہ اس کے سامنے ذوالکفلی کھڑا تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے مسکراتے ہوئے چھوٹی چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے گہری سانس خارج کی۔

"آپ یہاں کیسے؟" ذرا سرد مہری سے بولی۔ اس نے ذوالکفلی کو اتنے راز خود سے چھپانے کے لیے ابھی تک معاف نہیں کیا تھا۔

"وان فاتح نے تمہارے لئے ایک چیز دی تھی۔" اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہ چونک اٹھی۔

"کیا؟ کب؟" پھر خیال آیا۔ "جب وہ آپ کے پاس آئے تھے؟ اس رات؟ آپ مجھے اب بتا رہے ہیں۔"

"کیونکہ اب تم یہ لینے کے لئے تیار ہو۔" ذوالکفلی قریب آیا اور مٹھی میں پکڑی پرچی لہرائی۔ "یہ کوئی پیغام ہے جس کا مطلب صرف تم سمجھ سکتی ہو۔"

تالیہ نے ہاتھ بڑھایا تو ذوالکفلی نے مٹھی بند کر کے ہاتھ کمر کے پیچھے کر لیا۔ "لیکن میں تمہیں یہ کیوں دوں؟"

اس کا ہاتھ فضا میں رہ گیا۔ اس نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"کیونکہ یہ میرے لیے ہے تو آپ کو اسے مجھے دینا چاہیے۔ یہ آپ کا اخلاقی فرض ہے۔"

"لیکن میں تو اخلاقیات اور ایمانداری سے نابلد ایک چور ہوں۔" وہ مسکرایا۔ تالیہ نے مشکوک انداز میں پتلیاں سکوڑیں۔

"آپ کو بدلے میں کچھ چاہیے..... ہے نا؟"

"ظاہر ہے۔ میں چور ہوں، اور مجھے اپنا مفاد ہر شے سے زیادہ عزیز ہے۔" وہ اطمینان سے مسکرایا تو تالیہ نے گہری سانس لی۔ دونوں حالم کے بنگلے کے گیٹ کے سامنے نیم اندھیرے میں کھڑے تھے۔

''اوکے۔کیا چاہیے آپ کو؟''

''تمہاری وہ ہیئر پن جو تم قدیم ملاکہ سے لے کر آئی ہو۔''

وہ چونکی۔ہاتھ بالوں پہ رینگ گیا۔کان کے پیچھے جوڑے میں اس نے سنہری ہیئر پن لگا رکھی تھی جس کا منہ ہرن کے جیسا تھا۔وہ اس کو ہر روز پہنتی تھی۔

''یہ ہیئر پن؟اچھا تو اتنے ہفتے گزر جانے کے باوجود آپ نے یہ پرچی اس لیے مجھے نہیں دی کیونکہ آپ میری یہ پن دیکھ چکے تھے۔میں آپ کے پاس آئی تب بھی نہیں بتایا اور مجھ سے سودا کرنے کا سوچا کیونکہ میرے بابا کی جادوئی چیزیں چرائی نہیں جا سکتیں۔''

''یہ تمہارے لیے بے معنی سی چیز ہے پتری تالیہ۔''

''اور آپ کو اس کی ضرورت ہے؟''

''تمہیں اس کی زیادہ ضرورت ہے!''اس نے پھر سے پرچی دکھائی۔

تالیہ چند ثانیے کو تیکھی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔پھر اس نے سر سے ہیئر پن نوچ کے اتاری اور ذوالکفلی کی طرف اچھال دی۔اس نے بروقت اسے فضا میں پکڑ لیا اور پھر ستائش سے اوپر اٹھا کے چاندنی میں دیکھا۔''بہت مسحور کن!''۔

تالیہ نے رکھائی سے''میری چیز!''کہتے ہتھیلی پھیلائی تو ذوالکفلی نے پرچی اس پہ رکھ دی۔وہ اندر جانے لگی تو وہ بول اٹھا۔

''میرے پاس تمہارے لئے ایک اور انتخاب بھی ہے۔''

''مجھے آپ سے اور کچھ نہیں چاہیے۔''وہ تلخی سے کہہ کے گیٹ کھولنے لگی۔

''تم چاہو تو میں اس کی یادداشتیں تلف کر سکتا ہوں۔''

لاک کھولتا اس کا ہاتھ تھم گیا۔وہ بے یقینی سے پلٹی۔''تلف؟مطلب؟''

''وہ بوتل جس میں اس کی یادداشتیں محفوظ ہیں.....اگر میں چاہوں تو وہ تلف ہو سکتی ہیں۔یوں فاتح رامزل کو کبھی بھی وہ وقت یاد نہیں آئے گا''

ایک لمحے کو تو وہ سن رہ گئی۔پھر چہرہ غصے سے سرخ ہوا۔''اور میں ایسا کیوں چاہوں گی؟''

''ہو سکتا ہے کبھی تمہیں لگے کہ وہ اس سب کو یاد کیے بغیر زیادہ اچھی زندگی گزار سکتا ہے۔تب شاید تم قربانی دینا چاہو۔''

تالیہ مراد کی آنکھیں بھیگنے لگیں اور جبڑا غصے سے بھنچ گیا۔

''میں ایسا کبھی نہیں چاہوں گی۔انہیں وہ سب یاد کرنا ہوگا۔میرے لئے انہیں ان لمحوں کو واپس لانا ہوگا۔''

''اگر کبھی تم چاہو تو یہ انتخاب تمہارے لیے کھلا رہے گا۔''اس نے سنہری پن جیب میں رکھی اور مڑ گیا۔تالیہ نے جھنجھلاہٹ اور غصے سے پیر پٹخ دیا۔

وہ اندر آئی اور لاؤنج کی بتی جلائی۔ پھر چٹ کھول کے دیکھی۔ اس پہ فاتح کی لکھائی میں کچھ ہندسے لکھے تھے۔ اب ان کا کیا مطلب تھا؟ وہ بے بسی سے اسے دیکھے گئی۔

☆☆=========☆☆

عصرہ اپنے بیڈروم کے کونے میں زمین پہ بیٹھی تھی۔ دیوار سے کمر لگائے' گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے وہ اکڑوں بیٹھی' بے آواز روئے جا رہی تھی۔ آنسو تھوڑی سے نیچے ٹپک رہے تھے اور چہرہ ویران لگتا تھا۔

یکدم باہر دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی تو وہ دھیرے سے اٹھی۔ مٹھی سے آنسو پونچھے اور تیز تیز قدموں سے باہر آئی۔

فاتح اپنے کمرے میں جا رہا تھا۔ کوٹ بازو پہ ڈالے' ٹائی ڈھیلی کیے' وہ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ آہٹ پہ پلٹا تو اسے دیکھ کے ٹھٹک گیا۔ سامنے کھڑی عصرہ سارے دن کی روئی لگتی تھی۔ اس کی ناک اور آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں اور ان آنکھوں میں اتنا دکھ تھا کہ فاتح کے کندھے ڈھلک گئے۔

''تو ہماری آریانہ اتنے برس پہلے مرگئی تھی فاتح اور تم مجھے آج بتا رہے ہو۔''

''عصرہ....'' اسے اس پہ ترس آیا تھا۔

''تم نے ایسا کیسے کیا فاتح؟'' وہ دکھ سے بولی تو اس نے وضاحت دینی چاہی۔

''عصرہ....آئی ایم سوری۔ مجھے تمہیں بتانا چاہیے تھا مگر میں....میں تمہیں پروٹیکٹ کرنے کے لئے....''

''تم نے کیسے یہ سب اکیلے برداشت کیا فاتح؟'' وہ دونوں مٹھیوں میں بال بھینچتے ہوئے بے بسی سے بولی۔ ''تم نے مجھے شریک کیوں نہیں کیا؟ تم تنہا اتنا بوجھ لئے پھرتے رہے اور اتنے سال میں....میں تمہیں اتنی باتیں سناتی رہی؟ تم کیوں کچھ نہیں بولے؟ فاتح....اوہ فاتح....تم نے مجھے اتنا ظلم کیوں کرنے دیا اپنے ساتھ؟''

وہ رک گیا۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے۔ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ وہ بالکل ٹوٹی پھوٹی سی لگ رہی تھی۔ اسے لگا تھا وہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گی لیکن وہ تو خود کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں لگ رہی تھی۔

''فاتح....تم میری ہر بات برداشت کرتے رہے....'' وہ قریب آئی اور گویا عقیدت سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ ''میں تمہیں آریانہ کے کھو جانے کے لئے ذمہ دار ٹھہراتی تھی۔ میں تمہیں آریانہ کو نہ ڈھونڈنے کے لئے مجرم سمجھتی تھی۔ تم نے ایک دفعہ بھی مجھے نہیں ٹوکا۔ میری زبان نہیں روکی۔ میں زہر اگلتی رہی اور تم اسے پیتے رہے مگر میرے جیسے تلخ نہیں ہوئے۔''

وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے اور عصرہ اس کے دونوں ہاتھ پکڑے اپنا ماتھا جھکائے بے بسی سے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''آریانہ کھوئی تو مجھے لگا ہماری فیملی ٹوٹ گئی ہے وہ نہیں ملی تو مجھے لگا اس کا خیال رکھنے والا باپ بھی کھو گیا ہے اور جیسے تم آریانہ کی حفاظت نہیں کر سکے ایسے ہی میری' سکندر اور جولیانہ کی حفاظت نہیں کر سکو گے۔ اس عدم تحفظ نے مجھے اتنا زہریلا بنا دیا کہ میں اپنی دانست

میں تمہیں پہلے جیسا بنانے کے لئے جھنجھوڑتی رہتی تھی۔ یہ خوف کہ میں تم تینوں کو کھودوں گی اس نے چھ سال تک مجھے اپنا قیدی بنائے رکھا اور آج تم نے مجھے حقیقت بتائی تو پہلے مجھے لگا کہ میرا دل بند ہو جائے گا لیکن اب....'' اس نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اٹھایا اور فاتح کے ہاتھ چھوڑے۔ پھر ہتھیلی کی پشت سے گال صاف کیے اور گردن پوری اٹھائی۔

''لیکن اب.... مجھے لگتا ہے کہ میں آزاد ہو گئی ہوں۔ وہ خوف، وہ بے یقینی کہ میری آریانہ زمانے کی ٹھوکروں پہ ہو گی، وہ سب بلبلے کی طرح اڑ گئی ہے۔ میں تو ایک بلبلے کی قید میں تھی۔ میری آریانہ در بدر نہیں ہے فاتح۔ اسے اللہ تعالیٰ نے سنبھال لیا تھا۔ وہ بہتر جگہ پہ ہو گی۔ تم جانتے ہو میں چھ سال بعد سکون میں آئی ہوں۔ فاتح.... میری آریانہ بہتر جگہ پہ ہو گی۔''

آنسو پھر سے گرنے لگے تو فاتح نے دھیرے سے اسے خود سے لگا لیا۔ ''آئی ایم سوسوری عصرہ....''

''تم نے کیسے اکیلے برداشت کیا؟ آریانہ کا غم.... میری باتیں....اوہ فاتح میں نے تمہارے ساتھ کتنا ظلم کیا۔'' وہ اس کے کندھے پہ سر رکھے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''میں نے اتنا دکھ دیا تمہیں.... میں نے اتنا پریشان کیا تمہیں۔ تمہارا جھوٹ ہمارے درمیان نہیں آیا تھا۔ میری تنگ دلی آ گئی تھی۔ آئی ایم سوسوری فاتح۔''

وہ اس سے معافی مانگ رہی تھی۔ بار بار.... آنسوؤں میں.... سسکیوں میں اور وہ دم بخود تھا....اسے لگتا تھا اس سچ کی وجہ سے وہ اسے چھوڑ دے گی مگر.... یہ سچ ان دونوں کے درمیان ساری سرد دیواریں پگھلا رہا تھا۔

''ہم آریانہ کی قبر پہ جائیں گے، فاتح۔'' کچھ دیر بعد وہ دونوں کچن میں میز پہ بیٹھے تھے اور وہ اسے چاول نکال کے دیتے ہوئے تہیہ کر رہی تھی۔ اس کا سرخ ناک اور گلابی آنکھوں والا چہرہ اب دھلا دھلایا تھا۔ جیسے بارش کے بعد سب صاف ہو گیا تھا۔

''مجھے اپنی آریانہ کی آخری آرام گاہ دیکھنی ہے۔ مجھے اس کا چہرہ بھی دیکھنا تھا۔'' وہ پھر سے غمزدہ ہوئی۔

''اسی لئے میں کسی کو نہیں بتا سکا۔ تم اس کا چہرہ دیکھے بغیر بے چین رہتیں اور میں اس کو دکھا نہیں سکتا تھا....'' وہ چاول چھوڑ کے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے نرمی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں نے اس کی نعش دیکھ کے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ کوئی اس کو نہیں دیکھے گا۔''

''مجھے لگا تھا کبھی یہ خبر آئی کہ آریانہ اس روز مر گئی تھی تو میں مر جاؤں گی۔ میں نے اس خیال سے ہر روز آنکھیں چرائیں مگر آج.... آج میرے غم کو قرار مل گیا ہے۔ اوہ فاتح..... میں خوف سے آزاد ہو گئی ہوں۔'' اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکایا اور آنکھیں موند لیں۔ وہ نرمی سے مسکرایا۔

''ہم ان پہاڑوں میں دوبارہ جائیں گے اور آریانہ کی قبر دیکھیں گے۔ میں ہر سال جاتا ہوں۔ وہاں میں نے ایک درخت اگایا تھا جو اب قد آور ہو چکا ہے۔''

کچن کی کھڑکی سے دیکھو تو وہ دونوں میز پہ ساتھ ساتھ بیٹھے نیم روشن کچن میں رات کے اس پہر دھیمی آواز میں باتیں کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ عصرہ کبھی رونے لگ جاتی، کبھی مسکرا دیتی....اور وہ نرم مسکراہٹ اور زخمی دل سے آریانہ کی باتیں دہرا رہا تھا....

وہ رات آریانہ کے نام تھی۔

☆☆=========☆☆

صبح اتنی چمکیلی اور روشن طلوع ہوئی کہ فاتح بن رامزل کے گھر کی ساری کھڑکیاں روشنی کو اندر بہا لے آئیں۔اس کا کمرہ بھی آج پہلے سے زیادہ منور لگ رہا تھا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا ٹائی باندھ رہا تھا' اس حال میں کہ دل ہلکا اور لبوں پہ مسکراہٹ تھی جب عکس میں پیچھے کام کرتی عصرہ دکھائی دی۔ سلیپنگ سوٹ پہ بال گول مول باندھے وہ اٹھتے ساتھ ہی کاموں میں لگ گئی تھی۔

"کیا کر رہی ہو صبح صبح؟" وہ ناٹ باندھتے ہوئے مسکرا کے بولا تو وہ جو ایک باکس میں چیزیں ڈال رہی تھی' مصروف سے انداز میں گویا ہوئی۔

"میں چاہتی ہوں تم اپنی یہ خودساختہ جلاوطنی چھوڑ دو اور ہمارے کمرے میں واپس آجاؤ۔اس کمرے میں تم رات دیر تک کام کرنے کے لئے شفٹ ہوئے تھے۔"

"اور ہماری لڑائیوں کی وجہ سے۔" فاتح نے چوٹ کی۔

"اب نہیں ہوں گی نا لڑائیاں۔" وہ آستینیں اوپر چڑھائے اس کا سامان پیک کر رہی تھی۔ ڈھیلے جوڑے سے دو لٹیں نکل کے گالوں پہ جھول رہی تھیں اور اسے مزید دلکش بنا رہی تھیں۔ بڑھتی عمر اور دو بچوں کے باوجود وہ آج بھی ایک حسین اور فٹ عورت تھی۔

"اگر تمہیں رات دیر تک کام کرنا ہو تو تم یہاں آسکتے ہو لیکن رہو گے تم اب 'ہمارے' کمرے میں۔" ہمارے پہ زور دے کر بولی اور باکس اٹھالیا۔ "میں نہیں چاہتی کہ اب ہم اپنے درمیان اتنے فاصلے اور دیواریں حائل رکھیں۔" پھر مسکرا کے اسے دیکھا۔

"اچھے لگ رہے ہو۔"

"میرے ووٹرز بھی یہی کہتے ہیں۔" اس نے ٹائی کسی اور بے نیازی سے مسکرا کے کف لنکس پہننے لگا۔ وہ باکس اٹھائے سامنے آئی اور اسے مخاطب کیا۔

"مصوفیہ رحمن ہماری مجرم ہے' فاتح۔" وہ سنجیدہ تھی۔

فاتح چونک کے مڑا تو دیکھا' عصرہ کی آنکھوں میں پھر سے تکلیف ابھر آئی تھی۔

"اس کے ساتھ اب ہم وہی کریں گے جس کی وہ مستحق ہے۔اور جانتے ہو بہترین انتقام کیا ہے؟ ہم خوب محنت کریں گے اور اس کو انیکشن میں ہرائیں گے۔تم پہلے پارٹی چیئرمین بنو گے' اور پھر وزیراعظم اور میں....." اپنے سینے پہ انگلی سے دستک دی۔ "میں وان فاتح تمہارا آخری حد تک ساتھ دوں گی۔ Over a cliff!" عزم سے دہرایا تو اس کا حوصلہ چٹانوں جیسا محسوس ہوتا تھا۔ وہ پہلی دفعہ دل سے یہ سب کہہ رہی تھی۔ وان فاتح طمانیت سے مسکرا دیا۔

وہ اس کے ساتھ تھی۔

بالآخر ان کے درمیان چھایا غبار چھٹ رہا تھا اور ان دونوں کا مفاد ایک ہو چکا تھا۔

باہر ایک بے حد روشن دن طلوع ہو رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

پریس روم میں رپورٹرز کرسیوں پہ بیٹھے تھے اور منتظر سے کبھی گھڑیاں دیکھتے' اور کبھی ویران پوڈیم کو جہاں بریفنگ کے لئے ابھی تک کوئی نہیں آیا تھا۔ یہ بی این کے آفس میں بنا پریس روم تھا اور وقت مقررہ پہ رپورٹرز پہنچ چکے تھے۔

باہر کھڑی تالیہ دیوار سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھوں میں اٹھائی چٹ کو بار بار پڑھ رہی تھی۔ اس پہ لکھے ہند سے اسے کیا بتانا چاہ رہے تھے؟ ایسا کیا انکشاف تھا جو ان فاتح پہ جب ہوا تو وہ تب اسے بتا نہیں سکا تھا؟ ایسا کون سا راز تھا جو اس نے صرف تب تالیہ کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا جب اسے لگا کہ ان دونوں کو الگ نہیں ہونا چاہیے؟

''چے تالیہ..... رپورٹرز انتظار کر رہے ہیں۔'' فریدہ نے اسے پکارا تو وہ چونکی' پھر گہری سانس لے کر چٹ پرس میں ڈالی۔ اسکرٹ پہ پہنے منی کوٹ کے کالر درست کیے اور خود کو پاکٹ مرر میں دیکھا۔

بیچ کی مانگ نکال کے سنہرا جوڑا بنائے' سادہ چہرے کے ساتھ' وہ سفید اسٹول سر پہ لیے ہوئے تھی۔ کانوں میں قدیم ملاکہ کے ٹاپس اور انگلی کی سرخ یاقوتی انگوٹھی ہنوز موجود تھی البتہ سنہری ہئیر پن ندارد تھی۔

وہ بریفنگ روم میں آئی اور سنجیدہ تاثرات کے ساتھ سیدھی پوڈیم پہ چڑھ گئی۔ ڈائس کے پیچھے کھڑے ہو کے چہرہ اٹھایا اور سامنے بیٹھے صحافیوں اور ان کے کیمروں کو دیکھ کے مسکرائی۔ پھر چہرہ مائیک پہ جھکایا۔

''پچھلے چند دنوں سے ہم میڈیا اور سوشل میڈیا پہ ایمان موسیٰ کے بارے میں ایک مہم دیکھ رہے ہیں۔ کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ایمان کو ادیب سوت نے ہراس کیا جبکہ زیادہ تر لوگ جو حقیقت سے واقف ہیں وہ گواہی دے رہے ہیں کہ ایمان نے خود منیر الکلام کو ہراس کیا جس کی وجہ سے مجھے اسے نوکری سے فارغ کرنا پڑا۔'' وہ ٹھوس لہجے میں کہہ رہی تھی۔ تصاویر اتر رہی تھیں اور بار بار فلیش لائٹ اس کی آنکھوں میں پڑتی تھی جو بصارت کو چندھیا دیتی تھی۔

''آج بہت افسوس سے مجھے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ایمان نے ایک غلط الزام لگا کر ''می ٹو'' کی اس مہم کو جو دنیا بھر میں مظلوم خواتین اور مردوں کی آواز بن رہی تھی' نہ صرف نقصان پہنچایا اور خود کو تماشا بنایا بلکہ ان عورتوں کی بھی توہین کی جو ہر روز حقیقتاً ہراس کی جاتی ہیں مگر ہراس منٹ کے خلاف کھڑی ہونے پہ لوگوں کی متوقع باتوں سے ڈرتی ہیں۔'' وہ بلند آواز میں دائیں سے بائیں رپورٹرز پہ نگاہیں دوڑاتی کہہ رہی تھی۔

''ہراس منٹ ہوتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ البتہ ایمان نہ تو ای میلز پیش کر سکیں نہ کوئی دوسرا ثبوت' مگر اکثر ہراس منٹ کیسز میں ثبوت واقعی نہیں ہوتا۔ ایسے میں ہم کس کا اعتبار کریں؟ تو جواب صاف ہے۔ ہمیں الزام لگانے والے کی کریڈیبلٹی دیکھنی ہوتی ہے اور

افسوس کہ میرے پاس جو ڈاکومنٹ ہے وہ اس بات کی تصدیق کرے گا کہ ایمان ایک عادتاً اور پیشہ ور 'وسل بلور' ہیں۔"

تالیہ نے مڑتے ہوئے ننھے ریموٹ کا بٹن دبایا تو دیوار پہ لگی پروجیکٹر اسکرین چمک اٹھی۔ اس پہ ایک ڈاکومنٹ دکھایا جانے لگا جس کی چند سطور ہائی لائٹ کی گئی تھیں۔

رپورٹرز گردنیں اونچی کر کے دیکھنے لگے۔ تالیہ اب اسکرین کی طرف اشارہ کر کے بتا رہی تھی۔

"ایمان اس سے پہلے جہاں کام کرتی تھیں وہاں بھی ان کو اسی وجہ سے نکالا گیا تھا کیونکہ انہوں نے ایک کولیگ کو دھمکی دی تھی کہ وہ وسل بلوور بن کے اس کے خلاف ہراسمنٹ کی مہم چلائیں گی۔ انہوں نے یہی کام یہاں بھی کیا۔ اس کاغذ کے بعد کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے کہ کون جھوٹ بول رہا ہے اور کون سچ۔"

کمرے میں دبی دبی جوشیلی لہر اٹھی۔ رپورٹرز تیز تیز لکھنے لگے۔ ایک دم سارا کھیل الٹ گیا تھا۔

(وسل بلوور اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے ہی ادارے کے اندر کسی کرپشن یا ناجائز کام کی نشاندہی کرتا ہے۔ لیکن دنیا بھر میں کسی وسل بلور کی بات تب تک مانی جاتی ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ "عادی وسل بلور" ہے۔ اگر وہ پہلے بھی کسی ادارے کے ساتھ یہ کر چکا ہے تو وہ اس کی ساکھ وہیں راکھ کا ڈھیر بن جاتی ہے اور اسے عدالت میں بھی ایک بلیک میلر سے زیادہ کچھ نہیں سمجھا جاتا۔)

بی این کے اسٹافرز اب اس ڈاکومنٹ کی کاپیاں ایوان میں موجود صحافیوں میں بانٹ رہے تھے۔ صحافیوں کا جوش مزید بڑھ چکا تھا۔

تالیہ باہر نکلی تو اسٹاف ممبرز اس کو مبارکباد دینے لگے مگر وہ مغموم مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ کل سے اس کا دل یونہی اداس تھا کیونکہ کل تک "وہ" اداس نظر آیا تھا۔

البتہ اب اس نے فاتح کے آفس کے دروازے سے اندر جھانکا تو وہ خوشگوار موڈ میں لیپ ٹاپ پہ کام کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ اسے دیکھ کے مسکرایا اور اندر آنے کا اشارہ کیا تو تالیہ کے چہرے پہ حیرت بکھر گئی۔

"آپ خوش لگ رہے ہیں۔" وہ اندر آئی اور پیچھے دروازہ بند کیا۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا۔" اس نے لیپ ٹاپ پرے ہٹایا اور یوں بتانے لگا جیسے کسی دوست سے جلد از جلد شیئر کرنے کی بے چینی ہو۔ "ہمارے درمیان سے جھوٹ نکل گیا اور یوں لگتا ہے کہ برکت پھر سے آگئی۔"

"یعنی مسز عصرہ نے آپ کو معاف کر دیا؟" وہ اسے بغور دیکھتی قریب آئی اور کرسی کے پاس رک گئی۔ بیٹھی نہیں۔

"نہ صرف یہ بلکہ مجھے لگ رہا ہے مجھے پہلے والی عصرہ واپس مل گئی ہے۔ تاشہ میں اتنے سال بعد آج کتنا خوش اور مطمئن محسوس کر رہا ہوں، تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔" اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ جیل سے بال دائیں طرف کو جمائے، وہ سیاہ سوٹ میں ملبوس وجیہہ سا سیاستدان واقعی بے حد خوش لگ رہا تھا۔

تالیہ مرادا سے دیکھے گئی۔ اس کے اندر بہت کچھ بجھ سا گیا تھا۔

''اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے' سر۔'' دعا دل سے دی مگر خوش دل سے نہیں۔

''لیکن ابھی ہمیں بہت کام کرنا ہے۔ زیادہ خوشی اور اطمینان آجائے تو انسان جنگیں نہیں جیتا کرتا۔ یہ تم نے ہی کہا تھا۔''

وہ اب فائلز ریک سے ایک فائل نکالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''تم ایک کام کرو۔ اس رپورٹ کو دوبارہ سے پڑھو اور پیراگراف تھری میں....''

''وہ آپ کی بہن تھی۔''

الفاظ تھے یا کیا' وان فاتح چہرہ اٹھا کے اسے دیکھنے لگا۔ آنکھیں تالیہ کی آنکھوں پہ ٹھہر گئیں۔ کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

''آریانہ....'' اس نے دہرایا۔ ''وہ آپ کی بیٹی نہیں تھی۔ وہ آپ کی بہن تھی۔''

وہ کھڑے کھڑے دھیرے سے بولی تو فضا میں کوئی مغموم سا نغمہ بج اٹھا۔ فاتح نے فائل پرے دھکیلی اور پیچھے کو ٹیک لگائی۔ ''بیٹھو!''

''مجھے میرے انویسٹی گیٹر نے بتایا ہے۔ حالم نے'' اس نے بیٹھتے ہوئے بتایا۔

یہ نہیں کہا کہ گزشتہ شام میں نے آپ کے فون کو ہتھیا کے آپ کی ای میلز پڑھی ہیں۔ آریانہ کا راز کھوجنا مشکل نہیں تھا۔ فاتح کی ای میلز میں آریانہ کے نام سے سرچ کیا تو وہ تمام ای میلز کھل گئیں جن میں بھی آریانہ کا کہیں ذکر ہوا تھا۔

فاتح اور اس کے والد رامزل کے درمیان عرصہ پہلے کی ایک ای میل ان میں سب سے اہم تھی جس کو پڑھ کے ساری کہانی سمجھ میں آجاتی تھی۔

''ہاں۔ وہ میری بہن تھی۔'' اس نے دھیرے سے اعتراف کیا۔ نظریں میز پہ رکھے پین ہولڈر پہ جم گئیں۔

''جب عرصہ پہلے اشعر کی پارٹی میں' میں نے وہاں بیٹھے ہر شخص کے باپ کا ذکر کیا تھا اور آپ کے والد کے بارے میں کہا تھا کہ وہ ایک وکیل تھے' معزز اور خوشحال تھے مگر کافی شاطر اور گھاگ بھی تھے۔ لوگوں کو خوش رکھتے تھے' تو آپ کو اچھا نہیں لگا تھا۔''

''کیونکہ یہ سچ تھا۔'' وہ تالیہ کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ نظریں پین ہولڈر پہ جمی تھیں۔

''میں اپنے بابا کے بارے میں ہمیشہ سے حساس رہا ہوں۔ شاید یہ ڈر بھی تھا کہ کوئی جان نہ لے۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا۔ جیسے خدشات اور تحفظات کے تحت بار بار رک جاتا ہو مگر پھر.....تالیہ کے گرد وہ نہ جانے کیوں خود کو اتنا آرام دہ محسوس کرنے لگا تھا کہ کہتا گیا۔

''وہ مضبوط کردار کے آدمی نہیں تھے۔ کسی حد تک جابر بھی تھے اور ایسے تعلقات کا جبر ان نئی معصوم روحوں کو وجود میں لے آتا ہے جن کو معاشرہ گناہ اور والدین بوجھ گردانتے ہیں۔ آریانہ کی ماں ان کے آفس میں کام کرنے والی ایک پیرالیگل تھی۔'' وہ پین ہولڈر کو دیکھتے ہوئے زخمی لہجے میں بتا رہا تھا۔

''بابا کا اس سے پیچیدہ سا تعلق تھا۔ کبھی دونوں ساتھ ہوتے اور کبھی ساتھ چھوڑ جاتے۔ جب آریانہ پیدا ہوئی تو وہ عورت اسے میرے دروازے پہ چھوڑ گئی کیونکہ بابا واپس ملائیشیا فرار ہو چکے تھے۔ وہ بزدل تھے اور حالات کا سامنا کرنے کو تیار نہیں تھے۔ آریانہ اس وقت دو

ماہ اور بائیس دن کی تھی۔ میں نے تب سے اسے سنبھالا اور پھر اسے کسی اور کو نہیں دے سکا۔"

وہ چپ ہوا تو وہ جواب سامنے بیٹھ چکی تھی' دھیرے سے بولی۔ "اور اسی لیے آپ نے عصرہ سے شادی کی؟"

"ایک اکیلے آدمی کے لئے چھوٹا بچہ سنبھالنا جتنا کٹھن تھا' اتنا ہی میرے لئے بھی تھا اور میں اس وقت اسٹیٹ اٹارنی کے آفس میں ہوتا تھا۔ اس کو دنیا سے چھپانا بھی مشکل تھا۔ مگر پھر مجھے عصرہ مل گئی۔" اس کے اداس چہرے پہ مغموم مسکراہٹ کھل گئی۔

"عصرہ سے میں نے سب سے پہلے اس راز کو شیئر کیا تھا۔ وہ وہاں ایک بہت قابل وکیل تھی اور میری اچھی دوست بھی تھی۔ اس نے بچی کو نہ صرف سنبھالا بلکہ یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ میں صرف آریانہ کی وجہ سے اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں' اس نے میرا ساتھ دیا۔ ہم آریانہ کے لئے ایک ہوئے اور پھر آریانہ کی وجہ سے ہی الگ ہو گئے۔ عصرہ کو آریانہ مجھ سے زیادہ عزیز تھی۔"

"اور اب آپ دونوں اکٹھے ہو گئے ہیں۔ گڈ۔" وہ بولی تو اس کی مسکراہٹ میں ایسی تلخی تھی جو فاتح کو اس وقت محسوس نہ ہوئی۔ وہ اپنی رو میں کہہ رہا تھا۔

"آج جس طرح ہم دوبارہ آریانہ کی وجہ سے اکٹھے ہوئے ہیں' مجھے اس بات پہ شرمندگی ہے کہ میں نے اسے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ وہ ان دنوں بہت بیمار تھی اور میں اسے کھونا نہیں چاہتا تھا' لیکن نہ بتا کے بھی میں نے اسے کھو دیا۔" اس نے بالآخر پین ہولڈر سے نظریں اٹھا کے مغموم آنکھوں سے تالیہ کو دیکھا جو کرسی پہ بیٹھی تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سن رہی تھی۔

وہ خاموش ہوا تو شہزادی تاشہ بنتِ مراد بڑے اطمینان سے بولی۔

"یہ بکے گا۔"

فاتح نے ابرو ناسمجھی سے بھینچے۔ "کیا؟"

"آریانہ کی اسٹوری بکے گی' سر!" پروفیشنل خشک سا انداز۔ فاتح ایک دم کرسی پہ سیدھا ہوا۔ اسے واقعی اس قسم کے رویے کی توقع نہیں تھی۔ "ایکسکیوز می؟"

"سر میں یہ سب اس لئے نہیں پوچھ رہی تھی کہ میں آپ کی دوست یا محرم راز ہوں یا مجھے آپ کی ذاتیات سے دلچسپی ہے۔ میں تو آپ کی کیمپئین مینیجر ہوں! (سرد مہری سے شانے اچکائے) اور مجھے آپ سے یہ سب اگلوانا تھا۔ ایک دفعہ آپ نے آریانہ پہ بات کر لی تو اب آئندہ بھی کر سکتے ہیں کیونکہ اگر آپ کو الیکشن جیتنا ہے تو بی این کے ڈھائی لاکھ ووٹرز سے ہمدردی کا ووٹ ہمیں لینا ہو گا۔"

نپا تلا' جمع تفریق کا حساب رکھتا سا انداز تھا تالیہ کا۔ یہ چند منٹ پہلے والی تالیہ نہیں لگ رہی تھی۔

فاتح کے ماتھے پہ سلوٹیں پڑیں۔ اسے اپنے جذبات کی شدید توہین محسوس ہوئی تھی۔

"ہرگز نہیں۔ دماغ درست ہے تمہارا؟ میں اپنی بیٹی کا نام استعمال نہیں کروں گا۔ مجھے کسی کی ہمدردی نہیں چاہیے۔" برہمی سے خیال رد کیا۔ وہ آرام دہ احساس' وہ دوست جیسی تالیہ .... وہ ساری فضا یکسر بدل گئی تھی۔

''یونو... جب آپ نے آریانہ کا ذکر کیا تو آپ کی دائیں آنکھ کے کنارے پہ ہلکا سا پانی تھا۔ یہ بہت بکے گا' سر۔'' وہ ایک نوٹ پیڈ اٹھا کے قلم سے اس پہ مصروف انداز میں لکھنے لگی۔ ''آپ کی کیمپئین مینیجر ہونے کے ناتے میری جاب یہ تھی کہ میں آپ کے اندر کے خوف کو باہر لاؤں۔ اب آپ میری بات ٹھنڈے دل سے سنیں۔'' وہ پوائنٹس لکھتے ہوئے سپاٹ انداز میں کہہ رہی تھی۔ فاتح کے ماتھے پہ چکنوں کا جال بڑھتا جا رہا تھا۔

''یہ جو بھی آپ نے آریانہ کا ذکر کیا..... یا جس طرح کل آپ نے عصرہ سے اسے ڈسکس کیا ہو گا.... یہ کام آپ کو میڈیا پہ جا کے بھی کرنا ہو گا۔ اشعر کی اپروچ غلط تھی۔ صوفیہ رحمٰن پہ الزام لگائے بغیر بھی ہم لوگوں کو جذباتی کر سکتے ہیں۔ یہ اداکاری نہیں ہے' یہ tactic ہے۔ میں مسز عصرہ اور آپ کا شام میں انٹرویو شیڈیول کروا رہی ہوں۔ اور تقریباً پندرہ منٹ آپ کو آج آریانہ پہ بات کرنی ہو گی۔''

''تم نے سنا بھی ہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ میں ایسا نہیں کروں گا۔''

تالیہ میز پہ دونوں ہتھیلیاں رکھ کے اس کی طرف جھکی اور خفگی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''اس روز پارٹی میں وزیرِاعظم صاحبہ مجھ سے کیا کہہ رہی تھیں جانتے ہیں آپ؟ وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ جانتی ہیں آریانہ آپ کی بیٹی نہیں تھی۔''

فاتح کے ماتھے کی شکنیں غائب ہوئیں۔ وہ چونک کے پیچھے ہوا۔ ''واٹ؟''

''اور اگر صوفیہ رحمٰن یہ جانتی ہے تو وہ اسے ہمارے خلاف استعمال کرے گی جس کا مطلب ہے' سر.... یہ آپ کا وہ راز ہے جو بوجھ بنتا جا رہا ہے۔ اور اسی قسم کے کرائسز سے نپٹنے کے لیے سیاستدان کیمپئین مینیجرز کو ہائر کرتے ہیں کیونکہ میرے جیسے لوگ غیر جذباتی ہو کے سارے معاملے کو دیکھتے ہیں۔ اگر آپ کو وزیرِاعظم بننا ہے تو آپ کو میری بات ماننی ہو گی۔''

''تم چاہتی ہو میں سارے میڈیا پہ اپنی بیٹی کا نام لے کر جذباتی ہوں؟ مجھے اس طرح کمزوری کا اظہار کرنا سخت برا لگتا ہے۔''

''تو پھر انتظار کرتے ہیں تاکہ صوفیہ رحمٰن ایک نیا شوشہ چھوڑے کہ وان فاتح نے الیکشن کمیشن میں جس لڑکی کو اپنی بیٹی ظاہر کیا ہے وہ اس کی بیٹی نہیں ہے۔ یوں آپ نے جھوٹ بولا ہے اور آپ کو نا اہل کر دینا چاہیے۔''

نقطہ ایسا تھا کہ وہ خاموش ہو گیا۔

''سر آپ نے ایک جھوٹ بولا ہے دنیا سے اور اب آپ کو اس کا سامنا کرنا ہو گا۔ اس جھوٹ کے بلبلے میں صوفیہ رحمٰن کو دھنک کے ساتوں رنگ نظر آ رہے ہیں۔ آپ اس بلبلے کو خود سے پھاڑ کے ملکہ عالیہ کو بتا کیوں نہیں دیتے کہ آریانہ آپ کی کمزوری نہیں' آپ کی طاقت ہے۔'' پھر سیدھی ہوئی اور سپاٹ سے انداز میں بولی۔ ''میں نے آپ کو الیکشن جتوانا ہے' سر۔ اور اب آریانہ کو استعمال کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ اور پلیز..... جذباتی مت ہوں۔ سیاست میں جذبات کی کوئی جگہ نہیں ہے۔'' پھر نوٹ پیڈ کا لکھا ہوا صفحہ پھاڑ کے اس کے

سامنے رکھا۔

''انٹرویو کے پوائنٹرز! اور آئی ایم سوری اگر آپ کو میری کوئی بات بری لگی ہو۔''

''ظاہر ہے مجھے بری لگی ہے۔'' وہ برہمی سے بولا۔ ''تمہیں کیسا لگتا اگر میں تمہارے گھر پہ آ کے اس رات تمہارے شوہر کا ذکر سننے کے بعد یہ کہتا کہ تمہیں اس چیز کو استعمال کرنا چاہیے؟''

وہ تلخی سے مسکرائی۔ ''مجھے اپنے شوہر کے ذکر پہ اب نہ اچھا لگتا ہے نہ برا۔ کیونکہ وہ اب کسی دوسری عورت کی طرف مائل ہو چکا ہے اور میں بہت جلد اسے اس رشتے سے آزاد کر دوں گی۔''

اس کے انداز میں کچھ تھا کہ فاتح کے ماتھے کے بل غائب ہونے لگے البتہ اس نے کچھ کہے بغیر ناخوشی سے وہ کاغذ اٹھا لیا۔

باہر آ کے اس نے دونوں ہاتھوں سے پہلے تو کنپٹیاں دبائیں پھر سامنے دیکھا تو اس کی میز کے کونے پہ شہزادی تاشہ بیٹھی تھی۔ اپنا جامنی کامدار لباس پھول کی طرح پھیلائے' گھنگریالے بال دائیں کندھے پہ آگے ڈالے' ہیروں کا تاج سر پہ سجائے' وہ ناگواری سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم ان دونوں کو ساتھ دیکھ کے خوش بھی نہیں ہوتیں لیکن ان کے انٹرویوز بھی پلان کرتی رہتی ہو۔ تم کیا کر رہی ہو تالیہ؟'' شہزادی نے زچ ہو کے کہا تو وہ چپ چاپ کرسی پہ آ بیٹھی۔

(ہاں۔ نہیں ہوں میں خوش۔)

''تو کچھ کرو۔ ان دونوں کو دور کرنے کے لئے کچھ کرو۔'' شہزادی نے اکسایا۔

''پیاری شہزادی تاشہ.....'' اس نے سیٹ سے ٹیک لگا دی اور ایک قلم دونوں انگلیوں میں گھمانے لگی۔ ''میں ایک خوش باش لڑکی ہوا کرتی تھی جو اپنی مرضی سے جیتی تھی اور اپنا مطلب نکالنا جانتی تھی۔ مجھے جو چاہیے ہوتا تھا وہ میں ہر قیمت پہ حاصل کر لیتی تھی۔ Cat burglar بن کے دروازے کے نیچے سے گھس جاتی یا grifter بن کے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے چکما دے ڈالتی۔ لیکن پھر میرے ساتھ ایک حادثہ ہو گیا۔''

''وقت نے تمہارے ساتھ دھوکہ کر دیا۔ ہے نا؟'' شہزادی افسوس سے بولی۔

''نہیں۔ حادثہ یہ نہیں تھا کہ وقت نے مجھ سے فاتح کو چھین لیا۔ حادثہ یہ تھا کہ میرے اندر 'غلط' اور 'صحیح' کی پہچان پیدا ہو گئی۔ اور یہ ایک بہت بھاری طوق ہے جو میری گردن میں پڑ گیا ہے۔ میں تمہارے زریں اقوال پہ عمل نہیں کر سکتی کیونکہ اب مجھے 'غلط' اور 'درست' کا فرق معلوم ہے۔ میں اگر اب غلط کام کروں گی تو میری اپنی نظروں میں کوئی عزت نہیں ہو گی' تاشہ۔ کچھ تو ہو میری شخصیت میں جو تالیہ کو تالیہ کی عزت کرنے پہ مجبور کرے۔ کوئی تو بات ہو جس کے باعث تالیہ فخر سے کہا کرے' کہ تالیہ ایسی نہیں ہے۔ اگر میں بھی ورک پلیس پہ رشتے قائم کرنے لگ جاؤں گی تو میرے اور ایمان موئی میں کیا فرق رہے گا؟''

اور اندر جاری جنگ اس لمحے بالکل خاموش ہو گئی۔

اس کی نظروں کے سامنے وہ خوبصورت شاہانہ سی شہزادی ریت کا ڈھیر بن گئی۔

اس کے ناخوش دل کو بالآخر سکون مل گیا تھا۔

دستک ہوئی تو وہ چونکی۔ اشعر چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس وہ سارے دن کے کام سے اب فارغ ہوا تھا البتہ اس کا بلاوا ملتے ہی فوراً آ گیا تھا۔

''آپ نے ٹیکسٹ کیا تھا کہ آپ کے پاس کیمپین کے لئے ایک پلان ہے۔'' وہ اس کی میز کے سامنے آ رکا۔ تالیہ ابھی تک سیٹ کی پشت سے نڈھال سی ٹیک لگائے ہوئے تھی' اس سوال پہ سیدھی ہوئی اور مسکرائی۔

''جب ٹیکسٹ کیا تھا تو اتنی تھکی ہوئی نہیں تھی کہ بتانے کی ہمت نہ کر سکوں۔''

''اوہ آپ کو بریفنگ نے تھکا ڈالا ہے۔ یوں کرتے ہیں' میں آپ کے لئے کافی لاتا ہوں اور ہم پھر پلان ڈسکس کرتے ہیں۔'' وہ خوش دلی سے بولا تو تالیہ مسکرا دی۔

''شیور!'' اشعر بھی مسکرایا اور مڑ گیا۔ پھر لمحے بھر کو رکا۔

ایک تاسف سا تھا جو اس کے چہرے پہ ابھرا تھا۔

(کیا میں نے جلدی کر دی؟ مگر نہیں۔ میرا یہ عمل بے ضرر ہے۔ اور میں نے یہ سب اپنی بدنیتی کی وجہ سے نہیں کیا۔ جس کے کہنے پہ کیا ہے' اگر کچھ غلط ہوا تو اس کی ذمہ داری ''اس'' پہ ہو گی۔ لیکن کیا غلط ہو سکتا ہے بھلا؟ تالیہ ایک سوشلائیٹ ہے۔ اس کے خلاف کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔ وہ یہاں کام کرتی رہے گی۔ کچھ نہیں ہو گا اسے۔)

خود کو مطمئن کرنے کے لئے تسلی دی اور آگے بڑھ گیا۔

☆☆=========☆☆

فہمی بن سلام ہوٹل کے کمرے میں کھڑا تھا۔ بیگ بیڈ پہ کھلا رکھا تھا اور وہ سست روی سے اس میں سامان ڈال رہا تھا جب گھنٹی بجی۔ اس نے شرٹ قریباً گول مول کر کے پھینکی اور دروازے تک آیا۔ سوراخ سے جھانکا تو گہری سانس حلق سے خارج ہوئی۔ دانت کچکچائے اور دروازہ کھولا۔

''تم نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔''

برہمی سے سامنے کھڑے ایڈم کو دیکھا تو ایڈم نے جلدی سے ایک فریم اوپر کر کے دکھایا۔ ''یہ فریم اچھا ہے؟''

فہمی رک گیا۔ اس بھورے فریم میں اس کے بچپن کی وہی تصویر لگی تھی جو وہ اس دن لئے پھر رہا تھا۔

''یہ تمہیں کہاں سے ملی؟'' مشکوک انداز میں پوچھا۔

''آپ کے فیس بک سے۔'' سادہ سے جواب آیا۔ ''اب میں اندر آجاؤں؟''

فہمی نے ہلکا سا سر جھٹکا اور کندھے اچکائے۔ ''پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس۔'' اور راستہ چھوڑ دیا۔ ایڈم نے فریم اسے دیا اور خود اندر چلا آیا۔ فریم واقعی بہت خوبصورت اور سادہ تھا۔ اس کے ماں باپ جیسا۔

فہمی دروازہ بند کرنے لگا تھا جب ایک بھاری بھر کم گھنگریالے بالوں والی ہوٹل میڈ ٹرالی دھکیلتی لے آئی۔

''سر.... آپ نے کھانا آرڈر کیا تھا۔'' یونیفارم میں ملبوس داتن نے معصومیت سے کہا تو فہمی نے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

''میں نے کہا تھا گھنٹے تک لانا۔ خیر۔ آجاؤ۔''

کمرے میں سامنے سٹنگ ایریا بنا تھا جہاں ایک صوفے پہ ایڈم بیٹھ چکا تھا۔ داتن اور اس نے نظر نہیں ملائی۔ وہ بس ٹرالی میز تک لے آئی اور سست روی سے برتن نکالنے لگی۔

''جلدی بولو۔ کیا کہنا ہے۔'' فہمی اس کے دائیں ہاتھ صوفے پہ آ کے بیٹھا اور سنجیدگی سے بولا۔ اس کے انداز میں عجلت تھی۔ بیڈ پہ کھلا رکھا بیگ اس بات کا غماز تھا کہ وہ واپس جانے کی تیاری میں تھا۔

''مجھے صرف ایک فیچر اسٹوری ہی تو لکھنی ہے' فہمی بھائی۔ اگر آپ مجھے کوئی Insider's scoop دے دیں تو میں بھی آپ کے لئے کچھ کر سکتا ہوں۔''

''اچھا مثلاً کیا کرو گے تم میرے لیے؟''

''میں جانتا ہوں کہ آپ کے والدین اور آپ کی ناراضی .....''

''ناراضی چل رہی ہے اور اب تم کہو گے کہ تم ہماری صلح کروا سکتے ہو۔ اور پھر تم مجھے ایک لمبی Pep talk دو گے کیونکہ تمہارے خیال میں تمہاری ایمان افروز باتیں سن کے میں فوراً سے اچھا آدمی بن جاؤں گا۔ اور اپنی جاب چھوڑ کے اپنے والدین کو منا لوں گا۔ ساتھ میں تم یہ بھی کہو گے کہ تم میرے لئے میرے والدین سے بات کرنے کے لئے بھی تیار ہو۔ اور یوں میری مدد کے بدلے میں تم مجھے ایک پپی اینڈنگ دے دو گے۔ یہی کہنا ہے یا کچھ اور بھی؟''

ایڈم تو ایڈم' برتن لگاتی داتن کا منہ بھی کھل گیا۔ اس نے بے اختیار ایڈم کو دیکھا جس کا سارا لائحہ عمل اور تیار کردہ 'ایمان افروز' تقریر اس وکیل نے ایک چٹکی میں غارت کر دی تھی۔ ایڈم نے تقریر کرنا تھی اور داتن نے ساتھ میں کچھ لقمے دینے تھے لیکن وہ کوئی بہت دانا' بہت شاطر نوجوان تھا اور غالباً ایک نظر میں مقابل کو پڑھنا جانتا تھا۔

''میں....'' ایڈم نے تھوک نگلا۔ ''واقعی آپ کو ایک لمبی Pep talk دینے ہی آیا تھا۔ مگر....'' اور پھر وہ ٹھہر گیا۔ فہمی نے البتہ ہاتھ جھلایا

۔

''مجھے بالکل بھی کسی Pep talk کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا بہت شکریہ۔ اب تم جا سکتے ہو۔''

ایڈم خاموشی سے اٹھا اور 'سلام' کہہ کے میز کے سائیڈ سے اس طرف نکل آیا۔فہمی کے سامنے سے گزرا اور آگے بڑھا۔پھر رکا۔

''میں کہہ رہا تھا کہ میں ایک تقریر کرنے ہی آیا تھا مگر اندر آ کے میں نے بھاشن دینے کا ارادہ ترک کر دیا تھا فہمی صاحب کیونکہ مجھے سمجھ آ گیا تھا کہ یہ میری ''غلطی'' تھی۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے برق رفتاری سے جیب سے ٹیزر نکالا اور ایک دم پلٹ کے فہمی پہ جھپٹا۔فہمی اس کے لئے تیار نہ تھا۔ٹیزر کا شاٹ اسے لگا اور وہ بے دم ہو کے صوفے پہ ڈھیر ہو گیا۔

''ایڈم!'' داتن ٹرالی چھوڑ کے دو قدم پیچھے ہٹی۔منہ کھل گیا۔''یہ کیا کیا تم نے؟''

''یہ تھی میری غلطی' داتن۔'' وہ جھکا اور اس کے ہاتھ پیر سیدھے کرنے لگا۔''میں خزانے کے غار کی حفاظت کرنے والوں پہ ترس کھا لیتا تھا اور مجھے لگتا تھا کہ وہ میری ایک pep talk سے سیدھے راستے پہ آ جائیں گے۔مگر....لوگ سیدھے راستے پہ صرف تب آتے ہیں جب ان کے اندر سے آواز آتی ہے۔ہو سکتا ہے یہ شخص بھی ہدایت پا لے' اور برے کام چھوڑ دے مگر کم از کم ایک نشست میں یہ ممکن نہیں۔جو تیر میں اس وقت کموڈو ڈریگن پہ نہیں چلا سکا تھا' وہ آج میں نے چلا دیا۔دشمن پہ میدان جنگ میں ترس نہیں کھاتے۔بڑی فتوحات پانے کے لئے کبھی کبھی بے رحمی سے کام لینا پڑتا ہے۔''

اس نے فہمی کی جیب سے اس کا فون نکالا اور اسکرین روشن کی۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر تمہیں اس کا فون ہی چاہیے تھا تو وہ میں ایسے بھی چرا سکتی تھی۔''

''تو اس کا لاک کیسے کھولتیں اور آئی کلاؤڈ کا پاسورڈ کیسے بدلتیں؟'' ایڈم نے فاتحانہ مسکراہٹ سے اسے دیکھا اور پھر فہمی کے بے سدھ ہاتھ کا انگوٹھا آئی فون پہ لگایا۔فون کھل گیا۔اب وہ جلدی جلدی پاسورڈز تبدیل کر رہا تھا۔داتن دم بخود تھی۔

''جب یہ ہوش میں آئے گا تو اس کی فلائیٹ کا وقت قریب ہو گا۔یہ فون کے لئے رکے گا نہیں۔اگر رکا اور ہماری شکایت کی بھی سہی تو تب تک ہم ملاکہ سے نکل چکے ہوں گے۔'' وہ جلدی جلدی فون پہ انگلی پھیرتا ضروری تبدیلیاں کر رہا تھا۔

''فائینڈ مائی آئی فون آف کر دیا ہے۔آئی کلاؤڈ میل سے آئی کلاؤڈ کا پاسورڈ بدل دیا ہے۔اس کی ورک ای میل بھی کھلی پڑی ہے۔گڈ۔اب اس کی میلز سے کچھ تو ملے گا جو میری فیچر اسٹوری کو چار چاند لگا سکے۔او کے اب بھاگیں۔'' فون جیب میں ڈالتا اٹھا تو داتن اسے ہنوز پوری آنکھیں پھیلا کے دیکھ رہی تھی۔

''تم یہ سب کیا کر رہے ہو؟''

''ایڈم بن محمد آج سے چور بن رہا ہے۔'' اس نے جیب میں رکھا چوری کا فون تھپتھپا کے محسوس کیا اور پھر تیزی سے دروازے کی طرف لپکا۔داتن نے جھرجھری لے کر ٹرالی سنبھالی۔اب وہ دونوں عجلت میں باہر نکل رہے تھے جبکہ فہمی صوفے پہ بے سدھ پڑا تھا۔

☆☆=========☆☆

اسٹوڈیو کے سارے کیمرے اس قطعے کی عکس بندی کر رہے تھے جہاں دو صوفے رکھے تھے۔ایک پہ فاتح اور عصرہ براجمان تھے اور ان کے سامنے سنگل صوفے پہ اینکر بیٹھا ہاتھ میں کارڈز اٹھائے سوال پوچھ رہا تھا۔

پسِ منظر میں پھیلی ساری دیوار اور فرش طوطے جیسے سبز رنگ کا تھا کیونکہ بعد میں کمپیوٹر پروگرامنگ کے ذریعے اس پہ کوئی منظر بنا دیا جاتا تھا۔عموماً تمام اسٹوڈیوز کی شوٹنگ ایسی سبز دیواروں میں ہوتی ہے اور اسکرین پہ بعد اپنی مرضی کا پسِ منظر چسپاں کر دیا جاتا ہے۔

ہر طرف ہرا رنگ کیمرہ مین کے عقب میں کھڑی تالیہ کی طبیعت پہ گراں گزر رہا تھا۔ ہرا فرش۔ ہری دیوار۔ اُف۔اس نے جھرجھری لی ۔وہ انٹرویو دیتے فاتح اور عصرہ کے عین سامنے کھڑے کیمرہ مین کے عقب میں کھڑی تھی۔ نیلی لمبی قمیض پہ چھوٹا سفید کوٹ پہنے ہوئے تھی جس کے آستین کہنیوں تک ختم ہو جاتے تھے' وہ سینے پہ بازو لپیٹے' تنقیدی نظروں سے جاری انٹرویو کو دیکھ رہی تھی۔

چونکہ وہ کیمرہ مین کے پیچھے تھی تو کیمرے کی اسکرین میں اسے جو لائیو نظر آ رہا تھا اس میں فاتح اور عصرہ کے عقب میں سبز دیوار کی جگہ ایک خوبصورت ساحل سمندر کا منظر بنا تھا۔نظر اٹھا کے اصل منظر دیکھو تو ہر طرف سبز دیواریں تھیں۔

ٹی وی اسکرین بھی کیسے دھوکے بُنتی رہتی ہے۔ ہوتا کیا ہے اور دکھایا کیا جاتا ہے۔

''تو آپ کو علم تھا آریانہ کے بارے میں؟'' دفعتاً اس نے آہستہ سے ساتھ کھڑے اشعر سے سرگوشی کی۔

اشعر بھی سوٹ کی بجائے جینز پہ نیلی شرٹ میں ملبوس تھا اور آستین پیچھے کو موڑ رکھے تھے۔ان دونوں کی نیلی شرٹس پہ کمپیئن کے نعرے اور لوگو وغیرہ پرنٹڈ تھے۔یوں وہ دونوں فیلڈ ڈے کے لحاظ سے تیار ایک جیسے لگ رہے تھے۔

''بالکل مجھے اور بابا کو علم تھا مگر ہمیں اس سے فرق نہیں پڑتا تھا۔'' وہ دھیرے سے بولا۔''آریانہ ہمارے لئے ہماری اپنی بیٹی ہی تھی۔ آبنگ اور کاکا سے میرے لاکھ جھگڑے ہو چکے ہیں' مگر آریانہ کی محبت میرے دل سے کوئی کم نہیں کر سکتا۔''

تالیہ نے نظریں موڑ کے بس اسے دیکھا اور پھر واپس اپنے سیاسی کپل کو دیکھنے لگی۔(ایک لمحے کے لیے اسے لگا تھا کہ اگر آریانہ کو صوفیہ نے نہیں مروایا تو شاید اشعر نے...؟ مگر اب وہ کنفیوزڈ تھی۔ بظاہر ایسا لگتا تو نہیں تھا۔ کیا معلوم وہ صرف ایک حادثہ ہو؟)

وان فاتح گرے سوٹ ٹائی میں تک سک سے تیار ہمیشہ کی طرح باوقار لگ رہا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے اس نے ایک بازو صوفے کی پشت پہ پھیلا رکھا تھا۔عصرہ سر پہ اسٹول اوڑھے زمرد رنگ کے باجو کرنگ میں ملبوس تھی۔ اس کے بھوری بالوں کی لٹ گال کو چھو رہی تھی اور دوپٹے کے ہالے میں کانوں میں دمکتے سبز رنگ کے ٹاپس دکھائی دے رہے تھے۔

''اور آپ آریانہ کی کمی تو محسوس کرتی ہوں گی۔'' اینکر آگے ہو کے بیٹھا بڑی دلجمعی سے پوچھ رہا تھا۔فاتح نے جواباً عصرہ کو دیکھا۔عصرہ کی نگاہیں جھکیں پھر دوبارہ پلکیں اٹھائیں تو آنکھوں کے گوشے بھیگے تھے البتہ لبوں پہ اداس مسکراہٹ تھی۔

''آریانہ کو تو سارا ملائیشیا مس کرتا ہے' موحد۔ مگر یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ آریانہ ہماری سگی بیٹی نہیں تھی۔''

اینکر موحد کو دھچکا سا لگا۔ ایک دم سیدھا ہوا۔''جی؟''

"یہ درست ہے۔" فاتح نے بڑے وقار سے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "آریانہ ہماری ایڈاپٹڈ بیٹی تھی۔ تفصیل میں جانا تکلیف دہ ہو گا۔ البتہ اس کے اصلی ماں باپ اس کو رکھنے کو تیار نہیں تھے تو میں نے اس کی ذمہ داری لی تھی۔"

"مگر یہ بات سچ ہے کہ...." عصرہ چہرہ موڑ کے فاتح کو دیکھ کے کہنے لگی۔ "ہمیں کبھی نہیں لگا کہ وہ ہماری سگی بیٹی نہیں ہے۔ بلکہ اس نے تو ہم سب کو جوڑ کے رکھا تھا۔"

کیمرہ مین کے عقب میں کھڑی تالیہ نے سیل فون کی اسکرین اشعر کو دکھائی۔

"یہ لائیو ریٹنگز آ رہی ہیں۔ چیک کریں ایش۔ انٹرویو ہٹ جا رہا ہے۔"

"گاڈ....لوگوں کے کمنٹس تو دیکھو۔" وہ دھیمی آواز میں کہتا اسکرین کو دیکھتا سر دھن رہا تھا۔ پچھلے پندرہ منٹ سے وہ آریانہ کے بارے میں بات کر رہے تھے اور اس کا فیڈ بیک ملنا شروع ہو چکا تھا۔

ادھر فاتح کہہ رہا تھا۔

"مجھے بڑا افسوس ہوا جب صوفیہ رحمٰن نے میری چیف آف اسٹاف کے ذریعے مجھے پیغام بھجوایا کہ وہ جانتی ہیں آریانہ میری بیٹی نہیں تھی۔" وہ بنا کسی جھجک کے کہہ رہا تھا۔ "میں صوفیہ کو آن ایئر بتانا چاہتا ہوں کہ بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔ میری بیٹی کی ولدیت کو میرے خلاف استعمال کر کے اگر انہیں خوشی ملتی ہے تو شوق سے کریں مگر ہمیں ٹھوس اطلاعات ملی تھیں کہ اس روز...." اس نے ایک تکلیف دہ وقفہ دیا۔ اسکرین پہ صرف اس کا چہرہ دکھایا جا رہا تھا۔ آنکھوں کی تکلیف چہرے کا وقار اور صبر۔

"اس روز آریانہ کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ عصرہ اور میں ابھی تک یہ دل سے تسلیم نہیں کر سکے مگر اکثر لوگوں کا خیال یہی ہے۔ بہر حال اگر میری بیٹی مر چکی ہے تو صوفیہ صاحبہ کو کوئی حق نہیں ہے کہ ایک مری ہوئی بچی کو زندہ لوگوں کے مسئلوں میں گھسیٹیں۔ آپ مجھ سے سیاست میں مقابلہ کریں۔ یوں ذاتیات پہ نہ اتریں۔"

پہلی دفعہ اس نے لائیو ٹی وی پہ اس بات کو قبول کیا تھا کہ اس کی بیٹی مر چکی ہے۔

"فاتح صاحب یہ بہت بڑا الزام ہے۔" اینکر دم بخود تھا۔ "آپ کہہ رہے ہیں کہ وزیر اعظم صاحبہ نے آپ کو آریانہ کی ولدیت کے معاملے کو اچھالنے کی دھمکی دی ہے۔ یہ ایک انتہائی غیر اخلاقی فعل ہے اگر پردھان منتری نے ایسا کیا بھی ہے تو۔ بچہ ایڈاپٹ کرنا گناہ نہیں ہے اور اب تو وہ بچی اس دنیا میں بھی نہیں رہی۔" اینکر نے مذمت کرنے کے ساتھ پھر تنبیہ کی۔ "کیا آپ اس الزام کو ثابت کر سکیں گے؟"

"مجھے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس وقت ریکارڈر لے کر تو نہیں بیٹھا تھا جب میرے پاس یہ پیغام لایا گیا۔ آپ کو میری کریڈیبلٹی کو دیکھ کے خود فیصلہ کرنا ہو گا کہ میں سچ بول رہا ہوں یا جھوٹ۔" اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"میں..... یہاں ایک اضافہ کرنا چاہوں گی۔" عصرہ بڑے تحمل سے بولی تو اسکرین پہ اس کا چہرہ دکھائی دینے لگا۔ "صوفیہ رحمٰن خود بھی ماں ہیں۔ ان کی اپنی بھی بیٹیاں ہیں۔ فاتح یا میں نے کبھی ان کے بچوں کے بارے میں بات نہیں کی۔ ان کو یہ ہرٹ کرنے والے ریمارکس

دیتے وقت اللہ سے ڈرنا چاہیے تھا۔ وہ پہلے ہی ہمیں بہت تکلیف دے چکی ہیں۔''

وہ نرمی اور دل گرفتی سے کہہ رہی تھی۔

''آپ درست کہہ رہی ہیں۔ اگر واقعی وزیراعظم صاحبہ نے ایسا کہا ہے تو یہ قابلِ مذمت بات ہے۔ بچہ ایڈاپٹ کر کے اسے پالنا تو ایک عظیم فعل ہے۔'' اینکر پھر سے مذمت کرنے لگا۔

تالیہ نے اشعر کے قریب ہو کے سرگوشی کی۔''کہا تھا نا۔ یہ کام کرے گا۔ آئندہ ملکہ عالیہ آریانہ کا ذکر چھیڑنے کی بھی غلطی نہیں کریں گی۔''

اشعر مسکرایا۔''صوفیہ رحمٰن کو سوشل میڈیا پہ گالیاں پڑنے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔''

وہ دھیرے سے ہنس دی۔

اینکر نے بریک لی تو فون بجنے لگے۔ ساتھ ہی اسکرین پہ پٹی چلنے لگی کہ وزیراعظم کے ترجمان نے اس دعوے کی تردید کی ہے۔ صوفیہ رحمٰن چادر اور چار دیواری کے تقدس کا احترام کرنے والی خاتون ہیں اور وہ اس دعوے پہ فاتح رامزل کے خلاف کورٹ جانے کا سوچ رہی ہیں۔''

اینکر نے تردید پڑھ کے سنائی تو عصرہ نے بے اختیار فاتح کو دیکھا اور فاتح نے دور کھڑی تالیہ کو۔ تالیہ سپاٹ چہرے کے ساتھ اپنا فون نکالتی قریب آئی۔

''آپ کو کیا لگتا ہے سر؟ تالیہ جیسی فین گرل پہلی دفعہ وزیراعظم سے ملے گی اور اپنا کیمرہ آن نہیں رکھے گی؟ میرے پاس وہ کلپ موجود ہے اور آپ...'' بڑے سکون سے اینکر کو دیکھا۔''آپ بریک کے بعد اسے چلا سکتے ہیں۔ پورا ملک خود دیکھ لے گا کہ وہ کیا کہہ رہی تھیں۔''

سپاٹ چہرے کے ساتھ اس نے ادھر فقرہ مکمل کیا اور ادھر اینکر کا چہرہ خوشی اور جوش سے دمکنے لگا۔ عصرہ دم بخود تھی اور فاتح مسکرا دیا تھا۔ وہ اب ینکر کو وہ کلپ دے رہی تھی (جس میں صوفیہ کے دھمکانے والے دو فقرے مہارت سے ایڈیٹ کیے گئے تھے۔) اور وہ مسکرا کے فخر سے اپنی چیف آف اسٹاف کو دیکھ رہا تھا جس کی حاضر دماغی اور ان تھک محنت آج ان کے کتنا کام آ رہی تھی۔ یہ لڑکی جو سوشلائیٹ تھی اور آرام سے عیش پسند زندگی گزار سکتی تھی' آج سیاست کی بھول بھلیوں میں آستینیں چڑھائے اس کے ساتھ بھٹکتی پھر رہی تھی۔ اس کے راستے کے کانٹے چن رہی تھی۔ ہر طرف سے اس کی حفاظت کر رہی تھی۔

''تالیہ ایک gem ہے۔'' عصرہ نے ستائش سے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''اور مجھے خوشی ہے کہ تم عصرہ اس کو ہماری زندگیوں میں لائی ہو۔''

البتہ فاتح اور تالیہ نے صبح کی اس تلخ گفتگو کے بعد کوئی ایسی بات نہیں کی تھی۔ وہ اب سنجیدگی سے کام کر رہے تھے یوں جیسے صبح کچھ ہوا

ہی نہ ہو۔

واپسی پہ اشعر کار ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ سارا راستہ خوشی سے چہکتا آیا تھا۔ انٹرویو اور پھر وزیرِ اعظم کے منہ پہ طمانچہ مارتی ویڈیو ہٹ ہو چکی تھی۔ باریسن نیشنل کے ووٹرز کے توصیفی پیغامات سے سوشل میڈیا بھرا پڑا تھا۔ پولز کی ریٹنگز بھی مثبت آ رہی تھیں۔

فاتح اور عصرہ کو ان کے گھر اتارا تو تالیہ اتر کے باہر جانے لگی۔ اسے بس اسٹاپ تک جانا تھا مگر عصرہ نے روک لیا۔

''تالیہ.... ایک پینٹنگ خریدی ہے میں نے۔ اسے دیکھتی جاؤ۔'' وہ دوستانہ انداز میں بولی تو وہ انکار نہیں کر سکی۔ اس دن کے بعد آج پہلی دفعہ وہ دونوں یوں آمنے سامنے آئی تھیں اور تالیہ چاہ کے بھی اس روز کی تلخی کو بھلا نہیں سکی تھی۔

فاتح اور اشعر اپنے اپنے فونز سامنے کیے' تبصرے کرتے ڈرائینگ روم کی طرف چلے گئے اور عصرہ محمود اسے اپنے کچن میں لے آئی۔ تالیہ قدرے لیا دیا انداز اپنائے ہوئی تھی۔ چپ چپ سی۔ اس کا عصرہ سے خوش اخلاقی سے بات کرنے کا اس وقت کوئی موڈ نہیں تھا۔

''یہ دیکھو.... اچھی ہے نا۔'' عصرہ دیوار پہ آویزاں ایک قیمتی پینٹنگ دکھاتی خود ہی اس کی تاریخ بتانے لگی۔ وہ ہوں ہاں کر کے سنے گئی۔

''مجھے تمہارا شکریہ بھی ادا کرنا تھا۔'' عصرہ اس کی طرف پلٹی اور گہری سانس لے کر کہنے لگی۔ اسٹول ابھی تک سر پہ تھا اور سادہ چہرے کے دونوں طرف ٹاپس دمک رہے تھے۔ ''تالیہ تم نے ہمارا بہت ساتھ دیا ہے۔''

''یہ میری جاب ہے مسز عصرہ۔'' وہ ہنوز سپاٹ تھی۔ بس یہ بات ختم ہو اور وہ وہاں سے بھاگ جائے۔

''مگر تم نے جاب سے بڑھ کے کیا ہے۔ میں تمہارے ساتھ درمیان میں تلخ ہو گئی تھی۔'' عصرہ کی نگاہیں جھک گئیں۔ ''میری ان سیکیورٹی کہہ لو یا کیا.... میں بہت خوف میں تھی۔ ہر چیز چھن جانے کا خوف۔ فاتح.... جولیانہ.... سکندر.... یوں لگتا تھا سب کو کھو دوں گی مگر آریانہ کی حقیقت معلوم ہوئی تو....'' اس نے مسکرا کے پلکیں اٹھائیں تو وہ بھیگ رہی تھیں۔ ''تو میں نے اپنے سب سے بڑے خوف کو فیس کر لیا۔ تالیہ یقین کرو۔ وہ میرے لئے ایک watershed moment تھا۔ اور اب میں اپنے رویے کا ازالہ کرنا چاہتی ہوں۔''

''مسز عصرہ میرے اور آپ کے تعلقات ہمیشہ درست رہے ہیں۔ مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ باقی یہ آپ کا اور فاتح صاحب کا معاملہ ہے۔ سوری لیکن میں اس میں نہیں پڑنا چاہتی۔'' وہ اسی رکھائی سے بولی تو عصرہ پہ جیسے اوس پڑ گئی۔ پھر اس نے گہری سانس بھری۔

''بس میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔'' وہ دھیما سا بولی تو تالیہ کو اپنے لہجے کی خشکی کا احساس ہوا۔ زبردستی مسکرائی اور عصرہ کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''میں نے کہا نا' میں اپنی جاب کر رہی ہوں۔ آپ کی وجہ سے تو ملی ہے مجھے یہ جاب۔''

''او کے!'' عصرہ پورے دل سے مسکرائی۔ پھر گھڑی کو دیکھا۔ ''کھانا کھا کے جانا۔''

''میں رات کو کھانا نہیں کھاتی۔ کاربز تو بالکل نہیں لیتی۔''

"تو پھل کھا لو نا۔" اس نے اصرار کیا۔ مگر تالیہ سے مزید خوش اخلاقی نہیں دکھائی جارہی تھی۔

"مجھے گھر جانا ہے۔ جلدی ہے۔" وہ چند فقروں میں جان چھڑا کے باہر آئی تو چہرے کے زاویے بگڑے ہوئے تھے۔

(استاد ل تو مار دیا ہے اپنا..... دونوں کی صلح بھی کروادی ہے۔ اب اس کی پہلی بیوی سے ہنس ہنس کے باتیں کروں، یہ مجھ سے نہیں ہوگا ۔تالیہ مراد کو دوستوں کی کمی نہیں ہے جو اسے عصرہ سے دوستی نبھانی پڑے۔ ہونہہ)

اس گھر میں مزید رکنا اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا ۔ یہاں فاتح کی فیملی کی ساری نشانیاں تھیں۔ اس کے بچے.... بیوی.... تصویریں۔ اور وہ اس فیملی کا حصہ نہیں تھی۔ دل بار بار کٹنے لگتا تھا۔

"تالیہ۔" اشعر نے اسے تب پکارا جب وہ گیٹ سے باہر نکل رہی تھی۔ وہ تحمل سے پلٹی۔

"جی ایش؟"

"آبنگ اس وقت خوش ہیں اور اتنی خوشی ان سے عموماً غلط فیصلے کرواتی ہے۔" وہ سوچنے والے انداز میں کہتا قریب آیا تو وہ چونکی۔

"وہ کیا کرنے کا سوچ رہے ہیں؟"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم مگر میرا اندازہ ہے کہ کل وہ شاید بغیر کسی اطلاع کے عوام کے درمیان جانا چاہیں گے۔ کسی ریستوران، کسی اسٹال پہ لوگوں سے جا کے بات کرنا چاہیں گے۔"

"ہرگز نہیں۔" وہ تیزی سے بولی۔ "ہم کبھی بھی اپنے امیدوار کو بغیر تیاری کے یوں پبلک میں نہیں بھیج سکتے۔"

"وہی تو میں سوچ رہا ہوں۔ مگر میں آبنگ کو جانتا ہوں۔ ان کو مصنوعی Photo-ops نہیں پسند۔ وہ قدرتی قسم کا فوٹو آپ کرنا چاہیں گے۔"

"نہیں اشعر۔ ہرگز نہیں۔ یوں چیزیں کنٹرول سے نکل جاتی ہیں۔ ایسے وہ اگر کسی بھی ریستوران میں گھس گئے تو ہمیں کیا معلوم سامنے صوفیہ کے ووٹرز بیٹھے ہوں۔ "فوٹو آپ" کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ پروٹوکول ہوتا ہے۔ ہمیں اپنی مرضی کی جگہ تیار کرنی ہوگی۔"

"تو پھر ایک کام کرتے ہیں۔" وہ تھوڑی کھجاتے ہوئے سوچ سوچ کے بول رہا تھا تو وہ دھیان سے سننے لگی۔

☆☆=========☆☆

اگلی صبح معمول کے مطابق اشعر فاتح کی کار ڈرائیو کر رہا تھا اور تالیہ فرنٹ سیٹ پہ براجمان اپنے موبائل پہ لگی تھی۔ سنہرے بالوں کو جوڑے میں باندھے، سیاہ کوٹ اور اسکرٹ پہنے، اس نے فلیگ پن کوٹ کے اوپر لگا رکھی تھی۔ فاتح پچھلی سیٹ پہ بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ عینک ناک پہ جمی تھی اور ابرو ستائشی انداز میں اٹھے تھے۔

"تاشہ.... تم نے اس لڑکی ایمان کو بالکل تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔" وہ خبر پڑھتے ہوئے بولا تو تالیہ نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

"یقین کریں ایک عورت کو تباہ کر کے مجھے خوشی نہیں ہوئی مگر میدانِ جنگ میں بے رحمی دکھانی پڑتی ہے۔"

''کیوں نا ہم....'' فاتح نے مسکراتے ہوئے چہرہ اٹھایا۔ ''اس کو استعمال کریں؟''

اشعر اور تالیہ نے ایک خاموش نگاہ کا تبادلہ کیا پھر وہ دوبارہ مڑ کے اچنبھے سے فاتح کو دیکھنے لگی۔

''ہراس منٹ ایشو کو؟ مگر کیسے؟''

''بی این کے ڈھائی لاکھ ووٹرز ہیں۔ ان میں سے ڈیڑھ لاکھ عورتیں اور ٹین ایجرز ہیں۔''

''جی سر...تو؟'' وہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔

''اور ان سب کو کبھی نہ کبھی ہراس منٹ فیس کرنی پڑی ہوگی۔ اگر میں اس ایشو کو اپنی کیمپئین کا منشور بنا لوں تو عورتیں ہم سے ریلیٹ کر سکیں گی۔ ہم ایمان کی گیم کو اپنے لئے استعمال کر لیتے ہیں۔'' وہ طے کر چکا تھا اور اب مطمئن سا مسکرا کے ان کو اطلاع دے رہا تھا۔

''اچھا خیال ہے، آ بنگ۔'' اشعر کھنکھارا۔ ''شام میں آپ انٹرویو دیتے ہوئے اس بات کو.....''

''اونہوں۔ انٹرویو بورنگ ہوتے ہیں۔'' اس نے کھڑکی سے باہر کھلی سڑک کو دیکھا۔ ''مجھے یہ بات پبلک میں کرنی چاہیے۔''

اشعر نے نظریں میڑھی کر کے تالیہ کو دیکھا اور مسکراہٹ دبائی۔ اس نے البتہ چہرہ سنجیدہ بنائے فوراً ٹوکا۔

''سر....ہم یوں پبلک میں نہیں جا سکتے۔ ''فوٹو آپ'' کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ لوکیشن ہماری مرضی کی ہونی چاہیے۔ اور....''

''تاشہ پلیز۔ مجھے اپنے عوام میں جانے کے لئے اتنے تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ ادھر کہیں کار روک دو۔'' وہ بے زار ہوا تو تالیہ اور اشعر نے ایک خاموش نظر کا تبادلہ کیا۔

''اوکے سر....پھر کسی مال میں چلتے ہیں۔ وہاں سیکیورٹی بہتر ہوگی۔ یہاں سے رائٹ لے لیں ایش۔'' وہ بظاہر ہار مانتے ہوئے بولی۔

کچھ دیر بعد وہ ایک مال میں موجود تھے۔ گراؤنڈ فلور کا فرش شیشے کی طرح چمک رہا تھا اور گردن اٹھا کے دیکھو تو اوپر تک کئی فلورز اور ان کی گیلیریز دکھائی دیتی تھیں۔

کارنر میں ایک چائے کا اسٹال لگا تھا جس میں ایک اسکارف والی معمر عورت چولہے پہ کھڑی تھی اور ساتھ ایک ہیلپر لڑکا موجود تھا۔ اسٹال کے دوسری طرف چند اسٹول رکھے تھے جو چائے پینے والوں کے لئے تھے۔ ایک اسٹول پہ وان فاتح بیٹھا تھا اور ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔ آستینیں لاپرواہی سے موڑے، کوٹ ندارد، ٹائی ڈھیلی کیے وہ آرام دہ سا بیٹھا مسکرا کے اردگرد جمع ہوئے لوگوں کو سن رہا تھا۔

توقع کے مطابق تھوڑی ہی دیر میں ہجوم سا اردگرد اکٹھا ہو گیا تھا۔ لوگ موبائل اٹھائے تصاویر اور ویڈیوز بنا رہے تھے۔ دو تین رپورٹرز بھی پہنچ گئے تھے اور ہجوم میں آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ تالیہ اور اشعر ذرا فاصلے پہ کھڑے تسلی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''چائے کا اسٹال؟ یو شیور ہے تالیہ یہ ٹھیک رہے گا؟''

''ڈونٹ وری۔ اس عورت کو کل سے معلوم تھا کہ وان فاتح یہیں آئیں گے۔ ہجوم بھی ہماری مرضی کا اکٹھا کیا گیا ہے۔ کوئی بھی شخص غیر متوقع بات نہیں پوچھے گا۔ کافی پیسے لگائے ہیں میں نے۔'' وہ مسکرا کے بولی تھی۔ ''مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ ہراس منٹ ایشو پہ بات کرنا

چاہتے ہیں لیکن یہ لوگ اپنے ہی ہیں۔''

''گڈ۔'' وہ مطمئن ہوگیا۔

''تو خاتون مجھے بتائیے.....'' فاتح کہنی اسٹال کے کاؤنٹر پہ رکھے' دلچسپی سے بوڑھی عورت سے پوچھ رہا تھا۔ ''آپ کو کبھی ہراس منٹ کا سامنا کرنا پڑا ہے؟''

''اب تو میری عمر نہیں ہراس منٹ والی....'' خاتون نے گہری سانس لے کر کہا تو سارے میں قہقہہ گونج اٹھا۔ ''مگر ہراس منٹ تو ہوتی ہے فاتح صاحب۔ ہر جگہ ہوتی ہے۔ سڑکوں پہ ہمارے ملک میں کم ہوتی ہے مگر آفسز میں تو لازمی ہوتی ہے۔ بھئی سچ تو سچ ہے۔''

''ہاں تو لڑکیاں اگر اسکارف کے نیچے کھلے کپڑے پہنیں تو انہیں کوئی تنگ نہ کرے۔'' ہجوم میں سے کسی نوجوان نے کہا تو فاتح نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''تو تمہارے خیال میں اسکارف' اسکارف نہیں ہوتا بلکہ ایف سولہ طیارہ ہوتا ہے جو ہر حملہ آور کو روک سکتا ہے؟'' اس نے اس لڑکے کو مخاطب کر کے پوچھا۔

''کیا ہراس منٹ اسی لیے نہیں ہوتی سر کہ عورتیں خود کو ٹھیک سے نہیں ڈھانپتیں؟'' لڑکا ذرا کنفیوژ ہوگیا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے ایک دلچسپ تحقیق ہوئی تھی جس میں ریپ شدہ خواتین اور بچیوں کے وہ لباس اکٹھے کیے گئے جو انہوں نے ریپ کے وقت پہن رکھے تھے۔''

وہ اپنے اردگرد دائرہ صورت اکٹھے لوگوں سے کہہ رہا تھا۔ ساتھ ہی کاؤنٹر پہ رکھی چائے کی پیالی کے کناروں پہ انگلی بھی پھیر رہا تھا۔ دور کھڑی تالیہ اس انداز کو پہچانتی تھی۔ وہ جیا میں کھڑے چائے کی پیالی تھامے فاتح رامزل کو پہچانتی تھی۔

''اور جانتے ہو سب کے لباس مختلف تھے۔ کسی کا پورا لباس تھا' کسی کا کھلا' کسی کا تنگ تو کسی کا چھوٹا۔ اس لئے صرف لباس کو الزام دینا چھوڑ دو۔ لباس وہاں میٹر کرتا ہے جہاں عورتوں مردوں کا روز کا بیٹھنا ہو' اور خواتین اپنے نازیبا لباس سے کسی کو متوجہ کریں۔ مگر روٹین میں بس میں سفر کرتی عورتیں' سڑک پہ گزرتی لڑکیاں' اسکول جاتی بچیاں۔ ان کے لباس سے قطع نظر ان کو چھیڑا جاتا ہے۔ عبایا حجاب والی بھی ریپ ہوتی ہے' اور آٹھ سال کی فراک والی بچی بھی۔ ذمہ دار کون ہے؟ کوئی مجھے یہ بتا سکتا ہے؟''

''کون ہے؟'' مجمع میں سے کسی نے دہرایا۔

''کچھ لوگ وکٹم کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ ضرور لڑکی نے کچھ کیا ہوگا۔ اسے وکٹم شیمنگ کہتے ہیں جو شدید قابلِ مذمت رویہ ہے۔ کچھ لباس کو' کچھ معاشرے میں پھیلی فلموں اور پورنوگرافی میٹریل کو جو مردوں کا اخلاق خراب کر رہا ہے۔ مگر میں ان سب کو غلط سمجھتا ہوں۔''

''وہ کیوں' سر؟''

''کیونکہ جب قتل ہوتا ہے تو آپ لوگ مقتول کو قصوروار ٹھہراتے ہو؟ کہ شاید مقتول کے لباس نے قاتل کو اکسایا ہو۔ یا شاید معاشرے

میں پھیلی تشدد انگیز ویڈیو گیمز نے قاتل کو ایسا بنایا ہو۔ نہیں نا۔ آپ قاتل کو قصور وار ٹھہراتے ہو۔ کیونکہ 'قاتل' خود گنا ہگار ہوتا ہے۔ اسی معاشرے میں باقی ہم سب بھی رہتے ہیں۔ سب تو قاتل نہیں بنتے۔ سب تو کسی کو مارنے نہیں کرنے لگ جاتے۔ ہاں تشدد انگیز ویڈیو گیمز اور فلمیں اچھی نہیں ہوتیں مگر ہر ایک تو ان کے باعث قاتل نہیں بن جاتا نا۔ ایسے ہی اچھے برے لباس سب پہنتے ہیں۔ ہم میں سے ہر مرد تو عورتوں کو ہراس نہیں کرنے لگ جاتا۔ ایسے میں قصوروار کون ہوا؟ صرف وہ مرد جو ہراس کر رہا ہے۔ صرف وہ مرد۔ وہی قصور وار ہے۔ مذمت اس کی کرنی چاہیے۔ وکٹم کے لباس کو وجہ بنا کے ہراسر کے عمل کو جسٹفائی نہیں کرنا چاہیے۔ ہم قتل کو جسٹفائی نہیں کرتے تو ہراس منٹ کو کیوں کرتے ہیں؟ ایک بچی ریپ ہوتی ہے تو لوگ ماں باپ سے لے کر بچی کے لباس تک کو پہلے تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ غلط رویہ ہے۔ گنا ہگار کو الزام دینے کی عادت ڈالیں۔ وکٹم کو نہیں۔ آپ لوگوں کو اس کے بارے میں سوچنا ہوگا۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا تو گھونٹ بھر کے جیسے مزہ نہیں آیا۔ ''یہ ٹھنڈی ہوگئی۔'' کپ نیچے کیا تو ایک لڑکی نے مجمع میں سے سر نکال کے طنزیہ سا پکارا۔

''فاتح صاحب آپ تو یوں کہہ رہے ہیں جیسے اکثر ان چائے اسٹالز پہ آتے ہوں؟ آپ کو تو آپ کے ذاتی گارڈز ہاتھ میں چائے کافی لا دیتے ہیں۔ یہاں تو عام لوگ آتے ہیں' سر۔ آپ تو صرف فوٹو آپ کے لئے آئے ہیں۔''

لڑکی کی آواز اونچی تھی۔ مجمع سے ہٹ کے کھڑی تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ وہ الرٹ سی سیدھی ہوئی۔ اشعر نے بھی چونک کے اسے دیکھا۔ ''ہمارے مخالف اخبار کے رپورٹرز کو نہیں ہونا تھا یہاں۔ اس کو میں جانتا ہوں۔ یہ مخالف ہے۔''

''خبر پھیل گئی ہوگی۔ اب کیا کریں۔'' وہ بھی پریشان ہوگئی۔ بھرے مجمع میں بدمزگی کسی صورت قابلِ قبول نہیں تھی۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' اشعر آگے بڑھنے لگا تو تالیہ نے روکا۔

''ایک منٹ۔ ان کو خود سنبھالنے دو۔''

اسٹول پہ بیٹھے فاتح نے لڑکی کے طنز کے جواب میں مسکرا کے سر جھٹکا اور دلچسپی سے اسے دیکھا۔ ''تو آپ کا خیال ہے وان فاتح ایک شاہانہ زندگی گزارنے والا آدمی ہے جسے عام لوگوں کے مسائل کا علم نہیں ہے؟''

''سر میرا خیال ہے کہ آپ صرف فوٹو آپ کر رہے ہیں۔ کیمپئین Stunt۔ اگر آپ کو عام لوگوں کے مسائل کا علم ہوتا تو آپ روزانہ ایسے چائے اور سوپ کے اسٹالز پہ آتے اور لوگوں کے مسائل سنتے۔'' رپورٹر بہت پکی تھی اور اعتماد سے بول رہی تھی۔ تالیہ نے غصے بھری بے بسی سے مٹھی بھینچی مگر وہ اس وقت کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

''اگر اللہ نے مجھے پچاس گھنٹے کا دن دیا ہوتا تو میں روز کے دو گھنٹے ایسے ہی کاموں میں گزارتا لیکن اگر میرا سارا دن پارٹی امور سنبھالنے میں گزر جاتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں آپ لوگوں سے ریلیٹ نہیں کر سکتا۔''

مجمع خاموش ہوگیا تھا اور سب باری باری رپورٹر اور فاتح کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے ٹینس کورٹ میں گیند کو ایک کھلاڑی سے دوسرے تک

جاتے دیکھا جاتا ہے۔

''تو آپ مان لیں نا کہ آپ صرف ایک اسٹنٹ کرنے آئے ہیں یہاں' نہ کہ یہ عام سی چائے پینے۔ کیونکہ آپ کے ہاتھ میں پارلیمان جاتے ہوئے عموماً اسٹار بکس کا کافی گلاس ہوتا ہے' جس پہ باریسٹا آپ کے باڈی مین یا سیکرٹری کا نام لکھتا ہے۔ وہ بھی غلط سپلینگ کے ساتھ جس کا مطلب ہے کہ آپ اپنی کافی بھی خود نہیں خریدتے۔''

ساتھ ہی رپورٹر نے ایک استہزائیہ سا اشارہ اس کے ہاتھ میں پکڑی پیالی کی طرف کیا۔

وان فاتح کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ چہرہ سنجیدہ ہوا۔ آنکھیں چھوٹی کر کے رپورٹر کو دیکھا۔

''آپ یہ دعویٰ کر رہی ہیں کہ مجھے چائے کے بارے میں کچھ نہیں معلوم؟'' مڑ کے اسٹال کے چولہے کے پیچھے کھڑی معمر عورت کو پکارا۔ ''خاتون آپ ادھر آجائیے۔''

وہ آستینیں فولڈ کرتا اٹھا اور گھوم کے چولہے کی پچھلی طرف آیا۔ معمر عورت ہکا بکا رہ گئی۔ پیچھے تو ہٹ گئی مگر پریشان تھی۔ ''میں.... کر لیتی ہوں فاتح صاحب۔'' (یہ پلان کا حصہ نہیں تھا جو اسے بتایا گیا تھا۔)

''ایک چائے کے عاشق کو اپنے عشق کی توہین برداشت نہیں ہے' خاتون۔ یہاں مزید برتن رکھ دیں۔'' وہ برنر کے پیچھے آ کھڑا تھا' آستین اوپر چڑھائے ہتھیلیاں میز کے کناروں پہ رکھے مسکرا کے اس نے رپورٹر کو دیکھا۔ وہ بھی مسکرائی جیسے چیلنج دے رہی ہو کہ یہ ڈرامہ زیادہ دیر تک نہیں چلے گا۔

دائرہ صورت ہجوم میں دبی دبی پر جوش آوازیں گونجنے لگیں۔ لوگ مسکراتے ہوئے' چہکتے ہوئے ویڈیوز بنا رہے تھے۔ اشعر سے مزید برداشت نہ ہوا۔

''اب یہ stunt ختم کرنا پڑے گا۔ آبنگ خود کو embarass نہ کر دیں۔''

''نہیں رکو۔'' وہ بس اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ ''صرف چائے ہی تو ہے۔ وہ بنا لیں گے۔''

اشعر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''اول تو انہوں نے ساری زندگی چائے نہیں پی اور دوم' ان کو تو خود سے انڈا ابالنے کی بھی عادت نہیں ہے۔''

''ایش' جس شخص کے ہاتھ میں ہم پورا ملک دینا چاہتے ہیں' اس کے ہاتھ میں چند پتے اور پانی دینے سے ڈریں مت۔ اپنے لیڈر پہ بھروسہ رکھیں۔'' وہ گہری سانس لے کر سینے پہ بازو لپیٹے وہیں کھڑی دیکھنے لگی۔

فاتح اب ایک شیشی سے چند پتے نکال کے انگلیوں میں مسل کے ابلتے پانی میں پھینک رہا تھا۔

''سر' قہوہ تو ہر کوئی بنا لیتا ہے' لیکن....'' رپورٹر جو سامنے کھڑی تنقیدی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگی تھی' فاتح نے اسے ٹوک دیا۔

''یہ صرف قہوہ نہیں ہے۔'' اس نے چہرہ برتن پہ جھکا کے آنکھیں موندیں اور مہک دار سانس اندر اتاری' پھر سیدھا ہو کے بولا۔ ''یہ روسی بلینڈ ہے۔ سیاہ چینی چائے اور غالباً ہندوستانی پتی کا مکسچر۔ اس کو صبح کے وقت پیا جاتا ہے۔ البتہ یہ....'' دوسری شیشی کھولی' سونگھی' اور پھر چند پتے نکال کے دوسرے ابلتے پانی کے برتن میں پھینکے۔

''یہ سبز چینی چائے ہے اور اس میں چنبیلی کے پھول شامل کیے گئے ہیں۔ یہ شام کے وقت پی جاتی ہے۔ اور یہ.....''

وہ ایک ایک شیشی اٹھاتا' پتے نکال کے برتن میں جھونکتا اور دوسری شیشی اٹھا کے بتانے لگتا۔ ''یہ کشمیری چائے کا بلینڈ ہے۔ اس میں غالباً...'' رک کے پتوں کی مہک کو قریب کر کے سونگھا۔ ''غالباً بلیک پتی کی مختلف اقسام اور انڈین مصالحے ڈالے گئے ہیں' اور اس کو اس مقدار میں مکس کیا جاتا ہے جس میں قدیم نیپالی کیا کرتے تھے۔ اور ہماری رپورٹر کا خیال تھا کہ وان فاتح کو چائے کے بارے میں کچھ نہیں معلوم؟''

اس نے ساتھ ہی مسکرا کے تائیدی نظروں سے بڑھیا کو دیکھا جو منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر فوراً گڑبڑا کے سر ہلا دیا۔

''جی.... یہ رشین بلینڈ ہی تھی.... اور دوسری والی چنبیلی کی سبز چائے تھی اور تیسری نیپالی ریسیپی والی کشمیری چائے۔''

رپورٹر کی مسکراہٹ اب سمٹ چکی تھی البتہ اس نے بظاہر بے نیازی سے شانے اچکائے۔ لوگ پرجوش سے بولتے مسلسل تصویریں بنا رہے تھے۔

''اس کو بند کر دیں۔'' فاتح نے خاتون کو چولہے بند کرنے کا اشارہ کیا تو اس نے جلدی سے سوئچ آف کیا۔

''ہماری مہمان اب ہمیں بتائیں گی کہ انہیں چائے کیسی لگی۔'' اس نے بڑی سادگی سے چائے کو چینک میں انڈیلا اور پھر.... (بڑھیا نے جلدی سے شیشے کی پیالیاں ٹرے میں سجا کے سامنے کیں) وان فاتح نے چینک بلند کر کے پیالیاں بھرنی شروع کیں۔ سنہری سنہری سی دھار آبشار کی طرح اندر گرنے لگی۔ یہ سب بہت مانوس تھا اور اس کے ہاتھ یوں کام کر رہے تھے جیسے ان کو برسوں سے عادت ہو۔

''اگر مجھے ملک کی باگ دوڑ نہ سنبھالنی ہوتی خاتون....'' وہ لڑکی کو دیکھتے ہوئے چائے پیالیوں میں اتنی مہارت سے انڈیل رہا تھا کہ ایک قطرہ بھی نیچے نہ چھلکتا تھا۔ ہر پیالی میں گھونٹ بھر ڈال کے دھار اگلی میں چلی جاتی' پھر واپس پیچھے آتی۔ ساری پیالیاں ایک ساتھ بھری جا رہی تھیں اور لوگوں کی متحیر نظریں اس کرتب پہ جمی تھیں۔

''تو میں شیف بننے کو ترجیح دیتا۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ.....'' (ایک چینک رکھی اور دوسری اٹھا کے باقی کپ بھرنے لگا۔ بڑھیا ساتھ ساتھ کام کر رہی تھی۔) ''مجھے زیادہ بڑے مسئلے حل کرنے ہیں اور میرے پاس فوٹو آپس کے لئے ٹائم نہیں ہے مگر آپ کو.... (ایک پیالی اٹھا کے بازو بڑھا کے لڑکی کی طرف بڑھائی جس کے کندھے اور چہرے کے زاویے اب تک سیدھے ہو چکے تھے۔) کافی کی جگہ چائے پہ آ جانا چاہیے کیونکہ یہ زیادہ ری فریشنگ ہوتی ہے۔'' لوگ تالیاں بجانے لگے اور وہ مسکرا کے واپس سیدھا ہوا' پھر خاتون کو اشارہ کیا۔ وہ اور ان کے ورکرز اب لوگوں کو چائے سرو کرنے لگے تھے۔ رپورٹر لڑکی نے ہار ماننے والے انداز میں کندھے اچکائے' اور پیالی سے گھونٹ بھرا۔

''اچھی ہے مگر اب دیکھنا ہے کہ کیا آپ ملک بھی اتنا اچھا چلا سکتے ہیں یا نہیں۔''

''آپ مجھے موقع دیں۔ یہ وقت بتائے گا کہ وان فاتح کو کیا کیا کرنا آتا ہے۔ وقت سارے سوالوں کے جواب دے دیا کرتا ہے۔''

پھر وان فاتح نے صرف مسکرا کے مجمع کی طرف الوداعی انداز میں ہاتھ بلند کیا' پھر وہ مڑا تو گارڈز فوراً اس کی طرف بڑھے۔ وہ ان کی معیت میں چلتا اس جگہ تک آیا جہاں دم بخود کھڑا اشعر اور مطمئن سی تالیہ نظر آرہی تھی۔ اب فاتح کی مجمع کی طرف پشت تھی اور وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتے تھے اسی لئے اس کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی اور وہ قریب آتے ہی دبی آواز میں خود کو کوستے ہوئے بولا تھا۔

''یا اللہ.... آئیندہ بغیر تیاری کے کبھی فوٹو آپ نہیں کرنا۔ نیور۔'' جھرجھری لے کر وہ آگے بڑھا تو وہ مسکراہٹ دبائے پیچھے لپکی۔

''ریلیکس باس۔ آپ نے اچھا سنبھال لیا۔ بچت ہوگئی۔''

''آبنگ آپ کو چائے کے اتنے نام کیسے معلوم تھے؟'' اشعران کے ساتھ تیز تیز چلتا تعجب سے پوچھ رہا تھا۔

''شیشوں پہ Ingredients لکھے تھے یار۔ میں نے پڑھ لئے تھے۔''

''مگر سر آپ کا اعتماد یہ بتا رہا تھا کہ آپ ان خوشبوؤں کو پہچانتے تھے۔''

''اس میں کون سی راکٹ سائنس تھی؟ ہر کوئی پہچانتا ہے خوشبوؤں کو۔'' وہ بے پرواہی بھری خفگی سے بولتا تیز تیز چل رہا تھا۔ راہداری میں آگے بھی لوگ تھے تو چہرے پہ جبری مسکراہٹ سجالی تھی۔ ''مگر آئیندہ یہ خطرہ نہیں لینا۔''

تالیہ خود ہی خود مسکراتی ہوئی چل رہی تھی۔ اشعر ابھی تک حیران تھا البتہ فاتح نے انکھیوں سے اسے دیکھا تو ماتھے پہ بل پڑے۔

''تم اتنی خوش کیوں ہو؟''

بنداہارا کی بیٹی نے شانے اچکائے۔

''وان فاتح کو چائے بناتے دیکھنا ایک ایسا منظر ہے جو روز روز دیکھنے کو نہیں ملا کرتا۔''

اسے ہنسی آرہی تھی اور وہ بدقت اسے قابو کیے ہوئے تھی۔ چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

فاتح نے کچھ سخت سا بڑبڑا کے اسے ''تمیز سے چلنے'' کا کہا اور آگے چلتا گیا مگر تالیہ کے لبوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی تھی۔

اس نے اسی لئے چائے کے اسٹال کا انتخاب کیا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی۔

وہ ''چائے خانے'' میں لگے مجمع کو ''سنبھال'' سکتا تھا۔

☆☆==========☆☆

شام ہوئی تو بی این کے آفس کی شیشے کی کھڑکیوں کے باہر چھاتا اندھیرا واضح دکھائی دینے لگا۔ آفس کے سارے ہالز میں سفید بتیاں جل اٹھیں۔ اکثر لوگ چھٹی کر کے گھر جانے کی تیاری کرنے لگے۔ البتہ کچھ ذمہ دار افراد اپنے آفسز میں کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

ایسا ہی گلاس والز کا ایک بڑا سا آفس تھا جس میں ممبر پارلیمنٹ ادیب سوت اپنی پاور چیئر پہ بیٹھا کام کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا آفس

اس قطار میں تھا جہاں سارے آفسز شیشے کی دیواروں سے بنائے گئے تھے۔ سامنے راہداری تھی اور اس کے پار اسٹافرز کے کیبن بنے تھے۔

دروازہ کھلا اور تالیہ اندر داخل ہوئی تو ادیب نے سر اٹھایا' پھر مسکرایا اور عینک اتار کے رکھی۔

''آئیں' تالیہ۔ میں آپ ہی کا منتظر تھا۔ آپ نے ایمان کے کیس کو بہت اچھے سے ہینڈل کیا۔''

وہ مسکرادی اور سامنے آکھڑی ہوئی۔ لمبی سیاہ اسکرٹ پہ سفید منی کوٹ پہنے' وہ سر پہ سفید ہیٹ ترچھا جمائے ہوئے تھی۔

''آپ نے پوچھا تھا کہ اس نے آپ ہی کے ساتھ یہ کیوں کیا تو میرے پاس آپ کا جواب موجود ہے۔''

''اوہ گریٹ۔'' ادیب نے لیپ ٹاپ پرے دھکیلا اور دونوں ہاتھوں کو تھکاوٹ سے دباتے ٹیک لگائی۔ ''تو بتایئے... اس لڑکی نے مجھ پہ ہی الزام کیوں لگایا۔''

ہیٹ والی لڑکی چند لمحے مسکرا کے اسے دیکھتی رہی۔ پھر گردن دائیں بائیں گھمائی اور دوبارہ اسے دیکھا۔

''یہاں اور کوئی نہیں ہے' ادیب صاحب۔ آپ اپنی یہ آسکر وننگ اداکاری ترک کیوں نہیں کر دیتے؟''

نیم روشن آفس میں لمحے بھر کو سناٹا چھا گیا۔ پھر ادیب کے ماتھے پہ شکنیں ابھریں۔ ''ایکسکیوز می؟'' اچھنبے سے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا۔

''اوہ پلیز....'' اس نے بےزاری سے سر جھٹکا۔ ''ہم دونوں کو معلوم ہے اور پہلے دن سے معلوم ہے کہ ایمان سچ کہہ رہی تھی۔ آپ واقعی اس کو نازیبا ای میلز بھیجا کرتے تھے۔''

ادیب چند لمحے اس کو دلچسپی سے دیکھتا رہا' پھر مسکرایا۔

''چے تالیہ آپ کو شاید خود بھی نہیں معلوم کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔'' اس نے بڑے اطمینان سے کہا۔ وہ بالکل بھی پریشان نہیں تھا۔

''ہم دونوں کو معلوم ہے کہ ہم سب پہلے دن سے ہی اداکاری کرر ہے ہیں۔'' وہ طنزیہ مسکرا کے بتانے لگی۔ ''بلکہ صرف میں نہیں' وان فاتح بھی جانتے ہیں کہ آپ ایک ایسے predator ہیں جو ہر دوسری لڑکی کو ہراساں کرتا ہے۔ رہی آپ کی بیوی تو وہ بھی آپ کے سارے افیئر ز سے واقف ہے کیونکہ آپ دونوں ایک دوسرے سے سچ بولتے ہیں مگر وہ ٹھہری سیاسی بیوی۔ طاقت کے کھیل کے لئے بھرم رکھنے کی عادی ہے۔ اگر کسی کو نہیں معلوم تو پبلک کو نہیں معلوم کہ ایمان سچ کہہ رہی تھی۔''

''بہت خوبصورت الزامات لگا رہی ہیں آپ مجھ پہ۔'' ادیب محظوظ انداز میں مسکرا کے بولا۔ وہ ٹیک لگائے کرسی کو دائیں بائیں جھلا بھی رہا تھا۔ ''مگر ایک جھول ہے۔''

''اچھا جناب۔ وہ کیا؟'' تالیہ نے ہیٹ اتار کے میز پہ رکھا۔ وہ بدستور کھڑی تھی۔

''اگر میں نے واقعی ایمان کو نازیبا ای میلز بھیجی تھیں تو اس نے وہ پبلش کیوں نہیں کیں؟''

''کیونکہ اگر بات ای میلز پہ آتی تو فارنزکس تک چلی جاتی اور اس کو معلوم تھا کہ پھر اس کی آپ کو بھیجی ای میلز بھی سامنے آئیں گی اور وہ رسوا ہو جائے گی۔ کیونکہ میں پہلے دن سے کہتی آئی ہوں کہ ایمان کو کسی نے ہراس نہیں کیا۔ اس نے منیر الکلام کو ہراس کیا مگر خود.... ایمان کو....(جھجکی اور چبا چبا کے بولی)....کسی نے.... ہراس نہیں کیا۔ وہ اسی لئے آپ کی نازیبا ای میلز نہیں دکھا سکی کیونکہ آپ کے اور اس کے درمیان جو تھا وہ دونوں کی رضامندی سے تھا اور اسے ''افیئر'' کہتے ہیں۔''

''بہت خوب۔'' ادیب نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ ''وہ سچ بول رہی تھی پھر بھی آپ پورا ہفتہ میڈیا کے سامنے میرے کردار کی گواہی دیتی رہیں۔ آپ نے ایمان کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟''

''کیونکہ میں سیاسی ورکر ہوں ادیب صاحب اور سیاست اسی گند کا تو نام ہے۔ میں نے آپ کے کردار کی گواہی کہیں بھی نہیں دی۔ میں نے تو صرف ایک con کھیلا ہے۔ میں آپ سے توجہ ہٹانے کے لیے منیر الکلام کو لائم لائٹ میں لے آئی اور ایمان دفاع پہ اتر آئی۔ لوگ ایمان اور ادیب کو بھول کے ایمان اور منیر کی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ پارٹی لیڈر ہیں اور آپ کو بچانا ساری پارٹی کی مجبوری تھی۔''

''آپ پہلے کہاں تھیں؟ اتنی دیر سے کیوں ملیں آپ اس آفس کو؟''

''بس.... ذرا آپ کی کولیگ نے مسکرا کے بات کی تو آپ اتر آئے نا اپنے انداز پہ۔'' وہ ابھی تک استہزائیہ مسکرا رہی تھی۔ ''یونو ادیب صاحب میں نے ایمان کا ساتھ اس لئے نہیں دیا کیونکہ وہ اس مضبوط کردار کی نہیں تھی جس کی حامل لڑکیاں یہاں جاب کرتی ہیں۔ آپ نے اس کو نازیبا ای میلز بھیجیں، اور وہ پھسلتی چلی گئی۔ ہراس منٹ خاموشی سے برداشت کرنا بزدلی ہے۔ اس کے خلاف بول اٹھنا بہادری ہے۔ اور اس پہ راضی ہو جانا بدچلنی ہے۔ ایمان نے تیسرا راستہ چنا اس لئے ہم نے وہی کیا جو اپنی پارٹی کے غداروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ دوبارہ یہ کام اس آفس میں کر سکیں گے۔''

''یونو پیاری لڑکی.... تمہاری باتیں بہت اچھی ہیں مگر....'' اس نے معصومیت سے تھوڑی کھجائی۔ ''تم کسی بھی صورت میں میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ تم نے خود اسٹیج پہ چڑھ کے میرے حق میں اتنی تقریریں کی ہیں کہ ملائیشیا میں کوئی یقین نہیں کرے گا کہ میں کسی کو ہراس کر سکتا ہوں۔ تم بھی اخلاقی طور پہ میرے خلاف نہیں بول سکتیں اور رہی ہراس منٹ....''

وہ میز کے عقب سے نکل کے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور جتاتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''تو بی بی ہراس منٹ کبھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ ایک عورت کے اٹھ کے الزام لگا دینے سے دنیا مرد کو بدکردار نہیں مان لیتی۔''

تالیہ نے مسکراتے ہوئے گردن کو نفی میں دائیں بائیں جنبش دی۔

''درست کہا۔ ایک عورت کا الزام کچھ ثابت نہیں کرتا۔ لیکن....'' وہ مسکراتی ہوئی واپس دروازے تک آئی' شیشے کی دیوار کو زور سے بجایا جیسے کسی کو اشارہ دیا ہو اور پھر مڑ کے ادیب کو دیکھا۔ ''لیکن اگر عورت 'ایک' نہ ہو تو؟''

ادیب کے ابرو اچنبھے سے بھنچے۔ اس نے چونک کے تالیہ کے عقب میں دیکھا۔

شیشے کی دیوار کے پار بنے کیبن سے ایک دم چھ سات لڑکیاں اٹھ اٹھ کے آ کھڑی ہوئی تھیں۔ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے وہ ایک زنجیر کی طرح راہداری میں کھڑی تھیں اور ادیب کو دیکھ رہی تھیں۔عینک والی فریدہ بھی سنجیدہ چہرہ بنائے ان کے ساتھ تھی۔

ادیب بن سوت ایک دم سیدھا ہوا۔چونک کے تالیہ کو دیکھا۔

''ہراس منٹ کو صرف ایک چیز ثابت کرتی ہے'ادیب صاحب۔اور وہ ہے عورتوں کا ایک سے زیادہ ہونا۔'' ہیٹ والی لڑکی مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

''تصور کریں اگر ابھی اسی وقت یہ لڑکیاں ان کاغذات کو اپنے آفس میں ڈورز پہ چسپاں کردیں....'' تالیہ نے اپنی زنبیل سے زرد کارڈز کا ایک بنڈل نکالا اور بنڈل کو وہیں چھوڑے ایک کارڈ لیے باہر آئی۔(بے احتیاطی سے بنڈل پھسلا اور سارے کارڈز فرش پہ بکھر گئے۔) راہداری میں کھڑے ہو کے اس نے کارڈ دیوار پہ چسپاں کی یوں کہ باہر کھڑی لڑکیاں نہیں دیکھ سکتی تھیں کہ کارڈ پہ کیا لکھا تھا مگر ادیب کو صاف نظر آرہا تھا۔اس کی چبھتی نظریں اس کارڈ پہ جمی تھیں جس پہ بڑا بڑا Me Too لکھا تھا۔

پیچھے کھڑی لڑکیاں ہنوز ادیب کو دیکھ رہی تھیں۔جب تالیہ نے دیکھ لیا کہ وہ کارڈ دیکھ چکا ہے تو اس نے کارڈ اتار لیا اور واپس آفس کے اندر آئی اور دروازے بند کردیے۔شیشے کے ساؤنڈ پروف دروازوں سے آواز باہر نہیں جاتی تھی۔

''تصور کریں کہ اگر یہ سات لڑکیاں MeToo# کے ہیش ٹیگ سے ٹویٹ کریں اور دعویٰ کریں کہ آپ نے ان کو بھی ہراس کیا ہے....تو؟''

ادیب کے ماتھے پہ بل پڑ چکے تھے۔

''میں نے ان میں سے ایک بھی لڑکی کو کبھی کچھ نہیں کہا۔'' وہ سچ کہہ رہا تھا۔وہ بہت چناؤ سے شکار کیا کرتا تھا۔

''کیا آپ یہ ثابت کرسکتے ہیں؟ مگر اوہ نہیں...ہراس منٹ کا تو کوئی ثبوت ہی نہیں ہوتا۔''

''تمہیں کیا چاہیے؟'' وہ اب کے تالیہ کو دیکھ کے چبا چبا کے بولا تو تالیہ نے ہاتھ کو جھلانے والے انداز میں اشارہ کیا جیسے شہزادی کہتی تھی' تخلیہ...اور لڑکیاں اس کا اشارہ دیکھ کے پلٹ گئیں۔

''وان فاتح آپ کا اپنے آفس میں انتظار کر رہے ہیں۔جائیے۔'' راستہ چھوڑ دیا۔ادیب اسے گھورتا ہوا باہر نکل گیا۔لڑکیوں کے کیبن کے پاس سے وہ بہت تیزی سے گزر رہا تھا۔نظر تک نہ ملائی تھی۔

اس کے جاتے ہی تالیہ نے جلدی سے سارے پیلے کارڈز اکٹھے کیے۔لڑکیاں تب تک باہر آ چکی تھیں۔

''کیا کہا ادیب صاحب نے؟'' فریدہ نے اشتیاق سے پوچھا۔''وہ ہماری تنخواہ بڑھانے کے لئے ایچ آر میں بات کریں گے؟''

''ہاں ہاں۔'' وہ سنبھل کے مسکرائی۔''وہ فاتح صاحب سے معاملہ ڈسکس کرنے گئے ہیں مگر کہہ رہے تھے کہ یہ مشکل ہے۔میں نے کہا کہ (کاغذ سمیٹ کے اٹھ گئی) لڑکیاں بہت خفا ہیں۔تو راضی ہوگئے۔تم لوگ ان کو سمائیل نہ دینا۔بس ناراض رہنا۔ان کے لئے یہ پریشر

کافی ہوگا۔''

''اچھا اچھا۔'' فریدہ مطمئن ہوگئی۔ باقی لڑکیاں بھی پر جوش تھیں۔

''یہ پلے کارڈز کس چیز کے ہیں۔'' ایک نے پوچھ لیا۔

''یہ کچھ خاص نہیں۔ پرنٹر نے ایکسٹرا چھپوا دیے۔ میں ان کو دیوار پہ لگا کے بس دکھا رہی تھی۔'' اس سے پہلے کہ اس کا Con کھل جائے وہ کاغذات سنبھالتی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

وان فاتح کے آفس میں بے چین سا بیٹھا ادیب آگے ہو کے کہہ رہا تھا۔

''فاتح.... یہ چیزیں ہوتی رہتی ہیں۔ میں اب خیال رکھوں گا۔ تم مجھے جانتے ہو۔''

''میں تمہیں بہت اچھے طریقے سے جانتا ہوں اور میں نے پہلے دن سے تمہاری عزت رکھنی چاہی مگر میری چیف آف اسٹاف بھی تمہیں جان ہی گئی۔ اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔'' وہ ٹیک لگائے بیٹھا سختی سے کہہ رہا تھا۔ چہرہ سنجیدہ اور برہم تھا۔ ''تم اس وقت اس پوزیشن میں نہیں ہو کہ میری کیمپئین چھوڑ کے حامی کا کیمپ جوائین کر لو ۔ وہاں تمہیں کوئی نہیں لے گا۔''

''میں کہہ رہا ہوں نا اب ایسا نہیں ہوگا۔''

''بس کرو ادیب!'' اس نے سختی سے ہاتھ بلند کیا تو وہ چپ ہو گیا۔ فاتح آگے ہوا اور غصے سے بولا۔

''تمہیں شرمندگی تک نہیں ہے ....ذرا سا بھی پچھتاوا نہیں ہے۔ میں نے آج صبح اپنے ووٹرز کے درمیان بیٹھ کے وعدہ کیا ہے کہ جب میں پاور میں آؤں گا تو پارٹی میں کوئی ہراس کرنے والا نہیں بچے گا۔''

''وہ ٹھیک ہے مگر ہم بعد میں اس کے بارے میں کچھ کر سکتے ہیں۔ تم چیئر مین بن کے قانون بنانا اور ہم.....''

''بعد میں؟ بعد میں کیوں؟'' وہ سختی سے بولا۔ ''ابھی کیوں نہیں؟ کوئی بھی کام کرنے کا بہترین وقت ''ابھی'' ہوتا ہے اور میں آج سے اس منقولے پہ عمل کرنے جا رہا ہوں۔ (ادیب کچھ کہنے لگا) درمیان میں مت بولو۔ میری بات سنو۔'' جھڑک کے اسے خاموش کرایا۔

''بریفنگ روم میں رپورٹرز تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ تم وہاں جاؤ گے اور کہو گے کہ تم اپنے بیٹے کے علاج کے لئے ریٹائرمنٹ لے رہے ہو۔ تم ملک سے باہر جا رہے ہو' واٹ ایور.....جو جھوٹ بھی تم گھڑنا چاہو' گھڑ لو..مگر ادیب بن سوت.....تم کچھ عرصے کے لئے مجھے اس آفس میں نظر نہیں آؤ گے۔''

آفس میں سناٹا چھا گیا۔ ادیب نے لب ایک دوسرے میں پیوست کر دیے۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔

''اس دوران تم اپنی فیملی پہ توجہ دو اور بہتر شوہر بننے کی کوشش کرو۔ اب جاؤ۔ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ آل رائیٹ۔'' اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کے بے بسی بھرے غصے سے کہا۔ ''فائن۔ میں چلا جاؤں گا اس آفس سے۔ مگر تمہیں اتنا Self-righteous بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو الزام آج تم مجھ پہ لگا رہے ہو' یہ تم پہ واپس پلٹ سکتا ہے۔''

''ایکسکیوز می؟''اس نے اچنبھے سے ابرو اچکائے۔ ادیب نے کھڑے ہوکے اپنے کوٹ کی شکنیں برابر کیں، ٹائی کی ناٹ کسی اور پھر گردن کڑا کے تلخی سے بولا۔

''تمہارے اور تمہاری پریتی چیف آف اسٹاف کے درمیان جو چل رہا ہے، وہ مجھ سمیت بہت سے لوگوں کو نظر آ رہا ہے۔''

''اچھا۔ مجھے تو آج تک نہیں نظر آیا۔''اگر فاتح کو افسوس ہوا بھی تھا تو بظاہر اطمینان سے کہا۔

''وان فاتح میں دور سے دیکھ کے عورت اور مرد کے درمیان چلتی ٹینشن بھانپ لیتا ہوں۔ مگر خیر... میں ہر اسر، پریڈیٹر چلا جاتا ہوں اس آفس سے مگر تم لوگ... تم لوگ اپنی 'پارٹی' جاری رکھو۔ فائن!''زور سے میز کے کنارے پہ ہاتھ مارا اور مڑ کے لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

چوکھٹ پہ کھڑے اشعر نے اسے جاتے دیکھا اور پھر اندر آیا۔

''یہ اتنا غصے میں کیوں تھا؟''

''اسے وہ بتایا جو صبح ہم نے ڈیسائیڈ کیا تھا۔ تو اس نے آخر میں وہی تلخی دکھائی جو ہر جاب سے نکالے جانے والا دکھاتا ہے۔''

''اوہ اچھا۔ بڑا خبیث آدمی ہے یہ ویسے۔''اشعر ہنستے ہوئے کرسی کھینچ کے بیٹھا۔''میں حیران ہوں کہ آفس والوں کو اس کے کرتوت کیوں نہیں پتہ تھے ابھی تک۔''

فاتح بس مسکرا دیا اور سامنے پڑی فائل کھول لی۔ چند لمحے وہ دونوں یونہی بیٹھے رہے۔ آفس میں خاموشی چھائی رہی۔ پھر فاتح نے نظریں اٹھا کے اشعر کو دیکھا جو سوچ میں ڈوبا کھڑکی کے بلائینڈز کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم واپس آ گئے ہو، ایش۔''

اشعر چونکا، پھر مسکرا دیا۔''یہی چیزوں کی درست ترتیب تھی۔ میں بھی خوش ہوں کہ میں نے چے تالیہ کی بات مان لی۔''

فاتح نے مسکرا کے عینک لگائی اور فائل کے صفحے پلٹانے لگا۔ اشعر کچھ دیر بیٹھا الفاظ تولتا رہا پھر لہجے کو سرسری سا بنایا۔''چے تالیہ واقعی شادی شدہ ہیں کیا؟''

فاتح نے عینک کے اوپر سے نظر اٹھا کے غور سے اسے دیکھا۔''کہتی تو وہ یہی ہے۔''

''ہوں۔''اشعر نے نظریں جھکا دیں۔ وہ جیسے سوچ میں تھا۔ فاتح غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ایش... تمہارے ذہن میں کیا چل رہا ہے؟''

اشعر چونکا۔ پھر سنبھل کے مسکرایا۔''یونہی پوچھ رہا تھا کیونکہ ہم ایک ٹیم ہیں تو.....''

''اور تم اس کے لئے فیلنگز رکھنے لگے ہو۔''اس کی گہری آنکھیں اشعر پہ جمی تھیں۔

وہ لمحے بھر کو چپ ہوا، پھر بے بسی سے شانے اچکائے۔''مجھے نہیں معلوم۔''

فاتح نے عینک اتاری اور فائل بند کر کے اس پہ رکھی۔ ''عصرہ کو ہمیشہ سے لگتا تھا تم دونوں کے درمیان کچھ ہے یا ہونے جا رہا ہے۔''

''ہمارے درمیان بہت ساری دفتری سیاست آ گئی ہے' آہنگ۔''

وہ خاموشی سے لب کاٹتا رہا۔ کیا کہتا کہ جس دن وہ پہلی دفعہ سرخ لباس میں عصرہ کی گیلری میں داخل ہوئی تھی اور اس نے اسے اوپر سے آتے دیکھا تھا' اس دن سے اس کی جگہ کوئی نہیں لے سکا تھا۔

''تمہاری بہن اس سب سے بہت خوش ہوتی اگر تاشہ شادی شدہ نہ ہوتی۔ مگر....'' فاتح نے وقفہ دیا تو اشعر کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ آگے ہوا۔

''مگر کیا؟''

''تاشہ نے مجھے اس روز کہا تھا کہ وہ اپنے شوہر سے علیحدگی کا سوچ رہی ہے۔''

اشعر محمود کا سانس رک گیا۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ یہ خبر اسے ایسے بے چین کر دے گی۔

''واقعی؟'' وہ بے یقین تھا۔

''دیکھو جب تک وہ علیحدہ نہیں ہوتی' تم اس سے کوئی امید نہیں لگا سکتے' لیکن تب تک تم اپنے اور اس کے درمیان سے جھوٹ اور سیاست کو نکال تو سکتے ہو۔''

اشعر کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ وہ مایوس نظر آنے لگا۔ ''اب شاید دیر ہو گئی ہے۔''

''سچ بولنے کے لئے کبھی دیر نہیں ہوتی۔ صرف سچائی ہی دو لوگوں کے رشتے کو مضبوط کرتی ہے۔ تم اگر اس کے لئے مخلص ہو تو پہلے اپنے اور اس کے درمیان سچائی لاؤ تا کہ تم اسے کھو نہ دو۔'' وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

اشعر نے تذبذب سے اسے دیکھا۔ ''آپ کیوں سمجھتے ہیں کہ مجھے اسے نہیں کھونا چاہیے۔''

وان فاتح سادگی سے مسکرایا۔

''کیونکہ تالیہ مراد جیسی لڑکی سے آپ زندگی میں ایک بار ہی ملتے ہیں۔''

وہ ایک فقرہ اشعر محمود کے سارے فیصلے آسان کرتا گیا۔ وہ ایک دم اٹھا اور تیزی سے باہر کو لپکا۔

اسے تالیہ سے بات کرنی تھی۔

وہ اپنی سیٹ پہ نہیں تھی۔ وہ دیوانہ وار راہداری میں بھاگا۔

وہ اپنا بیگ اٹھائے لفٹ کی طرف جا رہی تھی۔

''تالیہ...چے تالیہ۔'' وہ پھولے تنفس کے ساتھ اس کے پیچھے آیا۔ وہ چونک کے مڑی۔ پھر اسے دیکھا تو سادگی سے مسکرائی۔

''جی' ایش؟''

''میرے آفس آئیں۔ مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''

وہ عجلت میں کہتا اسے اپنے آفس لے آیا۔ وہ حیران سی اندر آئی تو اشعر نے دروازہ بند کیا' پھر میز تک چلتا آیا۔

وہ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''آج کے لئے بہت stunt 'بہت گیمز کھیل لیے' اشعر۔ اب چھٹی کا وقت ہے۔'' اس نے یاد دلایا تو وہ جو اسے تاسف سے دیکھے جا رہا تھا' تھوڑی کو دو انگلیوں سے مسلتے ہوئے بولا۔

''مجھے ایک بری بات معلوم ہوئی ہے۔''

''مثلاً کیا؟'' وہ ٹھنڈے سے انداز میں بولی۔

''آپ نے عثمان کو جاب سے نکالا تھا اور اس نے بدلے کے طور پہ کچھ غلط کر دیا ہے۔''

تالیہ نے سکون سے ابرو اٹھائی۔ ''اور وہ کیا؟''

''وہ صوفیہ رحمٰن کے پاس چلا گیا اور آپ کو مشکوک قرار دے دیا۔ میری اطلاع کے مطابق صوفیہ رحمٰن آپ کی تفتیشی فائل کھلوا رہی ہے۔ وہ لوگ آپ کی کوئی کمزوری' کوئی چھپی چیز کھوجنا چاہتے ہیں۔''

تالیہ چند لمحے اس کو بے تاثر نظروں سے دیکھتی رہی۔ اشعر کو لگا وہ اب بھی پر سکون ہے جیسے وہ ہمیشہ ہوتی تھی مگر....

''عثمان نے کیا کیا ہے؟'' اس کا بیگ نیچے گرا اور اس کی بے یقینی سے پھیلتی آنکھیں دکھائی دیں تو اشعر محمود کا تنفس تنگ ہوا۔

''عثمان نے بدلے کے طور پہ....''

تالیہ کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

''عثمان تو آپ کا آدمی تھا۔ آپ کے اشاروں پہ چلتا تھا۔ آپ نے.... آپ نے بھیجا ہے اسے صوفیہ کے پاس؟''

تالیہ مراد غائب ہو چکی تھی اور وہ غراتی ہوئی شہزادی تاشہ اس کے اوپر مکمل طور پہ چھا چکی تھی۔

''نہیں.... میں نے نہیں....''

وہ آگے بڑھی اور ایک ہاتھ سے اشعر کی گردن دبوچ لی' پھر اسے دھکیلتی ہوئی پیچھے لے گئی اور جھٹکے سے اسے دیوار سے لگایا۔

اگلے ہی پل اس نے ایک تیز دھار چاقو اس کی گردن پہ رکھ دیا تھا۔

''مجھے لگا میں نئے دوست بنا رہی ہوں مگر تم.... تم مجھ سے ہی ان سیکیور ہو گئے؟ تم نے میرے پیچھے حکومتی تفتیش ٹیم لگا دی' یو ایڈیٹ۔''

وہ اس کو گلے سے دبوچے' چاقو کی نوک اس کی گردن میں پیوست کیے غرا رہی تھی۔

سرخ آنکھیں' جارحانہ انداز' اور یہ حلق سے نکلتی غراہٹ نما آواز.... اشعر محمود دیوار سے لگا بالکل ساکت ہو چکا تھا۔

''خدا کی قسم اشعر اگر کسی نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو میں تمہاری اور تمہاری بہن کی گردنیں کاٹ کے رکھ دوں گی۔'' اس کی گردن کو جھٹکا دے کے چھوڑا۔

''تم لوگ ابھی جانتے نہیں ہو کہ میں کتنی بڑی بلا ہوں۔'' لال انگارہ آنکھوں کے ساتھ غراتی ہوئی پیچھے ہٹی۔

''تم بالکل نہیں جانتے مجھے!''

وہ ششدر سا کھڑا تھا۔ وہ پیچھے ہٹی اور پھر ایک ہاتھ مار کے میز کی ساری چیزیں گرا دیں۔ کانچ کی کوئی نازک چیز ٹوٹ بھی گئی مگر مجال ہے جو اشعر محمود ذرا سا بھی ہلا ہو۔

تالیہ نے بیگ اٹھایا' ایک حقارت آمیز غصیلی نظر اس پہ ڈالی اور پیر سے نیچے لڑھکی چیزوں کو ٹھوکر مارتی باہر نکل گئی۔

اشعر نے دو انگلیوں سے گردن کو چھوا۔ جہاں خنجر کی نوک رکھی تھی وہاں ذرا سا کٹ لگ گیا تھا اور خون کی سرخ بوند نیچے لڑھک رہی تھی۔ اشعر نے رنگین پورے سامنے اٹھا کے دیکھے۔ وہ ابھی تک ششدر تھا۔

(یہ خنجر کہاں سے آیا؟ یہ تالیہ نے گردن دبوچنا کہاں سے سیکھا؟) وہ لاجواب ہو چکا تھا۔

اور باہر راہداری میں چلتی تالیہ مراد کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

اس کا سارا وجود بل کے رہ گیا تھا اور وہ بالکل سانس روکے آفس کیبن کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ سراسیمگی' اور چوکنی نظروں سے اطراف میں بھی دیکھ رہی تھی۔ بازو سینے پہ یوں لپیٹ رکھے تھے جیسے وہ جنگل میں کانٹوں سے بچ بچ کے چل رہی ہو۔ پیچھے شکاری کتے ہوں اور اسے اپنی 'خوشبو' کو دبانے کے لئے کالی مرچ کے پتے بھی نہ مل رہے ہوں۔

فائلیں ہاتھ میں لیے سامنے سے گزرتے دانیال نے مسکراتے ہوئے اسے خدا حافظ کہا۔

(اگر یہ جان لے کہ تالیہ کے ایل کی سب سے ماہر اسکامر ہے تو؟)

وہ آگے بڑھتی گئی۔

فریدہ نے اپنے کیبن سے گردن اونچی کر کے اسے الوداع بولا۔ وہ اسے جواب تک نہ دے سکی۔

(اگر فریدہ کو معلوم ہو گیا کہ وہ عورتوں کے زیورات چرا چرا کے اس مقام تک پہنچی ہے؟)

لفٹ مین نے ادب سے سر جھکایا اور سامنے سے ہٹ گیا۔

(اگر اس کو معلوم ہو گیا کہ تالیہ نے اتنے سال لوگوں کے لاکرز اور پرس خالی کیے ہیں؟ تو کیا عزت رہ جائے گی؟)

وہ لفٹ میں کھڑی ہوئی اور بٹن دبایا۔ سامنے آفس کا منظر نظر آ رہا تھا۔ دروازے ایک دوسرے کے قریب آنے لگے تو منظر تنگ ہوتا گیا۔ یہ وہ آفس تھا جس کے لئے وہ بڑے سے بڑے فورم پہ جا کے لڑی تھی.... اپنا چہرہ منظرِ عام پہ لے آئی تھی.... ان لوگوں کی نظروں میں عزت اس نے بہت مشکل سے بنائی تھی۔ مگر کیا سارے گناہ اور جرائم اس کا تعاقب کر رہے تھے؟ کیا وہ معاف نہیں ہوئے تھے؟

دروازے ایک دوسرے میں مل گئے اور اس کا سینہ گھٹتا گیا۔ وہ بازو اپنے گرد لپیٹے سراسیمگی کی حالت میں کونے میں کھڑی رہی۔ لفٹ نیچے جا رہی تھی اور اس کا پریشان دل ڈوبتا جا رہا تھا۔

اگر وان فاتح کو علم ہوا کہ تالیہ ہی حالم ہے اور حالم ایک چور تھا..... تو وہ اسے کن نظروں سے دیکھیں گے؟

یا اللہ..... اب وہ کیا کرے گی؟

☆☆==========☆☆

چند میل دور پراسیکیوشن آفس کے اس وسیع کمرے میں بیٹھا ادھیڑ عمر پراسیکیوٹر عینک لگائے ایک فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک تھی۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور ایک سانولی رنگت اور لمبے بالوں والا اورنگ اصلی نوجوان اندر داخل ہوا۔

''سر..... آپ نے بلایا تھا۔'' وہ انویسٹی گیٹر تھا اور اکثر انویسٹی گیٹرز کی طرح بے پرواہ سے حلیے میں تھا۔ سیاہ پینٹ شرٹ کے اوپر چمکتے کپڑے کی سیاہ جیکٹ اس نے اس موسم میں بھی پہن رکھی تھی۔ بال لمبے اور ہاتھوں پہ ٹیٹو بنے دکھائی دیتے تھے۔

پراسیکیوٹر احمد نظام کو فائل پہ جھکے دیکھ کے انویسٹی گیٹر کھنکھارا۔

''یہ تالیہ مراد والا کیس ہے نا؟ آپ صبح کہہ رہے تھے کہ اس پہ کچھ نہیں ملا تو ہمیں اس فائل کو بند کرنا پڑے گا؟''

''وہ صبح کی بات تھی۔ شام کو حالات بدل گئے ہیں۔'' پراسیکیوٹر نے عینک کے اوپر سے مسکرا کے اسے دیکھا اور موبائل اسکرین روشن کر کے اسے دکھائی۔ ''یہ تالیہ مراد کی پریس بریفنگ ہے جس کے نیچے فیس بک پہ لوگ کمنٹس کر رہے ہیں۔ مجھے یہ کمنٹ چونکا گیا ہے۔''

انویسٹی گیٹر نے فون اس کے ہاتھ سے لیا اور غور سے اسکرین کو دیکھا۔ وہاں ایک چھوٹا سا کمنٹ تھا۔

''یہ لڑکی ہمارے قریبی سوپ پارلر والی ویٹرس جیسی لگتی ہے۔ اس کا نام بھی تالیہ تھا۔ یہ اس کی بہن تو نہیں؟''

سوشل میڈیا پہ ہر شخص کو رائے دہی کی آزادی تھی اور کسی عام شہری نے یونہی اپنی رائے دی تھی۔ البتہ انویسٹی گیٹر نے چونک کے چیف پراسیکیوٹر کو دیکھا۔

''اس کا کیا مطلب ہوا؟''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس فائل کو بند نہیں کر رہے۔ ہمیں بالآخر ایک lead مل گئی ہے۔'' انہوں نے ٹیک لگا کے بازوؤں کا تکیہ بنا کے سر کے پیچھے رکھا اور فاتحانہ مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

''اس کمنٹ کرنے والے کو ڈھونڈو۔ اور تفتیش کے لئے آفس بلاؤ۔ میں خود اس سے سوال جواب کروں گا۔ پھر ہم اس سوپ پارلر بھی جائیں گے۔ اس آفیسر نے درست کہا تھا۔ شاید یہ لڑکی واقعی وہ نہیں ہے جو یہ خود کو ظاہر کرتی ہے۔''

''زبردست سر۔'' انویسٹی گیٹر جوش سے بولا۔ ''ایسے فراڈ لوگوں کو قانون کے کٹہرے میں لانا بہت ضروری ہے۔ یہ کیس یقیناً کیس آف دی ایئر بننے والا ہے۔''

مگر وہ غلط تھا۔

اسے نہیں معلوم تھا کہ ایک معمولی لیڈ سے شروع ہونے والا کیس دراصل کیس آف دی سنچری بننے جا رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

سیمینار ہال کی کرسیاں مہمانوں سے بھری تھیں۔اونچی چھت پہ لگی سارے بتیاں روشن تھیں۔جہاں کیمرہ مین کے کیمرے امیج کی عکس بندی میں مصروف تھے' وہیں مہمان خاموشی اور ادب سے ڈائس پہ کھڑی عصرہ کو سن رہے تھے جو 'ورک پلیس پہ خواتین کو پیش آنے والی ہراس منٹ'' کے موضوع پہ لیکچر دینے آئی تھی۔

عصرہ سر کو سفید اسٹول سے ڈھانپے ہوئے تھی اور کانوں کے موتی نظر آ رہے تھے۔ہلکے میک اپ اور نیوی بلیو اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس وہ ڈائس کے پیچھے کھڑی مطمئن اور پرسکون دکھائی دیتی تھی۔دونوں ہاتھ ڈائس کے کناروں پہ رکھے' وہ اعتماد سے ہال کو دیکھتی' مائیک میں کہہ رہی تھی۔

''مجھے جب اس سیمینار کے لئے بلایا تو میں ہچکچا رہی تھی کہ کیا بولوں گی۔اتنا عرصہ منظر سے غائب رہنے کے بعد واپس سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا مشکل لگ رہا تھا۔'' وہ سادگی سے مسکرا کے بتا رہی تھی۔

(اسٹریٹ پولز کی دودھیا روشنی تاریک سڑک کو نیم روشن کیے ہوئے تھی۔بارش کی بوندیں بس کے شیشوں پہ لکیریں چھوڑنے لگیں۔بس کے اندر تالیہ اداسی سے کھڑکی سے سر ٹکائے باہر برستی بارش کو دیکھ رہی تھی۔)

''لیکن پھر بھی میں نے واپس آنے کا فیصلہ کیا۔صرف اپنی بیٹی آریانہ کی وجہ سے۔''

مائیک میں بولتی عصرہ کی آواز نم ہوئی اور مسکراہٹ گہری ہوئی۔''جب مجھے یقین ہو چکا تھا کہ آریانہ واقعی اس روز.....اس دنیا سے چلی گئی تھی تو میرا دل چاہا میں بھی اس کے پاس چلی جاؤں لیکن.....اگر میں نے بھی ہار مان لی تو ملائیشیاء کی ان بیٹیوں کی آواز کون بنے گا جو روز کسی نہ کسی ظلم کا شکار ہوتی ہیں؟''

(ذوالکفلی اپنے دیوان خانے میں فرش پہ بیٹھا' دو بوتلوں کو ایک ساتھ ایک شیشے کے پیالے میں انڈیل رہا تھا جب کسی احساس کے تحت گردن موڑی۔شیلف پہ رکھی سفید مائع سے بھری شیشی چمک رہی تھی۔اس میں بھرا مائع ذرا ذرا سا کم ہونے لگا تھا۔ذوالکفلی مسکرایا۔فاتح نے ایک سوال کا جواب پا لیا تھا یقیناً۔)

''میں عصرہ محمود' بارِسن نیشنل کے ہونے والے چیئرمین کی بیوی' یہ اعتراف کرتی ہوں میں نے خود آفسز میں خواتین کو ہراس منٹ کا نشانہ بنتے دیکھا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں عورت کو صرف ''جسم'' کے طور پہ دکھایا جاتا ہے'' دماغ'' کے طور پہ نہیں۔ مگر اب وہ وقت آ گیا ہے جب مردوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ جاب کرنے والی لڑکیاں آفس افیئر چلانے یا مردوں کو خوش کرنے نہیں آتیں۔''

(آفس چیئر پہ بیٹھے فاتح نے لیپ ٹاپ اسکرین فولڈ کی تو اپنے ہاتھ کی پشت پہ بنے نشان کو دیکھ کے ٹھہرا۔زخم اب مندمل ہو چکا تھا۔نہ جانے یہ زخم کیسے آیا تھا۔اس نے سوچا ہی تھا کہ لمحے بھر کے لئے آنکھوں کے سامنے ایک عجیب منظر چھانے لگا۔

اسے لگا وہ ایک سلاخ دار کال کوٹھڑی میں بیٹھا ہے اس کے جسم میں درد ہے اور ساتھ بیٹھی جھکے سر والی لڑکی اس کے ہاتھ پہ مرہم لگا رہی ہے۔ یکا یک وہ آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھتی ہے تو وہ چونکتا ہے۔ وہ سنہرہ پونی اور سیاہ لباس والی تالیہ ہے۔)

''لڑکیاں حجاب پہنیں یا نہ پہنیں' اگر وہ کسی مرد میں دلچسپی نہیں دکھا رہیں تو اس لئے کہ وہ جاب کی جگہ پہ جاب کرنے آئی ہیں۔ لڑکیوں کو بھی یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ کام کی جگہ پہ وہ ایک حد میں رہ کے اپنے کولیگز سے اچھا ریلیشن شپ رکھ سکتی ہیں' ایک دوسرے کی مدد کر سکتی ہیں' اچھے مشورے دے سکتی ہیں' مشکل میں کام آسکتی ہیں مگر جیسے ہی کوئی مرد کسی عورت سے یا کوئی عورت کسی مرد سے غیر اخلاقی یا معنی خیز گفتگو کرے وہاں آپ کو فوراً ردِ عمل دینا ہو گا۔'' تقریر کرتی عصرہ اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

(فاتح چونکا۔ لمحے بھر کے لئے ذہن میں دکھائی دینے والا منظر بلبلے کی طرح پھٹ کے غائب ہو گیا۔ اس نے بے یقینی سے اطراف میں دیکھا۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھا تھا اور سب ٹھیک تھا.... مگر یہ منظر.... یہ کیسا منظر اسے ''یاد'' آیا تھا؟ جیسے وہ کسی قید خانے میں ہو اور زمین پہ بیٹھی تالیہ اس کے مرہم لگا رہی ہو۔ شاید میری طبیعت خراب ہے جو مجھے الٹی سیدھی چیزیں نظر آنے لگی ہیں۔ اس نے سر جھٹکا اور اٹھ کھڑا ہوا۔)

''باس کو اپنے کام سے خوش کریں' اچھی شکل یا مسکراہٹوں یا فرینکنیس سے نہیں۔ آپ کو اپنی عزت خود کروانی ہوتی ہے مگر.... کچھ مرد ان ساری احتیاط پسندیوں کے بعد بھی باعزت لڑکیوں کو ہراس کرتے ہیں۔''

عصرہ بول رہی تھی اور سب خاموشی و توجہ سے اسے سن رہے تھے۔ کیمرہ مین مسلسل اس کی عکس بندی کر رہے تھے۔

(اشعر باتھ روم کے آئینے کے سامنے کھڑا گردن پہ دوا لگا رہا تھا۔ اس کا سارا وجود ابھی تک ششدر تھا۔ وہ چھ فٹ کا مرد تھا اور چاہتا تو تالیہ پہ ہاتھ اٹھا سکتا تھا مگر صدمہ اتنا شدید تھا کہ اس سے کوئی ردِ عمل نہیں ظاہر ہو سکا۔

''کاش میں نے ''اس'' کی بات مان کے تالیہ کی فائل کھلوانے عثمان کو نہ بھیجا ہوتا۔'' اس کے پچھتاوے لامحدود تھے)

''اس کے دو ہی حل ہیں۔ بطور معاشرہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانتے ہوئے مردوں اور عورتوں کے درمیان ایک محفوظ فاصلہ رکھنا ہو گا۔ ڈاکٹرز' ٹیچرز' انجینئرز' سیاسی ورکرز' سب محفوظ ماحول میں کام کریں۔ بے شک کریں مگر ایک فاصلہ رکھنا ضروری ہے۔ اور دوسری چیز....''

(ایڈم اور داتن حالم کے بنگلے کے لاؤنج میں بیٹھے مختلف کاغذات بکھیرے ہوئے تھے۔ سامنے کری پفز بھی پلیٹ میں رکھے تھے جن کو مسلسل کھاتے ہوئے وہ باتیں بھی کر رہے تھے۔)

''جب بھی کوئی آپ کے ساتھ زبانی یا جسمانی طور پہ غیر آرام دہ کرنے والا فعل کرے' آپ نے فوراً ردِ عمل دینا ہے۔ ہمیں ہر اس منٹ کے خلاف لڑنے کے لئے ''Shame (شرم)'' کو اس ساری ایکویشن سے نکالنا ہو گا۔ اگر سڑک پہ کسی نے چھوا ہے تو مڑ کے اس پہ اسی وقت حملہ کرو۔ اپنے پرس سے مار دو یا ہاتھ سے' مگر اس کو برابر کا جواب دو۔''

اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ اور وہ انگلی اٹھا کے جارحانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

''اگر بس میں کوئی تنگ کرے تو لوگوں کو اکٹھا کروں۔ اگر آفس میں کوئی ہراس کرے تو نوکری یا 'شرم' کی پرواہ کیے بغیر آسمان سر پہ اٹھالو ۔آپ کو اگر ہراس منٹ سے کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ فوراً اسی وقت آواز اٹھانا ہے۔''

(بس میں بیٹھی تالیہ وقفے وقفے سے اپنے مختلف کانٹیکٹس کو فون کر رہی تھی۔ فلاں بینک سے پیسے نکلوانے ہیں فلاں شناخت کو تباہ کرنا ہے فلاں ادارے سے اپنی فائل ہٹانی ہے۔ وہ ایک کے بعد ایک ثبوت مٹانے میں لگی تھی۔)

''آج لڑکیاں کئی کئی سال بعد آ کے بتا رہی ہیں کہ فلاں شخص نے ان کو ہراس کیا تھا۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کہتے ہیں کہ اس وقت کیوں خاموش رہیں۔ نہیں۔ آپ کو نہیں معلوم عورت کی کتنی مجبوریاں اور خوف اسے خاموش رکھتے ہیں' لیکن آپ کو اب خاموشی توڑنی ہوگی۔ میں ایک ماں ہوں' اس بیٹی کی ماں جو مظلوم تھی اور دوسروں کے سیاسی عناد کا شکار بن گئی۔ ایک مظلوم بیٹی کی ماں آپ سے کہہ رہی ہے کہ اب وقت آچکا ہے۔ Time is up۔''

(تالیہ سوپ پارلر میں چلی آئی تھی اور اب پچھلے کمرے میں کھڑی بوڑھے شیف کو منت اور مجبوری سے ایک داستان سنا رہی تھی۔ شیف اسے یقین دلا رہا تھا کہ اس کا تمام ورک ریکارڈ' سی سی ٹی وی فوٹیج وہ مٹا دے گا اور پارلر کا کوئی ملازم کسی کو اس کے بارے میں کچھ نہیں کہے گا۔ تالیہ نے نئی زندگی شروع کی تھی اور وہ سب اس کا ساتھ دیں گے۔)

''اب ہمیں نئے قوانین بنانے ہوں گے جو آواز اٹھانے والی اور MeToo کہنے والی لڑکیوں کا ساتھ دیں۔'' دو انگلیوں کی وکٹری بنا کے عصرہ نے اوپر دکھائی۔ ''اور میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میرا شوہر وان فاتح بن رامزل حکومت میں آ کے ورک پلیس پہ ہراس منٹ کے خلاف ٹھوس قوانین بنائے گا کیونکہ وہ ایک ظلم کی گئی بچی کا باپ ہے اور ساری مظلوم بیٹیوں کا درد سمجھتا ہے۔''

وہ آنکھوں میں نمی اور لبوں پہ مسکراہٹ لئے ان کو یقین دلا رہی تھی۔ اسٹیج پہ روشنیاں بکھری تھیں اور ان میں کھڑی عصرہ بہت باوقار اور پرعزم لگ رہی تھی۔ وہ ٹھہری تو ہال میں بیٹھے مہمان اپنی نشستوں سے اٹھ گئے اور بے ساختہ تالیاں بجانے لگے....

(تالیہ مراد' حالم' کے بنگلے کے سامنے کھڑی رات کے اس پہر گردن اونچی کر کے اس بنگلے کو دیکھ رہی تھی۔ تاش کے پتوں سے بنا یہ بنگلہ کیا اس کے سر پہ آنے والا تھا؟ وہ اندر تک ہل کے رہ گئی تھی۔)

☆☆=========☆☆

وہ اندر داخل ہوئی تو لاؤنج میں سامنے کاغذات اور لیپ ٹاپس پھیلائے داتن اور ایڈم بیٹھے تھے۔ اس وقت تک تالیہ اپنے آپ کو سنبھال چکی تھی۔ بس سنجیدہ چہرہ بنائے اندر آئی اور بیگ میز پہ رکھا۔

''چے تالیہ آپ یقین نہیں کریں گی کہ ہم نے.... (تصحیح کی) میں نے کیسی عظیم دریافت کی۔'' سامنے بیٹھا ایڈم اسے دیکھتے ہی جوش سے چہک کے بولا۔ وہ پہلے ہی اتنے مسئلوں میں گھری تھی' اس وقت وہ ایڈم کے ''ہم نے نہیں میں نے'' کہنے پہ داتن کی خفگی سننے کے موڈ میں نہیں تھی' اس لئے قدرے جھڑک کے ان دونوں کو اپنے جھگڑے کم کرنے کا کہنے ہی لگی تھی کہ داتن بول اٹھی۔

''واقعی۔ یہ صرف ایڈم کی اپنی ذہانت کا کمال ہے ورنہ میں اکیلی تو یہ نہ کر سکتی۔''

''خیر آپ نے میری بہت مدد کی۔ آپ نہ ہوتیں تو میں جلد ہمت ہار دیتا۔'' وہ اعتراف کر رہا تھا۔

''لڑکے، تم اتنی جلدی ہمت کیوں ہارتے ہو؟ ہماری تالیہ سے کچھ سیکھو۔ اور ابھی تو تمہیں بہت آگے جانا ہے۔ سلیبریٹی جرنلسٹ بننا ہے۔''

''آپ کے ساتھ کام کر کے مجھے واقعی یقین آ گیا ہے کہ میں بہت آگے جا سکتا ہوں۔ بس میرا وزن بھی آگے نہ چلا جائے۔'' ایڈم نے کہتے ہوئے پلیٹ سے کری پف اٹھایا اور دانتوں سے کترا تو داتن ہنس دی۔

''کھاؤ کھاؤ۔ تمہارے لئے ہی بنائے ہیں۔ داتن پدو کا جب کسی کو پسند کرتی ہے تو اس کے لئے دنیا کے بہترین کھانے بناتی ہے۔''

''ویسے میں بھی یہاں موجود ہوں۔''

وہ جو سامنے کھڑی ابرو استعجابیہ اٹھائے ان دونوں کو خوشگپیاں کرتے دیکھ رہی تھی، شاکڈ سی آواز میں بولی تو ایڈم نے سادگی سے مسکرا کے دیکھا۔

''آف کورس چے تالیہ۔ آئیں بیٹھیں۔ آپ کو کچھ دکھاتا ہوں۔''

''دیکھ تو میں رہی ہوں۔'' اس نے ناخوشی سے باری باری دونوں کو دیکھا۔ ''بہت سے لوگوں نے نئے دوست بنا لئے ہیں۔''

''لگتا ہے کوئی جل رہا ہے ایڈم۔'' داتن نے مسکراہٹ دبا کے کہا تو شہزادی نے کندھے اچکائے۔

''ابھی اتنا برا وقت مجھ پہ نہیں آیا جو تم دونوں سے جلوں گی۔ پلیز اپنی شیرلاک ہومز والی سرگرمیاں جاری رکھو۔'' وہ سر جھٹکتی کچن کی طرف بڑھی تو ایڈم نے برا مانے بغیر پکارا۔

''اتنی اچھی پہیلی دکھانے لگا تھا آپ کو۔''

''میرے پاس میری اپنی پہیلیاں ہیں سلجھانے کو۔ تم اپنا کام کرو۔''

وہ چپ چاپ کچن کی میز پہ بیٹھ گئی اور اسی پرچی کو کھول کے گھورنے لگی (جبکہ ذہن اشعر، سوپ پارلر اور ان تمام وارداتوں میں الجھا تھا جو اس نے کبھی کی تھیں۔)

داتن چپ چاپ اٹھی اور چولہے پہ اس کی پسند کا کچھ فرائی کرنے کا اہتمام کرنے لگی اور ایڈم کچن کی گول میز پہ اس کے مقابل آ بیٹھا اور نرمی سے پوچھا۔

''لگتا ہے پھر باس سے بے عزتی ہوئی ہے۔ خیر ہے، چے تالیہ۔ ایسا ہوتا ہے۔ آپ کتابیں....'' ابھی یہ دو لفظ بولے ہی تھے کہ تالیہ نے جھپٹ کے اسٹینڈ سے چھری اٹھائی اور اس کی طرف بلند کی۔

''یہ فقرہ بول کے تو دکھاؤ تم آج۔'' چیر دینے والی نظروں سے گھورا تو ایڈم نے فوراً سے دایاں ہاتھ پیچھے کر لیا۔

''واؤ۔ بڑے دن بعد شہزادی تاشہ نظر آئیں۔''

تالیہ نے ایک دم چھری گرادی اور بے یقینی سے اپنے ہاتھ کو دیکھا جس میں اس نے چھری پکڑی تھی۔ پھر جھر جھری لے کر سر جھٹکا۔

''یہ میں نہیں ہوں۔''

''چے تالیہ..... آپ کیوں خود سے جنگ کر رہی ہیں؟'' اب کے وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ تالیہ نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں نے ملاکہ میں چند ماہ کے لیے شہزادی کا صرف کردار ادا کیا تھا۔ میں وہ شہزادی نہیں ہوں جو حکومت کرتی تھی۔ میں ایک فین گرل ہوں جو دی وان فاتح کی رفتار سے ملتے ملتے ہانپنے لگ جاتی ہے۔''

''آپ واقعی ایک ہنس مکھ اور زندہ دل فین گرل ہی ہیں اور ایک سابقہ اسکامر' چے تالیہ' مگر آپ وہ مغرور شہزادی بھی ہیں جو اپنے آگے کسی کو کچھ نہ سمجھتی تھی۔ آپ یہ ''دونوں'' ہیں۔ ہم سب کے اندر ایک ''ظالم ملکہ'' بننے کا خواہش مند وجود ہوتا ہے اور میں نے آپ کو اسی طرح تسلیم کرلیا ہے۔ یہ مجھے داتن نے سمجھایا ہے کہ انسان جو ہوتا ہے' اسے اپنے آپ کو ویسا ہی قبول کر کے اپنی کمزوریوں کو اپنی طاقت بنانا ہوتا ہے۔ آپ اپنے آپ سے کیوں بھاگ رہی ہیں؟''

چولہے پہ کام کرتی داتن نے محض مسکرا کے اسے دیکھا اور کام جاری رکھا۔ وہ ان دونوں کو آپس میں بات کرنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔

''اف ایڈم..... تم نہیں سمجھو گے۔'' اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ ''ہر چیز غلط ہو رہی ہے۔ اوپر سے فاتح نے اس رات ذوالکفلی کو میرے لئے یہ چٹ تھما دی اور میں اس پہیلی کو حل نہیں کر پا رہی۔'' پھر شیشے کے گلاس تلے رکھی چٹ نکال کے اسے دکھائی۔ ''کیا تم اس کو حل کر سکتے ہو؟''

ایڈم نے ایک نظر ان ہندسوں کو دیکھا' اور دوسری سادہ نظر تالیہ پہ ڈالی

۔''بالکل نہیں۔ اسے اسی کو حل کرنا چاہیے جس کو وان فاتح نے یہ دی ہے۔''

وہ جو پرامید ہوئی تھی' منہ بنا کے اسے دیکھنے لگی۔ ''میں ''حالم'' ہوں اور اس کو مختلف فارمولوں' algorithams اور ciphers کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کر چکی ہوں مگر یہ کوئی ایسا کوڈ ہے جو ٹوٹ ہی نہیں رہا۔ نہ یہ نمبر کسی کا فون نمبر ہے' نہ بینک اکاؤنٹ' نہ شناختی کارڈ نمبر۔ اُف۔'' وہ زچ ہو چکی تھی۔

''یہی تو آپ کی غلطی ہے۔ آپ اسے حالم یعنی تالیہ بن کے حل کر رہی ہیں۔ حالم تو ماہر ہے' بے پناہ ذہانت کا مالک۔ بڑے بڑے کوڈز بریک کرنے والا۔ یہ چٹ وان فاتح نے حالم کو نہیں دی تھی۔''

تالیہ نے اچنبھے سے ابرو اکٹھے کیے۔ ''تم اتنی لمبی تقریر کے بجائے صاف بات کیوں نہیں کرتے ایڈم۔''

ایڈم کی آنکھیں شرارت سے چمکیں۔

''وان فاتح آپ کی زبانی جنگل میں آپ کی کہانی ضرور سن چکے تھے' مگر وہ کبھی کے ایل والی تالیہ مراد کو جو کوڈز توڑنے میں ماہر تھی'

جانتے ہی نہیں تھے۔ وہ حالم سے کبھی کے ایل میں نہیں ملے تھے۔''

''ایں؟''

''فاتح صاحب صرف شہزادی تاشہ سے واقف تھے۔ وہ شہزادی تاشہ جس نے جنگل میں ان کے ساتھ سفر کیا تھا۔ وہ کوئی ''ظالم ملکہ'' بننے کی خواہش مند لڑکی نہیں تھی۔ وہ پر اعتماد تھی۔ اپنے آگے کسی کی ذہانت کو کچھ نہ سمجھتی تھی۔ وہ کموڈو ڈریگن کی آنکھ میں بے رحمی سے تیر چلا سکتی تھی۔ اندھیرے پانیوں میں سفر کرتی خزانے کے جزیرے تک جا پہنچی تھی۔ جس نے قید خانے میں جا کے سپاہیوں سے کہا تھا کہ وہ ان کی ہونے والی ملکہ ہے۔ وہ فین گرل نہیں تھی۔ وہ ''ملکہ'' تھی اور یہ چٹ انہوں نے اس تاشہ کے لئے دی تھی۔ اگر آپ یہ چیف آف اسٹاف والی محکوم اور سادہ سی تالیہ بن کے اس پہیلی کو حل کرنا چاہیں گی تو آئی ایم سوری' مگر آپ کبھی اسے حل نہیں کر سکیں گی۔ نہ آپ حالم جیسی انویسٹی گیٹر بن کے اس کوڈ کو توڑ پائیں گی۔ آپ کو پہلے یہ تعین کرنا پڑے گا کہ آپ کون ہیں۔''

وہ اسے سنے گئی۔ چپ چاپ سنے گئی۔ پھر اس نے آنکھیں بند کیں۔

تاج 'انگوٹھیاں' کامدار لمبے لباس.... تیروں سے بھرا ترکش' تلوار.... کچھ بھی اس کے پاس نہ تھا' مگر.... اس نے آنکھیں کھولیں.... وہ جانتی تھی کہ مراد راجہ کی بیٹی ہے۔ ایک شکار باز۔ ایک شہزادی۔

جو ملاکہ سلطنت کے سلطان کی ملکہ بننے جا رہی تھی۔

جس نے راجہ مراد کو چکما دیا تھا اور غلاموں کو محل کے باہر لا کھڑا کیا تھا....

جو غار کے محافظ شکار باز کے خون میں لت پت وجود کی پرواہ کیے بغیر اس کو گردن سے دبوچ کے خزانے کا پوچھ رہی تھی....

جو قید خانے میں فاتح پہ تشدد کرتے سپاہیوں پہ غرا رہی تھی....

جو شاہی مورخ سے اپنی تعریفیں لکھوایا کرتی تھی....

اور اس لمحے میں تالیہ کو احساس ہوا کہ وہ کون تھی۔

وہ خود ''اپنی'' فین تھی....

وہ اپنی تعریفیں اسی لئے لکھوایا کرتی تھی کیونکہ وہ اپنی ذہانت کے آگے کسی کو کچھ نہ سمجھتی تھی۔

وہ شہزادی تھی اور ایڈم مورخ جبکہ فاتح غلام تھا۔

''غلام!'' وہ چونکی۔ ''وان فاتح صرف ایک غلام تھا' ایڈم۔'' وہ بولی تو چوکنا لہجہ مختلف تھا۔

(ایڈم زیر لب مسکرایا۔)

''وان فاتح میری طرح (گردن کڑائی) کوڈز بنانے اور توڑنے میں ماہر نہیں تھا۔ وہ تو ایک سیاستدان تھا۔ اسے یہ کام نہیں آتے۔ میں اس کو غلط طریقے سے حل کر رہی تھی۔''

اس نے چٹ اوپر اٹھا کے اسے غور سے دیکھا۔ ”میں اس پہ دنیا کا مشکل ترین فارمولا اپلائی کر رہی تھی جبکہ ... اگر اسے وان فاتح نے لکھا ہے تو ... اسے تو کوئی بہت آسان چیز ہونا چاہیے۔“

”یہی تو میں آپ کو سمجھانا چاہ رہا تھا کہ یہ کوئی بہت سادہ چیز ہوگی۔ آپ فین گرل بن کے نہ سوچیں۔ وہ ذہین شہزادی بن کے سوچیں جس کے سامنے کسی کی کوئی حیثیت نہیں۔“ ایڈم نے پین اس کی طرف بڑھایا۔

”پتہ ہے کیا...“ وہ اسے سنے بغیر پین لے کر جلدی سے کاغذ پہ حروف لکھنے لگی۔ ”یہ سادہ ساShift cipher شفٹ سائیفر ہے۔ ہر ہندسہ حروفِ تہجی کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسے 1 کا مطلب ہے پہلا حرف۔A۔“

وہ تیز تیز ہر ہندسے کے ساتھ اس کے نمبر والا حروفِ تہجی لکھ رہی تھی۔ جو فقرہ بنا وہ حروف کا صرف ملغوبہ لگ رہا تھا۔

”چونکہ یہ شفٹ سائیفر ہے تو ہر حرف سے اگلا صرف لکھنا ہوگا۔ 1 کے لئے A کی جگہ بی لکھوں گی اور ....“ تالیہ مسکرائی۔

(یہ تو بچوں والا سائیفر تھا۔ ہونہہ۔ میرے پاس کو تو مشکل کوڈز ہی نہیں لکھنے آتے۔) شہزادی نے نخرے سے سوچا تھا۔

داتن فرائی مچھلی لئے ان کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ چٹ اب درمیان میں رکھی تھی اور اس پہ لکھا نظر آ رہا تھا۔

”اس کا قاتل اس کی پسندیدہ فیری ٹیل میں ہے۔“

وہ الفاظ خون کو سرد کر دینے والے تھے۔ وہ تینوں لمحے بھر کے لئے دنگ رہ گئے تھے۔

”اس کا کس کا؟“

”ظاہر ہے آریانہ کا۔ انہوں نے جنگل میں مجھے آریانہ کا قصہ سنایا تھا' وہ چاہتے تھے کہ مگر چونکہ وہ مجھے چھوڑ رہے تھے اسی لئے انہوں نے مجھے 'قاتل' کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔“ ساری بات اس کے سمجھ میں آ رہی تھی۔ ”مگر جب ان کو تین سوالوں کا علم ہوا تو انہیں لگا کہ ”میں“ اور ”وہ“ الگ نہیں ہو سکتے .. تب انہوں نے ذوالکفلی کے پاس میرے لئے یہ ہنٹ چھوڑا' کیونکہ وہ چاہتے تھے میں آریانہ کو انصاف دلاؤں۔ یہ انکشاف ان کو ملا کہ میں کسی وجہ سے ہوا ہوگا اور وہ یادداشت کھونے پہ اسے بھولنا نہیں چاہتے ہوں گے۔“

”مگر آریانہ کو تو صوفیہ رحمٰن نے مارا تھا۔“ ایڈم حیران ہوا۔

”ہاں اُس نے ہی کیا تھا وہ سب۔ سارے ملک کو معلوم ہے۔“ داتن کو بھی اچنبھا ہوا۔

مگر تاشہ بنتِ مراد آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اس چٹ کو دیکھ رہی تھی۔

”نہیں۔ صوفیہ رحمٰن نے آریانہ کو نہیں مارا تھا۔“ اس کی نظریں ان الفاظ پہ جمی تھیں۔ ”میں جانتی ہوں اس کا کیا مطلب ہے۔ آریانہ فیری ٹیلوں میں رہنے والی بچی تھی اور اس کی پسندیدہ فیری ٹیل سنو وائٹ تھی۔“

”ہاں... تو؟“ داتن خفا ہوئی۔ ”اسنو وائٹ میں بھی ظالم ملکہ نے شہزادی کے لئے جنگل میں شکاری بھیجا تھا اور ہمارے ملک کی ظالم ملکہ صوفیہ رحمٰن ہی ہے۔“

''اونہوں۔'' اس نے دھیرے سے گردن ہلائی۔ وہ ابھی تک بنا پلک جھپکے کاغذ کو دیکھ رہی تھی۔ ''تم بھول رہی ہو کہ اسنو وائٹ میں ظالم ملکہ کون تھی۔''

''کون تھی؟''

''سوتیلی ماں!'' ایڈم نے ششدر آواز میں کہا تو داتن کا منہ کھل گیا۔

''کیا؟''

اور سارا پزل لمحوں میں حل ہو گیا تھا۔

شہزادی تاشہ کے لبوں پہ بالآخر ایک تلخ اور بے رحم مسکراہٹ بکھر گئی۔

''آریانہ کو عصرہ نے مروایا تھا.....'' وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولی۔ ''آریانہ کی مجرم اس کی اپنی سوتیلی ماں ہے۔ان دونوں کے درمیان فاتح کا 'جھوٹ' نہیں عصرہ کا ''گناہ'' آ گیا تھا۔عصرہ آریانہ کی قاتل ہے اور وان فاتح یہ بات بھول چکے ہیں۔''

وہ ٹھنڈے لہجے میں باری باری دونوں کے سفید پڑتے چہرے دیکھ کے کہہ رہی تھی۔

حالم کے بنگلے میں اس وقت ششدر سا سناٹا چھایا تھا۔

☆☆=========☆☆

عصرہ بنتِ محمود کے بیڈروم کی دیوار پہ سلور بیضوی فریم کا قد آور آئینہ آویزاں تھا اور وہ خالی کمرے کا عکس دکھا رہا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور عصرہ اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ بیگ کہنی پہ ڈالے' وہ سیمینار کے بعد سیدھا گھر آئی تھی اور ایک ہاتھ سے اسٹول اتار رہی تھی۔ پھر بیگ کرسی پہ پھینکا اور سیدھی چلتی آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اونچا جوڑا باندھے' کانوں میں موتی اور گردن میں ہیروں کا نیکلیس پہنے' اس نے مسکرا کے اپنے خوبصورت چہرے کو دیکھا۔

''آج کی تقریر نے سوشل میڈیا پہ میری تعریفوں کے پل باندھ دیے ہیں۔اچھی تقریر لکھ کے دی تھی تالیہ نے۔'' وہ مسکرا کے اپنے نیکلیس پہ انگلی پھیرتی اپنے عکس سے کہہ رہی تھی۔

''مگر تالیہ سمجھتی ہے کہ مجھے ان تقریروں کی ضرورت ہے۔اسے یہ نہیں معلوم کہ عصرہ محمود حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔اور اب وہ حکومت کرے گی کیونکہ اب سب ٹھیک ہو چکا ہے۔''

''واقعی می' اب سب ٹھیک ہو چکا ہے۔'' کمرے کے کونے سے آواز آئی تو عصرہ نے اطمینان سے چہرہ موڑا۔ وہاں بیڈ کے کنارے پہ آریانہ بیٹھی تھی۔ سفید فراک پہنے' سفید ہیئر بینڈ لگائے' اس کی نظریں عجیب تھیں اور فراک کے سینے پہ خون لگا تھا۔

''مجھے معلوم ہے تم یہاں نہیں ہو' آریانہ۔اب مجھے تمہارے ڈراؤنے خوابوں سے ڈر نہیں لگتا کیونکہ تم مر چکی ہو۔ بے چاری آریانہ۔'' بے زاری سے سر جھٹک کے دوبارہ آئینے میں دیکھا۔ عکس میں پیچھے بیڈ پہ بیٹھی آریانہ صاف دکھائی دے رہی تھی۔

''میں آریانہ نہیں ہوں' ممی۔ میں تو آپ کا اپنا آپ ہوں جس سے آپ ڈرتی ہیں۔'' چھوٹی بچی مسکرائی۔ ''مگر آپ کو اب کسی کا خوف نہیں ہونا چاہیے۔ اتنے برس آپ اس بات کے ڈر سے ملک سے بھاگنا چاہتی تھیں کہ کہیں وہ نینی اور اس کا ساتھی آپ کے سامنے نہ آجائیں یا میں دوبارہ سے ڈیڈ کو نہ مل جاؤں' مگر چھ سال بعد ڈیڈ نے یہ کنفیوژن ہی دور کر دی۔ میں تو اسی دن مر گئی تھی اور وہ دونوں گواہ بھی جن کو آپ نے بھیجا تھا۔''

''ہاں اور بالآخر میں اپنے خوف سے آزاد ہو گئی۔'' وہ عکس میں خود کو مسکرا کے دیکھ رہی تھی۔ ''اب مجھے اس ملک پہ حکومت کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔''

''مگر آپ کو ابھی بھی ایک چبھن ہے۔ کچھ ہے جو آپ کو بے آرام کر رہا ہے۔''

عصرہ کی مسکراہٹ سمٹی۔ اس نے گہری سانس لی۔

''ہاں۔ اور اس کا نام تالیہ مراد ہے۔ فاتح اور وہ سمجھتے ہیں کہ مجھے کچھ علم نہیں کہ ان کے درمیان ''کیا'' چل رہا ہے' لیکن خیر.... اس کی کہانی بھی جلد ختم ہو جائے گی۔ میں نے اشعر سے عثمان کے ذریعے صوفیہ رحمٰن کو تالیہ کے بارے میں مشکوک کر ہی دیا ہے۔ کچھ تو اس کے خلاف مل ہی جائے گا حکومت کو۔ وہ ہماری زندگیوں سے دور چلی جائے گی اور یہ راز راز ہی رہے گا کیونکہ سوائے اس کے کوئی خطرناک حد تک ذہانت کا مالک نہیں ہے یہاں۔'' وہ اب چہرے پہ آئی لٹ لپیٹتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

آریانہ کا عکس مدھم ہونے لگا اور بالآخر وہ غائب ہو گئی۔ جب سے اس کے مر جانے کا علم ہوا تھا' اس کا عکس عصرہ کو کم کم ستانے لگا تھا۔

وہ بالآخر پرسکون ہو چکی تھی۔ شانت اور بے خوف۔

''کیا اشعر' کیا بچے اور کیا فاتح.... ان میں سے کوئی بھی اب میرا راز نہیں پا سکے گا۔''

پھر تنہا کمرے میں کھڑے اس نے بیضوی آئینے سے مسکرا کے پوچھا۔

"Mirror, Mirror on the wall,

Who is cleverest of them all."

اور آئینہ جواب کے طور پہ ملکہ بد کا خوبصورت چہرہ دکھا رہا تھا۔

☆☆==========☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

حالم (نمرہ احمد)

پندرھواں باب:

''چناؤ''

اس نے خواب میں دیکھا..
وہ لکڑیوں کا گٹھا پھینک کے
اس کیچڑ میں لت پت لڑکی کے سامنے جھکا
جو گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھی روئے جا رہی تھی۔
آس پاس گھنے اور اونچے درخت تھے۔
وہ گھٹنوں پہ ہاتھ جمائے جھک کے اس سے بولا
''Make a wish''
وہ بھیگا چہرہ اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔
''آج تمہاری سالگرہ ہے۔کوئی خواہش کرو۔''
پھر اس نے سنا وہ روتے ہوئے کچھ کہنے لگی۔
ٹوٹے ٹوٹے سے الفاظ سماعتوں سے ٹکرائے۔
چاکلیٹ....بہت ساری چاکلیٹ...
وہ مڑا اور ایک درخت تک گیا۔
ایک سخت خول کا پھل توڑا اور اسے چاقو سے کاٹا۔
اندر سے نکلتے گودے کی خوشبو اتنی تیز تھی کہ اسے لگا ناک میں گھس گئی ہو۔
ایک دم سے فاتح کی آنکھ کھلی۔

☆☆==========☆☆

کچھ دیر کے لئے 557 برس قبل کے زمانے میں واپس چلتے ہیں۔

شہر تھا ملاکہ کا...وقت تھا شام کا....اور مقام تھا سن باؤ کے گھر کا۔

سورج ڈوب رہا تھا اور وان فاتح صحن میں پانی کا چھڑکاؤ کرتا نظر آ رہا تھا۔سفید پاجامے پہ پہنے کرتے کی آستینیں چڑھائے' ہاتھ میں ڈول پکڑے' وہ ایک مکمل غلام بن چکا تھا۔چلو بھر بھر کے پانی صحن کی اینٹوں پہ چھڑکتا' اور درمیان میں خود بھی گھونٹ بھر لیتا کہ گرمی شدید تھی اور کنویں کا پانی ٹھنڈا میٹھا سا تھا۔

دفعتاً دروازے پہ آہٹ ہوئی تو وہ پھرتیزی سے برآمدے میں آیا مگر وسط میں ٹھہر گیا۔

سامنے ملکہ یان سوفو اپنے چند مصاحبوں کے ہمراہ چلی آ رہی تھی۔بھورے چغے میں ملبوس' سر کو اس کی ٹوپی سے ڈھکے' قریب آتی ملکہ نے ہاتھ کے اشارے سے مصاحبوں کو دور رہنے کا اشارہ کیا اور خود اس کے سامنے آ رکی۔ چغے کی ٹوپی کے ہالے میں اس کا خوبصورت چینی چہرہ مسکراتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

فاتح نے ڈول زمین پہ رکھا اور گردن جھکا کے تعظیماً سلام کہا۔

''ملکہ....خوش آمدید۔'' ساتھ ہی گہری آنکھیں اٹھا کے دیکھا۔

شاہ چین کی بیٹی نے چغے کی ٹوپی پیچھے کو گرائی اور شاہانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''سب کیسا جا رہا ہے' غلام فاتح؟''

اس نے پہلے ملکہ کو کرسی پیش کی' پھر درمیان میں میز رکھی اور جب وہ کرسی پہ بیٹھ گئی تو وہ مقابل کرسی پہ بیٹھ گیا۔غلام ہونے کے باوجود وہ ملکہ کے سامنے بیٹھنے سے قطعاً نہیں ہچکچایا۔ملکہ کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

''کل شہزادی تالیہ اور مورخ تین چاند والے جزیرے کے لئے روانہ ہوں گے جہاں سے وہ خزانہ ڈھونڈ کے لائیں گے۔آپ کا بھیجا گیا چینی جہاز اگر وقت پہ پہنچ گیا تو.....''

''وہ وقت پہ ہی پہنچے گا۔''

''بالکل' اگر ایسا ہوا تو شہزادی تاشہ خزانے سمیت واپس آئیں گی۔امید ہے تب تک مراد راجہ مجھے قید کر چکا ہو گا' لیکن میں اس سے اپنے اور تاشہ کے لئے محفوظ راستہ حاصل کر لوں گا۔پھر ہم ملاکہ سے چلے جائیں گے اور آپ کے تخت کو کسی لڑکی سے خطرہ نہیں ہو گا۔''

''مراد راجہ اور تاشہ....مجھے اپنے ان دونوں 'دشمنوں' سے نجات مل جائے گی نا؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔فاتح نے سر

کو ختم دیا۔

''میں نے آپ سے وعدہ کر رکھا ہے ملکہ عالیہ کہ شہزادی تاشہ آپ کے سلطان کی ملکہ نہیں بنے گی۔ آپ بے فکر رہیے۔''

''تمہارے وعدوں پہ اعتبار کرنا چاہتی ہوں مگر.....'' ملکہ نیچے فرش کو دیکھ رہی تھی جہاں پانی کا ڈول رکھا تھا۔ ''مگر تمہارا چہرہ کہتا ہے کہ تم وعدے نبھانے میں اچھے نہیں ہو۔''

''آپ کی قیافہ شناسی غلط ہے ملکہ۔ میں نے کبھی وعدے نہیں توڑے۔ چاہے وعدہ قوم سے کیا ہو یا بیوی سے یا اپنے بیٹے اور بیٹیوں سے۔''

ملکہ نے چونک کے آنکھیں اٹھائیں۔ ''بیٹیاں؟ تمہاری تو صرف ایک بیٹی ہے۔''

''اب ایک ہے۔ بڑی والی مر چکی ہے۔''

کن باؤ کے برآمدے میں سناٹا چھا گیا۔

ملکہ نے چند لمحے کو نظریں جھکائیں پھر اٹھا کے اسے دیکھا۔

''نہیں۔ جو مری تھی، وہ تمہاری بیٹی نہیں تھی۔ وہ تمہاری بہن تھی۔'' پھر شانے اچکائے۔ ''لیکن ہو سکتا ہے میری قیافہ شناسی (چہرے پڑھنے کا علم) غلط ہو۔ خیر.... کل جب شہزادی تاشہ اور مورخ جزیرے کی طرف چلے جائیں گے تو....''

وہ بات بدل کے واپس منصوبے کی طرف جانے لگی مگر وان فاتح کی تمام حسیات جاگ چکی تھیں۔ ملکہ کے مقابل بیٹھے غلام نے پانی کے ڈول کو دیکھا اور پھر ملکہ کو۔

''نہیں.... یہ قیافہ شناسی نہیں ہے۔'' اس کی چبھتی نظریں یان سوفو پہ جمی تھیں جس کی رنگت ایک دم پھیکی پڑی تھی۔

''اس روز جب آپ نے تاشہ کے سامنے اسی جگہ بیٹھ کے مجھے خود غرض کہا تھا تو مجھے یاد ہے، آپ کی آمد سے چند ساعتیں قبل میں کنویں سے پانی بھر کے لایا تھا اور وہ ڈول بھی میں نے اس طرح یہاں رکھا تھا۔ اس روز بھی ڈول کے پانی سے میں نے پیا تھا۔ آج بھی پیا ہے۔ آپ میرا چہرہ نہیں پڑھ رہی تھیں، ملکہ۔ آپ پانی کو پڑھ رہی تھیں۔''

فاتح کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے، اور اس نے آگے جھک کے ملکہ کی آنکھوں میں جھانکا۔

''یہ قیافہ شناسی نہیں ہے۔ یہ جادو ہے۔ اور آپ.... آپ جادوگرنی ہیں۔''

نیلگوں اندھیرے میں ڈوبی حویلی پہ پل بھر کے لئے موت کا سناٹا چھا گیا۔

یان سوفو کے کان غصے سے سرخ پڑے اور اس نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ ''تم اس گستاخی کی سزا جانتے ہو، غلام؟''

''میں اتنا جانتا ہوں کہ ملاکہ میں جادوگروں کے متعلق قوانین بہت سخت ہیں۔ اگر سلطان کو علم ہوا کہ آپ کے والد نے

آپ کو جادو سے لیس کر کے بھیجا تھا تا کہ.....(اس نے اندازہ لگایا) تا کہ آپ ملاکہ پہ قبضہ کر سکیں تو آپ کو سزائے موت دے دی جائے گی۔"

"تم مجھ پہ الزام لگا رہے ہو۔" وہ غرائی مگر لہجہ اتنا مضبوط نہ تھا مگر وہ مسکرائے جا رہا تھا۔

"آپ نے پموررو کے پورے گاؤں کو تباہ کروا دیا کیونکہ وہ جادو میں ملوث تھے۔ مراد راجہ نے اپنے جادوگر دوستوں سے غداری کی اور اُن سے آن ملا۔ کیا وہ آپ کا راز جان گیا تھا؟ تبھی آپ نے اسے محفوظ راستہ دے دیا۔ آپ دونوں جادوگر ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے واقف ہیں لیکن سلطان کو علم نہیں ہے۔"

"تم..."

"آپ فکر مت کریں۔ میں یہ بات کسی کو نہیں بتاؤں گا کیونکہ اگر آپ کو سزا ہو گئی تو مجھے اور تاشہ کو واپسی کا راستہ نہیں ملے گا۔"

یان سوفو لب بھینچے چند لمحے اس کو دیکھتی رہی، پھر ایک دم وہ ہنس پڑی۔ یکایک سارا غصہ غائب ہو گیا۔

"تمہیں لگتا ہے میں تم سے ڈرتی ہوں؟"

"آپ کو مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، ملکہ۔ میں آپ سے کیا وعدہ نبھاؤں گا۔ آپ کو آپ کا علم مستقبل دکھا سکے تو دیکھ لیجیے گا۔"

یان سوفو نے اب کی بار پوری گردن جھکا کے ڈول میں مقید پانی کو غور سے دیکھا

"میں مستقبل نہیں بتا سکتی۔ جادو صرف ماضی بتا سکتا ہے۔" اعتراف کیا۔

"اور مستقبل دیکھ لینا کیا ہوتا ہے؟" اسے کوئی یاد آیا تھا۔

"الوہی تحفہ۔" وہ اب بھی پانی کو دیکھ رہی تھی۔

"شہزادی تاشہ نے بھی آپ کے سامنے بہت دفعہ پانی پیا ہو گا۔ ان کا ماضی نہیں پڑھا آپ نے؟"

"وہ جادوگر کی بیٹی ہے۔ میرا علم اس پہ اور اس کے باپ پہ نہیں چلتا۔ تم البتہ...." اس نے نظریں اٹھا کے مسکرا کے فاتح کو دیکھا۔ "ایک خود غرض مرد رہے ہو۔"

"اور وہ کیوں؟"

"تم نے ایک عورت سے صرف اس لئے شادی کی تا کہ وہ تمہاری بہن کا خیال رکھ سکے۔ تم اپنے باپ پہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ تم اس سے بہتر ہو۔ تمہیں اپنے باپ سے نفرت تھی۔"

''اور کیا دیکھا آپ نے میرے بارے میں؟'' وہ دلچسپی سے ملکہ کو دیکھ رہا تھا۔

''غلام فاتح....'' وہ اب کے نرمی سے بولی۔ ''کچھ باتوں کو نہ جاننا ہی اچھا ہوتا ہے۔ میں تمہیں تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ تم منصوبے پہ دھیان دو۔ باقی سب بھول جاؤ۔ تم کسی دوسرے علاقے سے آئے لگتے ہو جس کے بارے میں' میں کچھ نہیں جانتی مگر محبتیں اور نفرتیں ہر علاقے میں ایک سی ہوتی ہیں اس لئے میں تمہارے دل میں کسی کے لئے نفرت نہیں بھرنا چاہتی۔''

یہ وہ آخری بات تھی جو یان سوفو نے اٹھتے وقت کہی تھی۔ وان فاتح نے پھر کوئی سوال نہیں پوچھا۔ اسے ایک جادوگرنی سے اپنے ماضی کی خبر لینے میں دلچسپی نہ تھی کیونکہ اس کے خیال میں وہ اپنے ماضی سے واقف تھا۔

پھر وہ شام بھی آ گئی جب وہ مراد راجہ کو میز پہ لے آیا اور کچھ اپنی منوا کے کچھ اس کی مان لی۔ مراد نے رخصت کے وقت اسے صاف لباس اور گھوڑے سمیت سفر کے لئے زادِ راہ بھی دیا۔ وہ دونوں محل کے دروازے پہ کھڑے تھے اور مراد اسے بتا رہا تھا کہ اسے کس طرح چابی کی مدد سے جنگل میں اس مقام تک پہنچنا ہے جہاں وہ 'دروازہ' موجود ہے۔

دفعتاً ایک سپاہی مراد راجہ کا گھوڑا لئے قریب آیا تو فاتح چونکا۔

''آپ میرے ساتھ آ رہے ہیں' راجہ؟''

جواباً مراد کے تیوری چڑھی۔

''کیا تمہیں اس بات پہ اعتراض ہے کہ میں سن باؤ کے گھر سے اپنے صندوق اپنی نگرانی میں وصول کروں یا اپنی بیٹی کو الوداع کہہ سکوں؟''

''ہرگز نہیں' راجہ۔ میں سورج ڈوبنے کے ٹھیک ایک گھنٹے بعد آپ کو سن باؤ کی گلی کے پاس درختوں کے جھنڈ میں ملوں گا۔''

''کیوں؟ تمہیں کچھ خاص کرنا ہے کیا؟ یا کسی سے ملنا ہے؟'' راجہ نے مسکرا کے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ پھر ارد گرد نگاہ دوڑائی۔

''یقیناً میرے سپاہیوں میں سے کوئی ایک ملکہ کا وفادار ہوگا' اور اس نے تمہیں آنے کا اشارہ کیا ہوگا۔''

''راجہ کو اپنا سونا واپس مل رہا ہے۔ اب راجہ کو شکایت کا حق نہیں ہے۔''

مراد کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ''جاؤ' غلام فاتح۔ خدا کرے ملکہ مایوسی میں تمہاری گردن نہ اتروا دے۔''

اور ملکہ یان سوفو مایوسی سے زیادہ غصے کی حالت میں تھی۔ اگر اس وقت وہ محل میں ہوتی تو شاید اپنے سپاہیوں کو اس کی گردن مارنے کا حکم دے ڈالتی لیکن چونکہ اس غلام کو محل بلانا پُرخطر تھا' اس لیے وہ بندا ہارا کے محل سے چند کوس دور بنے بازار میں مل رہے تھے۔ سپاہی فاصلے پہ عام حلیے میں ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے اور وہ دونوں ہندوستانی مصالحوں کی ایک دکان کے

سامنے کھڑے تھے۔ ملکہ نے بھورے چغے کی ٹوپی سے سر ڈھانپ رکھا تھا اور اس کا چہرہ غیض و غضب سے سرخ دہک رہا تھا۔

''تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم مراد راجہ کو قلاش کر دو گے' تباہ کر دو گے۔'' وہ مٹھیاں بھینچے ضبط سے بولی۔

شام ڈھل رہی تھی اور ارد گرد بہت سے تازہ تازہ آزاد ہوئے غلام خوشی خوشی آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ رش بہت تھا اور کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ فاتح کو جواباً بلند آواز میں کہنا پڑا۔

''میں نے آپ سے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔''

''تم خزانہ مراد کو واپس کیسے کر سکتے ہو؟ وہ تمہیں غریبوں کو دینا تھا۔''

''آپ چاہتی ہیں کہ میں وہ خزانہ سن باؤ کو دے دوں تا کہ وہ غریبوں میں بانٹ دے؟ کیا میں اتنا بے وقوف ہوں؟ ہم دونوں کو معلوم ہے کہ سن باؤ وہ خزانہ چین بھیج دے گا۔ اور آپ یہی چاہتی ہیں۔''

''چین بھیجنا مراد راجہ کو لوٹا دینے سے بہتر تھا۔ تم... تم وہ اسے کیسے واپس کر سکتے ہو؟''

''کیونکہ وہ مجھے واپسی کا راستہ دے رہا تھا اور صرف وہی دے سکتا تھا۔ میں نے آپ سے تاشہ کو آپ کے راستے سے ہٹانے کا وعدہ کیا تھا' مراد راجہ کو تباہ کرنے کا نہیں۔ آپ کی اور مراد کی جنگ آپ دونوں کا مسئلہ ہے۔ تاشہ اور میں اس کھیل کے لا متناہی کھلاڑی تھے۔ ہمیں اپنے ملک واپس جانا ہے۔''

بازار پہ اندھیرا چھا رہا تھا اور دکانوں کے قمقمے روشن ہو رہے تھے۔ آج لوگوں نے مغرب کے ساتھ ہی اپنے ٹھیلے نہیں سمیٹے تھے بلکہ وہ غلاموں کے آزاد ہونے کی خوشی میں جلوس نکال رہے تھے۔

'اور تم اپنے ملک کے بندا ہارا بن جاؤ گے' یہ لگتا ہے تمہیں؟'' ملکہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مستقبل نہ میں دیکھ سکتا ہوں نہ آپ۔ اس لئے کوشش ہی کر سکتا ہوں۔''

رش بڑھتا جا رہا تھا اور لوگوں کا شور بھی۔

''میں ابھی بھی تمہارا سر قلم کروا سکتی ہوں۔'' وہ برہمی سے اس کو دیکھ کے بولی تو غلام مسکرا کے قریب آیا اور ملکہ کے کان میں سرگوشی کی۔

''یعنی آپ شہزادی تاشہ کو پھر سے غیر شادی شدہ بنا دیں گی؟ اور آپ کو کیا لگتا ہے.... فاتح بن رامزل مرنے سے پہلے اعلانیہ انداز میں لوگوں کو نہیں بتائے گا کہ چینی شہزادی ایک جادوگرنی ہے؟ میں نے ان لوگوں کو آزاد کرایا ہے' ملکہ۔ یہ میرے احسان تلے دبے ہیں' یہ میرا یقین فوراً کر لیں گے۔'' پھر سیدھا ہوا تو دیکھا' ملکہ کا چہرہ غصے اور بے بسی سے تمتما رہا تھا۔

''تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ تم جانتے تھے میں مراد راجہ کی تباہی کے لئے وہ جہاز دے رہی ہوں تمہیں اور تم نے مجھے غلط

تاثر دیا۔ خیر۔ خوش تو تم بھی نہیں رہو گے اپنے ملک میں۔"

فاتح نے کندھے اچکائے۔

"آپ اپنی فکر کریں' ملکہ۔ آگے آپ کو مرادراجہ سے ایک طویل جنگ لڑنی ہے۔"

سر جھکا کے تعظیم پیش کی اور الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔

"تم میرے دوست نہیں تھے اس لئے اب تمہیں تکلیف پہنچا کے مجھے افسوس نہیں ہو گا۔"

"آپ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔"

"نقصان نہیں۔ تکلیف کی بات کر رہی ہوں۔ سوچو.... اس وقت تمہارے دل کی کیا حالت ہو گی جب تمہیں معلوم ہو گا کہ...." وہ بالآخر مسکرائی۔ چغے کے ہالے میں دمکتا اس کا چہرہ ذرا شانت ہوا۔

"کہ؟" فاتح نے ابرو اٹھائی۔

"کہ تمہاری بہن کا خون تمہارے بچوں کی ماں کے ہاتھ پہ ہے؟"

چند لمحوں کے لئے وقت بالکل تھم گیا۔ بازار میں بجتے شادیانے... بھانت بھانت کی بولیاں... سب ایسے خاموش ہوا جیسے لوگوں کی زبانیں چھن گئی ہوں۔

"بھورے بالوں والی عورت ہے نا تمہاری بیوی؟ آخری دفعہ پہاڑوں پہ تمہاری 'بہن' کے ساتھ گئی تھی تو کانوں میں بڑے بڑے موتی پہن رکھے تھے؟ اور تمہاری بہن سفید گھیر دار لباس پہنے ہوئے تھی؟ اور اس کے اوپر پیلا لبادہ۔ اس بچی کے لئے جو جلاد بھیجے گئے تھے' وہ تمہاری بیوی نے بھیجے تھے وان فاتح۔ ماضی جان لینا مستقبل جان لینے سے زیادہ بڑا عذاب ہے۔ ہے نا؟"

ملکہ نے چغے کی ٹوپی آگے کو سرکائی اور مسکرا کے سر کو خم دیا۔

"تمہارا سفر اچھا گزرے۔ اللہ حافظ۔"

وان فاتح وہیں ساکت کھڑا رہ گیا۔

وہ جا چکی تھی اور وہ اس سے مڑ کے سوال بھی نہیں کر سکا تھا۔ اگر ملکہ جھوٹ بول رہی تھی تو اس کو ان کے لباس کا رنگ کیسے معلوم ہوا؟

اگلے تین دن جب وہ ایڈم اور تالیہ کے ساتھ جنگل میں سفر کر رہا تھا' وہ بہت چپ چپ سا تھا۔ ایڈم اور تالیہ کیا کہہ رہے تھے' وہ نہیں سن رہا تھا۔ دماغ میں صرف ایک فقرہ گردش کر رہا تھا۔

تمہاری بہن کا خون تمہارے بچوں کی ماں کے ہاتھ پہ ہے۔وہ بار بار سر جھٹکا۔یہ ناممکن ہے۔عصرہ ایسے نہیں کر سکتی۔عصرہ کو تو آریانہ سے محبت تھی۔مگر کیا واقعی؟

بہت سے واقعات آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگے۔ ہر بات میں وہ آریانہ کو فوقیت دیتا تھا اور عصرہ پسپائی اختیار کر لیتی تھی۔وہ جس پسپائی کو اس کا بڑا پن سمجھتا تھا' وہ اس کے اندر پنپتا زہریلا پودا بن چکی تھی۔آہستہ آہستہ سب سمجھ میں آنے لگا تھا۔

وہ جنگل میں تھے اور ایڈم اور تالیہ سو چکے تھے۔وہ اپنے انہی خیالات کی رو میں بھٹکتا آگے نکل آیا۔جنگل اندھیر تھا اور گھنے درختوں کے باعث چاند دکھائی نہ دیتا تھا۔وہ ہاتھ میں مشعل لئے آگے چلتا گیا۔دفعتاً ایک درخت کے پاس رکا۔

وہ کوکو کا درخت تھا۔اس کے پتوں کی خوشبو نے ایک دم چار ماہ قبل والا وہ دن یاد کروا دیا جب اس نے تالیہ کی سالگرہ پہ اس کو یہ پھل توڑ کے دیا تھا۔ایک مغموم مسکراہٹ فاتح کے لبوں پہ بکھر گئی۔اس نے ایک پھل توڑا اور تالیہ کے پاس لے آیا۔وہ اپنے ٹہنیوں سے بنے جھولے پہ بے خبر سو رہی تھی۔وہ کافی دیر اس کے پاس بیٹھا سوچتا رہا کہ اسے کیا کہے۔

وہ اس کو چھوڑنے جا رہا تھا' اس لئے وہ اسے نہیں بتا سکتا تھا کہ اس کی بیوی نے ہی اس کی بیٹی کو مارا ہے۔اور ابھی تک وہ خود بھی پر یقین نہ تھا۔لیکن اب دل کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا اسے کسی کو تو بتانا تھا۔کچھ تو بتانا تھا۔دروازہ پار کرتے ہی وہ سب بھلا دے گا۔کوئی تو اسے یاد کروانے والا ہونا چاہیے۔یا اللہ....اس نے کیا قربان کر دیا؟یادداشت کا سودا اس وقت اتنا مہنگا نہیں لگا تھا لیکن اب.....؟

کوشش کے باوجود فاتح بن رامزل اس رات تالیہ کو وہ سب نہیں بتا سکا۔یہ بہت خطرناک راز تھا۔

مگر....اپنے زمانے میں واپس آنے کے بعد.....ذوالکفلی سے وقت کے تین سوالات سنتے ہوئے اس کو احساس ہوا کہ اگر اسے اپنی یادداشت واپس چاہیے تھی تو اسے ''اپنے ساتھ'' موجود شخص سے بھلائی کرنی تھی۔عصرہ اس کے لئے سب سے اہم شخص نہیں تھی۔اس کی بیٹی کی قاتل کو اس کے لئے سب سے اہم شخص ہونا بھی نہیں چاہیے۔اگر اسے کسی کے ساتھ بھلائی کرنی تھی تو وہ تالیہ ہونی چاہیے۔اگر وہ چلی گئی تو وہ کبھی نہیں جان سکے گا کہ اس کی بیٹی کو عصرہ نے کیوں مارا تھا۔کوئی تو ہونا چاہیے جو اس کے ساتھ مخلص ہو اور اسے یاد کروائے۔خودغرضی ہے تو خودغرضی سہی مگر اب وہ نہیں چاہتا تھا کہ تالیہ اسے بھول جائے۔

اس نے ایک سطر لکھ کے ذوالکفلی کے حوالے کی۔وہ اسے ایڈم کو ای میل نہیں کرنا چاہتا تھا۔وہ ملک کا اگلا وزیراعظم بننے جا رہا تھا اور یہ راز بہت خطرناک تھا۔

واپسی پہ اس نے ایڈم کو ای میل لکھی اور اسے ہر ہفتے تالیہ کے لئے کوکو پھل بھیجنے کی ہدایت کی۔

جب وہ ہر شے بھول چکا ہو گا تو وہ پھل تالیہ کو ان کی جنگل کی آخری گفتگو یاد دلائیں گے۔اور وہ دوبارہ کبھی برائی کے راستے پہ نہیں جائے گی۔صرف وہی اس کی مدد کر سکتی تھی۔

اسے تالیہ مراد سے محبت نہیں تھی۔ یہ بات وہ جانتا تھا۔تالیہ کو اس سے محبت تھی۔ یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہ تھی۔اور ایڈم کو کس سے محبت تھی' وہ اس سے بھی ناواقف نہ تھا۔ پہلے وہ چاہتا تھا کہ تالیہ اور ایڈم اس سے الگ ہو کے اپنی نئی زندگی شروع کریں لیکن آریانہ نے جیسے پہلے بھی اس کی زندگی میں ہر ایک کو پیچھے چھوڑ دیا تھا' اب بھی وہی بازی لے گئی تھی۔

تالیہ کو اس کے ساتھ رہنا تھا' اور اسے تالیہ کے۔ان دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت تھی۔

چاہے وقت بیت جائے....چاہے یادیں کھو جائیں....چاہے چہروں کے نقاب بدل جائیں....انہیں ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑنا تھا۔

☆☆=========☆☆

حالم کے بنگلے کے اوپن کچن میں خاموشی چھائی تھی۔داتن منہ کھولے باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھ رہی تھی۔ایڈم جہاں دنگ رہ گیا تھا' وہیں شہزادی تاشہ کے اندر جاری تاشہ اور تالیہ کی جنگ ختم ہو چکی تھی اور وہ اپنے دونوں چہروں کو تسلیم کر کے ایک دم شانت نظر آتی تھی۔

''عصرہ محمود نے آریانہ کو قتل کروایا تھا۔''

اس نے دہرایا تو سناٹا ٹوٹا۔داتن نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔

''مگر عصرہ تو آریانہ سے سب سے زیادہ محبت کی دعویدار تھی۔''

''اور کسی نے مجھے کہا تھا کہ مجھے بہت سے لوگ ملیں گے جن کی زبانیں دلفریب باتیں کہیں گی لیکن مجھے ان کو ان کے اعمال کی بنیاد پہ پرکھنا ہو گا۔'' تالیہ ٹیک لگائے' اس کاغذ کو تہہ در تہہ کرتی کہہ رہی تھی۔ ''عصرہ کی زبان جو بھی کہے' اس کا عمل ہمیشہ مختلف رہا ہے۔''

''مختلف کیسے؟'' داتن کو اچنبھا ہوا۔

تبھی ایڈم کھوئے کھوئے سے انداز میں بولا۔

''مسز عصرہ بظاہر آریانہ سے محبت کی دعویدار تھیں' لیکن آریانہ جس شخص کی بہن تھی' انہوں نے اس شخص کو چھ سال تکلیف دیے رکھی۔اگر انہیں واقعی آریانہ سے لگاؤ ہوتا تو فاتح میں آریانہ کو ڈھونڈتیں اور ان کی تکلیف کا احساس کرتیں۔''

''اسی لئے عصرہ بیگم اس ملک سے بھاگنا چاہتی تھیں۔'' وہ انگلیوں کے پوروں سے کاغذ کو تہیں لگا رہی تھی اور گول میز پہ بیٹھے دونوں افراد اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہے تھے۔ ''تا کہ ماضی کا گناہ کبھی سامنے نہ آ جائے۔ اور جب انہیں معلوم ہوا کہ آریانہ تو اس دن مر گئی تھی' وہ ایک دم مطمئن ہو گئیں اور فرسٹ لیڈی بننے کے خواب دیکھنے لگیں۔''

''مگر.... فاتح صاحب کو یہ سب کیسے معلوم ہوا؟'' داتن نے اسے ٹوکا۔ اب وہ غور سے تالیہ کی آنکھوں میں بھرتے تنفر کو دیکھ رہی تھی۔ فاتح کے نام پہ تنفر میں اضافہ ہوا۔

''وہ ہمیشہ سے خود غرض تھے۔'' تالیہ ایک دم چیخ کے بولی۔ ''ان کو یقیناً قدیم ملاکہ میں معلوم ہوا ہو گا یہ سب۔ نہ جانے کیسے۔ اور انہوں نے اس بات کو ہم سے چھپا لیا مگر جب وہ واپس آنے کے بعد ذوالکفلی سے ملے تو انہیں احساس ہوا کہ وہ اکیلے یہ کام نہیں کر سکتے اور تالیہ تو ٹھہری کے ایل کی بہترین انویسٹی گیٹر (لہجہ طنزیہ ہوا تو ایڈم نے بھی چونک کے اسے دیکھا۔) سو مجھے اپنی زندگی سے باندھ دیا تا کہ میں آریانہ کی موت کا راز کھوج کے انہیں یاد کرواؤں۔ خود غرض... بے حد خود غرض انسان ہیں وہ۔'' اس نے کاغذ کو مروڑ کے زور سے زمین پہ مارا۔

''یہ خود غرضی نہیں ہے' چے تالیہ۔'' وہ نرمی سے بولا۔ ''یہ محبت ہے۔ آریانہ ان کی بیٹی تھی۔ انہوں نے ہم دونوں کو واپسی کا راستہ دینے کے لئے وہ سب بھول جانے کا انتخاب کیا تھا۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں بنتا کہ ہم ان کی بیٹی کا قاتل ان کو یاد کروائیں؟''

داتن نے گھور کے ایڈم کو دیکھا مگر وہ تالیہ کی طرف متوجہ تھا۔ تالیہ کا تو جیسے دل ہی ٹوٹ گیا تھا۔

''اب تک مجھے لگا تھا ان کو شاید مجھ سے کوئی لگاؤ ہو... میری کوئی اہمیت ہو۔ مگر نہیں۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ صرف ضرورت کے لئے باندھا اور میں نے..... میں نے ان کے لئے ہر شے داؤ پہ لگا دی۔ میں نے اپنا چہرہ بھی میڈیا کے سامنے عیاں کر دیا جو کہ ایک اسکامر کا چہرہ ہے۔ کسی نے مجھے پہچان لیا' کسی نے تفتیش کی تو میرا کیا ہو گا؟''

''بالکل۔ وہ ایک خود غرض انسان ہے اور....'' داتن نے زور و شور سے تائید کرنی چاہی تو ایڈم نے تیزی سے بات کاٹی۔

''انہوں نے نہیں کہا تھا کہ آپ ان کی باڈی وومن بنیں۔ ساتھ رہنے کے بہت طریقے ہوتے ہیں۔ یہ آپ کی اپنی مرضی تھی۔ اور اب ان کو خود غرض کہنا چھوڑ دیں' چے تالیہ۔ کیا انہوں نے ہمارے لئے کچھ نہیں کیا؟ ہم اس دروازے کے پار آپ کے خزانے کے لئے گئے تھے' ان کی وجہ سے نہیں مگر یہ ان کا پلان تھا جو ہمیں وہاں سے نکال کے لایا ہے۔ جنگل میں ہمیں ہمت دلانے والا اور ملاکہ میں ہمیں سکھانے والا وان فاتح تھا۔ انہوں نے ہمیں اپنا بہترین ورژن بننا سکھایا ہے۔''

تالیہ نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم خود ہی تو کہتے تھے کہ جب وہ میرا ساتھ چھوڑ دیں گے تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔''

''تب کہتا تھا جب وہ ساتھ چھوڑنے والے تھے۔ جب نہیں چھوڑا تو کہنے کی وجہ نہیں رہی۔''

داتن نے میز کے نیچے سے ایڈم کے جوتے کو پیر مارا مگر وہ متوجہ نہیں ہوا۔

''وہ یہ سب مجھے براہ راست بھی بتا سکتے تھے۔ایک ای میل کر دیتے۔ایک خط لکھ دیتے۔اتنی پہیلیاں کیوں رکھیں؟''

ایڈم بن محمد سوگواریت سے مسکرایا۔

''وان فاتح کب کوئی بات براہ راست کہتے ہیں؟ وہ تو ہمیشہ کوئی کہانی سناتے ہیں۔اپنا جواب سننے والے کو خود تلاشنا ہوتا ہے۔اب بھی انہوں نے ایک پہیلی چھوڑی تھی۔'' (دور گرے مروڑے ہوئے کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔) ''آپ چاہتیں تو اس کو نہ حل کرتیں۔یہ آپ کی اپنی چوائس تھی۔''

''تو اب میں کیا کروں؟ ان کی انویسٹی گیٹر بن جاؤں؟'' وہ تڑپ کے بولی۔اسے بہت غصہ اور بہت دکھ تھا۔''مجھے کیا ان کی بیٹی کو جس نے بھی مارا ہو وہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔''

''مگر مسز عصرہ تو ہیں نا آپ کا مسئلہ۔آپ کو وہ بری لگتی ہیں اور آپ سے ان کا یہ نیا اچھا روپ بھی ہضم نہیں ہوا ہے۔میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ ان سے جیلس ہیں۔''

''ایڈم....'' اس نے چھری اٹھائی تو وہ جلدی سے بولا۔

''آپ اس جیلسی کو اپنی طاقت کیوں نہیں بنا لیتیں؟'' (تالیہ نے دھیرے سے چھری واپس رکھی۔)

''تم چاہتے ہو میں عصرہ کو ایکسپوز کروں؟'' بھنویں اکٹھی کر کے خفگی سے اسے دیکھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے ساتھ موجود شخص کو بھلائی پہنچائیں۔وہ شخص سب سے اہم ہے' اس کو بھلائی پہنچانا سب سے اہم ہے' اور یہ کام کرنے کا سب سے اہم وقت 'ابھی' ہے۔آپ یہ کریں گی تو آپ کی یادداشت واپس آجائے گی۔''

وہ رسان سے سمجھا رہا تھا اور داتن دانت پیستے ہوئے اسے گھور رہی تھی۔

''میری یادداشت آدھی تو آ ہی چکی ہے اور باقی معلوم کرنے میں مجھے دلچسپی نہیں ہے۔''

''جو ہمیں معلوم ہوتا ہے چے تالیہ' وہ ہمیشہ ہماری جان بچاتا ہے۔ہوسکتا ہے آپ کی کہانی میں ابھی بھی کچھ ایسا ہو جسے معلوم کرنا آپ کے لئے ضروری ہو۔''

''ہونہہ۔مجھے نہیں یاد کرنا قدیم ملاکہ کو۔'' شہزادی نے نخوت سے سر جھٹکا۔

''ابھی تک آپ وان فاتح کی مدد اس لئے کر رہی تھیں کیونکہ آپ کو لگتا تھا وہ آپ کو ''اپنے لئے'' اپنے ساتھ رکھنا چاہتے

ہیں۔اب آپ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ آپ کو اپنی مدد کے لئے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں تو آپ خود غرضی دکھا کے ان کو چھوڑ دیں گی؟ جس شہزادی تاشہ کو میں جانتا ہوں' جس کے قصے میں نے بنگارایا ملایو میں لکھے تھے' وہ خود غرض نہیں تھی۔''

''ظاہر ہے۔'' وہ سر جھٹکتے ہوئے اٹھی اور کندھے اچکائے۔''تم یہ نہیں کہو گے تو اور کون کہے گا۔'' وہ کرسی دھکیل کے اٹھی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔وہ سارے دن کی تھکی ہاری آئی تھی۔یقیناً اب فریش ہونے جا رہی تھی۔

اوپر اس کے دروازے کے بند ہونے آواز آئی تو داتن غصے سے ایڈم کی طرف گھومی جو اب گردن جھکائے ہوئے تھا۔

''تم وان فاتح کی اتنی حمایت کیوں کر رہے تھے؟''

اداس نوجوان نے پلکیں اٹھائیں اور سوگواریت سے اسے دیکھا۔

''میں سچ بول رہا تھا۔ایک باپ کا اپنی بیٹی کے قاتل کو ڈھونڈنے کے لئے کچھ کرنا خود غرضی نہیں ہوتی۔''

''وہ بالآخر وان فاتح سے متنفر ہوئی تھی اور تم اس موقع کو استعمال کر سکتے تھے۔اف ایڈم' اف۔'' داتن نے مٹھیاں بھنچیں۔''فاتح سب بھلا چکا ہے' وہ اب بھی یقین نہیں کرے گا کہ عصرہ اس کی بیٹی کی قاتل ہے۔وہ دونوں میاں بیوی اب صلح کر چکے ہیں۔تالیہ اپنی زندگی میں واپس آ سکتی ہے۔تم اس کو اس زندگی میں نہ دھکیلو جس میں تکلیف ہی تکلیف ہے۔''

''ان کو وان فاتح سے محبت ہے۔کسی کو unlove کرنا آسان نہیں ہوتا' داتن۔آسان کیا' یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔''

''مگر چھوڑا تو جا سکتا ہے نا۔تم اسے فاتح کو چھوڑنے دیتے۔یہ سب کہنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''کیونکہ میں سچا انسان رہنا چاہتا ہوں' داتن۔'' وہ زخمی مسکراہٹ سے بولا۔''اور سچا انسان خوشی اور غمی' دونوں حالتوں میں سچ بولتا ہے۔ورنہ عبادت تو منافق بھی کرتے ہیں اور اللہ کو مشرک بھی مانتے ہیں۔لیکن ایمان صرف سچ بولنے سے آتا ہے۔ میں نے فاتح صاحب کی حمایت نہیں کی۔میں نے صرف سچ بولا ہے۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا تو داتن نے دیکھا کہ اس کے کندھے ڈھلکے ہوئے تھے اور چہرے پہ بے پناہ تکلیف تھی۔

''تم جانتے ہو تمہارا یہ سچ اسے عصرہ کو فاتح کی زندگی سے نکالنے اور اپنی جگہ حاصل کرنے کی امید تھما دے گا۔اور تمہاری تکلیف بڑھ جائے گی۔''

''ہمارے اللہ نے سچائی کے ساتھ فوری راحت کا وعدہ کیا بھی نہیں ہے۔سچائی میں بقا ہے' کامیابی ہے' دل کا سکون ہے' مگر ضروری نہیں ہے کہ اس میں خوشی بھی ہو۔سچائی قیمتی چیز ہے اور قیمتی چیزوں کے لیے تکلیفیں جھیلنی پڑتی ہیں۔''

وہ یہ کہہ کے آگے بڑھا اور زمین پہ گرا کاغذ اٹھایا۔تہیں کھول کے اسے سیدھا کیا اور جیب میں ڈال دیا۔

''جو میں نے ملاکہ میں سیکھا ہے' میں سے بھلانا نہیں چاہتا کیونکہ مجھے یاد کروانے والا کوئی نہیں آئے گا۔''

''اور کیا وان فاتح نے خود بھی ملاکہ میں کچھ سیکھا تھا؟'' وہ تندہی سے بولی۔

''بالکل۔ مگر انہیں تب بھی یہ معلوم نہیں تھا جب ان کی یادیں ان کے پاس تھیں اور نہ اب معلوم ہے۔'' وہ داتن کو دیکھے بغیر باہر کی طرف بڑھ گیا۔

حالم کا بنگلہ اب خاموش تھا اور ایڈم سامنے سڑک پہ چلتا جا رہا تھا۔ اس کے کندھے ڈھلکے تھے اور چہرہ مغموم تھا۔

داتن نے اتنے دن سے اس کے اندر ناممکن کی امید جگادی تھی۔ مورخ کو شہزادی مل سکتی تھی۔ اگر مورخ شاہی قبا پہن لے اور دربار میں اعلیٰ عہدہ حاصل کر لے تو وہ شہزادی کے قابل ہو جائے گا۔ لیکن جانے کیوں شہزادیوں کو صرف غلام ہی پسند آتے تھے۔

اس کا بہت مشکل سے تندرست ہوتا دل ایک دفعہ پھر سے بری طرح ٹوٹ گیا تھا۔

وہ ساری دنیا بھی پھر لے یا سارے زمانے کی کتابیں پڑھ لے اسے تالیہ مراد جیسی لڑکی کبھی نہیں ملے گی۔

تالیہ مراد سے زندگی میں آپ ایک دفعہ ہی ملتے ہیں اور پھر اس جیسی محبت دوبارہ کسی سے نہیں کر سکتے۔

☆☆=========☆☆

تالیہ اوپر اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے بیٹھی تھی۔ سنہری بال اب کھول کے شانوں پہ پھیلا رکھے تھے اور چبھتی نظریں اپنے عکس پہ جمی تھیں۔ مدھم لیمپ کے باعث کمرہ نیم اندھیر سا تھا۔ وہ عکس کو دیکھنے کے باوجود نہیں دیکھ رہی تھی۔ ذہن کے پردے پہ وہ سارے لمحے چل رہے تھے جب وہ عصرہ سے پہلی دفعہ ملی.... وہ فاتح کو لے کر اس ملک سے جانے کے لئے کتنی بے چین تھی۔ اس نے تالیہ کو فائل والے قصے میں پھنسانے کی بھی کوشش کی اور اب جب وہ ایک دم اچھی ہوگئی تو کیا تھا جو تالیہ مراد کو اس سے بے زار کر رہا تھا؟ شاید وہ اب خود سچ بولنے لگی تھی اور سچے لوگوں کو قدرت کی طرف سے یہ دعا مل جاتی ہے کہ انہیں جھوٹوں کے جھوٹ ہضم نہیں ہوتے۔

''عصرہ محمود.... تم نے ایک پیاری سی بچی کو کیوں مارا؟ تم اصل میں کون ہو؟ کیا چاہتی ہو؟ کیا مجھے تمہارے پیچھے آنا چاہیے یا وان فاتح کو اس کے حال پہ چھوڑ دینا چاہیے؟''

اس نے سنگھار میز پہ رکھا فون اٹھایا اور اسکرین روشن کی تو ذوالکفلی کا پیغام جگمگا رہا تھا۔

''وان فاتح کی یادداشت سے چند قطرے کم ہوئے ہیں۔ اسے ابھی کچھ یاد نہیں آئے گا سوائے ٹوٹے خیالوں اور بکھرے خوابوں کی صورت کے۔ چناؤ کا اختیار اب بھی تمہارے پاس ہے' چتری تالیہ۔ تم اس بوتل کو تلف کر کے اس کے ذہن کی تختی کو صاف کر سکتی ہو۔ کیونکہ جیسے جیسے اسے اگلے سوالوں کے جواب ملیں گے' اس کی تکلیف بڑھتی جائے گی۔ تمہاری تکلیف اور

تمہارے خوابوں نے تمہیں دیوانہ کر کے قدیم ملاکہ میں پہنچا دیا تھا۔ سو چو اس کے خواب اس کے ساتھ کیا کریں گے؟"

اس نے دھیرے سے فون رکھ دیا۔ پھر پلکیں اٹھا کے اپنے عکس کو اجنبیت سے دیکھا۔

اسے اپنی خواب دیکھنے کی صلاحیت واپس کب ملی تھی؟ جب اس نے سات برس پہلے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنے ماضی کو بھلا کے اس شخص کو اہم جانے گی جو اب اس کے ساتھ ہے۔ اس کا شوہر۔

سات برس اس کے خواب اسے چابی کا راستہ دکھاتے رہے تھے اور ماضی کے وہ چند ٹکڑے جو اس کو آج تک دکھائی دیے تھے وہ ائیرپورٹ پہ کیے اس ایک فیصلے کا نتیجہ تھے۔

اس کا کیا مطلب تھا؟

یہی کہ تالیہ مراد نے آج تک مکمل طور پہ ان تین سوالوں کے جواب نہیں پائے تھے۔ اور آج اسے ان کو پانا تھا۔

لیمپ کی مدھم زرد روشنی کمرے میں بکھری تھی اور شہزادی اسٹول پہ بیٹھی اپنے عکس کو تکے جا رہی تھی۔

(انسان کی زندگی میں سب سے اہم شخص کون ہونا چاہیے؟

انسان کی زندگی میں سب سے اہم کام کون سا ہونا چاہیے؟

کسی کام کو کرنے کا سب سے اہم وقت کون سا ہونا چاہیے؟)

"تم خود سب سے اہم ہو' تالیہ۔" اندر سے کسی نے جھنجھوڑا۔ "تمہیں وان فاتح کو چھوڑ کے کچھ عرصہ انڈر گراؤنڈ چلے جانا چاہیے یا کسی دوسرے ملک۔ تمہارے خلاف تفتیش شروع ہو چکی ہے۔ بھاگ جاؤ یہاں سے تالیہ۔"

(انسان کی زندگی میں سب سے اہم شخص کون ہونا چاہیے؟)

اس نے فون اٹھایا اور کال ملا کے اسپیکر آن کیا۔ پھر آئینے میں خود کو دیکھتی' موبائل ہتھیلی پہ اٹھائے بولی۔

"میں ان یادداشتوں کو تلف کر کے یہاں سے نہیں بھاگوں گی۔ مجھے ان سے ہزار گلے ہیں' ذوالکفلی' مگر جس شخص سے وفاداری کا عہد کیا تھا' جس کی کیمپین مجھ پہ انحصار کر رہی ہے' میں الیکشن سے پہلے ان کو چھوڑ جاؤں؟ ہرگز نہیں۔ میں ان کو نہیں چھوڑوں گی۔ وہ میرے لئے اس وقت سب سے اہم ہیں۔ خود سے بھی زیادہ۔"

(انسان کی زندگی میں سب سے اہم کام کون سا ہوتا ہے؟)

"پتری تالیہ.... اس کے ساتھ رہنا تمہارے اوپر مصیبتیں لا سکتا ہے۔" وہ فکرمند تھا یا شاید بن رہا تھا۔

"تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔ اور اس وقت اپنے ساتھ موجود شخص کو بھلائی پہنچانا میرے لئے سب سے اہم ہے۔" وہ اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے تکلیف سے بولی۔ نگاہوں کے سامنے اپنی تمام شناختیں' تمام چہرے' حلیے' اور چوریاں گھوم

گئیں۔ اگر تفتیش کرنے والوں نے پیچھا نہ چھوڑا تو....؟

مگر اس نے سر جھٹک دیا۔

''میں تمہارے لئے فکر مند ہوں' تالیہ۔ تم اس کی یادداشتیں تلف نہ کرو مگر ابھی انڈر گراؤنڈ ہو جاؤ۔ وہ وزیرِ اعظم بن جائے' دس ماہ یا سال کے اندر اندر تم واپس آ جانا اور اس کی مدد کرنا۔''

(انسان کی زندگی میں کسی بھی کام کا سب سے اہم وقت کون سا ہوتا ہے؟)

''نہیں ذوالکفلی۔'' شہزادی نے خود کو دیکھتے گردن دائیں بائیں ہلائی۔''جو کرنا ہے ''ابھی'' کرنا ہے۔''

''تالیہ.....'' وہ جیسے غمگین ہوا۔'' کاش تم نے اپنے تینوں سوالوں کے جواب نہ حاصل کیے ہوتے۔ تم نے اپنی زندگی مزید مشکل بنا دی ہے۔''

''میرے ماضی میں ایسا کچھ نہیں ہے جس کو یاد کرنے سے مجھے فرق پڑے یا وہ مجھے پہلے سے معلوم نہ ہو۔ میری فکر مت کریں۔'' اس نے بے نیازی سے کہہ کے فون رکھ دیا۔ پھر برش اٹھا کے آہستہ آہستہ بالوں میں پھیرنے لگی۔

ویسے بھی ایک بچی کے بچپن کے چند فراموش کردہ سالوں میں ایسا کیا ہو سکتا تھا جو اب اس کی زندگی پہ اثر انداز ہو؟ وہ اتنی دور نکل آئی تھی کہ اب اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔

یہ تالیہ بنتِ مراد کی خوش فہمی کی آخری رات تھی۔

☆☆==========☆☆

فاتح کی آنکھ فجر کے قریب ایک جھٹکے سے کھلی۔ اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا۔ پہلے تو ماؤف ہوئے ذہن سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ کہاں تھا؟ اپنے گھر کے ماسٹر بیڈ روم میں۔ اے سی کی ٹھنڈ میں..... بے خبر سوئی عصرہ کے قریب..... اس نے گہری سانس لی۔

تو وہ سب خواب تھا مگر عجیب سا خواب تھا۔

اس نے خود کو جنگل میں دیکھا تھا۔ حبس اور گرمی میں پسینے سے شرابور..... درختوں کے درمیان ایک گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھی روتی ہوئی لڑکی... سنہرے بال... کیچڑ آلود کپڑے..... وہ اسے کہتا ہے Make a wish اور وہ کہتی ہے کہ اسے چاکلیٹ کھانی ہے تب وہ اسے وہ پھل دیتا ہے۔ اس پھل کی خوشبو اسے اب تک محسوس ہو رہی تھی۔

اور جنگل کی گرمی بھی۔

وہ باتھ روم میں آیا اور آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے چہرے پہ پانی ڈالا۔ خواب ابھی تک ذہن میں تازہ تھا۔ وہ لڑکی تالیہ

تھی، اور وہ پھل..... پھل نہ جانے کون سا تھا۔ مگر وہ اپنی چیف آف اسٹاف کو خواب میں کسی فینٹسی ورلڈ میں کیوں دیکھ رہا تھا؟

یا اللہ، کیا یہ بڑھتی عمر کا اثر تھا یا ایک خوبصورت عورت کے ساتھ کام کرنے کا نقصان؟

اس نے سر جھٹکا اور زور سے تولیے سے چہرہ رگڑا۔ شاید اسے ڈر تھا کہ اس خواب کا نشان کوئی اس کے چہرے پہ نہ دیکھ لے

۔

صبح ناشتے کی میز پہ وہ سوٹ اور ٹائی میں ملبوس، پلیٹ کی طرف متوجہ تھا اور عصرہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ جوڑا باندھے، کانوں میں موتی پہنے، نیلے اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس تھی۔ خود بھی کہیں جانے کے لیے تیار لگتی تھی۔ آج کل اس کی مصروفیات بھی بڑھ گئی تھیں۔

''تم نیند میں ڈسٹرب لگ رہے تھے۔'' دفعتاً اس نے تربوز کا شربت گلاس میں انڈیلتے ہوئے غور سے وان فاتح کو دیکھا۔

اس نے پلیٹ پہ جھکے، چھری کانٹے سے انڈا توڑتے ہوئے شانے اچکائے۔

''اچھا..... مجھے پتہ نہیں چلا۔''

(ہاں تمہیں پتہ نہیں چلا کہ تم نیند میں ''Make a wish , Taliyah'' بڑبڑا رہے تھے؟) اس نے اندر ہی اندر بل کھاتے سوچا مگر بظاہر مسکراتی رہی۔

''مجھے لگا کوئی برا خواب دیکھ لیا ہے۔''

''مجھے کھلی آنکھوں والے خوابوں کی عادت ہے۔'' مسکرا کے شانے اچکائے تو عصرہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

(تردید نہیں کی۔ واہ۔)

بچے اسکول جا چکے تھے، اس لئے وہ دونوں ناشتے کی طویل میز پہ تنہا بیٹھے تھے۔ ملازم ناشتہ لگا کے ہٹ چکے تھے۔ کھڑکی سے باہر اس کی کار کے ساتھ ڈرائیور قمر (جو آدھا باڈی مین بھی تھا) اور گارڈز کھڑے نظر آتے تھے۔

''تالیہ آج نہیں آئی۔ وہ اب اکثر نہیں آتی۔'' عصرہ نے کھڑکی کو دیکھتے ہوئے کان کے موتی پہ انگلی پھیرتے پوچھا۔

''اشعر تاشہ میں دلچسپی رکھتا ہے۔ میں نے کل اسے کہا کہ وہ اس سے بات کر لے۔'' اس نے صرف تالیہ کا نام سنا تو جیسے بتانا یاد آیا۔

''اس کا نام تالیہ ہے، فاتح..... اور وہ تو شادی شدہ ہے۔ نہیں؟'' تحمل سے یاد دلایا۔

''اس نے ایک روز مجھے بتایا تھا کہ اس کی شادی ختم ہونے والی ہے۔''

''چلو اچھا ہے کہ وہ اپنے مسئلے بتاتی رہتی ہے۔ اچھے کولیگز کو ایک دوسرے کا یونہی خیال رکھنا چاہیے۔''

مسکرا کے سادگی سے کہہ رہی تھی۔فاتح اب نیپکین سے ہاتھ پونچھ رہا تھا۔اس کی نظریں پلیٹ پہ تھیں اور عصرہ کی چبھتی نظریں اس کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''میرا فون چارج ہو گیا ہو تو لے آؤ۔'' وہ کرسی دھکیل کے اٹھا اور کوٹ پہنتے ہوئے یاد دلایا۔عصرہ کی بات کونظر انداز کیا۔ مگر وہ دیکھ سکتی تھی کہ اس کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی تھی۔کوئی تو چور تھا وان فاتح کے دل میں۔

وہ اندر آئی اور اس کا فون بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے اٹھایا۔چارجر پن نکالی تو اسکرین روشن ہوئی۔عصرہ نے لمحے بھر کو سوچا' پھر گول بٹن دبایا۔پرانا پاسورڈ درج کیا۔2580۔اوپر سے نیچے قطار کی صورت۔مگر فون نے کھلنے سے انکار کر دیا۔

''تم نے پاسورڈ بدل دیا ہے فون کا؟ مجھے کال کرنے کے لئے کھولنا پڑا تو کھلا نہیں۔''

''پتہ نہیں۔تاشہ پاسورڈز بدلتی رہتی ہے اور اینٹی وائرس ڈالتی رہتی ہے تاکہ فون ہیک نہ ہو۔میں تو فنگر پرنٹ سے کھولتا ہوں۔'' اس نے سرسری سا کہتے ہوئے فون لیا اور لاپرواہی سے جیب میں ڈالتا' کوٹ کی نادیدہ سلوٹیں درست کرتا آگے بڑھ گیا۔عصرہ طنزیہ مسکرا دی۔

اس کے جانے کے بعد وہ کمرے میں آئی' دروازہ بند کیا' اور غصے سے کلپ نوچ کے دیوار پہ مارا۔سارے بال آبشار کی طرح کمر پہ گرتے چلے گئے۔

''تاشہ...تاشہ...تاشہ....'' اس نے دونوں مٹھیاں کنپٹیوں پہ رکھ لیں اور گھٹا گھٹا سا چلائی۔''میری آدھی عمر آریانہ سنتے بیت گئی اور اب یہ تاشہ....''

دیوار پہ لگے بیضوی آئینے میں وہ غیض و غضب کی تصویر بنی نظر آ رہی تھی۔

''وہ سمجھتا ہے کہ تالیہ اور اس کے درمیان جو بھی چل رہا ہے' وہ میرے سامنے اپنا ''ایماندار اور سچا'' امیج قائم رکھے گا؟ وہ سمجھتا ہے کہ میں بے وقوف ہوں؟''

وہ قدم قدم چلتی قریب آئی اور اپنے عکس کو دیکھا۔بھیگی آنکھوں نے کاجل کو پھیلا دیا تھا اور بال شانوں پہ بکھرے تھے۔اس نے کلینزر کی بوتل پوروں پہ انڈیلی اور پھر اسے آنکھوں تلے لگایا۔

''فاتح رامزل.....میں تمہارا پردہ چاک کر کے دکھاؤں گی۔بس اس الیکشن کو گزر جانے دو۔''

وہ ٹشو سے اب آنکھ کے کنارے صاف کر رہی تھی۔

''میں بے وقوف عورتوں کی طرح روز روز تم پہ شک نہیں کروں گی۔میں ثبوت کے ساتھ ایک ہی دفعہ تمہیں شرمندہ کروں گی۔تب تک جتنے تعلقات نبھانے ہیں تالیہ مراد سے' نبھا لو۔'' رگڑ کے کاجل صاف کیا تو آنکھیں سرخ پڑنے لگیں۔

''اور تالیہ مراد.... میں نے تمہیں سمجھنے میں دیر کر دی۔'' وہ اب سنبھلی ہوئے انداز میں بالوں کو واپس لپیٹ رہی تھی۔

''میں نے تمہیں اپنی دوست بنایا تا کہ تم اشعر کی زندگی کی ساتھی بن سکو لیکن تم تو میرے ہی ساتھی کے پیچھے پڑ گئیں۔ میری نظروں سے کچھ بھی ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ یاد رکھنا' فاتح صرف عصرہ کا رہے گا۔ اگر نہیں تو پھر کسی کا نہیں ہو سکے گا۔''

اس نے کس کے جوڑا بنایا' پھر چہرے پہ میک اپ فکسر کو اسپرے کیا اور مسکرائی۔ خوبصورت سیاسی بیوی کی رسمی مسکراہٹ۔ اور پرس اٹھا لیا۔

وہ آج پھر ایک جگہ مدعو تھی اور اسے اپنے اس کردار کو بخوبی نبھانا تھا۔

وان فاتح کے لئے نہیں۔ خود اپنے لئے۔

☆☆==========☆☆

لفٹ اوپر کی طرف گامزن تھی۔ باریسن نیشنل کا آفس چند منزلیں دور رہ گیا تھا۔ اندر تنہا کھڑی تالیہ منزلوں کے بدلتے نمبرز دیکھ رہی تھی۔ اے لائن قمیض کے اوپر اس نے سیاہ کوٹ پہن رکھا تھا اور بالوں کی مانگ نکال کے پونی بنا رکھی تھی۔ چہرہ مطمئن اور پرسکون تھا۔ وہ اچھی نیند لے کر اٹھی تھی اور کسی خواب' کسی یادداشت نے اسے نہیں ستایا تھا۔

لفٹ کے دروازے کھلے تو اس نے آفس کی لابی میں قدم رکھا۔ سامنے ریسپشن ڈیسک پہ اس کی جانب پشت کیے کھڑا اشعر ریسپشنسٹ سے کچھ کہہ رہا تھا۔ کسی خیال کے تحت مڑا تو تالیہ پہ نظر پڑی۔

وہ بھی اس کے عین سامنے آ کے رک گئی۔ نظریں اس کی گردن پہ لگے کٹ پہ ٹھہر گئیں۔ پھر اس کے چہرے کو دیکھا۔

اشعر محمود کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے راستہ دینے کے لئے ہٹ گیا تو وہ آگے بڑھ گئی۔ اشعر بھی پیچھے آیا۔ وہ یقیناً اپنے آفس جا رہا تھا۔

تالیہ آگے چلتی اس کے ہی آفس کے دروازے پہ جا رکی اور پھر اس کی طرف گھومی۔

وہ چونکا۔

''کل رات کے لئے سوری' ایش۔'' وہ مصالحتی مگر سنجیدہ انداز میں بولی۔ ''مجھے اتنی جارحیت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

وہ دونوں اس کے آفس کے دروازے کے سامنے کھڑے تھے اور فی الوقت راہداری میں کوئی نہ تھا۔

''بالکل۔ آپ کو نہیں کرنا چاہیے تھا مگر....'' وہ اس کی معذرت پہ متعجب ہوا تھا۔ ''آپ کا غصہ فطری تھا۔''

''خیر...اب وہ معاملہ سیٹل ہو چکا ہے۔ میں نے عصرہ سے بات کر لی تھی۔ وہ بھی اپنے عمل پہ شرمندہ تھیں۔ ان کو افسوس ہے کہ انہوں نے آپ سے ایسا کام کیوں کروایا۔'' وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔

اشعر نے گہری سانس بھری۔

''ان کا قصور نہیں ہے' وہ صرف....''

''قصور آپ دونوں کا ہے' ایش۔ مجھے گلہ صرف یہ ہے کہ آپ لوگ ڈائیریکٹ صوفیہ رحمٰن کے پاس چلے گئے۔ اگر آپ کو مجھ سے مسئلہ تھا تو آپ میرے پاس آتے' ایک دفعہ تو مجھ سے کہتے کہ تالیہ تم یہ جاب چھوڑ دو' ہم تمہیں اپنے ارد گرد برداشت نہیں کر سکتے۔ کہہ کے تو دیکھتے۔''

وہ دکھ سے بولی تو اشعر نے مزید تعجب سے اسے دیکھا۔

''میں آپ سے یہ کہتا تو آپ کیا کرتیں؟''

''میں کیا کرتی؟'' وہ دو قدم آگے آئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

''میں آپ کی شہ رگ پہ خنجر رکھ کے کہتی کہ تالیہ مراد اس آفس سے کہیں نہیں جا رہی' اور اگر کسی نے اسے نکالنے کی کوشش کی تو وہ جان سے جائے گا۔'' پھر اس کی گردن کی طرف اشارہ کیا۔ ''مگر اس کے لئے سوری۔''

اشعر کا تعجب عنقا ہوا۔ لبوں پہ زخمی مسکراہٹ در آئی۔ لمحے بھر کو اس کا معذرت خواہانہ انداز دیکھ کے اسے عجیب سا لگا تھا مگر تالیہ ویسی ہی تھی' جیسی ہمیشہ ہوتی تھی۔ دیکھ کے اچھا لگا تھا۔

وہ آگے بڑھ گئی تو اس نے بشاشت سے پکارا۔

''کانفرنس روم میں آجائیے' چے تالیہ۔ باس پہنچنے والے ہیں۔ ایک ضروری امر زیرِ غور ہے۔''

وہ مڑی نہیں' بس سر ہلا کے آگے چلتی گئی۔

☆☆=========☆☆

سوپ پارلر اس صبح قدرے ویران پڑا تھا کیونکہ ''ملے'' دیر سے بیدار ہونے والی قوم تھی اور ایسی جگہوں پہ رش دوپہر کے بعد ہی بڑھتا تھا۔ فی الوقت میزیں خالی خالی دکھائی دے رہی تھیں۔ ایسے میں ریسپشنسٹ ہو یا موپ لگاتا لڑکا' سب کنکھیوں سے درمیانی میز پہ بیٹھے بوڑھے شیف کو دو نوارد آدمیوں سے بات کرتے دیکھ رہے تھے۔

پراسیکیوٹر احمد نظام آگے کو جھکے شیف کی آنکھوں کو پڑھ رہے تھے اور ساتھ بیٹھا انویسٹی گیٹر باری باری دونوں کو دیکھتا تھا۔

بوڑھا شیف ہاتھ میں پکڑی انلارج تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

'یہ لڑکی.... آپ پوچھ رہے ہیں کہ یہ ہمارے پاس کام کرتی تھی یا نہیں؟''

''میں کورٹ سے ایک آرڈر لا کے آپ کے ریستوران کے ارد گرد تمام دکانوں کے سی سی ٹی وی فوٹیج نکلوا سکتا ہوں' شیف

صاحب۔لیکن میں نے سوچا کہ پہلے آپ سے پوچھ لوں تا کہ...‘‘

’’تو پوچھیے نا۔‘‘ شیف نے مسکرا کے تصویر واپس رکھی اور پیچھے کو ہو کے بیٹھا۔

’’یہ لڑکی تالیہ مراد اس ریستوران میں جاب کرتی تھی کیا؟‘‘ پراسیکیوٹر نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھا۔

’’جی۔بالکل۔اس نے چند ماہ یہاں جاب کی تھی۔کیا آپ کو کاغذی ثبوت بھی فراہم کر دوں؟‘‘

شیف کا جواب پراسیکیوٹر کے لئے غیر متوقع تھا۔انہوں نے چونک کے انویسٹی گیٹر کو دیکھا۔وہ بھی سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔

’’بالکل۔مجھے تمام ڈیٹا چاہیے۔ایک ایک چیز۔‘‘

’’میں ہر چیز نکال لاتا ہوں۔اور ہاں....وہ اس ریستوران کے علاوہ تنگو کامل کے گھر بھی کام کرتی تھی۔ان سے واقف ہیں آپ؟ وہ ان کی ملازمہ تھی۔‘‘

’’نہیں۔ان کا کوئی ایڈریس وغیرہ ہے آپ کے پاس؟‘‘ پراسیکیوٹر احمد نظام بالکل سیدھے ہو چکے تھے۔ان کا جوش بڑھتا جا رہا تھا۔

’’بالکل ہے۔میں ابھی لاتا ہوں۔‘‘ شیف سادگی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔

ریسپشنسٹ‘سوپرز وائزرز سب کنکھیوں سے ان افراد کو دیکھ رہے تھے جو اب دبی دبی پرجوش سرگوشیوں میں مصروف ہو چکے تھے۔بالآخر ان کے ہاتھ ایک ٹھوس کلیو لگا تھا۔

☆☆=========☆☆

کانفرنس روم میں اس وقت محض وہ تینوں موجود تھے۔فاتح شرٹ کی آستین موڑے‘ٹائی ڈھیلی کیے کھڑا دیوار پہ نصب اسکرین کو دیکھ رہا تھا جبکہ تالیہ اور اشعر اس کے دائیں بائیں کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔آفس کی ایک مصروف صبح کا آغاز ہو چکا تھا اور اسکرین پہ حاکی کو دکھایا جا رہا تھا۔حاکی درمیانے قد اور اڑے اڑے بالوں والا سیاستدان تھا جو پارٹی انتخابات میں وان فاتح کا مخالف امیدوار تھا۔

باریسن نیشنل کے صدر کے لئے ہر پانچ سال بعد الیکشن (چناؤ) منعقد کیا جاتا تھا۔جو شخص صدر بنتا‘پارٹی کی حکومت آنے پہ اسی کو وزیرِاعظم بنایا جاتا تھا۔چونکہ پارٹی اس وقت اپوزیشن میں تھی‘اس لئے سرکاری ٹی وی چینلز بی این کے انتخابات کی کوریج نہیں کرتے تھے۔یہ انتخابات عام انتخابات کی طرح پولنگ اسٹیشنز پہ بیلٹ پیپر کے ذریعے نہیں ہوتے تھے بلکہ اس میں صرف ان ڈھائی لاکھ لوگوں نے حصہ لینا تھا جو پارٹی کے ممبرز تھے۔

الیکشن والے دن ان ممبرز نے اپنے فون سے پارٹی کی ویب سائٹ پہ جا کے اپنا شناختی کارڈ نمبر درج کر کے کسی ایک

امیدوار کو ووٹ دینا تھا۔ چونکہ یہ انتخاب سوشل میڈیا کے ذریعے ہونا تھا' اس لئے اس کی ساری مہم بھی سوشل میڈیا پہ چلائی جا رہی تھی۔ اس وقت اسکرین پہ ان کے سامنے حاکمی کے فیس بک پیج پہ اپ لوڈ کی گئی ایک ویڈیو دکھائی جا رہی تھی جس میں حاکمی اور اس کی بیوی ایپرن پہنے کسی مسجد کے باہر گھاس پہ کھڑے چاول پلیٹوں میں بھر بھر کے بچوں میں تقسیم کر رہے تھے۔ یہ کسی چیریٹی ایونٹ کی ویڈیو تھی جس میں (بقول رپورٹ کے) وہ میاں بیوی باقاعدگی سے حصہ لیتے تھے۔ کیمونٹی سروس کی اس خوبصورت مثال کو وہاں ہجوم میں کھڑے لگے لوگ سراہ رہے تھے۔ باری باری یتیم بچے اپنا پیالہ لاتے اور سیاستدان صاحب مسکرا کے اس کو چاولوں سے بھر دیتے۔

ہر گزرتے بچے کے ساتھ وان فاتح کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔

اشعر نے ریموٹ اٹھا کے اسکرین بجھائی اور کرسی فاتح کی طرف گھمائی جو ناخوش لگ رہا تھا۔

''حاکمی کبھی یتیم خانوں کا دورہ نہیں کرتا۔ میں اسے جانتا ہوں۔''

''ہم سب اسے جانتے ہیں' آبنگ۔ مگر آپ کی چائے والی ویڈیو اتنی مشہور ہوئی کہ حاکمی کو یہ اسٹنٹ کرنا پڑا۔''

''یعنی حاکمی نے ہماری نقل کی ہے۔ واؤ۔'' وہ سر جھٹک کے بولی تو فاتح نے نظروں کا رخ پھیر کے اسے دیکھا۔ وہ سنہرے بالوں کی بیچ کی مانگ نکال کے پونی بنائے' سیاہ کوٹ میں سنجیدہ سی لگ رہی تھی۔

اس کے ذہن میں صبح دیکھا گیا خواب ابھرا۔ کیچڑ اور سرخ مٹی سے لت پت چہرے والی تالیہ جسے وہ جھک کے کہہ رہا تھا۔

کوئی خواہش کرو۔

اس پھل کی خوشبو ابھی تک اس کے نتھنوں میں محسوس ہوتی تھی.....

فاتح نے سر جھٹکا اور میٹنگ پہ توجہ دی۔

تالیہ کہہ رہی تھی۔ ''اور اب حاکمی کی ویڈیو بھی مشہور ہو رہی ہے۔ سوشل میڈیا پہ لوگ اچھی چیز کم اور مشہور چیز زیادہ دیکھتے ہیں۔''

''ہاں تو ٹھیک ہے۔'' اشعر نے ہاتھ جھاڑے۔ ''ہم کوئی نیا اسٹنٹ کر لیتے ہیں' جو اس ویڈیو کو ماند کر دے۔''

مگر فاتح نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔ دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ جمائے کھڑا وہ اکتایا ہوا لگتا تھا۔

''کسی کی لکیر کو چھوٹا کرنے کے لئے اسے کاٹنا ضروری نہیں ہوتا۔ اس سے بڑی لکیر لگانی پڑتی ہے۔ اس سے مقابلے کی بجائے اس سے بہتر کام کرنے کی کوشش کرو۔'' وہ ناخوشی سے کہہ کے مڑا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

اشعر نے بے اختیار تالیہ کو دیکھا۔

''میں یہی تو کہہ رہا تھا۔ ہم اس سے بہتر اسٹنٹ کر سکتے ہیں۔''

وہ سر جھکائے فولڈر میں کاغذات ڈالنے لگی۔ ''ان کو اسٹنٹ کرنا پسند نہیں ہے۔ ہم ان کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔''

''چائے کا اسٹال بھی تو ہم نے ان کو بغیر بتائے منتخب کیا تھا' چے تالیہ۔''

''تب ہم ٹیم تھے اور ہم میں سے کسی ایک نے دوسرے سے غداری کی کوشش نہیں کی تھی۔'' کھٹاک سے فولڈر بند کیا اور چیخ کے بولی۔

''وان فاتح نے مجھے کہا تھا کہ اگر میں آپ سے بہتر تعلقات کا خواہاں ہوں تو مجھے آپ سے سچ بول کے تمام معاملات درست کر لینے چاہئیں۔ پہلی دفعہ میں نے ان کی نصیحت مانی اور اس کا نقصان ہی ہوا۔'' وہ تلخ ہوا۔

(بہتر تعلقات؟) وہ لمحے بھر کو سن رہ گئی۔ اشعر نے پہلی دفعہ اتنے ڈائریکٹ انداز میں بات کی تھی۔ تو کیا وہ اور فاتح اسے ڈسکس کرتے رہے تھے؟

''یہ نصیحت آپ کو وان فاتح نے کی تھی؟'' اس کے گال سرخ ہوئے۔

''بالکل۔ آپ ان سے کنفرم کر لیجیے۔'' وہ تلخی سے کہہ کے اٹھا اور آگے بڑھ گیا۔

باہر نکلا تو فاتح راہداری میں چلتا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی فون پہ کچھ ٹائپ بھی کر رہا تھا۔ کنکھیوں سے اسے آتے دیکھا تو سرسری سا پوچھا۔

''تم نے تاشہ سے اپنے معاملات درست کر لیے؟''

''نہیں۔ مزید بگڑ گئے ہیں۔ اب وہ میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔''

اشعر کڑواہٹ سے کہہ کے آگے بڑھ گیا تو وہ چونک کے اسے جاتے دیکھنے لگا۔

صبح تک اسے لگا تھا کہ 'اشعر اور تالیہ' کا ایک ہونا ''ممکن'' ہے مگر یہاں تو....؟

خیر....اسے دکھ نہیں ہوا تھا۔ پتہ نہیں کیوں۔ محض شانے اچکائے اور اپنے آفس کی طرف بڑھ گیا۔

دروازے پہ وہ ٹھہرا۔ تالیہ کی میز کرسی اس کے آفس کے باہر بچھی تھی اور اس پہ اس کی چیزیں رکھی تھیں۔

وہاں کوئی مانوس خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔ چونک کے میز کو دیکھا جس پہ ایک چھوٹی ٹوکری میں تین کوکو فروٹ رکھے تھے۔

کسی سحر زدہ لمحے کے زیر اثر فاتح نے ہاتھ بڑھایا اور ایک پھل اٹھایا۔ اس پھل کی کھردری جلد' رنگ....سب وہی تھا۔

''کھائیں گے؟'' تالیہ کی آواز پہ چونکا۔

وہ ہال کی چوکھٹ پہ کھڑی مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔فاتح نے اونہوں کہتے ہوئے آہستہ سے پھل رکھ دیا۔

''یہ وہی پھل ہے نا جو تمہارا شوہر تمہیں بھیجتا ہے۔''سرسری سا پوچھا۔

وہ آگے آئی اور اپنی چیزیں میز پہ رکھیں۔پھر ان کو ترتیب سے جوڑنے لگی۔سر جھکانے سے سنہری پونی دائیں بائیں جھولنے لگی تھی۔

''جی۔اسے لگتا ہے مجھے یہ بہت پسند ہیں۔''

''تو نہیں پسند کیا؟''

تالیہ نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔''ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے جس میں وہ اچھی لگتی ہے۔بار بار دہرانے سے وہ اپنا اثر کھو دیتی ہے۔مجھے یہ پھل صرف تب اچھا لگا تھا جب....خیر۔'' اس نے سر جھٹکا۔جنگل والا واقعہ یاد آیا تھا۔

''جب؟''

''میری سالگرہ پہ اس نے مجھ سے میری خواہش پوچھی تو میں نے کہا کہ مجھے چاکلیٹ کھانی ہے اور اس نے یہ پھل لا دیا۔ اس کے اندر کا گودہ اس وقت چاکلیٹ جیسا لگا تھا۔اب نہیں لگتا۔''

''اس نے چاکلیٹ کیوں نہیں دی؟''

تالیہ نے سر اٹھا کے اسے دیکھا اور سادگی سے بولی۔''کیونکہ ہم اس وقت جنگل میں تھے'سر....اور جنگلوں میں پسند کی چیزیں نہیں ملتیں۔''

لمحے بھر کو وان فاتح ساکت رہ گیا۔پلک تک نہ جھپک سکا۔

عجیب De Ja vu جیسا احساس تھا جو اس کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھا۔کچھ ایسا ہی دیکھا تھا اس نے خواب میں؟ پھر بدقت وہ مسکرایا اور ''ہوں'' کہہ کے آگے بڑھ گیا۔

(شاید اس نے مجھے یہ کہانی پہلے بھی سنائی ہو تبھی میرا لاشعور اسے خواب کی صورت میرے سامنے لے آیا ہو۔میں چیزیں بھولنے لگا ہوں۔شاید میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔) اس نے ذہن سے ہر خیال کو جھٹکتے ہوئے خود کو تسلی دی۔

جتنا وہ اس خواب کو یاد کرنے کی کوشش کرتا' اتنا وہ ذہن سے محو ہونے لگتا۔

تالیہ نے کنکھیوں سے اسے اندر جاتے دیکھا اور سوچا۔(کیا اسے کچھ یاد آیا تھا؟ اس نے اسی پھل کے بارے میں کیوں پوچھا؟ شاید ایسے ہی۔) وہ مشکوک سی نظروں سے بند دروازے کو دیکھتی اپنی چیزیں جوڑ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

ایڈم بن محمد کے چھوٹے سے گھر کے باغیچے میں مرغی گھاس چگتی دکھائی دیتی تھی۔اس کے چوزے اب بڑے ہو چکے تھے اور چوں چوں کرتے اس کے آگے پیچھے دوڑ رہے تھے۔برآمدہ خالی پڑا تھا اور راہداری کا دروازہ کھلا تھا۔کچن سے مصالحوں کی خوشبو اور برتنوں کے کھڑکنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

بھاری بھرکم داتن شاپنگ بیگز اٹھائے برآمدے میں کھڑی تھی۔زور سے سلام جھاڑا تو ایڈم کی ماں تولیے سے ہاتھ پونچھتی راہداری میں آئی اور تعجب سے اسے دیکھا۔

''میں لیانہ صابری ہوں۔ایڈم سے ملنا ہے۔''

ماں نے اچھنبے سے اس ڈھیلے سے جبے میں ملبوس فربہ عورت کو دیکھا جس کے گھنگریالے بال کندھوں تک آتے تھے اور وہ اسے دیکھ کے پلکیں جھپکا جھپکا کے مسکرائی تھی۔

''میں ایڈم کو بلاتی ہوں۔''وہ اسے سر سے پیر تک دیکھتی اندر چلی گئی۔

ایڈم کاغذوں کا ڈھیر پھیلائے بیڈ پہ بیٹھا تھا۔پین سے مختلف جگہوں پہ نشان لگا رہا تھا۔ماں اس کے سر پہ جا کے غرائی۔

''یہ تم سے ملنے عجیب عجیب لوگ کیوں ہر روز چلے آتے ہیں؟''

''اب کون آیا ہے؟''

''ایک امیر سی عورت۔''ماں کی نظروں میں اس کے ہاتھوں میں پکڑے ڈیزائنر شاپنگ کے بیگز گھوم گئے۔

ایڈم نے گہری سانس لے کر کاغذ اکٹھے کیے۔لبوں پہ مسکراہٹ در آئی تھی۔

''وہ ایک شہزادیوں جیسی خوبصورت اور رحم دل لڑکی ہے'ایبو۔اس میں عجیب کیا ہے۔''

پھر سر اٹھایا تو ماں بے یقینی سے اسے گھور رہی تھی۔وہ چونکا۔

''چے تالیہ آئی ہیں نا؟''ایبو نے دائیں بائیں گردن ہلائی تو وہ کاغذ چھوڑ کے تیزی سے باہر بھاگا۔

برآمدے میں آرام کرسی پہ داتن پیروں کی قینچی جمائے بیٹھی موسم سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔میز پہ شاپنگ بیگ رکھے تھے

۔

وہ کمر پہ ہاتھ جمائے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تو دھوپ کا راستہ رک گیا۔

''یہ آپ کیا اٹھا لائی ہیں۔''

داتن نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔''میں چاہتی ہوں کہ تم جتنے اچھے نظر آ سکتے ہو'اتنے نظر بھی آؤ۔''

ایڈم کے ہاتھ پہلوؤں میں جا گرے۔حیران سا ہو کے اس کے سامنے کرسی کھینچ کے بیٹھا۔

''آپ مجھ سے کیا کروانا چاہ رہی ہیں۔''

''تم نے کچھ نہیں کرنا۔تم اب ایک معروف اخبار کے رپورٹر ہو۔میں چاہتی ہوں کہ تم سیلیبریٹی رپورٹر بن جاؤ۔ویسے تو اپنی کنسلٹنسی کی میں فیس لیا کرتی ہوں لیکن تم تالیہ کے دوست ہو تو تمہیں میں معاف کرتی ہوں۔''

شانِ بے نیازی سے ہاتھ جھلایا۔ایڈم نے آنکھیں سکوڑ کے اسے دیکھا اور پھر آگے کو جھک کے ان بیگز میں جھانکا۔

''برانڈڈ سوٹ' جوتے' شرٹس' گھڑی۔اور یہ ہیئر موز' پرفیومز۔اف داتن....اس سب کی کیا ضرورت تھی۔''وہ شرمندہ ہوا۔

''یہ سب ضروری ہے۔اور اب تم میرے ساتھ میری دوست کے سیلون چل رہے ہو جہاں تمہارا نیا ہیئر کٹ کیا جائے گا' تمہیں گروم کیا جائے گا' تمہیں بڑے اینکرز کی طرح اوڑھنا پہننا سکھایا جائے گا۔پھر تم جم جاؤ گے۔گو کہ تم پتلے ہو مگر تمہیں شیپ میں آنے کی ضرورت ہے۔اور پھر....''

''آپ مجھے چے تالیہ کے قابل بنانا چاہتی ہیں؟''وہ زخمی سا مسکرایا تو داتن نے گہری سانس لی۔

''تم کسی بھی طرح وان فاتح سے کم نہیں ہو۔کپڑوں جوتوں سے بہت فرق پڑتا ہے۔ابھی وان فاتح کو عام سا لباس پہنا دو تو کوئی اسے دیکھے گا بھی نہیں۔''

''وہ جیا میں معمولی لباس پہن کے ہی چائے بنایا کرتے تھے اور چے تالیہ ان کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا کرتی تھیں۔''

اس کی مسکراہٹ کا زخمی پن گہرا ہوا۔داتن نے گہری سانس لی اور آگے کو ہوئے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''تم ایمانداری سے اسے حاصل کرنا چاہتے تھے نا؟ایمانداری میں مشقت ہے۔اور قیمتی انسان مشقت کے بغیر نہیں حاصل کیے جاسکتے' ایڈم بن محمد۔خود پہ محنت کرو اور اپنی ذات میں اعتماد لاؤ۔اگر اس کے بعد بھی وہ تمہیں ٹھکرا دے تو قسمت کو الزام دینا' خود کو نہیں۔کیونکہ جب انسان خود کو الزام دینے لگے تو رشتہ ٹوٹنے کے غم کو سروائیو کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔''

وہ چند لمحے اداسی سے اسے دیکھے گیا' پھر مسکرا کے سر ہلایا۔''او کے۔تو اب ہم سیلون چل رہے ہیں؟''

''ہاں' اب ہم سیلون چل رہے ہیں۔''داتن بھی مسکرا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اگر اسے تالیہ کی نظروں میں خود کو کسی قابل بنانے کے لئے محنت کرنی تھی' تو وہ کرے گا۔

اگر زندگی چانس کا دوسرا نام ہے' تو ایک چانس وہ بھی لے گا۔گھر سے نکلتے وقت اس نے طے کر لیا تھا۔

☆☆=========☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ کا گیٹ کھلا تھا اور اندر ایک کار جاتی دکھائی دے رہی تھی۔عصرہ محمود جو کہ ابھی ابھی تیار ہو کے پورچ میں آئی تھی' اندر آتی کار کو دیکھ کے وہیں ٹھہر گئی۔ڈرائیور اس کے لئے دروازہ کھولے کھڑا منتظر تھا اور وہ اس کار کو رکتے ہوئے دیکھ رہی تھی جس کے اندر اشعر بیٹھا تھا۔

''تم کہیں جا رہی تھیں' کا کا؟''

وہ کار سے باہر نکلا اور اس کی طرف آیا۔عصرہ کو دیکھتے ہی نظروں میں ستائش در آئی تھی۔سبز اسکرٹ بلاؤز کے اوپر زرد اسٹول سر پہ اوڑھے' وہ کانوں میں ہیرے پہنے بہت باوقار لگ رہی تھی۔آنکھیں البتہ مشکوک انداز میں اس پہ جمی تھیں۔

''ہاں۔دن میں کئی جگہوں پہ جانا پڑتا ہے۔تم اس وقت یہاں؟''

وہ ناشتے کے وقت آیا کرتا تھا یا رات میں۔یوں کام کے اوقات میں کب آتا تھا۔

''فون پہ بات کرنا مناسب نہیں تھا۔اس لئے خود آ گیا۔'' ساتھ ہی اشعر نے ہاتھ کے خفیف سے اشارے سے ارد گرد کھڑے گارڈز اور ڈرائیور کو دور جانے کا کہا۔وہ فوراً وہاں سے ہٹ گئے۔اب وہ دونوں عصرہ کی کار کے ساتھ آمنے سامنے اکیلے کھڑے تھے۔

''وہ بہت ناراض ہے مجھ سے' کا کا۔ہمیں اس کے خلاف یہ چال نہیں چلنی چاہیے تھی۔''

''کون؟''عصرہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''تالیہ اور کون۔''پھر وہ ٹھٹکا۔''اس نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے صبح اسے خود سارے معاملے سے آگاہ کر دیا ہے کہ صوفیہ رحمٰن کے پاس عثمان کو بھیجنے کا آئیڈیا آپ کا تھا۔''

''یا اللہ' ایش!''عصرہ دنگ رہ گئی۔''میری تو اس سے کل سے بات ہی نہیں ہوئی۔''

اشعر نے گہری سانس لی۔

''مجھے شک پڑا تھا۔''

''ایش تم کیا کہہ رہے ہو۔تالیہ کو کیسے معلوم ہوا کہ ہم اس کے خلاف تفتیش شروع کروا رہے تھے؟''

''ظاہر ہے میں نے بتایا تھا مگر آپ کا نام نہیں لیا تھا....''اس نے سمجھ کے سر جھٹکا۔''اس نے خود ہی بھانپ لیا کہ اس میں آپ کا ہاتھ ہے۔بہر حال ہمیں یہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور.....''

لیکن عصرہ کی سوئی ایک ہی بات پہ اٹک گئی تھی۔

''تم نے اسے......تم نے اسے خود بتا دیا؟''اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔''مگر کیوں' ایش۔''

اشعر نے کار سے ٹیک لگائی اور شانے اچکائے۔

''آبنگ نے مجھے کہا تھا کہ اگر میں اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں تو مجھے اس سے سچ بولنا چاہیے۔''

''سچ' مائی فٹ۔'' وہ ایک دم غصے سے غرائی۔ ''تم نے فاتح کو تو نہیں بتایا نا؟''

''نہیں....اور میرا نہیں خیال وہ ان کو بتائے گی۔''

''تم کس دنیا میں رہتے ہو اشعر محمود؟ یااللہ.... یااللہ!'' لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ عصرہ دبا دبا چلائی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اشعر کا منہ نوچ لے۔

''وہ دونوں تمہیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔ وہ لڑکی یہاں کیریئر بنانے نہیں آئی۔ وہ فاتح بن رامزل کو حاصل کرنے آئی ہے۔ وہ....وہ مکار gold-digger میرے شوہر کے پیچھے ہے' تمہارے نہیں۔''

اشعر ایک دم سیدھا ہوا۔ اس پہ جیسے کسی نے ٹھنڈے پانی کی بالٹی الٹ دی تھی۔

''واٹ؟''

''تم ان کے ساتھ رہتے ہو اور تمہیں کچھ محسوس نہیں ہوا؟ کہاں گیا میرا عیار اور شاطر بھائی؟ اور کہاں سے آ گیا یہ بے وقوف مرد جس کی آنکھوں پہ تالیہ مراد نامی پٹی بندھ گئی ہے؟'' وہ پھنکار رہی تھی اور وہ سن سا کھڑا تھا۔

''فاتح آبنگ اور تالیہ....'' اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''اپنی آنکھوں سے یہ پٹی اتارو اور اپنے اردگرد دیکھو' ایش۔ وہ دونوں ہمارے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ جب اس نظر سے دیکھو گے تو سب سمجھ آ جائے گا۔'' غصے سے بولتے ہوئے اس نے ڈرائیور کو آواز دی تو اشعر دھیرے سے ایک طرف ہٹا۔

''اپنی کار ہٹاؤ۔ مجھے ایک سیمینار میں جانا ہے۔ سارا موڈ برباد کر دیا تم نے میرا۔'' وہ برہمی سے کہتی اب اندر بیٹھ رہی تھی۔

''اے سی چلاؤ۔ فل۔''

ڈرائیور نے کار باہر نکالی تو پیچھے بیٹھی عصرہ نے نخوت سے کہا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

اشعر کی بے وقوفی نے تالیہ مراد کو عصرہ محمود کی راہ دکھا دی تھی۔ تالیہ جانتی تھی کہ اشعر یہ کہانی عصرہ سے کنفرم ضرور کرے گا۔

یہ اس کی عصرہ کے لئے دھمکی تھی۔ وہ آخر کیا ثابت کرنا چاہتی تھی؟

اے سی کے باوجود عصرہ کو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ ذہن کا پردہ خوف اور طیش کے بادلوں میں دھندلا ہو رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

آج کے ایل پہ بارش نہیں برسی تھی اور فضا شدید حبس آلود تھی۔ بھری دوپہر میں باہر پھرتے لوگ پسینے میں پگھلتے دکھائی

دیتے تھے۔البتہ عمارتوں کے اندر اے سی کے باعث ماحول بہتر تھا۔

ایسے میں داتن اور ایڈم ایک ٹھنڈے ریستوران میں بیٹھے تھے۔داتن مینیو کارڈ لئے آرڈر کررہی تھی اور وہ سامنے بیٹھا سوچ میں گم دکھائی دیتا تھا۔ویٹرس اس کے ساتھ کھڑی تھی اور آرڈر نوٹ کرتی جارہی تھی۔اس کی آستینیں چھوٹی تھیں اور گندمی بازو دکھائی دے رہے تھے۔

''اور کچھ لوگے؟'' داتن نے فیاضی سے کارڈ رکھ کے اسے مخاطب کیا تو ویٹرس اس کی طرف گھومی۔ایڈم مسکرا کے نفی میں سر ہلانے لگا' پھر چونکا اور لڑکی کے بازو کو دیکھا۔اس پہ تین سرخ نشان تھے' جیسے کسی نے ہاتھ سے زور سے پکڑا ہو اور انگلیاں نشان چھوڑ گئی ہوں۔

''کسی نے مارا ہے تمہیں؟''

لڑکی چونکی۔فوراً اپنے بازو کو دیکھا اور پھر اسے پیچھے کرلیا۔

''آپ کچھ مزید لیں گے سر؟'' ذرا برہمی سے پوچھا تو ایڈم نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔وہ خفت سے اسے گھورتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

''ہر جگہ انویسٹی گیٹیو جرنلسٹ نہ بن جایا کرو' لڑکے۔'' داتن نے ٹوکا تو وہ سیدھا ہوا اور مسکرا کے شانے اچکائے۔

''کچھ عادتیں زندگی کے ساتھ ہی جاتی ہیں۔''

''اسی عادت نے تمہیں تالیہ مراد سے متعارف کروایا تھا۔تم نے بدلے ہوئے حلیے میں بھی پہچان لیا تھا کہ وہ تنگو کامل کی ملازمہ ہے۔تم اپنا آئی کیو ٹیسٹ کیوں نہیں کرواتے؟''

''تاکہ چے تالیہ کو متاثر کرسکوں؟ جانے دیں' داتن۔'' اس نے مسکرا کے پانی کا گلاس اٹھایا۔جانتا تھا داتن اس وقت اس کو تالیہ کے ساتھ سیٹ کرنے کی بھرپور کوشش میں لگی تھی۔

''ڈین براؤن کے ناولز میں ذہین لوگوں کا آئی کیو 170 یا 190 سے بھی اوپر ہوتا ہے' مگر شکر ہے تالیہ نے ڈین براؤن کو نہیں پڑھا۔اگر تمہارا 160 بھی ہوا تو وہ متاثر ہوجائے گی۔''

''آپ یہ سب کیوں کررہی ہیں؟'' وہ سنجیدہ ہوا۔''ابھی آپ مجھے سیلون لے جائیں گی' پھر جم..... یہ سب کر کے آپ کو کیا ملے گا؟''

لمحے بھر کو میز پہ خاموشی چھا گئی۔پھر داتن نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

''تالیہ کی زندگی میں صرف ایک آدمی تھا..... سمیع..... جو نہ اس کو جانتا تھا نہ اس سے محبت کرتا تھا۔پھر وان فاتح آیا جو اسے

جان کے بھول گیا مگر محبت نہ کر سکا۔تم وہ پہلے انسان ہو جو اس کو جاننے کے باوجود اس کی محبت میں گرفتار ہو۔میں نہیں چاہتی کہ تالیہ اس انسان کو ایک الوژن کے پیچھے کھو دے۔‘‘

’’او کے۔ابھی سیلون کی اپائنٹمنٹ میں وقت ہے اس لئے آپ کو تھوڑا بریف کر دوں۔‘‘ وہ اپنا فون روشن کرنے لگا تو داتن نے اچنبھے سے ابرو اچکائے۔’’کس بارے میں؟‘‘

’’اوہو۔اس آدمی کا فون چوری کر کے جو ڈیٹا ملا ہے...اس بارے میں۔‘‘

’’اوہ اچھا۔وہ بورنگ کام۔‘‘لیانہ صابری نے جمائی روکی۔وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ اس کا ساتھ تالیہ کے لئے دے رہی تھی‘ نہ کہ کسی وکیل کے فون کے راز پانے کے لئے۔مگر چونکہ وہ نوجوان پرجوش سا اس کو بتا رہا تھا‘ تو وہ سنجیدہ شکل بنائے سننے لگی۔

’’یہ اپنی فرم کا بہت قابل وکیل ہے اور اس کی ای میلز میں مجھے کچھ گروپ ای میلز ملی ہیں جو فرم کے دیگر وکلاء اور اس کے درمیان تھیں۔میں نے تمام ای میلز کو شروع میں ہی ڈاؤن لوڈ کر لیا تھا کیونکہ اب تک وہ اپنا پاسورڈ بدل چکا ہے۔‘‘

’’اچھا کتنی ای میلز ہیں وہ؟‘‘

’’گزشتہ تین سال کی تقریباً ڈیڑھ لاکھ ورک ای میلز۔اف ان کی زبان اتنی مشکل ہے کہ سمجھ ہی نہیں آ رہا ان کے ساتھ کیا کروں۔مگر ایک آئیڈیا ہے ذہن میں۔‘‘وہ جیسے آئیڈیا بتانے میں متامل تھا۔

’’ایک آئیڈیا میرے ذہن میں بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ کھانا آ چکا ہے‘ اس لئے ابھی بس اسے کھاتے ہیں۔‘‘ داتن ویٹرس کو کھانا لاتے دیکھ کے سیدھی ہوگئی۔بوریت اور نیند دور بھاگنے لگی۔

لڑکی ٹرے لئے ان کے پاس آئی اور باری باری دونوں پلیٹرز ان کے سامنے رکھنے لگی۔ایڈم پھر سے اس کے بازو کو دیکھنے لگا‘ البتہ ویٹرس نے اس سے نظر نہیں ملائی۔وہ چلی گئی تو اس نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔چپ بیٹھا رہا۔

’’فکر نہ کرو‘ بل میں دوں گی۔‘‘داتن نے اس کا پلیٹر اس کے قریب کر کے یاد دلایا۔

’’وہ اس کا شوہر ہوگا۔‘‘

’’کون؟‘‘

’’وہ جس نے اسے مارا ہے‘ وہ کوئی قریبی شخص ہوگا۔یقیناً شوہر۔‘‘وہ ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا۔

لیانہ نے برا منہ بنا کے پہلے اسے دیکھا پھر اشتہا انگیز لذیذ کھانوں کو جو ان کے سامنے چنے تھے۔

’’ایڈم‘ دنیا میں ہر تیسری بیوی اپنے شوہر سے پٹتی ہے۔ہم ان کا غم کھانے کے بعد بھی منا سکتے ہیں۔‘‘

''داتن کوئی شوہر اپنی بیوی کو کیوں مارتا ہے؟'' وہ سوچ میں گم بولا۔

''مختلف وجوہات ہوتی ہیں۔'' وہ اسٹیک کو چھری کانٹے سے کاٹ رہی تھی۔

''اونہوں۔ ایک ہی وجہ ہوتی ہے۔ ایسے مرد اپنی بیوی کو اپنے ذہن میں بنے کسی خاکے پہ فٹ کرنا چاہتے ہیں اور جب وہ اس خاکے پہ پوری نہیں اترتی تو وہ اس پہ یوں غصہ اتارتے ہیں۔'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''وہ اسے بدلنا چاہتے ہیں' یہ سمجھے بغیر کہ ہر انسان یونیک ہوتا ہے۔ وہ اپنے پارٹنر کے سانچوں پہ پورا نہیں اتر سکتا۔ یہ عورت اپنی پوری کوشش کر کے وہ بننا چاہ رہی ہوگی جو اس کا شوہر اسے دیکھنا چاہتا ہوگا.... لیکن ایک وقت آئے گا جب یہ تھک جائے گی۔ اس بے وقوف بیوی اور اس کے بے وقوف شوہر دونوں کو معلوم نہیں ہے کہ اچھی زندگی گزارنے کے لئے اپنے ساتھی کو بدلنا ضروری نہیں ہوتا۔''

''ایڈم؟'' وہ ہاتھ روک کے اسے دیکھنے لگی۔ جو ایک دم کسی خواب سے جاگا ہوا نظر آتا تھا۔

''نہیں داتن۔ مجھے کسی سیلون' کسی ڈیزائنر کے پاس نہیں جانا۔ مجھے چے تالیہ کے لئے خود کو نہیں بدلنا۔ جس ایڈم نے ان سے محبت کی تھی وہ یہ ایڈم ہے۔'' سینے پہ انگلی سے دستک دی۔'' بدلا ہوا ایڈم معلوم نہیں ان سے محبت کرتا ہو گا یا نہیں؟ اونہوں۔'' وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

''ہر انسان یونیک اور الگ ہوتا ہے۔ خود کو نکھارنا اور گروم کرنا اچھی بات ہے لیکن کسی دوسرے انسان کے لئے؟ ہرگز نہیں۔ مجھے وان فاتح کا lesser version نہیں بننا۔ میں جیسا ہوں ویسا ہی رہوں گا۔ مجھے......'' اپنے سیل فون کی طرف اشارہ کیا۔'' مجھے ان ای میلز پہ کام کرنا ہے۔ ان کھانا شروع کرتے ہیں۔'' ان سے ساری بات ہی ختم کر دی تھی۔

داتن دکھی دل سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔

☆☆=========☆☆

سوموار کی صبح وہ آفس میں تھی اور جب سے آئی تھی' اسٹافرز کے ساتھ بیٹھی قطار میں لگے کمپیوٹرز پہ کیمپئین کے اعداد و شمار کا تجزیہ کر رہی تھی۔ ارد گرد پر جوش اسٹافرز کا جمگھٹا لگا تھا اور بھانت بھانت کی بولیاں سنائی دیتی تھیں۔ سب نے نیلی ٹی شرٹس پہن رکھی تھیں جن پہ فاتح کا نام درج تھا اور کچھ نے تو سفید اور نیلی پی کیپس بھی اوڑھ رکھی تھیں۔ تالیہ البتہ اپنا سادہ سیاہ کوٹ پہنے ہوئے تھی اور سب میں مختلف نظر آ رہی تھی۔

تبھی اشعر کا پیغام فون پہ جگمگایا۔ ایک ریستوران کا نام اور وہاں پہنچنے کی ہدایت کے ساتھ یہ بھی درج تھا کہ ادھر فاتح اور وہ اس کے منتظر ہیں۔

تالیہ نے سر اٹھا کے گھڑی دیکھی تو لنچ بریک قریب تھی۔ صبح سے ایک ہی جگہ بیٹھے کمر درد کرنے لگ گئی تھی۔ جانے یہ غیر اعلانیہ لنچ اتنا ضروری کیوں ہو گیا تھا کہ الیکشن سے چار دن پہلے وہ لوگ اس میں وقت ضائع کر رہے تھے؟ کوفت سے سوچتی وہ نیچے آئی اور کیب بلا لی۔

''مجھے ہر چیز یاد آ گئی ہے' ذوالکفلی۔ آپ بھی۔'' کیب کی پچھلی نشست پہ بیٹھے اس نے ذوالکفلی کو فون ملا کے کان سے لگایا تو دیکھا' ڈرائیور نے چونک کے بیک ویو مرر میں اس کو دیکھا تھا۔ وہ سنبھلی اور کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے قدیم ملے میں کہنے لگی۔

''پچھلے دو دن سے مجھے سب یاد آ گیا ہے۔ میرا بچپن۔ ہم کیسے محل سے نکالے گئے تھے۔ اور پھر مراد راجہ کیسے راتوں کو چھپ کے پمبو رو کے لوگوں سے ملتا تھا وغیرہ وغیرہ۔'' بیزاری سے کہہ رہی تھی۔

''جانتا ہوں۔ تمہاری بوتل خالی ہو چکی ہے' پتری تالیہ۔'' وہ گہری سانس لے کر افسوس سے بولا۔

''میرے ماضی میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے جو مجھے حیران کرے۔ تمہارا کردار بھی مجھے الجھا نہیں سکا۔ سب کچھ میں جانتی ہی تھی۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''یادیں عجیب چیز ہیں' پتری تالیہ۔ لوگ ان کو یاد کرنے سے نہیں ڈرتے۔ ان کے 'وار' سے خوف کھاتے ہیں۔ ماضی یا یاد آ جانا الگ چیز ہے' مگر کسی خاص موقع پہ اس یاد کا دل پہ حملہ آور ہو جانا بالکل الگ۔''

''واٹ ایور۔'' اس نے سر جھٹک کے فون رکھ دیا۔ کیب منزل تک پہنچ چکی تھی۔

وہ ایک خوبصورت اور پرتعیش ریستوران تھا جس کے بڑے سے ہال کی چھت اونچی تھی اور اس سے لٹکتے فانوسوں کے کرسٹلز دوپہر میں بھی چمک رہے تھے۔ دور دور تک پھیلی میزوں پہ امراء اور بااثر کاروباری حضرات لنچ کرتے دکھائی دیتے تھے۔ ایک میز پہ فاتح اور اشعر کے ساتھ عصرہ محمود بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔

تالیہ نے گہری سانس لی۔ (تو وہ ایک فیملی لنچ تھا؟ پھر اسے کیوں بلایا تھا؟ یقیناً یہ بھی مسز عصرہ کا آئیڈیا ہو گا۔)

وہ قریب آئی تو اشعر فوراً اپنی جگہ سے اٹھا ہی' مگر عصرہ نے دیکھا کہ وان فاتح بھی کھڑا ہوا تھا۔ وہ اتنا بے نیاز انسان تھا کہ کم ہی کسی کے لیے اٹھتا تھا۔ تاہم عصرہ مسکراتی رہی۔ تالیہ کے سلام کا جواب بھی اچھے سے دیا۔ میز گول تھی اور چاروں طرف ایک ایک کرسی رکھی تھی۔ عصرہ اور اشعر آمنے سامنے تھے اور تالیہ وان فاتح کی سیدھ میں بیٹھی تھی۔

چوکور مکمل تھا۔

''اس لنچ کی کوئی خاص وجہ ہے' سر؟'' اس نے نیپکین پھیلاتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تم سب لوگ کیمپئین میں اتنے مصروف ہو کہ ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھاتے۔'' فاتح سے پہلے عصرہ ہتھیلی پہ تھوڑی جمائے خوشدلی سے گویا ہوئی۔ ''میں نے زبردستی آج ان دونوں کو وقت نکالنے پہ مجبور کیا ہے۔ ان شاء اللہ اگلا ڈنر ہم فاتح کے جیتنے کی خوشی میں ساتھ کریں گے۔''

تالیہ نے اس کے سجے سنورے چہرے کو دیکھا اور مسکرائی۔ ''آپ کی پلاننگ کی داد دینی چاہیے مسز عصرہ۔ آپ تو وہ کر گزرتی ہیں جو ہمارے گمان میں ہی نہیں ہوتا۔''

عصرہ محمود کی مسکراہٹ برقرار رہی۔ سر پہ اسٹول اوڑھے' میک اپ اور نازک جیولری سے خود کو مزین کیے' وہ تھوڑی کو ہتھیلی کے پیالے پہ ٹکائے تالیہ کو دیکھتی رہی۔ اشعر البتہ کھنکھارا تو تالیہ نے نظریں اس کی طرف موڑیں۔

''الیکشن ابھی ہم نہیں جیتے لیکن سیلیبریٹ کرنے کے لئے ہمارے پاس ایک چیز ابھی بھی ہے۔'' وہ یوں دوستانہ لہجے میں بولا جیسے دونوں کے درمیان کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

''اچھا۔ وہ کیا؟'' فاتح نے اس سے پوچھا۔ وہ آج گرے سوٹ میں ملبوس تھا، ایک گھنٹے بعد اسے کسی انٹرویو میں جانا تھا۔ البتہ باقی دونوں کی نسبت وہ ہشاش بشاش اور آرام دہ نظر آرہا تھا۔

''جے تالیہ نے ادیب کا اسکینڈل جس طرح ہینڈل کیا اور ایمان کو جھوٹا ثابت کیا' وہ قابلِ تحسین ہے۔''

''حالانکہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔'' عصرہ کی مسکراتی گہری نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔ ''ہم سب جانتے ہیں کہ ادیب کتنا بڑا pervert اور بدکردار آدمی ہے۔''

''کاکا۔'' اشعر نے تادیبی نظروں سے اسے گھورا۔ ''ادیب کو پروٹیکٹ کرنا پارٹی کے لئے ضروری تھا۔''

''یہاں میڈیا کے کیمرے نہیں لگے' ایش۔ ہم ایمانداری سے ایک معاملے کو ڈسکس کر رہے ہیں۔ اور میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ ایمان کو غلط ثابت کر کے ہم نے ادیب جیسے مجرم کا ساتھ دیا ہے۔ ہے نا تالیہ؟''

ویٹر کھانے کی ٹرے لے آئے اور باری باری سرو کرنے لگے۔ ایسے میں تالیہ نے بڑے تحمل سے عصرہ کو دیکھا۔ ''ادیب بن سوت کو ہم نے پارٹی سے نکال دیا ہے' مسز عصرہ۔''

''مگر عزت کے ساتھ۔ حالانکہ تم سب کو اس کے جرائم کا علم تھا مگر تم سب نے اس کا پردہ رکھا۔'' مسکرا کے پلکیں جھپکا کے بولی تو تالیہ نے کچھ سخت کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ.........

''تم جانتی ہو یہ witchhunt کی اصطلاح زبانِ زدِ عام کیسے ہوئی تھی؟'' وان فاتح نے بھاپ اڑاتا پلیٹر اپنے سامنے کھسکاتے ہوئے کہا تو عصرہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''وچ ہنٹ؟''

'''ہاں۔ جب انقلابی سوچ رکھنے والے لوگوں کو ناجائز الزام لگا کے ٹارگٹ کیا جا رہا ہو تو کہتے ہیں نا' کہ یہ وچ ہنٹ ہے۔''اس نے نیپکین کھولا' اور اپنے گھٹنوں پہ پھیلایا۔ پھر پلیٹر سے اسٹیک کا ٹکڑا اٹھانے لگا۔'

'یہ قدیم امریکہ کے Salem witch hunt کے قصوں سے ماخوذ اصطلاح ہے۔ جانتی ہو Salem میں کیا ہوا تھا؟''

عصرہ کو اس کی مداخلت اچھی نہیں لگی تھی' مگر ضبط سے سننے لگی۔ تالیہ بھی فاتح کو دیکھ رہی تھی اور اشعر......وہ خاموشی سے باری باری آمنے سامنے بیٹھے باس اور چیف آف اسٹاف کے چہروں کو پڑھ رہا تھا۔

''Salem میں چھوٹی چھوٹی لڑکیوں نے ایک نیا کام شروع کیا تھا۔ وہ کسی مرد کو پھنسا نہ سکتیں تو اس کی طرف اشارہ کر کے کہتیں کہ یہ آدمی witch (جادوگر) ہے۔ جادو کرنا ان دنوں گناہ سمجھا جاتا تھا۔ جب پادریوں نے اس معاملے کو دیکھا تو کہا کہ خدا ان بچیوں کے ذریعے جادوگروں کی نشاندہی کر رہا ہے۔ وہ بچیاں' پادریوں کے ساتھ گھر گھر جاتیں اور جس کی طرف چاہے انگلی اٹھا دیتیں۔ وہ آدمی چیختا چلاتا کہ میں جادو نہیں جانتا مگر ان کا اعتبار نہ کیا جاتا......''وہ عصرہ کی آنکھوں میں دیکھ کے دھیرے دھیرے بتانے لگا۔''ایسے معاملے کو witchhunt کہتے ہیں۔ جب آپ انتقاماً لوگوں پہ ایسا الزام لگاتے جاؤ جو ان کی ساکھ خراب کر دے۔ ہراس منٹ کے خلاف کھڑے ہونا اچھی بات ہے' لیکن مرد اور عورتیں دونوں جھوٹ بھی بول سکتے ہیں۔ الزام ناجائز بھی ہو سکتے ہیں۔ ہم اپنی عورتوں اور مردوں کو Salem کی لڑکیوں کی طرح یہ حق نہیں دے سکتے کہ وہ کسی کی طرف بھی انگلی اٹھا کے اسے معتوب کر دیں۔ عزتوں کے مقدمے چوک پہ سر بازار نہیں لڑے جاتے۔ اگر وہ لڑکی ہراس ہو رہی تھی تو اسے پہلے میرے پاس آنا چاہیے تھا۔ میڈیا پہ انصاف نہیں ملا کرتا۔ صرف وچ ہنٹ ہوتا ہے۔''

آخر میں اس کی ٹون قدرے سخت ہو گئی تھی اور عصرہ کی مسکراہٹ بالکل غائب ہو چکی تھی۔ اس نے بس سر جھٹکا' ایک قہر آلود نظر تالیہ پہ ڈالی اور اپنا کھانا پلیٹ میں نکالنے لگی۔ اشعر بھی بغور فاتح کو دیکھ رہا تھا جو تالیہ کا دفاع کر کے اب کھانے کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

ماحول میں ایک دم تناؤ آ گیا تھا۔ چاروں خاموش تھے۔

دفعتاً تالیہ کھنکھاری۔

''سر میں ابھی کیمپین کے اعداد و شمار کا جائزہ لے کر آ رہی ہوں۔''

''اچھا۔ اور؟''فاتح نے کانٹے سے مچھلی کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔

"حاکمی صاحب ہر روز کوئی نہ کوئی اسٹنٹ کر کے ویڈیو پبلک کر دیتے ہیں۔اور ان کو کافی اٹینشن مل رہی ہے۔ہم البتہ صرف آپ کی تقریروں اور ووٹرز سے رابطوں میں لگے ہیں۔"

"تو یہی کیا جاتا ہے نا انتخابی مہم میں۔لوگوں سے ووٹ مانگے جاتے ہیں۔تقریریں کی جاتی ہیں۔"

عصرہ تیز آواز کے ساتھ چھری کانٹے سے اسٹیک کاٹ رہی تھی۔ماتھے پہ بل تھے اور چہرہ جھکا تھا۔اشعر دونوں کو باری باری دیکھتا خاموشی سے کھا رہا تھا۔

"مگر سر......ہمیں کچھ اور بھی کرنا چاہیے۔کچھ بڑا۔کچھ حیران کن جو اکثریت کا فیصلہ ہمارے حق میں بدل دے۔میں شام تک کچھ آئیڈیاز آپ کو دکھاؤں گی جو......"

عصرہ نے زور سے کانٹا پلیٹ میں گرایا۔سب اسے دیکھنے لگے۔

وہ مسکرائی اور معذرت خواہانہ انداز میں کندھے اچکائے۔

"سوری......مجھے سیاست بور کرنے لگتی ہے۔ہم کوئی اور بات بھی تو کر سکتے ہیں۔جیسے......" انگلی سے گال پہ آئی لٹ کو معصومیت سے پیچھے کیا۔"جیسے میرے بچے......جولیانہ بالخصوص جو تالیہ کو بہت پسند کرتی ہے۔اس نے ایک دفعہ (فاتح کو دیکھ کے بتانے لگی) کوئی میجک ٹرک دکھائی تھی جولیانہ کو۔وہ تب سے اس کی فین ہے۔اس دن بولی کہ......" وہ بڑی اپنائیت سے بیویوں والے انداز میں شوہر کو بتا رہی تھی۔وہ مسکرا کے سننے لگا۔

تالیہ کی نظریں اس کی کلائی پہ جھکیں۔وہاں سنہری بریسلیٹ ابھی بھی موجود تھا۔یہ اس اصلی بریسلیٹ کی نقل تھی۔تالیہ کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھر کے معدوم ہوئی۔

"آریانہ بھی مجھے بہت پسند کرتی تھی۔" وہ مزے سے بولی تو عصرہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

"سر نے مجھے بتایا تھا کہ وہ میرا ایک ڈرامہ دیکھنے آئی تھی۔اس میں' میں نے تاشہ نامی ایک پری کا کردار کیا تھا اور آریانہ کو وہ بہت پسند آیا تھا۔" عصرہ کی آنکھوں میں دیکھ کے بتایا۔"اسی لئے سر مجھے تاشہ کہتے ہیں کیونکہ آریانہ کو میرا یہی نام معلوم تھا۔"

"ہاں۔اسے بہت پسند تھا وہ ڈرامہ...تاشہ آ گا پووا۔" فاتح بھی مسکرا کے یاد کرنے لگا۔

"مگر تم دوبارہ اس شو میں نہیں گئیں۔کیا اداکاری چھوڑ دی؟" وہ عام سے انداز میں پوچھنے لگا تو عصرہ سراہنے والے انداز میں بولی۔

"اداکاری اتنی آسانی سے تھوڑی چھوٹتی ہے؟"

''درست کہہ رہی ہیں مسز عصرہ۔ ایک رول اس کے بعد بھی کیا تھا میں نے جو یادگار تھا۔'' وہ مسکرا کے بتانے لگی۔

''اچھا۔ کون سا رول؟''

تالیہ نے کانٹے سے مچھلی کا ٹکڑا منہ میں رکھا اور اسے چبانے کے بعد مزے سے بولی۔

''ایک شہزادی کا کردار جو ملا کہ سلطنت کے ایک بنداہارا کی بیٹی تھی۔ بنداہارا اس کی شادی زبردستی ایک بگڑے امیرزادے سے کروانا چاہتا تھا مگر چونکہ شہزادی کو اپنے باپ سے نفرت تھی تو وہ ایک غلام سے.........''

اور وقت پل بھر کو ٹھہر گیا۔

سارے حساب کتاب الٹے ہو گئے۔

سارے لمحے گھڑی کی سوئیاں تھام کے رک گئے۔

تالیہ مراد کے دل میں درد کی لہر اٹھی۔ اس کا سانس رکا۔

مچھلی کا ٹکڑا حلق میں پھنسا۔

وہ ہلکا سا کھانسی۔ پھر بند مٹھی دل پہ رکھی۔

''کیا ہوا؟''

''تم ٹھیک ہو' تاشہ؟''

آوازیں.... فکر مند چہرے.... اسے وہ سب دھندلے سے نظر آئے۔ اور پھر اپنی آواز کسی کنویں سے آتی سنائی دی۔

''جی.... میں.... ایک منٹ.... ایکسکیوز می....'' اس نے خود کو کرسی سے اٹھتے دیکھا۔

''ریسٹ روم کہاں ہے؟'' وہ سینے پہ ہاتھ رکھے ویٹر سے پوچھ رہی تھی۔

اشعر بھی کھڑا ہو گیا تھا اور وہ لوگ اسے فکر مندی سے دیکھ رہے تھے۔ کسی نے اسے پکارا مگر وہ سنے بغیر تیز تیز ریسٹ روم کی طرف قدم اٹھانے لگی.... بند مٹھی سینے پہ جمی تھی.... درد اتنا شدید تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔

ریسٹ روم میں آتے ہی وہ دیوار گیر آئینے کے سامنے سنک پہ جھکی اور قے کرنی چاہی مگر.... حلق میں کچھ اٹکا ہی نہیں تھا جو باہر نکلتا۔

مسئلہ تو دل میں تھا۔

اس نے نڈھال سا چہرہ اٹھا کے آئینے کو دیکھا۔ ذوالکفلی نے درست کہا تھا۔ یادوں کا حملہ اور ان کا گھاؤ سہنا آسان نہیں تھا۔

(یادداشتیں عجیب چیز ہیں۔)

(لوگ ان کے وار سے گھائل ہونے سے ڈرتے ہیں۔)

وہ یادیں جو ذہن میں دو دن پہلے لوٹ آئی تھیں' انہوں نے ایک دم سے وار کیا تھا......

مراد سخت بچھونے پہ چت لیٹا تھا۔ نیم اندھیر کمرے میں فقط ایک مشعل جلی تھی اور وہ کپڑے سے اس کے کندھے سے بہتا خون صاف کر رہی تھی۔ مراد آنکھیں موندے درد سے کراہ رہا تھا اور تالیہ کی پلکوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ گر رہے تھے۔

''بابا.....آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔''

مراد نے نقاہت سے آنکھیں کھولیں۔ ''تم یہاں کیوں ہو ابھی تک' تالیہ؟ جاؤ بچے...اپنے خالو وغیرہ کے ہمراہ۔ ان کا قافلہ روانہ ہونے والا ہوگا۔'' وہ درد سے ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا۔

''میں آپ کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گی' بابا۔''

''میں زخمی ہوں۔ سلطان کے سپاہی پہنچنے والے ہوں گے۔ تم میری بات مانو اور اپنے خالو کے ہمراہ الور سونگائی کوچ کر جاؤ۔ اس گاؤں کے لوگ اچھے ہیں۔ وہ تمہیں پناہ دے دیں گے۔''

''نہیں بابا۔'' اس نے ننھے ننھے ہاتھوں سے گال رگڑے۔ ''تالیہ اپنے بابا کے بغیر نہیں جائے گی۔ قاسم آہنگ کے پاس گھوڑا ہے۔ ہم آپ کو اس پہ ڈال کے لے جائیں گے۔'' وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اس کا بہتا خون صاف کر رہی تھی .....وہ زخمی چہرے اور گیلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا......

منظر تبدیل ہوتا ہے.....ایک دوسری یاد حملہ کرتی ہے.....

وہ ننھے میلے ہاتھوں سے ایک لکڑی کی جھونپڑی کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی۔ دفعتاً پٹ کھلا اور ایک لمبے بالوں والے آدمی نے باہر جھانکا۔ اس کی داڑھی کی چونچ تکون صورت سینے تک آتی تھی۔

''کون ہو تم؟ کیا چاہیے؟'' حیرت سے اسے دیکھ کے پوچھا۔

''الور سونگائی میں سب کہتے ہیں کہ تمہارے پاس ہر مرض کا علاج ہوتا ہے۔ ہم میرے بابا کو زخمی حالت میں یہاں لائے ہیں۔ ان کا زخم ٹھیک کر دو۔'' اس نے ننھے ہاتھ اس کے سامنے جوڑے۔ آدمی باہر نکل کے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

''میں اس کا علاج کر دوں گا اور وہ تندرست بھی ہو جائے گا لیکن پھر اس کو مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔''

''میں وعدہ کرتی ہوں۔ تمہیں کیا چاہیے؟ ابھی ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں مگر ہم سلطان کے خاندان سے ہیں اور.....''

''مجھے پیسے نہیں چاہیے ہیں لڑکی۔'' وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرایا۔ ''مجھے صرف اپنے گروہ ''ہمبورو'' میں ایک اور مزید اضافہ چاہیے۔''

''بابا بہت بہادر اور جری ہے۔ وہ ہر کام کر سکتا ہے۔ تم بس اس کو تندرست کر دو' اے طبیب۔''

جادوگر نے مسکرا کے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''میرا نام طبیب نہیں ہے۔ میرا نام ذوالکفلی ہے۔''

پھر وہ سیدھا ہوا اور گہری سانس لی۔ ''مجھے اپنے گھر لے چلو۔''

یادیں غائب ہونے لگیں۔ ست رنگے بلبلے پھٹنے لگے۔

سنک کے آئینے میں خود کو دیکھتی تالیہ کا چہرہ پیلا پڑ رہا تھا۔

وہ پہلے ہی جان گئی تھی کہ ذوالکفلی خود بھی وقت کا ایک مسافر تھا اور اس نے تالیہ مراد کے باپ کو شکار بازوں میں شامل کیا تھا۔ یہ ساری یادیں اس کو دو روز پہلے یاد آ گئی تھیں اور اسے ذوالکفلی کے حسب نسب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

مگر وہ درست کہتا تھا۔ یادوں کا حملہ غیر متوقع اور اچانک ہوتا ہے۔

اور اس پہلے حملے نے اسے فق کر دیا تھا۔ وہ ایک دم نڈھال سی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کے دل کو برسوں بعد یاد آیا تھا کہ تالیہ بنت مراد اپنے باپ سے بے حد پیار کرتی تھی۔

سارے مناظر فلم کی طرح نظروں کے سامنے گھوم رہے تھے۔

وہ اس کا مضبوط ہاتھ تھامے محل سے دور بھاگ رہی تھی..... سپاہی ان کے پیچھے تھے........ اسے بچاتے ہوئے مراد کو تیر لگا تھا۔ انہوں نے کسی کے گھر پناہ لی تھی..... مراد چاہتا تھا وہ اسے مرنے دے مگر وہ اپنے باپ کو چھوڑ کے نہیں جا سکتی تھی...... وہ اپنے ننھیال والوں کے ہمراہ اس کے خون میں لت پت وجود کو لئے الور سونگائی آئی تھی........ وہاں ذوالکفلی نامی طبیب نے مراد کا علاج کیا تھا اور بعد میں علاج کی بھاری قیمت وصول کی تھی۔

وہ راتوں کو چھپ چھپ کے ذوالکفلی اور اس کے ساتھیوں سے ملتا تھا۔ وہ جادو سیکھنے لگا تھا اور کسی خزانے کی چابی بنا رہا تھا۔ وہ موجودہ سلطان سے تنگ تھا۔ پھر اس نے مرسل شاہ کی مدد کی۔ وہ اسے خطوط لکھتا تھا۔ اس کے سپاہیوں سے بھی ملتا تھا۔ اس نے مرسل شاہ کو بغاوت پہ مجبور کیا اور جب مرسل اپنے جرنیلوں کی مدد سے تخت پہ قابض ہو گیا تو مراد کو واپسی کا اذن مل گیا۔ لیکن شاہِ چین کی حال ہی میں آئی دختر نے پورے الور سونگائی کو جادوگروں کا گاؤں مشہور کروا دیا۔ چینی شہزادی نے اپنے سپاہی بھیج کے شکار بازوں کا قتلِ عام اور گرفتاری شروع کر دی۔ ایسے میں مراد نے اپنے ساتھیوں کا ساتھ دینے کی بجائے ہونے والی ملکہ اور سلطان کا ساتھ دیا۔

وہ اسی بات پہ اس سے ناراض ہوئی تھی کہ وہ اپنے گاؤں والوں کو بھلا کے‘اپنے ساتھیوں کو بھلا کے‘خزانے کو بھلا کے‘جو اس نے لوگوں کی فلاح کے لئے حاصل کرنا تھا‘محل میں عیش کرنے جا رہا ہے۔

مگر مراد اور اجہ جادوگری کی اس دنیا سے دور'طاقت' کی دنیا میں جانا چاہتا تھا۔اپنی دنیا میں واپس۔اور طاقت کی دنیا میں لوگ دھیرے دھیرے سنگدل اور سفاک ہوتے جاتے ہیں۔

مراد بھی ہو گیا تھا۔

لیکن چاہے وہ زخمی بے بس مراد ہو....'یا طاقتور اور سفاک بندا ہارا مراد راجہ ہو......اس کا چہرہ تالیہ کے سامنے تھا اور اس کا چہرہ تالیہ کے دل میں تھا۔

وہ باہر نکلی تو ہال کی مختلف میزوں پہ لوگ ہنوز بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔وہ زرد چہرے کے ساتھ آگے چلتی گئی۔ ایک میز پہ ایک چھوٹی بچی بیٹھی تھی جس کا باپ اس کی طرف جھک کے اسے کچھ کھلا رہا تھا۔وہ گم صم سی اسے دیکھے گئی۔قدم کس طرف اٹھ رہے تھے‘اور نگاہیں کس طرف تھیں.....

وہ واپس ان کے سامنے آئی تو سب نے دیکھا‘تالیہ کا چہرہ دھلا دھلایا تھا اور رنگت زرد تھی۔

''یو او کے؟''فاتح نے چھری کانٹے چلاتے ہاتھ روک کے پوچھا۔وہ تینوں اپنا کھانا ختم کرنے کے قریب تھے۔تالیہ کا پلیٹر اَن چھوا رکھا تھا۔

''جی۔میں آپ کا باہر انتظار کر رہی ہوں۔ہمیں انٹرویو کے لئے جانا تھا۔''اپنا بیگ اٹھا کے کھڑی ہوئی تو اشعر نے اس کے کھانے کو دیکھا۔

''کھانا تو کھا لیں۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔میں باہر ہوں‘سر۔''دونوں کو بیک وقت مخاطب کر کے وہ بولی اور نگاہیں ملائے بغیر آگے بڑھ گئی۔

عصرہ نے ہونہہ میں سر جھٹکا۔

''اسے کیا ہوا؟''اشعر نے بے چینی سے ان دونوں کو دیکھا۔فاتح نے کندھے اچکا دیے اور دوبارہ سے کھانے لگا۔البتہ عصرہ نے ٹشو سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''کچھ لڑکیوں کو توجہ لینے کے لئے Damsel in distress بننے کی عادت ہوتی ہیں۔وہ خود کو بیمار اور اپ سیٹ ظاہر کر کے دوسروں کو پریشان کرتی ہیں۔یہ خود ترسی کی ایک اعلیٰ قسم ہے اور......''

وہ کہہ رہی تھی جب فاتح نیپکین سے ہاتھ پونچھتے اٹھا اور کرسی دھکیلتا آگے بڑھ گیا۔

عصرہ کے اندر ابال سا اٹھا۔ دانت پیس کے اشعر سے بولی۔ ''اٹھو۔ ان کے پیچھے جاؤ۔''

''میں نے تو انٹرویو پہ نہیں جانا۔ آپ کو اپنے شوہر کی اتنی فکر ہے تو ان کی رکھوالی کے لئے خود چلی جائیں۔'' وہ اکتاہٹ سے کہہ کے واپس کھانے لگا۔

''کیا تمہیں وہ سب نظر نہیں آرہا جو مجھے دکھائی دے رہا ہے؟''

''پتہ نہیں۔'' وہ بےزار لگ رہا تھا۔ عصرہ کی باتوں نے اسے شدید بددل کر دیا تھا۔

وہ کار کے ساتھ گم صم سی کھڑی تھی۔ وہ کپل اور ان کی بچی باہر آتی دکھائی دے رہی تھی اور تالیہ بس ان کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ بڑے مضبوط ہاتھ میں ننھا سا ہاتھ۔

وہ اس وقت کہاں تھی، کیوں تھی، اسے بار بار وہ سب بھولنے لگا تھا۔

ان کی آخری ملاقات کیسی عجیب سی تھی! وہ فاتح کے ساتھ سن باؤ کے گھر تک آیا تھا۔ وہ اس کو خدا حافظ کہنا چاہتا تھا۔ اور تب بھی وہ پرامید تھا کہ وہ رک جائے گی یا واپس آجائے گی مگر وہ اس سے رکھائی سے ملی تھی کیونکہ وہ اس کو ناپسند کرتی تھی۔ لوگوں کے لئے، عوام کے لئے، قانون کی سربلندی کے لئے، اس کے جرائم کے لئے.... ان ساری وجوہات کی بنا پہ راجہ مراد ایک برا آدمی تھا۔

مگر وہ اس کا باپ تھا۔ یہ رشتہ سارے گناہ دھوڈالنے کے لئے کافی تھا۔ وقت نے تالیہ کو اس کی پہلی محبت بھلوا دی تھی۔ آج وہ یاد آگئی تھی۔ مراد ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا۔ وہ تو ایک خیال رکھنے والا باپ تھا۔ انہوں نے ایک طویل مسافت ایک ساتھ کاٹی تھی۔ وہ سب اسے کیسے بھول گیا تھا؟

''اندر بیٹھو۔'' فاتح نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تو وہ چونکی۔ وہ جانے کب باہر آیا تھا اور اب اس کو پچھلی سیٹ پہ بیٹھنے کا کہہ رہا تھا۔

وہ ہمیشہ آگے بیٹھنے کی عادی تھی لیکن آج احتجاج نہیں کیا۔

''تمہیں کیا ہوا تھا؟'' وہ دوسری طرف سے آکے بیٹھا اور اس کی طرف رخ پھیرے سنجیدگی سے بولا۔

''کچھ نہیں۔'' اور گردن شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ ''مجھے آریانہ کے ذکر پہ اپنے بابا یاد آئے۔''

''اوہ۔'' اس نے گہری سانس خارج کی۔ ڈرائیور باہر تھا اور وہ دونوں کار میں تنہا تھے۔

''I did love my father.'' وہ جیسے خود کو بتا رہی تھی۔

''ظاہر ہے۔ وہ تمہارے بابا تھے۔''

''میں سمجھتی تھی محبت ختم ہو جاتی ہے یا نفرت میں بدل جاتی ہے۔مگر میں غلط تھی۔ہم محبت کو بھلا تو سکتے ہیں لیکن کسی کو unlove نہیں کر سکتے۔''

''تمہارے والد کی ڈیتھ ہو چکی ہے کیا؟ تم نے مجھے کلیئر نہیں بتایا تھا۔'' فاتح ابرو اچکا کے یاد کرنا چاہ رہا تھا۔

وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔

''ہوں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔''وہ....''

مگر پھر.....وہ لمحے بھر کو گم صم ہوئی۔

''نہیں۔وہ ابھی بھی زندہ ہیں۔کہیں کسی دور دنیا میں....وہ موجود ہیں۔میرا انتظار کر رہے ہیں۔''

''تو تم ان کے پاس چلی جاؤ۔ سمپل۔''

کتنا آسان حل بتایا تھا اس نے۔وہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔پھر سادگی سے مسکرا دی۔

''مجھے ان کے پاس نہیں جانا۔مجھے بس....ان کا خیال آ رہا تھا۔''

''تو ان سے بات کر لو۔''

اس نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا دیا۔''کر لوں گی۔اب ہمیں انٹرویو کے لئے نکلنا چاہیے۔''

''شیور۔مگر اب تمہیں حاضر دماغ رہنا ہے۔'' تنبیہہ کر کے اس نے شیشہ بجایا تو دور کھڑا ڈرائیور فوراً کار کی طرف لپکا۔

''ایم فائن، سر۔'' اس نے سر جھٹکا مگر دل کی تکلیف یوں کم نہیں ہوتی تھی۔

دور اندر کوئی ایک حصہ تھا جو ایک دم اس آدمی کی یاد میں کرلانے، تڑپنے لگا تھا جس کا مضبوط ہاتھ پکڑ کے وہ جنگلوں اور دریاؤں کو پار کرتی آئی تھی۔

یادِ ماضی عذاب تھی۔

☆☆==========☆☆

وہ ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل کا میٹنگ روم تھا۔وسط میں گول میز رکھی تھی اور اس کے گرد چار کرسیوں کا پھول بنا تھا۔ایک مدھم بتی جلی تھی اور کھڑکیوں کے بلائنڈز مکمل بند تھے۔تین کرسیوں پہ تین نوجوان براجمان تھے اور ان کے سامنے چوتھی کرسی پہ ایڈم بن محمد بیٹھا تھا۔اس نے ٹی شرٹ پہ چیک والی شرٹ پہن کے سامنے کے بٹن بند کر رکھے تھے اور سیدھ میں بیٹھے آدمی کو دیکھ رہا تھا۔

''جس ''دوست'' نے ہماری ملاقات ارینج کروائی ہے، اس نے مجھے بتایا تھا کہ تم کچھ معلومات شیئر کرنا چاہتے ہو۔''

مرکزی کرسی پہ بیٹھا آدمی ایڈم کی آنکھوں میں دیکھ کے بولا۔اس نے تنگ سا نیلا کوٹ پہن رکھا تھا جس کے آستینکہنیوں تک موڑ کے سی دیے گئے تھے۔ٹی شرٹ کے گریبان پہ ڈیزائنر گلاسز اٹکی تھیں۔باقی دونوں کے لباس اور قیمتی گھڑیاں ان کی مالی حیثیت کا پتہ دیتی تھیں۔

''جی۔''ایڈم نے تھوک نگلتے ہوئے سر ہلایا۔ان تینوں کی شخصیات کا رعب تھا یا اس پر تعیش ہوٹل کا پر فسوں' خوابناک سا ماحول...وہ بار بار اعتماد کھو رہا تھا۔اوپر سے روشنی اتنی مدھم تھی کہ ماحول کی پراسراریت بڑھتی جا رہی تھی۔

''میں سائمن فوسٹر ہوں۔ ملائیشیاء میں ایک بین الاقوامی جریدے کی طرف سے بھیجا گیا ایک جرنلسٹ اور کوار ڈینیٹر۔''نیلے کوٹ والے نے نرمی اور شائستگی سے اپنا تعارف کروایا۔

''میں آپ کو جانتا ہوں۔آپ کی نیوز رپورٹس اور آرٹیکلز پڑھے ہیں میں نے۔''ایڈم کو اس کی نرمی نے حوصلہ دیا۔

''گڈ۔اور یہ دونوں ملے جرنلسٹ ہیں۔ہم تینوں صحافیوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم کا حصہ ہیں جو عالمی سطح پہ کام کرتی ہے۔''

''جی۔آپ....''اس نے قدرے اعتماد سے کہنا چاہا۔''آپ او آئی جے کا حصہ ہیں۔آرڈر آف انٹرنیشنل جرنلسٹس۔''

''گڈ۔اب تم بتاؤ تمہارے پاس ہمارے ''آرڈر''(تنظیم) لئے کیا ہے۔''سائمن مسکرا کے ہاتھ باہم پھنسائے ہوئے آگے کو ہوا۔باقی دونوں بھی اسے دیکھ رہے تھے۔ان کو ملوانے والی داتن تھی۔ایڈم کسی بہت بااثر صحافی سے ملنا چاہتا تھا اور داتن نے اس کی خواہش پوری کی تھی۔

''یہ دیکھیے۔''ایڈم نے جلدی سے سامنے رکھی فائل کھولی اور چند کاغذات نکالے۔''میری دوست نے شاید بتایا ہو کہ مجھے کلائیڈ اینڈ لی کی.....''

''ہم تم سے سننا چاہتے ہیں ایڈم۔شروع سے بتاؤ۔''

ایڈم جھینپ گیا مگر پھر کاغذات دکھاتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں ایک چھوٹے اخبار میں کام کرنے والا صحافی ہوں۔ بلکہ ایک tabloid میں۔''(شرمندگی سے بولا۔)''میرے ہاتھ کلائیڈ اینڈ لی کی کچھ ای میلز لگی ہیں اور...''

''کیسے لگی ہیں؟''

ایڈم چپ ہو گیا۔''ویل...میں نے غیر قانونی طریقے سے.....''

''جرنلزم کا پہلا اصول یہ ہے ایڈم' کہ جب تم سے کوئی چوری کی ای میلز کا سورس پوچھے تو تم کہو گے کہ اس ادارے میں کسی

وسل بلور (مخبر) نے اپنا نام صیغہ راز میں رکھنے کی شرط پہ معلومات لیک کی ہیں۔ بس!''

سائمن سمجھاتے ہوئے بولا تو ایڈم نے سر ہلایا۔

''جی۔ جی۔ رائٹ۔'' پھر کاغذات اس کی طرف بڑھائے۔

''ای میلز بہت ساری ہیں۔ میں نے ابھی تک بہت کم ای میلز پہ کام کیا ہے۔ ان ای میلز میں کلائیڈ اینڈ لی کے بہت سے کلائنٹس کے نام ہیں۔''

''ان ناموں کا ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' دوسرے صحافی نے کندھے اچکاتے ہوئے مداخلت کی۔ سائمن کی نسبت وہ دونوں تنقیدی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''ان گروپ ای میلز میں سینکڑوں نام ہیں' سر۔ بین الاقوامی لیڈرز' سیاستدانوں' عرب شہزادوں اور کاروباری افراد کے۔ میں ابھی تک صرف تیس نام کریک کر سکا ہوں۔ ان میں سے دس نام اور ان سے متعلقہ ای میلز ان کاغذات میں ہیں۔''

سائمن اب باری باری ان کاغذات کو دیکھ رہا تھا۔ ہر صفحہ پڑھنے کے بعد وہ دوسرے صحافی کی طرف بڑھا دیتا۔

''یہ بہت زبردست کام ہے' ایڈم۔'' آخری صفحہ پڑھتے ہوئے وہ ستائش سے بولا تو ایڈم کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ اس کا کھویا اعتماد واپس آنے لگا۔

''مگر سائمن' یہ مشہور لوگوں کی آف شور کمپنیز ہیں اور ہانگ کانگ میں یہ ایک قانونی چیز ہے۔ اگر ہم دنیا کو ان کے نام بتا بھی دیتے ہیں تو وہ لوگ کہیں گے کہ ہم نے ہانگ کانگ کا کوئی قانون نہیں توڑا۔''

''سوری سر' لیکن آپ ان ناموں کو پڑھ رہے ہیں کیا؟'' ایڈم نے سنجیدگی سے بات کاٹی۔ ''دس میں سے پانچ لوگ اپنے اپنے ملکوں کے سربراہ ہیں۔ چار عرب شہزادے ہیں اور دسواں نام ہماری وزیراعظم صوفیہ رحمٰن کا ہے۔ بات یہ نہیں ہے کہ یہ لوگ خود کیا کہیں گے۔ بات یہ ہے کہ ان کے عوام کیا کہیں گے۔''

''ایڈم درست کہہ رہا ہے۔'' سائمن نے کاغذات فائل میں رکھتے ہوئے گہری سانس لی۔

''ان میں سے اکثر سیاستدان ہیں اور الیکشن لڑنے سے پہلے ہر سیاستدان کو اپنے عوام کو یہ بتانا ہوتا ہے کہ اس کے پاس کتنی دولت ہے تاکہ پانچ سال بعد عوام خود دیکھ لیں کہ اس حکمران کی دولت میں مشکوک اضافہ ہوتا تو نہیں نظر آ رہا؟ صوفیہ رحمٰن نے اپنی اس آف شور کمپنی کو کبھی ظاہر نہیں کیا۔ اس آف شور کمپنی کے تحت وہ یورپ میں تین ہوٹلز کی مالکن ہے۔ نہ وہ اس جائیداد کا ٹیکس دیتی ہے نہ اس نے یہ اپنے اثاثہ جات میں ظاہر کی ہے۔ ٹیکس نہ دینا اور اثاثوں کا ظاہر نہ کرنا بہت بڑے جرائم ہیں۔''

''مگر ہو سکتا ہے ان لوگوں نے جائز آمدنی سے یہ جائیداد بنائی ہو اور صوفیہ رحمٰن کے علاوہ تمام سربراہان کی جائیداد تو ان کی بیوی یا بچوں کے نام ہے۔'' دوسرے صحافی کو اعتراض تھا۔ ایڈم تیزی سے بولا۔

''میں نے ان سب کو ریسرچ کیا ہے۔ ان کے بیوی بچوں کا تو کوئی دوسرا سورس آف انکم ہے ہی نہیں۔ اور اگر یہ جائیداد بالفرض جائز طریقے سے ہی بنائی گئی ہے تو صحافی کا کام سوال کرنا ہے۔ حکمران کا کام جواب دینا ہے۔ کیا یہ حکمران اپنی ان جائیدادوں کو جھٹلا سکتے ہیں؟ کیا یہ جائز ذریعہ آمدن دکھا سکتے ہیں؟''

''بالکل۔ اور اگر ہم دنیا کو یہ نام بتا دیں تو ان ممالک کے عوام اپنے سربراہان سے سوال پوچھیں گے۔ یہ ایک انٹرنیشنل اسکینڈل ہوگا۔ مگر....'' سائمن نے فائل بند کرتے ہوئے سنجیدگی سے ایڈم کو دیکھا۔ اس کے اعصاب اس ''مگر'' پہ تن گئے۔

''مگر؟'' پریشانی سے پوچھا۔

''مگر مجھے یہ کیسے معلوم ہوگا کہ یہ ای میلز واقعی اصلی ہیں اور جو تم کہہ رہے ہو وہ سچ ہے؟''

''آپ کو یہ نہیں معلوم ہوگا۔ آپ کو معلوم ہو بھی نہیں سکتا۔ آپ کو صرف مجھ پہ اعتبار کرنا ہوگا۔ آپ ان چند ای میلز کو پڑھ لیں' ان کے ہیڈرز پرکھ لیں اور انہیں مذکورہ سیاستدانوں کے سامنے رکھ دیں۔ اگر وہ کلائیڈ اینڈ لی میں اپنی کمپنیز ہونے سے انکار کرتے ہیں تو جو چور کی سزا' وہ میری سزا۔''

''خیر اگر یہ ای میلز اصلی ہیں تو کوئی صدر یا وزیرِ اعظم ان کا انکار نہیں کرے گا۔'' سائمن کے انداز پہ دوسرے صحافی نے ابرو اچکائے۔

''اور وہ کیوں؟''

''کیونکہ یہ جمہوری ممالک کے سربراہان ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ اگر ان سے پارلیمان میں یہ سوال ہوا اور انہوں نے جھوٹ بولا تو وہ پکڑا جائے گا۔ جھوٹ ہمیشہ پکڑا جاتا ہے۔ اور پارلیمنٹ کے فلور پہ جھوٹ بولنا بہت بڑا جرم ہے۔ اس لئے' ایڈم' میں پہلے ان کاغذات کی تصدیق کروالوں پھر ہم ان کو لیک کرنے کی حکمتِ عملی بنائیں گے۔''

سائمن کھڑا ہوا تو باقی سب بھی کھڑے ہوگئے۔ پھر اس نے خوشدلی سے ایڈم کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

''تم نے بہت اچھا کام کیا ہے اور ہم ضرور ان لوگوں کو ان کے عوام کے سامنے ایکسپوز کریں گے۔''

''تھینک یو' سائمن۔'' اس نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ ''لیکن آپ ان کی تصدیق کیسے کریں گے؟'' سائمن سادگی سے مسکرایا۔

''میرے اپنے بہت سورسز ہیں۔'' اس نے ایک آنکھ دبائی۔

ایڈم کو باقی دونوں خشک مزاج صحافیوں کی نسبت وہ گوارا صحافی بہت اچھا لگا تھا۔ پھر ایڈم اپنا فون اٹھا کے جانے لگا تو سائمن نے پکارا۔

''اگر ہم ان کو لیک کریں تو ان ڈاکومنٹس کا کیا نام رکھنا چاہیے؟ یونو' ہر leaks کا کوئی نہ کوئی نام ہوتا ہے۔''

ایڈم بن محمد جاتے جاتے پلٹا اور مسکرا کے سائمن کو دیکھا۔

"The Hong Kong Papers"

سائمن نے بھی مسکرا کے سر ہلا دیا۔

ایڈم کا چہرہ وہاں سے نکلتے وقت جوش و جذبے سے تمتما رہا تھا۔ اسے اب جلد از جلد باقی نام ان ای میلز سے نکالنے تھے۔

☆☆=========☆☆

دوپہر میں بارش شروع ہوئی تو چند منٹ میں سارا کے ایل پانی میں نہا گیا۔ موسم شدید حبس کے بعد خوشگوار ہو گیا تھا۔ تنگو کامل کے ڈرائینگ روم کی کھڑکیوں کی شیشے ابھی تک گیلے تھے اور ان سے نکھرا نکھرا سا لان دکھائی دے رہا تھا۔

اندر تنگو کامل اپنی بیگم شیلا کامل کے ساتھ بڑے صوفے پہ بیٹھے تھے۔ دونوں پرسکون اور سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ میز پہ چائے کی اشیاء رکھی تھیں جن کو سامنے براجمان پراسیکیوٹر احمد نظام نے چھوا تک نہیں تھا۔ وہ رسمی باتوں کے بعد فوراً ہی مدعے پہ آ گئے تھے۔

''تنگو کامل صاحب' میں یہاں چند سوالات کے ساتھ حاضر ہوا ہوں۔''

انہوں نے کوٹ کی جیب سے ایک فولڈر نکال کے میز پہ رکھا۔ تنگو کامل نے دیکھا' کھچڑی بالوں والے ادھیڑ عمر پراسیکیوٹر کی گہری آنکھیں لمحے بھر کے لئے بھی ان کے چہرے سے جدا نہیں ہو رہی تھیں۔ وہ ان کو یوں نگاہوں کے حصار میں لئے ہوئے تھے جیسے فولڈر دیکھتے ہی تنگو کامل کے پہلے تاثرات سے سچ اور جھوٹ کا پتہ چلا لیں گے۔

کامل صاحب نے جھک کے فولڈر اٹھایا اور سیدھے ہوتے ہوئے اسے کھولا۔ شیلا نے بھی ان کے کندھے کے قریب ہو کے جھانکا۔ اندر سنہرے بالوں والی لڑکی کی چند تصاویر لگی تھیں۔

''کیا آپ اس لڑکی کو جانتے ہیں؟ کہیں دیکھا ہے؟ کبھی ملاقات ہوئی ہے؟''

''ملاقات؟'' کامل صاحب نے فولڈر بے توجہی سے بند کیا اور میز پہ ڈالا۔

''یہ تو ہماری ملازمہ تھی۔ ایک سوپ پارلر میں سوپ بناتی تھی اور وہیں سے ہم نے اس کو ہائر کیا تھا۔''

احمد نظام کے کندھے ڈھلکے۔ انہوں نے تھکان بھری سانس خارج کی۔ یہ سب تو بہت آسان تھا۔ کوئی بھی تالیہ کو پہچاننے

سے انکار نہیں کر رہا تھا۔

''اور اس کا نام کیا تھا؟''

''تالیہ مراد۔'' شیلا بھی اسی سادگی سے بولیں۔ ''کیوں؟ کچھ ہوا ہے کیا؟''

''نہیں۔بس روٹین کی کارروائی تھی۔'' پھر چند مزید سوالات پوچھ کے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فولڈر اٹھا لیا۔اب مزید کسی شک کی گنجائش نہ تھی۔

باہر انویسٹی گیٹر کار کے ساتھ کھڑا بار بار کلائی کی گھڑی دیکھ رہا تھا۔احمد نظام کو آتے دیکھ کے سیدھا ہوا۔

''کیا کہا انہوں نے؟'' بے چینی سے پوچھا۔

''فوراً مان گئے کہ وہ ان کی نوکرانی تھی۔'' وہ جوش سے بتانے لگے۔انویسٹی گیٹر پہلے حیران ہوا پھر اس کے چہرے پہ خوشی کی رمق دوڑی۔

''گڈ۔یعنی تالیہ مراد بھیس بدل بدل کے مختلف نوکریاں کرتی رہی ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟''

''سنو نوجوان!'' انہوں نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے سنجیدگی سے کہا۔''اب اس لڑکی سے آمنے سامنے ملاقات کا وقت آ گیا ہے۔اس کے بارے میں تمام دستاویزات کو ہم ایک دفعہ پھر پڑھیں گے اور اس کے بعد میں اس سے ملنے جاؤں گا۔''

''بالکل سر۔'' وہ مسکرایا اور سر کو خم دیا۔کیس دلچسپ ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

دوپہر کی بارش نے رات تک ٹھنڈ مچائے رکھی پھر حسب معمول حبس بڑھنے لگا۔وہی گرمی، وہی پسینہ...کے ایل میں بارش بار بار ہوتی تھی اور بار بار ماحول ویسا ہی ہو جاتا تھا۔

حالم کے بنگلے کے اوپن کچن میں اس رات خاموشی سے کھانا کھایا جا رہا تھا۔بتیاں بجھا کے داتن نے میز پہ رکھا کینڈل برا جلا رکھا تھا اور اب وہ چاول کھاتے ہوئے موم بتیوں کے پھڑ پھڑاتے شعلوں کی زرد روشنی میں تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔سنہری بالوں کو ہیر بینڈ سے پیچھے کیے، وہ ٹراؤزر پہ ٹائٹ شرٹ پہنے، سر جھکائے کھانا کھا رہی تھی۔جھکی پلکوں پہ بے نام سی اداسی تھی جو داتن پدوکا کو بے چین کر رہی تھی۔

نیم اندھیر خاموش لاؤنج کم کچن.....اور وسط میں جلتی تین موم بتیوں کے گرد بیٹھی دو خاموش نفوس۔باہر پھیلا حبس اور اندر چھائی اداسی نے ماحول کی گھٹن بڑھا دی تھی۔

''آج دن کیسا گزرا؟'' داتن کھنکھاری۔

''مصروف۔الیکشن سر پہ ہے نا۔'' (جھکا چہرہ نہیں اٹھایا۔)

''تمہارا لیڈر جیت گیا تو؟''

''تو ہم اللہ کا شکر ادا کریں گے اور وزارتِ عظمیٰ کے الیکشن کی تیاری کریں گے۔''

''اور اگر ہار گیا تو؟''

تالیہ کا چمچ والا ہاتھ رکا۔ آنکھیں اٹھا کے داتن کو دیکھا۔

''اگر وہ ہار گئے تو بھی ہم ہمت نہیں ہاریں گے۔ ہار کو قبول کریں گے اور مثبت انداز میں دوبارہ سے کوشش کریں گے۔ میں دونوں قسم کی صورتحال کے لئے تیار ہوں۔'' دوبارہ سے چہرہ جھکا لیا اور سوپ کو چمچ بھرنے لگی۔

''پریشان ہو کسی بات پہ؟''

''عصرہ نے میرے خلاف تفتیش کھلوادی ہے۔'' اس نے مختصر الفاظ میں سارا واقعہ سناڈالا تو داتن تیزی سے سیدھی ہوئی۔

''میں تمہیں کہتی تھی تالیہ' مشہور آدمی کی باڈی وومن بننا تمہیں لوگوں کی نظروں میں لے آئے گا۔ اف اب کیا ہوگا؟'' وہ پریشان ہوگئی تھی۔

''کچھ نہیں ہوگا۔ میں نے حال ہی میں جتنی جگہوں پہ کام کیا ہے' سب سے بات کر لی ہے۔''

''اوہ شکر۔'' داتن کو حوصلہ ہوا۔'' کیا کہا ان لوگوں نے؟''

''سب نے کہا کہ وہ میرا کسی کو نہیں بتائیں گے اور ہر ثبوت مٹادیں گے۔ ابھی تک ان میں سے کسی کو علم نہیں ہوا تھا کہ میں نے ان کے ہاں سے کچھ چرایا تھا۔'' وہ چہرہ جھکائے آہستہ آہستہ سوپ میں چمچ ہلا رہی تھی۔

''تو کیا وہ واقعی نہیں بتائیں گے؟''

''اونہوں۔ میں نے انہیں کہا ہے کہ وہ تفتیش کاروں کو سچ سچ بتادیں کہ میں ان کے پاس کام کر چکی ہوں۔ سوپ پارلر اور تنگو کامل کے گھر سے تو ایک پراسیکیوٹر صاحب پھر بھی آئے ہیں۔''

داتن کا منہ کھل گیا۔'' ہیں؟ تم نے ایسا کیوں کیا؟''

ہیر بینڈ والی لڑکی نے چہرہ اٹھا کے اسے سادگی سے دیکھا۔'' کیونکہ میں اس کھیل کو ''سچ'' کے ساتھ جیتنا چاہتی ہوں۔ اگر وہ جھوٹ بولتے تو بھی آس پاس کے اسٹریٹ کیم کی مدد سے میرے ان کے ہاں آنے جانے کے ثبوت مل ہی جاتے۔ لیکن سچ بول کے انہوں نے تفتیش کاروں کے شکوک کو پکا کر دیا ہے۔ جانتی ہو اب وہ پراسیکیوٹر کیا کرے گا؟''

''کیا؟'' داتن سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔

''وہ مجھ سے ملنا چاہے گا اور میں اس کے لیے تیار ہوں۔'' وہ مخصوص انداز میں مسکرائی۔''اور تم بےفکر رہو۔تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''

وہ ایک دفعہ پھر سے سر جھکا کے سوپ پینے لگی۔سنہری بال دائیں بائیں ٹی شرٹ کے کندھوں پہ گر رہے تھے اور اس کا چمچ پیالے میں چل رہا تھا۔داتن بس اسے دیکھے گئی۔موم بتیوں کی روشنی میں اس کا چہرہ زرد لگ رہا تھا۔

''اور زندگی کا پلان ہے تالیہ کے پاس؟''

''کوئی لیکچر نہ دینا' داتن۔'' وہ بور سی ہوئی۔''میں سارے دن کی تھکی ہاری اب گھر آئی ہوں۔اور میں بالکل نہیں سننا چاہتی کہ وان فاتح کے ساتھ رہنے کے مزید کتنے نقصانات ہیں۔''

''وان فاتح کے علاوہ کوئی تمہاری زندگی میں نہیں آ سکتا' تالیہ؟ کوئی تمہیں نہیں چاہ سکتا؟''

تالیہ نے خفا نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''میں جانتی ہوں اس کی چاہت وغیرہ کے بارے میں مگر میں اس میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔وہ میری ٹائپ کا نہیں ہے۔اب وہ جتنا میرے آگے پیچھے پھرے' مجھے وہ نہیں پسند۔''

تبصرہ بےرحمانہ تھا۔داتن کا دل دکھا۔ناراضی سے اسے دیکھا۔

''ایسے نہیں کہتے' تالیہ۔وہ بےچارہ تم سے محبت کرتا ہے۔تم ایک دفعہ اس کے بارے میں سوچ کے تو دیکھو۔''

''اس کے بارے میں سوچنے کے لئے اس کی بہن کافی ہے۔'' تالیہ نے ناک سکوڑ کے کہا تو وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔صورتحال سمجھنے میں اسے چند لمحے لگے۔

''کون؟ اشعر؟''

''ظاہر ہے' اشعر۔'' وہ برے موڈ سے کھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔داتن بس اپنی اس نوجوان دوست کو دیکھ کے رہ گئی۔

''میرے قدیم ملاکہ جانے سے پہلے تم کہا کرتی تھیں کہ اشعر مجھ میں دلچسپی لے رہا ہے اور اب تو....خیر۔اب عصرہ محمود کے جرم کا پردہ فارش کرنے کا وقت ہے۔''

داتن کی بھوک مر گئی تھی۔اس نے سپاٹ چہرے کے ساتھ پلیٹ پرے کی اور آہستہ سے بولی۔

''عصرہ کے اتنے پرانے جرم کا سراغ تم کیسے لگاؤ گی؟ اوہ میں بھول گئی۔تم کے ایل کی بہترین انویسٹی گیٹر ہو جس کو لوگوں کے راز کھوجنے آتے ہیں۔'' (پھر آہستہ سے بولی۔) ''مگر دل نہیں۔''

''غلط۔ میں انویسٹی گیٹر کبھی تھی ہی نہیں۔ میں تو صرف اسکامر تھی۔ اور کسی اچھے اسکام کی خوبصورتی کس بات میں ہوتی ہے' داتن؟'' وہ ابھی تک چہرہ جھکائے سوپ کے چمچ پی رہی تھی۔

''ٹارگٹ کو لگنا چاہیے کہ یہ اس کا اپنا آئیڈیا ہے۔'' داتن نے رٹا رٹایا جواب دیا۔ اس کا دل عصرہ اور فاتح کے ذکر سے بالکل اچاٹ ہو گیا تھا۔

''اسی طرح میں نے کوئی تفتیش نہیں کرنی۔ عصرہ محمود ہمیں خود بتائے گی کہ اس نے آریانہ کو کیسے مروایا تھا۔ اس نے ایک باپ سے اس کی بیٹی چھینی تھی' اس کو سزا ملنی چاہیے۔'' چمچ لبوں تک لائی اور پھر بے دلی سے واپس انڈیل دیا۔ داتن نے اب کی بار غور سے اسے دیکھا۔

''تم آج اتنی اداس کیوں ہو؟''

تالیہ نے پیالہ پرے کھسکایا اور ٹشو نکال کے ہاتھ پونچھنے لگی۔ کوئی جواب نہیں دیا۔

''تالیہ؟''

''مجھے اپنے بابا کا خیال آرہا ہے۔''

لیانہ صابری کا حلق تک کڑوا ہو گیا اور غصہ ایسا چڑھا کہ حد نہیں۔ پہلے فاتح کا خاندان اور اب مراد راجہ؟ اف۔

''وہ....وہ ملاکہ کی اسٹوری کا ولن؟ جس نے تمہاری زندگی عذاب بنائی ہوئی تھی؟ تمہیں اس کا خیال آرہا ہے اور یہاں اتنے لوگ جو....جو تم سے محبت کرتے ہیں ان کا کیا؟''

تالیہ مراد نے ہاتھ پونچھتے ہوئے سیاہ آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''تالیہ بنتِ مراد سے مراد راجہ جتنی محبت کوئی نہیں کر سکتا۔ خود تالیہ بھی نہیں۔'' پھر پھونک مار کے موم بتیاں بجھا دیں، اور کرسی دھکیل کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ داتن نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔ نیم اندھیر کمرے میں اب صرف کھڑکیوں سے باہر کی روشنی آرہی تھی۔

کچھ تھا جو اس میں بدل گیا تھا۔

☆☆==========☆☆

آج کل آفس میں علی الصبح ہی کام شروع ہو جاتا تھا۔

ایڈورٹائزنگ' سوشل میڈیا کیمپین' ڈاکومینٹریز بنانا اور شہر کے مختلف علاقوں میں سیمینارز منعقد کر کے وہاں وان فاتح کی تقریر کا بندوبست کرنا' یہ کام صبح سے شروع ہو کے رات دیر تک چلتے رہتے تھے۔ چونکہ یہ پارٹی الیکشن تھا' اس لئے پورے ملک

میں پچھلے اپنے ڈھائی لاکھ ووٹرز کو ان سیمینارز اور انٹرویوز کی سوشل میڈیا پہ ویڈیوز کے ذریعے متوجہ کرنا مقصود تھا۔

دونوں امیدواروں کے اسٹاف ڈھائی لاکھ لوگوں کو ان کے رجسٹرڈ سیل نمبرز پہ اپنا ووٹ لازمی ڈالنے کی طرف مائل کرنے والے پیغامات بھیج رہے تھے۔غرض سارا دن سب اپنے کمپیوٹرز اور موبائلز میں سر دیے بیٹھے رہتے یا وان فاتح کے ساتھ کاغذوں میں گھرے سیمینارز کی تقریریں اور دوسرے امور سنبھالتے رہتے تھے۔ چند ورکرز اینالسٹ کے طور پہ کام کر رہے تھے اور روز شام کو وہ اعداد و شمار کا جائزہ لے کر اپنی کمزوریوں اور مخالف کی خوبیوں کی نشاندہی کرتے تھے۔

ایسی ہی ایک رپورٹ کے کاغذ ہاتھ میں لئے تالیہ کانفرنس روم کی گول میز کے گرد بیٹھی تھی اور اہم نکات پڑھ کے سنا رہی تھی۔

کانفرنس روم کی حالت عام دنوں کے برعکس کافی ابتر تھی۔میز پہ جگہ جگہ کاغذوں اور فائلز کا ڈھیر لگا تھا۔تین چار لیپ ٹاپ کھلے رکھے تھے۔ایک کونے میں چھوٹی میز رکھ کے تین اسٹافرز بیٹھے ایک ہی کمپیوٹر پہ لگے' بحث کر رہے تھے۔شیشے کی دیوار پہ جا بجا کاغذات چسپاں تھے جن پہ کیمپئین اسٹریٹجی کے اہم نکات لکھے تھے۔

بڑی گول میز کے گرد آدھ درجن لوگ بیٹھے تھے جن میں اشعر اور تالیہ کے سوا باقی آپس میں لگے کام کر رہے تھے۔

وہ دونوں فاتح کی طرف متوجہ تھے جو میز کے کنارے پہ بیٹھا تھا۔آج اس نے ٹائی نہیں پہنی تھی اور شرٹ کے آستین موڑے ہوئے تھے۔ماتھے پہ بال بکھیرے' عینک لگائے وہ اس رپورٹ کو خود پڑھتا' گہری سوچ میں گم لگتا تھا۔پھر وہ میز کے کنارے سے اٹھا اور ان دونوں کی طرف رخ موڑا۔

''حاکمی کے اسٹنٹ اچھے جا رہے ہیں۔اور تین دن بعد الیکشن ہے۔لوگ اب اس کو ووٹ دیں گے جو انہیں ان تین دنوں میں متاثر کر سکے۔''

''میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔'' تالیہ دبے دبے جوش سے بولی تو ان دونوں نے اسے دیکھا۔دوسرے لوگوں کے برعکس وہ کیمپئین کی نیلی شرٹ نہیں پہنتی تھی۔آج بھی لمبے سفید فراک اور گردن میں پھولدار رنگ برنگے اسکارف کی گرہ باندھے' بالوں کا جوڑا بنائے بیٹھی وہاں سب میں ممتاز نظر آ رہی تھی۔

''ہمیں حاکمی صاحب اور آپ کے درمیان ایک گرینڈ ڈی بیٹ (مباحثہ) رکھنی چاہیے جیسے ترقی یافتہ جمہوری ممالک کا کلچر ہے۔دونوں امیدوار اسٹیج پہ کھڑے ہوتے ہیں۔پہلے ایک بولتا ہے۔پھر دوسرا۔دونوں باری باری اپنا موقف پیش کرتے ہیں۔پھر صحافیوں کے سوالات کا جواب دیتے ہیں۔میڈیا اس سب کو لائیو دکھاتا ہے۔اس ڈی بیٹ میں دونوں امیدوار اپنے تئیں لوگوں کے مسائل کا حل بتاتے ہیں اور اپنی ترجیحات بھی۔یوں عوام خود فیصلہ کر لیتے ہیں کہ کون سا امیدوار زیادہ بہتر ہے

ے۔''

تالیہ نے تائیدی نظروں سے دونوں کو دیکھا۔ جہاں اشعر کو اس خیال نے پر جوش کیا' وہیں وان فاتح نے نفی میں سر ہلایا۔

''حاکمی میرے ساتھ ایک اسٹیج پہ..... ایک فریم میں کبھی نہیں کھڑا ہو گا۔'' اس کا اشارہ کیمرے کے فریم کی طرف تھا۔

''بالکل ہو گا' آبنگ۔'' اشعر کا لہجہ حتمی تھا۔ ''یہ اس کے لئے بھی ایک بھرپور پروموشن اسٹنٹ ہو گا۔ میں ابھی اس کے کیمپئین مینیجر سے بات کرتا ہوں۔'' وہ فون نکالتے ہوئے اٹھا اور ایک ستائشی نظر تالیہ پہ ڈالی۔ ''بہت اچھا آئیڈیا ہے چے تالیہ ے۔''

تالیہ نے جبراً مسکرا کے بس سر کو خم دیا۔ وہ دونوں اب رسمی گفتگو کی حد تک بات کرنے لگے تھے۔ اشعر باہر نکلا تو فاتح کرسی پہ بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جماتے ہوئے افسوس سے سر ہلایا۔

''وہ کبھی نہیں راضی ہو گا۔''

''اشعر کو منانے کے ہزاروں طریقے آتے ہیں۔'' وہ پرسکون تھی۔ کانفرنس روم میں ان کے علاوہ بیٹھے ورکرز کی دونوں ٹولیاں زور و شور سے اپنی بحث میں لگی تھیں اور اتنا شور تھا کہ اگلی بات کہنے کے لئے فاتح کو آگے جھکنا پڑا۔ وہ دونوں اب گول میز کے ساتھ کرسیوں کا رخ آمنے سامنے کیے بیٹھے تھے۔

''اشعر اچھا آدمی ہے۔'' غور سے تالیہ کے چہرے کو بھی دیکھا۔ وہ مسکرائی اور آگے کو جھک کے آہستہ سے بولی۔

''وہ صرف پیسہ بنانے میں اچھا ہے اور وہ اس وقت یہاں اس لئے ہے کیونکہ اس کے پاس پیسہ ہے اور مجھے کیمپئین کے لئے اس سے پیسے لینے پڑے تھے جیسے ابوالخیر سے لئے تھے آپ کی نیلامی.....'' بولتے بولتے وہ ایک دم رکی۔

''جیسے کیا؟'' شور کے باعث فاتح نے بھی چہرہ آگے کو جھکا کے پوچھا۔ وہ گڑبڑا گئی۔

''میں کہہ رہی تھی کہ حاکمی مان جائے تو ہم ڈی بیٹ کی تیاری کرتے ہیں۔''

''وہ کبھی نہیں مانے گا۔''

تالیہ نے ابرو بھینچے۔ ''آپ کو کیسے معلوم؟''

وان فاتح مسکرایا اور ایک کہنی میز پہ رکھے مزید آگے جھکا۔ ''تاشہ..... میں چیئرمین بننے جا رہا ہوں' کیونکہ میں اپنی ہر پارٹی کے بندے کو جانتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ سیاسی پارٹیوں میں چیزیں کس طرح کی جاتی ہیں۔ کارکن سمجھتے ہیں (پہلے تالیہ اور پھر باہر گئے اشعر کی طرف مبہم سا اشارہ کیا) کہ وہ ہر چیز سمجھتے ہیں مگر کارکن' کارکن ہوتا ہے اور لیڈر' لیڈر ہوتا ہے۔ ٹاپ پہ بیٹھے انسان کو ناپسندیدہ فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ وہ اپنی پارٹی کے لئے باپ کی طرح ہوتا ہے اور بعض دفعہ ہمارے greater

good کے لئے ہمارے باپ دادا بھی ناپسندیدہ انتخابات کا چناؤ کرنے پہ مجبور ہو جاتے ہیں۔اوپر بیٹھے انسان کو نیچے کھڑا ہر انسان صاف نظر آ رہا ہوتا ہے۔حاکمی پبلک میں جتنے اسٹنٹ کر لے میں اس کو جانتا ہوں۔وہ کبھی میرے ساتھ اسٹیج پہ کھڑا نہیں ہوگا۔"

دروازہ کھلا تو وہ چونکی۔اشعر اندر آ رہا تھا۔چہرے پہ مایوسی تھی۔

"میں نے بہت اصرار کیا۔ان کا کیمپئین مینیجر بھی راضی ہو گیا تھا مگر جب اس نے حاکمی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔"

تالیہ نے بے اختیار فاتح کو دیکھا۔وہ اب ٹیک لگا کے بیٹھا' انگلی گال تلے رکھے مسکرا رہا تھا۔چہرے پہ "told you" والے تاثرات تھے۔تالیہ نے خفگی سے بھنویں بھینچی۔

"آخر کیوں؟ یہ ان کے اپنے لئے بھی اتنا بڑا پبلسٹی اسٹنٹ بن سکتا تھا۔" ساری رات سوچنے کے بعد آیا آئیڈیا یوں رد ہو جائے گا' اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

"کیونکہ وہ مجھ سے قد میں پانچ انچ چھوٹا ہے۔وہ ایک فریم میں میرے ساتھ کبھی بھی نہیں کھڑا ہونا چاہے گا کیونکہ اسے بچپن سے اپنے قد کا احساسِ کمتری ہے۔"

"آپ انہیں بچپن سے جانتے ہیں کیا؟" وہ خفا تھی۔

"میں اسے جتنا جانتا ہوں' وہ کافی ہے۔" اس نے مسکرا کے ابرو اٹھایا تو وہ برا منہ بنا کے چپ ہو گئی۔اشعر خاموشی سے باری باری ان دونوں کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"مگر تمہارا آئیڈیا اچھا تھا' تاشہ۔" فاتح نے سراہتے ہوئے میز پہ رکھا اخبار اٹھایا۔"مجھے ایک ڈیبیٹ کرنی چاہیے تاکہ عوام دیکھ سکیں کہ بہتر لیڈر کون ہے۔لیکن یہ حاکمی کے ساتھ نہیں ہونی چاہیے۔"

اخبار کا صفحہ کھول کے اس پہ چھپی بڑی سی تصویر تالیہ کے سامنے کی۔

"عوام کو مجھے اس عورت کے سامنے بولتے دیکھنا چاہیے جس کے ساتھ باریسن نیشنل کے چیئرمین کا مقابلہ اگلے سال الیکشن میں ہوگا۔"

تالیہ کی نظریں اخبار کے صفحے پہ پھسلیں۔وہاں صوفیہ رحمٰن کی بڑی سی تصویر چھپی تھی۔اس کے ابرو بے یقینی سے اٹھے۔

"صوفیہ رحمٰن کا اس الیکشن سے کوئی تعلق نہیں۔وہ کبھی بھی راضی نہیں ہو گی۔"

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ان مسئلوں کو ہینڈل کرنے کے لئے ہی میں نے ایک کیمپئین مینیجر ہائر کی ہے۔" تالیہ کی طرف

اشارہ کیا اور اخبار میز پہ ڈال کے اٹھا۔

''مجھے صوفیہ رحمٰن کے ساتھ ڈی بیٹ کرنی ہے۔ اگر یہ ڈی بیٹ اچھی چلی گئی' تو ہم الیکشن جیت جائیں گے۔ تمہیں جو بھی کرنا پڑے' تم کرو مگر مجھے یہ ڈی بیٹ چاہیے۔'' باس حکم سنا کے دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا اور وہ ہکا بکا بیٹھی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اشعر کھنکھارا تو وہ گم صم سی اس کو دیکھنے لگی۔

''اب ہم کیا کریں' تالیہ؟'' وہ فکرمند لگ رہا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر سے ''ہم'' ہو گئے تھے۔

''کچھ تو کرنا پڑے گا۔ اگر یہ ڈی بیٹ نہ ہوئی اور ہم الیکشن کسی اور وجہ سے ہار بھی گئے تو سارا ملبہ کیمپئین مینیجر پہ گرے گا۔'' اس نے تلخی سے کہتے ہوئے اخبار اٹھا لی۔

''آ بنگ عجیب باتیں کرتے ہیں۔ وہ ملک کی وزیرِ اعظم ہے۔ وہ کبھی نہیں مانے گی۔''

''وہ لیڈر ہیں اور ہم کارکن۔ ہمارا کام ہے ان کی بات ماننا اور صوفیہ کو منانا۔'' وہ فکرمندی سے اخبار کے صفحے پہ نظریں دوڑا رہی تھی۔

''ایک امیر اور طاقتور عورت کو کیسے منایا جا سکتا ہے؟''

تالیہ نے نظریں اٹھا کے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''اسے con کر کے۔''

اشعر نے ادھر ادھر دیکھا۔ دوسرے لوگ ہنوز اپنے کاموں میں لگے تھے۔ شور اسی طرح پھیلا تھا۔ اس نے پہیوں والی کرسی آگے کی اور تالیہ کی طرف جھکا۔

''اور ہم اس کو con کیسے کریں گے؟'' وہ اچنبھے سے بولا۔ ''اس کی کمزوری ڈھونڈ کے؟''

''اونہوں۔ اسے بلیک میلنگ کہتے ہیں۔ con game الگ چیز ہوتی ہے۔ اس میں ہمیں ٹارگٹ کے ساتھ کانفیڈنس گیم کھیلنی ہوتی ہے۔ ہمارا ٹارگٹ کس چیز پہ سب سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے؟ کس پہلو سے اسے نقصان کی فکر نہیں ہوتی؟ ہم اس طرف سے اس کو کوئی ایسی آفر دے سکتے ہیں جس کو وہ ٹھکرا نہ سکے۔ مجھے سوچنے دیں۔'' وہ الجھی الجھی سی صفحات پلٹتی کہہ رہی تھی۔ فاتح نے ایک دم ہر چیز مشکل بنا دی تھی۔ اگر وہ یہ کام نہ کر سکی تو اس کی ساری محنت' ساری ریاضت رائیگاں چلی جائے گی۔

☆☆=========☆☆

آرٹ گیلری کا مرمریں فرش اس دوپہر ٹھنڈا پڑا تھا۔ دور تک پھیلی دیواروں پہ جا بجا پینٹنگز آویزاں تھیں اور لوگ ٹہلتے ہوئے ان کا جائزہ لے رہے تھے۔ بڑے سے ہال میں مقدس سی خاموشی چھائی تھی۔ ایک قدم آدم پینٹنگ کے سامنے عصرہ

محمود کھڑی' گردن اٹھائے غور سے اسے دیکھ رہی تھی جب اسے قریب آتے قدم محسوس ہوئے۔ وہ مڑی نہیں' بس پینٹنگ پہ نگاہیں مرکوز کیے بولی۔

''میرے لائق کوئی خدمت' بے تالیہ؟'' لہجہ طنزیہ اور خشک تھا۔ جواب نہ آیا تو وہ پلٹی۔ سفید لمبے فراک اور پھولدار مفلر والی تالیہ قریب پہنچ چکی تھی اور اس کا سانس پھولا ہوا تھا' گویا بھاگ کے آئی ہو۔

''فون پہ بتانے والی بات نہیں تھی اور وقت کم ہے۔ ہمیں آپ کی مدد چاہیے۔'' وہ چھوٹتے ہی کہنے لگی۔ عصرہ کھلے دل سے مسکرا دی۔

''اپنے شوہر کو وزیرِ اعظم بنانے کے لئے میں سب کرنے کو تیار ہوں۔''

اسکرٹ بلاؤز کے اوپر سر پہ اسٹول اوڑھے' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی کسی ملکہ کی مانند لگتی تھی۔ شہزادی تاشہ کو آریانہ یاد آئی ۔(ظالم ملکہ نے اسے کیوں مروایا؟ کیا وجہ تھی آخر؟)

''آپ کو ایک کام کرنا ہوگا۔'' کہتے کہتے تالیہ نے اس کے کندھے کے پیچھے دیوار پہ آویزاں پینٹنگ کو دیکھا۔ پھر آنکھوں کی پتلیاں سکوڑیں۔

''کیا آپ اس کو خریدنے جا رہی ہیں؟''

''اب اس ملک میں رہنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو کام بھی کرنا ہوگا۔ اسی لئے آج یہاں آئی ہوں تاکہ کچھ شہ پارے خرید سکوں۔ میری گیلری ابھی تک بند پڑی ہے۔ اس کو دوبارہ سے چالو کرنا ہے۔ کیمپین مینیجر کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟'' ٹون طنزیہ ہوگئی۔

''آپ کے فیصلے سے یاد آیا....'' تالیہ نے ماتھے کو چھوا۔ ''آریانہ والا معاملہ۔'' بات ادھوری چھوڑی تو عصرہ نے تھوک نگلا ۔

''کون سا معاملہ؟''

تالیہ نے دائیں بائیں دیکھا' پھر اس کے قریب ہوئی۔ ''اگلے سال چونکہ ہم نے صوفیہ رحمن کے خلاف الیکشن لڑنا ہے' اس لئے میں نے سوچا ابھی سے اس کے آریانہ کے قتل میں ملوث ہونے کے ثبوت ڈھونڈنے چاہئیں۔'' وہ رازداری سے بتا رہی تھی اور عصرہ کے اعصاب تن رہے تھے۔

''ویری گڈ۔ کچھ ملا؟''

''ایک دوست ہے انٹیلی جنس ایجنسی میں۔ اس کی ڈیوٹی لگائی تھی۔ اور گیس کریں اس نے کیا بتایا؟''

عصرہ کے سینے پہ لپٹے بازوؤں نے ایک دوسرے کو سختی سے بھینچ لیا۔ بہت ضبط سے وہ چہرے پہ تعجب سجا کے پوچھنے لگی۔

''کیا؟''

تالیہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے رازداری سے بولی۔ ''صوفیہ رحمن نے آریانہ کو نہیں مروایا۔''

عصرہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔ چہرہ گلابی پڑنے لگا۔ ''ناممکن۔ اگر وہ نہیں ہے تو پھر کون ہے؟'' وہ برہم ہوئی۔

''کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ میرے دوست نے بہت وثوق سے بتایا ہے کہ آریانہ زندہ ہے۔''

عصرہ کے بازو ڈھیلے سے ہو کے پہلوؤں میں جا گرے۔ لب شاک سے کھل گئے۔

''کیا؟'' وہ ششدر رہ گئی تھی۔

''مگر فاتح نے خود اس کو دفنایا تھا۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''وان فاتح نے جو لاش دیکھی تھی، وہ مسخ شدہ تھی۔ بچی کا چہرہ واضح نہ تھا۔ میرے دوست کا کہنا ہے کہ اغوا کاروں کو آریانہ کے پیچھے بھیجنے کے بارے میں پہلے سے کسی تیسرے فریق کو معلوم ہو گیا تھا۔ ان اغوا کاروں کا کھائی میں گر کے مر جانا اور آریانہ کی مسخ شدہ لاش کا ملنا اتفاق نہیں تھا۔ ایک ایجنسی کی خفیہ تفتیشی رپورٹ میں یہ معلوم ہوا تھا کہ کوئی تیسرا فریق اغوا کاروں کو مار کے بچی کو وہاں سے لے گیا تھا اور وہ لاش آریانہ کی نہیں تھی۔ آریانہ اب بھی زندہ ہے اور اس کے اغوا کاروں کو کس نے بھیجا تھا' یہ سب اس رپورٹ میں لکھا تھا مگر صوفیہ رحمن نے رپورٹ redact کر کے دبا دی تھی۔ وہ اس کو اگلے الیکشن کے وقت وان فاتح کے خلاف استعمال کرنا چاہے گی۔''

عصرہ کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ اس کی ہتھیلیوں پہ پسینہ آنے لگا۔ (وہ اگلے الیکشن میں بتائے گی کہ وان فاتح کی بیوی قاتلہ ہے؟ یا اللہ۔)

''آپ ماں ہیں اس لئے آپ کو بتا رہی ہوں۔ فاتح صاحب کو ابھی مت بتائیے گا۔ اگر یہ بات غلط نکلی تو ان کا دل بری طرح ٹوٹے گا۔'' وہ بہت ہمدردی سے بتا رہی تھی۔

''ہاں ٹھیک ہے۔'' اس نے جھرجھری لی۔ ''وہ..... وہ رپورٹ.... وہ کس کے پاس ہے؟''

''وہ redacted ہے اور ایسی رپورٹس کو نکلوانے کے لئے ہائی انٹیلی جنس کلیئرنس چاہیے ہوتی ہے۔ میں کوشش کر رہی ہوں کہ وہ نکل آئے۔ خیر.... ابھی میں کسی اور کام کے لئے آئی تھی۔''

عصرہ کا ذہن بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔ بدقت اس نے تمام خیالات کو ذہن سے جھٹکا۔

''تم نے مجھے کنفیوژڈ کر دیا ہے۔ پتہ نہیں ہماری بیٹی کہاں ہو گی۔ خیر.... کام بتاؤ۔''

عصرہ محمود کچھ دیر پہلے والی گردن کڑا کے کھڑی عورت نہیں لگ رہی تھی۔اس کے کندھے ڈھلک چکے تھے اور وہ اندر تک ہل گئی تھی۔

''آپ کے پاس ایک چینی ملکہ کی اینٹیک ہیئر پن تھی۔ہے نا؟''

''ہاں۔وہ میری پرائیوٹ کلیکشن میں ہے۔کیوں؟''اس نے الجھ کے تالیہ کو دیکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کار میں بیٹھتے ہوئے تالیہ فون پہ کہہ رہی تھی۔

''جانتی ہو میری سپر پاور کیا ہے' داتن؟ کہانیاں گھڑنا۔میں نے ابھی ایک کہانی عصرہ کو سنائی ہے۔جس کے بعد وہ اس خوف میں چلی

جائے گی کہ کوئی اس کا راز جانتا ہے اور آریانہ کا بھوت کسی تلوار کی طرح اس کے سر پہ لٹک رہا ہے۔جانتی ہو اس کے بعد وہ کیا کرے گی؟''

''وہ اپنا جرم کور اَپ کرنے کی کوشش کرے گی۔وہ اپنے قدموں کے نشانات کو مٹانے کے لئے واپس اسی راستے پہ جائے گی جس کے ذریعے اس نے یہ جرم کروایا تھا۔''داتن سمجھ گئی تھی۔

''اور اس طرح ہم اس کو پکڑیں گے۔میں نے کہا تھا نا' ہم انویسٹی گیٹرز نہیں ہیں داتن' ہم اسکامرز ہیں۔''مسکرا کے فون رکھا اور کار اسٹارٹ کرنے لگی۔وہ بیک وقت دو ملکاؤں کے ساتھ con game کھیل رہی تھی اور کھیل دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ خطرناک بھی ہوتا جا رہا تھا۔فون رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بج اٹھی۔نا معلوم نمبر ہونے کے باوجود اس نے کال اٹھالی۔

دوسری طرف سے مدعا سن کے وہ مسکرائی۔

''شیور۔پراسیکیوٹر صاحب۔مجھ سے ملنے کسی بھی وقت آ سکتے ہیں۔مگر پلیز مجھے تھوڑا وقت دیں۔پرسوں الیکشن ہے تو کیا ہم اس کے بعد کی ملاقات رکھ لیں؟ شیور۔تھینکس۔اگلے ہفتے آپ کسی بھی دن آجائے۔ویسے آپ کون ہیں؟ اوہ اچھا ان کے انویسٹی گیٹر۔ویسے انہوں نے کیوں ملنا ہے مجھ سے؟ چلیں ٹھیک ہے' میں ملاقات میں ان سے خود معلوم کر لوں گی۔اوکے بائے۔''فون رکھا اور مسکرا کے کار کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔

پراسیکیوٹر سے ملنے کے لئے اسے صرف ایک ہتھیار چاہیے تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک بک شاپ میں کھڑی سیلز مین سے کہہ رہی تھی۔

''مجھے بنگارا ملایو خریدنی ہے۔''

☆☆=========☆☆

وہ ایک نو تعمیر شدہ میوزیم تھا جس کی عمارت کے مرکزی دروازے پہ کٹا ہوا ربن اور پھولوں کی پتیاں گری تھیں۔ تھوڑی دیر پہلے اس کا افتتاح کیا گیا تھا اور اب معزز مہمانانِ گرامی اندر ہال میں بچھی کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ ہال کی چھت بیسیوں فٹ اونچی تھی اور جھلملاتے فانوسوں سے سجی تھی۔ ایک طرف دور دور تک نئے نکور شوکیسز میں مقید شہ پارے دکھائی دے رہے تھے۔ دوسری طرف مہمانوں کی کرسیوں کی بیس پچیس قطاریں بچھی تھیں۔ سامنے اسٹیج تھا جہاں ڈائس کے پیچھے صوفیہ رحمٰن کھڑی مسکراتے ہوئے تقریری انداز میں کہہ رہی تھی۔

"مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آج مسز عزت نے اپنے میوزیم کا افتتاح میرے ہاتھوں سے کروایا۔"

صوفیہ نے اسٹیج پہ کرسی پہ بیٹھی بوائے کٹ بالوں اور منی اسکرٹ میں ملبوس اسمارٹ سی خاتون کی طرف اشارہ کیا جس نے مسکرا کے سر کو تعظیمی خم دیا۔ اس کے چھوٹے بالوں میں بھی ہیروں سے مزین ہیئر پن دور سے چمک رہی تھی۔

"عزت میرے والد کی پرانی کارکن بھی رہی ہیں اور فین بھی۔" صوفیہ کا مسکراتا چہرہ دمک رہا تھا۔ سر پہ سفید اسکارف پہنے' وہ جامنی رنگ کے باجو کرتے میں ملبوس تھی اور اس کی انگلیوں میں انگوٹھیاں جگر جگر چمک رہی تھیں۔

"مجھے خوشی ہے کہ عزت نے اپنے میوزیم کے سب سے نمایاں مقام پہ میرے والد اور اپنی اس تصویر کو جگہ دی ہے جو غالباً بیس سال پہلے اتاری گئی تھی۔ بیس سال؟" گردن موڑ کے چھوٹے بالوں اور اتھلیٹک جسامت والی عزت سے پوچھا۔

"اٹھارہ سال۔" اس نے تصحیح کی تو صوفیہ رحمٰن سامعین کی طرف مڑی اور مسکرا کے تصحیح کی۔ "اٹھارہ برس پہلے بابا کو جب ٹین ایجر عزت کالج فنکشن میں ملی تھیں' تب یہ تصویر اتاری گئی تھی۔"

وہ تصویر قد آدم پورٹریٹ کی صورت اسٹیج کی پشت پہ رکھی گئی تھی۔ یہاں سے تمام مہمانانِ گرامی اس کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ ایک نوجوان لڑکی ایک سیاستدان سے اسکول کے اسٹیج پہ انعام وصول کر رہی تھی۔

"آرٹ کے موضوع پہ اتنی لمبی تقریریں سن کے آپ تھک گئے ہوں گے۔ اس لئے اب میں اپنا بھاشن بند کرتی ہوں۔ اگر کسی کا کوئی سوال ہو تو پلیز پوچھیے۔" وہ بہت شگفتگی سے کہہ رہی تھی۔ مسکراتی آنکھیں سامنے دور دور تک بیٹھے مہمانوں پہ جمی تھیں۔ چند لوگوں نے ہاتھ کھڑے کیے۔

نیچے مائیک لئے کھڑا ورکر مہمانوں کی قطاروں کے اندر جانے لگا تا کہ سوال پوچھنے والے کو مائیک تھما سکے البتہ جانے سے پہلے اس نے ایک نظر اسٹیج پہ بیٹھی اپنی مالکن پہ ڈالی ۔ عزت نامی اس آرٹ کلیکٹر نے پلکوں کو جھپک کے اسے اشارہ کیا تو وہ درمیانی راستے پہ چلتا پچھلی نشستوں تک چلا آیا اور ایک شخص کو مائیک تھمایا۔

وہ سیاہ پینٹ پہ گرے ڈریس شرٹ پہنے' آستین کہنیوں تک موڑے ہوئے تھا۔ بال ماتھے پہ سامنے کو گر رہے تھے اور

آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ مائیک تھام کے وہ کرسی سے اٹھا۔ دراز قد' صاف رنگت کا وجیہہ صورت مرد۔ اسٹیج پہ کھڑی صوفیہ رحمٰن نے پتلیاں سکوڑ کے اس پہ فوکس کرنا چاہا۔ جانا پہچانا چہرہ۔

''ایک ملے شہری ہونے کے ناتے میرے پانچ سوال ہیں ملکہ.....سوری.....وزیرِ اعظم صاحبہ سے۔ اجازت ہو تو پوچھ لوں' یا نگ امت برحرمت؟ (عزت مآب)''

ڈائس پہ ہتھیلیاں رکھ کے کھڑی صوفیہ کا سانس رک گیا۔ شکل دور سے پہچاننے میں اگر دس سیکنڈ لگے تو آواز پہچاننے میں لمحہ بھی نہ لگا تھا۔ لوگ ایک دم گردنیں موڑ موڑ کے دیکھنے لگے۔ وان فاتح بھی کہہ کے رکا نہیں۔ کرسیوں کی قطاروں کے درمیانی راستے پہ آگے بڑھنے لگا۔ مائیک لبوں سے لگا رکھا تھا۔

''آہا.....وان فاتح آئے ہیں۔'' صوفیہ بھرپور طریقے سے مسکرائی اور گردن موڑ کے ایک سلگتی نظر عزت پہ ڈالی جو سپاٹ سا مسکرا رہی تھی۔ بالوں کی ہیئر پن کی چمک بڑھ گئی تھی۔ (اس کو تو وہ بعد میں دیکھ لے گی۔)

آخری قطار میں بیٹھی عصرہ نے اپنے ساتھ موجود تالیہ کے قریب سرگوشی کی۔

''تمہیں یقین ہے یہ طریقہ کام کر جائے گا؟''

''یہ طریقہ کام کر چکا ہے' مسز عصرہ۔ صوفیہ رحمٰن ایک ڈوبتا تائی ٹینک ہے۔ اور پھر عزت آپ کی دوست ہے۔ اسے صوفیہ کے علم میں

لائے بغیر ہمیں فنکشن پہ بلانا اور فاتح صاحب کو بولنے کا موقع دینا اتنا مہنگا سودا نہیں لگا ہو گا۔ وان فاتح اگلے وزیرِ اعظم ہیں۔''

''مہنگا تو یہ مجھے پڑا ہے۔ وہ ہیئر پن جو میں نے اسے جبراً گفٹ کی ہے' وہ بہت قیمتی تھی۔'' عصرہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔ ''لیکن خیر.....میں فاتح کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔''

تالیہ نے نگاہوں کا رخ موڑ کے اسے دیکھا۔ ''واقعی۔ فاتح کے لئے آپ کچھ بھی کر سکتی ہیں۔''

(آریانہ کا قتل بھی۔)

''جی' یا نگ امت برحرمت۔ فاتح بن رامزل آیا ہے۔''

ادھر وہ وزیرِ اعظم کی بات کا جواب دیتا چلتے ہوئے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ لوگ حیرت اور جوش سے گردنیں موڑ موڑ کے اسے دیکھ رہے تھے۔ دبی دبی سرگوشیاں شروع ہو چکی تھیں۔

''بہت معذرت کہ میں دیر سے پہنچا مگر صد شکر کہ میں نے سوالات کا وقفہ مِس نہیں کیا۔ مجھے بطور شہری آپ سے.....''

''چار سوال پوچھنے ہیں۔ پوچھیے نا۔'' وہ بظاہر مسکرا کے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔'' حالانکہ اصولاً اس وقت آپ کو اپنی کیمپئین میں مصروف ہونا چاہیے تھا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے مگر میری آرٹ lover بیوی ایسی تقریبات نہیں چھوڑتی۔''

قطار میں کیمرے لئے موجود میڈیا کے نمائندے اب دھڑا دھڑ رخ موڑے وان فاتح اور دور پیچھے بیٹھی عصرہ کی تصاویر بنا رہے تھے۔

''یا نگ امت بر حرمت۔'' وہ کھنکھار کے مائیک لبوں کے قریب کیے پوچھنے لگا۔ مسکراتی نظریں اسٹیج پہ کھڑی صوفیہ پہ جمی تھیں جس کے اطمینان اور مسکراہٹ میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔

''میرا آپ سے پہلا سوال۔ آپ کیسی ہیں؟''

ہال میں دبا دبا سا قہقہہ گونجا۔ کوئی سر جھکا کے ہنسا' کسی نے لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ وہ خود بھی مسکرا رہا تھا۔

صوفیہ نے ڈائس کے مائیک پہ چہرہ جھکایا ایسے کہ چمکتی آنکھیں فاتح پہ مرکوز تھیں۔

اللہ کا بہت بہت شکر ہے۔ میں اچھی ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟''

''اوہ تو آپ چاہتی ہیں کہ ہر وہ سوال جو میں آپ سے پوچھوں' وہ آپ آخر میں میری طرف لوٹا دیں۔ اٹس او کے۔ مجھے منظور ہے۔ میں بھی ٹھیک ہوں۔''

لاگ پھر سے ہنسے تھے۔ وہاں آرٹ اور بزنس کمیونٹی کے مہذب لوگ بیٹھے تھے اور انہیں یہ گفتگو محظوظ کر رہی تھی۔

ایسے میں عزت اپنی جگہ سے اٹھی اور مائیک پہ وان فاتح کو اوپر آنے کی دعوت دی۔ صوفیہ نے بھی تائیدی انداز میں سر کو خم دیا۔ وہ وان فاتح بن رامزل تھا۔ اسے اسٹیج سے کم کسی جگہ پہ نہیں کھڑا کیا جا سکتا تھا۔

''بے شک یہ آرٹ کی محفل ہے لیکن میں سیاسی آدمی ہوں۔ مجھے آرٹ کا کچھ علم نہیں۔ اس لیے میرا دوسرا سوال۔'' وہ اسٹیج کی سیڑھیاں

چڑھتے ہوئے مائیک میں بولا۔

''کیا آپ نے الیکشن کے وقت اپنی تمام پراپرٹی سے عوام کو آگاہ کیا تھا؟ ملائیشیاء میں دو فیکٹریوں اور دو گھروں کے علاوہ باقی دنیا میں آپ کی کوئی دوسری پراپرٹی.... کوئی آف شور ملکیت ہے جس سے ہم ناواقف ہوں؟''

وہ اسٹیج پہ اس سے چند فٹ کے فاصلے پہ آ کھڑا ہوا یوں کہ دونوں کا رخ حاضرین کے سامنے تھا۔ وہ ڈائس پہ کہنی جمائے' ذرا مڑ کے اسے دیکھ رہی تھی اور فاتح مائیک پکڑے کھڑا حاضرین اور صوفیہ دونوں کو باری باری دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں۔فاتح صاحب۔میں بہت ذمہ داری سے آپ کو بتا رہی ہوں کہ میری جو جائیداد ہے وہ ملائیشیاء میں ہے۔میرا جینا میرا مرنا' سب ملائیشیاء میں ہے۔میں نے کبھی ملک سے باہر کوئی جائیداد نہیں بنائی۔''

وہ اعتماد سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔پھر رک کے پوچھا۔''اور آپ نے؟''

''میری تو وہی جائیداد ہے جو الیکشن کے وقت میں نے بتا رکھی ہے۔میرے پاس مزید کچھ نہیں ہے(کندھے اچکائے) مگر آپ بالکل شیور ہیں کہ آپ کی دوسری کوئی جائیداد نہیں ہے؟''

''کیا یہ تیسرا سوال ہے؟''وہ محظوظ انداز میں بولی تو لوگ ہنس پڑے۔

''نہیں یہ سوال نمبر دو کا دوسرا پارٹ ہے۔''

''گڈ۔میں بالکل شیور ہوں۔میں نے اپنی جائیداد سے متعلق کبھی جھوٹ نہیں بولا۔''

''اوکے۔میں اس بات کو یاد رکھوں گا۔''اس کے انداز میں کوئی تنبیہہ تھی جو صوفیہ رحمٰن کو اندر سے بے چین کر گئی مگر اس کی مسکراہٹ لمحے بھر کو بھی چہرے سے جدا نہیں ہوئی۔

''تیسرا سوال۔آپ کے خیال میں لوگوں کا ووٹ ڈالنا کیوں ضروری ہے؟ کیونکہ ہر شخص سوچتا ہے کہ ایک میرے ووٹ سے کیا ہوگا۔آپ ووٹرز کو کیسے اس بارے میں سمجھانا چاہیں گی؟''

''میں اس بات کے خلاف ہوں کہ ایک ووٹ سے کچھ نہیں ہوتا۔بہت کچھ ہوتا ہے۔''وہ چہرہ حاضرین کی طرف موڑے مدبرانداز میں کہنے لگی۔''آپ میں سے ہر شخص کا ووٹ اہم ہے کیونکہ قطرہ قطرہ مل کے سمندر بنتا ہے۔اگر ہر شخص گھر بیٹھ جائے اور سوچے کہ اس کا ووٹ بے معنی ہے تو تبدیلی کیسے آئے گی؟اور اگر ہر شخص ووٹ ڈالنے نکل آئے تو معاشرہ بدل سکتا ہے۔سب کے ووٹ مل کے ایک بڑی طاقت بن سکتے ہیں۔آپ ایسے ناامید ووٹرز کو کیسے سمجھائیں گے؟''چہرہ موڑ کے طنز سے فاتح کی طرف دیکھا۔

وہ جو دوسرے مہمانوں کے سوٹ ٹائی کے برعکس سادہ حلیے میں وہاں کھڑا تھا' اس سوال پہ اسی سادگی سے کندھے اچکائے

۔

''مجھے توقع تھی کہ آپ یہی قطرہ قطرہ سمندر والا جواب دیں گی کیونکہ آپ' وزیرِاعظم صاحبہ' لوگوں کو 'انسانوں' کی بجائے ''ووٹرز'' کے طور پہ دیکھتی ہیں۔کیا بطور ایک لیڈر ہم لوگوں کو ووٹ ڈالنے کو اس لئے کہتے ہیں تاکہ وہ بھاری اکثریت سے اپنی پارٹی کو جتوائیں؟ کیا یہ ووٹرز انسان نہیں' دماغ نہیں' دل نہیں' صرف نمبرز ہیں؟ سوری میم' مگر میں ایسے نہیں سوچتا۔''

وہ افسوس سے کہنے لگا تو ہال میں سناٹا چھا گیا۔شگفتگی سے شروع ہوئی گفتگو تناؤ والے ماحول میں ڈھلنے لگی۔خود صوفیہ بھی

چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ وہ مائیک پکڑے اب مجمعے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''بعض دفعہ آپ کے ووٹ سے واقعی الیکشن کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ کے ووٹ سے امیدواروں کے جیتنے یا ہارنے کے فیصلے نہیں ہوتے لیکن پھر بھی آپ کو ووٹ ڈالنا چاہیے۔ اس لئے نہیں تاکہ سب کے ووٹ مل کے کسی کو جتوا دیں یا کسی کو ہرا دیں بلکہ اس لئے کہ ہر انسان یونیک ہوتا ہے۔ ہر انسان اہم ہوتا ہے۔ اللہ نے آپ سب کو الگ دماغ' الگ دل اور الگ سوچ دی ہے۔ آپ کو اپنی رائے کی عزت کرنا آنا چاہیے۔ آپ کو اسی لئے ووٹ دینا چاہیے کیونکہ وہ آپ کی آواز ہے' آپ کا احتجاج ہے ۔ آپ 'ایک' ہیں۔ اکیلے ہیں تو بھی ووٹ دیں تاکہ آپ کی اپنی نظروں میں اپنی رائے معتبر ہو جائے۔ آپ کی سوچ کی عزت ہو۔ بھلے آپ کا پسندیدہ 'امیدوار نہ جیتے' آپ کو اپنے حصے کی آواز اٹھانی ہے۔ آپ اپنے ووٹ کے لئے جوابدہ ہیں۔ چاہے قطرہ قطرہ مل کے قلزم نہ بھی بنے' چاہے تبدیلی اور انقلاب نہ بھی آئے' مگر آپ کو اپنی آواز کو سستی یا ناامیدی سے دبانا نہیں چاہیے۔''

وہ خاموش ہوا تو ہال میں تالیاں گونجنے لگیں۔ ڈائس کے پیچھے کھڑی صوفیہ ہنوز مسکراتی رہی۔ فاتح نے پھر سے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''میرا آخری سوال۔ آپ کی پارٹی کے بہت سے سیاستدانوں کے اوپر کرپشن کے سنگین الزامات ہیں۔ کیا آپ اگلے الیکشن میں پھر سے انہی داغدار دامن والے سیاستدانوں کو ٹکٹ دیں گی؟ اور اگر دیں گی' تو کیوں؟''

''اس سوال کے بھی دو حصے ہیں۔'' وہ مسکرا کے مائیک پہ جھک کے بولی۔ ''اس لئے اول تو میرے آس پاس کوئی مجرم' کوئی کرپٹ سیاستدان ہے نہیں لیکن میرے وہ چند ساتھی جن پہ پچھلی حکومتوں میں سیاسی عناد کے باعث کیسز بنے تھے' ان کی پارٹی کے لئے خدمات ہیں اور وہ electable ہیں۔ آپ کے لئے وہ کرپٹ ہیں' میرے لئے وہ میرے پرانے کارکن ہیں۔ میں ان کو کسی قیمت پہ پارٹی سے الگ نہیں کروں گی کیونکہ میں فرشتے ڈھونڈ کے نہیں لاسکتی۔ سیاست میں شریف اور نیک نام لوگ اسی لئے آنا پسند نہیں کرتے کیونکہ یہاں اتنا کیچڑ اچھالا جاتا ہے کہ لوگ اس سے دور بھاگتے ہیں مگر میں چونکہ خود ایماندار ہوں اس لئے میں یہ گارنٹی دے سکتی ہوں کہ اگر اوپر بیٹھا شخص ایماندار ہو تو وہ اپنے سخت قوانین سے نیچے موجود لوگوں کو فرشتہ بننے پہ مجبور کر سکتا ہے۔'' پھر گردن موڑ کے استہزائیہ نظروں سے فاتح کو دیکھا۔ ''اور آپ وان فاتح ؟ آپ سو کالڈ کرپٹ لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کریں گے ؟''

''اگر میں سو کالڈ کرپٹ لوگوں کو شامل کرنے لگوں تو مجھ سے بڑا منافق کوئی نہیں ہوگا' یانگ امت برحرمت۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ''میں اگر باریسن نیشنل کا چیئرمین بنا تو میں اپنے لوگوں سے ایک وعدہ کرتا ہوں کہ میں کسی کرپٹ شہرت رکھنے

والے سیاستدان کو اپنے ساتھ نہیں شامل کروں گا۔ میں اس بات کو نہیں مانتا کہ صرف اوپر بیٹھے شخص کا ایماندار ہونا کافی ہے۔ نہیں، میم ۔ گو کہ یہ درست ہے کہ سخت قوانین ہر کسی کو فرشتہ بننے پہ مجبور کر دیتے ہیں لیکن یہ قوانین ممبرز پارلیمنٹ کو بنانے ہوتے ہیں۔ لیڈرز جب داغدار دامن والوں کو ساتھ ملاتے ہیں اور اس خوش فہمی میں رہتے ہیں کہ وہ اس کرپٹ ٹولے کو بدل دیں گے تو وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ہر کرپٹ آدمی جو ان کے

ساتھ شامل ہو رہا ہے، وہ اس الحاق کی ایک روز قیمت مانگے گا اور اگر آپ ابھی ان کے اعمال سے صرف نظر کر رہے ہیں تو کیا گارنٹی ہے کہ آپ آگے بھی ان کی بدکاریوں کو نظر انداز نہیں کریں گے؟ سخت قوانین سارے ملک کو "تندرست" کر سکتے ہیں لیکن بیمار دل والے سخت قوانین نہیں بنا سکتے۔ آپ کی ٹیم کو معروفاً ایماندار ہونا چاہیے اور میں اسی لئے کبھی کسی معروفاً کرپٹ آدمی کو اپنے ساتھ شامل نہیں کروں گا۔ مجھے آپ سے مزید کچھ نہیں پوچھنا' یا نگ امت بر حرمت۔"

ہال تالیوں سے گونج رہا تھا اور وہ شخص بے نیازی سے مائیک کسی ورکر کو پکڑا تا اب سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ کیمروں کے فلیش چمک رہے تھے۔ تیز روشنیاں اس ایک آدمی کا احاطہ کیے ہوئے تھیں اور ایسے میں ڈائس پہ کھڑی صوفیہ رحمٰن کو احساس ہوا تھا کہ وہ دونوں بیک وقت ایک کیمرہ کے فریم میں کھڑے ہو کے ایک ہی طرح کے سوالات کے جواب دے چکے تھے اور یقیناً لوگ اب جوابات کا موازنہ کر رہے ہوں گے۔ اور ایسا صرف ایک موقع پہ ہوتا ہے۔

سیاسی debates میں۔

وہ یہاں اس سے جوابات لینے نہیں' اپنے الیکشن کی ڈی بیٹ کرنے آیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی صوفیہ رحمٰن نے فاتح رامزل کو پارٹی چیئر مین بنانے میں اپنا کردار ادا کر دیا تھا۔ وہ صرف ہزیمت سے بچنے کے لئے اور اس کو لاجواب کرنے کے لئے اسے بولنے کا موقع دے بیٹھی تھی اور فاتح کی ٹیم اس کو بری طرح con کر کے جا چکی تھی۔

جس وقت تک صوفیہ کو یہ جان لیوا احساس ہوا' محفل ختم ہو چکی تھی اور مہمان ریفریشمنٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

گرینڈ ڈی بیٹ سے اگلے دن سیاسی سرگرمیوں سے تعطیل کا دن تھا۔ وہ خاموشی سے 'بڑے دن' کے انتظار کا دن تھا۔

وہ آرام کا دن تھا۔

ایڈم بن محمد صبح سویرے اٹھ کے اپنے باغیچے میں آیا تو گھاس پہ شبنم کے قطرے جگمگا رہے تھے۔ مرغی اور چوزے ڈربے میں بند تھے' مگر صبح صادق کے ساتھ ہی چوں چوں شروع کر دیتے تھے۔ وہ جمائی روکتا ان کے ڈربے تک آیا اور ایک ڈبے سے خوراک کی مٹھی بھر کے اندر پھینکی۔ پروں کی پھڑ پھڑاہٹ اور چوں چوں کا بند ہو جانا اس بات کا غماز تھا کہ مرغی اور چوزے

ناشتے میں لگ چکے تھے۔

پھر وہ سست روی سے دروازے تک آیا جہاں رول شدہ اخبار گرا تھا۔نم گھاس کے باعث وہ ذرا گیلا ہو چکا تھا۔ایڈم نے اسے اٹھایا اور جمائی روکتے ہوئے اس کی تہہ کھولی۔

پہلے صفحے پہ لکھی شہ سرخی جگمگا رہی تھی۔

"The Hong Kong Papers"

اسے صرف یہ چار الفاظ نظر آئے اور اس کا چہرہ چمک اٹھا۔حیرت' خوشی' ایکسائٹمنٹ۔

وہ تیزی سے برآمدے میں آیا اور جلدی جلدی وہ اسٹوری پڑھنے لگا۔

سائمن فوسٹر کے نام سے تحریر کردہ وہ نیوز اسٹوری جو ایک مایہ ناز اخبار میں چھپی تھی' بتا رہی تھی کہ مصدقہ اطلاعات کے مطابق ان دس افراد کے نام کلائیڈ اینڈ لی کے کلائنٹس میں ہیں اور ان میں سرِفہرست صوفیہ رحمٰن تھی۔

ایڈم کا چہرہ کھل اٹھا۔مسکراہٹ اتنی گہری ہوئی کہ دانت دکھائی دینے لگے۔

صوفیہ رحمٰن نے کل ہی بانگِ دہل کسی بھی بیرونِ ملک جائیداد سے انکار کیا تھا اور اب.....اب اس کا جھوٹ پکڑا گیا تھا۔

اس نے یہ معلومات تالیہ کو بروقت دی تھیں اور تالیہ نے فاتح کو ہنٹ دیا تھا کہ جلد ہی ایسے انکشافات منظرِ عام پہ آئیں گے۔

ایڈم کو نہیں معلوم تھا کہ یہ آج کی اخبار میں چھپ جائیں گے کیونکہ سائمن نے اس دن کے بعد اس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔

اور اب وہ اخبار کی زینت بنے تھے۔وہ خوشی سے جھوم جھوم اٹھا۔اس نے بالآخر ان کرپٹ حکمرانوں کو ایکسپوز کر دیا تھا۔ اس نے بالآخر عوام کے سامنے.....

اس نے؟ کس نے؟ ایڈم نے؟

ایک دم جیسے کسی نے اس کے چہرے پہ طمانچہ دے مارا تھا۔

وہ بالکل ٹھہر گیا اور دوبارہ سے پوری خبر پڑھی۔پہلی دفعہ حیرت اور جوش سے پڑھی تھی۔

اب دھڑکتے دل اور متلاشی نظروں سے پڑھی۔

"سائمن فوسٹر کو کلائیڈ این لی کے ایک وسل بلور (مخبر) وکیل نے نام صیغہ راز میں رکھنے کی شرط پہ یہ اہم ای میلز فراہم کی ہیں۔

سائمن فوسٹر کی تحقیق کے مطابق.....

سائمن فوسٹر کی کئی مہینوں کی محنت کے بعد.....

سائمن فوسٹر نے ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی اپنی تفتیشی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا۔

سائمن فوسٹر بہت عرصے سے اس فرم کے پیچھے لگے تھے اور بالآخر وہ یہ راز حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے....

سائمن فوسٹر کے تہلکہ خیز انکشافات.....

اخبار اس کے ہاتھ سے پھسل گیا۔ وہ ٹکر ٹکر ان الفاظ کو دیکھ رہا تھا۔

وہاں کسی ایڈم بن محمد کا نام نہ تھا۔

کلائیڈ اینڈ لی کے وسل بلور (مخبر) وکیل اور سائمن فوسٹر کے درمیان سے ایڈم بن محمد کا نام مکھن سے بال کی طرح نکال دیا گیا تھا۔ ایک چھوٹے tabloid کا صحافی ایڈم بن محمد کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

دس اہم نام اور ان کی ای میلز اس نے بغیر کسی کانٹریکٹ یا ایگریمنٹ کے اس خوش اخلاق گورے صحافی کو دے دی تھیں اور اس نے اس معمولی سے ایڈم بن محمد کو درمیان سے بالکل غائب کر دیا تھا۔

وہ اس کی اسٹوری چرا کے لے گئے تھے۔

وہ بے یقین سا بیٹھا تھا اور اخبار گیلے گھاس پہ گرا بھیگتا جا رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

الیکشن کی صبح باریسن نیشنل کے ہیڈ آفس کے لئے ڈھیروں امیدیں' فکر اور تناؤ لئے طلوع ہوئی تھی۔

آفس کے فلور کی مرکزی لابی کے دائیں ہاتھ بنے آفسز وان فاتح کے حمایتوں کے تھے اور لابی کے دوسری جانب دور تک پھیلے کمروں میں حاکمی صاحب کا اسٹاف کیمپئین پہ کام کرنے میں مصروف تھا۔

لابی دونوں 'ٹیموں' کے درمیان ایک no man's land کا کردار ادا کر رہی تھی اور جیسے جیسے الیکشن قریب آتا گیا' دونوں اطراف کے جوشیلے ورکرز میں تلخ کلامی اور بحث و مباحثہ معمول بن گیا تھا۔ اکثر کیفے میں لنچ کے اوقات میں اسٹافرز اور کارکنوں کی زبانی کلامی لڑائیوں کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔

البتہ الیکشن کے دن دونوں اطراف میں اتنا تناؤ اور پریشانی تھی کہ آج کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔

لابی سنسان پڑی تھی اور دونوں فریقین اپنی اپنی طرف ہالز تک محدود تھے۔

بی این کی الیکشن کمیٹی کا آفس اوپر والے فلور پہ تھا جہاں ان کے اینالسٹ اور سپر وائزرز ایک کنٹرول روم میں کمپیوٹر اسکرین کے سامنے بیٹھے پولنگ کا جائزہ لے رہے تھے۔ بی این کے سارے ملک میں پھیلے رجسٹرڈ ممبرز اپنے موبائل فون سے ووٹ دے رہے تھے' اور اسکرینوں کے سامنے بیٹھے نیوٹرل ایمپائرز کو ہر ووٹ کا اندراج دکھائی دے رہا تھا۔ وہاں سافٹ ویئر

ایکسپرٹس اور انٹرنیٹ سیکیورٹی کنسلٹنٹ بھی موجود تھے جن کا مقصد بی این کی ویب سائٹ کی مسلسل حفاظت کرنا تھا تاکہ ووٹنگ کا عمل کسی بھی قسم کی ہیکنگ یا مداخلت سے پاک رہے اور رزلٹ ایمانداری سے تیار کیا جا سکے۔

واپس بی این کے مرکزی فلور پہ آؤ تو خاموش پڑی لابی کے دونوں اطراف بنے آفسز کے دروازے بند تھے۔ وان فاتح کے اسٹافرز اور مرکزی راہنما اس وقت کانفرنس ہال میں جمع تھے۔ وہاں گول میز کے علاوہ بھی درجنوں کرسیاں آگے پیچھے پڑی تھیں۔ کوئی بیٹھا تھا' کوئی چل پھر رہا تھا' کسی نے کافی اٹھا رکھی تھی۔ کوئی ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ تھا۔ غرض اتنا شور اور رش تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

وہ خود بھی آج اپنی کیمپئین کی آدھے آستین والی نیلی شرٹ میں ملبوس تھا اور بال ماتھے پہ بکھیر رکھے تھے۔ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑا وہ مسکرا کے دو کارکنوں سے محوِ گفتگو تھا جو اسے پرسوں صوفیہ رحمٰن کے ساتھ کی گئی ڈی بیٹ پہ مبارکباد دے رہے تھے۔

جیسے کہ توقع کی گئی تھی' ڈی بیٹ کی ویڈیو وائرل ہو گئی تھی اور ووٹرز میں بہت پسند کی گئی تھی۔

ان سے بات کرتے ہوئے اس کی متلاشی نظریں کمرے میں دوڑ رہی تھیں اور پھر وہ اسے اس بھیڑ میں نظر آ ہی گئی۔ کونے میں ایک کرسی پہ بیٹھی وہ موبائل پہ بات کر رہی تھی۔ فاتح سے نظر ملی تو مسکرائی اور وکٹری کی دو انگلیاں بنا کے دکھائیں۔ یہ ایک طرح کی تسلی تھی کہ ہم جیت جائیں گے۔ ورنہ اندر سے وہ سب فکرمند اور بے چین تھے۔

فون پہ ایڈم تھا اور وہ دبے الفاظ میں اس کو تسلی دے رہی تھی۔

''تمہاری غلطی نہیں ہے' ایڈم۔ خود کو قصوروار نہ ٹھہراؤ۔ مجھے الیکشن سے فارغ ہونے دو' ہم اس سائمن فوسٹر سے نپٹ لیں گے۔ جو بھی ہے' اس خبر نے صوفیہ رحمٰن کو نقصان اور وان فاتح کو فائدہ پہنچایا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ' تم نے اپنا ووٹ کاسٹ کیا؟''

''جی' چے تالیہ۔'' وہ بوجھل دل سے بولا۔ ''میں نے صبح ہی کر دیا تھا۔''

''فاتح کے لئے نا؟''

''ظاہر ہے۔'' وہ اداسی سے مسکرایا۔ ''اگر وہ حکومت میں ہوتے تو آج کوئی بھی میری خبریوں چرا نہ سکتا۔ اور مجھے ان پہ پورا اعتماد ہے۔''

''گڈ۔'' وہ پورے دل سے مسکرائی اور پھر داتن کو فون ملایا۔ چھوٹتے ہی بے چینی سے پوچھنے لگی۔

''داتن پدوکا....تم نے ووٹ کاسٹ کیا؟''

''میں اس وقت مولٹن لاوا کیک کھا رہی ہوں۔ دیکھو ذرا' یہ مزیدار چاکلیٹ جو اندر سے ابل ابل کے باہر نکل رہی ہے' اس

کاذائقہ...‘‘

’’بات مت بدلو۔ یہ بتاؤ ووٹ کاسٹ کیا؟‘‘

’’جی نہیں۔ نہ مجھے کرنے کا شوق ہے۔‘‘اس نے ناک سکوڑا۔تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

’’داتن....ایک اچھی اور ایماندار حکومت کے لئے تمہیں ووٹ کاسٹ کرنا ہوگا۔‘‘

’’ہاہا...‘‘وہ ہنسی۔’’مگر مجھے تو ایماندار حکومت نہیں چاہیے' میڈم۔ میں تو چور ہوں۔ میں اسی حکومت کے ساتھ خوش ہوں۔ حالات جیسے ہیں' میں ویسے ہی حالات چاہتی ہوں۔‘‘

’’ہونہہ۔‘‘وہ فون رکھنے ہی لگی تھی جب داتن نے پوچھا۔

’’تم نے خود ووٹ کاسٹ کیا تالیہ؟ خیر میں شرط لگا سکتی ہوں تم نے ابھی تک خود بھی ووٹ نہیں دیا۔‘‘

یکدم کانفرنس روم کا سارا شور دم توڑ گیا۔ ساری آوازیں بند ہوگئیں۔ وہ اپنی خاموشی میں سن سی بیٹھی رہ گئی۔

’’تمہیں کیسے پتہ؟‘‘ آہستہ سے پوچھا۔

’’کیونکہ میں تمہیں جانتی ہوں۔ تم اس سارے شور اور ہنگامے سے دور جا کے کچھ دیر سوچو گی' ایک سچے اور ایماندار ووٹر کی حیثیت سے اور جب تمہیں لگے گا کہ وان فاتح تمہارے ووٹ کا حقدار ہے' تب تم اس کو ووٹ دو گی۔‘‘

اس نے کال کاٹ دی اور فون پرس میں ڈال کے کھڑی ہوئی۔ اردگرد بیٹھے اور چلتے پھرتے لوگوں کے منہ ہل رہے تھے' مگر آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں تالیہ مراد ان کے درمیان سے گزرنے لگی۔ راستے میں فاتح نے اسے روکا ۔وہ مسکرا کے اس سے پوچھ رہا تھا۔

’’تم نے اپنا ووٹ کاسٹ کیا ہے نا؟‘‘

وہ اس کے قریب رکی اور مسکرائی۔ پھر چہرہ آگے کو جھکائے دھیرے سے بولی۔

’’تالیہ مراد عام ووٹر نہیں ہے جو آئیڈیلزم کا شکار ہوتا ہے اور اپنے لیڈرز کو فرشتہ اور مخالف کو شیطان سمجھتا ہے۔ تالیہ مراد سیاستدانوں کے ساتھ کام کرنے والی ایک لڑکی ہے جو دونوں امیدواروں کی کمزوریوں اور خوبیوں سے واقف ہے۔ میں ایک دنیا کو وان فاتح کو ووٹ دینے کے لئے مائل کرتی آئی ہوں کیونکہ وہ میری جاب تھی۔ لیکن میرا اپنا ووٹ بہت قیمتی ہے۔ وہ میری ذمہ داری ہے جس کے لئے میں خود کو جوابدہ ہوں۔ مجھے بہت سوچ سمجھ کے فیصلہ کرنا ہے کہ کیا آپ نے میرا ووٹ earn کیا ہے؟‘‘ مسکرا کے کہتی وہ آگے بڑھ گئی اور وہ گردن موڑ کے تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔ شور اور آوازوں کے درمیان شاید اسے تالیہ کی بات ٹھیک سے سمجھ نہیں آئی تھی۔

آفس سے نچلے فلور پہ مال بنا تھا۔ وہ کافی شاپ میں آئی اور اپنی کافی لئے درمیانی میز پہ جا بیٹھی۔ اس نے آج بھی فاتح کے لوگو والی شرٹ نہیں پہنی تھی۔ وہ سفید بلاؤز اور سیاہ اسکرٹ کے ساتھ سیاہ منی کوٹ میں ملبوس بالوں کو جوڑے میں لپیٹے' کسی بھی قسم کی سیاسی چھاپ سے پاک لگ رہی تھی۔

روسٹ شدہ کافی کی مہک سارے میں پھیلی تھی۔ اس نے اا ایک گھونٹ بھی نہیں بھرا۔ وہ بس کافی گلاس کو دیکھے جا رہی تھی۔ بہت سے مناظر آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے........

وہ عصرہ کی دوست کی حیثیت سے اس سے متعارف ہوئی تھی اور اس نے پوچھا تھا' کہ تاشہ تمہاری زندگی میں کیا اچیومنٹس ہیں' تم کیا کرتی ہو؟ پھر اس نے تالیہ کو اپنی لائبریری میں چھپ چھپا کے جاتے دیکھا تو دونوں کے درمیان تلخی در آئی تھی۔ پھر فاتح نے اس پہ فائل چوری کا الزام لگا ڈالا تو یہ تلخی بے بسی بھرے غصے میں بدل گئی۔ مگر قدیم ملاکہ کے جنگل نے اس سب کو بدل دیا تھا۔ وہ مشکلوں کے ساتھی بن گئے۔ وہ اس کا استاد' اس کا لیڈر بن گیا۔ وہ آگے چلتا تھا اور راستہ دکھاتا تھا اور وہ پیچھے قدم اٹھاتی تھی۔ اس نے تالیہ مراد کو سچ بولنا سکھایا۔ اس نے تالیہ کو خوف سے آزاد ہونا سکھایا۔ فاتح نے اسے اپنے وعدے نبھانے' اور اپنے قول کو پورا کرنے کا........سکھایا تھا۔ حاکم نے اسے کیا سکھایا تھا؟

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور آس پاس کی میزوں پہ بیٹھے لوگوں کو ایک دم مخاطب کیا۔

''کیا آپ لوگوں نے آج بی این کے الیکشن میں ووٹ ڈالا ہے؟''

چند گردنیں اس کی طرف مڑیں۔ سنہرے جوڑے والی خوبصورت لڑکی ان سے مخاطب تھی۔

''آپ میں سے کتنے لوگ بی این کے ممبرز ہیں؟'' اس نے جواب نہ ملنے پہ مزید بلند آواز میں پوچھا۔ تین ہاتھ بلند ہوئے۔ باقی لوگ خاموش رہے۔ کچھ واپس پلٹ گئے۔

''مجھے معلوم ہے آپ میں سے بہت سے ممبرز ہیں مگر وہ ووٹ نہیں ڈالنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کو لگتا ہے کہ سارے سیاستدان ایک سے ہوتے ہیں۔ مجھے بھی یہی لگتا تھا۔'' وہ میز کے پیچھے سے نکلی اور بولتے ہوئے قدم اٹھاتی کاؤنٹر تک آئی' پھر چہرہ میزوں کی طرف موڑا۔ کسی نے اسے پہچان لیا تھا اور سرگوشی کی تھی۔ (یہ وان فاتح کی کیمپین مینیجر ہے۔) دیگر لوگ بس کافی پیتے اور اسنیکس کھاتے ہوئے اس کو خاموشی سے دیکھنے لگے تھے۔

''مگر سارے سیاستدان ایک جیسے نہیں ہوتے۔ جیسے سارے ڈاکٹرز ایک جیسے نہیں ہوتے۔ آپ کو وان فاتح کی بہت سی باتوں پہ اعتراض ہوگا' میں جانتی ہوں مگر جب آپ کسی سرجن کے پاس آپریشن کے لئے جاتے ہیں تو کیا اس بات سے فرق پڑتا ہے کہ وہ سرجن اپنی ذاتی زندگی میں کیسا ہے؟ اس کی شادی' اس کے بچے کیسے ہیں؟ نہیں پڑتا نا؟ کیونکہ آپ کو سرجن کے

پروفیشنل کام سے غرض ہوتی ہے۔'' وہ بلند آواز میں مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ہر شخص ہر کام میں نہیں اچھا ہو سکتا۔ ذاتی تعلقات ان لوگوں سے بنانے چاہئیں جو کردار اور عادات کے اچھے ہوں مگر 'کام' کے لئے ان لوگوں کی مدد لینی چاہیے جو اپنے پروفیشن میں اچھے ہوں۔ وان فاتح اکھڑ ہیں' بے نیاز ہیں اور کسی حد تک لاپرواہ بھی ہیں مگر اپنے پروفیشن میں وہ ''کیئرنگ اور لونگ فیملی مین'' ٹائپ لوگوں سے زیادہ اچھے ہیں۔ سیاستدان کا کام ہوتا ہے قانون بنانا۔ اور عوام کے پیسے کی حفاظت کرنا۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ یہ دونوں کر سکتے ہیں۔ انہوں نے مجھے سچ بولنا سکھایا ہے' وعدوں پہ عمل کرنا سکھایا ہے۔ میں ان کو ووٹ دینے جا رہی ہوں۔ ابھی بھی پولنگ میں آدھا گھنٹہ باقی ہے۔ آپ بھی ووٹ دیں کیونکہ یہ آپ کے اپنے لئے ہے۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا موبائل نکالا اور اسکرین کو روشن کرتی آگے بڑھ گئی۔

اسے وہ وقت یاد آیا تھا جب وہ جیا کے چائے خانے میں کھڑے ہو کے لوگوں کو فاتح کی مدد کے لئے بلا رہی تھی۔ آج وہ جدید ملائیشیا کی کافی شاپ میں وہی کام کر رہی تھی۔

تو یہ طے تھا کہ ان دونوں نے ساتھ رہنا تھا اور ہمیشہ رہنا تھا۔ کوئی چیز' کوئی سازش' کوئی انسان اب ان کو الگ نہیں کر سکتا تھا۔

مطلوبہ بٹن دبا کے.......اپنا ووٹ وان فاتح کے لئے کاسٹ کر کے...وہ ایک دم شانت ہو گئی تھی۔ اس نے برسوں تک اس ملک سے چرایا تھا۔ آج وہ اس ملک کو کچھ دینے جا رہی تھی۔ ایک بہت ملائیشیا کا خواب بالآخر پورا ہونے جا رہا تھا۔ ایک کھری اور ایماندار حکومت کی طرف پہلا قدم۔

پولنگ ختم ہونے کے گھنٹے بعد رزلٹ آنا تھا اور جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا۔ تالیہ کی بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جانے کیا ہونے والا تھا؟ وہ واپس اوپر نہیں گئی۔ نیچے مال میں ہی پھرتی رہی۔

گھنٹہ گزرا تو اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے جلدی سے فون سائیلنٹ کر دیا۔ ہار یا جیت' وہ کوئی کال نہیں اٹینڈ کر سکتی تھی۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ لفٹ سے اوپر کی طرف سفر کرنا آج بہت کٹھن لگ رہا تھا۔ بدقت بوجھل قدم اٹھاتی وہ اوپر واپس آئی۔ لفٹ کے دروازے کھلے تو سامنے لابی کا منظر نمایاں ہوا۔

چند کارکن ایک طرف منہ لٹکائے بیٹھے تھے۔ اور چند سامنے ٹولی کی صورت خوشی سے گلے مل رہے تھے۔ اداس کارکن....خوش کارکن....کون فاتح کا تھا؟ کون حاکی کا تھا؟ وہ کسی کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ بس تیزی سے اپنے کانفرنس روم کی طرف بڑھنے لگی۔ ایک قدم.... پانچ قدم.....دس قدم.....

اندر وہی شور مچا تھا۔ ٹی وی اسکرینز روشن تھیں اور تمام لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے ان لوگوں میں گھرے فاتح بن رامزل کو دیکھا اور اسی پل فاتح نے اسے دیکھا تھا۔

وہ مسکرایا اور سر کو خم دیا۔

تالیہ مراد کا سانس تھم گیا۔ سارے شور میں چند آوازیں بے حد نمایاں تھیں۔

''وان فاتح الیکشن جیت گئے۔''

''ساڑھے بارہ ہزار ووٹس کی لیڈ سے ہم الیکشن جیت گئے۔''

''وان فاتح پی این کے نئے چیئرمین ہیں۔''

''وان فاتح اگلے وزیر اعظم.....''

وہ ایک دم نڈھال سی ایک کرسی پہ گر گئی اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ ایک طویل خوفناک سفر تمام ہوا تھا اور اس سفر کی ریاضتیں رائیگاں نہیں گئی تھیں۔ وہ لوگوں میں گھرا تھا۔ اس کے قریب نہیں آ سکتا تھا مگر تالیہ کے لیے بس اس کی مسکراہٹ ہی کافی تھی۔

اب آرام کا وقت تھا۔

اب خوشی منانے کا وقت تھا۔

☆☆=========☆☆

ایک ہفتے بعد......

حالم کا بنگلہ صبح کی چمکیلی روشنی میں نہایا کھڑا تھا۔ رات بارش خوب برسی تھی اس لئے گھاس ابھی تک گیلا تھا۔ پراسیکیوٹر صاحب نے سراہتی نظروں سے اس خوبصورت بنگلے کو دیکھا اور پھر گھنٹی پہ ہاتھ رکھ دیا۔

دروازہ چند لمحے بعد ہی کھل گیا۔

باہر آنے والی لڑکی تصویروں سے زیادہ خوبصورت تھی۔ اس نے گلابی رنگ کا باجو کرنگ پہنا تھا اور کندھے پہ اسٹول ڈال رکھی تھی۔ سنہرے بال گھنگریالے کر کے چہرے کے ایک طرف پڑے تھے۔ موتیوں کی لڑی گردن سے چپکی تھی اور چہرے پہ ہلکا پھلکا سا میک اپ نظر آتا تھا۔ انگلی میں بیش قیمت سرخ آنسو والی انگوٹھی دمک رہی تھی۔

''آیئے۔ اندر آیئے۔'' وہ خوشدلی سے مسکرا کے کہتی ان کو اندر لے آئی۔

''امید ہے میں نے آپ کو ڈسٹرب نہیں کیا ہوگا۔'' احمد نظام چاروں اطراف کا بغور جائزہ لیتے اس کے پیچھے آئے۔ اندر

بڑا سا لاؤنج تھا جس کے ایک طرف زینہ اوپر جاتا دکھائی دے رہا تھا اور دوسری جانب اوپن کچن تھا۔

''ارے نہیں۔ میں بس متجسس ہوں کہ آپ کو مجھ سے ملنے کی نوبت کیوں پیش آئی۔'' وہ خود بڑے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کے بیٹھ

گئی تو سامنے بیٹھتے ہوئے احمد نظام نے دیکھا' وہ کہنی صوفے کے ہتھ پہ جمائے انگلی پہ گھنگریالی لٹ لپیٹنے لگی تھی۔اس کے انداز میں کچھ شاہانہ سا تھا جو عام لڑکیوں سے مختلف تھا۔

''آپ پبلک پرسنالٹی بنتی جارہی ہیں' بے تالیہ۔ کچھ سوال میرے ذہن میں اٹھ رہے تھے جن کا جواب دینے کے لئے آپ کو زحمت دینا چاہتا تھا۔''

''تو آپ مجھے بلا لیتے نا۔''

''میں نے آپ کے گھر کی بڑی تعریف سنی تھی۔اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ ماشاءاللہ بہت خوبصورت گھر ہے۔ کتنے کا لیا تھا؟''

صوفے پہ بیٹھی لڑکی مسکرائی۔''اگر آپ اسے خریدنا چاہتے ہیں تو میں گھر کے کاغذات لے آتی ہوں۔ پچھلا پورا مہینہ میں سیاسی کاموں میں بزی رہی تو ٹھیک سے صفائی بھی نہیں کروا سکی۔''

''نہیں میں دل سے تعریف کرر ہا تھا۔ confucius کہتا تھا کہ کسی انسان کا گھر دیکھ کے میں اس کے بارے میں بتا سکتا ہوں کہ وہ کیسا آدمی ہے۔''

''آپ confucius جیسے ہیں کیا؟''

وہ ہلکے سے ہنس دیے۔''نہیں مگر میں یہ جاننا چاہوں گا کہ آپ کا سورس آف انکم کیا ہے۔''

''میں ایک پینٹر ہوں۔اپنی پینٹنگز آن لائن بیچتی ہوں۔اس سے میں نے یہ سب بنایا ہے۔میرے پاس سارا منی ٹریل' بینک ڈاکومنٹس اور ٹیکس ریٹرن موجود ہیں۔''

''وہ سب میں نے دیکھے ہیں بے تالیہ۔لیکن اکثر منی لانڈرنگ کرنے والے بھی اسی طرح اپنے بلیک پیسے کو وائٹ کرتے ہیں۔فرضی پینٹنگز' فرضی سیلز۔''

''میں منی لانڈرر نہیں ہوں۔''

''تو آپ کیا ہیں؟'' اس سوال پہ وہ ہلکا سا ہنسی۔

''میں تالیہ ہوں۔''

''اور تالیہ صاحبہ مجھے یہ بات عجیب لگتی ہے کہ ایک مصروف سوشلائیٹ اور پینٹر جس کے پاس اتنی دولت ہے' وہ کسی ریستوران میں بطور ویٹرس کام کرے۔'' وہ غور سے اس کا چہرہ دیکھ کے بولا۔ تالیہ نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔

''آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کہیں ویٹرس بن کے کام کرتی رہی ہوں؟''

''آپ اس بات سے انکاری ہیں؟''

''چچ چچ۔'' لڑکی نے افسوس سے سر ہلایا۔'' آپ کے انویسٹی گیٹر نے میرے بارے میں نامکمل معلومات دی ہیں آپ کو۔''

''یعنی آپ انکار کر رہی ہیں کہ آپ ویٹرس بن کے....''

''صرف ویٹرس؟ چچ چچ۔ میں تو سوئپر بھی رہی ہوں۔ لانڈری بھی کی ہے۔ لائبریرین بھی تھی۔ ایک جگہ تو میں جمناسٹک بھی کرتی تھی۔ ایک چڑیا گھر میں پرندوں کو کھانا کھلانے کا کام بھی کیا ہے۔ چند ایک لوگوں کے گھر میں کک بھی رہی ہوں اور کسی کی ہاؤس کیپر بھی تھی۔ ایک دفعہ میں سوئمنگ ٹیچر بھی بنی تھی اور ایک دفعہ رائفل شوٹنگ کوچ۔ میں آپ کو ان لوگوں کے نام دے دیتی ہوں جہاں میں نے کام کیا ہے۔ آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں۔''

پراسیکیوٹر احمد نظام کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ بالکل لاجواب سے ہو گئے تھے۔

''تو....آپ نے اتنی دولت ہونے کے باوجود یہ سب کام کیوں کیے؟''

''پہلے آپ مجھے یہ بتائیں پراسیکیوٹر صاحب...'' وہ آگے کو ہوئی اور سامنے بیٹھے شخص کی آنکھوں میں جھانکا۔'' قانون میں کہاں لکھا ہے کہ اتنی ساری جابز کرنا جرم ہے؟ میں نے تو ہر جگہ اپنا نام تالیہ ہی بتایا۔ میں نے کسی سے غلط بیانی بھی نہیں کی۔ تو پھر مسئلہ کیا ہے؟''

پراسیکیوٹر صاحب اب پتلیاں سکوڑے اسے دیکھ رہے تھے۔

''بالکل۔ یہ جرم نہیں ہے۔ لیکن یہ عجیب ہے۔ آپ ایسا کیوں کرتی ہیں؟''

''ارے واہ....اتنے سالوں بعد کسی نے مجھ سے یہ سوال پوچھا ہے۔'' وہ چہک اٹھی۔ پھر کھڑی ہوئی اور کچن تک گئی۔ کیبنٹ کھول کے ایک کتاب نکالی اور واپس آ کے اس کے سامنے میز پہ رکھی اور اپنی جگہ پہ بیٹھی۔

''یہ کتاب پڑھی ہے آپ نے؟''

انہوں نے نظریں جھکا کے دیکھا۔'' ہنگا راملایو؟ جی ہاں۔ اسکول میں پڑھی تھی۔''

''کیا آپ کو سنہرے بالوں والی شہزادی تاشہ کا حلیہ یاد ہے؟ بادامی شکل کی آنکھیں' ستواں ناک' ابھری ہوئی گال کی ہڈی'

اور بیضوی فیس کٹ۔اب مجھے دیکھیں اور بتائیں کہ کیا آپ reincarnation پہ یقین رکھتے ہیں؟''

احمد نظام نے تعجب سے ابرو اچکائے۔''سات جنموں پہ؟ ہرگز نہیں۔میں مسلمان ہوں۔''

''مگر مجھے لگتا ہے کہ میں شہزادی تاشہ کا دوسرا جنم ہوں۔''

''ملاکہ سلطنت کی شہزادی تاشہ....آپ کو لگتا ہے کہ آپ وہ ہیں؟''

''ہوں۔''لڑکی نے پلکیں جھپکائیں۔''صرف وہی کرسکتی تھی یہ سارے کام۔کھانا پکانا' سلائی کڑھائی' جنگی امور' اور پھر ....وہ سلطان کی مشیر بھی مقرر ہوئی تھی۔اب مجھے دیکھیں۔کیا میں یہ سب نہیں کرسکتی؟ کیا میں نے وان فاتح کو الیکشن نہیں جتوایا؟''

پراسیکیوٹر صاحب غور سے اسے دیکھنے لگے۔کیا وہ لڑکی کسی obsessed قسم کی سائیکو پیتھ ہونے کی اداکاری کررہی تھی ؟یا وہ واقعی سائیکو پیتھ تھی؟ فیصلہ کرنا مشکل تھا۔

''میرا ہر عمل شہزادی تاشہ کے اعمال کا مرا میج ہے۔میں سچے خواب بھی دیکھتی ہوں اور ان جگہوں پہ جا کے کام کرتی ہوں جہاں سے مجھے انسپریشن ملتی ہے۔پھر میں پینٹنگز بناتی ہوں۔بظاہر میں ایک آرٹسٹ ہوں' سر' لیکن آپ نے پوچھا ہے تو بتا رہی ہوں کہ اپنے نزدیک

میں شہزادی تاشہ کی reincarnaion ہوں۔''پھر اس نے ٹیک لگالی اور مسکرا کے پوچھا۔''کچھ اور جاننا ہے آپ نے ؟''

''اونہوں۔اتنا بہت ہے۔امید ہے آپ نے سارے سوالات کے جوابات سچ بتائے ہوں گے۔''

''میں نے سب سچ کہا ہے' سر۔''وہ مسکرائی۔

''بس ایک آخری سوال!''وہ اٹھے اور پوچھنے لگے۔''آپ نے کوئی میڈ وغیرہ نہیں رکھی؟ آپ کے گھر کا کام کون کرتا ہے ؟''

سوال قدرے غیر متوقع تھا۔تالیہ ذرا سا چونکی۔''میں خود کرتی ہوں۔صفائی' ڈسٹنگ' سب کچھ۔''

''او کے۔''وہ کھلے دل سے مسکرائے اور جانے کے لئے اجازت چاہی۔تالیہ نے انہیں نہیں روکا۔بس گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی سوچتی نظروں سے انہیں جاتے دیکھتی رہی۔

باہر اپنی کار میں وہ بیٹھے ہی تھے کہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے انویسٹی گیٹر نے بے چینی سے پوچھا۔''کیسی رہی ملاقات؟''

''لڑکی نے اچھی کہانی بنائی۔خود کو obsessed قسم کی سائیکو پیتھ ظاہر کیا۔انسپریشن لینے کے لئے وہ یہ جا بز کرتی تھی

اور اس کو تمام قوانین کا بھی علم تھا کہ امیر ہو کے جاب کرنا جرم ہو ہی نہیں سکتا۔ اس نے کوئی جاب نہیں چھپائی۔ پیپر ورک بھی اس کے پاس ہے۔ ہم نے اس کے ٹیکس ریٹرن وغیرہ بھی دیکھ رکھے ہیں۔ بظاہر وہ کلین ہے۔"

"تو آپ مسکرا کیوں رہے ہیں؟" وہ غور سے پراسیکیوٹر کے چہرے کی مسکراتی لکیروں کو دیکھ رہا تھا۔

"اس کے جو پیپرز ہم نے نکلوائے تھے اس میں درج تھا کہ اس کی کوئی نوکرانی نہیں ہے۔"

"تو؟"

"اس نے بھی یہی کہا کہ وہ گھر کا کام خود کرتی ہے۔ اور وہ سچ کہہ رہی تھی۔" وہ ہنوز مسکرائے جا رہے تھے۔

"اکثر لوگ گھر کا کام خود کرتے ہیں سر۔"

"اور اسی لئے وہ پچھلا پورا مہینہ گھر سے لاتعلق اور وان فاتح کی مہم میں اتنی مصروف رہی کہ اس نے گھر کی صفائی پہ توجہ نہیں دی۔"

انویسٹی گیٹر نے منہ بنایا۔

"کیا اس کا فرنیچر اتنا میلا تھا جو آپ خواتین کی طرح نقص نکال رہے ہیں؟"

"اونہوں۔ صرف دیواریں..... وہ صاف نہیں تھیں۔ اور ان پہ فریم مارکس تھے۔ دن کی روشنی میں وہ صاف نظر آتے ہیں۔ وہ ان کی عادی ہو گی اس لئے اسے احساس نہیں ہوا کہ خالی دیواروں پہ بڑی بڑی پینٹنگز کے ڈسٹ مارکس ہیں۔"

"مطلب؟"

"جب کوئی پینٹنگ دیوار پہ آویزاں کی جاتی ہے تو وہ چوکور حصہ گرد سے بچ جاتا ہے۔ اس کی دیواروں پہ جگہ جگہ چوکھٹے بنے تھے جن کے اندر دیوار کا پینٹ چمک رہا تھا۔ یقیناً اس نے چند ہفتے قبل اپنے گھر سے بہت سی پینٹنگز اتاری ہیں مگر دیواروں پہ جھاڑو پھیرنے کا خیال اسے نہیں آیا۔"

"دیواروں پہ بھی جھاڑو پھیرا جاتا ہے؟" انویسٹی گیٹر نے جھرجھری لی۔

"اگر تمہاری بیوی میری بیوی جیسی صفائی پسند ہوتی تو وہ تمہیں بتاتی کہ بال بھی شیمپو کیے جاتے ہیں اور پرفیوم بھی لگایا جاتا ہے۔" وہ ناک سکوڑ کے کار اسٹارٹ کرنے لگے۔ چوٹ اس کے رف حلیے پہ تھی۔ وہ شرمندہ ہو گیا۔

"بہر حال..... اس سب سے کیا نتیجہ نکلا؟ ہو سکتا ہے اس نے یونہی پینٹنگز اتار دی ہوں۔ یہ بھی جرم نہیں ہے۔"

"ایک لڑکی جو مختلف حلیے اپناتی رہتی ہو' اور جسے آرٹ کی ساری سمجھ ہو' وہ اپنے گھر میں لگی بہت سی پینٹنگز ایک دم سے غائب کر دے.. تو وہ صرف ایک چیز ہو سکتی ہے۔"

کار سڑک پہ ڈالتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولے تھے۔

"Art thief-"

انویسٹی گیٹر کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی تھی۔

☆☆=========☆☆

حالم کے بنگلے کالان صبح کی بارش کے بعد سے نکھرا نکھرا سا لگ رہا تھا۔ آج وقفے وقفے سے بارش ہو رہی تھی اور سیاہ بادلوں نے آسمان پہ ایسے بسیرا کیا ہوا تھا کہ دوپہر ہونے کے باوجود شام سی لگتی تھی۔ تالیہ نے اپنے لاؤنج کی ساری کھڑکیاں کھول رکھی تھیں۔ بتیاں بجھی تھیں اور اسی قدرتی روشنی میں ان تینوں نے دوپہر کا کھانا کھایا تھا۔

اب وہ لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے بیٹھے تھے۔ تینوں کی کرسیاں برابر رکھی تھیں اور تینوں کے ہاتھوں میں ڈیزرٹ سے بھرے پیالے تھے۔ ایڈم جتنا اداس تھا' تالیہ اتنی ہی خوش تھی۔ داتن البتہ ہمیشہ کی طرح اپنے حال سے مطمئن تھی۔

"اب تم کب تک آفس نہیں جاؤ گی؟" داتن نے جھک کے پرس سے دوا کی ڈبی نکالتے ہوئے پوچھا۔

"بھئی ہم الیکشن جیتے ہیں۔ اتنی محنت کے بعد۔ یہ پورا ہفتہ فاتح صاحب اور عصرہ بیگم نے مبارکبادی پارٹیز میں گزار دیا ہے۔ اگلا ہفتہ بھی ایسے ہی گزرے گا اس لیے میں نے پندرہ دن کی چھٹی لے لی تھی۔ یہ تم کس چیز کی دوا لے رہی ہو؟" اس کو گولیاں پھانکتے دیکھ کے چونکی۔

"یہ اینٹی ڈپریشن ہیں' مادام جو میری عمر میں آ کے لینی پڑتی ہیں۔" داتن پدو کالا پرواہی سے بولی اور ٹی وی کو دیکھنے لگی۔

"ہونہہ۔ میرے بابا تو نہیں لیتے تھے۔ وان فاتح تو نہیں لیتے۔ ہر کسی کو نہیں لینی پڑتیں۔ مگر جو لوگ ووٹ نہیں دیتے ان کو تو ڈپریشن ہو گا نا۔" اور سر جھٹک کے سامنے دیکھنے لگی۔ دفعتاً ایڈم پہ نظر پڑی تو گہری سانس لی۔

"تم کیا مجنوں بنے بیٹھے ہو؟ اب بس کرو دو افسوس کرنا۔ ہم سائمن فوسٹر سے ڈیل کر لیں گے۔"

"مجھے اس طرح ان کو وہ چیزیں دینی ہی نہیں چاہیے تھیں۔" ایڈم ابھی تک افسوس کر رہا تھا۔ اس کا ڈیزرٹ پگھل رہا تھا اور وہ بے توجہی سے اندر چمچ ہلا رہا تھا۔

"بس کر دو خود کو الزام دینا' ایڈم۔" داتن نے برا سا منہ بنایا۔ "میں نے تمہیں اس صحافی سے ملوایا تھا۔ میں تو خود کو نہیں ملامت کر رہی۔ تم بھی دل چھوٹا نہ کرو۔"

"حالانکہ جو لوگ ووٹ نہیں ڈالتے انہیں خود کو ملامت کرنا چاہیے۔" تالیہ اس دن سے اس پہ بات بات پہ چوٹ کرتی تھی مگر داتن برا مانے بغیر مسکراتی رہتی۔

''ہاں تم ووٹ ڈالنے والوں کو بھی جلد آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔''

مگر ایڈم منہ لٹکائے بیٹھا رہا۔کوئی بھی چیز اس کے دل کو تسلی نہیں دے سکتی تھی۔تالیہ اور داتن نے ایک دوسرے کو دیکھا۔پھر تالیہ بچوں کو پچکارنے والے انداز میں گویا ہوئی۔

''دیکھو ایڈم...فی الوقت تمہیں خوش ہونا چاہیے۔وان فاتح الیکشن جیت گئے ہیں۔ان کے خواب پورے ہونے جا رہے ہیں۔اب ہم حکومتی پارٹی میں ہوں گے۔ہم سائمن جیسے اسکامرز کا راستہ روک سکیں گے۔''

ایڈم نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔''میں خوش ہوں' چے تالیہ مگر..''

''اگر مگر کچھ نہیں۔آج ہم سب باہر ڈنر کرتے ہیں اور سیلیبریٹ کرتے ہیں۔اف میں اتنی خوش ہوں کہ بتا نہیں سکتی۔''وہ گویا جھوم جھوم جانا چاہتی تھی۔''مجھے آخری لمحے تک دھڑکا لگا تھا کہ ہم ہار جائیں گے مگر ہم نہیں ہارے۔سچ کی جیت ہوئی۔سب اتنا اچھا جا رہا ہے۔تم اب تو اداس نہ ہو۔''وہ بہت امید' بہت خوشی سے کہہ رہی تھی جب داتن نے ٹوکا۔

''وہ...تمہارا وان فاتح آ رہا ہے ٹی وی پہ۔''

تالیہ نے مسکرا کے اسکرین کو دیکھا اور آواز اونچی کی۔

''چیئرمین وان فاتح کہو۔مگر اوہ سوری۔تم نے تو ووٹ ہی نہیں ڈالا تھا۔''

مگر داتن نے جواب نہیں دیا۔وہ آگے ہو کے غور سے اسکرین پہ چلتی خبر دیکھنے لگی۔

''تازہ اطلاعات کے مطابق باریسن نیشنل کے نئے چیئرمین وان فاتح نے اپنی پارٹی میں ایل اے پی کے اتحاد کو خوش آمدید کہا ہے۔ابھی ابھی ایل اے پی کی مرکزی قیادت کی وان فاتح سے بی این کے ہیڈکوارٹرز میں ملاقات ہوئی ہے جس میں انہوں نے بی این میں باقاعدہ شمولیت کا اعلان کر دیا ہے۔واضح رہے کہ ایل اے پی کے مرکزی قائدین میں امیر الدین بداوی' گیک چانگ اور ہشام جر جیس بھی شامل ہیں جن پہ کرپشن کے بڑے بڑے مقدمات درج ہیں اور جو کچھ عرصہ پہلے تک وزیراعظم صوفیہ رحمٰن کے ساتھ تھے اور اسی وجہ سے وہ کرپشن مقدمات کا سامنا کرنے سے بچے رہے تھے۔ناظرین کو یاد کرواتے چلیں کہ ابھی چند دن پہلے وان فاتح نے صوفیہ رحمٰن سے ایک غیر رسمی مباحثے کے دوران قوم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بری شہرت والے کرپٹ سیاستدانوں کو کبھی بھی پارٹی میں شامل نہیں کریں گے لیکن ہانگ کانگ پیپرز کے بعد صوفیہ رحمٰن کی کمزور ہوتی پوزیشن اور تازہ تازہ ملی چیئرمین کی سیٹ نے وان فاتح کو ان کا پہلا وعدہ توڑنے پہ مجبور کر دیا ہے۔''

نیوز کاسٹر بلند آواز میں مسکراتے ہوئے پڑھ رہی تھی اور حالم کے بنگلے میں سناٹا چھا گیا تھا۔

''یہ...غلط خبر ہے شاید۔''تالیہ کی آنکھیں اسکرین پہ جمی تھیں۔

''بچے تالیہ...وہ تصویریں دکھا رہے ہیں۔ وان فاتح ان لوگوں سے ہاتھ ملا رہے ہیں۔ یہ تو واقعی ہشام جرجیس ہے۔ بدنام زمانہ ہشام جرجیس۔'' ایڈم کی آواز کسی کنویں سے آتی سنائی دی۔ مگر تالیہ نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔

''میڈیا باتوں کو بڑھا دیتا ہے۔''

''مگر یہ ملے چینل نہیں ہے۔ یہ بین الاقوامی چینل ہے۔ اور یہ بی این کا آفس ہی لگ رہا ہے مجھے۔ مگر وان فاتح نے تو وعدہ کیا تھا کہ...'' ایڈم دنگ تھا۔

اور اسی پل داتن کا قہقہہ سارے میں گونجا۔ تالیہ نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ گردن پیچھے پھینک کے ہنستی جا رہی تھی۔

''ہاہاہا...'' اس نے بدقت چہرہ سیدھا کر کے ہنستے ہوئے انہیں دیکھا۔ ''ہاں بھئی...ووٹ ڈالنے والو...بن گیا تمہارا بہتر ملائیشیا؟ کر دیے وان فاتح نے سارے وعدے پورے؟''

ایڈم ہکا بکا سا اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ اور تالیہ...اس کی نظریں تصویروں میں دکھائی دیتے فاتح کے ہاتھوں پہ جمی تھیں جو جرجیس جیسے بدنام زمانہ آدمی کے ہاتھ سے مصافحہ کر رہے تھے۔

داتن ہنستی جا رہی تھی۔

''تم دونوں ابھی تک نہیں سمجھے؟ ارے یہ سب ایک con تھا۔ الیکشن سب سے بڑا con game ہوتا ہے۔ تم ووٹرز کو لگا کہ ووٹ ڈالنا تمہارا آئیڈیا تھا۔ تم اپنی مرضی سے ووٹ ڈال رہے تھے؟ نہیں بے وقوفو۔ اگر ووٹ سے تبدیلی آنی ہوتی تو یہ لوگ الیکشن کو ختم کر چکے ہوتے۔ یہ سارے سیاستدان کون آرٹسٹ ہیں۔ اسکامرز ہیں۔ انہوں نے تمہارے ساتھ کانفیڈینس گیم کھیلا ہے۔ تمہیں سب سے زیادہ اعتماد کس چیز پہ تھا؟ اپنے خوابوں کے پورا ہونے پہ۔ انہوں نے تمہارے لالچ کو استعمال کیا۔ تم نے ووٹ خود نہیں ڈالا۔ انہوں نے تم سے ڈلوایا ہے۔ اور ہر con کے آخر میں ایک اچھے 'کون مین' کی طرح یہ سیاستدان کی ایگزٹ تھی۔ ایسی ایگزٹ جس کے بعد ٹارگٹ کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ ہاتھ ملتا رہتا ہے اور اسے تب احساس ہوتا ہے کہ وہ بے وقوف بن گیا۔ کیونکہ سیاستدان نے ''ڈیل'' کر لی۔ اسے اگلا الیکشن جیتنے کے لیے ہشام جرجیس جیسے لوگوں کا ساتھ اور پیسہ چاہیے۔ ایڈم اور تالیہ جیسے لوگوں کے خواب نہیں۔'' پھر وہ جھکی اور بوتل سے دو گولیاں نکال کے ان کے سامنے میز پہ رکھیں۔

''تم دونوں کو اس وقت ان کی ضرورت ہے۔'' اور ایک دفعہ پھر سے ہنسنے لگی۔

''انہوں نے ملاکہ میں بھی یہی کیا تھا۔ انہوں نے مراد راجہ کے ساتھ ڈیل کر لی تھی۔'' ایڈم کھویا کھویا سا بولا۔

تالیہ ایک دم اٹھی۔ کار کی چابی اٹھائی اور دروازے کی طرف لپکی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ ایڈم پیچھے جانے لگا تو

داتن نے اسے روکا۔

''اسے اپنے لیڈر سے خود بات کرنے دو۔ آنکھوں کی پٹی اور چہرے کے نقاب کو اترنے دو۔ وہ اپنے لیڈر کی ہار اور جیت دونوں کے لیے تیار تھی۔ لیکن کسی کو چاہیے کہ وہ ووٹرز کو تیسرے منظر نامے کے لیے بھی تیار کر دیا کرے۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''اگر لیڈر جیت کے بھی اصول ہار دے تو پھر کیا کرنا چاہیے... وہ اس کے لیے تیار نہیں تھی۔''

ایڈم آہستہ سے واپس بیٹھا۔ وہ بالکل گم صم سا ہو گیا تھا۔

☆☆==========☆☆

چیئر مین کا آفس ان کے پرانے آفس سے اوپر والے فلور پہ تھا۔ اس کے باہر ایک چھوٹا سا آفس سیکرٹری کا بھی بنا تھا جو اس وقت خالی تھا۔ تالیہ کی چھٹی کے پیش نظر ادھر آج کل فاتح کا باڈی مین بیٹھتا تھا۔ چیئر مین آفس اندر سے بے حد وسیع اور پر تعیش تھا۔ اس کی مرکزی کرسی اونچی اور سبز رنگ کی تھی۔ فاتح بن رامزل اسی کرسی پہ بیٹھا' میز پہ رکھی فائل دیکھ رہا تھا جب دروازہ کھلا اور تالیہ اندر داخل ہوئی۔ وہ سادہ فراک پہ گردن میں اسٹول کی بکل مارے' بالوں کی رف سی پونی بنائے گلابی تمتماتے چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔ فاتح نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے اسے دیکھا اور مسکرایا۔

''آؤ تاشہ۔ یہ لڑکا بالکل اچھی کافی نہیں بناتا۔ شکر ہے تم نے اپنی چھٹی ختم کی۔''

وہ لب بھینچے اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ نظریں اس کے چہرے پہ گڑی تھیں۔

''میں نے ابھی ابھی نیوز دیکھی۔ آپ نے ایل اے پی سے اتحاد کر لیا۔ یہ کب ہوا؟'' اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔

''ہاں وہ...'' فاتح نے فائل کا صفحہ پلٹایا اور عینک اتار کے رکھی۔ ''ان کے ساتھ اتحاد ضروری تھا۔ الیکشن میں صرف ایک سال پڑا ہے اور سبا کی ریاست سمیت بہت سی جگہوں پہ ان کے بغیر ہم نہیں جیت سکتے۔''

''آپ نے ایل اے پی سے اتحاد کر لیا؟'' وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔ ''ہشام جرجیس جیسے کرپٹ لوگوں سے؟''

''ریلیکس۔ اتنی پریشان نہ ہو۔ پارٹی کے پاس پیسے نہیں ہیں اور ہمیں ان کی حمایت چاہیے۔'' وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ کے بولا۔ ''جیسے تم نے اشعر کے پیسوں سے میرے الیکشن کو فنڈ کیا تھا' اسی طرح ہم ان کے پیسوں سے بی این کے الیکشن کو فنڈ کریں گے۔''

''اشعر انتہائی خبیث آدمی ہے لیکن اس نے کرپشن کر کے دولت نہیں بنائی' سر۔ رشوت کھاتا ہے' منی لانڈرنگ بھی کرتا ہے لیکن اس نے عوام کا پیسہ... ٹیکس کا پیسہ کبھی نہیں کھایا کیونکہ وہ عوامی عہدے پہ نہیں رہا۔ اور تالیہ مراد نے کبھی لوگوں سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ وہ اشعر سے مدد نہیں مانگے گی۔'' وہ غصے میں کہہ رہی تھی۔ ''آپ نے اسٹیج پہ کھڑے ہو کے... لوگوں کو گواہ بنا

کے کہا تھا کہ آپ ایسے لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھیں گے اور آپ نے انہیں پارٹی میں ہی شامل کر لیا۔"

فاتح نے گہری سانس لے کر ٹیک لگائی۔ "اچھا اگر میں ایسے لوگوں کو نہ لوں تو کیا کروں؟ الیکشن ہار جاؤں؟ ساری عمر اپوزیشن میں بیٹھوں؟ تمہارے خیال میں وزیراعظم کا الیکشن جیتنے کے لیے یہ نہ کروں تو کیا کروں؟"

"میرا خیال جو بھی ہو اس سے فرق نہیں پڑتا' فاتح صاحب۔" وہ ہتھیلیاں میز پہ رکھے جھک کے غرائی تھی۔ "آپ کے خیالات سے

فرق پڑتا ہے۔ آپ نے وہاں کھڑے ہو کے صوفیہ رحمٰن کی بات کو رد کیا تھا۔ آپ نے وعدہ کیا تھا۔ مگر اب آپ وہی کر رہے ہیں جو صوفیہ کرتی آئی ہے۔ ہشام جر جیس جیسے لوگ کرپٹ لوگ ہیں' سر۔"

"اول تو اس پہ کوئی کرپشن ابھی تک ثابت نہیں ہوئی۔ دوسری بات..."

تالیہ نے زور سے بند مٹھی میز پہ رکھی۔

"اب آپ اس کو ڈیفینڈ بھی کریں گے؟" وہ بے یقینی سے دبا دبا سا چلائی۔ "کیا کرسی اور اقتدار ایسے انسان کو بدل دیتی ہے؟ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ کرپٹ ہے۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ کسی بری شہرت والے کو پارٹی میں نہیں لیں گے۔"

"وہ... ایک... کیمپین پرامس تھا۔" وہ غصے سے سیٹ سے اٹھا اور غرا کے بولا۔

تالیہ کے کندھے ڈھلک گئے۔ وہ سیدھی کھڑی ہوئی اور تو جب سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"جب آپ وہ وعدہ کر رہے تھے تو آپ کو معلوم تھا کہ آپ اسے پورا نہیں کر سکتے۔ پھر آپ نے وہ وعدہ کیوں کیا؟ آپ لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟"

"لوگ ایک ہفتے میں بھول جایا کرتے ہیں۔ لوگوں کو ہر بات سمجھ نہیں آتی۔" اس نے غصے سے ہاتھ جھلا کے کہا۔ "کارکن کارکن ہوتا ہے اور چیئرمین چیئرمین۔ میں اس سیٹ پہ اس لیے ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے اس سانپ سیڑھی کے کھیل کو کیسے کھیلنا ہے۔ کچھ کمپرومائزز کرنے پڑتے ہیں۔"

"تو پھر مجھے کیوں برا بھلا کہا تھا جب میں ابوالخیر کے پیسے لائی تھی آپ کو چھڑوانے کے لیے؟" وہ زور سے چلائی۔

"پھر مجھے کیوں کہا تھا کہ میں جھوٹی ہوں' کون آرٹسٹ ہوں' چور ہوں؟ مجھے کیوں کہا تھا کہ مجھے خود کو بدلنا ہے؟ اگر آپ نے ان چوروں کے ساتھ مل ہی جانا تھا تو مجھے کیوں سچ بولنا سکھایا تھا؟ مجھے کیوں اصول اور اخلاقیات سکھائے تھے؟ میں نے اپنی زندگی تباہ کر دی آپ کی اس... اس جاب میں... میرے پیچھے پراسیکیوٹرز پڑ گئے صرف اس لیے کہ میں آپ پہ یقین کرتی آئی اور آخر میں آپ نے وہی کیا جو آپ نے ملاکہ میں کیا تھا۔ آپ نے وہاں بھی میرے باپ سے ڈیل کی تھی۔ آپ کو وہاں

بھی معلوم تھا کہ وہ صندوق غلاموں کو نہیں دینے۔ آپ نے شروع سے انہیں مراد راجہ کو واپس کرنے کی پلاننگ کی تھی۔ آپ میرے جیسے لوگوں کو اسکامرز کہتے تھے۔ تو آپ خود کیا ہیں؟ آپ سیاستدان کیا ہیں؟''صدمے اور غصے سے بولتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

''کیئر فل!'' فاتح نے ہاتھ اٹھا کے سختی سے اسے روکا۔''تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی ہو اس لیے پتہ نہیں کیا بولے جا رہی ہو۔ یہاں مجھ پہ چلانے کے بجائے گھر جاؤ اور آرام کرو۔''

''اوہ۔ یعنی اگر میں یہاں آپ پہ چلاؤں گی تو آپ مجھے نوکری سے فائر کر دیں گے؟''وہ غصے سے بولی۔

''تاشہ...تم واقعی...''

''چیئر مین صاحب...!'' اس نے پھر سے میز پہ ہاتھ مارا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے چبا چبا کے بولی۔

''میرا نام تالیہ ہے۔

میں مراد راجہ کی بیٹی ہوں۔

میں اپنے باپ کی شہزادی ہوں۔

اور آپ...آپ وانگ لی کے غلام ہیں۔

میں سمجھی تھی میں نے آپ کو آزاد انسان بنا دیا تھا مگر آپ اب بھی غلام ہی ہیں۔

آپ کیا فائر کریں گے مجھے؟

میں آپ کو فائر کرتی ہوں۔

اپنے باس کے عہدے سے۔

میں آپ کو فائر کرتی ہوں۔

اپنے چیئر مین کی کرسی سے۔

میں آپ کو فائر کرتی ہوں۔

اپنے لیڈر کے مقام سے۔

آپ آج سے میرے لیڈر نہیں ہیں۔

آپ نے ایک con woman کو con کرنے کی غلطی کی ہے۔

اور اب میں آپ کو وزیر اعظم بننے نہیں دوں گی۔

میرا نام یاد رکھیے گا۔

میں تاشہ نہیں ہوں۔ میں تالیہ بنت مراد راجہ ہوں۔''

وہ اس پہ غراتے ہوئے آگے بڑھی' اور ملکہ کے سے انداز میں ہاتھ مار کے اس کی میز سے چیزیں گرادیں۔ وہ ماتھے پہ بل لیے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ کچھ کہا نہیں' ضبط کر گیا۔ وہ مڑی اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔

☆☆=========☆☆

وہ کافی دیر تک واپس نہیں آئی تو ایڈم اٹھ کے لاؤنج میں دائیں بائیں ٹہلنے لگا۔ وہ فون لے کر نہیں گئی تھی اس لیے اس سے رابطہ بھی نہیں ہو رہا تھا۔

''پتہ نہیں وہ کہاں ہوں گی۔ ٹھیک بھی ہوں گی یا نہیں۔''

''اوہ ہیرو... یہ مت سمجھو کہ وہ خود کو ٹرین کے نیچے دے دے گی۔ وہ تالیہ ہے۔ اس سیاستدان کو کھری کھری سنا کے' اس کی ایک آدھ چیز توڑ کے ہی آئے گی۔'' داتن اب صوفے پہ بیٹھی کسی دوسری قسم کا ڈیزرٹ کھا رہی تھی۔ اس ساری صورتحال سے سب سے زیادہ خوش وہی تھی۔ ایڈم نے رک کے خفگی سے اسے دیکھا۔

''یہ کوئی اچھی بات ہوگی کیا؟''

''میرا کوئی قصور نہیں ہے اس میں۔ تم لوگوں نے اسے ووٹ دے کر بنایا تھا چیئرمین۔ اب خود بھگتو۔'' اور چاکلیٹ سے بھرا چمچ منہ میں رکھا۔ وہ پھر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

''وہ کیا کہیں گی ان سے؟''

''اسے سو طریقے آتے ہیں ان بادشاہوں سے بات کرنے کے۔ سلطان مرسل شاہ کو اس کے سوالوں نے لاجواب کر دیا تھا نا۔ بندا ہارا فاتح کیا چیز ہے۔'' وہ اب چمچ سے پیالے میں رکھا ویفر توڑ رہی تھی۔

''ہوں۔ واقعی۔'' ایڈم کمر پہ ہاتھ باندھے پھر سے ٹہلنے لگا۔ دفعتاً وہ رکا اور اچنبھے سے داتن کو دیکھا۔

''کون سے سوال؟''

''ہوں؟'' وہ مگن سے کھا رہی تھی۔

''چے تالیہ کے کون سے سوالات نے مرسل شاہ کو لاجواب کر دیا تھا؟''

داتن نے اسے گھور کے دیکھا۔ ''وہ شہزادی تاشہ کے سات سوال جو اس نے مرسل شاہ کے سامنے رکھے تھے شادی کی شرط

کے طور پہ۔خود لکھی تھی تم نے بنگارا یا ملایو۔خود ہی بھول گئے ہو۔"

ایڈم الجھ کے اسے دیکھنے لگا۔

"شہزادی تاشہ نے تو کوئی سوال نہیں رکھا تھا۔وہ تو بس غائب ہوگئی تھیں۔"

"ارے یار...وہ رکھی ہے بنگارا یا ملایو۔" کچن کی میز کی طرف اشارہ کیا۔"ہم نے تو بچپن میں امتحان کے لیے ان سوالات کا رٹا بھی لگایا تھا اور تمہیں خود نہیں یاد۔" برا سا منہ بنا کے وہ کھانے لگی۔

ایڈم بجلی کی تیزی سے میز تک گیا اور کتاب اٹھائی۔پھر جلدی سے فہرست کھولی۔

"کون سے باب میں تھے وہ سوالات جو...؟" اس کا سوال ادھورا رہ گیا۔ابواب کی فہرست پہ پھرتی انگلی ٹھہر گئی۔

فہرست میں پندرہ ابواب کے نام درج تھے۔

ایڈم کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے صرف بارہ باب لکھے تھے۔

شاید بعد میں بارہ ابواب کے پندرہ بنا دیے گئے ہوں۔اس نے سوچا لیکن بارہ ابواب کے وہی نام تھے جو اس نے لکھے تھے۔ایک دو لفظ آگے پیچھے تھے مگر معنی وہی تھا۔دھڑکتے دل سے اس نے بارہویں باب کا آخری صفحہ کھولا۔

"اور تمام غلاموں کو آزاد کروا کے

بنداہارا کی بیٹی ایک دن اپنے گھوڑے پہ سوار

نکلی جنگل کی طرف

اور پھر نہ دیکھا کسی ذی نفس نے اس کے بعد اس کو۔

شاید وہ بادلوں کے اوپر چلی گئی تھی

یا ان کے پار جہانوں میں۔"

اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے اگلا صفحہ پلٹایا۔

"باب تیرہ۔از آدم بن محمد۔

اور جب لوٹی شہزادی تاشہ اپنے سفر سے'

اپنے مورخ کے ساتھ'

تو دیکھا اس نے اپنے ملاکہ کو عجیب حالت میں...."

ایڈم نے کرنٹ کھا کے وہ کتاب چھوڑ دی۔ یوں لگتا تھا کسی شے نے اندر سے نکل کے اسے ڈس لیا ہو۔
کتاب زمین پہ جا گری اور ایڈم خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھتا دور ہٹنے لگا۔

☆☆==========☆☆

(باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ)

حالم (نمرہ احمد)

سولہواں باب:

”دوری نگارہ ملایوُ“

(ملایا کا کانٹا)

اس نے خواب میں دیکھا.....

ایک گھنا جنگل اس کے آس پاس تھا۔

اونچے درخت.....کیچڑ آلود زمین.....

اور وہ تینوں اس پہ چلتے جا رہے تھے.....

وہ آگے تھا اور دو لوگ عقب میں آتے محسوس ہو رہے تھے۔

حبس، گرمی، پسینہ.....ہر احساس شدید تھا۔

خواب میں بھی وہ جانتا تھا کہ یہ خواب نہیں تھا۔

دفعتاً وہ رکا اور جھک کے گیلی سرخ مٹی ہتھیلی پہ اٹھائی۔

پھر اسے چہرے اور بازوؤں پہ ملتے ہوئے سیدھا ہوا تو دیکھا....

عقب میں آتی لڑکی قریب آ چکی تھی۔ اس کی قمیص جگہ جگہ سے میلی تھی اور سنہرے گیلے بال گول مول جوڑے میں بندھے تھے۔ منہ پہ لگی سرخ مٹی سوکھ چکی تھی۔ اور وہ منہ بنا کے کہہ رہی تھی۔

”کیا بار بار اس مٹی کو خود پہ ملنا ضروری ہے، تو انکو؟“

اس نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اس لڑکی کو دیکھا۔ ''جو ہمیں آتا ہے' وہ ہمیشہ ہماری جان بچائے گا۔''

وہ ہونہہ کر کے مٹی اٹھانے جھکی تو اس کے عقب میں کھڑا نوجوان نظر آیا جو ایک درخت سے پتے توڑ توڑ کے اپنے تھیلے میں بھر رہا تھا۔

ایک جھٹکے سے وان فاتح کی آنکھ کھلی۔

چند لمحے وہ چت لیٹا رہا پھر سائیڈ لیمپ جلایا۔ اندھیر کمرے میں زرد روشنی پھیل گئی۔

ساتھ سوئی عصرہ ذرا سی کسمسائی مگر جاگی نہیں۔

فاتح نے وقت دیکھا۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔ وہ اپنے ٹھنڈے اے سی والے کمرے میں موجود تھا اور (اس نے ماتھے کو چھوا) وہاں نہ گرمی تھی نہ پسینہ۔ پھر یہ خواب اتنا حقیقی کیوں تھا؟

ان خوابوں سے وہ اب تھکنے لگا تھا۔

یہ جنگل اسے بار بار نظر آتا تھا۔ خواب کی جزئیات اور تفصیلات اتنی گہری ہوتیں کہ وہ خواب' خواب نہیں لگتا تھا۔ گرمی اور حبس۔ جسم پہ بہتا پسینہ' ہر احساس شدید تھا۔ اسے درختوں کے پتوں کی اشکال اور ان پہ لگی لکیریں بھی یاد تھیں۔ انسانی ذہن خواب بُن سکتا ہے لیکن اتنی باریک بینی سے ماحول بھی بُن سکتا ہے کیا؟ یہ خواب نہیں تھے۔ یہ یادوں کی طرح تھے۔ لیکن وہ کبھی کسی جنگل میں کیچڑ آلود الجھے بالوں والی تالیہ کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ تو کیا یہ خواب اس بات کی علامت تھا کہ وہ اور تالیہ ایک نہ ختم ہونے والے جنگل میں سفر کر رہے تھے؟

اور اس کے ساتھ ہی اسے تالیہ یاد آئی۔

فاتح نے اپنے خاموش اندھیر کمرے کو دیکھا۔ یہی خاموشی اب اس کے نئے آفس کا بھی حصہ بن کے رہ گئی تھی۔ ایک ہفتے سے وہ چھٹی پہ تھی اور امید تھی کہ آ جائے گی اس لئے فاتح کو اس کا خیال تک نہیں آیا تھا لیکن کل دوپہر جب وہ اس کی میز کی اشیاء گرا کے اس پہ چیخ چلا کے چلی گئی تھی.....تب سے وہ اس کے

دماغ سے ایک لمحے کے لئے بھی محو نہیں ہوئی تھی۔

دوپہر سے رات تک وہ اس پہ غصہ تھا۔ شدید غصہ۔ اس نے ایک سیاسی فیصلہ کیا تھا اور بحالتِ مجبوری کیا تھا، مگر وہ اس کے ساتھ اتنی بدتمیزی سے بات کرے گی، اس طرح مشتعل ہو کے استعفیٰ دے جائے گی، وان فاتح کو رات تک اس بات پہ شدید غصہ رہا تھا۔

اور اب صبح اٹھتے ہی وہ غصہ افسوس میں بدل گیا تھا۔

گہرے ملال اور غم میں۔

اپنے فیصلے پہ نہیں، کہ سیاست میں ہاتھ گندے کرنے پڑتے تھے۔

صرف اس بات پہ کہ..... تالیہ اب نہیں تھی۔

وہ اٹھا اور اپنی الماری تک آیا۔ جاگنگ کے لئے کپڑے نکالے تو وہ یاد آئی۔ کس طرح وہ صبح ہی صبح اس کی جاگنگ سے واپسی کے انتظار میں پورچ میں کھڑی ہوتی تھی۔

آفس کے لئے استری شدہ کوٹ کو دیکھا تو اس پہ فلیگ پن نہیں تھی۔ ملائیشیاء کے جھنڈے والی ننھی سی پن وہ ہمیشہ اس کے کوٹ پہ لگا دیتی تھی اور اگر وہ کہیں گر جائے تو تالیہ کے سیاہ بیگ سے ایک اور پن نکل آتی تھی۔ اس کی سیاہ زنبیل سے ضرورت کی ہر شے نکل آتی تھی۔ صرف فاتح کی ضرورت کی۔ خود اپنے لئے وہ شاید ہی کچھ رکھتی ہو۔ ایک دفعہ کیمپین کے دوران اس نے یہی سوال تالیہ سے اس وقت پوچھا جب اس نے فاتح کو فوراً سے انرجی ڈرنک نکال کے دی۔

''لڑکی تم اپنے لئے بھی کچھ رکھتی ہو یا نہیں؟''

سنہرے جوڑے والی اس کی چیف آف اسٹاف بے نیازی سے مسکرائی تھی۔ ''تالیہ مراد ہر طرح کے حالات میں گزارا کر سکتی ہے۔ اسے ان ڈرنکس اور انرجی بارز کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

''یا شاید تم کسی ڈائیٹ پہ ہو۔'' اس نے بوتل کا ڈھکنا کھولتے ہوئے اس پہ چوٹ کی۔

''اونہوں۔ میں نے ایک دفعہ چار دن ایک رین فاریسٹ میں گزارے تھے اور میں ساتھ کھانے پینے کا کوئی سامان لے کر نہیں گئی تھی۔''

''تو تم نے وہاں کیا کھایا پیا؟''

''گراس ہوپرز کھائے اور غصہ پیا۔''

''اوہ۔ تم یہ کہہ رہی ہو کہ تمہیں کیڑے مکوڑے کھانے آتے ہیں؟''

''جو ہمیں کرنا آتا ہے ناسر' وہ ہماری جان ہمیشہ بچاتا ہے۔'' وہ کہہ کے اپنی فائل اٹھاتی آگے بڑھ گئی تھی۔

کوٹ کی فلیگ پن پہ انگلی پھیرتے ہوئے وہ چونکا۔ کیا یہ اس کی کہی باتیں تھیں جو فاتح کے دماغ میں کہیں محفوظ ہو گئی تھیں اور اس کا ذہن ان کو الٹا پلٹا کے خوابوں کی صورت اسے دکھا رہا تھا؟

اس نے سر جھٹکا اور ٹریک سوٹ نکال کے الماری بند کی۔

آج سے تالیہ مراد کو miss کرنے کا دور شروع ہونا تھا اور فاتح بن رامزل اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ آریانہ کے علاوہ اسے کسی کو مِس کرنا نہیں آتا تھا۔ وہ سیلبریٹی تھا' وہ ناراض ہوتا تھا۔ اسے ناراض لوگوں کو منانا نہیں آتا تھا۔ اسے لوگوں کے پیچھے جانا نہیں آتا تھا اور جو انسان کو کرنا نہیں آتا وہ اس کی جان تک لے سکتا ہے۔

☆☆==========☆☆

صبح حالم کے لان پہ طلوع ہوئی تو گھاس کے تنکوں نے دھوپ کی توقع میں انگڑائی لینی چاہی مگر آسمان کو بادلوں سے ڈھکا پایا تو شبنم کے بوجھ تلے کندھے ڈھلکا دیے۔

کچن کی گول میز پہ داتن ناشتہ چنتی نظر آ رہی تھی۔ ایڈم گال تلے ہتھیلی رکھے خاموش بیٹھا تھا۔ وہ رات گیسٹ روم میں ٹھہر گیا تھا۔ تالیہ پورا دن رابطہ نہ کرنے کے بعد رات دیر سے گھر آئی تھی اور کسی سے

بات کیے بغیر اوپر چلی گئی تھی ۔ وہ جب تک اس سے کچھ کہہ سن نہ لیتا' اسے سکون نہ آتا ۔ اسی لئے گھر واپس نہیں گیا تھا۔

زیادہ دیر نہیں گزری جب وہ سیڑھیاں اترتی دکھائی دی۔ اس کو دیکھ کے وہ چونک کے سیدھا ہوا۔ داتن نے بھی میز پہ برتن رکھتے غور سے اسے دیکھا۔

عام دنوں کے برعکس وہ آج مختلف طریقے سے تیار ہوئی تھی ۔ اس نے سفید ٹراوزر پہ اے لائن سبز برساتی نما کوٹ پہن رکھا تھا جس کی ہڈ پیچھے کو گری تھی ۔ کمر کے گرد بیلٹ تھی اور وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے ان کے قریب چلتی آرہی تھی ۔ سنہرے بال اب سیاہ اور چھوٹے ہو چکے تھے تھے۔ اتنے چھوٹے کہ گردن کی ہڈی کو بمشکل چھوتے تھے۔ چہرہ سنجیدہ تھا۔ باب کٹ چھوٹے بالوں اور ہیئر بینڈ کی وجہ سے وہ ایک دم کم عمر نظر آنے لگی تھی۔

داتن نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ وہ اب کرسی کھینچ کے بیٹھ رہی تھی۔

''کوئی نیا Con؟ کوئی نیا کردار؟'' اس کے حلیے پہ سوال اٹھایا تو تالیہ نے سپاٹ سی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''ہاں۔ وہی جو میرا اصل ہے۔'' اور چہرہ جھکا کے دلیے کا پیالہ اپنے قریب کیا۔

''یعنی اب تم تالیہ مراد بن چکی ہو۔'' داتن نے گہری سانس لی۔

''نہیں داتن ۔ یہ اس وقت تالیہ مراد نہیں ہیں۔'' وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''یہ تالیہ مراد اس روز بنی تھیں جب بیسمنٹ میں ہم دونوں کو بٹھا کے انہوں نے اپنا کردار لکھوایا تھا۔ وہ باس لیڈی تالیہ مراد جس نے وان فاتح کے پاس جاب کے لئے جانا تھا۔ جو سب کچھ کر سکتی تھی۔''

تالیہ خاموشی سے چمچ بھر بھر کے دلیہ کھانے لگی۔ داتن نے حیرانی سے ایڈم کو دیکھا۔

''اگر تالیہ ابھی تالیہ مراد نہیں ہے تو کیا ہے؟''

''حالم!'' اس نے مسکرا کے اس کے حلیے کی طرف اشارہ کیا۔ دلیے کا چمچ منہ میں رکھتے ہوئے تالیہ بھی مدھم سا مسکرائی۔ داتن نے چونک کے دوبارہ اس کا ہڈ والا کوٹ دیکھا۔ نظر کا انداز بدلا تو وہ ایک دم اسے پرائیوٹ انویسٹی گیٹر لگنے لگی۔

''تو اب تم حالم ہو۔ اس تبدیلی کی وجہ؟''

تالیہ نے شانے اچکائے۔ وہ بالکل نارمل لگ رہی تھی۔

''کل جب میں کے ایل کی سڑکوں پہ بے مقصد پھر رہی تھی تو میں نے ایک سوپ کارٹ والے کو دیکھا۔ میں اس کے قریب گئی تو مجھے کچھ نظر آیا۔'' وہ چمچ دلیے میں چلاتی دور خلا میں دیکھ کے کہنے لگی۔ انداز دوستانہ تھا ورنہ ایڈم کو ڈر تھا کہ اب کتنے ہی دن وہ بات نہیں کرے گی یا اگر بولی تو روکھا پھیکا گم صم انداز ہو گا مگر وہ صاف گوئی سے اپنے دو بہترین دوستوں کو اپنی کیفیات بتا رہی تھی۔

''میں نے اس کے برتن میں سرخ خون بھرتے دیکھا۔ مگر میں آگے بڑھ گئی۔ تھوڑی دیر گزری تھی جب اس کی چیخوں کی آواز آئی۔ وہ آدمی سڑک کراس کرتے ہوئے کسی کار کے نیچے آ گیا تھا۔''

اس نے گہری سانس لے کر دلیے کا چمچ منہ میں رکھا۔ وہ دونوں خاموشی سے اسے دیکھتے رہے جس کی آنکھوں میں اداسی تھی۔

''سات سال پہلے جب میں اس ملک میں آئی تھی تو مجھے دوسروں کے بارے میں سچے خواب دکھائی دینے لگے تھے لیکن چند ماہ قبل جب میں نے تنکو کامل کے گھر کام شروع کیا تو وہ خواب کم سے کم ہوتے گئے کیونکہ میں اس جادوئی سکے کے قریب تھی۔ میری دوسری ساری حسیات کم ہو گئیں اور صرف ایک شے رہ گئی۔ اس سکے کا حصول۔ ورنہ پہلے میں راہ چلتے لوگوں کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ دیکھ لیتی تھی۔ سکہ اور بریسلیٹ جب آیا تو مجھے صرف اپنے بارے میں خواب دکھائی دینے لگے۔ پہلے میں خود غرض ہو گئی تھی اور ملاکہ جا کے مجھے صرف اپنے سروائیول اپنی تکلیف کا خیال رہا تھا۔ مگر کل جب میں نے وان فاتح

کے دفتر سے استعفیٰ دیا تو جانتے ہو ایڈم کیا ہوا؟''

اس نے اداس مسکراہٹ کے ساتھ صرف ایڈم کو دیکھا۔

''ہر چیز خالی ہو گئی۔ مستقبل کے خواب' ماضی کے غم اور حال کی جدو جہد' کچھ بھی نہ رہا....تالیہ مراد کے پاس ''فکر کرنے'' کو کچھ بھی نہ رہا۔ اور اسی لیے میں نے کسی اور کا مستقبل دیکھا.....مجھے میری کھوئی ہوئی صلاحیت واپس ملی تو مجھے یاد آیا کہ میں کیا تھی۔''

''حالم! آپ حالم تھیں۔'' ایڈم دھیرے سے بولا تو سفید ہیئر بینڈ والی لڑکی مسکرائی۔

''ہاں۔ میں حالم ہوں۔ کے ایل کی ایک ماہر اسکام انویسٹی گیٹر۔ جب کسی کے ساتھ فراڈ ہوتا ہے تو وہ میرے پاس آتا ہے۔ مگر میں صرف ان لوگوں کے مسئلے حل کرتی تھی جن کے مسئلے میں نے خود پیدا کیے ہوتے تھے۔''

''اور اب آپ لوگوں کے اصل مسئلے حل کرنا چاہتی ہیں۔''

''ہاں۔ جانتے ہو میں نے حالم والا فون چیک کیا تو دو تین ماہ کی ان گنت مسئلے اور کیسز نظر آئے۔ اور مجھے اپنی زندگی کا مقصد مل گیا ہے۔ آج سے مجھے اپنے پہلے کیس پہ کام کرنا ہے۔'' پھر وہ خاموش ہو کے دلیہ کھانے لگی تو داتن نے بھنویں بھینچ کے اسے دیکھا۔

''تم ٹھیک ہو؟ وان فاتح سے الگ ہونے کی تلخی اور......''

''فاتح پہ مجھے بہت غصہ ہے۔ انہوں نے مجھے دکھ دیا ہے' میرے آئیڈیلزم اور فین ڈم کے بلبلے کو توڑا ہے مگر داتن....'' وہ مسکرا کے داتن کی طرف چہرہ موڑ کے بولی۔ ''میں نے پچھلا ڈیڑھ ماہ اس دنیا میں اور چار ماہ ملاکہ میں ان کے ساتھ گزارے ہیں اور جانتی ہو انہوں نے مجھے کیا سکھایا ہے؟''

''کسی ایک برے تجربے کو لے کر مایوس نہ ہو جانا اور گرنے کے بعد ہنس کے دوبارہ اٹھ کھڑے ہونا۔

''ایڈم نے جواب دیا تھا۔

''ان سے میری ساری شکایتیں سارے گلے ایک طرف' لیکن ان سے الگ ہو جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تالیہ سر منہ لپیٹ کے بیٹھ جائے گی۔ ہرگز نہیں۔ تالیہ اپنا کام کرتی رہے گی۔ یہ انہوں نے ہی مجھے سکھایا ہے۔'' اور اداس مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکا کے دلیہ کھانے لگی۔ کتنے ہی لمحے خاموشی سے گزر گئے۔

''چے تالیہ.....'' وہ دکھ سے اسے دیکھ کے بولا۔ ''ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کے ہر غم سے آپ کو نکالنے کے لئے۔''

وہ ہلکا سا مسکرائی اور آنکھیں اٹھائیں۔ ''کوئی کسی کو کسی غم سے نہیں نکال سکتا' ایڈم۔ انسان کو ہر چیز سے خود ہی نکلنا ہوتا ہے۔''

ناشتے کی میز پہ خاموشی چھا گئی۔ وہ چپ چاپ دلیہ کھاتی رہی اور وہ دونوں اسے دیکھتے رہے۔ پھر داتن کھنکھاری۔

''تو پہلا کلائنٹ کون ہے حالم کا؟''

تالیہ نے نیپکین سے لب تھپتھپائے اور ہاتھ پونچھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پہلا کلائنٹ ایڈم بن محمد ہے جس کو سائمن فوسٹر نامی صحافی نے دھوکہ دیا ہے۔ میں نے سائمن فوسٹر سے اپائنمنٹ لی ہے اور آج شام ہم اس کے پاس جا رہے ہیں۔ تم گھر جا کے اپنے کام کرو۔ شام کو میں تمہیں اس کی آفس بلڈنگ میں ملوں گی۔''

ایڈم کا منہ بے یقینی سے کھل گیا تھا۔ سبز برساتی والی لڑکی اب اپنے موبائل پہ کچھ دیکھتی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس کو بینک جانا تھا۔ کچھ بلز ادا کرنے تھے۔ کچھ خریداری کرنی تھی۔ غرض وہ اپنی زندگی میں واپس آ چکی تھی۔

وان فاتح کے بغیر والی زندگی میں۔

فاتح کو مِس کرنے کا وقت آج سے شروع ہونا تھا۔اسے لوگوں کو مِس کرنے کی عادت نہیں تھی مگر اسے مِس کرنے کا فن آتا تھا۔اور جو اسے کرنا آتا تھا' وہ اس کی جان بچائے رکھ سکتا تھا۔

البتہ دل کی کوئی گارنٹی نہ تھی۔

☆☆==========☆☆

بی این چیئر مین کے آفس میں اس وقت کافی لوگ موجود تھے۔کیمرہ مین اپنے کیمرے ایڈجسٹ کر رہے تھے۔دیگر عملہ لائیٹنگ سیٹ کر رہا تھا اور اینکر موحد اپنے نوٹس پڑھ رہا تھا۔میز کے اس پار بیٹھا فاتح عینک لگائے چہرہ جھکائے اپنے فون پہ مصروف تھا۔دفعتاً ڈائریکٹر نے بریک کے بعد واپس آنے کا اعلان کیا تو فاتح نے عینک اتار کے میز پہ رکھ دی اور چہرے پہ مسکراہٹ واپس لے آیا۔موحد نے بھی ٹائی درست کی اور انٹرویو کا دوسرا حصہ شروع کیا۔

''فاتح صاحب....ابھی تک ہم آپ سے چیئر مین بننے کے بعد درپیش چیلنجز کی بات کر رہے تھے۔ اب ہم اس ایک سوال کی طرف آتے ہیں جو آپ کے سپورٹرز اور ناقدین کے ذہن میں ہے۔''موحد پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔دونوں کے درمیان فاتح کی آفس ٹیبل حائل تھی۔''آپ نے بانگِ دہل کہا تھا کہ آپ کسی معروفاً کرپٹ آدمی کو پارٹی میں نہیں لیں گے لیکن چیئر مین بنتے ہی آپ نے ہشام جرجیس جیسے لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔''

اپنی اونچی کرسی پہ بیٹھے فاتح نے مسکرا کے سر جھٹکا۔سرمئی سوٹ میں ملبوس' بال دائیں جانب جمائے' صاف رنگت اور وجیہہ شخصیت والا چیئر مین مطمئن نظر آ رہا تھا۔

''موحد جب میں چھوٹا تھا تو مجھے اپنے والد کی کچھ باتیں بہت بری لگتی تھیں اور میں کہتا تھا کہ میں کبھی ایسا کام نہیں کروں گا لیکن جب میں خود باپ بنا تو میں نے اپنے آپ کو وہی کرتے پایا جو میرے والد کیا کرتے تھے اور میں نے تب جانا کہ انسان بہت سی باتیں ناتجربہ کاری کے باعث کہتا ہے جو بعد میں غلط

ثابت ہو جاتی ہیں۔ اب اس صورتحال کو ڈیل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ یا تو میں اپنی بات سے مکر جاؤں کہ میرا وہ مطلب نہیں تھا... یا پھر...."

اس نے گہری سانس لی۔ کیمرا مین اس کے چہرے کی قریب سے عکسبندی کر رہا تھا۔

"یا پھر... آپ صاف گوئی سے اس بات کو تسلیم کریں کہ آپ نے جذبات میں ایک ایسی بات کہہ دی جس کی حقیقت اس وقت آپ نہیں جانتے تھے۔ انسان ہر پل grow کرتا ہے' کچھ سیکھتا ہے۔ میں جب چیئرمین بنا تو میں نے جانا کہ چیئرمین اپنی پارٹی کا باپ ہوتا ہے اور باپ کو بعض فیصلے مجبوری میں کرنے پڑتے ہیں جن کی مصلحت اولاد کو برسوں بعد سمجھ آتی ہے۔ باپ اپنی انا کو مقدم نہیں رکھتا کہ اگر میں اپنی بات سے پھرا تو میری ناک کٹ جائے گی۔ باپ اپنی اولاد کی بہتری کو اپنی انا پہ ترجیح دیتا ہے۔ بھلے اس کی ناک کٹ جائے' بھلے لوگ تنقید کریں' مگر اسے اپنی اولاد کے مستقبل کے لئے بہتر فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔"

موحد کے چہرے سے لگتا تھا وہ کسی متنازعہ جواب کی توقع کر رہا تھا مگر فاتح رامزل بڑے سادہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"جب میں نے صوفیہ رحمٰن کے ساتھ ایک اسٹیج پہ کھڑے ہو کے یہ اعلان کیا تھا کہ میں کسی کرپٹ آدمی کو اپنے ساتھ شامل نہیں کروں گا' تو میں وان فاتح بن کے کہہ رہا تھا۔ سیاست میں ہم ایسے بیان دے دیا کرتے ہیں لیکن چیئرمین بننے کے بعد میرے اوپر ایک ذمہ داری عائد ہو گئی۔ میں اب صرف وان فاتح نہیں ہوں۔ میں اپنی پارٹی کی اگلے الیکشن میں جیت یا ہار کا ذمہ دار ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ مان لیا کہ وہ ناتجربہ کاری میں دیا گیا ایک سیاسی بیان تھا اور معروف کرپٹ لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کرنا آپ کی سیاسی مجبوری ہے' کیونکہ یہ بات درست ہے کہ صبا میں جرجیس صاحب کو ساتھ ملائے بغیر کوئی الیکشن نہیں جیت سکتا۔ وہ جتنے بھی کرپٹ ہو جائیں' صبا کے لوگ ہمیشہ انہی کو ووٹ

دیتے ہیں۔ وہاں سے آپ کو کم از کم بھی بیس سیٹیں مل جائیں گی اور یہ بیس سیٹیں آپ کو وزیرِ اعظم بنوا سکتی ہیں.... لیکن....'' موحد رکا اور دوبارہ سے کھنکھارا۔ ''لیکن فاتح صاحب' کیا جرجیس جیسے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کے آپ معاشرے میں وہ 'بہتری' لاسکیں گے جس کے آپ نے عوام سے وعدے کیے تھے؟ کیا یہ لوگ آپ کو یہ سب کرنے دیں گے کیونکہ اگر انصاف آ گیا تو یہ خود جیل جائیں گے۔''

''دیکھو پہلی بات موحد' جرجیس پہ کوئی بھی کرپشن کیس ثابت نہیں ہوا۔ (اس بات پہ موحد نے برا سا منہ بنایا مگر اس نے بات جاری رکھی) اور یہ میری نہیں' صوفیہ رحمٰن کی حکومت ہے۔ اگر جرجیس کرپٹ ہے تو اسے گرفتار کریں اور اس پہ مقدمہ چلائیں۔ صوفیہ صاحبہ آئے روز کہہ رہی ہیں کہ فاتح نے کرپٹ لوگوں کو شامل کر لیا۔ تو وزیرِ اعظم صاحبہ اس کو جیل میں کیوں نہیں ڈالتیں؟ جرجیس کو لینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں ہر ایک کو پارٹی میں لے لوں گا۔ میں صوفیہ رحمٰن جیسے لوگوں کو نہیں لے سکتا جو اتنے کرپٹ ہوں کہ ان کا نام ہانگ کانگ پیپرز میں ہو۔''

''سر.... ہانگ کانگ پیپرز تو ایک روز اخبار کی زینت بنے اور اگلے روز غائب ہو گئے۔ کسی کو وہ یاد بھی نہیں۔ سائمن فوسٹر کے نام کی وجہ سے پہلے روز اخبار بکا اور پھر دوسری خبروں نے اس خبر کو دبا دیا ۔ اب تو کوئی صوفیہ رحمٰن صاحبہ سے ان کی آف شور کمپنی کے بارے میں سوال بھی نہیں پوچھتا۔ اس لئے ہانگ کانگ پیپرز کو تو آپ رہنے دیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ چلیں جرجیس کی آپ برائی نہیں کریں گے کیونکہ اب وہ آپ کی ٹیم کا حصہ ہے' لیکن فاتح صاحب.... اس طرح کے grey سیاستدانوں کو لے کر کیا آپ معاشرے میں تبدیلی لاسکتے ہیں؟''

''موحد۔ یہاں ہر شخص grey ہے۔ یقین کرو مجھے آج تک وہ سنو وائٹ سیاستدان نہیں ملا جس کی میڈیا کو تلاش رہتی ہے۔ میں ایسے سیاستدان کہاں سے لاؤں؟ شریف لوگ سیاست میں آتے نہیں ہیں اور جو آتے ہیں' مخالف ان پہ کیچڑ اچھال اچھال کے ان کو داغدار کر دیتے ہیں۔ جو سیاستدان اس ملک

میں بچے ہیں مجھے انہی کے ساتھ گزارا کرنا پڑے گا۔اب تم مجھے ایک بات بتاؤ۔ایک سیاستدان کا کام کیا ہوتا ہے؟"

"سوری سر؟" موحد کو سمجھ نہ آیا۔

"میری پارٹی کے ممبرز جب الیکشن جیت کے پارلیمنٹ میں جائیں گے تو ان کا کام کیا ہوگا؟ سڑکیں بنانا؟ اپنے حلقے میں اسکول کھولنا؟ ہسپتال بنانا؟ لوگوں کی غربت دور کرنا؟ یہ سب؟"

اس نے خود ہی نفی میں سر ہلایا۔

"ہرگز نہیں۔ممبر پارلیمنٹ کا کام گھر گھر جا کے مسئلے حل کرنا یا سڑکوں کی مرمت کرنا یا نوکریاں دینا نہیں ہوتا۔میری بات غور سے سنو۔یہ اداروں کا کام ہوتا ہے۔ممبر پارلیمنٹ کا کام صرف ایک ہوتا ہے۔Legislation کرنا۔قانون بنانا۔پالیسی بنانا۔ہم نے الیکشن جیت کے ہر حلقے میں اسکول نہیں کھولنے۔ہم نے تعلیم کے لئے ایسے نئے قوانین بنانے ہیں جن کی وجہ سے ایجوکیشن کا ادارہ خود پرانے اسکولوں کو بہتر کرے اور خود نئے اسکول کھولے۔ممبر پارلیمنٹ نے ایک ایک ہسپتال جا کے عملے پہ چھاپے نہیں مارنے ہوتے۔اس کا کام صحت کے ایسے قوانین بنانا ہے جو محکمہ صحت خود آگے ہر ہسپتال میں نافذ کرے۔مجھے پارلیمنٹ میں کوئی بھی نیا قانون پاس کروانے کے لئے دو تہائی لوگوں کی حمایت چاہیے۔اگر میرے پاس کثیر تعداد میں پارلیمانی ممبران نہیں ہوں گے تو میں نئے قوانین کیسے پاس کرواؤں گا؟ اب مجھے بتاؤ موحد' پاور پالیٹکس میں یہ جوڑ توڑ کیے بغیر میں ملک میں بہتری کیسے لاسکتا ہوں؟"

"اوکے سر۔مگر میرا سوال اب بھی وہی ہے کہ کیا جرجیس جیسے لوگ آپ کو کرپشن کے خلاف قوانین بنانے دیں گے؟ کیونکہ ایسی صورت میں وہ خود کل پکڑے جائیں گے۔"

"مجھے یہ رسک لینا پڑے گا کیونکہ دوسرا آپشن میرے پاس یہ ہے کہ میں صرف پارسا لوگوں کو ساتھ

رکھوں اور اگلے پچاس سال تک بس الیکشن ہی لڑتا رہوں۔ نہ میں پاور میں آؤں گا' نہ میں کوئی بہتری لا سکوں گا۔ بس صوفیہ رحمٰن جیسے لوگ پاور میں رہیں گے اور کوئی اچھے قوانین نہیں بنائیں گے۔ اب آپ بتائیں' ایک باپ اپنی اولاد کے لئے کس آپشن کو بہتر سمجھے گا؟"

وہ انٹرویو اس وقت لابی میں نصب ٹی وی اسکرین پہ دکھایا جا رہا تھا۔ سامنے ریسیپشن بنا تھا اور لوگ آ جا رہے تھے۔ ایک جانب صوفے پہ بیٹھے تالیہ اور ایڈم گردنیں اٹھائے اسکرین کو دیکھ رہے تھے۔ ایڈم چیک والی شرٹ میں ملبوس' کلائی کے کف بند کیے' آگے ہو کے بیٹھا بار بار تالیہ کا چہرہ دیکھتا تھا۔ وہ بنا تاثر تھا۔

"وان فاتح غلط نہیں کہہ رہے۔" دفعتاً وہ کھنکھارا۔ "انہوں نے اپنے خواب کے اوپر سمجھوتا نہیں کیا۔ خواب کے "لئے" سمجھوتا کیا ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو وہ کبھی پاور میں نہیں آ سکتے۔"

تالیہ نے گردن موڑ کے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"ایڈم میں نے جب ان کو کھری کھری سنائی تھیں تو اس لئے نہیں کہ میں بہت Self-righteous ہوں۔ میں خود کیا تھی۔ مجھے فاتح کو الیکشن جتوانے کے لئے کیا کیا کرنا پڑا... اشعر سے پیسے لینے پڑے' کتنے اسٹنٹ کرنے پڑے تم وہ سب جانتے ہو' لیکن اگر میں یہ سب کروں تو بنتا ہے۔ فاتح یہ کرے تو نہیں بنتا۔ مجھے بھی معلوم ہے کہ جو انہوں نے کیا وہ وقت کی ضرورت تھا اور میں بھی ان کو یہی مشورہ دیتی اگر انہوں نے اتنے بڑے بول نہ بولے ہوتے۔ انہوں نے جرجیس سے ہاتھ ملایا' یہ غلط نہیں ہے۔ انہوں نے قدیم ملاکہ میں مجھے بھی دوسرا اور تیسرا موقع دیا تھا۔ وہ چوروں کو سدھرنے کا موقع دینے پہ یقین رکھتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کی پاسداری نہیں کی۔ انسان کا قول اس کا bond ہوتا ہے۔ وہ لیڈر رہیں۔ ان سے توقعات زیادہ ہیں۔ اپنے قول سے پھر کے انہوں نے خود کو ایک.... ایک..."

".....ایک انسان ثابت کیا ہے اور بس۔" ایڈم نے مسکرا کے کہا تو وہ جو لفظ ڈھونڈ رہی تھی' چند لمحے کچھ بول ہی نہ سکی۔

"پچ تالیہ وہ انسان ہیں اور وہ پوری قوم کے سامنے یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ انہوں نے سیاسی شعلہ بیانی میں ایک ناممکن وعدہ کر لیا تھا۔ جرجیس کو لینا اخلاقی طور پہ غلط تھا' سیاسی طور پہ نہیں۔ غلط ان کا ناممکن وعدہ کرنا تھا۔ انہوں نے اس بات کو تسلیم کیا۔ اس سے زیادہ آپ ایک سیاستدان سے کس چیز کی توقع کرتی ہیں؟"

تالیہ نے تندہی سے اسے گھورا۔

"میں ان کو پرفیکٹ سمجھتی تھی ایڈم۔ میں نے ان کے لئے اتنا کام کیا' خود کو لائم لائٹ میں لے بھی آئی۔ اب اس اخبار کے دفتر میں چلتے پھرتے سب لوگ مجھے پہچانتے ہیں اور میں سوچ رہی ہوں کہ کیا یہ سب اتنا معنی رکھتا تھا کہ میں اتنی کوششیں کرتی؟" ابھی وہ کہہ ہی رہی تھی کہ اسکرین پہ نظر آتے موبد نے اگلا سوال جھاڑا۔

"سنا ہے آپ کی کیمپئین مینیجر تالیہ مراد نے جرجیس صاحب کی شمولیت پہ احتجاجاً استعفیٰ دے دیا ہے۔ کیا یہ بات درست ہے کہ اس فیصلے سے پارٹی والے بھی ناراض ہیں؟"

تالیہ کا سانس تھم گیا۔ وہ دم سادھے اسکرین کو دیکھنے لگی۔ کیمرے نے فاتح کا چہرہ دکھایا۔

"تالیہ مراد؟" اس نے دھیرے سے ہنس کے سر جھٹکا۔ "تالیہ میری کیمپئین مینیجر تھی۔ اس کا کانٹریکٹ الیکشن تک تھا اور ہم سب کی خواہش تھی کہ وہ اس کے بعد بھی کام کرتی لیکن کیمپئین نے اسے بہت تھکا دیا تھا۔ یو نو' burnt out sydrome۔ اس لئے وہ فی الحال چھٹی پہ چلی گئی ہے اور جیسے ہی وہ واپس آئے گی آپ اس کو ہمارے ساتھ ہی پائیں گے۔ اس میں ایسا کچھ غیر معمولی نہیں ہے۔" ذرا سے شانے بھی اچکائے۔

تالیہ پلک جھپکے بنا اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کور کر رہا تھا یا اسے واپس بلا رہا تھا؟

''ایک اور سوال۔'' موبد کے اوپر کیمرہ آیا تو وہ مسکرا کے پوچھنے لگا۔ اچھا اینکر ایک آخری سوال اپنی پٹاری میں ایسا رکھتا ہے جس کے بارے میں سامنے بیٹھے مہمان کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس سوال کا مقصد مہمان کو حیران کرنا یا غصہ دلانا ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں مہمان اپنی مصنوعی مسکراہٹ والے خول کو چیخ دینے پہ مجبور ہو جاتا ہے اور اس کا جو نیچرل ردِعمل سامنے آتا ہے' وہ بعدازاں مشہور ہو جاتا ہے' یوٹیوب پہ اس کے کلپس چلتے ہیں اور پروگرام کی ریٹنگ بڑھتی ہے۔

''فاتح صاحب..... مصدقہ ذرائع سے خبر ملی ہے کہ آپ کی سابقہ کیمپئین مینیجر تالیہ مراد کے خلاف پراسیکیوشن ڈیپارٹمنٹ تفتیش کر رہا ہے۔ غالباً کسی فراڈ وغیرہ کے سلسلے میں۔ آپ اس پہ کمنٹ کرنا چاہیں گے؟''

چیئرمین کی کرسی پہ بیٹھا وجیہہ صورت مرد لمحے بھر کو چپ رہ گیا۔ وہ حیران ہوا تھا۔ سوال غیر متوقع تھا۔ البتہ اس نے صرف ابرو اکٹھے کیے اور اچنبھے سے موبد کو دیکھا۔

''مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے مگر لوگ پر کا پرندہ بنا دیا کرتے ہیں۔ آئی ایم شیور یہ کوئی غلط فہمی ہو گی کیونکہ تالیہ مراد ایک بہت قابلِ بھروسہ' کریڈیبل اور معزز خاتون ہیں اور عموماً ایسی خواتین جب سیاست میں آتی ہیں تو ان کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اگر تالیہ کے ساتھ ایسا کچھ ہو رہا ہے تو یقیناً حکومتی پارٹی ان کو ٹارگٹ کر رہی ہے۔''

اعتماد سے جواب آیا۔ سوائے حیرانی کے اس کے چہرے پہ ایسا کوئی تاثر نہ تھا۔ نہ بداعتمادی' نہ پریشانی۔ وہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''تو فاتح کے ساتھ کام نے مجھے دوری نگارہ ملایو (ملائیشیاء کا قومی کانٹا) بنا دیا ہے؟'' وہ کرب سے بولی تھی۔ ''میں تو بنگارایا ملایو تھی ایڈم۔ یہ لوگ اب مجھ پہ ایسے کیچڑ اچھالیں گے؟''

''کچھ نہیں ہوگا چے تالیہ۔ اور.... سائمن۔'' اس نے ایک دم کھنکھار کے توجہ راہداری کی طرف مبذول کروائی تو وہ چونکی۔ گردن موڑ کے دیکھا تو سامنے طویل راہداری میں سائمن فوسٹر دو افراد کے ہمراہ کھڑا کچھ کاغذات دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے گہری سانس لے کر خود کو نارمل کیا اور اٹھی۔ ایڈم بھی ساتھ ہی اٹھا۔

''اب ہم کیا کہیں گے سائمن کو؟ وہ تو مجھے کچھ سمجھتا ہی نہیں ہے۔ اپنی اسٹوری کا کریڈٹ مجھے کیسے دے گا؟'' ایڈم کو یہی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ تالیہ اسے کیسے دھمکائے گی یا بلیک میل کرے گی کہ وہ عوام کے سامنے اپنی چوری کا اعتراف کرنے پہ مجبور ہو جائے' اور ایڈم سے معافی مانگے۔

''بہت آسان۔'' وہ ہڈ کو سر کے اوپر کرتے ہوئے حتمی لہجے میں بولی۔ ''ہم سائمن فوسٹر کو اس کی اوقات یاد دلا دیں گے۔ میرے ساتھ آؤ۔'' اس کے جارحانہ انداز نے ایڈم کے اندر نئی روح پھونک دی۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔ سائمن کے قریب جاتے ہوئے ڈھیروں اشتعال اندر ابلنے لگا تھا۔ وہ دونوں اس کے قریب آئے تو سائمن نے ساتھ موجود افراد کو جانے کا کہہ دیا اور سنجیدگی سے ان دونوں کو دیکھا۔ پھر ہلکا سا مسکرایا۔

''اوہ ایڈم۔ کیسے ہو تم۔'' پھر اسے نظر انداز کر کے تالیہ کو دیکھا۔ ''چے تالیہ آپ کیسی ہیں؟ بہت اچھی کیمپئین چلائی آپ نے فاتح رامزل کی۔'' وہ خوشدلی سے انگریزی میں گویا ہوا۔ ایڈم نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ اور کچھ سخت کہنے ہی لگا کہ.......

''اوہ سائمن.... میں تو خود آپ کی بہت بڑی فین ہوں۔ آپ کی اسٹوریز تو ہم جیسے لوگوں کو سچ کا ساتھ دینے کی ہمت دیتی ہیں۔ اور وہ ہانگ کانگ پیپرز والی اسٹوری تو بہت زبردست تھی۔'' وہ اپنے دونوں ہاتھ باہم ملائے کسی فین گرل کی طرح مرعوب ہو کے کہہ رہی تھی۔ ایڈم کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ منہ کھل گیا۔ بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں بے تالیہ۔'' سائمن تفاخر سے مسکرایا۔

''اور آپ کو پتہ ہے.... ایڈم میرا دوست ہے اور میں سب سے زیادہ آپ کی شکرگزار اس لئے ہوں کہ آپ نے اپنے سورس کو مخفی رکھا۔'' راز دارانہ انداز میں ایڈم کی طرف اشارہ کیا اور آواز دھیمی کی۔

''پلیز آپ اس کا نام راز میں رکھیے گا ورنہ ہر کوئی آپ کی طرح نڈر نہیں ہوتا کہ بارسوخ افراد سے لڑائی مول لے۔ ایڈم تو ویسے ہی بہت ڈرپوک ہے۔ اب بھی ڈر رہا تھا کہ کہیں سائمن صاحب میرا نام نہ بتا دیں کسی کو۔ میں نے سوچا اس کو ساتھ لے آؤں اور تسلی کروادوں کہ آپ اس کا نام نہیں لیں گے۔''

وہ تینوں راہداری میں آمنے سامنے کھڑے تھے اور ایڈم اب بس تالیہ کو گھورے جا رہا تھا۔

''اوہو۔ فکر کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ ایڈم نے جس طرح راز داری سے مواد میرے حوالے کیا تھا میں اس کا اعتماد توڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ ایڈم تم فکر نہ کرو۔''

سائمن نے بڑے بھائیوں والے انداز میں ایڈم کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔ ''تمہارا نام کہیں نہیں آئے گا' یہ میرا وعدہ ہے۔''

اور سارے جھگڑے اس نام کے ہی تو تھے۔ وہ اتنا ششدر تھا کہ کچھ کہہ ہی نہ سکا۔ بس سر ہلا دیا۔

''اچھا سائمن ایک اور بات۔'' وہ ذرا تشویش سے بولی۔ ''آپ نے جو دس نام لیک کیے وہ اب اپنی اہمیت کھو رہے ہیں۔ میں سوچ رہی تھی کہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ ای میلز جو ایڈم کے پاس ہیں ہمیں ان سب سے مزید نام لے کر لیک کرنا چاہیے ہیں بمع ثبوت تاکہ یہ اسٹوری زیادہ مشہور ہو۔''

''ہاں بالکل میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ اور میں ایڈم سے اسی سلسلے میں کانٹیکٹ کرنا چاہتا تھا مگر مصروفیت کے باعث کر نہیں سکا۔''

(مصروفیت یا شرمندگی کے باعث؟) ایڈم تندہی سے اسے دیکھ کے رہ گیا۔

''مگر سائمن اس دفعہ ہم انہیں صرف ایک نیوز اسٹوری کے طور پہ نہیں چھاپیں گے۔ کیونکہ اب آپ

دونوں کے پاس میرے جیسی سیاسی اسٹریٹجسٹ موجود ہے۔'' وہ مسکرا کے کہہ رہی تھی۔ ''ہم ان ناموں کو بھرپور منصوبہ بندی سے لانچ کریں گے۔ اور بے فکر رہیں' میں فیس نہیں لوں گی مگر میری صرف ایک شرط ہے کہ میرے دوست کا نام راز رہے گا۔ میڈیا پہ ہر جگہ آپ کا ہی نام آنا چاہیے۔''

''آف کورس۔ بالکل فکر نہ کیجیے۔'' وہ خوشدلی سے بولا۔ ''تو کیا اسٹریٹجی ہے آپ کے ذہن میں؟'' ساتھ ہی اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ وہ غالباً کہیں جانے کے لئے لیٹ ہو رہا تھا۔

''آپ کے پاس وقت کم ہے سو فی الحال ہم ایک ٹوئیٹر ہینڈل سے آغاز کرتے ہیں۔'' تالیہ نے اس کے سیل فون کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں نے آپ کو ایک نئے ہینڈل کا لنک ڈی ایم کیا ہے۔ آپ اس کو اپنے ٹوئیٹر سے شیئر کر دیں تاکہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں۔''

سائمن نے فون نکالا اور اسکرین روشن کی۔ پھر ابرو اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''دی ہانگ کانگ پیپرز۔ واہ۔'' وہ اب اسکرین کو اوپر کرتا اس نئے ہینڈل کو دیکھ رہا تھا۔

''ہم اس ہینڈل کے ذریعے ایک ہائپ بنائیں گے۔ پھر ویب سائیٹ لانچ کریں گے۔ 'مزید نام کمنگ سون ہیں' کے جیسی خبریں لگائیں گے۔ جب تک ہم لوگوں کی توجہ گھیرنے میں کامیاب ہو جائیں گے' ایڈم مزید نام نکال چکا ہوگا۔ ہم آہستہ آہستہ نام دیتے جائیں گے تاکہ یہ خبر مر نہ جائے بلکہ لوگوں کو انتظار رہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ فرنٹ پہ آپ ہوں گے اور بیک پہ میں اور ایڈم۔'' وہ متانت سے اسے سمجھا رہی تھی اور سائمن تائیدی انداز میں سر ہلا رہا تھا۔

''اگر یہ خبر بین الاقوامی لیول پہ اٹھائی جائے تو سائمن آپ کسی انٹرنیشنل ایوارڈ کے لئے نامزد ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ صرف تب ہوگا جب ہم اس کی پروموشن درست طریقے سے کریں۔'' وہ مسکرا کے کہہ رہی تھی اور ایڈم خون کے گھونٹ پی رہا تھا۔ (ایک دفعہ بنگارایا ملایو کا آخری باب لکھنا نصیب ہو مجھے....ایسے شاندار طریقے سے شہزادی تاشہ کا انجام لکھوں گا کہ یاد کریں گی۔)

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ سائمن کی بھی فین ہیں۔" باہر کار کی طرف جاتے ہوئے وہ خفگی سے بولا۔

"تمہیں لگا تھا میں اس کو ڈراؤں' دھمکاؤں گی؟ یا بلیک میل کروں گی؟" وہ سنجیدہ شکل بنائے چلتی جا رہی تھی۔ سائمن سے ملاقات ختم ہوئی تو فاتح کے انٹرویو کے بعد والے تاثرات چہرے پہ چھا گئے تھے۔

"تو ہم اور کس لئے گئے تھے وہاں؟"

"ایڈم بن محمد!" وہ اس کی طرف گھومی اور آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے غور سے اسے دیکھا۔ "میں لوگوں کو بلیک میل نہیں کرتی نہ ان کو ڈراتی دھمکاتی ہوں۔ کیا تم ابھی تک تالیہ کو نہیں جانتے؟ میں لوگوں کو صرف لالچ دیتی ہوں۔ سنہرے مستقبل کا لالچ۔ ایک کون آرٹسٹ لوگوں سے کانفیڈینس گیم کھیلتا ہے۔ وہ جس چیز پہ سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں' وہ اسی کو استعمال کرتا ہے۔ جانتے ہو انسان کو سب سے زیادہ اعتماد کس چیز پہ ہوتا ہے؟"

"کس پہ؟"

"اپنے خوابوں کے پورا ہونے پہ۔ ہم سب کو لگتا ہے کہ ایک دن ہم بہت امیر ہو جائیں گے یا بہت خوبصورت ہو جائیں گے یا گناہ معاف کروا کے جنت میں چلے جائیں گے یا جو کیریئر چاہتے ہیں وہ بنا لیں گے۔ خوابوں کے لئے کوئی محنت کرے یا نہ کرے' یہ امید اکثر انسانوں کو ہوتی ہے کہ ایک دن وہ سب کچھ پا لیں گے۔ کون آرٹسٹ صرف ٹارگٹ کے خوابوں کو پورا کرنے کی صورت نکال کے دیتا ہے۔ اور سائمن کا سب سے بڑا خواب کیا ہے؟"

"آپ کو پتہ ہوگا۔ آپ اس کی فین ہیں۔" وہ ہنوز ناراض تھا۔

"وہی جو تمہارا اور ہر صحافی کا خواب ہوتا ہے۔ کہ ایک دن اس کی کوئی اسٹوری اتنی مشہور ہو کہ وہ اسے بین الاقوامی ایوارڈز جتوائے۔ خواب انسان کا بلائنڈ اسپاٹ ہوتے ہیں۔ وہ ان کے لئے ہر خطرہ مول لے لیتا ہے۔ سائمن بھی لے گا۔"

''تو ہم سائمن کو Con کر رہے ہیں؟'' وہ اچنبھے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ دونوں پارکنگ ایریا میں کھڑے تھے۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا تھا اور وہاں چھایا سی تھی۔

''جو ہمیں کرنا آتا ہے وہی ہماری جان بچائے رکھتا ہے' ایڈم اور تالیہ کو صرف لوگوں کو Con کرنا آتا ہے۔ ایسے ہے تو ایسے ہی سہی۔'' کندھے اچکا کے وہ کار کی طرف بڑھ گئی۔

ایڈم کو ڈراپ کرنے تک وہ اس کو اپنے پلان سے آگاہ کرتی آئی تھی۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

''میں آپ سے ایک اور بات بھی کہنا چاہتا ہوں۔'' وہ موضوع سے ہٹ کے کہنے لگا۔ ''پراسیکیوشن ڈیپارٹمنٹ اور حکومتی پارٹی نے آپ کو political victimisation کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ آپ کو دوری نگارہ ملایو کے طور پہ پیش کر رہے ہیں۔ ملایا کا قومی کانٹا۔ ساری قوم کا کانٹا۔ مگر نہیں بے تالیہ۔'' وہ مسکرا کے اسے دیکھ کے بولا۔ ''آپ بنگارا یا ملایو تھیں۔ ملایا کا پھول۔ اور وہی رہیں گی۔ ملایا کا کانٹا صوفیہ رحمٰن جیسے لوگ ہیں اور ہمیں اپنے ملک کو ان سے آزاد کرنا ہے۔'' مسکرا کے کہتے ہوئے وہ کار کا دروازہ کھولنے لگا۔ اس کا گھر آ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے برآمدے کے اسٹیپ پہ تنہا بیٹھا تھا۔ باغیچے پہ بادلوں کی چھایا تھی کیونکہ آج سورج نے سارے شہر سے پردہ کر رکھا تھا۔ مرغی اور اس کے چوزے جانے کہاں گم تھے۔ ماں نے بتایا تھا کہ رات کو بلی ایک چوزہ اٹھا لے گئی تھی اس لئے آج مرغی اپنے بچوں کے ساتھ کہیں چھپی بیٹھی تھی۔

ایڈم نے ایک نظر اپنے اطراف میں پھیلے خوبصورت منظر کو دیکھا اور پھر گھٹنوں پہ رکھے کاغذوں کو۔ پھر اس نے قلم کھولا اور پہلے صفحے پہ جلی حروف میں لکھنے لگا۔

''دوری نگارہ ملایو۔

از ایڈم بن محمد۔''

ایک کتاب اس نے قدیم ملاکہ میں لکھی تھی۔

ایک کتاب وہ اب لکھنے جا رہا تھا۔

پہلی کا نام اس نے ایک مورخ کے بستے میں رکھے کاغذات سے چرایا تھا۔

دوسری کا نام اس نے چے تالیہ کی گفتگو سے چرایا تھا۔

کیونکہ رائٹرز بہترین چور ہوتے ہیں۔

☆☆==========☆☆

اگلی صبح حالم کا بنگلہ دھوپ میں نکھرا کھڑا تھا۔ لان کی گھاس آج خشک تھی اور اس کے سنہرے پن کو لاؤنج کی قدم آدم کھڑکیوں سے بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ کھڑکی کے سامنے صوفے پہ بیٹھی داتن ٹی وی دیکھتے ہوئے مولٹن لاوا کھا رہی تھی جبکہ تالیہ کچن کی سینٹرل میز پہ موجود اپنے ناشتے کے ساتھ ساتھ حالم کے سیاہ موبائل پہ مسلسل پیغامات دیکھنے میں مصروف تھی۔

گھنٹی بجی تو داتن نے پہلے بے زاری سے دروازے کو دیکھا اور پھر تالیہ کو۔ نظروں سے اس نے تالیہ اور اپنا دروازے تک کا فاصلہ ناپا۔ تالیہ دور تھی۔ داتن قریب تھی یعنی کہ اسے ہی اٹھنا تھا۔ خفگی سے پلیٹ رکھی اور چاکلیٹ بھرا انگلی کا پورا منہ میں رکھتی وہ اٹھ کے دروازے تک آئی۔

''آپ کی پیشکش ابھی تک موثر ہے کیا؟'' دروازہ کھولا تو سامنے کھڑے ایڈم نے بے قراری سے پوچھا۔ داتن نے ایک نظر اپنے ہاتھ پہ لگی چاکلیٹ کو دیکھا اور پھر اس نوجوان کو گھورا۔

''سامنے تین فرلانگ دور ایک بیکری موجود ہے۔ جو کھانا ہے وہیں سے کھاؤ۔ میرے مولٹن لاوا پہ نظر مت رکھو۔ اچھا۔''

''میں اس آفر کی بات کر رہا ہوں جو آپ نے مجھے کچھ دن پہلے دی تھی۔ سیلون، جم، سیلف گرومنگ۔''

داتن کے تاثرات بدلے۔ ابرو اٹھائی اور مسکرا کے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ وہ کچھ اداس اور کچھ بے چین نظر آتا تھا۔

"تو تم خود کو گروم کرنا چاہتے ہو؟" کنکھیوں سے اندر کچن میں بیٹھی کام کرتی نظر آتی تالیہ کو بھی دیکھا۔

"کل جب ہم سائمن کے پاس گئے تو اس نے چے تالیہ کی بات دھیان سے سنی اور ان کی ہر بات کو اہمیت دی۔ جانتی ہیں کیوں؟ کیونکہ چے تالیہ لوگوں پہ ایک گہرا امپریشن چھوڑ کے جاتی ہیں۔ میری قدر اس نے اس لئے نہیں کی کیونکہ ایڈم بن محمد کسی پہ امپریشن نہیں چھوڑتا۔ مجھے چے تالیہ کے لئے خود کو نہیں بدلنا' داتن۔ مجھے اپنے لئے خود کو بدلنا ہے تاکہ میں اپنی نظر میں معتبر ہو سکوں۔ تاکہ میں جب امیر لوگوں کے درمیان بیٹھوں تو کسی کی امارت مجھے متاثر نہ کرے۔ جب میں طاقت ور لوگوں کو دیکھوں تو کسی کی طاقت مجھے ڈرا نہ سکے۔ میں اپنی شخصیت میں وہ اعتماد لانا چاہتا ہوں جس کی مجھ میں کمی ہے۔ اور یہ ایڈم کے لئے ہوگا۔ یہ ایڈم کے اپنے لئے ہی ہونا چاہیے تھا۔"

داتن نے گہری سانس لی اور سر ہلایا۔

"گڈ۔ یعنی آج سے ہم ایڈم بن محمد کو اس کے احساسِ کمتری اور Low self esteem سے نکالنے جا رہے ہیں۔ اس سب کے لئے امیر ہونا ضروری نہیں ہے۔ اپنی ذات پہ اعتماد ضروری ہے اور یہ تب آتا ہے جب آپ دنیا کے مختلف رنگ دیکھتے ہیں اور اتنے لوگوں سے ملتے ہیں کہ اپنا آپ ان سے بہت منفرد نظر آنے لگتا ہے۔ تب آپ جانتے ہیں کہ آپ اصل میں کیا ہیں۔ مشکل مرحلہ اپنے اصل کو قبول کر لینا ہے۔ جب انسان یہ کر لیتا ہے تو وہ نڈر ہو جاتا ہے۔ اور اس کی سیلف اسٹیم بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ اپنے لئے خود ہی کافی ہو جاتا ہے۔ ابھی تک تم نے دو طرح کی دنیائیں دیکھی ہیں۔ قدیم ملاکہ اور اپنا مرغیوں کے ڈربے والا گھر۔ No Offence مگر اب چوزوں کے بڑے ہونے کا وقت آ گیا ہے۔"

داتن کسی فلسفی کی طرح سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

اندر کچن میں بیٹھی تالیہ کے کانوں میں ان کی باتیں مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح سنائی دے رہی

تھیں۔ مگر اس نے توجہ نہ دی اور فون بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ آگے بڑھنے ہی لگی تھی کہ پاؤں کسی شے سے ٹکرایا۔ وہ رکی اور جھک کے دیکھا۔

اس روز ایڈم کے ہاتھ سے جو بنگاراملایو پھسلی تھی' وہ میز کے اس طرف جا گری تھی۔ اس نے اوپر اوپر سے ہی صفائی کی تھی تو وہ ابھی تک وہیں پڑی تھی۔

وہ جھکی اور کتاب اٹھا کے سیدھی ہوئی۔ پراسیکیوٹر کو متاثر کرنے کے لئے وہ یہ کتاب لے آئی تھی مگر اس کو کھول کے دیکھا تک نہیں تھا۔

اس سنہری صبح میں تالیہ مراد نے اس کتاب کے صفحات پلٹائے تو بارہویں باب کا اختتام خود بخود کھل گیا۔

"اور تمام غلاموں کو آزاد کروا کے

بنداہارا کی بیٹی ایک دن اپنے گھوڑے پہ سوار

نکلی جنگل کی طرف

اور پھر نہ دیکھا کسی ذی نفس نے اس کے بعد اس کو۔

شاید وہ بادلوں کے اوپر چلی گئی تھی

یا ان کے پار جہانوں میں۔"

اس نے اگلا صفحہ پلٹایا۔

"باب تیرہ۔ از آدم بن محمد۔

اور جب لوٹی شہزادی تاشہ اپنے سفر سے

اپنے مورخ کے ساتھ'

تو دیکھا اس نے اپنے ملاکہ کو عجیب حالت میں۔

اور باقی سب نے اسے دیکھا مختلف روپ میں۔

سفر کسی کے بال سفید کرتا ہے تو کسی کے جھاڑ دیتا ہے

مگر شہزادی تاشہ جب سفر سے لوٹی تو

اس کے بالوں کا رنگ رات کی طرح سیاہ ہو چکا تھا....''

اس نے دھیرے سے اپنے سیاہ بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔ ایڈم کی طرح اس نے کتاب بند نہیں کی۔ اسے پھینکا نہیں۔ ملعون نہیں سمجھا۔

وہ کتاب کو پڑھتے ہوئے سر جھکائے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی گئی۔ اسے اپنے مستقبل کے خواب آنا بند ہو گئے تھے اور یہ کتاب واحد ذریعہ تھا اپنا مستقبل جاننے کا۔

مستقبل؟ یا پھر شاید وہ ماضی تھا؟

☆☆==========☆☆

دو ماہ بعد:

سڑک کے دونوں اطراف ہوٹلز کی بلند عمارتیں تھیں۔ آج آسمان پہ سیاہ بادل پھیلے تھے تو سڑک بھی ٹھنڈی چھایا کی لپیٹ میں تھی۔ بے فکر لوگ' مصروف لوگ' مضطرب لوگ' سب آگے پیچھے چلتے جا رہے تھے۔

ایسے میں سبز برساتی میں ملبوس لڑکی' سر کو ہڈ سے ڈھکے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے مخالف سمت سے چلتی آ رہی تھی۔ چند گز دور ایک شیشوں سے ڈھکا ہوٹل تھا جس کے داخلی دروازے کے سامنے ایڈم کھڑا تھا۔ تالیہ نے ابھی تک اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتی مگن سی قدم اٹھا رہی تھی۔

دفعتاً ایک چھوٹا بچہ دور سے بھاگتا ہوا اس کے قریب آیا اور اس کو کہنی سے تھام کے روکا۔ وہ مڑ کے اس

کی بات سننے لگی‘ پھر ایڈم نے دیکھا کہ اس نے سبز قمیض کی جیب سے چند نوٹ نکال کے بچے کے ہاتھ میں دیے ہیں۔ وہ بچہ بھکاری نہیں تھا مگر غریب لگتا تھا۔ پیسے لے کر وہ فوراً بھاگ گیا۔

”تو اب آپ چیریٹی بھی کرتی ہیں؟“ جب وہ قریب آئی تو وہ مسکرا کے بولا۔ تالیہ نے بھی مدھم مسکراہٹ کے ساتھ کندھے اچکا دیے۔

”وہ بھی جائز آمدنی سے۔“ ہُڈ کے ہالے میں اس کا چہرہ مطمئن لگ رہا تھا۔ ہر بوجھ سے آزاد۔

”بالکل۔ اب تو آپ انویسٹی گیٹر ہیں اور لوگ آپ کو اپنے مسئلوں کے حل کے لئے بھاری رقوم دیتے ہیں۔ مگر آپ اچھا کرتی ہیں کہ دوسروں کی مدد کرتی ہیں۔ جانتی ہیں صدقات کیوں انسان کو اچھا محسوس کرواتے ہیں؟“

وہ دونوں ایک ساتھ ہوٹل کے اندر داخل ہوئے۔ سفید مرمریں فرش سے بنی لابی دو پہر کے وقت چمک رہی تھی۔ وہ ریسیپشن سے گزر کے لفٹ کی طرف جانے لگے۔

”کیوں؟“ اس نے دیوار پہ لگے شیشے میں اپنے ساتھ چلتے ایڈم کا عکس دیکھ کے پوچھا۔

وہ اب چیک والی قمیض نہیں پہنتا تھا نہ اس کے بال فوجیوں کے انداز میں کٹے ہوتے تھے۔

اس نے گول گلے والی سفید شرٹ پہ پوری آستین کی سیاہ شرٹ پہن رکھی تھی جس کے بٹن کھلے تھے۔ جینز کے نیچے تسمے والے بھورے بوٹ تھے۔ بال ماتھے پہ کٹے ہوئے گرتے تھے اور ہلکی ہلکی شیو اب اس کے چہرے کا حصہ بن چکی تھی۔

”کیونکہ صدقہ انسان کو غنی کرتا ہے۔“ پُراعتماد سا ایڈم اس شاندار لابی میں چلتے ہوئے اردگرد سے بے نیاز بتا رہا تھا۔ ”جو اسے محبوب ہے اس کی زنجیروں سے آزاد کرتا ہے۔ پیسہ سب کو محبوب ہوتا ہے۔ انسانوں سے آپ کسی غرض کی وجہ سے محبت کرتے ہیں یا کسی رشتے کی وجہ سے۔ مگر پیسے سے محبت کی ایک ہی وجہ ہوتی ہے۔ اپنی ذات۔ صدقہ ہمارے دل کو اس محبت سے آزاد ہونا سکھاتا ہے اور جب دل

یہ سیکھ لے تو کبھی نہ کبھی وہ دوسری محبتوں سے بھی غنی ہو ہی جائے گا۔''

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی چوٹ کر گیا تھا۔ اس کے ساتھ چلتے ہوئے سبز ہُڈ والی لڑکی نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''تمہارے فلسفوں کا مجھے علم نہیں ہے مگر اتنا عرصہ لوگوں سے لیا ہی ہے۔ اب واپس دینے کا وقت ہے' ایڈم۔ خیر تم نے اس ہوٹل میں سائمن کو ابھی کیوں بلوایا؟ شام تک کا انتظار کر لیتے۔''

''اس ہوٹل کی لوکیشن اچھی ہے نا۔''

لفٹ کے دروازے کھلے تو اس کی نظر سامنے لفٹ سے نکلتی دو لڑکیوں پہ پڑی۔ وہ دونوں باتیں کرتی باہر آ رہی تھیں۔ ایک اسکارف پہنے ہوئے تھی اور دوسری نے نقاب اوڑھ رکھا تھا۔ دونوں کے ہاتھ میں کتابیں تھیں اور چہروں پہ آسودہ مسکراہٹیں۔ وہ رک کے انہیں دیکھنے لگی۔ چہرے پہ اداسی چھا گئی۔

''کچھ لوگ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں ایڈم۔ نیک کام کرنا ان کے لئے کتنا آسان ہوتا ہے۔ خاندان کی حفاظت میں پرورش پائی' اللہ تعالیٰ کے دین پہ قائم رہے' عبادت کی' اچھے کام کیے اور نیک نام رہے۔ وہ کسی کے لئے کانٹا نہیں بنتے۔''

جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔ وہ لڑکیاں اب ساتھ سے گزر کے دور جا رہی تھیں۔ ایڈم نے پلٹ کے نہیں دیکھا۔

''ہر شخص کا امتحان مختلف ہوتا ہے۔ بظاہر نیک نظر آنے والے لوگ بھی اپنے اندر ہر وقت شیطانوں سے لڑ رہے ہوتے ہیں۔ ان کے بھی غم ہوتے ہیں۔ وہ بھی ٹوٹتے ہیں۔ ان کے لئے بھی کچھ اچھے کام کرنا آزمائش بنا رہتا ہے۔ کسی کے لئے پردہ' کسی کے لئے زبان کے گناہ' کسی کے لئے آنکھ کی خیانتیں' اور کسی کے لئے سچ بولنا' ہر شخص کا امتحان مختلف ہوتا ہے۔ آپ اپنا موازنہ دوسروں سے نہ کریں۔ آپ اپنی زندگی میں درست سمت میں جا رہی ہیں۔''

اس نے گہری سانس لی اور غور سے ایڈم کو دیکھا۔ ''تم اپنی سناؤ۔ بدلتے جا رہے ہو۔''

''اونہوں۔ میں جو اصل میں تھا' وہی زیادہ سے زیادہ بنتا جا رہا ہوں۔''

''اور وہ کیسے؟'' اس کے اعتماد پہ تالیہ نے مسکرا کے اسے دیکھا اور پھر لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اس کے پیچھے آیا۔

''کیونکہ جب میں امیر لوگوں کی محفلوں میں جانے لگا تو میں نے جانا کہ وہ مجھ سے بہتر نہیں ہیں۔ اس لئے میں ان کی ٹیبلو پہ بیٹھ کے چھری کانٹے کی بجائے ہاتھ سے ویسے کھاتا ہوں جیسے بچپن سے کھاتا آ رہا ہوں۔ مجھے اپنے گھر کا پتہ بتانے میں شرمندگی نہیں ہوتی۔ میں ان سے کوئی بھی سوال پوچھ سکتا ہوں کیونکہ میرے پاس کھونے کو نہ اعلیٰ نوکری ہے نہ تخت و تاج۔ پارٹی چیئرمین ڈرتے ہوں گے کہ کرپٹ لوگوں سے ہاتھ نہ ملایا تو اقتدار چھن جائے گا۔ ایڈم بن محمد نہیں ڈرتا۔'' مسکرا کے کہتا وہ لفٹ میں داخل ہوا۔ تالیہ نے بٹن پریس کیا ہی تھا کنکھیوں سے نظر آیا' کوئی اور بھی اندر آیا تھا۔

''فورتھ فلور۔'' نوارد نے موبائل پہ ٹیکسٹ کرتے ہوئے حکم صادر کیا اور پھر نگاہ اٹھا کے دیکھا تو خود بھی منجمد رہ گیا۔ ایسا منجمد جیسی تالیہ ہوئی کھڑی تھی۔ اس کے لب 'تو انکو' میں ڈھلنے لگے مگر خود کو روک دیا۔ سبز ہُڈ والا سر ہلایا اور فور کا ہندسہ دبایا۔

فاتح نے ایڈم کو جیسے دیکھا ہی نہیں۔ وہ صرف تالیہ کو دیکھ رہا تھا۔ سر سے پیر تک دو تین دفعہ دیکھا۔ وہ اسے مختلف لگی تھی اور تالیہ کو وہ ویسا ہی لگا تھا۔ سرمئی سوٹ ٹائی میں ملبوس' بالوں کو جیل سے دائیں طرف سمیٹے' چہرے پہ شیو کی نیلاہٹ اور تازہ دم سی مسکراہٹ لیے.... باریسن نیشنل کا صدر اس کے سامنے کھڑا تھا۔

لفٹ خاموشی سے ان تینوں کو اوپر لے جاتی گئی۔

''تم یہاں؟ کیسی ہو؟'' اس نے مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے ایک ساتھ کئی سوال کیے۔ تالیہ نے ایک

مشکوک نظر ایڈم پہ ڈالی۔ (لوکیشن مائی فٹ۔ وہ سب جانتا تھا۔)

لمحے بھر کو تو ایڈم بھی گڑبڑا گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اس وقت یہیں ملے گا لیکن وہ ان کے ساتھ بغیر سیکیورٹی کے لفٹ میں داخل بھی ہو جائے گا' یہ اس کے لیے غیر متوقع تھا۔ یا شاید قسمت ان تینوں کو ایک ساتھ جوڑے رکھتی تھی۔

''ٹھیک ہوں۔ اور آپ فاتح صاحب۔'' وہ رکھائی سے اس کو دیکھ کے بولی۔ لہجے کی کڑواہٹ اتنی شدید تھی کہ ایڈم نے بھنویں بھینچ کے اسے گھورا۔ (اب صلح کر لیں۔)

''میں ٹھیک ہوں۔ اچھا ہوا تم سے ملاقات ہوگئی۔ میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔'' وہ موبائل اٹھائے یوں کہہ رہا تھا جیسے دونوں کے درمیان کوئی تلخی نہ ہوئی ہو' اور بات ختم کر کے واپس ٹیکسٹ کرنے لگ جائے گا۔ جیسے تالیہ نے اس کی ساری میز کبھی نہ الٹی ہو۔

''آپ کے پاس میرا نمبر موجود تھا' فاتح صاحب۔ آپ پوچھ لیتے...''

''یہ پراسیکیوٹر احمد نظام کون ہے؟'' اس نے سادگی سے پوچھا اور تالیہ کے چہرے کے سارے زاویے درست ہوئے۔

''جی؟'' وہ ایک دم سیدھی ہوئی۔

لفٹ کے دروازے کھلے تو سفر ختم ہو گیا۔ فاتح باہر نکلتے ہوئے عام سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''مجھے اس کی کال آئی تھی۔ وہ مجھ سے تمہارے حوالے سے ملنا چاہتا ہے۔ آج شام وہ میرے گھر آئے گا۔ کیا تمہیں کچھ اندازہ ہے کس سلسلے میں؟''

وہ تو جہاں تھی وہیں رہ گئی' البتہ اسی پل فاتح نے محسوس کیا کہ ساتھ والا شخص بھی وہیں کھڑا ہے۔ نظر اٹھائی تو دیکھا' وہ ایڈم تھا۔ وان فاتح خوشگوار حیرت سے مسکرایا اور ہاتھ بڑھایا۔

''ایڈم.... یو لک گڈ۔''

ایڈم نے مسکرا کے ہاتھ تھاما۔ ''سوڈ ویؤ سر۔'' دونوں کے ہاتھ جدا ہوئے تو دونوں کی نظریں تالیہ کی طرف مڑیں جو ششدر کھڑی تھی۔ ان کو متوجہ پا کے وہ ذرا سنبھلی۔

''آپ کے....آپ کے خیال میں وہ آپ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟'' سرسری سا لہجہ بنا کے فاتح کو غور سے دیکھا۔ کچھ دیر کے لیے ناراضی پس پشت ڈال دی۔

اس نے محض شانے اچکائے۔ ''یہ تو شام کو پتہ چل جائے گا۔ لیکن اگر کوئی بات ہے جو مجھے پہلے سے معلوم ہونی چاہیے تو تم مجھے بتا سکتی ہو۔''

وہی ازلی دوستانہ انداز....وہی حوصلہ افزاء مسکراہٹ۔ تالیہ نے تاثرات پھر سے پتھر کر لئے۔

''مجھے کیا معلوم' فاتح صاحب۔ سیاستدانوں کے ساتھ کام کرنے کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ ایک سرکاری پراسیکیوٹر مجھ سے وہی قیمت وصول کرنا چاہتا ہے۔ خیر....مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''اچھا لگا تمہیں یہاں دیکھ کے تاشہ۔ امید ہے تم ٹھیک ہو گی۔'' اس کی ساری رکھائی کے جواب میں مسکرا کے اتنا کہا اور موبائل کو دیکھتا آگے بڑھ گیا۔

''آپ کو ان سے صلح کر لینی چاہیے تھی۔'' وہ اس پہ خفا ہوا تو تیزی سے آگے بڑھتی تالیہ نے چہرہ موڑ کے اسے گھورا۔

''تم نے جان بوجھ کے مجھے یہاں بلایا۔ کیوں؟''

''کیونکہ ایڈم تو ہمیشہ ایسا کرتا ہے۔''

اس کے الفاظ پہ ماضی کی یاد کسی ہوا کے جھونکے کی طرح تالیہ کے ذہن سے ٹکرائی۔ جب وہ نیلامی کے بعد سن باؤ کی غلامی میں گیا تھا اور دونوں کی آپس میں تلخی ہو گئی تھی' تب بھی ایڈم نے ان کو 'جیا' کے چائے خانے پہ اکٹھا کیا تھا۔

''کیوں کرتے ہو تم ایسا؟ ہمیں ناراض کیوں نہیں رہنے دیتے؟''

"کیونکہ دوست اسی لئے ہوتے ہیں۔" وہ سادگی سے مسکرایا۔ کچھ تھا جو اس میں بدل گیا تھا۔ کچھ تھا جو اس کے اندر آ گیا تھا۔ بے نیازی اور اعتماد' مگر سادگی کے ساتھ.... نہ کہ بناوٹی اور مصنوعی۔

"مجھے ان سے صلح نہیں کرنی۔ اور یہ.... یہ پراسیکیوٹر.... میں سمجھی تھی میری جان اس سے چھوٹ گئی ہے مگر اُف...." وہ غصے سے بولتی تیز تیز چل رہی تھی۔

"کہاں جا رہی ہیں؟ ریستوران اس طرف ہے۔" وہ اسے سیڑھیوں کی طرف جاتے دیکھ کے حیران ہوا۔

"سائمن سے تم خود ملاقات کرو۔ میں اس وقت یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ مجھے اس پراسیکیوٹر کو فاتح سے ملنے سے روکنا ہے۔ پتہ نہیں کیا کیا بول دے وہ میرے بارے میں۔ وہ مجھے فراڈ سمجھیں' یہ مجھے گوارا نہیں ہے۔"

"چے تا لیہ!" وہ ہکا بکا رہ گیا۔ وہ سیڑھیوں کے دہانے پہ رکی' گہری سانس لی اور اس کی طرف گھومی۔

"ایڈم۔ تم اکیلے اس معاملے کو ہینڈل کر سکتے ہو۔ خود پہ یقین رکھو۔ مجھے جانا ہے ابھی۔" اس کے انداز میں تسلی بھی تھی اور منت بھی۔ ایڈم جان گیا کہ وہ اسے مزید نہیں روک سکتا۔

ہُڈ والی لڑکی کسی بلی کی طرح تیز تیز سیڑھیاں پھاند گئی۔

"ایڈم۔ کیسے ہو؟" وہ ریستوران میں آیا تو سائمن سامنے ہی ایک میز پہ بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کے مسکرا کے ہاتھ ہلایا البتہ کھڑا نہیں ہوا۔ ایڈم بھی چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ سجائے اس کے سامنے جا بیٹھا۔

"مزید کتنی ای میلز کریک کیں تم نے؟" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگا۔

"ان گنت۔ تقریباً پچاس نام مزید سامنے آئے ہیں۔"

"میرا خیال ہے دو ماہ ہم نے ہانگ کانگ پیپرز نامی ٹویٹر ہینڈل کی بہت پروموشن کر لی۔ ہر روز میں ٹویٹ کرتا ہوں کہ مزید نام جلد آ رہے ہیں۔ اس سے پہلے کہ لوگ اکتا جائیں' ہمیں وہ تمام نام وہاں

ڈال دینے چاہیے ہیں۔'' وہ اب بے چین ہورہا تھا۔

''بالکل' سائمن۔ دو ماہ آپ نے میرے ہینڈل کی جتنی پروموشن کی میں اس پہ آپ کا شکر گزار ہوں۔ اور اسی لئے میں نے ابھی دو منٹ پہلے شکریے کی ویڈیو ٹوئیٹ کر دی ہے۔ اور ساتھ ہی صوفیہ رحمٰن کے وکلاء کی ای میلز بھی۔''

کرسی پہ ٹیک لگا کے بیٹھے نوجوان کے انداز میں کچھ تھا جو سائمن کو چونکا گیا۔ وہ جو بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا' ایک دم وقت کے سارے حساب کتاب اس کے لیے غیر ضروری ہو گئے۔

''تمہارا ہینڈل؟''

''چونکہ اس کا پاسورڈ میرے پاس ہے تو وہ میرا ہی ہینڈل ہوا نا۔ اوہ اور میں نے اس کا نام ہانگ کانگ پیپرز سے بدل کے ایڈم بن محمد رکھ دیا ہے۔ ساتھ ہی اس کو ویریفائی بھی کروا چکا ہوں۔ نیلا ٹک یونو۔''

''تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں لوگوں کو بتا چکا ہوں کہ میں اس ہینڈل کے ذریعے.....'' سائمن غصے سے کہنے لگا۔

''تم نے لوگوں کو صرف یہ بتایا ہے کہ ہانگ کانگ پیپرز کے نام اس ہینڈل پہ آئیں گے اور تمہاری اس بھرپور پرموشن کا میں نے اپنی پہلی ویڈیو میں شکریہ بھی ادا کیا ہے۔ اب تم چاہو تو اس ہینڈل کو نہ بھی پروموٹ کرو کیونکہ اب میں ملکی اور بین الاقوامی میڈیا کی بھرپور توجہ لینے میں کامیاب ہو چکا ہوں۔ آج رات میں پہلی پریس کانفرنس کر رہا ہوں جس میں میں چند پیپرز میڈیا کو دکھاؤں گا۔''

سائمن کو ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ اچنبھے کی سی حالت میں تھا۔ اور جب اسے سمجھ آیا تو...

''ایک منٹ....ایک منٹ...ابھی میں ایک ٹوئیٹ کروں کہ تم نے میرا ہینڈل چرا لیا ہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟''

''اور جو تم نے میری اسٹوری چرائی' اس کا کیا' سائمن؟ اونہوں۔'' ایڈم نے مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔'' تم نے دو ماہ ایک ٹوئیٹر اکاؤنٹ کی پروموشن کی اور میں ایک نیا رپورٹر پہلی ویڈیو میں تمہارا شکریہ ادا کر رہا ہوں۔ تصور کرو.. اس کے بعد تم اچانک سے مجھے چور کہنے لگو تو جانتے ہو لوگ کیا کہیں گے؟'' وہ آگے ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔''لوگ کہیں گے' سائمن فوسٹر ایک نوجوان صحافی سے جیلس ہو گیا ہے۔''

سائمن نے جبڑا بھینچ لیا۔ اس کی رنگت سرخ پڑ رہی تھی۔

''میں جو چاہے کہہ سکتا ہوں۔''

ایڈم پیچھے ہوا اور اسی سکون سے بات جاری رکھی۔

''اور بالفرض تم کہہ بھی دو کہ میں نے تمہاری اسٹوری چرائی ہے تو کوئی اصلی کاپی تو ہو گی نا تمہارے پاس اس اسٹوری یا ان ای میلز کی؟ اوہ سوری یاد آیا۔ میں نے تو تمہیں مزید کوئی ڈاکومنٹس دیے ہی نہیں۔ سو اس وقت تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ بڑے دل سے ایک نوجوان صحافی کو اپنا کیریئر بنانے دو۔''

پھر وہ اٹھا اور اپنے سینے پہ انگلی سے دستک دیتے ہوئے جتا کے بولا۔''ہانگ کانگ پیپرز ایڈم بن محمد کی اسٹوری ہے۔ دوری نگارہ ملایو ایڈم بن محمد کی کتاب ہے۔ یہی سچ ہے اور اللہ سچ کا خدا ہے۔ میں اس کتاب کو ضرور چھپواؤں گا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ ملایا کے ''کانٹوں'' کی فہرست میں تمہارا نام شامل نہ ہو تو میرے راستے کا کانٹا مت بننا۔''

''تو تم یہاں یہ سب کہنے آئے تھے؟'' وہ چبا چبا کے بولا تو ایڈم مسکرا دیا۔

''میں تمہارے چہرے کے یہ تاثرات دیکھنے آیا تھا جو دھوکہ کھا جانے والے اسکامر کی قسمت میں لکھ دیے گئے ہوتے ہیں۔ اب دیکھ لیے سو چلتا ہوں۔'' ہاتھ کو ماتھے تک لے جا کر الوداع کہا اور میز کے

پیچھے سے نکل کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''میں تمہیں دیکھ لوں گا' ایڈم۔ تم مجھے ابھی نہیں جانتے۔'' پیچھے سے سائمن نے سرد لہجے میں پکارا تھا۔ وہ اَن سنی کر کے باہر نکل گیا۔ اس کے فون پہ رپورٹرز اور چینل والوں کی کالز پہ کالز آئے جا رہی تھیں۔ سب ایڈم بن محمد کے لائے گئے کاغذات پہ بات کرنے کے لئے بے چین تھے۔

اس وقت اگر سائمن ٹوئیٹ کرتا بھی تو اس کا فائدہ نہ تھا۔

☆☆==========☆☆

عدالت سے ملحقہ عمارت میں اس وقت معمول کی کارروائیاں جاری تھیں۔ لابی کی اونچی چھت سے لٹکتے فانوس دن کی روشنی کے باعث بجھے ہوئے تھے۔ وسط میں کشادہ سیڑھیاں بنی تھیں جو کئی منزلوں تک اوپر جاتی تھیں۔ سیڑھیوں کے آس پاس جگہ جگہ بیٹھنے کے لئے صوفے اور بنچ نصب تھے۔ ایسے ہی ایک بنچ پہ سر کو ہُڈ سے ڈھکے لڑکی بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا اور چبھتی ہوئی آنکھیں زینوں پہ جمی تھیں جہاں سے پراسیکیوٹر احمد نظام نے نیچے اترنا تھا۔ یہ ان کی چھٹی کا وقت تھا اور انہوں نے آفس سے نکلتے ہی سیدھا فاتح بن رامزل کی رہائشگاہ پہ جانا تھا۔

اِلّا یہ کہ تالیہ مراد ان کو روک دے۔

پچھلے ایک گھنٹے میں وہ جتنے دوستوں سے بات کر سکتی تھی' اس نے مدد مانگ کے دیکھ لی تھی۔ سب کا کہنا تھا کہ اگر وزیرِ اعظم صاحبہ کے آفس سے کیس کھولنے کا حکم آتا ہے' تو اسے صرف دو چیزیں بند کروا سکتی ہیں۔ وزیرِ اعظم کا حکم نامہ..... یا پراسیکیوٹر کی موت۔

تالیہ کا دایاں ہاتھ جیب میں موجود خنجر کو محسوس کر سکتا تھا۔ اگر وہ اس خنجر کو پراسیکیوٹر کی شہ رگ میں اتار دے تو نوے فیصد امکان تھا کہ کیس رک جائے گا۔ اگر وزیرِ اعظم یہ کیس کسی اور کو دے بھی دے تو نہ اگلے شخص کے پاس پراسیکیوٹر احمد نظام جیسا جذبہ ہو گا اور نہ ہی دماغ۔ قوی امکان ہے کہ لوگ اس کیس

سے ڈرنے لگ جائیں اور اس کو جلدی جلدی ٹھپ کر دیں گے۔ دس فیصد امکان اس بات کا تھا کہ تالیہ مراد کو پراسیکیوٹر احمد نظام کے قتل میں ملوث سمجھا جائے لیکن اگر وہ اپنی alibi کا بندوبست کر لے تو اس امکان کو بھی رد کیا جاسکتا تھا۔

مگر سوال یہ تھا کہ کیا وہ پراسیکیوٹر کو مار سکتی تھی؟ یا اس کو ڈِس کریڈٹ کرنے کے لئے اس پہ کوئی بڑا الزام لگا کے اس کو نوکری سے نکلوا سکتی تھی؟

چند ماہ پہلے والی تالیہ مراد ہو یا حال کی تالیہ...وہ کسی کو نہیں مار سکتی تھی۔ ہاں شہزادی تاشہ جائز وجہ پہ قتل بھی کر سکتی تھی لیکن تالیہ.....وہ قاتلہ نہیں تھی۔ نہ وہ اس وقت یہاں پراسیکیوٹر کو مارنے کے لئے بیٹھی تھی۔ وہ دوسرے آپشن پہ غور کر رہی تھی۔ ایک عزت دار شخص کو جاب سے نکلوانا واحد آپشن تھا جو چند ماہ قبل والی تالیہ استعمال کر سکتی تھی۔ وہ مالی کرپشن یا کسی غیر اخلاقی حرکت کے ثبوت بنا کے انٹرنیٹ پہ ڈال سکتی تھی اور چند گھنٹوں میں پراسیکیوٹر احمد نظام کا نام خاک میں مل جانا تھا۔ سوشل میڈیا نے عزتوں کے ساتھ کھیلنا ویسے بھی بہت آسان بنا دیا تھا۔

ہُڈ سے سر کو ڈھانکے' بنچ پہ مجسمے کی طرح بیٹھی لڑکی سوچتی نظروں سے سیڑھیوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

مگر سارا مسئلہ یہ تھا کہ انسان کو اس کے ضمیر کا واپس مل جانا بھی ایک curse بن جاتی ہے۔ تالیہ مراد اب ان Cursed لوگوں میں سے ہو چکی تھی جن کو اچھائی اور برائی کے درمیان فرق کرنا آ جاتا ہے۔

(اگر میں ایک آخری دفعہ کچھ غلط کر لوں اور بعد میں....)

اندر سے پرانی تالیہ نے سر اٹھانا چاہا تو سبز ہُڈ والی لڑکی نے زور سے سر جھٹکا۔

نہیں۔ ایڈم کہتا تھا کہ توبہ گناہ سے پہلے نہیں کی جاتی۔ کوئی گناہ آخری گناہ سمجھ کے نہیں کیا جاتا۔ برادرانِ یوسف نے بھی یہی کہا تھا۔ بس ایک یہ آخری گناہ کر لیں۔ یوسف کو مارنے کا....پھر ہم نیکو کار بن جائیں گے۔ یہ کہنا آسان تھا کہ 'اس گناہ کے بعد توبہ کر لیں گے' مگر کس کو گارنٹی تھی کہ اللہ توبہ کی

توفیق بھی دے گا؟ اور اگر دی تو اسے قبول بھی کرے گا؟ جو غلط ہے وہ غلط ہے۔ وہ ایک اچھے انسان کے ساتھ برا نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے بائیں جیب میں ہاتھ ڈالا اور پاکٹ سائز بنگارا ملایو نکالی۔ اس کی برساتی کی جیب میں وہ آرام سے پوری آ جاتی تھی۔ وہ اس کتاب کو کئی دفعہ پڑھ چکی تھی۔ ایک نیک دل مگر بہادر شہزادی کی داستان بچوں کو کورس میں اس لئے پڑھائی جاتی تھی تا کہ وہ سچ اور جھوٹ میں تمیز کر سکیں۔ آخری تین ابواب بھی اس نے پڑھ لئے تھے۔ وہ کس نے لکھے تھے جبکہ وہ وقوع پذیر ہی نہیں ہوئے تھے' وہ نہیں جانتی تھی' نہ ہی اس کو ان سے سروکار تھا کیونکہ تالیہ مراد جانتی تھی کہ اپنی قسمت سے کوئی نہیں لڑ سکتا۔ جو اس کے لیے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے وہ اسے مل جائے گا۔

اس نے تیسرا باب کھولا اور صفحے پلٹائے۔ یہ اس کا پسندیدہ منظر تھا اور یہ ایسے ہی ہوا تھا۔ ایڈم کو جانے کیسے معلوم ہوا تھا۔ ایک روز وہ مراد راجہ کے ساتھ سلطنت محل سے نکل رہی تھی اور اس کا موڈ خراب تھا۔ کیونکہ مراد راجہ اس کو ہر روز مختلف استادوں کے پاس بھیج دیتا تھا جو اسے بہت سے علوم سکھانے بیٹھ جاتے تھے۔ وہ ان ساری مشقوں سے تنگ آ گئی تھی۔

وہاں محل کے باغیچے میں کھڑے ہوئے اس نے اپنے باپ کو سخت سست سنائیں اور واپس جانے کے لئے مڑی تو مراد راجہ نے تحمل سے چند الفاظ کہے جو شہزادی تاشہ نے ضبط سے سن لئے اور برے منہ کے ساتھ جبراً اتالیق کے ساتھ چلی گئی۔ وہ الفاظ تب اسے اچھے نہیں لگے تھے۔ وہ الفاظ اب اسے یاد آئے تھے....

کتاب کھولی تو پلک جھپکتے میں اس کی سبز برساتی لمبے اور کامدار زرد لباس میں بدل گئی جس پہ موتی لگے تھے۔ سر پہ تاج آ ٹکا اور گھنگریالے سنہرے بال شانوں پہ گرنے لگے۔ وہ مغموم سی اس بینچ پہ بیٹھی تھی اور اس کے ساتھ مراد راجہ بیٹھا تھا۔ وہ اپنے پاجامے اور چھوٹی قمیص میں ملبوس تھا۔ شانوں تک آتے سیاہ بال

اور ماتھے پہ بندھی سرخ پٹی آج بھی اس کے وجود کا حصہ تھی۔

عدالتی عمارت کی لابی میں وکلاء اور سائلین تیز تیز اوپر نیچے آجا رہے تھے اور وہ دونوں...قدیم ملاکہ کے لوگ....ان سب سے الگ تھلگ.....بنچ پہ بیٹھے تھے۔تاشہ نے اداس پلکیں اٹھا کے مراد کو دیکھا۔

''بابا میں کیا کروں؟ میں تھک گئی ہوں۔''

مراد مسکرایا تو اس کی آنکھوں کے گرد سانولی رنگت پہ دھجریاں پڑنے لگیں۔

''تم اس وقت بہت کچھ سیکھ رہی ہو مگر یہ سیکھنا تمہیں نہیں تھکا رہا۔''

''تو مجھے کیا چیز تھکا رہی ہے؟''

''یہ خوف کہ ان اسباق کا نتیجہ کچھ نہیں نکلے گا۔''

''اور اس سب کا نتیجہ کیا نکلے گا؟''

''تمہیں ابھی بھی نہیں سمجھ آیا کہ میں تمہیں کیوں یہ سب سکھا رہا ہوں؟''

وہ پھر سے مسکرایا جیسے اس روز باغیچے میں یہ الفاظ کہتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''کیوں؟''

''اس لئے نہیں کہ تم ماہر نشانہ باز بن جاؤ' یا تمہیں تلوارزنی آجائے' یا تم ادب اور کتابوں کا علم جان لو۔ نہیں تاشہ....میں چاہتا ہوں کہ تم صبر کرنا سیکھ لو۔زندگی یہ تمام اسباق تمہیں صبر سکھانے کے لئے دے رہی ہے۔اور جنگجو کا صبر جانتی ہو کیا ہوتا ہے؟ لڑائی کو وقت سے پہلے روک دینا نہیں۔ اونہوں۔ یہ تو ڈرپوک لوگ کرتے ہیں۔صابر لوگ جنگ کا انتظار کرتے ہیں اور جب کوئی ان سے جنگ کرنے آتا ہے تو وہ اس کا سامنا کرتے ہیں۔جنگ سے پہلے اپنے حریف کو مار دینا یا بھگا دینا بزدلی ہے۔عیاری ضرور ہوگی مگر بزدلی ہے۔بہادری مقابل کا سامنا کرنے کا نام ہے۔''

''جنگیں مار دیتی ہیں' بابا۔''

''مرتو آدمی جنگ کے بغیر بھی جاتا ہے۔کبھی طاعون سے۔کبھی پہاڑ سے گرنے سے اور جنگ میں مرنے والے بھی سارے ایک سے نہیں ہوتے۔ کچھ خوف سے بھاگتے ہوئے پیٹھ میں تیر کھا کے مرتے ہیں اور کچھ میری بیٹی....'' وہ اس کی طرف جھکا اور مسکرا کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''کچھ اپنے مقابل کو للکار کے کہتے ہیں کہ آؤ' میرا سامنا کرو۔ ایسے لوگ سینے پہ تیر کھا کے مر بھی جائیں تو عزت سے مرتے ہیں۔ اور انسان کو سب سے زیادہ ضرورت اپنی نظروں میں معتبر رہنے کی ہوتی ہے۔ اگر تم صبر اور بہادری نہیں سیکھو گی تو اپنے دشمن کی آنکھوں میں دیکھ کے لڑنا کیسے سیکھو گی؟''

شہزادی نے آنکھیں بند کیں اور جب کھولیں تو وہ سبز ہُڈ پہنے بیٹھی تھی۔

قدیم ملاکہ کا فسوں وقت کے غبار میں غائب ہو چکا تھا۔

سیڑھیوں سے پراسیکیوٹر احمد نظام اترتے دکھائی دے رہے تھے۔ چونکہ وہ نیچے ایک کونے میں بیٹھی تھی اس لئے ان کی اس طرف پشت تھی۔ اس نے ہُڈ کو مزید نیچے سرکایا تاکہ چہرہ چھپ جائے اور چبھتی ہوئی آنکھوں سے اس ادھیڑ عمر پراسیکیوٹر کو تیز زینے عبور کرتے دیکھا۔

''میں ایک بہادر لڑکی ہوں' پراسیکیوٹر صاحب۔ میں آپ سے نہیں ڈرتی۔آپ مجھے ملایا کا کانٹا ثابت کرنے پہ تلے ہیں مگر میں ملایا کا پھول ہوں۔ میں اپنی نظروں میں معتبر ہوں۔آپ نے جو کرنا ہے کرلیں۔ میں آپ کی ہر عدالت کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہوں۔'' اس نے فیصلہ کرلیا تھا۔اسے کچھ نہیں کرنا تھا۔اب جو بھی ہوگا وہ اس کا مقابلہ کرے گی۔

وہ کتاب جیب میں ڈال کے اٹھی اور مخالف سمت بڑھ گئی۔

زینے اترتے پراسیکیوٹر لمحے بھر کو رکے' اور پلٹ کے اس کونے میں دیکھا۔ وہاں ایک خالی سنگی بینچ رکھا تھا۔ یونہی لمحے بھر کو انہیں گمان ہوا تھا کہ وہاں کوئی بیٹھا ان کو دیکھ رہا ہے۔ انہوں نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔لابی میں لوگ مسلسل آ جا رہے تھے۔آوازیں' باتیں' قہقہے' شور۔کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہ تھا۔وہ سر

جھٹک کے آگے بڑھ گئے۔ انہیں فاتح صاحب کے گھر وقت پہ پہنچنا تھا۔

☆☆==========☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ پہ وہ شام ڈھیروں سوگواریت لے کر اتری تھی۔ ڈرائنگ روم میں صرف زرد ٹیبل لیمپ روشن تھے۔ سفید بتی نہ جلانے کے باعث ماحول خوابناک اور پر اسرار سا لگ رہا تھا۔

بڑے صوفے پہ فاتح رامزل ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' بازو پشت پہ پھیلائے بیٹھا سنجیدگی سے احمد نظام کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی ابھی آفس سے آیا تھا اور اس پراسیکیوٹر کو اپنے انتظار میں پایا تھا۔ اس نے بس ٹائی اتاری' باقی سرمئی کوٹ اور سفید شرٹ صبح والی ہی پہنے رکھی اور یہاں آ گیا۔ عصرہ سامنے والے صوفے پہ براجمان متجسس سی دکھائی دیتی تھی۔ غالباً احمد نظام نے ابھی تک مدعا بیان نہیں کیا تھا۔

''تو آپ فاتح کی ایکس..... (عصرہ نے ایکس پہ زور دیتے ہوئے کنکھیوں سے اسے دیکھا) چیف آف اسٹاف کے بارے میں بات کرنے آئے ہیں؟'' کانوں میں موتی اور خوبصورت آنکھوں میں مسکراہٹ سجائے وہ ملکہ کی سی تمکنت سے اپنے شوہر کے برابر میں بیٹھی تھی۔

''جی۔ ہماری ڈیپارٹمنٹ کو تالیہ مراد کے بارے میں Tip ملی تھی کہ وہ....''

''کس نے Tip دی تھی؟'' وہ پراسیکیوٹر سے نظریں ہٹائے بنا بولا تو احمد نظام جو ایک فائل کھول رہے تھے' رک کے اسے دیکھنے لگے۔

''Tip دینے والے کا نام صیغہ راز میں رکھا جاتا ہے۔ آپ جیسے ماہر وکیل کو تو اس بات کو سمجھنا چاہیے۔'' ان کے لہجے کے طنز پہ عصرہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''کیئرفل' پراسیکیوٹر صاحب۔ آپ اس وقت بی این کے چیئرمین سے بات کر رہے ہیں۔''

''میں ایک وکیل ہوں' مسز عصرہ اور میں ایک ساتھی وکیل سے بات کرنے آیا تھا۔''

''میں آپ کا ساتھی وکیل نہیں ہوں۔ میں تالیہ کا باس ہوں۔ یہ ذہن میں رکھ کے بولتے جایئے۔

مجھے ایک ڈنر پہ پہنچنا ہے۔" وہ جس طرح چبھتی نظریں احمد نظام پہ جمائے سپاٹ انداز میں بولا تھا' عصرہ نے چہرہ موڑ کے "ایکس باس" کہنا چاہا مگر فاتح کے ماتھے کے بل اور چہرے کی ناگواری دیکھ کے وہ ٹھہر گئی۔

"بہت بہتر۔ میں نے دو ماہ تالیہ مراد کے بارے میں تفتیش کی ہے اور...." انہوں نے گہری سانس لے کر سامنے رکھی فائل کھولی جس میں کاغذات رکھے نظر آرہے تھے۔ "میں اس نتیجے پہ پہنچا ہوں کہ وہ لڑکی ایک اسکامر ہے۔ ایک کون آرٹسٹ اور ایک آرٹ تھیف۔ وہ مختلف حلیے بدل کے اپنے ٹارگٹ کے قریب جاتی ہے اور اس کے پاس سے کوئی نایاب چیز چرا لیتی ہے۔" وہ فاتح کے چہرے کو دیکھتے ہوئے مسکرا کے کہہ رہے تھے۔ "تالیہ مراد ایک چور ہے۔ ایک بہروپیہ۔ ایک فراڈ۔"

ڈرائینگ روم میں چند لمحے کے لئے موت کا سناٹا چھا گیا۔ عصرہ کے ماتھے کے سارے بل غائب ہو گئے۔ کندھے سیدھے ہوئے اور لب کھل گئے۔

"آرٹ تھیف؟" وہ چونکی۔ تالیہ اسے جتنی بری لگتی ہو وہ اس حد تک خطرناک ہو سکتی ہے؟ اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ ذہن میں پچھلے چند ماہ کے واقعات فلم کی طرح گھومنے لگے۔

"جی۔ وہ نایاب آرٹ ورک کو چراتی ہے اور بلیک مارکیٹ میں بیچتی ہے۔ اس نے ساری دولت اسی طرح کمائی ہے۔"

"اسی لئے اس کے پاس اصلی گھائل غزال تھی۔" عصرہ جیسے خواب سے جاگی۔ اس کے ذہن کو صرف چند لمحے لگے اس ساری معلومات کو پراسیس کرنے میں اور پھر.... اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"تو.... تالیہ.... تالیہ ایک چور ہے؟" وہ حیران بھی تھی اور پرجوش بھی۔

"جی۔ میں نے دو ماہ اپنے بہت سے تعلقات استعمال کر کے جرائم کی دنیا کے لوگوں سے بھی چھان پھٹک کی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ چور ہے اور کافی عرصے سے یہ کام کر رہی ہے۔ بلکہ میرے ایک سورس

نے تو یہ بھی بتایا ہے کہ وہ ڈارک ویب پہ ایک اسکام انویسٹی گیٹر کا روپ بھی دھارے ہوئے ہے ۔غالباً (احمد نظام نے کاغذات سے پڑھا) حالم کے نام سے۔''

فاتح اسی طرح صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے' چبھتی نظروں سے احمد نظام کو دیکھے گیا۔حالم کے نام پہ اس کی گردن کی گلٹی ڈوب کے ابھری مگر تاثرات سنجیدہ رہے۔چند لمحے وہ کچھ نہیں کہہ سکا۔پھر بولا تو آواز سرد تھی۔

''تو آپ کہہ رہے ہیں کہ تالیہ مراد خود حالم ہے؟''

''جی۔مگر حالم ہونا اس کا جرم نہیں ہے اس کا اصل جرم فراڈ اور چوریاں....''

''اور وکیل صاحب آپ اس کو کورٹ میں مجرم کیسے ثابت کریں گے؟''وہ وکیل کو ایسے گھور رہا تھا جیسے اسے آنکھوں سے جلا ڈالے۔''یعنی اس ساری کہانی کا کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟''

''ثبوت کی اب کیا ضرورت ہے؟''عصرہ تیزی سے بولی۔''وہ کہہ رہے ہیں کہ ان کے مخبروں نے بھی تالیہ کے فراڈ ہونے کی تصدیق کی ہے۔''

''مگر میرا نہیں خیال کہ کوئی تاشہ کے خلاف گواہی دینے کے لئے تیار ہے۔اگر ایسا ہوتا تو وہ آج جیل میں ہوتی۔مگر وہ بڑی آزادی سے گھوم رہی ہے۔''

''تم اس سے آج ملے تھے؟''عصرہ نے چونک کے اسے دیکھا مگر چبا چبا کے بولتا فاتح اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

''میرا خیال ہے وکیل صاحب کہ آپ کے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔آپ کا کیس کمزور ہے اور آپ یہاں اس لئے آئے ہیں تا کہ میں تاشہ کے خلاف کچھ فراہم کرسکوں جس سے اس کے اوپر مضبوط کیس بن سکے اور اس کے بدلے میں آپ میرے دامن کو داغدار نہیں ہونے دیں گے۔''

''فاتح صاحب' اگر آپ قانون کی مدد کرنا چاہیں تو....''

''صوفیہ رحمٰن کے شروع کیے گئے کیس کا مقصد صرف سیاسی Victimization اور انتقام ہے۔ میں آپ سے ملاقات پہ اس لئے راضی ہوا تھا کیونکہ آپ کی اچھی شہرت کے سب قائل تھے۔ مگر آپ کا ضمیر آپ کو یہ نہیں بتا پا رہا کہ آپ سیاسی انتقام کے لئے استعمال ہو رہے ہیں۔''

احمد نظام کا چہرہ احساسِ توہین سے سرخ ہوا۔''میں ایمانداری سے اپنی جاب کر رہا ہوں سر۔''

''واٹ ایور!'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھا۔''میری پارٹی سے (انگلی سے سینے پہ دستک دی) یا میرے گھر سے کوئی فرد تالیہ کے خلاف آپ کی مدد نہیں کرے گا۔ وہ ہماری ورکر رہی ہے اور ہم سب اس کے ساتھ کھڑے ہیں۔ آپ مجھے کورٹ بلانا چاہیں تو موسٹ ویلکم۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔ عصرہ....'' اس کو گھورتے ہوئے عصرہ کو پکارا۔ وہ ساتھ ہی اٹھی۔

''پراسیکیوٹر صاحب کو کچھ کھلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی صحت کے پیشِ نظر ڈاکٹر نے ان کو زیادہ میٹھا کھانے سے منع کیا ہے۔''

احمد نظام بدقت مسکرائے اور فائل اٹھا کے کھڑے ہوئے۔

''تالیہ کے خلاف کوئی بھی گواہی دینے کو تیار نہیں ہے یہ درست ہے' اور اس کی فنانشل ٹرانزیکشنز میں ایک بھی جھول نہیں ہے۔ نہ ہی کسی چوری یا فراڈ کا سرا اس تک جاتا ہے۔ اس لڑکی نے بڑی ہوشیاری سے اپنا پیپر ورک تیار کیا ہے۔ مگر وہ ایک جگہ غلطی کر گئی ہے۔ اس کی اس غلطی کے گرد گھیرا تنگ کرنے میں مجھے دو ماہ لگے ہیں۔ آپ کے لئے اچھا تھا اگر آپ وعدہ معاف گواہ بن جاتے مگر خیر....''

عصرہ اس ''غلطی'' کے لفظ پہ چونکی تھی۔ وہ استفسار کرنا چاہتی تھی مگر پھر فاتح کے بگڑے موڈ کو دیکھ کے چپ رہی۔ وہ بس سرد مہری سے بولا ''خدا حافظ۔'' اور پراسیکیوٹر کو دروازے کی طرف جانے کا اشارہ کیا ۔ گویا کہہ رہا ہو دفعہ ہو جاؤ۔

احمد نظام دروازے تک گئے' مگر رک گئے۔ پھر پلٹے اور مسکرا کے فاتح کو دیکھا۔

''آپ تالیہ مراد کو 'تاشہ' کہہ کے پکارتے ہیں؟ یعنی آپ اس کی اس کہانی پہ یقین رکھتے ہیں؟''

''کون سی کہانی؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔ احمد نظام نے جواباً حیران ہونے کی اداکاری کی۔

''آپ کو تالیہ مراد نے نہیں بتایا؟ وہ سمجھتی ہے کہ وہ پندرہویں صدی ملاکہ کی شہزادی تاشہ ہے اور وہ اس دنیا سے ہماری دنیا میں آئی ہے۔ شاید اسی لئے اس کو آپ کے سن باؤ والے مکان میں بہت دلچسپی تھی۔'' طنزیہ انداز میں کہہ کے وہ آگے بڑھ گئے۔ عصرہ نے تعجب سے انہیں جاتے دیکھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے فاتح۔'' وہ قدرے غصے اور قدرے حیرت سے بولی مگر وہ برے موڈ کے ساتھ باہر نکل گیا۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کے ذہن کے پردے پہ بار بار مناظر ابھر کے غائب ہو رہے تھے .....

وہ بازار کے وسط میں کھڑا تھا....

سامنے سڑک صاف تھی اور اس پہ شاہی سپاہی چمکتی تلواریں لئے چلتے آ رہے تھے۔ ان کے پیچھے سنہری اور چاندی رنگ کی بگھی تھی جس کی چھت کھلی تھی۔ ایسے کہ بگھی میں بیٹھی 'شاہزادی' صاف دکھائی دے رہی تھی۔

سرخ زرتار لباس پہنے.... سر پہ ہیروں کا تاج سجائے.... بڑی شان سے کہنیاں اطراف میں جمائے' وہ مسکراتی ہوئی قطار میں ہاتھ باندھے کھڑے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ سرخ لباس بگھی کی سیٹ پہ پھول کی طرح پھیلا تھا۔ منادی کرنے والا اس کے بارے میں لوگوں کو آگاہی دے رہا تھا اور لوگ اشتیاق سے گردنیں اٹھا اٹھا کے' ایڑھیاں اونچی کر کے اسے دیکھ رہے تھے۔

پھر شہزادی نے ہاتھ اٹھا کے اشارہ کیا تو بگھی بان نے بگھی روک دی۔ کسی نے لپک کے دروازہ کھولا۔ کسی نے نیچے پائیدان رکھا۔ وہ اسی شان سے زینے اترتی نیچے آئی۔۔۔

فاتح نے کرب سے سر جھٹکا اور اسٹڈی میں آ کے دروازہ مقفل دیا۔ پھر وہ تیزی سے کھڑکی تک آیا

اور پٹ کھول دیے تاکہ تازہ ہوا اس کے بند ہوتے ذہن کو جگانے میں کامیاب ہو جائے۔ ساتھ ہی کنپٹیوں پہ ہاتھ رکھ کے آنکھیں بند کیں.... وہ مناظر بہت ٹھوس، بہت حقیقی سے تھے.....

وہ ایک محل کی سیڑھیاں اتر رہا تھا.... اس کو اپنا لباس سفید کرتا پاجامے جیسا نظر آ رہا تھا۔ اس کے آگے ایک فربہی مائل چینی نقوش والا آدمی چل رہا تھا.... سامنے سے وہ چلی آ رہی تھی.... کامدار لباس پہنے، سر پہ تاج سجائے، وہ دھوپ میں چمکتی ہوئی تالیہ تھی.... اس کے اردگرد نوجوان لڑکیوں کا جھرمٹ تھا.... جیسے شہزادی کی کنیزیں ہوں۔ اسے دیکھ کے اس نے سر کو مخصوص انداز میں خم دیا تھا۔ وہ اس کے انداز پہ مسکرایا تھا.....

فاتح نے کراہ کے آنکھیں کھولیں اور پیشانی پکڑ لی۔ اس کا سر بے تحاشا درد کرنے لگا تھا۔

اس نے گہرے گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنا چاہا۔

یہ یاددیں صرف یادیں نہ تھیں۔ یہ وژن تھے اور تیزی سے ذہن میں اُمڈ تے تھے۔

یہ کیا تھا؟ وہ کیوں تالیہ کو کسی شہزادی کے روپ میں دیکھ رہا تھا؟ ابھی پراسیکیوٹر نے شہزادی کا لفظ بولا.... اس روز تالیہ نے جنگل کا لفظ بولا.... کیا اسے کوئی ذہنی مرض لاحق ہونے لگا تھا جس کے باعث اس کا دماغ اس کے کنٹرول سے باہر جا رہا تھا؟ یا وہ تالیہ کو مس کر رہا تھا؟

وہ وہیں کرسی پہ نڈھال سا بیٹھ گیا اور پانی کا گلاس اٹھا کے پیا۔ طبیعت سنبھلی اور درد کم ہوا تو اندر پھیلا شور خاموش ہو گیا۔

اب کوئی وژن، کوئی یاد... کچھ دکھائی نہ دیا۔ بلکہ ذہن میں پراسیکیوٹر کی باتیں گونجنے لگیں۔

اس نے فون نکالا اور حالم کے نام کی چیٹ کھولی۔ چند لمحے وہ پرانے میسجز کو پڑھتا رہا۔ پھر تالیہ کی چیٹ سامنے لایا۔ بظاہر دونوں چیٹس میں کچھ بھی ایک جیسا نہ تھا۔ نہ اسپیلنگ، نہ بات کرنے کا انداز ....لیکن پراسیکیوٹر بغیر وجہ کے اتنی بڑی بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ کیا اس کو معلوم تھا کہ فاتح نے انویسٹی گیٹر کو

پیسے دیے تھے؟ مگر خیر وہ کوئی قابلِ جرم بات نہ تھی۔ لیکن اگر تالیہ حالم تھی تو....وہ چونکا....وہ فائل چوری کا معمہ...وہ عصرہ کا نام چھپا جانا....ملاکہ کی اس رات کا راز....کیا وہ سب تالیہ کر رہی تھی؟ وہ اتنا عرصہ تالیہ سے بات کرتا رہا تھا؟

اسے اس بات پہ نہ غصہ آیا نہ ہی صدمہ ہوا۔ وہ تعجب سے مسکرا دیا۔

تالیہ مراد حالم تھی؟

اور پھر ایک خیال نے اس کی مسکراہٹ غائب کر دی۔

اگر پراسیکیوٹر کی کہی گئی یہ بات درست تھی تو کیا اس کی دوسری باتیں بھی درست تھیں؟ چور؟ اسکامر؟ اونہوں۔ تالیہ ایسی نہیں تھی۔

فاتح نے سر جھٹکا' فون پہ اپنی کانٹیکٹ لسٹ کھولی اور ایک سائیکاٹرسٹ کا نمبر نکالا جس کے پاس آریانہ کی موت کے بعد سے اب تک وہ متعدد بار جا چکا تھا۔ اس کی ابتر ہوتی ذہنی حالت اس بات کی غماز تھی کہ اسے ڈاکٹر کو دکھانے کی ضرورت ہے۔

☆☆==========☆☆

اسٹوڈیو کی دیواریں اور فرش طوطے والے رنگ کی شیٹ سے ڈھانکی گئی تھیں۔ رنگ اتنا تیز تھا کہ آنکھوں میں چبھتا تھا۔ ایڈم بن محمد پہلی دفعہ کسی اسٹوڈیو کے اندر آ رہا تھا۔ اور یہ ماحول اس سے یکسر مختلف تھا جو وہ ٹی وی پہ دیکھتا تھا۔

ٹی وی اینکرز کے پیچھے مختلف رنگوں میں پروگرام کا لوگو بنا ہوتا تھا.....یا اپنے شہر کے مشہور مقامات کی تصاویر.....یا اسکرین پہ مناظر چل رہے ہوتے تھے۔ اینکرز جس ڈیسک پہ بیٹھے ہوتے تھے اس پہ بھی پروگرام کا لوگو پرنٹ ہوتا تھا۔ مگر وہ سب ٹیکنالوجی کا دھوکہ تھا۔

درحقیقت ڈیسک' دیواریں' فرش سب سبز ہوتے تھے اور اس سبز میں تصاویر ٹیکنالوجی کی مدد سے بنائی

جاتی تھیں۔ چھت البتہ نہیں دکھائی جاتی تھی۔ اپنی کرسی پہ بیٹھے ایڈم نے گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔ اوپر خلا تھا۔ چھت کافی اونچی تھی اور وہاں تاریں، کیمرہ اسٹینڈز اور پولز دکھائی دیتے تھے۔

''بریک سے واپسی پہ خوش آمدید۔'' ڈائریکٹر نے کیو دیا تو سامنے بیٹھی اسکارف والی اینکر مسکرا کے کیمرے کو دیکھ کے کہنے لگی۔ ایڈم نے دیکھا، وہ جس کیمرے میں دیکھ رہی تھی وہاں ایک اسکرین لگی تھی جس پہ وہ ساری تحریر لکھی آرہی تھی جو وہ بول رہی تھی۔

''ابھی تک ہم ایڈم بن محمد سے صوفیہ رحمٰن کے بارے میں انکشافات کے متعلق بات کرتے رہے۔ اب ہم ان سے پوچھیں گے کہ یہ ای میلز ان کے ہاتھ کہاں سے لگیں۔'' اینکر نے اسٹول موڑ کے ایڈم کی طرف رخ کرلیا اور ساتھ ہی مگ اٹھا کے گھونٹ بھرنے لگی۔

(کیا اس کو واقعی کافی کی طلب ہو رہی تھی یا یہ ٹی وی والوں کا Cool لگنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے؟)

وہ ہولے سے کھنکھارا۔ شکر کہ اس کو کیمرے کی بجائے اینکر کو دیکھ کے بات کرنی تھی۔

''یہ مجھے اس فرم کلائیڈ اینڈ لی کے ایک وسل بلوور نے دی ہیں اور صحافتی اقدار کا پاس رکھتے ہوئے میں اس کا نام نہیں بتا سکتا۔ مگر یاد رہے، کہ سائمن فوسٹر جو میرے لئے ایک بڑے بھائی اور مینٹور کا درجہ رکھتے ہیں، اس وسل بلوور سے مل بھی چکے ہیں اور ان کاغذات کی تصدیق بھی کروا چکے ہیں۔ پھر بھی اگر یہ جھوٹے ہیں تو صوفیہ رحمٰن ان کی تردید کردیں۔'' اینکر کے سامنے بیٹھا ایڈم پورے اعتماد سے کہہ رہا تھا۔ سیاہ کوٹ جس کے آستین کہنیوں تک فولڈ ہوئے سلے تھے، اس پہ کافی اچھا لگ رہا تھا۔

''پردھان منتری صاحبہ نے ابھی تک ان کاغذات پہ خاموشی اختیار کیے رکھی ہے۔ بہر حال آپ کا کہنا ہے کہ آپ کل مزید نام سامنے لا رہے ہیں۔'' وہ جوش سے پوچھ رہی تھی۔ ایڈم نے دیکھا کہ اس لڑکی کا چہرہ فاؤنڈیشن کی تہوں میں چھپا تھا اور آنکھوں پہ اتنا گہرا میک اپ تھا کہ اسے اس پہ ترس آیا۔ (بے چاری۔ اس کے گھر والے اس کو کیسے پہچانتے ہوں گے؟)

''جی میں مزید نام سامنے لا رہا ہوں۔کل اسی وقت ۔اور اگر اس دوران مجھے کچھ ہو گیا تو یہ نام میرے وکیل کے پاس ہیں ۔وہ ان کو پبلک کر دے گا۔ میں آن ائیر کہہ رہا ہوں کہ مجھے کچھ بھی ہوا تو اس کی ذمہ دار حکومت ہو گی۔''

''ہم دعا کرتے ہیں کہ آپ کو کچھ نہ ہو' ایڈم۔ بہر حال.....آپ کچھ عرصہ پہلے تک وان فاتح کے باڈی گارڈ بھی رہے ہیں اس کے بارے میں کیا کہیں گے۔'' وہ نوٹس سے پڑھ کے بولی۔

''باڈی مین ۔ ناٹ باڈی گارڈ۔'' اس نے بھی اپنا مگ اٹھایا اور Cool لگتے ہوئے گھونٹ بھرا ۔(تب تک جواب سوچ لیا۔) پھر مگ رکھتے ہوئے بولا۔''میرا ایک دوست ان کا باڈی مین تھا۔ چند دن کی چھٹی پہ گیا تو اس کی مدد کے لئے میں نے ان کے پاس کام کیا۔''

''تو آپ نے وان فاتح کو بطور ایک باس کیسا پایا؟''

وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی ۔سبز رنگ سے اٹا کمرہ بھی خاموشی سے ایڈم کو دیکھ رہا تھا۔انٹرویو اس سمت جا رہا تھا جس کی توقع ایڈم کو تھی ۔اس کو وان فاتح کے حق میں متعصب بنا کے میڈیا پہ پیش کیا جائے گا تاکہ اس کی کریڈیبلٹی متاثر ہو۔

''وان فاتح ایک اچھے باس ہیں مگر ایک آئیڈیل انسان نہیں ہیں۔'' وہ اعتماد سے کہنے لگا۔اب اس کو Cool لگنے کے لئے کافی کا مگ اٹھانے کی حاجت نہیں رہی تھی۔'' وہ بہت جلدی بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ میں نے گیارہ دن بلکہ اس سے بھی کم ان کے پاس کام کیا اور وہ بار بار میرا نام بھول جاتے تھے۔ میں ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں اور ناگزیر وجوہات کی بنا پہ میں آرمی میں مزید نوکری نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے جاب چاہیے تھی مگر فاتح صاحب اتنے بے نیاز اور خشک انسان واقع ہوئے تھے کہ میں ان سے ایک جاب تک کے لئے نہ کہہ سکا۔لوگ سیاستدانوں کے پاس بھرتی ہو کے کیرئیر بنا لیتے ہیں' کاش میں بھی اتنا شاطر ہوتا مگر یہ میری عزتِ نفس کو گوارا نہیں تھا۔ اگر کلائیڈ اینڈ لی کا وہ ملازم مجھے نہ ملتا اور یہ

فائلز مجھے نہ دیتا اور سائمن.....میرا بھائی.....میرا دوست.....میرے لئے اسٹینڈ نہ لیتا تو ایڈم بن محمد آج اپنے باپ کی طرح ایک دکان پہ سیلز مین ہوتا۔میرے اس وسل بلوور دوست کا شکریہ میں نے یہ اہم کام سرانجام دیا۔تمہارے ماں باپ کو اب تم سے خفا نہیں ہونا چاہیے' بلکہ تم پہ فخر کرنا چاہیے۔" آخری فقرہ اس نے کیمرے میں دیکھ کے کہا تھا۔

اور ایڈم کے اپنے ماں باپ لاؤنج میں رکھے ڈبے ٹی وی کے سامنے بیٹھے' بنا پلک جھپکے اسکرین کو دیکھ رہے تھے۔اسکرین پہ نظر آتے ایڈم کا چہرہ آج سانولاہٹ لئے نہیں تھا بلکہ روشنیوں میں چمک رہا تھا۔چھوٹی چھوٹی شیو' اعلیٰ لباس اور مسکراتی آنکھیں۔(ایڈم کے پیچھے انہیں پسِ منظر میں ایک اسکرین پہ بہت سے مناظر چلتے نظر آرہے تھے۔اسکرین جس دیوار پہ لگی تھی وہ دیوار ٹی وی کے پردے پہ مختلف رنگوں سے سجی دکھائی دے رہی تھی۔اور ہاں وہ لکڑی اور کرسٹل سے بنا خوبصورت ڈیسک جس پہ ایڈم کہنی جمائے بیٹھا تھا۔وہ کتنی اعلیٰ جگہ پہ بیٹھا تھا.....وہ کتنے علیٰ عہدے پہ پہنچ گیا تھا۔وہ ہمیشہ سے ملک کے لئے کچھ کرنا چاہتا تھا۔اور اب وہ کر رہا تھا۔

ایڈم کی ماں نے پلکیں جھپکائیں تو آنسو ٹوٹ کے گرنے لگے۔پروگرام اب ختم ہو چکا تھا اور ایڈم اسکرین سے جا چکا تھا مگر وہ دونوں اسی طرح وہیں بیٹھے تھے۔پھر محمد صاحب کا فون بجنے لگا۔دوستوں' رشتے داروں کی کالز' مبارکبادیں۔وہ ایک کے بعد ایک کال وصول کرتے ہوئے خوشی سے جواب دیتے اٹھ کے باہر چلے گئے' مگر ایبو وہیں بیٹھی رہی۔اسکارف اوڑھے' جھریوں زدہ چہرے والی اور رنگ اصلی عورت کسی خواب کی سی کیفیت میں تھی۔

میز پہ رکھا لینڈ لائن فون بجا تو وہ چونکی۔آنسو صاف کیے اور ریسیور اٹھا لیا۔اسے معلوم تھا کہ آگے کون ہوگا۔

"بابا کا فون بزی تھا۔میں نے سوچا یہاں کرلوں۔تم نے انٹرویو دیکھا' ایبو؟"

اس کا بیٹا کہہ رہا تھا۔ ایبو کا دل پھر سے بھر آیا۔ آنسو مزید تیزی سے گال پہ لڑھکنے لگے۔

''ہاں' ایڈم۔ سب تمہاری ہی بات کر رہے ہیں۔'' وہ گلوگیر آواز میں کہنے لگی۔ ''سب کہہ رہے ہیں کہ ایڈم بن محمد کے انکشافات درست ہیں کیونکہ وہ کمپنی.....جو بھی ہے.....اس نے تردید نہیں کی۔''

کسی کا نام ہانگ کانگ پیپرس میں آجانا کتنی بڑی بات تھی' ایبو کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ بس اسے اتنا معلوم تھا کہ کرپشن کے یہ ثبوت اس کا بیٹا سامنے لایا تھا۔ اور اس وقت بڑے بڑے چینلز پہ اس کے بیٹے کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔

ایڈم نے ایبو سے بات ختم کر کے فون جیب میں ڈالا اور ٹی وی چینل کی اونچی عمارت سے باہر نکل آیا۔

سامنے دو رویہ سڑک پہ ٹریفک رواں دواں تھا۔ رات پھیل چکی تھی مگر اسٹریٹ پولز اور گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس نے سارے میں روشنی کر رکھی تھی۔ وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے سڑک کنارے چلنے لگا۔ ٹھنڈی ہوا بار بار اس کے سیاہ کوٹ کو پیچھے کی طرف اڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

دفعتاً اس کے ہونٹوں پہ شرارتی مسکراہٹ پھیلی۔ اس نے چلتے ہوئے فون نکالا اور تالیہ کا نمبر ملایا۔ وہ باس دن سائمن کے پاس اسے تنہا چھوڑ گئی تھی' کوئی بات نہیں۔ ایڈم نے اسے معاف کر دیا تھا۔

''ہیلو۔'' کافی دیر بعد تالیہ کی آواز سنائی دی۔ کسی بھی جوش سے عاری آواز۔

''آپ نے میرا انٹرویو دیکھا؟'' وہ بے تابی اور خوشی چھلکاتے انداز میں پوچھنے لگا۔

''آف کورس ایڈم۔ میں نے دیکھا۔'' (اور بس۔)

''پتا ہے مجھے ہر چینل سے فون پہ فون آ رہے ہیں۔ آج کا شو تو اتنا اچھا گیا کہ اینکر کہہ رہی تھی کل میں وہ انکشافات اس کے ہی شو میں کروں۔''

''ہوں۔ گڈ۔''

''اور آپ نے دیکھا کہ کس طرح انہوں نے مجھے فاتح صاحب کا باڈی مین ہونا یاد دلایا؟''

''ہاں۔''

''اور آپ کو میرا کون سا جواب پسند آیا؟'' وہ سڑک کنارے چلتا ہوا مسکرا کے بے قراری سے پوچھ رہا تھا۔

''سارے ہی اچھے تھے ایڈم۔ تم سب کچھ اچھے سے سنبھال رہے تھے۔''

ایک درخت کے قریب ایڈم رک گیا۔ اس کی مسکراہٹ معدوم ہونے لگی۔ بھنویں بھنچ گئیں۔

''سارے اچھے نہیں تھے۔ میں ایک دو جگہ گڑبڑا گیا تھا۔''

''میرا مطلب تھا......''

''آپ نے میرا انٹرویو دیکھا ہی نہیں۔'' وہ افسوس اور بے یقینی سے بولا۔ ''آپ مجھے سائمن کے پاس اکیلا چھوڑ کے چلی گئیں' میں نے کچھ نہیں کہا مگر یہ انٹرویو میرے لیے بہت اہم تھا۔ میں نے آپ کو اتنے میسج کیے' یاددلایا مگر آپ......'' صدمے سے اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

''اوہ میں یوٹیوب پہ دیکھ لوں گی۔ میں اصل میں تھوڑی.....''

''رہنے دیں۔ اب بھی دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوست اس لیے نہیں ہوتے چے تالیہ کہ.....خیر.....دوست تو شاید کچھ بھی نہیں ہوتے۔ ایک میرے ماں باپ ہی تھے جنہوں نے انٹرویو دیکھا۔ سچ کہتے ہیں۔ خون پانی سے گاڑھا ہوتا ہے۔ آپ بس اپنے کام نپٹائیں۔'' اس نے فون کان سے ہٹا دیا اور زور سے پاور بٹن دبا دیا۔

پھر سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ لب ابھی تک بھنچ رکھے تھے اور ماتھے پہ بل تھے۔ غصہ زیادہ تھا یا شاید صدمہ۔ وہ جو بھی کر لے' چاہے شاہی مورخ بھی بن جائے' بادشاہوں کے محلات میں اٹھنے بیٹھنے لگ جائے' رہے گا ایک شاہی نوکر ہی۔ چے تالیہ کے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ وہ اس کی اتنی بڑی خوشی

میں شریک ہو کے.....

زور سے کوئی بھاری شے اس کے سر پہ لگی تھی۔ ایڈم تیورا کے اوندھے منہ فٹ پاتھ پہ آ گرا۔ لمحے بھر کو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ پھر بدقت اس نے پلکیں جدا کرنی چاہیں۔

ہر شے سلوموشن میں ہوتی دکھائی دینے لگی۔

دو آدمی ہاکی اسٹکس لیے کھڑے تھے۔ دونوں گنجے اور تنومند تھے۔ ایک کے بازوؤں پہ ٹیٹو صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ دونوں مخالف سمتوں سے اس کو ہاکی اسٹکس سے پیٹ رہے تھے..... ایڈم کا دماغ بار بار اندھیروں سے ابھر کے ڈوبنے لگتا..... اس نے ہاتھ ہلانے چاہے مگر سر کی چوٹ شدید تھی..... جسم مفلوج ہو چکا تھا.....

ایک نے چند ضربیں لگائیں اور رک گیا۔ دوسرے نے زور سے بوٹ سے ٹھوکر ماری اور پھر گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اس کے اوپر جھکا۔ ایڈم نے بند ہوتی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''تمہارا بھائی' تمہارا mentor سلام کہہ رہا تھا.....''

اسی کے ساتھ دوسرے نے زور سے ہاکی اس کے سر پہ ماری.....

سلوموشن فلم ختم ہوگئی.....

خون کی نمی..... درد کی شدت..... اور گھپ اندھیرا..... ایڈم کی آنکھیں بند ہو گئیں......

☆☆==========☆☆

کوئی اس کے قریب تیز آواز سے بولا تھا جو اس نے ایک دم ہڑبڑا کے آنکھیں کھولیں۔ اور آنکھیں کھولتے ہی ایڈم کا ہاتھ فوراً جیب تک گیا۔ جیسے وہ حملہ آوروں کے مقابلے میں پستول نکالنا چاہتا تھا۔ مگر اس کا ہاتھ بندھا ہوا تھا۔ وہ جیب تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ذہن کے کسی نہاں خانے میں کسی نے سرگوشی کر کے بتایا کہ پستول تو قدیم ملاکہ میں کھو چکا تھا۔ مگر وہ بندھا ہوا کیوں ہے؟ کیا حملہ آوروں نے اسے اغوا

کر کے قید کر دیا ہے؟

اس نے پلکیں جھپکائیں۔ تیز روشنی چھٹنے لگی۔ بازو کے جکڑے جانے کا احساس شدید ہوا۔

"آرام سے۔ آرام سے۔" اس تسلی آمیز آواز کو ایڈم لاکھوں میں پہچانتا تھا۔ اس نے سر ذرا ترچھا کیا اور پلکیں بے یقینی سے جھپکائیں۔ چند لمحوں میں سارا منظر واضح ہو گیا۔

وہ ہسپتال کے بیڈ پہ لیٹا تھا۔ یہ ایک بڑا سا پرائیوٹ روم لگتا تھا۔ اے سی چلا تھا۔ دیوار پہ ٹی وی اسکرین نصب تھی۔ اس کے سر اور دائیں بازو پہ پٹیاں بندھی تھیں۔ ایک آنکھ سوجی ہوئی نیلو نیل تھی۔ (گو کہ وہ خود ابھی اپنی شکل نہیں دیکھ سکتا تھا۔) بیڈ کے پاؤں والی طرف کرسی پہ تالیہ بیٹھی تھی۔ سبز ہڈ گردن پہ پیچھے گرائے' سیاہ بالوں کو ہیئر بینڈ سے پیچھے کیے' وہ سینے پہ بازو لپیٹے سکون سے اسے دیکھ رہی تھی۔ دوسری طرف کرسی کو بیڈ کے قریب لا کے رکھے ایبو بیٹھی تھی۔ ایڈم کا ہاتھ اس نے اپنے ہاتھوں میں لے رکھا تھا اور آنسو مسلسل گراتی وہ کچھ پڑھ کے اس پہ پھونک رہی تھی۔ ایڈم نے نگاہیں مزید ترچھی کیں تو ایبو کے قریب' اس کا باپ بھی کھڑا تھا۔

"کیا ہوا تھا؟" اس نے خراب گلے کی سی آواز میں پوچھا۔

"لوکل پولیس کو تم سڑک پہ زخمی حالت میں ملے تھے۔ انہوں نے تمہارا فون آن کیا تو میری کال آتے دیکھی۔" وہ سنجیدگی سے بتا رہی تھی۔ "وہ تمہیں ہسپتال لے آئے اور میں نے تمہارے پیرنٹس کو بلا لیا۔ داتن بھی رات یہیں تھی۔ وہ ابھی گئی ہے۔ تم تقریباً آٹھ گھنٹے سے یہاں ہو۔ فکر نہ کرو' زیادہ چوٹیں نہیں آئیں۔ پٹیاں باندھنی پڑیں گی مگر پلستر وغیرہ نہیں لگے گا۔"

"آپ کا بہت شکریہ میڈم۔" محمد صاحب قدرے تلخی سے اس کو دیکھ کے بولے۔ "کہ آپ اس کو ہسپتال لے آئیں اور یہ کمرہ بک کروا دیا مگر ہمیں مزید آپ کی عنایت کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہم یہ کمرہ افورڈ کر سکتے ہیں۔ ویسے بھی آپ بڑے لوگوں کی دوستی نے میرے بیٹے کو اس حال تک پہنچایا ہے۔ اب

ہمیں اس کو گھر لے جانے دیں۔"

وہ شہرت، وہ تعریفیں، وہ اسٹوڈیو کی روشنیوں کی چکا چوند رات تک انہیں اچھی لگی تھی مگر ایڈم کی یہ حالت اگر اس

کی قیمت تھی تو نہ بھئی۔ وہ ایک سیلز مین ہی اچھے تھے۔ وہ اپنی چھوٹی سی دنیا میں ٹھیک تھے۔

"بابا....." ایڈم نے نرمی سے انہیں ٹوکا۔ "چے تالیہ کا اس میں کیا قصور ہے۔ یہ میری اپنی چوائس تھی۔" وہ بدقت بول رہا تھا۔ آنکھوں میں اداسی تھی۔ "اور یہ سب سائمن نے کروایا ہے۔"

"جس نے بھی کروایا ہے، اب تم بس کرو اس قصے کو۔ کل سے میری دکان سنبھالو۔" وہ پریشانی اور خفگی سے کہہ رہے تھے۔ "ہمیں یہ بڑے لوگوں والی زندگیاں راس نہیں آتیں، بیٹا۔"

"آپ کو لگتا ہے بڑے لوگ بڑے پیدا ہوتے ہیں؟" کرسی پہ بیٹھی لڑکی بڑے صبر سے پوچھنے لگی۔

"میڈم میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔" وہ رخ موڑے تالیہ کی طرف پشت کیے ہوئے تھے۔

ایبو خاموشی سے اس کا ہاتھ تھامے کچھ پڑھ کے دم کر رہی تھی۔

"کوئی بھی بڑا آدمی پیدا نہیں ہوتا۔ جن کو امیر ماں باپ کی بے تحاشا دولت مل جائے۔ ان کو بھی اس دولت کو قائم رکھنے کے لیے بہت سی مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے۔ آسانی سے کچھ نہیں ملتا، محمد صاحب۔ یہ ایڈم کے کیریئر کی پہلی مشکل تھی۔ اگر یہ اس پہ ہار مان لے تو یہ وہاں کیسے پہنچے گا جہاں اس کو پہنچنا تھا؟"

"میں ہار نہیں مان رہا۔" وہ قدرے خفگی سے بولا مگر تالیہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

"سارے بڑے لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ جب ایڈم کی ایبو نے بڑے لوگوں کی محفل میں ایڈم کے تایا کا خواب سنایا تھا تو سارے بڑے لوگ ہنسے تھے۔ صرف میں نے آمین کہا تھا۔ آج وہ وقت آ گیا ہے جب ایڈم دنیا کے بادشاہوں اور حکمرانوں سے زیادہ طاقتور رہے اور اس وقت ایڈم کو سچ بولنا ہوگا۔"

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ ایبو نے چونک کے اسے دیکھا۔ محمد صاحب ناراض سے رخ موڑے

کھڑے رہے۔ اور ایڈم..... وہ بالکل دنگ رہ گیا۔

"تین چاند والے جزیرے کے خزانے کا راز پا لینا اس خواب کی تعبیر نہیں تھا ایڈم۔" وہ اس کو دیکھ کے مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

"تمہارے تایا کے خواب کے مطابق تمہیں زمین میں چھپے خزانوں کا وہ راز ملنا تھا جو تمہیں بادشاہوں اور

حکمرانوں سے زیادہ طاقتور بنا دے گا۔ اس وقت تمہاری لسٹ میں کن لوگوں کے نام ہیں؟"

"عرب شہزادوں اور کئی ملکوں کے وزرائے اعظم کے۔" وہ خواب کی سی کیفیت میں بولا۔

"اور ان سب حکمرانوں نے کرپشن کا پیسہ آف شور کمپنیوں میں چھپا رکھا ہے۔ ان کے خزانے ہانگ کانگ میں چھپے ہیں۔ تمہیں خزانے نہیں ملنے تھے۔ صرف ان کا راز ملنا تھا۔ اور آج تم ان سب سے زیادہ طاقتور ہو۔ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے کیونکہ یوں ان کا نام آئے گا۔ سائمن بھی صرف تمہیں ڈرا دھمکا سکتا ہے، مار نہیں سکتا۔ اگر اس وقت تم ان حکمرانوں سے ڈیل کر لو اور ان کے آف شور راز نہ بتاؤ تو تم کتنی دولت کما سکتے ہو، جانتے ہو؟"

سفید دیواروں والا کمرہ سناٹے میں ڈوبا تھا۔ ایڈم بنا پلک جھپکے کرسی پہ بیٹھی تالیہ کو دھیرے دھیرے بولتے سن رہا تھا۔

"اگر تم سچ بولو تو دنیا جان جائے گی کہ نئے دور کے بادشاہ نئے دور کے کاغذی سونے کو فائلوں کے صندوقوں میں بھر کے کاغذی جزیروں میں کیسے چھپاتے ہیں۔ میرے فاتح اور تمہارے سر پہ پھرتے اس ہما کا مطلب حکمرانی ملنا نہیں تھا۔ ہما وہ پرندہ ہے جو جلنے کے بعد اپنی راکھ میں سے دوبارہ اٹھ کے کھڑا ہوتا ہے۔ ایسے پرندے اب نہیں پائے جاتے۔ ایسے لوگ بھی اب کم ہی پائے جاتے ہیں۔ میرا ہما.... (اس نے تھوک نگلی اور مسکرا کے کہتی گئی)....میرا دل راکھ ہو جانے کے بعد اس میں سے دوبارہ

زندہ کھڑا ہونا تھا۔ تباہی کے بعد نئی زندگی شروع کرنا۔ تمہارا ہما بھی اس خوفناک آگ میں سے گزر کے تمہیں ملے گا۔ اور ان کا ہما کیا ہے' میں نہیں جانتی مگر ہم تینوں کو کوئی خزانہ' کوئی حکمرانی نہیں ملنے والی۔ ہمیں صرف اپنے نئے راستوں کا تعین کرنا ہے۔ فیصلہ تمہارا ہے۔''

وہ تینوں اب اسے دیکھ رہے تھے۔ بیڈ پہ پٹیوں میں جکڑے ایڈم کا چہرہ بے یقینی اور سوگواریت میں ڈوبا تھا۔ اسے اپنی ماں کے اس خواب کا بار بار ذکر کرنے پہ واقعی شرمندگی ہوتی تھی مگر دل کو ایک امید سی تھی کہ کبھی نہ کبھی وہ بھی خزانوں کا مالک بنے گا' مگر سچے خوابوں کی تعبیر بہت ہی tricky چیز ہے۔ یہ پوری ہو کے بھی ادھورے

قصے چھوڑ جاتی ہے۔

بالآخر اس نے نڈھال سی گہری سانس لی۔

''میرے پاس کوئی چوائس نہیں ہے۔ ایڈم سچ بولے گا اور ساری دنیا کو ان لوگوں کے اصلی چہرے دکھائے گا۔''

''گڈ۔'' وہ ایک دم تیزی سے اٹھی اور بڑے تحمل سے مسکرا کے اس کے ماں باپ کو دیکھا۔

''آپ دونوں ذرا دیر کے لیے باہر چلے جائیے۔ ویسے بھی جذباتیت میں کافی وقت ضائع ہو چکا ہے۔ ہمیں اس وقت اہم کام کرنے ہیں۔ شکریہ۔'' اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

ان دونوں نے پہلے اس لڑکی کو دیکھا' اور پھر ایڈم کو' جس نے آنکھیں جھپکا کے انہیں تسلی دی۔ محمد صاحب ابھی تک خفا مگر چپ تھے اور رابیو آنسو صاف کر رہی تھیں۔ دونوں نکلنے لگے تو تالیہ نے پیچھے سے پکارا۔ ''اور بائی دی وے' اس روم کا بل میں نہیں دے رہی' ایڈم خود دے گا۔'' اور دروازہ کھڑاک سے بند کر دیا۔ ایڈم نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اور میرے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے؟''

''اب آ جائیں گے۔'' اس نے گھڑی پہ وقت دیکھتے ہوئے چند لمحے انتظار کیا' اور پھر دروازہ کھولا۔ اس کے ماں باپ جا چکے تھے اور باہر داتن اور ایک نرس کھڑی تھی۔ وہ دونوں تیزی سے اندر آئے اور تالیہ نے دروازہ بند کر کے لاک کر دیا۔

''یہ تالیہ......'' ایڈم چونکا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''تمہیں پتہ ہے سب سے بڑے اسکامرز کون ہوتے ہیں؟ سیاستدان۔ اور میں نے ان کے ساتھ کام کر کے ایک بات سیکھی ہے۔'' اس نے سبز کوٹ کی جیب سے ایک خنجر نکالا اور اسے ہاتھوں میں گھماتی اس کے سرہانے آ کھڑی ہوئی۔ ''کہ جب بھی آدمی زخمی ہو تو ڈاکٹر سے پہلے میڈیا کو بلائے۔''

اور ساتھ ہی اس نے مٹھی میں خنجر کا دستہ پکڑے اس کے بازو پہ یکے بعد دیگرے تین وار کیے۔ ریشم کے

چیرے جانے جیسی آواز آئی اور اس کے بازو پہ تین لکیروں کی صورت خون بہنے لگا۔ وہ چلایا اور بے یقینی سے آنکھیں پھیلائے تالیہ کو دیکھا۔

''واٹ دا......''

''ہاں۔ اب بات بنے گی۔'' اس نے رومال سے چاقو کا پھل صاف کرتے ہوئے اس کے بازو پہ لگے تین cuts کو دیکھا اور داتن کو اشارہ کیا۔ داتن فوراً آگے آئی اور موبائل سے اس کی چند تصاویر لیں۔ پھر نرس تیزی سے ٹرالی دھکیلتی آئی اور اس کا زخمی بازو پکڑ لیا۔

ایڈم کے بازو میں گویا آگ لگ گئی تھی۔ اس نے غصے اور جھنجھلاہٹ سے تالیہ کو دیکھا جو دو انگلیوں سے رومال پکڑے اپنے خنجر کو صاف کر رہی تھی۔ اسے متوجہ پا کے کندھے اچکائے اور خون آلود رومال ڈسٹ بن میں اچھالا۔

''یہ پہلی دفعہ نہیں ہے جب شہزادی نے ایک گستاخ پہ تشدد کروایا ہو۔''

''میرا سارا باز و لہولہان کر دیا آپ نے۔'' وہ غرایا تھا۔

''اوہ ہیرو۔ ریلیکس کرو۔'' داتن نے موبائل سے نظریں اٹھا کے اسے گھورا۔ ''سائمن کے بندوں کے لگائے زخم فوٹوز میں اتنے دلچسپ نہیں لگ رہے تھے جتنے یہ لگ رہے ہیں۔''

''دلچسپ زخم۔ یہ دلچسپ زخم کیا ہوتے ہیں؟ اف۔''

نرس اس کے زخموں پہ کوئی مائع ڈال رہی تھی۔ جلد جلنے لگی تو اس نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔

''ہم نے ان تصاویر کی ڈیل موہد سے کی ہے۔ تم جانتے ہو موہد اس وقت کا سب سے بڑا پرائم ٹائم اینکر ہے۔ اس کا چینل سب سے پہلے تمہاری یہ لہولہان تصاویر نشر کرے گا اور ابھی آدھے گھنٹے میں وہ تمہارا انٹرویو کرنے آ رہا ہے۔ سائمن نے تمہیں گھائل کر کے تمہیں مزید مشہور بنا دیا ہے۔ اب تم چھوٹے موٹے چینلز کو انٹرویو نہیں دو گے۔ ان انٹرویوز اور تصاویر سے تم بہت سے پیسے کمانے جا رہے ہو۔ سلیبرٹی بننے کا وقت آ گیا ہے ایڈم۔''

اس نے درد کو ضبط کرتے ہوئے آنکھیں چندھیائے تالیہ کو دیکھا۔ نرس تیزی سے اب اس کی پٹی کر رہی تھی۔

''تو ہم.....آ وچ.....(دانت کچکچائے) ہم اس چیز کو ہانگ کانگ پیپرز اور دوری نگارہ ملایو کی مزید تشہیر کے لیے استعمال کرنے جا رہے ہیں؟'' بات سمجھ میں آنے لگی مگر غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔

''آج کے دور میں سب سے مشکل کام ساری قوم کی توجہ لینا ہے اور وہ تم اب لے چکے ہو۔ تمہاری کتاب کی ریلیز کا یہی مناسب وقت ہے۔''

''مگر ابھی تو وہ میں نے صرف آدھی لکھی ہے۔''

''ہم اس کا حل نکال لیں گے ایڈم۔'' سبز ہڈ والی لڑکی مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''اور تمہیں کیوں لگا کہ میں تمہیں چھوڑ کے چلی جاؤں گی' ہوں؟ خون پانی سے گاڑھا ہوتا ہے' یہی کہا تھا نا تم نے فون پہ۔''

ایڈم نے خفیف سا ہو کے نظریں چرائیں۔ ''وہ تو یونہی ایک محاورہ.....''

''اوہ۔ یہ محاورہ بولا تھا ایڈم نے؟'' داتن جو اپنے فون پہ لگی تھی' سر اٹھا کے حیرت سے پوچھنے لگی۔ وہ دونوں رخ موڑ کے اسے دیکھنے لگے۔

''اوہ ہیرو... اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ خونی رشتے دوستیوں سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ اصل محاورہ کبھی نہیں پڑھا تم نے؟

The Blood of the covenant is thicker than the water of the womb.

یعنی جنگ میں بہایا گیا خون سپاہیوں کو رحم (ماں کی کوکھ) کے پانی سے زیادہ گاڑھے اور مضبوط bond میں باندھ دیتا ہے۔ بعض دوستوں سے تعلق خونی رشتوں سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ تم کتابیں نہیں پڑھتے کیا؟''

وہ اسے بس دیکھ کے رہ گیا۔ پھر تھوک نگلا۔ حلق میں نمی سی پھنس گئی تھی۔ نظریں جھکا لیں۔

''آپ کے اپنے مسئلے زیادہ بڑے تھے' مجھے سمجھنا چاہیے تھا۔''

مگر تالیہ نے مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں۔ مجھے تمہارا انٹرویو دیکھنا چاہیے تھا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' وہ مسکرا دیا۔ ''آپ نے دیر سے دیکھا مگر دیکھ لیا۔ یہی بہت ہے۔'' پھر مسکراہٹ سمٹی۔ ''ایک منٹ.... آپ نے وہ دیکھا بھی ہے یا.....اوہ خدایا.....آپ نے ابھی تک وہ نہیں دیکھا؟ ایک تین منٹ کی وڈیو نہیں دیکھی گئی آپ سے؟''

وہ غصے سے بولا تو تالیہ نے سستی سے کندھے اچکائے۔

''اچھا بھئی۔ دیکھ لوں گی تمہارا بورنگ انٹرویو۔ فی الوقت تم موہد کے انٹرویو پوائنٹر پر غور کرو۔''

مگر ایڈم نے خفگی سے چہرہ داتن کی طرف پھیرا جو ان دونوں سے دور کھڑی اپنے فون پہ ایڈم کی

تصاویر موحد کو بھیج رہی تھی۔

''آپ نے دیکھا انٹرویو؟''

داتن نے عینک کے اوپر سے نظریں اٹھا کر اُسے دیکھا۔

''ایں؟ میں نے بھی دیکھنا تھا؟'' وہ الٹا حیران ہوئی۔

پٹیوں میں جکڑا ایڈم دانت پیس کے رہ گیا۔ جواب بہت سارے آئے مگر اس نے گہری سانس لی اور تالیہ کو دیکھا۔

''موحد کا انٹرویو مجھے فلاپ کر دے گا۔ جیسے سائمن میرا ہینڈل شیئر کرنے کے بعد اخلاقی طور پہ مجھے بُرا بھلا نہیں کہہ سکتا تھا' اسی طرح اسے اپنا بھائی کہنے کے بعد میں اگر اس پر اس حملے کا الزام لگاؤں اور کہوں کہ ایک سنیئر صحافی مجھ سے جیلس ہو گیا تو جانتی ہیں لوگ مجھ پہ تھوکیں گے۔ اور سائمن.....وہ افسوس سے چچ چچ کر کے کہے گا کہ یہ کل کا بچہ جس کو میں نے اتنا سپورٹ کیا' اس کو چانسز دلوائے' شہرت کی ہوس میں مبتلا اپنے استاد کو بُرا بھلا کہہ رہا ہے؟ اف چے تالیہ....میں سائمن پہ الزام لگا کے بالکل ہی زیرو ہو جاؤں گا۔''

تالیہ اور داتن نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ایڈم کو۔

''کس نے کہا کہ ہم سائمن پہ الزام لگانے جا رہے ہیں؟''

☆☆==========☆☆

بی این کے آفس کا یہ فلور نچلے فلور سے مختلف اور خاموش سا تھا۔ چونکہ چیئرمین سیکرٹریٹ بھی اسی منزل کا حصہ تھا' اسی لیے اس کی لابی اور راہ داریوں کو گہرے رنگوں میں آراستہ کیا گیا تھا۔ یہاں پارٹی کے مرکزی عہدیداروں کے آفس تھے اور عام کارکن اس فلور پر کم کم ہی پائے جاتے تھے۔

لفٹ کے دروازے کھلے تو خاموشی میں ارتعاش پیدا ہوا۔ ریسپشنسٹ نے سر اٹھا کر دیکھا تو لفٹ سے

فاتح اور ہشام جرجیس باہر نکلتے دکھائی دے رہے تھے۔ ہشام دراز قد اور سانولی رنگت کا حامل اکھڑے اکھڑے تاثرات والا آدمی تھا۔ ماتھے پہ سلوٹیں تھیں اور وہ فاتح کے ساتھ چلتے ہوئے خفگی سے کہہ رہا تھا۔

''کم از کم آپ کمشنر سے تو بات کر سکتے ہیں۔ وہ کسی کی نہیں سنتا لیکن آپ کا وہ دوست ہے۔''

ریسپشنسٹ واپس کام پر لگ گئی البتہ کان وہیں لگے تھے۔

وان فاتح ہاتھ میں رول شدہ کاغذ پکڑے بھنویں بھینچے ہشام کے ساتھ راہداری میں آگے بڑھ رہا تھا۔ سیاہ سوٹ ٹائی میں ملبوس' ہر روز کی طرح تازہ دم اور نکھرے وجود والا چیئرمین آج شدید برہم لگتا تھا۔

''ہشام..... میری بات آخری دفعہ سن لو۔ تمھارے بیٹے کا کیس DUI کا ہے۔ (نشے کی حالت میں ڈرائیونگ) اور شکر کرو کہ اس نے کسی کو مارا نہیں ہے۔ چند دن بعد وہ جیل سے باہر آ جائے گا۔ اُس کو اپنے عمل کی سزا کاٹنے دو۔''

''یہ سب پراپیگنڈہ ہے میرے خلاف۔ وہ نشے میں نہیں تھا اور اس کیس کو ہماری ساکھ کو خراب کرنے کے لیے.....''

''ہشام!'' وہ رکا اور اس کی طرف چہرہ موڑا۔ اب وہ دونوں لابی کے کنارے پہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ کمپیوٹر پہ جھکی ریسپشنسٹ کے کان اسی طرف لگے تھے۔

''تم اب بی این کا حصہ ہو اور ہمارے ہاں کچھ اصول ہوتے ہیں۔ تمھارے پچھلے اعمال کا ذمہ دار میں نہیں ہوں لیکن اس پارٹی میں ہونے کی وجہ سے تم کوئی 'سفارش' کوئی عہدے کا ناجائز استعمال نہیں کرو گے۔'' ہشام نے جواباً ضبط سے دانت جمائے۔

''میں جب اس پارٹی میں آیا تھا تو کچھ شرائط کے ساتھ آیا تھا۔''

''اور ان میں اختیارات کے ناجائز استعمال کی کوئی شرط نہیں تھی۔ سی یو ایٹ دی ویڈنگ۔'' دوٹوک

انداز میں اس کو بتا کے وہ مڑا اور راہداری میں آگے بڑھ گیا۔ ہشام صبر کے گھونٹ بھر کے اسے دیکھتا رہا اور پھر واپس مڑ گیا۔ ریسپشنسٹ کے لبوں پہ دبی دبی مسکراہٹ ابھری۔

فاتح بُرے موڈ کے ساتھ آفس کے اندر آیا تو سامنے کاؤچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے آرام دہ انداز میں اشعر کو بیٹھے پایا۔ اسے دیکھ کے اشعر مسکرا کر بولا۔

''سلام آبنگ۔''

''اچھی مصیبت گلے ڈالی ہے تم نے میرے۔ ہر روز ہشام کا نیا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے۔'' وہ ناگواری سے کہتا اپنی کرسی تک آیا' رول شدہ کاغذ میز پہ رکھا اور کوٹ اتارنے لگا۔ ماتھے پر ہنوز بل پڑے تھے۔

''ہشام جر جیس کو میں بہت کوشش اور منت سے لایا ہوں' آبنگ۔ وہ ہمیں فائدہ دے گا۔'' جواب میں فاتح نے آنکھیں اٹھا کر اسے گھورا' سر جھٹک کر کوٹ اسٹینڈ پہ لٹکایا اور کرسی پہ بیٹھ گیا۔

''آپ نے اس لڑکے کا انٹرویو سنا؟' اشعر نے آفس کی دیوار پہ لگی ٹی وی اسکرین کی طرف اشارہ کیا جو میوٹ تھی اور اس پر خبریں چل رہی تھیں۔ فاتح نے عینک لگا کے کاغذ کھول لیے۔ اسکرین کو دیکھا تک نہیں۔

'ہاں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اس پہ صوفیہ رحمٰن نے حملہ کروایا ہے۔ میں نے آتے ہوئے کار میں سنا تھا۔'' اب وہ کاغذات پڑھ رہا تھا۔ اشعر آفس کی دیوار سے لگے کاؤچ پہ بیٹھا تھا۔ چند لمحے خاموشی سے بیٹھا رہا 'پھر کھنکھارا۔

''ہمیں پراسیکیوٹر احمد نظام سے تعاون کرنا چاہیے۔'' سرسری انداز میں بات شروع کی ہی تھی کہ فاتح نے عینک کے اوپر سے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔

''یعنی ہمیں اپنی ہی پارٹی ورکر کو بیچ دینا چاہیے؟''

''آبنگ.....وہ لڑکی کرمنل ہے۔'' وہ ناپسندیدگی سے کہنے لگا۔ ''میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ

اندر سے ایسی نکلے گی۔''

''تم تو اس کے مداح تھے۔'' اس نے عینک اتاری اور بیزاری سے کاغذ پرے کرتے ہوئے ٹیک لگائی۔ ایش پہ جبی آنکھوں میں افسوس تھا۔

''تب میں اس کو کوئی خاندانی عورت سمجھتا تھا۔ مگر اس کی حقیقت جان لینے کے بعد.....'' اشعر نے پورے عزم سے سر نفی میں ہلایا۔ ''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ ہمارے موقف میں اس کے لیے کوئی نرمی ہو۔ اگر ہم تالیہ سے لاتعلق نہیں ہوئے تو ہم بُری طرح بدنام ہوں گے۔''

''مگر ہشام سے ہاتھ ملا کے ہم نے سروائیو کر لیا ہے۔''

ایش چپ ہو گیا۔ آفس میں مدھم روشنی تھی جس کو گہرے رنگوں کے بلائنڈ اور پینٹ نے مزید مدھم کر رکھا تھا۔ ایسے میں پاور چیئر پہ ٹیک لگائے' انگلیوں میں قلم گھماتا فاتح اسے ملامتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''انسان اپنے honour کے لیے جیتا ہے' ایش۔ اگر ہم اتنا گرا ہوا کام کریں گے تو ہم کیسے انسان ہوئے؟''

''آپ جانتے ہیں اس نے ذرا سی بات پہ میری گردن پہ خنجر رکھا تھا۔ یہ ارادۂ قتل کے برابر ہوتا ہے۔''

''سیریئسلی؟'' وہ پتہ نہیں کیوں مسکرایا۔ ایک دم سے ہشام اور اشعر کی باتوں کی ساری تلخی زائل ہو گئی۔ ''اس نے تمہاری گردن پہ خنجر رکھا تو تم نے کیا کیا؟''

''عورت تھی۔ ہاتھ تو نہیں اٹھا سکتا تھا۔''

جواباً اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ ''بالکل۔'' طنز سے بولا تو اشعر کا چہرہ سرخ ہوا۔

''آبنگ..... ہمیں خود کو اس سے اعلانیہ طور پہ الگ کرنا ہوگا۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ہماری ورکر رہی ہے۔ اس کی سروسز ہیں پارٹی کے لیے۔ تم بھول گئے

ہو اس نے کیمپئین کے دنوں میں کتنا کام کیا تھا۔"

"اس نے اکیلے نہیں کیا تھا۔ میں ہر کام میں برابر کا شریک تھا۔"

"اور تمہیں واپس کون لایا تھا؟"

اشعر نے لب بھینچ لیے پھر دانت کچکچا کے بولا۔

"آپ کی کسی دوسری عورت کے لیے اتنی طرفداری اچھے نتائج نہیں لائے گی' آبنگ۔"

"تم اس کی فکر مت کرو اور ایک پریس ارینج کرو۔ اس وقت میری طرفداری کی ضرورت ایڈم بن محمد کو ہے۔"

اشعر نے بےزاری سے ابرو اچکائے۔ "مگر ہمیں کیا معلوم کہ وہ سچ بول رہا ہے یا....."

"ہمیں اس کو سچا نہیں کہنا۔ صرف اس کی حمایت کرنی ہے۔" تحکم سے کہہ کر وہ عینک واپس لگاتے ہوئے اپنے کاغذات کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اشعر نے گہری سانس لی۔ وہ عصرہ کی باتیں سننے کے بعد اس لڑکی کے سایے سے بھی بچنا چاہتا تھا مگر وان فاتح پروں پر پانی بھی نہیں پڑنے دے رہا تھا۔

"مجھے ایڈم کا بیان سن کے بہت افسوس ہوا۔" تقریباً گھنٹے بھر بعد اسی تکون عمارت کے سامنے سڑک پہ فاتح اپنے ہم عصروں کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کے چہرے کے سامنے چند رپوٹرز مائیک لیے کھڑے تھے اور ان کے کیمروں میں دیکھتے ہوئے وہ بہت افسوس سے کہہ رہا تھا۔

"وہ بڑا قابل لڑکا تھا اور اگر ان نے صوفیہ رحمٰن کی آف شور کمپنیز کا سراغ لگا لیا تھا تو صوفیہ اس کی تردید کر دیتیں۔ یا اس کو کورٹ لے جاتیں۔ یوں اس کو پٹوانا..... چچ چچ...... بڑا ظلم ہے یہ۔ مجھے صرف اس لڑکے کی ایک بات پسند نہیں تھی کہ اس نے مجھے نہیں' صوفیہ کو ووٹ دیا تھا۔"

ہجوم کا قہقہہ بے ساختہ گونجا۔ وہ اسی طرح مسکرا کے کہہ رہا تھا۔ ساتھ روبوٹس کی طرح کھڑے سیاستدان بھی مسکرا رہے تھے۔

''امید ہے اب ایڈم کو سبق مل گیا ہوگا۔ اور اس واقعے کے بعد صوفیہ رحمٰن کو اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دینا چاہیئے۔ وہ مزید اس عہدے کی اہل نہیں رہیں۔ نہ ان میں کوئی سچائی ہے نہ اخلاقیات۔ وہ اب ہماری وزیراعظم نہیں رہیں۔''

اور ہاتھ بلند کر کے الوداع کہتے ہوئے وہ ہجوم میں آگے بڑھ گیا۔ اس کے ہم عصر اور سیکیورٹی ٹیم بھی فوراً اس کے لیے راستہ بناتی آگے بڑھ گئی۔ ہشام جرجیس بھی ان میں سے ایک تھا۔ اور چہرے پہ جبراً مسکراہٹ سجائے اس کے ساتھ چلتا جا رہا تھا۔ طاقت کے اس منبع سے وہ اب کسی صورت الگ ہونا گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆==========☆☆
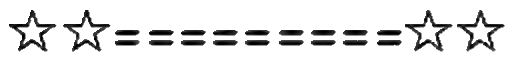
باریسن نیشنل کے ایک سرکردہ رہنما کی بیٹی کی شادی کا فنکشن ایک ہوٹل کے وسیع و عریض ٹیرس پر منعقد کیا گیا تھا۔ اس ٹیرس پر گولف کورس بنا تھا مگر اس وقت وہ گھاس سے ڈھکا میدان جگہ جگہ سفید پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ دور دور تک کرسیاں میزیں رکھی تھیں اور مہمان اپنے گلاس تھامے' خوش گپیاں کرتے ان کے درمیان ٹہل رہے تھے۔ شام کے آسمان کا رنگ گہرا ہو رہا تھا اور اس پہ تیرتے سفید بادل یوں نظر آتے تھے گویا جامنی گھاس پہ اجلے اجلے سے بھیڑ کے بچے چر رہے ہوں۔ وہ اس وقت گردن اٹھائے حسرت سے ان بادلوں کے سفر کو دیکھ رہی تھی۔ سیاہ ساڑھی میں ملبوس' بالوں کو جوڑے میں باندھے' اور بانہوں میں سلور چوڑیاں پہنے' اس کا حسن آج پراسرار لگ رہا تھا۔

دفعتاً شاہی مورخ اس کے قریب کھنکھارا۔

''آپ مجھے اس پارٹی میں اپنے ساتھ کیوں لائی ہیں' چے تالیہ؟''

تالیہ نے نظریں پھیر کے ساتھ کھڑے ایڈم کو دیکھا۔ وہ سامنے سے کھلے سیاہ کوٹ میں ملبوس تھا اور اندر گول گلے والی گرے شرٹ پہن رکھی تھی۔ بال موز سے ایک طرف کو جما رکھے اور ہلکی بڑھی شیو اچھی

لگتی تھی۔ سب سے زیادہ قابل توجہ چیز اس کے بازو پہ پہنی آرم سلنگ تھی جس کی پٹی گردن کے گرد بندھی تھی۔ بازو کے پلستر پہ مختلف لکھائیوں اور روشنائیوں میں دستخط کیے گئے تھے۔ وہ جہاں جاتا تھا' لوگ اس سے اظہارِ یکجہتی کے لئے دستخط کر دیتے تھے۔ ایڈم بن محمد اب ایک سیلیبرٹی بن چکا تھا۔

''میں تمہیں اس لیے لائی ہوں یہاں کیونکہ فردوس صاحب نے بی این کے نئے پرانے بہت سے عہدیداروں کو بلایا ہے اور ایسی پارٹیز میں تم داتن کے ساتھ جاتے رہے ہو تا کہ تمہارا ایکسپوژر بڑھے۔''

ایڈم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔''

''ظاہر ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ میں تمہیں اس لئے لائی ہوں تا کہ ان کے سامنے میں اکیلی نہ ہوں۔''

ابرو سے دور مہمانوں کے جھرمٹ میں کھڑے تین لوگوں کی طرف اشارہ کیا جو ارد گرد لوگوں کی توجہ گھیرے ہوئے تھے۔ اشعر ہمیشہ کی طرح مصنوعی مسکراہٹ لئے ہوئے تھا۔ عصرہ کندھوں پہ چمکدار اسٹول لپیٹے' دونوں ہاتھوں میں سامنے کلچ پکڑے' پیروں تک آتا زمرد لباس پہنے ہوئے تھی۔ بوہ مسکرا کے سامنے والے کی بات سن رہی تھی۔ نظر گاہے بگاہے دور کھڑی تالیہ کی طرف بھی اٹھ جاتی۔

اس کے پہلو میں کھڑے فاتح نے ابھی تک تالیہ کو نہیں دیکھا تھا۔ اس کا وجیہہ چہرہ ہمیشہ کی طرح پرسکون اور مسکرا رہا تھا۔ ابرو اچکاتے ہوئے اس وقت وہ سامنے کھڑے لوگوں سے کہہ رہا تھا۔

''صوفیہ رحمٰن کو استعفیٰ اس لیے نہیں دینا چاہیے کہ ان کی کرپشن سے بنائی بے نامی جائیداد پکڑی گئی ہے۔ بلکہ اس لیے کہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے کہ ان کی کوئی غیر ظاہر شدہ جائیداد نہیں ہے۔'' وہاں لوگ تائید میں سر ہلانے لگے۔

''اور محترمہ نے یہ جھوٹ پارلیمان کے فلور پہ کھڑے ہو کے بولا ہے۔ یا اللہ۔'' وہ ماتھے کو چھو کے

مصنوعی حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''پارلیمان اور عدالت..... یہ وہ دو مقدس جگہیں ہیں جہاں جھوٹ بولنا سنگین جرم ہے۔ آپ ٹی وی شو میں جھوٹ بول سکتے ہیں' آپ گھر میں اپنی بیوی کی جھوٹی تعریف کر سکتے ہیں۔ (ساتھ کھڑی عصرہ کی طرف اشارہ کیا تو عصرہ سمیت سب ہنس پڑے) مگر جب آپ پارلیمان یا عدالت میں بطور گواہ جھوٹ بولتے ہیں تو یہ perjury کہلاتا ہے۔ صوفیہ رحمٰن اس جرم کی مرتکب ہوئی ہیں۔ جھوٹے کا جھوٹ پکڑا جائے تو اس کو منہ چھپا لینا چاہیے، اور یہ ابھی تک کرسی پہ بیٹھی ہیں؟ ان کو عزت سے استعفیٰ دے کر الگ ہو جانا چاہیے۔''

بات کرتے ہوئے اس کی نگاہ دور کھڑی سیاہ ساڑھی والی لڑکی پہ پڑی۔ وہ ادھر ہی دیکھ رہی تھی۔ نگاہ ملی تو گردن موڑ کر ساتھ کھڑے نوجوان سے بات کرنے لگی۔

فاتح نے چند لمحوں میں بات سمیٹی اور پھر عصرہ کے ہمراہ دوسرے مہمانوں کی طرف بڑھ گیا۔ کنکھیوں سے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر گزری اور لوگوں کا ہجوم بکھر گیا۔ عصرہ اور وہ چند میزوں کے درمیان سے گزر کے ایک جوڑے کے ساتھ کھڑے ہو کے بات کرنے لگے۔ عصرہ ان سے مسکرا کے بات کر رہی تھی جب اس نے محسوس کیا کہ فاتح اس کے ساتھ نہیں ہے۔ وہ چونکنے کی عمر سے آگے نکل چکی تھی۔ بس نامحسوس انداز میں ادھر ادھر نظریں گھمائیں۔

وہ سیاہ ساڑھی والی لڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔

''تاشہ.....'' وہ گلاس اٹھائے اس کے قریب آیا تو تالیہ نے بظاہر مسکرا کے اسے دیکھا اور سر کو خم دیا۔

''چیئرمین صاحب۔''

(اس نے ایڈم کو نامحسوس طریقے سے وہاں سے ہٹتے دیکھا۔)

''تمہیں عرصے بعد بی این کی کسی پارٹی پہ دیکھا ہے۔'' وہ اسے دیکھ کے دل سے خوش ہوا تھا۔

''مگر یہ بی این کی پارٹی نہیں ہے۔ یہ تو شادی کی تقریب ہے۔'' شہزادی نے بے پرواہی سے ادھر ادھر دیکھا۔

''ایک ہی بات ہے۔'' نیلے کوٹ والے وجیہہ مرد نے شانے اچکائے۔ پھر دلچسپی سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''کیا کر رہی ہو آج کل؟''

''کام!''

وہ دونوں چند لمحے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔

اوپر آسمان سیاہ ہو چکا تھا اور بھیڑ کے سفید بچے اب سرمئی ہو کے چھپ سے گئے تھے۔

''تمہاری ایک تنخواہ ادھار ہے مجھ پہ۔''

''میں نے اپنے سارے واجبات وصول کر لیے تھے' فاتح صاحب۔''

''مگر اشعر سے میری فائل واپس چرانے کی فیس نہیں لی تھی۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولا۔ ''تم نے کہا تھا کہ سیاستدانوں سے پیسے نہیں' فیور مانگے جاتے ہیں' حالم!''

آسمان پہ زور سے آتشبازی ہوئی۔ فاتح کے پیچھے اسے سیاہ افق پہ انگارے فضا میں جا کے پھٹتے دکھائی دیے۔ پل بھر کو سارا آسمان روشن ہو گیا۔

''اور آپ نے کہا تھا' کبھی مجھ سے ملنے آؤ' حالم۔''

فاتح کی آتشبازی کی طرف پشت تھی' سو اسے اس غزال کی سیاہ آنکھوں میں انگاروں کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ لمحے بھر کے لیے وہ اردگرد سب کو بھلا چکا تھا۔ وہاں صرف تالیہ تھی اور اس کی آنکھوں میں تیرتے ستارے..........

''تم اچھی لڑکی ہو' تالیہ۔'' وہ بہت اپنائیت سے بولا۔ کیا تھا ان دونوں کے درمیان جو اسے بار بار

اس کی طرف کھینچتا تھا؟

''مجھے معلوم ہے' تو انکو۔'' اس نے بہت سے آنسو اندر ہی اندر نگل لیے۔

اس نے جنگل میں اسے تالیہ تب کہنا شروع کیا تھا جب اس کی حقیقت جان لی تھی۔ پھر جب یادداشت چلی گئی تو دوبارہ سے تاشہ کہنے لگا۔ عجیب آدمی تھا۔ جب اپنا نام تالیہ بتایا' تو تاشہ کہتا تھا' اور جب حالم بتایا اور وقت نے شہزادی تاشہ بنادیا تو وہ اسے تالیہ کہنے لگا۔

''بی کیئرفل۔ وہ پراسیکیوٹر بہت بڑی بڑی باتیں کر رہا تھا۔'' وہ اب دھیمی آواز میں اسے تنبیہہ کر رہا تھا۔

''مثلاً؟'' وہ بے خوفی سے مسکرائی۔

''یہی کہ تم نے کوئی غلطی' کوئی بے ضابطگی چھوڑی ہے۔"

وہ مسکرادی۔''حالم loop holes نہیں چھوڑا کرتی۔ وہ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

وہ دونوں گھاس پہ آمنے سامنے کھڑے تھے اور مسلسل ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''مجھے نہیں معلوم تم نے کیا کیا ہے' مگر یہ لوگ.....''

''کون لوگ؟ صوفیہ رحمٰن؟ اونہوں۔ آپ کی بیوی اور اشعر نے عثمان کے ذریعے صوفیہ رحمٰن کو پیغام پہنچایا تھا کہ وہ میرے اوپر کیس کھلوائے تا کہ میں رسوا ہو کے جاب سے نکال دی جاؤں۔''

فضا میں مسلسل آتشبازی ہو رہی تھی۔ ایک ستارہ سا آسمان تک جاتا اور 'دل' کی صورت میں انگارے پھٹ کے آسمان پہ بکھر جاتے۔ سارے مہمان ستائشی نظروں سے اوپر دیکھ رہے تھے۔

صرف وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''مجھے یہی شک تھا۔'' وہ اس بات پہ حیران نہیں ہوا۔ بس سنجیدگی سے سر جھٹکا۔ وہ جانتی تھی وہ ان دونوں کو کچھ نہیں کہے گا۔ وہ ان دونوں سے تالیہ کی وجہ سے تعلقات خراب نہیں کرے گا۔

''اسی لیے میں نے ایش کی گردن پہ خنجر رکھا تھا۔ کیا اس نے بتایا نہیں؟'' وہ مسکرائی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

''میں ان کی طرف سے تم سے معذرت کرتا ہوں۔ ہماری پارٹی اور آفس ہمیشہ تمہارا ساتھ دے گا۔''

تالیہ نے محض سر ہلا دیا۔ فاتح نے ذرا کی ذرا نظریں پھیر کے دور کھڑے ہشام کو دیکھا جو اپنی بیوی کے ساتھ کھڑا گردن اٹھائے آتشبازی دیکھ رہا تھا۔

''جہاں تک ہشام کو پارٹی میں لینے کا سوال ہے تو.....''

''آپ کوئی وضاحت مت دیں۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کے روک دیا۔ ''وہ آپ کی مجبوری ہے۔ ہشام جیسے لوگ اس معاشرے کی حقیقت ہیں۔ اقتدار حاصل کرنے کے لیے ان جیسوں کو ساتھ لے کر چلنا پڑتا ہے مگر اس کی قیمت بھی ہوتی ہے اور وہ آپ چکائیں گے۔ مگر حکومت کرنا آسان نہیں ہوتا۔ آئی ایم سوری میں نے اس دن اتنا کچھ بول دیا اور اتنی بدتمیزی کی۔ میں بس آئیڈیلزم کا شکار تھی۔ مگر مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ مجھے اپنے لیڈر کو رول ماڈل نہیں بنانا تھا۔''

''تو کس کو بنانا تھا؟'' وہ برجستہ بولا تو وہ مسکرا دی۔

''میری رول ماڈل صرف ایک ہونی چاہیے تو انکو۔ اور وہ ہے آج سے دس سال بعد کی تالیہ مراد۔ وہ مضبوط عورت جو مجھے بننا ہے۔ خوابوں کی تعبیر پا لینے والی مگر کمزور نہ پڑنے والی عورت۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ تم حالم ہو؟''

''بتایا تو تھا۔ جب ہم تینوں جنگل میں تھے۔ کٹے ہوئے تنے کے اوپر بیٹھے ہوئے میں نے ساری داستان آپ کو سنائی تھی۔ یہ بھی کہ آپ کی فائل عصرہ نے چرائی تھی۔ میری سالگرہ سے چار دن پہلے۔ یاد ہے؟ اور جب میری سالگرہ کا دن آیا تو آپ نے کہا تھا Make a wish اور میں نے کہا تھا کہ مجھے چاکلیٹ کھانی ہے۔ آپ میرے لیے اسی خنجر سے کوکو پھل کاٹ کے لائے تھے جس کو میں نے اشعر کی گردن پہ رکھا تھا۔ مگر ملاکہ میں گزاری اس ایک رات کو آپ بھول گئے ہیں' تو انکو۔ اس رات بہت کچھ

ہوا تھا۔ یاد کریں۔ یاد کرنے کی کوشش کریں۔"

وہ اچنبھے سے اسے دیکھے گیا۔ وہ مدھم آواز میں اس پہ نظریں جمائے پر اسراریت سے کہے گئی اور پھر ہوا کے جھونکے کی طرح سامنے سے ہٹ گئی۔ وہ بالکل سن کھڑا رہا۔ پھر کسی نے پکارا۔ تو سر جھٹک کر اس طرف بڑھ گیا البتہ ذہن.... ذہن مزید الجھ گیا تھا۔ جنگل کا وہ خواب پھر سے تازہ ہو گیا تھا۔ وہ اس خواب کی جزئیات کیسے جانتی تھی؟

"آئی وِنڈر....." وہ جو ایڈم کی تلاش میں آگے بڑھ رہی تھی' آواز پہ چونک کے پلٹی۔ سامنے سبز لباس میں مسکراتی ہوئی عصرہ گلاس تھامے کھڑی تھی۔ "ایک آرٹ تھیف میرے شوہر سے اتنی لمبی کیا بات کر رہی تھی؟"

اس کی آنکھوں میں انگارے دہک رہے تھے اور وہ ضبط کے آخری دہانے پہ تھی۔ تالیہ مسکرئی اور اس کے قریب آئی۔

"میں ان کو بتا رہی تھی کہ کیسے ایک عورت اپنے شوہر کی چھوٹی سی بہن سے جیلس ہو گئی اور اسے خود ہی اغوا کرنا چاہا مگر جس نینی سے یہ کام لیا' وہ اس بچی سمیت پھسل گئی۔" اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔ "نینی تو مر گئی مگر کیا وہ بچی بھی مر گئی تھی؟ اگر وہ زندہ نکل آئی اور یہ ثابت کر دیا کہ اس کی مجرم اس کی سو کالڈ سوتیلی ماں تھی' تو کیا ہو گا مسز عصرہ؟" اور واپس سیدھی ہوئی۔

عصرہ کی گرفت گلاس پہ مضبوط ہو گئی۔ جبڑہ بالکل بھنچ گیا اور رنگت.....رنگت سرخ پڑنے لگی۔

"مجھے دھمکانے کی کوشش مت کرو' تالیہ۔" دانت پہ دانت جما کے وہ غرائی۔ "میں وان فاتح کی بیوی ہوں۔"

"غلط!" وہ ایک ابرو اٹھا کے بولی۔ "آپ وان فاتح کی پہلی بیوی ہیں۔"

اور یہ کہہ کے وہ مڑی اور مہمانوں میں آگے بڑھ گئی۔

عصرہ محمود کی رنگت یوں سفید پڑی گویا وہ کوئی پانچ سو ستاون برس قبل کا گارے سے بنا مجسمہ ہو۔ وہ وہاں سے ہل نہیں سکی۔ اس کا سانس رک چکا تھا۔

(پہلی بیوی' پہلی.... بیوی؟)

چھناک کی آواز سے وہ چونکی۔ شیشے کا گلاس اس کے ہاتھ کی سخت گرفت میں ٹوٹ چکا تھا۔ جہاں جوس اس کے لباس پہ چھلکا' وہیں کرچیاں گھاس پہ بکھر گئیں۔ ہاتھ پہ خراشیں لگیں اور اگلے ہی لمحے خون کی بوندیں رسنے لگیں۔

کچھ لوگوں نے دیکھا اور اسے پکارا بھی مگر وہ معذرت کرتی تیزی سے باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی رنگت اب زرد پڑ رہی تھی۔ اور قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

''یہ کیا کہا آپ نے انہیں' چے تالیہ؟'' وہ ساری بات سن کے بے یقینی سے بولا تھا۔ تالیہ نے گہری سانس لی۔

''آریانہ کے زندہ ہونے کی بات پہ عصرہ نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ ہم نے دو ماہ اس پہ نظر رکھی ہے۔ مجھے اس کو اس کی کچھار سے باہر نکالنا ہے، ایڈم۔ مجھے اس کو provoke کرنا ہے۔ وان فاتح نے مجھے ایک کام دیا تھا۔ اپنی بیٹی کے قاتل کو انجام تک پہنچانے کا۔ میں اسے پورا کیے بغیر نہیں رہوں گی۔''

وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔ ''اگر انہوں نے فاتح صاحب سے پوچھ لیا تو؟''

''میں چاہتی ہوں وہ پوچھے۔ اچھا ہے وہ پوچھ لے۔''

''میں سمجھا آپ ان سے ناراض ہیں۔'' دل کو دھکا لگا تھا۔

''میں ان سے ناراض ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے دور باتھ روم کی طرف جاتی عصرہ کو دیکھ کے بولی۔

''مگر ان دو ماہ میں' میں نے اپنے اور ان کے تعلق کی حقیقت جان لی ہے۔''

''اور وہ حقیقت یہ ہے کہ آپ ان کی فین نہیں تھیں۔ یہ صرف فین ڈم ہوتا تو آئیڈیلزم کا بت ٹوٹنے پہ

آپ کے دل میں ان کی نفرت بھر جاتی۔'' ایڈم غور سے اس کو دیکھ کے تھکے تھکے سے انداز میں بولا۔''یہ محبت تھی اور محبت مرضی سے نہیں ہوتی۔ یہ نصیب میں لکھی ہوتی ہے۔ کسی کے لیے رزق کی طرح تو کسی کے لیے روگ کی طرح اس کو لکھ دیا جاتا ہے۔ میں آپ کو سمجھ سکتا ہوں۔ اب گھر چلتے ہیں۔ میرا دل ان مصنوعی لوگوں کی محفل میں اکتانے لگتا ہے۔''

وہ ابھی تک دور ہجوم کو دیکھ رہی تھی اور ایڈم نے اپنی آنکھوں کا خالی پن چھپانے کے لیے رخ موڑ لیا تھا۔

باتھ روم میں عصرہ آئینے کے سامنے کھڑی تیز نل کے نیچے ہاتھ دیے ہوئے تھی۔ پانی مسلسل گرتے خون کو سنک میں بہائے لے جا رہا تھا اور وہ گم صم سی کھڑی تھی..... پانی میں مختلف مناظر ابھر ابھر کے معدوم ہو رہے تھے.....اسے کیا کرنا چاہیے؟

اس نے دیکھا.....وہ گھر جاتے ہی وان فاتح کا گریبان پکڑ لیتی ہے۔

''اس نے مجھے تمہاری پہلی بیوی کہا...'' وہ چلا کے کہتی ہے۔''تمہاری دوسری بیوی کون ہے؟ وہ فراڈ؟ وہ چور؟''

''ہاں....وہی ہے۔ میں تنگ آ چکا ہوں تم سے۔ تم میری بیٹی کی قاتل ہو۔'' وہ جواباً غصے سے غراتا ہے۔

عصرہ نے سر جھٹکا۔ وہ ابھی تک سفید باتھ روم میں کھڑی تھی اور نل کی تیز دھار اس کے ہاتھ پہ پڑ رہی تھی۔ اس نے پانی کے ست رنگے بلبلوں میں ایک دوسرا عکس دیکھا.....

''فاتح....فاتح....'' وہ روتے ہوئے اس کی کہنی تھام کے کہتی ہے۔''اس نے کہا میں اس کی پہلی بیوی ہوں۔ پلیز مجھے بتاؤ۔ یہ سب کیا ہے؟''

''عصرہ....'' وہ اس کے کندھے تھام کے حیرت سے کہتا ہے۔''پتہ نہیں وہ پاگل لڑکی کیا کہہ رہی ہے۔

میری

کوئی دوسری بیوی نہیں ہے۔ میں نے کبھی تم سے بے وفائی کی ہے کیا؟''

دونوں ممکنہ مناظر بلبلے بن کے پھٹ گئے۔

''کیا سوچ رہی ہیں' ماما؟''

وہ چونکی۔ تیزی سے ہاتھ کھینچا تو خود کار نل بند ہو گیا۔ آئینے میں اسے باتھ روم کے کونے میں کھڑی سفید فراک والی بچی نظر آئی تھی۔ اس کے لباس پہ سامنے سرخ دھبے لگے تھے اور وہ مسکرا کے عصرہ کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا آپ ڈیڈ سے پوچھیں گی نہیں؟''

''پوچھا تو وہ کیا کہے گا؟ یا اعتراف کرے گا یا جھوٹ بول دے گا۔ ایک صورت میں میں شوہر ہار دوں گی دوسری صورت میں اس رشتے کا اعتبار۔ میں تو دونوں صورتوں میں ہارتی ہوں' آریانہ۔''

وہ تھکے تھکے انداز میں بولی۔ آریانہ چلتی ہوئی واش بیسن کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس کے سفید ہئیر بینڈ کے اوپر بھی خون کا دھبا لگا تھا۔

''کیا معلوم تالیہ جھوٹ بول رہی ہو' ماما۔''

''اور جو وہ دونوں آتشبازی کے دوران ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے' وہ بھی جھوٹ تھا؟'' اس نے آئینے کی طرف پشت کر لی اور بیسن سے ٹیک لگا لی۔ وہ تھک چکی تھی۔

''اگر آپ مجھے نہ مارتیں تو آپ دونوں کے رشتے کے درمیان یہ خیانت نہ آتی۔ یہ آپ نے اپنے ساتھ خود کیا ہے' ماما۔ آپ نے ان کے دل سے اپنی محبت خود نکالی ہے۔''

''محبت؟'' وہ دھیرے سے ہنسی۔ ''فاتح نے کبھی مجھ سے محبت نہیں کی۔ اس نے صرف تم سے محبت کی تھی۔ مجھ سے شادی بھی تمہارے لئے کی۔ جو اس کی آنکھوں میں تالیہ کو دیکھ کے نظر آتا ہے' وہ میرے

لئے کبھی نہیں تھا۔ شاید تمہارے لئے بھی نہیں تھا۔ میں اس.... اس شے کو ان دونوں سے نہیں چھین سکتی۔"

"تو اب آپ کیا کریں گی؟"

"میں...." اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ مٹھیوں سے اطراف میں بیسن کے کونوں کو بھینچے رکھا تھا۔

"میں جل رہی ہوں' آریانہ۔ میری دنیا جل چکی ہے اور میرا دل راکھ ہو چکا ہے۔ میں نے فاتح کو کھو دیا ہے۔ تمہیں مار کے بھی میں اسے خود سے باندھ نہیں سکی۔"

"آپ نے میری جان لی تھی' ماما۔ یہ آپ کے گناہوں کا بدلہ ہے۔" عصرہ نے آنکھیں کھولیں۔

"اور فاتح کو اس کے گناہوں کا بدلہ کب ملے گا؟ تالیہ کو سزا کب ملے گی؟ اگر انہوں نے شادی کی ہے' تو بھی یہ گناہ ہے۔ میرا اعتبار توڑنے کا گناہ... مجھے دکھ دینے کا گناہ۔"

"اب آپ کیا کریں گی؟" آریانہ بار بار وہی ایک سوال پوچھ رہی تھی۔

"میرے پاس کرنے کو کچھ نہیں بچا ۔ میں ہار چکی ہوں۔ میں اب فاتح کو نہیں جیت سکتی۔ لیکن....."

وہ مڑی اور نل تلے دونوں ہاتھ رکھے۔ پانی کی دھار گری اور ہاتھوں کا پیالہ لبالب بھر گیا۔ عصرہ نے پانی چہرے پہ ڈالا تو مسکارا بہنے لگا۔ اس نے سیاہ آنکھیں اٹھا کے آئینے میں دیکھا۔

"لیکن میں اس لڑکی کو بھی جیتنے نہیں دوں گی۔ میں اس کو وہاں لے جا کر ماروں گی جہاں سے اس نے گمان بھی نہیں کیا ہوگا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ کار کی طرف جاتے ہوئے فون پہ کہہ رہی تھی۔ "فاتح میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں گھر جا رہی ہوں۔" پھر مسکرائی۔ "نہیں ڈیئر' میں بس تھکی ہوئی ہوں۔ ذرا سا آرام کرلوں تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔"

فون رکھا تو چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔ کار تک آ کے اس نے ڈرائیونگ ڈور کھولا' ہکا بکا کھڑے ڈرائیور سے

چابی لی اور اندر بیٹھ گئی۔ سیکیورٹی کو اپنے ساتھ آنے سے سختی سے منع کیا اور کار کو خود چلاتے ہوئے سڑک پہ ڈال دیا۔

''سرمد....'' اب وہ فون پہ سپاٹ انداز میں کہہ رہی تھی۔ ''مجھے ابھی اسی وقت ملو۔ ہاں میں تمہاری شاپ پہ آرہی ہوں۔ گاہکوں کو فارغ کردو۔''

فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی آریانہ نے سوچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہ سرمد وہی پیشہ ور ہے نا جس کے ذریعے آپ نے مجھے اغوا کرنے والی نینی ہائر کی تھی۔ آج آپ کس کی جان لینے جارہی ہیں؟''

''دفع ہوجاؤ' آریانہ۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' وہ چلائی اور کار کی رفتار بڑھادی۔

سرمد کی دکان ایک اندرون بازار میں تھی۔ اس میں ترکش قالین اور نوادرات سجے تھے مگر اس وقت وہ خالی پڑی تھی۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ ایک بغلی دروازے سے سیڑھیاں نیچے اترتی تھیں۔

نیچے ایک خوبصورت سا دیوان خانہ بنا تھا جہاں ایک شیلف نوادرات سے آراستہ کیا گیا تھا اور وہاں میز کرسیاں رکھی تھیں۔ عصرہ اس وقت ایک کرسی پہ بیٹھی تھی۔ اپنے سبز پارٹی وئیر کے برعکس اس کا چہرہ اب میک اپ سے پاک دھلا دھلایا تھا۔

''بتایئے مسز عصرہ....'' سامنے بیٹھا نوجوان بے حد دبلا پتلا تھا۔ اس کا سر جسم سے بڑا لگتا تھا اور سیاہ گھنگریالے بال چھتے کی صورت تھے۔ اس چھتے پہ اس نے ایک سرخ ہئیر بینڈ لگا کے ان کو پیچھے کر رکھا تھا۔ ''میں آپ کے لئے کیا کرسکتا ہوں؟''

سینے پہ بازو لپیٹے بیٹھی عصرہ نے گہری سانس لی۔ ''تم میرے بابا کے وفادار رہے ہو اور میرے بھی۔ اس دفعہ صرف ایک چیز چاہیے۔ کام میں خود کرلوں گی۔ تم صرف اوزار فراہم کرو گے۔''

سرمد نے اس کی گلابی متورم آنکھوں کو غور سے دیکھا۔ ''کام کیا ہے؟''

''کسی کی جان لینی ہے۔'' اس کی آواز کپکپائی۔

''مسئلہ ہی نہیں ہے میں لے لوں گا۔ آپ اپنے ہاتھ کیوں گندے کرتی ہیں؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ جان بہت قیمتی ہے اور مجھے بہت محبوب ہے' سرمد۔ اسے میں خود لوں گی۔''

''اور کیا ہتھیار چاہیے آپ کو؟''

''زہر۔ Arsenic''

''صبح تک مل جائے گا۔ مگر آپ پہ الزام تو نہیں آئے گا؟'' وہ فکرمند ہوا۔ تو وہ مسکرا دی۔

''بے فکر رہو۔ الزام اس لڑکی پہ آئے گا جو اس الزام کی اہل ہے۔''

اس کی آنکھوں میں جلتے انگارے صاف دکھائی دے رہے تھے حالانکہ دکان کے اس حصے میں کوئی آتشبازی نہیں ہو رہی تھی۔

☆☆==========☆☆

وہ صبح کے ایل کے آسمان پہ بہت بکھری ہوئی طلوع ہوئی تھی۔ آج آسمان پہ بادل نہیں تھے اور مطلع صاف تھا۔ ایسے میں تتلیوں کے باغ میں بنی روش پہ وہ دونوں چل رہے تھے۔ دائیں ہاتھ چلتا آدمی موحد تھا۔ اس کے کالر سے مائیک لگا تھا اور وہ ہاتھ ہلا ہلا کے ایڈم سے سوالات پوچھ رہا تھا۔ ایڈم کے بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور آنکھ کا نیل قدرے مندمل ہو چکا تھا۔ بازو پہ بندھی آرم سانگ ویسی ہی تھی۔ وہ اپنے زخمی بازو کو گردن سے گویا لٹکائے' مسکرا کے ساتھ چلتے ہوئے جواب دے رہا تھا۔

دو کیمرہ مین ان کے سامنے اپنے کیمرے لیے الٹے قدموں پیچھے ہٹ رہے تھے۔

''ایڈم اس جمعے کو آپ اپنی کتاب ریلیز کرنے جا رہے ہیں۔ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟''

زخمی ہاتھ والا نوجوان سر جھکا کے مسکرایا اور پھر چہرہ اٹھا کے کہنے لگا۔

''میں اطمینان محسوس کر رہا ہوں۔ میری کتاب آن لائن ریلیز ہوگی اور اسے عام عوام مفت ڈاؤن لوڈ کر سکے گی۔ یہ دوری نگارہ ملایو کا پارٹ ون ہے۔ ابھی میں ان تمام ای میلز کو نہیں پڑھ سکا۔ جب پڑھوں گا تو اگلا پارٹ لکھوں گا۔''

''ای میلز پڑھنے میں اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے؟''

''کیونکہ وہ بہت زیادہ ہیں اور میں ایک اکیلا۔ اور پھر ہر ای میل کو سمجھنے اور اس کا کنکشن بنانے میں وقت لگتا ہے۔''

وہ دونوں روش پہ چلتے پل تک آ گئے۔ کیمرہ مین اب پل کے وسط میں کھڑے تھے اور ان کی وڈیو بنا رہے تھے۔ ایڈم اینکر کی طرف رخ موڑے بات کر رہا تھا۔ اس کے بازو کے پلستر پہ ایک نیلے اور زرد رنگوں والی تتلی آن بیٹھی تھی۔

''آپ کو مزید دھمکیاں یا رشوتوں کی پیشکش ملی؟''

ایڈم دھیرے سے ہنس دیا۔ ''اس مار پیٹ کے واقعے کے بعد کوئی دھمکی تو نہیں ملی البتہ کلائیڈ اینڈ لی کے چند نامی گرامی کلائینٹس نے مجھ سے رابطہ کر کے دوستی کی خواہش ظاہر کی ہے۔''

''تو آپ نے کیا کہا؟''

''میں نے سب سے پہلے انہی کی ای میلز تلاش کر کے ان کے نام کتاب میں ڈالے۔''

اور وہ دونوں ہنس دیے۔

''اگر یہ لوگ آپ کو کورٹ لے گئے تو؟''

''بھئی میں نے تو ڈیٹا نہیں چرایا۔ مجھے تو وسل بلوور نے دیا ہے۔ وسل بلوور کو ہمارا قانون تحفظ دیتا ہے۔ اور کلائیڈ اینڈ لی اگر ان کاغذات کو deny نہیں کرے گی۔ وہ وکلاء ہیں اور ان کو معلوم ہے کہ یوں بولے گئے جھوٹ ان کو مصیبت میں پھنسا سکتے ہیں۔ پھر اس فرم نے تو کوئی جرم نہیں کیا۔ ہانگ

کانگ کے قانون کے مطابق انہوں نے ان لوگوں کا روپیہ محفوظ رکھا ہے تو اس میں کچھ غلط نہیں ہے۔
میں صرف یہ پوچھ رہا ہوں کہ ان لوگوں نے جو پیسہ کلائیڈ اینڈ لی میں چھپایا تھا' وہ کمایا کہاں سے تھا؟
صوفیہ رحمن جواب دے دیں' میں اپنی کتاب انٹرنیٹ سے اتارلوں گا۔"

تتلی ہنوز اس کے بازو پہ بیٹھی تھی۔ اور وہ پل پہ چلتا جارہا تھا۔ پل کے نیچے تنگ سا چشمہ بہہ رہا تھا جس میں مچھلیاں تیرتی نظر آتی تھیں۔ پل کو سبز بیلوں نے دونوں طرف سے ڈھکا ہوا تھا اور اوپر جاکے وہ مل جاتیں، گویا سبز چھاتا سا بن جاتا۔ ان پتوں پہ جگہ جگہ چھوٹی بڑی تتلیاں بیٹھی تھیں۔

"ویسے آپ اگر تین چار بڑے آدمیوں سے ڈیل کر لیتے تو آپ کو بے تحاشا دولت مل سکتی تھی۔ پھر آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

موحد کو سوال پوچھتے ہوئے توقع تھی کہ وہ کہے گا کہ اسے دولت یا شہرت سے دلچسپی نہیں ہے مگر وہ ایڈم بن محمد سے ابھی ٹھیک سے واقف نہیں ہوا تھا۔

"دولت سب کو اچھی لگتی ہے' موحد اور مجھے بھی لگتی ہے۔ اور میں ابھی بھی پیسے کمارہا ہوں۔ یہ انٹرویو کرنے

کے آپ مجھے پیسے دے رہے ہیں۔ جو چینل مجھے بلاتا ہے وہ مجھے پیسے بھی دیتا ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ میں ایک دن آپ سے بھی بڑا اینکر بن جاؤں۔ ملک کا highest paid اینکر۔ تاکہ میں بھی ایک بہتر زندگی گزار سکوں۔ (موحد نے اسے آنکھوں میں اشارہ کیا مگر وہ سادگی سے کہتا جارہا تھا۔) میں اتنا بڑا صحافی بننا چاہتا ہوں کہ میری کتابیں ہاتھوں ہاتھ بکیں۔ سب سے اچھا ڈاکٹر سب سے زیادہ مہنگا ہوتا ہے۔ جو جتنا اپنی فیلڈ میں اچھا ہوتا ہے وہ اتنے زیادہ پیسے لیتا ہے' کیونکہ وہ انسان کی محنت اور ٹیلنٹ کی کمائی ہوتی ہے۔ وہ سب میں ضرور کماؤں گا۔ لیکن سچ کو چھپا کے اور ضمیر کو بیچ کے نہیں۔"

وہ دونوں اب پل سے اتر کے اس تنگ روش پہ چلنے لگے جس کے دونوں اطراف درخت تھے۔ جہاں

تتلیاں ہر سو اڑتی پھر رہی تھیں۔ ایک طرف باڑ لگی تھی جس کے ساتھ گرین ہاؤس بنے تھے اور ان میں مختلف رنگوں اور سائز کے کیڑے رینگ رہے تھے۔

''ناظرین ابھی بریک پہ چلتے ہیں۔ ہمارے ساتھ رہیے گا۔'' موحد نے کیمرے میں مسکرا کے کہا اور جیسے ہی بتی بجھی' وہ تیورا کے ایڈم کی طرف گھوما۔

''یار۔'' مائیک کا بٹن آف کیا۔ ''تم بہت سیدھے ہو۔ یہ پیسے کی باتیں آن ائیر نہیں کرتے۔''

''کیوں؟ آپ مجھے انٹرویو کے پیسے تو دیتے ہیں۔''

''ہاں یار مگر یہ جو پبلک ہوتی ہے نا۔'' موحد نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور اسے سمجھانے لگا۔ ''یہ خود سارا دن بازاروں میں خرید و فروخت بھی کریں گے اور ان کے اپنے ماں باپ کاروبار یا نوکریاں کر کے ان کو پالیں گے' مگر یہ کچھ لوگوں کو ہمیشہ درویش صفت دیکھنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر' اسکالر اور لکھاری۔ لوگ توقع کرتے ہیں کہ چونکہ یہ لوگ معاشرے کے ناسوروں کا علاج کر رہے ہیں' اس لیے ان کو یہ کام مفت میں کرنا چاہیے۔ اور اگر یہ اپنے کام کا معاوضہ لیں تو اسے بری نظر سے دیکھا جاتا ہے۔''

''مگر سب کے گھر والے کام کرتے ہیں۔ کوئی ٹیچنگ کرتا ہے، کوئی دوسری نوکری کرتا ہے۔ باقی لوگ بھی تو کام کی تنخواہ لیتے ہیں۔ جو اپنی فیلڈ میں جتنا ترقی کرتا جاتا ہے' اس کا معاوضہ اتنا ہی بڑھتا ہے۔ سب پروفیشنلو

ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ میں بھی یہی کرنا چاہتا ہوں۔''

''اچھا اچھا۔ لیکن کم از کم مجھے ملک کا highest paid اینکر نہ کہہ دینا۔ انکم ٹیکس والے پیچھے پڑ جاتے ہیں پھر۔'' اس نے ہاتھ جوڑے تھے۔ ایڈم نے گہری سانس لی۔

''ویسے آپ ملک کے highest paid اینکر ہیں تو سہی۔ آپ نے خود مجھے بتایا تھا۔'' مگر موحد کی گھوری دیکھ کے ہاتھ اٹھا دیے۔

''اوکے آپ کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا لیکن مجھے اپنی محنت اور کام کا برحق معاوضہ لینے میں کوئی شرم' کوئی جھجک نہیں ہوتی۔'' وہ صاف گوئی سے کہہ رہا تھا۔ اس کے آرم سانگ پہ تتلی ہنوز اسی طرح بیٹھی تھی۔ سفید پلستر پہ رنگین قلموں سے لکھے دستخطوں کو وہ دیکھے جارہی تھی اور اس کو دیکھ کے ایڈم نے سوچا تھا کہ معلوم نہیں' اس بار چے تالیہ نے اس کا انٹرویو دیکھا تھا یا نہیں۔

☆☆==========☆☆

قریباً گھنٹہ بھر پہلے حالم کے بنگلے میں اس شام تالیہ مراد تمام کاموں سے فارغ ہو کے ٹی وی کے سامنے آ بیٹھی تھی۔ اس نے آج ایک کیس حل کیا تھا' اور عجلت میں وہ گھر آئی تھی تاکہ انٹرویو مس نہ ہو۔ لاؤنج کی بتیاں بجھائے اور کھڑکی کے پردے ہٹائے' اس نے صرف ٹی وی کی چمکتی اسکرین سے نیم اندھیرا لاؤنج کو منور کر رکھا تھا۔ سلاد کا باؤل گود میں رکھے' وہ صوفے پہ آلتی پالتی کیے بیٹھ گئی اور کمرشل بریک گزرنے کا انتظار کرنے لگی۔

ڈوربیل کی چنگھاڑتی آواز نے ایک دم اسے شدید بدمزہ کر دیا۔ ماتھے پہ بل ڈالے تالیہ اٹھی اور سلیپرز پیروں میں گھسیڑتی باہر آئی۔ پورچ تک آتے ہی وہ ٹھہری۔ چھوٹے گیٹ کے باہر کھڑے پراسیکیوٹر احمد نظام دکھائی دے رہے تھے۔

اس نے ایک نظر اپنے حلیے کو دیکھا۔ وہ بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے' کھلی سیاہ قمیض اور سفید ٹراؤزر پہنے ہوئے تھی۔ وہ کہیں سے بھی شہزادی نہیں لگ رہی تھی جو پچھلی دفعہ....اونہوں....وہ سامنا کرنے کو تیار تھی

۔

''چے تالیہ۔ مخل ہونے کے لئے معذرت۔'' پراسیکیوٹر صاحب اس کو دیکھ کے مسکرائے۔ وہ بھی جبراً مسکراتے ہوئے آگے آئی' دروازہ کھولا اور انہیں راستہ دیا۔

''میں آپ کی معذرت قبول کرتی ہوں۔ آیئے۔''

وہ انہیں چھوٹے سے لان میں لے آئی۔ ایک کرسی کو میز کے سامنے یوں رکھا کہ میز کی دوسری طرف سفید کین کا جھولا تھا۔

''اندر نہیں بلائیں گی؟'' وہ کرسی پہ بیٹھے تو وہ جھولے پہ بیٹھ گئی اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ دونوں کے درمیان اب ایک میز اور بہت سے شکوک حائل تھے۔

''آپ سرچ وارنٹ کے ساتھ آئیں تو بلالوں گی۔''

تالیہ نے سنجیدگی سے ان کو دیکھ کے کہا جو مسکرا کے اطراف کا جائزہ لے رہے تھے۔ شام ابھی روشن تھی اور گھاس خشک تھا۔ تالیہ کے بائیں ہاتھ کھڑکی تھی جس سے اندر اندھیرا لاؤنج میں چمکتی ٹی وی اسکرین دکھائی دے رہی تھی۔ آواز ساؤنڈ پروف شیشوں کے باعث نہیں سنائی دیتی تھی۔

''آپ کا سیاسی انتقام ابھی ختم نہیں ہوا جناب؟ مگر اوہ سوری آپ تو صرف مہرہ ہیں۔ صوفیہ رحمٰن کی bidding کے لئے۔''

احمد نظام نے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔ ''چے تالیہ آپ اپنے اعمال کسی اور کے سر نہیں تھوپ سکتیں۔''

''اور کیا کیا ہے میں نے؟''

''بظاہر کچھ بھی نہیں۔ میں نے آپ کے کاغذات بہت باریک بینی سے پڑھے ہیں۔ گو کہ میں جانتا ہوں کہ آپ ایک آرٹ تھیف' اور کون وومن ہیں مگر اپنی ہر واردات سے کمائے پیسے کو آپ نے خوبصورتی سے کسی پینٹنگ کی فروخت کی مد میں ڈال کے سفید کر رکھا ہے۔ اگر صوفیہ رحمٰن آپ جتنی عقلمند ہوتیں تو اپنے کالے دھن کا منی ٹریل پہلے دن سے بنا رکھتیں مگر حکمران طبقہ منی ٹریل اس لئے نہیں بناتا کہ انہیں پکڑے جانے کا ڈر نہیں ہوتا۔ آپ کو تھا اور میں آپ کی ذہانت کی قدر کرتا ہوں۔''

''اچھا تو اب میں چور بھی ہوں۔ یوں کریں دو چار قتل بھی ڈال دیں میرے اوپر۔ کیس ذرا مضبوط ہو

جائے

گا۔"

"میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی' چے تالیہ۔" وہ مسکرائے اور پراسیکیوٹر ایسی مسکراہٹ کسی بھی مشتبہ شخص کو چونکانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ "میں نے کہا نا' آپ نے اپنی ملکیت میں موجود ہر شے کس طرح خریدی' ساری دولت کس طرح بنائی' آپ کے پاس ہر چیز کا پیپرز میں منی ٹریل ہے۔ سوائے ایک چیز کے۔" وہ ٹھہر کے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگے تو تالیہ نے گہری سانس لی۔

"آپ کو تو مسٹری رائٹر ہونا چاہیے تھا۔"

وہ اس کی آنکھوں سے نظریں ہٹائے بغیر بولے۔

"یہ سرخ آنسو شکل یاقوت اور ہیروں سے مزین انگوٹھی کہاں سے آئی ہے آپ کے پاس چے تالیہ؟"

تالیہ کی لٹ کو لپیٹتی انگلی ٹھہری۔ اس نے ہاتھ سامنے کر کے شام کی نیلگوں روشنی میں اس قیمتی انگوٹھی کو دیکھا اور پھر احمد نظام کو۔

"چچ چچ۔ آپ دو ماہ یہی سوچتے رہے؟ مجھ سے پوچھ لیتے۔ خیر.... یہ ایک گفٹ تھا۔"

"کس کا؟"

مگر تالیہ کے پاس جواب تیار تھا۔

"میری فوسٹر فیملی جو لاہور میں تھی' یہ ان کے دادا.... یعنی میرے فوسٹر دادا کی خاندانی انگوٹھی تھی۔ میں نے ان کی خدمت کی تھی اس لئے انہوں نے یہ مجھے دی تھی۔"

احمد نظام مسکرا دیے۔ "میں نے کافی دن سوچا کہ آپ اس انگوٹھی کو کس کے سر ڈالیں گی اور مجھے آپ کی فوسٹر فیملی کا ہی خیال آیا۔ بیرونِ ملک موجود خاندان جس کو اب تلاش کرنا بھی ممکن نہیں' آپ یقیناً انہی کا نام لیں گی۔ اسی لئے میں نے ان دو ماہ میں نہ صرف ان کو تلاش کر لیا بلکہ ایک جج کی موجودگی میں ان

کے ویڈیو بیانات بھی لے لئے۔ پاکستانی دوستوں کا یہ فائدہ تو ہوتا ہی ہے۔"

تالیہ کے اعصاب تن گئے۔ اس کا حلق سوکھنے لگا۔

"اور سچ تالیہ..... یہ انگوٹھی ان کے خاندان سے آپ کو نہیں ملی۔ اس انگوٹھی کو وہاں کوئی نہیں پہچانتا۔ اس سے پہلے کہ آپ یہ کہیں کہ جس یتیم خانے میں آپ نے پرورش پائی' ان کے منتظمین کو یہ بچپن میں آپ کے ہاتھ میں ملی تھی' میں ان سے بھی پوچھ چکا ہوں۔ آپ نے ان کو بتا رکھا ہے کہ آپ ایک اسکول ٹیچر ہیں اور اس انگوٹھی کو بھی وہ نہیں پہچانتے۔"

تالیہ نے دانت پہ دانت جمائے' برہمی سے انہیں دیکھا۔ "یہ میری انگوٹھی ہے اور یہ مجھے کسی نے تحفہ دی تھی۔ ملک کا کوئی قانون مہنگے تحفوں کو قبول کرنے کے خلاف نہیں ہے۔"

"جی مگر آپ کو بتانا پڑے گا کہ یہ انگوٹھی آپ نے کہاں سے لی۔ آپ جھوٹ بول کے پہلے ہی میرے اور اپنے درمیان اعتماد کی فضا کو مجروح کر چکی ہیں۔" وہ ذرا نرمی سے بولے تو اس نے تندہی سے انہیں دیکھا۔

"آپ کا ضمیر آپ کو ایک سیاسی انتقام کا حصہ بننے پہ ملامت نہیں کرتا؟ آپ کو رات کو نیند آ جاتی ہے؟"

"کیا یہ آپ کا واحد ڈیفینس ہے؟"

وہ چپ رہ گئی۔ پھر گہری سانس لی۔

"یہ انگوٹھی مجھے جس نے بھی دی تھی' میں اس کا نام نہیں بتانا چاہتی۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور....."

"اور آپ نے اس سے شادی نہیں کی؟"

"نہیں۔"

''مگر آپ نے اس کی انگوٹھی رکھ لی؟''

''یہ تحفہ تھا اور تحفہ دیتے وقت اس نے مجھے پرپوز نہیں کیا تھا۔''

''مگر پرپوزل وصول کرنے کے بعد آپ نے انکار کے ساتھ انگوٹھی واپس نہیں کی؟''

''آپ مجھے میری اخلاقیات پہ جج نہ کریں تو بہتر ہوگا۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔'' وہ غرائی تھی۔ اس کی رنگت دہکنے لگی تھی اور دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

''آپ مجھے اپنے اس suitor کا نام بتا دیں تو میں اس کا بیان لے کر یہ کیس ختم کر دوں گا۔''

اس نے بے بسی بھرے غصے سے اسے دیکھا۔ وہ اڈیٹ پراسیکیوٹر 557 برس پرانے ایک سلطان کا بیان کیسے لے سکتا تھا؟

''میں نے کہا نا' یہ تحفہ تھا اور میں نے اسے رکھ لیا ہے۔ یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ مجھے اس کو ثابت کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔''

''ایکچولی آپ کو ہے۔'' انہوں نے کوٹ کی جیب سے ایک ننھا فولڈر نکالا اور اس کے سامنے کھول کے رکھا۔ تالیہ نے بھنویں بھینچے اس پہ نگاہ ڈالی۔ شام کی روشنی مطالعے کے لئے نامناسب تھی۔

''میرے پاس اس کو پڑھنے کا وقت نہیں ہے۔''

''یہ انگوٹھی صوفیہ رحمٰن کی ہے۔''

جھولے پہ بیٹھی تالیہ ساکت رہ گئی۔ اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ ''واٹ؟'' اس نے تیزی سے فائل اٹھائی اور صفحے پلٹائے۔

''یہ انگوٹھی چار ماہ قبل صوفیہ رحمٰن کے لاکر سے چوری ہوئی تھی۔ اس کی رپورٹ انہوں نے خفیہ اداروں کو دی تھی اور اس رپورٹ میں لکھی انگوٹھی کی ڈسکرپشن اور تصاویر ہو بہو آپ کی انگوٹھی والی ہیں۔ اس میں اس جیولر کا بیان بھی ہے جس نے یہ انگوٹھی بنائی تھی۔ ہم نے آپ کی تصاویر اس کو دکھائی ہیں اور

وہ اس انگوٹھی کو پہچان گیا ہے۔ میں آپ کے پاس اس انگوٹھی کا وارنٹ لئے حاضر ہوا ہوں۔ ہمیں اس کو فارنزک میں بھیجنا ہوگا۔" اس نے فائل رکھی اور تیکھی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میرا آپ سے ایک سوال ہے، پراسیکیوٹر صاحب۔"

"پوچھیے۔"

"آپ نے بہت اچھی تفتیش کی ہے۔ میری انگوٹھی پہ آپ کو شک گزرا۔ اور صوفیہ رحمٰن کی انگوٹھی کی گمشدگی کی رپورٹ سے اس کو میچ کیا تو آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ وہی انگوٹھی ہے۔"

"بالکل۔"

"مجھے صرف اتنا بتائیں۔ پہلے کیا دیکھا تھا آپ نے؟ میری انگوٹھی؟ یا صوفیہ رحمٰن کی رپورٹ؟"

"ایکسکیوز می؟"

"میں خود ہی بتائے دیتی ہوں۔ آپ نے دو ماہ میری انگوٹھی پہ ریسرچ کی اور جب آپ کے بڑوں نے آپ سے پوچھا کہ تالیہ ابھی تک گرفتار کیوں نہیں ہوئی تو آپ نے کارکردگی ظاہر کرنے کے لئے اس انگوٹھی والے شبے کو پیش کر دیا۔ پھر اس کے بعد اچانک سے ایک دن آپ کو صوفیہ رحمٰن کی رپورٹ دے دی گئی۔ آپ اپنی فتح کے نشے میں اتنے دھت تھے کہ یہ بھی نہیں سوچا کہ ایجنسیاں صوفیہ رحمٰن کی ہے۔ جیولر صوفیہ رحمٰن کا ہے، اور پولیس بھی صوفیہ رحمٰن کی ہے۔ انہوں نے منٹوں میں جعلی رپورٹس بنا کے دیں اور آپ نے یقین کر لیا۔ آپ اس انگوٹھی کو لے جائیں۔ (انگلی سے نوچ کے انگوٹھی اتاری۔) اور جیولر سے پوچھیں کہ اس کے ڈائمنڈ پہ کوئی laser inscribed کوڈ تھا؟ آج کل کے ہر ڈیزائنر ڈائمنڈ پہ کوڈ ہوتا ہے اور یہ انگوٹھی آج کے دور کی ہے ہی نہیں۔ مگر نہیں... فارنزک لیب اس کو صوفیہ کی انگوٹھی ثابت کر بھی دے گی اور یہ تصاویر.... یہ تو کوئی بچہ بھی فوٹو شاپ کر سکتا ہے۔ مگر میں بغیر کسی خوف کے آپ کو یہ انگوٹھی دے رہی ہوں۔" زور سے انگوٹھی میز پہ پٹخی۔ "کیونکہ میں آپ سے نہیں ڈرتی اور

میں ایک بات جانتی ہوں۔ میں نے..... یہ انگوٹھی.... چوری نہیں کی۔ یہ میری ہے۔ یہ میرا تحفہ ہے۔ اور میں ہر عدالت میں جا کے خود پہ لگا یہ الزام غلط ثابت کروں گی۔ آپ جا سکتے ہیں۔''

احمد نظام کے چہرے کے تاثرات تن چکے تھے۔

''بے تالیہ۔'' انگوٹھی کو ٹشو میں اٹھایا اور ایک زپ لاک بیگ میں ڈالتے ہوئے وہ بولے۔ ''میں آپ کو ویک اینڈ تک کا وقت دیتا ہوں۔ آپ ملک سے باہر نہیں جائیں گی۔ آپ انڈر آبزرویشن ہیں۔ آپ ویک اینڈ تک مجھے اس suitor کا پتہ بتا دیں۔ میں یہ کیس ختم کر دوں گا۔''

تالیہ نے تمسخرانہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ ''آج مجھے اس بات پہ فخر ہے کہ میرا ماضی اتنا اجلا نہیں ہے۔ کم از کم ہم جیسے لوگوں کو ایمانداری کا زعم یوں مغرور اور اندھا نہیں بنا دیتا۔''

اور تنفر سے رخ پھیر لیا۔ اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور چہرہ غصے سے دہک رہا تھا۔

پراسیکیوٹر احمد نظام نے کار میں بیٹھتے ہوئے بے اختیار سوچا تھا۔

(میں نے واقعی انگوٹھی کی بابت اس سرکاری افسر کو بتایا تھا جو یہ کیس سب سے پہلے میرے پاس لایا تھا۔ اور پھر چند دن بعد اچانک سے ایک دوسرے پراسیکیوٹر نے صوفیہ رحمٰن کی انگوٹھی کی فائل دکھائی۔ کیا واقعی یہ اتفاق تھا یا...؟ اونہوں)

انہوں نے سر جھٹکا۔

(وہ ایک مکار Con Woman ہے۔ وہ میرے دماغ کے ساتھ کھیل رہی ہے۔ اگر وہ سچی ہے تو اس آدمی سے مجھے ملوا دے جس نے اسے یہ تحفہ دیا ہے۔ بات ختم۔ مگر نہیں۔ تالیہ مراد چور ہے اور یہ انگوٹھی اس کو چور ثابت کرنے کا واحد راستہ ہے۔)

''تم نے اس انگوٹھی کا ٹریل پہلے سے کیوں نہیں بنایا تالیہ؟ اف تم اتنی بڑی غلطی کیسے کر سکتی ہو؟''

رات میں وہ لاؤنج میں سر پکڑے بیٹھی تھی اور داتن غصے میں آگ بگولہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''صرف وہ انگوٹھی نہیں' ملاکہ سے لائے کسی زیور کا ٹریل نہیں بنایا میں نے۔ وہ سارا زیور ایک محفوظ لاکر میں ہے جو کہ میرے نام پہ نہیں ہے' اس لئے اس ایڈیٹ کو اس کا علم نہیں ہو سکا۔ انگوٹھی بس پہنتی تھی تو اس نے دیکھ لی۔ اف مجھ سے اتنا بڑا بلنڈر ہو گیا۔'' وہ ماتھے کو پکڑے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''فاتح رامزل کا ساتھ دینا تمہیں بہت مہنگا پڑ رہا ہے تالیہ۔''

''مگر میں نے کچھ غلط نہیں کیا' داتن۔'' وہ سر اٹھا کے جیسے اچھنبے سے بولی۔ ''یہ میرا زیور تھا۔ میرا جائز زیور۔ مجھے اس کا نہ خوف تھا نہ گلٹ اس لئے میں نے اس کو نظر انداز کر دیا۔''

''اب کیا ہو گا؟''

''کچھ نہیں ہو گا۔'' اس نے سر جھٹک کے میز سے آئی پیڈ اٹھا کے گود میں رکھا اور اسکرین روشن کی۔

''جب انسان ایماندار ہو جائے تو ماضی کے گناہوں پہ اسے کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ اللہ تعالیٰ ایسے انسان کا خود پردہ رکھتا

ہے۔ یہ ایڈم کہتا ہے۔ مجھے یقین ہے میری ایمانداری کے بدلے سارے کائنات میرا پردہ رکھے گی۔ یہ لوگ مجھے ملایا کا کانٹا نہیں ثابت کر پائیں گے۔ تم دیکھنا۔'' وہ اب روشن اسکرین پہ انگلی پھیر رہی تھی ''مجھے ایڈم کا انٹرویو دیکھنا ہے۔''

''داتن اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''ایڈم تمہارے لئے کیا ہے تالیہ؟'' تالیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''وہ میرا دوست ہے۔''

''اور تم نے کبھی سوچا کہ وہ تمہارے بارے میں کیا سوچتا ہے؟ شاید انگوٹھی کا ٹریل واحد چیز نہیں ہے جس کو تم نظر انداز کرتی رہی ہو۔''

خفگی سے کہہ کے داتن آگے بڑھ گئی۔ وہ چند لمحے اچنبھے سے اسے دیکھے گئی' پھر سر جھٹک کے اسکرین

کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ذہن البتہ ابھی تک احمد نظام کی باتوں میں الجھا تھا۔

اس کے جھوٹ مسلسل پکڑے جا رہے تھے اور اس کے سچ پہ کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا۔ اب وہ کیا کرے گی؟

☆☆==========☆☆

ڈاکٹر دین جمال کا آفس ہلکے اور ٹھنڈے رنگوں کے امتزاج میں سجا تھا۔ سفید دیواریں اور ان پہ آویزاں خوبصورت پینٹنگز' کونوں میں رکھے ان ڈور پودے اور وہ آرام دہ سفید کاؤچ جس پہ فاتح بیٹھا تھا..... ہر شے آنکھوں کو ٹھنڈک دیتی تھی۔ ڈاکٹر دین خود بڑی آبنوسی میز کے پیچھے گھومنے والی کرسی پہ بیٹھے تھے اور ناک پہ عینک جمائے' وہ بغور سامنے براجمان الجھے الجھے سے وان فاتح کو دیکھ رہے تھے جو ٹوٹے بکھرے انداز میں وقفے وقفے سے بول رہا تھا۔

''میری زندگی کی ایک رات میرے ذہن سے محو ہو چکی ہے۔'' وہ کونے میں رکھے پودے کو دیکھ رہا تھا۔ کالر والی سادہ ڈریس شرٹ پہنے' وہ عام سے حلیے میں تھا۔ آج شیو بھی نہیں کی تھی اس لئے مزید ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

''اس رات کچھ ہوا تھا' دین۔ اور وہ جانتی ہے کہ کیا ہوا تھا مگر وہ مبہم باتیں کر کے چلی گئی اور میں تب سے ذہنی

اذیت میں ہوں۔''

''تمہیں کیا لگتا ہے' کیا ہوا تھا؟''

''کسی نے مجھے مارا تھا۔ کیونکہ میرے جسم پہ ضربوں اور زخموں کے نشان تھے۔ کچھ پرانے اور کچھ نئے۔ جیسے اس ایک رات میں کافی عرصہ بیت گیا ہو۔ اور پھر وہ خواب....'' اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔

''وہ خواب تمہارے ذہن کی اختراع بھی ہو سکتے ہیں۔''

''تو پھر اس کو ان کے بارے میں کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟ وہ پوری جزئیات سے مجھے میرا خواب کیسے بتا سکتی ہے؟'' اس نے شکوہ کناں نظروں سے ڈاکٹر کو دیکھا۔

''کبھی کبھی کسی ناخوشگوار واقعے سے جب انسان ڈیل نہیں کر سکتا تو اس کا ذہن اس میموری کو Repress کر دیتا ہے۔ اکثر بچپن کے برے واقعات کو بچے ذہن میں کوئی اور شکل دے دیتے ہیں یہاں تک کہ بڑے ہونے پہ اصل واقعہ انہیں بھول چکا ہوتا ہے اور اس کا متبادل من گھڑت خوشگوار واقعہ ان کو یاد ہوتا ہے۔''

''مگر یہ میرا بچپن نہیں ہے۔ ایک ہی رات میں، میں ایسے کچھ نہیں بھول سکتا۔''

''ہو سکتا ہے تمہارے سر پہ چوٹ آئی ہو یا ٹراما کی وجہ سے وقتی طور پہ یادداشت چلی گئی ہو۔ یا شاید اس رات کچھ بھی نہ ہوا ہو۔''

''مگر تالیہ کو کیسے علم ہوا؟'' اور یہیں آکے وہ الجھ جاتا تھا۔

''فاتح تمہارا مسئلہ وہ رات نہیں ' تالیہ مراد ہے۔ تم اسی کے بارے میں سوچ جا رہے ہو۔'' ڈاکٹر دین نرمی سے کہہ رہا تھا۔ فاتح نے سر جھٹکا۔

''مجھے نہیں معلوم۔''

''تم اس لڑکی میں انولوڈ ہو رہے ہو اور تم جانتے ہو یہ غلط ہے۔''

''یہ بات نہیں ہے۔ مجھے اس کے ساتھ ہو کے کبھی کچھ غلط محسوس نہیں ہوتا۔ بس یوں لگتا ہے کہ کوئی تعلق ہے ہمارے درمیان۔ کچھ ایسا جسے میں سمجھ نہیں پا رہا۔''

''تو تم اس کے بارے میں کچھ محسوس نہیں کرتے؟'' ڈاکٹر نے ابرو اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''میں اس کو مس کرتا ہوں۔ جب وہ سامنے آئے تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ یہ محبت نہیں ہے۔ یہ کچھ اور ہے۔ ایسا کبھی پہلے کسی اور کے ساتھ نہیں ہوا۔''

''کیونکہ تمہیں پہلے کبھی کسی سے محبت نہیں ہوئی۔''

''نہیں یار۔ میری بیوی ہے' میرے بچے ہیں۔ میں یوں دوسری عورت کے بارے میں کیسے سوچ سکتا ہوں؟'' وہ خود سے بے زار ہوا تھا جیسے۔ ڈاکٹر دین نے غور سے اسے دیکھا۔

''محبت کا یہی مسئلہ ہے۔ یہ وبا کی طرح کسی کو کہیں بھی لگ سکتی ہے۔ یہ شادی شدہ لوگوں کو بھی ہو جاتی ہے۔ تمہاری بیوی سے تمہارے تعلقات کئی برسوں سے خراب ہیں۔ تم دونوں پریکٹکلی ایک سرد کاغذی رشتے کو نبھا رہے ہو۔ اتنے برس سے تم مجھے بتاتے آئے ہو کہ وہ کس طرح تمہارے ساتھ توہین آمیز رویہ رکھتی ہے۔ وہ تمہیں آریانہ کے کھو جانے کا ذمہ دار سمجھتی ہے حالانکہ آریانہ تمہاری بیٹی تھی' اس کی نہیں۔ تمہارا اور تمہاری بیوی کا تعلق برسوں سے ختم ہے۔''

''مگر اب ہم ٹھیک ہیں۔''

''غلط۔ اب تمہاری بیوی نے رویہ بدلا ہے کیونکہ وہ تالیہ مراد سے خوفزدہ ہے۔ تم بے شک نہ مانو مگر میں اس کرسی پہ اس لئے بیٹھا ہوں کیونکہ میں انسانی رویوں کو پڑھ سکتا ہوں۔ تم اپنی بیوی سے بہتر تعلقات کے خواہاں ضرور ہو مگر انسان کے دل سے جب ایک دفعہ اس کا spouse اتر جائے' تو اس رشتے کو واپس پرانی حالت پہ لانا ممکن نہیں ہوتا۔ تم معاشرے کے لئے اس کے ساتھ رویہ بہتر کر سکتے ہو اور تم دونوں سکون سے بھی رہ سکتے ہو مگر محبتیں اپنی مرضی سے زندہ نہیں ہوتیں۔''

''تو پھر میں کیا کروں؟'' وہ جیسے ہار مان گیا تھا۔ ڈاکٹر دین ہاتھ باہم پھنسائے آگے کو ہوئے سنجیدگی سے کہنے لگا۔

''تم ایک ایکسٹرا آرڈنری لڑکی کے ساتھ چند ماہ کام کرتے آئے ہو۔ میں ابھی تک اس لڑکی کو ٹھیک

سے نہیں سمجھ سکا۔ جتنا تم نے بتایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی شخصیت کی مضبوطی' اس کی ذہانت غرض اس کی ہر بات تمہیں متاثر کرتی ہے۔ اگر وہ لڑکی واقعی کوئی چور ہے جیسا کہ تمہیں بتایا گیا ہے تو اس نے تم سے کچھ کیوں نہیں چرایا؟ اس نے صرف تمہاری مدد کی۔ وہ تمہارے کام آئی۔ مگر کیوں؟''

''شاید وہ میرے کاز پہ یقین رکھتی تھی؟''

''شاید۔ یا شاید اس کا مقصد تمہاری توجہ حاصل کرنا تھا، لیکن پھر ایک اصولی موقف پہ اس نے تمہیں چھوڑ کیوں دیا؟ اگر وہ تمہیں صرف حاصل کرنا چاہتی تھی تو اسے تمہارے اردگرد منڈلانا چاہیے تھا۔ اگر وہ تمہیں نقصان دینا چاہتی تھی تو ابھی تک تمہیں نقصان کیوں نہیں پہنچا؟ ایک Con Woman اگر خود کو لائم لائٹ میں لے آئے تو اس کا دھندا ہی ختم ہو جائے گا کہ سب اس کو پہچاننے لگیں گے۔ کوئی انسان اتنا سیلف لیس ہو کے کسی کے لئے کام صرف ایک صورت میں کرتا ہے۔''

''کس صورت میں؟'' وہ دھیان سے اس کو سن رہا تھا۔

''محبت میں۔ کیونکہ محبت انسان کو بے بس بنا دیتی ہے۔ آپ مختلف طریقوں سے خود کو اس شخص کے قریب رکھنا چاہتے ہیں۔ چاہے اپنی دنیا داؤ پہ بھی لگ جائے۔''

''تم کہہ رہے ہو کہ اسے مجھ سے محبت ہے؟''

''ہو بھی سکتی ہے۔ مگر وہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ ہمارا مسئلہ تم ہو۔ فاتح محبت شادی شدہ لوگوں کو بھی ہو جاتی ہے مگر سمجھدار انسان اس سے پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔ وہ لڑکی شادی شدہ ہے حالانکہ اس کا شوہر کبھی منظر پہ نہیں آیا۔ مگر اس نے تمہارے پاس کام چھوڑ دیا تاکہ وہ تم سے پیچھا چھڑا لے۔ تمہارے دو بچے ہیں اور تمہاری ایک سیاسی پوزیشن ہے۔ سیاستدان کی طلاق اس کو بدنام کر دیتی ہے۔ تمہیں بھی اب اس سے پیچھا چھڑانے کی ضرورت ہے۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

فاتح نے کنپٹی کو دو انگلیوں سے مسلا۔ اس کا سر درد کرنے لگا تھا۔

''اور وہ کیسے؟''

''مرد اور عورت ایک دوسرے کی طرف تب تک اٹریکٹڈ رہتے ہیں جب تک ان کے درمیان mystery رہتی ہے۔ مخالف صنف کی یہی مسٹری محبتوں اور افیئرز کی وجہ بنتی ہے۔ ہم اس مسٹری کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ تم اپنی زندگی میں واپس لوٹ سکو۔''

''وہ بھولی ہوئی رات ہمارے درمیان کی سب سے بڑی مسٹری ہے۔''

ڈاکٹر دین نے قلم سے کاغذ پہ کچھ لکھا۔ پھر چند لمحے سوچتا رہا۔

''کیا اس شادی کی تقریب کے بعد تم نے اس سے پوچھنے کی کوشش کی کہ تمہیں وہ رات کیوں بھول چکی ہے؟''

''ہاں۔ میں نے اسے ٹیکسٹ کیا تھا۔''

ڈاکٹر چونکا۔ ''اوہ' اور اس نے کیا وجہ بتائی؟''

''صرف ایک لفظ کہا۔ جادو۔'' وان فاتح نے شانے اچکائے۔

''جادو؟'' ڈاکٹر نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ ''خیر تم فکر نہ کرو۔ مجھے کچھ دن دو۔ میں تمہاری ان Repressed یادداشتوں کو واپس لانے کے لئے ایک کولیگ کی مدد سے کچھ کرتا ہوں۔''

''ارے واہ۔ تمہارے پاس ایسا کون سا جادو ہے جس سے یادداشت واپس آسکتی ہے؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''میرے پاس جادو سے زیادہ طاقتور اور موثر چیز ہے۔'' ڈاکٹر دین پورے دل سے مسکرایا۔ ''اور اسے میڈیکل سائینس کہتے ہیں۔''

☆☆==========☆☆

ویک اینڈ کی شام وان فاتح کی رہائش گاہ کے لونگ روم میں اس وقت رونق سی لگی تھی۔ اشعر اور عصرہ

صوفوں پہ بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ جولیانہ اور سکندر سامنے ٹی وی اونچی آوز سے چلائے ایکس باکس کھیلنے میں مگن تھے۔ ملازمہ چائے اور اسنیکس سروکر رہی تھی جب فاتح کمرے سے نکلا۔ اس نے پینٹ کے اوپر سفید شرٹ اور ٹائی پہن رکھی تھی اور کف لنک لگا رہا تھا۔ عجلت میں لگتا تھا۔ ایک ملازم ہینگر پہ اس کا کوٹ اٹھائے باہر کی طرف جا رہا تھا۔

''فاتح؟'' عصرہ نے مسکرا کے اسے پکارا تو وہ جو کف لنک لگاتے ہوئے الجھ رہا تھا' ہلکا سا مسکرایا۔

''سوری میں آپ لوگوں کو جوائن نہیں کر سکوں گا۔ مجھے ایڈم کی کتاب کی تقریب میں پہنچنا ہے۔''

''او کے۔ کوئی پرابلم نہیں۔'' عصرہ مسکرا کے اٹھی اور اس کے سامنے آرکی۔ پھر بہت محبت سے اس کے کف پہ کف لنک جوڑنے لگی۔

''تھینک یو۔'' اس نے عصرہ کو دیکھا تو محسوس کیا کہ وہ تھکی تھکی سی لگ رہی ہے۔ جیسے کوئی انسان اندر سے کھوکھلا ہونے کے باوجود مسکرا تا رہے۔

''تم ٹھیک ہو؟''

''ہاں۔ مگر یادداشت کمزور ہونے لگی ہے۔ بتانا ہی بھول گئی کہ تالیہ نے سوئیٹس بھیجی تھیں۔'' ماتھے کو چھو کے اس نے ملازمہ کو آواز دی۔ پھر بچوں کو والیوم ہلکا کرنے کا کہا۔ سکندر نے تابعداری سے آواز کم کی تو ذرا خاموشی ہوئی۔ ایسے میں عصرہ کی بات سب گواہوں نے غور سے سنی تھی۔

''تالیہ نے کوکوچل سے کوئی پیسٹریز بنا کے بھیجی ہیں۔ تمہارے اور میرے لیے۔ ہاؤ سوئیٹ آف ہر۔''

ملازمہ ایک ٹوکری اٹھا لائی۔ یہ اس ٹوکری جیسی تھی جو فاتح نے تالیہ کے گھر میں دیکھی تھی۔ اس کے اندر بس دو پیسٹریز رکھی تھیں۔ ایک کیرٹ کیک کا ٹکڑا تھا اور ایک چاکلیٹ والی تھی۔ فاتح نے ایک نظر ان کو دیکھا۔

''کوئی خاص وجہ؟''

''وہ ممنون تھی کہ ہم نے اس کے خلاف حکومتی کیس کو مضبوط نہیں ہونے دیا۔''عصرہ نے کیرٹ کیک کا ٹکڑا خود اٹھالیا اور چاکلیٹ پیسٹری کی طرف اشارہ کیا۔

''کھاؤ نا۔تمہارے لیے میں نے چاکلیٹ والی رکھی ہے کیونکہ اس میں نٹس ہیں اور تم تو جانتے ہو ڈیئر مجھے نٹس الرجی ہے۔ بلکہ میں نے تالیہ کو بھی بتا رکھا تھا۔خیر تم لو نا۔''وہ کیرٹ کیک کھاتے ہوئے غور سے اسے دیکھ

رہی تھی۔فاتح نے ایک نظر اشعر کو دیکھا جو تالیہ کے ذکر پہ جان بوجھ کے فون پہ مصروف ہو گیا تھا اور پھر اس نے شانے اچکا دیے۔

''ابھی دل نہیں چاہ رہا۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''اس نے اتنے خلوص سے بھیجی ہیں۔ چکھ تو لو۔''

''واپس آ کے۔''وہ سب کو خدا حافظ کہتا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔عصرہ نے کیرٹ کیک کھاتے ہوئے غور سے اسے جاتے دیکھا۔پھر ملازمہ کو کیک فریج میں رکھنے کی ہدایت کی اور بچوں کو یاددہانی کروائی۔

''کوئی اس کیک کو ٹچ نہیں کرے گا۔ یہ تالیہ آنٹی نے صرف ڈیڈ کے لیے بھیجا ہے۔ٹھیک؟''

سکندر نے سر ہلا دیا۔ جولیانہ نے البتہ سنا ہی نہیں۔ وہ اسکرین پہ نظریں گاڑھے کھیلتی رہی۔عصرہ واپس صوفے پہ جا بیٹھی اور گفتگو کا سلسلہ وہیں سے جوڑنا چاہا البتہ اشعر قدرے خفا ہوا۔

''کا کا....تم لوگ اس لڑکی سے اب پیچھا چھڑا لو۔اس پہ کیس چلے گا تو ہم سب بدنام ہوں گے۔''

''نہیں ایش۔''وہ اداسی سے مسکرائی۔''میں اب اس سے پیچھا نہیں چھڑانا چاہتی۔ وہ فاتح سے کبھی دور نہیں جائے گی۔ میں نے اسے قبول کر لیا ہے۔''اور وہ سچ کہہ رہی تھی۔اس نے ہار قبول کر لی تھی۔

وہ تالیہ سے بھی ملے گا اور وہ اسے بتا دے گی کہ وہ پیسٹریز اس نے نہیں بھیجیں لیکن عصرہ کو اس بات کی پرواہ نہ تھی۔ اس کے بچوں اور اشعر نے سن لیا تھا کہ وہ تالیہ نے بھیجی ہیں۔ اتنے گواہ بہت تھے۔

موبد کے چینل کے زیرِ اہتمام ایک مقامی ہوٹل میں ایڈم بن محمد کی پریس سجائی گئی تھی۔ اسٹیج پہ اس وقت میز کے پیچھے خالی کرسیاں رکھی تھیں۔ ان کے عقب میں بڑی اسکرین پہ ایڈم کی کتاب کا سرورق دکھایا جا رہا تھا۔ تقریب شروع ہونے میں ابھی وقت تھا اس لیے اسٹیج خالی تھا اور مہمان ٹولیوں کی صورت کھڑے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ مشروبات سرو کیے جا رہے تھے اور چہ مگوئیاں جاری تھیں۔ ایسے میں گلاس اٹھائے مہمانوں کے درمیان سے گزرتی تالیہ صرف ایک چہرے کو ڈھونڈ رہی تھی جس کو صبح ہی اس نے مدعو کیا تھا اور اسے امید تھی کہ وہ آئے گا۔

اور پھر وہ اسے نظر آ ہی گیا۔ چند لوگوں میں گھرا کھڑا مسکرا کے بات کرتا وان فاتح۔ وہ اکیلا تھا۔ عصرہ ساتھ نہیں آئی تھی۔ تالیہ کو حیرت ہوئی۔ فاتح نے اسے دیکھا تو دوسرے مہمانوں سے معذرت کر کے اس طرف آیا۔ چند قدم وہ چلا۔ چند قدم تالیہ چل کے آئی۔ اسے دیکھ کے وہ جیسے بہت خوش ہوا تھا۔

''مسز عصرہ نہیں آئیں؟''

''نہیں۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ ایڈم کہاں ہے؟''

''وہ بیک اسٹیج ہے۔ اپنی تقریر دہرا رہا ہے۔'' وہ بھی اسے دیکھ کے خوش ہوئی تھی۔ آج اس نے سیاہ اسکرٹ پہ سفید بلاؤز اور سیاہ کوٹ پہنے' بالوں کو کھلا چھوڑا ہوا تھا۔ بنا میک اپ کے چہرہ اور اس پہ فاتح کو دیکھ کے آئی مسکراہٹ۔ کیوں اس کو دیکھ کے احساس ہوتا تھا کہ دونوں کے درمیان کوئی تعلق تھا؟ کچھ ایسا جو وہ چاہ کے بھی یاد نہیں کر پا رہا تھا۔

''تھینک یو۔ سوئیٹس کے لیے۔'' وہ مسکرا کے کہنے لگا تو تالیہ کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

''سوئیٹس؟''

''پیسٹریز۔ براؤنیز۔ واٹ ایور۔ مگر اس کی ضرورت نہیں تھی۔''

تالیہ ناسمجھی سے مسکرائی۔ ''میں.... آئی ایم سوری.... واٹ؟''

''چے تالیہ۔'' اسے کسی نے پکارا اور وہ ایک منٹ رکو کہنا چاہتی تھی کہ فاتح کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھے تو چونک کے مڑی۔

پراسیکیوٹر احمد نظام تین سوٹ والے افراد کے ساتھ کھڑے تھے۔

''آپ یہاں کیا کہہ رہے ہیں؟'' فاتح نے برہمی سے پوچھا۔ احمد نظام نے کاغذ کا ایک ٹکڑا اس کی طرف بڑھایا۔

''ہمارے پاس تالیہ مراد کی گرفتاری کے وارنٹ ہیں۔ چے تالیہ.... آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔''

تالیہ بالکل ٹھہر کے ان کو دیکھنے لگی۔ فاتح نے البتہ ناگواری سے کاغذ لیا اور اسے کھول کے دیکھا۔ چونکہ دور

دور تک ٹولیوں کی صورت مہمان بکھرے تھے اس لیے فی الوقت کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

''آپ کی انگوٹھی کی فارنزک رپورٹ آ گئی ہے۔ یہ وہی انگوٹھی ہے جو صوفیہ رحمٰن کی ملکیت میں تھی۔'' احمد نظام نے فاتحانہ انداز میں جتایا تو اس نے گہری سانس لی۔

''ٹھیک ہے۔ آپ مجھے گرفتار کرلیں۔ مگر یہ ایڈم کی سب سے بڑی تقریب ہے۔ میں اس کے انٹرویوز مس کر دیتی ہوں۔ میں اس کو مس نہیں کرنا چاہتی۔ آپ تقریب کے اختتام پہ مجھے گرفتار کر لیجیے گا۔'' وہ بہت ضبط سے بولی۔

''قانون اندھا ہوتا ہے' چے تالیہ۔''

''مگر آپ کی تو آنکھیں ہیں۔'' وہ درشتی سے بولا۔ ''اگر تالیہ نے انگوٹھی چرائی ہوتی تو وہ اسے سرعام پہن کے گھوم رہی ہوتی؟ واٹ ربش۔''

''میں آپ کے ساتھ صرف اتنی رعایت کر سکتا ہوں کہ میں آپ کو کار تک بغیر ہتھکڑی لگائے لے جاؤں تا کہ اطراف کے لوگوں کو فی الوقت علم نہ ہو اور اس نوجوان کی تقریب خراب نہ ہو۔ لیکن اگر آپ مجھے انتظار کروائیں گی تو یہ آفیسرز آپ کو ہتھکڑی لگا دیں گے۔ آگے آپ کی مرضی ہے۔''

تالیہ نے ایک نظر اسٹیج کو دیکھا۔ ایڈم ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ پھر دوسری نظر اس نے اطراف میں ڈالی۔ وہاں اونچے شملے والے شہر کے معززین موجود تھے۔ وہ ان سب کے درمیان بے عزت ہو جائے' یہ اسے گوارا نہیں تھا۔

''ٹھیک ہے۔ میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔'' پھر وہ فاتح کی طرف پلٹی۔ ''آپ...''

''ڈونٹ سے آورڈ!'' اس نے ہاتھ اٹھا کے روکا۔ ''اس وقت تمہارے پاس خاموش رہنے کا حق ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں کسی وکیل کو بھیجتا ہوں تمہاری طرف۔'' وہ فکرمندی مگر سبھاؤ سے کہہ رہا تھا۔ تالیہ نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''آپ جانتے ہیں میں نے وہ مجسمہ کیوں بنایا تھا؟''

''تالیہ.... ششش..''

''بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ مجسمہ شہزادی تاشہ نے وانگ لی کے احترام میں بنایا تھا۔ مگر کچھ لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ شہزادی وہاں وانگ لی کے غلام سے ملنے آتی تھی۔ ایڈم سمجھتا ہے کہ میں نے وہ مجسمہ اس لیے بنایا تھا تا کہ زمین میں خزانہ چھپا سکوں۔ مگر میں نے ان میں سے کسی وجہ کی بنا پہ وہ مجسمہ نہیں بنایا تھا۔'' وہ دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔ نگاہیں اس کی آنکھوں سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ وہ بہت الجھ کے مگر بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اگر آپ اس رات کا راز جاننا چاہتے ہیں تو آپ کو اس مجسمے کو توڑنا ہوگا۔ آپ کو وانگ لی کا مجسمہ توڑنا ہوگا' تو انکو۔ وہ میں نے توڑنے کے لیے ہی بنایا تھا۔''

''تالیہ...''وہ اسے چاہنے کے باوجود بھی نہیں روک سکتا تھا۔

وہ مڑی اور احمد نظام کو اشارہ کیا۔''چلیں۔ میں آپ کے اندھے قانون کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

انہوں نے سر کو خم دیا اور تالیہ کے ہمراہ آگے بڑھ گئے۔ان کے ساتھی افسران پیچھے آئے۔

باہر ایک پولیس کار کی بیک سیٹ پہ وہ بیٹھی ہی تھی کہ ایک آفیسر نے درشتی سے اس کی کلائیوں پہ ہتھکڑی لگائی۔کلک کی آوز سے کڑا بند ہوا تو تالیہ نے ایک نظر اپنی مقید کلائیوں پہ ڈالی۔اور پھر...تپش بھری آنکھیں اٹھا کے فرنٹ سیٹ پہ بیلٹ پہنتے پراسیکیوٹر کو دیکھا۔

''میں تم سب کے چہرے یاد رکھوں گی۔اور ایک دن تمہارے یہی جھکے ہوئے چہرے مجھ سے معافی مانگیں گے۔''

☆☆==========☆☆

(حالم کی اگلی قسط آپ انشاءاللہ 15 ستمبر کو پڑھ سکیں گے۔)

حالم (نمرہ احمد)

سترہواں باب:

''سات راتیں' چھے دن' پانچ خطوط''

اس نے خواب میں دیکھا کہ...

اس کے ہاتھ زنجیروں میں بندھے تھے...

دو افراد اس کے عقب میں کھڑے محسوس ہوتے تھے...

اور سامنے ایک ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے کھڑا مرد تھا...

اس مرد نے زرتار پوشاک پہن رکھی تھی....

اور اس کے لمبے سیاہ بالوں کے ہالے میں چہرے پہ برہمی تھی...

اس کے انداز میں کچھ خوفزدہ کرنے والا تھا...

مگر اس نے خود کو بلاخوف کہتے سنا۔

''تمہاری بیٹی ایک سمندری سفر پہ گئی تھی جس سے وہ لوٹ کے نہیں آئی تھی۔

اگر تم اس کو بچانا چاہتے ہو تو اسے کسی سمندری سفر پہ نہ بھیجنا۔''

''مجھے تمہاری کسی بات پہ یقین نہیں ہے۔'' وہ آدمی غرایا تھا۔

''جاؤ اور میرے قید خانے میں اپنی باقی ماندہ زندگی گزارو۔''

اس نے خود کو مسکراتے دیکھا۔

''بہت جلد تم اتنے مجبور ہو جاؤ گے مراد راجہ کہ تم خود مجھے یہاں واپس بلاؤ گے۔

اور اس کرسی پہ مجھے بٹھا کے میرے ساتھ مذاکرات کرو گے۔''

ایک عجیب سی کیفیت میں اس کی آنکھ کھلی تھی۔

☆☆=========☆☆

احمد نظام اسے ''بالائی پولیس مسجد انڈیا'' والے پولیس اسٹیشن میں لائے تھے۔ وہ مسجد انڈیا نامی علاقے کا ایک چھوٹا اسٹیشن تھا اور اس کے آس پاس اس وقت کوئی صحافی وغیرہ نہ تھا جو تالیہ مراد کو وہاں دیکھ کے پہچان لیتا۔

کچھ دیر بعد اسے ایک انٹروگیشن روم میں بٹھا دیا گیا اور پوچھ گچھ شروع ہوگئی۔

وہ ایک خالی کمرہ تھا۔ درمیان میں میز رکھی تھی اور سامنے آدھی دیوار آئینے کی بنی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کے پار کھڑے تفتیشی افسران کو وہ دکھائی دے رہی ہوگی البتہ وہ ان کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ ایک کرسی پہ بیٹھی تھی اور ہتھکڑیوں والے ہاتھ میز پہ رکھے' سامنے بیٹھے پراسیکیوٹر اور پولیس افسر کو خاموشی سے گھورے جا رہی تھی۔

(تالیہ ایک وحشت ناک پنجرے میں بھی بند ہو چکی تھی' اور ایک پرتعیش محل میں قید بھی ہو چکی تھی۔ وہ ان کی عام جیلوں سے نہیں ڈرتی تھی۔) سر جھٹک کے اس نے خود کو تسلی دی البتہ کوئی شے تھی جو اندر ہی اندر اس کے اعصاب کو ہلا رہی تھی۔

''کل آپ کو عدالت میں پیش کیا جائے گا' تالیہ۔'' پراسیکیوٹر احمد نظام سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔ سیاہ بالوں والی لڑکی بس چبھتی نظروں سے انہیں دیکھے گئی۔ بولی کچھ نہیں۔

''آپ اب بھی چاہیں تو سچ بول سکتی ہیں' یا پھر.... آپ کو اپنے وکیل کا انتظار ہے۔''

''تالیہ کسی سے ڈرتی نہیں ہے جو اسے وکیل کی مدد کی ضرورت ہو۔ اگر میں چپ ہوں تو اس لئے کہ آپ کو میرے سچ کا یقین نہیں آئے گا۔''

احمد نظام مٹھیاں میز پہ جمائے آگے کو جھکے اور سنجیدگی سے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے۔

آگے انہوں نے جو بھی کہا' تالیہ نے نہیں سنا۔ اسے آوازیں آنا بند ہوگئی تھیں۔ وہ یک ٹک ان کے ہلتے لبوں کے پیچھے دانتوں کو دیکھ رہی تھی جن سے خون نکل رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دو داڑھیں ٹوٹیں اور ان کی زبان سے پھسلتی میز پہ آن گریں۔ خون آلود لمبی جڑ والی داڑھیں۔

''تالیہ؟''

اس نے چونک کے ادھر ادھر دیکھا۔ میز صاف تھی۔ احمد نظام کا منہ بھی صاف تھا اور وہ کہہ رہے تھے۔ ''میں آپ کے سچ کا یقین کروں گا۔ آپ سچ بولنے کی کوشش تو کریں۔''

اوہ..... اس کے خواب.... اس نے سر جھٹکا اور پیچھے کو ٹیک لگائی۔

''آپ کریں گے یقین؟'' چیلنجنگ انداز میں ابرو اٹھا کے پوچھا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ساتھ بیٹھا تفتیشی افسر

خاموشی سے بیٹھا سنتا رہا۔

"تو پھر سنیے...." تالیہ نے ٹیک لگائی اور ہتھکڑیوں والے ہاتھ گود میں رکھ کے گویا ہوئی۔

"چند ماہ قبل میں ایک رات وان فاتح کے ملاکہ والے گھر گئی تھی۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہاں ایک خزانہ دفن ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا تھا؟"

"مجھے ٹوکیے مت۔ مجھے سچ بولنے دیجیے۔" شہزادی نے پیشانی پہ بل ڈال کے کہا۔ "میں اسی خزانے کے لئے اس گھر کو کرائے پہ لینا چاہتی تھی مگر ایسا ہو نہیں سکا۔ پھر اس رات مجھے اس گھر کے صحن میں ایک ٹریپ ڈور ملا۔ وان فاتح اور ایڈم میرے ساتھ تھے۔ میں سمجھی تھی اس کے پیچھے خزانہ ہو گا مگر جب ہم نے وہ دروازہ کھولا تو اس کے پار...." اس نے گہری سانس لی۔ دونوں غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔ "اس کے پار ایک جنگل تھا۔ اس دوران ہمیں معلوم ہوا کہ ہم اکیسویں صدی سے واپس پندرہویں صدی کے ملاکہ میں چلے گئے ہیں۔ وہ وقت کا دروازہ تھا جسے ہم نے کھولا تھا اور ہم واپس نہیں جا سکتے تھے۔"

تفتیشی افسر کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی جسے اس نے بند مٹھی منہ پہ رکھ کے چھپا لیا۔

"یعنی کہ آپ تینوں وقت میں پیچھے چلے گئے تھے۔ پھر؟" احمد نظام سنجیدگی سے بولے۔

"ہم چار دن اس جنگل میں سفر کرتے رہے اور پھر ہم اس سے نکلے تو....."

"چار دن آپ نے گزارا کیسے کیا؟ کھانے پینے کا سامان ساتھ تھا؟"

"نہیں۔ ہم نے گراس ہوپرز کھائے اور بے بسی بھرا غصہ پیا۔ اب میں آگے چلوں؟"

"شیور۔ شیور۔ پھر آپ جنگل سے نکلے تو؟"

"تو ہمیں ایک غلاموں کے بیوپار گروہ نے قید کر لیا۔ وہ ہمیں ملاکہ شہر لے گئے۔ ایڈم اور میں تو ان کی گرفت سے بھاگ گئے مگر فاتح صاحب نہیں بھاگ سکے۔ بہر حال تب مجھے علم ہوا کہ میرا تعلق اسی دنیا سے ہے۔ تیرہ سال کی عمر میں 'میں وقت کا دروازہ پار کر کے اس نئے زمانے میں آ گئی تھی۔ میں نے اپنے بابا کو ڈھونڈا تو پتہ چلا' وہ بندا ہارا مراد راجہ بن چکے ہیں۔ وہاں لوگوں سے میرا تعارف ان کی بڑی بیٹی تاشہ بنتِ مراد کے طور پہ کروایا گیا اور مجھے شہزادی بنا دیا گیا۔ جبکہ ایڈم کو میں نے اپنا مورخ مقرر کر دیا۔ ہماری ساری کوششیں مراد راجہ سے وقت کی چابی لینے اور فاتح کو آزاد کروانے میں صرف ہوئیں۔ اس کام میں چار ماہ لگے اور بالآخر راجہ نے ہمیں جانے دیا۔ وہ انگوٹھی مجھے سلطان مرسل شاہ نے تحفے میں دی تھی اور ہر اچھی شہزادی کی طرح میں تحفے نہیں ٹھکرا سکتی تھی کیونکہ سلطان اسے علمِ بغاوت کے مترادف سمجھتا۔ سلطان سے شادی نہ کرنے کے لیے مجھے وان فاتح سے شادی کرنی پڑی سو ٹیکنکلی میں ان کی بیوی ہوں۔ چار ماہ قدیم ملاکہ میں گزارنے کے بعد ہم واپس آئے تو میں

کچھ چیزیں ساتھ لے آئی۔ یہ انگوٹھی انہی میں سے ایک ہے۔ یہ میری ہے اور میں نے اسے نہیں چرایا۔ ہم واپس آئے تو وقت ٹھہرا ہوا تھا اور ہم اسی رات میں واپس آئے تھے۔ مسئلہ صرف اتنا ہوا کہ فاتح صاحب کو وہ زمانہ بھول گیا البتہ مجھے اور ایڈم کو سب یاد ہے۔ اب آپ بتائیں۔ آپ کو یقین آیا میری بات پہ؟" اس کے لہجے میں طنز تھا۔

احمد نظام گال تلے ہتھیلی رکھے بغور اسے دیکھ رہے تھے۔ آخری بات پہ ہنکارا ابھرا اور سر ہلایا۔

"میرا سوال اب بھی وہیں ہے۔ آپ کو کیسے علم ہوا کہ اس گھر میں خزانہ مدفن ہے؟"

"کیونکہ مجھے...." وہ آگے ہوئی اور ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ "سچے خواب آتے ہیں۔ میں مستقبل کے مناظر دیکھ سکتی ہوں۔ مجھے وہ نظر آتا ہے جو عام لوگوں کو نظر نہیں آتا۔"

احمد نظام چند لمحے اسے تاسف سے دیکھتے رہے' پھر گہری سانس لے کر اٹھے۔

"چے تالیہ.... آپ کی اس کہانی پہ میں ویسے بھی یقین نہ کرتا لیکن اس خواب دیکھنے والی بات نے اس کو انتہائی بوگس بنا دیا ہے۔ یعنی آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ قید بھی ہوئیں' پھر شہزادی بھی نکل آئیں' اور مستقبل کے وزیر اعظم بھی آپ کے ساتھ تھے' بلکہ انہوں نے آپ سے شادی بھی کر لی؟ اور پھر آپ وہاں سے قیمتی زیورات لے کر واپس بھی آ گئیں۔ اور ہاں سلطان بھی آپ کی محبت میں گرفتار تھا اور آپ اس کی ملکہ بننے والی تھیں.... یہ اسٹوری تو اگر کسی فلم کی ہو تو اسے بھی فلاپ کروا دے' اور آپ اس کہانی کو کورٹ میں اپنے واحد ڈیفنس کے طور پہ استعمال کر رہی ہیں؟"

تالیہ نے نظریں اٹھا کے تندہی سے اسے دیکھا۔ "آپ کو اندازہ بھی نہیں ہے کہ میں کن حالات سے گزری ہوں۔"

"یو نو.... میرا ایک دوست کہا کرتا تھا کہ **جب تک انسان کسی دوسرے کی جگہ پہ کھڑا نہ ہو' وہ اصل کہانی نہیں جان پاتا۔ ایک ہی روایت میں اگر راوی اور مروی کی جگہیں بدل دی جائیں تو سارا قصہ ہی بدل جاتا ہے۔** مگر آپ کی بات سمجھنے کے لئے چے تالیہ مجھے جگہ نہیں دنیا ہی بدلنی ہوگی۔ ساری باتیں چھوڑ دیں' کیا آپ صرف یہ ثابت کر سکتی ہیں کہ آپ کو سچے خواب آتے ہیں؟"

"جی۔ کر سکتی ہوں۔"

"اوکے۔ کس طرح؟" وہ ہتھیلیاں میز پہ رکھ کے اس کے سامنے جھکے۔ تالیہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"میں نے آپ کے بارے میں دیکھا ہے کہ آپ کی دو داڑھیں گر گئی ہیں۔ وہ بھی خون آلود ہو کے۔ دانت کسی انسان کے رشتے داروں اور دوستوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ داڑھوں کی جڑیں بہت لمبی ہوتی ہیں۔ یعنی بوڑھے لوگ۔ آپ کے عزیز و اقارب میں دو لوگ مرنے والے ہیں' وہ بھی خونی موت۔ ایک دانت بڑا تھا اور ایک چھوٹا۔ ایک بوڑھا مرد۔ اور

ایک بوڑھی عورت کچھ عرصے میں مرجائیں گے۔"

احمد نظام نے گہری سانس لی۔اور سر جھٹکا۔"ظاہر ہے کہ آپ جانتی ہیں میرے دونوں والدین کینسر پیشنٹ ہیں اوران کی زندگی بہت کم رہ گئی ہے۔اگرانہیں کچھ ہوا بھی تو میں اسے آپ کے خواب کی تعبیر نہیں سمجھوں گا پے تالیہ۔سی یو ان کورٹ ٹو مارو۔"

احمد نظام نے اپنا فون اٹھایااور وہاں سے نکل آئے۔

باہر رات پھیل چکی تھی مگر پولیس اسٹیشن میں معمول کا رش لگا تھا۔وہ اپنی دھن میں آگے بڑھتے ہوئے راہداری کے کونے تک پہنچے تھے جب ایک سیاہ سوٹ والے آدمی کو سامنے سے آتے دیکھا۔وہ آدمی ان کے ساتھ سے گزر کے آگے بڑھ گیا تو انہوں نے یونہی گردن موڑ کے دیکھا۔وہ انٹیروگیشن روم کی طرف جارہا تھا۔احمد نظام نے قریب سے گزرتے ایک سپاہی کو روک کے استفسار کیا۔

"یہ آدمی کون ہے اور اندر کیوں جارہا ہے؟"

"میں پتہ کرتا ہوں۔" سپاہی بھی انٹیروگیشن روم کی طرف لپکا۔احمد نظام رک کے انتظار کرنے لگے۔چند لمحے بعد وہ سپاہی واپس آیا اور ان کو بتایا۔

"یہ وہ اس لڑکی کا وکیل ہے۔تالیہ....تالیہ مراد کا وکیل۔"

وکیل۔یعنی اب ایک طویل قانونی جنگ کا آغاز ہونے والا تھا!

احمد نظام نے گہری سانس لی اور آگے بڑھ گئے۔وہ پارکنگ لاٹ تک آئے تھے جب ان کے قدم زنجیر ہوئے۔ایک خیال ان کے ذہن سے ٹکرایا اور اس نے انہیں پتھر کا بت بنا دیا۔

اس ایک عجیب لمحے میں ان پہ انکشاف ہوا تھا کہ تالیہ مراد سچ کہہ رہی تھی۔

اگلے ہی پل وہ تیزی سے آگے کو بھاگے......

☆☆==========☆☆

پہلی رات:۔

وہ انٹیروگیشن روم میں اسی طرح بیٹھی تھی۔احمد نظام جاچکے تھے اور تفتیشی افسر سامنے موجود تھا۔ان کے جانے کے بعد وہ کھنکھار کے گویا ہوا۔

''دیکھیں تالیہ....میں نے آپ کا بیان سنا ہے.....''اس نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے گہری سانس لی۔''اور میں آپ کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہوں۔احمد نظام کافی سخت طبیعت اور چھوٹے ذہن کے آدمی ہیں اور.....''

''اوہ پلیز....''اس نے بے زاری سے بات کاٹی۔''میرے ساتھ گڈ کاپ' بیڈ کاپ مت کھیلیں۔ مجھے آپ سے زیادہ کرتب آتے ہیں۔''

اور دل میں اس نے سوچا تھا۔یہ ایک ConWoman کو Con نہیں کر سکتے۔بے وقوف۔

تبھی دروازہ کھلا اور ایک سیاہ سوٹ والا آدمی اندر داخل ہوا۔وہ دراز قد' جیل لگے بالوں اور سانولی رنگت کا حامل ہندوستانی نقوش کا آدمی تھا جس کے ماتھے پہ بل پڑے تھے۔اس نے کھٹاک سے ایک فائل میز پہ رکھی تو تفتیشی افسر نے چونک کے سر اٹھایا۔دراز قد آدمی نے احمد نظام کی خالی کرسی اٹھائی'اور میز کی دوسری جانب تالیہ کے ساتھ لا کے رکھی'پھر کوٹ کا بٹن کھولتے ہوئے بیٹھا۔تفتیشی افسر نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''ایک منٹ.....آپ ایسے کیسے اندر آ گئے۔''

سانولا آدمی گردن موڑ کے تالیہ سے پوچھنے لگا۔''انہوں نے کوئی بدسلوکی تو نہیں کی تمہارے ساتھ؟اور تم نے کچھ کھایا پیا ہے یا نہیں؟''اس کے انداز میں ایک اپنائیت سی تھی۔وہ بس نفی میں سر ہلا کے رہ گئی۔

''جناب آپ کی تعریف؟''تفتیشی افسر نے برہمی سے پوچھا تو اس آدمی نے چہرہ موڑ کے تندہی سے اسے دیکھا۔

''میں تالیہ مراد کا وکیل دولت بن امان ہوں۔''اپنا کارڈ اس کے سامنے لہرایا اور پھر ناقدانہ نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیا۔''کولنگ سسٹم کام نہیں کر رہا کیا؟ آپ نے میری کلائینٹ کو اس گرمی میں بٹھا رکھا ہے؟''ساتھ ہی ٹائی کی ناٹ قدرے ڈھیلی کی۔ماتھے کے بل ہنوز پڑے ہوئے تھے۔

''آپ غالباً سپریم کورٹ کے سینئر وکیل ہیں۔ہمارے چھوٹے موٹے تھانوں میں آپ کا آنا جانا کم ہوتا ہے ورنہ آپ کو ہمارے حالات معلوم ہوتے۔''تفتیشی افسر طنز سے بولا۔تھوڑی دیر پہلے کی نرم خوئی اب عنقا ہو چکی تھی۔

''واٹ ایور۔''دولت امان نے اسی اکھڑے انداز میں ہاتھ جھلایا۔''میں تالیہ کو لے جانے آیا ہوں۔میرا پیرا لیگل ضمانت کے کاغذات آپ کے پولیس کمشنر کے آفس میں لے گیا ہے۔آپ جا کے دیکھ لیں۔''

''ضمانت؟''تالیہ چونکی۔''مگر کورٹ تو صبح کھلے گا اور.....''

لیکن دولت امان نے ہاتھ اٹھا کے تالیہ کو خاموش کرایا۔

''آپ اب کچھ نہیں بولیں گی۔ایک لفظ نہیں۔میں آ گیا ہوں نا۔میں ان کی طبیعت صاف کرنے کے لئے کافی ہوں۔''

وہ درشتی سے کہتا میز پہ آگے کو جھکا اور مٹھیاں باہم پھنسا کے میز پہ رکھیں۔ایک لمحے میں وہ جان گئی کہ اسے کس نے بھیجا تھا۔آنسوؤں کا گولا سا تھا جو اس کے حلق میں اٹکنے لگا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے؟ جب آپ کا دل چاہے گا آپ کوئی بھی الزام لگا کے انہیں یہاں لے آئیں گے؟ یہ وان فاتح کی چیف آف اسٹاف ہیں۔ مجھے ہفتہ بھر پہلے سے فاتح نے ان کی ضمانت قبل از گرفتاری کروانے کی تلقین کر رکھی تھی۔میں آج صبح وہ کروا بھی چکا تھا۔اپنے کمشنر کے پاس جائیں اور میری کلائنٹ کی ہتھکڑیاں کھلوائیں تاکہ میں انہیں ان کے گھر لے جاؤں۔''

دولت امان کی بھاری آواز اور رعب اتنا زیادہ تھا کہ وہ افسر قدرے گڑبڑا کے اٹھا۔''میں....آتا ہوں۔''

وہ دونوں کمرے میں اکیلے رہ گئے تو تالیہ نے لب کھولے۔

''آپ کو....فاتح نے....'' الفاظ حلق میں ہی اٹک گئے۔گلا رندھ گیا۔

''آپ کو کیا لگتا تھا؟ وہ اپنے دوستوں کو اکیلا چھوڑ دیتے ہیں؟'اب کے وہ نرمی سے گویا ہوا تو بہت سے آنسو اس کے اندر ہی اندر گرنے لگے۔

''فاتح اور میں کلاس فیلوز تھے۔وہ مجھ پہ بہت بھروسہ کرتا ہے۔جب سے اس پراسیکیوٹر نے فاتح کے گھر چکر لگانے شروع کیے تھے'اس نے مجھے یہ کام کرنے کو کہہ رکھا تھا لیکن مگر میری غلطی ہے کہ میں یہ کاغذات پہلے نہیں تیار کروا سکا۔''

''مگر میرے دستخط کے بغیر....'' وہ کہنے لگی تو جواباً وہ مسکرایا۔

''چے تالیہ....ہم وکلاء زیادہ بڑے کون مین ہوتے ہیں۔'' اور ابرو سے کیمروں کی طرف اشارہ کیا۔وہ بدقت مسکرا دی۔

''اب آپ کچھ نہیں بولیں گی۔ جو کہنا ہے میں کہوں گا۔آپ کی خاموشی آپ کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ٹھیک؟''

تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔''مگر وہ انگوٹھی میں نے نہیں چرائی تھی۔وہ میری تھی۔''

''کون سی انگوٹھی' چے تالیہ؟ وہ جو بغیر کسی گواہ کے پراسیکیوٹر آپ سے لے کر گیا تھا؟ آپ کی وہ انگوٹھی تو Imitation تھی۔وہ کوئی اصلی تھوڑی تھی۔جس انگوٹھی کو فرانزک نے صوفیہ رحمٰن کی انگوٹھی قرار دیا ہے'اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ آپ کی تھی؟ کیا پراسیکیوٹر یہ بات ثابت کر سکتا ہے کہ اس نے آپ کی نقلی انگوٹھی کو کسی اصل انگوٹھی سے نہیں بدلا؟''

''میری انگوٹھی نقلی تھی؟ کورٹ یہ مان لے گی؟'' وہ تعجب سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اگر آپ کی انگوٹھی اصلی ہوتی تو اس کی مالیت لاکھوں میں ہوتی۔آپ اسے اس پراسیکیوٹر کو اتنے آرام سے کیوں دیتیں؟ یہی بات ہم کورٹ میں بتائیں گے۔ایک دن میں یہ کیس خارج ہو جائے گا۔بس اتنی سی بات تھی۔'' وہ نرمی سے تسلی دے رہا

تھا۔''اور فاتح نے دی تھی نا آپ کو وہ انگوٹھی۔تو جس جیولر سے فاتح نے لی تھی' اس کا بیان بھی شامل کروں گا میں اور اس کو بھی اٹھا کے عدالت میں لے آؤں گا۔آپ نے پہلے فاتح کا نام اس لئے نہیں لیا کہ یہ اسکینڈل نہ بن جائے۔اب آپ سچ بتا دیں گی۔بات ختم۔''

وہ واقعی اچھا وکیل تھا۔لفظوں کے ہیر پھیر سے اس نے سارا کیس ہی پلٹ دیا تھا۔

(اور اگر عدالت میں قرآن پہ ہاتھ رکھوا کے پوچھ لیا گیا کہ یہ انگوٹھی اس کی تھی یا نہیں تو وہ جھوٹ کیسے بولے گی؟) اس نے سر جھٹکا۔یہ جھوٹ تھا مگر ایک ناکردہ جرم کی سزا سے بچنے کے لئے اسے وہ کڑوا گھونٹ پینا پڑے گا کیونکہ قانون ہی اس کا دشمن بنا ہوا تھا۔

''فاتح صاحب نہیں آئے؟'' جانے کیوں اس نے پوچھ لیا۔

''نہیں تالیہ۔وہ کیسے آ سکتا تھا۔میڈیا پیچھے آجاتا اور....'' دولت نے بات روک دی۔(اور آپ کی بدنامی ہوتی۔) وہ یہی کہنا چاہتا تھا شاید۔وہ چپ ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد پولیس کمشنر اور تفتیشی افسر اسی کمرے میں ان کے ساتھ کھڑے تھے۔تالیہ کی ہتھکڑیاں اتاری جا رہی تھیں اور وہ معذرت کے ساتھ اس کو بتا رہے تھے کہ اب وہ جا سکتی ہے۔

''پبلک میں کیے جانے والے جرائم کی معافی پبلک میں مانگنی چاہیے کمشنر صاحب۔اگر کل کسی ایک اخبار نے بھی تالیہ مراد کی گرفتاری کی خبر لگائی تو آپ کا آفس تحریری معافی مانگے گا۔سمجھے آپ؟''

دولت امان نے جاتے وقت ابرو اٹھا کے تحکم سے کہا تھا۔وہ سپریم کورٹ کے ان وکلاء کی طرح کا رویہ اپنائے ہوئے تھا جو چھوٹے تھانوں میں آنا اپنی توہین سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے پولیس والے اسے ناپسندیدگی سے گھور ضرور رہے تھے مگر مرعوب بھی تھے۔

''اپنا اسکارف سر پہ لے کر چہرہ چھپا لیں۔ہم تھانے کی عقبی سمت سے باہر جائیں گے کیونکہ ان پولیس والوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔انہوں نے فرنٹ پہ رپورٹرز بلا رکھے ہوں۔'' راہداری میں چلتے ہوئے دولت نے آہستہ سے سرگوشی کی اور تالیہ نے ایسا ہی کیا۔وہ بالکل خاموش تھی۔گویا سُن ہو۔اسی خاموشی سے وہ دولت کی کار کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی تو دولت نے کار سڑک پہ ڈال دی۔ساتھ ہی کال ملا کے فون کان سے لگا لیا۔

''فاتح....میں تالیہ کو تھانے سے نکلوا لایا ہوں۔نہیں کسی نے نہیں دیکھا۔نہیں اخبار تک خبر نہیں پہنچے گی۔ہاں یہ اس سے بات کرو۔مگر مختصراً کرنا پلیز۔کالز ریکارڈ ہو رہی ہوں گی۔'' اور موبائل اس کی طرف بڑھایا۔

تالیہ نے فون کان سے لگایا تو وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔ ''تالیہ.... تم ٹھیک ہو؟''

اس کا گلا رندھنے لگا مگر بظاہر پرسکون آواز میں بولی۔ ''جی' تو انکو۔ دولت صاحب (ایک نظر کار ڈرائیو کرتے دولت کو دیکھا) وقت پہ آ گئے تھے۔''

''دولت میرا بہت اچھا دوست ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس نے تمہاری مدد کی۔ اب تم کہاں جا رہی ہو؟''

''ابھی ہم میرے گھر جا رہے ہیں۔ میں وہاں پہنچ کے آپ کو واٹس ایپ پہ کال کرتی ہوں۔'' وہ رکی اور پھر مسکرائی۔ ''تھینک یو فاتح!'' اور اس کا جواب سن کے فون رکھ دیا۔

''ہم فاتح کی طرف جا رہے ہیں۔ ہمیں وہاں بیٹھ کے آئیندہ کی اسٹریٹجی بنانی ہو گی۔'' دولت اب اتنا پرسکون نہیں لگ رہا تھا جتنا تھانے میں تھا۔ وہ چونکی۔

''یعنی ان کے گھر؟'' فوراً سے عصرہ کا خیال آیا۔

''نہیں۔ بی این کے آفس۔ گھر میں تو اس کی وہ چڑچڑی بیوی ہو گی۔'' اس نے سر جھٹکا اور موڑ کاٹا۔ تالیہ مسکرا دی۔ ایک دم دولت امان زیادہ اچھا لگنے لگا تھا۔

''مگر ضمانت تو ہو گئی۔ اب آگے کیا کرنا ہے؟''

''یہ اتنا آسان نہیں ہے' تالیہ۔ وہ صبح تک ضمانت منسوخ کروا لیں گے۔ تمہیں دوبارہ جیل جانا پڑے گا۔''

اس کا دل ڈوب سا گیا۔ (تو یہ بھیانک خواب ابھی ختم نہیں ہوا تھا؟)

وہ چہرہ موڑ کے شیشے کے پار اندھیرے میں بھاگتے درختوں کو دیکھنے لگی۔ چند پل خاموشی سے کٹ گئے۔

''میں نے وہ انگوٹھی نہیں چرائی۔ مجھے وہ اس طرح کیسے.....؟'' اب کی بار آواز بھی رندھ گئی۔ گرفتاری نے اسے اندر تک ہلا دیا تھا۔ دولت نے کار سائیڈ پہ روکی اور اس کی طرف رخ کر کے سمجھانے لگا۔

''دیکھو تالیہ!'' تالیہ نے چہرہ موڑ کے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔ کسی اجنبی کے سامنے آنکھیں نم کرنا اس کی عادت نہیں تھی مگر اس گرفتاری نے اسے اندر تک ہلا دیا تھا۔

''تم وان فاتح تک رسائی کا واحد ذریعہ ہو۔ حکومت نے مہینوں کی محنت کے بعد تمہارے خلاف ایک اسٹوپڈ کیس تیار کیا ہے۔ وہ تمہیں ایسے نہیں چھوڑیں گے۔ مگر میرے پاس ایک حل ہے۔ میں ابھی فاتح سے یہی ڈسکس کر رہا تھا۔''

''کیا؟''

''تم کچھ عرصے کے لئے سنگاپور یا تھائی لینڈ چلی جاؤ۔''

''میں بھاگ جاؤں؟''

''ابھی تمہارا نام کسی ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں نہیں ہے۔تم قانونی طور پہ ملک سے باہر جا سکتی ہو۔میں علاج' بیماری وغیرہ کے پیپرز تیار کردوں گا۔تم آرام سے سال چھے ماہ باہر گزارو۔تب تک الیکشن قریب آجائیں گے اور یہ سیاسی کیس دب جائے گا۔اگلے سال فاتح وزیرِاعظم بن جائے گا اور اس کے دورِ حکومت میں تم واپس آجانا۔''

''مگر میں بیمار نہیں ہوں' دولت صاحب۔'' اس نے چیخ کے بات کاٹی۔''میں جھوٹ بول کے باہر کیوں جاؤں؟ میں کیوں بھاگوں؟ جو جرم میں نے نہیں کیا' اس سے میں کیوں ڈروں؟''

''اور اگر وہ ان جرائم کو سامنے لے آئے جو تم نے کیے ہیں؟''

کار میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔وہ دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

''تمہیں کلائنٹ بنانے سے پہلے میں نے تمہارے بارے میں تھوڑی بہت چھان پھٹک کی تھی' تالیہ۔تمہارے پاس ملائیشیا کی مختلف شناختیں ہیں جس کا مطلب ہے کہ تم واقعی Con Woman ہو۔''

''اور آپ نے فاتح کو بتایا؟'' وہ بس نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیسے بتا سکتا ہوں؟ میرا لائسنس کینسل ہو سکتا ہے۔وکیل اور کلائنٹ کی کانفیڈینشلٹی پہ میرے جیسا وکیل کبھی سمجھوتہ نہیں کرتا۔میرے کلائنٹس تم سے بڑے بڑے مجرم رہ چکے ہیں اور نہ مجھے تمہارے جرائم سے فرق پڑتا ہے نہ فاتح کے جاننے یا نہ جاننے سے۔کسی وکیل کو نہیں پڑتا۔میری جاب تمہیں اس کرائسز سے نکالنا ہے۔''

وہ خاموشی ونڈ اسکرین کے پار اندھیر سڑک کو دیکھنے لگی۔اسٹریٹ پولز کی روشنی بھی کالی رات سے لڑنے میں ناکام دکھائی دیتی تھی۔ان کی کار ایک طرف کھڑی تھی اور دائیں جانب سڑک پہ ٹریفک رواں دواں تھی۔

''میں باہر چلی گئی تو وہ مجھے اشتہاری قرار دے دیں گے۔میرا نام بدنام ہوگا۔'' وہ سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔''فاتح کو میری وجہ سے سوالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔سب کہیں گے تالیہ چور تھی' اسی لئے بھاگی۔یہ مجھے ساری عوام کے سامنے دوری نگارہ ملایو بنا دیں گے۔میں واپس آ بھی گئی تو میری کھوئی ساکھ واپس نہیں آئے گی۔کوئی میری عزت نہیں کرے گا' دولت صاحب۔''

اس نے چہرہ موڑ کے ایک عزم سے اسے دیکھا۔''تالیہ نہیں بھاگے گی۔تالیہ اسی شہر میں رہ کے ان کے الزامات کا مقابلہ کرے گی۔''

''یعنی اب ہمیں اس کیس کو قانونی محاذ پہ لڑنا ہوگا۔''

پولیس کارز کے قریب آتے سائرن پہ وہ دونوں ایک دم چونکے۔ دولت گردن موڑ کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ دور سڑک پہ تین چار کارز آتی دکھائی دے رہی تھیں جن کی سرخ نیلی بتیاں جل بجھ رہی تھیں۔ دولت نے زور سے اسٹیئرنگ پہ ہاتھ مارا۔

"ڈیم اِٹ۔ اب ملک سے بھاگنے کا ٹائم نہیں رہا۔ انہوں نے آدھی رات کو کسی جج کو اٹھا کے وارنٹ بنوا لئے ہوں گے۔ ڈیم اٹ۔" وہ واضح طور پہ پریشان نظر آتا تھا۔ وہ اس پریشانی کی وجہ سمجھ رہی تھی۔ تالیہ کا کیس مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا مگر اس نے گردن کڑائے رکھی۔ "میں ان سے نہیں ڈرتی۔"

چار کاریں ان کے آس پاس آ کے رکیں' دروازے کھلے اور ان سے بہت سے سپاہی باہر نکلے۔ سب سے آگے جو شخص چلا آ رہا تھا۔ اس نے سیاہ گھنگریالے بالوں کی پونی بنا رکھی تھی۔ تیکھے نقوش کا مالک وہ آدمی جینز پہ جیکٹ پہنے ہوئے تھا اور انداز سے اعلیٰ افسر لگتا تھا۔

"یہ حتان ہے۔ شہر کے سب سے بدنام تھانے بالائی بوکیت جلیل پولیس اسٹیشن کا کمشنر۔ یہ اس کو جلاد کہتے ہیں مگر تم اس سے مت گھبرانا۔ بس خاموش رہنا۔" وہ قریب آ رہے تھے۔ وقت کم تھا اور دولت جلدی جلدی سمجھا رہا تھا۔

گھنگریالے بالوں والا مرد دولت کی کھڑکی تک آیا اور جھک کے اندر جھانکا۔

"تالیہ مراد آپ باہر آ جائیں۔ آپ کی گرفتاری...... سوری ناقابلِ ضمانت گرفتاری کے وارنٹ ہیں میرے پاس۔" اور ایک کاغذ لہرا کے دکھایا۔ دولت نے اسے گھورتے ہوئے کاغذ جھپٹا اور اوپر کر کے اسے پڑھا۔ وہ گود میں ہاتھ رکھے خاموش بیٹھی رہی۔ سپاہی ان کی کار کے گرد اکٹھے ہو چکے تھے۔

"ٹھیک ہے... تالیہ تمہارے ساتھ چلی جائے گی' لیکن...." دولت نے اسے ہٹنے کا اشارہ کیا تو حتان سیدھا ہو کے ایک طرف ہو گیا۔ دولت دروازہ کھول کے باہر نکلا اور اسے گھور کے آہستہ سے بولا۔ "تمہارا تھانہ میڈیا کے نمائندوں سے بھرا رہتا ہے۔ تم تالیہ کو لے جانے سے پہلے رپورٹرز کو وہاں سے ہٹاؤ گے۔"

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے' دولت صاحب۔" حتان نے شانے اچکائے اور سپاہیوں کو اشارہ کیا۔

"میری بات سنو حتان۔" وہ درشتی سے بولا۔ "مجھے میری کلائنٹ کی ہتھکڑیاں لگے تھانے میں داخل ہوتی تصاویر اخبار میں نہیں چاہئیں۔"

حتان نے شانے اچکائے۔ "ہمارے تھانے میں کوئی پچھلا دروازہ نہیں ہے اور میں ایک Con Woman کو گرفتار کر کے لے جا رہا ہوں۔ مجھے تو سامنے سے ہی جانا چاہیے۔"

تالیہ کے لئے مزید برداشت کرنا ممکن نہیں تھا۔ دروازہ کھول کے چپ چاپ خود باہر نکل آئی۔ ایک سپاہی آگے آیا تو اس نے اپنے ہاتھ سامنے کر دیے۔ ہتھکڑی ایک دفعہ پھر ان کلائیوں پہ لگ گئی۔

دولت نے غصے بھری بے بسی سے سر کی پشت پہ ہاتھ رکھا۔ ''ٹھیک ہے مگر تم میری کلائنٹ کا چہرہ کور رکھو گے۔''

جواباً شان نے محض بازو لہرا کے اسے الوداع کہا۔ ''ہاں ہاں... کل کورٹ میں ملتے ہیں۔'' اور تالیہ کو آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

''تالیہ... ایک لفظ بھی مت کہنا۔ او کے۔ اور میں پیچھے آ رہا ہوں۔'' وہ کار میں بیٹھتے ہوئے چلا کے ہدایات کر رہا تھا۔ وہ چپ چاپ کار کی پچھلی نشست پہ بیٹھی تو ساتھ موجود سپاہی نے ایک سیاہ تھیلا سا اس کے سر پہ پہنا دیا۔ اب اس کا سر کندھوں تک چھپ گیا۔ ہونٹوں کی جگہ سانس لینے کے لئے سوراخ بنے تھے۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا۔ (تھانے اور کورٹ کچہری لے جاتے وقت اکثر ملزموں کا چہرہ کیپ' نقاب یا اسی طرح کے سیاہ ڈھاٹوں سے چھپا دیا جاتا تھا تاکہ ان کی اخبار میں چھپی تصویریں ساری عمر کے لیے ان کو شرمندہ نہ کریں کیونکہ ملزم اپنا جرم ثابت ہو جانے سے پہلے تک معصوم ہی تصور کیا جاتا ہے۔)

تالیہ نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ وہ جانتی تھی میڈیا تھانے کی بیرونی سیڑھیوں پہ موجود ہوگا۔ اب کوئی بھی شے اس کے نام اور سیاہ تھیلے میں بند چہرے کو خبروں کی زینت بننے سے نہیں روک سکتی تھی۔

ایک طویل سفر کے بعد جب اسے کار سے اتارا گیا تو وہ اپنے اردگرد دھکم پیل محسوس کر سکتی تھی۔ رپورٹرز کی آوازیں... سوالات... چے تالیہ چے تالیہ کی پکار... چور... کون وومن... وان فاتح سے تعلق... اسے سیاہ ڈھاٹے میں بھی کیمروں کے چمکتے فلیش بار بار محسوس ہو رہے تھے۔ یوں لگتا تھا ہر طرف سے رپورٹرز سر پہ چڑھتے آ رہے ہوں۔ تالیہ کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ اسے سانس نہیں آ رہی تھی... وہ سر جھکائے بدقت زینے چڑھ رہی تھی۔ پولیس آفیسرز اسے رپورٹرز کے نرغے سے بدقت گزار کے اوپر لے جا رہے تھے۔

یہ سب اس کی توقع سے کہیں زیادہ مشکل تھا۔

کل کی اخبار میں اس کے نام کے ساتھ شہہ سرخیاں لگی ہوں گی۔ سارا ملک جان جائے گا۔ بی این کے آفس میں جو لوگ اس کی عزت کرتے تھے... سوپ پارلر والی... ایلیٹ سوسائٹی کی سوشلائیٹ عورتیں جن کی پارٹیز میں وہ جاتی تھی... آرٹ کی دنیا میں موجود اس کے دوست جو اسے ایک آرٹ لور کے طور پہ جانتے تھے... کل صبح سب جان جائیں گے کہ تالیہ مراد ایک فراڈ تھی۔ عدالت اب اسے بری کرے یا سزا دے' وہ ہمیشہ کے لیے بدنام ہو چکی تھی۔

اندر کمشنر حسان کے آفس میں لا کے اس کے سر کا ڈھاٹہ جھپٹ کے اتارا گیا (کھردرا کپڑا اتارنے سے گردن کی جلد چھل سی گئی) اور پھر ضروری کارروائی کے بعد اس کو لاک اپ میں لے جا کے بند کر دیا گیا۔

لاک اپ ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی۔ اس کی چھت کافی اونچی تھی۔ اندر دو دیواروں کے ساتھ بنچ رکھے تھے جن پہ سویا جا سکتا تھا اور سلاخوں والے دروازے کے آگے راہداری تھی۔ یوں لگتا تھا سامنے قطار میں ویسے ہی سیل بنے تھے۔ اسے یہاں سے تین چار سیل ہی نظر آ رہے تھے۔

دونوں بنچ خالی تھے۔ قید کی پہلی رات اس کا کوئی ساتھی نہ تھا۔ وہ ایک بنچ پہ بیٹھ گئی تو ایک سپاہی سلاخوں والے دروازے کو لاک کرنے لگا۔ ساتھ کھڑا حسان اسے گھورے جا رہا تھا۔

”کیا سوچ رہی ہیں آپ محترمہ؟ کہ اس تالے کو کیسے توڑنا ہے۔“

اس نے ایک سرد نگاہ حسان پہ ڈالی۔ ”نہیں۔ مجھے کیا معلوم تالے کیسے توڑے جاتے ہیں۔ (شانے اچکائے) اور بھاگتی تو میں تب جب میں چور ہوتی۔ جب کوئی جرم کیا ہی نہیں تو بھاگوں گی کیوں؟“

حسان تمسخرانہ انداز میں مسکرایا۔ ”تھانے میں پہلی رات سب یہی کہتے ہیں مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی کرمنل میرے ساتھ چند دن گزارنے کے بعد پچھلے سارے جرائم کا اعتراف نہ کرلے۔“

”اور تم بھی یاد رکھنا کمشنر کہ ہر چیز کو پہلی دفعہ ہونا ہوتا ہے۔“ اور سینے پہ بازو لپیٹ کے دوسری طرف دیکھنے لگی۔ وہ اس شخص کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

سپاہی چلے گئے۔ حسان بھی چلا گیا۔ کسی نے ایک دو بتیاں بجھا دیں' اور باقی جلتی رہنے دیں تاکہ قیدیوں کو رات میں بھی اندھیرے کی سکینت میسر نہ ہو۔

سیاہ اسکرٹ اور سفید بلاؤز والی لڑکی کافی دیر بنچ پہ بیٹھی رہی پھر جھک کے ہیلز سے پیروں کو آزاد کیا۔ ننگے پیر ٹھنڈے فرش پہ رکھے اور قید کی پہلی رات کو محسوس کرنا چاہا مگر تمام حسیات مر سی گئی تھیں۔ وہ اندر تک سن ہو چکی تھی۔

کسی بھی صحت مند انسان کے اندر پانچ حسیات موجود ہوتی ہیں۔

سننا' دیکھنا' چھو کے محسوس کرنا' چکھنا اور سونگھنا۔

بعض انسانوں میں چھٹی حس بھی ہوتی ہے اور وہ بہت سی باتیں دیکھے' سنے' سونگھے' چھوئے یا چکھے بغیر بھی محسوس کر سکتے ہیں۔ مگر قید خانے کی وہ پہلی رات ایک ”سُن“ رات تھی۔ وہ بالکل سُن تھی۔ مفلوج۔ یوں جیسے یہ سب کسی اور کے ساتھ ہو رہا تھا۔ یوں جیسے فکر کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ (فاتح اسے بچا لے گا۔ وکیل اسے بچا لے گا۔)

مگر وکیل آیا کیوں نہیں؟

کافی دیر گزری تو وہ اٹھی اور قدم قدم چل کے سلاخوں کے قریب آئی۔ٹھنڈی سلاخوں پہ اپنے مرمریں ہاتھ رکھے تو وہ بغیر سرخ انگوٹھی کے برہنہ سے لگے۔تالیہ نے چہرہ آگے کر کے سامنے والے سیل میں جھانکا۔اس میں ایک عورت کاؤچ پہ لیٹی سو رہی تھی۔اس سیل کے دائیں بائیں نظر آتے دونوں سیلز میں بھی قیدی تھے۔کوئی سو رہا تھا' کوئی آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔سب خاموش تھے۔سب کی حسیات مر چکی تھیں۔

"مجھے اپنے وکیل سے بات کرنی ہے۔" سلاخوں کو پکڑے شہزادی تاشہ بلند آواز میں غرائی۔جواب ندارد۔اس کی آواز گونج کے پلٹ پلٹ آئی۔

"کوئی ہے؟ کمشنر؟ بات سنو میری۔" اس کی آواز مزید بلند ہو گئی۔

راہداری کے کونے سے ایک سپاہی سامنے آتا دکھائی دیا۔یہ وہی تھا جو ابھی اس کو مقفل کر کے گیا تھا۔وہ دروازے کے پاس آ رکا' اور سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

"خاتون.... آپ سو جائیں اور باقی سب کو بھی سونے دیں۔"

"مجھے معلوم ہے انچے دولت آئے ہوں گے۔مجھے ان سے بات کرنی ہے۔"

"جی وہ آئے تھے مگر کمشنر حسان نے ان کو واپس بھیج دیا۔"

"وہ میرے وکیل ہیں۔آپ مجھے ان سے ملنے سے نہیں روک سکتے۔"

"فی الحال تو ہم نے روک دیا ہے۔صبح عدالت کی پیشی تک آپ ویسے بھی کچھ نہیں کر سکتیں۔" سپاہی نے کندھے اچکائے اور پلٹ گیا۔اہانت سے تالیہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔اس نے زور سے سلاخوں کو جھٹکا دیا۔وہ بہت مضبوط تھیں مگر تالیہ کی ہمت سے زیادہ نہیں۔

وہ واپس بنچ پہ بیٹھ گئی۔لمبی اسکرٹ کسی شہزادی کے گھیر دار لباس کی طرح پھیلائے وہ کمر سیدھے رکھے کتنی دیر بیٹھی رہی۔اس نے سوچنے کی کوشش کی کہ آگے اسے کیا کرنا ہے مگر پانچوں حسیات کے ساتھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی مر چکی گئی تھی۔وہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔سر دیوار سے ٹکا دیا۔

اردگرد خاموشی تھی۔نہ کوئی سرگوشی۔نہ کوئی چیخ و پکار۔سب خاموش تھے۔بتیاں ہنوز جلی تھیں۔جانے کس پل اس نے آنکھیں بند کیں اور ایک دم اگلے ہی لمحے چونک کے کھولیں تو رات بیت چکی تھی۔وقت کے کھیل بھی انوکھے تھے۔

پہلا دن:۔

وہ ہڑبڑا کے سیدھی ہوئی اور ادھر ادھر دیکھا۔

سامنے راہداری میں رات کی طرح خاموشی نہیں تھی۔ دو تین اہلکار وہاں کھڑے تھے۔ برابر والے سیل میں ایک قیدی غصے سے بولے جا رہا تھا۔ آوازیں‘ شور‘ دروازوں کے کھلنے‘ بند ہونے کی آوازیں۔

تھوڑی دیر بعد سپاہی اسے چند راہداریوں سے گھما کے کمشنر کے آفس میں لے آئے تھے۔

خنان ٹیک لگا کے اپنی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ گھنگریالے بالوں کی کس کے پونی بنا رکھی تھی۔ آنکھوں کا تیکھا پن‘ اور تمسخرانہ مسکراہٹ ہنوز برقرار تھی۔ اسے وہ شخص ہر گزرتے لمحے مزید برا لگ رہا تھا۔

”آپ کے وکیل کو آنے سے روک دیا میں نے۔“

وہ سامنے بیٹھ گئی تو وہ بتانے لگا۔ وہ بس تیکھی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

”میں تمہارا چہرہ بھی یاد رکھوں گی‘ کمشنر۔“

وہ اسی طرح مسکراتا رہا۔ پھر ایک اخبار اس کے سامنے دھکیلا۔ تالیہ نے محض نظریں جھکا کے فرنٹ پیج پہ نظر ڈالی۔

وان فاتح کی چیف آف اسٹاف تالیہ مراد چوری کے الزام میں گرفتار۔

نیچے اس کی ایک تصویر تھی۔ رپورٹرز کے ہجوم میں سے گزر کے خنان اور دوسرے اہلکار اسے سیڑھیوں کے اوپر لے جا رہے تھے۔ اس کے چہرے پہ سیاہ کپڑا تھا اور ہاتھوں کی ہتھکڑیاں دکھائی دیتی تھیں۔ اس نے سلگتی نظریں اٹھا کے خنان کو دیکھا۔ بولی کچھ نہیں۔

”آپ کے وکیل نے آج پھر درخواست کی ہے کہ آپ کو کسی پچھلے دروازے سے عدالت لے جایا جائے۔ مگر میں صرف سیاہ کپڑے والی کرٹسی دکھا سکتا ہوں۔“

”اس سیاہ کپڑے کا کیا فائدہ جب آپ میڈیا کو پہلے ہی ٹپ کر دیتے ہیں کہ آپ تالیہ مراد کو گرفتار کر کے لا رہے ہیں اور وہ پہنچ جاتے ہیں؟“ اس کی بھنچی ہوئی مٹھیاں گود میں تھیں اور وہ چبا چبا کے کہہ رہی تھی۔

”یہ باتیں آپ کو جرائم کرنے سے پہلے سوچنی چاہیے تھیں۔ میں اب سارے میڈیا کو تو وہاں سے نہیں ہٹا سکتا نا۔“

”میں نے کہا نا۔ میں تمہارا چہرہ یاد رکھوں گی‘ کمشنر۔“ وہ پرتپش نظریں اس پہ جمائے بولی تھی۔

عدالت تک کا سفر پچھلی رات سے زیادہ توہین آمیز تھا۔ آج دھوپ کے باعث فلیش چمکتے محسوس نہیں ہوتے تھے۔

عدالت کی عمارت کے باہر اترتے ہی رپورٹرز کی تیز آوازیں....اور پولیس اہلکاروں کا اسے ہجوم سے گزارنا....جتان کا فاتحانہ انداز میں رپورٹرز کو نو کمنٹس نو کمنٹس کہنا....وہ دانتوں سے نچلا لب دبائے کسی نابینا انسان کی طرح راہداریاں عبور کرتی رہی۔ اس کا مستقبل بھی اسی اندھیرے جیسا ہو چکا تھا۔ تالیہ مراد ہر روز اخبار کی سرخی بنے گی اور کوئی یقین نہیں کرے گا کہ اب وہ ویسی نہیں تھی۔

اسے اپنی بصارت عدالتی کمرے میں واپس ملی۔ اس دفعہ جتان نے رگڑنے والے انداز میں کپڑا کھینچا۔ وہ جب بھی اس کے سر سے کپڑا اتارتا تھا انداز میں ایک عجیب حقارت ہوتی تھی۔ (وہ اس کا چہرہ یاد رکھے گی۔) تالیہ نے ہتھکڑی لگے ہاتھوں سے بال سامنے سے ہٹائے اور آنکھیں متعدد بار جھپکیں۔ دھندلا منظر واضح ہوا۔

''تم ٹھیک ہو؟ کوئی غلط سلوک تو نہیں کیا گیا تمہارے ساتھ؟''

وہ ڈیفنس کی چیئر پہ بیٹھی تھی اور ساتھ موجود شخص پوچھ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں دوبارہ جھپکائیں تو اس کا چہرہ واضح ہوا۔

وہ دولت امان تھا اور فکرمند نظر آ رہا تھا۔ تالیہ نے بے اختیار اس کے اردگرد نظریں دوڑائیں۔ پھر پلٹ کے دیکھا۔ کمرہ عدالت کے خالی بنچ آہستہ آہستہ بھرے جا رہے تھے۔ اجنبی چہرے۔ ناشناسا لوگ۔

''فاتح صاحب نہیں آئے؟'' جانے کس امید کے تحت اس نے پوچھا۔

''نہیں تالیہ۔ یہاں میڈیا والے بہت تھے۔ اس لئے۔ خیر....فکر نہ کرو۔ آج تمہاری ضمانت ہو جائے گی۔''

مگر وہ گردن موڑ موڑ کے دیکھ رہی تھی۔ ''اور ایڈم؟''

''وہ جرنلسٹ؟ وہ رات کی فلائیٹ سے اپنی بک لانچ کے لیے سنگاپور چلا گیا تھا۔ اس کو صبح خبر ملی تو اس نے مجھ سے رابطہ کیا۔ شام تک وہ پہنچ جائے گا۔''

''اور داتن؟''

''ششش۔'' وہ اس کی طرف جھکا۔ ''پولیس لیانہ صابری کو ڈھونڈ رہی ہے۔ اس کا نام بھی پولیس رپورٹ میں تمہاری ساتھی مجرم کے طور پہ درج ہے۔ وہ رات کو ہی روپوش ہو گئی تھی۔''

تالیہ ایک دم بالکل چپ ہو گئی۔ بھرے مجمع میں وہ بالکل تنہا تھی۔

داتن کی مجبوری وہ سمجھ سکتی تھی۔ ایڈم تو خیر تھا نہیں ملک میں۔ مگر وان فاتح....ان کو تو آنا چاہیے تھا۔ اپنا سیاسی کیرئیر داؤ پہ لگا کے بھی آنا چاہیے تھا۔

''تالیہ ڈونٹ وری۔ وہ سب تمہارے ساتھ ہیں۔'' دولت نے اس کا چہرہ بجھتے دیکھا تو تسلی دی۔ وہ سلوٹ زدہ پیشانی

لئے سامنے دیکھتی رہی۔ ''وہ سب تمہارے لیے فکر مند ہیں مگران سب کی مجبوریاں تھیں۔''

''آپ کیوں آئے پھر؟ آپ بھی نہ آتے۔'' پھر چہرہ موڑ کے انہیں غصے سے دیکھا۔ ''یونوواٹ۔ مجھے آپ کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ جا سکتے ہیں۔ میں اپنا کیس خود لڑوں گی۔ کہیں میری وجہ سے آپ کی نیک نامی پہ بھی حرف نہ آ جائے۔''

''فاتح نے مجھے کہا تھا کہ تم یہی کہو گی اور اسی لئے اس نے مجھے تمہارا وکیل بنایا ہے۔ کیونکہ تم جو بھی کہو میں تمہیں چھوڑ کے نہیں جانے والا۔ مجھے فاتح سے اپنی دوستی بہت عزیز ہے۔'' دولت امان سکون سے کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جج آ چکا تھا اور کارروائی شروع ہو چکی تھی۔

تالیہ نے پراسیکیوشن کی ٹیبل کی طرف دیکھا تو وہاں ایک غیر شناسا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ چونکی۔

''پراسیکیوٹر احمد نظام کہاں ہیں؟''

''صبح ہی صبح ان کا بڑا بھائی اور اس کی بیوی کار حادثے میں انتقال کر گئے تھے۔ اس لئے وہ نہیں آ سکے۔ ان کا ڈپٹی پراسیکیوٹر کیس لڑ رہا ہے۔''

اس نے نوجوان وکیل کی طرف اشارہ کیا اور تالیہ بس اس کو دیکھ کے رہ گئی۔ (خونی دانت... وہ احمد نظام کے بیمار ماں باپ نہیں تھے۔ بھائی اور بھابھی تھے۔) بے شک وہ احمد نظام کو خبردار کر چکی تھی، مگر کسی کی موت کا سننا ہمیشہ افسوسناک ہوتا ہے۔

احمد نظام کا ڈپٹی ان سے زیادہ تیز طرار واقع ہوا تھا۔ چند منٹ میں اس نے جج کے سامنے نہ صرف دولت امان کی ضمانت کی درخواست کے خلاف شاندار دلائل دیئے بلکہ پولیس کی طرف سے رپورٹ بھی پیش کر دی جس کے مطابق تالیہ مراد ایک خطرناک حد تک ذہین اور شاطر مجرمہ تھی جو ملک سے فرار ہونے کی کوشش کر سکتی تھی۔ پولیس نے اس کو سات دن کے لیے حتان کے تھانے میں رکھنے کی درخواست کی تھی اور دولت کے مسلسل اختلاف اور احتجاج کے باوجود جج نے صرف ایک سپاٹ نظر اس ملزم لڑکی پہ ڈالی جو بے خوف، چبھتی نگاہوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی اور فیصلہ پولیس رپورٹ کے حق میں سنا دیا۔

وہ سب صوفیہ رحمٰن کے غلام تھے۔ وہ سب ایک اسکرپٹ کے تحت کام کر رہے تھے۔ اسے شدید ذہنی اذیت میں ڈال رہے تھے۔ وہ سب سمجھ رہی تھی۔

عدالت سے واپس تھانے جاتے وقت رپورٹرز کے سوالات میں سنسنی آ گئی تھی۔

''تالیہ مراد... وان فاتح پہ آپ کو ڈس اون کرنے کے لئے پارٹی کی طرف سے بہت دباؤ ہے۔ کیا وہ ہار مان لیں گے؟''

کار آگے بڑھ گئی اور اس کے ذہن میں وہ الفاظ پلٹ پلٹ کے سنائی دینے لگے۔

مگر اسے پرواہ نہ تھی۔ فاتح.... غلام فاتح.... قدیم ملاکہ کا فاتح.... جدید ملائیشیا کا فاتح.... وہ اتنا کمزور نہیں تھا کہ دباؤ پہ

پگھل جاتا۔اسے یقین تھا کہ وہ اس کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔وہ اسے چھوڑ بھی کیسے سکتا تھا؟

اسے آتش بازی والی رات یاد تھی اور وہ فاتح کو بھی یاد ہوگی۔

ہے نا؟

اندر سے کسی نے پوچھا۔(ہے نا؟)

آج اسے جس سیل میں لے جایا گیا' اس کا دروازہ سلاخوں والا تھا اور سامنے دیوار تھی۔یعنی دوسرے سیل دکھائی نہیں دیتے تھے۔وہ خطرناک قیدیوں کا الگ تھلگ سا سیل تھا اور اندر دو ہی کٹی عورتیں پہلے سے موجود تھیں۔ان کا سامان سیل میں بکھرا پڑا تھا۔

وہ عورتیں ایک ہی بیڈ پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی' سر جوڑے باتیں کر رہی تھیں۔تینوں نے کھلے کھلے نارنجی لباس پہن رکھے تھے۔اسے آتے دیکھ کے خاموش ہوئیں اور سر موڑ کے اسے دیکھنے لگیں۔تالیہ ان کو دیکھنے کی بجائے اپنے خالی بیڈ پہ جا کے بیٹھ گئی۔پھر گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔اونچی چھت والی نیم اندھیری سی وہ کوٹھڑی انتہائی خوفناک معلوم ہوتی تھی۔سپاہی چلے گئے اور دروازہ مقفل ہو گیا تو اس نے نظریں موڑ کے ان عورتوں کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ان کی نظریں چبھتی ہوئی اندر تک اتر جانے والی تھیں۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" ایک نے سوال کیا۔شہزادی نے چہرہ موڑا اور اپنے بستر پہ ہاتھ پھیر کے گرد صاف کرنے لگی۔جواب نہیں دیا۔

"یہ وان فاتح کی سیکرٹری ہے۔میں نے اسے ٹی وی پہ دیکھ رکھا ہے۔" ایک عورت تنفر سے بڑبڑائی۔اس کے لہجے کی تپش چونکا دینے والی تھی مگر وہ بے حس بنی بستر جھاڑتی رہی۔اس کی ساری حسیات مر چکی تھیں۔نہ وہ کچھ دیکھ رہی تھی۔

نہ وہ سن رہی تھی۔

نہ زبان پہ ذائقہ محسوس ہوتا تھا۔

نہ کوئی خوشبو سونگھ سکتی تھی۔

نہ کسی شے کو چھونے پہ کوئی احساس ہوتا تھا۔

پانچوں حسیات سُن تھیں۔

وہ چت لیٹ گئی اور اونچی چھت کو دیکھنے لگی۔

اسے کچھ نہیں کھانا تھا' نہ کسی سے بات کرنی تھی۔اسے خاموشی سے اس وقت کے کٹنے کا انتظار کرنا تھا......

فاتح اسے بچالے گا۔وکیل اسے بچالے گا۔

دوسری رات:۔

لیٹے لیٹے کافی دیر بعد اسے نیند آئی تھی۔ نیند کی اس کیفیت میں اس کی پانچوں حسیات مزید غافل ہوگئی تھیں۔ دماغ اندھیرے میں ڈوب چکا تھا.....داتن کی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوتی تھی.....''اگر تم نے احتیاط نہ کی تالیہ تو ایک دن ہم کسی تھانے کے لاک اپ میں پڑے ہوں گے۔ جانتی ہو لاک اپ کتنا خوفناک ہوتا ہے؟'' مگر وہ سننے کی حس سے مفلوج تھی سو وہ الفاظ اثر نہیں کرتے تھے...اور تب....اچانک سے.....اس کی پہلی حس جاگی۔

لمس کو اپنی جلد پہ محسوس کرنے کی حس۔

کسی نے تالیہ کے چہرے پہ تکیہ رکھ دیا تھا۔

اس کی آنکھ تکلیف کے احساس سے کھلی مگر بصارت کے سامنے اندھیرا تھا۔ایک قیدی عورت تکیہ اس کے منہ پہ رکھ کے دبا رہی تھی اور دوسری ایک چھڑی کو زور زور سے اس کے جسم پہ مار رہی تھی۔

''صوفیہ رحمٰن نے ہمارے علاقے میں ہسپتال بنوایا تھا۔صوفیہ رحمٰن کی وجہ سے میرے بیٹے کی جان بچی تھی اور اس لڑکی اور اس کے باس نے ٹی وی پہ صوفیہ صاحبہ کی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔''

''تمہیں مر جانا چاہیے تاکہ وزیراعظم تم سے محفوظ رہیں۔''

وہ عورت غراتے ہوئے تکیہ اس کے چہرے پہ رکھے دبا رہی تھی۔تالیہ نے کرنٹ کھا کے ہاتھوں سے اس کے بازوؤں کو دور ہٹانا چاہا مگر اس عورت کی گرفت مضبوط تھی۔

''تم جیسی سیاسی عورتیں زندہ رہنے کے قابل نہیں ہو۔تم ہماری لیڈر کی دشمن ہو۔'' چھڑی مارنے والی عورت زور زور سے کہہ رہی تھی۔تالیہ بستر پہ تڑپتے ہوئے پیر ادھر ادھر مار رہی تھی۔اس کا سانس بند ہو رہا تھا۔

''اب تم صوفیہ رحمٰن کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکو گی۔''

ایک دم تالیہ نے اپنے ناخن تکیے والی کے ہاتھوں میں گاڑھے۔اس کی گرفت ڈھیلی پڑی تو وہ اسے دھکا دے کر اٹھی۔

دوسری عورت نے اسے گردن سے پکڑ کے واپس گرانا چاہا مگر اس نے زخمی شیرنی کی طرح اس کی کلائی پکڑ کے مروڑی۔

''خبردار جو کسی نے مجھے ہاتھ لگایا۔'' اس کو کلائی سے جھٹکا دے کر پرے گرایا مگر پہلی عورت تب تک اٹھ چکی تھی۔وہ تالیہ کے پیچھے تھی۔اس سے پہلے کہ تالیہ مڑتی' اس نے اسٹیل کا گلاس زور سے اس کے سر پہ مارا۔

لمحے بھر کو تالیہ کا سر گھوم گیا۔ درد....اندھیرا...سماعت میں ہوتا سائیں سائیں.....اگلے ہی پل ایک عورت نے اسے گردن کے پیچھے سے دبوچا اور زور سے زمین پہ دھکا دیا۔

چوٹ شدید تھی۔ اس کا سر پھٹ گیا۔ وہ خون کے قطرے گردن پہ پھسلتے محسوس کر سکتی تھی۔ دماغ اتنی بری طرح گھوما تھا کہ چند لمحے وہ اٹھ نہیں سکی۔

''تم نے میری لیڈر پہ الزام لگایا۔ فاتح کی بیٹی کے قتل کا۔ تمہیں مر جانا چاہیے۔'' وہ عورت غصے میں دیوانہ وار اس پہ چھری برسا رہی تھی۔ اور تالیہ چہرے کے آگے بازو کیے خود کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ چھری اس کے بازوؤں پہ خون کی لکیر چھوڑ رہی تھی۔ وہ عورت ساتھ ساتھ گالیاں بھی دیے جا رہی تھی۔

''میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔ میں تمہیں.....''

''تم مجھے کیا؟'' اس نے ایک دم چہرے کے سامنے سے بازو ہٹائے اور ساتھ گرا اسٹیل کا گلاس اٹھا کے زور سے اس عورت کے منہ پہ مارا۔ وہ عورت اس حملے کے لئے تیار نہیں تھی۔ وہ تیورا کے پیچھے کو گری۔ دوسری عورت اس کی طرف بڑھی مگر تب تک تالیہ اپنے قدموں پہ کھڑی ہو چکی تھی۔

پہلی عورت ابھی تک زمین پہ گری پڑی تھی۔ اس کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔ تالیہ ننگے پاؤں آگے بڑھی' گری ہوئی چھری اٹھائی' اور زمین پہ سر پکڑے عورت کی طرف بڑھی۔

''تم نے مجھے ہاتھ کیسے لگایا۔'' شہزادی تاشہ غصے سے چلاتے ہوئے اس عورت کی گردن دبوچ کے بولی اور اسے زور سے جھٹکا دیا۔ پھر وہی چھری اس کے اوپر پوری قوت سے ماری۔

''میں تم سب کی جان لے لوں گی۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم مجھے ہاتھ لگاؤ۔''

وہ زور زور سے اسی چھری سے اس عورت کو مارے جا رہی تھی۔ سیاہ بال بکھرے تھے' سر کے پچھلے حصے سے خون بہہ رہا تھا' بازوؤں پہ خون کی لکیریں پڑی تھیں اور وہ ننگے پاؤں کھڑی اس کو مارے جا رہی تھی۔

''گارڈ....گارڈ....'' دوسری عورت حواس باختہ ہو کے سلاخ دار دروازے کی طرف بھاگی اور سلاخوں کو پکڑے زور زور سے چلانے لگی۔ تالیہ نے سرخ آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا' پھر چھری پرے پھینکی' کرسی اٹھائی اور جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھی۔

''گارڈ....ادھر آؤ....یہ مجھے مار دے گی۔'' عورت کے چہرے پہ واضح خوف تھا۔ وہ زور زور سے چلانے لگی۔ تالیہ تیزی سے آگے آئی اور کرسی اس کے اوپر دے ماری۔ عورت نیچے گر گئی مگر اس نے کرسی نہیں چھوڑی۔ وہ کرسی کی ٹانگ سے اس کے

اوپر دیوانہ وار ضربیں لگا رہی تھی۔

"میں تالیہ مراد ہوں۔ میں مراد راجہ کی بیٹی ہوں۔ میں وان فاتح کی بیوی ہوں۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم مجھے ہاتھ لگاؤ" وہ جارحانہ انداز میں اس کو کرسی سے مارے جا رہی تھی۔ "تمہارے جیسے کرمنلوں کی لیڈر ہے صوفیہ.... جا کے اپنی ملکہ سے کہہ دینا کہ میں اس کی بھی جان لے لوں گی۔ میں تم سب کے چہرے یاد رکھوں گی۔"

دوڑتے قدموں کی آواز آئی اور پھر بہت سی بتیاں روشن ہو گئیں۔ پولیس اہلکار بھاگتے ہوئے آئے اور دروازہ کھولا۔ تالیہ نے سرخ چہرہ اٹھا کے نفرت سے ان کو دیکھا اور کرسی پرے پھینک دی۔

سیل کا منظر سب کو ویسے ہی ہکا بکا کر گیا تھا۔ زمین پہ گرا خون... تکیے... کرسی.... چھری....اور ایک طرف ہائے ہائے کرتی لہولہان چہرے والی عورت ......اور ان سب کے درمیان کھلے بالوں اور خون آلود کپڑوں والی لڑکی سرخ آنکھوں کے ساتھ کھڑی ان کو دیکھ رہی تھی۔

"اگر کسی نے مجھے ہاتھ لگایا تو میں اس کی جان لے لوں گی۔" وہ حلق کے بل غرائی تھی۔

سپاہی اس کو کچھ کہے بغیر جلدی جلدی سیل میں بکھری چیزیں سمیٹنے لگے۔ دونوں عورتوں کو باہر لے جایا گیا اور پیرامیڈکس کو کال کی جانے لگی۔

وہ اب سیل کے کونے سے لگی کھڑی تھی اور اس کے سر سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔

وہ محسوس کرنے کی رات تھی۔ درد، بے بسی اور غصہ محسوس کرنے کی رات!

اس رات اس کی محسوس کرنے کی حس جاگ گئی تھی۔

دوسرا دن:۔

وہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کے درمیان میں میز رکھی تھی اور اطراف میں دو کرسیاں۔ کمرے کی چھت خاصی اونچی تھی اور اس کے روشن دان سے سورج کی روشنی چھن کے اندر آ رہی تھی۔ دولت صاحب نے فکرمندی سے سامنے کرسی پہ بیٹھی تالیہ کو دیکھا جس نے قیدیوں والی جامنی ٹراوزر شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے سر پہ پٹی بندھی تھی۔ ہونٹوں اور کنپٹی پہ زخم نظر آ رہے تھے۔ ایک آنکھ کے قریب نیل پڑا تھا۔ مڑے ہوئے آستینوں سے بازوؤں پہ پڑے نیل اور سرخ نشان بھی واضح تھے۔ اس کا چہرہ مردنی لئے ہوئے تھا۔ ویران اور بے رونق۔ وہ گود میں ہاتھ رکھے بیٹھی تھی اور بس ان کو دیکھے جا رہی تھی۔

"اس تھانے کے لوگ انسان نہیں، جانور ہیں۔" دولت اس کو دیکھ کے غم و غصے سے کہہ رہا تھا۔

''فاتح صاحب نہیں آئے۔'' کافی دیر بعد اس نے سوال کیا۔

''یہ سب حسان نے خود کروایا ہے' مجھے یقین ہے۔ ورنہ وہ عورتیں تمہیں مارتی رہیں' اور گارڈز بے خبر رہے؟ یہ ناممکن ہے۔ میں نے کورٹ میں درخواست دے دی ہے۔ تمہاری جان کے خطرے کے پیش نظر مجھے تم سے روز ملاقات کی اجازت مل گئی ہے۔''

''فاتح صاحب کیوں نہیں آئے؟'' وہ بس اس کو دیکھے جا رہی تھی۔

''اس کے کچھ پرابلمز تھے۔ مگر وہ مسلسل میرے ساتھ رابطے میں ہے اور تمہارا حال احوال پوچھتا رہتا ہے۔''

''اور ایڈم؟ وہ واپس کے ایل نہیں آیا؟''

''وہ آ گیا تھا مگر کل رات تیز طوفان کی وجہ سے اس کے گھر اور قریبی مکانات کو کافی نقصان پہنچا ہے۔ یونواس کا گھر ایک پسماندہ علاقے میں ہے۔ تم نے ٹی وی پہ.....'' دولت گڑبڑا کے جیسے اپنی بات روکی۔ (بھلا وہ ٹی وی کیسے دیکھ سکتی تھی؟ البتہ فجر کے بعد سے دو گھنٹے تک وہ زخمی حالت میں طوفان کی چنگھاڑ اور موسلا دھار بارش کی آواز سنتی رہی تھی۔)

تالیہ چپ چاپ سامنے والی دیوار کو دیکھنے لگی جو کافی اوپر جا کے چھت سے ملتی تھی۔ اس کی نظریں خالی تھیں اور یہ دیکھنا معنی نہیں رکھتا تھا کیونکہ بصارت کی حس مفلوج تھی۔ صرف درد محسوس ہوتا تھا۔ کمرے کی سفاک ٹھنڈ محسوس ہوتی تھی۔ دل کے زخم کا ادھیڑے جانا محسوس ہوتا تھا۔

''تالیہ.... ہم جلد تمہیں یہاں سے نکال لیں گے۔ تم بس حوصلہ نہ ہارنا۔'' وہ اب نرمی سے اسے تسلی دے رہا تھا۔ ''اگر فاتح کے لئے کوئی پیغام ہے تو مجھے دے دو۔ میں یہاں سے اسی کے پاس جا رہا ہوں۔ ابھی وہ آفس میں ہوگا۔ گھر میں تو اس کی بیوی کا الگ تماشہ ہوتا ہے۔''

اس نے آنکھیں اٹھا کے دولت امان کو دیکھا تو ان آنکھوں میں امید تھی۔

''آپ ان سے کہیے گا کہ مجھے ان کی ضرورت ہے اور ان کو میری۔ وہ میرے ساتھ رہیں جیسا کہ ہم دونوں نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا تھا۔''

''میں کہہ دوں گا۔ اگر تم چاہو تو اس کو کوئی نوٹ یا خط وغیرہ لکھ سکتی ہو۔'' وہ جیب سے قلم نکالنے لگا تو تالیہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''مجھے خط لکھنے نہیں آتے۔ بس آپ ان سے کہہ دیجئے گا کہ وہ مجھ سے ملنے آئیں۔''

دولت چلا گیا تو اس کی جگہ اسی کرسی پہ حسان آ کے بیٹھ گیا۔ اس کی جیکٹ اور پونی میں بندھے گھنگریالے بال بھیگے ہوئے

تھے۔ باہر سے ہلکی ہلکی بارش برسنے کی آواز پھر سے آنے لگی تھی۔ اسی بارش نے ایڈم کو آنے نہیں دیا تھا۔ پہلی دفعہ تالیہ کو بارش سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔

"تو پھر شروع کریں۔ چے تالیہ؟" غسان نے طنزیہ آواز میں کہنا شروع کیا۔ "آپ نے وہ انگوٹھی کیوں چرائی؟"

تالیہ کے ہتھکڑیوں میں جکڑے ہاتھ میز پہ تھے اور کمر سیدھی رکھے وہ بے تاثر نظروں سے غسان کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا اس انگوٹھی کو چرانے کے لئے آپ کو وان فاتح نے کہا تھا؟ آخر وہ آپ کے باس تھے۔ کیا وہ اس طرح صوفیہ رحمٰن کو ہرٹ کرنا چاہتے تھے؟"

(وہ جانتی تھی ان سب کا یہی مقصد تھا۔ وہ اسے فاتح کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے۔)

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں فاتح کے خلاف ایک لفظ بھی بولوں گی تو تم مجھے نہیں جانتے غسان۔ تم میرے ذریعے فاتح کو کبھی بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔"

"اور وان فاتح تمہارے خلاف بولنا شروع کر دے تو؟"

وہ اسی اطمینان سے اسے دیکھتی رہی۔ "ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ خواب دیکھنا بند کر دو۔"

"اور جس دن ایسا ہوا نا..... تالیہ، اس دن تم ان سارے جرائم کی تفصیل خود بتاؤ گی جو تم نے اس کے لئے کیے ہیں۔"

تالیہ نے بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔ "تم میرے وہ پہلے دشمن ہو جو میرے ساتھ کیے گئے ظلم کا بدلہ پائے گا۔"

مگر غسان کو ذرہ برابر بھی فرق نہ پڑا۔ اس نے کمرے کی بتیاں بجھا دیں اور چھت سے لٹکتا واحد بلب جلا دیا۔ روشنی کا تار چہ عذاب تھا۔ بتی جلتی، بجھتی اور پھر جلتی۔ وہ سر میں درد کرنے والی تھی اور ایسے میں وہ اس کے گرد چکر کاٹتے ہوئے سوالات کر رہا تھا۔

قانون کے مطابق وہ اس پہ ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا اور وہ خاموش رہ سکتی تھی۔ اسی لیے اس نے اسے رات کو پلانٹڈ عورتوں سے پٹوایا تھا۔

تالیہ نے آنکھیں بند کر لیں۔

اب ہر طرف اندھیرا تھا۔ سماعت کی حس مفلوج تھی۔ اس لیے غسان کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

اس نے خود کو یہاں سے دور کہیں تصور کرنا چاہا۔ ملاکہ کے کسی پھولوں سے بھرے باغ میں جہاں صرف وہ ہو، اور گھوڑے کی باگ تھامے وان فاتح ہو.... اور وہ گھاس پہ چلتے ہوئے باتیں کر رہے ہوں۔

مگر یہ منظر تصور میں بن کے ہی نہیں دے رہا تھا۔

(اگر تم نے احتیاط نہ کی تالیہ تو ہم ایک دن کسی تھانے کے لاک اپ میں پڑے ہوں گے۔ جانتی ہو لاک اپ کتنا خوفناک ہوتا ہے؟)

تصورات کا تعلق بھی چھٹی حس سے ہوتا ہے۔ اس حس کو جگانے کے لئے باقی پانچ حسیات کا موجود ہونا بھی ضروری تھا۔ اس لیے اس کا تصور بار بار ٹوٹتا تھا۔ داتن کی ملامتی آواز.... بلب کی چبھتی روشنی...حنان کے الفاظ....سب اسے شدید ذہنی دباؤ میں ڈال رہے تھے مگر ایک بات طے تھی۔

تالیہ کی ہمت نہیں ٹوٹے گی۔

تیسری رات:۔

رات کو اسے ایک دوسرے سیل میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ یہ پہلے قید خانے سے چھوٹا تھا۔ دیواریں انہی رنگوں کی اونچی سی تھیں۔ فرش پہ دو طرف لوہے کے بیڈز رکھے تھے۔ ایک بستر پہ ایک چینی لڑکی لیٹی تھی۔ دوسرا خالی تھا۔ تالیہ دونوں بیڈز کے قریب دیوار سے ٹیک لگائے زمین پہ بیٹھی تھی۔ بازو سینے پہ لپیٹ رکھے تھے اور ماتھے کی پٹی ویسے ہی بندھی تھی۔ اس کی آنکھیں خلاء میں دیکھے جا رہی تھیں۔

"کیا تم مجھے سن رہی ہو؟" تکیے پہ سر رکھے لیٹی لڑکی نے گردن موڑ کے اسے پکارا تو وہ چونکی۔

کیا وہ سن رہی تھی؟ کیا وہ لڑکی بار بار اسے پکار رہی تھی؟ وہ کمرے کا اندھیرا' زخموں کا درد' فرش کی ٹھنڈک' سب محسوس کر سکتی تھی مگر سننا...سننا اس نے چھوڑ رکھا تھا۔ چاہے حنان کی باتیں ہوں یا دولت امان کی تسلیاں' یا داتن کی ملامتی آواز....وہ کچھ بھی سمجھے بغیر بس سنے جاتی تھی....اپنی سوچتی رہتی تھی....مگر اس لڑکی کی آواز نے اس کی سماعت کی حس کو جگا دیا تھا۔

"کیا؟" وہ چونک کے بولی۔

تالیہ کی ساتھی قیدی کہنیوں کے بل بستر پہ اوندھے لیٹی اور غور سے سامنے زمین پہ بیٹھی تالیہ کو دیکھا۔

"یہ تمہیں اتنی چوٹیں کیسے آئی ہیں؟"

وہ چپ رہی۔ ہاں وہ اب سن سکتی تھی۔

"اگر تو تمہیں قیدی عورتوں نے مارا ہے تو مجھے یقین ہے یہ گارڈز نے خود کروایا ہوگا۔"

وہ چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔ وہ جو بیس پچیس سال کی خوش شکل چینی لڑکی تھی اور اس کا بات کرنے کا انداز سادہ اور برجستہ تھا۔

تالیہ اب الفاظ سمجھنے لگی تھی۔

"چھ دن پہلے جب میں یہاں آئی تھی تو پہلی رات میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔"

نیم اندھیر کمرے میں بستر پہ اوندھی لیٹی لڑکی اپنی لے میں بولے جا رہی تھی۔

"میں نے اپنے سوتیلے باپ کو مارا تھا۔ مگر وہ سیلف ڈیفینس تھا۔ خود کو بچانے کے لئے انسان پھر اور کیا کرے؟ مگر میری ماں میری دشمن بن گئی۔"

وہ اداسی سے کہے جا رہی تھی اور تالیہ بس اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کی سماعتوں سے بہت سی آوازیں بیک وقت ٹکرا رہی تھیں۔ قریب میں نل کا ٹپکتا پانی' باہر گارڈ کے جوتوں کی آہٹ جو کبھی قریب آتے کبھی دور چلے جاتے۔ اور اس اداس لڑکی کی باتیں۔

"اور میرا شوہر.... اس نے بھی دوسروں کا یقین کیا' میرا نہیں۔ میرا بیٹا چھ ماہ کا ہے مگر میں نے اتنے دن سے اسے نہیں دیکھا۔ مجھ سے تو کوئی ملنے بھی نہیں آتا۔ کم از کم تم سے کوئی ملنے تو آ جاتا ہے۔"

وہ بس خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔ لڑکی اٹھ کے بیٹھی اور دونوں ہاتھوں سے بال سمیٹنے لگی۔ اس کے چہرے کے نیل ابھی تک نظر آ رہے تھے۔

"تم نے کیا جرم کیا تھا؟"

جواب نہ آیا تو بالوں کو پونی میں باندھ کے وہ گردن موڑ کے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تم نے بھی سلیف ڈیفینس میں مارا تھا کسی کو؟"

دیوار کے ساتھ لگی بیٹھی تالیہ بس اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"تم سن رہی ہو؟"

"ہاں۔ میں سن رہی ہوں۔ اب میں سننے لگی ہوں۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"تو پھر بتاؤ.... تم کیوں ہو اس جیل میں؟"

تالیہ اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اپنی میز تک آئی۔

"حنان سے کہنا کہ اب تالیہ اچھے سے سننے لگی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے دیوار پہ لگا آئینہ اتارا اور زور سے زمین پہ گرا دیا۔ آئینہ فرش سے ٹکراتے ہی ٹکڑوں میں بٹ گیا۔

بستر پہ بیٹھی لڑکی دم بخود رہ گئی۔

تالیہ نے تکیے کا غلاف کھینچ کے اتارا' اور اس کو ہاتھ پہ لپیٹ کے آئینے کا ایک لمبا سا ٹکڑا اٹھایا جو بڑے سے چھرے کے برابر تھا۔ جوتے کی نوک سے کرچیاں ایک طرف کیں اور اس لڑکی کے بستر کی طرف بڑھی۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

''حتان سے کہنا کہ اسے تم سے بہتر ایجنٹ ڈھونڈنی چاہیے تھی تالیہ کی دوست بنا کے اس سے راز اگلوانے کے لئے۔ لیکن خیر....وہ جس کو بھی لے آتا....تالیہ کو فرق نہیں پڑتا کیونکہ تالیہ....اب.... سننے لگی ہے۔''

وہ غراتی ہوئی اس کے بستر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ لڑکی بدک کے پیچھے ہٹی اور پھر جلدی سے بستر سے جست لگا کے اتری۔

''اگر تمہیں اپنی زندگی عزیز ہے تو اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ' اور حتان سے کہو وہ خفیہ پولیس کی جس عورت کو بھی میرے سیل میں ان جعلی نیلوں کے ساتھ پلانٹ کرنے کی کوشش کرے گا' وہ اپنی جان سے جائے گی۔'' وہ غراتی ہوئی قریب آرہی تھی۔ ننگا تیز دھاری شیشہ ہاتھ میں اٹھا رکھا تھا۔ لڑکی تیزی سے سلاخوں تک آئی اور زور زور سے آوازیں دینے لگی۔

''مجھے نکالو یہاں سے۔ یہ لڑکی پاگل ہے۔ مجھے مار دے گی۔''

اگلے ہی لمحے گارڈز بھاگتے آئے۔ تالیہ سیل کے وسط میں رک گئی۔ شیشہ اس کے ہاتھ میں چمک رہا تھا۔ سلگتی آنکھوں سے اس نے گارڈز کو دیکھا۔

''دوبارہ اگر کوئی عورت میرے سیل میں بھیجی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تالیہ سے برا کوئی ہے بھی نہیں ہے۔''

یہ کہہ کے اس نے شیشہ پرے اچھال دیا۔ وہ زمین پہ گرتے ہی کرچیوں میں بکھر گیا۔

ایک گارڈ نے جلدی سے اس لڑکی کو باہر نکالا اور دوسرا گارڈ بغیر کچھ کہے آگے آیا اور شیشے کی کرچیاں اٹھانے لگا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ تالیہ کے اس عمل کی شکایت کرنے کے اہل نہیں تھے کیونکہ وہ لڑکی ان کی ساتھی تھی۔ اس لیے جلدی جلدی فرش صاف کر کے وہاں سے نکل گئے۔ دروازہ ایک دفعہ پھر مقفل ہوگیا۔

تیسرا دن:۔

ملاقاتی کمرے کی دیوار پہ خاموش سی مردنی چھائی تھی۔ وسط میں رکھی میز بھی چپ چاپ اپنے اردگرد بیٹھے دونوں نفوس کو دیکھ رہی تھی۔ تالیہ اسی جامنی ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس تھی۔ ہتھکڑیوں میں جکڑے ہاتھ میز پہ رکھے تھے اور سیاہ بالوں کو درمیانی مانگ کے ساتھ پونی میں جکڑ رکھا تھا۔ سر کی پٹی ہنوز بندھی تھی اور گال کی ہڈی کا نیل جامنی ہو چکا تھا۔ وہ نظریں جھکائے ان

کاغذات کو دیکھ رہی تھی جو دولت اسے دکھا رہا تھا۔

''صرف تین دن کی بات ہے' پھر دیکھنا' ہمیں کورٹ سے ضمانت مل جائے گی۔اور شاید تم شہر نہ چھوڑ سکو مگر کم از کم تم گھر جا سکو گی۔'' وہ تحمل سے اسے سمجھا رہا تھا۔وہ بس اثبات میں سر ہلائے جا رہی تھی۔پھر نظریں اٹھا کے انہیں دیکھا۔

''کیا آپ نے فاتح کو میرا پیغام دیا تھا؟''

دولت نے نظریں جھکا دیں اور ایک دم کاغذوں میں سے کوئی چیز تلاش کرنے لگا۔

''ہاں دے دیا تھا۔''

''تو انہوں نے کیا کہا؟ کیا وہ مجھے ایک فون نہیں کر سکتے ؟''

''فون تو نہیں.....'' وہ رکا اور نظریں اٹھائیں جیسے متامل ہو۔جانے کیسے اسے سمجھ آ گئی کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔

''آپ نے انہیں بھی مجھے خط لکھنے کے لیے تو نہیں کہا تھا کیا؟''

دولت نے انگلی سے پیشانی مسلی۔''ہاں۔اس نے مجھے دیا تھا کچھ۔''

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور تذبذب سے ایک خط کا لفافہ نکالا۔تالیہ نے جھپٹ کے اسے پکڑنا چاہا مگر دولت نے اسے پیچھے کر لیا۔

''تھوڑی سی پیچیدگی ہو گئی ہے تالیہ۔تم نے پراسیکیوٹر کو پتہ نہیں کیوں یہ کہہ دیا کہ تم اس کی بیوی ہو۔یہ بات اس کے گھر تک پہنچ گئی ہے اور اس نے جو بھی لکھا ہے اس سارے اسٹریس کے باعث لکھا ہے۔''

تالیہ نے تیزی سے لفافہ کھینچا اور اسے کھولا۔

''تاشہ......

میں پچھلے دو دن سے تمہارے لیے کوشش کر رہا ہوں۔میں ہر ایک کے سامنے تمہیں ڈیفینڈ کر رہا ہوں مگر مجھے بہت افسوس ہوا جب تم نے اس پراسیکیوٹر کے سامنے ہماری کسی ایسی شادی کے بارے میں دعویٰ کیا جو ہم نے نہیں کی۔مجھے اس دعوے کی وضاحت دیتے ہوئے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔جس تاشہ سے میں واقف ہوں' وہ میری اچھی دوست ہے اور میں دوستوں پہ give up نہیں کیا کرتا۔اس لیے میری ایک نصیحت ہے کہ غصے میں بھی ایسی بات مت کہو جس پہ مجھے یا میری فیملی کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے۔ورنہ میری اور دولت کی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی۔

وان فاتح''

نیچے اس کے دستخط تھے۔وہ فاتح کی لکھائی بھی پہچانتی تھی اور اس لیٹر پیڈ کو بھی جو فاتح کے آفس میں ہوتا تھا اور جس کو وہ

خاص خطوط اور نوٹس کے لیے استعمال کرتا تھا۔

وہ صرف ان الفاظ کی اذیت کو نہیں پہچانتی تھی۔ اس نے آہستہ سے کاغذ پرے ڈال دیا۔ تالیہ کے سچ پہ اب کبھی کوئی یقین نہیں کرے گا وہ جانتی تھی۔

"کل آپ نے کہا تھا کہ اس جیولر کے بارے میں تفتیش کریں گے جس نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ انگوٹھی اس نے بنائی تھی۔" کچھ دیر بعد وہ کہنے لگی تو دولت نے گہری سانس لی۔

"اس کے لیے مجھے اپنی لاء فرم کے انویسٹی گیٹر کو ہائر کرنا پڑے گا جو اتنے شارٹ نوٹس پہ کام کرنے کے لیے دگنی فیس لے گا۔"

"تو آپ دے دیں فیس۔ آپ جتنی فیس کہیں گے فاتح صاحب دے دیں گے۔" اور تب ایک خیال نے اس کے اوپر گھڑوں پانی انڈیل دیا۔ "کیا فاتح میری فیس نہیں دے رہے؟"

یہ خیال اس خط سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔

"دیکھو تالیہ....." وہ صلح جو انداز میں سمجھانے لگا۔ "اس کی بیوی اور اس کے مخالفین کی اس کے ہر قدم پہ نظر ہوتی ہے۔ وہ تمہیں تھانے کال بھی کرے گا تو میڈیا اس کال کی ریکارڈنگ چلائے گا۔ ایسے میں اس کا کوئی بھی منی ٹریل تمہاری مدد کے لئے استعمال ہو تو مخالفین اس کا اسکینڈل بنا سکتے ہیں۔ فاتح جتنا کر سکتا تھا' وہ کر رہا ہے۔"

"مگر وہ میری فیس نہیں دے رہے۔" وہ یک ٹک اس کو دیکھ رہی تھی۔

"تم اتنی جلدی بدگمان کیوں ہو رہی ہو؟ میں نے اسے آج تک کسی کے لیے اتنا فکرمند نہیں دیکھا جتنا وہ تمہارے لیے ہے۔"

تالیہ نے لب بھینچ لئے اور نفی میں سر ہلایا۔ "وہ جو کہہ لیں میں ان سے بدگمان نہیں ہو سکتی۔ مجھے یقین ہے وہ میرے ساتھ رہیں گے۔ مگر فیس کی آپ فکر مت کریں۔ میرے پاس بہت پیسے ہیں۔ میں آپ کو پوری فیس ادا کر دوں گی۔ آپ صرف اس انویسٹی گیٹر کو ہائر کر لیں۔" وہ ماتھے پہ بل ڈالے کہہ رہی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ دولت کے چہرے پہ اطمینان اترا تھا۔

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔ میں ابھی خود اسے پے کر دیتا ہوں۔ تم مجھے بعد میں دے دینا۔ اور رہا فاتح تو اس نے کہا ہے کہ آج وہ رات میں تم سے ملنے آئے گا شاید۔ یو نو..... جب میڈیا نہ ہو تو....."

"رات میں کیوں؟ دن کی روشنی میں ساری دنیا کے سامنے آنا ہے تو آئیں' ورنہ تالیہ کو کسی ملاقات کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اب تم زیادتی کر رہی ہو تالیہ۔" اس نے افسوس سے اسے دیکھا۔ "میں رات میں ملاقات کا انتظام کرنے کے لیے اتنی

کوشش کررہا ہوں۔تم اس طرح اس کو رد کرو گی تو اس کی بیوی....اور پارٹی والے اس کو مجبور کر دیں گے کہ......"

"کہ کیا؟"

دولت بولتے بولتے رکا جیسے احساس ہوا ہو کہ کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا۔

"وہی.....تمہاری فیس نہ دینے کے لئے۔ڈونٹ وری ہم وہ مینیج کرلیں گے۔"

مگر اسے محسوس ہوا کہ اسے دکھ سے بچانے کے لیے کچھ تھا جو اس سے چھپا رہا تھا۔باہر کی دنیا میں کیا ہو رہا تھا؟ اسے کچھ خبر نہیں مل رہی تھی۔

ان کے جانے کے بعد حسان کے بوٹس کی آواز آئی تو اس نے چہرہ سپاٹ بنالیا اور ہاتھ گود میں رکھ لئے۔

"ایڈم نام کا ایک لڑکا تم سے ملنے آیا تھا۔"

حسان کرسی کھینچ کے بیٹھا اور خوشگوار انداز میں بات کا آغاز کیا تو وہ چونکی مگر تاثرات سپاٹ رکھے۔

"کہاں ہے وہ؟"

"میں تمہیں اس سے ملوا دیتا لیکن گزشتہ رات اس کا باپ میرے پاس آیا تھا۔اس بے چارے نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ اس کے بیٹے کو بدنامِ زمانہ تالیہ مراد سے دور رکھوں۔کیونکہ وہ اب اتنا بڑا اسیلیبریٹی بن چکا ہے کہ اس کا یہاں آنا بھی اسکینڈل بن جائے گا۔اس لئے میں نے ایڈم کو یہ کہہ کے واپس بھیج دیا کہ ملاقات کی اجازت نہیں ہے وہ دو دن بعد آئے۔سوری۔"

اس کے اندر غصے کا ابال سا اٹھا۔چہرہ دہکنے لگا۔

"تمہیں یہ کرنے کا حق نہیں تھا‘حسان۔"

گھنگریالے بالوں والے کمشنر نے کندھے اچکائے۔"یہ میرا تھانہ ہے‘ تالیہ۔یہاں میرا حکم چلتا ہے۔اگر تمہیں شکایت ہے تو مجسٹریٹ سے کہہ دینا۔مگر ابھی اس کے پاس پیش ہونے میں کچھ دن ہیں۔چلو تب تک میں ایک غریب باپ کی مدد کرتا رہوں گا۔"

"اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے دوستوں سے مجھے دور کر کے مجھے ان سے بدگمان کر دو گے تو تم لوگ غلط ہو۔"

"کون سے دوست؟ وہ جس کا باپ تمہیں اپنے بیٹے کے لئے برا شگون سمجھتا ہے یا وہ سیاستدان جو....." کہتے کہتے وہ رکا اور تالیہ کے تاثرات دیکھے۔وہ چونکی تھی۔کندھے سیدھے ہوئے تھے۔

"جو کیا؟"

حسان کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ ”تمہارے وکیل نے تمہیں نہیں بتایا؟“

”کیا نہیں بتایا؟“ اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔

وہ پراسرار انداز میں مسکرایا۔ ”ویل.... تم کل اپنے وکیل سے خود ہی پوچھ لینا۔ میں کچھ کہوں گا تو برا بنوں گا۔“

”تم صرف مجھے ان سے بدگمان کرنے کے لیے جھوٹ بول رہے ہو۔ یہ بھی ایک تفتیش کا طریقہ ہوتا ہے میں سب جانتی ہوں۔ تم جو بھی کہہ لو' فاتح صاحب مجھے کبھی ڈس اون نہیں کریں گے۔“ اس کا اعتماد غیر متزلزل تھا۔

”آہ تالیہ.... حقیقت تو یہ ہے کہ....“ وہ ہاتھ باہم پھنسائے آگے ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ”میں یہاں تمہارا سب سے بڑا ہمدرد ہوں۔ اگر تم یہ اعتراف کر لو کہ تمہارے جرائم میں وان فاتح بھی ملوث تھا تو میں تمہاری سزا کم سے کم کروا سکتا ہوں۔“

”تمہارا چہرہ وہ پہلا چہرہ ہو گا جو یہاں سے نکلنے کے بعد میں بگاڑوں گی' حسان۔ اس بات کو یاد رکھنا۔“

حسان کے تاثرات بگڑے' اس نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا اور پھر سپاہیوں کو آواز دی۔ اس کے ٹارچر کا وقت ختم ہوا چاہتا تھا۔ تالیہ کے ساتھ مغز ماری کا فائدہ نہیں تھا۔

چوتھی رات:۔

اس کا سیل آج رات خالی تھا۔ دوسرے بستر پہ کسی نئی قیدی عورت کو نہیں بھیجا گیا تھا۔ یہ سارے کھیل اب پرانے ہو چکے تھے۔

وہ بیڈ کے وسط میں' دیوار سے ٹیک لگائے اکڑوں بیٹھی تھی۔ بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ رکھے تھے اور دور خلاء میں دیکھ رہی تھی۔ اب وہ سنتی بھی تھی' اور محسوس بھی کر سکتی تھی مگر اس رات عرصے بعد اسے جیسے کوئی خوشبو محسوس ہوئی تھی۔ گارڈ نے کوئی تیز مردانہ پرفیوم لگا رکھا تھا جو نتھنوں سے بار بار ٹکراتا تھا۔ اسے آج کھانے میں جلنے کی بو بھی محسوس ہوئی تھی۔ باتھ روم والے حصے سے بھی گٹر جیسی بو آ رہی تھی۔

مگر پھر ایک دم.... اس سارے میں ایک خوشبو کا اضافہ ہو گیا۔

قیمتی عطر کی خوشبو جو تازہ گلابوں اور جاسمین کے پھولوں کا ملا جلا تاثر دیتی تھی۔ وہ خوشبو جس وجود سے آ رہی تھی وہ سامنے موجود تھا۔ تالیہ نے نظریں اٹھا کے اندھیرے میں اسے دیکھا۔

سلاخوں کے دروازے سے ٹیک لگائے' بازو سینے پہ لپیٹے' وہاں شہزادی تاشہ کھڑی تھی۔ اس کا سرخ زرتار لباس پیروں تک

آتا تھا۔اور سنہرے بالوں پہ رکھا تاج اندھیرے میں بھی دمک رہا تھا۔وہ مسکرا کے استہزائیہ انداز میں جامنی لباس والی قیدی لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔

''فاتح نہیں آیا نا۔رات کا کہہ کے بھی نہیں آیا۔''

اکڑوں بیٹھی لڑکی نے سپاٹ چہرہ اٹھا کے اس دمکتی ہوئی شہزادی کو دیکھا۔

''ان کی مجبوریاں ہیں۔اور میں نے خود ہی تو منع کر دیا تھا۔''

''یہ محبت اسی طرح لوگوں کے لئے تاویلیں اور بہانے گھڑواتی ہے۔مان لو کہ وہ تمہیں چھوڑ چکا ہے۔''

''وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ہم دونوں کو ایک ساتھ رہنا ہے۔''

''مگر جو وعدہ اسے یاد ہی نہیں۔وہ اسے کیسے نبھائے گا؟''شہزادی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔اس کے وجود سے اٹھتی مہک سارے قید خانے کو معطر کیے ہوئے تھی۔

''کہا نا۔وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑیں گے۔وہ مجھے یہاں سے نکال لیں گے۔''

''کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا' تالیہ۔انسان کو اپنے آپ کو خود بچانا پڑتا ہے۔''

مگر تالیہ نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔''وہ مجھے بچانے آئیں گے۔اس لئے میں وہ نہیں کروں گی جو تم چاہتی ہو۔''اور خفا آنکھیں اٹھا کے شہزادی کو دیکھا جس نے کندھے بے نیازی سے اچکا دیے تھے۔

''چچ چچ....میں جو چاہتی ہوں اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے' تالیہ۔تم اس قید خانے میں رہی تو تم پاگل ہو جاؤ گی۔''

''یہ قید خانہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔میں نے اس سے برے حالات دیکھے ہیں۔''

''ان برے حالات میں تمہارے دوست تمہارے ساتھ تھے۔یہاں تم اکیلی ہو۔اپنی حالت دیکھو۔تم بیمار لگ رہی ہو۔تم ذرا ذرا سی آواز پہ چونک جاتی ہو۔فوراً سے اپنے بچاؤ کے لئے ہتھیار تلاش کرتی ہو۔تمہیں خوف ہے کہ کوئی تمہیں نیند میں مار دے گا۔تم یہاں رہی تو خود کو کھو دو گی۔''

شہزادی قدم قدم چلتی قریب آنے لگی۔اس کے لباس میں لگے موتی زمین سے ٹکرا کے آواز پیدا کرنے لگے۔خوشبو تیز ہونے لگی۔

''مجھ سے دور رہو۔''وہ گھٹنوں کو بازوؤں میں جکڑے پیچھے ہو کے مزید دیوار سے لگ گئی۔''میں یہاں سے نہیں بھاگوں گی۔مجھے غلط آئیڈیاز نہ دو۔''ساتھ ہی وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

شہزادی اس کے بستر کے قریب آرکی۔اس کے سارے وجود سے روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔خوشبو کا ہالہ مزید تیز ہو گیا

تھا۔

''یہ تالہ تم کھول سکتی ہو۔ باریک سی پن ہی تو چاہیے۔ کسی گارڈ کی گن لے کر...دوسروں کو مار کے یہاں سے بھاگ سکتی ہو ۔تمہیں یہ جیل توڑنی ہوگی تالیہ۔''

''نہیں۔ تالیہ نہیں بھاگے گی۔'' اس نے گھٹنوں میں سر دے دیا اور نفی میں گردن ہلانے لگی۔ ''ورنہ تالیہ ساری عمر بھاگتی رہے گی۔ وان فاتح مجھے بچانے آئیں گے۔ ایڈم آئے گا۔ داتن آئے گی۔ تم دیکھنا۔ مجھے کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔''

''تو پھر وہ ابھی تک کیوں نہیں آیا؟''

''ان کی کوئی مجبوری ہوگی۔ یا یہ لوگ مجھ سے جھوٹ بول رہے ہیں تاکہ مجھے فاتح کے خلاف کردیں۔ ہرگز نہیں۔ میں ان کی باتوں میں نہیں آؤں گی۔'' سر گھٹنوں میں دیئے اس نے اپنے ناخنوں کو بازوؤں میں پیوست کر رکھا تھا اور اس کا سارا وجود کانپ رہا تھا۔ شہزادی نے ترحم سے گٹھڑی بنی کانپتی لڑکی کو دیکھا۔

''کوئی کسی کو بچانے نہیں آتا' تالیہ۔ کیا تم نے ابھی تک یہ بات نہیں سیکھی؟''

''چلی جاؤ' تم یہاں سے۔ چلی جاؤ۔'' اس نے سر اٹھایا اور وہاں پڑا گلاس اٹھا کے زور سے دیوار پہ مارا۔

خوشبو غائب ہوگئی۔ روشنی کا ہالہ بکھر گیا۔

اور پھر کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ وہ اسی طرح بیٹھی نفی میں سر ہلاتی رہی۔ اس کے جسم کا درجہ حرارت آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا.....

(اگر تم نے احتیاط نہ کی تالیہ تو ایک دن ہم کسی تھانے کے لاک اپ میں پڑے ہوں گے۔ جانتی ہو لاک اپ کتنا خوفناک ہوتا ہے؟)

چوتھا دن:۔

اسے صبح سے بخار چڑھا ہوا تھا۔ پولیس کے ڈاکٹر نے دوا وغیرہ دے دی تھی مگر اس کے باوجود تالیہ کو جسم ٹوٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ وہ آج ملاقاتی کمرے میں بیٹھی تھی تو ناک اور رخسار سرخ ہو رہے تھے۔ وہ بالکل گم صم بیٹھی تھی۔

حنان نے اس کی حالت دیکھی تو سپاہی سے اس کی ہتھکڑی کھولنے کا کہہ دیا۔ اس نے چپ چاپ ہتھکڑی کھلوا دی۔ اور سامنے خلاء میں دیکھتی رہی۔ حنان مقابل کرسی کھینچ کے بیٹھا اور قدرے نرمی سے گویا ہوا۔

''تالیہ...تم اس قید کو نہیں سہار سکو گی۔ صرف اعترافِ جرم کرلو اور وان فاتح کے بارے میں لکھ دو یہاں (قلم اور پیڈ

سامنے کیا) تو تم بہت جلد گھر جا سکو گی۔"

تالیہ گلابی پڑتی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔ بولی کچھ نہیں۔

"میں تمہارا ہمدرد ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم مزید اس ٹارچر سے گزرو۔"

"تمہیں واقعی لگتا ہے غسان کہ میں اس گڈ کاپ' بیڈ کاپ کے کھیل کو نہیں سمجھتی؟" وہ بولی تو آواز خراب گلے والی محسوس ہوتی تھی۔ "کبھی میرے قید خانے میں اپنا پالا ہوا اسٹول Pigeon ڈال دیتے ہو جو مجھ سے دوستی کرے' کبھی گڈ کاپ بن جاتے ہو مگر زیادہ وقت بیڈ کاپ رہ کے میرے دوستوں کو مجھ سے ملنے سے روکتے ہو۔ تمہیں لگتا ہے تالیہ بے وقوف بن جائے گی۔"

غسان کے چہرے پہ واضح برہمی اترتی دکھائی دی۔ ساری نرمی عنقا ہو گئی۔ وہ ماتھے پہ بل ڈالے آگے کو جھکا اور چبا چبا کے بولا۔

"تمہیں لگتا ہے ہم فاتح کو تم سے ملنے سے روک رہے ہیں؟ تمہیں تمہارے وکیل نے نہیں بتایا؟"

وہ تکلیف کے باوجود مسکرائی۔ اس کا پورا جسم اس وقت جل رہا تھا۔

"مجھے تمہارے ان جھوٹوں سے فرق نہیں پڑتا۔ میں تو صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ جو میں تمہارے چہرے کے ساتھ کروں گی' اس کے بعد وہ کون سا پلاسٹک سرجن ہو گا جو میرے کام کو درست کرنے کا ذمہ اٹھائے گا؟"

اس کے چہرے کو ماتھے سے تھوڑی تک دیکھا۔

"چچ چچ.... تمہیں معلوم بھی نہیں کہ تمہارے چہرے کے لئے کتنے آئیڈیاز ہیں میرے پاس۔" اور واپس سیدھی ہو گئی۔ آواز خراب تھی' چہرہ مرجھایا ہوا اور آنکھیں بخار سے سرخ پڑ رہی تھیں' مگر گردن ابھی تک تنی ہوئی تھی۔

غسان جواب میں کچھ سخت کہنے لگا تھا کہ سپاہی نے وکیل صاحب کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ رک گیا اور اسے اندر بھیجنے کا کہا۔

دولت بارش کے باعث بھیگا ہوا لگ رہا تھا۔ اندر آیا تو فوراً دیر سے آنے پہ معذرت کرنے لگا۔ فائلز میز پہ رکھیں اور کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ اس کا رین کوٹ بھیگا ہوا تھا۔ مگر وہ اس نے نہیں اتارا اور تالیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ پھر چونک کے غسان کو دیکھا جو کرسی پہ ٹیک لگائے گال تلے انگلی رکھے ہنوز وہاں بیٹھا تھا۔

"کمشنر صاحب۔" دولت کے ماتھے پہ بل پڑے۔ "آپ بھول رہے ہیں کہ وکیل اور اس کے کلائنٹ کی گفتگو کے دوران آپ یہاں نہیں بیٹھ سکتے۔"

''آپ نے شاید اپنی کلائنٹ کو وان فاتح کے بیان کے بارے میں نہیں بتایا۔'' وہ مسکرا کے دلچسپی سے تالیہ کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔''میں تو صرف وہی سننے رکا ہوں۔''

دولت چونکا۔ایک دم تالیہ کو دیکھا اور پھر گردن موڑ کے حسان کو گھورا۔جیسے نگاہوں میں تنبیہہ کی ہو۔

''کمشنر' تم میری کلائنٹ کو ذہنی اذیت نہ دو تو بہتر ہے۔مجھے معلوم ہے مجھے اپنی کلائنٹ کو کیا بتانا ہے اور کیا نہیں۔''

''وہ ویڈیو یوٹیوب پہ ہے' دولت صاحب اور اس کے ہزاروں ویوز ہیں۔ساری قوم ٹی وی پہ ویسے ہی اسے دیکھ چکی ہے۔میں نہیں بتاؤں گا تو کوئی سپاہی بتا دے گا۔آپ کیوں اپنی کلائنٹ سے وہ سب چھپا رہے ہیں۔''

''حسان۔'' دولت صاحب نے ضبط سے دانت بھینچے۔''میں تمہاری شکایت کر دوں گا۔''

''مگر میں نے کیا کیا ہے؟'' اس نے حیرت سے شانے اچکائے۔''میں تو صرف سچ بتانا چاہتا ہوں۔''

''کون سی ویڈیو؟'' وہ بہت ضبط سے بیٹھی تھی مگر اس کی آنکھوں میں دولت کے لئے شدید چبھن تھی۔

''تالیہ.....دیکھو.....سیاستدانوں کو سیاسی بیان دینے پڑتے ہیں۔'' اس نے اپنے وکالت بھرے انداز میں کہنا شروع کیا۔

''کون سی ویڈیو' دولت صاحب؟''

''میرے پاس فون نہیں ہے' انہوں نے اندر لانے نہیں دیا۔مگر اس میں کچھ خاص نہیں ہے۔صرف....''

''میرے پاس ہے نا فون۔'' حسان نے مسکرا کے سمارٹ فون نکالا اور یوٹیوب کھول کے تالیہ کے سامنے رکھا۔''خود ہی سرچ کر لو۔ہم دکھائیں گے تو تم کہو گی کہ جعلی ویڈیو ہے۔''

''حسان پلیز مجھے میری کلائنٹ کے ساتھ تنہا چھوڑ دو۔'' دولت نے فوراً سے فون اٹھانا چاہا مگر تالیہ کے اندر توانائی بھر چکی تھی۔اس نے تیزی سے فون اچکا اور کپکپاتی انگلیوں سے ''وان فاتح کا بیان'' لکھ کے ٹائپ کیا۔وہ جانتی تھی وہ سب جھوٹ بول رہے تھے۔ایسا کچھ بھی نہیں ہو گا جو اسے فاتح سے بدگمان کر سکے۔

اگلے ہی لمحے ویڈیوز کی فہرست کھلی اور اس میں پہلی ویڈیو کی ہیڈ لائن کچھ یوں تھی۔

''وان فاتح نے اپنی ایکس چیف آف اسٹاف سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا۔''

تالیہ کے حلق میں کچھ پھنس سا گیا۔اس نے انگلی کا پورا اس ویڈیو پہ رکھا۔

''سر....آپ تالیہ مراد کے بارے میں کیا کہیں گے جو آج کل پولیس کی تحویل میں ہیں۔''

وہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ کار کی طرف جا رہا تھا اور راستے میں صحافی اپنے مائیک لئے اس کے ساتھ دوڑتے جا رہے تھے۔چلتے چلتے فاتح رکا اور کندھے اچکائے۔

''دیکھیں.....وہ ہماری ایک پارٹی ورکر تھی۔ایک اسٹاف تھی۔ہم اس کو آفیشلی پارٹی سے نکال چکے ہیں اور اگر اس نے کچھ غلط کیا ہے تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔اس کو اپنے جرم کی سزا ملنی چاہیے۔اور جو بھی قانونی تقاضے ہیں وہ پورے ہونے چاہئیں۔''

''سر آپ کو کیا لگتا ہے تالیہ مراد واقعی ایک چور ہیں؟ایک کون وومن ہیں؟''

ڈرائیور دروازہ کھولے کھڑا تھا۔سوٹ میں ملبوس اس وجیہہ صورت سیاستدان نے کندھے اچکائے اور کیمرے میں دیکھ کے بولا۔''میں نہیں جانتا۔وہ ایک اچھی ورکر تھی۔ہمارے لئے اس نے کام کیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر اس نے کوئی جرم کیا ہے تو ہم اس کو سپورٹ کریں۔ہمارا اس سے تعلق چند ماہ پہلے سے ختم ہو چکا ہے اور ہم اس کے کسی فعل کے لئے ذمہ دار نہیں ہیں۔آگے پولیس جانے اور تفتیشی ادارے۔ایکسکیوزمی۔''

بڑے ہی آرام سے وہ کہہ کے کار میں بیٹھ گیا۔ویڈیو ختم ہوگئی۔

''تالیہ....''دولت صاحب نے الفاظ ڈھونڈنے چاہے۔''اس بات کا ایک پسِ منظر ہے۔اس کو ساتھ والوں نے مجبور کیا تھا کہ....''مگر تالیہ نے زور سے موبائل پرے دے مارا۔

''یہ ویڈیو جعلی ہے۔یہ ختان نے خود بنائی ہے تاکہ مجھے فاتح سے بدگمان کرے۔''وہ گردن اٹھا کے ضبط سے کہنے لگی۔الفاظ پھنس پھنس کے حلق سے نکل رہے تھے۔

''ریلی؟''ختان نے تعجب سے اسے دیکھا اور اپنا موبائل اٹھایا جو زمین پہ گر گیا تھا۔شکر ہے ٹوٹا نہیں تھا۔''یعنی کہ تم اب بھی یقین نہیں کرو گی کہ....؟واؤ۔''وہ کرسی دھکیل کے اٹھا اور موبائل کی اسکرین سے گرد صاف کرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہو گیا تو اس نے گردن موڑ کے دولت کو دیکھا جو پریشان نظر آ رہا تھا۔

''یہ ویڈیو جعلی ہے نا؟''ابرو اٹھا کے ضبط سے پوچھا۔

''دیکھو اس میں جو بھی کہا گیا ہے وہ اس نے دل سے نہیں کہا۔تم نہیں جانتی تمہارے پیچھے اسے کتنا مجبور کیا گیا تھا۔''

تالیہ کے لبوں پہ زخمی مسکراہٹ بکھر گئی۔''یعنی یہ اصلی ہے؟''

دولت بے چارگی سے اسے دیکھنے لگا۔

''اگر یہ ویڈیو اصلی ہے اور آپ کا دوست مجھے واقعی ڈِس اون کر چکا ہے تو آپ یہاں کیوں آتے ہیں؟یا شاید...''وہ چونکی۔''وہ آپ سے رابطے میں اس لئے ہیں تاکہ آپ مجھے ان کے خلاف کچھ بولنے نہ دیں۔''اس نے سمجھ کے سر ہلایا۔''ان سے جا کے کہیے گا کہ ان کو ان کے وعدے بھول چکے ہوں' تب بھی مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔میں ان کے خلاف کبھی نہیں بولوں گی

چاہے وہ میرے بارے میں پبلک میں جو بھی کہیں۔"

وہ کہہ کے کھڑی ہو گئی۔"آپ کو بھی آئندہ یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنا کیس ہر عدالت میں خود لڑ سکتی ہوں۔"

"تالیہ....تھوڑی دیر بیٹھ کے میری بات سنو۔ میں ایڈم کے بارے میں بات کرنے آیا تھا...."

"مجھے کسی سے نہیں ملنا۔ نہ ایڈم سے' نہ فاتح سے۔ پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اس کا سر گول گول گھوم رہا تھا۔ بخار کی حدت بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے واپس اپنے سیل میں جانا تھا۔

اسے تنہا بیٹھ کے خواب سارا رونا تھا۔

پانچویں رات:۔

رات سیاہ ہو چکی تھی اور باہر سے آتی آوازیں اب دم توڑ گئی تھیں۔ وہ کروٹ کے بل لیٹی سلاخوں والے دروازے کو دیکھے جا رہی تھی۔ بخار کا زور ٹوٹ گیا تھا اور اس کا جسم ٹھنڈے پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ اب درجہ حرارت کم ہوا تو اس کی ذائقے کی حس بھی بیدا ہونے لگی..... پہلے حلق میں بخار کی دوا سے کڑواہٹ محسوس ہونے لگی اور پھر اسے کسی اور شے کا ذائقہ یاد آیا۔

گراس ہوپرز۔

اس کے سامنے اندھیر قید خانے میں ایک دم ہر طرف گھاس اگ آیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں گھنے درخت ادھر ادھر آ کھڑے ہوئے۔ ان کے درمیان ایک لڑکی کھڑی تھی اور منہ بناتے ہوئے پتے کے اندر لپٹے گراس ہوپرز کو منہ میں رکھ رہی تھی۔ تالیہ اس لڑکی کو یک ٹک دیکھے گئی۔

اس کے سنہری بال سوکھے کیچڑ سے اٹے تھے۔ چہرے پہ بھی سرخ مٹی لگی تھی اور کپڑے میلے تھے۔ کندھے پہ بیگ اٹھائے وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

"میں کدھر پھنس گئی ہوں؟" وہ کراہ کے بولی۔ "کوئی مجھے بچانے کیوں نہیں آ رہا؟ کسی کو تو آنا چاہیے تھا۔"

"ہم سب اس میں آپ کی وجہ سے پھنسے ہیں' چے تالیہ۔" سامنے سے آواز آئی تو تالیہ نے چونک کے دیکھا۔ ایک نوجوان تھیلے میں پتے بھرتے ہوئے بگڑ کے کہہ رہا تھا۔ "آپ کے لالچ نے ہم سب کو اس جنگل میں پھنسا دیا ہے۔ میں آپ سے ملنے تک نہیں آ سکتا کیونکہ میرے ماں باپ' میرا خاندان' میڈیا سب میرے خلاف ہو جائے گا۔"

"ایسے مت کہو ایڈم۔" دوسرے کونے سے وہ ہیولہ سا بولا تھا۔

کسی خواب کی سی کیفیت میں بستر پہ لیٹی تالیہ نے نظریں موڑیں۔

اس طرف وہ کھڑا تھا۔ سفید گدلی شرٹ والا مرد اور وہ اپنی ازلی نرمی سے کہہ رہا تھا۔

''تالیہ کا قصور نہیں ہے۔''

''وہ ٹھیک کہہ رہا ہے تو انکو۔'' وہ کیچڑ میں لت پت لڑکی ایک دم گھٹنوں کے بل زمین پہ گری اور منہ سے گراس ہو پر زباہر تھوک دیے۔ اس کے آنسو زار و قطار بہنے لگے تھے۔

''میرے لالچ نے مجھے یہاں پھنسایا ہے اور میری وجہ سے آپ دونوں بھی اس اسکینڈل میں پھنس گئے ہیں۔ تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا مگر اب میرے پاس کوئی پلان نہیں ہے۔ میں کیا کروں' تو انکو؟ میں کیا کروں؟''

سفید شرٹ والا مرد گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اس کے سامنے جھکا اور نرمی سے بولا۔

''Make A Wish''

روتی ہوئی لڑکی نے سر اٹھا کے بھیگے چہرے کے ساتھ اسے دیکھا۔

''مجھے یہاں سے نکلنا ہے۔ میں یہاں رہی تو مر جاؤں گی۔ آپ کیوں مجھے چھوڑ کے چلے گئے ہیں؟ کوئی مجھے بچانے کیوں نہیں آ رہا؟ مجھے چاکلیٹ کا ذائقہ بھول گیا ہے۔ مجھے کوکو فروٹ کی خوشبو بھول گئی ہے۔ میری حسیات مر گئی ہیں۔ مجھے وہی کوکو فروٹ چاہیے۔''

نیچے بیٹھی لڑکی نے روتے ہوئے ہاتھ بڑھایا مگر اس کے سامنے جھکے مرد کے پاس کوئی پھل نہیں تھا۔

''جو تمہیں آتا ہے' وہ تمہاری جان ہمیشہ بچاتا رہے گا' تالیہ۔''

''مجھے صرف خواب دیکھنا آتے ہیں۔ مجھے اور کچھ نہیں کرنا آتا۔'' وہ چلائی تھی۔

بستر پہ کسی مریض کی طرح لیٹی لڑکی یک ٹک اس منظر نامے کو دیکھ رہی تھی۔

''خواب تصور کا دوسرا نام ہے۔'' وہ اس کے سامنے جھکے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ ''اور تصور کرنے کے لئے چھٹی حس کا ہونا اور چھٹی حس کے لئے پہلی پانچوں کا ہونا ضروری ہے۔ تمہیں یہاں سے خود کو نکالنا ہے۔''

''مگر کیسے؟ سب مجھے چھوڑ گئے ہیں۔''

''جو تمہیں کرنا آتا ہے' وہ تمہاری جان ہمیشہ بچاتا رہے گا۔''

''میں نے تمہیں کہا تھا کہ ان سیاستدانوں سے محبت اچھی نہیں ہوتی۔'' ایک بھاری بھرکم عورت عقب سے آ کے غصے سے بولی تو زمین پہ بیٹھی لڑکی چونک کے اس کی طرف گھومی۔ ''کہا تھا میں نے تالیہ کہ ایک دن ہم دونوں کسی تھانے کے لاک اپ

میں پڑے ہوں گے۔ جانتی ہو لاک اپ کتنا خوفناک ہوتا ہے؟"

"تمہیں مجھے ایکسپوز کرنے کی بجائے اپنی فکر کرنی چاہیے تھی، تالیہ۔" جنگل کے کونے میں کھڑی عصرہ بولی تو اس لڑکی نے چونک کے اسے دیکھا۔ وہ نیلی لمبی میکسی میں کھڑی، زیورات پہنے، ہمیشہ کی طرح دمک رہی تھی۔

"فاتح کو تم یاد نہیں ہو۔ اس کی بیوی صرف میں ہوں۔"

"میں نے بھی تمہیں کہا تھا کہ تمہیں میرے پاس واپس آ جانا چاہیے۔" ایک اور آواز آئی۔ تالیہ نے نظروں کا رخ موڑا۔ ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے، لمبے بالوں والا راجہ مراد سلاخوں کے پار کھڑا دکھائی دے رہا تھا۔ "تم میری دنیا سے تعلق رکھتی ہو۔ یہ غلام، یہ لوگ، یہ سب تمہارے دشمن ہیں۔"

گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھی گدلی میلی سی لڑکی کا سر گول گول گھوم رہا تھا۔ وہ گردن موڑ موڑ کے ان سب لوگوں کو اپنے اردگرد بولتے سن رہی تھی۔ پھر اس نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے۔

"میں کیا کروں؟" آوازوں کا شور بہت زیادہ تھا۔

وہ آدمی اب بھی گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے اس کے سامنے جھکا ہوا تھا۔ اس شور میں وہ دھیرے سے بولا۔

"محسوس کرو۔ دیکھو۔ سنو۔"

"کیا؟"

اس آدمی نے نفی میں سر ہلایا اور زور دے کر بولا۔ "وہ محسوس کرو جو محسوس نہیں ہوتا۔ وہ سونگھو جو موجود نہیں ہے۔ وہ سنو جو خاموش ہے اور وہ دیکھو جو نظر نہیں آتا۔"

بستر پہ لیٹی تالیہ نے آنکھیں بند کر لیں تو سارے کردار فضا میں تحلیل ہو گئے۔

اب اس کے گرد صرف خاموشی تھی۔ اور اندھیرا تھا۔

پانچواں دن:۔

وہ قید خانے میں بستر پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی تھی۔ سامنے ٹرے میں کھانا رکھا تھا اور وہ بڑے بڑے لقمے لئے تیزی سے کھاتی جا رہی تھی۔ ماتھے کی پٹی غائب تھی اور چہرے کا نیل اب ہلکا تھا۔ بال کنگھی کر کے اونچی پونی میں باندھ رکھے تھے اور وہ بہتر نظر آ رہی تھی۔

دفعتاً سلاخوں کے پار ختان آ کے کھڑا ہوا اور غور سے اسے کھاتے ہوئے دیکھا۔

''محترمہ آپ نے انٹیروگیشن کے لئے آنے سے انکار کیوں کر دیا؟ کیا آپ کو لگتا ہے آپ کے پاس چوائس ہے؟''

چاول ہاتھ سے منہ میں رکھتے ہوئے تالیہ نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''تمہیں مجھ سے ڈرنا چاہیے حسّان۔ تمہیں روز روز مجھ سے نہیں ملنا چاہیے۔''

حسّان مسکرا دیا۔ ''لگتا ہے آپ کو وان فاتح کے بیان کا غم لے ڈوبا ہے۔''

اس نے کندھے اچکائے اور بظاہر بے نیازی سے بولی۔ ''مجھے فرق نہیں پڑتا حسّان۔ تالیہ نے ہمیشہ خود کو ہر مشکل سے خود نکالا ہے۔ میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ تمہیں البتہ پلاسٹک سرجن کی ضرورت جلد پڑے گی۔''

''ٹھیک ہے۔ آج کا دن تم آرام کر لو۔ کل سے ہم دوبارہ تفتیش شروع کریں گے۔ اور اگر کوئی بیان لکھنا ہو تو اس پہ لکھ دینا۔'' اس نے نوٹ پیڈ اور قلم اندر پھینکا جو فرش پہ آ گرا۔

''اگر دولت صاحب آئیں تو کہنا کہ....''

''وہ آج آئے نہیں ہیں۔ ان کا فون آیا تھا کہ وہ کل آئیں گے۔ مگر مجھے لگتا ہے دوست کا بھانڈا پھوٹنے کے بعد وہ شرمندگی سے شاید تمہیں اپنی شکل نہ دکھائیں۔''

''اور ایڈم؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''وہ روز آتا ہے مگر میں نے اسے کہہ دیا ہے کہ تم اس سے نہیں ملنا چاہتیں۔ سوری۔'' اس نے محظوظ انداز میں شانے اچکائے تو تالیہ نے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''مجھے تمہارے چہرے کے لئے ابھی سے افسوس ہے، چچ چچ۔'' اور سر جھٹک کے واپس چاول کھانے لگ گئی۔ اسے قلم کاغذ مل گیا تھا۔ اسے فی الحال اور کچھ نہیں چاہیے تھا۔

اب اسے نہ ایڈم سے ملنا تھا۔ نہ فاتح سے۔

تالیہ کو یہاں سے کوئی نہیں نکال سکتا تھا سوائے تالیہ کے۔

وہ بستر پہ بیٹھی اور نوٹ پیڈ پہ پین سے لکیریں لگانے لگی۔ اسے آنکھیں بند کر کے جب تھانے میں لایا گیا تھا تو کتنے قدم وہ کس سمت میں چلی تھی۔ آوازیں کتنی دور سے آتی تھیں۔ بارش کی تڑتڑ کتنے فاصلے سے سنائی دیتی تھی۔ چھت کتنی اونچی تھی۔ کتنے گارڈز اب تک اس نے دیکھے تھے۔ بالائی پولیس ڈانگ وانگی کے بارے میں اب تک وہ کیا جانتی تھی؟ وہ گود میں پیڈ رکھے تیز تیز قلم چلاتی گئی۔

وہ اس جیل میں مزید نہیں رہے گی۔ اس نے سوچ لیا تھا۔

اسے اپنے تمام دوستوں اور محبتوں کو چھوڑ کے یہاں سے دور چلے جانا تھا۔

چھٹی رات :۔

رات گہری ہو چکی تھی۔تالیہ کے سیل میں نیم اندھیرا تھا۔ایک چھوٹا بلب جل رہا تھا اور وہ زمین پہ بیٹھی تھی۔گود میں کاغذ رکھے وہ ان پہ مسلسل لکھے جا رہی تھی۔

ایسے بہت سے لکھے ہوئے کاغذ آس پاس فرش پہ پڑے تھے۔وہ بار بار نفی میں سر ہلاتی 'قلم ہونٹوں پہ رکھ کے سوچتی اور کاٹ کے کچھ اور لکھتی۔اس کے بال کسی ہوئی پونی میں بندھے تھے اور چہرے کا نیل اب نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔وہ بالکل فوکسڈ اور منہمک لگ رہی تھی۔

''تم جیل میں ہو اور میں فاتح کے ساتھ ہوں۔'' سلور چمکدار میکسی کو پہلوؤں سے اٹھاتے 'اونچے جوڑے والی عصرہ کسی اندھیر کونے سے نکلی اور روشنی کی طرف آئی۔وہ تمسخر سے نیچے بیٹھی تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔

''تم مجھے ایکسپوز نہیں کر سکتی اب تالیہ۔میں البتہ اس کو اب کبھی تمہارا خیال نہیں آنے دوں گی۔''

سر جھکائے لکھتی ہوئی تالیہ کے انداز میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔وہ مصروف سے انداز میں بولی۔

''تم ان کو لے سکتی ہو عصرہ۔میں ان کو ان کی سیاسی غلامی سے نجات نہیں دلا سکی۔وہ مصلحت کے غلام تھے اور رہیں گے۔مجھے اب ان کا انتظار نہیں ہے۔''

''اور میں؟ میرا کیا چے تالیہ؟'' دوسرے کونے سے قدم قدم چلتا ایڈم باہر نکلا۔ڈیزائنر سوٹ پہنے 'وہ ہلکی بڑھی شیو والا نوجوان ناراض ناراض سا لگ رہا تھا۔''مجھ سے کیوں نہیں ملنا چاہتیں آپ۔''

''تم نے مجھ سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔زبردستی ملنے بھی تو آسکتے تھے نا۔شاید یہ لوگ تمہیں روک رہے ہیں۔شاید تمہارا عزم اتنا مضبوط نہیں تھا۔'' وہ سر جھکائے تیز تیز قلم چلاتے ہوئے بولی۔''مگر مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے۔میں تم سب کو ہمیشہ مصیبت میں ڈالتی ہوں۔آج سے میں اپنی مصیبتوں کی ذمہ دار بھی خود ہوں گی اور اپنی نجاتِ دہندہ بھی خود ہوں گی۔''

''تمہیں میری کوئی نصیحت یاد نہیں رہی۔'' سامنے سلاخوں کے پاس کھڑی بھاری بھرکم عورت خفگی سے کہہ رہی تھی۔''میں نے کہا تھا کہ سیاسی ورکر نہ بنو۔وان فاتح پہ بھروسہ نہ کرو۔میں نے کہا تھا کہ ایک دن ہم کسی تھانے کے لاک اپ میں پڑے ہوں گے....جانتی ہو لاک اپ کتنا خوفناک ہوتا ہے؟''

''پلیز تم لوگ چلے جاؤ یہاں سے۔'' وہ سر اٹھائے بغیر آہستہ سے بولی۔

"کیوں' تالیہ؟ تم مجھے کیوں نہیں دیکھنا چاہتی؟" وہ بھاری 'نرم لہجہ۔

تالیہ کا قلم چلتا چلتا ٹھہر کا۔ اس نے آنکھیں اٹھائیں تو وہ سامنے کھڑا تھا۔

قدیم ملاکہ والے لباس میں۔ سفید چھوٹا کرتا اور سفید پاجامہ۔ ماتھے پہ سبز رنگ کی پٹی۔ اور چہرے کی وہ نرم' حوصلہ افزاء مسکراہٹ۔ تالیہ کا گلا رندھنے لگا۔

"کیونکہ آپ.... ایڈم.... داتن.... شہزادی تاشہ .... راجہ مراد.... یہ میرے ساتھ قید خانے میں بھیجی جانے والی عورتیں.... جنان.... یہ سب رکاوٹ ہیں۔"

وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اس کے سامنے جھکا اور مسکرا کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"ہم رکاوٹ کیوں ہیں؟"

اور اس لمحے تالیہ مراد پہ انکشاف ہوا کہ اس کی حسیات کیوں مر گئی تھیں اور ابھی تک مکمل طور پہ واپس کیوں نہیں آئی تھیں۔

"کیونکہ...." اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ "آپ کی محبت' عصرہ کی نفرت' ایڈم اور داتن کی دوستی' مراد راجہ سے خونی رشتہ .... یہ سب میری کمزوریاں ہیں۔ یہ سب میرے حواسوں کو معطل کر دیتی ہیں۔ میں آپ لوگوں سے آزاد ہونا چاہتی ہوں۔"

"مگر تمہاری حسیات تو واپس آنے لگی تھیں۔" وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔ "یاد کرو۔ تم سن سکتی ہو۔ چکھ سکتی ہو۔ چھو کے محسوس کر سکتی ہو اور سونگھ بھی سکتی ہو۔"

"مگر ابھی تک دیکھ نہیں سکتی۔ آپ لوگ مجھے "دیکھنے" نہیں دے رہے۔ آپ میری رکاوٹیں' میری ڈسٹریکشنز ہیں۔" اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"وان فاتح' میں نے قید خانے میں ایک بات جان لی ہے کہ انسان کو اپنی آزادی حاصل کرنے کے لئے کسی نہ کسی دکھ سے گزرنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی ہم دو راستوں میں سے ایک کا انتخاب نہیں کر پاتے کیونکہ دونوں میں تھوڑا تھوڑا دکھ مل رہا ہوتا ہے مگر دکھ تو ہر راستے میں ہو گا۔ کرنا وہ ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ اور آزادی کے لئے انسان کو خود غرض بن کے سوچنا پڑتا ہے۔ صرف اپنے لئے۔ اور آپ لوگ میری رکاوٹیں ہیں۔ مجھے آپ کے آنے یا نہ آنے سے کوئی گلہ نہیں ہے کیونکہ میں آپ سب سے آزاد ہونا چاہتی ہوں۔ مجھے راستہ تب "دکھائی" دے گا جب آپ لوگ سامنے سے ہٹیں گے۔"

اور ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کے بہنے لگے۔ منظر نامہ دھندلا گیا اور جب دھند چھٹی تو اس نے دیکھا کہ وہ وہاں اکیلی بیٹھی تھی۔

فرش پہ اس کے گرد کاغذ بکھرے تھے اور آہنی سلاخیں خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

اس نے گہری سانس لے کر وہ کاغذ اکٹھے کیے اور ان کے ٹکڑے کر کے سامنے رکھے پانی کے جگ میں ڈالتی گئی۔ پانی تیزی سے ان پہ لکھی روشنائی کو گھولنے لگا۔

تالیہ بے رنگ مائع کو گدلا ہوتے دیکھتی رہی۔ اس کے زخم اب مندمل ہو رہے تھے۔

اس کا پلان تیار تھا۔

کل رات وہ اس جیل سے فرار ہو جائے گی۔

☆☆=========☆☆

چھٹا دن:۔

ملاقاتی کمرے میں دن کی روشنی بکھری تھی۔ جامنی لباس میں ملبوس تالیہ خاموشی سے سامنے موجود حسان کو دیکھ رہی تھی جو کرسی پہ ٹیک لگا کے بیٹھا اپنے ازلی کرخت اور تحقیر بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''میں نے سنا ہے ساری رات تم لکھتی رہیں اور پھر سارے کاغذ پانی میں ڈبو دیے۔''

''اعترافِ جرم کرنا آسان نہیں ہوتا۔'' وہ سادگی سے اسے دیکھ کے بولی تو حسان چونکا۔ پھر سیدھا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں چمک در آئی۔

''تو تم اعترافِ جرم کے لئے تیار ہو؟''

''ہاں۔ مجھے ایک اور پین چاہیے۔'' اس کی فرنٹ پاکٹ کی طرف اشارہ کیا جس میں ایک قیمتی فاؤنٹین پین اٹکا تھا۔ حسان مسکرایا اور وہ پین نکال کے اس کی طرف بڑھا دیا۔

''میں مزید کاغذ بھیج دوں گا مگر تم اپنے accomplice کا بھی نام لکھو گی۔''

''یعنی کہ وان فاتح کا۔ مجھے معلوم ہے۔'' وہ جتنے سکون سے بولی حسان نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم کوئی گیم تو نہیں کھیل رہیں تالیہ؟''

''تم فکر مت کرو۔ یہاں سے نکلنے کے بعد تمہارا چہرہ بگاڑنے کا وعدہ ضرور پورا کروں گی۔ لیکن اگر وان فاتح مجھے ڈِس اون کر سکتے ہیں تو میں بھی ان کو ڈِس اون کر سکتی ہوں۔'' ہتھکڑی والے ہاتھوں سے پین اٹھایا اور اس کو گھور کے بولی تو وہ ڈھٹائی سے مسکرا دیا۔

''میں کھانا بھجواتا ہوں۔ اچھا سا۔ رائٹ؟'' وہ جلدی جگہ سے اٹھا۔ ''اور اگر تمہارا وکیل آئے تو؟''

''اس سے کہنا واپس چلا جائے۔ مجھے وان فاتح کے بھیجے وکیل کی کوئی ضرورت نہیں۔ صبح تک میرا اعترافِ جرم تمہاری ٹیبل پہ ہوگا۔'' اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ اشارہ تھا کہ وہ اب جانا چاہتی تھی۔ حنان فوراً سے بولا۔

''شیور.... مگر یاد رکھنا....اگر یہ کوئی گیم ہوئی تو میں پولیس کو Shoot to Kill کا حکم دینے کا اختیار رکھتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔ وہ ہلکی سی مسکرائی۔

''سنو حنان۔ پستول تمہارے پاس ہے' اختیارات تمہارے پاس ہیں۔ میں تو ہتھکڑیوں میں جکڑی ایک بے بس لڑکی ہوں۔ اتنا کیوں ڈرتے ہو مجھ سے؟'' اور استہزاء سے اسے دیکھ کے پلٹ گئی۔ حنان نے جواب نہیں دیا۔ کچھ بڑبڑا کے وہ سپاہیوں کو آواز دینے لگا تھا۔

ساتویں رات:۔

رات دو پہر بیت چکی تھی۔ تالیہ بیڈ پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ ساتھ رکھا نوٹ پیڈ خالی تھا۔ اور اس پہ رکھا حنان کا پین اس سلور پن سے محروم ہو چکا تھا جو اس پہ موجود تھی۔ وہ سلور پن تالیہ اپنے ہاتھوں میں گھما رہی تھی اور ذہن کچھ سوچ جا رہا تھا۔

اسے فاتح کے خلاف کوئی اعتراف نہیں کرنا تھا۔ اسے صرف وقت چاہیے تھا۔ وہ اس پن سے آرام سے لاک اپ کا تالہ کھول سکتی تھی۔ اسے لڑنا بھی آتا تھا۔ وہ کسی سپاہی کی گن لے کر اس کو یرغمال بنا کے تھانے سے نکل سکتی تھی۔ کے ایل میں اس کی پناہ گاہ کیا تھی' کس لاکر میں اس کا go bag پڑا تھا' مختلف پاسپورٹ اور نوٹوں کے بنڈل کے ساتھ.... اس کے پاس سارا پلان تھا۔ صرف ایک ہمت چاہیے تھی۔

فاتح' ایڈم اور داتن کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کے چلے جانے کی ہمت۔

ملائیشیاء کے میڈیا میں ہمیشہ کے لئے مفرور اور مجرمہ کہلوائے جانے کی ہمت۔

کیا وہ یہ کر سکتی تھی؟

اتنے مہینوں کے کیے ''اچھے'' کام....وہ سچائی اور امانت داری کے راستے پہ چلنا....وہ سب رائیگاں چلا جائے گا۔ وہ تا عمر بدنام ہو جائے گی۔ اسی چیز سے وہ ہمیشہ ڈرتی تھی۔ لوگ سمجھیں گے کہ اس نے واقعی انگوٹھی چرائی تھی۔ وہ وان فاتح کے لئے ایک ایسا کلنک بن جائے گی جس کے موضوع سے بھی وہ نظریں چرائے گا۔ مگر فاتح تو اسے ڈس اون کر چکا تھا۔

نہیں۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اسے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ ضرور اسے عصرہ نے مجبور کیا ہوگا۔

اس نے آنکھیں بند کیں تو ذہن کے سامنے وہی منظر آ گیا۔ وہ جھک کے اسے کہہ رہا تھا۔

Make A Wish

وہ دیکھو جو دکھائی نہیں دے رہا... وہ سنو جو سنائی نہیں دیتا... وہ سونگھو جو موجود نہیں ہے...

ایک دم چونک کے تالیہ نے آنکھیں کھولیں۔ تیزی سے اس نے اپنے تکیے تلے ہاتھ مارا۔ وان فاتح کا خط وہاں اس دن سے رکھا تھا۔

تالیہ نے وہ خط کھولا اور اسے دھڑکتے دل سے دوبارہ پڑھا۔

ڈیئر تاشہ... ڈیئر تاشہ... ڈیئر تاشہ...

اس کی ساری حسیات جاگ اٹھی تھیں۔

اور چھٹی حس وہ دیکھنے کا نام ہے جو دکھائی نہیں دیتا۔

وہ سونگھنا جس کی خوشبو نہیں ہوتی...

بے ذائقہ کو چکھنا...

خاموشی کو سننا...

اس کو محسوس کرنا جو موجود نہیں ہے۔

تالیہ بنتِ مراد نے آہستہ سے گردن اٹھائی اور دور اوپر نظر آتی اونچی چھت کو دیکھا...

اونچی بہت اونچی چھت...

(احتیاط کیا کرو تالیہ ورنہ ایک دن ہم کسی تھانے کے لاک اپ میں پڑے ہوں گے؟ جانتی ہو لاک اپ کتنا خوفناک ہوتا ہے؟) اس کے اگلے الفاظ تالیہ نے زیرِ لب دہرائے۔ (تنگ تاریک سی کوٹھڑی جس کی چھت سر پہ آتی محسوس ہوتی ہے۔ ہر کونے میں مرے ہوئے چوہے تعفن پھیلا رہے ہوتے ہیں۔ کھانے کے برتنوں پہ لگی پھپھوندی کا ذائقہ کھانے میں آتا ہے۔ احتیاط کیا کرو' تالیہ!)

وہ سرعت سے بستر سے اٹھی' ننگے پاؤں سلاخ دار دروازے تک گئی اور پن تالے میں گھسا کے ہلانے لگی۔ چند حرکات اور تالہ کلک کے ساتھ کھل گیا۔ تالیہ نے بنا آواز کے تالہ نکالا' اور دروازہ کھول کے برہنہ پیر باہر فرش پہ رکھے۔ فرش ٹھنڈا تھا۔ اسے ٹھنڈا ہی ہونا تھا۔

سامنے طویل راہداری تھی جو خالی تھی۔ اس نے پن اور تالہ فرش پہ گرا دیا۔ زوردار آواز سے وہ نیچے گرے مگر اسے پرواہ نہ تھی۔ وہ قدم قدم آگے راہداری میں بڑھتی گئی۔

راہداری کے سرے پہ دروازہ تھا جہاں سے اس کو گزار کے روز ملاقاتی کمرے میں لے جایا جاتا تھا۔ وہ اس دروازے پہ رکی اور ہینڈل گھما کے اسے دھکیلا۔ دروازہ آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔

سامنے ملاقاتی کمرہ نہ تھا۔

سامنے ایک بڑا سا ہال تھا جس میں بے تحاشہ کاٹھ کباڑ اور کارڈ بورڈز رکھے تھے۔ وہاں وسط میں چند کرسیاں موجود تھیں جن میں سے ایک پہ بیٹھے شخص نے اسے آتے دیکھ کے گردن اٹھائی تھی۔ پھر وہ ہلکا سا مسکرایا۔

دروازے پہ ننگے پیر کھڑی تالیہ نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اس شخص کو دیکھا۔

"آپ کا کھیل ختم' دولت صاحب۔ میں کسی تھانے کے لاک اپ میں نہیں ہوں۔ نہ آپ وکیل ہیں' نہ وان فاتح نے آپ کو بھیجا تھا۔" وہ چبھتی نظروں سے اس کو دیکھ کے باآواز بلند بولی۔ "کون ہیں آپ؟"

سوٹ میں ملبوس دولت مسکرا کے اٹھا اور کسی شعبدہ باز کی طرح دونوں بازو پھیلائے۔

"آف کورس میں کوئی وکیل نہیں ہوں۔ میں اسپیشل برانچ کا تفتیشی آفیسر دولت امان ہوں اور تمہارا کیس میرے زیر تفتیش ہے۔"

اس کمرے میں بہت سے لوگ بیٹھے کام کر رہے تھے۔ کوئی کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا تھا۔ کوئی چائے پی رہا تھا۔ تالیہ کو دیکھ کے ان سب نے ہاتھ روک لیے تھے۔ پیچھے ایک کرسی پہ براجمان موبائل پہ گے حنان نے بھی فون نیچے کر لیا تھا۔

"آپ گڈ کاپ تھے اور حنان بیڈ کاپ تھا۔" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی تھی۔ "اور یہ تھانے کا لاک اپ نہیں تھا۔" اس نے اطراف میں دیکھا۔ "کیونکہ کے ایل کے تھانوں کے لاک اپ کی چھتیں اتنی اونچی نہیں ہوتیں۔ یہ کوئی سیف ہاؤس ہے جس میں آپ نے مجھے رکھا ہوا تھا۔ اس کی دیواریں ساؤنڈ پروف ہیں اور وہ بارش کی خوفناک تڑتڑاہٹ.... وہ آڈیو ریکارڈنگ تھی جو آپ مجھے سنواتے تھے تاکہ مجھے باہر کی اصل آوازیں نہ آئیں۔ مگر بارش کی خوشبو مجھے کبھی نہیں آتی تھی۔ مجھے کبھی اس تھانے سے مرے ہوئے چوہے کی بو بھی نہیں آئی۔ اور ہاں.... آپ کے ایل کے تھانوں کے برتنوں کی طرح یہاں کے برتنوں کو پھپھوندی لگانا بھی بھول گئے۔" وہ گردن اٹھا کے چاروں اطراف میں دیکھ رہی تھی۔ "مجھے یہاں بولتے ہوئے اپنی گونج سنائی دیتی تھی۔ کیونکہ یہ عمارت شاید کبھی کبھی استعمال ہوتی ہے۔"

"بالکل۔ ہم ایک پہاڑی پہ واقع سیف ہاؤس میں ہیں۔ ہم سب دن رات یہیں ہوتے تھے۔"

"جانتے ہیں مجھے کیسے معلوم ہوا؟ وان فاتح کے جعلی خط سے۔ آپ نے اپنی طرف سے اسمارٹ بنتے ہوئے ہر چیز کر لی' مگر آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ اب مجھے تاشہ کہنا چھوڑ چکے تھے۔ جب وہ مجھے جان جاتے ہیں تو صرف تالیہ کہتے ہیں۔ یہ ان

کی صدیوں پرانی عادت ہے۔''

''تالیہ۔ہم جتنی محنت کر لیتے' ہم چھ سات دن سے زیادہ ایک کون وومن کو Con نہیں کر سکتے تھے۔'' دولت مسکرا کے کہہ رہا تھا۔وہاں موجود سب لوگ گویا دن رات وہاں بیٹھے تالیہ مراد کے سیل سے باہر''خود'' نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔

وہ بھنویں بھینچے غور سے اطراف میں دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔وہاں اسے دیکھ کے سب دم سادھے' ہاتھ روک چکے تھے۔

دفعتاً بیٹھا خان کھڑا ہوا اور ہلکے سے کندھے اچکائے۔

''سوری....میں صرف دولت صاحب کے اسکرپٹ کے مطابق کام کر رہا تھا۔ میں پولیس کمشنر نہیں ہوں۔ میں اسپیشل برانچ میں ان کا جونیئر ہوں۔'' بال کھجا کے معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔تالیہ نے بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالی اور آگے بڑھتی رہی۔وہ وہاں رکھے کاٹھ کباڑ کو غور سے دیکھ رہی تھی جو کاٹھ کباڑ نہیں تھا۔عدالتی کمرے کی چیزیں' پولیس یونیفارم۔

''تو آپ کا Con اس وقت شروع ہوا تھا جب آپ میرے وکیل بن کے مجھے تھانے سے لے آئے تھے۔وہ تھانہ اصلی تھا مگر آپ نے مجھے وہاں سے نکال لیا۔کون ہیں آپ لوگ؟'' وہ غور سے اسے دیکھتی کمرے کے وسط میں رک گئی۔ دولت نے ایک کرسی اٹھائی اور اس کے سامنے پیش کرنے والے انداز میں رکھی۔

''پلیز بیٹھیے' چے تالیہ۔ہم آپ کے دشمن نہیں ہیں۔ہم صرف اپنی جاب کر رہے تھے۔''

وہ اسے انہی چبھتی نظروں سے دیکھتی بیٹھی تو وہ بھی کرسی کھینچ کے سامنے بیٹھا اور کہنے لگا۔

''ہم صوفیہ رحمٰن کی بہترین ٹیم ہیں۔وقت کی وزیر اعظم کو سرو کرنا ہمارا فرض ہے۔وزیر اعظم نے آپ کی فائل اس لئے کھلوائی تھی کہ آپ کے ذریعے وان فاتح کو ٹارگٹ کیا جائے مگر جب احمد نظام نے یہ بتایا کہ ان کے خیال میں آپ ایک Con وومن ہیں تو ہم نے ٹیک اوور کر لیا۔ہم نے آپ کی گرفتاری کے فوراً بعد آپ کو وہاں سے نہ صرف نکال لیا بلکہ وہ انگوٹھی اور آپ کی گرفتاری کا سارا ریکارڈ بھی تلف کر دیا۔''

''آپ گڈ کاپ تھے۔'' وہ تندہی سے اسے دیکھ رہی تھی۔''آپ مجھے کار میں اپنے ساتھ لے کر گئے تاکہ میرے بدترین خدشات کو جان سکیں۔''

''بالکل۔اور تاکہ میں یہ جان سکوں کہ آپ بھاگیں گی یا نہیں۔کیونکہ ہمیں آپ سے تین چیزیں مقصود تھیں۔آپ کی اپنے باس سے وفاداری دیکھنا' آپ کا نہ بھاگنا' اور آپ کا خود کو ایک ذہین انسان ثابت کرنا۔ہم جانتے ہیں اب آپ وہ سارے کام چھوڑ چکی ہیں مگر آپ نے ان تینوں امتحانوں پہ پورا اتر کے خود کو بہترین Con Woman ثابت کیا ہے۔''

''آپ کو وان فاتح نے نہیں بھیجا تھا مگر آپ نے کار میں میری ان سے بات کروائی تھی۔''

''میں وکیل نہیں ہوں مگر میں اس کا دوست ہوں۔اور وہ چھوٹی سی کال اس Con کا حصہ تھی تاکہ آپ مجھ پہ بھروسہ کر سکیں۔''

''اور وہ عدالت....وہ اخبار....وہ میڈیا والے بھی جعلی تھے؟''اسے وہ آوازیں یاد آئیں جو تھانے کی سیڑھیاں چڑھتے سنائی دی تھیں۔

''وہ اخبار'وہ میڈیا والوں کی آوازیں'وہ سب ایک الوژن تھا چے تالیہ۔میری کار سے جب حنان نے آپ کو گرفتار کیا تو ہم آپ کو اسی سیف ہاؤس میں لائے تھے۔ان چھ دنوں میں آپ اس سیف ہاؤس کے اردگرد سے کہیں نہیں گئیں۔عدالتی کمرہ بھی اسی عمارت میں بنایا تھا ہم نے اور آپ کو کار میں بھی اسی کے گرد گھما کے واپس لے آتے تھے۔ایکچولی....آپ گرفتار ہوئی ہی نہیں ہیں۔نہ میڈیا پہ کسی کو معلوم ہے'نہ پولیس کو علم ہے۔''

''اور وان فاتح؟ایڈم؟داتن؟''

''میں آپ کے فاتح پہ بھروسے کی قدر کرتا ہوں۔آپ کی توقع کے مطابق اس نے آپ کو ڈس اون نہیں کیا۔فاتح کی ویڈیو جعلی تھی اور ایک جعلی ویب سائیٹ پہ ہم نے ہوسٹ کی تھی۔ایڈم'داتن اور خود فاتح کو بھی معلوم نہیں کہ آپ کہاں ہیں اور وہ سب آپ کے لئے فکرمند ہیں۔ہم نے آپ کو صرف یہ تاثر دیا تھا کہ آپ اکیلی ہیں۔''

''اور آپ نے جان بوجھ کے میرے سیل میں ایک خاتون کو پلانٹ کیا تاکہ میں سمجھوں کہ وہ گڈ کاپ ہے اور میرا دھیان آپ کی طرف نہ جائے کیونکہ اصل گڈ کاپ تو آپ تھے۔''اس نے برہمی سے اس کی بات کاٹی۔ہال میں سب چپ چاپ اسے دیکھ رہے تھے۔''آپ نے'دولت صاحب'آپ نے مجھے مار پڑوائی تھی'حنان نے نہیں۔آپ میری برداشت کو آزما رہے تھے۔پوچھ سکتی ہوں کیوں؟''

''یوسی....چے تالیہ....''دولت گہری سانس لے کر بولا۔''ہم آپ کو ایک بھیانک خواب دکھا رہے تھے۔آپ کو کیا لگتا ہے کہ ہم آپ کے خلاف ثبوت نہیں ڈھونڈ سکتے تھے؟پراسیکیوٹر صاحب سے زیادہ ریسورسز ہیں ہمارے۔ہم اگر تفتیش پہ آتے تو ہم آپ کو حقیقی مقدموں میں پھنسا سکتے ہیں جن کے بعد یہ برا خواب حقیقت بن سکتا ہے۔''

''تو آپ مجھے دھمکا رہے تھے؟کہ یہ سب سچ ہو سکتا ہے اگر....؟اگر؟''

دولت کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔وہ دونوں کمرے کے وسط میں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور سب چپ چاپ انہیں دیکھ رہے تھے۔

''ہم آپ کو صرف یہ باور کرانا چاہ رہے تھے کہ یہ سب سچ نہیں ہو سکتا'آپ کے سارے جرائم وزیراعظم کے خصوصی

Pardon پہ مبنی حکم نامے سے معاف ہو سکتے ہیں' آپ کو ساری زندگی کے لئے Immunity مل سکتی ہے اور اگلا وزیرِ اعظم بھی اس کو نہیں چھیڑ سکتا۔ آپ آزادی سے اس ملک میں زندگی گزار سکتی ہیں.... غرض حکومت آپ کے سارے جرائم معاف کرنے کے لئے تیار ہے.... اگر....''

''اگر میں وان فاتح کے خلاف گواہی دوں؟''

''نہیں بے تالیہ۔ ہم سیاستدانوں کے لئے کام نہیں کرتے۔ ہم ریاست کے لئے..... ملک کے لئے کام کرتے ہیں۔ وزیرِ اعظم صاحبہ کو ایک مسئلہ درپیش ہے جو ان کے خیال میں آپ حل کر سکتی ہیں اور اس کا وان فاتح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کی اس ایک سروس کے نتیجے میں حکومت آپ کو معاف کرنے کے لیے تیار ہے۔''

''اور میں کیسے یقین کرلوں کہ یہ سب سچ ہے۔''

دولت نے بنا تامل کے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پلاسٹک کے زپ لاک بیگ میں لپٹی سرخ نگینے والی انگوٹھی اس کی طرف بڑھائی۔

''پہلا چیپٹر ہماری طرف سے یہ ہے کہ آپ آزاد ہیں۔ آپ گھر جا سکتی ہیں۔ مگر کل صبح آپ کو یہاں آنا ہوگا۔ وزیرِ اعظم صاحبہ سے ملنے۔ وہ آپ کو 'جاب' کا خود بتائیں گی۔ میرے سوا یہاں کوئی اس جاب کی نوعیت سے واقف نہیں ہے۔ البتہ اگر آپ نہ آئیں تو ہم آپ کے خلاف تفتیش کھول دیں گے اور یہ برا خواب سچ ہو جائے گا۔''

تالیہ نے ہاتھ بڑھا کے پیکٹ پکڑا۔ انگوٹھی نکال کے انگلی میں پہنی اور ہاتھ اوپر کر کے دیکھا۔ اس کا ہاتھ بڑے دن بعد مکمل مکمل سا لگنے لگا تھا۔

''ایسا کیا کام ہے مجھ سے وزیرِ اعظم صاحبہ کو جو آپ کی ماشاءاللہ اتنی ری سورس فل ٹیم نہیں کر سکتی۔'' طنز سے اردگرد کے لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ آپ ان سے خود سنیں تو بہتر ہوگا۔''

تالیہ نے ایک اچٹتی نگاہ سارے میں ڈالی۔ پھر حنان پہ نگاہ روکی۔ وہ مسکرایا مگر اس نے منہ پھیر لیا۔

''ہم نے آپ کے ساتھ کافی برا سلوک کیا ہے اور ہم اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔ آپ اب آزاد ہیں۔ ہم صرف آپ کے جیل توڑنے کا انتظار کر رہے تھے۔ تاکہ ہم دیکھ سکیں کہ آپ اپنی آزادی کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ ہم وہی آزادی آپ کو حکومتی معافی نامے سے دینے جا رہے ہیں۔ کل صبح تک آپ سوچ سکتی ہیں۔'' یہ کہہ کے دولت اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک اہلکار نے تالیہ کا پرس اور سامان جو اس کے پاس گرفتاری کے وقت موجود تھا' لا کے سامنے رکھا تو اس نے ایک لفظ کہے بنا وہ سب اٹھایا

اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

باہر ایک برآمدہ تھا جس کے نیچے بڑا سا لان تھا۔ لان تک جانے کے لئے زینے بنے تھے۔ اوپر آسمان سیاہ تھا۔

یہ کسی پہاڑی پہ بنا بڑا سا ریسٹ ہاؤس لگتا تھا۔ اندھیرے میں بھی وہ خوبصورت نظر آرہا تھا۔ زینے اترتے ہوئے ٹھنڈی ہوا اس سے ٹکرائی تو اس کی اونچی سیاہ پانی جھولنے لگی۔

وہ بالآخر آزاد تھی۔

بھیانک خواب ختم ہو چکا تھا۔

☆☆==========☆☆

حالم کا بنگلہ فجر کی بھیگتی روشنی میں مغموم سا کھڑا تھا۔ اسٹریٹ پولز ابھی روشن تھے اور ان کی دودھیا روشنی سڑک کو منور کیے ہوئے تھی۔ تالیہ مراد اپنا ہینڈ بیگ اور تھیلا اٹھائے قدم قدم اٹھاتی اپنے بنگلے کی طرف جاتی دکھائی دے رہی تھی۔

گیٹ عبور کیا تو اندر اس کی کار پورچ میں کھڑی دکھائی دے رہی تھی۔ جانے اسے وہاں کون لایا تھا۔ ان پچھلے دنوں میں کیا ہوا تھا، وہ نہیں جانتی تھی اور اس وقت اس سب سے فرق بھی نہیں پڑتا تھا۔ اب آگے کیا ہوگا، وہ صرف یہی سوچ رہی تھی۔

لاؤنج ویران تھا۔ داتن وہاں نہیں تھی۔ اگر ہوتی بھی تو وہ اس سے نہیں ملنا چاہتی تھی۔

اس نے بتی نہیں جلائی اور صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھ گئی۔ وہ آزاد تھی مگر وہ آزادی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

وہ اندھیرے کی آہٹیں سن رہی تھی۔

باہر چلتی ہوا، پردوں کی پھڑ پھڑاہٹ، باسی کوکو فروٹ کی مہک، صوفے کے لیدر کی نرماہٹ.... ذرا سا کھٹکا ہوتا اور وہ چونک چونک جاتی۔ بار بار اندھیرے میں گردن موڑ کے دیکھتی۔

کوئی تھا تو نہیں یہاں جو اس کے لئے گھات لگائے بیٹھا تھا؟ کوئی نیا کھیل تو نہیں کھیلا جا رہا تھا کیا؟ صوفیہ رحمٰن کے بندوں نے ایسا فریب دیا تھا کہ اب اسے نہ اندھیروں کا اعتبار رہا تھا نہ روشنیوں کا۔ سب جعلی لگ رہا تھا۔ وہ آزاد ہو کے بھی آزاد نہیں تھی۔

وہ اوپر اپنے کمرے میں آئی اور بستر پہ چت لیٹ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اب کبھی سو نہیں سکے گی مگر اسے کب نیند آئی اسے علم نہیں ہوا۔ اس کی آنکھ تیز گھنٹی کی آواز سے کھلی تو وہ چونک کے سیدھی ہوئی۔ پھر ہڑبڑا کے لحاف اتارا اور بستر سے پیر نیچے اتارے۔ تیز تیز زینے پھلانگتی وہ نیچے اتری تو دیکھا۔ دودھیا روشنی کھڑکیوں سے آتی لاؤنج کو منور کر رہی تھی۔

وہ روشنی میں غور سے اطراف کو دیکھنے لگی۔ ایسے لگتا تھا داتن کافی دن یہاں نہیں آئی تھی۔ لاؤنج میں کچھ چیزیں جگہ سے

ہٹی ہوئی تھیں۔دو جھوٹے مگ کچن کاؤنٹر پہ رکھے تھے جیسے دو لوگوں نے وہاں کچھ پیا ہو۔

وہ دروازہ کھول کے باہر ڈرائیو وے پہ آئی۔سامنے گیٹ کے پار کوئی کھڑا تھا۔کوریئر والا۔اس کے ہاتھ میں ایک ٹوکری تھی۔اس کے قدم سست پڑ گئے۔وہ گیٹ تک آئی' جنگلے کے اوپر سے ہاتھ بڑھایا اور آدمی سے ٹوکری لے لی۔

پھر وہ وہیں نیچے زمین پہ بیٹھتی گئی....ٹوکری اس کے ہاتھ میں تھی.....اور چہرے پہ زمانوں کی تکان تھی.....

دھیرے دھیرے وہ ٹوکری میں موجود کو فروٹ پہ ہاتھ پھیرنے لگی۔ان کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔تالیہ کی حسیات اب کام کر رہی تھیں۔اس کی آنکھیں بھیگتی جا رہی تھیں.....

کتنی ہی دیر وہ وہیں بیٹھی رہی پھر دھوپ تیز ہونے لگی تو اس نے آنسو صاف کیے اور ٹوکری لئے اندر آ گئی۔

ایڈم نے کسی فروٹ سیلر کی ڈیوٹی لگا رکھی تھی کیونکہ ایڈم اب مصروف ہو چکا تھا۔اسے یاد بھی نہیں ہوگا کہ اس کے دیے پیسے ابھی ختم نہیں ہوئے تھے اور ایماندار فروٹ سیلر ہر ہفتے وہ پھل بھیجتا تھا۔

تالیہ نے کچن کاؤنٹر پہ ٹوکری رکھی۔وہاں گزشتہ ہفتے آنے والی پھلوں کی ٹوکری بھی رکھی تھی اور ان کے پھل اب باسی ہو چکے تھے۔اور تب اس کی نگاہ ادھر ادھر پڑے ان دو خالی مگز پہ رکی۔

ان کے اندر کافی نہیں' چائے پی گئی تھی۔دو لوگوں نے چائے پی تھی؟

یا ایک شخص نے دو دفعہ چائے پی تھی۔

داتن کافی کی عادی تھی اور ایڈم بھی چائے کا شوقین نہیں تھا۔صرف ایک شخص تھا جو چائے پیتا تھا اور اسے اپنے مگ دھو کے رکھنے کی عادت نہ تھی۔

وہ بالکل سُن رہ گئی۔پھر آہستہ سے مڑی۔لاؤنج اب مکمل طور پہ منور ہو چکا تھا اور اس کو وسطی میز کے ڈیکوریشن پیالے میں کچھ رکھا نظر آیا تھا۔

کسی خواب کی سی کیفیت میں تالیہ چلتی ہوئی میز کے قریب آئی۔

اس پیالے میں ترتیب سے پانچ خط کے لفافے رکھے تھے۔ان میں سے ہر ایک پہ ''تالیہ کے لئے'' لکھا نظر آ رہا تھا۔اور یہ اسی شخص کی لکھائی تھی جو بہت سی دوسری باتوں کے ساتھ چائے بنانا بھی بھول چکا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی تھی۔باقی چار خطوط اس کی گود میں رکھے تھے جبکہ پہلا خط وہ لفافے سے نکال رہی تھی۔ان چھ دنوں میں کیا ہوا تھا' یہ خط اسے سب بتانے والے تھے۔

☆☆=========☆☆

چھ دن پہلے۔

پہلی رات:۔

احمد نظام راہداری میں چلتے جارہے تھے جب ان کو وہ شخص نظر آیا تھا جو تالیہ مراد کا وکیل تھا۔اس کا تعارف سننے کے بعد وہ واپس آگے بڑھتے گئے۔انہیں صبح تالیہ کے کیس کے لئے کورٹ میں پیش ہونا تھا اور تیاری کرنی تھی۔

پارکنگ ایریا میں اپنی کار کے قریب جاتے ہوئے وہ ایک دم ٹھٹک کے رکے۔

اس سوٹ والے شخص کا چہرہ ان کے ذہن میں کلک ہوا تھا۔وہ دولت امان تھا۔احمد نظام ایک پارٹی پہ اس سے مل چکے تھے ۔وہ وکیل نہیں تھا۔وہ اسپیشل برانچ کا اعلیٰ عہدیدار تھا۔وہ ڈائریکٹ صوفیہ رحمٰن کے ماتحت تھا۔وہ یہاں تالیہ کا وکیل بن کے اسے نکلوانے آیا تھا کیا؟ یہ خیال چونکا دینے والا تھا۔

وہ ایک دم واپس پولیس اسٹیشن کی طرف بھاگے۔دولت امان کے جانے کے بعد انٹیروگیشن روم کا دروازہ بند ہو چکا تھا اور سامنے دو لوگ پہریداروں کی طرح آن کھڑے ہوئے تھے۔وہ ہانپتے ہوئے ان تک پہنچے۔

''ایک منٹ.....یہ دولت امان یہاں کیا کر رہا ہے؟'' سرخ پڑتے چہرے سے انہوں نے غرا کے پوچھا۔

ایک جیکٹ اور گھنگریالے بالوں والا افسر جو سامنے کھڑا تھا' مسکرا کے بولا۔

''آپ گھر جا کے آرام کریں' پراسیکیوٹر صاحب۔آپ کی سروسز کی حکومت کو مزید ضرورت نہیں ہے۔''

''کیا مطلب؟ آپ لوگ یہاں کیوں ہیں؟''

''ہم تالیہ مراد کو لے جانے آئے ہیں۔'' عقب سے ایک آدمی بولا تو وہ چونک کے گھومے اور اس شخص کو دیکھ کے وہ ٹھہر گئے۔یہ وہی سرکاری افسر تھا جو شروع میں ان کے پاس تالیہ کا کیس لے کر آیا تھا اور اس نے انہیں یقین دلایا تھا کہ یہ سیاسی انتقام کا کیس نہیں ہے۔

''کس.....کس کے حکم سے؟'' احمد نظام کی دنیا ایک دم تلپٹ ہو گئی تھی۔

''پردھان منتری کے حکم سے۔'' سرکاری افسر مسکرا کے بولا۔''ہمیں تالیہ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ہم نے ان کی انگوٹھی پولیس ریکارڈ سے واپس لے لی ہے اور ان کا تھانے میں آنے کا ریکارڈ ضائع کر دیا ہے۔وہ اب آزاد ہیں۔آپ کے لئے یہی بہتر ہے کہ آپ گھر جا کے آرام کریں۔''

(تو تالیہ سچ کہہ رہی تھی۔وان فاتح سچ کہہ رہا تھا۔یہ ایک سیاسی کیس تھا اور وہ استعمال ہو رہے تھے۔)

''تم نے....تم نے مجھے کہا تھا کہ تالیہ مراد کے بارے میں تفتیش اس لئے کرنی ہے کیونکہ وہ وان فاتح کے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔کیونکہ یہ اعلیٰ شخصیات کی سلامتی کا معاملہ تھا۔'' وہ بے یقینی سے اس کو دیکھ رہے تھے۔''مگر....یہ صرف ایک سیاسی انتقام کا کیس تھا۔تم لوگوں نے مجھے استعمال کیا ہے۔''انہوں نے صدمے سے باری باری سب کے چہرے دیکھے۔

''ہم نے کسی کو استعمال نہیں کیا۔آپ کی خدمات کی مزید ضرورت نہیں ہے۔''

''وہ سچ کہہ رہی تھی۔وان فاتح سچ کہہ رہا تھ۔ہم اس لڑکی کو ناجائز پھنسا رہے تھے۔''ان کی رنگت سفید پڑ رہی تھی اور آنکھیں سرخ۔''اس نے وہ انگوٹھی نہیں چرائی تھی۔وہ انگوٹھی صوفیہ رحمٰن کی نہیں تھی۔''

''وہ ایک کون وومن ہے،ہم سب جانتے ہیں۔''

''مگر وہ انگوٹھی اس کی اپنی تھی۔'' وہ غم و غصے سے بولے تھے۔مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔اور بس نہیں چلتا تھا کہ ان کو تہس نہس کردیں۔پھر وہ دروازے کی طرف بڑھے۔انہیں تالیہ سے بات کرنی تھی۔مگر گھنگھریالے بالوں والا حنان سامنے آگیا۔

''سوری جناب۔مگر آپ اندر نہیں جاسکتے۔ایکچو لی....''اس نے ایک مودب کھڑے پولیس اہلکار کو اشارہ کیا۔''پراسیکیوٹر صاحب گڑبڑ کرسکتے ہیں،اس لئے ایسا کرو ان کو آج رات کے لئے لاک اپ میں بند کردو۔''

دو اہلکار فوراً سے ان کی طرف بڑھے اور ان کے ہاتھ پکڑ کے پیچھے موڑ دیے۔ایک اہلکار نے ان پہ پستول تان لیا۔

''تم لوگ اچھا نہیں کررہے۔میں سب سمجھ رہا ہوں۔تم لوگ مجھے اس کے خلاف استعمال کر کے اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کررہے ہو۔چھوڑو مجھے۔'' وہ غصے اور بے بسی سے چلا رہے تھے مگر اہلکار ان کو زبردستی آگے لے گئے۔حنان نے گھڑی پہ وقت دیکھا۔اندر موجود دولت نے کسی بھی وقت باہر آجانا تھا اور پھر تالیہ کو وہاں سے لے جانا تھا۔اسے اپنی ٹیم کے ساتھ یہاں سے روانہ ہونا تھا۔

کھیل شروع کرنے کا وقت آن پہنچا تھا۔

☆☆=========☆☆

ایڈم بن محمد روشنیوں کے ہالے میں اسٹیج پہ کھڑا تھا۔اس کے ساتھ والی کرسیوں پہ موجود صحافی بیٹھے ہوئے مسکرا کے اسے دیکھ رہے تھے۔ان کے سامنے رکھی میز پہ تازہ پھولوں کے گلدستے سجے تھے اور اسٹیج سے نیچے کافی سارے لوگ اسی ہال میں جمع ہوئے کھڑے ہو کے اس کو دیکھ رہے تھے۔کیمرے،فلیش لائیٹس کی چمک،پھولوں کی مہک....اپنے پیچھے اسکرین پہ نظر آتی پریزینٹیشن کی نیلی روشنی....وہ ایک عجیب کیفیت میں تھا۔لوگ اس کے لئے تالیاں بجا رہے تھے اور وہ مسکرا کے تالیاں وصول کررہا تھا۔

ذرا دیر کو خاموشی ہوئی تو وہ بولا۔

''یہ دوری نگارہ ملایو کا پارٹ ون ہے۔ میری پوری کوشش ہے کہ میں کلائیڈ اینڈ لی کے دوسرے کلائینٹس کے نام بھی سامنے لاؤں جو اب بھی پبلک کی نظروں سے چھپے ہوئے ہیں اور ٹیکس چوری کر کے اپنی جائیدادیں ان گمنام جزیروں میں چھپا رہے ہیں۔ میں آپ کے سامنے آج یہ pledge کرتا ہوں کہ ایڈم بن محمد کسی ایسے شخص کا نام نہیں چھپائے گا اور ایک ایک شخص کو بے نقاب کرے گا۔''

پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

وہ خوابوں کی تکمیل کا دن تھا۔

اس کی کتاب لانچ ہو چکی تھی۔ چند ہارڈ کاپیز سامنے میز پہ رکھی تھیں جو اس نے سائن کر کے لوگوں کو دینی تھیں۔ شہر کے معززین اس تقریب میں آئے ہوئے تھے۔ اس کے سفید پوش خاندان والوں کا گروہ بھی اسے مہمانوں میں نظر آ رہا تھا۔ سب پرفیکٹ تھا۔

اور پھر..... ایڈم کی مسکراہٹ ماند پڑنے لگی۔

اس کی متلاشی نظریں ایک چہرے سے دوسرے تک گئیں اور دھیرے دھیرے اس کی رنگت پھیکی پڑتی گئی۔

وہاں تالیہ نہیں تھی۔

وہ اس کے انٹرویوز نہیں دیکھتی تھی، وہ اس کا لکھا ہوا نہیں پڑھتی تھی۔ وہ سب معاف کر سکتا تھا مگر وہ اس کی بک لانچ پہ بھی نہیں آئے گی، اس کے دل کو دھچکا لگا تھا۔ کیا تھا جو شہزادی کے لئے زیادہ اہم تھا؟

فوٹو گرافرز اس کو مسکرانے کے لئے کہہ رہے تھے۔ اس نے ایک بناوٹی مسکراہٹ سے اپنے رائٹر فیس کو سجایا اور کیمروں کی طرف چہرہ موڑ لیا۔ البتہ ان ساری روشنیوں اور خوشبوؤں کے باوجود اندر کچھ بجھ سا گیا تھا۔

☆☆=========☆☆

رات کا اندھیرا وان فاتح کی رہائشگاہ پہ بھی پھیلا تھا۔ عصرہ لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ ٹی وی چلا ہوا تھا۔ بچے سونے جا چکے تھے۔ وہ فاتح کی منتظر تھی۔ صوفے پہ پیر اوپر کیے، ریموٹ سے چینل بدلتی وہ بے توجہی سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی جب دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ پھر قریب آتے قدم.....

''جلدی آ گئے۔'' اس نے گردن موڑ کے دیکھا تو ٹھٹک گئی۔ وہ سر جھکائے موبائل پہ مسلسل بٹن دباتا چلتا آ رہا تھا۔ چہرے سے برہم لگتا تھا۔

''خیریت؟''عصرہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔اس نے جواب دیے بنا فون کان سے لگایا اور پھر وہیں ٹہلتے ہوئے بات کرنے لگا۔

''عالم صاحب.....پلیز ابھی اسی وقت پولیس اسٹیشن جائیں۔مجھے نہیں معلوم مگر میرا خیال ہے مسجد انڈیا والے اسٹیشن میں تالیہ مراد کو لے جایا گیا ہے۔پلیز جا کے ضمانت وغیرہ جو بھی کروانا ہے' کروائیں۔''

عصرہ سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔ریموٹ کا بٹن دبا کے ٹی وی کو خاموش کر دیا۔

''تالیہ گرفتار ہو گئی۔''

''ہاں۔''وہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔الجھا الجھا۔پریشان سا۔''میری وجہ سے اس بے چاری کو نشانہ بنایا گیا ہے۔''

''چچ چچ.....یہ تو بہت برا ہوا۔اور ہاں تم نے اس کا دیا ہوا کیک بھی نہیں کھایا۔''

فاتح نے برہمی سے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔''وہ گرفتار ہو گئی ہے اور تمہیں کیک کی پڑی ہے۔''

عصرہ نے گہری سانس لے کر اس کو غور سے دیکھا۔''تم ہو نا اس کی فکر کرنے والے۔پھر مجھے کیا ضرورت ہے پریشان ہونے کی۔وکیل بھیج رہے ہو۔خود بھی پہنچ جاؤ گے۔کافی ہے۔''وہ پیروں میں سلیپرز گھسیٹتی اٹھی اور کچن کی طرف جانے لگی۔

فاتح نے ناگواری بھرے تعجب سے اسے جاتے دیکھا۔''میرا خیال تھا تم اس کو پسند کرتی ہو۔''

عصرہ رکی' اور پلٹ کے اسے گھورا۔''ظاہر ہے میں اسے پسند کرتی ہوں۔اسے ناپسند کون کر سکتا ہے؟''وہ کچن میں گئی اور تھوڑی دیر بعد کیک کی پلیٹ لئے واپس آئی اور پٹخنے کے انداز میں پلیٹ میز پہ رکھی۔

''کھا لینا۔اس نے بہت تاکید کی تھی۔اگر میں پیغام نہ دوں تو بری بنوں گی اس لئے میرا فرض تھا بتا دینا۔''جتا کے بولی اور پیر پٹخ کے آگے بڑھ گئی۔

وہ کیک کو نظر انداز کر کے لاؤنج میں بنے بک شیلف تک آیا جہاں اس کی قانون کی کتب سجاوٹ کے طور پہ اوپر والے خانے میں رکھی تھیں۔اس نے یکے بعد دیگرے چند کتب نکالیں اور انہیں میز پہ پھیلا کے بیٹھ گیا۔

کتنا وقت گزرا' اسے نہیں معلوم۔وہ بس صفحے پلٹتا' مطلوبہ قوانین اور شقیں پڑھتا رہا۔دفعتاً فون بجا۔عالم صاحب تھے۔اس نے چھوٹتے ہی فون کان سے لگایا۔

''فاتح' میں نے تمام تھانوں میں کال کی ہے۔خود بھی ایک دو جگہ گیا ہوں۔یہاں تو کسی تالیہ کو نہیں لایا گیا۔''

''اچھا؟خیر پراسیکیوٹر....''ماتھے کو چھو کے نام یاد کرنے کی کوشش کی۔''احمد نظام کو کال کرو۔وہ گرفتاری کے وقت وہاں

موجود تھا۔“

”ہاں میں اس کو جانتا ہوں مگر اس کا فون آف جا رہا ہے۔“

”مجھے نہیں معلوم۔تم برتھانے جاؤ اور بذاتِ خود چیک کرو۔وہ کہیں تو ہو گی۔“

اس نے فون رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بج اٹھی۔دولت امان کالنگ۔فاتح کے چہرے پہ تعجب ابھرا۔دولت امان؟اس وقت؟ البتہ کال سنتے ہی اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔دولت امان اسے بتا رہا تھا کہ وہ تالیہ کے کیس کا تفتیشی آفیسر ہے اور وہ اس معاملے کو ختم کروانے تھانے جا رہا ہے۔ابھی تھوڑی دیر میں وہ تالیہ سے اس کی بات کروائے گا۔

سکون اور تشفی کا عجیب سا احساس تھا جو اسے محسوس ہوا۔فاتح نے پیر میز پہ قینچی صورت رکھے اور ٹیک لگا کے اس کی اگلی کال کا انتظار کرنے لگا۔

وہ کال قریباً آدھے گھنٹے بعد موصول ہوئی۔دولت جلدی میں لگ رہا تھا اور تالیہ محض چند الفاظ ہی بول پائی تھی مگر وہ ٹھیک تھی۔وہ محفوظ تھی۔یہ خیال اس کے بے چین وجود کو شانت کر گیا تھا۔فون رکھ کے فاتح نے کتابیں بند کیں۔یہ پھیلاوا صبح ملازموں نے ہی سمیٹنا تھا۔

(تالیہ ہوتی تھی تو آفس کا سارا پھیلاوا منٹوں میں سمیٹ لیتی تھی۔)

یونہی وہ بات بے بات یاد آتی تھی۔اس نے سر جھٹکا اور اٹھنے لگا۔پھر کیک پیس پہ نظر پڑی جو پلیٹ میں چمچ کے ساتھ سجا اس کا منتظر تھا۔فاتح مسکرا دیا اور اسے اٹھا لیا۔یہ تالیہ کے بچ جانے کی سیلیبریشن کا کیک تھا۔اسے یہ کھانا چاہیے تھا۔

چمچ سے اس کو کھاتے ہوئے اب وہ اٹھ کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔کیک واقعی لذیذ تھا۔اندر تک گھل جاتا تھا۔

لاشعوری طور پہ اسے تالیہ کی کال کا انتظار رہا تھا جو پھر ساری رات موصول نہیں ہوئی۔

☆☆=========☆☆

پہلا دن:۔

اس صبح وان فاتح کی رہائشگاہ کی گھاس شبنم کے قطروں سے لبریز تھی اور پھولوں کی خوشبو نے پورچ کو مہکا رکھا تھا۔وان فاتح اپنے سوٹ ٹائی میں ملبوس' سنجیدہ چہرہ بنائے کار کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں گارڈز اور ڈرائیور تیار کھڑے تھے جب اس کا باڈی مین قریب آیا۔

”سر....یہ پرا سیکیوٹر صاحب گھنٹے بھر سے باہر آئے کھڑے ہیں۔“اس نے گیٹ کی طرف اشارہ کیا تو فاتح رکا اور چونک

کے اس طرف دیکھا۔

گیٹ کے ساتھ اندر کی طرف احمد نظام کھڑے تھے۔ وہ اسی کو دیکھ رہے تھے گویا چند منٹ درکار ہوں۔ وان فاتح کے ماتھے پہ بل پڑے اور لب بھنچ گئے۔ وہ ان کی طرف آیا۔

"تسلی ہوگئی آپ کی ایک نہتی لڑکی کو یوں پھنسا کے؟ وہ تو شکر ہے کہ وہ اس سب سے نکل گئی ورنہ آپ دیکھتے کہ میں کس طرح اس معاملے کو ہر فورم پہ اٹھاتا۔"

احمد نظام نے شکستگی سے اس کا برہم چہرہ دیکھا۔" وہ اس میں سے نہیں نکلی ابھی۔"

"اوہ پلیز.... مجھے دھمکانے کی کوشش مت کریں۔ اگر آپ نے اسے دوبارہ پھنسایا تو....."

"وہ ابھی تک ان کی تحویل میں ہے' فاتح صاحب۔ تالیہ آج سے ایک مسنگ پرسن بن چکی ہے۔"

وہ زور دے کر بولے تو وان فاتح نے بھنویں بھینچیں۔ وہ دھوپ میں کھڑا تھا۔ احمد نظام کو اس کی آنکھوں کا رنگ سنہری نظر آ رہا تھا۔

"میری کل اس سے بات ہوئی ہے۔ وہ ٹھیک تھی اور گھر جا رہی تھی۔"

"وہ گھر نہیں پہنچی۔ بلکہ تھانے میں دولت امان اور اس کے اہلکار پہنچ گئے تھے اور وہ اس کو لے گئے ہیں۔" وہ تیز تیز بولتے پھولے تنفس کے ساتھ ساری روداد سناتے گئے۔ وہ ماتھے پہ بل ڈالے دھوپ میں کھڑا سنتا گیا۔

"مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میری اس سے بات ہوئی ہے۔ وہ ٹھیک تھی۔ وہ دولت کے ساتھ تھی۔"

"دولت امان صوفیہ رحمٰن کا آدمی ہے۔ آپ کا دوست وہ کسی زمانے میں تھا۔ وہ تالیہ کو کسی نامعلوم جگہ پہ لے گیا ہے اور ایس بی والے ایسا صرف ایک صورت میں کرتے ہیں۔ جب انہیں کسی شخص کو استعمال کرنا ہوتا ہے۔ وہ تالیہ کو آپ کے خلاف استعمال کرنا چاہیں گے۔ اسے ٹارچر کریں گے' اس کو توڑنے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے مجھے بھی لاک اپ میں بند کر دیا تھا۔ وہ تو صبح میرے کزن اور اس کی بیوی کی خبر آئی تو..." انہوں نے سر جھٹکا۔

"اور آپ کو اتنی فکر کیوں ہے؟ آپ کی وجہ سے تو وہ اس سب میں پھنسی ہے۔"

"اسی لئے مجھے اس کی فکر ہے کیونکہ وہ میری وجہ سے اس میں پھنسی ہے۔" وہ شکست خوردگی سے کہہ رہے تھے۔" وہ لڑکی سچ بول رہی تھی۔ میرے تفاخر اور انا نے مجھے اصل تصویر دیکھنے نہیں دی۔ آپ دولت امان سے بات کریں اور اس پہ زور دیں کہ وہ تالیہ کو چھوڑ دے ورنہ یہ لوگ بہت ظالم ہیں۔ یہ انسان کو عجیب طریقے سے ٹارچر کر کے اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔"

فاتح نے مشتبہ نظروں سے احمد نظام کا چہرہ دیکھا۔ ''مجھے آپ کی بات پہ یقین نہیں ہے۔ وہ ٹھیک ہے۔ اور اگر نہ ہوئی تو اس کی فکر کرنے کے لئے میں کافی ہوں۔ آپ جا سکتے ہیں۔'' سرد مہری سے کہہ کے وہ واپس کار کی طرف بڑھ گیا۔ کار میں بیٹھتے ہوئے اس کے تاثرات بدل رہے تھے۔ وہ ایک دم بہت سی تشویش میں گھر گیا تھا۔

☆☆=========☆☆

حالم کے بنگلے پہ وہ صبح اداس سی اتری تھی۔ گھاس' اونچی کھڑکیاں اور اندر لاؤنج کی فضا' ہر شے میں اداسی رچی بسی تھی۔

داتن لاؤنج میں ٹہلتی پریشانی سے فون بار بار ملا رہی تھی اور سامنے صوفے پہ بیٹھا ایڈم خفگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کہاں چلی گئی ہے تالیہ؟''

''اب آپ ان کو کور کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔'' وہ بالآخر پھٹ پڑا۔ ''وہ آ نہیں سکیں تو اب آپ دونوں بہانہ بنا دیں گی کہ فلاں کام تھا' فلاں مسئلہ تھا۔ اصل میں آپ لوگوں کے نزدیک ایڈم کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔''

''اوہ رونگھی ہیروئن..... ذرا تھوڑی دیر کے لئے اپنی چیخ چیخ بند کرو۔ میں پریشان ہوں بہت۔'' داتن غرا کے بولی مگر ایڈم پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔

''ان سے کہیں' چھپنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں ان کو کل کے لئے کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' وہ کشن گود میں رکھے' ناراض سا بیٹھا تھا۔ داتن نے بس اسے گھورا اور دوبارہ نمبر ملانے لگی۔

''تالیہ بہت کم ایسے کرتی ہے۔ اور جب بھی ایسے کرتی ہے وہ کسی مسئلے میں ہوتی ہے۔ اس کی کار باہر کھڑی ہے۔ تو وہ خود کہاں ہے؟''

''بناتی جائیں بہانے۔ میں آپ دونوں کے ہر Con اور ہر کور اسٹوری سے واقف ہوں۔'' ناراض ہیروئن منہ بنائے کہہ رہا تھا۔

تبھی ڈور بیل بجی تو جہاں داتن تیزی سے دروازے کی طرف لپکی' وہیں ایڈم نے مزید ناراض چہرہ بنا کے رخ بالکل موڑ لیا۔ آج وہ تالیہ کی کوئی تاویل' کوئی بہانہ' کچھ نہیں سنے گا۔ آج تالیہ کو یہ طے کرنا ہوگا کہ اس کی زندگی میں ایڈم بن محمد کی جگہ تھی یا نہیں۔

چند لمحے گزرے اور اسے واپس آتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

''بولیے محترمہ... میری بک لانچ میں نہ آنے کا کیا بہانہ ہے آپ کے پاس؟'' اس نے خفگی سے رخ موڑا مگر اگلے ہی پل وہ کشن ہٹا کے تیزی سے اٹھا۔

داتن کے ساتھ اندر آنے والا شخص وان فاتح تھا۔ بی این کا چیئر مین۔ ایڈم ایک دم گڑ بڑا گیا۔

''تم ادھر؟'' فاتح نے پتلیاں سکوڑ کے ایڈم کو دیکھا۔ اسے جیسے اس کو یہاں دیکھ کے تعجب ہوا تھا۔

''میں..میں چے تالیہ سے ملنے آیا تھا۔کہاں ہیں وہ؟''

فاتح نے باری باری ان دونوں کے منتظر چہرے دیکھے۔پھر کھنکھارا۔

''کل رات......تمہاری کتاب کی تقریب سے اس کو گرفتار کرلیا گیا تھا مگر بعد میں.....''

وہ صبح تک کی ساری روداد سنا تا جا رہا تھا اور ان دونوں کے چہرے سفید پڑ رہے تھے۔

''چے تالیہ گرفتار ہوگئی ہیں؟'' وہ بت بنا کھڑا تھا۔داتن دل پہ ہاتھ رکھے صوفے پہ گرسی گئی تھی۔

''میں کافی دیر سے دولت کو کال ملا رہا ہوں مگر اس کا فون آف ہے۔احمد نظام درست کہہ رہا تھا۔وہ لوگ تالیہ کو لے گئے ہیں۔کہاں۔کسی کو نہیں معلوم۔مجھے اندازہ تھا کہ آپ لوگ اسکی واحد فیملی ہیں۔مجھے آپ کو خبر دینی چاہیے۔اس کی کار بھی میں نے کل ڈرائیور کے ہاتھ بھجوادی تھی۔''

وہ بہت ضبط اور تحمل سے بتا رہا تھا۔

چند لمحے لاؤنج میں خاموشی چھائی رہی۔داتن صدمے سے بیٹھی ہوئی تھی اور وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔اور پھر....ایڈم کی زخمی آواز نے خاموشی کو مجروح کیا۔

''یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔'' وہ ایک دم چلا کے بولا۔'' آپ کی وجہ سے وہ اس مصیبت میں پھنسی ہیں۔آپ کے لئے انہوں نے کیا نہیں کیا اور آپ نے کیا کیا؟'' افسوس سے فاتح کو دیکھا۔'' آپ تو ان کو یاد بھی نہیں رکھ سکے۔''

''مجھے معلوم ہے یہ اس کے ساتھ میری وجہ سے ہوا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے ایڈم کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔'' یہ اس پہ کون وومن اور چور ہونے کے الزامات لگنا.... یہ مقدمہ....''

''وہ الزامات جھوٹے نہیں ہیں۔'' داتن شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھ کے غرائی تو فاتح نے دھیرے سے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔'' تالیہ ایک چور ہے فاتح صاحب اور ہمیں اس پہ فخر ہے۔ہم نے اس کو اس کے اصل کے ساتھ قبول کرلیا ہے۔آپ نے کیا کیا ہے اس کے لئے؟''

''وہ...چور...نہیں ہے۔'' وہ ایک دم جھڑک کے بولا تو داتن اس کے سامنے کھڑی ہوئی اور غصے سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''آج آپ یہ راز جان ہی لیں پھر۔تالیہ ایک چور ہے۔ایک اسکامر ہے۔ایک کون وومن ہے۔اب کیا آپ اس سے

نفرت کرنے لگ جائیں گے؟ اس کو ڈِس اون کر دیں گے؟ کیونکہ آپ اونچے شملے والے لوگ بہت پارسا ہوتے ہیں۔ کسی کرمنل سے تعلق رکھنا پسند نہیں کرتے۔"

"داتن ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" ایڈم زخمی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "آپ جیسے بڑے لوگوں کی خدمت نے چے تالیہ کو یہ دن دکھایا ہے اور آپ نے ان کے لئے سوائے اس دولت کے کسی کو کال نہیں کی۔ خفیہ ایجنسی کسی کو اغوا کر کے لے جاتی ہے اور آپ بی این کے صدر ہوتے ہوئے ایک پریس کانفرنس تک نہیں بلا سکے۔ اس لئے آپ کو چے تالیہ کے لئے فکر مندی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم ان کو خود ڈھونڈ لیں گے۔"

فاتح نے باری باری ان دونوں کا چہرہ دیکھا اور پھر.... اسی ٹھنڈے انداز میں ایڈم کو مخاطب کیا۔

"جانتے ہو میں تالیہ کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟" اس کی مضبوط آواز بنگلے کی دیواروں سے ٹکرائی۔ "میں اس پہ 'یقین' کر سکتا ہوں۔ تم لوگ اب بھی اس کو Con Woman کہتے ہو جب کہ وہ اس راستے کو چھوڑ چکی ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے میں نہیں جانتا وہ ماضی میں کیا کرتی تھی؟ مجھے سب اندازہ ہے مگر میں اپنی پوری سچائی سے یہ کہہ سکتا ہوں ایڈم.... کہ وہ لڑکی چور نہیں" ہے۔" وہ ماضی میں جو بھی تھی "اب" وہ ایک سچی اور ایماندار لڑکی ہے۔ تم لوگ اس کو مجھ سے بہتر جانتے ہو گے مگر جس تالیہ کو میں جانتا ہوں' اس تالیہ کو سزا میں ہونے نہیں دوں گا۔"

چند لمحے کے لئے ایڈم کچھ بول نہ سکا۔ اس کا ٹھنڈا اور مضبوط انداز اس کو لاجواب کر گیا تھا۔

"اور تم دونوں کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسے ڈھونڈ لوں گا۔"

ایڈم کے لبوں پہ ایک تلخ مسکراہٹ در آئی۔

"ظاہر ہے... آپ کو انہیں ڈھونڈنا ہو گا کیونکہ صوفیہ رحمٰن ان کو آپ کے خلاف استعمال کر سکتی ہیں۔ بس اسی لیے ڈھونڈنا چاہتے ہیں آپ چے تالیہ کو تاکہ انہیں چپ کروا سکیں۔"

فاتح نے افسوس سے اسے دیکھا۔

"مجھے اس کا کوئی ڈر نہیں ہے۔ کیونکہ تالیہ کبھی مجھے ڈِس اون نہیں کرے گی۔ چاہے وہ میرے ساتھ موجود نہ ہو.... چاہے وہ میری بیک سائڈنگ پہ نہ آئے (زور دے کے کہا) میں کبھی یہ نہیں سمجھوں گا کہ وہ مجھے چھوڑ کے چلی گئی ہے کیونکہ اتنا تو انسان کو اپنے دوستوں پہ یقین ہونا چاہیے۔" وہ اسی ٹھنڈے انداز میں جتا کے بولا تھا اور ایڈم بن محمد پہ گھڑوں پانی پڑ گیا۔

وہ بالکل شل رہ گیا تھا۔

اس ایک لمحے میں ایڈم کی پانچ سو ستاون برس کی کہانی کو کنارہ مل گیا تھا۔

اس ایک فقرے نے اسے سمجھا دیا تھا کہ مستقبل کا بندا ہارا اور ماضی کی شہزادی ایک دوسرے کے لئے بنے تھے۔ وقت اور قانون کے چکران کو الگ نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ان دونوں کو ایک دوسرے پہ یقین تھا۔

بھلے زمانے بیت جائیں... یاداشتیں کھو جائیں....قید کی زنجیریں درمیان میں حائل ہوں....سیاست کی مصلحتیں یا غلط فہمیاں راستہ کاٹیں....فاتح اور تالیہ ایک دوسرے کو ہمیشہ ڈھونڈ لیتے تھے۔

اب کہ وہ بولا تو اس کی آواز دھیمی تھی۔ ''اگر وہ حکومتی ایجنسی کی قید میں ہیں تو اب ہم ان کو کیسے ڈھونڈیں؟''

''ہم؟ کون ہم؟'' وہ اسی سنجیدگی سے کندھے اچکا کے بولا۔ ''میں.... بی این کا چیئر مین....وان فاتح بن رامزل....میں اس کو خود ڈھونڈ لوں گا۔ تم پریشان مت ہو۔''

اور وہ مڑ گیا۔ ایڈم اور داتن اسے لمبے لمبے ڈگ بھرتے باہر جاتے دیکھتے رہے۔

ان کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

وہ شام سارے کے ایل کو اداس کر کے گہری ہوتی جا رہی تھی۔ سرما کی آمد آمد تھی اور موسم کافی خوشگوار ہو چکا تھا۔ کے ایل کا سرما ایسا نہ تھا کہ گرم کپڑے پہنے جائیں بس گرمی چلی جاتی تھی اور ہلکی سی ٹھنڈ آ جاتی تھی۔

دولت امان اس شام جب اپنے گھر میں داخل ہوئے تو سامنے لابی کی سیڑھیوں کے ساتھ کھڑی اس کی بیوی نے خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ بتایا۔ ''فاتح صاحب آئے ہوئے ہیں۔ ڈرائینگ روم میں بیٹھے ہیں۔ آپ کا فون آف تھا اس لئے بتا نہیں سکی۔''

دولت کے چہرے پہ سنجیدگی پھیل گئی۔ کوٹ اتار کے اسٹینڈ پہ ٹانگا اور کف کھولتے ہوئے اندر کی طرف آیا۔ ڈرائنگ روم تک پہنچتے ہوئے اس نے چہرے پہ رسمی مسکراہٹ طاری کر لی۔

''فاتح....تم کب آئے۔''

بڑے صوفے پہ وان فاتح ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ سنجیدہ چہرے اٹھا کے اس پہ ایک نظر ڈالی۔

''تالیہ کہاں ہے؟''

''وہ ہم ڈسکس کر لیتے ہیں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ چائے لو گے یا کافی؟'' وہ بشاشت سے کہتا سامنے والے صوفے پہ بیٹھا تو فاتح کے ماتھے کے بل گہرے ہوتے گئے۔

''میں یہاں چائے پینے نہیں آیا۔ تم نے کل تالیہ سے میری بات کروائی تھی مگر وہ گھر نہیں پہنچی۔ تم لوگوں نے اسے گرفتار

یا اغوا کر کے رکھا ہے' میں سمجھ گیا ہوں۔"

"فاتح.... اِٹس مائی جاب۔"

"اور میری جاب جانتے ہو کیا ہے؟ میں پارلیمان کے فلور پہ کھڑا ہو کے اہم مسئلوں پہ آواز اٹھانے کا عادی ہوں۔ تمہیں کیا لگتا ہے' میں اس مسئلے کو غیر اہم سمجھتا ہوں؟"

دولت نے گہری سانس لی اور دونوں ہاتھ اٹھا کے تحمل سے کہنے لگا۔ "میں اوپر سے آنے والے احکامات کا پابند ہوں۔ وزیر اعظم صاحبہ کو اس سے ایک کام کروانا ہے اور اس کے بدلے میں وہ اس کو مکمل Immunity دے رہی ہیں۔"

"کون سا کام؟ میرے خلاف گواہی؟ ہے نا؟" وہ تلخی سے اپنے دوست کو دیکھ رہا تھا۔

"ساری دنیا تمہارے گرد نہیں گھومتی' فاتح۔ اس سب کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" وہ چند لمحے ان کو گھورتا رہا۔ ڈرائنگ روم کی زرد بتیوں میں وہ دولت امان کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

"اور تالیہ اس ڈیل کے لئے مان گئی ہے؟"

"وہ..... سوچ رہی ہے ابھی۔"

"اوہ.... اور مجھے معلوم ہے وہ کیسے سوچ رہی ہو گی۔" اس کے کان شدتِ طیش سے سرخ پڑنے لگے۔ "تم لوگوں نے اسے کسی جگہ قید کر رکھا ہو گا اور شدید ذہنی دباؤ سے گزار رہے ہو گے۔"

"وہ سوچ رہی ہے اور جس دن وہ فیصلہ کر لے گی کہ اسے اس قید سے نکلنا ہے' ہم سب برابر والے کمرے میں اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ ایک وِن ہی تو گھسانی ہے اسے تالے میں۔"

فاتح نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور حیرت بھرے صدمے سے اسے دیکھا۔

"تم اس کا امتحان لے رہے ہو؟ اس کو فراڈ ثابت کرنے کے لئے؟"

"نہیں۔ صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ اپنی آزادی کے لئے کس حد تک جا سکتی ہے۔ اس کے بعد اس کے لئے ہماری ڈیل ماننا آسان ہو گا۔"

ڈرائنگ روم میں خاموشی چھا گئی۔ اوپر جلتے فانوس چپ چاپ نیچے صوفوں پہ بیٹھے دونوں آدمیوں اور ان کے درمیان چھائے تناؤ کو دیکھتے رہے۔

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔ جب تک وہ خود اس قید سے نہیں نکلتی' اس سے کوئی نہیں مل سکتا۔"

''تمہارے خیال میں اسے اتنے دن میں تمہارے پاس رہنے دوں گا؟ میں ابھی ایک ٹوئیٹ کروں تو.....''

''تو سارا ملک جان جائے گا کہ تالیہ مراد ایک چور ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے تم پبلک میں اس قصے کو اٹھاؤ گے تو وہ بدنام نہیں ہو گی؟ ہم اسی چیز سے اسے بچا رہے ہیں۔ وزیرِ اعظم کی کانفیڈینشل پارڈن اس کو ساری عمر کے لئے سابقہ جرائم سے محفوظ کر لے گی اور کسی کو معلوم بھی نہیں ہو گا۔ البتہ اگر تم اس معاملے کو میڈیا میں لے کر گئے تو تالیہ ہمارے لئے ناکارہ ہو گی۔ ہم اس کے خلاف انویسٹی گیشن شروع کر دیں گے اور ڈیل کی بات ہی ختم کر دیں گے۔''

وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔ بس ماتھے پہ بل ڈالے تندہی سے دولت کو دیکھتا رہا۔

''تو صوفیہ رحمن اس کو محفوظ راستہ دے گی؟ میں کیسے یقین کروں اس کی بات کا؟''

''تم میرا یقین کر سکتے ہو۔ تم مجھے جانتے ہو۔''

''کوئی کسی کو بھی نہیں جانتا ہوتا۔'' وہ تلخی سے بولا تھا۔ دولت نے گہری سانس لی۔

''وہ چند دن میں اپنے گھر واپس آ جائے گی۔ تم سوائے اسکا انتظار کرنے کے اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ تم احتجاج کر کے یا لوگوں کی نفری لے کر بھی پہنچ جاؤ تو تم سرکاری تحویل سے کسی کو نہیں نکال سکتے۔ اس کی بہتری کے لئے.... حکومتی معافی نامے کے لئے.... تمہیں اس کا خاموشی سے انتظار کرنا ہو گا۔''

فاتح اتنا سن کے اٹھ کھڑا ہوا تو دولت بھی ساتھ ہی اٹھا۔ ''چائے تو پی لو۔''

''میں اس شخص کے گھر کیسے چائے پی سکتا ہوں جس نے میری.....'' وہ رکا۔ کوئی سابقہ لاحقہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ دولت نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے ابرو اٹھائی۔

''تمہاری؟''

''...میری دوست کو حبسِ بے جا میں رکھا اور معلوم نہیں اس کو کس طریقے سے ٹارچر کر رہا ہو گا۔'' فاتح دروازے کی طرف بڑھ گیا تو دولت پیچھے سے کھنکھارا۔

''یونو.... مرد اور عورت کبھی دوست نہیں بن سکتے۔''

وان فاتح چوکھٹ پہ ٹھہرا اور گہری سانس لی۔ ''بن سکتے ہیں۔'' اور مڑ کے ایک تیز نظر دولت پہ ڈالی۔ ''مگر مسئلہ یہ ہے کہ اکثر ان میں سے ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔''

یہ اعتراف کا وہ بے خوف مقام تھا جہاں وان فاتح کو کچھ کھونے کا ڈر نہیں تھا۔

لمحے بھر کو وہاں سناٹا چھا گیا۔

"تالیہ نے میرے لیے خود کو غیر محفوظ کر دیا۔تم تصور کرو کہ اس کو محفوظ کرنے کے لئے میں کس حد تک جا سکتا ہوں۔"

دولت کے کندھے سیدھے ہوئے۔اس نے چونک کے فاتح کو دیکھا جو اپنی بات کہہ کے اس کو برہم نظروں سے دیکھ کے اب باہر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

(تو وہ اپنی بات کر رہا تھا؟مگر اس کی تو بیوی بھی ہے۔بچے بھی ہیں۔یا شاید تالیہ درست کہہ رہی تھی۔تفتیش کے دوران اس نے احمد نظام سے کہا تھا کہ وہ وان فاتح کی بیوی ہے۔اف یہ ورک پلیس کی محبتیں اور افیئرز۔)

دولت نے افسوس سے ماتھے کو چھوا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ زندگی اتنی بلیک اینڈ وائیٹ نہیں ہوتی۔

☆☆==========☆☆

دوسری رات:۔

وان فاتح کار کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھا شیشے سے باہر رواں ٹریفک دیکھ رہا تھا جو سیاہ سڑک پہ زرد روشنیاں بکھیرے چلتی جا رہی تھی۔بند مٹھی ہونٹوں پہ رکھے وہ بس دور افق کو دیکھے جا رہا تھا۔

آج سارا دن میٹنگز' کانفرنسز' اور آفس کے معاملات وہ بظاہر خوش اسلوبی سے نبھاتا آیا تھا مگر اس کا ذہن تالیہ پہ اٹکا تھا۔وہ کہیں قید تھی۔ سلاخوں کے پار۔وہ مقید تھی اور....اس نے آنکھیں بند کیں تو چھم سے ذہن کے پردے پہ ایک منظر اتر آتا

۔

وہ سلاخوں کے اندر بیٹھا تھا....وہ زخمی تھا اور وہ اس کے ماتھے پہ مرہم لگا رہی تھی۔اس نے سر جھٹکا۔پھر دوسرا منظر ذہن میں ابھرنے لگا۔وہ ایک آدمی کے سامنے کھڑا تھا اور اس کو کہہ رہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو سمندری سفر پہ نہ بھیجے۔اس کے ہاتھ زنجیروں میں جکڑے تھے۔یہ دونوں خواب اس نے رات میں دیکھے تھے اور بار بار ان کا خیال اسے تنگ کر رہا تھا۔

یہ خواب علامتی تھے کیا؟اُف یہ وژن....یہ یادیں....اس نے کنپٹی سہلائی۔سوچ سوچ کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔

کار گھر کے گیٹ کے باہر رکی تو وہاں بہت سی گاڑیاں اور گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔فاتح کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

"اتنا رش کیوں ہے گھر میں؟"

ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے باڈی مین نے مڑ کے ادب سے بتایا۔"سر....آج مسز عصرہ نے آپ کے ساتھی پارلیمینٹیرینز کو ان کی بیگمات سمیت مدعو کیا ہے۔آپ بھول گئے؟"

اُف....اس نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔"ایسا کرو کار روک لو۔مجھے اندر نہیں جانا۔"

ڈرائیور نے فوراً وہیں کار روک دی تو فاتح باہر نکلا۔ باڈی مین پریشانی سے اس کے پاس آیا۔

''سر! اگر ہم نہیں گئے تو مسز عصرہ بہت خفا ہوں گی۔ وہ مجھے پہلے ہی دس فون کر چکی ہیں۔''

''یونو.... تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' فاتح نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اس کی تائید کی۔ ''تمہیں ڈنر پہ جانا چاہیے۔ تم جاؤ اور مسز عصرہ سے کہو کہ میں ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔'' یہ کہہ کے اس نے ڈرائیور کے ہاتھ سے چابی لی اور اسے ہٹنے کا اشارہ کیا۔

چند لمحوں بعد وہ کار خود ڈرائیو کر کے وہاں سے جا چکا تھا اور وہ دونوں پریشانی سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔

کے ایل کی سڑکوں پہ ٹریفک اسی طرح رواں دواں تھا۔ وہ تھوڑی دور آگے گیا تھا کہ اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے بے زاری سے موبائل اٹھا کے دیکھا۔ ''ایڈم بن محمد کالنگ۔''

اس کا نمبر اس نے حال ہی میں بک سائننگ ایونٹ کی وجہ سے محفوظ کیا تھا۔

''بولو ایڈم!''

''سر.... چے تا لیہ کا کچھ پتہ چلا؟'' اس کی آواز پریشان اور مدھم تھی۔

''ہاں۔ مجھے معلوم ہے وہ کس کے پاس ہے۔ اور ڈونٹ وری وہ محفوظ ہے۔''

''تو وہ گھر کیوں نہیں آ رہیں؟''

''ایڈم.... تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں نے وعدہ کیا ہے نا کہ اس کو وہاں سے نکال لاؤں گا تو وعدہ نبھاؤں گا۔''

صبح کے برعکس اب وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''آپ کے وعدوں کا یہی مسئلہ ہے سر۔ وہ پورے ہو کے زیادہ تکلیف دیتے ہیں۔ بس اس دفعہ کوشش کیجیے گا کہ اس وعدے کو پورا کرنے کے لئے کچھ قربان نہ کریں۔''

''میں نے پہلے کبھی تم سے کوئی وعدہ نہیں کیا۔ اس لئے تم میرے بارے میں جج منٹ نہیں دے سکتے۔''

ایڈم تلخی سے ہنسا۔ ''کاش میرے لئے بھی بھولنا اتنا ہی آسان ہوتا۔ یادداشت کا چلے جانا بھی ایک نعمت ہے۔''

فاتح کے پاس اس کی مبہم باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ بس اس نے بیزاری سے کال کاٹ دی۔

چند منٹ بعد وہ ایک درمیانے درجے کے گھر کے سامنے کھڑا ڈور بیل بجا رہا تھا۔ اس نے کوٹ اتار کے کار میں ڈال دیا تھا اور سفید شرٹ کے کف موڑ لیے تھے۔

دروازہ کھلا اور احمد نظام نے باہر جھانکا۔ اسے وہاں دیکھ کے وہ ششدر رہ گئے۔

"آپ؟"

وان فاتح نے ہاتھ سے انہیں ہٹنے کا اشارہ کیا اور داخلی زینے چڑھ کے اوپر آیا۔ احمد نظام فوراً سامنے سے ہٹے اور دروازہ پورا کھول دیا۔

"آیئے۔ پلیز..... اندر آیئے۔" وہ بی این کے صدر کو اپنے غریب خانے پہ دیکھ کے قدرے بوکھلا گئے تھے۔ وہ اس وقت پاجامے اور کرتے میں ملبوس تھے اور شیو ذرا بڑھی ہوئی لگتی تھی۔ "آپ کو میرا ایڈریس کیسے.....؟؟"

فاتح اندر آ کے سیدھا ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ فوراً پیچھے آئے۔

"آپ کا ایڈریس پبلک ریکارڈ میں ہے اور میرے لیے وہ نکلوانا مشکل نہیں تھا۔" وہ اکھڑے اکھڑے انداز میں کہتا صوفے تک آیا اور بیٹھ کے ٹانگ پہ ٹانگ جما لی۔ انداز سے لگتا تھا وہ اپنے گھر آیا ہے اور احمد نظام سامنے خادم کی طرح شرمندہ سے کھڑے تھے۔

"آپ کو یہاں دیکھ کے....."

"آپ کے کزن اور ان کی بیوی کی ایکسیڈنٹ میں وفات کا علم ہوا تھا۔ میں ان کی تعزیت کرنے آیا تھا۔" وہ اسی سنجیدہ اور روکھے انداز میں بولا تو احمد نظام نے گہری سانس لی۔ (تعزیت کے لیے ایسے آیا جاتا ہے کیا؟)

"یہ بہت غیر متوقع تھا۔ مگر چے تالیہ نے مجھے خبردار کیا تھا۔ افسوس کہ میں نے ان کی بات نہیں مانی۔"

"آپ کھڑے کیوں ہیں؟ بیٹھ جائیں۔" اسی خشک انداز میں گھر کے مالک کو بیٹھنے کا حکم دیا تو وہ سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گئے۔

"آپ کا شکریہ کہ آپ آئے۔ گھر والے ابھی تک مرحوم کے گھر میں ہیں اس لیے میں آپ کی خاطر....."

"تو آپ کے خیال میں وزیراعظم صاحبہ کو تالیہ سے کیا کام ہو سکتا ہے؟" وہ بات کاٹ کے مدعے پہ آ گیا تھا۔

ڈرائینگ روم میں ایک سفید بتی روشن تھی اور اس کی روشنی میں احمد نظام کو وان فاتح ڈسٹرب اور بے چین سا نظر آیا تھا۔ وہ اپنے تاثرات چھپانے کی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا۔ ان کو اندازہ ہوا کہ وہ دولت سے بات کر چکا تھا اور معاملہ واضح ہو رہا تھا۔

"یعنی میرا اندازہ درست تھا۔ انہوں نے چے تالیہ سے کوئی کام لینا ہے۔"

"جی۔ پہلی دفعہ آپ کا اندازہ درست ثابت ہوا ہے۔" وہ طنز سے بولا تو احمد نظام نے سر جھکا دیا۔

"مجھ سے بڑی بھول ہوئی ہے، فاتح صاحب۔ ستائش کی خواہش انسان کی عقل پہ پردہ ڈال دیتی ہے۔ میں نے خود کو اپنی خواہش کے حوالے کر دیا اور اپنے کان لپیٹ لیے۔ اس غلطی نے مجھے اپنے محاسبے کی توفیق دی ہے اور میں ہر طرح سے اس کا

مداوا کرنے کی کوشش کروں گا۔ تالیہ مراد اگر چور یا کون وومن تھی بھی تو ہمارے پاس اس چیز کا ثبوت نہیں تھا۔ اور جس چیز کا ثبوت ہم نے گھڑا، وہ جھوٹ تھا۔ آپ مجھے اس کے لیے معاف کر دیں۔ میں ہر عدالت میں ان کے حق میں گواہی دینے کے لیے تیار ہوں۔" وہ نرمی سے کہہ رہے تھے۔ فاتح کے ماتھے کے بل غائب ہونے لگے۔ وہ کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔

"تو کیا کام ہو سکتا ہے صوفیہ رحمٰن کو تالیہ سے؟" اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"آپ کو یہ ڈر ہے کہ وہ انہیں آپ کے خلاف استعمال کریں گی۔"

"مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ تالیہ کبھی مجھے ڈِس اون نہیں کرے گی۔ بہر حال یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔" اس نے بےزاری سے ناک سے مکھی اڑائی۔ "میں صوفیہ رحمٰن کو جانتا ہوں۔ وہ ایک شاطر اور طاقتور عورت ہے۔ وہ تالیہ سے کام کروا کے اس ڈیل سے مکر بھی جائے تو اسے کون پکڑ سکتا ہے؟"

"وہ ملک کی وزیرِ اعظم ہیں، فاتح صاحب۔"

"وہ ایک جھوٹی اور چور عورت ہے، احمد نظام۔"

"اس چور عورت نے اگر ایک دوسری چور عورت سے کام کروانا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ وہ کوئی غلط کام ہو۔ چوروں کے درمیان بھی ایک Honour ہوتا ہے۔"

فاتح کے ماتھے کے بل جو اس کی معذرت پہ غائب ہوئے تھے، دوبارہ عود آئے۔ "تالیہ چور نہیں ہے۔"

"جی.... اب نہیں ہے۔ مگر میری ان پہ ریسرچ یہ بتاتی ہے کہ پہلے وہ...."

"کہاں ہے یہ ریسرچ؟" اس نے اس کی بات کاٹی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں احمد نظام کے گھریلو آفس میں موجود تھے۔ فاتح پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑا گردن اٹھائے اس دیوار کو دیکھ رہا تھا جو کاغذات سے ڈھکی ہوئی تھی۔ تالیہ کی تصاویر، بینک کے کاغذات، مختلف لوگوں کے نام۔ پوسٹ اٹ نوٹس۔ فاتح نے تعجب سے نظریں ان کی طرف موڑیں۔

"آپ تو تالیہ مراد سے Obssessed ہیں۔"

"میرا خیال تھا یہ کیس آف دی ائیر ہو گا مگر اب مجھے لگتا ہے کہ یہ کیس آف دی سنچری بن سکتا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"میں آج سارا دن اسی بارے میں سوچتا رہا ہوں۔" وہ پُرجوش سے ہو کے قریب آئے اور جلدی جلدی بتانے لگے۔ "کیا معلوم تالیہ ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اس نے ایڈم اور آپ کے ساتھ واقعی وقت میں سفر کیا ہو۔"

''واٹ؟'' وان فاتح نے دونوں ابرو اٹھا کے انہیں دیکھا۔

''جی....اور اگر یہ درست ہے....اور وہ واقعی آپ کی بیوی ہے....جیسا کہ اس نے مجھے بتایا کہ آپ کی قدیم ملاکہ میں شادی ہوئی تھی....اور وہ انگوٹھی واقعی اسے سلطان مرسل نے دی تھی۔تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ انسان کے لئے وقت میں سفر کرنا ممکن ہے۔جانتے ہیں میں آج پمبورو کے بارے میں پڑھ رہا تھا....اور....''

''ایک منٹ....'' اس نے پر جوش سے احمد نظام کو ٹوکا۔''اس نے آپ سے کہا کہ وہ میری بیوی ہے؟'' اسے لگا اس نے غلط سنا ہے۔

"جی۔آپ اس کے ساتھ وقت میں پیچھے گئے تھے۔آپ ایک غلام تھے۔سن باؤ وانگ لی کے غلام۔اور وہ ملاکہ کی شہزادی تھی اور۔۔۔"وہ پر جوش سے بتا رہے تھے اور فاتح نے کراہ کے آنکھیں موندیں۔

وہ بی این کا صدر تھا اور وہ جس لڑکی کے لیے ایک پراسیکیوٹر کے گھر تک آ گیا تھا۔وہ اس کو یوں کہانیاں سنا کے شرمندہ کر سکتی ہے، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"پہلے مجھے لگا وہ جھوٹ بول رہی ہیں مگر پمبورو کے بارے میں کہانیاں مشہور ہیں کہ کس طرح وہ وقت میں سفر۔۔۔"

"میں۔۔مجھے یاد آیا مجھے گھر پہنچنا تھا۔ایک ڈنر ہے گھر پہ۔"اس نے ماتھے کو چھو کے کہا۔اس کے اندر ایک دم تالیہ کے لیے غصے کا ابال اٹھا تھا۔اور شرمندگی اتنی تھی کہ حد نہیں۔

"اوہ۔لیکن اگر آپ اس کیس کو اٹھائیں تو ہم دنیا کو بتا سکتے ہیں کہ انسان آج بھی وقت میں سفر کر سکتا ہے۔میں ہمیشہ سے کوانٹم فزکس پڑھنا چاہتا تھا مگر۔۔"

"ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔مجھے ابھی جانا ہے۔"وہ مزید یہاں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔تیزی سے پلٹا اور باہر نکل گیا۔

کار میں آ کے اس نے چند گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنا چاہا۔شہزادی، غلام، وقت میں سفر۔واٹ دا ہیل۔اس نے انگوٹھے اور دو انگلیوں سے دکھتے سر کو دبایا۔تالیہ کس طرح کی کہانیاں سنا رہی تھی لوگوں کو، یہ کہانیاں اس کو بدنام کر سکتی تھیں۔اس کی معاشرے میں ایک ساکھ تھی، ایک مقام تھا۔یا اللہ۔اعتراف کی بے خوفی اپنی جگہ مگر یہ دونوں کا رشتہ؟ یہ تو جھوٹ تھا۔

فرنٹ سیٹ کے شیشے پہ دستک ہوئی تو وہ چونکا۔پھر بٹن دبایا تو شیشہ نیچے گرنے لگا۔کھڑکی میں احمد نظام کھڑے تھے۔

"میں نے سارا ریسرچ ورک اس باکس میں ڈال دیا ہے۔یہ آپ لے جائیں۔اگر یہ کیس آف دی سنچری بھی ہے تو میں

سمجھ گیا ہوں کہ میں یا آپ اس کو نہیں اٹھا سکتے۔ ہوسکتا ہے یہ آپ کے کسی کام آئے۔"

اس نے چپ چاپ ان کو باکس پچھلی سیٹ پہ رکھنے کا اشارہ کیا۔ جیسے ہی احمد نظام نے دروازہ بند کیا، وان فاتح نے کار آگے بھگا دی۔ اس کا سر درد کرنے لگا تھا۔ آج کل وہ کچھ زیادہ ہی درد کرتا تھا۔

☆☆=========☆☆

وان فاتح کی رہائش گاہ کے اندر عشائیے کی گہما گہمی عروج پہ تھی۔ طویل ڈائننگ ٹیبل کے گرد تمام مہمان اپنی جگہوں پہ بیٹھے تھے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ایسے میں جامنی اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس مسکراتی ہوئی عصرہ کچن کے دروازے سے چلتی آرہی تھی جب اس نے فاتح کے باڈی مین کو فاصلے پہ متامل کھڑا پایا۔ مسکراتے ہوئے ابرو سے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"میم۔ فاتح صاحب نے کار کی چابی لی۔۔۔ اور۔۔۔" بدقت اس نے نظریں جھکا کے بتایا۔ مگر پھر نگاہ اٹھائی تو عصرہ اسی طرح مسکرا رہی تھی۔

" کوئی بات نہیں۔ مجھے اندازہ تھا۔" اور آگے بڑھ گئی۔

ڈائننگ ہال میں صرف دو کرسیاں خالی تھیں۔ ایک سربراہی اور دوسری اس کے دائیں ہاتھ۔ عصرہ جامنی اسٹول سر پہ سلیقے سے جماتے ہوئے آگے آئی اور سربراہی کرسی کھینچ کے بیٹھی۔ پھر نزاکت سے نیپکن اٹھا کے گود میں پھیلایا۔ سب رک کے اسے دیکھنے لگے۔

"میرا خیال ہے اگر شوہر چلا جائے تو بیوی کو اس کی سربراہی کرسی لینے میں تامل نہیں کرنا چاہیئے۔" مسکرا کے بولی تو سب ہنس دیے۔ جب سے فاتح بی این کا صدر بنا تھا، لوگ عصرہ کے ساتھ ایسا برتاؤ کر رہے تھے جیسا کسی فرسٹ لیڈی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تحائف، چاپلوسی، تعریفیں، اور دھیمے سے اپنا کام کہہ دینا۔ وہ سر ہلا کے سب کو سنتی تھی، کسی کو اشارہ دے دیتی، کسی کو صرف مسکراہٹ سے نوازتی، اور کسی کی بات ان سنی کر جاتی۔ طاقت آگ کی ایسی دیوی تھی جس کے گرد سب پتنگوں کی طرح چکر کاٹنے لگتے تھے۔ کچھ کو سونے کے پر عطا کر دیے جاتے۔ کچھ جل جل کے وہیں گرتے جاتے تھے۔ دیوی درمیان میں بے نیازی کھڑی رہتی۔

کھانے کے بعد ملازمہ ٹرے میں ایک چھوٹا چاکلیٹ کیک سجا کے لائی تو عصرہ کھنکھاری اور دانستہ آواز بلند کی۔ "ارے یہ نہیں۔ یہ تو ہم نہیں کھا سکتے۔"

مہمانوں نے گردنیں موڑ کے ملازمہ کو دیکھا جو کیک ڈش پکڑے گڑبڑا گئی تھی۔ (بیگم صاحبہ نے ابھی خود ہی تو کہا تھا

کہ......)

''اور وہ کیوں عصرہ؟'' ایک خاتون نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

عصرہ نے کہنیاں میز پہ رکھیں اور ہتھیلی پہ ٹھوڑی ٹکا کے دلچسپی سے اس کیک کو دیکھا۔

''بھئی یہ تالیہ نے بنایا ہے۔ تالیہ مراد نے۔ ہر روز بیک کر کے فاتح کے لئے بھیجتی ہے۔ اب وہ اتنے پیار سے بناتی ہے تو میں فاتح کے لئے چھوڑ دیتی ہوں۔'' ساتھ ہی مسکرا کے ملازمہ کو جانے کا اشارہ کیا۔

''اچھا۔ تالیہ مراد۔''

''کہاں ہوتی ہے وہ آج کل۔''

''یہیں ہوتی ہے۔ آتی جاتی رہتی ہے۔'' عصرہ خوش دلی سے بتا رہی تھی۔ ''میں حیران ہوتی ہوں کہ کس طرح بے چاری روز کیک بیک کر لیتی ہے اور وہ بھی فاتح کے فیورٹ کیکس۔''

''ذائقہ ہے اس کے ہاتھ میں؟''

''ارے میں تو کھا نہیں سکتی نا۔ ان میں جونٹس ہوتے ہیں ان سے مجھے الرجی ہے۔ کبھی گاجر کا کیک بھیجے تو میں کھا لیتی ہوں۔''

دو خواتین نے معنی خیز خاموش نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر وان فاتح کی بیوی کی جو معصومیت سے بتائے جا رہی تھی۔ پھر ان میں سے ایک بولی۔

''ہر روز کیک بنانے میں کسی عورت کی بہت محنت لگتی ہے عصرہ۔''

''اس کی تو محنت لگتی ہے مگر فاتح کو تو کیلوریز لگتی ہیں نا۔ میں اتنا کہتی ہوں' ہر روز نہ کھایا کرو' ویٹ گین کر لو گے مگر آپ کے چیئر مین صاحب سنتے ہی نہیں۔'' وہ گردن کے نیکلیس پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے سادگی سے بتا رہی تھی۔

ڈائننگ ہال میں اس بات پہ ایک مصنوعی قہقہہ گونجا تھا۔

ملازم اب دو طرح کے سوئیٹس سرو کر رہے تھے اور اوپر لگے کانچ کے روشن فانوس خاموشی سے اس طویل میز پہ بیٹھے مہمانوں کو دیکھ رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

دوسرا دن:۔

اس صبح وہ ناشتے کی ٹیبل پہ آیا تو اس کا موڈ آف لگتا تھا۔ عصرہ دائیں ہاتھ کی کرسی پہ پہلے سے بیٹھی نظر آتی تھی۔ اسے دیکھ کے مسکرائی۔ وہ مسکرا بھی نہ سکا۔ سوٹ' ٹائی اور کف لنکس پہنے' بال جیل سے دائیں جانب جمائے' وہ آفس کے لئے تیار لگنے کے ساتھ ساتھ بے حد سنجیدہ لگ رہا تھا۔ بس کرسی کھینچ کے بیٹھا اور اخبار چہرے کے سامنے کر لیا۔

''رات تم دیر سے گھر آئے۔'' عصرہ ہلکی سی شال کندھوں پہ لپیٹے بیٹھی' مگ سے گھونٹ بھرتے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے محض 'ہوں' کیا۔ عصرہ نے اخبار کا کونا ذرا سا موڑ کے اس کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

''تالیہ کا آج پھر کیک آیا ہے۔ لے آؤں۔''

فاتح نے چونک کے چہرہ اٹھایا' پھر تعجب سے اسے دیکھا۔

''وہ ان کی تحویل میں ہے۔ وہ کیک کیسے بھیج سکتی ہے؟''

''یہ کب کہا کہ اس نے آج بھیجا ہے؟ میں نے کوریئر والے سے پوچھا تھا۔ اس نے کہا کہ ایڈوانس بکنگ کروا رکھی ہے کسی بیکری سے۔ ہر روز تمہاری پسند کے کیک آئیں گے۔ شاید اسے لگتا ہے تمہیں ذیابیطس کی ضرورت ہے۔'' اور مسکرا کے گھونٹ بھرنے لگی۔

''تم کھا لینا۔'' وہ بےزاری سے واپس اخبار پڑھنے لگا۔ اسے ایک دفعہ پھر سے تالیہ پہ غصہ آنے لگا تھا۔

''میں کیسے کھا سکتی ہوں۔ کون سا میرے لئے بھیجا ہے اس نے۔''

''عصرہ تم اس کو پسند کرتی ہو یا ناپسند۔ تم ایک دفعہ اس بات کا فیصلہ کیوں نہیں کر لیتیں۔''

وہ جھنجھلا کے اخبار نیچے کر کے بولا تو عصرہ اسی طرح مسکرا دی۔

''تم اس کو پسند کرتے ہو یہی بہت ہے۔ اور کیک میں نٹس ہیں۔ میں نہیں کھا سکتی۔''

''میں اس کو پسند کرتا ہوں کیونکہ وہ میری چیف آف اسٹاف ہے' میری کولیگ ہے۔'' وہ ایک دم برہمی سے بولا تو عصرہ نے اسی سکون سے اسے دیکھا۔

''اس میں اتنا گلٹی ہونے والی کیا بات ہے۔''

''میں گلٹی نہیں ہوں' عصرہ۔'' فاتح نے گہری سانس لی اور کندھے اچکائے تو عصرہ محمود کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔

''کوئی اور عورت ہوتی تو شاید میں گلٹی ہوتا۔ مگر تالیہ.... تالیہ سے اپنا تعلق مجھے بہت عزیز ہے۔ اس لئے اس کے بارے

میں طنز سے بات نہ کیا کرو۔" اس کا انداز حتمی تھا۔ پھر وہ اخبار رکھ کے اٹھ گیا۔

وہ اس پل گویا انگاروں پہ لوٹ گئی تھی۔ بے بسی سے اسے جاتے دیکھا تو پکار اٹھی۔

"ناشتہ نہیں کرو گے؟"

"وہ کیک کار میں بھجوا دینا۔ وہی کافی ہے میرے لئے۔" تلخی سے کہہ کے وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا آگے بڑھتا گیا۔ عصرہ کی آنکھیں شدتِ ضبط سے گلابی پڑنے لگیں مگر اس کو پلان کے مطابق چلنا تھا۔

فاتح کو یہ کیک ہر روز کھانے تھے۔ اس نے arsenic کو چنا ہی اس لئے تھا.... کیونکہ وہ ایک بہت اچھا سلو پوائزن تھا۔ اس کی چند ہلکی مقداریں بے ضرر تھیں لیکن اگر روز تھوڑا تھوڑا کھایا جائے ...تو چند ہفتوں میں وہ انسان کو آہستہ آہستہ گھول کے مار دیتا تھا۔

وہ ملازمہ کو آواز دینے لگی۔ فاتح کو یہ کیک ہر روز کھانے تھے۔ لازمی۔

☆☆=========☆☆

ایڈم اسٹوڈیو میں بیٹھا تھا جب اس کا فون زور زور سے بجنے لگا۔ اس نے موبائل نکال کے دیکھا تو کوئی انجانا نمبر تھا۔ جب سے وہ سلیبرٹی بنا تھا' یہ کالز اور پیغامات کا بندھا تانتا اسے بوکھلائے دیتا تھا۔ شروع میں وہ کوشش کرتا کہ ہر ایک کو اچھے سے جواب دے مگر فینز کی توقعات بڑھتی جاتی تھیں۔ وہ اب سرے سے جواب ہی نہیں دیتا تھا تاکہ کوئی ہرٹ نہ ہو۔ یہ نمبر بھی اس نے اسپام لسٹ میں ڈال دینا تھا اگر وہ اس پہ لگی واٹس ایپ کی ڈی پی نہ دیکھ لیتا۔

ڈی پی میں موجود شخص کو وہ پہچانتا تھا۔ فہمی بن سلام۔ وہ چونک گیا۔ پھر جلدی سے اطراف میں بیٹھے پروڈیوسر اور اینالسٹ سے معذرت کی اور اٹھ کے باہر آ گیا۔ کال تب تک کٹ چکی تھی۔

ایڈم نے سڑک پہ آتے ہی فوراً کال بیک کی۔

"کیا حال ہیں مسٹر سلیبریٹی؟ میری فائلز چوری کر کے تم ماشاءاللہ رائٹر بن چکے ہو۔" طنزیہ لہجے میں گویا ہوا تھا۔

سڑک کنارے کھڑا ایڈم کھنکھارا۔ اسے احساس تھا کہ کالز ریکارڈ ہو سکتی تھیں۔ "وہ فائلز آپ نے خود دی تھیں۔ اور....."

"یہی بات میرے ماں باپ کے سامنے کہہ سکتے ہو؟"

ایڈم لمحے بھر کو سن رہ گیا۔ "جی؟"

"جانتے ہو میں نے ابھی تک پولیس میں تمہاری رپورٹ کیوں نہیں درج کروائی؟" وہ پُرسکون سا کہہ رہا تھا۔ "کیونکہ جب ہانگ کانگ پیپرز منظرِ عام پہ آئے تو مجھے معلوم تھا ہماری لاء فرم بند ہو جائے گی۔ ہمارے قریباً تمام بڑے کلائنٹس ہمیں

چھوڑ گئے ہیں اور فرم دیوالیہ ہو چکی ہے۔ مجھے اب نئی نوکری ڈھونڈنی ہے۔ میرا اور میرے ماں باپ کا یہی جھگڑا تھا۔ کہ میں اس حرام کی نوکری کو چھوڑ دوں۔ کیا تم میرے ماں باپ کو یہ کہہ سکتے ہو کہ تمہارا وسل بلوور میں تھا؟ یوں میں ہیرو بن جاؤں گا اور وہ مجھ سے راضی ہو جائیں گے۔"

"اور میں ایسا کیوں کروں گا؟"

"کیونکہ تم جانتے ہو کہ تمہارے پاس ہماری فرم کے تمام کلائنٹس کے نام نہیں ہیں۔ میرے پاس ہیں۔ تم نے اپنے انٹرویو میں بار بار اپنے وسل بلوور کے ناراض ماں باپ کا ذکر کر کے مجھے پیغام بھیجنے کی کوشش کی ہے، ایڈم۔ میں تمہارے اشارے سمجھتا ہوں۔"

ایڈم خاموش رہ گیا۔ وہ یہی چاہتا تھا مگر.....

"میں تمہیں دوری نگارہ ملایو کا دوسرا پارٹ لکھنے کے لیے مواد اور ضروری کاغذات سب فراہم کر دوں گا۔ تم صرف میرے ماں باپ کو یہ یقین دلا دو کہ میں ہی اس کہانی کا Unsung ہیرو ہوں۔"

"اور اس کے بعد تم کیا کرو گے؟" وہ بات کرتے ہوئے سڑک کنارے واک کرنے لگا۔

"میں دوبارہ کسی ایسی ہی لاء فرم میں جاب کر لوں گا۔ کلائیڈ اینڈ لی بدنام تھی۔ نئی لاء فرم ملائیشیاء میں ڈھونڈ لوں گا جو بدنام نہ ہو۔ میرے ماں باپ کو علم نہیں ہو گا کہ میں اب بھی حرام کما رہا ہوں۔ یہ اس لئے بتا رہا ہوں کہ تم اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ میں اپنی روش پہ شرمندہ ہوں یا اسے بدل رہا ہوں۔ میں صرف اپنے ماں باپ کو منانا چاہتا ہوں۔ بولو منظور ہے؟"

اس کا انداز بڑا کیلکولیٹڈ سا تھا۔

"خیر... تم اپنی زندگی میں جو بھی کرو اس کا مجھ سے تعلق نہیں ہے۔ مجھے یہ ڈیل منظور ہے۔ امید ہے اپنے والد کے ساتھ رہ کے تم حلال اور حرام میں فرق کرنا سیکھ جاؤ گے۔ البتہ ایک بات میں پوچھنا چاہتا ہوں۔" وہ ٹھہر کے بولا۔ "تم نے کبھی میرے خلاف پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں کی؟"

"کیونکہ تم نے میرا جو فون چرایا تھا اس میں میرے بینک اکاؤنٹ کا لاگن ڈیٹا بھی تھا اور کریڈٹ کارڈ ڈیٹا بھی۔ تم تھوڑی سی محنت سے وہ حاصل کر سکتے تھے۔ مگر تم نے اس کو چھیڑا تک نہیں۔ میں ایماندار باپ کا بیٹا ہوں۔ کسی ایماندار شخص کو گرفتار نہیں کروانا چاہتا تھا۔ اب..... دیکھو میری انویسٹمنٹ کام کر گئی نا۔ پھر آرہے ہو کل ملاکہ میرے گھر؟"

"دیکھو اگر تو تم نے مجھے وہاں بلا کے پٹوانا ہے تو میں بتا دوں، میں پولیس اور اپنے وکلاء کو فاصلے پہ کھڑا رکھوں گا۔" وہ محتاط سا کہہ رہا تھا۔ یہ فہمی بن سلام انتہائی یونیک آدمی تھا۔

''دیکھو....میں حرام کمانے والا وکیل ضرور ہوں اور کورٹ میں بہت جھوٹ بولتا ہوں مگر میں تمہاری طرح ڈرامہ کوئین نہیں ہوں۔دیگر نام چاہیے ہیں تو آجانا کل۔''

اور فون بند ہو گیا۔ایڈم نے گہری سانس لے کر موبائل کو دیکھا اور پھر گردن اٹھا کے ٹھنڈی سی چھایا لئے آسمان کو۔

کے ایل چھوڑ کے جانے کا مطلب تھا کہ تالیہ کو نہ ڈھونڈنا۔مگر وہ تالیہ کو ڈھونڈ بھی کیسے سکتا تھا۔تالیہ کے لئے فاتح بہت تھا اور ایڈم کے لئے اس کی کتابیں۔کتابیں پڑھنا' کتابیں لکھنا ایک ٹائم لیس شوق تھا اور کسی ٹائم لیس چیز کی محبت' انسانوں سے محبت کرنے سے بہتر ہوتی ہے کیونکہ ٹائم لیس شے دل کو یوں نہیں دکھاتی جیسے انسان دکھاتے ہیں۔

اسے ابھی اسی وقت ملاکہ کے لیے نکلنا تھا۔لازمی۔

☆☆==========☆☆

تیسری رات:۔

حالم کا بنگلہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔آج کسی نے پورچ کی بتی بھی روشن نہیں کی تھی۔مالک نہ ہو تو گھر یونہی ویران ہو جاتا ہے۔وہ سارا دن تالیہ پہ غصہ رہا تھا اور رات کو ڈرائیور کو بھیج کے اس نے خود اسٹیئرنگ سنبھالا تو کار خودبخود انہی شناسا راستوں کی طرف مڑ گئی۔

فاتح نے ہاتھ سے چھوٹے گیٹ کا کڑا کھولا اور اندھیر پورچ میں قدم رکھا۔تالیہ کی کار وہیں کھڑی تھی اور اس پہ کور چڑھا تھا۔

''تالیہ واپس نہیں آئی۔''

آواز پہ وہ چونکا۔آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے دیکھا۔اندھیر لان میں جھولے پہ داتن بیٹھی تھی۔

''میں اس کو ڈھونڈ لوں گا۔''وہ اسی مضبوطی سے کہتے ہوئے چھوٹے قدم اٹھاتا لان میں آ گیا۔داتن کے سامنے لان میں جگہ جگہ سنگی اسٹول رکھے تھے۔فاتح کرسی کے بجائے ایک اسٹول پہ بیٹھ گیا اور اندھیرے میں غور سے اسے دیکھا۔وہ اداس نظر آتی تھی۔

''آپ کتنے عرصے سے جانتی ہیں تالیہ کو؟''

''سات سال سے....''وہ دور اندھیرے میں کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھی۔

''وہ کون وومن کیوں بنی؟''اس نے دھیرے سے اگلا سوال پوچھا۔

''کیونکہ اس کے ساتھ اس کے شوہر نے دھوکہ کیا تھا۔ بلکہ ہر ایک نے.....''

پھر وہ بولتی گئی۔ یتیم خانے سے شروع ہو کے اٹھائیس سالوں کی ساری کہانی چند منٹوں میں سناتی گئی۔ یہ کہانی پھر ایک فقرے پہ ختم ہوئی۔

''وہ اس زندگی کو چھوڑنا چاہتی تھی۔ ہر جرم کو سیکنڈ لاسٹ سمجھ کے کرتی تھی لیکن پھر اسے آپ ملے۔''

اور داتن نے نظروں کا رخ موڑ کے اندھیرے میں سنگی اسٹول پہ بیٹھے مرد کو دیکھا جو توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور پھر تالیہ کی زندگی میں ملاکہ کی وہ رات آئی جو آپ بھول چکے ہیں۔''

''اس رات کیا ہوا تھا؟'' وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

''یہی سوال آپ نے حالم سے پوچھا تھا۔ آج مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔ وان فاتح ہم لوگ کیوں آپ کے حصے کی جدوجہد کریں؟ اس کا جواب آپ کو خود ڈھونڈنا ہے۔''

یہ کہہ کے اس نے موبائل آن کیا تو اندھیر لان میں بیٹھی داتن کے چہرے پہ اسکرین کی نیلی روشنی پڑنے لگی۔

''اس رات آپ کی اسپورٹس واچ کا جی پی ایس ڈیٹا ہم نے ٹریک کیا تھا۔ آپ جہاں جہاں گئے تھے' وہ سارا ڈیٹا میں آپ کو بھیج رہی ہوں۔'' فاتح کو جیب میں موجود موبائل کی تھرتھراہٹ محسوس ہوئی مگر وہ اسی طرح داتن کو آنکھیں چھوٹی کر کے دیکھے گیا۔

''ایسا کیا ہے جو آپ کو معلوم ہے مگر مجھے نہیں۔''

''میں آپ کو جواب دے چکی ہوں۔'' فربہی عورت اٹھ کھڑی ہوئی۔ تو وہ بھی ساتھ ہی اٹھا۔ داتن نے چابیوں کا ایک گچھا اس کی طرف بڑھایا۔

''یہ تالیہ کے گھر کی تمام چابیاں ہیں۔ میں جا رہی ہوں اور جانتی ہوں کہ آپ یہاں آتے رہیں گے۔''

''آپ اس کا انتظار نہیں کریں گی کیا؟''

''ایڈم آج ملاکہ چلا گیا ہے۔ میں اپنے بیٹوں کے پاس جا رہی ہوں۔ آپ کو بھی تالیہ کو تلاش نہیں کرنا چاہیے۔''

فاتح نے تعجب سے اسے دیکھتے ہوئے چابی لی۔ ''مگر کیوں؟ وہ ہماری دوست ہے' اس کو تلاش کرنا ہماری اولین ترجیح ہونی چاہیے۔''

داتن سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ ''اس سوال کا جواب میں آپ کو دے چکی ہوں۔ فاتح صاحب۔'' اور آگے بڑھ گئی۔ وہ چابی ہاتھ میں لئے اسے جاتے دیکھنے لگا۔ پھر ایک دم پکارا۔

''تالیہ لوگوں سے میرے اور اپنے تعلق کے بارے میں ایسی باتیں کیوں کہہ رہی ہے؟ اس نے پراسیکیوٹر سے کہا کہ وہ میری....'' وہ رک گیا۔ خفگی سے زیادہ الجھن ہے۔ داتن گیٹ کے قریب رکی اور مڑ کے اسے دیکھا۔

''وہ سچ کہہ رہی ہے' وہی سچ جو اسے آپ نے بولنا سکھایا تھا۔'' اندھیرے میں وہ اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکتا تھا۔

وہ چلی گئی تو وان فاتح اندر آ گیا۔ کھڑکیوں کے پردے بند کیے اور کچن کی بتیاں جلا دیں۔ کچھ دیر بعد وہ ایک گرم چائے کے مگ سے گھونٹ بھرتا' کاؤنٹر کے اونچے اسٹول پہ بیٹھا تھا۔

سامنے نوٹ پیڈ رکھا تھا اور ہاتھ میں قلم تھا۔ یہ تالیہ کے آرگنائزڈ کچن کی ٹوکری سے اس نے اٹھایا تھا جہاں ڈائریز' حساب کتاب کے کاغذ' خالی نوٹ پیڈ اور خط کے رنگ دار لفافے رکھے تھے جو تحفے میں پیسے دینے کے کام آتے تھے۔ وہ کافی دیر بیٹھ کے سوچتا رہا اور پھر لکھنا شروع کیا۔

''ڈیئر تالیہ.....

میں دو دن تمہارے لئے پریشان رہا۔ آج میں تم پہ غصہ تھا۔ کیونکہ تم نے پراسیکیوٹر کو میرے بارے میں ایسی باتیں کہی تھیں جو ناقابلِ برداشت تھیں۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اب میں تمہاری فکر نہیں کروں گا۔ مگر میں دوستوں پہ Give up کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں یہاں آیا تھا تاکہ تمہارے دوستوں کے ساتھ تمہیں تلاش کرنے کی اسٹرٹیجی بناؤں مگر مجھے معلوم ہوا کہ تمہارے دونوں دوست تمہیں چھوڑ کے جا رہے ہیں۔ وہ تمہیں نہیں ڈھونڈنا چاہتے۔ مجھے پہلے یہ بات اچھی نہیں لگی مگر اب میں یہ سمجھ گیا ہوں کہ وہ تمہیں کیوں نہیں ڈھونڈنا چاہتے۔ کیونکہ اکثر انسان یہی غلطی کرتے ہیں۔ جب وہ اپنے کسی پیارے کو کھوتے ہیں تو اسکی تلاش میں نکل پڑتے ہیں' اس کو واپس لانے کی کوشش کرتے ہیں' یا اس کی یاد میں سوگوار رہتے ہیں مگر تم نے اپنے دوستوں کو جو چیز سکھائی ہے' وہ وان فاتح کو بھی سیکھنی چاہیے۔ جب ہم کسی اپنے کو کھوتے ہیں' تو تکلیف کے اس لمحے میں ہمیں صرف ایک شخص کو تلاش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اپنے آپ کو۔

ایڈم ملاکہ چلا گیا ہے۔ اپنے عظیم مقاصد کے حصول کے لئے اور شاید خود کو مضبوط بنانے۔

داتن اپنی فیملی کے پاس جا رہی ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو ڈھونڈ سکے اور اپنے اندر سے اس مثبت انسان کو باہر نکال سکے جو اسے تالیہ نے بننا سکھایا تھا۔

اور رہا میں.....تو مجھے بھی اب تالیہ کو نہیں ڈھونڈنا۔ مجھے اپنے آپ کو اور اس کھوئی رات کو ڈھونڈنا ہے۔ کیونکہ ہم تینوں

جب خود کو ڈھونڈ لیں گے تو ہم تالیہ کو بھی تلاش کر لیں گے۔

ہم سب کو اس وقت تالیہ کے بغیر اپنے اصل کو ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔ شاید تم بھی یہی چاہتی تھیں۔ اسی لیے تم نے مجھے وہ مجسمہ توڑنے کے لیے کہا تھا۔ میں اپنے آئیڈیل کا مجسمہ توڑنے کے لیے تیار ہوں۔

وان فاتح۔"

چائے کا مگ ختم ہو چکا تھا۔ اس نے بے پروائی سے مگ وہیں دھرا اور وہ کاغذ تہہ کر کے ایک لفافے میں ڈالا۔ کبھی تو وہ واپس آئے گی اور اس کو پڑھے گی۔ ایک دم سے وہ بہتر محسوس کرنے لگا تھا۔

☆☆=========☆☆

تیسرا دن:۔

اس صبح بی این کے دفتر کی لابی میں معمول کے مطابق کام جاری و ساری تھے۔ یہ بالائی فلور تھا اور یہاں پاور آفسز تھے' اور عام ورکرز کا داخلہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لئے قیمتی فرنیچر سے آراستہ لابی اس وقت خاموش پڑی تھی جب ہشام جرجیس لفٹ سے نکلا تھا۔

اسے وان فاتح کے آفس میں آنے کا پیغام ملا تھا اور وہ ساری مصروفیات ترک کر کے سیدھا یہاں آ گیا تھا۔ وہ دراز' اٹھی گردن اور اکھڑ انداز والا آدمی تھا جو لابی میں موجود ریشیپسنٹ کے سلام کا جواب دینے کی بجائے' تنے ابرو کے ساتھ سیدھ میں آگے بڑھتا گیا۔ سبا کی ریاست میں اس کی امارت اور طاقت کے قصہ زبانِ زدِ عام تھے۔ لابی سے فاتح کے آفس تک راستے میں جس ورکر نے ڈیسک سے سر اٹھا کے اسے دیکھا' اس کی نظروں میں مرعوبیت اور ناپسندیدگی دونوں تھی۔

ہشام نے دستک دے کر چیئر مین کے آفس کا دروازہ کھولا اور کھنکھار کے اندر داخل ہوا۔

"السلا....." سلام لبوں میں رہ گیا۔ وہ ایک دم ٹھٹھک کے رکا۔ پھر اگلے ہی پل چہرے پہ خوشگوار تاثر سجا لئے۔

"مسز عصرہ.....آپ؟ میں سمجھا مجھے وان فاتح نے بلایا ہے۔"

چیئر مین کی سیٹ پہ عصرہ محمود براجمان تھی۔ سر پہ اسٹول لئے' کانوں میں دمکتے موتی پہنے' وہ بنی سنوری سی عورت مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔

"فاتح نے آج ایک ہفتے کی چھٹی لی ہے۔ وہ ملاکہ چلا گیا ہے۔"

"اوہ.....خیریت؟" ہشام نے تشویش سے کہتے ہوئے کرسی کھینچی۔ عصرہ نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

''وہ اتنے دنوں سے لگاتار کام کر رہا تھا۔ چھٹی اس کا حق ہے۔ ملاکہ میں اس کے باپ کا گھر ہے جہاں جا کے وہ بہتر محسوس کرتا ہے۔''

''اور انہوں نے اپنی غیر موجودگی میں آپ کو آفس کی ذمہ داری دے دی؟'' ہشام نے مسکرا کے غور سے اسے دیکھا۔

''ارے نہیں.... میں تو چند چیزیں لینے آئی تھی' پھر سوچا آپ سے ملاقات کرلوں کیونکہ....'' مٹھیاں باہم پھنسا کے آگے کو جھکی اور مسکرا کے اسے دیکھا۔ ''اس کی خالی کرسی دیکھ کے مجھے کچھ عجیب سا محسوس ہوا ہے' ہشام۔''

''مثلاً کیا؟'' وہ پوری توجہ سے میز کے پار بیٹھی عورت کو دیکھ رہا تھا اور اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میرا خیال ہے ہمیں پارٹی کے مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''وان فاتح ہیں نا اس کام کے لئے۔'' اس نے احتیاط سے کہا۔

''اور اگر وان فاتح کی کرسی خالی ہو جائے تو؟ پھر پارٹی کا کیا ہوگا؟''

آفس میں سناٹا چھا گیا۔ ہشام دھیرے سے آگے کو ہوا اور تشویش سے عصرہ کو دیکھا۔

''فاتح صاحب کی طبیعت تو ٹھیک رہتی ہے نا؟ کوئی ہارٹ وغیرہ کا پرابلم تو نہیں ہے؟''

''پارٹی چیئرمین کو پرابلم نہ ہو تو بھی لوگ کروا سکتے ہیں پرابلم۔ مجھے ڈر ہے کہ کوئی فاتح کو اس کرسی سے ہٹانے کی کوشش نہ کرے۔''

''کیا ان کی جان کو خطرہ ہے؟''

''جب وہ بغیر سیکیورٹی ڈیٹیل لئے باہر نکل جایا کرے گا تو خطرہ نہیں ہوگا کیا؟'' وہ فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔ ہشام نے پہلو بدلا۔

''تو ہمیں کیا کرنا چاہیے۔''

''دیکھیں ہشام.... اگر کوئی قریبی شخص فاتح کو مارنے کی کوشش کرے گا تو صرف اس صورت میں کہ وہ اس کی جگہ لینا چاہتا ہوگا۔ اگر ہم اس امکان کو ہی ختم کر دیں تو کسی کو فاتح کو مار کے کچھ نہیں ملے گا۔''

''اگر خدانخواستہ وان فاتح کو کچھ ہوا بھی تو ان کی جگہ آنے والے نیا چیئرمین پارٹی الیکشن سے ہی منتخب ہوگا۔''

''آپ بھول رہے ہیں کہ فاتح نے نائب چیئرمین ابھی تک نامزد نہیں کیا۔''

''نائب چیئرمین کا رواج اب ہٹ گیا ہے' مسز عصرہ۔''

''مگر یہ پارٹی کے قانون میں شامل ہے اور چیئرمین کے ایک دستخط سے نائب کا عہدہ پُر کیا جا سکتا ہے۔''

ہشام سوچ میں پڑ گیا۔ عصرہ کے غیر متوقع سوالات اس کو الجھا رہے تھے۔

''پارٹی میں بہت سے لوگ ہیں۔ اشعر... نہیں اشعر نہیں' لوگ اس کو اتنا پسند نہیں کرتے۔ No Offence۔ مگر نائب چیئر مین صرف وہی شخص بن سکتا ہے جس پہ وان فاتح اعتماد کا اظہار کریں۔ گاڈ' مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ہم وان فاتح کی موت کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''اسی امکان کو ختم کرنے کے لئے ہمیں فاتح سے نائب کا عہدہ پُر کروانا ہوگا۔ ایسا شخص جو قابلِ اعتماد ہو' اور کبھی فاتح کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔ یوں وان فاتح اپنے قریبی دوستوں کے شر سے محفوظ ہو جائے گا۔''

''آپ کے خیال میں ایسا شخص کون ہو سکتا ہے؟''

عصرہ محمود مسکرائی اور محظوظ نظروں سے اسے دیکھا۔

''نائب چیئر مین اس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو چیئر مین کے آفس کی ایک کال پہ ساری مصروفیات چھوڑ کے بھاگا چلا آئے؟''

ہشام جر جیس چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکا۔ وہ بس عصرہ کو دیکھتا رہا۔ اس کا ذہن تیزی سے سارے حساب کتاب کرنے لگا تھا۔ اور پھر بالآخر وہ مسکرا دیا۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ کا شہر اپنی تمام رعنائیوں' رونقوں اور خوشبوؤں کے ساتھ ویسا ہی تھا جیسا وہ اسے چھوڑ کے گیا تھا۔ سن باؤ کے گھر کے سامنے بازار میں رونق لگی تھی۔ فاتح کو ہمیشہ یہاں آ کے اچھا محسوس ہوتا تھا۔ عام لوگوں کے درمیان...... ان کی عام باتوں اور عام مسئلوں کو سننا.... کے ایل کی مصروفیات' پارلیمان کے ایوانوں اور بی این کے آفس کی سازشوں بھری زندگی سے دور یہ شہر قدیم زمانوں کا فسوں لئے ہوئے تھا۔

اس نے کار گلی میں روکی' اور باہر نکلا۔ جینز کے اوپر سفید ڈریس شرٹ پہنے وہ ایک لمبی چھٹی کے موڈ میں لگتا تھا۔ سرخ حویلی کا دروازہ کھولنے کے لئے چابی نکالی تو ٹھٹک گیا۔ دروازہ پہلے سے کھلا تھا۔

پہلا خیال اسے تالیہ کا آیا۔ صرف اس کے پاس چابی ہوتی تھی۔ کیونکہ یہ گھر اس نے کرائے پہ لے رکھا تھا۔

فاتح تیزی سے اندر آیا۔ راہداری سے گزر کے کمروں میں جھانکتا وہ برآمدے میں آیا تو قدم زنجیر ہوئے۔

سامنے میز کے ساتھ ایڈم کھڑا اپنا لیپ ٹاپ اور دوسری چیزیں ایک بیگ میں ڈال رہا تھا۔ آہٹ پہ وہ بھی پلٹا تو فاتح کو ادھر دیکھ کے ساکت رہ گیا۔

''آپ یہاں؟''

''یہ میرا گھر ہے' ایڈم۔تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' وان فاتح کے ماتھے پہ بل پڑے' البتہ ضبط سے بولا۔

''بے تالیہ نے مجھے اس کی چابی دے رکھی تھی۔'' اس نے چابیوں کا گچھا سادگی سے میز پہ ڈال دیا۔ ''میں نے بنگارا ملایو اسی گھر میں لکھی تھی اور یہیں سے ان فائلز کا راز ڈھونڈا تھا اور.....''

''دوری نگارہ ملایو۔'' اس نے تصحیح کی تو ایڈم ٹھٹکا۔ پھر ماتھے کو چھوا۔

''جی وہی۔میرا مطلب تھا۔'' گڑبڑا کے بولا۔ ''میں ابھی آیا تھا اپنا سامان اٹھانے جو آخری دفعہ ادھر رہ گیا تھا۔ میں جا ہی رہا تھا۔'' نظریں جھکا کے وہ جلدی جلدی اپنا سامان بیگ میں ڈالنے لگا۔

فاتح پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑا اس نوجوان کو چند لمحے دیکھتا رہا۔ برآمدے میں آتی دھوپ اس کے وجود کو منور کیے ہوئے تھی۔ یہ لڑکا اس باڈی مین سے مختلف تھا جو اس کے پاس گیارہ دن کام کرنے کے لئے آیا تھا۔

ایڈم نے بیگ کی زپ بند کی اور چہرہ اٹھایا تو فاتح اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''تالیہ کا کچھ پتہ چلا' سر؟''

''وہ آجائے گی۔'' اس نے مختصراً کہا اور پھر صحن کی طرف آ گیا۔صحن کے وسط میں کھڑے وہ گردن اٹھا کے وانگ لی کے اس مجسمے کو دیکھنے لگا۔

''جب تالیہ یہاں آتی تھی تو کیا اس نے کبھی اس مجسمے کے بارے میں کچھ کہا تھا؟''

ایڈم نے چونک کے فاتح کو دیکھا جو اس کی طرف پشت کیے کھڑا مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہے۔جدید ملاکہ میں دونوں کی بے تکلفی نہ ہونے کے برابر تھی۔

''کچھ خاص نہیں۔''

فاتح ایڑیوں پہ گھوما اور غور سے اسے دیکھا۔''کیا تالیہ نے کبھی کوئی مجسمہ بنایا تھا؟ اس سے ملتا جلتا؟'' اس کے دل میں تالیہ مراد کے کہے آخری الفاظ کسی پھانس کی طرح چبھے تھے۔

ایڈم نے نظریں اٹھا کے پہلے مجسمے کو دیکھا' پھر فاتح کو۔پھر جب بولا تو لہجہ محتاط تھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔''

''ہو سکتا ہے اس نے وانگ لی کا کوئی اور مجسمہ بنایا ہو جو یہیں کہیں ہو۔'' پھر دیکھا کہ ایڈم بس اسے دیکھے جا رہا ہے تو ہاتھ سے مجسمے کی طرف اشارہ کیا۔''یعنی... یہ آدمی وانگ لی تھا۔اپنے وقت کا ایک عظیم چینی سفیر۔غلام ہونے کے باوجود اس نے

ملاکہ کے لوگوں کے لئے آواز اٹھائی تھی اور شہزادی تاشہ نے.....“

ایڈم بن محمد کے لئے مزید اداکاری کرنا ممکن نہ تھا۔اس کے اندر غصے کا ایک ابال اٹھا تھا۔

”وانگ لی کوئی ہیرو نہیں تھا' سر۔وانگ لی شاہ چین کا وفادار تھا اور اس نے ملاکہ کو قرضوں کی بیڑیوں میں جکڑ دیا تھا۔اس نے ملاکہ کے غلاموں کو آزاد کروایا تھا' نہ اس نے وہ جرائت مندانہ باتیں کہی تھیں جو بنگارایا ملایو میں اس کے نام سے منسوب ہیں۔تاریخ کی کتابیں سچ نہیں کہتیں۔“وہ تلخی سے بولتا گیا اور پھر ایک دم چپ ہوا۔فاتح ابرو بھینچ کے اسے دیکھ رہا تھا۔

”اور سن باؤ کے بارے میں کس مورخ نے یہ سب لکھا ہے جو تم کہہ رہے ہو؟“

ایڈم نے لب بھینچ لئے۔وہ وانگ لی کے ایک 'فین' سے بحث نہیں کر سکتا تھا۔

”سوری سر۔مجھے نہیں معلوم چے تالیہ نے کون سا مجسمہ بنایا ہے اور کیوں بنایا ہے۔“اور مڑ کے اپنا بیگ اٹھانے لگا۔اتنی مشکل سے وہ 'کام' پہ توجہ مرکوز کر کے تالیہ اور فاتح کی کہانی سے نکل کے ملاکہ آیا تھا اور... یہاں پھر وہی سب اس کا منتظر تھا۔

”اس نے کہا کہ اس نے یہ مجسمہ توڑنے کے لئے بنایا ہے۔وہ کیوں چاہتی ہے کہ میں اس مجسمے کو توڑوں؟“وہ الجھن بھری خفگی سے اونچا بڑبڑایا۔”یہ مجسمہ میری پیدائش سے پہلے سے یہاں موجود ہے۔یہ تاریخی ورثہ ہے۔“

ایڈم بن محمد کرنٹ کھا کے مڑا اور صحن میں کھڑے آدمی کو بے یقینی سے دیکھا۔

”یہ مجسمہ چے تالیہ نے توڑنے کے لئے بنایا تھا؟“

وہ بالکل ساکت کھڑا تھا۔

ذہن میں قدیم ملاکہ کی داستان ایک فلم کی طرح چلنے لگی۔

شہزادی تاشہ کو وانگ لی سے ذرا دلچسپی نہ تھی۔پھر بھی اس نے مجسمہ بنایا۔وانگ لی کی دوستی کی خاطر نہیں جیسا کہ اس نے ایڈم سے بنگارایا ملایو میں لکھوایا تھا۔

مگر لوگ کہتے تھے کہ وہ وہاں کسی سے ملنے آتی تھی......اتنے ماہ بعد ایڈم نے سوچا تو ذہن کے جالے صاف ہونے لگے ......وہ اور تالیہ ادھر تب آتے تھے جب فاتح وہاں موجود نہیں ہوتا تھا۔وہ اس مجسمے کے بہانے کسی سے ملنے نہیں آتی تھی۔

وہ اب تک یہی سمجھتا رہا تھا کہ اس نے یہ مجسمہ اس لئے بنایا تھا تاکہ نیچے جو خزانہ وہ چھپائیں' اس کے اوپر ایک نشانی ہو۔

مگر تالیہ کے پلان....تالیہ کی مرضی.....اس نے مجسمہ کسی اور شے کے لیے بنایا تھا۔

”آپ اس کو توڑ دیں۔“وہ کھوئی کھوئی سی آواز میں بولا۔”یہ مجسمہ چے تالیہ سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔“

فاتح چند لمحے کھڑا خفگی سے اس مجسمے کو دیکھتا رہا' پھر نفی میں سر ہلایا۔

"مگر اس میں ایسا کیا ہو سکتا ہے جو اتنا اہم ہو؟"

جواب نہیں آیا تو اس نے گردن موڑی۔ برآمدہ خالی پڑا تھا۔ ایڈم بن محمد جا چکا تھا۔

اپنی تلاش کے سفر پہ۔

تالیہ کے بغیر رہنا سیکھنے کے لئے۔

اب وہ سن باؤ کے قدیم صحن میں تنہا کھڑا تھا۔

کنواں' کونے کا درخت اور وہ مجسمہ خود اس سے سوال کر رہا تھا کہ کیا وہ مٹی اور گارے کا بت تالیہ سے زیادہ قیمتی تھا؟

کیا کوئی شے وان فاتح کے لئے تالیہ مراد سے زیادہ قیمتی ہو سکتی تھی؟

چوتھی رات:۔

مغرب ڈھل چکی تھی۔ سن باؤ کے صحن میں تیز روشنیاں جلی تھیں اور چند یونیفارم میں ملبوس ورکرز مجسمے کے ملبے پہ کھڑے تھے۔

مجسمہ زمین بوس ہوا پڑا تھا اور ورکرز پیشہ وارانہ مہارت سے اس کے پتھروں کو الگ الگ کر کے توڑے جا رہے تھے۔

وان فاتح برآمدے کی آرام کرسی پہ ٹیک لگائے بیٹھا' خاموشی سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ وہ لوگ کافی دیر سے لگے تھے مگر ابھی تک ان کو مجسمے سے کوئی شے نہیں ملی تھی۔ ایک ورکر نے اسے بتایا تھا کہ صحن کا ایک بڑا حصہ یوں لگتا تھا تازہ تعمیر کیا گیا تھا۔

وہ سن کے خاموش ہو گیا۔ نہ جانے تالیہ اس کے گھر کے ساتھ کون سے تجربات کرتی رہی تھی۔

البتہ اسے تالیہ پہ غصہ نہیں آیا تھا۔ اسے تالیہ کے چھوڑے سوالوں کے جوابات تلاش کرنے تھے۔

صحن سے مسلسل کھٹ پٹ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ فاتح بیٹھا بیٹھا تھک چکا تھا مگر اس گھر میں نہ کوئی اس کے لئے چائے بنانے والا تھا نہ یہاں چائے کے وہ خاص پتے موجود تھے جو تالیہ کے کچن میں ہوتے تھے۔ بالآخر وہ ریستوران سے کچھ آرڈر کرنے اٹھا تو ایک ورکر کی آواز آئی۔

"سر..... یہ دیکھیں۔"

وان فاتح کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ تیزی سے صحن کی طرف لپکا۔

فلیش لائیٹس اور پولز کی روشنی میں صحن کے وسط میں چکنا چور مجسمہ بکھرا نظر آ رہا تھا۔ تمام ورکرز ایک ٹکڑے کے اوپر اکٹھے

ہو چکے تھے۔ایک آدمی زمین پہ بیٹھا مجسمے کے سینے کے حصے کے ٹکڑوں سے کچھ نکال رہا تھا۔فاتح ہجوم کو ہٹاتا آگے آیا تو انہوں نے اس کو راستہ دے دیا۔

سینے کے حصے کو توڑنے پہ اندر سے ایک چھوٹا سا لوہے کا صندوق نکلا تھا جس کو جگہ جگہ سے زنگ لگا تھا۔اس کو ایک تالے سے مقفل کیا گیا تھا۔ورکر نے اسے زمین پہ رکھا تو فاتح نے بنا انتظار کیے ایک کلہاڑا اٹھایا اور زور سے تالے پہ ضرب لگائی۔تالہ گل سڑ چکا تھا۔ایک ہی وار میں ٹوٹ گیا۔

وہ چھوٹے صندوق کو اٹھا کے برآمدے تک لے آیا۔روشنی میں اس لوہے کے اوپر بنے نقش ونگار واضح دکھائی دیتے تھے جن میں زنگ لگا تھا۔فاتح کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔جوش سے زیادہ پریشانی تھی۔

اس نے صندوق میز پہ رکھا' اور کنڈا کھول کے ڈھکن اٹھایا۔ورکرز اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑے ہوئے تھے۔اندر ایک چھوٹا سا بلاک رکھا تھا۔زرد بھورا سا بلاک۔اس نے وہ بلاک نکال کے اوپر اٹھا کے غور سے دیکھا۔وہ بھاری تھا اور.....فاتح کے ابرو تعجب میں اٹھے....اور وہ غالباً سونے کا بنا تھا۔

وقت نے سونے کی چمک دمک ماند کر دی تھی۔اس بلاک کی دیواریں سادہ تھیں۔ان پہ کچھ لکھا ہوا نہ تھا۔اس نے اسے ہلکا ہلایا تو محسوس ہوا کہ بلاک کے اندر کچھ کھڑکا تھا۔وہ بلاک اتنا بڑا تھا کہ فاتح اس کو دونوں ہاتھوں میں اٹھا سکتا تھا۔کچھ ہلکا پھلکا اندر کھڑکتا تھا۔جیسے کچھ ڈالنے کے بعد سونے کو پگھلا کے 'بند' کر دیا گیا ہو۔سونا وہ دھات تھی جو آسانی سے تباہ نہیں ہوتی تھی۔اس صندوق اور سونے کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ عرصے سے اس مجسمے میں بند تھا۔

فاتح نے گردن موڑ کے اپنے صحن میں بکھرے ملبے کو دیکھا۔تالیہ کو کیسے معلوم تھا کہ اس مجسمے میں کچھ تھا؟ یہ سوال اس ایک بھولی ہوئی رات سے بڑا معمہ بن چکا تھا۔

رات کو جب سب وہاں سے چلے گئے' اور صحن صاف ہو گیا تو وہ برآمدے کی اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھا تھا اور کہنیاں میز پہ رکھے اس نوٹ پیڈ پہ لکھے جا رہا تھا۔

"ڈیئر تالیہ.....

میں نے تمہاری تلاش کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔میں اپنے تلاش کے سفر پہ نکل کھڑا ہوں۔تمہاری دوست نے مجھے کہا کہ سچ بولنا میں نے تمہیں سکھایا ہے۔ایڈم نے بھی بہت سی باتوں کو مجھ سے منسوب کیا ہے مگر سارا مسئلہ یہ ہے کہ میرے جیسے لوگ جو دوسروں کو درس دیتے ہیں' اکثر ان اسباق کو خود بھول جاتے ہیں۔مجھے لگتا ہے بی این کا صدر بننے کے بعد میں اس فاتح رامزل کے ہالے سے دور نکل گیا ہوں جس کو تم جانتی تھیں۔ملاکہ آنے کے بعد پتر اجایا کی وہ سیاست' جھوٹ اور مصلحتی

فیصلوں کی دنیا عجیب سی لگنے لگی ہے۔ میں ملاکہ کے بازاروں میں عام لوگوں کے درمیان چلتا ہوں تو وہ مجھے دیکھ کے سیلفی کے لئے دوڑے آتے ہیں، ہاتھ ملاتے ہیں، مگر میں آگے بڑھتا ہوں تو وہ سرگوشیوں میں کہتے ہیں کہ وان فاتح نے ہشام جرجیس جیسے لوگوں سے ہاتھ ملا کے وہی کیا جو پہلے والے کرتے آئے ہیں۔

مجھے لگتا تھا میرے اور پہلے والوں میں فرق ہے۔ اب بھی یہی لگتا ہے۔ مگر وہ فرق کیسے نظر آئے گا؟ مجھے اپنی تلاش کے اس سفر میں اسی فرق کو ڈھونڈنا ہے۔ آج اپنے جوابات کی تلاش میں، میں نے اپنے آئیڈیل وانگ لی کا مجسمہ توڑ دیا ہے۔ وہ تاریخ میں اچھے الفاظ سے یاد کیے جانے والا انسان تھا۔ ملاکہ آنے کے بعد اور یہاں بکھری تاریخ دیکھنے کے بعد میں یہی سوچنے لگا ہوں کہ مجھے تاریخ کیسے یاد رکھے گی؟

تم ہمیشہ میرے ساتھ ہوتی تھیں۔ میری خواہش تھی کہ آج بھی تم میرے ساتھ ہوتیں۔

وان فاتح۔"

☆☆=========☆☆

چوتھا دن:۔

سن باؤ کے برآمدے میں آج ماحول مختلف لگ رہا تھا۔ بڑی میز وسط میں کھینچ رکھی تھی اور وہاں طرح طرح کے اوزار اور آلات پڑے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک آدمی دستانے پہنے، آنکھوں پہ حفاظتی چشمہ چڑھائے، ایک مشین کے نوکیلے حصے سے اس طلائی بلاک کو کاٹ رہا تھا۔ مشین کی آواز کانوں کو سخت ناگوار گزر رہی تھی۔

فاتح بہت صبر سے اس آدمی کے عقب میں سینے پہ بازو لپیٹے منتظر کھڑا تھا۔

بالآخر اس نے مشین بند کی اور چشمہ اتارا۔ پھر احتیاط سے بلاک کے اوپر والا ٹکڑا اٹھایا۔ فاتح تیزی سے آگے آیا۔

ڈبے کے اندر رکھی چیز واضح دکھائی دے رہی تھی۔

سنہری کتاب۔

اس آدمی نے وہ کتاب نکالی اور اسے احتیاط سے میز پہ رکھا۔ چند منٹ تک وہ اس کا جائزہ لیتا اور اسے صاف کرتا رہا۔

"اس کو مختلف preservatives کی مدد سے محفوظ کیا گیا ہے تاکہ یہ صدیوں بعد بھی درست حالت میں رہے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ ڈرائی بون سینڈ ہو گی جس کے ساتھ قدیم مصر میں لاشوں کو حنوط کیا جاتا تھا۔"

اس نے اپنا دستانے والا ہاتھ کتاب کے سرورق پہ پھیرا تو سونے کا ورق مدھم سا دمکنے لگا۔ اس پہ جلی حروف میں لکھا تھا۔

''بنگارایا ملایو۔نسخہ اول۔از آدم بن محمد۔''

''واؤ۔کیا یہ بنگارایا ملایو کا پہلا قدیم نسخہ ہو سکتا ہے' فاتح صاحب؟''اس نے پرجوش انداز میں چہرہ اٹھایا تو فاتح کے سنجیدہ تاثرات دیکھ کے فوراً سر جھکا دیا۔''مگر آپ بے فکر رہیں۔اس کتاب کی دریافت کی خبر کسی کو نہیں ہو گی۔''

فاتح نے ہاتھ کے اشارے سے اسے ہٹنے کو کہا اور خود آگے آیا۔پھر اس کتاب کا پہلا صفحہ کھولا۔

وہ کتاب جتنی قدیم تھی اتنی ہی خوبصورت بھی تھی۔اس کے صفحات کاغذ یا کپڑے کے نہیں بلکہ طلائی تھے۔سونے کے پتلے پتلے ورق جن پہ الفاظ نقش کر کے لکھے گئے تھے۔وہ ایک کے بعد ایک صفحہ پلٹتا گیا اور کتاب کھلتی چلی گئی۔

وہ ابواب کے نام پڑھ رہا تھا۔یہ بنگارایا ملایو ہی تھی۔اتنی دفعہ اسے پڑھ چکا تھا کہ ساری داستان اسے ازبر تھی۔اس میں البتہ آخری چند ابواب نہیں تھے۔

تالیہ اسے ایک پڑھی ہوئی کتاب کو دوبارہ کیوں پڑھوانا چاہتی تھی؟اور اسے کیسے معلوم تھا کہ اس مجسمے کے اندر بنگارایا ملایو کا پہلا نسخہ دفن تھا؟کیا اس نسخے میں کچھ ایسا تھا جو بعد میں لکھی اور چھپی جانے والی بنگارایا ملایو میں موجود نہیں تھا؟

وان فاتح تعجب سے ان صفحات کو پلٹتا جا رہا تھا۔

وہ اس بات سے واقف نہیں تھا کہ یہ بنگارایا ملایو کا وہ نسخہ تھا جو ایڈم بن محمد نے لکھا تھا۔شہزادی تاشہ کی تبدیلیوں کے بغیر۔

یہ بنگارایا ملایو کا اصل نسخہ تھا اور اس میں قدیم ملاکہ کے غلاموں کا ہیرو وانگ لی نہیں تھا۔

یہ تاشہ اور فاتح کی سچی داستان تھی۔

☆☆=========☆☆

اشعر محمود کے قلعے کے سبزہ زار میں اس وقت ہلکی ہلکی پھوار برس رہی تھی۔قلعہ اس پھوار میں بھیگتا دکھائی دے رہا تھا اور لان میں ہرن خوشی سے قلانچیں بھرتے پھر رہے تھے۔لان کے وسط میں لکڑی کے زینوں کے اوپر ایک کینوپی بنی تھی جس کی مخروطی چھت کے کناروں سے پانی ٹپک رہا تھا۔اس میں لکڑی کے بنچ بنے تھے اور وہ دونوں بہن بھائی آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

''کاکا...تم پریشان لگ رہی ہو؟''اشعر نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے اسے دیکھا۔اشعر آفس کے لیے تیار لگتا تھا۔سوٹ ٹائی سے لے کر بوٹس تک ہر شے مکمل تھی۔البتہ اس کے برعکس عصرہ سادہ کرتے پاجامے میں ملبوس' کندھوں کے گرد شال لپیٹے اداسی سے دور بھاگتے ہرنوں کو دیکھ رہی تھی۔

''میں فاتح کے لیے پریشان ہوں۔''

''وہ تو چھٹی پہ ملاکہ گئے ہوئے تھے۔اکیلے ہی گئے ہیں نا؟''اشعر کا ماتھا ٹھنکا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔''عصرہ نے نظریں موڑ کے فکرمندی سے اسے دیکھا۔''مجھے اس کی صحت کی طرف سے پریشانی ہے۔تمہیں نہیں لگتا کہ وہ کمزور ہوتا جا رہا ہے؟''

اشعر نے یاد کرنے کی کوشش کی۔''نہیں تو۔شاید ڈائٹ وغیرہ پہ ہوں۔''

''مجھے لگتا ہے کوئی اس کو بیمار کر رہا ہے۔سلو پوائزن شاید۔مجھے نہیں معلوم مگر مجھے یہی خوف کھائے جا رہا ہے۔''

''واٹ؟''اشعر بھونچکا رہ گیا۔ مگ میز پہ رکھا اور آگے کو ہو کے اچھنبے سے اسے دیکھا۔''کا کا....ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ تمہیں کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟''

''مجھے عجیب عجیب سے وہم آتے ہیں۔یوں لگتا ہے کوئی اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔''وہ اضطراب سے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔بارش میں ایک دم تیزی آ گئی تو کھیلتے کودتے ہرن چونک کے اپنی جگہ پہ رک گئے۔

''وہ بی این کے صدر ہیں۔ظاہر ہے ان کو بہت سے لوگ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ہمیں ان کی سیکیورٹی بہتر کرنی چاہیے۔صوفیہ رحمٰن کے لوگ کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔''

بجلی چمکی تو ہرنوں نے گردن اٹھا کے آسمان کو دیکھا اور یکا یک وہ چاروں طرف پناہ کے لیے بھاگے۔

''فاتح کو باہر والوں سے نہیں'اپنوں سے خطرہ ہے اشعر۔''وہ تلخی سے بولی۔''اس کو مار کے کسی کو کیا ملے گا؟سوچو۔دولت جائیداد تو اس کے پاس ہے نہیں۔''

''بی این کی صدارت کی کرسی۔''اشعر نے چونک کے اسے دیکھا۔''تمہارے خیال میں ان کو مار کے کوئی ان کی جگہ لینے کی کوشش کر سکتا ہے؟''

''مجھے ایک ہی شخص پہ شک ہے جو اس وقت پارٹی میں سب سے زیادہ طاقتور ہو چکا ہے۔''وہ تشویش سے کہہ رہی تھی۔

''اور وہ ہے ہشام جرجیس۔پتہ ہے کل میری سرِ راہ اس سے ملاقات ہوئی تو وہ جس طرح آئندہ الیکشنز اور نائب چیئرمین کے خالی عہدے کی بات کر رہا تھا' مجھے لگا اس کی کسی پلاننگ میں فاتح شامل نہیں ہے۔وہ چاہتا ہے کہ میں فاتح سے اس کی سفارش کروں اور اس کو نائب بنا دیا جائے۔''وہ پریشان لگ رہی تھی۔

''نائب چیئرمین؟وہ نائب بن کے پارٹی پہ قبضہ کرنا چاہتا ہے؟'' اشعر بالکل سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔اس کا ذہن تیزی سے چل رہا تھا۔''وہ ایسا ہی آدمی ہے۔وہ واقعی یہ کر سکتا ہے۔مجھے کیوں اس بات کا خیال نہیں آیا۔''

''اب آ گیا ہے تو اس کا سدِ باب کرو۔میرے نزدیک اس کا ایک حل ہے۔''وہ سمجھانے والے سادہ انداز میں کہہ رہی

تھی۔'' ہشام کا راستہ روکنے کے لیے ہمیں کسی اور کو نائب چیئر مین بنانا ہوگا۔''

اشعر نے ٹھٹک کے اسے دیکھا۔'' آبنگ یہ عہدہ بھرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے؟''

''وہ تم مجھ پہ چھوڑ دو۔ تم بتاؤ تم تیار ہو؟ تم سے زیادہ کوئی شخص اس بات کا اہل نہیں ہے کہ فاتح اس کو اپنا نائب کہے۔''

اشعر کے تاثرات بدلے۔ وہ اس پیشکش پہ ایک دم ششدر رہ گیا تھا۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر کیا..... آبنگ مجھے...؟؟''

''وہ تم مجھ پہ چھوڑ دو۔ تم لابنگ شروع کرو۔ اپنی تیاری پوری رکھو۔''

''لوگ باتیں کریں گے۔ میں ان کا رشتے دار ہوں نا۔ میڈیا سر کھا لے گا۔ یہ غیر جمہوری ہوگا۔''

''ہرگز نہیں۔ بہت سے جمہوری ممالک میں یہ ہوتا ہے۔ اور فاتح کی جان کو محفوظ رکھنے کے لیے ہمیں یہ کرنا پڑے گا' ایش۔'' وہ تشویش سے کہہ رہی تھی۔ اور اشعر سر ہلا رہا تھا۔

لان میں اب بارش تیزی سے برس رہی تھی۔ ایک ہرن درخت تلے کھڑا تھا جبکہ باقی کہیں کونوں کھدروں میں جا چھپے تھے۔

☆☆=========☆☆

پانچویں رات:۔

ملاکہ کے بازار میں اس رات ریستورانوں اور دوکانوں پہ معمول کی خرید و فروخت جاری تھی۔ لوگ سڑک سے گزرتے اشیاء خریدتے' کھاتے پیتے' خوش گپیاں کرتے جا رہے تھے۔ بازار کی روشنیاں اندھیرے میں بھی دن کا سماں کیے ہوئے تھیں۔ ایسے میں ایک قہوہ خانے کے اندر شیشے کی دیوار کے ساتھ فاتح بیٹھا تھا۔

ہلکی بڑھی شیو اور ماتھے پہ بکھرے بال لیے' وہ جھک کے نوٹ پیڈ پہ کچھ لکھتا جا رہا تھا۔ دائیں ہاتھ چائے کا آدھا خالی مگ رکھا تھا۔ دوسری جانب سنہری اوراق والی قدیم کتاب رکھی تھی جس کے اندر رکھا بک مارک یہ بتا رہا تھا کہ اس کے قاری نے پہلے چند ابواب پڑھ لیے تھے۔

اس کے آس پاس لوگ میزوں پہ بیٹھے کھا پی رہے تھے۔ قہقہے لگا رہے تھے۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ بڑھی شیو اور رخ موڑے رکھنے کے باعث کوئی اس کو پہچان نہیں سکا تھا۔

فاتح کے کندھے کے اوپر سے جھانکو تو نوٹ پیڈ پہ لکھا خط واضح دکھائی دیتا تھا۔

''ڈیئر تالیہ.....

میں نے آج پھر دولت کو فون کیا تھا۔ ہر روز کی طرح اس نے آج بھی یقین دہانی کروائی کہ تم ٹھیک ہو۔ اور جلد گھر واپس آ جاؤ گی۔ تمہاری نیک نامی برقرار ہے' اس لیے ہم میں سے کوئی اس مسئلے کو کسی سطح پہ نہیں اٹھا سکتا۔ میں پہلی دفعہ صوفیہ رحمٰن پہ تمہاری خاطر یقین کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنا قول نبھائے گی اور تمہیں محفوظ راستہ فراہم کر دے گی۔

میں تمہارے دوسرے دوستوں کے متعلق تو نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں مگر میں اپنی تلاش کے سفر پہ نکل چکا ہوں۔ مجھے ملاکہ کے ایک چائے خانے میں بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے۔ پچھلے دو ماہ سے چیئر مین کی کرسی سنبھالنے کے بعد میں عوام کے درمیان جا کے نہیں بیٹھا تھا۔ میں دن رات اگلے الیکشن کی جوڑ توڑ میں لگا تھا۔ مجھے ہشام جیسے لوگوں کو بھی ساتھ ملانا پڑا کیونکہ مجھے لگا تھا انہوں نے مجھے جتوانا ہے۔

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ ووٹ اس عوام نے دینا ہے۔ مجھے ان کا دل جیتنا چاہیے تھا۔ اور یہ لوگ مجھ سے امید ہار رہے ہیں۔ میں جتنا ان کے ارد گرد بیٹھے خاموشی سے ان کی باتیں سنتا ہوں' اتنا مجھے تعجب ہوتا ہے کہ کیا یہ اسی فاتح کے بارے میں بات کر رہے ہیں جس کو وہ اتنے سال سر آنکھوں پہ بٹھاتے آئے ہیں؟ یہ مجھ سے اتنے مایوس کیوں ہیں؟ یا کیا میں نے مصلحت پسندی کے ہاتھوں خود کو اپنے مقصد سے دور کر دیا ہے۔ میں یہ سب انہی لوگوں کے لیے ہی تو کر رہا تھا تالیہ۔ مگر یہ لوگ مجھے اور صوفیہ رحمٰن کو ایک ہی کیٹگری میں شمار کرنے لگے ہیں۔

میں نے آج بنگا رایا ملایو کا قدیم نسخہ پڑھنا شروع کیا ہے۔ میں نہیں جانتا تم اس کی موجودگی سے کیسے واقف تھیں مگر اب میں نے تمہاری باتوں پہ حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔ اس نسخے اور جدید نسخے میں مجھے ایک واضح فرق نظر آیا ہے۔ اس میں شہزادی تاشہ کی تعریفیں اتنی نہیں ہیں جتنی عام نسخے میں ملتی ہیں۔

اگر یہ بنگا رایا ملایو کا اصل نسخہ ہے تو شاید شہزادی تاشہ بھی کاملیت کی وہ دیوی نہیں تھی جیسا اس کے پرستار اس کو سمجھتے تھے۔ وہ انسان تھی۔ کوئی بھی کامل نہیں ہوتا یہاں۔ شاید وان فاتح کے پرستاروں کو بھی اب یہ بات سمجھ لینی چاہیے۔

میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ ہوتیں اور ہم اس کتاب کو ایک ساتھ پڑھ سکتے۔

فاتح۔''

☆☆==========☆☆

پانچواں دن:۔

ایڈم بن محمد کے گھر کا چھوٹا باغیچہ رات بھر ہونے والی بارش کے بعد ابھی تک پانی سے بوجھل کھڑا تھا۔ دھوپ بالکل نہیں نکلی تھی آج اور مرغی گھاس سے کیڑے چگتی اداس دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے چوزے اب بڑے ہو چکے تھے اور ان کی گنجی گردنیں اونچی نکلنے لگی تھیں۔ جسم بھی آدھی مرغی کے برابر ہو چکے تھے۔ وہ گھاس پہ لاپرواہی سے ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے۔ مستقبل سے بے نیاز۔ ہر شے سے بے خبر۔

ایڈم کے کمرے میں کاغذات ہر طرف بکھرے تھے۔ وہ خود ٹراؤزر شرٹ میں کرسی پہ بیٹھا مسلسل کمپیوٹر اسکرین پہ لگا تھا۔ بار بار کاغذات پرنٹ کر کے مختلف اطراف میں رکھتا' کبھی پین سے کچھ لکھتا گویا وہ پوری طرح سے منہمک تھا۔

پرنٹر نے زوں زوں کی آواز سے مزید کاغذ نکالے تو ایڈم نے ان کو اٹھایا اور صفحات پلٹ کے دیکھنے لگا۔ وہ تھکا ہوا مگر پر جوش لگتا تھا۔ اس نے کاغذات کا پلندہ کی بورڈ کے اوپر ہی رکھ دیا اور ہائی لائیٹر سے ہر صفحے پہ چند الفاظ کو نمایاں کرنے لگا۔

نام۔ یہ نام..... یہ اتنے سارے نام اسے اس کو سل بلور نے بہت آسانی سے دے دیے تھے۔ نہ صرف نام بلکہ اوریجنل فائلز' سرٹیفیکٹس' وکالت نامے' کانٹریکٹس کی کاپیز اور ایسی ای میلوجن کے ہیڈرز بھی موجود تھے۔

وہ اتنا خوش تھا کہ بیان نہیں کر سکتا تھا۔

چوتھا صفحہ اس نے پلٹا اور پانچویں صفحے پہ آ گیا۔ اوپر سے نیچے نگاہ دوڑائی۔

اور پھر اس لمحے..... ایڈم بن محمد کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

اس کی آنکھوں میں پہلے بے یقینی اتری..... اس نے بار بار اس صفحے کو پڑھا..... پھر اسکرین کو دیکھا اور جلدی سے وہی فائلز باری باری کھولیں۔ کوئی غلطی نہیں تھی۔ کوئی شک نہیں تھا۔ جو وہ پڑھ رہا تھا وہی لکھا تھا وہاں۔

کھلا ہوا ہائی لائیٹر اس کے ہاتھ سے پھسل گیا۔ ایڈم کو نہیں یاد کہ کبھی شاک کی کسی کیفیت میں اس کے ہاتھوں سے چیزیں گری ہوں۔ فوج سے نکالے جانے کا پروانہ پڑھتے ہوئے شاید ایسا ہوا تھا۔ اس کے بعد نہیں۔ اسے کم از کم یاد نہیں تھا۔

وہ بے دم سا ہو کے اس کاغذ کو دیکھے جا رہا تھا۔

باہر دیوار کی منڈیر پہ دونوں اطراف دو موٹے تازے بلے گھات لگائے کھڑے تھے۔ ان کی چمکتی آنکھیں ان نوعمر چوزوں پہ جمی تھیں۔

بے فکر چوزے سارے میں اچھلتے پھر رہے تھے۔ یہ ان کی جوانی کے دن تھے۔ آنکھوں میں خواب سجائے' وہ بارش سے نم

ہوئے گھاس پہ ہنستے ہوئے کھیل رہے تھے۔

انہیں خبر نہیں ہوئی کہ کب دونوں اطراف سے سیاہ ہیولے ان کے اوپر حملہ آور ہوئے تھے۔

انہوں نے زورزور سے دہائی دی۔

مرغی اپنی جگہ سے اٹھ کے چلانے لگی۔

ایڈم کو شور سنائی دے رہا تھا مگر وہ اتنا ششدر بیٹھا تھا کہ اس پہ اثر نہیں ہوا۔ ایبو ابھی نہانے گھسی تھی۔ ساتھ میں اس نے ہاتھ کے ہاتھ اپنے کپڑے بھی دھو لیے تھے اور پانی کی آواز نے بے زبان پرندوں کی چیخوں کا راستہ روک دیا تھا۔

وہ جب تولیے میں سر لپیٹے باہر برآمدے میں آئی تو مرغی بلک بلک کے روئے جا رہی تھی۔ ہر طرف چوزوں کے پر بکھرے تھے۔ کہیں خون تھا اور کہیں کٹے ہوئے پنجے۔

ایک چوزہ بھی نہ بچا تھا۔ مرغی ایک ایک کونے میں جا کے روتے ہوئے چونچ مارتی۔ پھر سر گرا دیتی۔

ایبو کے ہاتھ سے تولیہ نیچے گر گیا۔

باہر سڑک کنارے ایک بلا چوزے کے کٹے سر کو دانتوں سے ادھیڑتا دکھائی دے رہا تھا جبکہ دوسرا اتنا کھا چکا تھا کہ اس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ وہ دوسری گلی تک بمشکل پہنچ پایا۔ پھر ایک درخت کی ٹھنڈی میٹھی چھایا میں پیر پسار کے لیٹا اور آنکھیں بند کر لیں۔ ساتھ ہی وہ زبان لبوں پہ پھیرتا خون صاف کر رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

چھٹی رات:۔

ملاکہ کا سمندر اس رات ٹھاٹھیں مارتا ہوا بہہ رہا تھا۔ چاند کی روشنی سے نہایا ساحل اندھیرے میں بھی روشن دکھتا تھا۔ لہریں ساحل تک آتیں اور اسے بھگو کے واپس پلٹ جاتیں۔

ساحل کے اس حصے میں رش نہیں تھا۔ اکا دکا لوگ پتھروں پہ ٹہل رہے تھے۔ وہیں ایک بڑے پتھر کے کنارے بیٹھا فاتح گھٹنوں پہ نوٹ پیڈ رکھے لکھتا جا رہا تھا۔ چاندنی اس کے صفحے پہ پڑتی اس کو چمکا رہی تھی۔

”ڈیئر تالیہ......

میں بنگا رایا ملایو قریباً آدھی پڑھ چکا ہوں اور یہ وہ کتاب نہیں ہے جو مجھے کورس میں پڑھائی گئی تھی۔ اس کتاب میں ایک سحر انگیز عورت تھی جو سب کرنا جانتی تھی۔ وہ عورت یہاں بھی ہے..... شہزادی تاشہ.... مگر ہر شے جاننے کے

باوجود وہ کمزور بھی پڑ جاتی ہے اور اپنے باپ سے خوفزدہ بھی رہتی ہے۔ وہ وانگ لی کے غلام فاتح کو غلامی سے نجات دلانے کے لیے کوشش کر رہی ہے مگر اس کی کوششیں کامیاب نہیں ہو پا رہیں۔ وہ اپنے اندر کے شیاطین سے لڑ رہی ہے اور دربار میں اس کو عورت ہونے کے باعث کمتر سمجھا جاتا ہے۔ وہ سلطان مرسل کی ہر اس منٹ سے پریشان بھی ہے۔

میں اس عورت سے پہلی دفعہ واقف ہوا ہوں۔ جس بنگارایا ملایو کو دوسروں نے پڑھا ہے، وہ شہزادی تاشہ پسونا اور اس کی عظیم فتوحات کی کہانی تھی۔ یہ بنگارایا ملایو تاشہ اور اس کے محبوب غلام فاتح کی کہانی ہے۔ مجھے اپنے نام کے کردار کو پڑھ کے اچھا لگا ہے۔ شاید اسی لیے تم مجھے یہ داستان پڑھوانا چاہتی تھیں۔ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے میں خود کو اسی قدیم زمانے میں محسوس کرتا ہوں اور یہ بھول جاتا ہوں کہ میں جدید ملاکہ میں چند دن کی چھٹی پہ آیا ہوں۔ اپنا فون آف کر کے سارے زمانے کے کام پس پشت ڈال کے میں وان فاتح کو ڈھونڈنے آیا تھا اور ابھی تک میں صرف غلام فاتح کو دریافت کر سکا ہوں۔"

اس کی جیب میں رکھا فون تھرتھرانے لگا تو اس نے گہری سانس لے کر خط مکمل کیا اور اسے تہہ کر کے دوسری جیب میں ڈالا۔ پھر فون نکال کے دیکھا۔

یہ ایک چھوٹا فون تھا جس میں اس کا ایک دوسرا نمبر تھا جو صرف عصرہ اور بچوں کے پاس تھا۔ یہ اسمارٹ فون نہیں تھا کیونکہ وہ کچھ دن کے لیے سوشل میڈیا سے دور رہنا چاہتا تھا۔

"کہو عصرہ۔" اس نے فون کان سے لگاتے ہوئے تکان سے پوچھا۔

"فاتح.....تم پلیز واپس آجاؤ۔"

"کیا میرے بغیر پارٹی چند دن کے لیے نہیں چل سکتی عصرہ؟" وہ اکتا گیا تھا۔

"یہی تو مسئلہ ہے فاتح۔ کہ پارٹی والے اب تمہارے بغیر چلنے کا سوچ رہے ہیں۔"

فاتح ایک دم تیزی سے سیدھا ہوا۔ اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔

☆☆=========☆☆

چھٹا دن:۔

اس بلند و بالا عمارت کے دو فلورز بی این کے لیے مختص تھے۔ بالائی فلور ایگزیکٹو فلور تھا جبکہ اس سے نچلی منزل میں پریس روم بنا تھا جہاں صحافیوں کو آنے کی اجازت تھی۔ اس وقت وہ کمرہ کارکنوں اور صحافیوں سے بھرا ہوا تھا اور وہ سب خالی پوڈیم کو

دیکھتے ہوئے آپس میں چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔

''سنا ہے فاتح صاحب کل رات اپنی چھٹی منسوخ کر کے واپس آ گئے ہیں۔''

''جب کرسی ہاتھ سے جا رہی ہو تو انسان اگلے جہان سے بھی لوٹ آتا ہے۔'' سر جوڑے دو رپورٹرز کہہ رہے تھے۔

''چار دن میں پارٹی میں دو مضبوط لابیز بن چکی ہیں۔ گاڈ۔ صرف چار دن میں۔'' ایک خاتون رپورٹر ماتھے کو چھو کے کہہ رہی تھی۔ ''فاتح صاحب کے جانے کی دیر تھی' ہشام جرجیس بھی پارٹی پہ قبضہ کرنے کو تیار ہے اور اشعر محمود تو خاندان ہونے کے باعث اس کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ ہم عورتیں تو ایسے ہی بدنام ہیں۔ یہ مرد سیاستدان کسی سے کم ہیں کیا۔''

''دیکھتے ہیں اب فاتح صاحب کس طرف جھکتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں پارٹی میں دراڑ پڑ جائے گی۔''

''ہاں تو دراڑ ہشام جرجیس اور اشعر محمود نے ہی ڈالی ہے نا۔ انہوں نے اپنے اپنے چہیتے رپورٹرز کے ذریعے میڈیا پہ یہ خبر اڑائی کہ اگلا نائب چیئر مین ان کو بنایا جا رہا ہے۔ اسی طرح تو lobbying کی جاتی ہے۔ عوام اور چیئر مین کے ذہن میں بات ڈال کے خود تماشا دیکھا جاتا ہے۔'' ایک عمر رسیدہ اینکر پرسن وہاں بیٹھا تبصرہ کر رہا تھا۔ ابھی اس کی بات درمیان میں تھی جب پوڈیم کے پاس ہلچل مچی اور سب سیدھے ہونے لگے۔

کیمرہ مین تیار ہوئے۔ رپورٹرز نے ریکارڈرز اور قلم تھام لیے اور فلیش جلنے بجھنے لگے۔

فاتح رامزل سامنے سے چلا آ رہا تھا۔

گرے سوٹ میں ملبوس' اسٹرائپس والی ٹائی پہنے' جیل سے بال پیچھے کو جمائے' اس کی رنگت قدرے ٹین لگتی تھی البتہ تاثرات سنجیدہ تھے۔ وہ واضح طور پہ ناخوش دکھائی دیتا تھا مگر ساتھ ہی جیسے مطمئن بھی تھا۔

پوڈیم پہ جا کے وہ رکا۔ ہال میں خاموشی چھا گئی۔ اس نے سنجیدگی سے سب کو سلام کیا اور ان کے آنے کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے دائیں ہاتھ عصرہ اور چند پارٹی عہدیدار کھڑے تھے۔ اشعر یا ہشام کہیں نہیں تھے۔

''میری رنگت سے آپ کو معلوم ہو رہا ہوگا کہ میں چند دن کے لیے چھٹی پہ گیا تھا مگر میرے پیچھے میڈیا میں اتنی قیاس آرائیاں کی گئیں کہ مجھے فوری واپس آنا پڑا۔''

وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ ہال کو دیکھتا مائیک میں کہہ رہا تھا۔ کیمروں سے کلک کلک کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں۔

''ملاکہ میرے لیے ایک ہوم ٹاؤن کی حیثیت رکھتا ہے۔ میری بیٹی آریانہ اپنی موت سے پہلے میرے ساتھ آخری دفعہ جس جگہ گئی تھی وہ ملاکہ ہی تھا۔ ملاکہ جا کے میں ہر دفعہ اپنی بیٹی کو مس کرتا ہوں۔ اس دفعہ البتہ مجھے اس کی موت یاد آئی تو ایک خیال شدت سے ستانے لگا کہ اگر اسی طرح وان فاتح مر گیا تو کیا ہوگا۔''

رپورٹرز نے قلم روک دیے۔ کیمرہ مین کیمروں کے عقب سے گردنیں نکال کے صدمے سے اسے دیکھنے لگے۔ ہال پہ ایک ششدر سی خاموشی چھا گئی۔ اسٹیج پہ موجود لوگوں میں کھڑی عصرہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد کیمرہ مین ان آنکھوں کا عکس محفوظ کرنے لگے۔

''ملاکہ میں یہ اتنے دن میں نے اپنے لوگوں کے درمیان ایک عام آدمی کی حیثیت سے گزارے اور ایک بات میں نے سمجھ لی کہ کوئی بھی انسان ناگزیر نہیں ہوتا۔ جیسے تاریخ کے بڑے بڑے مجسمے ایک ٹھوکر سے گر جایا کرتے ہیں اسی طرح کبھی وان فاتح بھی ایک ٹھوکر سے مر سکتا ہے۔ تو پھر میں اپنے پیچھے کیا چھوڑ کے جا رہا ہوں؟ میری legacy کیا ہوگی؟''

اس کی بھاری آواز سارے میں گونج رہی تھی۔ غور سے دیکھو تو آنکھوں کی سنجیدگی اور سرخی بتاتی تھی کہ وہ غالباً رات بھر سویا نہیں تھا اور اسی چیز پہ کام کرتا رہا تھا۔

''کچھ شرارتی لوگوں نے پارٹی میں دراڑ ڈالنے کے لیے دو لابیز بنا دی ہیں جس کا مقصد صرف یہی ہے کہ پارٹی کو تقسیم کر کے توڑا جائے۔ اگر میں ملاکہ نہ جاتا تو میں کبھی شاید نائب چیئر مین کا عہدہ برسوں بعد پھر سے بھرنے کا نہ سوچتا۔ آپ سب جانتے ہیں کہ بی این میں ایک عرصے سے اس عہدے کو بھرنے کا رواج ختم ہو چکا ہے۔ چیئر مین اپنے نیچے والوں سے اتنا ڈرا ہوا ہوتا ہے کہ وہ اس عہدے کو خالی رکھتا ہے۔ اور الیکشن کے پراسیس میں اس عہدے کا ذکر ہی نہیں ہوتا۔ مگر وان فاتح مرنے سے یا نکالے جانے سے نہیں ڈرتا۔ مجھے اپنے ملک کے لوگوں کے لیے کام کرنا ہے اور مجھے اس میں ایک ایسے نائب چیئر مین کا ساتھ چاہیے جس کی دیانتداری سے میں واقف ہوں' اور جس کا انتخاب پارٹی کو تقسیم نہ کرے۔''

وہ رکا اور پھر مسکرا کے بولا۔''اور جو مجھے قتل کرنے کی ہمت نہ کرے۔''

ہال میں سب ایک دم ہنس دیے۔ ماحول کا تناؤ رفع ہونے لگا۔ فاتح توقف کے بعد مائیک میں کہنے لگا۔

''اس عہدے پہ قانوناً میں کسی کو بھی تعینات کر سکتا ہوں۔ میرے کسی بھی صورت میں اپنی کرسی چھوڑنے پہ اگلے تین ماہ کے لیے نائب چیئر مین کو میرا عہدہ مل جائے گا اور ان کو پارٹی الیکشن کروا کے اگلے چیئر مین کا چناؤ کروانا ہوگا۔''

وہ کہہ رہا تھا اور ایک رپورٹر نے دوسرے کے کان میں سرگوشی کی۔''ایک دفعہ وان فاتح نے کسی کو نائب بنا دیا تو اس نے آتے ساتھ ہی ایگزیکٹو حکم سے پارٹی الیکشن کو غیر ضروری قرار دے دینا ہے۔ یوں وہی نائب بڑی آسانی سے اگلے سال ملک کا وزیر اعظم بن سکتا ہے۔''

''ششش۔'' پیچھے سے کسی نے اسے چپ کروایا۔

''میں چیئر مین کی حیثیت سے اس عہدے کے لیے.....'' فاتح نے رک کے حاضرین کا چہرہ دیکھا۔'' ..... بی این کی ایک

پرانی پارٹی ورکر جو گزشتہ دس سال سے پارٹی سے منسلک ہیں اور.... اپنی بیوی..... عصرہ محمود کو نامزد کرتا ہوں۔''

عصرہ نے نم آنکھوں سے مسکرا سینے پہ ہاتھ رکھے سر کو خم دیا۔ چند لمحے کے لیے تمام لوگ ششدر رہ گئے پھر ایک دم تالیوں کا شور گونجا اور مبارک سلامت کے نعرے بلند ہوئے۔ عصرہ چند قدم آگے بڑھی۔ اب وہ اپنے شوہر کے بالکل برابر میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ فلیش لائیٹس کی روشنیاں ان دونوں کے چہروں پہ پڑ رہی تھیں۔ دی پاور کپل۔

فاتح نے مسکرا کے لوگوں کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا اور پھر مائیک پہ چہرہ جھکایا۔

''اس سے پہلے کہ کوئی اس کو اقربا پروری کہے' میں یہ واضح کر دوں کہ اگر مجھے رشتے داروں کو نوازنا ہوتا تو اشعر محمود کو نوازتا لیکن میں ایسا کچھ نہیں کروں گا جس سے پارٹی تقسیم ہو۔ جو اس فیصلے پہ تنقید کرنا چاہیں میں ان سے پوچھوں گا کہ جب صوفیہ رحمٰن کو ان کے والد نے اپنا نائب مقرر کیا تھا تو کیا تب بھی ایسی ہی تنقید کی گئی تھی؟ جیسے دنیا بھر میں بیویاں اپنے شوہروں کی سیاست اور کیمپئین میں ان کی مدد کرتی ہیں اسی طرح عصرہ میری مدد کریں گی۔ جیکی کینیڈی ہو یا وکٹوریا اور البرٹ کی کہانی' کسی بیوی کا اپنے شوہر کے ساتھ کام کرنا برا نہیں سمجھا جانا چاہیے۔ البتہ عصرہ اس عہدے کی نہ تنخواہ لیں گی اور نہ ہی دوسری مراعات۔ یہ بھی نہیں سمجھا جانا چاہیے کہ میں پارٹی کو اپنے خاندان کی جاگیر بنا رہا ہوں کیونکہ میرا یہ عہدہ چھوڑنے کی صورت میں عصرہ صرف تین ماہ کے لیے چیئر مین ہوں گی اور پھر جمہوری طریقے سے الیکشن کے ذریعے اگلا چیئر مین چنا جائے گا۔ یہ ان لوگوں کے لیے واضح کر رہا ہوں جن کو میرے مرنے کی بہت جلدی ہے۔''

مسکرا کے بولا تو جہاں چند لوگ ہنسے وہاں بہت سوں نے دہل کے اسے لمبی عمر کی دعائیں دے ڈالیں۔

ملک بھر کی ٹی وی اسکرینز پہ وہ منظر دکھایا جا رہا تھا۔ وہ دونوں میاں بیوی ساتھ ساتھ کھڑے تھے اور مسکرا کے لوگوں کی مبارکباد وصول کر رہے تھے۔

ہشام جرجیس اپنی کار کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھا سیل فون پہ وہ وڈیو دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ غصے سے سیاہ پڑ رہا تھا۔

اس سے چند میل دور اپنے قلعے کے لاؤنج میں تنہا بیٹھا اشعر سگریٹ پھونکتے ہوئے پلازمہ اسکرین پہ نظر آتی لائیو پریس کانفرنس دیکھ رہا تھا۔ اڑتالیس گھنٹے کے لیے انہوں نے میڈیا اور سوشل میڈیا پہ جو افواہیں چلائی تھیں ان کے نتیجے میں فاتح رات واپس آ گیا تھا۔ صبح تک عصرہ اس کو اپنے انداز میں سمجھاتی رہی تھی اور مرد چاہے غلام ہو چاہے بادشاہ' وہ اپنی بیوی کی اپنی ہمدردی میں کہی بات کو ہمیشہ غور سے سنتا ہے۔

عصرہ نے ایک حل پیش کیا اور فاتح نے اسے مان لیا۔ ساری دنیا میں اگر کوئی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا تو وہ اس کے بچوں کی ماں تھی۔

ہشام اور اشعر کو صبح ہی صبح وان فاتح کی طرف سے ایک پیغام بھی بھیج دیا گیا تھا۔

''دوبارہ مجھے تم میری پارٹی' میرے گھر یا میرے اردگرد نظر نہ آؤ۔''

وہ فاتح کا اعتبار کھو چکے تھے اور اب وہ کبھی عصرہ کے مقابلے میں ان کی بات کا اعتبار نہیں کرے گا۔

☆☆=========☆☆

داتن نے یہ پریس کانفرنس ایک ریستوران میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دیکھی تھی۔ آج کل وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ رہ رہی تھی اور جو بھی تھا' وہ پرسکون لگتی تھی۔ تالیہ کی طرف سے یہ تسلی دل کو تھی کہ وہ واپس آجائے گی۔ البتہ یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کو اتنا مس کرے گی۔ مگر اسی طرح شاید اسے ایک صاف ستھری زندگی مل جائے۔

اسکرین پہ عصرہ کی فاتحانہ مسکراہٹ دیکھ کے وہ طنز سے مسکرائی تھی۔

''واہ.....وان فاتح.....اپنی کرسی سونپی بھی تو کس عورت کو؟ اپنی بیٹی کی قاتل کو۔ جو اسے قتل کر سکتی ہے وہ تمہیں بھی کر سکتی ہے مگر یہ سیاستدان اور ان کی یادداشت...... بہت جلد سب بھول جاتے تھے۔''

عصرہ کے خلاف وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ عصرہ نے کوئی ایسی حرکت کی ہی نہیں تھی جو قابلِ گرفت ہو۔ تالیہ کی غیر موجودگی نے داتن کی عصرہ پہ رہنے والی نگرانی کو بھی ختم کر دیا تھا۔

تبھی نکھیوں سے اسے کوئی بہت تیزی سے ریستوران میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔

وہ ایڈم تھا اور رنڈھال سا لگتا تھا۔ تیزی سے سامنے کرسی کھینچی اور کاغذات کا ایک پلندہ سامنے رکھا۔

''آرام سے.....آرام سے.....تم تو واقعی دس منٹ میں پہنچ گئے ہو۔'' داتن نے تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر اس کے حلیے کو۔ ''اور صبح منہ نہیں دھویا تھا کیا؟ اب سلیبریٹی جرنلسٹ بن گئے ہو تو اصلیت ضرور دکھانی ہے لوگوں کو۔ صبح تمہاری ایبو کا فون آیا تھا۔ وہ رو رہی تھیں کہ سارے چوزے بلی کھا گئی۔ اب چوزوں کے مرنے پہ بھی کوئی روتا ہے بھلا؟''

پھر یاد آیا۔

''اوہ.....تم تالیہ کی وجہ سے پریشان ہو۔'' اس نے آواز دھیمی کی۔ ''فکر نہ کرو۔ وہ واپس آجائے گی۔ صوفیہ رحمٰن اسے نقصان پہنچا کے کبھی فاتح رامزل کی سنگین دشمنی مول نہیں لے گی۔ اور تم نے دیکھا......وہ عصرہ نائب چیئر مین بن گئی۔''

داتن نے محظوظ انداز میں اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ ''اب تیار رہو۔ بیوی کو یہ عہدہ دینے پہ وان فاتح اور ان کے مضافات میں میڈیا کی گالیوں کا وقت ہوا چاہتا ہے۔''

''کون تالیہ؟ کون عصرہ؟ میری یہاں دنیا برباد ہو گئی ہے اور آپ کو ان ساری باتوں کی پڑی ہے۔'' وہ جیسے فرسٹریشن سے

پھٹ پڑا تھا۔

لیانہ چونکی اور سیدھی ہوئی۔ پھر غور سے اس کا چہرہ دیکھا تو وہ صدیوں کا بیمار لگتا تھا۔

''ایڈم۔ کیا ہوا ہے؟'' پھر اس کے کاغذات کو دیکھا۔ ''تم کہیں تیسری کتاب تو نہیں لکھنے جا رہے؟''

''انسان کو بڑے بول نہیں بولنے چاہیے ہیں داتن۔ اللہ تعالیٰ کا حق ہے صرف بڑے بول بولنا۔ ہم مستقبل کے بارے میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے۔'' وہ واقعی روہانسا ہوا کہہ رہا تھا۔ اب کے داتن کو تشویش ہوئی۔

''کس نے کر دیا دعویٰ؟''

''تین لوگوں نے تین دعوے کیے تھے۔ یاد ہے وہ میوزیم جہاں چے تالیہ نے صوفیہ رحمٰن اور وان فاتح کی ڈی بیٹ کروائی تھی؟ وہاں صوفیہ رحمٰن نے دعویٰ کیا تھا کہ اس کی کوئی چھپی ہوئی جائیداد نہیں ہے۔ کیونکہ جائیداد چھپانا جرم ہے۔'' وہ تیز تیز بولے جا رہا تھا۔ اتنا تیز کہ اسے سانس چڑھنے لگا۔ داتن بمشکل اس کی رفتار سے ملنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''دوسرا دعویٰ ایڈم بن محمد نے کیا تھا۔'' اس نے گویا اپنے ہی سر پہ ہاتھ مارا۔ ''بانگ دِہل اپنی بک لانچ پہ بکواس کی تھی میں نے کہ کسی آف شور کمپنی ہولڈر کا نام نہیں چھپاؤں گا۔ ایک ایک نام پوری دیانت داری سے عوام کے سامنے لاؤں گا۔ میں پھنس گیا ہوں داتن۔ ہم سب اپنے ہی الفاظ کے طوق میں اپنی گردنیں پھنسا بیٹھے ہیں۔''

''ایڈم..... ایڈم..... تم بتاؤ تو سہی کہ ہوا کیا ہے۔''

''تیسرا دعویٰ..... میوزیم میں اسی ڈی بیٹ میں وان فاتح نے کیا تھا کہ ان کی کوئی چھپی ہوئی جائیداد نہیں ہے۔'' اس نے ایک کاغذ نکالا اور پٹخنے کے انداز میں داتن کے سامنے رکھا۔

''یہ رہے آریانہ رامزل ہولڈنگ کے کاغذات۔ وان فاتح کی آف شور کمپنی جو کلائیڈ اینڈ لی میں انہوں نے کافی عرصے سے بنا رکھی ہے۔ یہ کمپنی ان کے دستخط' ان کے پاسپورٹ کی کاپی اور ان کی اپنی مرضی سے بنی ہے۔ دیکھیں یہ سب۔''

داتن کا منہ مارے صدمے کے کھل گیا۔

''نہیں..... یہ ناممکن ہے۔ مجھے..... مجھے اس آدمی سے لاکھ اختلافات سہی' لیکن وہ ایماندار آدمی ہے۔ وہ کبھی بھی جائیداد یوں چھپا کے ٹیکس چوری نہیں کر سکتا۔'' وہ بے یقینی سے ان کاغذات کو دیکھ رہی تھی۔ دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔

ایڈم کو نہیں یاد اس کی آنکھوں میں فوج سے بے عزت کر کے نکالے جانے کے بعد آنسو کب آئے تھے۔

آج برسوں بعد آئے تھے۔

''داتن۔'' اس نے گیلی آنکھوں سے اپنی دوست کو دیکھا۔ ''اگر میں نے یہ کاغذات پبلک کر دیے تو سب جان جائیں

گے کہ فاتح صاحب اور صوفیہ رحمٰن کا جرم ایک جیسا ہے۔ وہی جرم جس پہ وہ صوفیہ سے استعفیٰ مانگ رہے تھے۔ ان کی ساری زندگی' ان کا کیریئر' ان کے خواب سب ختم ہو جائے گا۔ داتن اگر میں نے ان کا نام دوری نگارہ ملایو کے دوسرے حصے میں لکھ دیا تو......' 'ایک آنسو شاہی مورخ کی آنکھ سے ٹوٹا اور گال پہ لڑھک گیا۔' '.....تو وان فاتح کبھی ملائیشیا کے وزیر اعظم نہیں بن سکیں گے۔ داتن..... مجھے بتائیں میں کیا کروں؟''

وہ کسی ٹوٹے بکھرے بچے کی طرح بے آواز روتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

اور اس لمحے شل بیٹھی داتن کو احساس ہوا تھا کہ ایبو کی مرغی کے دل پہ اپنا آشیانہ لٹتے دیکھ کے کیا گزری ہوگی۔

☆☆=========☆☆

ساتویں رات:۔

حالم کا بنگلہ خاموشی میں ڈوبا تھا۔ لاؤنج کے پردے برابر تھے اور اندر صرف کچن کی بتی جل رہی تھی۔ چائے کی مہک نے سارے کو معطر کر رکھا تھا۔ وہ کچن کاؤنٹر کے اسٹول پہ بیٹھا' نوٹ پیڈ پہ پانچواں خط لکھتا جا رہا تھا۔ کوٹ پیچھے صوفے پہ پڑا تھا اور شرٹ کے کف موڑ رکھے تھے۔

کے ایل آنے کے بعد وہ اس گھر کی زیارت کے لیے نہ آتا یہ ممکن نہیں تھا۔

''ڈیئر تالیہ......

میں اس امید کے ساتھ واپس آیا تھا کہ تم یہاں ملو گی۔ مگر تم ابھی تک نہیں آئی ہو۔ تمہارے پیچھے ملائیشیا میں بہت کچھ تبدیل ہو گیا ہے۔ خود وان فاتح تبدیل ہو چکا ہے۔ میں نے میڈیا اور ناقدین کی تنقید کی پرواہ کیے بغیر ایک بڑا فیصلہ لیا اور میں خود بھی اتنا خوش نہیں تھا مگر خلافِ توقع لوگوں نے اسے سراہا ہے۔ اس وقت کوئی یہ بات نہیں کر رہا کہ یہ عہدہ میں نے اپنی بیوی کو دیا ہے۔ سب یہی کہہ رہے ہیں کہ فاتح نے پارٹی کو تقسیم ہونے سے بچایا ہے۔ مگر سچ پوچھو تو اگر لوگ تنقید کرتے تب بھی میں پرواہ نہ کرتا۔

میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ میری جتنی زندگی باقی ہے' اس کو میں اپنے لوگوں کو نفع پہنچانے میں صرف کروں۔ ہر شے سمندر کی جھاگ کی طرح ہے۔ سب بہہ جائے گا۔ باقی صرف ایک شے رہ جاتی ہے۔ وہ جو لوگوں کو فائدہ دے۔ میں مستقبل کے خوف سے آزاد ہو کے جینا چاہتا ہوں۔ وان فاتح کا نام بھی تاریخ میں تب ہی باقی رہے گا جب وہ لوگوں کو نفع دے گا۔ ورنہ جھوٹی تعریفوں سے بھری کتابیں اگر چھ صدیوں تک پڑھائی بھی جائیں' تب بھی سچ کے آتے ہی وہ پسِ پشت چلی جاتی

ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ اس اصلی بنگا رایا ملایو کو لوگوں کے سامنے لاؤں۔ گو کہ اس میں آخری ابواب شامل نہیں ہیں مگر غلام فاتح کی کہانی وانگ لی کے کارناموں سے زیادہ دلچسپ ہے۔ جس بت کا میں اتنے عرصے سے فین تھا' وہ تو مٹی کا ایک ڈھیر نکلا۔

تم آ جاؤ تو ہم اس کتاب کو آکشن کر دیں گے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم تمہارے کام آئے گی۔ یہ کتاب تمہاری ہے۔ تمہاری وجہ سے مجھے ملی ہے۔ میں اسے تمہیں لوٹانا چاہتا ہوں۔ البتہ ابھی میں نے اسے مکمل نہیں کیا۔

پانچ دن پہلے اسی جگہ بیٹھے جب میں نے تمہیں خط لکھا تھا تو میں تم سے خفا تھا کیونکہ تم نے میرے اور اپنے تعلق کے بارے میں پراسیکیوٹر کو الٹی سیدھی باتیں کہی تھیں۔ لیکن ان پانچ دنوں نے میرے ذہن سے وہ باتیں نکال دی ہیں۔ مجھے ابھی تک تمہاری باتوں کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی لیکن اب میں نے تالیہ اور تالیہ کے پلانز پہ حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔

میں تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔

آزاد فاتح!"

☆☆=========☆☆

پانچواں خط بھی مکمل ہو چکا تھا اور وہ کتنی ہی دیر اسے پڑھتی رہی تھی۔ آنسوؤں نے ان خطوط کو بھی بھگو دیا تھا۔ وہ روتی گئی اور پڑھتی گئی۔ پھر ان کو ترتیب سے سیٹ کیا اور ٹوکری میں واپس رکھ دیا۔ گھڑی دیکھی تو خیال آیا اسے وقت کی بندا ہارا کے سامنے کرسی پہ بیٹھ کے مذاکرات کے لیے جانا تھا۔ وہ آنسو صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسے کسی کو کال نہیں کرنی تھی۔ اسے کسی سے بات نہیں کرنی تھی۔ اسے آزادی چاہیے تھی۔ اپنی آزادی کے لیے اسے اکیلے ہی لڑنا تھا۔ وہ جانتی تھی۔

ریسٹ ہاؤس کے لان میں دو کرسیاں رکھی گئی تھیں اور اردگرد سیکیورٹی افسران کھڑے تھے۔ تالیہ مراد ایک کرسی پہ بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے کے نیل اب کنسیلر کی تہوں میں چھپے تھے۔ سفید براق اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس' وہ سیاہ بالوں پہ ترچھا سفید ہیٹ پہنے بیٹھی بور سی ہو کے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

سامنے والی کرسی خالی تھی۔ قریب کھڑا دولت بار بار گھڑی دیکھ کے ادب سے کہتا تھا۔

"بس پندرہ منٹ اور..... دس منٹ اور....." اور پھر جب دس منٹ ختم ہوئے تو نشیب سے آتی سڑک پہ سیاہ شیشوں والی کارز آتی دکھائی دیں۔ گارڈز میں ہلچل مچ گئی۔ وہ البتہ ویسے ہی بیٹھی رہی۔

پہلی کار سے اترنے والی خوبصورت عورت گلابی لمبی اسکرٹ پہ سیاہ کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ اس پہ اس نے گلابی اسٹول سر

پہ لے رکھا تھا اور گردن میں پہنے موتی دکھائی دے رہے تھے۔ وہ مسکرا کے سب کے سلام کا جواب دیتی کرسیوں کے قریب آئی تو تالیہ مراد اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یانگ دی برحرمت۔''(عزت مآب) اس نے خشک لہجے میں سر کو خم دے کر کہا۔ نظریں پردھان منتری کے سرخ و سفید چہرے پہ جمی تھیں جو میک اپ سے مزین بے حد کھلا کھلا لگ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے کون وومن سے مصافحہ کیا اور کرسی پہ بیٹھی۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں، یانگ دی برحرمت؟ کیونکہ اب تو میری جان آپ کے ہاتھ میں ہے۔''

''کال می صوفیہ۔'' وہ خوشگوار انداز میں بولی۔ ''اور تمہاری جان میرے قلم کی محتاج تب ہو گی جب تم ڈیل پہ سائن کرو گی۔ اس سے پہلے تک تم آزاد ہو۔''

تالیہ کرسی پہ آگے ہو کے بیٹھی اور چبھتی نظروں سے اس عورت کو دیکھا۔

''کیا میرے پاس کوئی چوائس ہے؟ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو آپ لوگ میرے خلاف مقدمے چلائیں گے۔''

صوفیہ رحمن ٹیک لگا کے بیٹھی تھی اور ٹانگ پہ ٹانگ جما رکھی تھی۔ اس سوال پہ اس نے ہیرے کی انگوٹھی سے مزین ہاتھ جھلایا اور اگلے ہی پل تمام سیکیورٹی گارڈز دور ہٹتے گئے۔ صرف دولت تھا جو پردھان منتری کی کرسی کے پیچھے کھڑا رہ گیا۔

''کیا تمہیں اپنے باپ سے محبت تھی تالیہ؟'' صوفیہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھنے لگی۔

تالیہ کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ حلق میں کچھ اٹکا۔

''بہت زیادہ۔''

''لیکن تمہارا باپ ملک کا پردھان منتری نہیں تھا۔ میرا باپ تھا۔ وہ میرا ہیرو تھا۔ وہ ملائیشیا کے کروڑوں ووٹرز کا ہیرو ہے۔ میں آج اپنے باپ کے لیے اپنے دشمن کے سامنے بیٹھی ہوں۔ کیا تم اندازہ کر سکتی ہو کہ صوفیہ کو اپنے مرے ہوئے باپ سے کتنی محبت تھی؟''

تالیہ نے ہیٹ اتارا اور میز پہ رکھ دیا۔ بولی کچھ نہیں۔

''جانتی ہو پردھان منتری کی بیٹی کتنی مجبور ہوتی ہے؟''

تالیہ نے محض نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ (وہ سمجھ سکتی تھی۔)

''اتنی مجبور کہ اس کے پاس اپنے دشمن کو ختم کرنے کا اتنا اچھا موقع تھا..... (ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا)..... جتنا میرا کلاس فیلو تمہارے لیے فکرمند رہا ہے، اگر میں تمہیں جیل میں مروا دیتی یا کورٹ میں تمہاری تذلیل کرواتی تو وہ ٹوٹ ہی

جاتا۔ کتنا آسان ہو جاتا میرے لیے اگلا الیکشن جیتنا۔ میں فاتح کی زندگی کی سب سے قیمتی چیز لے سکتی تھی مگر.....آہ.....میری اپنے باپ سے محبت آڑے آ گئی۔"

تالیہ کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکنے لگا مگر وہ خشک آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

"تمہارے اور تمہارے لیڈر کے نزدیک میں ایک چور عورت ہوں مگر چوروں کو بھی اپنے باپ پیارے ہوتے ہیں' تالیہ۔ اسی لیے میں تمہارے سامنے بیٹھی ہوں۔ کیا تم میرے باپ کے لیے ایک کام کر سکتی ہو؟"

تالیہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ "جی۔ میں کروں گی۔ لیکن کیا مجھے اپنی پچھلی زندگی کے اعمال کے لیے امیونٹی (سزا سے معافی) مل جائے گی؟"

"بالکل۔ میں لکھ کے دینے کو تیار ہوں۔ اس حکم نامے کو اگلا وزیر اعظم بھی چیلنج نہیں کر سکتا۔ اور آج تمہاری جاب شروع ہونے کے وقت سے.....تم ہر جائز اور نا جائز کام کرنے کے لیے آزاد ہو۔ یہ جاب مکمل ہونے تک تم بڑے سے بڑا جرم بھی کر لو' تو تمہیں ملائیشیا میں کوئی چھو بھی نہیں سکتا اور باہر تمہیں ڈپلومیٹ کا اسٹیٹس ملے گا۔"

"باہر؟" وہ چونکی۔ "مجھے باہر جانا ہو گا؟"

صوفیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں۔ اسی ملک جہاں وہ موجود ہے۔"

تالیہ نے لان کی گھاس پہ کھڑے دولت کو ایک نظر دیکھا جو سنجیدہ سا کھڑا تھا۔ اور پھر الجھ کے صوفیہ کو مخاطب کیا۔

"مگر میں ہی کیوں؟ آپ کے پاس تو اتنے بہترین لوگ ہیں۔ انہوں نے اتنے دن تک مجھے Con کیے رکھا۔"

"مگر تم نے آخر میں ان کا con پکڑ لیا۔ ہے نا؟ میرے بابا کہتے تھے' بہترین کون گیم وہ ہوتی ہے جس میں ٹارگٹ کو کبھی معلوم نہ ہو سکے کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ میرے پاس ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو تمہاری طرح کا ذہن رکھتا ہو۔ یہ لوگ اس کام کو نوکری کی مجبوری میں کریں گے۔ تم اپنی آزادی کے لیے اپنی جان لگا کے کرو گی۔ اور میں یہ کام ان کو کیسے دوں جب کہ ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ یہ کام کرنا کیسے ہے۔ خود مجھے بھی نہیں۔" وہ اداسی سے مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

تالیہ نے غور سے اسے دیکھا۔

"کام کیا ہے؟"

"تم نے ایک دوسرے ملک سے میرے لیے ایک چیز چرا کے لانی ہے۔"

"کیا؟"

صوفیہ رحمٰن کے اگلے الفاظ سمجھنے اور ہضم کرنے میں اسے چند منٹ لگے تھے۔ وہ بار بار دولت اور صوفیہ کا چہرہ دیکھتی تھی۔

پردھان منتری خاموش ہوئی تو تالیہ نے تھوک نگلی۔

''ٹھیک ہے۔ میں کر دوں گی۔ لیکن اگر میں وہاں جاکے بھی ناکام لوٹی تو؟''

''تمہارے پاس یہ آپشن نہیں ہے تالیہ۔''صوفیہ کے نرم لہجے میں تنبیہہ تھی۔ تالیہ نے سر کو خم دیا۔

''لیکن آپ کو کیسے یقین ہے کہ میں وہاں جاکے کبھی واپس لوٹوں گی بھی سہی؟ ہوسکتا ہے میں بھاگ جاؤں۔''

''تم کبھی نہیں بھاگو گی کیونکہ وان فاتح یہاں ہے۔''وہ مسکرائی تو اسے یان سوفویا د آئی تھی۔''اور تم ایک خاندانی لڑکی ہو۔ میرے ساتھ کیا عہد نہیں توڑو گی۔''

''میں ایک کون وومن ہوں۔ اگر آپ لوگوں نے میرے ساتھ کیا عہد توڑا تو پھر میں آپ سب کی جان لے لوں گی' یاد رکھیے گا۔'' وہ باری باری دونوں کو دیکھ کے بولی تھی۔

دولت نے ڈیل سامنے رکھی اور قلم اسے دے دیا۔ دونوں عورتوں نے دستخط کر دیے تو تالیہ نے چہرہ اٹھایا۔

''میں نے حنان سے ایک وعدہ کیا تھا۔ کیا آپ اسے بلا سکتے ہیں؟''اس کے انداز میں طنز تھا۔ دولت نے صوفیہ کو دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

چند لمحوں بعد حنان دولت کے برابر میں آکھڑا ہوا تھا۔ وہ اس سمن پہ شدید ناخوش لگتا تھا۔

''چے تالیہ...میں آپ سے معذرت کرتا ہوں۔ وہ سب ایک اسکرپٹ کا حصہ تھا اور...'' تالیہ کو خود کو گھورتے دیکھا تو چپ ہوگیا۔

اس نے اپنا پرس اٹھایا اور قدم قدم چلتی حنان کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ پھر سلگتی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''تالیہ مراد کچھ نہیں بھولتی۔'' یہ کہہ کے وہ پلٹ گئی۔ حنان نے حیرت سے اسے دیکھا جو مڑنے کے بعد رک گئی تھی۔ پھر ایک دم وہ واپس گھومی اور پوری قوت سے زوردار مکا برابر میں کھڑے دولت امان کے منہ پہ دے مارا۔

وہ اس غیر متوقع حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس کی انگوٹھی دولت کی ناک پہ کسی خنجر کی طرح لگی تھی۔ وہ کراہ کے رکوع کے بل جھکا اور منہ پہ ہاتھ رکھا۔ ناک سے بھل بھل خون بہنے لگا۔

تالیہ مراد نے اپنی انگوٹھی کو دوسرے ہاتھ سے صاف کیا اور پہلے ہکا بکا سے حنان کو دیکھا اور پھر پرسکون سی بیٹھی صوفیہ کو۔ دور کھڑے گارڈز اس طرف بھاگ کے آنے لگے مگر صوفیہ نے ہاتھ اٹھا کے انہیں رک جانے کا حکم دیا۔

''چے تالیہ کو immunity حاصل ہے۔ وہ کسی کو بھی مارنے کے لیے آزاد ہیں۔''

سپاہی فاصلے پہ رک گئے۔ دولت سر جھکائے اپنے بھل بھل خون گراتے ناک کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے تھا۔ تالیہ نے مسکرا

کے اسے دیکھا اور جھک کے ایک کارڈ اس کے کوٹ کی فرنٹ پاکٹ میں ڈالا۔

''یہ سنگاپور کا بہترین پلاسٹک سرجن ہے۔ بالخصوص ناک ٹھیک کرنے میں ماہر ہے۔''

وہ تکلیف سے جھکا ہوا تھا۔ چہرہ اٹھا بھی نہ سکا اور وہ ہیٹ سر پہ جماتی ڈرائیو وے کی طرف بڑھ گئی۔

شام میں حنان اس کے گھر آیا اور اس کو ضروری کاغذات' حکومتی معاہدے کی نقل اور اس کا ڈپلومیٹک پاسپورٹ دے گیا۔ ساتھ میں ایک بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات بھی تھیں اور چند کریڈٹ کارڈز۔ وہ جتنے پیسے چاہے خرچ کر سکتی تھی۔ وہ اس ایک شے کو چرانے کے لیے جو چاہے کر سکتی تھی۔

جو اسے کرنا آتا تھا' وہ بالآخر اس کی جان بچانے جا رہا تھا۔

وہ اوپر اپنے بیڈروم میں تھی جب گیٹ پہ کار رکنے کی آواز آئی۔ اس نے کھڑکی سے جھانکا۔ باہر داتن آئی کھڑی تھی۔ اور ساتھ میں ایڈم بھی تھا۔ وہ دونوں چیک کرنے آئے تھے کہ تالیہ واپس آئی ہے یا نہیں لیکن اس نے نہ اپنی کار استعمال کی تھی نہ کسی اور شے کو چھیڑا تھا۔ گھر اسی طرح لاک تھا اور چابی فاتح کے پاس تھی۔ داتن چاہتی تو گھر کھول لیتی لیکن شاید اسے لگا تھا کہ وہ ابھی تک لاپتہ ہے۔ اس لیے کچھ دیر بعد وہ دونوں مایوس سے واپس چل دیے۔ وہ چپ چاپ انہیں کھڑکی کی درز سے دیکھتی رہی۔ اسے کسی سے نہیں ملنا تھا۔

رات اس نے حالم کے بنگلے کی کوئی بتی نہیں جلائی۔ گھر اسی طرح اندھیرے میں ڈوبا رہا۔ گیارہ بجے کے قریب اسے کار کی آواز آئی۔ وہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔ یہ اس شخص کی کار تھی جو اپنے مگ کاؤنٹر پہ چھوڑ جانے کا عادی تھا۔

وہ اندھیرے میں لاؤنج کے اوپری زینوں پہ آ کے چپ چاپ بیٹھ گئی۔ وہاں اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا۔ کچھ دیر بعد لاک کھلنے کی آواز آئی اور پھر بھاری بوٹ اندر داخل ہوئے۔ وہ اندھیرے میں بھی اسے دیکھ سکتی تھی۔ وہ ویسا ہی تھا یا شاید بدل گیا تھا۔ وہ گھٹنوں پہ تھوڑی جمائے اسے دیکھے گئی۔

وہ کچن کاؤنٹر تک آیا اور چھوٹا بلب جلا دیا۔ اب صرف کچن میں روشنی تھی۔ سیڑھیاں ہنوز تاریک تھیں۔

اس نے اپنے لیے چائے بنائی اور پھر اسی اسٹول پہ بیٹھ کے چائے پینے لگا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے نوٹ پیڈ اٹھایا مگر اسی لمحے اس کا فون بجنے لگا۔ فاتح نے فون اٹھا کے کان سے لگایا۔

''کون آیا ہے؟ اچھا وہ لوگ۔ ٹھیک ہے میں گھر آتا ہوں۔'' انداز سے لگتا تھا گھر کوئی رشتے دار آئے ہیں۔ اس نے نوٹ پیڈ پہ قلم اسی طرح رکھ چھوڑا اور کوٹ اٹھا کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ چپ چاپ اپنی جگہ پہ بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔ اندھیر لاؤنج میں چلتا وہ آدمی آج بتی بجھائے بغیر عجلت میں جا رہا تھا۔ دروازہ لاک کرنا بھی وہ بھول گیا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ

وہ اسے روک لے.... نہ معلوم وہ دوبارہ کب ملیں... لیکن نہیں... اسے کسی سے نہیں ملنا تھا۔ نہ فاتح سے، نہ ہی کسی اور سے۔

وہ پتھر کا مجسمہ بنی بیٹھی رہی اور وہ چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد وہ اوپر آئی اور اپنا سفری بیگ پیک کرنے لگی۔ اسے کل یہاں سے روانہ ہونا تھا۔

ابھی بمشکل پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ نیچے لاؤنج کے دروازے پہ دستک ہوئی۔ تالیہ دھک سے رہ گئی۔ وہ کچن کی بتی بجھانے آیا تھا کیا؟

ایک دم وہ ننگے پیر باہر بھاگی اور تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی۔ پھر وسط میں رکی۔

لاؤنج کی بتی کسی نے جلادی تھی۔ نووارد چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔ اس شخص کا چہرہ دیکھ کے تالیہ مراد کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ وہ دھیرے دھیرے زینے اترنے لگی۔

''اب مجھے کس مقدمے میں پھنسانے آئے ہیں آپ پراسیکیوٹر صاحب؟'' تلخی سے کہتی وہ نیچے آئی۔

احمد نظام افسردہ سے وہاں کھڑے تھے۔ ''مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ رہا ہوگئی ہیں۔ اس لیے میں آپ سے ملنے آیا تھا۔''

تالیہ لاؤنج کے وسط میں آرکی اور بازو سینے پہ لپیٹے تندہی سے انہیں دیکھا۔ ''جی میں رہا ہوچکی ہوں۔ اور کچھ؟''

وہ چند لمحے اسے دیکھتے رہے۔ ''جے تالیہ میں شرمندہ ہوں۔ میں نے اپنی انا کے ہاتھوں آپ کی جائز بات نہیں سنی۔ آپ سچ کہہ رہی تھیں۔ یہ ایک سیاسی کیس تھا اور میں نے خود کو انہیں استعمال کرنے دیا۔ میں آپ سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔''

ان کے الفاظ کچھ اس انداز میں ادا ہوئے تھے کہ وہ چند لمحے کچھ کہہ نہ سکی۔

''میں نے وہ انگوٹھی نہیں چرائی تھی۔''

''میں جانتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم آپ کے وقت کی سفر کی داستان سچ تھی یا مذاق لیکن یہ ایک سیاسی انتقام کا کیس ہے اور مجھے اس کا حصہ بننے پہ شرمندگی ہے۔''

''اور کچھ؟''

ادھیڑ عمر پراسیکیوٹر بے بسی بھرے تاسف سے اسے دیکھتے رہے۔ ''کیا میں آپ کے لیے کچھ کرسکتا ہوں؟''

''پلیز آپ مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ آپ پہلے ہی میرے ساتھ بہت مہربانی کرچکے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں چلا جاتا ہوں۔ لیکن یاد رکھیے گا۔ آپ کو صوفیہ رحمٰن نے اگر کوئی ڈیل کر کے چھوڑا ہے تو اس پہ بھروسہ مت کیجیے گا۔ حکمران کبھی بھی اپنے وعدے پورے نہیں کرتے۔ وہ آپ کو کبھی معافی نامہ نہیں دلا کے دیں گے۔'' یہ کہہ کے وہ مڑے تو وہ آہستہ سے بولی۔

"یہ میرا آخری آپشن ہے' احمد نظام صاحب۔ میرے پاس اس ملک میں عزت سے رہنے کے لیے اور کوئی آپشن نہیں ہے۔"

انہوں نے پلٹ کے دکھ سے اسے دیکھا۔ "مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ کو ڈپلومیٹک پاسپورٹ مل گیا ہے یعنی کسی کام سے پردھان منتری آپ کو باہر کے ملک بھیج رہی ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کونسا ملک ہے۔ ایک نصیحت کروں؟ آپ کسی دوست کو اپنے ساتھ لے جائیں۔"

"مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے بھی جب انسان کو اپنی تلاش کے سفر پہ نکلنا پڑے تو اسے تنہا ہی جانا چاہیے۔" وہ تلخی سے بولی۔ لاؤنج میں اس ایک بات نے ڈھیروں اداسیاں گھول دیں۔

"میں نے آپ کو آپ کے دوستوں سے دور کیا ہے۔ شاید آپ اس سفر کے ذریعے یہ فیصلہ کرنا چاہتی ہیں کہ آپ کو زندگی میں کیا کرنا ہے۔ اچھی بات ہے لیکن مجھے میرے کیے کا مداوا کرنے دیجیے۔"

"میں نے آپ کو معاف کیا۔ آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بے زار ہوئی۔ وہ چلے کیوں نہیں جاتے تھے یہاں سے؟

"میرے جیسے آدمی کے ضمیر کا بوجھ اتنی آسانی سے نہیں ہلکا ہوتا' چے تایہ۔ اس لیے...." وہ کھنکھارے اور احتیاط سے بولے۔ "جہاں آپ کو جانا ہے وہاں میرا ایک دوست رہتا ہے۔ وہ آپ کی مدد کرے گا۔ میں نے اسے آپ کے بارے میں بتایا ہے۔"

"اوہ پلیز... مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اکتا گئی تھی۔

"آپ پہلے کبھی اس ملک گئی ہیں؟ وہاں کے راستے معلوم ہیں آپ کو؟"

وہ لمحے بھر کے لیے چپ ہوگئی۔ پھر مشتبہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میں ایک ایسے انسان کی مدد کیوں لوں جس نے مجھے گرفتار کروایا تھا؟"

"جیسے آپ نے ان کے ساتھ ڈیل سائن کی ہے جنہوں نے ایک ہفتہ آپ کو قید میں رکھا تھا۔ آپ سیاسی ورکر رہی ہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ کرائسز میں دشمنوں سے ہاتھ ملانا پڑتا ہے۔"

وہ لب بھینچے انہیں دیکھے گئی۔ وہ چند لمحے انتظار کرتے رہے پھر اس کا سپاٹ چہرہ دیکھ کے جانے کے لیے مڑے۔

"آپ کا دوست.... کیا کرتا ہے وہ؟" سرسری سا پوچھا تو احمد نظام خوشی سے واپس آئے اور اس کے عین سامنے آ کے رکے۔

''وہ سب کر سکتا ہے۔آپ کی طرح چیزیں چرا بھی سکتا ہے' اور لوگوں کو پڑھ بھی سکتا ہے۔مختلف شناختیں رکھتا ہے۔مختلف چہرے بدلتا ہے۔ماشاءاللہ بروقت کور اسٹوریز گھڑنے میں بھی ماہر ہے۔اسے ہر کام آتا ہے اور وہ اس شہر میں ہر ایک کو جانتا ہے۔''

''نہیں میرا مطلب تھا....وہاں اس کا کام..جاب کیا ہے؟'' وہ ذرا اکتا کے بولی۔ایسے لگ رہا تھا احمد نظام کسی کو اس کے سر پہ مسلط کر رہے ہیں۔

''یہ تو مجھے نہیں معلوم۔''

''تو وہ رہتا کس علاقے میں ہے؟''

''اس کا مجھے علم نہیں۔میں خود وہاں کبھی نہیں گیا۔''

تالیہ نے تعجب سے انہیں دیکھا۔پھر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ صوفے پہ بیٹھے۔وہ خود مقابل صوفے پہ بیٹھی اور اچھنبے سے پوچھنے لگی۔''آپ مجھے اس کا کوئی کانٹیکٹ نمبر وغیرہ دے دیں۔یا ای میل' فیس بک.....''

''وہ تو میرے پاس نہیں ہے۔انٹرنیٹ پہ ایک میسیج بورڈ ہے۔ضرورت ہو تو وہاں اس کو پیغام بھیج دیتا ہوں۔آپ کا بھی وہیں بتایا تھا۔''

''تو اس نے کیا کہا؟''

''اس نے جواب نہیں دیا مگر وہ پڑھ چکا ہو گا۔''

''یہ کیسا دوست ہے آپ کا جس کا کوئی اتہ پتہ آپ کو معلوم نہیں ہے۔میں اسے کیسے ڈھونڈوں گی؟'' وہ واقعتاً پریشان ہوئی۔وہ اس ملک میں کبھی نہیں گئی تھی اور صوفیہ نے سوائے ڈپلومیٹک پاسپورٹ کے کوئی مددگار فراہم نہیں کیا تھا۔

''ارے آپ نے اسے نہیں ڈھونڈنا۔اگر کوئی لڑکی کسی غیر ملک میں اس کی تلاش میں آئے تو وہ خود اسے پہلے ڈھونڈ لیتا ہے۔'' وہ مسکرا کے بولے۔تالیہ نے عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''اسے معلوم ہے میں کس فلائیٹ سے آ رہی ہوں؟''

''وہ معلوم کر لے گا۔اس کو سب کرنا آتا ہے۔آپ بس اس سے مدد ضرور لیجئے گا۔''

''آپ کو یقین ہے آپ کا دوست اتنا اہل ہے جتنا آپ اسے سمجھتے ہیں؟'' اسے احمد نظام کی دماغی حالت پہ شک ہوا تھا۔

''اسے سب کرنا آتا ہے' بچے تالیہ۔وہ مجھے انکار نہیں کر سکتا۔وہ آپ کی مدد ضرور کرے گا۔بس...'' انہوں نے جیسے الفاظ ڈھونڈے۔''وہ آپ کی طرح خوش اخلاق نہیں ہے۔تھوڑا رُوڈ...'' توقف سے تصحیح کی...'' کافی رُوڈ' اکھڑ اور مغرور واقع ہوا

ہے۔مگر اچھا آدمی ہے۔''

''بدتمیز انسان اچھا انسان نہیں ہو سکتا۔ بہر حال اگر مجھے ضرورت پڑی تو میں اس سے مدد مانگ لوں گی ورنہ میرا نہیں خیال کہ اس کی نوبت آئے گی۔ راستے معلوم کرنے کے لیے جی پی ایس ہے میرے پاس۔'' وہ قدرے رکھائی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ ملاقات ختم ہونے کا اشارہ تھا۔ اب اس آدمی کو وہ چائے تو نہیں پوچھ سکتی تھی۔

''اور ہاں....اس کی کوئی تصویر وغیرہ ہے تو دکھا دیں تاکہ میں اسے پہچان لوں۔ ویسے بھی آپ حکومت والوں کا کیا بھروسہ کس کو کیا بنا کے پیش کر دیں۔''

''تصویر نہیں ہے میرے پاس۔لیکن میں آپ کو اس کا نام بتا سکتا ہوں۔'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے گہری سانس لے کر بولے تھے۔

''اچھا۔تو کیا ہے آپ کے ہر کام کر لینے والے' بدتمیز' اکھڑ اور مغرور دوست کا نام؟''

☆☆=========☆☆

(جس ملک میں آپ کو جانا ہے وہاں میرا ایک دوست رہتا ہے۔)

ائیر پورٹ پہ مختلف طرح کے لوگوں کا رش لگا تھا۔ اجنبی ملک' اجنبی فضائیں۔ وہ سر پہ ہیٹ پہنے' آنکھوں پہ سیاہ چشمہ چڑھائے' سیاہ اسکرٹ پہ سفید منی کوٹ میں ملبوس' اپنا ٹرالی بیگ کھینچتی آگے بڑھ رہی تھی۔ نگاہیں ادھر ادھر کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

(وہ آپ کی مدد کرے گا۔ میں نے اسے آپ کے بارے میں بتایا ہے۔)

اجنبی چہرے ہر طرف بکھرے تھے۔ اسے نہیں معلوم تھا اسے لینے کون آئے گا۔ وہ تو اس گمنام شخص کی شکل سے بھی واقف نہ تھی۔ اسے احمد نظام سے مدد لینی ہی نہیں چاہیے تھی۔

اس نے گلاسز گریبان پہ اٹکائیں اور کوفت سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں لوگ اپنے رشتے داروں کو لینے آئے کھڑے تھے۔ کسی پلے کارڈ' کسی سائن بورڈ پہ تالیہ مراد کا نام نہیں لکھا تھا۔

(میرا دوست سب کر سکتا ہے۔ کسی حد تک وہ آپ کی طرح کا ہے۔)

قریباً ایک گھنٹہ ائیر پورٹ پہ فارغ بیٹھنے کے بعد وہ اکتا کے اٹھی اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔ اسے کسی دوسرے سے امید رکھنے کی بجائے اپنی ٹیکسی خود ڈھونڈ کے ہوٹل پہنچنا چاہیے تھا جہاں کی بکنگ وہ کروا چکی تھی۔

(آپ کی طرح وہ چیزیں چرا بھی سکتا ہے' اور لوگوں کو پڑھ بھی سکتا ہے۔)

ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پہ وہ بیٹھی اور ہیٹ اتار کے ساتھ والی نشست پہ رکھا۔ پھر مطلوبہ ہوٹل کا نام بتا کے خود کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ رات باہر پھیلی تھی اور شہر کی ساری بتیاں جگمگا رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ وہاں بہتے ٹریفک کو دیکھتی رہی۔ اسے صوفیہ کا کام کیسے کرنا تھا؟ اس کے پاس کوئی پلان نہیں تھا۔

(وہ مختلف شناختیں رکھتا ہے۔ مختلف چہرے بدلتا ہے۔ ماشاءاللہ بروقت کور اسٹوریز گھڑنے میں بھی ماہر ہے۔)

ہوٹل کے سامنے ٹیکسی رکی تو تالیہ نے اپنا ہیٹ اٹھایا۔ اور پھر.... وہ ٹھٹک کے رکی۔

اس کی ہیٹ کی نیچے ایک سفید نوٹ رکھا تھا۔ کیا یہ پہلے بھی وہاں تھا؟ اس نے شاید غور سے دیکھا نہیں تھا۔ نوٹ اٹھا کے تعجب سے اس نے اس پہ لکھے الفاظ پڑھے۔ تین الفاظ میں اسے اس شہر میں ویلکم کہا گیا تھا اور ساتھ میں ایک لمبا سا نمبر درج تھا۔

"سنو... یہ نوٹ تم نے رکھا ہے؟" اس نے چونک کے بوڑھے ڈرائیور سے پوچھا جو حیرت سے پلٹا۔ "کون سا نوٹ؟"

(اسے ہر کام آتا ہے اور وہ اس شہر میں ہر ایک کو جانتا ہے۔)

ٹیکسی سے نکل کے تالیہ نے چوکنے انداز میں ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی تھا جو اس کو دیکھ رہا تھا۔ مگر اسے کیسے اندازہ ہوا کہ وہ اسی ٹیکسی میں بیٹھے گی؟

(مجھے نہیں معلوم وہ کہاں رہتا ہے یا وہ کیا کرتا ہے۔ مگر وہ سب کرنا جانتا ہے۔)

وہ ہوٹل کی لابی میں آگے بڑھتے ہوئے بار بار اس نمبر کو پڑھ رہی تھی۔ اپنے روم میں آتے ہی اس نے اس ملک کی سم والا فون نکالا اور وہ نمبر ڈائل کیا۔ رانگ نمبر۔ فون سروس نے مطلع کیا کہ یہ نمبر وجود ہی نہیں رکھتا۔ اس نے نمبر کو الٹا ڈائل کیا۔ پھر بھی رانگ نمبر۔ شاید یہ کوئی فون نمبر نہیں تھا۔ وہ بیڈ پہ بیٹھی غور سے اس چٹ کو دیکھنے لگی۔

(آپ نے اسے نہیں ڈھونڈنا۔ وہ آپ کو خود ڈھونڈ لے گا۔)

اگلی صبح تالیہ اپنے ہوٹل کے باہر پیدل چلتی جا رہی تھی۔ بالوں کو پونی میں باندھے' اس نے ٹراؤزر پہ پھولدار فراک پہن رکھا تھا اور اسکول گرلز کی طرح دونوں کندھوں پہ بیگ پہن رکھا تھا۔ ایک ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی اور دوسرے میں موبائل۔ وہ اسکرین کو دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ نمبر دراصل جی پی ایس لوکیشن تھی۔ اور وہ اس کے بک کروائے ہوٹل کے قریب ہی تھی۔

(اگر کوئی لڑکی کسی غیر ملک میں اس کی تلاش میں آئے تو وہ خود اسے پہلے ڈھونڈ لیتا ہے۔)

جوگرز سے تیز تیز چلتی وہ سڑک پہ آگے بڑھ رہی تھی۔ بالآخر اس کی مطلوبہ لوکیشن آ گئی تو اس نے گردن اٹھائی۔ سامنے

ایک فون بوتھ تھا۔ دھوپ سے تالیہ کا چہرہ تمتمار ہا تھا اور پیشانی پہ بل تھے۔ وہ اس بوتھ تک آئی ہی تھی کہ اندر رکھا فون بجنے لگا۔ اس نے ریسیور کان سے لگایا اور قدرے غصے سے بولی۔ ''ہیلو؟''

''تالیہ مراد؟'' جواب میں ایک بھاری مردانہ آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔

''جی مسٹر۔ میں تالیہ مراد ہوں۔ آپ کو میری مدد کرنی تھی مگر آپ تو سامنے آ ہی نہیں رہے۔''

(وہ آپ کی طرح خوش اخلاق نہیں ہے۔ تھوڑا رُوڈ...کافی رُوڈ ا کھڑ اور مغرور واقع ہوا ہے۔ مگر آدمی اچھا ہے۔)

''میں دیکھ رہا تھا کہ کوئی تمہیں فالو تو نہیں کر رہا۔ تمہاری وجہ سے میں خود کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔'' خشک لہجہ۔ روکھا انداز۔ ایک تو پہلے یہاں گرمی تھی۔ سر پہ آگ برساتا سورج تھا اور اوپر سے یہ آدمی۔ اسے احمد نظام کی مدد لینی ہی نہیں چاہیے تھی۔

(آپ کے پاس اس کی کوئی تصویر ہے تو دکھا دیں۔ تاکہ میں اس کو پہچان لوں۔ اس نے پراسیکیوٹر سے جاتے سمے پوچھا تھا۔)

''آپ اس وقت کہاں ہیں؟'' وہ ضبط سے بولی۔

''آگے پیچھے دیکھنے کی عادت ڈالو۔'' اور کال کٹ گئی۔ اس نے گھور کے ریسیور کو دیکھا اور پھر رکھا ہی تھا کہ وہاں لگی ایک چیٹ نظروں سے ٹکرائی۔ اس پہ ایک لمبا سا نمبر لکھا تھا۔ ایک اور لوکیشن۔ اف۔

(تصویر تو نہیں ہے میرے پاس لیکن میں آپ کو اس کا نام بتا سکتا ہوں۔)

کندھوں پہ بیگ پہنے' پانی کی بوتل اٹھائے وہ اب اندرون شہر کی گلیوں میں آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ پسینہ بار بار پیشانی پہ پھوٹتا جسے وہ ٹشو سے صاف کر لیتی۔ وہاں بہت سی دکانیں تھیں اور زیادہ تر گاڑیوں کی ورکشاپس تھیں۔ اس کی لوکیشن نے اسے جس دوکان کے سامنے لا کھڑا کیا' وہ بھی ایک ورکشاپ تھی۔

(اچھا۔ تو کیا ہے آپ کے ہر کام کر لینے والے' بدتمیز' اکھڑ اور مغرور دوست کا نام؟)

اندر کھڑی جیپ کے بخیے ادھڑے کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔ جیپ کا بونٹ کھلا تھا اور اس کے پیچھے کھڑا آدمی یہاں سے نظر نہیں آتا تھا۔ جیپ کے دونوں اطراف اتنا تنگ راستہ اور سامان رکھا تھا کہ وہ بمشکل ڈرائیونگ ڈور تک پہنچی اور رک گئی۔ پھر گردن اونچی کر کے بونٹ کے پیچھے کام کرتے آدمی کو دیکھنا چاہا۔

اس نے جینز پہ گرے شرٹ پہن رکھی تھی' آستینیں موڑ کے کہنیوں تک چڑھائے ہوئے تھے' اور پی کیپ والا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ مسلسل ہتھوڑے نما چیز کو جھک کے کسی شے پہ مار رہا تھا۔ ٹھک ٹھک کی آتی آواز ناقابل برداشت تھی۔

(اس کا نام جہان سکندر ہے۔اور وہ کچھ عرصے سے مصر میں رہائش پذیر ہے۔آپ قاہرہ جا رہی ہیں اور قاہرہ کو وہ بہت اچھے سے جانتا ہے۔آپ کو قاہرہ میں اس سے بہتر ساتھی نہیں ملے گا۔)

اس نے گردن اٹھا کے آواز دی۔"ہیلو؟"

ٹھک ٹھک کی آواز رک گئی۔البتہ بونٹ کے پیچھے کھڑا شخص جھک کے تاریں جوڑتا رہا۔

"میں تالیہ ہوں۔"اس نے با آواز بلند پکارا۔آگے پیچھے کی دکانوں کا شورا' دور سڑک سے گزرتا بے ہنگم ٹریفک....غرض آواز سننا بے حد دشوار تھا۔

"آپ کو احمد نظام نے بتایا تھا میرے بارے میں؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔اگر اب اس شخص نے جواب نہیں دیا تو وہ پلٹ جائے گی۔

"ہاں۔تم وہ ہو جس نے بے وقوفوں کی طرح اپنی وزیر اعظم پہ بھروسہ کر کے ڈیل سائن کی ہے جو کبھی پوری نہیں ہو گی۔میری مانو اور یہاں سے کسی اور ملک بھاگ جاؤ۔"وہ آدمی اب بھی جھکا تاریں جوڑنے میں لگا تھا۔اس کا انداز سرد اور سپاٹ تھا۔تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"یہ میرا اور میری وزیر اعظم کا مسئلہ ہے۔میں اسے خود ہینڈل کرلوں گی۔آپ میری مدد کریں گے یا نہیں؟احمد نظام نے کہا تھا کہ آپ کو سب کرنا آتا ہے۔"

"پتہ نہیں اس نے تمہیں کیا کہانیاں سنائی ہیں۔میں قاہرہ کا ایک غریب مکینک ہوں اور کچھ نہیں۔"

وہ چند لمحے لب بھینچے اس کھلے بونٹ کو دیکھتی رہی۔پھر پیر پٹخ کے مڑ گئی۔

"لیکن میں یہ سننا چاہوں گا کہ وزیر اعظم نے تمہیں کس کام سے یہاں بھیجا ہے؟"

وہ جو واپس جانے لگی تھی' اس بات پہ ٹھہری اور پلٹی۔وہ آدمی اب بھی بونٹ کے پیچھے جھکا ہوا تھا اور دکھائی نہ دیتا تھا۔

"آپ نے میری مدد کرنی ہے یا نہیں؟اگر نہیں کرنی تھی تو میری ٹیکسی میں وہ "ویلکم ٹو قاہرہ" کا نوٹ رکھوانے کی یا مجھے فالو کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"کام کیا ہے؟"دوسری طرف کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔یا شاید اس آدمی نے پہلے سے ہی اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور گردن کڑا کے بولی۔

"مجھے صوفیہ رحمٰن کے لیے ایک چیز چوری کرنی ہے۔"

"کیا؟"وہ اب پانی انجن کے اندر انڈیل رہا تھا۔سڑ سڑ کی آواز آنے لگی۔

''ایک کتاب۔''

''انٹرسٹنگ۔مگر کہاں ہے یہ کتاب؟ قیمتی ہوگی یقیناً۔کسی میوزیم'لائبریری یا کسی کی پرائیوٹ کلیکشن میں ہے؟'' انجن سے دھواں نکلنے لگا تو وہ پیچھے ہوا۔دھویں کے باعث تالیہ اور اس کے درمیان دھندلی سی دیوار آ گئی تھی۔

''وہ کتاب کہیں بھی نہیں ہے۔وہ تو ابھی تک چھپی ہی نہیں ہے۔''

وہ چونکا اور سر اٹھایا۔''تو پھر وہ ہم نے کہاں سے چرانی ہے؟''

اس کے ''ہم'' کہنے پہ تالیہ مسکرائی۔اتنے دن میں پہلی دفعہ وہ مسکرائی تھی۔

''ہم نے اسے اس کی رائیٹر کے ذہن سے چرانا ہے۔''

''واٹ؟'' جہان نے زوردار آواز کے ساتھ بونٹ بند کیا۔

دھوئیں کی دیوار درمیان سے چھٹنے لگی۔

اور تب تالیہ نے پہلی دفعہ اس کا چہرہ دیکھا۔

(حالم کی اگلی قسط ''حالم'' اور ''جنت کے پتے'' کا cross-over ہوگی۔ اس کراس اوور قسط کا نام ''چور اور جاسوس'' ہے اور آپ اسے اکتوبر کے آخری ہفتے میں پڑھ سکیں گے۔ان شاء اللہ)

حالم (نمرہ احمد)

آٹھارہواں باب:

''چور اور جاسوس''

اس نے خواب میں دیکھا....

چمکتا فرش ہے....

اور دو سپید پیر سیاہ جوتوں میں مقید ہیں....

جوتے گیلے ہیں....

اور چند قطرے پانی فرش پہ بکھرا ہے....

دیکھتے ہی دیکھتے....وہ جوتوں میں مقید پیر پیچھے کو اٹھنے لگتے ہیں.....

گیلے جوتوں کے ربڑ سے چیں چیں کی آواز آنے لگتی ہے.....

وہ آواز....وہ نحوست بھری آواز....

☆☆=========☆☆

کے ایل کے اس چھوٹے سے گھر کا لان آج سونا سونا سا لگتا تھا۔ گھاس اور پھولوں کے باوجود خالی پن اور ویرانی ہر شے سے ٹپکتی تھی۔ نہ کوئی مرغی تھی جو کسی آہٹ پہ کٹ کٹاتی ہو' نہ کوئی چوزہ تھا جو ادھر ادھر پھدکتا ہو۔

ایڈم کی ایبو برآمدے کے زینوں پہ بیٹھی گود میں ننھا گملا رکھے' کھرپے سے اس کی مٹی کو دھیرے دھیرے ہلا رہی تھی۔ پودا سوکھا ہوا لگتا تھا' اس لئے مٹی سخت تھی۔ وہ گاہے بگاہے پانی کا گھونٹ گملے پہ انڈیلتی اور پھر گیلی مٹی کو کھودنے لگتی۔ اس کے اسکارف میں لپٹے چہرے پہ اداسی تھی۔ وہ جتنی خاموش تھی' عقب میں برآمدے میں بیٹھے داتن اور ایڈم اتنا ہی بول رہے تھے مگر عجیب بات تھی کہ ان دونوں کی گفتگو ہو یا گملے میں پانی کی گرتی دھار کی آواز' کوئی شے اس گھر کے سنسان پن کو ختم نہیں کر پا رہی تھی۔

''میرا دل نہیں مانتا ایڈم۔''

برآمدے کی کرسیاں آدھی دھوپ اور آدھی چھاؤں میں تھیں۔ داتن کی کرسی پہ سایہ تھا اور وہ فکرمندی سے سرنفی میں ہلاتی کہہ رہی تھی۔ ''میں وان فاتح کو شاید پسند نہ کرتی ہوں' اور تالیہ کے لئے تو بالکل بھی نہیں (آواز دھیمی ہوئی اور اس نے کاغذ رکھ دیئے' اور سنجیدگی سے ایڈم کو دیکھا۔) مگر وہ یوں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ وہ کسی آف شور کمپنی کا مالک نہیں ہو سکتا۔''

ایڈم کی کرسی دھوپ میں تھی۔ وہ ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنائے بیٹھا تھا۔ آج مسٹر سلیپر یٹی والے حلیے کے برعکس' وہ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس' مغموم نظر آتا تھا۔

''ہر طرح سے چیک کر چکا ہوں' داتن۔ کاغذ اوریجنل ہیں اور یہ دستخط وان فاتح کے ہی ہیں۔''

''تمہارا دل کیا کہتا ہے؟'' داتن نے غور سے اس نوجوان کی اداس آنکھوں میں دیکھا۔

ایڈم نے گہری سانس لی' ماتھے سے ہاتھ ہٹایا اور دور لان کی ویران گھاس کو دیکھنے لگا۔

''میں جانتا ہوں کہ یہ کمپنی وان فاتح کی ہی ہے۔ مسئلہ یہ نہیں ہے۔ میری طرف سے چاہے وہ ایک کمپنی رکھیں یا ایک ہزار۔ مسئلہ یہ ہے کہ ان کی کمپنی اس فرم میں ہے جس کے راز افشاء کرنے کا وعدہ میں نے نیشنل میڈیا پہ کیا تھا۔''

''تم اپنے لئے پریشان ہو؟''

''کیا میں صرف اپنی پرواہ کرنے والا لگتا ہوں آپ کو؟'' وہ الٹا اس پہ خفا ہوا۔ ''اگر میں نے یہ فائل (اٹھا کے چند کاغذ دکھائے) پبلک کر دی تو وان فاتح کی ساکھ تباہ ہو جائے گی اور بے تالیہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گی۔ اور اگر (کاغذ واپس رکھے) میں اس فائل کو چھپا کے باقی تمام لوگوں کے راز افشاء کرتا گیا تو میں خود کو معاف نہیں کروں گا۔''

''کون سا غم زیادہ بڑا ہوگا؟''

وہ چپ ہو گیا۔ لان کے سارے پھول اور پتے خاموشی سے اس کے جواب کے منتظر تھے۔ ایبو ابھی تک زینوں پہ بیٹھی گملے کی مٹی نرم کر رہی تھی۔

''پتہ ہے' داتن.... مجھے ہمارے رسول اللہ ﷺ نے سکھایا ہے کہ انسان کو غم اور خوشی میں بات حق کی کہنی چاہیے۔ چاہے معاملہ کسی عزیز کا ہو یا دشمن کا۔ انسان کو حق کے لئے یکساں اسٹینڈرڈ سب پہ اپلائی کرنا چاہیے۔ میں ہمیشہ سے وہ پرفیکٹ سچا مسلمان بننا چاہتا تھا۔ دشمنوں کی آف شور جائیداد کے کاغذ لیک کر دیے تو ایڈم بن محمد کو لگا وہ ہی سچا مسلمان بن گیا ہے مگر دوست کی باری آئی تو اس نے جانا کہ یہ بہت مشکل کام ہے۔''

''آسان ہوتا تو سب کر لیتے۔'' داتن تلخی سے مسکرائی۔ ایڈم کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔

''مجھے چے تالیہ کا غم نہیں ہے۔ اپنا بھی نہیں ہے۔ غم صرف اس بات کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری زندگیاں اتنی مشکل کیوں بنائی ہیں۔ میرے ہاتھ میں زمین میں چھپے خزانوں کے راز دے کر مجھے بچپن سے نصیحت کروائی گئی تھی کہ جب تمہیں ان خزانوں کا علم ہوگا تو تمہیں سچ بولنا ہوگا۔ قدیم ملاکہ میں یہ آسان تھا۔ جدید کے ایل میں بھی یہ آسان تھا۔ چاہے سائمن کے بندے مجھے ماریں' یا امراء اور رؤساء رشوتوں کی پیشکش کریں' میں سمجھتا تھا میں ہر ترغیب اور ہر دھمکی کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔ مگر اپنے ہی ہاتھوں مجھے اپنے ایک دوست کی ساکھ کو برباد کرنا پڑے گا' میں نہیں جانتا تھا۔''

''تو تم فیصلہ کر چکے ہو؟ تم یہ فائل پبلک کر دو گے؟''

ایڈم نے بے بسی سے اسے دیکھ کے شانے اچکائے۔ ''کیا ایڈم بن محمد کے پاس دوسرا کوئی آپشن ہے؟''

''اور اگر یہ فائل جھوٹی ہوئی اور تم ناحق کسی کی عزت سے کھیل گئے تو نقصان کا ذمہ دار کون ہوگا؟''

''داتن.... داتن.... جن سینکڑوں لوگوں کی فائلز میں نے میڈیا پہ پیش کی ہیں' ان میں سے ایک بھی میرے خلاف کورٹ نہیں گیا۔ خود کلائیڈ اینڈ لی کمپنی بھی نہیں کیونکہ سب کو معلوم ہے' یہ سچ ہے۔'' وہ بے بسی سے بولا تو داتن سوچتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''اور تم نے کہا کہ وہ تمہارا دوست ہے؟'

پہلی دفعہ ایڈم کے لبوں کو ایک زخمی مسکراہٹ نے چھوا۔

''سیاستدانوں کی یادداشت اچھی نہیں ہوتی۔ وہ بھول جاتے ہیں۔ مگر میں نہیں بھولا۔ قدیم ملاکہ میں ہم دوست ہی تھے۔''

''اسی لیے دوستوں اور دوسرے لوگوں میں انسان کو فرق کرنا آنا چاہیے' ایڈم۔''

''آپ کہہ رہی ہیں کہ میں اس فائل کو چھپا لوں؟'' ایڈم نے بھنویں بھینچ کے اسے دیکھا۔

''میں کہہ رہی ہوں کہ دوست' دوست ہوتا ہے اور اس کو صفائی کا ایک موقع دینا چاہیے۔ تو کیوں نا تم ایک دفعہ اس معاملے کی دوبارہ سے تحقیق کرو۔''

''میں ساری تحقیق کر چکا ہوں۔ یہ فائل سچی ہے۔''

''جھوٹا تو تمہارا دوست بھی نہیں ہے' ایڈم۔ ایک دفعہ پرانے وقتوں کی طرح اس سے مل بیٹھ کے بات کرنے میں کیا قباحت ہے؟'' داتن اب کے برہمی سے بولی۔ ''دوست کا اتنا حق ہوتا ہے کہ اس سے ایک دفعہ پوچھ لو۔ ہو سکتا ہے عصرہ نے یہ کمپنی وان فاتح کے نام پہ بنالی ہو۔ کمپنی بنانے کے لیے پاسپورٹ وغیرہ کی کاپی ہی چاہیے نا اور ایک دستخط؟ کیا عصرہ کسی بھی

بہانے سے فاتح سے یہ دونوں چیزیں نہیں لے سکتی؟"

ایڈم نے چپ ہو کے سر جھکا دیا۔ پھر اسی طرح تھوڑی سینے پہ گرائے' وہ آہستہ سے بولا۔

"وہ اب بی این کے صدر ہیں اور اب تو چے تالیہ بھی نہیں ہیں جو مجھے اپائنٹمنٹ دلوا دیں۔ وہ ایک پرانے باڈی مین کی کتاب کی تقریب میں تو آ سکتے ہیں لیکن اس کو اپنے برابر بٹھا کے تفتیش کا حق نہیں دے سکتے۔ انہیں تو بھول چکا ہے کہ کبھی میں ان کا دوست تھا۔"

"تمہیں تو یاد ہے نا؟ اور جو انسان کو معلوم ہوتا ہے' وہی اس کی مدد کر سکتا ہے۔"

ایڈم نے سر اٹھایا اور پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ داتن کا چہرہ دیکھا۔ داتن کی آنکھوں میں امید تھی۔

"چے تالیہ کا کچھ پتہ چلا؟"

"نہیں' ایڈم۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ ٹھیک ہو گی۔ جب وہ واپس آنا چاہے گی' آ جائے گی۔"

"انہیں ہمیں ایک فون تو کرنا چاہیے تھا۔"

"میں نے اسے ای میل کی ہے۔ روز کرتی ہوں۔ تم بھی کر لیا کرو۔ تالیہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ جب اسے بات کرنی ہو گی وہ کر لے گی۔ مگر ہم دونوں کو معلوم ہے کہ وہ جہاں بھی ہے' آزاد ہے ورنہ وہ وان فاتح کے گھر وہ کیک پیسٹریز نہ بھجوا رہی ہوتی۔"

داتن کے لہجے میں تلخی گھل گئی۔ ایڈم کے چہرے کا زخمی پن مزید بڑھ گیا۔

"ان کو گورنمنٹ والے گرفتار کر کے لے گئے' اتنے کرائسز میں وہ ہم دونوں کو بھول گئیں مگر فاتح صاحب کو نہیں بھولیں۔ وہ ان کے لیے زیادہ اہم ہیں۔" وہ دکھی دل سے بولا تھا۔ پھر چونکا۔ "کیا پتہ ان پیسٹریز کی پے منٹ انہوں نے پہلے سے کر دی ہو۔"

"نہیں' ایڈم۔ وہ ہر روز تازہ پے منٹ کرتی ہے اپنے کریڈٹ کارڈ سے۔ میں نے پتہ کروایا تھا۔ برا مجھے بھی لگا مگر تالیہ اور فاتح مشکل حالات کے باوجود ایک دوسرے کو چاکلیٹس اور کوکو پھل کے تحفے دینا نہیں بھولتے۔" وہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔

ان سے ہٹ کے بیٹھی ایبواب گملا اس کی جگہ پہ رکھ رہی تھی۔ اس کی مٹی نرم ہو چکی تھی اور اس میں کھلا پودا نہا دھو کے تر و تازہ لگنے لگا تھا۔ اس کے پتے پہلے چوزے کھا جاتے تھے مگر ان کے مرنے کے بعد یہ پودا محفوظ ہو گیا تھا۔ اور اس کی شاخوں پہ ننھے ننھے پتے پھر سے پھوٹنے لگے تھے۔

کسی ایک کی موت کسی دوسرے کی حیات تھی۔ ایک کا زوال دوسرے کا عروج تھا۔

☆☆=========☆☆

رات کی سیاہی وان فاتح کی رہائشگاہ پہ پھیلی تھی۔ باہر اور اندر خاموشی تھی۔ بچے سونے جا چکے تھے۔ فاتح گھر نہیں آیا تھا۔ ایسے میں اسٹڈی کے اندر عجب اداسی چھائی تھی۔

دروازہ بند تھا اور کرسی کی دروازے کی طرف پشت تھی۔ اس پہ بیٹھی عصرہ کھڑکی کی طرف چہرہ کیے' مگ سے گھونٹ بھر رہی تھی۔

موسم قدرے ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ کے ایل میں سرما کی آمد آمد تھی اور یہ ایسا گرم اور پر حبس خطہ ارض تھا کہ سرما کا مطلب ذرا سی ٹھنڈ کے سوا کچھ نہ تھا۔

عصرہ بال ڈھیلے جوڑے میں باندھے' کندھوں کے گرد شال لپیٹے' کھڑکی سے نظر آتے نیم اندھیر لان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی سیمینار سے آئی تھی اور میک اپ ابھی نہیں اتارا تھا۔ مسکارا ذرا پھیلا ہوا تھا' اور کانوں میں موتی جگمگا رہے تھے۔ آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔

''آپ نے مجھے کیوں مارا' ممی؟''

کھڑکی کے شیشے کے پار بالکونی میں اسے وہ کھڑی نظر آئی تھی۔

سفید فراک اور ہیئر بینڈ والی بچی جس کے کپڑوں پہ خون لگا تھا۔ وہ بند شیشے پہ دونوں ہاتھ رکھے کھڑی' عصرہ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''تم پھر آ گئیں...!'' عصرہ نے اسی سکون سے گھونٹ بھرا اور مگ پیچھے میز پہ رکھا۔ نظریں آریانہ پہ جمی تھیں۔

''تم تب آئی تھیں ہماری زندگی میں آریانہ جب میں فاتح کو جیتنے کی کوشش کر رہی تھی۔'' وہ سوگوار مسکراہٹ کے ساتھ بولنے لگی ایسے کہ آواز لبوں سے باہر نہ گئی مگر وہ جانتی تھی کہ آریانہ سن رہی ہے۔

''میں نے اتنے ماہ اس کے اردگرد پروانے کی طرح منڈلاتے گزارے' اور پھر ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ اس کی زندگی میں تم بھی ہو۔ اس کے باپ کے جرم کی نشانی.... اس کی چھوٹی بہن جسے وہ زمانے سے بچانا چاہتا تھا۔ تب مجھے لگا کہ تم میری سیڑھی ہو۔ میرا سب سے قیمتی ہتھیار۔ فاتح کے دل تک پہنچنے کا راستہ۔''

''تو کیا ان کے دل تک پہنچ گئیں آپ؟'' بچی اپنا ماتھا شیشے سے ٹکائے اندر جھانک رہی تھی۔

عصرہ نے سیٹ پہ ٹیک لگا لی۔ اس کے چہرے پہ سکون تھا۔ نہ پریشانی نہ خوف۔ وہ شیشے کے پار آریانہ پہ نظریں مرکوز کیے سوچ سوچ کے بولنے لگی۔

''کوئی کہتا ہے مرد کے دل کا راستہ معدے سے گزرتا ہے۔ کوئی کہتا ہے مرد کو قربانی اور وفا سے جیتا جاتا ہے۔ کسی کو لگتا ہے مرد کو جتنا نظر انداز کرو اتنا وہ قریب کھنچتا ہے۔ مگر میں تمہیں بتاؤں آریانہ.... چاہے مرد ہو یا عورت.... سب کے دل کا راستہ دل سے ہی گزرتا ہے اور اس راستے پہ چلنے کی توفیق نصیب سے ہی ملتی ہے۔ کوشش سے نہ کسی کو خود سے محبت کروائی جا سکتی ہے نہ کسی کے پیچھے خود کو رول دینے سے اپنے نصیب سے بڑھ کے اس کا پیار مل سکتا ہے۔ تم سے پہلے فاتح کو صرف ایک انسان سے محبت تھی۔ وہ تھا خود وان فاتح۔ تم آئیں تو اس محبت میں شریک ہو گئیں۔ تم چلی گئیں تو وہ پھر سے وہی narcissist بن گیا جو وہ ہمیشہ سے تھا۔ عصرہ محمود تو کہیں بھی نہیں تھی۔''

''آپ کے والد آپ کو منع کرتے تھے نا۔''

عصرہ کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ بکھری۔

''میرے والد عقلمند انسان تھے اور تب مجھے غلط لگتے تھے۔'' اس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا اور اوپر چھت سے لٹکتے ریڈنگ لیمپ کو دیکھنے لگی۔

''مگران کا تجربہ درست تھا۔ میری ریاضتیں بے سود تھیں۔'' اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اسٹڈی کی کرسی پہ بیٹھی خود سے باتیں کر رہی تھی۔

''میں نے اس ایک آدمی کے پیچھے سب چھوڑ دیا۔ اپنے باپ کی ناراضی مول لی۔ اس کی بہن کو اپنی بیٹی بنایا۔'' وہ اپنے سود و زیاں گن رہی تھی۔ اسے سب انگلیوں پہ یاد تھا۔ ''میں نے اپنا کیریئر چھوڑا۔ ایک وکیل سے ایک ہاؤس وائف بنی۔ اس کے لئے امریکہ بھی چھوڑ دیا۔ سیاسی بیوی بھی بنی اور سیاسی ایکٹوسٹ بھی۔ اس کے بچے بھی پالے۔ ملائیشیاء آ کے خود کو ایک آرٹ کلیکٹر کے طور پہ بھی منوایا۔ میں نے وان فاتح کی بیوی کا کردار کتنی محنت سے نبھایا اور اس نے پل بھر میں تالیہ مراد کو میرے برابر لا کھڑا کیا؟ غلطی کہاں ہوئی 'آریانہ؟''

کھڑکی میں کھڑی بچی نے انگلی سے دستک دی۔ ٹھک ٹھک۔ عصرہ نے آنکھیں کھولیں اور بالکونی کے شیشے کو دیکھا۔ خون آلود سفید فراک والی بچی وہیں تھی۔ اس کی سانسوں کی بھاپ نے شیشے کو دھندلا دیا تھا۔ دھند کے پار نظر آتے آریانہ کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ اور تمسخر بھی۔

''اتنی ریاضتوں کے بعد بھی ڈیڈ کی محبت نہیں ملی آپ کو۔''

''کہا نا۔ محبت نصیب سے ملتی ہے۔ کوشش سے نہیں۔''

''غلط ماما۔'' آریانہ نے انگلی کے پورے سے دھندلے شیشے پہ لکیر کھینچی۔ اوپر سے نیچے سیدھی لکیر۔

''محبت نصیب سے ملے یا کوشش سے' مگر کسی ایک شخص کو پانے کے لئے دوسرے کو نقصان دینے سے تو یہ کبھی نہیں ملتی۔ آپ کو شاید ڈیڈ کی محبت مل جاتی اگر آپ میرے ساتھ وہ سب نہ کرتیں۔''

آریانہ نے انگلی سے ایک افقی لکیر کھینچی تو دھند میں صلیب بن گیا۔صلیب کی درز سے عصرہ کو اس کی ناک اور آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں جن میں نفرت اور چبھن تھی۔

''تم مجھے پہلے دن سے بری لگتی تھیں۔''وہ دھند میں کھنچی صلیب کو دیکھ کے بے خودی کہنے لگی۔

''وہ تمہارے علاوہ کسی کی طرف دیکھتا ہی نہیں تھا۔میں اس کے سامنے تم سے پیار کرتی تھی۔اس کے پیچھے تمہیں اگنور کرتی تھی مگر یہ کردار نبھاتے نبھاتے میں تھکنے لگی تھی۔ چھ سال بہت ہوتے ہیں۔میں نے تمہیں بورڈنگ بھجوانے کی بہت کوشش کی مگر وہ راضی ہی نہیں ہوتا تھا۔اس نے سکندر اور جولیانہ سے کبھی وہ محبت نہیں کی جو تم سے کی تھی۔اشعر بھی تم سے پیار کرتا تھا۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے بابا کو بھی تم بری نہیں لگتی تھیں۔تم نے ہر ایک کا دل جیت لیا اور میں اپنی نفرتوں میں اکیلی رہ گئی۔میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں تمہیں وہاں سے ہٹا دوں۔''

''اور پھر آپ نے سوچا کہ مجھے ہٹانے کے لیے مجھے اغوا کرا دیا جائے اور اسی لیے آپ نے وہ نینی ہائر کی۔''

''ہاں۔میں نے ایسا کیا۔''عصرہ نے شانے اچکائے۔''بابا کا پرانا وفادار آدمی میرے کام آیا۔اس نے ہر چیز یوں پلان کی تھی کہ آریانہ کے اغوا کا الزام صوفیہ رحمٰن کے باپ عبدالرحمٰن پہ آئے گا۔میں نے اسے کہا تھا کہ وہ تمہیں اس شہر سے دور لے جائے۔اتنی دور جہاں سے تم واپس نہ آ سکو۔کسی کو بیچ دے۔کسی دور پار کے یتیم خانے میں بھیج دے۔بس تم چلی جاؤ تاکہ فاتح کچھ اور دیکھ سکے۔واللہ میں تمہیں مارنا نہیں چاہتی تھی....''

''شہر سے دور بھیج دو؟ کہیں چھوڑ آؤ؟ میں انسان کا بچہ تھی یا بلی کا' ماما؟''باہر کھڑی لڑکی کی آنکھوں میں سرخ نمی اتر رہی تھی۔

''واللہ میں تمہیں نہیں مارنا چاہتی تھی' آریانہ۔میں صرف تمہیں اس کی نظروں سے دور کرنا چاہتی تھی۔''

''مگر جب آپ کے آدمی نے پوچھا کہ اگر آریانہ کو خبر ہوگئی کہ اصل اغوا کار کون ہے تو آپ نے اسے کیا کرنے کا کہا تھا؟''

دھندلی صلیب کے پار کھڑی لڑکی اسے یاد دلا رہی تھی۔عصرہ چپ رہ گئی۔آریانہ نے ہاتھ اوپر سے نیچے لا کے شیشے کی دھند صاف کی۔

''آپ نے کہا تھا....اگر بات یہاں تک آ جائے تو اس کو مار دینا۔سوائے فاتح کے اس کے لئے کوئی رونے والا نہیں ہو

گا۔“

”مگر سب سے زیادہ میں روئی تھی۔“عصرہ کی آنکھوں کے گوشے بھیگے۔”اتنا روئی تھی کہ بیمار پڑ گئی۔“

”اپنے گلٹ اور پکڑے جانے کے خوف سے روئی تھیں آپ۔اور پھر آپ کو اتنے سال اسی خوف کے ہاتھوں میرا غم اپنے اوپر طاری کیے رکھنا پڑا۔آریانہ جا کے بھی آپ کی زندگی سے نہیں گئی۔“

”ہاں۔تم مر گئیں مگر میری خوشیوں کو اپنے ساتھ لے گئیں۔یہاں تک کہ آریانہ کا غم اصل آریانہ سے بڑا ہوتا گیا۔فاتح کا دل مردہ ہو گیا اور میرے جذبات نے خود کو خود ہی مار ڈالا۔ہم اجنبی ہوتے گئے۔پتھر کے دلوں والے دو روبوٹ جو اس گھر میں رہتے تھے مگر تم نے تب بھی بس نہیں کی۔“عصرہ نے پلکیں اٹھا کے اب کے نفرت سے شیشے کے پار کھڑی لڑکی کو دیکھا۔

”تم نے مر کے بھی میری زندگی میں زہر گھولنا نہیں چھوڑا۔جانتی ہو تم نے کیا کیا؟“

وہ اب غصے سے غرا رہی تھی۔

”تم آریانہ...تم تھیں جو اسے وہ اسٹیج ڈرامہ دکھانے گئی تھیں۔تم تھیں جو تالیہ مراد....تاشہ....کو اس کی توجہ میں لائی تھیں۔میرے ساتھ سارے ظلم تم نے ہی کیے ہیں۔میرے سب حساب تمہاری طرف ہی نکلتے ہیں۔“

پھر انگوٹھیوں والے ہاتھ کرسی کے ہتھ پہ رکھ کے اٹھی اور پورے قد سے شیشے کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔آریانہ نے شیشے سے ہاتھ ہٹا دیے اور چند قدم پیچھے ہٹی۔دونوں کے درمیان اب کانچ کی دیوار حائل تھی۔عصرہ نے تلخی سے مسکرا کے اسے دیکھا۔

”جو میں نے تمہارے ساتھ کیا' مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں ہے۔دس دفعہ موقع ملا تو دس دفعہ یہی کروں گی۔“شیشے کے قریب چہرہ کر کے وہ پھنکاری۔

”مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔“عصرہ اس پہ نظریں جمائے چبا چبا کے بولی۔آنکھ کے گیلے گوشے ہتھیلی کی پشت سے رگڑے تو مسکارا ذرا سا پھیلا۔

”اب عصرہ محمود دان دونوں کو اس طرح سے الگ کرے گی کہ وہ کبھی ایک ہو ہی نہیں سکیں گے۔“پھر اس نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔

”وہ ابھی بھی وہیں ہوگا۔مگر خیر....اس کو لگانے دو تالیہ کے گھر کے چکر۔جلد ہی عادت ٹوٹنے والی ہے۔“گھڑی سے سر ہٹایا اور اوپر دیکھا تو شیشے کے پار بالکونی خالی پڑی تھی۔

آریانہ جا چکی تھی مگر وہ جانتی تھی کہ آریانہ ان کی زندگیوں میں سے ایسے کبھی نہیں جائے گی۔

اب کی دفعہ کسی اور کو جانا ہوگا۔

☆☆==========☆☆

حالم کا بنگلہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ چاند اور تاروں کو بادلوں نے ڈھک رکھا تھا جس سے بنگلے پہ سایہ پھیل گیا تھا۔ ویرانی اور اداسی کا اپنا سایہ جو اس کے گھر کے مالک کی واپسی تک نہیں چھٹنا تھا۔

باہر اسٹریٹ کے کونے میں ایک گاڑی میں بیٹھا آدمی بنگلے کو دیکھتے ہوئے فون کان پہ لگائے کہہ رہا تھا۔

''مسز عصرہ.... ان کی کار وہیں باہر کھڑی ہے اور وہ کچھ دیر ہوئی اندر گئے ہیں۔ جی.... چے تالیہ کی کار بھی اندر کھڑی ہے مگر میرا نہیں خیال کہ وہ گھر میں موجود ہیں۔ کیونکہ لیٹر باکس ڈاک اور بلز سے بھرا ہوا ہے اور ہر روز اس میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ او کے ٹھیک ہے میں واپس آ جاتا ہوں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور فون نیچے کر لیا۔ پھر کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

بنگلے کے اندر.... نیم تاریک لاؤنج میں وہ کھڑا تھا۔ کوٹ تہہ کر کے بازو پہ ڈالے' وہ گردن اٹھائے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچن کی بتی جلی تھی۔ باقی تمام بتیاں گل تھیں۔ وان فاتح سارے دن کا تھکا ہارا تھا' مگر اس گھر میں کھڑے ہوئے تھکاوٹ کا احساس تک نہ ہوتا تھا۔ وہ جیسے کسی مقناطیسی کشش کے باعث ہر رات یہاں آتا تھا' مگر جس کی جستجو تھی' وہ یہاں موجود نہیں تھی۔

اس نے کھڑے کھڑے گردن موڑی تو چونکا۔ میز پہ رکھی ٹوکری خالی تھی۔ وہ خطوط وہاں نہیں تھے۔ وہ چند لمحے اس ٹوکری کے خالی دامن کو دیکھتا رہا' پھر موبائل نکالا۔

''دولت.... تالیہ کہاں ہے؟'' فون کان سے لگائے' رابطہ ملتے ہی وہ بولا تھا۔

''وہ یہاں سے چلی گئی تھی۔ پرسوں۔''

''کیا وہ اپنے گھر آئی تھی؟'' وہ چہرہ جھکائے خالی ٹوکری کو دیکھ رہا تھا۔

''ہاں۔ مگر آج صبح وہ ملک سے بھی چلی گئی ہے۔ اس نے وزیر اعظم صاحبہ سے ڈیل کر لی ہے۔ کہاں گئی ہے' یہ تمہارا اگلا سوال ہوگا۔ نہیں بتا سکتا' یہ میرا اگلا جواب ہے۔'' دولت میکانکی انداز میں کہہ رہا تھا۔

''میرا اگلا سوال یہ نہیں تھا۔'' فاتح نے گہری سانس لی۔ ''وہ ٹھیک تھی؟''

''بہترین تھی۔'' اس کے انداز میں تلخی تھی۔ ''مگر تم ٹھیک نہیں لگ رہے۔'' وہ رکا اور قدرے نرمی سے بولا۔ ''تم شادی شدہ ہو' فاتح۔ تمہارا اس لڑکی میں اتنی دلچسپی لینا تمہارے لئے مسئلے پیدا کر سکتا ہے۔''

''جس دن تم نے مجھ سے جھوٹ بول کے تالیہ کو اس کے گھر سے دور کیا تھا' اس روز تم نے میرے دوست کا مقام کھو دیا تھا'

دولت۔تم اب مجھے کوئی نصیحت کرنے کا حق نہیں رکھتے۔'' رکھائی سے کہہ کے فاتح نے فون نیچے کرلیا۔

''کیا میں نے بھی آپ کا دوست ہونے کا مقام کھو دیا ہے؟''

آواز پہ وہ چونکا۔گردن گھمائی۔

اوپر جاتی تاریک سیڑھیوں پہ کوئی ہیولہ سا نمودار ہوا۔اور زینے اترنے لگا۔وان فاتح نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑیں۔ نیم اندھیرے میں اس کے خدوخال واضح نہ تھے مگر وہ اس نوجوان کو صرف اس کی آواز سے پہچان سکتا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ ہم دوست ہیں۔'' فاتح کے تاثرات قدرے سخت ہوئے۔

ایڈم نے آخری سیڑھی پہ پہنچ کے دیوار پہ ہاتھ مارا۔ پل بھر میں سارا لاؤنج روشن ہو گیا۔تیز روشنی سے فاتح کی آنکھیں قدرے چندھیا گئیں۔اس نے گردن پیچھے کی۔پھر ذرا آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اس نے دیکھا'ایڈم سیڑھیوں کے دہانے پہ کھڑا تھا۔

اس کی شکل پہ ایسی ویرانی اور اداسی تھی جو شاید اس بنگلے کی دیواروں میں بھی نہ تھی۔شیو ذرا بڑھی ہوئی تھی۔بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔وہ گلابی آنکھوں میں شکوہ لئے وان فاتح کو دیکھ رہا تھا۔

''ایک زمانے میں ہم دوست تھے'سر۔چھوٹے.....(انگلی اور انگوٹھے کے درمیان ذرا سا خلا بنا کے دکھایا) بہت چھوٹے عرصے کے لئے مگر آپ میری راہنمائی کرتے تھے۔میں آپ سے سوال پوچھتا تھا اور آپ جواب دیتے تھے۔کیا اب بھی میں سوال پوچھ سکتا ہوں'سر؟''

فاتح نے بھنویں اکٹھی کر کے غور سے اس کی حالت دیکھی'پھر کوٹ ایک صوفے پہ ڈالا اور دوسرے پہ بیٹھتے ہوئے سپاٹ سا بولا۔

''ہوں۔پوچھو۔'' ٹیک لگا کے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور تھوڑی بلند کر کے سامنے کھڑے نوجوان کو دیکھا۔بی این کے صدر کے سامنے ایک پرانا باڈی مین کھڑا تھا۔

''آپ یہاں ہر رات کیوں آتے ہیں؟''

''ہر رات؟'' فاتح نے ابرو اٹھائی پھر ایک نظر خالی ٹوکری کو دیکھا۔

''نہیں سر'میں نے وہ خط نہیں پڑھے۔بے فکر رہیں۔''

وان فاتح نے مسکرا محظوظ انداز میں اسے دیکھا۔

''تمہیں لگتا ہے اگر تم وہ خط پڑھ لیتے تو مجھے فکر ہوتی؟اگر ایسا تھا تو میں ان کو ای میل کر دیتا'یوں اس گھر کی میز پہ نہ چھوڑتا

جس کی چابی بہت سے لوگوں کے پاس ہے۔" پھر ہلکے سے شانے اچکائے۔" وان فاتح چھپ کے کام نہیں کرتا۔ جو کرتا ہے نڈر ہو کے کرتا ہے۔ تم کیا عصرہ بھی وہ خط پڑھ لے تو مجھے فرق نہیں پڑتا۔"

"میرا سوال وہیں ہے سر۔ آپ یہاں کیوں آتے ہیں۔ آپ بی این کے صدر ہیں۔ میں نے کبھی آپ کو (قدیم ملاکہ میں بھی.... دل میں کہا) اتنا ایموشنل نہیں دیکھا۔"

وہ دھیرے دھیرے چلتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ شکوک وشبہات میں لپٹی نظریں اس پہ جمی تھیں۔

"آپ چے تالیہ کے لیے یہاں کیوں آتے ہیں؟"

فاتح نے گردن اٹھا کے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جب وہ واپس آئے تو وہ یہ جان لے کہ اس کو مس کیا گیا ہے۔ اس کا انتظار کیا گیا ہے۔"

ایڈم کے حلق میں پھندا سا لگا۔" اور آپ ان کا انتظار کیوں کرتے ہیں۔"

"کیونکہ وہ میرے لئے اہم ہے' ایڈم۔" وہ اس کو دیکھتے ہوئے اب کے نرمی سے بولا۔" وہ ہماری زندگی میں ایک غیر مطلوب اضافے کے طور پہ داخل ہوئی تھی مگر پھر اس نے میرا اتنا ساتھ دیا کہ میں خود کو اس کا مقروض سمجھنے لگا ہوں۔ وہ میرے لئے بہت اہم ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہ واپس آ جائے اور ایک صاف ستھری زندگی گزارے۔" وہ سادگی سے کہہ رہا تھا۔" بی این کا صدر ہونے کے باوجود مجھے اس کے گھر آتے ہوئے خود کو چھوٹا نہیں کرنا پڑتا' ایڈم۔ اس کو خط لکھنے سے میں چھوٹا نہیں پڑ جاؤں گا۔" پھر پتلیاں سکوڑ کے ذرا تنقیدی نظروں سے اسے دیکھا۔" تم بتاؤ۔ تم نے اسے ڈھونڈنے کے لیے کیا کیا؟"

"میں جانتا ہوں' وہ ٹھیک ہیں۔ اور انہیں کم از کم اس وقت میری پرواہ نہیں ہو گی۔ اور ابھی آپ کے اسپیکر فون پہ آپ کا دوست بھی تصدیق کر رہا تھا کہ وہ ملک سے باہر چلی گئی ہیں۔ وہ اپنی آزادی کی تلاش میں ہیں۔ اس لئے میں ان کے بارے میں نہیں' آپ کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

وان فاتح نے پہلے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور پھر اسے دیکھا۔" ابھی تمہارے سوال رہتے تھے؟"

ایڈم سامنے والے صوفے پہ آگے ہو کے بیٹھا اور اس کی آنکھوں میں غور سے دیکھا۔

"آپ ہمیشہ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس چھپانے کو کچھ نہیں ہے۔ میں آپ سے ایک سوال کا سچا جواب چاہتا ہوں۔"

فاتح بظاہر اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا مگر چہرے پہ ہلکی سی برہمی در آ رہی تھی جیسے اسے خود کو یوں کٹہرے میں لانا پسند نہ آیا ہو مگر اپنا بزنس فیس قائم رکھے' اس نے حوصلہ افزاء انداز میں سر کو جنبش دی۔ وہ اب ایک رپورٹر تھا اور عین ممکن ہے کسی بٹن

کیمرے سے فاتح کی ویڈیو بنا رہا ہو۔

''کیا آپ کی کلائیڈ اینڈ لی یا کہیں اور.... کوئی آف شور کمپنی ہے؟''

پوچھتے ہوئے ایڈم کے ذہن میں تالیہ کا بتایا گیا نسخہ گونجا۔

(''اگر تم نے جاننا ہو کہ تمہارے سوال کے جواب میں سامنے والے نے جھوٹ بولا ہے یا سچ تو اس کا تعین اس کے ''ہاں'' یا ''نہیں'' سے مت کرنا۔ وہ انکار یا تصدیق کے ''بعد'' کیا کہتا ہے' وہ اہم ہوتا ہے۔''

''کیسے؟'' ایک زمانے میں کم علم اور سادہ سے ایڈم نے پوچھا تھا۔

''بہت سمپل۔ جھوٹا شخص جواب دے کر فوراً سے اگلا فقرہ اپنی صفائی میں بولے گا۔ مگر سچے آدمی کا اگلا فقرہ تمہاری ذات پہ سوال اٹھانے والا ہو گا۔ انسان کے پاس چھپانے کو کچھ نہ ہو تو وہ اپنی صفائی نہیں دیتا' دوسرے کے سوال کا سیاق و سباق جاننے کی کوشش کرتا ہے۔'')

ایڈم کے سوال پہ فاتح کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''نہیں۔ تمہیں ایسا خیال کیوں آیا کہ میرے پاس کوئی آف شور کمپنی ہو سکتی ہے؟''

وہ ایڈم کے سوال کا سیاق و سباق پوچھ رہا تھا۔

ایڈم نے گہری سانس خارج کی۔ ''یعنی آریانہ ہولڈنگ آپ کی نہیں ہے؟''

''واٹ آریانہ ہولڈنگ؟'' اس کی آنکھوں میں الجھن بھری۔

ایڈم نے کوٹ کی جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔ فاتح نے عینک نکال کے ناک پہ جمائی اور اس لفافے کے کاغذات کو کھولا۔ ابرو بھینچے اس نے پہلے تعجب اور پھر برہمی سے اس کاغذ کو پڑھا' پھر چشمے کے اوپر سے ایڈم کو دیکھا۔

''یہ کوئی مذاق ہے کیا؟''

''سر.... یہ آپ کے نام' پاسپورٹ اور آپ کے دستخط سے بنائی گئی آف شور کمپنی ہے۔ کیا یہ آپ نے نہیں بنائی؟'' وہ امید اور خوف کے درمیان پوچھ رہا تھا۔

''واٹ ربش؟ میں نے کبھی ایسی کوئی کمپنی نہیں بنائی۔'' فاتح سیدھا ہو کے بیٹھا اور قدرے فکرمندی سے ان کاغذات کو کنگھالنے لگا۔ ''مجھے نہیں یاد کہ میں نے کبھی اس کمپنی کا نام بھی سنا ہو۔ یہ پیپرز تمہیں کہاں سے ملے؟''

ایڈم الجھ گیا مگر اس کے کندھوں سے بہت سا بوجھ اترنے لگا۔ وہ مختصر الفاظ میں ساری تفصیلات بتاتا گیا۔ فاتح نے

کاغذات میز پہ ڈالے' عینک تہہ کر کے جیب میں رکھی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''یہ کاغذات ابھی فارنزک میں دو تو جعلی ثابت ہو جائیں گے۔''

مگر ایڈم اب کسی اور نہج پہ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے کی تلخی عنقا ہو چکی تھی۔

''سر... کیا یہ ہو سکتا ہے کہ کسی نے آپ کے نام سے یہ کمپنی بنا دی ہو؟ یہ خاصی پرانی کمپنی ہے۔''

''ایسا کون کرے گا؟ اچھا اگر میرے جعلی دستخط بھی کوئی بنا لے تو کلائیڈ اینڈ لی کسی اور کو میرے نام سے کمپنی کیوں بنانے دے گی؟ بے ایمانی کی دنیا میں بھی کاروبار ایمانداری سے چلایا جاتا ہے۔''

''مگر سر... صوفیہ رحمٰن کی کمپنی بنائی تو صوفیہ نے تھی مگر وہ اس کی بیٹیوں کے نام ہے۔'' ایڈم سوچ سوچ کے بول رہا تھا'' تمام امراء اور روٗساء نے یہ کمپنیز اپنے بیوی بچوں کے ناموں پہ بنا رکھی ہیں۔ کلائیڈ اینڈ لی کمپنی کے اصل مالک کا نام چھپا کے اس کے کسی فیملی ممبر کے نام سے کمپنی بنا دیا کرتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ....'' ایڈم نے احتیاط سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''کمپنی کا اصل مالک آپ کا کوئی قریبی فیملی ممبر ہو۔''

''واٹ ربش۔ میرا کوئی فیملی ممبر ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔'' وہ جھڑک کے کہتا اٹھا اور تہہ شدہ کوٹ اٹھایا۔'' اگر تمہیں یہ کاغذات پبلک کرنے ہیں تو شوق سے کرو۔ وان فاتح کے پاس چھپانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ کاغذات جھوٹے نکلے تو میں ان کے خلاف ملائیشیاء کے ہر کورٹ میں جاؤں گا۔'' وہ برہمی سے کہہ رہا تھا۔ ایڈم ساتھ ہی اٹھا۔

''سر... مجھے یہ پبلک کرنے پڑیں گے مگر آپ ایک دفعہ مسز عصرہ سے پوچھ لیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے....''

فاتح نے ہاتھ اٹھایا تو ایڈم کی چلتی زبان رک گئی۔

''میری نرمی کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ' ایڈم۔'' پھر ایک ناگواری بھری نظر ان کاغذات پہ ڈالی۔'' صوفیہ نے میرے خلاف جال بچھایا اور تم اس میں آ گئے۔ بہتر تھا کہ تم یہ وقت تالیہ کو تلاش کرنے میں صرف کرتے۔''

''وہ جہاں بھی ہیں' ٹھیک ہیں۔ اس لئے ہمیں ان کو نہیں خود کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اب بھی....'' ایڈم تلخی سے مسکرایا۔'' اگر وہ ملک سے باہر چلی گئی ہیں وہ بھی ہمیں بتائے بغیر.... تو اس کا ایک ہی مطلب ہے۔''

وہ دونوں حالم کے لاؤنج میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ تناؤ کی کیفیت پھر سے در آئی تھی۔

''اور وہ کیا؟''

''یہی کہ مجھے اپنی کتاب پہ کام کرنا ہے.... اور آپ کو ان کاغذات کے مقابلے میں اچھا وکیل اور اچھا ڈیفینس اپنانے کی شدید ضرورت ہے کیونکہ رہیں جے تالیہ.... تو وہ....'' ایڈم کی مسکراہٹ زخمی سی نظر آنے لگی۔

''وہ نہیں جاننا چاہتیں کہ ان کے پیچھے کے ایل میں کیا ہو رہا ہے۔''

ایڈم کے الفاظ دل کو زخمی کرنے والے مگر طاقتور تھے۔ اتنے طاقتور کہ حالم کی داستان میں موجود کے ایل کے باب کو ان الفاظ نے کسی کتاب کی طرح ایک دم بند کر دیا..... یوں جیسے پڑھنے والے کے لئے اس باب میں سناٹا چھا گیا ہو۔

اندھیرا اور خاموشی' جو مجبور کر دے کہ کوالالمپور اور اس میں رہنے والوں کی داستان کو وہیں چھوڑ کے تم قاہرہ میں آ جاؤ جہاں....ایڈم اور فاتح کی اس گفتگو سے اگلے روز....تپتی دوپہر میں ایک کار مکینک کے سامنے کھڑی تالیہ مراد کہہ رہی تھی کہ ان دونوں کو ایک کتاب چرانی ہے۔

وہ بھی ایک رائٹر کے دماغ سے۔

☆☆==========☆☆

دھوئیں کی دیوار چھٹی تو تالیہ نے پہلی دفعہ اس کا چہرہ دیکھا۔

مکینک آستین کہنیوں تک موڑے' داغدار شرٹ پہنے کھڑا تھا۔ وہ دراز قد اور صاف رنگت کا آدمی تھا البتہ چہرے' گردن اور ہاتھوں پہ جگہ جگہ کالک کے نشان لگے تھے۔ پی کیپ نے ماتھے پہ سایہ کر رکھا تھا البتہ کنپٹی پہ زخم کا ایک پرانا نشان جو غالباً کسی سرجری کی نشانی تھا' واضح نظر آتا تھا۔ اس کی بھوری آنکھیں بہت گہری تھیں اور وہ ان میں شک و شبہ بھرے اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اندر تک اترنے کی سعی کر رہا ہو۔

حالم کو قاہرہ کا مکینک پہلی ہی نظر میں شدید ناپسند آیا تھا۔

''کسی کے دماغ سے کتاب کون چرا سکتا ہے؟'' وہ اکھڑے اکھڑے انداز میں کہتے ہوئے جھکا اور زمین پہ رکھا کوئی پائپ ہٹایا۔ پائپ تالیہ کے پیروں سے لگا تو اسے معلوم ہوا کہ اس تنگ گزرگاہ میں وہ پائپ رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ وہ پیچھے ہٹی تو مکینک نے فرنٹ ڈور بند کر دیا۔ راستہ کھل گیا۔ مگر اس نے تالیہ کو آگے آنے کی دعوت نہیں دی۔ بس ایک باکس اٹھا کے بونٹ کے ساتھ چوکی پہ رکھا اور اس کا ڈھکن کھولا۔ پی کیپ والا سر اب جھک چکا تھا۔

''اگر کوئی اور چرا سکتا تو میری وزیراعظم کو میری ضرورت نہ پڑتی۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے تیکھی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اب باکس میں ٹولز ڈال رہا تھا۔ جھکے سر کے ساتھ شانے اچکائے۔

''خیر۔ کون ہے وہ رائٹر؟''

تالیہ نے گردن موڑ کے ارد گرد دکانوں کو دیکھا جہاں اوزاروں اور گاہکوں کی آوازوں نے شور برپا کر رکھا تھا۔

''جب تم مناسب جگہ پہ آؤ گے اور ہم کام شروع کریں گے تو بتادوں گی۔ فی الحال.....''

''اور میری فیس کتنی ہوگی؟'' اس نے باکس بند کیا اور سر اٹھا کے تالیہ کو سنجیدگی سے دیکھا تو لمحے بھر کو وہ چپ رہ گئی۔

(یہ فیس بھی لے گا اب؟)

''احمد نظام صاحب نے مجھے تمہارے پاس بھیجا تھا تا کہ تم غیر مشروط طور پہ میری مدد کرو اور اس جاب کو کامیاب بناؤ اور......''

''فیس ایڈوانس ہوگی۔'' وہ باکس اٹھا کے مڑا اور اندر دکان کی طرف چلا گیا۔

اس نے مٹھیاں ضبط سے بھنچیں۔ ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ وہ کار کی سائیڈ سے نکل کے آگے آئی تو راستہ کھلا ہو گیا۔ سامنے دکان کا احاطہ تھا جہاں دیواروں پہ جگہ جگہ اوزار لگے تھے' اور سپیئر پارٹس کھلے پڑے تھے۔ موبل آئل کی بُو اور کالک ہر جگہ تھی۔

''دیکھو اس کام میں جو خرچہ آیا وہ میں اٹھاؤں گی مگر احمد نظام نے کہا تھا کہ تم بغیر فیس کے کام کرو گے کیونکہ وہ میرے مقروض ہیں۔''

''میں نہیں ہوں۔ مجھے یہ فیس چاہیے ہوگی۔'' اس نے باکس رکھا اور جیب سے ایک وزیٹنگ کارڈ جتنا کاغذ نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔ سفید موٹے کاغذ پہ پہلے سے ایک رقم لکھی تھی۔

(ارے واہ۔ یہ تو تیار بیٹھا تھا۔)

تالیہ نے کاغذ کو اوپر کر کے روشنی میں پڑھا۔ دکان کے اندر اندھیرا اور کالک تھی۔ دھوپ پیچھے سے آرہی تھی۔ رقم کے حروف نمایاں ہوئے تو تالیہ کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہوا۔

''اتنی فیس لے کر کیا کرو گے تم؟''

''دنیا میں کچھ بھی مفت نہیں ملتا۔'' رُکھائی سے کہہ کے وہ مڑا اور دیوار تک گیا۔ پھر جھک کے ایک پیچ کس اٹھایا۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور چٹ مٹھی میں دبالی۔

''خیر۔ میں یہ رقم تمہیں دے دوں گی۔ ایڈوانس کب تک چاہیے؟''

''ہر روز۔ کام شروع کرنے سے پہلے۔'' اس نے جھک کے ایک ڈبے کا پیچ کھولتے ہوئے کہا تو تالیہ کا دماغ بھک سے اڑا۔ اس نے دوبارہ سے اس چٹ کو پڑھا۔ ''یہ پورے کام کی فیس ہے یا یومیہ اجرت؟''

آنکھیں نکال کے بے یقینی سے اس کی پشت کو دیکھا۔

اس سوال پہ وہ رکا' پھر آہستہ سے سیدھا ہوا اور مڑ کے اتنی ہی حیرت سے اس لڑکی کو دیکھا جو دھوپ میں کھڑی تھی۔

''یومیہ اجرت؟ مادام میں گھنٹوں کے اعتبار سے کام کرتا ہوں۔ یہ ایک گھنٹے کی اجرت ہے' مادام۔ میں ایک دن میں تین

سے چار گھنٹے دے سکتا ہوں تمہارے کام کو۔اس سے زیادہ نہیں۔'' رکھائی سے کہہ کے وہ واپس اپنے باکس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

تالیہ کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔اس نے اس چٹ پہ لکھی رقم کو دوبارہ گھورا' ذہن میں ضرب تقسیم کیا اور پھر....غصے سے اس چٹ کو مروڑ دیا۔

''میرے پاس ملاکہ سلطنت کے خزانے نہیں ہیں جو میں یہ رقم تمہیں دے سکوں۔اور مجھے کیا معلوم تم کسی اہل بھی ہو یا نہیں؟ کرتے کیا ہو تم؟ اسکامر ہو؟ چور ہو؟ کیٹ برگلر؟ یا سراغ رساں؟''

وہ اب پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا دو انگلیوں سے پیچ کھول رہا تھا۔اس سوال پہ ذرا سے شانے اچکائے۔

''کہا نا۔مکینک ہوں۔''

''گڈ۔تمہیں تمہاری یہ ورک شاپ مبارک ہو۔میں اپنا کام خود کر سکتی ہوں۔فی گھنٹہ اجرت' مائی فٹ۔'' پیر پٹخ کے مڑی۔

''تم بھی تو فی گھنٹہ اتنی ہی فیس لیتی ہو' حالم۔''اس نے پیچ کس رکھا اور اٹھا۔

تالیہ اپنی جگہ ٹھہر گئی اور پھر دھیرے سے مڑی۔

وہ اب کونے میں بنے سنک کی طرف بڑھ گیا تھا۔وہ ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے غور سے اس کی پشت کو دیکھنے لگی۔

مکینک نے ٹوپی اتار کے ایک طرف رکھی' تیز دھار نل کھولا اور سر جھکا کے منہ پہ پانی ڈالا' پھر ہاتھ دھونے لگا۔پانی کی آواز سارے شور پہ حاوی ہونے لگی۔

وہ کچھ دیر تک نہ بولی تو جہان نے سر اٹھا کے آئینے میں اس کا چہرہ دیکھا۔

''اس رقم کو اپنے ملک کی کرنسی میں تبدیل کرو تو یہ حالم کی فی گھنٹہ اجرت کے برابر بنتی ہے۔اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟'' گدلے آئینے میں نظر آتے تالیہ کے چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

''اوہ۔تمہیں لگتا ہے کہ تم مجھے حیران کر رہے ہو۔غلط۔تم میرے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو گے۔مگر....تم' مجھے' نہیں جانتے۔''

جہان نے ساتھ رکھا رومال اٹھایا اور ہاتھوں کی گیلی کالک کو اس سے پونچھتا تالیہ کی طرف گھوما۔

''میں اتنا جانتا ہوں کہ صوفیہ رحمٰن نے تمہیں لامحدود فنڈز دیے ہیں۔جب اس رقم پہ راضی ہو جانا تو مجھے کال کر لینا۔کیونکہ مجھے پیسوں کی ضرورت ہے اور میں بغیر فیس کے کام نہیں کروں گا۔''وہ رومال سے اب پوروں پہ لگی کالک رگڑ

کے اتار رہا تھا۔

''کیونکہ تم ایک غریب مکینک ہو؟''

''وہ تو تمہیں نظر آ رہا ہے۔'' تالیہ کی آنکھوں میں غور سے دیکھتے ہوئے جہان نے کندھے اچکائے۔

''میں بتاؤں مجھے کیا نظر آ رہا ہے' انچے جہان؟''

اس نے استہزائیہ ابرو اٹھائی اور پھر آنکھوں میں چمک لئے مسکرائی۔

''مجھے ایک ایسی دکان نظر آ رہی ہے جو تم نے شاید کل ہی کھولی ہے۔''چہرہ گھما کے اطراف کا سرسری سا جائزہ لیا۔''اپنا نیا کور بنانے کے لئے ایک ہی دن میں تم نے اچھی دکان سیٹ کر لی ہے' کسی کی کھٹارا گاڑی بھی کھڑی کر دی' چند جعلی گاہک بھی بلا لئے (ہاتھ سے دور کھڑے ایک دوسرے مکینک سے مخاطب آدمی کی طرف اشارہ کیا۔) اردگرد کے دکانداروں کو پیسے دے کر یہ بھی کہہ دیا ہو گا کہ کسی کو بتانا نہیں کہ یہ دکان کل ہی کھولی گئی ہے کیونکہ تم نہیں چاہتے کہ ملائیشاء سے آئی لڑکی کو تمہارا اصل پیشہ معلوم ہو مگر اتنا اچھا کور نہیں بنایا تم نے۔سوری....''وہ ہمدردی سے کہہ رہی تھی اور وہ ہاتھ صاف کرتے ہوئے چپ چاپ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں اگر تمہاری جگہ اس شاپ کو آٹو ورکشاپ بناتی تو تمہاری طرح جگہ جگہ سے دیواریں کالی نہ کرتی۔اصل ورکشاپ کی دیواروں کی کالک نیچے سے اوپر تک آتی ہے۔ نیچے سب سے زیادہ سیاہی۔اوپر آتے آتے تک وہ ہلکی ہو جاتی ہے۔اور عموماً آدھی دیوار تک ختم ہو جاتی ہے۔اور ہاں اگر تم روز اسی ورکشاپ میں کام کرتے تو تم نے سنک کے ساتھ کیپ لٹکانے کے لیے کھونٹی بنائی ہوتی کیونکہ تمہیں دن میں کئی دفعہ منہ دھونا پڑتا ہو گا۔اسٹل۔نائس ورک۔رہی بات فیس کی تو میرے ساتھ احمد نظام نے فیس کی بات نہیں کی تھی۔میں تمہارے بغیر بھی یہ کام کر لوں گی۔''

چیٹ کو مٹھی میں مروڑتے ہوئے وہ پیر پٹخ کے مڑ گئی۔

''شیور۔بائے۔''وہ آدمی شرمندہ ہوئے بغیر ہاتھ رومال سے رگڑتے ہوئے اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی آگے چلتی جا رہی تھی۔اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہ تھی۔وہ خود یہ کام کر لے گی۔

دکانوں کا شور دور ہوتا جا رہا تھا۔وہ اندھیرے سے نکل کے دھوپ سے روشن سڑک پہ آگے بڑھ رہی تھی۔

☆☆==========☆☆

تالیہ ہوٹل کے کمرے میں واپس آئی تو جھنجھلاہٹ سے برا حال تھا۔اس نے دروازہ بند کیا' جوتے ایڑیوں سے رگڑ کے اتارے' پھر اسی برہمی سے پرس اور چابیاں پرے پھینکیں' اور خود غصے سے صوفے پہ ڈھیر ہو گئی۔

ایک تو گرمی اور اوپر سے اس مکینک کی باتوں نے اسے تپا دیا تھا۔ اسے احمد نظام کی پیشکش قبول ہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ تالیہ مراد تھی۔ اسے کسی کی مدد نہیں چاہیے تھی۔ نیا ملک ہے تو کیا ہوا' وہ خود ہی کوئی نہ کوئی راستہ نکال لے گی۔

کچھ دیر وہ اسی طرح بیٹھی رہی یہاں تک کہ اندر کا شور تھما تو کمرے کی خاموشی سنائی دینے لگی۔

اتنی خاموشی' اتنی ویرانی کہ تالیہ کا دل ہولنے لگا۔

اس نے صوفے پہ نیم دراز ریموٹ اٹھایا اور ٹی وی آن کیا۔ اسکرین روشن ہوئی اور ایک آدمی عربی میں خبریں پڑھتا نظر آیا۔ چند چینل سرف کیے تو یہ برقی شور دماغ پہ ہتھوڑے کی طرح برسنے لگا۔ تالیہ نے اکتا کے ٹی وی بند کیا۔

پھر سے وہی خوفناک خاموشی چھا گئی۔

وہ اجنبی ملک میں اکیلی بیٹھی تھی۔

اس نے موبائل نکالا اور اسکرین روشن کی۔ واٹس ایپ آف تھا مگر ای میل آن تھی۔ داتن' ایڈم اور فاتح کی الگ الگ ای میلز آئی ہوئی تھیں۔ اس نے پڑھے بغیر ان کو ڈیلیٹ کر دیا تا کہ وہ اس کو نظر نہ آئیں اور یہ کرتے ہوئے چہرے پہ پتھریلے تاثرات چھا گئے تھے۔

ایک دفعہ پھر کمرے کی خاموش دیواریں اس کو گھورنے لگیں۔ وہ میز پہ پیر رکھے' سینے پہ بازو لپیٹے' صوفے پہ نیم دراز چھت کو دیکھنے لگی۔

اب وہ کیا کرے؟ وہ یہاں کسی کو نہیں جانتی تھی اور یہ مکینک بھی ہاتھ سے گیا۔ اسے ایک دم پھر سے اس پہ غصہ آیا۔ پیسے چاہیے ہیں اس کو؟ وہ بھی اتنے سارے؟ دے ہی نہ دوں میں اتنے پیسے۔ ہونہہ۔ اتنے داؤ پیچ ڈال کے اس نے مجھے اپنا پتہ بتایا اور جاتے ساتھ اتنی آسانی سے رقم لکھ کے پکڑا دی۔ نہ کام کی نوعیت جانی' نہ کچھ اور.....

مگر اتنی آسانی سے کیوں؟ وہ تو ہر بات کو کوڈز کی صورت لکھنے والا آدمی معلوم ہوتا تھا..... پھر؟

وہ دھیرے سے سیدھی ہوئی۔ ذہن میں کوئی گھنٹی بجی تھی۔

تالیہ نے جلدی سے بیڈ پہ گرا پرس اٹھایا اور اندر ہاتھ ڈال کے وہ مڑی تڑی پرچی نکالی۔ وہ اسے ٹھیک سے مروڑ نہیں سکی تھی اسی لئے پرس میں پھینک دیا تھا۔

مگر وہ اسے ٹھیک سے کیوں نہیں مروڑ سکی تھی؟ ہاتھ پہ کاغذ کی سختی کا تاثر ابھی تک قائم تھا۔ مگر کیا وہ صرف کاغذ تھا؟

اس نے موٹے گتے کا کارڈ سیدھا کیا۔ پھر اوپر اٹھا کے روشنی میں دیکھا۔ پرچی کے وسط میں کاغذ کی تہوں میں کچھ چھپا تھا۔

تالیہ کے چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔ یعنی اس مکینک کو پیسے نہیں چاہیے تھے۔ وہ خاموشی اور رازداری سے اس کو کوئی دوسرا پیغام پہنچانا چاہتا تھا۔ اس نے آہستہ سے کاغذ پھاڑا اور دو تہیں الگ کیں۔ اندر ناخن برابر چھوٹا سا سم کارڈ تھا۔ نینو کارڈ۔

وہ کھلے دل سے مسکرادی۔ ایک دم وہ کم برا لگنے لگا تھا۔

(جب اس رقم پہ راضی ہو جاؤ تو مجھے کال کرنا۔)

کچھ دیر بعد وہ نیا فون خرید کے لائی اور اس نینو سم کارڈ کو اندر ڈالا۔ اندر ایک ہی نمبر محفوظ تھا۔ تالیہ نے اس پہ کال کی۔

''یہ نیا فون ہے نا؟'' رابطہ ملتے ہی اس آدمی کی خشک مگر بھاری آواز کانوں سے ٹکرائی۔

''ہاں۔'' وہ بیڈ پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی' گود میں کشن رکھے ہوئے تھی۔

''اپنی گورنمنٹ کے دیے گئے کریڈٹ کارڈ سے خریدا ہے؟'' وہ مشکوک تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی۔ ''اتنی عقل ہے مجھ میں' انچے (مسٹر)۔ اگر تم نے مجھے دوسری سم دی ہے تو اس لئے کیونکہ پچھلی ٹریک کی جا رہی تھی۔ اس لیے نیا فون خرید کے نہیں چرا کے لائی ہوں۔ نہ ریکارڈ' نہ کوئی مسئلہ۔''

''گڈ۔ اب اپنے حکومتی ہینڈلر سے رابطہ کرو۔ پرانے فون سے اور اس کو ڈراؤ' دھمکاؤ جو بھی کرو مگر اس کو کہو کہ تمہارے ہوٹل کی لابی میں اس وقت جو سفید اسکرٹ والی عورت بیٹھی ہے اور جو ساری دوپہر تمہارا پیچھا کرتی رہی ہے' اس کو تمہارے تعاقب سے ہٹا دیں۔ میں نہیں چاہتا تمہاری وجہ سے کوئی میرا تعاقب کرے۔''

''اس کی اسکرٹ زرد تھی' سفید نہیں۔''

''گڈ۔ میں صرف چیک کر رہا تھا کہ تم نے اسے نوٹس کیا یا نہیں۔''

''نوٹس کیا تھا۔ تبھی تو بازار میں اس کو ڈچ کر دیا تھا۔ وہ تمہاری دکان تک نہیں آئی تھی۔''

''جانتا ہوں۔ بہر حال اپنے ہینڈلر کو کال کرو اور اپنے پیچھے سے اس ٹیل کو ہٹواؤ۔ پھر ہم کام شروع کریں گے۔''

''شیور۔ کوئی اور حکم؟'' وہ طنز سے بولی مگر وہاں سے رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ تالیہ کا موڈ ایک دم ہی اچھا ہو گیا۔ وہ تنہا نہیں تھی۔ اور اب وہ اس کام کو جلد سے جلد مکمل کر کے یہاں سے جا سکے گی۔

''دولت صاحب۔ کیسے مزاج ہیں۔'' تھوڑی دیر بعد وہ گود میں تکیہ رکھے خوش مزاجی سے فون پہ کہہ رہی تھی۔

''اچھا ہوں۔ آپ بتائیں۔ کام ہو رہا ہے؟''

''کام تو تب ہو گا جب آپ کے لوگ اتنے اعلانیہ طریقے سے میرا تعاقب نہیں کریں گے۔'' وہ مسکرا کے انگلی پہ سیاہ لٹ لپیٹتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ ''دیکھیں' آپ کو میرا تعاقب کرنا ہے تو شوق سے کروائیں۔ نہ میں نے بھاگنا ہے نہ مجھے کسی کا ڈر

ہے۔ لیکن تعاقب کار اگر میری نظر میں آ سکتے ہیں تو کسی اور کی نظر میں بھی آ سکتے ہیں۔ یوں میرا کور خراب ہو گا اور وہ ٹارگٹ کو علم ہو جائے گا۔ باقی مجھے آپ آرام سے فالو کریں۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بس مجھے کوئی اپنے پیچھے نظر آیا تو میں نے یہ کام چھوڑ کے غائب ہو جانا ہے۔ پھر کون ہیک کرے گا ٹارگٹ کا ذہن؟''

''میں ....سوری.... یہ بس معمول کے پروٹوکولز ہوتے ہیں۔ ڈونٹ وری اب کوئی آپ کا تعاقب نہیں کرے گا۔'' وہ شرمندگی سے معذرت کر رہا تھا۔

''کہہ دیا ان کو کہ میرا تعاقب نہ کریں۔'' تھوڑی دیر بعد وہ فون پہ کہہ رہی تھی۔ ''مگر ہم دونوں جانتے ہیں کہ....''

''کہ وہ تمہارا تعاقب قبر تک نہیں چھوڑیں گے' حالم۔ گورنمنٹ کے لئے کام کرنے سے پہلے تمہیں یاد رکھنا چاہیے تھا کہ نہ وہ تمہیں کبھی معاف کریں گے' نہ تم سے کام لینا چھوڑیں گے۔'' وہ رکا۔ ''سنولڑکی... ابھی بھی چانس ہے۔ بھاگ جاؤ۔''

''تم میری فکر نہ کرو۔ یہ بتاؤ کہ تم میری مدد کیسے اور کب کرو گے۔'' وہ رکھائی سے بولی۔ جواب میں اس نے گہری سانس لی۔

''تمہارے تعاقب کار تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اس لیے تمہیں آج اپنا ہوٹل بدلنا ہو گا۔ اب وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔''

وہ سنجیدگی سے ہدایات دے رہا تھا اور وہ قدرے ناگواری سے سن رہی تھی۔ اسے ڈکٹیشن پسند نہیں تھی مگر مجبوری تھی۔

☆☆=========☆☆

رات گہری ہو رہی تھی اور قاہرہ کے اس شاندار سے ہوٹل کی روشنیاں تیز ہو چکی تھیں۔ ہوٹل کی کئی منزلہ بلند عمارت سبزہ زار پہ کھڑی تھی اور اس کے سامنے کھجور کے درختوں کی باڑ بنی تھی جس کے آگے سوئمنگ پول تھا۔

نیلے پانیوں کے اس تالاب کے چاروں طرف لیٹنے کے لیے چیئرز (آرام کرسیاں) رکھے تھے۔ تالاب کی دوسری جانب گھاس پہ اوپن ائیر ریستوران تھا۔ قطاروں میں میزیں لگی تھیں اور ان کے گرد ہوٹل میں ٹھہرے مہمان بیٹھے رات کا کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ باربی کیو کی خوشبو سارے میں پھیلی تھی اور رات کے باعث موسم بھی خوشگوار ہو چلا تھا۔

ایسے میں کھلے آسمان تلے بچھی میزوں میں سے ایک پہ تالیہ بیٹھی تھی۔ تھوڑی تلے مٹھی جمائے وہ گردن موڑ کے تالاب کو دیکھ رہی تھی جس کا نیلا پانی عمارت کی روشنیوں میں چمک رہا تھا۔ تالیہ کی نظریں تالاب سے اٹھیں اور کھجور کے درختوں کی باڑ پہ جم گئیں جو تالاب اور ہوٹل کی عمارت کے درمیان حائل تھے۔

سامنے والی کرسی کے کھینچے جانے کی ہلکی سی آواز آئی تو اس نے چونک کے گردن موڑی اور سیدھی ہوئی۔

وہ بنا آہٹ کے جانے کب آیا تھا اور اب کرسی پہ کھینچ رہا تھا۔ پی کیپ سے ماتھے پہ سایہ کیے' وہ بھوری آنکھوں والا وجیہہ صوت آدمی سامنے والی کرسی پہ بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ اس نے موسم کی مناسبت سے ہلکی جیکٹ پہن رکھی تھی جس کے آستین پیچھے کو چڑھے تھے۔

''آر یو شیور کوئی تمہارا پیچھا نہیں کر رہا؟''

''میں نے وہ ہوٹل چھوڑ دیا ہے اور جس طرح نکلی تھی' میرا نہیں خیال کوئی مجھے ڈھونڈ سکے گا۔ یہاں کمرہ لیتے وقت بھی دوسری شناخت استعمال کی ہے۔ ویسے بھی یہ میری پردھان منتری کا ذاتی کام ہے۔ وہ وائٹ کالر کرمنل ہیں۔ دو چار سے زیادہ لوگوں کو میرے تعاقب میں نہیں لگا سکتیں نہ ہی حکومتی مشینری استعمال کر سکتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی میرا پیچھا کر بھی رہا ہے تو مجھے پرواہ نہیں ہے۔'' گلابی سکرٹ بلاؤز اور سفید ہیٹ والی لڑکی بے پرواہ لگتی تھی۔ اس کے چہرے پہ صرف سادگی تھی۔ ہاتھ' گردن' اور کان کسی بھی زیور سے خالی تھے۔ وہ انگوٹھی بھی ندارد تھی۔ جہان نے چند لمحے اس کے چہرے کا مطالعہ کیا اور پھر گویا ہوا۔

''اینی ویز... کام کیا ہے؟ کون سی کتاب چرانی ہے اور کہاں سے؟''

وہ غور سے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اس کی کنپٹی پہ موجود زخم کا نشان' عمارت سے آتی پیلی روشنیوں میں واضح دکھائی دیتا تھا۔ تالیہ ذرا کھنکھاری۔

''سب سے پہلے تو میری مدد کے لئے شکریہ۔''

جہان نے کندھے اچکائے۔ ''تمہارا بھی شکریہ۔''

وہ جوبات آگے بڑھانے لگی تھی' رک کے اسے دیکھنے لگی۔ ''میرا شکریہ کیوں؟''

''میری یومیہ اجرت پہ راضی ہونے کے لئے۔''

تالیہ مراد کے کندھے سیدھے ہوئے۔ آنکھیں پوری کھلیں۔

''وہ..... وہ رقم؟ وہ جو تم نے کاغذ پہ لکھی تھی؟ وہ اب بھی چاہیے تمہیں؟'' دماغ بھک سے اڑا۔

''اگر تمہیں نہیں دینی تھی تو تم نے مجھے کال کیوں کی؟''

''کیونکہ تم نے مجھے اس چٹ میں نئی سم ڈال کے دی تھی۔''

''ہاں اور میں نے کہا تھا کہ اگر اس رقم پہ راضی ہو جاؤ تو مجھے کال کر لینا۔ جو کہ تم نے کر لی۔ اس لئے میں وقت نکال کے آیا ہوں تمہارے پاس۔'' ساتھ ہی مصروف انداز میں کلائی کی گھڑی دیکھی اور پھر نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''اگر تمہیں منظور

نہیں ہے تو میں چلا جاتا ہوں۔"

وہ دانت پہ دانت جمائے چند لمحے اس کو دیکھتی رہی۔

"وہ بہت بڑی رقم ہے۔"

"کام چھوٹا ہے کیا؟" وہ مسلسل بند لبوں سے منہ ہلاتے ہوئے چیونگم بھی چبا رہا تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور اندر ابلتے غصے کو بمشکل واپس دبایا۔

"میں تمہیں اس سے ذرا کم رقم دے سکتی ہوں۔"

"Not a penny more, not a penny less."

اس نے رکھائی سے بات کاٹی تو تالیہ نے دوبارہ گہری سانس لی۔

"ٹھیک ہے۔ مگر پہلے مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ تم کون ہو؟" اب کے وہ مشکوک نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ "چور ہو؟ یا اسکامر؟ یا کوئی کرائے کے قاتل؟ یا گینگسٹر؟"

"کتنی دفعہ بتایا ہے کہ مکینک ہوں۔ لکھ کے دوں کیا؟" چڑچڑا سا جواب آیا۔

"اچھا۔" تالیہ نے مشروب کا گلاس اٹھا کے گھونٹ بھرا اور پھر اسے واپس رکھا۔ رات کی برقی روشنیوں میں وہ دونوں ٹھنڈی ہوا میں تالاب کے کنارے میز پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"مان لیا۔ مگر مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ تم میرے کام آسکتے ہو یا نہیں۔ اس لیے یہ بتاؤ کہ تم کیا کرنا جانتے ہو؟"

"I Fix Things" وہ اس سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔

"ہوں۔ صرف چیزیں؟"

"چیزیں۔ مسئلے۔ لوگ۔" کندھے اچکائے۔

"اور اس سے پہلے تم کتنے قابل ذکر کام کر چکے ہو؟"

"سوری مگر کیا یہ جاب انٹرویو ہے؟" ناگواری سے ماتھے پہ بل پڑے۔

"یومیہ اجرت تو جاب کی ہی ہوتی ہے۔" جتا کے بولی۔

"گرل.... اگر تمہیں میری مدد چاہیے تو میری قابلیت پہ بھروسہ رکھو۔"

"گرل؟" تالیہ نے دونوں ابرو اٹھا کے اس کے اندازِ تخاطب پہ تعجب ظاہر کیا۔ جواب میں اس نے شانے اچکائے۔

"تمہارے اپنے ملک میں بہت سے نام ہیں۔ مجھے کیا معلوم کہ کون سا اصلی ہے۔ خیر۔ کام بتاؤ۔" اس نے سنجیدگی سے

یاد دلایا تو تالیہ نے گہری سانس لی اور ہلکی سی مسکرائی۔اس کی آنکھیں چمکیں۔اس لمحے ان کی چمک تالاب کے نیلے پانی سے زیادہ تھی۔

"ہمیں ایک رائٹر کے ذہن سے ایک کتاب کو چرانا ہے۔ایسے کہ وہ اسے بھول جائے اور کبھی لکھ نہ سکے۔اور یہ کتاب لکھے جانے سے پہلے ہی مر جائے۔"

"انٹرسٹنگ۔اور یہ کس طرح کی کتاب ہے؟" جہان کی آنکھوں میں دلچسپی اور تجسس ابھرا۔

"سیاست میں دو طرح کی کتابیں ہی تہلکہ مچاتی ہیں۔ایک وہ جیسی ایڈم بن محمد لکھتا ہے۔حکمرانوں کی کرپشن کو بے نقاب کرنے والی۔اور دوسری وہ جو سیاستدان کی ایکس وائف لکھتی ہے۔اسکینڈلز اور سنسنی سے بھرپور جو....."

"نیلوفر بخت.....تم نیلوفر بخت کے پیچھے آئی ہو یہاں!" وہ بات کاٹ کے کراہا جیسے یہ خیال پہلے نہ آنے پہ غصہ آیا ہو۔"ظاہر ہے تمہاری وزیراعظم نے تمہیں اسی کے لیے یہاں بھیجا ہوگا۔میں سمجھا تھا کوئی سرکاری کام ہوگا۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا جیسے ساری بات سمجھ میں آ گئی ہو۔"مگر کیا یہ سچ ہے کہ نیلوفر بخت واقعی کتاب لکھ رہی ہے؟"

"ہاں۔صوفیہ رحمٰن کی سوتیلی ماں نیلوفر بخت کتاب لکھ رہی ہے داتو سری عبدالرحمٰن کے خلاف اور وہ اسے الیکشن کیمپین شروع ہونے سے پہلے مارکیٹ میں لائے گی تاکہ...."

"تاکہ اس کتاب کے ذریعے صوفیہ رحمٰن کے خاندان سے لوگوں کو بدظن کیا جائے۔"

"تم بار بار میری بات کیوں کاٹ رہے ہو؟"

"تم بار بار دائیں طرف کیوں دیکھ رہی ہو؟" وہ دوبدو بولا تو تالیہ نے ناگواری سے سر جھٹکا اور بات جاری رکھی۔(اب کی دفعہ لہجہ دوستانہ نہیں تھا۔)

"تم جانتے ہی ہو گے کہ نیلوفر بخت عمر میں صوفیہ جتنی ہی ہوگی۔اس کی آٹھ نو برس پہلے عبدالرحمٰن صاحب سے طلاق کے بعد تین سالہ شادی شدہ زندگی ختم ہوئی تھی۔نیلوفر پہلے اٹلی چلی گئی اور پھر مصر آ گئی۔اس کا منہ بند رکھنے کے لئے داتو سری عبدالرحمٰن اس کو سالانہ بھاری رقم دیتے تھے۔مگر ان کے انتقال کے بعد جب صوفیہ کو معلوم ہوا کہ اس کا باپ اس عورت کے ہاتھوں بلیک میل ہوتا تھا تو اس نے وہ پیسے بند کروا دیے۔نیلوفر ان پیسوں کے علاوہ بھی متعدد حکومتی فیورز لیتی رہی تھی کیونکہ اس کے پاس ایک ترپ کا پتہ تھا۔"

"صوفیہ کے باپ کے ساتھ گزرے تین سال۔آئی گیٹ اٹ۔" وہ ان تفصیلات سے بور ہونے لگا تھا مگر تالیہ نے بات جاری رکھی۔

''بالکل۔اس کے پاس ان تین سالوں کی یادیں تھیں اور وہ ایک کتاب لکھ کے عبدالرحمٰن پہ کیچڑ اچھال سکتی تھی۔لوگ یقین کریں یا نہ کریں' ایسی کتابیں عزتیں اچھالتی ہیں اور اسکینڈل بنتے ہیں۔عبدالرحمٰن یہ نہیں چاہتے تھے اس لئے اس سے ڈرتے رہے مگر ان کی موت کے بعد نیلوفر کو پیسے دینے کا سلسلہ رک گیا۔صوفیہ اور نیلوفر کے درمیان اتنی نفرتیں حائل تھیں کہ وہ اس عورت کو ایک پائی دینے سے بھی انکاری رہی۔نیلوفر نے پہلے بہت شور مچایا پھر خاموشی اختیار کر لی۔دو سال پہلے اس نے ایک کتاب لکھنی شروع کی اور اب تین چار ماہ قبل اس نے اپنے دوستوں کے سرکل میں اس بات کو ظاہر کیا کہ اگلے ماہ جب الیکشن کمپئین شروع ہوگی' وہ اپنی کتاب کو منظر عام پہ لا کے صوفیہ کو تباہ کر دے گی۔''

''ہوں۔تو صوفیہ کیا چاہتی ہے؟''

''یہی کہ میں اس کتاب کو اس کے ذہن سے یوں چراؤں کہ وہ اسے کبھی لکھ نہ سکے اور اس کا منہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے۔''

''تو صوفیہ اسے گولی مروا دے۔سمپل۔''

جواب میں تالیہ نے تادیبی نظروں سے اسے گھورا۔

''صوفیہ رحمٰن سیاستدان ہے۔قاتل نہیں۔اسے اپنے ہاتھ صاف رکھنے ہیں۔''

''کیوں؟اس نے اپنے مخالف سیاستدان کی بیٹی کو بھی تو مروایا تھا نا۔''وہ شانے اچکا کے بولا تو تالیہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''وہ صرف ایک الزام ہے مگر دیکھو اس کی سزا وہ ابھی تک بھگت رہی ہے۔ایک اور قتل اپنے سر کیوں لے؟''

''ہوں۔انٹرسٹنگ۔لیکن تم تو اس کے مخالف کیمپ سے ہو۔تم اس کی مدد کیوں کر رہی ہو؟''

تالیہ کے چہرے پہ ایک دم برہمی ابھری۔

''میں کسی کے کیمپ میں نہیں ہوں۔''وہ تیزی سے بولی۔''میں صرف اپنی مدد کر رہی ہوں۔''

ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھے جہان نے غور سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''شاید تم اپنے لیڈر سے ناراض ہو۔میرا مشورہ مانو تو اس کتاب کو آنے دو۔تمہارا لیڈر آسانی سے جیت جائے گا اور تم خود....''تھوڑی کھجاتے ہوئے سوچا۔''...تم بھاگ جاؤ اور اپنی جان بچاؤ۔رہی نیلوفر تو وہ کسی صورت کتاب نہیں روکے گی۔''

''کیا میں نے تم سے مشورہ مانگا ہے؟''

جہان نے شانے اچکائے۔''مفت تھا۔''

''تم بتاؤ تم میری مدد کرو گے یا میں خوامخواہ تمہیں برداشت کر رہی ہوں؟''وہ سنجیدگی سے بولی۔

اس نے گہری سانس لی اور تالاب کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''ویل.... مجھے اور تمہیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صوفیہ رحمٰن کو چاہیے کہ نیلوفر کو پیسے دے دے۔''

''اب دیر ہو چکی ہے۔ اس نے خاندان والوں کے سمجھانے پہ ایک دفعہ کوشش کی لیکن نیلوفر بخت کی نفرت بہت بڑھ چکی ہے۔ اگر دوبارہ آفر کی تو نیلوفر اس آفر کو سرِ عام ایکسپوز کر کے ظاہر کرے گی کہ اس کا منہ بند کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یوں لوگ مزید اس کی کتاب کا یقین کریں گے۔''

''تو اس کو ڈرائیں۔ جان کی دھمکی دیں۔ اس کا کوئی ویک پوائنٹ ڈھونڈ کے....''

''بلیک میلنگ اس کو خاموش کروا سکتی ہے جس کے پاس کھونے کو کچھ ہو۔ نیلوفر ایک بدنام عورت ہے۔ سارے ملائیشیاء کو معلوم ہے کہ اب تک وہ عبدالرحمٰن کے پیسے پہ عیش کر رہی تھی۔ اس کی بیٹی جو اس کے پہلے شوہر سے ہے' وہ مہنگے اسکول میں پڑھتی تھی۔ بیٹا امریکہ میں بورڈنگ میں داخل تھا۔ لیکن جب پیسہ کم ہوتا گیا تو نیلوفر نے عبدالرحمٰن کے خلاف چھوٹے موٹے انٹرویو دینے شروع کیے۔ یہی اس کا ذریعہ معاش ہیں۔ وہ بہت سے مردوں کے ساتھ گھومتی ہے۔ اس نے عزت کھو دی ہے۔ اب وہ کس چیز کے لئے ڈرے؟''

''وہ اتنی بدنام ہے تو لوگ اس کا یقین کیوں کریں گے؟''

''کیونکہ لوگ لوگ ہوتے ہیں۔'' وہ زخمی سا مسکرائی۔ ''انہیں sensational مسالے دار چیزیں دلچسپ لگتی ہیں' چاہے سامنے والے کی عزت تباہ ہو جائے۔ سرِعام بدنام ہونے سے سب ڈرتے ہیں۔''

''.Hell hath no fury like a Woman scorned'' اس نے تبصرہ کیا۔

''اس لئے اس کو بلیک میلنگ خاموش کرا سکتی ہے نہ پیسہ دے کر اس کا منہ بند کیا جا سکتا ہے۔ کوئی تیسرا حل کر کے اس کتاب کو روکنا ہوگا۔''

''تم بار بار ان درختوں کو کیوں دیکھ رہی ہو؟ وہاں کوئی ہے کیا؟'' اس نے گردن موڑ کے تالیہ کی نظروں کے تعاقب میں دور کھجور کے درختوں کو دیکھا اور پھر واپس تالیہ پہ مشکوک نظریں جما دیں۔

''تمہیں کیا میں جہاں بھی دیکھوں۔ تم نے میری بات غور سے سنی بھی ہے یا نہیں؟''

ٹیک لگا کے بیٹھے جہان نے کندھے اچکائے۔ پی کیپ کے سائے میں بھی اس کی گہری بھوری آنکھوں میں چھائی سوچ پہ دیکھ سکتی تھی۔ ''مجھے سمجھ میں آ گیا ہے سب۔ مگر پلان کیا ہے؟''

''تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔'' وہ گردن کڑا کے بولی۔ ''تم مجھے نیلوفر کے بارے میں معلومات اکٹھی کر کے

دو۔ مجھے اس کے گھر کے پتے اور فون نمبر کے علاوہ دولت صاحب نے کچھ نہیں دیا۔'' اس نے پرس سے ایک تہہ شدہ کاغذ نکال کے میز پہ رکھا تو جہان نے ہاتھ بڑھا کے اسے اٹھایا' پھر کھول کے پڑھا۔ پھر نظریں اٹھا کے غور سے تالیہ کو دیکھا اور کاغذ واپس میز پہ ڈالا۔

''ہو جائے گا۔ صبح ملتے ہیں پھر.... حالم؟'' وہ اٹھ کھڑا ہوا اور سوالیہ انداز میں اس کا نام لیا۔

''تم مجھے تالیہ کہہ سکتے ہو۔ تمہارے برعکس میں اپنے نام اور پیشے کے بارے میں جھوٹ نہیں بولتی۔'' تپانے والی مسکراہٹ سے اسے دیکھا تو اس نے ایک جتاتی نظر اس پہ ڈالی' منہ میں کچھ بڑبڑایا اور کیپ چہرے پہ جھکاتا آگے بڑھ گیا۔ وہ پتلیاں سکوڑے مشکوک نظروں سے اسے جاتے دیکھے گئی۔

کیا اس نے درست آدمی پہ بھروسہ کیا؟ اگر جو وہ جا کے نیلوفر کو سب بتا دے اور اس سے بھی رقم وصول کر لے؟ ڈبل ایجنٹ؟ مگر خیر... نیلوفر کے پاس دینے کو کوئی خزانے نہیں تھے۔ اور رہا یہ آدمی تو اس کے متعلق بھی وہ جان جائے گی۔

وہ گردن موڑ کے دوبارہ سے درختوں کے اس جھنڈ کو دیکھنے لگی۔ آس پاس ٹیبلز پہ لوگ بیٹھے کھانے پینے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے مگر وہ.... جوس کے گھونٹ بھرتی ان درختوں پہ نظریں جمائے ہوئے تھی۔

کوئی تھا جو اسے ان درختوں میں چھپ کے دیکھ رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

اس کی آنکھ کسی آواز سے کھلی تھی۔ وہ ایک دم تیزی سے اٹھ بیٹھی اور گھبرا کے ادھر ادھر گردن موڑی۔ وہ اس قید خانے میں تھی جس کا دروازہ سلاخوں سے بنا تھا؟ کیا حقان اسے تفتیش کے لیے بلانے والا تھا؟ اس نے ہاتھ مار کے دیوار ٹٹولنی چاہی جس سے وہ ٹیک لگا کے خود کو محفوظ تصور کرتی تھی مگر قریب میں کوئی دیوار نہ تھی۔ بستر نرم تھا۔ ٹیبل لیمپ کو ہاتھ لگا تو وہ جل اٹھا۔

تالیہ قاہرہ کے ایک ہوٹل کے بیڈروم میں تھی۔

چند لمحے تک وہ پلکیں جھپکا جھپکا کے اطراف کو دیکھے گئی۔ پھر بصارت ماحول سے آشنا ہوئی تو وہ بستر سے اتری۔ پھر ننگے پیروں سے چلتی کھڑکی تک آئی۔ رات کے اس پہر تالاب کے گرد کرسیاں ویران پڑی تھیں البتہ ساری بتیاں روشن تھیں۔ درختوں کا پراسرار جھنڈ اسی طرح کھڑا تھا۔ تالیہ نے میکانکی انداز میں کھڑکی کی کنڈی کھولی اور دو فٹ کی اونچائی پہ موجود کھڑکی سے ننگے پیر پھلانگ گئی۔ پھر تیز تیز ان درختوں کی جانب چلتی گئی۔

رات کو موسم ٹھنڈا ہو جاتا تھا اور تیز ہوا کے باعث اس کے بال پیچھے کو اڑنے لگے تھے مگر وہ پرواہ کیے بغیر تیز قدم اٹھاتی گئی یہاں تک کہ وہ درختوں کے پاس آ پہنچی۔

''کوئی ہے؟''اس نے ہلکا سا پکارا۔ایک درخت کے تنے پہ ہاتھ رکھ کے اس کی اوٹ سے آگے جھانکا۔

دور' اس جھنڈ کے وسط میں کوئی زمین پہ بیٹھا تھا۔ایک آدمی جس کے ہاتھ محنت سے سخت اور کھردرے ہو چکے تھے اور ماتھے پہ سرخ پٹی باندھ رکھی تھی۔وہ اکڑوں بیٹھا' مسکرا کے اوپر آسمان کو دیکھتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا۔ساتھ زمین پہ ایک بچی بیٹھی تھی۔اس کا لباس خاکی رنگ کا میلا گدلا سا تھا اور لمبے بال سیاہ تھے۔وہ بھی مسکرا کے گردن اٹھائے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔وہ دونوں مدھم سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔

تالیہ درخت کے تنے پہ ہاتھ رکھے کھڑی رہ گئی۔اس کی نظریں ان دونوں پہ جمی تھیں اور وہ پلک تک نہ جھپک پا رہی تھی۔پھر وہ تنے سے لگی نیچے بیٹھتی گئی۔ان دونوں کے انداز میں اکڑوں بیٹھی اور گھٹنوں کے گرد باز وحمائل کیئے' وہ یک ٹک انہیں دیکھے گئی۔

وہ دونوں جس قطعے پہ بیٹھے تھے وہ ان درختوں کے درمیان ہونے کے باوجود اس کا حصہ نہیں تھا۔وہ جنگل کی زمین جیسا تھا اور ان کے گرد قدیم ملاکہ کے جنگل کے درخت اگے کھڑے نظر آتے تھے۔

دفعتاً اس آدمی نے نظریں موڑیں اور اسے دیکھا۔پھر مسکرا کے سر کو خم دیا جیسے اسے قریب آنے کا اشارہ دے رہا ہو۔بچی نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اس طرف دیکھا۔تالیہ کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا پھنسا۔آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔وہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھی۔بس وہیں بیٹھی ان دونوں کو دیکھے گئی جواب اسے ہی دیکھ کے مدھم سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

اس قدیمی شہر کے درمیان سانپ کی صورت ایک دریا بہتا تھا جسے 'نیل' کہا جاتا تھا۔نیل کے ایک طرف موجود شہر کو قاہرہ کہا جاتا تھا اور دوسری جانب غیزہ Giza تھا۔قاہرہ اور غیزہ کو ایک خوبصورت پل نے جوڑ رکھا تھا جو ہر وقت ٹریفک سے معمور ہوتا تھا۔رات کو اس پل پہ مصنوعی روشنیاں چمک رہی تھیں۔مگر صبح ہوئی تو سورج نے سب روشنیوں کو بجھا دیا اور سارا شہر دن کی سفیدی میں ڈوب گیا۔

ایسے میں اس ہوٹل کے نیلے تالاب کے پار اگے درختوں کا جھنڈ بھی روشنی میں نہایا کھڑا تھا۔تالیہ اس وقت ان کے درمیان کھڑی تھی۔رات کو ہوٹل ملازمین کے آنے پہ وہ وہاں سے چلی گئی تھی لیکن صبح ہوتے ہی پھر سے آ گئی تھی۔سیاہ بالوں کو کیچر میں باندھے' وہ کندھوں پہ جامنی پونچو شال پہنے ہوئے تھی۔پونچو کے اوپر سامنے ایک سنہری لاکٹ سینے پہ پڑا نظر آتا تھا' اور سن گلاسز سر کے اوپر ٹکا رکھے تھے۔سیاہ اداس آنکھیں درختوں کے بیچ کھڑے ان باپ بیٹی پہ جمی تھیں۔

بچی ننھے ہاتھوں سے لکڑیوں کا گٹھا اٹھا رہی تھی....آدمی اس کے ساتھ تھا...وہ زمین پہ کٹی لکڑیوں کو گٹھے میں باندھتے ہوئے اسے بتا رہا تھا کہ اسے گھر کا راستہ کیسے ڈھونڈنا ہے....ستارے سے....ستارے کے تعاقب سے....اگر اس کا دل چاہے گا تو سارے راستے ستاروں کے بغیر بھی مل جائیں گے۔

بچی غور سے سن رہی تھی۔بات کرتے ہوئے اس آدمی نے گردن اٹھا کے تالیہ کی سمت دیکھا۔دونوں کی نظریں ملیں تو وہ مسکرایا۔تالیہ کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔وہ کہنا چاہتی تھی کہ واپسی کے راستوں کی تلاش ان کو ہوتی ہے جن کو پیچھے رہ جانے والوں سے ملنے کی خواہش ہوتی ہے۔اسے نہیں رہی تھی۔

اور پھر...دیکھتے ہی دیکھتے.....ان درختوں کے جھنڈ میں ایک اور منظر چھلکنے لگا۔گھوڑے پہ بیٹھا وہی آدمی....ماتھے پہ بدستور سرخ پٹی باندھے....کندھوں تک آتے سیاہ بال لیے...شاہی پوشاک پہنے....مسکرا کے کہہ رہا تھا.....

''مجھے تمہارا انتظار رہے گا' تالیہ۔تمہاری واپسی کا انتظار.....''

(کیا آپ کو اب بھی میرا انتظار ہے بابا؟ تالیہ کھو گئی ہے۔اسے گھر کے سارے راستے بھول گئے ہیں۔نہ ستارے رہے ہیں' نہ چاند....نہ ہی.....'')

''تالیہ؟''

وہ بری طرح ڈر کے پلٹی۔

نہ کوئی چاپ آئی تھی' نہ آواز۔وہ جانے کب اس کے پیچھے آ کے کھڑا ہوا تھا اور اب تنقیدی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے' گرے سوئیٹ شرٹ کے آستین موڑے' ماتھے پہ پی کیپ سے سایہ کیے وہ شدید برہم نظر آتا تھا۔تالیہ نے سینے پہ ہاتھ رکھے گہری سانس لی۔

''اوہ جہان۔تم نے مجھے ڈرا دیا۔آؤ وہاں چل کے.....''

''اور جو تم نے کیا؟''اس کے ماتھے پہ بل تھے۔

تالیہ نے رک کے اسے دیکھا۔

''دیکھو میں نے کہا ہے میں پیسے دے دوں گی' تو دے دوں گی۔اب کام کی بات.....''

''تو پھر میرے فنگر پرنٹس سے کیا معلوم ہوا تمہیں؟''وہ درشتی سے پوچھ رہا تھا۔

وہ رک کے اسے دیکھنے لگی۔''ایکسکیوز می؟''

جہان کے عقب میں نیلا تالاب دھوپ میں چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔روشنی اس کے اطراف سے نکل کے تالیہ کے

چہرے پہ پڑ رہی تھی اور وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے شدید برہم نظر آتا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے مجھے نہیں معلوم کہ رات تم نے مجھے نیلوفر کا پتہ ایک کاغذ پہ لکھ کے کیوں دیا تھا؟" وہ دبے دبے غصے سے کہہ رہا تھا۔" تاکہ میرے جاتے ہی تم اس کاغذ کو فنگر پرنٹ ٹیسٹ کے لئے اپنے ایک مصری کانٹیکٹ کو بھیج دو۔تمہاری اطلاع کے لیے... مجھے صبح سے پہلے ہی کال آ گئی تھی کہ کسی نے میرے فنگر پرنٹ سے میرا بیک گراؤنڈ ڈیٹا نکلوانے کی کوشش کی ہے۔"

"اوہ....اچھا۔" تالیہ نے سینے پہ بازو لپیٹے اور اسی کے انداز میں چمک کے بولی۔"اور تم نے جو سم مجھے دی' تم اس سے بالکل بھی میری لوکیشن ٹریس نہیں کر رہے ہو نا؟ اور ہاں....تمہاری سم میں جو بگ لگا تھا' اس سے تو میں بالکل بھی واقف نہیں ہوئی۔"

مگر وہ قطعاً شرمندہ نہ ہوا۔اس کی بات ان سنی کر گیا۔

"اگر تمہارے پاس پہلے ہی مصری دوست تھے تو مجھے ہائر کرنے کا مقصد؟"

"وہ سیاسی دوست ہیں۔سفارت خانے میں کام کرتے ہیں۔تمہاری طرح کرمنلز نہیں ہیں۔دیکھو...." گہری سانس لی اور مصالحتی انداز میں دونوں ہاتھ اٹھا کے بولی۔"میں تمہیں نہیں جانتی۔اس طرح تمہارے ساتھ کام کر رہی ہوں تو تمہارا بیک گراؤنڈ چیک کروانا ضروری تھا۔"

"اوہ....اور میرے فنگر پرنٹس نے کیا بتایا میرے بارے میں؟"

"وہی جو تم نے کہا تھا۔" اس نے بغیر شرمندہ ہوئے بے پرواہی سے شانے اچکائے۔" تم قاہرہ کے ایک مکینک ہو۔جہان سکندر تمہارا نام ہے اور پچھلے چند ماہ سے یہاں مقیم ہو۔"

وہ چند لمحے آنکھیں سکوڑ کے اسے دیکھتا رہا' پھر جیب سے ہاتھ نکالے اور دایاں ہاتھ اوپر کیا۔تالیہ چونک کے اس کے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

جہان نے اپنی ایک انگلی کے پورے سے جھلی سی اتاری۔

"میں فیک فنگر پرنٹس لگاتا ہوں' مادام۔میں نے اپنے اصلی فنگر پرنٹس کئی سال پہلے جلا دیے تھے۔" اس نے اپنا بے داغ پورا دکھایا اور پھر جھلی واپس لگا دی۔وہ اسی طرح چپک گئی۔"But nice try!" طنز سے مسکرایا۔

"تم مجھے پورے قاہرہ میں Stalk کر سکتے ہو اور میں تمہارا بیک گراؤنڈ چیک نہیں کرا سکتی؟ ڈبل اسٹینڈرز!"

وہ دونوں درختوں کے جھنڈ میں آمنے سامنے کھڑے بحث کر رہے تھے۔

''سنو لڑکی....'' وہ سنجیدگی سے ماتھے پہ بل ڈالے بولا۔ ''اگر تمہیں میرے ساتھ کام کرنا ہے تو مجھ پہ بھروسہ کرو۔ میں یوں ہر غیر ملکی کون وومن کے ساتھ کام نہیں کرتا۔ اگر کر رہا ہوں تو مجھ پہ بھروسہ کرو اور....'' ان درختوں کو دیکھا۔'' اور ان درختوں کے ناسٹیلجا سے نکل کے کام پہ فوکس کرو۔''

''کون وومن؟'' اس کو وہ لفظ چابک کی طرح لگا۔ گال سرخ ہوئے۔

''اوہ سوری۔ تم کون وومن نہیں ہو۔ تم تو.... کیا کہا تھا احمد نظام نے....(کنپٹی پہ ہاتھ رکھ کے یاد کیا) ہاں.... تم تو تاشہ پسونا ہو.... پسونا.... ساحرہ.... بٹ یو نو واٹ....'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چند قدم آگے آیا.... یہاں تک کے اس کے عقب میں نظر آتا تالاب چھپ گیا۔

''میرے نزدیک تم ایک بے وقوف لڑکی ہو جس نے یوں میرا بیک گراؤنڈ چیک کروا کے... میرا اعتبار توڑ کے میرے ساتھ کام کرنے کا موقع کھو دیا ہے۔'' وہ چبا چبا کے کہہ رہا تھا۔'' تم زیادہ سے زیادہ ہیری پوٹر کی ایک جادوگرنی ہو... ناشکری جادوگرنی... جو دریا میسر ہونے کے باوجود اس پہ تالاب بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ بٹ یو نو واٹ... تم کوئی ساحرہ نہیں ہو نہ میں تمہارا ملازم ہوں۔ یہ میرا ہوم ٹرف ہے' یہاں میرے ساتھ گیمز نہ کھیلو۔ کیونکہ اگر تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے تو میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔''

ایک ایک لفظ اندر تک سلگا دینے والا تھا۔ تالیہ کا چہرہ سرخ ہوا۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر صدمہ اتنا شدید تھا کہ وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔ وہ اسے گھورتے ہوئے پلٹ گیا اور وہ وہیں کھڑی رہ گئی۔

پھر گردن موڑی تو درختوں کے جھنڈ میں وہ دونوں دکھائی دیے۔

لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے کھڑا سرخ پٹی والا آدمی اسے دیکھ رہا تھا۔ اور ساتھ اس کی ٹانگ برابر آتی بچی' جس نے ننھے بازوؤں میں خشک لکڑیاں اٹھا رکھی تھیں' اس کی آنکھیں بھی تالیہ پہ جمی تھیں۔

وہ چند لمحے ان دونوں کو دیکھتی رہی یہاں تک کہ نگاہوں کے سامنے گیلی دھند چھاتی گئی۔ گال ابھی تک سرخ دہک رہے تھے۔

''تمہیں گھر کا راستہ بھول گیا ہے تالیہ؟'' وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ ان دونوں کی اس پہ جمی آنکھیں منتظر تھیں۔ وہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔

اس کی واپسی کا۔

گھر لوٹ کے آنے کا۔

تالیہ نے مٹھی سے آنکھیں صاف کیں تو درختوں کا جھنڈ خالی نظر آیا۔

وہ دونوں غائب ہو چکے تھے۔

اس نے گردن موڑی تو تالاب بھی سنسان پڑا تھا۔ جہان جا چکا تھا۔

''بدلحاظ آدمی۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی اور آنکھیں دوبارہ رگڑیں۔'' تالیہ کو کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ مجھے ہیری پوٹر کی Witch کہے۔ ہونہہ!''

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کمرے میں کھڑی تھی۔ ہاؤس کیپنگ سے آئی ملازمہ اس کے برتن اٹھا رہی تھی تو اس نے پکارا۔

''سنو.... یہ کھڑکی کا پردہ بند کر دو۔''

''آر یو شیور میم؟'' ملازمہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔''باہر سے آتی روشنی تو تازگی کا احساس دیتی ہے۔''

''مگر مجھے اس کھڑکی سے یہ درخت نظر آتے ہیں جو میرے View کو بلاک کر رہے ہیں۔ مجھے یکسوئی سے کام کرنا ہے اور ان درختوں کو نہیں دیکھنا۔'' وہ سرد مہری سے کہہ رہی تھی۔ ملازمہ نے سر ہلا دیا اور پردہ کھینچ دیا۔

سارا کمرہ ایک دم اندھیرے میں ڈوب گیا۔ تالیہ نے مصنوعی بتیاں جلا دیں اور لیپ ٹاپ اٹھا لیا۔

اسے ماضی کی یادوں سے نکل کے کام پہ توجہ مرکوز کرنی تھی۔ وہ اکھڑ اور بدلحاظ آدمی تو چلا گیا' اب جو کرنا تھا اکیلے کرنا تھا۔ ایسے میں وہ ان درختوں کی کشش کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

☆☆=========☆☆

شام تک اس کا کمرہ کاغذوں کی دکان لگنے لگا تھا۔ جگہ جگہ پرنٹ آؤٹس بکھرے تھے جو وہ اپنے چھوٹے پرنٹر سے پرنٹ کر کر کے نکال رہی تھی۔ کچھ مروڑ تروڑ کے زمین پہ پھینکے تھے۔

اس وقت وہ کھڑکی کے ساتھ کرسی پہ بیٹھی تھی۔ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس' بال گول مول باندھے' پین ہاتھ میں پکڑے اور لیپ ٹاپ گھٹنوں پہ رکھے وہ کافی کا گھونٹ بھر رہی تھی۔ ساتھ رکھے تین خالی مگ اس کی حالت کے عکاس تھے۔

پھر اس نے مگ رکھا اور اسکرین فولڈ کی جیسے آج کا کام ختم کیا ہو۔ پھر سر اٹھا کے کمرے کی ابتر حالت کو دیکھا تو جو پہلی شے محسوس ہوئی وہ خاموشی تھی۔

خاموشی اور اکیلا پن۔

ایک دم سے کمرے کی دیواریں سمٹنے لگیں.... ایک دیوار سلاخوں والے دروازے میں تبدیل ہو گئی... وہ ٹھنڈی دیوار سے ٹیک لگائے خوفزدہ بیٹھی تھی.... اور سلاخوں کے پار کھڑا احقان طنز سے کچھ کہہ رہا تھا....

تالیہ نے زور سے سر جھٹکا تو وہ منظر غائب ہو گیا۔ یہ مناظر ان مستقبل کے خوابوں کی طرح نہیں اسے دکھائی دیتے تھے۔ یہ عجیب طریقے سے اس کے ارد گرد ابھی تک چکر لگا رہے تھے۔ وہ ذرا اکیلی ہوتی تو وہ اس کے آس پاس ابھرنے لگتے۔ نیند میں آوازیں سنائی دینے لگتیں۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور سر کرسی کی پشت سے لگا یا۔ سوچا تھا اب پیچھے رہ جانے والوں پہ افسوس نہیں کرنا' نہ ان کو یاد کرنا ہے مگر یادیں ہمارے اختیار کے ماتحت نہیں ہوتیں۔ اپنی مرضی سے آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں' یہ دیکھے بغیر کہ کسی کو کتنا دکھ دے گئی ہیں۔

اس نے فون اٹھایا اور ای میل کھولی۔

وہاں ایڈم کی ای میلز تھیں۔ داتن کی بھی اور فاتح کی بھی۔ ای میل کے سبجیکٹ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کی خیریت پوچھنا چاہتے تھے۔ تالیہ چند لمحے ای میلز کی ان فہرست کو دیکھتی رہی۔ پھر ایک ایک کر کے سب کو مارک کیا اور ڈیلیٹ کا بٹن دبایا۔ وہ اس کی اسکرین سے مٹ گئیں۔ دماغ سے نہیں گئیں۔

اسے ان تینوں کی ای میلز تو درکنار ان کی شکلیں بھی نہیں دیکھنی تھیں۔

پھر سر اٹھایا تو کمرہ اتنا ویران نہیں لگا۔ اس میں جگہ جگہ بکھرے کاغذ نظر آنے لگے جو اس کی توجہ کے منتظر تھے۔ ابھی تالیہ مراد کو بہت سا کام کرنا تھا اور وہ کر سکتی تھی۔ اس نے بازو لمبا کر کے ریسیور اٹھایا' مزید کافی آرڈر کی اور ایک دفعہ پھر سے اسکرین کھولی۔ وہاں اس کے اپنے لکھے الفاظ جگمگا رہے تھے۔

''نیلوفر بخت کون ہے؟''

اسکرین کی نیلی روشنی تالیہ کے چہرے کو چمکا رہی تھی اور وہ پتلیاں سکوڑے اپنے ریسرچ کر کے جمع کیے الفاظ پھر سے پڑھنے لگی تھی۔

☆☆=========☆☆

(نیلوفر بخت کون ہے؟)

یہ قاہرہ کا ایک پوش علاقہ تھا۔ سڑک کنارے خوبصورت اسٹورز اور ریستوران بنے تھے۔

ایسے میں ایک کافی شاپ کے اوپر عربی میں جلی حروف میں ''ستار بکس کافیہ'' لکھا نظر آتا تھا۔

شیشے کی دیواروں سے مزین یہ شاپ کافی کی مہک سے بھری تھی۔ باریستا باری باری گاہکوں کے کافی کپ کاؤنٹر پہ رکھ کے ان کے نام پکار رہا تھا۔ لوگ آتے اور اپنے کپ اٹھا کے لے جاتے۔

کونے کی ایک میز پہ بیٹھی تالیہ ''کافیہ'' کا گھونٹ بھرتی شیشے کی دیوار سے پار دیکھ رہی تھی۔اس نے سبز بُڈی پہن رکھی تھی جس کا ہُڈ سر کو ڈھانکے ہوئے تھا اور آنکھوں پہ نظر کا موٹا چشمہ لگا رکھا تھا۔

(نیلوفر بخت کون ہے؟)

باہر صبح کی روشنی میں پارکنگ میں ایک کار ابھی آ کے رکی تھی۔

فرنٹ کا دروازہ کھلا اور پہلے ایک سنہری ہیل والی سینڈل زمین پہ رکھی گئی اور پھر.....وہ عورت سیدھی ہوتی باہر نکلی۔

(نیلوفر ایک اڑتالیس برس کی خوبصورت عورت ہے جس نے بڑھتی عمر کے باوجود خود کو جم اور سیلون کی مدد سے فٹ رکھا ہوا ہے۔وہ بہت تعلیم یافتہ نہیں ہے مگر داتو سری عبدالرحمن کے ساتھ امراء و روساء کی محفلوں میں اٹھنے بیٹھنے نے اسے بہت گروم کر دیا ہے۔)

کار سے نکلنے والی عورت دراز قد اور خوبصورت تھی۔اس کے سیاہ بال لیئرز میں کندھوں پہ گرتے تھے اور ماتھے پہ Bangs کی صورت کٹے تھے۔کانوں میں ہیرے کے ٹاپس پہنے' انگلیوں میں انگوٹھیاں....ایش گرے کوٹ اور اسکرٹ تلے سیاہ جالی دار اسٹاکنگز پہنے' وہ باریک اونچی ہیل کے ساتھ چلتی ہوئی شاپ کے دروازے تک آ رہی تھی۔

(نیلوفر کے پاس فی الوقت اتنا پیسہ ہے کہ وہ اپنے فیشن اور رہن سہن کو پہلے کی طرح چلا سکے۔اس کے بہت سے مرد دوست اس کا خرچہ اٹھاتے رہتے ہیں۔مگر اس کی ساری توقعات اپنی آنے والی کتاب سے جڑی ہیں جو چھپتے ہی اسے کئی ملین کما کے دے گی۔اس لئے وہ ابھی تک فیشن' پارٹیز اور کپڑوں جوتوں پہ پیسہ پہلے کی طرح ہی لٹاتی جاتی ہے۔)

دکان میں داخل ہوتی عورت انڈین نقوش کی حامل تھی۔بڑی سیاہ آنکھیں' تیکھی ناک اور بے حد پرکشش مسکراہٹ کے ساتھ آنکھوں کو گھمانے کی خاص ادا جو شاپ میں داخل ہوتے ہی ہر مرد کو اس کی طرف متوجہ کر رہی تھی۔کہنی پہ بیگ لٹکائے' وہ اسی مغرور مسکراہٹ کے ساتھ چلتی ہوئی کاؤنٹر تک آئی۔

(نیلوفر کی پہلے شوہر سے موجود بیٹی کالج میں پڑھتی ہے۔فیلو فیروز اس کو کالج ڈراپ کر کے اسٹاربکس آتی ہے۔کافی لیتی ہے۔اور یہاں سے اس کو اپنے آفس جانا ہوتا ہے۔)

باریستا مسکرا کے اس کا کپ اسے دے رہا تھا۔نیلوفر نے گہری آنکھیں اس پہ مرکوز کیے کپ تھاما اور سرخ لپ اسٹک سے مزین ہونٹ ہلا کے تھینک یو کہتے ہوئے ''یو'' کو کافی لمبا کیا۔باریستا جھینپ کے مسکرا دیا اور سر کو خم دیا۔

''آپ کی کافی آپ کے ہاتھوں تک پہنچی' مادام۔''

''اور جانتے ہو میرے ہاتھوں کے اندر اور کیا مقید ہے۔'' وہ کاؤنٹر پہ آگے کو جھکی اور نوجوان باریستا کی آنکھوں میں

جھانکا۔ ’’ان ہاتھوں میں میرے ملک کی حکومت کا تختہ الٹنے کی طاقت ہے۔ میرے قلم کی ایک جنبش سے کوئی تباہ ہونے والا ہے۔‘‘

مسکرا کے واپس سیدھی ہوئی تو باریستا مزید جھینپ گیا۔

(نیلوفر اس وقت ساری کشتیاں جلا کے سرِ عام اپنی کتاب کا چرچا کرتی پھر رہی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ کوئی اس کو مروا نہیں سکتا' کوئی اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا کیونکہ الزام صوفیہ رحمٰن پہ آئے گا۔ اس کے پاس اب کھونے کو کچھ نہیں رہا۔)

کپ لے کر وہ مڑی اور ارد گرد کھڑے مرد گاہکوں پہ ایک مسکراتی نظر ڈالتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں بہت سی نظریں اس کے تعاقب میں دیوانہ وار لپکیں' وہاں ایک ادھیڑ عمر داڑھی والے صاحب نے افسوس سے ’’استغفراللہ....‘‘ اور دل میں ’’یا لہا من امرأۃ عاھرۃ‘‘ کہا تھا۔ (کتنی فاحشہ عورت ہے۔)

اس کے نکلتے ہی کونے میں بیٹھی ہڈ والی لڑکی اٹھی اور جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے باہر کی طرف بڑھی۔

(نیلوفر یہاں سے کافی لے کر سیدھی اپنی شاپ پہ جاتی ہے۔ اس نے ایک اینٹیک جیولری شاپ کھول رکھی ہے جس میں وہ بیٹھتی ہے۔ شاپ کی سیل کچھ خاص نہیں مگر یہ ایک طرح سے شیل کمپنی ہے جس کو رجسٹر کروا کے اس کے کھاتے میں وہ عبدالرحمٰن کے بھیجے پیسے ڈالتی تھی۔ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ نیلوفر کو خاموش رہنے کی قیمت ادا کی جاتی تھی۔ اسی لیے نیلوفر فخر سے کہتی ہے کہ وہ حلال کی روزی روٹی کما رہی ہے۔)

اینٹیک شاپ ایک پوش سی سڑک کے کنارے واقع تھی جہاں قطار میں برانڈڈ اسٹورز اور جیولری شاپس وغیرہ بنی تھیں.... یہاں سڑک کنارے چلتے اور دکانوں میں خریداری کرتے لوگ یا تو سیاح تھے یا شہر کے امراء۔ ان کا لباس اور انداز ان کی کلاس کا پتہ دیتا تھا۔

ایسے میں نیلوفر کی شاپ کے پار ایک دکان میں کپڑوں کے ریک الٹ پلٹ کرتی ہڈ والی تالیہ کی نظریں وہیں جمی تھیں۔ نیلوفر اپنی دکان میں داخل ہو رہی تھی۔ کافی کا کپ ہاتھ میں تھا۔ پہلے اس نے کرختگی سے ورکرز کو مخاطب کر کے کچھ کہا (ساری نازو انداز بھری مسکراہٹیں غائب ہو چکی تھیں۔) اور پھر وہ دکان کے اندر ایک دروازے کے پیچھے غائب ہو گئی۔

(نیلوفر کا اسی دکان کے اندر ایک آفس موجود ہے جہاں وہ اگلے دو گھنٹے تک کام وغیرہ کرتی ہے۔ وہاں سے نکل کے دوپہر میں وہ کسی نہ کسی ریستوران جاتی ہے جہاں اس کی طرح کی کوئی فارغ خاتون دوست گوسپ کے لئے اس کا انتظار کر رہی ہوتی ہے۔)

ابنِ بطوطہ مال زرد روشنیوں سے مزین ایک جدید طرز کا مال تھا۔ اندر آؤ تو یوں لگتا سارا زمانہ شاپنگ کرنے آ نکلا ہے۔

مال کے اندر ایک ریستوران کی درمیانی میز پہ ویٹر دھواں اڑاتے پلیٹر رکھ رہا تھا۔ وہاں ایک ڈائی بالوں والی خاتون بہت دلجمعی سے سامنے بیٹھی نیلوفر کی باتیں سن رہی تھی۔

''صوفیہ رحمٰن اس وقت انگاروں پہ لوٹ رہی ہے۔''نیلوفر انگوٹھیوں والا ہاتھ نچا کے محظوظ انداز میں بتا رہی تھی۔''اس کی ساری حکومتی مشینری کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک عورت کا منہ کیسے بند کروائیں۔ یہ ایک عورت (انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا) اگر بول پڑی تو اس کا سچ سارے ملائیشیا کو الٹا کے رکھ دے گا۔''

''واؤ۔ تو کب شائع کر رہی ہو کتاب؟''

''وہ سوال مت پوچھو میری جان جن کے جوابات دینا ناممکن ہوں کیونکہ اس وقت میں اپنی کتاب کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے' اور اسے کون شائع کر رہا ہے۔''اس نے چھری کانٹے کو پلیٹ پہ چلاتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔''بس یہ جان لو کہ جب یہ شائع ہوئی نا' تو ملائیشیاء کے لوگ اپنے آپ پہ شرمندہ ہو جائیں گے۔ وہ اپنے سیاستدانوں کے اعمال کے باعث کسی کو دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے ..... یہ بہت مزیدار فیلنگ ہے ہنی۔ ایک پورے ملک کی قسمت میرے ہاتھ میں ہے۔ جیسے چاہوں اس کو بدل دوں۔ میں اس وقت صوفیہ رحمٰن سے زیادہ طاقتور ہوں۔''

وہ اپنے ہاتھ کو مٹھی میں کھول بند کرتی غرور سے بتا رہی تھی۔

(نیلوفر بظاہر ایک بہادر اور پر اعتماد عورت کا امیج دیتی ہے مگر عموماً ایسی عورتیں نفسیاتی مسائل کا شکار ہوتی ہیں۔ نیلوفر لنچ کے بعد اپنی بیٹی کو پک کر کے گھر چھوڑتی ہے اور پھر اپنے سائیکاٹرسٹ کے آفس جاتی ہے۔ اس کے ذہنی مسائل اتنے ہیں کہ اسے ہفتے میں چار سے پانچ دن ڈاکٹر کے پاس جانا ہوتا ہے۔ وہ نیند کی گولیوں کے بغیر سو نہیں سکتی اور مسلسل اینٹی ڈپریسنٹ لیتی ہے۔)

نیلوفر اپنی کار ڈرائیو کرتی رش والی سڑک سے گزر رہی تھی۔ اس کے عقب میں ایک ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھی بُنڈ والی لڑکی سر جھکائے ڈائری میں کچھ نوٹ کیے جا رہی تھی۔

(سائیکاٹرسٹ کے پاس سے واپس آنے کے بعد وہ گھر جاتی ہے جہاں اس کے گھر والے اس کے منتظر ہوتے ہیں۔ نیلوفر پھر رات تک گھر سے نہیں نکلتی۔ ایسی عورتیں اپنی نر اولاد کو خود سے دور رکھتی ہیں اس لیے نیلوفر کے گھر میں صرف اس کی کم عمر بیٹی اور ماں رہتے ہیں جبکہ ٹین ایج بیٹا امریکہ میں بورڈنگ اسکول میں پڑھتا ہے۔)

ایک خوبصورت مگر چھوٹا سا بنگلہ رات کے اندھیرے میں اس کالونی میں کھڑا تھا۔ اس کے لان کی بتیاں اور کھڑکیاں روشن

نظر آ رہی تھیں۔ کچن کے جالی دار پردے سے اندر میز پہ اکٹھے ہو کے کھانا کھاتے لوگوں کے سائے دکھائی دیتے تھے۔ باہر تاریک سڑک پہ ایک درخت تلے کھڑی تالیہ غور سے ان افراد کو دیکھ رہی تھی۔ ایک نوعمر لڑکی.... خود نیلوفر اور ایک معمر عورت....ان کے ہیولوں سے اتنا ہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تینوں کسی بات پہ بحث کرتی کھانے میں مشغول تھیں۔

(یہ ویک ڈیز کا شیڈیول تھا۔ ویک اینڈز پہ البتہ نیلوفر رات کو پارٹیز یا کلب میں پائی جاتی تھی۔ ہر ماہ کم از کم ایک پارٹی تو نیلوفر بھی دیتی ہے اور فی الوقت وہ اپنے مردود ستوں کا دیا پیسہ لٹا رہی ہے۔)

اب سوال یہ تھا کہ اس ساری روٹین میں نیلوفر اپنی کتاب کب اور کہاں لکھتی تھی؟ کیونکہ ابھی تک نہ اس کے ہاتھ میں کہیں قلم کاغذ نظر آیا تھا اور نہ ہی وہ لیپ ٹاپ پہ ٹائپنگ کرتی دکھائی دی تھی۔

☆☆=========☆☆

تالیہ کے ہوٹل کا کمرہ اس صبح پہلے سے بہتر حالت میں تھا۔ اب جابجا کاغذات نہیں بکھرے تھے بلکہ کھڑکی کے ساتھ ایک اسٹینڈ رکھا تھا جس پہ فلپ چارٹ آویزاں تھے۔ وہ مارکر لئے کھڑی چارٹ پہ مختلف خانے بنا کے کچھ لکھ رہی تھی۔

(میں یہ سب تنہا بھی کر سکتی تھی۔ مجھے اس بدلحاظ آدمی کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔)

مارکر سے لکیر کھینچتے ناراضی سے سوچا۔ پھر سوچتی نظروں سے اس چارٹ کو دیکھا۔ نیلوفر کی کتاب کو اس کے ذہن سے نکالنے کے لیے اسے پہلے نیلوفر کے پبلیشر کو ڈھونڈنا تھا۔

(میں نے اس کو کچھ کہا کیوں نہیں؟ وہ میرے منہ پہ مجھے جادوگرنی کہہ دیا....اور میں دیکھتی رہ گئی۔ شیم آن یو تالیہ۔)

اس نے مارکر سے پبلیشر لکھ کے سوالیہ نشان بنایا۔ اگر کتاب اگلے ماہ ریلیز ہو رہی تھی تو اب تک وہ پرنٹ میں جا چکی ہو گی۔ یہ سارا کام اس کا پبلیشر خفیہ طور پہ کروا رہا تھا۔ کون تھا وہ پبلیشر؟

(ہیری پوٹر کی جادوگرنی.....یہی کہا تھا نا اس نے مجھے؟)

اسے نہ صرف نیلوفر کا منہ بند کروانا تھا بلکہ اس پبلیشر کو بھی ڈھونڈنا تھا۔ اگر کوئی نیلوفر کی کتاب اس موقع پہ تباہ کر سکتا تھا تو وہ پبلیشر تھا۔ وہی نیلوفر کو سمجھا سکتا تھا کہ یہ کتاب اتنے اسکینڈلز سے بھری ہے کہ قانونی فرنٹ پہ ان دونوں کو متعدد کیسز کا سامنا ہو سکتا تھا۔ نیلوفر دیوالیہ ہو جاتی مگر تب تک صوفیہ رحمٰن بھی تباہ ہو چکی ہوتی۔

(میرے نزدیک تم ایک بےوقوف لڑکی ہو جو میرا بیک گراؤنڈ چیک کروا کے....) اس نے سر جھٹکا اور صفحے پہ نگاہیں مرکوز کیں۔ نیلوفر اپنی نفرت میں اتنی آگے جا چکی تھی کہ اسے اپنی پرواہ نہیں رہی تھی۔ بس کسی طرح صوفیہ تباہ ہو جائے۔ بعد کی وہ بعد میں دیکھے گی۔

اس نے مارکر بند کر کے رکھا اور چارٹ کا صفحہ پلٹ دیا۔لکھا ہوا صفحہ پیچھے کو لٹکنے لگا اور سامنے نیا صفحہ آ گیا جس پہ پینٹنگ بنی تھی۔اگر کوئی روم سروس میں سے آئے تو وہ یہی صفحہ دیکھے گا۔

(ایک ناشکری جادوگرنی....جو دریا میسر ہونے کے باوجود اس پہ تالاب بنانے کی کوشش کرتی ہے....)

دروازے پہ دستک ہوئی تو اس نے (یس) کہا اور خود صوفے پہ بیٹھ گئی۔ویٹر ٹرے اٹھائے اندر آیا۔

وہ چند لمحوں کے لئے ہی فارغ ہوئی تھی اور فوراً سے کمرے کی ویرانی اور تنہائی محسوس ہوئی تھی۔

ویٹر کافی رکھنے لگا اور تالیہ نے موبائل کی اسکرین روشن کی۔

(جو دریا میسر ہونے کو باوجود اس پہ تالاب بناتی ہے۔بٹ یو نو واٹ.....)

ای میلز کھولیں تو چند نئی ای میلز اس کے انتظار میں تھیں۔اس نے پڑھے بنا ایک ایک کو مارک کر کے مٹا دیا۔

(تم کوئی ساحرہ نہیں ہو.....)

''میم.... پردے کھول دوں؟'' ویٹر نے ادب سے انگریزی میں پوچھا۔پاؤں میز پہ رکھے بیٹھی تالیہ نے سر کو خم دیا۔ویٹر آگے آیا اور پردے ہٹا دیے۔صبح کی سفیدی تیزی سے اندر آئی تو تالیہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

(تم کوئی ساحرہ نہیں ہو.....)

اس نے موبائل رکھ دیا اور کنپٹیاں سہلائیں۔اس آدمی کے الفاظ بار بار ذہن میں گونجتے تھے۔

(تم کوئی ساحرہ نہیں ہو نہ میں تمہارا ملازم ہوں۔)

وہ کمرے سے نکلنے پہ راضی نہ تھی اسی لیے ہاؤس کیپنگ کے عملے کو بلوالیا تھا۔دو میڈز اب جلدی جلدی کمرے کی صفائی میں لگی تھیں۔ایک بیڈ شیٹ تبدیل کر رہی تھی اور دوسری ویکیوم لگا رہی تھی۔وہ چپ چاپ بیٹھی ان کو دیکھے گئی۔

(یہ میرا ہوم ٹرف ہے۔میرے ساتھ گیمز نہ کھیلو۔تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے تو میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔)

گال تلے مٹھی رکھے اس کی باتوں کو سوچتے ہوئے تالیہ نے بھنویں چڑھا کے سر جھٹکا۔

اسے احمد نظام پہ غصہ آیا تھا۔کتنے مان سے انہوں نے کہا تھا کہ وہ آدمی اس کی مدد کرے گا۔

(یہ میرا ہوم ٹرف ہے۔)

اور یہ کہ بے شک وہ تھوڑے عرصے سے ہی مصر میں رہائش پذیر ہوا ہے مگر وہ وہاں ہر ضروری شخص یا جگہ کو جانتا ہے۔لیکن اس آدمی نے کیا کیا؟ وہ اسے چھوڑ کے چلا گیا۔وہ احمد نظام کو واپس جا کے کہے گی ضرور کہ.....

(یہ میرا ہوم ٹرف ہے۔)

تالیہ کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

ایک منٹ۔ کیا کہا تھا احمد نظام نے؟ وہ ''کچھ ماہ'' سے مصر میں مقیم ہے تو پھر مصر اس کا ہوم ٹرف کیسے ہوا؟

نہ وہ مصری تھا نہ برسوں سے وہاں مقیم تھا؟ پھر اس نے کیوں کہا کہ یہ اس کا ہوم ٹرف تھا؟

یا وہ کچھ اور کہہ رہا تھا؟

(دریا کے اوپر تالاب....ٹرف...ہیری پوٹر کی جادوگرنی.....)

وہ تیزی سے سیدھی ہوئی اور کھڑکی سے باہر دیکھا۔ اب وہ درختوں کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ دھوپ میں چمکتے نیلے تالاب کو دیکھ رہی تھی۔

''سنو؟'' وہ ملازمہ کی طرف گھومی۔ ویکیوم کرتی عورت نے سر اٹھا کے اسے دیکھا اور ویکیوم کا بٹن آف کیا۔

''جی؟''

''قاہرہ میں.....'' اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ''قاہرہ میں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں دریا کے اوپر تالاب بنا ہو؟ دریائے نیل کے اوپر....تالاب؟''

وہ ملازمہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔ البتہ تکیے کا غلاف چڑھاتی دوسری ملازمہ نے فوراً کہا۔

''دریائے نیل پہ مصنوعی تالاب تو نہیں ہوتے لیکن.....''

''لیکن؟'' وہ سانس روکے منتظر تھی۔

''دریا میں جو کروز شپس cruise ships چلتی ہیں....ان کے عرشے پہ سوئمنگ پول بنے ہوتے ہیں۔''

''اور ان تالابوں کے ساتھ گھاس کے مصنوعی ٹرف بھی بنے ہوں گے' ہے نا؟''

میڈ نے سر ہلایا۔ ''جی....یہ کروز شپ پورے ہوٹل ہوتے ہیں اور ان کے عرشے پہ ٹرف' سوئمنگ پول' ریستوران سب ہوتا ہے۔''

''اور....اور سیاح ان بحری جہازوں میں کمرہ لے کر....اس کو اپنا ''گھر'' بنا کے رہتے ہیں' ہے نا'' وہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلا رہی تھی۔ (ہوم ٹرف۔) ''کتنے کروز شپ ہوں گے اس وقت نیل کے دریا میں؟''

''بہت سے ہیں' مگر یہ پول اور گراس ٹرف وغیرہ صرف لگژری جہازوں پہ ہوتے ہیں۔''

''تھینک یو۔'' اس نے جھٹ سے لیپ ٹاپ کھولا اور کی بورڈ پہ انگلیاں چلانے لگی۔ دریا پہ تالاب....ہوم ٹرف....وہ اس کو اپنی لوکیشن بتا رہا تھا۔ کہ جب وہ اس پہ اعتبار کرنے کے قابل ہو جائے تو اسے ڈھونڈ لے۔ تا کہ دولت صاحب کے

تعاقب کار اگر سن بھی رہے ہیں تو کچھ جان نہ پائیں۔

کیا وہ آدمی کوئی بات سیدھے طریقے سے نہیں کہہ سکتا تھا؟

اسکرین پہ اب دریائے نیل میں چلنے والی لگژری شپ کے ناموں کی فہرست جگمگا رہی تھی۔ یہ تو بہت سارے نام تھے۔اس کا دل ڈوبا۔وہ انہی میں سے ایک پہ اسے ملے گا.....مگر وہ کیسے معلوم کرے کہ جہان کا 'ہوم' ان میں سے کون سا تھا؟

اس نے بے چین نظریں اسکرین پہ اوپر سے نیچے دوڑائیں۔

Alexander the Great Nile Cruise

Nile Goddess Cruise

زہرہ نائل کروز

رادامیس دوم نائل کروز

Minerva Cruise

وہ کھلے دل سے مسکرادی۔

وہ اسے منروا کروز پہ ملے گا۔

''منروا میک گانگال'' ہیری پوٹر کی ایک جادوگرنی کا نام تھا۔

اس نے مسکراتے ہوئے لیپ ٹاپ بند کیا اور اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔اب وہ مزید تنہا نہیں رہنا چاہتی تھی۔

جانے سے پہلے اس نے کھڑکی کا پردہ سختی سے بند کر دیا۔تالاب اور درخت پھر سے چھپ گئے۔

☆☆=========☆☆

نیل کا دریا کسی سانپ کی طرح بھورے خشک ٹیلوں کے درمیان سے گزرتا تھا۔

کہیں کہیں ان ٹیلوں کے کنارے سبزے سے بھرے ہوتے اور یوں لگتا کہ بھوری زمین کے درمیان بہتے دریا کے اطراف میں باریک سا سبز بارڈر بنا ہے۔

دریا کا پانی اس وقت سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا۔اس کے ساحل پہ ایک بڑا سا بحری جہاز کھڑا تھا جس سے لوگ اتر رہے تھے۔

بحری جہاز مستطیل تھا۔بالکل جیسے کوئی مستطیل عمارت ہو۔دور سے اس کی قطار در قطار کھڑکیاں دکھائی دیتی تھیں۔وہ کئی منزلہ تھا اور گراؤنڈ فلور پہ بالکل ہوٹلز کے داخلی دروازے کی طرح Entrance بنی تھی۔اندر جاؤ تو روشنیوں سے نہائی لابی

تھی۔لاؤنج صوفے' ریسیپشن ڈیسک....لفٹ کے کھلتے بند ہوتے دروازے' ٹرے اٹھا کے گھومتے ویٹرز۔

منروا کی پہلی منزل پہ کسینو' ریستوران' بال روم اور کھانے پینے کے دیوان بنے تھے۔اوپر والی تمام منزلوں پہ پرتعیش کمرے تھے جہاں مہمان ٹھہرتے تھے۔

جہاز کا عرشہ طویل سا تھا۔اس پہ ایک طرف اوپن ائیر ریستوران بنا تھا جہاں میزوں کے گرد کرسیوں کے پھول بنے تھے اور دوسری جانب گھاس کی ٹرف تھی۔اس کے پار بڑا سا سوئمنگ پول تھا جس کا نیلا پانی دھوپ میں چمک رہا تھا۔پول کے چاروں طرف سفید چیئرز رکھے تھے مگر اس وقت وہاں کوئی لیٹا یا دھوپ سینکتا دکھائی نہ دیتا تھا کیونکہ یہ جہاز کے آف لوڈ کا وقت تھا۔سات دن کے سفر کے بعد مہمان اتر کے واپس جا رہے تھے۔

سات دن تک جہاز نے خراماں خراماں نیل میں تیرتے ہوئے اپنے مہمانوں کو مختلف تاریخی مقامات اور اہرام دکھائے تھے۔اب سفر ختم ہو چکا تھا اور عرشہ قریباً خالی تھا۔

ایسے میں وہ عرشے کی ریلنگ پہ تنہا کھڑا جھک کے دریا کو دیکھ رہا تھا۔عقب سے آتی تالیہ کی طرف اس کی پشت تھی۔

''تم مجھے آسان الفاظ میں بھی بتا سکتے تھے کہ تم میرے ہوٹل میں تعاقب کاروں سے تنگ ہو۔''

سفید ہیٹ والی لڑکی گھاس پہ چلتی اس کے قریب آ کے رکی۔

ریلنگ پہ جھکے جہان نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔اس نے جینز میٹیریل کی نیلی کالر والی شرٹ پہن رکھی تھی اور آستین کہنیوں تک چڑھائے ہوئے تھے۔گہرے بھورے بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور آنکھوں پہ ڈارک سن گلاسز تھے۔اس لئے وہ اس کی آنکھوں کے تاثرات دیکھ نہ پائی۔

''تمہیں دو دن لگ گئے مجھے ڈھونڈنے میں۔''

تالیہ نے ہیٹ ترچھا کر کے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''آخری دفعہ آئی ہوں۔اب تمہارا کوئی پزل حل نہیں کروں گی۔''

جواب میں اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔''میں چاہتا تھا تم ان درختوں کی قید سے اپنا ذہن آزاد کرو اور کام پہ فوکس کرو۔تم یہاں تک آ گئی ہو اس کا مطلب ہے کہ تم کام کے لیے تیار ہو۔''

تالیہ اچھنبے سے اس کو دیکھنے لگی۔ہوا تیز تھی اور اسے بار بار اپنا ہیٹ سر پہ سختی سے جمانا پڑ تا تھا۔اسکرٹ اس کے ٹخنوں کے گرد ہوا سے پھڑ پھڑا رہی تھی۔

''تم نے کہا تھا تم لوگوں کو بھی فکس کرتے ہو۔تو تم مجھے فکس کر رہے تھے؟''

سن گلاسز پہنے کھڑا آدمی مسکرایا۔ ''کیوں؟ کیا تم دو دن پہلے کے مقابلے میں بہتر نہیں ہو؟''

وہ چپ ہوگئی۔ یہ وہ آدمی نہیں تھا جو اس سے پہلی دفعہ ملا تھا۔ شاید اب اس کو معلوم تھا کہ ارد گرد کوئی ان کا تعاقب نہیں کر رہا۔

''ہاں۔ میں بہتر ہوں۔ مگر تم....'' اس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''تم بتاؤ.... تمہیں واقعی پیسے چاہیے ہیں اس کام کے؟''

''میں پیسوں کے لئے کام نہیں کرتا' تالیہ۔ میں اپنے دوست کا مان رکھنے کے لئے یہ کروں گا۔ احمد نظام کا ایک ادھار ہے مجھ پہ۔''

''تو پھر تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا کہ تمہیں اتنے اور اتنے پیسے چاہیے ہیں؟''

جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے جہان نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

''I lie for a living.'' (جھوٹ بولنا میری نوکری ہے۔)

''ہوں.... مگر کسی نے مجھے کہا تھا کہ کچھ بھی مفت نہیں ملتا۔'' وہ جتا کے بولی۔ دونوں بحری جہاز کی ریلنگ پہ آمنے سامنے کھڑے تھے اور ان کے گرد ہوا بہت تیز تھی۔

''کچھ تو تم مانگو گے بدلے میں۔ نہیں؟''

''ہاں۔ تم میرے لیے ایک چیز کر سکتی ہو۔'' وہ بنا تامل کے بولا۔ ''جب میں نے تمہارے بارے میں سنا اور احمد نظام نے مجھے تمہارے بطور ایک کون وومن ''ایکٹو'' دورانیے کی ٹائم لائن دکھائی.... یعنی وہ تمام سال جن میں تم نے چوریاں کی تھیں.... تو میں نے نوٹ کیا کہ تم اس وقت کے ایل میں تھیں جب ایک رام کرشن نامی ایک ملے آئیل ٹائیکون کے پرائیوٹ میوزیم سے ایک چوری ہوئی تھی۔ تین رنگوں کے ہیروں والا ایک کنگن جس میں اہرام کی صورت ہیرے جڑے تھے۔''

تالیہ ایک دم کھلکھلا کے ہنس دی۔

''The heist of three pyramids'' وہ مسکرا کے بولی۔ (تین اہرام کی چوری)

''اور میں جانتا ہوں حالم کہ وہ کنگن تم نے ہی چرایا تھا۔''

''اگر میں نے چرایا بھی ہو تو اب تک تو میں اسے بیچ چکی ہوں گی۔ نہیں؟'' معصومیت سے پوچھا۔ ''تمہیں تو دے نہیں سکتی۔''

''مجھے وہ کنگن نہیں چاہیے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے وہ کیسے کیا؟''

"تم یہ جان کے کیا کرو گے؟" تالیہ نے مسکراہٹ دبا کے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"کیونکہ اس میوزیم کی سیکیورٹی جس فرم کے ذمے تھی' وہ اس قسم کے ٹمپریچر Sensitive شیشے کے باکسز میں چیزیں ڈالتے ہیں کہ الارم بجائے بغیر ان کو کھولنا ناممکن ہوتا ہے۔ میں آج تک ایسا نہیں کر سکا۔ اس لیے میں اس واردات پہ بہت حیران ہوا تھا کیونکہ پہلی دفعہ ان کی فرم کی مہیا کی گئی سیکیورٹی میں ایسا بریچ ہوا تھا۔ وہ کنگن بنا کسی الارم کے شور کے یوں غائب ہوا جیسے کبھی اندر تھا ہی نہیں۔ میں تمہاری آخر تک مدد کروں گا۔ تمہیں صرف مجھے یہ بتانا ہوگا کہ تم نے وہ کیسے کیا؟"

وہ پھر سے مسکرا دی۔ "تو تم مجھ سے کچھ سیکھنا چاہتے ہو۔ تمہارے اس سوال کا جواب بہت آسان ہے' میں ایک فقرے میں تمہیں بتا سکتی ہوں' مگر...." وہ رکی اور آنکھیں گھمائیں۔ "میں نے ابھی بتا دیا تو تم مجھے چھوڑ کے چلے جاؤ گے۔ اس لیے میں تمہیں اس کا جواب کام کے بعد دوں گی۔"

"ظاہر ہے!" وہ ابرو اچکا کے بولا۔

تالیہ نے گردن گھما کے ادھر ادھر دیکھا۔

"تو تم یہاں اس کروز پہ رہتے ہو؟ یہ تمہارا گھر ہے؟"

"میرا نہیں۔ یہ تمہارا گھر ہے۔ تمہیں.... بلکہ ہم دونوں کو کل سے یہاں آ کے رہنا ہوگا۔ ایک ہفتے کے لئے۔"

وہ چونکی۔ "کیوں؟"

"کیونکہ تمہارے پاس صرف آٹھ دن ہیں۔ کل صبح نیلوفر بخت اپنی فیملی اور فرینڈز کے ساتھ اس کروز پہ سوار ہوگی۔ ایک ہفتے کے ٹور کے بعد جب کروز ساحل پہ اترے گی تو وہ اپنے گھر جائے گی اور سامان سمیٹ کے کینیڈا کے لئے روانہ ہو جائے گی۔ وہاں جا کے وہ اسائیلم (پناہ) کے لیے اپلائی کر دے گی' اپنی کتاب لانچ کرے گی اور ہمیشہ کے لئے تمہارے لوگوں کی پہنچ سے دور ہو جائے گی۔ اس لئے تمہیں اس کی کتاب اس کے دماغ' دل جہاں سے بھی چرانی ہے' اسی کروز پہ اگلے سات دنوں میں چرانی ہے۔"

"اوہ!" اس نے لب گولائی میں سکوڑے۔ "تو ہم کہاں سے شروع کریں؟ میں نے کل اس کو فالو کیا تھا اور...." وہ تیز تیز بتانے لگی۔ "مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ انٹیک شاپ چلاتی ہے' دوستوں سے ملتی ہے' ہینگ آوٹ کرتی ہے' شاپنگ کرتی ہے اور رات کو گھر چلی جاتی ہے۔ اس کی کتاب کو روکنے سے پہلے ہمیں اس کی کتاب کا اصل مسودہ حاصل کرنا ہے اور اس کے پبلیشر کو ڈھونڈنا ہے تاکہ......"

جہان نے گلاسز اتارے اور افسوس بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم نے دو دن جن باتوں کو معلوم کرنے میں ضائع کیے ہیں' وہ تمہیں اس کے انسٹا گرام سے بھی معلوم ہو سکتی تھیں۔''

''اوہ....اور تم نے کیا معلوم کیا ہے اس کے بارے میں دو دن میں؟'' تالیہ کا دوستانہ لہجہ طنز میں بدل گیا۔

جواباً وہ مڑا اور جوگرز سے گھاس پہ چلتے ہوئے میکانکی انداز میں کہنے لگا۔

''میں نے تمہاری طرح اس کے لنچ' کافی اور ڈنرز پہ اس کا تعاقب نہیں کیا۔ بلکہ میں نے اس کے فنانشل ریکارڈز دیکھے۔ کریڈٹ کارڈز کے بلز دیکھے۔ اور میرا خیال ہے وہ کوئی کتاب نہیں لکھ رہی۔ وہ صرف صوفیہ رحمٰن کو دھمکا رہی ہے تاکہ اپنی قیمت بڑھائے۔''

''نہیں۔ وہ واقعی کتاب لکھ رہی ہے۔''

''تو اس کا کوئی ثبوت تو ہونا چاہیے تھا۔'' وہ دونوں گھاس پہ ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے۔ ''میں نے اس کی بینک اسٹیٹمنٹ میں کتاب کی ایڈوانس رائلٹی کے نام پہ کوئی پے منٹ نہیں دیکھی۔ بلکہ اس کو کوئی بڑی پے منٹ ملی ہی نہیں ہے۔ اس کے فون ریکارڈز میں کسی پبلشر یا لٹریری ایجنٹ کا نمبر نہیں ہے۔''

''پھر وہ ان سے واٹس ایپ یا ای میل پہ رابطہ کرتی ہوگی۔''

مگر وہ اس کو سنے بغیر بولے جا رہا تھا۔ '' اس کے گھر جو ڈاک موصول ہوتی ہے' اس میں کسی گھوسٹ رائٹر' صحافی یا پبلشر کا ایڈریس نہیں تھا۔ یو نو' مجھے لگا شاید کوئی اس کی جگہ کتاب لکھ رہا ہو۔ کوئی گھوسٹ رائٹر۔ مگر نہیں۔ میں نے مصر میں انگریزی کتابیں چھاپنے والے اور کینیڈا کے بڑے لٹریری ایجنٹس سے بھی رابطہ کیا ہے۔ کوئی بھی اس سے رابطے میں نہیں ہے۔ چند لوگوں نے اس کو آفر کی تھی مگر کتاب میں عبدالرحمٰن پہ اتنے الزامات کا خطرہ ہے کہ نامور پبلشرز پیچھے ہٹ گئے کیونکہ صوفیہ ان پہ مقدمات کر دے گی۔''

''اس کا مطلب ہے کہ جو پبلشر اس کی کتاب چھاپ رہا ہے' وہ اس سے کسی دوسرے نام' اکاؤنٹ اور نمبر سے رابطے سے ہوگی اور پیسے لے رہی ہوگی۔''

''اگر ایسا ہوتا تو وہ فنانشلی اتنی کمزور نہ ہوتی۔ یہ ویکیشن بھی اس کے کسی مرد مداح نے اس کو بک کروا کے دی ہے۔'' بحری جہاز کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ یاد رکھو تالیہ کہ کوئی بڑا پبلشر اس کی کتاب کو صوفیہ رحمٰن کو دکھائے اور اس کا کمنٹ لیے بغیر قانونی طور پہ نہیں چھاپ سکتا۔ کینیڈا جیسے ملک میں تو کبھی بھی نہیں۔''

''یعنی اس کا پبلشر اتنا بڑا رسک لے رہا ہے تو وہ بھی صوفیہ سے اتنی ہی نفرت کرتا ہوگا جتنی نیلوفر کرتی ہوگی۔''

جہان نے گھاس پہ چلتے ہوئے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔ ''ہاں۔ یہ ہو سکتا ہے۔ لیکن میں نے اس کے شاپنگ

بلز بھی چیک کیے۔وہ نہ کسی بک شاپ پہ جاتی ہے نہ قلم کاغذ خریدتی ہے۔سوائے اس کی بچی کی اسٹیشنری شاپنگ کے اُس کے گھر کوئی کاغذ نہیں آتا۔"

"تو وہ لیپ ٹاپ پہ لکھتی ہوگی۔" وہ ہر بات کا جواب دے رہی تھی۔وہ رکا اور چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اوکے۔آپ بتائیں۔آپ نے کیا معلوم کیا اس کے بارے میں؟" طنز سے کہہ کے وہ چلتے چلتے ایک جگہ رکا اور جوگر کی نوک سے گھاس کو مسلا۔ایک چوکور سا قطع اکھڑنے لگا تو اس نے جوگر سے واپس اس کو درست حالت پہ کر دیا اور پھر سے چلنے لگا۔

"میں تو بس اس کے لنچ' ڈنرز' کافی اور لپ اسٹک نوٹ کر رہی تھی۔"

"تم سے یہی امید تھی مجھے۔" چلتے چلتے وہ دونوں پول کے کنارے آ چکے تھے جہاں خالی چیئر رکھے تھے۔جہان نے گزرتے ہوئے ایک ترچھے رکھے چیئر کو ہاتھ سے موڑ کے سیدھا کیا اور اپنی کارروائی بیان کرنے لگا۔

"میں ان دو دنوں میں اس کے کانٹیکٹس' دوستوں' رشتے داروں کو بھی چیک کر چکا ہوں۔اگر وہ بک پبلشنگ کے لئے کینیڈا جا رہی ہے تو وہاں موجود اس کا کوئی جاننے والا اس کے پبلشر سے آگاہ نہیں ہے۔اگر وہ واقعی کتاب لکھ رہی ہے تو اس کتاب کی دوسری کاپی اس کے پبلیشر کے پاس ہوگی۔مگر پبلیشر کون ہے اور کہاں ہے؟"

"واؤ تمہیں دو دن میں اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو گیا۔تم ویسے کرتے کیا ہو؟"

جیبوں میں ہاتھ ڈالتے چلتا جہان مسکرایا اور نظریں ترچھی کر کے اسے دیکھا۔

"بتا چکا ہوں۔مکینک ہوں۔"

"پہلے مجھے لگا کہ تم کسی مافیا کے لیے کام کرنے والے کرمنل ہو مگر نہیں۔"

وہ ایک دم اس کے سامنے آئی تو وہ رک گیا۔

ہیٹ والی لڑکی آنکھوں میں چمک لیے اسے دیکھ رہی تھی۔"تم جاسوس ہو۔"

"اچھا اور یہ تمہیں میرے لنچ' ڈنرز اور کافی پہ تعاقب کر کے معلوم ہوا؟" جواب اطمینان سے آیا تھا۔

"دیکھو..تم صرف چند ماہ سے یہاں ہو۔نام معلوم نہیں اصلی ہے یا جعلی...مگر تم جیسے لوگ اتنے ماہ میں اگر اتنے کانٹیکٹس بنا لیں تو وہ انڈر کور آپریٹوز ہوتے ہیں۔پہلی طرح کے انڈر کور آپریٹو مافیا یا برے لوگوں کے لئے کام کرتے ہیں۔مگر تمہیں پیسے نہیں چاہیے ہیں اس کا مطلب ہے تم اقدار اور روایات کا پاس رکھنے والے ہو اور تمہارا تعلق دوسری طرح کے آپریٹوز سے ہے جو حکومتی جاسوس ہوتے ہیں۔کس حکومت کے' یہ بتانا مشکل ہے مگر تم چور نہیں ہو۔تم کون مین بھی نہیں ہو۔تم جاسوس ہو۔"

جہان کے تاثرات نہیں بدلے۔وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ کے ابرو اٹھا کے بولا۔

''اس کے علاوہ مزید کوئی گیس میرے بارے میں؟''

''تمہیں چیزیں فکس کرنا پسند ہیں۔تم دوسروں کا انتظار کیے بغیر ان کو خود سے ٹھیک کرنے لگتے ہو'اس کا مطلب ہے تم نے زندگی کا ایک لمبا عرصہ اکیلے'خود انحصاری کرتے ہوئے گزارا ہے اور تم کسی پہ اعتبار نہیں کرتے۔''

''تمہاری بات رد کر کے میں تمہارا دل نہیں توڑوں گا لیکن....''افسوس سے گہری سانس لی۔''آئی وِش تم نے اپنی یہ Skills نیلوفر پہ استعمال کی ہوتیں تو ہمیں یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ کتاب کب اور کہاں بیٹھ کے لکھتی ہے۔''

کہہ کے وہ آگے بڑھا تو وہ اس طرح کھڑی اسے دیکھتی رہی۔پھر پیچھے سے پکارا۔

''وہ روز صبح اپنی اینٹیک شاپ کے آفس کے اندر بیٹھ کے اپنی کتاب لکھتی ہے۔''

جہان کے قدم وہیں زنجیر ہوئے۔وہ آہستہ سے گھوما اور اس کی طرف چہرہ موڑا تو آنکھوں میں واضح حیرت تھی۔

''تمہیں کیسے معلوم؟تم تو کل اس کی شاپ کے اندر تک نہیں گئی تھیں۔''

''کیونکہ جب تم اس کے فنانشل ریکارڈز'کریڈٹ کارڈز اور فلائٹ ڈیٹیلز کو کنگھال رہے تھے تو میں اس کی لپ اسٹک نوٹ کر رہی تھی۔''

سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی لڑکی مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

''تم اچھے جاسوس ہو لیکن نہ تم لڑکی ہو نہ تم کسی رائٹر کے فرینڈ رہے ہو ورنہ تم نوٹ کرتے کہ جب وہ کافی لے کر اپنی شاپ میں داخل ہوتی ہے تو اس کے کپ پہ اس کی لپ اسٹک کا کوئی نشان نہیں ہوتا۔یعنی وہ کار میں کافی نہیں پیتی۔کافی شاپ اس کی اینٹیک دکان سے دس منٹ کی ڈرائیو پہ ہے۔ جو لوگ ورک پلیس پہ جانے سے پہلے کافی لیتے ہیں وہ کار میں ہی اس کو ختم کر لیتے ہیں (کہتے ہوئے وہ رکی۔کوئی یاد آیا تھا۔)....تاکہ آفس میں داخل ہو کے کام کے ساتھ ان کو کچھ پینا نہ پڑے اور وہ فریش ہوں۔مگر وہ کون ہوتا ہے جس کو اپنے کام کے ساتھ ساتھ Caffine درکار ہوتی ہے؟''

وہ تھوڑی اٹھائے مسکرا کے اس سے پوچھ رہی تھی۔ہوا سے اس کے ہیٹ سے نکلتے بال پھڑ پھڑاتے ہوئے پیچھے کو اڑ رہے تھے۔

''رائٹر!''وہ دھیرے سے بولا۔

''بالکل۔رائٹرز کو کیفین آکسیجن کی طرح چاہیے ہوتی ہے۔اور میں ایک رائٹر کے ساتھ ایک لمبا عرصہ گزار چکی ہوں۔ رائٹر صرف ان اوقات میں لکھتے ہیں جب وہ فریش ہوں اور ساتھ ساتھ چائے یا کافی پیتے ہیں۔وہ اپنی کافی کو آفس کے اندر

لے کر جاتی ہے اور اسے اپنے کام کے ساتھ انجوائے کر کے پینا چاہتی ہے۔ باقی سارا دن نیلوفر کا مصروف گزرتا ہے۔ اگر وہ واقعی کتاب لکھ رہی ہے تو ذہن کی تازگی اسے صرف صبح کے ان اوقات میں میسر ہوتی ہے۔"

وہ دونوں ابرو اٹھا کے اسے دیکھتے ہوئے چند لمحے خاموش رہا۔ وہ انتظار کرتی رہی کہ وہ تعریف کرے گا مگر اس نے بے پرواہی سے شانے اچکا دیے۔

"او کے۔ کول۔ یعنی وہ واقعی کتاب لکھ رہی ہے۔ ٹھیک ہے ہم اس کا آفس چیک کر لیں گے۔ رات میں۔ کچھ نہ کچھ تو ملے گا وہاں سے۔" پھر اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ "اب مجھے چلنا چاہیے۔"

"مگر رات کو کب اور کیسے جانا ہے اس کی دکان میں؟ پلان تو ڈسکس کرو۔"

"ابھی مجھے دیر ہو رہی ہے۔ شام میں تمہارے ہوٹل آؤں گا تو بات کریں گے۔ اپنے تعاقب کاروں سے پیچھا چھڑوا لینا پلیز۔"

تالیہ نے پتلیاں سکوڑ کے غور سے اسے دیکھا۔ "تمہیں شاید کہیں پہنچنا ہے؟"

"اور تمہیں لگتا ہے میں تمہیں اس سوال کا جواب دوں گا؟" ابرو اچکا کے سنجیدگی سے کہتا آگے بڑھ گیا۔ وہ سوچتی نظروں سے اس کا تعاقب کرنے لگی جو اب پول کے کنارے چلتا دور جا رہا تھا۔ اسے واقعی کہیں پہنچنے کی عجلت تھی۔

☆☆=========☆☆

شام کی نیلاہٹ قاہرہ پہ پھیلنے لگی تو ہوٹل کے تالاب کے ساتھ درختوں کے جھنڈ پہ پراسراریت چھانے لگی۔ اسی وقت تالاب اور ارد گرد کی زرد روشنیاں ہوٹل کے عملے نے جلا دیں مگر سنہری ورق سے ڈھکے درخت مزید پراسرار دکھائی دینے لگے۔

پول کے ارد گرد میز کرسیوں پہ مہمان بیٹھے شام کے قہوے سے لطف اندوز ہوتے نظر آ رہے تھے اور یہ منظر تالیہ کے کمرے کی کھڑکی سے صاف نظر آتا تھا۔

کھڑکی کے سامنے چھوٹی میز تھی جس کے گرد آمنے سامنے دو کرسیاں رکھی تھیں۔ وہ دونوں ان پہ بیٹھے تھے۔ جہان اپنے فون پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔ پی کیپ اس نے نہیں پہن رکھی تھیں اور گہرے بھورے بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔ فون اسکرین پہ انگلی چلاتے ہوئے وہ گاہے بگاہے ایک سنجیدہ نظر سامنے بیٹھی تالیہ پہ ڈالتا اور واپس اپنے موبائل کو دیکھنے لگتا۔

وہ البتہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ چونکہ جہان مقابل بیٹھا تھا تو اس کے سامنے تالیہ کے لیپ ٹاپ کی پشت تھی۔ وہ بھنویں بھینچے اپنی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

ان باکس کھلا تھا اور ای میلز کی طویل قطار آج بھی موجود تھی۔ سب سے زیادہ ای میلز ایڈم کی تھیں۔ وہ کتنی دیر چبھتی نظروں سے ان کو دیکھتی رہی پھر ایک ایک کر کے ہر ای میل کو قطار میں مارک کیا اور ڈیلیٹ کا بٹن دبایا۔

''اگر ای میلز ڈیلیٹ ہی کرنی ہیں تو بار بار اپنا ان باکس کیوں کھولتی ہو؟''

تالیہ نے بری طرح چونک کے سر اٹھایا۔ وہ کرسی پہ ٹیک لگائے اپنے موبائل کو دیکھتے ہوئے سرسری سا تبصرہ کر رہا تھا۔ تالیہ نے بے یقینی سے اپنی اسکرین کو دیکھا اور پھر سر جھکائے بیٹھے جہان کو۔

''تمہیں کیسے معلوم کہ میں اپنی اسکرین پہ کیا کر رہی ہوں؟ ایک منٹ ایک منٹ!''

اس کے ماتھے پہ بل پڑے اور چہرہ سرخ ہوا۔

''وہ سم جو تم نے مجھے دی تھی' وہ صرف میری لوکیشن ٹریس نہیں کر رہی تھی بلکہ تم نے اس سے میرا فون اور ای میل بھی ہیک کر لیا ہے؟ تم یہ کیسے کر سکتے ہو؟ میں نے تم پہ اعتبار کر کے تمہارے ساتھ کام کرنا شروع کیا اور تم... تم میری پرائیوسی کو بریچ کرتے رہے ہو۔'' اس کے اندر جیسے غصہ ابل ابل رہا تھا۔ ایڈم کا سارا غصہ وہ اس پہ نکال رہی تھی۔

جہان نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا' پھر ابرو سے پیچھے کی طرف اشارہ کیا۔ تالیہ نے ناسمجھی سے گردن موڑی۔

اس کے پیچھے ڈریسنگ ٹیبل کا قد آور آئینہ آویزاں تھا جو اس کے لیپ ٹاپ کی اسکرین کا عکس واضح دکھا رہا تھا۔

تالیہ نے اب کے چہرہ آہستہ سے واپس موڑا۔ گالوں کی سرخی کم ہوئی مگر وہ پھر بھی گردن کڑا کے بولی۔

''ہاں تو مجھے کیا معلوم تم آئینے میں دیکھ رہے تھے یا تم نے میری اسکرین کو اپنے موبائل پہ mirror کر رکھا ہے۔''

ہاتھ سے بال کان کے پیچھے اڑسے اور شرمندگی چھپانے کو دوبارہ کندھے اچکائے۔ مگر اسکرین فوراً سے ٹھپ بند کر دی۔ (پتہ نہیں اس نے اور کیا کیا دیکھا ہے میری اسکرین پہ)

''میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ تم کافی دیر سے ٹوئٹر پہ کسی کو اسٹاک کر رہی تھیں۔'' وہ نظریں اپنے فون پہ جھکائے پھر سے تبصرہ کر رہا تھا۔ تالیہ نے تھوک نگلا اور خفگی سے اسے دیکھا۔

''میں اپنا ٹوئٹر دیکھ رہی تھی۔ کسی اور کا نہیں۔''

''ایک نصیحت کروں' تالیہ؟ اگر تم پیچھے رہ جانے والوں سے رابطہ نہیں کرنا چاہتیں تو ان کو اسٹاک کرنا اور اپنا ان باکس کھولنا بند کر دو اور کام پہ فوکس کرو۔''

''اور میں تمہیں ایک نصیحت کروں' جہان؟'' وہ جواباً چمک کے بولی۔ ''تم مجھے میرے دوستوں کے بارے میں نصیحت نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ میرے اندر اس وقت کیا چل رہا ہے' میں کن حالات سے گزر رہی ہوں اور

میرے کیا مسئلے ہیں؟''

جہان کی موبائل پہ چلتی انگلیاں تھمیں۔ آنکھیں اٹھا کے بے تاثر نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہوٹل سے نکلو اور مین بلیوارڈ سے دائیں مڑو تو دوسرے بلاک میں ایک سائیکاٹرسٹ کا کلینک ہے۔ چار پانچ سیشن لگا آؤ اس کے پاس۔ امید ہے افاقہ ہوگا۔''

تالیہ نے ضبط سے لب بھینچے اور پھر کچھ سخت کہنے ہی لگی تھی کہ جہان کے موبائل کی ٹون بجی۔ وہ تیزی سے سیدھا ہوا۔

''نیلوفر اپنی شاپ بند کر کے جا چکی ہے۔ اب اس کی شاپ میں ہم جا سکتے ہیں۔ چلو۔'' وہ موبائل جیب میں ڈالتا اٹھا اور پی کیپ سر پہ جمائی۔

''تھیراپی تم وہاں سے واپس آ کے بھی کروا سکتی ہو۔ No Offence۔''

کندھے اچکا کے ازلی بے مروت انداز میں بولا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ تالیہ نے محض سر جھٹکا اور اپنا بیک پیک اٹھا کے کندھے پہ ڈالا۔

آج اسے نیلوفر کی کتاب کا مسودہ مل گیا نا تو وہ اس آدمی کو فوراً فارغ کر دے گی۔ خوامخواہ وہ کیوں اس کی باتیں سنے؟

☆☆=========☆☆

رات کے سائے شہر پہ طویل ہو رہے تھے۔ نیل کے دریا پہ بنے پل پہ روشنیوں سے جگمگاتی ٹریفک میں کمی تھی۔ ایسے میں اس پوش علاقے کی اکثر دکانوں کی بتیاں گل ہو چکی تھیں۔ چند دکانیں روشن تھیں۔

نیلوفر کی اینٹیک شاپ کا گلاس ڈور اندھیر نظر آتا تھا۔ باہر کلوزڈ کا سائن منہ چڑا رہا تھا۔ اندر شاپ خالی اور تاریک تھی۔

یکدم اندر سے کسی نے گلاس والز کے بلائنڈز ایک دم گرا دیے۔ اب باہر سے اندر کا دکھائی دیتا منظر تاریک ہو گیا تھا۔

اندر.... اندھیر شاپ میں دو پینسل ٹارچز جلی تھیں۔ ایک جہان کے ہاتھ میں تھی اور وہ اس کو تنقیدی انداز میں چاروں طرف دیواروں پہ مار رہا تھا۔ اندھیرے میں محض اتنا نظر آتا تھا کہ کہنیوں تک آستین چڑھائے' وہ آفس کے دروازے کو لگے لاک کو دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے اپنی ٹارچ کی روشنی اس دروازے کے لاک پہ پھینکی۔ پھر تنقیدی آنکھوں سے جہان کی نظروں کا تعاقب کیا جو لاک پہ جمی تھیں۔

''امید ہے تمہیں لاک پک کرنے آتے ہوں گے۔'' جتا کے بولی۔ اس نے نظریں موڑ کے تالیہ کو دیکھا۔

''ہوں۔ کچھ خاص نہیں آتے۔ کوشش کر کے دیکھتا ہوں۔'' طنز سے بولا تو تالیہ نے کندھے اچکائے۔ وہ آگے بڑھا اور

لاک پہ ہاتھ پھیرا۔وہ پیچھے سے کھنکھاری۔

''اس طرح کے لاک کو پک کرنے کے لئے کریڈٹ کارڈ.....''

کلک کی آواز آئی تو وہ رکی۔

وہ ناب گھماتے ہوئے مڑا اور مٹھی میں دبایا کریڈٹ کارڈ اسے دکھایا۔

''کیا کہا تم نے؟ کریڈٹ کارڈ؟''اور جتا کے پنا کارڈ جیب میں ڈالا۔(وہ منہ میں کچھ بڑبڑا کے رہ گئی)

جہان نے دروازہ کھولا اور بتی جلائی۔

ایک چھوٹا مگر بدنظم سا آفس روشن ہوا۔وہ اس کو نظر انداز کر کے اندر داخل ہوئی اور تیزی سے ریک کی طرف بڑھی جہاں فائلز رکھی تھیں۔

''خدا کرے اس کا مسودہ یہیں ہو۔''

''نہیں ہوگا۔''وہ خشک انداز میں کہتا کمپیوٹر ٹیبل کی طرف لپکا۔

''تمہیں کیسے پتہ؟''وہ تیزی سے ایک ایک فائل ہٹا کے دیکھ رہی تھی۔وہاں کاغذات کے ڈھیر لگے تھے۔

''کیونکہ اس کے کریڈٹ کارڈ یا دوسرے بلز میں کسی بک شاپ سے کاغذات منگوانے کا ریکارڈ نہیں ہے۔وہ قلم کاغذ سے لکھنے والے رائٹرز میں سے نہیں ہے۔''

وہ کمپیوٹر اسکرین کو روشن کیے چیئر سنبھال چکا تھا۔تالیہ نے پلٹ کے تلخی سے اسے دیکھا۔

''مجھے بھی معلوم ہے کہ وہ ایسے ہی اپنا مسودہ نہیں چھوڑ دے گی۔میں صرف ان ریکس کے پیچھے کوئی خفیہ سیف تلاش کر رہی ہوں۔اوہ مگر تم کبھی چور رہے ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا۔''

وہ اب پنجوں کے بل نیچے بیٹھی ریکس کے پیچھے دیوار پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔جیسے ٹٹول کے محسوس کر رہی ہو۔

جہان نے جواباً صرف سر جھٹکا اور روشن مانیٹر کی طرف توجہ مبذول کر دی۔ساتھ ہی اس نے ایک یو ایس بی ڈیوائس سسٹم میں داخل کی۔

''تم ہیکر ہو؟''

''ونڈوز کا پاسورڈ کھولنا بچوں کا کام ہے۔اگر میں ہیکر ہوتا تو اس کے ای میلز بھی کھول چکا ہوتا اور مجھے یہاں نہ آنا پڑتا۔''

وہ جو دیوار پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے ٹٹول کے کچھ محسوس کر رہی تھی' دفعتاً رکی۔اسے ایک آواز آئی تھی۔

قدموں کی آواز۔

جیسے ربڑ کے گیلے جوتوں سے چلو تو ان میں پھنسے پانی کے باعث چیں چیں کی آواز آتی ہے.....

قدموں کی آواز.... باری باری اٹھتے قدم.....

''شش....'' وہ تیزی سے اٹھی۔ جہان نے چونک کے گردن موڑی۔ وہ لبوں پہ انگلی رکھے سننے کی کوشش کر رہی تھی۔ آنکھوں میں چوکنا پن تھا۔

''تم نے سنی یہ آواز؟''

خاموشی چھا گئی تو وہ دھیرے سے بولی۔ پھر تیزی سے باہر نکلی۔

دکان اندھیر تھی۔ اس نے بلائنڈ کی جھری سے باہر جھانکا۔

سڑک سنسان تھی۔ دکان کا دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔ جیسے ابھی جہان نے کیا تھا۔ پھر وہ قدموں کی آواز کس کی تھی؟

وہ الجھن سے پلٹی تو جہان پیچھے کھڑا تھا۔ ایک دم اسے سر پہ کھڑے پا کے اسے ہلکا سا جھٹکا لگا۔ پھر گہری سانس لی۔

''کیا ہوا؟''

''مجھے لگا کوئی ہمارے تعاقب میں آ رہا ہے۔''

''اگر تمہیں کوئی خفیہ سیف نہیں مل رہا تو بہانے نہ بناؤ اور مجھے کام کرنے دو۔ میرے پاس پوری رات نہیں ہے ضائع کرنے کو۔'' سختی سے کہہ کے وہ مڑا اور اندر چلا گیا۔ تالیہ نے پریشانی سے گردن موڑ کے اندھیر دکان کو دیکھا۔ اسے واقعی آواز سنائی دی تھی۔

ایک دفعہ پھر وہ ریکس کے پیچھے دیواریں ٹٹولنے لگی۔ وہاں کوئی خفیہ سیف نہ تھا۔ اس نے کاغذات الٹائے پلٹائے۔ وہ دفتری حساب کتاب کی فائلز تھیں۔ دراز کھولے اور چیزیں کنگھالیں۔ کچھ بھی قابلِ ذکر نہیں تھا۔

وہ البتہ ابھی تک کمپیوٹر پہ لگا تھا۔ اس کی پشت تالیہ کی طرف تھی۔ وہ ریک میں کتابیں اور فائلز واپس جوڑ رہی تھی جب اس نے دوبارہ وہی آواز سنی۔

گیلے ربڑ کے جوتوں سے فرش پہ قدم اٹھانے کی آواز۔

وہ چونکی۔

''کوئی ہے جہان۔'' اس نے چونک کے گردن ادھر ادھر موڑی۔ ''سنو.... کوئی قدم اٹھا رہا ہے....''

کمپیوٹر کی بورڈ پہ چلتی اس کی انگلیاں تھمیں۔ وہ آہستہ سے مڑا، غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ پھر کھڑا ہوا اور اسے اشارہ

کیا۔

''بیٹھو۔''

''باہر کوئی ہے۔ تمہیں آواز نہیں آرہی کیا؟''

''تالیہ.....'' وہ ذرا نرمی سے بولا۔ ''کوئی آواز نہیں ہے۔ ادھر بیٹھو۔''

''مگر مجھے سنائی دے رہی ہے۔'' اس نے پریشانی سے دروازے کو دیکھا۔ ''مجھے چیک کرنے دو۔'' وہ آگے بڑھنے لگی جب وہ آواز بند ہوگئی۔ اس نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ ''میری senses بہت شارپ ہیں۔ مجھے واقعی آواز سنائی دی تھی۔''

''لیکن میں ابھی تمہارے پیچھے آکے کھڑا ہوا تو میرے قدموں کی آواز تمہیں نہیں آئی تھی۔''

وہ سن رہ گئی۔ بالکل شل۔

''ادھر بیٹھو۔'' اس نے کرسی آگے کی تو تالیہ کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ وہ دھیرے سے کرسی پہ بیٹھی۔ جہان نے ایک دوسری کرسی کھینچی اور اس کے سامنے بیٹھا پھر غور سے اس کے سراسیمہ 'الجھے چہرے کو دیکھا۔

''کوئی آواز نہیں آرہی ہے۔ یہ صرف تمہارے دماغ میں ہے۔''

''میں....'' اس نے لب کھول کے کچھ کہنا چاہا مگر وہی درختوں کے جھنڈ والی کیفیت خود پہ طاری ہونے لگی۔ وہی جیل کا کمرہ... حقان.... سلاخوں والا دروازہ.... اسے لگا اس کے ہاتھ کپکپانے لگے ہیں۔

''میرا خیال ہے تمہیں PTSD ہے۔'' وہ اتنی نرمی سے کہہ رہا تھا کہ چند لمحے وہ اس کو پہچان بھی نہ سکی کہ یہ وہی آدمی تھا۔ ''ٹراما کے بعد کا اسٹریس ڈس آرڈر۔ اسی لئے میں نے تمہیں مشورہ دیا تھا' لڑکی کہ بھاگ جاؤ یہاں سے اور خود کو فکس کرو۔ ورنہ گورنمنٹ تو تمہیں ہمیشہ استعمال کرتی رہے گی۔ یہ تمہیں کبھی آزاد نہیں کریں گے۔ تم کسی ٹراما سے گزری ہو اور تمہیں یہ جاب لینے سے پہلے اپنے آپ کو ذہنی طور پہ تندرست کرنا چاہیے تھا۔''

اس نے کپکپاتے ہاتھ سختی سے باہم جکڑ کے غصے سے اسے دیکھا۔

''تمہیں لگتا ہے میرے پاس آپشن ہے؟ تمہیں لگتا ہے میں یہاں خوشی سے کام کر رہی ہوں؟''

''مگر تمہیں اپنے دوستوں کی ای میلز پڑھنی چاہیے تھیں۔''

''دوست؟ ایسے ہوتے ہیں دوست؟'' اس کا چہرہ احساسِ توہین سے سرخ ہوا۔

''میں.... میں قید میں تھی اور وہ تینوں اپنی زندگی گزار رہے تھے۔ مجھے ڈھونڈنے میرے پیچھے کوئی نہیں آیا' جہان۔ کہاں

تھے میرے دوست جب میں مشکل میں تھی۔ انہوں نے میرے لئے کوشش کیوں نہیں کی۔ وہ اس سیف ہاؤس کو ڈھونڈ سکتے تھے۔ داتن ڈھونڈ سکتی تھی۔ ایڈم میرے لئے آواز اٹھا سکتا تھا۔ اور وان فاتح..... وہ ایک دفعہ میرے لئے کوشش تو کرتے۔ مگر کوئی نہیں آیا۔"

"ہر کہانی کی ایک دوسری سائیڈ بھی ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے ان کی کوئی مجبوری ہو اور....."

"مجبوری مائی فٹ۔" وہ دبا دبا سا چلائی۔ "ایک انسان پہ جیل میں کیا بیتتی ہے' جب اسے اس کے اپنوں سے دور کر دیا جائے' اسے مارا جائے' اسے روز ذہنی ٹارچر سے گزارا جائے' تفتیش کے نام پہ..... تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔"

وہ جو کرسی پہ آگے کو جھکے بیٹھا تھا' چند لمحے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر سر کو اثبات میں خم دیا۔

"واقعی۔ میں اندازہ کیسے کر سکتا ہوں۔"

تالیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔

"کوئی نہیں آیا میرے لئے۔ کوئی نہیں آیا تالیہ کو بچانے۔ اگر وہ لوگ اس حال میں ہوتے تو تالیہ ان کے لئے آتی۔ تالیہ ان کے لئے کئی دفعہ آ بھی چکی ہے۔ میں ان سب کو ان کے مسئلوں سے نکال کے لائی ہوں اور جب میری باری آئی تو میں اکیلی تھی۔ میں دوستوں کے لئے کس حد تک جاتی ہوں اور وہ ایک حد بھی نہ پھلانگ سکے۔ کیسے دوست ہیں میرے۔" وہ نفی میں سر ہلاتی صدمے سے کہہ رہی تھی۔ "میں ان میں سے کسی کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی اب۔"

"ہوسکتا ہے انہوں نے تمہارے لئے کوشش کی ہو۔"

"نہیں کی۔ کسی نے نہیں کی۔ اور جانتے ہو کون کوشش کرتا میرے لئے؟" وہ گیلی آنکھوں سے اسے دیکھ کے بولی۔

"میرے بابا۔ مراد راجہ۔ صرف وہ شخص کوشش کرتا میرے لئے۔ غلط یا صحیح وہ کسی بھی طرح سے مجھے اس جہنم سے نکالنے کی کوشش کرتا۔"

وہ نیم روشن کمرے میں دو کرسیوں پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے اور وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تو وہ کیوں نہیں آئے؟"

تالیہ چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ "وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔"

"اوہ۔ آئی ایم سوری۔"

تالیہ نے ہولے سے سر جھٹکا۔ تعزیت کرنے والے کو وہ اپنے جملے کا مطلب نہیں سمجھا سکتی تھی۔

"میرے دوستوں کے نزدیک میرا باپ ایک برا انسان ہے۔ وہ بھی ٹھیک ہیں۔ میرے باپ نے اپنے لوگوں سے

غداری کی‘ اپنے مفاد کے لئے اپنے دشمن سے جاملا۔ اگر میں ایڈم کو کہوں کہ مجھے اپنے بابا سے محبت ہے تو وہ مجھ پہ حیران ہو گا۔شاید وہ مجھے ناپسند کرنے لگے۔“

”تمہارا باپ کے غدار ہونے میں تمہارا قصور نہیں ہے‘ تالیہ۔ ہمارے باپ ہمیں ڈیفائن نہیں کرتے۔ ہمارے اپنے اعمال کرتے ہیں۔“ وہ آہستہ مگر مضبوط لہجے میں بولا۔تالیہ نے دکھ بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

”تم نہیں سمجھ سکتے۔ مجھے اپنے بابا سے بہت محبت ہے۔مگر میں نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔پھر بھی اگر ان کو معلوم ہوتا کہ میں قید ہوں تو وہ میرے لیے آتے۔“

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

”اٹس اوکے۔تمہیں ان سے محبت ہونی بھی چاہیے۔ ہمارے والدین کو اللہ نے ہماری پسند اور مرضی سے نہیں بنایا ہوتا۔ وہ ہمیں جن خوبیوں خامیوں کے ساتھ ملتے ہیں‘ ہمیں ان کو اسی طرح قبول کرنا ہوتا ہے۔ ہمارے دنیا میں آنے سے پہلے بھی ان کی ایک زندگی تھی جس کے بارے میں ہم کبھی نہیں جان سکیں گے اور ہماری بھی ایک زندگی ہے جس کو وہ کبھی نہیں جان سکیں گے۔ہم دونوں کو ایک دوسرے کو جیسا وہ ہے‘ اسی کی بنیاد پہ اس سے محبت کرنی ہوتی ہے۔“

”لیکن دوست ایک دوسرے سے ایسی غیر مشروط محبت نہیں کر سکتے۔شاید اسی لئے میرے دوست میرے لیے نہیں آئے کیونکہ وہ مجھ جیسی کون وومن کے ساتھ اپنے نام کو داغدار نہیں کرنا چاہتے تھے۔“

وہ تکلیف سے کہہ رہی تھی۔اس کی سیاہ آنکھوں کی نمی اس کے کرب کو ظاہر کرتی تھی۔

وہ چند لمحے خاموشی سے اس کے چہرے کا مطالعہ کرتا رہا‘ پھر تھوڑی تلے مٹھی رکھی اور اسی طرح آگے کو جھکے بیٹھے کہنے لگا۔

”احمد نظام کہتے ہیں تم خود کو بنگا رایا ملایو کہتی ہو۔ملایا کا پھول؟“

”میں ہوں بھی!“ گیلی سانس ناک سکوڑ کے اندر کھینچی اور ٹوٹے پھوٹے فخر سے گردن کڑانی چاہی مگر آنکھوں کی نمی.....وہ کچھ نہیں کرنے دے رہی تھی۔

”نہیں‘ تالیہ۔“ وہ سوچتے ہوئے اسے دیکھ کے کہہ رہا تھا۔”تم درخت ہو۔اور میں نے ایک دفعہ ایک نظم پڑھی تھی جس نے مجھے یہ بتایا تھا کہ اگر انسان درخت جیسا ہے تو اس کے کچھ دوست پتوں جیسے ہوتے ہیں۔ بظاہر خوشنما لگنے والے یہ پتے اپنی خوراک اسی درخت سے چوس رہے ہوتے ہیں اور جیسے ہی سخت موسم آتا ہے‘ وہ سب سے پہلے جھڑ جاتے ہیں۔“ وہ مدھم آواز سے کہہ رہا تھا اور وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”کچھ دوست شاخوں کی طرح ہوتے ہیں۔وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ رہیں گے اور تم سے.....یعنی درخت

سے....ساری توانائی اور خوراک لے کر جب یہ پھیلنے لگتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ یہ درخت کا قد اور شان بڑھا رہے ہیں حالانکہ یہ صرف خود کو بڑھا رہے ہوتے ہیں۔ یہ موسم کی سختی برداشت کر لیتے ہیں مگر کوئی دوسرا آ کے ان پہ دباؤ ڈالے تو اس کا وزن نہیں سہہ سکتے اور ٹوٹ کے گر جاتے ہیں۔ ایسی کمزور شاخیں بھی ان خوشنما پتوں کی طرح بے کار ہوتی ہیں۔ تمہیں ان دونوں کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اور تیسری قسم کے دوست ؟''

''وہ جڑوں کی طرح ہوتے ہیں۔ وہ تمہارے قدم مضبوط کرتے ہیں۔ موسم کی تبدیلی یا لوگوں کی باتیں' کوئی بھی ان پہ اثر نہیں کرتی۔ وہ تمہیں تمہاری زمین سے جوڑے رکھتے ہیں۔ ان کو کوئی نمود و نمائش یا تعریف نہیں چاہیے ہوتی۔ وہ تم سے کوئی فائدے نہیں لیتے۔ وہ بس تمہیں گرنے سے بچانے کے لئے وہاں موجود ہوتے ہیں۔ تمہیں' تالیہ' یہ ڈیسائڈ کرنا ہے کہ تمہارے کون سے دوست پتے ہیں' کون شاخ اور کون تمہاری جڑ ہے۔''

''اور میں یہ فیصلہ کیسے کروں؟''

''تم فی الحال PTSD سے گزر رہی ہو۔ ڈپریشن میں ہو۔ اور....''

''اور اگر میں اچھی مسلمان ہوتی' تو میں اس کیفیت سے دعاؤں اور عبادتوں سے نکل آتی۔ ہے نا۔'' اس نے تلخی اور خود ترسی سے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''ڈپریشن کا تعلق آپ کے اچھے مسلمان ہونے یا نہ ہونے سے نہیں ہے۔ یہ ایک بیماری ہے۔ مذہبی لوگ تمہیں بتائیں گے کہ یہ خدا سے دوری کا نتیجہ ہے۔ اور یہ نماز قرآن سے ٹھیک ہو جائے گا مگر ایسا نہیں ہوتا۔ دعا ہر چیز کے لئے ضروری ہے' اس میں بھی کرنی چاہیے مگر جیسے بخار سے کینسر تک ہر جسمانی بیماری کے لئے ہم اسکالرز کی بجائے ڈاکٹرز کے پاس جاتے ہیں ویسے ہی ڈپریشن یا PTSD کا علاج ضروری ہوتا ہے۔ اللہ کے ذکر سے دل کو سکون ملتا ہے مگر یہ دماغ کی بیماری ہے۔ تمہیں تھیراپی کی ضرورت ہے۔''

''تم چاہتے ہو میں تھیراپی کرواؤں؟ یہاں؟ اس ملک میں؟'' اس نے آنکھیں رگڑیں اور خفگی سے بولی۔

وہ گھما پھرا کے بات وہیں لے آیا تھا کہ سائیکاٹرسٹ سے چیک کرواؤ۔

''ہاں۔ تمہیں ایک Shrink کی ضرورت ہے جو تمہیں فکس کر سکے مگر تمہارے جیسے ذہن والے انسان کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی عام شخص کی بات نہیں سنتا۔ تمہیں کسی ایسے Shrink کی ضرورت ہے جو جانتا ہو کہ تمہارے جیسی زندگی گزارنا کیسا ہوتا ہے۔ مختلف نام.... مختلف شناختیں.... ہر قدم پہ جھوٹ.... اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتے رہنا....اور ہر منٹ پکڑے

جانے کے خوف سے لڑنا.... ایک اندھے راستے پہ مسلسل چلتے رہنا....'' اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں تو تالیہ نے گیلی پلکیں رگڑ کے غور سے اسے دیکھا۔

''اور تم جانتے ہو کہ یہ سب کیسا محسوس ہوتا ہے؟''

جہان نے آنکھیں کھولیں اور دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ ''تم مجھے اپنا Shrink بنا سکتی ہو۔ تمہیں جو بھی کہنا ہے مجھے کہہ دیا کرو۔ آخر میں' میں تمہیں تمہارے دوستوں کے بارے میں کسی فیصلے پہ پہنچنے میں مدد دوں گا۔ میں پہلے ہی تمہارے بارے میں کافی کچھ جانتا ہوں اور قید کے بعد کا PTSD بھی سمجھ سکتا ہوں۔ تمہیں اپنے ملک اور دوستوں سے دور ایک Oulet چاہیے جہاں تم اندر ابلتی ساری فرسٹریشن کو نکال سکو۔ ٹرائی می۔ کیونکہ مجھے راز رکھنے آتے ہیں۔''

وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ وہ اس دوران پہلی دفعہ مسکرائی اور نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''تمہاری کوئی فیملی ہے جہان؟ دوست؟ گھر والے ہیں؟'' اس نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

جواب میں اس نے گہری سانس لی۔ ''ہیں نہیں' تھے۔ مجھے بچپن میں میرے ماں باپ نے abondon کر دیا تھا۔ میں یتیم خانے میں پلا بڑھا۔ دوست نہیں بنائے مگر کالج میں ایک لڑکی پسند تھی مجھے۔ ایک حادثے میں اس کی ڈیتھ ہو گئی۔ چونکہ میں ڈرائیو کر رہا تھا تو خود کو ذمہ دار سمجھنے لگا۔ اس دکھ سے نکلنے میں مجھے عرصہ لگا اس لئے نہ شادی کی' نہ دوبارہ دوست بنائے۔''

وہ سادگی سے بتا رہا تھا۔ تالیہ چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔''

''ظاہر ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ میں تمہارا شرنک ہوں' تم میری شرنک بننے کی کوشش نہ کرو۔ سوچنا بھی مت کہ میں تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتاؤں گا۔''

رکھائی سے کہہ کے اٹھ گیا تو اس نے خفگی سے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''میں خود ہی جان لوں گی۔''

''تمہارے اس میلوڈرامے میں بہت وقت ضائع ہو گیا ہے۔ چلو اٹھو اور اب کام کرو۔ اٹھو یہ میری جگہ ہے۔''

دوبارہ زور سے کہا تو وہ جلدی سے اٹھی۔ جہان نے سنجیدگی سے گھڑی دیکھتے ہوئے کرسی سنبھالی اور کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وہ آنکھیں رگڑ کے جلدی جلدی ریک کے کاغذات دیکھنے لگی۔

"اس کے کمپیوٹر پہ کچھ نہیں ہے۔ ای میل پاسورڈرز تک نہیں ہیں۔ نہ ہی کوئی ورڈ فائل ہے۔ مگر...." وہ اسکرین کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ "براوزر ہسٹری میں گوگل ڈرائیو کا لنک بار بار دکھائی دے رہا ہے۔ نیلوفر کافی اسمارٹ ہے۔ وہ گوگل ڈرائیو پہ کتاب لکھ رہی ہے اور اسی طرح پبلشر سے شیئر کرتی ہوگی تاکہ ڈیٹا کسی بھی کمپیوٹر یا لیپ ٹاپ کے بجائے صرف گوگل پہ محفوظ رہے اور اس سال سے تو گوگل کی سیکیورٹی اتنی ٹائٹ ہو چکی ہے کہ ڈرائیو کو ہیک کرنا بہت مشکل ہے۔ یہاں آنا بے کار ہی رہا۔" وہ کمپیوٹر آف کرتے ہوئے تلخی سے کہہ رہا تھا۔

"بے کار نہیں رہا۔ یہ دیکھو۔"

وہ چونک کے مڑا تو دیکھا' تالیہ ایک میگزین کھولے کھڑی تھی۔ وہ اٹھا اور اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ پھر اس رسالے کو دیکھا۔ وہ ملائیشیاء کا ایک سیاسی میگزین تھا اور اس کے سرورق پہ داتو سری عبدالرحمن کی تصویر تھی۔ تصویر پہ سرخ پین سے بے تحاشا کانٹے لگا کے چہرہ مسخ کیا گیا تھا۔ تالیہ دھیرے دھیرے صفحے پلٹا رہی تھی۔ ہر وہ صفحہ جہاں عبدالرحمن اس کی پہلی بیوی اور صوفیہ کی تصویر ہوتی وہاں سرخ کانٹے لگے ہوتے۔ اتنی دفعہ رگڑ رگڑ کے کھینچی سرخ لکیروں نے کئی جگہ سے صفحے کو پھاڑ بھی دیا تھا۔

"اس میں کیا خاص بات ہے۔ وہ اس خاندان کی نفرت میں ہی کتاب لکھ رہی ہے' سب کو معلوم ہے۔"

تالیہ نے میگزین بند کیا اور سنجیدہ چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

"نہیں۔ یہ صرف نفرت نہیں ہے۔ کوئی صرف نفرت میں یہ نہیں کرتا۔ یہ غصہ' نفرت' انتقام سب کچھ ہے اور جو عورت اس طرح دو سال سے داتو سری کے خلاف روز ایک گھنٹے لگا کے کتاب لکھتی ہے' اس عورت کو ہم خاموش نہیں کرا سکتے۔ پیسہ دے کر یا ڈرا دھمکا کے اس کے ذہن سے اس کتاب کو نہیں نکال سکتے۔ ہم نیلوفر بخت کو نہیں روک سکتے۔"

"تو ہمیں اس کے پبلشر کو روکنا ہوگا۔" وہ سمجھ رہا تھا۔

"ہاں۔ اب ہمیں نیلوفر کے پبلشر کو استعمال کرنا ہوگا۔"

"اور اس سب کے لئے ہمیں پہلے یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کا پبلشر ہے کون۔"

وہ جتا کے کہہ رہا تھا۔ خاموش نیم روشن آفس کی دیواریں ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں جو واپس Square ون پہ آ کھڑے تھے' جہاں سے شروع ہوئے تھے۔

نیلوفر بخت کا پبلشر کون تھا جو ہر ممکنہ ہرجانے کے خطرے کو نظر انداز کیے' اس کی کتاب چھاپنے کو تیار تھا؟ جو سب کچھ داؤ پہ لگا کے عبدالرحمن کے خاندان کو تباہ کرنے کے لئے نیلوفر کا ہم رکاب ہو؟

ایسا شخص کون ہوسکتا تھا؟

اس سوال کا جواب دونوں میں سے کسی کے پاس نہیں تھا۔آفس کی دیواریں بھی اپنے راز چھپائے خاموشی سے کھڑی تھیں۔

☆☆=========☆☆

نیل کا پانی اس صبح دھوپ سے چمک چمک رہا تھا۔دریا کے وسط میں ساحرہ منروا اپنے پورے حجم کے ساتھ تیرتی دکھائی دے رہی تھی۔ جہاز پہ سوار مہمان کمروں میں بیٹھے کھڑکیوں سے پانی کو دیکھتے سفر سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ایسے میں اگر کسی کو وسط سفر میں سوار ہونا ہوتا تو وہ چھوٹی سی کشتی میں آتا اور جہاز میں سوار ہوجاتا مگر یہ سہولت بہت مشکل سے میسر آتی تھی۔البتہ یہ جہان کو یہ آسانی سے حاصل تھی کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ اسے روز دوپہر میں شہر واپس جانا ہوگا دو تین گھنٹے کے لئے۔

''کیوں؟ تمہارا ہر روز ایسا کیا کام ہوتا ہے شہر میں؟''

وہ دونوں تالیہ کے کمرے میں آمنے سامنے کھڑے تھے اور وہ مشکوک انداز میں پوچھ رہی تھی۔وہ ابھی ابھی آیا تھا جبکہ وہ صبح سے اس کا انتظار کررہی تھی۔

''مکینک ہوں۔پیسے بھی تو کمانے ہوتے ہیں۔روز کے دو تین گھنٹے کام ضروری ہوتا ہے۔باقی سارا دن تو تمہیں دے رہا ہوں نا۔'' وہ آج بھی اپنی پی کیپ سر پہ جمائے' کہنیوں تک آستین فولڈ کیے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سامنے کھڑا سنجیدہ نظر آرہا تھا۔رات والے جہان سے بالکل مختلف۔

''ہاں بالکل تم مکینک ہو۔'' وہ طنز سے مسکرا کے بولی۔

تالیہ کا منروا کروز میں موجود یہ کمرہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل کے کمرے جیسا تھا۔ایک طرف ڈبل بیڈ بچھا تھا۔دوسری طرف اٹیچ باتھ۔اور گول کھڑکی کے آگے آمنے سامنے کرسیاں میز رکھی تھیں۔کھڑکی سے دور تک بہتا دریا دکھائی دیتا تھا۔ایک دروازہ باہر گیلری میں بھی کھلتا تھا جہاں کھڑے ہو کے نیچے بہتا دریا دیکھا جاسکتا تھا۔

''اب تم آ ہی گئے ہو تو پلان دہرا لیں؟'' وہ کان میں ننھا ائیر پیس جماتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''مجھے ویسے تمہارے پلان کی کامیابی کا اتنا یقین نہیں ہے۔'' وہ ناخوش لگ رہا تھا۔جواباً تالیہ نے سیاہ کوٹ بیڈ سے اٹھاتے ہوئے شانے اچکائے۔

''تالیہ کے پاس ہمیشہ اگلا پلان بھی ہوتا ہے۔'' کوٹ پہن کے اس نے ایک والٹ اٹھایا اور اندر موجود کارڈ سامنے لہرایا

''میں اس ہوٹل کی ایک جونیئر مینیجر ہوں اور میں اس وقت نیلوفر کے کمرے میں روم سروس کے حوالے سے جاؤں گی۔ وہ کمرے میں نہیں ہوگی بلکہ ہوٹل کی چھت پہ....''

''اوتیل....''اس نے تصحیح کی تو وہ بولتے بولتے رکی۔ پھر لہجے کو عربی بنا کے بولی۔

''وہ اوتیل کی چھت پہ کیفے میں ہوگی۔ اس وقت اس کا روم خالی ہوگا۔ میں کمرے کی انسپکشن کروں گی کیونکہ گیس لیکیج کے خطرے کی اطلاع ہمیں ملی ہے۔ اس بہانے میں اس کا کمرہ چیک کرلوں گی۔''

''اور اگر وہ آ گئی؟''

''اسی لئے تو یہ کارڈ بنوایا ہے۔ میں اوتیل کی ملازمہ ہوں۔ جونیئر مینیجر سلمٰی ابراہیم۔''

گردن کڑا کے مسکرائی۔ سیاہ اسکرٹ اور سفید بلاؤز پہ سیاہ کوٹ پہنے وہ سیاہ باب کٹ بالوں کو چہرے کے دونوں اطراف میں گرائے، سبز آنکھوں کے ساتھ مطمئن نظر آ رہی تھی۔ کل ہی اس نے بال ماتھے سے کٹوائے تھے۔ جہان نے اسی ناخوشی سے اسے دیکھا۔

''اگر اس نے تمہیں پہچان لیا؟''

''اول تو میں اتنی مشہور نہیں ہوں۔ وان فاتح کی کیمپئین مینیجر تھی اور دو تین دفعہ ہی خبروں کی زینت بنی ہوں۔ دوسرا میرا حلیہ اور پھر یہ bangs (ماتھے کی طرف اشارہ کیا) بہت مختلف ہے۔ وہ نہ مجھے جانتی ہوگی نہ مجھے پہچانے گی۔ ریلیکس۔''

مسکرا کے اس کو تسلی دی۔ جہان نے صرف سر کو خم دیا اور کان میں لگے آلے کو دبایا۔

''میں اوپر کیفے میں ہوں گا۔ وہ آئی تو تمہیں اطلاع کروں گا۔ اور سی سی ٹی وی کو میں نے پہلے ہی بلاک کر دیا ہے۔'' پھر کلائی کی گھڑی دیکھی۔ ''تمہارے پاس اس کا کمرہ چھاننے کے لئے زیادہ سے زیادہ دس منٹ ہوں گے۔''

''میں نو منٹ میں فارغ ہوجاؤں گی۔'' وہ مسکرا کے آگے بڑھ گئی۔ وہ قدرے فکرمند نظروں سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

نیلوفر کا کمرہ تیسرے فلور پہ تھا۔ کاریڈور میں خاموشی تھی اور کمرے کے اندر تالیہ دستانے پہنے تیزی سے سامان کنگھال رہی تھی۔ کان میں سے مسلسل آواز آ رہی تھی۔

''وہ کیفے سے اٹھ گئی ہے۔ جلدی کام ختم کرو۔'' وہ جھڑک رہا تھا۔

''ڈونٹ وری۔ کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ اس کا سفری سوٹ کیس کھول کے احتیاط سے چیک کر رہی تھی۔

''وہ لفٹ کی طرف جا رہی ہے۔ نکلو وہاں سے۔''

''صرف ایک الماری رہ گئی ہے۔'' وہ دوڑ کے الماری تک گئی اور اسے کھولا۔ پھر چیزیں الٹا پلٹا کے دیکھنے لگی۔

''وہ نیچے آ رہی ہے۔ کسی بھی وقت تمہارے سر پہ ہو گی۔''

''میرے کان میں مت چیخو۔ میں یہ پہلی دفعہ نہیں کر رہی۔'' وہ تیز تیز کچھ کاغذات کی موبائل سے تصاویر بنا رہی تھی۔

پھر وہ کمرہ بند کر کے باہر نکلی' کوٹ ٹھیک کیا۔ اور کاریڈور میں آگے بڑھی ہی تھی کہ سامنے سے نیلوفر آتی دکھائی دی۔ تالیہ بظاہر سر جھکائے میسج ٹائپ کرتی چلتی گئی۔ نیلوفر کے پیچھے کاریڈور کے سرے پہ کیپ والا آدمی' جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا فکر مندی سے ادھر ہی دیکھ رہا تھا مگر صد شکر کہ نیلوفر نے تالیہ کو اپنے کمرے سے نکلتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ تالیہ کو کراس کر کے اپنے دروازے تک چلی گئی۔

پھر ایک دم رکی اور مڑی۔

تالیہ کے کان اس کے قدموں کی آہٹ پہ لگے تھے۔ اس نے موبائل جیب میں ڈالا اور اپنا مینیجر والا کارڈ بر وقت نکالنے کے لئے جیب پہ ہاتھ رکھا۔

''تالیہ؟ یہ تم ہو نا؟ تالیہ مراد؟''

نیلوفر کی چہکتی آواز اسے سن کر گئی۔ اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب پہ ٹھہر گیا۔

نیلوفر اس کی پشت پہ تھی۔ ہیل سے ٹھک ٹھک چلتی اس کے پیچھے آئی۔ تالیہ کو مڑنا بھی نہیں پڑا اور نیلوفر بخت خوشگوار حیرت بھرا چہرہ لئے اس کے سامنے آئی۔

''تم تالیہ ہو نا؟ وان فاتح کی مینیجر؟ اور پہلے اس کی باڈی وومن بھی تھیں۔''

تالیہ نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھ کے پہچاننے کی کوشش کی پھر چہرے پہ ایک دم حیرت لے آئی۔

''ارے آپ نیلوفر ہیں نا؟ نیلوفر بخت۔''

''آف کورس۔'' نیلوفر آگے بڑھی اور اس کو گلے لگایا۔ اس سے ملتے ہوئے تالیہ نے دور کھڑے جہان کو دیکھ کے آنکھیں بے یقینی سے پھیلائے ہونٹوں کو بے آواز ''I had no idea'' کے الفاظ میں گھمایا۔ اس نے ملامتی نظروں سے تالیہ کو دیکھتے سر جھٹکا۔

تالیہ گلے مل کے الگ ہوئی اور اگلے ہی لمحے مسکرا کے بولی۔ ''مادام نیلوفر.... اتنا اچھا لگ رہا ہے آپ سے مل کے۔ میں تو آپ کی بہت بڑی فین ہوں۔''

''اور مجھے بھی تم بہت پسند ہو۔ یہ بالوں کو کیا کیا؟ خیر اچھے لگ رہے ہیں اس طرح بھی۔ آؤ' میرے ساتھ کافی پیو۔ کیفے چلتے ہیں۔ یا میرے روم میں؟''

”آپ کا روم ٹھیک رہے گا۔“

نیلوفر بڑی محبت سے اس کا ہاتھ پکڑے اسے کمرے کی طرف لے جانے لگی۔ تالیہ نے ایک بے بس نظر کونے پہ ڈالی۔ وہ اب وہاں نہیں تھا البتہ اس کے کان میں اس کی غصے بھری آواز گونجی تھی۔

”اگلی دفعہ جب میں کسی کام سے روکوں تو سن لینا۔“

☆☆=========☆☆

نیلوفر کے کمرے کی کوئی بھی شے اپنی جگہ سے ہلی ہوئی نہیں تھی۔ نفاست سے سجے بیڈ کے سامنے ایک سٹنگ ایریا تھا جس میں تالیہ کے کمرے کی طرح گول کھڑکی بنی تھی۔ وہ دونوں وہاں رکھی کرسیوں پہ آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ تالیہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی غور سے سامنے براجمان نیلوفر کو دیکھ رہی تھی۔

اس نے اپنی عمر کا لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے سفید منی اسکرٹ کے اوپر سرخ کوٹ پہن رکھا تھا۔ بال کھلے تھے اور لبوں پہ سرخ لپ اسٹک تھی۔ پیروں میں سرخ ہیلز۔ اب وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے سر جھکائے مینیو کارڈ پڑھ رہی تھی۔

”تم کیا لوگی؟ یہاں کی کیپی چینو اچھی ہے۔“

تالیہ بدقت مسکرائی۔ ”نہیں۔ میں موکا لوں گی۔“

”چلو میں بھی وہی لوں گی۔“

اس نے مسکرا کے مینیو رکھا اور اٹھ کے فون پہ آرڈر دیا' پھر واپس ٹیک لگا کے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

”تو تم یہاں قاہرہ میں کیا کر رہی ہو؟“ نیلوفر دلچسپی سے اس کو دیکھ کے پوچھ رہی تھی۔

”میں اہرام دیکھنے آئی تھی مگر طبیعت اتنی مکدر تھی آج کل کہ بس سستی سے اس کروز پہ سوار ہوگئی۔ یہ خود ہی چلتی جائے' مجھے سارا شہر دکھاتی جائے' اور مجھے کچھ نہ کرنا پڑے۔“ تالیہ بظاہر کاہلی اور بے زاری سے بولی۔ محتاط نظریں نیلوفر کے چہرے پہ جمی تھیں۔

”Aww“ نیلوفر نے پیار بھری فکرمندی سے لب گول کیے۔ ”مگر کیوں' ہنی؟“

”کیوں؟.... پتہ نہیں۔ شاید میں اکیلی ہوں اور ...“ مسکراہٹ لبوں پہ رو کی۔ ”یہاں کوئی ہے نہیں جو مجھے شہر دکھائے یا گھمائے پھرائے۔ مصر کے لوگ ویسے بھی بہت کنجوس اور غریب واقع ہوئے ہیں۔“

”غریب“ تک تو ٹھیک ہے مگر کنجوس کس کو کہا؟ کل دو دفعہ کیب کا کرایہ میں نے دیا تھا۔“

برہم آواز کان میں گونجی مگر وہ نیلوفر کو دیکھتی اسی سادگی سے کہتی گئی۔

''اور تو اور یہاں کے لوگ عجیب بدلحاظ بھی ہیں۔ سیدھی زبان میں کوئی بات ہی نہیں کرتے۔''

''ہے نا' تالیہ۔ مجھے بھی یہاں کے لوگ بہت ڈرائی سے لگتے ہیں۔ ہمارے ملائیشیاء والی بات نہیں ہے نا۔ آئی لو کے ایل۔ (مجھے کے ایل سے عشق ہے۔)''اس نے بے اختیار کہا تو تالیہ نے مسکرا کے سر ہلایا۔

''وہی تو نیلوفر۔ یہاں کے لوگ بات بات پہ پیسے مانگتے ہیں۔ پیسے نہ دو تو ناراض ہو کے آپ کو اکیلا چھوڑ کے چلے جاتے ہیں۔''

''کتنے پیسے دیے ہیں اب تک تم نے مجھے؟ زیرو۔''وہ اس کے کان میں مزید برہم ہوا۔

''تم نئی ہونا۔ نئے سیاحوں کو یہ لوگ ایسے ہی لوٹتے ہیں۔''نیلوفر ہمدردی سے کہہ رہی تھی۔

''کل تو مجھے ایک جعلی سائیکاٹرسٹ مل گیا۔''وہ رازدارانہ انداز میں بتانے لگی۔''میں کسی بات پہ پھٹ پڑی تو مجھے مشورہ دینے لگ گیا کہ تمہیں تھیراپی کی ضرورت ہے حالانکہ مجھ سے زیادہ نفسیاتی مسائل کا شکار تو وہ خود لگ رہا تھا۔''

''تم اپنی نئی بیسٹ فرینڈ پہ فوکس کرو...ذاتیات پہ نہ اترو۔''وہ اب کے غرایا تو تالیہ کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھرنے لگی جسے اس نے بدقت روکا۔ ادھر نیلوفر کہہ رہی تھی۔

''اوہ تالیہ.... یہ سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔''

ویٹر ناک کر کے اندر آیا اور کافی رکھی مگر نیلوفر آہ بھر کے اسی طرح بولتی جا رہی تھی۔

''یہ عورت کو خودمختار نہیں دیکھ سکتے۔ اور مجھے لگتا ہے تم ڈپریشن کا شکار ہو۔ (تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی) میں بھی ایسی ہی ہوگئی تھی جب عبدالرحمن نے الیکشن جیتا اور میں فرسٹ لیڈی بن گئی۔''اس نے کپ اٹھایا اور ایک گھونٹ بھرا' پھر اسی طرح بتانے لگی۔

''مگر دیکھو اس نے میرے ساتھ کیا کیا؟ اس کی ساری کیمپین میں نے چلائی۔ اپنے شوہر کو ہر مقام پہ سپورٹ کیا۔ اس کے لئے میڈیا والوں کی باتیں سنیں۔ اور جیسے ہی وہ الیکشن جیتا' اس نے مجھے کسی فرنیچر کی طرح گھر کے کونے میں ڈال دیا۔ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں کہ یہ کیا فیلنگ ہوتی ہے۔''

تالیہ نے اپنا کپ اٹھایا اور لبوں سے لگاتے ہوئے خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

''یہ سیاستدان یہی صلہ دیتے ہیں ہم جیسی عورتوں کو۔ ہم ان کے ساتھ کھڑی ہوتی ہیں تالیہ....ان کے لئے راتوں کو جاگ کے کام کرتی ہیں۔ اور یہ..... یہ آخر میں اپنے ساتھ پوڈیم پہ اپنی پہلی بیوی اور اس کی بیٹی کو کھڑا کر دیتے ہیں۔ دوسری بیوی کبھی ان کی اصل فیملی نہیں بن سکتی۔ پہلی کے بچے'....پہلی کی میراث۔ بس یہ اسی کو مانتے ہیں۔''

کافی کا تلخ' گرم گھونٹ اس نے اندر اتارا تو وہ اس کا حلق تک جلا گیا۔ مگر تالیہ نے ذرا توقف سے دوسرا گھونٹ بھی بھرلیا۔ اندر تو سب پہلے سے جلا ہوا تھا۔ مزید کتنا جلے گا؟

"مگر میں ان عورتوں میں سے نہیں ہوں تالیہ جو چپ کر کے بیٹھ جائیں۔ عبدالرحمن کو میں نے اس لئے چھوڑا کیونکہ وہ ملک کے ساتھ دھوکا کررہا تھا۔ یہ آف شور کمپنیز' یہ کرپشن' یہ سب معلوم تھا مجھے اور میں اسے روکتی تھی مگر نہیں۔ وہ نہیں سنتا تھا۔" وہ بے بسی بھرے افسوس سے کہہ رہی تھی۔

"تو آپ دونوں کی علیحدگی اس لئے ہوئی کیونکہ وہ اپنے عوام کو دھوکہ دے رہے تھے؟"

"دیکھو یہ صرف ایک وجہ نہیں تھی۔ بہت وجوہات تھیں مگر کچھ تم کتاب کے لئے بھی رہنے دو نا۔" مسکرا کے پیالی سے گھونٹ بھرا تو تالیہ بدقت مسکرائی۔

"تو آپ کی کتاب واقعی آرہی ہے؟"

"آف کورس۔ اور میں نے اس میں تمہارا نام بھی لکھا ہے۔ ایک منٹ۔"

نیلوفر نے کپ رکھا اور کلچ سے موبائل نکالا۔ کچھ دیر اسکرین پہ انگلی پھیرتی رہی' پھر آگے کو جھک کے اسکرین اسے اس طرح دکھائی کہ موبائل ہاتھ میں پکڑے رکھا۔

تالیہ نے چہرہ جھکا کے دیکھا۔ صفحہ نمبر نظر آیا۔ گوگل ڈرائیو۔ باب کا نام۔ اور ایک پیراگراف جو سامنے تھا اس میں تالیہ کا نام۔ اس نے تیزی سے نظریں دوڑاتے صفحے کو پڑھنا چاہا مگر نیلوفر شرارت سے مسکرا کے فون واپس موڑ گئی۔

"اب کیا لکھا ہے میں نے یہ تو تم کتاب میں ہی پڑھ سکو گی۔"

"اوہ آپ اندازہ بھی نہیں کرسکتیں کہ آپ کی کتاب پڑھنے کے لئے میں کتنی ایکسائٹڈ ہوں۔" وہ مسکرا کے بولی۔

(میں بھی!) وہ اس کی سماعتوں میں ابھی تک بول رہا تھا۔

"اوہ میری جان۔ تمہیں تو میں آٹوگراف کاپی بھیجوں گی۔ جس طرح تم نے صوفیہ رحمن کو اس میوزیم میں وان فاتح کے سامنے لا کے ڈی بیٹ کروائی تھی نا' تم نے میرا دل جیت لیا۔"

تالیہ نے مسکرا کے کپ فضا میں بلند کیا۔ "دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے' نیلوفر جی۔"

"ہاں۔ آئی وِش وان فاتح میرے لئے اسٹینڈ لیتے تو ہم مل کے صوفیہ رحمن کا صفایا کر دیتے۔ خیر اب بھی اتنی دیر نہیں ہوئی۔" نیلوفر نے بظاہر سرسری سا کہتے ہوئے گھونٹ بھرا تو تالیہ مسکرائی۔

"کیوں نہیں نیلوفر جی۔ میں ان سے بات کروں گی۔ ان کو آپ کی کتاب کی پروموشن کرنی چاہیے۔ مگر....." لہجے کو

فکرمندانہ بنایا۔ ''آپ یوں کتاب لئے گھوم رہی ہیں فون پہ کسی نے فون چرا کے حاصل کر لی تو؟''

''ارے میری جان.... تین تین لیئرز کے پاسورڈ ہیں اس پہ۔ اور کوئی اسے بریک نہیں کر سکتا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر صوفیہ خطرناک عورت ہے۔ آئی ایم شیور اس نے آپ کے پیچھے لوگ لگا رکھے ہوں گے۔''

''یہ لوگ مجھے ان ہتھکنڈوں سے خاموش نہیں کرا سکتے' تالیہ۔ میں نے اللہ پہ چھوڑا ہے ان کا معاملہ۔ تم دیکھنا اللہ تعالیٰ میرا ساتھ دے گا اور ان کو عوام کے سامنے میرے ذریعے بے نقاب کرے گا۔''

''مگر اللہ تعالیٰ نے حفاظتی تدابیر کرنے کا بھی تو فرمایا ہے نا۔'' وہ بدستور فکرمند تھی۔ ''اگر جو یہ لوگ آپ کے پبلشر کو اپروچ کریں تو؟''

(گڈ۔ اب تم ٹریک پہ جا رہی ہو' کون وومن۔) ایک تو اس کے تبصرے۔

نیلوفر ہنس دی۔ ''پچھلے ماہ کے اپل میں مقیم میرے رشتے داروں کو ڈرا دھمکا کے صوفیہ کا ایک انٹیلی جنس آفیسر پتا کر وار ہا تھا کہ نیلوفر کے پبلشر کا نام بتا دو۔ مگر میرے رشتے داروں کو معلوم ہی نہ تھا تو کیسے بتاتے۔ انہوں نے مجھے ڈرانے کی بہت کوشش کی۔ اب البتہ خاموش ہو گئے ہیں۔'' وہ کندھے اچکا کے مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

''آپ کا پبلشر قابل بھروسہ تو ہے نا؟ اگر جو انہوں نے اس کا نام معلوم کر کے اس کو خرید لیا تو؟''

''ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ کوئی ملے تھوڑی ہے۔ نہ وہ ایشین ہے۔ وہ گورا ہے اور گورے ان معاملات میں کانٹریکٹ اور Ethics کے بے حد پابند ہوتے ہیں۔ باقی اللہ مالک ہے۔'' نیلوفر بالکل شانت تھی۔

''آپ درست کہہ رہی ہیں۔ آپ کا اللہ پہ ایمان مجھے بہت اچھا لگا۔''

''بس دیکھ لو تالیہ۔ انہوں نے جو بھی کیا میرے 'ساتھ' میں ڈٹی رہی۔ پتہ ہے عبدالرحمٰن نے ایک دفعہ....'' اس کے پاس سنانے کو بہت قصے تھے اور دوپہر ابھی جواں تھی۔ تالیہ نے بدقت جمائی روکی اور سننے لگی.....

''دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے' یہ واحد چیز تھی جس نے تمہیں آج بچایا ہے' کون وومن۔''

وہ کمرے میں واپس آئی تو وہ سامنے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے کرسی پہ بیٹھا برہمی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پی کیپ اتار رکھی تھی اور بھورے بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔ تالیہ نے شانے اچکائے۔

''ریلیکس۔ اسے مجھ پہ شک نہیں ہوا۔ بلکہ مجھے چند باتیں مزید معلوم ہوئی ہیں۔''

''سن لی ہیں میں نے ساری باتیں۔ وہ پبلشر کے ذکر کے قریب بھی نہیں جا رہی تھی اور نہ ہی ہم اس کا فون چرا کے کتاب اس میں سے حاصل کر سکتے ہیں۔''

وہ چپ چاپ سامنے والی کرسی پہ آ کے بیٹھ گئی اور گول شیشے نما کھڑکی سے باہر پھیلا نیلا دریا دیکھنے لگی۔ دوپہر ڈھل رہی تھی اور پانی کی سنہری چمک ماند ہوگئی تھی۔ ایک عجیب اداسی تھی جو وہاں بکھری تھی۔

''اب آگے کیا کرنا ہے؟ اس کے روم سے تو کچھ نہیں ملا۔'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''کوئی اور پلان بنالیں گے۔ اب صوفیہ کے خاندان کی عزت بچانے کے لئے اس کی سائیڈ لی ہے تو کچھ تو کرہی لوں گی۔'' تلخی سے کہتی وہ باہر دیکھ رہی تھی۔ جہان نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو جھک کے غور سے اسے دیکھا۔

''تالیہ؟''

''سن رہی ہوں۔'' اس کی اداس آنکھیں دریا پہ جمی تھیں۔

''تمہیں لگتا ہے تم اس کی کتاب چرا کے غلط کررہی ہو۔'' نرمی سے پوچھا تو تالیہ نے اس کی طرف چہرہ گھمایا۔

''وہ ایک ٹوٹی ہوئی عورت ہے' جہان۔ اس نے ایک سیاستدان سے شادی کی' اس کے لئے کھڑی ہوئی' اس کے لئے کام کیا اور اس نے کیا کیا اس کے ساتھ؟ استعمال کر کے دیوار سے لگا دیا؟ دو سال سے وہ عورت اپنی کتاب لکھ رہی ہے تا کہ لوگوں کو بتائے کہ یہ بڑے لوگ کیا کرتے ہیں عورتوں کے ساتھ۔ اور میں وہ اس سے چھیننے جا رہی ہوں۔ مجھے نہیں پتہ میں درست کررہی ہوں یا غلط۔''

وہ پھٹ پڑی تھی۔ وہ اسے اسی طرح غور سے دیکھے گیا۔

''یہ داتو سری عبدالرحمٰن کیسا آدمی تھا؟ بے وقوف اور جلد باز؟''

تالیہ نے اکتاہٹ سے اسے دیکھا۔ ''تمہاری معلومات ملائیشیا کی سیاست کے بارے میں بالکل درست نہیں ہیں۔ عبدالرحمٰن بہت شاطر اور عقلمند آدمی تھا۔ دور کی پلاننگ کرتا تھا۔ اتنی کرپشن کی مگر دامن پہ ایک چھینٹا تک نہیں پڑنے دیا۔''

''تو پھر وہ اتنے سال ایک عورت کے ہاتھوں بلیک میل کیوں ہوتا رہا؟ بلکہ اس نے ایسی عورت سے شادی ہی کیوں کی جو چار دیواری کے اندر کی باتوں کو باہر نکال دینے والی تھی۔''

وہ چپ ہوگئی۔ ''اس کو کیا معلوم تھا کہ آگے یہ سب ہوگا....''

''دیکھا جائے تو وہ تم سے بڑا چور تھا' تالیہ۔ No Offence (دونوں ہاتھ اٹھا کے اضافہ کیا) مگر اس نے اتنے سال اس عورت پہ بھروسہ بھی کیا' شادی بھی کی اور بعد میں اس کا منہ بند کرنے کے لئے اسے پیسے بھی دیتا رہا۔ تم نے اس عورت کے ساتھ صرف ایک کافی پی ہے اور اس کی دکھی کہانی سے متاثر ہوگئیں۔ وہ اتنا گھاگ آدمی اتنے سال بے وقوف بنتا رہا اور اب اس کی اولاد اس کی غلطی کی سزا کاٹ رہی ہے۔''

وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ ''تم یہ کہہ رہے ہو کہ میں....''

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس عورت کو اپنی بات کو کسی کے دل میں اتارنے کا طریقہ آتا ہے۔ کچھ گن تو ہوں گے اس میں' کوئی تو باتوں کا ہنر ہو گا جو عبدالرحمن کو اس نے اتنے سال استعمال کیا مگر صوفیہ کو نہیں کر سکی۔ وہ تمہیں جانتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ تم نے اپنے لیڈر کے لیے کام کرنا چھوڑ دیا ہے تو اسے لگا ہو گا کہ تم اپنے لیڈر اور اس کی بیوی کے درمیان ''دوسری عورت'' ہو۔ اس نے تمہاری اسی کمزوری کو استعمال کیا اور تمہارے....''

''میرے ذریعے فاتح صاحب کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی' میں جانتی ہوں' سب سمجھتی ہوں مگر....''

''مگر ساتھ ہی اس نے ایسی باتیں کہیں جن سے تم ریلیٹ کر سکو۔ ایسی باتیں ہماری ججمنٹ کو ڈھانپ دیتی ہیں اور ہم سامنے والے کو درست جج نہیں کر پاتے۔''

تالیہ نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ ''She got to my head''

''تمہارا آئی کیو کتنا ہے' تالیہ؟'' وہ غور سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''پتہ نہیں۔'' اس نے شانے اچکائے۔ ''کبھی چیک نہیں کیا۔ تمہارا کتنا ہے؟ دو سو؟''

''اس سے فرق نہیں پڑتا کہ ہمارا IQ کتنا ہوتا ہے۔ فرق اس سے پڑتا ہے کہ ہمارا EQ کتنا ہے۔ تمہیں میرے سوال کے جواب میں یہ کہنا چاہیے تھا مگر تم نے نہیں کہا۔''

''ای کیو؟'' اس نے تعجب سے ابرو اٹھائی۔

''ہاں۔ ای کیو۔ یعنی ایموشنل کوشنٹ۔ اپنے جذبات اور احساسات کو سمجھ کے خود کو اسٹریس سے نکالنے کی صلاحیت۔ یہ انٹیلی جنس کوشنٹ (آئی کیو) سے زیادہ ضروری ہوتی ہے ایک مثبت زندگی گزارنے کے لیے۔ تمہیں اپنا ای کیو بڑھانے کی ضرورت ہے۔'' وہ نرمی مگر فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔

''تو میں کیا کروں؟'' اس مقام پہ آ کے وہ بے بس ہو جاتی تھی۔

''فی الحال تو کچھ مت کرو۔ بس اتنا کرو کہ جاؤ اور آدھے منٹ کے لیے اپنا منہ ٹھنڈے پانی کے پیالے میں ڈبو کے آؤ۔ اور پھر اپنے آپ کو بار بار بتاؤ کہ تم نیلوفر جیسی نہیں ہو نہ اس کی کہانی تم جیسی ہے۔'' پھر وہ پیچھے ہو کے بیٹھ گیا جیسے اس کے اٹھنے کا منتظر ہو۔ وہ بنا کچھ کہے اٹھی اور باتھ روم میں۔ ٹھنڈے پانی کا نل کھولا اور سنک میں پانی بھرا۔

اس کے اردگرد وہی چھوٹا کمرہ اور اونچی چھت حائل ہونے لگے تھے۔ سلاخوں سے بنا دروازہ سامنے تھا۔ وہ ٹھنڈی دیوار سے کمر لگائے' گھٹنوں کو سینے سے لگائے خوفزدہ بیٹھی تھی۔

ایک جھٹکے سے اس نے اپنا چہرہ ٹھنڈے پانی میں ڈال دیا۔

(میں نیلوفر نہیں ہوں۔ میں اس جیل میں نہیں ہوں۔)

برف کی طرح یخ پانی اس کے جیسے سارے جسم میں داخل ہو گیا تھا۔

(میں اس جیل میں نہیں ہوں۔ میں آزاد ہوں۔)

یخ بستہ ہوا گویا اس کی ہڈیوں میں گھس رہی تھی۔ وہ سانس روکے پانی میں چہرہ ڈالے جھکے کھڑی تھی۔

(میں کسی دوست کی محتاج نہیں ہوں۔ میں اپنی آزادی لے کر رہوں گی۔ چاہے راستے میں ایک نیلوفر آئے یا دس۔)

ایک زوردار کراہ سے اس نے چہرہ اوپر کھینچا۔ پھر آئینے میں خود دیکھا۔ گیلے بال۔ جامنی پڑتے ہونٹ۔ ششدر سا چہرہ۔

کچھ دیر بعد وہ چہرہ خشک کیے سنجیدہ سی اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

''تمہیں آگے چھ دن نیلوفر کے ساتھ گزارنے ہیں۔ اور تمہیں یہ یاد رکھنا ہے کہ تم اس جیسی نہیں ہو۔ تم اپنے لیڈر کی زندگی میں رہو یا نہ رہو، تم اس کو کبھی بلیک میل نہیں کرو گی۔ تم وقار سے الگ ہونا پسند کرو گی جبکہ اس نے ایسا نہیں کیا۔''

''کیونکہ اس عورت میں نہ کوئی dignity ہے نہ کسی کی عزت کا خیال۔ وہ ویٹر، باریستا ہر ایک کی موجودگی میں اپنے دکھ سنانے بیٹھ جاتی ہے۔'' وہ تلخی سے بول رہی تھی۔ دماغ کو ٹھنڈک ملی تھی تو اندر تک سکون آ گیا تھا۔

''دکھ اشتہار لگانے کے لئے نہیں ہوتے اور جو لوگ ان کا اس طرح اشتہار لگاتے ہیں وہ صرف ان سے کمائی کرنا چاہتے ہیں۔ تم نیلوفر بخت نہیں بنو گی۔ تم اپنے ایموشنز کو اپنے کام سے الگ رکھو۔ اپنا موازنہ اس سے نہ کرو۔'' وہ تشویش سے اس کی طرف جھکا سمجھا رہا تھا۔

''میری اور اس کی کہانی بہت فرق ہے۔ میں سمجھ گئی۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ البتہ ابھی تک فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ہم نے طے کیا تھا کہ میں تمہارا شرنک ہوں۔ ہر تھیراپی کا اصول ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے محسوسات اپنے شرنک (ڈاکٹر) کے ساتھ شیئر کرنے ہوتے ہیں۔ تمہیں اپنے محسوسات آتے ساتھ ہی مجھے بتانے چاہیے تھے۔ تم اچھی لڑکی ہوتا لیہ اور میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے پاس چھ دن مزید ہیں۔ تم ان کو استعمال کرو اور اپنے اندر سے سب کچھ باہر نکالنے کی کوشش کرو تاکہ تمہیں خود بھی اندازہ ہو کہ تم کیا چاہتی ہو۔''

''اوکے۔ میں خود سے بتاتی رہوں گی۔''

''گڈ۔ اب کام کی طرف آتے ہیں۔ ایک دفعہ پھر تمہارے میلوڈرامے نے ہمارا کافی وقت برباد کیا۔'' ایک دم اس کا لہجہ

بدل گیا۔قدرے برہمی سے کہتے ہوئے اس نے آستین مزید چڑھائے' اور میز پہ رکھی نوٹ بک کھول کے قلم کاغذ سے اس پہ لکھنے لگا۔تالیہ نے بس کندھے اچکا دیے۔وہ اس کے بدلتے رویوں کی اب عادی ہونے لگی تھی۔

''نیلوفر سے اس ملاقات سے ہمیں کیا معلوم ہوا ہے؟''

تالیہ گیلے بال کان تلے اڑستے ہوئے آگے ہو کے بیٹھی' پھر سوچتے ہوئے بولی۔

''کتاب واقعی لکھی جا چکی ہے اور اس کے گوگل ڈرائیو میں موجود ہے مگر پبلشر کے ذکر سے وہ کنی کترا گئی۔میں نے اسے ایک انتہائی خودترسی کا شکار اور خود پہ مظلومیت طاری کیے ہوئے عورت پایا جو ہمدردی لینا چاہتی ہے اور نفرت سے بھری ہے....''

''جھوٹ بولنے والوں میں دس نشانیاں ہوتی ہیں۔''

''اب یہ مت کہنا کہ وہ سب تمہیں مجھ میں نظر آنے لگی ہیں۔'' تالیہ نے برا منہ بنایا۔مگر وہ سوچ میں گم تھا۔

''پہلی نشانی...وہ آنکھوں میں دیکھ کے بات کرتے ہیں۔دوسری....عادی جھوٹے لوگ کسی بات کا سیدھا جواب نہیں دیتے۔وہ اتنے ڈرپوک ہوتے ہیں کہ بات گھما پھرا دیتے ہیں۔تم نے اس سے شادی ٹوٹنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بات گھما دی۔تیسری نشانی...وہ اپنے جذبات کو بڑھا چڑھا کے بتاتے ہیں۔اس نے کہا آئی لو کے ایل۔وہ یہ بھی کہہ سکتی تھی کہ مجھے کے ایل پسند تھا یا میں اسے مس کرتی ہوں۔مگر وہ ہر بات میں exaggeration کر رہی تھی۔ایسے لوگوں کی وہی مثال ہے کہ They don't mean what they say!۔مجھے وہ ایک انتہائی compulsive liar قسم کی عورت معلوم ہوئی ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کی کتاب بھی جھوٹوں سے بھری ہوگی۔ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

''باقی سات نشانیاں تو بتاؤ؟'' وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔جہان ہلکا سا مسکرایا۔

''اگر بتا دیا تو میں تمہارے جھوٹ کیسے پکڑوں گا؟''

تالیہ برا منہ بنا کے پیچھے ہوئی۔وہ اب نوٹ بک میں کچھ لکھ رہا تھا۔پھر سر اٹھایا اور سوچتے ہوئے کہنے لگا۔

''وہ موکا کافی کے لئے کیوں راضی ہوئی؟''

''کیونکہ میں نے کہا تھا کہ موکا پیتے ہیں۔''

''تم نے یہ بھی کہا تھا کہ کمرے میں چلتے ہیں حالانکہ وہ کیفے میں جانا چاہتی تھی۔تم نے کہا چائے نہیں' موکا۔تو اس نے بھی اپنا ارادہ بدل دیا۔نیلوفر باتوں کا فن جانتی ہے' ادائیں دکھانا اسے آتا ہے' مگر اس میں قوتِ فیصلہ نہیں ہے۔وہ impressionable ہے۔جس نے جو کہا اس کی مان لی۔وہ اپنے فیصلے نہیں کر سکتی۔''

تالیہ ایک دم سیدھی ہو کے بیٹھی۔ ''اور ایسے لوگوں کے لئے فیصلے کوئی اور کرتا ہے۔''

''سوچو تالیہ.... اگر وہ یہ آخری دن اس شپ میں گزار رہی ہے اپنے قریبی دوستوں' رشتے داروں اور فیملی کے ساتھ' تو ان دنوں میں اسے کتاب کے حوالے سے کتنے بڑے فیصلے کرنے ہوں گے۔''

''ہاں۔ مجھے یاد ہے کہ ایڈم کی کتاب کی آمد کے آخری دن بہت مصروف اور اسٹریس فل ہوتے تھے۔''

''مگر وہ مطمئن لگ رہی ہے کیونکہ اس کے یہ سارے فیصلے اور ڈیلنگ وغیرہ اس کے لئے کوئی اور کرتا ہے۔ کوئی ایسا شخص جو اس وقت اس شپ پہ موجود ہے' کیونکہ اس کی موجودگی میں وہ آرام سے بیٹھی ہے۔ وہی شخص نیلوفر اور پبلشر کے درمیان پل کا کام کر رہا ہے۔''

''ایک منٹ۔'' تالیہ نے چونک کے فون نکالا اور اسکرین اسکرول کرنے لگی۔ ''یہ دیکھو نیلوفر نے مجھے ابھی ٹیکسٹ کر کے شام کی پارٹی میں انوائیٹ کیا ہے۔''

''گڈ۔ تم مزید اس کے قریب جا کے....''

''نہیں جہان۔ اس کا رائٹنگ اسٹائل دیکھو۔'' اس نے اسکرین دکھائی۔

''وہ ٹیکسٹ میسیج ہو یا ٹوئیٹ' ہر فل اسٹاپ کے بعد نیا فقرہ اگلی لائن سے شروع کرتی ہے۔ اس کے روم میں ایک کاغذ پہ لکھا آرٹیکل بھی تھا جو وہ صوفیہ کے خلاف لکھ رہی تھی۔ یہ دیکھو۔'' تالیہ نے جلدی سے وہ تصویر نکالی جو اس کے کمرے میں اس نے کھینچی تھی۔ ''یہ پرنٹ آؤٹ ہے مگر اس میں بھی ہر نیا فقرہ اگلی لائن سے شروع کیا گیا ہے لیکن....'' وہ ایک دم پر جوش ہو کے بتانے لگی۔ ''جب اس یہ آرٹیکل صبح بلاگ پہ آیا تھا تو نفاست سے پیراگراف کی صورت تھا۔ جو کتاب کا صفحہ اس نے مجھے دکھایا اس میں بھی تین پیراگراف لکھے نظر آتے تھے۔ neat اور قواعد وضوابط کے ساتھ لکھے پیراگراف۔''

''تم کہہ رہی ہو کہ کتاب کا ''رف ورژن'' وہ خود لکھتی ہے مگر اس کا neat اور فائنل ورژن کوئی اور لکھتا ہے۔''

''میں کہہ رہی ہوں کہ اس نے آرٹیکل کے صرف پوائنٹرز لکھے ہوئے تھے لائن چھوڑ چھوڑ کے۔ وہ کتاب بھی ایسے ہی لکھتی ہے۔ جو فقرہ یاد آتا گیا لکھتی گئی۔ پھر وہ کسی اور کو دیتی ہے جو اس کو کہانی کی شکل میں ڈھالتا ہے۔ وہی شخص نیلوفر کا گھوسٹ رائٹر ہے۔ وہی اس کے لئے فیصلے لیتا ہے' اور لٹریری ایجنٹ کا کام بھی کرتا ہے۔''

''لٹریری ایجنٹ تو باقاعدہ لٹریری ایجنسیز سے تعلق رکھتے ہوتے ہیں اور وہ رائٹر اور پبلشر کے درمیان پل کا کام کرتے ہیں۔ اس شپ کے تمام مہمانوں میں کوئی بھی کسی لٹریری ایجنسی سے نہیں ہے۔ میں نے لسٹ چیک کی تھی۔'' وہ اپنی کارکردگی بتانے سے باز نہیں رہتا تھا۔

''تو ہو سکتا ہے نیلوفر کا ''ایجنٹ'' پروفیشنل ایجنٹ نہ ہو۔ وہ اس کا کوئی قریبی شخص ہو جس پہ وہ اعتماد کرتی ہو۔'' وہ ایک دم پرجوش ہو گئی تھی۔ ''وہ شخص نیلوفر کے ذہن تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ وہ شخص یہاں موجود ہے۔ اور اس شخص کے پاس کتاب کا اصل مسودہ بھی ہے۔ اس کو پبلیشر کا بھی علم ہے۔ ہمیں اس آدمی کو ڈھونڈنا ہے۔''

''تمہیں کیوں لگتا ہے کہ نیلوفر کا گوسٹ رائٹر ایک آدمی ہے؟ اونہوں۔ وہ مردوں کے خلاف باتیں کرتی ہے۔ کبھی آدمی پہ ٹرسٹ نہیں کرے گی۔ وہ کسی 'عورت' کے اشاروں پہ چل رہی ہے۔ میرا گیس ہے کہ یہ اس کی ماں ہے۔''

وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ گول کھڑکی سے باہر پھیلے نیل کے پانی پہ سہ پہر اتر رہی تھی۔ ٹھنڈ بڑھنے لگی تھی۔

''ہاں اس کی ماں ہر جگہ اس کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ اپنے زمانے میں بڑی سوشل اور Dominating سی عورت رہی ہے۔ مگر یہ اس کا مرد دوست بھی ہو سکتا ہے جس کے پیسوں پہ آج کل وہ رہ رہی ہے۔ وہ کوئی ملائیشین بزنس مین ہے۔ لیکن اگر وہ عورت ہے تو وہ آج کی پارٹی میں ہو گی کیونکہ آج نیلوفر نے کتاب کی ریلیز ڈیٹ اناؤنس کرنی ہے۔''

''گڈ۔ تمہیں اب اس عورت کو ڈھونڈنا ہے۔''

''پارٹی میں بہت سی عورتیں ہوں گی۔ میں کیسے اسے ڈھونڈوں گی؟''

''تم ایک کام کرنا۔'' وہ پرجوش انداز میں مسکرا کے کہنے لگا۔ ''تم جوتوں کا رخ دیکھنے والی ٹیکنیک استعمال کرنا جس سے...''

''اوہو... ہمارے جوتوں کا رخ تو صرف یہ بتاتا ہے کہ ہم سامنے والے کی بات میں انٹرسٹڈ ہیں یا نہیں..... مگر نیلوفر کی گوسٹ رائٹر کو ہم اس کے جوتوں کے رخ سے کیسے ڈھونڈ سکتے ہیں؟'' اس نے بے زاری سے بات کاٹی۔

جہان سکندر نے لب بھینچ لئے اور بھنویں اکٹھی کر کے اسے دیکھا۔

''میں کچھ اور کہنے لگا تھا' مگر یو نو واٹ' میں کچھ نہیں کہتا۔ تمہیں چونکہ زیادہ پتہ ہے تو تم آج اسے خود ڈھونڈنے کی کوشش کرو۔ میں چلتا ہوں۔'' گھڑی دیکھی اور اٹھ گیا۔ تالیہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''سنو... تم اپنے گھر والوں سے بھی اسی طرح ناراض ہو کے چلے جاتے ہو؟''

''میرے کوئی گھر والے نہیں ہیں۔ اکیلا رہتا ہوں اس شہر میں۔ تمہارے کمرے کا یہ بلب (اوپر اشارہ کیا) کام نہیں کر رہا۔ روم سروس کو بلوا کے ٹھیک کروا لینا۔'' بے نیازی سے ہدایت دیتا' پی کیپ سر پہ پہنتا وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''اچھا سنو.... تم جوتوں کے رخ کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟''

مگر پکارنے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ ہونہہ میں سر جھٹک کے باہر جا چکا تھا۔

☆☆=========☆☆

نیلوفر کی پارٹی ہوٹل کے ایک چھوٹے سے ہال میں تھی جو پرائیوٹ پارٹیز کے لئے مختص تھا۔ دروازے بند تھے اور اندر سے موسیقی کی آواز آرہی تھی۔ باہر کھڑی تالیہ نے ایک لمحے کے لئے خود کو دیوار پہ لگے آئینے میں دیکھا۔ نیوی بلیو لمبی میکسی پہنے' بالوں کا جوڑا بنائے' وہ ماتھے پہ ہیروں کی ماتھا پٹی پہنے ہوئے تھی۔ یہ نازک سا ہیڈ بینڈ اس کے سر کو گول دائرے کی صورت جکڑے' اسے ایک شہزادی کی طرح دکھا رہا تھا۔ آئینے میں خود کو دیکھتے بہت کچھ یاد آیا' مگر پھر سر جھٹکا اور کان میں لگا ائیر پیس دبایا۔

''تم کہاں ہو؟'' ادھر ادھر طائرانہ نگاہ دوڑائی۔ کاریڈور میں چند لوگ آجا رہے تھے۔

''قریب ہی ہوں۔'' وہ کان میں بولا مگر تالیہ کو وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ بظاہر مٹھی لبوں پہ رکھے کھنکھارتے ہوئے ہلکا سا بولی۔

''وہ تم جوتوں کے رخ کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔''

''نہیں نہیں.... میں کیوں کچھ کہوں گا۔ تالیہ مراد کو تو ویسے بھی سب معلوم ہوتا ہے۔''

''ویری فنی۔ خود ڈھونڈ لوں گی اسے۔'' سر جھٹکا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ گارڈ نے اس کا نام گیسٹ لسٹ میں دیکھ کے مسکرا کے سر کو خم دیا اور دروازہ کھول دیا۔

اندر مدھم روشنیاں اور تیز میوزک کے ساتھ ایک پارٹی جاری و ساری تھی۔ عورتیں ٹولیوں کی صورت کھڑی' گلاس ہاتھ میں لئے باتیں کر رہی تھیں۔ بمشکل بیس عورتیں ہوں گی۔ تالیہ کی نظروں نے سارے ہال کو اسکین کیا۔ نیلوفر سامنے ہی تھی۔ سلور میکسی میں تیار' بالوں میں مور کا پنکھ لگائے وہ سرخ لپ اسٹک کے ساتھ مسکراتی مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ تالیہ کی نظریں اس کے کرسٹل سینڈلز پہ جھکیں۔

ان کا رخ کیا تھا؟

مگر نیلوفر آگے پیچھے آتی جا رہی تھی۔ کبھی ایک ٹولی کے پاس جاتی' کبھی دوسری کے پاس۔ اس کے جوتوں کا رخ بار بار بدلتا۔ اتنا شور۔ رش۔ نیلوفر کے پیر ایک جگہ ٹک ہی نہیں رہے تھے۔

''سنو.... مجھے جہاز کی گیلری میں ملو۔ ابھی۔''

وہ نیلوفر کے دیکھنے سے پہلے تیزی سے باہر نکل آئی۔ میکسی کو پہلو سے اٹھائے اب وہ تیز تیز کاریڈور میں چلتی جا رہی تھی۔ ماتھے پہ پریشانی سے بل پڑے تھے۔

وہ جہاز کی ایک بالکونی میں کھڑا تھا۔ سر پہ پی کیپ پہنے' بازو سینے پہ لپیٹے' مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا۔ پیچھے بہتا رات کے اندھیرے میں ڈوبا نیل کا دریا پرسکون لگتا تھا۔

''ٹھیک ہے.....نہیں کاٹوں گی اب تمہاری بات....بتاؤ اب جو تم کہہ رہے تھے؟''

وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور بے بسی بھری اکتاہٹ سے بولی۔ یہاں ہوا تھی اور اس کے جوڑے سے نکلتی لٹیں پیچھے کو اڑنے لگی تھیں۔ وہ نیم اندھیرے میں کھڑا تھا' چاند کی مدھم روشنی آدھے چہرے پہ پڑتی تھی اور باقی آدھے پہ پی کیپ کا سایہ تھا۔ پھر بھی تالیہ کو اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی دکھائی دی۔

''کیوں؟ تم نے نیلوفر کے جوتوں کے رخ سے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ وہ سامنے والوں میں انٹرسٹڈ ہے یا نہیں؟'' جتا کے پوچھا۔

''وہ تو سارے مہمانوں میں ہی انٹرسٹڈ ہے۔'' وہ جل کے بولی تو وہ محظوظ انداز میں مسکرایا۔ بولا کچھ نہیں۔

''نیلوفر کے جوتے ایک جگہ ٹکتے تو میں نوٹ کرتی نا۔''

''میں نیلوفر کے جوتوں کی بات نہیں کر رہا تھا۔ وہ اصول جو تم کہہ رہی تھیں' وہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ میں پارٹی کی دوسری عورتوں کے جوتوں کی بات کر رہا تھا۔''

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ تم ایک ایسی پارٹی میں جا رہی ہو جہاں صرف عورتیں ہیں۔ عورتوں کے گروہ کے لئے یہ اصول کسی اور طریقے سے استعمال ہوتا ہے۔ تمہیں نیلوفر کے پیر نہیں دیکھنے۔ تمہیں سب عورتوں کے پیر دیکھنے ہیں۔ کیونکہ جب عورتیں گروپ میں کھڑی ہوتی ہیں تو ان سب کے پیر صرف ایک عورت کی طرف مڑے ہوتے ہیں۔ ان کی ایلفا کی طرف۔''

تالیہ نے گہری سانس لی۔ ''The Female Alpha'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''وہ گھوسٹ رائٹر صرف نیلوفر کی محرمِ راز ہی نہیں ہے' بلکہ اس کی ایلفا بھی ہے۔ میں سمجھ گئی۔''

اور تیزی سے مڑی' پھر رکی اور واپس پلٹ کے اسے دیکھا جو ریلنگ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

''اوہ اور جب تم روز کشتی سے واپس آیا کرو تو کوشش کیا کرو کہ اپنی ویڈنگ رنگ کشتی میں ہی اتار رکھا کرو کیونکہ تم مجھ سے ملنے سے چند سیکنڈ پہلے اسے اتارتے ہو اور تمہاری انگلی پہ اس کا واضح نشان رہ جاتا ہے۔ No Offence۔''

مسکرا کے پلکیں جھپکا کے بولی اور واپس مڑتے وقت اس نے جہان کے ماتھے پہ پڑتے بل واضح دیکھ لئے تھے۔ مگر اس کے کچھ کہنے سے پہلے وہ جا چکی تھی.....

☆☆==========☆☆

کسی بھی جنگل میں رہنے والے بھیڑیے عموماً جتھے کی صورت میں کام کرتے ہیں۔ وہ جتھے میں حملہ کرتے ہیں' جتھے میں چیر

پھاڑ کر کے شکار کو کھاتے ہیں۔ لیکن اگر بھیڑیوں کو غور سے دیکھو تو ان کے جتھے کا ہمیشہ ایک سردار ہوتا ہے جس کے اشارے پہ سب کام کرتے ہیں۔ وہ ان کے تمام فیصلے کرتا ہے' شکار کی اسٹریٹجی بناتا ہے' جس کو چاہے بھوکا مارے' جس کو چاہے زیادہ کھانے کو دے۔ بھیڑیے اپنے سردار کی آنکھ کے اشارے کے پابند ہوتے ہیں۔

ایسے سردار بھیڑیے کو Alpha Wolf کہا جاتا ہے۔ کسی بھیڑیے کو ایلفا انتخاب کر کے نہیں بنایا جاتا نہ وہ نسل در نسل بادشاہی نظام کے مطابق سردار بنتا ہے۔

بلکہ گروہ میں سے کوئی بھی بھیڑیا خود ہی ایلفا بن جاتا ہے کیونکہ اس کی شخصیت اور برتاؤ ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے بھیڑیے خود بخود اس کو اپنا ایلفا مان لیتے ہیں۔

ایلفا خود کو لیڈر خود ہی بنواتا ہے اور منواتا ہے۔

ایسے ہی انسانوں میں بھی ایلفا ہوتے ہیں۔

مردوں کے ایلفا مختلف ہوتے ہیں' عورتوں کے ایلفا مختلف۔

ہر گھر میں' ہر آفس میں' ہر دوستوں کے گروپ میں ایک ایلفا ہوتا ہے۔

مرد ایلفا کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ جب گروہ میں آتا ہے تو سب اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں' اس کی بات ٹالی نہیں جاتی' اس کی موجودگی میں کوئی اس کا مذاق بنانے کی جراءت نہیں کر سکتا' اور اس کی موجودگی باقی سارے گروہ کے لئے Unnerving ہوتی ہے۔ وہ اس کے سحر اور رعب میں ہوتے ہیں مگر اس کی موجودگی میں ہمیشہ بے چین رہتے ہیں کہ کچھ غلط بول یا کر نہ بیٹھیں۔ مرد ایلفا بارسوخ ہوتے ہیں اور حاکمانہ مزاج رکھتے ہیں۔ ان کے فیصلے مانے جاتے ہیں' ان کو عزت دی جاتی ہے اور ایلفا کی تعریف سب کو خوش کرتی ہے۔ مردوں کے ہر گروہ میں' یا ہر آفس میں ضروری نہیں ہے کہ کوئی ایلفا ہو مگر عورتوں کے ہر گروہ میں ایک ایلفا ضرور ہوتی ہے' اور عورتوں کے ہر گروہ میں "صرف" ایک ہی ایلفا ہوتی ہے۔

دی فی میل ایلفا وولف۔ اور یہ مرد ایلفا سے کافی مختلف ہوتی ہے۔

☆☆=========☆☆

(لڑکیوں کو کم عمری سے چند چیزیں سکھائی جاتی ہیں۔ شیئر کرنا۔ تعاون کرنا۔ اور دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنا۔ جن لڑکیوں میں یہ خصوصیات ایک حاکمانہ طبیعت کے ساتھ موجود ہوتی ہیں' وہ بڑی ہو کے اپنے گھر یا آفس میں ایلفا بن جاتی ہیں۔ آفس کی ایلفا ضروری نہیں ہے کہ گھر میں بھی ایلفا ہو مگر وہ ہو بھی سکتی ہے۔ اس کا اصل کام کسی سوشل گروپ میں سب کو ایک دوسرے کے ساتھ کمفرٹیبل کرنا ہوتا ہے۔ وہ ایک دوسرے تک پہنچنے کا پل ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کو متعارف کرواتی

ہے۔)

تالیہ روشنیوں سے جگمگاتے ہال میں داخل ہوئی اور مسکراتے ہوئے سامنے کسی سے بات کرتی نیلوفر کی طرف آئی۔ نیلوفر نے اسے دیکھا تو فوراً اس کے پاس آئی اور گال سے گال ٹکرا کے گلے ملی پھر الگ ہوئی اور ستائش سے اسے دیکھا۔

''آؤ میں تمہیں اپنی فرینڈز سے ملواؤں۔''

وہ اس کا ہاتھ تھامے آگے لانے لگی تو تالیہ جلدی سے بولی۔

''نیلوفر پلیز....میرا تعارف مت کروائیے گا۔ آپ کی بک لانچ سے پہلے وان فاتح اور آپ کے درمیان کوئی لنک منظرِ عام پہ نہیں آنا چاہیے۔''

''اوہ رائٹ!'' نیلوفر نے سمجھ کے سر ہلا دیا اور اسے لئے عورتوں کی ایک ٹولی کی طرف آئی۔

(عورت ایلفا وہ ہوتی ہے جس کی موجودگی میں سارا گروہ اس کی طرف متوجہ ہو حتیٰ کہ ان کے جوتوں کا رخ بھی اسی کی طرف ہو۔ چاہے ایلفا عورت خاموش ہی کیوں نہ کھڑی ہو۔)

ہال میں تین ٹولیاں تھیں اور نیلوفر پہلے گروہ سے اس کا تعارف اپنی ملے دوست کی حیثیت سے کروا رہی تھی۔ تالیہ نے مسکرا کے باری باری ان تین عورتوں کو دیکھا۔

ایک مصری عورت جو بات بے بات مسکرا رہی تھی۔

دوسری عورت جو اپنے فون پہ لگی ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہی تھی۔

تیسری نیلوفر سے پوچھ رہی تھی۔ ''آخر کتاب کب آ رہی ہے نیلو؟''

اور نیلو نے پراسرار انداز میں مسکرا کے کندھے اچکائے اور اسے ساتھ لئے آگے بڑھ گئی۔

(ان میں سے کوئی بھی نہیں۔)

خواتین کا دوسرا گروہ قریب ہی کھڑا تھا۔ وہ دونوں ان کے قریب آئیں تو سب ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ دو عورتیں البتہ آپس میں ہنستے ہوئے اپنی بات جاری رکھے ہوئی تھیں۔

(عورت ایلفا وہ ہوتی ہے جو گفتگو کا مرکز ہو۔ وہ موجود ہو تو....اس کو سنیں' اس سے بات کریں۔ وہ چلی جائے تو مرکز ٹوٹ جائے اور سب آپس میں بات کرنے لگیں۔)

تالیہ باری باری ان سب سے خوش اخلاقی سے ملنے لگی۔ گہری نظریں ایک ایک کے چہرے کا مشاہدہ کر رہی تھیں۔

(ایلفا کی موجودگی میں باقی عورتیں اسی کی طرح کا چال ڈھال اپنا لیتی ہیں۔ وہ اسی کی طرح ہاتھ رکھتی ہیں' گلاس پکڑتی

ہیں اسی کی طرح ہنستی ہیں۔ وہ لطیفے سناتی ہے۔ وہ ہدایات دیتی ہے۔)

(اونہوں) تالیہ نے ہلکا سا نفی میں سر ہلایا اور نیلوفر کے ساتھ تیسرے اور آخری گروہ کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی گہری نظریں نیلوفر کی ماں پہ جمی تھیں۔

(عورت ایلفا وہ ہوتی ہے جس سے مشورے مانگے جائیں۔ وہ گروہ کا سب سے زیادہ دانا دماغ سمجھی جاتی ہے۔ اگر وہ کسی آئیڈیے کو رد کردے تو باقی عورتیں بھی اس کی وجہ سے رائے بدل دیتی ہیں۔)

نیلوفر کی ماں سفید سلور بالوں کا جوڑا بنائے، گردن میں نیلے نگینوں کا نیکلیس پہنے اکتائی اکتائی کھڑی تھی۔ اسے اپنی میکسی کا کام کندھے سے چبھ رہا تھا اور وہ بار بار اسے وہاں سے ٹھیک کرتی تھی۔

"نیلو... میرا ڈریس بالکل ٹھیک سے Stitch نہیں ہوا۔" وہ دونوں قریب آئیں تو اس کی ماں نے شکایت کی۔ نیلوفر نے مسکرا کے صرف سر جھٹکا اور جتا کے بولی۔

"اسی لیے تو آپ کو کہا تھا ممی کہ یہ ڈریس مت پہنیں مگر آپ سنتی کہاں ہیں۔"

"اب تو سن چکی نا۔" وہ روہانسی شکل بنائے انگلیوں سے کندھے پہ لباس کو درست کر رہی تھی۔

"تالیہ... اس کی ماں پہ نظر رکھو۔" جہان کی آواز کان میں گونجی مگر تالیہ مسکرا کے دوسری عورتوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔ نیلوفر اب اس سے ان کا تعارف کروا رہی تھی۔ تالیہ کی مسکراتی خاموش نظریں ایک ایک چہرے پہ جاتیں اور واپس پلٹ جاتیں۔ اس کی نگاہ تھک گئی اور مایوس ہوگئی۔

وہ سب پرانی فرینڈز تھیں۔ دو ایک نیلوفر کی کزنز بھی تھیں۔ مگر ان سب میں کچھ بکھرا بکھرا سا تھا۔ کوئی شے ایسی نہ تھی جو ان کو جوڑے ہوئے تھی۔ ان کے جوتوں کا رخ بھی ایک سا نہیں تھا۔

نیلوفر اس کو وہیں چھوڑ کے دوسرے مہمانوں کی طرف بڑھ گئی۔ ایک وہی تھی جو پورے ہال میں ایک سے دوسرے کی طرف لپکتی پھر رہی تھی۔

"اس کی ماں کیسی لگی؟" وہ کان میں لگے آلے کی مدد سے پوچھ رہا تھا۔ تالیہ نے مٹھی چہرے کے قریب کی اور ہلکا سا مسکرائی۔

"اونہوں۔ وہ عام سی عورت ہے۔ بلکہ یہاں کوئی بھی اتنا خاص نہیں ہے۔"

"یہ نہیں ہوسکتا۔ ہر فی میل گروہ میں ایک ایلفا ضرور ہوتی ہے۔ کوئی تو ہوگی۔" وہ الجھ کے بولا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا اس کی ماں نہیں ہوسکتی۔ بلکہ یہ اس کا وہ مرد دوست... وہ ملے بزنس مین ہوگا۔" وہ تلخی سے بظاہر

کھنکھارتی بند مٹھی میں بولے جا رہی تھی۔ اتنا وقت اس فضول پارٹی میں اس نے ضائع کیا۔

''ایوری ون....اس سے پہلے کہ ڈنر سرو کیا جائے' مجھے ایک اناؤنسمنٹ کرنی ہے۔ آپ سب پلیز ذرا اسٹیج کے سامنے آ جائیں۔''

نوجوان نسوانی آواز پہ تالیہ کی گردن آہستہ سے گھومی۔

ایک دم ہال میں خاموشی چھانے لگی۔

پلیٹ فارم اسٹیج پہ وہ لڑکی کھڑی تھی اور اونچی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''ایوری ون...میری آواز آ رہی ہے۔۔؟؟''مسکرا کے اس نے مائیک میں پوچھا۔

ہال کی ساری آوازیں دم توڑ گئیں۔

ساری باتیں' قصے خاموش ہو گئے۔ چاروں کونوں سے عورتیں پر جوش سی پلیٹ فارم کے قریب اکٹھی ہونے لگیں۔

''او کے۔ اب آپ سب کی توجہ میری طرف ہے' رائٹ؟''

آنکھوں پہ چوڑی گلاسز لگائے' بالوں کی اونچی پونی باندھے' وہ نوجوان لڑکی سارے میں نظریں دوڑاتی کہہ رہی تھی۔

''جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے' ہم یہاں مادام نیلوفر بخت کی کتاب کی ریلیز ڈیٹ اناؤنس کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔''

عورتیں اسٹیج کے گرد اکٹھی تھیں۔ تالیہ کے قدم بھی اسی طرف اٹھ گئے۔ اس نے گردنیں دیکھیں جو اونچی ہو کے اس لڑکی کو دیکھ رہی تھیں۔

اس نے جوتے دیکھے جو ہر طرف سے اسٹیج کی سمت مڑے ہوئے تھے۔

''اور ایسے میں جب ہم اس کتاب کو ریلیز کرنے جا رہے ہیں' ہماری دشمن صوفیہ رحمٰن ابھی تک ہمارے تعاقب میں ہے۔ آپ کو پتہ ہے نا' میں ایک سیکیورٹی ٹیم ساتھ لائی تھی اور اس ٹیم نے جانتے ہیں کیا دریافت کیا؟ کیونکہ اسی وجہ سے مجھے آنے میں دیر ہو گئی۔''

اس نے سسپنس پیدا کیا۔ عورتوں نے یک آواز ہو کے دلچسپی سے پوچھا۔

''کیا؟''

''میم نیلوفر بخت کو ہوٹل کی طرف سے ملنے والے پھولوں کے بکے میں ایک Bug تھا جو کسی نے ہماری باتیں سننے کے لیے لگایا تھا۔ میری ٹیم نے اسے پکڑ لیا ہے۔''

''واٹ دی.....؟؟'' وہ اس کے کان میں بے یقینی سے بولا۔لڑکی مسکرا کے اسٹیج پہ کہہ رہی تھی۔

''اور اس بگ کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ صوفیہ ابھی تک ہمارے تعاقب میں ہے اور ہمارا پبلشر ڈھونڈنے میں لگی ہے۔مگر جتنے محتاط ہمارے پبلیشر صاحب ہیں' اس سے زیادہ محتاط ہمیں ہونے کی ضرورت ہے۔صوفیہ رحمٰن نے جتنی زندگیاں برباد کرنی تھیں کر لیں' کم از کم ہم اس کو اپنی ہالیڈے برباد نہیں کرنے دیں گے۔''

وہ آخر میں مسکرائی تو ہال میں قہقہہ گونجا۔

''اور میں نے قاہرہ سے مزید سیکیورٹی ٹیم بھی منگوالی ہے جو میرے اور میم نیلوفر کے کمروں کے باہر پہرہ دے گی تا کہ دوبارہ کوئی ہمیں بگ کرنے کی کوشش نہ کرے۔اوکے۔اب آپ آجائیں۔''

وہ کہہ کے نیلوفر کو تحکم سے اشارہ کرتی اسٹیج سے اتری۔سب کی نظریں نیلوفر پہ جمی گئیں جو پہلو سے میکسی اٹھاتی' مسکراتی ہوئی اسٹیج پہ چڑھی اور دونوں ہاتھ اٹھائے اپنی بات کا آغاز کرنے لگی مگر تالیہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔

اس کی نظریں اس لڑکی پہ تھیں جو نیچے اترتے ہی سیدھی نیلوفر کی ماں کی طرف آئی' آنکھیں دکھا کے اسے ٹوکا اور سختی سے اس کا ہاتھ کندھے سے ہٹایا تو ماں جلدی سے سنبھل گئی۔لڑکی پھر آگے بڑھی اور کونے میں کھڑے مینیجر کو انگلی کے اشارے سے بلایا۔پھر بفے ٹیبل کی طرف اشارہ کر کے' بھنویں چڑھائے کھانے کے انتظامات کے بارے میں پوچھنے لگی۔اس کے ماتھے پہ بل تھے اور انداز میں رعونت تھی۔

''یہ کون تھی؟'' اس کے کان میں جہان کی حیرت بھری آواز گونجی تھی۔

تالیہ کی گہری نظریں دور کھڑی ادھر ادھر جاتی اس لڑکی پہ جمی تھیں جو انتظامات سنبھال رہی تھی۔

اس نے ہونٹوں کو نامحسوس انداز میں جنبش دے کر دھیرے سے کہا۔

''نیلوفر کی گوسٹ رائٹر...اس کی مینیجر...اس کی لٹریری ایجنٹ...اس کی ایلفا.....بلکہ پورے خاندان کی ایلفا....'' وہ تلخی سے مسکرائی۔

''یہ نیلوفر بخت کی بیٹی الماس بخت ہے۔صوفیہ رحمٰن اور ہمارا کا مقابلہ نیلوفر سے نہیں' بلکہ اس کی انیس سالہ بیٹی سے تھا۔ہم اتنے دن سے غلط شخص کو ٹارگٹ کیے ہوئے تھے۔''

☆☆=========☆☆

''سو تم نے بھیجا تھا وہ پھولوں کے بکے میں بگ؟''

رات گہری ہو چکی تھی اور وہ دونوں تالیہ کے کمرے میں گول کھڑکی کے سامنے قدرے ڈھیلے سے بیٹھے تھے۔باہر سیاہ پانی

چاندی میں چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔اور منروا کروز دھیرے دھیرے دریا میں سفر کر رہا تھا۔

جہان نے اس سوال پہ بس گھور کے اسے دیکھا۔

''ظاہر ہے ان کی باتیں سننے کا کوئی طریقہ ہونا چاہیے تھا۔وہ پارٹی میں مصروف تھے تو میں نے سوچا یہ کام کرلوں۔''

''اچھا....''تھوڑی تلے ہتھیلی رکھی اور مسکرا کے اسے دیکھا۔''تمہارے پلانز بھی فیل ہوتے ہیں کیا؟میں سمجھی صرف میرے فیل ہوتے ہیں۔''

اس نے بس ناگواری سے سر جھٹکا'اور کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

''مجھے اندازہ ہونا چاہیے تھا۔''وہ جیسے خود سے خفا تھا۔''اس کتاب کا سیکنڈ ڈرافٹ اس کی بیٹی لکھ رہی ہے۔گھر میں ساری اسٹیشنری قلم کاغذ اس کی بیٹی کے کریڈٹ کارڈ پہ آتے تھے مگر میں نے سمجھا کہ وہ کالج کی معصوم بچی ہے مگر...اللہ اللہ۔''اس نے بے زاری سے ہاتھ جھلایا۔

''ویسے وہ کس رنگ کے پھول تھے جو تم نے نیلوفر کو بھیجے؟''وہ تھوڑی تلے ہتھیلی جمائے معصومیت سے پوچھنے لگی۔جہان نے گھور کے اسے دیکھا۔

''سفید گلاب تھے۔اور وہ اس کے ملے بزنس مین نے بھیجے تھے۔میں نے صرف اس میں بگ رکھا تھا۔''

''ہاں تو میں صرف مسکرا ہی رہی ہوں۔''

''چلو تم مجھے بتادو کیا پلان ہے تمہارے پاس۔''وہ کرسی پہ سیدھا ہوا اور وہ اس کی طرف برہمی سے دیکھا۔

''ہم اس کو بگ نہیں کر سکتے'اس کو ہیک نہیں کر سکتے'اور ایک ٹانگ جتنی لڑکی سے اس کے پبلشر کا نام بھی نہیں اگلوا سکتے ....تو ہمارے پاس ایک ہی آپشن رہ جاتا ہے۔''

''کہ ہم اس کو بلیک میل کریں؟''وہ سنجیدہ تھا۔

''ایک تو تم سب سے پہلے بلیک میل پہ کیوں اتر آتے ہو؟کہ ہم اس لڑکی کو کون کر کے کسی طرح سمجھانے کی کوشش کر سکتے ہیں کہ کتاب کا شائع نہ کرنا ان ماں بیٹی کے لیے اچھا ہے۔''

''وہ کبھی کتاب روکنے پہ نہیں مانے گی۔''اس نے ہاتھ جھلا کے آئیڈیا رد کیا۔''وہ ماں بیٹی اس وقت اپنی فیملی اور فرینڈز کی موجودگی میں بہت پراعتماد ہیں۔ان کو ڈرایا جا سکتا ہے مگر قائل نہیں کیا جا سکتا۔ہمیں نیلوفر کی کوئی کمزوری ڈھونڈ کے اس کو ایکسپوز کرنے کی دھمکی دے کر.....''

''جہان....پلیز....''ایک دم وہ چڑ کے بولی تو وہ رکا۔تھوڑی دیر پہلے کے تاثرات غائب ہوگئے۔

"نیلوفر کے فرینڈز اور فیملی اس کے اصل سے واقف ہیں اور وہ سب خود بھی ایسی ہی ہیں۔ نیلوفر کو کس کا ڈر ہے؟.... اپنے رازوں کے کھل جانے سے وہ ڈرتے ہیں جن کو اپنے پیاروں کو کھونے کا خوف ہوتا ہے۔ اسے بہت لوگوں نے پہلے ہی چھوڑ دیا ہے' اور اب والے اس کے ساتھ رہیں گے۔ کافی لکی ہے اس معاملے میں وہ۔"

اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ نیم روشن کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ ساری فضا تلخ ہو گئی اور یہ کڑواہٹ باہر بہتے نیل کے پانی میں بھی اترنے لگی۔

وہ آگے جھکے غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔

"تم اپنے دوستوں کو شک کا فائدہ کیوں نہیں دیتیں' تالیہ؟" اب کے نرمی سے بولا۔

"مجھے کچھ نہیں سننا۔" وہ ایک دم پھٹ پڑی۔ چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔ "پلیز ان کی حمایت مت کرنا۔ میں مشکل میں تھی اور میرے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ کوئی میرے لئے نہیں آیا۔ میرے سب دوست پتے تھے جو گر گئے' جھڑ گئے۔ یہ کبھی دوبارہ نہیں کھلیں گے۔"

"کیا کبھی کسی نے تمہیں بتایا ہے کہ ہر کہانی کی دو سائیڈز ہوتی ہیں؟ اور دوسری بھی سنی چاہیے؟"

"مجھے ان کی توجیہات اور وضاحتوں سے فرق نہیں پڑتا۔ وہ لوگ نہیں تھے میرے ساتھ.. تو نہیں تھے۔ بس۔ اور پلیز تم مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"

اس نے پیر کرسی کے اوپر کر لئے اور اپنے گرد شال لپیٹ لی۔ ایک دم اسے بہت سردی لگنے لگی تھی۔ گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا کے سر ان میں چھپا لیا۔ جسم پہ کپکپی سی چڑھ گئی تھی۔ کمر کے پیچھے قید خانے کی ٹھنڈی دیوار آ گئی تھی۔ سلاخوں پہ حقان کے ہاتھوں کے رگڑنے کی آواز... تالے میں چابی گھمانے کی آواز۔

اور

وہ گیلے جوتوں سے سڑک پہ قدم اٹھانے کی آواز۔

تالیہ نے سختی سے دونوں ہاتھ کانوں پہ جما دیے مگر وہ آواز بڑھتی جا رہی تھی۔ ماضی' حال' مستقبل سب گڈمڈ ہو رہا تھا۔

"تالیہ.... تالیہ....!" اس نے زور سے پکارا تو ایک دم سے ساری آوازیں دم توڑ گئیں۔

اس نے چونک کے سر اٹھایا۔ لمحے بھر کو اسے یاد نہ آیا کہ وہ کہاں بیٹھی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ حسیات واپس آنے لگیں۔

وہ کرسی پہ پیر اوپر کیے شال لپیٹے بیٹھی تھی اور وہ اس کے سامنے گرم کافی کا مگ رکھ رہا تھا۔

"میں جب سے گیا ہوں' تم ایسے ہی بیٹھی تھیں کیا؟"

تالیہ نے خالی خالی نظروں سے اس بھاپ اڑاتے مگ کو دیکھا۔

''کیا اب مجھے اس میں اپنا چہرہ ڈالنا ہے؟''

''نہیں۔اس کو پینا ہے۔اور پھر میرے ایک سوال کا جواب دینا ہے۔''

وہ اب میز پہ اس کا لیپ ٹاپ رکھے کھول رہا تھا۔تالیہ نے دھیرے سے مگ اٹھایا اور گرم کافی لبوں سے اندر انڈیلی۔کافی کی بھاپ میں بہت کچھ یاد آیا۔قدیم ملاکہ کا چائے خانہ...چائے کے پتوں کی مہک....کڑاہے میں ابلتی چائے کا دھواں...

''ادھر دیکھو میری طرف۔''جہان نے اس کے چہرے کے سامنے چٹکی بجائی تو وہ دوبارہ چونکی۔پھر سر جھٹکا۔

''کیا؟''گردن جھکا کے دیکھا تو آدھا مگ خالی ہو چکا تھا۔پھر اس نے انہی خالی نظروں سے سامنے دیکھا۔

جہان نے اس کا لیپ ٹاپ آن کر کے اسکرین اس کی طرف موڑ دی تھی۔وہاں اسکرین سیور جگمگا رہا تھا جو کافی عرصے سے وہاں تھا۔

''روز جب ہم کام کرتے ہیں تو تمہارے لیپ ٹاپ پہ مجھے یہ تصویر نظر آتی ہے۔جب تم اس تصویر کو دیکھتی ہو تو کیا دیکھتی ہو؟''

تصویر الیکشن نائیٹ کی تھی۔ٹی وی پہ وان فاتح کی تصویر تھی اور سامنے صوفوں پہ بیٹھے وہ تینوں مڑ کے کیمرے میں دیکھ رہے تھے۔سیلفی تالیہ نے لی تھی ایسے کہ پیچھے داتن'ایڈم اور ٹی وی اسکرین...سب پینوراما میں نظر آ رہا تھا۔ایڈم اور تالیہ نے وکٹری کی وی بنا رکھی تھی اور داتن پیالے سے کچھ کھاتی دکھا رہی تھی۔

تالیہ مغموم سا مسکرائی۔''چار لوگ ہیں اس تصویر میں۔وہی جو تمہیں نظر آ رہے ہیں۔''

''میری بات مت کرو۔میں وہ نہیں دیکھتا جو تم دیکھتی ہو۔اپنی بات کرو۔تمہیں اس میں کیا نظر آتا ہے؟''

تالیہ کی نظریں اسکرین سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

''ایک پرجوش پرامید لڑکی جس کو لگتا تھا کہ اس کی اتنی لمبی الیکشن کیمپین کا کوئی فائدہ ہوگا۔ایک نوجوان ووٹر جو اپنے لیڈر کو آئیڈیل سمجھتا تھا۔ایک سیاسی طور پہ نابلد عورت جس کو لگتا تھا کہ ووٹ دینا بے کار ہے۔اور....''اس کے حلق میں کچھ پھنسا۔

''ایک ایسا سیاستدان جو مصلحتوں کا شکار ہے اور کبھی آزاد نہیں ہو سکے گا۔''

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔وہ اسی طرح تالیہ کو دیکھے گیا جس کے چہرے پہ اسکرین کی نیلی روشنی پڑ رہی تھی۔

''تمہیں اس تصویر میں اور کچھ نہیں دکھائی دیتا؟''

''اور کیا ہے سوائے میرے تین بے وفا دوستوں کے؟''وہ پھر سے زہرخند سا بولی۔

”Lenvatinib ہے۔“ وہ اتنی سنجیدگی سے بولا تو تالیہ کے ابرو بھنچے۔

”کیا؟“

جہان اٹھا اور اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا' پھر جھک کے اسکرین پہ وہاں انگلی رکھی جہاں داتن کے ساتھ میز نظر آ رہی تھی۔

”یہ دیکھو.... یہ اس میز پہ Lenvatinib کی شیشی پڑی ہے۔ یہ کس کی ہے؟“

”یہ داتن کے اینٹی ڈپریسنٹ ہیں' مگر....“

”اینٹی ڈپریسنٹ؟“ اس نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔”یہ نیلا نصف دائرے کا نشان جو اس شیشی پہ بنا ہے...اور یہ فارمولا جو دور سے لکھا نظر آ رہا ہے...تم اس کو نہیں پہچانتیں؟“

تالیہ کی الجھی نظروں کو دیکھ کے اس نے گہری سانس لی۔

”یہ کینسر کی دوائی ہے۔ اسے کینسر پیشنٹ ہی لے سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔ تمہیں اس تصویر میں جو بھی نظر آتا ہو...سوری... مگر مجھے اس میں ایک فربہ عورت نظر آ رہی ہے جس کے سیاہ بال وِگ کی مانند لگ رہے ہیں' اس کے ساتھ کینسر کی دوائی رکھی ہے اور اس کے اصل بال یقیناً کیموتھیراپی کے باعث جھڑ چکے ہیں۔“

تالیہ ایک دم کرنٹ کھا کے سیدھی ہوئی۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ہونٹ آدھے کھل گئے۔

”یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ داتن کے اصلی بال ہیں۔“ اس نے کپکپاتی انگلیاں کی بورڈ پہ رکھیں اور تیزی سے اسکرین پہ پاسورڈ لکھا۔ سسٹم آن ہوا تو اس نے جلدی سے تصاویر کا فولڈر کھولا۔ وہی تصویر سامنے لائی اور اسے زوم کیا۔

”آر یو شیور' تالیہ؟ کیونکہ مجھے تو تمہاری دوست کی زرد رنگت کچھ اور بتا رہی ہے۔“

وہ بالکل سُن بیٹھی' بنا پلک جھپکائے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

”میرا خیال ہے اب تمہیں یہ طے کرنا ہے تالیہ کہ تم خود کسی کی زندگی کے درخت کا پتہ ہو' شاخ ہو یا جڑ۔“

اسے جہان کی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی تھی۔ وہ جانے کب وہاں سے چلا گیا' اسے معلوم ہی نہ ہوا۔ بس وہ بے دم سی اسکرین کو دیکھے گئی۔

☆☆=========☆☆

رات مزید گہری ہوتی گئی اور بحری جہاز دریائے نیل کا سینہ چیرتا آگے بڑھتا گیا۔ اس کی رفتار اتنی مدھم تھی کہ اندر اپنے کمروں میں آرام سے سوتے مسافروں کو حرکت کا احساس تک نہ ہوتا تھا۔

وہ البتہ سو نہیں سکی تھی۔ کندھوں کے گرد شال لپیٹے' وہ بالکونی میں کھڑی' جہان کے کمرے کے بالکونی میں کھلتے دروازے کا

شیشہ بجا رہی تھی۔ چہرہ سنجیدہ اور ویران لگتا تھا۔ ہوا کے باعث بال اڑ اڑ کے منہ پہ آرہے تھے مگر وہ شیشہ بجاتی گئی۔

پہلے پردہ ہٹا' پھر وہ نظر آیا۔ حیرت سے اسے دیکھا اور ہاتھ سے جو بھی کھا رہا تھا' اسے منہ میں ڈالتے ہوئے دروازہ کھولا۔

"تم سوئیں نہیں؟"

"مجھے بات کرنی ہے۔" وہ بے چین اور پریشان نظر آتی تھی۔

اس نے راستہ چھوڑ دیا تو وہ تیزی سے اندر آئی۔ یہ اس کے کمرے کا سٹنگ ایریا تھا جہاں ٹی وی روشن تھا اور سامنے والے صوفے کے آگے میز پہ پاپ کارن رکھے تھے۔ بھنے ہوئے مکئی کے دانوں کی خوشبو سارے میں پھیلی تھی مگر اسے اس وقت کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ ساتھ والے صوفے پہ بیٹھی اور بے چینی سے پوچھا۔

"تم فارغ تھے؟"

"نہیں۔"

تالیہ نے نظریں گھما کے چلتے ٹی وی کو دیکھا جس پہ کوئی ڈرامہ آرہا تھا۔ اور سر اثبات میں ہلایا۔

"گڈ۔ تم فارغ ہی تھے۔"

"میں ٹی وی شو دیکھ رہا تھا۔ اب تمہاری وجہ سے ادھر پھنسا ہوا ہوں تو اور کیا کروں۔" وہ کندھے اچکا کے کہتا واپس اپنے صوفے پہ بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ جما کے نظریں ٹی وی پہ مرکوز کر دیں۔ اور پاپ کارن کا پیالہ گھٹنے پر رکھ لیا۔

"سنو.... اگر داتن کو واقعی کینسر ہے اور اس نے مجھے نہیں بتایا تو یقیناً اس کی کوئی وجہ ہو گی۔ تم مجھے پتہ کر کے دے سکتے ہو؟"

"نہیں۔ میں اس وقت ٹی وی دیکھ رہا ہوں۔" اور وہ واقعی اسکرین کو دیکھتے ہوئے پاپ کارن منہ میں رکھ رہا تھا۔ تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔ اس نے نظریں موڑ کے اسکرین کو دیکھا۔

"یہ ٹرکش ڈرامہ میری بات سے زیادہ اہم ہے؟ اور تمہیں ان کی زبان سمجھ میں کیسے آرہی ہے؟"

"انگریزی Subtitles۔" اس نے انگلی سے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ "اور یہ بہت اچھا شو ہے۔ اس کا نام ہے انتقام اور اس میں ایک لڑکی....."

"پتہ ہے مجھے۔ یہ امریکن شو Revenge کی کاپی ہے۔ اب میری بات سنو۔"

"ایک منٹ.... ایک منٹ...." اس نے برہمی سے تالیہ کو دیکھا۔ "یہ کاپی نہیں ہے۔ Turks کاپی نہیں کرتے۔ انہوں نے اس کے کاپی رائٹس خرید کے اسے ترک زبان میں ڈھالا ہے۔ مائینڈ یو۔"

"تم ترکوں کو ڈیفینڈ کرنے کی بجائے میری بات نہیں سن سکتے کیا؟ تم نے کہا تم میرے شرنک ہو۔ تو تمہیں میری بات سننی

چاہیے۔"

اس بات پہ جہان کے تاثرات بدلے۔اس نے پیالہ میز پہ رکھا' ریموٹ سے ٹی وی بند کیا تو آوازیں اور نیلی روشنی دونوں دم توڑ گئیں۔

کمرے میں اب صرف مدھم زرد روشنیاں رہ گئیں۔وہ اب ٹانگ سے ٹانگ ہٹا کے اس کی طرف ترچھا ہو کے بیٹھا اور نرمی سے بولا۔

"بتاؤ۔تم کیا فیل کر رہی ہو؟"

"مجھے یہ جاننا ہے کہ داتن کو واقعی کوئی بیماری ہے یا نہیں۔مگر میں اپنے کانٹیکٹس سے نہیں پوچھ سکتی۔میرے اور داتن کے کانٹیکٹس ایک ہی ہیں۔اگر میں نے ان سے پوچھا تو اسے پتہ چل جائے گا اور وہ مزید اس بات کو چھپا لے گی۔مگر تم پتہ کر سکتے ہو۔"

جہان کے تاثرات بدلے۔نرمی کی جگہ دبے دبے غصے نے لے لی۔اس نے واپس ریموٹ اٹھایا اور ٹی وی آن کرتے ہوئے بولا۔"تم اپنے محسوسات بتانے نہیں' کام کہنے آئی ہو۔"

"ہاں تو تم کر سکتے ہو نا۔تمہارے کانٹیکٹس مجھ سے زیادہ ہیں۔" وہ تیز تیز کہہ رہی تھی۔

"نہیں کروں گا۔" وہ ٹی وی آن کر چکا تھا اور اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

"تم احمد نظام سے کہو کہ وہ داتن کی تمام شناختوں کو چیک کریں۔وہ ہسپتال کے بل کسی سے تو پے کرتی ہو گی۔"

"سوری۔یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔"

"تم کر سکتے ہو۔تم اس کے کریڈٹ کارڈ ریکارڈز نکلواؤ' یا ہسپتال میں کسی کو ڈرا دھمکا سکتے ہو یا اس کی فیملی کو کوئی لالچ دے سکتے ہو۔اور وہ تمہیں بتا دیں گے۔"

"مجھے ٹی وی دیکھنے دو۔" اسکرین کی نیلی روشنی اس کے سنجیدہ چہرے پہ سیدھی پڑ رہی تھی اور وہ برہم نظر آ رہا تھا۔

"میں پیسے دوں گی' جو بھی خرچ آئے۔مگر تم کسی بھی طرح مجھے یہ معلوم کر کے بتا دو کہ وہ واقعی بیمار ہے یا یہ غلط فہمی ہے۔میں کروں گی تو وہ جان جائے گی۔تم تو ایک دن میں ہر چیز معلوم کر لیتے ہو تو...."

"کہا نا' تالیہ' میں نہیں کر سکتا۔" اس نے ایک دم اتنے غصے سے کہا کہ وہ جو بولتی جا رہی تھی' رک گئی۔بالکل شل اور ساکت۔

دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

وہ غصے سے اور تالیہ بے یقینی سے....

پھر شہزادی کے ماتھے پہ بل پڑے۔ جبڑا بھینچ گیا۔

''فائن۔ تم ٹی وی دیکھو۔'' وہ ایک دم اٹھی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

چاند بادلوں کے درمیان سے جھلکتا نیل پہ جھک رہا تھا۔ رات کے اس پہر سانپ جیسے دریا پہ سکوت چھایا تھا۔ بالکونی میں ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور وہ شال لپیٹے' ماتھے پہ بل ڈالے کھڑی' سیاہ پانیوں کو دیکھ رہی تھی۔ ہوا سے بال پیچھے کو اڑ رہے تھے مگر وہ ان کو چھو بھی نہیں رہی تھی۔

پھر اسے قدموں کی آہٹ سنائی بھی نہ دی اور وہ دھیرے سے اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

''تالیہ۔ بات سنو۔'' نرمی سے پکارا۔

''اِٹس او کے اگر تم نہیں کر سکتے۔ مجھے تم سے پرسنل فیور مانگنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ میں واپس جاؤں گی تو اپنے طریقوں سے معلوم کروالوں گی۔'' وہ پانی کو دیکھتے ہوئے سپاٹ سا بولی۔ وہ ریلنگ سے ٹیک لگائے' سینے پہ بازو لپیٹے' ایسے کھڑا ہوا کہ اس کا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔

''کیسے طریقوں سے؟'' غور سے تالیہ کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔

''وہی جو معلومات حاصل کرنے کے لئے اپنائے جاتے ہیں۔ کسی کو کون کر کے۔ کسی کو بلیک میل کر کے۔ کسی کو خرید کے۔''

''اور میں تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولا تو تالیہ نے سر جھٹکا۔

''میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔ میں خوامخواہ ایموشنل ہو گئی۔ ابھی مجھے نیلوفر پہ فوکس کرنا ہے اور کام کو ختم کر کے...''

''سنو لڑکی....'' وہ زور دے کے بولا۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا اور وہ پانی کو۔ ''تمہیں اگر اپنی لیڈی فرینڈ کے بارے میں کچھ معلوم کرنا ہے تو یاد رکھو وہ تمہاری دوست ہے۔ تمہیں کسی کو کون کرنے یا خریدنے یا بلیک میل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں صرف ایک کام کرنا ہے۔''

وہ دریا میں تیرتے چاند پہ سپاٹ نظریں جمائے رکھی۔ بولی کچھ نہیں۔

''Just Ask her nicely.'' وہ نرم مگر پراصرار لہجے میں بولا۔

تالیہ مراد کے جسم کے سارے عضو شل ہو گئے۔ وہ بالکل متحیر سی کھڑی رہ گئی۔ پھر دھیرے سے.... بے یقین نظریں موڑ کے جہان کو دیکھا۔

"کیا؟"

"وہ تمہاری دوست ہے۔ اسے معلوم ہے تم اس کی خیر خواہ ہو تو تم اتنے لمبے چکروں میں پڑنے کی بجائے ڈائریکٹلی اور نائیسلی اس سے پوچھ سکتی ہو اور وہ تمہیں بتا دے گی۔"

تالیہ کی اس پہ جمی سیاہ آنکھوں میں زمانے بھر کی حیرت تھی۔

"دیٹس اٹ۔" وہ جیسے چونک گئی۔ "مجھے صرف اس سے ڈائریکٹ پوچھنا تھا۔"

"یہی میں کہہ رہا ہوں۔"

وہ جیسے کسی خواب سے جاگی تھی۔

"ہمیں کسی کو خریدنے یا بلیک میل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، جہان۔ ہمیں صرف ڈائریکٹلی اس سے پوچھنا تھا اور وہ سب بتا دیتی۔"

"بالکل۔ تم اپنی اس لیڈی فرینڈ کو فون کرو اور اس سے پوچھو کہ...."

"داتن نہیں.... نیلوفر۔" وہ ایک دم بولی تو وہ رک گیا۔ بھنویں اچکائیں۔

"نیلوفر؟"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہم اس سارے گیم کو غلط طریقے سے کھیل رہے تھے۔ ہمیں صرف نیلوفر سے ڈائریکٹلی پوچھنا تھا اور وہ اپنے پبلشر کا نام بتا دیتی۔"

"تالیہ.... آر یو اوکے؟" وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "تمہاری دوست کی بیماری...."

"اس کو میں واپس جا کے دیکھ لوں گی اور واپس جانے کے لئے مجھے اس کام کو فوراً مکمل کرنا ہے۔ یہ.... یہ ٹرکش ڈرامہ جو تم دیکھ رہے تھے۔ تم نے کہا ٹرکش لوگ کاپی نہیں کرتے... گریٹ۔ تم کبھی ترکی گئے ہو؟" وہ ایک دم جوش سے پوچھ رہی تھی۔

"ایک دفعہ بھی نہیں۔"

"جھوٹ مت بولو۔ تم آج کسی بات پہ اللہ اللہ کہہ رہے تھے۔ جو لوگ ترکی میں رہے ہوں صرف وہی یہ کہتے ہیں۔ اب بتاؤ، تم نیلوفر کو کون کرنے کے لئے ایک کردار ادا کر سکتے ہو؟"

"ہاں۔ کر لوں گا۔ مگر تمہارے ذہن میں کیا چل رہا ہے؟" وہ اسے اچنبھے سے دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ ذہنی طور پہ کہیں دور پہنچی

ہوئی تھی۔

''اور سنو.... میں حالم کے فون سے جب کلائنٹس سے بات کرتی تھی تو آواز کو distort کر لیتی تھی.... وہ ایک ریگولر سافٹ ویئر ہے جو سب استعمال کرتے ہیں۔ اس سے آواز صرف بھاری ہوتی ہے۔ تمہارے پاس کوئی ایسا سافٹ ویئر ہے جو کسی کی آواز کو صرف distort نہ کرے بلکہ فون پہ اسے ایک دوسری خوبصورت آواز میں بدل دے؟''

جہان نے اب کے مشکوک نظروں سے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

''ہاں۔ ہے۔''

''گڈ۔ اور تمہیں اس کون گیم میں ایک کردار کرنا پڑے گا۔ الماس کو کون کرنے کے لیے۔ کر لو گے نا؟''

''کہا نا کر لوں گا۔ مگر کردار کس کا ہے؟''

تالیہ مراد کھلے دل سے مسکرائی۔

''ایک ترک آدمی کا۔ تمہیں یہ ظاہر کرنا ہے کہ تمہیں ترکش زبان آتی ہے ورتم ساری زندگی استنبول میں رہے ہو۔ بتاؤ۔ اتنا کر سکتے ہو؟''

جہان سکندر نے بہت ضبط سے گردن موڑ کے دریا کے پانی پہ تیرتے چاندی کے ورق کو دیکھا۔ چند گہرے سانس لیے اور جب واپس چہرہ تالیہ کی طرف موڑا تو شدید شک و شبہ تھا۔

''مجھے ایک دفعہ پھر تمہارا بیک گراؤنڈ چیک کرنا پڑے گا' تالیہ کیونکہ مجھے شک ہو رہا ہے کہ کہیں تم مجھے ٹارگٹ کرنے تو نہیں آئیں۔'' وہ سخت ناخوش لگ رہا تھا مگر تالیہ اس وقت اتنی پر جوش تھی کہ وہ کچھ اور نہیں سن رہی تھی۔

اس کا ذہن الماس بخت کے لیے ایک کھیل بُن رہا تھا اور وہ کھیل کافی دلچسپ تھا۔

☆☆=========☆☆

جاری ہے۔۔۔۔

کیا ہو گا کھیل کا انجام؟ حالم کے باب اٹھارہ کا یہ حصہ اول تھا۔ حصہ دوم ابھی باقی ہے ڈیئر ممبرز۔۔۔

حالم (نمرہ احمد)

اٹھارہواں باب:

''چور اور جاسوس'' (حصہ دوم)

صبح کی دودھیا روشنی نیل کے دریا پہ پھیلی تھی۔

بحری جہاز سست روی سے پانی کے وسط سے گزر رہا تھا۔ دور دور تک دریا میں اس وقت دوسری کوئی کشتی دکھائی نہ دیتی تھی۔

جہاز کے عرشے کی مصنوعی گھاس پہ کرسیاں ڈالے' اوپر لگی چھتریوں کے سایے میں بیٹھے مسافر ناشتہ کر رہے تھے۔ منروا کروز کے سفر کا یہ دوسرا دن تھا اور ابھی پانچ دن کا سفر باقی تھا۔

نیل کے دریا پہ کشتی میں سفر کرتے ہوئے قدیم مندر' کھنڈرات اور اہرام دیکھنا برسوں سے مصر آنے والے سیاحوں کا رواج رہا تھا۔ گو کہ اب بہت سے سیاح سڑک کے ذریعے ان تمام جگہوں کو دیکھ لیتے تھے مگر اکثریت ایسی تھی جو کشتیوں اور کروز شپس پہ آرام کرتے ہوئے ایک ایک جگہ کا نظارہ کرتے ہوئے گزرتی تھی۔ Luxuor کے مقام سے منروا کروز محوِ سفر ہوا تھا اور اسے سست روی سے دریا میں سفر کرتے ہوئے Aswan تک پہنچنا تھا۔

یہ ایک آئیڈیل مصری ہالیڈے تھی جس سے اس وقت اس لگژری شپ کے مسافر لطف اندوز ہو رہے تھے۔

عرشے کی ایک میز پہ نیلوفر' اس کی ماں اور الماس بھی براجمان تھیں۔ ناشتہ ان کے سامنے چنا تھا۔ نیلوفر کی ماں سے کسی بات پہ بحث ہو رہی تھی اور الماس کافی پیتے ہوئے سنجیدگی سے فون پہ لگی تھی۔ درمیان میں وہ رک کے نیلوفر کو سمجھداری سے کسی بات پہ لقمہ دیتی تو اس کی اونچی پونی فضا میں دائیں بائیں جھومتی۔

دور بیٹھی تالیہ مسکرا کے اس کو دیکھ رہی تھی۔

نیلوفر کی فی میل ایلفا دریافت کرنے کے بعد وہ قدرے سکون میں آ گئی تھی۔ آج اس نے صبح کی مناسبت سے سفید اور زرد لمبی اسکرٹ پہن رکھی تھی اور سر پہ ترچھا ہیٹ رکھا تھا۔ نظریں الماس پہ جمی تھیں۔ چائے کے اندر اترتے گھونٹ کچھ یاد دلا کے توجہ بٹاتے تھے مگر وہ سر جھٹک دیتی۔

(چائے کی عادت اور چائے سے جڑے لوگوں کو اس وقت یاد نہیں کرنا۔فوکس' تالیہ۔فوکس!)

''کام کہاں تک پہنچا؟''اس نے کان میں موبائل کے ہینڈز فری لگا رکھے تھے۔اور جس سے بات کر رہی تھی وہ نیچے اپنے ہوٹل روم کے صوفے پہ براجمان' ٹانگیں قینچی صورت میز پہ رکھے' گھٹنوں پہ لیپ ٹاپ جمائے کی بورڈ پہ انگلیاں چلا رہا تھا۔

''میں نے ایک ویب پیج بنا دیا ہے۔''وہ بتا رہا تھا۔''ترکی کی ایک مشہور لٹریری ایجنسی کا ویب پیج۔اس ایجنٹ کا نام کیا تھا جس نے تمہارے دوست کو ترکی میں کتاب چھپوانے کی پیشکش کی تھی؟''

''زینب کامران۔''

''زینب نہیں۔زینپ۔ترک نام کے آخر میں ''ب'' کی جگہ ''پ'' استعمال کرتے ہیں۔''

''ہاں اور تم تو کبھی ترکی گئے نہیں ہو۔''

''میں تو کبھی تمہارے ملک بھی نہیں گیا لیکن مجھے معلوم ہے کہ وہاں تمہیں کیسے مخاطب کیا جاتا ہے' چے تالیہ۔''طنز سے بولا تو تالیہ نے سر جھٹکا۔

''اینی ویز۔مجھے زینپ کامران کے نام سے اس جعلی ڈومین پہ ای میل آئی ڈی بنا کے بھیجو۔''

''میری بات سنو' لڑکی!''اسے خیال آیا۔''اگر الماس نے زینپ کی ای میل ملنے کے بعد اصل زینپ کے آفس کال کر دی تو؟''

''ڈونٹ وری۔زینپ کامران ترکی کی بہت بڑی لٹریری ایجنٹ ہے اور اس کا ای میل یا فون نمبر نیٹ پہ دستیاب نہیں ہے۔صرف آفس نمبر ہے اور اس کی جو اسسٹنٹ فون اٹھاتی ہے' اس کو انگریزی سمجھ ہی نہیں آتی۔اگر اس نے اصلی ایجنٹ کو فون بھی کیا تو بھی ساری باتیں Lost in translation ہو جائیں گی۔لاگن بھیجو۔مجھے الماس کی طرف پہلا جال پھینکنا ہے۔''

''مجھے تمہارے پلان پہ ذرہ بھی اعتبار نہیں ہے لیکن خیر.....لاگن بھیج رہا ہوں۔''

تالیہ نے مسکرا کے فون کان سے ہٹا کے دیکھا۔وہ مطلوبہ کام کر چکا تھا۔

''ڈیئر نیلوفر بخت!''

صبح کی ٹھنڈی ہوا میں چھتری تلے تنہا بیٹھی' ہیٹ والی لڑکی مسکرا کے بٹن دبانے لگی۔

''میرا نام زینپ کامران ہے اور میں ''نور جہان امیر لٹریری ایجنسی'' کی ایک لٹریری ایجنٹ ہوں۔ہماری ایجنسی 60 کی دہائی سے ترکی میں کام کر رہی ہے اور ہمارا اصل کام غیر ملکی فکشن اور نان فکشن کو ترکش زبان میں ڈھالنا ہے۔

ہم بیرونِ ملک جن کلائنٹس کے ساتھ کام کرتے ہیں ان میں ہارپر کولنز' رینڈم ہاؤس پینگوئن' بلومزبری' وغیرہ شامل ہیں۔ آپ ان میں سے کسی کے بھی ایڈیٹر سے میرے بارے میں پوچھ سکتی ہیں۔ میں آپ کی کتاب کا ترکش ترجمہ کرنے میں دلچسپی رکھتی ہوں۔ اگر آپ کو یہ پرپوزل مناسب لگے تو پلیز مجھ سے رابطہ کر لیں کیونکہ میں چاہتی ہوں کہ اس کتاب کا ترکش ترجمہ اس کے انگریزی ورژن کے ساتھ آئے۔

زینپ کامران۔''

''سنو۔'' وہ اس کے کان میں لگے آلے میں بولا۔ ''ای میل کے آخر میں اپنا نام زینپ کامران لکھتے وقت ''کامران'' کو بڑے حروف میں لکھنا۔ ترک اپنا لاسٹ نیم بڑے حروف میں لکھتے ہیں۔''

''اور یہ بھی تمہیں ترکی گئے بغیر معلوم ہے؟''

''ہاں کیونکہ میں ترکش ڈرامے بہت دیکھتا ہوں۔'' وہ جل کے بولا تھا۔

''مگر جو ڈرامہ تم دیکھ رہے تھے' وہ تمہیں بالکل پسند نہیں آ رہا تھا۔ یقیناً کسی نے تمہیں زبردستی یہ ڈرامہ دیکھنے پہ مجبور کیا ہو گا۔ تمہاری بیوی نے؟'' مسکراہٹ دبا کے سادگی سے سوال کیا۔

''میں شادی شدہ ہوں' نہ میری کوئی بیوی ہے۔ الماس پہ فوکس کرو۔''

''جھوٹے کی پانچویں نشانی۔ وہ لمبی چوڑی تردید کرتا ہے۔''

اس نے فون رکھ کے نگاہیں اوپر اٹھائیں۔ دور بیٹھی الماس اب ناشتہ کرنے میں مصروف نظر آ رہی تھی۔ الماس اور نیلوفر کے فون ساتھ ساتھ میز پہ رکھے تھے۔ یکدم دونوں نے اپنے اپنے فونز اٹھا کے دیکھے۔ تالیہ نے غور سے ان کے انداز کو دیکھا۔ (ای میل دونوں کو بیک وقت موصول ہوئی تھی۔ یعنی نیلوفر کا ای میل دونوں فونز پہ کھلا تھا۔) نیلوفر نے نظرانداز کیا مگر الماس ہاتھ روک کے میل پڑھنے لگی۔

تالیہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ وہ ان سے چند میزیں دور ہی بیٹھی تھی۔

الماس نے ای میل پڑھی اور فون واپس رکھ کے ناشتہ کرنے لگی۔

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ابرو بھینچ گئے۔ ''اس نے رپلائی کیوں نہیں کیا؟''

''ریلیکس۔ اسے وقت دو۔ پہلے وہ تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔ ویسے بھی آج کل کے بچوں کا سب سے مخلص راہنما گوگل ہوتا ہے۔''

نیلوفر اور اس کی ماں دفعتاً کسی بات پہ بحث کرتے اٹھ گئے مگر الماس آہستہ آہستہ ناشتہ کرتی رہی۔ پھر نیپکین سے ہاتھ

صاف کیے اور وہیں ٹیک لگائے موبائل اٹھالیا۔

اب وہ کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔

تالیہ کا فون بجا تو اس نے دھڑکتے دل سے ای میل کھولی۔

''ڈیئر زینپ۔

آپ کا مس نیلوفر بخت کی کتاب کے لئے پروپوزل کافی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔پلیز مجھے اپنے ادارے اور طریقہ کار کے بارے میں مزید بتائیں۔''

الماس بخت۔''

''ہوں۔'' تالیہ نے سوچتے ہوئے ہنکارا ابھرا۔''اس نے ای میل ماں کی طرف سے نہیں' اپنی طرف سے کی ہے۔وہ پروفیشنل بننے کی کوشش کر رہی ہے۔میں اس لڑکی کا دماغ پڑھنا چاہ رہی ہوں۔''

''اسے تمہاری ای میل ٹھوس لگی ہے تبھی تو جواب دیا ہے۔ویسے....تم نے ترکی رہے بغیر بھی ترک خاتون بن کے ای میل کردی۔کیسے؟''وہ طنز سے پوچھ رہا تھا۔جواب میں تالیہ نے منہ بنایا تھا۔

''ترکی نہیں رہی لیکن ایک رائٹر کے ساتھ ضرور رہی ہوں۔ایڈم سے اسی ترکش ایجنسی کی زینپ کامران نے رابطہ کیا تھا مگر بعد میں بات نہیں بن سکی تھی۔اس سارے کون گیم میں جہان' مجھے یہ فائدہ حاصل ہے کہ میں جانتی ہوں کہ پبلیشرز اور لٹریری ایجنسیز کیسے کام کرتی ہیں۔الماس نہیں جانتی۔اس بچی نے ہاؤس آف کارڈز اور ویسٹ ونگ دیکھ کے یہ تو معلوم کرلیا ہے کہ سیاستدانوں کے اسکینڈلز والی کتابیں ان کو تباہ کر دیتی ہیں مگر...''وہ مسکرائی۔''مسئلہ یہ ہے کہ یہ ان کی پہلی کتاب ہے۔اور رائٹرز پہ بہت کم ہی ڈرامے بنتے ہیں اس لئے لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کتاب کی پبلیشنگ کیسے ہوتی ہے۔بس مجھے ایک بات سمجھ نہیں آرہی۔''

''کیا؟''

''یہ تو طے ہے کہ نیلوفر کے پاس کوئی لٹریری ایجنٹ نہیں ہے۔الماس ہی اس کی ایجنٹ ہے۔اگر کوئی ایجنٹ ہوتا تو الماس ای میل کا خود جواب نہ دیتی۔ایجنٹ جواب دیتا۔ اب مجھے یہ سمجھ نہیں آرہی کہ بغیر ایجنٹ کے اس بچی نے کوئی پبلشر ڈھونڈ کیسے لیا؟''یہاں آکے وہ الجھ جاتی تھی۔

''نیلوفر اتنی مشہور ہے۔اس نے کتاب اناؤنس کی تو کسی پبلشر نے رابطہ کرلیا ہوگا۔سمپل۔''

''اونہوں۔رائٹنگ ورلڈ ایسے نہیں کام کرتی۔''وہ نگاہیں دور بیٹھی الماس پہ مرکوز کیے سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔(الماس

ابھی تک اپنے فون پہ لگی تھی۔ یقیناً وہ زینپ کو گوگل کر رہی تھی۔)

''بڑے مما لک میں پبلشرز کبھی رائٹر سے ڈائریکٹ کانٹیکٹ نہیں کرتے۔ بڑے پبلشرز Unsolicited مسودہ نہیں پڑھتے۔ یعنی وہ مسودہ جو بغیر کسی ایجنٹ کے ذریعے ان تک پہنچا ہو۔''

''مطلب لاوارث مسودہ۔''

اس نے اس توہین آمیز اصطلاح پہ جبڑا بھینچ لیا اور ضبط سے بولی۔

''ہاں۔ کوئی بھی لاوارث مسودہ نہیں پڑھتا۔ آپ ڈائیریکٹ ایڈیٹر کو مسودہ نہیں بھیج سکتے۔ رائٹر کو پہلے ایک لٹریری ایجنسی کا کوئی ایجنٹ ہائر کرنا ہوتا ہے۔ جیسے پراپرٹی ایجنٹ ہوتے ہیں نا۔ دونوں پارٹیز سے کمیشن پکڑنے والے۔ ایسے ہی لٹریری ایجنٹس ہوتے ہیں۔'' وہ اب سمجھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''رائٹر اپنا کام ایجنٹ کو بھیجتا ہے۔ اگر ایجنٹ کو آپ کا کام اچھا لگے تو وہ اس کی پریزینٹیشن بناتا ہے اور پوٹینشل پبلشرز کو دکھاتا ہے۔ ایجنٹ آپ سے پیسے نہیں لیتا۔ رائٹر اور پبلیشر کی ڈیلنگ کروانے کے بعد وہ رائٹر کی رائلٹی سے شئیر لیتا ہے۔ زینپ بھی اس وقت ایک ایجنٹ ہے جس کو اگر الماس ہائر کر لے تو وہ ترکی میں اس کو ایک اچھا پبلیشر ڈھونڈ دے گی۔ اور اس ساری ڈیلنگ کے دوران مجھے الماس سے اس گورے پبلیشر کا نام اگلوانا ہے جو کینیڈا میں نیلوفر کی کتاب چھاپ رہا ہے۔''

''ویسے تم کتنے لوگوں کو لٹریری ایجنٹ بن کے لوٹ چکی ہو؟'' جہان کی مشکوک آواز سنائی دی تو وہ بے اختیار ہنس دی۔

''کہانا.... ایڈم کی وجہ سے مجھے یہ سب معلوم ہے۔ وہ مجھ سے مشورہ لیتا تھا ہمیشہ۔'' آواز میں ایک دم اداسیاں گھل گئیں۔ مگر خیر۔ اس نے سر جھٹکا اور موبائل پہ ٹائپ کرنے لگی۔

''میں اب الماس کو آفر کر رہی ہوں کہ وہ مجھے اپنا ایجنٹ مقرر کر لے اور....''

''نہیں رکو۔''

تالیہ کی تیز چلتی انگلیاں رکیں۔ ''کیوں؟''

''اس لڑکی کو بہت سی آفرز ملتی ہوں گی۔ وہ تمہاری آفر کیوں قبول کرے گی؟''

''کیونکہ میں اسے ترکی میں پبلش ہونے کا خواب دکھا رہی ہوں' جہان۔'' وہ قدرے ناگواری سے بولی۔ ''میں ایسے ہی لوگوں کو کون کرتی ہوں۔ انہیں ناممکن خواب دکھا کے۔ اسے اس وقت سب سے زیادہ خواہش دنیا بھر میں اپنی کتاب کے مشہور ہونے کی ہے۔ میں اس کا خواب پورا کرنے جا رہی ہوں۔ کانٹریکٹ سائن کرنے سے پہلے اس کو مجھے لازماً اپنے

گورے پبلشر کا نام بتانا ہوگا اور کام ختم۔''

''تم لوگوں کو بے شک ایسے ہی کون کرتی ہو گی مگر میں انسان کی فطرت کا مطالعہ بھی کرتا ہوں۔ اس لڑکی کے جوتوں میں گھس کے اس کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری کیا ہے جسے یہ ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتی؟''

کان میں لگے آلے میں وہ مسلسل بولے جا رہا تھا۔ تالیہ نے جھنجھلا کے فون رکھا۔

''ایک تو تم ہر وقت کسی کی کمزوری کو ٹارگٹ کرنے کی بات کیوں کرتے ہو؟''

''کمزوریاں انسان کا بلائنڈ سپاٹ ہوتی ہیں۔ تم الماس کا بلائینڈ سپاٹ ڈھونڈو۔'' وہ تنبیہہ کر رہا تھا۔

تالیہ ماتھے پہ بل ڈالے دور بیٹھی لڑکی کو دیکھنے لگی۔

وہ ابھی تک فون پہ لگی تھی۔ دفعتاً ویٹر نے بل کا فولڈر سامنے رکھا تو الماس نے فولڈر کھول کے اپنا کارڈ نکالا اور واپس پرس میں ڈالا۔ پھر وہ رکی.... ایک نوٹ نکال کے فولڈر میں ڈالا اور واپس فون پہ لگ گئی۔

''یہ ایک چھوٹی بچی ہے جس نے خود پہ بہت بڑی ذمہ داری ڈال لی ہے اور....'' وہ گویا اس کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی ....''اور اسے ٹپ دینے کی عادت نہیں تھی مگر خود کو کچھ ظاہر کرنے کے لئے وہ اپنا امیج بنائے رکھنا چاہتی ہے.... مجھے نہیں پتہ جہان۔'' وہ اکتا گئی۔ اچھی بھلی وہ ای میل لکھ رہی تھی کہ اس آدمی نے درمیان میں پیچیدگی نکال لی تھی۔

''اب میری بات غور سے سنو۔ اگر اتنی سی عمر میں وہ اتنا بڑا کام کر رہی ہے' درست یا غلط ...تو کیا صرف ہم نے اس کے بارے میں ''چھوٹی بچی'' کے الفاظ استعمال کیے ہوں گے؟''

وہ چونکی۔ ''نہیں۔ یقیناً نہیں۔ اس کی ماں کی دوستیں بھی اس کو age shame کرتی ہوں گی۔''

''اور یہی الماس بخت کی کمزوری ہے۔ وہ خود کو اپنی عمر اور قد سے بڑا ظاہر کرنا چاہتی ہے مگر اندر سے اس کو خود بھی معلوم ہے کہ وہ پروفیشنل نہیں ہے۔'' وہ کیا کہہ رہا تھا' تالیہ سمجھ رہی تھی۔

''تالیہ.... تم ای میل میں لکھو کہ تمہیں پروفیشنل طریقے سے کام کرنا ہے اس لئے تمہیں....''

''اس لئے مجھے نیلوفر کی بیٹی سے نہیں' بلکہ نیلوفر کی لائسنس شدہ لٹریری ایجنٹ سے بات کرنی ہے۔'' تالیہ کی انگلیاں تیزی سے کی بورڈ پہ چلنے لگیں۔

جہان مسکرایا تھا۔

''پہلی دفعہ تم نے میری بات کاٹ کے غلطی نہیں کی۔''

''Ten points to Gryffindor!'' تالیہ نے چہک کے جیسے خود کو سراہا۔

''اب اس ای میل کا وہ دو طرح سے جواب دے گی۔'' وہ اس کو نظر انداز کر کے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ''اگر اس کے پاس بہت آفرز ہیں تو وہ غرور سے کہے گی کہ وہی اپنی ماں کی ایجنٹ ہے.....لیکن اگر وہ تمہاری کہانی میں پھنس رہی ہے تو وہ تم سے مرعوب ہو جائے گی۔ اس کا احساسِ کمتری اس کو تم سے امپریس کر دے گا اور وہ کہے گی کہ اس کی ماں ان معاملات کو خود ڈیل کر رہی ہے اور وہ مصروفیت کے باعث الماس سے ای میل کرواتی ہے۔ وہ خود کو ایک اصلی ایجنٹ کے سامنے کبھی بھی اپنے قد سے بڑا نہیں ظاہر کر سکے گی۔''

تالیہ نے ای میل بھیج کے موبائل رکھا اور مسکرا کے دور بیٹھی الماس کو دیکھا۔ وہ ہنوز اپنے فون پہ لگی تھی۔

''اگر اس نے کہا کہ وہ اپنی ماں کی ایجنٹ ہے تو وہ نہیں پھنسی۔ اگر اس نے اعتراف کیا کہ نیلوفر کا کوئی ایجنٹ نہیں ہے تو وہ پھنس گئی ہے۔ ٹھیک؟'' اس نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا اور ہینڈز فری کے مائیک میں بولی۔ ''دیکھتے ہیں اب الماس کیا کرتی ہے۔''

الماس کا اگلا جواب لٹمس ٹیسٹ کی طرح اس کی ذہنی کیفیت واضح کرنے والا تھا۔ تالیہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔

مگر الماس بخت کچھ دیر بعد فون جیب میں ڈال کے اٹھی اور اخبار اٹھا کے آگے بڑھ گئی۔ اس نے جواب نہیں دیا تھا۔

تالیہ نے اضطراب سے پہلو بدلا۔ الماس اس کے سامنے دور جا رہی تھی۔ رستے میں اسے ماں کی ایک دوست مل گئی تو دونوں مسکرا کے بات کرتی ایک ساتھ چلنے لگیں۔

''تم اور تمہاری انسانی فطرت کا مطالعہ' جہان۔'' وہ دانت پیس کے بولی۔ ''تم نے میرا سارا کون گیم خراب کر دیا ہے۔ میں نے اسے ایٹی ٹیوڈ دکھایا اور وہ اب میری بات میں انٹرسٹڈ ہی نہیں ہے۔''

وہ شدید بے بسی محسوس کرنے لگی تھی۔

☆☆=========☆☆

وہ کمرے میں آئی تو اس کا موڈ خراب تھا۔ جہان کو سامنے صوفے پہ بیٹھے دیکھ کے مزید خراب ہو گیا۔

''ریلیکس۔ وہ جواب دے دے گی۔'' وہ بہت تسلی سے بیٹھا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ دیوار میں لگی گول کھڑکی سے نیل کا پانی دھوپ میں چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔

''میں اچھی بھلی اس کو ٹریپ کر رہی تھی اور تم نے اس کی ego چیلنج کر کے اسے مجھ سے بدظن کر دیا۔'' وہ برہمی سے بولی۔

''کبھی صبر اور انتظار کے الفاظ سنے ہیں تم نے؟ For a change?''

وہ گردن اٹھائے ناپسندیدگی سے اسے دیکھ کے بولا۔ تالیہ کا تو دماغ گھومنے لگا۔

''اچھا؟ تمہارے خیال میں ''مجھے'' صبر سے کام لینا نہیں آتا؟'' سینے پہ انگلی رکھ کے بے یقینی سے پوچھا۔

''کیوں؟ تمہاری زندگی کے ہر اسٹیپ پہ ایک یہی چیز تو مشترک ہے۔ جلدی جلدی سب حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ سیاسی عہدہ ' وان فاتح' اپنی آزادی۔ No Offence۔'' خشک انداز میں کندھے اچکا کے بولا۔

''ہاؤ روڈ... تم میری کہانی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔''

''مگر تمہاری پروفائلنگ کی تھی میں نے۔'' اس نے جتا کے کہتے ہوئے اپنے موبائل پہ چند بٹن دبائے اور پھر روشن اسکرین سے دیکھ کے پڑھنے لگا۔

''تالیہ بنتِ مراد... عصرہ محمود کے ساتھ ایک آرٹ نیلامی میں نظر آئی... چند دن میں اس نے وان فاتح کی باڈی وومن کا عہدہ لے لیا... چند دن مزید گزرے تو وہ چیف آف اسٹاف بن گئی... مگر الیکشن ہوتے ہی وان فاتح کی پالیسیز سے اختلاف کر کے استعفیٰ دے کر بھی چلی گئی۔ جب صوفیہ رحمٰن نے ڈیل کی آفر کی تو چند دن کے نوٹس پہ وہ مصر بھی آ گئی۔'' فون سے آنکھیں اٹھا کے تنقیدی نظروں سے اسے دیکھا جو اسے گھورے جا رہی تھی۔

''کیا تمہیں کبھی کسی نے بتایا ہے تالیہ کہ ہر کام میں وقت لگتا ہے؟''

''تم وقت کے بارے میں مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

''زندگی کے ہر اسٹیپ پہ تم عجلت سے کام لیتی ہو۔ بے صبری اور انتظار نہ کرنا تمہاری کہانی کے ہر باب میں مشترک ہے۔'' وہ موبائل جیب میں رکھتے ہوئے بے رحمی سے تبصرہ کر رہا تھا۔

''اور تمہاری زندگی کے ہر اسٹیپ پہ کیا مشترک رہا ہے؟ تمہارا جج منٹل رویہ؟'' طنز سے بولی تو جہان نے بے پرواہی سے شانے اچکائے۔

''تم میرے بارے میں اس سے زیادہ نہیں جان سکتیں جتنا میں دکھانا یا بتانا چاہوں۔'' جتا کے بولا' گویا تنبیہہ کی ہو۔ پی کیپ پہنے' جیکٹ کے آستین کہنیوں تک موڑے وہ اس وقت بالکل بے تاثر لگ رہا تھا۔

تالیہ اپنی کرسی پہ آ بیٹھی اور خاموشی سے باہر دیکھنے لگی۔

باہر دریا پہ دور سے ان کی سمت میں آتی دو کشتیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ بھی یقیناً سیاحوں سے بھری تھیں۔

''وہ کتابیں تھیں۔''

وہ ان کشتیوں پہ نظریں جمائے بولی تو وہ جو پھر سے موبائل نکالنے لگا تھا' چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

''سوری؟''

''میری زندگی کے ہر اسٹیپ پہ جو مشترک تھیں وہ کتابیں تھیں۔''

اس کی آنکھیں پانی کی سطح پہ جمی تھیں جہاں سنہری افشاں کے ذرات بکھرے آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے۔

''میں کتابیں نہیں پڑھتی تھی۔ مگر کتابوں نے مجھے ڈھونڈ لیا۔ یہ کتابیں تھیں جو ہم تینوں کو قریب لائی تھیں حالانکہ میں کبھی بھی قدردان ریڈر نہیں رہی تھی۔''

وہ خود کلامی کے انداز میں بول رہی تھی۔

سنہری افشاں سے چمکتے پانی کی سطح ہوا سے دھیرے دھیرے ہچکولے کھا رہی تھی۔

''داتن اچھی ریڈر تھی۔ لائبریرین کی جاب اس کا بہترین کور تھا۔ کتابوں نے اسے عرصہ تک ڈھانک کے رکھا۔ آریانہ بھی کتابیں پڑھتی تھی۔ فیری ٹیلز۔ اور اسی لئے وہ تاشہ آگاپوا کا پلے دکھانے اپنے باپ کو لائی تھی۔ مجھے اس پلے میں داتن نے بھیجا تھا کیونکہ وہ اس کردار کو پڑھ چکی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ میں یہ 'کون' آسانی سے کھیل لوں گی۔ تاشہ نامی پری کی اس کہانی نے آریانہ، مجھے اور فاتح کو ملایا۔''

وہ خاموشی سے اسے سن رہا تھا جو آنکھوں میں سنہری افشاں لیے باہر پانی کو دیکھ رہی تھی۔

''ہمیں جس دوسری شے نے ایک دوسرے سے جوڑے رکھا وہ سن باؤ کا گھر تھا۔ اس گھر کو ملائیشیا کے لوگوں نے قدیم کتابوں میں بنے اس کے نقشوں سے پہچانا تھا۔ میں اپنی جستجو میں اس گھر تک آ پہنچی تھی مگر ایڈم کو کتابوں نے اس گھر کا پتہ دیا تھا۔ داتن کو بھی اس کی کتابوں نے بتایا کہ وہ مجھے باز رکھے مگر وہ گھر مجھے اپنی طرف کھینچ لایا۔ وان فاتح کو اس گھر سے محبت صرف ایک کتاب کی وجہ سے تھی۔ ہم سب کتابوں میں پھنسے تھے سوائے میرے۔ میں کتابیں نہیں پڑھنا چاہتی تھی۔ داتن کا اصرار تھا کہ میں قدیم پمبورو پہ لکھی کتاب پڑھ کے اس کام سے باز رہوں مگر میں نے داتن کی کتاب پہ یقین نہیں کیا۔ میری کتابوں پہ بے یقینی، اور دوسروں کی ان سے محبت ہمیں میرے بابا کے شہر لے گئی۔ وہاں جانتے ہو کیا ہمارے کام آیا؟''

اس نے چہرے کا رخ موڑ کے چمکتی آنکھوں سے جہان کو دیکھا اور آزردگی سے مسکرائی۔ وہ بس خاموشی سے اس کو سن رہا تھا۔

''ایڈم کی کتابیں... جو ہمیں جنگل میں محفوظ رکھتی تھیں۔ وان فاتح کا 'بنگارا ملایو' کا پہلے سے پڑھ لینا جس نے ان کو یہ بتا دیا تھا کہ ان کو کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔ اور میں جانتی تھی کہ میں وان فاتح کو اپنے باپ سے صرف ایک شے کے ذریعے بچا سکتی ہوں۔ اور وہ ہے ایک کتاب جسے میں اپنی مرضی سے لکھوا سکتی ہوں۔ اس کتاب کے لکھنے کی وجہ ایڈم کو پناہ ملی اور اس میں بہت کچھ نہ لکھے جانے سے فاتح کی جان بچی رہی۔ پھر کتابوں نے ہی ہمیں میرے باپ کے جزیرے کا پتہ دیا اور یہ کتاب کا

علم ہی تھا جس نے فاتح کو میرے بابا کے سامنے جتوا دیا۔ جاتے جاتے بھی میں ایک کتاب مجسمے میں چھوڑ آئی۔ ہم واپس آئے تو ایڈم کو اس کی کتاب نے ایک نیا انسان بنا دیا اور مجسمے میں چھپی کتاب نے وان فاتح کو ان کے پرانے اصل کی یاد دلائی۔ رہی میں....'' وہ ہنوز اداسی سے مسکرا رہی تھی۔

''تو مجھے معلوم ہے کہ میری ساری زندگی کی چوریوں کو صرف ایک چیز دھو سکتی ہے۔ ایک کتاب کو چرانا۔ جیسے پہلے کتابیں ہمیں جوڑتی رہی ہیں' ایک دفعہ پھر کتاب ہی ہمیں اس سب سے نکالے گی۔ کیونکہ کتابوں کو کبوتروں کی طرح اپنے اصل مالک کی طرف لوٹنے کی عادت ہوتی ہے۔''

''اور تم بُک تھیف بن گئیں۔ انٹرسٹنگ۔'' اس کی ساری کتھا پہ اس نے کافی خشک انداز میں تبصرہ کیا تو تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔ ماحول پہ طاری فسوں ایک دم غائب ہو گیا تھا۔

''ہاں میں بک تھیف بن گئی۔ اور تم فی الحال میری جاب مشکل بنا رہے ہو۔'' وہ اسے گھور کے بولی۔ پھر بند دروازے کو دیکھا۔'' آر یو شیور تمہیں کسی نے یہاں آتے نہیں دیکھا؟ کیونکہ ہم دونوں کو ساتھ نہیں نظر آنا چاہیے۔ تمہیں ترکش آدمی کا کردار بھی کرنا ہے۔''

''بے تالیہ.....'' وہ مسکرا کے گویا ہوا۔'' مجھے میری جاب مت سکھاؤ۔ مجھے یہ چیزیں تم سے زیادہ آتی ہیں۔''

تالیہ نے محض (ہونہہ کہہ کے) شانے اچکائے اور میز کی طرف آئی۔ پھر تیزی سے فالتو چیزیں سمیٹنے لگی۔ چند لمحے خاموش گزرے تھے کہ اس کے موبائل کی ٹون بجی۔ یہ ٹون اس نے نیلوفر کی ای میلز کے لیے سیٹ کی تھی۔

بجلی کی سی تیزی سے اس نے موبائل نکالا۔

وہاں الماس کی میل جگمگا رہی تھی۔

''تھینک یو آپ کی ای میل کے لئے زینپ.... آپ نے لٹریری ایجنٹ کے بارے میں پوچھا ہے تو بتاتی چلوں کہ چونکہ یہ ایک حساس نوعیت کی کتاب ہے' اس لیے اس کی تمام ڈیلنگ میم نیلوفر ''خود'' کر رہی ہیں اور ہم کسی لٹریری ایجنسی کو انوالو نہیں کر رہے۔ میں بھی آپ کو میم نیلوفر کی طرف سے ہی ای میل بھیج رہی ہوں۔ وہ میری والدہ ہیں۔

آپ کی ترکش ترجمے کی آفر میم نیلوفر کو دلچسپ معلوم ہوئی ہے۔ کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں کہ آپ کے ذہن میں ترکش ترجمہ چھاپنے کے لئے کیا پلان اور ٹائم فریم ہے تاکہ ہم اس پہ غور کر سکیں؟''

الماس۔''

تالیہ نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا جو مطمئن سا بیٹھا' اسی جتاتی ہوئی مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''گڈ۔اس نے خود کو لٹریری ایجنٹ نہیں کہا۔صرف ماں کی ترجمان ظاہر کیا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ....''

''کہ وہ میری کہانی میں پھنس رہی ہے۔تھینک یو۔مجھے پتہ ہے۔'' رکھائی سے کہہ کے جلدی جلدی جوابی پیغام ٹائپ کرنے لگی۔

جہان نے اسے دیکھ کے افسوس سے سر ہلایا۔

''اگر تمہاری یادداشت کام کر رہی ہے تو.... یاد ہے یہ ایٹی ٹیوڈ دکھانے والا مشورہ تمہیں کس نے دیا تھا؟''

''ہاں اور یہ مفت تھا۔نہیں؟'' اسی کے انداز میں کہہ کے اس نے موبائل پہ سر جھکا لیا۔پھر ٹائپ کرتے کرتے رکی۔

''فوراً جواب؟ اونہوں۔زینپ اتنی فارغ تو نہیں ہے کہ میل پہ میل کرتی جائے۔دیر سے جواب دوں گی۔''

''مزید ایٹی ٹیوڈ۔انٹرسٹنگ۔'' پھر اس نے گھڑی دیکھی اور یوں آگے کو ہو کے بیٹھا جیسے اب بس اٹھنے کا ارادہ ہو۔

''تمہارے پلان میں مجھے کیا رول ادا کرنا ہے؟''

تالیہ نے اس کے عجلت بھرے انداز کو مشکوک نظروں سے دیکھا مگر بولی تو بس اتنا۔''ایک ترک آدمی کا کردار۔''

''کوئی مافیا باس... یا....کوئی غریب ریستوران اونر؟'' وہ بھی غور سے اس کو دیکھ رہا تھا۔تالیہ نے جواب میں کندھے اچکائے اور پراسرار انداز میں مسکرائی۔

''تمہیں جاننے کی اتنی جلدی کیا ہے۔جب وقت آئے گا تو بتا دوں گی۔آخر ہر چیز میں وقت لگتا ہے نا؟''

اس کے جواب نے جہان کے حلق کے اندر تک کڑواہٹ گھول دی۔وہ ماتھے پہ بل ڈالے اٹھا اور پی کیپ درست کی۔

''ابھی مجھے کام سے جانا ہے۔واپس آ کے مجھے بریف کر دینا کیونکہ کسی کردار کی تیاری کرنے میں بھی وقت لگتا ہے۔کسی نے آپ کو نہیں بتایا؟'' وہ دروازے کی طرف بڑھا تو وہ تیزی سے بولی۔

''بتایا تھا اور جس نے بتایا تھا وہ میرا استاد تھا۔ایک اور بات بھی اس نے مجھے بتائی تھی۔''

دروازے کے ناب پہ ہاتھ رکھے وہ مڑا اور استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اس نے کہا تھا کہ بہترین کون گیم وہ ہوتا ہے جس میں تم اپنا ہی رول پلے کرو اور وہ کبھی پکڑا نہ جائے۔میں تم سے تمہارا ہی کردار ادا کروانا چاہتی ہوں۔یعنی جیسے تم ہو۔''

جہان نے سوچتے ہوئے اسے دیکھا۔

''یہ اس پہ منحصر ہے کہ تم مجھے کیا سمجھتی ہو.....لیکن....'' آہستہ سے سر ہلایا۔''تم درست کہہ رہی ہو۔بہترین اداکاری وہ ہوتی ہے جس میں تم اپنا ہی رول پلے کرو۔بالآخر مجھے تمہاری کسی بات سے اتفاق ہے۔اور سنو.... جب الماس سے بات کرنا

تو اس کو الماس جم کہہ کے بلانا۔ یا جانم۔ اس کو لکھتے جانم اور پڑھتے ''جنم'' ہیں۔ یہ پیار سے بلانے کا انداز ہوتا ہے۔''

''شیور۔ تم آج بھی وہیں جا رہے ہو جہاں کل گئے تھے؟''

جواب میں جہان نے بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالی اور باہر نکل کے دروازہ بند کر دیا۔

اس کا کمرہ تنہا رہ گیا۔ کھڑکی کے باہر سنہری افشاں میں چمکتا پانی منتظر سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اور انتظار کرنا اس کے لیے کبھی آسان نہیں رہا تھا۔ اس نے ایڈ ٹیوڈ پہ دو حرف بھیجے اور اپنے مخصوص صوفے پہ آ بیٹھی۔ اسکی انگلیاں جواب ٹائپ کر رہی تھیں۔

''الماس جم......

جی میں آپ سے واقف ہوں۔

بہتر ہے کہ ہم اس کتاب کے بارے میں مزید بات اسکائپ کال پہ کریں۔ نیچے دیے اسکائپ ایڈریس پہ آپ مجھے کال کر سکتی ہیں تا کہ میں ترجمے کا طریقہ کار' کانٹریکٹ کی تفصیلات' ٹائم فریم اور رائلٹی کی percentage ڈسکس کر سکوں۔ آپ مجھے ترکش وقت کے مطابق دوپہر ایک بجے کے بعد کال کر سکتی ہیں۔

زینپ۔''

ای میل بھیج کے اس نے وقت دیکھا اور مسکرائی۔ مصر کا وقت ترکی سے ایک گھنٹہ ہی پیچھے تھا اس لیے ٹائم زون کا زیادہ مسئلہ نہ تھا۔

جیسے ہی ترکی میں ایک اور مصر میں دو بجے' الماس نے پانچ منٹ بھی ضائع نہیں کیے اور کال کھڑکا دی۔

تالیہ ہیڈ فون پہنے لیپ ٹاپ کے سامنے تیار بیٹھی تھی۔ کال کا نوٹیفکیشن آنے لگا۔ جہان سارا سسٹم سیٹ کر کے گیا تھا۔ وہ چیک کر چکی تھی۔ voice انکرپشن درست کام کر رہی تھی۔ ساتھ ہی لیپ ٹاپ پہ ایک آڈیو چلی تھی جس میں آفس کا شور سنائی دے رہا تھا تا کہ زینپ کی آواز کے پس منظر میں ایک کام کرتے ہوئے آفس کا ماحول ''سنائی'' دے۔

''زینپ کامران!'' وہ مائیک میں خوشگوار انداز میں بولی۔

''مس زینپ.... میں الماس بخت بات کر رہی ہوں۔''

صاف انگریزی کا لہجہ سنائی دیا تو صوفے پہ آگے کو جھکی بیٹھی تالیہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ (یہ مرعوب لگ رہی ہے۔)

''الماس.... جنم.... کیسی ہو آپ؟ ایک منٹ میں کانفرنس سے نکل رہی ہوں ذرا اپنے آفس میں چلی آؤں۔'' دوسرے

ہاتھ سے وہ موبائل پہ لگے شور کو آہستہ کر رہی تھی۔ پھر اس نے کلک کی آواز کے ساتھ شور بند کر دیا اور گہری سانس لی۔

''اب میں آ گئی اپنے روم میں۔ اب بتاؤ الماس.... آپ کیسی ہو اور آپ کی والدہ کیسی ہیں؟'' وہ انگریزی کو ترکش لہجے میں بنا کے پوچھ رہی تھی۔

''بہت شکریہ مس زینپ۔ ہم ٹھیک ہیں۔ آپ کی آفر کافی دلچسپ تھی۔ آپ یہ بتائیں کہ ترجمے کے بارے میں آپ کا کیا پلان ہے؟'' وہ سنجیدگی سے مدعے پہ آ گئی تھی۔

''الماس جم.... دیکھو.... ہم ترکی کی ایک قابلِ ذکر لٹریری ایجنسی سے تعلق رکھتے ہیں اور ہم دنیا بھر کے نامور لکھاریوں کے کام کا ترکش زبان میں ترجمہ کرواتے ہیں۔ ترکش ادب اور میڈیا کتنا ترقی کر رہا ہے' ہمارے ڈراموں اور فلموں سے آپ کو اندازہ ہو ہی گیا ہوگا۔ آپ کی والدہ کو بہت لوگ ترکی میں جانتے ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ ان کی کتاب کا ترکش ترجمہ ہم شائع کریں تاکہ ترک قوم ان کو بہتر طریقے سے جان سکے۔''

''او کے مگر میرا سوال وہیں ہے کہ اس ترجمے کا طریقہ کار کیا ہوگا؟''

تالیہ ذرا سا کھنکھاری۔ ''ایسا ہے کہ میں آپ کو کانٹریکٹ فیڈ ایکس کے ذریعے بھیج دوں گی۔ غیر ملکی رائٹرز کے ساتھ ہم اسی طرح ڈیل کرتے ہیں۔ آپ سائن کر کے مجھے بھیج دینا۔ اور ساتھ میں مسودہ ای میل کر دینا۔ پھر ہم اس کا شدید راز داری سے ترجمہ کروالیں گے اور چھ ہفتے میں کتاب مارکیٹ میں آ جائے گی۔ کیونکہ چھ ہفتے بعد ترکی میں الیکشن ہونے جا رہے ہیں اور پھر مارکیٹ میں مندی ہوگی۔''

''چھ ہفتے... بالکل ہماری بھی یہی ٹائم لائن ہے.... مگر اتنی دور بیٹھے میں کس طرح اتنی حساس کتاب آپ کے حوالے کر دوں' زینپ؟ آپ ترکی میں ہیں اور میں مصر میں....''

''جی مجھے معلوم ہے آپ کروز ہوٹل میں سفر کر رہی ہیں آج کل۔ اسی لئے.....''

''آپ کو کیسے معلوم؟ ہم نے تو اپنی لوکیشن انسٹاگرام تک پہ نہیں لگائی۔'' وہ چونکی تو تالیہ لمحے بھر کو خاموش ہوئی۔

''ویل.... الماس.... میں ترکی کی ایک معروف لٹریری ایجنٹ ہوں۔ میرے رائٹرز دنیا میں ساری جگہوں پہ پھیلے ہیں اس لئے مجھے خبریں مل جاتی ہیں۔''

''آپ کا کوئی رائٹر ہماری کروز پہ بھی ہے؟'' وہ تیزی سے بولی تو تالیہ نے جلدی سے کہا۔

''نہیں نہیں.... وہ تو میں یونہی.... میرے منہ سے سلپ ہوا۔ دراصل.... اس بارے میں ہمیں بات نہیں کرنی چاہیے الماس کیونکہ اگر میں اپنے رائٹرز کے راز نہیں رکھ سکتی تو آپ کے کیسے رکھوں گی؟''

"میں سمجھ سکتی ہوں۔" الماس شاید مسکرائی تھی۔ "بہر حال ہم کروز پہ ہی ہیں۔ اب یہاں سے ہم کس طرح کانٹریکٹ سائن کریں۔ وکلاء اور لیگل نمائندوں کا ہونا ضروری ہے نا۔"

"جی الماس۔ میں کانٹریکٹ آپ کو اپنے قانونی نمائندوں کے ہاتھ ہی بھیجوں گی۔ وہ آپ کی تسلی کروا کے NDA (نان ڈسکلوژر ایگریمنٹ) پہ سائن لیں گے جس کے تحت دونوں پارٹیز ایک دوسرے کے راز رکھنے کی پابند ہوں گی۔ مگر اس سے پہلے مجھے چند معلومات درکار ہیں۔ آپ مجھے ای میل....' وہ کہہ ہی رہی تھی کہ الماس بولی۔

"پہلے میں میم نیلوفر سے بات کروں گی۔ اگر... (زور دے کر) اگر ہم آپ کے ساتھ ڈیل کرنا چاہیں تب ہم کانٹریکٹ کی بات کریں گے۔"

"شیور۔ آپ ہمارے بارے میں پوری تسلی کرلیں اور جب آپ کا جواب تیار ہو تو مجھے فون کرلیں۔ مجھے آپ سے ایک دو سوالات پوچھنے ہیں۔ جب آپ میری تسلی کروا دیں گی تو ہم کانٹریکٹ کی طرف بڑھیں گے۔ آپ کا دن اچھا گزرے الماس!"

"آپ کا بھی۔" کال کٹ گئی تو اس نے گہری سانس لے کر ہیڈ فون اتارے۔

اس نے کانٹریکٹ کرنا تھا نہ اس کو نیلوفر کی کتاب کا مسودہ چرانا تھا۔ اسے تو صرف پبلشر کے نام سے غرض تھی۔ جیسے ہی وہ معلوم ہوا وہ اس نام کو صوفیہ رحمٰن کے حوالے کر دے گی اور صوفیہ پبلشرز پہ دباؤ ڈال کے کتاب کور کوا دے گی۔ اتنی جلدی نیلوفر کو کوئی دوسرا پبلشر نہیں ملے گا اور وہ الیکشن کے قریب کتاب نہیں لا سکے گی۔

اس طرح کتاب کو لانے کا درست وقت وہ نیلوفر سے "چرا" سکتی تھی۔

الیکشن کی تیاریوں کے قریب کی "ٹائمنگ" سب سے اہم تھی۔

وہ وقت گزر گیا تو پھر وہ جب بھی کتاب لائے، صوفیہ کو پرواہ نہ تھی۔

(اگر میں صرف ان سے پبلشر کا نام اگلوا لوں تو میرا کام ختم۔ میں واپس گھر جا سکوں گی۔) اس نے خود کو تسلی دی اور مسکرا دی۔

یہ سب اتنا مشکل نہیں لگ رہا تھا۔

یہ اس وقت تالیہ مراد کا خیال تھا۔

☆☆=========☆☆

منروا کروز دھیرے دھیرے نیل کے پانی میں تیرتی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کی رفتار اتنی سست تھی کہ اوپر سے دیکھو تو یوں

لگتا تھا گویا بارش اتنی برسی ہو کہ ایک ہوٹل کے گرد ساری سڑک پانی میں ڈوب گئی ہو۔

نیل اتنا چوڑا نہ تھا۔کسی کسی جگہ تو سبز ٹیلوں کے درمیان پانی سے بھری سڑک جیسا ہی لگتا تھا۔

آسمان کا رنگ دن ڈھلتے ساتھ ہی جامنی پڑنے لگا اور بحری جہاز کی بتیاں روشن ہونے لگیں۔

پہلی منزل کے ریستوران میں گہما گہمی اور موسیقی کا شور عروج پہ تھا۔ بےفکر مہمان اپنی چھٹی سے لطف اندوز ہوتے کھانے پینے میں مصروف تھے۔

ایسے میں الماس بخت ریستوران کے دہانے پہ کھڑی' بازو سینے پہ لپیٹے پتلیاں سکوڑے تمام لوگوں کا جائزہ لے رہی تھی۔اس کے بال اونچی پونی میں بندھے تھے اور آنکھوں پہ چشمہ لگا تھا۔

''بات سنو۔'' دفعتاً وہ بار کاؤنٹر تک آئی اور کہنیاں اس پہ جما کے بارٹینڈر کو گہری نظروں سے دیکھا۔'' مجھے جانتے ہو نا تم؟''

وہ ایک گلاس اور کپڑا اٹھائے قریب آیا اور مسکرایا۔'' جی۔کل بھی آپ ادھر آئی تھیں۔''

''ہوں۔ پھر مجھے بتاؤ... کروز پہ مختلف ممالک سے لوگ آئے ہوئے ہیں۔تم نے بہت سے ٹورسٹ دیکھے ہوں گے۔'' سرسری سا انداز اپنایا۔

''جی میڈم۔'' بارٹینڈر نے گلاس کپڑے سے صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

الماس نے غور سے اسے دیکھا۔''ترکی سے کتنے لوگ آئے ہوں گے یہاں۔''

''سوری میم' ہمیں یہ بتانے کی اجازت نہیں ہے۔آپ خود ریستوران میں گھوم پھر کے لوگوں سے پوچھ سکتی ہیں۔''

الماس نے بند مٹھی میں دبا نوٹ کاؤنٹر پہ رکھا' اور بارٹینڈر کو دیکھتے ہوئے دو انگلیوں سے نوٹ کو آگے کو دھکیلا۔

''کتنے لوگ آئے ہیں ترکی سے؟'' دوبارہ پوچھا۔

بارٹینڈر نے پہلے نوٹ کو دیکھا' پھر ایک چور نگاہ اطراف میں ڈالی۔ایک لمحے کے لیے وہ خاموش ہوا۔پھر جلدی سے نوٹ پہ اپنا ہاتھ رکھ کے اسے قریب کھسکایا۔

''صرف ایک آدمی ہے ترکی کا۔'' جلدی جلدی بتانے لگا۔''وہ کل شام کو اس کارنر میں آکے بیٹھا تھا اور لیپ ٹاپ پہ کام کر رہا تھا۔نظر کا چوڑا چشمہ لگاتا ہے اور ہلکی سی داڑھی بھی ہے۔''

الماس نے پلٹ کے اس خالی کرسی میز کو دیکھا جو کھڑکی کے ساتھ الگ تھلگ رکھی تھی۔

ابھی وہ نہیں آیا تھا۔

وہ واپس بارٹینڈر کی طرف مڑی۔

”اور نام کیا ہے اس کا؟“

”طارق ضیا گل۔ آپ ادھر سامنے بیٹھ جائیں۔ اگر وہ آیا تو میں آپ کو اشارہ کر دوں گا۔“

”یہ میرا نمبر ہے۔ مجھے کال کر دینا۔ میں نیچے آ جاؤں گی۔“ اس نے ایک پرچی پہ لکھا نمبر بڑھایا اور آگے بڑھ گئی۔

بارٹینڈر نے مسکرا کے اس نوٹ اور پرچی کو اپنے بٹوے میں وہ نوٹ ڈالا جہاں اس سے بڑے تین نوٹ پہلے ہی موجود تھے۔

☆☆==========☆☆

(تم نے پوچھا تھا کہ میرے اس کون میں تمہیں کس کا کردار ادا کرنا ہوگا۔)

آسمان مغرب ساتھ ہی مزید تاریک ہوتا گیا اور چند ایک تارے جگمگاتے نظر آنے لگے۔

کروز سست روی سے محوِ سفر تھا۔

تالیہ اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی تھی۔ ہیڈ فون سر پہ جمائے وہ اس میں سے آتی آوازوں کی منتظر تھی۔ نیچے ہوٹل کے بار میں کھڑکی کے ساتھ بیٹھا جہان بھی خاموشی سے جرنل پہ کچھ لکھے جا رہا تھا۔ وہ بھی انتظار میں تھا۔

(جیسے لوہا لوہے کو کاٹتا ہے اسی طرح ایک رائٹر کے ذہن تک پہنچنے کے لئے تمہیں رائٹر بننا پڑے گا۔)

بار میں معمول کا رش اور شور تھا۔ موسیقی بے ہنگم سی تھی اور مشروبات کی مہک سارے میں پھیلی تھی۔ ایسے میں الگ تھلگ بیٹھا وہ آدمی سر جھکائے ہوئے تھا۔ اس کی آنکھوں پہ نظر کا بڑا چشمہ تھا۔ داڑھی قدرے بڑھی ہوئی تھی اور سر کو اونی ٹوپی سے ڈھک رکھا تھا۔

(کہتے ہیں شیکسپیئر کو کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ مگر ساری دنیا اور بالخصوص یورپ میں آج بھی ایسے مرد اور خواتین رائٹرز موجود ہیں جنہیں کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ تصاویر نہیں بناتے اور پبلک میں نہیں آتے۔)

الماس بخت متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی ہال کے کنارے پہ آ رکی۔ پہلے اس نے بارٹینڈر کو دیکھا اور ابرو اچکائے۔ جواب میں اس نے آنکھوں سے کھڑکی والی میز کی جانب اشارہ کیا۔ الماس کی نظریں اس طرف گھومیں۔

(ایسے رائٹرز کی شخصیت میں paranoia ہوتا ہے۔ انہیں لوگوں سے trust issues ہوتے ہیں۔ وہ اجنبیوں سے خوف کھاتے ہیں اور اپنی پرائیویسی کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کی کتابوں کے ذریعے ان سے متعارف ہونے والے لوگ ان کی ذاتی زندگی کے قریب آ سکیں۔ جیسے تم نہیں چاہتے کہ تمہاری کوئی کرائم پارٹنر تمہاری فیملی کے بارے

میں جان پائے۔)

الماس کی نظریں اس میز پہ رکیں۔ وہ کمر موڑے جیکٹ پہنے شخص سر جھکائے اپنے کام میں مصروف تھا۔ الماس مسکرا کے اس کی طرف بڑھنے لگی۔

(ایسا ہی ایک ترکش رائٹر" غالب نجات" بھی ہے۔ اس نے کئی ناولز اور ڈراماز لکھے ہیں۔ اس کو کسی نے نہیں دیکھ رکھا مگر اس کے کریزی فینز نے کچھ عرصہ قبل اس بات کا پتہ چلایا کہ غالب نجات اس کے دادا کا نام تھا اور اس کا اصل نام" طارق ضیا گل" ہے۔ اور اس کی عمر تیس سے چالیس سال کے درمیان ہے۔)

تالیہ کمرے میں تنہا بیٹھی اب صوفے پہ پیر اوپر کیے کریکرز کا پیکٹ کھول رہی تھی۔ عموماً وہ میدان میں جایا کرتی تھی اور جہان اس کے کان میں آلے کے باعث بولا کرتا تھا۔ آج وہ باہر جا رہا تھا یعنی تالیہ اس کی سماعتوں میں زہر گھولنے کا فریضہ بخوبی انجام دے سکتی تھی۔ ہاؤ سویٹ۔

(یقیناً الماس طارق ضیا گل کو نہیں جانتی ہو گی لیکن وہ باریستا سے جب کروز کے واحد ترک آدمی کا نام پوچھے گی اور اسے گوگل کرے گی تو طارق ضیا گل کے بارے میں تھوڑا بہت جان جائے گی۔ تم نے بس طارق بن کے اسے یہ یقین دلانا ہے کہ زینپ ایک بہترین ایجنٹ ہے اور اس سے ڈیل کر کے نیلوفر فائدے میں رہے گی۔ اور سنو....)

"میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟" الماس نے میز کے قریب آ کے شائستگی سے کہا تو چشمے والے شخص نے چونک کے سر اٹھایا۔ پھر کندھے اچکائے اور کاغذ سمیٹ کے اٹھنے لگا تو وہ جلدی سے بولی۔

"نہیں نہیں۔ آپ بیٹھے رہیں' طارق صاحب۔ مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔ میں الماس ہوں۔"

وہ اٹھتے اٹھتے واپس بیٹھا اور پتلیاں سکوڑ کے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ "کیا ہم مل چکے ہیں' الماس خانم؟"

(کریکرز کھاتی تالیہ نے مسکرا کے مائیک میں کہا۔" خانم؟ (میڈم؟) تھینکس ٹو ترکش ڈراماز' تم گزارے لائق ترک بول ہی لو گے۔)

"نہیں مگر میں آپ کو ایک ایک دوسرے نام سے جانتی ہوں۔" الماس نے تھوڑی تلے ہتھیلی رکھے دلچسپی سے اسے دیکھا اور معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔" غالب نجات کے نام سے۔"

جہان کے چہرے پہ غیر آرام دہ سا تاثر آیا اور اس نے نظریں موڑ لیں۔ " مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہی ہیں۔"

"آپ غالب نجات ہیں' میں جانتی ہوں۔"

"میں کسی غالب نجات کو نہیں جانتا۔" جیکٹ اور عینک والا آدمی ایک بے چین نظر آنے لگا تھا۔

(''گڈ...تم جتنا انکار کرو گے' اتنا ہی اس کو یقین ہو گا۔'' وہ کریکرز منہ میں ڈالتی بولے جا رہی تھی۔)

''دیکھیں طارق صاحب...میں کوئی کریزی فین نہیں ہوں جو آپ کو تنگ کروں گی۔ مجھے صرف ایک بات کرنی ہے۔''

''الماس خانم..میں نے کہا نا' میں کوئی رائٹر نہیں ہوں۔'' وہ اکتا کے بولا۔ رخ موڑے اب وہ اپنے کاغذات پہ کچھ لکھنے لگا تھا۔

''آپ کو کیسے معلوم کہ غالب نجات ایک رائٹر ہے؟ میں نے تو رائٹر کا لفظ ہی نہیں کہا تھا۔''

جہان لکھتے لکھتے رکا اور آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا' جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔ مگر اگلے ہی لمحے کندھے اچکائے۔ ''میں ترک ہوں اور غالب نجات ہمارا ایک مشہور رائٹر ہے۔ پریٹی سمپل۔''

''اور وہ آپ نہیں ہیں؟''

''نہیں۔ میں ایک غریب ریستوران اونر ہوں۔ اب اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ کام کر لوں۔''

خشک انداز میں کہتا وہ رخ مزید موڑ کے اپنے فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پیشانی پہ بل اسی طرح پڑے تھے۔

(ریستوران اونر؟ یہ ڈائیلاگ ہماری اسٹوری میں شامل نہیں تھا۔) وہ اس کے کان میں مسلسل بھنبھنا رہی تھی۔

میز پہ اس کے سامنے بیٹھی الماس مسکرا کے اسے دیکھے گئی۔ اونچی پونی باندھے' آنکھوں پہ عینک لگائے وہ سیاہ ہائی نیک والے لباس میں ملبوس' اپنی عمر سے بڑی نظر آ رہی تھی۔

''چلیں...آپ رائٹر نہیں ہیں....مگر غالب نجات کا ناول جامنی آسمان تو پڑھا ہو گا آپ نے۔ اس میں آپ کا پسندیدہ کردار فردوس آباہکا تھا یا لیلیٰ کا؟''

(تالیہ ایک دم سیدھی ہوئی۔ کریکرز پرے کیے۔ جلدی سے کمپیوٹر اٹھایا۔

''ایک منٹ۔ وہ تو غالب کی فین ہے اور وہ تمہیں چیک کر رہی ہے۔ اگر تم واقعی غالب نجات ہو تو تمہیں اس کے ناولز کے بارے میں سب معلوم ہونا چاہیے تھا۔ دیکھو تھوڑی دیر چپ رہو۔ مگر کچھ غلط نہ بولنا۔ میں ذرا وکی پیڈیا سے ناول سمری دیکھ کے بتاتی ہوں۔'' وہ جلدی جلدی ٹائپ کر رہی تھی۔)

جہان نے اس سوال پہ نظریں اٹھا کے الماس کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک اور مسکراہٹ تھی۔ اسے جیسے الماس کے سوال نے محظوظ کیا تھا۔

''الماس خانم...'' جامنی آسمان'' غالب نجات کا ناول نہیں' پلے ہے اور اگر مجھ سے پوچھو تو اس میں لیلیٰ یا فردوس کا کردار غیر اہم ہے۔ اصل کردار ازلان کا ہے....وہ معذور بچہ جو کہانی سنا رہا ہے۔''

جہاں الماس اس کے جواب پہ مسکرائی، وہیں تالیہ کے ہاتھ سست پڑ گئے۔ وہ وکی پیڈیا کھولتے کھولتے رک گئی۔ (وہ اپنا ریسرچ مکمل کر کے گیا تھا! ہونہہ!)

''مگر آپ کا پسندیدہ کردار کون سا ہے؟'' اس نے سوال دہرایا تو جہان ہلکا سا مسکرایا۔

''میرے لئے سب کردار برابر ہیں۔ ویسے جامنی آسمان سے زیادہ بہتر اس کا ناول ''تین سائے'' ہے۔ تم نے وہ پڑھا ہے۔'' وہ جیسے اس لڑکی سے جان بھی چھڑانا چاہتا تھا مگر اسے اس کا جواب سننے میں بھی دلچسپی تھی۔

الماس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ ''جی مگر لوگوں کو جامنی آسمان زیادہ پسند ہے۔ البتہ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ غالب نجات کو خود جانے کیوں ''تین سائے'' زیادہ پسند ہے حالانکہ اس کتاب کی ریٹنگ اس کی دوسری کتابوں سے کم ہے۔''

''یہ بات تو غالب نجات ہی بتا سکتا ہے، میں نہیں۔'' وہ مبہم سا مسکرا کے واپس اپنا فون کھولنے لگا تو وہ جلدی سے بولی۔

''مانا کہ آپ غالب نجات نہیں ہیں۔ اور آپ کو اس بات کا اعتراف کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔'' وہ دونوں ہاتھ اٹھا کے احتیاط سے کہہ رہی تھی۔ ''مگر مجھے آپ کی مدد چاہیے۔''

جہان نے ایک نظر گھڑی کو دیکھا اور دوسری گہری نظر اس پہ ڈالی۔ ''بولو۔''

''آپ ترکی میں رہتے ہیں۔ ادب سے دلچسپی ہے۔ تو وہاں کی ادبی شخصیات کو تو جانتے ہوں گے۔''

''میں نے کب کہا کہ مجھے ادب سے دلچسپی ہے؟'' احتیاط پسند رائٹر کندھے اچکا کے بولا تو وہ جلدی سے بولی۔

''ہاں ہاں جو بھی ہے۔ آپ مجھے زینپ کامران اور اس کی لٹریری ایجنسی کے بارے میں بتا سکتے ہیں؟'' وہ واقعی فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔ ''میری والدہ کو ان کی ایجنسی کی طرف سے آفر آئی ہے۔ کیا ہمیں ان کو ترکی میں اپنا ایجنٹ مقرر کرنا چاہیے؟ کیا یہ قابلِ بھروسہ لوگ ہیں؟''

(فائنلی۔) تالیہ مسکرا کے بولی اور کریکرز پھر سے اٹھا لئے۔ (اب تم میری اس طرح تعریف کرو کہ الماس کے سارے خدشات دور ہو جائیں۔ وہ غالب نجات کی فین ہے، اس کی بات نہیں ٹالے گی۔)

''زینب کامران۔'' جہان نے سوچتے ہوئے الماس کو دیکھا، اور جرنل پرے دھکیلا۔ اس نے جیسے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ ''آفر کیا ہے؟''

''ہماری کتاب کا ترکش ترجمہ۔'' وہ جھک کے رازداری سے بتانے لگی۔ ''کیا یہ زینپ واقعی اتنی قابل ہے جتنا انٹرنیٹ پہ اس کے بارے میں لکھا ہے؟''

جہان نے گہری سانس لی اور ہلکے سے کندھے اچکائے۔ ''اگر تم میری بات مانو تو زینپ سے دور رہو۔ اس کے ساتھ

بزنس نہ کرو۔''

(تالیہ کے کریکر چباتے دانت رکے بھنویں تعجب سے اکٹھی ہوئیں۔''ایک منٹ... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'')

''رئیلی؟وہ کیوں؟'' الماس اس جواب پہ حیران ہوئی تھی۔

جہان تھوڑی کھجاتے ہوئے سوچ سوچ کے جواب دینے لگا۔

''زینب میں پروفیشنل پن کی کمی ہے۔وہ خاصی تلخ اور بدمزاج عورت ہے۔''وہ بے رحمی سے تبصرہ کررہا تھا۔''اس کے ساتھ سفر کرو تو کیب کا کرایہ بھی نہیں دیتی اور اس کی نظر ہمیشہ دوسروں کی ویڈنگ رنگز پہ ہوتی ہے۔''

(''دیکھو تم مجھ سے بدلے بعد میں بھی لے سکتے ہو۔یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔اس کو مجھ سے بدظن نہ کرو۔''وہ ہڑبڑا کے کہہ رہی تھی۔)

مگر جہان سکندر اپنے کان میں گونجتی تالیہ کی آواز سے بے نیاز کہہ رہا تھا۔

''زینپ کے پلان بھی اس کی طرح Unpredictable ہوتے ہیں۔سوچے سمجھے بغیر نیا وینچر شروع کرلے گی۔مشورہ دو تو نہ سنے گی نہ مانے گی۔اپنی مرضی کرے گی بس۔''

(ویری فنی،جعلی رائٹر۔تم میری سائیڈ پہ ہو یا اس کی؟)

''اچھا۔اور کیسی ہے وہ؟''الماس کو اچنبھا ہوا۔وہ بہت توجہ سے جہان کا تبصرہ سن رہی تھی۔بار میں موجود دوسرے لوگوں سے بے نیاز وہ دونوں کونے میں بیٹھے سرگوشیوں میں بات کررہے تھے۔

''دیکھو سادہ سی بات ہے۔''وہ بے نیازی سے ہاتھ اٹھائے کہہ رہا تھا۔''مجھے اس طرح کی misandrist(مردوں سے نفرت کرنے والی)اور Feminist خواتین نہیں پسند۔یہ اپنی زندگی کے تلخ تجربات کی وجہ سے باقی دنیا کو بھی اسی نظر سے دیکھتی ہیں۔''

''اچھا۔وہ ایسی کیوں ہے؟''الماس کا فطری تجسس جاگا۔

''وہی پرانا مسئلہ جو ہر دوسرے آفس میں ہوتا ہے۔زینپ کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ پروفیشنل کو پرسنل سے الگ نہیں رکھ سکتی۔اور جب حالات مرضی کے مطابق نہیں رہیں گے تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے آجائے گی۔ایسی عورتیں قطعاً پروفیشنل نہیں ہوتیں۔ان کو لٹریری لائسنس جیسی بڑی ذمہ داریاں دینی ہی نہیں چاہیے ہیں۔''

(اب یہ فنی نہیں رہا۔تم پرسنل ہو رہے ہو۔)وہ دانت پیس کے غرائی۔

''میں تو خواتین کے ان عہدوں پہ کام کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔لیکن اگر تم نے ترکی میں کتاب چھپوانی ہے تو زینب

کے ساتھ کام نہ کرو۔ اس کے باس کے ساتھ کرو۔ وہ اچھا سلجھا ہوا نفیس سا آدمی ہے اور ایجنسی کا لیڈنگ ایجنٹ بھی ہے۔ مولوت ہے۔ غالب نجات کا ایجنٹ بھی مولوت ہے ہی ہے۔ (سرسری سا انداز اپنایا) زینپ ایک سنگل مدر ہے اور اس کے مقابلے میں مولوت ہے چونکہ مرد ہے اس لئے زیادہ ذمہ دار اور مضبوط آدمی ہے۔ زینپ نے بھی کافی رائٹرز کے ساتھ کام کیا ہے مگر وہ ابھی تک اپنے بریک اپ کے ڈراما سے ہی نہیں نکلی۔ جو عورت ان چیزوں کو پیچھے نہ چھوڑ سکے اس نے کیا کسی کا کامیاب ایجنٹ بننا ہے۔ اب اگر تم اجازت دو تو میں کام کرلوں؟"

الماس نے بدقت مسکرا کے سر ہلایا۔ "شیور۔ میں چلتی ہوں۔"

"ایگا جالار۔ (گڈ نائٹ)" رائٹر نے سر کو خم دیا اور واپس اپنا کام کرنے لگا۔ الماس اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

☆☆=========☆☆

تالیہ اوپر اپنے کمرے میں بے چینی اور غصے سے چکر کاٹ رہی تھی۔ وہ اس کے واپس آنے کی منتظر تھی۔ لیکن جہان کے آنے سے پہلے اس کے حکومتی نمبر پہ غیر شناسا نمبر سے کال آنے لگی۔

"چے تالیہ...." دولت بہت ضبط سے پوچھ رہا تھا۔ "پبلیشر کا نام معلوم ہوا؟ پردھان منتری بے چینی سے آپ کی طرف سے کسی اچھی خبر کی منتظر ہیں۔ آپ وہاں کام ہی کر رہی ہیں نا؟"

لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

"میں.....جلد آپ کو اپ ڈیٹ کروں گی۔ پلیز ابھی مجھے کام پہ فوکس کرنے دیں۔" اس نے جھنجھلا کے فون بند کیا۔ تبھی دروازہ آہستہ سے کھلا اور وہ بنا آواز کے اندر آیا، پھر بند دروازے سے پشت لگائے کھڑا ہو گیا۔ تالیہ اس کے جوتوں کو دیکھ رہی تھی۔ ان کا رخ اس کی طرف تھا۔ اس نے دھیرے سے نظریں اٹھائیں اور اوپر دیکھا۔ وہ سینے پہ بازو لپیٹے سپاٹ چہرے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں یہ سب کہنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ سرخ چہرے کے ساتھ غرائی تھی۔

"ساکن زینپ حانم۔ ساکن۔" دونوں ہاتھ اٹھا کے اسے ریلیکس رہنے کا کہا۔ "تم نے خود ہی کہا تھا یہ کرنے کو۔"

"میں نے کہا تھا کہ تمہیں زینپ کے بارے میں اس کے شکوک و شبہات دور کرنے ہیں بڑھانے نہیں ہیں۔"

"نہیں۔ تم نے کہا تھا کہ مجھے غالب نجات کا کردار ادا کرنا ہے۔ تم نے کبھی اس کی کتابیں اور اس کے فلمی انٹرویوز پڑھے ہیں؟" وہ سنجیدگی سے کہتا اس کے سامنے آرکا۔ "تم جانتی ہو وہ ایک انتہائی misogynist (عورتوں سے نفرت کرنے

والا) اور اینٹی feminist آدمی ہے۔ وہ ورک پلیس پہ مردوں اور عورتوں کی برابر تنخواہوں کے حق میں بھی نہیں ہے۔ ایسا آدمی اگر ایک خاتون ایجنٹ کی تعریف کرتا تو اس کی کتابیں پڑھ لینے والی الماس کو عجیب نہ لگتا؟''

''تم ....تم مسلسل میرے کون گیم کو ہرٹ کرر ہے ہو۔ میں ایسے کام نہیں کرتی۔''

''جانتی ہو میں پکڑا کیوں نہیں جاتا اور تم کیوں پکڑی گئی؟ اپنے پراسیکیوٹر کے ہاتھوں؟'' وہ اسے افسوس سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔'' کیونکہ تمہارے اندر وہ killer instinct نہیں ہے جو میرے اندر ہے۔ کسی کا دل ہو یا کسی کی جان' اس پہ پیر رکھ کے آگے بڑھنے اور اپنی جاب پوری کرنے کا حوصلہ تمہارے اندر نہیں ہے۔ بولڈ اسٹیپ لینے کی عادت ڈالو۔''

''تمہیں لوگوں کو فکس کرنا پسند ہے۔ ہے نا؟'' وہ تلخی سے بولی۔'' مجھے فکس کرنے کی کوشش کرنا چھوڑ دو۔''

''میں وہ کر رہا تھا جو اس جاب کے لئے ضروری تھا۔ بہترین کون وہ ہوتا ہے جس میں تم خود اپنا رول پلے کرو۔ تم ایک PTSD سے گزرنے والی لڑکی ہو۔ اور ایسے لوگ اپنے جیسے دکھ سے گزرنے والے پہ جلدی بھروسہ کر لیتے ہیں۔ تم نے الماس کے سامنے زینپ کو ایک کامیاب اور مضبوط عورت کے طور پہ پیش کیا ہے۔ میں اسے ایک اسٹرگلنگ عورت دکھانا چاہتا تھا۔''

''تا کہ الماس میرے ساتھ کام ہی نہ کرے!'' وہ پھنکاری تھی۔

''الماس نے یہ فیصلے خود نہیں کرنے' تالیہ۔ وہ بچی ہے۔ یہ فیصلے اس عورت نے کرنے ہیں جو ایک طاقتور آدمی کی بیوی رہ چکی ہے اور اس سے الگ ہونے کے ٹراما سے ابھی تک نہیں نکلی۔ تم اس کون میں اپنا رول پلے کیوں نہیں کرتیں؟ فون اٹھاؤ اور اس کو کال کرو۔''

جیکٹ والا اجنبی آدمی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ تالیہ اسے ابھی تک گھور رہی تھی مگر اس کا تنفس اب سست پڑ چکا تھا۔ دھیرے دھیرے سانس لے کر اس نے خود کو نارمل کیا اور پھر لیپ ٹاپ کی طرف بڑھی۔ ہیڈ فون کانوں پہ چڑھائے اور کال ملائی۔

''ہیلو۔''

''الماس جم۔'' وہ بدقت مسکرائی۔'' زینپ میں آپ سے فائنل بات کرنا چاہتی تھی تا کہ ای میل بھیج سکوں۔''

''ہوں۔ زینپ ایسا ہے کہ میں نے اپنی والدہ سے بات کی ہے۔'' وہ قدرے کھنچی کھنچی سی لگ رہی تھی۔'' اور ہم اس نتیجے پہ پہنچے ہیں کہ ہم اس وینچر کے لئے تیار نہیں ہیں۔''

تالیہ نے گھور کے اسے دیکھا جس نے دونوں ہاتھ اٹھا کے اشارہ کیا۔'' سا کن' تالیہ!''

''الماس جم...میں آپ کے رویے کی اچانک تبدیلی کی وجہ جان سکتی ہوں؟''

''مجھے یہ وینچر اتنا فائدہ مند نہیں لگ رہا اور.....''

''الماس کیا نیلوفر بخت اس کال کو سن سکتی ہیں؟ مجھے ان سے بات کرنی ہے۔'' وہ ایک دم سخت لہجے میں بولی۔

''جی وہ میرے ساتھ ہی ہیں اور فون اسپیکر پہ ہے۔''

''نیلوفر حانم.... مرحبا۔'' وہ کھنکھار کے بولی تو دوسری جانب سے نیلوفر کی آواز گونجی۔

''مرحبا زینپ۔ کیسی ہیں آپ؟''

''نیلوفر حانم.... یہ تو آپ مجھے بتائیں کہ آپ کے خیال میں' میں کیسی ہوں؟ صبح تک ہم اس وینچر کو کرنے جا رہے تھے مگر اب آپ کی اسپوکن پرسن کی ٹون بدل چکی ہے۔ کیا میں اس کی وجہ جان سکتی ہوں۔''

''نہیں زینب' وینچر تو ابھی تک دلچسپ ہے مگر الماس کو چند تحفظات تھے اور.....''

''لیٹ می گیس۔ آپ نے میرے ایک رائٹر سے بات کی ہے' (پلکیں اٹھا کے غصیلی نظروں سے سامنے پرسکون بیٹھے جہان کو دیکھا) جو کہ ایک میل Chauvinist ہونے کے ساتھ ساتھ misogynist اور racist بھی ہے۔ اس کا کام (ایک نظر لیپ ٹاپ پہ کھلے وکی پیڈیا پیج پہ ڈالی) اس کے racism کا واضح ثبوت ہے اسی لیے میں اس کی ایجنٹ نہیں ہوں' مولوت بے ہیں۔ (جہان ہلکا سا مسکرایا اور سر کو خم دیا۔ ''تشکرا یدرم!'') تو ظاہر ہے اس نے وہی کہا ہو گا جو کہ ایک misogynist آدمی کو کہنا چاہیے۔'' وہ چبا چبا کے کہہ رہی تھی۔ ''مگر میں آپ کو بتاتی ہوں۔ نیلوفر حانم کہ میں کون ہوں۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور سینے پہ بازو لپیٹے' دائیں بائیں ٹہلتے ہوئے مائیک میں بولنے لگی۔ ''میں مردوں کے معاشرے میں کام کرنے والی ایک عورت ہوں جس کو یہ لوگ کامیاب ہوتا برداشت نہیں کر سکتے۔ میری ذہانت اور قابلیت کو نظر انداز کر کے انہیں میرے بارے میں صرف ایک بات یاد رہتی ہے کہ میں ایک بروکن میرج سے نکلنے والی عورت ہوں۔ چونکہ میں ان سے سہارا نہیں مانگتی' اس لیے یہ مجھے بد مزاج اور تلخ کہتے ہیں۔'' اس کی آواز بلند ہو رہی تھی اور دوسری جانب نیلوفر دم سادھے سن رہی تھی۔

''کیا آپ سمجھ سکتی ہیں نیلوفر حانم کہ یہ فیلنگ کیا ہوتی ہے؟ جب عورت کی ساری قابلیت کو نظر انداز کر کے اس کی طلاق کے باعث کمزور سمجھا جائے؟ میرا خیال تھا آپ سمجھ سکتی ہیں۔ اسی لئے میں نے آپ کی کتاب کا انتخاب کیا۔ کیونکہ آپ کی اسٹرگل میرے جیسی ہے۔'' وہ جذباتی انداز اور گیلی آنکھوں کے ساتھ کہے جا رہی تھی۔ ''اور میں چاہتی تھی کہ ترکی کی ہر لڑکی کو آپ کی اسٹرگل پڑھواؤں تاکہ ان کو معلوم ہو کہ اپنے لئے کیسے کھڑا ہونا ہے۔ میرا باس مجھے فیل ہوتے دیکھنا چاہتا ہے اور آپ چاہیں تو میرے باس کے ساتھ بھی ڈیل کر سکتی ہیں لیکن مرد ہونے کی حیثیت سے وہ اس کتاب کی اصل روح کو نہیں سمجھیں

گے اور اس کو اتنے پیار سے نہیں چھپوائیں گے جس سے میں چھپوانا چاہتی تھی۔"

ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھے جہان نے مٹھی بند کر کے انگوٹھا بلند کیا....مگر وہ ایک برہم نظر اس پہ ڈال کے رخ موڑ گئی۔ س

"زینپ...."نیلوفر تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بولی۔"مجھے آپ کی کہانی کسی بھی ورکنگ وومن سے مختلف نہیں ہے۔ مگر آپ بےفکر رہیں۔ میں آپ کو زبان دیتی ہوں کہ میں اس کتاب کا کانٹریکٹ آپ کے ساتھ ہی کروں گی۔ یہ کتاب آج سے آپ کی ہوئی۔ قانونی کارروائی کے بعد میں مسودہ بھی آپ کے حوالے کر دوں گی۔"

کمرے میں چند لمحے کے لئے سناٹا چھا گیا۔ وہ مسکرا دیا اور"told you"والی نظروں سے اسے دیکھا مگر تالیہ نے اسے نظر انداز کیا۔

"تھینک یو نیلوفر۔ بحثییت عورت میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ میں آپ کو چند ضروری سوالات کی ای میل شام تک بھیج رہی ہوں۔ ان کے جوابات کے بعد ہم کانٹریکٹ کی طرف بڑھیں گے۔ ساؤ...نیلوفر حانم.... چک ساؤ (شکریہ....بہت شکریہ)....."

فون بند کیا تو وہ فوراً سے بولا۔"ایسے موقعے پہ تمہیں"ساؤ" کی جگہ"تشکرلار" کہنا چاہیے تھا۔"

"رہنے دو۔ تمہیں بھی مجھ سے دو ڈرامے زیادہ ہی ترک زبان آتی ہوگی۔"وہ سخت بےزار ہوئی۔

"اگر میں یہ نہ کرتا تو وہ جذباتی ہو کے ہمارے ساتھ کانٹریکٹ کرنے کا فیصلہ کبھی نہ کرتی۔ نیلوفر جیسی عورتوں کے لیے وومن کارڈ ہمیشہ کام کرتا ہے۔ ریلیکس ناؤ' تالیہ حانم۔"وہ اٹھ کھڑا ہوا تو تالیہ نے ہاتھ جھلایا گویا کہہ رہی ہو کہ جاؤ' مجھے تم سے بات نہیں کرنی۔ وہ ہنوز خفا نظر آتی تھی۔

☆☆=========☆☆

رات مزید گہری ہوئی تو منروا کروز کی رفتار دھیمی ہوتی گئی۔ اس وقت اس کی ہر کھڑکی روشن تھی۔ وسط پانی کے ایک قمقموں سے سجی عمارت کی طرح کھڑی وہ کشتی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

عرشہ البتہ اس وقت سنسان تھا۔ گھاس ٹرف ویران اور کرسیاں خالی تھیں۔ ایک کونے میں البتہ ریلنگ کے ساتھ وہ کھڑی تھی۔ شال کندھوں کے گرد لپیٹے وہ نیچے بہتے پانی کو دیکھ رہی تھی۔ نیلوفر کو ای میل لکھنے کی بجائے وہ یہاں آ کھڑی ہوئی تھی۔ آج اچانک سے موسم ٹھنڈا لگنے لگا تھا ورنہ اس سے قبل ایسے کوئی آثار نہ تھے۔

"تم نے اپنی فرینڈ سے بات کر کے اس کی بیماری کا پوچھا؟"بنا آہٹ وہ اس کے پیچھے کب آ کھڑا ہوا تھا' اسے پتہ بھی نہ چلا۔ ذرا سی چونکی۔ پھر جیسے خیالات سے نکلی اور ماتھے پہ بل ڈال لئے۔

”میں نے ابھی تک تمہیں ان باتوں کے لیے معاف نہیں کیا.... مگر... شاید...“ اس کی آواز میں اداسیاں گھلنے لگیں۔

”میرے بارے میں کے ایل میں بھی سب یہی سوچتے ہوں گے۔ احمد نظام سے صوفیہ رحمٰن تک۔“

وہ اس کے سامنے آیا اور ریلنگ سے ٹیک لگا کے بازو سینے پہ لپیٹ لیے۔ اندھیرے میں اس کے چہرے کے تاثرات ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتے تھے۔

”لوگوں کی آراء کی غلامی سے نکل آؤ' لڑکی! ورنہ تم کبھی آزاد نہیں ہو سکو گی۔“

”لوگوں کی آراء اور زبانیں حقیقت ہوتی ہیں۔“ وہ تلخی سے بولی۔ ”جس کتاب کے پیچھے ہم خوار ہو رہے ہیں وہ بھی ایک عورت کی رائے ہے مگر میری حکومت کی ساری مشینری اس کو روکنے میں لگی ہے۔“

”کیونکہ وہ ڈرپوک ہیں۔ سمپل۔“

”بات بزدلی یا بہادری کی نہیں ہے۔ وہ عورت....“ دبی دبی آواز میں دانت پیس کے بولی۔ ”وہ عورت اس وقت اپنی زبان اور قلم ہلا کے ایک مرے ہوئے آدمی اور اس کے سارے خاندان کو بدنام کر سکتی ہے۔ بدنامی سے سب کو ڈر لگتا ہے۔ مجھے بھی۔“ وہ دور سیاہ پانی کو دیکھنے لگی۔ ”مجھے قید میں جانے یا تشدد نے تکلیف نہیں دی تھی۔ یہ بدنامی کا خوف تھا جو مجھے اس ٹراما سے نکلنے نہیں دے رہا۔“

آسمان پہ بادلوں کے جھروکوں سے سفید چاند ذرا ذرا سا جھانکنے لگا تو عرشے پہ چاندی کی چادر چڑھنے لگی۔ ان کے سیاہ ہیولوں سے وجود بھی اس چاندی کی تہہ میں دھیرے دھیرے دمکنے لگے۔

”تم بدنامی سے ڈرتی ہو؟ اس بات سے کہ وہ تمہیں بے عزت کر دیں گے؟“

”وہ کر سکتے ہیں۔ اگر میں یہ کتاب نہ روک سکی اور خالی ہاتھ واپس گئی تو وہ میرے ملک میں مجھے منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑیں گے۔ وہ میرے سیاہ رازوں اور جرائم سے واقف ہیں۔ وہ میری زندگی تباہ کر دیں گے۔“ پانی کو دیکھ کے بولتی ہوئی لڑکی بے بس نظر آتی تھی۔ اس نے مسکرا کے سر جھٹکا۔

”میں نے زندگی میں ایک بات سیکھی ہے' تالیہ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے رزق' موت اور عزت ذلت کے فیصلے انسانوں کے ہاتھوں میں نہیں دے رکھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ کوئی انسان کسی کو بے عزت نہیں کر سکتا۔ نیلوفر بھی عبدالرحمٰن کو رسوا نہیں کر سکتی چاہے وہ دس کتابیں لے آئے مگر تمہاری پردھان منتری کا خوف اس کے ایمان سے بڑا ہے۔ خود تمہارا بھی۔“

”نیلوفر بہت کچھ کر سکتی ہے۔ وہ الیکشن کا سارا نقشہ اپنی مرضی کے مطابق بدل سکتی ہے۔“

چاندی میں نہایا آدمی ذرا سا مسکرایا۔

''نہیں بدل سکتی۔ کوئی انسان کسی انسان کو رسوا نہیں کر سکتا۔ یہ فیصلے اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ تمہیں بھی تمہارے حکمران رسوا نہیں کر سکتے۔ وہ تمہیں قید میں ڈال سکتے ہیں' ٹارچر کر سکتے ہیں' مگر تمہارے ملک کے لوگوں کے دل میں تمہاری عزت ختم نہیں کر سکتے۔ لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ تم اس خوف سے باہر کیوں نہیں نکل آتیں؟''

''تم پھر مجھے فکس کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''میں صرف یہ کہنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ جو راستہ انسان ترک کر دیتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اس کے باعث رسوا نہیں کیا کرتا۔'' اور یہ کہتے ہوئے پہلی دفعہ اس نے لب کاٹا۔

تالیہ نے شا کی نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''میری پردھان منتری چاہے تو....''

''تمہاری پردھان منتری کبھی اپنا وعدہ پورا نہیں کرے گی۔ تم کتاب روک دو' وہ تب بھی تمہیں کسی اور طریقے سے گرفتار کروا لے گی۔ گورنمنٹس کبھی وعدے پورے نہیں کرتیں۔''

''تمہارا تجربہ بول رہا ہے کیا؟'' وہ طنز سے بولی تو چاندنی میں دمکتا آدمی مسکرایا۔

''میں کسی گورنمنٹ کے لئے کام نہیں کرتا۔ لیکن اگر کرتا ہوتا تو کبھی سیاستدانوں پہ اعتبار نہ کرتا۔ میں نے الماس کو وہ باتیں صرف تمہیں Provoke کرنے کے لئے نہیں کہی تھیں۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ تمہارا ہینڈلر دولت تمہارے بارے میں یہی سوچتا ہوگا۔ وہ تمہیں ناکام ہوتے دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے ان کی روز روز کی فون کالز کے دباؤ میں آنا چھوڑ دو بلکہ اس جاب کو اپنے لئے کرو۔ اپنے طریقے سے۔'' اس کی مسکراہٹ پراسرار ہوگئی۔

''اپنے طریقے سے ہی کر رہی ہوں۔'' اسے اس کی بات عجیب لگی تھی۔ چاندی میں ڈوبے عرشے پہ وہ دونوں ہیولوں کی صورت کھڑے سرگوشی میں بات کر رہے تھے۔

''غلط۔ تم عبدالرحمٰن کی عزت بچانے کے لئے یہ کر رہی ہو۔ تم اسے خود کو بچانے کے لئے کرو۔''

''تم مجھے مشورے کیوں دے رہے ہو؟''

وہ ذرا سا مسکرایا اور شانے اچکا دیے۔ ''کہا نا۔ مجھے فکس کرنا پسند ہے۔ لوگ' چیزیں' مسئلے۔'' پھر اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور ریلنگ چھوڑ کے سیدھا ہوا۔ ''چلو۔ ٹارگٹ کو ای میل کرتے ہیں۔ ویسے بھی ہمارا زیادہ دیر یہاں کھڑا ہونا مناسب نہیں ہے۔''

''آئی ایم شیور تم اردگرد کی تسلی کر کے ہی یہاں آئے ہوگے۔'' وہ اکتا کے کہتی آگے بڑھ گئی۔ وہ ابھی تک الجھی ہوئی تھی۔

اپنے لیےوہ اس سے زیادہ کیا کرے؟

''ہمارا مقصد نیلوفر سے اس کے پبلشر کا نام پوچھنا ہے' رائٹ؟''

وہ کمرے میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی تھی اور کی بورڈ پہ انگلیاں جمائے کہہ رہی تھی۔وہ سامنے الماری سے ٹیک لگائے کھڑا سوچ رہا تھا۔

''ہاں مگر یہ سوال تمہیں اس طرح پوچھنا ہے کہ وہ جواب ضرور دے۔تم نے وہ محاورہ سنا ہے' موت دکھا کے بخار پہ راضی کرنا؟''

''اسلا''(کبھی نہیں۔)اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''یعنی کسی کو ناممکن کام اور مشکل کام کا آپشن دینا۔وہ مشکل پہ راضی ہو جائے گا۔''

''یعنی کہ میں نیلوفر سے کچھ اتنا ناممکن پوچھوں کہ اسے نسبتاً پبلشر کا نام دینا آساں لگے؟''

اس کی انگلیاں کی بورڈ پہ چلنے لگی تھیں۔ای میل کے الفاظ اسکرین پہ ابھر رہے تھے۔

(ڈیئر نیلوفر حانم۔

میرے باس مولوت بے نے آپ کے لئے ایک سوالنامہ تیار کیا ہے۔کانٹریکٹ سائن کرنے سے پہلے مجھے اس کے جوابات درکار ہیں تا کہ ہم آگے بڑھ سکیں۔)

وہ بڑبڑاتے ہوئے لکھ رہی تھی۔

''پہلا سوال آسان ہو۔اتنا آسان کہ وہ بنا جھجکے جواب دے ڈالے۔''

وہ کمرے میں دائیں بائیں ٹہلتے ہوئے سوچ سوچ کے کہہ رہا تھا۔جیکٹ اتار دی تھی اور آستین موڑ رکھے تھے۔تھوڑی دیر پہلے والا دوستانہ انداز اب غائب تھا اور خالصتاً کام سے کام رکھنے والا لہجہ اپنا لیا تھا۔عجیب پل پل بدلتے انداز تھے اس آدمی کے۔

''پہلا سوال وہ پوچھوں گی جو اکثر پبلشر ایڈم سے سب سے پہلے پوچھتے تھے۔''وہ ٹائپ کرتے ہوئے اسکرین پہ نظریں جمائے ہوئے تھی۔

(پہلا سوال۔مجھے کتاب کا مکمل ورڈ کاؤنٹ چاہیے۔ایم ایس ورڈ پہ ڈبل اسپیسنگ کے ساتھ قریباً کتنے الفاظ پہ مسودہ مشتمل ہے۔یہ جاننا کتاب کی قیمت کے تعین اور اشاعت کے لئے ضروری ہے۔)

''گڈ۔دوسرا سوال بھی نسبتاً آسان ہی رکھو۔''وہ ہدایات دے رہا تھا۔

تالیہ کی انگلیاں تیز تیز چل رہی تھیں۔اس کے ماتھے کے بل غائب ہو رہے تھے۔ایک رائٹر کے ذہن سے پبلیشر کا نام نکلوانے کے لیےاس کے ذہن تک رسائی حاصل کرنا خاصا دلچسپ لگ رہا تھا۔

(دوسرا سوال۔ مجھے تمام ابواب کی تعداداوران کی آوٹ لائن چاہیے۔صرف ایک سطر کی آوٹ لائن جس میں کتاب کا خلاصہ موجود ہو۔)

''اب تیسرا سوال تم پبلشر کے بارے میں پوچھومگراس طرح کہ وہ جواب دینے پہ پابند ہو جائے۔''

(میرا تیسرا سوال) تالیہ روشن اسکرین کو دیکھتے کھٹ کھٹ ٹائپ کر رہی تھی۔(آپ کی کتاب کا انگریزی مسودہ میری معلومات کے مطابق ایک کینیڈین پبلشر چھاپ رہا ہے۔ مجھے لیگل پیپر ورک کے لئے اس پبلشر کا نام چاہیے کیونکہ ہماری لٹریری ایجنسی اور چند یورپین ایجنسیز کا امریکی اور کینیڈین پبلشرز کے ساتھ ایک'' کلاس ایکشن'' مقدمہ چل رہا ہے۔(ایسا مقدمہ جس میں ایک گروہ مل کے دوسرے کے خلاف کیس لڑتا ہے)۔اگر آپ کا پبلشر بدقسمتی سے ہمارے مقابل فریقین میں سے ہوا تو ہم اس کتاب کو چھاپنے سے معذرت کر لیں گے کیونکہ یہ کانفلیکٹ آف انٹرسٹ کے زمرے میں آئے گا۔ مقدمے کی حساسیت کی وجہ سے میں فریقین کی لسٹ ظاہر نہ کر سکنے کی پابند ہوں۔اس لئے آپ مجھے نام بتادیں تاکہ میں کراس چیک کرلوں۔)

"Good enough?''اس نے لکھ کے سوالیہ نظروں سے جہان کو دیکھا۔وہ اتنا متاثر نہیں لگتا تھا۔

''اگر میں ہوتا تو سمجھ جاتا کہ یہ scam ہے۔مگر وہ نیلوفر ہے۔امید ہے وہ یقین کر جائے گی۔اگلا سوال ناممکن سا رکھو تاکہ وہ مروت میں کسی ایک کا جواب تو دے ڈالے۔''

تالیہ کی انگلیاں حرکت میں آئیں۔

(اور میرا آخری سوال۔ مجھے آپ کی کتاب کو ترکش پبلشرز کے سامنے پیش کرنے کے لئے پریزینٹیشن بنانی ہے۔ میں اسی ہفتے پریزینٹیشن بنا کے پیش کرنا چاہتی ہوں۔ دو بڑے پبلشرز انٹرسٹڈ ہیں۔اس موقعے پہ آپ سے بغیر کانٹریکٹ کے پورا مسودہ میں بالکل نہیں مانگوں گی مگر آپ کو مجھے کتاب کے اولین چار ابواب دینے ہوں گے تاکہ پبلشرز کو پریزینٹیشن دیکھ کے کتاب کی زبان،ٹیسٹ اور calibre کا اندازہ ہو جائے۔)وہ اس کے صوفے کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور جھک کے اسکرین کو دیکھا۔

''گڈ۔اب لگ رہا ہے کہ تم کسی رائٹر کی دوست رہی ہو۔کتاب کے چار ابواب تو وہ کبھی نہیں دے گی۔''

تالیہ نے ای میل بھیج دی اور وہ چلا گیا تو کمرے میں پھر سے خاموشی چھا گئی۔اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور چیزیں سمیٹ

کے اپنے بستر تک آئی۔ ساتھ ہی موبائل اٹھا کے دیکھا تو دولت کا میسج آیا ہوا تھا۔ چند گھنٹے گزر چکے تھے اور وہ ایک دفعہ پھر سے اپ ڈیٹ پوچھ رہا تھا۔

تالیہ نے کال کا بٹن دبایا۔ دو گھنٹیاں گئیں اور اس کے ہیلو کہتے ہی وہ ایک دم سے بولنا شروع ہوئی۔

''میری بات دھیان سے سنیں' انچے دولت۔ آپ نے میسج میں لکھا کہ میں جتنی جلدی ہو سکے اس کام کو مکمل کروں کیونکہ میری زندگی اس پہ انحصار کرتی ہے۔'' وہ چبا چبا کے کہہ رہی تھی۔

''غلط۔ میری نہیں۔ آپ کی وزیر اعظم کی زندگی اس پہ انحصار کرتی ہے۔ میرا آپ کیا بگاڑ لیں گے اگر میں یہاں سے فرار ہو جاؤں؟ یا خالی ہاتھ واپس آؤں؟ عوام کو بتائیں گے کہ میں ایک کرمنل ہوں؟ تو کیا میں چپ رہوں گی؟ میں میڈیا میں جا کے ساری دنیا کو نہیں بتاؤں گی کہ آپ نے مجھے نیلوفر کی کتاب چرانے بھیجا تھا؟ کیا لوگ آپ سے سوال نہیں کریں گے کہ اگر تالیہ مراد کرمنل تھی تو آپ نے اسے ملک سے باہر کیوں جانے دیا؟ وہ بھی کسی کی کتاب چرانے؟ ایک غیر قانونی کام کرنے کے لئے؟''

دوسری جانب دولت کو بالکل سانپ سونگھ گیا تھا۔

''دعا کریں کہ میں چپ رہوں' دولت صاحب' ورنہ آپ لوگ دوہری مصیبت میں پڑ سکتے ہیں۔ دعا کریں کہ میں اس کی کتاب کو روک لوں تاکہ آپ کی عزت بچی رہے۔ میں نے کہا ہے کہ میں اپنی جاب پوری کروں گی تو کروں گی۔ مجھے آرام سے میرا کام کرنے دیں۔ بائے۔'' وہ برہمی سے کہہ رہی تھی اور وہ بالکل خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔ اس کے کچھ بولنے سے پہلے تالیہ نے فون رکھ دیا اور چند گہرے سانس لئے۔

ملاکہ کا قید خانہ تھا اور سامنے شاہی سپاہی تھا۔ وہ اس پہ اسی طرح حلق سے آواز نکال کے چلائی تھی جب اس نے کہا تھا کہ وہ ان کی ہونے والی ملکہ ہے۔ جسم سے نکلتی یہ حرارت ..... یہ توانائی ....اس میں عجیب سی طاقت تھی۔ عرصے بعد اسے اپنا وہ روپ یاد آیا تھا۔

اسے یہ آخری جاب 'اپنے' لئے کرنی تھی۔ صرف اپنے لئے۔

☆☆========☆☆

اگلی صبح نیل کے دریا پہ اتری تو اپنے ساتھ ٹھنڈ کی لہر لے آئی۔ عرشے پہ دھوپ میں ناشتہ کرنے کے خواہشمند مسافر دھوپ کو ترس گئے۔ کیونکہ آج بادلوں کے باعث سارے پہ چھایا تھی اور ٹھنڈی ہوا بہت تیزی سے چل رہی تھی۔

تالیہ عرشے پہ لگی ایک چھتری تلے کرسی پہ بیٹھی تھی اور موبائل دیکھتے ہوئے ناشتے کو بس چکھ رہی تھی۔ ابھی تک الماس کی

ای میل نہیں آئی تھی اور اس کی بے چینی عروج پہ تھی۔ وقتی طور پہ نیلوفر کو جذباتی کرنا الگ بات تھی' لیکن کیا وہ اپنے پبلشر کا نام بتانے پہ راضی ہو جائے گی؟ اسے ایک دم اپنی کور اسٹوری بودی معلوم ہونے لگی تھی۔

دفعتاً کسی احساس کے تحت اس نے اپنا سفید ہیٹ ترچھا کیا اور چہرہ اٹھا کے دیکھا تو دور پول کے کنارے وہ کھڑا نظر آیا۔ کل والی شیو غائب تھی' پی کیپ سر پہ تھی اور ہاتھ جینز کی جیبوں میں تھے۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے متوجہ ہوتے ہی مڑ گیا۔ یہ اس کو پیچھے آنے کا اشارہ تھا۔

تالیہ نے حیرت سے اس کو دیکھا' اور پھر ناشتہ ادھورا چھوڑ کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم ابھی تک یہاں ہو؟'' وہ کمرے میں آئی تو وہ صوفے پہ بیٹھا تھا۔ تالیہ نے ہیٹ اتار کے اسٹینڈ پہ ٹانگتے ہوئے' تعجب سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں تو ہر روز اس وقت کسی خفیہ کام کے لئے نہیں جانا ہوتا؟''

''آج جمعہ ہے۔'' اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے تو تالیہ نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''تو؟''

''جمعے کو ہماری سرکاری چھٹی ہوتی ہے۔ ورکشاپس بند ہوتی ہیں۔''

''اور اگر کسی کی کار جمعے کو خراب ہو جائے تو؟''

''ای میل آئی نیلوفر کی؟'' اس نے اکتا کے موضوع بدلا تو تالیہ نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔

''ابھی دیکھا میں نے الماس کو۔ سوتی شکل کے ساتھ ناشتہ کرنے اوپر آئی تھی۔ کچھ دیر میں ہی جواب دے گی۔''

''یعنی کہ پھر سے انتظار۔'' وہ بور سا نظر آنے لگا۔ پھر ریموٹ اٹھایا اور ٹی وی آن کیا۔ وہ چپ چاپ اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گئی اور اس کی حرکات کا جائزہ لینے لگی۔

''کل جانا ہو گا تم نے شہر؟'' بغور اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ جو چینل سرف کر رہا تھا' بے اختیار بولا۔ ''نہیں۔''

''کیونکہ کل بھی چھٹی ہے۔ ہفتے کی۔''

''ہوں۔'' وہ اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ پی کیپ ہنوز سر پہ جمی تھی اور دن کی روشنی میں کنپٹی کا نشان واضح نظر آتا تھا۔

''ورکشاپس تو ہفتے کو کھلی ہونی چاہیے ہیں۔ مگر تم ورکشاپ نہیں جاتے' ہے نا۔'' وہ مسکرا کے فاتحانہ انداز میں بولی تو جہان نے اکتا کے اسے دیکھا۔

''میری جاسوسی چھوڑ دو لڑکی۔''

''یو نو۔ مصر میں کچھ برانڈز اتوار کی چھٹی بھی کرتے ہیں اور کچھ ہفتے کی۔ البتہ زیادہ تر جمعے کی چھٹی کرتے ہیں۔'' وہ

معلومات دینے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔ ''مگر تم نے ایک مخصوص وقت میں صرف ڈھائی' تین گھنٹے کے لئے جانا ہوتا ہے۔ ڈیڑھ گھنٹہ تو آنے جانے میں صرف ہوا۔ پیچھے بچا ایک گھنٹہ۔ اور ہفتے میں دو چھٹیاں۔'' وہ مسکراہٹ دبائے کہہ رہی تھی۔ ''تم کسی یونیورسٹی جاتے ہو۔ کلاس لینے۔''

جہان نے سابقہ تاثرات کے ساتھ نظریں گھما کے اسے دیکھا۔ ''اگر اتنا دماغ تم اپنا ترکش لہجہ بنانے پہ صرف کرتیں تو زیادہ اچھا ہوتا۔ یہ دیکھو۔'' اس نے ٹی وی پہ یوٹیوب کھول رکھا تھا۔ تالیہ نے ناک سکوڑ کے سر جھٹکا اور بادل نخواستہ توجہ ٹی وی کی جانب مبذول کی۔ وہ کوئی ترکش فلم لگا رہا تھا۔

''کاردشم نم۔'' تالیہ نے پتلیاں سکوڑ کے اسکرین کو دیکھتے ہوئے پڑھا۔ ''میرا بھائی۔''

''جب تک نیلوفر کی ای میل نہیں آتی' تم یہ فلم دیکھو۔ اور ان کے الفاظ کی دائیگی پہ غور کرو۔''

''ویسے کون سا سبجیکٹ پڑھ رہے ہو تم یونیورسٹی میں؟'' وہ گال ہتھیلی پہ جمائے اسکرین کو دیکھتے ہوئے سرسری سا پوچھنے لگی۔

''میں اس عمر میں سب کچھ کر سکتا ہوں' سوائے پڑھائی کے۔''

تالیہ نے گردن موڑ کے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔ ''جھوٹ بولنے والے کی نشانی نمبر چھ تم میں اس وقت نظر آ رہی ہے۔''

''ویری فنی۔'' وہ بگڑے تاثرات کے ساتھ اٹھ گیا اور وہ بادل نخواستہ اپنی توجہ اس فلم کی طرف مبذول کرنے لگی جس میں دو بھائی ترکی کے کسی دور افتادہ گاؤں میں ہونے والی شادی اٹینڈ کرنے روڈ ٹرپ پہ جا رہے تھے۔

اس کا موبائل بالکل خاموش تھا۔ الماس کا جواب ہنوز نہیں آیا تھا۔

☆☆==========☆☆

جہان چلا گیا اور موی ختم ہوگئی تو بھی وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ بس صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی یوٹیوب پہ مختلف ویڈیوز سرف کرنے لگی۔ دنیا جہان کی ویڈیوز کے ہونے کے باوجود اس کی انگلیاں اسی ایک موضوع کو ٹائپ کرنے لگیں۔

بی این کا صدر۔

کلک کے ساتھ ہی صفحہ کھلا تو ہر ویڈیو پہ وہ دونوں ساتھ ساتھ دکھائی دیے۔

مسکراتا ہوا وان فاتح اور اس کی مسکراتی ہوئی' بیوی عصرہ۔

دی پاور کپل۔

کہیں وہ ایک ساتھ انٹرویو دے رہے تھے تو کہیں وہ کسی ایونٹ میں ریڈ کارپٹ پہ ساتھ ساتھ کھڑے نظر آ رہے تھے۔

کیمروں کے فلیش ان کے چہرے پہ چمک رہے تھے۔ کہیں وہ دونوں اپنے گھر کے صوفے پہ بیٹھے بچوں کے ساتھ کسی اینکر سے بات کر رہے تھے۔

غرض وہ ہر جگہ ساتھ ہی تھے۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ عورت اس کی بہن کی قاتل ہے۔ جیسے وہ نہیں جانتا تھا کہ تالیہ اس کے دشمن کی مدد کے لئے مصر چلی گئی ہے۔

وہ کچھ نہیں جانتا تھا اور کتنا مطمئن تھا۔

اس کا دل ایک دم پھر سے اندھیروں سے بھرنے لگا۔ اس نے ٹی وی آف کیا اور موبائل پہ اپنی ذاتی میل کھولی۔ فاتح' داتن' ایڈم.... آج کسی کی بھی میل نہیں آئی تھی۔ وہ لوگ بھی اسے میل بھیج بھیج کے تھک گئے تھے۔ دیوار سے کوئی کتنی دیر بات کر سکتا ہے؟

وہ میل بھیجتے تھے تو دل دکھتا تھا۔

نہیں بھیج رہے تھے تو دل بالکل خالی ہو گیا تھا۔

کمرے میں اب اندھیرا چھا گیا تھا۔ ایسا اندھیرا کہ کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہ اب کیا کرے گی؟ اگر واپس چلی بھی گئی ....سرخرو بھی ٹھہری تو کیا کرے گی؟ اس نے گھٹنوں پہ سر رکھ لیا اور خود کو اندھیرے کے حوالے کر دیا.....

وہ اپنے ماضی سے کیسے ساری زندگی کٹ کے رہے گی؟ مستقبل اتنا ہی تاریک تھا جتنا اس وقت آنکھوں کے سامنے چھاتا اندھیرا تھا....اور اس تاریکی میں کمر کے پیچھے ایک دم سے ٹھنڈی دیوار محسوس ہونے لگی۔ وہ اسی سخت بستر پہ بیٹھی تھی....اونچی دیواروں والا کمرہ....سامنے سلاخیں....اور کپکپاتا جسم....خوف نہیں تھا وہ....قید کا خوف ہرگز نہ تھا....وہ رسوا ہونے کا خوف تھا ....یہ آگہی کہ اس کوٹھڑی کے باہر ساری دنیا کو اس کے سیاہ ماضی کا علم ہو چکا ہے.....اسی لئے اس کوٹھڑی سے اتنے دن وہ نہیں بھاگی تھی....اور بار بار وہ اسی میں واپس آ جاتی تھی.....

اس نے مزید سختی سے آنکھیں بند کیں۔ شاید کہ یہ اندھیرا چھٹ جائے مگر اگلے ہی لمحے نگاہوں کے سامنے ایک منظر ابھرنے لگا....

دو سفید پیر....دو سپید پیر ربڑ کے گیلے سلیپرز میں مقید تھے....دونوں پیر فرش پہ پیچھے کو اٹھ رہے تھے....پیر نسوانی تھے اور دائیں پیر پہ ایڑھی کے قریب ایک کمان صورت کٹ لگا تھا جو بھوری لکیر نما کھرنڈ میں بدل چکا تھا....

ان گیلے جوتوں سے چیں چیں کی ناقابلِ برداشت آواز آ رہی تھی.....

مخصوص رنگ ٹون سے وہ ہڑبڑا کے جاگی۔

کمرہ اندھیر پڑا تھا۔

تالیہ نے ادھر ادھر چہرہ گھمایا پھر تیزی سے اٹھی اور پردے ہٹائے۔ باہر دھوپ میں چمکتا دریا دکھائی دیا اور روشنی اندر آنے لگی۔ اس کو پسینہ آ رہا تھا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

وہ پیر کس کے تھے؟ اور وہ زخم کا نشان؟

اس نے سر جھٹکا اور خود کو نارمل کرتے ہوئے فون اٹھایا۔ مخصوص ٹون الماس کی ای میل کی تھی۔ تالیہ نے پہلے جہان کو کال کی اور اسے یہاں بلایا۔ یہ الماس کی آخری میل ثابت ہونی تھی وہ اسے تنہا نہیں پڑھنا چاہتی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں آمنے سامنے دو صوفوں پہ بیٹھے تھے اور وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''پڑھو۔''

تالیہ نے موبائل اسکرین روشن کی اور دھڑکتے دل سے پڑھنا شروع کیا۔ پسینے سے ابھی تک اس کے بال سامنے سے گیلے تھے اور چہرہ زرد تھا۔ وہ اس کے تاثرات بغور دیکھ رہا تھا مگر بولا کچھ نہیں۔

''ڈیئر زینپ۔'' تالیہ نے پڑھنا شروع کیا۔ ''آپ سے بات کر کے مجھے اور میم نیلوفر کو بہت اچھا لگا۔ امید ہے آپ سے ملاقات کر کے ہمیں مزید اچھا لگے گا۔ فی الحال آپ کے جوابات کی طرف آتے ہیں۔

نمبر 1۔ یہ کتاب قریباً 112500 الفاظ پہ مشتمل ہے اور اس کے قریباً چار سو پچاس صفحات بنتے ہیں۔''

''آسان سوال تھا۔ آگے چلو۔''

''چپ کرو۔ مجھے پڑھنے دو۔'' اس نے دھڑکتے دل سے اسے ٹوکا اور آگے بڑھنے لگی۔

''نمبر 2۔ کتاب کے بیس ابواب ہیں اور میں ان کی ون لائن سمری ای میل میں اٹیچ کر رہی ہوں۔'' نظریں اٹھا کے جہان کو دیکھا۔ اس نے سراہنے والے انداز میں ابرو اٹھائی۔

''مگر خیر۔ یہ بھی آسان سوال تھا۔ تیسرے پہ آؤ۔''

''جہاں تک آپ کے تیسرے سوال کا تعلق ہے۔ ہمارے پبلشر کا نام ....تو بات یہ ہے زینپ کہ....'' اس نے خشک حلق سے پڑھنا شروع کیا۔ ''پبلشرز نے جب ہم سے رابطہ کیا تو ان کی ٹائم لائن اور مسلسل مداخلت ہمارے لئے قابلِ قبول نہیں تھی۔ یہ کتاب عوام کی فلاح کے لئے لکھی جا رہی ہے اس لئے بہتر ہے کہ اسے بغیر کسی مداخلت کے مارکیٹ میں لایا جائے۔ اور اسی لئے....''

''ڈیم اِٹ۔'' وہ سیدھا ہو کے بیٹھا۔ ''وہ سیلف پبلش کر رہی ہے۔''

تالیہ پڑھتی گئی۔

''اور اسی لئے ہم اس کتاب کو سیلف پبلش کر رہے ہیں امیزون پہ۔ اور ہم اسے کینیڈا جا کے ریلیز کریں گے۔''

تالیہ نے بے بسی سے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ بھی اتنا ہی کبیدہ خاطر نظر آتا تھا۔

ایک دم سے تمام امیدیں خاک میں مل گئی تھیں۔ تالیہ نے فون رکھ دیا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔

''وہ ساری باتیں۔ وہ گورے پبلشرز کے قصے.....وہ سب جھوٹ تھا۔'' اس کا چہرہ غصے اور صدمے سے سرخ پڑنے لگا۔

''نیلوفر کا سرے سے کوئی پبلشر ہی نہیں تھا۔''

''ظاہر ہے کوئی عقلمند پبلشر اتنی الزامات سے بھری کتاب نہیں چھاپ سکتا۔ مجھے یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا؟'' وہ خود سے ناراض لگنے لگا تھا۔

''یعنی کہ ہم واپس اسکوائرون پہ کھڑے ہیں۔'' تالیہ نے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ اور وہ اتنا مضطرب تھا کہ اٹھ کے ٹہلنے لگا۔

''اگر وہ خود ہی اپنی کتاب کی پبلشر ہے تو اس نفرت اور انتقام سے بھری عورت کو کوئی نہیں روک سکتا۔ کوئی دوسرا پبلشر ہوتا تو قانونی کارروائی یا دباؤ ڈال کے کچھ کیا جا سکتا تھا۔ اُف۔ اُف۔'' وہ اب کمرے میں خالی جگہ پہ آگے پیچھے چکر کاٹ رہا تھا۔

ان کا کون گیم عجیب مقام پہ آ کے رک گیا تھا۔ پبلیشر کوئی تھا ہی نہیں تو اب اس کتاب کو روکنا ناممکن تھا۔ وہ صوفیہ کو کیا جواب دے گی؟

''میں اس کے ذہن سے کتاب چھاپنے کا خیال نہیں نکال سکتی' جہان۔ میں واپس جا رہی ہوں۔'' وہ ایک دم اٹھی اور الماری کی طرف گئی۔ پھر اپنا بیگ نکال کے بستر پہ رکھا اور الماری سے ہینگر نکالنے لگی۔ جہان نے افسوس سے اسے پیکنگ کرتے دیکھا۔

''تمہاری وزیر اعظم کو چاہیے کہ اسے گولی مار دے۔ دی اینڈ۔ خلاص۔''

''جو بھی ہے.....میں مزید اس کھیل کا حصہ نہیں بن سکتی۔''

''اوکے! میں تمہیں نہیں روکوں گا۔'' وہ سمجھ سکتا تھا۔ ''مگر سنو۔ وہ ای میل ایڈریس ڈیلیٹ کر دو تاکہ اس کا ڈیٹا غائب ہو جائے اور نیلوفر اسے ٹریس نہ کر سکے۔''

تالیہ جو سرخ چہرے کے ساتھ کپڑے تہہ کر کر کے بیگ میں ڈال رہی تھی' ایک دم رکی اور چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

کسی شے کے نامکمل رہنے کا احساس ہوا تھا۔

جیسے چولہے پہ کھانا پکتا چھوڑ آؤ... جیسے ڈور بیل بج رہی ہو.... جیسے فون پہ کوئی unread میسج کا نوٹیفیکیشن نظر آ رہا ہو تو کوئی بھی دوسرا کام کرتے ہوئے ذہن میں 'ادھورے' کام کا خیال رہتا ہے۔

اس نے ہاتھ میں پکڑا رومال وہیں پھینکا اور تیزی سے میز کی طرف آئی۔

''اس کی ای میل کے آخر میں بھی کچھ لکھا ہوا تھا۔'' موبائل اٹھایا اور اسکرین روشن کی۔

الماس کی میل کا آخری پیراگراف ابھی پڑھنے سے رہتا تھا۔

''اور رہا آپ کا آخری سوال کہ میں آپ کو کتاب کے پہلے چار ابواب بھیجوں تو ڈیئر زینپ..... پہلے ابواب سے زیادہ دلچسپ درمیان اور آخر کے ابواب ہیں' اس لئے میں آپ کو شروع' مڈل اور آخر سے پانچ ابواب بھیج رہی ہوں تا کہ آپ کو کتاب کے ٹیسٹ کا درست طور پہ اندازہ ہو سکے۔ فائل اٹیچ ہے۔

میں کانٹریکٹ کا انتظار کروں گی۔

الماس۔''

واٹ؟'' وہ بے یقینی سے کہتا تیزی سے اس کے قریب آیا۔ وہ بھی اتنی ہی بے یقین کھڑی اسکرین کو دیکھ رہی تھی جہاں ایم ایس ورڈ فائل کھلی تھی۔

الماس نے کتاب کے پانچ ابواب بھیج دیے تھے۔

''وہ ہمیں اپنی کتاب کے اتنے نازک باب نہیں بھیج سکتی۔ اسلا' جہان یہ۔ اسلا۔''

وہ بے یقینی سے انگلی سے صفحہ اوپر کرتی کہہ رہی تھی۔ وہ بھی دنگ رہ گیا تھا۔

''اس نے تمہاری باتوں کو دل پہ لے لیا۔ ہاؤ سوئیٹ۔''

''کچھ زیادہ ہی لے لیا۔'' تالیہ مراد کی آنکھیں تعجب سے پھیلی تھیں۔ وہ کچھ نہیں پڑھ رہی تھی بس صفحات نیچے.... مزید نیچے کیے جا رہی تھی۔ وہ کل پچپن صفحات تھے۔

جہان نے ایک نظر بیڈ پہ کھلے اس کے بیگ پہ ڈالی۔

''تم اب بھی جانا چاہتی ہو؟''

''ششش۔ مجھے یہ صفحات پڑھنے دو۔''

کچھ دیر بعد وہ بیڈ کے سامنے کارپٹ پہ بیٹھی موبائل سامنے کیے پڑھتی نظر آ رہی تھی۔ اور وہ صوفے پہ بیٹھا اپنے فون میں وہی فائل پڑھ رہا تھا۔

بیڈ پہ تالیہ کا سامان اسی طرح کھلا پڑا تھا۔ لنچ کا ٹائم تھا مگر کھانا' سامان' کسی شے کی ان کو پرواہ نہ تھی۔

یہ وہ کتاب تھی جو صوفیہ رحمٰن ساری دنیا سے چھپانا چاہتی تھی۔ اس کتاب کے پانچ ابواب ملنا غنیمت تھا۔

''اوہ واؤ..... باب نمبر سولہ میں تمہارا ذکر بھی ہے۔''

خاموشی کو جہان کی محظوظ آواز نے توڑا تو تالیہ نے ''شش'' کہہ کے اسے چپ کروا دیا۔ وہ ابھی وہاں نہیں پہنچی تھی۔ اور جب پہنچی تو اس کا خون ابل ابل گیا۔

''واٹ؟ اس نے میرے بارے میں یہ لکھا ہے کہ سیاسی پارٹیوں میں ذہین عورتیں بہت کم ہوتی ہیں۔ اکثر تالیہ مراد جیسی Air headed blondes ہوتی ہیں جن کو ان کی اچھی شکل کی بنا پہ اعلیٰ عہدوں سے نوازا جاتا ہے۔'' اس نے غصے میں چہرہ اٹھایا۔

''یہ مجھ سے اتنے پیار سے بات کر رہی تھی اور میرے بارے میں اس نے کتاب میں یہ لکھا ہے۔''

''Air headed blonde۔'' وہ ہنس دیا' پھر اس کے تاثرات دیکھ کے چہرہ سیدھا کیا۔

''ہاں۔ واقعی۔ اس نے غلط کیا۔'' مصنوعی افسوس ظاہر کیا۔ ''مگر تمہارے بارے میں اس نے کچھ نہیں لکھا۔ جو عبدالرحمٰن صاحب کے بارے میں لکھا ہے۔ الامان۔'' اس نے واقعتاً افسوس سے سر جھٹکا تھا۔

''کوئی کسی کے خلاف اتنی نفرت اور عناد کیسے رکھ سکتا ہے چاہے وہ اس کا ایکس ہی کیوں نہ ہو؟''

''بہت ہی نازیبا اور فضول کتاب ہے یہ۔'' تالیہ نے آخری صفحہ پڑھ کے فون پرے ڈال دیا۔ ''پہلے دو ابواب کو چھوڑ کے جو اس نے اپنے بچپن کے بارے میں لکھے ہیں' درمیان اور آخر کے ابواب کی ہر سطر میں اس نے عبدالرحمٰن کی ہزاروں اخلاق سے گری حرکات کا تذکرہ کر ڈالا ہے۔ اب اتنا بھی کوئی شیطان نہیں ہوتا۔ حد ہے۔ کوئی شک نہیں کہ صوفیہ اس کتاب کو روکنا چاہتی ہیں۔''

صوفے پہ بیٹھے جہان نے سیدھے ہوتے ہوئے پیر نیچے کیے اور چونک کے اسے دیکھا۔

''صوفیہ رحمٰن کیوں اس کتاب کو روکنا چاہتی تھی؟''

''کیونکہ اس میں اس کے باپ کی اخلاقی برائیوں کی جھوٹی سچی کہانیاں درج ہیں۔ اور وہ اس کے ووٹرز کا دل خراب کر سکتی ہیں۔ مگر صوفیہ کو خود بھی اندازہ نہیں ہوگا کہ کتاب میں اس حد تک گند لکھا گیا ہوگا۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''صوفیہ کو خود بھی اندازہ نہیں ہے کہ کتاب میں کیا لکھا ہوگا۔'' وہ چونک کے اس کی بات دہرا رہا تھا۔ ''صوفیہ کا خیال تھا کہ کتاب اس کے باپ کی مالی کرپشن کے بارے میں ہوگی۔''

''ہاں اور داتو سری عبدالرحمن پہ کچھ فوج سے غداری کے الزام بھی تھے۔یقیناً دوسرے ابواب میں غداری سے متعلق بھی نیلوفر نے کہانیاں بیان کی ہوں گی۔''

''اور اگر اس نے نہ کی ہوں؟'' جہان کے لبوں پہ مسکراہٹ آئی اور اس نے فون کی اسکرین اس کے سامنے کی۔ وہ کارپٹ سے اٹھی اور اس کے قریب آرکی۔

''یہ تمام ابواب کی آؤٹ لائن ہے۔ ہر باب کو ایک سطر میں سمیٹا گیا ہے۔اور اس نے ان میں صرف عبدالرحمن کی اخلاقی گراوٹ کا ذکر کیا ہے۔عورتیں' ڈرگز' خفیہ شادیاں۔ جوئے کی عادت۔اس میں مالی کرپشن یا غداری کا کوئی باب نہیں ہے۔''

''یعنی؟''

''ہو سکتا ہے صوفیہ نے نیلوفر کو Overestimate کیا ہو۔جیسے ہم نے کیا تھا۔مگر وہ ایک انتہائی کم فہم عورت ہے۔اس کی نظر ہمیشہ اپنے لیول تک رہی ہو گی۔عورتیں' ڈرگز' افیئر ز۔ وہ چٹ پٹی مصالحے دار خبریں لگوانے کی شوقین رہی ہے' اس لئے اس نے کتاب میں صرف اخلاقی اسکینڈلز کا تذکرہ کیا ہو۔حکومتی لیول کی کرپشن کو اس نے غیر اہم جانا ہو یا ان کی اسے سمجھ نہ ہو۔''

تالیہ سارے دن میں پہلی دفعہ طمانیت سے مسکرائی۔ ''مگر صوفیہ رحمن کو یہ بات نہیں معلوم۔''

''اور خود نیلوفر کو بھی نہیں معلوم کہ صوفیہ اصل میں کس چیز سے ڈرتی ہے۔صوفیہ صرف افیئر ز کی داستانوں سے نہیں ڈرتی۔ وہ کرپشن کے ثبوتوں سے ڈرتی ہے۔''

''اور ہم وہ جانتے ہیں جو یہ دونوں نہیں جانتیں۔''

''ہم نہیں۔'' وہ مسکرایا۔ ''میں غیر اہم ہوں۔ یہ تمہارا مسئلہ ہے تالیہ۔صرف تم جانتی ہو جو یہ دونوں عورتیں نہیں جانتیں اور یاد رکھنا' یہ دونوں تمہاری دشمن ہیں۔''

''اسی لئے دولت اور صوفیہ نہیں چاہتے تھے کہ میں اس کتاب کے مسودے کو چراؤں۔وہ نہیں چاہتے کہ کوئی بھی اس کتاب کو پڑھے۔ میں بھی نہیں۔اس لیے انہوں نے مجھے کتاب کا خیال اس کے ذہن سے نکالنے کو کہا۔ کتاب چرانے کو نہیں۔''

''کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ تم ان کی دشمن ہو۔ کتاب صوفیہ کی کمزوری ہے اور وہ اسے تمہارے ہاتھ میں نہیں دیکھ سکتے۔''

تالیہ اٹھی اور دھیرے دھیرے چلتی کھڑکی کے قریب آ کھڑی ہوئی اور باہر بہتے پانی کو دیکھنے لگی۔ سہہ پہر نے ٹھنڈی سی چھایا طاری کر رکھی تھی۔مگر کوئی بھولی بسری کرن پانی پہ پڑتی تو اسے چمکا دیتی۔

''یہ کتاب اب نہیں رک سکتی مگر..... مگر میں اسے اپنے لئے استعمال کرسکتی ہوں۔''

وہ مسکرا کے اس کی طرف مڑی اور ایک عزم سے کہنے لگی۔

''مجھے یہ کتاب پوری کی پوری چوری کرنی ہے۔ یہ کتاب میرا لیوریج ہو گی۔ میں اگر یہ حاصل کرلوں تو صوفیہ مجھ سے ڈرے گی اور میں اس کتاب کے بدلے میں اس سے کچھ بھی مانگ سکتی ہوں۔ سب سے بڑھ کے...اپنی آزادی!''

''And you know how much I love blackmails!''وہ بھی مخصوص انداز میں مسکرایا تھا۔

☆☆=========☆☆

رات نیل کے پانی پہ پر پھیلائے ہوئے تھی اور بحری جہاز اپنی روشن کھڑکیوں کے باعث دور سے کوئی موم بتیوں کا کینڈل برا نظر آتا تھا جو سیاہ پانی پہ کسی نے جلتا چھوڑ رکھا ہو۔

اندر ہال نما ریستوران میں بھانت بھانت کی آوازیں' قہقہے اور شور پھیلا تھا۔ بار بی کیو کی مہک نے ساری فضا کو معطر کر رکھا تھا۔ ایسے میں ایک مرکزی گول میز پہ نیلوفر اپنی تین سہیلیوں کے ساتھ ہنستی' باتیں کرتی ڈنر میں مشغول تھی۔

ان کی میز کی پانچویں رکن الماس اونچی پونی والا سر جھکائے' عینک لگائے' کھانا کھاتے ہوئے بھی اپنے ٹیب پہ لگی تھی۔

کام کرتے کرتے الماس نے یونہی سر اٹھایا تو دیکھا' سامنے سیاہ اسکرٹ بلاؤز اور سفید ہیٹ والی تالیہ مراد چلتی آرہی ہے۔ وہ الماس کو دیکھ کے ذرا سا مسکرائی اور پھر نیلوفر کی طرف متوجہ ہو کے کہنے لگی۔

''مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔'' اس نے جھک کے نیلوفر کے کان میں کہا۔ نیلوفر جو کانٹے سے کچھ کھاتی' باتوں میں مصروف تھی' فوراً سے کانٹا اور نیپکین رکھ کے معذرت کرتی اٹھی۔

الماس کی عقابی نظریں ان دونوں کا پیچھا کرنے لگیں۔ تالیہ اس کی ماں کو ایک کونے میں لے گئی اور اب وہ دونوں وہاں کھڑی بات کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔

الماس نے پہلو بدلا۔ اردگرد کے شور ہنگامے سے بے نیاز اس کی ساری حسیات دور کھڑی نیلوفر اور تالیہ مراد پہ جمی تھیں۔

دفعتاً تالیہ وہاں سے جاتی دکھائی دی۔ البتہ نیلوفر وہیں کھڑی رہی' بے چینی سے اس نے کوٹ کی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔ اس کی ماں شدید پریشانی میں ایسا ہی کیا کرتی تھی۔ الماس تیزی سے اٹھی اور اکیلی کھڑی نیلوفر کی طرف لپکی۔

''کیا ہوا؟'' فکرمندی سے قریب آ کے سوال کیا۔

''یہ سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔'' نیلوفر سگریٹ لبوں میں دبائے لائٹر سلگا رہی تھی۔

''مگر ہوا کیا ہے؟''

''وان فاتح.... نے انکار کر دیا ہے۔ وہ میری کسی بھی قسم کی مدد نہیں کرنا چاہتے۔'' وہ سانس سے تمبا کو اندر کھینچتی تلخی سے بتا رہی تھی۔ وہ دن پہلے نیلوفر نے تالیہ سے کہا تھا کہ وہ فاتح سے کہے' وہ میڈیا پہ نیلوفر کی حمایت کا اعلان کرے اور اب تالیہ آ کے جوابی پیغام پہنچا رہی تھی۔

تالیہ نے ان ماں بیٹی کو دور سے گفتگو کرتے دیکھا اور پھر مسکرا کے آگے بڑھتی گئی۔

یہ مسکراہٹ عرصے بعد اس کے لبوں پہ دوبارہ عود آئی تھی جو ایک زمانے میں کون وومن تالیہ مراد کا خاصہ ہوا کرتی تھی۔ وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

اوپر عرشے پہ پول کے کنارے وہ ریلنگ کے ساتھ کھڑا تھا۔ پی کیپ پہنے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے' اندھیرے میں کھڑا جہان تاریکی کا حصہ لگتا تھا۔ ہیٹ والی لڑکی کو مسکراتے ہوئے آتے دیکھا تو ابرو تعجب سے اٹھائے۔

''کیا کر کے آ رہی ہو؟''

''نیلوفر کے لئے stakes مزید بڑھا کے آ رہی ہوں۔'' وہ ہیٹ ترچھا کر کے اس کو مسکرا کے دیکھ کے بتانے لگی۔ وہ البتہ اسی طرح مشکوک انداز میں اسے دیکھے گیا۔

''تم مختلف لگ رہی ہو۔''

''کیونکہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں دو شناختوں کے ساتھ نہیں جی سکتی۔'' وہ ریلنگ سے کمر ٹکائے کھڑی ہوئی اور طمانیت سے بتانے لگی۔'' وہ سب مجھے کون وومن ہی سمجھتے ہیں۔ جھوٹی تالیہ۔ دھوکے باز تالیہ۔ اب میں ان کو وہی بن کے دکھاؤں گی۔ جو تالیہ کو کرنا آتا ہے' وہ اس کی جان بچائے گا۔''

''مگر اب تم اپنی صلاحیتوں کو ایک اچھے کام کے لئے استعمال کر رہی ہو۔'' اس نے تصحیح کرنی چاہی۔

''اچھا کام؟'' تالیہ نے سوچتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ روشنی میں کھڑی تھی' البتہ لائٹ پولز کی روشنی جہان پہ نہیں پڑ رہی تھی۔ وہ تاریکی میں تھا۔ وہ دانستہ طور پہ تاریکی میں ہی کھڑا ہوتا تھا۔

''ایک عورت سے اس کی کتاب دھوکے سے حاصل کرنے میں اچھا کیا ہے؟''

''وہ اس کتاب کو کسی کی عزت خراب کرنے کے لئے استعمال کر رہی ہے۔ وہ اپنا ضمیر شیطان کو بیچ رہی ہے۔ تم اپنی کون گیم کے ذریعے اس آدمی کی عزت اور اپنی آزادی بچا سکتی ہو تو یہ اچھا کام ہوا نا۔''

وہ سوگوار سا مسکرائی۔'' جب سے میں نے یہ سوچا ہے کہ میں اس کے ذریعے خود کو بچا سکتی ہوں' ویسے نہیں جیسے صوفیہ نے وعدہ کیا تھا بلکہ اپنے طریقے سے...تو میرا دل مطمئن ہو گیا ہے۔''

اس کی بات پہ وہ مسکرا دیا۔

”آخری فتویٰ انسان کو اپنے دل سے لینا ہوتا ہے' تالیہ۔ آپ کا دل آپ کو اچھی طرح جانتا ہے۔“

تالیہ نے پر سوچ نظروں سے اسے دیکھا۔ ”تم میری مدد کیوں کر رہے ہو؟“

”کیونکہ میرے دوست نے مجھے تمہاری مدد کے لیے کہا تھا۔ دوستوں کے احسان اتارنے پڑتے ہیں۔“

”ہاں مگر کافی وقت ہے تمہارے پاس میرے لئے۔“ اس کی آنکھوں میں شک سا ابھرا۔

”آج کل اتفاق سے میرے پاس وقت تھا اس لئے.....“ اس نے شانے اچکا دیے۔

”تم جاسوس ہو' ہے نا۔“ اس نے اپنا شائبہ پھر سے دہرایا۔ ”کیونکہ صرف جاسوسوں کے پاس Hibernation period کے دوران کافی وقت ہوتا ہے۔“

وہ کچھ کہنے لگا' لیکن پھر شانے اچکا دیے۔ ”You got me۔ میں جاسوس ہی ہوں۔ بالآخر تمہیں معلوم ہو ہی گیا۔“

تالیہ ایک دم سیدھی ہوئی اور چند لمحے تعجب سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر گہری سانس لی۔

”یعنی تم جاسوس نہیں ہو۔ ورنہ اتنی آسانی سے اعتراف نہ کر لیتے۔“ وہ جیسے بدمزہ ہوئی تھی۔ ”تم یقیناً کوئی کون مین ہو۔ میری طرح کے اسکامر۔“

”تم اور تمہارے اندازے۔“ اس نے سر جھٹکا۔ وہ دونوں عرشے کی ریلنگ کے ساتھ کھڑے تھے اور پیچھے خاموش دریا بہہ رہا تھا۔

”تمہارا اصل نام کیا ہے؟ یقیناً جہان سکندر نہیں ہو گا ورنہ تم اتنی آسانی سے یہ نام استعمال نہ کرتے۔“

”بالکل۔“

”او تم سے شادی کی انگوٹھی گم ہو گئی ہے۔ تم بیوی سے ڈرتے ہو اس لیے تم نے نقلی انگوٹھی لے کر پہننی شروع کر دی ہے مگر نقلی انگوٹھی تم پہ تنگ ہے اور پسینے کے باعث اس کا اندر سے رنگ اترتا ہے۔ اس لیے تمہاری انگلی پہ نیلا سا دائرہ صورت نشان رہتا ہے۔ سنو... انگوٹھی کو گیلا نہ کیا کرو۔“ مخلصانہ مشورہ دیا۔ جہان نے جواباً جیب سے ایک کی چین نکال کے دکھایا جس کے چھلے میں اس نے انگلی ڈال رکھی تھی۔

کی چین کا رنگ بھی اتر اتر رہا تھا۔

”میری کوئی بیوی' کوئی فیملی نہیں ہے' تالیہ حاتم۔ یہ میرا کی چین ہے۔“ اس نے طنز سے جتایا۔ ”اور تمہیں مجھ پہ نہیں' خود پہ فوکس کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنی دوست سے بات کی؟“

''کرلوں گی۔واپس جا کے۔'' تالیہ نے اپنے ہر انداز ے کو غلط ثابت ہوتے دیکھ کے چہرہ پھیر لیا اور پانی کو دیکھنے لگی۔ آج چاند کے آگے بادل آ گئے تھے اس لئے دریا اندھیر اندھیر سا تھا۔

''کچھ مصیبتیں انسان پہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں۔ حادثات' غیر متوقع حالات' بیماری' موت۔ مگر اللہ فرماتا ہے کہ کچھ مصیبتیں ہم پہ ہماری وجہ سے ہی آتی ہیں۔''

وہ بولنے لگا تو تالیہ چہرہ موڑ کے اسے دیکھنے لگی۔ تاریکی میں کھڑے پی کیپ والے آدمی کا چہرہ نیم اندھیر سا تھا مگر اس پہ ایک نرم سا تاثر تھا جو اسے وہاں کم ہی دکھائی دیتا تھا۔

''اور کچھ مصیبتیں دوسرے انسانوں پہ ہماری وجہ سے آتی ہیں۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''صرف یہی کہ ہماری زندگیوں میں قدرت کی طرف سے پہلے ہی بہت امتحان ہیں۔ جن کا حل نکلنا ہمارے ہاتھوں سے باہر ہے اور ہم ان کے حل کے لئے دعا اور انتظار کرتے ہیں۔ بیماریاں' صدمے' موت' بری قسمت... ایسے میں کیا ضروری ہے کہ ہم انسان اپنے رویوں کی وجہ سے بھی دوسروں کے لئے مشکلات پیدا کریں؟''

''کیا ساری پریشانیاں دوسروں کے رویوں کی وجہ سے ہی نہیں پیش آتیں؟''

''ساری نہیں۔ اکثر۔ اگر ہم کوشش کریں تو یہ کم ہو سکتے ہیں۔''

''اچھا کیسے؟'' اس کا انداز چیلنجنگ تھا۔

''مجھے بتاؤ آج کے انسان کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟''

''پیسہ کمانا' اپنے خواب پورا کرنا' یا ناکامی کا خوف... مجھے نہیں معلوم۔ میں نے جو بھی کہنا ہے' تم نے اس کے الٹ ہی بتانا ہے۔''

''ٹینشن۔ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ٹینشن ہے۔ وہ ٹینشن جو دوسرے انسان اپنی تلخ کلامی یا ناراضی کی وجہ سے ہمیں دے دیتے ہیں۔ ہر روز ہمیں اردگرد کسی کی طرف سے ٹینشن ملتی ہے۔ ہم دوسروں کی کسی بات کو لے کر اپ سیٹ رہتے ہیں۔'' وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

(یہ پھر مجھے فکس کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔) مگر اسے اس دفعہ برا نہیں لگا تھا۔

''اور اس ٹینشن کا الٹ ہے دل کا سکون۔ جب کسی ناراض دوست یا فیملی ممبر سے صلح ہوتی ہے' تو کتنا سکون ملتا ہے دل کو ہے نا؟''

اس نے نہ چاہتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''تم بھی ٹینشن میں ہو۔تمہارے دوست بھی ٹینشن میں ہوں گے۔اس کو ختم کرو۔اور دل کا سکون ڈھونڈو۔ہم سب کو یہی کرنا چاہیے۔جو ہم سے ناراض ہیں یا جن سے ہم ناراض ہیں' ان کو منا کے' انہیں معاف کر کے ہمیں اس ٹینشن کو ختم کر دینا چاہیے اور زندگی کے اصل مقصد کی طرف فوکس کرنا چاہیے۔''

''اور اصل مقصد کیا ہے؟''

اس نے گہری سانس لی۔''اصل مقصد تو میرا' تمہارا' اس کرۂ پہ موجود ہر انسان کا ایک ہی ہے۔اپنے اصل کی طرف لوٹنا۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس سچی اور نیک فطرت پہ تخلیق کیا تھا' اس کی طرف واپس جانا اور اپنے کام سے دوسروں کو نفع پہنچانا۔''

چند لمحے کے لیے عرشے پہ خاموشی چھا گئی۔جہان کو لگا وہ اس کی بات پہ غور کر رہی ہے۔

''تم نے کہا کہ فیملی ممبرز سے صلح کر کے دل کو سکون ملتا ہے۔''وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے پوچھ رہی تھی۔

''بالکل ملتا ہے۔''وہ حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولا۔

''مگر تمہاری تو کوئی فیملی ہی نہیں ہے۔پھر تمہیں کیسے پتہ؟''

ساری گفتگو کا فسوں ٹوٹ گیا۔وہ بدمزہ ہو کے پیچھے ہوا۔

''الماس کو فون کرو۔اس سے بات کر کے ہی معاملہ کچھ آگے بڑھے گا ورنہ تم سے بات کرنا تو بے کار ہے۔''اور خفگی سے کہتا آگے بڑھ گیا۔

''میں تمہاری فیملی ڈھونڈ کے رہوں گی' یاد رکھنا۔''وہ پیچھے سے جتا کے بولی تھی۔اس نے بس مڑے بنا ہاتھ جھلایا اور آگے چلتا گیا۔

''الماس.....جنم.....کیسی ہو؟'' کچھ دیر بعد وہ دونوں تالیہ کے کمرے میں گول کھڑکی کے آگے صوفوں پہ بیٹھے تھے۔وہ خاموشی سے سن رہا تھا اور تالیہ.....بڑے مزے سے پیر اوپر کیے بیٹھی' کانوں پہ ہیڈ فون چڑھائے مائیک میں کہہ رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں' زینپ۔آپ سنائیں۔آپ کو وہ چیپٹرز کیسے لگے جو میں نے بھیجے تھے؟''

''کیسے لگے؟ یہ بھی کوئی سوال ہے' جنم؟ میں تو خود کو کسی ایلس کی طرح محسوس کر رہی تھی جو نیلوفر حاتم کے ساتھ ایک ونڈر لینڈ میں داخل ہو جاتی ہے.....سیاستدانوں کا ونڈر لینڈ جو اپنے تمام تر کرشماتی حسن کے باوجود چھوٹے قد والے لوگوں کی دنیا ہے۔''سیاہ لٹ کو انگلی پہ لپیٹتی وہ بڑے جذب سے کہہ رہی تھی۔

سامنے بیٹھے جہان نے ستائشی انداز میں ابرو اٹھائی۔ ''واہ...تم تو کافی authentic قسم کی liar ہو۔'' زیرِ لب بولا تھا۔ تالیہ نظر انداز کر کے فون پہ بولے گئی۔

''جو کچھ نیلوفر حانم نے برداشت کیا ہے' مجھ جیسی عورت تو نہ کر سکتی' الماس۔ تمہاری ماں بہت بہادر ہے اور اسی لئے میں چاہتی ہوں کہ ترکی کی لڑکیاں اس کتاب کو پڑھ کے انسپائر ہو سکیں۔''

''مجھے خوشی ہے آپ کو مام کی کتاب اچھی لگی۔ کیا آپ نے پبلشرز سے بات کی؟'' الماس خوش ہو گئی تھی۔ تبھی میم کی جگہ مام بول گئی۔

''ہاں میں پریزینٹیشن تیار کر رہی ہوں اور جیسے ہی وہ تیار ہو گی' میں پبلشرز کو دکھاؤں گی۔ یہ بھی ایک فارمیلٹی ہے' ورنہ وہ تو ہاتھوں ہاتھ کتاب لینے کو تیار ہوں گے۔''

''گریٹ۔ تو اب ہم نے کانٹریکٹ کب سائن کرنا ہے۔'' الماس بے چین لگتی تھی۔ جہان زیرِ لب مسکرایا۔ ''گڈ۔ وہ Desperate ہو رہی ہے۔ تمہارے لیڈر سے اس کو امید ختم جو ہو گئی ہے۔''

''ہمیں جلد سے جلد کانٹریکٹ سائن کر لینا چاہیے الماس کیونکہ پھر ہم نے کتاب کو ترجمے کے لئے بھی دینا ہے' اور مارکیٹ میں لانا ہے۔ میں آپ کو کانٹریکٹ ای میل کر دیتی ہوں' آپ سائن کر کے مجھے فیڈ ایکس کر دیں اور مسودہ مجھے ای میل کر دیں تا کہ....''

''نہیں زینپ۔ یہ اتنی حساس کتاب ہے' نیلوفر میم یوں کانٹریکٹ سائن نہیں کر سکتیں۔ فیس ٹو فیس ملے بغیر کانٹریکٹ کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔''

تالیہ اور جہان نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر وہ جلدی سے سیدھا ہوا اور اشارتاً کہا۔

''انکار مت کرنا ورنہ اسے شک ہو جائے گا۔''

تالیہ نے جلدی سے سر ہلایا۔ ''آف کورس الماس۔ یہ تو بہت اچھا آئیڈیا ہے۔ ایسی باتیں ملاقات میں ہی طے کرنی چاہیے ہیں۔ ہمارے لیگل نمائندوں کو آپس میں ملنا چاہیے۔ میں اپنے لیگل نمائندے کو مصر بھیج دیتی ہوں' وہ آپ کے وکیل سے مل کے کاغذات سائن کروا لے گا۔ میں جانتی ہوں نیلوفر بہت بزی خاتون ہیں' اٹس او کے اگر وہ خود نہیں مل سکتیں تو کوئی بات نہیں۔ آپ کا کوئی نمائندہ....''

وہ سوچ سوچ کے بول رہی تھی مگر الماس نے بات کاٹ دی۔

''چونکہ معاملہ بہت حساس ہے اس لئے نیلوفر میم خود ہی ملیں گی آپ کے نمائندے سے۔ اور خود ہی سارے معاملات طے

کریں گی۔ آپ مجھے بتائیں' آپ کا نمائندہ کب تک مصر آ سکتا ہے۔" وہ بہت نپے تلے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

جہان نے بے اختیار ماتھے کو چھوا اور کندھے جھٹکے۔ "اب؟"

"مجھے ایک منٹ دیں۔ میں اپنے باس سے پوچھ کے بتاتی ہوں۔" تالیہ نے فون بند کیا اور اس کو سنجیدگی سے دیکھا۔

"کوئی ترک آدمی ہے جس کو ہم اپنا نمائندہ بنا کے اس کے پاس بھیج سکیں؟"

"نہیں اور نہ ہی میں یہ رسک لے سکتا ہوں۔" اس نے دوٹوک انداز میں انکار کر دیا۔ "مجھے بھی وہ دیکھ چکی ہے اس لئے میں بھی یہ رول پلے نہیں کر سکتا۔"

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ وہ ماتھے پہ بل ڈالے سوچنے لگی۔

"سوری تالیہ لیکن وہ تم سے ملے بغیر معاہدے کے لیے راضی نہیں ہو گی۔ نہ تم کسی کو اپنی جگہ بھیج سکتی ہو۔ تمہارا پلان فیل ہو رہا ہے۔"

تالیہ نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔ "تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔"

"کیا؟"

"وہ کون سی مووی تھی جو اس دن ہم نے دیکھی تھی؟"

"کون سی؟" اس نے یاد کیا۔ "کاردشم نم؟ (میرا بھائی)۔" وہ حیران ہوا۔

"ہاں وہی۔" وہ مسکرائی اور کال ملا دی۔ الماس نے تیسری گھنٹی پہ فون اٹھایا۔

"آپ کی بات ہوئی اپنے باس سے؟"

"جی الماس جنم.... میری بات ہو گئی ہے۔ مولوت بے اس آئیڈیے سے اتفاق کرتے ہیں۔ ہمیں آپس میں مل بیٹھ کے اس امر کو طے کرنا چاہیے۔" وہ مائیک میں کہہ رہی تھی اور سامنے بیٹھا جہان اچھنبے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"گڈ۔ تو آپ کس کو بھیجیں گی اور کب تک؟" الماس بے چین تھی۔

"میں اپنے ایک ایجنٹ کو دو چار روز میں بھیج سکتی ہوں' یہ اتنا مسئلہ نہیں ہے' ایجنٹ معاہدہ لے کر آ جائے گا اور آپ سے سائن کروا لے گا۔"

جہان نے قدرے برہمی سے اس کو دیکھا اور دبی دبی آواز میں گھرکا۔ "تم کسی کو نہیں بھیج رہیں۔ یہاں کوئی کرایے کا ترک نہیں ملے گا اور تم پہ فراڈ کا کیس بن جائے گا۔"

مگر تالیہ مراد اس کو سنے بغیر مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

"ایجنٹ کو آنے میں تین چار دن ہی لگیں گے لیکن...." اس نے وقفہ دیا۔ مسکراہٹ گہری ہوئی۔ "مجھے یاد آیا کہ آپ تین چار دن بعد کینیڈا جا رہی ہیں۔ ہے نا۔"

"جی تقریباً چھے دن بعد۔ ہم نے فلائیٹ میں ردوبدل کی ہے۔"

"تو آپ ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ کینیڈا سے پہلے ترکی آ جائیں؟ میں آپ کو ائیر پورٹ سے پک کر لوں گی۔ آپ کی رہائش وغیرہ میرے ذمے ہو گی۔ آپ کو میں اپنی ایجنسی کا دورہ بھی کروا دوں گی' آپ میرے باس اور پبلشرز سے بھی مل لیجیے گا اور اپنی کتاب کے متعلق ہمارا سارا پلان دیکھ کے ہی آپ سائن کیجیے گا۔ اس سارے کام میں دو سے تین دن لگیں گے۔ آئی ہوپ آپ یہ تین دن ہمارے لئے نکال لیں گی۔"

جہان بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ مسکرا رہی تھی۔ دوسری طرف الماس لمحے بھر کو خاموش رہی' پھر بولی تو اس کی آواز میں خوشی تھی۔

"یہ تو بہت اچھا آئیڈیا ہے۔ میں میم نیلوفر سے بات کرتی ہوں مگر آئی ایم شیور ان کو اعتراض نہیں ہو گا۔" وہ خوشی چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"الماس جنم.... سنو.... ایک بات اور۔" وہ ذرا شرما کے بولی۔ "اگر تمہیں برا نہ لگے تو۔ کیا تم نیلوفر خانم سے ایک بات اور پوچھ سکتی ہو؟"

"جی جی۔ بتائیں۔"

"آپ کو ترکی بلانے کے پیچھے میری ایک خودغرضانہ خواہش بھی موجود ہے۔ دراصل ...." وہ مسکرا کے جھینپ کے بولی۔ "میری ایک بھانجی ہے۔ اس کا نام ...." سوالیہ نظروں سے اچنبھے سے خود کو دیکھتے جہان کو دیکھا تو وہ جلدی سے بولا۔ "عائشے .... عائشے گل۔"

"اس کا نام ہے عائشے گل۔ اس کی دو برس پہلے طلاق ہو گئی تھی مگر اب بالآخر اس کو دوبارہ سے جینے کا حوصلہ ملا ہے اور اس کی شادی ہو رہی ہے۔ عائشے بھی تمہاری ماں کی طرح ایک بہت مضبوط لڑکی ہے۔ بہت بہادر۔ اور میں اس کتاب کی پہلی کاپی عائشے کو ہی دوں گی۔ اس کی شادی ترکی کے ایک دورافتادہ گاؤں میں ہو رہی ہے۔" پھر سے سوالیہ نظروں سے جہان کو دیکھا تو وہ جلدی سے بولا۔ "ازمیر .... ازمیر کے آگے ...."

"ازمیر کے آگے ایک گاؤں ہے۔ ہم نے بائی روڈ اس کی شادی کے لئے وہاں جانا ہے۔ میں آپ دونوں کو اس شادی پہ انوائیٹ کرنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ کو برا نہ لگے تو آپ پلیز پورے ہفتے کے لئے ترکی آئیں اور اس شادی میں شرکت کریں۔

ہمارے گاؤں کے سادہ لوح لوگ آپ کو دیکھ کے بہت خوش ہوں گے۔''

''سوئیٹ' زینب۔میں ماما سے بات کروں گی۔''الماس جذباتی ہو کے پھر سے میم کہنا تک بھول گئی تھی۔اللہ حافظ کہہ کے اس نے فون بند کیا تو وہ اسے گھورے جا رہا تھا۔

''تم کیا کر رہی ہو؟''

''وقت.....وقت لے رہی ہوں۔''وہ سنجیدگی سے بولی۔''پانچ دن تک اس کو ٹال رہی ہوں۔مجھے اس سے یہ معاہدہ انہی پانچ دنوں میں سائن کروانا ہے۔''

''اور یہ اس ترک فلم والی شادی کی کہانی سنانے کا مقصد؟''

''مجھے نہیں معلوم تھا میں کیا بولے جا رہی ہوں۔بس جو کہانی گھڑ سکی' گھڑ دی۔''بے بسی سے کندھے اچکائے۔جہان نے ماتھے کو چھوا۔

''اُف لڑکی۔تم اس کو تر کی بلا رہی ہو۔یعنی اب تو وہ بالکل بھی معاہدہ پہلے سائن نہیں کرے گی۔''

''اسی لئے مجھے کچھ ایسا کرنا ہے جس سے وہ مجبور ہو جائے اور ترکی آنے سے پہلے ہی معاہدہ سائن کر کے مسودہ میرے حوالے کر دے۔''

''مگر کیا؟''وہ حیران بھی تھا اور قدرے پریشان بھی۔تالیہ مراد نے کندھے اچکائے اور شال کندھوں پہ لپیٹے اٹھ کھڑی ہوئی۔''وہ میں نے ابھی نہیں سوچا۔''

''تو جا کہاں رہی ہو؟''

وہ جو دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی' رکی اور پلٹ کے اسے دیکھ کے مسکرائی۔

''بہت ساری چاکلیٹ کھانے کیونکہ تالیہ کا دماغ اور دل چاکلیٹ کے ساتھ زیادہ اچھے سے کام کرتے ہیں۔تم کھاؤ گے ؟''

''نو تھینکس۔''وہ رکھائی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔اسے جیسے اس لڑکی کے انداز پہ غصہ آ رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

یہ کروز شپ کا ایک نسبتاً نیم تاریک ریستوران تھا جو مرکزی ڈائننگ ہال سے الگ بنا تھا اور یہاں ممنوعہ مشروبات کی فراہمی جاری تھی۔الکحول ویسے تو ممنوع تھی مگر منسٹری آف ٹورزم کے اپرووشدہ چند ہوٹلز میں سرو کی جاتی تھی۔چونکہ یہ شجرِ ممنوعہ پہ مشتمل ریستوران تھا'اس لئے اس میں بتیاں مدھم اور خوابناک رکھی گئی تھیں۔

ایسے میں کھڑکی کے ساتھ ایک کرسی پہ بیٹھی تالیہ اپنی پلیٹ کو دیکھ رہی تھی۔ پلیٹ پہ فاتحانہ انداز میں اپنے پورے قد سے کھڑا مولٹن چاکلیٹ کا لاوا کیک مسکرا رہا تھا۔تالیہ مراد جیسے کیلوریز گن گن کے کھانے والے لوگوں کے لئے اصل شجرِ ممنوعہ اس لاوا کیک جیسی اشیاء ہوتی تھیں۔ چاکلیٹ سے بنی میٹھی اشیاء جو حرام کا درجہ رکھتی تھیں' اسی لئے ان کو چکھنے کی خواہش اور تڑپ بے مثال تھی۔ اب بھی وہ چمچ پکڑے' اس کیک کو دیکھے جا رہی تھی۔

کیا ابھی بھی وقت ہے کہ رک جاؤں؟ یا کر گزروں؟

فون کی ٹون بجی تو وہ چونکی۔

ایڈم کالنگ۔

یہ اس کا پرانا فون تھا جو اس نے آج ہی وائی فائی سے کنیکٹ کیا تھا۔واٹس ایپ پہ اس کو تھوڑی دیر پہلے آن لائن دیکھ کے اس کا اسٹیٹس شاید روز چیک کرنے والا ایڈم کال کر رہا تھا۔

تالیہ نے دھیرے سے چمچ رکھا اور فون کو بجنے دیا۔ تاثرات سنجیدہ ہو گئے۔ سیاہ بالوں کو مانگ نکال کے چھوٹی پونی میں باندھے اکیلی بیٹھی لڑکی خفا نظر آتی تھی۔

ایڈم کے ساتھ بہت کچھ یاد آیا تھا۔

خزانے کی تلاش کا سفر....اور وہ چاکلیٹ کیک جو وہ سن باؤ کے گھر کے قریبی ریستوارن میں ان چھوا چھوڑ کے قدیم ملاکہ میں چلی گئی تھی...

.پھر قدیم ملاکہ کا جنگل...اور جنگل میں چکھے کوکو پھل میں چاکلیٹ کا ذائقہ....

واپس آ کے فاتح کی طرف سے ایڈم کے ذریعے بھیجے گئے چاکلیٹ.....

وان فاتح کو بی این کا صدر بنانے کے لئے جدوجہد کرنا....فاتح کا اس کے گھر کوکو پھل دیکھنا....

تالیہ کا مصر چلے آنا.....اور سامنے رکھا گرم گرم چاکلیٹ لاوا کیک....

چاکلیٹ ہر جگہ تھی۔

شجرِ ممنوعہ.....اس کی بھوک...تڑپ.....اور اس کو چکھنے کے بعد گلٹ کا احساس......

کال مسلسل آ رہی تھی۔تالیہ نے بٹن دبایا اور فون کان سے لگایا۔

''ہیلو ایڈم۔'' اس کا انداز سخت اور سنجیدہ تھا۔

''ہے تالیہ؟'' ایڈم کی حیرت بھری آواز سنائی دی۔ جیسے اسے خود بھی تالیہ کے کال اٹھانے پہ یقین نہ آیا ہو۔

"کس لئے فون کیا؟"

"آپ کہاں ہیں؟"

"دو ہفتے بعد تم پوچھ رہے ہو کہ میں کہاں ہوں؟" وہ سارا غصہ جو اسے لگتا تھا وہ اندر دبا چکی ہے وہ ابل ابل کے باہر آنے لگا۔

"ظاہر ہے میں آپ سے ہی پوچھوں گا۔ کوئی اور تو بتانے کو تیار ہی نہیں ہے۔ آپ کیسی ہیں؟"

"اگر تمہیں پرواہ ہوتی کہ میں کیسی ہوں تو تم دو ہفتے پہلے میرا حال پوچھتے' آج نہیں۔"

"میں نے آپ کو اتنی میلز کیں' اتنے میسیجز کیے..." وہ اس کے انداز پہ پریشان ہو چلا تھا۔

"اگر میری جگہ تم مسنگ ہوتے تو کیا تالیہ صرف ای میلز یا میسیجز کرتی' ایڈم؟" وہ دکھ سے بولی تھی۔ "نہیں۔ تالیہ تمہاری تلاش میں شہر کا ہر کونہ چھان مارتی مگر تالیہ اپنی کتاب کی تکمیل کے لئے ملاکہ نہ چلی جاتی۔"

"بے تالیہ... میں ..." وہ جیسے کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ تم سے کیا' کسی سے بھی نہیں۔" وہ دانت پہ دانت جمائے درشتی سے کہہ رہی تھی۔ "تم لوگوں نے میرا دل توڑا ہے۔ تم لوگوں نے مجھے اس وقت چھوڑ دیا جب مجھے تمہاری ضرورت تھی۔ میرے لئے کوئی نہیں آیا' ایڈم۔ کوئی بھی نہیں۔"

"وان فاتح نے کہا تھا کہ آپ حکومتی افسران کے ساتھ ہیں۔ وہ آپ کو ہم سے ملنے نہیں دے سکتے تھے اور..."

"اور تم نے کوشش بھی نہیں کی؟ تمہیں کیا لگا تھا وہ مجھے کسی گیسٹ ہاؤس میں مہمان کی طرح ٹھہرائے ہوئے ہوں گے؟ کیا تمہیں احساس نہیں ہوا کہ وہ مجھے کسی قیدی کی طرح قید خانے میں ڈالے ہوئے ہوں گے؟"

"قید خانہ؟ بے تالیہ... میں واقعی حیران ہوں۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ میں نے یہ سنا تھا کہ آپ بے شک ان کی تحویل میں ہیں مگر خیریت سے ہیں اور پھر پتہ چلا کہ آپ ان سے ڈیل کر کے باہر چلی گئی ہیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ..."

مگر وہ اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔ "مجھے اس سے غرض نہیں ہے کہ کسی نے تمہیں کیا کہا... تم نے "خود" کچھ نہیں کیا میرے لئے۔ تالیہ غائب تھی' تالیہ کی خبر تک نہیں آ رہی تھی اور تم سب نے گمان کر لیا کہ تالیہ بالکل ٹھیک ہے؟ مزے میں ہے؟ کسی نے میرے لئے انگلی تک نہیں اٹھائی۔" وہ درد سے بول رہی تھی۔ اس کو اس بات کا کتنا قلق تھا' اسے خود بھی ابھی معلوم ہو رہا تھا۔

"خبر تو صرف میرے لئے نہیں آئی تھی' بے تالیہ۔ وان فاتح کے لئے تو آپ کی طرف سے ساری خبریں موصول ہو رہی

تھیں۔آپ کے پاس ان کو چاکلیٹ کیکس بھیجنے کا وقت تھا تو مجھے کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ آپ قید ہیں؟ میں سمجھا تھا کہ آپ خود ہم سے رابطہ نہیں کرنا چاہتیں اور....''

''ویٹ....ویٹ....کون سے چاکلیٹ کیکس؟'' اسے لگا اس نے غلط سنا ہے۔

''چھوڑیں چاکلیٹ کیکس کو۔آپ کسی کو جو بھی بھیجیں' مجھے اس سے غرض ہونی چاہیے نہ مجھے کسی کو کمپیئر کرنا چاہیے۔میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ کی امیدوں پہ پورا نہیں اتر سکا۔میری جگہ آپ ہوتیں تو آپ مجھے ڈھونڈ نکالتیں کیونکہ آپ تالیہ مراد ہیں۔مگر میری صلاحیتیں آپ جیسی نہیں ہیں۔''

''نہیں'تم نے چاکلیٹ کیک کے بارے میں کیا کہا؟''اس کی سوئی وہیں اٹک گئی تھی۔

کیا اپنے سامنے رکھے کیک کی خوشبو اس کو غلط سننے پہ مجبور کر رہی تھی یا......؟

''نہیں کہنا چاہیے تھا۔مگر کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟یا جب آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو کیا ہم بات کر لیں؟ کیونکہ اگر مجھے اپنی کتاب کو آپ پہ فوقیت دینی ہوتی تو وان فاتح کے بارے میں جو باتیں مجھے معلوم ہوئی ہیں'ان کو شائع کر چکا ہوتا۔آپ کے دل کی پرواہ کیے بغیر۔مگر مجھے آپ کی فکر تھی۔آپ کو شاید میری نہ ہو۔پہلے آپ قید میں تھیں'ٹھیک ہے مگر اب نہیں ہیں۔آپ بھی کال کر سکتی تھیں۔اور شاید دوسرے دوستوں کو آپ کر بھی لیتی ہوں۔صرف ایڈم ہے جو ہمیشہ آپ کی بے اعتنائی کا شکار رہتا ہے۔یا شاید اب آپ کے نئے دوست بن چکے ہوں۔''وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔

''میں تمہاری سیلف پٹی والی باتیں نہیں سننا چاہتی۔اور ہاں...میں بالکل ٹھیک ہوں'خوش ہوں'مزے میں ہوں۔اور مجھے کسی دوست کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہاں پہ میرے پاس ایک زیادہ اچھا دوست ہے جو آزیبل بھی ہے اور خیال رکھنے والا بھی'اور وہ میرا ساتھ چھوڑ کے بھاگ نہیں جاتا'میرے لئے کوشش کرتا ہے'اور بدلے میں کچھ مانگے بغیر میرے مسئلوں کو فکس کرنے کی کوشش کرتا ہے۔''یہ کہہ کے اس نے کھٹاک سے فون رکھ دیا۔چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ پڑ رہا تھا اور لب بھینچ رکھے تھے۔غصہ'دکھ'بے بسی'سارے احساسات ایک ساتھ اندر ابل ابل رہے تھے۔

''آزیبل'کیئرنگ'مسئلوں کو فکس کرنے والا.....I am flattered''

آواز پہ وہ ایک جھٹکے سے مڑی تھی۔وہ بنا آہٹ کے کب ادھر آ کے کھڑا ہوا تھا'تالیہ کو احساس بھی نہیں ہوا اور اس کے الفاظ.....اس نے نیپکین مٹھی میں زور سے بھینچا۔

''کسی کی باتیں چھپ کے سننا انتہائی غیر اخلاقی حرکت ہے۔''اس کا چہرہ خفت سے مزید گلابی پڑنے لگا۔تیزی سے وہ نیپکین گود میں بچھانے لگی۔

وہ مسکراتے ہوئے سامنے والی کرسی پہ آ کے بیٹھا اور دوسرا نیپکین کھولا۔

''چھپ کے؟ میں تو درجنوں لوگوں کے سامنے یہاں آیا ہوں۔ خود ہی تو چاکلیٹ کے لئے انوائیٹ کیا تھا تم نے۔'' وہ کافی محظوظ نظر آتا تھا۔

''اور تم نے انکار کر دیا تھا۔'' اس نے بس اسے گھورا اور پلیٹ اپنی طرف کھسکالی۔

(اس آدمی کے جوتوں کی آواز کیوں نہیں آتی تھی؟)

''میں نے ارادہ بدل لیا کیونکہ تم خود ہی تو کہتی ہو' چاکلیٹ سے دماغ کام کرتا ہے۔ کین آئی؟'' مسکرا کے پوچھتے ہوئے جہان نے چمچ آگے بڑھایا اور اس سے پہلے کہ وہ روکتی' اس نے گول سے کیک میں چمچ گھسا دیا تھا۔

شاید اس کو توقع تھی کہ وہ اپنے چمچ میں کیک بھرلے گا.... اور صرف ایک کونے کو مجروح کرے گا۔

مگر وہ لاوا کیک تھا۔

ادھر جہان کے چمچ نے باریک دیوار میں دراڑ ڈالی.... ادھر کیک کی گول چار دیواری اور چھت دھڑام سے نیچے آ گری۔

اندر سے پگھلا ہوا چاکلیٹ لاوے کی صورت بہہ کے نکلنے لگا۔

''!Oops'' اس نے چاکلیٹ میں لتھڑا چمچ بے اختیار پیچھے کیا۔ مسکراہٹ غائب ہوئی اور فوراً سے نظریں اٹھا کے تالیہ کو دیکھا جس کا منہ اپنے کیک کے اس زوال پہ صدمے سے کھل گیا تھا۔

''سوری' یہ لاوا کیک تھا؟ دیکھنے سے تو نہیں لگ رہا تھا۔''

بے اختیار دونوں ہاتھ اٹھا دیے مگر وہ سرخ چہرے اور ماتھے پہ بل لئے اسے گھور رہی تھی۔

''تم نے میرا کیک توڑ دیا ہے؟'' اس کو صدمہ جانے کس بات کا زیادہ تھا۔

''کہہ رہا ہوں نا' سوری! تم خود چمچ مارتیں' تب بھی اسے ٹوٹنا ہی تھا۔'' اس نے سادگی سے کندھے اچکائے۔

''یہ میرا کیک تھا۔'' وہ دانت پیس کے غرائی۔ ''میں نے اسے خود توڑنا تھا۔ تم کسی لڑکی کا کیک اس کی مرضی کے بغیر کیسے توڑ سکتے ہو؟''

''ایک تو پتہ نہیں لڑکیاں اپنا کیک ٹوٹنے کو انا کا مسئلہ کیوں بناتی ہیں۔'' اس نے افسوس سے سر جھٹکا اور پھر کھنکھارا۔ ''وہ ابھی تم کیا کہہ رہی تھیں؟ آنریبل' کیئرنگ اور تیسرا لفظ کیا تھا؟''

''ویری فنی۔'' اس نے پلیٹ مزید قریب کی اور بہتے چاکلیٹ سے چمچ بھرا۔ ''میں صرف اپنے دوست کو تکلیف دینے کے لئے کہہ رہی تھی۔'' اور تیزی سے چمچ بھر بھر کے منہ میں رکھنے لگی۔

''شرمندہ مت ہو۔ مجھے راز رکھنے آتے ہیں۔'' پی کیپ کو مزید جھکاتا وہ مسکرا کے اٹھ گیا۔

''تمہاری یہ عادت بہت بری ہے' جہان بے۔'' تالیہ نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''کیک توڑنے والی؟ مجھے پتہ ہے۔''

''نہیں۔ بنا آہٹ کے کسی کے پیچھے کھڑے ہو جانے والی۔'' وہ جل کے بولی تھی۔

''واٹ ایور۔ بہر حال مجھے خوشی ہے تم نے پیچھے رہ جانے والوں سے رابطہ استوار کرنے کی کوشش کی۔ صلح کرنے والے کا غم ناراض رہنے والے سے کم ہی ہوتا ہے۔ تم اس فیصلے پہ کبھی نہیں پچھتاؤ گی۔''

وہ ہونہہ میں سر جھٹک کے تیز تیز کھانے لگی۔ گرم گرم مائع اس کے اندر جا کے اسے عجیب سے احساس سے روشناس کروا رہا تھا.....

دنیا میں چاکلیٹ اور محبت جیسی دوسری کوئی ممنوعہ شے اتنی لذیذ نہیں ہوتی شاید۔

☆☆==========☆☆

رات مزید گہری ہو رہی تھی۔ تالیہ کے کمرے کی گول کھڑکی سے باہر کا منظر واضح دکھائی دیتا تھا۔ پانی پہ چار پانچ کروز شپس اور چھوٹی کشتیاں ان کے ساتھ ساتھ تیرتی دکھائی دیتی تھیں۔ شپ ایک درمیانی اسٹاپ پہ پہنچنے کو تھا اور یہاں اس کو رکنا تھا۔ یہ esna کا مندر تھا اور شپ کے مسافروں نے اتر کے اس کا دورہ کرنا تھا۔

ایسے اسٹاپس پہ وہ عموماً شپ کے اندر ہی رہتی تھی' مگر پانی کی یہ قید بھی اب طبیعت کو اکتاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔

بندرگاہ ابھی دور تھی۔ منروا کروز دوسری کشتیوں کی ہمراہی میں دھیرے دھیرے اس جانب بڑھ رہی تھی اور تالیہ صوفے پہ پیر اوپر کیے بیٹھی کھڑکی سے باہر تیرتی روشن کشتیوں کو دیکھ رہی تھی جب دروازہ کھٹکا۔

''آ جاؤ۔'' اس نے باہر دیکھتے ہوئے قدرے نروٹھے پن سے کہا تھا۔

وہ بنا آہٹ کے اندر داخل ہوا۔ پھر دروازہ بند کر کے اس کے صوفے کے سامنے آیا اور کھنکھارا۔

''اچانک کیوں بلایا؟ خیریت؟''

تالیہ نے چہرہ موڑ کے انہی خفا نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کی پی کیپ غائب تھی' اور گہرے بھورے بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔ جیکٹ بدستور پہنی تھی اور ہاتھ جیبوں میں ڈالے تھے۔

''میں نیلوفر کے ساتھ کھیلے جانے والے کون گیم کو مزید وسیع کرنے جا رہی ہوں۔'' تالیہ نے پیر نیچے کیے اور ہیڈ فون اٹھا کے کانوں پہ پہنا' پھر لیپ ٹاپ اسکرین کو روشن کیا اور چند کیز دبائیں۔

''وہ کیسے؟'' وہ پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتا سامنے آکے بیٹھا اور دوسرا ہیڈ فون اپنے سر پہ پہنا۔

''اس چیز کے ذریعے جو ہر انسان کی کمزوری ہوتے ہیں۔ اس کے خواب۔'' وہ مسکرائی۔ ''میں نیلوفر کو ایک نیا خواب دکھانے جا رہی ہوں۔''

''اس کا خواب ترکی اور کینیڈا میں پبلش ہونا ہے جو زینب پہلے ہی پورا کر رہی ہے۔''

''ہاں لیکن اگر اسے کسی تیسرے ملک میں بھی پبلش ہونے کا خواب دکھایا جائے تو؟'' وہ چیلنجنگ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ ''ایشیاء کا ایک ایسا ملک میں جہاں کا میڈیا سنسنی بھری کتابوں کو اچھالنے میں ماہر ہے اور چونکہ وہ ملک غربت اور کرپشن کا شکار ہے اس لئے وہاں قوانین کمزور ہیں اور اس ملک کے پبلشرز کو قانونی مقدمات کا ڈر نہیں ہے۔''

''یہ تم میرے ملک کے بارے میں کہہ رہی ہو؟'' اس نے برہمی سے بھنویں بھینچیں۔

''میں انڈیا کی بات کر رہی ہوں۔''

جہان کے تنے تاثرات ڈھیلے پڑ گئے۔ ''اوہ شیور شیور۔'' اور وہ پیچھے کو ہو کے بیٹھ گیا جیسے تالیہ کو جو چاہے کرنے کی اجازت دے رہا ہو۔

''ہیلو؟'' الماس کی آواز اسپیکرز پہ ابھری تو تالیہ جہان کو دیکھتے ہوئے مسکرا کے بولی۔

''الماس جنم.... سو تو نہیں رہی تھیں؟ میرے پاس تمہارے لیے دو خبریں ہیں۔''

''نہیں نہیں زینپ.... نو پرابلم۔ آپ بتائیں۔'' وہ نہ صرف متوجہ تھی۔ بلکہ اسے زینپ کی آواز سن کے خوشی بھی محسوس ہوئی تھی۔

''میں نے ایک ترک مترجم سے بات کی ہے۔ آپ ترکی آ کے مسودہ ہمیں دیں گی تو ہم وہ اس کے حوالے کریں گے تاکہ وہ ترجمہ اسٹارٹ کر دے۔ وہ تین ہفتے میں اس کا ترجمہ کر دے گی اور چوتھے ہفتے ہم چھپائی کا کام شروع کر دیں گے۔'' کہتے ہوئے تالیہ نے ایک خاموش نظر اٹھا کے جہان کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''او کے ٹھیک۔ اور دوسری بات۔''

''دوسرا یہ کہ پینگوئن رینڈم ہاؤس انڈیا کا ایک سب ایڈیٹر دو دن بعد استنبول آ رہا ہے۔ وہ ہمارا بہت اچھا دوست ہے اور ہمارے ساتھ کافی پراجیکٹس کر چکا ہے۔ وہ آپ کی کتاب کے ہندی ترجمے میں انٹرسٹد ہے۔''

''اوہ یہ تو دلچسپ خبر ہے۔ مجھے کچھ اس کے بارے میں بتائیں۔''

''میں اس کو آپ کا نمبر دے دوں گی۔ آپ دونوں آپس میں کانٹیکٹ کر لیجیے گا۔ وہ کافی پروفیشنل ہے اور سب سے اچھی

بات یہ ہے کہ وہ بھی ہماری طرح تین ہفتوں میں (پھر سے جہان کو دیکھا) ترجمے کا کام مکمل کر کے چوتھے ہفتے میں چھپائی شروع کردے گا۔ایک ماہ بعد آپ کی کتاب منظرِ عام پہ آجائے گی۔''اس نے تیسری دفعہ جہان کو دیکھا تو وہ غور سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔تالیہ نے نظریں چرالیں۔

''زبردست۔پلیز آپ مجھے ان سے اِن ٹچ کروادیں۔''

''اوہ ہاں' چونکہ وہ انڈین ہیں تو وہاں defamation کے قوانین اتنے سخت نہیں ہیں۔اس لئے پبلشر آپ کے content پہ اعتراض نہیں کرے گا۔آپ کسی کے خلاف کچھ بھی لکھ کے چھپوا سکتی ہیں۔''

فون بند کر کے ہیڈ فون اتارے تو دیکھا' وہ اسے سوچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔تالیہ نے موبائل پہ اسٹاپ واچ لگائی' اور اسے میز پہ دونوں کے درمیان رکھ دیا۔سیکنڈز پانی کی دھار کی صورت تیزی سے اسکرین پہ گرنے لگے۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

''تم کال کے دوران مجھے بار بار ایسی looks کیوں دے رہی تھیں؟''

''میں نے کچھ کہا ہے کیا؟''شہزادی بے نیاز تھی۔

''نہیں مگر جب انسان کوئی کام ایک سے زیادہ دفعہ دہرائے تو وہ اتفاق نہیں ہوتا۔''وہ آگے کو جھکے غور سے اس کے تاثرات پڑھ رہا تھا۔تالیہ نے بے اختیار مسکراہٹ لبوں پہ روکی۔

''جو میں نے الماس سے کہا تمہیں اس میں کچھ بھی حیران کن نہیں لگا؟''

''مثلاً کیا؟''

تالیہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔''تم کسی رائٹر کے دوست نہیں ہو اس لئے نہیں جانتے کہ کوئی انٹرنیشنل پبلشر کبھی بھی نیلوفر کی کتاب چار ہفتے میں نہیں چھاپ سکتا۔''

''پرنٹنگ میں اتنی دیر تو نہیں لگتی۔''

''ایڈم کی وجہ سے مجھے ان باتوں کا اندازہ ہے۔الماس نے کسی حقیقی پبلشر کے ساتھ کام کیا ہوتا تو اسے بھی معلوم ہوتا کہ پبلشرز چھپائی میں پورا سال لگاتے ہیں۔''

میز پہ چلتی اسٹاپ واچ ریت کے زروں کی طرح وقت کو گرائے جا رہی تھی۔

''اوہ۔تبھی اس نے کہا تھا کہ جتنے پبلشرز نے اس کو آفر کی' ان کو کتاب کے مواد پہ اعتراض تھا اور الماس کو ان کی ٹائم لائن پہ۔''اسے یاد آیا۔

''بالکل۔نیلوفر کتاب کو ایک ماہ کے اندر لانچ کرنا چاہتی ہے۔روایتی پبلشرز سال لگا دیتے ہیں اس لئے اس کے لئے یہ تصور خوش آئند ہے کہ دو بین الاقوامی پبلشرز اس کی کتاب ایک ماہ کے اندر لے آئیں۔''

''پہلے تم اکیلی تھیں۔اب تمہارے ساتھ انڈین پبلشر بھی ہے یعنی تمہیں ناراض کرنے کا مطلب دو پبلشرز کو کھونا ہے۔تم نے اس کے لئے stakes بڑھا دیے ہیں۔گڈ۔''

''واہ۔تم میری تعریف کر رہے ہو؟''

''تم نے بھی تو کی تھی۔آنریبل' کیئرنگ' مسئلے فکس کرنے والا۔'' سادگی سے مسکرا کے جتایا گیا۔

الفاظ تھے کہ کڑوا مائع جو تالیہ کے اندر تک اتر گیا۔اس کے ماتھے پہ بل آ گئے اور منہ بن گیا۔

''You Wish!'' اور ہونہہ میں سر جھٹکا۔پھر موبائل اٹھا کے اسٹاپ واچ دیکھی۔''پندرہ منٹ مزید۔''

یہ اسے خاموش رہنے کا اشارہ تھا۔وہ کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔جہاں جہاز بندرگاہ تک پہنچ چکا تھا۔

رات کے اندھیرے میں بندرگاہ کی بتیاں تو جل ہی رہی تھیں' مگر دور....سامنے....دریا کے ایک کنارے ایک تاریخی مندر کی عمارت کھڑی تھی۔اس کے اندر باہر زرد قمقمے جگمگا رہے تھے۔تاریک رات میں یہ جگمگاتا قدیم مندر ایک دم سارے منظر کو سحر انگیز کر گیا تھا۔

''کل ہم باہر جائیں گے اور اس مندر کی تصاویر لیں گے۔'' وہ باہر دیکھ کے سوچتے ہوئے بولا۔

تالیہ نے اس کی بات نظر انداز کی۔(اس کا باہر جانے کو قطعاً کوئی ارادہ نہ تھا۔) اور ہیڈ فون پھر سے چڑھا لیے۔کال ملتے ہی وہ ایک دم چہرے پہ سوگوار تاثرات لے آئی اور بولی تو آواز ہلکی تھی۔

''الماس جنم....معذرت مگر میرے پاس دو بری خبریں ہیں۔''

جہان بے اختیار کمر سیدھی کر کے بیٹھا اور دونوں ابرو اٹھا کے اسے دیکھا۔وہ اداسی سے کہے جا رہی تھی۔''پہلی تو انڈین پبلشر کے بارے میں ہے۔بہت معذرت کہ میں نے اس کا ذکر ایکسائٹمنٹ میں کر دیا مگر اس کی پوری بات نہیں سنی تھی۔''

''اوہ۔تو وہ کتاب نہیں چھاپنا چاہتا؟'' الماس بجھ گئی تھی مگر ظاہر نہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ظاہر ہے کہ وہ چھاپنا چاہتا ہے مگر میں سمجھی کہ وہ ہندی ترجمہ چھاپنا چاہتا ہے۔یو تو ہماری ایجنسی بنیادی طور پہ بین الاقوامی مترجم کے ساتھ ڈیل کرتی ہے۔مگر....'' اس نے سرد آہ اندر کھینچی۔سامنے بیٹھا جہان اب مسکرا رہا تھا۔اس کی مسکراہٹ کبھی کبھی دیکھنے کو ملتی تھی مگر اس سے ظاہر تھا کہ وہ اس کا اگلا فقرہ سمجھ گیا ہے اور یہ کھیل اسے محظوظ کر رہا ہے۔

''مگر؟'' الماس کا سانس رک گیا۔

''مگر مسئلہ یہ ہے کہ وہ انگریزی ورژن ہی چھاپنا چاہتا ہے۔ اوریجنل۔ مگر وہ تو آپ لوگ ماشاءاللہ خود ہی چھاپ رہے ہیں تو میں نے اس کو یہ کہہ کے انکار کر دیا کہ ان کے پاس انگریزی کے لئے پہلے ہی پبلشر موجود ہے۔''

دوسری جانب چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ جہان اسی طرح مسکرا کے اسے دیکھے گیا۔ انگلیوں پہ وہ سیکنڈز کا کاؤنٹ ڈاؤن کر رہا تھا۔ تین.....دو.....ایک....

اور ایک پہ الماس بدقت بولنے کے قابل ہوئی۔ ''زینپ..... آر یو شیور وہ انگریزی ہی چھاپنا چاہتا ہے؟ اور وہ تین ہفتوں میں کتاب لے آئے گا؟'' وہ بمشکل اپنی آواز سے خوشی چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''جی کیونکہ انڈیا میں انگریزی کی کتابوں کی ریڈرشپ بہت اچھی ہے۔ مگر میں نے انکار کر دیا کیونکہ ظاہر ہے آپ.....''

''نہیں.....زینپ.....میرا مطلب ہے کہ یہ تو اچھی بات ہے اگر وہ انگریزی چھاپنا چاہ رہا ہے۔ ہمارے خود سے پبلش کرنے اور ایک نامور پبلشر کے پبلش کرنے میں بہت فرق ہوگا۔''

''الماس جنم.....میں آپ کو مخلصانہ مشورہ دوں گی۔ آپ انڈیا میں صرف ہندی ترجمہ چھپوائیں کیونکہ انگریزی ورژن انڈین پبلشر کو دینے کا مطلب ہے کہ پھر کوئی امریکی یا برٹش پبلشر آپ سے وہ کتاب نہیں لے گا۔''

''وہ کیوں؟''

''کیونکہ برٹش اور امریکی پبلشرز اپنی کتابوں کا ایک بڑا حصہ انڈیا بھیجتے ہیں۔ اور انڈیا اپنی کتابوں کو دوسرے ممالک میں اتنا پھیلا دیتا ہے کہ برطانیہ یا امریکہ کے پبلشرز اس کتاب کو نہیں لیتے.....''

''اس کا تو مطلب ہے کہ انڈین پبلشرز کا نیٹ ورک بہت وسیع ہے اور اگر وہ ہماری کتاب کو دوسرے براعظموں تک پھیلا سکتا ہے تو ہمیں پھر امریکی یا برٹش پبلشر کیوں چاہیے ہوگا؟'' الماس دبے دبے جوش سے کہہ رہی تھی۔

''ہاں یہ تو ہے مگر میری پروفیشنل رائے میں.....''

''نہیں زینپ.....آپ اس سب ایڈیٹر سے میٹنگ سیٹ کریں۔ ہم استنبول آ کے اس سے مل لیں گے۔ ہمارے لئے انڈیا میں کتاب چھپوانا زیادہ فائدہ مند ہے۔ اور ہاں دوسری بری خبر کیا تھی؟''

تالیہ نے گہری سانس لی اور اسی سوگواریت سے بولی۔ ''جس مترجم کو میں ہائر کرنا چاہتی ہوں' اس کے پاس صرف اگلے بارہ ورکنگ ڈے فارغ ہیں۔ پھر وہ امریکہ جا رہی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ ہم پرسوں سے کام شروع کر دیں۔ مگر آپ کے آنے میں ابھی پانچ روز ہیں۔ اب مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ اگر ترجمہ پانچ دن بعد شروع ہو تو سات دن میں وہ کیسے ختم ہوگا۔''

''کیا وہ سات دن میں نہیں مکمل کر سکتی؟''

''امپاسبل۔ یہاں فی گھنٹہ کے اعتبار سے کام ہوتا ہے اور کوالٹی کو برقرار رکھنے کے لئے وہ اس سے زیادہ جلدی نہیں کر سکے گی۔ مگر آپ کل ہی کل استنبول بھی نہیں آ سکتیں۔''

''میں.....اس بارے میں میڈم نیلوفر سے بات کروں گی۔ آپ انڈین پبلشرز سے بات کر لیجئے گا۔'' اس کا دماغ ابھی تک وہیں تھا۔

''شیور۔ میں بھی ترجمے کا کوئی حل نکالتی ہوں۔''

فون بند کر کے وہ مسکرا کے اسے دیکھ کے بولی۔ ''جانتے ہو بہترین Con کیا ہوتا ہے؟ وہ جس میں ٹارگٹ کو لگے کہ سارا آئیڈیا اس کا اپنا ہی تھا۔''

وہ مسکرا کے کھڑا ہوا اور کھڑکی کے پار دیکھا جہاں دور جگمگاتا ہوا مندر دکھائی دے رہا تھا۔

''کل ہم باہر جائیں گے اور اس مندر کی تصاویر لیں گے۔ اب تم مصر آئی ہو اور تمہیں میں اپنا شہر نہ دکھاؤں تو یہ آنریبل اور کیئرنگ رویہ نہیں ہوگا۔''

اب کی دفعہ تالیہ نے برا نہیں منایا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا تو وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

اس نے مندر جانے والی بات دو دفعہ دہرائی تھی۔

☆☆=========☆☆

صبح کی روشنی میں مندر کی بتیاں مدھم پڑ گئی تھیں۔ اس کے کھنڈراتی ستون زرد اور میلے سے لگتے تھے۔ سیاحوں کی ایک بڑی تعداد مندر کے احاطے میں بکھری تھی۔ زیادہ تر سیاح مختلف کروز شپس پہ آئے تھے۔ مگر کچھ ایسے بھی تھے جو براستہ سڑک یہاں پہنچے تھے۔ لوگ تصاویر اتارتے...وڈیو لاگز بناتے...گائیڈز کا رٹا رٹایا بیانیہ سنتے ہوئے گروپ کی صورت مندر کے اندر جا رہے تھے اور شاید صرف ایک وہی تھی جو اس بلند قامت عمارت کے باہر بور سی کھڑی تھی۔

اس نے سیاہ اسکرٹ کے اوپر شطرنج کی بساط جیسا چیک والا سیاہ سفید کوٹ پہن رکھا تھا۔ سفید ہیٹ کھلے بالوں پہ جما تھا اور ماتھے پہ بل تھے۔ گردن اونچی اٹھائے وہ ناقدانہ نظروں سے کھنڈر کو دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں قدیم زمانے کی چیزوں میں دلچسپی نہیں ہے؟'' وہ اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور آہستہ سے بولا تو تالیہ نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ پی کیپ پہنے' سن گلاسز لگائے' جیکٹ کی آستین پیچھے کو موڑے کھڑا مطمئن نظر آتا تھا۔

''نہیں۔ مجھے کوئی شوق نہیں ہے قدیم زمانوں میں واپس جانے کا۔''

''واپس جانے کی بات کون کر رہا ہے؟ میں تو اس کے اندر جانے کا کہہ رہا تھا۔''

''ایک ہی بات ہے۔ مجھے کوئی بھی ایسی چیز اپنے گرد نہیں پسند جو مجھے قدیم زمانے کی یاد دلائے۔''

''یونو... میری ورکشاپ سے دو گلیاں چھوڑ کے ایک سائیکاٹرسٹ کا کلینک ہے۔ میری مانو تو...''

''تم بور کیوں نہیں ہوتے؟'' وہ اکتا کے بولی تھی۔ ''ہم اتنے دن سے ایک کروز شپ میں مقید ہیں۔ میرے کمرے کی گول کھڑکی کے سامنے بیٹھ کے ہم سارے پلان بناتے اور ان پہ عمل کرتے جا رہے ہیں۔ ایک ہی منظر' ایک ہی ماحول سے تم تنگ نہیں آتے؟''

وہ سادگی سے مسکرایا اور کندھے اچکائے۔

''نہیں۔ کیونکہ میرے اندر تم سے زیادہ اسٹیمنا ہے۔''

مندر کے قریب وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے اور وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اور تمہارے اندر مجھ سے زیادہ دوسروں کی کمزوریوں پہ نظر رکھنے کی عادت بھی ہے۔ تمہاری کمزوری کیا ہے؟''

''اگر اسے ڈھونڈنا اتنا آسان ہوتا تو میں تمہارے ساتھ کام نہ کر رہا ہوتا۔'' پھر اس نے رخ موڑ لیا۔ ''تمہاری نیلوفر حانم ادھر آ رہی ہے۔ ساتھ الماس بھی ہے۔ میں اندر جا رہا ہوں۔ میرے پیچھے مت آنا۔''

تنبیہہ کر کے وہ آگے بڑھ گیا۔

پیچھے نیلوفر اور الماس چلتی آ رہی تھیں۔ نیلوفر اپنی دوستوں کے جھرمٹ میں ہنستی مسکراتی چل رہی تھی۔ البتہ الماس پونی والا سر جھکائے فون پہ ٹائپ کرتے ہوئے قدم اٹھا رہی تھی۔

''یہ تاریخی مندر اتنے یاد نہیں رکھے جائیں گے جتنی تم یاد رکھی جاؤ گی' نیلوفر!''

ان عورتوں کا گروہ تالیہ کے قریب ہی رک گیا تھا۔ کسی ایک نے خوش آمدی انداز میں نیلوفر کو سراہا تو اس کی گردن فخر سے مزید بلند ہو گئی۔ سرخ کوٹ اور ڈریس پینٹ میں ملبوس نک سک سے تیار نیلوفر نے مسکرا کے اس عمارت کو دیکھا۔

''میرے پاس صوفیہ رحمٰن سے بدلہ لینے کے بہت طریقے تھے۔'' وہ تفاخر سے گردن اٹھائے کہہ رہی تھی۔ اس کے بلو ڈرائی شدہ بال ہوا سے پیچھے کو اڑ رہے تھے۔ ''میں اس سے پیسے لے سکتی تھی' اس کی مخالف پارٹی میں شامل ہو کے اس کے خلاف تقریریں کر سکتی تھی' مگر نہیں....''

اس نے مسکرا کے اپنے گرد دائرہ صورت کھڑی عورتوں کو دیکھا۔

''میں کچھ بھی کرتی' اس کا اثر چند دن میں ختم ہو جاتا کیونکہ اپنی ذات پہ لگنے والا الزام لوگ برداشت کر لیتے ہیں' مگر مرے ہوئے باپ کی عزت پہ حرف آئے تو لوگ اس کھنڈر جیسے بن جاتے ہیں۔''

الماس نے فون سے سر اٹھایا اور مسکرا کے گفتگو میں حصہ لیا۔

''جو کتاب میری ماما نے لکھ دی ہے نا' اس کا اثر صوفیہ رحمٰن کی سات نسلوں تک جائے گا۔تصور کریں' کتاب شائع ہو گی داتو سری عبدالرحمٰن کے بیڈروم سیکرٹ ہر بچہ بڑا' منسٹر اور چپڑاسی تک پڑھ لے گا۔'' وہ محظوظ انداز میں عورتوں کے گروہ سے کہہ رہی تھی۔تالیہ چپ چاپ کھڑی سن رہی تھی۔

''صوفیہ کو آفس لے جانے والا ڈرائیور روز جن خاموش نظروں سے دیکھے گا.....وہ پارلیمان آئے گی تو اس کی پیٹھ پیچھے سیاستدان سرگوشیوں اور معنی خیز مسکراہٹوں سے جو کہیں گے....اس کی بچیاں اسکول جائیں گی تو گیٹ کے چپڑاسی سے لے کر اسکول کے بچوں تک' سب ان کو یہ بتائیں گے کہ تمہارا نانا یہ اور یہ کیا کرتا تھا۔'' وہ ایک نقشہ کھینچ رہی تھی۔

''کہتے ہیں انتقام وہ ڈش ہے جس کو جتنا ٹھنڈا کر کے پیش کیا جائے' اتنا بہتر ہوتا ہے۔''

قریب میں چند سیاح ان کی باتیں سننے رک گئے تھے۔مجمع لگتے دیکھ کے نیلوفر نے آواز مزید بلند کی۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ ہر سیاستدان کے حق میں یا خلاف ایک ایک باب شامل کر دوں' نگران کو پہلے سے مطلع کر دوں تا کہ وہ یہ فیصلہ کر لیں کہ ان کو میرا ساتھ دینا ہے..یا...(کنکھیوں سے تالیہ کو دیکھا) یا میرے خلاف چلنا ہے کیونکہ اس وقت ان سب کی عزت میرے ہاتھ میں ہے۔''

قریب کھڑے ایک معمر آدمی نے کانوں کو دو بار چھوا۔

''عزت ذلت خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہے' محترمہ۔اس کو انسانوں کو اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے۔''

''جب ایک ماہ بعد میری ماما سی این این اور بی بی سی پہ بیٹھ کے انٹرویوز دے رہی ہوں گی نا مسٹر' تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ہمیں کسی کی عزت کو ذلت میں بدلنے کے کتنے حربے آتے ہیں۔'' الماس تلخی سے چیخ کر کے بولی تو وہ آدمی سر جھٹکتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

تالیہ ابھی تک خاموش کھڑی ان دونوں کو دیکھ رہی تھی جو عورتوں کے جھرمٹ میں کھڑی' اونچی گردنوں سے چھوٹی باتیں کر رہی تھیں۔

اب تک تالیہ کو لگتا تھا کہ وہ پیسے اور انتقام کے لیے یہ سب کر رہی ہے اور اندر سے وہ دکھی ہو گی' اسے تکلیف بھی ہو گی۔مگر اسے اب اندازہ ہوا تھا کہ نیلوفر یہ سب لطف اٹھاتے ہوئے کر رہی ہے۔یقیناً اس نے وان فاتح کے بارے میں بھی ایک باب شامل کر لیا تھا۔جب کتاب آئے گی تو اس کے نازیبا الزامات ہر ٹاک شو میں دہرائے جائیں گے۔فاتح کے بچے سنیں گے۔صوفیہ کی بیٹیاں دیکھیں گی۔بڑے لیڈرز کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسی چھوٹی عورتوں کو براہ راست جواب نہیں دیا

کرتے۔ اور یہ عورتیں اسی چیز کا فائدہ اٹھا کے چند دن تک ان پہ کیچڑ اچھالتی رہتی ہیں۔ صوفیہ اور فاتح' دونوں کی فیملیز کو یہ کیچڑ چپ چاپ برداشت کرنا پڑے گا۔

وہ دونوں ابھی تک بول رہی تھیں مگر تالیہ سے مزید نہیں سنا گیا۔ وہ مڑی اور کھنڈر کی طرف بڑھ گئی۔

ہر اٹھتا قدم بوجھل ہو رہا تھا۔

لوگوں کا رش بڑھ رہا تھا۔ سورج کی چمک تیز ہو گئی تھی۔

تالیہ تیز تیز چلنے لگی۔ اس کے ماتھے پہ پسینہ آنے لگا تھا۔

سرما کی دھوپ بہت شدید تھی۔

وہ جلد از جلد اندر جا کے پناہ ڈھونڈنا چاہتی تھی۔

وہ نیلوفر کو جانتی تھی۔ اگر اس نے فاتح کے بارے میں کوئی باب لکھا تھا تو اس میں تالیہ کا ذکر بھی ہو گا اور جن الفاظ سے ہو گا... کیا اس کے بعد وہ اسی عزت سے بی این کے آفس جا سکے گی؟ وہ سب اس کو کیسی عورت سمجھیں گے؟ الزام لگانے والا بھلے ثبوت نہ دے' لیکن وہ لوگوں کے دلوں میں اپنی بات دہرا دہرا کے ضرور بٹھا دیتا ہے۔ یا اللہ... اس کی اتنے مہینوں کی کمائی عزت اب واقعی ایک عورت کے قلم کی محتاج تھی؟

کھنڈر باہر سے یوں تھا جیسے طویل برآمدہ ہو جو ستونوں کی مدد سے کھڑا ہو۔ وہ گم صم سی اس کی دیواروں کو دیکھنے لگی جو منقش تھیں۔ وہاں پتھروں میں Carving کے ذریعے تصویری کہانیاں رقم کی گئی تھیں۔ مگر تالیہ کو ان کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ ستونوں کے درمیان سے گزرتی آگے بڑھنے لگی....

(دولت اسے کہتا تھا کہ اس کی عزت حکومت کے ہاتھ میں ہے۔)

ستون بہت سے تھے اور ایسے لگتا تھا کبھی ختم نہیں ہوں گے...

(اگر وہ صوفیہ کا کام نہیں کرے گی تو وہ اس کے جرائم کو سرِ عام کر کے اسے رسوا کر دیں گے۔)

دیواروں پہ تصویریں ہی تصویریں تھیں۔ قدیم مصری باشندوں کے خاکے' جو ایک دوسرے کو کچھ کہتے دکھائی دیتے تھے ....فرعونوں کے خاکے.... منقش علامتیں.... نشانیاں.... پہیلیاں.....

(اور اگر وہ کتاب نہ روک سکی تو نیلوفر اس سے دوبارہ سر اٹھا کے بات کرنے کا فخر چھین لے گی۔ اس کی عزت ہر طرف سے مجروح ہوتی تھی۔)

اس نے گردن اٹھائی اور چھت کو دیکھا۔ وہ تصویری کہانیاں چھت پہ بھی نقش کی گئی تھیں۔ فرعونوں کی داستانیں....قدیم

زمانے کا سحر.... یا شاید.... کوئی ملعون سا اثر تھا...

اس کو وہ آواز پھر سے سنائی دینے لگی.....

گیلے جوتوں سے فرش پہ چلنے کی آواز.... اٹھتے قدم.... ایک..... دو.....

(میرے پیچھے مت آنا۔ میں اندر جا رہا ہوں)

اور اس سب میں پسِ منظر میں اس کی آواز گونجی تھی۔

وہ جہاں تھی، وہیں کھڑی رہ گئی۔

جہان نے مندر میں آنے کے بعد یہ بات تین دفعہ کہی تھی۔

وہ یونہی کہہ رہا تھا یا یہ جہان سکندر کی کوئی اور پہیلی تھی!

وہ تیزی سے اندر کو لپکی۔

زردختہ حال دیواروں سے بنی راہداریاں اندر کو جا رہی تھیں۔ یوں جیسے وہ کسی زیرِ زمین شہر میں آ گئی ہو۔

اندر اندھیرا تھا اس لئے جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں جو راستہ دکھاتی تھیں۔

قدیم ملاکہ کا تاثر.... اس کا خوف..... وہی ملعون سی فضا...

وہ متوحش سی ادھر ادھر دیکھتی راہداریوں میں آگے بڑھ رہی تھی.... اور پھر.....

یکے بعد دیگرے دو فائرز کی آواز آئی۔ وہ جہاں تھی، وہیں ششدر کھڑی رہ گئی، پھر اگلے ہی لمحے آواز کی سمت دوڑی۔

ایک کمرے میں جہاں کسی فرعون کی قبر تھی، بہت سے لوگ موجود تھے۔ یہ نیلوفر اور اس کی خواتین کا گروہ تھا۔ گائیڈ ہکا بکا کھڑا تھا، خواتین چیخ و پکار کر رہی تھیں، اور نیلوفر گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھی تھی۔ سینے پہ ہاتھ تھا اور چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ الماس اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے ششدر سی کھڑی تھی۔

''کیا ہوا؟'' وہ حواس باختہ سی اندر آئی۔

''معلوم نہیں کون تھا... مگر اس نے پستول اندر کیا اور فائر کھول دیا۔''

''وہ نیلوفر کا نشانہ لے رہا تھا۔ شکر کہ وہ بروقت نیچے ہو گئیں۔''

''کون تھا ؟ کسی نے اس کو دیکھا؟''

''نہیں۔'' نیلوفر نے جھرجھری لے کر نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے صرف اس کا پستول چوکھٹ سے نظر آیا۔''

''ماما...'' الماس سفید چہرے کے ساتھ ہراساں سی بولی۔ ''صوفیہ رحمٰن.... آپ کو مروانے کی کوشش کر رہی ہے۔''

وہ دنگ تھی۔ارد گرد کھڑے لوگ بھی حواس باختہ تھے۔کوئی پولیس کو کال کر رہا تھا' کوئی ادھر ادھر بھاگ رہا تھا۔

''بالکل۔یہ صوفیہ ہی ہے۔''

نیلوفر الماس کا سہارا لے کر اٹھی اور لباس پہ لگی مٹی جھاڑی۔چہرہ سفید تھا مگر بدقت اس نے گردن کڑائی۔

''وہ سمجھتی ہے کہ مجھے مروا دے گی تو کتاب نہیں چھپے گی۔''نیلوفر کی نظریں چوکھٹ پہ کھڑی تالیہ سے ملیں تو تالیہ فوراً بولی۔

''آپ ٹھیک ہیں'نیلوفر؟''

نیلوفر نے فق رنگت سے اثبات میں سر ہلایا۔''تم نے خود دیکھا صوفیہ کیسے میری جانی دشمن بنی ہوئی ہے۔'' اس نے تالیہ سے تائید چاہی تھی۔

''بالکل۔یہ تو حد ہوگئی ہے۔''وہ جلدی جلدی کہہ رہی تھی۔اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔''مجھے صوفیہ رحمٰن سے اس بے وقوفی کی توقع نہ تھی۔اب وہ آپ کو مروا بھی دیں تو کتاب چھپ ہی جانی ہے۔یعنی جب کتاب آپ کے گورے پبلشر کے پاس چلی گئی ہے....تو آپ کو مروانا بے سود ہے!''

اس نے نیلوفر کی چند دن پہلے کہی بات کا حوالہ دیا۔ابھی تک ہر جگہ نیلوفر نے یہی ظاہر کیا تھا کہ اس کی کتاب کوئی گورا پبلشر چھاپ رہا ہے۔

''ہاں۔بالکل۔'' نیلوفر نے بدقت اعصاب پہ قابو پاتے ہوئے کہنا چاہا۔الماس البتہ بالکل گم صم کھڑی تھی۔لوگوں کا رش بڑھتا دیکھ کے تالیہ دھیرے سے وہاں سے ہٹ گئی۔اس کا رخ بندرگاہ پہ کھڑی کروز کی جانب تھا۔

''کیا ایک دفعہ تم کوئی قدم اٹھانے سے پہلے مجھ سے مشورہ لے سکتے ہو؟ایک دفعہ؟''

وہ اپنے کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھولتی اندر داخل ہوئی تو حسبِ توقع وہ صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے آرام سے بیٹھا تھا۔اسے دیکھ کے سر اٹھایا۔

''نہیں۔''

وہ دونوں ہاتھ پہلوؤں پہ رکھے غصے سے تن فن کرتی اس کے سامنے آرکی۔

''تمہیں اس پہ گولی چلانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''سا کن...زینپ جم...وہ بلیکنس تھے۔''

''مجھے پتہ ہے وہ بلیکنس تھے مگر تم کم از کم مجھے اعتماد میں تو لے سکتے تھے۔''

جواب میں صوفے پہ بیٹھے آدمی نے سادگی سے مسکرا کے اسے دیکھا۔

"I like surprises. "

تالیہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ پھر سامنے والے صوفے پہ آ کے بیٹھی اور گہرا سانس لیا۔

"پوچھ سکتی ہوں کہ اس کا مقصد کیا تھا؟"

"تم کروز شپ میں بور ہو گئی ہو۔ میں تمہارا ٹائم بچا رہا تھا۔ اب یہ کون جلد مکمل ہو سکے گا۔"

"تم... تم میرے پلان کے مطابق کیوں نہیں چلتے؟" وہ زچ ہو گئی تھی۔ "کبھی تم الماس سے میری برائی کر دیتے ہو... کبھی تم پھولوں میں بگ ڈال کے ان کو بھیج دیتے ہو جو فوراً پکڑا جاتا ہے اور.." بولتے بولتے وہ رکی۔ چونک کے اسے دیکھا۔ "تم چاہتے تھے کہ وہ بگ پکڑا جائے۔ ہے نا؟"

وہ کچھ نہیں بولا۔ صرف مسکرا دیا۔

تالیہ نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔

"تم نے جان بوجھ کے اتنے lousy طریقے سے بگ بھیجا تھا۔ تم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون اس کو پکڑتا ہے۔ کون ہے جو نیلوفر کی ٹیم کا ہشیار لیلفا ہے۔" پھر خفگی سے اسے دیکھا۔ "مگر مجھے یاد پڑتا ہے کہ بگ پکڑے جانے پہ تم اچھے خاصے شرمندہ بھی تھے۔"

وہ اسی انداز میں مسکراتا رہا۔

"چیزیں وہ نہیں ہوتیں جیسی وہ دکھائی دیتی ہیں' تالیہ حانم۔ تم مجھے اتنا ہی جان سکتی ہو جتنا میں چاہوں' جیسے میں چاہوں۔"

پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ "الماس کو کال کرنے کا یہ بہترین وقت ہے۔"

طویل گھنٹی کے بعد فون اٹھا لیا گیا تھا۔ الماس کی آواز سے لگتا تھا کہ اسے سانس چڑھی ہوئی ہے۔ "جی زینپ؟"

"الماس جنم...... صبح بخیر۔ مجھے مترجم کے بارے میں بات کرنی تھی۔"

"ہاں جی۔ کیا فائنل ہوا مترجم سے؟"

"وہ کل سے کام شروع کر سکتی ہے۔ لیکن تاخیر کی تو وہ ترجمہ نہیں کرے گی۔ دوسرے کسی مترجم پہ مجھے اتنا بھروسہ نہیں ہے۔ اگر میرے پاس مسودہ ہوتا تو میں کل یہ کام شروع کروا دیتی لیکن....." وہ سوگواریت سے کہہ رہی تھی۔ "مجھے نہیں لگتا کہ ہم وقت پہ اس کتاب کا ترکش ترجمہ لا سکیں گے۔ شاید آپ کے الیکشن کے بعد...."

"زینپ.... بات سنیں۔" الماس پھولے تنفس کے درمیان قطعیت سے بولی۔ تالیہ نے پلکیں اٹھا کے جہان کو دیکھا جس نے ہونٹ گول کر کے زیر لب کہا تھا۔ "Told you!"

''زینپ اگر آپ ایک نان ڈسکلوژر اگریمنٹ اور کانٹریکٹ بنا کے اس کو notarized کروائیں' اس پہ اپنے اور اپنے باس کے سائن لیں' ساتھ میں اپنے اور باس کے پاسپورٹ کی کاپیز اٹیچ کر کے مجھے بھیج دیں تو میں مسودہ آپ کو ترکی آنے سے پہلے دے دوں گی۔''

''اوہ...وہ تو میں کر دوں گی الماس' لیکن یہ کاغذات فیڈ ایکس کرنے میں بھی دو سے تین دن....''

''آپ فیڈ ایکس مت کریں۔ ہم ویسے بھی کروز پہ ہیں۔ آپ مجھے ان کی scanned کاپی بھیج دیں۔ میں آپ کے دستخط شدہ کاغذات دیکھ لوں تو مسودہ آپ کے حوالے کر دوں گی۔'' وہ سمجھداری سے کہہ رہی تھی۔

تالیہ مراد نے کھل کے گہری سانس لی۔ ''ڈن۔ میں شام تک ڈاکومنٹ نوٹرائزڈ کروا کے بھیجتی ہوں۔ چند گھنٹے لگیں گے۔ مگر مترجم نے آنا ہے اور....''

''صبح سے پہلے مسودہ آپ کے ڈیسک پہ ہوگا۔'' وہ قطعیت سے بولی تھی۔

کال ختم ہوئی تو چند لمحے وہ دم سادھے بیٹھی رہی۔ مسکراہٹ بھی یوں چہرے پہ ثبت تھی جیسے وہ مسکراتے ہوئے برف کا بت بنی ہو۔ پھر بے اختیار اس نے سینے پہ ہاتھ رکھا۔ برف کے مجسمے کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ...وہ مان گئی۔ فائنلی.....فائنلی.....کتاب ہمارے ہاتھ لگنے والی ہے۔'' وہ بدقت بول پائی۔

''اس کی جان کو خطرہ ہے۔ وہ اس کتاب کا بوجھ مزید نہیں اٹھانا چاہتی۔ وہ ابھی فوراً ٹویٹ کر کے دنیا کو بتائے گی کہ کتاب وہ ایک سے زیادہ پبلشرز کو بیچ چکی ہے تاکہ اس کی جان لینا صوفیہ کے لئے بے سود ہو۔''

''ہاں مگر اس پہ گولی چلانا بری بات تھی۔ میں آتشی اسلحے کے ساتھ کبھی کام نہیں کرتی۔''

''اتنے لمبے مکالمے مت بولو اور کانٹریکٹ کا سوچو۔ ایک ترکش قانونی اعتبار سے فول پروف کانٹریکٹ تمہیں گوگل پہ نہیں ملے گا۔''

جواب میں تالیہ نے چہرے پہ خوش آمدی مسکراہٹ سجائی اور آگے ہوئی۔

''تھینک یو۔ تمہاری وجہ سے کام بہت آسان ہوا۔ اچھا سنو.....تم کسی ترک وکیل کو جانتے ہو گے جس ہمیں کانٹریکٹ بنا دے؟''

''ڈونٹ بی کیوٹ۔ میں کبھی ترکی نہیں گیا۔ اور میں کسی ترک وکیل کو نہیں جانتا۔'' رکھائی سے کہہ کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''کانٹریکٹ تم خود بناؤ گی۔ یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ باقی اس پہ نوٹری کی مہر' جعلی دستخط' پاسپورٹ کاپیز' وہ میں بنا لوں گا۔ مگر کانٹرکٹ میں کیا لکھنا ہے' یہ تمہارا مسئلہ ہے۔''

پل بھر میں وہ ازلی بے نیاز انسان بن چکا تھا۔ یہ کندھے اچکائے اور یہ وہاں سے نکل گیا۔ تالیہ نے مصنوعی خوش اخلاق ترک کر کے خفگی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

ایک دن کے اندر بنا بنایا کانٹریکٹ اسے صرف ایک شخص سے مل سکتا تھا اور اس شخص کو کال کرنے کے لئے اپنی انا پہ پیر رکھنا ضروری تھا۔

"وعلیکم السلام بے تالیہ..... آپ کی ناراضی ختم ہوگئی؟"

وہ جہاز کے عرشے پہ بچھی مصنوعی گھاس پہ کھڑی تھی۔ فون کان سے لگا رکھا تھا اور ماتھے پہ بل تھے۔ شپ پھر سے چل پڑا تھا اور تیز ہوا اس کے بالوں کو پیچھے کی طرف اڑا رہی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ خشک سے انداز میں بولی۔ "جتنے گلے مجھے تم سے ہیں' اتنے ہی تمہیں مجھ سے ہیں۔"

"مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ بلکہ میں معافی چاہتا ہوں۔ آپ کے لئے مجھے اس سے زیادہ کرنا چاہیے تھا مگر میں واقعی سمجھا تھا کہ آپ ٹھیک ہیں اور اپنی مرضی سے حکومتی افسران کے ساتھ ہیں کیونکہ آپ وان فاتح کو وہ کیک بھیج رہی تھیں اور..."

"ایک منٹ...ایک منٹ!" سنہری دھوپ میں کھڑی تالیہ کی آنکھیں اچنبھے سے چھوٹی ہوئیں۔ "کون سے کیکس؟"

"نہیں مجھے گلہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ آپ میرے انٹرویوز نہ دیکھیں' میری بک لانچ میں شرکت نہ کریں' میرے...."

"چھوڑو اپنے غموں کو۔ مجھے بتاؤ کون سے کیکس؟" وہ ایک دم فون میں دھاڑی۔ ایڈم لمحے بھر کو ہکا بکا رہ گیا۔ اس کا انداز یکا یک قدیم ملاکہ کی شہزادی والا ہو گیا تھا جو شاہی مورخ کا ہاتھ کٹوا سکتی تھی۔

"وہ.....وہ آپ ہر روز وان فاتح کے گھر کیک بھیجتی ہیں نا۔"

"نہیں' ایڈم۔ میں ان کو کیوں کیک بھیجوں گی؟" وہ چونکی۔ "کوئی میرے نام سے ان کو کیک بھیج رہا ہے کیا؟ تمہیں کیسے معلوم؟"

"ہمیں شک تھا کہ آپ کم از کم وان فاتح سے رابطے کی کوشش کریں گی اور تحقیق کروانے پہ پتہ چلا کہ آپ ان سے کیکس کے ذریعے رابطے میں ہیں۔ تبھی تو ہمیں لگا کہ آپ ٹھیک ہیں۔"

"اور تم نے یقین کر لیا؟ کوئی کسی کے نام سے کچھ بھی بھجوا سکتا ہے آج کل۔"

"نہیں۔ داتن نے چیک کیا تھا۔ آپ کے کریڈٹ کارڈ سے آرڈر پلیس ہوا تھا۔ اور ہر روز آپ نیا آرڈر کرتی تھیں۔ کیا یہ آپ نے نہیں کیا؟" وہ خود بھی پریشان ہو گیا۔

''آف کورس نہیں۔شاید یہ دولت صاحب کی کوئی چال ہو۔''

''مسز عصرہ نے ٹویٹ بھی کیا تھا ایک دن آپ کا کیک۔آپ کا نام لکھ کے۔آپ نے نہیں دیکھا؟''

''عصرہ....یہ ضرور عصرہ بیگم کا کوئی چکر ہے....اور اس نے مجھے ٹویٹر سے بلاک کر رکھا ہے۔میں دوسری آئی ڈی سے دیکھ لیتی اگر مجھے عصرہ کو اسٹاک کرنے میں دلچسپی ہوتی۔''اس کے ماتھے پہ شکنیں پڑ گئی تھیں۔''سنو....تم داتن سے کہو' وہ ان کیکس کو ٹریک کرے اور.....''

''چے تالیہ آپ کو داتن سے خود بات کرنی پڑے گی کیونکہ آپ تعلقات درست کیے بغیر پہلے جیسے روابط کی توقع نہیں کر سکتیں۔''وہ قطعیت سے بولا تو وہ چپ ہو گئی۔چند لمحے کے لیے اسے سب بھول گیا تھا۔

''مگر میں اپنے طور پہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں کیونکہ میرے اور آپ کے تعلقات میرے خیال میں درست ہو چکے ہیں۔''وہ شاید مسکرایا تھا۔

وہ مسکرائی نہیں۔مگر اسے غصہ بھی نہیں آیا۔بس اداسی سے دور تک سانپ صورت پھیلے نیلے دریا کو دیکھے گئی۔

''چے تالیہ۔''اس کی خاموشی پہ وہ سادگی سے بولا۔''کیا نئے دوست ہم سے زیادہ اچھے ہیں؟''

''وہ تو میں نے یونہی کہا تھا۔''جلدی سے بولی اور ادھر ادھر دیکھا۔شکر وہ پیچھے نہیں کھڑا تھا۔

''اوکے۔''وہ جیسے مسکرا دیا تھا۔''میں کیکس کا راز پتہ کرتا ہوں۔اور آپ.....''

''ایڈم مجھے وہ کانٹریکٹ چاہیے جو ترکش ایجنسی نے تمہیں بھیجا تھا۔وہ تمہارے پاس ہوگا ای میل میں' ہے نا؟''وہ تیزی سے بولی تو ایڈم لمحے بھر کو چپ رہ گیا۔

''تو آپ نے مجھے کام کے لئے فون کیا تھا؟''

''ظاہر ہے' کام کے لئے کیا تھا' ورنہ تم اتنے انٹرسٹنگ انسان نہیں ہو جو کوئی تمہیں گپ شپ کے لیے کال کرے۔''

وہ جل کے بولی تو وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

''کام بھی انہی کو کہا جاتا ہے جن پہ مان ہوتا ہے۔میں اسی پہ خوش ہوں۔کانٹریکٹ ای میل کر رہا ہوں۔یہ میری پہلی ای میل ہوگی جو اتنے عرصے میں آپ پڑھیں گی۔''

(ای میلز۔) وہ چونکی تھی۔ایڈم نے فون بند کر دیا تھا اور تالیہ....وہ پول کے کنارے ایک چیئر پہ آ بیٹھی اور اپنی ای میل کھولنے لگی۔ڈیلیٹڈ فولڈر میں تمام ای میلز موجود تھیں جو اتنے دن سے وہ مٹائے جا رہی تھی۔اس نے پریشانی اور اداسی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ان کو کھولنا شروع کیا۔

داتن اسے بتا رہی تھی کہ وہ اس کے لئے فکر مند ہے۔ مگر اس نے معلوم کیا ہے کہ وہ وان فاتح کو کیک بھیجتی ہے' یعنی وہ ٹھیک ہے۔ لیکن وہ داتن سے رابطہ کیوں نہیں کر رہی؟ اس کی ہر ای میل انہی اداس سوالوں سے پُر تھی۔

ایڈم بھی انہی کیکس کی بات کر رہا تھا۔ وہ اسے اپنی کامیابیاں بھی بتا رہا تھا۔ یہ بھی کہ فاتح اس کے گھر جاتا تھا۔ اور یہ بھی کہ ایڈم اسے اپنی زندگی میں واپس دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ کب آئے گی؟

اور فاتح.... اس کی ای میلز کم تھیں اور مختصر بھی اور ان میں یہی ایک بات تھی۔ کہ وہ اسے کیکس کیوں بھیجتی ہے؟ یہ کوئی ناراضی ہے؟ یا غصے کا اظہار؟ وہ بغیر بتائے ملک سے باہر چلی گئی' کیوں؟ وہ اس کی واپسی کا منتظر ہے۔ اور وہ اسے مزید خط نہیں لکھے گا۔ مگر وہ یہ ضرور چاہتا ہے کہ وہ صوفیہ کی کسی بات کا اعتبار نہ کرے۔ صوفیہ دیانتدار عورت نہیں ہے۔

دوپہر اس کے گرد پگھل رہی تھی اور وہ سرما کی دھوپ میں جہاز کے عرشے پہ گم صم سی بیٹھی تھی۔

وہ ان ای میلز کو اس لئے نہیں پڑھنا چاہتی تھی کہ وہ اس کا دل موم کر دیں گی۔ پیچھے رہ جانے والوں سے بندھی ڈور اسے ایک دفعہ پھر کمزور کر دے گی اور وہ اپنے کام پہ فوکس نہیں کر پائے گی۔ مگر انہیں پڑھنے کے بعد دل تو کیا روح تک اداس ہو گئی تھی۔

اسے یہ ای میلز نہیں پڑھنی چاہیے تھیں۔ اسے پیچھے والوں سے ابھی تک ناراض رہنا ہے۔ اسے ان کی کوئی بات نہیں سننی۔

تالیہ نے کانٹریکٹ جہان کو فارورڈ کر دیا اور پھر چیئر کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ اوپر چھتری تنی تھی جو اسے تیز دھوپ سے بچا رہی تھی۔ اس نے ہیٹ چہرے پہ رکھ کے آنکھیں موند لیں اور خود کو نیند کے دریا میں اترنے دیا..... نیچے.... اور نیچے..... پانی اس کے کندھوں تک آ گیا.... اور پھر سر کے اوپر....

وہ سرما کی دھوپ میں سو چکی تھی۔

اس کے خواب عجیب سے تھے۔ گزشتہ دنوں کے تمام واقعات ان میں دکھائی دے رہے تھے۔

نیلوفر' الماس' دولت..... وہ جیل..... اور پھر یکایک منظر بدلا.....

لکڑی کا فرش تھا.... اس پہ دو سفید پیر جوتوں میں مقید نظر آ رہے تھے..... کالے ربڑ کے جوتے..... جو گیلے تھے..... فرش پہ اردگرد پانی کے قطرے بھی گرے تھے..... داہنے پیر کے ٹخنے پہ کمان صورت کھرنڈ بنا تھا... زخم پرانا تھا.... اور وہ پیر پیچھے کو اٹھ رہے تھے.... گیلے جوتوں سے چیں چیں کی آوازیں آ رہی تھیں.....

ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی۔ ہیٹ نیچے جا گرا۔ وہ چیئر پہ سیدھی ہو بیٹھی۔

اس نے نہیں دیکھا کہ ہیٹ کو ہوا کا تیز جھونکا اڑا کے سوئمنگ پول پہ لے جا کے پٹخ رہا ہے۔ وہ بس عجیب خوف کے عالم

میں اٹھی اور نیچے جاتے زینے کی طرف لپکی۔

وہ ان پیروں کو پہچانتی تھی.... وہ ان جوتوں کو بھی پہچانتی تھی.....

وہ تیز دھوپ سے اندر زینے کی طرف آئی تھی تو یہاں اندھیرا سا تھا۔ بصارت کو ایڈجسٹ ہونے میں کچھ دیر لگنی تھی۔ تالیہ نے اندھا دھند زینے اترنے چاہے۔ پیر کو ٹھوکر آئی اور وہ منہ کے بل آگے کو گری۔

بروقت ریلنگ تھام لی مگر چوٹ لگ چکی تھی۔

وہ وہیں زینے پہ بیٹھتی چلی گئی اور دائیں پیر کو اٹھا کے دیکھا۔

ٹخنے پہ ریلنگ کے کسی نوکیلے حصے سے کٹ لگ گیا تھا۔

سرخ کمان کی صورت کا کٹ۔ اس میں سے خون رس رہا تھا اور وہ بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ہر زخم پہ کھرنڈ بنتا ہے۔ چند دن میں اس پہ بھی بن جائے گا۔ اور پھر؟ پھر کیا ہونے جا رہا تھا؟

☆☆=========☆☆

سہہ پہر اتر رہی تھی اور وہ چپ چاپ اپنے کمرے کی گول کھڑکی کے آگے صوفے پہ بیٹھی تھی۔ دائیں پیر پہ پٹی بندھی تھی۔ اور چہرہ بے تاثر تھا۔

سامنے پی کیپ والا آدمی لیپ ٹاپ گود میں رکھے بیٹھا کیز پریس کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"یہ کانٹریکٹ کافی اچھا تھا۔ اس میں جو قانونی طرز کی ترک اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں وہ ہم خود سے نہیں بنا سکتے تھے۔" کہتے ہوئے اس نے اسکرین سے نظر اٹھا کے تالیہ کو دیکھا۔ وہ گم صم سی بیٹھی تھی۔ نظریں اپنے زخمی پیر پہ تھیں۔

"tetnus شاٹ لگوایا تھا؟"

تالیہ نے نظریں اٹھائیں اور سر کو اثبات میں جنبش دی۔ بولی کچھ نہیں۔

"کانٹریکٹ کو میں نے edit کر دیا ہے۔ اس کے امیج بنا کے کنارے پیلے کر دیے ہیں تاکہ یہ scanned تصاویر لگیں۔ زینپ اور مولوت بے کے دستخط بھی ڈیجیٹلی کیے ہیں مگر یوں لگتا ہے کہ ہاتھ سے کیے ہوں۔" وہ فخر سے بتا رہا تھا۔

تالیہ نے پھر سے اپنے پیر کو دیکھا۔ (ایسا زخم کتنے دنوں میں کھرنڈ میں تبدیل ہوتا ہے؟)

"میں نے دونوں دستخط نیلے رنگ میں کیے ہیں مگر ایک بال پوائنٹ والے رائل بلیو اور دوسرے کو ڈارک بلیو میں کیا ہے۔ لٹریری ایجنسی کے دو اہم عہدیدار اب ایک ہی قلم تو استعمال نہیں کریں گے۔ اور ہاں.... دونوں دستخطوں میں سیکنڈ نیم بڑے حروف میں لکھا ہے کیونکہ ترک اپنا دوسرا نام (سرنیم) ہمیشہ بڑے ہجوں میں لکھتے ہیں۔"

وہ اسی طرح چپ چاپ بیٹھی رہی تو اس نے لیپ ٹاپ میز پہ رکھا اور آگے ہو کے بیٹھا' پھر غور سے اس کی آنکھوں کو دیکھا۔

''ٹھیک ہے۔تم میرے کام کی تعریف نہ کرو۔ مجھے پتہ ہے تم میری غیر موجودگی میں یہ کام کر دو گی' لیکن کوئی مسئلہ ہے کیا؟''

''یہ میرا PTSD نہیں ہے۔''وہ اپنے زخمی پیر کو دیکھ رہی تھی۔

''ہر PTSD کا شکار شخص یہی سمجھتا ہے۔''

''نہیں۔''اس نے چہرہ اٹھا کے جہان کو دیکھا اور قطعیت سے نفی میں سر ہلایا۔''وہ قدموں کی آواز جو مجھے آتی ہے.....وہ میری hallucination نہیں ہے۔وہ سب میرے ساتھ پیش آنے والا ہے۔میرے خواب اکثر امید لاتے ہیں۔مگر کبھی کبھی وہ وارننگ بھی ہوتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کچھ برا ہونے جا رہا ہے۔''

''میری سائیکاٹرسٹ والی آفر ابھی تک برقرار ہے۔فی الحال تم جاب پہ فوکس کرو۔تمہیں الماس کو یہ کانٹریکٹ بھیجنا ہے۔''اس نے جتا کے یاد کرایا تو تالیہ نے سر جھٹکا اور لیپ ٹاپ اٹھا لیا۔

''کچھ برا ہونے والا ہے۔''وہ جھرجھری لے کر اب ٹائپ کرنے لگی تھی۔

''تمہارے پریشان ہونے سے کیا وہ نہیں ہوگا؟''اس نے سختی سے تنبیہہ کی تو تالیہ نے سر ہلایا اور جلدی جلدی ٹائپ کرنے لگی۔کانٹریکٹ اتنا مہارت سے بنایا گیا تھا کہ الماس کے پاس یقین کرنے کے سوا کوئی آپشن نہیں ہوگا۔

رات تک مسودہ اس کے پاس ہوگا' اسے یقین تھا۔

☆☆=========☆☆

ایک اور رات نیل کے دریا پہ اتری اور منروا کروز کی رفتار مزید سست پڑ گئی۔منروا کے قریب دریا میں دو تین چھوٹی کشتیاں بھی تیرتی دکھائی دے رہی تھیں۔

باہر جتنا سناٹا اور سکون تھا' منروا کے اندر اتنی ہی گہما گہمی اور رونق تھی۔

شپ کے گراؤنڈ فلور پہ ایک طویل راہداری کی صورت بیکری بنی تھی۔وہاں قطار میں شوکیس لگے تھے جن کے اندر رکھے کیک' ڈیزرٹ' اور سوئیٹس قریب آتے مسافروں کو للچا رہے تھے۔

اس نے پٹی والے پیر پہ نرم سلیپر پہن رکھے تھے اور سر پہ اونی ٹوپی تھی جس سے کالے بال نکل کے گردن سے نیچے گر رہے تھے۔وہ جہاز کے سرد ہوتے موسم کی مناسبت سے پوری تیار لگ رہی تھی۔

سردی اچانک ہی آئی تھی مگر موسم کو خوشگوار کر گئی تھی۔

''ایک چاکلیٹ فج.... ایک چاکلیٹ بون بون.....'' وہ شوکیس کے اندر سجے کیکس کی طرف اشارہ کرتی سیلز گرل سے کہہ رہی تھی۔ دو ورکرز دستانے والے ہاتھوں سے اس کی بتائی پیسٹریز اور سوئیٹس ٹوکری میں بھرتے جا رہے تھے۔

وہ خواب' پیر کا زخم' ایڈم کی باتیں.... کچھ دیر کے لئے وہ سب بھول کے صرف اس مسودے کو سیلیبریٹ کرنا چاہتی تھی جو الماس اسے ای میل کرنے والی تھی۔ مسودہ مل جانے کے بعد ساری رات تالیہ نے اس کو پڑھنا ہی تھا اور اسے پڑھنے کے ساتھ ساتھ کچھ کھانے والی تفریح بھی چاہیے تھی۔

اس کی آزادی کا ٹکٹ' وہ کتاب اس کو ملنے والی تھی۔ وہ واقعتاً خوش ہونا چاہتی تھی۔

وہ بھری ہوئی ٹوکری لئے کمرے میں پہنچی تو وہ پہلے سے اپنے مخصوص صوفے پہ بیٹھا تھا۔ چاکلیٹس کی خوشبو تالیہ کے ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ اس کی منہ تک بھری ٹوکری دیکھ کے جہان نے تعجب سے ابرو اٹھائے۔

''یہ سب تم کھاؤ گی؟''

''ایک آدھ پیس تم بھی لے سکتے ہو۔ میں آج اچھے موڈ میں ہوں۔'' فراخ دلی سے آفر کی اور کمرے کی سینٹر ٹیبل پہ ٹوکری رکھی۔ پھر چیزیں نکال نکال کے ان کو پلیٹس میں سجانے لگی۔ چاکلیٹ کی مہک سارے کمرے کو معطر کر گئی۔

''کوئی نارمل انسان اتنی چاکلیٹ نہیں کھا سکتا۔''

''چاکلیٹ میری پہلی محبت ہے۔ حالات نے ہم دونوں کو فاصلہ رکھنے پہ مجبور کر دیا مگر کبھی کبھی ہم روایات توڑ کے مل لیتے ہیں....'' وہ مسکرا کے کہہ رہی تھی جب موبائل کی مخصوص ٹون بجی۔ تالیہ نے جلدی سے فون نکالا اور دھڑکتے دل سے الماس کی ای میل کھولی۔

''اس نے ایم ایس ورڈ فائل بھیجی ہے۔'' ای میل کھولنے سے پہلے سائن نظر آ گیا تو چہک کے بولی اور ای میل پڑھنے لگی۔

''ڈیئر زینپ۔ آپ کا کانٹریکٹ مجھے بالکل مناسب لگ رہا ہے۔ اور ہمارے لئے یہ قابلِ قبول ہے۔ چونکہ آپ کو کل ترجمہ شروع کروانا ہے' اس لئے میں نے ایک بہترین حل نکالا ہے۔

میں آپ کو مسودے کے پہلے پانچ ابواب بھیج رہی ہوں۔ آپ ہمارے ترکی آنے تک ان کو ٹرانسلیٹ کروائیں۔ ہم خود آ کے' کانٹریکٹ سائن کر کے' پوری کتاب آپ کو دے دیں گے۔ یوں دن بھی ضائع نہیں ہوں گے۔ اور کتاب وقت پہ بھی آ جائے گی۔ الماس۔''

تالیہ کی مسکراہٹ یوں غائب ہوئی جیسے اسے کسی نے تھپڑ دے مارا ہو۔ وہ منہ کھولے فون اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ قاتلانہ

حملے کے جذباتی اثر سے نکل کے الماس نے ایک دانشمندانہ حل نکالا تھا اور وہ حل میز میں تجی ساری شیرینیوں کو کڑوا کر گیا تھا۔

''یہ کیا؟'' اس نے ہکا بکا سا چہرہ اٹھایا۔

''ڈیم اِٹ۔'' جہان نے زور سے بوٹ سے میز کو ٹھوکر ماری اور اٹھا۔ وہ جیسے سخت بدمزہ ہوا تھا۔

''پہلے پانچ ابواب میں سے دو تو وہ پہلے ہی بھیج چکی ہے اور وہ ابواب نیلوفر کی ابتدائی زندگی کے بارے میں ہیں۔ کسی کو ان سے دلچسپی نہیں ہے۔ ہمیں درمیان اور آخر کے ابواب چاہیے تھے۔''

''اب ہم کیا کریں؟'' وہ واپس اسکوائرون پہ آ کھڑے ہوئے تھے۔

''تم یوں کرو.....'' وہ سوچ سوچ کے کہنے لگا۔ ''تم اس کو ای میل کرو اور اس کو پیار سے سمجھاؤ کہ.... کیا کر رہی ہو؟''

''مجھے بھی سرپرائزز اچھے لگتے ہیں۔'' وہ دانت پیس کے کہتی ہیڈفون کان پہ لگا رہی تھی۔ اس کی رنگت گلابی پڑ چکی تھی۔

''تالیہ... اس کو یوں کال مت کرو۔ پہلے سوچ سمجھ کے پلان کرو' پھر....''

''مشورہ مانگا ہے کیا؟'' اس نے کیز دباتے ہوئے سرخ آنکھوں سے اسے گھورا۔

اس کا انداز دیکھ کے وہ احتیاطاً چپ ہو گیا۔

دوسری طرف سے الماس کا ہیلو سنائی دیا۔ تالیہ نے کال اسپیکرز پہ لگا دی تھی۔

''زینپ... ای میل مل گئی؟'' وہ خوشگوار انداز میں بولی۔

''الماس یہ تو پانچ ابواب ہیں۔'' وہ رکھائی سے بولی۔

''جی۔ جب تک آپ ان کا ترجمہ کروائیں گی' ہم....''

''الماس آپ نے میرا نان ڈسکلوژر ایگریمنٹ پڑھا ہے؟ پڑھا ہے یا نہیں؟''

''جی میں نے....''

''اس پہ میرے اور میرے باس کے سائن ہیں۔ جانتی ہیں ہم دونوں کون ہیں؟'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ ''ہم ترکی کے ٹاپ لٹریری ایجنٹ ہیں۔ اور اس ایگریمنٹ میں ہم دونوں نے نیلوفر حانم سے حلفیہ وعدہ کیا ہے کہ اس مسودے کو لیک نہیں کریں گے اور اگر ہم نے ایسا کیا تو ہمارا لائسنس کینسل ہو جائے گا۔ یعنی دوبارہ کبھی لٹریری پریکٹس نہیں کر سکیں گے۔ آپ کو اندازہ ہے کہ بغیر مسودہ دیکھے میرے باس نے (آواز غصے سے بلند ہونے لگی)... جو کہ یورپ کے ایک نامور ایجنٹ ہیں... جو ہارپر کولنز اور رینڈم ہاؤس جیسے اداروں کے ساتھ کام کرتے ہیں.... اس آدمی نے بغیر مسودہ دیکھے میرے قول پہ اعتبار کر کے اتنا بڑا ڈاکومنٹ سائن کر کے دے دیا.... کیونکہ میں نے کہا تھا کہ صبح تک آپ مسودہ بھیج دیں گی۔''

''زینپ.....میں.....''

''میرے باس نے اتنی بڑی بڑی کتابیں چھاپی ہیں کہ ان کے لئے ایک سیاسی کتاب اتنا میٹر نہیں کرتی جتنی ان کی کریڈیبلٹی میٹر کرتی ہے۔صبح جب میں ان کو بتاؤں گی کہ میری کلائنٹ نے مجھ پہ اعتبار نہ کرتے ہوئے پورا مسودہ نہیں بھیجا' تو پورا آفس مجھے کس نظر سے دیکھے گا؟ سب جانتے ہیں کہ ہم اپنے دستخطوں کے ساتھ نان ڈسکلوژر آپ کو دے چکے ہیں۔ کل کو آپ کانٹریکٹ نہ کریں اور کوئی اور کتاب لیک کر دے' تو ہمارے لائسنس تو کینسل ہو گئے نا؟''

''نہیں۔زینپ.....میری بات سنیں۔''

''میں نے پورا مسودہ اس لئے مانگا تھا کیونکہ کل اس کتاب کی ٹیبل ریڈ ہونی تھی۔میرے باس' مترجم اور میں نے ایک میز پہ بیٹھ کے پوری کتاب پڑھنی تھی۔مترجم ایک آرٹسٹ ہوتی ہے۔اس کو پوری کتاب دی جاتی ہے' کانٹریکٹ کیا جاتا ہے' وہ اپنی مرضی سے ابواب کا جہاں سے چاہے ترجمہ کرتی ہے۔پہلے مشکل ابواب کا۔پھر آسان کا۔ہمیں وہ کتاب ترتیب سے دے گی' لیکن ہم اس کو بچوں کی طرح قسطوں میں ہوم ورک نہیں دے سکتے۔سارے یورپ میں پتہ کر لیں۔کوئی مسودہ دیکھے بغیر نان ڈسکلوژر سائن نہیں کرتا مگر ہم نے کر لیا۔''

''زینپ.....اصل میں آخری ابواب کی پروف ریڈنگ ابھی ہونا تھی' اس لئے.....''

''الماس مجھے نہیں معلوم آپ کے کیا مسائل ہیں مگر میں صبح آفس میں کسی سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہوں گی۔میں ایک عورت ہوں جو مردوں کی دنیا میں نام بنانے نکلی ہے۔یہاں سب میرے ناکام ہونے کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔آپ یوں کریں' آپ میرے نان ڈسکلوژر کی ای میل ڈیلیٹ کر دیں۔میں باس کو کہوں گی کہ میں نے وہ بھیجا ہی نہیں تھا۔اور آپ مجھے مسودہ نہ بھیجیں۔میں اس کتاب کو چھاپنا چاہتی تھی لیکن اگر ہمارے درمیان اعتبار ہی نہیں ہے تو ہم اس کام کو کرتے ہی نہیں ہیں۔آئی ایم سوری اگر میں نے کچھ سخت کہہ دیا ہو مگر میرا سارا کیریئر داؤ پہ لگ چکا ہے اور میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔ایگا جالار (گڈ نائٹ)۔''

اس نے آخری فقرہ سوگواریت سے کہہ کے کال کاٹ دی اور گہری سانس لیتے ہوئے سرخ تمتماتا چہرہ اٹھایا۔

وہ جو اتنی دیر سے چپ چاپ صوفے پہ بیٹھا تھا' کھنکھارا۔

''اب میں بول لوں؟'' احتیاط سے پوچھا۔''کیا واقعی مترجم اپنی مرضی سے بغیر ترتیب کے ترجمہ کرتا ہے؟''

''مجھے نہیں پتہ۔میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا۔''

''اور ٹیبل ریڈ؟ وہ تو ٹی وی ڈراموں کے اسکرپٹ کی نہیں ہوتی؟''

''اللہ کرے اس کو یہ بات نہ معلوم ہو۔'' وہ گہرے گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یا تو اس نے الماس کو بالکل کھو دیا تھا یا پھر الماس وہ کرنے والی تھی جو اسے کرنا چاہیے تھا۔

ای میل کی ٹون بجی تو تالیہ نے بے چینی سے میل کھولی۔

الماس نے معذرت کے بعد لکھا تھا کہ اس نے صرف اس لئے مسودہ نہیں بھیجا تھا کیونکہ ابھی وہ آخری ابواب کو پروف کر رہی تھی۔ اسے زینپ پہ مکمل اعتبار ہے۔ اس لیے اب وہ پورا مسودہ بھیج رہی ہے۔

تالیہ نے اٹیچ شدہ فائل کھولی تو چار سو پچاس صفحات کی فائل کھل گئی۔

پوری کتاب.... ملائیشیا کی حساس ترین اور scandlous ترین کتاب اس کے فون میں تھی۔ اس کی ساری کلفت دور ہونے لگی۔ بالآخر وہ مسکرائی۔

''میں نے کبھی کتابیں شوق سے نہیں پڑھیں۔ مگر یہ وہ پہلی کتاب ہو گی جس کو میں اتنے شوق سے پڑھنے جا رہی ہوں۔''

وہ کشن لے کر سینٹر ٹیبل کے ساتھ جا بیٹھی جس پہ انواع و اقسام کے میٹھے کھانے سجے تھے۔

جہان نے اپنے موبائل پہ فائل کھولی اور اسی صوفے پہ ٹیک لگا کے فون چہرے کے سامنے کیے مطالعے کا آغاز کیا۔

''میں تمہاری تعریف نہیں کرنا چاہتا مگر ویل ڈن' تالیہ حانم۔''

صفحات چار سو پچاس تھے اور رات ابھی شروع ہوئی تھی۔

☆☆=========☆☆

وہ میز کے ساتھ کارپٹ پہ کشن کے سہارے بیٹھی فج کا ٹکڑا کھاتے ہوئے کتاب میں غرق تھی۔

نیلوفر کی ابتدائی زندگی کے ابواب تلخ تھے یا ان کو شاید تلخ بنایا گیا تھا۔

(چاکلیٹ فج کتاب کے اولین صفحات کے ساتھ اس کے حلق کے اندر جا رہی تھی۔ اس کا ذائقہ تلخ تھا اور شکر کے دانے دانتوں کے بیچ محسوس ہوتے تھے۔ جیسے ڈھیروں کڑواہٹ کو ذرا سی شکر ڈال کے میٹھا بنانے کی کوشش کی گئی ہو۔)

''اس نے اپنے بچپن اور نوجوانی کے ایام کو زبردستی دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے۔ سو بورنگ۔''

وہ صوفے پہ ٹیک لگائے بیٹھا موبائل سے کتاب پڑھتے ہوئے تبصرہ کر رہا تھا۔ دفعتاً وہ آگے کو جھکا اور ایک چاکلیٹ میکرون اٹھا کے منہ میں رکھا۔

(میکرون.... بظاہر ٹھوس لگتا تھا.... مگر منہ میں آیا تو معلوم ہوا کہ اس کی خستہ بیرونی تہہ کافی نہ تھی۔ کہ ذرا سے دباؤ پہ منہ میں پگھل پگھل گیا۔ چاکلیٹ اور بادام کا ذائقہ اس کے اندر تک اترتا گیا۔)

''جوانی کے ابواب میں نیلوفر نے اپنی جتنی تعریفیں لکھی ہیں' ان کے باوجود مجھے یہ ایک انتہائی کمزور عورت معلوم ہو رہی ہے جو ایک طاقتور آدمی اور اپنی خواہشات کے دباؤ پہ فوراً جھک جاتی ہے۔''

وہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔

کھڑکیوں کے باہر رات اب دوسرے پہر میں داخل ہو رہی تھی۔

دریا پرسکون تھا اور دور اکا دکا کشتیاں تیرتی نظر آتی تھیں۔

تالیہ نے 112واں صفحہ موبائل پہ پلٹتے ہوئے بازو لمبا کر کے میز سے ایک چاکلیٹ ٹرفل اٹھایا اور اس میں دانت گاڑھے۔

وہ اب نیلوفر اور عبدالرحمن کی شادی کے گزرے ماہ و سال کا حال پڑھ رہی تھی۔

(گول ٹرفل سیاہ چاکلیٹ سے لبریز تھا مگر اندر گناش ساس کا کریمی مکسچر بھرا تھا۔ وہ میٹھا بھی تھا اور تلخ بھی۔ مگر ذائقے دار تھا اور اسی کا ذائقہ سب میں بہترین تھا۔ وہ ذائقہ جس کے پیچھے بہت سے لوگ ٹرفلز خریدتے تھے۔)

''ایک عورت اتنی x ریٹیڈ بک اپنی کم عمر بیٹی کے ساتھ کیسے لکھ سکتی ہے؟'' وہ ناگواری سے پڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ نیلوفر کی طلاق اور اس کے بعد کے ابواب بھی شادی کے ابواب سے زیادہ مختلف نہ تھے۔

(nutella ٹرفلز' چاکلیٹ ٹرفل سے ذرا مختلف تھے۔ ان میں hazlent اور نٹیلا ڈالا گیا تھا۔ وہ اتنے ہی سیاہ اور تلخ تھے' مگر nuts ان کو ذائقے دار بنا رہے تھے۔ سیاہ چاکلیٹ کا سفر مزید دلچسپ ہوتا جا رہا تھا۔)

تیسرا پہر شروع ہوا اور جہان نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ بغیر کسی نیند کے آثار کے' بالکل منہمک سی کتاب کے مطالعے میں گم تھی۔ وہ جو پڑھ رہی تھی' ویسے ہی تاثرات اس کے چہرے پہ تھے۔

''ایک سوال پوچھوں؟'' وہ سوچ کے کہہ رہا تھا۔

''ابھی نہیں۔ ہمیں صبح سے پہلے اس کو مکمل کرنا ہے۔'' تالیہ نے موبائل سے نظریں ہٹائے بغیر اس کو چپ کروا دیا۔ اس نے پہلو بدلا اور واپس پڑھنے لگا۔ صوفیہ رحمن کی کردار کشی پہ لکھے باب کو نگلنے کے لئے اس نے منی چاکلیٹ چیز کیک کا ٹکڑا اٹھا لیا تھا۔

(چاکلیٹ چیز کیک میں پنیر کا ذائقہ بھی تھا' اور کریم کا کھٹا پن بھی۔ مٹھاس بھی اور 'اوریو' کی سخت چاکلیٹ کرسٹ کی سختی بھی۔ گویا اس میں سارے ذائقے ایک ساتھ رچ بس گئے تھے۔)

آخری ابواب نیلوفر کی بے چارگی بھری حالیہ زندگی کی کہانی سناتے تھے۔ کیسے اسے کئی سال سے صوفیہ کی طرف سے

دھمکیاں دی جاتی رہیں، مگر وہ ڈٹی رہی۔ ان ابواب میں فاتح سمیت دوسرے کئی سیاستدانوں کی کردار کشی بھی کی گئی تھی۔ تالیہ کا نام بھی کئی دوسری خواتین کے ساتھ درج تھا اور اسے پڑھتے ہوئے وہ ماتھے پہ بل ڈالے ہوئے تھی۔

(جو چاکلیٹ bon bon وہ اس وقت کھا رہی تھی، وہ دل کی شکل کا تھا۔ باہر سے خستہ کرسٹ لئے... اس کے وسط میں چاکلیٹ ساس بھری تھی۔ اس کا ذائقہ تلخ تھا۔ اور اگر مٹھاس تھی بھی تو میز پہ رکھی ساری چاکلیٹس کے ذائقے نے اس کو ختم کر دیا تھا۔)

چار سو پچاس صفحات کی کتاب ختم ہوئی تو کھڑکیوں کے باہر روشنی پھیل رہی تھی۔ تالیہ نے چہرہ اٹھایا تو اس کی آنکھیں مسلسل مطالعے سے گلابی پڑ رہی تھیں۔ وہ بڑے صبر سے صوفے پہ بیٹھا تھا۔ اس نے کافی دیر ہوئی موبائل رکھ دیا تھا۔

''تم نے پڑھ لی؟''

''تمہارے برعکس مجھے کتابیں پڑھنے کی عادت ہے، اس لئے میری رفتار تیز ہے۔'' وہ بے تاثر سا لگ رہا تھا۔ اسے کتاب نے اس طرح 'متاثر' نہیں کیا تھا جیسے تالیہ کو کیا تھا۔ وہ ابھی تک گہرے صدمے کے زیر اثر تھی۔

''یہ کیا تھا؟'' اس کا انداز حواس باختہ سا تھا۔ ''مانا کہ میں صوفیہ رحمٰن کی مخالف رہی ہوں مگر اس کا باپ اب اتنا بھی شیطان نہیں تھا جتنا اس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم اس میں کتنا سچ اور کتنا جھوٹ لکھا ہے۔ لیکن ایسی کتابیں سچائی کے دانے کے ساتھ ہی لکھی جاتی ہیں۔ جو بھی ہے، اگر وہ اس کتاب کو لے کر کئی دن میڈیا پہ انٹرویوز دیتی رہی تو بہت سے لوگ ہرٹ ہوں گے۔''

''ڈونٹ وری۔ وہ اس کتاب کو نہیں چھاپے گی۔'' اس نے درد کرتی آنکھیں مسلتے ہوئے فون رکھ دیا۔ ''تالیہ نے کتاب اس کے ہاتھوں سے چرالی ہے۔ اس کو اس کے دماغ سے کیسے چرانا ہے، یہ تالیہ کو معلوم ہے۔''

اسے یقین تھا کہ وہ سیاہ رات اب ختم ہونے کو تھی۔ بالآخر وہ اپنی آزادی حاصل کرنے جا رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

منروا کروز کا سفر ابھی رواں دواں تھا۔ آج صبح وہ ایک دوسرے کھنڈر پہ رکی تھی اور مسافر اترکے اس کھنڈر کی سیاحت میں مصروف ہو گئے تھے۔ ایسے میں تالیہ چپ چاپ اپنی جیکٹ کی ہڈ سر پہ گرائے، بیگ کندھے پہ ڈالے، گردن جھکائے اس مجمعے کے درمیان سے راستہ بناتی سڑک کی طرف بڑھ گئی تھی۔

اس کا کام کروز میں مکمل ہو چکا تھا۔

پانچ دن بعد اس نے کوئی سڑک دیکھی تھی۔ گاڑیاں، موٹر بائیکس اور تیز چلتی بسیں عجیب سی لگ رہی تھیں۔ کل تک لگتا تھا

کہ ساری دنیا پانی میں ڈوب چکی ہے۔ جب وہ قدیم ملاکہ میں چار ماہ گزار کے آئی تھی' تب بھی ایسا ہی معلوم ہوتا تھا۔

شاید ہمارے اردگرد ہر چیز ہمیں تب تک عجیب لگتی ہے جب تک اس کی عادت نہ پڑ جائے۔

برائیوں کی بھی۔

اچھائیوں کی بھی۔

اس نے ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھی۔ وہ واپس قاہرہ جا رہی تھی۔ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے ہُڈ کے ہالے میں اس کا چہرہ مسکراتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ یہ مسکراہٹ بہت عرصے بعد اس چہرے پہ نظر آئی تھی۔

یہ قدیم ملاکہ جانے سے قبل والی اسکامر تالیہ کی مسکراہٹ تھی۔

اب اسے صوفیہ کو کال کرنی تھی۔

''جب آپ نے مجھے ملاقات کا شرف بخشا تھا' یا نگ دی بر حرمت....'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے موبائل کان سے لگائے اپنی زبان میں کہہ رہی تھی۔ صوفیہ دوسری جانب ہمہ تن گوش تھی۔ ''تو آپ نے کہا تھا کہ آپ اس کتاب کو برداشت نہیں کر سکیں گی۔''

''کوئی بھی بیٹی نہیں کر سکتی۔ اب مجھے بتاؤ کہ.....''

''پہلے آپ مجھے کچھ بتائیں۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولی۔ ''آپ کیوں چاہتی ہیں کہ اس کتاب کو چھاپنے کا خیال نیلوفر کے ذہن سے نکل جائے؟''

''کیا مجھے دوبارہ بتانے کی ضرورت ہے؟'' صوفیہ کو یہ سوال ناگوار گزرا۔

''اس بساط پہ میں آپ کا واحد knight ہوں' ملکہ عالیہ۔ آپ کو اس کتاب سے پیچھا چھڑانے کے لئے تالیہ کے سوالات کو برداشت کرنا پڑے گا۔''

صوفیہ نے کڑوی سی سانس اندر اتاری اور بظاہر تحمل سے بولی۔ ''میں یہ اس لئے چاہتی ہوں تاکہ نیلوفر میرے بابا کو بدنام نہ کر سکے۔''

''اور آپ کے بابا کیسے بدنام ہوں گے؟''

''اس کی کتاب کی غلاظت لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ جائے گی۔ میرے ووٹرز کے دل میں میرے بابا کا امیج تباہ ہو جائے گا۔''

''تو یہ ہمارا سب سے بڑا خوف ہے' ہے نا؟ کہ داتو سری کو بدنام ہونے سے بچایا جائے۔''

''تم یہ آل ریڈی جانتی ہو' تالیہ۔'' وہ ضبط سے بولی۔

''مزید اس کتاب کے شائع ہونے کا سوچ کے کیا بری باتیں آپ کے ذہن میں آتی ہیں؟''

صوفیہ نے چند لمحے کے لیے سوچا۔

''وہ عورت ہر بین الاقوامی چینل پہ بیٹھ کے انٹرویوز دے رہی ہو گی۔ مصالحے دار چٹپٹی باتیں بتا رہی ہو گی۔ عوام دم سادھے اس کو سن رہے ہوں گے۔ وہ ہر جگہ چھائی ہو گی۔''

''اگر ایسا ہوا بھی تو آپ کی پارٹی بھی جوابی انٹرویوز دے گی۔''

''ہاں اور اس صوفیہ بمقابلہ نیلوفر جنگ سے میری ساری کیمپئین تباہ ہو جائے گی۔ میری پارٹی سب کام چھوڑ کے اس کو جواب دے رہی ہو گی فاتح کا مقابلہ کرنے کی بجائے۔ اور اگر ہم جواب نہیں دیتے تو نیلوفر ون وومن شو کے طور پہ چھا جائے گی۔ آگے کنواں پیچھے کھائی۔''

''اس کے علاوہ؟'' اس کے سوال صوفیہ کو تاؤ دلا رہے تھے۔

''اس کے علاوہ یہ کہ وہ نہ صرف میرے باپ کو بدنام کرے گی ' بلکہ اپنی کتاب بیچ کے کئی ملین ڈالرز کما لے گی۔ وہ ایک بہت امیر عورت بننے والی ہے۔ اسی لئے میں چاہتی ہوں کہ یہ کتاب نہ آئے۔ اگر یہ کسوٹی ختم ہو گئی ہے تو میں اپنے کام کر لوں؟''

''ایک آخری بات۔'' تالیہ سوچتے ہوئے بولی۔ ''آپ یہ چاہتی ہیں کہ داتو سری بدنام نہ ہوں' نیلوفر امیر نہ ہو اور وہ میڈیا پہ کسی ملکہ کی طرح بیٹھی انٹرویوز نہ دے رہی ہو۔ ہمارے یہ تین مقاصد پورے ہو گئے تو میری ڈیل پوری ہو گئی' ہے نا؟''

''ہاں اور یہ سب تب ہی ہو سکتا ہے جب وہ اس کتاب کو شائع نہ کرے۔''

''یا نگ دی بر حرمت!'' (عزت مآب) وہ مسکرا کے کھڑکی کے باہر گزرتی دکانوں کو دیکھ کے بولی۔ ''میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ یہ تینوں کام ہو جائیں گے۔ میں کامیابی کے بہت قریب ہوں مگر آپ کو مجھے میرے طریقے سے کام کرنے دینا ہو گا۔''

''تمہارا طریقہ؟''

''آپ دیکھ لیں گی۔ یہ تالیہ کے پلانز ہیں۔ تالیہ کی مرضی!'' اس نے مسکرا کے فون رکھ دیا۔

ٹیکسی اب قاہرہ کے ایک مصروف بازار کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ سڑک کے دونوں اطراف خوانچہ فروشوں کی ریڑھیاں اور رش نظر آتا تھا۔ شیشے بند ہونے کے باعث شور اندر نہیں آ رہا تھا۔ تالیہ اسی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکائے فون پہ

ای میل لکھنے لگی۔

''ڈیئر الماس۔

کتاب کی ٹیبل ریڈ مکمل ہو چکی ہے اور ترجمے کا آغاز ہو گیا ہے۔ یہ کتاب اتنی ایموشنل اور دل کو چھونے والی تھی کہ اس کو پڑھتے وقت کمرے میں ایک بھی آنکھ خشک نہیں تھی۔ میں اور میری ٹیم بے چینی سے آپ کا ترکی میں انتظار کر رہے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ کروز پہ اپنا سفر مختصر کر کے پرسوں ہی ترکی آجائیں۔ انڈین سب ایڈیٹر بھی یہاں ہوں گے اور آپ جلد سارے کام مکمل کر کے شادی کی تیاریوں میں میری فیملی کے ساتھ شامل ہو سکیں گی۔

زینپ کامران''

ٹیکسی ابھی ہوٹل کے راستے میں تھی جب اسے جوابی ای میل موصول ہوئی۔

''تھینک یو سو مچ زینپ۔ میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ ہمیں آگے کینیڈا بھی جانا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم استنبول کے لئے پرسوں کی فلائیٹ بک کر لیں۔ ایک ہفتہ ہم استنبول میں گزار کے کینیڈا چلے جائیں گے۔ اور ہاں میری والدہ کا شادی کے لئے جوڑا ابھی تیار ہے۔''

تالیہ نے مسکرا کے رسمی سا جواب دیا اور فون رکھ کے خود سے بولی۔

''اب دیکھتے ہیں بچے الماس کہ کس کی عزت کس کے ہاتھ میں ہے۔''

ٹیکسی اب کھجور کے درختوں سے مزین ہوٹل میں داخل ہو رہی تھی۔ اس نے ایک سرسری سی نظر درختوں کے جھنڈ پہ ڈالی۔

وہ اس کے اندر کوئی خوف' کوئی ناسٹیلجیا جگانے میں ناکام رہے تھے۔

شاید وہ ذہنی طور پہ تندرست ہو رہی تھی۔

☆☆==========☆☆

قاہرہ اور غیزہ کو ملانے والے پُل کے اوپر شام اتر رہی تھی۔ وہ ایک طویل پل تھا جس کے نیچے نیل بہہ رہا تھا۔ دریا کے اس کنارے بہت سے ریستوران بنے تھے جن کے لان پانی کے دہانے پہ ختم ہوتے تھے۔ وہاں اونچی ریلنگ بنی تھی۔

جس ریستوران میں اس وقت وہ موجود تھی' اس کی ریلنگ کے ساتھ کھڑے ہو تو نیچے دریا اور سامنے پل دکھائی دیتا تھا۔ یہاں کھڑے ہوئے پل بے حد قریب لگتا تھا۔ منروا کے سفر نے اسے نیل کا اتنا عادی بنا دیا تھا کہ وہ ایک پہر بھی دریا سے دور نہ رہ سکی تھی۔

''مرحبا۔'' حسبِ معمول وہ بنا چاپ کے اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا۔ البتہ اس کے بولنے پہ وہ نہیں چونکی۔ بس مسکرا کے

گردن موڑی۔ آج اس نے سر پہ ہیٹ نہیں پہنا تھا۔ بلکہ سیاہ بالوں پہ ہیئر بینڈ لگا رکھا تھا اور لباس بھی ملائیشیاء کا روایتی باجو کرنگ تھا۔ گلابی سا اسکرٹ اور اوپر سبز لمبی قمیص۔ کندھے پہ پھولدار اسٹول۔

''مرحبا' جہان بے۔ تم نے مجھے ڈھونڈ لیا۔''

جہان نے پتلیاں سکوڑ کے اچنبھے سے اس کے حلیے کو دیکھا۔

''تم نے کہا تھا تم کال کرو گی مگر تم نے نہیں کی۔ البتہ تم نے اپنے پرانے نمبر آن کر لئے اور اپنا حکومتی کریڈٹ کارڈ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اور اب تمہیں دیکھ کے کوئی دور سے بھی بتا سکتا ہے کہ تم ملے ہو۔ مجھے کیوں ایسا لگ رہا ہے کہ تم.....''

''کہ میں چھپنا نہیں چاہتی۔ کیونکہ اب مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔'' تالیہ نے کہتے ہوئے موبائل اسکرین اس کے سامنے لہرائی۔ جہان نے اسکرین کو دیکھ کے افسوس سے سر جھٹکا۔

''تم انسٹا اور ٹوئیٹر پہ چیک اِن بھی کر چکی ہو۔ سیلفی بھی ڈال چکی ہو۔ یعنی تم اپنے عوام کو بتانا چاہتی ہو کہ تم قاہرہ میں ہو۔ یہ پلان کا حصہ ہے؟''

پی کیپ والا آدمی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا وہ اس کی طرف سے مزید مشکوک نظر آ رہا تھا۔

''ظاہر ہے یہ پلان کا حصہ ہے۔'' وہ چمکتی آنکھوں سے مسکرائی۔ ''اور ہاں... میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔''

وہ ریلنگ سے ٹیک لگائے کھڑی ہوئی اور بازو سینے پہ لپیٹ لئے۔ اس کی پشت پہ اب دریا بہہ رہا تھا جس میں دور دور تک کشتیاں تیرتی نظر آ رہی تھیں۔

''میرا شکریہ؟'' اس نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔

''ہاں۔ کیونکہ میں انسانی نفسیات کو تمہاری طرح باریک بینی میں نہیں سمجھتی تھی۔ مجھے خود کو کسی کی جگہ رکھ کے سوچنا نہیں آتا تھا۔ تمہاری مدد کے بغیر میں واقعی نیلوفر کو کون نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے تمہارا شکریہ۔''

''تمہیں کوئی سر پہ چوٹ وغیرہ تو نہیں لگی نا؟''

مگر تالیہ نے اس کا طنز نظر انداز کیا اور وہ گردن موڑ کے دریا کو دیکھنے لگی۔

''میں یہ نہیں کہوں گی کہ مجھے صبر کرنا آ گیا ہے' لیکن بہت عرصے بعد مجھے وہی لطف محسوس ہوا ہے جو کسی کو اسکام کر کے محسوس ہوتا تھا۔ مگر تب ایک گلٹ بھی تھا جو دل کو سیاہ کر جاتا تھا۔ اس دفعہ وہ گلٹ نہیں ہے۔ میں خود کو کریڈٹ دینا چاہتی ہوں' اور واقعی (چہرہ اس کی طرف واپس موڑا) واقعی اپنی عزت کرنا چاہتی ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کیا؟''

وہ جو کوئی اور چوٹ کرنے جا رہا تھا' اس بات پہ گہری سانس لی اور جوتے کی نوک سے گھاس کو مسلنے لگا۔ ''تمہیں اپنے آپ پہ فخر ہونا بھی چاہیے۔ جو کام تمہاری وزیرِاعظم کے وفادار سپاہی نہیں کر سکے وہ تم نے اکیلے کر دکھایا ہے۔''

''اکیلے کہاں؟ تم میرے ساتھ تھے۔''

''تمہیں واقعی سر پہ چوٹ لگی ہے۔ مگر خیر.... میں نے کچھ نہیں کیا۔ پلان تمہارا تھا۔ اداکاری تمہاری تھی۔ یہ تمہارا اپنا کمال تھا۔'' وہ بے نیاز تھا۔ اسے کوئی کریڈٹ کوئی ستائش نہیں چاہیے تھی۔

''تم بھی میرے جیسے کام کرتے ہو۔ مگر تم مجھے گلٹی نہیں لگتے۔ کیوں؟''

''کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں کوئی اور کام نہیں کر سکتا تھا۔''

وہ گہری سانس لے کر اس کے ساتھ ریلنگ سے ٹیک لگائے آ کھڑا ہوا۔ اب دونوں کی پشت پہ دریا تھا۔ وہ سر جھکائے' جوگر سے گھاس کو رگڑتے کہہ رہا تھا اور وہ گردن موڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

''I lie for a living. مجھے یہی کام آتا ہے۔ لوگوں کو manipulate کرنا' موقع پہ کور اسٹوریز گھڑنا.... چیزوں کو قابلِ یقین بنا کے پیش کرنا.... یہ میرا ٹیلنٹ ہے۔ یہی تمہارا ٹیلنٹ ہے۔ اور ٹیلنٹ اچھا یا برا نہیں ہوتا۔ اس کا استعمال اسے اچھا یا برا بناتا ہے۔''

''مگر اس طرح میرا ٹیلنٹ تو جھوٹ بولنا اور لوگوں کو دھوکہ دینا ہوا۔''

''نہیں۔ تمہارا ٹیلنٹ لوگوں کی نفسیات کو سمجھ کے ان کے سامنے اپنی مرضی کی چیز کو believable بنا کے پیش کرنا ہے۔ جو لوگ اس کو اچھے کاموں کے لئے استعمال کرتے ہیں' وہ جانتی ہو کیا بنتے ہیں؟ رائٹرز اور موٹیویشنل اسپیکرز۔''

''رائٹرز اور اسپیکرز جھوٹے ہوتے ہیں کیا؟''

''نہیں مگر وہ ''امید'' کو believable بنا کے پیش کرتے ہیں۔ وہ اچھے کاموں کی ترغیب دینے کے لئے لوگوں کے سامنے اچھائی کی فتح کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ کہانیوں کے ذریعے' تقریروں کے ذریعے۔ ان کو باتیں بنانا آتی ہیں تو وہ اچھائی کو پھیلانے کے لئے باتیں بناتے ہیں۔ اگر وہ لکھ اور بول نہ سکیں تو وہ برے لوگوں کے خلاف اپنے اسی ٹیلنٹ کو دوسرے طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے میں کرتا ہوں۔ اور مجھے اس کا کوئی گلٹ نہیں ہے۔ میں نے خود کو قبول کر لیا ہے۔''

''مگر کچھ ماہ پہلے تک مجھے اپنا یہ ٹیلنٹ ایک curse لگتا تھا۔''

''نہیں۔ یہ تمہارا تحفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو کوئی تحفہ عطا کیا ہوتا ہے۔ وہ تحفہ اس کا امتحان ہوتا ہے۔ ایسے کہ وہ اس کو ذلیل بھی کرواتا ہے' تکلیف بھی دیتا ہے اور انسان اپنی اس خوبی کی وجہ سے دوسرے لوگوں سے اذیت بھی سہتا ہے یہاں

تک کے اسے لگتا ہے کہ یہ نعمت نہیں تھی۔ یہ اس کے لئے ایک curse اور بوجھ تھی۔ وہ اس سے چھپنے لگتا ہے' اس سے بھاگتا ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک غلط اپروچ ہے۔''

''اور درست اپروچ کیا ہے؟''

''اللہ نے آپ کو جس کام میں اچھا بنایا ہے' وہ آپ کو مفت میں نہیں مل گیا کہ آپ جب چاہیں اس کو ترک کر دیں کہ مجھے اس سے دکھ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ آپ اس کے تحفے کی قدر دانی کرتے ہیں یا نہیں۔ ہر انسان کا اللہ کی دنیا میں ایک خاص مقصد ہوتا ہے۔ تمہارا وہ تحفہ تمہیں تمہارا مقصد تلاش کرنے کے لئے عطا کیا گیا ہے۔ اس سے بھاگو نہیں۔'' پھر توقف سے بولا۔ ''اب اگر تم دوبارہ میرا شکریہ ادا کرنا چاہو تو.....''

''Thanks but no thanks'' اس نے گھڑی دیکھی۔ ''اینی ویز...وہ ماں بیٹی پرسوں ترکی جا رہی ہیں جہاں ان کے خوابوں کا مقبرہ ان کا انتظار کر رہا ہے۔'' اس کی آنکھیں مسکرائی تھیں۔

''تم نے طے کر لیا کہ اس کی کتاب کو اس کے ذہن سے کیسے چرانا ہے؟''

''ہاں....'' وہ اس سوال کا جواب ڈھونڈ چکی تھی۔ ''جانتے ہو ایک رائٹر کی کتاب کب اس کے ذہن میں تباہ ہوتی ہے؟ یعنی....اس کی قیمتی تخلیق اس سے شائع ہونے سے قبل کیسے چھینی جاتی ہے؟'' وہ مسکرا کے کہہ رہی تھی۔ ''میں جانتی ہوں کیونکہ میں یہ پہلے کر چکی ہوں۔ میں نے ایک رائٹر کی کتاب شائع ہونے سے پہلے اس کے ذہن میں خراب کی تھی۔''

''وہ کیسے؟'' وہ تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ایڈم جب اپنی کتاب لکھ رہا تھا تو وہ روز چند صفحات لکھ کے مجھے دیتا تھا۔ میں نے ان میں ایک ذرا سی تبدیلی کی تھی۔ ایک نام کی۔ اور ایڈم کا دل بجھ گیا تھا۔ کسی صاحبِ کتاب کے لئے سب سے ناقابل برداشت بات کیا ہوتی ہے؟''

''کہ اس کی کتاب میں ردوبدل کر دیا جائے؟'' اس نے کہتے ہوئے اوپر آسمان کو دیکھا۔

''ہاں۔ معمولی سا ردوبدل۔'' اس نے دو انگلیوں کے بیچ ذرا سی ہوا کو مقید کر کے دکھایا۔

''میں سمجھا نہیں۔''

''پھر اتنا جان لو کہ...نیلوفر کتاب شائع نہیں کرے گی۔'' وہ زور دے کر بولی۔

''تمہیں اتنا یقین کیسے ہے؟''

''کیونکہ اس کتاب کو میں شائع کروں گی!''

نیل کنارے کھڑی لڑکی کی مسکراہٹ شریر تھی۔

☆☆=========☆☆

اتاترک ائیر پورٹ استنبول پہ اس شام معمول کا رش تھا۔

اناؤنسمنٹ اور مسافروں کا شور آپس میں گڈمڈ ہو رہا تھا۔

تمام ضروری کارروائیوں سے فارغ ہو کے نیلوفر اپنی ماں کے ہمراہ گردن کڑائے چلتی ہوئی ایک بنچ کی طرف آ رہی تھی۔ یہ بنچ ائیر پورٹ کے خارجی دروازے کے قریب تھا۔اس کے سامنے ہی ووڈافون کا ؤنٹر بنا تھا جہاں سے الماس اس وقت نیا سم کارڈ خرید رہی تھی۔

نیلوفر کی ماں اکتائی اکتائی سی بنچ پہ بیٹھی' البتہ نیلوفر نے بالوں کی لٹ انگلی سے ہٹاتے ہوئے پہلے اردگرد کا جائزہ لیا' چند قریبی افراد کی جانب مسکراہٹ اچھالی' پھر ٹشو سے بنچ کو علامتی سا صاف کیا اور ٹانگ پہ ٹانگ جما کے بیٹھی۔

الماس شولڈر بیگ کو کھنگالتی ان کے قریب آئی' دھپ سے بنچ پہ گری اور پوری توجہ سے نئی سم فون میں ڈالنے لگی۔

''زینپ کے آنے میں کتنی دیر ہے؟'' نیلوفر نے گھڑی دیکھی۔

''اس کی ای میل آئی تھی ابھی۔ وہ ائیر پورٹ کے راستے میں ہے۔اس نے کہا تھا کہ ترکش نمبر لے کر اس کو میسج کر دوں۔اس نے اپنا فون نمبر دیا ہے نا۔'' سم سیٹ کر کے الماس نے الجھے بال کانوں کے پیچھے اڑسے اور زینپ کو کال ملائی۔ چند گھنٹیاں گئیں مگر کال ریسیو نہیں کی گئی۔

اس نے گہری سانس لے کر بنچ سے ٹیک لگائی تو ساتھ ہی زینپ کی ای میل موصول ہوئی۔

''میں دس منٹ تک ائیر پورٹ پہنچ جاؤں گی۔آپ لوگ کہاں ہیں؟''

اپنی ترک میزبان کا پیغام پڑھ کے الماس مسکرا کے جواب لکھنے لگی۔

''ہم ایگزٹ کے قریب ووڈافون کاؤنٹر کے سامنے بیٹھے آپ کے منتظر ہیں۔''

اس نے ای میل بند کر کے واٹس ایپ کھولا تو ابرو اکٹھے ہوئے۔ بہت سے دوستوں نے ایک لنک شیئر کر رکھا تھا۔

''ممی!'' اس نے چوکنے انداز میں اسکرین کو دیکھتے ماں کو پکارا۔''وہ جو تالیہ مراد ہے نا....اس نے اس روز مندر میں آپ کی گفتگو ریکارڈ کر لی تھی۔دیکھیں اس نے ویڈیو پبلک کر دی ہے۔''

تالیہ نے اس ویڈیو کو ٹویٹ کر دیا تھا اور الماس کو برا لگا تھا مگر نیلوفر گردن پیچھے پھینک کے ہنس دی۔

''ہاں تو اچھا ہے نا۔وہ مجھے زیادہ مشہور کر رہی ہے۔'' پھر الماس کے کندھے پہ جھک کے اس کی اسکرین پہ جھانکا۔''میرا خیال ہے مجھے ایک باب الگ سے تالیہ اور اس کے باس کے افیئر پہ بھی لکھ دینا چاہیے۔(انگلیوں سے ہوا میں لکھنے کا اشارہ

کیا۔) میرے قلم کی ذرا سی جنبش ان کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گی۔''

الماس مسکرا دی۔''گڈ آئیڈیا۔'' اور فون جیب میں ڈال دیا۔ اب ان کو تسلی سے زینپ کا انتظار کرنا تھا۔

ایک قلی قریب آیا اور ٹیکسی کے بارے میں معلومات دینے لگا تو الماس نے ہاتھ جھلا دیا۔''ہماری فرینڈ پک کرنے آ رہی ہے۔'' وہ سر ہلا کے چلا گیا۔

لمحے یونہی پھسلتے رہے۔ وہ تینوں اپنے اپنے فون پہ لگی اپنا سوشل میڈیا دیکھ رہی تھیں۔ دفعتاً الماس نے گردن اٹھا کے دیکھا۔ آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا مگر زینپ نہیں آئی تھی۔ اس نے فون پہ ای میل کھولی اور پیغام لکھا۔

''زینپ.... میم نیلوفر تھکنے لگی ہیں۔ آپ کب تک پہنچیں گی؟''

فون نیچے کیا ہی تھا کہ وہ قلی دوبارہ قریب منڈلانے لگا۔

''میں نے کہا ہے نا کہ میری فرینڈ ائیر پورٹ کے راستے میں ہے۔ تم ہٹو یہاں سے۔'' اس نے سختی سے کہا تو قلی نے دانت نکالے۔

''وہ دوسرے ائیر پورٹ تو نہیں چلی گئی؟''

''وہ ترک ہے۔ اس کو راستے آتے ہوں گے۔ اس کی فکر نہ کرو۔'' نیلوفر نے جماہی روکتے ہوئے ہاتھ جھلایا۔ مگر الماس کرنٹ کھا کے سیدھی ہوئی۔

''دوسرا ائیر پورٹ؟''

''جی میڈم۔ استنبول میں دو ائیر پورٹ ہیں۔ صبیحہ گوک چن اور اتاترک۔''

الماس نے ہاتھ سے اسے ہٹنے کا اشارہ کیا اور الجھ کے موبائل دوبارہ کھولا۔ زینپ کی کل سے اب تک کی تمام ای میلز کو وہ سرسری سا پڑھنے لگی۔

''اس نے کہا وہ ائیر پورٹ پہنچ جائے گی۔ ائیر پورٹ اس کے گھر سے قریب ہے.... جو ہوٹل اس نے بک کروایا ہے وہ بھی ائیر پورٹ سے قریب ہے....'' وہ تعجب سے میلز دیکھ رہی تھی۔''مگر ممی.... میں نے تو اسے بتایا ہی نہیں کہ ہم نے کس ائیر پورٹ سے آنا ہے۔''

''اوہ۔ وہ دوسرے پہ چلی گئی ہوگی۔ اس کو کال کرو۔'' نانی نے اکتا کے کہا مگر الماس سر جھکائے فون ہاتھوں میں لئے سن سی بیٹھی تھی۔

''موبائل نمبر پہ تو کبھی میری اس سے بات نہیں ہوئی۔ اسکائپ اور ای میل پہ ہوئی ہے۔'' وہ ایک دم پریشانی سے

اسکائپ پہ کال کرنے لگی۔ جواب ندارد۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے ای میل لکھی۔

''آپ کہاں ہیں' زینب؟ ہم اس وقت اتاترک ائیرپورٹ پہ ہیں۔''

ساتھ ہی اس نے بے چینی سے اس کی ایجنسی کا ویب پیج کھولا۔ وہاں آفس نمبرز درج تھے۔ الماس سفید چہرہ لئے ایک ایک نمبر ڈائل کرنے لگی۔ گھنٹیاں جا رہی تھیں لیکن رات کے اس پہر کسی نے کال ریسیو نہیں کی تھی۔

نیلوفر نے فکرمندی سے پہلو بدلا۔ ''الماس۔ پریشان نہ ہو....وہ آ رہی ہو گی۔ اس نے ہمیں شادی تک پہ انوائیٹ کیا ہے۔''

''شادی کا کارڈ کہاں ہے؟ شادی کا وینیو کیا ہے؟'' الماس فون کان سے لگائے جواباً تیزی سے بولی تھی۔

گھنٹیاں جا رہی تھیں مگر کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔

''ریلیکس۔ اس نے....اس نے ہمارے ساتھ کانٹریکٹ سائن کیا ہے۔ اگر اس نے کوئی غلط حرکت کی تو ہم اس کو sue کر سکتے ہیں۔''

''کس پیسے کے ساتھ' ماما؟'' وہ دبا دبا سا چیخی اور فون نیچے کیا۔ ایک دم سارا ائیرپورٹ الماس جمکو گھومتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

''تم یہ کہہ رہی ہو کہ....'' نانی کھنکھاری۔ ''کہ تم لوگوں نے ایک عورت سے ملے بغیر' اس کا فون نمبر لئے بغیر اس سے کانٹریکٹ کر لیا ہے؟'' نانی نے باری باری دونوں کے فق پڑتے چہرے دیکھے۔ ''لیکن تم نے ابھی تک اسے کتاب تو نہیں دی نا؟'' نانی کی آواز ہلکی ہوئی۔ ''یا دے دی ہے؟'' اس نے دل پہ ہاتھ رکھا۔ ''ڈونٹ ٹیل می تم نے صرف ای میل پہ کسی کو کتاب دے دی ہے؟''

اور الماس کے دل پہ آرا سا چل گیا تھا۔ اس نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ سر چکرا رہا تھا۔

تبھی ای میل ٹون بجی۔ زینپ کی میل موصول ہوئی تھی۔

''ڈئیر الماس بخت اور ڈئیر نیلوفر بخت......

Spoiler alert.....

سوری مگر ابھی دوسروں کی عزت اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں میں نہیں دی۔۔

الوداع۔''

وہ بالکل ساکت سی اسکرین کو دیکھ رہی تھی' جب نانی کی لرزتی آواز سنائی دی.....

''الماس.....نیلو.....تالیہ مراد کا فیس بک دیکھو....''

الماس میں سکت نہیں مگر نیلوفر نے نانی سے فون لیا اور اسکرین سامنے کی۔ وہاں تالیہ کا اسٹیٹس جگمگا رہا تھا۔

''میرے پاس نیلوفر بخت کی کتاب سے متعلق دلچسپ معلومات ہیں۔ میں چند منٹ میں فیس بک لائیو کے ذریعے ان کو منظرِ عام پہ لاؤں گی۔ وِدِ لو ' تالیہ۔''

ائیرپورٹ پہ ان کے گرد لوگ آ جا رہے تھے۔ اعلانات اسی طرح ہو رہے تھے۔ مگر وہ تین عورتیں سُن سی بیٹھی نانی کے فون کی اسکرین کو دیکھ رہی تھیں۔

دوسروں کی عزت اور ذلت کے فیصلے کرنے والے نیلوفر کے ہاتھ بے بسی سے گود میں دھرے' اپنی دو برس کی محنت کا جنازہ فیس بک لائیو پہ نکلتے دیکھ رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

تالیہ نے ہوٹل روم میں سیلفی اسٹک کے ساتھ کیمرہ یوں سیٹ کر رکھا تھا کہ وہ کرسی پہ بیٹھی نظر آ رہی تھی اور پیچھے کھلی کھڑکی سے کھجور کے درختوں کا جھنڈ نیلگوں شام میں ڈوبا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' بالوں کو چہرے کے دونوں اطراف میں گرائے' مسکرا کے موبائل کو دیکھ رہی تھی۔ ابھی اس نے ویڈیو کا بٹن آن نہیں کیا تھا۔ لائیو جانے میں چند منٹ تھے۔

''سلام ملائیشیاء!'' اس نے ساتھ رکھا پیالہ اٹھایا جس میں مالٹے کی پھانکیں بھری تھیں۔ سفید اور سیاہ روایتی باجو کرنگ پہنے' تالیہ مسکرا کے کیمرے میں کہہ رہی تھی۔ ''میں ہوں تالیہ مراد۔ لائیو فرام قاہرہ۔ اور میرے پاس ہے اپنے عوام کے لئے ایک بڑی خبر۔''

مالٹے کی پھانک منہ میں ڈالی اور مسکرا کے چباتے ہوئے وقفہ دیا۔ ویڈیو کے ویوز ہر لمحے کے ساتھ بڑھتے جا رہے تھے۔

''میں اسی کروز پہ سفر کر رہی تھی جس پہ نیلوفر بخت سفر کر رہی تھیں۔ اور اس سفر کے دوران ان کی ایک ناراض ٹیم ممبر نے مجھ سے رابطہ کیا اور گیس انہوں نے مجھے کیا بھیجا؟'' گود میں مالٹے کی پھانکوں کا پیالہ رکھے' اس نے میز سے پرنٹڈ کاغذات کا دستہ اٹھایا اور اسکرین کے سامنے کیا۔

''نیلوفر کی کتاب کا unedited مسودہ۔ آپ اس کا انتساب اور چیپٹرز کی فہرست دیکھ سکتے ہیں۔'' اس نے پہلے صفحات کیمرے میں دکھائے۔ پھر مسودہ نیچے رکھا اور مسکرا کے بات جاری رکھی۔ ''میں نے چند گھنٹے ضائع کر کے اس مسودے کو پڑھا ہے۔ اور مجھے یہ بتاتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی ہے کہ میرے ملک کی ایک عورت نے اپنی بیٹی کے ساتھ یہ x ریٹیڈ کتاب لکھی ہے اور خود میرے بارے میں بھی ایک باب تحریر کیا ہے۔ خیر مجھ پہ جو الزامات انہوں نے لگانے تھے

لگا دیے مگر داتو سری عبدالرحمن ....'' تالیہ نے افسوس سے سر جھٹکا۔''میں اس آدمی کو پسند نہیں کرتی۔ میں بالکل بھی ان کے خاندان کی عزت نہیں کرتی مگر وہ آدمی مر چکا ہے' نیلوفر صاحبہ۔اس کے بارے میں اتنے بڑے بڑے جھوٹ اور الزامات لگاتے ہوئے آپ کو خدا کا خوف نہیں آیا۔ ایکچو لی میں آپ کو بتاتی ہوں کہ انہوں نے داتو سری پہ کیا الزام لگائے ہیں۔ بلکہ....'' وہ رکی۔

''میں اپنے عوام کے مفاد میں یہ کتاب مفت میں آپ سے شیئر کرنے کے لئے تیار ہوں مگر کل....واپس کے ایل جا کے....اور ہاں....اگر مجھے راستے میں کچھ ہوگیا تو اس کی ذمہ دار نیلوفر بخت ہوں گی۔سو....کے ایل والو....تیار ہو اس بک آف دی سنچری کے بارے میں جاننے کے لئے جس پہ میری وجہ سے آپ کو دس ڈالرز نہیں خرچ کرنے پڑیں گے؟ کل ملتے ہیں۔بائے۔''مسکرا کے آگے جھکی اور ویڈیو بند کی۔

اب وہ تسلی سے بیٹھی مالٹے کی پھانکیں منہ میں ڈال رہی تھی۔ایک' دو' پانچ....چھٹی پھانک پہ موبائل بجنے لگا۔وہ جانتی تھی پہلی کال موحد کی آئے گی۔

''تالیہ....کل آٹھ بجے....پرائم ٹائم....تم اور میں انٹرویو کر رہے ہیں۔ پہلا انٹرویو میں تمہارا کروں گا اور میں انکار نہیں سنوں گا۔'' وہ اتھل پتھل سانسوں کے درمیان کہہ رہا تھا۔تالیہ نے مسکرا کے ساتویں پھانک منہ میں ڈالی۔

''وہ تو میں کروں گی' لیکن تمہیں مجھے میری من پسند قیمت بھی دینی ہوگی۔''

''میں تمہیں بہترین رائلٹی دوں گا۔''

چند منٹ کے بھاؤ تاؤ کے بعد فون بند ہوا تو دوسری کال آنے لگی۔پھر تیسری اور چوتھی۔

''شیور۔کل دس بجے میں آپ کے شو میں آؤں گی' سلوا' لیکن مجھے جو رقم چاہیے....''

''کل نہیں' پرسوں شام چھے بجے والا سلوٹ میں آپ کو دے سکتی ہوں' روی' اور جو رقم میں ٹیکسٹ کر رہی ہوں' وہ میرے اکاؤنٹ میں پہنچ جانی چاہیے۔نہیں' اس سے نیچے ایک رنگٹ نہیں۔''

''میں آپ کے شو میں بک آف دی سنچری کو ڈسکس کرنے جا رہی ہوں۔اتنے پیسے میرا حق ہیں۔''

درمیان میں دوسرا فون بجنے لگا تو تالیہ نے گہری سانس لی اور اینکر کی کال کاٹی۔پھر وہ کال اٹھائی جس کا اسے انتظار تھا۔

''یا نگ دی برحرمت....کیسی ہیں آپ؟'' وہ چہکی تھی۔

''تالیہ....تم کیا کر رہی ہو؟''صوفیہ غصے سے کانپتی آواز میں غرائی تھی۔

''میں؟''اس نے ایک پھانک منہ میں ڈالی اور چباتے ہوئے بولی۔''آپ کی عزت کی حفاظت کر رہی ہوں۔''

''اس کتاب کو لیک کر کے؟ یا اللہ۔ میں نے تمہیں کتاب روکنے کا کہا تھا۔''

''نہیں۔'' چباتے ہوئے سر دائیں سے بائیں جھلایا۔'' آپ نے کہا تھا کہ نیلوفر کو اس کتاب سے پیسے نہیں بنانے چاہیے ہیں۔ یہ نہیں کہا تھا کہ تالیہ مراد اس سے پیسے نہیں بنا سکتی۔''

''میں.....''

''آپ نے کہا تھا کہ داتو سری بدنام نہ ہوں تو نہیں ہوں گے۔ میں نے کتاب کو edit کر دیا ہے۔خطرناک باتوں کو بدل دیا ہے۔''

صوفیہ دھیمی پڑی۔''تم نے...''ان''.... باتوں کو مٹا دیا ہے؟''

''نہیں۔'' وہ ہنس دی۔''میں نے ان کو بڑھا دیا ہے۔ جہاں اس نے لکھا ہے داتو سری نے دو شادیاں اور بھی کی تھیں وہاں میں نے پانچ شادیاں لکھ دیا ہے۔ جہاں اس نے لکھا کہ وہ دو طرح کے ڈرگز استعمال کرتے تھے' وہاں میں نے ڈرگز کی تعداد آٹھ کر دی ہے۔ دو شادیوں پہ لوگ یقین کر سکتے ہیں۔ پانچ پہ کوئی نہیں کرے گا۔نیلوفر مذاق بننے جا رہی ہے۔''

''آر یو کریزی؟ ابھی وہ انٹرویو دے گی اور بتائے گی کہ یہ باتیں تم نے تبدیل کی ہیں۔''

''میں یہی چاہتی ہوں کہ وہ بتائے کہ میں نے یہ باتیں تبدیل کی ہیں۔تیسری بات جو آپ نہیں چاہتی تھیں وہ یہ تھی کہ نیلوفر کسی ملکہ کی طرح چینلز پہ بیٹھی آپ پہ کیچڑ اچھال رہی ہو۔اب یہ نہیں ہو گا۔نیلوفر ہر چینل پہ بیٹھی بتا رہی ہو گی کہ صفحہ نمبر چار سو دس پہ فلاں فقرہ درست ہے اور فلاں غلط ہے۔وہ نہ کتاب کی تصدیق کر سکے گی' نہ تردید۔وہ صفائیاں دے گی اور کوئی اس پہ یقین نہیں کرے گا۔اس کی کریڈیبیلیٹی ختم ہو جائے گی۔''

پھر ذرا توقف سے بولی۔''ہم دونوں جانتے ہیں کہ نیلوفر کی لکھی بہت سی باتیں سچ ہیں۔آپ اپنے والد کے اعمال سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں صوفیہ۔آپ صرف نقصان کو کم سے کم کر سکتی ہیں۔ میں وہی کر رہی ہوں۔ڈیمیج کنٹرول۔ میں اس کتاب کو اگلے ایک ہفتے تک میڈیا میں اتنا ڈسکس کرنے جا رہی ہوں کہ ایک ماہ بعد جب نیلوفر اس کو منظرِ عام پہ لائے گی تو کوئی اس میں انٹرسٹڈ نہیں ہو گا۔ میں ملائیشیاء کے لوگوں کو اس ٹاپک سے بور کرنے جا رہی ہوں۔ ڈونٹ ڈسٹرب پلیز!''

ٹھک سے فون رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے اپنا سامان پیک کرنا تھا۔

☆☆=========☆☆

فجر ابھی طلوع نہیں ہوئی تھی اور اس کے ہوٹل کے پول کے سامنے کھجور کے درختوں پہ لگی بتیاں روشن تھیں۔ ملازم اس کا سامان کار میں رکھوا رہے تھے اور وہ درختوں کے قریب کھڑی بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔ ہیٹ سر پہ جما تھا اور متلاشی نظریں

ادھر ادھر لپک رہی تھیں۔ شاید وہ اسے الوداع کہنے ائیر پورٹ پہ آئے اور......

''تم نے میری فیس نہیں ادا کی!''

آواز پہ وہ مسکرا کے پلٹی۔ ایک دفعہ پھر وہ اس کی آہٹ نہیں سن پائی تھی۔

نیلگوں اندھیرے میں درختوں کے بیچ وہ کھڑا تھا۔ پی کیپ سر پہ پہنے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے' سوئیٹر کے آستین کہنیوں تک چڑھائے' وہ اتنی صبح منہ اندھیرے بھی بالکل تازہ دم لگتا تھا۔

''تم نے کہا تھا تمہیں پیسے نہیں چاہیے ہیں۔ ورنہ میں نے تمہارے لیے ایک چیک کاٹ رکھا تھا۔ اینی ویز۔ تشکرا یدرم غالپ بے!''

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور سردی بڑھ گئی تھی۔ وہ کچھ کہنے لگا مگر ویلے تالیہ کا سامان اٹھانے آ رہا تھا۔

''تمہاری ویڈیو کافی مشہور ہوئی ہے۔'' وہ آگے بڑھا اور اس کے بیگز باری باری اٹھا کے ویلے کو دینے لگا۔

''ہونی ہی تھی۔ البتہ نیلوفر نے فی الحال چپ سادھ لی ہے۔ وہ شاک میں ہے۔ اس کے کینیڈا اور میرے کے ایل پہنچنے تک ہم دونوں کے انٹرویوز کی میراتھن شروع ہونے والی ہے۔ گیم از آن!''

''اگر وہ تمہیں کتاب چوری کے لئے sue کرے تو؟''

''مگر میں نے کیا کیا ہے؟'' اس نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔ ''میں تو سوشل ایکٹویسٹ ہوں۔ سورس کا نام مخفی رکھ کے کچھ بھی منظر عام پہ لا سکتی ہوں۔ جیسے سارے رپورٹرز کرتے ہیں۔''

''اور اگر اس نے تم پہ الزام لگایا کہ تم نے اسے زینپ بن کے دھوکہ دیا ہے تو؟''

''تو اسے لوگوں کے سامنے یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس نے صرف ای میل پہ نہ صرف کسی کو پورا مسودہ دے دیا بلکہ شادی کا جوڑا بیگ میں لئے ترکی بھی پہنچ گئی۔ مجھے فراڈ ثابت کرنے کے لیے اسے خود کو بے وقوف ثابت کرنا پڑے گا۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ کہے گی... تم نے مسودہ ہیک کروایا ہے۔''

''اور ہیک وہ ثابت نہیں کر سکتی۔ مجھے sue کرنے کے لئے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ نیلوفر کی سب سے بڑی طاقت وہ کتاب تھی اور وہ میں اس سے لے چکی ہوں۔''

''ویسے تم نے اسے ترکی کیوں بھیجا؟ تم اس کے مصر میں ہوتے ہوئے بھی یہ ویڈیو اپ لوڈ کر سکتی تھیں۔'' وہ جیسے یہ سوال کب سے پوچھنا چاہتا تھا۔

''فاتح کے لیے۔اس نے فاتح کو ان کے بچوں کے سامنے بے عزت کرنے کے لیے بہت ہتک آمیز الفاظ کتاب میں لکھے تھے۔ایک دوسرے ملک کے ایئر پورٹ پہ اپنی بیٹی کے ساتھ خوف اور بے بسی کا مزہ اسے بھی چکھانا تھا۔انتقام ویسے بھی جتنا ٹھنڈا ہو' اتنا اچھا ہوتا ہے۔تمہیں لگا میں نے اس کے ساتھ کچھ زیادہ کر دیا؟''

''اوہ مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے۔دوسروں کی عزت کو اپنے ہاتھ میں سمجھنے والوں کے ساتھ فائنل شو ڈاؤن کرنا مجھے ویسے ہی بہت پسند ہے۔'' وہ کھلے دل سے مسکرایا تھا۔پھر جیسے کچھ یاد آیا۔

''تم نے مجھے تین اہرام والے ہیروں کا قصہ نہیں سنایا۔''

تالیہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''تم جاننا چاہتے تھے نا کہ میں نے وہ کیسے چرائے تھے۔''

ذرا توقف سے بولی۔''مگر میں نے وہ چرائے ہی نہیں تھے۔مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ واردات کس نے کی تھی۔''

اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ابرو استعجاب میں اٹھے۔''مگر تم نے کہا تھا....''

''میں نے کہا تھا کہ اس بارے میں آخر میں بتاؤں گی۔یہ نہیں کہا تھا کہ وہ میرا کام تھا۔سوری۔'' مسکراہٹ دبا کے کندھے پھر سے اچکائے۔

وہ چند لمحے ماتھے پہ بل ڈالے اسے دیکھتا رہا' پھر افسوس سے گہری سانس لی۔''No Offence لیکن تم واقعی اتنی بڑی واردات کر بھی نہیں سکتی تھیں۔''

''کیوں نا میں تمہیں ایک اور کہانی سناؤں؟'' پلکیں جھپکا کے معصومیت سے کہا۔''تمہاری کمزوری میں نے ڈھونڈ لی ہے۔''

''اچھا؟'' وہ طنز سے مسکرایا اور دونوں ابرو اٹھائے۔

''میں جان گئی ہوں کہ تم اپنی فیملی کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔کیونکہ تم مجھ پہ یا اپنے کسی ورک پارٹنر پہ کبھی بھی بھروسہ نہیں کر سکتے۔کب کون بک جائے' کسی کو نہیں معلوم۔مگر میں نے سوچا کہ تم اپنی بیوی یا ماں باپ' بہن بھائی...ان سب کو اتنا مخفی کیوں رکھتے ہو؟اور تب مجھے خیال آیا کہ تمہاری فیملی میں صرف یہی لوگ نہیں ہوں گے...بلکہ.'' ......'' وہ اس کے چہرے کو غور سے پڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''بلکہ کوئی ایسا بھی ہے جس کے لئے تم خوفزدہ رہتے ہو۔اس طرح کے کاموں میں تمہیں سب سے زیادہ خطرہ صرف ایک وجود کے لئے رہتا ہے.....'' نیم اندھیر درختوں میں اس کی آواز سرگوشی میں بدل گئی تھی۔

"You have a child !" وہ اس کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر کہہ رہی تھی۔

"بیٹا..... یا شاید بیٹی..... جو بہت معصوم اور کم عمر ہے..... اور اس کے لئے تم ڈرتے ہو۔ اسی لئے میں چاہوں بھی تو تمہاری فیملی کا پتہ نہیں لگا سکتی۔ ہے نا؟"

وہ بے تاثر چہرے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی بات ختم ہوئی تو تالیہ نے دیکھا اس نے دانت سے نچلا لب کاٹا تھا۔ جب وہ بولا تو لہجہ سرد تھا۔

"تم فی الحال تم ان کیکس کی فکر کرو' تالیہ..... جو کوئی تمہارے نام سے بھیجتا ہے۔ تمہارے خلاف کوئی سازش کر رہا ہے اور ایسی سازشوں پہ ملک کے وزیراعظم بھی بچانے نہیں آیا کرتے۔" اس کے سرد اور روکھے انداز پہ وہ مسکرا کے کندھے جھٹکتی' بیگ لئے آگے بڑھی اور جاتے جاتے فقرہ اچھالا۔

"تمہیں کیسے پتہ ان سازشوں کے بارے میں؟"

وہ چند قدم آگے بڑھ گئی تھی جب اس نے اندھیر درختوں کے جھنڈ سے اس کی آواز سنی۔

"کیوں' بے تالیہ؟ تم کتابیں نہیں پڑھتیں کیا؟"

ان الفاظ پہ وہ پتھر کا بت بن گئی۔

قدم وہیں ثبت ہو گئے اور چند لمحے کے لئے دل دھڑکنا بھول گیا۔ پھر وہ تیزی سے گھومی۔

"تمہیں کیسے پتہ یہ فقرہ جو......"

الفاظ لبوں پہ ٹوٹ گئے۔

درختوں کا جھنڈ ویران تھا۔

وہاں کوئی نہ تھا۔ سایہ تک نہیں۔

کسی خیال کے تحت اس نے اپنے ہینڈ بیگ کے کھلے دہانے میں ہاتھ ڈالا۔ پہلے خانے میں رکھا چیک بھی غائب تھا۔ وہ اپنی فیس اپنے طریقے سے لے چکا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اسے پیسے نہیں چاہیے ہیں۔ مگر اس نے یہ بھی کہا تھا کہ

"I lie for a living!"

وہ پول کے کنارے تنہا کھڑی تھی۔

جہان سکندر جا منی اندھیرے میں غائب ہو چکا تھا۔

ایسے جیسے وہ کبھی اس کی کہانی میں آیا ہی نہ ہو۔

تالیہ نے ایک تھکی ہوئی گہری سانس اندر کھینچی اور آگے بڑھ گئی۔ اس کو ائیر پورٹ پہنچنا تھا۔

☆☆==========☆☆

پردھانہ پترا ملائیشیاء کے دارالحکومت پترا جایا کی ایک سبز گنبد والی پرشکوہ سی عمارت ہے جس کے اندر وزیرِ اعظم کا آفس موجود ہے۔ آفس میں بھوری لکڑی کا کام نمایاں نظر آتا ہے۔

وہاں ایک بڑی ٹیبل کے پیچھے صوفیہ رحمٰن ٹیک لگائے براجمان تھی اور اس کی پشت پہ دیوار گیر بک شیلف بنے تھے جو گہری بھوری لکڑی کے تھے۔ اتنے کھلے کھلے سے آفس کو گہرے رنگوں نے تنگ سا بنا رکھا تھا۔

دیوار پہ نصب ٹی وی روشن تھا اور ٹیک لگا کے بیٹھی صوفیہ چینل پہ چینل بدل رہی تھی۔

ایک چینل پہ تالیہ مراد اسٹوڈیو میں بیٹھی نظر آتی تھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے وہ مصنوعی غصے سے کہہ رہی تھی۔ ''ٹھیک ہے میں صوفیہ رحمٰن کی مخالف ہوں مگر فوت ہو جانے والوں کا احترام انسانیت کے زمرے میں آتا ہے۔ صفحہ نمبر 312 پہ نیلوفر داتو سری کے بارے میں لکھتی ہیں کہ وہ نفسیاتی مریض بھی تھے۔ اور یہ دوائیں استعمال کرتے تھے۔ مجھے بتائیں ایک آدمی نفسیاتی مریض ہونے کے ساتھ دو دفعہ ملک کا وزیرِ اعظم کیسے رہ سکتا ہے؟'' وہ تعجب سے کہہ رہی تھی۔

''احمقانہ الزامات۔ انتہائی احمقانہ۔'' اینکر افسوس سے سر جھٹک رہا تھا۔

صوفیہ نے چینل بدلا۔ نیلوفر ایک دوسرے شو میں بیٹھی تھی۔ کرسی پہ آگے ہو کے' دونوں ہاتھ اٹھا کے وہ کہہ رہی تھی۔

''دیکھیں... میری کتاب میں تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ اس کو ہیک کیا گیا ہے۔''

''آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ یہ کتاب جھوٹ ہے جو تالیہ مراد منظرِ عام پہ لائی ہیں؟''

''میں یہ کہہ رہی ہوں کہ.....''

''کہ داتو سری ڈرگ ایڈکٹ اور نفسیاتی مریض نہیں تھے؟'' اینکر جرح کر رہا تھا۔

''نہیں۔ ہاں۔ وہ تھے۔ مگر میں نے ڈرگز کے نام یہ نہیں لکھے تھے۔ دیکھیں جب اصل کتاب آئے گی تو.....''

''اگر یہ سچ نہیں ہے تو آپ تالیہ مراد کو کورٹ لے جائیں یا اس کتاب کو مکمل طور پہ جھوٹا قرار دے دیں۔ آپ خود بھی کنفیوزڈ ہیں' نیلوفر صاحبہ۔''

اینکر اس کو برہمی سے ٹوک رہا تھا۔ ''آپ نے کتاب میں فی میل اینکرز کے بارے میں انتہائی نازیبا الفاظ استعمال کیے ہیں۔ کیا آپ کے پاس اس سب کا ثبوت ہے؟''

اور نیلوفر کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ کتاب میں خواتین اینکرز کے نام تالیہ نے بدل دیے تھے۔ اس سب کو ایسے نہیں

ہونا تھا جیسے ہو رہا تھا۔

صوفیہ نے سرخ بٹن دبایا تو ٹی وی اسکرین بجھ گئی۔ وہ سوچتی نظروں سے دیوار کو دیکھنے لگی۔

تبھی سامنے بیٹھا دولت کھنکھارا۔ اس کی ناک پہ ابھی تک بینڈ ایج لگا تھا۔

"یا تنگ دی بر حرمت۔ تالیہ نے ڈیل پوری نہیں کی۔ اس نے کتاب روکنے کے بجائے شائع کر دی ہے۔"

"ہوں۔"

"اس لیے ہمیں ڈیل پوری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اس کی سابقہ چوریوں کی بنیاد پہ اس کو گرفتار کر سکتے ہیں۔" وہ آگے کو ہوا کہہ رہا تھا۔

صوفیہ نے مسکراتی آنکھوں کا رخ اس کی طرف موڑا۔ سفید اسکارف کے ہالے میں اس کا چہرہ پُرسوچ نظر آتا تھا۔

"یعنی ہم اس کو عوام کے سامنے چور ثابت کریں۔ تاکہ نیلوفر کا دعویٰ سچ ہو جائے کہ تالیہ نے اس کی کتاب چرائی ہے۔"

"مگر....."

"اور اسے فراڈ ثابت کریں تاکہ وہ میرے باپ کے حق میں جو باتیں کہہ رہی ہے وہ معتبر نہ رہیں۔"

"لیکن وہ ان ساری حساس باتوں کو بڑھا چڑھا کے بیان کر رہی ہے۔"

"مگر کیا لوگ ان بچگانہ الزامات پہ یقین کر رہے ہیں' دولت؟" صوفیہ نے ابرو اٹھائی۔

"نہیں' میم۔" دولت کی آواز ہلکی ہوئی۔ "لوگ نیلوفر کا مذاق اڑا رہے ہیں اور یقین نہیں کر رہے۔ وہ رسوا ہو کے رہ گئی ہے' مگر تالیہ اس سب سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ وہ انٹرویوز سے پیسے کما رہی ہے۔ وہ.....وہ سارے میڈیا پہ چھائی ہوئی ہے۔ وہ ایک اسکامر ہے' میم۔ ہم اس کو یوں آزاد نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم ڈیپارٹمنٹ کے لیے کیا مثال سیٹ کر رہے ہیں؟"

"تمہیں یاد ہے مجھے سب سے زیادہ ڈر کس بات کا تھا' دولت؟" کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے صوفیہ نے لمحے بھر کو آنکھیں بند کیں۔ "کہ وہ عورت.....میرے باپ پہ کیچڑ اچھالے گی اور مجھے اس کو جواب دینا پڑے گا۔ میں نے آج تک پبلک میں اس کو جواب نہیں دیا۔ مجھے اپنے مقام سے اتر کے اس کی باتوں کو grace کرنا پڑے گا۔ صوفیہ versus نیلوفر۔ یہ میرے لئے بھیانک خواب تھا۔" اس نے آنکھیں کھولیں اور طمانیت سے مسکرائی۔

"مگر مجھے ایک لفظ نہیں کہنا پڑ رہا۔ میری پارٹی کو سوائے افسوس کے اظہار کے زبان نہیں ہلانی پڑی۔ ہمیں تو پتہ ہی نہیں ہے کہ کیا ہو رہا ہے۔ پچھلے چار دن سے میڈیا پہ صرف تالیہ versus نیلوفر چل رہا ہے۔ اسے چلنے دو' دولت۔ یہ میرے حق میں جا رہا ہے۔"

پھر وہ سیدھی ہوئی اور قلم نکال کے ایک کاغذ پہ دستخط کیے۔ پھر وہ کاغذ دولت کی طرف بڑھایا۔

"یہ تالیہ مراد کا کانفیڈینشل سرکاری pardon ہے۔ وہ اپنے تمام جرائم سے آزاد ہے۔ تمہارا ڈیپارٹمنٹ اس کے خلاف تمام چارجز ڈراپ کر کے اس کو فل امیونٹی دینے کا پابند ہے۔"

"جو آپ کا حکم ہو میم۔" دولت نے ناخوشی سے کہتے معافی نامہ اٹھا لیا۔ اس کے پاس اب اس کو سرکاری دستاویز میں بدلنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

☆☆=========☆☆

حالم کا بنگلہ بہت عرصے بعد آباد آباد سا لگتا تھا۔ لاؤنج کے پردے ہٹے تھے اور سرما کی دھوپ پوری آزادی سے اندر آ رہی تھی۔ بڑے صوفے پہ کسی شہزادی کی تمکنت سے گھر کی مالکن بیٹھی تھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، گہرے نیلے اور سبز رنگ کے باجو کرنگ پہ ملبوس، وہ مسکرا کے سامنے بیٹھے دولت کو دیکھ رہی تھی۔ دولت چند کاغذات اس کی میز پہ رکھ رہا تھا اور تالیہ نے اس امر کو یقینی بنایا تھا کہ وہ اس کی انگلی کی سرخ یاقوت والی انگوٹھی اور کانوں میں پہنے ہیرے بار بار دیکھے۔

"تو اب میں آزاد ہوں؟" انگلی کان کے ٹاپس پہ پھیرتے ہوئے شہزادی نے پلکیں جھپکا کے پوچھا۔ سامنے بیٹھے دولت نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ وہ بھورے سوٹ میں ملبوس تھا اور آگے کو ہو کے بیٹھا تھا۔ چہرے کے تاثرات میں ضبط کا عنصر نمایاں تھا۔

"جی، چے تالیہ۔ آپ آزاد ہیں۔ گو کہ آپ کا طریقہ کافی غلط تھا مگر پردھان منتری نے آپ پہ رحم کھاتے ہوئے اپنا وعدہ پورا کیا ہے۔"

"ایک بات پوچھوں؟" معصومیت سے استفسار کیا۔

"جی؟"

"آپ کی ناک کیسی ہے؟" ہلکا سا مسکرائی۔

"آپ کی مالی حالت کی طرح ہر دن کے ساتھ بہتر ہو رہی ہے۔" اس نے اطراف پہ طنزیہ نگاہ ڈالی۔

"آپ میری حلال کی کمائی سے رشک محسوس کر رہے ہیں، دولت صاحب؟" اسی سادگی سے پلکیں جھپکائیں۔

"میری چھٹی حس کہتی ہے کہ یہ سب عارضی ہے، چے تالیہ۔" وہ پہلی دفعہ مسکرایا تھا۔ اس کی زیرک نگاہیں تالیہ کے اندر تک جھانک رہی تھیں۔

"ایک بات یاد رکھیے گا۔ آپ کا معافی نامہ آج کی تاریخ سے پہلے تک کے تمام جرائم کو کور کرتا ہے۔ آج کے بعد آپ کے

ہر عمل پہ میری نظر ہوگی۔ آپ ذرا سا پھسلنا بھی افورڈ نہیں کر سکتیں۔"

"آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں پھسلوں گی؟" وہ کھڑکی سے آتی سنہری روشنی کے ہالے میں بیٹھی تھی۔ دھوپ اتنی تیز تھی کہ اس کی آنکھیں چندھیا چندھیا رہی تھیں اور اسے دولت کو دیکھنے کے لئے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنانا پڑ رہا تھا۔

وہ سائے میں نظر آ رہا تھا۔ تیز روشنی اس کی پشت پہ تھی۔ اس لئے وہ کھڑا ہوا تو اس کے چہرے کے تاثرات دھندلانے لگے۔

"کیونکہ میں ایک بات جانتا ہوں۔ پرانی عادتیں نئے ارادوں سے پختہ ہوتی ہیں۔ آپ کو سیدھے دروازوں کی عادت نہیں ہے۔ آپ کے قدم خود بخود چور راستوں کی طرف اٹھتے ہیں۔ آپ جتنی کوشش کر لیں.... اپنے اصل سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں۔ آپ کی زبان جھوٹ کی عادی ہے۔ آپ کے ہاتھ نقب لگانے میں ماہر ہو چکے ہیں۔ جلد یا بدیر آپ کے سامنے دوبارہ سے وہی ترغیبات آئیں گی۔ خواہش کے ہاتھوں یا خوف سے مجبور ہو کے آپ کے قدم آپ کو ایک دفعہ پھر اسی راستے پہ لے جائیں گے۔ آپ کی انگلیاں ممنوعہ تالوں کی طرف بڑھیں گی اور آپ سوچے سمجھے بغیر ان کو کھولنا چاہیں گی۔ میں اس وقت کا انتظار کروں گا۔"

وہ تنبیہہ کے انداز میں کہتا پلٹا تھا۔

"آپ کیوں چاہتے ہیں کہ میں ایمانداری سے اپنی نئی زندگی نہ شروع کروں؟ آپ مجھے فیل ہوتے کیوں دیکھنا چاہتے ہیں؟"

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ وہ چبھتی آنکھوں سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔ دروازے کی طرف بڑھتے بڑھتے وہ رکا اور مڑ کے اسے دیکھا۔

اب وہ روشنی اور اندھیرے کے کھیل سے دور تھا' اس لئے اس کا چہرہ چھاؤں میں تھا اور کرخت تاثرات واضح تھے۔

"میں نے ساری زندگی پہلے پولیس اور پھر انٹیلی جنس سروس میں ایمانداری سے اپنے ملک کی خدمت کی ہے۔ میں نے آپ سے بڑے بڑے کرمنلز کو جیل میں ڈالا ہے۔ میں کبھی بھی کرمنلز کے ساتھ ڈیلز کرنے اور ان کو immunity دینے کے حق میں نہیں ہوں۔ اوپر سے آئے احکام کے باعث میں مجبور تھا۔ مگر ایسی ڈیلز لاء انفورسمنٹ کو ہمیشہ ناخوش رکھتی ہیں۔ میں ناخوش ہوں۔ میرا ڈیپارٹمنٹ ناخوش ہے اور ہم سب آپ سے دوبارہ کسی دوسرے حال میں ملنے کے منتظر رہیں گے چے تالیہ۔" سر کو جنبش دے کر سلام کیا اور باہر نکل گیا۔

تالیہ نے گہری سانس خارج کی۔

وہ کبھی دوبارہ اس آدمی کو نہیں دیکھنا چاہتی تھی' اور یقیناً اس کی کوئی وجہ بھی نہیں بنے گی۔ وہ غلط کہہ رہا تھا۔ تالیہ کبھی دوبارہ کوئی جرم نہیں کرے گی۔ اس نے اپنا عزم خود سے دہرایا تھا۔

☆☆=========☆☆

کے ایل کے اس متوسط طبقے کے علاقے میں بنا وہ گھر اور اس کا باغیچہ سرما کی دھوپ سے خوب روشن نظر آ رہا تھا۔ گھاس پہ کرسی ڈالے بیٹھا ایڈم سورج کی جانب کمر کیے ہوئے تھا۔ وہ گھٹنوں پہ جرنل جمائے' قلم سے اس پہ کچھ لکھتا۔ پھر کاٹتا۔ اس کے بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور شیوز رابڑھی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا وہ شدید مضمحل اور اداس ہے۔

''تمہارے چوزے کہاں گئے؟''

آواز عقب سے آئی تھی۔ ایڈم کا قلم تھاما ہاتھ منجمد ہو گیا۔

اس آواز نے سرما کی دھوپ کو ایک دم مزید سنہرا کر دیا تھا۔

وہ بے یقینی سے اٹھا اور پلٹا۔

گھاس پہ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اسکرٹ پہ سفید منی کوٹ پہنے' سفید ہیٹ سر پہ ترچھا جمائے' وہ مسکرا رہی تھی۔

ایک دم سارے کے ایل کو اس کی رعنائی واپس مل گئی تھی۔ تالیہ واپس آ گئی تھی۔

وہ چند لمحے دم سادھے کھڑا اسے دیکھے گیا۔ کسی کو ایک دم یوں دیکھ لینے سے دل اس طرح بھی سنبھل جاتا ہے' اسے پہلی دفعہ معلوم ہوا تھا۔

''آپ..... کب آئیں؟ مجھے آہٹ تک سنائی نہیں دی۔''

تالیہ مبہم سا مسکرائی۔ ''بنا چاپ کے چلنا بھی ایک آرٹ ہے۔ میں سیکھ رہی ہوں۔''

پھر خاموش ہوئی۔ دونوں چند لمحے چپ سے کھڑے رہے۔

''کیا ہم دوبارہ سے دوست ہیں' بے تالیہ؟'' اس نے امید اور خوف کے ملے جلے تاثرات سے پوچھا۔ ''ہم نے آپ کے لئے وہ نہیں کیا جو کرنا چاہیے تھا' یا جو آپ کرتیں' مگر ہم واقعی یہ سمجھے تھے کہ.....''

''دوست جسم کی ہڈیوں کی طرح نہیں ہوتے کہ ان کے درمیان فریکچر لگے تو ان کو زبردستی جوڑ کے باندھ کے رکھا جائے تو وہ تندرست ہو جائیں گے۔ دوستوں کے فریکچر مختلف ہوتے ہیں۔ جب دراڑ پڑے تو دونوں کو الگ ہو جانا چاہیے اور ایک دوسرے کو اسپیس دینی چاہیے تاکہ جب وہ دوبارہ ملیں تو ان کی ہیئت مختلف ہو۔ وہ ایک دوسرے سے پہلے والے پوائنٹس پہ نہ جڑیں بلکہ اپنے تعلق کو اس دفعہ نئے پوائنٹس پہ جوڑیں۔''

''کیونکہ ایک دوسرے کی غیر موجودگی میں ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے کتنے اہم تھے اور کتنے نہیں تھے۔''

''میرا سوال اب بھی وہیں ہے۔تمہارے چوزے کہاں گئے؟''ہیٹ والی لڑکی کی مسکراہٹ سادہ تھی۔وہ پرانی باتوں کو دہرانا نہیں چاہتی تھی۔ایڈم نے گہری سانس لی۔

''ان کو ایک ظالم بلی نے مار ڈالا۔''

''اوہ۔آئی ایم سوری۔''اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔''تم تو بہت دکھی ہوئے ہوگے۔''

''مجھ سے زیادہ ماں دکھی ہے۔میرے غم دوسری طرح کے ہیں۔''

پھر اسے خیال آیا تو جلدی سے جرنل میز پہ رکھا اور دوسری کرسی اٹھا کے سامنے بچھائی۔

''آپ داتن سے ملیں؟''

''نہیں۔مگر مل لوں گی۔''وہ دونوں اب دھوپ میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

''آپ کی نیلوفر کے خلاف مہم دلچسپ تھی۔''وہ پہلی بار مسکرایا۔''اس نے desperate ہو کے امیزون پہ آج کتاب شائع کر دی ہے مگر لوگ اس ٹاپک سے اتنے بور ہو چکے ہیں کہ اس کی کتاب کی ایک ہیڈ لائن بھی نہیں بنی۔''

''یہ میری آزادی کی قیمت تھی'ایڈم۔''

''اب وہ آپ کو نہیں پکڑ سکتے' ہے نا؟''وہ امید سے پوچھ رہا تھا۔تالیہ نے مسکرا کے سر ہلایا۔دھوپ کے باعث اس نے ہیٹ مزید ترچھا کر لیا تھا اور اس کی آنکھیں سنہری لگ رہی تھیں۔

''تم بتاؤ۔ان کیکس کی تحقیق کی تم نے؟میں تو آج نیلوفر کی کتاب سے فارغ ہوئی ہوں۔''

''جی۔میں جتنی تحقیق کر سکتا تھا' کر چکا ہوں۔آپ کے نام پہ نیشنل بینک میں ایک نیا اکاؤنٹ کھلا ہے'اور اس کے جاری کردہ کریڈٹ کارڈ سے یہ کیک خرید کے روز بھیجے جاتے ہیں۔آپ کے خیال میں یہ کون کر سکتا ہے؟''

''عصرہ!''تالیہ کو یقین تھا۔''مجھے نہیں معلوم کیسے اور کیوں'مگر صرف وہی میری دشمن ہے۔''

''اب آپ کیا کریں گی؟''وہ فکرمند تھا۔

''تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''وہ مسکرا دی تو ایڈم نے گہری سانس لی اور موبائل پہ ایک فائل کھول کے اسکرین اس کے سامنے کی۔

''اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

''میں یہ فائلز تمہاری ای میل میں دیکھ چکی ہوں ایڈم۔تم نے اس آف شور کمپنی کے بارے میں فاتح سے دریافت کیا؟''

''جی اور وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔''

''پھر وہ سچ کہہ رہے ہوں گے۔لیکن تمہاری تسلی کے لئے میں ان سے خود بات کروں گی۔''

''آپ کے پاس چار دن ہیں تالیہ کیونکہ اس کے بعد میں اس فائل کو اپنی کتاب میں چھاپنے پہ مجبور ہوں گا۔''

تالیہ کے ابرو اکٹھے ہوئے۔''تم کیسے اسے چھاپ سکتے ہو جبکہ وان فاتح اس کمپنی سے انکاری ہیں؟''

''میں نے جن لوگوں کی آف شور کمپنیز پہلے منکشف کی تھیں ان سے ان کا اقرار یا انکار نہیں مانگا تھا۔ان میں سے کوئی ایک بھی اشاعت کے بعد تردید کے لئے نہیں آیا۔اگر وان فاتح کے پاس کوئی ثبوت ہے اور وہ اشاعت کے بعد لے آئیں تو میں اگلے ایڈیشن سے ان کا نام خارج کر دوں گا۔''

''وہ تمہیں کورٹ لے جائیں گے ایڈم۔''

''میری فائل ثبوتوں کے ساتھ ہے۔ان کے پاس جو ثبوت کورٹ کے لئے ہے وہ مجھے ابھی دکھا دیں۔''وہ فیصلہ کر چکا تھا۔اسے انصاف کرنا تھا۔سب دولت چھپانے والوں کے ساتھ ایک ہی برتاؤ کرنا تھا۔

''میں ان سے بات کروں گی۔''وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی بے اختیار ساتھ ہی اٹھا۔ایک دم سے دھوپ میں اداسیاں گھل گئی تھیں۔

''لیکن تم میری آخری بات سنے بغیر ان کا نام کتاب میں نہیں ڈالو گے۔ٹھیک؟''

وہ اب بھی اسی کا دفاع کر رہی تھی۔ساری ناراضیاں رنجشیں ایک طرف وہ اب بھی اپنے لیڈر کو تحفظ دے رہی تھی۔ایڈم اداسی سے مسکرایا۔

''اگر آپ اس فائل کو جعلی ثابت کر دیں تو میں بہت خوشی سے اسے اپنے مسودے سے خارج کر دوں گا۔آپ کے پاس چار دن ہیں۔''

تالیہ نے پرس اٹھاتے ہوئے ایک آزردہ نظر اس کے جرنل پہ ڈالی۔

یہ اس کتاب کا مسودہ تھا جو وان فاتح کا سیاسی کیریئر داغدار کر سکتی تھی۔

ایک دفعہ پھر ان تینوں کی زندگیاں ایک کتاب سے متاثر ہونے جا رہی تھیں۔

☆☆=========☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ پہ سہ پہر اتر رہی تھی جب تالیہ نے اپنی کار باہر کھڑی کی۔ہیٹ اتار کے فرنٹ سیٹ پہ رکھا بال

پونی میں جکڑے اور کوٹ کی شکنیں درست کرتی باہر نکلی۔

اس نے گھنٹہ پہلے واٹس ایپ پہ فاتح کو پیغام بھیجا تھا۔ ''میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ ابھی۔ اسی وقت۔''

ایک مان سا تھا کہ وہ فوراً اس کے لئے وقت نکال لے گا۔ وہ جو اس کے پیچھے اس کے گھر آتا تھا۔ جو اس کے لئے خط لکھتا تھا۔ جو اس سے ای میلز میں پوچھتا تھا کہ وہ کب آئے گی' وہ اس کے لئے وقت ضرور نکالے گا۔

اس کا جواب دو منٹ کے اندر موصول ہوا تھا۔

''میں گھر پہ ہوں۔ ابھی آجاؤ۔''

اس کے دل کی حالت تب سے عجیب سی تھی۔ وہ گیٹ تک پہنچ گئی تھی مگر عجیب ہیجان میں مبتلا تھی۔

کیا پہلے کہنا تھا؟ گلہ؟ شکوہ؟ رکھائی کا اظہار؟ اور کیا نہیں کہنا تھا؟ کیا وہ بنگارایا ملایو کا ذکر کرے گا؟ کیا اس کو کچھ یاد آیا ہوگا؟ وہ اتنے دن بعد اس سے ملنے جا رہی تھی' دل عجیب سا ہو رہا تھا۔

گارڈز نے اسے دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا۔ بٹلر اسے خوش آمدید کہتا سیدھا اندر لے آیا۔

''فاتح صاحب نے مجھے بلایا تھا۔'' اس نے خوامخواہ وضاحت دی۔ بٹلر سر ہلا کے اسے سیڑھیوں کی طرف لے آیا۔

''آپ اوپر اسٹڈی میں بیٹھیں۔ میں ان کو بھیجتا ہوں۔''

وہ ریلنگ پہ ہاتھ رکھے زینے چڑھنے لگی۔

ان سیڑھیوں' ان دیواروں کے درمیان وہ کتنی دفعہ آئی تھی۔ عصرہ کی دوست سے لے کر فاتح کی چیف آف اسٹاف تک کا سفر اس نے کیسے طے کیا تھا' یوں لگتا تھا زمانے بیت گئے ہوں۔

اسٹڈی سرد تھی حالانکہ موسم میں ٹھنڈ واجبی سی تھی۔ وہ چپ چاپ کرسی پہ جا بیٹھی اور مقابل رکھی خالی بھوری سیٹ کو دیکھتے ہوئے جملے ترتیب دینے لگی۔ وہ وہاں کیوں آئی تھی؟ وہ خود بھی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔

دروازہ کھلا اور بند ہوا۔ وہ نہیں پلٹی۔ پھر اس نے کنکھیوں سے نوارد کو میز کے ایک طرف سے گزر کے اپنے سامنے آتے دیکھا تو وہ چونک کے اٹھی۔

''عصرہ!'' تعجب سے ابرو اٹھائے۔ عصرہ محمود اپنی ازلی مسکراہٹ سجائے اس کرسی پہ براجمان ہو چکی تھی۔ بالوں کا جوڑا بنائے' گردن میں موتی پہنے' وہ اب کرسی سے ٹیک لگائے سامنے کھڑی تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔

''کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھو نا۔ آخر تم مجھ سے ملنے آئی ہو۔''

''میں....'' وہ رکی۔ ''فاتح صاحب نے مجھے بلایا تھا۔''

''نہیں۔تم نے مجھے ٹیکسٹ کر کے ملاقات کا وقت مانگا تھا۔''عصرہ نے جتا کے کہتے ہوئے موبائل دکھایا جس پہ تالیہ کی چیٹ کھلی تھی۔

''یہ نمبر پچھلے ایک ہفتے سے میں استعمال کرتی ہوں۔فاتح نے نمبر بدل لیا ہے۔تمہیں نہیں معلوم؟''

تالیہ نے ضبط سے گہری سانس لی۔فاتح ہر دو ماہ بعد نمبر ضرور بدلتا تھا۔مگر پہلی دفعہ اس کا پرانا نمبر عصرہ استعمال کر رہی تھی۔

''بیٹھو نا۔ورنہ مجھے لگے گا کہ مجھے فاتح کی جگہ دیکھ کے تم پریشان ہوگئی ہو' تالیہ۔''

''ایکچولی مجھے آپ سے بھی بات کرنی تھی۔''وہ گردن سیدھی رکھے واپس کرسی پہ بیٹھی۔''اچھا ہوا موقع مل گیا۔''

''اوہ تمہارے کیکس کا شکریہ جو تم ہر روز بھیجتی ہو۔''عصرہ کو جیسے یاد آیا۔تالیہ کے ابرو ناگواری سے بھنچے۔

''میں آپ کو کوئی کیک نہیں بھیجتی' مسز عصرہ۔ مجھے معلوم ہے میرے نام پہ کیک کون بھیج رہا ہے اور میں ضرور پولیس میں شکایت درج کرنے جاؤں گی۔''

''اچھا۔تم نہیں بھیجتیں؟ نام تو تمہارا ہی ہوتا ہے ان پہ۔''عصرہ پہ کوئی اثر نہ ہوا۔وہ جیسے مطمئن تھی۔اس کا رویہ تالیہ کو الجھا رہا تھا۔

''میں ان کیکس کی تحقیق اور پولیس رپورٹ تو کروا دوں گی۔کیوں نا ابھی ہم آریانہ کے بارے میں بات کر لیں۔''

عصرہ کے مطمئن تاثرات برقرار رہے مگر تالیہ نے دیکھا' وہ میز پہ رکھے ہاتھ کے ناخن سے لکڑی کھرچنے لگی تھی۔

''آریانہ کا کیا؟''

''مسز عصرہ....آپ نے آریانہ کا قتل کیا تھا۔ہم دونوں جانتے ہیں۔''

''کتنا برا الزام لگا رہی ہو تم مجھ پہ!''وہ افسوس سے بولی۔

''آریانہ کا خون آپ کے ہاتھ پہ ہے۔خود پہ رحم کھائیں اور وان فاتح کو اپنے منہ سے بتا دیں۔شاید وہ آپ کو معاف کر دیں۔نہیں تو میں ان کو بتا دوں گی۔ثبوت کے ساتھ۔''

وہ ٹھنڈے انداز میں بولی۔نظریں عصرہ کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''تالیہ تمہیں لگتا ہے تم یہ کر کے مجھ سے کچھ چھین لو گی؟ تم غلط ہو۔تم پہلے ہی مجھ سے سب کچھ چھین چکی ہو۔اب میرے پاس کھونے کو کچھ نہیں بچا۔''

پھر عصرہ اٹھی اور میز کے پیچھے سے نکل کے دروازے تک آئی۔دروازہ پورا کھول دیا۔پھر اسی اطمینان سے دیوار میں نصب شیلف تک آئی۔ایک کرسٹل کا ڈیکوریشن پیس اٹھایا اور پلٹی۔

''تم میرے شوہر کو مجھ سے چھیننا چاہتی ہو۔'' وہ ایک دم غرائی تھی۔ اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ تالیہ بے اختیار کھڑی ہوگئی۔

''میں چاہتی ہوں آپ اپنے شوہر کو سچ بتا دیں۔''

عصرہ نے ہاتھ میں پکڑا پیپر ویٹ زور سے چوکھٹ پہ دے مارا۔ وہ باہر سیڑھیوں کے پاس فرش سے ٹکرایا اور چکنا چور ہوگیا۔

''تم میرے شوہر کو مجھ سے چھیننا چاہتی ہو؟'' اس نے دوسرا پیپر ویٹ اٹھایا اور اس طرف پھینکا۔ وہ تالیہ کی طرف چیزیں نہیں پھینک رہی تھی۔ وہ ایک ایک کر کے کرسٹل کے پیپر ویٹ دروازے کے باہر پھینک رہی تھی۔

تالیہ نے تعجب سے اس کے انداز کو دیکھا۔ ''میں تحمل سے بات کر رہی ہوں اور آپ.....''

''نکل جاؤ تم یہاں سے اور میری زندگی سے۔ گیٹ لاسٹ تالیہ۔'' وہ اونچی آواز میں چلا رہی تھی۔ ساتھ ہی چیزیں زوردار آواز کے ساتھ فرش پہ پھینک رہی تھی۔ البتہ یہ سب کرتے ہوئے اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

تالیہ نے تیزی سے پرس اٹھایا۔ ''آپ جو بھی ڈرامہ کر رہی ہیں' آپ اس میں کامیاب نہیں ہوں گی۔'' اور دروازے کی طرف بڑھی۔ عصرہ نے ہاتھ فضا میں روک لیا۔ جب وہ باہر نکل گئی اور سیڑھیاں اترنے لگی' تب عصرہ نے آخری پیپر ویٹ دیوار پہ دے مارا۔

تالیہ گلابی چہرے کے ساتھ زینے اتر رہی تھی۔ ملازم لاؤنج میں اکٹھے ہوئے گردن اٹھائے سراسیمگی کے عالم میں اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ کسی کو بھی دیکھے بنا زینے پھلانگتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔

اوپر موجود عصرہ موبائل ہاتھ میں لئے سیڑھیوں کے دہانے پہ آرکی اور نمبر ملا کے فون کان سے لگایا۔ ملازم ابھی تک وہیں کھڑے تھے۔ مگر اسے آتا دیکھ کے گڑبڑا کے تتر بتر ہونے لگے۔ البتہ انہوں نے جاتے وقت اپنی مالکن کی بھیگی آواز ضرور سنی تھی۔

''ہیلو.....دولت بھائی۔ کیا آپ ابھی میرے پاس آسکتے ہیں؟ جی میں گھر پہ ہوں۔ ایمرجنسی ہے۔ مجھے...مجھے لگتا ہے کہ ...تالیہ....فاتح کی ایکس چیف آف اسٹاف...تالیہ مراد....مجھے لگتا ہے...وہ فاتح کی جان لینا چاہتی ہے۔''

تیز سانسوں کے درمیان وہ بے ربط انداز میں کہہ رہی تھی۔

اس کی آواز نے فضا میں عجیب سا خوف بکھیر دیا تھا۔

☆☆=========☆☆

وہ گھر آئی تو دل کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ فاتح کا نیا نمبر اس کے پاس نہ تھا۔ البتہ ای میل ایڈریس موجود تھا۔ کیا وہ اسے ای میل کر دے؟ مگر پہلے اسے سب سے ضروری کام کرنا تھا۔

وہ پولیس اسٹیشن گئی اوران کیکس کے خلاف رپورٹ لکھوا کے آئی۔ بینک کا ٹائم ختم ہو چکا تھا' اس لئے اس نے بینک جا کے درخواست دینا کل پہ موخر کیا اور گھر آ گئی۔ پھر سارے دروازے کھڑکیاں بند کر لیں اور کچن ٹیبل پہ اندھیرے میں موم بتی جلا کے بیٹھ گئی۔

اب ہر طرف تاریکی تھی اور درمیان میں موم بتی کا شعلہ چمک رہا تھا۔ وہ اس شعلے کو دیکھ کے سوچنے لگی۔

جیسے اسے مراد راجہ نے سوچنا سکھایا تھا۔ سارے خیالات کو ذہن سے جھٹک کے صرف اس شعلے پہ نگاہیں مرکوز کرنا اور ایک معاملے کو ہر زاویے سے دیکھنا۔

عصرہ کو وہ ڈرامہ کر کے کیا ملے گا؟

اگر وہ کیکس عصرہ ہی فاتح کو بھیج رہی تھی تو تالیہ کا نام لگانے کی کیا ضرورت تھی؟

بدترین چیز کیا ہو سکتی تھی؟

شاید کیکس زہریلے تھے!

وہ چونکی۔

آف کورس۔ کیکس زہریلے تھے۔ سلو پوائزن۔ اگر وان فاتح مر جائے تو پارٹی کا صدر کون بنے گا؟

وہی جو نائب صدر ہے۔ یعنی عصرہ محمود۔

اگر وان فاتح مر جائے تو اگلا وزیرِ اعظم کون بنے گا؟

بی این کے شہید لیڈر کی بیوہ جو کہ پارٹی صدر ہو گی۔

وہ وان فاتح کی موت کے باعث ہمدردی کا ووٹ لے گی۔ وہ بھاری اکثریت سے کامیاب ہو کے پردھان منتری بنے گی اور کوئی اس پہ شک نہیں کرے گا کیونکہ کیک تو تالیہ مراد نے بھیجے تھے۔

اس نے ماتھے کو چھوا۔

تالیہ جیل جائے گی۔ فاتح قبر میں۔ اور عصرہ وزیرِ اعظم کی کرسی پہ براجمان ہو گی۔ پلان واضح تھا۔

اس نے پھونک مار کے موم بتی بجھائی اور راتھ کے پردے کھول دیے۔ اندھیر لاؤنج میں باہر جلتے اسٹریٹ پولز کی مدھم روشنی اندر آنے لگی۔ اب وہ کیا کرے

پہلے اس نے فون نکالا اور فاتح کو ای میل بھیجی۔

''وہ کیکس میں نے نہیں بھیجے۔ ان کو مت کھائیں۔ میں آپ سے مل کے وضاحت کروں گی مگر پلیز ڈونٹ ایٹ دیم۔ وہ

زہریلے ہیں۔''

سارے شکوے دور ہو گئے تھے۔ بلکہ بھول گئے تھے۔ اس کی پریشانی ہر گزرتے لمحے بڑھتی جا رہی تھی۔

ایک گھنٹہ گزر گیا اور ای میل کا جواب نہیں آیا۔

اسے کچھ کرنا تھا۔ وہ صبح تک کا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔

تالیہ مراد کو انتظار کرنا نہیں آتا تھا۔ اسے عصرہ کے پلان کو ابھی فیل کرنا تھا۔ وقت نہیں تھا۔

سارے کھیل وقت کے ہی تھے۔

وہ اپنے کمرے میں آئی اور الماری کھولی۔ سامنے اس کا جمپ سوٹ ہینگر پہ ٹنگا تھا۔ اس نے وہ سوٹ نوچ کے اتارا۔

(میں ایک بات جانتا ہوں۔ پرانی عادتیں نئے ارادوں سے پختہ ہوتی ہیں۔)

سیاہ جمپ سوٹ کے اوپر اس نے سیاہ ہڈ پہنی اور ٹوپی سر پہ ڈال دی۔ اب اس کا چہرہ اندھیرے میں آ گیا تھا۔

(آپ کو سیدھے دروازوں کی عادت نہیں ہے۔ آپ کے قدم خود بخود چور راستوں کی طرف اٹھتے ہیں۔)

ایک دراز سے اس نے چمکدار پھل والا خنجر نکالا اور جھک کے اسے پنڈلی سے باندھا۔ ٹائیٹس نیچے برابر کی اور ہڈ سر پہ گرائے وہ باہر نکلی۔

(آپ جتنی کوشش کر لیں، آپ اپنے اصل سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں۔)

باہر ہلکی ہلکی بارش شروع ہو چکی تھی۔ سرما کی بارش کے ایل کی ٹھنڈ میں اضافہ کر رہی تھی۔

اس نے ٹیکسی وان فاتح کی اسٹریٹ سے دو گلیاں چھوڑ کے روک دی تھی۔ وہ باہر نکلی تو بوندا باندی تیز ہو چکی تھی۔

(آپ کی زبان جھوٹ کی عادی ہے.....)

تیز قدموں سے چلتی وہ وان فاتح کی اسٹریٹ کے دہانے پہ آئی تو وہاں دن میں روشنی کا سماں تھا۔ تالیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ باہر پولیس کی گاڑیاں اور ایمبولینس کھڑی تھی۔

(آپ کے ہاتھ نقب لگانے میں ماہر ہو چکے ہیں.....)

وہ تیزی سے واپس بھاگی۔ اس کا رخ پچھلی گلی کی طرف تھا۔ وان فاتح کے گھر سے عین پچھلے گھر کی دیوار تک وہ آ رکی۔ یہ گھر خاموشی میں ڈوبے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔

(جلد یا بدیر آپ کے سامنے دوبارہ سے وہی ترغیبات آئیں گی۔)

اس نے پچھلے گھر کی دیوار پھلانگی اور بیرونی زینے پہ کسی بلی کی طرح چڑھتی گئی۔ گھر کی چھت پہ پہنچ کے وہ بھاگتی ہوئی اس

کونے تک آئی جو فاتح کے گھر سے ملتا تھا۔صرف ایک کونا.....اور درمیان میں دو فٹ کا فاصلہ۔

(خواہش کے ہاتھوں یا خوف سے مجبور ہو کے آپ کے قدم آپ کو ایک دفعہ پھر اسی راستے پہ لے جائیں گے۔)

اندھیرے میں کسی ہیولے کی طرح سیاہ بلی دوسری چھت پہ کود گئی۔پھر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی وہ فاتح کے لان کے عین اوپر چھت پہ آرکی۔

(آپ کی انگلیاں ممنوعہ تالوں کی طرف بڑھیں گی اور آپ سوچے سمجھے بغیر ان کو کھولنا چاہیں گی۔میں اس وقت کا انتظار کروں گا۔)

لان میں پولیس کے سپاہی کھڑے تھے۔چند ملازم بھی افسوس اور شاک سے منہ پہ ہاتھ رکھے کھڑے تھے۔کسی نے کسی کو کچھ بتایا تو اس نے سر ہلاتے ہوئے انا اللہ پڑھا۔

''موت کی وجہ کیا ہے؟''

''موت؟ مجھے تو یہ قتل لگتا ہے۔قتل۔''

ٹوٹی پھوٹی سرگوشیاں کانوں میں پڑیں۔اس کا دل جیسے اوپر حلق میں آنے لگا۔وہ چھت سے نیچے کھلنے والے دروازے کی طرف دوڑی۔

دروازہ بند تھا مگر وہ جانتی تھی کہ لاک کس نوعیت کا ہے۔اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے پن اندر ڈالی اور کھولنے لگی۔بارش مسلسل تیز ہو رہی تھی۔پانی کے باعث اس کے ہاتھوں سے پن بار بار پھسل رہی تھی۔آنکھوں سے آنسو بھی بہنے لگے تھے۔کیا اسے دیر ہو گئی تھی۔کیا عصرہ اپنا کام کر چکی تھی؟

دروازہ کھلا تو وہ بنا آہٹ کے اندر داخل ہوئی۔یہ کاریڈور ویران اور خاموش پڑا تھا۔بتی البتہ روشن تھا۔اس نے ایک بتی بند کی (اور باقی جلی رہنے دیں تاکہ نیچے کسی کو علم بھی نہ ہو اور وہ اندھیرے میں رہے)۔کاریڈور کے دہانے پہ سیڑھیاں تھیں۔وہ چھت کے دروازے کے ساتھ دیوار سے لگی، ریلنگ کی طرف بڑھنے لگی۔

جہاں سے ریلنگ شروع ہوتی تھی، وہاں تالیہ رکی۔اور سر ذرا سا جھکایا۔

نیچے لاؤنج میں مجمع لگا تھا۔دائرے کی صورت چند افراد وہاں کھڑے تھے۔تالیہ نے بے چینی سے ایک ایک کا چہرہ دیکھا۔

ایک دولت تھا۔اس کے ساتھ موجود دو افراد کو وہ نہیں پہچانتی تھی۔وہ ایک اسٹریچر کے گرد کھڑے تھے۔اسٹریچر پہ رکھی باڈی پہ سفید کپڑا ڈلا تھا۔تالیہ نے لبوں پہ سختی سے ہاتھ جما لیا۔اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

''یہ سب کیسے ہوا؟'' اسے اشعر کی آواز سنائی دی۔ گردن مزید جھکائی تو وہاں سر جھکائے کھڑا ہکا بکا سا اشعر دکھائی دیا۔

دولت نے سر جھکائے باڈی کے چہرے سے کپڑا سرکایا۔

''زہر دینے کا کیس لگتا ہے۔'' دولت نے اپنے سامنے کسی کو مخاطب کیا۔ تالیہ مخاطب کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی اس لئے مزید آگے سرکی۔ اور تب اسے وہ نظر آیا۔

وان فاتح..... جو دولت کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ کسی تھکے ہارے انسان کی طرح زرد پڑا تھا اور وہ جیسے بہت ہمت سے وہاں کھڑا تھا۔

''زہر؟'' فاتح نے بھنویں بھینچے ضبط سے دہرایا۔ اسی اثناء میں دولت نے نعش کے چہرے سے کپڑا الٹ دیا۔

''ان کے چہرے سے یہی لگتا ہے کہ مسز عصرہ کو کسی نے زہر دے کر مارا ہے۔''

تالیہ کا لبوں پہ جما ہاتھ بے یقینی سے نیچے جا گرا۔ وہ بالکل سن رہ گئی تھی۔

نیلا ہٹ مائل سفید چہرے اور بند آنکھوں والی عصرہ کی نعش اسٹریچر پہ بے سدھ پڑی تھی۔

''کاکا کے ساتھ کون کر سکتا ہے یہ؟'' اشعر کا سر دونوں ہاتھوں میں گرا تھا۔

''ایک ہی نام ذہن میں آتا ہے۔'' دولت نے حتمی لہجے میں کہا تھا۔ ''ملازم کا کہنا ہے کہ مسز عصرہ نے صبح ایک چاکلیٹ کیک کھایا تھا۔ کیا آپ کو معلوم ہے وہ کس نے بھیجا تھا؟''

اشعر نے چونک کے سر اٹھایا ''کیک؟ وہ تو شاید تالیہ بھیجتی تھی۔''

''بالکل۔ اور مسز عصرہ کو شک تھا کہ وہ وان فاتح کو مارنا چاہتی ہے۔ مگر وہ غلط تھیں۔ تالیہ کا پلان وہ نہیں تھا جو میں سمجھا تھا۔''

وہ غلط تھی۔

عصرہ کا پلان وہ نہیں تھا جو وہ سمجھی تھی۔

''میرا خیال ہے کیک زہریلے تھے۔'' دولت انکشاف کر رہا تھا۔

(وہ غلط تھا۔ کیک زہریلے نہیں تھے۔ زہر کیکس کے اندر نہیں تھا۔)

''مگر وہ کیک تو میں نے بھی کھائے تھے۔ مجھے تو کچھ نہیں ہوا۔'' فاتح کی درشت آواز سنائی دی تھی۔

''ہمیں آپ کے بھی چیک اپ کروانے پڑیں گے۔ ہو سکتا ہے آپ کو ابھی تک زہر نے اس طرح سے متاثر نہ کیا ہو مگر مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کے خون سے بھی ضرور ملے گا۔''

ہاں...زہر اس کے خون سے بھی ملے گا مگر بہت تھوڑا.... کیونکہ عصرہ کو وان فاتح کی جان نہیں لینی تھی۔

اس ایک لمحے میں تالیہ مراد کو پلان سمجھ میں آ گیا تھا۔

کیک زہریلے نہیں تھے۔وہ زہر روزمرہ کی چیزوں میں ہلکا سا فاتح کو اور زیادہ سا خود کو دے رہی تھی۔صرف آخری کیک شدید زہریلا تھا جو وہ فاتح کے گھر آنے سے پہلے کھا چکی تھی۔اس کے بچوں نے کبھی کیک نہیں چکھے تھے اس لیے ان کے خون سے زہر نہیں ملے گا۔وہ اپنے بچوں کو کیک نہیں چکھنے دیتی تھی۔اس لیے نہیں کہ کیکس میں زہر تھا۔وہ زہریلی چیزیں سامنے کبھی نہیں رکھے گی۔بلکہ اس لیے کہ جب بچوں کے خون سے آرسینک کے اثرات نہ ملیں تو اس کی وجہ سب کو یہی لگے کہ بچوں نے کیک نہیں کھائے تھے۔

عصرہ محمود کو وہ جان لینا تھی جو اس کو سب سے زیادہ محبوب تھی۔

عصرہ محمود کی اپنی جان۔

دولت اب سپاٹ بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔"مسز عصرہ نے آخری گفتگو میں تالیہ مراد پہ شک کا اظہار کیا تھا۔ان کا یہ بیان قانوناً ثبوت کے طور پہ استعمال کیا جائے گا۔میں تالیہ مراد کے اریسٹ وارنٹ نکلوا رہا ہوں مگر مجھے امید ہے کہ وہ ہمیں اپنے گھر نہیں ملے گی۔آج سے وہ ایک fugitive ہے۔"

وہ اپنی ٹیم کو ہدایت دے رہا تھا اور وہ سن سی اوپر کھڑی تھی۔

اور تبھی فاتح کی نظر اوپر اٹھی۔وہ اس کا گھر تھا۔کسی کی موجودگی کا احساس اسے سب سے پہلے ہوا تھا۔اس نے گردن ہلائے بغیر اوپر دیکھا جہاں وہ کسی سائے کی طرح کھڑی تھی۔

ایک لمحے کو ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

تالیہ نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔وہ اپنی بے گناہی کی گواہی اور کس طرح دے؟

اور فاتح.....اس نے ایک نظر نعش کو دیکھتے دولت کو دیکھا اور دوسری اوپر تالیہ پہ ڈالی۔پھر آنکھوں سے ایک مخفی سا اشارہ کیا۔

جیسے کہہ رہا ہو۔"بھاگ جاؤ' تالیہ۔بھاگ جاؤ۔"

اس کے قدم پیچھے کو اٹھنے لگے۔

لباس سے بارش کے قطرے فرش پہ گرے۔

گیلے سیاہ ربڑ کے جوتوں سے چیں چیں کی آواز آنے لگی۔

تالیہ نے گردن جھکا کے اپنے جوتوں کو دیکھا۔ ٹخنے پہ لگے کمان صورت زخم پہ کھرنڈ بن چکا تھا۔

چیں چیں کی آواز پہ چونک کے دولت نے سر اٹھایا اور اوپر دیکھا۔

''اوپر کون ہے؟'' ایک ساتھ سب کی گردنیں اونچی ہوئیں۔

وہ کونا اب خالی تھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔

''دولت... مجھے عصرہ سے ہونے والی آخری گفتگو کے بارے میں بتاؤ'' وان فاتح نے اسے تلخی سے مخاطب کیا تو دولت کا دھیان اوپر سے ہٹا۔ وہ اب فاتح کو دیکھتے ہوئے سارا قصہ دہرانے لگا تھا۔

''دوپہر میں مجھے عصرہ کی کال آئی تھی۔ انہوں نے مجھے بلایا تھا۔ اور جب میں آیا تو..''

باہر اندھیر رات میں سیاہ بلی کسی چھلاوے کی طرح ایک چھت سے دوسری چھت پھلانگ رہی تھی۔

اس کے آگے صرف تاریکی تھی اور نیچے گہری کھائی۔

☆☆==========☆☆

(باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ)

حالم (نمرہ احمد)

انیسواں باب:

''ساکوراہانامی''

"The Viewing of Cherry Blossom Season

اس نے دیکھا..

وہ گھاس پہ نصب بنچ پہ بیٹھا ہے...

سڑک کنارے دور تک چیری بلاسم کے درختوں کی قطار ہے...

اور وہ گلابی نرم پھولوں سے لدے ہیں....

نیچے گھاس پہ بھی گلابی پنکھڑیوں کی تہہ بچھی ہے...

سامنے ایک جاپانی بچہ باپ کی انگلی پکڑے چل رہا ہے....اس کے ہاتھ میں کاٹن کینڈی ہے جس کی اسٹک کو وہ گھمارہا ہے....اس کے جوگرز سے چلتے وقت گھنگھرو سے چھنکنے کی آواز آتی ہے...

وہ اس کے ساتھ بنچ پہ آ کے بیٹھتی ہے تو وہ چونکتا ہے۔

بنچ پہ رکھی کافی اٹھانے لگتا ہے جو چھلک جاتی ہے...گرم مائع گھاس پہ گرے ایک پھول کو داغدار کر دیتا ہے...

اسی پل بنچ کے پیچھے کھڑا چیری بلاسم کا درخت ہوا کے جھونکے کے ساتھ ڈھیروں پھول ان دونوں پہ گرادیتا ہے...

کچھ پھول اس کے کوٹ پہ گرتے ہیں اور کچھ عصرہ کے بالوں پہ.....

☆☆==========☆☆

عصرہ بنتِ محمود کی موت سے دو روز قبل۔

بی این کے چیئر مین آفس کی کھڑکیوں کے بلائنڈز ہٹے تھے اور اندر سرما کی دھوپ پھیلی تھی۔ کنٹرول چیئر پہ وان فاتح آگے کو ہوئے بیٹھا' ایک فائل کے صفحے پلٹ رہا تھا۔ آنکھوں پہ چشمہ لگائے' وہ جیل سے بال دائیں طرف جمائے' سرمئی سوٹ میں ملبوس کام میں مصروف نظر آتا تھا جب دروازہ دستک کے بعد کھلا۔ فاتح نے عینک کے اوپر سے صرف نگاہ اٹھا کے دیکھا۔

اس کی سیکرٹری ایک فولڈر اٹھائے اندر آئی تھی۔

''سر..... میں آپ کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی مگر آپ نے نمبر بدل لیا ہے تو آپ کے دوست ڈاکٹر.....(فولڈر سے نام پڑھا) ڈاکٹر دین جمال کی مجھے کئی دفعہ کال آئی ہے۔ ان کو آپ کا نیا نمبر دے دوں؟''

''ہاں دے دو۔ بلکہ اسے کال بیک کر کے مجھے ملا دو۔'' میز پہ رکھے فون کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سر ہلا کے مڑی تو فاتح بولا۔

''تالیہ کی کال تو نہیں آئی؟''

''تالیہ مراد؟ نہیں سر۔''

''اگر آئے تو اس کو میرا نیا نمبر دے دینا۔'' تاکید کی تو وہ سر کو اثبات میں خم دے کر مڑ گئی۔

فون کی گھنٹی بجی تو فاتح نے عینک اتاری اور ریسیور کان سے لگایا۔

''میں تمہیں کال کرنے کا سوچ ہی رہا تھا۔ تم نے مجھ سے میڈیکل سائنس کے معجزے کا وعدہ کیا تھا۔'' وہ اب کرسی پہ پیچھے کو ہو بیٹھا مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

''اور میں اپنے وعدے اور دعوے پہ قائم ہوں۔ میں نے تمام پروسیجر کی تیاری کر لی ہے۔ تمہارے بس سگنل کا انتظار ہے۔''

''تم کہہ رہے ہو کہ میری اس ایک رات کی یادداشت واپس آ سکتی ہے؟'' وہ گہری سانس خارج کر کے مسکرایا۔

''ہاں البتہ.....'' وہ ہچکچایا۔ ''یہ عمل خطرناک بھی ہو سکتا ہے اور.....''

''بے فکر رہو۔ میں ہر طرح کا consent فارم سائن کر دوں گا۔''

وہ جانتا تھا کہ ہر ڈاکٹر کی طرح اس کا سب سے بڑا خدشہ یہی ہو سکتا تھا۔

''میرے لئے وہ رات بہت اہم ہے اور اس کو واپس لانے کے لئے میں کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں۔''

''فاتح!'' ڈاکٹر دین نے گہری سانس لی۔''اس عمل کو صرف اپنے سکون اور ذہنی تشفی کے لیے کرو۔ اس کو ایک محبت کے شکار مرد کی طرح نہ کرو۔ اگر وہ لڑکی تمہاری زندگی سے چلی گئی ہے اور تمہیں کال تک نہیں کر رہی تو وہ اس رات کو یاد کرنے سے تمہیں واپس نہیں مل جائے گی۔''

فاتح کو اس کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔ اس نے کچھ کہے بغیر فون رکھ دیا۔ پھر وہ دوبارہ فائل نہ اٹھا سکا۔ بلکہ کافی منگوائی اور کرسی کا رخ کھڑکی کی طرف موڑ لیا اور باہر پھیلی سرما کی دھوپ دیکھنے لگا۔

''سر.... ڈاکٹر دین نے آج سہ پہر کا وقت فائنل کیا ہے۔ ٹھیک ہے؟'' سیکرٹری کارمن کی آواز عقب میں سنائی دی۔ اور کانچ کی پرچ پیالی کے میز کی سطح پہ رکھے جانے کی۔

''ہاں دے دو۔'' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھے چیئر مین نے باہر جھانکتے ہوئے ناک سے مکھی اڑائی۔ اس کے ماتھے پہ بل سے پڑ گئے تھے۔

''کچھ اور جو میں کر سکوں' سر؟'' اس کو الجھن میں دیکھ کے کارمن نے پوچھا۔ وہ گول چہرے اور سفید رنگت والی چینی لڑکی تھی جو گلابی لپ اسٹک کے ساتھ گلابی اور سفید رنگ کا اسکرٹ بلاؤز پہنے ہوئے تھی۔

''محبت کا شکار آدمی کیسا ہوتا ہے؟'' رک کے اضافہ کیا۔''تمہارے نزدیک۔''

''محبت' محبت میں فرق ہوتا ہے' سر۔ اس کو اکثر لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے۔''

اس کی بات پہ وہ ہلکا سا مسکرایا اور کرسی کا رخ اس کی طرف موڑا۔ جیسے استاد کو کسی نئے شاگرد کی اپنے قد سے اونچی بات نے محظوظ کیا ہے۔''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنی آرٹسٹک ہو۔ تم پی این میں کیا کر رہی ہو؟''

کارمن نے افسوس سے گہری سانس خارج کی۔''یہی تو مسئلہ ہے' سر۔ آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ سیاسی عہدوں پہ پہنچنے والے محبت کا شکار نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ کی نظر میں یہ جذبہ انسان کو کمزور بناتا ہے۔''

''کیا یہ درست نہیں ہے؟'' اس نے شانے اچکائے۔''جب تم میری عمر اور میرے تجربے کو پہنچو گی تو جانو گی کہ اس مقام پہ انسان کو کسی سے محبت نہیں ہو سکتی۔'' وہ سادگی سے کارمن کی آنکھوں کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔

''اس مقام پہ کیا ہو سکتا ہے پھر؟''

فاتح نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ ”کوئی آپ کے لیے اہم بن سکتا ہے۔اس کی حفاظت اور خوشی اہم بن سکتی ہے۔اس کی فکر کرنا ترجیح ہوتا ہے۔ایک اچھی دوستی۔بس۔اس سے زیادہ نہیں۔“

”سر!“ وہ کھلے دل سے مسکرائی۔ ”تو محبت اس کے علاوہ ہوتی ہی کیا ہے؟“

وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔اسے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

”میرے نزدیک محبت کا شکار آدمی وہ ہوتا ہے کارمن جو اندھا دھند کسی کے پیچھے بھاگ رہا ہو۔بے چین ہو۔باقی ساری دنیا سے غافل۔صرف ایک انسان کا حصول اس کا مقصد ہو۔“

”وہ جنون ہوتا ہے' سر۔اور جنون کا شکار لوگ محبوب کے حصول کے لیے ہر حد پار کر لینے کو محبت سمجھتے ہیں۔“

”اور محبت کیا یہی نہیں ہوتی؟“

”نہیں' سر۔محبت ایسی نہیں ہوتی۔وہ تو انسان کو بدل دیتی ہے۔اسے نرم بناتی ہے۔اسے دوسرے انسانوں کی قدر کرنا سکھاتی ہے۔انسان کو اچانک سے دنیا کی ہر شے میں خوبصورتی دکھائی دینے لگتی ہے۔پھولوں کے رنگوں میں۔بادلوں کی نرمی میں۔تب احساس ہوتا ہے کہ خدا نے سب کچھ کتنی محبت سے بنایا ہے۔“

”اور؟“ وہ دلچسپی سے چینی لڑکی کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔وہ سامنے کھڑی مسکرا کے بتا رہی تھی۔

”اور وہ محبت میں گرفتار دوسرے انسانوں کو پہچاننے لگتا ہے اور ان کے لیے خوش ہوتا ہے۔اور وہ ہر حد پار کرنا سیکھ جاتا ہے لیکن کسی کو پانے کے لیے نہیں..... بلکہ دوسرے کو آرام دینے کے لیے' اس کو خوش اور محفوظ رکھنے کے لیے۔محبت خودغرض نہیں ہوتی۔ obssession خودغرض ہوتا ہے۔جنونی کو اپنے محبوب کی توجہ چاہیے ہوتی ہے۔ہر وقت۔محبت تو کیئرنگ ہوتی ہے۔صرف دوسرے کی فکر کرنے والی..... دوسرے کے لیے زندگی کو آسان بنانے والی.....“

وان فاتح نے مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے کافی کا کپ اٹھایا۔”Girl....you are in love!“

اس نے جیسے فیصلہ سنایا تھا کارمن نے مسکرا کے ٹرے اٹھائی۔ ”میں نے کہا نا' صرف محبت میں گرفتار شخص ہی کسی دوسرے محبت کرنے والے کو پہچان سکتا ہے۔“ اور وہ واپس مڑ گئی۔فاتح کی مسکراہٹ مدھم پڑی۔ایک دم ساری فضا اداس ہو گئی تھی۔

اس نے فون اٹھایا اور کارمن سے کہا کہ وہ ڈاکٹر دین کا نمبر ملائے۔

”دین۔“ رابطہ ملنے پہ وہ قدرے سپاٹ انداز میں کہنے لگا۔ ”آئی ایم سوری مگر میں کسی سائنسی تجربے کا شکار نہیں ہونا چاہتا۔“

”مگر..... تم نے کہا تھا کہ تم اس رات کو یاد کرنا چاہتے ہو۔“

''اس سے کچھ نہیں بدلے گا۔شاید چیزیں مزید خراب ہو جائیں۔اس رات کو بھول جانے میں ہی عافیت ہے۔''

اس رات عرصے بعد اس نے عجیب سا خواب دیکھا۔

وہ پولیس اسٹیشن سے نکلتا ہے.....اس نے گردن میں کوئی بھاری لاکٹ پہن رکھا ہے۔اس سے ایک سنہری پنکھ نکل کے اس کو راستہ دکھاتا اڑتا جارہا ہے۔وہ اس کے تعاقب میں قدم اٹھارہا ہے۔منظر دھندلا ہے مگر ایک چیز واضح ہے.....اس نے ایک سنا ساگلی کا موڑ مڑا ہے۔یہ گلی جلال مسجد کے دائیں جانب ہے.....نیلی اینٹوں کی دیواریں..... باہر ایک ٹوٹا ہوا گملا.....وہ ایک گھر کے دروازے تک جاتا ہے.....وہاں سنہری پنکھ ڈور میٹ پہ گر جاتا ہے.....وہ نظریں اٹھا کے گھر کا نمبر دیکھتا ہے.....دھندلی بصارت کے باوجود اسے آدھا نمبر نظر آجاتا ہے.....

وہ چونک کے اٹھا تھا۔کمرے میں اندھیرا تھا۔اس نے ہاتھ مار کے سائیڈ لیمپ جلایا تو مدھم سی روشنی پھیل گئی۔عصرہ کروٹ لیے سو رہی تھی۔فاتح اٹھ کے بیٹھا اور اپنی پیشانی چھوئی۔اسے پسینہ آرہا تھا۔دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔یہ پہلی دفعہ تھا کہ اس رات کی کوئی ایسی یادداشت اس کے ذہن سے ٹکرائی تھی جس کا حقیقت سے تعلق لگتا تھا۔باقی سب تو عجیب سے خواب تھے۔جنگل میں تالیہ کے ساتھ.....کبھی قید خانے میں زخمی حالت میں موجود ہونا.....مگر یہ.....یہ جگہ یہ گلی وہ پہچانتا تھا۔اگر وان فاتح اس رات کہیں گیا تھا تو وہ یہ گھر تھا۔

کسی معمول کی طرح وہ اٹھا اور بتی جلائی۔ جب تک عصرہ کی آنکھ کھلی وہ تیار کھڑا بیگ میں کپڑے ڈال رہا تھا۔وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔

''تم اس وقت کہاں جارہے ہو؟''

''ملاکہ۔''وہ سر جھکائے اب والٹ میں اپنے کریڈٹ کارڈز جوڑ رہا تھا۔عصرہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''ایک دم وہاں جانے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟''

''ضروری کام ہے۔''

وہ تھکا ہوا بھی لگتا تھا جیسے کچی نیند سے جاگا ہو۔بار بار گردن کو دائیں بائیں اسٹریچ کرتا تھا۔عصرہ اٹھ بیٹھی اور چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہاں تالیہ ہے کیا؟''

فاتح کے بیگ کی زپ چڑھاتے ہاتھ رکے۔چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''اگر ہے بھی تو؟''اسے جیسے یہ بات ناگوار گزری تھی۔

"تم کب تک اس کے پیچھے بھاگتے رہو گے؟"

فاتح سیدھا کھڑا ہوا اور گہری سانس لی۔ جیسے غصہ آیا ہو مگر ضبط کر گیا ہو۔

"عصرہ.... میری زندگی تالیہ کے گرد نہیں گھومتی۔ میں اس سے ہٹ کے اپنے کام کے لئے بھی کہیں جا سکتا ہوں۔"

"اپنے دل سے پوچھو۔ اس کام کا تعلق بھی کہیں نہ کہیں تالیہ سے جڑا ہو گا۔" اس کی فاتح پہ جمی آنکھوں میں گلابی نمی تیرنے لگی۔ "ہمیں کیا ہو گیا ہے فاتح؟ ہمارے گھر کو کس کی نظر لگ گئی ہے؟"

وہ چند لمحے وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا' پھر کندھے ذرا سے اچکائے۔

"ہم ویسے ہی ہیں جیسے اتنے سالوں سے تھے۔ کیا بدلا ہے؟"

"ہاں اور اتنے سالوں سے ہم ایک مردہ زندگی ہی گزار رہے ہیں۔"

"میں جاؤں؟" وہ ذہنی طور پہ کہیں اور الجھا تھا۔ بیگ اٹھائے بولا تو وہ بستر سے اتری اور ایک دم اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"مجھے معلوم ہے تم اسے ڈھونڈنے جا رہے ہو۔ تم کب تک اس کے پیچھے جاتے رہو گے' فاتح۔"

"میں اپنے کام سے جا رہا ہوں' عصرہ۔" اب کے اس نے تحمل سے کہا تھا۔ مگر عصرہ کی اس پہ جمی آنکھیں گیلی ہو رہی تھیں۔

"کیا نہیں ہے تمہارے پاس؟ بیوی' بچے.... اور بہت جلد حکومت بھی.... تم اس سب کو اس عورت کے لئے داؤ پہ لگا سکتے ہو؟"

"میں نے ایسا کیا کیا ہے جو مجھے یہ سب کھونا پڑے گا؟" اس نے ماتھے کو چھوا۔

"تم آدھی رات کو اس کے پیچھے اچانک سے سب چھوڑ کے جانے لگو گے تو میں خوفزدہ ہوں گی' فاتح۔"

وان فاتح نے گہری سانس بھری اور افسوس سے اسے دیکھا۔ "میں نے اپنی یہ زندگی (اطراف میں نگاہ دوڑائی) برسوں کی محنت سے بنائی ہے۔ میں اس زندگی کو نہ تالیہ کے لئے چھوڑوں گا' اور نہ ہی تمہارے لئے۔" سختی سے کہا اور ابرو سے اسے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ مگر وہ نہیں ہٹی۔ ضدی' گیلی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

"مت جاؤ۔ آج مت جاؤ۔ پلیز۔" آنسو ٹوٹ ٹوٹ کے گرنے لگے۔ "میرے لئے آج یہ سارے کام ترک کر دو!"

"ہم ایک دوسرے کے لئے ایسی قربانیاں کب سے دینے لگے ہیں' عصرہ؟" وہ زخمی انداز میں بولا تو عصرہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔ گال سرخ دہکنے لگے۔

"میں نے تمہارے لئے قربانیاں دی ہیں۔ اپنا کیریئر چھوڑا ہے۔ تمہارے بچوں کو پالا ہے۔ تمہاری بہن کو پالا ہے۔ میں

نے تمہارے لئے کیا نہیں کیا؟''

''اور کیا میں نے تمہیں پارٹی کی نائب چیئر مین کا عہدہ نہیں دیا؟ گھر نہیں دیا۔عزت نہیں دی؟''

''تم نے مجھے محبت نہیں دی۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی تو فاتح نے گہری سانس لی۔

''وہ تو میں نے خود کو بھی عرصہ ہوا نہیں دی۔'' وہ ایک طرف سے نکلا اور آگے بڑھ گیا۔عصرہ نے بھیگی آنکھوں سے پلٹ کے اسے دیکھا۔

''اسے تو دی ہے۔ نہ دی ہوتی تو روز تمہارے لئے وہ تحفے نہ بھیجتی۔''

''وہ کیک تالیہ نہیں بھیجتی۔'' وہ عام سے لہجے میں کہتا لاؤنج کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔عصرہ محمود کا سانس اور آنسو ایک ساتھ رکے۔وہ چونک کے پلٹی۔

''تمہیں کیسے معلوم؟''

وہ دروازے تک پہنچ کے رکا اور مڑ کے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔''وہ مجھ سے بات نہیں کر رہی....میری میلز کا جواب نہیں دے رہی....تو وہ مجھے ایسے کیکس کیوں بھیجے گی جبکہ اسے معلوم ہے کہ مجھے اتنا میٹھا نہیں پسند؟''

سادگی سے بتا کے وہ مڑ گیا۔اس کے گھر روز فینز اور دوستوں کی طرف سے تحائف آتے تھے۔زیادہ تر مفاد پرست عزیز و اقارب کی طرف سے ہوتے تھے۔اس کو پرواہ نہیں تھی کہ کوئی تالیہ کے نام سے کیک کیوں بھیجتا ہے۔اسے صرف ایک پہیلی کو حل کرنا تھا۔

اس رات وہ کس کے گھر گیا تھا؟

دروازہ بند ہونے کی آواز پہ عصرہ نے آنسو ہتھیلی کی پشت سے رگڑے۔اس کی رنگت سفید پڑنے لگی تھی۔

وہ چند دن قبل تالیہ کے منہ سے یہ اعتراف سن کے کہ وہ فاتح کی پہلی بیوی ہے اپنا سب کچھ کھو چکی تھی۔اور اسے لگا تھا کہ یہ سب آسان ہوگا جو وہ کرنے جا رہی ہے۔اور ایسا کرتے ہوئے اسے دکھ نہیں ہوگا۔

مگر وہ ہر روز فاتح کو نئے سرے سے کھوتی تھی۔

وہ جو بھی کر لے، وہ اس کے ہاتھ سے پھسل جاتا تھا۔بلکہ اب تو سارا کھیل اس کے ہاتھ سے پھسل رہا تھا۔

وہ وہیں دیوار کے ساتھ نیچے بیٹھتی چلی گئی اور سر گھٹنوں پہ گرا لیا۔اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔شاید اسے یہ نہیں کرنا چاہیے۔شاید اسے کچھ اور کرنا چاہیے۔مگر اب شاید دیر ہو چکی تھی۔

ملاکہ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کے گیا تھا۔وہی سمندر کی وجہ سے فضا کا نم ہونا....وہی چائے خانوں کی خوشبو....وہی

بازاروں کا شور.....وہ تنہا ڈرائیو کرتے ہوئے یہاں آیا تھا۔سیدھا اپنے گھر نہیں گیا۔اس کا رخ اس مسجد کی طرف تھا جو اس نے اس خواب میں دیکھی تھی۔

آگے کا راستہ آسان تھا۔وہ ان گلیوں سے شناسا تھا۔اس شہر میں اس کا بچپن گزرا تھا۔یہاں قریب ایک دکان تھی جہاں وہ بہت آیا کرتا تھا۔

کار ایک جگہ روک کے فاتح باہر نکلا تو عام دنوں سے مختلف نظر آتا تھا۔سیاہ پینٹ پہ سیاہ جیکٹ پہنے'اس کے بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور متلاشی نظریں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

اندھیر سڑک کو پولز کی روشنی نے منور کر رکھا تھا۔ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔وہ آگے قدم اٹھانے لگا۔

بہت عرصے بعد وہ اپنی سیکیورٹی ڈیٹیل کے بغیر یوں باہر نکلا تھا۔ملاکہ میں مجسمے کے اندر سے کتاب نکالنے والے دنوں کے بعد وہ یہاں نہیں آیا تھا۔ کے ایل کے شور ہنگامے سے دور یہ پرسکون شہر اس کے دل کو عجیب طرح سے کھینچتا تھا۔جانے کیا تھا جو اس شہر میں کھویا تھا۔کیا تھا جس کا گواہ سمندر کا پانی تھا اور آسمان تھا اور یہ راستے تھے....مگر صرف وہی نہیں جانتا تھا....

مطلوبہ دروازے پہ وہ رکا اور ڈور میٹ کو دیکھا۔آج وہاں کوئی سنہری پنکھ نہیں تھا۔باقی سب ویسا ہی تھا۔آدھی رات کو وہ کسی کے گھر دستک کیسے دے؟فجر کا انتظار کرے؟وہ سوچ ہی رہا تھا جب دروازہ کھل گیا۔فاتح نے تعجب سے ابرو اٹھائے۔

چوکھٹ میں ایک لمبی قمیص اور کرنگ پہنے' کمر پہ کپڑا باندھے' چمکتی آنکھوں والا آدمی کھڑا تھا۔وہ جیسے اس کے انتظار میں تھا۔

''خوش آمدید'وان فاتح۔آج آپ کو کیا چیز میرے دروازے پہ دوبارہ کھینچ لے آئی؟''وہ مسکرا کے پوچھ رہا تھا۔

(دوبارہ؟) وان فاتح کے دل میں کچھ ڈوب کے ابھرا۔اس کو اس گمشدہ رات کا پہلا کلیو ملا تھا۔وہ واقعی اس گھر آیا تھا۔

''میں اندر آ سکتا ہوں کیا؟'' تیوری چڑھائے سپاٹ سے انداز میں پوچھا تو جادوگر نے راستہ دے دیا۔

اس گھر میں اگربتیوں کی عجیب سی مہک تھی۔جگہ جگہ موم بتیاں روشن تھیں۔جو ایک آدھ بلب جل رہے تھے وہ باہر سے نمک کے بنے تھے۔

''میں ایک دفعہ پہلے بھی یہاں آیا تھا۔''

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں فرشی نشست پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے اور درمیان میں لکڑی کی چوکی نما نیچی میز تھی۔

''جی'وان فاتح۔آپ سولہ جولائی کی رات کو میرے پاس آئے تھے۔'' آدمی چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

فاتح نے جواب میں پہلے ایک طائرانہ نظر دیوار کی طرف دوڑائی جہاں مختلف شیلف بنے تھے اور ان میں بوتلیں رکھی

تھیں۔پھر اس آدمی کو دیکھا۔

"کون ہو تم؟اور تمہارے پاس میں کیوں آیا تھا؟"

"میں تالیہ کا ایک عزیز ہوں۔اس کے بچپن کا دوست اور آپ مجھے اس کے لئے ایک پیغام دینے آئے تھے۔آپ کو ڈر تھا کہ صبح تک آپ یہ بات بھول جائیں گے۔"

"تم کہہ رہے ہو کہ میں نے تمہیں تالیہ کے لئے کوئی پیغام دیا تھا؟"

آدمی نے سر اثبات میں ہلایا۔

"اور مجھے کیوں لگتا تھا کہ میں وہ بھول جاؤں گا؟"

آدمی نے لاعلمی سے کندھے اچکا دیے۔"میں نہیں جانتا۔"

چند لمحے کے لیے پراسرار دیوان خانے میں خاموشی چھا گئی۔موم بتیاں قطرہ قطرہ پگھلتی رہیں۔اگر بتیاں سلگتی رہیں۔

"کیا پیغام دیا تھا میں نے؟"

جواباً اس آدمی نے چوکی پہ رکھا دستہ اٹھایا۔پہلے صفحے پہ قلم سے کچھ لکھا اور پھر صفحہ پھاڑ کے اس کی طرف بڑھا دیا۔فاتح نے اچنبھے سے اسے تھاما۔اس پہ چند ہندسے لکھے تھے۔

"ان نمبرز کا کیا مطلب ہے؟"

"اگر آپ چاہتے کہ میں اس پیغام کو سمجھ لوں تو کبھی اس کو ہندسوں کی صورت نہ لکھتے۔"

وہ چند لمحے کے لئے اس کاغذ کو دیکھتا رہا۔"دیٹس اِٹ؟"

"دیٹس اِٹ!"

"کیا تم نے اسے یہ پیغام دیا تھا؟"

"جی۔میں نے امانت پہنچائی تھی۔"اس آدمی کی چمکتی نظریں فاتح کے اندر تک دیکھ رہی تھیں۔اسے اس ماحول سے عجیب اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔وہ یہاں نہیں بیٹھنا چاہتا تھا مگر ایک سوال ابھی اسے مزید پوچھنا تھا۔

"اس رات کیا ہوا تھا؟"

"میں آپ کی اس سے زیادہ مدد نہیں کر سکتا' وان فاتح۔"وہ اٹھ کھڑا ہوا۔گویا اسے صاف انداز میں جانے کو کہہ رہا ہو۔وہ باہر آیا تو گلی تاریک پڑی تھی۔اردگرد مخروطی چھتوں والے گھر تھے اور سرمئی نیلی اینٹوں والی دیواریں تھیں۔

وہ اس چٹ کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔

''کیا آپ کو اس کی بات پہ یقین ہے؟''

آواز پہ وہ رکا۔آہستہ سے گردن موڑی تو سفید فراک والی بچی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔بہت دن بعد فاتح کھل کے مسکرایا تھا۔

''ہاں.....کیونکہ ایسا پیغام میں ہی لکھ سکتا ہوں۔تمہیں یاد ہے؟''

وہ دونوں اس ٹھنڈی رات میں ساتھ ساتھ قدم اٹھانے لگے۔

''جی ڈیڈ۔یہ شفٹ سائیفر ہے جس میں میں آپ کو پیغام لکھا کرتی تھی۔اور آپ کے کمرے میں چھپا دیتی تھی۔''

اتنے عرصے بعد اسے ایسی سکون آور تنہائی ملی تھی۔وہ سڑک کنارے ایک چوکی پہ بیٹھا اور موبائل نکالا۔اسکرین آن کی تو نیلی روشنی نے اس کا چہرہ منور کر دیا۔وہ اب ایک ایک ہندسے کے مطابق حروفِ تہجی موبائل میں لکھ رہا تھا۔پورا فقرہ مکمل ہوا تو اس نے ہر لفظ کو پہلے ایک ہندسہ پیچھے شفٹ کر کے دیکھا۔وہ مبہم رہا۔اس نے ایک حرف آگے شفٹ کیا تو یکدم پورا فقرہ ترتیب سے بنتا گیا۔

''اس کا قاتل اس کی پسندیدہ فیری ٹیل میں ہے۔''

وہ اچنبھے سے اس کاغذ کو دیکھ رہا تھا۔کسی لڑکی کی بات ہو رہی تھی۔وہ تالیہ کو کسی کے قاتل کے بارے میں بتا رہا تھا۔

''یہ کس کے بارے میں ہو سکتا ہے؟'' ساتھ بیٹھی آریانہ نے کندھے اچکائے اور چہرہ ہتھیلیوں کے پیالے میں گرا دیا۔

''کس کو فیری ٹیلز پسند تھیں' ڈیڈ؟''

''کیا مجھے اس رات کسی کے قتل کے بارے میں علم ہوا تھا اور میں تالیہ کو کچھ بتانا چاہتا تھا؟ اتنے مہینے تک تالیہ اس کے لئے کام کرتی رہی اور مگر اس نے ایک دفعہ بھی اس پیغام کا ذکر نہیں کیا۔کیوں؟''

اس کا ذہن ملاکہ جواب تلاش کرنے آیا تھا۔یہاں آ کے وہ مزید الجھ گیا تھا۔

سفید ہیئر بینڈ والی لڑکی ابھی تک اسے دیکھ رہی تھی۔''کس کو فیری ٹیلز پسند تھیں' ڈیڈ؟''

وہ چٹ اگلی صبح کے ایل میں اپنے آفس میں بیٹھے فاتح کی جیب میں مڑی تڑی حالت میں رکھی تھی۔وہ ایک کے بعد ایک میٹنگ اٹینڈ کرتا اور تیس سیکنڈ کے درمیانی وقفے میں اس چٹ کو نکال کے پڑھتا' پھر واپس رکھ دیتا۔کس کا قاتل؟ کون سی فیری ٹیل؟

جواب ایک ہی تھا جو بار بار وہ رد کر دیتا تھا۔

آریانہ کو فیری ٹیلز پسند تھیں اور وہ خود کو اسنو وائٹ سے تشبیہ دیا کرتی تھی۔ایک دفعہ اس نے کہا تھا.....اس کی زندگی کے

سارے کردار اسنو وائیٹ جیسے ہیں۔ وہ بادشاہ کی بیٹی ہے اور اس کی ایک سوتیلی ماں بھی ہے۔ ملکہ۔

''مگر تمہاری ماں ایول کوئین جیسی تھوڑی ہے؟'' وہ دونوں صوفے پہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے جب عصرہ مسکرا کے کہتے ان کے ساتھ آ کے بیٹھی۔ آریانہ پھیکی پڑ گئی۔

''ظاہر ہے' نہیں۔'' اسے تب لگا تھا کہ وہ شرمندہ ہوئی ہے۔ اس نے نظر انداز کیا تھا۔ وہ کیا کچھ نظر انداز کرتا آیا تھا؟

کارمن کافی دینے آئی تو اس نے اسے پکارا۔ ''تم نے اسنو وائیٹ پڑھی ہے' کارمن؟''

وہ سادہ سی لڑکی مسکرائی۔ ''کس نے نہیں پڑھ رکھی؟''

''اس میں اسنو کو کس نے مارا تھا؟'' اسے لگا وہ کچھ بھول رہا ہے۔

''اس کی سوتیلی ماں نے.... بادشاہ کی بیوی.... ملکہ بد نے....'' وہ رکی اور بولی۔ ''مگر ملکہ اس کو مارنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ اس نے جنگل میں اس کے لیے شکاری کو بھیجا تھا مگر.....''

''ہاں ٹھیک ہے۔ جاؤ۔'' وہ ہاتھ جھلا کے بولا اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ وہ ایک دم پریشان نظر آنے لگا تھا۔

پہیلی عجب صورت اختیار کر گئی تھی۔ وہ اسے حل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ابھی صبح دوپہر میں نہیں بدلی تھی جب عصرہ کا فون آنے لگا۔ ایک ڈیلگیٹ ابھی آفس سے اٹھ کے گیا تھا۔ فاتح کے پاس پانچ منٹ تھے۔ اس نے گہری سانس لے کر فون کان سے لگایا۔

''کہو عصرہ۔''

''تم رات گھر نہیں آئے۔''

''میں ملاکہ رک گیا تھا۔ صبح فجر کے ساتھ واپس نکلا اور سیدھا آفس آ گیا۔''

''کل ہم نے جس نوٹ پہ بات ختم کی' تمہارے پاس اس کا اثر زائل کرنے کو دو منٹ بھی نہیں تھے؟''

وہ گھر نہ آنے کا شکوہ کر رہی تھی۔

''عصرہ میں جھگڑے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میری آج بیک ٹو بیک بہت سی میٹنگز ہیں' شام میں سیمینار ہے' اور....''

''کیا تم اس سے ملے؟'' اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

''کس سے؟'' وہ انجان بن گیا۔

''وہی جس کے تعاقب میں تم ملاکہ گئے تھے۔''

''نہیں۔ میں اس نہیں ملا۔'' اس نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ وقت کم تھا۔ اسے کانفرنس روم میں پہنچنا تھا۔

''فاتح.... کیا میں یہ ڈیزرو کرتی تھی؟ تمہارا یہ سرد رویہ' تمہاری بےوفائی؟''

''میں نے کبھی تم سے بےوفائی نہیں کی' عصرہ.....تم خود ہی اپنے شک کے ہاتھوں ہمارا تعلق برباد کررہی ہو۔'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے اٹھا۔فون کان اور کندھے کے درمیان تھا۔

''شاید تم ٹھیک ہو۔تم شروع سے ہی ایسے تھے۔'' وہ ایک دم غصے میں تیز تیز بولنے لگی تھی۔وہ اس وقت درست نہیں لگ رہی تھی۔''وان فاتح کو کبھی بھی عصرہ محمود سے محبت نہیں تھی۔فاتح کو صرف فاتح سے محبت ہے۔''

''تھینک یو۔میں میٹنگ میں جارہا ہوں اس لئے....'' وہ آفس سے باہر نکل آیا تھا۔

''یا تمہیں آریانہ سے محبت تھی۔وہ گئی تو تم نے صرف اپنے بچوں سے محبت کی یا پھر تالیہ سے۔میں تو کہیں بھی نہیں تھی۔'' وہ اس پہ ایک دم چلانے لگی تھی۔وہ اس کے آواز پہ اکتانے کے بجائے پریشان ہوگیا تھا۔شاید اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اسے ایک دم اپنی سردمہری پہ افسوس ہوا۔

''عصرہ تم ٹھیک ہو؟ میں شام میں گھر آتا ہوں تو.....''

''کبھی میں سوچتی تھی کہ آریانہ نہ مرتی....اس کو ہم اس روز چیئر لفٹ پہ نہ لے کر جاتے....نہ وہ نینی اور اس کا شوہر اس کو اغوا کرتے اور نہ وہ مرتی....تو ہماری زندگی مختلف ہوتی۔تم ابھی بھی میرے ہوتے مگر نہیں۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔''تم تب بھی اسی طرح مجھ سے بےوفائی کرجاتے' فاتح۔تم تب بھی کسی تالیہ کو ڈھونڈ لیتے۔ہمارا تعلق آریانہ کے جانے سے مردہ نہیں ہوا۔''

وہ وہیں کاریڈور میں کھڑا رہ گیا۔بالکل ساکت۔پتھر کا بت۔

''فاتح؟ سن رہے ہو؟ یا کال کاٹ دی ہے؟ فاتح؟'' وہ چلائی تھی۔

''تمہیں کیسے معلوم وہ آدمی نینی کا شوہر تھا؟''

ساری دنیا وہاں رک گئی تھی۔اسی کاریڈور میں۔ایسے لگتا تھا کہ آتے جاتے لوگ اپنی جگہوں پہ نمک کے مجسمے بن گئے ہوں۔

اور دوسری طرف عصرہ کا سانس بھی تھم گیا تھا۔

''کیا؟ کون؟'' اس کی آواز دھیمی ہوئی۔پھر اس نے دوبارہ سے غصہ کرنے کی کوشش کی۔''میں تم سے تالیہ کی بات کررہی ہوں اور تم....''

''نو نو۔گو بیک۔گو بیک۔'' وہ تیزی سے بولا۔''تم نے کہا نینی کا شوہر....تمہیں کیسے معلوم وہ اس کا شوہر تھا؟''

''میں.... پتہ نہیں....'' وہ گنگ رہ گئی۔''پولیس رپورٹ میں تھا شاید....ظاہر ہے وہ اس کا شوہر/بوائے فرینڈ کچھ ہوگا' مگر....''

''پولیس رپورٹ میں اس آدمی کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ان دونوں کی لاشیں میں نے دیکھی تھیں صرف۔میں نے تو کسی کو نہیں بتایا تھا سوائے تمہارے۔اور میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اس آدمی کا نینی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ اور تم نے کہا تھا تم نہیں جانتیں۔''

''فاتح....تم کیا کہہ رہے ہو؟میں تو غصے میں مثال دیتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ....''

سامنے کھڑا اس کا چیف آف اسٹاف اسے میٹنگ کے لئے بلا رہا تھا۔وقت کم تھا۔

اس کا ذہن جیسے الفاظ کے سمندر کے بھنور میں گھوم رہا تھا۔

''عصرہ....میں تم سے فارغ ہو کے بات کرتا ہوں۔''اس نے فون رکھ دیا۔

کاریڈور میں اس کے اٹھتے اگلے قدم بھاری تھے۔بے حد بھاری۔وہ دھیرے دھیرے چل رہا تھا۔ساری دنیا ارد گرد سلو موشن میں رواں دواں نظر آ رہی تھی۔آوازیں بھاری ہو کے سنائی دے رہی تھیں۔ایسے میں چند الفاظ ذہن میں گونج رہے تھے۔

اس کا قاتل اس کی پسندیدہ فیری ٹیل میں ہے۔

کانفرنس روم کے دروازے پہ وہ اسے کھڑی نظر آئی تھی۔ہیئر بینڈ پہنے' اداس لڑکی جس کے سفید فراک پہ سامنے کو خون لگا تھا۔اس کی کنپٹی سے بھی خون بہہ رہا تھا اور وہ گلہ آمیز نظروں سے دروازے کے قریب آتے فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

''ڈیڈ....آپ کو میری پسندیدہ فیری ٹیل کیسے بھول گئی؟ ہمیں الگ ہوئے کیا اتنے برس بیت گئے؟''

وہ سفید چہرے کے ساتھ اسے دیکھتا دروازہ کھول رہا تھا۔وہ باہر رہ گئی۔وہ اندر آ گیا۔مگر اس کا ذہن ابھی تک ماؤف سا تھا۔جیسے اس میں بہت شور برپا ہو۔

جیسے اس میں خوفناک سی خاموشی چھا گئی ہو۔

میٹنگ میں اشعر کچھ کہہ رہا تھا۔اپنی جگہ سے اٹھ کے' ہاتھ ہلا کے۔فاتح کو صرف اس کے لب ہلتے محسوس ہو رہے تھے۔وہ گال تلے انگلی جمائے اشعر کو دیکھ رہا تھا مگر نظریں اشعر کے پیچھے کھڑی آریانہ پہ جمی تھیں۔

وہ کانفرنس روم کے کونے میں کھڑی تھی۔اس کے سینے پہ لگے گھاؤ سے خون ابل ابل کے باہر گر رہا تھا اور وہ بھیگی آنکھوں سے فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہمیں بچھڑے اتنے برس بیت گئے تھے' ڈیڈ؟''

میٹنگ ختم ہوئی تو وہ ایک لفظ کہے بنا اٹھا اور باہر چلا گیا۔ قدم اٹھا کہیں رہا تھا' پڑ کہیں رہے تھے۔

کاریڈور میں لوگ ادھر ادھر جا رہے تھے۔ فاتح نے چلتے چلتے جیب سے وہی پرچی نکالی اور اس کی سلوٹیں سیدھی کیں۔

اس کا قاتل اس کی پسندیدہ فیری ٹیل میں ہے۔''

کوئی اور ہوتا تو ایک لمحے میں سب واضح ہو جاتا مگر وہ فاتح تھا اور سامنے عصرہ تھی۔

ایک لمحے میں سب واضح نہیں ہو سکتا تھا۔

اس نے پرچی مروڑ کے جیب میں رکھ دی۔ اسنو وائٹ کے لئے جلاد اس کی سوتیلی ماں نے بھیجا تھا مگر یہاں وہ اس بات کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ صرف ایک خیال ذہن کو مفلوج کر رہا تھا۔ عصرہ نینی کے شوہر کے بارے میں کچھ جانتی تھی اور اس سے چھپا رہی تھی؟ اتنا عرصہ؟

وہ آفس میں واپس آیا تو کارمن نے چوکھٹ سے جھانکا۔ ''سر ابھی دس منٹ میں آپ نے پارلیمان کے لئے نکلنا ہے اور....''

''آؤٹ!'' وہ کرسی کی طرف جاتے ہوئے دھاڑا تھا۔ کارمن گڑبڑا کے پیچھے ہوئی اور جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔

اس نے ٹائی ڈھیلی کی اور فون اٹھایا۔ وہ اس بات کو کلیئر کیے بغیر اگلا کام نہیں کر سکتا تھا۔

''تم آریانہ کی نینی کے بارے میں اور کیا جانتی ہو جو تم نے مجھے نہیں بتایا؟'' کال ملتے ہی وہ درشتی سے بولا تھا۔ ایک ہاتھ سے فون کان پہ لگا رکھا تھا' دوسرے سے ٹائی ڈھیلی کر رہا تھا۔

''میں کچھ نہیں جانتی۔'' عصرہ سنبھل چکی تھی۔ ''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے' میرے منہ سے پتہ نہیں کیا نکلا کہ....''

''جب اس آدمی کی کارملی تھی تو میں نے اور پولیس نے سینکڑوں دفعہ تم سے پوچھا تھا اگر اس نینی کا کوئی مرد رشتے دار یا دوست اس سے ملنے آتا تھا؟ اور تم نے کہا تھا کہ تم نے چھان پھٹک کے اس نینی کو ہائر کیا تھا۔ اس کا کوئی بوائے فرینڈ تک نہیں تھا۔ تم جانتی تھیں مجھے ایسی نینی نہیں پسند تھیں جس کے یوں تعلقات ہوں۔''

''فاتح مجھے نہیں پتہ وہ آدمی اس کا کیا لگتا تھا۔ تم نے کہا تھا کہ نینی کے ساتھ ایک آدمی کی لاش بھی تھی تو میں نے سا ندازہ لگایا کہ وہ اس کا شوہر ہوگا۔ تم مجھ پہ کس چیز کا شک کر رہے ہو؟''

وہ اس پہ معلومات چھپانے کا شک کر رہا تھا۔ اس سے نینی کو ہائر کرنے میں غلطی ہوئی تھی اور ضرور کوئی مشکوک آدمی آتا جاتا ہوگا مگر عصرہ نے اسے نظر انداز کیا اور جب خمیازہ بھگتنا پڑا تو اس نے اپنی غلطی چھپا دی۔

''تم جانتی ہو میں تم پہ کس چیز کا شک کر رہا ہوں۔''

''وان فاتح!'' وہ درد سے چلائی تھی۔ ''کیا آریانہ کی موت کے علاوہ ہماری زندگی میں کچھ نہیں ہے؟ ہر چیز اتنے برسوں سے اسی کے گرد کیوں گھومتی ہے؟ وہ مرگئی ہے فاتح۔ مگر میں تو زندہ ہوں۔''

''وہ ہماری بیٹی تھی!'' وہ دانت پیس کے غرایا۔

''ہماری نہیں۔ وہ صرف تمہاری بیٹی تھی۔'' وہ بھی برہمی سے چلائی۔ ''میں نے اتنے سال اسے پالا' اس کا خیال رکھا' مگر آخر میں تم نے مجھے یہ صلہ دیا کہ تم مجھ پہ شک کر رہے ہو؟''

''میں شک نہیں کر رہا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے اپنی غلطی کور اپ کی ہے۔''

''تم.....تم یہ کہہ رہے ہو کہ اس آدمی کو میں نے بھیجا تھا آریانہ کو اغوا کرنے کے لیے؟ تم مجھ پہ اتنا بڑا الزام لگا رہے ہو؟''

اور وان فاتح کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے مڑی تڑی پرچی نکالی اور اس کی شکنیں سیدھی کیں۔ تحریر واضح تھی۔ جو بات وہ خود سے نہیں کہہ سکا' وہ عصرہ نے اتنی آسانی سے کہہ دی تھی۔

''بولو.....جواب دو۔'' پھر جیسے اس کی خاموشی پہ وہ بے قرار ہوئی۔ ''فاتح.....تم واقعی مجھ پہ شک کر رہے ہو؟ یہ سب تالیہ نے تمہارے ذہن میں ڈالا ہے۔''

''اس کو.....تم نے بھیجا تھا۔'' وہ آہستہ سے بولا تو اس کی آواز مختلف تھی۔ سرد' اجنبی' اندر تک کاٹ دینے والی۔ عصرہ کی روح تک کانپ اٹھی۔

''فاتح.....کیا کہہ رہے ہو.....میری بات سنو.....''

''میں شام میں گھر آؤں گا۔ ہم تب بات کریں گے۔ ایک آخری بات۔ اس کے بعد میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہوں گا۔'' اس نے کاٹ کال دی۔ عصرہ کی کال آنے لگی تو فاتح نے فون آف کر دیا۔

پھر وہ پرچی زور سے پھاڑی۔ دو' چار' آٹھ.....اس نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

عصرہ نے کہا تھا۔ ''کیا اسے میں نے بھیجا تھا آریانہ کو اغوا کرنے؟''

اس نے یہ نہیں کہا کہ آریانہ کو مارنے۔

کسی دوسرے کے لئے دونوں باتیں برابر تھیں مگر وہ جانتا تھا کہ وہ لوگ اسے صرف اغوا کرنے آئے تھے۔ اسے مارنے نہیں۔ عصرہ نے مارنے کی بات نہیں کی تھی۔ اس نے اپنے بدترین گلٹ کو باہر نکال دیا تھا۔ اس آدمی کو عصرہ نے بھیجا تھا۔ نینی بھی عصرہ نے رکھی تھی۔ آریانہ کی موت کے بعد سب سے زیادہ خوف اور ڈپریشن کا شکار بھی عصرہ ہی رہی تھی۔ سب واضح تھا

مگر کون کہتا ہے کہ پہیلی کو حیرت انگیز جواب مل جائیں تو دل فوراً سے مان بھی لیتا ہے؟

دل انکار نہیں کرتا بے شک۔اسے سارا کھیل سمجھ آ جاتا ہے۔مگر وہ صدمہ.....وہ بے یقینی.....وہ اسے بالکل گنگ کر دیتی ہے۔

وان فاتح نے کس دل سے پارلیمان کا سیشن اٹینڈ کیا۔صرف وہی جانتا تھا۔وہ سارا وقت خاموش رہا۔اس کے ذہن میں گزرے ماہ وسال کسی فلم کی طرح گردش کر رہے تھے۔

وہ کبھی عصرہ کا آریانہ سے تنگ پڑ جانا اور اس سے سلوک بدل لینا.....وہ کبھی آریانہ کا شکایت کرنا کہ عصرہ فاتح کی غیر موجودگی میں اس کے ساتھ سختی سے پیش آتی ہے.....مگر اسے اپنے سامنے کبھی کچھ محسوس نہیں ہوا تھا۔عصرہ اس بات کو یوں کور کر دیتی تھی کہ اسے لگتا بچے کی تربیت اور بھلائی کے لئے اگر بحثیت ماں وہ سختی کر بھی دیتی ہے تو اچھی بات ہے۔اور پھر آریانہ نے شکایت کرنا چھوڑ دی۔

وہ اپنی کتابوں میں رہنے لگی۔اس کو اسنو وائٹ کی کہانی سب سے زیادہ پسند تھی۔وہ اکثر کہتی تھی کہ وہ اسنو وائٹ ہے۔اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ خود کو شہزادی سمجھتی ہے بلکہ اس کی بھی ایک ظالم سوتیلی ماں تھی جو اس کے باپ کی غیر موجودگی میں اس کے ساتھ رویہ بدل لیتی تھی۔

اس نے اپنا فون شام تک نہیں کھولا۔اسے شام کا انتظار تھا جب وہ گھر جائے گا اور عصرہ سے دو ٹوک بات کرے گا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی کال بند ہونے کے کچھ دیر بعد تالیہ نے اس نمبر پہ میسج بھیجا تھا جو عصرہ کے پاس تھا۔عصرہ اس وقت دیوانہ وار اس کو کال ملاتے ہوئے مضطرب سی گھر میں چکر کاٹ رہی تھی۔خوف سے اس کا دل کانپ رہا تھا۔رات جب وہ گھر آئے گا تو جولیانہ اور سکندر کے سامنے ان کی ماں کی حقیقت کھول دے گا۔سب کھل جائے گا۔پہلے اس نے فاتح کو کھویا تھا اور وہ اپنے آپ کو دھیرے دھیرے ختم کر رہی تھی مگر وہ اپنے بچوں کو بھی کھو دے گی؟

وہ نڈھال سی صوفے پہ گر گئی۔اس کے جسم میں درد تھا۔اس کے اعصاب اب ویسے مضبوط نہ رہے تھے جیسے کبھی ہوتے تھے۔وہ جس شان سے دنیا چھوڑنا چاہتی تھی'وہ اس سے شام میں چھین لی جائے گی۔وہ فاتح کی آنکھوں میں دیکھ کے جھوٹ نہیں بول سکے گی۔بولے گی بھی تو وہ جان لے گا۔

وہ غلطی پہ غلطی کر رہی تھی۔سارا کھیل ہاتھ سے پھسل رہا تھا۔اور تب ہی تالیہ کا میسج آیا۔

بس ایک لمحے میں عصرہ کو علم ہو گیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔وہ فاتح کو فیس نہیں کر سکتی تھی۔اسے آج شام سے پہلے اس کھیل کو ختم کرنا ہے۔

آگے کا مرحلہ آسان تھا۔نوکروں کو گواہ بنانا....دولت کو بلا کے اس کے سامنے تالیہ پہ شک کا اظہار کرنا....اور پھر....کیک کا آدھا ٹکڑا کھانا جس پہ آئسنگ کے طور پہ اس نے بہت سا آرسینک چھڑک رکھا تھا۔ذرا سا ٹکڑا اس نے بچا دیا...اور باقی اپنے اندر اتار لیا۔پھر صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی اور گیلی آنکھوں سے چھت کو دیکھنے لگی۔

اس دنیا میں کوئی بھی اپنی مرضی سے مرنا نہیں چاہتا۔موت ایک فرار ہے۔اور عصرہ محمود کو ہمیشہ سے فرار کی عادت تھی۔اپنا جرم چھپانے کے لئے اول روز سے وہ فاتح کو ملائیشیاء سے واپس امریکہ لے جانا چاہتی تھی۔اسے فرار چاہیے تھا مگر جب یہ تسلی ہوگئی کہ آریانہ مر چکی تھی تو چند مہینوں کے لئے اسے لگا کہ وہ حکومت کر سکتی ہے۔وہ نئی زندگی شروع کر سکتی ہے۔مگر پھر....تالیہ نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔تالیہ مراد نے اس سے حکمرانی کی خواہش'اس کا شوہر'اس کے بچے سب چھین لیے۔اس کا دل مردہ کر دیا۔اور اب....اب تالیہ اس کی سزا بھگتے گی۔

عصرہ ایک دیوی کی طرح مرے گی۔اس کے بچے اس کو ہمیشہ مظلوم سمجھیں گے۔ایک ہیروئین۔اور تالیہ اس جال سے کبھی نہیں نکل سکے گی جو عصرہ نے اس کے لئے بچھایا تھا۔

وہ کرسی پہ بیٹھی تھی....سر پیچھے ٹکا رکھا تھا ار نظریں چھت سے لٹکتے فانوس پہ جمی تھیں۔

اس کی روشنی کو دیکھتے ہوئے اس وقت عصرہ کو عجیب سا احساس ہونے لگا....اس نے خود کو کیوں مار دیا؟اس نے میدان تالیہ کے لیے کیوں چھوڑ دیا؟وہ بی این کی نائب صدر تھی....اس کے پاس دولت تھی....گھر تھا....بچے تھے....اس نے ان سب کو کیوں چھوڑ دیا؟نہیں....یہ سب غلط ہو رہا تھا....اسے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا....اسے لڑنا چاہیے تھا....اس نے اٹھنے کی کوشش کی....اسے ناک سے خون نکلتا محسوس ہوا....اسے وہ خوف محسوس ہوا جو مرنے سے پہلے ہر خودکشی کرنے والے کو ہوتا ہے....وہ سب کچھ ریورس کر لینے کی آخری خواہش....بزنت....مگر تب تک اس کا جسم مفلوج ہو چکا تھا....وہ اٹھ نہیں سکی۔گردن دائیں طرف ڈھلک گئی۔

اسے اب کرسی کے ساتھ....آریانہ کھڑی نظر آرہی تھی۔

اس کے سفید لباس پہ خون لگا تھا....مگر وہ مسکرا رہی تھی۔اس کے ہاتھ میں ایک ادھ کھایا سیب تھا۔عصرہ کو دیکھتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے اس سیب کے بائٹ لیتی رہی تھی۔پھر ہونٹ بند کیئے'اسے چباتی جاتی....

وہ جب تک گھر آیا...گھر میں ہجوم پہلے سے اکٹھا تھا۔پولیس'پیرامیڈیکس'اشعر....اور دولت....جو شام سے عصرہ کو بار بار کال کر رہا تھا اور ملازم نے جب فون اٹھا کے اس کی بے ہوشی کا بتایا تو وہ فوراً آ گیا تھا۔

مگر سب کو دیر ہو چکی تھی۔عصرہ محمود جا چکی تھی۔

جب وان فاتح نے اس کی نعش دیکھی....اس کا سفید چہرہ....اوراس چہرے کے تاثرات....تو اس کا دل عجیب ویرانیوں میں گھرتا چلا گیا۔عصرہ نے آریانہ کے لئے اغواکار بھیجے تھے عصرہ اتنے سال اس سے جھوٹ بولتی آئی تھی' یہ سب باتیں ثانوی ہوگئیں۔

انسانی موت اپنے اندر خود اتنی بڑی ٹریجڈی ہے جو کسی بھی زندہ انسان کا دل دہلا دیتی ہے۔ایک احساس زیاں' ایک خلاء.....ایک ملال سارہ جاتا ہے...عصرہ محمود فاتح کو فیس کیے بنا...اس سے معافی مانگے بنا...ایک ہی لمحے میں اپنے لیے اس کی معافی لکھوا گئی تھی.....

وہ ان لوگوں کے ساتھ اسٹریچر کے گرد شکستہ سا کھڑا تھا۔وہ سب اپنی اپنی کہہ رہے تھے۔موت کی وجہ.....زہر.....یہ وہ.....

اور تبھی اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔جیسے اوپر کوئی ہے۔اس نے نگاہ اٹھائی تو وہ وہاں کھڑی تھی۔سیاہ ٹوپی اور سیاہ لبادے میں میں اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔آنکھیں بے یقینی سے کھلی تھیں۔ان کی نگاہیں ملیں اور وان فاتح کی ساری حسیات جاگنے لگیں۔

(بھاگ جاؤ تالیہ!) اس نے اسے اشارہ کیا تھا۔

اور اگلے ہی لمحے وہ وہاں سے غائب ہو چکی تھی۔

☆☆=========☆☆

رات خوفناک حد تک خاموش تھی۔تاریک آسمان خاموشی سے شہر کی گلیوں میں بھاگتی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ایک ٹیکسی سے دوسری بدلتی ' ایک گلی سے دوسری میں مڑتی....وہ بھاگتی بھاگتی اپنے گھر تک آ پہنچی تھی۔

اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے گھڑی پہ وقت دیکھا۔زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں پولیس یہاں ہوگی۔اسے جو کرنا تھا اسی وقت میں کرنا تھا۔

تالیہ مراد نے کئی سال تک اس بات پہ تحقیق کی تھی کہ پولیس اس کے گھر تک کتنی جلدی پہنچ سکتی ہے۔کون سا اسٹیشن یہاں سے کتنا دور ہے۔ایک خوف سا تھا کہ کبھی وہ دن آئے گا جب اسے پولیس سے بھاگنا پڑے گا۔یہ نہیں معلوم تھا کہ بے گناہ ہونے کے باوجود ایسا ہوگا۔مگر یہ معلوم تھا کہ اگر ایسا ہوا تو کیا کرنا تھا۔اور جو اسے معلوم تھا' اسے آج اس کی جان بچانی تھی۔

اس نے گیلے جوتے ڈورمیٹ پہ اتارے' اور اپنے ٹرینرز پیروں میں پہنے۔پھر بیسمنٹ میں کھلنے والے دروازے تک آئی۔فنگر پرنٹ سے اسے کھولا۔اور سیڑھیاں پھلانگتی نیچے کو لپکی۔

بیسمنٹ کو وہ عرصہ ہوا خالی کر چکی تھی۔اپنے پچھلے اعمال کے تمام ثبوتوں اور نشانیوں سے پاک۔

اب وہاں صرف ایک شے موجود تھی۔

اس نے بھاری میز دھکیلی۔ فرش سے ایک لکڑی کا پلینک اٹھایا اور نیچے ہاتھ ڈالا۔ خفیہ خانے میں ایک سیاہ بیگ رکھا تھا۔

تالیہ نے وہ بیگ اٹھایا اور زپ کھولی۔

اندر تین پاسپورٹ تھے۔ نوٹوں کے چند بنڈل' گن' چاقو' ایک کپڑوں کا جوڑا' دو کریڈٹ کارڈ' چند دستاویزات رکھے تھے۔ وگ' لینز' گلاسز' نیا فون' چارجر' پاور بینک' اور چاکلیٹ بارز۔

یہ اس کا گو بیگ تھا۔

برسوں سے وہ اس لمحے کے لئے تیار تھی۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے اور دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا مگر کسی ریہرسل شدہ عمل کی طرح تمام اعضاء تیزی سے کام کر رہے تھے۔

اس نے بیگ کندھے پہ ڈالا' گھر کا دروازہ اندر سے لاک کیا اور پچھلے دروازے سے باہر نکل گئی۔ پولیس کے سائرن پس منظر میں سنائی دے رہے تھے۔

اب وہ بس اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی۔ ہڈ سر پہ گرائے' آنکھوں پہ نظر کا چشمہ پہنے' اس نے ماحولیاتی آلودگی سے بچنے والا سبز ماسک اس نے ناک پہ جما رکھا تھا۔ یہاں کے ایل میں بہت سے لوگ ماسک پہنے گھوما کرتے تھے۔

ایک فون بوتھ پہ وہ رکی اور ریسیور اٹھا کے ایک نمبر ملایا۔ حسبِ متوقع آگے سے وائس میل آن تھا۔

''داتن۔'' وہ پھولے تنفس کے درمیان کہہ رہی تھی۔ ''پولیس میرے پیچھے ہے۔ اس لئے تمہارے ریگولر نمبر پہ کال نہیں کر سکتی۔ وہ ٹیپ ہو رہا ہو گا۔ اب میری بات دھیان سے سنو۔'' وہ دائیں بائیں احتیاط سے دیکھتی سرگوشی میں کہنے لگی۔ ''وہ سمجھتے ہیں کہ میں نے عصرہ کو مارا ہے۔ مگر میں نے اسے نہیں مارا۔ تمہیں کوئی کچھ بھی کہے' اس کی بات کا اعتبار مت کرنا۔ اپنے دل کی سننا۔ میں مشکل میں ہوں۔'' اس کی آواز بھیگنے لگی۔ چند گہری سانسیں اندر کھینچیں۔

''کاش میرے پاس وقت کی چابی ہوتی تو میں.... میں وقت میں تین چار ماہ آگے نکل جاتی..... اس ملک سے دور..... شاید جاپان کی طرف..... مگر ابھی..... ابھی مجھے سنگاپور جانا ہے۔ مجھے ایک کلین پاسپورٹ چاہیے۔'' وہ ہدایت دے رہی تھی۔ ''تم صبح گیارہ بجے تک اپنے گھر سے نہیں نکلو گی۔ ٹھیک گیارہ بجے تم اپنے گھر کے باہر والے ہمارے مخصوص ڈراپ باکس میں پاسپورٹ رکھ دو گی۔ میں وہاں سے اٹھا لوں گی۔ مگر میں تم سے مل نہیں سکوں گی۔.. اور دھیان کرنا' پولیس کو نہیں علم ہونا چاہیے۔ اس کے بعد تم بھی ملک چھوڑ دینا اور میں..... میں سنگاپور سے آگے نکل جاؤں گی مگر.....'' وہ گیلی آواز سے مسکرائی۔ ''کبھی ہم دوبارہ ضرور ملیں گے۔ کسی اور زمانے..... کسی اور موسم میں..... سمندر کنارے کچی مچھلی کا شکار کرنے

.....ہم ضرور ملیں گے داتن۔" اس نے فون بند کیا۔آنکھیں رگڑیں۔بڑبڑا کی اور تیزی سے بس کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆==========☆☆

حالم کا بنگلہ رات کے اس وقت روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔باہر کھڑی پولیس موبائلز کی جلتی بجھتی روشنیوں اور آوازوں نے ساری اسٹریٹ کو خوف و ہراس میں مبتلا کر رکھا تھا۔دروازے کھلے تھے۔سیڑھیوں سے اوپر نیچے پولیس اہلکار آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے،چند منٹوں میں انہوں نے تالیہ کا سارا گھر الٹ کے رکھ دیا تھا۔

لاؤنج کے وسط میں دولت کھڑا تھا۔ہاتھ پہلوؤں پہ جمائے'شرٹ کے کف موڑے'وہ ناخوش نظر آتا تھا۔اس کے کندھوں سے کمر تک بیلٹ سے بندھا ہولسٹر اور پستول واضح نظر آرہا تھا۔

"گھر کلیئر ہے'سر!"ایک اہلکار نے آکے اطلاع دی تو دولت نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

"ظاہر ہے اسے معلوم تھا ہم آرہے ہیں۔وہ بھاگ چکی ہے۔بات سنو سب۔ایوری ون۔"

اس نے تالی بجائی تو اوپر نیچے پھیلے اہلکار ہاتھ روک کے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"میری ابھی وزیر اعظم صاحبہ سے بات ہوئی ہے۔عصرہ محمود ایک ہائی پروفائل خاتون تھیں اور ان کی موت کوئی عام بات نہیں ہے۔پردھان منتری نے تالیہ مراد کی فوراً گرفتاری کا حکم دیا ہے۔"

وہ دائیں بائیں سر گھماتا ایک ایک کو دیکھتا تختی سے کہہ رہا تھا۔

"ایک گھنٹے میں پولیس کے ہرنا کے'شہر کی ہر انٹری ایگزٹ'ہر تھانے' اور ائیرپورٹ پہ تالیہ کی تصاویر بھیج دو۔شہر کی ہر پولیس پٹرول یونٹ کو اس کا حلیہ اور تصویر ملنی چاہیے۔اس کے گھر کے اردگرد سی ٹی وی سے اس کی نقل وحرکت کو ٹریس کرنے کی کوشش کرو۔اس کے تمام دوستوں کے فونز ٹیپ کرو۔وان فاتح کا بھی۔وہ کسی سے رابطہ ضرور کرے گی۔"

وہ اب کنپٹی پہ انگلی رکھے سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔"تالیہ مرا کو اگر میں جانتا ہوں تو اس کا اگلا اسٹیپ...."اس نے رک کے سوچا۔تالیہ اب کیا کرے گی؟

"فرار....وہ ملک سے فرار ہونے کی کوشش کرے گی۔" وہ مسکرا کے بولا تھا۔"اور ہمیں اس شہر کے ہر دروازے پہ پہرہ لگا دینا ہے۔"

وہ کہہ رہا تھا جب فون کی گھنٹی بجی۔اس نے بات روک کے موبائل کان سے لگایا۔

"بولو زاہد۔"دوسری جانب اس کا اینالسٹ ہیڈ کوارٹر سے بات کر رہا تھا۔

"سر....ایک اطلاع ہے۔"اینالسٹ دبے دبے جوش سے کہنے لگا۔"یاد ہے ہم نے تالیہ کی کیس انویسٹی گیشن کے

دوران اس کی دوست لیانہ صابری کی فائل تیار کی تھی۔ مجھے اس دوران لیانہ کا ایک ایسا فون نمبر ملا تھا جو اس کے گھر کے علاقے میں مخصوص وقت کے لئے آن ہوتا تھا۔ یہ نمبر اس کے نام پہ نہیں ہے اور۔۔۔۔"

"مجھے اس سے غرض نہیں ہے کہ تم نے وہ نمبر کیسے ڈھونڈا۔" دولت نے اکتا کے بات کاٹی۔" مجھے یہ بتاؤ کہ اس نمبر پہ تالیہ نے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہے؟"

"یس سر۔" وہ دبے دبے جوش سے بولا۔" وہ نہیں جانتی کہ ہم اس نمبر کو ٹیپ کر رہے تھے۔اس نے وائس میل میں پیغام چھوڑا ہے۔میں آپ کو سنواتا ہوں۔"

دولت چند لمحے تک اس پیغام کو سنتا رہا جو تالیہ نے داتن کے لیے چھوڑا تھا۔پھر اس نے فون رکھا اور ٹیم کو مخاطب کیا۔

"چینج آف پلان۔ہم اس کے گرد گھیرا تنگ ضرور کریں گے مگر ابھی تالیہ کے ملوث ہونے کی خبر میڈیا پہ نہیں دیں گے۔وہ سب سے زیادہ اس چیز سے ڈرتی ہے۔ یہ پتہ ابھی ہم اپنے ہاتھ میں رکھیں گے۔اور لیانہ صابری کو ابھی ہم گرفتار نہیں کریں گے۔وہ تالیہ تک پہنچنے کے لئے ہمارا واحد لنک ہے۔" وہ آس اور اضطراب کے درمیان کہہ رہا تھا۔"امید ہے کہ تالیہ اس کے گھر کے قریب جائے گی نیا پاسپورٹ اٹھانے۔ہمیں لیانہ کے گھر کے گرد گھیرا تنگ کرنا ہے اور صبح تک اپنی کارروائیوں کو خاموش رکھنا ہے۔تالیہ مراد اس وقت خوف کا شکار ہے۔اور ایسا انسان غلطی پہ غلطی کرتا ہے۔ہم تالیہ کی غلطی کا انتظار کریں گے۔"

اسے تالیہ کی فون کال میں عرصے بعد وہی خوف محسوس ہوا تھا جو قید کے ان پانچ دنوں میں اس کے چہرے پہ نظر آتا تھا۔وہ جس چیز سے ڈرتی تھی، وہی اس کے سامنے آگئی تھی۔ بہت اچھے۔

وہ تالیہ مراد کے گرد ایسا گھیرا بنانے جا رہا تھا جس کو وہ توڑنے کی کوشش میں غلطیاں کرے گی۔

بلی اور چوہے کا کھیل شروع ہونے والا تھا۔

☆☆=========☆☆

اگلی صبح آسمان نے دیکھا کہ ایک بڑے سبزہ زار پہ عصرہ محمود کے جنازے کی رسم ادا کی جا رہی تھی۔لوگوں کا ایک منظم ہجوم وہاں کھڑا تھا۔قطار میں لوگ باری باری آتے، اور مرکزی جگہ پہ کھڑے فاتح سے ہاتھ ملاتے، تعزیت کرتے، دعا دیتے اور آگے بڑھ جاتے۔

وہ سر کے خم سے ان کی تعزیت وصول کرتا، شکریہ ادا کرتا اور پھر ایک ویران نظر اپنے دونوں بچوں پہ ڈالتا جو اس کے دائیں طرف کھڑے تھے۔دونوں نے اب زار و قطار رونا بند کر دیا تھا۔جولیانہ صرف شل تھی اور سکندر بار بار سر جھکا کے گیلی آنکھیں

پونچھتا تھا۔ فاتح ایک ہاتھ لوگوں سے ملاتا تھا' اور دوسرا اسکندر کے کندھے پہ جمائے ہوئے تھا۔

جولیانہ کے اس طرف اشعر کھڑا تھا۔ ان سب کے چہرے آج سوگوار تھے۔

خاندان کی ایک خاتون بچوں کو اپنے ساتھ دوسری طرف لے گئیں تو اشعر اس کے کندھے کے برابر آ کھڑا ہوا۔

''آپ ٹھیک ہیں' آبنگ؟''

''ہوں۔''

''میں جانتا ہوں کاکا اور آپ کے اختلافات تھے اور....''

''میرے اور عصرہ کے کوئی اختلافات نہیں تھے' ایش۔ وہ ایک بہت اچھی بیوی اور ماں تھی۔ اس نے کبھی کچھ ایسا نہیں کیا جس سے میں ہرٹ ہوا ہوں۔'' اشعر نے نظروں کا رخ موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس نے جیسے سارے حساب کتاب ختم کر ڈالے تھے۔ اشعر کو خیال گزرا کہ آخری دنوں میں وہ دونوں کافی بہتر ہو چکے تھے۔ فاتح نے اسے نائب چیئر پرسن بھی بنا دیا تھا۔ واقعی اب ان کے درمیان کوئی تلخی نہیں تھی۔ وہ واپس تعزیت کرنے والوں کے ساتھ مگن ہو گیا۔

''فاتح۔'' دولت اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا تو فاتح نے چونک کے گردن موڑی۔ پھر اس کی شکل دیکھ کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ واپس چہرہ سیدھا کر کے زیرِ لب بولا۔

''تمہاری تفتیش کہاں تک پہنچی؟'' اسے اس کی آمد شدید ناگوار گزری تھی۔

''بہت جلد تالیہ مراد جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہو گی۔'' وہ دونوں نامحسوس طریقے سے وہاں سے ہٹ گئے۔ اب تعزیت کرنے والوں سے قدرے فاصلے پہ وہ گھاس پہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''یہ سب تالیہ نے نہیں کیا۔''

''تمہیں کیسے معلوم۔''

''اگر تم تعصب کا چشمہ اتار دو تو تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا۔'' وہ برہمی سے دولت کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔'' وہ یہ نہیں کر سکتی۔ اس کو اس میں پھنسایا جا رہا ہے۔''

''اچھا؟'' دولت طنز سے بولا۔'' کس نے پھنسایا ہے اسے؟''

''یہ معلوم کرنا تمہاری جاب ہے۔ سرکار اسی کے پیسے دیتی ہے تمہیں۔ جاؤ اور معلوم کرو۔''

ناگواری سے کہہ کے وان فاتح آگے بڑھ گیا۔

دولت نے ضبط سے گہری سانس بھری' پھر گھڑی پہ وقت دیکھا۔ دس بج رہے تھے۔ اسے داتن کے گھر سے چند فرلانگ دور مقررہ جگہ پہ پہنچنا تھا۔ تالیہ مراد اپنا پاسپورٹ اٹھانے آنے والی ہوگی۔

وان فاتح اب قطار میں آئے لوگوں سے تعزیت وصول کر رہا تھا۔ اگلا شخص ایڈم تھا۔ فاتح نے اس سے ہاتھ ملایا تو وہ قریب آ کے آہستہ سے بولا۔

''مجھے بہت افسوس ہوا' سر۔''

''مجھے بھی ایڈم۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''میں اور میرے بچے اس ٹراما سے کیسے نکلیں گے' مجھے نہیں معلوم۔''

''میں آپ لوگوں کے لئے دعا کروں گا کہ آپ اس سے نکل آئیں۔ اللہ تعالیٰ دل سے مانگی ساری دعائیں پوری کرتا ہے۔'' پھر اس نے چہرہ آگے کو جھکایا اور پریشانی سے پوچھا۔ ''سر یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ چے تالیہ....''

''یہ اس نے نہیں کیا۔'' فاتح نے سختی سے آہستہ آواز میں دہرایا۔ ایڈم چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آف کورس' سر... میں جانتا ہوں۔'' پھر سر کو خم دے کر آگے بڑھا تو کچھ سوچ کے وان فاتح اس کے پیچھے آیا۔ دونوں ہجوم سے ذرا دور گھاس پہ چلے آئے تو فاتح نے اسے پکارا۔ وہ چونک کے مڑا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کے پیچھے آ رہا ہے۔

''ایڈم.... تم تالیہ کو ڈھونڈو۔ لیانہ صابری سے پوچھو یا کسی اور سے۔ کچھ بھی کرو مگر اس کو ڈھونڈو اور.....''

''اور؟''

''اور اس سے کہو کہ وہ روپوش نہ ہو۔ سامنے آ جائے۔''

''آپ چاہتے ہیں کہ وہ گرفتاری دے دیں؟ اس جرم کے لئے جو انہوں نے نہیں کیا؟'' وہ حیران ہوا۔

''ہاں کیونکہ بھاگنے سے وہ مزید مجرم لگ رہی ہے۔ ایک دفعہ وہ خود کو قانون کے حوالے کر دے تو میں اس کو بچا لوں گا کیونکہ وہ بے گناہ ہے۔''

''میرا ان سے رابطہ نہیں ہے مگر میں ان کو یہ مشورہ نہیں دوں گا۔ پہلے ہمیں اس شخص کو ڈھونڈنا ہے جس نے ان کو پھنسایا ہے۔'' ایڈم کا پلان مختلف تھا۔ ''اصل قاتل کے خلاف ثبوت پولیس کو دینے ہیں تاکہ چے تالیہ کا نام کلیئر ہو جائے اور وہ واپس آ سکیں۔'' پھر وہ رکا۔ ''آئی ایم سوری..... اگین۔''

''جو میں نے کہا ہے' وہ اس تک پہنچا دو۔'' اس نے دوٹوک کہہ کے بات ختم کر دی۔

وہ واپس آیا تو اشعر نے ناگواری سے اس کے قریب سرگوشی کی۔

''آپ اس لڑکی کا دفاع کیوں کر رہے ہیں؟ اس نے میری بہن کو مارا ہے۔'' اس نے ایڈم اور فاتح کی بات کا کوئی ٹکڑا سنا تھا۔

''تالیہ بے گناہ ہے۔ اس نے عصرہ کو نہیں مارا اور اگر تم اس بات پہ یقین نہیں کرنا چاہتے تو مجھ سے دوبارہ اس موضوع پہ بات نہ کرنا۔'' وہ کہہ کے آگے بڑھ گیا۔

اس نے تالیہ کی ای میل آج صبح پڑھی تھی۔ نہ پڑھتا تب بھی اسے یقین تھا کہ وہ کیکس تالیہ نہیں بھیجتی۔ وہ کسی کی جان بھی نہیں لے سکتی۔ ساری بات یہیں آ کے ختم ہو جاتی تھی۔

☆☆=========☆☆

لیانہ صابری کے گھر سے چند فرلانگ دور ایک پینٹرز کمپنی کی وین کھڑی تھی۔ باہر سے دیکھ کے لگتا تھا وہ کسی گھر میں پینٹ کرنے آنے والوں کی وین ہے۔ البتہ اس کے اندر کا ماحول یکسر مختلف تھا۔ وہاں کرسیاں تھیں' قطار میں اسکرینز نصب تھیں جن کے آگے تکنیکی امور میں ماہر اینالسٹ بیٹھے تھے۔ اور ان کے پیچھے خالی جگہ پہ دولت ٹہل رہا تھا۔ بار بار وہ گھڑی دیکھتا۔

''گیارہ بج کے پانچ منٹ ہو گئے ہیں۔ لیانہ گھر سے نہیں نکلی۔ اب وہ پاسپورٹ کیسے دے گی؟''

''ہم اس کے گھر کے باہر رات سے موجود ہیں۔ وہ رات سے گھر سے نہیں نکلی۔'' ایک اینالسٹ نے گردن موڑ کے اسے بتایا تھا۔'' اس کے دونوں فونز آن ہیں اور ان کی لوکیشن گھر کے اندر کی ہی آ رہی ہے۔ یعنی وہ اندر ہے۔''

''اسے اب تک باہر آ جانا چاہیے تھا۔'' دولت خود کلامی کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ شدید مضطرب نظر آتا تھا۔

''او کے۔ ہم مزید انتظار نہیں کر سکتے۔'' وہ رکا اور کان میں لگے آلے پہ اپنی اے ٹیم کو بزور قوت لیانہ کے گھر کے اندر جانے اور اسے گرفتار کر کے لانے کا حکم دینے لگا۔

''سر.... گھر کلیئر ہے۔'' دس منٹ بعد لیانہ کے گھر کا دروازہ توڑ کے داخل ہونے والا اہلکار بتا رہا تھا۔'' اس کے دونوں فون بیڈروم میں پڑے ہیں چارجنگ پہ۔ وہ فرار ہو چکی ہے۔''

دولت نے زور سے کرسی کو بوٹ سے ٹھوکر ماری۔'' وہ کب فرار ہوئی؟ تم لوگ رات سے گھر کے چاروں طرف تھے۔''

''ہم تالیہ کے اس پیغام کے قریباً پچیس منٹ بعد یہاں پہنچے تھے۔ وہ اپنے فونز یہیں چھوڑ کے ہمارے آنے سے پہلے ہی فرار ہو چکی ہو گی' سر۔'' اس کا اینالسٹ مایوسی سے بتا رہا تھا۔

''لیکن اب وہ تالیہ کو پاسپورٹ کیسے دے گی؟'' ایک دوسرے اینالسٹ نے کہا تو دولت چونکا۔ ٹھوکر مارنے سے اس کا پیر

درد کرنے لگا تھا مگر اس ایک فقرے نے اسے سب بھلا دیا۔

"تالیہ مراد کو پاسپورٹ کیوں چاہیے تھا؟"

"ملک سے بھاگنے کے لیے سر!"

"اس نے پہلے سے ہنگامی صورتحال کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ پاسپورٹ' پیسے' نئی شناختیں۔ اس کے پاس اس کا اپنا گو بیگ بروقت ہونا چاہیے تھا۔ ایک منٹ.... وہ ریکارڈنگ.... وہ دوبارہ چلاؤ۔"

وہ تیزی سے ماتحت کی کرسی کے قریب آیا اور جھک کے اس کی اسکرین پہ جھانکا۔

ماتحت نے چند کیز پریس کیں تو رات والی کال کی ریکارڈنگ چلنے لگی۔ پہلے دولت نے اس ریکارڈنگ میں جس شے پہ سب سے زیادہ غور کیا تھا وہ تالیہ کی آواز تھی۔ بھیگی' خوف سے لبریز آواز جس میں کپکپاہٹ تھی۔ ایک صیاد کو شکار کی ایسی آواز سن کے لطف آتا تھا۔ وہ اس سے آگے کچھ نہیں دیکھ سکا تھا۔ مگر اب.... اب وہ الفاظ سن رہا تھا.....

"تمہیں کوئی کچھ بھی کہے' اس کی بات کا اعتبار نہیں کرنا۔" تالیہ کی آواز اسپیکرز میں گونج رہی تھی۔ دولت نے بے دردی سے اپنا لب کاٹا۔ (کیا اس کی باتوں کا وہی مطلب تھا جو وہ نظر آتا تھا؟)

"کاش میرے پاس وقت کی چابی ہوتی تو میں وقت میں تین چار ماہ آگے نکل جاتی۔.... جاپان...."

"کبھی ہم دوبارہ ضرور ملیں گے.... کسی اور زمانے میں.... کسی اور موسم میں.... سمندر کنارے مچھلی کا شکار کرنے.... پرانے وقتوں کی طرح.... ہم ضرور ملیں گے' داتن۔"

دولت ماتھے پہ بل ڈالے سیدھا ہوا۔ "اس نے کہا.... وقت کی چابی۔"

ماتحت نے مڑ کے اسے دیکھا۔ "سر آپ کو معلوم تو ہے۔ چے تالیہ کی تھیوری جو انہوں نے پراسیکیوٹر احمد نظام کو بتائی تھی کہ وہ وقت میں پیچھے گئی تھیں اور....."

"اونہوں۔ پیچھے نہیں.... اس نے کہا' وہ وقت میں آگے جانا چاہتی ہے۔" وہ پہلوؤں پہ ہاتھ جمائے کرسیوں کے پیچھے ٹہلنے لگا۔

"اس نے لیانہ کو پاسپورٹ کے لیے فون نہیں کیا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ ہم کال ٹیپ کر رہے ہوں گے۔ اس کو صبح یہاں نہیں آنا تھا۔"

"تو پھر اس نے یہ کیوں کیا؟"

"اگر ہم یہ کال نہ سنتے....." مڑ کے گھور کے اینالسٹ کو دیکھا۔ "اگر تم مجھے یہ کال نہ سنواتے تو میں اسی وقت لیانہ صابری

کی گرفتاری کا حکم دے رہا تھا۔ میں تالیہ کے فرار کی خبر ہر جگہ چلانے جا رہا تھا مگر اس کال نے ہمیں روک دیا۔ دونوں کو موقع پہ پکڑنے کی خواہش نے ہمیں روک دیا۔ وہ لیانہ کو بھاگنے کا وقت دے رہی تھی۔"

وہ جانتی تھی کہ دولت کا خواب کیا ہے۔ تالیہ کو خوفزدہ دیکھنا۔ کون ووِمن نے اس کو ایک خواب دکھایا۔ ایک دلفریب سراب جس کے تعاقب نے اس کو جھانسہ دے ڈالا۔

"یعنی سر.... تالیہ مراد نے لیانہ سے نہیں ملنا تھا؟"

اور اس سوال پہ ٹہلتا ہوا دولت رکا۔ اسے ایک عجیب سا خیال آیا۔

"اونہوں۔ تالیہ کے پاس لیانہ سے رابطے کے لیے یہی ایک نمبر تھا۔ اسے اس سے بات بھی کرنی تھی اور اسے خوف بھی تھا کہ پولیس اسے ٹیپ کر رہی ہوگی۔ اس نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔ وہ واقعی کال میں لیانہ کو ملاقات کے لیے بلا رہی تھی مگر کہاں؟"

وہ خود دوبارہ اسکرین تک آیا اور جھک کے کی پریس کی۔ ریکارڈنگ پھر سے چلنے لگی۔

"کاش میرے پاس وقت کی چابی ہوتی.... تو میں وقت میں تین چار ماہ آگے چلی جاتی۔ جاپان۔"

اس نے اسٹاپ کا بٹن دبایا اور دھیرے سے سیدھا ہوا۔ "چار ماہ کے بعد جاپان میں کیا ہونا ہے؟"

"چار ماہ بعد؟" اینالسٹ نے انگلیوں پہ حساب کیا۔ "کچھ بھی نہیں۔ چار ماہ بعد اپریل ہے سر۔ اور...."

بس اس ایک لمحے میں پزل میں سارے ٹکڑے اپنی جگہ پہ آن گرے۔

"ساکوراہانامی۔" دولت بڑبڑایا۔ "مارچ اپریل میں جاپان میں 'ساکوراہانامی' شروع ہو جاتا ہے۔"

وین میں خاموشی چھا گئی۔ سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ دولت نے البتہ کراہ کے کنپٹی چھوئی تھی۔

"اسے جاپان نہیں جانا تھا۔" دولت نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ اسے دی کیوب میں بلا رہی تھی۔"

"دی کیوب؟ وہ جاپانی ریستوران؟" ایک اہلکار نے چونک کے کہا۔

"ہاں' کیونکہ اس نے کہا وہ لیانہ کے ساتھ کچی مچھلی کا شکار کرنا چاہتی ہے۔" اس نے تکلیف سے آنکھیں بند کیں۔ اینالسٹ نے بے اختیار سر پہ ہاتھ مارا۔

"آف کورس۔ دی کیوب دو چیزوں کے لیے مشہور ہے۔ سوشی (کچی مچھلی کی ایک جاپانی ڈش) اور ہانامی۔ اس ریستوران کے جاپانی مالک نے اس کو ہانامی کے رنگوں سے سجا رکھا ہے اور وہاں دیواروں پہ جاپان کے ہانامی کے مناظر تھری ڈی پہ چلائے جاتے ہیں۔ وہاں جا کے لگتا ہے کہ...."

''کہ آپ وقت میں چار ماہ آگے جاپان میں چلے گئے ہیں اور آپ کے اردگرد چیری بلاسم کے پھول گر رہے ہیں۔ڈیم اٹ۔'' دولت نے تلخی سے کہتے ہوئے دوبارہ کرسی کو ٹھوکر ماری۔اب کے خالی کرسی الٹ کے پرے جا گری۔

''میں ابھی ایک ٹیم اس ریستوران بھیجتا ہوں۔'' ماتحت نے جلدی سے فون اٹھایا مگر دولت نے افسوس سے سانس بھری۔

''ضرور بھیجو مگر وہ کئی گھنٹے پہلے لیا نہ سے ملاقات کر کے وہاں سے روپوش ہو چکی ہوں گی۔تالیہ مراد ہم سے ہمیشہ ایک قدم آگے رہتی ہے۔''

☆☆==========☆☆

چند گھنٹے قبل پچھلی رات میں واپس جاتے ہیں۔

داتن کے لیے پیغام ریکارڈ کروا کے تالیہ فون بوتھ سے نکلی' سر پہ ہڈ برابر کی' آنسو پونچھے اور اندھیرے میں بس کی طرف بڑھ گئی۔

بس میں کھڑکی کے ساتھ بیٹھی تالیہ کی آنکھوں میں اب سپاٹ سا تاثر تھا۔وہ بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتی تھی۔اگر اس کا اندازہ درست تھا تو داتن آدھے گھنٹے تک دی کیوب پہنچ جائے گی۔پولیس اگر کالز ٹیپ کر رہی تھی اور پیغام کوڈی کوڈ بھی کر لے تب بھی ان کے دی کیوب پہنچنے تک وہ دونوں وہاں سے جا چکی ہوں گی۔

کے ایل کے دل میں واقع یہ ریستوران اندر سے نیم اندھیر سا تھا۔ایک گول سا ہال جس کے وسط میں لکڑی کا جھونپڑا بنا تھا۔جھونپڑے کے اندر سٹنگ ایریا تھا۔

مدھم موسیقی چل رہی تھی اور کھانا سرو کیا جا رہا تھا۔دیوار پہ ایک پینٹنگ لگی تھی۔اس میں جاپان کی ایک سڑک کی تصویر تھی جس کے کنارے چیری بلاسم کے گلابی پھول گرے تھے۔

مارچ اپریل میں اس ریستوران میں ''ہانامی فلیورنگ'' شروع ہو جاتی تھی اور بوڑھا جاپانی مالک اس جگہ کو گلابی رنگوں سے سجا دیتا تھا۔مگر ابھی چونکہ سرما تھا' اس لیے یہاں ہانامی کی محض چند ایک نشانیاں موجود تھیں۔

'ساکورا' جاپانی زبان میں 'چیری بلاسم' کو کہتے ہیں۔ ایک نرم و نازک سا پھول جو چیری کے تناور درختوں پہ اگتا ہے۔ اس پھول کی عمر کم ہوتی ہے۔یہ چند دن تک درختوں پہ رہتا ہے اور پھر گر جاتا ہے۔

جب یہ پھول گرتے ہیں تو جاپان کی سڑکوں کے کناروں پہ گلابی تہیں سی بچھ جاتی ہیں۔مگر گرنے سے قبل.....چند دن کے لئے جب ساکورا کے پھول درختوں پہ کھلے رہتے ہیں...تو یہ منظر دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔جاپان میں دفتروں اور کاروبار سے خاص چھٹی دی جاتی ہے.....سیاح دور دور سے آتے ہیں...فیملیز سارے کام چھوڑ کے باہر نکل آتی ہیں...اور

لوگ جگہ جگہ لگے چیری بلاسم کے درختوں کا نظارہ کرتے ہیں....

کھلی فضا میں کھڑے ہو کے ان نرم و نازک پھولوں سے لدے درختوں کا نظارہ کرنا ''ہانامی'' کہلاتا ہے۔جاپان میں یہ بہار کے ایک قومی تہوار کا درجہ رکھتا ہے۔آہستہ آہستہ یہ کوریا اور ملائیشیاء جیسے دوسرے ملکوں میں بھی رائج ہو چکا تھا جہاں چیری بلاسم کم تعداد میں پائے جاتے ہیں۔مگر اصل ہانامی صرف جاپان میں ہوتا ہے۔اس لیے ملائیشیا میں جاپان کا منظر نامہ کھینچنے کے لیے دی کیوب میں موسم بہار میں جاپان کے چار بڑے شیف جمع ہوتے ہیں اور وہ چند دن کے لیے یہاں خاص سوشی تیار کرتے ہیں۔

ہانامی کی اصل روح جاپانی کھانے بالخصوص سوشی کو کھاتے ہوئے چیری بلاسمز کا نظارہ کرنے میں ہے۔مگر یہ بس چند دن تک ہوتا ہے۔پھر ختم اور سب معمول پہ آجاتا ہے۔

چیری بلاسم کے پھول گر گر کے سڑک کنارے مرجاتے ہیں اور درخت خالی ہو جاتے ہیں۔

اسی لیے چیری بلاسم دراصل جوانی کے زوال اور زندگی کی ناپائیداری کی برف اشارہ کرتی ہے۔مگر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ....یہ جوانی میں مرجانے کی علامت ہے۔

البتہ فی الحال بہار دور تھا۔سرما ہر سو پھیلا تھا۔اس لئے ریستوران قدرے خالی خالی سا تھا۔ہال کے وسط میں بنے جھونپڑے میں بیٹھی تالیہ بار بار گھڑی دیکھتی تھی۔سر پہ ہڈ گرا رکھا تھا اور انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

دفعتاً بوڑھا جاپانی شیف قریب آیا اور قہوے کی پیالی سامنے رکھی۔پھر قریب جھکا اور سرگوشی کی۔

''اگر پولیس لیانہ سے پہلے آجائے تو تم مڑے بغیر کچن میں چلی آنا اور وہاں سے......''اشارہ کیا۔

تالیہ پھیکا سا مسکرائی اور تشکر میں سر ہلایا۔

''شکریہ تاؤ۔اتنی جلدی پولیس یہاں نہیں آئے گی۔لیکن اگر آگئی تو میں تمہیں مشکل میں نہیں ڈالوں گی۔''

تاؤ نے مسکرا کے اس لڑکی کا چہرہ دیکھا جو ہڈ کے ہالے میں زرد سا پڑ رہا تھا۔پھر اس کی پیالی میں سنہری قہوے کی دھار انڈیلی۔

''کون تم؟ میں تو تمہیں جانتا ہی نہیں۔اور سی سی ٹی وی صبح سے خراب پڑا ہے۔''مسکرا کے وہ آگے بڑھ گیا۔

''میں نے سنا تھا تم مجھ سے ناراض ہو۔''

خفا سی آواز سنائی دی تو تالیہ مراد نے گہری سانس لے کر سر اٹھایا۔

بھاری بھر کم سی گھنگریالے بالوں والی داتن ماتھے پہ بل ڈالے اس کے سامنے کرسی کھینچ رہی تھی۔

اتنے عرصے بعد اسے دیکھا تھا اور وہ اسے ویسی ہی لگی تھی۔

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ میں زندگی سے ناراض تھی۔''

داتن نے کہنیاں میز پہ رکھی اور آگے کو جھکی سنجیدگی سے اسے دیکھا۔''تالیہ.....تم نے سوچا بھی کیسے کہ ہم تمہیں اکیلا چھوڑ دیں گے؟ ہم واقعی سمجھے تھے کہ تم ٹھیک ہو۔اور میں کچھ دوسرے کاموں میں پھنسی تھی۔میری غلطی ہے کہ میں عصرہ کے دھوکے میں آگئی اور سمجھی کہ......''

''تم کمزور لگ رہی ہو۔ کیا ہوا ہے؟''

داتن لمحے بھر کو رکی اور پھیکا سا مسکرائی۔''ڈائیٹنگ کر رہی ہوں۔خود ہی تو کہتی تھیں کہ وزن کم کرو۔''

تالیہ ہلکے سے ہنس دی۔آنکھوں میں پانی آگیا۔

''مجھے تم سے گلہ نہیں ہے۔ ہر انسان کو اپنے آپ کو خود بچانا پڑتا ہے۔میں اس سے بھی نکل آؤں گی۔اور پہلے بھی....''

''تالیہ!''اس نے بات کاٹ کے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔''ہم اس دلدل میں ساتھ گئے تھے۔ساتھ نکلیں گے۔ تمہارے پاس پاسپورٹ ہے نا؟ ہم آج ہی سنگاپور جا رہے ہیں۔''

''نہیں داتن۔صرف تم سنگاپور جا رہی ہو۔''تالیہ کا انداز قطعی تھا۔

داتن نے ابرو بھینچے۔''ہمارا فرار کا پلان کئی سالوں سے وہی ہے تالیہ۔ پہلے سنگاپور اور وہاں سے دبئی۔ سب تیار ہے۔ہم ایک نئی زندگی شروع کر سکتے ہیں۔میں اپنی فیملی کو وہیں بلا لوں گی اور.....''

''مگر میری فیملی یہیں ہے۔ایڈم یہاں ہے۔وان فاتح یہاں ہیں۔میں ملک نہیں چھوڑ سکتی۔ مجھے صرف.....''وہ آگے کو جھکی اور آواز مدھم کی۔''کے ایل میں ٹھہرنے کو جگہ چاہیے۔''

''کوئی سیف ہاؤس؟ ہاں ایک دو جگہیں ہیں لیکن اگر پولیس کو علم ہو گیا تو....''

''میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں' داتن!''

بوڑھا تاؤ پھر سے ان کے قریب آیا اور پوچھا۔''کیا تم لوگ سوشی کھاؤ گی؟''

''نہیں' تاؤ۔''تالیہ نے ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔وہ اس وقت کچھ بھی نہیں کھا سکتی تھی۔خود کو بہادر ظاہر کرنے کے باوجود اس کی رنگت زرد پڑتی جا رہی تھی۔اور وہ بار بار اضطراب سے انگلیاں مروڑتی تھی۔

''میں تمہیں یہاں چھوڑ کے نہیں جا سکتی' تالیہ۔''داتن فکرمندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔تالیہ اداسی سے مسکرائی۔

''میں نے عصرہ کو نہیں مارا۔مگر میں بھاگ نہیں سکتی۔صرف چھپنا چاہتی ہوں۔ کچھ دن کے لیے۔''

''اور فاتح؟''

''وہ جانتے ہیں کہ میں بے گناہ ہوں۔مگر مجھے نہیں معلوم وہ میرے لئے کچھ کر سکیں گے یا نہیں۔''اس کے انداز میں شک تھا۔داتن نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا اور سنجیدگی سے بولی۔

''مجھے وان فاتح سے بہت سی باتوں پہ اختلاف ہے مگر تم اپنے دل سے یہ بے یقینی نکال دو تالیہ کہ وہ تمہیں پھر سے اکیلا چھوڑ دیں گے۔ہم تینوں تمہارے ساتھ ہیں اور تمہارے لئے ہر حد تک جائیں گے۔''

تالیہ کی داتن پہ جمی نگاہیں بھیگنے لگیں۔

''اگر میں اچھائی کا راستہ نہ اپناتی تو یہ سب میرے ساتھ نہ ہوتا۔میں برائی کے راستے پہ رہتی تو چھپی رہتی۔''

''نہیں، تالیہ... میں ہمیشہ کہتی تھی کہ انسان اس راستے کو ترک نہیں کر سکتا مگر میں غلط تھی۔انسان سب کر سکتا ہے۔تم نے درست کیا جو کیا۔''

وہ اعتراف کر رہی تھی مگر تالیہ نے نفی میں سر ہلایا۔اس کی آنکھوں میں زخمی سا تاثر تھا۔

''کیا فائدہ ہوا سب ترک کرنے کا؟ مجھے ایسے جرم میں پھنسایا جا رہا ہے جو میں نے کیا ہی نہیں ہے۔میں سمجھتی تھی کہ انسان اچھے راستے پہ آ جائے تو دوسرے انسان بھی اس کی مدد کرتے ہیں مگر اب داتن....''اس نے اردگرد دیکھا۔''اب مجھے اس دنیا اور اس کے انسانوں کے اندر کی اچھائی سے امید ختم ہوتی جا رہی ہے۔''

لیانہ نے اسے کبھی یوں بے بس اور مایوس نہیں دیکھا تھا۔وہ بار بار لب کاٹ رہی تھی۔کچھ گردن کی پشت کو ہتھیلی سے دباتی۔کبھی میز پہ ناخن رگڑتی۔

داتن دھیرے سے پیچھے ہوئی۔اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

''تالیہ....کوئی بھی ہمت ہار سکتا ہے۔مگر تم نہیں۔''

''میری زندگی میں ایک کے بعد ایک مسئلہ شروع ہو جاتا ہے۔میں اب ان مسئلوں سے ایک ہی دفعہ چھٹکارا پانا چاہتی ہوں۔''پھر اس نے سر ہاتھوں میں گرا دیا۔''مگر مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا کروں۔میرے پاس کوئی پلان نہیں ہے۔''

''میرے ساتھ سنگاپور چلو۔''

''نہیں۔''

تالیہ مراد نے سر اٹھایا۔وہ جھونپڑے کے اندر بیٹھی تھی۔سامنے داتن تھی۔دونوں کے قہوے کی پیالیاں لبالب بھری تھیں۔

اسی پل تاؤنے ریستوران کی بتیاں مدھم کر دی تھیں۔

مرکزی دیوار ساری کی ساری اسکرین بن گئی تھی اور اس پہ ایک منظر چلنے لگا تھا۔

ایک طویل سڑک کا کنارا....وہاں اگے ڈھیروں درختوں کی قطار....ہلکی چلتی ہوا....اور درختوں سے گرتے چیری بلاسم کے گلابی اور سفید پھول....کوئی مدھم سروں میں پیانو بجا رہا تھا....دیوار پہ نظر آتی سڑک کے کنارے پھولوں سے بھرتے جا رہے تھے...

تالیہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔"تم......تم ٹھیک ہو؟"

اس کے سوال نے لیانہ صابری کو چونکایا تھا۔وہ قدرے پیچھے کو ہوئی۔

"مجھے کیا ہوا ہے؟" سامنے اوپن کچن کے کاؤنٹر پہ کھڑا تاؤ سوشی بنا تا نظر آ رہا تھا۔فضا میں جھینگے تلنے کی مہک بسی تھی۔

"تمہارے بال پتلے اور کم لگتے ہیں۔تم ہیر ایکسٹینشن استعمال کر رہی ہو۔کیوں؟" نرمی سے پوچھا۔

"کیٹو کر رہی ہوں۔اس سے بال جھڑ جاتے ہیں۔میں نہیں چاہتی تھی تمہیں پتہ چلے۔مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

تالیہ نے موبائل کی اسکرین اس کے سامنے کی۔اس پہ ان تینوں کی سیلفی نظر آ رہی تھی۔کونے میں میز پہ رکھی دوا کی بوتل کو اس نے زوم کر رکھا تھا۔

"یہ کینسر کی دوا ہے۔اور یہ بوتل تمہاری ہے۔تم کینسر کی دوا کیوں لے رہی ہو؟"

چیری بلاسم کے رنگوں سے سجے نیم روشن جھونپڑے میں خاموشی چھا گئی۔پیانو جیسے رک گیا۔جھینگے تلنے کا شور چپ ہو گیا۔

"میں سچ سننا چاہتی ہوں' داتن۔تم بیمار ہو نا۔اور تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" وہ دکھ سے پوچھ رہی تھی۔داتن نے قہوے کا پیالہ اٹھایا اور لبوں سے لگایا۔پھر سنجیدگی سے اسے دیکھ کے بولی۔

"تم سن کے ہرٹ ہو گی۔اسی لیے میں نے تم سے چھپایا۔کیا تم واقعی سننا چاہتی ہو؟"

پیانو کی آواز پھر سے تیز ہو گئی۔کاؤنٹر پہ کھڑا تاؤ تیزی سے سوشی کو رول میں لپیٹ رہا تھا۔پھر اس نے چھرا اٹھایا اور ٹھک ٹھک رول کے پیس کاٹنے لگا۔ٹھک ٹھک ٹھک....

تالیہ اٹھی اور سنجیدگی سے محض اتنا ہی بولی۔"چینج آف پلان۔مجھے ملاکہ جانا ہے۔وہاں ایک جگہ ہے جہاں میں چھپ سکتی ہوں۔مجھے کے ایل سے آج رات نکلنے میں مدد دو۔پھر تم سنگاپور چلی جانا۔"

"میرا ایک دوست روز فوڈ ٹرک کے ساتھ شہر سے باہر جاتا ہے۔اگر ہم ابھی چلیں تو میں تمہیں اس کے ٹرک میں سوار کر سکتی ہوں۔اس کی پولیس سے جان پہچان ہے۔وہ اس کو چیک نہیں کرتے۔" داتن بھی تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔البتہ وہ بار بار فکرمندی سے تالیہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''تم ٹھیک ہو؟''

''اگر انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے دوست کی جان ایک موذی مرض لینے والا ہے تو وہ کیسے ٹھیک رہ سکتا ہے' داتن؟''اس نے بھیگی آنکھوں سے کہتے ہوئے ہڈ سر پہ گرائی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆==========☆☆

ملاکہ شہر کا وہ علاقہ رات کی تنہائی میں ویران پڑا تھا۔کہیں کسی گھر کی کھڑی روشن تھی تو کسی کی بیرونی بتی جلی تھی۔ورنہ سارے میں اندھیرا پھیلا تھا۔فجر میں ابھی گھنٹہ پڑا تھا اور یہ روشنی سے پہلے والی تاریکی تھی جو رات کی ہو یا کسی کی زندگی کی' ہمیشہ تاریک ترین ہوتی ہے۔

نیلاہٹ مائل سرمئی اینٹوں والی گلی کے ایک گھر کے سامنے وہ کھڑی تھی۔گھر کے بیرونی دروازے اور گلی کے درمیان تین اسٹیپ تھے۔وہ اسٹیپ عبور کر کے دروازے تک آئی اور آہستہ سے دستک دی۔ہڈ سر کو ڈھانکے ہوئے تھا اس لیے دور سے وہ ایک ہیولہ سا نظر آتی تھی۔

ذوالکفلی نے دروازہ کھولا تو اسے دیکھ کے حیران رہ گیا۔''تم یہاں؟میں نے سنا تھا کہ....''

تالیہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو وہ خود بخود ایک طرف ہٹ گیا۔وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی اور دروازہ بند کر دیا۔پھر لاک سے اسے مقفل کیا۔پھر ہڈ اتاری اور گہرا سانس لیا۔''مجھے تمہاری مدد چاہیے۔''

''جانتا ہوں۔یہ بھی کہ عصرہ محمود کے قتل کے الزام میں تمہاری تلاش جاری ہے۔''

وہ جو دروازے سے کمر ٹکائے کھڑی تھی' ان الفاظ پہ اس کی آنکھوں میں ایک بے بس سا تاثر ابھرا۔

''ابھی تک یہ بات پبلک نہیں ہوئی۔صبح جب وہ داتن اور مجھے گرفتار کرنے سے مایوس ہو جائیں گے تب اسے پبلک کر دیں گے۔''

''میرے اپنے تعلقات ہیں' تالیہ۔تم نے کھانا کھایا؟''

ساحر ناک سے مکھی اڑاتے ہوئے بولا اور پھر اندر راہداری کی طرف بڑھ گیا۔پھر محسوس کیا کہ وہ ابھی تک رکی ہوئی ہے۔ذوالکفلی نے واپس مڑ کے اسے دیکھا۔''اندر آؤ۔''

''گھر میں کوئی اور تو نہیں ہے؟دیکھو میں اس وقت کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی۔''

ذوالکفلی نے اس کے چہرے کو افسوس سے دیکھا جس کی رنگت اڑی اڑی سی تھی۔

''تم خوفزدہ ہو؟''

''نہیں تو۔''وہ تیزی سے بولی۔

''شہزادی تالیہ کو ذرا سی پولیس نے ڈرا دیا ہے۔''وہ استہزائیہ مسکرا کے آگے بڑھا تو تالیہ کے گال سرخ ہوئے۔وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکی۔

''تالیہ کو کوئی اتنی آسانی سے نہیں ڈرا سکتا۔میں بس.....''لب کاٹتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

اس گھر میں مدھم زرد روشنیاں پھیلی تھیں جو اسے عجب پر اسرار سا تاثر دیتی تھیں۔وہ دیوان خانے میں آئی اور نیچے چٹائی پہ بیٹھی تو پہلی نظر شیلف پہ رکھی بوتلوں پہ پڑی۔ایک اداس مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

''وان فاتح کی بوتل سے چند بوندوں کے سوا کچھ غائب نہیں ہوا۔وہ ابھی تک اپنی یادداشت واپس نہیں حاصل کر سکا۔''

وہ انہی بوتلوں کو دیکھ رہی تھی جب ذوالکفلی ٹرے لیے اندر داخل ہوا۔تالیہ چونکی۔پھر بھاپ اڑاتے پیالے کو دیکھ کے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیے۔وہ اس کے سامنے بیٹھا اور پیالے کو دونوں کے درمیان چوکی پہ رکھ دیا۔تالیہ نے جلدی سے اسے قریب کھسکایا۔سوپ میں تیرتے رامن (نوڈلز) اس وقت شدید اشتہا انگیز لگ رہے تھے۔

''شکریہ۔''وہ تیزی سے چاپ اسٹکس میں بھر بھر کے نوڈلز کھانے لگی۔گرم گرم مائع نے زبان جلا دی مگر اس نے ذرا سا وقفہ دیا اور پھر سے کھانے لگی۔وہ کہنیاں چوکی پہ رکھے اپنی چمکتی آنکھوں سے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''میں نے کبھی تمہیں اتنا خوفزدہ نہیں دیکھا۔''

تالیہ چپ چاپ کھاتی رہی۔

''تم نے عصرہ کو زہر دیا ہے کیا؟''

چوپ اسٹکس والا ہاتھ منہ تک جاتے رک گیا۔تالیہ کی آنکھوں میں بے یقینی ابھری۔

''تمہیں لگتا ہے میں کسی کو زہر دے سکتی ہوں؟''

''ہاں۔دے سکتی ہو۔لیکن صرف تب جب وہ انسان اس کا اہل ہو۔''

وہ چند لمحے لب بھینچے ہرٹ سی ہو کے اسے دیکھتی رہی۔پھر چاپ اسٹکس نیچے رکھ دیں۔

''میں نے عصرہ کو نہیں مارا۔مگر سب ثبوت میرے خلاف جاتے ہیں۔میں ملائیشیا نہیں چھوڑ سکتی اور میرے پاس چھپنے کے لیے کوئی جگہ بھی نہیں ہے۔پتہ نہیں میں تمہارے پاس کیوں آئی ہوں؟''پھر وہ اٹھنے لگی۔''نہیں آنا چاہیے تھا۔''

''تالیہ.....بیٹھو.....ہم مل کے کوئی حل نکالتے ہیں۔''

''اگر تمہیں میری بے گناہی پہ یقین نہیں ہے تو باقی دنیا کو کیسے آئے گا؟''وہ کھڑی ہوئی اور ہڈ سر پہ ڈال لی۔پیروں میں

رکھا بیگ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''مجھے تمہاری مدد نہیں چاہیے۔ میرا کوئی دوست نہیں ہے۔''

''تالیہ.....'' اس نے پکارا مگر وہ تلخی سے کہتی ہوئی باہر جا رہی تھی۔

''جو دوست تھے' ان کو بھی میری بے گناہی کا یقین نہیں آئے گا۔ اور جس کو آئے گا' اس کی عمر ختم ہونے والی ہے۔ میں دوستوں کے معاملے میں بہت بدقسمت ہوں۔'' اور دروازے سے باہر نکل گئی۔

ملاکہ کا ساحل اس گھنے اندھیرے میں ویران پڑا تھا۔ چاند بادلوں میں چھپا تھا اور لہریں قدرے پرسکون تھیں۔ وہ ریت پہ کھڑی تھی' بڈ پیچھے گرا رکھی تھی اور چھوٹے بال پونی میں مقید تھے۔ وہ خاموشی سے پانی کو دیکھ رہی تھی۔ لہریں لپک لپک کے آتیں' اس کے پیروں کو بھگو دیتیں' اور واپس پلٹ جاتیں۔ وہ اپنی حد سے چاہنے کے باوجود نہیں بڑھ سکتی تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ پانی میں قدم آگے بڑھانے لگی۔ اس کے چہرے پہ عجیب سی مایوسی تھی۔ دماغ جیسے کہیں دور الجھا تھا۔ ٹخنے پانی میں ڈوبنے لگے۔ وہ چلتی گئی۔ آگے.....اور آگے.....

''اب گھر جانے کا وقت ہے' پتری تالیہ۔ اس سے پہلے کہ سورج نکلے اور تمہیں کوئی دیکھے۔'' کسی نے اس کو کہنی سے پکڑ کے روکا تو تالیہ پتھر ہو گئی۔ پھر بے یقینی سے مڑی تو بوڑھا جادوگر سامنے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں ویسی چمکتی ہوئی تھیں اور چہرہ سپاٹ تھا۔

''تم..... میرے پیچھے آ رہے تھے؟'' وہ بھونچکی رہ گئی تھی۔

''تم دوستوں کے معاملے میں بدقسمت نہیں ہو۔ تم ملاکہ کی شہزادی تالیہ ہو اور تم یوں مایوس ہو کے اس پانی میں قدم نہیں رکھ سکتیں۔'' وہ درشتی سے بولا تو وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ریت پہ چلتے سڑک کی طرف جا رہے تھے۔

''تم ہمت کیسے کھو سکتی ہو؟ اتنی جلدی؟''

وہ سینے پہ بازو لپیٹے کندھے اچکا کے بولی۔ ''میں..... سوچنے کے لیے یہاں آئی تھی۔ میں صرف پانی میں کھڑے ہونا چاہتی تھی۔''

''تم پانی میں کھڑی نہیں ہو رہی تھیں' تم آگے بڑھ رہی تھیں۔ بنا کچھ سوچے سمجھے۔ اندھا دھند۔'' وہ اس کی طرف گھوما اور افسوس سے اسے دیکھا۔ وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔ ''کیا تمہارے سامنے اتنا بڑا پہاڑ ہے جس پہ تم چڑھ نہ سکو؟''

''اس پہاڑ کو عبور کرنے کے لیے کوئی سڑک نہیں ہے' ذوالکفلی!'' وہ ایک دم دبا دبا سا چیخی۔ وہ دونوں آمنے سامنے ریت

پہ کھڑے تھے۔سیاہ آسمان اور تاریک سمندر خاموشی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''تالیہ کے پاس تو ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔''

''اب نہیں ہے۔میرے پاس اب کچھ بھی نہیں ہے۔سر چھپانے کو جگہ تک نہیں ہے۔میرے دوست تک کھو گئے ہیں اور داتن.....''اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔''داتن کو کینسر ہے۔وہ مر رہی ہے اور میں اس کو بچا بھی نہیں سکتی۔میں ایسی زندگی نہیں گزارنا چاہتی جس میں مجھے خوف کے سایے تلے رہنا پڑے۔میں تنگ آ گئی ہوں۔''

''تو اپنے خوف کو شکست دو۔''

''میں نے پانچ دن قید میں کاٹے ہیں۔قید میرا سب سے بڑا خوف ہے اور میں دوبارہ اس میں نہیں جا سکتی۔میرے پاس چھپنے کے لیے بھی جگہ نہیں ہے۔میں....''اس نے پلٹ کے پانی کو دیکھا۔''میں اس سمندر میں چھپنے کے لیے جا رہی تھی۔شاید یہ مجھے اپنے اندر پناہ دے دے۔''

''اگر میں نہ آتا تو....''

''اگر تم نہ آتے' تب بھی میں واپس پلٹ جاتی۔ڈوب کے مرنے میں سنا ہے بڑی تکلیف ہوتی ہے اور میں مزید تکلیف نہیں اٹھا سکتی۔''وہ زخمی سا مسکرائی۔

''تمہیں سمندر کی پناہ کی ضرورت نہیں ہے۔ابھی ملاکہ میں پناہ گاہیں ختم نہیں ہوئیں۔''وہ تلخی سے بولا اور اسے چلنے کا اشارہ کیا۔

فجر روشن ہو رہی تھی جب وہ دونوں واپس اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ذوالکفلی سیدھا راہداری میں آگے آیا اور کونے سے میٹ ہٹایا۔وہاں ایک لکڑی کا تختہ تھا جو فرش کا حصہ لگتا تھا۔اس نے احتیاط سے اسے اٹھایا تو نیچے ایک ٹریپ ڈور تھا۔ذوالکفلی نے اسے کھولا اور سر اٹھا کے تالیہ کو دیکھا۔وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''یہ کیا ہے؟''

''یہ وہ جگہ ہے جہاں تک کوئی پولیس نہیں پہنچ سکتی۔تم یہاں جتنا عرصہ چاہو رہ سکتی ہو۔میں کسی کو ادھر داخل نہیں ہونے دیتا لیکن میں یہ بھی نہیں برداشت کر سکتا کہ تم سمندر میں پناہ ڈھونڈو۔''

تالیہ ایک قدم پیچھے کو ہٹی۔اس کے چہرے پہ الجھن تھی۔''میں کسی قبر میں نہیں رہ سکتی۔میرا سانس گھٹ جائے گا۔''

''کیا تمہارے پاس کوئی بہتر پناہ گاہ ہے' پتری تالیہ؟''بوڑھا جادوگر پوچھ رہا تھا۔اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

ٹریپ ڈور کے نیچے لکڑی کا ایک زینہ بنا تھا۔وہ اسے عبور کر کے نیچے فرش پہ اتری تو اندھیرے میں اتنا معلوم ہوتا تھا کہ

وہ ایک طویل ہال ہے۔ دیوار پہ بٹن چمک رہے تھے۔ اس نے ایک بٹن دبایا تو مدھم روشنیاں جل اٹھیں اور سارے ہال کو روشن کر گئیں۔

وہ ہال اتنا وسیع تھا جتنا کہ اوپر موجود ذوالکفلی کا سارا گھر۔ وہاں قطار در قطار کتابوں کے ریک رکھے تھے اور ان میں پرانے چمڑے کی جلد والی کتابیں سجی تھیں۔ وہ کتابوں کا ایک عظیم الشان مقبرہ تھا۔

''یہ سب کیا ہے؟'' وہ ہال کے دہانے پہ کھڑے ہوئے حیرت سے بولی۔ ذوالکفلی زینے اتر کے نیچے آ رہا تھا۔ سادگی سے کندھے اچکائے اور بتانے لگا،

''یہ ممنوعہ کتابیں ہیں۔ اکثر کا تعلق پمپو رو سے ہے اور باقی دیگر علوم کی ہیں۔ جادو' ان دیکھی طاقتیں.... علم طب.... یہ میرا ذخیرہ ہے۔ تمہارے کام کا نہیں ہے۔'' وہ اب دو ریکس کے درمیان سے گزر کے ہال کے دوسرے سرے تک آیا اور اسے کونے میں موجود ایک کمرہ دکھانے لگا جس کے اندر ایک بیڈ تھا۔ ساتھ ایک چھوٹا کچن جس میں بجلی کا چولہا تھا۔ چھوٹا فریج' باتھ روم' اور ایک اسٹڈی ٹیبل کرسی سمیت۔ گویا پراسرار لائبریری کے اندر ایک شخص کی رہائش کا سارا بندوبست موجود تھا۔

تالیہ قدم قدم آگے بڑھنے لگی۔ مدھم زرد بتیاں روشن ہوتی گئیں۔ ریکس میں سجی کتابیں خاموشی سے اس کو دیکھ رہی تھیں۔ ان میں گرد کی بو بھی تھی اور کوئی عجب سی ویرانی بھی۔

''تم یہاں آرام سے رہ سکتی ہو۔ تمہیں سمندر کی پناہ گاہ کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا اور تالیہ بھی اداسی سے مسکرا دی تھی۔

کتابیں.... وہ ایک دفعہ پھر اس کی پناہ گاہ بن گئی تھیں۔ خاموش دوست۔ محرم راز۔

قید کی ساتھی ہوں۔

☆☆==========☆☆

تین دن بعد:۔

دوپہر کے باوجود زیرِ زمین بنے کتب خانے میں نیم اندھیرا پھیلا تھا۔ اس کے تین دن اسی حالت میں گزرے تھے' جو فی الوقت نظر آ رہی تھی۔ کتب خانے کی دیوار میں موجود شیشے کا دروازہ کھلا تھا اور وہ اندر کمرے میں سنگل بیڈ پہ نیم دراز تھی۔ ہینڈز فری کانوں میں لگائے' وہ موبائل دیکھ رہی تھی۔ ماتھے پہ بل تھے اور آنکھوں میں بے بسی بھرا غصہ تھا۔ لباس وہی تھا۔ اور الجھے الجھے بال پونی میں جکڑے تھے۔

موبائل پہ خبروں کا بلیٹن چل رہا تھا۔

''تالیہ مراد جو کہ وان فاتح کی ایکس چیف آف اسٹاف بھی رہ چکی ہیں'اس کیس میں مرکزی suspect ہیں۔ پولیس کے مطابق بے تالیہ اس وقت لاپتہ ہیں اور ان کی تلاش جاری ہے۔ اب ہم اس بارے میں اپنے پینالسٹ سے بات کریں گے۔'' نیوز اینکر اب اسٹول پہ گھوم کے اسٹوڈیو میں موجود آدمی کی طرف متوجہ ہوئی۔

''آپ کے خیال میں بے تالیہ کا عصرہ محمود کے قتل میں کیا motive ہو سکتا ہے؟'' اینکرز اپنے تئیں سارے فیصلے سنا کے ملزم کو مجرم تصور کر چکے تھے۔

دانشور تجزیہ نگار نے کھنکھار کے گلا صاف کیا۔

''دیکھیں اگر یہ قتل تالیہ مراد نے کیا ہے تو صاف ظاہر ہے۔ عصرہ محمود بی این کی وائس چیئر پرسن تھیں۔ ان کی جگہ لینے کے لئے......''

''میرا خیال ہے کسی ذاتی رقابت کی وجہ سے.....''ایک کے بعد ایک پینالسٹ اپنی رائے کا اظہار کر رہا تھا۔

اس نے زور سے بٹن دبا کے ویڈیو بند کی۔ پھر پیچھے گئی تو سامنے ہی اشعر محمود کی ویڈیو کھل گئی۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھا رپورٹرز سے بات کر رہا تھا۔

''ظاہر ہے میری بہن کی جان تالیہ مراد نے ہی لی ہے۔'' وہ رعونت اور برہمی سے کہہ رہا تھا۔''میں پولیس کو بتا چکا ہوں اور بار بار سب کو یاد کرواتا رہوں گا کہ عصرہ محمود نے خود ہمیں متعدد بار وہ کیک دکھائے تھے جو تالیہ ان کو بھیجتی تھی۔'' سرد انداز' تنفر بھرا لہجہ۔ تالیہ نے لب کاٹتے ہوئے آگے سوائپ کیا۔ اگلی ویڈیو وان فاتح کی تھی۔

وہ چند افراد کی معیت میں کار کی طرف جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ تیز ہوا سے اس کی ٹائی بار بار پیچھے کو اڑتی۔ وہ ٹائی پن لگانا بھول گیا تھا۔ شاید کوئی یاد کروانے والا موجود نہیں تھا۔ چہرہ سپاٹ تھا مگر افسردہ لگتا تھا۔

مائیک پکڑے رپورٹرز کا ہجوم اس کے سامنے الٹے قدموں چلتا پیچھے کو آ رہا تھا۔ وہ سب کار پارکنگ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''سر.....میڈیکل رپورٹ کے مطابق آپ کے جسم سے بھی آرسینک ملا ہے مگر اس کی مقدار بے ضرر ہے۔ کیا یہ اس لئے ہے کہ آپ نے کیک کم تعداد میں کھائے تھے؟''

وہ کار کے قریب رکا'اور سپاٹ سے انداز میں رپورٹر کو دیکھا۔

''میں ongoing تفتیش کے بارے میں رائے نہیں دے سکتا۔ یہ پولیس کا کام ہے کہ وہ حقائق سامنے لائے۔''

''سر.....تالیہ مراد کا آپ کی بیوی کو مارنے کے پیچھے کیا مقصد ہو سکتا تھا؟''

فاتح نے دروازے پہ ہاتھ رکھے اسی ٹھنڈے تاثر کے ساتھ رپورٹر کو دیکھا۔

''یہ تالیہ نے نہیں کیا۔ پولیس اپنی نااہلی چھپانے کے لئے ایک بے گناہ لڑکی کو مجرم بنا کے پیش کر رہی ہے۔ اور اگر بالفرض وہ واقعی اس میں ملوث ہے' تب بھی عدالت کے فیصلے تک ہم ملزم کو بے گناہ تصور کرتے ہیں۔ اس لڑکی کا میڈیا ٹرائل بند کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' وہ برہم ہوا تھا۔ ایک رپورٹر نے پیچھے سے پکارا۔

''سر اگر ایسا ہے تو تالیہ مراد سامنے آ کے اپنی بے گناہی ثابت کیوں نہیں کر دیتی؟ وہ روپوش کیوں ہیں؟''

وان فاتح نے ابرو اچکائے۔ ''ہمیں نہیں معلوم کون کس وقت کس مسئلے میں پھنسا ہو۔ مگر مجھے یقین ہے کہ وہ جلد ہی سامنے آ کے خود کو اس الزام سے بری کروا لے گی۔'' اور ہاتھ کے خفی اشارے سے ''بس'' کہہ کے وہ کار میں بیٹھنے لگا۔

''سر.... آپ ان کے باس رہے ہیں.... کیا انہوں نے آپ سے بھی رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی؟'' کسی نے سوال پھینکا تھا۔ فاتح نے سن لیا تھا مگر اس نے دروازہ بند کر دیا اور ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کر دیا۔ البتہ اس سوال پہ پہلی دفعہ اس کے سپاٹ تاثرات میں ذرا ڑسی دکھائی دی تھی۔ جیسے وہ ڈسٹرب ہوا ہو۔ جیسے وہ اداس ہوا ہو۔ اور پھر کار آگے بڑھ گئی اور ویڈیو ختم ہوگئی۔

تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ اس نے فون رکھا اور ہینڈز فری کانوں سے نوچ اتارے۔ وہ گزشتہ تین دن سے خبریں ہی دیکھ رہی تھی۔ سارا ملک اس کو قاتل کہہ رہا تھا۔ نیلوفر کی کتاب سے بنائی چند دن کی شہرت ماند پڑ گئی تھی اور اب وہ عصرہ محمود کی قاتل اور ایک Fugitive بن کے رہ گئی تھی۔

اس نے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ لئے اور تھوڑی ان پہ جما دی۔ جیسے اس کتابوں کے اس ویران مقبرے میں وہ خود کو اپنے ہی گلے سے لگائے محفوظ کرنا چاہ رہی ہو۔

خوف اور بے بسی بڑھتی جا رہی تھی۔ مگر ایک بات طے تھی۔ تالیہ کبھی دوبارہ پولیس کی پہنچ میں نہیں جائے گی۔ وہ اب کسی نئی جیل کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ ان کے ہاتھ دوبارہ نہیں آ سکتی تھی۔

سامنے رکھے بک شیلف پہ ایک کتاب ترغیب دلانے والے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے گہرے نیلے سرورق پہ سفید سفید الفاظ جگمگا رہے تھے۔

''خودکشی کرنے کے لئے تین Painless زہر۔''

وہ چپ چاپ اس کتاب کو دیکھنے لگی۔

کوئی شک نہیں کہ وہ کتابیں ممنوعہ تھیں۔ اس نے آنکھیں بند کیں تو چھم سے اس دن کی یادان کے سامنے آ بکھری۔

وہ ریستوران کے مصنوعی جھونپڑے میں داتن کے سامنے بیٹھی تھی....

اسی پل تاؤ نے بتیاں مدھم کی تھیں.....اور خالی دیوار پہ ایک منظر چلنے لگا تھا.....

سڑک کنارے درختوں کی قطار.....اور نیچے گھاس پہ گلابی سفید چیری بلاسم کے پھولوں کی بچھی تہہ.....ہوا چل رہی تھی اور پھول گرتے جا رہے تھے.....

''تم.....تم ٹھیک ہو داتن؟''

فضا میں جھینگے تلنے کی مہک تھی۔اور شڑ شڑ کا شور بھی۔قہوے سے بھری پیالیوں سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔

''یہ کینسر کی دوا ہے' اور یہ بوتل تمہاری ہے۔تم کینسر کی دوا کیوں لے رہی ہو؟''

پیانو رک گیا۔جھینگے تلنے کا شور خاموش ہو گیا۔

''تم سن کے ہرٹ ہو گی۔اسی لیے میں نے تم سے چھپایا۔''

پیانو تیز ہو گیا۔کاؤنٹر پہ کھڑا تاؤ ٹھک ٹھک سوشی رول کو چھرے سے کاٹنے لگا۔دیوار پہ ابھی تک پھول گرتے نظر آ رہے تھے۔اور سوشی رول کٹنے کی آوازیں......ٹھک ٹھک ٹھک.....

تالیہ نے آنکھیں کھولیں۔وہ کتابوں کے مقبرے میں بیٹھی تھی اور اس کے سامنے رکھی وہ بنا درد کے مار دینے والی زہریلے نسخوں کی کتاب تمسخر سے اسے دیکھ رہی تھی۔

بالآخر تالیہ نے ہاتھ بڑھایا اور دھڑکتے دل سے اس کتاب کو اٹھا لیا۔ایساز ہر جو درد نہ دے....کیا یہی اس کا آخری راستہ ہو سکتا تھا؟ آخری پناہ گاہ؟

☆☆=========☆☆

بی این کے آفس میں اس روز معمول کے کام جاری تھے۔ایسے میں لفٹ کے دروازے کھلے اور وان فاتح نکلتا دکھائی دیا تو اس کے ماتھے کے بل واضح تھے اور وہ شدید ناخوش لگتا تھا۔گرے سوٹ میں ملبوس وہ بظاہر ورک ڈے کے لئے تیار لگ رہا تھا مگر اس کا موڈ خراب معلوم ہوتا تھا۔آج پھر راستے میں اس کو رپورٹرز نے روک کے سوالوں کی بوچھاڑ کی تھی اور یہ سوال اب اذیت دینے لگے تھے۔

وہ اپنے آفس کے قریب پہنچا تو سیکرٹری فوراً سے اٹھی۔

''آپ کی تائید کے مطابق ایڈم بن محمد کو میں نے بلوا لیا تھا۔وہ اندر آپ کا انتظار کر رہا ہے۔''

فاتح نے بس صرف سر کو خفیف سی جنبش دی اور آگے بڑھ گیا۔

ایڈم اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔وہ مرجھایا ہوا لگتا تھا۔

فاتح گھوم کے میز کے پیچھے آیا اور اپنی اونچی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے تشویش سے اسے دیکھا۔

''تمہیں معلوم ہے وہ کہاں ہے؟'' سارے سوال جواب بس ایک ہی انسان کے بارے میں ہو سکتے تھے۔ نام لینے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

''نہیں۔'' ایڈم نے فکرمندی سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ جینز اور سفید شرٹ کے اوپر سیاہ کوٹ پہنے' بال جیل سے پیچھے کیے شاید کام کے لیے تیار ہوا تھا مگر فاتح کی کال نے اسے کام چھوڑ کے ادھر آنے پہ مجبور کیا تھا۔

''اور لیانہ صابری؟'' فاتح مٹھیاں باہم ملائے' میز پہ آگے ہو کے سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''وہ ملک سے فرار ہو چکی ہیں۔ مجھے ان کی میل آئی تھی۔ سیکیورٹی خدشات کے باعث اب ہم رابطہ نہیں کر سکتے۔ چے تالیہ کے بارے میں انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔'' ایڈم رکا۔

''کیا آپ سے بھی چے تالیہ نے رابطہ نہیں کیا؟'' اس کے انداز میں جھجک تھی مگر یقین بھی تھا۔

''وہ گھر آئی تھی۔'' فاتح پیچھے کو ہوا اور گہری سانس لی۔ پھر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

''کب؟'' ایڈم چونکا۔ وہ مختصر الفاظ میں بتاتا گیا۔

''اس وقت عصرہ کی میت سامنے تھی اور سب اس پہ شک کر رہے تھے۔ اگر وہ میری چھت پھلانگ کے داخل ہوتی دکھائی دیتی تو مجرم لگتی۔ اس کا وہاں سے بھاگ جانا ہی بہتر تھا۔ مگر.....'' وہ ناخوشی سے کہہ رہا تھا۔ ''مگر وہ صبح واپس آ سکتی تھی۔ اس کو چاہیے کہ وہ منظرِ عام پہ آ جائے اور اپنی صفائی دے۔''

''وہ ایک دفعہ پولیس کی قید میں رہ چکی ہیں۔ وہ خوفزدہ ہیں۔''

''اس کا یوں بھاگنا اس کو مزید مجرم بنا رہا ہے' ایڈم۔'' وہ غصے سے بلند آواز میں بولا۔

''وہ.......خوفزدہ ہیں' سر!'' ایڈم نے بھی آواز اتنی ہی اونچی کی۔

چند لمحے کے لئے آفس میں تناؤ بھری خاموشی حائل ہو گئی۔ پھر فاتح نے بے بسی سے کندھے اچکائے۔

''میں اس کے لئے پریشان ہوں' ایڈم۔'' آواز دھیمی کی۔ انگلیوں سے کنپٹی دبائی۔ ''وہ اپنا دفاع نہیں کر رہی' اور لوگ اس کا میڈیا ٹرائل کیے جا رہے ہیں۔ اسے اپنے لئے لڑنا ہو گا۔ اس سب کو فیس کرنا ہو گا۔''

''چے تالیہ.....خوفزدہ ہیں!'' ایڈم نے توڑ توڑ کے دہرایا۔

وان فاتح چند لمحے کے لیے اسے دیکھتا رہا۔ پھر لب ہلائے۔

''اپنی چے تالیہ سے کہو.....وہ واپس آ جائے۔''

وقت چند صدیاں پیچھے چلا گیا تھا۔وہ دونوں چائے خانے میں موجود تھے اور سفید کرتے والا غلام فاتح ماتھے پہ بل ڈالے کہہ رہا تھا۔

''اپنی شہزادی کو کہو' سلطان سے دور رہے۔''

''تمہاری اس سے ملاقات ہو....(فاتح کی آواز اسے ماضی سے کھینچ لائی۔وہ سنبھل کے سننے لگا)...یا رابطہ ہو تو....اس کو کہو کہ وہ گرفتاری دے دے۔اگر وہ یوں چھپ کے بیٹھ جائے گی تو میں اس کی کوئی مدد نہیں کر پاؤں گا۔''

''وہ رابطہ نہیں کریں گی۔وہ کوئی رسک نہیں لیں گی۔''

''تو تم اس سے رابطہ کرو۔کوئی طریقہ تو ہوگا اسے ڈھونڈنے کا۔''

''سر' وہ داتن سے رابطہ کریں گی۔ان دونوں کے پاس ایک دوسرے تک پہنچنے کے طریقے ہوں گے۔مگر مجھے انہوں نے کبھی نہیں بتایا کہ اگر وہ کھو جائیں تو انہیں کیسے ڈھونڈنا ہے۔اگر مجھے پتہ ہوتا تو میں ان کو تب بھی ڈھونڈ لیتا جب وہ پولیس کی قید میں تھیں۔''

''ایڈم۔''وہ آگے کو جھکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔''میں تالیہ کو ایسے نہیں جانتا جیسے تم جانتے ہو۔ ہمارے تعلق میں کچھ چیزیں مِسنگ ہیں۔ جیسے کھو گئی ہوں۔''وہ کہتے کہتے چپ ہوا۔کچھ تھا جو بات بے بات کھو جانے کا احساس دلاتا تھا۔''میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں ایسی زندگی کا تصور نہیں کر سکتا جس میں وہ نہ ہو۔وہ میرے لئے بہت اہم ہے۔مگر تم......''

اس نے ابرو اٹھا کے زور دے کر کہا۔''تم اس کو زیادہ جانتے ہو اور جو تم جانتے ہو' وہ ہمیشہ تمہاری مدد کرتا ہے۔''

اس بات پہ ایڈم بن محمد مسکرا دیا۔ بہت کچھ یاد آیا تھا جو وان فاتح کو یاد نہیں آتا تھا۔

''اس کو ڈھونڈو اور اس سے کہو کہ وہ مجھ سے ملے۔''

''کیا آپ ان کے خوف دور کر پائیں گے؟''

''میں کوشش کرنا چاہتا ہوں۔''

چند لمحے کے لئے خاموشی چھا گئی۔ پھر ایڈم نے سر ہلایا اور ایک فائل میز پہ رکھی۔مگر اسے کھولا نہیں۔اس پہ ہاتھ رکھے رکھے وہ پوچھنے لگا۔

''آپ کے بچے....وہ ٹھیک ہیں' سر؟''

''کیسے ہو سکتے ہیں؟اس ماحول میں جہاں ٹی وی پہ بار بار ان کی ماں کے قتل کی باتیں دہرائی جائیں۔''

''آپ کو انہیں اس ماحول سے دور کرنا ہوگا۔''

''اشعر بھی یہی کہہ رہا ہے کہ ہم بچوں کو کچھ عرصے کے لئے عصرہ کی کزن کے پاس امریکہ بھیج دیں۔ میرے لئے یہ ایک بہت مشکل فیصلہ ہوگا' مگر پھر.....(گہری سانس لی۔) کسی نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ زندگی آسان ہوگی۔''

پھر اس نے قلم اٹھایا اور ایک کاغذ پہ پتہ لکھا۔

''یہ آدمی ذوالکفلی.....ملاکہ میں رہتا ہے۔ شاید یہ تالیہ کے بارے میں کچھ جانتا ہو۔''

ایڈم نے چٹ جیب میں رکھ لی مگر اٹھا نہیں۔ چند لمحے سوچتا رہا۔ فاتح نے بے اختیار گھڑی کو دیکھا۔ ''کچھ اور؟''

''میں نے چے تالیہ کو چار دن دیے تھے کہ وہ اس آف شور کمپنی کیس میں آپ کی بے گناہی ثابت کر دیں۔''

فاتح نے بےزاری سے سر جھٹکا۔ ''میں بتا چکا ہوں' میری کوئی آف شور کمپنی نہیں ہے۔''

''وہ چار دن کل تمام ہو گئے تھے۔'' وہ سنے بغیر کہہ رہا تھا۔ ''آج مجھے جن پیپرز کو ریلیز کرنا ہے ان میں آپ کے دستخط شدہ کاغذات بھی شامل ہیں۔ یہ اوریجنل ڈاکومنٹس ہیں' سر۔ یہ کوئی فوٹو کاپی نہیں ہے۔'' اس نے فائل کھول کے فاتح کی طرف دھکیلی۔ (اس سے پہلے اس نے فاتح کو فوٹو کاپی دکھائی تھی جس کو اس نے پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔)

''میں نے ان کی تصدیق دوبارہ اپنے سورس سے مانگی تو اس نے مجھے ہانگ کانگ سے اپنے آفس کی آرکائیوز سے یہ اوریجنل فائل لا کر دی ہے۔ پہلے صرف فوٹو کاپی تھی.....آپ اس کو نہیں پہچانتے تھے.....مگر اس کو دیکھیں اور بتائیں۔ یہ تین کاغذ آپ نے خود سائن کیے تھے؟''

وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔

فاتح نے فائل کھولی۔ اندر تین کاغذ اسٹیپل سے پن اپ کیے گئے تھے۔ ان تینوں کے نیچے فاتح کے دستخط تھے۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں' یہ میں نے نہیں کیے نہ میں ان کاغذات کو پہچانتا ہوں اور.....'' وہ قدرے ناگواری سے صفحہ پلٹتے ہوئے کہہ رہا تھا جب وہ ٹھہرا۔

پہلے اور دوسرے صفحے کے درمیان جہاں اسٹیپل کی پن لگی تھی' وہاں کچھ پھنسا تھا۔ فاتح نے آہستہ سے پن جدا کی۔

ایک ننھی سی مقید شے آزاد ہوئی۔

اس نے دو انگلیوں میں اسے اٹھایا۔

وہ گلابی رنگ کے چیری بلاسم کی ایک پتی تھی۔

خشک' مرجھائی ہوئی' ان کاغذوں میں برسوں سے امر ہوئی۔

اس نے پتی کو اوپر لے جا کے دیکھا۔ آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔ ایڈم غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو کچھ یاد آیا' سر؟" اس کے اندر جوش سا ابھرا۔

فاتح نے پتی رکھی۔ اور ان کاغذات کو الگ الگ کر کے دیکھا۔ پھر دستخط کی جگہ پہ انگلی پھیری۔ اور اوپر پرنٹ شدہ عبارتیں پڑھیں۔ ایڈم اس کے ایک ایک تاثر کو دیکھ رہا تھا۔

"ایسے لگتا ہے آپ دستخط کو پہچانتے ہیں مگر..... عبارتوں کو نہیں۔ کیا کسی نے کورے کاغذ پہ آپ سے دستخط کروائے تھے؟"

وان فاتح اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک اور منظر چلنے لگا تھا.....

وہ ساکوراہانامی کے دن تھے.........

جاپان کی سڑک تھی.... گلابی اور سفید روئی کے گالوں جیسے چیری بلاسم ہر طرف گرے تھے۔

وہ لمبا کوٹ اور مفلر پہنے' ٹھنڈی ہوا میں بنچ پہ بیٹھا تھا۔ وہ نظریں جھکا کے اخبار پڑھتا' دوسرے ہاتھ سے کافی اٹھا کے پیتا' پھر واپس بنچ پہ رکھ دیتا۔

یکدم سکے کھنکنے کی سی آواز آئی۔ فاتح نے نظریں اٹھائیں۔

سامنے ایک کپل چلا آ رہا تھا جن کے ساتھ ایک پانچ چھ سال کا بچہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں گلابی کاٹن کینڈی تھی اور وہ اس کی اسٹک کو خوشی سے ہاتھ میں گھما رہا تھا۔

فاتح کی نظریں اس کے قدموں پہ جھکیں۔ اس کے جوگرز میں سکے لگے تھے۔ وہ چلنے سے کھنکتے تھے۔ اس نے واپس نظریں اخبار پہ جھکائیں۔

بنچ کے پیچھے بڑا سا چیری بلاسم کا درخت تھا۔ اس کے عقب سے عصرہ نکل کے قریب آئی اور اس کے ساتھ بیٹھی۔ اس کے بیٹھنے پہ وہ چونکا۔ کافی کا کپ اٹھا لیا۔ بے دھیانی میں ذرا سی کافی چھلکی۔ گھاس پہ گرتے ایک سفید پھول کو وہ داغدار کر گئی۔ ہاتھ پہ بھی گرم گرم قطرے گرے تھے۔ عصرہ نے اوہو کہتے ہوئے ٹشو سے اس کا ہاتھ صاف کیا۔

"تھینکس۔" اس نے کافی کا گھونٹ بھرا۔ پھر عصرہ کو دیکھا۔ وہ مسکرا کے ہچکچاہٹ سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ہوا سے اس کے بال اڑ رہے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں ایک فولڈر تھا۔

"مجھے تم سے کچھ مانگنا ہے۔ اور تم انکار نہیں کرو گے۔" وہ نرمی بھری قطعیت سے کہہ رہی تھی۔

"کہو۔" ہوا کا جھونکا آیا اور درخت سے ڈھیر سارے پھول نیچے آن گرے۔ کچھ عصرہ کے بالوں اور کندھوں پہ ٹھہر گئے۔ کچھ فاتح کے مفلر پہ۔

''میں ایک کاغذ پہ تمہارے سائن لینا چاہتی ہوں۔ بغیر کوئی سوال کیے تم ان پہ سائن کر دو گے کیا؟''

فاتح نے اچنبھے سے فولڈر کو دیکھا۔ ''اس میں کیا ہے۔''

''کچھ بھی نہیں۔'' وہ مسکرائی۔ ''اگر بتایا تو تم لمبی بحث کرو گے۔ بس بنا سوال کے سائن کر دو۔ میری بات مان لو۔''

''بلینک ڈاکومنٹ پہ سائن؟''

''تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے؟'' اس نے مان سے فاتح کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ ''کیا میں کوئی ایسا کام کر سکتی ہوں جو ہماری فیملی کے لیے خطرہ بنے؟''

اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ مسکرا دیا۔

''پین دو۔'' ہاتھ بڑھایا تو عصرہ نے مسکرا کے پین اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے پین پکڑا اور فولڈر کھولنے لگا۔ اس میں تین کاغذ تھے اور وہ اسٹیپل نہیں ہوئے تھے۔

ہوا کا ایک سرد جھونکا آیا اور کاغذ پھڑپھڑائے۔ ساتھ ہی بہت سے پھول چھم سے نیچے آن گرے۔ کاغذ پتیوں سے گلابی ہو گیا۔

''آپ کو یاد ہے.... ہے نا؟'' ایڈم کی آواز پہ وہ چونکا۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ سانس رو کے۔ پل بھر میں فاتح واپس اپنے آفس میں آ گیا۔

''کسی نے آپ کو یہ کاغذ سائن کرنے کو دیے تھے کیا؟'' ایڈم اندازہ لگا رہا تھا۔

فاتح نے ابرو اچکائے' اور فائل بند کر کے اس کی طرف بڑھائی۔

''میں نے کہا نا' میں اس عبارت کو نہیں پہچانتا۔'' انداز خشک ہو گیا۔

''کیونکہ جب آپ نے دستخط کیے تو عبارت لکھی ہی نہیں گئی تھی۔ آپ کو بلینک کاغذات دیے گئے تھے۔'' وہ رکا۔ ''عصرہ بیگم.....انہوں نے بنائی تھی یہ کمپنی' رائٹ؟''

''میری بیوی مر چکی ہے۔ اس کو اس معاملے میں مت گھسیٹو۔'' اس کا لہجہ ایک دم سخت ہو گیا' مگر ایڈم کو جیسے سارا معاملہ سمجھ آ رہا تھا۔

''سر.....آپ مجرم نہیں ہیں کیونکہ آپ کو نہیں معلوم تھا ان میں کیا ہے۔ مگر مسز عصرہ آپ کو ایسے سکینڈل میں پھنسا کے چلی گئی ہیں جو آپ کا کیریئر برباد کر سکتا ہے۔''

''میں نے کہا نا' مجھے یہ کاغذ یاد نہیں ہیں۔ تم نے ان کو لیک کرنا ہے' کر دو۔ میرا واحد کنسرن فی الوقت تالیہ ہے۔ اس کو

ڈھونڈ نا مت بھولنا۔'' ایڈم گہری سانس لے کر اٹھا۔

''یعنی یہ کاغذ سچے تھے۔ میں درست تھا۔ آئی ایم سوری' سر۔ مگر مجھے ان کو عوام کے حوالے کرنا ہوگا۔ پورا سچ بولنا بھی آپ نے ہی مجھے سکھایا تھا۔''

فاتح ماتھے پہ بل ڈالے اسے دیکھے گیا۔ وہ اب مڑ کے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

وہ آف شور کمپنی اس کے دستخط سے بنی تھی مگر فاتح کے کسی ٹیکس ریٹرن' یا الیکشن کے کاغذات نامزدگی میں اس کمپنی کا کوئی ذکر نہیں تھا جو کہ ایک جرم تھا۔

ہر امیدوار کو الیکشن لڑتے وقت اپنی ہر کمپنی' گھر' زمین' بینک اکاؤنٹ وغیرہ ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ اسے ''اثاثہ جات ظاہر کرنا'' کہتے ہیں۔ یوں عوام خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہ پہلے کتنا امیر تھا اور اب کتنا امیر ہے۔ تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ کوئی ناجائز پیسا تو نہیں بنا رہا۔ یوں اس کے الیکشن سے پہلے اور بعد کے اثاثوں میں زمین آسمان کا فرق آ جائے گا۔ سیاستدانوں کو بالخصوص ہر سال ٹیکس فائل کرتے وقت بھی اپنے اثاثے دکھانے ہوتے ہیں تا کہ ان کی کریڈیبلٹی شفاف رہے۔

آف شور کمپنی بنانا جرم نہیں تھا۔ اسے بنانے کے بعد چھپا لینا جرم تھا۔ اس پہ ٹیکس نہ دینا' اور اس کو ظاہر نہ کرنا جرم تھا۔

اور فاتح کو معلوم تھا کہ وہ شدید مشکل میں گرفتار ہونے والا ہے۔

☆☆=========☆☆

کتابوں کے مقبرے میں دن رات یکساں تھے۔ کون سا پہر تھا' کیا وقت ہوا تھا' کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔

تالیہ انگلیاں مروڑتی' بے چینی بک ریکس کے درمیان ٹہل رہی تھی۔ ہڈ پیچھے گرائے' بالوں کو گول مول باندھے' وہ بے رونق' زرد چہرے کے ساتھ بار بار کنپٹیوں کو چھوتی جیسے سوچ سوچ کے دماغ تھکنے لگا ہو۔

اس کے آپشنز کیا تھے؟ فرار کے کون سے راستے دستیاب تھے؟

کنکھیوں سے اسے وہ ریک نظر آ رہا تھا جس میں نیلی جلد والی کتاب ہنوز اسے تمسخر سے دیکھ رہی تھی۔ اس روز تالیہ نے اسے اٹھانے کے سند لمحے بعد واپس رکھ دیا تھا مگر آج... آج لگتا تھا کہ کوئی راستہ نہیں بچا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس تک آئی اور دھڑکتے دل سے وہ کتاب نکالی۔

اس کے صفحے وقت گزرنے کے باعث بھر بھرے ہو رہے تھے۔ ہاتھ لگانے سے کنارے ٹوٹنے لگتے تھے۔ اس نے کھڑے کھڑے احتیاط سے صفحے پلٹائے۔

''اگر تم زندگی سے مایوس ہو چکے ہو.... اور ہر چیز تمہارے خلاف جا رہی ہے.... اور تم مرنا چاہتے ہو تو مزید تکلیف کیوں

اٹھاتے ہو؟''

اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ کتنی ظالم سطور تھیں وہ۔

''تم پہلے ہی بہت اذیت سہہ چکے ہو۔

اب خود کو ایسے طریقے سے فنا کرو جس میں خوشی ہو' آرام ہو۔ اور تکلیف نہ ہو۔

جیسے تم بادلوں میں اڑ رہے ہو۔

بنا درد کے مرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں اس کی تیاری کرنا سکھاتا ہوں۔

یہ میرے تین زہر ہیں جو تمہاری جان ایسے لیں گے کہ تمہیں درد محسوس نہیں ہو گا۔

یوں جیسے مکھن سے بال نکلتا ہے۔ یوں تمہاری روح.....''

اس نے جھرجھری لے کر کتاب زور سے بند کی۔ گرد باہر کو اڑی۔ اس نے جلدی سے اسے واپس رکھا اور اس کی طرف پشت کر لی۔ کسی قدیم زمانے کے شکار باز کی لکھی یہ کتاب بہت ڈراؤنی تھی۔

اور جو خیال اس کے ذہن میں پنپ رہا تھا' وہ زیادہ خوفناک تھا۔ ابھی اس کو ایسا کچھ نہیں سوچنا تھا۔ ابھی وہ اپنی اس زندگی پہ give up نہیں کرے گی۔ اس کو مقابلہ کرنا تھا۔ سارے آپشن آزمانے ہوں گے۔

یہ کتاب اس کا آخری آپشن ہو گی۔ ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا۔

وہ ایک کونے میں دیوار سے کمر ٹکائے بیٹھ گئی اور موبائل کھولا۔ پھر چونکی۔

ایڈم کے نام سے ٹویٹر بھرا پڑا تھا۔ اس نے بنگا رایا ملایو کا دوسرا حصہ ریلیز کر دیا تھا اور اس میں وان فاتح کا نام بھی تھا۔

چار دن گزر چکے تھے۔ تالیہ نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔ ہر چیز اس کے اور اس کے عزیز لوگوں کے خلاف جا رہی تھی۔

ایک دوست موت کے قریب ہو اور دوسرے کا سیاسی کیریئر برباد ہونے جا رہا ہو...تو ایسے میں کوئی راستہ کیسے نکل سکتا تھا؟ اب وہ کیا کرے؟

☆☆=========☆☆

اگلی صبح کے ایل کے باسیوں کے لئے ایک نیا دن طلوع ہوئی تو بہت سے لوگوں کی زندگیاں بدلنے لگیں۔

وان فاتح کی رہائشگاہ پہ وہ صبح اداسی لائی تھی۔

وہ لاؤنج کی کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ سوٹ ٹائی میں ملبوس' وہ آفس کے لئے تیار تھا مگر باہر نہیں نکلا تھا۔ ماتھے پہ بل ڈالے وہ چبھتی نظروں سے باہر دیکھ رہا تھا۔

پورچ کے آگے چھوٹے گیٹ سے باہر کھڑے رپورٹرز کا ہجوم نظر آ رہا تھا۔ وہ رات سے یہیں تھے۔ وہ اس کے نکلنے کا انتظار کرر ہے تھے۔ کل ایڈم کی کتاب ریلیز ہوئی تھی اور تب سے اب تک وہ اب فاتح رپورٹرز کے ہاتھ نہیں آیا تھا۔

وہ اس کے گھر اور آفس کے سامنے ڈیرہ ڈال کے بیٹھ گئے تھے۔ وہ غصے میں تھے۔ وہ ہرٹ تھے۔ صوفیہ تو ایسی ہی تھی مگر فاتح؟ اس نے بھی اپنی کمپنی چھپائی تھی؟ وہ اس کے منہ پہ اس کے سارے لیکچرز' اس کے سارے بڑے بول دے مارنے کے منتظر تھے۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتے تھے کہ اس نے اپنی آف شور کمپنی کیوں بنائی تھی اور کیوں چھپائی تھی؟ اور صوفیہ کے ساتھ ڈی بیٹ یں بانگ دہل کیوں دعویٰ کیا تھا کہ اس کی کوئی چھپی ہوئی جائیداد نہیں ہے؟

''ڈیڈ!''

آواز پہ وہ چونکا۔ سکندر لاؤنج کے وسط میں کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پہ خوف و ہراس تھا۔

''اب ہم اسکول کیسے جائیں گے؟''

''اوہ سکندر!'' وہ اس کے قریب آیا اور پنجوں کے بل نیچے بیٹھا۔ پھر اس کے دونوں ہاتھ تھامے اور اس کی خوفزدہ آنکھوں میں جھانکا۔ ''تم میرے بیٹے ہو۔ تم بہت بہادر ہو۔''

''جولیانہ صبح سے رو رہی ہے۔ ٹی وی پہ سب کہہ رہے ہیں کہ آپ بھی اتنے ہی مجرم ہیں جتنی صوفیہ رحمٰن۔'' سکندر کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''ڈیڈ..... یہ سب کیا ہو رہا ہے؟''

''میری بات غور سے سنو' سکندر۔'' وہ نرمی سے کہنے لگا۔ ''ہم فیملی ہیں' اور فیملیز دوسروں کی باتوں پہ یقین کر کے کبھی آپس میں لڑائیاں نہیں کرتیں۔ یہ سب جھوٹ بول رہے ہیں تمہارے باپ کے خلاف۔ میں نے یا تمہاری ماں نے کبھی کوئی ایسا غلط کام نہیں کیا۔ تم جو سنو' اس کو ذہن سے نکالتے جاؤ۔''

''ماما نے بھی نہیں کیا تھا نا یہ؟'' نہ جانے کیوں سکندر نے پوچھا تھا۔

''ہرگز نہیں۔'' وہ تیزی سے بولا۔ ''تمہاری ماں ایک بہت اچھی عورت تھی اور کوئی اس کے بارے میں جو بھی کہے' تم ہمیشہ یاد رکھو گے کہ وہ بہترین عورت تھی۔'' وہ جیسے بے چین ہو گیا تھا۔

اس کے بچے ایک دفعہ اپنی ماں کھو چکے تھے۔ وہ دوسری دفعہ اسے کھونے کے متحمل نہیں ہو سکے تھے۔

''آج تم اسکول نہ جاؤ۔ آرام کرو۔ میں جولیانہ کو دیکھتا ہوں۔'' وہ سیدھا کھڑا ہوا اور موبائل نکالتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

جب وہ سکندر کی پہنچ سے دور ہو گیا تو اس نے کال ملا کے فون کان سے لگایا۔

''ایلش.....'' اور گہری سانس لی۔

''آبنگ..... یہ آپ نے کیا کر دیا ہے؟'' وہ گویا سر ہاتھوں میں دے بیٹھا تھا۔ میڈیا' سوشل میڈیا' ہر جگہ غم و غصے کا طوفان برپا تھا۔

''میں اس سب کا مقابلہ کرلوں گا۔ مگر بچے.... میں ان کو اس ماحول میں نہیں رکھ سکتا۔ وہ ذہنی مریض بن جائیں گے۔'' وہ شدید پریشان لگتا تھا۔

''ظاہر ہے۔ میں چار دن سے یہی کہہ رہا ہوں۔ خیر آپ فکر نہ کریں۔ میں آرہا ہوں آپ کی طرف اور میں آج ہی بچوں کو حرمت کا کا کے پاس باہر بھجوانے کا انتظام کرتا ہوں۔'' وہ رکا اور توقف سے بولا۔ ''میں بھی کچھ دن کے لئے ان کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ وہ سیٹ ہو جائیں گے تو میں آجاؤں گا۔''

فاتح کے لبوں پہ زخمی مسکراہٹ بکھر گئی۔

(اشعر بھی میڈیا کے سوالوں کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ فاتح کے دفاع میں جھوٹ بول کے اپنی کریڈیبلٹی خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یعنی اس سارے بکھیڑے میں وہ اکیلا ہی تھا۔ مگر خیر... فی الوقت اسے اشعر کے اس اقدام کی ضرورت تھی۔)

''تھینک یو ایش۔''

''اینی ٹائم' آبنگ۔'' پھر وہ رکا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ یہ کمپنی آپ کی نہیں ہے۔ نہ آپ نے یہ بنائی ہوگی مگر.....'' وہ ہچکچایا۔ ''کیا کا کا نے آپ کے نام سے....'' وہ بھی اپنی بہن سے واقف تھا۔

''عصرہ نے کچھ نہیں کیا۔'' فاتح تیزی سے بولا۔ ''اور میں کسی کو اجازت نہیں دوں گا کہ وہ ایک مری ہوئی عورت کو اس معاملے میں گھسیٹے۔ تمہیں بھی نہیں۔'' اور موبائل نیچے کرتے ہوئے زور سے سرخ بٹن دبایا۔

پھر ٹائی درست کی اور جولیانہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اپنی بیٹی کو تسلی دے کر اسے باہر جانا تھا' اور صرف ایک کمنٹ دینا تھا۔

اسے جھوٹ اور سچ دونوں سے احتراز کرنا تھا۔

''نو کمنٹس۔ میں کسی کی ٹوئیٹس یا آن لائن کتابوں پہ تبصرہ نہیں کر سکتا۔ نہ میرے پاس ایسے کاغذات کو نظر بھر کے دیکھنے کا وقت ہے۔ جب مجھے عدالت نوٹس سرو کرے اور کسی کورٹ میں بلایا جائے' تب میں ان کو دیکھوں گا اور بتاؤں گا کہ ان کی حقیقت کیا ہے۔''

اسے یہ جواب دینا تھا۔ یہ جواب سب کو چپ کروا دے گا۔ مگر زیادہ سے زیادہ دو دن تک۔ اور اس کے بعد؟

☆☆==========☆☆

وہ صبح ایڈم بن محمد کے لئے بھی کچھ نیالائی تھی۔

وہ تیار ہو کے باہر برآمدے میں آیا تو اس کا باپ باغیچے میں کرسی ڈالے بیٹھا' دھوپ سینکتا اخبار پڑھنے میں مصروف تھا۔اس کے لبوں پہ فخریہ مسکراہٹ تھی۔ ماں بھی کندھے کے ساتھ کھڑی جھک کے اخبار پہ جھانک رہی تھی۔میز پہ چند دوسرے اخبار بھی رول ہوئے رکھے تھے۔

آج اخبارات' ٹوئیٹراور ٹی وی چینلز صرف ایڈم بن محمد کا ذکر کر رہے تھے یا وان فاتح کا۔اس نے دھوپ میں بیٹھے ان دونوں بوڑھوں کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا' اور دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔آہستہ سے نکلا اور باہر کھڑی اپنی کار کی طرف آیا۔دروازے کے شیشے میں اپنا عکس نظر آیا تو وہ مسکرا دیا۔

کوٹ کے اندر ہائی نیک پہنے' وہ ہلکی بڑھی شیو' اور سلیقے سے کٹے بالوں کے ساتھ کافی اچھا لگ رہا تھا۔اس کے کندھوں کا سارا بوجھ اتر چکا تھا۔اس نے سچائی کے ساتھ قوم کی امانت ان تک پہنچا دی تھی۔اپنا فرض نبھا دیا تھا۔دوست' دشمن' دونوں کو ایک پیمانے پہ رکھ کے فیصلہ کیا تھا اور وہ ایک دم بہت ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

کار میں بیٹھنے سے پہلے دو تین محلے داروں نے اسے دیکھ کے مسکرا کے ہاتھ ہلائے تھے۔وہ بھی مسکرا دیا تھا۔

وقت کتنا بدل گیا تھا۔کہاں وہ ایک بزدل شخص تھا۔کم اعتماد' مستقبل سے پریشان' مایوس سا ایڈم جس کو اپنا مستقبل تاریک نظر آتا تھا....اور کہاں.....اس نے بیک مرر درست کیا اور مسکرا کے کار اسٹارٹ کی....اور کہاں یہ ایڈم تھا۔

پر اعتماد' نڈر' بہادر۔اس کا مستقبل روشن تھا۔لوگ اس سے پیار کرتے تھے اور وہ اسی طرح اپنے ملک کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔اب کوئی اسے اس کے رنگ کی بنا پہ کسی جگہ سے نہیں نکال سکتا تھا۔کوئی اسے کسی تمغے سے محروم نہیں رکھ سکتا تھا۔اب کوئی ایڈم بن محمد کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

وہ بالآخر ایک آزاد انسان بن چکا تھا۔

جب اس نے یہ سوچا تو آٹھ بج کے اکیس منٹ تھے۔

کار کو چند بلاک دور لے جانے میں اسے سات منٹ لگے۔

ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے وہ مرکزی شاہراہ پہ کار ڈال رہا تھا اور عین اسی وقت.....فضا تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی تھی۔

تڑتڑ چلتی اندھا دھند گولیاں کار کے شیشوں سے ٹکرائیں۔چھناکے سے کانچ ٹوٹا۔اس نے بریک لگانی چاہی مگر کار بے قابو ہو گئی۔وہ تیزی سے نیچے ہوا۔گولیوں کی بوچھاڑ رک گئی مگر کار سنبھالتے سنبھالتے دائیں طرف ایک درخت میں جا لگی۔

رفتار کم تھی اس لئے اسے محض زور سے جھٹکا لگا۔سیٹ بیلٹ اور ائیر بیگز نے بروقت اسے بچا لیا۔اس نے ماتھا ائیر بیگ سے اٹھایا اور بے یقینی سے اطراف میں دیکھا۔

ونڈ اسکرین پہ کانچ ٹوٹنے کے باعث مکڑی کا جالہ سا بنا تھا۔سائیڈ شیشہ آدھا ٹوٹ چکا تھا اور کانچ اس کے ہاتھوں پہ آ لگا تھا۔سوائے چند خراشوں کے بظاہر اسے کوئی چوٹ نہ آئی تھی۔۔۔۔۔مگر......

اس کا سانس رک چکا تھا۔لب ادھ کھلے تھے جیسے وہ اس قاتلانہ حملے پہ دنگ رہ گیا ہو۔موت کا خوف واپس آ گیا تھا جسے وہ دبا کے سلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ سائمن کے بندے نہیں تھے جو چند ٹھوکریں مار کے چلے گئے تھے۔یہ اندھی گولیاں تھیں جو ایک دفعہ چوک گئی تھیں مگر ہر دفعہ نہیں چوکیں گی۔ یہ ڈرانے کے لئے بھی نہیں ماری گئی تھیں۔اس نے کل صرف فاتح کا نام نہیں باہر نکالا تھا۔اس نے بیسیوں طاقتور آدمیوں کے راز افشاء کیے تھے۔

یہ انتقامی وار تھا۔اور یہ بہت دلخراش تھا۔

وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔بونٹ سے دھواں نکل رہا تھا اور لوگ اردگرد جمع ہو رہے تھے۔کوئی اندر جھانک کے پوچھ رہا تھا کہ وہ ٹھیک ہے اور کوئی پولیس کو کال کر رہا تھا...مگر وہ بس تیز تیز سانس لے رہا تھا۔

وہ ٹھیک نہیں تھا۔ظاہر ہے کہ وہ ٹھیک نہیں تھا۔

وہ ڈر گیا تھا۔سہم چکا تھا۔اس کا سارا اعتماد چکنا چور ہو چکا تھا۔اور آزادی کے پر ٹوٹ گئے تھے۔

موت کو اتنا قریب دیکھ کے اسے احساس ہوا تھا کہ ہر دوسرے انسان کی طرح وہ بھی موت سے ڈرتا تھا۔وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔کم از کم اب وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔

☆☆==========☆☆

ایڈم انہی قدموں پہ گھر واپس آیا مگر اس کا چہرہ وہ نہیں تھا جس کے ساتھ وہ گیا تھا۔وہ لٹھے کی مانند سفید ہو رہا تھا۔

''تمہاری کار کو کیا ہوا؟اور تم کسے کال کر رہے ہو؟''

وہ جس طرح دیوانہ وار فون ملاتا ہوا اندر داخل ہوا تھا' باغیچے میں کھڑے اس کے باپ نے حیرت سے پوچھا تھا۔

ایبو جو برآمدے میں پودوں کو پانی دے رہی تھی' وہ بھی رک کے اسے دیکھنے لگی۔

''پولیس کو۔ مجھے رپورٹ کروانی ہے۔''فون کان سے لگائے وہ گہرے سانس لیتا کہہ رہا تھا۔اس کے ماں باپ نے پریشان نظروں کا تبادلہ کیا مگر خاموش رہے کیونکہ رابطہ مل چکا تھا اور ایڈم تیز تیز بولتا سارا وقوعہ بتا رہا تھا۔

اس نے فون رکھا اور باپ کا چہرہ دیکھا تو وہاں بھی وہی خوف تھا۔اور پریشانی بھی۔وہ دونوں سب سن چکے تھے۔

''یہ کس نے کروایا ہے؟''

''میں نے بہت سے لوگوں کے نام لیک کیے ہیں۔کوئی بھی کرواسکتا ہے۔اور مزے کی بات....اگر ایک شخص مدِ مقابل ہوتا تو اس پہ شک جاتا۔اب اتنے سارے لوگوں کی وجہ سے بندہ کس پہ شک کرے؟''

وہ مضطرب سا کہہ رہا تھا۔

''تم....تم پریس کانفرنس کرواور لوگوں کو بتاؤ کہ....'' باپ پریشانی کے عالم میں کہنا چاہ رہا تھا مگر ایڈم نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔

''اس سے کیا ہوگا؟ کوئی ایک آدمی ہوتا تو میں کہتا کہ اگر مجھے کچھ ہوا تو میرا خون اس کے ذمے ہے مگر کتنے لوگوں پہ شک کروں؟ پبلک مجھے نہیں بچاسکتی۔یہ سلسلہ اب نہیں رکے گا۔''

پھر اس نے موبائل کی اسکرین باپ کو دکھائی۔

''یہ میرے میگزین کے دفتر کی فوٹیج ہے۔اور یہ (سوائپ کیا) پبلشر کے آفس کی۔یہاں بھی فائرنگ ہوئی ہے۔دو افراد زخمی ہوگئے ہیں۔''

''تم خوفزدہ ہو ایڈم؟'' ابیو تشویش سے دیکھتی قریب آئی۔وہ تینوں اب تکون صورت گھاس پہ کھڑے تھے۔چمکتی دھوپ میں چار دیواری پہ لگے کانچ کے ٹکڑے چمک رہے تھے۔

''میں بہت خوفزدہ ہوں' ماں۔'' اس کے ماتھے پہ پسینہ تھا۔'' میں مرنا نہیں چاہتا۔اور یہ سب یہاں نہیں رکے گا۔وہ آپ لوگوں کو بھی نقصان دے سکتے ہیں۔اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں کچھ عرصے کے لئے گاؤں چلے جائیں۔خالہ کے پاس۔''

''کیا موت گاؤں میں نہیں آسکتی؟'' ابیو نے باری باری دونوں کو دیکھا تو ایڈم زچ ہوگیا۔وہ اس وقت نصیحت نہیں برداشت کرسکتا تھا۔

''میں آپ کو محفوظ رکھنا چاہتا ہوں' ابیو۔''

''موت ہی زندگی کی حفاظت کرتی ہے' ایڈم۔کوئی نہیں جانتا وہ کس زمین پہ مرے گا۔اور تمہارے تایا نے کہا تھا کہ اگر تم سچ بولو گے اور.....''

''کاش تایا نے اپنے خواب کے آخر میں یہ بھی بتایا ہوتا کہ سچ بولنے کے بعد کیا ہوگا۔''

تلخی سے کہہ کے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔

ایڈم بن محمد کو آج کے واقعے کے بعد اس بات میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ وہ موت سے نہیں بھاگ سکتا۔وہ عرصے سے اس کے تعاقب میں تھی۔اسے اب اس مسئلے کا حل ڈھونڈنا تھا۔

اسے تالیہ کو ڈھونڈنا تھا۔صرف وہی اس کو اس مشکل سے نکال سکتی تھی۔کیونکہ اس کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔

ایڈم کمرے میں آیا اور گزشتہ روز کے اتارے ہوئے کوٹ کی جیب سے وہ چٹ نکالی جس پہ ذوالکفلی کا پتہ درج تھا۔اسے اس شخص کو ڈھونڈنا تھا۔وہی جانتا ہوگا کہ تالیہ کہاں جا سکتی ہے۔

☆☆==========☆☆

کتابوں سے بھرے تہہ خانے میں اس نے موم بتیاں جلا رکھی تھیں۔مصنوعی بتیاں بجھا رکھی تھیں۔وہاں خوف تھا' اور اداسی تھی۔وہ میٹ پہ آلتی پالتی کیے یوگا کے پوز میں بیٹھی آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔سینکڑوں کتابیں خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔وہ بار بار جیسے کچھ سوچتی' اور پھر سر جھٹکتی....

تالیہ مراد پریشان اور خوفزدہ تھی.....اداس تھی.....اکیلی تھی.........

بی این کے آفس میں فاتح کرسی پہ بیٹھا' بے توجہی سے فائلز دیکھ رہا تھا۔پھر اس نے ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے ٹی وی اسکرین کو دیکھا۔اور ریموٹ اٹھا کے آواز بلند کی۔

اینکر گلا پھاڑ کے وان فاتح کی مبینہ آف شور کمپنی کے بارے میں لوگوں کو بتا رہی تھی۔اسکرین پہ بار بار فاتح اور صوفیہ کی میوزیم کی ڈی بیٹ کا وہ منظر چلایا جا رہا تھا جس میں فاتح نے ببانگِ دہل کہا تھا کہ اس کی کوئی بے نامی جائیداد نہیں ہے۔اس نے چینل بدلا۔ہر جگہ یہی تھا۔اس نے بے زاری سے بٹن دبا کے ٹی وی کو خاموش کرایا اور پیچھے ٹیک لگالی۔

وان فاتح پریشان تھا.....خوفزدہ تھا.....اداس تھا.....اکیلا تھا........

بس سر سبز بیلٹ کے درمیان سڑک پہ رفتاری سے تیز رواں دواں تھی۔مسافر نشستوں پہ بیٹھے کھڑکی سے باہر کا نظارہ کر رہے تھے۔کچھ فونز اور آئی پیڈز پہ لگے تھے۔ایڈم البتہ بالکل گم صم سا کھڑکی سے باہر بھاگتے درخت دیکھ رہا تھا۔وہ ملاکہ جا رہا تھا اور اسے نہیں معلوم تھا کہ تالیہ کو کیسے ڈھونڈنا ہے۔سوائے ذوالکفلی کے کوئی نشانی' کوئی طریقہ' کچھ بھی اس کے پاس نہ تھا۔وہ کہاں تھی' اور اس کو کیسے ڈھونڈا جا سکتا تھا؟ اگر وہ اسے ڈھونڈ نہ پایا تو ایڈم کو موت کے اس تعاقب سے کوئی نہیں بچا

پائے گا۔

ایڈم بن محمد پریشان تھا.....خوفزدہ تھا.....اداس تھا.....اور اکیلا تھا۔

☆☆==========☆☆

مغرب کا نیلگوں اندھیرا وان فاتح کی رہائشگاہ پہ پھیل رہا تھا۔ گیٹ کھلے تھے اور اس کی کار اندر داخل ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ کھڑکی کے شیشے سے فاتح نے دیکھا' اس کے لان میں دولت کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے' وہ منتظر مسکراہٹ کے ساتھ کار کو آتے دیکھ رہا تھا۔

فاتح کے ماتھے پہ شکنیں نمودار ہوئیں۔ لب بھنچ گئے۔ وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا باہر نکلا اور نیلے اندھیرے میں ڈوبتے لان کی طرف آیا۔

''السلام علیکم فاتح۔ امید ہے سب خیریت ہوگی۔'' دولت دوستانہ انداز میں مسکرایا۔

فاتح نے زیرِ لب اس کے سلام کا جواب دیا اور اکھڑے اکھڑے انداز میں کہتے ہوئے قریب آیا۔

''تم نے تالیہ کو ڈھونڈ لیا ہے؟ اگر نہیں تو میں تمہاری اپنے گھر میں موجودگی غیر ضروری سمجھتا ہوں۔''

''نہیں۔ ابھی تک ہم اس کو نہیں ڈھونڈ سکے۔ مگر....'' دولت نے اعتراف کرتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھری۔ اب وہ دونوں لان میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''چونکہ تم چائے نہیں پیو گے اس لئے تم جا سکتے ہو۔''

وہ اسی درشتی سے کہتا گھر کی طرف مڑ گیا۔ اسے اس آدمی سے مزید کوئی بات نہیں کہنی تھی۔

''فاتح....میری بات سنو۔'' دولت اس کے پیچھے لپکا۔ ''میں جانتا ہوں تم اب مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتے کیونکہ تمہیں میری جاب سے اختلاف ہے مگر تم نے کبھی سوچا کہ تمہارے دوستوں کو بھی برسوں سے تمہاری سیاسی پالیسیز سے اختلاف ہوتا ہوگا' مگر انہوں نے پروفیشنل معاملات کی وجہ سے پرسنل تعلقات کو کبھی خراب نہیں کیا۔''

وہ پورچ تک پہنچا تھا جب پیچھے آتے دولت کی بات پہ رکا اور گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''تم تالیہ کو میرا نام لے کر....دھوکہ دے کر....اس قید میں لے کر گئے تھے جس نے اس لڑکی کو اتنا ہرٹ اور خوفزدہ کر دیا کہ وہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی قانون پہ بھروسہ نہیں کر پا رہی۔''

لان میں اندھیرا گہرا ہونے لگا تو ایک ملازم نے پورچ کی بتیاں جلا دیں۔ (باقی ملازم اور گارڈ ادھر ادھر کھسک گئے۔)

پورچ ایک دم روشنی میں نہا گیا تو دولت کو اس کا چہرہ واضح نظر آیا جس پہ شدید غصہ تھا۔ اس نے بے بسی سے ماتھے کو چھوا۔

''فاتح....فاتح....وہ کوئی بے گناہ لڑکی نہیں ہے۔وہ اسکامر ہے۔چور اور فراڈ''

وان فاتح ایک قدم آگے آیا اور افسوس سے دولت کی آنکھوں میں جھانکا۔

''تم خود کو اس لڑکی کی جگہ پہ رکھ کے سوچ سکتے ہو؟ ایک دفعہ دولت تم اپنے تعصب کو بھلا کے....صرف اس لڑکی کا سوچو جو ایک سیاہ زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔وہ میرے لئے'اپنے سیاسی آئیڈیلز کے لئے کام کر رہی تھی۔اس نے معاشرے میں عزت بنائی تھی۔وہ خوش تھی۔وہ غلط راستے کو چھوڑ چکی تھی کیونکہ میں نے اسے کہا تھا'اچھائی پہ چلنے کے اچھے نتائج پر یقین رکھو۔اور تم لوگوں نے کیا کیا؟''

وہ تکلیف بھرے انداز میں پوچھ رہا تھا۔دولت خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''جب کوئی اچھا بننا چاہتا ہے تو اس کے ساتھ ایسے کرتے ہیں کیا؟ پروموشن کے لئے.....اپنا نام خبروں میں دیکھنے کے لئے کسی اچھے انسان کو یوں بدنام کرتے ہیں کیا جیسے تم کر رہے ہو؟''

دولت کی آنکھوں میں بھی تاسف ابھرا۔''You're a man in love''

فاتح نے سر جھٹکا۔''میرے جذبات تمہارا کنسرن نہیں ہیں۔تم اپنی پروموشن کی فکر کرو۔''

مگر اس سے پہلے کہ وہ واپس مڑتا'دولت تیزی سے بولا۔

''میں برا ہوں'ٹھیک ہے۔مگر تم اس کے لئے کچھ اچھا کیوں نہیں کرتے۔''

وان فاتح ٹھہر گیا۔بالآخر دولت اس کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔اسے خاموش دیکھ کے وہ تیز تیز کہنے لگا۔

''وہ تم سے ضرور رابطہ کرے گی۔تم جانتے ہو کہ اس کا بھاگنا اس کو مزید مشکوک بنا رہا ہے۔تم اس کو سمجھاؤ۔اس کی بھلائی کے لئے کہ اگر وہ بے گناہ ہے تو واپس آجائے۔بجائے اس کے کہ ہم اس کو پکڑیں.....وہ خود آجائے....اور باعزت طریقے سے گرفتاری دے دے۔میں وعدہ کرتا ہوں (سینے پہ ہاتھ رکھ کے بولا) کہ میں اسے کسی مجرم کی طرح گرفتار نہیں کروں گا۔ میں اس کو میڈیا کے سامنے ہتھکڑی بھی نہیں لگاؤں گا۔میں رپورٹرز کو بتاؤں گا کہ وہ ملک سے باہر تھی'وہ بیمار تھی'اسی لئے وہ آ نہیں سکی اتنے دن۔وغیرہ وغیرہ۔مگر اس نے خود ہم سے رابطہ کر لیا تھا اور وہ خود اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر رہی ہے۔ کورٹ میں'میں تالیہ کے خلاف ہی رہوں گا'مگر اس کی گرفتاری تک...میں اس کو.....بے عزت نہیں کروں گا۔''

وہ رکا اور فاتح کے خاموش چہرے کو دیکھ کے ٹھہر ٹھہر کے کہنے لگا۔

''لیکن....دوسرا امکان سوچو...اگر ہم نے اسے خود گرفتار کیا....اور ہم اسے گرفتار کر لیں گے....تو تم وہ منظر جانتے ہو کیسا ہوگا؟ ایک عورت کو ہتھکڑیاں لگا کے'سر جھکائے'پولیس کے نرغے میں تھانے تک لایا جانا....کیا لگے گا ٹی وی چینلز کی اسکرین

پہ؟ کیا تم چاہتے ہو کہ تالیہ کے ساتھ یہ ہو؟"

فاتح خاموش نظروں سے اسے دیکھے گیا تو دولت نے دہرایا۔"فاتح... کیا تم اس کو گرفتاری دینے کے لئے راضی کرو گے؟ اگر ہاں تو... میں یہ گارنٹی دیتا ہوں کہ....."

"تم یہ گارنٹی لکھ کے دے سکتے ہو؟"

وہ بات کاٹ کے سپاٹ سا بولا تو دولت نے گہری سانس لی اور جیب سے ایک لفافہ نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔

"مجھے معلوم تھا تم یہی کہو گے۔اسی لیے گارنٹی ساتھ لایا ہوں بلیک اینڈ وائٹ میں۔اس کو راضی کرو' فاتح... اس کے اپنے لئے اسے راضی کرو۔"

فاتح نے کاغذ کھول کے دیکھا۔پورچ کی تیز روشنی میں دھندلی نظر دوڑانے کے باوجود اسے تحریر سمجھ آ گئی۔اس نے ہلکے سے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"اگر اس نے مجھ سے رابطہ کیا... تو میں کوشش کروں گا۔اور چونکہ تم چائے نہیں پیو گے'اس لئے تم جا سکتے ہو۔"اسی بے رخی سے کہہ کے کاغذ لئے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔دولت روشنیوں میں نہائے پورچ میں کھڑا مسکرا کے اسے جاتے دیکھنے لگا۔

☆☆=========☆☆

ذوالکفلی کے گھر کی راہداری میں لکڑی کا تختہ باہر ہٹا تھا' کیونکہ تالیہ کچھ دیر پہلے اوپر آئی تھی۔سارے گھر میں اسی طرح مدھم بتیاں جلی تھیں۔دیوان خانے میں ساحر دوزانو بیٹھا'چھوٹی میز پہ کاغذ رکھے کچھ لکھ رہا تھا۔

"اتنی دیر سے خاموش کیوں بیٹھی ہو'پتری تالیہ؟"وہ سر اٹھائے بنا لکھتے لکھتے بولا۔

وہ سامنے اکڑوں بیٹھی'گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی تھی۔تھوڑی گھٹنے پہ ٹکائے اداسی سے بولی۔"کیا کہوں؟ کچھ کہنے میں دلچسپی ہی نہیں رہی۔"

"مایوس ہو؟"

تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔اس کی کنچیل (غزال) جیسی آنکھوں میں زمانے بھر کی اداسی تھی۔ذوالکفلی نے کتاب بند کی'قلم واپس رکھا اور نرمی سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں تمہارے لئے اور کیا کر سکتا ہوں'پتری تالیہ؟"

"تم جانتے تھے کہ میں پتری تاشہ ہوں۔پھر بھی تم مجھے ہمیشہ شہزادی تالیہ کیوں کہتے تھے؟"

''کیونکہ یہی تمہاری اصل شناخت ہے۔ پندرہویں صدی ملاکہ کی ''شہزادی'' اور آج کی ''تالیہ''۔ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔''

تالیہ نے گردن موڑی اور دیوار پہ نصب شیلف پہ رکھی ایک جامنی رنگ کی بوتل کو دیکھا جس کے پیندے میں کچھ سونے کا دمک رہا تھا۔

''کیا تم مجھے وقت میں واپس پیچھے بھیج سکتے ہو؟'' وہ حسرت سے اسے دیکھ کے بولی۔

''نہیں تالیہ۔ وقت کی چابی زائل ہو چکی ہے اور وہ دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔ یہ کچھ اور ہے جو میں نے تمہاری ہیئر پن سے بنایا تھا۔ مگر تم دوبارہ وقت کی قید میں جانے کا کیسے سوچ سکتی ہو؟''

''کیونکہ......'' اس نے ذوالکفلی کی طرف چہرہ موڑا اور تذبذب سے لب کاٹے۔ ''کیونکہ میں اپنے بابا سے ایک آخری دفعہ ملنا چاہتی ہوں...... بس چند لمحوں کے لیے اگر میں پیچھے جا سکوں......''

''آخری دفعہ؟'' ذوالکفلی نے غور سے اس کی اداس آنکھوں کو دیکھا۔ ''آخری دفعہ تم مراد سے ملنے کے بعد کیا کرنا چاہتی ہو؟''

''اگر کچھ کر بھی گزروں تو یہ پچھتاوا نہیں رہے گا کہ بابا کو خدا حافظ نہیں بولا تھا۔'' وہ دور خلا میں گھورتے ہوئے بے خودی کے عالم میں بولی۔

''مجھے تم سے اب خوف آنے لگا ہے۔ کیا اس موجودہ دنیا سے تمہاری ساری امیدیں ختم ہو گئی ہیں؟''

تالیہ نے نظریں جھکا دیں۔ ''نہیں۔ ابھی فاتح ہے۔''

''ہاں۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم بابا سے ملاقات کا نہ سوچو۔ وہ دروازہ اب بند ہو چکا۔''

''مگر بنگارایا ملایو کے آخری تین ابواب میں لکھا تھا کہ میں واپس گئی تھی ملاکہ میں۔'' اسے یاد آیا۔

''وہ ابواب بعد میں مراد راجہ نے لکھوائے تھے۔ تمہارے غائب ہونے کی وجہ اور اپنی عزت بچانے کو۔ وہ سچ نہیں تھے۔ تاریخ کی ساری کتابیں سچ نہیں ہوتیں۔ تم اب واپس نہیں جا سکتیں۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''یعنی کہ واپسی کی امید بھی ختم؟ میں نے سوچا تھا کہ اگر اس زندگی سے امید ختم ہو گئی تو میں واپس چلی جاؤں گی۔ مگر تم نے میری وہ امید بھی توڑ دی۔ اب اگر فاتح نے مجھے مایوس کیا تو میں کیا کروں گی؟''

وہ میز پہ کہنیاں رکھ کے آگے کو جھکا اور مسکرا کے کہنے لگا۔ ''انسان بہت بڑا سروائیور ہوتا ہے۔ تم اس کو بھی جھیل لو گے۔ یوں کرنا اس ملک سے دور چلی جانا اور نئی زندگی شروع کرنا۔''

تالیہ زخمی سا مسکرائی۔ ”نہیں ذوالکفلی۔اگر فاتح نے بھی مجھے مایوس کر دیا تو میرے پاس اس زندگی کو جاری رکھنے کے لئے کچھ نہیں بچے گا۔“

”ایسے مت سوچو۔کم از کم تم ایسے سوچتے ہوئے اچھی نہیں لگتی ہو۔تم تو بہت بہادر ہو۔ہم سب سے زیادہ بہادر۔“

وہ اداسی سے مسکراتی رہی۔”ٹوٹا ہوا دل انسان سے وہ کام بھی کروا دیتا ہے جن کے بارے میں اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔مگر خیر.....فکر نہ کرو...مجھے موت کی تکلیف سے بھی ڈر لگتا ہے۔“

دروازے پہ دستک ہوئی تو وہ چونکی۔

”اس وقت کون آیا ہے؟“ وہ تیزی سے اٹھی۔ایک دم چہرے پہ خوف نظر آنے لگا۔

”میں دیکھتا ہوں۔تم نیچے جاؤ۔“ وہ اطمینان سے کہتا اٹھا۔تالیہ تیزی سے راہداری تک آئی‘ ٹریپ ڈور ہٹایا‘ نیچے کودی اور تختہ بند کر دیا۔ذوالکفلی نے اوپر میٹ برابر کیا اور خود دروازے کی طرف بڑھ گیا۔تالیہ نے ٹریپ ڈور پورا بند نہیں کیا تھا۔وہ وہیں اوپری زینے پہ کھڑی‘ کان لگا کے سننے لگی۔دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

ذوالکفلی نے دروازہ کھولا تو سامنے ایڈم کھڑا تھا۔اس کی شیو بڑھی تھی‘ ماتھے پہ بال بکھرے تھے اور شکل سے مضمحل نظر آتا تھا۔

”کیا میں اندر آ سکتا ہوں‘ ذوالکفلی صاحب؟“

”نہیں‘ کیونکہ میں آپ کو نہیں جانتا۔آپ کو جو کام ہے‘ یہیں سے بتا دیں۔“ ذوالکفلی رکھائی سے بولا۔

نیچے تہہ خانے کے زینے پہ کھڑی تالیہ نے بے چینی سے لب کاٹے تھے۔پھر بلا ضرورت ہی سر پہ ہُڈ ڈال دی۔کہیں وہ فرش کے اندر سے ہی اس کو نہ دیکھ لے۔

”میں....ایڈم ہوں....“ ایڈم جھجک کے بتانے لگا۔”چے تالیہ مجھے جانتی ہیں اور مجھ پہ اعتبار کرتی ہیں۔میں انہی کے لئے آپ سے ملنے آیا ہوں۔“

ذوالکفلی نے گہری سانس لی اور راستہ چھوڑ دیا۔

اب قدموں کی آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ دونوں اندر دیوان خانے کی طرف جا رہے ہیں۔تالیہ کان لگا کے سنے گئی۔ہر آہٹ‘ ہر لفظ۔اس کی ہتھیلیوں پہ پسینہ آ رہا تھا۔

وہ دیوان خانے میں چٹائی پہ اسی جگہ بیٹھ گیا جہاں تالیہ بیٹھی تھی اور چھوٹی میز پہ کہنیاں رکھے‘ آگے کو جھکے بات کا آغاز کیا۔

”میں چے تالیہ کے لئے بہت پریشان ہوں۔“

''میں بھی ہوں۔ کیا تم اس کو میرا ایک پیغام دے سکتے ہو؟'' ذوالکفلی نے جواباً اتنی ہی فکرمندی سے کہا تو ایڈم دھیرے سے پیچھے ہوا۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

''یعنی آپ.....نہیں جانتے وہ کہاں ہیں؟'' اس کی آس ٹوٹ گئی۔

''میں؟ میں نے چند ماہ سے اسے نہیں دیکھا۔ وہ مجھ سے شدید ضرورت کے علاوہ رابطہ نہیں کرتی۔ میں سمجھا تم اس کا پیغام لائے ہو۔ اسی لئے میں نے تمہیں اندر آنے دیا۔'' ذوالکفلی ایک دم مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگا تو ایڈم جلدی سے بولا۔

''انہوں نے آپ سے کوئی رابطہ نہیں کیا؟''

''نہیں۔ میں نے کوشش کی۔ ہمارے کچھ (آواز دھیمی کی) خفیہ طریقے ہیں مگر اس کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ شاید وہ ملک چھوڑ چکی ہے۔''

''اُف۔'' ایڈم نے آنکھیں بند کیں اور پیشانی کو دو انگلیوں سے چھوا۔

''اب میں کیا کروں؟ مجھے ان کو ڈھونڈنا ہے۔'' پھر سر اٹھا کے ذوالکفلی کو دیکھا۔

''آپ جادوگر ہیں' میں جانتا ہوں۔ کیا آپ ان کا سراغ نہیں لگا سکتے۔''

''اگر یہ ممکن ہوتا تو پھر ساری دنیا کے سراغ رساں ایک جادوگر ساتھ لیے پھرتے' نوجوان۔ جادو ایسے کام نہیں کرتا۔'' وہ رکھائی سے بولا۔ ''اگر تم کہہ چکے تو جا سکتے ہو۔''

ایڈم چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

''آپ سچ کہہ رہے ہیں نا؟''

''تمہیں یقین نہیں کرنا تو نہ کرو۔''

''دیکھیں.....میں وان فاتح کا پیغام لایا ہوں ان کے لئے۔ اگر وہ آپ سے رابطے میں ہیں تو پلیز ان کو میرا پیغام پہنچا دیں۔''

''کیا مجھے تمہیں اپنے گھر سے نکالنے کے لئے پولیس کو بلانا پڑے گا؟''

ایڈم پیچھے کو ہوا اور گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔ ''سوری۔ مجھے آپ کا یقین کرنا چاہیے۔ میں اب آپ کو تکلیف نہیں دوں گا مگر یہ میرا نمبر ہے۔ اگر وہ رابطہ کریں تو مجھے بتایئے گا۔''

''اوکے۔ یہ میں کر سکتا ہوں۔'' ذوالکفلی نے اس کا کارڈ رکھ لیا تو وہ اٹھ گیا۔ وہ باہر چلا گیا تو ذوالکفلی دروازہ بند کر کے

راہداری میں آیا' اور جوتے کی نوک سے میٹ پرے کیا۔ ٹریپ ڈور کی درز نظر آ رہی تھی۔

''کوئی پیغام جو تم اس کو پہنچانا چاہو؟ وہ تم سے مخلص لگتا ہے۔''

تالیہ نے جواب دینے کے بجائے زور سے ٹریپ ڈور بند کیا اور زینے اترنے لگی۔ یہ صاف انکار تھا۔

باہر گلی میں چلتے ایڈم نے دوسرا موبائل نکالا جو محفوظ تھا اور فاتح کے اس نمبر پہ کال ملائی جو اس نے خفیہ گفتگو کے لیے ایڈم کو دیا تھا۔ کیونکہ اس نمبر کو پولیس ٹریس نہیں کر سکتی تھی۔

فاتح نے چھوٹتے ہی فون اٹھایا۔

''کچھ معلوم ہوا؟''

''جی۔ وہ اسی کے گھر میں ہیں۔ میں نے انہیں ڈھونڈ لیا ہے۔''

''آر یو شیور۔''

''جی۔ جس طرح اس آدمی نے مجھے بار بار گھر سے نکل جانے کو کہا' اس کا یہی مطلب تھا کہ وہ گھر میں ان کو چھپائے ہوئے ہے۔ لیکن میں زبردستی چے تالیہ کو اس گھر سے نہیں نکال سکتا۔ وہ خوفزدہ ہیں۔'' گلی میں چلتا ہوا ایڈم الجھا الجھا سا کہہ رہا تھا۔ ''مجھے.... مجھے کچھ ایسا کرنا ہوگا کہ وہ خود مجھ سے ملنے پہ راضی ہو جائیں کیونکہ اگر میں نے یہاں کوئی سین کری ایٹ کیا تو ارد گرد لوگوں اور پولیس کو معلوم ہو جائے گا۔''

''ہوں..... کیا چیز ہو سکتی ہے جو اسے باہر آنے پہ مجبور کر دے۔''

''اگر آپ آ جائیں!'' ایڈم نے کہا تو دل میں عجیب سا خالی پن محسوس ہونے لگا۔

''دولت مجھ پہ نظر رکھے ہوئے ہے۔ میں آؤں گا لیکن تمہیں پہلے اس کو باہر نکلنے پہ راضی کرنا ہوگا۔ یہ نہ ہو کہ وہ اب وہاں سے بھی بھاگ جائے۔ کوئی حل نکالو!''

اس کو تحکم سے کہہ کے فاتح نے فون رکھ دیا اور ایڈم پریشانی سے مڑ کے اس گھر کو دیکھنے لگا۔

جو اسے معلوم تھا' وہ اس کی مدد کر سکتا تھا مگر اسے کیا معلوم تھا' تالیہ کے بارے میں؟

اس کا ذہن کورے کاغذ کی طرح خالی تھا۔

☆☆=========☆☆

اگلی صبح بی این کے چیئرمین آفس کو سرما کی چمکیلی دھوپ نے منور کر رکھا تھا۔ سیکرٹری کارمن بھاپ اڑاتا مگ فاتح کی میز

پہ رکھ رہی تھی۔ وہ کاغذوں میں اتنا الجھا تھا کہ لب بنا آواز کے ہلائے۔ (تھینک یو تالیہ)

قلم سے کچھ لکھتے لکھتے وہ رک گیا اور ہولے سے سر جھٹکا۔ (اتنے ماہ گزر چکے تھے مگر تالیہ کی کافی اور تالیہ کی موجودگی کی عادت نہیں گئی تھی۔) پھر اونچا سا بولا۔ ''تھینک یو' کارمن!'

''سر! آپ میڈیا بریفنگ کب دیں گے؟'' سیکرٹری وہیں رک کے پوچھنے لگی۔ وہ بجھی بجھی لگتی تھی۔ ''رپورٹرز نے الگ ناک میں دم کرر کھا ہے اور مخالفین خاموش ہی نہیں ہو رہے۔''

وان فاتح آگے کو جھکا' کاغذات پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ سپاٹ سے انداز میں جواب دیا۔ ''ابھی انتظار کرو۔''

سیکرٹری نے بے بسی سے اسے دیکھا وہ دو دن سے یہی سوال پوچھ رہی تھی' اور وہ یہی جواب دیتا تھا۔

وہ کس شے کے انتظار میں تھا؟

''سر آپ کے وکلاء آگئے ہیں۔ میں ان کو بھیج دیتی ہوں۔'' وہ کہہ کے جانے لگی تو فاتح نے پکارا۔

''ہاں' .....اور تم بھی یہیں آجانا۔''

سیکرٹری کارمن اس بات پہ ٹھٹھک کے رکی اور مڑ کے اسے دیکھا۔ اس کا باس ٹائی ڈھیلے کیے' آستین موڑے' کاغذوں کو الٹ پلٹ کر کے دیکھ رہا تھا۔ بالکل بے نیاز' مطمئن۔

''سر.... میں وکیل اور کلائنٹ کی میٹنگ کے درمیان کیسے بیٹھ سکتی ہوں؟''

کارمن سمجھدار لڑکی تھی۔ وہ تالیہ کے بعد آئی تھی اور اب تک اسے ان قوانین کی بخوبی سمجھ آچکی تھی۔

''کیوں' کارمن؟'' اس نے فائل سے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا تو وہ جز بز ہوئی۔

''جب کلائنٹ اپنے وکیل سے بات کرتا ہے تو کانفیڈنشیلٹی کا قانون اپلائی ہوتا ہے۔ وکیل آپ کے راز نہیں کھول سکتا۔ آپ کی کہی بات آپ کے خلاف نہیں استعمال کر سکتا۔ لیکن ایک تیسرا فرد بیٹھ جائے تو....''

''تو اس پہ یہ قانون لاگو نہیں ہوگا اور وہ جب چاہے میرے اور میرے وکلاء کی باتیں باہر جا کے بتا سکتا ہے۔ یہی نا؟'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''تمہیں لگتا ہے وان فاتح ان چیزوں سے ڈرتا ہے؟''

کارمن اداسی سے مسکرائی۔ ''آپ مجھ سے آج تک ملنے والے انسانوں میں مضبوط ترین' سر۔ مگر یہاں ہر کوئی آپ کو گرانا چاہتا ہے۔ میں آپ کے لئے فکر مند ہوں۔''

''تمہیں کیا لگتا ہے' میں نے یہ کیا ہوگا؟'' وہ قلم بند کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ کارمن نے تھوک نگلا۔ چیئرمین سے براہِ راست یہ بات ڈسکس کرنے کی ہمت رپورٹرز کے سوا کسی میں نہیں تھی۔

''سر' جب میں یہاں آئی تھی تو آپ سے چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے نصیحت لینے آتی تھی۔ اور آپ........'' وہ یاد کر کے کہتی میز کے عین سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ''اور آپ مجھے سچ بولنے کا درس دیتے تھے۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے کوئی چھوٹا سا واقعہ سنا کے کہتے تھے کہ یوں کرو اور یوں نہ کرو۔ میں اتنا جانتی ہوں کہ جس شخص کو چھوٹی چھوٹی باتوں میں رسول اللہ ﷺ کے واقعات یاد رہیں' وہ کبھی اتنا بڑا دھوکہ نہیں کر سکتا۔ آپ میرے آئیڈیل رہے ہیں' اور میرے ملک کے بہت سے لوگوں کے آئیڈیل ہیں۔ ہم ان باتوں پہ کبھی یقین نہیں کریں گے۔ کسی نے آپ کو وہ کاغذات سائن کرنے کے لئے ٹرک کیا ہوگا۔'' پھر وہ رکی۔ ''آپ یہ بات میڈیا پہ بتا کیوں نہیں دیتے؟ ان لوگوں کے الزامات کا شور مجھے اور آپ کے ووٹرز کو پریشان کر رہا ہے۔''

فاتح نے ٹیک لگائی' اور قلم بند کرتے ہوئے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''ایک دفعہ ایک بوڑھے کسان کی گھڑی کھوگئی' کارمن۔'' وہ نرمی سے کہنے لگا تو کارمن توجہ سے سننے لگی۔ ''اس نے باڑے میں اسے بہت ڈھونڈا مگر وہ نہ ملی۔ وہ تھک گیا تو باہر کھیلتے بچوں کے گروہ کو بلایا اور انعام کا وعدہ کر کے انہیں گھڑی تلاشنے کو کہا۔ بچے خوشی خوشی گھڑی ڈھونڈنے ادھر ادھر بھاگے۔'' اس نے ساتھ ہی مگ اٹھایا' گھونٹ بھرا اور اسے واپس رکھا۔

''کئی گھنٹے بچے گھڑی ڈھونڈتے رہے مگر وہ انہیں نہ ملی۔ آخر تھک کے بچے جانے لگے۔ ان کی تعداد گھٹتی گئی۔ یہاں تک کہ سب بچے چلے گئے سوائے ایک کے۔ اس ایک نے ابھی تک گھڑی ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ چپ کر کے بیٹھا رہا تھا۔ جب سب چلے گئے تو وہ تھکے ماندے کسان کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا میں گھڑی تلاش کروں۔ کسان نے فوراً اجازت دے دی۔ وہ باڑے میں گیا اور چند منٹ بعد گھڑی ڈھونڈ لایا۔''

کارمن کے ابرو استعجاب سے اٹھے مگر وہ خاموش رہی۔ جانتی تھی وہ وجہ بتانے والا ہے۔

''کسان خوش ہونے کے ساتھ حیران بھی ہوا۔ اس نے پوچھا کہ جو کام اتنے گھنٹے تک اتنے سارے بچے نہیں کر سکے وہ تم نے کیسے کر لیا۔ تو اس بچے نے کہا کہ....'' وہ ذرا توقف کے بعد بولا۔ ''کہ زیادہ بچوں کے باعث شور بہت تھا۔ جیسے ہی وہ گئے اور شور تھما' باڑے میں خاموشی ہوئی اور اس خاموشی میں گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک سننا زیادہ آسان تھا۔ میں نے صرف اس آواز کو تلاشا' اس کا تعاقب کیا اور مجھے یہ گھڑی مل گئی۔''

وہ خاموش ہوا تو کارمن نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''آپ شور تھمنے کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ....تاکہ وہ اصل آواز سن سکیں جو آپ کو سننی چاہیے۔''

''وکلاء کو اندر بھیج دو اور تم بھی آ جاؤ۔'' وہ مسکرا کے آستین واپس موڑنے لگا۔ یہ طے تھا کہ وہ براہ راست جواب نہیں دے

گا۔

کچھ دیر بعد کارمن دیوار کے ساتھ کرسی پہ بیٹھی تھی اور وکلاء فاتح کے مقابل براجمان' کاغذات کھولے بحث میں لگے تھے۔

''اگر یہ دستخط اصلی ہیں تو آپ مشکل میں ہیں' فاتح۔'' سینئر وکیل فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔'' آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ آپ کی کوئی بے نامی جائیداد نہیں ہے۔مگر یہ واقعہ آپ کی کریڈیبلٹی ختم کر رہا ہے۔''

''میری کوئی بے نامی جائیداد نہیں ہے۔'' وہ ٹیک لگائے اسی سکون سے بولا۔جونیئر وکیل آگے ہوا اور آواز دھمی کی۔

''سر.....ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ فراڈ ہے۔آپ کے نام سے کسی نے دستخط کیے ہیں۔ہم ایڈم کو عدالت میں لے جا سکتے ہیں اور کلائیڈ اینڈ لی کمپنی کے گواہوں کو خرید سکتے ہیں۔وہ کورٹ میں بیان دیں گے کہ ایسی کوئی فائل کمپنی کے ڈیٹا میں موجود نہیں ہے۔''

دور بیٹھی کارمن نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔فاتح کے تاثرات ویسے ہی تھے۔ٹھنڈے' پرسکون۔

''مگر کمپنی اس فائل کی کاپی نکال کے دکھا سکتی ہے۔''

''نہیں سر۔'' جونیئر وکیل پرجوش ہوا۔''ایڈم بن محمد کی کتاب کے حصہ دوم کے بعد کلائیڈ اینڈ لی بند ہو گئی ہے اور انہوں نے تمام ڈیٹا تلف کر دیا ہے۔ایک پراسرار آگ میں۔آپ اگر اس کمپنی کی ملکیت سے انکار کر دیں' تو کوئی بھی آپ کو اس کا مالک ثابت نہیں کر سکتا۔''

''بالکل' فاتح۔'' سینئر وکیل گویا ہوا۔''تمہیں صرف یہ کہنا ہے کہ میں نے یہ کاغذات زندگی میں پہلی دفعہ اب دیکھے ہیں۔ تم ان کو نہیں پہچانتے۔''

''میں دو دن گزر جانے کے بعد یہ کہوں کہ میں ان کو نہیں پہچانتا؟''

''جی سر۔دو دن آپ وکلاء سے مشورہ کر رہے تھے اور ان کاغذات کے فارنزک کروا رہے تھے۔اس لئے جواب نہیں دیا۔پھر ایڈم بن محمد پہ قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔وہ اس وقت کیس لڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔یہ معاملہ چند دن میں دب جائے گا۔آپ صاف انکار کر دیں۔بس۔''

فاتح نے وہ فائل اٹھا کے دیکھی جس میں ان کاغذات کی کاپی موجود تھی۔اسٹیپل کے قریب ایک دھبا سا تھا۔سوکھے چیری بلاسم کی پتی کا نشان جو ساتھ ہی فوٹو کاپی ہو گیا تھا۔

وہ اس کو دیکھنے لگا اور منظر بدلنے لگا.........

وہ سڑک کنارے بنچ پہ بیٹھا تھا..... سڑک پہ سفید اور گلابی چیری بلاسم کے پھولوں کی تہہ بچھی تھی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اس نے کانوں اور گردن کو مفلر میں لپیٹ رکھا تھا..... سامنے سے ایک بچہ گزر رہا تھا..... اس کے جوتوں سے چھنکنے کی آواز آتی تھی.... فاتح کی نظریں اس کے ہاتھ میں پکڑی کاٹن کینڈی پہ جمی تھیں جس کی اسٹک کو وہ گھما رہا تھا۔ گول.... گول.... کسی سمندر میں بنے بھنور کے وسطی نقطے کی طرح....

عصرہ درخت کے عقب سے نکلی اور اس کے ساتھ بنچ پہ بیٹھی۔ وہ چونکا۔ بے دھیانی میں کافی چھلکی' پیروں میں گرا ایک پھول داغدار ہو گیا۔

''مجھے تم سے کچھ مانگنا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''صرف ایک دستخط.... میرے لئے..... بنا کوئی سوال پوچھے۔''

''بلینک ڈاکومنٹ ہے؟''

''تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے کیا؟''

''پین دو۔'' اس نے کہتے ہوئے فائل کھولی۔ ہوا کا جھونکا آیا اور چھم سے ڈھیروں چیری بلاسم کھلی فائل پہ آ گرے....

''سر!'' وہ چونکا اور سر جھٹکا۔ وکیل کچھ کہہ رہا تھا۔

''آپ ان کاغذات کو واقعی نہیں پہچانتے کیونکہ....'' وہ کھنکھارا۔ ''میری تفتیش کے مطابق یہ مسز عصرہ نے کلائیڈ اینڈ لی میں جمع کروائے تھے۔ انہوں نے شاید آپ سے بلینک ڈاکومنٹ پہ سائن لیے تھے۔''

کونے میں بیٹھی کارمن نے گہری سانس باہر کو خارج کی۔ اتنے دنوں کی بے کلی تمام ہوئی۔ (تو وہ درست تھی۔ اس کے لیڈر کو اس کی بیوی نے پھانسا تھا۔ اور اب وہ مر چکی تھی تو وہ اس کا پردہ رکھ رہا تھا۔)

''تو آپ کا یہ کہنا جھوٹ نہیں ہو گا کہ آپ نے یہ کمپنی نہیں بنائی تھی۔'' وکیل کہہ رہا تھا۔ دوسرا بھی کھنکھارا۔

''آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ مسز عصرہ نے کیا ہے۔ یہی سچ ہے' آپ ہمیں نہ بتائیں تب بھی ہمیں سب سمجھ آ رہا ہے کہ....''

''عصرہ کا نام اس میں نہیں آئے گا۔'' وہ ایک دم سختی سے بولا۔ ''یہ دستخط میں نے ہی کیے ہیں۔ خود کو بچانے کے لئے میں اپنی مرحوم بیوی کو ولن بنا کے نہیں پیش کر سکتا۔''

''بے شک آپ نے دستخط کیے ہیں' مگر آپ کو علم نہیں تھا' سر کہ یہ کاغذ کس لیے استعمال ہو گا۔ آپ سے غلطی ہوئی ہے' جرم نہیں۔'' جونیئر وکیل نے زور دیا۔ ''اور ان کاغذات کی قانونی حیثیت کبھی ثابت نہیں ہو گی۔ ہمیں صرف اخلاقی گراؤنڈ زپہ اس بحث کو جیتنا ہے۔ آپ لوگوں کو صرف اتنا بتا دیں کہ یہ آپ کی بیوی نے آپ سے کروایا تھا تو یہ معاملہ ختم ہو جائے گا۔ آپ

ملک کے اگلے وزیرِ اعظم ہیں' سر۔"

"عوام کو اپنے لیڈر سے بہت محبت ہوتی ہے۔ وہ اس کی غلطیوں کو جستفائی کرنے کے بہانے کے منتظر ہوتے ہیں۔ اس کی بیوی' مشیر' دوست' کسی اور کو اس کے لیے قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔"

"عصرہ کا نام بیچ میں نہیں آئے گا۔" وہ تلخی سے بولا۔ آفس میں ایک افسوسناک خاموشی پھیل گئی۔

"پھر آپ کہہ دیں کہ آپ نے یہ کاغذات کبھی نہیں دیکھے۔ مہینے لگ جائیں گے انہیں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ...."

"یہ جھوٹ ہے۔ میں نے یہ کاغذات دیکھے تھے اور خود سائن بھی کیے تھے۔"

"مگر ہم سب جانتے ہیں کہ مسز عصرہ نے دھوکے سے وہ سائن کروائے تھے۔"

فاتح کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھا اور ان کو جانے کی اجازت دی۔ وکلاء مزید نصیحتوں کے ساتھ رخصت ہوئے مگر کارمن کھڑی رہی۔ فاتح نے اسے دیکھا تو وہ قریب آئی اور اس کے سامنے رک گئی۔

"آپ صرف مسز عصرہ کو نہیں بچا رہے۔ آپ یہ اعتراف نہیں کرنا چاہتے کہ آپ اتنے سمجھدار ہو کے بھی بلینک ڈاکومنٹ پہ کیسے سائن کر سکتے ہیں۔ یوں آپ naive اور بے وقوف لگیں گے' ہے نا۔" وہ اس کی نفسیات کو سمجھنا چاہ رہی تھی۔

"انسان فیملی کے لئے بہت کچھ کرتا ہے' کارمن۔"

"مگر اس وقت آپ کو اپنے لئے کچھ کرنا ہے۔ مسز عصرہ کی فکر نہ کریں۔ آپ نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اپنے سر پہ وہ الزام نہ لیں جس میں آپ کا قصور نہیں ہے۔" وہ تاسف سے اسے دیکھتی کہہ رہی تھی۔ "پلیز سر' لوگوں کو سچ بتا دیں۔ سچ آپ کو بچا لے گا۔"

وہ دونوں میز کے دونوں سروں پہ کھڑے تھے۔ اور وہ ناصحانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"کیا تم مجھے نصیحت کر رہی ہو' کارمن؟" وہ پتہ نہیں کیوں مسکرایا۔

"جی۔ کیونکہ آپ ہی سارا وقت ہم سب کو نصیحتیں کرتے آئے ہیں۔ جب میں کوئی مسئلہ لے کر آتی تھی تو آپ کہتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ خوشی اور غم میں ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین فرماتے تھے۔ یہی تو آپ کا امتحان ہے کہ اس موقع پہ آپ سچ بولتے ہیں یا نہیں۔"

"سچ بولنے کے نتائج ہوتے ہیں' کارمن۔" اسے پہلی دفعہ فاتح کی آنکھوں میں زخمی پن نظر آیا۔ اس کا دل دکھ گیا۔

"تو پھر آپ کیا کریں گے' سر؟"

"خاموشی سے گھڑی کی سوئیوں کو سننے کا انتظار۔" وہ واپس کرسی پہ بیٹھا اور عینک اٹھاتے ہوئے فائل کھول لی۔ یہ اشارہ تھا

کہ کارمن اب جاسکتی ہے۔وہ بجھے دل کے ساتھ باہر آ گئی۔

☆☆==========☆☆

ملاکہ اس دوپہر ٹھنڈی دھوپ میں چمک رہا تھا۔شاہراہ پہ ٹریفک زوروشور سے رواں دواں تھی۔

ایسے میں ایک فون بوتھ کے اندر کھڑا ایڈم ریسیور کان سے لگائے بات کرتا نظر آ رہا تھا۔اس نے سر پہ پی کیپ پہن رکھی تھی اور چہرے پہ فکرمندی کے واضح آثار تھے۔

''تمہاری ماں شہر چھوڑنے کے لئے راضی نہیں تھی مگر....''دوسری جانب اس کا باپ کہہ رہا تھا۔''آج صبح.....''

''میں جانتا ہوں آج صبح کیا ہوا ہے۔مجھے اطلاع مل گئی ہے۔''وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔''وہ لوگ ہمارے گھر تک آن پہنچے ہیں۔''

''وہ ہمیں مارنا نہیں چاہتے تھے۔گولیوں سے صرف کھڑکیوں کے شیشے توڑے اور چلے گئے۔''

''گولیاں اندھی ہوتی ہیں۔کسی کو لگ جائیں تو نیت بے معنی ہو کے رہ جاتی ہے۔''وہ غصے بھری بے بسی سے کہہ رہا تھا۔''بابا.....پلیز.....آپ.....''

''میں جانتا ہوں۔میں نے تمہاری ایبو کو سمجھایا ہے۔ہم آج ہی کے ایل چھوڑ کے جا رہے ہیں۔مگر تم.....''

''میں آپ کے ساتھ نہیں آ سکتا۔یہ میرا دوست جس کے گھر پہ اس وقت میں کال کر رہا ہوں'یہ آپ کو بحفاظت گاؤں پہنچا دے گا۔میرا آپ سے دور رہنا بہتر ہے کیونکہ ٹارگٹ میں ہوں۔میں دور رہوں گا تو وہ آپ کی طرف نہیں آئیں گے۔''پھر خیال آیا۔''آپ کو اس گھر میں آتے کسی نے دیکھا تو نہیں؟''

''نہیں۔تمہارا دوست مجھے بازار میں ملا تھا اور احتیاط سے یہاں لایا تھا کیونکہ تم نے کال کرنی تھی۔''محمد صاحب نے وقفہ دیا۔''ایڈم.....ہم تمہارا انتظار کریں گے۔جب یہ لوگ تمہارا پیچھا چھوڑ دیں تو ہمارے پاس چلے آنا۔تم ہماری ساری زندگی کی کمائی ہو۔''

ایڈم کی پلکیں بھیگنے لگیں۔''میں آ جاؤں گا'بابا۔بس پہلے مجھے کچھ کام کرنے ہیں۔''اس نے فون رکھا اور آنکھیں بند کیں۔ٹوٹے دل کا ایک آنسو دل پہ ہی گر کے جذب ہو گیا۔کیا وہ زندہ سلامت اپنے ماں باپ کے پاس واپس جا سکے گا؟ اسے اب یقین نہیں رہا تھا۔

وہ ابھی تک تالیہ کو ڈھونڈ نہیں پایا تھا۔تالیہ دوسری دفعہ کھوئی تھی اور دونوں دفعہ وہ اسے تلاشنے میں ناکام ٹھہرا تھا۔

کیسا دوست تھا ایڈم بن محمد؟

وہ صحیح کہتی تھی کہ اگر اس کی جگہ ایڈم کو کچھ ہوتا تو وہ کیا کچھ نہ کر ڈالتی۔وہ کبھی آرام سے نہ بیٹھتی اور.....

ایڈم نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔وہ چمکیلی دھوپ میں ہنوز فون بوتھ میں کھڑا تھا۔شیشے کے بند ڈبے میں اور اس کے دونوں اطراف میں گاڑیاں آجا رہی تھیں۔مگر اسے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

اس نے موبائل نکالا اور فاتح کو پیغام لکھا۔"مجھے معلوم ہے کہ تالیہ کو کیسے ڈھونڈنا ہے۔"

داتن کی طرح وہ تالیہ سے رابطے کے طریقے نہیں جانتا تھ۔مگر وہ "تالیہ" کو جانتا تھا۔اور جو وہ جانتا تھا' وہی اسے تلاش کرنے کی کنجی تھی۔

☆☆==========☆☆

کتابوں کا مقبرہ موم بتیوں سے نیم روشن تھا۔ایک بلب بھی کونے میں جل رہا تھا جس کے نیچے زمین پہ اکڑوں بیٹھی تالیہ ایک کتاب کی ورق گردانی کرتی دکھائی دے رہی تھی۔آج اس کے کپڑے مختلف تھے۔اس نے سیاہ ٹراؤزر پہ کھلے بازوؤں والی بھوری قمیص پہن رکھی تھی اور بال پونی میں بندھے تھے۔چہرہ ویسا ہی بے رونق تھا اور کتاب پکڑے ہاتھوں میں سرخ یاقوتی انگوٹھی دکھائی دیتی تھی۔

آہٹ پہ اس نے نظریں اٹھائیں تو ذوالکفلی اوپری زینے پہ کھڑا تھا۔اتنی دور سے وہ اس کی کتاب کا سرورق نہیں دیکھ سکتا تھا مگر تالیہ نے پھر بھی نامحسوس انداز میں کتاب نیچے کی۔

"کیا ہوا؟" (اور کتاب پیچھے گول مول رکھے لحاف میں چھپائی۔)

"تمہارا دوست.....ایڈم.....وہ ایک خط چھوڑ گیا ہے۔" ذوالکفلی نے خط اوپری زینے پہ رکھا اور خود مڑ گیا۔تالیہ کتب خانے کے دوسرے سرے پہ تھی۔اس کے اور زینوں کے درمیان طویل فاصلہ حائل تھا۔

"تم مجھے یہ دینے نیچے بھی آسکتے تھے۔" اس نے بھنویں چڑھا کے اس فاصلے کو دیکھا۔

"پھر تمہیں کیسے علم ہوگا کہ تم اس خط کو پڑھنے کے لئے کتنی بے تاب ہو۔"

وہ بے نیازی سے کہہ کے واپس اوپر چلا گیا اور ٹریپ ڈور بند کر دیا۔

تالیہ تیزی سے اٹھی اور دوڑ کے زینوں تک آئی۔پھر دھڑکتے دل سے زینے پھلانگتی گئی۔لکڑی کے چٹخنے کی ہلکی ہلکی سی آواز آتی تھی۔

اوپری زینے پہ بیٹھ کے اس نے خط اٹھایا اور کھولا۔

"ڈیئر انچے ذوالکفلی۔

میں نہیں جانتا کہ آپ میرا یہ خط چے تا لیہ تک پہنچا سکتے ہیں یا نہیں کیونکہ آپ شاید سمجھتے ہوں کہ میں

چے تا لیہ کو اس لئے تلاشنا چاہتا ہوں تا کہ ان کو سرینڈر کرنے کا مشورہ دے سکوں۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔

اسے میری خودغرضی کہہ لیں یا کیا' مگر میں ان کو اپنے لئے ڈھونڈنا چاہتا ہوں۔ میں مشکل میں ہوں۔

میری جان کو خطرہ ہے۔ مجھ پہ قاتلانہ حملے بھی ہو چکے ہیں اور میرے ماں باپ کو کے ایل چھوڑنا پڑ گیا ہے۔

مجھے نہیں معلوم میں اپنی زندگی کے لیے کیا کروں۔ میں بالکل بھی وہ سیلیبریٹی

رپورٹر نہیں رہا جو عوام کو چند ماہ سے دیکھنے کو مل رہا ہے۔ میں ایک کم ہمت اور جلدی ہار مان جانے والا

وہی باڈی مین بن گیا ہوں جو چے تا لیہ کو پہلی دفعہ ملا تھا۔ مجھے ان کی ضرورت ہے۔

میں آج رات گیارہ بجے ان کا اسی جگہ انتظار کروں گا جہاں وقت میں سفر سے پہلے ہم ملے

تھے اور تب تک انہوں نے مجھ سے سچ نہیں بولا تھا۔

فقط

شاہی مورخ۔''

اس نے خط واپس تہہ کیا اور گہری سانس لی۔ پھر گھڑی پہ وقت دیکھا۔ گیارہ بجنے میں ابھی کافی وقت تھا اور اب...ایڈم کی اس ''مدد کی پکار'' کے بعد اگر وہ تا لیہ مراد تھی تو وہ اس کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

اس نے چہرہ گھٹنوں پہ ٹکا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

وہی یاد نظروں کے سامنے چلنے لگی۔

وہ ریستوران کے مصنوعی جھونپڑے میں داتن کے سامنے بیٹھی تھی...دونوں کی قہوے کی پیالیاں گرم تھیں۔

اتاؤ نے جھونپڑے کی بتیاں مدھم کر دی تھیں....اور خالی دیوار پہ ایک منظر چلنے لگا تھا.....

سڑک کنارے چیری بلاسم کے درختوں کی قطار...اور نیچے گھاس پہ گلابی سفید پھولوں کی بچھی تہہ...ہوا چل رہی تھی اور پھول گرتے جا رہے تھے....دھیرے دھیرے.....ایک ایک پتی....

''تم...تم ٹھیک ہو' داتن؟''

فضا میں جھینگے تلنے کا شور تھا۔ اور ان کی اشتہا انگیز مہک بھی۔ قہوے کی پیالی سے اڑتی بھاپ ان دونوں کے درمیان بار بار حائل ہوتی' پھر چھٹ جاتی۔

''یہ کینسر کی دوا ہے' اور یہ بوتل تمہاری ہے۔ تم کینسر کی دوا کیوں لے رہی ہو؟''

پیانو رک گیا۔ جھینگے تلنے کا شور خاموش ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے ساری آوازیں دم توڑ گئیں۔

''تم سن کے ہرٹ ہو گی۔ اسی لیے میں نے تم سے چھپایا۔''

پیانو تیز ہو گیا۔ کاؤنٹر پہ کھڑا تاؤ ٹھک ٹھک سوشی رول کو چھرے سے کاٹنے لگا۔ دیوار پہ ابھی تک پھول گرتے نظر آ رہے تھے۔ اور سوشی رول کٹنے کی آوازیں..... ٹھک ٹھک ٹھک......

تالیہ نے آنکھیں کھولیں تو خود کو تہہ خانے کے زینے پہ بیٹھے پایا۔ اس نے پھر سے گھڑی دیکھی۔ گیارہ بجنے میں کافی وقت تھا۔

اسے یاد تھا وہ دونوں کہاں ملے تھے۔ ملکہ یان سوفو کے کنوین پہ جہاں ایڈم نے اسے سکہ اچھالنے کو کہا تھا کیونکہ جو سکہ اچھالتا ہے وہ ملاکہ دوبارہ واپس ضرور آتا ہے۔ اور تالیہ نے سکہ نہیں اچھالا تھا۔ پھر بھی وہ ملاکہ واپس آ گئی تھی۔ کئی دفعہ۔

ایک دفعہ پھر اسے اس کنویں پہ جانا تھا۔ ایڈم کے لئے۔ وہ اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

☆☆=========☆☆

مغرب کی نیلاہٹ وان فاتح کی رہائشگاہ پہ پھیلی تھی۔ اس کا گھر سونا سونا اور ویران سا لگتا تھا۔ وہاں ایسی خاموشی تھی جیسی ان عجائب گھروں میں ہوتی ہے جہاں بچوں کا داخلہ منع ہوتا ہے۔

اس کے بچے چلے گئے تھے اور وہ گھر کی ساری رونق لے گئے تھے۔ وہ اپنی اسٹڈی میں تنہا بیٹھا تھا۔ شرٹ کے آستین موڑے، ٹائی ڈھیلی کیے، وہ کہنیاں میز پہ جمائے لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ اس کے تاثرات سنجیدہ اور سپاٹ تھے۔ ان سے اندرونی جذبات کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔

وہ تحریر مختصر تھی۔ ختم کر کے اس نے پرنٹ کا بٹن دبایا۔ پرنٹر زوں زوں کی آواز کے ساتھ اس کے الفاظ سے ایک کورا صفحہ رنگین کرتا گیا۔ کاغذ کو باہر آنے میں چند لمحے لگے۔ یہ چند لمحے بہت بھاری تھے۔

پھر اس نے قلم کی نوک صفحے کے نچلے حصے پہ رگڑی۔ نوک نے سیاہی کو اس کے دستخط میں تبدیل کیا اور سارے فیصلے خود بخود ہوتے گئے۔

اس نے سیاہی کو سوکھنے دیا۔ پھر سست روی سے اس کاغذ کو تہہ کیا۔ لفافے میں ڈالا۔ اور اس پہ لکھا ''کارمن... پرائیوٹ اینڈ کانفیڈیشنل''۔ پھر اسے سیل کیا اور گھنٹی بجائی۔

چند لمحوں بعد بٹلر نے اندر جھانکا۔ ''جی سر؟''

''یہ لفافہ میں اسٹڈی کے پہلے دراز میں رکھ رہا ہوں۔ کل ویک اینڈ ہے۔ تم سوموار کی صبح اسے کارمن کے حوالے کرو

گے۔ یہ ایک امانت ہے۔''

''آپ کہیں جا رہے ہیں سر؟''

''میں سوموار تک واپس آ جاؤں گا۔ امید ہے۔''توقف کے بعد اضافہ کیا۔

بھاری لفافہ دراز میں رکھ کے اس نے دراز بند کیا تو گویا سارے فیصلے خود بخود ہوتے گئے۔

☆☆==========☆☆

ملکہ یان سوفو کا کنواں رات کے اس پہر ویران پڑا تھا۔ سیاح دن کے وقت آتے تھے اور اب گیٹ بند ہو چکے تھے۔ پھر بھی اندر داخل ہونے والے راستے نکال لیتے تھے۔

یہ ایک قدیم طرز کا کھلا سا صحن تھا جس کے وسط میں کنواں بنا تھا۔ احاطہ ویران پڑا تھا اور اوپر آسمان خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

احاطے کے ایک طرف دیوار میں راستہ تھا جو مندر کی طرف جاتا تھا۔ اس کی چوکھٹ پہ ایک ہیولہ سا کھڑا تھا۔ سیاہ لبادے پہ سیاہ ہُڈ پہنے' ایک لڑکی جو احتیاط سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

وہ اندر نہیں جا رہی تھی۔ اسے کچھ دیر یہیں چھپ کے ایڈم کا انتظار کرنا تھا۔ ایڈم کو سامنے سے آنا تھا اور وہیں سے گزر کے کنویں تک جانا تھا۔ وہ پہلے اسے اندر آنے دینا چاہتی تھی۔

دفعتاً ہلکی سی آہٹ ہوئی۔ پھر قدموں کی آواز آئی۔ آواز کافی واضح تھی جیسے نوارد کو چھپنے یا ملاقات کو خفیہ رکھنے میں دلچسپی نہ ہو اور وہ اعتماد سے چلتا آ رہا ہو۔

تالیہ کی اندھیرے میں دیکھتی آنکھیں اچنبھے سے چھوٹی ہوئیں۔

یہ ایڈم کے چلنے کا انداز نہ تھا۔ اور اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔

وان فاتح احاطے میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے سیاہ پینٹ پہ سیاہ جیکٹ پہن رکھی تھی۔ اور جیبوں میں ہاتھ ڈالے' وہ ادھر ادھر دیکھتا کنویں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ دم سادھے اسے دیکھے گئی۔ وہ کنویں تک آیا اور اس کی منڈیر کے کنارے پہ بیٹھا۔ کنویں کی سطح جالی سے ڈھکی تھی۔ وہ مڑ کے جالی کے نیچے گہرے کنویں کو دیکھ کے بولا۔

''باہر آ جاؤ' تالیہ..... مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

اس کا انداز پرسکون تھا۔ اس میں تحکم بھی تھا اور اپنائیت بھی۔

تالیہ کے حلق میں کچھ اٹکنے لگا مگر اس نے تھوک نگلا اور سارے آنسو اندر اتارے۔ پھر ہُڈ پیچھے کو گرائی اور باہر آئی۔ اندھیرے سے چاندنی کا سفر اس نے لمحوں میں کیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

وہ منڈیر پہ بیٹھا ابھی تک گردن موڑے کنویں کے اندر جھانک رہا تھا۔

”یہ ملاکہ کی ایک ملکہ یان سوفو کا کنواں تھا جو اس کے لئے سن باؤ وانگ لی نے تعمیر کروایا تھا۔ یان سوفو شاہِ چین کی بیٹی تھی اور ملاکہ میں وہ خود کو اجنبی محسوس کرتی تھی۔ غیر' فارنر۔“

کہتے ہوئے اس نے گردن موڑی اور مدھم مسکراہٹ کے ساتھ سامنے کھڑی تالیہ کو دیکھا جو جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ سیاہ بال پونی میں بندھے تھے اور چہرے سے وہ مرجھائی ہوئی لگتی تھی۔

”تم نے جو سونے میں لکھی کتاب مجھے پڑھنے کے لئے دی تھی' اس میں لکھا تھا کہ ملکہ یان سوفو ملاکہ میں کسی پہ اعتبار نہیں کرتی تھی۔ وہ ہر ایک کو اپنا دشمن سمجھتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہمیشہ خود کو خود بچائے کیونکہ اس کا ماننا تھا کہ کوئی کسی کو بچانے نہیں آتا۔“

”کوئی کسی کو بچانے آیا بھی نہیں کرتا۔“ وہ تلخی سے زیرِ لب بولی مگر منڈیر پہ بیٹھے شخص نے سن لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں واضح فکرمندی ابھری تھی۔

”مگر.... کبھی تو.... کبھی تو تالیہ انسان کو دوسروں کو موقع دینا چاہیے کہ وہ اسے بچائیں۔ کیا ایک دفعہ تم وان فاتح پہ اعتبار نہیں کر سکتیں؟“

وقت تھم گیا۔ کنواں خاموش تھا اور آسمان پہ چاندنی پھیلی تھی۔ اس چاندنی کے ہالے میں فاتح کا چہرہ روشن دکھائی دیتا تھا۔

”کیا ایک دفعہ تم مجھے اپنی مدد نہیں کرنے دے سکتیں؟“

وہ آہستہ سے اس کے ساتھ بیٹھی۔

بہت کچھ یاد آیا۔

کبھی وہ ابوالخیر کی حویلی کی منڈیر پہ یونہی بیٹھتے تھے اور قدیم ملاکہ کو اپنے سامنے پھیلے دیکھتے تھے۔ مگر سارا مسئلہ یہی تھا کہ اسے سب یاد تھا اور فاتح کو (اس نے چہرہ موڑ کے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔) فاتح کو کچھ یاد نہیں تھا۔

”ایڈم.... کیوں نہیں آیا؟“ وہ بولی بھی تو یہی۔ یوں لگتا تھا ایک زمانے بعد وہ اس سے ملی ہے۔

”اسے نہیں آنا تھا۔ اس کو یہ ملاقات کروانے کے لیے میں نے کہا تھا۔“ وہ سادگی سے کہہ رہا تھا۔ وہ دم سادھے اسے دیکھے گئی۔

''آپ کو میری ای میل مل گئی تھی؟ اسی لئے آپ نے اس دن کہا تھا کہ میں بھاگ جاؤں؟''

''مجھے تمہاری بے گناہی پہ یقین کرنے کے لئے اس ای میل کو پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ جس تالیہ کو میں جانتا ہوں' جو اتنے مہینوں سے میرے لئے کام کرتی رہی ہے' وہ کسی کو قتل نہیں کرسکتی۔''

تالیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور اس کا دل ڈوب سا گیا۔ وہ صرف اپنی چیف آف اسٹاف کو جانتا تھا۔ وہ شہزادی تاشہ کو نہیں جانتا تھا۔

''آپ کو واقعی میرا یقین ہے۔''

''ہاں۔ میں نہیں جانتا عصرہ کو کس نے مارا ہے مگر....''

''انہوں نے خودکشی کی ہے۔'' وہ ایک دم بول پڑی۔ فاتح کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''ایسا نہیں ہوسکتا۔''

''نہ یقین کریں۔ آپ کو تو اس بات کا یقین بھی نہیں آئے گا کہ مسز عصرہ نے ہی آریانہ کو....'' اس نے تلخی سے کہہ کے سر جھٹکا اور سامنے اندھیرے میں ڈوبی خستہ حال دیوار کو دیکھنے لگی۔

''مجھے ذوالکفلی نامی آدمی نے وہ تحریر دی تھی جو میں تمہارے لئے اس کے حوالے کر گیا تھا۔ اس رات میں جو میری یادداشت سے کھو چکی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کتنا سچ اور کتنا جھوٹ ہے مگر میں عصرہ کے بارے میں بات کرنے نہیں آیا۔'' اس کا لہجہ قطعی تھا۔ تالیہ چپ چاپ سامنے دیکھ رہی تھی اور وہ اس کو۔

''میں تمہارے بارے میں بات کرنے آیا ہوں۔''

''آپ اس اسکینڈل سے خود کو کیوں نہیں نکالتے؟'' تالیہ نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔ ''میں کافی دن سوچتی رہی کہ ان کاغذات پہ آپ کے دستخط کیسے آگئے۔ یقیناً کسی نے نقلی دستخط کیے ہوں گے۔ مگر.... مگر پھر مجھے احساس ہوا کہ شاید وہ آپ نے ہی کیے ہوں۔ کورے کاغذ پہ۔''

اس نے چہرہ موڑ کے فاتح کی آنکھوں میں دیکھا اور تلخی سے مسکرائی۔

''مسز عصرہ نے آپ سے کورے کاغذ پہ دستخط لیے تھے' ہے نا؟''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ دستخط تو میرے ہی ہیں۔'' وہ سادگی سے شانے اچکا کے بولا۔

''فرق پڑتا ہے۔'' وہ افسوس سے بولی۔ ''آپ مسز عصرہ کو کور کرنے کے لئے سارا الزام اپنے سر نہیں لے سکتے۔ یہ جھوٹ ہوگا۔ آپ کو لوگوں کو حقیقت بتانی پڑے گی۔''

''میرے دو بچے ہیں' تالیہ۔''

''وہ سروائیو کر لیں گے۔ آپ ان کے ساتھ ہوں گے تو وہ ہر چیز برداشت کر لیں گے۔ پلیز اپنا کیریئر اس جرم کے لئے تباہ نہ کریں جو آپ نے نہیں کیا۔''

''صوفیہ رحمن کی آف شور کمپنی بھی سامنے آئی تھی۔ وہ ابھی تک تخت پہ براجمان ہے۔ اس کا کیریئر تو برباد نہیں ہوا۔''

''کیونکہ وہ لیڈر نہیں ہے۔ لوگ اس سے سچائی کی توقع نہیں کرتے۔ مگر آپ کے لئے لوگوں کے پیمانے مختلف ہیں۔ وہ آپ کو عظمت اور سچائی کے جس معیار پہ بٹھا چکے ہیں' وہ آپ کو اس سے نیچے برداشت نہیں کر پائیں گے۔ اس جرم کو تسلیم کرنے سے آپ اپنے لوگوں کا اعتبار کھو دیں گے۔ ہم دونوں جانتے ہیں کہ آپ سے دھوکے سے سائن کروائے گئے تھے۔ پلیز' فاتح....خود کو بچائیں۔''

وہ تالیہ کو دیکھ کے نرمی سے مسکرایا۔

''آج تم میری چیف آف اسٹاف کی طرح بول رہی ہو۔ کیا تم اپنی جاب کو مس کر رہی ہو؟''

شہزادی کے تاثرات بدلے۔ ماتھے پہ بل پڑا اور ناک نخوت سے سکوڑی۔

''مشورہ دے رہی ہوں۔ مفت تھا۔'' اور کندھے اچکا کے ناراضی سے سامنے دیکھنے لگی۔ ''افسوس ہو رہا ہے مجھے آپ کے لیے۔ آپ اتنے عقلمند ہو کے بغیر سوال و جواب کے کسی کے دیے بلینک ڈاکومنٹ پہ کیسے دستخط کر سکتے ہیں؟ یا اللہ!''

فاتح نے واب نہیں دیا۔ وہ بھی سامنے موجود اس کھنڈرزدہ دیوار کو دیکھے گیا۔

''تم کبھی ہانامی کے دنوں میں جاپان گئی ہو' تالیہ؟''

''چیری بلاسم سیزن میں؟ نہیں.....مگر میں نے ملائیشیاء میں ساکورا کے پھولوں کو گرتے دیکھا ہے۔''

''میں نے بھی۔'' وہ خاموش ہو گیا۔ ارد گرد پھیلا اندھیرا پل بھر کے لئے چھٹ سا گیا۔

وہ سڑک کنارے بنچ پہ بیٹھا تھا۔ فضا میں پھولوں کی خوشبو تھی۔ سڑک پہ چیری بلاسم کی تہہ بچھی تھی۔ قریب سے گزرتے بچے کے جوتے کچھ چھنکار رہے تھے.....وہ ہاتھ میں پکڑی کاٹن کینڈی کی اسٹک گول گول گھما رہا تھا....کاٹن کینڈی بالکل چیری بلاسم کی طرح تھی....اتنی نازک کہ ہاتھ لگانے سے فنا ہو جاتی تھی.....

عصرہ کے بیٹھنے سے فاتح کی کافی چھلکی تھی....ایک زمین بوس پھول داغدار ہو گیا تھا.....

''کیا تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے؟'' وہ فائل اس کی طرف بڑھائے کہہ رہی تھی۔ فاتح نے فائل کھولی تو ڈھیر سارے پھول چھم سے نیچے آن گرے۔ اس نے آستین سے صفحے سے پھول ایک طرف ہٹائے.....

"کیا سوچ رہے ہیں؟" تالیہ کی آواز پہ وہ چونکا۔

"یہی کہ اس نے کاغذات سائن کروانے سے پہلے کیا کہا تھا۔"

وہ دونوں اندھیر کنویں کے دہانے پہ بیٹھے تھے اور سامنے کائی زدہ خستہ حال دیوار انہیں دیکھ رہی تھی۔

"کیا کہا تھا؟" تالیہ نے گردن موڑ کے اس کا چہرہ دیکھا۔ فاتح کافی خاموش رہا۔ اتنی دیر کہ تالیہ کو اپنا سوال بھول گیا۔

"تم جانتی ہو چیری بلاسم کس شے کی علامت ہیں؟"

"جوانی میں جلد مر جانے کی؟"

"ہاں اور نزاکت کی بھی۔ یہ اتنا نازک ہوتا ہے کہ زیادہ دیر موسم کی سختی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ہار مان جاتا ہے اور گر جاتا ہے۔ شاید اس لئے کہ یہ کسی اور کو موقع نہیں دیتا کہ وہ اسے بچا لے۔ یہ صرف خود پہ ہی انحصار کرتا ہے مگر کوئی انسان ہر دفعہ اپنے آپ کو خود ہی نہیں بچا سکتا۔"

"میں چیری بلاسم نہیں ہوں' توانکو۔" عرصے بعد وہ لفظ منہ سے نکلا۔

"مگر تم چیری بلاسم کی طرح زمانے کی ساری سختی کو اکیلے جھیلنے کا فیصلہ کر چکی ہو۔ ایسے تم گر جاؤ گی' تالیہ۔ ختم ہو جاؤ گی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ سارے موسم رک گئے تھے۔ وقت ان کے آس پاس ٹھہر گیا تھا۔

"ہر انسان کو خود کو خود ہی بچانا پڑتا ہے۔"

"ہر دفعہ ایسا نہیں ہوتا۔" وہ زور دے کر بولا۔ "تم زندگی کے سارے مسئلوں سے اکیلے نہیں لڑ سکتیں۔ فیملی' دوست' یہ سب کس لئے ہوتے ہیں اگر یہ ہمارے ساتھ ہماری جنگیں نہ لڑ سکیں؟"

"مگر ہر انسان اکیلا ہی ہوتا ہے۔ اسے...."

"ایک دفعہ' تالیہ.... ایک دفعہ تم مجھے خود کو بچانے دو۔" وہ اس کی طرف ترچھا رخ موڑے زور دے کر کہہ رہا تھا۔ "ایک دفعہ تم ہر کسی کو اپنی زندگی سے شٹ آؤٹ کرنے کی بجائے.... مجھے اپنی مدد کرنے دو۔"

"آپ مجھے اس میں سے نہیں نکال سکتے۔" اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ "مسز عصرہ مجھے بہت برا پھنسا گئی ہیں۔"

"میں تمہیں اس میں سے نکال سکتا ہوں اگر تم مجھ پہ اعتبار کرو۔"

"آپ کیا کر سکتے ہیں؟"

"تم مجھ پہ اعتبار تو کر کے دیکھو۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا۔" وہ دھیمی آواز میں قطعیت سے کہہ رہا تھا۔

"اچھا.... آپ بتائیں.... کیا کروں میں؟" تالیہ نے کندھے اچکائے۔

''میں نے اس وقت تمہیں کہا تھا کہ بھاگ جاؤ کیونکہ تم غلط وقت پہ غلط جگہ موجود تھیں' مگر میرا خیال تھا کہ تم وہاں سے گھر جاؤ گی اور.... جب پولیس آئے گی تو تم....''

''تو میں گرفتاری دے دوں گی؟''اس کی آنکھیں بے یقینی سے کھلیں۔

''تمہیں اپنا بیان دینا چاہیے تھا۔وکیل اگلے روز تمہاری ضمانت کروالیتا۔تم اس سب کا سامنا کرسکتی تھیں بجائے بھاگنے کے۔تم اب بھی یہ کرسکتی ہو۔''

وہ بے بسی بھرے اصرار سے کہہ رہا تھا۔''اب بھی'' کے الفاظ پہ تالیہ بدک کے کھڑی ہوئی اور دو قدم پیچھے ہٹی۔

''آپ چاہتے ہیں میں اس جہنم میں دوبارہ چلی جاؤں جہاں سے میں اتنی مشکل سے نکلی تھی؟ میں مصر تک گئی...اتنی دور....اپنی آزادی خریدنے....اور وہاں بھی میں اتنے دن اس خوف سے لڑتی رہی جو اس قید خانے نے میرے دل میں بٹھا دیا تھا۔اور آپ چاہتے ہیں کہ میں دوبارہ اس میں چلی جاؤں؟''

''کیا تم ایک دفعہ میرا اعتبار نہیں کرسکتیں؟''وہ بھی کھڑا ہو گیا اور افسوس سے اسے دیکھا۔''مجھے موقع دو خود کو بچانے کا۔میں تمہیں اس سب سے نکال لوں گا۔''

مگر تالیہ مراد نے نفی میں سر ہلایا۔''میں دوبارہ اس جہنم میں نہیں جاؤں گی۔''وہ ایک دم ہراساں نظر آنے لگی تھی۔

''تو تم کیا کرو گی؟ تم ملک سے باہر نہیں جاسکتیں۔تم مجھ سے دن کی روشنی میں نہیں مل سکتیں۔تم سر اٹھا کے یہاں چل نہیں سکتیں۔تم ہر ایک سے کٹ کے خوف سے بھاگتے ہوئے کیسے زندگی گزارو گی؟''

''دولت کی قید میں جانے سے پہلے میں اپنی اس زندگی کو ختم کرنا بہتر سمجھوں گی۔''وہ غرا کے بولی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

وان فاتح کے چہرے پہ بے یقینی ابھری۔پھر اس نے سر جھٹکا۔

''کم از کم تم اپنی زندگی خود ختم نہیں کرسکتیں۔''اس نے جیسے ماننے سے انکار کیا۔

''کیوں سمجھتے ہیں آپ سب مجھے اتنا بہادر اور مضبوط؟ کیوں لگتا ہے آپ کو کہ تالیہ مراد آپ اپنی زندگی سے مایوس نہیں ہو سکتی؟''اسے اس بات نے غصہ دلایا تھا۔

اور اسی وقت باہر شور سا مچا۔جلتی بجھتی نیلی سرخ بتیاں' پولیس کے سائرن۔تالیہ چونکی اور پھر.....اس نے بے یقینی سے فاتح کو دیکھا۔

''آپ مجھے پکڑوانے آئے تھے؟ آپ نے....آپ نے پولیس بلالی۔''

''فار گاڈ سیک...میں نے نہیں بلایا ان کو۔شاید وہ کسی طرح میری لوکیشن ٹریک کررہے ہوں گے۔''

مگر تالیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے ہڈ سر پہ گرائی۔" آپ مجھے گرفتار کروانا چاہتے ہیں؟ کیا آپ نے دولت سے ساز باز کر رکھی تھی؟ اور میں ایڈم پہ اعتبار کر کے یہاں چلی آئی۔"

"نہیں' تالیہ۔" وہ زور دے کر بولا۔" پلیز.... مت جاؤ۔ ان کا سامنا کرو۔ تم بے گناہ ہو' میں تمہیں بچا لوں گا۔"

مگر وہ مڑ چکی تھی۔ اس کے قدم دیوار کی طرف اٹھ رہے تھے۔ کنویں کے پاس کھڑا شخص بے بسی سے آخری دفعہ بولا۔

"تالیہ.... مت جاؤ.... میرے ساتھ رہو۔"

وہ الفاظ.... وہ لہجہ.... وہ اس کے دل کو دھکا دے گیا مگر اس کے قدم اب نہیں تھم سکتے تھے۔ چند لمحوں میں وہ دیوار پھاند کے اندھیرے میں غائب ہو چکی تھی اور وان فاتح تنہا کھڑا رہ گیا تھا۔

کچھ ثانیے یونہی گزر گئے پھر وہ احاطے سے باہر نکلا اور مرکزی ہال تک آیا جہاں بارہ دری بنی تھی۔ اس کی چوکھٹ پہ رک کے اس نے باہر سڑک کی طرف دیکھا۔

سڑک کنارے کسی کا ایکسیڈینٹ ہوا تھا اور وہاں ایک ایمبولینس کھڑی دکھائی دے رہی تھی جو زخمی کو لینے آئی تھی۔ ساتھ میں پولیس کی ایک بائیک بھی موجود تھی۔

"اوہ تالیہ!" اس نے کراہ کے آنکھیں بند کیں اور افسوس سے سر جھٹکا۔

☆☆=========☆☆

وہ دبے قدموں ذوالکفلی کے گھر کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہوئی تو دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ دروازہ بند کر کے اس نے کمر سے پشت ٹکائے چند گہرے سانس لیے' پھر ہڈ اتاری اور راہداری میں آگے بڑھی۔

دیوان خانے کی بتی جلی تھی۔ وہ پہلے اس طرف آئی تا کہ ذوالکفلی سے بات کر سکے مگر چوکھٹ پہ ٹھہر گئی۔

وہاں ذوالکفلی کے ساتھ فرش پہ ایڈم بیٹھا تھا۔

وہ چند ثانیے کے لئے بالکل ساکت ہو گئی۔ پھر سوالیہ نظروں سے ذوالکفلی کو دیکھا جس نے کندھے اچکا دیے۔" یہ نوجوان بہت ضدی واقع ہوا ہے۔ میں اسے گھر سے نہیں نکال سکا۔"

ایڈم اسے دیکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں چند لمحے اداسی سے ایک دوسرے کو دیکھے گئے' پھر وہ سر کو ہلکا سا خم دے کر بولا۔

"شہزادی!" اور مسکرایا۔

تالیہ جواب میں تمکنت سے سر نہیں جھٹک سکی جیسے قدیم ملاکہ میں جھٹکا کرتی تھی۔ بس چپ چاپ آگے آئی اور فرش پہ بیٹھ گئی۔ وہ بھی سامنے بیٹھ گیا تو ذوالکفلی اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم پریشان لگ رہی ہو۔ میں تمہارے لئے سوپ لاتا ہوں۔'' بوڑھے جادوگر نے اپنی ٹوپی سر پہ جمائی اور باہر نکل گیا۔

دیوان خانے میں خاموشی چھا گئی۔ وہ دونوں آمنے سامنے فرشی نشست پہ بیٹھے تھے۔ سمجھ نہیں آتا تھا بات کہاں سے شروع کریں۔

''تم نے کہا تم مشکل میں ہو....''

''وہ تو ہوں۔''

''اور تم نے وہاں کنویں پہ وان فاتح کو بھیج دیا.....''

''آپ دونوں کا ملنا ضروری تھا۔''

''اور انہوں نے پولیس بلا لی!'' تالیہ نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

ایڈم کے ابرو تحیر سے اٹھے۔ ''کیا؟''

''وہ چاہتے ہیں کہ میں گرفتاری دے دوں۔'' پھر وہ چونکی۔ ''تم بھی یہی چاہتے ہو کیا؟ کیا ادھر بھی تم پولیس کو لے آؤ گے جو.....'' وہ بدک کے اٹھنے لگی۔

''نہیں بے تالیہ۔'' وہ تیزی سے بولا۔ ''مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ پولیس کو بلا لیں گے ورنہ میں ان کو کبھی آپ سے ملنے نہیں دیتا۔ اور میں نہیں چاہتا کہ آپ گرفتاری دیں۔ اگر آپ جیل چلی گئیں تو مجھے کون بچائے گا؟''

تالیہ کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ اور وہ تذبذب سے اسے دیکھنے لگی۔

''ایڈم....تم سچ بول رہے ہو نا؟'' وہ بار بار چوکھٹ کو بھی دیکھتی۔ کوئی معلوم نہیں وہاں سے ابھی پولیس دروازہ توڑ کے داخل ہو جائے۔

''ایڈم جھوٹ نہیں بولتا' اور ایڈم آپ کے ایسے کاموں میں ہمیشہ آپ کا ساتھ دیتا ہے جنہیں آپ وان فاتح سے بھی چھپانا چاہیں۔''

اسے یاد آیا.....ان دونوں کا خزانے والا ایڈونچر.... یوں لگتا تھا اس واقعے کو واقعی چھ سو سال گزر چکے ہوں۔

یا شاید پانچ سو ستاون برس۔

''ہاں۔ تم میری ہر بات مانتے تھے۔'' وہ قدرے ڈھیلی ہو بیٹھی اور آزردگی سے مسکرائی۔ ''کیسے ہو تم؟''

''اب آپ کو دیکھ کے لگ رہا ہے کہ میرا مسئلہ آپ سے بڑا نہیں ہے۔''

''تم اپنے حملہ آوروں سے چھپ رہے ہو؟ تم چاہو تو یہاں رہ سکتے ہو۔ یہاں نیچے....کتابوں کا ایک ذخیرہ ہے جو....''

''نہیں' چے تالیہ۔موت میرے تعاقب میں ہے۔اور کتابیں مجھے نہیں بچا پائیں گی۔آپ بتائیں'ایڈم آپ کے لئے کیا کر سکتا ہے۔''

تالیہ چند لمحے کے لئے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔موم بتیوں سے نیم روشن دیوان خانے کو آزردگی نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

''تم بتاؤ' مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''میں وان فاتح نہیں ہوں جو لیڈ کرتے ہیں اور مسئلوں کا حل بتاتے ہیں۔میں ایڈم ہوں۔میں لیڈ ہونے والوں میں سے ہوں۔آپ جو کہیں گی'میں کروں گا۔آپ بتائیں۔''وہ بے لوث انداز میں کہہ رہا تھا۔

تالیہ کا آخری حل اس کے ذہن میں تیار تھا مگر وہ ایڈم سے کیسے کہے؟وہ نہیں چاہتی تھی کہ ذوالکفلی کو معلوم ہو۔اور وہ کچن میں تھا۔

پھر اس نے جیب سے ایک چٹ نکالی اور اس کی طرف بڑھائی۔

''مجھے ایک پاؤڈر تیار کرنا ہے۔اس کے لئے کچھ جڑی بوٹیاں چاہیے ہیں۔تم یہ صبح مجھے لا دو گے؟''

ایڈم نے چٹ نکالی اور اچنبھے سے اسے دیکھا۔''مگر یہ پاؤڈر آپ کو اس مسئلے سے کیسے نکال سکتا ہے؟''

''یہ....میرے لئے نہیں ہے۔''کون وومن نے کہانی گھڑنی شروع کی۔''یہ داتن کے لئے ہے۔اس کو کینسر ہے۔وہ مر رہی ہے۔''

''واٹ؟''ایڈم ایک دم سیدھا ہو کے بیٹھا اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''ہاں۔اس کے بال جھڑ رہے تھے کیونکہ وہ کیمو کروا رہی تھی مگر اس نے مجھے کہا کہ وہ کیٹو ڈائٹ پہ ہے اور اس لیے ایسا ہو رہا ہے۔مگر.....ذوالکفلی کے کتب خانے میں میں نے ایک دوا کی ترکیب پڑھی ہے جو اس کا کینسر مکمل طور پہ ٹھیک کر سکتی ہے۔یہ جادو نہیں ہے۔ایک قدیم جاپانی دوا ہے۔میں یہ اس کو سنگاپور بھجوا دوں گی'تم بس اس کو بنانے میں میری مدد کرو۔''

ایڈم افسوس سے گنگ ہو گیا تھا۔کچھ لمحے وہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔پھر دیکھا کہ ذوالکفلی ٹرے میں بھاپ اڑاتے پیالے لیے آ رہا ہے تو اس نے چپ چاپ پرچی جیب میں رکھ لی۔ذوالکفلی سوپ رکھ کے وہاں سے اپنے کمرے میں چلا گیا تو ایڈم نے پرچی نکال کے پڑھی اور اچنبھے سے پوچھا۔

''یہ عجیب طرح کی جڑی بوٹیاں ہیں۔ان میں سے اکثر زہریلی ہیں۔آر یو شیور یہ دوا بنانے کے لئے ہی ہیں؟''

''ایڈم....تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے کیا؟''وہ برا مان کے بولی۔اور عورت کا مان سے کہا یہ فقرہ بڑے بڑے کام کروا لیتا

ہے۔

مشکل دستخط بھی۔

زہریلی جڑی بوٹیوں کی تلاش بھی۔

"اوکے۔ مجھے آپ پہ اعتبار ہے۔ میں لا دوں گا۔ مگر ان سے دوا کیسے بنے گی؟"

"بڑے بڑے تریاق زہریلی بوٹیوں سے ہی بنتے ہیں' ایڈم بن محمد!" وہ مبہم سے انداز میں بولی تھی۔

"میں تو داتن پہ حیران ہوں۔ وہ کب سے اس بیماری کا شکار تھیں اور انہوں نے مجھے بتایا تک نہیں؟ مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ....."

"پلیز اب تم جاؤ۔ مجھے آرام کرنا ہے۔"

وہ سوپ کا پیالہ اٹھا کے ایک دم کمرے سے نکل گئی۔ ایڈم نے دیکھا کہ اب وہ نیچے جا رہی تھی۔

وہ گھر سے باہر نکلا ہی تھا کہ ذوالکفلی نے اسے پکارا۔ ایڈم چونک کے مڑا۔ بوڑھا جادوگر اس کے پیچھے باہر آرہا تھا۔

"سنو نوجوان۔" وہ سنجیدگی سے اس سے مخاطب ہوا۔ "میں تالیہ کے پلانز میں مداخلت نہیں کرتا۔ وہ جو کرنا چاہتی ہے' وہ اس میں آزاد ہے۔ اور میں تمہیں یہاں آنے سے بھی نہیں روکوں گا۔ تم جب آنا چاہو' آ جاؤ۔ مگر کل مجھے شہر سے باہر جانا ہے۔ میں رات تک آ جاؤں گا۔ اور....." وہ فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔ "تم اس کو کوئی جڑی بوٹی لا کر نہیں دو گے۔"

"وہ اپنی دوست کے لئے دوا بنانا چاہ رہی ہیں۔ آپ کی کتابوں سے انہوں نے....."

"ہاں ٹھیک ہے' نیچے ایسی کتابیں موجود ہیں جن میں طب کے نسخے ہیں مگر وہ دوا نہیں بنانا چاہتی۔" وہ بے چینی سے بولا۔ "وہ زندگی سے مایوس ہو چکی ہے اور مجھے ڈر ہے کہ وہ اپنی زندگی ختم کرنے کا نہ سوچے۔"

ایڈم بن محمد ہنس دیا۔ "چے تالیہ کبھی بھی خودکشی نہیں کر سکتیں۔"

ذوالکفلی سنجیدگی سے اسے دیکھے گیا۔ "وہ اس روز سمندر میں خود کو ڈبونے چلی گئی تھی۔ اگر میں اسے واپس نہ لاتا تو تم اس سے یوں مل نہ سکتے۔"

مگر ایڈم پھر سے ہنس دیا۔ "آپ کو غلطی لگی ہوگی۔ میں چے تالیہ کو جانتا ہوں۔ کوئی بھی خودکشی کر سکتا ہے۔ وہ نہیں۔ اور اگر انہیں اپنی جان لینی ہوتی تو سمندر تک جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ خنجر تو ہے ان کے پاس۔"

"موت کی تکلیف شدید ہوتی ہے۔ نیچے کتب خانے میں ایسے زہریلے مادے بنانے کی کتابیں موجود ہیں جو انسان کو بنا تکلیف کے مار دیتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے وہ ایسا ہی زہر اپنے لیے نہ تیار کرنا چاہتی ہو۔"

''بنا تکلیف والا زہر؟ کیا معلوم اس سے بھی تکلیف ہوتی ہو مگر کوئی اس تکلیف کا بتانے تک زندہ نہ رہ سکا ہو۔''

''مجھ سے بحث مت کرو' لڑکے۔ جو میں کہہ رہا ہوں' وہ کرو۔ تم اسے کوئی ایسا مواد نہیں لا کر دو گے جس سے وہ اپنی جان لے لے۔''

''او کے! میں کہوں گا مجھے وہ بوٹیاں نہیں ملیں۔'' اس نے جان چھڑانے کے لیے کہہ دیا اور اس کا انداز ایسا تھا کہ ذوالکفلی نے یقین بھی کر لیا۔

''بہت بہتر۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے واپس مڑ گیا۔

گلی کے اس پار جاتے ہوئے ایڈم نے مڑی تڑی چٹ نکالی اور اسٹریٹ لائٹس میں اسے پڑھنا چاہا۔

اب اسے یہ سوچنا تھا کہ یہ بوٹیاں اسے کہاں سے ملیں گی؟

وہ تالیہ کا دوست تھا' ذوالکفلی کا نہیں۔ اسے تالیہ سے وفا نبھانی تھی۔ اگر تالیہ نے کہا تھا کہ اسے یہ بوٹیاں چاہیے ہیں' تو ایڈم انہیں زمین کے آخری سرے سے بھی ڈھونڈ کے لا دے گا۔

☆☆=========☆☆

سن باؤ وانگ لی کی سرخ حویلی چاندنی میں ڈوبی' اپنے ڈھیروں راز چھپائے وہیں کھڑی تھی۔ اس کا صحن اب مزید ویران لگتا تھا کیونکہ مجسمہ وہاں موجود نہ تھا اور اس کا ملبہ تک صاف کر دیا گیا تھا۔ برآمدے میں بنے آتش دان میں ہیٹر جلا تھا جس نے صحن سے آتی سردی کو روک رکھا تھا۔

کنواں' درخت' اور صحن کا سرخ اینٹوں والا فرش.... سب خاموشی سے برآمدے کو دیکھ رہے تھے جہاں آتش دان کے قریب الیکٹرک چولہے پہ رکھی کیتلی میں پانی گرم ہو رہا تھا۔ فاتح وہیں کھڑا تھا۔ سیاہ پینٹ پہ کوری سفید سوئیٹر پہنے' وہ ماتھے پہ بال بکھرائے' موبائل پہ میسیج دیکھتا' بی این کے صدر سے مختلف ایک بے نیاز سا آدمی دکھائی دیتا تھا۔

دفعتاً گیٹ پہ گھنٹی بجی تو فاتح نے گہری سانس لی۔ موبائل رکھا اور پہلے کیبنٹ اوپری کیبنٹ کھولی۔ ایک اور مگ نکالا اور میز پہ موجود اپنے مگ کے ساتھ رکھا۔ پھر کیتلی میں ایک دوسرے فرد کی چائے کے پانی کا اضافہ کیا۔

''مجھے معلوم تھا تم آؤ گے۔'' دروازہ کھول کے اس نے جتا کے کہا اور خود واپس مڑ گیا۔ ایڈم اس کے تعاقب میں برآمدے تک آیا جہاں اب کیتلی میں پانی کھولتا دکھائی دے رہا تھا۔

''میں نے آپ پہ اعتبار کیا اور آپ نے پولیس بلا لی؟'' ایڈم برہمی سے کہتا وسط برآمدے میں آرکا۔

''اگر مجھے پولیس بلانی ہوتی تو پہلے ان کو ذوالکفلی کے گھر بھیجتا جہاں وہ پناہ لئے ہوئے ہے۔''

وہ اب پتی کے ڈبے کا ڈھکن کھول رہا تھا۔ایڈم کی طرف پشت تھی اور چہرہ سنجیدہ لگتا تھا۔

''تو پھر وہ کیوں سمجھ رہی ہیں کہ آپ نے.....''ایڈم الجھن اور خفگی سے بولا۔

''کیونکہ وہ خوفزدہ ہے۔''اس نے مٹھی میں سوکھے پتے مسلے اور کیتلی میں جھونکے۔پتے گرتے ساتھ ہی گرم پانی کے بھنور میں پھنستے چلے گئے۔

''تو آپ کو ان کا خوف دور کرنا چاہیے تھا۔''ایڈم کی آواز بلند ہوئی۔

''میں نے پولیس نہیں بلائی تھی۔وہ کسی اور کے لئے آئی تھی۔سڑک پہ کوئی ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔''ٹھنڈے سے انداز میں فاتح نے اپنی صفائی دی۔ساتھ ہی کیتلی کو ہینڈل سے پکڑ کے ہلایا۔پتے پانی میں گھلتے ساتھ ہی اسے رنگین کر رہے تھے۔سارے برآمدے میں چائے کی خوشبو پھیلتی جا رہی تھی۔

''آپ کیوں چاہتے ہیں کہ وہ گرفتاری دیں۔''

اس نے بٹن دبا کے تپش دھیمی کی اور کیتلی کو ڈھک دیا۔پھر ایڈم کی طرف مڑا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''کیونکہ فرار حل نہیں ہوتا۔انسان کو حالات کو فیس کرنا چاہیے۔''

''مگر آپ خود تو ایسا نہیں کر رہے' معاف کیجئے گا۔آپ اس آف شور کمپنی کے بارے میں واضح جواب نہیں دے رہے۔ اتنے دن سے سب آپ سے پوچھ رہے ہیں۔''

فاتح سپاٹ نظروں سے چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔''تم کیوں چاہتے ہو کہ وہ بھاگتی رہے۔''

''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ان کے ہر فیصلے میں ان کا ساتھ دوں۔''

''غلط فیصلوں میں بھی؟''

''انسان کو ہر وقت ناصح دوست نہیں چاہیے ہوتے'سر۔کبھی کبھی صرف غم بانٹنے والے اور ہر حال میں ساتھ دینے والے بھی چاہیے ہوتے ہیں۔''وہ جتا کے بولا۔اسے معلوم نہیں کس بات کا غصہ تھا۔

''اور تم اسی لئے اس کی مدد کر رہے ہوتا کہ وہ ساری عمر بھاگتی رہے؟''

''اس کی نوبت نہیں آئے گی۔مجھے ان پہ اعتبار ہے۔چے تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''

فاتح مڑا اور پھر چولہا بند کر کے کیتلی کا ڈھکن اتار دیا۔خوشبودار بھاپ تیزی سے اوپر کو اٹھی۔اس نے چہرہ پیچھے کر لیا اور چھلنی پیالی پہ رکھی۔پھر کیتلی سے سنہری دھار اس میں انڈیلنے لگا۔

''تم اس کی کس کام میں مدد کر رہے ہو؟وہ کیا کرنے کا سوچ رہی ہے؟''

"اگر چے تالیہ مجھے کوئی کام کہیں گی تو میں آنکھیں بند کر کے اسے کروں گا سر۔ کسی کو بھی بتائے بغیر۔"

"چاہے وہ کام اس کے اپنے لئے برا بھی ثابت ہو؟"

اب وہ سر جھکائے دوسری پیالی میں چائے انڈیل رہا تھا۔ پتوں کی کڑک دار خوشبو سارے برآمدے کو معطر کر گئی تھی۔

"وہ ان کو کسی بھی چیز کے لیے انکار نہیں کر سکتا۔"

وان فاتح دونوں کپ اٹھائے اس کی طرف مڑا اور سادگی سے پوچھا۔

"کیوں؟ کیا تمہیں ڈر ہے کہ شہزادی تمہارا دایاں ہاتھ کٹوا دے گی' شاہی مورخ؟"

اور ایک پیالی اس کی طرف بڑھائی۔

ایڈم بن محمد سکتے میں آ گیا۔ لب ذرا سا کھل گئے۔ وہ پلک تک نہیں جھپک سکا۔

"چائے!" فاتح نے اسے پکارا۔ اس کا ہاتھ ابھی تک بڑھا ہوا تھا۔

ایڈم کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ ساری ناراضی ہوا ہو گئی۔ اس نے مرے مرے ہاتھوں سے کپ تھاما۔ آنکھیں ابھی تک بے یقینی سے فاتح کو تک رہی تھیں۔

"آپ کو..... سب یاد ہے؟"

"کیا تمہیں ابھی بھی شک ہے؟"

اپنے کپ سے گھونٹ بھر کے اس نے پیالی نیچے کی اور چھوٹے قدم اٹھاتا برآمدے کے ستون کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ باہر چاندنی میں ڈوبا صحن خاموش پڑا ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"کب سے؟" ایڈم نے کمزور لہجے میں پکارا۔ گرم کپ اس کے ٹھنڈے ہاتھوں میں سرد پڑتا جا رہا تھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ نیند کتنی گہری تھی؟ جاگنا زیادہ اہم ہے۔" وہ اندھیر درخت کو دیکھتے ہوئے گھونٹ بھر کے بولا۔

"مگر کیسے؟" ایڈم بے جان قدموں سے چلتا اس کے عقب میں آ رکا۔

"کل رات یہاں آنے سے پہلے میں نے ایک کاغذ لکھا تھا۔ اس کو دراز میں رکھنے کے بعد مجھے ملا کہ آنے تک سب یاد آ گیا تھا۔ ایسے جیسے کبھی بھولا ہی نہ ہو۔"

"اور آپ نے چے تالیہ کو نہیں بتایا؟" وہ صدمے سے اس کی پشت کو دیکھ رہا تھا۔

وان فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ سامنے درخت کو دیکھتے ہوئے گھونٹ گھونٹ چائے پیتا رہا۔

''اگر آج آپ ان کو بتا دیتے تو وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوتیں۔''

''اس سے کہو کل وہ مجھ سے ملے۔'' اس نے ایڈم کی بات کاٹی تھی۔

چند منٹ پہلے اس نے یہ کہا ہوتا تو ایڈم سختی سے انکار کر دیتا مگر اب سب بدل چکا تھا۔ اس نے سر تسلیم خم کر دیا۔

''کل رات.....وہی وقت....وہی جگہ۔'' مسکرا کے کہتے ہوئے فاتح اس کی طرف مڑا۔ وہ بالکل پرسکون لگتا تھا۔

''سو کے۔'' ایڈم نے پھر سے سر کو جنبش دی۔ اب وہ ان دونوں کے درمیان نہیں آ سکتا تھا۔

''تمہارے خیال میں وہ دوبارہ ملنے پہ راضی ہو جائے گی؟''

''انہوں نے مجھے ایک کام کہا ہے۔ میں اس کے بدلے میں ان سے آپ سے ملنے کے لئے کہوں گا۔''

اس نے چائے سے بھرا کپ واپس رکھا اور مڑ گیا۔ تب فاتح نے اسے پکارا۔

''ایڈم.....تھینک یو!''

ایڈم اس کی طرف پشت کیے چند ثانیے کھڑا رہا۔ فاتح نہیں دیکھ سکتا تھا کہ اس نے لب کاٹے تھے اور آنکھوں میں زخمی سا تاثر ابھرا تھا۔ وہ لمحہ جس کا اس کو ہمیشہ خوف رہا تھا.....وہ آ گیا تھا۔ فاتح کو تالیہ یاد تھی۔ اور تالیہ کو وہ کبھی بھولا ہی نہیں تھا۔ دونوں اپنی جگہوں پہ واپس آ گئے تھے۔ وقت کے اس چکر نے اگر کسی کو برباد کیا تھا تو وہ ایڈم بن محمد تھا۔

''آپ کو شکریہ کہنا بھی چاہیے' سر۔ کیونکہ شکر ہے کہ ایڈم بن محمد کوئی خود غرض آدمی نہیں تھا۔ ورنہ....'' اور پھر سر جھٹک کے وہ آگے بڑھ گیا۔

وان فاتح افسوس بھری نظروں سے اسے جاتے دیکھنے لگا۔

وہ دونوں جانتے تھے کہ ایڈم بن محمد کے ان کہے الفاظ میں کیسا درد پنہاں تھا۔

☆☆==========☆☆

ذوالکفلی کا گھر اگلی صبح اپنے مالک کی غیر موجودگی میں مزید ویران نظر آنے لگا تھا' وہ شہر سے باہر تھا اس لئے آج اس نے تالیہ کا کھانا ٹریپ ڈور سے نیچے نہیں رکھا تھا۔ وہ اب خود کچن میں کھڑی ناشتہ بنا رہی تھی۔ ذرا سے کھٹکے پہ چونک جاتی۔ بار بار کھڑکی کی بلائنڈز کو دو انگلیوں سے کھولتی اور درز سے باہر جھانکتی۔

اردگرد سب سکون تھا۔ صرف وہی خوفزدہ تھی۔

ناشتے کی ٹرے لئے وہ دیوان خانے میں آئی اور اسے فرش پہ اپنے سامنے سجایا۔ پھر کافی کا مگ اٹھایا ہی تھا کہ نظر شیلف پہ پڑی۔ وہاں قطار میں بوتلیں رکھی تھیں۔ وہ اپنی بوتل کو پہچانتی تھی۔ جو عرصے سے خالی ہو چکی تھی مگر....مرکزی مقام پہ رکھی

وان فاتح کی بوتل....آج وہ بھی خالی تھی۔

تالیہ کے لب بے یقینی سے کھل گئے۔اس نے پرسوں رات یہ بوتل غور سے دیکھی تھی اور یہ تین چوتھائی بھری تھی۔کل وہ اسے دیکھ نہیں پائی تھی۔اور آج یہ خالی تھی۔

وان فاتح کی یادداشتیں اس کے ذہن کو واپس مل گئی تھیں۔کب؟

یقیناً پچھلے چوبیس گھنٹوں میں۔وہ گزشتہ روز ملاکہ آیا تھا۔اور پچھلی رات تالیہ سے ملا تھا۔کیا تب اس کو سب یاد تھا؟ پھر بھی اس نے پولیس بلا لی؟ اس نے تالیہ کو بتایا کیوں نہیں؟

چند لمحے وہ شاک میں بیٹھی رہی.....اور پھر.....پھر اسے ڈھیروں غصہ آیا۔اور آنکھیں..آنکھیں بے بسی بھرے زخمی پن سے بھر گئیں۔وہ مارے باندھے ناشتہ کرنے لگی۔بار بار آنکھوں میں پانی آتا مگر وہ اسے ہتھیلی سے رگڑ دیتی۔

تبھی گھنٹی بجی۔تالیہ کرنٹ کھا کے اٹھی اور تیزی سے ٹخنے سے بندھا خنجر نکالا۔اس کی رنگت سفید پڑ گئی تھی۔

چند لمحے وہ خاموشی سے دم سادھے کھڑی رہی۔پھر باہر سے آواز سنائی دی۔"میں ہوں۔ایڈم۔"

"مجھے امید نہیں تھی کہ تم اتنی جلدی آجاؤ گے۔"

وہ اسے اندر لائی اور پھر دروازے کو لاک کیا' چٹخنی بھی چڑھائی اور بولٹ بھی اٹکایا۔آج موسم قدرے زیادہ ٹھنڈا تھا۔اس لئے ایڈم نے جیکٹ پہن رکھی تھی۔مگر گھر گرم تھا۔اس نے راہداری میں آتے ہی جیکٹ اتاری اور اسے افسوس سے دیکھا' جواب کھڑکی سے باہر کا جائزہ لے رہی تھی۔

"فکر نہ کریں۔کوئی میرا پیچھا نہیں کر رہا۔ میں بہت احتیاط سے ادھر آیا ہوں۔"

تالیہ نے سر جھٹکا اور دیوان خانے میں چلی آئی۔وہ اس کے پیچھے آیا اور بنا تمہید کے کہنے لگا۔"وان فاتح کو سب یاد ہے۔"

"جانتی ہوں۔ابھی دیکھا ہے۔" وہ تلخی سے شیلف کی طرف اشارہ کر کے بولی اور واپس فرش پہ دوزانو بیٹھی۔ ماتھے پہ بل تھے اور اس نے دوبارہ ناشتے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

"واہ۔خاصا ترقی یافتہ جادوگر واقع ہوا ہے ذوالکفلی۔کافی اپ گریڈڈ سسٹم ہے اس کا۔"

پھر اس نے تالیہ کے تاثرات دیکھے تو چہرے کو سنجیدہ کیا اور اس کے سامنے بیٹھا۔

"انہوں نے پولیس نہیں بلائی تھی۔وہ...."

"مجھے بعد میں اندازہ ہو گیا تھا۔" وہ ہنوز تلخ تھی۔ایڈم نے گہری سانس لی۔وہ سارے مسئلے خود ہی حل کر چکی تھی۔

"وہ آپ سے دوبارہ ملنا چاہتے ہیں۔"

"اب کیا بچا ہے جس کے لئے وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ کیا ان کے پاس میرے سوالوں کے جواب ہیں؟ کیونکہ ان کی طرف میرے بہت سے حساب نکلتے ہیں ایڈم۔"

اتنے مہینوں کے ادھورے جواب اور فاتح کے ادھورے فیصلے یاد آئے تو اس کے دل پہ آنسو گرنے لگے۔

"جواب ہوگا تو ملنا چاہتے ہیں۔ آپ ایک دفعہ ان کی بات سن لیں۔ آج رات وہی جگہ وہی وقت۔ فیصلہ آپ کا ہے۔" پھر اس نے جیب سے ایک پوٹلی نکالی اور اس کے سامنے رکھی۔

"یہ وہ تمام چیزیں ہیں جو آپ کو درکار تھیں۔"

تالیہ دنگ رہ گئی۔ "تمہیں یہ اتنی جلدی کیسے ملیں۔"

"آپ کو ڈھونڈنا ان جڑی بوٹیوں کو ڈھونڈنے سے زیادہ مشکل تھا۔ مگر.... چے تالیہ.... آپ کوئی غلط کام تو نہیں کرنے جا رہیں۔"

تالیہ نے تیزی سے پوٹلی جھپٹی اور کھولی۔ پھر گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔

"اگر ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا تو خاموشی سے اس کو نبھاؤ۔ میں کچھ ایسا نہیں کروں گی جس سے کسی دوسرے کا کوئی نقصان ہو۔"

ایڈم کو ذوالکفلی کی بات یاد آئی۔ اس نے لمحے بھر کے لئے سوچا کہ وہ کہے 'اپنی جان مت لینا' مگر نہیں.... جس تالیہ کو وہ جانتا تھا.... وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے اس نے کچھ نہیں کہا۔ بس ہامی بھر لی۔

"میں آپ کے ہر فیصلے میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

وہ چلا گیا تو تالیہ دروازہ بند کر کے راہداری میں آئی تا کہ نیچے جا سکے مگر اسی پل دوبارہ گھنٹی بجی۔

وہ چونکی۔

دو دفعہ۔ تین دفعہ۔ کوئی بے چینی سے بار بار گھنٹی بجا رہا تھا۔ پھر دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

اس نے پوٹلی سینے سے لگائے اضطراب سے بند دروازے کو دیکھا۔ اب کون آیا تھا؟

☆☆=========☆☆

اندھیرا ملاکہ شہر کو دھیرے دھیرے نگل رہا تھا۔ اسٹریٹ پولز کی روشنیاں مغرب ڈھلتے ہی جل اٹھی تھیں مگر وہ اندھیرے سے لڑنے میں ناکام نظر آتی تھی۔ آسمان پہ آج ایک بادل تک نہ تھا۔

صرف سناٹا تھا۔ اور تارے تھے۔ اور تارے خاموشی سے یان سوفو کے کنویں کو دیکھ رہے تھے جو خستہ حال دیواروں سے

گھرے احاطے میں واقع تھا۔

کنوئیں کی منڈیر پہ وہ بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں گھاس کا تنکا تھا جسے وہ دھیرے دھیرے توڑ رہا تھا۔ ٹھنڈ کے باوجود اس نے سوئیٹر یا جیکٹ نہیں پہنی تھی۔ بلکہ سیاہ شرٹ کے آستین بھی موڑ رکھے تھے۔ بار بار وہ کلائی کی گھڑی دیکھتا پھر دوبارہ سے تنکے کے ٹکڑے کرنے لگ جاتا۔

اسے احساس بھی نہ ہوا اور کب فضا میں اس کی مانوس خوشبو گھلتی گئی۔ فاتح نے چونک کے سر اٹھایا۔ پھر تنکا ہاتھ سے پھسل جانے دیا۔

وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

آج اس نے سفید.... کورے سفید رنگ کا باجو کرنگ پہن رکھا تھا اور گردن میں مفلر کی طرح سرخ اسٹول لے رکھا تھا۔ بال پن لگا کے آدھے باندھ رکھے تھے اور دائیں کان کے اوپر ننھا سا چیری بلاسم کا نقلی پھول اٹکا تھا۔ کانوں میں قدیم ملاکہ سے لائے ٹاپس اور ہاتھ میں وہی سرخ یاقوتی انگوٹھی تھی۔

تالیہ کا چہرہ اسی طرح سفید اور بے رونق تھا مگر وہ تیار لگ رہی تھی۔ کس شے کے لئے تیار؟

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں چند لمحے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور آسمان پہ بکھرے تارے ان کو۔

”تو آپ کو یاد آ گیا کہ آپ مجھے کیسے اکیلا چھوڑ گئے تھے؟“ وہ آنکھوں میں گلہ لیے بولی تھی۔ ”آپ نے میرے بابا سے سودا کرلیا.... اپنی یادداشتوں کا سودا.... اور مجھے اعتماد میں لینا بھی ضروری نہ سمجھا۔“

اس کے پاس بہت سے شکوے تھے۔

”میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں وقت کی قید سے نکال لاؤں گا۔“

”آپ مجھے بتا تو سکتے تھے۔ کیا میرا اتنا بھی حق نہیں تھا کہ میں نہ جان پاتی؟ جانتے ہیں جب ہم واپس آئے اور میں آپ سے پارٹی میں ملی تو مجھے کیسا دھچکا لگا۔“ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ”آپ مجھے بھول گئے تھے اور مجھے لگا مجھے ساری دنیا بھول گئی ہے۔“

”آئی ایم سوری!“ وہ اس سے نگاہ ہٹائے بغیر دھیرے سے بولا۔ ”میں تمہیں وقت سے پہلے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔“

”تو پھر مجھے آزاد کر دیتے۔ اس زبردستی کے رشتے سے۔ اس بنا ثبوت کے تعلق سے۔ مجھے خود سے باندھ کے کیوں رکھا؟“ بے بسی بھرے غصے سے لبریز آواز بلند ہونے لگی۔

”میں نے سوچا تھا کہ میں یہ کروں گا مگر میں نہیں کر سکا۔“ وہ شکستگی سے کہہ رہا تھا۔ ”میں تمہیں تحریری طور پہ آزاد کرنا چاہتا

تھا مگر جب ذوالکفلی نے مجھے وہ تین سوال بتائے تو مجھے اندازہ ہوا کہ تم میرے لئے سب سے اہم ہو۔ تمہارے بغیر میں کبھی اپنی زندگی کے ان بھولے ہوئے چار ماہ کو یاد نہیں کر سکتا تھا۔"

"میں آپ کے لئے سب سے اہم ہوں؟" وہ تلخی سے سر جھٹک کے ہنسی۔ پھر آگے آئی اور کنویں کی منڈیر پہ بیٹھی اور گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔

"میں اہم تھی تو مجھے بتا دیتے کہ میرے باپ سے سودا کر لیا ہے۔ میں اہم تھی تو مجھے بتا دیتے کہ آریانہ کی موت میں عصرہ کا ہاتھ تھا۔ میں اہم تھی تو اتنے ماہ مجھے ایک باڈی وومن کی طرح ٹریٹ کیوں کیا؟ آپ تو سب بھول گئے تھے۔ اپنی زندگی، الیکشن اور high ambitions میں مصروف ہو گئے تھے۔ میرے دل پہ کیا گزر رہی تھی، آپ کو اندازہ بھی ہے۔"

وہ دھیرے سے اس کے ساتھ بیٹھا۔ وقت کے دونوں مسافر اب شکستہ حال سے کنویں کی منڈیر پہ بیٹھے اندھیر دیوار کو دیکھ رہے تھے۔

"میں سمجھا تھا میرا بھول جانا ہی ٹھیک ہے۔ تم آزاد ہو جاؤ گی اور میں واپس اپنی زندگی میں چلا جاؤں گا۔ میرے ambitions مختلف تھے۔ مجھے اپنے ملک کو تسخیر کرنا تھا۔ میں وہ سب بھلا دینا چاہتا تھا۔"

"مجھے بھی؟" شہزادی نے گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا تو فاتح نے چہرہ اس کی طرف موڑا۔

"میں غلط تھا۔ مجھے راجہ سے سودا کرنے کے بعد علم ہوا کہ آریانہ کو کس نے مروایا تھا۔ تم مجھے لگا کہ میں اس بات کو نہیں بھولنا چاہتا۔ میں نے وہ نشانیاں تمہارے لیے چھوڑیں تا کہ تم مجھے وہ یاد کروا دو۔"

"آپ نے مجھے خود سے صرف اس لئے باندھے رکھا تا کہ میں آریانہ کے قتل کا معمہ حل کرسکوں۔ آپ نے یہ میرے لئے نہیں کیا۔ آپ نے خود کو چنا۔ آپ خود غرض ہیں، وان فاتح۔"

"میں غلط تھا۔ انسان کو بعض دفعہ خود اپنے آپ کو سمجھنے میں زمانہ بیت جاتا ہے۔ وہ نہیں جان پاتا کہ اس کا دل کیا چاہتا ہے۔ میں نے خود کو کہا تھا کہ میں صرف آریانہ کے لیے تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں لیکن....." وہ پھر سے سامنے دیکھنے لگا۔ "لیکن دل چاہتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔"

"اور تالیہ کے دل کا کیا؟" وہ زخمی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "آپ کے لئے کام کرنے کی وجہ سے میری ساری زندگی داؤ پہ لگ گئی۔ میں پبلک فگر بن گئی۔ میرے خلاف انکوائریز کھل گئیں۔ اور اب.....اب آپ کی وجہ سے میں ایک قاتل کے طور پہ جانی جا رہی ہوں۔ آپ کے سارے فیصلے غلط تھے، وان فاتح۔ آپ کے فیصلوں کی سزا میں نے بھگتی ہے۔ کیونکہ میں نے ہمیشہ آپ کو چنا۔ اور آپ نے خود کو۔"

''کیا تم مجھے ایک دفعہ موقع دے سکتی ہو کہ میں تمہیں چنوں؟'' وہ اسے دیکھ کے سنجیدگی سے بولا تو یکدم وقت ٹھہر گیا۔ وہ سانس روکے اسے دیکھے گئی۔ شاید اوپر بکھرے تاروں نے بھی دم سادھ لیا تھا۔

''آپ..... مجھے.... چنیں گے؟'' اسے یقین نہیں آیا تھا۔

''دل چاہتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔'' وہ اداسی سے مسکرایا۔ ''میری زندگی میں اس وقت تم سے زیادہ اہم کوئی بھی نہیں ہے۔ تم میری وجہ سے اس سب میں پھنسی ہو۔ مجھے خود کو اس میں سے نکالنے دو۔''

''میں آپ کے لئے اہم ہوں؟'' وہ پھر سے تلخی سے ہنسی۔ سارا فسوں ٹوٹ گیا۔ اس کو جیسے بے یقینی سی تھی۔ وہ بھلا فاتح کے لئے اہم کیسے ہو سکتی تھی۔

''ہم نے ایک زمانہ ساتھ گزارا ہے' تالیہ۔ میں مانتا ہوں کہ میرے فیصلے غلط تھے مگر میں تمہیں اس قدیم دنیا سے نکال کے واپس یہاں لانا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ تم ایک نئی زندگی شروع کرو۔ جرائم اور دھوکہ دہی سے پاک زندگی۔''

''اور اس زندگی میں وان فاتح کو کبھی تالیہ یاد نہ رہے' ہے نا؟ آپ اپنے فیصلوں کی جتنی صفائیاں دے ڈالیں' آخر میں سچ یہی ہے کہ آپ نے تالیہ کو بھول جانا مناسب سمجھا' مگر پھر صرف اپنی یادداشتیں واپس لانے کے لئے اسے اپنے سے جوڑے رکھا۔ اب آپ کو سب یاد آ گیا ہے۔ اب آپ کو میری ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔''

''تمہیں معلوم ہے تم خود بھی کسی چیری بلاسم کی طرح ہو۔'' وہ اس کے کان میں اٹکے پھول کو دیکھ کے بولا۔ وہ نقلی تھا مگر اصلی کا گمان ہوتا تھا۔ ''اور چیری بلاسم نازک ہوتے ہیں۔ وہ تنہا سروائیو نہیں کر سکتے۔''

''ہاں۔ وہ جلدی مر جاتے ہیں۔ انہیں جلدی مر جانا چاہیے۔'' وہ تلخی سے بولی تھی۔

''تم ایک دفعہ مجھ پہ اعتبار کر کے دیکھو۔ میں تمہیں گرنے نہیں دوں گا' تالیہ۔''

''آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں کیا کروں؟''

فاتح نے گہری سانس لی۔ کنویں کا پانی..... اور اس میں گرے لاتعداد سکے دم سادھے سننے لگے۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو۔ تمہیں میری ضرورت ہے اور مجھے تمہاری۔''

''آپ چاہتے ہیں کہ میں خود کو پولیس کے حوالے کر دوں؟'' اس نے ملامتی نظروں سے فاتح کو دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے آپ پہ اعتبار نہیں ہے وان فاتح۔ آپ بیچ راستے کے چھوڑ دینے والوں میں سے ہیں۔''

''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا اس جنگل سے تمہیں نکالوں گا۔ کیا میں نے وہ وعدہ پورا نہیں کیا تھا؟ میں نے کہا تھا کہ تمہیں جدید ملاکہ میں واپس لاؤں گا وقت کی قید سے نکال کے۔ کیا میں نے وہ وعدہ توڑا تھا؟ مجھے وعدے نبھانے آتے ہیں' تالیہ۔''

''اور آپ کے وعدوں کی قیمت میں نے چکائی تھی۔''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔''میں آپ کی بات نہیں مان سکتی۔''

وان فاتح کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔وہ دکھ سے اسے دیکھنے لگا۔

''تم مجھے ملنے آ گئیں تو مجھے لگا تم میری بات مان لوگی۔''

''میں کسی اور شے کے لئے آئی تھی۔''وہ منڈیر کنارے بیٹھا تھا اور وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔اس کا سفید لباس چمک رہا تھا۔اندھیرے میں کفن کی مانند......

''کس لئے؟''وہ چونکا۔

''میں آپ کو خدا حافظ کہنے آئی تھی۔ہم آج کے بعد کبھی نہیں ملیں گے۔''

فاتح کے ابرو پریشانی سے اکٹھے ہوئے۔وہ دھیرے سے اٹھا۔''کیوں؟''

''کیونکہ میں اب تھک چکی ہوں۔میں دولت اور اس کے آدمیوں سے اب نہیں لڑ سکتی۔تالیہ کی ہمت ٹوٹ چکی ہے۔''

''تم کیا کرو گی؟''

مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

''میرے سارے راستے بند ہو چکے ہیں۔میں ملک نہیں چھوڑ سکتی۔داتن مجھ سے الگ ہو گئی۔میں ایک مفرور مجرم بن کے رہ گئی ہوں۔میرا گھر'میرے بینک اکاؤنٹس' سب مجھ سے چھن گیا ہے۔''

''اور وان فاتح؟''

تالیہ چند لمحے کچھ بول نہ سکی۔''آپ کو تو میں نے عرصہ ہوا کھو دیا تھا۔''

''تالیہ....میرے ساتھ چلو۔میں تمہیں بچا لوں گا۔''

''کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا۔''

''تم نے سفید کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں؟''اسے ایک دم عجیب سا احساس ہوا۔جیسے کچھ غلط تھا۔

''یہ آخری ملاقات تھی اور لوگ الوداع کرتے ہوئے سفید ہی پہنتے ہیں۔یا پھر کیا وہ سیاہ پہنتے ہیں؟ آج کل مجھے چیزیں ٹھیک سے یاد نہیں رہتیں۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔وہ قدم قدم پیچھے ہٹ رہی تھی۔''آپ مجھے میری چوائسز کے لئے معاف کر دیجئے گا۔میرے پاس دوسرا کوئی راستہ نہ تھا۔''

''تم کیا کرنے کا سوچ رہی ہو؟'' وہ واقعی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''کسی نے مجھے کہا تھا کہ میرے اندر killer instinct نہیں ہے۔ کسی کے دل پہ پیر رکھ کے فیصلے کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ مگر اب....اب میں یہ کر سکتی ہوں۔''

وہ چوکھٹ تک پہنچ چکی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتا' تالیہ مڑی اور اندھیرے میں گم ہو گئی۔

وہ اس کے پیچھے لپکا۔ دوسرا احاطہ سنسان پڑا تھا۔ وہ کہیں نہیں تھی۔ مگر اس کا آخری چہرہ فاتح کے ذہن کے پردے پہ نقش ہو چکا تھا۔

بھیگی سیاہ آنکھیں۔ آدھے بندھے چھوٹے سیاہ بال.....کان پہ لگا پھول۔ کیا تھا اس کے انداز میں جو ڈسٹرب کر رہا تھا؟

تالیہ واپس آئی تو اپنے آنسو خشک کر چکی تھی۔ ذوالکفلی واپس آ چکا تھا۔ اس وقت وہ دیوان خانے میں بیٹھا کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا۔ اسے تیزی سے راہداری سے گزرتے دیکھ کے ٹھٹکا۔ ''تالیہ۔''

مگر وہ نے بغیر سیدھی نیچے آئی۔ اس کے چھوٹے سے کمرے میں چائے کا سامان رکھا تھا۔

تالیہ نے آنکھیں دوبارہ رگڑیں اور کیتل میں پانی گرم کرنے رکھا۔ پھر اسٹول کے پلو سے بندھی گرہ کھولی۔ اس میں ایک پُڑی تھی جس کے اندر پسا ہوا جامنی سفوف نظر آتا تھا۔ اس کی کوئی خوشبو نہ تھی۔ اس کا کوئی ذائقہ نہ تھا اور دیکھنے میں وہ بے ضرر سا پاؤڈر لگتا تھا۔

کیا سارے راستے بند ہو چکے تھے؟ کیا یہی واحد راستہ تھا؟ سارے مسئلے ختم کرنے کا؟

ہاں۔

اس نے لب بھینچے اور بہت سے دلوں پہ پیر رکھ کے سفوف پیالی میں ڈال دیا۔ پھر گرم پانی اس میں انڈیلنے لگی۔ آنکھیں ایک دفعہ پھر بھیگنے لگیں۔

☆☆==========☆☆

وان فاتح کتنی دیر اس احاطے کی چوکھٹ پہ کھڑا رہا۔ اس کے ابرو فکرمندی سے بھینچے تھے اور آنکھوں میں پریشانی تھی۔

وہ جیسے ہی گئی تھی' فاتح کو اس کی فکر شروع ہو گئی تھی۔

بالآخر وہ وہاں سے نکلا اور کار کو بے مقصد سڑک پہ ڈال دیا۔ ڈرائیو کرتے ہوئے وہ بار بار اپنا فون دیکھتا تھا۔ ایڈم کو کال ملائے؟ یا نہیں؟ کس سے پوچھے تالیہ کے بارے میں؟

اس کی فکرمندی اب شدید پریشانی میں بدل رہی تھی۔ وہ ٹھیک نہیں تھی' اور اسے نجانے کیوں محسوس ہونے لگا کہ وہ خود کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرسکتی ہے۔ شدید مایوسی میں انسان سے کچھ بعید نہیں ہوتا کہ وہ کب کیا کر ڈالے۔

بالآخر اس نے ایڈم کو کال ملائی۔ کار فون کے اسپیکرز پہ اس کا ہیلو گونجا تو فاتح نے اسٹیئرنگ وہیل گھماتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔

''ایڈم..... تالیہ کہاں ہے؟''

''کیا وہ ملنے نہیں آئیں؟''

''آئی تھی۔ مگر وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔''

ایڈم چپ ہو گیا۔ ''وہ خوفزدہ ہیں اور.....''

''نہیں ایڈم۔ کچھ غلط ہے۔ کیا تم اس سے ابھی رابطہ کرسکتے ہو؟''

''میں.....کوشش کرسکتا ہوں مگر....''

''اس نے تمہیں کیا کام کہا تھا؟'' یکدم اسے یاد آیا۔

''وہ.....وہ ان کا ذاتی کام تھا اور اگر میں نے آپ کو بتایا تو وہ برا مانیں گی۔''

''ایڈم.....اس نے.....کیا کام کہا تھا؟'' وہ درشتی سے زور دے کر بولا۔ ایڈم تذبذب سے چپ ہو گیا۔ فاتح نے تیسری دفعہ بات دہرائی اور ایڈم کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ سچ بولے یا جھوٹ۔

''وہ چند مخصوص جڑی بوٹیوں کی تلاش میں تھیں جن سے وہ لیانہ صابری کے لئے دوائی بنا سکتی ہیں۔''

''کیسی جڑی بوٹیاں؟'' اس نے بریک پہ پاؤں رکھا اور کار کو سڑک کنارے روک لیا۔

''انہوں نے کہا تھا کہ ان کے پاس کوئی نسخہ ہے۔''

''میں پوچھ رہا ہوں کہ کس قسم کی جڑی بوٹیاں تھیں وہ؟''

''وہ زہریلی تھیں مگر بہت سی دوائیں زہریلی بوٹیوں سے بھی بنتی ہیں اور....''

''ڈیم اِٹ' ایڈم!'' اس نے جھڑک کے اسے خاموش کروایا۔ ''وہ کہاں ہے؟ ذوالکفلی کے گھر میں؟''

''پلیز وہاں مت جائیے گا۔ اگر آپ وہاں گئے تو وہ مجھ پہ خفا ہوں گی کہ.....''

مگر فاتح نے سنے بغیر فون بند کیا اور تیزی سے کار اسٹارٹ کی۔ اس کے ماتھے پہ پسینے کی بوندیں نمودار ہوئی تھیں۔ ایکسلیٹر پہ زور سے پیر رکھے' اس نے کار کو دوبارہ سڑک پہ ڈال دیا۔ وقت کم تھا۔ سارے کھیل وقت کے ہی تھے۔

ذوالکفلی کا دروازہ اس نے جتنی زور سے پیٹا تھا' بوڑھا جادوگر پریشانی سے باہر آیا تھا....اسے دیکھ کے وہ ٹھٹھکا۔''وان فاتح؟''

''تالیہ کہاں ہے؟''اس کے چہرے سے شدید اضطراب جھلک رہا تھا اور اس کے انداز میں کچھ ایسا تھا کہ وہ مزاحمت نہیں کر سکا۔راستہ چھوڑ دیا اور راہداری کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ نیچے گئی ہے۔ابھی کچھ دیر کے لئے اوپر آئی تھی۔میرے پاس بیٹھی تھی مگر وہ پریشان لگ رہی تھی۔کچھ ہوا ہے کیا؟''

فاتح نے جواب نہیں دیا۔بس ہاتھ سے اشارہ کیا تو ذوالکفلی آگے آیا اور جھک کے ٹریپ ڈور کھولا۔

نیچے موجود کتابوں کا مقبرہ نیم روشن تھا۔وان فاتح تیزی سے زینے اترتے نیچے آیا تو دیکھا۔وہاں ایم کونے میں ڈھیروں موم بتیاں جلی تھیں۔قدیم کتابوں کے ریک قطار در قطار رکھے تھے اور دور....سامنے....ایک دیوار کے ساتھ تالیہ زمین پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ہاتھ میں ایک چھوٹی سی گھڑی تھی جس کی ٹک ٹک وہ سن رہی تھی۔

جیسے لمحہ گن رہی ہو۔جیسے انتظار کر رہی ہو۔اس کا چہرہ اداس تھا۔بے رونق اور مرجھایا ہوا۔

''تالیہ!''وہ پھولے تنفس کے ساتھ کہتا سامنے آیا تو وہ چونکی۔اسے دیکھ کے ابرو حیرت سے اٹھے۔وہ اس کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

''آپ؟ یہاں؟''وہ پریشانی سے کہتی اٹھی' پھر فاتح کے عقب میں آتے ذوالکفلی کو دیکھا جو متعجب نظر آتا تھا۔

''تم مجھ پہ اعتبار نہیں کرنا چاہتیں' ٹھیک ہے' مگر تم اپنی زندگی ختم کرنے کے بارے میں کیسے سوچ سکتی ہو؟''وہ اس کے سامنے آرکا اور غصے سے بولا۔

تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔''آپ کو کس نے....''

''مجھے ایڈم نے کہا ہے کہ اس نے تمہیں زہریلی جڑی بوٹیاں لا کے دی ہیں۔''

''کیا؟ میں نے اسے منع کیا تھا۔''ذوالکفلی تیزی سے آگے آیا اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

تالیہ نے لب کاٹے۔وہ اس سب کے لئے تیار نہیں تھی۔

''میرے پاس اس زندگی میں کوئی امید نہیں بچی تھی۔آئی ایم سوری!''

فاتح کے دل کو دھکا سا لگا۔اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

''مجھے وہ زہر دو جو تم نے بنایا ہے۔''اس نے ہتھیلی سامنے کی مگر یہ الفاظ کہتے ہوئے بھی اس کو اندازہ تھا کہ اب دیر ہو چکی تھی۔

تالیہ نے بے بسی سے شانے اچکا دیے۔ آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

''مجھے معاف کر دیجئے گا' مگر میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا تھا۔'' اس نے نظریں جھکا لیں۔

وہ چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکا۔ ہاتھ ڈھیلا ہو کے پہلو میں جا گرا۔ ذوالکفلی البتہ تیزی سے آگے آیا اور اس کو کہنی سے پکڑ کے جھنجھوڑا۔

''کون ساز ہر کھایا ہے تم نے' ہاں؟ مجھے بتاؤ۔ میرے پاس اس کا تریاق ہوگا۔'' وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

تالیہ نظریں جھکائے کھڑی لب کاٹتی رہی۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ فاتح کی نظریں اس کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ اور تب اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی گھڑی کو دیکھ رہی تھی۔ ٹک.....ٹک.....ٹک.....

''تالیہ.... میں پوچھ رہا ہوں تم نے کون ساز ہر کھایا ہے؟ ہر زہر کا تریاق ہوتا ہے۔'' ذوالکفلی نے چلا کے پوچھا تھا۔

تالیہ مراد نے سر جھکائے گہری سانس لی۔

پھر اس نے آنکھیں رگڑیں اور پلکیں اٹھائیں۔

اس کی آنکھوں میں اب آنسو نہیں تھے۔

ان میں ایک مخصوص چمک تھی۔

''کس نے کہا کہ زہر تالیہ نے کھایا ہے؟'' وہ ہلکا سا مسکرائی۔

ذوالکفلی ایک لمحے کے لئے ساکت رہ گیا۔ پھر وہ بے اختیار پیچھے ہٹا۔

''زہر میری کافی میں نہیں تھا' شکار باز۔ زہر تمہاری کافی میں تھا جو ابھی تم نے میرے ساتھ پی تھی۔''

وہ تلخی سے مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

ذوالکفلی سکتے میں تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ وان فاتح نے البتہ کراہ کے آنکھیں بند کیں۔ ایڈم تالیہ کو جانتا تھا۔ صرف ایڈم اسے اچھے سے جانتا تھا۔ وہ جانتا تھا تالیہ مراد کبھی اپنی جان نہیں لے سکتی۔

''جانتے ہو سب سے مشکل کام کیا ہوتا ہے؟ کسی کون مین کو کون کرنا۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کہتے ہوئے دھیرے دھیرے چلنے لگی تھی۔ ''تم نے میرے باپ کو اپنے جیسا جادوگر بنایا تھا۔ تم نے ہم سب کی زندگیاں برباد کی تھیں۔ تمہاری وجہ سے ہم وقت کے چکر میں پھنسے تھے۔ مجھے تم پہ رحم نہیں آتا' ذوالکفلی۔ میں تمہارے پاس پناہ کے لیے نہیں آئی تھی۔ میں تمہیں کون کرنے آئی تھی۔'' وہ دھیرے دھیرے اس کے گرد دائرے میں ٹہل رہی تھی۔

''تمہارے پاس کچھ ہے جو مجھے چاہیے تھا۔ مگر میں وہ تم سے کیسے لوں؟ اس کے لیے مجھے تمہیں یہ یقین دلانا تھا کہ میں

خودکشی کرنے جا رہی ہوں۔ تمہارے پاس مجھے اپنے ہاں ٹھہرانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اور میں یہ بھی جانتی تھی کہ تمہارے پاس ایک کتب خانہ ہے۔ بابا نے مجھے بتایا تھا کہ ہر شکار باز کے پاس ہوتا ہے۔ تم نے مجھے بالکل وہیں ٹھہرایا جہاں میں ٹھہرنا چاہتی تھی۔ اور ایڈم نے میری مدد کی ایسا زہر تیار کرنے میں جس کو کھانے کے بعد تمہیں تب علم ہو گا جب دیر ہو چکی ہو گی۔"

اور اس وحشت ناک لمحے میں ذوالکفلی نے اپنے ہاتھوں کی پشت کو دیکھا۔ اس کے ناخن ہلکے ہلکے نیلے پڑنے لگے۔ اس نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔

"کون سا.... زہر تھا وہ؟" وہ ہلکا سا غرایا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہوئیں۔

"اس کا تریاق تمہارے پاس نہیں ہے۔ میرے پاس ہے اور میں نے تمہارے گھر میں کہیں چھپایا ہے۔" وہ اس کے مقابل کھڑی کہہ رہی تھی۔

"تالیہ.... تم کیا کر رہی ہو؟" فاتح نے پریشانی سے اسے ٹوکا مگر بولنے کی باری شہزادی کی تھی۔

"میں کوئی چیری بلاسم نہیں ہوں جو ذرا سی ہوا سے گر جائے گا۔ میں ملاکہ کی شہزادی تاشہ بنتِ مراد ہوں اور میں اپنی اس زندگی کو ختم کر کے واپس اپنی اصل زندگی میں جا رہی ہوں۔"

پھر اس نے نظروں کا رخ ذوالکفلی کی طرف موڑا اور ہتھیلی پھیلائی۔

"تم مجھے وقت کی چابی دے دو' تو میں تریاق تمہیں دے دوں گی۔"

"تم میرے ساتھ یہ کرو گی.... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" ذوالکفلی نے کراہ کے آنکھیں بند کیں پھر جب ان کو کھولا تو ان میں بے بسی بھرا غصہ تھا۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تم نے مجھے زہر نہیں دیا۔" مگر اس کا لہجہ شکستہ تھا۔ تالیہ نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

"اور اگر میں سچ بول رہی ہوں' تب؟ تمہارے پاس چانس لینے کا وقت ہے کیا؟"

اس کی ہتھیلی اب تک پھیلی تھی۔ اور آنکھیں ذوالکفلی پہ جمی تھیں جس کی رنگت سفید پڑتی جا رہی تھی۔ ہونٹ جامنی ہو رہے تھے۔

"تالیہ.... یہ مت کرو۔" فاتح آہستہ سے بولا۔ وہ افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا مگر آج تالیہ کو کسی کی نہیں سننی تھی۔

"چابی! وہ چابی جو تم نے میری ہیئر پن سے بنائی تھی۔ اور اس دفعہ بوتل کا پانی تم خود پیو گے۔ کیونکہ ہم میں سے کوئی یادداشت نہیں کھونا چاہتا۔" اس نے زور دے کر دہرایا تو ذوالکفلی الٹے قدموں مڑا اور زینے کی طرف لپکا۔

''میں نے وہ سب.... وہ سب تمہیں واپس لانے کے لئے کیا تھا اور تم....'' وہ صدمے اور پریشانی سے کہتا قریب آیا۔ ''تم اس قید میں پھر واپس جانا چاہتی ہو؟''

تالیہ نے اجنبی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''آپ کی دنیا نے میرے اوپر زندگی تنگ کر دی ہے۔ آپ کو آپ کی دنیا مبارک ہو۔ مجھے میرے بابا کے پاس واپس جانا ہے۔''

مگر فاتح نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم.... واپس.... نہیں جا سکتیں۔ تم ہماری ریاضت کو ضائع نہیں کر سکتیں۔''

''آپ نے مجھے بھول جانے کا انتخاب کیا تھا۔ میں آپ کو بھول جانے کا انتخاب کر رہی ہوں۔''

''تم یہ کیوں کر رہی ہو؟'' وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''کیونکہ جب میں کچھ دن پہلے داتن سے ملی اور اس سے پوچھا کہ اس کے پاس کینسر کی دوا کی بوتل کیوں تھی؟ تو جانتے ہیں اس نے مجھے کیا کہا؟''

وہ تکلیف سے کہہ رہی تھی۔

اس کے ارد گرد کا منظر بدلنے لگا۔

وہ جھونپڑے میں داتن کے سامنے بیٹھی تھی۔ دیوار پہ چیری بلاسم کے گرتے پھولوں کا عکس ہنوز چل رہا تھا۔

''کیا تم سچ جاننا چاہتی ہو؟'' تاؤ سوشی رول کو ٹھک ٹھک کاٹ رہا تھا اور داتن کہہ رہی تھی۔

''میں سچ جانتی ہوں۔ تمہیں کینسر ہے اور تم نے اسے مجھ سے چھپایا ہے۔ اس تصویر میں تمہاری دوا کی بوتل.....''

''یہ بوتل میری نہیں ہے' تالیہ۔'' داتن دکھ سے بولی اور وہ ٹھہر گئی۔

''اس تصویر میں ایک تیسرا شخص بھی ہے جسے تم ہمیشہ نظر انداز کر جاتی ہو۔ یہ دوا ایڈم کی ہے۔ ایڈم بیمار ہے۔ میں نہیں۔''

دیوار پہ گرتے پھول جیسے فضا میں ٹھہر گئے تھے۔

''ہم دونوں اس وقت تمہیں اس لیے نہیں تلاش کر سکے تھے کیونکہ میں ایڈم کی بیماری کے علاج میں الجھی تھی۔ اس نے صرف مجھے بتایا تھا۔ تمہیں وہ پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''ایڈم کو..... ایڈم کو کیا ہوا ہے؟''

''وہ جب سے وقت میں سفر کر کے واپس آیا ہے' اس کی طبیعت دھیرے دھیرے خراب ہونے لگی تھی۔ مگر وہ اسے نظر انداز کر کے کام میں جتا رہا۔ میں زبردستی اسے چیک اپ کے لیے لے گئی تو اس کا کینسر ڈائیگنوز ہوا۔ لیکن یہ کینسر نہیں تھا۔ یہ کوئی ایسی بیماری تھی جو بظاہر کینسر کی طرح لگتی تھی اور اسے اندر سے کھا رہی تھی مگر ڈاکٹر اسے سمجھنے سے قاصر تھے۔ پھر ایڈم

اپنی کتابوں کی طرف پلٹا اور اس نے مختلف جڑی بوٹیوں کے ساتھ کینسر کی کچھ دوائیں ملا کے اپنا علاج کرنے کی کوشش کی۔ دو ماہ وہ اپنی بنائی دوا کھاتا رہا مگر اسے فرق نہ آیا۔ پھر وہ اپنی کتاب میں لگ گیا اور اس نے خود کو موت کے خوف سے بے نیاز کر لیا لیکن..... لیکن میں اس بیماری کو جاننے کے لیے پمبوروکی کتابوں کو کنگھالنے لگی۔"

"وقت کا چکر..... یہ اسے وقت کی وجہ سے ہوا ہے۔" تالیہ نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔

"ہاں اور مجھے یہی سمجھ آیا کہ وقت کا سفر انسانی جسم کو شدید تکلیف سے گزارتا ہے اور اس تکلیف کو زائل کرنے کے لیے بوتل کا وہ پانی پینا پڑتا ہے جس کو پی کر ہی چابی ملتی ہے۔ وہ پانی دراصل اس مرض سے مدافعت کی دوا تھی۔ یاداشت کا کھو دینا اس دوا کا ایک سائیڈ ایفیکٹ تھا۔ تم نے وہ دوا پی تھی۔ فاتح نے پی تھی۔ ایڈم نے نہیں پی تھی۔ اس لیے اس کا جسم اس چکر سے نکلنے کے بعد اس کے اثرات کو برداشت نہیں کر پایا۔"

"اس کا حل..... اس کا حل کیا ہے؟"

"اس کا حل صرف شکار باز کے پاس ہو سکتا ہے۔ میرے پاس ایسی کتابیں نہیں ہیں جو ذوالکفلی کے پاس ہوں گی۔ اگر تم اس سے پوچھو تو....."

"ذوالکفلی نے کبھی بدلے میں کچھ مانگے بنا کوئی کام نہیں کیا۔ وہ مجھے نہیں بتائے گا۔ مجھے اس کے کتب خانے تک رسائی چاہیے۔ چینج آف پلان۔ مجھے ملاکہ جانا ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں اسی لیے ملاکہ آئی تھی۔ ایڈم کے لیے۔ مگر....." نیم اندھیر کتب خانے میں کھڑی تالیہ نے اردگرد کتابوں کو دیکھا اور زخمی سا مسکرائی۔ "نگران کتابوں سے معلوم ہوا کہ اس بیماری کا تریاق ذوالکفلی کے پاس نہیں ہے۔ اس بیماری سے وقت کے ایک صرف ایک مسافر کو آج تک شفا ملی ہے اور جانتے ہیں اس کا تریاق کس شکار باز نے بنایا تھا؟"

"مراد راجہ نے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ اسے تالیہ کا پلان سمجھ آنے لگا تھا۔

"تم وقت میں واپس جانا چاہتی ہو..... اپنے باپ سے ایڈم کی دوا لینے۔"

"ہاں..... بابا کو نہیں معلوم تھا کہ ایڈم بھی ہمارے ساتھ آیا تھا۔ مجھے ان کی وہ افسوسناک نظریں یاد ہیں جن سے انہوں نے ایڈم کو ہمارے ساتھ واپس جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسی لیے ان کو معلوم تھا کہ میں واپس آؤں گی۔" وہ رکی اور تصحیح کی۔ "ہم..... ہم واپس جائیں گے۔"

وہ کونے میں لگے ایک بک ریک تک گئی تھی اور پھر اسے دھکیلنے لگی۔

جیسے جیسے ریک ہٹتا گیا..... ایک دروازہ سامنے آتا گیا۔ بھوری لکڑی کا دروازہ جس کے اوپر لگا تالہ ٹوٹا ہوا تھا۔

تالیہ نے دروازہ دھکیل دیا۔ وہ کھلتا چلا گیا۔ اندر ایک طویل راہداری بنی تھی جس کے اندر مشعلیں روشن تھیں۔ زرد سا اندھیرا بھی تھا۔اور سامنے کوئی کھڑا تھا۔ بے چینی سے بار بار گھڑی دیکھتا۔

اسے دیکھ کے فاتح نے گہری سانس خارج کی۔ ”تم دونوں اس کام میں شریک تھے۔“

ایڈم بن محمد نے ہلکے سے کندھے اچکا دیے۔ وہ کرتے اور پاجامے میں ملبوس تھا اور سر پہ ٹوپی تھی۔ اس کے کندھے پہ ایک سفری بیگ بھی تھا۔

وہ وہاں کھڑا ساری بات سن چکا تھا۔ جانے وہ کب سے وہاں موجود تھا۔

”میں اکیلی جانا چاہتی تھی۔ مگر ایڈم جب صبح مجھے جڑی بوٹیاں دینے آیا تو.....“

”تو چند قدم دور جانے کے بعد مجھے خیال آیا کہ داتن واقعی کیٹو کر رہی تھی جس سے اس کے بال جھڑرے تھے۔ اور چے تالیہ میری دوا لینے کے لیے کچھ کرنے جا رہی ہیں۔ اسی لیے میں الٹے قدموں واپس آیا اور انہوں نے مجھے سب بتا دیا۔ اب ہم دونوں واپس جا رہے ہیں۔ ان قاتلانہ حملوں نے مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ میں مرنا نہیں چاہتا۔“

فاتح نے افسوس سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ عرصے سے اسے اداس اور مضمحل نظر آتا تھا۔ مگر وہ اداس اور مضمحل نہیں تھا۔ وہ بیمار تھا۔

”سوری سر.... مگر ہم واپس جا رہے ہیں۔ کیونکہ ہم نے وقت کا دوسرا دروازہ بھی ڈھونڈ لیا ہے۔“

تالیہ اس کے برابر میں جا کے کھڑی ہوگئی۔ وان فاتح اکیلا رہ گیا۔

”تو یہ طے ہے کہ تم دونوں اپنے خفیہ منصوبوں میں مجھے کبھی شامل نہیں کر سکتے۔“ اسے افسوس ہوا تھا۔

”آپ ہمیں بھول چکے تھے سر۔ ہم نے آپ کو واپس لانے کی بہت کوشش کی مگر آپ ہمارے ساتھ نہیں تھے جب ہمیں آپ کی ضرورت تھی۔ اب ہم آزاد ہو چکے ہیں۔ ہم اپنے پروں پہ اڑنا سیکھ چکے ہیں۔“

ان دونوں کی آنکھوں میں ایک ہی طرح کے تاثرات تھے۔ بغاوت۔ ہٹ دھرمی۔ تنفر......

”میں نے تم لوگوں کو واپس لانے کے لیے وہ سب کیا اور تم؟“

”ہم ہمیشہ کے لئے واپس نہیں جا رہے۔ میرا علاج ہو جائے تو ہم واپس آجائیں گے۔“

”اور ہم بنگا رایا ملایو کو مکمل کرنے جا رہے ہیں۔ ذوالکفلی نے غلط کہا تھا کہ وہ کتاب مراد راجہ نے مکمل کروائی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اسے ایڈم ہی مکمل کرے گا۔“

”اور تم دونوں کو لگتا ہے کہ مراد راجہ تمہیں واپس آنے دے گا؟“ وہ تلخی سے بولا۔

''یہ ہمارا مسئلہ ہے۔'' وہ سپاٹ انداز میں بولی۔

زینے اترنے کی آواز آئی تو فاتح نے پلٹ کے دیکھا۔ ذوالکفلی سفید چہرے کے ساتھ تیزی سے چلا آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بوتل تھی جو خالی تھی۔ اس نے ابھی ابھی اس کا پانی پی لیا تھا اور چابی نکال لی تھی۔

کھلے دروازے کو دیکھ کے وہ چونکا۔ پھر گہری سانس لی۔

''میں نے تمہیں پناہ دینے کی غلطی کی۔ تم نے مجھے ہی دھوکہ دے ڈالا'' وہ تلخی سے کہتے ہوئے قریب آیا۔

''مجھے یہ سب سکھانے والا استاد بہترین تھا۔'' شہزادی نے مسکرا کے کندھے اچکائے اور ہتھیلی پھیلا دی۔

''پہلے تریاق!''

''پہلے چابی۔'' وہ غرائی۔

ذوالکفلی چند لمحے بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔ چابی ہاتھ میں دبوچی ہوئی تھی۔ پھر اس نے فاتح کو دیکھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''چابی مت دینا' ذوالکفلی۔ مجھے یقین ہے اس نے تمہیں زہر نہیں دیا۔ یہ دونوں تمہارے ساتھ کھیل کھیل رہے ہیں۔''

وہ تنبیہہ کر رہا تھا۔

ذوالکفلی نے لب کاٹتے ہوئے واپس ان دونوں کو دیکھا۔ جو برابر کھڑے' اس پہ چبھتی نظریں جمائے ہوئے تھے۔ جیسے اسے چیلنج کر رہے ہوں۔

پھر اس نے اپنے ناخن دیکھے وہ مزید نیلے پڑتے جا رہے تھے۔

وہ آگے بڑھا اور چابی تالیہ کے ہاتھ پہ رکھی۔ ''تم وقت کے ساتھ خطرناک کھیل کھیل رہی ہو چڑی تالیہ.... تمہیں اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔''

''دیکھیں گے۔'' وہ جتا کے بولی اور راہداری میں آگے بڑھ گئی۔ سامنے دوسرے سرے پہ ایک قدیم دروازہ نظر آ رہا تھا۔

''میرا تریاق!'' وہ چیخا تھا۔ شہزادی نے جواب نہیں دیا۔ البتہ ایڈم نے مڑتے مڑتے کہا تھا۔

''بےفکر رہو۔ جو بے ذائقہ سفوف ہم نے بنایا تھا' وہ زہر نہیں تھا۔ تمہیں کسی تریاق کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تمہاری یہ علامات قے اور پانی پینے سے صبح تک ٹھیک ہو جائیں گی۔''

ذوالکفلی نے زور سے زمین پہ پیر مارا۔ پھر فاتح کو دیکھا جو اسے افسوس سے دیکھ رہا تھا۔

''تم اب ان سے چابی نہیں لے سکتے؟''

''جبراً یا چوری کر کے اس چابی کو واپس نہیں لیا جا سکتا۔ تم اس قدم کی قیمت چکاؤ گی تالیہ۔'' آخری فقرہ اس نے چلا کے ادا کیا تھا۔

وہ دونوں اب راہداری میں دور ہوتے جا رہے تھے۔ ذوالکفلی کو گردن پہ دباؤ محسوس ہو رہا تھا۔ شاید اسے قے آنے والی تھی۔ وہ الٹے قدموں زینے کی طرف لپکا۔

''تھینک یو ایڈم۔'' وہ دوسرے سرے تک آئی اور اس دروازے تک رکی۔

وقت کا دروازہ اس کے سامنے تھا۔ بس تالے میں چابی گھمانے کی دیر تھی۔

پھر کسی احساس کے تحت مڑی تو لمحے بھر کو ساکت رہ گئی۔

فاتح اس کی طرف چلا آ رہا تھا۔ ''تالیہ.... مت جاؤ!'' وہ دکھ سے کہہ رہا تھا۔ ''تمہاری دنیا یہ ہے۔ وہ نہیں۔ مراد راجہ تمہیں کبھی واپس نہیں آنے دے گا۔''

تالیہ نے اجنبی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''میں فین گرل بن کے آپ کے پیچھے بھاگتے بھاگتے تھک گئی ہوں۔ اب مجھے کسی کے پیچھے نہیں بھاگنا۔''

''میں تمہیں بہت مشکل سے واپس لایا تھا' تالیہ۔ میں تمہیں دوبارہ نہیں کھو سکتا۔'' وہ زخمی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''آپ نے مجھے کبھی نہیں چنا' فاتح۔ آپ نے ہمیشہ خود کو چنا ہے۔ آپ کے سارے فیصلے خود غرض تھے۔'' وہ کہہ کے مڑی اور تالے کو چھونا چاہا۔ مگر اسی لمحے......

وہ تیزی سے آگے آیا.... اور دونوں کے درمیان سے گزر کے اس نے تالے کو پکڑا۔

ایڈم اور تالیہ بے اختیار پیچھے ہٹے۔

فاتح نے ہتھیلی بڑھائی تو لمحے بھر کو اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ پھر اس نے خود کو چابی فاتح کی ہتھیلی پہ رکھتے دیکھا۔

''تم مجھ پہ give up کر سکتی ہو۔ میں تم پہ give up نہیں کر سکتا۔ سوری تالیہ.... مگر میں تمہیں اس سونے کے جہنم میں اکیلے نہیں جانے دے سکتا۔''

وہ شدید تکلیف سے یہ الفاظ کہتا چابی تالے میں گھما رہا تھا۔ ایڈم کے لب بے یقینی سے کھل گئے اور تالیہ پلک تک نہ جھپک سکی۔

''آپ کیا کر رہے ہیں۔'' تالہ کھول کے اس نے دروازہ دھکیلا تو سامنے راہداری میں پانی پڑا تھا۔ وہاں ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ دو دریا ان کے سامنے تھے۔

وہ اس کی طرف گھوما اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''میں تمہارا چناؤ کر رہا ہوں۔''

اور پھر وہ خود سب سے پہلے آگے بڑھا۔

جیسے وہ ہمیشہ بڑھتا تھا۔ سب سے آگے۔ راستہ دکھاتے ہوئے۔

اور وہ دونوں کسی معمول کی طرح اس کے پیچھے آتے تھے.....

''آپ.....نہیں جا سکتے.....آپ کے پاس پیچھے.....ایک.....ایک زندگی ہے۔ شاندار مستقبل ہے۔ آپ وہ سب نہیں چھوڑ سکتے۔'' وہ حواس باختہ سی اس کے پیچھے آئی۔

''آپ.....پلیز.....واپس جائیں۔'' ایڈم بھی پریشانی سے اسے پکار رہا تھا۔

مگر وہ تینوں دہلیز پار کر چکے تھے۔ جب تک ایڈم نے مڑ کے دیکھا' وقت کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

وہ ماضی اور مستقبل کے دریا کے دہانے پہ کھڑے تھے۔

''آپ نے یہ کیوں کیا؟'' وہ بے یقینی سے اسے آگے چلتا دیکھ رہی تھی۔

''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں وقت کی قید سے نکال کے لاؤں گا۔ اور وعدے کبھی پرانے نہیں ہوتے۔''

وہ آگے چلتا جا رہا تھا۔ ان دونوں کو بھی اب آگے ہی جانا تھا۔ پیچھے کے سارے راستے بند ہو چکے تھے۔

فاتح نے درمیان میں رک کے ایک مشعل دیوار سے نکالی اور اسے فضا میں بلند کیے آگے راستہ دیکھتا چلتا گیا۔ پانی کی بوندیں مسلسل ان پہ گر رہی تھیں۔ وہ بھیگتے جا رہے تھے.....

آخری سرے پہ ایک بڑا سا لکڑی کا دروازہ تھا۔ اس پہ بھی اسی طرح زنجیریں اور تالا بندھا تھا۔ وان فاتح اس کے قریب پہنچا تو وہ جیسے کسی خواب سے جاگی اور ایک دم آگے آئی ایسے کہ دروازے اور فاتح کے درمیان حائل ہو گئی۔ وہ ٹھہر گیا۔

''آپ واپس چلے جائیں۔'' وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ کے بولی۔ ''آپ کے پاس آپ کی دنیا میں کھونے کو بہت کچھ تھا' فاتح۔''

وہ اسے دیکھ کے مسکرایا۔ اس کے گیلے بال ماتھے پہ آگے کو گر رہے تھے۔

''میرے پاس وہاں کھونے کے لئے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔''

''غلط۔ آپ وزیر اعظم بننے جا رہے تھے۔'' وہ بے چینی اور تکلیف سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''جانتی ہو میں نے وقت کے تینوں سوال کیسے حل کیے؟ جب ملاکہ آنے سے پہلے میں ایک تحریر اپنی اسٹڈی میں لکھ کے

رکھ آیا تھا۔"

"کیسی تحریر؟"

"میں نے جان لیا تھا کہ اس کو لکھنے کا بہترین وقت ابھی ہے۔ اور میری زندگی کا اہم ترین شخص تم ہو۔ اور تمہیں بچانا میرے لئے سب سے اہم کام ہے۔ اسی لیے وقت نے مجھے میری یادیں واپس کردی تھیں۔"

"کیسی تحریر؟ کیا لکھا آپ نے؟"

"میں نے بی این کی چیئر مین شپ سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ میں اب ملک کا وزیرِ اعظم نہیں بننے جا رہا۔"

تالیہ کے اوپر جیسے ایک دم کسی نے گھڑوں پانی الٹ دیا تھا۔ وہ گنگ رہ گئی۔ ایڈم بھی سکتے میں آ گیا۔

"مگر کیوں؟ اس آف شور کمپنی کی وجہ سے؟ وہ عصرہ نے بنائی تھی۔"

"سر... آپ نے مسز عصرہ کا نام کیوں نہیں لیا؟ آپ نے.... آپ نے ان کاغذات کا الزام اپنے سر کیوں لیا جو بلینک تھے اور دھوکے دہی سے سائن کروائے گئے تھے؟"

ایڈم افسوس سے کہہ رہا تھا اور وہ مارے صدمے کے مزید کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔

وان فاتح زخمی سا مسکرایا۔ پھر سر اٹھا کے دیکھا۔ اوپر اندھیرا تھا۔ اور بارش ہو رہی تھی۔ مگر.. یکا یک...

پانی کی گرتی بوندیں.... چیری بلاسم کے پھولوں میں تبدیل ہوتی گئیں۔

وہ سڑک کنارے بنچ پہ بیٹھا تھا۔ سڑک اور گھاس پہ گلابی پھولوں کی تہہ بچھی تھی۔ سامنے چلتا بچہ گلابی کاٹن کینڈی کی اسٹک ہاتھ میں گھما رہا تھا۔ اس کے پیروں سے سکے چھنکنے کی آواز آ رہی تھی.....

عصرہ ساتھ آ کے بیٹھی تھی۔ اس کی کافی ذرا سی چھلکی تھی۔

"تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے کیا؟"

فاتح نے فائل کھولی تو ایک دم ڈھیر سارے پھول اوپر سے آن گرے۔ سفید کاغذ گلابی پھولوں سے بھر گیا۔

اس نے ہاتھ سے پھول ایک طرف گرائے تھے تو نیچے سے کاغذ نظر آنے لگا۔

وہ بلینک نہیں تھا۔

اس پہ سیاہ چھپی ہوئی تحریر واضح تھی۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

عصرہ نے گہری سانس لی۔ "کاش تم بغیر بحث کے اسے سائن کر دیتے... لیکن... میں یہ ہماری فیملی کے لیے کر رہی

ہوں۔ہم اس رپورٹر کو ڈائریکٹ پے نہیں کر سکتے' فاتح۔انکوائری شروع ہوئی تو اسکینڈل بن جائے گا۔میں ایک آف شور کمپنی بنا رہی ہو۔اس کے اکاؤنٹ سے ہم اسے آف شور پے کردیں گے تاکہ وہ اپنا منہ بند کرے اور ہماری بیٹی کو ناجائز اولاد نہ کہا جا سکے۔''

وہ کاغذ اٹھا کے دیکھ رہا تھا۔ماتھے پہ بل تھے۔''کوئی اور طریقہ نہیں ہے؟''

''ہم رسک نہیں لے سکتے۔اور یہ صرف تھوڑے سے وقت کے لئے ہوگا۔رپورٹر کا منہ بند ہو جائے گا تو ہم اس کو بند کر دیں گے۔آف شور کمپنی بنانا غیر قانونی نہیں ہے۔اسے چھپانا غیر قانونی ہے۔جب الیکشن قریب آئیں گے اور اثاثے ظاہر کرنے ہوں گے تو ہم اس کو بند کر چکے ہوں گے۔میرے پاسپورٹ کا آج کل مسئلہ بنا ہوا ہے ورنہ میں خود کھول لیتی۔پلیز فاتح....سائن کردو۔''

چیری بلاسم بارش کی بوندوں میں بدل گئے۔وہ تینوں نیم اندھیرے میں اس قدیم دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔

''میں نے بلینک ڈاکومنٹ پہ دستخط نہیں کیے تھے۔کمپنی ہم دونوں نے بنائی تھی۔صرف آریانہ کو اسکینڈل بننے سے بچانے کے لئے۔ہم سمجھے تھے کہ رپورٹر کو ایک ہی دفعہ پے کرنا ہوگا مگر وہ بار بار بلیک میل کرنے لگا تو میں نے عصرہ سے کہا کہ کمپنی بند کردو کیونکہ اثاثوں کی ڈیکلریشن کا وقت آ گیا تھا۔میں رپورٹر کو اپنے ایک دوسرے اکاؤنٹ سے پیسے بھیجنے لگا۔میں سمجھا تھا عصرہ نے کمپنی بند کردی ہوگی مگر اس نے نہیں کی۔وہ اسے استعمال کرتی رہی۔میں اس کو بھول بھی چکا تھا۔اس لئے میں اس کو پہلی نظر میں نہیں پہچان سکا مگر پھر مجھے یاد آ گیا تھا۔کمپنی رکھنا جرم نہیں ہے۔اس کو چھپانا جرم ہے اور میں اس جرم کا مرتکب ہو چکا تھا۔مجھے استعفیٰ دینا تھا۔کیونکہ میں اپنے لوگوں کو سچ بولنے کی تلقین کر کے خود جھوٹ نہیں بول سکتا۔''

''آپ....آپ لوگوں کو وضاحت دے دیتے....آپ بتا دیتے کہ آپ بلیک میل ہو رہے تھے اور.....''

''میں نے کمپنی چھپائی' یہ جرم ہے۔کیوں چھپائی' یہ غیر اہم ہے۔اور یہ میری بیٹی کی یاد لوگوں کے ذہنوں میں داغدار کر دے گا۔میں عصرہ اور آریانہ کسی کو بھی ڈھال کے طور پہ استعمال نہیں کر سکتا۔میں اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکا جو میں نے صوفیہ سے ڈی بیٹ کے وقت کیا تھا۔میں نے بھی لاعلمی میں....اس بات کو ہلکا سمجھ کے....ایک جرم کر دیا تھا۔میرے ضمیر پہ اس کا بوجھ اب بہت زیادہ تھا۔میں انتظار کرتا رہا کہ میرے خواب اور ضمیر کی جنگ میں کون جیتتا ہے۔اور ضمیر جیت گیا۔اگر میں خود سچ نہیں بول سکتا تو میں دوسروں کو سچائی کی تلقین کیسے کر سکتا ہوں۔''وہ زخمی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

''میں چاہتا تو جھوٹ بول دیتا کیونکہ میری سیکرٹری ہو یا وکیل' سب خود سے فرض کر چکے تھے کہ مجھ سے بلینک ڈاکومنٹ پہ سائن کروائے گئے ہوں گے۔مگر وہ کاغذ بلینک نہیں تھے۔میں واقعی چاہتا تھا کہ میرے ملک میں بہتری آئے۔لیکن کبھی

کبھی انسان کو خود کو اس بہتری کی مثال بنانا ہوتا ہے۔ میں سچ بول کے.....اپنے کیریئر اور خواب کی قربانی دے کر....اپنے لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سچ دنیا کی ہر شے سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ میں اپنی سچائی نہیں کھو سکتا تھا۔"

وہ صدمے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اور وہ....وہ کندھے اچکا کے تکلیف سے کہہ رہا تھا مگر اس کے انداز میں اطمینان بھی تھا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور دروازہ کھولنے لگا۔

"مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ دکھ ہے مگر افسوس نہیں۔ میں نے اپنے آپ کو بچا لیا ہے اور اب...." اس نے زنجیر علیحدہ کی اور تالیہ کو دیکھا۔ "اب میں تمہیں بچاؤں گا۔" پھر دروازہ کھول دیا۔

باہر سے ڈھیر ساری روشنی اندر آئی تھی۔ چند لمحے کے لئے تالیہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

پھر اس نے چوکھٹ سے باہر قدم رکھا۔ سامنے زینے بنے تھے۔ وہ زینے قدم قدم چڑھنے لگی۔ اوپر سے روشنی آ رہی تھی۔

وہ تینوں باہر نکلے تو خود کو سن باؤ وانگ لی کے گھر کے صحن میں پایا۔

فضا زرد تھی۔ آسمان صاف تھا۔ سارے میں بارش کے بعد کی مٹی کی سوندھی سی مہک بسی تھی۔ کونے میں تازہ پانی کا کنواں تھا۔ دوسری طرف وانگ لی کا مجسمہ تھا۔ سرسبز پودے اس صحن میں لہلہا رہے تھے۔

قدیم زمانے کی خوشبو اس کے اندر تک اترتی چلی گئی۔

تالیہ نے آنکھیں بند کیں اور سانس اندر کو کھینچی۔

وہ اپنی دنیا میں واپس آ چکی تھی۔

"ہم جنگل میں کیوں نہیں ہیں۔" ایڈم نے تعجب سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ کندھے پہ رکھے بیگ میں جنگل کے مقابلے کے لیے بہت سا سامان لایا تھا۔

"کیونکہ وقت کے دروازے مختلف جگہوں پہ کھلتے ہیں شاید۔ ہم پچھلی دفعہ وانگ لی کے گھر سے دروازے میں داخل ہوئے تھے اور جنگل میں باہر نکلے تھے۔ اس دفعہ ذوالکفلی کے گھر میں داخل ہوئے اور وانگ لی کے گھر سے نکلے ہیں۔"

وہ کہہ کے آگے بڑھی تو فاتح نے پکارا۔ "تم اب کیا کرو گی؟"

تالیہ اس کی طرف پلٹی۔ دھوپ اس کے عقب سے آ رہی تھی اس لئے فاتح کو اسے دیکھنے کے لئے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنانا پڑا۔

"میں.....ملاکہ پہ حکومت کروں گی۔" اس نے اپنے سفید لباس میں کچھ چھپا کے رکھا ہوا نکالا اور سر پہ پہنا۔ فاتح نے آنکھیں چندھیا کے دیکھا۔ وہ ہیروں سے مزین نازک سا تاج تھا۔

پھر وہ مڑی اور آگے بڑھ کے گھر کا بیرونی دروازہ کھولا۔

باہر چند سپاہی کھڑے تھے۔اسے دیکھ کے وہ سیدھے ہوئے۔

"تم کب سے یہاں کھڑے ہو؟" شہزادی نے ماتھے پہ بل ڈال کے پوچھا۔

"چار دن سے شہزادی۔ جب سے آپ گئی تھیں، مراد راجہ نے حکم دیا تھا کہ ہم یہیں آپ کا انتظار کریں۔ انہوں نے کہا تھا کہ آج آپ واپس آجائیں گی۔"

سپاہی نے ادب سے اطلاع دی۔تالیہ نے مڑ کے اسے دیکھا جو برآمدے میں کھڑا سینے پہ بازو لپیٹے تندہی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پیچھے ایڈم گھوم پھر کے گھر کا جائزہ لے رہا تھا۔

شہزادی مسکرائی۔"مجھے اب جانا چاہیے غلام فاتح۔ مجھے اپنی شادی کی تیاری کرنی ہے۔"

وان فاتح کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"تم سلطان سے شادی نہیں کر سکتیں۔"

شہزادی نے ابرو اٹھایا۔

"واچ می۔" اور پھر وہ مڑ گئی۔

قطار صورت کھڑے سپاہی اطراف میں ہٹتے گئے۔تالیہ مراد ان کے درمیان سے گزرتی فخر سے سر اٹھائے قدم اٹھا رہی تھی۔

سورج تیز تھا اور دن کی روشنی میں وہ بنا کسی خوف کے اپنی شاہی سواری کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اسے یہاں کوئی گرفتار نہیں کر سکتا تھا۔اسے یہاں کی عوام چور یا قاتل کے طور پہ نہیں جانتی تھی۔

وہ آزاد تھی۔

ایک اعلیٰ عہدیدار وردی میں ملبوس بگھی کے ساتھ کھڑا تھا۔وہ اس تک رکی اور تحکم سے بولی۔

"میرے محل پہنچنے سے پہلے بابا کو اطلاع مل جانی چاہیے کہ میں آگئی ہوں۔اس کے علاوہ...." وہ رکی۔"ابوالخیر سے کہو وہ رات کا کھانا میرے اور بابا کے ساتھ کھائے گا۔ مجھے اس سے بات کرنی ہے۔" سپاٹ چہرے کے ساتھ حکم جاری کیا اور بگھی میں سوار ہوگئی۔ سپاہی نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔گھوڑے بگھی کو کھینچتے آگے قدم بڑھانے لگے۔

"مجھے بھی ان کے ساتھ جانا چاہیے۔" شاہی مورخ نے ایک معذرتی نظر اس پہ ڈالی اور ان کے پیچھے لپکا۔

چوکھٹ پہ کھڑے وان فاتح نے خاموشی سے ان دونوں کو جاتے دیکھا تھا۔

''اب آپ کیا کریں گے' ڈیڈ؟'' عقب میں کھڑی آریانہ بولی تو اس نے گردن موڑی۔ وہ آنکھوں میں ڈھیروں سادگی لئے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں اسے واپس لے جانے کے لئے آیا ہوں۔ میرے بغیر وہ دونوں کبھی واپس نہیں جا سکیں گے۔''

وہ سنجیدگی سے زیرِ لب بولا تھا۔ کھلے دروازے سے باہر کچے راستے پہ شاہی سواری دھول اڑاتے ہوئے دور جاتی دکھائی دے رہی تھی۔

مراد راجہ اپنے دیوان خانے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا جب چوکھٹ پہ آہٹ ہوئی تو وہ رکا اور اس طرف گھوما۔ سامنے وہ کھڑی تھی۔ سیاہ بالوں والی..... سادہ سفید لباس پہ تاج پہنے..... وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کے مراد نے گہری سانس خارج کی......

''مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔''

''بابا'' وہ تیزی سے آگے بڑھی اور اس کے گلے لگ گئی۔ مراد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ جانتا تھا کہ اسے اس کی یادداشتیں واپس مل گئی ہیں۔ اسے اس کا باپ یاد آ گیا ہے۔

''کیا وہ دونوں بھی ساتھ آئے ہیں؟'' وہ اس سے الگ ہوئی تو مراد نے اسے شانوں سے تھام کے پوچھا۔ تالیہ نے آنکھیں رگڑتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔

''ہاں۔ مگر وہ واپس جانے کے لیے آئے ہیں۔''

''تو چلے جائیں..... مگر تم؟'' اسے دھڑکا لگا۔

تالیہ کی آنکھوں میں تکلیف ابھری۔ ''میں جان گئی ہوں کہ وہ میری دنیا نہیں تھی۔ اس دنیا نے اور اس کے باسیوں نے آپ کی بیٹی کو بہت تکلیف دی ہے' بابا۔ میں نے ان دونوں سے یہی کہا ہے کہ میں واپس چلی جاؤں گی مگر.....'' وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔ اور تمکنت سے گردن کڑائی۔

''میں واپس جانے کے لیے نہیں آئی۔ میں ملاکہ پہ حکومت کرنے آئی ہوں۔''

بندا ہارا مراد راجہ جانتا تھا کہ وہ سچ کہہ رہی تھی۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اب وہ اپنی بیٹی کو کبھی واپس جانے نہیں دے گا۔

☆☆=========☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

حالم (نمرہ احمد)

بیسواں باب:

”شہزادی کی آخری مانگ۔“

اور شہزادی تاشہ کی سات مانگوں میں سے

آخری مانگ کچھ تھی اس طرح

کہ بھر دے سلطان مرسل ایک پیالہ

اپنے خون سے....

ایسا خون کہ جس میں شامل ہو اس کے ماں باپ کا خون....

اور پاک ہو وہ ہر ملاوٹ سے....

پھر ہم تمہیں بتلاتے ہیں کہ....

جب سلطان مرسل شاہ کر چکا باقی چھے مانگیں پوری....

تو ایک دن تنہا' اداس بیٹھے اپنے محل میں....

اس نے رکھا ایک خنجر کلائی پہ....

اور قریب تھا کہ کاٹ ڈالتا اپنی رگِ جان کو....

کہ بند دروازوں والے دیوان خانے میں

کسی جادو سے نمودار ہوئی شہزادی تاشہ....

اسے دیکھ کے رہ گیا سلطان مبہوت....

اور پھسلا خنجر اس کے ہاتھ سے....

سامنے آئی پری چہرہ شہزادی اور گویا ہوئی مسکرا کے....

''مقصد تھا میرا آپ کا امتحان لینا....

نہ کہ آپ کی جان لینا۔

سات مانگوں کے اس کھیل کو روک ڈالیں یہیں پہ۔

کہ میرے اور آپ کے راستے ہیں جدا جدا۔''

یہ کہہ کہ وہ دھوئیں میں ہو گئی غائب....

اور جھکا دیا مرسل شاہ نے اپنا سر....

اور اس روز پہلی دفعہ اس نے لقب دیا تھا اسے.....

تاشہ پسونا کا.....

(بنگا رایا ملایو۔ باب ۱۳۔ ''شہزادی کی آخری مانگ'')

☆☆=========☆☆

قدیم ملاکہ پہ شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ کہیں کہیں کوئی مشعل روشن نظر آتی' باقی ہر طرف اندھیرے کا غلاف اوڑھے وہ شہر سونے کی تیاری کرر ہا تھا۔

البتہ بنداہارا کے محل کا حال مختلف تھا۔ اس کی کھڑکیاں روشن تھیں۔ اوپر آسمان سے دیکھو تو وہ عمارت زرد ستاروں سے سجی دکھائی دیتی تھی۔

محل کا کتب خانہ اس وقت مکمل روشن تھا۔ ایک طرف دو غلام کتابوں کو ترتیب سے رکھتے دکھائی دے رہے تھے۔ اور چوکھٹ پہ ایڈم کھڑا تھا۔ کتب خانے کو دیکھ کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ در آئی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کے گیا تھا۔ وقت صرف کے ایل میں گزرا تھا۔ قدیم ملاکہ میں تو وہ ٹھہر گیا تھا۔

سارے مسئلے وقت کے ہی تو تھے۔

غلام صفائی کر چکے اور اپنے جھاڑن لئے رخصت ہو گئے تو ایڈم نے ٹوپی اتار کے میز پہ رکھی۔ کرتا پاجامہ پہنے' وہ ہلکی بڑھی شیو کے ساتھ اس ماحول میں ڈھلا ہوا نظر آتا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر ان کتابوں کے درمیان واپس آ گیا تھا۔ ایک دفعہ پھر سارے مسائل کا حل کتابوں سے ملنا تھا۔

وہ پلٹا تو دیکھا۔ اس کی میز جسے وہ ''تین روز قبل'' چھوڑ کے گیا تھا' اس پہ بنگا رایا ملایو کا مسودہ یونہی رکھا تھا۔ کاغذ کی خوشبو تک ویسی تھی۔ وہ چونکا۔ پھر میز کے پیچھے آیا اور کتاب اٹھائی۔

یہ اس کے ہاتھ سے لکھی کتاب تھی۔ بارہ ابواب کی۔ وہ اسے اشاعت کے لئے دے کر گیا تھا مگر یہ یہیں پڑی تھی۔

''یہ اشاعت کے لئے نہیں بھجوائی گئی؟'' اس نے پہریدار کو بلایا اور کتاب کے صفحے اچنبھے سے پلٹتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں' شاہی مورخ۔ مراد راجہ نے کہا تھا کہ ابھی طباعت و اشاعت کی ضرورت نہیں۔ یہ کتاب نامکمل ہے۔ آپ واپس آ کے اسے آگے لکھیں گے۔'' وہ سادگی سے بتا رہا تھا۔

ایڈم نے ہنکارا بھرا اور قدیم کتاب واپس رکھ دی۔ پھر ہاتھ کے اشارے سے اسے باہر جانے کو کہا۔

ایڈم کی لکھی بنگارایا ملایو میں بارہ ابواب تھے۔ مگر جو بنگارایا ملایو جدید دور میں پڑھی اور پڑھائی جاتی تھی' اس میں کل پندرہ ابواب تھے۔ یہ تین اضافی باب ایڈم نے جدید کے ایل میں جا کے پڑھے تھے۔ تیرہویں باب کے آغاز میں یہ سطور پڑھ کے کہ شہزادی سفر سے واپس لوٹ آئی تھی اور اس کے بالوں کا رنگ سیاہ ہو چکا تھا' وہ گھبرا گیا تھا۔ مگر جب اس نے ان تینوں ابواب کو مکمل پڑھ لیا تو وہ جہاں الجھ گیا' وہاں اسے ایک اطمینان بھی نصیب ہوا کہ یہ باب اس نے نہیں لکھے تھے۔

یہ تین ابواب ایڈم بن محمد نہیں لکھ سکتا تھا۔

وہ تین ابواب عجیب تھے۔ احمقانہ' سوپر نیچرل' بغیر لاجک کے واقعات پہ مبنی... جیسے کسی نے خانہ پری کے لئے لکھے ہوں۔ جیسے ان تین ابواب کی sense نہ بنتی ہو۔ ایک اچھی بھلی کہانی کو جیسے مصنف نے گھما کے عجیب سوپر نیچرل اور غیر فطری رخ دے دیا ہو اور آخر میں ایک ٹریجک اختتام پہ کہانی ختم کر دی ہو۔

پچھلے چند ماہ میں..... جب سے ایڈم نے ان تین ابواب کو پڑھا تھا۔ اس کو لگتا تھا یہ راجہ نے کسی اور سے لکھوائے تھے۔ خانہ پری۔ دیو مالائی سا اینڈ۔ مگر اب جبکہ وہ واپس آ گیا تھا' وہ واقعی یہ سوچنے لگا کہ اس کتاب کو کون مکمل کرنے جا رہا تھا؟

وہ تو یہاں چند دن کا مہمان تھا۔ بیمار تھا مگر پرامید تھا کہ دوا ملے گی اور وہ واپس اپنی زندگی میں چلا جائے گا۔ لکھنے کے لیے تو ڈھیروں سکون اور تحریک چاہی ہوتی ہے۔ اور ساتھ دل کا درد بھی۔ دل کے درد کے بغیر کوئی لکھ بھی کیسے سکتا ہے۔ اور اس کے دل و دماغ دوسرے کاموں میں الجھے تھے۔

نہیں۔ وہ ابواب ایڈم نے نہیں لکھے تھے نہ اس نے کچھ مزید لکھنا تھا۔ اسے صرف اپنی دوا کے حصول پہ توجہ مرکوز کرنی تھی۔ اسے دوا مل جائے' اور وہ تینوں واپس چلے جائیں۔ یہی ان کی کہانی کا منطقی انجام تھا۔

اس نے مسودے پہ کپڑا ڈال دیا۔ کل وہ اسے دوبارہ اشاعت کے لیے بھجوا دے گا۔ بنگارایا ملایو یہیں پہ ختم ہو جانی چاہیے۔

☆☆==========☆☆

تاریکی کا غلاف وانگ لی کی سرخ حویلی پہ بھی چڑھا تھا۔ پھاٹک کے باہر ابھی ابھی گھوڑے آن رکے تھے اور فربہی مائل چینی سفیر اپنی سواری سے اتر رہا تھا۔

وہ دروازے تک پہنچا تو ٹھٹک کے رکا۔ باہر ایک مشعل روشن تھی۔ اس نے دروازہ دھکیلا تو وہ چرچراتا ہوا کھلا۔ اندر راہداری بھی روشن تھی۔ گھر میں کوئی تھا۔

جب سے غلام فاتح گیا تھا' اس نے ابھی تک دوسرا غلام نہیں رکھا تھا جو گھر کے اندرونی کاموں کے لیے ہو۔ پہریدار اور سپاہی کافی تھے۔ وہ سارا وقت امور سلطنت میں الجھا رہتا اور رات دیر سے گھر آتا تو گھر تاریک ملتا تھا۔

آج ایسا نہیں ہوا تھا۔

وہ چوکنا سا چلتا اندر تک آیا۔ ہاتھ کمر سے بندھے خنجر کے دستے پہ جما تھا۔ مگر برآمدے تک پہنچ کے اس کا ہاتھ ڈھیلا ہو کے پہلو میں آن گرا۔

برآمدے کے ستون کے ساتھ... اس کی طرف پشت کیے.... سفید کرتے پاجامے والا شخص کھڑا مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔

چاندنی میں نہایا مجسمہ صحن میں اپنے پورے قد کے ساتھ کھڑا تھا۔

وانگ لی نے گہری سانس لی اور ماتھے پہ بل ڈال لئے۔

''تم واپس آ گئے؟ اتنی جلدی۔''

فاتح نے گردن موڑی اور ایک بے نیاز سی نظر اس پہ ڈالی۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ پھر فاتح نے رخ واپس پھیر لیا۔

''تم میرے گھر کیوں آئے ہو؟ میں نے تو تمہیں آزاد کر دیا تھا۔'' وانگ لی اس کے قریب آ کے رکا۔ اس کے چہرے پہ فاتح کو دیکھ کے واضح غصہ در آیا تھا۔

''جانتا ہوں۔ اس لئے تمہارے آگے سر جھکانے نہیں کھڑا ہوا۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے سامنے کنویں کو دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں آزاد کرنے کا مطلب تھا کہ میں تمہیں اپنے گھر میں نہیں دیکھنا چاہتا۔''

''یہ میرا بھی گھر ہے۔'' وہ زیر لب بولا مگر وانگ لی سن نہ سکا۔ تیوریاں چڑھائے' پہلوؤں پہ ہاتھ جمائے تلخی سے بولا۔

''تمہیں ملکہ اور میرے ساتھ دھوکہ کرنے کے بعد یوں اتنے نڈر انداز میں واپس نہیں آنا چاہیے تھا۔ تم بھول رہے ہو کہ تم یہاں سے جاتے وقت بہت سے دشمن بنا کے گئے تھے۔''

وان فاتح بے تاثر مگر پرسکون چہرے کے ساتھ اس کی طرف پلٹا اور غور سے اسے دیکھا۔

''مجھے سب یاد ہے اور میں اسی لئے واپس آیا ہوں کہ مجھے سب یاد ہے۔''

''تم نے نہ صرف ملکہ سے دھوکہ کیا بلکہ تمہیں یہاں دیکھ کے معلوم ہوتا ہے کہ بے چاری شہزادی کو بھی تم اپنے گاؤں چھوڑ آئے ہو جس نے تم پہ بھروسہ کر کے .....''وانگ لی کہتے کہتے رکا۔اس کا ماتھا ٹھنکا۔''شہزادی کہاں ہے؟''

''جہاں انہیں ہونا چاہیے۔اپنے باپ کے محل میں۔''

وانگ لی کا رنگ بدلا۔آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔''تم اسے واپس لے آئے؟''

''ہاں۔وہ بھی دن کی روشنی میں۔''

''ملکہ نے.....ملکہ نے تمہاری جان اس لئے بخشی تھی کیونکہ تم شہزادی کو یہاں سے لے جا رہے تھے۔یہ ایک شرط پوری کی تھی تم نے اور وہ بھی....''وانگ لی نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

فاتح نے کندھے اچکائے۔''یہاں سے لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔یہ نہیں کہا تھا کہ وہ کبھی واپس آنا چاہے گی تو اسے روک لوں گا۔''

''تم....تم چار دن بھی اپنے وعدے کو پورا نہیں کر سکے۔چار دن بھی....''

''سن باؤ۔کتنا اچھا ہوا گر تم وقت کے حساب کتاب مجھے نہ سمجھاؤ۔''پھر کرتے کے آستین پیچھے کو موڑتے ہوئے ایک بے نیاز نظر اس پہ ڈالی۔''صبح چلا جاؤں گا۔رات مجھے یہیں ٹھہرنا ہے۔''

''یہ میرا گھر ہے اور تم میرے غلام نہیں ہو جو....''

''یہ میرا بھی گھر ہے'سن باؤ۔یہ میرے باپ کا گھر ہے۔''

وہ سنجیدگی سے کہہ کے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔اس کی گردن اٹھی تھی اور چہرہ کسی بھی تاثر سے پاک تھا۔وانگ لی ضبط کا سانس بھر کے رہ گیا۔پہلے سوچا پہریداروں کو آواز دے وہ حویلی کے باہر کھڑے تھے' پھر کسی خیال کے تحت خاموش ہو گیا۔

وہ لکھائی کی میز تک آیا اور قلمدان سے قلم نکال کے جلدی جلدی ایک رقعہ تحریر کرنے لگا۔

اسے ملکہ کو اس خطرے سے آگاہ کرنا تھا جو ٹلتے ٹلتے واپس ان کے سروں پہ منڈلانے لگا تھا۔

☆☆=========☆☆

بنداہارا کے محل کی کھڑکیاں ہنوز روشن تھیں۔ایسی ہی ایک روشن بالکونی میں وہ اس وقت کھڑی تھی۔سیاہ بال جوڑے میں باندھے'سر پہ تاج سجائے'وہ گہرے نیلے کامدار باجوکرنگ میں ملبوس تھی۔اس کے بالوں کا رنگ دیکھ کے کنیزوں کی آنکھیں پھیلی تھیں مگر سوالات پہ پابندی تھی اس لیے انہوں نے خاموشی سے اسے تیار کر دیا تھا۔وہ اپنے ''اصل'' روپ میں...ایک

شہزادی کے روپ میں واپس آ چکی تھی...مگر کیا یہ اس کا اصل تھا؟

محل کی بالکونی سے دور نظر آتے سیاہ سمندر کو دیکھتے ہوئے تالیہ مراد کا دل بالکل خالی تھا۔

''شہزادی۔'' کنیز نے پیچھے آ کے ادب سے پکارا تو وہ چونکی۔اس طرزِ تخاطب کی عرصہ ہوا عادت نہ رہی تھی۔

''ابوالخیر اور مراد راجہ آپ کا کھانے پہ انتظار کر رہے ہیں۔''

''ہوں۔'' شہزادی نے ابرو سے اس کو اشارہ کیا اور پھر.....کندھے سیدھے کیے اور گردن کڑا لی۔اسے اب شہزادی کی طرح رہنا تھا۔کسی پولیس سے بھاگتی مفرور ملزمہ کی طرح نہیں۔(میری زندگی کا وہ فیزاب پیچھے رہ گیا ہے۔کوئی پولیس' کوئی دولت اب میرے پیچھے نہیں آ سکتے۔میں آزد ہوں اور میرے لیے یہی زندگی کافی ہے۔)

وہ خود کو ایسے خیالات سے تسلی دے رہی تھی اور واقعی بجھے دل کو یہ خیالات تسلی دے بھی رہے تھے۔

ایک خوبصورت دیوان خانے میں طعام سجا تھا۔وسط میں چھوٹی میز رکھی تھی اور اس کے گرد مراد اور ابوالخیر آمنے سامنے زمین پہ بیٹھے تھے۔انواع و اقسام کے کھانے چنے گئے تھے۔پیچھے غلام ہاتھ باندھے پانی اور قہوے کی صراحیاں پکڑے کھڑے تھے۔

تالیہ نے ایک نظر چھت سے لٹکتے فانوس پہ ڈالی۔پھر اطراف میں دیکھا۔محل کی شان' اس کی دیواروں سے ٹپکتی ہیبت' غلاموں کی اس کو دیکھتے ہی جھک جانے والی نظریں۔یہ وہ دنیا تھی جہاں وہ چتونوں کے اشارے سے گردنیں مار سکتی تھی۔جہاں کوئی دولت امان نہ تھا۔جہاں اسے کسی کو یقین نہیں دلانا تھا کہ وہ ایک اچھی لڑکی بن چکی ہے۔یہاں کسی کا اس پہ احسان نہ تھا۔کسی کا ہاتھ اس کے اوپر نہ تھا۔وہ یہاں کسی کی باڈی ومن نہیں تھی۔

تالیہ مراد بالآخر آزاد تھی۔

شہزادی کو مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوتے دیکھ کے وہ دونوں افراد اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔مراد شاہی قبا میں ملبوس' ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے' کندھوں تک آتے سیاہ بالوں میں ہمیشہ کی طرح بارعب اور مغرور دکھائی دیتا تھا۔البتہ تالیہ کو دیکھ کے لبوں پہ اپنائیت بھری مسکراہٹ در آئی تھی۔

ابوالخیر کی آنکھوں میں البتہ طنزیہ تاثرات ابھرے تھے۔

''آپ سے مجھے بہت گلے ہیں' شہزادی۔'' وہ مسکرا کے بولا مگر لہجے کا طنز اور شاکی پن واضح تھا۔

''مجھے افسوس ہے اس سب کے لئے جو آپ کے غلاموں کے ساتھ ہوا۔'' وہ مسکرا کے کہتی بیٹھی۔لباس پھول کی طرح ارد گرد پھیلا دیا۔وہ دونوں بھی اپنی جگہوں پہ بیٹھے۔

''اور اسی لئے میں آپ سے مل کے ہمارے درمیان تمام ابہام رفع کرنا چاہتی تھی۔''

اسے اب یہاں رہنا تھا تو ملاکہ کے تالاب کے سارے مگرمچھوں سے اچھے تعلقات بھی رکھنے تھے۔

دیوان خانہ زرد روشنیوں سے روشن تھا۔ وسط میں رکھی میز کے تینوں اطراف میں وہ تینوں بیٹھے تھے۔ ایک غلام نے ڈونگے کا ڈھکن ہٹا رکھا تھا اور مراد اپنی طشتری میں کھانا نکال رہا تھا۔ سارے میں اشتہا انگیز خوشبو پھیلنے لگی۔ ابوالخیر البتہ تالیہ کو مسکرا کے دیکھ رہا تھا۔

''شہزادی..... آپ نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اگر آپ غلاموں کو نہ اکساتیں تو وہ ''جیا'' سے نکل کے آپ کے محل کے سامنے نہ کھڑے ہو جاتے اور ہمیں ان کو آزاد نہ کرنا پڑتا۔ مجھے آپ سے گلہ ہے کہ آپ نے میرے مقابلے میں اس غلام کا ساتھ دیا ہے۔''

تالیہ کی رنگت ذرا دیر کو بدلی مگر وہ سنبھل کے مسکرا دی۔ ''کون سا غلام؟''

''وہی جو سن باؤ کا خدمتگار ہے..... اس کے گھر میں رہتا ہے.....''

(اور بندا ہارا کے محل سے دور..... سفید کرتے پاجامے میں ملبوس وان فاتح سرخ حویلی کی بالکونی میں کھڑا اندھیرے میں ڈوبتے ملاکہ کو دیکھ رہا تھا۔)

''وہ غلام جس کو مراد راجہ نے قید کر رکھا تھا اور آپ کو چاہیے تھا کہ اس معاملے سے دور رہتیں مگر آپ اس غلام سے ہمدردی کرنے لگیں......''

(سن باؤ سونے جا چکا تھا۔ سرخ حویلی خاموش پڑی تھی۔ ایسے میں فاتح کچھ سوچ کے حویلی سے باہر نکل آیا اور آہستہ سے دروازہ بند کیا۔ وانگ لی کا سفید گھوڑا اس کو پہچانتا تھا۔ فاتح نے نرمی سے گھوڑے کو پہلے تھپکا' پھر اس کی لگام کھولنے لگا۔)

''آپ کو لگا آپ کے والد نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے مگر آپ یہ نہیں جانتی تھیں کہ اتنے دن سے وہ غلام جیا میں دوسرے غلاموں کو بہکا رہا تھا۔ وہ غدار تھا۔ باغی تھا۔ اس کا ٹھکانہ قید ہی ہونا چاہیے تھا۔''

(اس نے گھوڑا بازار کے دہانے پہ روکا اور نیچے اترا۔ بازار کی بتیاں ابھی تک گل نہیں ہوئی تھیں۔ فاتح گھوڑے کی لگام تھامے دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگا۔ دکانیں ہنوز کھلی تھیں اور لوگ کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔)

''آپ نے خدا جانے کس شے کی بنا پہ اپنے بابا کو مجبور کیا کہ وہ ہم سب کو حکم دیں کہ ہم ناجائز غلاموں کو آزاد کر دیں اور ہمیں ایسا کرنا پڑا۔ ہم نے اتنے سارے غلام کھو دیے۔''

(وہ آنکھوں میں تحیر لئے ان دکانوں کو دیکھ رہا تھا۔ چند لوگ وہاں سے سامان اٹھا اٹھا کے مال گاڑی میں لاد رہے تھے۔

سامنے ابوالخیر کی حویلی تھی۔ وہ اس طرف بڑھنے لگا۔)

”سن باؤ نے اس غلام کو بھی آزاد کر دیا اور وہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ مگر مجھے آپ سے گلہ رہے گا' شہزادی کہ میں نے آپ کو مسجد تک بنوا کے دی' ہر شے میں آپ کا ساتھ دیا مگر آپ نے میرے سارے غلام مجھ سے دور کر دیے۔“ شکوہ کرتے ہوئے بھی وہ مسکرا رہا تھا۔

(حویلی کی دیوار تک پہنچ کے وہ رک گیا۔ پھاٹک کھلا تھا اور اس پہر کسی دوسرے شہر سے آنے والا سامان اندر رکھوایا جا رہا تھا۔ ابوالخیر کی حویلی پہ قریباً ہر وقت ہی یہی منظر ہوتا تھا۔ پہلے اس کے پاس غلاموں کی فوج ہوتی تھی' اس لئے یہ کام فوراً ہو جاتا تھا۔ اور آج..... فاتح اندھیرے میں کھڑا دم سادھے دیکھنے لگا۔ آج غلاموں کی مدد کے بغیر ابوالخیر کے سارے کام کیسے ہو رہے تھے؟)

”سوال یہ ہے ابوالخیر....“ شہزادی نے مسکرا کے قہوے کی پیالی اٹھائی' گھونٹ بھرا اور اسے نیچے رکھا۔ ”کہ آپ راضی کیوں ہوئے؟ میرے بابا کو انکار کرنا اتنا مشکل تو نہ تھا۔“

(فاتح یک ٹک کھڑا سامان ڈھوتے ان نفوس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ وہی تھے۔ سارے غلام وہی تھے۔ وہ فاقوں کے مارے' چیتھڑوں میں ملبوس لوگ..... وہ اسی طرح ابوالخیر کے کام کر رہے تھے جیسے کرتے آئے تھے.... مگر اب تو وہ آزاد تھے؟ پھر کیوں؟)

”کیونکہ آپ کے بابا کی بات ماننے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ اور مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ سارے غلام اگلے روز ہی میرے پاس واپس آ جائیں گے۔“

وہ چونکی...... ”وہ کیسے؟“ (دل ایک دم ڈوب کے ابھرا تھا۔)

(وان فاتح پتلیاں سکوڑے ان کام کرتے غلاموں کے چہرے دیکھ رہا تھا۔ کچھ چہرے نئے تھے۔ تعداد بھی زیادہ تھی۔ وہ چونکا۔)

”صرف میرے غلام نہیں' شہزادی.... دوسرے رؤساء کے غلام بھی میری چاکری کے لئے آ چکے ہیں۔“

(ایک درخت کی اوٹ میں کھڑے فاتح کو احساس ہوا کہ ابوالخیر کے غلاموں کی تعداد بڑھ چکی تھی۔ ابھی تین چار دن پہلے تو وہ انہیں آزاد کروا کے گیا تھا... تو... پھر...؟)

”کیونکہ آپ نے اور سن باؤ کے اس غلام نے یہ نہیں سوچا کہ خالی خولی آزادی بے معنی ہوتی ہے۔ برسوں اور مہینوں سے میری غلامی کرنے والے کچھ اور کرنا بھول چکے تھے۔ ان کے پاس نہ پیسہ تھا نہ کھانے کو کچھ تھا۔ نہ ان کے گھر بار تھے۔ وہ

کنوارے' اکیلے' بھوکے لوگ تھے۔ میں نے اگلے دن ہی اعلان کروا دیا کہ جو بھی میرے کام میں ہاتھ بٹائے گا میں اس کو یومیہ اجرت دوں گا۔'' ابوالخیر مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

''شام تک آدھے واپس آ گئے اور جب ان کو اجرت ملی تو اگلی صبح دوسرے رؤسا کے غلام بھی میرے پاس تھے۔ اب وہ آزاد ہیں مگر ان کو آزادی نہیں چاہیے تھی۔ ان کو دو وقت کی روٹی چاہیے تھی اور روز کے چند سکے۔ میں ان کو صرف اتنے سکے دیتا ہوں جن سے ان کی جان حلق سے نہ نکلنے پائے۔ مگر وہ کچھ جمع بھی نہ کر پائیں۔ ان کو روز کی روٹی کے لئے میرے پاس واپس آنا پڑے۔ اتنا ہی خرچہ پہلے ان کی روٹی پہ آتا تھا' اب ان کو اتنے ہی سکے دے دیتا ہوں۔ میرا تو کچھ نہیں بگڑا۔ اور وہ بھی خوش ہیں۔ ہاں جس روز کوئی غلام کوئی غلطی کرتا ہے تو سزا کے طور پہ اس کی یومیہ اجرت سے کٹوتی ہوتی ہے۔ یوں وہ میرے پاس سے بھاگ نہیں سکتے۔ وہ میرے ''غلام'' نہیں رہے' شہزادی' مگر وہ میرے ''ملازم'' بن چکے ہیں۔''

(وہ اندھیرے میں کھڑا افسوس سے وہ منظر دیکھ رہا تھا۔ سامان رکھا جا چکا تھا اور ایک داروغہ صورت آدمی کھڑا قطار میں لگے 'ملازموں' کو باری باری چند سکے دے رہا تھا۔ ایک کو اس نے البتہ سکوں کی جگہ جھانپڑ رسید کیا' اور اس کی غلطی یاد کروائی' تو وہ سر جھکائے خالی ہاتھ آگے بڑھ گیا۔)

''آپ کے اس عمل کی وجہ سے وہ 'ملازم' زیادہ برے حال میں ہیں۔ ان کے پاس رہائش نہیں ہے۔ وہ شہر میں کہیں نہ کہیں سو پڑے رہتے ہیں۔ اور جو میرے احاطے میں سونا چاہیں' تو ان کی اجرت مزید کم ہو جاتی ہے۔ میرا کام پہلے سے زیادہ اچھا جا رہا ہے' شہزادی۔ اس لئے اب میں آپ سے مزید گلہ کرنا نہیں چاہتا۔''

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ اس نے بے اختیار باپ کا چہرہ دیکھا جس نے کھانا کھاتے ہوئے کندھے اچکا دیے۔ ''میں نے کہا تھا' یہ بے مقصد ہوگا۔''

وہ بدقت سنبھلی اور زبردستی مسکرا کے اتنا ہی بولی۔

''امید ہے اب ہمارے درمیان کوئی شکوہ شکایت نہیں ہوگی۔ کل سے ہم پہلے کی طرح کام شروع کر دیں گے۔'' اور کھانا نکالنے لگی۔ البتہ اس کی رنگت بجھ گئی تھی۔

وہ یہاں آزاد تھی۔ وہ ملکہ بننے والی تھی۔

مگر صرف آزادی کافی نہیں تھی۔ آزادی کے بعد بھی بہت سی لڑائیاں لڑنا تھیں۔

(وہ جھکے کندھوں کے ساتھ گھوڑے کی لگام تھامے حویلی کی طرف واپس جا رہا تھا۔ ملاکہ کو وہ جس حال میں چھوڑ کے گیا تھا' اس کا یہ قدیم شہر اس سے برے حال میں تھا۔ اس کے لوگ ''نوکریوں کے غلام'' بن چکے تھے۔ کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔)

''ابوالخیر نے کھانے کے دوران مجھے کہا کہ.....'' ابوالخیر چلا گیا تو تالیہ نے خادموں سے کمرہ خالی کروایا اور سنجید گی سے مراد کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''کہ آپ ملکہ بننے والی ہیں۔''

''تم واپس آئی ہو....ملکہ بننے کے لئے!'' وہ رک کے اسے دیکھنے لگا۔

''میں سلطان مرسل کی ملکہ بننے نہیں آئی۔ میں آپ کے ساتھ اس ملک پہ حکومت کرنے آئی ہوں مگر مجھے سلطان سے شادی نہیں کرنی۔'' وہ جھنجھلا کے بولی۔ مراد نے غور سے اسے دیکھا۔ پھر چاولوں کا لقمہ میں میں رکھتے ہوئے بولا۔

''تمہاری دنیا میں کتنا وقت گزرا تھا؟''

''چھ سات ماہ.....'' اس نے گہری سانس بھری۔

''اور ان چھ سات ماہ میں تم نے وہ تعلق ختم نہیں کیا جس کو بنانے کی وجہ سے یہ سب ہوا تھا؟''

''اس تعلق کی اب کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ دونوں واپس چلے جائیں گے اور میں نہیں جاؤں گی۔ مگر میں مرسل شاہ سے شادی بھی نہیں کروں گی' بابا۔ مجھے اس مسئلے سے نجات دلائیں۔''

مراد نے گہری سانس لی۔ ''یہ تمہیں واپس آتے وقت معلوم تھا۔ پھر تم اس مسئلے سے نجات کیوں چاہتی ہو؟''

تالیہ نے ناک سے مکھی جھلائی۔ ''کیونکہ کتاب کے مطابق...یعنی بنگارایا ملایو کے مطابق...جو ہم نے اپنے زمانے میں پڑھی ہے...میری شادی سلطان سے نہیں ہوئی تھی۔''

مراد چونکا۔ پھر دلچسپی سے اسے دیکھا۔ ''اسی لیے غلام فاتح کو ہمارا مستقبل معلوم تھا۔ اس نے ایسا کچھ دعویٰ کیا تھا۔ کیا اس کتاب میں ہماری ساری کہانی لکھی ہے؟''

''پہلے بارہ ابواب تک تو ساری کہانی درست لکھی گئی ہے جو ایڈم.....(وہ رکی) آدم بن محمد سے میں نے لکھوائی تھی۔ باقی کے تین ابواب غالباً میرے جانے کے بعد آپ نے لکھوائے تھے۔'' وہ ناک سکوڑے کہہ رہی تھی۔

''تمہیں کیوں لگتا ہے کہ آخری تین ابواب میں نے لکھوائے تھے؟ میں نے تو ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔''

''کیونکہ ان تین ابواب میں لکھے کام میں نہیں کر سکتی۔''

''کیوں؟ ان میں کیا ہوا تھا؟'' وہ دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

''ان میں میں سلطان مرسل سے شادی کے لئے راضی ہوگئی تھی سات شرائط کے عوض۔ اور آخری شرط یہ تھی کہ سلطان اپنے آپ کو مار دے۔ باقی چھ شرائط مزید مضحکہ خیز تھیں۔ میں کسی کو اس کی اپنی جان لینے کا نہیں کہہ سکتی' بابا۔ اس لیے جیسے بھی ہو' مجھے اس سلطان سے نجات دلائیں۔''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔ مراد نے فکر مندی سے اسے دیکھا۔

"تم واپس تو نہیں جاؤ گی' تالیہ؟" اس نے کسی خدشے کے تحت پکارا۔

وہ اداسی سے مسکرائی۔ "اگر مجھے جانا ہوتا تو میں سلطان سے نجات نہ مانگتی۔ یہاں رہنا ہے تو اس سے نجات چاہیے۔ البتہ میرے دوست..... وہ واپس جائیں گے اور آپ ان کو جانے دیں گے۔ وہ یہاں ایک شے کی تلاش میں آئے ہیں' جب وہ مل جائے گی تو وہ واپس چلے جائیں گے۔"

مراد نے ابرو اٹھا کے غور سے اسے دیکھا۔ "وہ کیا؟"

"آپ آرام کریں بابا۔ میں صبح آپ کو آدم سے ملواؤں گی اور سارے معاملے سے آگاہ کروں گی۔" جھک کے دوبارہ تعظیم پیش کی اور الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگی۔ مگر مراد راجہ تھوڑی کو ناخن سے کھجاتے دلچسپی سے کچھ سوچنے لگا تھا۔

اسے وان فاتح کی باتیں یاد آئی تھیں۔

تو کیا کوئی کتاب ایسی بھی تھی..... دوسری دنیا میں..... جس میں ان سب کے انجام لکھے تھے؟ کیا اس کتاب کو حاصل کیا جا سکتا تھا؟ کیا اپنا مستقبل جان کے اس سے بچا جا سکتا تھا؟

اس کا ذہن ایک دوسرے نہج پہ سوچنے لگا تھا۔

☆☆=========☆☆

اگلی صبح قدیم ملاکہ پہ خوب روشن سی اتری۔ فجر کے قریب خوب بارش برسی اور سارے شہر کو بھگو گئی۔ پھر بادل چھٹ گئے اور سورج نے ملاکہ کو روشن کر دیا تو یوں لگا جیسے ساری کائنات کی خوبصورتی ملاکہ سلطنت میں آ بسی ہو۔ سرسبز درخت..... نیلے سمندر کا سفید جھاگ اڑاتا پانی..... گھاس کے درمیان بنے اونچے نیچے بھورے راستے.....

سن تھا 1577ء اور شہر تھا ملاکہ کا.....

سن باؤ کی حویلی کے سامنے گھنے درختوں کی باڑ بنی تھی جس کے پار کھلا سبزہ زار تھا۔ وہاں گھاس پہ ایڈم بن محمد چلتا آ رہا تھا۔ سر پہ ٹوپی جمائے' کندھے پہ تھیلا لادے' اس نے سنہری تاروں سے بنا ویسٹ کوٹ پہن رکھا تھا جو اس کے شاہی مورخ ہونے کا پتہ دیتا تھا۔

سامنے ایک درخت کے نیچے بڑے پتھر پہ وان فاتح بیٹھا تھا۔ ایڈم کو دیکھ کے اس نے ہاتھ اٹھا کے دور سے سلام کیا۔ وہ اپنے لباس سے غلام نہیں لگتا تھا۔ بس ملاکہ کا عام سا آدمی لگتا تھا۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور کرتے کے آستین کلائیوں پہ موڑ رکھے تھے۔ پتھر پہ بیٹھا وہ کچھ سوچتے ہوئے ایک سوکھی ٹہنی سے تنکے الگ کر رہا تھا۔ وہ کے ایل والے وان فاتح سے کتنا مختلف

نظر آتا تھا۔

''قدیم ملاکہ آ کے معلوم ہوا ہے کہ میں اس جگہ کو مس کر رہا تھا۔ حالانکہ جب میں یہاں آیا تھا تو یہاں سے بھاگ نکلنا میری اولین ترجیح تھی۔''

ایڈم اس کے ساتھ دوسرے پتھر پہ بیٹھتے ہوئے خوشگوار انداز میں بولا تو فاتح نے سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''تم کب سے بیمار ہو؟''

وہ دونوں پتھروں پہ یوں بیٹھے تھے کہ درختوں کی گھنی بیلٹ کی طرف پشت تھی اور سبزہ زار کی طرف چہرہ تھا۔ سبزہ زار کافی وسیع تھی اور اس کا اختتام افق پہ چمکتے سورج پہ ہوتا تھا۔

''آپ کو ہم یاد نہیں تھے تو میں آپ کو کیسے بتایا؟ چے تالیہ کو بھی اسی لئے نہیں بتایا کہ وہ پریشان نہ ہوں۔'' مورخ سادگی سے بتانے لگا۔ ''مگر اس روز جب میں ذوالکفلی کے گھر الٹے قدموں واپس آیا تو مجھے احساس ہو گیا تھا کہ وہ جڑی بوٹیاں انہوں نے میرے لئے منگوائی ہیں۔ میں ان سے ملا تو معلوم ہوا کہ داتن انہیں سب بتا چکی ہے۔ تب ہم نے مل کے یہ پلان بنایا جو کہ دراصل چے تالیہ کا ہی پلان تھا کہ ذوالکفلی سے کسی طرح چابی لے کر مراد راجہ کے پاس واپس جایا جائے۔ وقت نے پیچھے سے رک ہی جانا تھا اس لئے ہم جانتے تھے کہ ہم کچھ نہیں کھوئیں گے اور کسی کو علم ہونے سے پہلے واپس آ جائیں گے۔''

''اور یہ بیماری.... یہ کتنی شدید ہے؟'' وہ افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''پتہ نہیں۔'' ایڈم نے افق پہ نظر آتے سورج کو دیکھ کے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے کندھے اچکائے۔ ''میں یہاں سے گیا تو بالکل ٹھیک تھا۔ مگر جب سے وہ سائمن کے حملہ آوروں نے مجھے ہسپتال پہنچایا تھا' اس کے بعد سے مجھے مسئلے رہنے لگے تھے۔ میں نے ٹیسٹ کروائے تو معلوم ہوا کہ کینسر نہیں ہے مگر کوئی ٹیومر ہے جو جگہیں بدل رہا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ قدیم ملاکہ کا کوئی آسیب ہے۔ کوئی curse۔ اور پھر داتن کی کتابوں نے اس واہمے کی تصدیق کر دی۔''

''اور اب؟ اب تم کیسے ہو؟''

ایڈم دھیرے سے مسکرایا۔ ''میں ٹھیک ہوں۔ یعنی ذرا سی طبیعت خراب ہو جاتی ہے کبھی کبھی مگر ابھی بیماری اولین اسٹیج پہ ہے۔ عجیب بیماری ہے جو بڑھ نہیں رہی۔ رکی ہوئی ہے۔ سائمن کی وجہ سے جب میں ہسپتال پہنچا تھا اس کے فوراً بعد یہ جس طرح شروع ہوئی تھی' اب بھی ویسی ہی ہے۔''

''یعنی یہ بیماری وقت کے ساتھ پروگریس نہیں کر رہی۔''

''نہیں۔ حالانکہ بیماریاں پراگریس کرتی ہیں یا کم ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ بیماری رکی ہوئی ہے اس لئے تو کسی کو معلوم نہیں ہو

پایا کہ میں بیمار ہوں۔'' مسکرا کے کہتے ایڈم نے گردن موڑ کے اسے دیکھا اور پھر پوچھا۔

''کیا آپ نے واقعی استعفیٰ دے دیا ہے؟''

''ہاں۔ اور آج صبح کارمن اسے جمع بھی کروا دے گی۔''

''غلط سر۔ جدید دنیا میں وقت رکا ہوا ہے۔ ہمارے واپس جانے کے بعد وہ چلے گا۔ یعنی ابھی کارمن نے آپ کا استعفیٰ نہیں جمع کروایا۔ واپس جانے کے بعد بھی آپ کے پاس وقت ہو گا اس فیصلے کو واپس لینے کا۔''

''نہیں ایڈم۔ میں خود کو اس عہدے کا اہل نہیں سمجھتا۔'' وہ سر جھکا کے تنکے سے پتے الگ کرنے لگا۔

''وہ آپ کا سب سے بڑا خواب تھا۔ آپ اس سے کیسے دستبردار ہو سکتے ہیں۔''

''مگر میں نے اخلاقی معیار بہت اونچے بنا لئے تھے اور میں خود ان پہ پورا نہیں اتر سکا۔ میں اب اس معیار کو اپنے لیے بدل نہیں سکتا۔ میں اس کو پورا نہ کرنے کی سزا کاٹنا چاہتا ہوں۔ میرے لئے بہترین فیصلہ یہی تھا اس لئے میری یادداشت واپس آ گئی۔''

''نہیں سر۔ وقت کے سوال حل کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ فیصلہ بہترین تھا۔ ان سوالوں کا مطلب یہ تھا کہ آپ کو خود معلوم ہو جائے کہ آپ نے جو فیصلہ کرنا ہے' اسے کل پہ ٹالنے کی بجائے آج کرنا بہتر ہے۔ اگر آپ کوئی اور فیصلہ کرتے اور درست وقت پہ کرتے' تب بھی آپ کی یادداشت واپس آ جاتی۔ مگر.....خیر.....واپس جا کے.....''

''ایڈم تمہیں اتنا یقین کیوں ہے کہ ہم واپس جائیں گے؟''

ایڈم لمحے بھر کو چپ ہوا۔'' کیونکہ ہم نے میری دوا لے کر واپس ہی جانا ہے۔''

''اچھا کیسے؟''

''تالیہ کے پاس پلان ہو گا۔ ان کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''

فاتح چند لمحے افسوس سے اسے دیکھتا رہا۔'' وہ واپس نہیں جائے گی۔''

ایڈم حیران ہوا۔'' وہ واپس جانے کے لئے ہی آئی ہیں۔''

''وہ جس طرح کل اپنے سپاہیوں کو حکم دیتی باہر نکلی تھی' اس سے مجھے نہیں لگتا کہ وہ واپس جانے کے لئے آئی ہے۔''

''وہ کون گرل ہیں' سر۔ وہ ان سب کو کون کر رہی ہیں۔ ظاہر ہے اپنے بابا کو وہ یہی تاثر دیں گی کہ وہ یہاں رہنے آئی ہیں ورنہ وہ ہمیں چابی نہیں دیں گے اور.....''

''ایڈم.....وہ کسی کو کون نہیں کر رہی۔ وہ واپس نہیں جانا چاہتی۔''

''میں ان کو جانتا ہوں۔وہ......''

''تم اس کو جانتے ہو مگر اس کو بھولا میں بھی نہیں ہوں۔ٹھیک ہے کہ اس نے زہر نہیں کھایا تھا مگر وہ ہماری دنیا سے مایوس ہو چکی تھی۔اس نے اپنی ''اُس'' زندگی کو ختم کر دیا ہے اور وہ ''اِس'' زندگی میں واپس آ گئی ہے۔اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا تو میں کبھی تمہارے ساتھ یہاں نہ آتا۔''

ایک دم ٹھنڈی ہوا کا تیز جھونکا آیا جس نے ایڈم کو چونکا دیا۔اس نے جواب نہیں دیا۔وہ کھڑا ہو گیا۔

سامنے سبزہ زار پہ وہ چلی آ رہی تھی۔اپنی بگھی اس نے دور رکوا دی تھی اور سپاہیوں اور کنیزوں کو وہیں کھڑا کیے'وہ خود تنہا ان کی طرف آ رہی تھی۔کامدار لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے'سر پہ تاج سجائے'وہ ماتھے پہ سلوٹیں ڈالے'سنجیدہ نظر آتی تھی۔
ایڈم نے جھک کے سلام کیا۔''شہزادی۔''

فاتح البتہ بے نیازی سے بیٹھا تنکے توڑتا رہا۔پھر گردن اٹھا کے دھوپ کے باعث آنکھیں چندھیا کے اسے دیکھا اور سر کو ہلکا سا خم دیا۔''تالیہ!کیسی ہو؟''

انداز گستاخانہ تھا۔شہزادی نے تندہی سے گستاخ غلام کو دیکھا مگر پھر ضبط کر گئی۔

اس کو تو وہ گستاخی کی سزا بھی نہیں دے سکتی تھی۔

''تم کہاں تھے؟تمہیں بابا سے ملوانا ہے۔چلو میرے ساتھ۔''وہ اسے نظر انداز کر کے ایڈم سے کہنے لگی۔

''کیا تم صرف اپنے مورخ کو ڈھونڈنے یہاں تک آئی ہو؟''پتھر پہ بیٹھے شخص نے دلچسپی سے اسے دیکھ کے پوچھا تو تالیہ نے ایک سنجیدہ نظر اس پہ ڈالی۔

''نہیں۔میں آپ کو یہ دینے آئی تھی۔''لباس سے ایک پوٹلی نکالی اور پتھر پہ اس کے ساتھ رکھی۔اندر سے سونے کے سکوں کے کھنکنے کی آواز آئی تھی۔''یہ رقم چند دن آپ کے لئے کافی ہو گی۔آپ کسی قریبی شہر چلے جائیں۔کسی سرائے میں رک جائیں اور چند دن ہم سے بالکل دور انتظار کریں۔''

''تمہیں میری اتنی فکر کب سے ہونے لگی؟''وہ اسی سادگی سے گردن اٹھائے شہزادی کو دیکھ رہا تھا۔

''وان فاتح۔''وہ ضبط سے دانت جما کے بولی۔''آپ ملاکہ میں بہت سے دشمن بنا کے گئے تھے۔ملکہ'سن باؤ'اور میرے بابا.....سب آپ کے دشمن ہیں۔آپ کے لئے بہتر یہ ہے کہ ہم سے دور چلے جائیں۔جب ایڈم کو دوا مل جائے گی تو آپ اس کے ساتھ واپس چلے جایئے گا۔''

ایڈم نے ٹھہر کے اسے دیکھا۔''میرے ساتھ؟اور آپ؟''

تالیہ نے گہری سانس لی اور نظریں اٹھا کے اسے دیکھا جو ایکدم پریشان نظر آنے لگا تھا۔

''ایڈم......میری بات سنو۔''

''نہیں بے تالیہ۔ ہماری یہی بات ہوئی تھی کہ ہم اکٹھے واپس جائیں گے۔ آپ نے کہا تھا کہ آپ کے پاس پلان ہے۔''

''یہی پلان ہے ایڈم۔''

مگر ایڈم نے نفی میں سر ہلاتے دور بگھی کے ساتھ کھڑے سپاہیوں کو دیکھا اور انگریزی میں بولا'' آپ اپنے باپ کو کون کر رہی ہیں۔ یقیناً سپاہی ان کو رپورٹ کریں گے اس لئے آپ یہ تاثر دے رہی ہیں کہ....''بولتے بولتے اسے احساس ہوا کہ وہ جو کہہ رہا ہے اسے خود بھی اس پہ یقین نہیں ہے۔ اس کے سارے الفاظ ختم ہو گئے۔ وہ اس سب کے لیے تیار نہ تھا۔

''بے تالیہ۔ آپ یہاں نہیں رہ سکتیں۔''

''یہ میرا گھر ہے ایڈم۔ یہاں میرے بابا رہتے ہیں اور وہ مجھے ویسے ہی عزیز ہیں جیسے تمہیں تمہارے ماں باپ۔ تم ان کے پاس جانا چاہتے ہو واپس اور میں اپنے بابا کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔''

''مگر......آپ نے یہ مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ میں آپ کو کبھی یہاں نہ آنے دیتا۔''

''ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔ ابھی تم میرے ساتھ چلو۔''اور ایک سنجیدہ نظر وان فاتح پہ ڈالی جو بنا تاثر کے چہرہ لئے ان دونوں کو آمنے سامنے کھڑے دیکھ رہا تھا۔

''اور آپ......آپ پلیز ہم سب سے دور رہیں۔ مراد راجہ کو بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے کہ آپ کہاں ہیں۔''

''یہ حکم ہے یا مشورہ؟''

''حکم ہی سمجھیے۔''وہ ضبط سے بولی تو وان فاتح نے پوٹلی اٹھالی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''جیسے آپ کا حکم شہزادی۔'' مگر گردن نہیں جھکائی۔ اسے دیکھتا رہا۔ وہ ماتھے پہ بل ڈالے مڑ گئی تو الجھا الجھا کھڑا ایڈم اس کے پیچھے چل دیا۔

وہ دونوں اب دور کھڑی بگھی تک جاتے دکھائی دے رہے تھے اور فاتح وہیں کھڑا ان کو سوچتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ پوٹلی کے اندر چھپے سکے انگلیوں میں چبھتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

بندا ہارا کے محل کے کتب خانے کے باہر اس صبح دو پہریدار کھڑے تھے۔ مراد راجہ اپنے مصاحبوں کی ہمراہی میں چلتا دروازے تک آیا تو پہریدار فوراً چوکس ہوئے۔ ایک نے سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔ دوسرے نے بڑھ کے دروازہ کھولا۔

مراد ہاتھ پیچھے باندھے ٗاکڑے کندھوں پہ شاہی قبا پہنے ٗسپاٹ تاثرات کے ساتھ چلتا اندر آیا۔ مصاحب باہر ٹھہر گئے۔

کتب خانے کے اندر ایڈم کرسی پہ بیٹھا تھا اور تالیہ دائیں بائیں منتظر سی ٹہل رہی تھی۔ مراد اندر آیا اور دروازہ پیچھے سے بند ہوا تو دونوں نے اسے دیکھا۔ ایڈم ہڑبڑا کے اٹھ گیا۔ اور وہ سیدھی مراد کی طرف آئی۔

''بابا..... یہ آدم بن محمد ہے۔'' وہ مراد کا بازو تھامے دھیمی آواز میں تعارف کروارہی تھی۔ ''اتنے مہینے سے آپ اس کو شاہی مورخ کے طور پہ جانتے آئے ہیں مگر دراصل ایڈم میرا دوست ہے۔ میرے ساتھ میری دنیا.....'' رکی اور تصحیح کی۔ ''یہ میرے ساتھ مستقبل کے زمانے سے آیا ہے۔''

''ہوں۔'' مراد نے چمکتی ہوئی آنکھیں اس پہ مرکوز کیے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔ وہ چپ کھڑا لب کاٹتا رہا۔

''کیا اس کو وہ زمانہ یاد ہے جو اس نے یہاں گزارا تھا۔'' چبھتے لہجے میں پوچھا۔

''جی بالکل۔'' ایڈم نے فوراً جواب دیا۔ راجہ نے اسے گھورا۔

''مگر لگتا تو نہیں کہ تمہیں شاہی آداب یاد ہیں۔''

ایڈم بن محمد نے ہڑبڑا کے سر جھکایا۔ ''راجہ!'' اور پھر گردن واپس اٹھائی۔ وہ تالیہ کی باتوں پہ ایسا الجھا تھا کہ اتنی اہم بات بھول گیا۔ وہ 2017 کے جنوری سے واپس آیا تھا اور یہاں وہ کوئی سلیبریٹی رپورٹر نہ تھا۔ اسے بات بات پہ ان دنیاوی خداؤں کے سامنے سر جھکانا تھا۔

''ہوں۔ مسئلہ کیا ہے؟'' مراد راجہ عام سے انداز میں کہتا میز تک آیا اور اس کے کونے پہ بیٹھا ٗپھر ایک گھٹنے پہ ہاتھ رکھے پوری توجہ سے ایڈم کو دیکھا۔

''اس نے وہ پانی نہیں پیا تھا'' تالیہ اس کے پہلو میں آ کھڑی ہوئی اور بتانے لگی۔ ''جس کی وجہ سے یہ ایک عجیب و غریب بیماری کا شکار ہو چکا ہے۔ بظاہر سرطان جیسی یہ بیماری ہمارے زمانے میں ناقابلِ علاج ہے اور اس کا حل ذوالکفلی کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ لیکن.....'' وہ کھنکھاری۔ ''میں نے پڑھا تھا کہ وقت کے اس مرض کا علاج تاریخ میں صرف ایک شکار باز نے کیا تھا جو کہ آپ ہیں۔ اس لئے میں ایڈم کو آپ کے پاس لائی ہوں۔ آپ اسے اس کی دوا دیں تاکہ یہ رخصت ہو سکے۔''

ایڈم صرف اپنے رخصت ہونے کی بات پہ زخمی نظروں سے تالیہ کو دیکھا مگر مراد کی موجودگی کے باعث چپ کر کے رہ گیا۔ وہ بھی نگاہ چرا کے رہ گئی۔

''تم نے وقت کے ساتھ دھوکہ کیا ہے ٗمورخ۔'' مراد راجہ سنجیدگی سے اسے دیکھ کے کہنے لگا۔ ''پانی کسی اور نے پیا ٗچابی

کسی اور نے گھمائی اور ساتھ تم آ گئے۔ وقت اپنے آپ سے دھوکہ کرنے والوں کو سزا ضرور دیتا ہے۔''

''میں ''وقت'' سے معافی مانگنے کے لیے تیار ہوں۔'' وہ جل کے زیرِ لب بولا مگر تالیہ کے گھورنے پہ چپ ہو گیا۔ پھر کھنکھارا۔ ''میں نے یہ جان بوجھ کے......''

''تمہیں اس کے اثرات کب محسوس ہوئے تھے؟'' راجہ نے بات کاٹی تو وہ سوچنے لگا۔

''جب میں ایک دفعہ زخمی ہو کے ہسپتال پہنچا تھا تو.....''

''تمہارا خون بہا تھا؟''

''کچھ خاص نہیں مگر.....بعد میں شہزادی صاحبہ نے چاقو سے مجھے یہاں (بازو پہ ہاتھ رکھا) زخم دیا تھا جس کے باعث....''

''کتنا خون بہا تھا؟ ایک گھونٹ سے زیادہ؟'' راجہ دو بدو سوال کر رہا تھا۔

''معاف کیجیے گا۔ مجھے ماپنے کا ہوش نہ تھا مگر اتنا تو بہا ہو گا۔''

''وقت کے چکر کو دھوکہ دینے کے بعد تمہارے پاس تین مواقع تھے۔ پہلا تم نے ضائع کر دیا۔'' راجہ نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''کیا دوبارہ بھی تم کبھی زخمی ہوئے؟''

''جی۔ ایک دفعہ کچھ دن قبل مگر چند خراشیں آئیں صرف۔'' وہ سمجھا نہیں تھا۔

''چند خراشوں کی خیر ہے۔ یعنی ابھی تک تمہارا صرف ایک موقع ضائع ہوا ہے۔'' راجہ حساب لگا رہا تھا۔ ''وقت کے چکر سے نکل کے تمہیں صرف ایک بات کا خیال رکھنا تھا آدم بن محمد..... کہ کسی بھی صورت میں تمہارا خون نہیں بہنا چاہیے۔ پہلی دفعہ جب وہ بہا....ایک گھونٹ سے زیادہ۔ تو تمہارا ایک موقع ضائع ہو گیا۔ تم بیمار ہو گئے مگر تم نے محسوس کیا ہو گا کہ تمہاری بیماری بڑھی نہیں کیونکہ تمہارے پاس ابھی دو مواقع موجود ہیں۔''

''اوہ۔ اسی لئے ایڈم کی بیماری بڑھ نہیں رہی کیونکہ یہ دوبارہ زخمی نہیں ہوا۔'' وہ چونکی۔

''ہاں۔ اس کے پاس زیادہ سے زیادہ ایک سال کا وقت ہے۔ لیکن اس دوران اگر یہ دوسری دفعہ زخمی ہوا تو اس کی بیماری خطرناک حد تک بڑھ جائے گی۔ دوسری بار خون بہنے کے ایک ماہ کے اندر یہ مر جائے گا۔ اور اگر اس کا تیسری دفعہ خون بہہ گیا تو یہ ایک ماہ سے پہلے اسی وقت مر جائے گا جب اس کا خون بہے گا۔ اس لئے..... جب تک تمہارا علاج نہیں ہوتا۔ تمہیں اپنا خون نہیں بہنے دینا۔''

ایڈم کی رنگت فق ہو چکی تھی۔ اس نے بازو سینے پہ لپیٹ لئے گویا خود کو محفوظ کرنا چاہا۔ وہ کسی ویڈیو گیم کی طرح تین باریوں کا محتاج ہو چکا تھا۔ ایک باری ضائع ہو چکی تھی اور دو باقی تھیں۔

''تو اب.....اب ایڈم کی بیماری اسی طرح چلتی رہے گی؟''

''ہاں۔ یہ اسے آہستہ آہستہ کھوکھلا کر دے گی اور ایک سال تک علاج نہ ہوا تو یہ اسے مار دے گی۔'' اب کے قدرے نرمی سے تنبیہہ کی۔ ''لیکن اگر اس کا دوسری دفعہ خون نہ بہے۔ ورنہ.....''

''سمجھ گیا۔ دوسرا موقع ضائع ہونے سے میں ایک ماہ میں مر جاؤں گا۔'' وہ جل کے بولا۔

''ہوں۔'' مراد راجہ خاموش ہو گیا اور بس اسے گھورے گیا۔ تالیہ کھنکھاری۔

''مگر بابا..... ہمیں ایک برس انتظار نہیں کرنا۔ آپ کے پاس دوا ہے' آپ اسے وہ دیں اور اس کو صحت مند کر دیں۔''

مراد نے گردن موڑ کے ساتھ کھڑی تالیہ کو دیکھا۔ ''میرے پاس کوئی دوا نہیں ہے۔''

لمحے بھر کے لئے قدیم کتب خانے میں سناٹا چھا گیا۔ وہ کچھ بول نہ سکی۔

''مگر کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ نے ایک مریض کا علاج کیا تھا۔ اور.....''

''میں نے کسی ایسے مریض کا علاج نہیں کیا۔ میں نے صرف اس مرض کے بارے میں پڑھا ہے۔''

''یعنی وہ مریض میں تھا۔'' ایڈم آہستہ سے بولا تو تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''وہ مریض میں ہوں گا۔ وہ کتاب بعد میں لکھی گئی ہوگی۔'' پھر اس نے اداسی سے تالیہ کو دیکھا۔ ''وہ مریض زندہ رہا تھا یا مر گیا تھا؟''

''وہاں تو.....'' وہ ہکلائی۔ ''لکھا تھا کہ اسے شفا ملی تھی..... مگر.....'' اس نے مراد کو دیکھا۔ ''معلوم نہیں وہ کسی سے لکھوایا گیا تھا یا واقعی شفا ملی تھی۔''

تاریخ رقم کرنے والوں پہ اب ان دونوں کو اعتبار نہ رہا تھا۔

''مگر..... کوئی تو حل ہوگا' بابا؟'' وہ پریشانی سے بولی۔ سر چکرانے لگا تھا۔ وقت کے چکر میں ایک دفعہ پھر سے پھنسنے کے بعد سب کچھ بے معنی لگنے لگا تھا۔

''میرے پاس اس بیماری کے علاج کا نسخہ ہے۔''

تالیہ کا چہرہ دمک اٹھا مگر راجہ کے اگلے الفاظ نے اس پہ گھڑوں پانی ڈال دیا۔

''مگر اس نسخے میں موجود اشیائے ترکیبی ڈھونڈنا ناممکن ہیں۔ وہ کم از کم ملاکہ میں موجود نہیں ہیں۔ وہ جڑی بوٹیاں دنیا میں کہاں سے ملیں گی..... یہ میں نہیں جانتا۔ مگر میں تمہیں وہ نسخہ دے سکتا ہوں۔'' اس نے کھڑے ہوتے ہوئے سنجیدگی سے ایڈم کو دیکھا۔ ''تم اپنی دوا خود ڈھونڈو۔ تم وہ چیزیں لے آؤ تو میں تمہیں دوا بنا دوں گا۔ میرے ملازم اور سپاہی تمہاری مدد کریں

گے۔مگر میرے پاس ان کی تلاش میں نکلنے کا وقت نہیں ہے۔''

ایڈم نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔''میں تلاش کرلوں گا۔آپ مجھے نسخہ دے دیں۔''

''جی بابا۔آدم تلاش کرلے گا اور ساتھ میں آپ کے سپاہی بھی ہماری مدد کریں گے۔اور پھر.....ہمارے پاس ایک سال ہے۔''اسے کچھ تسلی ہوئی تھی۔

مراد راجہ کتابوں کے ریک کی طرف بڑھ گیا تو تالیہ نے فکرمندی سے اسے دیکھا جو اپنے بازو کو دیکھ رہا تھا۔

''میری وجہ سے تمہارا خون بہا۔میں وہ نہ کرتی تو.....''وہ شدت درد سے چپ ہوگئی۔ایڈم نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا اور اداسی سے مسکرایا۔

''اگر آپ کو الزام دینا ہو تو آپ کے اوپر میرے بہت سے قصور نکلتے ہیں' چے تالیہ۔مگر نہیں.....آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔''

اس کے بات پہ تالیہ نے ابرو بھینچ کے اسے دیکھا۔''تمہیں وقت کے چکر میں پھنسانے اور تمہارا خون ضائع کروانے کے علاوہ میرا کیا قصور؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔چہرہ موڑ کے راجہ کو دیکھنے لگا جو ایک کتاب کو کھولے کچھ پڑھ رہا تھا۔پھر ایک صفحے پہ آ کے وہ رکا اور ان کی طرف آیا۔

''یہ وہ تمام اشیائے ترکیبی ہیں جو اس دوا کے لئے استعمال ہونے ہیں۔''سنجیدگی سے کتاب اس کی طرف بڑھائی۔ایڈم نے تیزی سے اسے تھاما۔ایک صفحے پہ کوئی درجن بھر چیزیں لکھی تھیں۔

''یہ کہاں سے ملیں گی؟''وہ تحیر سے ان کو پڑھ گیا۔یہ بہت عجیب وغریب اشیاء تھیں۔

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔تمہارے پاس ایک برس ہے' آدم بن محمد۔تم ان کو ڈھونڈ لاؤ تو میں تمہیں دوا بنا دوں گا۔''

ایڈم نے صفحے پلٹائے۔''دوا بنانے کی ترکیب یہاں نہیں لکھی۔''پھر سر اٹھا کے راجہ کو دیکھا جو اسے سپاٹ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''ترکیب یہاں ہے۔''راجہ نے انگلی سے اپنی کنپٹی پہ دستک دی۔''یہ دوا دراصل چند دوسرے امراض کے لئے ہے مگر میں جانتا ہوں کہ اسے ایک خاص طریقے سے بنایا جائے تو تمہارے مرض کا حل مل سکتا ہے۔ویسے بھی ایک سال کا عرصہ کافی ہے۔''کمر پہ ہاتھ باندھے مراد راجہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔تو تالیہ نے جلدی سے کتاب لی' اور اسے میز پہ رکھا۔پھر ایک قلم دوات میں ڈبو ڈبو کے تمام اشیائے ترکیبی کو ایک خالی صفحے پہ اتارنے لگی۔

''ہم دونوں اپنے اپنے طور پہ ان کو ڈھونڈیں گے۔تم ان کتابوں میں ان علاقوں کو تلاش کرو جہاں یہ دستیاب ہوں گی۔ اور میں پوری سلطنت میں ان کو ڈھونڈنے کے لئے سپاہی دوڑاتی ہوں۔''اس نے اپنا نقل شدہ کاغذ اٹھایا جس کی سیاہی گیلی تھی اور اسے ہوا میں جھلایا۔ پھر ایڈم کو دیکھا اور یقین دہانی کروائی۔

''ہمارے پاس ایک سال ہے ایڈم۔ ہمارے پیچھے وقت نہیں گزرے گا۔تم واپس اسی لمحے میں جاسکو گے۔''

''اور آپ؟''اس نے گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔وہ دونوں خاموش کتب خانے میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔تاج پہنے کھڑی شہزادی نے سر جھکا دیا۔

''میں دوبارہ جیل نہیں جانا چاہتی۔ میں یہاں خوش ہوں' آزاد ہوں۔میرے بابا مجھ سے پیار کرتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ خوش رہوں گی۔''

''آپ بندا ہارا کے اونچے محل پہ لعنت بھیج کے یہاں سے گئی تھیں' چے تا لیہ۔''

''تب میں اپنے بابا کو ایک ولن سمجھتی تھی مگر اب.....اب مجھے وہ تمام ماہ و سال یاد آگئے ہیں جو میں نے ان کے ساتھ گزارے تھے۔''اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ ایڈم کو کس طرح سمجھائے۔''وہ میرے بابا ہیں۔ہم نے ایک زمانہ ساتھ گزارا ہے۔وہ برے انسان نہیں ہیں۔ ہمارے درمیان صرف وقت حائل ہو گیا تھا۔اور اب.....''وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔''وہ مجھے واپس مل گئے ہیں۔دیکھو.....وہ بنا کسی شرط' بنا کسی بدلے کے تمہاری مدد کے لئے تیار ہیں۔تمہیں یہ ماننا پڑے گا کہ وہ مجھ سے پیار کرتے ہیں اور میرے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔اور وہ اتنے برے نہیں ہیں جتنا ہم ان کو سمجھتے تھے۔''

ایڈم نے بس اثبات میں سر ہلا دیا۔فی الحال اس کے پاس مزید کچھ کہنے کو نہ تھا۔

وہ چلی گئی تو وہ کتب خانے کی ایک کھڑکی کے ساتھ آبیٹھا اور میز پہ کہنیاں رکھ کے وہ کتاب پڑھنے لگا۔ایک سال.....ایک سال میں تو دنیا بدل سکتی تھی۔یہ عجیب و غریب اشیاء ترکیبی بھی اس کو مل سکتے تھے۔وہ خود کو امید دلانے لگا۔

ابھی چند ساعتیں ہی گزری تھیں کہ ایک سپاہی اندر داخل ہوا۔

''شاہی مورخ.....شہزادی تاشہ نے آپ کو محل میں بلوایا ہے۔شاہی طبیب آپ کے معائینے کے لئے آچکا ہے۔''

ایڈم نے گہری سانس لی۔کتاب رکھی اور اٹھ کھڑا ہوا۔اب وہ محل میں شاہی مہمان کا درجہ حاصل کر چکا تھا۔

کتب خانے سے محل تک جاتے ہوئے وہ ایک ایک جھاڑی' ایک ایک کانٹے سے بچ کے گزر رہا تھا۔اسے ایک سال تک اپنا خون نہیں بہنے دینا تھا۔ایک قطرہ بھی نہیں۔

محل کے اندر جس کمرے میں شاہی طبیب اس کا منتظر تھا وہ ایک خالی دیوان خانہ تھا جس میں چند مسہریاں بچھی تھیں اور وسط

میں فرشی نشست تھی۔ایڈم اندر داخل ہوا تو دیکھا.....فرشی نشست پہ ایک طبیب دو زانو بیٹھا تھا۔اس کے سامنے طشت میں آلاتِ جراحی، دھاگے اور چند دوائیاں بجی تھیں۔

''آؤ' آدم!'' آواز پہ وہ چونکا۔کھڑکی کے ساتھ مراد راجہ کھڑا تھا۔کمر پہ ہاتھ باندھے وہ دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ایڈم نے ارد گرد نظریں دوڑائیں۔

''شہزادی تاشہ؟''

''وہ اس دوا کی نقول تیار کر کے مختلف شہروں میں قاصد بھیجنے میں لگی ہے۔تب تک طبیب تمہارا زخم بھر دے گا۔'' مراد راجہ چھوٹے قدم اٹھاتا قریب آ رہا تھا۔

''مگر میرا زخم تو عرصہ ہوا بھر چکا ہے۔''

راجہ اس کے عین مقابل آ کے رکا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔''تم جانتے ہو اگلے ایک سال تک اس محل میں کیا ہوگا؟ شہزادی تاشہ دن رات تمہاری دوا ڈھونڈنے میں لگی رہے گی۔پورا ایک سال وہ کسی دوسری طرف توجہ نہیں دے گی اور یہ میرے لئے قابلِ قبول نہیں ہے۔''

ایڈم کو یکدم احساس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے کھڑا ہے۔اس سے قبل کہ وہ مڑتا' پیچھے کھڑے سپاہی نے ایک نوکدار خنجر اس کے پہلو میں گھسا دیا تھا۔درد کی ناقابلِ برداشت لہر جسم میں اٹھی۔وہ کراہ بھی نہ سکا اور زمین پہ بیٹھتا چلا گیا۔

سپاہی نے کھینچ کے خنجر نکال لیا۔خون بھل بھل گرنے لگا۔وہ گرتے گرتے اٹھنے لگا' اس سپاہی پہ جوابی حملہ کرنے کے لئے.....مگر فرش پہ گرتے خون کو دیکھ کے....اس کے ہاتھ پیچھے کو بڑھے۔اس نے اپنے زخم کو ڈھانکنا چاہا۔خون بہنے سے روکنا چاہا...مگر ہاتھ رنگین ہوتے گئے.....سرخ پانی سا فرش پہ ندی کی طرح بہتا گیا....وہ ایک گھونٹ سے کہیں زیادہ تھا.....

ایڈم کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔خنجر پہ کوئی دوا بھی لگی تھی۔جس سے وہ غنودگی میں جا رہا تھا۔بمشکل اس نے آنکھیں کھول کے دیکھا۔مراد راجہ پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

''ایک سال تک میں تمہارے لئے اپنی بیٹی کو مصروف رکھوں؟ تم.....آدم.....تم اس کا دوسری دنیا سے واحد تعلق ہو۔ جب تک تم نہیں جاؤ گے.....وہ کبھی مجھے واپس نہیں ملے گی۔اس لئے میں تمہیں ایک سال تک برداشت نہیں کر سکتا۔'' پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ایڈم زمین پہ گرا تھا۔اس کا چہرہ راجہ کے جوتوں کے قریب تھا۔اس نے بند ہوتی آنکھیں بدقت کھول کے اسے دیکھا۔وہ کہہ رہا تھا۔

''اب تمہارے پاس ایک ماہ ہے۔اپنی دوا تلاش کرو اور میری دنیا سے ہمیشہ کے لئے چلے جاؤ۔'' وہ غرا کے بولا اور پھر

طبیب کو اشارہ کیا۔

''اس کا زخم بھر دو.....اور جب یہ ہوش میں آجائے تو اس کو اچھا کھانے پینے کے لئے دو۔اس کی دن رات حفاظت اور خدمت کرو کیونکہ آج کے بعد اسے اس کی ضرورت پڑے گی۔''

راجہ کے قدم اب دور جا رہے تھے۔ایڈم بن محمد کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں ایک آنسو دائیں آنکھ سے نکلا اور نیچے لڑھک گیا۔

اندھیرے میں ڈوبنے سے پہلے اسے صرف ایک بات یاد تھی۔

اس نے اس قدیم دنیا میں واپس آ کے بہت بڑی غلطی کر دی تھی۔

☆☆=========☆☆

بنداہارا کا اونچا محل سورج کی روشنی میں نہایا کھڑا تھا۔وسیع سبزہ زار کے آگے پھاٹک لگا تھا جو باہر والوں کو محل آنے سے روکنے کا سبب تھا۔ پھاٹک کے آگے بل کھاتی سڑک تھی جو پہاڑی سے نیچے لے جاتی تھی۔مراد راجہ گھوڑے پہ سوار اس وقت پھاٹک سے باہر نکل رہا تھا۔سرخ پٹی ماتھے پہ باندھے' دھوپ کے باعث آنکھیں سکوڑے' وہ گھوڑے کو سڑک پہ ڈال رہا تھا۔ مصاحب اور مسلح سپاہی اپنے گھوڑوں پہ اس کے عقب میں محل سے باہر نکل رہے تھے۔

یہ مراد کا روزانہ کا پروٹوکول لشکر تھا جس کے ساتھ وہ سلطنت محل جایا کرتا تھا۔آج بھی وہ ہر روز کی طرح محل سے نکلا تھا اور ابھی سڑک کے وسط میں ہی پہنچا تھا کہ ایک دم اس نے لگام کھینچی۔آنکھوں میں طیش ابھرا اور لب بھنچ گئے۔

ایک گھڑسوار جانے کہاں سے آیا اور سڑک کے بیچ میں گھوڑا روک لیا۔

اس کا گھوڑا سیاہ تھا۔ چمکدار سیاہ۔اور اس پہ بیٹھے آدمی کی پوشاک نفیس اور قیمتی تھی۔اس نے سفید کرتے پاجامے کے اوپر سیاہ قبا پہن رکھی تھی اور گیلے بال دائیں طرف جما رکھے تھے۔ جوتا سنہرا اور کامدار تھا۔غرض اپنے لباس اور سواری سے وہ کوئی رئیس معلوم ہوتا تھا۔اس لئے سپاہیوں نے رک جانا مناسب سمجھا اور تذبذب سے اپنے راجہ کو دیکھا جس کے چہرے پہ سرخی نمودار ہوئی تھی۔

(غلام فاتح!) بنا لب ہلائے مراد نے غصیلی نظروں سے نوارد کو دیکھا تھا۔اس کے دستے نے غالباً ابھی تک اسے پہچانا نہیں تھا۔

گھڑسوار مسکرایا اور لگام کو حرکت دی۔ گھوڑا دھیرے دھیرے ٹاپ اٹھاتا راجہ کے دائیں ہاتھ آ کھڑا ہوا یوں کہ دونوں گھوڑوں کے چہرے ایک دوسرے سے ٹکرانے والے تھے۔

''آداب' راجہ!'' فاتح نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ نہ گردن جھکائی نہ نظر۔

مراد کے چہرے کی سرخی بڑھنے لگی۔ کھلی فضا میں وہ دونوں پہاڑی کی بل کھاتی سڑک پہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' وہ دبا دبا سا غرایا۔

''میں اپنے ملاکہ کی خبر لینے واپس آیا ہوں' راجہ۔'' فاتح نے مسکرا کے کہتے ہوئے گردن گھما کے ادھر ادھر دیکھا۔ دور پہاڑی سے نیچے سمندر کے بہتے پانیوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔

''تو کیسا پایا تم نے میرے ملاکہ کو؟'' راجہ طنز سے گویا ہوا۔ باغی ہوا اس کے لمبے بالوں کو پیچھے کی طرف اڑا رہی تھی۔

''میرا ملاکہ اس سے برے حال میں ہے جس میں' میں اسے چھوڑ کے گیا تھا۔ غلام آزاد ہو گئے مگر ایک دفعہ پھر قید کر لئے گئے۔ امراء اور رؤسا اسی طرح سونے کی ڈھیر جمع کر رہے ہیں اور سلطان اپنی شادی کی تیاریوں میں مگن ہے۔''

مراد نے لگام کو حرکت دی۔ گھوڑے کو چند قدم آگے بڑھایا یہاں تک کہ دونوں گھوڑے ایک دوسرے کے پہلو میں ہو گئے۔ اب وہ فاتح کے زیادہ قریب تھا۔ دائیں طرف چہرہ موڑ کے تندہی سے اسے گھورا۔

''میں تمہاری ہمت پہ حیران ہوں' غلام فاتح۔ تم اس سب کے بعد میرے پاس یوں اس چہرے کے ساتھ آ گئے؟ کیا تم مجھے جانتے نہیں ہو؟'' وہ اب کے قدرے اونچی آواز میں بولا۔ پیچھے کھڑے سپاہیوں کے دستے میں لہر سی دوڑی۔ محافظ چوکنے ہوئے۔ تلواروں پہ ہاتھ رکھ لئے' جیسے راجہ کے ایک حکم پہ نوار دپہ حملے کے لئے تیار ہوں۔

''ظاہر ہے میں آپ کو جانتا ہوں' راجہ۔ میں چند دن پہلے تک آپ کی قید میں تھا اور بہت مشکل سے شہزادی تاشہ نے مجھے چھڑوایا تھا۔ اس کے بعد مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا بلکہ آپ سے دور بھاگنا چاہیے تھا لیکن.....''

اس نے گہری سانس لی۔ مسکراہٹ ایک پل بھی اس کے لبوں سے جدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ بغیر تلوار یا ڈھال کے نہتا' سر اٹھائے ان کے درمیان کھڑا تھا۔

''لیکن؟''

''لیکن میں وہ جانتا ہوں جو آپ نہیں جانتے۔'' اس نے سر آگے کیا اور آہستہ سے گویا ہوا۔ ''میرے زمانے میں ایک ایسی کتاب وجود رکھتی ہے جس میں آپ سب کا **مستقبل** درج ہے۔''

مراد نے جواب نہیں دیا۔ بس آنکھیں چھوٹی کیے اسے گھورتا رہا۔

''میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا' راجہ۔ کہ میں آپ کے مستقبل کے بارے میں جانتا ہوں۔ کیونکہ میں نے وہ کتاب پڑھی ہے۔ اس کے آخری تین ابواب میں آپ کا مستقبل درج ہے۔''

''اور تم مجھے یہاں میرے مستقبل سے ڈرانے آئے ہو؟'' کہتے ہوئے مراد نے گردن موڑ کے سپاہیوں کو مخصوص اشارہ کیا۔انہوں نے تلواریں نیاموں میں ڈال لیں اور ادب سے دور ہٹتے گئے یہاں تک کہ مراد اور فاتح اپنے گھوڑوں پہ تنہا رہ گئے۔

''تم نے مجھے کہا تھا' غلام فاتح' کہ میری بیٹی ایک بحری سفر پہ جائے گی اور واپس نہیں آئے گی۔ایک المناک انجام۔'' اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔''اور میرے بارے میں تم نے کہا تھا کہ مجھے بھرے چوک میں لوگوں کے سامنے.....''وہ رکا۔

''لوگوں کے سامنے کیا؟''

''تم نے اپنی بات مکمل نہیں کی تھی لیکن شاید تم مجھے میری موت کے بارے میں بتا رہے تھے۔میں دراصل تمہاری کہانی کا وہ ظالم کردار ہوں جس کا انجام یقیناً المناک لکھا گیا ہوگا کیونکہ مجھے اپنے اعمال سے اس سے زیادہ کی امید بھی نہیں ہے۔''وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔''تو بتاؤ.....کیا لکھا تھا میرے انجام میں؟ مجھے بھرے چوک میں لوگوں کے سامنے کیا کیا جائے گا؟ پھانسی ؟زندہ درگور؟ یا سنگسار؟''

''جی راجہ۔آپ نے میری بات اس دن مکمل نہیں ہونے دی تھی' اس لئے میں آج اس کو مکمل کرتا ہوں۔''

وان فاتح نے گہری سانس لے کر کہا۔''آپ کو بھرے چوک میں سب لوگوں کے سامنے.....تاج پہنایا جائے گا۔آپ ملاکہ کے سلطان بن جائیں گے' مراد راجہ۔''

سمندر کا شور تھم گیا۔ساری فضا رک گئی۔مراد راجہ بالکل ساکت رہ گیا۔

''تم.....جھوٹ کہہ رہے ہو۔تم نے کہا تھا کہ منصور شاہ اگلا حکمران ہوگا کیونکہ گزشتہ سلطان کے بیٹے بغاوت کریں گے اور...''

''جی۔سلطان کے بیٹوں نے آپ کے ساتھ مل کے بغاوت کی تھی اور منصور شاہ کو حکمران بنایا تھا مگر وہ زیادہ عرصہ تخت نہیں سنبھال سکا تھا۔آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے کہا تھا' اس کے بعد تین چار حکمران بدلے تھے لیکن بنداہارا ایک ہی رہا تھا۔پدو کا راجہ۔آپ نے میری اس بات سے فرض کر لیا کہ چونکہ آپ بنداہارا نہیں ہوں گے تو اس کا مطلب ہے آپ مر چکے ہوں گے۔لیکن سچ یہ ہے کہ...''

''کہ منصور شاہ کو تخت سے ہٹانے کے بعد میں اگلا سلطان بنوں گا؟ اور پدو کا راجہ دراصل میرا بنداہارا ہوگا؟'' مراد ششدر رہ گیا تھا۔

''جی راجہ۔ایسا ہی ہوگا۔وان فاتح جھوٹ نہیں بولتا۔اس کتاب کے آخری تین ابواب میں آپ کا مقدر بدل گیا تھا۔اس

کے مطابق شہزادی تاشہ سلطان مرسل سے شادی کے لئے تیار ہوگئی تھی مگر اس نے چند شرائط رکھی تھیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی مراد راجہ نے چند عظیم کام کیے تھے اور بالآخر وہ سلطان بن گیا تھا۔ مراد راجہ کو تاریخ میں اچھے الفاظ سے یاد رکھا جاتا ہے۔ چھ سو سال بعد بھی ہمارے مدارس میں بچوں کو مراد راجہ کے بارے میں پڑھایا جاتا ہے کہ وہ بھلے ایک چالاک اور زیرک بندا بارا تھا، مگر اس نے خود کو بدلا تھا۔ اچھے کام کیے تھے اور عوام کو ایک نالائق حکمران سے نجات دی تھی۔"

مراد راجہ سانس نہیں لے پا رہا تھا۔

"یہ اس کتاب کے آخری ابواب میں درج ہے۔"

فاتح نے اثبات میں سر ہلایا۔"اسی لئے تالیہ کو اس بات پہ یقین نہیں ہے کہ آخری ابواب سچے ہیں۔ وہ سمجھتی ہے کہ وہ سچ نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ وہ اچھے کام نہیں کر سکتے جو وہاں لکھے ہیں...."

وہ چونکا۔"تو تمہیں کیسے معلوم کہ وہ سچے ہیں؟ کیا معلوم وہ سب واقعی میں نے لکھوایا ہو؟"

"کیونکہ ان میں لکھا ہے کہ مراد راجہ کی قسمت اس دن بدلی جس دن محل سے نکلتے ہوئے ایک سیاہ چمکدار گھوڑے پہ بیٹھے آدمی نے اس کا راستہ روکا اور اسے کہا کہ وہ اسے سلطان بنا سکتا ہے۔" فاتح مسکرا کے بتا رہا تھا۔"آج میں جب اپنے لئے سواری خریدنے گیا اور یہ گھوڑا خریدا تو مجھے وہ سطور یاد نہیں تھیں مگر جب میں اس سڑک تک آیا تو میں نے آپ کو محل سے نکلتے دیکھا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ وہ آدمی میں تھا۔"

مراد ابھی تک تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور تمہاری کتاب میں اس آدمی کا نام کیا درج ہے؟"

فاتح زخمی سا مسکرایا۔"اس کا کوئی نام نہیں ہے۔ نہ یہ لکھا ہے کہ وہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا گیا۔ اس کو محل والے صرف ایک لقب سے پکارتے تھے کیونکہ اس نے مراد راجہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے سلطان بنوا سکتا ہے۔"

"کیسا لقب؟"

"سلطان ساز۔"

سمندر کے پانیوں کا شور پھر سے سنائی دینے لگا۔ کسی درخت سے پرندے چھم سے اڑے اور ان کی چیخیں ساری فضا میں گونج اٹھیں۔

مراد راجہ ابھی تک عجیب نظروں سے سیاہ گھوڑے پہ بیٹھے آدمی کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے کیسے معلوم ہو کہ تم یہ سب سچ کہہ رہے ہو یا یہ تمہاری کوئی چال ہے؟"

''کیا آپ کو میری پیشانی کسی کاذب کی پیشانی لگتی ہے؟''

مراد چپ رہ گیا۔پھر پتلیاں سکوڑ کے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم یہ کہہ رہے ہو کہ میں تمہیں اپنا سلطان ساز بنالوں؟اور تم.....تم مجھے سلطان بنادو گے؟''

یہ وہ خیال....وہ خواہش تھی جو مراد راجہ تنہائی میں خود سے کہنے سے بھی ڈرتا تھا۔

''ہاں۔صرف مجھے معلوم ہے کہ آپ سلطان کیسے بنیں گے۔''

''وہ کتاب تو تالیہ نے بھی پڑھ رکھی ہوگی۔اور اس مورخ نے بھی۔پھر مجھے تمہاری کیا ضررت؟''

''بجا فرمایا آپ نے لیکن اس کتاب میں صرف یہ لکھا ہے کہ آپ سلطان بنے تھے۔یہ نہیں لکھا کہ کیسے بنے تھے۔جب میں تالیہ اور مورخ کو لے کر یہاں سے چلا گیا تھا تو میں نہیں چاہتا تھا کہ تالیہ واپس آئے کیونکہ مجھے ڈر تھا کتاب سچی نہ ہو جائے۔لیکن کتاب سچی تھی۔اور کل رات یہاں آ کے.....سب کچھ دیکھنے کے بعد میں جان گیا ہوں کہ یہ سب کیسے ہوا ہوگا ۔میرے پاس آپ کو سلطان بنانے کا منصوبہ بھی ہے۔اگر آپ میری مدد لینا چاہتے ہیں تو میں حاضر ہوں۔البتہ ایک بات میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔''

''وہ کیا؟''

''اس کتاب میں درج تھا کہ سلطان ساز کے پاس مراد راجہ کو بادشاہ بنانے کے لیے وقت کی ایک محدود مدت تھی۔''

''محدود مدت؟''

''جی ہاں۔کتاب کے مطابق سلطان ساز بار بار یہ بات دہراتا تھا کہ اس کے پاس مراد راجہ کو سلطان بنانے کے لئے صرف ایک ماہ ہے۔اور شہزادی تاشہ نے مرسل شاہ سے شرائط پوری کرنے کے لئے بھی ایک ماہ کا وقت دیا تھا۔ایسے لگتا تھا کہ ایک ماہ بعد کچھ ہونا تھا جس کا ذکر کتاب میں نہیں ہے۔''

مراد کا سانس بالکل تھم گیا۔اس نے دھیرے سے نظر جھکائی اور اپنے آستین کو دیکھا۔اس پہ ایڈم کے خون کی چھینٹ سے لگا دھبہ لگا دکھائی دے رہا تھا۔بس ایک لمحے میں مراد کو سمجھ آ گیا کہ وہ درست کہہ رہا تھا۔

''تم چاہتے ہو کہ.....کہ میں تمہیں اپنا سلطان ساز بنالوں؟اور کیا تم بھول گئے کہ تم نے.....''اس نے دانت پیسے جیسے بہت کچھ یاد آیا ہو۔''تم نے میری بیٹی سے نکاح کر کے میری پیٹھ میں چھرا گھونپا تھا؟میں ابھی تک اس معاملے سے نہیں سنبھلا اور تم....''مراد کے کان پھر سے سرخ پڑنے لگے۔

''جب سلطان' سلطان نہیں رہے گا تو آپ کو کس کا ڈر ہوگا۔'' سلطان ساز نے کندھے اچکائے تو مراد لمحے بھر کو چپ رہ

گیا۔

”تم یہ سب کس لئے کر رہے ہو؟ میری بیٹی کے قریب رہنے کے لئے؟“

”نہ صرف اس لئے بلکہ اس کو واپس اس کی دنیا میں لے جانے کے لئے۔“

مراد نے بے یقینی سے ابرو اٹھایا۔ ”مجھے امید نہیں تھی کہ تم اپنے منہ سے اعتراف کر لو گے کہ تم یہ سب اس کو واپس لے جانے کے لئے کر رہے ہو۔“

”کیونکہ میں نے کہا نا' میں جھوٹ نہیں بولتا۔ اگر میں آپ کو دھوکہ دے رہا ہوتا تو اس بات کا اعتراف نہ کرتا۔ بلکہ آپ کو یقین دلاتا کہ میں اسے واپس نہیں لے جانا چاہتا۔“

”میں یہ بات جانتے ہوئے بھی کہ تم میری بیٹی کو مجھ سے چھیننے آئے ہو' تمہیں اپنے دربار میں جگہ کیسے دے سکتا ہوں؟“

”کیونکہ ہمارے زمانے میں لوگ ایک محاورہ بولتے ہیں' راجہ۔ دوست کو قریب رکھو اور دشمن کو قریب تر۔“

آمنے سامنے گھوڑوں پہ سوار وہ دونوں مرد چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھے گئے۔ پھر وان فاتح کہنے لگا۔

”شہزادی کسی بھی طرح سلطان سے شادی نہیں کر سکتی۔ بالفرض وہ راضی ہو جائے' تب بھی.... اگر سلطان کو علم ہوا کہ اسے دھوکہ دیا گیا ہے تو وہ آپ سب کی گردن مروا دے گا۔ اس لئے ہم سب کی بقا اسی میں ہے کہ ہم اسے سلطان نہ رہنے دیں۔ آپ مجھے اپنے دربار میں جگہ دے کر کبھی نہیں پچھتائیں گے' راجہ۔“

مراد راجہ نے گہری سانس لی اور گھوڑے کا رخ موڑا۔ پھر بلند آواز میں اپنے سپاہیوں کو آواز دی۔

”یہ شخص آج سے میرا مشیر ہے۔ محل میں نہ صرف اس کی رہائش کا انتظام کیا جائے بلکہ اس کے لئے لباس اور دوسری اشیائے ضرورت کا بندوبست بھی کیا جائے۔ یہ ایک دوسرے ملک سے آیا ہے اور اس کے پاس اپنا کچھ نہیں ہے۔“ سپاہیوں نے گردنیں تسلیم خم کیں۔ دو سپاہی فوراً محل کی طرف دوڑے۔ مراد مسکرا کے واپس اس کی طرف گھوما۔

”ہم سلطان مرسل شاہ کے محل کی طرف جا رہے ہیں۔ دربار کا آغاز ہونے والا ہے۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا چاہیے۔“

اس نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ ”راجہ!“ اور اپنا گھوڑا موڑ لیا۔

اب وہ مراد کے گھوڑے کی معیت میں پہاڑی سے نیچے اتر رہا تھا۔

قدیم ملاکہ پہ نئے دن کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔

☆☆==========☆☆

شاہی کتب خانہ اس صبح خاموش پڑا تھا جب شہزادی تاشہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے گلابی گھیر دار لباس پہن رکھا تھا اور

چھوٹے سیاہ بالوں پہ دمکتا ہوا تاج سجا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں کاغذات کے پلندے اٹھا رکھے تھے اور چہرے پہ دبا دبا سا جوش تھا۔ پیچھے چلتی کنیزوں نے بار بار کاغذ اٹھانے کی پیشکش کی مگر وہ اتنی پرجوش تھی کہ انکار کیے گئی۔ کتب خانے کے دروازے پہ اس نے کنیزوں کو رکنے کا اشارہ کیا۔ دربان نے دروازے کھولے تو اس نے فوراً پوچھا۔

''آدم کہاں ہے؟''

''وہ آرام کر رہا ہے۔''

''ابھی تک؟'' اسے حیرت ہوئی۔ دن چڑھ آیا تھا اور ایڈم تو صبح جلدی اٹھنے والوں میں سے تھا۔ خیر....وہ مسکراتے ہوئے اندر آئی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ کتب خانہ خالی تھا۔

وہ ایک دروازے کی طرف بڑھی جو ایک آرام دہ کمرے کی طرف کھلتا تھا جہاں ایڈم رہتا تھا۔ اس نے دستک دی۔ جواب ندارد۔ پلندہ ایک ہاتھ سے سنبھالے تالیہ نے دروازہ دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

سامنے بستر پہ ایڈم لیٹا تھا۔ لحاف سینے تک ڈالے اس کا سر اونچے تکیوں پہ پڑا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔

''تم ابھی تک سو رہے ہو؟ اٹھو اور دیکھو مجھے کیا ملا۔''

وہ چہک کے کہتی اندر آئی اور دروازے کے قریب میز پہ کاغذات رکھے۔

''وہ تمام چیزیں جو اس دوا کے لئے چاہیے ہیں.....وہ ملاکہ اور وسطی ایشیاء سے مل سکتی ہیں۔ ان کو تلاش کرنے اور بنانے میں زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کا عرصہ درکار ہے اور اگر ہم دونوں مل کے.....ان جگہوں کا سفر کریں تو ہم ایک ایک کر کے.....''

وہ بولتے بولتے رکی۔ اور دھیرے سے گردن موڑی۔ ایڈم سو نہیں رہا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ اور وہ تکیے پہ نڈھال سا پڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

تالیہ مراد سناٹے میں رہ گئی۔

یہ وہ ایڈم نہیں تھا جسے وہ کل چھوڑ کے پورا دن کتابوں اور طبیبوں کے ساتھ مغز ماری کرتی رہی تھی۔ یہ اس ایڈم کی پرچھائیں تھا۔

اس کا چہرہ کمزور اور رنگت سیاہ پڑ رہی تھا۔ آنکھوں کا سفید حصہ گلابی ہو چکا تھا۔ وہ چہرے سے برسوں کا بیمار لگتا تھا۔ کسی مفلوج کی طرح بستر پہ پڑا تھا گویا لحاف اتارنے کی ہمت بھی نہ ہو۔

''ایڈم!'' وہ بے یقینی سے قدم اٹھاتی اس کے قریب آئی۔ ''تم....تمہیں کیا ہوا؟ کیا تمہاری طبیعت خراب ہوگئی ہے اچانک سے؟''

ایڈم گیلی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر ہلکے سے اثبات میں گردن ہلائی۔

''مگر..... کیسے؟'' تالیہ کچھ سمجھ نہ پا رہی تھی۔ ایڈم نے دھیرے سے لحاف پہلو سے اٹھایا۔ اس کی قمیض کے نیچے پٹی بندھی نظر آتی تھی جس پہ خون کے دھبے تھے۔

''یا اللہ!'' تالیہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس نے دونوں ہاتھ منہ پہ رکھ لئے۔

''یہ کیسے ہوا؟ کیا تمہارا خون بہہ گیا؟ اوہ نو ایڈم۔'' وہ تیزی سے اس کے قریب لپکی۔ ''یہ تم نے کیسے ہونے دیا ایڈم؟ تم نے خیال کیوں نہیں کیا؟ یہ چوٹ کیسے آئی؟ اف..... یا اللہ!''

وہ گھٹنوں کے بل بستر کے قریب زمین پہ بیٹھتی گئی۔ سر دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ پھر اس کی خاموشی پہ سر اٹھایا تو وہ بس پژمردہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں گیلی تھیں۔ اور سفید پپڑی زدہ لب خاموش۔

''تم..... تم اتنی بے احتیاطی کیسے کر سکتے ہو؟'' اس کی اپنی آنکھوں میں بھی پانی آنے لگا۔ ''تم نے اپنا خیال کیوں نہیں رکھا؟ بابا نے کتنا سمجھایا تھا تمہیں کہ تم خون نہیں بہنے دو گے مگر یہ سب کیسے ہوا؟ اوہ ایڈم..... اوہ ایڈم!'' وہ دکھ اور غصے سے کہہ رہی تھی۔

ایڈم چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔ پھر ایک دم اس نے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ تالیہ کی طرف اس کے سر کی پشت ہو گئی۔

''میں اتنی گلٹی تھی کہ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ تمہارا دایاں بازو..... میں نے اس پہ زخم لگوایا تھا.... میری وجہ سے پہلی دفعہ تمہارا خون بہا تھا۔ مگر اب..... یہ کیا ہو گیا؟''

موٹے موٹے گرم آنسو اس کے چہرے پہ گرنے لگے۔ پھر اس نے سر اٹھایا۔ اور ادھر ادھر دیکھا۔ ''اور مجھے کسی نے نہیں بتایا؟ یہ کب ہوا؟ کیا طبیب نے تمہیں دیکھا؟ کیا....'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

بستر کی تپائی پہ دواؤں کی طشت دھری تھی۔ وہ طشت سنہری تھا اور محل کے اندر استعمال ہوتا تھا۔ ساتھ ہی ایک کاغذ پہ لکھا ہدایات نامہ آویزاں تھا۔ وہ ہدایت نامہ شاہی طبیب کی مہر کے ساتھ لکھا گیا تھا۔ اس نے کل شام شاہی طبیب کو محل سے نکلتے بھی دیکھا تھا۔

تالیہ کی پتھرائی ہوئی نظروں نے کمرے کا جائزہ لیا۔

کمرے میں جگہ جگہ پھل رکھے تھے۔ تازہ پھول۔ خشک میوے تازہ۔ لباس کے صندوق۔ نئے جوتے۔ جیسے شاہی حکم نامے پہ سارے انتظامات کروائے گئے ہوں۔ جیسے حکم دینے والے کو معلوم ہو کہ مریض اب چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہے گا۔

''مراد راجہ!'' وہ مٹھیاں بھینچ کے اٹھی اور آنسو گر گئے۔ ''یہ سب مراد راجہ نے کیا ہے' ہے نا؟ تا کہ تم....تم جلد از جلد یہاں سے چلے جاؤ۔ تا کہ اس دنیا سے میرا رابطہ ٹوٹ جائے۔ بابا.....یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔''

غصے میں بولتی اٹھی اور دروازے کی طرف لپکی۔ پھر چوکھٹ تک رکی اور پلٹ کے اسے دیکھا۔ وہ ابھی تک گردن دوسری طرف موڑے لیٹا تھا۔ اس میں جیسے اب توانائی نہ رہی تھی۔

نہ کسی کو مورد الزام ٹھہرانے کی۔ نہ حساب کتاب لینے کی۔ وہ اتنا دکھی تھا کہ بات تک نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''یعنی اب ہمارے پاس ایک ماہ ہے' ایڈم۔'' اس کا ذہن حساب کتاب کرر ہا تھا۔ ''تم فکر نہ کرو۔ تالیہ تمہیں اس جہنم سے ایک ماہ میں نجات دلا کے رہے گی۔'' اس نے ناک سے گیلی سانس اندر کو کھینچی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

''بندا ہارا کہاں ہیں؟'' کتب خانے سے نکلتے ہی ملاکہ کی شہزادی نے غرا کے بلند آواز میں پوچھا۔ دربان نے لاعلمی کا اظہار کیا' مگر اندر آتے دو سپاہی فوراً اس کی طرف بھاگے آئے۔

''وہ ابھی ابھی سلطنت محل کی طرف گئے ہیں۔ اپنے نئے مشیر کے ساتھ۔''

''میری سواری تیار کرو۔ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔ ابھی.....'' نئے مشیر والی بات اس نے نہیں سنی تھی۔ بس چلا کے بولی اور آگے بڑھ گئی۔ اس کی رنگت سرخ دہک رہی تھی اور سانس پھولا ہوا تھا۔ جیسے اس کا بس نہ چلتا ہو' وہ سارے ملاکہ کو آگ لگا دے۔

☆☆=========☆☆

بھوری لکڑی سے بنا سلطنت محل دھوپ میں چمک رہا تھا۔ جگہ جگہ مسلح پہریدار حفاظت پہ مامور کھڑے تھے۔ دور دور تک سبزہ زار سے بھرے باغیچے نظر آرہے تھے جن میں موسمی پھول اگے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور ایسے ہی داخلی دروازے سے مختلف لوگ اندر آتے دکھائی دے رہے تھے۔ وزرا' مشیران' اپنی اپنی ٹولیوں میں سر جوڑے' گفتگو کرتے گزرگاہ پہ آگے بڑھ رہے تھے۔

گھوڑے غلاموں کے حوالے کر کے.....مراد راجہ اب روش پہ پیدل چل رہا تھا۔ چہرے پہ سنجیدگی اور گہری سوچ چھائی تھی۔ اس سے فاصلہ رکھے چند مصاحبوں کے ساتھ فاتح چلا آرہا تھا۔ دفعتاً ان مصاحبوں میں سے ایک آگے آیا اور راجہ کے کندھے برابر چلتے ہوئے سرگوشی کی۔

''راجہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ اس آدمی کو مشیر کا عہدہ دے رہے ہیں؟ اس کی وجہ سے ہم مشکل میں پھنسے تھے۔ سارا سونا چلا گیا۔'' وہ عارف تھا اور شدید ناخوش لگتا تھا۔

''اگر میں اسے انکار کرتا تو یہ اپنی پیشکش لے کر کسی اور کے پاس چلا جاتا۔'' وہ دبا دبا سا بولا۔''اور اس کے پاس ایسے کاغذی ثبوت ہوں گے جو یہ سلطان کو دکھا کے مجھے اور تاشہ کو سلطان کا نافرمان ثابت کر سکتا ہے۔''

''ہم اس کو قید میں ڈال سکتے ہیں۔ یہ کچھ نہیں کر سکے گا۔''

''پچھلی دفعہ بھی قید میں ڈالا تھا۔ اس کے پاس تب بھی منصوبہ تھا' اب بھی ہو گا۔ مجھے اس کی پیشکش پسند آئی ہے۔ اس کو ہمارے لئے کام کرنے دو۔'' راجہ اطمینان سے کہتا لمبے ڈگ بھر رہا تھا۔

''لیکن اگر اس نے ہمیں نقصان پہنچایا تو؟''

''تو اچھا ہے۔ اگر اس نے ہمیں نقصان دینا ہے تو دور کی بجائے قریب سے پہنچائے۔ ہمیں بھی اس پہ نظر رکھنے میں آسانی رہے گی۔''

''آپ غلطی کر رہے ہیں' راجہ۔''

''نہیں' عارف۔ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ اس کی بات سچی ثابت ہو گی۔'' مراد کی آنکھوں میں چمک در آئی تھی۔ عارف نے تلملا کے گردن موڑی اور فاصلے پہ پیچھے آتے اس کشادہ پیشانی والے مرد کو دیکھا جو اسے دیکھ کے مسکرایا تھا۔ کبھی یہ بوسیدہ لباس میں وانگ لی کے پیچھے غلام کی طرح چلتا ہوا محل میں داخل ہوا کرتا تھا اور آج یہ اسی محل میں.... اسی دربار میں قیمتی پوشاک پہنے' بنداہارا کے ایک مشیر کے طور پہ داخل ہو گا؟ عارف کے اندر بھانبڑ جلنے لگے۔ مگر وہ ضبط کرنے پہ مجبور تھا۔

دربار لگنے میں ابھی وقت تھا۔ مراد راجہ چوکھٹ تک پہنچ کے دوسرے امراء اور مشیران کے ساتھ محوِ گفتگو ہو گیا۔ فاتح فاصلے پہ کھڑا تھا اور چوکنی نظروں سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا جب ایک سپاہی اس کے قریب آ کے کھنکھارا۔

''ملکہ آپ کو یاد فرما رہی ہیں۔''

وان فاتح نے گہری سانس لی۔ وہ جانتا تھا سلطنت محل میں دوبارہ قدم رکھتے ہی ملکہ کسی آدم بو کی طرح اس کی بو پا لے گی۔ مگر وہ اس لمحے کے لئے تیار تھا۔

سپاہی اسے پائیں باغ تک لے آیا اور واپس مڑ گیا۔ سامنے پھولوں کی باڑ تھی جہاں ملکہ یان سو فو اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔ اس نے چینی طرز کا لمبا زرق برق لباس پہن رکھا تھا اور بالوں کے جوڑے میں سونے کی ہیئر پن اڑا رکھی تھی۔ سر پہ تاج بھی سجا تھا۔

فاتح گھاس پہ قدم رکھتا اس کے عین عقب میں آ کھڑا ہوا۔

''مجھے ایک کنیز نے بتایا کہ تم مراد راجہ کے ساتھ آئے ہو تو مجھے یقین نہیں آیا۔ وانگ لی نے بھی یہی بتایا تو مجھے گمان گزرا

کہ وہ مذاق کر رہا ہے۔ آخر تم میں اتنی ہمت کیسے ہو سکتی ہے کہ مجھ سے.....'' وہ چبا چبا کے کہتی مڑی اور غصے سے اسے دیکھا۔'' مجھ سے دھوکہ کر کے..... مراد راجہ کو تباہ کرنے کے وعدے سے مکر کے.... تاشہ کو دور لے جانے کا معاہدہ کر کے.... تم تین دن بعد واپس آ کھڑے ہو گے؟ واہ غلام فاتح۔ واہ۔'' ملکہ نے طنز سے تالی بجائی۔ وہ سپاٹ چہرے سے اسے دیکھتا رہا۔ بولا کچھ نہیں۔

''میں نے تمہارا نکاح کروایا تھا شہزادی سے۔ اس لئے تا کہ تم اسے لے کر دور چلے جاؤ۔ مگر تم اسی دربار میں جا رہے ہو جہاں مرسل شاہ تخت پہ براجمان ہے۔ جانتے ہو تمہارے نکاح نامے کی تیسری نقل میرے پاس ہے؟'' وہ شعلہ بار نظریں اس پہ جمائے غرائی۔ ''اگر ابھی میں نے وہ نقل سلطان کے سامنے رکھ دی تو کیا تم اپنی گردن سلامت لئے آج کی تاریخ میں اس محل سے باہر جا سکو گے؟''

''جب میں اپنی دنیا سے یہاں آیا تھا ملکہ عالیہ تو تاشہ ایک بات جانتی تھی۔ کہ کسی نے اس کے گاؤں کو جلا دیا تھا۔ چن چن کے جادوگر مارے گئے تھے۔'' وہ دھیمی آواز میں گویا ہوا۔''اور یہ سب کرنے والی چینی شہزادی تھی جس نے سلطان کا دل صرف اس ایک وجہ سے جیتا تھا۔ مرسل شاہ اور اس کے آباؤ اجداد نے جادوگروں کے خلاف سخت قوانین بنائے تھے۔ جادوگروں سے ایک لمبی جنگ لڑی تھی انہوں نے۔ اسی لئے مراد راجہ کو جادو کے شبے میں جلاوطن کیا گیا تھا۔ مگر مراد راجہ کو واپس آنے کی یہی صورت ملی کہ وہ جادوگروں کے خلاف غداری کرے اور آپ کے پاس سلطان کا دل جیتنے کا ایک ہی حربہ تھا کہ آپ جادوگروں کے خلاف کارروائی کریں۔ مگر کیا سلطان یہ جانتا ہے کہ آپ خود جادوگرنی ہیں۔ اگر میں اسے یہ بتا دوں تو کیا آپ اپنی گردن کے ساتھ اس باغیچے میں گھوم سکیں گی؟''

یان سوفو کی رنگت سرخ پڑ گئی۔ وہ پھنکاری۔

''میں تمہاری دھمکی سے نہیں ڈرتی۔''

''اس نکاح نامے کی دوسری نقل سے بھی نہیں ڈرتیں آپ جو میرے پاس ہے؟ اگر میں قاضی اور گواہوں کو سلطان کے محل میں لے جاؤں اور وہ یہ کہیں کہ انعام کا لالچ دے کر یہ سب آپ نے کروایا تھا تو وانگ لی یا آپ کی صفائیوں کی کیا حیثیت رہ جائے گی؟ آپ بھول جاتی ہیں کہ آپ چینی ہیں۔ ملے نہیں۔ آپ ہمیشہ 'غیر' رہیں گی۔''

''تم!'' اس نے مٹھی بھینچی۔ ''میں نے تمہارے ساتھ بھلائی کی اور تم.....''

''میں کل جب آپ کی دنیا میں واپس آیا تھا تو مجھے ایک بات معلوم تھی۔ اور میرے ہر قدم کے پیچھے وہی ایک بات کار فرما رہے گی۔'' وہ چند قدم قریب آیا۔ ملکہ کے اتنے قریب کہ یان سوفو کو اس کے پیچھے سورج نظر آنا بند ہو گیا۔

''وہ یہ کہ تم نے.....یان سوفو...تم نے میری زندگی کو وہ نقصان پہنچائے ہیں جو کوئی اور نہیں پہنچا سکتا تھا۔''وہ اس کے قریب چہرہ کیے اتنے سرد لہجے میں پھنکارا کہ یان سوفو ساکت رہ گئی۔

''تمہارے جادو نے مجھے وہ بات بتائی جو مجھے معلوم نہ ہونا بہتر تھی۔اس بات نے تمہاری دنیا سے میری دنیا تک میرا پیچھا کیا۔اس ایک بات کو نہ بھلانے کے لئے میں نے تاشہ کی زندگی کو خود سے باندھ دیا۔میرے بچوں کی ماں نے خودکشی کر لی۔ میرے ہاتھ سے میری کرسی چلی گئی۔ یہ سب تمہارے اس ایک راز کو کھولنے سے ہوا جس کو کھولنے کا حق تمہیں نہ تھا' یان سوفو۔ جو راز قدرت نے ڈھانک دیے ہوں' انسانوں کو انہیں فاش نہیں کرنا چاہیے ورنہ بہت سی زندگیاں متاثر ہوتی ہیں۔تم ملاکہ کی وہ جادوگرنی' وہ بلا ہو یان سوفو' جس کے راز فاش کرنا اب میری زندگی کا مقصد ہے۔میں یہ فیصلہ کر کے واپس آیا تھا کہ میرا ہر عمل تمہارے خلاف ہوگا۔میرا ہر قدم تمہاری تباہی کے لئے اٹھے گا۔''

''تم!''یان سوفو نے بپھر کے اسے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تھا مگر وان فاتح نے سختی سے اس کی کلائی دبوچی اور اسے نیچے جھٹکا دیا۔پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چبا چبا کے بولا۔

''تم شہزادی تاشہ سے دور رہو گی۔تم اس کو نقصان پہنچانے کا سوچو گی بھی نہیں' یان سوفو۔مگر مجھے معلوم ہے تم اپنی فطرت سے باز نہیں آؤ گی اس لئے یاد رکھنا.....''جھٹکے سے اس کی کلائی نیچے جھٹکی۔''میں تمہیں تباہ کیے بغیر ملاکہ سے نہیں جاؤں گا۔میں تمہارے پیچھے آ رہا ہوں' یان سوفو۔تمہارے ہر قدم پہ میری نظر ہے۔تمہیں میرے سائے سے بھی دور بھاگنا چاہیے۔''

یان سوفو کے گال سرخ دہک رہے تھے مگر وہ ساکت ہو چکی تھی۔اپنی جگہ سے ہل بھی نہ پا رہی تھی۔وہ ایک نگاہ غلط اس پہ ڈال کے مڑ گیا اور یان سوفو نے زور سے پیر پٹخا۔

اس نے مداخلت یا سن گوئیوں سے بچنے کے لئے غلاموں اور کنیزوں کو باغیچے سے دور رکھ کے غلطی کی تھی۔

☆☆=========☆☆

دربار معمول کے انداز میں سجا تھا۔دونوں طرف کرسیوں کی قطاریں لگی تھی۔درمیان میں قالین سے مزین گزرگاہ تھی جس کا اختتام تین زینوں پہ ہوتا تھا۔زینوں کے اوپر سنہری چبوترہ تھا جس پہ تخت بچھا تھا۔تخت پہ مرسل شاہ براجمان تھا اور اس کے پیچھے محافظ پنکھ لئے کھڑے تھے۔

سنہری تاروں والی قبا پہنے' سر پہ ہیروں سے مرصع پگڑی نما تاج سجائے' وہ نوجوان سلطان ایک ہاتھ گھٹنے پہ رکھے' کافی پھیل کے تخت پہ براجمان تھا۔شاہی آداب کے مطابق انسان اپنی نشست پہ جتنی جگہ گھیرتا ہے' اتنا طاقتور اور رعب دار نظر آتا

ہے۔اس لیے وہ ایسے ہی بیٹھا کرتا تھا۔ ہرے پہ زمانے بھر کا غرور اور بے پرواہی تھی۔

بائیں ہاتھ کی قطار میں پہلی کرسی مراد راجہ کی تھی۔مراد اپنی جگہ پہ کھڑا ہوا ایک کاغذ سے کچھ پڑھ کے سنا رہا تھا۔اس کے عقب میں وان فاتح کھڑا تھا۔اس کے کندھوں پہ سیاہ قبا تھی اور وہ ہاتھ نیچے کر کے باندھے' خاموشی سے مراد کو کارروائی میں حصہ لیتے دیکھ رہا تھا۔وہ محسوس کر سکتا تھا کہ سامنے والی قطار میں بیٹھا سن باؤ اپنی چھوٹی چھوٹی چینی آنکھوں سے اسے گھورے جا رہا ہے۔

''مراد راجہ۔ضابطے کی کارروائی چھوڑو۔میرے سوال کا جواب دو۔''نوجوان سلطان نے بے زاری سے اس کی بات کاٹی اور انگلی اٹھا کے سوال پوچھا۔'' کیا یہ درست ہے کہ چند روز قبل تم نے غلاموں کی آزادی کا حکم دیا تھا اور دوسرے روساء کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے غلام آزاد کر دیں۔''

مراد رک گیا۔پہلے اس نے آنکھیں پھیر کے وانگ لی کو دیکھا جو ہلکا سا مسکرایا۔پھر ابوالخیر پہ نظر پڑی۔اس کی آنکھوں میں بھی مسکراہٹ تھی۔یعنی اس کی چغلی کھانے میں وہ دونوں پیش پیش تھے۔مراد کو ایک دم اپنا آپ بہت تنہا محسوس ہوا۔وہ کھنکھارا۔

''میرے آقا... یہ غلام شدید کسمپرسی کے عالم میں زندگی گزار رہے تھے اور....''

''اور ہمارے علم میں یہ بھی لایا گیا ہے کہ غلاموں کے جانے سے اہم عہدوں پہ مامور ہمارے امراء اور وزراء کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔''مرسل شاہ تندہی سے اسے گھور رہا تھا۔

''میرے آقا....ان غلاموں کو اگر آزاد نہ کیا جاتا تو.....''

''کیا یہ درست ہے مراد راجہ کے آپ اپنے محل کے سامنے اکٹھے ہونے والے چند لوگوں کے دباؤ میں آ گئے اور ہار مان لی؟''

مرسل شاہ کی برہم آواز نے سارے میں سناٹا طاری کر دیا۔

''مراد راجہ.....آپ کے اس قدم کی وجہ سے....جس کے لئے آپ نے ہم سے اجازت طلب کرنا بھی مناسب نہیں سمجھی....کتنے کاموں کو نقصان پہنچایا ہے' آپ کو اندازہ ہے؟وزیرِ خزانہ اپنے کام مکمل نہیں کر سکے۔چینی سفیر جو چین سے قرضے کی رقم لانے والے جہاز کی نگرانی کر رہے تھے' ان کے پاس اس خزانے کی حفاظت کے لئے ضروری افراد نہیں ہیں۔غرض خدمتگاروں کو آزاد کر دینے سے ہر کام متاثر ہو رہا ہے۔''

اس بات کو چار روز گزر چکے تھے مگر مرسل شاہ کو صبح صبح ملکہ' سن باؤ اور ابوالخیر نے الگ الگ یہ خبر پہنچائی تھی۔تالیہ' ایڈم اور

فاتح ''چار'' روز پہلے جس طرح قدیم ملاکہ سے نکلے تھے' اس نے مراد راجہ کو شدید مشکلات میں پھنسا دیا تھا۔ سب خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے جو اپنی جگہ پہ کھڑا اپنا جواب سوچ اور تول رہا تھا۔

''میرے آقا.... میں جانتا ہوں کہ....''

''یہ آپ کی شادی کے لئے کیا گیا ہے' آقا۔''

مراد راجہ پل بھر کو ساکت رہ گیا۔ پھر اس کا چہرہ سرخ ہوا۔ اس نے غصے سے گردن موڑی اور اپنے پیچھے کھڑے آدمی کو دیکھا جس کے کندھوں پہ سیاہ شال تھا اور وہ اٹھی گردن کے ساتھ سلطان سے مخاطب تھا۔

''اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں وضاحت کروں' آقا؟'' ساتھ ہی سر کو خم دیا۔ اس کے انداز میں بغاوت نہ تھی۔ نرمی تھی۔ آداب تھے۔ اخلاق تھا۔

''خاموش!'' مراد نے دبی آواز میں اسے جھڑکا۔ مرسل شاہ نے چونک کے اس نئے درباری کو دیکھا' اور ماتھے پہ بل ڈالے۔ ''تم کون؟ اور تم بغیر اجازت ہماری گفتگو میں کیسے مداخلت کر سکتے ہو؟''

درباری مڑ مڑ کے دیکھنے لگے۔ تن باؤ کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ اس نے پہلو بدلا۔

''میرے آقا.... آپ کے والد نے اس دربار کے قوانین بنائے تھے جن کے مطابق وزراء کے مشیران بوقتِ ضرورت اپنی تجاویز دے سکتے ہیں۔ میں بنداہارا کا مشیر ہوں اور آپ کے والد کے قانون کی وجہ سے بولنے کا پابند ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو....'' وہ کرسیوں کے پیچھے سے نکل کے سامنے آیا' روش پہ سلطان کے سامنے کھڑا ہوا' اور سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔ پھر گردن اٹھا کے اسی نرم مسکراہٹ سے سلطان کو دیکھا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں وضاحت کر سکتا ہوں کہ غلام آپ کی شادی کے لئے کیوں آزاد کیے گئے ہیں۔''

مراد نے لب بھینچ کے پریشانی سے اسے دیکھا۔ اب وہ اسے نہیں روک سکتا تھا۔ مرسل شاہ کی پیشانی شکن آلود تھی مگر اس نے اکھڑے اکھڑے انداز میں کہا۔ ''بولو۔''

''آقا یہ حکم صرف مسلمان غلاموں کے لئے جاری کیا گیا تھا جو اغواء یا ظلم سے جبری غلام بنائے گئے تھے۔ تن باؤ وانگ لی کے پاس بندرگاہ پہ جو لوگ کام کر رہے ہیں' ان میں سے صرف سات غلام مسلمان تھے۔ وزیر خزانہ ابوالخیر کے غلاموں میں سے صرف نصف مسلمان تھے۔ اسی طرح باقی امراء و رؤساء کے غیر مسلم جائز غلام ان کے پاس کام کر رہے ہیں۔ اور جو مسلمان غلام آزاد کیے گئے تھے' ان کو ان سب نے دوبارہ سے یومیہ اجرت پہ ملازم رکھ لیا ہے۔ آپ کے شاہی دستے جا کے ان کی حویلیوں کا خود جائزہ لے سکتے ہیں۔ اگر ان حضرات سے امورِ سلطنت میں کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو اس کی وجہ غلاموں کا

نہ ہونا نہیں ہے۔ان سب کے پاس مطلوبہ افرادی قوت آج بھی موجود ہے۔''

اس کی بات پہ کسی کا سر شرمندگی سے نہ جھکا نہ کوئی جز بز ہوا۔ کیا سن باؤ اور کیا ابوالخیر، سب ڈھٹائی سے خاموشی سے سنے گئے۔مرسل شاہ نے بھی اپنی غلطی کی تصحیح پہ بجائے اپنے امراء سے پوچھنے کے ماتھے پہ بل ڈالے اس سیاہ قبا والے دراز قد آدمی کو دیکھا۔

''ہمارا سوال اب بھی وہیں ہے، مشیر۔اس کا ہماری شادی سے کیا تعلق؟''

''آقا.... یہ شرط شہزادی تاشہ کی تھی۔'' وہ اسی نرمی سے بتانے لگا۔''ان کا حکم تھا کہ ان کا عروسی لباس جو سفید رنگ کا ہے، اسے صرف مسلمان کاریگر ہی بنائیں گے۔اس لئے ہمیں ایک کثیر تعداد میں کاریگر چاہیے تھے۔''

مرسل کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ماتھے کی شکنیں بھی غائب ہونے لگیں۔اس نے ابرو اٹھایا۔

''اچھا...تو کیا وہ غلام شہزادی کا لباس تیار کرنے میں لگے ہیں؟''

''نہیں آقا۔ کیونکہ....ان غلاموں کو ان کے سابق مالکوں نے واپس یومیہ اجرت پہ رکھ لیا ہے۔اور ان کے کاموں سے وہ اتنے تھک جاتے ہیں کہ ان میں کاریگری کی ہمت نہیں رہتی۔''

سن باؤ کے ساتھ بیٹھے مشیر نے دھیرے سے اس کے کان میں سرگوشی کی۔''یہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔شہزادی کے لباس کی بات کہاں ہوئی تھی؟''

''یہ جیا کا غلام فاتح ہے۔کیا تم نے نہیں پہچانا؟اگر یہ کہے گا کہ ایسا ہے تو غلام اندھا دھند اس کی بات کی تائید بھی کر دیں گے۔'' سن باؤ نے دھیمی آواز میں اسے گھرکا۔

''ہوں۔'' سلطان نے پہلو بدلا۔اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔''تو کیا ہمارے پاس کوئی شاہی کاریگر نہیں جو لباس بنا سکیں؟''

''ہیں، میرے آقا۔اور اب وہی لباس بنائیں گے مگر اس کی وجہ سے تاخیر ہو جائے گی۔ جتنے کم کاریگر اتنی تاخیر۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے سر جھکایا اور الٹے قدموں پیچھے ہٹتا واپس اپنی جگہ پہ جا کھڑا ہوا۔

مراد راجہ اس دوران مختلف کیفیات کا شکار ہوا تھا۔ان میں جھنجھلاہٹ واضح تھی۔البتہ اب کے وہ ضبط سے کھنکھارا۔

''آقا.....اگر آپ کو اس بات پہ اعتراض ہے تو ہم اس حکم نامے کو واپس لے سکتے ہیں۔یا کوئی اور حل جو آپ کی نظر میں ہو؟''

''ہوں۔ہم کوئی حل نکالتے ہیں۔'' مرسل سب کی خود پہ مرکوز جواب طلب نظروں سے ایک دم جز بز ہوا اور قبا جھٹک کے

اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام افراد بھی تیزی سے کھڑے ہوئے اور سر جھکا دیے۔ مرسل شاہ اٹھی گردن کے ساتھ نیچے اترا اور روش پہ چلتا آگے بڑھتا گیا۔

مراد کے قریب وہ رکا۔ ایک نظر اس کے پیچھے کھڑے آدمی کو دیکھا جو گہری نظروں سے مرسل کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں مرسل کے اندر تک اترتی تھیں۔ اس بار ان میں ادب نہ تھا۔ بلکہ چبھن تھیں۔

بظاہر کچھ قابلِ گرفت نہ تھا اور نہ وہ اس آدمی کو گرفتار کروا سکتا تھا۔ مگر کچھ غیر آرام دہ تھا اس شخص میں۔ لیکن فی الوقت.....وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔

دربار برخاست ہوا تو مراد راجہ طیش سے اس کی طرف گھوما۔

''مجھے تمہاری حمایت کی ضرورت نہیں تھی۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا اور راجہ کی طرف جھکا۔

''میں آپ کی حمایت نہیں کر رہا تھا۔ میں دربار میں سلطان اور وزراء سے اپنا تعارف کروا رہا تھا۔ تا کہ آپ یہ جان لیں کہ مجھے توجہ گھیرنے کی عادت ہے۔ اگر آپ مجھے اپنا مشیر نہیں رکھیں گے تو ان میں سے کوئی بھی مجھے ہاتھوں ہاتھ لے لے گا۔ حتیٰ کہ سلطان بھی۔ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ آپ کو وان فاتح اپنے خلاف چاہیے یا اپنے ساتھ۔'' اور سر جھکا کے مسکرا کے اسے دیکھا۔ ''راجہ!'' اور پیچھے ہٹ گیا۔

مراد راجہ لاجواب ہو کے خاموش ہو گیا۔ پھر ماتھے پہ بل لیے آگے بڑھ گیا۔ وہ اپنے نئے مشیر سے ناخوش نظر آتا تھا مگر وہ اسے خود سے جدا بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ عجیب دوراہے پہ پھنس گیا تھا۔ ساری الجھنوں کے سرے پہ بس ایک خیال جگمگاتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

وہ ملاکہ کا آنے والا سلطان بنے گا۔ سلطان مراد راجہ۔ اور یہ ایک خیال بہت سے کڑوے گھونٹوں کو امرت میں بدل رہا تھا۔

مراد راجہ انہی سوچوں میں گم دربار سے نکل کے باغ کے درمیان بنی روش سے گزر رہا تھا کہ سامنے سے آتی تالیہ کو دیکھ کے رفتار سست ہوئی۔ گہری سانس اندر کو کھینچی۔ (تو وہ مورخ کی حالت دیکھ آئی تھی۔)

وہ لباس پہلوؤں سے اٹھائے، لال بھبوکا چہرہ لیے چلی آ رہی تھی۔ مراد کے عین سامنے آ کے وہ رکی۔ اور غصیلی نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ نے آدم کے ساتھ ایسا کیوں کیا، ہاں؟ کیا میں اس کو آپ کے پاس اس لئے لائی تھی کہ آپ اسے آدھا مار دیں؟''

مراد نے اتنی ہی برہم نظروں سے اسے دیکھا۔ ''میرے اوپر چلانے سے پہلے یہ یاد رکھو کہ تمہاری وجہ سے میں اس وقت معتوب ٹھہرایا جا رہا ہوں۔ جو تمہارے ساتھیوں نے میرے ساتھ کیا' اس کے بعد بھی اگر میں دوا کا نسخہ دے رہا ہوں تو اسے غنیمت سمجھو۔ مگر مجھ سے یہ توقع مت رکھو کہ میں ایک سال اسے اپنی دنیا میں برداشت کروں گا۔ اس سے کہو اپنی دوا ڈھونڈے اور جائے یہاں سے۔''

''آپ نے اسے کچھ کرنے کے قابل چھوڑا ہے؟'' وہ بے بسی بھرے غصے سے بولی۔ ''آپ نے اسے گھائل کرتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ اس کے بعد میں کیا کروں گی؟''

''کیا کرو گی؟ یہ مت بھولو کہ اس کی دوا کا نسخہ اب بھی صرف میرے پاس ہے۔''

مراد نے ابرو اٹھا کے ٹھہر ٹھہر کے کہا اور تالیہ چپ ہو گئی۔ ایک دم اس کے ترکش کے سارے تیر جیسے راکھ ہو گئے تھے۔ مراد جانتا تھا وہ جان جائے گی کہ ایڈم کے ساتھ یہ سب اس نے کیا ہے اور پھر بھی اس نے ڈنکے کی چوٹ پہ یہ کیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تالیہ کے پاس چپ کر جانے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا۔ دوا کا نسخہ صرف مراد کے پاس تھا اور وہ اب اس سے نہیں لڑ سکتی تھی۔

''میں بغیر کچھ مانگے تمہارے دوست کی دوا بنا دوں گا۔ ایک ماہ کے اندر اندر مجھے اجزائے ترکیبی لا دو۔ اس سے زیادہ کی توقع مجھ سے مت رکھو۔'' وہ سرد مہری سے کہہ کے آگے بڑھ گیا اور وہ بے بسی سے مٹھی بھینچے وہیں کھڑی رہ گئی۔

وہ جتنے غصے میں یہاں آئی تھی' اتنی ہی جلدی ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ وہ مراد کو کیا دھمکی دے سکتی تھی؟ کہ وہ یہاں سے چلی جائے گی؟ مگر جواب میں وہ کیا مانگتی؟ کہ دوا بنا دو؟ وہ تو مراد پہلے ہی بنا کے دے رہا تھا۔ اس کا دیا گیا نقصان تو اب ایڈم کو پہنچ چکا تھا۔ اب وہ اپنے باپ کو برا بھلا کہے یا اس سے خفا ہو' وہ ایڈم کا کام مزید خراب کرے گی' بہتر نہیں۔ کیا وہ زندگی میں پہلے کبھی اتنی بے بس ہوئی تھی؟ قدیم ملاکہ کی ان دیکھی زنجیریں اسے یہاں قدم جمانے سے پہلے ہی جکڑنے لگ گئی تھیں۔

تالیہ نے گہری گہری سانسیں اندر کو کھینچی اور خود کو پرسکون کرنا چاہا۔ وہ روش پہ کھڑی تھی۔ دونوں طرف سبز گھاس کے قطعے تھے اور سامنے لکڑی سے بنے محل کی سیڑھیاں تھیں۔ دھوپ محل کی طرف سے آ رہی تھی۔ اور چند لوگ بھی۔ اس نے دھوپ سے بچنے کو ماتھے پہ انگوٹھیوں والے ہاتھ سے چھجا بنایا۔

منظر واضح ہوا۔ سامنے سے آتے سپاہیوں کے ساتھ چلتا سیاہ قبا والا شخص.....اس کی مسکراہٹ۔

تالیہ مراد کی رنگت فق ہوئی۔ ہاتھ پہلو میں جا گرا۔ وہ اگلا سانس نہیں لے سکی۔

مصاحبوں کی ٹولی قریب آ چکی تھی۔ شہزادی کو دیکھ کے سب ٹھہر گئے۔ سیاہ قبا والا شخص بھی۔ سر ذرا سا جھکا کے مسکرا کے

بولا۔

''شہزادی!''

اور شہزادی کے تو کاٹو تو بدن میں لہو نہ رہا تھا۔ منہ کھولے چند لمحے اسے دیکھے گئی۔اس کے چہرے پہ تیز دھوپ سیدھی پڑ رہی تھی مگر وہاں کسے پرواہ تھی؟

''یہ.....؟'' اپنے بابا کے ایک مصاحب کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا جس نے جلدی سے وضاحت کی۔

''یہ بنداہارا کے نئے مشیر ہیں۔''

تالیہ نے بے یقینی سے تیز دھوپ میں مقابل کھڑے شخص کا چہرہ دیکھا۔ پھر اس کی سیاہ قبا کو۔

پھر اس کے نیچے پہنے سفید نفیس لباس کو۔

آنکھیں واپس اٹھیں۔ اور اس کے چہرے پہ رکیں۔ پھر تالیہ نے ابرو اٹھایا اور بنا لب آواز کے لب ہلائے۔

''سیر ئیسلی؟''

فاتح مسکرا کے اسے دیکھتا رہا۔ اس نے بازو نیچے کر کے ہاتھ باہم ملا رکھے تھے اور نظریں اس کی آنکھوں سے ایک لمحے کے لئے بھی نہ ہٹائی تھیں۔

نسوانی مجسمے میں حرکت ہوئی۔ یوں جیسے مجسمے کے سفید گالوں پہ کسی نے سرخی گھول دی ہو جو آہستہ آہستہ اس کے سارے چہرے کو سرخ کرنے لگی تھی۔

''آپ!'' وہ دانت پہ دانت جما کے بولی۔'' آپ یہاں کیا کر رہے ہیں جبکہ میں نے آپ کو سکوں کی پوٹلی دی تھی اور.....''

''اس کے لئے شکریہ شہزادی۔ میں نے اس سے ایک گھوڑا خریدا اور چند ضروری چیزیں تا کہ مراد راجہ سے ملاقات میں آسانی ہو۔'' وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔ اب وہ اس کے اتنا قریب آ چکا تھا' کہ اس کے عقب میں سورج چھپ گیا تھا۔

''آپ.....آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟'' مارے ضبط کے وہ بے بسی سے بولی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔'' آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ خاموشی سے کہیں دور انتظار کرنا چاہیے تھا تا کہ.....''

''سنو حالم۔'' اس نے آواز دھیمی کی اور سر اس کی طرف جھکایا' پھر آہستہ سے اپنی زبان میں بولا۔'' تمہیں فیصلہ کرنے کا اختیار کے ایل میں دیا تھا میں نے مگر تم نے میری بات نہیں مانی۔ جب تم میرے کہنے پہ فرار ترک نہیں کر سکتی تھیں تو میں تمہارے کہنے پہ فرار کیوں اختیار کروں گا؟'' اور چہرہ واپس سیدھا کیا۔

''آپ.....آپ مجھے سزا دینے کے لئے خود کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔اس سب کا اثر ایڈم پہ پڑے گا۔''وہ پریشانی سے بولی۔دونوں روش کے وسط میں کھڑے تھے اور دوسرے لوگ آس پاس سے گزر رہے تھے۔

''ساری دنیا آپ کے گرد نہیں گھومتی'شہزادی تاشہ۔میں آپ کے احکامات کے تابع نہیں ہوں۔''وہاں بے نیازی سی بے نیازی تھی۔

''آپ ملکہ'سن باؤ اور بابا سب کو دشمن بنا کے گئے تھے'تو انکو۔آپ دن کی روشنی میں یہاں کیسے واپس آسکتے ہیں؟''

''میں نے یہ دشمن صرف ہم تینوں کو اس دنیا سے نکالنے کے لئے بنائے تھے۔تمہیں واپس آتے وقت یہ سب سوچنا چاہیے تھا۔''

''مگر آپ.....آپ بابا کے مشیر کیسے بن سکتے ہیں؟''اور پھر وہ ٹھٹکی۔کچھ یاد آیا۔''تو وہ بنگارایا ملایو میں جس شخص کا ذکر تھا.....بابا کا سلطان ساز.....وہ آپ تھے؟یا اللہ۔''اس نے کراہ کے پیشانی کو چھوا۔وہ کھڑا مسکراتا رہا۔

''فاتح.....پلیز.....آپ بابا کو نہیں جانتے۔اگر آپ یہ سب مجھے واپس لے جانے کے لئے کر رہے ہیں تو یہ بے سود ہے۔اور اگر....''اسے خیال گزرا۔''اگر آپ ہمارے قریب اس لئے رہنا چاہتے ہیں کہ مجھے سلطان سے شادی سے روک سکیں تو آپ جانتے ہیں۔میں نے وہ سب غصے میں کہا تھا۔میں کبھی بھی سلطان سے شادی نہیں کروں گی۔''

اس نے فکرمندی سے یقین دلانا چاہا۔فاتح نے ایک دفعہ پھر چہرہ اس کی طرف جھکایا۔

"As if I care?"

اور ایک بے نیاز نظر اس پہ ڈالتا اس کے ایک طرف سے نکل کے آگے بڑھ گیا۔

تالیہ نے بے یقینی سے مڑ کے اسے واپس جاتے دیکھا'پھر ایک دم انگریزی میں پکار کے کہا۔

''آپ اس شخص کے سلطان ساز کیسے بن سکتے ہیں جو آپ کو نہ پسند کرتا ہے نہ آپ پہ اعتبار کرتا ہے۔''

سیاہ قبا والا آدمی رکا اور مڑ کے اسے دیکھا۔اب سورج تالیہ کی پشت پہ تھا'اس لئے فاتح کی مسکراتی آنکھیں چندھیا گئیں۔

''واقعی.....ایسے شخص کا سلطان ساز بننا آسان نہیں جو نہ آپ کو پسند کرتا ہو'اور نہ آپ پہ اعتبار کرتا ہو۔یہ ایک آرٹ ہے جو میں نے کسی اور زمانے میں کسی اور کو کرتے دیکھا تھا۔''

جتا کے بولا'پھر سر کو خم دے کر دوبارہ تعظیم پیش کی اور پلٹ گیا۔مصاحب اور سپاہی اس کے عقب میں چل دیے۔تالیہ نے سپاہیوں کے گروہ میں سے ایک کو گھورتے ہوئے انگلی سے واپس آنے کا اشارہ کیا۔وہ فوراً اس کے سامنے آیا اور سر جھکا دیا۔

''جی'شہزادی؟''

”مجھے ساری کتھا سناؤ۔ یہ جیا کا غلام فاتح میرے بابا کا مشیر کیسے بنا؟“

سپاہی نے صبح جو دیکھا تھا‘ کہہ سنایا۔”راجہ اور وہ گھوڑوں پہ کھڑے بات کرتے رہے۔ پھر راجہ نے حکم دیا کہ اس کا محل میں کمرہ تیار کیا جائے کیونکہ.....“

”کیا؟“وہ ہکا بکا رہ گئی۔”مطلب.....کیا وہ ہمارے محل میں رہے گا؟“

”جی.....جیسے عارف رہتا ہے۔ جیسے.....“

”مثالیں مت دو۔ یہ بتاؤ دربار میں کسی نے اس کے بارے میں کچھ کہا تو نہیں۔“

اور جواب میں سپاہی نے جو اسے بتایا‘ اسے سن کے تالیہ کا دماغ مزید گھوم گیا۔ شہزادی کا عروسی لباس...کاریگر...یا اللہ...یہ وان فاتح کیا کر رہا تھا؟

وہ چند لمحے کھڑی سوچتی رہی پھر اپنی کنیزوں اور غلام کی طرف گھومی۔

”ملکہ کو خبر دو کہ شہزادی تاشہ آئی ہے۔“ وہ بظاہر سنجیدہ تھی مگر اندر سے پریشان۔ کوئی بھی اس کی منشاء کے مطابق کام نہیں کر رہا تھا۔ ایڈم الگ بیمار پڑا تھا اور وان فاتح کیا کرنا چاہ رہا تھا۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ کتاب میں کیا لکھا تھا آگے کیا ہوگا؟ مگر ایک دفعہ کی پڑھی ہوئی کتاب کی اکثر تفصیلات ذہن سے اس وقت محو ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ بس ایک چیز واضح یاد تھی۔ وہ احمقانہ سات سوال جو تاشہ نے مرسل شاہ کے سامنے رکھے تھے۔ نہیں۔ (اس نے سر جھٹکا۔) وہ من گھڑت ہوں گے۔ آخر میں ایسی شرائط کیوں رکھوں گی؟

دربار اب خالی ہو چکا تھا اور وہاں ملکہ یان سوفو براجمان تھی۔ اب کے اس نے اپنی کنیزوں اور سپاہیوں کو الگ نہیں کیا تھا۔ وہ بڑی شان سے تخت پہ اپنا لباس پھیلا کے بیٹھی‘ کھلے دروازے سے اندر آتی تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔

یان سوفو کو وہ پہلی نظر میں ہی مختلف لگی تھی۔ اس کے بال سیاہ اور چھوٹے تھے‘ اور اس نے ان کو آدھا باندھ رکھا تھا۔ وہ پہلے سے دبلی لگ رہی تھی اور چہرے پہ سختی سی آ گئی تھی۔

وہ چبوترے کے سامنے آرکی اور تعظیم پیش کر کے گردن اٹھا کے ملکہ کو دیکھا۔

”میں جانتی تھی آپ مجھ سے ملنا چاہیں گی‘ ملکہ...اسی لئے میں خود ہی آ گئی۔ اس سے قبل کہ آپ مجھ سے کچھ پوچھیں‘ میں آپ کے تمام سوالوں کا جواب دے دیتی ہوں۔“ وہ ٹھہر ٹھہر کے ملکہ کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہی تھی۔

یان سوفو خاموشی سے اسے سننے گئی۔ ساتھ ہی وہ اپنی ایک کلائی کو دوسرے سے سہلا بھی رہی تھی۔

”میں اپنے بابا کے لئے واپس آئی ہوں۔ میں زیادہ دن وہاں نہیں رہ سکی جہاں گئی تھی۔ میرے لئے اب وہاں کچھ نہیں

بچا۔ اور یہاں..... یہاں بابا کے علاوہ مجھے کسی سے کوئی رشتہ نہیں بنانا۔ وہ بات جو میرے اور آپ کے درمیان طے پائی تھی....وہ برقرار ہے۔ اور سب ویسے ہی ہو گا جیسے آپ چاہتی ہیں۔''

یان سوفو اپنی آنکھیں اس پہ مرکوز رکھے چپ چاپ بیٹھی رہی۔

''آپ کو میری طرف سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس مسئلے سے بابا کی مدد سے چھٹکارا حاصل کر لوں گی۔ سلطان مرسل اور میری شادی کبھی نہیں ہو گی۔''

یان سوفو کی خاموشی ہنوز برقرار تھی۔ تالیہ رکی اور اسے بولنے کا موقع دیا۔ مگر جب وہ نہیں بولی تو وہ کھنکھاری۔

''رہے وہ لوگ جن کی واپسی آپ کو گراں گزر رہی ہے' وہ یہاں سے جلد چلے جائیں گے۔ آپ بےفکر رہیں۔''

ملکہ نے ہاتھ اٹھایا۔ پھر اسے ہلکا سا جھٹکا۔ یہ اسے واپس جانے کا اشارہ تھا۔ ملکہ کی خاموشی اسے کھٹکی تھی' مگر اس نے سر جھکایا' تعظیم پیش کی' اور الٹے قدموں واپس ہو لی۔

یان سوفو نے کنیزوں اور سپاہیوں کو دربار سے بھیج دیا اور سن باؤ کو بلوایا۔ کچھ دیر بعد جہاں تالیہ کھڑی تھی' وہاں اب وانگ لی کھڑا ناخوشی سے کہہ رہا تھا۔

''ہمیں اس کو ہلکا نہیں لینا چاہیے۔ غلام فاتح۔ وہ آج سلطان کی توجہ لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے ڈر ہے وہ کوئی نیا مسئلہ نہ کھڑا کرے۔''

دربار میں اب وہ دونوں اکیلے تھے۔ یان سوفو ابھی تک خاموش تھی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ وانگ لی ہاتھ باندھے کھڑا تلخی سے وان فاتح کی ان دونوں سے دھوکہ دہی کا مژدہ دہرا رہا تھا۔ مگر یان سوفو نہیں سن رہی تھی۔

وہ کامدار لباس پہلوؤں سے اٹھائے تخت کے چبوترے کے زینے اترنے لگی یہاں تک کہ آخری سیڑھی پہ آ رکی۔ اب وہ وانگ لی کے عین سامنے تھی۔ وہ بولتے بولتے رک گیا۔ ملکہ کے چہرے پہ کوئی عجیب سا تاثر تھا۔

''وانگ لی۔'' وہ بولی تو نظریں دور دربار کی دیوار پہ کندہ خطاطی پہ مرکوز تھیں۔ ''انسان کے بال کس شے کی علامت ہوتے ہیں؟''

وانگ لی نے تذبذب سے اسے دیکھا۔ ''بال؟'' اس نے سوچنے کے لئے وقفہ لیا۔ ''انسان کے غرور کے۔ تبھی حج کے موقع پہ اللہ کے سامنے سر جھکانے کے لیے انہیں کٹوانا پڑتا ہے۔''

''اور؟ اور کس چیز کو ظاہر کرتے ہیں بال؟''

''انسان کی شخصیت کو...اس کی صحت کو۔ وہ کیسی خوراک کھاتا ہے۔ اس کے ملک کا موسم کیسا ہے.....''

یان سوفو نے نظروں کا رخ وانگ لی کی طرف موڑا۔اور پرسوچ انداز میں بولی۔

''بال وقت گزرنے کی علامت ہوتے ہیں۔ان کی لمبائی بتاتی ہے کہ کتنا وقت گزر چکا ہے۔ان کو چھوٹا کر دینا بتاتا ہے کہ انسان اپنا وقت بدلنا چاہتا ہے۔تاشہ کے بال چھوٹے ہو چکے ہیں اور غلام فاتح کے بال پہلے سے ذرا لمبے ہیں۔اس کے چہرے اور ہاتھوں پہ ان زخموں کے نشانات تک نہیں ہیں جو چار روز پہلے بازار میں آخری دفعہ اس سے ملتے وقت میں نے دیکھے تھے۔غلام فاتح اور تاشہ ان چہروں کے ساتھ نہیں واپس آئے جن کے ساتھ وہ گئے تھے۔''

''کیا مطلب 'ملکہ؟''وانگ لی الجھ کے اسے دیکھے گیا۔

ملکہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔وہ دور خلاء میں جھانکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''غلام فاتح نے مجھ پہ غصہ نکالتے ہوئے ایک بات بے دھیانی میں کہہ دی.....اس نے کہا میں اپنی''دنیا'' سے آپ کی ''دنیا''میں واپس آیا ہوں۔سن باؤ...کیا یہ ممکن ہے کہ اس زمین پہ کوئی دوسری دنیا بھی وجود رکھتی ہو؟''

''دوسری دنیا؟''وانگ لی ششدر رہ گیا۔دربار میں سناٹا چھا گیا۔

''ہاں....جہاں وقت کے گزرنے کا حساب مختلف ہو۔جہاں سے یہ دونوں واپس آئے ہوں۔جہاں سے یہ پہلی دفعہ آئے تھے۔''وہ چونک گئی۔''ہم نے تاشہ کے گاؤں کا پتہ چلایا تھا۔مگر وہ سب جھوٹ تھا۔وہ چین کے کسی گاؤں سے نہیں آئی تھی۔مرادراجہ کی کوئی چینی بیوی تھی ہی نہیں۔مگر.....''وہ خود سے کہہ رہی تھی۔''میں نے جب بھی تاشہ کا ماضی جاننے کے لئے اپنے پانی میں دیکھنا چاہا' مجھے ایک ہی منظر نظر آیا۔ایک چھوٹی لڑکی جو جنگل میں جا رہی ہے.....جو جنگل میں کھو جاتی ہے۔ایک دروازے کے پیچھے....اور پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔میں سمجھی تھی کہ مرادراجہ کا جادو میرے مناظر کا راستہ روک دیتا ہے۔مگر نہیں۔میرا منظر درست تھا۔مرادراجہ کی ایک ہی بچی تھی.....جو جنگل میں کھوئی تھی۔''

''تالیہ بنتِ مراد.....مگر وہ تو چھوٹی سی لڑکی تھی.....اور یہ.....''

''اور یہ اس کے کھونے کے چند دن بعد ملی تھی۔ایک نوجوان لڑکی۔مرادراجہ نے کہا کہ یہ اس کی کوئی دوسری بیٹی ہے لیکن کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ وہی لڑکی ہو؟ یہ کسی ایسی دوسری دنیا میں چلی گئی ہو جہاں وقت کی رفتار مختلف ہو۔''

''ان کے کئی سال اور ہماری ایک گھڑی!''وانگ لی بھی متعجب رہ گیا۔

''تالیہ بنت مراد ہی شہزادی تاشہ ہے' سن باؤ۔اور کل یہ دونوں جو ہمارے سامنے واپس آ کھڑے ہوئے ہیں...یہ دونوں چار روز بعد واپس نہیں آئے۔یہ ایک لمبا عرصہ اپنی دنیا میں گزار کے آئے ہیں۔''وہ اب کے سامنے دیکھنے لگی جیسے چمکتی آنکھوں سے دور کسی دوسرے زمانے میں جھانک رہی ہو۔

''کوئی اور دنیا بھی وجود رکھتی ہے' سن باؤ۔ جو اتنی خوبصورت اور جادوئی ہے کہ یہ یہاں آنے کے باوجود واپس جانے کی تمنا رکھتے تھے۔ کچھ تو ہے اس دنیا میں جو تاشہ ملاکہ پہ حکمرانی کا خواب اس کے لئے قربان کرنے پہ راضی تھی۔ ہمیں اس دنیا کو ڈھونڈنا ہے.....اس دروازے کو جس کے پار وہ جادوئی سلطنت بسی ہے۔ مجھے اس میں جھانکنا ہے....'' وہ پر اسرار مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ ''سنو وانگ لی.....تم ان دونوں پہ نظر رکھو گے اور کسی بھی طرح مجھے اس دنیا کا راز معلوم کر کے دو گے۔''

وانگ لی نے تذبذب سے ملکہ کی عجیب سی خواہش کو سنا' اور پھر سر جھکا دیا۔

''جو حکم' ملکہ!''

یان سوفو چمکتی آنکھوں سے مسکراتی ہوئی اب دور خلاء میں دیکھ رہی تھی۔ اس کی زندگی ایک دم سے مزید دلچسپ ہوگئی تھی۔

☆☆=========☆☆

بنداہارا کے محل پہ شام کا نیلگوں اندھیرا پھیل رہا تھا۔ دور کسی مسجد سے موذن مغرب کی نماز کے لئے صدا لگا رہا تھا۔ محل کی راہداریوں اور کھڑکیوں میں ایک ایک کر کے مشعلیں روشن ہونے لگی تھیں۔

کتب خانے کے ریک خاموشی سے کونے میں جاءنماز ڈالے' نماز پڑھتے ایڈم بن محمد کو دیکھ رہے تھے جو برسوں کا بیمار نظر آتا تھا۔ نماز بھی بیٹھ کے پڑھ رہا تھا۔ سلام پھیر کے اس نے جائے نماز تہہ کی اور خود دیوار تک آیا۔ وہاں اس کا لحاف رکھا تھا۔ اس نے لحاف اپنے گرد لپیٹ لیا اور گھٹنوں پہ گال ٹکا دیا۔ اس کا جسم کبھی گرم ہو جاتا کبھی ٹھنڈا۔ کبھی یوں لگتا وہ تنور میں بیٹھا ہے اور کبھی لگتا سرد خانے میں۔ سر کا درد اس کی جان لے رہا تھا اور تنفس بار بار اکھڑ جاتا تھا۔

پھر گہرے سانس لے کر وہ خود کو پرسکون کرتا۔ مراد راجہ نے بیسیوں دوائیں دے رکھی تھیں۔ وہ بار بار ان کو پھانکتا تو قدرے بہتر محسوس کرتا۔

ایک غلام کتب خانے میں جگہ جگہ رکھی مشعلیں جلا رہا تھا۔ ایک ایک کر کے ہر کونا روشن ہونے لگا۔ زرد روشنی نے سارے کو منور کر دیا تو ایڈم چونکا۔ سامنے والی دیوار کے ساتھ وہ بیٹھی تھی۔

وہ کب آئی تھی؟۔ ایڈم نے تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر نقاہت زدہ انداز میں سر کو خم دیا۔ ''شہزادی!''

''تمہیں ان آداب کی ضرورت نہیں ہے ایڈم!'' وہ خفگی سے کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے ساتھ آ بیٹھی۔

''آپ شہزادی ہیں اور میں ایک مورخ۔ مجھے ان آداب کی ضرورت ہمیشہ رہے گی۔''

اب وہ دونوں ساتھ ساتھ دیوار سے ٹیک لگائے اکڑوں بیٹھے نظر آئے تھے۔ کتب خانہ روشن مگر تنہا تھا۔ قدیم کتابیں اپنی جلدوں میں قید خاموشی سے ان کو دیکھ رہی تھیں۔ ایڈم لحاف اوڑھے بیٹھا تھا اور تالیہ.....وہ شہزادی والا عروسی لباس اور زیوار

اتارے' سادہ سیاہ بال جوکر نگ میں بال باندھے بیٹھی تھی۔

سامنے والی دیوار پہ ان دونوں کے سائے نظر آ رہے تھے جوان سے قد کاٹھ میں کہیں بڑے اور خوفناک تھے۔

''تو وان فاتح وہ سلطان ساز ہیں جس کا ذکر کتاب میں تھا۔'' تالیہ سے ساری کتھا سن کے ایڈم بولا۔

''پتہ نہیں وہ کیا چاہتے ہیں۔'' وہ خفگی سے بڑبڑائی۔ پھر گردن موڑ کے ایڈم کے زرد' اداس چہرے کو دیکھا۔

''آئی ایم سوری' ایڈم۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ ایک شکار باز سے دوسرے شکار باز کے کتب خانے کے سفر نے ہمیں صرف نقصان ہی دیا۔''

''میں آپ سے ناراض نہیں ہوں' چے تالیہ۔'' وہ سادگی سے بولا۔ نظریں اپنے جناتی سائے پہ لگی تھیں۔ ''میں صرف بیمار ہوں۔ میرے اندر کسی سے ناراض ہونے کی ہمت نہیں رہی۔''

''میں تمہیں اس سے نکال لوں گی۔ تم ایک صحت مند اور لمبی زندگی گزارو گے' ایڈم!''

آپ کو معلوم ہے اس وقت میں کیا چاہتا ہوں؟''

''کیا؟''

''میں اپنی ابو کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ میں اپنے بابا کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس قدیم زمانے میں موت کا انتظار نہیں کرنا۔ اگر یہ ایڈم بن محمد کی زندگی کے آخری دن ہی ہیں' تو یہ مجھے ان دونوں کے ساتھ گزارنے ہیں۔''

''تم دوا لئے بغیر واپس نہیں جا سکتے۔ تمہارا علاج اسی زمانے میں موجود ہے۔ ہم اسے ڈھونڈ لیں گے' ایڈم میں تمہارے لئے سب کروں گی۔ سب کچھ۔'' وہ دلگرفتی سے بولی تو ایڈم نے بوجھل پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''آپ کو وان فاتح سے محبت ہے' چے تالیہ؟''

سوال غیر متوقع تھا۔ مگر ایڈم کا یہ سوال پوچھنا زیادہ غیر متوقع تھا۔ وہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکی۔ پھر گہری سانس لی۔

''سچ بتاؤں؟''

''مرتے وقت..... یا مرنے والے کے سامنے.... ان دو صورتوں میں جھوٹ نہیں بولا جاتا۔''

وہ افسوس سے اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''ہاں۔ مجھے ان سے محبت ہے۔''

''کب سے؟'' وہ اسے دیکھ رہا تھا اور اب کے وہ سامنے دیکھنے لگی۔

''محبت کب شروع ہوئی' کس کو یاد رہتا ہے؟ یاد صرف وہ وقت رہتا ہے جب اس نے تکلیف دینی شروع کی ہو۔ محبت کی

اذیت بعض دفعہ خود محبت سے بڑی ہو جاتی ہے۔"

وہ اب سامنے پھڑ پھڑاتے شعلے کو دیکھ رہی تھی اور ایڈم کو اس کی سیاہ آنکھوں میں زرد آگ نظر آ رہی تھی۔

"آپ کو ان سے محبت ہے تو مجھے کیوں بچانا چاہتی ہیں؟"

"کیونکہ....." اس نے ایڈم کی طرف چہرہ موڑا تو سیاہ آنکھوں سے شعلوں کا عکس غائب ہو گیا۔ "مجھے تم سے بھی محبت ہے۔"

"دو لوگوں سے کسی کو کیسے محبت ہو سکتی ہے؟" وہ حیران نہیں ہوا۔ مزید اداس ہوا۔

وہ اب کے مسکرا کے اسے دیکھنے لگی۔

"جانتے ہو مجھے ساری دنیا کی نعمتوں میں سب سے زیادہ کیا پسند ہے؟"

"کھانا۔" وہ جانتا تھا۔ وہ اتنا تو تالیہ کو جانتا تھا۔

"ہاں۔ کھانا۔ میری سب سے بڑی ترغیب۔ میری کٹھن ترین آزمائش۔ کھانے کی لذیذ چیزیں۔ مگر کیا ہم انسان ایک ہی پلیٹ میں سب کھا سکتے ہیں؟"

"مطلب؟" وہ نقاہت سے اسی دیکھنے لگا۔

"ہم سارے کھانے ایک ہی پلیٹ میں کھا سکتے۔ چاولوں کی پلیٹ الگ۔ اور میٹھے کا پیالہ الگ ہوتا ہے۔ چائے کے مگ میں پانی نہیں پیا جا سکتا۔ ایسے ہی ہمیں اپنی ذات کے مختلف پہلوؤں کے لئے مختلف دوست چاہیے ہوتے ہیں ایڈم۔ ہم جب سارے جذبات صرف ایک شخص سے حاصل کرنا چاہیں تو ناخوش اور تشنہ ہی رہتے ہیں۔ اس کو بھی بوجھل کر دیتے ہیں۔ ایک ہی پلیٹ میں ہر کھانا کون کھا سکتا ہے؟ اسی طرح ہم ایک ہی شخص کے اوپر اپنا سارا وجود نہیں مسلط کر سکتے۔ ہر شخص کے لئے الگ خانہ ہوتا ہے۔ ہمارے رشتے ہماری زندگیوں میں برتنوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ہماری روح کو غذا فراہم کرنے والے..... مگر الگ الگ طریقے سے..... ہم کسی ایک انسان سے obsess اس لئے ہوتے ہیں کیونکہ....."

"کیونکہ ہم سارے کھانے ایک ہی برتن میں کھانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔" وہ اداسی سے بولا تو تالیہ نے مسکرا کے سر ہلایا۔

"ہم سب کے اندر اداسی ہے' ایڈم۔ تنہائی کا ایک خلاء جو....." اس نے کھڑکی کے پار پھیلتی نیلگوں اندھیرے کو دیکھا۔ "جو مغرب ڈھلتے ہی ہمیں نگلنے کو منہ کھولے بیٹھا ہوتا ہے۔ سارے دن کے کام کاج کے بعد..... اس وقت ہمیں 'انسانوں' کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ اداسی کا وقت ہوتا ہے۔ خوف اور تنہائی کا۔ ایک شخص اس وقت کو گزارنے کے لیے ہمیں

کافی نہیں ہوسکتا۔ ہمیں اپنے اردگرد بہت سے دوست اور رشتے اکٹھے کرنے چاہئیں تاکہ وہ ہر شام ہماری مدد کیا کریں۔"

"ہاں۔اسی لیے ہر شام کو ہم اپنی دنیا میں اپنے اپنے سیل فون لے کر سب سے کٹ کے بیٹھ جاتے تھے۔لوگ کہتے ہیں' ہم اپنے فونز کے عادی ہو گئے ہیں۔مگر اب مجھے لگتا ہے چے تالیہ کہ ہم ان لوگوں کے عادی ہو جاتے ہیں جو فون کے ذریعے ہم سے جڑے ہوتے ہیں۔یہاں تو وہ سہولت بھی نہیں ہے۔"

"آئی ایم سوری ایڈم۔میں تمہیں تمہاری دنیا سے لے آئی۔"

"اگر میں اور وان فاتح واپس اپنی دنیا میں چلے گئے تو آپ کے لئے کیا صرف مراد راجہ کافی ہوں گے؟" ایڈم کے انداز میں تلخی گھل گئی۔وہ چپ ہو گئی اور سر جھکا دیا۔

"ایڈم.....میں جانتی ہوں میں مزید اکیلی رہ جاؤں گی۔مگر کم از کم میں آزاد ہوں گی۔کے ایل میں' میں قید کر لی جاؤں گی۔مجھے زخمی دل منظور ہے۔کٹے ہوئے پر نہیں۔"

"آپ جانتی بھی ہیں کہ زخمی دل کیا ہوتا ہے؟" اس نے گلہ کیا۔

"نہیں۔کیونکہ شاید ابھی تک میں' تم اور فاتح حقیقی معنوں میں الگ نہیں ہوئے تھے۔ناراضگیاں تھیں۔دوریاں تھیں۔کھوئی ہوئی یادداشتیں تھیں۔مگر جدائی نہیں تھی۔میں نہیں جانتی میں اس جدائی کو کیسے سہوں گی مگر.....میں اس وقت صرف تمہارے بارے میں سوچنا چاہتی ہوں۔"

"کیا ہم ایک ماہ میں وہ اجزائے ترکیبی ڈھونڈ لیں گے' چے تالیہ؟" اس نے کسی خوفزدہ بچے کے سے انداز میں پوچھا۔اب تو دیوار پہ اپنے دیوہیکل سائے بھی ڈرا رہے تھے۔

"ہاں۔کیونکہ جو ہمیں کرنا آتا ہے وہ ہمیشہ ہماری جان بچاتا رہے گا۔کیسے' کب' مجھے معلوم نہیں۔مگر کوئی راستہ ہو گا۔ہر مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ ہوا کرتا ہے۔"

ایڈم گھٹنے پہ گال ٹکائے لحاف لپیٹے خاموشی سے گہرے سانس لینے لگا۔اس میں مزید بولنے کی سکت نہ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

اس صبح قدیم ملاکہ کے بازار میں خوانچہ فروش صدائیں لگاتے دکھائی دے رہے تھے۔دکانوں میں رش اور معمول کی گہما گہمی تھی۔گھوڑے گاڑیوں پہ سامان لادا جا رہا تھا۔ایسے میں مراد راجہ کا قافلہ بازار کے درمیان سے گزر رہا تھا۔

مراد گھوڑے پہ سوار' سنہری قبا کندھوں پہ ڈالے' ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے' سپاٹ تاثرات کے ساتھ گھوڑے کو آگے بڑھا رہا تھا۔رات بارش کے باعث درخت گرے تھے اور عمومی راستے کو بندش کی وجہ سے ترک کر کے انہیں بازار سے گزرنا پڑ رہا

تھا۔ایک گھڑسوار پہلے نقارہ بجاتا ہٹو بچو کا اعلان کر رہا تھا۔پیچھے راجہ اور مصاحب چلے آ رہے تھے۔لوگ تیزی سے راستہ چھوڑ رہے تھے۔عورتیں اور بچے دکانوں کے چھپروں تلے پناہ لینے لگے۔

وہ مراد سے چند قدم پیچھے تھا۔اس نے آج بھی کندھوں پہ سیاہ قبا پہن رکھی تھی اور سنجیدہ نظریں مراد کی پشت پہ لگی تھیں۔ دفعتاً وہ اپنے گھوڑے کو مراد کے گھوڑے کے دائیں جانب لے گیا اور اسے مخاطب کیا۔

''آپ کتنے عرصے بعد بھرے بازار میں سے گزر رہے ہیں' راجہ؟''

''یاد نہیں۔''مراد کا چہرہ سپاٹ رہا۔

''آپ غیر آرام دہ نظر آتے ہیں۔''

بنداہارا نے گردن موڑ کے ایک سنجیدہ نظر ساتھ والے گھڑسوار پہ ڈالی۔

''بازار سے گزرنے کے باعث ہماری رفتار سست پڑ جاتی ہے۔محل میں بہت سے کام ہمارے منتظر ہیں۔''

''یا شاید آپ کو ان لوگوں کے درمیان سے گزرنے سے اکتاہٹ ہوتی ہے۔ان کی غربت' اور آنکھوں میں بسی محرومیاں آپ کو مضطرب کرتی ہیں۔''

''وان فاتح... میں نے تمہیں اپنا مشیر تعینات کیا ہے' ناصح نہیں۔ جتنا مراد راجہ ان لوگوں کے لئے کام کرتا ہے' کیا کوئی دوسرا بنداہارا کر کے گیا ہے؟''وہ تلخی سے بولا اور لگام کو زور سے جھٹکا دیا۔نتیجتاً گھوڑے کے ٹاپ تیز ہوئے۔

دونوں طرف دکانوں کی قطاریں تھیں اور درمیان میں کچا راستہ جس سے وہ گزر رہے تھے۔سامنے ایک عورت اپنے بچے کے ساتھ چلتی آ رہی تھی۔اس کے ہاتھ میں سامان کے تھیلے تھے۔یکدم نقارے کی آواز سنی تو چونکی۔سامنے سے آتے شاہی قافلے کو دیکھ کے وہ گھبرائی۔بچے کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف کو ہٹی۔افراتفری میں تھیلے پھسلے۔دوریان (پھل) راستے میں لڑھکتے گئے۔مگر وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ چھپر کی سمت بھاگ گئی۔پھل بھی نہ سمیٹے۔

راستے میں پھل کسی رکاوٹ کی طرح گرے تھے۔پیش قدم سپاہی نے گھوڑا روک لیا۔مراد راجہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔اسے رفتار سست کرنی پڑ گئی تھی۔

''اسی لئے میں بازار سے نہیں گزرتا۔''اس نے زیرِ لب اسے کوسا تھا۔

''راجہ!''وہ اس کے مزید قریب آیا اور آہستہ سے اسے مخاطب کیا۔''میں جانتا ہوں کہ آپ کو یہ لوگ حقیر اور بے وقوف معلوم ہوتے ہیں' اور اپنے کام زیادہ اہم۔لیکن اگر آپ ان لوگوں کے سلطان بننا چاہتے ہیں تو رک جائیں۔ان پھلوں کو کچل کے آگے نہ بڑھیں۔''

مراد نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔ ”سلطان بننے کے لئے مجھے ان لوگوں کی خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”معذرت لیکن آپ کو اگر معلوم ہوتا کہ سلطان بننے کے لئے آپ کو کیا چاہیے تو آپ مجھے اس کام کے لئے تعینات نہ کرتے۔ ایک دفعہ میری بات مان کے دیکھئے۔“

ان دونوں کے گھوڑے رک چکے تھے۔ پیش قدم سپاہی نے غصے سے عورت کو ڈانٹا اور پھر ان پھلوں کو دیکھا جو سارے راستے میں بکھرے تھے۔

دونوں اطراف دکانوں میں لوگ چپ چاپ کھڑے تماشہ دیکھنے لگے۔ کوئی مدد کے لئے آگے نہ آیا۔ عورت بچے کو مزید خود سے لپٹائے، سہمی ہوئی کھڑی رہی۔ عارف پیچھے سے آگے آیا اور مراد کو مخاطب کیا۔

”راجہ.....اس گستاخ عورت نے یہ حرکت جان بوجھ کے کی ہے۔ اس کو گرفتار کر کے سرزنش کی جانی چاہیے تاکہ بازار والوں کو عبرت ملے۔ ورنہ کچھ دن تک ہیں یہاں سے روز گزرنا ہوگا۔ یہاں لوگ روز شرارتیں کریں گے۔“

مراد نے پہلے اسے دیکھا اور پھر فاتح کو جو گہری سانس لے کر کہنے لگا۔

”راجہ.....ایسا نہ کریں۔ وہ غریب عورت ہے۔“

مگر مراد نے ابرو سے عارف کو اشارہ کیا۔ وہ فوراً مڑا اور سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ دو سپاہی اس عورت کو اس کے بچے کے ساتھ پکڑ کے زبردستی کچے راستے پہ سامنے لے آئے۔ پھل ابھی تک راستے میں بکھرے تھے۔

”راجہ....ایک دفعہ میری بات سن لیں۔“ وہ فکرمندی سے بولا مگر مراد نے ماتھے پہ بل لئے اسے دیکھا۔

”تم مجھے ایک کمزور حکمران بنانا چاہتے ہو جو موم کی طرح پگھل جاتا ہے؟ اگر ان گستاخیوں پہ لوگوں کو سزا نہ دی جائے تو وہ حکمرانوں کے تابع نہیں رہتے۔“

”شاید آپ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کو ان لوگوں سے حقارت محسوس ہوتی ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔“ وہ دھیمی آواز میں راجہ کے قریب کہہ رہا تھا۔ ”الور سونگائی میں آپ نے ایسے ہی لوگوں کے ساتھ کئی برس گزارے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو ان کے درمیان گھومنے پھرنے سے خوف محسوس ہوتا ہے۔“

مراد راجہ کے ہاتھ لگام پہ ساکت ہو گئے۔ اس نے آہستہ سے گردن موڑ کے فاتح کو عجیب نظروں سے دیکھا۔

”خوف؟“

”جی۔ کیونکہ آپ نے ایسے ہی لوگوں سے غداری کی تھی۔ سلطان کی معافی حاصل کرنے کے لئے آپ نے اپنے ساتھی شکار بازوں اور کئی غریب لوگوں کو گرفتار کروایا تھا۔ ان کے گھر جلوائے تھے۔ جب آپ ان کچے گھروں اور دکانوں کے

سامنے سے گزرتے ہیں تو آپ کو احساسِ جرم ہوتا ہے۔"

عارف ڈیپٹ کے تماش بینوں کو پھل چننے کا کہہ رہا تھا۔ ایسے میں ان دونوں کی دھیمی آواز میں گفتگو عارف کو سنائی نہ دے رہی تھی البتہ جیا کے اس غلام کو اپنے راجہ کے اتنے قریب سرگوشی میں بات کرتے دیکھ کے وہ غیر آرام دہ محسوس کر رہا تھا۔

"مجھے کوئی احساسِ جرم نہیں ہے۔" مراد تلخی سے بولا۔

"اگر آپ سلطان بننا چاہتے ہیں تو آج میری بات مان کے دیکھیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آج آپ اس بازار سے وہ شے لے کر نکلیں گے جو آپ کے پاس اس سے پہلے نہ تھی۔"

"کیا؟ ثواب؟ نیکی؟ میرے اوپر ایسے وعظ اثر نہیں کرتے' وان فاتح۔"

"راجہ.....اس عورت کے چہرے کا رنگ دیکھیں۔"

مراد نے گردن موڑ کے سپاہیوں کے نرغے میں گھری عورت کے فق چہرے کو دیکھا۔

"اس نے غلطی کی ہے۔ اس کو خوفزدہ ہونا بھی چاہیے۔" مراد نے شانے اچکائے۔

"وہ خوفزدہ نہیں ہے۔ وہ خوف سے آپ کے راستے سے نہیں ہٹی تھی۔ خوف ایسا نہیں ہوتا' راجہ۔" اس نے آواز مزید دھیمی کی۔ "یہ نفرت ہے۔"

مراد کا جبڑہ بھنچ گیا۔ اس کے چہرے پہ ایک ساتھ کئی رنگ آئے۔

"نفرت؟ ان لوگوں کے مدرسوں اور ہسپتالوں کے لئے مراد راجہ دن رات کام کرتا ہے۔ دوسرے ملکوں سے سامان تجارت منگواتا ہے تا کہ سب کو روزگار ملے۔ مسجدیں بنواتا ہے۔ اور تم کہہ رہے ہو کہ یہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔"

"اور ان کو کون بتائے گا کہ آپ یہ سب کرتے ہیں؟" وہ اسی اطمینان سے بولا۔ "ملکہ یان سوفو یہ سب ان کے لئے نہیں کرتیں مگر ملکہ سے یہ نفرت نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کے گھر ملکہ نے جلوائے تھے۔ میں ان کے درمیان ایک لمبا عرصہ رہا ہوں' راجہ۔ ملکہ کے بھیجے کارندے ہر بازار میں آپ کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ آپ کی الور سونگائی میں اپنے ساتھیوں سے غداری کی داستانیں سناتے ہیں۔" وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔ پھر راجہ کو خاموش دیکھ کے دھیرے سے اضافہ کیا۔

"آپ چاہیں تو ان پھلوں کو کچل کے یہاں سے چلے جائیں' مگر ایسا نہیں ہوتا کہ انسان کو دوسرے لوگوں کی باتوں سے فرق نہ پڑے۔ فرق پڑتا ہے۔ سب کو پڑتا ہے۔ آپ کو ان لوگوں کو دکھانا پڑے گا کہ آپ اتنے برے نہیں ہیں جتنا وہ آپ کو سمجھتے ہیں۔ بھلے آپ حقیقت میں اس سے زیادہ برے کیوں نہ ہوں۔"

مراد راجہ چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔ بالکل خاموش۔ پھر اس نے لگام کو جھٹکا دیا۔ اور گھوڑے کو چند قدم آگے بڑھایا۔ اس

عورت کے عین سامنے گھوڑا روکا اور بلند آواز میں اسے مخاطب کیا۔ ''کیا تم نے یہ جان بوجھ کے کیا ہے؟''

عورت نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔ اور بچے کے کندھوں کے گرد اپنی گرفت مضبوط کر دی۔

''اگر تم نے یہ جان کے کیا ہوتا تو میں تمہیں سزا دیتا۔ کیونکہ تمہارے اس عمل سے میرے محل پہنچنے میں تاخیر ہو جائے گی۔ محل میں بہت سے کام میرے منتظر ہیں۔ میں مراد راجہ ہوں۔'' گردن گھما کے چاروں اطراف کھڑے تماش بینوں کو دیکھ کے بلند آواز میں کہا۔ ''میں ملاکہ سلطنت کا بنداہارا ہوں۔ تمہارے لئے دوسرے ملکوں سے سامان منگوانے والا۔ تمہارے طب خانوں میں دوا کا انتظام کرنے والا۔ میں فجر سے مغرب تک تمہارے لئے کام کرتا ہوں۔''

سارے میں سناٹا تھا اور لوگ چپکے ہوئے گھوڑے پہ بیٹھے بنداہارا کو بولتے سن رہے تھے۔

''لیکن تم نے یہ غلطی سے کیا ہے اس لئے میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ تمہارے پھل میلے ہو چکے ہیں۔ عارف.....'' اس نے تحکم سے عارف کو مخاطب کیا۔ ''اسے کسی خوانچہ فروش سے مزید پھل دلوا دو اور راستہ صاف کرو۔ ہم رزق کو کچل کے نہیں گزر سکتے۔''

عارف نے ناخوشی سے اسے دیکھا۔ مگر اب وہ مزاحمت نہیں کر سکتا تھا۔ ایک نگاہ غلط مراد کے عقب میں کھڑے فاتح پہ ڈالی اور حکم بجالانے آگے بڑھ گیا۔

عورت بالکل گنگ رہ گئی تھی۔ پھر وہ بار بار سر جھکا کے شکریہ ادا کرنے لگی۔ سپاہیوں نے اسے چھوڑا تو وہ فوراً سے ایک طرف ہٹ گئی۔ خوانچہ فروش آگے بڑھے اور سپاہیوں کے ساتھ پھل چننے لگے۔ راستہ صاف ہوا تو مراد نے گھوڑا راستے پہ ڈال دیا اور ساتھ ہی اسے مخاطب کیا۔

''میں اس سے زیادہ ریاکاری نہیں کر سکتا۔ اگر تم یہ سمجھتے تھے کہ ثواب حاصل کرنے کے لئے میں اس عورت کے گھر میں راشن بھی ڈلواؤں گا تو تم مجھے نہیں جانتے۔''

''درست۔ لیکن آپ کو یہ ریاکاری اس لئے کرنی چاہیے تاکہ آپ اس جذبے سے روشناس ہوں جس سے آپ کبھی متعارف نہیں ہوئے۔''

''کون سا جذبہ؟'' مراد نے گھوڑا آگے بڑھاتے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

''ہمارے زمانے میں اس کے لئے مختلف نام ہیں جو آپ نہیں سمجھیں گے۔ مگر یہ ایسا جذبہ ہے جو کسی نشے کی طرح انسان کو اپنے قابو میں کر لیتا ہے اور انسان سے وہ کام بھی کرواتا ہے جو اس نے پہلے کبھی نہیں کیے ہوتے۔''

"کس شے کا نشہ؟"

"شہرت کا نشہ۔ تعریف سننے کی خواہش۔ حُبِ جاہ۔ ہمارے زمانے میں بہت سے لوگ اس ابتلا میں پڑے ہیں۔ ان کے کاموں کی وجہ سے ان کے گرد پرستاروں کا جھمگھٹا لگا رہتا ہے۔ وہ دلوں پہ حکومت کرتے ہیں۔ ذہنوں کو اپنی مرضی سے چلاتے ہیں۔ ان کی شہرت کے باعث لوگ ان کی محبت میں اندھا دھند مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ ان میں سے اکثر نہ نیک ہوتے ہیں نہ اچھے۔"

وہ اب بازار سے نکل آئے تھے اور اب درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس سے گزر رہے تھے۔ مراد نے گھوڑے کی رفتار آہستہ کر دی اور تعجب سے اسے دیکھا۔

"میں نہیں مان سکتا کہ کوئی انسان نہ سورما ہو نہ کوئی ولی اور لوگ اس کی محبت میں اندھا دھند گرفتار ہو جائیں۔"

"ہماری دنیا میں ایسا ہوتا ہے' راجہ۔ بڑے کام' خوبصورت شکل یا سحر انگیز تقریروں سے لوگ ذہنوں پہ حکمرانی کرنے لگتے ہیں۔ مگر یہ بڑا ہی خطرناک فتنہ ہے۔ پرستاروں کے لئے بھی اور جس کی پرستش کی جا رہی ہے' اس کے لئے بھی۔ ایسے لوگوں کو مقبول کہا جاتا ہے۔ اگر آپ سلطان بننا چاہتے ہیں' تو آپ کو اپنے لوگوں میں 'مقبول' ہونا پڑے گا۔ کل جب آپ اس بازار سے گزریں گے تو ان لوگوں میں سے چند لوگ آپ کو توصیفی نظروں سے دیکھیں گے۔ یہ نظریں آپ کو تسکین دیں گی۔ آہستہ آہستہ ان نظروں کی تعداد بڑھ جائے گی۔ پھر آپ ایک ایسی لذت سے روشناس ہوں گے جو پہلے آپ کے پاس نہیں تھی۔"

مراد نے گھوڑا روک دیا اور پورے کا پورا اس کی طرف گھوم گیا۔

"تم عجیب باتیں کرتے ہو' وان فاتح۔"

وہ مسکرا دیا۔ "یہ باتیں آپ کو سلطان بنا سکتی ہیں۔ مجھے بھی کسی نے ان باتوں کے ذریعے ایک اونچی کرسی تک پہنچایا تھا۔"

راجہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "تو کیا تم اپنے ملک کے بنداہارا بن گئے؟"

"نہیں۔ میں نے اس کرسی کو یہ سوچ کے چھوڑ دیا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔"

مراد طنزیہ مسکرایا۔ "یعنی تم نے ہار مان لی؟"

"راجہ.... آپ کو ان لوگوں کے درمیان سے روز گزرنا ہو گا تاکہ آپ کا وہ احساسِ جرم ختم ہو جو آپ کیساتھ چپکا ہے۔" وہ اس کی بات نظر انداز کر کے کہنے لگا۔

"تم واپس اپنی دنیا میں کس کے لیے جانا چاہتے ہو' وان فاتح؟ اپنے تخت کو تم چھوڑ آئے ہو۔"

"میرے دو بچے ہیں۔ میرے دوست ہیں۔ میرا ملک ہے وہاں۔"

''تخت کی خواہش رکھنے والے کو تخت پائے بغیر کبھی سکون نہیں ملتا۔ تمہیں بھی نہیں ملے گا۔''

''کیا تخت پا کے سکون مل جاتا ہے؟''

''نہیں۔ کیونکہ تب تک ہمیں خوب سے خوب تر کی تلاش کے سفر کی ایسی عادت پڑ چکی ہوتی ہے کہ کہیں پڑاؤ ڈالنا برداشت نہیں ہوتا۔ خیر... تم کہہ رہے تھے کہ مجھے اپنی عوام میں مقبول ہونا پڑے گا؟''

ان کا قافلہ پیچھے رہ گیا تھا اور وہ دونوں باتیں کرتے کافی دور نکل آئے تھے۔

''جی اور آپ کی مقبولیت سے سب سے زیادہ ناخوش ملکہ ہوں گی۔''

مراد چونکا۔ ''ہاں۔ اور وہ یقیناً کوئی چال چلے گی۔''

''اس کے سدِ باب کا طریقہ ہے۔ ملکہ کے پاس صرف ایک ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ اپنا زور چلاتی ہے۔ اسے سارے ملک کی خبر بھی رہتی ہے اور وہ امورِ سلطنت میں دخل اندازی بھی کرتی رہتی ہے۔ اگر ہم اس ہتھیار کو ملکہ سے کھینچ لیں تو ملکہ مفلوج ہو جائے گی۔''

''اور وہ ہتھیار ہے سن باؤ وانگ لی!'' مراد نے سمجھ کے سر ہلایا۔

''جی راجہ۔ ملکہ کو کمزور کرنے کے لیے آپ کو وانگ لی کا پتا صاف کرنا پڑے گا۔''

''وانگ لی تمہارا سابق آقا تھا' وان فاتح۔ اور میں نے سنا تھا کہ تم نے ابوالخیر سے آزادی حاصل کر کے وانگ لی کے پاس جانے کے بعد بھی اپنے سابق آقا کی برائی تک نہیں کی تھی۔ اور آج تم مجھے اپنے سن باؤ کا پتا صاف کرنے کا مشورہ دے رہے ہو۔''

وان فاتح مبہم سا مسکرایا۔ ''اس بات کو زمانے بیت گئے' راجہ۔ وہ ایک غلام کا فیصلہ تھا۔ اور میں قدیم ملاکہ میں اب کی بار غلام کی طرح نہیں آیا۔ آپ نہیں جانتے کہ میں کیا کچھ کھو کے آیا ہوں۔''

مراد نے ہنکارا بھر کے غور سے اسے دیکھا۔

''مجھے سلطان بنا کے تمہیں کیا ملے گا۔''

''جب آپ سلطان بن جائیں گے تو میں آپ سے ایک شے مانگوں گا اور آپ کو مجھے وہ دینی ہوگی۔'' مراد راجہ کے چہرے پہ اکتاہٹ در آئی۔

''اگر تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں تاشہ کو ساتھ لے جانے دوں گا تو.....''

''میں آپ سے تالیہ کو ساتھ لے جانے کی بات نہیں کروں گا' بے فکر رہیں۔''

مراد راجہ نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''پھر؟ وقت کی چابی؟ آدم کی دوا؟''

''وہ تو آپ نے ویسے ہی دے دینی ہے۔ اس کا معاملہ آپ تالیہ سے طے کر چکے ہیں۔ مجھے آپ سے ایک اور چیز چاہیے ہے۔''

مراد نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ ''ایسا کیا ہو سکتا ہے؟''

''ایک دن ہم سلطنت محل میں کھڑے ہو کے اس بارے میں بات کریں گے' راجہ۔'' اور سر کو تعظیماً خم دیا۔ مراد نے سوچتے ہوئے اسے دیکھا۔

''وہ نکاح نامہ کہاں ہے' وان فاتح؟''

''وہ محفوظ ہے' راجہ۔ آپ بےفکر رہیں۔'' اور گھوڑے کو پیچھے کیا۔ یہ راجہ کو آگے بڑھنے کا اشارہ تھا۔ مراد نے سوچتے ہوئے گھوڑا آگے بڑھا دیا۔

دوسری دنیا کا یہ آدمی اسے ایک دم بہت پراسرار لگنے لگا تھا۔ کیا راجہ نے اسے اپنے ساتھ رکھ کے غلطی تو نہیں کر دی تھی؟

☆☆==========☆☆

اس روز سلطنت محل میں سجا دربار برخاست ہوا تو تمام درباری اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور سر جھکا دیے۔ مرسل شاہ اپنی قبا جھٹکتا اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا چبوترے کے زینے اتر کے پیچھے آیا۔ پھر سیدھ میں چلتا گیا۔

دروازے کھول دیے گئے اور سورج کی تیز روشنی کا راستہ وا ہو گیا۔

سلطان مرسل دھوپ سے منور برآمدے میں آیا تو دیکھا' سامنے سیڑھیوں سے اوپر ستون کے ساتھ وہ کھڑی تھی۔

سینے پہ بازو لپیٹے' ستون سے ٹیک لگائے کھڑی وہ سوچ میں گم لگتی تھی۔ سنہری گلابی باجو کرنگ پہنے' سر پہ گلابی کپڑا اٹکائے' وہ ماتھے پہ تاج سجائے' ہمیشہ کی طرح خوبصورت نظر آتی تھی۔

وہ کافی دن سے دربار میں نہیں آئی تھی اور مرسل شاہ نے اسے عرصے بعد دیکھا تھا۔

وہ رک گیا۔ پھر کمر پہ ہاتھ باندھے' دھیرے دھیرے اس کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ اس کے پیچھے موجود غلام بھی ساتھ ہو لئے۔ شہزادی نے آہٹ محسوس کی تو چونکی اور تیزی سے گھومی۔ اس نوجوان سلطان کو دیکھا اور سر جھکایا۔ ''آقا۔''

''آپ کو بہت دن بعد دیکھا ہے' شہزادی۔'' وہ مسکرا کے گویا ہوا۔ اس کی پگڑی پہ جڑے نگینے دمک رہے تھے۔ وہ صورت کا ایسا تھا جیسے شہزادے ہوتے ہیں۔ اچھے نہ ہوں تب بھی تراش خراش ان کو خوبصورت بنا دیتی ہے۔ مگر اس کے چہرے کا لاابالی پن تالیہ کو غصہ دلاتا تھا۔ وہ جبراً مسکرا کے بولی۔

دبس سفر کی تھکان اتار رہی تھی۔'' وہ دونوں دھوپ سے نہائے برآمدے کے ستونوں کے ساتھ کھڑے تھے۔لکڑی کے محل کے زینے ان کے ساتھ سے شروع ہوتے اور نیچے سبزہ زار تک جاتے تھے۔

'' آپ کے لباس پہ کام شروع ہو گیا؟ اگر ضرورت ہو تو ہم کاریگر فراہم کر سکتے ہیں۔'' مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے مرسل نے پیشکش کی۔

(کاریگر مائی فٹ!) مگر ضبط سے گہری سانس لی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

'' آقا..... مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''

'' کہیے۔'' وہ متوجہ تھا۔ ارد گرد کافی لوگ تھے جو دربار سے نکل رہے تھے مگر ان دونوں کو کھڑا دیکھ کے دور سے کنی کترا کے سیڑھیوں کی طرف بڑھ جاتے۔جگہ اور وقت مناسب نہ تھا مگر وہ اب مزید اس ناٹک کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

'' آقا..... میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔''

وہ جو کمر پہ ہاتھ باندھے کھڑا تھا' چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر ابرو اٹھایا۔

'' کیا آپ کو کسی نے کچھ کہا ہے؟ غالباً ملکہ نے؟''

''نہیں آقا۔ یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔ ہم دونوں کی شادی نہیں ہو سکتی۔''

مرسل شاہ نے قدرے اچنبھے سے ابرو اکٹھے کیے۔

'' ہم آپ کو کاریگر فراہم کر سکتے ہیں۔ آپ کا لباس وقت پہ تیار ہو جائے گا۔''

'' آقا..... لباس کی بات نہیں ہے۔ میں اور آپ کبھی بھی شادی کر کے خوش نہیں رہ سکتے۔''

'' اگر آپ ملکہ کے ساتھ اس محل میں نہیں رہنا چاہتیں تو میں ملکہ کو دوسرے محل میں بھیج سکتا ہوں۔''

'' آپ کی پیشکش کا شکریہ آقا' لیکن میں یہ بات کسی دوسرے شخص یا چیز کی وجہ سے نہیں کہہ رہی بلکہ اپنے دل کی مرضی سے کہہ رہی ہوں۔''

'' اگر آپ کی کوئی شرائط ہیں تو میں وہ پوری کر سکتا ہوں۔ آپ مجھے تحریری طور پہ تمام شرائط بھجوا دیں۔''

تالیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ کیا وہ اس کی بات نہیں سن رہا تھا؟ کیا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کو انکار کر رہی تھی؟

'' آقا..... میں..... یہ شادی..... نہیں کرنا چاہتی۔'' ٹھہر ٹھہر کے بولی۔

'' آپ کی تمام شرائط پوری کی جائیں گی' شہزادی تاشہ۔'' وہ فخریہ گردن کڑا کے بولا۔ '' آپ کوئی عام عورت نہیں ہیں۔ اور

آپ کو اپنی ملکہ بنانے کے لئے میں آپ کی ہر شرط پوری کرنے کو تیار ہوں۔"

کمر پہ ہاتھ باندھے وہ مسکرا کے دھوپ سے سنہری پڑتی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

اور تب تالیہ کو احساس ہوا کہ یہ پندرہویں صدی کا مرد تھا۔ اسے عورت کے انکار یا مرضی کی سمجھ تھی نہ پرواہ۔ اس زمانے میں سمجھا جاتا تھا کہ عورت کا اپنا دل نہیں ہوتا۔ وہ 2016 کا مرد نہیں تھا جس کو زبردستی اور بہت مشکل سے یہ بات تھوڑی تھوڑی سمجھ آنے لگی تھی کہ عورت کے اندر وفا' قربانی اور محبت کے علاوہ بھی کچھ ہوتا ہے۔ اس کا دل اور مرضی۔

وہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ اس سے شادی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہے لیکن وہ نہیں کہہ سکی۔ مرسل شاہ کے پیچھے کھڑے سپاہیوں کی تلواریں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ وہ دشمن کے محل میں کھڑی اس کو نہیں للکار سکتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ انکار کرے گی تو مرسل سمجھ جائے گا لیکن اگر اس نے سمجھنا ہوتا تو ملکہ اس کا نکاح کسی اور سے کیوں کرواتی؟

"اگر آپ کی کوئی شرائط یا سوالات ہیں تو آپ ان کو بلا خوف و خطر میرے سامنے رکھ سکتی ہیں۔ کڑے مراحل سے گزر کے آپ کو حاصل کرنا مجھے زیادہ پسند آئے گا۔"

(اف..... سائیکو پیتھ.....) مگر بولی تو محض اتنا۔ "میں آپ کو اطلاع کر دوں گی' آقا۔"

اور بس سر جھکا دیا تو وہ آگے بڑھ گیا۔ اور تب تالیہ کو احساس ہوا کہ وہ کیا بول بیٹھی ہے۔

بنگا رایا ملایو کا تیرہواں باب ذہن کے پردے پہ کسی فلم کی طرح چلنے لگا۔ اس باب کا نام تھا۔ شہزادی کی آخری مانگ۔

اور اس باب میں شہزادی تاشہ کی سات مانگوں کا ذکر تھا جو کہ.....اونہوں تالیہ نے سر جھٹکا۔ اسے ان مانگوں کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ جہاں پہلی چھ شرائط مضحکہ خیز اور دیو مالائی کارنامے سرانجام دینے سے متعلق تھیں' وہاں آخری شرط ایک جان لینے سے متعلق تھی۔

مرسل شاہ سے اس کی اپنی جان لینے کا سوال۔

اس نے جھرجھری لی۔ وہ ایسے سوال نہیں کر سکتی تھی۔ اس کتاب کے آخری تین ابواب جھوٹے تھے۔ یقیناً۔

وہ اپنی کنیزوں کی معیت میں چلتی محل کے باغیچے تک پہنچی تھی کہ سامنے چند روساء کی ایک ٹولی کھڑی تھی۔ اسے آتے دیکھ کے ان کے درمیان کھڑے ابوالخیر نے باقیوں کو اشارہ کیا۔ وہ تتر بتر ہو گئے تو وہ تنہا وہاں روش پہ کھڑا شہزادی کو اپنے قریب آتے دیکھنے لگا۔

"آپ مجھ سے بات کرنا چاہتی تھیں شہزادی۔"

دھوپ ایک دم رخصت ہو گئی۔ آسمان پہ بادل جمع ہونے لگ گئے اور ہر طرف چھایا اترنے لگی۔ دونوں گھاس کے

درمیان بنی روش پہ آمنے سامنے چھاؤں میں کھڑے تھے۔

''ابوالخیر.....مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس ''ماوراسمس'' ہے۔طلائی گلاب کا پودا۔''

ابوالخیر چند لمحے کے لئے خاموش رہا'پھر مسکرا کے ابرو اٹھایا۔''طلائی گلاب؟''

''جی۔ماوراسمس.....سنہرے رنگ کا گلاب جو سونے کے پانی سے سینچا جاتا ہے اور ساری دنیا میں اس کے صرف چند گنے چنے پودے ہی ہیں۔ملاکہ میں یہ صرف آپ کے پاس ہے اور آپ اس سے اپنے لئے دوا بناتے ہیں۔کیونکہ کہا جاتا ہے کہ طلائی گلاب جس گھر میں ہوتا ہے اس کے مالک کو کبھی رزق کی کمی نہیں ہوتی اور وہ وبائی بیماریوں کا شکار نہیں ہوتا۔''

''شہزادی.....طلائی گلاب ایک دیومالائی داستان کا حصہ ہے۔اس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہے۔''

''بابا نے اسے آپ کے گھر کے ایک اندرونی کمرے میں خود دیکھا ہے جہاں ایک دفعہ آپ انہیں رازداری کی کوئی بات بتانے لے گئے تھے۔''

ابوالخیر کے چہرے کا رنگ بدلا۔ماتھے پہ بل پڑے۔مگر وہ بولا کچھ نہیں۔

''مجھے صرف ایک گلاب چاہیے'ابوالخیر۔صرف چند پنکھڑیاں۔اگر آپ دے سکیں تو میں آپ کی ممنون ہوں گی۔''اس کے تاثرات دیکھ کے وہ آہستہ سے بولی۔''میں اس کی قیمت بھی ادا کرنے کو تیار ہوں۔''

وہ طنز سے مسکرایا۔''کس چیز سے قیمت ادا کریں گی آپ؟سونے سے؟وہ ملاکہ میں سب سے زیادہ میرے پاس ہے۔غلاموں سے؟کیا کسی کے پاس مجھ سے زیادہ غلام ہیں؟گھوڑوں اور مویشیوں سے؟تو مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔''

''مجھے صرف ایک گلاب چاہیے'ابوالخیر۔مجھے کسی کے لئے دوا بنانی ہے۔کسی کی زندگی کا دارومدار آپ کی ذرا سی فیاضی پہ منحصر ہے۔''اس نے بہت ضبط اور نرمی سے کہا۔آسماں پہ تیزی سے سیاہ بادل جمع ہو رہے تھے۔چھایا اب اندھیرے میں بدلنے لگی۔

''نہیں شہزادی۔میرے گلاب صرف میرے ہیں۔آپ مجھے دنیا کی ساری نعمتیں بھی لادیں تو میں ان کی ایک پنکھڑی بھی آپ کو نہیں دوں گا۔''

''مجھے وہ گلاب دولت اور طاقت میں آپ سے مقابلے کے لئے نہیں چاہیے ہیں۔''

اس نے اب کے قدرے بے بسی سے زور دیا مگر ابوالخیر نے ہٹ دھرمی سے سر ہلایا۔

''ناممکن۔''

تالیہ نے ابرو اکٹھے کر کے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔''کبھی آپ نے ایسے چور دیکھے ہیں ابوالخیر جو بلی کی طرح بنا

چاپ کے اونچی حویلیوں میں داخل ہوتے ہیں اور من پسند شے چرا لاتے ہیں؟"

"کبھی آپ نے ایسی حویلیاں دیکھی ہیں شہزادی جن کے پہروں پہ سینکڑوں غلام لگے ہوتے ہیں؟ جن کے تالے سونے کے اور چابیاں چاندی کی ہوتی ہیں؟" اس نے شہزادی کی آنکھوں میں جھانک کے کہا۔ "جس کے پاس میرے جتنے غلام اور سونے چاندی کے ڈھیر ہوں' اس نے چوروں کا انتظام پہلے سے کر رکھا ہوتا ہے۔"

اور سر کو تعظیماً خم دیا۔ پھر وہ چلا گیا اور تالیہ بے بسی بھرے غصے سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

دوا کا پہلا جز ترکیبی ابوالخیر کے پاس تھا۔ صرف ایک پھول مانگا تھا اس نے۔ کیا تھا جو وہ دے دیتا؟ اس پھول کو تلاشنے میں مہینوں لگ جاتے۔ ایڈم کے دن کم ہو رہے تھے۔ وقت الٹی گنتی چل رہا تھا۔

کیا اسے ایک دفعہ پھر چور بن جانا چاہیے؟

ایڈم کے لیے کچھ بھی!

☆☆=========☆☆

وہ محل واپس آئی تو ایڈم کتب خانے سے ملحقہ کمرے میں موجود نہیں تھا۔ دربان نے بتایا کہ وہ اصطبل کی طرف گیا تھا۔ تالیہ کو ایک دم ڈھیروں پریشانی نے آن گھیرا۔ وہ کامدار لباس میں بدقت دوڑتی ہوئی محل کی پچھلی طرف آئی جہاں اصطبل بنا تھا۔ درجنوں گھوڑے سبز چراہ گاہ میں چرتے دکھائی دے رہے تھے۔ آسمان کو بادلوں نے ڈھک رکھا تھا اور چراگاہ میں چھایا تھی۔ سائیس اور دوسرے غلام گھوڑوں کے آس پاس پھر رہے تھے۔ اس نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

"شہزادی!" آواز پہ پلکیں اوپر اٹھائیں۔

وہاں ایک طرف گھاس سے ڈھکے ٹیلے تھے جو اوپر کو جاتے تھے۔ ان کی چوٹی پہ چند درخت اگے تھے۔ ایک درخت تلے ایڈم بیٹھا مسکرا کے اسے ہاتھ ہلا رہا تھا۔ تالیہ کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ اس نے اوپر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"تم بہتر لگ رہے ہو۔"

"میں بہتر محسوس کر رہا ہوں۔" ایڈم آج سفید کرتا پہنے' سر پہ ٹوپی جمائے' دھلے منہ کے ساتھ بہتر نظر آ رہا تھا۔ گھٹنوں پہ کاغذات کا پلندہ تھا۔ قلم دوات بھی ساتھ رکھے تھے۔ "راجہ نے کوئی دوا بھجوائی تھی طبیب کے ہاتھوں۔ اس کو لینے سے میرے اندر مصنوعی توانائی بھر جاتی ہے۔ کبھی کبھی مجھے سمجھ نہیں آتا کہ راجہ مجھے مارنا چاہتا ہے یا زندہ رکھنا چاہتا ہے۔"

"راجہ صرف مجھے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ ہماری Equation میں تم غیر اہم ہو۔" تالیہ نے گھٹنوں پہ تھوڑی ٹکا دی اور نیچے چرتے گھوڑوں کو دیکھنے لگی۔ ایک سیاہ چمکدار گھوڑا سب سے الگ تھلگ گھاس چر رہا تھا۔ اس کے ساتھ نہ سائیس تھا

نہ کوئی دیکھ بھال کا ملازم۔

”آپ کو کوئی جز ترکیبی ملا؟“

”ہاں۔طلائی گلاب مل گیا ہے۔“وہ جبراً مسکرائی۔ایڈم نے غور سے اسے دیکھا۔

”کیا ابھی تک آپ کو نہیں معلوم ہوا کہ ایڈم بن محمد کو آپ کی کوراسٹوریز پکڑ لینے کی عادت ہے۔“

تالیہ نے گہری سانس لی اور اس کی طرف چہرہ موڑا۔”میں نے کہا نا‘ میں کوئی راستہ نکال لوں گی۔تالیہ نے کبھی ہار نہیں مانی۔“

وہ چند لمحے اداسی سے مسکراتا ہوا اسے دیکھتا رہا۔تالیہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔”کیا سوچ رہے ہو؟“

”یہی کہ میں آپ کی زندگی کا کون سا برتن ہوں؟“وہ زخمی سا مسکرایا۔”توانائی دینے والی کافی کا مگ؟یا مٹھاس دینے والے ڈیزرٹ کا پیالہ؟“

”شاید پانی کا وہ گلاس جس کے بغیر گزارا ممکن نہیں ہے۔“پھر رکی۔”تمہیں کیا لگتا ہے؟تم میری زندگی کے کون سے برتن ہو؟“

”بس ایک ٹوٹا ہوا برتن۔“

اس کی بات نے دل کو عجیب انداز میں دکھایا تھا۔وہ چپ ہوگئی۔پھر اس کے کاغذات کو دیکھا۔”کیا لکھ رہے ہو؟“

”راجہ کا حکم آیا ہے کہ کتاب کا اگلا باب تحریر کروں۔اس لئے وہ لکھ رہا ہوں۔“

وہ اچنبھے سے اسے دیکھنے لگی۔”ایڈم....تم نے بنگارا یا ملایو پہلے نہیں پڑھ رکھی تھی۔اب پڑھ رکھی ہے۔تم کیا صرف وہی سب کچھ لکھ دو گے جو تم نے نئے زمانے میں پڑھا تھا؟“

”نہیں۔کیونکہ بے شک میں نے کتاب پڑھی ہے مگر حرف بہ حرف یاد نہیں۔میں صرف وہی لکھوں گا.....پوری ایمانداری سے.....جو میں ہوتے ہوئے دیکھوں گا۔یا سنوں گا۔“

”دکھاؤ۔“اس نے کاغذات لئے اور ان کو سرسری سا الٹ پلٹ کے دیکھا۔

شہزادی تاشہ کی سفر سے واپسی.....مراد راجہ سے ایک سیاہ چادر والے آدمی کا ملنا.....صبح راستہ روکنا.....سیاہ گھوڑا.....

”اس نے راجہ کو سلطان بنانے کا وعدہ کیا تھا۔اسی لئے وہ سلطان ساز کے نام سے مشہور ہوا تھا۔مگر اس وعدے کا ذکر کتاب کے آخر میں ہوگا۔اگر ابھی میں نے اسے لکھ دیا تو مرسل شاہ کو خبر ہو جائے گی‘ کیونکہ کتاب کے ابواب پڑھ کے سنانے ہوتے ہیں۔یہ میں تب لکھوں گا جب مرسل شاہ کا تختہ الٹ چکا ہوگا۔“

''یعنی یہ ابواب تم نے ہی تحریر کیے تھے۔''وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی۔''اور واقعی۔سلطان ساز کے وعدے کا ذکر آخر میں تھا۔مگر ایڈم...میں مرسل شاہ سے شادی کے لئے کیسے تیار ہو سکتی ہوں؟اور وہ عجیب شرائط۔کیا تھیں وہ؟''اسے وہ یاد بھی نہیں آ رہی تھیں۔

''ہاں کچھ عجیب شرائط تھیں جو آپ نے ان کے سامنے رکھی تھیں۔مجھے صرف ایک یاد ہے۔ان کی جان لینے والی۔''

''مانا کہ وہ سائیکو پیتھ اور بگڑا ہوا امیر زادہ ہے لیکن اس بے چارے سے اس کی جان لینے کا سوال میں کیوں کروں گی؟ ہرگز نہیں۔''اس نے جھر جھری لی۔ایڈم نے کندھے اچکا دیے اور سر جھکائے' کاغذ گھٹنوں پہ رکھے قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کے لکھنے لگا۔

''اس باب کا نام کیا ہے؟''

''ابھی میں نے نہیں لکھا۔باب کا نام میں تب لکھوں گا جب کوئی خاص واقعہ پیش آئے گا۔ویسے جو کتاب ہم نے پڑھی تھی....نئے زمانے میں....اس میں اس باب کا نام شہزادی کی آخری مانگ تھا۔لیکن جب آپ نے سلطان سے کچھ مانگا ہی نہیں تو میں وہ نام کیوں رکھوں؟''

''تم.....اس کا نام کچھ اور رکھ دو۔اور ابھی رکھ دو۔''وہ تیزی سے کہہ کے اٹھی۔ایک دم اسے گھٹن محسوس ہونے لگی تھی۔

''کیا؟''ایڈم نے پیچھے سے پکارا۔''The prodigal daughter returns?''

تالیہ جواب دیے بغیر سبز پہاڑی سے نیچے اترنے لگی۔ہوا تیز چلنے لگی تھی اور اس کے ٹخنوں کے گرد سے اس کا لباس پھڑ پھڑا رہا تھا۔اوپر بیٹھے ایڈم نے زکام زدہ سانس ناک سے اندر کھینچی اور سر جھکا کے آہستہ آہستہ کچھ لکھنے لگا۔

سیاہ گھوڑا اکیلا کھڑا گھاس پہ منہ مار رہا تھا۔وہ اس کے قریب آئی اور نرمی سے اس کی گردن کو چھوا۔گھوڑے نے ذرا سی گردن ہلائی پھر واپس کھانے میں مصروف ہو گیا۔

وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔پیار سے۔اپنائیت سے۔وہ اصطبل کے سامنے کھڑی تھی اور یہاں سے اسے کنکھیوں سے اصطبل کے باڑے میں کام کرتے ملازم دکھائی دے رہے تھے۔

''یہ کس کا گھوڑا ہے؟''اس نے قریب سے گزرتے سائیس کو پکار کے سرسری سا پوچھا۔اور ساتھ ہی اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرے گئی۔

''کم از کم میرا نہیں ہے۔''آواز پہ وہ چونکی۔فاتح جانے کہاں سے آیا تھا' اس کے ساتھ سے گزرتے ہوئے سنجیدگی سے تبصرہ کیا اور اصطبل کی جانب بڑھ گیا۔تالیہ نے دیکھا' اصطبل کے ایک چوکھٹے میں ایک دوسرا سیاہ رنگ کا گھوڑا کھڑا تھا۔اس

نے جلدی سے ہاتھ اس گھوڑے سے پیچھے کھینچا۔ (اوہ۔ یہ کسی اور کا گھوڑا تھا۔) ماتھے پہ بل پڑ گئے اور حلق تک کڑوا ہو گیا۔

وہ کندھے پہ ایک تھیلا لادے اپنے گھوڑے کی طرف جا رہا تھا۔ اسے آتے دیکھ کے اس کا گھوڑا بے چین ہوا۔ وہ قریب آیا' تھیلا زمین پہ رکھا اور نرمی سے گھوڑے کے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ گھوڑا پر سکون ہو گیا۔

وہ اپنے ہاتھ جھاڑتی اس کے پیچھے آئی اور اس کے چوکھٹے کے دہانے پہ رکی۔

''آپ بابا کو کون سی امید دلا رہے ہیں؟'' انداز میں خفگی سے زیادہ غصہ تھا۔ پتہ نہیں کس بات کا۔

''یہ سوال آپ اپنے بابا سے پوچھیں' شہزادی۔ مجھ سے نہیں۔'' وہ بے نیازی سے کہتا اب تھیلے سے کچھ چیزیں نکال رہا تھا۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور کرتے کے آستین موڑ رکھے تھے۔

''میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ روپوش ہو جائیں مگر آپ میری اتنی سی بات نہیں مان سکتے۔''

''جی۔ نہیں مان سکتا۔ اور کچھ؟'' وہ گھوڑے کے سامنے آیا اور ایک کنگھے سے اس کے بال دھیرے دھیرے چھڑانے لگا۔

''آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟'' وہ زچ ہوئی۔

''یہ میں آپ کو بتانا ضروری نہیں سمجھتا' شہزادی۔'' وہ اوپر سے نیچے کنگھا لا رہا تھا۔ دھیرے دھیرے گھوڑے کے سیاہ بالوں کی گرہیں سلجھنے لگی تھیں۔

''آپ مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔ میں ہر موقع پہ آپ کے ساتھ کھڑی رہی ہوں۔''

فاتح کے ہاتھ رکے۔ اس نے گردن موڑ کے تالیہ کو دیکھا۔ ''تم مجھے بتائے بغیر ہماری دنیا سے روپوش ہونے جا رہی تھیں۔ میں تمہارے پیچھے نہ آتا تو مجھے معلوم ہی نہ ہوتا اور تم جا چکی ہوتیں۔''

''کیا آپ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ نے مجھے بھول جانے کا فیصلہ کر لیا تھا؟ پھر میں کیوں بتاتی؟ آپ کی دنیا نے مجھے دیا ہی کیا ہے؟ میں اتنے مہینے آپ کی اور عصرہ بیگم کی ملازمت کرتی رہی صرف آپ کے اس فیصلے کی وجہ سے کیونکہ آپ چاہتے تھے میں آپ کو آریانہ کے بارے میں یاد دلاؤں۔ آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کی وجہ سے میں کس کرب سے گزری ہوں؟''

بادلوں پہ اب بجلی کڑکتی دکھائی دے رہی تھی۔ ہر طرف اندھیرا پھیلنے لگ گیا تھا۔ وہ ایک دم گرجنے لگے تو فاتح نے اوپر دیکھا۔ وہ اصطبل کی چھت تلے کھڑا تھا البتہ تالیہ چوکھٹ پہ تھی۔ نہ وہ اندر تھی نہ باہر۔ وہ کہیں درمیان میں تھی۔

''اور تمہیں اندازہ ہے کہ میں کس اذیت سے گزرا ہوں؟'' اس کے سوال کے ساتھ ہی بجلی زور سے چمکی۔ ''مگر میں تمہاری طرح نہیں سوچتا کہ کاش میں اس سفر پہ نہ نکلا ہوتا تو یہ نہ ہوتا۔ میں نے اس سب کو قبول کر لیا ہے۔ ابھی چند دن بھی نہیں گزرے کہ میں نے عصرہ کو کھویا ہے' تمہیں یاد بھی ہے؟''

''عصرہ کون؟ وہ عصرہ جنہوں نے مجھے قتل کے کیس میں پھنسایا اور وہ عصرہ جنہوں نے آریانہ کا خون کیا تھا؟'' وہ غصے سے بولی۔ بادل پھر سے گرجے اور ٹپ ٹپ بارش برسنے لگی۔ اس کے انداز پہ وہ لمحے بھر کو خاموش ہوا۔

''ایسے مت کہو۔ اس نے آریانہ کو نہیں مارا تھا۔ میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے۔ وہ صرف اس کو غائب کرنا چاہتی تھی۔ آریانہ کا مرنا ایک حادثہ تھا۔''

''جو آخری چیز میں اس وقت سننا چاہتی ہوں وان فاتح وہ عصرہ کی وکالت ہے۔'' وہ بے زار ہوئی تھی۔

''میں اس کی وکالت نہیں کر رہا۔ مگر اس کے ہاتھ پہ آریانہ کے اغوا کا جرم ہے۔ قتل کا نہیں۔''

''اور جو مجھے اپنی دنیا چھوڑنی پڑی عصرہ کی وجہ سے؟ میں کس کو قصوروار ٹھہراؤں؟ آپ نے ان کی موت کے ساتھ ان کو ہر الزام سے آزاد کر دیا' مگر میں نہیں کر سکتی۔'' بارش کی تیز بوچھاڑ چوکھٹ میں کھڑی لڑکی کو بھگونے لگی۔

''میں نے کہا تھا میں تمہیں اس سے باہر نکال لوں گا۔ تم ایک لمحے کے لئے بھی مجھے خود کو بچانے کا موقع کیوں نہیں دے سکتیں؟''

''کیونکہ مجھے آپ پہ اعتبار نہیں ہے۔ آپ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔ اگر میں نے فیصلوں کے اختیار آپ کو دیا تو آپ ایک دفعہ پھر میرے دل کو روند کے اپنی مصلحتوں میں پڑ جائیں گے۔ اسی لئے اپنے فیصلے میں خود کروں گی۔ آپ کو بابا کے ساتھ جو کھیل بھی کھیلنا ہے' آپ کھیلیں لیکن مجھے واپس لے جانے کے لیے کوئی حکمت عملی نہ بنائیں۔''

وہ غصے اور درد سے تیز تیز کہہ رہی تھی۔ بارش کا پانی اس کو بھگو رہا تھا اور دور کھڑے غلام اور سپاہی بے بسی سے اسے اس نئے مشیر کے ساتھ اجنبی زبان میں باتیں کرتے دیکھ رہے تھے۔

پھر وہ مڑی تو ایک غلام چھاتا لئے فوراً اس کی طرف لپکا۔ مگر شہزادی نے ہاتھ جھلا کے اسے پرے ہٹنے کا اشارہ کیا اور خود سبزہ زار کی طرف بڑھ گئی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' بھیگتی ہوئی وہ اب روش کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ پانی کہاں تھا اور آنسو کہاں تھے' کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔

سبز ٹیلے کے اوپر چھاتا تانے بیٹھے ایڈم نے ابھی تیرہویں باب کا نام تحریر ہی کیا تھا۔ (''نئے مشیر کی آمد۔'') کہ بارش برسنے لگی تھی۔ اس نے جلدی جلدی کاغذ سمیٹے اور چھاتا تانے دوسری جانب سے پہاڑی سے اترنے لگا۔ اسے کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔

وہ گرتا پڑتا واپس کتب خانے تک آیا اور کاغذ زمین پہ دھرتے ساتھ ہی خود کو جلدی سے کمبل میں لپیٹا۔ آتش دان میں آگ جل رہی تھی۔ وہ وہیں پیر سمیٹ کے بیٹھ گیا۔ اس کو کپکپی چڑھی ہوئی تھی اور ایک دم ٹھنڈ سے ہونٹ جامنی پڑنے لگے تھے۔

تھوڑی دیر گزری اور جسم کو ذرا گرمائش ملی تو اس نے زمین پہ دھرے کاغذات کے پلندے کو دیکھا۔ تیرہویں باب کا پہلا صفحہ سامنے کھلا تھا۔ بارش کے چند قطرے اس پہ گرے تھے اور انہوں نے باب کے نام کو مٹا دیا تھا۔

ایڈم نے چونک کے اس صفحے کو دیکھا۔ باب کے نام کی جگہ سرمئی گیلا دھبہ نظر آ رہا تھا۔ آتش دان قریب تھا اس لیے تھوڑی ہی دیر میں وہ جگہ خشک ہو کے واپس کوری ہو گئی۔

باب کے نام کی جگہ ایک دفعہ پھر خالی ہو چکی تھی۔

☆☆=========☆☆

بارش عشاء کے بعد تک برستی رہی تھی۔ بنداہارا کے محل کے تمام نفوس اپنے اپنے کواڑوں میں دبک کے بیٹھ گئے تھے۔ سارے دالان اور باغیچے جل تھل ہو چکے تھے۔ بیرونی قمقمے اور روشنیاں پانی نے گل کر دی تھیں۔ ایسے میں محل بالکل تاریک ہو چکا تھا۔

محل کی چھت پہ بنے وسیع صحن کی دیواریں کہیں سے بلند تھیں اور کہیں سے چھوٹی۔ ایک جگہ منڈیر کے ساتھ ستون بنے تھے۔ اور اوپر لکڑی کے چھپر تھے جن کے کناروں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ بارش تھم چکی تھی اور سیاہ آسمان اب صاف تھا۔

ایک ستون سے ٹیک لگائے وان فاتح بیٹھا تھا۔ ایسے کہ اس کے ایک طرف محل چھت کا صحن تھا اور دوسری طرف کھائی۔ وہ بالکل خاموشی سے اکڑوں بیٹھا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں کوئی چیز پکڑے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا تھا۔ شاید کوئی سوکھی ٹہنی تھی یا کیا۔ اندھیرے میں معلوم نہیں پڑتا تھا۔

آہستہ سے اس کے ستون کے پیچھے کوئی آ کے بیٹھا۔ آواز نہیں آئی تھی۔ آہٹ بھی نہیں۔ مگر وہ پہچان گیا تھا۔

''کیسی ہو؟''

وہ دونوں اس طرح بیٹھے تھے کہ ایک دوسرے کی طرف پشت تھی اور دونوں کی پشت کے درمیان لکڑی کا ٹھنڈا ستون تھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہی۔ ''ٹھیک ہوں۔ اور آپ؟''

بارش کی گرج برس ختم ہو چکی تھی۔ پانی بہت سا گدلا پن بہا لے گیا تھا اور مطلع اب صاف معلوم ہوتا تھا۔

''میں تو ٹھیک ہی تھا۔ تم ناراض تھیں۔'' وہ اس ٹہنی کے پتے انگوٹھے اور انگلی سے دھیرے دھیرے نوچ رہا تھا۔

''سوری۔ میں زیادہ ہی بول گئی۔ مجھے عصرہ کے بارے میں وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ عصرہ نے ایک جرم کیا تھا' قتل نہیں۔ جرم تو میں نے بھی بہت کیے ہیں۔'' وہ سر جھکائے کہہ رہی تھی۔ ''شاید میں آپ کی طرح عصرہ کو معاف نہیں کر سکی۔ جو میرے ساتھ کیا اس کے لئے بھی نہیں۔ اور جو کسی بچے کی زندگی کو خطرے میں ڈال کے کیا اس کے لئے بھی نہیں۔ میں خود کو

عصرہ سے بہتر نہیں کہہ رہی مگر کسی بچے کی جان کو خطرے میں ڈالنا.... یہ میرے نزدیک ایک ناقابلِ معافی جرم ہے جو کم از کم میں نہیں کر سکتی' اس لئے میں اتنا بول گئی.....'' پھر اس نے سر جھٹکا۔'' مگر مجھے اب ان کو معاف کر ہی دینا چاہیے۔ میرے سارے حساب تو ان سے ختم ہو گئے۔ انہوں نے میری دنیا چھوڑ دی اور میں نے ان کی۔''

ٹھنڈی ہوا تیز چل رہی تھی اور تالیہ کے سیاہ بال اڑ اڑ کے چہرے پہ آنے لگے تھے۔ وہ سیاہ پاجامہ اور قمیض پہنے' رات کا حصہ لگ رہی تھی۔

''ہماری دنیا چھوڑنے سے تم محفوظ ہو جاؤ گی؟''

''کم از کم وہ ٹراما تو مجھے نہیں چھوئے گا جو وہاں میری تاک میں ہے۔ اگر میں دوبارہ جیل گئی تو کبھی اس ذہنی اذیت سے نہیں نکل سکوں گی جس سے مصر کے ان چند دنوں میں' میں نے خود کو زبردستی نکالا تھا۔''

بادل اب ہلکے ہو چکے تھے اور دھیرے دھیرے وہ آسمان سے چھٹ رہے تھے۔ دھندلا سیاہ آسمان اب صاف شفاف سی سیاہی میں بدلنے لگا تھا۔ وہ تنکے توڑتے ہوئے مسکرایا۔

''سب ہمیں کہتے ہیں' تالیہ' کہ غم جتنا بھی بڑا ہو' گزر جاتا ہے۔ یہ ایک فیز ہے اور ہم اس سے نکل آئیں گے۔''

''تو کیا غلط کہتے ہیں؟''

وہ دونوں ستون سے ٹیک لگائے مخالف سمتوں میں دیکھ رہے تھے اور ان کے سروں پہ چھایا سیاہ آسمان تاروں سے جگمگانے لگا تھا۔ بادل دور جا رہے تھے۔

''ہاں' غلط کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ غم کا فیز گزر جائے گا۔ کوئی ہمیں خوشی کے بارے میں یہ نہیں بتاتا کہ وہ بھی جلد گزر جاتی ہے۔ اصل میں خوشی ہوتی ہے جو گزر جاتی ہے۔ غم نہیں گزرتے۔''

''کیا غم کبھی نہیں گزرتے؟''

''ہاں۔ اور ہمیں کوئی اس کے لیے تیار نہیں کرتا۔'' وہ دو انگلیوں سے ٹہنی کے پتے نوچ نوچ کے الگ کر رہا تھا۔'' ہم غم کے گزرنے کا انتظار کرتے ہیں۔ وہ گزرے گا تو ہم خوش ہوں گے۔ ہمیں سکون ملے گا۔ جبکہ غم کبھی نہیں گزرتے۔ ایک کم ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔''

''مگر دل نہیں ماننا چاہتا کہ غم کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ دل خواب دیکھنا چاہتا ہے۔'' وہ سر ستون سے ٹکائے اوپر تاروں کو دیکھنے لگی۔'' دل ہیپی اینڈنگز پہ یقین رکھنا چاہتا ہے۔ دل کا کیا کریں' وان فاتح؟''

''پتہ نہیں' تالیہ... لیکن میں نے یہ جان لیا ہے کہ مجھے اپنے سارے غموں کو اپنی زندگی کا حصہ سمجھ کے قبول کرنا ہو گا۔ خوش

ہونے کے لئے ان کے گزرنے کا انتظار نہیں کرنا ہوگا۔ ان کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی نئے خواب دیکھنے ہوں گے۔"

"آپ نے ایک عرصہ وزیرِ اعظم بننے کے لئے جدو جہد کی تھی۔" وہ اداس ہوگئی۔ تلخ کی دیوار پگھلی تو اس کے خواب ٹوٹنے کا غم یاد آیا۔

"اور میں نے اس وقت کا ایک عرصہ انتظار کیا تھا۔ ہم میں سے اکثر لوگ یہی کرتے ہیں۔ خواب کے پورا ہونے کے انتظار.... یا کسی غم سے نکلنے کے انتظار میں دوسرا کوئی کام نہیں کر پاتے۔ مگر منزل اہم نہیں ہوتی۔ سفر اہم ہوتا ہے۔ انسان کو خوشی اس پراسیس میں ڈھونڈنی چاہیے جس سے گزر کے وہ کچھ پاتا ہے۔"

ٹہنی کے سارے پتے ختم ہوگئے تو اس نے خشک لکڑی ایک طرف ڈال دی۔ وہ منڈیر سے پھسلی اور ہوا سے لڑھک کے چھت سے نیچے جا گری۔ وہ بھی اب آسمان کے تارے دیکھنے لگا۔ دونوں کے سر اب اوپر کو اٹھے تھے۔

"آپ میرے ساتھ واپس کیوں آئے ہیں' فاتح؟"

"کیونکہ اب میں مستقبل کے بارے میں لمبے منصوبے نہیں بنانا چاہتا۔ حال کو بہتر کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں اس.... اس عجیب زمانے میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔"

"میں یہاں محفوظ ہوں۔ آزاد ہوں۔ آپ کو اس بات پہ یقین کیوں نہیں آتا؟" اس نے زچ ہو کے نہیں بلکہ اداسی سے پوچھا تھا۔ وہ دونوں ایک ہی آسمان کو دیکھ رہے تھے لیکن دونوں کا رخ متضاد تھا۔ نظر کا زاویہ مخالف تھا۔

"کیونکہ یہ تمہاری دنیا نہیں ہے۔"

"میرے پاس یہاں وہ سب ہے جس کا میں نے کبھی خواب دیکھا تھا۔ ایک اونچا محل' ڈھیروں دولت' اور شہزادیوں کی طرح حکمرانی کرنے کی نعمت..... ہاں ایک غم تھا کہ میں بن ماں باپ کے ہوں۔ وہ بھی مٹ گیا۔ اپنا باپ' اور خاندان.... اپنی شناخت مجھے واپس مل گئی۔ میرے لئے یہ ایک بہترین ہیپی اینڈنگ ہے۔ آپ میری کہانی کو یہیں روک کے خود واپس کیوں نہیں چلے جاتے' فاتح؟"

"یہ چیزیں اس تالیہ کے لئے اہم نہیں ہیں جس کو میں جانتا ہوں۔ ایک زمانے میں تمہیں لگتا تھا کہ یہ چیزیں اہم ہیں لیکن تم جانتی ہو کہ یہ چیزیں تمہیں کبھی خوش نہیں رکھ سکیں گی۔"

وہ چند ساعتیں کچھ نہ بولی۔ بس اوپر دیکھتی رہی۔

"آپ کو لگتا ہے آپ چلے جائیں گے تو میں رہ نہیں سکوں گی؟ اس غم اور heartache کے ساتھ؟"

"تم رہ لو گی۔ غم تو ہمارا حصہ ہے جو ہم سے کبھی جدا نہیں ہوسکتا۔ یہ سوگواریت ہمیں اندر سے نرم بناتی ہے۔ ہمیں خود کو دن

کا کچھ حصہ اداس ہونے کی اجازت دے دینی چاہیے۔غم کے ساتھ سب رہ سکتے ہیں' تالیہ۔محلوں میں بھی' جھونپڑیوں میں بھی۔اور غم ہماری دنیا میں بھی ہوں گے۔یہ کبھی ختم نہیں ہوں گے۔''

''تو مجھے یہاں کیوں نہیں چھوڑنا چاہتے آپ؟''اس نے چونک کے گردن گھمائی۔یہاں سے اسے ستون ہی نظر آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے وان فاتح چھپ گیا تھا۔

''کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں جہاں رہیں....ساتھ رہیں۔تم میرے ساتھ رہو اور میں تمہارے ساتھ۔''

وہ اب بھی صرف ستون دیکھ سکتی تھی۔یہاں سے بس اس کے لباس کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔

''کیوں؟''

''اتنا سب کچھ ہونے کے بعد....دو زمانوں کا سفر ایک ساتھ کرنے کے بعد....ہم الگ کیسے رہ سکتے ہیں تالیہ؟''

اس کا جواب مبہم تھا۔یا شاید واضح تھا۔وہ گم صم سی ہو کے ستون کو دیکھے گئی۔پھر لباس کی جھلک اوپر کو اٹھی۔تالیہ نے مزید گردن نکال کے دیکھا۔فاتح کی پشت دکھائی دی تھی۔وہ اب کے وہاں سے جا رہا تھا۔

''آپ کیوں مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں؟اپنی چیف آف اسٹاف کی حیثیت سے؟یعنی میں آپ کے کام کرتی رہوں؟آپ کی ایڈوائزر بنی رہوں؟''اس نے پیچھے سے پکارا۔وہ کچھ سننا چاہتی تھی۔اس کے منہ سے ایک دفعہ کچھ سننا چاہتی تھی مگر اس نے آگے بڑھتے ہوئے محض اتنا کہا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو.....بس.....''

''اور اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ میرے لیے میری دنیا میں رک جائیں.....تو؟''

فاتح نے جواب نہیں دیا۔وہ آگے بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اندھیرے میں گم ہو گیا اور تالیہ گم صم سی اندھیر خلاء کو دیکھے گئی۔

آسمان پہ چمکتے تارے خاموشی سے منڈیر پہ بیٹھی اکیلی لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

صبح فجر قضاء ہوئی' سورج نکلا اور اندھیرا اچھٹ گیا تو ملاکہ کے بازار کی رونق بحال ہونے لگی۔دکانیں کھل گئیں۔خوانچہ فروشوں نے اپنے ٹھیلوں کی چادریں اتار دیں۔ڈھابوں سے کھانوں اور قہوے کی مہک آنے لگی۔گویا سارا شہر جاگ گیا اور کاروبار زندگی بیدار ہو گیا۔

ایسے میں سڑک کنارے ایک ڈھابے کے باہر رکھی میز کرسیوں پہ مراد راجہ بیٹھا تھا۔اس کے سپاہی فاصلے پہ خاموشی سے

براجمان تھے۔راجہ کے قریب کوئی سپاہی نہ تھا۔وہ ایک ہاتھ گھٹنے پہ رکھے' دوسرے سے قہوے کی پیالی ہونٹوں سے لگاتا' میز پہ بیٹھے افراد کی بات سن رہا تھا۔

پہلے دکان کا مالک اور دو لوگ آگے بیٹھتے تھے مگر اب راجہ کو روز کسی ڈھابے میں بیٹھ کے چائے پیتے دیکھ کے لوگوں کے حوصلے بلند ہوئے تھے۔آج تو صبح ہوتے ہی رش لگ گیا تھا۔میلے کچیلے' کسمپرسی کا شکار لوگ جوش و جذبے سے راجہ کو باری باری اپنے مسائل بتا رہے تھے۔

مراد چہرے کو بالکل پرسکون رکھے' پوری توجہ سے ایک ایک کا مسئلہ سنتا' پھر قہوے کا گھونٹ بھرتا' پھر عارف کو اشارہ کرتا جو اس آدمی کا نام پتہ لکھ لیتا۔اور مسئلہ حل کرنے کی یقین دہانی کرواتا۔عارف ناخوش تھا مگر مجبوری تھی۔دور بیٹھے سپاہی جن کے ہاتھ میانوں کے قریب تھے اور حسیات چوکنی' وہ بھی بس زبردستی بیٹھے تھے۔مراد راجہ البتہ بالکل آرام دہ لگ رہا تھا۔

کچھ لوگ اپنے مسئلے بتا رہے تھے۔کچھ اپنے حل ہونے والے مسئلوں کا شکریہ ادا کرنے آئے تھے۔راجہ کی یہ کھلی کچہری ناشتہ ختم ہونے اور چائے کے دو دور مکمل ہونے تک جاری رہتی تھی۔

آخری گھونٹ بھر کے اس نے سنجیدگی سے سامنے بیٹھے بوڑھے لکڑہارے کو دیکھا۔

''میں سمجھ نہیں سکا۔اگر تم چند ماہ پہلے بھی اتنا ہی کماتے تھے' تو اب پریشان کیوں ہو؟''

''کیونکہ راجہ اب خرچ بڑھ گیا ہے۔محصول زیادہ دینا پڑتا ہے۔مہنگائی بہت ہوگئی ہے۔''

''ہوں۔یہ سب چینی قرضے کی وجہ سے ہوا ہے۔''اس نے گھونٹ بھر کے پیالی رکھی اور قبا کو جھٹکا دیتے ہوئے شکنیں درست کرتا اٹھا۔سب لوگ ساتھ ہی اٹھے۔

''مگر فکر نہ کرو۔میں کچھ کرتا ہوں۔آخر تمہارا راجہ ہی تمہارے لئے کچھ کر سکتا ہے۔کوئی غیر ملکی نہیں۔''جتا کے بولا تو وہ لوگ سر جھکا جھکا کے اسے دعائیں دینے لگے۔

مراد مبہم سا مسکرایا۔اردگرد لگا جمگھٹا' سب لوگوں کا خوف اور امید کے درمیان مسئلے بیان کرنا.....پھر ان کے چہروں کی خوشی.....مگر نہیں خوشی نہیں.....ان کی نظروں کی ستائش.....ایک عجیب سا سرور تھا اس سب میں۔

''راجہ۔''ایک نوجوان نے جاتے جاتے اسے پکارا تو وہ مڑا۔اسے پیچھے سے پکارے جانا برا لگتا تھا مگر فی الوقت وہ ٹھہر گیا۔نوجوان نے ڈرتے ڈرتے ایک رول شدہ کاغذ بڑھایا۔''میں شاعر ہوں راجہ۔یہ قصیدہ آپ کی شان میں لکھا ہے۔''

مراد مسکرایا اور عارف کو اشارہ کیا۔اس نے قصیدہ پکڑا اور کھول کے سنایا۔وہ زبان و ادب کے حوالے سے چند غلطیوں اور بے ضابطگیوں سے پُر تھا اور کہیں کہیں بے وزن بھی تھا مگر اس میں دل کھول کے راجہ کی تعریف کی گئی تھی۔مراد نے اس آدمی کو

اشرفیوں کی ایک تھیلی عطا کی اور اپنے گھوڑے کی طرف بڑھ گیا۔مسکراہٹ اس کے لبوں سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔

ایک حکمرانی محل کے اونچے چبوتروں پہ بیٹھ کے کی جاتی ہے۔ایک لوگوں کی آراء میں اونچا مقام رکھ کے کی جاتی ہے۔ دوسری کے بغیر پہلی میں مزا نہیں آتا۔اور دونوں ساتھ ہوں تو اس انسان سے زیادہ طاقتور کوئی نہیں ہوتا۔

وان فاتح درست کہتا تھا۔اپنے لوگوں میں مزید مقبول ہونے کے لئے مرادراجہ کو ان غیر ملکیوں کا پتا صاف کروانا تھا۔

☆☆=========☆☆

بنداہارا کے محل کے ایک طرف جہاں پہاڑی ختم ہوتی تھی وہاں نشیب میں سمندر بہتا دکھائی دے رہا تھا۔اونچی پتھریلی چٹانوں تک پانی آتا' اور اپنی حدود توڑنے میں ناکام ہو کے واپس پلٹ جاتا۔

دوسری طرف جنگل تھا۔تالیہ جنگل سے توڑے پھول گلدستے میں لپیٹی' پہاڑی سے نیچے اترتی دکھائی دے رہی تھی۔اس نے سیاہ اوڑھنی سے سر ڈھک رکھا تھا اور نیچے سفید سادہ باجو کرنگ پہنے' صبح کی واک پہ نکلی معلوم ہوتی تھی۔یہاں آزادی سے گھومنے کے لئے صرف وہی وقت میسر تھا۔

وہ نیچے ساحل پہ پہنچی اور جھک کے پھول ریت پہ رکھے' پھر جوتوں کے تسمے کھولنے لگی۔ہوا تیز تھی۔ایک جھونکے نے گلدستے کو اڑایا اور سامنے لڑھکا دیا۔اس نے تیزی سے پیر جوتوں سے آزاد کیے اور پھولوں کی طرف لپکی۔مگر چند قدم پہ ہی وہ رک گئی۔

سامنے سے فاتح چلا آ رہا تھا۔اس رات کی "ملاقات" کے بعد اسے آج روبرو دیکھنے پہ سمجھ نہیں آیا کہ کیا ردِعمل دے۔وہ وہیں ٹھہر گئی۔اوڑھنی سے ڈھکے بال تیز ہوا سے باہر نکل نکل کے پھڑپھڑانے لگے اور پیر ریت میں دھنستے گئے۔

وہ سرمئی پاجامے کرتے کے اوپر بنا آستین کے سیاہ جیکٹ پہنے ہوئے تھا جو کہ مقامی لباس تھا۔البتہ اب کے اس کا لباس نفیس اور قیمتی معلوم ہوتا تھا۔بال گیلے کر کے پیچھے کر رکھے تھے اور دھلے دھلائے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔تالیہ کو دیکھ کے وہ وہیں رکا' اور جھک کے نیچے گرے پھول اٹھائے جو دور دور تک بکھر گئے تھے۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ بھی صبح میں یہاں آتے ہیں۔"

"میں تمہاری دو باتوں کا جواب دینے آیا تھا۔" تین پھول اٹھا کے وہ سیدھا ہوا۔چند قدم دائیں طرف گیا اور جھک کے دو پھول مزید اٹھائے۔

وہ دم سادھے کھڑی اسے دیکھے گئی۔لہروں کا شور اور اوپر جنگل سے آتی آوازیں.....سب پسِ منظر میں چلا گیا تھا۔بس ٹھنڈی ریت تھی.....اور اس پہ ننگے پیر کھڑی ملاکہ کی شہزادی......

''تم نے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارے لئے یہاں رک سکتا ہوں؟ تو اس کا جواب ہے' نہیں۔ کیونکہ یہ میری دنیا نہیں ہے۔ لیکن اگر میں تمہارے لئے نہیں رک سکتا تو تمہیں اس دنیا کو چھوڑنے کا بھی نہیں کہہ سکتا۔'' اس نے آخری پھول ریت سے اٹھائے اور پانی کی طرف آیا۔ پھولوں پہ ریت لگ گئی تھی۔ وہ پنجوں کے بل نیچے بیٹھا اور جھک کے ایک ہاتھ میں چلو بھر پانی لیا۔

''اس لئے آج کے بعد میں تمہیں یہاں سے جانے کو نہیں کہوں گا۔ میں تمہاری مرضی کا احترام کروں گا۔'' فاتح نے بیٹھے بیٹھے پانی احتیاط سے پھولوں پہ ڈالا۔ ریت کے چند ذرے بہہ گئے۔ باقی اٹکے رہے۔

''دوسری بات۔ تم نے کہا کہ میں کیوں چاہتا تھا کہ تم میرے ساتھ یہاں سے چلی آؤ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ.....'' وہ نرمی سے پھولوں کے اوپر پانی بہا رہا تھا۔ سفید جنگلی پھول دھلتے جا رہے تھے۔ ''کہ میں یہ' تمہارے' لئے چاہتا ہوں۔ تم نے ہم سب سے دور مصر جا کے..... اپنی ذات کی دریافت کے سفر میں جو کچھ سیکھا تھا' عصرہ کے کیس نے اس سب کو صفر کر دیا ہے۔ تم واپس اسی مقام پہ آ کھڑی ہوئی ہو۔ کیونکہ تالیہ' اگر تم ان الزامات کا مقابلہ نہیں کرو گی تو تم زندگی میں کبھی بھی کسی اور کا مقابلہ نہیں کر سکو گی۔ لیکن...'' اس نے گہری سانس بھری۔ ''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب میں تمہیں یہ دنیا چھوڑنے کو نہیں کہوں گا۔''

اس نے پنجوں کے بل بیٹھے بیٹھے پھولوں کو جھٹکا دیا۔ پانی کے قطرے ان سے گرنے لگے۔ پھر اس نے سر اٹھا کے مسکرا کے اسے دیکھا جو دم سادھے وہیں کھڑی تھی۔

''اور تم مجھے اپنے بابا کے ساتھ کام کرنے سے روکنے کو نہیں کہو گی۔ نہ مجھے فرار کا مشورہ دو گی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی چوائسز کا احترام کریں گے۔ کیا تم یہ کر سکتی ہو' تالیہ؟''

وہ دھیرے سے اس کے قریب آئی۔ پھر اس کے سامنے گھٹنوں کے بل ریت پہ بیٹھی۔ لب مدھم سے مسکرائے۔ سر اثبات میں ہلا۔

''میں کر سکتی ہوں۔''

''اور میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ کل رات کے بعد میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہیں۔''

اس نے گیلا گلدستہ تالیہ کی طرف بڑھایا۔ اس نے فاتح سے نظریں ہٹائے بغیر اسے پکڑا اور پھر لب ہلائے۔

''وان فاتح!'' وقفہ دیا تو لہروں کا شور سنائی دینے لگا۔ ''Make a Wish''

اور یوں لگتا تھا وہ اس کی بڑی سے بڑی خواہش بھی پوری کر ڈالے گی۔ اس کے دل پہ جمی ساری ریت فاتح نے جیسے دھو

ڈالی تھی.....

''ہاں....میری ایک خواہش ہے۔'' وہ مسکرا کے کہنے لگا۔وہ دونوں ریت پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔لہریں ان کے قریب لپکتی ہوئی آتیں اور واپس پلٹ جاتیں۔ چھینٹے اڑا اڑ کے انہیں بھگو رہے تھے۔

''کہیے۔''

''کہ ہم دونوں برابری پہ آجائیں۔''

''برابری پہ؟'' اس نے ابرو اٹھائے۔

''ہاں۔ہم کبھی بھی برابری کی سطح پہ اپنا رشتہ نہیں رکھ سکے۔اس لئے ہمیں ''تو انکو'' اور ''شہزادی'' جیسے طرزِ تخاطب سے نکلنا چاہیے۔''

''کیا واقعی؟'' وہ چونکی۔

''ہاں۔میں باس تھا اور تم فین گرل تھیں۔'' اس نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔

''پھر میں شہزادی بنی اور آپ غلام۔'' وہ یاد کر کے بتا رہی تھی۔

''ایسا ہی تھا۔''

''پھر آپ دوبارہ باس بن گئے اور میں آپ کی نائب۔ہم کبھی بھی برابر نہیں رہے۔''

''نہیں رہے۔'' وہ اس کے الفاظ دہرا رہا تھا۔

''مگر ہم برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔''

''ہو سکتے ہیں۔اگر ہم دوستوں کی طرح رہیں۔ایک دوسرے کے معاملات میں دخل دیے بغیر ایک دوسرے کو وہ جیسا ہے ویسے کی بنیاد پہ قبول کر کے۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھا تو وہ بھی ساتھ ہی اٹھی۔ان کے ایک طرف پانی تھا اور دوسری طرف ساحل۔

''میں اِس دنیا میں سیلیبریٹی نہیں ہوں۔تم اِس دنیا میں فین گرل نہیں ہو۔نہ میں اب غلام ہوں نہ تم میرے لئے ناقابلِ رسائی شہزادی ہو۔میرے دوست بہت کم رہے ہیں اس لئے میں شاید دوستی کے آداب سے ناآشنا ہوں۔'' ہلکے سے کندھے اچکائے۔''مگر میں کوشش کروں گا کہ میں اچھا دوست بن سکوں۔برابر کا دوست۔''

ہوا اس کے بال اڑا اڑا کے چہرے پہ لا رہی تھی۔اوڑھنی پیچھے گردن پہ جا گری تھی۔

وہ حیران تھی۔یہ عجب خوشگوار سی حیرت کا لمحہ تھا۔اس نے وان فاتح کے ساتھ بہت سے رشتے نبھائے تھے۔بہت سے

کام اکٹھے کیے تھے مگر خادم اور مخدوم کی حیثیت سے۔ تالیہ اور تو انکو کی حیثیت سے۔ وان فاتح کے ساتھ برابری کا کوئی تعلق ممکن تھا' اسے نہیں معلوم تھا۔ اور وہ اب یہ معلوم کرنا چاہتی تھی۔

''لیکن اگر ہم اس دنیا سے جانے یا میرے بابا کی سیاست کے بارے میں بات نہیں کریں گے.....تو ہم کس بارے میں بات کریں گے؟ کیونکہ ہم تو ہمیشہ یہی باتیں کرتے آئے ہیں۔ سیاست۔ وقت کا سفر۔''

وہ دونوں ابھی تک آمنے سامنے کھڑے تھے۔ یہاں سے پہاڑی پہ بنا محل نظر آتا تھا لیکن شہزادی کو اب محل کی طرف دیکھنے کی حاجت نہیں رہی تھی۔

''ہم وہ بات کر سکتے ہیں جو ہمارے دل پہ بوجھ کی طرح ہو۔ کیونکہ دوستوں کے پاس انسان دل کا بوجھ ہلکا کرنے ہی جاتا ہے نا۔'' پھر وہ دونوں ایک ہی سمت میں مڑ گئے اور پانی کی گیلی حدود کے ساتھ ساتھ قدم اٹھانے لگے۔

''آپ کے دل کو کیا بات بوجھل کیے ہوئے ہے؟'' اس نے چلتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہ میرے بچے مجھ سے دور چلے گئے اور عصرہ نے ہمیں چھوڑ دیا۔ یہ ایسا غم ہے جو ہمیشہ میرے ساتھ رہے گا۔''

''کیونکہ غم ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔'' اس نے یاد کر کے دہرایا۔

''تمہارے دل کو کیا بات بوجھل کیے ہوئے ہے؟'' اس نے چلتے چلتے تالیہ کی طرف گردن موڑی۔ اس کے ساتھ برابر چلنا عجیب تھا مگر اچھا تھا۔ جو بھی تھا' اچھا تھا۔

''بابا نے ایڈم کو زخمی کر دیا تھا جس کی وجہ سے اس کے پاس صرف ایک ماہ ہے اور مجھے اس کی دوا ایک ماہ کے اندر ڈھونڈنی ہے۔'' وہ مختصراً سارا قصہ بتاتی گئی۔

''اوہ۔'' فاتح نے کراہ کے آنکھیں میچیں۔ ''تو یہ بات تھی۔''

''اور اب مجھے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں سلطان مرسل کو انکار کیسے کروں۔'' وہ ریت پہ چلتے چلتے رکی اور گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''کیا آپ کبھی ہمارے رشتے کے بارے میں سوچتے ہیں؟''

''تمہارا مطلب ہے کہ تم اس وجہ کو اگر سلطان کے سامنے رکھو تو.....''

''میں نے پوچھا' کیا آپ کبھی ہمارے رشتے کے بارے میں سوچتے ہیں؟''

وہ اپنے قدموں پہ رک گیا۔ پھر مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ان نظروں سے اندرونی کیفیات کا اندازہ قطعاً نہیں ہوتا تھا۔

''ہاں۔میں سوچتا ہوں۔'' مبہم سا جواب دے کر وہ پانی کی سمت بڑھنے لگا۔اس کے قدم ریت پہ نشان چھوڑتے تالیہ سے دور جا رہے تھے۔

''کیا آپ اپنی دنیا میں واپس جاتے ہوئے مجھے اس رشتے سے آزاد کر جائیں گے؟ ہم نے یہ صرف سلطان مرسل کی وجہ سے کیا تھا۔'' وہ پیچھے سے اسے پکار کے بولی۔سوال پوچھتے ہوئے دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔

فاتح کے پاؤں پانی میں ڈوب چکے تھے۔اس کی تالیہ کی طرف پشت تھی۔وہ سمندر کے افق پہ نکلتے سورج کو دیکھ رہا تھا۔

''اگر تمہارے اوپر عصرہ کے قتل کا الزام نہ ہوتا اور تم میرے ساتھ ہماری دنیا میں واپس جاتیں تو کیا تم اس رشتے سے آزاد ہونا چاہتیں؟''

''جی۔'' اس نے بنا تامل کے کہا تو وہ چونکا۔مڑ کے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اگر ہماری دنیا میں سب ٹھیک ہوتا' تم تب بھی میرے ساتھ نہ رہتیں؟''

''نہیں۔کیونکہ وہاں میں ہمیشہ ''دوسری عورت'' کے طور پہ جانی جاؤں گی۔آپ کے بچے' اشعر' اور آپ کے فینز....سب مجھے ایک ایسی عورت سمجھیں گے جس نے عصرہ کی جگہ لی۔مجھے وہ عزت کبھی نہیں ملے گی جو میں چاہتی ہوں۔اس لیے میں کبھی بھی آپ کی دنیا میں آپ کے ساتھ رہنے کا نہیں سوچ سکتی۔'' وہ سادگی سے بتا رہی تھی۔

وہ ابھی تک آدھا گھوم کے اسے تعجب سے دیکھ رہا تھا۔اس کے عقب میں ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی دیتا تھا۔

''اور اگر میں یہاں رہ جاؤں....تمہارے ساتھ....تو کیا تم اس رشتے کو قبول کر لو گی؟''

اس سوال نے چند لمحے کے لیے تالیہ کا دل مٹھی میں لے لیا۔

''میں آپ کو اپنے لیے کبھی نہیں روکوں گی۔میں اور آپ ایک مجبوری کے تحت اس تعلق میں بندھے تھے۔ہم نہ کبھی ایک کپل تھے' نہ بن سکتے ہیں۔ہم صرف اچھے دوست رہ سکتے ہیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ہم صرف یہی بن سکتے ہیں۔'' وہ گہری سانس لے کر واپس پانی کو دیکھنے لگا تو تالیہ کے دل کو دھکا سا لگا۔اسے توقع تھی کہ وہ اس کی بات کی نفی کرے گا۔کچھ اختلافات ہم صرف رد کیے جانے کے لیے پیش کرتے ہیں۔مگر وان فاتح نے اس کی تائید کر دی تھی۔یعنی وہ دونوں کبھی بھی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تھے۔وہ دو دنیاؤں کے دو مختلف باشندے تھے۔ان کا آسمان ایک جیسا نہ تھا۔

''تم سلطان مرسل کو بتا کیوں نہیں دیتیں کہ تم پہلے سے شادی شدہ ہو؟'' وہ موضوع کو وہیں لے آیا جہاں سے اس کا رخ بدلا تھا۔

''سوچ رہی ہوں یہی کہہ دوں۔ مار تو نہیں دے گا وہ مجھے۔''

''یعنی تم واقعی ملاکہ کی ملکہ نہیں بننا چاہتیں؟''

اس کے انداز پہ تالیہ کی ساری خوش اخلاقی ہوا ہوئی۔ آنکھیں اٹھا کے خفگی سے اسے گھورا۔

''مانا کہ وہ ملاکہ کا سلطان ہے....اس کے پاس ہزاروں سپاہیوں کے لشکر ہیں جو اس کے ایک اشارے پہ چاند تارے توڑ کے لا سکتے ہیں' لیکن....''

ایک لہر الڈ کے آئی اور اس کے پیر بھگو گئی۔ ٹھنڈا ٹخ پانی پیروں کو برف کر کے پیچھے ہٹ گیا اور تالیہ سن سی وہیں کھڑی رہ گئی۔

''وہ ملاکہ کا سلطان ہے۔ اور وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' اس نے بے یقینی سے دہرایا۔ فاتح بغور دیکھنے لگا۔

''تو؟''

''تو مجھے اس سے شادی کر لینی چاہیے۔'' وہ چونک کے بولی۔

''کیا ہوا؟''

مگر تالیہ نے تیزی سے اپنے جوتے اٹھائے اور محل کی سمت قدم اٹھانے لگی۔ گلدستہ اس نے پانی کی طرف اچھال دیا اور خود آگے بڑھتی گئی۔

''کیا مطلب تمہیں اس سے شادی کر لینی چاہیے؟'' وہ ناگواری سے اسے پکار رہا تھا۔

''تالیہ کے پلان ہیں....تالیہ کی مرضی!'' شہزادی مبہم مسکراہٹ کے ساتھ کہتی اس سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

کتب خانے کے کونے میں بچھونا بچھا تھا اور اس پہ لحاف میں ڈبکا ایڈم سو رہا تھا جب کسی نے کھڑکی اس کے اوپر کھول دی۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ بند آنکھوں سے بھی ایڈم کو محسوس ہوئی تھی۔ اس نے نقاہت سے لحاف اتار کے سر باہر نکالا۔

''اٹھو' ایڈم۔ تمہیں ایک کام کرنا ہے۔''

کمزور سا ایڈم حیرت سے اٹھ بیٹھا۔ ''کیا ہمیں دوا مل گئی؟'' مگر پھر اس کا چہرہ بجھ گیا۔ ''لیکن اتنی جلدی کیسے مل سکتی ہے۔ اس میں تو بہت وقت لگے گا۔''

''ریاضی پڑھی تھی نا بچپن میں؟'' وہ اس کی میز سے قلم دوات الٹ پلٹ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''ایک سادہ سا ریاضی کا سوال ہے۔ اگر ایک آدمی ایک گھنٹے میں ایک اینٹ بناتا ہے تو دس گھنٹے میں کتنی اینٹیں بنائے گا؟''

"دس۔لیکن۔کون سی اینٹ ہے جو ایک گھنٹے میں بن جاتی ہے۔"

"اونہوں۔مثال دے رہی ہوں۔اگر دس کی جگہ سو آدمی اینٹیں بنانے لگ جائیں تو ایک گھنٹے میں کتنی اینٹیں بن جائیں گی؟"

"سو۔"

"ہمارے پاس ایک ماہ ہے مگر ہم دو ہیں۔ بلکہ۔"اس کے کمزور وجود کو دیکھا۔" بلکہ قریباً ڈیڑھ ہی ہیں۔"

پھر آنکھوں میں چمک اتری اور لبوں پہ مسکراہٹ۔" مگر وہ کون ہے جس کے پاس سارے ملاکہ کی حکومت ہے' دولت ہے' اور ہزاروں کی فوج ہے؟"

"سلطان مرسل شاہ؟"

"ہاں۔اور وہ میری تمام شرائط ماننے کو تیار ہے۔"

"کون سی شرائط؟"

"وہی جو میں ابھی اس کے سامنے رکھنے جا رہی ہوں۔" وہ مسکرا کے کہتے ہوئے اس کے سامنے آلتی پالتی کر کے بیٹھی اور کاغذوں کا دستہ گھٹنے پہ رکھا۔پھر قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کے لکھنے لگی۔

"اگر آپ میری یہ سات مانگیں پوری کر سکیں جن کا سوال میں آپ سے کر رہی ہوں سلطان معظم' تو میں آپ سے شادی کر لوں گی۔دوسری صورت میں' میں ہمیشہ کے لئے ملاکہ چھوڑ کے چلی جاؤں گی۔اور آپ چاہیں بھی تو مجھے نہیں ڈھونڈ سکیں گے۔"

ایڈم سیدھا ہو کے بیٹھا اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔" آپ میری دوا کے اجزاء سلطان سے مانگیں گی؟"

"ڈائریکٹلی نہیں مانگ سکتی۔بالخصوص طلائی گلاب تو بالکل نہیں مانگ سکتی ورنہ اس کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہم کسی جادو والے کام میں ملوث ہیں۔اس لئے میں چار ایسی مانگیں رکھوں گی جو اجزائے ترکیبی سے متعلق ہیں۔پہلی شرط۔مچھروں کے سات بھرے ہوئے طشت۔ایک سو آدمی اگر اکٹھے مچھر پکڑنے لگ جائیں تو ہفتے بھر میں طشت بھر کے لا سکتے ہیں۔ہمیں دوا کے لئے سات طشت چاہیے ہیں۔"

"Yuck" ایڈم نے برا منہ بنایا تو تالیہ نے ابرو اچکائے۔

"کیا تمہیں بھول گیا کہ تم نے مجھے گراس ہوپرز کھلائے تھے؟"

وہ اسے گھور کے رہ گیا۔

''دوسری شرط۔ جامنی پھول کے رس کی سات بوتلیں۔ ایک پھول سے ایک قطرہ نکلتا ہے۔ سلطان کی فوج کے سینکڑوں آدمی اکٹھے لگ جائیں تو یہ کام بھی ہو جائے گا۔ تیسری شرط..... جرثوموں کے دل سے بھرے سات طشت..... چوتھی شرط... کنواری عورتوں کے آنسوؤں سے بھری سات بوتلیں۔'' وہ رکی۔ اور گننے لگی۔

''باقی تمام اشیاء میرے سپاہی خود ڈھونڈ لیں گے۔ ان چار چیزوں کے علاوہ صرف طلائی گلاب (ماوراء مس) ہے جو ہمیں چاہیے۔'' وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر مسکرائی۔

''طلائی گلاب ابوالخیر کے پاس ہے جس کے سونے' چاندی کے ڈھیر اور غلاموں کی کثرت اس کو طاقتور بناتے ہیں۔ اگر یہ اس سے لے لئے جائیں تو میں اس سے طلائی گلاب آسانی سے حاصل کر سکتی ہوں۔''

''وہ کیسے؟'' اور پھر ایڈم کو یاد آیا۔ وہ جو اس نے بنگارایا ملایو میں پڑھا تھا۔

''پُل۔''

''ہاں۔ سونے کا پل۔'' وہ مسکرائی۔'' مجھے اب سمجھ آیا کہ شہزادی تاشہ نے..... یعنی... میں نے وہ عجیب شرط کیوں رکھی تھی۔ پانچویں شرط یہ تھی کہ میرے محل سے سلطنت محل تک سونے کا ایک پل تعمیر کیا جائے۔ جس پہ چل کے میں سلطان سے ملنے جاؤں۔ اور چھٹی شرط۔ ایک چاندی کا پل جس پہ چل کے میں واپس آسکوں۔ ان پلوں کی تعمیر کے لیے سلطان کو سونا چاہیے' چاندی چاہیے اور اس بے گار کے لئے غلام چاہیے ہیں۔ تینوں چیزیں اسے ایک ساتھ ابوالخیر سے مل جائیں گی۔''

''ابوالخیر آسانی سے اسے یہ سب دے دے گا؟''

''ظاہر ہے وہ انکار کر دے گا۔ اس لیے سلطان ابوالخیر کو ڈالے گا جیل میں اور اس کا سب کچھ ضبط کر لے گا۔ طلائی گلاب غیر محفوظ ہو جائے گا اور میں اسے حاصل کر لوں گی۔'' تالیہ کا پلان تیار تھا۔ ایڈم چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔

''اور آخری مانگ؟''

''میں نے اس بارے میں بھی سوچا ہے۔ لیکن دیکھو ایڈم..... میری ساتویں اور آخری مانگ دراصل سفاک نہیں ہے۔ بلکہ ناممکن ہے۔ میں نے سلطان سے خون کا ایک پیالہ مانگنا ہے۔ سلطان مرسل شاہ کے اپنے خون کا پیالہ جس میں ان کے والدین کے خون کی آمیزش ہو۔ اپنا خون نکالنے کے لئے سلطان کو خود کو مارنا پڑے گا اور وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا۔''

''بنگارایا ملایو کے مطابق اس نے آخری مانگ پوری نہیں کی تھی۔''

''ہاں۔ آخری مانگ پوری کرنے کے لئے جب وہ اپنی کلائی کاٹنے لگا تھا تو شہزادی تاشہ نے بروقت اس کے پاس جا کے اس کو بچا لیا تھا اور اسے کہا تھا کہ وہ ایسے نہ کرے۔ وہ تو صرف اس کا امتحان لے رہی تھی۔ یوں سلطان بھی بچ گیا اور ان کی

شادی بھی نہیں ہوئی۔ یہ شرط رکھی ہی اس لیے گئی تھی کہ سلطان اسے پورا نہ کر سکے۔"

"آپ کو یقین ہے کہ وہ خود کو نہیں مارے گا؟"

"وہ کتاب جھوٹ نہیں بولتی۔ شہزادی تاشہ اسے بچا لے گی اور سلطان مرسل ایسے نہیں مرا تھا۔ وہ بعد میں کسی اور طریقے سے مرا تھا۔ اس لئے میرے یہ سوال بالکل محفوظ ہیں۔ کچھ غلط نہیں ہوگا۔"

"بچے تالیہ..... کیا میری دوا کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لینا ٹھیک ہے؟ آپ کو میرے لئے سلطان سے اتنا بڑا ناٹک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تمہاری دوا کے لئے میں سب کچھ کروں گی ایڈم۔ دوسری دنیا میں وقت تھما ہوا ہے اور تمہارے والدین منتظر ہیں۔ میں تمہیں یہاں سے ٹھیک کر کے ہی بھیجوں گی۔ مجھے میرا وعدہ نبھانے دو....."

ایڈم نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔ "اب مجھے کیا کرنا ہے؟"

"تمہیں میری یہ شرائط لے کر سلطان کے پاس جانا ہے۔ میں بابا کے کسی قاصد کو نہیں بھیجنا چاہتی کہ وہ کہیں کچھ غلط نہ کر ڈالے۔ مجھے صرف تم پہ اعتبار ہے۔" وہ اب سر جھکائے تیز تیز قلم کاغذ پہ رگڑ رہی تھی۔ ایڈم راضی نہیں لگتا تھا مگر اس کے پاس اختلاف کرنے کے لیے کوئی نقطہ نہیں بچا تھا۔

☆☆=========☆☆

سلطنت محل کے دربار میں لاٹھی کے سہارے قدم قدم چلتا ایڈم بن محمد آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی ایک بغل تلے بیساکھی تھی اور دوسرے ہاتھ میں تہہ شدہ مراسلہ تھا۔ وہ یرقان کے مریض کی طرح زرد لگتا تھا۔

تخت پہ مرسل شاہ براجمان تھا اور مشروب کے گھونٹ بھرتا دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شاہی مورخ بیمار لگتا تھا مگر سلطان کی دلچسپی اس مراسلے میں تھی جو وہ ساتھ لایا تھا۔

"شہزادی تاشہ کی سات مانگیں۔" ایڈم نے پڑھ کے سنانا شروع کیا۔ پھر بیٹھنے کی اجازت مانگی۔ اس سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ سلطان نے اجازت دے ڈالی۔

"میری پہلی مانگ یہ ہے کہ مجھے مچھروں کے دماغ سے بھرے سات طشت چاہیے ہیں۔"

ایڈم اب مورخ کی کرسی پہ بیٹھا مراسلے کی شرائط پڑھ کے سنا رہا تھا۔ مرسل پھیل کے تخت پہ براجمان، طشت سے انگور اٹھا اٹھا کے منہ میں رکھتا سن رہا تھا۔

"دوسری مانگ۔ مجھے سبا کے جنگلوں میں اگنے والے جامنی زہریلے پھول کے رس کی سات بوتلیں درکار ہیں۔"

سلطان نے مسکرا کے چمکتی آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا۔

"تیسری مانگ۔ مجھے کنواری عورتوں کے آنسوؤں سے بھری سات بوتلیں دی جائیں۔"

(صبح ہوتے ہی شہزادی کے حکم پہ مزدور لگ گئے اور اس راستے کو توڑنے لگے تھے جو بندا ہارا کے محل سے سلطنت محل کو جاتا تھا۔ تالیہ اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑی مسکرا کے سارے عمل کا جائزہ لے رہی تھی۔)

"چوتھی مانگ۔ مجھے جرثوموں سے بھرے سات طشت چاہیے ہیں۔"

(اپنے حرم کے باغیچے میں یان سوفو بے چینی سے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔ وانگ لی اس کو راز داری سے ایک ایک شرط پڑھ کے سنا رہا تھا۔ آخری شرط پہ ملکہ ٹھٹکی۔ پھر اس کا رنگ بدلا۔ وہ مسکرائی۔ آنکھیں چمکی۔ وانگ لی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"شرائط رکھنے کا مطلب ہے شہزادی سلطان سے شادی کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہمیں کچھ کرنا ہوگا' ملکہ۔"

"شہزادی تاشہ کو ابھی معلوم نہیں کہ وہ کیا مانگ بیٹھی ہے۔ ہمیں کچھ نہیں کرنا۔ بس خاموشی سے تماشا دیکھنا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی اور وانگ لی تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔)

"میری پانچویں مانگ یہ ہے کہ آپ کے محل سے میرے محل تک ایک سونے کا پل تیار کیا جائے جس پہ چل کے آپ میرا ہاتھ مانگنے مجھ تک آسکیں۔"

(ابوالخیر کی حویلی اس وقت مسلح فوجیوں سے بھری تھی۔ شاہی سپاہی اس کے غلاموں کو حراست میں لے رہے تھے اور صندوق کے صندوق لادے باہر جا رہے تھے۔ ابوالخیر کے چہرے پہ کالا کپڑا باندھے اسے گرفتار کر کے گھوڑا گاڑی میں بٹھایا جا رہا تھا۔ وہ چیخ رہا تھا۔ غرا رہا تھا مگر اس کی بات نہیں سنی جا رہی تھی۔)

"میری چھٹی مانگ یہ ہے کہ میرے محل سے آپ کے محل تک ایک چاندی کا پل تعمیر کیا جائے جس پہ چل کے میں آپ کے محل آسکوں۔"

(ابوالخیر کی حویلی کے ایک اندرونی کمرے کے وسط میں سونے کا گملا رکھا تھا۔ گملے کے اندر بڑے بڑے تین سنہری گلاب کھلے تھے۔ دالان کے کنارے پہ سہمے ہوئے تین بے بس غلام کھڑے تھے۔ شہزادی کے سپاہیوں نے ان پہ تلواریں تان رکھی تھیں۔ ان کا مالک قید میں تھا اور وہ بے بسی سے شہزادی کو اندر آتے دیکھ رہے تھے۔ وہ مسکراتی ہوئی قریب آئی اور جھک کے ایک پھول توڑا۔ پھر اسے احتیاط سے پوٹلی کے اندر ڈالا۔)

"میری ساتویں مانگ یہ ہے کہ مجھے خون سے بھرا ایک پیالہ چاہیے۔ وہ خون خالص ترین ہو اور اس سلطنت میں سب

سے خالص خون سلطان مرسل شاہ کا ہے جس میں ان کے نیک والدین کے خون کی آمیزش ہے۔ مجھے اس پاک خون کا ایک پیالہ اگر آقا فراہم کر دیں تو میں ان سے شادی کے لیے تیار ہوں۔"

(ایڈم سلطنت محل کے برآمدے کے زینوں پہ بیٹھا اپنے دستے پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کے دیکھتا۔ محل میں معمول سے کہیں زیادہ غلاموں اور سپاہیوں کی دوڑیں لگتی نظر آ رہی تھیں۔ روز نئے سپاہی بلائے جاتے اور انہیں سونا پگھلا کے پل بنانے سے لے کر جرثومے اور آنسو اکٹھا کرنے بھیج دیا جاتا۔ ایڈم سر جھکائے واپس اپنا کام کرنے لگ گیا۔ ملاکہ سلطنت میں ہر کسی کی زبان پہ شہزادی تاشہ کی مانگوں کا چرچا تھا۔ ان واقعات کو تاریخ میں رقم کرنا ضروری تھا۔)

"میرا مورخ ان مانگوں کی تکمیل تک سلطنت محل میں رہے گا اور ان تاریخی واقعات کو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے کتاب میں محفوظ کرے گا۔ مورخ کی طبیعت ناساز ہے اس لیے میری سلطان سے درخواست ہے کہ اس کا پورا خیال رکھا جائے۔"

(شہزادی تاشہ اپنے محل کی بالکونی میں کھڑی مسکرا کے نیچے پہاڑی کے دامن کو دیکھ رہی تھی۔ راستہ منہدم تھا اور وہاں نیا راستہ تعمیر کرنے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ طشت بھر بھر کے مطلوبہ اشیاء سپاہی لا رہے تھے۔ اور اسے انگلی ہلانے کی ضرورت بھی نہ پڑی تھی۔ سلطان کے سپاہی لاعلمی میں ایڈم کی دوا بنا رہے تھے۔ اور وہ بازو سینے پہ لپیٹے مسکرا کے وقت کے گزرنے کا انتظار کر رہی تھی۔ ہر شے ان کے حق میں جا رہی تھی۔)

"اپنی شہزادی سے کہو کہ مجھے ان کی مانگیں بہت دلچسپ لگی ہیں۔ اور میں ان کو پورا کروں گا۔ آخری نقطے تک۔"

اور ایڈم نے ان الفاظ پہ سلطان مرسل کو دیکھتے ہوئے افسوس سے سوچا تھا۔ (بنگارایا ملایو کے مطابق ان مانگوں کو پورا کرتے کرتے مرسل شاہ نے اپنی سلطنت کو تباہ کر ڈالا تھا اور لوگوں کو اپنے خلاف کر دیا تھا۔ سونے اور چاندی کے پل چند فٹ تک ہی تعمیر ہو سکے تھے۔ اور آخر میں سلطان کی تاشہ سے شادی بھی نہ ہو سکی تھی۔ یعنی اس آدمی کا تختہ ایک عام سے انسان ایڈم بن محمد کی دوا کے لیے الٹا جا رہا ہے اور اسے خبر بھی نہیں۔ آہ۔)

☆☆=========☆☆

ملاکہ کا بازار اس دوپہر خوانچہ فروشوں کی صداؤں سے گونج رہا تھا۔ فاتح اپنے سیاہ گھوڑے پہ سوار بازار کی مرکزی گلی میں داخل ہوا تو لوگ ہٹ ہٹ کے راستہ دینے لگے۔ وہ خاموش نظروں سے اسے دیکھتے جو سیاہ قبا دونوں کندھوں پہ ڈالے سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا' اور پھر آپس میں کھسر پھسر کرتے۔ وہ یقیناً کہہ رہے تھے کہ کبھی یہ جیا کا غلام فاتح ان کی طرح کا ہوتا تھا اور اب یہ راجہ کا مشیر بن چکا ہے۔ اب یہ محل والوں میں سے ہو گیا ہے۔

وہ ان کی نظروں میں لکھے شکوے پہچانتا تھا مگر عرصہ ہوا آزاد فاتح نے خود کو لوگوں کی آراء سے آزاد کرنا بھی سیکھ لیا تھا۔وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

ایک ڈھابے کے باہر بچھی میز تک وہ آیا اور انگلی سے دکاندار کو اشارہ کیا۔(ایک چائے)۔

دکاندار فوراً باورچی کو اس کی مانگ بتانے لگا۔ایسے میں فاتح کہنیاں میز پہ رکھے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔اس کی متلاشی نظریں ایک سے دوسری کرسی تک جا رہی تھیں' پھر وہ ٹھہرا۔مسکرا کے ایک لڑکے کو ہاتھ ملایا۔وہ لڑکا اسے دیکھ کے حیران رہ گیا۔پھر ایک دم اپنی میز چھوڑ کے اس کی طرف لپکا۔

''آپ یہاں؟''وہ حیرت سے کہتا اس کے سامنے بیٹھا۔وہ ابوالخیر کی حویلی میں اس کے ساتھ کام کرتا تھا۔

دونوں رسمی باتیں کرنے لگے۔پھر وہ لڑکا کہنے لگا۔

''میں نے سنا تھا کہ آپ کو راجہ نے محل میں تعینات کر لیا ہے مگر یقین نہیں آیا تھا۔''

وہ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔تو فاتح مسکرایا۔

''میں اب بھی وہی ہوں جو پہلے تھا۔تمہیں آزاد کروانے کا وعدہ کیا تھا۔پورا کیا نا؟''

''ہاں مگر آزاد ہو کے ہمیں کیا ملا؟کوئی ڈھنگ کی نوکری تک نہیں دیتا جس میں چار پیسے جوڑ لیں۔''

''تم میرے لئے کام کیوں نہیں کرتے؟''وہ میز پہ کہنیاں جمائے اس کی آنکھوں میں دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''کیسا کام؟''

''تمہیں ابوالخیر اکثر پیغام رسانی کے لئے سن باؤ اور دوسرے امراء کے پاس بھیجا کرتا تھا۔تم ان بڑے لوگوں سے بات چیت میں اچھے ہو۔تم آسانی سے کسی کے بھی ہاں بظاہر نوکری حاصل کر سکتے ہو۔لیکن اندر سے تم میرے لیے کام کرو گے۔''

''آپ کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کے لئے کسی کی جاسوسی کروں؟''وہ دنگ رہ گیا۔

''ہاں۔''

''کس کی؟''

''سن باؤ کی۔میں اس کے معمولات جاننا چاہتا ہوں۔بلکہ اس کے بارے میں ہر چیز جاننا چاہتا ہوں۔مجھے معلوم ہوا ہے کہ سن باؤ کسی شے کو چھپا رہا ہے۔شہر سے دور کسی جگہ پہ اس نے کچھ چھپا رکھا ہے۔میں اس شے کو تلاش کرنا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم میری مدد کر سکتے ہو۔''دکاندار چائے لے آیا تو وہ خاموش ہوا۔نوجوان قدرے متذبذب نظر آتا تھا۔پھر اس نے سوچتے ہوئے سر ہلایا۔

''میں سوچوں گا۔''

''وقت کم ہے۔تمہیں تنخواہ بھی ملے گی اور مراعات بھی۔لیکن اگر تم نے آج رات تک فیصلہ نہ کیا تو میں یہ کام کسی اور کو دے دوں گا۔سوچ لو۔'' وہ چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''میں رات تک بتاتا ہوں۔'' اس نے تیزی سے کہا تھا۔

وان فاتح کے پاس سے وہ نوجوان غلام جب اٹھا تو تیزی سے بازار کی طرف چل دیا۔احتیاط سے اس نے تین راستے بدلے اور کچھ دیر بعد وہ سن باؤ کی حویلی کے سامنے کھڑا تھا۔

''وہ مجھ سے آپ کی جاسوسی کروانا چاہتا ہے' سن باؤ۔'' وانگ لی کو ساری کتھا سنا کے اس نے ہاتھ باندھ کے کہا تھا۔''اس کو معلوم نہیں ہے کہ ابھی دو دن پہلے آپ نے مجھے ملازمت پہ رکھا ہے۔''

''ہوں۔'' چینی سفیر نے حقے سے تمباکو کا کش بھرا اور دھواں باہر خارج کیا۔پھر سوچتے ہوئے بولا۔''تم اس کو کہو کہ تم نے اس کی پیشکش قبول کر لی ہے۔اس سے رقم بھی لے لو۔اس کے سامنے ظاہر کرو کہ تم مجھے دھوکہ دے رہے ہو۔اور اس کو تم نے وہی بتانا ہے جو میں کہوں۔اور مجھے وہ بتانا ہے جو وہ تمہیں بتائے۔ہر بات۔ہر حرکت۔سمجھے؟'' آخر میں اس نے اپنی چھوٹی آنکھوں سے نوجوان کو گھورا تو اس نے جلدی سے سر جھکا دیا۔

''جو حکم میرے آقا۔'' اور الٹے قدموں پیچھے ہٹ گیا۔

''غلام فاتح۔تم کیا کرنا چاہتے ہو؟'' دھوئیں کے مرغولے اڑاتا وہ سوچ رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

سلطنت محل کی اس بالکونی میں کھڑے ہونے والے کو محل کے عقبی حصے میں ہوتا تعمیراتی کام صاف دکھائی دیتا تھا۔اس محل کے عقب سے بنداہارا کے محل تک ایک راستے کا تعین کیا گیا تھا جس کو توڑ پھوڑ کے اس کی جگہ سونے کا پل تعمیر کیا جا رہا تھا۔یہ گزرگاہ عام عوام کی پہنچ سے دور تھی اور اس وقت سینکڑوں سپاہی اس کام پہ مامور تھے۔

بالکونی میں مرسل شاہ کرسی ڈالے بیٹھا نیچے دکھائی دیتے کام کا جائزہ لے رہا تھا۔ایک طرف زمین پہ دوزانو بیٹھا ایڈم چوکی پہ رکھے کاغذات پہ کچھ لکھ رہا تھا۔گاہے بگاہے وہ نظر اٹھا کے سلطان کو دیکھتا' پھر دوسری جانب بت بنے کھڑے محافظوں کو اور پھر خاموشی سے اپنا کام کیے جاتا۔اس کا کام ان تاریخی شرائط کو عمل در آمد ہوتے دیکھنا اور ان کو تاریخ میں رقم کرنا تھا۔

مرسل شاہ بازوؤں کا تکیہ بنائے سر کے پیچھے رکھے مسکرا کے نیچے دیکھ رہا تھا۔منڈیر پہ جام دھرا تھا جس میں پھلوں کا تازہ رس اس کا منتظر تھا لیکن وہ اتنا پر جوش نظر آتا تھا کہ بھوک' پیاس سب اڑ چکی تھی۔دفعتاً اس نے گردن موڑی اور دلچسپی سے سر

جھکا کے لکھتے ہوئے مورخ کو مخاطب کیا۔

''شاہی مورخ...شہزادی تاشہ نے وہ شرائط تمہارے ہاتھ بھجوائی تھیں۔''

ایڈم نے سر اٹھایا۔وہ نحیف اور لاغر سا ہو چکا تھا۔بال اڑے اڑے سے تھے اور رنگت مزید سانولی ہوتی جا رہی تھی۔ آنکھوں میں ویرانی ہی ویرانی تھی۔

''جی....آقا۔''

''کیوں؟ حالانکہ تم شہزادی کے خاص خادم بھی نہیں ہو۔''

محافظوں نے ایک خاموش نظر سلطان پہ ڈالی جو ایک مورخ سے براہ راست گفتگو کر رہا تھا مگر بولے کچھ نہیں کہ مقام نہ تھا۔

''شہزادی مجھ پہ بہت بھروسہ کرتی ہیں۔''

''اچھا وہ کیوں؟'' مرسل کرسی پہ آدھا گھوم گیا اور دلچسپی سے ایڈم کو دیکھا۔

''کیونکہ میں غم اور خوشی دونوں میں سچ بولنے کا قائل ہوں۔اس لیے شہزادی کو لگتا ہے کہ میرا مشورہ ہمیشہ سچا ہوگا اور میری نصیحت کبھی بے معنی نہ ہوگی۔''

''بہت دلچسپ۔تم کہاں سے مل گئے تھے شہزادی کو؟''

ایڈم نے قلم رکھ دیا اور سر جھکا دیا' ایسے کہ لبوں پہ اداس مسکراہٹ در آئی۔

''شہزادی کے بابا نے ان کو تعلیم و تربیت کے لیے جس گاؤں میں بھیجا تھا....میں وہاں کا باشندہ ہوں۔وہاں امراء کی ایک محفل میں میں ان سے پہلی دفعہ ملا تھا اور میں نے گستاخی یہ کی کہ میں انہیں ایک کنیز سمجھا۔انہوں نے مجھے اس کے لیے معاف نہیں کیا۔تب تک نہیں جب تک کہ میں ان کی غلامی میں نہ آ گیا۔''

''کیا پسند آیا تھا شہزادی کو تم میں؟'' مرسل شاہ نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

''شاید یہ بات کہ میں سوال بہت پوچھتا تھا۔آپ سے ایک سوال پوچھوں آقا؟''

اس مقام پہ جان جانے کا ڈر کافی کم ہو چکا تھا۔جان ویسے ہی اب غیر یقینی ہو چکی تھی۔

''پوچھو۔ہم بھی تو سنیں کہ تمہارے سوال کیسے ہیں۔''

ایڈم کھنکھارا۔''اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں خوشی اور غم دونوں حالتوں میں سچ بولنے کا حکم دیا ہے۔چاہے سامنے اپنا ہو یا دشمن۔ایک سچ میں آپ سے بولنا چاہتا ہوں۔''

اس نے منڈیر سے نیچے دیکھا جہاں دور سپاہی کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

''آپ ایک عورت کے حصول کے لیے اپنی سلطنت کے سارے اثاثے گنوا رہے ہیں۔ کیا یہ سب آپ کے لیے فائدہ مند ثابت ہوگا' آقا؟''

مرسل شاہ نے نگینوں سے سجی پگڑی اتار کے منڈیر پہ رکھی اور سیاہ لمبے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ پھر مسکرایا۔

''شہزادی تاشہ کے حصول کے لیے جو شرائط بھی رکھی جائیں' ان کو پورا کرنا قانون کے مطابق بالکل درست ہے۔ اگلی کوئی حکومت میرے اوپر مقدمہ نہیں چلا سکتی۔ نہ ہی میرے جرنیل یا وزراء میرے خلاف قاضی کے پاس جا سکتے ہیں۔''

ایڈم نے سر ہلا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ ملاکہ کے قانون کے مطابق شادی کی شرائط پورا کرنا سلطان کا فرض تھا۔

''مگر آقا..... میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ..... ایک عورت کے لیے آپ اپنی سلطنت کا سارا مال و متاع گنوا تو نہیں بیٹھیں گے؟ دراصل میں آپ کو ایک مخلصانہ رائے دینا چاہتا ہوں۔ بے شک میں نے ہی وہ شرائط پڑھ کے سنائی ہیں.....'' (اور دل میں ایڈم نے سوچا کہ بے شک میری دوا کے لیے ہی وہ شرائط رکھی گئی ہیں) ''لیکن جس طرح آپ اپنی دولت لٹا رہے ہیں' مجھے خوف سا آنے لگا ہے۔''

وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ بنگارایا ملایو کے مطابق سلطان نے اپنا سب کچھ سونے کے اس پل کو بنانے کے پیچھے گنوا دیا تھا اور بالآخر اس کی حکومت تک اس کے ہاتھوں سے نکل گئی تھی۔

''آہ..... شاہی مورخ..... عورتوں کی طرح تمہیں بھی یہ خوش فہمی ہے کہ یہ دنیا عورتوں کی خواہشات کے گرد گھومتی ہے۔''

مرسل مسکرا کے دور افق کو دیکھ رہا تھا۔ زمین پہ بیٹھے ایڈم نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''مگر آقا..... شہزادی کی آخری مانگ تو آپ کبھی پوری نہیں کر سکتے۔ پھر باقی مانگیں پوی کرنے کا فائدہ؟''

مرسل نے دھیرے سے گردن موڑی اور چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''کس نے کہا کہ میں آخری مانگ پوری نہیں کر سکتا؟''

یہ کہہ کے وہ اٹھا' اپنی قبا سے نادیدہ گرد جھاڑی اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ایڈم اٹھ نہیں سکا۔ اسے بیٹھے رہنے کی رخصت حاصل تھی۔ دروازے تک پہنچ کے مرسل رکا' اور مسکرا کے ایڈم کو دیکھا۔

''سنو اپاہج انسان..... میں نے شہزادی تاشہ سے ساتوں مانگیں پوری کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ میں ساتوں پوری کروں گا۔ تمہاری حالت خراب لگتی ہے لیکن میری خواہش ہے کہ تم ان مانگوں کے پورا ہونے تک زندہ رہو۔''

وہ ازلی بے نیازی سے کہہ کے چلا گیا اور ایڈم بس اسے دیکھ کے رہ گیا۔ اس آدمی کی سلطنت میں کیا ہو رہا تھا' غریب کو کیا

چاہیے انصاف کے لیے لڑتے لوگوں کا درد کیا ہے....اسے کسی چیز کی پرواہ نہ تھی۔وہ سونے کے کھلونے بنا رہا تھا۔اسے صرف اپنے کھیل سے غرض تھی۔

''تم واپس کیوں آ گئے؟ تمہاری دیکھ بھال نہیں ہو رہی وہاں کیا؟'' ایڈم کو واپس اپنے محل میں دیکھ کے وہ حیران رہ گئی تھی۔

''آپ کے راستے منہدم کروانے سے واپس آنے میں مشکل پیش آئی۔شکر ہے مراد راجہ نے جنگل والا راستہ بچا لیا تھا ورنہ سلطان کے پاگل پن نے تو سب کو مفلوج کر دیا ہے۔'' وہ جلے کٹے انداز میں کہتا لاٹھی نیچے رکھ رہا تھا۔وہ دونوں ایک دیوان خانے میں موجود تھے اور ایڈم نے داخل ہوتے ہی بیٹھنے کے لیے ٹھنڈی زمین کا ایک قطعہ ڈھونڈا تھا۔اس سے زیادہ دیر کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا۔

''کیسا ہے سلطان؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔ایڈم نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

''وہ کریزی سائیکو پیتھ.....مجھے تو اس آدمی سے خوف آنے لگا ہے۔اگر اس نے اپنی جان لے لی تو اس کا خون کس کے سر ہو گا پے تالیہ؟''

''ریلیکس۔وہ بے وقوف ہے۔مگر دیوانہ نہیں۔وہ اپنی جان کبھی نہیں لے گا۔''

''وہ کریزی ہے۔کریزی۔'' ایڈم کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے سمجھائے۔''اس کو جب معلوم ہو گا کہ ہم نے اس کے ساتھ ایک کون کھیلا ہے تو مجھے ڈر ہے وہ کچھ غلط نہ کر ڈالے۔آپ پلیز ان مانگوں کو واپس لے لیں۔میری دوا کسی اور طریقے سے بن جائے گی مگر میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ اتنا بڑا خطرہ مول لیں۔''

وہ بے بسی سے سامنے کھڑی شہزادی کو دیکھ رہا تھا۔

''اب کچھ نہیں ہو سکتا ایڈم۔میں نے تمہیں اس سب میں پھنسایا تھا۔میں ہی تمہیں نکالوں گی۔'' وہ شانے اچکا کے کہتی مڑ گئی تو زمین پہ بیٹھے ایڈم نے یاسیت سے اسے پکارا۔

''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں' پے تالیہ۔''

وہ مڑی اور مسکرا کے اسے دیکھا۔''کہو۔''

چند ثانیے خاموشی کی نذر ہو گئے۔پھر ایڈم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں۔جب یہ یقین ہو جائے گا کہ مرنے والا ہوں.....یا یہ کہ دوا سے بچ سکتا ہوں.....تب کہوں گا۔پہلے مجھے اس بے یقینی سے نکلنا ہو گا۔''

وہ رخ موڑ گیا۔اسے ابھی شہزادی سے کوئی بات نہیں کہنی تھی۔

ابھی اس کے پاس وقت تھا۔

☆☆==========☆☆

بنداہارا کے محل سے نیچے پہاڑی کی ڈھلان کو جاتا راستہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔وہاں بھی مزدور کام پہ لگے تھے اور متوقع طور پہ سونے کے پل کے لیے بنیادیں بنائی جارہی تھیں۔

محل کے پائیں باغ میں دور دور تک پھلدار درخت قطاروں میں نظر آتے تھے۔ایک درخت سے دوسرے تک کافی فاصلہ تھا اور زمین تراشیدہ گھاس سے ڈھکی تھی۔

ایسے میں ایک جگہ گھاس پہ لکڑی کا اسٹینڈ کھڑا تھا جس پہ کینوس نما کاغذ لگا تھا۔ایک اونچی چوکی پہ مختلف رنگ کھلے پڑے تھے اور تالیہ برش اور انگلیوں کی مدد سے کینوس پہ رنگ بھر رہی تھی۔

صبح کی ٹھنڈی چھایا سارے باغ پہ پھیلی تھی۔بادلوں نے آسمان کو ڈھک رکھا تھا اس لیے دھوپ ندارد تھی۔اس خوبصورت موسم میں سفید لباس پہنے کھڑی شہزادی خود بھی کسی پینٹنگ کا حصہ دکھائی دیتی تھی۔بال آدھے باندھے' زیورات سے مبرا جوڑ' سر پہ سفید ریشمی کپڑا اڈالے' وہ مسکراتی ہوئی برش چلا رہی تھی جب آہٹ پہ چونک کے سر اٹھایا۔

اس آہٹ کو وہ پہچانتی تھی۔گھاس پہ چلتے قدموں کی اس چاپ تک کو وہ پہچانتی تھی۔

وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔آج سیاہ قبا کندھوں پہ نہیں تھی۔سفید کرتے پاجامے پہ بنا آستین کے بھوری جیکٹ پہنے' کہنی پہ چرمی تھیلا اٹھائے' وہ کوئی سامان لے جارہا تھا جب راستے میں درختوں کے درمیان سفید ریشم کی جھلک دیکھ کے رکا اور ادھر ہی آگیا تھا۔اس کے ماتھے پہ بال بکھرے تھے اور چہرے پہ وہی مطمئن سی مسکراہٹ تھی۔

اسے دیکھ کے تالیہ کے اندر تک عجیب سی خوشی اترنے لگی۔

"آپ کب آئے؟" سر جھکا کے وہ بے مقصد برش چلانے لگی۔

"تم نے یہاں بھی اپنے ذوق کی چیزیں ڈھونڈ لیں۔" وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے ساتھ آکھڑا ہوا اور کینوس پہ جھانکا۔وہ ایک بلیک اینڈ وائٹ تصویر بنا رہی تھی۔

باغ کا منظر۔دور تک پھیلے بلیک اینڈ وائٹ درخت۔اور اس سارے پھیکے منظر میں درمیان کا صرف ایک درخت تھا جس کے اوپر نارنجی رنگ کے مالٹے لگے تھے۔

"کتنا امیزنگ ہے یہ سب۔" وہ پینٹنگ دیکھتے ہوئے ستائش سے بولا۔

''کیا؟ میرا آرٹ ورک؟''

''نہیں۔ ہم انسانوں کی ماحول کے ساتھ ایڈجسٹ کرنے کی صلاحیت۔'' وہ جیسے اعتراف کر رہا تھا۔ ''میں اس قدیم دنیا میں رہنے کے ارادے سے نہیں آیا تھا' نہ ہی گزشتہ دفعہ کی طرح لاعلمی میں یہاں پھنس گیا تھا۔ میں یہاں سے جلد از جلد جانے کے لیے آیا تھا لیکن اب دیکھو۔'' اس نے مسکرا کے تالیہ کو دیکھا۔ ''میں یہاں رہ رہا ہوں اور ماحول کے ساتھ ایڈاپٹ بھی کر گیا ہوں۔''

یہ فقرے کہتے فاتح کے انداز میں کچھ بے بس سا تھا۔ تالیہ نے برش رکھ دیا۔

''کیا میں آپ کے لیے کچھ کر سکتی ہوں' فاتح؟'' وہ دونوں باغ کے وسط میں کینوس اسٹینڈ کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''نہیں تالیہ۔ ہم نے یہ طے کیا تھا کہ ہم ایک دوسرے پہ اپنی خواہش نہیں مسلط کریں گے۔''

وہ آزردگی سے مسکرا دی۔ ''پھر بھی میری خواہش ہے کہ آپ جلد از جلد ایڈم کے ساتھ اپنی دنیا میں واپس چلے جائیں۔ اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ آپ کا استعفیٰ جو آپ اپنے دراز میں چھوڑ آئے ہیں' جو سوموار کی صبح جمع کروایا جانا تھا' وہ آپ تلف کر دیں۔ خواہش مسلط کرنے سے منع کیا تھا آپ نے۔ خواہش بتانے سے تو نہیں۔''

''نہیں تالیہ۔ میں نے ایک غلطی کی تھی۔ مجھے اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔''

''آپ وزیر اعظم نہیں بنیں گے تو کوئی اور بن جائے گا جو آپ سے زیادہ گناہگار ہوگا۔ اس کرسی کو چھوڑ دینا مسئلے کا حل نہیں ہے' ڈان فاتح۔ اس بارے میں سوچیے گا ضرور۔ آپ کے پاس یہاں بہت وقت ہے۔ جب آپ واپس جائیں گے تو وہاں وقت ٹھہرا ہوا ہوگا اور آپ کے پاس اس استعفے کو تلف کرنے کی مہلت ہوگی۔''

''میں نے وہ خواب دیکھنا چھوڑ دیا ہے۔'' وہ مسکرایا تو اس کی آنکھوں میں زخمی پن سا تھا۔ ''میں صرف اپنے آج پہ فوکس کر رہا ہوں۔ مجھے مراد راجہ کو سلطان بنوانا ہے اور اس سے وقت کی چابی لینی ہے جو کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ آسانی سے نہیں دے گا۔''

''آپ ان کو سلطان کیسے بنائیں گے؟''

''ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم نے بنگارایا ملایو پڑھ رکھی ہے۔ اس کے مطابق سن باؤ وانگ لی کا پتا صاف کرنے سے مراد راجہ سلطان بنا تھا۔ تب مجھے سن باؤ ہیرو لگتا تھا۔ اب کچھ نہیں لگتا۔''

''اوہ ہاں۔'' تالیہ کو یاد آیا۔ ''مراد راجہ کے سلطان ساز نے وانگ لی کے کسی غلام کو کہا تھا کہ وہ اس شے کے بارے میں

جانتا ہے جو وانگ لی چھپا رہا ہے۔''

''ہاں اور اس غلام نے سیدھا جا کے وانگ لی کو مخبری کر دی تھی۔ وانگ لی سمجھا کہ وہ سلطان ساز سے دو قدم آگے ہے' اس لیے وہ موقع ملتے ہی ایک صبح منہ اندھیرے شہر سے باہر ایک قلعے تک گیا جہاں اس نے اس شے کو چھپا رکھا تھا۔ راجہ کے سپاہی اس کی تاک میں تھے۔ جیسے ہی وہ وہاں گیا' انہوں نے اس کو گھیر لیا' اس شے کو برآمد اور وانگ لی کو گرفتار کر لیا۔ پھر انہوں نے وانگ لی کو ایک آپشن دیا کہ وہ سفارت کاری سے استعفیٰ دے ڈالے اور ملاکہ سے رخصت ہو جائے۔ یوں وانگ لی نے استعفیٰ دیا' اور اپنے بحری سفر پہ روانہ ہو گیا، کہتے ہیں اس کی موت اس آخری سفر کے دوران ہی آ گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی ملکہ کمزور ہو گئی اور مراد راجہ مضبوط۔'' فاتح نے کتاب میں پڑھی باتیں مختصراً دہرا دیں۔

''واہ۔'' وہ محظوظ ہوئی تھی۔ ''یعنی بابا اور آپ لوگ کل صبح وانگ لی کے قلعے پہ چھاپہ مار کے اس کو گرفتار کرنے جا رہے ہیں۔ ویسے وہ چیز کیا تھی جو اس نے چھپا کے رکھی تھی؟''

''اس چیز کا ذکر کتاب میں نہیں ہے۔ قدیم کتابوں کی طرح بنگارایا ملایو میں بھی کچھ باتیں راز کی صورت میں لکھی گئی ہیں۔ وہاں بس یہ درج ہے کہ خود سلطان ساز کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ شے کیا تھی۔ لیکن جب وہ اس قلعے میں پہنچا تو اسے وہاں داخل ہوتے ہی سب سمجھ آ گیا۔ امید ہے کل ہمیں بھی سمجھ آ جائے گا۔'' پھر وہ توقف سے بولا۔ ''اور تم.... تم نے سنا ہے سلطان کے لیے بہت سخت شرائط رکھی ہیں؟''

''ایڈم کی دوا کے لیے ایک فوج چاہیے تھی جو بے وقوف سلطان نے مہیا کر دی۔''

''ایڈم کہاں ہے؟''

''بابا کا کہنا ہے کہ اس کی حالت سمندر کے بالکل قریب رہنے سے بگڑے گی اس لیے کچھ دن کے لیے اسے سلطنت محل بھیجا ہے۔ وہ زیادہ تر وہیں رہتا ہے اب۔''

وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ پھر کسی خیال کے تحت فاتح نے پوچھا۔

''کیا تمہیں اب بھی خواب آتے ہیں مستقبل کے بارے میں؟''

''نہیں۔ جب سے ہم واپس آئے ہیں' میری وہ حس مر گئی ہے۔ لیکن ہمیں مستقبل بتانے کے لیے کتاب کا علم ہے نا۔ اس کتاب میں کچھ جھوٹ نہیں تھا۔ ہم دونوں کتاب پہ بھروسہ کر کے ہی اپنی حکمت عملی بنائے ہوئے ہیں' فاتح۔ سب کچھ ویسا ہی ہو گا جیسا کتاب میں لکھا ہے۔'' وہ اسے یقین دلا رہی تھی۔ اور ان دونوں کے لیے یہ اطمینان کافی تھا کہ بنگارایا ملایو کے مطابق فتح انہی کا مقدر تھی۔

''اور جب میں سلطان کو خودکشی سے روک دوں گی اور اسے کہوں گی کہ یہ شرط میں نے اس لیے رکھی تھی تا کہ وہ میری مانگوں کو کبھی پورا نہ کر سکے اور جان لے کہ وہ زبردستی مجھ سے شادی نہیں کر سکتا تو سلطان سر جھکا دے گا۔اور ہمارے راستے الگ ہو جائیں گے۔ہم لا متناہی کھلاڑی ہیں۔ ہمارے پاس کتاب کی پیروی کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔''

''درست۔خیر۔ مجھے راجہ کے پاس جانا ہے۔اور ان کو کل کے لائحہ عمل سے آگاہ کرنا ہے۔''

شہزادی نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔وہ اب اپنے تھیلے کو دیکھتے ہوئے اس سے رخصت مانگ رہا تھا۔

کچھ دن کے لیے ہی سہی لیکن وہ دونوں ساتھ تو تھے۔

برابری کی سطح پہ ایک دوسرے سے مخاطب تو تھے۔

اس قدیم بلیک اینڈ وائٹ باغ کے وسط میں کھڑے دو رنگین نفوس......

☆☆=========☆☆

بنداہارا کی خواب گاہ سے ملحقہ کمرہ نیم روشن تھا۔دیوار پہ جانوروں کی کھالیں نمائش کے طور پہ آراستہ تھیں۔ایک مشعل کا ٹمٹماتا شعلہ مدھم روشنی بکھیر رہا تھا۔

کمرے کے وسط میں میز رکھی تھی جس پہ ایک نقشہ پھیلا تھا۔میز پہ جھکے کھڑے راجہ کے دائیں بائیں وہ دونوں موجود تھے۔عارف نقشے پہ مختلف جگہوں پہ نشانات لگا رہا تھا اور فاتح سرگوشی میں مراد کو صورتحال سے آگاہ کر رہا تھا۔

''میری اطلاع کے مطابق کل صبح سن باؤ منہ اندھیرے اس قلعے کی طرف جائے گا۔ ہمارے آدمی اور خود ہم بھی اس کی تاک میں ہوں گے۔ہم اس کو وہیں جا لیں گے۔''

''اور اگر اس نے ہمیں چکما دے دیا اور ہم اس کا تعاقب نہ کر سکے؟'' عارف نے سر اٹھا کے ایک دم سوال کیا۔مراد نے اس سوال پہ خاموشی سے فاتح کا چہرہ دیکھا۔اس نے گہری سانس لی اور مسکرایا۔

''راجہ..... مجھے معلوم ہے میں کیا کر رہا ہوں۔شہر کے ایک طرف سمندر ہے۔باقی تینوں اطراف کی ناکہ بندی کروا دی ہے میں نے۔سن باؤ شمال کی سمت ہی جائے گا لیکن میں نے احتیاطاً دوسری دو اطراف میں بھی تعاقب کار بٹھا دیے ہیں۔ ہماری ٹولیاں جگہ جگہ سن باؤ کے لیے گھات لگا کے بیٹھی ہیں۔ہم اسے نہیں کھوئیں گے۔اس کا تعاقب کل صبح ہمیں لازمی اس قلعے تک لے جائے گا۔''

اس کے جواب پہ مراد نے مطمئن سے انداز میں ہنکارا ابھرا تو عارف نے پہلو بدلا۔

''تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ وہ شے کیا ہے جسے سن باؤ نے وہاں چھپا رکھا ہے؟''

مشعل کے پھڑ پھڑاتے شعلے کی روشنی فاتح کے چہرے کو نیم روشن کیے ہوئے تھی۔اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔اسی اطمینان سے گویا ہوا۔

''وہ شے وہیں جا کے آپ دیکھ لیں گے۔ایسی حساس معلومات ابھی سے دینا دانشمندی نہیں ہے۔دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔''ایک کٹیلی نظر عارف پہ ڈالی تو وہ چپ رہ گیا۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو'وان فاتح۔ہم چینی سفیر پہ حملہ کرنے جا رہے ہیں۔اگر ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے تو ہم بہت بڑی مشکل میں پھنس سکتے ہیں۔''مراد راجہ تنبیہہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔فاتح نے سر کو خم دیا۔

''آپ فکر نہ کریں۔میرا علم دھوکہ نہیں دے گا۔'' وہ پر اعتماد تھا۔

مراد راجہ وہاں سے نکلا تو اس کا رخ سلطنت محل کی جانب تھا۔اسے سلطان سے چند حکم ناموں پہ مہر اجازت ثبت کروانی تھی۔

وہ اپنے سپاہیوں کی معیت میں محل پہنچا تو معلوم ہوا کہ سلطان چند غیر ملکی سفیروں کے ساتھ ملاقات کر رہا ہے۔اسے فارغ ہونے میں چند گھڑیاں لگنی تھیں۔مراد راجہ دربار کے باہر باغیچے کے گھاس پہ ٹہلنے لگا۔بازو پیچھے باندھے'وہ دائیں بائیں چکر کاٹتے ہوئے کل کے معرکے کے بارے میں سوچ رہا تھا جب اسے احساس ہوا کہ باغیچے میں اس کے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔

وہ جو اتنی خاموشی سے ایک سنگی بنچ پہ بیٹھا تھا.....خود میں سمٹا سمٹا سا.....کہ اس کے ہونے یا نہ ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا تھا...

''کیا حال ہے تمہارا؟ بڑے دن بعد دیکھا ہے تمہیں۔''مراد بنچ کے قریب آیا اور ایڈم کو دیکھتے ہوئے سرسری سا پوچھا۔وہ جو چادر اوڑھے وہاں گٹھڑی صورت بیٹھا دھوپ سینک رہا تھا'بس خاموش آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ان آنکھوں میں بیک وقت اتنے گلے اور شکایتیں تھیں کہ لب ہلانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

راجہ نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

''چچ چچ...تمہیں ابھی تک غلط فہمی ہے کہ تمہاری حالت کا ذمہ دار میں ہوں؟''

وہ اس کے ساتھ بنچ کے دوسرے کنارے پہ آ بیٹھا تو ایڈم ناگواری سے مزید سمٹا۔مراد راجہ نے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور سامنے پھیلی سرما کی دھوپ کو دیکھنے لگا جو ایک دم بادل چھٹنے سے نکل آئی تھی۔

''حالانکہ اپنی حالت کے ذمہ دار تم خود ہی ہو۔تم نے بندا ہارا مراد راجہ کو صحیح سے پرکھا ہی نہیں۔چچ چچ۔''وہ واقعی افسوس

سے ایڈم کو دیکھ کے کہنے لگا۔ ''تم نے مجھ سے اور کس چیز کی توقع کی تھی؟ کہ تم مجھ سے دوا مانگنے آؤ گے اور میں سونے کے طشت میں اسے رکھ کے تمہارے حوالے کر دوں گا؟''

''یعنی آپ سے انسانی ہمدردی کی توقع کرنا میرا قصور ہے؟''

''سب تمہارا قصور ہے' آدم۔ سب کچھ۔'' راجہ نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔ ''اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

''دوا مل جائے گی تو ہم دونوں یہاں سے چلے جائیں گے۔ آپ کی دنیا میں رہنے کا شوق نہیں ہے ہمیں۔''

''تم اپنی بات کرو۔''

''دونوں سے مراد میں اور وان فاتح ہیں۔ شہزادی تاشہ کی بات نہیں کر رہا میں۔''

''کہا نا..... تم اپنی بات کرو صرف۔ کیونکہ وہ دونوں میری اس دنیا میں خوش ہیں۔'' راجہ اپنی ہلکی داڑھی کھجاتے ہوئے سامنے افق کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''اوہ۔ وان فاتح نے آپ کو سلطان بننے کی امید دلائی تو آپ ان کو بھی اسی دنیا میں رکھنے پہ راضی ہو گئے؟''

مراد نے چہرہ اس کی طرف جھکایا اور سرگوشی میں بولا۔ ''میری بیٹی نے اس سے شادی کی ہے' آدم۔ اگر اس کی بات درست ثابت ہو جائے اور مرسل شاہ کا تخت الٹ جائے.... تو مجھے اپنی بیٹی کے اس رشتے پہ کیوں اعتراض ہو گا؟ مجھے کسی سلطان کا خوف نہیں ہو گا اور وہ ہمارے ساتھ رہ سکتا ہے۔''

''آپ یہ اپنی بیٹی کے لیے نہیں کر رہے۔ آپ کو وان فاتح کی صلاحیتیں اپنی طاقت بڑھانے کے لیے چاہیے ہیں۔''

مراد نے آنکھوں میں چمک لیے ایڈم کو محظوظ انداز میں دیکھا۔

''ہاں۔ ایسا ہی ہے۔ اور میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے۔ مجھے وہ آدمی پسند ہے۔ اور میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہوں گا۔''

ایڈم کا چہرہ غصے سے دہکنے لگا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اس آدمی کو کیا کہے جو اپنی انگلیوں کے اشارے پہ سب کی زندگیاں چلانا چاہ رہا تھا۔

''مراد راجہ....'' قدرے ضبط سے وہ ٹھہر ٹھہر کے بولنے لگا۔ ''آپ نے اگر وان فاتح کو اسی دنیا میں رکھنا تھا' تو مجھے یہاں سے جلد از جلد بھیجنے کے لیے گھائل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میری جان اتنی فالتو تھی کیا؟''

''اوہ تم مختلف ہو۔'' راجہ نے فوراً سے کہا۔ ''کیا تمہیں ابھی تک معلوم نہیں ہوا؟ میری بیٹی ایک شہزادی ہے۔ وان فاتح

کے ساتھ رہنے کے لیے بھی اسے شہزادی بن کے رہنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ اپنے علاقے کا بنداہارا بننے والا تھا۔ وہ خاص تھا۔ وہ اس کے ساتھ رہے گی تو ہمیشہ خاص رہنا چاہے گی۔ ملکہ بننا چاہے گی۔ یہی میں چاہتا ہوں۔''

''اور میں؟'' ایڈم نے الجھ کے اسے دیکھا۔

''تم۔'' راجہ مبہم سا مسکرایا۔ ''تم عام ہو آدم بن محمد۔ ایک بالکل عام انسان۔ تمہاری وجہ سے اس کو ہمیشہ عام لوگوں سے نسبت رہے گی۔ تم ساتھ رہو گے تو اسے لگے گا کہ عام لوگوں کی کہانیوں کے بھی خوشگوار انجام ہو سکتے ہیں۔ تم اس کا عام لوگوں کے جیت جانے پہ یقین ہو۔ ایک زمانے میں میری بیٹی تمہاری دنیا میں ایک مجرم کی طرح زندگی گزارتی تھی۔ جب اس نے مجھے کہا کہ وہ بدل گئی تھی تو میں جان گیا تھا کہ وہ کیسے بدلی تھی۔''

''انہیں وان فاتح کی باتوں نے بدلا تھا۔''

''نہیں۔ وہ تمہاری وجہ سے بدلی تھی۔ کیونکہ تم نے اسے یہ یقین دلایا تھا کہ عام لوگوں کی اچھائی ان کے لیے اچھے انعام لے کر آتی ہے۔ اس لیے میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ وہ تمہارے ساتھ رہے یا تمہاری کہانی کا اچھا انجام ہو.....'' کندھے اچکا کے مراد راجہ اٹھا تو ایڈم نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ اس کے عقب سے دھوپ آ رہی تھی اور ایڈم کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

''اسی لیے آپ چاہتے تھے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں؟ کیونکہ میری وجہ سے وہ کبھی نہ کبھی اپنے اصل کی طرف لوٹ آئیں گی؟ کیونکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ کوئی شہزادی نہیں ہیں۔ وہ آپ کی دنیا کی فرد ہیں ہی نہیں۔ وہ ہماری دنیا کی چے تالیہ ہیں۔''

''میں چاہتا ہوں کہ تمہارا قصہ جلد ختم ہو۔ واپسی کا مجھے نہیں معلوم کیونکہ.....'' مراد اس کی طرف جھکا اور پھر سے سرگوشی کی..... ''میرے پاس اب وقت کی چابی نہیں ہے۔''

اس کے الفاظ نے ایڈم کو پتھر کا بنا دیا۔

''جس چابی سے تم لوگ واپس آئے ہو..... وہ تمہارے شکار باز نے بنائی تھی اور اس کا جادو مختلف ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تم اس سے واپس جا بھی سکو گے یا نہیں۔ لیکن جس دن تم تندرست ہو گئے' میں تمہیں ملاکہ میں مزید ایک دن نہیں ٹھہرنے دوں گا۔ چاہے اس کے لیے مجھے تمہیں چین کے کسی جزیرے پہ ہی کیوں نہ بھجوانا پڑے۔''

اس کے سرد انداز میں دھمکی بھی تھی اور رعونت بھی۔ وہ اپنی کہہ کے سیدھا ہوا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے اور آگے بڑھ گیا۔ مگر ایڈم کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گیا۔ وہ بالکل گم صم سا وہاں بیٹھا رہ گیا۔

☆☆==========☆☆

ملاکہ شہر سے دور اونچی نیچی پہاڑیوں کے سلسلے بنے تھے۔ وہاں ایک الگ تھلگ ویران سا قلعہ تھا جو اس صبح نیم اندھیرے میں خاموشی سے کھڑا اپنے آہنی گیٹ پہ گھوڑا روکتے سن باؤ کو دیکھ رہا تھا۔

سن باؤ اکیلا آیا تھا۔ کسی بھی محافظ یا غلام کے بغیر کیونکہ وہ کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

فربہ چینی سفیر اب ماتھے سے نادیدہ پسینہ پونچھتے ہوئے تھکا تھکا سا گھوڑے سے اترا اور سر اٹھا کے قلعے کو دیکھا۔ پھر گہری سانس لی۔

وہ کوئی عظیم الشان سا قلعہ نہ تھا۔ بلکہ کافی چھوٹا تھا۔ اور بالکل سنسان۔ اس کی پتھریلی دیواروں پہ نمی کے باعث جگہ جگہ سبز کائی جمی تھی۔

سن باؤ نے چند گہرے گہرے سانس اندر کو کھینچے۔ گویا تنفس ہموار کیا کہ لمبی مسافت طے کر کے آیا تھا۔ پہریداروں اور دشمنوں، دونوں کو چکمہ دے کر نکلنا آسان بات نہ تھی۔ لیکن جیسے ہی وہ قلعے کی طرف بڑھا، ایک دم ہر طرف سے اس کے اوپر افتاد ٹوٹ پڑی۔

اس کا گھوڑا مضطرب سا ہو کے ہنہنایا۔ گھوڑے کو شاید اندازہ ہو گیا تھا مگر وانگ لی ہکا بکا رہ گیا تھا۔ لگام اس کے ہاتھ میں پتھر کی ہو گئی تھی اور وہ منہ کھولے اپنے چاروں طرف گھیرا تنگ کرتے سپاہیوں کو دیکھ رہا تھا جو جانے کہاں سے نکل آئے تھے۔

اس ششدر لمحے میں وانگ لی نے گردن دھیرے دھیرے چاروں اطراف میں گھمائی۔ یہ بندابارا کے سپاہی تھے اور اس کے گرد دائرے کی صورت تلواریں تانے کھڑے تھے۔ مرادراجہ ان کی سربراہی کر رہا تھا۔ اور ساتھ میں.... تبھی وانگ لی نے اسے دیکھا اور اسے دیکھتے ہی اس کے کندھے مزید ڈھیلے ہو گئے... سیاہ قبا والا سنجیدہ صورت آدمی اپنے گھوڑے کو آگے بڑھاتا عین وانگ لی کے سامنے لے آیا تھا۔

وانگ لی گم صم ساز مین پہ کھڑا تھا۔ لگام ہنوز ہاتھ میں تھی۔

"سن باؤ وانگ لی....." وان فاتح نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اسے مخاطب کیا۔ "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

اس نے انتظار کیا کہ وانگ لی کچھ کہے گا۔ اپنے دفاع میں کوئی دلیل دے گا۔ یہاں آنا جرم تو نہیں ہے۔ وہ تو پاس سے گزر رہا تھا وغیرہ وغیرہ۔ مگر وانگ لی اتنا ششدر تھا کہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔ اس نے لگام چھوڑ دی اور ٹکر ٹکر فاتح کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''اس سے کیا پوچھتے ہو؟'' مراد نے تحقیر سے اسے دیکھا اور سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ ''اندر جاؤ اور اس قلعے کی تلاشی لو۔''

وان فاتح نے نظریں اٹھا کے سپاہیوں کو دیکھا اور راجہ کی بات جاری رکھی۔ ''مجھے اندر موجود ہر شے کا حساب چاہیے۔ آخر سلطان کو معلوم ہونا چاہیے کہ وانگ لی نے یہاں کیا چھپا کے رکھا ہے۔''

وانگ لی اسی طرح چپ کھڑا رہا۔ پھر اس نے سر نیہواڑ دیا اور لب کاٹنے لگا۔ بے بسی کی انتہا تھی۔

سپاہی تھوڑی دیر میں ہی لوٹ آئے۔ ''اندر تو کچھ نہیں ہے۔''

فاتح نے چونک کے سپاہی کو دیکھا۔ اور پھر وانگ لی کو جس نے تیزی سے سر اٹھایا تھا۔ وہ جیسے چونکا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔ اس نے کہا کچھ نہیں۔ بس چپ چاپ فاتح اور سپاہی کو دیکھنے لگا۔

''اندر موجود تمام چیزوں کو باہر لے آؤ اور....''

''راجہ... اندر کچھ بھی نہیں ہے... سارا قلعہ خالی ہے...'' عارف نے سرگوشی کی۔

ماحول عجیب سا ہو گیا تھا۔ راجہ نے گھور کے فاتح کو دیکھا اور وہ بار بار وانگ لی کے چہرے کو دیکھتا تھا جس کی رنگت بحال ہو رہی تھی۔ جیسے اس کی جان میں جان آرہی ہو۔ اس نے سکون کا سانس لیا اور فاتح کو لگا وہ زیرِ لب مسکرایا بھی ہے۔

کچھ تھا جو غلط تھا۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' وہ ماتھے پہ بل ڈالے تیزی سے قلعے کے اندر داخل ہوا۔ بلند آواز میں سپاہیوں کو غصے سے حکم دیا کہ وہ ہر شے الٹا پلٹا دیں۔ مگر وہاں تھا کیا جس کی تلاشی لی جاتی؟ سب سامنے تھا۔

سورج نکل رہا تھا اور ہر پل وہ قلعہ مزید عیاں ہو رہا تھا۔ وہ خالی تھا۔ کسی بھی شے سے خالی۔ سوائے لکڑی جلانے کے انتظام کے علاوہ وہاں کچھ نہ تھا۔ سپاہیوں نے زمین کے کونے تک چھان مارے کہ شاید تازہ تازہ کچھ دبایا گیا ہو مگر وہاں کچھ بھی مشکوک نہ تھا۔ ہر گزرتے پل کے ساتھ وانگ لی کی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔

''بس کرو وان فاتح۔'' راجہ اس کے پیچھے اندر آیا اور ڈپٹ کے بولا۔

''مجھے صحن کی کھدائی کروانے دیں۔ کیا معلوم اس نے یہاں کچھ دبا رکھا ہو۔ یا دیواروں میں کچھ چن رکھا ہو۔''

''ہم اس سے زیادہ چینی سفیر کو نہیں روک کے رکھ سکتے۔''

''مگر راجہ.....''

''تم اس وقت صرف یہ سوچو کہ جب یہ چینی چمگادڑ اپنی ملکہ کو شکایت لگائے گا تو میں سلطان کو کیا منہ دکھاؤں گا۔'' وہ غرا کے بولا اور پھر غصے سے سپاہیوں کو واپس بلانے لگا۔ مہم ناکام ہو چکی تھی۔

فاتح بالکل خاموش ہو گیا۔ وہ خود بھی جیسے شل ہو گیا تھا۔ اس نے چپ چاپ گھوڑا سپاہیوں کی معیت میں واپس موڑ لیا۔

وانگ لی کی آنکھیں' ان کی چمک..... وہ سب کچھ بتاتی تھی کہ قلعے میں کچھ ایسا تھا جو وہ مس کر گئے تھے۔

جس وقت انہوں نے وانگ لی کو موقعے پہ پکڑا تھا' تب خود وانگ لی کو بھی یقین ہو چلا تھا کہ وہ پکڑا گیا ہے۔ وہ بار بار قلعے کو دیکھتا تھا اور اسے معلوم تھا کہ جو اس نے چھپا رکھا ہے وہ لوگ اسے برآمد کر لیں گے۔ مگر وہ نہیں کر سکے تھے۔ وہ شے ان کو نظر نہیں آئی تھی۔ اور نظر کے اس دھوکے نے سارا منظر بدل دیا تھا۔

اور شاید ساری تاریخ بھی۔

اور یہ سوچ کے فاتح کا دل دھک سے رہ گیا۔

وانگ لی کی سانسیں بحال ہو چکی تھیں۔ وہ اب بارعب آواز میں مراد سے کہہ رہا تھا کہ وہ اس بے عزتی کا حساب لے گا اور مراد ناگواری سے اس کو جواب دے رہا تھا۔ مگر وان فاتح ان کی گفتگو نہیں سن رہا تھا۔

اس کا دماغ ایک جگہ اٹک گیا تھا۔

کتاب میں لکھا تھا کہ انہیں وانگ لی کا راز مل گیا تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ یعنی کہ کتاب......؟؟

اس نے ایک دم لگام کو جھٹکا دیا۔ راجہ نے اسے آواز دی مگر وہ جانتا تھا کہ اسے جلد از جلد واپس ملاکہ پہنچنا تھا۔ اس وقت راجہ کی بات سننے سے زیادہ ضروری کچھ اور تھا۔

وہ آج بھی باغ میں کھڑی کینوس پہ رنگ بھر رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں کے پورے نیلے اور جامنی رنگ سے لتھڑے تھے اور وہ گردن ٹیڑھی کیے پینٹنگ بنانے میں محو تھی۔

"تالیہ.....تالیہ...." وہ بھاگتے ہوئے اس کے قریب آیا تو تالیہ نے سر اٹھایا۔ اسے دیکھ کے چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔

"آپ اتنی صبح؟"

"وہ کتاب....." وہ اتھل پتھل سانسوں کے درمیان کہتا اس کے سامنے آرکا۔ "وہ کتاب سچ نہیں ہے۔"

"کیا؟" اس نے اچنبھے سے فاتح کو دیکھا۔ وہ پسینے میں شرابور تھا۔ یوں لگتا تھا میلوں کی مسافت طے کر کے آیا ہو۔

"بنگارایا ملایو....اس کا تیرھواں باب سچ نہیں تھا۔ وانگ لی کا راز ہمیں نہیں مل سکا۔"

"کیا مطلب؟ آپ کو معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے کیا چھپایا تھا اس قلعے میں؟"

"نہیں تالیہ۔ جیسا کتاب میں لکھا تھا ویسا نہیں ہوا۔" وہ گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کے جھکا اور گہرے سانس لینے لگا۔

"چچ۔" تالیہ کو افسوس ہوا۔ "مگر خیر.... آپ فکر نہ کریں۔ آپ وانگ لی کے خلاف کچھ اور ڈھونڈ لیں گے اور....."

"تمہیں میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی کیا؟" اس نے سر اٹھا کے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔ "کتاب ہم سے جھوٹ بول رہی ہے۔" زور سے دہرایا تو وہ رک کے اسے دیکھنے لگی۔

"تالیہ.... تالیہ.... تمہاری شرطیں.... تم نے سلطان کو مارنے کی شرط رکھی تھی۔" اس نے یاد دلایا تو تالیہ نے گہری سانس لی۔

"مگر میری شرط سے سلطان کو کچھ نہیں ہوا تھا۔"

"یہ تو ہم نے کتاب میں پڑھا تھا نا۔ تمہیں کیسے پتہ یہ سچ ہے؟ مجھے کتاب میں لکھی باتوں پہ بھروسہ نہیں رہا۔"

"وہ اتنا پاگل نہیں ہے کہ اپنی جان لے لے۔" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ "ویسے بھی جب اس نے ایسا کرنے کی کوشش کی تھی تو میں اس کے پاس گئی تھی اور اس کو روک دیا تھا۔"

"کیسے؟"

"کیسے روکا تھا؟ ظاہر ہے زبان سے یہ کہہ کے کہ....."

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم اس کے پاس کیسے گئی تھیں؟ تم نے تو راستے منہدم کروا دیے تھے۔"

"ہاں مگر ہم نے جنگل سے ایک راستہ رکھا ہوا ہے نا جس سے گزر کے روز بابا محل جاتے ہیں۔ مگر کتاب کے مطابق....." اس نے رک کے یاد کیا۔ "میں جادوئی طریقے سے سلطان کے کمرے میں نمودار ہوئی تھی اور میں نے اسے خودکشی سے روک دیا تھا۔ آپ پریشان نہ ہوں..... میری مانگیں سلطان کو....."

"تالیہ....." وہ اس کے عین سامنے آ رکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "تمہیں کوئی ایسا جادو آتا ہے جس سے تم غائب ہو کے اس کے کمرے میں پہنچ جاؤ؟"

اور تالیہ مراد کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا۔

اس کے لب کھل گئے۔ وہ پلک تک نہ جھپک سکی۔ رنگ کی بوتل ہاتھ سے گری اور سبز گھاس کو داغدار کر گئی۔

جامنی رنگ کے چھینٹے اس کے دامن پہ بھی گرے مگر اسے پرواہ نہ تھی۔ اسے تو کوئی جادو نہیں آتا تھا۔ پھر کیا کتاب واقعی سچ نہیں تھی؟ یا اللہ۔

وہ رنگ میں لتھڑے ہاتھوں سے پہلوؤں سے لباس اٹھائے تیزی سے سامنے کی طرف بھاگی تھی۔ وہ اس کے پیچھے لپکا تھا۔

وہ سلطنت محل کے سامنے اپنی بگھی سے اتری اور سیاہ کانچ کی جوتیوں سے قریباً بھاگتی ہوئی محل کی سیڑھیوں کی طرف لپکی۔

دن کے بارہ بجنے کا وقت قریب تھا اور کتاب کا جادو ختم ہونے والا تھا۔ کانچ کے سیاہ جوتوں کا بوجھ اسے چلنے نہیں دے رہا تھا۔ اس نے دونوں جوتے محل کی سیڑھیوں پہ گرا دیے.....اور ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی اندر آئی.....پھر بدحواسی سے پہریداروں کو پکارا......

''آقا کہاں ہیں؟ مجھے ان سے ملنا ہے۔''

فاتح کو انہوں نے وہیں روک لیا البتہ اسے جانے دیا۔

''آقا آپ ہی کے منتظر تھے۔ ابھی آپ کو بلانے بھیجا تھا قاصد کو۔''

وہ لباس پہلوؤں سے اٹھائے تیزی سے اندر کو بھاگی۔ سفید لباس جگہ جگہ سے داغدار ہو چکا تھا۔

سلطان کی خواب گاہ کے دروازے دو پہریداروں نے خاموشی سے کھول دیے۔ چوکھٹ پہ تالیہ کے قدم منجمند ہو گئے۔

اندر سے اگربتی کی خوشبو آ رہی تھی۔ شاید کافور کی مہک بھی اس میں شامل تھی۔ اور شاید خون کی بھی۔

اس کی انگلیوں نے لباس چھوڑ دیا۔ وہ پہلوؤں میں برابر ہوتا اس کے پیروں سے ٹکرانے لگا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے آئی اور پھر.....برف ہو گئی۔

سامنے مرسل شاہ اس کی طرف پشت کیے بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی پگڑی نہیں پہن رکھی تھی۔ وہ سر جھکائے بیٹھا دوسری طرف کسی پہ جھکا تھا۔

کوئی اس کے سامنے لیٹا تھا۔ آہٹ پہ اس نے گردن موڑی۔ تالیہ کو دیکھا اور مسکرایا۔

''آپ کی آخری مانگ پوری ہوئی آج.....شہزادی تاشہ۔'' اس نے اشارہ کیا۔ وہاں تعینات چار محافظوں میں سے ایک کسی کام میں مصروف نظر آتا تھا۔ سلطان کے اشارے پہ سیدھا ہوا اور ایک پیالہ لیے تالیہ کے عین سامنے آ رکا۔ پھر اسے قریبی میز پہ ادب سے رکھا۔

اس میں تازہ خون بھرا تھا۔ سرخ گاڑھا خون۔

وہ اگلا سانس نہیں لے سکی۔

''آپ کی مانگ مجھے بہت پسند آئی تھی شہزادی۔'' مرسل نے اسی طرح بیٹھے بیٹھے بات شروع کی۔ ''مجھے آپ کو ایسا خون دینا تھا جس میں میرے اور میرے ماں باپ کے خون کی آمیزش ہو۔ اس مانگ نے مجھے وہ کرنے کا حوصلہ دیا جو میں ٹالے ہوئے تھا۔ مجھے خوف تھا کہ اگر میں نے کبھی ایسا کیا تو میرے اوپر مقدمہ چلے گا لیکن.....اب نہیں.....کیونکہ قانوناً یہ جائز تھا۔ یہ رہا آپ کا خون.....'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھا۔

اب مرسل شاہ کے عقب کا منظر واضح ہوا۔

وہاں رکھے ایک ٹھنڈے تختے پہ لیٹے وجود کا چہرہ نظر آیا.....

''یہ میرے بھائی کا خون ہے...جس میں ہم سب کے خون کی آمیزش ہے.....''

تختے پہ لیٹا وجود ایک بچے کا تھا۔ بمشکل نو دس سال کے بچے کا۔ اس کا چہرہ سفید تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ اس کی گردن پہ چھری پھیرنے کے نشانات تھے۔

وہ مر چکا تھا۔

مرسل نے خون میں ڈوبا خنجر پرے رکھا اور چلتا ہوا شہزادی کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

وہ بس سن ہوئی اس بچے کی لاش دیکھ رہی تھی۔

''کیا آپ کو نہیں معلوم تھا کہ میرا ایک بھائی بھی ہے؟ مگر نہیں۔ اکثر لوگوں کو نہیں معلوم تھا۔ ملکہ نے بہت دفعہ کہا کہ میں اسے مروا دوں لیکن.....''اس نے داڑھی کھجاتے ہوئے کہا۔'' مجھے اسے مارنے کے لیے کوئی ٹھوس وجہ نہیں مل رہی تھی۔ اس لیے اتنے عرصے سے اسے خفیہ قید میں رکھا ہوا تھا۔ لیکن اب نہیں۔ آپ کا شکریہ کہ آپ نے میرے راستے آسان کر دیے۔ اب میں اپنے تخت کا تنہا وارث ہوں۔''پھر اس پیالے کی طرف اشارہ کیا۔''آپ کا خون'شہزادی۔''

اشارہ کرتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھایا تو وہ بدک کے پیچھے ہوئی۔ اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔

''شہزادی!''وہ ایک دم الٹے قدموں واپس مڑی۔

کون اسے پکار رہا تھا۔ کس کی آواز آ رہی تھی۔ تالیہ نہیں سن رہی تھی۔ وہ بدحواس سی' سفید چہرہ لیے راہداریوں میں بھاگتی جا رہی تھی۔ دن کے بارہ بج گئے تھے۔ اس کی شاہی سواری ایک کدو سے زیادہ کچھ نہ تھی اور اس کے گھوڑے چوہے نکلے تھے۔ شہزادیوں والی ساری طاقت عنقا ہو چکی تھی۔

اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ اس بچے کی شکل نظروں کے آگے ثبت ہو گئی تھی۔

وہ محل کے باہر بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اسے بدحواسی سے بھاگ کے باہر آتے دیکھا تو رک گیا۔ وہ ننگے پیر تھی اور اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

''فاتح......فاتح.....''وہ دوڑتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ اس کے چہرے پہ شدید خوف رقم تھا۔

''کیا ہوا؟'' اسے یوں دیکھ کے وہ پریشان ہو گیا تھا۔

''مرسل شاہ کا ایک بھائی بھی تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو مار ڈالا۔''

وہ بالکل ساکت رہ گیا۔

''ہمیں کتاب نے دھوکہ دیا ہے....یہ لوگ.....یہ پاگل لوگ ہیں۔ یہ پاگل دنیا ہے۔'' وہ بے بسی اور خوف سے روتے ہوئے تیز تیز کہہ رہی تھی۔ ''انہوں نے ایک بچے کو مار ڈالا ہے۔ آریانہ جتنے بچے کو۔ میں نے ایک بچے کو مار ڈالا ہے' فاتح۔'' گرم گرم آنسو اس کے گالوں پہ پھسل رہے تھے۔

''میری مانگوں کی وجہ سے ایک بچہ مر گیا۔ مجھے نہیں چاہیے یہ محل۔ میں کوئی شہزادی نہیں ہوں۔ میں تالیہ ہوں۔ میں کے ایل کی تالیہ ہوں۔''

وہ بالکل ششدر سا اس کو روتے ہوئے بولتے سن رہا تھا۔ تسلی کے سارے الفاظ ختم ہو چکے تھے۔

''میں.....میں میڈیا کا سامنا کر لوں گی۔ عدالت کا سامنا کر لوں گی۔ مجھے جیل جانا پڑا میں چلی جاؤں گی۔ مگر میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ یہ کریزی لوگ ہیں۔ یہ ہمیں بھی مار دیں گے۔ پلیز تالیہ کو تالیہ کی دنیا میں واپس لے جائیں۔''

اس نے بے بسی اور خوف کے عالم میں فاتح کے ہاتھ۔

پہلی دفعہ.....وہ اپنا غرور اور انا بھلائے اسے کہہ رہی تھی کہ وہ اسے بچا لے۔

اس دفعہ وان فاتح کو اسے بچانا ہو گا۔

وہ خود کو خود بچاتے بچاتے تھک چکی تھی۔

فاتح نے افسوس سے اس کے ہاتھوں کو تھپکا اور بگھی کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔ پھر ایک سرد نظر مرسل شاہ کے اونچے محل پہ ڈالی۔

''ہم اپنی دنیا میں واپس ضرور جائیں گے' تالیہ۔ اور ان میں سے کوئی بھی ہمیں نہیں روک سکے گا۔''

☆☆=========☆☆

(باقی آئندہ)

حالم (نمرہ احمد)

اکیسواں باب:

''اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔''

اتوار کی شام تھی۔

بائیس جنوری کی تاریخ تھی۔

اکیسویں صدی کی جونکر اسٹریٹ سامنے تھی۔

اور یہ ملائیشیا کا شہر ملاکہ تھا۔

اس نے اپنے سامنے پھیلی جونکر اسٹریٹ پہ چلتے لوگوں کو دیکھا تو یاد آیا کہ جمعہ، ہفتہ اور اتوار وہ دن تھے جب اس اسٹریٹ کو پیدل چلنے والوں کی گزرگاہ بنایا جاتا تھا۔ سڑک کے کنارے اسٹالز اور بنچ لگ جاتے تھے۔ اور لوگ خریداری کرتے ہوئے کھاتے پیتے ہوئے آگے بڑھتے جاتے تھے۔

قدیم ملاکہ میں ایک ماہ گزارنے کے باعث اسے اس شور ہنگامے اور رونق کی عادت نہیں رہی تھی۔ ہر شے مختلف تھی۔ صرف تاریخ اور دن وہی تھا۔ اتوار، بائیس جنوری کو وہ تینوں وقت میں پیچھے گئے تھے۔ پھر اسی تاریخ اور اسی دن میں اس کی ''واپسی'' ہوئی تھی۔ مگر یہ واپسی ویسی نہیں تھی جیسی اس نے چاہی تھی۔ یہ واپسی بہت سفاک تھی اور اس کا دل توڑ گئی تھی۔ چند گھنٹے پہلے پیش آنے والے حالات کا صدمہ ابھی تک اس کے حواسوں پہ طاری تھا۔ اتنے شور میں تنہا بنچ پہ بیٹھے اسے معلوم تھا کہ اب زندگی کبھی ویسی نہیں رہے گی۔ وقت نے اسے.... بلکہ ان تینوں کو بہت سخت سزا دے ڈالی تھی۔

اب وہ کیا کرے؟ ساری محنت یہاں واپس آنے کے لیے کی تھی۔ اب یہاں سے وہ کہاں جائے؟

اس نے آنکھیں بند کیں تو پل بھر کے لیے ساری دنیا اندھیر ہوگئی۔ دھیرے دھیرے اس کا ذہن قدیم ملاکہ کی طرف جانے لگا...

☆☆==========☆☆

مرسل شاہ کے بھائی کے قتل کے دو دن بعد:

شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں اندھیرا پھیلا تھا۔ جانے وہ کتنی دیر سے سو رہی تھی۔ یا تکیہ منہ پہ رکھے ہوئے تھی جب پردہ کھینچنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی احساس ہوا کہ کمرے میں روشنی در آئی ہے۔

تالیہ نے تکیہ ہٹایا تو تیز دھوپ سے آنکھیں چندھیا گئیں۔ ایک ہیولہ سا نظر آیا جو کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے آنکھیں پھر سے بند کر لیں اور دوسری جانب کروٹ موڑ لی۔

''آپ کیوں آئے ہیں؟'' بے مروتی سے پوچھا۔

وہ بازو سینے پہ لپیٹے کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ سفید کرتا پاجامہ پہنے' بالوں کو ماتھے پہ بکھیرے' نرمی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں یہ بتانے کہ آنکھیں بند کر لینے سے حقیقت نہیں بدل جاتی' تالیہ۔ دو دن کمرے میں بند رہنے سے تو بالکل بھی نہیں۔''

وہ رخ موڑے بند آنکھوں سے بولی۔ ''میں بھول جانا چاہتی ہوں کہ دو دن پہلے کیا ہوا تھا۔''

''میں یاد کروائے دیتا ہوں۔'' وہ تحمل سے بولا۔ ''مرسل شاہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو قتل کر دیا تھا جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے تھے۔''

تالیہ کی بند پلکیں بھیگنے لگیں۔ ''مجھے کیوں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ ایسا کر سکتا ہے؟ کاش میں وہ شرائط نہ رکھتی۔''

''اس میں تمہارا قصور نہیں ہے' تالیہ۔'' وہ نرمی سے کہتے ہوئے آگے آیا۔ اس کی چاپ سن کے تالیہ نے کروٹ واپس موڑی تو دیکھا' وہ جھک کے اس کی تپائی پہ دھری دوا کی شیشی اٹھا رہا تھا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

''میں نے آریانہ جتنے بچے کو مارنے کی شرط رکھ دی۔''

''تم نے ایڈم کو بچانے کے لئے شرط رکھی تھی۔''

''میں آخری شرط کچھ اور رکھ سکتی تھی مگر میں نے خون لینے کی بات کیوں کی؟ کے ایل کے لوگ درست سمجھتے ہیں۔ میں واقعی ایک قاتل ہوں۔''

وہ دوائیں اٹھا اٹھا کے ایک پوٹلی میں ڈال رہا تھا۔ تالیہ تکیے پہ گال رکھے' بہتے آنسوؤں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

''مجھ میں اور عصرہ میں کوئی فرق نہیں رہا' فاتح۔ میرے ہاتھ پہ بھی ایک بچے کا خون ہے اب۔''

''اب تم بات بڑھا رہی ہو۔'' وہ دروازے تک گیا اور باہر کھڑے دربان کو پوٹلی تھمائی۔ پھر آہستہ آواز میں اسے اس کو پھینکنے اور تازہ چائے لانے کی ہدایت کی۔

''جب میں نے ذوالکفلی کو وہ چائے پلائی تھی... تو وہ سمجھا تھا میں نے اسے زہر دے دیا ہے۔ مگر آپ کو یقین تھا کہ میں کسی کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔ میں بھی سمجھتی تھی' میں ایسا نہیں کر سکتی۔ مگر میں نے ایسا کیا۔'' اس نے بھیگی آنکھیں بند کیں۔ گرم آنسو گالوں پہ لڑھک کے تکیے میں جذب ہونے لگے۔

''میرا باپ بنگارایا ملایو کا بہت بڑا فین تھا۔'' وہ ابھی تک چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔ اسے چائے کا انتظار تھا۔'' اس نے بچپن میں مجھے اس کتاب سے ڈھیروں قصے سنائے تھے۔ ہم نے اس کتاب اور وانگ لی کے مجسمے کی وجہ سے وہ گھر لیا تھا۔ وہ سرخ گھر۔''

باہر سے کسی نے اسے طشت پکڑائی تو فاتح اسے اندر لے آیا۔ اور تالیہ کے پلنگ کے ساتھ میز پہ اسے رکھا۔ اس طشت میں چینک تھی اور شیشے کی دو پیالیاں۔

''وانگ لی کا وہ مجسمہ مجھے ایک پرانے دوست کی طرح لگا کرتا تھا۔ میری ماں مجسموں کے خلاف تھی۔ مگر وہ تاریخی ورثہ تھا اس لئے کسی نے اس کو نہیں گرایا۔ مجھے اس مجسمے کو دیکھ کے عجیب ناسٹلجیا ہوتا تھا۔ جیسے کبھی کسی زمانے میں ہم مل چکے ہوں۔ جیسے اس کا مجھ پہ کوئی احسان ہو۔''

وہ نرمی سے کہتا جھک کے پیالیاں نکال رہا تھا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

''پھر ایک دن کھیل میں' میں نے ایک بچے کو گرا دیا۔ آریانہ جتنے بچے کو۔ سلطان کے بھائی جتنے بچے کو۔ اس کے ٹخنے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس کے ماں باپ نے مجھے اتنا زدوکوب نہیں کیا جتنا میں نے خود کو کیا۔ میں مجسمے کے سامنے بیٹھ کے کافی دیر روتا رہا تھا۔ اور پھر..... میرا باپ میرے پاس آیا۔''

وہ پیالی میں چینک سے چائے کی دھار ڈال رہا تھا۔ اس کی خوشبو نے دو دن سے بند کمرے کی مایوس فضا کو معطر کر دیا۔

''میرے باپ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں نے جان بوجھ کے اس لڑکے کو مارا تھا؟ کیا میری نیت اس کو نقصان پہنچانے کی تھی؟ میں نے کہا ظاہر ہے نہیں۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور تب مجھے میرے باپ نے وہ بات بتائی جو اس نے بنگارا یا ملایو میں وانگ لی کے حوالے سے پڑھی تھی۔ نہ جانے سچ تھی یا جھوٹ۔ مگر وہ اس طرح تھی۔''

اس نے ایک چوکی کھینچ کے پلنگ کے ساتھ رکھی۔ پھر اس پہ بیٹھا اور نرمی سے تالیہ کو دیکھتے ہوئے چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھائی۔

''کیا بات؟'' وہ اٹھ کے تکیوں کے سہارے بیٹھی۔ پھر آنکھیں رگڑیں اور پیالی تھام لی۔ وہ گرم تھی۔ اور تالیہ کے ہاتھ ٹھنڈے تھے۔ ٹھنڈے اور بے جان۔

"وانگ لی کہتا تھا' ہم انسان زندگی میں بہت سے ایسے فیصلے کرتے ہیں جن کا نتیجہ ہمیں شرمندہ کر دیتا ہے۔ اور دکھی بھی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ہم نتیجے کے ذمے دار نہیں ہوتے۔ اگر ہماری نیت اس غلط نتیجے کی نہیں تھی تو ہم قصور وار نہیں ہو سکتے۔"

ذرا توقف سے اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولا۔ "کیا تم چاہتی تھی کہ مرسل اپنے بھائی کو مار دے؟"

"ہرگز نہیں۔ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کا کوئی بھائی بھی ہے۔"

"تو پھر تم اس چیز کے لئے کیسے ذمہ دار ہو جس کا نہ تم نے ارادہ کیا اور نہ کوشش؟" وہ دوستانہ انداز میں سمجھا رہا تھا۔ تالیہ کی پلکیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

"آپ اچھے دوست ہیں۔ مجھے ٹراما سے نکالنے آئے ہیں۔ لیکن میں اس منظر کو کیسے بھلاؤں جو میں نے دیکھا تھا؟ وہ خون کا پیالہ....وہ لاش؟"

"کس نے کہا کہ بری یادوں کو بھولنا ضروری ہوتا ہے؟ بھولتے تو ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ جو ظلم ہمارے ساتھ ہوئے۔ جو ظلم ہم نے کیے۔"

"بھولنے کے علاوہ کوئی حل ہے کیا؟ اس یاد کا اثر لینا کیسے چھوڑوں؟"

"یہ تو تمہیں خود معلوم ہوگا کہ تمہیں ایسا کون سا کام کرنا چاہیے جو پچھلے غم کے اثر کو زائل کر دے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "برے تجربے کو اچھے تجربے سے زائل کرنا سیکھو۔ چائے پیؤ اور یہ بستر چھوڑو۔ ہمیں اپنے لائحہ عمل پہ کام کرنا ہے۔"

"کس چیز کا لائحہ عمل؟" وہ گھونٹ بھرتے ہوئے چونکی۔ جواباً فاتح نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

"واپس جانے کا تالیہ۔ میرے خیال میں ہم یہ طے کر چکے تھے کہ تم اس کریزی دنیا میں نہیں رہنا چاہتیں۔" وہ زور دے کر بولا تو وہ چپ ہو گئی۔ نظریں جھکا دیں اور چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔

"آپ کو یاد ہے ہم کس تاریخ کو یہاں آئے تھے؟"

"ہاں۔ 22 جنوری 2017۔ اتوار کا دن۔"

"ہم ذوالکفلی کے گھر کے تہہ خانے سے وقت کے سفر پہ نکلے تھے۔ اس گھر کے سامنے ہی جونکر اسٹریٹ تھی۔ اس روز اس پہ بہت رش تھا۔" وہ چائے کی پیالی میں جھانکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ہمارا لائحہ عمل کامیاب ہو جائے گا اور ہم بہت جلد واپس اسی وقت اور اسی تاریخ میں پہنچ جائیں گے۔"

تالیہ نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا خوف تھا۔

"مجھے وہ خواب پھر سے نظر آنے لگے ہیں۔ میں دیکھتی ہوں کہ جونکر اسٹریٹ سامنے ہے۔ اس پہ معمول کا رش ہے۔ اور

کوئی بنچ پہ بیٹھا ہے۔''

''کون؟'' وہ چونکا۔

''میں نہیں جانتی۔ ایک سایہ سا نظر آتا ہے۔ اس وجود سے اداسی ٹپکتی ہے۔ دنیا اس کے گرد تیزی سے رواں دواں ہے لیکن وہ وجود..... وہ تنہا اور اداس بیٹھا ہے۔ مجھے نہیں معلوم اس کا کیا مطلب ہے لیکن میں یہ خواب بار بار دیکھتی ہوں۔''

''یہ سب مسلسل بستر سے لگے رہنے کا نتیجہ ہے۔ تم کب اس بستر کو چھوڑ رہی ہو؟''

''بستر نہ چھوڑنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' اپنی بات رد کیے جانے پہ وہ برا مان کے بولی۔ ''یہ بستر ہی تو ہمارا دوست ہوتا ہے۔''

''اچھا؟'' اس نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔

''ہاں۔ ہماری زندگی کے بڑے بڑے لمحات کا گواہ ہوتا ہے یہ۔ انسان اس پہ جنم لیتا ہے۔ انسان اس پہ مرتا ہے۔ اگر اس پہ نہ بھی مرے تو مرنے کے بعد اسی پہ لٹایا جاتا ہے۔ شادی کے وقت بھی اسی کو سجایا جاتا ہے۔ بیماری میں اسی سے لگا دیا جاتا ہے۔'' وہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔ ''ہم اس پہ روتے ہیں۔ بڑے بڑے فیصلے اسی پہ کروٹیں بدلتے ہوئے لیتے ہیں۔ اس پہ لیٹے ہوئے خواب بُنتے ہیں۔ اسی پہ خوابوں کے ٹوٹنے کے غم میں روتے ہیں۔ اسی پہ اگلے دن کے ادھورے کاموں کو پلان کرتے ہیں۔ شاید ہمارا سب سے بڑا غم گسار یہ بستر ہی ہوتا ہے۔''

''لیکن اس سے لگ کے رہنا تمہارے غم کو بڑھا دے گا' تالیہ۔ غمگین انسان کے لئے سب سے مشکل کام بستر چھوڑنا اور تیار ہو کے کمرے سے باہر نکلنا ہوتا ہے۔ یہ عمل آدھا غم دور کر دیتا ہے۔ جب تم اس سے باہر نکلو گی تو خود بخود ٹھیک ہو جاؤ گی۔''

وہ جس خاموشی سے آیا تھا' اسی طرح نکل گیا۔ تالیہ نے کھلے دروازے سے دیکھا' کہ باہر کھڑے دربانوں نے وان فاتح کو سر جھکا کے تعظیم پیش کی تھی۔ وہ سر کو خم دیتا' تنی ہوئی بھنوؤں کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔ اس کو قدیم ملاکہ میں بھی اپنا مقام واپس مل گیا تھا۔ وہ یہاں ایک شاہی مہمان کی طرح رہتا تھا نہ کہ غلام کی طرح۔

وان فاتح بالآخر آزاد ہو چکا تھا۔

اس نے چائے کی پیالی رکھ دی اور ٹیک لگا کے چھت کو دیکھنے لگی۔ لکڑی کی اونچی چھت سے موم بتیوں کا فانوس لٹک رہا تھا۔ ان کے کناروں پہ پگھلی ہوئی موم کی دھار جم کے بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ تالیہ نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔

وہ سوچتی تھی' کوئی کسی کو بچانے نہیں آتا۔ مگر کسی کے لئے کوئی آ بھی جاتا ہے۔ جیسے فاتح اس کے لئے آیا تھا۔ لیکن کوئی آ

جائے، تب بھی وہ ہمیں ہمارے ڈپریشن سے نہیں نکال سکتا۔ اپنے بستر سے انسان کو خود ہی نکلنا ہوتا ہے۔

وہ سیدھی لیٹی، اور لحاف چہرے پہ تان کے ایک دفعہ پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆==========☆☆

اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔

اس کے بنچ کے ارد گرد لوگ ہنوز خوش باش چہل قدمی کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔ کوئی کچھ کھا رہا تھا۔ کوئی ہنس رہا تھا۔ ایک اس کی دنیا تھی جو ویران ہوئی تھی۔

اس نے سوچنا چاہا کہ وہ یہاں اس بنچ پہ کیوں ہے؟ اس سے اٹھا کیوں نہیں جا رہا؟ چلا کیوں نہیں جا رہا؟ پھر اس نے کوشش کی کہ اٹھے... لیکن دماغ ابھی تک ماؤف تھا۔ ٹانگوں میں جان نہ تھی۔ وہ سُن تھیں۔ برف تھیں۔ پتھر تھیں۔

اس نے سوچا تھا کہ واپس اپنی دنیا میں آ کے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن اب لگ رہا تھا کہ ہر شے کھو دی تھی۔ سب رشتے۔ سب محبتیں۔ اس کے پاس واقعی کوئی نہ بچا تھا۔ کس سے بات کرے۔ کس کے پاس جائے؟ اس نے وقت کے باقی دونوں مسافروں کو بھی کھو دیا تھا۔ ایک ذرا سی غلطی نے ان تینوں کو جدا کر دیا تھا۔

یہ باتیں بار بار اپنے ذہن کو بتانے کے باوجود اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہ سب ہوا کیسے؟ اس نے کیسے سب کچھ کھو دیا؟ بس ایک لمحے میں؟

☆☆==========☆☆

سلطنت محل میں دربار سجا تھا۔ تخت ابھی خالی تھا البتہ درباریوں اور وزراء کی کرسیاں بھری تھیں۔ سب اکٹھے ہو چکے تھے۔ سلطان نے تین روز بعد آج دربار بلایا تھا۔ ابھی تک اس کے بھائی کے قتل کی خبر عام نہیں ہوئی تھی اس لئے دربار میں موجود لوگوں کے تاثرات نارمل تھے اور وہ معمول کی کارروائی نمٹانے آئے تھے۔

اگر کوئی شدید پریشانی کا شکار تھا تو وہ بنداہارا مراد راجہ تھا۔

"اس قلعے والے واقعے کے بعد آج سن باؤ سلطان سے ملنے آ رہا ہے۔" مراد اپنے ساتھ موجود فاتح سے دبی آواز میں مخاطب تھا۔ "پچھلے چار روز وہ چینی سفارت کاروں کے ساتھ مصروف رہا ہے۔ میرے آدمی اس کا تعاقب کرتے رہے ہیں۔ وہ نہ ملکہ سے ملا ہے نہ سلطان سے۔"

"یعنی ابھی تک اس نے سلطان یا ملکہ کو اس بارے میں نہیں بتایا۔" فاتح نے گہری سانس لی۔ مراد نے گھور کے اسے دیکھا۔

''ہاں کیونکہ محل میں بن بلائے آنا دشوار ہوتا ہے۔ مگر آج اس کے پاس موقع ہے' وان فاتح۔ وہ سلطان سے ملے گا اور بھرے دربار میں بتائے گا کہ ہم نے کیسے اسے بنا قصور کے حراست میں لینا چاہا۔ وہ چینی سفیر ہے اور ہم اس کے ساتھ ایک سنگین زیادتی کے مرتکب ہوئے ہیں۔''

فاتح خاموش رہا۔ سیاہ قبا کندھوں پہ ڈالے' بازو پیچھے باندھے وہ بظاہر پرسکون نظر آتا تھا۔ لیکن اندر سے وہ جانتا تھا کہ سفارت کاروں سے زیادتی کرنا قدیم زمانے میں بھی اتنا ہی بڑا جرم تھا جتنا کہ 2017 میں۔

''اگر سلطان نے پوچھا تو ہم کیا جواب دیں گے؟'' مراد کی پریشانی واضح تھی۔ مگر فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ مراد راجہ نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔

ان کے مخالف سمت ایک کرسی پہ فربہ چینی سفیر اپنا جبہ سنبھالتا بیٹھ رہا تھا۔ بیٹھ کے اس نے چھوٹی چمکدار آنکھوں سے مسکرا کے ان دونوں کو دیکھا۔ استہزایہ مسکراہٹ اور فاتحانہ نظریں مراد راجہ کے اندر تک گڑ گئیں۔ اس نے تنفر سے رخ پھیر لیا۔

''میں سلطان کو جواب دے دوں گا۔'' فاتح نے خاموش نظروں سے وانگ لی کو گھورتے ہوئے مراد سے کہا۔ ''غلط فہمی' غلط اطلاع' کچھ ایسا کہہ دوں گا۔''

''مگر سلطان.....''

''آپ بے فکر رہیں اور جواب میرے اوپر چھوڑ دیں۔ مجھ پہ بھروسہ کریں' راجہ۔'' اس کا انداز یقین دلانے والا تھا اور اس آدمی کا یہی انداز تھا جس پہ مراد راجہ دھیما پڑ جاتا تھا۔ اسے قدرے تسلی محسوس ہوئی۔

مرسل شاہ تخت پہ براجمان ہوا تو اس کے انداز میں ایک واضح بدلاؤ محسوس ہوتا تھا۔ وہ تکان کا شکار لگتا تھا۔ آنکھوں کے سیاہ حلقے رتجگوں کے غماز تھے۔

ایک بے گناہ انسان کی جان لینا ایسا گناہ تھا جو دھیرے دھیرے قاتل کے دل کا ایک حصہ بالکل مار دیتا تھا۔ بے چینی' پریشانی' خوف' احساسِ گناہ.....اور پھر بے حسی سے اپنے عمل کو درست کرنا.....اس کی حالت ٹھیک نہیں لگتی تھی۔

مرسل شاہ کو غور سے دیکھتے ہوئے اسے بے اختیار عصرہ یاد آئی تھی۔ وہ بھی آریانہ کے بعد ایسے ہی بدلی تھی۔ دھیرے دھیرے۔ راتوں کو ڈر جاتی تھی.....نیند سے محروم.....بے چین.....خوفزدہ.....جھنجھلائی ہوئی.....

اس نے سر جھٹکا اور توجہ دربار کی کارروائی پہ مرکوز کی۔ سب سے پہلے وانگ لی کو بولنے کا موقع ملا تھا۔

دربار میں باادب سا سناٹا تھا اور وانگ لی تخت کے زینوں کے سامنے کھڑا' ہاتھ باندھے اپنے بادشاہ کا پیغام سلطان تک پہنچا رہا تھا۔ یہ معمول کی کارروائی تھی۔

فاتح دم سادھے سنے گیا۔ مراد راجہ بھی کرسی پہ بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

''اور کچھ؟'' وانگ لی کو اپنا جواب اسے لکھوا کے مرسل شاہ نے رسماً پوچھا۔ وانگ لی نے ہلکا سا توقف کیا۔ اور پھر سر جھکا دیا۔

''نہیں' آقا۔ بہت شکریہ۔'' سر اٹھایا' ایک بے نیاز نظر مراد اور فاتح پہ ڈالی اور واپس اپنی کرسی کی طرف بڑھ گیا۔

مراد راجہ نے ایک گہری سانس خارج کی۔ اس کے تمام اعضاء پرسکون ہو کے ڈھیلے ہو گئے۔

''اس نے نہیں بتایا۔ بہت خوب۔ وہ جانتا ہے کہ وہ مجھ سے معاملہ نہیں بگاڑ سکتا۔''

مراد زیرِ لب مسکرایا۔ لیکن وان فاتح تعجب سے وانگ لی کو دیکھ رہا تھا۔

(یہ کیسے ہوا؟ وانگ لی نے شکایت کیوں نہیں لگائی؟ اس کے پاس بہترین موقع تھا۔ کیا وہ ڈر گیا یا اس نے رحم کھایا؟ یا کوئی تیسری بات تھی؟) وہ الجھ گیا تھا۔

☆☆=========☆☆

تالیہ کے کمرے کا ماحول اس شام بھی ویسا ہی تھا۔ ویران' مایوس' اندھیر۔ دربان نے دروازہ کھولا اور فاتح اندر داخل ہوا تو دیکھا' وہ پلنگ پہ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ بال گول مول بندھے تھے اور چہرے پہ بے رونقی تھی۔

سامنے مسہری پہ ایڈم بیٹھا تھا۔ بیساکھی اپنے پہلو سے لگا رکھی تھی۔ کرتے پاجامے میں ملبوس' نحیف اور لاغر سا لگتا تھا۔ آنکھوں میں زمانے بھر کی نقاہت تھی۔

''تم نے بتا دیا تالیہ کو جو مجھے بتایا تھا؟'' فاتح نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ دونوں نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ دونوں اتنے بیمار اور نحیف لگتے تھے کہ چونکتے بھی نہیں تھے۔ بس آہستہ سے نظروں کا رخ موڑتے تھے۔

''جی۔'' تالیہ نے سر ہلایا۔ ''بابا کے پاس چابی نہیں ہے نہ ہی اسے بنانے کا طریقہ ہے۔ انہوں نے ہمیں ایک اور دھوکہ دیا ہے۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔''

''مراد راجہ صرف مجھے مارنا چاہتے ہیں۔'' ایڈم نے مایوسی سے سر جھکا دیا۔ ''ان کا کہنا ہے کہ میں ''عام'' ہوں۔ مجھے خاص لوگوں میں نہیں رہنا چاہیے۔''

فاتح کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے' اس نے ترحم سے باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھے۔

''جب میں نے کہا ہے کہ تم دونوں کو واپس لے جاؤں گا تو اتنے مایوس کیوں ہو؟ دوا کے اجزائے ترکیبی مکمل ہیں۔ میں ابھی راجہ سے کہتا ہوں کہ وہ ہمیں دوا بنا کے دے تاکہ کم از کم تم میں سے ایک کی بیماری تو ختم ہو۔''

پھر تالیہ کو افسوس سے دیکھا۔ وہ ابھی تک بستر سے نہیں نکلی تھی۔ ''اور تم....تم اب اپنا فیصلہ نہیں بدلو گی۔ ہے نا؟''

تالیہ نے نظریں جھکا دیں۔ فاتح کے چہرے پہ ناراضی اتری۔

''اس روز تم نے مجھے کہا کہ میں تمہیں واپس لے جاؤں۔ وہ جذبات کے زیر اثر کہا تھا کیا؟''

تالیہ نے جھکے سر کے ساتھ نفی میں گردن ہلائی۔ ''میں واپس جاؤں گی۔ میں اپنے فیصلے پہ قائم ہوں۔ لیکن.....'' بھیگی نظریں اٹھائیں۔ ''میں کس منہ سے خود کو بے گناہ کہوں گی؟ میں کیسے کہوں گی میں نے عصرہ کو نہیں مارا جبکہ میں نے ایک بچے کو....'' اس نے لب کاٹے۔

''وہ ایک دوسری دنیا کا مسئلہ ہے' تالیہ۔ جب ہم وہاں جائیں گے تو اس کو حل کریں گے۔ ابھی کے لئے....'' وہ آگے آیا اور اس کے پلنگ کے کنارے رکا۔ پھر غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''تم نے اپنے بابا کو یہ یقین دلانا ہے کہ تم کہیں نہیں جا رہیں۔''

تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''یعنی ایک جادوگر کو کون کرنا ہے؟''

فاتح نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اپنی بہترین اداکاری جاری رکھو۔ سلطان سے شادی پہ اعتراض نہ کرو۔ ظاہر کرو کہ تم یہاں خوش ہو۔ مراد راجہ کو شک نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ انگریزی میں کہہ رہا تھا۔ یہ زبان ان کی گفتگو کو بھرے مجمع میں بھی خفیہ رکھنے کے لئے کافی تھی۔

تالیہ نے دھیرے سے گردن موڑ کے ایڈم کو دیکھا۔ ''تم نے بنگا رایا ملایو میں جھوٹ کیوں لکھا؟''

''میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا ہے۔ میں نے ابھی تک کچھ نہیں لکھا کیونکہ مجھے سرکاری طور پہ سلطان کے بھائی کے مرنے کی اطلاع نہیں ملی۔ نہ ہی آخری شرط کے پورے ہونے کی۔ ایڈم کبھی جھوٹ نہیں لکھے گا۔''

''اور وانگ لی کے قلعے کے بارے میں کیا لکھا ہے؟''

''مجھے کیا معلوم وانگ لی کے قلعے کا کیا قصہ ہے۔ سرکاری طور پہ مجھے کوئی اطلاع ملی ہی نہیں ہے۔''

''کیا وانگ لی نے آپ کی شکایت کی ہے؟'' تالیہ کو یاد آیا۔ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

''نہیں۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔'' فاتح بازو سینے پہ لپیٹے سامنے کھڑا کچھ سوچنے لگ گیا تھا۔

''کیا مطلب؟ اس کے پاس بہترین موقع تھا۔''

''یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ وانگ لی نے وہ قصہ کیوں چھپایا۔ حالانکہ اب تک وہ اس شے کو قلعے سے غائب کر چکا ہوگا۔''

”کیا وہاں کچھ ایسا نہ تھا جو مشکوک ہو؟“ ایڈم نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں۔ وہاں صرف آگ جلانے کا سامان تھا۔“

”ہو سکتا ہے اس سامان میں کچھ ہو۔“

”نہیں ایڈم۔ اس میں کچھ نہیں تھا۔“ وہ بےزار ہوا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ذہنی دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

”کیا معلوم زمین میں کچھ دبایا ہو۔ یا دیواروں میں چن دیا ہو؟“ وہ اب بالکل سیدھی ہو کے بیٹھ چکی تھی۔ ایڈم نے بھی کمر سیدھی کر لی تھی۔

کمرے کا ویران ماحول دھیرے دھیرے بدل رہا تھا۔ فضا میں کچھ ایسا در آیا جو اتنے دن سے وہاں نہ تھا۔ دلچسپی کا عنصر۔ معمہ حل کرنے کی خواہش۔

”اتنا وقت نہیں ملا مگر زمین پہ گھاس تھی۔“ وہ اب بےچینی سے دائیں بائیں ٹہلنے لگا۔ کوئی سرا تھا جو ہاتھ نہ آتا تھا۔

”کیا معلوم.....“ ایڈم کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔ ”آگ جلانے کے سامان میں کچھ ہو؟“

”نہیں ایڈم۔ پندرہویں صدی کے ملاکہ میں آگ جلانے کا سامان عام چیز ہوتی ہے۔“

”دیٹس اِٹ۔“ ایڈم نے بیساکھی آہستہ سے نیچے رکھی اور فاتح کو دیکھا۔ اس کی نقاہت زدہ آنکھوں میں بالآخر چمک در آئی تھی۔ جیسے ایک سرا اس کے ہاتھ لگا تھا۔ ”آپ ہر چیز کو پندرہویں صدی کے ملاکہ کے تناظر میں دیکھ رہے ہیں۔“

”یعنی؟“

”فاتح صاحب.....وہ چیز پندرہویں صدی کے لوگوں کو اتنے عرصے سے کیوں نہیں ملی؟ شاید اس لیے کہ اسے ڈھونڈنے کے لیے اکیسویں صدی کے آدمی کی طرح سوچنا ہوگا۔“

”ایڈم کا مطلب ہے کہ اگر ہمارے زمانے میں کسی وانگ لی کو کسی قلعے میں وزیراعظم کے گارڈز جا گھیرتے۔ اس کی ہزیمت ہوتی۔ لیکن وہ کچھ برآمد نہ کر سکتے اور ناکام لوٹ جاتے.....تو وانگ لی کو کیا کرنا چاہیے؟“

”عدالت میں جائے۔ ہراسمنٹ کی شکایت کرے۔“ وہ اب دائیں سے بائیں کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔

”لیکن اگر وانگ لی پولیس یا عدالت کے پاس نہ جائے.....تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟“

وہ ٹہلتے ٹہلتے پلنگ کی پائنتی کے پاس رکا۔ نظریں کھڑکی سے آتی روشنی پہ مرکوز کیں۔

”اگر وہ پولیس کو ملوث کرتا تو پولیس پہلا سوال پوچھتی کہ.....“ اور چار دن بعد اس ایک پل میں.....ڈوبتی شام کی نیلگوں روشنی دیکھتے ہوئے وان فاتح کے ذہن میں بجلی کا کوندا سا لپکا۔ ”.....کہ یہ قلعہ کس کا ہے۔“

''اوہ۔وہ قلعہ کس کا ہے؟''

فاتح نے تاسف سے ماتھے کو چھوا۔''اوہ نو....سن باؤ نے قلعے کے اندر کچھ نہیں چھپایا تھا۔اس نے اس ''قلعے'' کو چھپا رکھا تھا۔''

''کیا مطلب؟''

''سن باؤ کی رنگت مجھے دیکھتے ہی زرد ہو گئی تھی۔مگر جب میں نے سپاہیوں کو اندر سے مشکوک شے لانے کو کہا اور وہ کچھ نہ لا سکے تو وہ مطمئن ہو گیا۔پہلے وہ سمجھا تھا کہ میں اس قلعے کو پکڑ چکا ہوں۔وہ قلعہ بذات خود خفیہ شے تھی۔ہمیں سمجھنے میں غلطی ہوئی۔''اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''آپ لوگوں نے یہ معلوم نہیں کروایا کہ وہ قلعہ کس کا تھا؟''

''نہیں۔کیونکہ پندرہویں صدی میں لینڈ اونرشپ کے قوانین مختلف ہیں۔ہم نے یہ فرض کر لیا تھا کہ وہ قلعہ سن باؤ کا تھا۔لیکن اگر تم اکیسویں صدی کے تناظر سے دیکھو تو پہلا سوال بنتا ہے کہ جائے واردات کا مالک کون ہے؟''وہ افسوس سے سر نفی میں ہلا رہا تھا۔

ایڈم کے بے رونق چہرے پہ بالآخر چمک در آئی۔''ارے واہ۔ہم نے اتنا بڑا معمہ حل کرنے میں آپ کو مدد دی ہے۔''

وان فاتح نے ایک بے نیاز نظر اس پہ ڈالی اور کندھے اچکائے۔''میں ویسے بھی معلوم کر لیتا۔کتنا اچھا ہو کہ تم دونوں اس وقت اپنے معمے حل کرنے پہ توجہ دو۔''

باری باری دونوں پہ ایک اچٹتی نظر ڈالی اور سر جھٹک کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔تالیہ نے دائیں ابرو اٹھا کے اسے جاتے دیکھا۔

''وہ سمجھتے ہیں ہم بے کار ہو چکے ہیں۔''

''کیا غلط سمجھتے ہیں؟''

تالیہ نے ایک گھورتی نظر اس پہ ڈالی اور لحاف مٹھیوں میں دبوچ کے پرے پھینکا۔

''میرے پاس صرف ایک چیز بچی ہے بچانے کو۔وہ میری اصل دنیا ہے۔کے ایل کی تالیہ مراد کی دنیا۔مجھے اپنی دنیا واپس چاہیے۔میں ہار نہیں مانوں گی۔''

وہ بستر سے اتری اور پیر جوتوں میں ڈالے۔اسے اپنے غم سے خود کو خود ہی نکالنا تھا۔

☆☆==========☆☆

اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔

وہ بنچ سے اٹھی اور بے مقصد انداز میں سڑک کنارے چلنے لگی۔ دونوں اطراف کی دکانیں پُر رونق اور گاہکوں سے بھری تھیں۔ شور اتنا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی لیکن وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔ سر پہ اسکارف لپیٹے' خالی خالی نظروں سے سامنے دیکھتی وہ قدم اٹھانے لگی۔ اس کو ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اپنی اس دنیا کے لیے وہ واپس آئی تھی۔ اس دنیا کے لیے اس نے ساری اداکاری کی تھی۔ اور یہاں آ کے معلوم ہوا تھا کہ اس کے پاس کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

وہ چلتے چلتے دو سڑکوں کے سنگم پہ آرکی تھی۔ وسط چوک پہ بھورے رنگ کا گھنٹہ گھر کھڑا تھا جو اندھیرے میں زرد روشنیوں سے سجا بے حد خوبصورت نظر آتا تھا۔ وہ ویران نظروں سے اس پہ لگی گھڑی کو دیکھے گئی۔

وقت نے سب کچھ چھین لیا تھا اس سے۔ چند لمحوں کی غلطی نے صدیوں کی سزا دے ڈالی تھی۔

اب وہ کیا کرے؟

☆☆=========☆☆

مراد راجہ اپنے نیم روشن دیوان خانے میں کھڑا تھا۔ وان فاتح اس کے مقابل موجود تھا ایسے کہ دونوں کے درمیان ایک میز تھی اور دونوں سنجیدہ لگتے تھے۔

''میں نے معلوم کر لیا ہے کہ سن باؤ کس شے کو چھپانا چاہ رہا تھا۔ ہم ایک دفعہ پھر اس کو رنگے ہاتھوں پکڑنے جا رہے ہیں۔'' وہ رازداری سے کہہ رہا تھا۔

''وہ شے کیا ہے؟''

''آپ خود دیکھ لیں گے' راجہ۔'' اس کا انداز مبہم تھا۔ ''بس مجھ پہ اعتماد کریں۔''

مراد کا چہرہ تاریکی میں تھا' مگر اتنا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مطمئن ہے۔ شاہی قبا میں ملبوس' ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے' ہاتھ کمر پہ باندھے وہ ہمیشہ کی طرح بارعب نظر آرہا تھا۔

''تمہیں یقین ہے کہ تم سن باؤ کا پتہ صاف کر دو گے؟''

''یہ آپ مجھ پہ چھوڑ دیں۔''

راجہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ ''پہلے بھی چھوڑا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ سن باؤ نے آقا کو کچھ نہیں بتایا ورنہ.....''

''وہ نہیں بتائے گا۔ بے فکر رہیں۔ مگر....'' وان فاتح نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''آدم کہہ رہا تھا کہ آپ کے پاس

وقت کی چابی بنانے کا کوئی کلیہ نہیں ہے۔"

"میں نے تمہیں پہلے دن ہی بتایا دیا تھا کہ جس چابی کے ذریعے تم لوگ آئے ہو وہ تمہارے شکار باز کی تھی۔ مجھے تمہیں واپس بھیجنے کے لئے نئی چابی بنانی پڑے گی۔"

"اور آدم کا کہنا ہے کہ آپ وہ نہیں بنائیں گے۔" فاتح چبھتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ایک مرتا ہوا آدمی مایوسی کے علاوہ کیا کہے گا؟" مراد جھک کے میز پہ پھیلے نقشے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"یعنی آپ چابی بنا دیں گے؟"

"بالکل۔ میں نے جو وعدہ کیا تھا اُسے پورا کروں گا۔ مگر میری ایک اور شرط بھی ہے۔"

مراد سیدھا ہوا اور فاتح کو دیکھ کے مسکرایا۔ نیم اندھیر کمرے کے کونے میں چلتی واحد مشعل نے ماحول کو عجیب پر اسرار بنا رکھا تھا۔

"نئی شرط؟ راجہ ہمارا اور آپ کا معاملہ پہلے سے طے پا چکا ہے۔" وہ بہت ضبط سے بولا۔ "چابی کے بدلے تخت۔"

"کیا تم اس آدمی سے ایسے بات کرو گے جو تمہیں تمہاری دنیا میں بھیجنے کی واحد امید ہے؟"

فاتح نے تلخ گھونٹ حلق سے نیچے اتار لیا۔ "آپ شرط بتائیں۔"

"تم نے میری بیٹی سے خفیہ طور پہ نکاح کیا تھا۔ اس کی ایک نقل یان سوفو کے پاس تھی۔ باقی دونوں نقول شہزادی تاشہ اور تمہارے پاس تھیں۔ مجھے تمہاری نقل چاہیے۔"

فاتح کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ "وہ ایک خطرناک کاغذ ہے۔ اس کو شہزادی کے خلاف استعمال کر کے انہیں نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ آپ اسے کیوں حاصل کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں نے اپنی شرط بتا دی ہے۔" مراد واپس نقشے پہ جھکا اور چند مقامات پہ لکیریں کھینچنے لگا۔ "میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ ہمیں مرحوم سلطان کے بیٹوں کو پیغام بھیج دینا چاہیے۔ ہم بغاوت کے لیے تیار ہیں۔ میں تخت پہ بیٹھوں گا تو تمہیں چابی ملے گی۔"

"مگر....." فاتح نے بدقت ضبط کر کے آواز دھیمی کی۔ "مگر راجہ۔ ہماری ساری سودا بازی آدم کی دوا کے لئے تھی۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں ایک ماہ کی معیاد میں آپ کے لئے کام کروں گا اور آپ کو تخت کے قریب لے جاؤں گا۔ آپ فوراً سلطان نہیں بنیں گے۔ پہلے مرحوم سلطان کے بیٹے تخت پہ قابض ہوں گے۔ پھر ان کو ہٹانے میں کچھ وقت لگے گا۔ اس کے بعد آپ سلطان بنیں گے۔ جبکہ آدم اور مجھے واپس جانا ہے....." وہ رکا اور گہری سانس لی۔ "یا شاید آپ چاہتے ہیں کہ میں

واپس نہ جاؤں؟"

"تم عقلمند آدمی ہو فاتح۔اس لئے اپنے دوست کی دوا کی بجائے میرے تخت کی فکر کرو۔تمہیں واپس جانے سے پہلے مجھے تخت پہ بٹھانا ہوگا۔"

حتمی انداز میں کہہ کے مراد نے نقشہ لپیٹا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

فاتح ضبط کے گھونٹ بھرتا' اسے جاتے دیکھتا رہا۔

یہ طے تھا کہ بنداہارا مراد راجہ کے وعدے اور اقوال صدق سے خالی تھے۔

☆☆==========☆☆

فاتح کو دیوان خانے میں چھوڑ کے مراد راجہ اپنے دربار کی طرف بڑھ گیا۔یہ بنداہارا کے محل کا دربار تھا اور گو کہ یہ مرسل شاہ کے سلطنت محل جیسا عالی شان نہ تھا' مگر اس کے دفتری کاموں کے لیے کافی تھا۔روز اس وقت یہاں درباریوں اور اعلیٰ افسران کی موجودگی لازم ہوتی تھی۔لیکن آج دربار خالی پڑا تھا۔

مراد بغلی دروازے سے اندر آیا تو ٹھٹکا۔دربار میں کوئی ذی نفس نظر نہیں آتا تھا۔پنکھ جھلنے والے غلام اور دربان تک موجود نہ تھے۔کس کی ہمت تھی اس کے افسران کو ابھی تک باہر کھڑا رکھنے کی؟وہ برہمی سے دربان کو آواز دینے لگا لیکن پھر....اسے نظر آ گیا کہ یہ کس کی ہمت ہو سکتی تھی۔

وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔مراد کی طرف پشت اور دھوپ کی طرف چہرہ تھا۔کامدار جامنی لباس پہنے' بالوں کو آدھا باندھ کے سر پہ تاج سجائے' وہ باہر دیکھتی گم صم نظر آ رہی تھی۔

آج پانچ روز بعد اسے مراد نے کمرے سے باہر دیکھا تھا۔وہ مسکرایا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب آیا۔

"تمہیں دیکھ کے خوشی ہوئی۔"

وہ آہستہ سے اس کی طرف مڑی۔ایسے کہ چہرے پہ اب بھی دھوپ پڑ رہی تھی۔

"آپ جانتے ہیں سلطان نے کیا کیا ہے؟"اس کا انداز کسی بھی تاثر سے خالی تھا۔

مراد نے نرمی سے اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھے۔"میں جانتا ہوں تم اس بچے کی موت سے....."

"ہماری دنیا میں ایک کہاوت بولی جاتی ہے بابا۔کہ پہلا تاثر آخری تاثر ہوتا ہے۔"وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی مسکرا کے گویا ہوئی۔"مرسل شاہ کے بارے میں میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ وہ ایک کم عقل' عیاش اور بے حس سا آدمی ہے۔پانچ دن پہلے مجھے معلوم ہوا کہ وہ شاطر اور سفاک بھی ہے۔اسی غم نے مجھے گرا دیا۔لیکن میں غلط تھی۔میرا پہلا تاثر درست تھا۔وہ سفاک ہو

سکتا ہے' شاطر نہیں۔"

مراد کے ہاتھ دھیرے سے اس کے کندھوں سے ہٹے۔ اسے معلوم تھا تالیہ کے اگلے الفاظ کیا ہوں گے۔

"یہ شاطر پن اس میں کسی اور نے ڈالا ہے۔"

"تاشہ....."

"اسے میری آخری شرط کو پورا کرنے کا راستہ "آپ" نے دکھایا تھا' ہے نا؟" نظریں مراد کی آنکھوں پہ جمی تھیں اور لب سرگوشی میں حرکت کر رہے تھے۔ "آپ نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ اس بچے کو مار دے۔ اتنی عقل مرسل شاہ میں خود سے نہ تھی۔ یوں آپ نے اس کا اعتماد بھی جیت لیا اور اپنے تخت کے راستے میں حائل ایک ننھے جانشین کو بھی ہٹا دیا۔ وہ بھی خوش ہو گیا کہ اس نے میری شرائط پوری کر دی ہیں۔"

"تاشہ.....میری جگہ اگر....."

"بابا۔" اس نے نرمی سے مراد کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور سمجھ کے سر ہلایا۔ "آپ نے جو کیا مجھے اس کا دکھ ہے' مگر آپ نے صحیح کیا۔ تخت کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔"

مراد نے گہری سانس لی اور ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "تمہیں اس سے شادی نہیں کرنی پڑے گی۔ ہم بہت جلد اس کا تختہ الٹ دیں گے۔ پھر تم اور میں.....ہم دونوں ملاکہ کے حکمران ہوں گے۔"

وہ مسکرا دی۔ "میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ یہ رہا وہ نکاح نامہ جو آپ نے مانگا تھا۔" اس نے کھڑکی کی منڈیر پہ رکھا رول شدہ کاغذ مراد کی طرف بڑھایا۔ "میں ملاکہ پہ حکومت کرنے واپس آئی ہوں۔ میں آپ کے ہر فیصلے میں آپ کا ساتھ دوں گی۔"

مراد نے کاغذ لیا اور کھلے دل سے مسکرایا۔ "تم پوچھو گی نہیں کہ میں اس کا کیا کروں گا؟"

"مجھے آپ پہ پورا بھروسہ ہے۔" تالیہ کی مسکراتی آنکھوں میں عجیب سی سرد مہری تھی جسے مراد راجہ نہیں پہچانتا تھا۔

"لیکن آپ نے اپنا وعدہ نبھانا ہے۔ ایڈم کی دوا اور فاتح کی چابی۔"

"مجھے یاد ہے۔ میں دوا کی ترکیب تمہارے پاس لانے ہی والا تھا۔ سلطان کے سپاہیوں نے تمام اجزائے ترکیبی پہنچا دیے ہیں۔ تم اور آدم دوا بنانا شروع کر سکتے ہو۔" مراد نے پیٹی سے ایک کاغذ نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔

"آپ اسے خود نہیں بنائیں گے۔"

"یہ جادو نہیں ہے۔ دوا ہے۔ اس کو بنانے کے لیے سارا دن ساری رات مجھے اس کے سر پہ کھڑا ہونا پڑے گا اور وہ میں نہیں کر سکتا۔ مجھے بغاوت کی تیاری کرنی ہے۔ تم اسے اپنے دوست کے لیے خود بھی بنا سکتی ہو۔"

تالیہ کی آنکھوں میں چمک در آئی۔ اس نے مسکرا کے سر ہلایا' تعظیم پیش کی اور کاغذ لئے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے جانے کے بعد کافی دیر تک مراد وہاں تنہا کھڑا رہا۔ اس کا ذہن کسی گہری سوچ میں الجھا تھا۔ عارف آیا اور کھنکھارا تو وہ چونکا۔

''راجہ..... آپ نے وہ ترکیب شہزادی کو دے دی؟''

''ہوں۔'' اس نے کھڑکی سے باہر دھوپ سے چمکتے دالان کو دیکھتے ہوئے ہنکارا بھرا۔ عارف نے آواز دھیمی کی۔

''جب شہزادی کو علم ہوگا کہ یہ اصل ترکیب نہیں ہے تو وہ بہت واویلا کریں گی۔''

''اسے کبھی علم نہیں ہوگا' عارف۔'' مراد نے چہرہ موڑ کے اطمینان سے اسے دیکھا۔ ''میرے علاوہ سارے ملاکہ میں ایسا کوئی جادوگر نہیں ہے جس کے پاس اصل ترکیب ہو۔''

''اگر آپ نے ان کو غلط ترکیب دینی تھی تو درست اجزائے ترکیبی کیوں بتائے؟''

''تب میرا خیال تھا میں اس کے لیے دوا بنادوں گا لیکن اب میں ایسا نہیں چاہتا۔ وہ ٹھیک ہو گیا تو مجھے چابی بنانی پڑے گی۔''

''بجا فرمایا' راجہ۔'' پھر عارف کو خیال گزرا۔ ''لیکن یہ غلط دوا اس کے ساتھ کیا کرے گی؟''

مراد نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔ ''وہ اس نوجوان کا قصہ تمام کر دے گی۔'' پھر تخت کے زینے چڑھتے ہوئے اس نے ہدایت دی۔ ''تاشہ کو دوا بنانے کا سامان تہہ خانے میں اکٹھا کر کے دے دو۔ بظاہر اس کے کسی حکم کی تعمیل میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔''

عارف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور واپس مڑ گیا۔ دربار کے لگنے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔

☆☆=========☆☆

رات اپنے سیاہ پر پھیلائے قدیم ملاکہ کو اپنی آغوش میں لے چکی تھی۔ آج آسمان پہ تاریک بادل چھائے تھے جو پانی کے بوجھ سے لدے تھے۔ جیسے ہی شہر کے مکین سونے چلے گئے' ان بادلوں سے مزید بوجھ سہارا نہ گیا۔

پہلے تیز ہوا چلی' پھر زور زور سے بجلی کڑکنے لگی۔ بادلوں کی گرج چمک' اور خوفناک آواز نے سارے شہر کو خوف کو مبتلا کر دیا تھا۔

سلطان مرسل شاہ کی آنکھ اسی آواز سے کھلی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ اوپر چھت پہ لگے فانوس کی مشعلیں بجھی تھیں۔ ٹھنڈی ہوا اندر آرہی تھی۔ وہ کھڑکیاں بند کر کے سونے کا عادی تھا۔ مگر کوئی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی۔ شاید ہوا سے فانوس بجھا تھا۔

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔محافظ کمرے کے باہر ہوتے تھے اس لئے ان کو آواز دے کر بلانا ہوتا تھا۔مرسل نے لب کھولے تو اسے احساس ہوا اس کے منہ میں کچھ ہے۔لوہے کا ٹکڑا جو اس کے دانتوں کے درمیان پھنسا ہے۔جس کے باعث وہ آواز نہیں نکال سکتا۔

اس کے اعصاب دھیرے دھیرے بیدار ہونے لگے۔اس نے تیزی سے ہاتھ اٹھانے چاہے مگر.... ہاتھ رسیوں سے بندھے تھے۔پیر ہلانے چاہے۔وہ بھی جکڑے ہوئے تھے۔منہ سے غوں غاں کے سوا آواز نہیں نکلتی تھی۔

مرسل نے گردن تکیے پہ ادھر ادھر ماری مگر بے سود۔خوف اس کے سارے وجود پہ چھانے لگا۔پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اندھیرے میں دیکھنا چاہا۔

اور تب اسے وہ چہرہ پہلی دفعہ نظر آیا۔

سر پہ سیاہ ٹوپی اور نیچے سیاہ پاجامہ کرتا پہنے' وہ بازو سینے پہ لپیٹے اس کے سرہانے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

مرسل کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''حیرانی ہوئی مجھے یہاں دیکھ کے؟ اوہ تمہیں لگا تھا میں تمہارے کمرے میں صرف دلہن بن کے آؤں گی۔ چچ چچ۔'' وہ اس کے قریب فرش پہ پنجوں کے بل بیٹھی اور چہرہ اس کے اوپر جھکایا۔

''مگر وہ کیا ہے کہ میں ان نازک شہزادیوں میں سے نہیں ہوں جو سلطان کی دلہن بننے کا خواب دیکھتی ہیں۔میرے خواب کچھ دوسرے تھے۔''

مرسل نے پوری قوت سے ہاتھوں کو جھٹکا دیا اور گردن دائیں بائیں ہلائی۔تالیہ نے ایک دم تیزی سے حرکت کی اور ایک چمکدار تیز چاقو اس کی گردن پہ رکھ دیا۔مرسل کے جسم کی پھڑ پھڑاہٹ تھم گئی۔سانس بھی تھم گیا۔

''تاشہ کو اس وقت صرف ایک چیز واپس چاہیے۔اس کی دنیا۔اور اگر اس کے لیے اسے تمہاری گردن پہ چھری بھی چلانی پڑی تو وہ چلا سکتی ہے۔''

مرسل شاہ کے ماتھے پہ پسینہ پھوٹ رہا تھا۔خوف اس کے سارے وجود کو جکڑے ہوئے تھا۔

''ایسے ہی خنجر سے تم نے اس بچے کو مارا تھا نا؟ اور اس خون کو میرے سر ڈال دیا؟'' اس کے سرہانے پہ جھکے وہ غرائی۔''میں نے وہ شرائط اس لئے رکھی تھیں تا کہ تم....تم جان لو کہ تم میرے قابل نہیں۔مگر تم نے ایک بچے کو مار ڈالا۔کیا اس کو بھی ایسے باندھا تھا؟ ایسے بے بس کیا تھا؟''

مرسل نے خوف سے نفی میں گردن ہلانا چاہی مگر جسم نے ہلنے سے انکار کر دیا۔

''اس کا خون کہاں سے نکالا تھا؟ گردن سے؟ تمہیں تمہیں ویسے ہی ذبح کروں؟ مجھے بتانا کیسا لگتا ہے۔ ہوں؟''

مرسل نے خوف سے آنکھیں بند کرلیں۔ چاقو کا ٹھنڈا پھل اسے گردن پہ محسوس ہو رہا تھا۔

''مگر میں اسے تمہاری گردن پہ نہیں چلاؤں گی۔ بلکہ.....میں تمہیں ایک موقع دوں گی۔''

مرسل نے آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھا۔ وہ وہیں زمین پہ بیٹھے بیٹھے کہہ رہی تھی۔ ''تم صبح ہوتے ہی مجھ سے شادی سے انکار کردو گے۔ ورنہ ہر رات میں تمہیں ملنے آؤں گی۔ اسی طرح۔ بالکل اسی طرح۔ اور جانتے ہو میں کیا کروں گی؟''

اس نے خنجر گردن سے ہٹایا اور اس کے بالوں کی ایک لِٹ پکڑی۔ پھر زور سے اسے کاٹ ڈالا۔

''میں ہر رات تمہارے بالوں کا کچھ حصہ کاٹ کے تمہارے سینے پہ رکھ جاؤں گی۔'' اس نے کٹے ہوئے بال اس کے سینے پہ رکھے اور پیچھے ہوئی۔

''مضحکہ خیز بات لگتی ہے۔ ہے نا؟ مگر زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ جب روز درجنوں محافظوں کے نرغے میں سوؤ گے۔ خوف سے نیند بھی نہیں آئے گی۔ محل کی حفاظت بڑھا دو گے....پھر بھی ہر صبح اٹھو گے تو تمہاری ایک کٹی ہوئی لِٹ تمہارے سینے پہ پڑی ہوگی۔'' وہ سرگوشی میں بولتی ہوئی کھڑی ہوئی۔

''اور ہر صبح تمہیں احساس ہوگا کہ میرا خنجر تمہاری گردن کے کتنا قریب تھا۔ ہر رات میں تمہاری جان بخشا کروں گی۔ لیکن اگر تم نے یہ شادی والا ناٹک ختم نہ کیا تو کسی روز یہ خنجر تمہاری شہ رگ پہ چل بھی سکتا ہے۔''

خنجر واپس میان میں اڑسا اور اپنی ہتھیلی اس کے قریب لائی۔ وہ دیکھ سکتا تھا کہ ہتھیلی میں سیاہ رومال ہے۔ اس نے دائیں بائیں گردن مارنا چاہی مگر وہ بھیگا رومال سختی سے اس کی ناک پہ جما چکی تھی۔ مرسل شاہ کا ذہن چند لمحوں میں تاریکی میں ڈوب گیا۔

ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی تو سارے کمرے میں روشنی تھی۔ وہ تیزی سے سیدھا ہو کے اٹھ بیٹھا اور اپنی کلائیوں کو چھوا۔ وہ آزاد تھی۔ ان پہ رسیوں کا نشان تک نہ تھا۔ نہ ہی کمرے کی کوئی شے ہلی ہوئی تھی۔ وہ بستر سے اترا اور اپنی گردن جھاڑی۔ بالوں کی کوئی لٹ' کوئی کٹے ہوئے بال وہاں نہ تھے۔ کھڑکی بھی اندر سے بند تھی۔ مرسل بھاگ کے کھڑکیوں تک گیا اور ایک ایک کی کنڈی دیکھی۔ سب مقفل تھیں۔

وہ زور سے چلا کے سپاہیوں کو بلانے لگا۔ چند ثانیے میں سب دوڑے چلے آئے۔

''میرے کمرے میں رات کو کون آیا تھا؟ سوتے رہتے ہو تم لوگ؟'' وہ لال چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ ''دیکھو۔ ڈھونڈو۔ وہ کہاں سے آیا تھا۔''

آئی تھی' کہنے کی جراءت اس میں نہ تھی۔ایک عورت اس کے ہاتھ پیر باندھ کے چلی گئی؟اونہہ۔(اس نے اپنی کلائیوں کو سہلایا۔سپاہی سارے میں پھیل گئے۔خواب گاہ اور آس پاس کے کمرے چیک کئے ہر جگہ کی تلاشی لی۔پھر واپس آئے اور اطلاع دی۔

''آقا۔کوئی نہیں آیا رات کو۔کسی کے آنے کا سراغ تک نہیں ہے۔''

پھر اس محافظ نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھایا۔''شاید آقا نے کوئی برا خواب دیکھا ہو؟''

مرسل نے ہاتھ جھلا کے اسے دفعان ہونے کو کہا۔وہ سب چلے گئے تو وہ آئینے کے سامنے آیا۔گہرے سانس لئے۔اس کی رنگت بحال ہونے لگی تھی۔شاید وہ صرف ایک برا خواب تھا۔شہزادی تاشہ ایسی بھیانک حرکت کیسے کر سکتی ہے؟اونہوں۔

وہ اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔اعصاب نارمل ہونے لگے تھے۔اور تب اس نے آئینے میں دیکھا....

اس کی سامنے والی لٹ چھوٹی تھی۔جیسے نیچے سرے سے خنجر کے وار سے کاٹ ڈالی گئی ہو۔

مرسل کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے اور رنگت ایک دفعہ پھر سفید پڑنے لگی۔

☆☆=========☆☆

اتوار۔بائیس جنوری۔جونکر اسٹریٹ۔ملاکہ۔

وہ اب گھنٹہ گھر کے سامنے کھڑی تھی۔گردن اٹھائے خالی خالی نظروں سے گھڑیال کو دیکھ رہی تھی۔اس کی سوئیاں رات گہری ہونے کا اشارہ کر رہی تھیں۔اس دنیا میں واپس آنے کے ارادے نے اسے کتنا نے خوف بنا دیا تھا۔مرسل نے اس بچے کو مارا تھا' تالیہ نے نہیں۔خود کو یہ یقین دلا کے وہ مرسل شاہ کو ڈرانے گئی تھی۔اور یہ سب اس کی توقع سے زیادہ آسانی سے ہو گیا تھا۔یا شاید وہ انتہائی حد تک بے خوف ہو چکی تھی۔اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

ایک مراد تھا جس کے لیے وہ واپس قدیم ملاکہ گئی تھی۔ایڈم کو وہ مل جائے گی اور وہ اپنے باپ کے ساتھ رہ لے گی۔کے ایل کی کسی جیل میں سڑنے سے یہ بہتر تھا۔لیکن جب اسے یہ احساس ہوا کہ مراد اور مرسل' دونوں نے مل کے اس بچے کو مارا تھا' تب سے اسے قدیم ملاکہ اجنبی لگنے لگا تھا۔اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ واپس کے ایل جائے گی۔فاتح اور ایڈم اس کے لیے بہت تھے۔وہ دونوں اس کے ساتھ ہوں گے تو اپنی دنیا کے الزامات کا سامنا کرنا آسان ہو گا۔

لیکن....گھڑیال کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں....آہستہ آہستہ اسے یقین آنے لگا....وہ دونوں اس کے ساتھ نہیں تھے۔وہ ان دونوں کو وقت کے اس چکر میں کھو چکی تھی۔

اب وہ کیا کرے؟یہ دنیا بھی اپنی نہیں رہی تھی۔اب یہاں سے وہ کہاں جائے؟

☆☆=========☆☆

بنداہارا کے محل کے کتب خانے میں دروازے کی چرچراہٹ سنائی دی تو سارے میں چھائی مقدس خاموشی ٹوٹ گئی۔اپنے کمرے کا دروازہ کھولتا ایڈم باہر نکل رہا تھا۔بیساکھی کے سہارے چلتا' سفید کرتے پاجامے میں ملبوس' سر پہ ٹوپی جمائے' وہ قدم اٹھا رہا تھا۔جیسے ایک نئے دن کے آغاز کے لئے تیار ہوا ہو۔البتہ چہرے کی نقاہت برقرار تھی۔

وہ بیساکھی سے ٹک ٹک چلتا آگے آیا تو ٹھہرا۔

کتب خانے میں عین سامنے....کتابوں کے ایک ریک کے ساتھ....کرسی پہ فاتح بیٹھا تھا۔اس کی میز پہ موم بتی جل رہی تھی اور وہ ایک کاغذ پہ جھکا کچھ لکھ رہا تھا۔اس نے سرمئی کرتے کے آستین چڑھا رکھے تھے اور شیو ہلکی بڑھی تھی۔گویا وہ پوری رات سے ادھر تھا۔

ایڈم چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب آیا۔وہ سر جھکائے لکیریں کھینچ رہا تھا۔ایڈم کھنکھارا۔"سر؟"

"تمہیں لگتا ہے میں نے تمہاری بیساکھی کی آواز نہیں سنی؟"اس نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

"اوہ۔شاید جن چیزوں کی عادت ہو جائے'ان کی موجودگی کا احساس کم ہو جاتا ہے۔"اس نے کرسی کھینچی' بیساکھی رکھی اور فاتح کے مقابل بیٹھا۔"آپ کو کون سا کام اتنا مصروف رکھے ہوئے ہے؟"

وان فاتح نے نظریں اٹھائیں۔پھر مسکرایا۔مسکرانے سے اس کی آنکھوں کے گرد لکیریں نظر آتی تھیں۔چہرے پہ تکان تھی مگر لگتا تھا اس کی ہمت نہیں ٹوٹی۔

"میں ہم تینوں کو بحفاظت یہاں سے نکالنے کا لائحہ عمل ترتیب دے رہا ہوں۔"

"آپ کو واقعی لگتا ہے ہم یہاں سے نکل سکیں گے؟"ایڈم بے یقین سا لگتا تھا۔

نیم اندھیر کتب خانے کی ساری کتابیں چونک کے ان کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"اس دنیا میں معجزے نہیں ہوتے'ایڈم۔یہاں cause اور ایکشن کا قانون رائج ہے۔کچھ پانا ہے تو اس کے لئے کچھ کرنا تو پڑے گا۔"

"مجھے بھی کرنا چاہیے تھا مگر میں جلدی ہمت ہار جانے والوں میں سے ہوں۔"

"تم نے کیا تو ہے۔بہت کچھ۔تم اسٹار رپورٹر بن چکے ہو۔"(تصحیح کی)۔"بن چکے تھے۔ہماری دنیا میں۔"

"میں کیریئر کی بات نہیں کر رہا۔"ایڈم نے ٹوپی اتار کے میز پہ رکھی تو اس کے بال نظر آنے لگے۔وہ کہیں کہیں سے جھڑ گئے تھے۔اور کہیں سے سفید ہو رہے تھے۔

''پھر؟'' وہ چونکا۔ ایڈم اب قطار در قطار پڑے ریکس کو دیکھ رہا تھا۔

اس کو نہیں معلوم تھا کہ دائیں طرف کی کتابیں...اور بائیں طرف کی کتابیں...اور سامنے رکھی کتابیں...اور پیچھے رکھی کتابیں.....سب اپنے اپنے سانس روکے اس کا جواب سننے کی منتظر تھیں۔

''مجھے کسی کو بتانا چاہیے تھا کہ میرا دل ملاکہ میں کیوں خالی ہو گیا تھا۔ مگر میں ہمت نہیں کر سکا۔''

فاتح کے لکھتے ہاتھ رک گئے۔ چند لمحے تک اس نے چہرہ نہیں اٹھایا۔

''ہاں۔ تمہیں بتانا چاہیے تھا۔'' اس کے جواب پہ ایڈم چونکا۔

کتابوں نے بھی ٹھٹک کے نظروں کا رخ فاتح کی طرف موڑا جو سادگی سے کہہ رہا تھا۔

''ہم جس کے بارے میں جو محسوس کرتے ہیں' اس کا احساس سامنے والے کو دلانا چاہیے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ cause کے بغیر کوئی ایکشن وجود میں نہیں آتا۔''

میز پہ جلتی موم بتی کے شعلے سے موم کا آنسو ٹپکا اور کنارے پہ لڑھکتا گیا۔ پھر میز بوس ہوتے ہی وہیں جم گیا۔ ہمیشہ کے لئے امر۔

''آپ تو کہتے تھے یہ میری low سیلف اسٹیم ہے۔ محبت نہیں۔'' ایڈم نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں غلط تھا۔ تمہارے جذبے نے وقت کا امتحان سہا اور یہ کم نہیں ہوا۔ میں اس کی قدر کرتا ہوں۔ لیکن....'' اس نے گہری سانس لی' قلم رکھا اور پیچھے ہوتے ہوئے ایڈم کو سنجیدگی سے دیکھا۔

''ہم دونوں جانتے ہیں کہ اب اس سب کا وقت گزر چکا ہے۔''

کتابوں نے اداسی سے پلکیں جھکا دیں۔ وہ اَن کہی باتوں کے مطلب سے آشنا تھیں۔ ان کو راز چھپانے کی عادت تھی۔

''آپ نے ان سے شادی کیوں کی تھی؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں کیا محسوس کرتا ہوں؟'' آج وہ ساری شکایتیں کرنا چاہتا تھا۔ جانے اسے پھر موقع ملے نہ ملے۔

ریک میں سجی کتابوں نے دم سادھ لیا۔ سب کی نظریں نیم اندھیر کتب خانے کی میز کے دونوں کناروں پہ بیٹھے دو اشخاص پہ جمی تھیں۔

فاتح چند لمحے خاموش رہا۔ جیسے ایڈم کے سوال کا جواب مہذب طریقے سے دینے کے لئے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔

''میں نے یہ سب اسے مرسل شاہ سے شادی سے بچانے کے لئے کیا تھا۔ اور ہمیں ملکہ کی مدد چاہیے تھی۔''

''لیکن اب تو سارے جواز ختم ہو چکے ہیں۔ پھر آپ نے اس تعلق کو ختم کیوں نہیں کیا؟''

''میں نہیں کر سکتا۔''اس نے ایڈم کو دیکھتے ہوئے سادگی سے شانے اچکائے۔''شاید کبھی کرنا ہی نہیں تھا۔''

ایڈم نے نڈھال انداز میں سر جھکا دیا۔اس نے اپنی ہار تسلیم کر لی تھی۔

''اگر ہم واپس چلے گئے....تو کیا آپ اس تعلق کو قائم رکھیں گے؟''

کتب خانے میں اتنا گہرا سناٹا چھایا تھا کہ کتابوں کے سانس لینے کی آواز تک نہ آتی تھی۔

''ایڈم....اگر مجھے یہ تعلق ختم کرنا ہوتا تو میں اس کے ساتھ واپس کیوں آتا؟ میں اسے اپنی دنیا میں واپس لے جانے پہ زور کیوں دیتا؟''

قدیم صفحات نے گہری سانس خارج کی۔

''کیا آپ نے یہ بات جے تالیہ کو بتائی ہے؟''

''نہیں۔کیونکہ اس نے کہا ہے وہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔''

''کیا کبھی کسی عورت نے اتنی آسانی سے وہ کہا ہے جو اس کے دل میں ہوتا ہے؟''

''اسے لگتا ہے اگر وہ میرے ساتھ رہے گی تو وہ لوگوں کا سامنا نہیں کر سکے گی۔لوگ اس کو گھر توڑنے والی اور عصرہ کی قاتل سمجھیں گے۔''

''کیا اس سے پہلے آپ دونوں نے مشکل فیصلے نہیں کیے؟''ایڈم نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔اس کی بات پہ فاتح چپ رہ گیا۔کتب خانے کی کتابوں نے تمسخرانہ مسکراہٹوں کا تبادلہ کیا۔

''میں اسے نہیں چھوڑنا چاہتا لیکن مجھ سے تعلق تالیہ کے لئے مزید مشکلات لائے گا۔''

''کیا انہوں نے اس سے بڑی مشکلات نہیں دیکھ رکھیں؟''

کتابوں کی نگاہوں میں اب دلچسپی در آئی تھی۔وہ ریکس کے درمیان سے گردن نکال نکال کے اس کا مکالمہ سن رہی تھیں۔

''تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

''میں جے تالیہ کی خوشی چاہتا ہوں۔''وہ آگے ہوا اور زور دے کر کہنے لگا۔''میں ان کو اپنے بارے میں اس لیے نہیں بتاتا کہ اب دیر ہو چکی ہے بلکہ اس لیے کہ وہ میرے اوپر ہمیشہ آپ کو منتخب کریں گی۔اس لیے آپ کو چاہیے کہ آپ ان کو بتائیں کہ آپ دونوں اب بھی ایک نئی زندگی شروع کر سکتے ہیں۔کے ایل میں۔ان کو واپس لے جانے کے لیے کوئی خواب تو دکھائیں۔''

''تم یہ سب دل سے کہہ رہے ہو؟''

''ایڈم بن محمد عرصہ ہوا چے تالیہ سے دستبردار ہو چکا ہے۔ ایڈم شاید ان کی خوشی دیکھنے کے لیے زندہ بھی نہ رہے لیکن یہ خیال کہ وہ خوش ہیں' ایڈم کے لیے کافی ہوگا۔''

پھر وہ بیساکھی کے سہارے اٹھا اور کرسی پیچھے دھکیلی۔ فاتح نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''آئی ایم سوری۔'' جانے اس نے کس چیز کے لئے افسوس کیا تھا۔

''مجھے نہیں لگتا دان فاتح کہ میں واپس جا سکوں گا۔ مجھے نہیں لگتا کہ مراد راجہ کی دوا سے میں ٹھیک ہو سکوں گا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں واپس ضرور جائیں اور ایک اچھی زندگی گزاریں۔''

''ہم تینوں واپس جائیں گے' ایڈم۔'' اس نے زور دے کر کہا۔ ''اور مراد راجہ کی دوا ضرور اثر کرے گی۔''

''مجھے کوئی دوا نہیں بچا سکتی۔'' ایڈم نے تمسخرانہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ''کیونکہ آپ نے مجھے سکھایا تھا کہ جو ہمیں خود کرنا آتا ہے صرف وہی ہماری جان بچاتا ہے۔''

''اور تمہیں کیا کرنا آتا ہے ؟''

وہ سوگواریت سے مسکرایا۔ ''مجھے کتابیں پڑھنی آتی ہیں۔'' پھر گردن موڑ کے خاموش رکھے ریکس کو دیکھا۔ ''اور وہ ابھی مجھے بلا رہی ہیں۔''

''کیا؟'' فاتح نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔

''کیوں؟ آپ کو لگا یہ کتابیں مردہ ہیں؟ اونہوں۔'' وہ مسکرایا۔

''یہ جیتی جاگتی' سانس لیتی کتابیں ہیں۔ ورنہ مردہ چیز سے کوئی کیسے جینے کا راستہ سیکھ سکتا ہے۔ جب میں سوتا ہوں.... ساتھ والے کمرے میں.... تو مجھے لگتا ہے یہ مجھے آواز دے کر بلا رہی ہیں۔ مجھے لگتا ہے ان کو بھی مجھ سے اتنی ہی محبت ہے جتنی مجھے ان سے۔''

''ایڈم....'' فاتح نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''نہیں' سر۔ میں نے اتنے دن ضائع کیے ہیں۔ میں اتنے دن کتابیں نہیں پڑھ سکا۔ اگر یہ میری زندگی کے آخری دن ہیں تو میں انہیں کتابوں کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ میں نے شاہی مورخ کے عہدے سے آج صبح استعفیٰ دے دیا ہے۔'' وہ مڑا اور بیساکھی کے سہارے چلتا ہوا شمالی کونے کی طرف بڑھ گیا۔

وہاں پڑے ریک اندھیرے میں ڈوبے تھے۔ فاتح نے ترحم سے اسے جاتے دیکھا۔

وہ بیماری کے باعث چیزیں تصور کرنے لگا تھا۔ یقیناً ایسا ہی تھا ورنہ کتابیں کہاں کسی کو آواز دے سکتی ہیں۔

جواب میں کتابوں نے اسے اسی ترحم سے دیکھا اور پھر ان سب کی نظریں ایڈم کی طرف متوجہ ہوئیں۔

وہ ان کی طرف آ رہا تھا۔ کتب خانے کی ساری کتابوں کے چہروں پہ مسرت آن ٹھہری۔ اتنے دن سے وہ اسے بلا رہی تھیں۔ بالآخر وہ ان کی سن چکا تھا۔

ویسے تو ان کے پاس اپنے ہر پڑھنے والے کے لئے کچھ خاص ہوتا تھا۔ اس کے دل کو ڈھارس دینے یا اس کے علم میں اضافہ کرنے کے لئے.....لیکن ایڈم بن محمد کے لئے ان کے پاس کچھ اور بھی تھا۔

☆☆=========☆☆

یہ چوتھی صبح تھی جب مرسل شاہ نے محل کی حفاظت بڑھا دی تھی۔ سینکڑوں پہرے دار دروازوں پہ پہرہ دے رہے تھے۔ اس کی خواب گاہ کی کھڑکیوں کے آگے لوہے کی سلاخیں لگائی گئی تھیں۔ غرض کوئی چڑیا کا بچہ بھی وہاں پر نہیں مار سکتا تھا۔

آدھی رات تک مرسل کو خوف کے مارے نیند نہ آتی تھی۔ وہ خنجر تکیے تلے رکھ کے سوتا تھا۔ کمرے میں مسلسل دو پہرے دار اس کے اوپر پہرہ دیتے تھے۔ کبھی وہ وحشت کے مارے ان کو نکال دیتا۔ کبھی واپس بلا لیتا۔

ساری رات وہ کروٹیں بدلتا۔ فجر کے قریب نیند آتی۔

اور پھر صبح میں جب وہ جاگتا تو محسوس ہوتا کہ اس کی گردن پہ کچھ رکھا ہے۔ وہ چونک کے اسے جھاڑتا تو بالوں کی ایک تازہ کٹی ہوئی لٹ سینے سے نیچے فرش پہ گرتی۔ وہ تیزی سے آئینے میں اپنے بالوں کا جائزہ لیتا۔ ہر روز ایک نئی جگہ سے بال کٹے ہوتے تھے۔

یعنی گزشتہ رات وہ پھر آئی تھی؟ اس کا خنجر ایک دفعہ پھر مرسل شاہ کی گردن کے اتنا قریب تھا؟ وہ ہر رات کیسے اس کے محل میں پہنچ جاتی تھی؟ یہ خیال اس کے سارے جسم پہ کپکپی طاری کر دیتا۔

آج صبح وہ محل کے سبزہ زار میں فوارے کے کنارے کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ پیچھے باندھ رکھے تھے۔ شاہی قبا پہن رکھی تھی۔ سر کی پگڑی سے سونے کی تاروں سے بنی لڑیاں نیچے گرتی کندھے تک آتی تھیں۔

وہ خاموش نظروں سے پانی کو دیکھ رہا تھا۔ گھنے درختوں کے باعث فوارے کے حوض کا پانی سبز نظر آتا تھا۔

اس کے دو خاص مشیر عقب میں کھڑے تھے۔ وہ سب کسی کے منتظر تھے۔ پھر انتظار ختم ہوا اور دو سپاہیوں کی معیت میں ایک آدمی آگے آیا۔

''آقا....مورخ آ چکا ہے۔''

مرسل شاہ دھیرے سے مڑا اور سامنے کھڑے نوجوان کو تنقیدی نظروں سے دیکھا۔ وہ سادہ پوشاک پہنے ہوئے تھا اور

کندھے پہ ایک تھیلا تھا۔

''یہ آدم بن محمد تو نہیں ہے۔'' مرسل نے سوالیہ نظروں سے مشیر کو دیکھا۔

''آقا.... آدم بن محمد نے کل استعفیٰ دے دیا ہے۔ اس کی حالت بہت خراب ہے۔ شاید ہی دو چار روز جی پائے۔ شہزادی تاشہ نے بھی اس کے لئے رحم کی درخواست کی ہے۔ اس مورخ کو بھی شہزادی نے ہی تلاشا ہے اور یہاں بھیجا ہے۔''

تاشہ کے ذکر پہ مرسل کے تاثرات بدلے۔ جبڑے بھنچ گئے۔ مگر اس نے بس ہوں پہ اکتفا کیا۔

''ٹھیک ہے۔ ہم اس کو اپنا مورخ تعینات کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔''

''شکریہ آقا۔'' نوجوان نے سر جھکا کے کہا۔ پھر سیدھا ہوا اور گلہ آمیز انداز میں کہنا شروع کیا۔ ''آقا.... وہ آدم بن محمد دراصل ایک چور ہے۔ اس نے میرا تھیلا چرایا تھا ایک سرائے میں۔ اور یہ بنگارایا ملایو میری کتاب کا نام تھا جو اس نے نقل کر کے....''

مرسل نے اکتا کے ہاتھ اٹھایا۔

''تمہیں یہاں اپنے مسئلے سلجھانے نہیں بلایا میں نے۔ تم وہ لکھو جس کا حکم میں دے رہا ہوں۔ شکل کیا دیکھ رہے ہو؟ لکھنا شروع کرو۔'' اسے اشارہ کیا۔ عبداللہ بن ابو بکر نے گڑبڑا کے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر جلدی سے سر ہلا دیا۔

''جو بتا رہا ہوں اسے خوب سن لو اور سمجھ لو۔ آج تم کتاب میں ان صفحات کا اضافہ کرو گے۔ اور ظہر سے پہلے اسے دربار میں پڑھ کے سناؤ گے۔ دربار میں پڑھی کتاب سارے ملاکہ میں پھیل جاتی ہے۔''

مرسل نے واپس رخ فوارے کی طرف موڑ لیا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے وہ پانی کے اچھلتے قطروں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''لکھو کہ شہزادی کی آخری شرط پوری کرنے کے لئے مرسل شاہ نے خود اپنی جان لینے کی کوشش کی۔''

مورخ نے چونک کے سلطان کی پشت کو دیکھا۔ البتہ مشیر اور سپاہی نہیں چونکے۔ وہ سر جھکائے سپاٹ کھڑے رہے۔ سچ وہی ہوتا تھا جو سلطان کے منہ سے نکلتا تھا۔

''مگر جب وہ خنجر سے اپنی کلائی کاٹنے لگا تو شہزادی تاشہ اس کے کمرے میں آئی اور.....''

''گستاخی معاف آقا.... شہزادی تاشہ کیسے آئیں؟ بنا اجازت؟'' مورخ نے بات کاٹی تو مرسل کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''لکھ دو کہ جادو سے آئی۔'' وہ گرجا۔ ''اور اس نے کہا کہ اس نے یہ ناممکن شرط اس لئے رکھی تھی تاکہ سلطان انکار کر دے۔ یہ شادی ناممکن ہے۔ یوں اس نے سلطان کی جان بچا لی اور اسے خودکشی سے روک دیا۔ سلطان نے تاشہ کو آزاد کر دیا۔ اور اب ان دونوں کے راستے الگ ہیں۔''

سلطان نے گہری سانس لی۔ مورخ تیزی سے کاغذ پہ اہم نقاط نوٹ کررہا تھا۔ بار بار جھک کے درخت کے کنارے رکھی دوات میں قلم بھی ڈبوتا تھا۔

''مگر آقا....وہ آپ کے کمرے میں جادو کے ذریعے آئی؟''اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔ جادو سلطنت میں ممنوع تھا۔ اور سلطان مرسل جادوگروں کے کتنا خلاف تھا' سب جانتے تھے۔ پھر جادو کے لئے اس نے تاشہ کو کیسے معاف کردیا؟

مرسل ضبط سے پلٹا اور چبا چبا کے بولا۔''وہ کالے علم والی جادوگرنی کی طرح نہیں.... بلکہ کسی.... کسی نورانی علم والی ساحرہ کی طرح آئی تھی۔''

مورخ کی آنکھیں چمکیں۔''پسونا.....ایسی ساحرہ جس کا جادو خدا کا بخشا ہوتا ہے۔''

''ہاں ہاں یہی لکھ دو۔ اور شکل گم کرو۔''

(تاشہ پسونا۔ واہ۔ ایسے لقب پہ شہزادی اس کو انعام واکرام سے ضرور نوازے گی۔) مورخ جلدی جلدی چیزیں سمیٹنے لگا۔ اس نے شکل گم کرلی تو مرسل نے ہاتھ جھلا کے سب کو وہاں سے بھیج دیا۔ خود ایک دفعہ پھر وہ پانی کو دیکھنے لگا۔ مشیر خاصا بھی تک وہاں کھڑا تھا۔ وہ دھیرے سے گویا ہوا۔

''آقا.....آپ ناخوش لگ رہے ہیں۔''

''کیونکہ میں ناخوش ہوں۔''وہ برہمی سے بولا۔

''تو آپ نے شہزادی کو سزا کیوں نہیں دی؟ ان سے ہنسی خوشی علیحدگی کیوں اختیار کرلی؟''

مرسل نے عجیب سی نظروں سے مشیر کو دیکھا۔''تاکہ شک خود پہ آنے دوں؟''

''کس شے کا شک؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے.... ایک عورت مجھے یوں انکار کرے گی اور میں اسے جانے دوں گا؟ اونہوں۔''

مشیر کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔''آپ چاہتے ہیں کہ شہزادی تاشہ کو....''

''اس کو بھی اسی بچے کے پاس بھیج دو جس کے مرنے کا اسے بہت غم ہے۔ مگر کسی کو ہم پہ شک نہیں ہونا چاہیے۔''

وہ سرد انداز میں کہہ رہا تھا۔ مشیر نے تعظیماً سر جھکایا۔ پھر دھیرے سے بولا۔

''جو حکم' آقا۔'' پھر وہ ہچکچایا۔''میں نے سنا ہے کہ آج کل شہزادی زیادہ وقت بنداہارا کے غیر ملکی مشیر کے ساتھ گزارتی ہیں۔''

مرسل بری طرح چونکا۔''کون ہے وہ؟''

"وہی سیاہ قبا والا جو اس دن دربار میں بولا تھا....آپ کے سامنے۔ جو آج کل ہر جگہ بنداہارا کے ساتھ نظر آتا ہے۔"

"ہوں۔اس پہ نظر رکھو۔ مجھے دونوں کے پل پل کی خبر چاہیے۔"

مرسل کی سرد آنکھوں میں انتقام کے شعلے جلنے لگے تھے۔

☆☆=========☆☆

قدیم ملاکہ کے بازار میں معمول کی رونق اور چہل پہل تھی۔ بازار میں ایک جگہ چائے کے ڈھابے پہ مراد راجہ عوام کے درمیان بیٹھا ان کے مسائل سن رہا تھا۔ وہ عام لوگوں کے ساتھ خوش نظر آتا تھا۔اس کے مداحوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔لوگ اس سے گلہ کر رہے تھے کہ کیسے سلطان کے سپاہیوں نے سونے کے پُل کی تعمیر اور مچھر وغیرہ اکٹھے کرنے میں ساری دولت برباد کر دی تھی۔

وہاں سب کو سلطان سے شکوے تھے۔کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ شرائط تاشہ نے رکھی تھیں۔ جب سے یہ خبر پھیلی کہ سلطان اور تاشہ کے راستے الگ ہیں کیونکہ تاشہ نے یہ شرائط اس لئے رکھی تھیں تاکہ سلطان خود عقل کرے اور انکار کر دے تو سلطان مزید بے وقوف نظر آنے لگا تھا۔ اور تاشہ معتبر۔اس نے سلطان کے ہاتھوں ملاکہ کے عوام کی دولت مزید ضائع ہونے سے بچالی تھی۔وہ تاشہ پسونا کہلوائی جانے لگی تھی۔

اس وقت جب مراد لوگوں کے مسئلے سن رہا تھا' بنداہارا کے محل کے تہہ خانے میں الاؤ جل رہا تھا۔اس پہ ایک کڑاہی رکھی تھی جس میں کچھ پک رہا تھا۔دھواں اوپر اٹھتا اور روشن دان سے باہر نکل جاتا۔ کمرے میں چند ایک موم بتیاں جلی تھیں۔تالیہ بڑی سی ڈوئی کو کڑاہی میں چلا رہی تھی۔اور اس اٹھتی بدبُو سے منہ کے برے برے زاویے بناتی تھی۔

"آپ رہنے دیں' میں کرلوں گا۔آخر یہ میری دوا ہے۔" ایڈم بیساکھی کے سہارے چلتا قریب آیا تو وہ پلٹی۔

"اتنا تو میں کرسکتی ہوں تمہارے لئے۔" پھر اس نے میز پہ رکھے نسخے سے کچھ پڑھا۔اور ایک پیالے میں موجود شے کڑاہی میں انڈیل دی۔مائع کا رنگ بدلنے لگا۔

"ہم باری باری کرلیں گے۔ابھی بہت دن لگیں گے' بے تالیہ۔"

تالیہ نے گہری سانس لی' اور ایک کرسی کھینچ کے الاؤ کے قریب لائی۔ایڈم اس پہ بیٹھ گیا تو اس نے ایڈم کو ڈوئی تھما دی۔

"تم اس دوا کو پینے سے بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے' ایڈم۔" اس نے تسلی دی تھی۔

ایڈم زخمی سا مسکرایا۔"ہاں۔یہ میری واحد امید ہے۔"

"میں چلتی ہوں۔ مجھے کچھ اور کام کرنے ہیں۔" وہ ہاتھ پونچھتی دروازے کی طرف بڑھی۔تو ایڈم نے پکارا۔

''اگر میں واپس نہ جاسکا..تو میری ایک بات مانیں گی؟''

وہ دروازے کے قریب ٹھہر گئی۔ پھر دھیرے سے مڑی اور شکایتی نظروں سے ایڈم کو دیکھا۔''ایسے مت کہو۔''

''اگر میں واپس نہ جا سکا....''اس نے دہرایا....''تو آپ وان فاتح کو مجبور کیجئے گا کہ وہ اپنا استعفیٰ واپس لے لیں۔اور اپنے خوابوں سے دستبردار نہ ہوں۔''

''اب کیا فائدہ؟وہ تو استعفیٰ دے چکے ہیں۔''

''ہم بائیس جنوری....اتوار کے روز یہاں آئے تھے۔سوموار کی صبح ان کی سیکرٹری نے استعفیٰ جمع کروانا تھا۔وقت وہاں ٹھہرا ہوا ہے۔وہ واپس جاتے ہی اپنے استعفے کو خود پھاڑ سکتے ہیں۔''

تالیہ ایک دم چونکی۔''اوہ....یعنی ابھی تک کوئی نقصان نہیں ہوا۔فاتح اب بھی پارٹی چیئر مین ہیں۔''

''Technically speaking, yes!''ایڈم مسکرایا۔

''اگر میں ان کو راضی کرلوں تو وہ وزیراعظم کا الیکشن ضرور لڑیں گے۔''

وہ اتنی پر جوش تھی کہ تیزی سے باہر بھاگ گئی۔وقت ابھی ان کے ہاتھ سے نہیں نکلا تھا۔وہ فاتح کو اس کے خوابوں سے دستبردار ہونے سے روک سکتی تھی۔

☆☆==========☆☆

اتوار۔بائیس جنوری۔جونکر اسٹریٹ۔ملاکہ۔

گھڑیال کو دیکھتے ہوئے اس کے ذہن سے ایک اداس سا خیال گزرا۔

تب اسے لگا تھا وقت اس کے ہاتھ میں ہے....لیکن وقت کب کس کے ہاتھ آیا ہے؟

اس نے شاکی نظروں سے گھڑی کی سوئیوں کو دیکھا....اور پھر آگے بڑھ گئی....وہ ایک دفعہ پھر سے بازار کی رونق کی طرف جارہی تھی۔کوئی بھی چیز اسے یقین نہیں دلا پا رہی تھی کہ جو اس کے ساتھ ہوا وہ حقیقت تھی۔اسے اب بھی لگ رہا تھا کہ وہ ایک خواب ہے۔شاید بازار کی آوازیں اس کو جگا دیں۔اور سب پہلے جیسا ہو جائے۔وہ دونوں اس کو واپس مل جائیں۔

کتنی خوش تھی وہ اس دن جب اسے احساس ہوا تھا کہ وہ فاتح کو استعفیٰ دینے سے روک سکتی تھی۔جب سے اس نے استعفے کے بارے میں سنا تھا'اس کا دل بوجھل تھا۔فاتح اپنے خوابوں کو کیسے چھوڑ سکتا تھا؟لیکن اس روز تہہ خانے میں ایڈم نے اسے امید دلائی تھی۔وہ اس امید کا تعاقب کرتی فاتح کے پیچھے بازار تک گئی تھی۔

اس کا ذہن پھر سے قدیم ملاکہ کی طرف جانے لگا۔

☆☆=========☆☆

قدیم ملاکہ کا بازار معمول کی رونق سے معمور تھا۔

مراد راجہ اپنے 'عوام' میں گھرا باتوں میں مصروف تھا اور وان فاتح ایک دکان کے ساتھ کھڑا' چیزیں الٹ پلٹ کے دیکھ رہا تھا۔سیاہ قبا پہنے' سنجیدہ تاثرات چہرے پہ سجائے وہ گاہے بگاہے نظر اٹھا کے ہجوم کی طرف بھی دیکھ لیتا۔جب سے اس نے نکاح نامہ مراد کے حوالے کیا تھا' مراد نے چابی کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔اب اسے کیا کرنا چاہیے؟ وہی جو اس نے سوچ رکھا تھا یا کچھ اور؟

پھر جیسے ہلچل سی مچی۔دبی دبی سرگوشیاں بلند ہوئیں۔

اس نے چونک کے سر اٹھایا۔

دوسری طرف سے تالیہ چلی آرہی تھی۔

ہجوم دوسری جانب تھا۔اس لئے مراد یہاں متوجہ نہ ہوا۔البتہ لوگوں نے فوراً راستہ چھوڑ دیا تھا۔

وہ مسکراتی ہوئی اس کی طرف آئی ۔ سادہ لباس میں ملبوس' وہ سفید گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے تھی۔کوئی مصاحب یا کنیزیں ساتھ نہ تھی۔وہ اکیلی تھی پھر بھی لوگوں نے اسے پہچان لیا تھا۔

وہ اسے دیکھ کے مسکرا دیا اور اس کی طرف بڑھا۔دونوں ایک دکان کے چھپر تلے آمنے سامنے رک گئے۔

''شہزادی!''

اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی' ایک بچہ آگے آیا اور آہستہ سے مسکرا کے بولا۔''تاشہ پسونا۔'' تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا تو وہ شرما کے دکان میں واپس بھاگ گیا۔وہ مسکرادی اور بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

''مرسل شاہ نے مجھے مزید پاپولر بنا دیا ہے۔'' انگریزی میں بولی تو وہ بھی مسکرایا۔

''حالانکہ یہاں نہ انٹرنیٹ ہے نہ ٹی وی مگر خبر کتنی جلدی پھیلتی ہے۔''

تالیہ نے گردن دائیں بائیں گھمائی اور اس قدیم طرز کے بازار کو دیکھا۔

''شاید اسی لئے یہاں سکون ہے۔''

''سکون تو کہیں بھی نہیں ہے' شہزادی۔ ہر دور کے اپنے مسئلے ہوتے ہیں۔بس شور کم ہے۔'' ساتھ ہی فاتح نے ایک محتاط نظر دور موجود ہجوم پہ ڈالی۔مراد راجہ چائے پیتا' باتیں کرتا مصروف نظر آرہا تھا۔

''تم نے بتایا نہیں کہ مرسل شاہ نے شادی سے انکار کیسے کیا؟''

''تالیہ کے پلانز ہیں' تالیہ کی مرضی۔''اس نے مسکراہٹ دبا کے شانے اچکائے۔''میں نے اس کے ایک پہریدار کو خرید لیا تھا۔ وہ ہر رات اس کے بال کاٹ دیتا تھا۔ مرسل سمجھا میں وہاں آتی ہوں۔ وہ ڈر گیا۔ یہ کام آسان تھا ویسے۔ مجھے آپ سے شادی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' آخر میں چوٹ کی جسے وہ نظر انداز کر گیا۔

''یعنی یہ طے ہے کہ وہ جھوٹے صفحات ایڈم نے نہیں لکھے تھے۔ بلکہ نئے مورخ سے لکھوائے گئے تھے۔''

اردگرد سے گزرتے چند لوگ تالیہ کو مسکرا کے دیکھتے گزر رہے تھے۔ ان کی رحم دل شہزادی جب بھی بازار سے گزرتی تھی' کسی کو کچھ دے کر ہی جاتی تھی۔

''اس قلعے کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟''

''نہیں۔'' فاتح نے افسوس سے سر ہلایا۔''بہت کوشش کی مگر کوئی نہیں جانتا وہ کس کا ہے۔ کسی سرکاری دفتر میں اس زمین کی تفویض کا کاغذ تک نہیں ہے۔''

''آپ مجھے اس قلعے میں لے جائیں۔''

''تمہیں؟''وہ حیران ہوا۔

''ہاں۔ میں اس کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ شاید دو دماغ زیادہ بہتر کھوج لگا سکیں۔''

فاتح نے ایک نظر مجمعے کو دیکھا' اور پھر سر اثبات میں ہلایا۔''میں اپنا گھوڑا لاتا ہوں۔''

چند ثانیے بعد وہ دونوں آگے پیچھے وہاں سے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ مراد راجہ بظاہر لوگوں سے محوِ گفتگو تھا مگر کنکھیوں سے اسے سارا منظر بخوبی دکھائی دے رہا تھا اور اس کے چہرے پہ پھیلتی ناپسندیدگی واضح تھی۔

☆☆=========☆☆

چند میل کا یہ فاصلہ آج جلد طے ہو گیا تھا۔ سارا راستہ وہ خاموش رہے تھے۔ سوائے کسی ضروری بات کے' ان کے درمیان الفاظ کا تبادلہ نہیں ہوا تھا۔

سرسبز ٹیلوں کے درمیان دور سے وہ قلعہ دکھائی دینے لگا تو تالیہ نے اپنا گھوڑا روکا' اور نیچے اتری۔

''پیدل چلتے ہیں۔''وہ اس سے بات کرنے کا موقع تلاش کر رہی تھی۔ اور کم از کم اس ویران قلعے میں وہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''تمہیں کچھ کہنا ہے۔''وہ چند ثانیے بعد خود ہی بول اٹھا۔ وہ دونوں اپنے اپنے گھوڑوں کی لگامیں تھامے' ساتھ ساتھ روش پہ چل رہے تھے۔

''کیا آپ وہ سن سکتے ہیں جو مجھے کہنا ہے؟''اس نے پونی ہاتھ سے کھینچ اتاری تو سیاہ بال آزاد ہو گئے اور ہوا سے پیچھے کو اڑنے لگے۔

''تم واپس نہیں جانا چاہتیں؟''سرسبز اونچے نیچے ٹیلوں کے درمیان بنی خاکی روش پہ وہ آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

''ظاہر ہے میں جانا چاہتی ہوں۔''وہ برا مان گئی۔''لیکن آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''میں نے کہا نا' میں تمہیں اس الزام سے بچا لوں گا۔ میں ایک وکیل بھی ہوں۔ تمہارا کیس لڑوں گا۔''

''اور خود کو بچانے کے لئے کیا کریں گے؟''

وہ چونکا۔ پھر رک گیا۔ لگام چھوڑ دی اور اس کی طرف پورا مڑ گیا۔

''میرے اوپر صرف اثاثے چھپانے کا الزام تھا۔ میں نے اخلاقی جواز پہ استعفیٰ دیا تھا۔ ملائیشیاء میں سیاستدانوں کا اثاثے چھپانا قانوناً نہیں' اخلاقاً جرم ہے۔ مجھے کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔ پھر مجھے کیوں خود کو بچانا ہوگا؟''

''آپ کا استعفیٰ ابھی تک کارمن کے پاس ہے۔ اس نے جمع نہیں کروایا۔''

وان فاتح رامزل کے تاثرات ایک دم سخت ہو گئے۔''تم چاہتی ہو کہ میں استعفیٰ واپس لے لوں؟''

''میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنے خوابوں سے دستبردار نہ ہوں۔''

فاتح نے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گیا۔

روش سامنے قلعے تک ختم ہوتی تھی۔ شام کی ٹھنڈی چھایا سارے پہ پھیلی تھی۔ دور دور تک سبزہ اور درمیان میں یہ پراسرار قلعہ....بے حد حسین منظر تھا۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے آئی۔

''آپ کا جرم اتنا بڑا نہیں تھا۔''

''میں نے دعویٰ کیا تھا....کہ اثاثے نہیں چھپاؤں گا پھر بھی بے پرواہی میں' میں اس اخلاقی جرم کا مرتکب ہوا ہوں۔''

''ہم سب زندگی میں بڑی بڑی باتیں کہتے ہیں۔ مگر ہم سب ان کو پورا نہیں کر سکتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ خود کو سزا دیں۔''

''مگر میں باقی لوگوں جیسا نہیں تھا۔ میں لیڈر تھا۔ میں اب اس کرسی کا اہل نہیں رہا۔''

''آپ صرف معذرت بھی تو کر سکتے ہیں۔ قوم سے معافی مانگ لیں۔ اور بس۔''

''بغیر استعفیٰ کے معذرت کی کوئی اخلاقی حیثیت نہیں ہوتی۔''وہ تیز تیز چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''کیا آپ کے بعد آنے والے آپ سے بہتر ہیں؟ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں فاتح کہ وہ آپ سے بہتر ہیں تو آپ کا استعفیٰ

عظمت کا ثبوت کہلائے گا۔لیکن اگر حقیقت اس کے برعکس ہے تو آپ کا استعفیٰ بزدلی ہے۔حقیقت سے فرار ہے۔"

وہ ٹھہر گیا اور گردن موڑ کے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"جس وقت لوگوں کو آپ کی ضرورت تھی' آپ نے ان کو چھوڑ دیا اور ملک کو ناخلف جانشینوں کے حوالے کر دیا۔مرسل شاہ جیسے لوگ پردھان منتری بن جائیں گے۔کیا آپ اس بوجھ کے ساتھ زندگی گزار سکیں گے؟"

بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا۔پھر وہ قلعے کی جانب بڑھ گئی۔اس کا سفید گھوڑا پیروی میں پیچھے چلنے لگا جبکہ فاتح کا گھوڑا گھاس میں ادھر ادھر منہ مارنے لگا تھا۔

قلعہ پراسرار اور ویران ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورت بھی تھا۔اس کی دیواریں اونچی تھیں۔سرمئی پتھروں اور لکڑیوں کی بنی دیواریں۔صحن کے احاطے میں جنگلی گھاس پھوس اُگا تھا مگر وہ بہت بڑا نہ تھا۔ایک طرف لکڑی جلانے کا سامان رکھا تھا اور وسط میں جلی بجھی لکڑیوں کی سیاہی بتاتی تھی کہ یہاں الاؤ جلایا گیا تھا۔

تالیہ نے اپنے گھوڑے کی لگام احاطے کے کونے میں باندھی اور خود اطراف کا جائزہ لیتی آگے بڑھنے لگی۔

"تو تم یہاں قلعہ دیکھنے نہیں آئی تھیں؟ تم مجھ سے یہ بات کرنے آئی تھیں؟" وہ چوکھٹ پہ کھڑا غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

شہزادی نے پلٹ کے اسے دیکھا اور مسکرا کے پلکیں جھپکائیں۔

"بات کرنے کے لئے اتنی پرسکون جگہ اور کہاں ملے گی' فاتح صاحب؟" اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک تھی۔

"شاید یہی وہ معمہ تھا۔" وہ چونک کے بولا۔"یہ بات کرنے کے لئے بہترین جگہ ہے۔خفیہ باتوں کے لئے....." اس کی نظریں گھاس پہ ایک جگہ جلی ہوئی لکڑیوں پہ پڑیں۔"ایک آدمی خود اپنے لئے اتنا بڑا الاؤ نہیں جلاتا۔یہاں ایک سے زیادہ لوگ بیٹھتے ہوں گے۔"

"یعنی.....سن باؤ یہاں کسی سے ملتا تھا۔اس کا کوئی خفیہ گروہ تھا۔"

وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا گھاس کو غور سے دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔"کوئی ایسا خفیہ گروہ جو سلطان سے چھپا ہوا ہو اور اس کے آشکار ہونے سے سن باؤ ڈرتا ہو۔مگر یہ قلعہ.....یہ کس کا ہے؟" وہ پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا اور جلی ہوئی لکڑیوں کو آگے پیچھے کیا۔

"یہ سن باؤ کا گھر ہے۔" وہ جس انداز میں بولی' وہ چونکا۔گردن اٹھا کے دیکھا تو وہ ایک دیوار کے کونے میں کھڑی تھی۔فاتح کی طرف پشت تھی اور دیوار پہ ہاتھ سے کچھ ٹٹول رہی تھی۔اس کی آواز میں حیرت تھی۔

"یہ وہی دیوار ہے جو میں نے خواب میں دیکھی تھی۔اس پہ تاشہ کے بارے میں ایک نظم لکھی تھی۔مگر....." وہ تعجب سے پلٹی

اور خالی احاطے کو دیکھا۔" یہ دیوار سن باؤ کی حویلی کا حصہ تھی۔ میں نے مجسمہ دیکھا تھا اور کنواں بھی۔ یہ دونوں الگ الگ چیزیں تھیں مگر میں نے ان کو خواب میں اکٹھے دیکھا تھا جس کا مطلب ہے کہ....."

"کہ یہ دونوں سن باؤ کی ملکیت ہیں۔" وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے سیدھا ہوا۔" کیا وہاں کچھ لکھا ہے؟"

تالیہ نے گردن جھکا کے غور سے دیکھا۔شام ڈوب رہی تھی' اور نیلا اندھیرا چھانے لگا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا دیوار پہ کچھ لکھا ہے' مگر پڑھا نہیں جا رہا تھا۔

دیا سلائی رگڑنے کی آواز آئی اور پھر وہ قریب آیا۔اس کے ساتھ کھڑے فاتح نے سلگتی ہوئی تیلی دیوار کے قریب کی۔

ایک لمحے کے لئے تالیہ نے نہیں دیکھا کہ دیوار پہ کیا تھا۔

زندگی ایک لمحے کے لئے کتنی خوبصورت تھی نا۔ وہ ہر مسئلے سے آزاد تھے۔ ساتھ تھے۔ دنیا کے شور ہنگامے سے دور.....اپنے گھوڑوں کے ساتھ اس خوبصورت قلعے میں....

شعلہ پوری تیلی کو کھا گیا تو فاتح نے اسے گرا دیا۔ روشنی بجھی تو وہ چونکی۔

"نہیں۔ یہ نظم نہیں ہے۔ یہ لکیریں ہیں۔" وہ دوسری تیلی رگڑ رہا تھا۔تالیہ نے سر جھٹکا اور توجہ دیوار کی طرف مرکوز کی۔ ابھی مسئلے ختم نہیں ہوئے تھے۔ ابھی وہ خوش نہیں ہو سکتی تھی۔

"ہر سات لکیروں کو کاٹا گیا ہے۔ یہ دنوں کا حساب ہے۔ ہفتوں کا۔"

"ہاں۔قدیم زمانے میں لوگ اسی طرح دن گنتے تھے۔ یہ دیکھو۔ آخری....(اس نے گنا) آخری ساٹھ دنوں کے اوپر کاٹا نہیں گیا۔"

"یعنی سن باؤ اور اس کے ساتھی جو بھی پلان کر رہے ہیں' اس کے وقوع پذیر ہونے میں ساٹھ دن رہتے ہیں۔"

"شاید اس سے کم۔ کیونکہ ہمارے چھاپے کے بعد سن باؤ ادھر نہیں آیا اور جتنے دن گزرے وہ اس نے نہیں کاٹے۔اب سوال یہ ہے کہ سن باؤ کے ساتھی کون ہیں اور وہ کیا پلان کر رہے ہیں؟"

وہ مڑ گیا اور لکڑیوں کی طرف آیا۔ پھر جھک کے انہیں اٹھانے لگا۔

"آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"آگ جلا رہا ہوں۔ کیا تمہیں اندھیرے میں بیٹھنا ہے؟" اس کی غائب دماغی پہ اسے ٹوکا تو اس نے خفت سے سر جھٹکا۔

"اب آپ سن باؤ کے خلاف کیا کریں گے؟"

قلعے کے احاطے میں الاؤ جل رہا تھا اور وہ دونوں پتھروں پہ اس کے گرد بیٹھے تھے۔ رات پوری طرح پھیل چکی تھی۔

وہ تھوڑی دیر کے لئے مشعلیں لئے اندر گئے تھے اور کھنڈر کمروں کا جائزہ لیا تھا۔ وہ ان چھوئے لگتے تھے۔ گویا سن باؤ کے ساتھی صرف احاطہ استعمال کرتے تھے۔

''مجھے معلوم ہے مجھے سن باؤ کا کیا کرنا ہے۔'' وہ اب مطمئن تھا جیسے اسے معلوم ہو وہ سن باؤ کو کیسے استعمال کر سکتا تھا۔

''آپ کو میرے ساتھ نہیں آنا چاہیے تھا۔'' وہ شکوہ کرتے ہوئے بولی۔

''نہیں میرا کوئی خاص کام نہیں تھا آج۔ راجہ بھی مصروف تھے سو میں آ گیا۔''

''میں وقت کے اس سفر کی بات کر رہی ہوں۔''

''مجھے معلوم ہے تم کیا بات کر رہی ہو۔''

اور پھر سے دونوں کے درمیان ایک شکوہ کناں خاموشی حائل ہو گئی۔ آگ سے لال انگارے چیخ چیخ کے اڑتے فضا میں گم ہونے لگے۔

''آپ مجھ سے چاہتے ہیں کہ میں واپس جا کے حالات کا مقابلہ کروں۔ اور خود آپ اپنے لوگوں سے فرار حاصل کر رہے ہیں۔''

''میں فرار نہیں حاصل کر رہا۔'' وہ تیزی سے بولا۔ ایسا لگتا تھا اس نقطے پہ وہ ڈسٹرب ہوتا ہے۔

تالیہ نے اپنی مسکراہٹ چھپالی۔ اسے وان فاتح کی دکھتی رگ مل گئی تھی۔

''یہ فرار ہی ہے۔ آپ اپنے لوگوں کو نااہل اور ناخلف جانشینوں کے سپرد کر کے فرار ہو چکے ہیں' وان فاتح۔'' وہ اس رگ کو مزید دبا رہی تھی۔ ''آپ نہیں ہوں گے تو اشعر وزیر اعظم بن جائے گا۔ وہ ملک کو تباہ کر دے گا۔ اس کا ذمے دار لوگ آپ کو سمجھیں گے۔''

''میں خود کو اس عہدے کا اہل نہیں سمجھتا۔''

''تو خود کو اہل بنائیں۔ مقابلے سے بھاگیں تو نہیں۔''

''میں نے بھرے مجمعے میں دعویٰ کیا تھا کہ میں نے کبھی کوئی اثاثہ نہیں چھپایا۔ میری سزا ہے کہ.....''

''ہم سب نے بہت سزا کاٹی ہے' فاتح۔ بہت بڑی سزا۔ اب ان سزاؤں کو بند ہو جانا چاہیے۔'' وہ ناگواری سے بولی۔ ''میں اپنے جرائم سے بھاگتے بھاگتے تھک چکی ہوں۔ میں واپس جاؤں گی' اس الزام کو فیس کروں گی اور آزادی حاصل کروں گی۔ آپ واپس جائیں' اس اخلاقی جرم کے بوجھ سے چھٹکارا پائیں اور اپنے مقصد کی طرف لوٹ جائیں۔ آج

کے بعد ہم میں سے کوئی اپنے خوابوں پہ سمجھوتہ نہیں کرے گا۔''

کوئی سلگتی لکڑی زور سے چٹخی۔لال انگارے اڑاڑ کے فضا میں گم ہونے لگے۔

وہ خاموش ہو گیا اور سر نیچے گرادیا۔پھر کافی دیر بعد اس نے چہرہ اٹھایا اور پوچھا۔

''کیا میرے عوام بھی تمہاری طرح سوچیں گے؟ کہ میں فرار ہو رہا ہوں؟''

اس کے چہرے سے لگتا تھا وہ ہرٹ ہوا ہے۔اس کا سوال سادہ تھا۔کسی حد تک معصوم بھی۔

اور اس لمحے تالیہ کو احساس ہوا کہ سب سے اونچی کرسی والا بھی سب کچھ نہیں جانتا ہوتا۔اسے بھی بہت سی باتیں دوسروں سے پوچھنی پڑتی ہیں۔یا شاید کوئی بھی سب کچھ نہیں جانتا ہوتا۔

''جی۔وہ یہی سوچیں گے۔''اس نے سر ہلایا۔پھر ٹھہر کے بولی۔''کیا میرے الفاظ آپ کو تکلیف دے رہے ہیں؟''

الاؤ کے پار بیٹھا فاتح مسکرایا۔

''ایک آدمی تھا.....تمہاری طرح کا.....وہ ایک تتلی کے بچے کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔''وہ کہنے لگا اور وہ دلچسپی سے وان فاتح کی ایک نئی کہانی سننے لگی۔

''تتلی کا ننھا بچہ اپنے cocoon (حفاظتی ریشمی خول) میں بند تھا۔اس نے دیکھا کہ وہ باہر نہیں آپا رہا۔اسے بہت کوشش کرنی پڑ رہی ہے..تو اس آدمی نے احتیاط سے اس 'کوکون' کو کاٹ کے کھول دیا اور تتلی کا بچہ باہر آ گیا۔اسے لگا اس نے اسے تکلیف سے بچایا ہے مگر.....''اس نے افسوس بھری سانس کھینچی۔

''اس بچے کے پنکھ چھوٹے تھے اور مکمل طور پہ بن نہیں سکے تھے سو وہ جلدی مر گیا۔جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ اگر وہ کوکون سے نکلنے کے لئے خود اسٹرگل کرتا تو اس کے پروں تک خوراک پہنچتی۔وہ انہیں زور لگا کے پھیلاتا تو وہ مضبوط بنتے۔وہ اپنے زور پہ باہر آتا تو صحت مند ہوتا۔''وہ اداس مسکراہٹ سے کہہ رہا تھا۔

''ہماری پریشانیاں بھی ہمارا کوکون ہوتی ہیں۔ان سے نکلنے کے لئے تکلیف ہمیں ہی اٹھانی پڑتی ہے۔میں تمہاری باتوں کی تکلیف سے نہیں ڈرتا۔تم نے اچھا کیا مجھ سے سچ بولا۔جھوٹ بول کے'کسی کو تکلیف سے بچا کے خود ہی اس کا کوکون کھول دینا ٹھیک نہیں ہوتا۔اس لئے اپنے دوستوں کو ان کے حصے کی تکلیف کاٹنے دینی چاہیے۔''

وہ پھیکا سا مسکرائی۔وان فاتح کے سارے فلسفے ایک طرف'وہ جانتی تھی وہ اپنی باتوں سے اسے دکھ دے گئی ہے۔وہ اپنی طرف سے اخلاقی بنیاد پہ قربانی دے رہا تھا لیکن دنیا والے ایسی قربانیوں کی قدر نہیں کرتے تھے۔

''تمہیں کیا لگتا ہے میرا وہ فیصلہ غلط تھا؟ اس کی وجہ سے میری یادداشت واپس آئی تھی۔'' وہ آگ کو دیکھتے ہوئے یاد کر

کے بولا۔

''سارے کھیل وقت کے ہیں' فاتح۔اس وقت وہ درست فیصلہ تھا۔آپ نے اس کو لینے کی جراءت کی' یہ بہت بڑی بات تھی۔لیکن وقت نے آپ کو سوچنے کا موقع دیا ۔ ہماری دنیا میں وقت آپ کے اگلے اور بہتر فیصلے کے لئے ٹھہرا ہوا ہے۔''

وہ صرف مسکرا دیا۔نجانے راضی ہوا تھا یا نہیں۔فی الحال کے لئے اتنا بہت تھا۔

''اگر ہمارا پلان کامیاب ہو جائے تو ہم بہت جلد واپس جا سکیں گے۔'' فاتح نے بات بدل دی۔

''کیا بابا ہمیں اتنی آسانی سے جانے دیں گے؟''

''میں ہر چیز ٹھیک کرلوں گا۔'' وہ رکا۔'' بنگارا یا ملایو کے مطابق شہزادی تاشہ کے کردار کا انجام کیا ہوا تھا؟ یاد ہے؟''

''ہوں۔''اس نے مڑ کے اس دیوار کو دیکھا جس پہ کوئی نظم نہ لکھی تھی۔'' سلطان نے جب شہزادی سے راستہ الگ کیا تو شہزادی کی ملاقات برونائی کے ایک جلاوطن شہزادے سے ہوئی تھی۔''

''برونائی کا ولی عہد۔رائٹ۔'' فاتح نے یاد کر کے سر ہلایا۔

''جی۔برونائی کے مرحوم بادشاہ کا بیٹا جو پناہ کی غرض سے ملاکہ آیا تھا۔مراد راجہ کا مہمان بنا اور شہزادی کو دیکھتے ہی (پلکیں سادگی سے جھپکائیں اور مسکراہٹ دبائی۔)اس کے عشق میں گرفتار ہو گیا۔شہزادی کو بھی وہ پسند آ گیا سو دونوں نے شادی کر لی۔''

''واٹ اے ٹریجڈی۔'' وان فاتح نے ناگواری سے کندھے اچکائے اور گردن موڑ لی۔

''مگر تم نے کہا تھا اس دیوار کی نظم میں شہزادی کی غلام سے شادی کا تذکرہ تھا۔''

''وہ نظم بنگارا یا ملایو میں نہیں ہے۔وہ میں نے صرف خواب میں دیکھی تھی۔ بنگارا یا ملایو کے مطابق شہزادی کی شادی برونائی کے ولی عہد سے ہوئی تھی۔''

فاتح نے سنجیدہ مگر ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔بولا کچھ نہیں۔

''برونائی کے ولی عہد اور شہزادی تاشہ شادی کے بعد برونائی کے لیے بحری سفر پہ روانہ ہو گئے۔راستے میں ایک روز شہزادی ایک جادوئی سوئی سے کڑھائی کر رہی تھی جب ولی عہد اس کے پاس آیا۔شہزادی نے منع کیا کہ اس کے ہاتھ میں جادوئی سوئی ہے' اس لئے وہ قریب نہ آئے مگر ولی عہد نے اسے مذاق سمجھا۔یوں ہنسی مذاق میں ولی عہد کی پسلی میں سوئی چبھ گئی۔اور وہ فوراً سے نیلا پڑ گیا۔چند لمحوں میں اس کی موت واقع ہو گئی۔شہزادی اس واقعے سے اتنی دل برداشتہ ہوئی کہ اس نے اپنی زندگی ختم کر لی۔یوں اس بحری سفر سے وہ کبھی واپس نہیں آئی۔''

''شہزادی کو کیا ضرورت تھی جادوئی سوئی سے کڑھائی کرنے کی؟ اور غلطی سے کسی کی پسلی میں سوئی کیسے چبھ سکتی ہے؟ سو اسٹوپڈ۔'' اس نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

''ویسے اگر کسی دن آپ کو بابا نے کسی نئے مہمان سے متعارف کروایا اور کہا کہ یہ برونائی کا ولی عہد ہے تو آپ کیا کریں گے؟.....''

''میں کہوں گا کہ یہ بہت جلد مرنے والا ہے۔ اب چلو' ہمیں دیر ہو رہی ہے۔''

وہ اکتا کے کہتا اٹھا' اور لباس جھاڑا۔ تالیہ کے لبوں سے مسکراہٹ جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔

''بھلے وہ آخر میں مر گیا ہو.... لیکن بنگارایا ملایو کہتی ہے کہ شہزادی اس کی محبت میں واقعی گرفتار ہوئی تھی۔''

وہ اسے مزید برہم کرنے کے لئے کہہ رہی تھی۔ مگر اندر سے وہ جانتی تھی کہ یہ ساری کہانی فرضی تھی اور یقیناً سلطان کے نئے مورخ نے لکھی تھی۔

واٹ اے ٹریجڈی۔

☆☆=========☆☆

جس وقت وہ دونوں بنداہارا کے محل میں واپس آئے' اس نے حرم کے دروازے پہ تالیہ کو الوداع کہا اور خود محل کے اس حصے کی جانب بڑھ گیا جہاں اس کا کمرہ تھا۔ گھوڑا راستے میں سائیس کے حوالے کر کے وہ ابھی راہداری میں داخل ہی ہوا تھا کہ دیکھا' مراد راجہ کا ایک سپاہی سامنے سے چلا آ رہا تھا۔

''وان فاتح۔'' اسے دیکھ کے وہ اطلاع دینے والے انداز میں بولا۔ ''صبح محل میں مقررہ وقت سے پہلے پہنچنا ہے۔''

''کوئی خاص بات ہے کیا؟''

''ہاں۔ راجہ نے کہا ہے کہ کچھ مہمان آئے ہیں۔ ان کا تعارف کروانا ہے آقا سے۔'' پھر چہرہ قریب کیا اور سرگوشی میں بتایا۔ ''سنا ہے برونائی کا ولی عہد بھی آ رہا ہے۔''

وان فاتح کے تاثرات سپاٹ ہو گئے۔ ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''برونائی کا جلاوطن شہزادہ؟''

''ہاں۔ راجہ نے کہا ہے کہ سارے شہر میں خبر پھیلا دی جائے کہ برونائی کا جلاوطن شہزادہ ہمارے محل میں قیام کرے گا اور دربار کا حصہ ہو گا۔''

''دیکھیں گے۔'' وہ ناگواری سے کہتا آگے بڑھ گیا۔

ایک عجیب سی بے چینی نے اسے آن گھیرا تھا۔

اس نے اپنا نکاح نامہ مراد راجہ کو دے دیا تھا۔اس کے پاس اپنے اور تالیہ کے تعلق کا کوئی ثبوت نہ تھا۔راجہ اس خوش فہمی میں تھا کہ تالیہ ہمیشہ اس کے پاس رہے گی۔کیا اسی لئے وہ اب غیر ملکی امیر زادوں کو ملاکہ مدعو کر رہا تھا؟

☆☆==========☆☆

کال کوٹھڑی میں جڑی بوٹیوں کی عجیب سی مہک پھیلی تھی۔نہ خوشبو تھی۔نہ بدبو۔بس ایسی بُو جسے پہلے چند لمحوں کے لئے برداشت کرنا مشکل لگتا۔پھر اس کی عادت ہو جاتی۔

ایڈم بن محمد کڑاہی کے قریب بیٹھا اس میں ڈوئی ہلا رہا تھا۔ ہر چند ثانیے بعد ڈوئی ہلا کے رکھ دیتا اور گود میں رکھی کتاب کھول لیتا۔وہ نڈھال سا لگتا تھا اور جسم پسینے میں بھیگا تھا۔

اندھیر کمرے کی ڈیوڑھی کے قریب ایک مشعل جل رہی تھی۔اس کی روشنی مطالعے کے لئے کافی تھی۔

''کیا پڑھ رہے ہو؟'' آواز پہ وہ ڈر کے پلٹا۔پھر گہری سانس لی۔

''قدیم ملے شاعری کی کتاب ہے۔اور کیا آپ دستک دے کر نہیں آ سکتیں؟''

مگر وہ مزے سے وہ چوکی کھینچ کے اس کے قریب بیٹھی اور دبے دبے جوش سے بتانے لگی۔

''میں نے فاتح سے بات کی ہے۔ان کے استعفے کے بارے میں۔''

''کیا وہ اسے واپس لے لیں گے؟''

تالیہ نے انگلی تھوڑی پہ رکھ کے سوچا۔''شاید ہاں۔وہ چپ ہو گئے تھے۔یعنی وہ اس بارے میں سوچنے لگے ہیں۔یہ پراگریس ہے۔''

''یہی ان کے لیے بہتر ہے۔وہ اس کرسی کے اہل ہیں۔''

''اگر وہ وزیر اعظم بن گئے تو کیا میں اور وہ کبھی ایک ہو سکیں گے'ایڈم؟'' کڑاہی میں ابلتے مائع کو دیکھتے ہوئے وہ گم صم سے انداز میں بولی۔ایڈم چند لمحے تک اسے دیکھتا رہا۔

''آپ نے تو ان سے کہا تھا کہ آپ ہماری دنیا میں بھی ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں۔''

''میں تالیہ ہوں۔کیا میں نے کبھی اتنی آسانی سے سچ بولا ہے؟'' وہ تنک کے بولی تو وہ مسکرا دیا۔

''آپ ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہیں؟ باوجود اس کے کہ دنیا والے آپ کی اس شادی کو کبھی قبول نہیں کریں گے؟''

''ہاں۔مجھے اپنی دنیا میں واپس اس لیے جانا ہے کہ وہاں فاتح ہوں گے۔''

ایڈم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ''آپ صرف ان کے لیے واپس جانا چاہتی ہیں؟''

''میراان کے علاوہ وہاں اور کون ہوگا؟ مگر میں ابھی تک ان سے ہمارے تعلق کے بارے میں بات نہیں کرسکی۔ کیا کروں؟''

''آپ یہ مشورہ کسی اور سے نہیں مانگ سکتیں کیا؟'' وہ برہمی سے کہہ کے سامنے دیکھنے لگا۔

''میرے پاس تمہارے علاوہ کوئی اور ہے کیا؟'' وہ برامان کے بولی تو ایڈم چپ ہوگیا۔

وہ بھی کیا کرتا؟ اس موضوع پہ وان فاتح سے بات کرنا جتنا تکلیف دہ تھا' تالیہ سے بات کرنا زیادہ کٹھن تھا۔ جس کو آپ پسند کریں' وہ آپ کے سامنے کسی اور کی بات کرے' کیسا اذیت ناک احساس تھا مگر اسے اپنا وقار بھی نہیں کھونا تھا۔ اس لئے ....گہری سانس لی اور تحمل سے کہا۔

''تو آپ ان سے خود کیوں نہیں پوچھ لیتیں کہ آپ ان کی زندگی میں کہاں کھڑی ہیں؟''

''میں needy اور desperate نہیں لگنا چاہتی۔ یاد کرو' میرے بابا کے ساتھ اس قدیم دنیا میں رہنے کے فیصلے کا مطلب تھا میں فاتح کو چھوڑ رہی ہوں۔''

''اور ایڈم کو بھی۔'' اس نے یاد دلایا۔ اسے ہمیشہ اپنا آپ یاد دلانا پڑتا تھا۔ مگر وہ اپنی کہہ رہی تھی۔

''اتنے دعوے کر کے اب میں ان کو کیسے کہوں کہ میں ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔''

''آپ میں سے کسی کو انا کی دیوار گرانی پڑے گی۔'' اس نے جھک کے ڈوئی اٹھائی اور اسے کھولتے ہوئے کاڑھے میں چلانے لگا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے؟ وہ دنیا کے سامنے مجھے اپنی بیوی کہہ سکیں گے؟''

ایڈم نے ڈوئی چلاتے ہوئے اسے دیکھا اور اداسی سے مسکرایا۔

''وہ آپ کو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔''

''کیا واقعی؟ تو پھر وہ کبھی کچھ کہتے کیوں نہیں ہیں؟''

''پہلے تو ان کی یادداشت واپس نہیں آئی تھی۔ مگر جب انہیں یہ تعلق یاد آیا تو آپ انہیں وقت کے سفر پہ لے آئیں۔ اور اپنا فیصلہ بھی سنا دیا کہ آپ انہیں چھوڑ رہی ہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر وہ آپ کے ساتھ آئے ہیں تو اس کا اور کیا مطلب ہے؟ وہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ رہیں' چے تالیہ۔ آپ کو ان سے کھل کے بات کرنی چاہیے۔ کھل کے بات کر لینا ہمارے اکثر مسائل سے نکلنے کا راستہ ہوتا ہے۔''

''تھینک یوُ اَیڈم۔ میرا دل تم سے بات کر کے ہمیشہ ایسے ہی ہلکا ہو جاتا ہے۔'' وہ مسکرا دی۔

''دوست اسی لیے ہوتے ہیں۔'' وہ مسکرا کے کہتا' اپنی کتاب لیے اٹھ گیا۔ اس کا دل پہلے سے زیادہ بوجھل ہو گیا تھا۔

تالیہ ڈوئی سنبھال چکی تھی۔ ان دونوں نے اپنی باریاں مقرر کر رکھی تھیں اور سختی سے اس پہ کاربند تھے۔

☆☆=========☆☆

اس صبح سلطنت محل کے دربار کے دروازے کھلے تھے اور تمام شرکاء اندر کی طرف جا رہے تھے۔ برآمدے میں چند افراد سلطان مرسل کے منتظر کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک مراد راجہ بھی تھا جو اپنے غیر ملکی مہمانوں کے ساتھ مصروف نظر آتا تھا۔

یہ برونائی کے چند تاجر تھے۔ شاہانہ قباؤں میں ملبوس' نگینوں والی انگوٹھیاں پہنے' وہ مسکرا کے مراد کی کسی بات پہ سر ہلا رہے تھے۔ وان فاتح ایک ستون کے ساتھ کھڑا چبھتی نظروں سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

ان میں سے ولی عہد کون تھا؟ یہ سب ادھیڑ عمر یا عمر رسیدہ لگتے تھے۔ اس نے سنا تھا کہ برونائی کے بادشاہ نے اپنے ایک بیٹے کو جلاوطن کر دیا ہے۔ وہ اصل ولی عہد تھا اور گزشتہ چند ماہ سے گمنامی کی زندگی گزار رہا تھا۔ کیا مراد نے اسے ملاکہ بلوا لیا تھا؟ کہیں مراد اس سے شہزادی کی شادی کا ارادہ تو نہیں رکھتا؟

یہ خیال سیاہ قبا میں ملبوس تنہا کھڑے وان فاتح کا مزاج مزید خراب کر رہا تھا۔

دفعتاً مراد نے اسے اشارے سے قریب بلایا۔ فاتح سنجیدہ چہرے کے ساتھ ان کے قریب جا کھڑا ہوا۔ مراد نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ بس مہمانوں سے بات کرتا رہا۔

دفعتاً نقارہ بجا۔ ہٹو بچو کی صدا بلند ہوئی اور جھٹ سب قطار بنا کے کھڑے ہو گئے۔ مرسل شاہ تشریف لا رہا تھا۔

ان کے قریب وہ رکا۔ یہ قطار غیر معمولی تھی۔ مراد نے بات کرنے کی اجازت طلب کی۔

''آقا!'' تعظیم پیش کرنے کے بعد مراد نے سر اٹھایا۔ ''یہ میرے مہمان ہیں۔ برونائی سے آئے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ ان کے بارے میں سوال کر رہے ہیں' اس لئے سوچا ان کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔''

مرسل کے تاثرات بدلے۔ وہ مسکرایا۔ ''کیا برونائی کا جلاوطن ولی عہد ہمارے ملک میں ہے؟'' سرسری نگاہ اس وفد پہ ڈالی۔

''جی آقا۔ یہ شمس الدین ہے' برونائی کا جلاوطن ولی عہد۔'' مراد راجہ نے کہتے ہوئے ہاتھ سے وان فاتح کی طرف اشارہ کیا۔

سب کی نگاہیں اس اشارے کی سمت اٹھیں۔

فاتح رامزل اپنی جگہ سن ہو گیا۔

مرسل نے اسے دیکھا تو چہرے کے زاویے بدلے۔ ''اچھا۔ تو تمہارا مشیر برونائی سے تعلق رکھتا ہے۔ تم نے پہلے ذکر نہیں کیا۔'' اس کی سرد آنکھیں فاتح پہ جمی تھیں۔ وہ جو چونک کے مراد کو دیکھنے لگا تھا' سنبھل کے سیدھا ہوا اور سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔

''آپ نے سوال نہیں کیا تھا' آقا۔ ملکہ نے ویسے بھی غیر ملکی مشیروں سے کام لینے کا جو رواج ڈالا ہے' مجھے لگا اس پہ عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور شمس الدین اپنی شناخت خفیہ رکھنا چاہتے تھے۔''

''ہوں۔ اچھا لگا تم سے مل کے۔''

مرسل شاہ آگے بڑھ گیا۔ دوسرے لوگ بھی اس کے ہمراہ ہو گئے۔ وہ دونوں تنہا رہ گئے تو فاتح کا ضبط جواب دے گیا۔

''آپ نے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولا؟'' اس کے انداز میں برہمی تھی۔

''کیونکہ اگر تم بھرے بازار میں شہزادی کے ساتھ گھومتے نظر آؤ گے تو تمہارے بارے میں سوال اٹھیں گے۔ مجھے ان کا جواب دینا تھا۔ سلطان کے کارندے بھی ٹوہ لینے لگے ہیں۔ اور کیا کہتا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ کسی دوسری دنیا سے؟ یہ تاجر میرے جاننے والے ہیں۔ یہ راز کو راز رکھیں گے۔''

''اور اگر اصلی ولی عہد آ گیا؟''

''کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ سلطان مرسل چند دن کا مہمان ہے؟ چند دن کے لئے اس کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔''

فاتح نے ضبط کا تلخ گھونٹ اندر اتار لیا اور خاموش ہو گیا۔ لیکن پھر وہ دربار میں نہیں گیا۔ وہ اس وقت تازہ ہوا میں رہنا چاہتا تھا۔

وہ گھوم کے محل کے پچھلے حصے میں آ گیا۔ یہاں درختوں کے درمیان مصنوعی فوارہ ابل رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آیا' اور جھک کے چلو بھر پانی بھرا۔ پھر اسے چہرے پہ ڈالا۔ یہ عمل کئی دفعہ دہرایا یہاں تک کہ گریبان بھیگ گیا۔

ملاکہ آنے کے بعد اور اس سے پہلے وہ مختلف قسم کے احساسات سے گزرا تھا۔ مگر یہ احساس سب سے عجیب تھا۔

(برونائی کے ولی عہد کی موت شہزادی تاشہ کے ہاتھوں ہوئی تھی۔)

اس نے سر جھٹک کے اس خیال کو بھی جھٹکنا چاہا مگر اب یہ آسان نہ تھا۔ یہ ایسے تھا جیسے گردن کی پشت پہ کوئی بچھو دھیرے دھیرے چل رہا ہو۔

جیسے رات کو کمرے کے باہر قدموں کی چاپ مدھم آواز سنائی دیتی ہو۔

جیسے کوئی بلا تعاقب میں ہو.....

وہ آستین سے چہرہ پونچھتے ہوئے مڑا تو ٹھٹک گیا۔

سامنے سن باؤ کھڑا تھا۔ چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

''برونائی کا ولی عہد؟ مراد راجہ نے اچھی کہانی گھڑی ہے لیکن میں تمہاری حقیقت جانتا ہوں۔'' وہ طنز سے کہتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اب وہ دونوں درختوں کے درمیان آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''میں نے مراد راجہ کی چند چیزوں کی تلاشی بھی لی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس لوگوں کو مستقبل کے زمانے میں بھیجنے کا جادو ہے۔ تم.... تم مستقبل سے آئے ہو اور تم ہم سب کا مستقبل بھی جانتے ہو۔''

''بس؟ یہی معلوم ہوا ہے تمہیں؟ اگر تم مجھ سے مہذب انداز میں پوچھتے تو میں خود ہی بتا دیتا۔ تم نے ایسے ہی وقت ضائع کیا' سن باؤ۔'' وہ ہنس دیا تھا۔ جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑا ہو۔ ''میں چھ سو برس بعد کے زمانے سے آیا ہوں۔''

سن باؤ کی چھوٹی آنکھیں برہمی سے مزید چھوٹی ہوئیں۔

''تم نے ملکہ کو دھمکی دی۔ پھر میرے پیچھے آئے۔ اس وقت سے ڈرو وان فاتح' جب ہم تمہارے پیچھے آئیں گے۔''

فاتح آرام سے فوارے کی منڈیر پہ بیٹھا اور سر اٹھا کے سن باؤ کو دیکھا۔ پیچھے فوارے سے آتے چھینٹے اس کی پشت پہ ٹھنڈی پھوار کی طرح برسنے لگے۔

''ہمارے زمانے میں ایک محاورہ بولا جاتا ہے' وانگ لی۔ کہ پھندا صرف تب تک پھندا ہوتا ہے جب تک آپ کو اس کے بارے میں معلوم نہ ہو۔ جب معلوم ہو جائے تو وہ پھندا نہیں رہتا۔ وہ مقابلہ بن جاتا ہے۔ مجھے مقابلے کب برے لگے ہیں؟'' مسکرا کے شانے اچکائے۔

وانگ لی نے بس طنزیہ مسکرا کے ہنکارا بھرا اور مڑ گیا۔

اس کے جاتے ہی فاتح کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی۔ برونائی کے ولی عہد کا انجام پھر سے یاد آنے لگا تھا۔

☆☆=========☆☆

محل کی پشت پہ حرم کا برآمدہ بنا تھا جس میں شاہانہ طرز کی کرسیاں لگی تھیں۔ ملکہ یان سوفو وہاں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ کنیزیں اور غلام اردگرد مستعد کھڑے تھے۔ ملکہ کا لباس گلابی تھا اور پیالی پہ بھی گلابی رنگ کے نقش و نگار بنے تھے۔ اس کا پیالی تھامنے کا انداز بھی محبت لئے ہوئے تھا۔ یہ اس کے چین سے لائے خاص برتن تھے۔ اور ان کے ساتھ ملکہ کے جذبات جڑے

تھے۔

وہ مسکرا کے نقش و نگار کو دیکھ رہی تھی جب کنیز نے کھنکھار کے اطلاع دی۔

''وان فاتح آیا ہے۔ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔''

یان سوفو چونک کے سیدھی ہوئی۔ پیالی سامنے رکھ دی۔ چہرے کا رنگ بدلا مگر گردن کڑا دی۔ ''ہاں اسے بھیجو۔ اور اس کے ہوتے ہوئے ہمہ وقت سپاہی یہاں تعینات رہیں گے۔''

''درست' ملکہ۔ مگر وہ نہتا ہے۔ اس کے پاس اسلحہ تک نہیں ہوتا۔''

''جو کہا ہے وہ کرو۔''

وہ جب برآمدے کے زینے چڑھ کے سامنے آیا تو یان سوفو نے دیکھا' وہ مزید مختلف نظر آنے لگا تھا۔ اس نے کرتے پاجامے پہ نفیس سی سیاہ قبا پہن رکھی تھی اور ایک آزاد رئیس نظر آتا تھا۔ یہ وہ غلام نہیں تھا جسے وہ چند ماہ پہلے ملی تھی۔

دور دور تک سپاہی تعینات کھڑے اسے گھور رہے تھے۔ فاتح نے ایک نظر ملکہ کو دیکھا' سر جھکا کے تعظیم پیش کی اور مسکرایا۔

''ان کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''اور میں تم سے تنہائی میں بات کیوں کروں گی؟ اس روز کی دھمکی یاد ہے مجھے' ولی عہدِ برونائی۔'' وہ طنز سے بولی۔

فاتح نے ایک تہہ شدہ کاغذ نکال کے کنیز کی طرف بڑھایا۔ کنیز نے جھٹ اسے ملکہ کے سامنے کیا۔

یان سوفو نے اسے گھورتے ہوئے کاغذ کی تہیں کھولیں۔ پھر اسے پڑھا۔

پھر چونک کے سامنے کھڑے مرد کو دیکھا۔

''ہمیں اکیلا چھوڑ دو۔'' سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ وان فاتح کا مدعا سننے کے لئے تیار تھی۔

☆☆=========☆☆

وانگ لی کی سرخ حویلی دوپہر کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ وانگ لی کی سواری ابھی ابھی وہاں آن کے رکی تھی اور وہ گھوڑے سے اتر رہا تھا۔ چونکہ کافی فربہ تھا' اس لئے اترنے کے بعد پہلے اپنا سانس بحال کیا' پھر چغہ درست کیا' پھر دروازے کی طرف بڑھا۔ دفعتاً ٹھٹک کے رکا۔

سامنے ملکہ کا قاصد منتظر کھڑا تھا۔

''سن باؤ۔ میں محل میں آپ کو ڈھونڈ نہیں پایا۔ ملکہ نے آپ کو طلب کیا ہے۔'' ساتھ ہی اس نے ایک مہر بند خط اس کی طرف بڑھایا۔ وانگ لی نے تیزی سے اسے تھاما۔ ملکہ کی خاص مہر توڑی اور خط نکالا۔

''وانگ لی.....غلام فاتح میرے پاس آیا تھا اور جو اس نے مجھے تمہارے خفیہ قلعہ کے بارے میں بتایا ہے' اس کے بعد سے میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔ اپنا سامان سمیٹو اور ملاکہ سے کوچ کر جاؤ۔''

وانگ لی کی رنگت پھیکی پڑی۔ اس نے کاغذ جیب میں ڈالا اور جلدی سے گھوڑے کی طرف لپکا۔ ''ملکہ محل میں ہیں؟''

''نہیں۔ وہ اپنے دو چینی سپاہیوں کے ہمراہ کہیں روانہ ہوئی ہیں۔ معلوم نہیں کہاں۔''

''یعنی فاتح نے ان کو اس قلعے کا پتہ دے دیا ہے۔'' اس نے تیزی سے گھوڑے کا رخ موڑا اور اسے ایڑھ لگا دی۔ گھوڑا اب سرپٹ دوڑتا' دھول اڑاتا دور جا رہا تھا۔ اسے جلد از جلد اپنی ملکہ کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنی تھی۔

ابھی شام نہیں اتری تھی جب وانگ لی اونچے نیچے سبز ٹیلوں کے درمیان بنے قلعے کی سڑک تک آ پہنچا۔ قلعے کے باہر ملکہ کے دو سپاہی کھڑے تھے۔ اسے آتے دیکھ کے انہوں نے راستہ دیا۔ وہ تیزی سے نیچے اترا اور دروازے کی طرف بھاگا۔

صحن کی چوکھٹ پہ وہ ٹھٹک کے رکا۔ ملکہ کہیں نہیں تھی۔

مگر سامنے وان فاتح کھڑا تھا۔

اور اس کے پیچھے بنداہارا کے مسلح سپاہی گھوڑوں پہ موجود تھے۔

وانگ لی چونک کے پلٹا مگر اب چند سپاہی جانے کہاں سے نکل کے اس کے عقب میں آ کھڑے ہوئے تھے۔

''ملکہ کہاں ہیں؟'' اس نے بظاہر رعب دار آواز میں پوچھا۔

فاتح نے مسکرا کے اسے مخاطب کیا۔

''تمہیں ملکہ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے' سن باؤ۔ وہ اس قلعے کے بارے میں ابھی کچھ نہیں جانتیں۔''

''وہ خط.....وہ سپاہی؟'' وانگ لی کا سانس اٹک گیا۔

''میرے لئے ملکہ کے تین چینی سپاہی خریدنا یا شہزادی تاشہ کے لئے جعلی خط تیار کرنا قطعاً مشکل کام نہیں ہے۔ تم ہمیں نہیں جانتے' وانگ لی۔''

کھیل سمجھتے ہی وانگ لی کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ اسے سمجھ نہیں آیا وہ کیا کہے۔

''یہاں ہر طرف بنداہارا کے سپاہی ہیں۔ تمہارا گھوڑا بھی وہ تحویل میں لے چکے ہیں۔ یہاں سے بھاگنے کا بھی فائدہ نہیں۔ اس لئے بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔ کرسی میز پہ۔ میرے ملک کے لوگوں کی طرح۔''

نرمی سے کہہ کے فاتح نے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

وانگ لی نے آستین سے ماتھے پہ آیا پسینہ پونچھا۔ چند لمحے وہ متامل رہا۔ پھر قلعے کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ

گیا۔ فاتح اس کے پیچھے آیا۔

اندر ایک ویران کمرہ بنا تھا۔ وہاں ایک میز کے گرد دو کرسیاں رکھی تھیں۔ کمرے میں کوئی مشعل نہ تھی البتہ کھڑکی سے آتی دن کی روشنی کافی تھی۔

''تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟'' وانگ لی بیٹھتے ساتھ ہی بے چینی سے بولا۔

''کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تم یہاں کس طرح کے لوگوں سے ملتے ہو۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھا اور مسکرا کے اسے دیکھا۔

''تم چینی باغیوں کے ایک گروہ کی سرپرستی کر رہے ہو جو شاہِ چین کا تخت چھیننا چاہتے ہیں۔ تم یان سوفو کے باپ سے غداری کر رہے ہو۔''

وانگ لی میز پہ مٹھیاں رکھے آگے ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''تم حبِ وطنی کے بارے میں کیا جانتے ہو' غلام فاتح؟''

''اوہ.. تم خود کو محبِ وطن کہہ رہے ہو؟''

''میں غدار نہیں ہوں۔ جو کر رہا ہوں' اپنے ملک کے لئے کر رہا ہوں۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔ اس نے نہ تردید کی نہ کوئی صفائی دی۔ ''تم ملکہ کو بتا کے مجھے چوک میں پھانسی دلوانا چاہتے ہو.. تو ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔''

''تم نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میرے پاس اس الزام کا کیا ثبوت ہے؟''

''تمہیں ثبوت کی کیا ضرورت ہے؟ تم بندا ہارا کے مشیر ہو اور میں ٹھہرا ایک غیر ملکی۔ میرے قول پہ تمہارے الزام کو ہمیشہ فوقیت دی جائے گی۔'' وانگ لی نے شانے اچکا دیے۔ فاتح چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

''تمہارا ذکر تاریخ کی کتابوں میں پڑھا ہے میں نے۔ چھ سو سال بعد کے زمانے میں بھی تمہارا مجسمہ اور تمہارا گھر لوگوں نے محفوظ کر کے رکھا ہے۔''

وانگ لی اپنی جگہ بالکل ساکت ہو گیا۔ ''تم کہہ رہے ہو کہ میرا ذکر صدیوں بعد بھی محفوظ رہے گا؟''

''ہاں۔ اور میں نے اپنے باپ سے کہہ کے تمہاری سرخ حویلی خریدی تھی۔ جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ اس میں ایک مجسمہ تھا۔ سن باؤ وانگ لی کا مجسمہ۔ میں وانگ لی کا بچپن سے پرستار تھا۔ میں نے تاریخ کی کتابوں میں اس کا ذکر اچھے الفاظ میں پڑھا تھا۔'' وہ زخمی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا اور وانگ لی سکتے میں چلا گیا تھا۔

''مجھے کیسے معلوم کہ تم سچ کہہ رہے ہو؟''

فاتح نے شانے اچکا دیے۔ ''کیا میں نے آج تک تم سے کوئی جھوٹ بولا ہے؟ کیا میں نے تمہاری جان نہیں بچائی

تھی؟ ہم ایک دوسرے کے مخالف ہو چکے ہیں' لیکن میں اب بھی جھوٹ نہیں بولتا۔ تمہیں تاریخ شاہِ چین کے وفادار غلام کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے گی۔''

کافی دیر تک اس ویران قلعے میں سناٹا چھایا رہا۔

''تم مجھ سے کیا چاہتے ہو' غلام فاتح؟''

''میرے پاس دو راستے ہیں۔ میں یا تو ملکہ کو تمہاری اصلیت بتا دوں کیونکہ جس بغاوت کو تم اٹھا رہے ہو' یہ بہت جلد شاہ چین کا تختہ الٹ دے گی۔ یہ معلوم ہونے پہ ملکہ تمہیں مروا دے گی۔ اور دوسرا راستہ.....'' فاتح نے گہری سانس لی اور لمحے بھر کے لئے آنکھیں بند کیں۔

(وہ کم عمر لڑکا سرخ اینٹوں والے فرش پہ اکڑوں بیٹھا تھا اور گردن اٹھائے اس مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔

اس کا باپ اس کے قریب جھکا کہہ رہا تھا۔

''یہ وانگ لی ہے۔ ایک جری مرد۔ حالانکہ وہ ایک تائی ژان (مخنث غلام) تھا مگر بہت سے مردوں سے بہتر تھا۔ وہ شاہ چین کا سب سے وفادار غلام تھا۔ جب چین میں بغاوت اٹھی' تو وانگ لی وہاں نہیں تھا۔ ہوتا تو اپنے بادشاہ کو بچا لیتا۔''

''وہ کہاں تھا' بابا؟''

''اس کو ملاکہ کے بنداہارا نے کسی قلعے میں دیکھا اور اس کا کوئی راز پا لیا۔ وانگ لی عزت دار آدمی تھا۔ اس نے توہین کروانے کی بجائے اپنے عہدے سے استعفیٰ دیا اور چپ چاپ ایک سمندری سفر پہ روانہ ہو گیا جس سے وہ واپس نہیں آیا۔ کہتے ہیں کہ اس کی موت اسی ساتویں بحری سفر کے دوران واقع ہو گئی تھی۔'')

''دوسرا راستہ یہ ہے کہ.....'' فاتح نے پلکیں اٹھائیں اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''میں تمہیں رسوا نہ کروں اور تمہیں محفوظ راستہ فراہم کروں۔ تم استعفیٰ لکھ دو اور اپنے ملک واپس چلے جاؤ۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ تم اپنے بادشاہ سے غداری کر رہے تھے۔ تمہارا نام تاریخ میں اچھے الفاظ سے لکھا جائے گا۔''

''میرے ساتھ بھلائی کر کے تمہیں کیا ملے گا؟'' سن باؤ نے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تمہارے جانے سے میرے چند کام آسان ہو جائیں گے۔''

''تم اور مرادراجہ مرسل شاہ کے خلاف بغاوت تیار کر رہے ہو۔ میں جانتا ہوں۔ اگر میں یہاں رہوں گا تو اس بغاوت کو روک دوں گا۔ لیکن تم مجھے پھانسی چڑھوا کے بھی راستے سے ہٹا سکتے ہو۔ پھر محفوظ راستے کا مقصد؟''

فاتح نے آزردہ مسکراہٹ کے ساتھ کندھے اچکائے۔ ''ایک پرانے دوست کے لئے میں اتنا کر سکتا ہوں۔''

''میں اور تم کبھی دوست نہیں رہے۔''

''ایک دوسری دنیا میں تم میرے لئے ایک پرانے دوست کی طرح ہی تھے۔''

چند لمحے دونوں کے درمیان بوجھل خاموشی چھائی رہی۔

''کیا واقعی شاہِ چین کے خلاف بغاوت کامیاب ہوجائے گی؟'' وہ غور سے فاتح کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''ہاں۔''

''اور اگر میں نے محفوظ راستہ نہ لیا تو تم مجھے گرفتار کر کے پھانسی چڑھوا دو گے؟''

''بالکل۔''

وانگ لی نے گہری سانس لی۔ ''میرے پاس محفوظ راستے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے' غلام فاتح۔ میں عزت سے اپنے ملک واپس جانا چاہتا ہوں۔''

فاتح نے کرسی دھکیلی اور اٹھا۔ ''میرے سپاہی تمہارا سامان سمیٹنے سے بندرگاہ تک تمہارے ساتھ رہیں گے تاکہ اگر تم کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کرو تو وہ تمہیں روک سکیں۔ تم ملکہ سے ملے بغیر یہاں سے چپ چاپ روانہ ہوجاؤ گے۔''

وہ سپاٹ انداز میں کہہ کے دروازے کی طرف بڑھا جب سن باؤ نے پکارا۔

''اگر تم واقعی مستقبل کے زمانے سے آئے ہو تو مجھے بتاؤ..... چین واپس جا کے میرے ساتھ کیا ہوگا؟''

فاتح کے قدم وہیں زنجیر ہوگئے۔ پھر اس نے گہری سانس اندر کھینچی۔

''تم کبھی ملاکہ واپس نہیں آؤ گے۔ میں بس اتنا بتا سکتا ہوں۔''

وانگ لی نے شانے اچکائے۔ ''مجھے نہیں معلوم تم سچ بول رہے ہو یا جھوٹ۔ لیکن میں واپس چین جانا چاہتا ہوں۔''

وانگ لی کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا۔ مرنے سے یہی بہتر تھا۔

مگر اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کبھی بھی چین نہیں پہنچ پائے گا۔

☆☆=========☆☆

اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔

وہ انسانوں کے ہجوم کی درمیان میں سر جھکائے چل رہی تھی۔ پیر اٹھاتی کہیں تھی۔ وہ پڑتا کہیں تھا۔ کبھی ذہن یہ سوچنے لگتا کہ وہ اب کیا کرے۔ کبھی وہ گزرے واقعات کو یاد کرنے لگ جاتی۔

اسے وہ دن یاد آیا جب فاتح نے اسے تنبیہہ کی تھی۔ وہ درست کہہ رہا تھا۔ اس کی ایک لمحے کی خطا اتنا بڑا نقصان کر سکتی

تھی۔ کیسے۔۔۔۔اس سے کیسے ہوئی یہ غلطی؟ سب کچھ ٹھیک جا رہا تھا۔ ہر چیز پلان کے مطابق جا رہی تھی۔۔۔پھر۔۔۔۔وہ کیسے ایک لمحے کے لیے ہر شے سے غافل ہو گئی؟

چلتے چلتے وہ ایک دفعہ پھر اسی کافی شاپ کے دروازے تک آ رکی۔ باریستا نے اس کی طرف دیکھا تو مسکرا کے استقبالیہ انداز میں اندر آنے کو کہا۔ وہ گم صم سی اسے دیکھنے لگی۔ پھر اندر داخل ہو گئی۔

''کیا اب آپ کچھ لیں گی؟'' وہ اس کے قریب آ کے بولا۔ کچھ دیر پہلے وہی تھا جس کے سامنے وہ روئی تھی۔ اور پھر شاپ سے باہر نکل گئی تھی۔ باریستا کو ابھی تک سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ تنہا' اداس سی لڑکی اتنی عام سی بات پہ کیوں رونے لگ گئی تھی۔ البتہ اب وہ بہتر لگ رہی تھی۔ آنکھیں خشک تھیں۔ اور انداز گم صم سا تھا۔

''میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ میں۔۔۔۔میں دور سے سفر کر کے آئی ہوں۔ اکیلی ہوں۔'' وہ اٹک اٹک کے کہہ رہی تھی۔

''فکر نہ کریں۔ ایک کپ ہمارے اوپر ہے۔ آیئے۔''

وہ اسے ایک میز تک لے آیا۔ اس سے من پسند کافی پوچھی اور خود واپس کاؤنٹر کی طرف چلا گیا جہاں دو تین گاہک آن کھڑے ہوئے تھے۔

وہ شیشے والے دروازے کے ساتھ بیٹھی' گم صم سی باہر دیکھ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

باغ کے سرسبز درختوں کے درمیان وہ ایزل اور کینوس سیٹ کیے' پینٹ کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ رنگ کے دھبے انگلیوں اور بازوؤں پہ بھی لگے تھے۔ وہ گردن جھکائے مسکراتے ہوئے رنگ بھر رہی تھی جب آہٹ پہ چونکی۔ سر اٹھایا تو دیکھا' وہ سامنے سے چلا آ رہا تھا۔

آج اس نے بھورا کرتا پاجامہ پہن رکھا تھا۔ سیاہ قبا ندارد تھی۔ اسے دیکھ کے تکان سے مسکرایا۔

''آپ تھکے تھکے لگتے ہیں' ولی عہد بروناٸی۔''

''سن باؤ کو روانہ کر کے آیا ہوں۔ ساتھ میں شاہی مورخ کو وہ سب بھی لکھوایا ہے جو ہم نے کتاب میں پڑھا تھا۔ سن باؤ عزت سے ہماری کہانی سے الگ ہو چکا ہے۔ اور ثابت ہوا کہ اس قصے کو ایڈم نے نہیں' میں نے کتاب کا حصہ بنایا تھا۔''

تالیہ برش رکھنے لگی تو وہ بے دھیانی سے ہاتھ سے پھسل گیا۔

''ان اوزاروں کے ساتھ احتیاط کیا کریں' شہزادی۔ آپ کی ذرا سی غلطی کسی کی جان لے سکتی ہے۔'' اس کے انداز میں جانے کیا تھا' تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''اوہ پلیز' فاتح ۔ مجھے اب اس کتاب کے ایک لفظ پہ بھروسہ نہیں ہے۔'' وہ برا مان گئی۔ ''میں آپ کی جان نہیں لوں گی۔ بے فکر رہیں۔''

''معلوم نہیں کیا حقیقت ہے' کیا فسانہ ہے۔'' فاتح نے شانے اچکائے۔ وہ اس بارے میں نہیں سوچنا چاہتا تھا۔

''آپ نے اپنے استعفے کے بارے میں کیا فیصلہ کیا؟'' کچھ دیر بعد وہ دونوں ساتھ ساتھ باغ کے درمیان روش پہ چل رہے تھے جب تالیہ نے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔''

''اور ہمارا رشتہ؟ اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں معلوم؟''

اس نے کہہ ڈالا۔ بنا کسی تاثر کے۔ سپاٹ سے انداز میں۔ مگر فاتح کے قدم رک گئے۔ وہ اس کی طرف مڑا اور چونک کے اسے دیکھا۔

''میں سوچتا تھا یہ آسان ہوگا۔''

''تعلق توڑنا؟'' اس کا دل زور سے دھڑکا۔

''اونہوں۔ استعفیٰ دے کر تمہارے ساتھ زندگی گزارنا آسان ہوگا۔ میرے اوپر سے ذمہ داریوں اور خوابوں کا بوجھ ختم ہو جائے گا۔ میڈیا مجھ سے جواب طلبی نہیں کرے گا۔ میں جس کے ساتھ چاہوں رہ سکوں گا۔ ایک پرسکون پرائیوٹ لائف۔''

وہ چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکی۔ وہ واقعی ان دونوں کے بارے میں سوچتا تھا؟

''لیکن؟'' تالیہ نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔

''لیکن اگر میں اپنے عہدے پہ قائم رہا' تو میں کیسے دنیا کو سمجھاؤں گا کہ میری ایک دوسری بیوی بھی ہے جو.....''

''جو میری پہلی بیوی کی قاتل ہے۔'' وہ برہمی سے بولی۔ فاتح نے گہری سانس لی۔

''نہیں۔ جو مجھ سے عمر میں بیس سال چھوٹی ہے اور جو مجھ سے بہت مختلف ہے۔''

''آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں؟'' اسے یقین نہیں آیا تھا۔

''ہاں۔ اپنے لئے نہیں۔ نہ ہی اس بات سے کہ عصرہ کی موت تازہ ہے' یا میرے دو بچے ہیں۔ میں تمہارے لئے ڈرتا ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ''تم اس دن درست کہہ رہی تھیں۔ اگر تم مجھ سے تعلق کے حوالے سے تم لائم لائٹ میں آئیں تو میڈیا تمہیں Home wrecker ثابت کرے گا۔ عصرہ کے قتل کا الزام سب کو سچ لگے گا۔ وہ تمہاری کردار کشی کریں گے۔ وہ تم پہ اتنا کیچڑ اچھالیں گے کہ میں برداشت نہیں کرسکوں گا۔'' وہ دکھ سے کہہ رہا تھا۔

تالیہ چند لمحے اس کی آنکھوں کو دیکھتی رہی۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"تم نے کہا تھا کہ تم میرے ساتھ نہیں رہنا چاہو گی کیونکہ اس طرح سب تمہیں قصوروار کہیں گے۔"

"مجھے معلوم ہے میں نے کیا کہا تھا۔" وہ تیزی سے بولی۔ "کچھ اختلافات انسان رد کیے جانے کے لئے پیش کرتا ہے۔ لیکن میں آپ سے پوچھ رہی ہوں کہ "آپ" کیا چاہتے ہیں؟ کیا آپ مجھے چھوڑنا چاہتے ہیں؟"

تالیہ کو محسوس ہوا کہ اس کی آنکھیں بھیگ رہی ہیں۔ اسی لئے وہ انہیں جھپک نہیں رہی تھی۔

"کوئی تالیہ مراد کو کیسے چھوڑ سکتا ہے؟"

وہ مسکرا کے بولا اور ایک لمحے کے لئے اس کی ساری مسافتیں انجام کو پہنچیں۔

ساری ریاضتوں کا پھل مل گیا۔

اس کی آنکھ کے کنارے سے پانی کا قطرہ نکلا اور نیچے لڑھک گیا۔

"مگر....."

(ایک تو یہ مگر!)

"مگر اس روز جو کچھ تم نے کہا.....ان باتوں نے میرے لئے یہ فیصلہ مشکل بنا دیا ہے۔"

"اور میں نے ہی کہا تھا کہ میں آپ کے ساتھ واپس جانا چاہتی ہوں۔ کیا آپ میرے ساتھ رہنا چاہیں گے؟"

وہ درختوں کے درمیان آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"اگر مجھے تمہارے ساتھ نہ رہنا ہوتا تو میں اپنی "دنیا" چھوڑ کے تمہارے لئے یہاں نہ آتا۔"

اور تالیہ کو اپنے سارے جواب مل گئے تھے۔ وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہو کے مسکرا دی۔

"لیکن آپ اپنا استعفیٰ واپس لیں گے۔" یہ سب کہنا آسان ہو گیا تھا۔

وہ چپ ہو گیا۔ "اگر میں دوبارہ اپنے کیریئر کی طرف گیا تو تمہارے لئے زندگی مشکل ہو جائے گی۔"

"ہو جائے۔" وہ ابھی تک مسکرا کے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"اور تم میرے سب مسئلوں میں آخر تک میرے ساتھ رہو گی؟"

"میں نے آپ سے بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ اگر سارے ملائیشیاء میں کوئی آپ پہ یقین کرنے کو تیار نہ ہو تب بھی میں وہ واحد انسان ہوں گی جو آپ کے ساتھ کھڑی ہوں گی۔ کیا آپ کو اب بھی تالیہ کی ہمت پہ شک ہے؟"

"ہم اسی لئے یہاں کھڑے ہیں کیونکہ تمہارے اعصاب عصرہ کے قتل کا الزام نہیں سہہ سکے تھے۔"

"مگر میں نے سبق سیکھ لیا ہے۔ وہ میری غلطی تھی۔ اب میں اس کو نہیں دہراؤں گی۔"

وہ کچھ کہے بنا آگے بڑھ گیا تو وہ اس کے پیچھے آئی۔

"اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے تھے تو اتنا عرصہ مجھے بتایا کیوں نہیں اور...."

وہ گھوم کے اس کے سامنے آنے لگی جب ایک عجیب سی آواز آئی۔

زن سے ایک تیر قریبی درخت میں پیوست ہوا۔

تالیہ تیزی سے نیچے ہوئی۔ یکے بعد دیگر تیر چل رہے تھے اور درختوں میں پیوست ہو رہے تھے۔

چند لمحے کے لئے اس کا ذہن بالکل سُن ہو گیا۔ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ فاتح اس کے ساتھ زمین پہ جھکا ہوا ہے۔ وہ اس کو نیچے رہنے کا کہہ رہا ہے اور پھر چلا چلا کے سپاہیوں کو بلا رہا ہے.... عجیب خوف زدہ کر دینے والی گھڑی تھی وہ.... وہ چہرے کے سامنے بازوؤں کی قینچی بنائے، سر نیہوڑائے بیٹھی رہی۔

"دو حملہ آور تھے آقا۔ سپاہیوں کے آتے ہی بھاگ گئے۔ اور محل میں کہیں گم ہو گئے۔ یا کیا معلوم باہر نکل چکے ہوں۔"

اس نے سر اٹھایا تو ارد گرد جھمگھٹا لگ چکا تھا۔ مراد راجہ کی پریشان اور غصیلی شکل سب سے پہلے نظر آئی۔

مراد نے ہاتھ سے اسے سہارا دیا تو وہ اس کے سہارے سے اٹھی، پھر اس کے کندھے سے لگ کے کھڑی ہو گئی۔

"یہ زہر میں بجھے تیر تھے۔" فاتح نے ایک تیر درخت کے تنے سے کھینچ نکالا اور پہلے اس کے پھل کو دیکھا۔ پھر نظر اٹھا کے مراد کو۔

"درختوں کے باعث وہ نشانہ نہیں لے سکے۔ عجلت میں لگتے تھے۔ مگر وہ ڈرانے نہیں مارنے آئے تھے۔"

"مجھے کوئی کیوں مارنا چاہے گا؟" وہ دھیمی آواز میں بولی۔ "اب تو ہر چیز ٹھیک ہو چکی ہے۔"

"کیا واقعی؟" فاتح ابھی تک تیر کے پھل کا معائنہ کر رہا تھا۔

مراد کے ماتھے پہ شکنوں کا جال بچھا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور خود ان کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ فاتح نے اسے کہنی سے تھاما اور اسے لیے محل کی طرف چل دیا۔ وہ پریشان لگتا تھا۔

وہ بھی قدرے شل سی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ انتہائی صدمے سے وہ سنبھل چکی تھی لیکن تعجب ابھی تک برقرار تھا۔

"مجھے کون مارنا چاہے گا؟" اور ذہن مزید بیدار ہوا تو صبح کے سویرے کی طرح دماغ کے خانوں میں روشنی بھرنے لگی۔

"ظاہر ہے وہ شخص جس کی گردن پہ تم نے چاقو رکھا تھا۔" وہ غصے سے بولا۔ اس کی کہنی اس نے اس کے کمرے کے

دروازے تک پہنچ کے چھوڑی تھی۔

''اب تم یہیں رہو گی۔ اندر۔ سپاہیوں کے حصار میں۔'' وہ فکرمندی اور برہمی سے کہہ رہا تھا۔'' ہر چیز ہمارے منصوبے کے مطابق جا رہی ہے۔ ہم ذرا سی غلطی بھی نہیں افورڈ کر سکتے تالیہ۔''

تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جب محبت کو پا لینے کی امید بندھ جائے تو جان جانے کا خوف کتنا بڑھ جاتا ہے۔
وہ بہت بہادر تھی۔ آج وہ ڈر گئی تھی۔

''وہ مجھے نہیں مار سکتا۔ آپ فکر نہ کریں۔'' اس نے فاتح سے زیادہ خود کو تسلی دی۔ وہ پلٹنے لگا جب وہ ایک دم بولی....

''اگر اس نے مجھے مار دیا....اور میں آپ کے ساتھ واپس نہ جا سکی.....تو؟''

وہ آہستہ سے پلٹا اور افسوس سے اسے دیکھا۔'' کیا تم کوئی اچھی بات نہیں کہہ سکتیں؟''

''اگر میں آپ کے ساتھ واپس نہ جا سکی تو آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں۔ نہیں مجھے ایسے نہ دیکھیں۔ میری بات سنیں۔ آپ کو میری بات ماننی ہو گی۔''

''کہو۔''

''مجھے کچھ بھی ہو جائے....لیکن آپ اپنے خوابوں سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ آپ اپنا استعفیٰ واپس لیں گے اور اس عہدے تک پہنچیں گے جو برسوں سے آپ کا خواب تھا۔ آپ ایسا کریں گے نا' فاتح؟''

وہ مشعلوں سے روشن قدیم راہداری میں کھڑے تھے۔ ان کے سائے دیوار پہ پڑ رہے تھے اور ماحول میں ان جانا سا خوف در آیا تھا۔

''میں استعفیٰ واپس لے لوں گا۔ اور ہم تینوں ایک ساتھ واپس جائیں گے۔ میں'' یہ'' وعدہ کرتا ہوں۔''

تسلی دلانے والے انداز میں کہہ کے فاتح نے اسے اندر جانے کو کہا اور خود آگے بڑھ گیا۔

☆☆==========☆☆

آدھی رات کو شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں مدھم بتیاں جلتی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ بستر پہ چت لیٹی چھت کو دیکھ رہی تھی۔ ذرا سی آہٹ پہ چونک چونک جاتی۔ تکیے تلے رکھے خنجر تک ہاتھ جاتا۔ پھر سر جھٹک دیتی۔

دفعتاً وہ بستر سے نکلی۔ بال باندھے۔ چمڑے کے اونچے جوتے پہنے' اور سر پہ شال لپیٹے کھڑکی کی طرف آئی۔ بنا آواز کے وہ باہر کود گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اصطبل سے اپنا گھوڑا نکال رہی تھی۔

دفعتاً قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے تیزی سے خنجر نکالا اور دیوار کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ سانس روک لی۔ خنجر تان

لیا۔اگر حملہ آور اس کا تعاقب کر رہا تھا تو وہ.....

"تالیہ.....؟" وہ اکتا سے اسے آواز دے رہا تھا۔

فاتح کی آواز نے ایک دم خنجر پہ اس کی گرفت ڈھیلی کر دی۔وہ اوٹ سے باہر نکلی۔

"آپ یہاں کیسے؟"

وہ چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔کچھ فکرمند' کچھ خفا لگتا تھا۔آستینیں موڑ رکھی تھیں اور ابرو بھنچے ہوئے تھے۔

"کیونکہ میں نے تمہاری حفاظت کے لئے بہت سے سپاہیوں کو مامور کر رکھا ہے۔تم کمرے سے نکلو گی تو مجھے خبر ہو جائے گی۔" پھر تاریک اصطبل پہ نظر ڈالی۔"تم اس وقت کہاں جا رہی تھیں؟"

وہ مسکرا دی۔"چلیں گے میرے ساتھ؟"

"آپ کی کافی۔" وہی باریستا نے ایک دفعہ پھر کاؤنٹر چھوڑ کے اس کے پاس آیا اور میز پہ کافی سے بھرا کپ رکھتے ہوئے بولا تو تالیہ چونکی۔چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔پھر کپ کو۔

"آپ کو کچھ اور چاہیے' مادام؟"

"اب مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" اس نے گم صم سے انداز میں دائیں بائیں گردن ہلائی۔باریستا واپس اپنی جگہ پہ آیا تو ایک دوسرے ویٹر نے اس کو خفگی سے کہا۔

"ہم فری کافی صرف اس کسٹمر کو دیتے ہیں جس کی سالگرہ ہوتی ہے۔تم نے خوامخواہ اس لڑکی کو دے دی۔"

"اس نے کہا تھا اس کی سالگرہ ہے۔" وہ مدافعانہ انداز میں بولا۔لڑکی کی میز قریب ہی تھی۔اس نے بھی سن لیا تھا۔ان دونوں کو دیکھا اور پھیکا سا مسکرائی۔

"یہ درست کہہ رہا ہے۔آج میری سالگرہ ہے۔میرا اس دنیا میں آنے والا دن۔"

اور پھر سے گردن موڑ لی۔دوسرا ویٹر عجیب سی نظروں سے اس لڑکی کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔اس کی انگلیوں پہ واضح طور پہ خون لگا ہوا نظر آتا تھا۔تازہ خون جو اب خشک ہو چکا تھا۔وہ خون ہی تھا۔رنگ نہیں۔

وہ بھی اب اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔اس کا ذہن دوبارہ سے پیچھے اس رات تک جانے لگا جب وہ دونوں ایک دفعہ پھر اسی قلعے کی طرف چلے آئے تھے۔فاتح اتنا لمبا سفر خوامخواہ کرنے پہ ناخوش تھا لیکن شہزادی کی بات ماننے کے سوا چارہ نہ تھا۔

قلعے کے صحن میں جلی بجھی لکڑیوں کا ڈھیر ویسے ہی پڑا تھا۔وہ دونوں ان سرد لکڑیوں کے پاس آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

''تم آج کے واقعے سے ڈر گئی ہو؟'' وہ اس کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

تالیہ نے پلکیں اٹھائیں۔ ''تالیہ مرنے سے نہیں ڈرتی۔''

''پھر کس چیز کا خوف تالیہ کو سونے نہیں دے رہا تھا؟''

''اگر وہ تیر میرے بجائے آپ کو لگ جاتا؟ تو میں کیا کرتی؟''

فاتح نے چہرہ تعجب سے پیچھے کیا۔ پھر ہلکا سا مسکرایا۔

''تو تم میرے لئے فکر مند تھیں؟ میں اپنی حفاظت کر سکتا ہوں' تالیہ۔''

''میں نے آپ کو جادوئی سوئی سے مار دیا تھا۔ کیا میں واقعی اتنی بڑی غلطی کر سکتی ہوں۔'' وہ ایک دم روہانسی ہوگئی۔

''او ہو.....وہ کتاب سچ نہیں بول رہی۔''

''مجھے اس دنیا سے بہت خوف آنے لگا ہے۔ میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ کسی بھی بڑے نقصان سے پہلے۔ پلیز فاتح۔''

''میں نے وعدہ کیا ہے نا' ہم واپس ضرور جائیں گے۔'' وہ اسے نرمی سے یقین دلا رہا تھا۔

اندھیر صحن میں وہ دونوں آج بھی اسی طرح بیٹھے تھے۔ لیکن آج درمیان میں آگ کا الاؤ نہ تھا۔ نہ حدت تھی نہ روشنی۔ صرف سرد سا اندھیرا تھا۔

''اب مجھے امید ملی ہے۔ کہ میں اور آپ کبھی ایک ہوسکیں گے۔ میں اب اس کو کھونا نہیں چاہتی۔''

''ہمارے ایک ہونے سے تمہاری زندگی بہت مشکل ہو جائے گی۔''

''اس کریزی دنیا سے زیادہ مشکل تو نہیں ہوگی۔'' پھر قدرے شک سے اسے دیکھا۔ ''کیا آپ واقعی میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں؟''

وہ پورے دل سے مسکرا دیا۔ ''ہاں۔ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ رہو۔ کیونکہ.....''

''کیونکہ مجھے آپ کی اور آپ کو میری ضرورت ہے۔'' اسے کچھ یاد آیا تھا۔

''ہاں اور.....میں اب تالیہ مراد کے بغیر اپنے مستقبل کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔'' اندھیر صحن میں بیٹھا فاتح بتانے لگا۔ اوپر آسمان پہ تارے اور چاند' سب اکٹھے ہو کے دلچسپی سے یہ منظر دیکھنے لگے تھے۔

''مجھے تمہاری عادت ہو چکی ہے۔ جب میں سب بھول چکا تھا اور تم صرف میری چیف آف اسٹاف تھیں' تب بھی تمہارے بغیر زندگی مشکل لگتی تھی۔ اور اب تو سب یاد آ چکا ہے۔''

''مثلاً کیا؟'' اندھیرے کے باوجود اس کی آنکھیں بنا کسی دقت کے فاتح کا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔

''مثلاً یہ کہ میرا اور تمہارا رشتہ زمان اور مکان کی قید سے آزاد ہے۔ زمانہ جو بھی ہو' زمین جیسی بھی ہو' فاتح رامزل تالیہ مراد کے بغیر نامکمل ہے۔ جو تم میرے لئے ہو تالیہ' وہ میرے لئے کبھی کوئی نہیں بن سکا۔ جو جگہ تمہاری ہے میرے دل میں' وہ کبھی کسی کی نہیں ہو سکی۔ میں تمہارے لئے جو fondness محسوس کرتا ہوں' وہ.....''

''fondness?'' شہزادی نے ناگواری سے ابرو اٹھایا۔ ''صرف فونڈنیس؟ آپ کو اپنے احساسات بس یہی لگتے ہیں؟''

''شاید۔''

''آپ کو کبھی کسی سے محبت نہیں ہوئی شاید ورنہ آپ کو اپنے احساسات کے درست نام معلوم ہوتے۔''

اس نے مسکرا کے تالیہ کو دیکھا۔ ''یعنی آپ کو محبت ہوئی ہے شہزادی؟''

''جی۔ مجھے ہوئی ہے۔ اور میں اتنی بہادر ہوں کہ سرِ عام اعتراف کر سکتی ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو فاتح نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔

''جانتا ہوں۔''

وہ چونکی۔ رنگ بدلا۔ پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا بات۔ کیسی بات۔ لیکن لبوں سے بس یہی پھسلا۔ ''کب سے؟''

''قریباً پانچ سو ستاون برس سے۔''

چند لمحے کے لئے وہ سانس نہیں لے سکی۔

وہ ہمیشہ سے جانتا تھا کہ وہ اس کے لئے کیا محسوس کرتی ہے۔ ایسے شخص کو وہ کیا کہے؟ ظالم یا.....؟

''اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ میرے لئے صرف fondness محسوس کرتے ہیں تو آپ خود اپنے آپ کو بھی نہیں جانتے وان فاتح۔'' تنک کے پیچھے سے بولی تو اس نے شانے اچکا دیے۔ اب وہ جھک کے لکڑیوں کو اکٹھا کر رہا تھا۔ غالباً اسے آگ جلانی تھی۔

''آپ واپس جا کے بدل تو نہیں جائیں گے؟''

''تم اس بات سے ڈرتی ہو کہ میں سب کچھ پھر سے بھول جاؤں گا؟''

''کیا مجھے ڈرنا نہیں چاہیے؟ اگر ہم میں سے کوئی ایک بھی کچھ بھول گیا تو ہم واپس اسکوائرون پہ کھڑے ہوں گے۔''

''کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ کاش ایڈم یہ سب بھول جائے۔ اس نے سب سے زیادہ تکلیف سہی ہے۔'' وہ اب پنجوں

کے بل بیٹھا آگ جلا رہا تھا۔ پہلے چنگاریاں جلیں۔ پھر یکا یک شعلہ بھڑک اٹھا۔ فاتح نے مسکرا کے پیچھے دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھی۔ اس نے چونک کے گردن ادھر ادھر گھمائی۔

وہ ایک دیوار کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کچھ تھا جس سے وہ دیوار پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ وہ تعجب سے اٹھا۔

''کیا کر رہی ہو؟''

''اپنی تقدیر پوری کر رہی ہوں۔''

فاتح نے ایک جلتی لکڑی الاؤ سے نکالی اور اسے بلند کیے تالیہ کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ دیوار کو شعلے نے مزید روشن کر دیا۔

تالیہ کے ہاتھ میں ایک موٹی، نوکیلی سوئی تھی جس سے وہ دیوار پہ کھرچ کھرچ کے لکھتی جا رہی تھی۔

''تاشہ.....

جو شہزادیوں جیسی تھی...

اس نے ایک غلام سے شادی کی تھی

اور اسے آزاد کر دیا تھا۔

اس نے ملاکہ کے لوگوں کی

خدمت کی تھی پورے دل سے.....

اس نے دشمنی مول لی سلطان سے

اور دوست بنائے عام لوگوں میں.....

اور بالآخر اس نے خود کو بھی آزاد کر دیا.....

ناکردہ گناہوں کے بوجھ سے.....

ماضی کے غم سے.....

وہ اس حال میں گئی اس دنیا سے

کہ وہ تیار تھی ہر الزام کا مقابلہ کرنے کے لیے.....

بہادری سے.....''

نظم مکمل کر کے اس نے سوئی نیچے کی اور پلٹی۔

''کیا یہ عمارت ہمارے زمانے تک محفوظ رہے گی؟ اور یہ نظم بھی؟'' فاتح کی محتاط نظریں اس سوئی پہ جمی تھیں۔

''نہیں۔ میں نے صرف اسے خواب میں دیکھا تھا۔ ایسی کوئی عمارت ہمارے زمانے میں نہیں ہے۔ غالباً پرتگالیوں نے اسے بھی جلا دیا تھا۔ اور آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کو اس سوئی سے نہیں ماروں گی۔'' آخر میں جل کے بولی۔

''میں نے بطور رباس تم سے کافی سخت کام لیے ہیں۔ میں اس کے لیے شرمندہ ہوں۔'' وہ چوکنا سا کہہ رہا تھا۔

''اُف فاتح۔ یہ محض موٹی کڑھائی کی سوئی ہے۔ میں اسے ابھی آگ میں پھینکتی ہوں۔'' وہ واقعی آگے آئی اور اس سوئی کو جلتے الاؤ میں پھینک دیا۔ وان فاتح نے گہری سانس خارج کی۔

''آر یو شیور تمہارے پاس ایسی کوئی دوسری سوئی نہیں ہے؟''

تالیہ بے اختیار ہنس دی۔'' آپ کو چاہیے کہ آپ میرے ساتھ اچھا برتاؤ رکھیں۔ ورنہ کیا معلوم میرے پاس ایسی کئی سوئیاں پڑی ہوں۔''

''ہمیں واپس جانا چاہیے۔ اب مجھے تم سے خوف آنے لگا ہے۔'' وہ سر جھٹک کے کہتا آگے بڑھ گیا تو وہ ایک دفعہ پھر ہنس دی۔

☆☆=========☆☆

اگلا سارا دن خاموشی سے کٹا۔ لگتا تھا محل پہ موت کا سناٹا چھایا تھا۔ سب چپ چاپ اپنے کاموں میں لگے تھے۔ اگلے روز مراد راجہ اور مرحوم سلطان کے بیٹوں نے بغاوت کرنی تھی۔ یہ وہ بغاوت تھی جو مراد راجہ بہت عرصے سے تیار کر رہا تھا۔ اور اب بالآخر وہ گھڑی آن پہنچی تھی۔ تالیہ کو حکم تھا کہ وہ تہہ خانے کی کال کوٹھڑی میں ایڈم کے ساتھ رہے گی۔ اسی لئے وہ سرِ شام ہی وہاں چلی گئی تھی۔

وسط کمرے میں انگارے دہک رہے تھے اور کڑاہی میں موجود مائع ابل رہا تھا۔ وہ ڈوئی ہلاتی' خلاء میں دیکھتی کسی سوچ میں گم تھی۔ کھلے بال شانوں پہ گر رہے تھے اور کان پہ ایک سوکھا پھول اٹکا تھا۔

ایڈم کمرے کے دوسرے کونے میں دیوار کے ساتھ فرش پہ بیٹھا تھا۔ گھٹنوں پہ کتاب رکھی تھی جس کو وہ دیے کی مدھم روشنی میں پڑھ رہا تھا۔ گاہے بگاہے نظر اٹھا کے اسے بھی دیکھتا جو کسی خیال میں غرق نظر آتی تھی۔

''آپ اداس کیوں ہیں؟ اب تو وہ کہہ چکے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ ایک نئی زندگی کی شروعات کرنا چاہتے ہیں۔''

تالیہ نے نظروں کا رخ اس کی طرف موڑا۔ پھر ڈوئی رکھی اور دونوں ہتھیلیوں پہ تھوڑی گرا دی۔

''اور اگر پھر سے وہ سب کچھ بھول گئے؟''

''اس دفعہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ تسلی دینے لگا۔

''کیا میں غلطی سے ان کو سوئی چبھو کے مار سکتی ہوں؟''

''چ چ تالیہ.....چ تالیہ....''ایڈم نے افسوس سے کہتے ہوئے کتاب رکھی' اور لاٹھی کے سہارے اٹھا۔پھر لنگڑا کے چلتا ہوا اس کے سامنے آیا اور بیٹھا۔''کسی کو کچھ نہیں ہو گا۔اگر کوئی مر سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔''

اس نے دہل کے ایڈم کو دیکھا۔''اللہ نہ کرے۔تمہاری دوا بالکل تیار.....''

''Let's face it۔''وہ سنجیدگی سے بولا۔''ضروری نہیں ہے کہ دوا اثر کرے۔اگر یہ ٹھیک نہ بنی.... یا اگر اس نے الٹا اثر کر دیا...تو میں مر بھی سکتا ہوں۔میں ہماری کہانی کا بے کار کردار ہوں جس کی story arc ختم ہو چکی ہے۔میرے کردار کے کرنے کے لئے اب کچھ نہیں بچا اس لئے اگر کوئی خطرے میں ہے تو وہ میں ہوں۔وان فاتح یا آپ نہیں۔''

''ایڈم ہماری زندگی کوئی کتاب نہیں ہے۔اور تمہارے پاس اب بھی کرنے کے لئے بہت کچھ پڑا ہے۔''

وہ تکلیف سے مسکرایا۔''بس یہی کہ میں اپنے ماں باپ کے پاس جانا چاہتا ہوں۔وہ میرے بغیر اکیلے ہوں گے۔میں ان کی ساری زندگی کی کمائی ہوں۔''

''تم ان کے پاس ضرور جاؤ گے۔''

''اگر ایسا نہ ہو سکا تو کیا آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں گی؟''وہ آگے کو جھکا اور سادگی سے پوچھا۔تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آپ میرے ماں باپ کا خیال رکھیں گی؟''

''ان کو کبھی کسی معاملے میں مشکل نہیں پیش آئے گی' آئی پرامس۔''

''میں مالی معاملات کی بات نہیں کر رہا۔''وہ آزردگی سے بولا۔''جب بچے پاس ہوتے ہیں تو وہ ماں باپ سے باتیں کرتے ہیں۔اگر میں نہ رہا تو میں چاہتا ہوں کہ ان سے کوئی بات کرنے والا ہمیشہ موجود رہے۔آپ بس مجھ سے اتنا وعدہ کریں کہ آپ ان کے لئے''وقت''نکالتی رہیں گی۔وقت وہ سب سے بڑا تحفہ ہے جو ہم کسی کو دے سکتے ہیں۔''

تالیہ نے سر ہلا دیا۔سارے چکر اس 'وقت' کے ہی تھے۔

دروازے پہ آہٹ ہوئی تو وہ دونوں چونک کے مڑے۔فاتح اندر داخل ہو رہا تھا۔تالیہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''آج تو بغاوت کی رات ہے۔ایسے میں بنداہارا کا مشیر یہاں کیا کر رہا ہے۔''

''یہ میری لڑائی نہیں ہے۔''وہ شانے اچکا کے کہتا ان کے قریب آیا اور تیسری چوکی کھینچی اور باری باری ان کو دیکھا۔

''دوا تیار ہو گئی؟''

''صبح سے پہلے ہو جائے گی۔ یہ کافی تھکا دینے والا عمل تھا۔'' تالیہ نے ڈوئی پھر سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ فاتح نے ایک نظر ایڈم کو دیکھا' پھر تسلی دی۔

''تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ میں نے کہا نا' میں تمہیں واپس ضرور لے کر جاؤں گا۔''

''اگر آپ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے' مجھے تب بھی آپ سے گلہ نہیں ہو گا۔''

فاتح نے سوالیہ نظروں سے تالیہ کو دیکھا اور ابرو اچکائے۔ (اسے کیا ہوا ہے؟)

''ایڈم کو یقین نہیں ہے کہ دوا اثر کرے گی۔''

''دوا ضرور اثر کرے گی' ایڈم۔''

''اور اگر کچھ غلط ہو گیا؟ یا ہمارا پلان فیل ہو گیا؟ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں مجھے یہ نہیں کھانی چاہیے۔'' وہ متذبذب سا دھواں اڑاتی کڑاہی کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا تم نے حرف بہ حرف ترکیب پہ عمل کیا ہے؟''

''جی.....لیکن.....''

''پھر کچھ غلط نہیں ہو گا۔ اپنا یہ مایوس چہرہ درست کرو اور دوا تیار کرو۔''

''مگر.....فاتح.....کیا معلوم دوا کی ترکیب غلط ہو.....یا کچھ اور.....شاید ایڈم کو یہ نہیں کھانی چاہیے۔'' وہ بھی متذبذب ہو گئی مگر وان فاتح نے سختی سے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کرایا۔

''یہ ایڈم کا آخری آپشن ہے۔ اس کو شکوک میں مت ڈالو۔'' ایڈم نے سر ہلا دیا اور تہہ خانے میں پھر سے خاموشی چھا گئی۔ کڑاہی سے نکلتے دھوئیں کے مرغولے اوپر اٹھ اٹھ کے فضا میں گم ہونے لگے۔

''اب ہم ساری رات کیا کریں گے؟'' وہ دھیرے سے بولی۔

''صبح کا انتظار۔ ایک روشن صبح کا انتظار۔'' فاتح اوپر چھت پہ بنے روشن دان کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ فی الوقت سب کچھ پلان کے مطابق جا رہا تھا۔

جس وقت مراد راجہ کے سپاہی مرسل شاہ کے محل کو اپنے قبضے میں لے چکے تھے' اور مرسل کو نیند سے اٹھا کے' زنجیروں میں جکڑے قید خانے میں بند کر رہے تھے.....اس کوٹھڑی میں جلتا الاؤ بجھ چکا تھا۔

کڑاہی اب ٹھنڈی تھی۔ سارا مائع سوکھ کے ایک سفید سفوف میں بدل چکا تھا۔ مٹھی بھر سفوف۔

ایڈم بن محمد اب اس سفوف کو پانی کے گھونٹوں کے ساتھ نگل رہا تھا۔ سفوف ختم ہوا تو اس نے جام رکھا اور گہری سانس لے

کران دونوں کو دیکھا جو سانس روکے اسے دیکھ رہے تھے۔

"ترکیب کے مطابق دوا کھا کے مجھے سو جانا چاہیے۔ جب میں اٹھوں گا تو بالکل تندرست ہو چکا ہوں گا۔ میں اب سونے جا رہا ہوں۔ مجھے ابھی سے نیند آ رہی ہے۔" اس نے لاٹھی اٹھائی اور کھڑا ہو گیا۔ تالیہ امید اور فکرمندی کے ملے جلے جذبات سے اسے دیکھ رہی تھی۔

کیا وہ دوبارہ ایڈم کو دیکھ پائے گی؟ وہ بھی تندرست حالت میں؟ اس کا جواب صرف وقت کے پاس تھا۔

☆☆=========☆☆

سلطنت ملاکہ پہ آج صبح کا سورج بہت سی تبدیلیاں لئے طلوع ہوا تھا۔ مرسل شاہ قیدی بن چکا تھا۔ ملکہ یان سوفو ایک روز پہلے ہی محل سے فرار ہو چکی تھی۔ گزشتہ سلطان کے بیٹے تخت پہ قابض ہو چکے تھے اور مراد راجہ ان کا بندا ہارا تھا۔

بنگارایا ملایو کے مطابق یہ باغی شہزادے چند ہفتے ہی حکومت کر سکے تھے۔ مراد نے ان کی فوج کو استعمال کیا' ان کے ذریعے مرسل کو ہٹایا' اور چند ہفتے بعد ان شہزادوں کا پتہ بھی صاف کیا اور خود سلطان بن بیٹھا۔

مگر ابھی یہ سب ہونے میں کافی وقت تھا۔ اس لئے فی الحال وہ صرف بندا ہارا تھا اور درست موقعے کا انتظار کر رہا تھا۔

مرسل کو اس نے اپنے محل کے قید خانے میں ڈالا تھا اور سپاہیوں کی بھاری نفری اس پہ پہرے کے لئے تعینات کر رکھی تھی۔

اس تنگ و تاریک کال کوٹھڑی میں قید مرسل شاہ کی حالت عجیب تھی۔ رات اس کو نیند سے اٹھایا گیا تھا' اس لئے وہ ابھی تک شب خوابی کے پاجامے قمیص میں ملبوس تھا۔ بال بکھرے تھے اور دیوار کے قریب سکڑا بیٹھا تھا۔ یہ وہی قید خانہ تھا جہاں ایک زمانے میں ایڈم بن محمد کو قید کیا گیا تھا۔

خیر.... وقت وقت کی بات تھی۔

مرسل ناخن چباتے ہوئے فرش کو دیکھ رہا تھا۔ جب اسے احساس ہوا سامنے کوئی کھڑا ہے۔ چونک کے سر اٹھایا تو دیکھا.... سلاخوں کے پار مراد راجہ کھڑا تھا۔ اٹھی گردن' لبوں پہ تمسخرانہ مسکراہٹ' اور آنکھوں میں تپش۔ مراد کی شاہی پوشاک اور ماتھے کی پٹی سے لٹکتی سنہری زنجیریں بتاتی تھیں کہ وہ نئے سلطان کا بھی منظورِ نظر ہے۔

"مراد راجہ۔" وہ غصے سے اٹھا اور سلاخوں کی طرف آیا۔ پھر انہیں پکڑ کے جھٹکا دیا اور مراد کو گھورا۔ "تم نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ۔ میں نے تمہیں دوست سمجھا تھا۔"

"اب بھی بہت لوگ مجھے دوست سمجھتے ہیں۔ خدا معلوم ان کا انجام کیا ہوگا۔" مراد نے داڑھی کھجاتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہاں سے نکالو مراد۔" وہ سلاخوں کو پکڑے غصے اور بے چینی سے بولا تو مراد نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

"جانتے ہو تم ابھی تک زندہ کیوں ہو؟" پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا۔ "کیونکہ تم نے ہمیں بتانا ہے کہ یان سوفو کہاں ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم وہ عورت کہاں ہے۔" وہ زچ ہو کے بولا۔ بکھرے بال' بے ترتیب حلیے والا مرسل سلاخیں پکڑے کھڑا عجیب بے بس سا لگتا تھا۔

"یان سوفو کو بغاوت سے پہلے تم نے کہاں بھیجا ہے۔ وہ ابھی تک ہمارے ہاتھ کیوں نہیں لگی۔"

"میں نے اسے کہیں نہیں بھیجا.... مجھے نہیں معلوم۔" مرسل غصے سے کف اڑاتا اب زور زور سے مراد کو لعن طعن کرنے لگا تھا۔ مراد سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

"یان سوفو کی تلاش میں پوری سلطنت میں سپاہیوں کو دوڑایا گیا ہے لیکن اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ شاید مرسل نے اسے چین بھیج دیا ہے۔"

عارف کہتے ہوئے اس کے ساتھ قید خانے کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ مراد نے سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا۔

"ہوں۔ مرسل نے اسے بھیجا ہے' یعنی مرسل کو بغاوت کا علم تھا؟ اگر ایسا تھا تو وہ خود کیوں نہیں بھاگا؟" مراد نے نفی میں سر ہلایا۔ "یان سوفو کو کسی اور نے بھیجا ہے۔ اسے بغاوت کی مخبری ہو گئی تھی۔ وہ مرسل کو چھوڑ کے پہلے ہی نکل گئی تاکہ اس کی جان بچ جائے...."

"یان سوفو ملکہ تھی۔ اس نے بغاوت کو بروقت کچلنے کی بجائے بھاگ جانے کو ترجیح کیوں دی؟" عارف نے پوچھا تو آواز میں حیرت تھی۔

"اسے مرسل کی طاقت پہ بھروسہ نہ رہا تھا۔ یا شاید اس نے ہماری بغاوت کو اس کے اصل قد سے بڑا سمجھا تھا۔ وہ ڈر گئی اور بھاگ گئی۔"

وہ دونوں اب محل کی راہداری میں آ گئے تھے۔ اونچی کھڑکیوں سے روشنی چھن کے اندر آ رہی تھی۔ مراد کمر پہ ہاتھ باندھے آگے چل رہا تھا اور عارف پیچھے۔ دفعتاً عارف اس کے برابر آیا اور سرگوشی میں بولا۔

"آدم نے آج صبح دوائی کھا لی ہے' راجہ۔"

مراد نے چونک کے اسے دیکھا۔ "اس کی حالت کیسی ہے؟"

"میں صبح اس کے کمرے میں گیا تو وہ بخار میں پھنک رہا تھا۔ اور....." عارف خاموش ہوا تو مراد نے تیزی سے کہا۔ "کیا' عارف؟"

''اس کے ہاتھ خراب ہونے لگے ہیں۔''

مراد نے سینے میں قید سانس آزاد کی اور سختی سے آنکھیں میچیں۔

''یعنی وہ کوڑھ سے مرے گا۔ اس ترکیب کے مضر اثرات میں کوڑھ کا مرض شامل تھا۔ تیزی سے پھیلتا کوڑھ جو اس کی جان لے لے گا۔''

راہداری میں ایک دم ویرانی سمٹ آئی۔ کھڑکی سے اندر آتی چیونٹیوں کی قطار گیا سہم کے دونوں کی گفتگو سننے لگی۔ مشعلوں نے اپنے شعلے افسوس سے نیچے کر لیے اور ہوا اپنا سانس روکے ساکت ہو گئی۔

''کتنی دیر لگے گی اس کو مرنے میں' راجہ؟''

''آج رات تک کوڑھ اس کے سارے جسم پہ پھیل جائے گا۔ وہ کل کا سورج نکلنے سے پہلے مر جائے گا۔'' مراد کا چہرہ سرد اور سپاٹ تھا۔

''شہزادی تاشہ کو آپ کیا کہیں گے؟ وہ بہت واویلا کریں گی۔'' عارف نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''میرے پاس اس مسئلے کا حل موجود ہے' عارف۔ تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔'' مراد نے ابرو اٹھائے اور مسکرایا۔

اس کے چہرے کی جھریاں اور آنکھوں کی چمک عارف کو صاف دکھائی دے رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

''ریڈی.....سیٹ.....گو۔''

اپنی خوابگاہ میں سنگھار میز کے آئینے کے سامنے تالیہ بیٹھی تھی۔ کنیز اس کے بال بنا رہی تھی جب اس نے آنکھیں بند کر کے خود سے کہا۔ پھر کھنکھاری اور پیچھے کھڑی کنیزوں کو حکم جاری کیا۔

''آدم اب تک بیدار ہو چکا ہوگا۔ باغ سے تازہ پھول توڑ کے لاؤ۔ ہر رنگ کے پھول۔ ہر خوشبو کے پھول۔ میں اس کے لئے گلدستہ خود بناؤں گی۔'' اس کے انداز میں محبت ہی محبت تھی۔

جب تک کنیز نے اس کے بالوں پہ سنہری کلپ لگایا' اور ہار کا کنڈا اس کی گردن کے پیچھے بند کیا' غلام اور کنیزیں پیچھے رکھی میز پہ پھولوں کا ڈھیر لگا چکے تھے۔

''بہت خوب۔ ہمیں آدم کا بھرپور طریقے سے استقبال کرنا ہے۔''

ہلکے نیلے کامدار باجو کرنگ میں ملبوس' کان میں ایک پھول اٹکائے کھڑی شہزادی اب مسکرا کے ٹہنیاں اکٹھی کر رہی تھی۔ اس نے خود گلدستہ بنایا' اسے باندھا' اور پھر کنیزوں کی معیت میں کمرے سے نکلی۔

باغیچہ پار کیا تو دور دور تک پھیلے غلاموں اور خادموں نے دیکھا کہ شہزادی کتب خانے کی طرف جا رہی ہے جہاں شاہی مورخ بیمار پڑا ہے۔ اتنا تو سب جان چکے تھے کہ اس کا علاج شہزادی خود کروا رہی تھی اور شہزادی کے تاثرات سے اندازہ ہوتا تھا کہ آج وہ تندرست ہونے والا ہے۔

''ایڈم.... ایڈم!'' کھنکھار کے تالیہ نے ایک ہاتھ سے اس کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ دوسرے ہاتھ میں گلدستہ تھا۔

دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اندر بستر نفاست سے بنا دکھائی دے رہا تھا۔ کھڑکی کے پردے ہٹے تھے اور.....

اور کمرہ خالی تھا۔

بستر سے یوں لگتا تھا یہاں رات کوئی سویا ہی نہیں ہے۔ ایڈم کی بیساکھی البتہ پلنگ کے ساتھ زمین پہ گری تھی۔

تالیہ کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔'' آدم کہاں ہے؟'' وہ تیزی سے اندر آئی۔ کمرے کے ہر کونے میں دیکھا۔ بستر کے نیچے۔ الماری کے اندر۔ کھڑکی سے باہر۔ ایڈم کہیں نہیں تھا۔

''مجھے آدم بن محمد ہر حال میں چاہیے۔ اس کو ڈھونڈ کے لا کر دو مجھے ابھی۔''

اس کی رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ غصے سے۔ پریشانی سے۔ اور وہ پہریداروں کو چلا چلا کے کہہ رہی تھی۔ گلدستہ اس کے ہاتھوں سے نیچے گر چکا تھا۔

مگر کسی کو نہیں معلوم تھا وہ کہاں تھا۔ اسے رات کمرے میں آتے سب نے دیکھا تھا۔ نکلتے نہیں۔ سپاہیوں کی دوڑیں لگ گئیں۔ سارے میں افراتفری مچ گئی۔

مگر ایڈم بن محمد کا سراغ کہیں نہیں ملا۔

بندا ہارا کے محل سے دور.... ایک عمارت تھی جسے خطرناک قیدیوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس میں ایک تنہا' تنگ تاریک کوٹھڑی تھی۔ تین طرف دیواریں اور ایک طرف سلاخوں والا دروازہ۔

مراد اس کوٹھڑی کے باہر کھڑا تھا۔ عارف بھی ہمراہ تھا اور دونوں کی نظریں کوٹھڑی کے فرش پہ لیٹے ایڈم پہ جمی تھیں۔

اس کی آنکھیں بند تھیں اور بازو پہلو میں گرے تھے۔ بایاں ہاتھ سیاہی مائل ہو رہا تھا جیسے جلد گل سڑ گئی ہو۔

کوٹھڑی کے باہر ایک ہی مشعل روشن تھی۔ مدھم روشنی میں بس یہی دکھائی دیتا تھا کہ گلنے سڑنے کا عمل اس کے بائیں ہاتھ سے ہوتا ہوا گردن تک پہنچ گیا تھا۔ کرتے کے گلے سے جھانکتے کوڑھ سے اس کا چہرہ ابھی محفوظ تھا۔

''اس کو ابھی تک ہوش نہیں آیا؟''

''یہ غنودگی میں ہے۔ ابھی جاگا تھا۔ پھر غش کھا گیا۔''

عارف مدھم آواز میں کہہ رہا تھا۔ مراد آگے آیا اور سلاخوں کے پار پیچھے چت لیٹے ایڈم کو غور سے دیکھا۔

''آدم۔''

اس کی آنکھیں کھلیں۔ چند لمحے وہ چھت کو دیکھتا رہا۔ پھر چونک کے ادھر ادھر دیکھا۔ جیسے خواب میں کھویا انسان لمبی نیند سے اٹھتا ہے۔

وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔ پھر گردن جھکا کے خود کو دیکھا۔ بائیں بازو پہ نظر پڑی تو آنکھیں خوف سے پھیلیں۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ اس نے جھٹکے سے گردن اٹھائی اور مراد راجہ پہ نظر ٹھہری۔

مراد نے محسوس کیا کہ وہ مسلسل بایاں بازو اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اس کا بایاں بازو بے جان سا لگتا تھا۔ وہ پہلو میں زمین پہ گرا تھا۔

ایڈم بن محمد نے بے بسی سے مراد کو دیکھا۔ ''میرا بازو.....اس میں درد بھی نہیں ہو رہا۔ مجھے یہ محسوس کیوں نہیں ہو رہا' مراد راجہ؟'' اس کی آواز گھٹی گھٹی سی تھی۔

''مجھے افسوس ہے' آدم۔'' مراد نے بنا تاثر کے محض اتنا کہا۔ ایڈم نے دوسرے ہاتھ کے زور پہ اٹھنے کی کوشش کی مگر یوں معلوم ہوتا تھا گویا اس میں اب اٹھنے کی سکت نہ رہی تھی

''میں نے دوا بالکل ٹھیک بنائی تھی۔ مگر.....کیا ترکیب غلط تھی؟'' ساتھ ہی بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں راجہ۔ آپ مجھے غلط ترکیب نہیں دے سکتے۔''

''میں نے کہا نا' مجھے افسوس ہے۔''

''آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟'' اس کی مراد پہ ٹھہری بے یقین آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

''تم اس بات پہ قناعت کیوں نہیں اختیار کر لیتے کہ تمہارے مقدر میں بس اتنا ہی تھا؟ تم عام سے نوجوان تھے۔ تمہارے مقدر نے تمہیں مہینوں تک محل میں رہنے دیا۔ امراء' وزراء اور سلطان کے ساتھ وقت گزارنے دیا۔ تمہاری لکھی کتاب صدیوں تک یاد رکھی جائے گی۔ اس سے زیادہ تم اپنے مقدر سے کیا چاہتے ہو؟''

''راجہ۔'' وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔ ''میرے ماں باپ.....وہ بوڑھے ہیں.....وہ اکیلے ہیں۔''

''تم اتنے برس ان کے ساتھ رہے۔ ان کی خدمت کی۔ وہ اپنے مقدر سے اس سے بڑھ کے کیا چاہتے ہیں؟'' مراد راجہ نے ساتھ ہی حیرت سے شانے بھی اچکائے تھے۔

''راجہ.....خدا کے لیے۔ مجھے ٹھیک کر دیں۔ کوئی دوا' کوئی جادو' کچھ تو ہوگا۔''

مگر مراد کمر پہ ہاتھ باندھے آگے بڑھ گیا۔ ایڈم بے قراری سے پیچھے سے چلایا۔

"مجھے چے تالیہ سے ملنا ہے۔ ان کو میری خبر کر دیں۔ ان سے کہیں ایک دفعہ مجھ سے ملنے آ جائیں۔"

وہ خود کو گھسیٹ کے سلاخوں کے قریب لانے لگا۔ مراد ان سنی کیے آگے بڑھ رہا تھا جب ایڈم نے وہاں کھڑے عارف سے التجا کی۔

"تم.... تم مجھے قلم کاغذ لا دو۔ میرا پیغام ان تک پہنچا دو۔" پھر آواز دھیمی کی۔ "وہ تمہیں اس کے بدلے میں انعام دیں گی۔ مال، سونا، جو تم کہو۔"

عارف نے استہزائیہ مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔ "تم مجھے اپنے اس راجہ سے بد دیانتی کرنے کا لالچ دے رہے ہو جو سلطان بننے والا ہے؟"

مراد نے پلٹ کے ایڈم کو دیکھا جو سلاخیں پکڑے بے بسی سے عارف کی منت کر رہا تھا۔

"یہ چند دن کا مہمان ہے، عارف۔ اسے خط لکھنے دو۔" اور اسے اشارہ کیا۔ عارف نے استعجاب سے ابرو اکٹھے کیے مگر راجہ کا حکم حتمی تھا۔ اس نے بس ایک برہم نظر ایڈم پہ ڈالی اور راجہ کے ساتھ باہر نکل گیا۔ ایڈم سلاخوں سے سر ٹکائے گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

"اس کو قلم کاغذ دینا دانشمندی ہو گی، راجہ؟" عارف ناخوش لگتا تھا۔

"وہ جو لکھے، اس کو میرے پاس لانا۔ ہم اس کی لکھائی کی نقل تیار کر کے اپنی مرضی کا خط شہزادی کو دے سکتے ہیں۔"

"اس کی لکھائی تو بنگارا یا ملایو سے بھی مل جائے گی۔"

"مگر اس کتاب میں ذاتی نوعیت کی باتیں نہیں ہوں گی۔ کوئی لقب، کوئی فقرہ، جو صرف شہزادی جانتی ہو۔ ورنہ وہ کیسے یقین کرے گی کہ یہ خط آدم کا لکھا ہے؟"

وہ زینے چڑھتے آہستہ سے کہہ رہا تھا۔ "اور ہاں۔ اس کی خوراک بند کر دو۔ صرف پانی دو۔ پانی اس کا مرض بگاڑے گا۔ میں اس سے جلد از جلد چھٹکارا پانا چاہتا ہوں۔"

عارف اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔ وہ دونوں اب قید خانے سے دور نکل آئے تھے۔

☆☆==========☆☆

بندا ہارا کے محل کے باغیچے میں تالیہ مراد اس وقت اضطرابی حالت میں ٹہلتی نظر آ رہی تھی۔ انگلیاں مروڑتی، دائیں سے بائیں چکر کاٹتی وہ دانتوں سے نچلا لب زخمی کیے جا رہی تھی۔ پسِ منظر میں قطار میں ہاتھ باندھے کھڑی کنیزیں اور غلام دکھائی

دے رہے تھے جو پیچھے کھڑے تھے۔صبح سے شہزادی چیخ چلا رہی تھی اور وہ نشانے پہ تھے۔

دفعتاً روش پہ دور سے آتا عارف دکھائی دیا تو ایک کنیز نے کھنکھار کے اسے اطلاع دی۔وہ چونکی اور اس طرف پلٹی۔ پھر ماتھے پہ بل ڈالے عارف کو آواز دی۔وہ فوراً اس کی طرف آیا۔

''تم صبح سے کہاں تھے؟ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔''اس کا ضبط کا دامن گویا چھوٹ گیا تھا۔غصے میں زور سے بولی تو عارف نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

''کیا ہوا شہزادی؟''

''آدم کہاں ہے؟''وہ کمر پہ ہاتھ رکھے اسے گھور رہی تھی۔

''آج صبح تک تو یہیں تھا۔اب کہاں گیا؟ کتب خانے میں نہیں ہے کیا؟''

وہ چونکی۔''صبح؟ تم نے اسے صبح دیکھا تھا؟''

''جی شہزادی۔وہ مراد راجہ کی خواب گاہ کی طرف جا رہا تھا۔''عارف نے بظاہر یاد کر کے بتایا۔''اس کے کندھے پہ ایک تھیلا بھی تھا۔''

''وہ....وہ ٹھیک تھا؟''تالیہ نے بے قراری سے پوچھا۔وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

''جی۔وہ بالکل ٹھیک تھا کیونکہ اس نے گزشتہ رات دوا پی لی تھی۔اس نے مجھے خود بتایا تھا۔ظاہر ہے اس نے ٹھیک ہونا ہی تھا۔''

عارف کے الفاظ پہ پیچھے کھڑے غلاموں اور خادموں میں پرجوش سرگوشیوں کے تبادلے ہوئے۔خود تالیہ کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔اس نے گہری سانس لی۔

''تو وہ تندرست نظر آ رہا تھا۔''اس کا ہاتھ ابھی تک سینے پہ تھا۔چہرے کے تاثرات ذرا بہتر ہوئے مگر پھر وہ دوبارہ سے فکرمند ہوئی۔''وہ صبح بابا سے ملا۔پھر کہاں گیا؟''

''مجھے نہیں معلوم شہزادی' میں تو سیدھا سلطنت محل چلا گیا تھا۔آپ راجہ سے معلوم کر لیں۔''وہ سادگی سے بتا رہا تھا۔

''اوہ۔اچھا۔''وہ اب اطمینان سے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔چہرے کی رنگت بحال ہو رہی تھی۔

''میں جاؤں شہزادی؟''

''ہاں۔نہیں۔ٹھہرو۔بابا کہاں ہیں؟''

''وہ سلطنت محل میں ہیں۔عشاء کے بعد آئیں گے۔آپ کہتی ہیں تو میں آپ کو وہیں لے چلتا ہوں۔''

''نہیں۔ میں ان کا انتظار کرلوں گی۔'' پھر وہ بڑبڑائی۔ ''وہ ٹھیک تھا' اتنا ہی کافی ہے۔''

اس کا ہاتھ ہنوز دل کے مقام پہ تھا۔ اب وہ خود سے بڑبڑاتی پلٹ رہی تھی۔ عارف نے اسے جاتے دیکھا اور سوچا.... سب منصوبے کے مطابق جا رہا تھا۔ ساری اداکاری' سارے کرتب' سب درست تھے۔

بہت جلد اس کی ان دوسری دنیا کے لوگوں سے جان چھوٹنے والی تھی۔ اس کے بعد صرف وہ ہو گا۔ مراد راجہ کا دایاں ہاتھ۔ وہ دل ہی دل میں مسکرایا۔

پھر چونکا۔ اسے فوراً واپس جا کے مراد کو اس سارے واقعے کی اطلاع کرنی تھی۔

☆☆==========☆☆

جب عارف واپس قید خانے میں آیا' ایڈم دیوار سے ٹیک لگائے یوں بیٹھا تھا کہ قلم ساتھ پڑا تھا اور گھٹنوں پہ رکھا کاغذ ہنوز کورا تھا۔ وہ خلاء میں گھور رہا تھا۔ سیاہی اب اس کے آدھے چہرے تک پھیل چکی تھی۔ عارف کی نظریں اس کے دوسرے بازو تک گئیں۔

سیاہی نے اس کو بھی ڈھانک رکھا تھا۔ قید خانے سے جلد کے گلنے سڑنے کی بدبو اٹھ رہی تھی۔ عارف نے ناک پہ رومال رکھا اور اس کے قریب آیا۔ پیچھے ایک سپاہی پہرے پہ کھڑا تھا۔ اس نے بھی ناک کو کپڑے سے ڈھانک رکھا تھا۔

''آدم.....'' ناگواری سے اس کو آواز دی۔

ایڈم نے خالی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''میں نہیں لکھ سکا کچھ۔'' اس کی آواز مدھم تھی۔

''دیکھو.....چند الفاظ لکھ لو۔ خدا کے لئے۔''

''میرا ہاتھ نہیں چل رہا۔ راجہ۔ راجہ کو بلاؤ۔ مجھے اس سے بات کرنی ہے۔'' اس کی آواز میں درد تھا۔ بے بسی تھی۔ عارف پریشانی سے مڑا اور سپاہی کو مخاطب کیا۔

''اسے کچھ کھانے کے لئے دو۔ تاکہ اس کی توانائی بحال ہو۔''

''راجہ نے منع کیا ہے۔ اسے پانی کے سوا کچھ نہیں دینا۔''

''یہ صبح تک ویسے ہی مر جائے گا۔ مجھے اس سے یہ خط لکھوانا ہے۔'' وہ زچ ہو کے بولا مگر سپاہی نے گردن ہلا دی۔

''راجہ نے جو فرض مجھے سونپا ہے' میں اسے پورا کروں گا۔''

''اچھا ٹھیک ہے.....راجہ کو بلاؤ۔ ان سے کہو جلدی آئیں۔ اس نوجوان کا آخری وقت ہے۔'' وہ فکرمندی سے بولا۔ پھر ایڈم کو پکارا۔ ''کیا تم چند سطور بھی نہیں لکھ سکتے ؟''

''راجہ کو بلاؤ۔'' وہ خلاء میں دیکھ رہا تھا۔سپاہی ناک پہ ہاتھ رکھے فوراً سے باہر نکل گیا۔

جس وقت مراد راجہ عجلت میں قید خانے میں پہنچا' عارف سر جھکائے سامنے ایک چوکی بیٹھا تھا۔اس کے مقابل....سلاخوں کے پار....ایڈم اسی حالت میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔اس کے چہرے کی ساری جلد اب گلی سڑی نظر آتی تھی۔ سوائے چند دھبوں کے سارا چہرہ سیاہ ہو چکا تھا۔بس آنکھیں پہچانی جاتی تھیں۔

مراد نے اونہوں کہتے ہوئے ہاتھ ناک پہ رکھا اور برہم نظروں سے ایڈم کو دیکھا۔

''اس نے خط نہیں لکھا؟''

''راجہ....اس کو کچھ کھانے کے لئے دے دیتے ہیں' تاکہ اس میں لکھنے کی توانائی آئے....''

''مراد راجہ....'' کوڑھ زدہ قیدی بولا تو عارف خاموش ہو گیا۔''مجھے درد نہیں ہو رہا....آپ نے مجھ سے میرے سارے درد چھین لئے ہیں....''

مراد خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ماتھے پہ بل تھے۔

''مجھے یہ فیصلہ مشکل لگتا تھا....چے تالیہ کو چھوڑنا....مگر آپ نے اسے میرے لئے آسان بنا دیا۔'' وہ توڑ توڑ کے الفاظ ادا کر رہا تھا۔نظریں در و دیوار پہ جمی تھیں۔''حالانکہ....حالانکہ میرے پاس اب کوئی راستہ نہیں بچا....پھر بھی....آپ چے تالیہ سے کہنا کہ میں ان سے دستبردار ہوتا ہوں۔ایڈم بن محمد اب کبھی تالیہ اور فاتح کے درمیان آنے کا نہیں سوچے گا۔مجھے اب چے تالیہ کے لئے جینے کی خواہش بھی نہیں رہی۔''

''میں سن رہا ہوں۔'' مراد سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میری جتنی زندگی باقی ہے .... میں وہ اپنے لئے جیوں گا....جہاں بھی....جیسے بھی....اب میں پرسکون ہوں۔ مگر....'' اس نے نظریں مراد کی طرف پھیریں۔

''میں ایک عام انسان تھا....مجھے عام موت نہیں چاہیے تھی۔میں اپنی موت کو آپ کے لئے یادگار بنانا چاہتا ہوں۔''

وہ ہلکا سا کھانسا۔مراد اتنی دور سے' اس نیم اندھیر ماحول میں بھی دیکھ سکتا تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک کے سیاہ گلی سڑی جلد کی تہہ میں جذب ہو رہے تھے۔

''میں آپ کو کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اچھے والد نہیں ہیں۔آپ نے اپنی بیٹی سے ویسی محبت نہیں کی جیسی کرنی چاہیے۔ماں باپ کا کام ہوتا ہے....اپنے بچوں کی حفاظت کرنا۔ان کو دوسروں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کی ڈھال بن جانا۔ آپ کو بس اتنا کرنا تھا۔اتنی سازشوں کی ضرورت نہ تھی۔''

عارف ناک پہ رومال رکھے خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔مراد کے چہرے پہ البتہ کوئی تاثر نہ تھا۔

''آپ کے پاس اب بھی موقع ہے۔ چے تالیہ سے ویسے پیار کر کے دیکھیں جیسے کرنا چاہیے تھا۔وہ جس کے ساتھ رہنا چاہتی ہیں' جہاں رہنا چاہتی ہیں' ان کو ان کی مرضی کرنے دیں۔آپ چے تالیہ کو ویسے نہیں جانتے جیسے میں جانتا ہوں۔ان کو آزاد کر دیں۔میری جان لے لیں' راجہ۔مگران کو آزاد کر دیں۔''

پھر وہ خاموش ہو گیا۔اور گردن راجہ کی طرف سے موڑ لی۔اب مراد اس کا نیم رخ دیکھ سکتا تھا۔وہ کافی دیر خاموش رہا تو مراد اکتا کے بولا۔''کہہ چکے؟''

ایڈم بن محمد نے جواب نہیں دیا تو مراد نے سر جھٹکا۔

''اس کو کھانا لا دو۔شاید یہ چند سطور لکھ دے۔''

وہ مڑا اور باہر کی طرف بڑھا۔دوسرے سپاہی نے قدرے سراسیمگی سے پکارا۔

''راجہ.....یہ زندہ ہے؟''

مراد نے اکتا کے کہا۔''ہاں وہ زندہ ہے۔اسے کچھ کھانے کے لئے لا دو۔''وہ باہر نکلا تو عارف بھی پیچھے ہو لیا۔

سیڑھیاں چڑھ کے وہ دونوں اوپر آئے تو مراد راجہ فکرمند دکھائی دیتا تھا۔

''مجھے اس کی کتاب لا کے دو۔میں اس کی لکھائی میں خط لکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''شہزادی تاشہ بہت زیرک واقع ہوئی ہیں۔وہ پہچان جائیں گی۔''

''ہوں۔شاید ہمیں خط کی ضرورت نہیں ہے۔صرف ایک گواہی کافی ہو گی۔''مراد سوچ رہا تھا جب وہی سپاہی بھاگا بھاگا اوپر آیا۔

''راجہ۔راجہ۔''وہ ہانپ رہا تھا''وہ.....وہ جواب نہیں دے رہا۔اس کی آنکھیں کھلی ہیں۔وہ شاید.....وہ مر گیا ہے۔''

انسانی موت ایسا المیہ ہے جو سخت سے سخت دل کو بھی ایک دفعہ ہلا دیتی ہے۔چاہے وہ سخت دل اس کے منتظر ہی کیوں نہ ہوں۔وہ تینوں واپس نیچے دوڑے۔

قید خانہ ویسا ہی تعفن زدہ تھا مگر اب.....کوڑھ زدہ''قیدی''دائیں پہلو فرش پہ گرا تھا جیسے بیٹھے بیٹھے ایک طرف لڑھک گیا ہو۔بدبو پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی تھی۔

''دیکھو.....وہ سانس لے رہا ہے؟''

سپاہی ہچکچایا۔اس زمانے میں عام فہم رویہ یہ تھا کہ کوڑھ چھونے سے پھیلتا ہے۔عارف تیزی سے تعفن زدہ کوٹھڑی کے اندر

آیا' اور جھک کے اس کی گلی سڑی کلائی چھوئی۔

وہاں نبض کب کی ختم ہو چکی تھی۔ دل کی دھڑکن اور سانسیں بھی رک چکی تھیں۔

کوڑھ زدہ آدمی مر چکا تھا۔ وہ جا چکا تھا۔ عارف نے مراد کو دیکھا اور افسوس سے سر ہلا دیا۔

''اس کی لاش کو سمندر میں بہا دو۔ اور اس راز کو یہیں دفن کر دو۔ اگر یہ بات کسی تیسرے فرد کو معلوم ہوئی تو میں تم دونوں کو مثالِ عبرت بنا دوں گا۔'' سرد آواز میں تنبیہہ کی اور آگے بڑھ گیا۔ عارف نے جھٹ سر ہلایا اور لاش کی طرف بڑھ گیا۔ اسے ہی اس کوڑھ زدہ لاش کو ٹھکانے لگانا تھا۔ جانتا تھا دوسرا سپاہی مدد نہیں کرے گا۔

☆☆==========☆☆

بنداہارا کا محل رات کی تاریکی میں ڈوبا تھا۔ چند قمقمے جل رہے تھے اور دیوار پہ لگی مشعلیں روشن تھیں جن کے باعث گرد و نواح میں راستہ تھوڑا بہت سجھائی دیتا تھا۔

مراد قید خانے سے سلطنت محل گیا تھا۔ اور عشاء کے بعد وہاں سے فاتح کے ہمراہ اپنے محل واپس آ رہا تھا۔ محل کے قریب اس نے سپاہیوں کو آگے بھیج دیا تھا اور خود گھوڑے سے اتر آیا۔ لگام تھامے' گھوڑے کے ساتھ چلتے ہوئے وہ کنکھیوں سے فاتح کو دیکھ رہا تھا۔

وہ بھی اس کی تقلید میں گھوڑے کی لگام تھامے پیدل چل رہا تھا۔ سفید کرتے پاجامے میں ملبوس' اپنی مخصوص سیاہ قبا کندھوں پہ ڈالے' وہ سوچ میں گم لگتا تھا۔

''وفاداری تمہارے نزدیک کیا ہے' وان فاتح؟'' اندھیر سڑک پہ چلتے مراد نے اچانک سے سوال پوچھا تو فاتح نے محض آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''آپ کے نزدیک کیا ہے' راجہ؟''

''اپنے مفاد پہ کسی دوسرے کو ترجیح دینا' اس کے رازوں کی حفاظت کو مقدم رکھنا' اور اس کا غیر مشروط ساتھ دینا۔''

''اگر وفا صرف یہی ہوتی تو یہ آپ مرسل کے ساتھ نبھا چکے ہیں۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ مراد نے چونک کے قدرے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''اتنی وفاداری تو سب آپ کے اچھے وقت میں نبھاتے ہیں' راجہ۔ وفاداری صرف یہ نہیں ہوتی۔''

''پھر کیا ہوتی ہے؟''

فاتح نے نگاہوں کا زاویہ اس کی طرف موڑا اور سادگی سے کہا۔

''جب راستہ تاریک ہو جائے تو الوداع نہ کہنا بلکہ ساتھ چلتے رہنا۔ وفاداری اندھیروں کے ساتھ کا نام ہے۔''

مراد رک گیا تو وہ بھی ٹھہر گیا۔ دونوں اب ایک دوسرے کے آمنے سامنے اندھیر سڑک پہ کھڑے تھے۔

''میں کیسے یقین کروں کہ تم میرے ساتھ وفادار ہو فاتح؟'' مراد گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا میں اب تک خود کو وفادار ثابت نہیں کر سکا؟''

''بظاہر تو تم نے سب کیا ہے لیکن ایک امتحان ابھی باقی ہے۔'' وہ ٹھہرا۔ بادل آسمان سے ذرا سے سمٹے تو چاند کا چمکتا ہوا کنارہ دکھائی دیا۔ ذرا دیر کو اندھیر سڑک پہ روشنی بکھر گئی۔

''میں نے تمہیں برونائی کے ولی عہد کے طور پہ اس لئے متعارف کروایا تھا کیونکہ میں دیکھ چکا تھا' تاشہ تمہارے بغیر میری دنیا میں کبھی خوش نہیں رہے گی۔ کیا تم اس سے میری دنیا کے رواج کے مطابق شادی کرنا چاہتے ہو؟ ایسی شادی جس کا علم ساری سلطنت کو ہو۔''

ایک لمحے کے لئے خاموشی چھا گئی۔ فاتح کے چہرے پہ چھائے سکون میں واضح دراڑ پڑی تھی۔

''میں اور تالیہ ایک زمانہ پہلے اس رشتے میں خود کو باندھ چکے ہیں' راجہ۔''

''میں ایک علی الاعلان شادی کی بات کر رہا ہوں۔'' مراد کی نظریں اس پہ جمی تھیں۔

''اور بدلے میں مجھے آپ سے چابی کا سوال نہیں کرنا ہوگا۔ ہے نا؟''

''ایسا ہی ہے۔ ویسے بھی تمہاری دنیا میں تمہارے لئے اب کیا رہ گیا ہے؟ تم وہاں کبھی حکومت نہیں کر سکو گے۔''

فاتح چپ ہو گیا۔

''میں نے سوچا تھا کہ اگر مجھے دوبارہ موقع ملے تو میں اپنا استعفیٰ واپس لے لوں گا اور دوبارہ سے....''

''تمہارے لوگ اب کبھی تمہارا اعتبار نہیں کریں گے' وان فاتح۔'' مراد زور دے کر بولا۔ ''تمہارے لئے وہاں اب کوئی محبت' کوئی التفات نہیں بچا۔ تاشہ نے بتایا تھا کہ تمہاری بیوی مر چکی ہے' تمہارے خواب ختم ہو چکے ہیں۔ بہت جلد تمہارے بچے تمہارا نام اپنے ساتھ لگانے سے احتراز کرنے لگیں گے۔ تمہاری دنیا راکھ ہو چکی ہے۔''

اندھیرے میں بھی وہ فاتح کی گردن میں ڈوب کے ابھرتی گلٹی دیکھ سکتا تھا۔

''مگر میری دنیا میں.... میں تمہیں ایک غیر ملکی شہزادے کے طور پہ خوش آمدید کہتا ہوں۔ تم سلطان کی بیٹی سے شادی کرو گے۔ تم میرے بنداہارا بن سکتے ہو۔ تم میرے ساتھ اس ملک پہ حکومت کر سکتے ہو۔ کیا تم ایسا نہیں چاہتے؟''

''میں نے ایک دفعہ اپنے دوستوں کو بتائے بغیر آپ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ اگر میں نے دوبارہ ایسا کیا تو وہ میرا

اعتبار کبھی نہیں کریں گے۔"

"میں آدم کو واپس اس کی دنیا میں بھیج سکتا ہوں۔ اور تم.... تم ادھر ہی رہ سکتے ہو۔" مراد بہت آرام سے کہہ رہا تھا۔

"آپ یہ کیوں کر رہے ہیں؟" وہ مشتبہ نظروں سے راجہ کو دیکھ رہا تھا۔

"اپنی بیٹی کے لئے۔ وہ تمہارے بغیر کبھی خوش نہیں رہے گی۔"

"یعنی تالیہ کو پانے اور ایڈم کو واپس اس کے ماں باپ سے ملانے کے لئے مجھے ایک دفعہ پھر مراد راجہ کے ساتھ پسِ پردہ سودا کرنا پڑے گا؟" وہ ناخوشی سے بولا۔

"ہاں۔ مگر پہلے تمہیں اپنی وفاداری ثابت کرنی ہوگی۔" مراد معنی خیز انداز میں کہہ کے آگے بڑھ گیا تو فاتح نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا مگر فی الحال مراد کا رکنے کا ارادہ نہ تھا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ محل میں داخل ہوئے تو اندھیر پڑے باغیچے کے سامنے برآمدے کے زینوں پہ وہ منتظر دکھائی دی۔ مراد کو آتے دیکھ کے وہ تیزی سے نیچے آئی۔

"بابا.... ایڈم کہاں ہے؟ کیا وہ آپ کے ساتھ ہے؟"

وہ ان کے سامنے آرکی اور بے قراری سے بولی۔

مراد نے گہری سانس لی اور فاتح کو دیکھا۔ "تم نے اسے نہیں بتایا؟"

فاتح چونکا۔ مگر بولا کچھ نہیں۔ جیسے سمجھ نہ آیا ہو اس بات پہ کیا کہے۔

"آدم نے تندرست ہونے کے بعد مجھ سے پہلا سوال وقت کی چابی کے بارے میں کیا تھا۔"

"ظاہر ہے۔ وہ واپس جانا چاہتا تھا۔ مگر....." تالیہ ٹھہر گئی۔ بے یقینی سے مراد کو دیکھا۔ "کیا مطلب؟ بابا.... آپ نے....."

"ہاں۔ میں نے اسے وقت کی چابی دے دی۔ وہ اپنی دنیا میں واپس جا چکا ہے۔"

چند لمحے کے لئے اندھیر سیڑھیوں پہ ششدر سا سناٹا چھایا رہا۔ تالیہ اور خود فاتح بھی بے یقینی سے مراد کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ نے..... ایڈم کو.... جانے دیا؟ مجھے بتایا بھی نہیں۔"

"یہ فاتح اور اس کی خواہش تھی کہ ایسا ہی ہو۔"

وان فاتح نے چونک کے مراد کو دیکھا اور پھر تالیہ کو جس کی بے یقین نظروں کا رخ اس کی طرف مڑ چکا تھا۔

مراد راجہ اسی سادگی سے بتا رہا تھا۔

''وہ چابی محض آدم اور فاتح کے لئے تھی۔ آدم چاہتا تھا کہ وہ تم سے ملے بغیر واپس جائے۔ اور وان فاتح....'' مراد نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔''وان فاتح واپس نہیں جانا چاہتا۔ وہ یہیں رہنا چاہتا ہے۔ مجھے بتاؤ میں نے کیا غلط کیا؟''

وہ ابھی تک صدمے کے زیرِ اثر لگتی تھی۔ بس ٹکر ٹکر باپ کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''وہ چابی...ظاہر ہے...فاتح اور ایڈم کے لیے تھی...مگر....'' ذرا سنبھل کے بولی' پھر شکایتی نظروں سے فاتح کو دیکھا۔''مگر آپ نے مجھے بتانا مناسب تک نہ سمجھا؟ ایڈم مجھ سے ملے بغیر یوں کیسے جا سکتا ہے؟ کیا اس نے....اس نے میرے لئے ایک فقرہ بھی نہیں کہا۔''

''کیا اس نے کچھ کہا تھا؟'' مراد نے سنجیدگی سے فاتح کو دیکھا جیسے اس وقت فاتح وہاں موجود ہو۔''کیونکہ اگر کچھ کہا ہوتو وان فاتح ضرور تمہیں بتائے ا۔ مجھے اس کی وفاداری پہ شک نہیں۔'' مراد اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا گویا کہہ رہا ہو....بنداہارا کا عہدہ...یا سچ؟ فیصلہ تمہارا ہے۔

''نہیں۔ وہ....وہ بس اپنے ماں باپ کے پاس واپس جانا چاہتا تھا۔'' وہ رک رک کے بولا۔ وہ اس جھوٹ کے لیے تیار نہ تھا اس لیے یہ کہنا مشکل لگا تھا۔

''کیا تم یہی نہیں چاہتی تھیں؟ کہ وہ تندرست ہو جائے اور واپس چلا جائے؟'' مراد اپنی بیٹی کو تعجب سے دیکھ رہا تھا۔

''آپ دونوں نے اسے واپس بھیج دیا؟ اور وہ بھی چلا گیا؟ مجھ سے ملے بغیر؟'' وہ ہنوز شاک کے زیرِ اثر لگتی تھی۔ پھر سر جھٹکا۔''مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔''

پھر وہ پلٹ گئی اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ تعلیم' آداب' سب آج بھلا دیے۔

''تالیہ۔'' فاتح نے پکارا لیکن وہ نہیں رکی۔ وہ دور چلی گئی۔

''کیا یہ تھا وفاداری کا امتحان؟'' وہ مراد کی طرف گھوما اور بہت ضبط سے بولا۔

''ہاں اور تم اس میں پورے اترے۔ تم ملاکہ سلطنت کے بہترین بنداہارا بنو گے' وان فاتح۔''

''میں نے ابھی ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔''

''میں تمہاری آنکھیں پڑھ سکتا ہوں۔'' مراد نے مسکرا کے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔''تم نے جھوٹ اس لئے بولا کیونکہ تم تخت کھونا نہیں چاہتے تھے۔''

''آپ نے مجھے اس کی نظروں میں ناقابلِ اعتبار بنا دیا ہے۔'' وہ بولا تو آواز میں دکھ اور بے بسی تھی۔ مراد صرف مسکرا دیا اور آگے بڑھ گیا۔

"کیا آپ کو واقعی اپنی بیٹی سے محبت ہے، راجہ؟"

مراد کے قدم ٹھہر گئے۔ وہ مڑا اور ناگواری سے فاتح کو دیکھا۔ "کیا تمہیں اب بھی شک ہے؟"

میں نے آپ سے کہا تھا کہ جب میں آپ کو تخت دلاؤں گا تو میں آپ سے کچھ مانگوں گا۔"

"ابھی میں سلطان نہیں بنا۔"

"لیکن تخت آپ کا ہی ہے۔ یہ شہزادے تو کٹھ پتلی ہیں۔" فاتح سنجیدگی سے کہتا اس کے سامنے آیا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا۔"

"کہو۔" مراد نے لب بھینچ لئے۔

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ 'مراد راجہ' بنے بغیر صرف.... صرف ایک باپ کی طرح اپنی بیٹی سے پوچھیں کہ وہ کیا چاہتی ہے۔"

مراد کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔ "یہ کس قسم کی شرط ہے؟"

"میں اس کو نہیں بتاؤں گا کہ آپ نے ایڈم کو مجھ سے پوچھے بغیر واپس بھیجا ہے اور میرے لئے چابی بنائی ہی نہیں ہے۔ اگر آپ یہ کام کرلیں، تو میں یہاں رہنے کے لئے تیار ہوں۔ کیا آپ ایک دن کے لئے تالیہ کے باپ بن کے دکھا سکتے ہیں؟"

"تمہیں لگتا ہے میں ایک اچھا باپ نہیں ہوں؟"

"یہ فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ کیا آپ اپنی بیٹی کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے بجائے اس سے اس کی مرضی پوچھ سکتے ہیں؟"

"اور اس سے کیا ہوگا؟"

"اگر آپ واقعی اس کے باپ بن کے اس سے بات کریں گے تو آپ کو اسے ایڈم کے بارے میں سچ بتانا ہوگا۔ سچ بتائے بغیر آپ دونوں کا رشتہ کھوتا رہے گا۔ میں نہیں مان سکتا کہ بغیر کسی بڑی وجہ کے آپ نے ایڈم کو خاموشی سے واپس بھیج دیا۔ کچھ ہے جو آپ چھپا رہے ہیں۔"

مراد چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر گہری سانس اندر کھینچی۔

"اس نے جاتے وقت کہا تھا کہ وہ "تالیہ" اور "فاتح" کے درمیان نہیں آنا چاہتا۔ وہ "چے تالیہ" سے دستبردار ہونا چاہتا ہے۔ وہ اب 'چے تالیہ' کے لئے نہیں جیئے گا۔"

مراد نے اس کے الفاظ دہرا دیے اور فاتح چند ثانیے کے لئے کچھ بول نہ سکا۔ یہ ایڈم کے ہی الفاظ تھے۔ اور یہ اس کے

لئے نئے تھے۔ یہ الفاظ کسی سازش' کسی منصوبے کا حصہ نہ تھے۔

''اس نے ایسا کہا؟'' جو بات دونوں کے درمیان تکلف میں ہمیشہ ادھوری رہ گئی تھی' اسے ایڈم جاتے جاتے پورا کر گیا تھا۔

مراد اسے وہیں چھوڑ کے اندر آیا تو نیم اندھیر روشن راہداریاں ویران پڑی تھیں۔ اپنی خوابگاہ کی طرف جانے کے بجائے وہ تالیہ کے کمرے کی طرف آیا۔ دروازہ کھلا تھا۔ پہریدار بت بنے کھڑے تھے اور وہ پلنگ پہ بیٹھی تھی۔ ننگے پیر فرش پہ تھے۔ اور خود گم صم خلاء میں دیکھ رہی تھی۔

آہٹ پہ نظریں اٹھائیں۔ پھر نقاہت سے مسکرائی۔ کمرے میں دو مشعلیں روشن تھیں اس لئے اس کا چہرہ زرد روشنی میں واضح دکھائی دیتا تھا۔

''تم مجھ سے خفا ہو کہ میں نے اسے جانے دیا؟'' وہ اس کے پلنگ پہ بیٹھا اور نرمی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' تالیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں خود سے خفا ہوں۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ میں نے آپ پہ شک کیا تھا' بابا۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ مراد نے اپنے چہرے سے اندرونی جذبات کی خبر نہ ہونے دی اور بظاہر عام انداز میں حیران ہوا۔

''کیسا شک؟''

''یہی کہ دوا کام نہیں کرے گی۔ یا شاید ترکیب درست نہ ہو۔ لیکن آپ نے اپنا وعدہ نبھایا۔ مجھے آپ پہ کبھی شک نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' پھر اس نے گہری سانس لی۔ ''جب مرسل نے اپنے بھائی کو مارا تو مجھے لگا میں اس پاگل دنیا میں نہیں رہ پاؤں گی۔ میں بھی ایڈم اور فاتح کے ساتھ واپس جانے کا سوچنے لگی تھی لیکن آپ نے جو کچھ میرے دوست کے لیے کیا....اس کے بعد میں آپ کو کبھی نہیں چھوڑ سکتی۔'' وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرائی۔ ''ایڈم صحت یاب ہو گیا' اور واپس چلا گیا' مجھے یہی چاہیے تھا۔ لیکن وہ مجھ سے مل کے کیوں نہیں گیا۔''

مراد چند لمحے اس کا اداس چہرہ دیکھتا رہا۔

''وہ تمہارا دوست تھا۔'' توقف کیا۔ ''تمہارے نزدیک دوستی کیا ہے' تاشہ؟''

اس نے آنکھیں رگڑیں اور سادگی سے کہنے لگی۔

''کسی کی خوشی میں خوش' اس کے غم میں غمگین۔ اس کو اعتبار اور مان دینا۔ وفا نبھانا۔''

''اور محبت کیا ہوتی ہے؟''

تالیہ نے ہلکے سے شانے اچکائے۔"پتہ نہیں۔"

"میں بتاؤں؟" مراد آگے کو جھکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔"محبت وہ دوستی ہوتی ہے جس سے آگ کی لپٹیں اٹھنے لگیں۔"

تالیہ مراد اپنی جگہ پتھر ہوگئی۔

"اس نے جاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ چے تالیہ اور فاتح کے درمیان سے نکلنا چاہتا ہے۔وہ چے تالیہ سے دستبردار ہونا چاہتا ہے۔اور اب وہ چے تالیہ کے بجائے اپنے لئے جینا چاہتا ہے۔"

اس کا انداز گہرا تھا۔وہ جانتا تھا کہ اس کا یہی کہنا کافی تھا۔

وہ یہ کہہ کے اٹھ گیا اور شہزادی پتھر کا مجسمہ بنی بیٹھی رہی۔

یہ بات نئی تھی۔یہ کسی سازش' کسی جھوٹ کا حصہ نہ تھی۔یہ ایڈم کیا کہہ گیا تھا؟

ایڈم اس کا دوست تھا۔صرف دوست۔وہ اس سے زیادہ کچھ نہ تھا مگر وہ ایڈم کی نظر میں کیا تھی؟ وہ خالی نظروں سے مشعل کے شعلوں کو دیکھ رہی تھی۔

وہ اس کو عصرہ کی گیلری میں ملا تھا۔وہ اس کو چور سمجھتا تھا۔وہ اس کو پولیس کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔وہ اس کے پیچھے کنویں تک آیا تھا اور پھر وہ ہمیشہ اس کے پیچھے آنے لگا۔

ایڈم بن محمد ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا تھا۔مشکل میں اس کے پاس تسلی دینے کے لئے۔اس کو سمجھانے اور کبھی کبھار صرف اس کو سننے کے لیے۔ایڈم وہ سایہ تھا جو خاموشی سے اس کی چھاؤں بنا رہتا تھا۔اور اسے کبھی خبر ہی نہ ہوئی؟

ایک ایک کر کے یادیں ذہن سے ٹکرا رہی تھیں۔

"ایڈم کا دل قدیم ملاکہ میں ٹوٹا تھا۔" (فاتح جانتا تھا؟ وہ کیوں نہ جان پائی؟)

"تم نے کبھی ایڈم کو غور سے دیکھا ہے؟" (داتن بھی محسوس کر گئی تھی۔ایک وہ نہ کر سکی جس کی عقل سمجھ ان سب سے زیادہ تھی۔)

وہ اس کے انٹرویوز دیکھنا بھول جاتی تھی۔وہ اس کی ای میلز کے جواب نہیں دیتی تھی۔وہ اس کے پاس صرف اپنی کہنے آتی تھی۔اس نے کبھی بیٹھ کے سنا ہی نہیں کہ وہ کیا چاہتا ہے۔وہ اس کی زندگی کا کون سا بڑتن تھا؟ اور وہ اس کی زندگی میں کیا تھی؟

"کیا میں کبھی اس سے پوچھ پاؤں گی کہ اس نے یہ سب مجھے بتایا کیوں نہیں؟" وہ ابھی تک سُن سی بیٹھی تھی۔

(آپ کتابیں نہیں پڑھتیں' چے تالیہ؟)

مسکراتا ہوا لہجہ یاد آیا تو احساس ہوا کہ وہ خود بھی تو ایک کتاب ہی تھا۔ کیا وہ ہمیشہ یہ پوچھا کرتا تھا کہ وہ اسے کیوں نہیں پڑھتی؟ اور وہ آگے سے کیا کہتی تھی؟ اپنے جواب یاد ہی نہیں تھے۔

''اوہ ایڈم!'' اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ ایڈم بن محمد اظہار کے اس عجیب طریقے سے اسے اداس کر گیا تھا۔

☆☆==========☆☆

صبح کی دودھیا روشنی ملاکہ کے اونچے محلوں پہ پھیلی تھی۔ رات کی ساری سیاہی کو اس نے دھو ڈالا تھا۔ پرندوں کا ایک غول چہچہاتا ہوا بنداہارا کے محل کے اوپر سے گزر رہا تھا اور وہ بالکونی میں کھڑی سر اٹھائے ان کو دیکھ رہی تھی۔ ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا رکھا تھا اور آنکھیں تیز روشنی کے باعث چندھیا رکھی تھیں۔

''تالیہ!'' آواز پہ اس کا ہاتھ نیچے آن گرا۔ وہ ٹھٹک گئی۔ پھر بے یقینی سے پلٹی۔

مراد کمرے کے دروازے پہ کھڑا تھا جو بالکونی میں کھلتا تھا۔ کتنے عرصے بعد اس نے تالیہ کو تالیہ کہہ کے پکارا تھا۔

''بابا؟'' وہ خوشگوار حیرت سے بولی' پھر اسے دیکھا تو مزید چونکی۔

مرا کا حلیہ پہلے سے مختلف تھا۔ وہ خاکی رنگ کی بنا آستین کی جیکٹ میں ملبوس تھا اور اس نے گہرا سبز پاجامہ پہن رکھا تھا۔ ماتھے پہ پٹی میں باندھنے کی بجائے بالوں کو پونی میں جکڑ رکھا تھا۔ نہ میان میں تلوار تھی نہ ہاتھ میں قیمتی انگوٹھیاں۔ بس کندھے پہ ترکش تھا اور چہرے پہ مسکراہٹ۔

''کیا تم شکار پہ جانا چاہتی ہو؟''

وہ کھلے دل سے مسکرا دی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

ملاکہ کا جنگل الور سونگائی کے جنگل سے مختلف تھا جس میں بچپن میں وہ جایا کرتی تھی مگر شاید سارے جنگل اندر سے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ان میں سارے راستے گم ہو جاتے ہیں اور وہ زندہ ہوتے ہیں۔

وہ دونوں شکار کے لباس میں ملبوس' کندھوں پہ ترکش اٹھائے جنگل میں چلتے جا رہے تھے۔ یہ ایک رین فاریسٹ تھا اور اونچے درختوں نے اوپر سبز چھت بنا رکھی تھی۔ بمشکل سورج کی روشنی جنگل کے فرش پہ پہنچ پاتی تھی۔

''کیا تم آدم کے لئے فکر مند ہو؟'' ایک سبز پانی کے جوہڑ کے کنارے پتھر پہ بیٹھتے ہوئے مراد نے سرسری انداز میں پوچھا۔ پھر ترکش اتار کے نیچے رکھا۔

''نہیں' بابا۔ وہ اپنی دنیا میں پہنچ جائے' اس سے زیادہ مجھے کیا چاہیے۔'' وہ ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی البتہ اس کے انداز میں اداسی تھی۔ مراد نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ جوہڑ کی سطح پہ چمکتے درختوں کا عکس دیکھ رہی تھی۔

''میں تمہیں یہاں کسی وجہ سے لایا ہوں۔''

تالیہ نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ چھوٹے سیاہ بالوں کو پونی میں باندھے' وہ بھی شکاریوں والے سادہ خاکی کرتے پاجامے میں ملبوس تھی۔

''کیا؟''

''میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی زندگی کو کسی کنارے سے لگالو۔ آدم جاچکا ہے اور فاتح یہاں رہنا چاہتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس کو اپنے خاندان کا حصہ بنالیں۔''

تالیہ نے تعجب سے پلکیں جھپکائیں۔ ''آپ چاہتے ہیں میں وان فاتح سے شادی کرلوں؟'' قدرے توقف سے تصحیح کی۔ ''مطلب.... ہم اپنی شادی کو ظاہر کردیں؟''

''برونائی کے ولی عہد سے شادی برا سودا نہیں ہے۔'' مراد مسکرا کے بولا تو وہ بس اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''بابا.... ان کو اپنی دنیا میں واپس جانا ہے۔ وہ یہاں نہیں رکنا چاہتے۔''

''وہ رکنے پہ تیار ہے۔''

تالیہ کی آنکھیں مشتبہ انداز میں چھوٹی ہوئیں۔ ''آپ نے ایک دفعہ پھر ان سے پسِ پردہ کوئی سودا تو نہیں کرلیا؟''

''میں نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ یہاں رکنا چاہتا ہے تو اس نے رضامندی ظاہر کردی۔ وہ آدم کے ساتھ واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس میں سودا کیسا؟''

''مگر میں ایسا نہیں چاہتی۔'' وہ تیزی سے بولی۔ پھر لب کاٹے۔ مراد نے غور سے اسے دیکھا۔

''تم یہاں نہیں رہنا چاہتیں؟''

''میں.... بس یہ چاہتی ہوں کہ آپ فاتح کو چابی بنادیں تاکہ وہ چلے جائیں۔ وہاں ان کی زندگی ان کی منتظر ہے۔ ہم ان سے وہ نہیں چھین سکتے۔''

''کہیں تم اس کے ساتھ خاموشی سے چلے جانے کا ارادہ تو نہیں رکھتیں؟'' مراد کا لہجہ خشک ہوگیا۔ زیرک نگاہیں تالیہ پہ جمی تھیں۔

وہ چند لمحے لب کاٹتی رہی۔ پھر گردن کڑا کے بولی۔ ''نہیں۔ اگر ان کے لئے چابی بنانے کے عوض آپ مجھے یہاں رکھنا چاہتے ہیں تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔''

''مگر وہ خود یہاں رہنا چاہتا ہے۔ میں اسے ملاکہ سلطنت کا بنداہارا بنا سکتا ہوں۔'' مراد نے شانے اچکائے اور وہ بالکل

ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔

''یعنی آپ دونوں نے واقعی پسِ پردہ سودا کرلیا ہے؟ آپ نے انہیں تخت کی پیشکش کی اور وہ لالچ میں آ گئے؟''

''تخت کا لالچ کسے نہیں ہوتا' تاشہ؟''

تالیہ نے ایک نظر اس کے شکاریوں والے حلیے پہ ڈالی۔اسے تالیہ کہنا' یہ لباس' یہ ترکش' یہ جنگل کا سفر....سب مراد راجہ اپنے نئے سودے کی تکمیل کے لئے کر رہا تھا۔

''آپ مجھے یہاں لائے تھے تو مجھے لگا آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔مگر آپ صرف اپنے سیاسی مقاصد کے لئے ایک دفعہ پھر مجھے اور فاتح کو استعمال کرنا چاہ رہے ہیں۔''وہ دکھ سے بولی۔

''کیا تم حکومت نہیں کرنا چاہتیں؟''

''میں کچھ نہیں چاہتی۔''وہ رکھائی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔''مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔''

''تاشہ....''وہ ساتھ ہی اٹھا۔

''آپ نے مجھ سے میرے دو دوست دور کر دیے'باپا۔ایک کو وقت کے پار بھیج دیا۔اور دوسرے کو بے اعتبار کر دیا۔میں فی الحال تنہا رہنا چاہتی ہوں۔''وہ اکتائے ہوئے انداز میں کہتی ایک طرف کو چلنے لگی۔ترکش وہیں چھوڑ دیا۔سینے پہ بازو لپیٹے اور دور چلتی گئی۔

''میں تمہارے بھلے کے لئے کہہ رہا ہوں۔''

مراد نے دیکھا وہ تھوڑی دور جا کے زمین پہ بیٹھ گئی تھی۔وہ مسکرا دیا۔وہ دونوں ہاتھوں سے مٹی کھود رہی تھی۔وہ بچپن میں اکثر ایسے کرتی تھی۔ناراض ہوتی تو جا کے درختوں کے بیچ زمین پہ بیٹھ جاتی۔جوتے اتارتی۔مٹی کھودتی۔اور ایک اونچا محل بناتی۔

وہ آج بھی یہی کر رہی تھی۔اس کے ہاتھ غصے میں تیز تیز کام کر رہے تھے۔وہ پھر سے محل بنا رہی تھی۔

وہ اسے وہیں چھوڑ کے آگے بڑھ گیا۔دن چڑھنے لگا تھا اور مراد کو محل جا کے بہت سے کام کرنے تھے۔اسے اس لباس سے بھی چھٹکارا چاہیے تھا جو اس نے اپنا عہد پورا کرنے کے لئے پہنا تھا۔اس نے وان فاتح سے کیا وعدہ اپنے تئیں پورا کر دیا تھا۔اب وہ دونوں اس کی مرضی کے منصوبے کے تحت چل رہے تھے اور چلتے رہیں گے۔مراد کو مزید کسی محنت یا جہد کی ضرورت نہ تھی۔وہ اپنا مقصد حاصل کر چکا تھا۔

وہ جنگل سے نکل کے محل کی طرف جانے والے راستے پہ چل رہا تھا جب ایک فقرہ ذہن سے ٹکرایا۔

"تاشہ ایک سمندری سفر پہ جائے گی جس سے وہ واپس نہیں آئے گی۔"

مراد ٹھہر گیا۔گردن موڑی۔جنگل کے اس پار ساحل سمندر تھا جو ویران پڑا تھا۔

اس کے ذہن میں ایک دوسرا منظر لہرایا۔

وہ منظر جو وہ تھوڑی دیر پہلے دیکھ کے آیا تھا.....

مٹی پہ غصے میں بیٹھی تالیہ.....محل بناتے اس کے کیچڑ میں لتھڑے ہاتھ....اور اس کے جوتے۔

تالیہ نے جوتے نہیں اتارے تھے۔

(آپ چے تالیہ کو ویسے نہیں جانتے جیسے میں جانتا ہوں۔)

مراد ایک دم پیچھے کو بھاگا۔

(میں اپنی دنیا میں فریب کار تھی' بابا۔میرا ہنر فریب دینا تھا۔)

وہ تیزی سے جنگل کی طرف واپس جارہا تھا۔

(فریب کار وہ ہوتا ہے' بابا.....جو دوسرے کو وہ دکھائے جو وہ دیکھنا چاہتا ہے۔)

ہر طرف درخت ہی درخت تھے۔وہ پسینے میں شرابوران کے درمیان بھاگتا جارہا تھا۔

(مجھے صرف فریب کاری آتی ہے۔اور جو مجھے کرنا آتا ہے' وہ میری جان ہمیشہ بچاتا رہے گا۔)

وہ اس مقام تک آیا تو دیکھا.....مٹی کا محل آدھا بنا ہوا کھڑا ہے۔اور تالیہ وہاں نہیں ہے۔

مراد نے آنکھیں بند کیں' زیرِ لب کچھ پڑھا اور پھر اسے اندازہ ہو گیا کہ اسے کس طرف جانا ہے۔وہ تیزی سے اس سمت بھاگا۔

چند درختوں کے درمیان ایک خالی قطعہ تھا۔وہاں زمین پہ ایک ڈھکن کھلا ہوا پڑا تھا۔اس کے ساتھ ایک آدمی کھڑا تھیلے میں کچھ ڈال رہا تھا۔اس کی مراد کی طرف پشت تھی۔قدموں کی آواز پہ وہ ٹھٹھک گیا اور پھر آہستہ سے پلٹا۔مراد کو دیکھا تو ساکت رہ گیا۔

"آدم بن محمد!"

مراد راجہ سرخ پڑتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ایڈم کے ہاتھ تھیلے پہ رک گئے تھے۔اس کا منہ ذرا سا کھل گیا' پھر اس نے افسوس سے سر جھٹکا اور اونچی آواز میں بولا۔

"سوری چے تالیہ.....لیکن آپ کے ولن باپ کو con کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔"

مراد کی نظریں ایڈم کے عقب میں اٹھیں۔ وہاں زمین میں ایک ڈھکن سا کھلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ یقیناً نیچے سیڑھیاں تھیں کیونکہ اگلے ہی لمحے زینے چڑھنے کی آواز آئی اور پھر.....وہ باہر نکلی۔ مراد کو دیکھ کے اس کی رنگت بدلی۔

وہ آہستہ سے باہر نکلی۔ پھر ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''ہم پکڑے گئے ہیں۔'' ایڈم سرگوشی میں بولا۔

''فکر نہ کرو۔ میرا ولن باپ اکیلا ہے۔'' وہ اپنی زبان میں کہتی ایڈم کے سامنے آئی اور سرد مہری سے مراد کو دیکھا جس کے چہرے پہ ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

''تم مجھے دھوکہ دے رہی تھیں؟''

''آپ اپنے مقدر سے اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہیں بابا کہ لوگ آپ کو پسند کرتے ہیں اور آپ سلطان بن جائیں گے۔'' وہ طنز سے بولی۔

مراد نے بے بسی بھرے غصے سے ایڈم کو دیکھا۔''تم.....زندہ تھے؟''

وہ بالکل صحت مند نظر آ رہا تھا اور اپنے پورے قد سے کھڑا تھا۔ ساتھ ہی بند ہونٹوں سے منہ میں کچھ چبا بھی رہا تھا۔

''جی' راجہ۔ یہ زندہ تھا۔ اپنے تئیں تو آپ اسے مار چکے تھے۔'' وہ رکھائی سے بولی۔ یہ وہ تالیہ نہیں تھی جسے مراد راجہ جانتا تھا۔

''وہ کیا ہے' مراد راجہ کہ.....'' ایڈم تھوڑی کھجاتے ہوئے بولا.....''مجھے کتابوں نے کبھی دھوکہ نہیں دیا۔ اور آپ نے کبھی ہم سے سچ نہیں بولا۔ ہم تینوں کو معلوم تھا کہ آپ کبھی بھی اصل ترکیب نہیں دیں گے۔ مجھے اصل ترکیب کتابوں سے معلوم ہو گئی تھی۔ یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کی دوا مجھے کوڑھ میں مبتلا کر دے گی۔ اس لیے میں نے دوا اپنی ترکیب کے مطابق بنائی تھی' آپ کی نہیں۔ گو کہ خود مجھے اور بے تالیہ کو ڈر تھا کہ ہم بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں لیکن.....میں سورج نکلنے سے پہلے تندرست ہو گیا تھا۔''

''میں نے تمہاری لاش دیکھی تھی۔'' وہ مارے طیش کے یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

ایڈم نے ابرو اچکائے۔''ہماری دنیا میں اپنی جعلی موت ظاہر کرنا بہت عام سی بات ہے۔ کوڑھ کا یہی فائدہ ہے۔ اس کی بدبو دوسرے سپاہیوں کو قریب نہیں لگنے دیتی۔ صرف ہمارا بندہ قریب آتا ہے۔''

''تمہارا بندہ؟'' مراد کا سانس تھم گیا۔

''عارف۔ ہم نے عارف کو خرید لیا تھا۔'' وہ اسی رکھائی سے مراد کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی۔''عارف کی سب سے بڑی

خواہش یہ تھی کہ ہم یہاں سے چلے جائیں۔وہ ہم نے پوری کرنے کا وعدہ کیا۔ڈھیر سارا سونا دیا۔اور اس نے ہمارا ساتھ دیا۔عارف بہانے بہانے سے آپ کے سپاہی کو قید خانے سے نکال دیتا اور ایڈم اپنی جلد پہ جعلی کوڑھ کا خول چڑھا لیتا۔“

”وہ سب.....وہ سب اداکاری تھی؟“ مراد کی آنکھوں سے شعلے اٹھ رہے تھے۔”میرے سامنے اس کے لیے پریشان ہونا.....وہ سب.....“

”جی۔سب فریب تھا۔لیکن میں نے آپ کو ایک موقع دیا تھا۔“ وہ تنفر سے اسے دیکھ کے بولی۔”مجھے تالیہ سمجھ کے ملیں اور مجھ سے پوچھیں کہ میں کیا چاہتی ہوں۔میں آخر تک آپ سے سچ سننے کی منتظر رہی تاکہ آپ کو الوداع بول سکوں لیکن آپ نے وہ موقع بھی گنوا دیا۔“

مراد نے غصے سے ہنکارا ابھرا۔”تو وہ تمہاری خواہش تھی۔نہ کہ فاتح کی۔“

”میں نے کہا تھا نا‘ آپ چے تالیہ کو نہیں جانتے۔“ ایڈم مسکرا کے بولا۔

”پتہ ہے راجہ.....“ وہ دکھ سے کہہ رہی تھی.....”پھر بھی مجھے لگا تھا کہ آپ کہیں گے ‘ایڈم مر گیا ہے۔وہ صحت یاب نہیں ہو سکا۔مگر مجھے یا خود فاتح کو بھی اندازہ نہ تھا کہ آپ اسے واپس بھیجنے والا جھوٹ بولیں گے۔آپ نے خود مجھے اپنے ہاتھوں سے کھویا ہے۔اب میں بغیر کسی بوجھ کے یہاں سے جاؤں گی۔“

مراد چونکا۔نظریں عقب میں نظر آتے کھلے دہانے تک گئیں۔

”مگر تمہارے پاس وقت کی چابی نہیں ہے.....“

”سرپرائز.....سرپرائز.....“ ایڈم نے گردن میں انجیر کے ساتھ پہنی چابی لہرائی۔

مراد کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔”یہ کیسے.....“

”کیونکہ آپ ملاکہ کے واحد جادوگر نہیں ہیں۔“

آواز پہ ان تینوں نے گردن اس سمت موڑی جہاں سے وہ چلا آ رہا تھا۔کندھے پہ تھیلا ڈالے‘ چہرے پہ سنجیدہ سپاٹ تاثرات سجائے‘ وہ تالیہ اور ایڈم کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

”سوری۔مجھے دیر ہو گئی۔“ پھر مراد راجہ کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھا۔”آپ کو سب معلوم ہو ہی گیا ہے تو بتاتا چلوں.....میں جانتا تھا‘ آپ چابی کبھی نہیں بنائیں گے۔اس لئے میں نے یان سوفو سے سودا کر لیا تھا۔“

مراد نے گہری سانس لی۔”اور بدلے میں تم نے اسے بغاوت کی اطلاع اور بھاگنے میں مدد فراہم کی۔“

”بالکل۔میں نے اس سے دشمنی ترک کر دی اور اس نے مجھے چابی بنا دی۔مجھے یہی چاہیے تھا۔اور ہاں‘ یہ سب میں نے

اپنے دوستوں کے علم میں لا کے کیا تھا۔'' وہ مراد کو دیکھتے ہوئے درشتی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں نے ایک دفعہ ان سے چھپ کے آپ سے سودا کیا تھا۔ لیکن میں اب وہ انسان نہیں رہا جو مصلحتوں پہ فیصلے کروں۔ میں ان چیزوں سے آزاد ہو چکا ہوں۔ میں اپنی غلطیوں سے سیکھ چکا ہوں۔''

وہ تینوں شانہ بشانہ ایک ساتھ کھڑے تھے۔ تینوں کی نظروں میں مراد راجہ کے لئے سرد مہری تھی۔

اس نے غصے بھری بے بسی سے انہیں دیکھا۔

''تم نے میرے ساتھ غداری کی۔ مجھے دھوکہ دیا۔'' اس کا مخاطب فاتح تھا۔ ''وہ میری بیٹی ہے' اسے میں معاف کر سکتا ہوں۔ لیکن تم.... تم نے اچھا نہیں کیا۔ میں تمہیں تخت میں حصے دار بنا رہا تھا۔ میں نے تم پہ اتنے احسانات کیے اور تم!''

''میں اپنے دوستوں کو نہیں چھوڑ سکتا تھا' راجہ!''

''اور تم تاشہ!'' اس نے دکھ سے تالیہ کو دیکھا۔ ''تم میرے پاس آئی تھیں اور کہا تھا کہ تم یہاں ہمیشہ کے لیے واپس آ گئی ہو۔''

''کیونکہ آپ نے فاتح سے ان کی یادیں چھین لی تھیں۔ آپ کے اس سودے کی وجہ سے کتنے مہینے میری زندگی جہنم بنی رہی' آپ کو اندازہ بھی نہیں ہے۔ میں کوئی شہزادی نہیں ہوں' راجہ۔ یہ میری دنیا نہیں ہے۔ نہ میرے اور آپ کے درمیان سچائی کا تعلق ہے۔ میں کے ایل کی عام سی تالیہ ہوں۔ مجھے اب محلوں میں رہنے کی خواہش نہیں رہی۔''

پھر اس نے گہری سانس لی اور جنگل میں اپنے سامنے کھڑے اکیلے مراد کو دیکھا۔

''میں پچھلی دفعہ گئی تھی تو آپ سے ناراض تھی۔ اکتائی ہوئی تھی۔ اس دفعہ ناراض نہیں ہوں۔ مجھے آپ سے جو محبت تھی وہ ہمیشہ رہے گی' لیکن مجھے وہ اب تکلیف نہیں دے گی۔ آپ کو چھوڑنا تکلیف دہ نہیں ہے۔''

مراد نے اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ اس کے چہرے پہ جھنجھلاہٹ اور بے بسی تھی۔

''آپ اپنے ساتھ لاؤ لشکر نہیں لائے' اچھا ہے۔ لاتے بھی تو آپ ہمیں نہیں روک سکتے تھے' مراد راجہ۔ ہم اپنی دنیا میں واپس جا رہے ہیں۔ ایک دفعہ دروازہ بند ہو گیا تو آپ اسے نہیں کھول سکیں گے۔''

فاتح نے اب ان دونوں کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں سپاٹ نظروں سے مراد کو دیکھتے کھلے دہانے کی طرف بڑھ گئے۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ نیچے اتر گئے۔ ڈھکن ابھی تک کھلا تھا۔

''مجھے آپ کے لیے افسوس ہے' راجہ۔ میں جانتا ہوں بیٹی کو کھونے کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ اسی لیے میں نے آپ کو موقع دیا تھا اپنی بیٹی کی نظروں میں سرخرو ہونے کا.... لیکن خیر.... الوداع' مراد راجہ۔''

اس نے گردن اٹھا کے آسمان کو دیکھا جو درختوں کے پتوں کے جھروکوں سے بدقت نظر آتا تھا۔

''الوداع ملاکہ۔''

یہ کہتے ہوئے وہ مڑا اور کھلے دہانے کی طرف بڑھا۔تبھی اسے احساس ہوا کہ مراد اس کی طرف لپکا ہے' لیکن اس سے پہلے کہ وہ مڑتا' مراد راجہ نے کوئی نوکیلی شے اس اس کی کمر میں گھونپ دی تھی۔

وقت تھم گیا۔

درختوں سے پرندے جھپاک سے اڑ گئے۔

فاتح کے منہ سے کراہ بھی نہیں نکلی۔وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھتا چلا گیا۔پہلو میں درد کی ناقابلِ برداشت لہر اٹھی تھی۔ بصارت دھندلا گئی تھی۔

مراد نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

''جاؤ' میں نے تم تینوں کو آزاد کیا۔اور یہ..... یہ تمہاری غداری کا بہت چھوٹا بدلہ ہے۔''

یہ کہہ کے مراد سیدھا کھڑا ہوا اور تنفر سے اسے دیکھا۔وہ اپنے پہلو پہ ہاتھ رکھے جھکا ہوا تھا۔جنگل کی زمین پہ اس کا لہو ٹپکتا دکھائی دے رہا تھا۔

فاتح بہت ضبط سے پہلو پہ ہاتھ رکھے اٹھا۔وہ شدید تکلیف میں تھا مگر اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔مراد منتظر تھا کہ فاتح اس پہ حملہ آور ہو گا مگر فاتح نے صرف نفی میں سر ہلایا۔

''تم تالیہ کے باپ ہو۔اور میں تمہارا قاتل نہیں بننا چاہتا۔''

ایک نفرت بھری نظر اس پہ ڈال کے وہ وہ دہانے کی طرف بڑھ گیا۔

مراد نے اسے سیڑھیاں اترتے دیکھا۔اس کی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔

پھر اس نے ڈھکن بند ہوتے دیکھا۔وقت کے ان مسافروں کا قصہ تمام ہو چکا تھا۔وہ اپنی بیٹی کو کھو چکا تھا۔

اس نے قدم موڑ لئے۔اس کا رخ سلطنت محل کی جانب تھا۔

''اپنی کتاب کا آخری صفحہ تحریر کرو' ابن ابی بکر۔'' کچھ دیر بعد وہ فوارے کے ساتھ کھڑا تھا اور دور افق کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔سامنے بیٹھا مورخ جو ہنگامی حکم پہ بلوایا گیا تھا کبھی حیرت سے راجہ کی بکھری بکھری حالت دیکھتا اور کبھی سر جھکا کے تیز تیز لکھنے لگ جاتا۔

''لکھو کہ مراد راجہ نے برونائی کے ولی عہد سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی تھی۔

وہ دونوں بحری سفر پہ روانہ ہو گئے۔

لیکن مذاق مذاق میں....شہزادی تاشہ نے ایک جادوئی سوئی ولی عہد کو گھونپ دی۔

ولی عہد کا خون بہتا گیا۔

وہ زخم کی تاب نہ لا کے مر گیا اور اس غم کے باعث تاشہ نے....اس نے خود کو سمندر کی لہروں کے حوالے کر دیا۔

اس کے بعد تاشہ کو کسی نے ملاکہ میں نہیں دیکھا۔

وہ اس بحری سفر سے کبھی لوٹ کے نہیں آئی۔"

جس وقت مراد جنگل سے باہر جا رہا تھا' وان فاتح پہلو پہ ہاتھ رکھے دھیرے دھیرے نیچے آ رہا تھا۔ تالیہ اور ایڈم نیچے موجود اس قدیم دروازے کے ساتھ کھڑے تھے۔ ایڈم کے ہاتھ میں چابی تھی جس سے وہ تالہ کھول رہا تھا۔

تالیہ نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی اور آہستہ سے بولی۔"تم نے اپنی جعلی موت کے وقت بابا سے جو کہا....وہ پلان کا حصہ نہیں تھا....تمہاری وہ بات...."

"چپ تالیہ!" اس نے سنجیدگی سے اسے ٹوک دیا۔"وہ بات ہم وقت کے اس پار کریں گے۔"

"مگر ایڈم....کیا وہ...."

"میں نے کہا نا....ہم وہ بات کے ایل میں کریں گے۔ وان فاتح....آپ آ گئے؟ گڈ۔ میں دروازہ کھول رہا ہوں۔"

وہ پہلو پہ ہاتھ رکھے زینے اتر رہا تھا۔ چہرے پہ تکلیف کو ضبط کرنے کے آثار تھے۔

ایڈم جو ساتھ ساتھ تالہ کھول کے دروازہ دھکیل رہا تھا' وہیں ٹھہر گیا۔ تالیہ نے بھی چونک کے اسے دیکھا۔

"فاتح۔" وہ بے یقینی سے اس کی طرف بڑھی۔ اس کا بازو تھاما۔ پہلو پہ رکھے اس کے ہاتھ خون سے سرخ ہو رہے تھے۔ تالیہ نے جگہ کو چھوا تو اس کی انگلیاں بھی سرخ خون سے بھیگ گئیں۔

"یہ....یہ بابا نے کیا ہے؟" اس کی بے یقینی صدمے میں بدلی۔

"ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔ تالہ کھل چکا ہے۔ ہمیں واپس جانا ہے۔" وہ قدرے تختی سے کہہ کے آگے بڑھا۔

"آپ زخمی ہیں۔" ایڈم ہکا بکا رہ گیا۔

"چلو....ایڈم۔ جلدی کرو۔" وہ تکلیف برداشت کرتا' تیزی سے چوکھٹ کی طرف جا رہا تھا۔ ایڈم نے بھی پیچھے قدم بڑھائے۔"جلدی چلو۔"

"بابا نے....یہ کیسے کیا؟" اس کا صدمہ اب غصے میں بدل رہا تھا۔ رنگت سرخ پڑنے لگی تھی۔

''بابا نے اس آدمی پہ حملہ کیا جو میرے لیے سب کچھ تھا؟'' وہ ایک دم مڑی اور زینے پھلانگتی اوپر کو لپکی۔

''بچے تالیہ.....آپ کیا کر رہی ہیں.....'' ایڈم کی اکتائی ہوئی آواز سنائی دی۔

ڈھکن ابھی بند نہیں ہوا تھا۔اس نے پوری قوت سے اسے ہٹایا اور سر باہر نکالا۔

''مراد راجہ.....'' وہ غصے سے غرائی۔مگر سامنے جنگل کا فرش تنہا تھا۔مراد دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔وہ آواز پہ بھی نہیں پلٹا۔وہ اس کے پیچھے جانا چاہتی تھی' وہ اس کا گریبان پکڑ کے اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ اس نے ایسا کیوں کیا....لیکن...یہ اس سب کا وقت نہیں تھا۔اگر دروازہ بند ہو گیا تو وہ یہیں پھنس جائے گی۔بدقت ضبط کر کے وہ تیزی سے واپس آئی۔بھاری دروازہ دھیرے دھیرے چوکھٹ کے قریب جا رہا تھا۔وہ چوکھٹ سے لگنے ہی والا تھا جب تالیہ نے اسے زور سے دھکیلا اور اندر داخل ہوئی۔اس کے گھستے ہی دروازہ بند ہو گیا۔

اب ہر طرف اندھیرا تھا۔

''ایڈم؟'' فاتح؟'' اس نے اندھیرے میں پکارا۔جواب ندارد۔وہ تیزی سے آگے بڑھی۔پیر زینوں سے ٹکرایا۔وہ اندھیرے میں ٹٹولتی اوپر چڑھنے لگی۔آخری زینے کے اوپر ڈھکن تھا۔تالیہ نے اسے کھولا اور باہر نکلی۔

وہ سڑک کے کنارے پہ کسی مین ہول سے باہر نکل رہی تھی۔چند لمحے کے لئے ذہن کو سمجھ نہ آئی کہ وہ کہاں ہے مگر پھر.....آہستہ آہستہ اس نے گردن گھمائی۔

وہ جدید ملاکہ کی ایک سڑک تھی۔دور دور تک دکانیں اور ریستوران بنے نظر آ رہے تھے۔سڑک پہ دو رویہ ٹریفک رواں دواں تھی۔رات کا وقت تھا اور اسٹریٹ لائٹس جگمگا رہی تھیں۔

سامنے ایک بورڈ نظر آ رہا تھا۔''جونکر اسٹریٹ'' اور آگے مڑنے کا نشان تھا۔

اوہ یعنی وہ جونکر اسٹریٹ کے قریب تھی۔جونکر اسٹریٹ وہ جگہ تھی جہاں سے ذوالکفلی کا گھر تھوڑا ہی دور تھا۔یعنی وہ درست مقام پہ تھی۔

اسے ذوالکفلی کے تہہ خانے سے نکلنا چاہیے تھا۔وہ یہاں سے کیوں نکلی؟

وہ کپڑے جھاڑتی اٹھی۔ادھر ادھر دیکھا۔کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔مگر.....کوئی ارد گرد تھا بھی نہیں۔

''ایڈم؟ فاتح؟'' اس نے زیرِ لب فکرمندی سے آواز دی۔وہ دونوں وہاں نہیں تھے۔پلٹ کے مین ہول کو دیکھا تو وہاں زمین برابر ہو چکی تھی جیسے وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ تینوں ہمیشہ ساتھ جاتے اور ساتھ نکلتے تھے۔''

اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ فاتح کا خون ابھی تک ان پہ لگا تھا۔ اسے پھر سے فکر ہونے لگی۔

اسے ذوالکفلی کے گھر جانا چاہیے۔ وہ دونوں یقیناً وہیں سے نکلے ہوں گے۔

وہ تیزی سے جونکر اسٹریٹ کی سمت چل دی۔ گردن میں موجود کپڑا سر پہ پہن لیا۔ وہ ایک مفرور ملزمہ تھی۔ اسے احتیاط سے کام لینا تھا۔

سڑک کے کنارے ایک جگہ اونچی سی ایل ای ڈی آویزاں تھی۔ اس پہ کوئی میچ دکھائی دے رہا تھا۔ تالیہ نے چلتے چلتے گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔ کونے میں تاریخ اور وقت لکھا آ رہا تھا۔

اتوار۔ بائیس جنوری۔

وہ مسکرائی۔ یہ وہی وقت تھا جب وہ تینوں ذوالکفلی کے تہہ خانے سے وقت کے سفر پہ نکلے تھے۔

اور ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر وہ واپس آ گئی تھی۔

مگر وہ دونوں کہاں تھے؟

وہ چلتے چلتے جونکر اسٹریٹ پہ آ گئی۔ وہاں بہت رش تھا۔ لوگوں کا ہجوم چلتا ہی جا رہا تھا۔ وہ اداسی سے مسکراتی ادھر ادھر دیکھتی آگے بڑھتی گئی۔ اتنا عرصہ قدیم ملاکہ میں رہنے کے بعد یہ سب نیا نیا لگ رہا تھا۔ ٹریفک .... لوگوں کا انداز .... عمارتیں .... یہ وہی جونکر اسٹریٹ تھی جہاں وہ ان گنت دفعہ آئی تھی۔ لیکن جدید زمانے کا سحر کتنا منفرد تھا۔

ماضی بالآخر پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کرنے کے لئے آزاد تھی۔

اسٹریٹ میں ایک جگہ وہ ٹھہر گئی۔ گردن موڑی تو بائیں جانب ایک کافی۔ کوکو کی مہک یہاں تک محسوس ہو رہی تھی۔ اسے ذوالکفلی کے گھر جانے کے لئے کافی لے لینی چاہیے۔ وہ راستے میں پی جائے گی۔ بیٹھ کے پینے کا وقت نہ تھا۔

اس کے پاس پیسے نہیں تھے لیکن اسے ایک کریڈٹ کارڈ کا نمبر یاد تھا جسے وہ استعمال کر سکتی تھی۔ وہ کاؤنٹر پہ گئی تو باریستا نے اسے خوش آمدید کہا۔ تالیہ نے اس کو آرڈر لکھوایا اور خود دروازے کے ساتھ ایک میز پہ جا بیٹھی۔

(خدا کرے یہ مجھے نہ پہچانے۔) وہ فاتح اور ایڈم سے ملنے سے پہلے گرفتار نہیں ہونا چاہتی تھی۔

کافی شاپ کی مرکزی دیوار پہ ٹی وی اسکرین نصب تھی۔ اس پہ نیوز بلیٹن نشر ہو رہا تھا۔ تالیہ کی نظریں وہاں اٹھیں تو واپس مڑنا بھول گئیں۔

اسکرین پہ ایک تھائی آدمی ایک ملے آدمی سے ہاتھ ملاتا نظر آ رہا تھا۔ ملے آدمی کو وہ پہچانتی تھی۔

اسے ہی تو وہ پہچانتی تھی۔ نیوز کاسٹر پس منظر میں کہہ رہی تھی.....

''تھائی لینڈ کے بادشاہ کا استقبال کرنے ملائیشیاء کے وزیر اعظم وان فاتح خود نیچے تک آئے اور....''

اور یہ وہ لمحہ تھا جب تالیہ مراد کو احساس ہوا کہ کچھ غلط تھا۔

وہ چند لمحے ٹکر ٹکر اسکرین پہ نظر آتے فاتح کو دیکھے گئی۔ تھری پیس میں ملبوس مسکراتا ہوا فاتح رامزل مختلف نظر آرہا تھا۔

پھر اس کی نظریں سست روی سے شاپ کے اطراف میں اٹھیں۔ یہ جگہ مختلف تھی۔ یہ جگہ اس جونکر اسٹریٹ سے مختلف تھی جو اسے یاد تھی۔ اس نے اشارے سے باریستا کو بلایا۔

''آج بائیس جنوری ہے نا؟ اتوار کا دن؟'' تالیہ نے بے یقینی سے پوچھا۔ باریستا نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔

''جی۔ آج اتوار ہے۔ بائیس جنوری۔''

''بائیس جنوری' 2017.... رائیٹ؟''

باریستا کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آنکھوں میں اچنبھا در آیا۔

''نہیں.... یہ 2023 ہے۔''

اس کے الفاظ نے تالیہ مراد کی سانسیں روک دیں۔

نہیں۔ یہ 2017 ہے۔ تم مذاق کر رہے ہو' ہے نا؟'' وہ میز پہ زور سے ہاتھ مار کے بولی۔ اس کے چہرے پہ بے پناہ خوف سمٹ آیا تھا۔

''سوری میم.... میں سمجھا نہیں۔ یہ 2023 ہے۔'' باریستا اسے عجیب الجھی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ تاریخ بہت سے لوگ پوچھتے تھے۔ لیکن سال؟ سال کون پوچھتا تھا؟

تالیہ کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ اس نے بے یقینی سے اسکرین کو دیکھا۔

وہاں ملائیشیاء کا وزیر اعظم اب تھائی لینڈ کے بادشاہ کے ساتھ عشائیے میں مصروف نظر آتا تھا۔ اس کے دونوں بچے اس کے ہمراہ کھڑے تھے۔ ٹین ایج سکندر اور جولیانہ۔ وہ دونوں بڑے ہو چکے تھے۔ عمر میں بھی۔ قد میں بھی۔

چھ سال گزر چکے تھے۔

نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہنے لگے۔ باریستا حیرت سے اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

یہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ آنکھوں کے آگے دھواں چھانے لگا۔ وہ تیزی سے اٹھی۔ گردن پہ ہاتھ رکھا۔ اور گہرے گہرے سانس لیتی.... باہر آئی۔ پھر شاپ کے آگے فٹ پاتھ پہ بیٹھ گئی۔

یہ ممکن نہیں تھا۔ چھ سال کیسے گزر سکتے تھے۔ وہ وقت میں اسی مقام پہ واپس کیوں نہیں آئی تھی؟ نہیں.... یہ جھوٹ تھا۔

خواب تھا۔اس نے آنکھیں بند کیں۔ابھی وہ جاگ جائے گی۔اس نے آنکھیں کھولیں۔

سب ویسا ہی تھا۔وقت نے سارے حساب الٹے کر دیے تھے۔

وہ چند لمحے کے لیے غصے میں مراد کے پیچھے بھاگی تھی۔جب وہ واپس آئی تو دروازہ چوکھٹ سے لگ چکا تھا۔اس نے اسے کھول لیا کیونکہ اس کا تالہ کھل چکا تھا یا جانے کیا بات تھی۔لیکن جب اس نے اسے کھولا تو وہاں ایڈم اور فاتح نہیں تھے۔چند لمحوں کے فرق نے جدید دنیا میں برسوں کا فرق ڈال دیا تھا۔

لوگ جونکر اسٹریٹ پہ گزر رہے تھے۔آگے بڑھ رہے تھے۔ہنس رہے تھے۔بول رہے تھے۔

اور تالیہ مراد سُن سی فٹ پاتھ پہ بیٹھی تھی۔

☆☆=========☆☆

اگلا ایک گھنٹہ وہ غائب دماغی کی کیفیت میں اس اسٹریٹ پہ آگے پیچھے پھرتی رہی تھی۔کبھی کسی بنچ پہ جا بیٹھتی۔کبھی کسی دکان کے اندر۔کبھی سڑک کنارے سر جھکائے چلنے لگتی۔کبھی گھنٹہ گھر کے سامنے کھڑے گھڑی کی سوئیوں کو کوسنے لگتی۔اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔نہ وہ کچھ سوچ پا رہی تھی نہ سمجھ پا رہی تھی۔

جب اس کا ذہن بیدار ہونے لگا تو اس نے خد کو کافی شاپ میں بیٹھے پایا۔جانے کب وہ اندر آئی تھی اور کافی منگوائی تھی۔

بالآخر اس کے حواس کام کرنے لگے تھے۔وہ تیزی سے اٹھی اور کاؤنٹر تک گئی۔

''میں.....آپ کا کمپیوٹر استعمال کر سکتی ہوں؟ پلیز تھوڑی دیر کے لئے۔''اس کے انداز میں اتنی شدید لجاجت تھی کہ باریستا نے فوراً سے ایک لیپ ٹاپ اس کی میز پہ رکھ دیا۔

وہ وہاں بیٹھی کچھ دیر اسکرین کو تکتی رہی۔اسے کیا معلوم کرنا تھا' اسے معلوم نہ تھا۔بائیس جنوری ۲۰۱۷...کیا فاتح اور ایڈم چھ سال پہلے اس تاریخ میں جدید دنیا میں واپس پہنچ گئے تھے؟ ۲۲ جنوری کو جو بھی ہوا ہو گا' اس کی خبر اگلے روز کے اخبار میں چھپی ہو گی۔اس نے اپنی خون سے سرخ انگلیوں سے ٹائپ کیا۔

۲۳ جنوری۔2017۔

تالیہ نے اس تاریخ کا آن لائن اخبار کھولا۔

''وان فاتح زخمی حالت میں جونکر اسٹریٹ کے کنارے پائے گئے۔''

''وان فاتح ہسپتال میں داخل۔ان کی حالت تشویش ناک ہے۔حملہ آور کا فی الوقت پتہ نہیں چل سکا۔''

''وان فاتح چھ روز بعد ہسپتال سے ڈسچارج کر دیے گئے۔اب وہ روبہ صحت ہیں۔''

وہ لبوں پہ ہاتھ رکھے بے یقینی سے پڑھ رہی تھی۔ اس نے ایک دفعہ پھر بارٹینڈر کو بلایا۔ وہ فوراً چلا آیا۔

''میں....میں کافی عرصے بعد ملائیشیا آئی ہوں۔'' اب کے وہ قدرے سنبھل کے پوچھنے لگی۔ ''وان فاتح وزیراعظم کب بنے تھے؟''

''پہلی دفعہ یا دوسری دفعہ؟'' وہ احتیاط سے پوچھنے لگا۔

''اوہ۔ وہ دوسری دفعہ وزیراعظم بن رہے ہیں؟''

''جی میم۔ پہلی دفعہ ۲۰۱۷ کے جون میں۔ اور دوسری دفعہ پچھلے برس ۲۰۲۲ کے جون میں۔ وہ پچھلے ساڑھے پانچ سال سے ہمارے پرائم منسٹر ہیں۔''

وہ ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگی۔ اب کیا پوچھے؟

''آپ کہاں سے آئی ہیں؟''

''امریکہ سے۔ اچھا مجھے بتاؤ....تم نے ایڈم بن محمد کا نام سنا ہے۔ وہ ایک رپورٹر ہوتا تھا جس نے....''

''ہانگ کانگ پیپرز والا ایڈم بن محمد؟ ''اینکر پرسن'' ایڈم بن محمد؟''

''اینکر پرسن؟'' اس نے دوبارہ سے لبوں پہ انگلیاں رکھ دیں۔ آنکھیں بھیگنے لگ گئیں۔ ''ایڈم بن محمد اینکر بن گیا؟''

''جی....وہ ملائیشیا کا معروف اینکر ہے۔'' باریستا فخر سے امریکی سیاح کو بتانے لگا۔ ''اس کی تو چار پانچ بیسٹ سیلر کتابیں بھی ہیں۔ اور وہ ایک پرائم ٹائم ٹاک شو کا اینکر پرسن ہے....وہ ہانگ کانگ پیپرز کی وجہ سے Pulitzer پرائز کے لئے بھی نامزد ہوا تھا لیکن اسے پرائز نہیں ملا۔ یو نو.... پرائز آخر میں گوروں کو مل جاتا ہے۔''

''اس پہ....اس پہ ایک زمانے میں قاتلانہ حملے ہوتے تھے....''

''وہ تو پرانی بات ہے۔ اب تو وہ اسٹار اینکر ہے۔ اسے کون کچھ کہہ سکتا ہے۔ خود پرائم منسٹر بھی نہیں۔ آپ کو کچھ اور چاہیے۔''

''اونہوں۔'' اس نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ ''مجھے اب اور کیا چاہیے ہوگا۔''

وہ واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہوئی۔ ایڈم کا نام کپکپاتی انگلیوں سے ٹائپ کیا۔

سوٹ میں ملبوس۔ مسکراتا ہوا ایڈم بن محمد....وہ اب سیلیبریٹی رپورٹر سے کہیں آگے بڑھ چکا تھا۔ وہ دنیا گھومنے والا....محلوں میں اٹھنے بیٹھنے والا....ایوارڈز اور انعامات جیتنے والا ایڈم بن محمد تھا۔

اس کا لباس قیمتی تھا۔ اس کا گھر شاہانہ تھا۔ اس کی کلاس مختلف ہو چکی تھی۔ وہ اپنی زندگی میں کامیاب ہو چکا تھا۔

اس نے اسکرین فولڈ کر دی۔ دماغ ایک دفعہ پھر سے ماؤف ہونے لگا۔ نظریں اوپر ٹی وی اسکرین کی طرف اٹھیں تو وزیر اعظم وان فاتح پھر سے دکھائی دینے لگا۔ اب کے خبر مختلف تھی۔ یہ اگلا بلیٹن تھا۔ وہ بس ٹکر ٹکر اسے دیکھے گئی۔

وہ پہلے سے زیادہ باوقار لگتا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس' روسٹرم پہ کھڑا تقریر کر رہا تھا۔ وہی اعتماد۔ وہی بے نیازی۔ وہی حکمرانی کا سا انداز۔

تالیہ نے سر میز پہ گرا دیا۔ یہ سب غیر حقیقی تھا۔ اس کا دماغ مزید کچھ قبول کرنے سے انکاری تھا۔ وقت نے اس کو بہت بڑی سزا دی تھی۔ بلکہ ان تینوں کو۔ ان تینوں کو ایک دوسرے سے چھین کے ان تینوں کو ادھورا کر دیا تھا۔

ابھی چند لمحے پہلے وہ تالیہ کے ساتھ تھے۔ اور اب.... سب بدل چکا تھا۔ وہ دونوں بہت آگے نکل چکے تھے۔ اور وہ کہاں تھی؟

اس نے کرنٹ کھا کے سر اٹھایا۔ ایک منٹ۔ تالیہ مراد کہاں تھی؟

اس نے تیزی سے اسکرین کھولی۔ پھر جلدی جلدی ٹائپ کرنے لگی.....

تالیہ بنتِ مراد۔

خبریں سامنے آنے لگیں۔ ایک کے بعد ایک صفحہ کھلنے لگا۔

2017 کے آغاز میں عصرہ محمود کے قتل کے بعد روپوش ہونے والی مفرور ملزمہ تالیہ مراد ابھی تک نہیں ملی تھی۔ غالباً وہ ملک سے بھاگ چکی تھی اور گمنامی کی زندگی گزار رہی تھی۔

عصرہ محمود کے قتل کا کیس ابھی تک بند نہیں ہوا تھا۔ وہ فائل پولیس ڈیپارٹمنٹ میں کھلی تھی اور اشعر محمود نے ہر طرح سے زور لگا کے اس کو کھلا رہنے دیا تھا۔

تالیہ مراد آج بھی ایک مفرور ملزمہ تھی۔

ایک بات وہ جانتی تھی۔ ملائیشیاء کے قانون میں کرمنل کیس کا کوئی statue of limitation (قانون میعاد سماعت) نہ تھا۔ اس قانون کے تحت ایک مقررہ مدت گزرنے کے بعد اگر مجرم پکڑا نہ جائے تو کیس بند ہو جاتا ہے اور مجرم بعد میں آجائے' تب بھی اس پہ مقدمہ نہیں چلتا۔

مگر ملائیشیاء میں قتل کے کیس پہ کوئی قانون میعاد سماعت لاگو نہیں ہوتا تھا۔ اگر مجرم چھ برس بعد بھی آئے تو وہ مجرم ہی ہوگا۔

تالیہ کی زندگی کے دونوں ستون آگے بڑھ چکے تھے۔ وہ دونوں اپنے اپنے خواب پا چکے تھے مگر چھ سال گزرنے کے بعد

بھی تالیہ مراد ایک مفرور ملزمہ تھی اور پولیس آج بھی اس کی تلاش میں تھی۔

باریستا نے ایک گاہک کو آرڈر تھماتے ہوئے گردن موڑ کے اس گم صم سی لڑکی کو دیکھنا چاہا تو ٹھٹھک گیا۔

کافی کا کپ اَن چھوا رکھا تھا۔

لیپ ٹاپ بند پڑا تھا۔

اور کرسی خالی تھی۔

اسے علم بھی نہ ہوا۔ وہ لڑکی جانے کب وہاں سے نکلی اور جونکر اسٹریٹ کے ہجوم میں گم ہوگئی۔

بنا کسی چاپ کے۔

بنا کسی آواز کے۔

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

☆☆=========☆☆

حالم (نمرہ احمد)

بائیسواں باب:

''وقت مہربان''

اس کی بند آنکھوں کے پار صرف اندھیرا تھا۔ ذہن کا پردہ کسی بھی خواب سے خالی تھا۔

کھڑکی کے باہر کسی کار کا ہارن سنائی دیا تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھی۔ پھر ارد گرد دیکھا۔

وہ قدیم ملاکہ میں نہیں تھی۔ وہ کے ایل کے ایک موٹل روم میں نیند سے جاگی تھی۔ اور نیند بھی ایسی جو خوابوں سے خالی تھی۔

وہ گزشتہ رات جونکر اسٹریٹ کے ایک مین ہول سے واپس اپنی دنیا میں آئی تھی۔ اور یہاں آ کے معلوم ہوا تھا کہ باقی ساری دنیا آگے بڑھ چکی تھی۔ وہ پیچھے رہ گئی تھی۔ ایسے جنگجو کی مانند جو میدان جنگ میں پیچھے دیکھنے کی غلطی کی پاداش میں نمک کا مجسمہ بنا دیا جاتا ہے۔ دوست اور دشمن.... ہارتے جیتتے..... جھنڈے گاڑتے آگے بڑھتے جاتے ہیں....اور وہ نمک کا مجسمہ وہیں کھڑا رہ جاتا ہے۔ زمان و مکان کی قید سے آزاد۔

''چھے سال۔ وقت نے میرے چھے سال چھین لیے۔'' اس نے تنفر سے کھڑکی کے پار دیکھا جہاں نئے دن کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔

لوگ کہتے تھے وقت سب سے بڑا مسیحا ہوتا ہے۔ وقت زخم مندمل کر دیتا ہے۔ وقت یہ۔ وقت وہ۔ لیکن کوئی تالیہ بنت مراد سے پوچھتا تو وہ کہتی' کہ وقت قطعاً مہربان نہیں تھا بلکہ وقت سے زیادہ ظالم کوئی نہیں تھا۔

وہ قدیم ملاکہ سے جدید دنیا میں صرف ایک پوٹلی کے ساتھ آئی تھی جس میں چند زیورات تھے یا سونے کے سکے۔ جدید زمانے کی کرنسی اس کے پاس نہ تھی لیکن اسے اپنے چند کریڈٹ کارڈز کے نمبرز یاد تھے۔ رات جب اس نے انہیں استعمال کرنا چاہا تو وہ کام نہیں کر رہے تھے۔ شاید ایکسپائر ہو گئے تھے۔

پھر اس نے وہی کیا جو اسے کرنا آتا تھا۔ بس اسٹیشن پہ کسی کے پرس میں ہاتھ ڈالا.....تو کسی کا بٹوہ دھیرے سے نکالا۔ آج

کوئی اس کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتا تھا۔ آج اسے کسی نہ کسی طرح سروائیو کرنا تھا۔

رات کے تیسرے پہر وہ کے ایل پہنچی۔ شہر کی فصیل ہو یا بس اسٹاپ..... کہیں کوئی تالیہ مراد کی تاک میں نہ بیٹھا تھا۔ چھے سال بعد نہ اس کے "پولیس کو مطلوب" والے پوسٹرز وہاں تھے نہ کسی کو وہ یاد تھی۔

پچھلی دفعہ فاتح اسے بھولا تھا۔ اس دفعہ ساری دنیا اسے بھول گئی تھی۔

کے ایل پہنچ کے وہ اپنی اسٹریٹ میں پہنچی تو اسے دھکا سا لگا۔ حالم کا بنگلہ وہاں نہیں تھا۔ اس کی گرفتاری کے وقت حکومت نے اس کے اثاثے ضبط کر لیے تھے۔ بعد میں قانونی یا غیر قانونی طور پہ اس کے گھر کو غالباً سرکاری املاک شمار کر کے اس کو منہدم کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ اب وہاں ایک سرکاری دفتر بنا تھا۔ اس کا گھر اس کا نہیں رہا تھا۔ وقت..... وقت نے اس کے ساتھ بہت ناانصافی کی تھی۔

پہلی رات ایک فرضی نام کے ساتھ موٹل میں گزار دی۔ صبح میں وہ نیچے ریسپشن پہ آئی تو ریسپشنسٹ نے مسکرا کے اسے سلام کیا۔ وہ بھی مسکرا دی۔ سیاہ بالوں کو پونی میں باندھے' آنکھوں پہ چشمہ لگائے' وہ سفید ٹراوزرز پہ گھٹنوں تک آتا سیاہ کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ وہ ریسپشنسٹ سے آنکھ نہیں ملا رہی تھی مگر تھوڑی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ کوئی اسے نہیں پہچانتا تھا۔ کسی کو اس میں دلچسپی نہ تھی۔

تالیہ موٹل سے باہر نکلی اور ٹیکسی میں بیٹھی۔ اسے آج شہر میں مختلف جگہوں پہ چھپائے اپنے "گو بیگز" ڈھونڈنے تھے۔ کرنسی' پاسپورٹ' چند ضروری چیزیں جو برے وقت میں کام آتی تھیں۔ اور برا وقت آن پہنچا تھا۔

سڑک پہ بھاگتی ٹریفک.... گاڑیوں کا شور.... بہت تیزی سے چلتی دنیا.... ہر شے اس کے اندر عجیب سا خوف پیدا کر رہی تھی۔

ریلوے اسٹیشن کا لاکر خالی تھا۔ اتنے برس گزرنے کے بعد اس کا گو بیگ وہاں کیسے موجود ہو سکتا تھا؟ ہونہہ۔ دوسری منزل ایک بینک اکاؤنٹ کا سیف تھا۔ جس آئی ڈی کارڈ پہ اس نے یہ بینک میں یہ سیف لیا تھا' وہ آئی ڈی کارڈ ایک پوسٹ آفس کے لاکر میں چھپا کے رکھا تھا۔ مگر وہ وہاں گئی تو وہ کارڈ بھی وہاں موجود نہیں تھا۔ انسانوں نے چھپے خزینے کب چھوڑے ہیں؟ جس کو جہاں موقع ملا' ہاتھ صاف کر لیا۔

اور اب اسے اپنا آخری گو بیگ ڈھونڈنا تھا اور وہ جانتی تھی' وہ وہیں ہو گا جہاں اس نے اسے چھپایا تھا۔

جب رات گہری ہو گئی تو وہ اس قبرستان گئی جہاں اس نے اپنا سب سے قیمتی گو بیگ چھپایا تھا۔ وہ قبر اب بھی ویسی تھی۔ اس پہ نصب صلیب اسی طرح کھڑا تھا۔ سیاہ ہڈی میں ملبوس تالیہ نے کدال سے قبر کھودنی شروع کی۔

اندر ایک لکڑی کا تابوت تھا جس کے اوپر ہر جگہ مٹی لگی تھی۔ تالیہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ ڈھکن ہٹایا۔

اس کا گو بیگ اندر موجود تھا۔ اس نے تیزی سے زپ کھولی۔

پاسپورٹ' آئی ڈی' نوٹوں کے بنڈل' اور چند سفری دستاویزات۔ سب کچھ پلاسٹک کی تہوں میں محفوظ تھا۔ تالیہ نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی اور اندھیر آسمان کو دیکھا۔

اس رات اپنے موٹل روم میں بیٹھے اس نے سوچا... اسے فاتح سے بات کرنی تھی۔ ایڈم سے بات کرنی تھی۔ داتن سے بات کرنی تھی۔ انسان بات کیے بغیر چوبیس گھنٹے نہیں گزار سکتا... اور اس کو کسی سے ڈھنگ سے بات کیے بنا تیں گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔

فاتح' ایڈم' داتن.... کسی کا پرانا نمبر اب استعمال میں نہ تھا۔ فاتح کے ای میل ایڈریس پہ ای میل جا کے پلٹ آئی کیونکہ وہ ایڈریس اب بلاک ہو چکا تھا۔ سیکیورٹی پروٹوکول شاید۔ اُف۔ ایڈم کا ای میل اسے یاد نہ تھا۔ داتن کو اس نے ایک میسج بورڈ پہ پیغام چھوڑا اور پھر پوری رات بار بار اس میسج بورڈ کو چیک کرتی رہی۔ کوئی ردعمل' کوئی جواب' کچھ بھی اس کی طرف نہ آیا۔

رات کے تیسرے پہر تالیہ نے ایک دفعہ پھر وان فاتح کو گوگل کرنا شروع کیا۔ وہ اس کی ہر ویڈیو' ہر تصویر میں اس کے چہرے پہ بے قراری سے کوئی تاثر ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کہیں اس نے تالیہ کا نام لیا ہو.... کہیں اس نے کہا ہو کہ وہ اس کو یاد کرتا ہے.... لیکن ایسا کچھ نہ تھا۔ پرائم منسٹر بننے کے بعد اس نے انٹرویوز دینے چھوڑ دیے تھے۔ چھے سالوں میں درجن بھر سے زائد انٹرویوز اسے نہیں ملے تھے۔ البتہ تقاریر بہت تھیں۔ ان کا وہ کیا کرتی؟

وہ وزیراعظم تھا۔ ملک کا سب سے طاقتور آدمی۔ اس تک رسائی ناممکن تھی۔ ایک عام لڑکی بھلا کیسے اس تک کوئی پیغام پہنچا سکتی تھی؟

اس نے ایڈم بن محمد کو سرچ کیا۔ وہ سلیبریٹی والی زندگی گزار رہا تھا۔ ایوارڈ شوز' انٹرویوز' بک سائیننگ تقاریب.... وہ اپنی دنیا میں گم تھا۔ البتہ اس نے شادی نہیں کی تھی۔ ایک انٹرویو میں اینکر نے اس وجہ پوچھی تو وہ اس بات پہ اداسی سے مسکرا دیا۔ بیڈ پہ بیٹھی' موبائل پہ انٹرویو دیکھتی تالیہ دم سادھ کے اس کا جواب سننے لگی۔

اسکرین پہ ایڈم ایک آرام دہ صوفے پہ بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ اس نے نیلی جینز پہ سفید ہائی نیک پہن رکھی تھی اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' بازو صوفے کی پشت پہ پھیلا رکھا تھا۔ ایڈم کی پشت پہ دیوار میں کتابوں سے سجے شیلف بنے تھے۔ یہ اس کی اسٹڈی تھی جس کے وسط میں رکھے صوفوں پہ ایڈم اور خاتون اینکر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

جب کیمرہ خاتون اینکر کو دکھاتا (جو ایڈم سے شادی کے متعلق سوال پوچھ رہی تھی) تو اس کے پیچھے اسٹڈی کا وہ حصہ نظر

آتا جہاں اسٹڈی ٹیبل اوراونچی کرسی رکھی تھی۔ میز پہ ٹیبل لیمپ رکھا تھا۔ پین ہولڈر۔ چند ترتیب سے رکھی کتابیں اور لیپ ٹاپ۔ یہاں بیٹھ کے وہ کتابیں لکھتا ہوگا۔اور کتابیں پڑھتا ہوگا۔

ساری دنیا سے ہٹ کے وہ اس میز پہ بیٹھا' کتابوں میں پناہ ڈھونڈتا ہوگا۔ اوہ پیارا ایڈم بن محمد۔ وہ اس سے کیسے رابطہ کرے۔

اینکر کی آواز پہ اس کا ارتکاز ٹوٹا۔

''آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟ یا پھر.... کب کرنے کا ارادہ ہے؟''

وہ مسکرایا اور ہلکے سے شانے اچکائے۔''کوئی ملا ہی نہیں جس کے بارے میں سوچتا۔شاید مجھے ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم کہ میں لائف پارٹنر میں کیا تلاش کرر ہاہوں۔''

گفتگو کا رخ وان فاتح اور موجودہ حکومت کی طرف مڑ گیا تو ایڈم نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''پردھان منتری اس سے اچھا پرفارم کر سکتے تھے۔اس سے بہتر پالیسیز بنا سکتے تھے۔لیکن پانچ سالوں میں انہوں نے ڈھنگ سے ایک بل پاس نہیں کروایا۔''

''کیا اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس پچھلی حکومت میں واضح اکثریت نہیں تھی؟''

''چلیں اس دفعہ تو ہے۔میرے جیسے لوگ اب دیکھنا چاہیں گے کہ اس دفعہ وان فاتح کیا کرتے ہیں۔''اس کے انداز میں اجنبیت اور بے گانگی تھی۔تالیہ کو عجیب سا احساس ہوا۔کیا وہ دونوں اب دوست نہیں رہے تھے؟ کیا ایڈم نے فاتح کی مخالفت شروع کردی تھی؟ ظالم وقت نے ان دونوں کی دوستی کے ساتھ کیا کیا تھا؟ وہ الجھ کے رہ گئی تھی۔

اس نے ایڈم اور فاتح کا نام لکھ کے گوگل کیا تو سامنے ایڈم کے کئی آرٹیکلز کھل گئے جن کی شہہ سرخیاں وان فاتح پہ کھلم کھلا تنقید کرتی نظر آتی تھیں۔اس نے موبائل بے دلی سے سائیڈ ٹیبل پہ ڈال دیا۔

وہ کس سے بات کرے؟ داتن' فاتح اور ایڈم کے علاوہ صرف ذوالکفلی تھا لیکن جس طرح تالیہ نے اسے دھوکہ دیا تھا' وہ اس کے پاس نہیں جا سکتی تھی۔اس سارے شہر میں اور کون تھا جس سے وہ بات کرسکتی تھی؟

صرف ایک نام تھا جو ذہن میں آتا تھا۔اسے اس ایک شخص کا پتہ تلاش کرنا تھا۔کم از کم یہ کام تھا جو وہ چھ سال بعد بھی کر سکتی تھی۔

☆☆=========☆☆

کے ایل کے ایک پوش علاقے میں بنے اس گھر کی چھت مخروطی تھی۔آج صبح کاذب کے طلوع ہونے کے ساتھ ہی تیز

بارش ہوئی تھی۔ اس لیے مخروطی چھت کے کناروں سے پانی کے قطرے ہنوز ٹپک رہے تھے۔ سامنے پھیلا چھوٹا سا لان بھی ابھی تک گیلا تھا۔

تالیہ نے دروازے پہ لگی بیل بجائی اور پھر جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑی انتظار کرنے لگی۔ اس نے لمبے رین کوٹ کی ہڈ سر پہ ڈال رکھی تھی اور احتیاط سے ادھر ادھر بھی دیکھتی تھی۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور گھر کا مالک باہر نکلا۔

''یس؟'' انہوں نے رسمی انداز میں سامنے کھڑی لڑکی سے پوچھا۔ پھر ٹھٹک کے رکے۔ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑیں۔ بمشکل دو سیکنڈ لگے تھے انہیں تالیہ مراد کو پہچاننے میں۔ وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکے۔

''تالیہ مراد؟''

''جی' پراسیکیوٹر احمد نظام۔ میں تالیہ ہوں۔ لانگ ٹائم' ہاں؟'' وہ آزردگی سے مسکرائی۔

احمد نظام پہلے سے زیادہ بوڑھے اور دبلے ہو گئے تھے۔ کتنی ہی دیر تحیر سے اسے دیکھتے رہے۔ پھر سر جھٹکا۔

''میں اب پراسیکیوٹر نہیں ہوں۔''

''جانتی ہوں۔ آپ ریٹائرڈ ہو چکے ہیں۔ ایک پرائیوٹ وکیل کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ اور ان چھ سالوں میں آپ نے تین گھر بدلے ہیں اس لیے پتہ معلوم کرنے میں مجھے پورا دن لگا۔ اندر آ سکتی ہوں؟'' انہوں نے بنا پلکیں جھپکے اسے دیکھتے ہوئے راستہ چھوڑ دیا۔ کیا یہ لڑکی واقعی وہی تالیہ تھی؟ آج بھی ویسی ہی تھی۔ نہ اس کی صورت بدلی تھی نہ انداز۔

مگر نہیں۔ وہ خوفزدہ تھی۔ اس کو اپنے سٹنگ روم میں بٹھا کے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے احمد نظام نے سوچا۔ وہ چونکی سی بار بار اطراف میں دیکھتی تھی۔ کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ احمد نظام نے جالی دار پردے ہٹائے تو سبزہ لان دکھائی دینے لگا۔ وہ کھڑکی کے مقابل صوفے پہ بیٹھی تھی۔ اس کی نظر بیک وقت کھڑکی اور داخلی دروازے دونوں پہ تھی۔

''اتنے سال بعد.... کیسے آئیں آپ' تالیہ؟''

''بس یوں سمجھیں کہ وقت میرے لیے بہت سفاک ثابت ہوا ہے۔'' تالیہ نے بھیگی ہوئی ہڈ پیچھے ڈالی۔ اور چہرے پہ آتی لٹیں کان کے پیچھے اڑسیں۔ وہ اداس اور مضطرب لگتی تھی۔

''اتنے سال کہاں رہیں آپ؟''

''جانتی تھی آپ کا پہلا سوال یہی ہوگا۔ ہر اس شخص کا پہلا سوال یہی ہوگا جس سے میں آج کے بعد ملوں گی۔ اس لیے اس کا جواب گھڑ لیا ہے میں نے۔ یوں سمجھیں کہ ایک دوسرے ملک میں پھنس گئی تھی جہاں سے اتنے برس تک میں نکل ہی نہ پائی۔ اب بالآخر نکلی ہوں تو فوراً کے ایل کا رخ کیا۔''

''اور کیا یہ سچ ہے؟'' اپنی ابتدائی حیرت پہ قابو پا کے اب وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''یہ سچ کے قریب ترین ہے۔ سچ پہ آپ یقین نہیں کریں گے۔''

تالیہ نے انہیں غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

سادہ شرٹ اور پینٹ میں ملبوس وہ اسے بہت مختلف لگے تھے۔ بالوں کی سفیدی بڑھ گئی تھی اور چہرے کی جھریاں بھی۔ یعنی یہ طے تھا کہ ہر شخص اسے مختلف لگے گا لیکن وہ سب کو پہلے جیسی لگے گی۔

''اتنے برس بعد آپ میرے پاس کیوں آئی ہیں؟''

''کوئی اور تھا نہیں جو میری بات سنتا۔ میں اپنے اوپر بنے کیس کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔اور میں....''اس کا گلا رندھا۔''میں خود کو اس الزام سے پاک کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے عصرہ محمود کا قتل نہیں کیا تھا۔''

''اگر آپ اس وقت فرار نہ ہوتیں تو یہ ثابت کرنا آسان ہوتا۔آپ کے فرار نے آپ کو مجرم بنا دیا ہے' تالیہ۔''وہ افسوس سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''مگر کوئی تو راستہ ہوگا۔''وہ بے چین ہوئی۔ یوں لگتا تھا وہ بغیر پلان کے یہاں آ گئی تھی۔

''آپ اتنے سال تک چھپی کیوں رہیں۔ پہلے کیوں نہیں آئیں؟''

''وقت نے میرا ساتھ نہیں دیا' نظام صاحب۔ مگر آپ بتائیں....کیا آپ کو لگتا ہے میں عصرہ کی قاتل ہوں؟''

''تالیہ....''انہوں نے گہری سانس اندر کھینچی۔''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے.....آپ کے خلاف بہت سے شواہد موجود تھے۔میرے پاس اس کیس کی فائل اب تک پڑی ہے۔ میں لاتا ہوں۔''

وہ اٹھے تو وہ ان کے ساتھ کھڑی ہوئی۔''کیا آپ اندر جا کے پولیس کو کال کریں گے؟ آپ جانتے ہیں میں پولیس کے آنے سے پہلے غائب ہو چکی ہوں گی۔''

''اگر آپ اتنے عرصے بعد آ گئی ہیں تو اس کا مطلب ہے آپ خود کو قانون کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں۔ میں فائل لے کر آتا ہوں۔''

''میں چاہتی ہوں پولیس کے پاس جانے سے پہلے آپ میری بات سنیں۔اگر میں آپ کو اپنی بے گناہی کا یقین نہ دلا سکی تو کسی کو نہیں دلا سکوں گی۔''

''اس کے لیے ہمیں آپ پہ لگے الزامات اور موجودہ شواہد کا جائزہ لینا ہوگا۔ مجھے فائل تلاش کرنے میں دیر لگے گی کیونکہ سینکڑوں کی تعداد میں کیس فائلز میرے اسٹور میں رکھی ہیں۔ آپ خود میرے ساتھ آ سکتی ہیں۔''ان کے انداز سے لگتا تھا وہ

سچ کہہ رہے ہیں۔ مگر وہ مطمئن نہیں تھی۔ وہ ان کے پیچھے چلی آئی۔

احمد نظام کا اسٹور روم کافی کشادہ تھا۔ وہاں شیلف در شیلف بنے تھے اور ان میں رکھے باکسز میں فائلز پڑی تھیں۔ ہر باکس کو حروف تہجی اور سن کے اعتبار سے لیبل کیا گیا تھا۔

''ہم نے شفٹنگ کے بعد سے ان کو نہیں کھولا۔ مگر انہی میں ہوگی فائل۔ میں نے ایک زمانے میں آپ کے کیس پہ اپنے تئیں لمبی تحقیق کی تھی۔ پھر آپ منظر عام سے غائب ہوگئیں تو آہستہ آہستہ میری تفتیش ٹھنڈی پڑ گئی اور.....''

''اور تالیہ مراد صرف ایک فائل بن کے رہ گئی۔'' اس نے ایک شیلف کے اوپر سے ایک باکس اٹھایا اور پھونک مار کے گرد اڑائی۔ اس باکس پہ صرف ایک نام لکھا تھا۔

تالیہ مراد۔ ۲۰۱۶ء تا ۲۰۱۷ء

تالیہ باکس اٹھائے سٹنگ روم میں واپس آئی۔ کھلی کھڑکی سے نظر آتے لان کی گھاس پہ ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔ تالیہ نے باکس میز پہ رکھا اور ڈھکن کھولا۔ اندر کاغذات ہی کاغذات تھے۔

احمد نظام اس کے سامنے بیٹھے اور ایک ایک تراشے کو نکالنے لگے۔ وہ یاسیت سے اپنا اعمال نامہ کھلتے ہوئے دیکھنے لگی۔

''قتل کے کیس میں تین چیزیں اہم ہوتی ہیں' بچے تالیہ۔'' وہ عینک لگائے' کاغذات الٹ پلٹ کرتے ہوئے بتانے لگے۔ ''ثبوت۔ آلہ قتل۔ اور قتل کی وجہ۔ آپ کے کیس میں تینوں آپ کے خلاف جاتے تھے۔''

''اوکے۔ ثبوت کیا تھے؟''

''آپ فاتح صاحب کے گھر چاکلیٹ کیک بھیجتی تھیں۔ ان کیکس کا آرڈر آپ کے کریڈٹ کارڈ سے کیا گیا تھا۔ بہت سے گواہوں کے مطابق عصرہ محمود نے انہیں خود کہا تھا کہ وہ کیک آپ کی طرف سے آتے تھے اور عصرہ ان کو کھا لیتی تھیں۔ عصرہ کی شہادت بھی اہم ہے۔ انہوں نے....'' احمد نظام عینک لگائے ایک نام پڑھ کے بتانے لگے....'' انہوں نے دولت امان نامی آفیسر سے اپنی موت والے دن کہا تھا کہ انہیں شک ہے تالیہ مراد انہیں مروانا چاہتی ہے۔ یہ گواہی بہت اہم ہے۔ اسی دن آپ کا اور عصرہ کا جھگڑا بھی ہوا تھا۔ ملازم اس کے گواہ تھے۔'' انہوں نے عینک اتاری اور تالیہ کو دیکھا تو وہ تیزی سے بولی۔

''میرا سوال اب بھی وہیں ہے۔ آپ کو کیا لگتا ہے؟''

''مجھے تب بھی معلوم تھا۔ اب بھی معلوم ہے۔ آپ نے عصرہ کا قتل نہیں کیا۔''

وہ اس جواب کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ چند لمحے کے لیے کچھ بول نہیں سکی۔

''کیوں؟ کیا یہ ثبوت کمزور ہیں؟''

''نہیں۔ کیونکہ یہ ثبوت ''پرفیکٹ'' ہیں۔ یہ آپ کو مجرم ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ جبکہ جتنی ذہین آپ ہیں.... آپ اتنے بڑے بڑے ثبوت نہیں چھوڑ سکتیں۔ آپ کے پاس تو درجنوں شناختیں تھیں۔ پھر آپ نے اپنے ہی کریڈٹ کارڈ سے کیک کیوں آرڈر کیے؟ آپ کو عصرہ کو مارنا ہوتا تو کسی اور طریقے سے بھی مار سکتی تھیں۔ ساری دنیا کے سامنے ان سے جھگڑا نہ کرتیں۔ آپ عصرہ کی قاتل نہیں ہو سکتیں۔ اور میں جانتا ہوں ان دنوں آپ مصر میں تھیں۔ آپ کو صوفیہ رحمٰن سے معافی نامہ چاہیے تھا۔ ایسے میں آپ ایک قتل کیسے پلاٹ کر سکتی ہیں؟''

بارش کی بوندیں اب کھڑکی کے شیشے پہ ٹپکتی نیچے کو لڑھک رہی تھیں۔ سبز لان دھندلا گیا تھا۔

''درست۔ دوسری چیز..... آلہ قتل؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیک کا آخری ٹکڑا جو پولیس کو ملا تھا۔ اس پہ آرسینک چھڑکی ہوئی تھی۔ آلہ قتل آپ کے کارڈ سے آرڈر ہوا تھا تو اس کا کھرا بھی آپ تک جاتا تھا۔''

''یعنی ہر چیز میرے خلاف جاتی ہے۔ لیکن میرے پاس ایلی بائی تھی۔ جس وقت کیک آنے شروع ہوئے میں مصر میں تھی۔''

''جس دن عصرہ کی ڈیتھ ہوئی' اس دن آپ کے ایل میں تھیں۔ اس دن آپ کا ان سے جھگڑا بھی ہوا تھا۔ مسئلہ یہ ہے کہ تالیہ کہ عام دنیا کی پولیس فلموں والی پولیس سے مختلف ہوتی ہے۔ عام دنیا میں جس کے کارڈ سے آلہ قتل آرڈر کیا جاتا ہے' وہی قاتل نکلتا ہے۔ ۹۹ فیصد کیسز میں ظاہری شواہد جس کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہی قاتل ہوتا ہے۔ پولیس ہمیشہ ظاہری شواہد کا پیچھا کرتی ہے۔''

''اور مرڈر مسٹریز کا کیا؟''

''مرڈر مسٹریز اور فلمیں صرف اس ایک فیصد کے لیے لکھی جاتی ہیں جہاں قاتل ہشیار ہوتا ہے اور اپنا سراغ مٹا لیتا ہے۔ ورنہ ۹۹ فیصد قاتل اتنے ہشیار نہیں ہوتے۔ یہاں کوئی یہ نہیں سوچے گا کہ تالیہ اتنی ذہین تھی تو ثبوت کیوں چھوڑا؟ پولیس یہ سوچے گی کہ چونکہ ہم بہت ذہین ہیں' اس لیے ہم نے کیک آرڈر کرنے والے کا کارڈ نمبر حاصل کیا اور بینک سے اس کا نام معلوم کیا تو وہ تالیہ مراد نکلی۔ وہ اس کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔''

''یعنی مجھے اپنا نام کلیئر کروانے کے بجائے ملک سے فرار ہو جانا چاہیے؟ کیونکہ یہاں کوئی میرا یقین نہیں کرے گا۔'' وہ تلخی سے بولی۔ اس کے انداز میں واضح بے بسی تھی۔

''یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ میں آپ کی رپورٹ نہیں کروں گا کیونکہ آپ اس کیس میں بے قصور ہیں۔'' انہوں نے فائل

بند کی اور عینک اتار کے رکھی۔ چند لمحے کے لیے اس روشن سٹنگ روم میں خاموشی چھائی رہی۔

''وان فاتح کے یہ چھ سال کیسے گزرے؟'' اس نے کھڑکی سے باہر دھندلے لان کو دیکھتے ہوئے سوال پوچھا تو احمد نظام چونکے۔

''کیا آپ ان سے رابطے میں نہیں ہیں؟''

تالیہ نے گردن دائیں سے بائیں ہلائی۔''میں نے کہا نا' وقت نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ وہ دو دفعہ وزیراعظم بن چکے ہیں۔ اور کچھ نہیں۔''

''تو کیا اتنے برس آپ نے نیوز یا ان کا سوشل میڈیا کچھ نہیں دیکھا؟''

''آپ تو دیکھتے رہے ہوں گے۔ آپ بتائیں۔ جب وہ جونکر اسٹریٹ پہ زخمی حالت میں ملے تھے.... اس کے بعد..... انہوں نے کیا کیا؟'' وہ اب احمد نظام کو دیکھ کے پوچھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

''انہوں نے کچھ عرصے کے لیے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ غالباً عصرہ بیگم کے انتقال کے باعث۔'' وہ یاد کر کے بتانے لگے۔'' پھر سننے میں آیا کہ وہ دوستوں' رشتے داروں سب سے قطع تعلق کر چکے ہیں۔ وہ زیادہ وقت اپنے ملاکہ والے گھر میں گزارنے لگے تھے۔ میڈیا پہ آنا چھوڑ دیا۔ کوئی پاپارازی ان تک پہنچ کے تصویر اتار لاتا تو لوگوں کو معلوم ہوتا کہ وان فاتح بھی وجود رکھتے ہیں ورنہ نہیں۔ مجھے یاد ہے وہ کثرت سے سگریٹ نوشی کرنے لگے تھے۔ ان کی سمندر کنارے تصاویر منظر عام پہ آئی تھیں جن میں وہ بیمار چہرے کے ساتھ سگریٹ پیتے دکھائی دے رہے تھے۔ لوگ کہتے تھے وہ ڈرگز کا استعمال بھی کرنے لگے ہیں۔ دواؤں کا بھی شاید۔ لیکن کچھ عرصہ وہ بالکل دنیا سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔''

اس کی آنکھوں کی نمی آنسو بن کے بہنے لگی۔

''پھر معلوم نہیں کیا ہوا..... وہ سنبھل گئے۔ دوبارہ سے خبروں میں آنے لگے۔ صحت بھی بحال ہوگئی۔ الیکشن قریب آئے تو وہ واپس اپنی پارٹی کو سنبھالنے لگے۔ عصرہ کی موت اور وان فاتح کے اس غمگین فیز نے ان کو بہت کثیر تعداد میں ہمدردی کے ووٹ سے بھی نوازا۔ لوگوں کو ان کی آف شور کمپنی بھول گئی۔ یاد رہی تو وہ سمندر کنارے کھنچی گئی' اداس آنکھوں اور لبوں میں دبے سگریٹ والی تصویر۔ لوگوں نے دیکھا کہ یہ آدمی ایک بہت بڑے غم سے نکلا ہے۔ لوگوں نے اس آدمی کو اپنا غم گسار سمجھا اور اسے ووٹ دیا۔''

''تو کیا انہوں نے لوگوں کے لیے کام کیا؟''

''انہوں نے اچھے کام بھی کیے۔ اور بہت سے اچھے کام نہیں بھی کیے۔ میں ذاتی طور پہ کبھی بھی وان فاتح کا فین نہیں

رہا۔اپوزیشن ان سے ناخوش ہے اور ان کے ووٹرز خوش ہیں۔لیکن یہ تو ہر وزیراعظم کے ساتھ ہوتا ہے۔اس سے سب خوش کبھی نہیں ہوتے۔مگر ان کی تعلیمی پالیسیاں جو اس وقت تنقید کا نشانہ بنتی تھیں' پانچ سال بعد ان کا پھل لوگوں کو نظر آنے لگا۔ تبھی وہ آج دوبارہ اقتدار میں ہیں۔''

''اور ان کے بچے؟''

''وہ ماں کے انتقال کے بعد امریکہ میں کچھ عرصہ رہے لیکن جب وان فاتح زندگی کی طرف لوٹ آئے تو انہوں نے بچوں کو بھی واپس بلا لیا۔ان کے بچے اب ان کے ساتھ ہی قیام پذیر ہیں۔''

تالیہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔

''فاتح اب بھی ویسے ہوں گے۔اپنے کام سے کام رکھنے والے۔ضرورت کے تحت چند فقرے بولنے والے۔ڈائننگ ٹیبل پہ خاموشی سے ناشتہ کر کے' بے نیازی سے اٹھ جانے والے۔اپنے ہر عمل سے اپنے ووٹرز اور فینز کی خوشی چاہنے والے۔ اور....'' اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔''خوبصورت سوشلائیٹس کو ناپسند کرنے والے اور بورنگ پریٹی ویمن کی باتوں کو نظرانداز کرنے والے....''

☆☆=========☆☆

پتراجایا ملائیشیاء کا دارالحکومت ہے۔یہ کے ایل کے پڑوس میں واقع ہے۔

وزیراعظم ہاؤس اسی شہر میں تھا اور اسے سری پردھانہ کہتے تھے۔سری پردھانہ کسی محل سے کم نہ تھا۔عالیشان' اونچا' خوبصورت۔لیکن گزشتہ کافی عرصے سے وزرائے اعظم نے سری پردھانہ میں رہائش ترک کر رکھی تھی۔اس میں غیر ملکی حکمرانوں کی مہمان نوازی ضرور کی جاتی تھی اور وزیراعظم اور کابینہ ممبران کے دفاتر بھی یہیں تھے' لیکن اب وزرائے اعظم یہاں رہا نہیں کرتے تھے۔

وان فاتح اور اس سے پہلے صوفیہ رحمٰن....سب نے اپنی رہائش الگ رکھی تھی کہ اب اپنے حقوق سے آگاہ Millennials اور جنریشن زی کا دور آ چکا تھا جن کے لیے دکھاوے کی چیزیں بہت اہمیت رکھتی تھیں۔سری پردھانہ کو عوام کے لیے کھول دیا گیا تھا۔عید اور دوسری سرکاری چھٹیوں میں لوگ سیر و تفریح کے لیے اس محل کے ایک حصے کا دورہ کر سکتے تھے۔

وان فاتح کی اپنی رہائش گاہ پتراجایا میں واقع تھی۔وہ دو منزلہ بنگلہ تھا جس کے چاروں طرف سبزہ زار تھا۔اس کی فصیل اونچی چار دیواری کی شکل بنائی گئی تھی جہاں سیکیورٹی سخت نظر آتی تھی۔

اس صبح گیٹ سے ایک کار داخل ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ سفید کار کی کھڑکی سے ایک نسوانی ہاتھ آئی ڈی کارڈ سیکیورٹی آفیسر کو دکھا رہا تھا۔ آفیسر نے رسماً آئی ڈی دیکھی اور مسکرا کے سر کو خم دیا۔ پھر ایک ڈیوائس سامنے کی تو نسوانی ہاتھ نے ایک انگلی اس پہ رکھ دی۔ ہرا سگنل بجا تو آفیسر نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ اس مہمان سے واقف تھا۔ کار آگے بڑھ گئی تو افسر ہاتھ میں پکڑے آلے میں بولا۔

''مسز ہیشا تاج آ چکی ہیں۔''

کار بنگلے کے داخلی حصے کے عین سامنے آ رکی۔ پھر دروازہ کھلا اور ایک عورت باہر نکلی۔ اس نے لمبی اسکرٹ پہ سفید کوٹ پہن رکھا تھا۔ گردن میں پھولدار رومال لپیٹا تھا۔ شہد رنگ بال کندھوں تک آتے تھے۔ وہ صاف رنگت کی دراز قد اور خوبصورت عورت تھی۔ کہنی پہ بیگ اور ہاتھ میں دو کتابیں تھیں۔ کار سے نکلتے ہوئے اس نے سن گلاسز اوپر ماتھے پہ ٹکائیں اور دروازے پہ کھڑے گارڈ کو مسکرا کے سلام کرتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

بنگلے کے اندر ایک خوبصورتی سے آراستہ ڈائننگ ہال تھا۔ طویل میز کی سربراہی کرسی پہ فاتح بیٹھا' چائے پی رہا تھا۔ ساتھ ہی موبائل دیکھ رہا تھا۔ وہ سیاہ سوٹ اور ٹائی کے ساتھ سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ چہرہ ہمیشہ کی طرح تروتازہ تھا اور گیلے بال دائیں جانب موڑ رکھے تھے۔ فاتح کے دائیں ہاتھ اشعر کرسی کھینچ رہا تھا۔ باقی تمام کرسیاں خالی تھیں۔

''بچے کہاں ہیں؟'' اس نے خالی کرسیوں کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''سکندر صبح جلدی چلا گیا تھا۔ جولیانہ کا اسکول ٹرپ تھا۔ وہ شام کو واپس آئے گی۔'' فاتح موبائل دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

اشعر نے جھرجھری سی لیتے ہوئے پلیٹ اپنی طرف کی۔

''آپ نے کل انٹرویو میں تھوڑی سخت باتیں کہہ دی ہیں۔ مجھے رات سے ناراض اراکین کے فون آ رہے ہیں۔''

''میں نے عرصہ ہوا لوگوں کی پرواہ کرنی چھوڑ دی ہے۔ نہ ووٹرز کی' نہ اپنے اراکین کی۔ میں پردھان منتری ہوں' اور وہ نہیں ہیں۔ ملک مجھے چلانا ہے' انہیں نہیں۔'' وہ بے نیازی سے ناشتہ کر رہا تھا۔

اشعر نے شانے اچکا دیے۔ ''خیر میں نے فون آف کر دیا ہے۔ شاید چند سال بعد لوگ احساس کر لیں کہ ہم ان کے لیے کتنی جان مارتے ہیں۔''

وان فاتح نے صرف شانے اچکا دیے۔ ''نہ بھی کریں تو کیا۔''

ہیل کی ٹک ٹک سنائی دی تو فاتح نے چہرہ اٹھایا۔ دربان نے دروازہ کھول دیا تھا اور باہر سے کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ اس نے چہرہ واپس نہیں جھکایا۔ وہ راہداری کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ آواز قریب آئی اور وہ بالآخر نظر آئی۔

''السلام علیکم' داتو سری۔ سلام' اشعر صاحب۔'' وہ مسکراتی ہوئی ان کے سامنے آرکی۔ اس کے سیاہ جوتے اتنے چمکدار تھے کہ چھت کا عکس نظر آتا تھا۔ وہ یوں رکے تھے جیسے دوبارہ چلنے کو بے تاب ہوں۔

''وعلیکم السلام' میشا۔ کیسی ہیں آپ؟'' فاتح نے مسکرا کے جواب دیا۔ اشعر نے بھی اسی کے انداز میں مسکرا کے جواب دیا۔

''میں ٹھیک ہوں' داتو سری۔'' سر کو تعظیماً جھکا کے وہ بولی اور پھر مسکرا کے مڑی۔ ''ایکسکیوز می۔''

''جولیانہ گھر پہ نہیں ہے' میشا۔''

سیاہ جوتے واپس گھومے۔ میشا کے چہرے پہ الجھن در آئی۔ ''جولیانہ نہیں ہے؟''

''نہیں۔ آج اس کا اسکول ٹرپ تھا۔ اس نے آپ کو انفارم نہیں کیا؟'' اس نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے نرمی سے دریافت کیا۔

''نہیں۔ حیرت ہے۔'' میشا نے فون نکالا۔ اسکرین پہ انگلی پھیری۔ پھر چونک کے سر اٹھا کے دیکھا۔ میز پہ موجود دونوں افراد اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ جھینپ گئی۔

''سوری میں نے آپ لوگوں کو ڈسٹرب کر دیا۔'' لب دانت سے کاٹتے ہوئے اس نے اسکرین دیکھی۔ پھر اس کے گال سرخ ہوئے۔ ''جولیانہ نے لیٹ نائٹ میسیج کیا تھا۔ میں نے نہیں دیکھا۔ مائی فالٹ۔''

''جولیانہ کو کال کر کے بتانا چاہیے تھا۔ غلطی اس کی ہے۔'' فاتح نیپکن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولا۔ وہ ایک دفعہ پھر سے معذرت کر کے ایڑیوں پہ الٹی گھومی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ راہداری عبور کی اور مرکزی دروازے تک آئی اور دربان کے پاس رکی۔

''اف.... دانش.... اف.... آپ نے مجھے دروازے پہ ہی کیوں نہیں بتا دیا کہ جولیانہ کو آج نہیں پڑھانا؟'' ماتھے کو چھوتی وہ خفت سے کہہ رہی تھی۔

''میں نے سوچا تھا لیکن دخل دینا مناسب نہیں سمجھا۔'' وہ سادگی سے مسکرا دیا۔

''یا اللہ۔ مجھے داتو سری کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔ حد ہے میشا۔'' ماتھے کو پھر سے چھوا اور اسے خدا حافظ کہتی باہر نکل گئی۔ باہر کھڑے دوسرے دربان کو بھی اسی پریشان چہرے کے ساتھ ہاتھ ہلایا۔ اس نے بھی مسکرا کے سر کو خم دیا۔

وہ سب میشا کے عادی تھے۔ میشا کی باتوں' میشا کی عادتوں سے واقف تھے۔

''یہ جولیانہ کی ہوم ٹیوٹر میشا.... یہ اچھی عورت ہے۔ ہے نا؟'' اشعر نے پھل کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے بظاہر سرسری سا کہا اور غور سے فاتح کو دیکھا۔ وہ اب چائے کے آخری گھونٹ بھر رہا تھا۔

''ہاں۔ بہت قابل ہے۔ دو سال سے جولیانہ کو پڑھا رہی ہے۔ اس کی وجہ سے جولیانہ کا اعتماد بحال ہوا ہے۔ ورنہ تم تو جانتے ہو' اس نے چھوٹی عمر سے اسکول چھوڑ دیا تھا۔''

''ہوم اسکولنگ راس آ گئی ہماری جولیانہ کو۔ شکر ہے۔'' اشعر نے گہری سانس لی۔ ''وہ اسکندر جیسی نہیں تھی۔ ہر طرح کے بچوں کے ساتھ گھل مل کے نہیں پڑھ سکتی تھی۔ پھر کاکا کی موت نے بھی شاید اسے ایسا کر دیا تھا۔ مگر یہ ٹیوٹر.... یہ مجھے بہت پسند ہے۔ اس کی وجہ سے گھر میں رونق لگ جاتی ہے۔''

''ہاں۔ یہ اچھی لڑکی ہے۔ سادہ اور خوش اخلاق۔ اس کی بیٹی جولیانہ کی کلاس فیلو ہے۔''

''سب اس کو مسز کہتے ہیں۔ مگر میں نے کبھی اس کا شوہر نہیں دیکھا۔''

''غالباً اس کی شادی ختم ہو گئی تھی۔ جولیانہ نے بتایا تھا۔ تم اتنے متجسس کیوں ہو؟'' فاتح نے مسکرا کے اسے دیکھا۔ ''کیا دوسری شادی کا ارادہ ہے؟''

اشعر نے ابرو اکٹھے کر لیے۔ ''کیا میں ایک تجربہ کر کے بھگت نہیں رہا۔ میری ایکس وائف میرے بیٹے سے مجھے ملنے تک نہیں دیتی۔ وزٹنگ آورز مائی فٹ۔'' اس نے نیپکن گول مول کر کے پرے پھینکا۔ ''کل اسکی سالگرہ ہے۔ جانتے ہیں کتنی مشکل سے ہم دونوں نے ایک میز پہ اکٹھے بیٹھ کے پارٹی پلانرز کے ساتھ کام کیا ہے؟''

''ریلیکس۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہارا بیٹا بڑا ہو گا تو اس سے ملنا آسان ہو جائے گا۔'' وہ کرسی دھکیل کے کھڑا ہوا اور کوٹ کا بٹن بند کیا تو اشعر بھی ساتھ ہی اٹھا اور گہری سانس لے کر سنجیدگی سے فاتح کو دیکھا۔

''میں آپ کے لیے کہہ رہا تھا' آبنگ۔ اب تو آپ کے بچے بھی بڑے ہو چکے ہیں۔ آپ کو کسی نہ کسی عورت کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''یہ طے ہے کہ ہر دوسرے تیسرے ماہ بعد تم اس ٹاپک کو ضرور چھیڑو گے۔'' وہ مسکرا کے بولا تو اشعر بھی مسکرا دیا۔

''آبنگ۔ ہم نے اتنے برسوں سے ایک ساتھ کتنے کٹھن دریا عبور کیے ہیں۔ اب ہم ہموار زمین پہ آ چکے ہیں۔ آپ کو اب ایک بیوی کی ضرورت ہے۔ کب تک کام میں خود کو مصروف رکھیں گے۔'' پھر اشعر نے راہداری کی طرف دیکھا جہاں سے وہ گئی تھی۔ ''اگر کوئی سادہ' نیچرل اور اچھی سی عورت ملے تو اس کے بارے میں سوچیے گا ضرور۔'' اس نے خلوص سے کہا تھا۔ فاتح نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔

''میں سوچوں گا۔'' اس کے چہرے پہ کوئی سایہ' کوئی یاد' کچھ نہ تھا۔ وہ بالکل مطمئن اور اپنی زندگی سے قانع لگتا تھا۔ اشعر کے لیے اس کی یقین دہانی نئی تھی۔ وہ مسکرا دیا اور پھر دونوں ایک ساتھ دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

لاؤنج عبور کرتے ہوئے فاتح نے کھڑکی کے باہر بھیگتے منظر نامے کو دیکھا اور سوچا.....آج پترا جایا میں ہر دوسرے روز کی طرح بارش شروع ہو چکی تھی۔اور یقیناً کے ایل میں بھی۔

☆☆=========☆☆

احمد نظام کے مہمان خانے کی کھڑکی سے نظر آتا سبزہ زار ہنوز بارش میں بھیگ رہا تھا۔پانی نے کھڑکی کے شیشے کو دھندلا دیا تھا۔وہ ابھی تک باہر دیکھ رہی تھی اور وہ اسے۔

''کیا انہوں نے دوبارہ شادی نہیں کی؟ یا ان کی زندگی میں کوئی اور عورت نہیں آئی؟'' وہ باہر دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔

''نہیں۔اشعر کی بیوی واحد عورت تھی جو فیملی فوٹوز میں نظر آنے لگی تھی لیکن اشعر اور اس کی علیحدگی کے بعد وہ بھی منظر سے ہٹ گئی۔وان فاتح اپنے بچوں اور اشعر کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔''انہوں نے موبائل نکال کے چند بٹن دبائے پھر اسکرین کا رخ اس کی طرف کیا۔وہ جھک کے دیکھنے لگی۔فاتح کے کسی فین پیج کی تصاویر سامنے کھلی تھیں۔یہ پچھلے برس کی تھیں۔جولیانہ کی سالگرہ کا کیک کاٹا جا رہا تھا۔فاتح' سکندر اور اشعر کے علاوہ وہاں صرف کم عمر لڑکیاں تھیں جو یقیناً جولیانہ کی سہیلیاں تھیں۔

البتہ ایک عورت ان سب میں نمایاں تھی۔اس نے سر پہ ترچھا ہیٹ پہن رکھا تھا اور مسکرا کے تالی بجا رہی تھی۔

''یہ عورت کون ہے؟''اس نے انگلی سے اسکرین کی طرف اشارہ کیا تو احمد نظام نے موبائل اپنی طرف موڑا۔

''میشا تاج۔یہ جولیانہ فاتح کی ہوم ٹیوٹر ہے۔چند سالوں سے ان کی فیملی کا حصہ ہے۔اس کو دو چار دفعہ میں نے ان کی فیملی فوٹوز میں ہی دیکھا ہے۔''

تالیہ پتلیاں سکوڑے غور سے اس عورت کا خوبصورت چہرہ دیکھ رہی تھی۔اس کے بال بہت خوبصورتی سے اسٹائل کیے گئے تھے۔کندھوں تک آتے شہد رنگ کے بال...کانوں میں ننھے ہیرے....سفید اسکرٹ کے اوپر نیلا منی کوٹ....اور مسکراتے ہوئے گال میں پڑنے والا معصوم سا ڈمپل.....

''یہ کیا کرتی ہے؟ ٹیوٹر ہونے کے علاوہ؟''پھر نظریں اٹھا کے انہیں دیکھا۔''ایک منٹ....یہ آرٹسٹ ہے نا؟''

''اس کی لنکڈ ان پروفائل چیک کر لیں۔'' کہنے کے ساتھ انہوں نے موبائل پہ چند بٹن دبائے۔پھر پڑھ کے بتانے لگے۔''جی۔یہ ایک آرٹسٹ ہے۔پینٹ بھی کرتی ہے اور فوٹوگرافی بھی۔اس کی ایک دو نمائشیں بھی ہو چکی ہیں۔کیا آپ اسے جانتی ہیں؟''

''ہوں۔میں اسے پہچانتی ہوں۔معروف سوشلائیٹ۔آرٹسٹ۔خوش اخلاق۔ذہین۔غیر شادی شدہ۔'' پھر رکی

اور جیسے تصحیح کی۔ ”نہیں۔اس کی شادی ہو چکی ہے۔ بلکہ علیحدگی بھی ہو چکی ہے۔“

”اگر آپ اس کو جانتی ہیں تو اس کے توسط سے وان فاتح سے ملاقات کر سکتی ہیں۔“

”میرا خیال تھا آپ بھی اس کو جانتے ہوں گے۔“ وہ جیسے حیران ہوئی تھی۔

”نہیں۔میں نے اس کو سوشل میڈیا پہ ہی تھوڑا بہت دیکھا ہے۔میں اسے کیسے جانوں گا؟ میں ٹھہرا مڈل کلاس آدمی اور یہ خاتون ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھتی ہیں۔“ وہ اس کی حیرت پہ حیران ہوئے تھے۔”لیکن آپ چھ سال کے لیے اس ملک سے دور تھیں۔آپ ان کو چھ سال پہلے سے جانتی ہیں کیا؟“ وہ متجسس ہوئے۔

”ایڈم کیسا ہے؟ ایڈم بن محمد؟“ وہ اس کا سوال نظر انداز کر گئی۔

”وہ بینکر؟“

”جی۔وہ میرا بہت اچھا دوست تھا۔“ وہ مسکرا کے بولی تو احمد نظام چند لمحے اسے دیکھتے رہے۔ان کی نظروں میں کچھ تھا جو اس کا ماتھا ٹھنکا۔

”ایڈم کے بارے میں کیا جانتے ہیں آپ؟“

”آپ نے پھر کبھی اس سے رابطے کی کوشش نہیں کی؟“

”نہیں۔کیوں؟“

”میں اس سے عصرہ محمود کی موت کے بعد ایک دو دفعہ ملا تھا جب میں اپنے تئیں اس کیس کی تحقیق کر رہا تھا۔اور تب ہی مجھے معلوم ہوا تھا اس کے حادثے کا۔“

”کیسا حادثہ؟“ وہ سیدھی ہو کے بیٹھی۔

”جب وان فاتح زخمی حالت میں ملے تھے جونکر اسٹریٹ پہ....اس کے آس پاس کی بات ہے....ایڈم ملاکہ کے ایک ہسپتال میں داخل رہا تھا۔کچھ لوگ اسے نیم بے ہوشی کی حالت میں ہسپتال لے کر آئے تھے۔اس کا کہنا تھا کہ وہ نہیں جانتا وہ جونکر اسٹریٹ تک کیسے پہنچا۔اس کی یادداشت متاثر ہوئی تھی۔“

”یادداشت؟“ وہ پلک جھپکنا تک بھول گئی۔اس کا سانس رک گیا۔

”جی۔اس کو پچھلے چند ماہ کے واقعات بھول چکے تھے۔کوئی ذہنی صدمہ تھا یا کیا۔اس کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ ایک سیلیبریٹی رپورٹر بن چکا ہے۔اسے بس اتنا یاد تھا کہ وہ وان فاتح کے گھر باڈی مین بن کے گیا تھا۔اس کے بعد کے تمام واقعات ذہن سے محو ہو چکے تھے۔عجیب بات ہے۔“

''اسے.... اسے سب بھول گیا تھا؟'' وہ ٹکر ٹکر ان کو دیکھ رہی تھی۔

''اس نے اپنے بیان میں یہی کہا تھا۔ ہانگ کانگ پیپرز اس کو کیسے ملے اسے یہ تک معلوم نہ تھا۔ میں اس سے آپ کے سلسلے میں ملا تھا۔ پولیس نے بھی بار بار اس سے آپ کے لیے رابطہ کیا تھا لیکن اس کا کہنا تھا کہ وہ کسی تالیہ مراد کو نہیں جانتا۔ البتہ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ تالیہ مراد کون تھی جس کے بارے میں ہر کوئی اس سے سوال کرتا تھا۔ وہ کافی عرصے تک تھیراپی کرواتا رہا تھا۔ پھر بالآخر وہ تندرست ہوا اور واپس رپورٹنگ کی طرف آ گیا۔''

''کیا اس کی یادداشت واپس آئی؟'' اس نے بے قراری سے پوچھا۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' نہیں آئی۔ جب وہ واپس رپورٹنگ کی طرف آیا تو بہت ڈسٹرب لگتا تھا۔ وہ کسی کو نہیں پہچانتا تھا۔ ہانگ کانگ پیپرز کی شہرت' کامیابی' دو کتابوں کی تصنیف سب ختم ہو گئی۔ اس زمانے میں اس نے کئی انٹرویوز میں یہ بات کہی تھی۔ وہ ایک رات باڈی مین تھا اور اگلی صبح وہ جاگا تو لوگوں نے کہا وہ رپورٹر ہے۔ لیکن چونکہ ذہین لڑکا تھا۔ کام اور ماحول کے ساتھ ایڈاپٹ کر گیا اور آج دیکھو وہ کہاں پہنچ گیا ہے۔''

وہ گم صم سی ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ''ہو سکتا ہے وہ جھوٹ بول رہا ہو۔ اداکاری کر رہا ہو۔''

''جب اس نے آپ کو پہچاننے سے انکار کر دیا تو میں نے بھی یہی سمجھا۔ پولیس نے بھی یہی سمجھا۔ لیکن ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ اس کے کئی ٹیسٹ ہوئے تھے۔ پولیس کا خیال تھا کہ شاید یہ آپ کے کیس سے پیچھا چھڑانے کے لیے ایسا کہہ رہا ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ واقعی سچ کہہ رہا تھا۔''

''نہیں۔ وہ مذاق کر رہا ہو گا۔'' وہ زرد پڑتے چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ ''وہ مجھے نہیں بھول سکتا۔ وہ.... وہ تمام دن.... نہیں بھول سکتا۔''

احمد نظام نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ''یا شاید آپ یہ ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ وقت آگے بڑھ گیا ہے اور لوگ بھی۔''

تالیہ نے کنپٹی کو انگلی سے مسلتے ہوئے چہرہ کھڑکی کی طرف موڑ لیا۔ ساتھ ہی مسلسل نفی میں گردن ہلا رہی تھی۔

''میں نے کہا نا.... وہ اداکاری کر رہا ہو گا۔ وہ مجھے نہیں بھول سکتا۔ نہ وہ بدل سکتا ہے۔'' اس کی نظریں باہر اگے گھاس پہ جمی تھیں۔ ''وہ اب بھی ویسا ہی ہو گا۔ کتابیں پڑھنے والا۔ کتابیں اس کی بہترین دوست ہوں گی۔ وہ ان میں پناہ ڈھونڈتا ہو گا۔ ان سے سارے مسئلوں کے حل مانگتا ہو گا.... وہ اب بھی ویسا ہی ہو گا....''

☆☆==========☆☆

ایڈم بن محمد کا اپارٹمنٹ ایک شیشوں سے ڈھکی طویل قامت عمارت کی بالائی منزلوں میں سے ایک میں تھا۔ لاؤنج کی شیشے

کی دیوار سے دور تک شہر صاف دکھائی دیتا تھا۔ اسٹڈی روم میں اس کی کرسی کے پیچھے بھی شیشے کی دیوار تھی۔ کرسی پہ ایڈم بیٹھا تھا اور کی بورڈ کو دیکھے بغیر' اسکرین پہ نگاہیں مرکوز کیے ٹائپ کر رہا تھا۔

ایڈم کے دائیں بائیں دونوں اطراف میں کتابوں کے ریکس رکھے تھے۔ کچھ ریکس اونچے تھے۔ کچھ نیچے تھے۔ کچھ سیڑھیوں کی مانند ایک طرف سے چھوٹے ایک طرف سے اونچے تھے۔ اس ڈیزائن کے باعث اسٹڈی کے وسط میں کھڑے ہو کے تمام ریکس نظر آتے تھے۔

سامنے کاؤچ رکھے تھے جن پہ مہمان بیٹھ سکتے تھے۔ وہیں دروازہ بھی تھا۔ وہ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کے دروازے کو دیکھ لیتا پھر واپس کام کرنے لگ جاتا۔ سیاہ ہائی نیک شرٹ پہنے' ماتھے پہ بال بکھیرے' ہلکی بڑھی شیو والا ایڈم بن محمد پہلے سے زیادہ پر کشش ہو چکا تھا۔

''باس۔'' دروازہ کھلا اور ایک چینی نقوش کی حامل لڑکی اندر داخل ہوئی۔ اس کا قد درمیانے سے ذرا چھوٹا تھا اور بالوں کا بوائے کٹ تھا۔ کانوں میں گول سلور بالیاں تھیں۔ اس نے ٹھک ٹھک دوازہ کھٹکھٹایا' مسکرائی اور بیک وقت بہت سی چیزیں سنبھالتی تیزی سے اندر آئی۔

''فلائیٹ کیسی رہی تمہاری' صوفی؟'' وہ ٹائپ کرتے ہوئے خوشگوار انداز میں بولا۔ لڑکی افسوس سے سر جھٹکتی آگے آئی اور جلدی سے کپ اس کے سامنے رکھا۔

''آپ کی آئسڈ امیریکانو۔'' اس نے لمبا سا کپ ایڈم کے سامنے رکھا جس پہ سیاہ قلم سے ''رائٹر'' لکھا تھا۔

''تھینک یو۔ اور کیسے تھے افریقہ کے جنگلات جہاں سے تم کافی لانے گئی تھیں۔''

''اگر آپ مجھے ایک ساتھ بہت سے کام نہ تھمایا کریں تو مجھے اتنی دیر نہ لگا کرے۔'' بوائے کٹ والی لڑکی اس کے طنز کو نظر انداز کر کے تحمل سے بولی۔ ''یہ رہے آپ کے پرنٹ آؤٹس۔ یہ آپ کا ریسرچ ڈیٹا۔ یہ نئے وزیٹنگ کارڈز کا سیمپل''۔ اس نے باری باری کاغذوں کے چند پلندے سامنے رکھے۔ اب بغل میں صرف ایک پھولا ہوا پیکٹ دبا رکھا تھا۔ پھر سیدھی ہوئی اور گہری سانس لی۔ ''آپ کو آفس جانے سے پہلے کچھ اور چاہیے؟''

ایڈم نے ٹائپنگ روک کے چھت کو دیکھا۔ ''دو تین چیزیں چاہیے ہیں لیکن سوچ رہا ہوں کہ وہ قریبی ممالک سے مل سکیں گی یا نہیں۔'' اور پھر آنکھیں گھما کے ایک ناراض نظر اس پہ ڈالی اور واپس ٹائپ کرنے لگ گیا۔

''گڈ۔ اگر ملائیشیا سے کچھ نہیں لانا تو مجھے آج آف دے دیں۔''

ایڈم نے آنکھیں گھما کے اسے دیکھا تو اس نے دو تین دفعہ پلکیں جھپکائیں۔ ''باس آج میری فرینڈ کی برتھ ڈے ہے۔

میں آپ کے ساتھ آفس نہیں جا سکوں گی۔"

"کون اتنی صبح برتھ ڈے مناتا ہے؟"

"اور آپ اتنی صبح کب سے آفس جانے لگے؟ دوپہر میں ہی جائیں گے۔ اتنا فاصلہ ہے ریستوران تک۔ اور مجھے لنچ پہ پہنچنا ہے وہاں۔"

ایڈم نے افسوس سے سر جھٹکا اور واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہوا۔"تم ہر ہفتے کسی نہ کسی بہانے سے چھٹی لے ہی لیتی ہو۔"

"میرے نہ ہونے سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ آپ کو بار بار چائے کافی نہیں ملے گی۔ اور آپ لکھ نہیں سکیں گے۔ تو خیر ہے۔ ویسے ہی آپ رائٹرز بلاک کی وجہ سے کتنے ہی ہفتے سے نہیں لکھ رہے۔" وہ مسکراہٹ دبائے بک ریک کی طرف بڑھ گئی تو ایڈم بن محمد نے تلملا کے اسے دیکھا۔

"رائٹرز بلاک کے بارے میں ایک لفظ نہیں' صوفی۔ جس کو لکھنا نہیں آتا وہ اس بارے میں کوئی رائے نہ دے تو اچھا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے آپ کتنے دنوں سے نئی کتاب نہیں لکھ رہے۔ بس یہ چھوٹے موٹے آرٹیکلز لکھتے رہتے ہیں۔ مگر خیر.... چھپا لیں۔ بے شک چھپا لیں۔" ریک کے ساتھ کھڑی صوفی اس کی طرف پشت کیے پیکٹ کھولنے لگی۔

"آپ نے جو کتابیں آرڈر کی تھیں' وہ آگئی ہیں۔" ریپر اتارتے ہوئے اطلاع دی۔

"میں نے کی تھیں؟" وہ ہنوز ٹائپ کر رہا تھا۔

"یعنی کہ میں نے آپ کے ایمیزون اکاؤنٹ سے کی تھیں آرڈر' باس۔ یہ اس سال کی مین بکرز پرائز کی شارٹ لسٹ کردہ پانچ کتابیں ہیں۔ اور بطور رائٹر آپ کے لیے مہینے میں دس نئی کتابیں پڑھنا ضروری ہے۔" اس نے ریپر ڈسٹ بن میں اچھالا اور نئی نکور پانچ دبلی پتلی کتابیں الٹ پلٹ کے دیکھیں۔ پھر ناک کے قریب لے جا کے آنکھیں بند کیے انہیں سونگھا۔

نئی کتاب کی مہک اندر تک روح کو سرشار کر گئی۔

"اچھا۔ رکھ دو۔ تھینکس۔" وہ کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

"رکھ دوں گی۔ ہر ہفتے ان کی ڈسٹنگ بھی کر دوں گی۔ لیکن نہ کبھی یہ جگہ سے ہلیں گی۔ نہ ان کے کونے مڑیں گے۔ جب کتاب کا مالک کتاب کو پڑھے ہی نہ تو یہ سب کیسے ہوگا۔" ان کو ریک میں سجاتے ہوئے شکایتی انداز میں بولی۔

"اب تک مجھے تمہاری تقریریں یاد ہو چکی ہیں جو تم نیا بک آرڈر موصول ہونے پہ کرتی ہو' صوفی۔"

صوفی نے ٹھک سے کتابیں اندر گھسائیں اور اس کی طرف گھومی۔ اس کی بالیاں بھی ساتھ ہی گھومیں۔

"کتابیں پڑھنے کے لیے ہوتی ہیں' باس۔ اتنی بڑی لائبریری میں سجا کے انٹرویوز پہ دکھاوے کے لیے نہیں۔"

"میں کیا کروں' صوفی۔ مجھے وقت نہیں ملتا۔" اس نے لکھتے ہوئے شانے اچکائے۔

"مگر آپ کو سوشل میڈیا اسکرول کرنے کے لیے وقت مل جاتا ہے۔ آپ کو ویڈیو گیمز کھیلنے کے لیے وقت مل جاتا ہے۔ دوستوں کے ساتھ باربی کیو کرنے اور پارٹیز اٹینڈ کرنے کے لیے وقت مل جاتا ہے۔ ٹھیک۔ ٹھیک۔"

"لے لو بھئی تم چھٹی۔ جاؤ پلیز۔ مجھے کام کرنے دو۔" وہ ناک سکوڑ کے بولا اور سر جھٹک کے تیز تیز ٹائپ کرنے لگا۔

"جا رہی ہوں۔ لیکن ویک اینڈ پہ ان کو پڑھیے گا ضرور۔ رات میں سونے سے پہلے بے شک ایک صفحہ...."

"تمہیں اگلے دو دن کی چھٹی بھی چاہیے؟" نظریں اٹھا کے گھورا۔ اسی وقت صوفی کا فون بجنے لگا۔

"جا رہی ہوں۔" بوائے کٹ والی اسسٹنٹ سر جھٹک کے باہر نکل گئی۔ اس نے کافی کا کپ لبوں سے لگایا' گھونٹ بھرا اور مسکرا کے دوبارہ سے لکھنے لگ گیا۔

کتابیں خاموشی سے اسے کام کرتے دیکھتی رہیں۔

☆☆=========☆☆

وہ اب بھی باہر لان کے نم گھاس کو دیکھ رہی تھی۔ یا شاید آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔ بارش تھم چکی تھی لیکن تاریک بادل ہنوز چھائے تھے۔

"ایڈم.... وہ اب بھی ویسا ہو گا۔ شاید۔" چند ثانیے خاموشی سے بیت گئے۔ پھر اس نے چہرہ ان کی طرف موڑا۔

"کیا میں کسی طرح وان فاتح سے مل سکتی ہوں؟ کیا آپ کوشش کر سکتے ہیں؟"

سامنے بیٹھے احمد نظام نے کندھے ہلکے سے اچکائے۔ "پردھان منتری سے ملنا اس ملک میں سب سے مشکل کام ہے۔ اپائنٹمنٹ کے لیے مہینوں کا پراسیس ہے اور پھر درخواست ریجیکٹ ہو جاتی ہے۔ پی ایم کے گرد سیکیورٹی اور پروٹوکول کی بہت سی دیواریں ہیں جن کو پھلانگنا میرے قد سے اوپر کی بات ہے۔"

"میں سمجھ سکتی ہوں۔ لیکن کیا آپ مجھے ایڈم بن محمد سے ملوا سکتے ہیں۔"

"وہ بھی ایک سیلیبریٹی ہے۔ عام جگہوں پہ نہیں جاتا۔ کافی شاپس' ریستورانوں تک میں اسے ڈھونڈنا ناممکن ہے۔ لیکن میں اس سے اپائنٹمنٹ لینے کی کوشش کر سکتا ہوں کیونکہ میں اس کی سیکرٹری کو جانتا ہوں۔ وہ میری بھانجی کے ساتھ پڑھتی تھی۔" انہوں نے موبائل پہ ایک نمبر ملایا اور فون کان سے لگایا۔ "امید ہے وہ میرا فون اٹھا لے گی۔"

''واؤ۔اب مجھے ایڈم سے ملنے کے لیے اپائنٹمنٹ لینی پڑے گی۔''اس نے دل میں سوچا لیکن بولی کچھ نہیں۔منتظر نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

''صوفی....کیسی ہیں آپ؟ میں احمد نظام بات کر رہا ہوں۔''

''میں ٹھیک ہوں۔جی میں نے آپ کا نمبر پہچان لیا تھا۔''اسپیکر آن تھا اس لیے وہ سن سکتی تھی۔

''صوفی...مجھے ایڈم بن محمد سے ملنے کا وقت چاہیے۔دراصل....''انہوں نے تالیہ کو دیکھا جو سانس روکے بیٹھی تھی۔''ان سے کہہ دیں کہ تالیہ مراد ان سے ملنا چاہتی ہیں۔''

''اوہو۔میں تو ابھی ان کے گھر سے نکل رہی ہوں۔ایک منٹ۔میں واپس جاتی ہوں۔''گہری سانس لے کر بولی۔''صرف آپ کے لیے۔یاد رکھیے گا۔اور تالیہ مراد کون ہیں؟''

''وہ پہچان جائیں گے۔میں ہولڈ پہ ہوں۔بہت شکریہ۔''انہوں نے حوصلہ افزا مسکراہٹ سے تالیہ کو دیکھا لیکن وہ بالکل دم سادھے بیٹھی رہی۔

تھوڑی دیر بعد صوفی کی ہانپتی ہوئی آواز اسپیکر میں گونجی۔''وہ پوچھ رہے ہیں کہ عصرہ محمود کے قتل کیس والی تالیہ مراد؟''

تالیہ کا دل ڈوب کے ابھرا۔کیا اب یہی تعارف رہ گیا تھا دونوں کے درمیان؟

''جی وہی۔''

''او کے اور ان کو کس سلسلے میں ملنا ہے؟''

تالیہ بالکل چپ بیٹھی رہی۔اس کا چہرہ تاریک ہو رہا تھا۔پھر اس نے فون ان کے ہاتھ سے لیا۔

''دیکھیے مس صوفی....میرا کیس نئے سرے سے کھلنے جا رہا ہے۔میڈیا اس کو کور کرے گا۔لیکن میں اپنی اسٹوری صرف ایڈم بن محمد کو بتانا چاہتی ہوں۔Exclusive scoop۔پی ایم کی بیوی کا قتل کیس ہے یہ۔آپ سوچ لیں۔اگر آپ کے باس میری کہانی لکھنا چاہیں تو مجھے ملاقات کا وقت دے دیں ورنہ میں کسی اور سے رابطہ کر لوں گی۔''

''او کے ویٹ ویٹ۔''وہ خالصتاً کسی اینکر کی سیکرٹری کی طرح جلدی سے بولی۔پھر خاموشی چھا گئی۔غالباً وہ فون میوٹ کیے پیچھے اپنے باس سے بات کر رہی تھی۔پھر اس کی آواز گونجی۔

''آج تو ایڈم صاحب مصروف ہیں۔لیکن کل شام میں ہم مل سکتے ہیں۔میں جگہ آپ کو ٹیکسٹ کر رہی ہوں۔لیکن مجھے گارنٹی چاہیے کہ تالیہ مراد سب سے پہلے ہمیں انٹرویو دیں گی۔کہیں ایسا نہ ہو کہ....'' صوفی کے ساتھ معاملات طے کرنے میں چند منٹ لگے۔فون بند ہوا تو وہ پھر سے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔اسے جیسے چپ لگ گئی تھی۔

''میں نے کہا تھا نا۔ وہ آپ کو نہیں پہچانتا۔ اگر وہ اداکاری کر رہا ہوتا تو کہتا' کون تالیہ مراد۔ لیکن اس کو یاد تھا کہ اس کی یادداشت کھونے کے بعد اس سے آپ کے بارے میں پوچھا جاتا تھا۔ اس لیے اس نے اتنا کہا جتنا اس کو یاد تھا۔''

''یعنی اب میری پہچان صرف عصرہ محمود کی قاتل کی حیثیت سے کروائی جائے گی۔ واہ۔'' وہ طنز سے کہتی اٹھی۔ ''وہ قتل جس کے لیے میرے پاس کوئی وجہ نہیں تھی۔''

اور پھر وہ اپنے الفاظ پہ خود ہی چونکی۔

''آپ نے کہا تین چیزیں اہم ہوتی ہیں۔ ثبوت۔ آلہ قتل۔ اور motive (قتل کا سبب)۔ ثبوت اور آلہ قتل پولیس کے پاس ہیں لیکن ''وجہ'' کوئی نہیں ثابت کر سکا۔ میں آخر عصرہ محمود کا قتل کیوں کروں گی؟''

احمد نظام نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ تیزی سے بولی۔ ''عصرہ کو مار کے میں پارٹی کی چیئرپرسن نہیں بن سکتی تھی۔ نہ ہی میرے عصرہ اور فاتح کے درمیان کوئی لوٹرائینگل تھی۔''

''تالیہ... آپ....'' لیکن وہ سنے بغیر بولتے ہوئے کمرے میں دائیں سے بائیں چکر کاٹ رہی تھی۔

''اگر لوٹرائینگل ہوتی تو عصرہ مجھے مارتیں۔ نہ کہ میں عصرہ کو۔ اور کون سا عصرہ کو مار کے ان کی جائیداد میں سے مجھے کچھ مل جانا تھا۔ پھر میں کیوں ماروں گی انہیں؟'' اس نے بیگ اٹھاتے ہوئے سوال کیا۔

''کیا آپ کو عصرہ محمود کی وصیت کے بارے میں نہیں معلوم؟'' احمد نظام نے تعجب سے اس لڑکی کو دیکھا جو کندھے پہ بیگ اٹھائے ڈرائینگ روم کے وسط میں کھڑی تھی۔ وصیت کے ذکر پہ اس کی آنکھیں پھیلیں۔

''کیسی وصیت؟'' وہ دھپ سے صوفے کے اس کونے پہ بیٹھی جو ان کے قریب ترین تھا اور بے یقینی سے پوچھا۔ ''میرے ہوتے ہوئے کسی وصیت کا تذکرہ نہیں ہوا تھا۔''

''لیکن آپ نے آن لائن یا اخبارات میں کہیں تو پڑھا ہو گا کہ....''

''سمجھیں میں مر گئی تھی چھ سال کے لیے۔ مجھے کچھ نہیں معلوم تھا کہ دنیا میں کیا ہو رہا تھا۔ ٹھیک؟ اب بتائیں....کون سی وصیت؟ کیسی وصیت؟''

اس کے پریشان چہرے کے دونوں اطراف میں سیاہ لٹیں گر رہی تھیں۔ وہ ان کو کان کے پیچھے اڑسنا بھی بھول گئی تھی۔

''واؤ۔ خیر آپ کو یاد ہو گا کہ اپنی موت والے دن عصرہ محمود نے دولت صاحب کو گھر بلایا تھا جب آپ ان سے جھگڑا کر کے گئی تھیں؟'' انہوں نے عینک ناک پہ پیچھے دھکیلتے ہوئے باکس سے ایک کاغذ نکال کے سامنے رکھا۔ ''دولت امان نے پولیس کو بتایا تھا کہ....''

''کیا وہ وصیت لکھوانا چاہتی تھیں؟''

''نہیں۔ وصیت وہ اس واقعے سے دس دن پہلے لکھوا چکی تھیں۔ وان فاتح اور دولت امان کو انہوں نے ایگزیکیوشنر مقرر کیا تھا۔ دولت امان کے مطابق' وہ آخری روز وصیت میں تبدیلی کروانا چاہتی تھیں۔''

''نو....نو....'' وہ کانوں پہ ہاتھ رکھنا چاہتی تھی لیکن ہاتھ گود میں دھرے کے دھرے رہ گئے۔ ''پلیز یہ مت کہیے گا کہ عصرہ نے میرے نام وصیت میں کچھ لکھ دیا تھا جو ان کے مرنے پہ میرا ہو سکتا تھا۔'' وہ جانتی تھی اس بات کا کیا مطلب تھا۔ قتل کا اس سے بہتر سبب عصرہ تالیہ کے اوپر نہیں ڈال سکتی تھی۔ اوہ نو۔

احمد نظام نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''وہ اپنی آرٹ کلیکشن سے کچھ نوادرات آپ کے نام چھوڑ گئی تھیں۔ ان کی موت کے چند دن بعد ان کی وصیت کھول کے سنائی گئی تھی۔ وہ نوادرات اسی وقت آپ کے نام کر دیے گئے تھے اور وصیت پہ عمل درآمد مکمل کر دیا گیا تھا۔ یہ کام وان فاتح نے کروایا تھا کیونکہ عصرہ ان کو ایگزیکیوشنر بنا کے گئی تھیں۔ وہ اس وصیت سے ناواقف تھے لیکن اپنا فرض انہوں نے پورا کیا۔''

''یعنی عصرہ اس بات کا انتظام کر گئی تھیں کہ پولیس کو میرے خلاف قتل کا سبب بھی مل جائے گا۔'' اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا اور آنکھیں موند لیں۔

''عصرہ بیگم کی وصیت آپ کے خلاف سب سے بڑا ثبوت ہے۔ لوگ ایک پینٹنگ کے لیے قتل کر دیتے ہیں یہاں تو وہ سات آٹھ نوادرات آپ کے لیے چھوڑ گئی تھیں۔ لیکن انہوں نے آخری دن دولت امان سے کہا تھا کہ انہیں شک ہے تالیہ ان کو مروانا چاہتی ہے اس لیے وہ اگلی صبح جا کے وصیت میں تبدیلی کروائیں گی۔ دولت نے کہا تھا کہ وہ پیپرز تیار کروا دے گا۔ لیکن جب وہ گھر پہنچا تو دیر ہو چکی تھی۔ ان کی وصیت ان کے جنازے اور سوگ کے ایام گزر جانے کے بعد مورخہ تیئس جنوری ۲۰۱۷ کو نوٹری پبلک میں پڑھ کے سنائی گئی تھی۔'' وہ ایک کاغذ سے پڑھ کے بتا رہے تھے۔

(پہلا ورکنگ ڈے۔ پہلا سوموار۔ اور وہ اتوار کو غائب ہوئی تھی۔ اور وہ اسی ایک اتوار میں کھو گئی تھی۔)

''وصیت منظر عام پہ آنے کے بعد میرے خلاف کیس مزید مضبوط ہو گیا ہو گا۔'' اس نے زرد چہرہ اٹھا کے انہیں دیکھا۔

''بالکل۔ اور دولت امان کا یہ بیان کہ عصرہ وصیت کو بدلوانا چاہتی تھیں کیونکہ ان کی دوست ویسی نہ تھی جیسا وہ اس کو سمجھتی تھیں آپ کا سارا کیس خراب کرنے کے لیے کافی تھا۔''

''اور وہ وصیت؟ اس کا کیا ہوا؟''

''اشعر محمود نے ان نوادرات کے لیے اخبار میں اشتہار دیا۔ اور ایسے حربے آزمائے جن کے ذریعے نوادرات کو مہنگا بنا کے

پیش کیا گیا تا کہ آپ ان کے لالچ میں واپس آ جائیں۔ حالانکہ وہ نوادرات کسی خاص قدر و قیمت کے حامل نہ تھے۔ زیادہ سے زیادہ دو چار لاکھ میں بک جاتے۔ اور بس۔ جب آپ کو ان کا لالچ واپس نہ لا سکا تو وہ اشعر نے کسی میوزیم میں عارضی طور پہ رکھوا دیے۔"

"میں ان نوادرات کا کیا کروں گی؟"

"وہ آپ کو کبھی مل بھی نہیں سکتے' ہے تالیہ۔ کیونکہ اشعر محمود کو معلوم تھا عصرہ کی وصیت اس وقت بے کار ہو جائے گی جب وہ کورٹ میں اپیل دائر کر کے کہے گا کہ یہ وصیت عصرہ سے زبردستی لکھوائی گئی تھی۔"

"اور میرے اوپر قتل کا الزام دیکھتے ہوئے کورٹ ایک پیشی میں اشعر کے حق میں فیصلہ دے دے گا اور وہ بے کار نوادرات مجھے کبھی نہیں ملیں گے۔ عصرہ بھی یہی چاہتی تھیں کہ وہ مجھے نہ ملیں۔ انہوں نے جان بوجھ کے دولت کو ایسا بیان لکھوایا جو وصیت کو مشکوک بنا دے۔"

"آپ مسلسل مسز عصرہ کو مورد الزام ٹھہرا رہی ہیں۔ حالانکہ وہ مقتولہ ہیں۔"

"آپ نہیں یقین کریں گے۔ کوئی بھی نہیں کرے گا۔" اس نے سر جھٹکا۔ "یقیناً اب تک اشعر اس وصیت کو منسوخ کرا چکا ہو گا۔"

"بالکل۔ اس نے ایسا ہی کیا ہو گا۔"

"واؤ۔ میں ان چند نوادرات کے لیے عصرہ محمود کا قتل کروں گی جن میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور جو کسی میوزیم میں سجے پڑے ہیں؟ واؤ۔" وہ بیگ اٹھاتے ہوئے کھڑی ہوئی تو اس کے چہرے پہ جھنجھلاہٹ اور غصہ نظر آ رہا تھا۔

"اس وصیت کے ہوتے ہوئے میں اپنی بے گناہی کبھی ثابت نہیں کر سکتی۔ مجھے اس ملک سے دور چلے جانا چاہیے۔ آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

وہ اسے خاموشی سے دیکھتے ہوئے کھڑے ہوئے تو تالیہ نے گویا چڑ کے پوچھا۔ ان کی نظروں میں کچھ تھا۔

"میں سوچ رہا ہوں' کہیں آپ نے واقعی یہ قتل تو نہیں کیا؟ کیونکہ چھ سال بعد آپ منظر عام پہ آئی ہیں۔ چھ سال ایک مشکوک عرصہ ہوتا ہے' ہے تالیہ۔"

"کیوں؟ کیا ہو جاتا ہے چھ سال میں؟ کیا قتل کے الزامات مٹ جاتے ہیں؟ کیا پولیس کیس بند ہو جاتے ہیں؟ کیا چھ سال کسی کو بھلا دینے کے لیے کافی ہوتے ہیں؟ کیا چھ سالوں میں کسی کو unlove کیا جا سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں بدلتا چھ سال میں۔ وقت نے میرے ساتھ بہت ظلم کیا ہے۔" تلخی سے کہہ کے وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''ایک بات۔'' ان کی آواز پہ وہ بادلِ نخواستہ رکی۔

☆☆=========☆☆

اب آسمان صاف ہو چکا تھا۔بارش رکے بیس منٹ ہوئے تھے لیکن سورج جانے کہاں سے نکل آیا تھا اور احمد نظام کا لان چمکیلی دھوپ سے منور ہو گیا تھا۔

وہ لان کے دہانے پہ احمد نظام کے ساتھ کھڑی ان کو خدا حافظ کہہ رہی تھی۔اس نے ہڈ سر پہ لے رکھی تھی اور جیبوں میں ہاتھ ڈال رکھے تھے۔

''کیا آپ میرا کیس لیں گے؟''اس نے انہیں امید سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''انتہائی پروفائل کیس میں ضرور لوں گا' چے تالیہ۔میں نے آپ کو پچھلے دو گھنٹے یہ فیصلہ کر کے ہی دیے تھے۔''

وہ مسکرا دی۔''میں اور آپ مل کے کورٹ میں میری بے گناہی ثابت کریں گے۔کیونکہ وقت کسی کے ساتھ ظلم نہیں کرتا اور میرے ساتھ وقت بہت مہربان رہا ہے۔''

''کچھ دیر پہلے آپ کچھ اور کہہ رہی تھیں۔''

تالیہ نے مسکرا کے روشنی سے منور لان کو دیکھا۔''سمجھیں ایک لمحے میں میرا دل بدل گیا ہے۔''

وہ بھی دھیرے سے مسکرا دیے۔''اب آپ کہاں جائیں گی؟''

''پارلیمان ہاؤس۔وہاں پردھان منتری اپنے منسٹرز کے ساتھ آج اجلاس میں شرکت کرنے آئیں گے۔میں نے صبح نیوز میں دیکھا تھا۔''

''اتنے رش میں وہ آپ کو دیکھ بھی نہیں پائیں گے۔لیکن اگر کسی اور نے دیکھ لیا تو آپ گرفتار ہو سکتی ہیں۔''

''تو آپ ہیں نا میرے وکیل۔میری ضمانت کے کاغذات تیار رکھیے گا۔''معنی خیز نظروں سے ان کو دیکھتی وہ آگے بڑھ گئی۔

☆☆=========☆☆

پارلیمان کی عمارت میں کافی تبدیلیاں آ گئی تھیں۔یا شاید وقت بدل گیا تھا۔یہی لفٹ تھی' یہی درودیوار تھے جہاں وہ وان فاتح کی کافی پکڑے اس کے پیچھے تیز تیز چلا کرتی تھی۔فاتح' تالیہ' باڈی مین' گارڈ' سب ایک ساتھ لفٹ میں داخل ہوتے تھے۔ایک ساتھ نکلتے تھے۔راستے میں وہ ان کو مختلف کاموں سے آگاہ کرتی جاتی تھی۔

مگر تب فاتح کے اردگرد اتنا رش نہیں ہوتا تھا جتنا آج تھا۔لفٹ کے دروازوں کے سامنے ہجوم اکٹھا تھا۔صحافی' کیمرہ مین'

سیکیورٹی کا عملہ....سب تیار بیٹھے تھے کہ ادھر پردھان منتری لفٹ سے نکلیں اور ادھر وہ ان پہ ٹوٹ پڑیں۔

وہ کاریڈور کے دوسرے سرے پہ کھڑی تھی۔ سر پہ ہڈ ڈالے سینے پہ بازو لپیٹے وہ خاموشی سے لفٹ کے بند دروازوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ لفٹ سے نکلے گا' راہداری پار کرے گا' اور سامنے والے دروازوں کے پار گم ہو جائے گا۔ ایک راہداری پار کرنے میں اسے چھ سیکنڈ لگنے تھے۔ تالیہ کو چھ سال لگے تھے۔ لیکن وقت وقت کی بات تھی۔

لفٹ کے دروازے کھلے۔ وہ چونک کے سیدھی ہوئی۔ اندر سے وان فاتح چار پانچ افراد کے ہمراہ نکلا۔ وہ نکلتے ہی مسکرا کے رپورٹرز کے سوالوں کا جواب دینے لگا۔ اس کے قدم راہداری پہ آگے بڑھ رہے تھے۔ رپورٹرز مائیک اس کی طرف بڑھائے الٹے قدموں پیچھے کو ہٹ رہے تھے۔

ایک سیکنڈ....دو سیکنڈ....پانچ سیکنڈ....اور وہ دروازے کے پار گم ہو گیا۔ اس نے تالیہ کو نہیں دیکھا۔

فاتح کے پیچھے چلتے اشعر کو رپورٹرز نے گھیر لیا۔ وہ مسکرا کے ان سے بات کرتا آگے بڑھنے لگا۔ وہ راہداری کے وسط میں تھا جب رپورٹرز کے ہجوم سے دور کونے میں کھڑی لڑکی پہ اس کی نظر پڑی۔ سیاہ ہڈ کے ہالے میں دمکتا چہرہ۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اشعر نے ایک نظر اسے دیکھا' پھر مسکرا کے رپورٹرز کو ہاتھ ہلاتا آگے بڑھ گیا۔

وہ تین قدم چلا۔ پھر رکا۔ ذہن نے اس چہرے کو پراسیس کرنے میں چند لمحے لیے تھے۔

وہ ایک دم چونک کے مڑا۔

وہ ابھی تک اسے دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ پھر لڑکی گویا کرنٹ کھا کے گھوم گئی۔ رپورٹرز کا ہجوم راستے میں آ گیا۔ اشعر نے گردن اونچی کر کے اسے تلاشنا چاہا۔ رپورٹرز سامنے سے ذرا ہٹے تو اس نے دیکھا....وہ لڑکی اب وہاں نہیں تھی۔

وہ زیادہ دیر وہاں نہیں کھڑا ہو سکتا تھا کہ رپورٹرز پھر سے سوالات اس کی جانب پھینکنے لگے تھے۔ وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ البتہ اس کا سارا وجود گہرے تعجب کے زیر اثر تھا۔ کیا اس نے واقعی تالیہ مراد کو دیکھا تھا یا یہ اس کا گمان تھا؟

☆☆=========☆☆

ڈائننگ ہال میں ناشتہ چنا تھا اور ہر روز کی طرح سربراہی کرسی پہ وان فاتح بیٹھا چائے پینے کے ساتھ موبائل پہ مصروف نظر آتا تھا۔ اشعر اور جولیانہ اس کے دائیں اور بائیں ہاتھ بیٹھے تھے۔ اشعر کافی کے مگ میں چمچ ہلا رہا تھا اور جولیانہ تیز تیز دلیہ کھا رہی تھی۔ وہ سیاہ لمبے بالوں اور اداس آنکھوں والی ٹین ایج لڑکی تھی جس کا سر عموماً جھکا رہتا تھا۔ اس میں عصرہ کی شباہت واضح محسوس ہوتی تھی۔

دروازہ دستک کے ساتھ کھلا۔تینوں نے چہرے اٹھا کے دیکھا تو سامنے میشا کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا۔

''سوری میں آپ کو ڈسٹرب کر رہی ہوں۔''اس نے ہونٹ باہم ملا کے خفت سے کندھے اچکائے۔گرے منی کوٹ پہ شہد رنگ بالوں کو دونوں طرف سے ٹوئسٹ میں باندھے'اس نے کانوں میں موٹے موٹے سفید موتی پہن رکھے تھے۔چمکدار سیاہ جوتوں سے چلتی وہ ان کے قریب آئی اور معذرت چاہی تو جولیانہ مسکرا دی۔

''نو پرابلم میم۔میں بس ناشتہ ختم کرنے والی ہوں۔''ساتھ ہی جولیانہ نے وال کلاک کو دیکھا۔

''نہیں۔تم آرام سے ناشتہ کرو۔میں خود ہی جلدی آئی تھی۔مجھے دراتو سری سے بات کرنی تھی۔''وہ لب کاٹتی'شرمندگی اور جوش کے ملے جلے تاثر کے ساتھ فاتح کو مخاطب کر کے بولی تو اس نے نظر اٹھا کے دیکھا۔ایسے لگتا تھا جیسے عام حالات میں بے حد پر اعتماد سی میشا پردھان منتری کے سامنے اپنا اعتماد کھو دیتی تھی۔شاید بہت سے لوگ کھو دیتے تھے۔

''شیور۔سب خیریت ہے'مسز میشا؟''اس نے چائے گھونٹ بھرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

''آپ ادھر آ جائیں۔''جولیانہ اپنی کرسی سے اٹھی اور ادب و اپنائیت سے میشا کو جگہ پیش کی۔فاتح نے مسکرا کے جولی کے انداز کو دیکھا۔جب سے میشا اس کی ٹیوٹر بنی تھی'جولیانہ کے انداز میں بہت رکھ رکھاؤ آ گیا تھا۔تمیز'تہذیب' آداب۔وہ عام ٹین ایجر کی طرح slang نہیں بولتی تھی۔ٹیکسٹ لکھتی تو پورے الفاظ لکھتی۔بولتی تو گاڑھی زبان بولتی۔اب بھی فاتح نے دیکھا کہ میشا جولیانہ کا شکریہ ادا کر کے کرسی پہ بیٹھی اور جس نفاست سے اپنا ہیٹ ایک طرف رکھا اور پرس دوسری طرف' جولیانہ اس کا انداز کسی مشاق طالب علم کی طرح نوٹ کیے جا رہی تھی۔

''میں دراصل ایک درخواست کرنا چاہتی تھی۔''

''جی بتائیے۔''فاتح نے کپ نیچے رکھا اور سنجیدگی سے پوچھا۔

اشعر نے مسکرا کے جولیانہ کو دیکھا جو مسکراہٹ دبائے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔دونوں نے معنی خیز نگاہوں کا تبادلہ کیا اور سر جھکا لیا۔ادھر میشا کہہ رہی تھی۔

''اور آپ بغیر کسی مروت کے انکار کر سکتے ہیں۔''

''ظاہر ہے میں انکار کر سکتا ہوں۔''وہ مسکرایا۔میشا کے گال سرخ ہوئے۔اس کا رہا سہا اعتماد بھی متزلزل ہونے لگا۔

''جیسا کہ آپ کو معلوم ہے.....میں ایک فوٹوگرافر بھی ہوں۔میں اپنی ایک ایگزیبشن منعقد کر رہی ہوں۔اگلے ہفتے۔میں چاہتی ہوں کہ آپ اس میں شرکت کریں۔''اس نے بیگ سے ایک کارڈ نکال کے سامنے رکھا۔فاتح نے کارڈ تھاما اور کھول کے سرسری سا دیکھا۔

''اتوار کو؟''

''جی۔ اتوار کو۔ کیا آپ وقت نکال سکیں گے؟'' وہ امید سے پوچھ رہی تھی۔ انکار کا خوف بھی تھا۔

فاتح نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تو اشعر تیزی سے بولا ''اتوار کو بیس پچیس منٹ کے لیے کسی ایگزیبیشن میں شرکت کرنا اتنا مشکل تو نہیں ہے' آبنگ۔ آپ آسانی سے وقت نکال لیں گے۔''

جولیانہ نے مسکرا کے سر مزید جھکا دیا۔ فاتح نے البتہ صرف ایک گہری نظر اشعر پہ ڈالی اور واپس میشا کو دیکھا۔

''نمائش کس بارے میں ہے؟''

''میری فوٹوگراف کلیکشن کے بارے میں۔''

''آپ کیا فوٹوگراف کرتی ہیں؟''

''قدرتی مناظر میں نظر آتے جانور۔''

''کون سے جانور؟''

''گھوڑے۔ دراصل... نمائش گھوڑوں کی تصاویر کے بارے میں ہے۔ سیاہ اور سفید گھوڑے۔ زیادہ سیاہ۔'' وہ جلدی جلدی بتانے لگی۔ اب وہ پرجوش نظر آنے لگی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔

''سیاہ گھوڑے کیوں؟ لڑکیاں تو سفید گھوڑے زیادہ پسند کرتی ہیں۔ فیری ٹیلز کے جیسے۔'' اس نے کپ سے آخری گھونٹ بھرا اور ساتھ ہی کلائی کی گھڑی دیکھی۔ اسے اب جانا تھا۔

''جس زمانے میں فیری ٹیلز لکھی گئی تھیں' تب شاید انسانوں کو ان کی سفیدی کی وجہ سے پسند کیا جاتا تھا۔ اب ہم مختلف زمانے میں رہ رہے ہیں' داتو سری۔ ہم بطور انسان ڈارک ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمیں اپنی سیاہی کو قبول کر لینا چاہیے۔'' (توقف سے بولی) ''کیا میں توقع رکھوں کہ آپ میری نمائش کا فیتا کاٹیں گے؟'' پھر جلدی سے اضافہ کیا۔ ''اور میں آپ کے عہدے سے فائدہ نہیں اٹھا رہی۔ نہ ہی آپ کو بطور پردھان منتری بلا کے اپنی نمائش کو مشہور کروانا چاہتی ہوں۔ میں نے بہت کم لوگوں کو مدعو کیا ہے۔ زیادہ تر میرے اسٹوڈنٹس کے پیرنٹس ہیں۔''

''پھر تو ربن کوئی دوسرا پیرنٹ بھی کاٹ سکتا ہے۔''

''کوئی دوسرا پیرنٹ پردھان منتری ہے کیا؟'' وہ ترکی بہ ترکی بولی۔ اب کے مسکرا بھی رہی تھی۔

''او کے۔ آپ یہ کارڈ میرے پروٹوکول آفیسر کو دے دیں۔'' وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔

''تھینک یو۔''

''آپ کو معلوم ہے میرا پروٹوکول آفیسر کون ہے؟''

''نہیں۔'' میشا نے شرمندگی سے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ دانتوں سے لب بھی کاٹے۔ فاتح نے گہری سانس لی۔

''آپ جب گھر میں داخل ہوئی ہوں گی تو سامنے....''

''آپ رہنے دیں۔ میں دے دوں گا۔ میں پی ایم کا چیف آف اسٹاف ہوں۔ یہ کام بھی میری جاب ڈسکرپشن میں آتے ہیں۔'' اشعر نے جلدی سے کارڈ پکڑ لیا اور شائستگی سے بولا تو میشا مسکرا دی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تھینک یو۔ آپ آئیں گے نا؟'' وہ کسی فین گرل کی سی ایکسائٹمنٹ سے پوچھ رہی تھی۔ انگلیاں باہم ملا رکھی تھیں۔

''میں کوشش کروں گا۔'' وہ رسماً اتنا بولا۔ جولیانہ ناشتہ ختم کر چکی تھی۔ وہ میشا کو لیے وہاں سے رخصت ہو گئی تو اشعر کھنکھارا۔

''آپ کو اس لڑکی کے لیے ٹائم نکالنا چاہیے' آ بنگ۔''

''میں سمجھ رہا ہوں' جو تم کر رہے ہو۔'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے سر جھٹک کے اٹھا تو اشعر بھی ساتھ ہی کھڑا ہوا۔

''لیکن آپ مجھے روک نہیں رہے۔ میں بھی سمجھ رہا ہوں۔''

فاتح بس مسکرا کے آگے بڑھا جب اشعر کو یاد آیا۔

''سچ.... مجھے یاد آیا.... پتہ ہے کل میں نے پارلیمان میں کس کو دیکھا؟''

فاتح نے مڑ کے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''تمہاری ایکس وائف؟''

''نہیں۔'' اس نے برا منہ بنایا۔ پھر سر جھکا اور دبے دبے جوش سے بولا۔

''میں نے کل تالیہ مراد کو دیکھا۔''

وہ کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھے کھڑا' آدھا مڑ کے اشعر کو دیکھ رہا تھا۔ ان الفاظ پہ اسی طرح کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ بنا پلک جھپکے۔ بنا اگلا سانس لیے۔

وقت جیسے تھم گیا تھا۔ گھڑی کی سوئی رک گئی تھی۔ ساری دنیا دم سادھے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

پھر فاتح کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔ اس نے تعجب سے دہرایا۔ ''تم نے....تالیہ مراد کو دیکھا؟ تالیہ؟ ہماری تالیہ؟''

''جی۔ پارلیمان ہاؤس میں۔ آئی مین....'' اشعر اسے اتنا سنجیدہ دیکھ کے ہکلایا۔ ''مجھے ایک لڑکی کو دیکھ کے لگا کہ وہ تالیہ مراد ہے۔''

فاتح نے میز پہ ہتھیلیاں رکھیں اور اس کے سامنے جھکا۔

''اشعر محمود.....تم نے تالیہ کو دیکھا .....یا نہیں؟'' اس کی آواز' انداز' آنکھیں...ان سب میں اتنی سنجیدگی تھی کہ اشعر کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔

''مجھے....گمان گزرا...کہ وہ تالیہ تھی۔ایک سیکنڈ کے لیے اسے دیکھا لیکن پھر وہ مڑ گئی۔آئی ڈونٹ نو۔شاید وہ تالیہ نہیں تھی۔''اس نے لہجے کو عام سا تاثر دینے کی کوشش کی۔فاتح سیدھا ہو گیا۔اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ڈسٹرب ہو گیا ہے۔اتنا ڈسٹرب کہ اشعر متعجب رہ گیا تھا۔

وان فاتح خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔جیسے وہ ابھی تک اشعر کی بات پہ یقین نہ کر پا رہا ہو۔

اس کے جانے کے بعد اشعر نے تیزی سے فون نکالا اور ایک نمبر ملایا۔

''فوراً میرے پاس آؤ۔مجھے پارلیمان جانا ہے۔ہاں سب خیریت ہے۔بس ایک اشتہاری مجرم کو میں نے کل وہاں دیکھا تھا۔اس کی گرفتاری کے لیے کچھ اقدامات کرنے ہیں۔جلدی آؤ۔''

فون رکھ کے اس نے نمائش کا دعوت نامہ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ڈائننگ ہال کے بغلی دروازے سے باہر نکلو تو راہداری بنی تھی۔اس کے آگے ایک روشن کھڑکیوں والا کمرہ تھا جہاں ایک پیانو رکھا تھا۔دوسری جانب میز کرسیاں بچھی تھیں۔ییشا ایک کرسی پہ بیٹھی کتاب کے صفحے پلٹ رہی تھی جب جولیانہ اندر داخل ہوئی۔پانی کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔اسے میز پہ رکھا اور خاموشی سے بیٹھ گئی۔ییشا نے نظر اٹھائی تو اس کا سفید چہرہ دیکھ کے چونکی۔

''جولی....تم پانی لینے گئی تھیں۔اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو؟''نرمی سے استفسار کیا۔

جولیانہ نے بے چینی سے لب کاٹے۔''اشعر انکل ڈیڈ سے کہہ رہے تھے کہ انہوں نے تالیہ مراد کو دیکھا۔''

''تالیہ مراد کون؟''ییشا نے الجھ کے اسے دیکھتے ہوئے کتاب بند کی۔

''جس پہ میری ماما کے قتل کا الزام تھا۔وہ کئی سال پہلے یہاں سے چلی گئی تھی۔شاید ملک سے بھاگ گئی تھی۔''

''اچھا ہاں۔میں نے اس کے بارے میں پڑھا تھا ایک دفعہ۔وہ داتو سری کی چیف آف اسٹاف ہوتی تھی۔''

''اب کیا وہ ہماری زندگیوں میں واپس آ جائے گی؟'' وہ اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

''جولیانہ۔''ییشا نے نرمی سے اس کے یخ ہوتے ہاتھ تھامے اور اس کی طرف جھکی۔''کوئی آئے یا جائے' اس سے تمہیں فرق نہیں پڑنا چاہیے۔کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ہم سب تمہاری حفاظت کے لیے موجود ہیں۔''

''اس پہ میری ماما کا قتل ثابت نہیں ہوا تھا۔آپ کو کیا لگتا ہے اس نے ماما کا قتل کیا ہو گا؟''جولیانہ عجیب سے انداز میں پوچھ

رہی تھی۔

''دیکھو بچے....بغیر ثبوت کے کسی پہ الزام لگانا گناہ ہوتا ہے۔ہمیں کیا معلوم اس نے قتل کیا تھا یا نہیں؟یہ ثابت کرنا عدالت کا کام ہے۔تم نے ان باتوں کا اثر خود پہ نہیں لینا۔یہ داتو سری کا مسئلہ ہے۔وہ ہینڈل کر لیں گے۔تم نے ٹیسٹ تیار کرنا ہے ابھی۔ٹھیک؟''وہ نرمی سے اسے سمجھا رہی تھی۔جولیانہ نے سر جھکا کے گردن ہلائی۔

☆☆==========☆☆

لفٹ کے دروازے کھلے تو تالیہ نے قدم باہر رکھا۔جیبوں میں ہاتھ ڈالے' سر پہ ہڈ پہنے' وہ گہری نظروں سے اطراف کا جائزہ لیتی باہر نکلی۔سامنے دوطرف مڑتی راہداریاں تھیں جن میں اپارٹمنٹس کے دروازے کھلتے تھے۔

ایڈم کا دروازہ بالکل سیدھ میں تھا۔وہ وہیں کھڑی کچھ دیر اس کو دیکھتی رہی۔اس دروازے کی گھنٹی پہ ہاتھ رکھنے کے لیے بہت ہمت چاہیے تھی۔یونہی پیچھے مڑ کے دیکھا تو لفٹ جو نیچے جا چکی تھی اب واپس اوپر آ رہی تھی۔چار منزلوں کا فرق رہ گیا تھا۔سرخ ہندسہ ہر سیکنڈ تبدیل ہو رہا تھا۔وہ تیزی سے دوسری راہداری کی اوٹ میں ہوگئی۔جانے کون اندر سے نکلے۔

دروازے کھلے اور صوفی باہر نکلی۔چھوٹے بالوں اور گول بالیوں والی صوفی فائلز کا پلندہ اٹھائے' جھنجھلاتی ہوئی ہینڈ بیگ بھی سنبھال رہی تھی۔اس کا اسٹریپ بار بار کہنی سے لٹک جاتا۔تالیہ نے اوٹ سے دیکھا' وہ ایڈم کے دروازے کی سمت میں جا رہی تھی۔یکا یک بیچ راہداری کے اس کا بیگ پھسلا۔اس کو سنبھالتے سنبھالتے ساری فائلز نیچے جا گریں۔

''یا اللہ۔''وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے سر جھکائے غصے سے بولی۔دفعتاً ایڈم کے دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی۔اوٹ سے دیکھتی تالیہ فوراً پیچھے ہوگئی۔دل بری طرح دھڑکا۔

''اوہ۔میں تمہیں بلانے نیچے آنے لگا تھا۔کب سے انتظار....''ایڈم کی آواز ٹوٹ گئی۔''یہ کیا کیا ہے تم نے؟کافی تو نہیں گرا دی میرے پیپرز پہ؟یا اللہ صوفی....''

''کافی لائی ہی نہیں۔سوچا پیپرز پکڑا آؤں پھر لاتی ہوں۔آپ کی مہمان آ گئی؟''

''نہیں۔اب تک تو آ جانا چاہیے تھا۔''آوازوں سے محسوس ہوتا تھا دونوں نیچے بیٹھے ایک ساتھ پیپرز چن رہے ہیں۔''تم نے ساری ترتیب ہی بگاڑ دی۔ان کو اسٹیپل تو کر لینا تھا۔''

''سوری باس۔''پھر وہ توقف سے بولی۔''میں نے تالیہ مراد کی جو فائل بنائی تھی وہ پڑھ لی آپ نے؟''

''ہاں پڑھ لی۔کیا یہ واقعی سچ ہے کہ وہ کون آرٹسٹ تھی؟''آوازیں سرگوشیوں میں بدل گئیں۔تالیہ دیوار سے کان لگائے سانس روکے سنے گئی۔

''جی باس۔اس نے صوفیہ رحمٰن سے سرکاری معافی نامہ لیا تھا عصرہ کو قتل کرنے سے پہلے۔''

''یعنی عصرہ کا قتل اس نے معافی نامے کے بعد کیا۔ چچ چچ۔''وہ ایک اجنبی سا تبصرہ تھا۔

''مگر سوال یہ ہے صوفی کہ وہ مجھے اپنی کہانی کیوں بتانا چاہتی ہے؟وہ کسی بھی اینکر کے پاس جا سکتی تھی۔میں ہی کیوں؟''

''کیونکہ آپ مس مراد کو جانتے تھے۔آپ کی مختلف پارٹیز میں اکٹھی تصاویر بھی ہیں چھ سال پہلے کی۔''

''وہی تو مسئلہ ہے۔جب عورتوں نے سنا کہ ایڈم کی یادداشت کھو گئی ہے' تب سے اتنی عورتیں آ کے دعویٰ کرنے لگیں کہ میں ان کو جانتا ہوں۔کسی کو میں نے ادھار دیا تھا' کسی کو میں نے پرپوز کیا تھا' اور پتہ نہیں کیا کیا۔''وہ ناخوشی سے کہہ رہا تھا۔''اتنی مشکل سے یہ سلسلہ رکا تھا۔اب معلوم نہیں مس مراد کو میں کیوں جانتا تھا اور اس کے ساتھ میں نے کیوں پارٹیز اٹینڈ کی تھیں۔''

''آپ نے اپنی والدہ سے پوچھا؟''

''ہاں۔ان کا کہنا ہے کہ جب میں وان فاتح کا باڈی مین تھا' تب وہ ان کے امیر فیملی فرینڈز میں سے ایک تھی اور کبھی کبھی مجھ سے ملنے گھر بھی آتی تھی۔اب پتہ نہیں اس کا بیان کیا ہوگا۔''وہ چڑچڑا لگتا تھا۔

''ریلیکس باس۔اگر جھوٹ بول رہی ہوگی تو معلوم ہو جائے گا۔''

''پھر بھی اس کی مزید چھان بین کرو۔وہ کرمنل رہ چکی ہے۔اس کا کوئی خفیہ ایجنڈا بھی ہو سکتا ہے۔''وہ دونوں اب اندر جا رہے تھے۔دروازہ بند ہوا تو تالیہ نے آنکھیں کرب سے بند کیں۔''اوہ ایڈم....!''

ایڈم کی ڈور بیل بجانے کا وقت آ گیا تھا۔

صوفی اسے خوش اخلاقی سے خوش آمدید کہتی اندر لے آئی۔تالیہ نے ہڈ پیچھے گرادی تھی اور سیاہ کھلے بال کانوں کے پیچھے اڑس رکھے تھے۔طائرانہ نگاہوں سے اس پرتعیش اپارٹمنٹ کا جائزہ لیتی وہ صوفی کے پیچھے اسٹڈی میں آ گئی۔وہاں اجلے سفید صوفے رکھے تھے جن پہ سیاہ اور پیلے کشن رکھے تھے۔کتابوں کے شیلف دونوں اطراف میں سجے تھے۔

ایڈم ایک صوفے پہ بیٹھا موبائل دیکھ رہا تھا۔اسے صوفی کے پیچھے آتے دیکھ کے اٹھ کھڑا ہوا اور رسمی مسکرایا۔

''خوش آمدید' مس مراد۔''اس کا چہرہ اجنبی تھا۔وہاں شناسائی کی کوئی رمق نہ تھی۔

''وقت دینے کا شکریہ' ایڈم صاحب۔''تالیہ اسے گہری نظروں سے دیکھتی سامنے بیٹھی۔ہلکی بڑھی شیو' آنکھوں پہ چشمہ' اور نیلی جینز کے اوپر پورے آستین کی سبز ہائی نیک شرٹ اسے بہت سوبر بنا رہی تھی۔البتہ چہرے کی سادگی آج بھی ویسی تھی۔

''مس مراد۔ میں کافی لینے جا رہی ہوں۔''صوفی نے ایک اچھے میزبان کی طرح اسے مخاطب کیا۔'' آپ کس قسم کی کافی پسند کریں گی؟''

''جس کو لانے میں آپ کو کافی دیر لگے۔''اس نے صوفی کو دیکھتے ہوئے سپاٹ سے انداز میں کہا۔لڑکی کے ابرو استعجاب میں اٹھے۔پھر اس نے ایڈم کو دیکھا۔اس نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔وہ سر ہلا کے زبردستی مسکرائی۔

''اسپریسو کے ڈبل شاٹ ٹھیک رہیں گے۔''اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ دونوں اب اسٹڈی روم میں اکیلے بیٹھے تھے۔آمنے سامنے۔درمیان میں میز حائل تھی۔تالیہ کی نظریں ایک لمحے کے لیے بھی اس سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ایڈم کی سادہ نظریں بھی اس پہ جمی تھیں۔

''آپ نے اپنی ضمانت قبل از گرفتاری کروا رکھی ہے' مس مراد؟''وہ ریکارڈر کا بٹن دباتے ہوئے بولا۔

''چھ سال پہلے آپ مجھے تالیہ کہتے تھے۔مس مراد قدرے مغربی طرز تخاطب ہے۔لیکن خیر....ملائیشیاء کافی مغربی ہوتا جا رہا ہے۔''اس نے شانے اچکا دیے۔ایڈم نے پتلیاں سکوڑ کے بغور اسے دیکھا۔

''آپ کے انداز سے لگتا ہے کہ آپ کافی عرصے بعد ملائیشیاء آئی ہیں۔کیا آپ نے ضمانت کروا رکھی ہے' مس مراد؟''

''آپ پوچھیں گے نہیں کہ چھ سال پہلے آپ مجھے کیسے جانتے تھے؟''

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔پلک جھپکے بنا۔کتابیں سانس روکے ان کو دیکھ رہی تھیں۔

''میں آپ کو جانتا ہوں۔آپ ایک معروف سوشلائیٹ تھیں۔''اس نے انداز کو سرسری بنایا۔'' آپ کے فرار کے بعد پولیس نے مجھ سے بھی کئی ایک بار آپ کے متعلق پوچھا تھا۔''

''آپ جانتے ہیں یا آپ کو 'یاد' ہے؟''وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے مسکرائی۔

ایڈم کے چہرے پہ بےزاری سی ابھری۔اس نے پہلو بدلا۔''اوکے فائن۔میری یادداشت ایک حادثے میں متاثر ہوئی تھی۔اس لیے اگر میں نے ان چھ ماہ میں آپ سے کوئی معاہدہ کیا تھا تو آپ مجھے ابھی بتا دیں۔میں پہیلیوں کا شوقین نہیں ہوں۔لیکن ہاں....آپ کو کسی بھی معاہدے کا تحریری ثبوت دینا ہوگا۔''

وہ اداسی سے مسکرائی۔''نہیں۔آپ کا میرے اوپر کوئی ادھار نہیں ہے۔ہمارے درمیان کبھی کوئی معاہدہ' کوئی وعدہ نہیں ہوا تھا۔بس چند ایک دفعہ پارٹیز میں ملاقات ہوئی تھی۔دیٹس اِٹ۔'' اس نے بھی انداز کو اجنبی بنا لیا۔

ایڈم نے گہری سانس لی۔اسے جیسے ڈھیروں اطمینان ملا تھا۔

''میں چاہتی ہوں کہ آپ میری اسٹوری کو کور کریں اور حقائق عوام کے سامنے لائیں۔''

''سچ کیا ہے' اس کا فیصلہ عوام کرتی ہے۔ میرا کام دونوں اطراف کی کہانی کو عام کے سامنے لانا ہے۔ اگر آپ کا کیس چلتا ہے تو میں پراسیکیوشن کا بیانیہ سامنے لانے کا بھی پابند ہوں۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' وہ مسلسل اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اسٹڈی روم میں خاموشی چھا گئی۔

''اوکے۔ آپ بتائیں۔ آپ کا سچ کیا ہے۔'' ایڈم ٹانگ پہ ٹانگ جما کے ٹیک لگا کے بیٹھا اور گھٹنے پہ نوٹ بک رکھ کے قلم کھول لیا۔

''آپ کو میں واقعی یاد نہیں ہوں؟'' پتہ نہیں اس نے کس آس کے تحت پوچھا۔

ایڈم نے گہری سانس بھری۔ ''نہیں۔ آئی ایم سوری۔ لیکن مجھے ارد گرد کے لوگوں نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔ میں وان فاتح کا باڈی مین تھا ایک زمانے میں۔''

''ایک زمانے میں۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔

''وہیں میری آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اور ایک پارٹی میں آپ نے وان فاتح کے باا ثر مہمانوں کے سامنے میری حمایت کی تھی۔ یاد نہیں کس بات پہ۔'' سادگی سے شانے اچکا دیے۔

''یہ آپ کو آپ کی والدہ نے بتایا ہو گا یقیناً۔'' وہ زخمی سا مسکرائی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا ہمارے درمیان اس سے زیادہ بھی کچھ تھا؟'' اس کی آنکھوں میں تجسس کی چمک در آئی۔ جیسے وہ اس لڑکی کو جاننے کا خواہشمند ہو۔

''نہیں۔ بس ایک اچھی شناسائی تھی۔ اور ایک سفر ہم نے اکٹھا کیا تھا۔''

''جنگل کا؟'' وہ چونک کے بولا تو وہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔

''آپ کو یاد ہے وہ سفر؟'' الجھ کے پوچھا۔

ایڈم کھنکھارا' اور پھر الفاظ ڈھونڈنے چاہے۔ ''مس مراد میں آپ سے ملنے پہ اس لیے راضی ہوا ہوں کیونکہ میں نے ایک عرصہ اپنے ارد گرد آپ کا ذکر سنا ہے اور میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میرے اور آپ کے درمیان کس قسم کا تعلق تھا۔ کیونکہ میری یادداشت کے متاثر ہونے کے بعد میں نے چند ایک دفعہ آپ کو خواب میں دیکھا تھا۔ عجیب سی بات ہے لیکن ہم دونوں ہمیشہ ایک نہ ختم ہونے والے جنگل میں سفر کر رہے ہوتے تھے۔''

''صرف ہم دونوں؟''

''جی۔ صرف ہم دونوں۔ کیوں؟ کیا کوئی اور بھی تھا؟'' وہ آگے کو ہوا۔

''میں آپ کے سارے سوالات کے جوابات دے دوں گی لیکن پہلے آپ کو میری کہانی لوگوں کو بتانی ہوگی۔ڈیل؟''

ایڈم بن محمد کی آنکھوں میں چمک در آئی۔وہ جیسے پر جوش نظر آنے لگا تھا۔

''ڈیل۔'' پھر توقف سے بولا۔''یعنی آپ جانتی ہیں کہ میرے ساتھ چھے سال پہلے کیا ہوا تھا؟ میری یادداشت کیوں کھوئی تھی؟''

''جی۔میں آپ کو تھوڑا بہت بتائے دیتی ہوں۔ہم ایک سفر پہ گئے تھے۔اور آپ کو جنگلی جڑی بوٹیوں کے علم پہ عبور حاصل تھا۔سفر کے آخر میں آپ نے مجھے کچھ بتانا تھا۔آپ نے کہا تھا کہ ہم جنگل کے اس پار جا کے اس بارے میں بات کریں گے۔ایک بات کا ادھار تھا آپ کے اوپر بس۔لیکن میرا خیال ہے کہ آپ اس لمحے کے آنے سے ڈرتے تھے۔آپ کا دل اتنی بری طرح ٹوٹا تھا کہ آپ نے ایسی دوا بنا کے کھائی تھی جس سے آپ کی مخصوص وقت کے لیے یادداشت کھوگئی تھی۔آپ نے اپنی یادداشت کو خود کھویا ہے۔جان بوجھ کے۔''

''یہ ناممکن ہے۔کوئی دوا ایک مخصوص وقت کی یادداشتیں کیسے ختم کرسکتی ہے؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''تو پھر آپ کی یادداشت کیسے کھوئی؟ آپ نے یہ اپنے ساتھ خود کیا تھا۔آپ ایسے تجربے کرتے رہتے تھے دواؤں کے ساتھ۔یادیں تکلیف دیتی ہیں ایڈم صاحب۔اس لیے دیکھیں....آج آپ کتنے خوش اور مطمئن ہیں۔ایک شخص کو ذہن سے مٹا دینے سے کتنے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔''

ایڈم کی آنکھوں کی پتلیاں مشکوک انداز میں سکڑیں۔''اوکے۔مجھے اس بات پہ یقین نہیں آیا لیکن وقت کم ہے اس لیے آپ کے کیس کے بارے میں بات کرتے ہیں۔''اس نے گھڑی دیکھ کے سوالات کا آغاز کیا۔''آپ اپنے دفاع میں کیا کہیں گی؟''

''عصرہ محمود نے خودکشی کی تھی۔''صوفے پہ ٹیک لگائے بیٹھی لڑکی اطمینان سے بولی۔''وہ اپنی زندگی سے مایوس تھیں۔اور انہوں نے اپنے ساتھ مجھے بھی پھنسانے کا بندوبست کیا تھا۔''

وہ لمحے بھر کو ششدر رہ گیا۔قلم رکھ دیا۔پھر ریکارڈر کا بٹن بند کیا۔

''مس مراد....آپ کو معلوم ہے آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ کوئی بھی اس بات پہ یقین نہیں کرے گا۔''

''اور عصرہ کو یہ معلوم تھا۔وہی اصل قاتل ہیں۔میں مشکل میں اس لیے ہوں کہ کوئی اس بات پہ یقین نہیں کرے گا۔''

اسٹڈی روم کی فضا میں تناؤ سا در آیا۔ایڈم کے چہرے پہ اکتاہٹ پھیلنے لگی۔

''آپ میرا وقت تو نہیں ضائع کرر ہیں؟''

تالیہ نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو ہو کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”جس لمحے میڈیا کو معلوم ہو گا کہ پردھان منتری کی بیوی کی قاتل تالیہ مراد ملائیشیا واپس آ چکی ہے....اور میرے اوپر مقدمہ چلے گا....اس وقت سارے چینلز میرا چہرہ دکھائیں گے۔سارے رپورٹرز مجھ سے بات کرنا چاہیں گے۔لیکن میں صرف ایک اینکر سے بات کروں گی۔اگر آپ وہ ایک رہنا چاہتے ہیں اور اپنے کیرئیر کی سب سے سنسنی خیز اسٹوری کور کرنا چاہتے ہیں' تو آپ کو اپنا وقت مجھ پہ صرف کرنا پڑے گا۔“اس کا لہجہ ٹھنڈا اور سپاٹ تھا۔اس نے محسوس کیا کہ ایڈم کے انداز میں واضح تبدیلی آئی۔اس نے پہلو بدلا اور جلدی سے بولا۔

”ظاہر ہے میں آپ کی اسٹوری کور کرنا چاہتا ہوں۔ضروری نہیں ہے کہ میں آپ سے متفق ہوں لیکن میں آپ کی کہانی ضرور آگے بتاؤں گا۔کیا آپ اپنے دعوے کو ثابت کر سکتی ہیں؟“

”عصرہ یہ کام اکیلے نہیں کر سکتی تھیں۔کوئی تھا جس نے ان کی مدد کی۔مجھے اس شخص کو ڈھونڈنا ہے۔“

”یعنی ابھی آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے؟“

”آپ ثبوت ڈھونڈنے میں میری مدد کیوں نہیں کرتے؟آپ انویسٹی گیٹو جرنلسٹ ہیں۔اپنے پر تعیش آفس سے باہر نکلیں اور میرے ساتھ سڑکیں ماپیں' ایڈم صاحب۔بغیر محنت اور تفتیش کے اتنی بڑی اسٹوری آپ کو کیسے مل سکتی ہے؟“

”میں تیار ہوں۔“اس نے برا مان کے کندھے اچکائے۔”لیکن آخر میں آپ مجھے میرے سوالات کا جواب ضرور دیں گی۔اور پلیز یہ کوئی جڑی بوٹیوں والی کہانی نہیں سنائیں گی۔“

وہ چند لمحے سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔”میں آپ کو سب کچھ سچ بتا دوں گی۔اب میں کسی سے نہیں ڈرتی۔“

”پھر آپ فرار کیوں ہوئیں؟اور اتنا عرصہ آپ کہاں تھیں؟“اس نے ریکارڈر پھر سے آن کیا' نوٹ بک کھولی اور لکھنے لگا۔

”میں اس بات کا جواب صرف کورٹ میں دوں گی۔بس یوں سمجھیں کہ وقت نے میرے ساتھ بہت مہربانی کی ہے۔“

”مہربانی کیسے؟“

”میرے چھ سال ضائع کروا کے۔“وہ پورے دل سے مسکرائی۔

”چھ سال ضائع کرنا مہربانی تو نہیں ہوتی۔بلکہ.....“

”آپ مجھے وان فاتح سے ملوا سکتے ہیں؟“

سوال قدرے غیر متوقع تھا۔ایڈم چونک کے اسے دیکھنے لگا۔”وہ آپ کو دیکھتے ہی پولیس بلوا لیں گے۔“

''وہ ایسا نہیں کریں گے۔آپ ان سے میٹنگ کا وقت لے سکتے ہیں؟''

''میں وان فاتح کا نقادہوں اوراونچی کرسی والوں کو نقاد پسند نہیں ہوتے۔وہ مجھے مہینوں میٹنگ کا وقت نہیں دیں گے۔''

''مجھے ان سے صرف پانچ منٹ کے لیے ملنا ہے۔وہ ہر دوسرے دن کسی نہ کسی سیاسی گیدرنگ میں مدعو ہوتے ہیں۔آپ مجھے کسی ایسی محفل کا دعوت نامہ دلوا سکتے ہیں؟''

''میں ان کے پروٹوکول آفیسر سے پوچھ سکتا ہوں۔''وہ سر جھکا کے فون پہ پیغام بھیجنے لگا۔کتابیں خاموشی سے ان دونوں کو دیکھتی رہیں۔

''آپ کے والدین کہاں ہیں؟ کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں رہتے؟''

ایڈم نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا اور پتلیاں سکوڑیں۔''وہ اپنے پرانے گھر میں رہتے ہیں۔کیوں؟''

''جہاں مرغیاں اور چوزے ہوا کرتے تھے؟''وہ کچھ یاد کر کے مسکرائی۔ایڈم نے محض ہنکارا ابھرا۔وہ ابھی تک لیا دیا انداز اپنائے ہوئے تھا۔

پھر وہ اس سے کیس کے متعلق مزید سوالات پوچھنے لگا۔وہ جواب میں عصرہ کا سارا پلان بتاتی گئی۔ایڈم کو یہ سب ہضم کرنے میں دقت پیش آ رہی تھی لیکن وہ ضبط سے ایک ایک چیز نوٹ کرتا گیا۔دفعتاً اس کا فون بجا۔اس نے موبائل اٹھا کے دیکھا۔

''پی ایم کے پروٹوکول آفیسر نے میرے ایک پرانے فیور کا لحاظ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ پی ایم اس ہفتے ایک آرٹ نمائش میں شرکت کر رہے ہیں۔پرائیوٹ محفل ہے۔تھوڑے لوگ ہوں گے وہاں۔ میں آپ کو پاس دلوا دوں گا۔آپ ان سے ملاقات کر سکیں گی۔''

''پی ایم کو آرٹ میں دلچسپی کب سے ہونے لگی؟''

''میں نے بھی یہی سوچا تھا۔لیکن یہ نمائش میشا تاج کی ہے۔''اس نے پڑھ کے بتایا۔تالیہ کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''ان کی بیٹی کی ٹیوٹر؟''

''ہاں شاید۔میں نے اس کو ایک دو دفعہ سوشل میڈیا پہ ہی دیکھا ہے۔''

''اچھا۔اور کیا جانتے ہیں آپ اس کے بارے میں؟''تالیہ پیچھے کو ہوگئی اور سوچتے ہوئے پوچھا۔

''میشا تاج کے بارے میں؟ اتنا خاص نہیں۔یہ پتراجایا کی ایک جانی پہچانی سوشلائیٹ ہے۔اور کافی ٹیلنٹڈ فوٹوگرافر ہے۔سنگل مدر ہے اور ایک بیٹی بھی ہے اور....''

''اوراس کا ایکس ہزبینڈ کرمنل ہےاوراس کوابھی تک ہراساں کرتا ہے۔''

ایڈم نے چونک کےاسے دیکھا۔''یہ مجھےنہیں معلوم تھا۔آپ جانتی ہیں اس کو؟''

''جی۔آپ بھی جانتے تھےاس کو۔بلکہ آپ اس سے ملے بھی تھے۔''

''اچھا؟''وہ واقعتاً حیران ہوا۔پھر چونکا۔''اس پراسرار جنگل میں سفر کرتے وقت؟''

''نہیں۔وہ جنگل تو ایک دوسری دنیا تھی۔آپ کی ہیشا سے ملاقات جنگل میں جانے سے پہلے ہوئی تھی۔مسز عصرہ کی آرٹ گیلری میں۔تب آپ وان فاتح کے باڈی مین تھے۔اور یہ ایک آرٹ کلیکٹر تھی۔وہاں کچھ خریدنے آئی تھی۔آپ کو نہیں یاد؟''

''اچھا؟اسٹرینج۔اورآپ بھی ملی تھیں اس سے؟''

''میں وہیں تھی۔''تالیہ نے اثبات میں گردن ہلا دی۔دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو وہ خاموش ہوگئی۔صوفی گتے کی ٹرے میں تین کافی کپ اٹھائے مسکراتی ہوئی آرہی تھی۔

''میں اب چلتی ہوں۔آپ مجھے پارٹی کا وقت اور جگہ ٹیکسٹ کردیجیے گا۔''وہ اٹھتے ہوئے بولی تو صوفی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''کافی تو پی لیں۔''

''میں نے کب کہا کہ نہیں پیوں گی۔''اس نے سادگی سے کہتے ہوئے ایک کپ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

ایڈم نے صوفی کو اشارہ کیا اور ہوا میں لکھنے کے انداز میں انگلیاں چلائیں۔وہ ٹرے رکھ کے فوراً سے اس کے پیچھے لپکی۔

''مس مراد.... مجھے تحریری طور پہ آپ سے ضمانت چاہیے کہ آپ کسی دوسرے اینکر سے.....''صوفی نے ایک کلپ بورڈ شیلف سے اٹھایا ہی تھا کہ تالیہ مڑی' کلپ بورڈ اس کے ہاتھ سے لیا' جانے کہاں سے قلم نکال کے اس پہ ایک' دو' تین جگہوں پہ دستخط کیے اور اسے واپس صوفی کو تھمایا۔

''میری زبان ہی میرا دستخط ہے ویسے'صوفی۔اگر میں کہہ رہی ہوں کہ کسی اور سے بات نہیں رکوں گی تو کوئی مجھے کسی اور سے بات کرنے پہ مجبور نہیں کرسکتا۔''جتا کے بولی۔صوفی نے ایک نظر کاغذ کو دیکھا'اور دوسری اس پہ ڈالی۔

''آپ نے کانٹریکٹ پڑھا ہی نہیں ہے۔''

''ایڈم بن محمد ایک ایماندار آدمی ہے۔سچ بولتا ہے۔وہ مجھے کسی غلط شرط کا پابند نہیں کرے گا۔''

صوفی نے ایڈم کو دیکھا جس نے لاعلمی سے کندھے اچکا دیے۔تالیہ اب باہر نکل چکی تھی۔صوفی اس کے پیچھے گئی۔وہ

دروازے پہ رکی کھڑی کچھ سوچ رہی تھی۔صوفی کو دیکھ کے بولی۔

''ایڈم اور میں نے ایک لمبا عرصہ ایک کتب خانے میں گزارا تھا۔''

''اچھا۔ میں سمجھی آپ نے ایک عرصہ جنگل میں ساتھ گزارا تھا۔''

تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔صوفی نے مسکرا کے کان میں ننھے آلے کی طرف اشارہ کیا۔

''میں ہر میٹنگ میں موجود ہوتی ہوں۔''

وہ نہیں مسکرائی۔وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

''کیا اب بھی وہ کتابیں پڑھتا ہے؟ عام لوگوں کی طرح نہیں۔ بہت عقیدت' لگن اور محبت سے؟''

صوفی چپ ہوگئی۔ پھر کندھے اچکا دیے۔'' آپ نے ان کی کتابیں نہیں دیکھیں؟ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مالک کو انہیں پڑھنے کا کتنے شوق ہے۔'' اس ڈپلومیٹک جواب پہ تالیہ نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔

''ہاں۔ میں نے دیکھا ہے کہ اسٹڈی کے ریکس میں قیمتی ہارڈ کورز کتنی ترتیب سے رکھے گئے ہیں۔ یا تو ایڈم کی ہاؤس کیپر صفائی بہت اچھی کرتی ہے یا وہ ان کتابوں کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔تم نے وہ ایڈم نہیں دیکھا جو کتابیں سجانے سے زیادہ انہیں جذب کرنے کا شوقین تھا۔خیر..وقت وقت کی بات ہے۔'' اس نے ہڈ سر پہ گرائی اور آگے بڑھ گئی۔

صوفی کا منہ کھل گیا۔وہ بالکل ساکت رہ گئی تھی۔ یہ لڑکی کون تھی جو اتنے سال بعد آئی تھی اور ایک نظر میں اس کے باس کو اندر تک جان گئی تھی؟

☆☆=========☆☆

کنٹرول روم میں کوئی کھڑکی نہ تھی جس کے باعث اندر نہ سورج کی روشنی پہنچتی نہ تازہ ہوا۔ بڑی میز پہ قطار میں کمپیوٹر اسکرینز رکھی تھیں۔ایک کرسی پہ اشعر بیٹھا غور سے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔اس کے دائیں بائیں دو افراد جھکے کھڑے اسی طرف متوجہ تھے۔گزشتہ روز کی سی سی ٹی وی فوٹیج اسکرین پہ چل رہی تھی۔

''پیچھے کرو..... پیچھے....'' وہ ایک دم بولا تو ساتھ کھڑے آدمی نے جھک کے چند کیز دبائیں۔وڈیو پیچھے جانے لگی۔اس نے پلے کیا تو اشعر کی آنکھوں میں چمک در آئی۔

''یعنی وہ میرا گمان نہیں تھا۔ یہ لڑکی واقعی وہاں موجود تھی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بڑبڑایا۔

اسکرین پہ لفٹ سے نکلتی تالیہ نظر آرہی تھی۔اس کی کیمرے کی طرف پشت تھی' اور سر پہ ہڈ تھی' لیکن وہ پہچان گیا تھا کہ یہ وہی تھی۔وہ کافی دیر وہاں کھڑی رہی۔مگر فاتح کے جانے کے بعد اشعر کو دیکھ کے وہ مڑ گئی۔اس زاویے پہ بالآخر اس کا چہرہ

دکھائی دیا۔ وہ تالیہ مراد ہی تھی۔

آپریٹر نے زوم کر کے تالیہ کے چہرے پہ ویڈیو روک دی۔ اشعر تھوڑی کو انگلیوں سے مسلتے ہوئے کتنی ہی دیر اس منظر کو دیکھے گیا۔ تالیہ مراد بالآخر.... (انگلیوں پہ گنا).... چھے سال بعد ان کی زندگیوں میں واپس آ چکی تھی۔

''اس کے علاوہ پوری عمارت کی ویڈیوز میں یہ کہیں نہیں ہے۔ ہر جگہ یہ کیمرے سے بچ جاتی ہے۔ یا پشت کر لیتی ہے۔ لیکن یہاں اس نے کیمرے کے سامنے کھڑے ہونے کا خطرہ مول لے لیا۔''

''کیونکہ یہاں کوئی تھا جس سے وہ ملنے آئی تھی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بڑبڑایا۔ اس مسکراہٹ میں تنفر بھی تھا اور دلچسپی بھی۔

''کیا میں سیکیورٹی کو اطلاع کر دوں کہ اگر یہ دوبارہ آئے تو.....''

''اونہوں۔ وہ یہاں دوبارہ نہیں آئے گی کیونکہ وہ مجھے دیکھ کے خوفزدہ ہو گئی ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ آپریٹر نے سر ہلا دیا۔ دوسرا آدمی جو فاتح کا چیف سیکیورٹی آفیسر تھا' اس کے ساتھ چلتے ہوئے باہر آیا۔ اشعر کو مسلسل خاموش دیکھ کے وہ راہداری میں رکا اور اسے مخاطب کیا۔

''سر.... آگے کے لیے کیا حکم ہے؟''

''مجھے اس لڑکی کو گرفتار کروانا ہے۔'' وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھ کے بولا۔ دونوں راہداری کے وسط میں کھڑے تھے۔ اردگرد لوگ آ جا رہے تھے۔ آفیسر نے آواز دھیمی کر دی۔

''لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہ رہی ہے۔ البتہ ہم سارے شہر کی پولیس کو الرٹ کر کے....''

''اونہوں۔ پولیس اسے ڈھونڈ سکتی تو اتنے سال پہلے ڈھونڈ لیتی۔ تم تالیہ مراد بن کے سوچو۔ وہ پی ایم سے ملنے آئی تھی لیکن نہیں مل سکی۔ اب وہ کیا کرے گی؟'' وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سارا دن وہ اسی نہج پہ سوچتا رہا تھا۔

''اس کو شہر میں سہولت کار چاہیے ہوں گے۔''

''بالکل۔ کیا اس کی دوست گرفتار ہوئی تھی؟ وہ موٹی سی گھنگھریالے بالوں والی؟''

''نہیں سر۔ وہ گزشتہ چھے برس سے لاپتہ ہے۔''

''ہوں۔'' اشعر کی آنکھوں میں چمک در آئی۔ ''تالیہ کا ایک اور دوست بھی تھا۔ وہ اینکر ایڈم بن محمد۔ وہ اس سے ضرور رابطہ کرے گی۔ یوں کرو کل صبران کی برتھ ڈے پارٹی پہ ایڈم کو مدعو کر دو میری طرف سے۔''

''آپ کو یقین ہے کہ ایڈم اس سے رابطے میں ہو گا؟''

''بالکل۔ایڈم فوراً اس کو خبر دے گا۔ہمیں تالیہ کو ڈھونڈنا نہیں پڑے گا۔وہ خود ہمارے پاس آئے گی۔وہ پارٹی پہ پی ایم سے ملنے کی کوشش کرے گی۔کل شام.... برتھ ڈے پہ ہم اسے گرفتار کریں گے۔''

''آپ اس کے لیے ٹریپ سیٹ کرنا چاہ رہے ہیں؟''وہ سمجھ کے سر ہلا رہا تھا۔''میں بظاہر سیکیورٹی کم رکھوں گا لیکن درحقیقت سادہ لباس میں اہلکاروں کو ہر جگہ پھیلا دوں گا۔''

''وہ بہت خطرناک کرمنل ہے۔اسے بچ کے نہیں جانا چاہیے۔اور اس ٹریپ کی خبر تمہارے علاوہ کسی کو نہیں ہونی چاہیے۔''

''شیور۔''پھر اس نے ساتھ چلتے اشعر کو غور سے دیکھا۔''پی ایم کو مطلع کر دیا آپ نے؟''

''نہیں۔ان کو اس بات کی بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے۔''

آفیسر کے ماتھے پہ بل پڑے۔''سر...ان کو بتانا ضروری ہے۔وہ پردھان منتری ہیں۔''

اشعر اس کی طرف گھوما اور سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''جانتے ہو پردھان منتری کون ہوتا ہے؟ جو صرف کمرے میں بیٹھ کے حکم دیتا ہے۔اس کے سارے احکامات کو متعلقہ اداروں تک پہنچانے والا اس کا چیف آف اسٹاف ہوتا ہے۔اس کو ہر روز ہر کسی کے بارے میں رپورٹ کرنے والا اس کا چیف آف اسٹاف ہوتا ہے۔کس سیکیورٹی آفیسر کو برخاست کرنا ہے (سر سے پیر تک اسے دیکھا) اور کس کو ترقی دینی ہے' یہ ایڈوائس اس کو چیف آف اسٹاف دیتا ہے۔پردھان منتری اونچی دیواروں کے درمیان قید ہوتا ہے۔اس کا بیرونی دنیا سے واحد رابطہ اس کا چیف آف اسٹاف ہوتا ہے۔اگر تم سوچو تو پردھان منتری سے زیادہ طاقتور اس کا چیف آف اسٹاف ہوتا ہے۔اور میں وان فاتح رامزل کا چیف آف اسٹاف ہوں۔''

ٹھنڈے انداز میں توڑ توڑ کے اس کو سنایا۔ماتھے پہ بل بھی ڈال لیے۔سیکیورٹی آفیسر نے سکون سے ساری بات سنی۔

''رائٹ سر۔اور اگر چیف آف اسٹاف اپنے باس کی پیٹھ کے پیچھے کچھ کرے تو وہ چیف آف اسٹاف نہیں رہتا۔وہ تالیہ مراد بن جاتا ہے جسے شہر میں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملتی۔میں اپنے پی ایم کو مطلع کرنے کا پابند ہوں۔چاہے ان کے چیف آف اسٹاف کو اچھا لگے یا برا۔''

اشعر نے صبر کا گھونٹ اندر اتارا۔(ڈیم ڈیموکریسی۔) اور مسکرا کے بولا۔''کیوں نہیں؟ جب تمہاری ان سے ملاقات ہو تو بتا دینا۔''

اشعر محمود لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔سیکیورٹی آفیسر نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔وہ جانتا تھا کل شام تک اشعر محمود نے

اسے اتنا مصروف رکھنا ہے کہ اس کی ملاقات پی ایم سے ہو ہی نہ پائے۔

☆☆==========☆☆

سری پردھانہ میں واقع وزیراعظم کا آفس کشادہ اور پرتعیش تھا۔ طاقت کی منبع کرسی کے پیچھے والی دیوار بھوری لکڑی کے کیبنٹ اور شیلف سے ڈھکی تھی۔ ایک دیوار میں شیشے کی بڑی سی کھڑکی تھی جس سے سرما کی دھوپ اندر آرہی تھی۔ وان فاتح اپنی کرسی پہ بیٹھا' عینک لگائے' شرٹ کے آستین موڑے فائلز دیکھ رہا تھا۔ تبھی دروازہ کھٹکا اور ایک سوٹ میں ملبوس نوجوان اندر داخل ہوا۔ اس نے ایک سیاہ کور والی فائل اٹھا رکھی تھی۔ وہ میز کے سامنے مودب سا آ کھڑا ہوا۔

''سر... یہ فائل آپ نے مانگی تھی۔''

''کون سی فائل' شاہدان؟'' وہ کاغذوں پہ جھکے' کچھ تلاش کرتے ہوئے بولا۔ پھر جیسے یاد آیا۔ 'اچھا تم وہ لے آئے۔ یوں کرو....'' فاتح نے ادھر ادھر دیکھا۔ ''کسی شیلف میں رکھ دو۔ میں فارغ ہو کے دیکھ لوں گا۔ تھینک یو۔''

شاہدان نامی اسٹافر نے سر ہلایا اور فاتح کے عقب میں بنے ایک شیلف تک آیا۔ اس میں تین سیاہ کور والی فائلز پہلے ہی رکھی تھیں۔ اس نے اس فائل کو ان کے اوپر سلیقے سے رکھا اور واپس اس کی میز کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''سر... اشعر صاحب کا فون آیا تھا۔ وہ آج آفس نہیں آسکیں گے۔ انہوں نے کہا ہے کہ آپ سے کہوں ان کا ٹیکسٹ دیکھ لیں فیروز صاحب سے میٹنگ سے پہلے۔''

''میٹنگ.... میٹنگ.... میٹنگ....'' فاتح نے سر اٹھایا اور مسکرا کے اسے دیکھا۔ ''جانتے ہو' شاہدان' جب میں چھوٹا تھا تو سمجھتا تھا کہ ملک کا وزیراعظم پورے ملک کی رکھوالی کرتا ہے۔ اس کے گرد چکر کاٹتا ہے۔ کسی عقاب کی طرح۔''

شاہدان مسکراتے ہوئے پردھان منتری کو سننے لگا جو کہہ رہا تھا۔

''لیکن وزیراعظم بننا سری پردھانہ میں قید ہونے کا نام ہے۔ سارا دن ہم کیا کرتے ہیں؟ میٹنگز اور میٹنگز۔ کابینہ سے میٹنگ۔ مختلف شہروں سے آئے اپنے پارٹی اراکین سے میٹنگز۔ مجھے تو بھول ہی گیا ہے کہ کے ایل کے پارک اور تالاب کیسے دِکھتے تھے۔''

کہتے ہوئے فاتح نے فون نکالا اور اشعر کا پیغام دیکھنے لگا۔ شاہدان تذبذب سے سر ہلا کے واپس مڑ گیا۔ اس سے زیادہ وہ پی ایم کا وقت نہیں ضائع کر سکتا تھا۔

''جانتے ہیں فارورڈ بلاک کی قیادت کون کر رہا ہے؟ فیروز۔ میں نے اسے آپ کے آفس بھیجا ہے۔ آپ اس سے ڈیل کرلیں۔''

وان فاتح کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ چہرے سے لگتا تھا وہ پیغام پڑھ کے شدید برہم ہوا ہے۔ اس نے انٹر کام اٹھایا اور تلخی سے حکم جاری کیا۔

''فیروز کو اندر بھیجو۔'' پھر عینک اتار کے پیچھے کو ٹیک لگا لی۔

تھوڑی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر ٹوپی والا آدمی اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پہ بے بسی اور ناپسندیدگی کے ملے جلے تاثرات تھے۔ سامنے بیٹھا وان فاتح اپنا غصہ دبائے بظاہر نرمی سے کہہ رہا تھا۔

''پچھلی حکومت میں میں ٹھیک سے چار قانون بھی نہیں پاس کروا سکا تھا' فیروز۔ صرف اس لیے کہ میرے پاس پارلیمان میں کھلی اکثریت نہیں تھی۔ اس دفعہ ہے۔ لیکن اگر میرے ہی منسٹرز میرے خلاف فارورڈ بلاک بنا کے میرے ارکان کو توڑ لیں گے تو میں ایجوکیشن بل کیسے پاس کرواؤں گا جس کے لیے پچھلے چار ماہ سے ہم دن رات کام کر رہے ہیں؟''

''داتو سری.... اراکین آپ سے ناراض ہیں۔ آپ نے ان سے کیے وعدے پورے نہیں کیے۔ اگر آپ میری جگہ خود کو رکھ کے سوچیں تو....''

''میں تمہاری جگہ نہیں ہوں' فیروز۔ تم اپنی جگہ خود کو رکھ کے سوچو۔ تمہارے بلاک کا کیا مستقبل ہے؟'' وہ ٹیک لگا کے بیٹھا اور پیپر ویٹ ہاتھوں میں گھمانے لگا۔ ''صوفیہ رحمٰن کی کھلم کھلا حمایت تم کر نہیں سکتے۔ ہم سے کٹ کے تمہیں نہ فنڈز ملیں گے نہ تمہیں میڈیا ایک ہفتے سے زیادہ کوریج دے گا۔ کچھ عرصے بعد تمہارے ارکان ٹوٹ ٹوٹ کے واپس میرے پاس آ جائیں گے۔ تم لوگ خسارے کا سودا کر رہے ہو۔''

آفس میں چند لمحے کے لیے سناٹا چھا گیا۔ پھر فیروز نے پہلو بدلا۔

''داتو سری.... ہمارے بغیر بل پاس نہیں ہو سکتا۔ آپ کو ہمارے مطالبات سننے پڑیں گے۔''

''تم جانتے ہو میں نے تمہیں یہاں کس لیے بلایا ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔ آپ کو میرا استعفیٰ چاہیے۔'' وہ زہر خند ہوا۔ ''لیکن میرا استعفیٰ لے کر آپ خود کو میرے اور میرے بلاک کے ووٹوں سے محروم کر دیں گے، خسارے کا سودا آپ کر رہے ہیں۔''

''مجھے تمہارا استعفیٰ نہیں چاہیے۔ میں تمہیں ایجوکیشن کمیٹی کا چیئرمین بنانے جا رہا ہوں۔''

آفس میں سناٹا چھا گیا۔ فیروز دنگ سا اسے دیکھے گیا۔ ''اور میرے ساتھی اراکین؟ ان کو کیا ملے گا؟''

''کچھ بھی نہیں۔ تم ان کو راضی کرو گے کہ وہ میرے بل کے حق میں ووٹ دیں۔ کیسے راضی کرو گے' یہ تمہارا کام ہے۔''

وہ ٹیک لگائے بیٹھا بغور اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ ''تم میرے بہترین آدمیوں میں سے ایک ہو۔ ایجوکیشن کمیٹی کی کرسی

تم سے زیادہ کوئی ڈیزرو نہیں کرتا۔ لیکن اس کے لیے بل کا پاس ہونا ضروری ہے۔ فیصلہ تمہارا ہے۔"

"ایلیش۔" اس کے جانے کے بعد فاتح موبائل کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ "فیروز راضی ہو گیا ہے۔ یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"اور باقی آدھا مسئلہ؟ شکری صاحب کے پاس بھی ناراض اراکین کا گروہ ہے۔ اس کو کس چیز لا کالچ دیں گے ہم؟"

"نہیں وہ فیروز کی طرح کا نہیں ہے۔ میں اسے کچھ نہیں کہوں گا۔ سمجھو ہمیں اس کی غداری کا علم ہی نہیں ہے۔ میں کیبنٹ میٹنگ میں جا رہا ہوں۔ میٹنگ میں میں اس کی پرفارمنس پہ ناراضی کا اظہار کروں گا۔ تم یہ خبر میڈیا کو دے دینا۔ چار دن تک رپورٹرز اس کی بری پرفارمینس پہ اتنی خبریں چلائیں گے کہ میں اس کا استعفیٰ قبول کرنے پہ مجبور ہوں گا۔"

"یہ زیادہ اچھا ہے۔"

"ایلیش....." وہ رکا اور ٹھہر کے سرسری سے انداز میں پوچھا۔ "تم نے صبح کہا تھا کہ تم نے تالیہ کو دیکھا۔ مجھے ٹھیک بتاؤ.....تم نے کیا دیکھا تھا۔"

"آبنگ.....دیکھیں.....میں نے ایک لڑکی کو دیکھا تھا پارلیمان ہاؤس میں جس کی شکل تالیہ مراد سے بہت ملتی تھی۔ بس ایک جھلک دیکھی۔ اب مجمع میں اسے روک تو نہیں سکتا تھا۔ پتہ نہیں وہ تالیہ تھی بھی یا نہیں۔"

"کیا وہ واپس آ گئی ہے؟" فاتح نے کرسی کا رخ موڑا اور کھڑکی سے نظر آتے سبزہ زار کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "اتنے سال بعد؟"

"آبنگ.....ہم حکومت میں ہیں۔ پولیس ہماری ہے۔ اگر وہ آ گئی ہے تو چھپ نہیں سکے گی۔ اسے کوئی نہ کوئی ڈھونڈ لے گا۔ ریلیکس۔ آپ بل پہ فوکس کریں۔"

فاتح نے فون رکھا اور کھڑکی کی ساتھ دیوار پہ نصب وائٹ بورڈ کو دیکھا جس پہ دو خانے مارکر سے بنائے گئے تھے۔ دونوں خانوں میں رنگ برنگے مقناطیسی گوٹ جڑے تھے۔ وہ کرسی سے اٹھا اور وائٹ بورڈ تک آیا۔ یس اور نو کے خانوں میں "نو" کے حصے میں آنے والے گوٹ زیادہ تھے۔

"فیروز واپس آ گیا ہے۔ اس کے ساتھ اراکین بھی واپس آ جائیں گے۔" اس نے ایک ایک کر کے "نو" سے چھ گوٹ اٹھا کے یس کے خانے میں لگائے۔ حساب ابھی تک اس کے خلاف جا رہا تھا۔ اسے اب بھی مزید ووٹ چاہیے تھے۔

"کیا سوچ رہے ہیں ڈیڈ؟" آواز پہ وہ چونکا۔ گردن موڑ کے دیکھا تو سفید فراک والی بچی کونے میں کھڑی تھی۔ اس نے سفید ہیئر بینڈ لگا رکھا تھا اور سادگی سے پلکیں جھپکاتی پوچھ رہی تھی۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ میں اتنے سال سے اس کرسی پہ کیا کر رہا ہوں۔'' وہ واپس بورڈ کو دیکھنے لگا۔ ''میں یہاں لوگوں کی فلاح کے کام کرنے آیا تھا لیکن ایک دن بھی مجھے اپنوں اور غیروں نے سکون نہیں لینے دیا۔ یہ ہر روز میری کرسی کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں ہر روز اپنا تخت ان کو ہاتھوں سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں۔ مجھے اپنی جاب پسند نہیں ہے' آریانہ اور اپنی جاب کو پسند نہ کرنا ایک شدید ذہنی اذیت ہے۔''

آریانہ خاموشی سے اسے سنے گئی۔ اب وہ زیادہ بولا نہیں کرتی تھی۔ یا شاید وان فاتح کو اس کی آوازیں کم سنائی دیا کرتی تھیں۔

☆☆==========☆☆

ہوٹل کے کمرے کے پردے برابر تھے اور اندر صرف ٹیبل لیمپس کی روشنی پھیلی تھی۔ بیڈ سفید چادروں سے نفاست سے بنایا گیا تھا۔ سامنے دو صوفے رکھے تھے جن کے دائیں بائیں ایستادہ زرد لیمپ ان کاغذوں پہ روشنی بکھیر رہے تھے جنہیں تالیہ اور احمد نظام بیٹھے دیکھ رہے تھے۔

''بے تالیہ.... آپ کو گرفتاری دے دینی چاہیے۔ یا کم از کم مجھے ضمانت قبل از گرفتاری کروانے کی اجازت دیجیے۔''

وہ جو فائل کے صفحے پلٹا رہی تھی' سر اٹھا کے خفگی سے انہیں دیکھنے لگی۔ ''تالیہ وقت سے چھ سال پیچھے ضرور ہے لیکن بہت سوں سے اب بھی آگے ہے۔ ابھی اس سب کا وقت نہیں آیا۔''

''آپ کیا پلان کر رہی ہیں؟''

''مجھے فاتح سے ملنا ہے۔ ایڈم نے کہا ہے کہ میشا تاج کی نمائش پہ مجھے ان سے ملوا دے گا۔'' وہ ماتھے پہ سلوٹیں لیے صفحے پہ نظریں دوڑا رہی تھی۔

''مگر وہاں سیکیورٹی ہو گی۔ آپ گرفتار ہو جائیں گی۔ اور میشا تاج کون؟ وہ آرٹسٹ کم ٹیوٹر؟''

''جی۔ اور حیرت کی بات ہے ایڈم کو وہ بالکل یاد نہیں۔''

''کیا ایڈم صاحب بھی ان سے واقف تھے؟ یعنی چھ سال قبل؟''

تالیہ نے فائل بند کی اور گہری سانس لے کر انہیں دیکھا۔ ''آپ بوڑھے ہو رہے ہیں۔''

اسی لمحے فون بجا تو احمد نظام چپ ہو گئے۔

''مس مراد.... آپ کے لیے اچھی خبر ہے۔'' ایڈم کا خوشگوار مگر پروفیشنل سا لہجہ سنائی دیا۔ تالیہ کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ ''اشعر محمود کے بیٹے کی سالگرہ کا دعوت نامہ مجھے ابھی ملا ہے۔ آپ نمائش کی بجائے اسی سالگرہ پہ جا سکتی ہیں میرے

ساتھ۔''

''اچھا؟ کب ہے سالگرہ؟''

''کل شام۔ وقت اور جگہ میں ٹیکسٹ کر رہا ہوں۔ لیکن احتیاط کیجئے گا۔ یہ ٹریپ بھی ہو سکتا ہے اور آپ گرفتار بھی ہو سکتی ہیں۔''

''یوں آپ کی کہانی زیادہ دلچسپ ہو جائے گی۔''

''یہ تو ہے۔''

''تالیہ!'' کال بند ہوئی تو اسے سوچ میں گم دیکھ کے احمد نظام نے متنبہ کیا۔ ''آپ سوچیں بھی مت کہ آپ یہ خطرہ مول لے سکتی ہیں۔ آپ گرفتار ہو جائیں گی۔''

''کوشش میں کیا حرج ہے؟ مجھے فاتح سے ملنا ہے۔''

''اس روز پارلیمان میں اشعر نے آپ کو دیکھ لیا تھا۔ کیا معلوم یہ ایک ٹریپ ہو اور وہ آپ کے انتظار میں ہوں۔''

''میں محتاط رہوں گی۔ کوئی مجھے گرفتار نہیں کر سکتا جب تک کہ میں خود نہ چاہوں۔'' وہ اٹھی اور میز تلے سے ایک بیک پیک اٹھا کے کندھوں پہ ڈالا۔ پھر ہڈ سر پہ گرا دی۔

''اور اگر آپ گرفتار ہو گئیں؟'' وہ افسوس سے اس کو کہیں جانے کے لیے تیار ہوتے دیکھ رہے تھے۔

''تو آپ مجھے جیل سے نکالنے کا کوئی طریقہ سوچ رکھیے گا۔ بس ایک دفعہ میں فاتح سے مل لوں' پھر بھلے گرفتار ہو جاؤں' مجھے فرق نہیں پڑتا۔'' وہ پرعزم لہجے میں بولی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''اتنا اعتماد اچھا نہیں ہوتا' بیٹا تالیہ۔ دنیا چھ سال آگے بڑھ چکی ہے۔ آپ ابھی تک وہیں کھڑی ہیں۔''

مگر وہ باہر نکل چکی تھی۔ انہوں نے افسوس بھری سانس خارج کی۔

تالیہ کے پلانز تھے۔ تالیہ کی مرضی۔

☆☆=========☆☆

صبران کی سالگرہ ایک ریستوران میں منائی جا رہی تھی۔ وہاں چند دوست احباب اور قریبی فیملی کے لوگ موجود تھے۔ کیک کٹنے سے کھانا لگنے تک' اشعر محمود بے چین رہا تھا۔ اس کی نظریں بار بار مہمانوں میں مصروف کھڑے خوش باس سے فاتح کی طرف اٹھتیں۔ پھر وہاں سے سفر کرتی سیکیورٹی چیف تک چلی جاتیں۔ وہ اشعر کو دیکھ کے مایوسی سے نفی میں سر ہلاتا تو اشعر کی بے چینی بڑھ جاتی۔

وہ نہیں آئی تھی۔ٹریپ ناکام گیا تھا۔

''ارد گرد موجود تمام سیکیورٹی ٹیمز کو کوئی مشتبہ عورت نہیں نظر آئی۔''

پارٹی کے اختتام کے قریب سیکیورٹی چیف اس کے پاس آیا اور سرگوشی میں بولا۔اشعر نے برہمی سے ریستوران کے لاؤنج میں پھیلے مہمانوں کو دیکھا۔

''وہ آئے گی۔وہ آبنگ سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔ڈیسپریشن اس سے غلط حرکت کروائے گی۔''

''پورا ریستوران چیک کیا ہے۔باتھ روم۔چھت۔وہ نہیں آئی۔'' پھر وہ اس کے پاس نہیں رکا۔آگے بڑھ گیا۔اشعر کی نظروں نے اس کا تعاقب کیا۔وہ وان فاتح کے قریب گیا اور اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا' سر۔ہم نے آج ایک ٹریپ سیٹ کیا تھا.....'' وہ بتاتا گیا۔

دور سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے اشعر کے لب بے بسی سے بھنچے۔وہ فوراً اس جانب لپکا۔جب وہ قریب پہنچا تو اس نے فاتح کو کہتے سنا۔''جانتا ہوں۔اشعر نے بتایا تھا۔''

اس کے بظاہر سرسری انداز پہ آفیسر قدرے پھیکا پڑ گیا۔پھر فاتح کی نظریں اشعر سے ملیں تو وہ اپنے پردھان منتری کی آنکھوں میں در آنے والا غصہ پہچان گیا۔فاتح ایک کٹیلی نظر اس پہ ڈال کے واپس مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گیا لیکن گاہے بگاہے اشعر کی طرف نظر اٹھتی تو اس میں عجیب سی کاٹ ہوتی۔

''سر آپ کے لیے کال ہے۔''اس کے پی اے نے قریب آ کے اطلاع دی تو اس نے برہمی سے اسے ٹوکا۔

''ابھی نہیں۔''

''سر....کوئی احمد نظام ہیں۔کسی تالیہ مراد کے وکیل۔وہ بات کرنا....'' اس کا فقرہ مکمل ہونے سے قبل اشعر نے فون چھین لیا اور کان سے لگایا۔''ہیلو؟''اس کا دل زور سے دھڑکا۔

''اشعر صاحب....میں احمد نظام بول رہا ہوں۔آپ کو شاید میں یاد نہ ہوں لیکن ایک زمانے میں....''

''مجھے آپ یاد ہیں۔''وہ تیزی سے بولا۔''آپ نے کہا آپ تالیہ مراد کے وکیل ہیں؟''

''جی۔میں ان کا وکیل ہوں۔اور میں جانتا ہوں کہ آپ ان کی تلاش میں ہیں لیکن میں آپ کو وارن کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے میری کلائنٹ کو کسی....''شور کے باعث آواز کٹنے لگی۔

''آپ ایک مفرور ملزمہ سے رابطے میں ہیں؟واؤ۔''وہ چہرہ جھکائے بات کرتا دروازے کے قریب چلا گیا جہاں رش کم تھا اور سگنل بہتر تھے۔

"دیکھیں اشعر صاحب..وہ میری کلائینٹ ہیں۔اور میں ان کی ضمانت قبل از گرفتاری کی درخواست دائر کر رہا ہوں۔تالیہ نے آپ کی بہن کا قتل نہیں کیا تھا۔یہ ایک غلط فہمی تھی۔"

"اسی لیے وہ اتنے سال غائب رہی؟" سگنل کمزور تھے اور آواز پھر سے کٹنے لگی تو وہ ریستوران سے باہر نکل آیا۔ایک محتاط نظر وان فاتح پہ بھی ڈالی جو اپنے مہمانوں کے ساتھ مصروف تھا۔آواز بہتر ہوئی تو وہ اسی درشتی سے کہنے لگا۔

"ہم مل بیٹھ کے اس معاملے کو حل کر سکتے ہیں۔میں تالیہ کو آپ سے بات کرنے پہ راضی کر سکتا ہوں۔وہ صرف پردھان منتری سے ایک دفعہ ملنا چاہتی ہے۔"

"میری تالیہ مراد سے بات اب کورٹ میں ہوگی۔" وہ ریستوران کے برآمدے کے اسٹیپ پہ کھڑا درشتی سے کہہ رہا تھا۔آنکھوں میں تنفر تھا۔نظریں سامنے سڑک پہ گزرتی گاڑیوں پہ جمی تھیں۔ان کے پار ایک پلازہ تھا جس کی کچھ دکانیں بند ہو چکی تھیں اور کچھ کھلی تھیں۔

"اشعر صاحب پلیز....اس کا حق ہے کہ اسے سنا جائے۔"

لیکن اشعر محمود اس کو نہیں سن رہا تھا۔اس کی نظریں سڑک کے پار جم گئی تھیں۔وہاں درخت کے ساتھ ایک ہڈ والا نسوانی وجود کھڑا تھا۔اسٹریٹ پول کی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔گردن ذرا ترچھی تھی جیسے وہ ریستوران کی شیشے کی دیوار کے پار شمالی حصے کو دیکھ رہی تھی۔یہاں سے اس کی آنکھیں نہیں دکھائی دیتی تھیں لیکن....اشعر نے رخ پھیر کے دیکھا...وہ اندر سے نظر آتے فاتح کو دیکھ رہی تھی.....سائے میں کھڑی لڑکی....جیبوں میں ہاتھ ڈالے...ہڈ سر پہ گرائے...اشعر نے کال کاٹی اور دھیرے سے سیکیورٹی آفیسر کا نمبر ملایا۔پھر فون کان سے لگائے آگے بڑھا۔

ابھی اس نے ایک طرف کی سڑک پار کی تھی جب ہڈ والی لڑکی نے اسے دیکھ لیا۔درمیان میں دو تین گاڑیاں زن سے گزریں اور اس نے لڑکی کو مڑ کے بھاگتے ہوئے دیکھا۔وہ کسی بھی شے کی پرواہ کیے بغیر اس کے پیچھے دوڑا۔

گاڑیوں کے ہارن چیخے۔بریک چرچرائے۔وہ سڑک کنارے آگے بھاگتی جا رہی تھی۔اشعر پوری رفتار سے اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔فون کان سے لگا تھا اور سیکیورٹی آفیسر کا نمبر بزی مل رہا تھا۔(فون اٹھاؤ' ایڈیٹ۔)

وہ ایک موڑ مڑ کے غائب ہوگئی۔وہ تیزی سے دوسری طرف آیا تو ایک جھلک سی دکھائی دی۔سامنے والی عمارت کے زیر زمین پارکنگ کی طرف اس نے ایک ہیولے کو گم ہوتے دیکھا تھا۔ایک سیکنڈ کا عمل تھا۔وہ تیزی سے پارکنگ ایریا کی طرف بھاگا۔

اندر دور دور تک گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔بھاری ستونوں نے پارکنگ لاٹ کی چھت کو سہارا دے رکھا تھا۔مدھم

بتیاں روشن تھیں۔ سناٹا چھایا تھا۔ دور دور تک اس کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔

''تالیہ....'' اس نے بلند آواز میں پکارا اور احتیاط سے قدم اٹھاتا آگے بڑھنے لگا۔ ''مجھے معلوم ہے تم کسی ستون کے پیچھے چھپی ہو۔ اب چھپنے کا وقت ختم ہو چکا ہے۔'' وہ اسے پکار رہا تھا۔ فون اب نیچے کر دیا تھا۔

نظریں ادھر ادھر تعاقب میں دوڑ رہی تھیں۔

''باہر آ جاؤ.... اب تمہارے پاس کوئی راہ فرار نہیں ہے۔'' اس کی آواز پارکنگ لاٹ کی دیواروں سے پلٹ پلٹ کے سنائی دینے لگی۔

''تالیہ.... تم اگر...''

وہ ایک قدم آگے بڑھا اور جانے کس ستون کے پیچھے سے وہ نکل کے آئی اور پورے قوت سے اپنا بیگ اس کے منہ پہ مارا۔ وہ پلٹ کے پیچھے کو جا گرا۔ وہ بھاگنے لگی لیکن اشعر نے اس کو ٹخنے سے پکڑ کے کھینچا۔ وہ لڑھک کے نیچے جا گری۔ پھر وہ اٹھنے لگی جب اشعر نے اسے کندھوں سے دبوچ کے نیچے گرایا۔ تالیہ نے زور سے اپنا سر اس کے منہ پہ مارا۔ ضرب اتنی شدید تھی کہ اشعر چکرا گیا۔ گرفت ڈھیلی پڑی۔ دونوں کے چہروں سے خون کے فوارے پھوٹے۔

''مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' وہ غرائی اور زوردار مکا اس کے منہ پہ مارا۔

اس کی مٹھی میں کچھ تھا اس لیے مکے کی شدت بہت زور سے محسوس ہوئی۔ اشعر محمود کا سارا وجود چکرا گیا۔ وہ اوندھا ہو کے زمین پہ جا گرا۔ وہ اٹھی اور اس کے سر کی پشت پہ ایک ضرب مزید لگائی۔ اشعر کا دماغ اندھیروں میں ڈوبتا گیا۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

چند منٹ بعد اس کے حواس بحال آئے اور اس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا.... وہ تنہا وہاں پڑا تھا۔ وہ کہنیوں کے بل اٹھا اور منہ سے نکلتا خون آستین سے پونچھا۔ فون مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے اسکرین پہ وقت دیکھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ تین چار منٹ ہی بے ہوش رہا ہو گا۔

''میں ادھر سامنے پلازہ کی پارکنگ میں ہوں۔ وہ ابھی یہیں تھی۔ زیادہ دور نہیں گئی ہو گی۔'' اس کا سر چکرا رہا تھا۔ بدقت کھڑے ہوتے ہوئے اس نے فون پہ ہدایات جاری کیں۔ ''اردگرد کے تمام سی سی ٹی وی کیمراز کا جائزہ لو۔ وہ کس سمت میں گئی ہے۔ اس کو ٹریس کرو۔'' وہ غصے سے غراتا ہوا اٹھا اور ٹائی ڈھیلی کی۔

''اسے ٹریس کرنا اتنا مشکل نہیں تھا سر۔''

کچھ دیر بعد وہ سڑک کنارے ایک سیاہ شیشوں والی کار میں بیٹھا تھا۔ آئس بیگ ماتھے پہ رکھے وہ غور سے سیکیورٹی آفیسر کو

سن رہا تھا جو فاتحانہ انداز میں بتا رہا تھا۔

"سامنے والی دکان کے کیمرے میں وہ ٹیکسی پہ سوار ہوتی نظر آئی تو ہم نے ٹیکسی کو چند بلاک دور تک ٹریس کر لیا۔ اس نے ٹیکسی بدل لی اور دوسری میں سوار ہوگئی۔ ہم نے ٹریفک کیمراز سے اس کو بھی ٹریس کر لیا اور فی الحال اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ وہ زیادہ دور نہیں جا سکے گی۔" پھر اس کی زخمی حالت دیکھی۔ اشعر کے ماتھے پہ گومڑ بن چکا تھا اور ناک سے بہتا خون اب بمشکل رکا تھا۔" آپ ٹھیک ہیں؟"

"ہاں۔ میں گر گیا تھا۔ اس لیے۔"

سیکیورٹی آفیسر زیرِ لب مسکرایا۔ دفعتاً اس کے کان میں لگے آلے میں آواز سنائی دی۔ اس نے دھیان سے سنا اور پھر فاتحانہ انداز میں مسکرا دیا۔

"مبارک ہو' سر۔ تالیہ مراد کو سگنل پہ روک کے ٹیکسی سے نکال کے گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

اشعر کا آئس بیگ والا ہاتھ نیچے گر گیا۔ وہ ششدر سا اسے دیکھنے لگا۔ یقین نہیں آیا تھا۔

"تمہیں یقین ہے وہ تالیہ ہی ہے؟"

"جی سر۔ اور اس کے ماتھے سے بھی خون بہہ رہا ہے۔ شاید وہ بھی گری تھی۔"

"میں نے اسے گرایا تھا۔" وہ نفرت سے پھنکارا اور آئس بیگ پرے ڈال دیا۔ اس کا چہرہ بیک وقت کئی جذبات کی آماجگاہ بن چکا تھا۔" مجھے یقین نہیں آیا۔ مجھے ثبوت دکھاؤ۔"

آفیسر نے موبائل پہ اپنے ایک اہلکار کو وڈیو کال ملائی اور پھر اسکرین اس کے سامنے کی۔ وہاں وہ اہلکار زخمی چہرے والی تالیہ مراد کو پولیس کار میں بٹھاتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ تالیہ ہی تھی۔ وہ واقعی تالیہ ہی تھی۔

وان فاتح جس وقت گھر میں داخل ہوا' لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی جولیانہ (جو اینٹی سوشل ہونے کے باعث سالگرہ پہ نہیں گئی تھی) تیزی سے اس کی طرف لپکی۔ اس کا چہرہ فق تھا۔

"ڈیڈ.....تالیہ مراد اریسٹ ہوگئی ہے۔"

اس فقرے نے فاتح کو بالکل گنگ کر دیا۔ اس کی ششدر نظریں ٹی وی اسکرین کی طرف اٹھیں۔

"ایک حیرت انگیز ٹوئسٹ۔ قریباً چھے سال بعد عصرہ محمود کے قتل کی ملزمہ تالیہ مراد منظرِ عام پہ آ گئیں۔" اسکرین پہ نظر آتی رپورٹر جوش سے بتا رہی تھی۔

"پولیس نے تالیہ مراد کو مخبری کے بعد ایک ٹیکسی سے سرِ راہ گرفتار کر لیا۔ آپ کو بتاتے چلیں کہ تالیہ مراد کو عصرہ محمود کے قتل

کیس میں پولیس کی طرف سے اشتہاری قرار دے دیا گیا تھا۔اور چھے برس تک پولیس ان کو پکڑنے میں ناکام رہی تھی۔لیکن بالآخر پولیس کی کوششیں رنگ لائیں اور تالیہ گرفتار ہوگئیں۔یادر ہے کہ وہ ایک زمانے میں پردھان منتری کی چیف آف اسٹاف اور فیملی فرینڈ ہوا کرتی تھیں۔تالیہ مراد اس وقت ایک معروف سوشلائیٹ اور آرٹسٹ بھی تھیں جو.....''

پیچھے ٹی وی اسکرین پہ پولیس اسٹیشن کے خصوصی مناظر دکھائی دے رہے تھے جہاں ایک سیاہ ہڈی والی لڑکی کو پولیس کار سے نکال کے اندر لے جایا جا رہا تھا۔اس کے ہاتھ میں ہتھکڑیاں تھیں۔اندر لے جاتے ہوئے اس نے ذرا سا چہرہ موڑ کے پیچھے کھڑے کیمروں اور رپورٹرز کے ہجوم کو دیکھا اور پھر گردن موڑ لی۔وہ اسے اندر لے گئے۔چھے سیکنڈ کا یہ کلپ چینل والے بار بار دکھا رہے تھے۔اور وہ اسے بار بار دیکھ رہا تھا۔

چھے سال بعد آج بھی وہ چہرہ ویسا ہی تھا۔وہی بال۔وہی غزال آنکھیں۔لب کاٹتے جھکایا ہوا سر۔ماتھے سے بہتا خون۔ وہ ششدر سا لاؤنج کے وسط میں کھڑا اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔چھے سال درمیان سے غائب ہو گئے تھے۔

''اب کیا ہوگا' ڈیڈ؟''وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔آج وہ جولیانہ کو تسلی نہیں دے سکتا تھا۔بدقت اتنا ہی بولا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا' جولی۔کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔ریلیکس۔''جیب سے فون نکالتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

بنداہارا کو ایک قیدی سے ملاقات کا انتظام کرنا تھا۔

☆☆==========☆☆

پولیس اسٹیشن کے باہر مختلف نیوز نیٹ ورکس کی ڈی ایس این جیز کھڑی نظر آ رہی تھیں۔سڑک پہ رپورٹرز اور کیمرہ مینوں کا رش لگا تھا۔کیمرہ لائٹس سے رات میں دن کا سا سماں لگتا تھا۔پولیس نے پٹی لگا کے حد بندی کر رکھی تھی اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔

ایک انٹیروگیشن روم میں میز کے دونوں اطراف ایک ایک کرسی رکھی تھی۔ایک طرف آئینے کی دیوار تھی۔ایک کرسی پہ بیٹھی ہڈ والی لڑکی ماتھا میز پہ ٹکائے ہوئے تھی۔تبھی دروازہ کھلا اور پولیس اسٹیشن کا شور پولیس کمشنر کے ساتھ اندر آیا۔اگلے ہی لمحے کمشنر نے دروازہ بند کیا تو شور کا راستہ بھی رک گیا۔وہ سانولی رنگت اور سپاٹ چہرے والا کمشنر آستینیں چڑھائے' ایک فائل لیے خالی کرسی تک آیا۔نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔

''آپ کی مرہم پٹی کر دی گئی ہے۔امید ہے اب آپ بہتر محسوس کر رہی ہوں گی۔''

اس نے سر اٹھایا۔تیز روشنیوں سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ماتھے پہ سلوٹیں تھیں۔چہرے پہ بے بسی کے ساتھ غصہ بھی تھا۔ماتھے اور گال پہ بینڈ ایج لگا تھا اور ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی۔چند لٹوں پہ خون جما نظر آ رہا تھا۔آنکھ کے قریب چوٹ لگنے

سے وہاں پھیلی نیلاہٹ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

”ہڈ اتار دیں۔“ کمشنر نے بیٹھتے ساتھ اس کے سر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سیدھی ہو کے بیٹھی‘ آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے غصے سے اسے دیکھے گئی۔ پھر ہڈ پیچھے گرادی۔

”آپ کو یہ زخم کیسے پیش آئے؟“ وہ اس کے سامنے بیٹھا اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

”لائٹ آہستہ کر دیں۔“ اس نے ماتھے کے اوپر ہاتھ کا چھجا بنا لیا۔ چہرے پہ خوف سا پھیلنے لگا تھا۔

”آپ کو اندھیروں میں رہنے کی عادت ہوگئی ہے شاید۔ اسی لیے آپ یہاں کسی کو فیس نہیں کر پا رہیں۔“

”مجھے... مجھے اپنے آفس میں لے جائیں۔ میں یہاں نہیں بیٹھ سکتی۔“ اس نے سر جھکا دیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ وہ روشنی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

”کیا آپ کو روشنی کا فوبیا ہے؟“

اس نے چہرہ اٹھا کے برہمی سے کمشنر کو دیکھا۔ ”مجھے ایک دفعہ پہلے بھی اسی طرح گرفتار کیا گیا تھا۔ مگر وہ سب ایک پرینک تھا۔ مجھے اس.... اس تفتیشی کمرے کا فوبیا ہے۔“

”ہوں۔ یہاں آنے سے وہ ساری یادیں واپس آ رہی ہیں؟“

تالیہ نے کرب سے آنکھیں میچ لیں اور سر جھکا دیا۔ دونوں ہاتھ کنپٹیوں پہ رکھ لیے۔

”آپ اتنا عرصہ کہاں تھیں؟“

”میں اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں کچھ نہیں بولوں گی۔“ سختی سے آنکھیں میچے وہ بولی۔

”ابھی آپ نے اپنے وکیل کو جو کال کی تھی وہ اسپیکر فون پہ میں نے سنی تھی۔ وہ آپ سے کہہ رہے تھے کہ ہم پولیس والے آپ کو بولنے پہ اکسائیں گے اور آپ نے صرف خاموش رہنا ہے۔ لیکن چے تالیہ....“ وہ آگے کو ہوا اور نرمی سے بولا۔ ”ہم آپ کے دشمن نہیں ہیں۔ آپ جب تک اپنی کہانی ہمیں نہیں سنائیں گی ہم کیسے آپ کی مدد کریں گے۔“

وہ کنپٹیوں پہ ہاتھ رکھے آنکھیں میچے بیٹھی رہی۔

”آپ نے عصرہ کا قتل کیوں کیا؟“

”میں نے عصرہ کا قتل نہیں کیا۔“ اس نے آنکھیں کھولیں اور کمشنر کو دیکھ کے غرائی۔

”یعنی آپ بے قصور تھیں؟“ آفیسر کا لہجہ مزید نرم ہوا۔ تالیہ کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ پلکیں جھپکائیں۔ کمشنر کو محسوس ہوا وہ آنکھوں کو تیز روشنی کا عادی کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

''آپ میرے ساتھ گڈ کاپ کھیل رہے ہیں؟ میں کچھ نہیں بولوں گی۔''

''نہیں۔ مجھے واقعی اس کیس کے مندرجات پہ شک ہے۔ آپ میرے ساتھ تعاون کریں تو ہم کوئی حل نکال لیں گے۔ لیکن اگر آپ بے قصور تھیں تو چھے سال تک مفرور کیوں رہیں؟''

''میں مفرور نہیں تھی۔'' وہ تیزی سے بولی۔ پھر دروازے کو دیکھا۔ ''میرے وکیل ابھی تک کیوں نہیں آئے؟''

''تو پھر آپ کہاں تھیں؟'' وہ اس کی آنکھوں سے نگاہیں ہٹائے بغیر بولا۔

''میں....'' اس نے لب کاٹے۔ ''میں اپنی مرضی سے غائب نہیں ہوئی تھی۔''

''یعنی کسی نے آپ کو غائب کیا تھا؟''

آئینے کے پار تین افسران کھڑے غور سے اس کمرے میں جھانک رہے تھے۔ تالیہ ان کو نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن وہ اسے دیکھ سکتے تھے۔ ان کے پاس نصب اسکرینز پہ اس کے چہرے کا کلوز اپ دکھایا جا رہا تھا۔ اس کا ہر لفظ ریکارڈ کیا جا رہا تھا۔

''مجھے.... مجھے اغوا کیا گیا تھا۔'' اس نے کہنے کے ساتھ خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ دیوار پہ لگی تیز روشنی اس کی آنکھوں میں پڑ رہی تھی۔

''کس نے اغوا کیا تھا آپ کو؟''

''مجھے نہیں پتہ۔ میں نے اغوا کاروں کا چہرہ نہیں دیکھا۔'' اس نے پھر سے دروازے کو دیکھا۔ مٹھیاں میز پہ رکھے وہ روشنی کے باعث چہرے کو ترچھا کیے بیٹھی تھی۔ آفیسر کی آنکھوں میں نہیں دیکھ رہی تھی۔

''تالیہ.... آپ کو اپنا دعویٰ ثابت کرنا پڑے گا۔'' کمشنر کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔ تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''چھے سال تک آپ کو کس نے اغوا کر کے رکھا، ہاں؟'' وہ اب سختی سے پوچھ رہا تھا۔

''مجھے.... نہیں پتہ۔''

''انہوں نے آپ کو اغوا کر کے جس جگہ رکھا تھا اس کے بارے میں بتائیں۔''

وہ لمحے بھر کو چپ ہوئی۔ ''پتہ نہیں۔ میری آنکھوں پہ پٹی تھی۔'' توقف سے سوچ سوچ کے بولنے لگی۔ ''جب پٹی کھلتی تو ایک... مستطیل سا کمرہ نظر آتا۔''

''اس کمرے میں کوئی دروازہ تھا؟''

''نہیں۔ ہاں۔ ہاں تھا۔'' وہ تیزی سے بولی۔ تیز روشنی کے سامنے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا پھر سے بنا لیا۔ ''اصل میں وہ کمرہ نہیں تھا۔''

''اچھا۔ وہ کیا تھا؟'' وہ تحمل سے بولا۔

''وہ.... کسی ٹرک کا کنٹینر تھا۔ وہ... وہ موو کر رہا ہوتا تھا۔ کیا آپ اس روشنی کو ہلکا نہیں کر سکتے؟''

''کسی اغوا کار کی شکل دیکھی تھی آپ نے؟''

''نہیں۔ انہوں نے ماسک پہن رکھے تھے۔''

''آف کورس انہوں نے ماسک پہن رکھے تھے۔'' وہ بیزاری چھپا کے بولا۔ ''آپ وہاں سے کیسے بھاگیں؟''

''میں.... پتہ نہیں۔ میں نے ایک دن ایک اغوا کار پہ حملہ کر دیا جب وہ میرے ہاتھ باندھ رہا تھا۔ میں اسے گرا کے باہر نکل آئی۔ وہ ملاکہ کی کوئی سڑک تھی۔ بس میں وہاں سے بھاگ گئی۔''

''جس سڑک پہ آپ اس کنٹینر سے نکلیں.... وہ سڑک یاد ہے کون سی تھی؟''

''جونکر اسٹریٹ۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''اور کنٹینر کا رنگ کیا تھا؟''

''رنگ؟'' وہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''اگر آپ یہ دیکھ سکتی ہیں کہ وہ سڑک کون سی تھی' تو یقیناً ایک دفعہ مڑ کے اس کنٹینر کو بھی دیکھا ہوگا جو اتنے سال سے آپ کو مقید کیے ہوئے تھا۔''

''پتہ نہیں۔ رات تھی۔ میں نے غور نہیں کیا۔ میرا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ نیلا یا شاید سرخ۔ شاید دونوں رنگ تھے۔''

''اور اس کا نمبر کیا تھا؟ اب یہ مت کہیے گا کہ آپ نے نمبر پلیٹ بھی نہیں دیکھی۔''

''نوہ.... نمبر پلیٹ پہ مٹی لگی تھی.... آخر میں ڈبل سیون آتا تھا۔''

''عصرہ محمود سے آپ کا تعلق کیسا تھا؟''

وہ ایک دم چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ پھر سیدھی ہو کے بیٹھی۔

''میں اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں مزید کچھ نہیں کہوں گی۔'' وہ تیزی سے بولی تو کمشنر ہلکا سا مسکرایا۔ اس نے چند سوال مزید پوچھے لیکن وہ سختی سے لب آپس میں پیوست کیے بیٹھی رہی۔

اسی اثناء میں دروازہ کھلا اور ایک سپاہی احمد نظام کو ساتھ لیے اندر داخل ہوا۔ تالیہ نے گہری سانس اندر کھینچی۔

''آپ نے کچھ کہا تو نہیں؟'' انہوں نے دوسری کرسی سنبھالتے ہوئے تالیہ کو غور سے دیکھا۔ اس نے بس ابرو اچکا دیے۔

''آپ کی کلائنٹ نے چھ سال تک قید میں رکھے جانے کی ایک فلمی کہانی سنائی ہے جو اگر جھوٹی نکلی تو یہ مزید مشکل میں پڑ

جائیں گی۔'' کمشنر محظوظ انداز میں بولا تو احمد نظام نے صدمے سے اسے دیکھا۔

''اب آپ خاموش رہیں گی۔'' انہوں نے اسے گھور کے کہا۔ پھر کاغذات سامنے رکھتے ہوئے آفیسر کی طرف گھومے۔

اس نے پھر سے سر جھکا دیا اور آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ تیز روشنی کا راستہ اب رک گیا تھا۔

☆☆=========☆☆

اشعر جس وقت گھر میں داخل ہوا' ملازم نے اطلاع دی کہ فاتح اس کا اسٹڈی میں انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس لمحے کے لیے تیار تھا۔ اس لیے راہداری کی سیدھ میں آگے بڑھتا گیا۔ لیکن اسٹڈی میں داخل ہوتے ہی وہاں کا منظر اسے چونکا گیا۔

فاتح اکیلا نہیں تھا۔ اس کے دو قانونی مشیران اس کے سامنے کاغذات اور فائلز پھیلائے بیٹھے تھے۔ وہ ناخوشی سے ان میں سے ایک کو سن رہا تھا جو بہت فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔

''داتو سری.... آپ ایک قتل کے الزام میں گرفتار ملزمہ سے نہیں مل سکتے۔ یہ بہت بڑا ایشو بن جائے گا۔''

''میں نے آپ کو اس لیے بلایا ہے تاکہ آپ اس ملاقات کو ارینج کریں' نا کہ مجھے نصیحت کریں۔'' وہ ماتھے پہ بل ڈالے بولا۔ آستین موڑے' ٹائی ڈھیلی کیے' وہ اپنی کرسی پہ بیٹھا شدید برہم نظر آتا تھا۔

''سر یہ ناممکن ہے۔ آپ پولیس اسٹیشن گئے تو اسکینڈل بن جائے گا۔ وہ آپ کی مرحومہ بیوی کے قتل کے الزام میں گرفتار ہے۔ آپ کا اس سے بات کرنا قانونی پیچیدگیوں کا موجب بنے گا۔ اور ہم اسے اس وقت پولیس اسٹیشن سے نکال کے کہیں اور نہیں لا سکتے۔''

''آپ اس سے ملنا چاہتے ہیں؟'' چوکھٹ پہ کھڑے اشعر نے بے یقینی سے کہا تو فاتح نے برہم نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ اشعر کے ناک اور گال پہ بینڈیج لگے تھے۔ اور ایک آنکھ پہ نیل کا نشان تھا۔

فاتح اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ محفل برخاست ہونے کا اشارہ تھا۔ دونوں حضرات اپنی فائلز سمیٹ کے وہاں سے اٹھ گئے۔

وہ دونوں اکیلے رہ گئے تو اشعر نے دروازہ بند کیا اور اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

''آپ کو اب بھی اس سے ہمدردی ہے؟'' اس نے بے یقینی اور غصے سے پوچھا۔

''تم نے اس کے لیے جال تیار کیا اور مجھے بتانا تک مناسب نہیں سمجھا؟ تم مجھ سے پوچھے بغیر اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتے ہو؟'' وہ اس سے زیادہ غصے سے بولا تھا۔

وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے اور ان کے درمیان فقط ایک میز حائل تھی۔ اسٹڈی کی دیواریں.... کرسیاں... اور

فائلوں کے ڈھیر خاموشی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''وہ میری بہن کی قاتل ہے۔ میں اسے سو دفعہ گرفتار کرواؤں گا۔'' اشعر کی آواز اونچی ہونے لگی۔

''وہی بہن جس کو جعلی پینٹنگ دلوا کے تم زمانے میں بدنام کرنے کا پلان کر رہے تھے؟ اس سب کے باوجود میں نے تمہیں اتنے سال اپنے ساتھ نہیں رکھا؟''

''اوہ.... اس طرح اس کا دفاع کرنے کا سوچیں بھی مت' ان فاتح۔'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ چلایا۔

''اور تم مت بھولو کہ تم کس سے بات کر رہے ہو۔ یہ جو تمہارا مقام اور مرتبہ بنا ہوا ہے نا اشعر' یہ میرے ایک دستخط سے ختم بھی ہو سکتا ہے۔'' اس نے انگلی سے سینے پہ دستک دے کر غرا کے کہا تو اشعر ایک لمحے کے لیے چپ ہو گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے دہکتا اب سیاہ پڑنے لگا تھا۔

''تالیہ نے عصرہ کا قتل نہیں کیا تھا۔ تم نے اس کو جتنا نقصان پہنچانا تھا' پہنچا لیا۔ مجھے یقین ہے وہ اپنی بے گناہی ثابت کر لے گی۔ لیکن اب تم اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کرو گے۔'' وہ اسے سختی سے تنبیہہ کر رہا تھا۔

اشعر دونوں مٹھیاں میز پہ رکھ کے آگے جھکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''یہ آپ کی بھول ہے کہ آپ مجھے اپنی بہن کی قاتل کے خلاف کچھ کرنے سے روک سکتے ہیں۔'' پھر زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔

''تو پھر سن لو۔ میں اس کی ہر ممکن مدد کروں گا۔ اور میں اسے جیل سے نکال بھی لوں گا۔ تم مجھے نہیں روک سکو گے۔''

اشعر نے پھر سے میز پہ ہاتھ مارا اور غصے سے تن فن کرتا باہر نکل گیا۔ اپنے پیچھے اس نے دروازہ زور سے بند کیا تھا۔ فاتح نے نوچنے والے انداز میں ٹائی کھینچی اور فون اٹھا لیا۔

''کیا اپ ڈیٹ ہے؟'' کچھ دیر بعد اپنی کرسی پہ بیٹھے' وہ سنجیدگی سے فون پہ پوچھ رہا تھا۔ غصہ' برہمی' سب غائب تھا اور اس کا انداز اب ٹھنڈا تھا۔

''انویسٹیگیشن جاری ہے۔ اس کا وکیل آ چکا ہے۔ وہ قتل کے بارے میں کچھ نہیں بتا رہی۔''

''کون ہے اس کا وکیل؟''

''احمد نظام۔ وہ ایک سابق پراسیکیوٹر تھا اور....''

''میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔ کیا اس نے بتایا ہے کہ اتنے سال وہ کہاں تھی؟'' پوچھتے ہوئے اس کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

''اس کا کہنا ہے کہ اسے اغوا کیا گیا تھا اور اتنے سال قید میں رکھا گیا۔ مگر اس کے انداز سے لگتا ہے وہ جھوٹ بول رہی ہے یا خوف کا شکار ہے۔''

''ہوں۔ مجھے آگاہ کرتے رہنا۔'' اس نے پرسوچ نظروں سے دور خلاء میں دیکھتے ہوئے کہا اور فون پرے ڈال دیا۔ ایک دم سے اس کی ساری دنیا ہی تلپٹ ہو کے رہ گئی تھی۔

چھے سال بعد وہ واپس آئی تھی۔ چھے سال وہ کہاں رہی، وہ اس سے کیوں نہیں ملی، اور اب اس کی زندگی میں کیا کیا بدل چکا تھا.... ان سوالوں کے جوابات صرف تالیہ مراد کے پاس تھے۔ اور اس سے ملاقات کے سارے راستے بند تھے۔

☆☆==========☆☆

سری پردھانہ کی کھڑکیوں سے چھن کے آتی سرما کی دھوپ سارے آفس کو سینک رہی تھی۔ وان فاتح اپنی کرسی پہ بیٹھا، ایک فائل کے صفحے پلٹتا نظر آ رہا تھا۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور سوٹ میں ملبوس شاہدان اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں آج بھی ایک سیاہ فولڈر تھا۔ وہ فاتح کو مخاطب کیے بغیر آگے آیا اور فولڈر شیلف میں رکھا۔ پھر میز کے سامنے جا کھڑا ہوا اور کھنکھارا۔

فاتح نے فائلوں سے سر اٹھا کیا یک سوالیہ نظر اس پہ ڈالی۔

''یانگ دی امان بر حرمت.... مجھے آپ کو آگاہ کرنا تھا کہ.... آج تالیہ مراد کی عدالت میں پیشی تھی۔ ان کے وکیل نے ضمانت کی درخواست دائر کی تھی۔''

''اور؟''

''ان کی ضمانت عدالت نے منظور کر لی ہے۔ ان کو رہا کر دیا گیا ہے۔''

ایک لمحے کے خاموش وقفے کے بعد فاتح نے سر کو خم دیا اور بولا۔ ''اوکے۔ اور کچھ؟''

''عدالت نے ضمانت کی رقم کافی بھاری مقرر کی تھی۔''

''کس نے رقم ادا کی؟''

''اینکر پرسن ایڈم بن محمد نے۔ اس نے ٹویٹ کی ہے کہ اس نے تالیہ مراد کی کہانی کے رائٹس خرید لیے ہیں۔''

''ٹرائل کب شروع ہو رہا ہے؟''

''غالباً دو ہفتے بعد۔''

''ہوں۔ سلطان عبدالمالک تشریف لے آئے؟'' اس نے واپس کام کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔

''قریباً تین منٹ تک وہ پہنچ جائیں گے۔'' شاہدان نے ایک نظر پیچھے شیلف پہ رکھی سیاہ فائلز کے اکٹھے ہوتے ڈھیر کو

دیکھا۔ پردھان منتری نے ان کو ابھی تک نہیں چھوا تھا۔ وہ کچھ کہنے لگا پھر سر جھٹکا اور اجازت لے کر مڑ گیا۔ اس کے جانے کے بعد فاتح نے ریموٹ اٹھایا اور دیوار پہ لگی ٹی وی اسکرین آن کی۔

غالباً ہر چینل ایک ہی خبر دکھا رہا تھا۔ عدالت کے باہر رپورٹرز کے نرغے میں تالیہ مراد اپنے وکیل کے ساتھ چلتی باہر آ رہی تھی۔ اس نے سیاہ منی کوٹ پہن رکھا تھا۔ آنکھوں پہ سیاہ شیشوں والے گلاسز تھے۔ کھلے بال کندھوں پہ گر رہے تھے۔ گال پہ سرخ بھورا نشان' ماتھے کا بینڈ تیج اور ہاتھ کی پٹی صاف دکھائی دیتی تھی۔

آج وہ کمپوزڈ اور سپاٹ نظر آتی تھی۔ رپورٹرز کے سوالات کی بوچھاڑ پہ سپاٹ چہرہ لیے خاموشی سے آگے بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ ایک کار میں بیٹھ گئی۔ وکیل صاحب بھی ساتھ بیٹھے۔ دروازہ بند ہوا اور کار آگے بڑھ گئی۔ اب رپورٹرز اپنے اپنے کیمروں کی طرف رخ کیے اس کیس کی تفصیلات بتانے لگے۔

اور وان فاتح ایک لمحے کے لیے تالیہ کے سپاٹ چہرے پہ اپنے سوالات کے جوابات ڈھونڈنے لگا۔

اس کے ساتھ چھ سال تک کیا بیتی۔ وہ کہاں تھی۔ اس نے رابطہ کیوں نہیں کیا؟ کیا وہ اپنے باپ کے پاس رہ گئی تھی؟ اس کے پاس ضائع کرنے کے لیے دوسرا لمحہ نہ تھا۔ اس نے اسکرین آف کر دی اور سامنے رکھے کاغذات کو دیکھنے لگا۔

دفعتاً دروازے کھول دیے گئے۔ دربان نے آ کے اطلاع دی۔

یانگ دی پرتوان اگونگ (بادشاہ سلامت) تشریف لا رہے تھے۔ وہ مسکرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"توانکو" کہتے ہوئے تعظیم پیش کی۔

عام دنوں کی نسبت سلطان عبدالمالک سادہ سوٹ میں ملبوس تھے۔ سر پہ ٹوپی تک نہ تھی۔ کھچڑی بال' آنکھوں پہ چشمہ' اور چہرے پہ مسکراہٹ سجائے وہ آئے۔ شاہی آداب کے بعد دونوں اپنی کرسیوں پہ بیٹھ گئے تو انہوں نے بات کا آغاز کیا۔

"آپ مجھ سے تنہائی میں ملاقات کرنا چاہتے تھے' داتو سری؟"

"جی' توانکو۔ میں خود آ جاتا۔ آپ نے زحمت کی۔" الفاظ کے برعکس فاتح کا چہرہ سپاٹ اور لہجہ سرد تھا۔

"کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ بتائیں۔ کوئی خاص بات تھی۔"

"توانکو... آپ نے تاریخ کا مطالعہ تو کیا ہوگا؟ میں اکثر کرتا ہوں۔" وہ میز پہ ہاتھ باہم جما کے رکھے' سکون سے سامنے بیٹھے بادشاہ کو دیکھتے ہوئے اسی سرد لہجے میں کہنے لگا۔ "قدیم ملاکہ میں سلاطین اپنے دائیں ہاتھ کے طور پہ ایک عہدیدار رکھتے تھے۔ اسے بنداہارا کہا جاتا تھا۔ سلطان اور بنداہارا دونوں تب تک حکومت میں رہتے جب تک ان کی طاقت مخالفین کی طاقت سے زیادہ رہتی۔ جہاں یہ توازن بگڑتا' وہاں ان کا تختہ الٹ جاتا۔"

''میں تاریخ سے واقف ہوں' یا نگ دی امان بر حرمت۔''

''پھر آپ اس بات سے بھی واقف ہوں گے کہ جدید دنیا میں ایسا نہیں ہوتا۔ جیسے میں پانچ سال کے لیے منتخب ہو کے آتا ہوں' ویسے ہی سلطان بھی منتخب ہوتا ہے۔ میرے اور آپ میں فرق ہے' تو انکو۔''

''جیسا کہ؟''

''آپ کو بینٹلی (کار) پہ سفر کرنے کی اجازت حاصل ہے۔ لیکن پردھان منتری صرف اپنے ملک کی بنی کار استعمال کر سکتا ہے۔'' وہ سرد مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ سلطان مسکرا دیے اور ابرو اٹھائی۔

''آپ نے صرف یہ فرق جتانے کے لیے تو مجھے نہیں بلایا۔''

''جی' تو انکو۔ دوسرا فرق ہم میں یہ ہے کہ پردھان منتری ہمیشہ سلطان سے زیادہ اختیارات رکھتا ہے۔ آپ کا انتخاب تین ماہ قبل ہوا تھا۔ اس سے پہلے آپ ریاست کے حکمران تھے۔ نو ریاستوں کے حکمرانوں نے آپ کو چنا اور یہاں تک پہنچایا۔''

''آپ کھل کے بات کریں' وان فاتح۔'' وہ مسکرا کے بولا۔

''تو انکو۔'' وہ بھی مسکرایا۔ ''میں جانتا ہوں آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہ بھی کہ چار ریاستوں کے سربراہ میرے خلاف آپ کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ صوفیہ رحمٰن سے آپ کی ہمدردی برقرار ہے۔ اسی لیے میرے بل کو پاس ہونے سے روکنے کے لیے میرے اراکین کو آپ توڑ رہے ہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے توڑ توڑ کے کہہ رہا تھا۔

''اور آپ ان اراکین کو اونچے عہدوں کا لالچ دے کر واپس بلا رہے ہیں۔''

''لوگ مجھ پہ اعتبار کرتے ہیں' تو انکو۔ لیکن جن نو ریاستوں کے حکمرانوں نے آپ کو سلطان بنایا ہے کیا وہ آپ پہ ہمیشہ اعتبار کرتے رہیں گے؟''

''یہ وقت بتائے گا کہ کون کس کو کرسی سے ہٹائے گا' داتو سری۔''

ایک خاموشی کا وقفہ دونوں کے درمیان حائل ہوا۔ پھر فاتح نے گہری سانس لی اور افسوس سے سر جھٹکا۔

''تو انکو... میں اس ملک کا پردھان منتری اس لیے بننا چاہتا تھا تاکہ میں اس ملک میں نئی پالیسیز لاؤں۔ نئے قوانین بناؤں۔ لیکن آپ لوگ مجھے وہ سب کرنے نہیں دینا چاہتے۔ آپ صرف مجھے نقصان نہیں پہنچا رہے۔ میرے لوگوں کو نقصان دے رہے ہیں۔ اس لیے کتنا اچھا ہو کہ آپ اپنے پانچ سال آرام سے حکومت کریں' اور خود کو محلاتی سازشوں سے لاتعلق کر کے اپنے اختیارات انجوائے کریں۔ اور مجھے میرا بل پاس کرنے دیں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی اٹھے اور مسکرا کے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

''آپ میری طرف سے فکرمند نہ ہوں' وان فاتح۔ آپ کے بل کے لیے میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔'' پھر بادشاہ سلامت نے اپنے کوٹ کا بٹن بند کیا' نادیدہ شکنیں درست کیں اور ایک نظر کونے میں لگے بورڈ کو دیکھا جو ابھی کور سے ڈھانکا ہوا تھا۔

''ان شاءاللہ اکثریت آپ کے ساتھ ہوگی۔''

''آپ پردھان استرا انجوائے کریں' تو انکو۔ یہ کٹھن کام میرے لیے چھوڑ دیں۔'' وہ سرد مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

پیچھے شیلف پہ رکھی سیاہ فائلیں اداسی سے ان دونوں کو مصافحہ کرتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ جانے وہ ہاتھ انہیں کب چھوئیں گے؟ وہ انتظار کر رہی تھیں۔

☆☆=========☆☆

احمد نظام ڈرائیو کر رہے تھے اور وہ خاموشی سے فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی' کھڑکی سے باہر بھاگتے درختوں کو دیکھ رہی تھی۔

''کم از کم میں آزاد ہوں۔'' کچھ دیر بعد وہ بولی تو انہوں نے برہمی سے اسے دیکھا۔

''لیکن آپ نے اپنا کیس مزید خراب کر دیا ہے' تالیہ۔'' وہ برہمی سے بولے۔ کل سے اس پہ آیا غصہ بالآخر نکل آیا۔ ''میرے آنے سے پہلے آپ کو خاموش رہنا تھا۔ آپ کو اپنی گمشدگی کی اتنی لمبی اور بے سروپا کہانی سنانے کی ضرورت نہ تھی۔''

''میں panic کر گئی تھی....اوکے؟ مجھے انٹروگیشن روم اور ان کی تیز روشنیوں کا فوبیا ہے۔ مجھے پولیس کی قید میں جانے سے اس وقت سے ڈر لگتا ہے۔ میں ابھی تک اس چیز کو ہینڈل نہیں کر پا رہی۔ اوکے؟ اوکے؟'' وہ باہر دیکھتے ہوئے بولی۔

''آپ کی کہانی آپ کو مزید گلٹی ثابت کردے گی' تالیہ۔ آپ کو سچ بولنا چاہیے تھا۔''

''سچ پہ کوئی بھی یقین نہ کرتا۔ آپ بھی نہیں۔ اغوا والی اسٹوری بہتر تھی۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں نکلتا۔'' وہ شانے اچکا کے بولی۔ احمد نظام نے تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے موڑ کاٹا۔

''آپ کے خیال میں وہ اس اسٹوری کو چیک نہیں کریں گے؟ وہ ایسا کنٹینر نہیں تلاش کریں گے؟ وہ آپ کے ان تین چار دنوں کی ساری فوٹیجز نکالیں گے۔ وہ آپ کے ہر قدم کو ری ٹریس کریں گے۔''

''ہاں تو میرے اغوا کار عقلمند تھے نا۔ انہوں نے اب تک کنٹینر کو آگ لگا دی ہوگی یا اسے پانی میں بہا دیا گیا ہوگا۔''

''آپ کس زمانے میں رہ رہی ہیں۔ انتہائی پروفائل کیس ہے یہ۔ وہ شہر کا ایک ایک کنٹینر ڈھونڈیں گے۔''

''زمانے سارے ایک سے ہی ہوتے ہیں' نظام صاحب۔آپ میری فکر نہ کریں۔وقت مجھ پہ بہت مہربان رہا ہے۔''وہ تلخی سے کہہ کے کھڑکی سے باہر روشنی میں نہائے کے ایل کو دیکھنے لگی۔آج پہلی دفعہ....اتنے عرصے بعد....وہ تیز روشنی میں بغیر خوف کے شہر کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ کو پی ایم سے ملنے جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔''

''اٹس فنی....اب ہر کوئی ان کو پی ایم کہتا ہے حالانکہ ان کا نام وان فاتح ہے۔اور اچھا ہی ہوا نا میں گرفتار ہوگئی۔یوں میری ضمانت بھی ہوگئی اور اب میں آزادی سے گھوم پھر سکتی ہوں۔''

''اور میں سوچ رہا ہوں کہ آپ کا کیس لے کر میں نے غلطی تو نہیں کر دی۔''تالیہ نے خفگی سے انہیں دیکھا لیکن وہ اب ایک عمارت کے سامنے کار روک کے موضوع تبدیل کر گئے تھے۔

''میں نے اس بلڈنگ میں آپ کے لیے دو کمروں کا ایک اپارٹمنٹ کرائے پہ لے لیا ہے۔آپ یہاں بہتر محسوس کریں گی۔آپ کا سامان بھی موٹل سے اٹھوا کے یہاں منتقل کر دیا گیا۔''ایک کی کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''شکریہ۔آپ تمام اخراجات میرے بل میں ڈال دیجیے گا۔'' وہ دروازہ کھول کے باہر نکلی اور سن گلاسز ماتھے پہ چڑھا کے گردن اٹھائے اس اونچی عمارت کو دیکھا۔

''میں پہلے ہی ڈال چکا ہوں۔ابھی آپ آرام کریں۔کل میرے آفس آیئے گا۔ہم آپ کے کیس پہ کام کریں گے۔''

اس نے چہرہ موڑ کے انہیں دیکھا اور آزردگی سے مسکرائی۔''بہت شکریہ' احمد نظام صاحب۔میری مدد کے لیے۔''

''میں نے کہا نا'میں آپ کے بل میں ساری رقم ڈال چکا ہوں۔ایڈم بھی صبح آفس آئے گا۔تب تک آپ آرام کریں۔''

وہ ہینڈ بیگ لیے آگے بڑھی اور عمارت کے قریب آئی۔خودکار دروازے کھلتے چلے گئے۔لیکن تالیہ اندر نہیں گئی۔وہ رک کے اس سوٹ میں ملبوس آدمی کو دیکھنے لگی جو اس کی طرف آرہا تھا۔تالیہ نے دیکھا'اس کے پیچھے ایک سیاہ شیشوں والی لمبی سی کار کھڑی تھی۔

(ابھی میں اس نئے گھر میں داخل بھی نہیں ہوئی اور ان کو پہلے سے خبر ہوگئی۔)

''چے تالیہ۔''اس نے قریب آ کے سر جھکا کے سلام کیا۔''میں سری پردھانہ سے آیا ہوں۔آپ کی پی ایم کے ساتھ اپائنٹمنٹ ہے۔انہوں نے آپ کو بلایا ہے؟''

''ابھی؟''

''نہیں۔کل صبح۔''

تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے سنجیدگی سے اس نوجوان کو دیکھا۔

"سریش۔"

"سریش.... اپنے پردھان منتری سے کہو' تالیہ مرادان سے نہیں ملنا چاہتی۔"

سریش ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگا جیسے اس جواب کی امید نہ ہو۔

"بچے تالیہ... میں ان کو آپ کے انکار کی کیا وجہ بتاؤں؟"

"ان سے پوچھنا کہ وہ مجھ سے ملنے حوالات میں کیوں نہیں آئے؟"

"گستاخی معاف' بچے تالیہ' لیکن ملک کا حکمران ایک قیدی سے ملنے نہیں آ سکتا۔"

"اچھا؟" اسے سر سے پیر تک دیکھا۔ "میں تو آئی تھی۔" جتا کے بولی اور مڑ گئی۔ سرکاری اہلکار بے بسی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

"اور پھر میری بات کے جواب میں انہوں نے کہا کہ میں تو آئی تھی۔"

قریباً گھنٹے بعد سریش ہاتھ باندھے اپنے پی ایم کے سامنے کھڑا' ساری بات شرمندگی سے بتا رہا تھا۔ وہ سن کے ہلکا سا مسکرا دیا۔ وہ درست کہہ رہی تھی۔ وہ آئی تھی۔ جب وہ مراد راجہ کی قید میں تھا اور اس کا ماتھا' چہرہ' اور ہاتھ اسی طرح زخمی تھا۔ تب وہ آئی تھی اس سے ملنے اور اس نے کسی روکنے والے کے روکنے کی پرواہ نہیں کی تھی۔ لیکن وہ نہیں جا سکا تھا۔

ڈیم ڈیموکریسی۔

"سر... آپ نے جو وقت کل صبح مس تالیہ کے لیے مختص کرنے کو کہا تھا' اسے کینسل کر دوں؟"

"ہاں۔" اس کے جواب پہ سریش نے سر ہلا دیا۔ وہ جانے کے لیے مڑنے لگا جب فاتح بولا۔

"اسے سوموار کی صبح کا وقت دے دو۔"

سریش تعجب سے واپس گھوما۔ فاتح اب سامنے رکھی فائل کی طرف متوجہ تھا۔

"لیکن.... سر.... سوری لیکن.... انہوں نے تو ملنے سے انکار کر دیا ہے۔"

وان فاتح نے چہرہ اٹھا کے سنجیدگی سے دیکھا۔ "نہیں۔ اس نے انکار نہیں کیا۔ اس نے تم سے پوچھا "ابھی؟" تم نے کہا' کل صبح۔ اسے کل صبح کوئی اہم کام کرنا ہوگا اس لیے سوموار کا وقت دے دو۔"

"او کے... میں..." وہ گڑبڑا کے بولا۔ حیران نظریں ابھی تک پردھان منتری پہ جمی تھیں۔ "میں خود جاؤں ان کے پاس یا ان کو کال کر لوں؟ میرے پاس ان کا نمبر ہے۔"

''کال کرو۔ اسی لیے اس نے تمہارا نام پوچھا تھا تا کہ تم کال کرو تو وہ پہچان جائے۔'' وہ فائل کے صفحے پلٹاتے ہوئے اب کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ سرلیش نے آہستہ سے سر ہلایا اور مڑ گیا۔ دنیا عجیب لوگوں سے بھری پڑی ہے۔

''میں نے آپ کو بتایا تھا سرلیش' مجھے ان سے نہیں ملنا۔''

''منڈے مارننگ۔ صبح آٹھ بجے' میم۔ میں سری پردھانہ کے باہر آپ کا منتظر ہوں گا اور آپ کو سیکیورٹی سے گزار کے اندر لے جاؤں گا۔''

تالیہ نے مسکرا کے فون بند کیا۔ (وہ اب بھی اس کو بہت اچھے سے جانتا تھا۔ اس دفعہ وان فاتح کچھ نہیں بھولا تھا۔)

وہ اپنے اپارٹمنٹ کے لونگ روم کی کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ شہر کی اونچی عمارتیں اور سڑکوں پہ بہتا ٹریفک.. یہاں سے سب دکھائی دیتا تھا۔ فون رکھ کے اس نے بازو سینے پہ باندھ لیے اور اس خوبصورت شہر کو دیکھنے لگی۔

اس شہر میں آج تالیہ مراد کے کیس کا چرچہ ہوگا اور جب تک ٹرائل چلے گا' اس شہر میں تالیہ کے جرم کی ہی باتیں ہوں گی۔ چھ برس پرانا کیس زندہ ہو گیا تھا۔ بلاگز' چینلز' کیفے..... ہر جگہ یہی ذکر چھڑ چکا تھا۔

وہ خاموشی سے نیچے نظر آتے شہر کو دیکھے گئی۔ گھڑی کی سوئی ٹک ٹک کرتی آگے بڑھ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ پہ ناشتے کی میز پہ آج صبح تناؤ پھیلا تھا۔ فاتح جب اپنی سربراہی کرسی پہ آ کے بیٹھا تو اس نے ایک نظر تمام افراد پہ ڈالی۔ سکندر کے ماتھے پہ بل تھے اور وہ خاموشی سے سیریل کھا رہا تھا۔ جولیانہ اپنے ناشتے سے کھیلتی گم صم نظر آتی تھی۔ اور اشعر..... وہ بالکل سپاٹ بیٹھا تھا۔

''آج تمہارا کالج نہیں ہے' سکندر؟'' اس نے بات کا آغاز کرتے ہوئے دلیے کا پیالہ اپنے قریب کیا تو سکندر نے نظریں اٹھا کے برہمی سے اسے دیکھا۔

''آپ کو ابھی بھی تالیہ مراد سے ہمدردی ہے؟''

فاتح نے پیالہ واپس دھکیلا اور سنجیدگی سے سکندر کو دیکھا۔ ''تالیہ نے عصرہ کا قتل نہیں کیا تھا۔''

''یہ اسی نے کیا تھا' ڈیڈ۔ آپ اس کا دفاع نہیں کر سکتے۔''

''تم چاہتے ہو کہ میں ایک بے قصور لڑکی کو مجرم کہوں؟ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ سوری۔''

''ہم اچھی زندگی گزار رہے تھے۔'' سکندر درشتی سے بولا اور نیپکن پرے پھینکا۔ ''پھر وہ ہماری زندگیوں میں آئی۔ مجھے سب یاد ہے۔ اس کی وجہ سے آپ دونوں کی لڑائی ہوتی تھی۔ اس کی وجہ سے سب کی لڑائی ہونے لگی تھی۔'' اس نے شکوہ کناں

نظروں سے اشعر کو دیکھا۔ وہ باری باری باپ بیٹے کے چہرے یوں دیکھ رہا تھا جیسے کورٹ میں ایک سرے سے دوسرے تک اڑتی گیند دیکھ رہا ہو۔

''اور پھر میری ماما مر گئیں۔ اس کی وجہ سے ہمیں گھر چھوڑنا پڑا۔ ہمیں اپنا ملک چھوڑنا پڑا۔ آپ نے آج تک اس کو مجرم نہیں کہا۔ ہمیشہ اس کو ڈیفینڈ کیا۔ لیکن اب آپ اس کو ڈیفینڈ نہیں کریں گے' ڈیڈ۔ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ اگر کسی نے اس گھر میں تالیہ مراد کی حمایت کی تو میں گھر چھوڑ کے چلا جاؤں گا۔''

اس نے کرسی دھکیلی اور سرخ چہرے کے ساتھ کہتا باہر چلا گیا۔ جولیانہ سر جھکائے کھاتی رہی۔ فاتح نے گردن موڑ کے چبھتی ہوئی نظروں سے اشعر کو دیکھا۔

''تم نے کچھ کہا ہے سکندر کو؟''

وہ سیب میں دانت گاڑتے ہوئے کندھے اچکا کے بولا۔ ''اس کی عمر دیکھیں۔ کیا میں اس کا برین واش کروں گا؟ وہ اس کی ماں تھی۔ میری بہن تھی۔ وہ وہی محسوس کر رہا ہے جو میں کر رہا ہوں۔ دیکھیں آبنگ۔'' اس نے سیب رکھا اور سنجیدگی سے بولا۔

''میں آپ کا ذہن نہیں بدل سکتا۔ میں آپ کی رائے کو برداشت کروں گا۔ لیکن آپ ہمارے جذبات کو برداشت کریں۔ ہم میں سے کوئی اب اس قصے کو گھر میں ڈسکس نہیں کرے گا۔ معاملہ عدالت میں ہے۔ جو فیصلہ عدالت کرے گی وہ ہم سب کو قبول کرنا ہوگا۔''

فاتح نے خاموشی سے چائے کا کپ اٹھا لیا۔ اسی وقت مرکزی دروازہ کھلا اور میثا کا شناسا چہرہ دکھائی دیا۔

جولیانہ نے سر موڑ کے اسے دیکھا اور تیزی سے ناشتہ ختم کرنے لگی۔ میثا قریب آئی۔ اس کے جوتوں کی ٹک ٹک واحد آواز تھی جو سارے میں سنائی دے رہی تھی ورنہ ڈائننگ ہال کا تناؤ دور سے بھی محسوس کیا جا سکتا تھا۔

''جولیانہ آپ نے ناشتہ نہیں کیا؟ کلاس کا وقت ہونے والا ہے۔'' سلام اور تعظیم کے بعد میثا تعجب سے کہتی جولیانہ کی کرسی کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ جولی نے جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ کھاتی رہی۔ فاتح نے نظر اٹھا کے دیکھا۔

''جولی....آپ کی ٹیچر کچھ پوچھ رہی ہیں۔''

''اٹس اوکے۔ میں کتابیں یہیں لے آتی ہوں۔ ساتھ ہی اس کو پڑھا بھی دوں گی۔'' میثا نے اپنا بیگ اور پرس میز پہ رکھے اور اجازت لے کر اسٹڈی کی طرف چلی گئی۔

میثا کے جاتے ہی اس کا فون زور زور سے تھرتھرانے لگا۔ جولیانہ نے اسکرین دیکھی اور واپس دلیہ کھانے لگی۔ چند لمحے

خاموشی سے گزرے۔ یہاں تک کہ تھرتھرانے کی آواز ناشتہ کرتے افراد کو کوفت میں مبتلا کرنے لگی۔

''جاؤ جولی.... اس کو فون دے آؤ۔'' اشعر نے جولیانہ کو مخاطب کیا۔ اس نے کندھے اچکا دیے۔

''وہ اٹینڈ نہیں کریں گی۔ ان کے ایکس ہزبنڈ کا فون ہے۔ وہ اسے کبھی اٹینڈ نہیں کرتیں۔''

ایک دفعہ پھر خاموشی چھا گئی۔ پھر یکے بعد دیگرے اشعر اور فاتح اٹھ کے باہر چلے گئے۔

ییشا کتابیں لیے واپس آئی تو فون ابھی تک تھرتھرا رہا تھا۔ اس نے کتابیں رکھیں اور فون اٹھایا تو چہرے کی رنگت ایک دم بدلی۔ خوف سے نہیں۔ افسوس سے۔ آزردگی سے۔ اس نے لب کاٹتے ہوئے کال کاٹی اور فون پرس میں ڈال دیا۔ پھر کرسی کھینچ کے بیٹھی اور کتابیں کھول لیں۔

جولیانہ نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''آپ میرے ڈیڈ سے کیوں نہیں کہتیں کہ وہ آپ کی مدد کریں۔ مجھے امی نے بتایا ہے کہ اس کے بابا پھر سے آپ لوگوں کو ہراس کرنے لگے ہیں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے' جولی۔'' اس نے نرمی سے اس کا سر تھپکا۔ ''میں کوئی کمزور عورت تھوڑی ہوں جو ڈر جاؤں گی؟ وہ زمین کے کوئی ایسے کاغذات مانگتا ہے جو میرے پاس نہیں ہیں۔ میں اسے اگنور کروں گی۔ خود ہی پیچھا چھوڑ دے گا۔''

''تو پھر چھ ماہ سے کیوں نہیں چھوڑا؟''

''میں ہینڈل کر لوں گی۔ سنگل مدرز میں بہت طاقت ہوتی ہے' جولی۔'' وہ مسکرا کے اسے سمجھانے لگی۔ ''بلکہ ساری ماؤں میں ہوتی ہے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ تم سے تعلق کی وجہ سے تمہارے خاندان سے کوئی فیور لوں۔ یہ اخلاقی لحاظ سے اچھی بات نہیں ہے۔''

''ساری مائیں ایک جیسی ہوتی ہیں؟'' جولیانہ نے آزردگی سے اسے دیکھا۔ ییشا نے مسکراتے ہوئے سر جھکایا اور ایک صفحے پہ کچھ انڈر لائن کرنے لگی۔ وہ دونوں ڈائننگ ہال میں اب تنہا رہ گئی تھیں۔

''کیا ساری مائیں بہادر ہوتی ہیں؟'' وہ آہستہ سے بولی تو ییشا نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر اس کے چہرے پہ فکرمندی پھیلی۔

''اوہ سویٹی.... کوئی کتنا بھی مضبوط ہو' اسے نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ تمہاری ماما بھی اسی کا شکار ہوئی تھیں۔ مت سوچو اس بارے میں۔''

جولیانہ نے پلکیں جھپکتے ہوئے اسے دیکھا۔ آواز مزید دھیمی کی۔

''آپ کو کیا لگتا ہے تالیہ مراد نے میری ماما کو مارا ہو گا؟''

ییشا نے گہری سانس لی۔آج وہ شہد رنگ بالوں کو جوڑے میں باندھے ہوئے تھی اور ایک گھنگھریالی لٹ گال پہ جھول رہی تھی۔

''سویٹی.....ہمیں نہیں معلوم کس کی کیا اسٹوری ہے۔جس نے بھی ایسا کیا ہو اس کو سزا ضرور ملے گی۔اور تم فکر نہ کرو۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔تمہارے ڈیڈ ہیں نا تمہاری حفاظت کے لیے۔''وہ اسے پیار سے سمجھا رہی تھی۔اسے واقعی یہ لگا تھا کہ جولیانہ ایک ''قاتل'' کے واپس آنے پہ خوفزدہ ہے۔مگر جولیانہ نے لب کاٹے اور چہرہ اس کے قریب کیا۔پھر سرگوشی میں بولی۔

''کیا میں آپ کو ایک سیکرٹ بتا سکتی ہوں؟''

ییشا دم سادھے رہ گئی۔کچھ تھا اس کے انداز میں جو اسے چونکا گیا تھا۔

''تالیہ نے میری ماما کو نہیں مارا تھا۔''

ییشا کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہے۔''تمہیں کیسے پتہ؟''

''دو سال پہلے....جب مجھے ان چیزوں کی بہتر سمجھ آنے لگی...تو میں نے ماما کی کیس فائلز پڑھنا شروع کیں۔پولیس رپورٹ کے مطابق زہر کیک کی آئسنگ میں تھا۔یعنی اس پہ چھڑکا گیا تھا۔''

''جولی....تم ان باتوں میں نہ الجھو۔عدالت.....''

''آپ مجھے کیا سمجھتی ہیں؟ میں مرڈر مسٹریز دیکھتی ہوں۔مجھے ان سب باتوں کی سمجھ آتی ہے۔میری بات سنیں۔مجھے ڈیڈ کی طرح خاموش نہ کرائیں۔وہ کیک بے شک تالیہ بھیجتی تھی۔ماما یہی کہتی تھیں۔لیکن مجھے یاد ہے۔وہ چاکلیٹ کیکس تھے۔ان پہ آئسنگ نہیں ہوتی تھی۔میں نے دو دفعہ خود کیک وصول کرتے دیکھا تھا ماما کو۔لیکن بعد میں جب ماما کیک فریج میں رکھ دیتی تھیں ڈیڈ کے لیے....تو ان پہ آئسنگ ہوتی تھی۔''اس کی گلابی پڑتی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔''مجھے نہیں پتہ وہ آئسنگ کون چھڑکتا تھا لیکن اگر زہر آئیسنگ میں تھا تو وہ تالیہ نے نہیں چھڑکا تھا۔''

ییشا دھک سے رہ گئی۔بالکل گنگ اور ششدر۔

''اس وقت شاید مجھے اتنی سمجھ نہیں تھی۔لیکن جب میرے ذہن نے کڑیاں جوڑیں تو مجھے سب کچھ پھر سے یاد آنے لگا۔میں نے ڈیڈ کو بتایا تھا۔''

''انہوں نے کیا کہا؟''

''انہوں نے مجھے چپ رہنے کو کہا۔وہ شاید پہلے سے جانتے تھے سب۔''

''یعنی....تالیہ نے یہ قتل نہیں کیا تھا؟'' وہ گنگ رہ گئی۔''اوہ گاڈ....اور تمہارے ڈیڈ نے کچھ نہیں کیا۔وہ لڑکی چھ سال تک پولیس سے اس جرم کی وجہ سے چھپتی رہی جو اس نے کیا ہی نہیں تھا؟'' اس نے ماتھے کو چھوا۔''اوہ بے چاری تالیہ۔'' پھر اس نے جولیانہ کا چہرہ دیکھا تو فوراً خود کو سنبھالا۔

''دیکھو جو ہو گیا' سو ہو گیا۔یہ وقت ان باتوں پہ غور کرنے کا نہیں ہے۔تم ایگزام دے کر آؤ پھر ہم بات کریں گے۔ٹھیک ہے؟'' نرمی سے اسے پچکارتے ہوئے بولی البتہ اس کی آنکھوں میں واضح اضطراب نظر آتا تھا۔جولیانہ نے اداسی سے کتاب پہ سر جھکا دیا۔ ہیثا کا ایک ہاتھ ابھی تک سینے پہ تھا۔یہ سب کچھ نہایت غیر متوقع تھا۔اسے کیا کرنا چاہیے؟

☆☆==========☆☆

احمد نظام کا آفس بہت بڑا نہ تھا۔اس میں فائلوں اور کتابوں کے ڈھیر لگے تھے۔آفس کی حالت کو دیکھ کے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک ہائی پروفائل کیس لینے میں کیوں دلچسپی رکھتے تھے۔

اس وقت وہاں کافی کی مہک پھیلی تھی۔تین بھاپ اڑاتے کپ میز پہ رکھے تھے۔ایک طرف احمد نظام خود بیٹھے تھے اور ان کے سامنے تالیہ اور ایڈم کرسیوں پہ براجمان تھے۔آج وہ سفید اور سیاہ اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس تھی۔ماتھے پہ بینڈ یج تھا اور گال کے زخم پہ مرہم لگا تھا۔آنکھ کا نیل میک اپ سے ہلکا کر رکھا تھا۔

''آپ کو یہ چوٹ کیسے آئی؟'' ایڈم نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے اس کے ماتھے کی طرف اشارہ کیا۔

اس سوال پہ تالیہ نے برامان کے اسے دیکھا۔

''آپ بات بدل رہے ہیں۔میں کہہ رہی ہوں کہ عصرہ نے یہ خود اپنے ساتھ کیا تھا۔''

''اور میں کہہ رہا ہوں کہ کوئی اس پہ یقین نہیں کرے گا۔اگر آپ یہ بات لوگوں کے سامنے دہراتی رہیں گی تو آپ ولن لگیں گی۔عوام بالخصوص عصرہ کے بچے آپ کو معاف نہیں کریں گے۔'' وہ تبصرہ کرنے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''عصرہ کے بچے۔'' وہ خاموش ہو گئی۔ان کو وہ فراموش کر گئی تھی۔وہ اس سارے معاملے کے معصوم ترین متاثرین تھے۔''اوکے۔میں کسی کو نہیں کہوں گی۔مگر میں آپ کے سامنے تو کہہ سکتی ہوں نا؟''

''ٹھیک ہے تالیہ۔'' احمد نظام نے مداخلت کی۔''مان لیا کہ عصرہ نے خودکشی کی تھی۔لیکن ہمیں یہ بات ثابت کرنی پڑے گی۔''

''میرے پاس ایلی بائی ہے۔جب کیک آنا شروع ہوئے تو میں مصر میں تھی۔''

''کیک آپ کے کریڈٹ کارڈ پہ آرڈر کیے گئے تھے۔آپ یہ کام دنیا میں کہیں سے بھی بیٹھ کے کر سکتی ہیں۔'' ایڈم نے

گھونٹ بھرتے ہوئے پھر سے تبصرہ کیا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا ساتھ ہی اپنے فون سے بھی کھیل رہا تھا۔

''اور میں مصر میں بیٹھ کے کیک میں زہر کیسے ملا سکتی ہوں؟''

''چھ سال پہلے اگر آپ فرار نہ ہوتیں تو یہ بات ثابت کرنا آسان تھا۔'' احمد نظام نے مداخلت کی۔

''میں فرار تھوڑی ہوئی تھی۔ میں اغوا ہوئی تھی۔'' بالوں کو جھٹکا دیا اور کندھے اچکائے۔

ایڈم زور سے ہنسا۔ پھر چہرہ سنجیدہ بنایا اور موبائل پہ بٹن دبانے لگا۔ تالیہ نے برا مان کے اسے دیکھا۔

''اس میں اتنا فنی کیا ہے؟''

''مس مراد... آپ کی اغوا والی کہانی بہت کمزور ہے۔ آپ تھوڑا وقت صرف کر کے اس سے بہتر کہانی بنا سکتی تھیں۔''

''آپ تھوڑا وقت صرف کر کے میرے سوال کا جواب دیں۔ میں مصر میں بیٹھ کے کیسے کیک میں زہر ملا سکتی ہوں؟''

''عصرہ کی موت والے دن آپ کے ایل میں تھیں۔ اس سے پہلے جو کیکس آپ نے بھیجے... ان میں زہر....'' ایڈم نے رک کے سوچا...'' یقیناً آپ کا کوئی ساتھی ملاتا ہوگا۔ استغاثہ یہی نقطہ لائے گا۔''

تالیہ نے کپ نیچے رکھا اور تیزی سے بولی۔ ''اور یہی میں کہہ رہی ہوں۔ عصرہ کا کوئی ساتھی ضرور ہوگا۔''

''کوئی ایسا ساتھی جس نے آپ کا کارڈ نمبر حاصل کر لیا ہوگا۔'' ایڈم بھی ایک دم موبائل رکھ کے سیدھا ہو کے بیٹھا۔ ''اس نے ہی بیکری پہ آرڈر دیا ہوگا۔ اس نے ہی عصرہ کو آرسینک لا کر دیا ہوگا۔ عصرہ اسے کیک پہ خود چھڑکتی ہوں گی۔'' وہ قدرے جوش سے کہہ رہا تھا۔ ''کہانی اچھی جا رہی ہے۔ بھلے سچ ہو یا نہ ہو۔''

''مسئلہ یہ ہے کہ...'' احمد نظام کھنکھارے۔ ''وہ بیکری اب بند ہو چکی ہے۔ مگر اس زمانے میں تفتیش کے دوران جو آئی پی لوکیشن ملی تھی جہاں سے تالیہ کا کارڈ استعمال کیا گیا تھا وہ پراکسی لوکیشن تھی۔ یعنی یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ لوکیشن ملائیشیا کی تھی یا باہر کے کسی ملک کی۔''

''اور کسی نے اس پراکسی کو بے نقاب کرنے کی کوشش نہیں کی ہوگی۔'' ایڈم مسکرا کے بولا۔ ''مجھے اس آئی پی کی تفصیلات دیں۔ میں ایک سائبر انویسٹی گیشن ایجنسی سے بات کرتا ہوں۔ وہ شاید اصل لوکیشن کو ٹریس کر سکیں۔''

''یعنی جس شخص نے میرا کارڈ استعمال کیا ہے اس کی لوکیشن معلوم ہو سکے گی؟'' پھر اس کا چہرہ بجھا۔ ''کیا معلوم اب وہ وہاں رہتا ہی نہ ہو۔ چھ سال میں تو دنیا بدل جاتی ہے۔ اور کیا پتہ اس نے یہ کام کسی انٹرنیٹ کیفے سے کیا ہوگا۔ عصرہ نے اتنا کچا کام نہیں کیا ہوگا۔'' وہ نفی میں سر ہلاتی کہہ رہی تھی۔ ایڈم نے غور سے اسے دیکھا۔

''آپ کو کیوں لگتا ہے کہ عصرہ نے ایسا کیا تھا؟ کیا ان کی کسی بات سے آپ کو لگا؟''

وہ رکی اور گھور کے اسے دیکھا۔''کاش کہ آپ کو کچھ یاد ہوتا۔خیر۔عصرہ اور میرے تعلقات اس وقت تک بہت خراب ہو چکے تھے۔اس لیے بعد میں مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کام عصرہ کا ہی ہے۔''

''کب؟آپ کے عصرہ سے تعلقات کب خراب ہوئے تھے؟''

''قتل سے دو ایک ماہ پہلے سے۔''

''ایک منٹ۔کیک کب سے آنے لگے تھے؟''ایڈم نے ایک فائل اٹھائی اور تاریخ پڑھی۔''کیک بھیجنے سے پہلے کسی دن کچھ ہوا ہوگا جو عصرہ نے اتنا بڑا فیصلہ کیا۔آپ کو اپنا اور ان کا کوئی شدید جھگڑا یاد ہے جس کے بعد انہیں زندگی اور آپ دونوں سے نفرت محسوس ہوئی ہو؟''

''پارٹی....ایک پارٹی میں....''تالیہ نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔''جب میں نے عصرہ کو بتایا تھا کہ وہ فاتح کی پہلی ....''اس نے اگلے الفاظ دبا لیے۔مگر اسے یاد آچکا تھا۔وہ آتش بازی والی پارٹی جب عصرہ نے ان دونوں کو ساتھ دیکھا تھا۔

''تاریخ یاد ہے آپ کو؟چھ سال گزر چکے ہیں اس لیے.....''

''اوہ۔میرے لیے وہ تین ماہ پہلے کی بات ہے ایڈم صاحب۔''اس نے موبائل اٹھایا اور تیزی سے بٹن دبانے لگی۔پھر اسکرین اس کے سامنے کی۔''یہ میرا اس وقت کا ٹوئٹر اکاؤنٹ ہے۔میں نے اس شادی کی تصویر ٹویٹ کی تھی۔''

ایڈم نے جھک کے تاریخ پڑھی۔''یہ کیک آنے سے ایک ہفتہ پہلے کی تاریخ ہے۔''

''اس سے کیا ثابت ہوتا ہے ایڈم صاحب؟''احمد نظام نے غور سے اسے دیکھا۔

''اس پارٹی سے لے کر.... پہلے کیک کے آنے تک۔عصرہ محمود نے کیا کیا تھا۔ہمیں عصرہ کے ہر اسٹیپ کو ری ٹریس کرنا ہے۔ان کے کریڈٹ کارڈ کا بل۔بینک اکاؤنٹ ڈیٹیلز...فون ریکارڈ....آپ کو وہ سب نکلوانا ہوگا۔اگر عصرہ نے خودکشی کی تھی...اگر....(زور دیا) تو اس کا پلان انہوں نے انہی سات دنوں میں بنایا ہوگا۔''

''اور اگر عصرہ نے کیش ادا کیا ہو؟اگر انہوں نے کسی دوسرے نمبر سے بات کی ہو؟اگر....''تالیہ کے تاثرات دیکھ کے وہ خاموش ہوئے اور سر ہلایا۔''میں ریکارڈ نکلواتا ہوں۔''وہ فون اٹھا کے باہر نکل گئے۔

آفس میں خاموشی چھا گئی۔پھر ایڈم کھنکھارا اور قدرے بے نیازی سے بولا۔''مس مراد....یہ سب اس پہ منحصر ہے کہ عصرہ نے خودکشی کی تھی۔اگر ایسا نہ ہوا تو ہم آپ کی مدد نہیں کر سکیں گے۔''

تالیہ نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔''آپ کی رائیٹنگ کیسی جا رہی ہے؟''

وہ اس سوال پہ حیران ہوا۔''بہت اچھی۔کیوں؟''

"آپ نے کافی عرصے سے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ آپ نئی کتاب کے بارے میں معلومات بھی نہیں دے رہے۔ فینز سمجھ رہے ہیں کہ آپ سرپرائز دیں گے لیکن جس خوشی سے آپ نے تالیہ مراد کی کتاب لکھنے کی خبر کو عام کیا ہے.... مجھے لگتا ہے آپ رائٹرز بلاک کا شکار ہیں۔ آپ کوئی دوسری کتاب لکھ ہی نہیں رہے تھے۔"

"یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔" اس نے پہلو بدلا۔ ایک دم وہ بالکل سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"یعنی آپ مان رہے ہیں کہ آپ کو کوئی مسئلہ لاحق ہے؟" وہ کرسی کا رخ اس کی طرف موڑے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی اس کی آنکھوں میں جھانک کے کہہ رہی تھی۔ ایڈم نے پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔

"مس مراد..... کتنا اچھا ہو ہم ایک دوسرے کی ذاتی زندگیوں میں مداخلت نہ کریں۔ میں انسپریشن سے لکھتا ہوں اور..."

"آپ ناول کیوں نہیں لکھتے؟"

ایڈم بولتے بولتے رکا۔ "میں فکشن رائٹر نہیں ہوں۔"

"آپ کا ذہن ایک ہی طرح کی سیاسی چیزیں لکھ کے بور ہو چکا ہے۔ آپ کو چینج چاہیے۔"

وہ چپ ہو گیا۔ پھر قدرے بے چینی سے پہلو بدلا۔ "میرا نہیں خیال کہ میں اچھا فکشن لکھ سکتا ہوں۔"

"تو برا فکشن لکھ لیں۔ کم از کم قلم کی رکاوٹ تو ختم ہو گی۔"

"اچھا؟ اور کس موضوع پہ مجھے لکھنا چاہیے۔ یہ بھی بتا دیں۔" انداز میں ہلکا سا طنز تھا۔

"اپنے ارد گرد سے انسپریشن ڈھونڈیں۔ آپ کی والدہ ایک زمانے میں چوزے رکھتی تھیں۔"

"اب بھی رکھتی ہیں۔"

"ہاں مگر وہ تمام عرصہ جس میں میں آپ کی زندگی کا حصہ تھی' چوزوں کا ایک گروہ ان کے پاس تھا۔ وہ میرے سامنے بڑا ہوا اور پھر میری ہی وجہ سے وہ کھو گیا۔ آپ کی والدہ کو اس بات کا شدید صدمہ ہوا تھا۔ آپ ان کی زندگی پہ بھی کتاب لکھ سکتے ہیں۔"

"ہمارے چوزے آپ کی وجہ سے کھوئے تھے؟ انٹرسٹنگ۔" وہ محظوظ انداز میں مسکرایا۔ "سوچوں گا۔"

"کسی کام کو کرنے کا بہترین وقت "ابھی" ہوتا ہے' ایڈم صاحب۔ یہ وقت کے تین سوالوں میں سے ایک کا جواب ہے۔ اگر آپ ابھی فیصلہ کر لیں تو کیا معلوم کوئی معجزہ ہو جائے۔"

"مثلاً؟"

"مثلاً آپ کو آپ کی کھوئی ہوئی یادداشت واپس مل جائے۔" وہ پراسرار انداز میں مسکرائی۔

''آپ کی جڑی بوٹیوں والی کہانی اغوا والی کہانی سے بہتر تھی۔'' وہ جھرجھری لے کر پھر سے اپنے فون کو دیکھنے لگا۔ وہ پہلے والا ایڈم جیسا نہیں تھا۔ ہر وقت مصروف.. فون اور کام میں لگا.... بے نیاز سا سلیبریٹی....

''میشا تاج کی نمائش کب ہے؟ یاد ہے آپ نے مجھے وہاں لے کر جانا تھا۔''

ایڈم کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ ''اب کیوں؟ آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ آپ کی پی ایم سے ملاقات طے ہوگئی ہے۔''

''تالیہ کے پلانز ہیں۔ تالیہ کی مرضی۔'' اس نے کندھے اچکائے اور اپنا موبائل اٹھالیا۔ ایڈم الجھ کے اسے دیکھنے لگا۔

''میں نے آپ کو اتنا عرصہ ماضی میں برداشت کیسے کیا تھا؟'' وہ جل کے بولا تو وہ مبہم سا مسکرادی۔ نظریں اسکرین پہ تھیں۔ اور انگلیاں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔

☆☆=========☆☆

سری پردھانہ کے سب سے بارسوخ دفتر کے بھوری لکڑی سے بنے دروازے کافی اونچے تھے۔ میشا ان کے سامنے کھڑی انہیں گردن اٹھائے مسحور سی ہو کے دیکھ رہی تھی جب پیچھے سے پرنسپل سیکرٹری کھنکھارا۔ وہ چونک کے مڑی۔

''اب آپ اندر جاسکتی ہیں۔ لیکن آپ کے پاس وقت کم ہوگا۔ انہوں نے بہت مشکل سے آپ کے لیے وقت نکالا ہے۔'' وہ انٹر کام کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ ابرو سے آگے جانے کا اشارہ کیا۔ میشا نے کوٹ کی نادیدہ شکنیں درست کیں' بالوں پہ ہاتھ پھیرا اور ہینڈل دبا کے دروازہ دھکیلا۔

فاتح اپنی کرسی پہ براجمان تھا۔ چند فائلز اور لیپ ٹاپ سامنے کھلا رکھا تھا۔ آستین کہنیوں تک موڑے' ٹائی ڈھیلی کیے' وہ منتظر سا اس کو دیکھ رہا تھا۔

''آیئے مسز میشا۔'' اس کو آتے دیکھ کے وہ احتراماً کرسی سے اٹھا۔ ''آپ کے ٹیکسٹ نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ آپ اتنی ایمرجنسی میں ملنا چاہتی تھیں۔ خیریت؟ کیا جولیانہ ٹھیک ہے؟''

''جی وہ ٹھیک ہے۔'' وہ بیٹھ گئی تو فاتح نے انگلیاں باہم پھنسائے آگے کو جھک کے اسے فکرمندی سے دیکھا۔

''پھر؟''

''میں نے جولیانہ سے آپ کا نمبر یہ کہہ کے مانگا تھا کہ میں ایک ذاتی کام کے سلسلے میں ملنا چاہتی ہوں۔ لیکن دراصل میں جولیانہ کے لیے ملنا چاہتی ہوں۔ آپ کے پاس میرے لیے کتنا وقت ہے؟''

فاتح نے کسی لحاظ اور مروت کے بغیر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ''چھ منٹ۔''

''پھر میں مدعے پہ آتی ہوں' داتو سری۔'' وہ جی کڑا کے بولی۔ شہد رنگ بال کانوں کے پیچھے اڑسے تھے۔اور سرخ یاقوت سے مزین ٹاپس دمک رہے تھے۔ ہلکے میک اپ سے مزین چہرہ فکرمند لگتا تھا۔

''جولیانہ نے مجھے بتایا ہے کہ جن کیکس سے مسز عصرہ کی موت واقع ہوئی تھی' ان پہ کسی قسم کی آئسنگ نہیں ہوتی تھی۔ آخری کیک جو پولیس کے ہاتھ لگا تھا اس پہ آرسینک کی آئسنگ تھی لیکن جو کیک تالیہ بھیجتی تھی وہ سادہ چاکلیٹ کیک ہوتے تھے۔ جولی نے خود ان کو دو تین دفعہ آتے دیکھا تھا۔ میں شرلاک ہومز نہیں بننا چاہ رہی' لیکن...'' وہ فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔''اس کا مطلب ہے کہ تالیہ مراد کے بھیجے کیکس زہر سے پاک تھے۔''

فاتح پیچھے کو ہو کے بیٹھا اور پتلیاں سکوڑے غور سے اسے دیکھے گیا۔

''جولیانہ پہ اس بات کا بہت بوجھ ہے۔ میں صرف یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اگر جولی نے یہ بات آپ کو بتائی تھی تو آپ یہ بات پراسیکیوٹر کو بتا سکتے تھے۔ جولیانہ کا بیان تالیہ مراد کو بری کرنے کے لیے کافی تھا۔ پھر آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ وہ بے گناہ لڑکی اتنے سال پولیس سے چھپتی رہی۔ اس کی تو زندگی برباد ہو گئی۔''

فاتح نے انٹرکام اٹھایا اور بولا۔'' مجھے دس منٹ مزید لگ جائیں گے۔ میٹنگ میں شامل افراد سے کہو کہ وہ میرا انتظار کریں۔'' پھر ریسیور رکھا اور اس کو اسی سنجیدگی سے دیکھ کے بولا۔'' آپ نے vampire disease کا نام سنا ہے' مسز میشا؟''

وہ اس غیر متوقع سوال پہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ تکنے لگی۔''نہیں سر۔''

''یہ بیماری جن لوگوں کو لاحق ہوتی ہے وہ شدید فوٹو سینسیٹیو ہوتے ہیں۔ روشنی ان کے لیے خطرناک ہوتی ہے۔ وہ دن میں باہر نہیں نکلتے۔ اندھیروں میں پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ اگر دھوپ یا روشنی ان پہ پڑ جائے تو ان کی جلد جلنے لگتی ہے۔ جیسے غیر مرئی کہانیوں میں ویمپائرز ہوا کرتے تھے۔ ایسے ہی کچھ انسان روشنی سے خوفزدہ ہوتے ہیں۔ جولیانہ بھی ان میں سے ایک ہے۔ وہ اندھیروں میں رہنے کی عادی ہے۔ میں اس کو دھوپ میں کیسے کھڑا کر سکتا ہوں۔''

وہ دم سادھے سن رہی تھی۔ اور وہ کہے جا رہا تھا۔

''اس نے مجھے یہ بات قریباً دو سال پہلے بتائی تھی۔ اگر میں اسے پراسیکیوشن کے سامنے لے جاؤں' تو رپورٹرز میری بیٹی کا میڈیا ٹرائل کریں گے۔ وہ ایک چودہ سالہ بچی کو گواہی چھپانے کے لیے زدوکوب کریں گے۔ وہ ہر جگہ اس کا نام لیں گے۔ اس کو ملزم ٹھہرائیں گے۔ صرف میں جانتا ہوں کہ جولیانہ عصرہ کی موت کے بعد کتنی مشکل سے زندگی کی طرف لوٹی ہے۔ وہ اینٹی سوشل بلکہ سوسیو پیتھ بن چکی تھی۔ آپ بھی واقف ہی ہیں اس بات سے کہ وہ ابھی تک کتنی کم اعتماد اور ڈری سہمی

لڑکی ہے۔ میں اس کا باپ ہوں۔ مجھے اس کی حفاظت کرنی ہے۔''

''آئی ایم سوری۔ میں نے اس زاویے سے نہیں سوچا تھا۔''

''میں اسے آپ سے زیادہ جانتا ہوں' مسز ہیتا۔ وہ اس معاملے کو نہیں ہینڈل کر سکے گی۔ اور اس کی گواہی تالیہ کو بری نہیں کروا سکتی کیونکہ جو کیک پولیس کے ہاتھ لگا تھا اس میں آرسینک تھا۔ اور وہ تالیہ کے نام سے ہی بھیجا گیا تھا۔''

''آپ کی ساری باتیں درست ہیں۔ لیکن تالیہ مراد کا کیا؟ وہ بے چاری تو بے قصور تھی۔'' وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔

''آپ تالیہ کو نہیں جانتیں۔ میں جانتا ہوں۔ تالیہ اپنا خیال خود رکھ سکتی ہے۔ اس نے یہ جرم نہیں کیا تھا۔ میں نے تب بھی اس سے کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے وہ اس میس سے نکل آئے گی۔ وہ تالیہ ہے۔ وہ اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرلے گی۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی فوراً سے اٹھی۔

''آپ کا دوسرا کام کیا تھا؟''

''وہ.... کچھ نہیں۔ میرا ایکس ہزبینڈ....'' اس نے سر جھٹکا۔

''میرے پی ایس کے پاس ایک تحریری درخواست چھوڑ جائیں۔ وہ آپ کا مسئلہ حل کروا دے گا۔'' اس نے کوٹ پہنتے ہوئے تاکید کی تو ہیتا نے سر نفی میں ہلایا۔

''نہیں سر۔ مجھے شکایت نہیں کرنی۔ وہ میری بیٹی کا باپ ہے اور میں اپنی بیٹی کو ہرٹ نہیں کر سکتی۔ آپ یہ بات مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ میں نمائش پہ آپ کا انتظار کروں گی۔'' پھر سر جھکا کے تعظیم پیش کی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے باہر نکلتے ہی تین چار افراد اندر آ گئے۔ ہیتا نے مڑ کے دیکھا۔ اب وہ ان افراد سے بات کرتا ہوا باہر آ رہا تھا۔ اس آدمی کے پاس ضائع کرنے کے لیے ایک منٹ بھی نہیں تھا۔

☆☆=========☆☆

سرما کی دھوپ سارے بازار پہ پھیلی تھی۔ صاف ستھری سی سڑک کے دونوں اطراف دکانوں کی قطاریں تھیں اور ان کے آگے چھجے ڈال کے کرسیاں میزیں بچھائی گئی تھیں۔ فرانسیسی طرز کا یہ بازار مختلف رنگوں کے پھولوں سے مزین تھا۔

وہ ٹیکسی سے اتری اور سن گلاسز ماتھے کے اوپر چڑھائے۔ سیاہ شیشے آنکھوں کے سامنے سے ہٹے تو بازار کے خوشنما پھولوں کے قدرتی رنگ دکھائی دینے لگے۔ فضا اتنی معطر تھی کہ تالیہ کے اندر تک تازگی اترتی گئی۔

اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس اندر کھینچی۔ پھر احساس ہوا کہ کوئی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا' وہ ایڈم تھا۔

سفید شرٹ پہ سیاہ کوٹ پہنے' وہ سن گلاسز لگائے ہوئے تھا۔ اسے دیکھ کے گلاسز اتاریں اور اور کلائی پہ بندھی گھڑی اسے دکھائی۔ '' آپ مقررہ وقت سے پندرہ منٹ لیٹ ہیں' مس مراد۔''

'' تو کیا ہوا؟ وقت مجھ پہ ویسے ہی مہربان ہے۔'' وہ مسکرا کے کہتی آگے بڑھ گئی۔ اس نے سرخ و سفید پھولدار لمبی فراک پہن رکھی تھی۔ کندھے سے سنہری چین والا پرس لٹک رہا تھا اور سر پہ سفید ہیٹ ترچھا کر کے رکھا تھا۔ وہ پھولوں کے بازار میں کسی سرخ سفید پھول کی مانند دِکھ رہی تھی۔

'' تو میرا کریڈٹ کارڈ یہاں سے استعمال کیا گیا تھا؟'' دونوں اسٹریٹ کے کنارے ساتھ ساتھ چلنے لگے تو تالیہ نے پوچھا۔

'' میرے انویسٹی گیٹر نے اس پراکسی سرور کو ان ماسک کرلیا ہے۔ آپ کا کارڈ چھے جگہوں سے استعمال کیا گیا تھا۔ میں پانچ جگہوں کا دورہ کر چکا ہوں۔ سوائے اس آخری جگہ کے۔'' وہ چلتے ہوئے بتا رہا تھا۔

'' وہ جو بھی تھا' کسی کافی شاپ میں بیٹھ کے آپ کے کارڈ کے ذریعے کیک آرڈر کرتا تھا۔ دو جگہوں پہ کافی شاپس آج بھی موجود تھیں۔ تین جگہوں پہ کسی زمانے میں کافی شاپس ہوا کرتی تھیں۔ اب وہاں کوئی اور دکان تھی یا کوئی ریستوران۔ مختصر یہ کہ کسی کے پاس چھے سال پرانے سی سی ٹی وی ریکارڈز نہیں تھے۔ نہ مجھے کوئی ایک ایسا شخص ملا جو چھے سال سے وہاں کام کر رہا ہو۔''

'' یعنی ہمارے ہاتھ کوئی سرا نہیں آیا؟''

'' نہیں۔ آخری جگہ ٹرائی کر لیتے ہیں۔ سامنے والی ان شاپس میں سے کوئی ایک شاپ ہے جہاں ہمیں جانا ہے۔''

وہاں ایک کافی شاپ وسط میں نظر آ رہی تھی۔ ان کے قدم اسی جانب اٹھنے لگے۔

'' کیا کوئی ایسی چیز ہے جو ان شاپس میں مشترک ہو؟''

'' نہیں۔ تمام شاپس مختلف ناموں اور برانڈز کی تھیں۔'' وہ قدرے مایوس لگتا تھا۔ پھر چہرہ موڑ کے اسے دیکھا اور پوچھنے لگا۔ '' عصرہ کے فون اور بینک ریکارڈز نکلوائے تھے احمد نظام صاحب نے۔ ان کا کیا بنا؟''

'' ایک بھی پے منٹ مشکوک نہیں ہے۔ نہ عصرہ نے ان سات دنوں میں کوئی بھاری رقم نکلوائی' نہ رقم کسی کو بھیجی۔ بلکہ ان دنوں میں عصرہ نے کوئی خاص شاپنگ بھی نہیں کی۔''

ایڈم رکا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر سنجیدگی سے پوچھا۔ '' اگر اس آخری شاپ سے بھی کوئی سراغ نہ ملا... تو؟''

'' کچھ تو ملے گا۔ تالے عموماً آخری چابی سے ہی کھلتے ہیں۔'' وہ زور دے کر بولی اور آگے بڑھ گئی۔

''کیا یہ شاپ چھ سال پہلے یہاں موجود تھی؟''

کچھ دیر بعد وہ دونوں کافی شاپ کے کاؤنٹر پہ کھڑے پوچھ رہے تھے۔ ریسپشنسٹ جواب میں ان کو بتانے لگا کہ یہ شاپ گو کہ یہاں موجود تھی لیکن اس دوران دو دفعہ اس کی ملکیت بدلی ہے۔ ملکیت کے ساتھ عملہ بھی بدلہ ہے۔ وہ قریباً ڈیڑھ برس سے کام کر رہا ہے یہاں اور پچھلے عملے کے بارے میں اسے کوئی معلومات نہیں ہیں۔

تالیہ کنکھیوں سے دیکھ سکتی تھی کہ ارد گرد ویٹرز میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ وہ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے دھیمی سرگوشیاں کر رہے تھے۔ چھ سال گزر گئے اور دنیا نہیں بدلی۔ آج بھی سلیبریٹیز کو دیکھ کے لوگوں میں خوشی اور جوش کی لہر دوڑ جانا لازم تھا۔

''یہ میرا کارڈ رکھ لیں۔ کچھ بھی یاد آئے تو مجھے کال کر لیجیے گا۔'' ایڈم نے آخر میں اپنا کارڈ اسے تھمایا اور تالیہ کو دیکھ کے کندھے اچکائے۔ وہ قدرے خاموش اور اداس لگتی تھی۔

وہ دونوں باہر آئے اور سڑک کنارے بچھی کرسیوں پہ بیٹھ گئے۔ ایڈم نے ویٹر کو اشارہ کر کے ایک چائے لانے کو کہا اور پھر سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''کم از کم آپ یہ تو ثابت کر سکتی ہیں کہ یہ آرڈر ملائیشیاء سے کیا گیا جبکہ آپ مصر میں تھیں۔''

''آپ کے خیال میں مجھے اپنی بے گناہی صرف کورٹ میں ثابت کرنی ہے؟'' وہ نظریں اس پہ مرکوز کیے ایک دم تلخی سے بولی۔'' مجھے ٹھوس ثبوت چاہیے ہیں۔ یہاں سب مجھے مجرم سمجھتے ہیں۔ مجھے لوگوں کی نظروں میں بری ہونا ہے۔ قانون کی فائلوں میں نہیں۔''

اس نے بازو سینے پہ لپیٹ لیے اور روٹھے انداز میں سڑک کو دیکھنے لگی۔'' مجھے پورا یقین تھا کہ آخری شاپ سے کچھ نہ کچھ ملے گا۔''

''کیا عصرہ کی کوئی بیسٹ فرینڈ تھی؟ یا کوئی ایسا دوست جس سے وہ سب شیئر کرتی ہو؟'' وہ سوچ سوچ کے کہہ رہا تھا۔

''معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ویسے مجھے خوشی ہے کہ آپ میرے لیے بہت وقت نکال رہے ہیں۔'' وہ اسے دیکھ کے اداسی سے مسکرائی۔

''اس کی دو وجوہات ہیں۔ آپ کی وجہ سے میں ایک پوٹینشل بیسٹ سیلر لکھنے جا رہا ہوں۔ اور آپ میری زندگی کے کھوئے چھ ماہ کی کہانی جانتی ہیں۔ میں آپ کی مدد کروں گا تو آپ میری مدد کریں گی۔'' وہ اسی اجنبی انداز میں مسکرا کے بولا۔ پھر گھڑی دیکھی۔

''شام کو نمائش پہ جانا ہے۔ میں آپ کو پک کر لوں گا۔ ابھی مجھے کچھ کام ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ تالیہ نے نظریں اٹھا

کے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''آپ فکشن نہ لکھیں۔ بلکہ کوئی بھی فیصلہ وقت پہ نہ کریں۔''

''ایں؟ وہ کیوں؟'' وہ تعجب سے اسے دیکھ کے بولا۔

''کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ آپ کی کھوئی ہوئی یادداشت واپس آئے۔ کچھ چیزوں کا بھول جانا ہی اچھا ہوتا ہے۔ میں خوش ہوں ایڈم کہ آپ وہ سب بھول گئے۔ اس لیے.... وقت کے سوالوں کو حل کرنے کی کوشش نہ کریں۔''

ایڈم نے سر کو اثبات میں خم دیا۔ ''جڑی بوٹیاں واٹ ایور۔'' اور کچھ بڑبڑا کے آگے بڑھ گیا۔ وہ پھولوں سے بھرے بازار میں تنہا بیٹھی چائے کا انتظار کرنے لگی۔

اسے آج وان فاتح سے ملنے وہیں جانا تھا جہاں برسوں پہلے ''بطور تالیہ مراد'' وہ اس سے پہلی دفعہ ملی تھی۔

☆☆=========☆☆

آرٹ گیلری کی سفید مرمریں دیواروں پہ دور دور تک فریمز آویزاں نظر آرہے تھے۔ چکنے فرش پہ مہمان ٹولیوں کی صورت بکھرے تھے۔ لوگ بہت زیادہ نہیں تھے۔ ییشا نے اسے محدود اور پرائیوٹ سا رکھا تھا۔ جولیانہ کی خواہش پہ اس نے اس نمائش کو عصرہ کی پرانی گیلری میں منعقد کیا تھا۔

خود وہ لمبی میکسی میں ملبوس تھی جو سامنے سے سنہری اور پشت سے گہری نیلی تھی گیلری کی سجاوٹ بھی انہی دو رنگوں کے امتزاج میں کی گئی تھی۔ ییشا کے شہد رنگ بالوں کے ساتھ نیلے نگینوں والے ٹاپس بھی گویا سجاوٹ کا حصہ لگتے تھے۔ وہ مسکرا مسکرا کے تمام مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ ابھی پردھان منتری کی آمد نہیں ہوئی تھی۔ وہ کچھ دوستوں کو اپنی ایک فوٹوگراف کے بارے میں مسکرا کے کچھ بتا رہی تھی جب اس کی نظر پیچھے ایک نووارد پہ پڑی۔

ییشا کی آنکھوں میں خوشگوار حیرت در آئی۔ وہ معذرت کر کے فوراً اس طرف آئی۔

''ایڈم بن محمد؟ واٹ اے سرپرائز۔''

ایڈم جو تنہا کھڑا ایک فریم کو دیکھ رہا تھا' آواز پہ اس کی طرف پلٹا اور مسکرایا۔ وہ سفید شرٹ پہ سیاہ ڈنر جیکٹ پہنے ہمیشہ کی طرح تازہ دم اور خوش باش لگ رہا تھا۔

''ایک دوست نے آپ کی پارٹی کا دعوت نامہ دیا تھا۔ سوچا چکر لگا لوں۔ شاید کوئی انسپائریشن مل جائے۔'' وہ سادگی سے کندھے اچکا کے بولا۔

''مجھے بہت خوشی ہوئی آپ کو دیکھ کے۔ میں نے آپ کی تمام کتابیں پڑھ رکھی ہیں اور کوشش کرتی ہوں کہ آپ کا شو بھی

با قاعدگی سے دیکھا کروں۔ مجھے معلوم ہوتا آپ آرہے ہیں تو میں آپ کی بک لے آتی آٹوگراف کے لیے۔'' وہ اسے دیکھ کے جیسے بہت خوش ہوئی تھی۔

''ارے نہیں۔ یہ آپ کی پارٹی ہے۔ آج کی سلیبریٹی آپ ہیں۔'' ایڈم نے مصنوعی عاجزی سے سر کو خم دیا۔

''اچھا آپ آگے آئیں نا۔ میں آپ کو اپنا کام دکھاتی ہوں۔''

''میں دراصل اپنی پلس ون کا انتظار کر رہا ہوں جو ابھی تک نہیں پہنچیں۔'' اس نے کہنے کے ساتھ متلاشی نظروں سے داخلی گزرگاہ کو دیکھا۔ ییشا مسکرا کے آگے بڑھنے لگی تو وہ جلدی سے بولا۔

''مسز ییشا.... کیا ہم پہلے مل چکے ہیں؟''

''میں اور آپ؟'' وہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔ ''نہیں تو۔''

''آر یو شیور؟ کیونکہ میری ایک دفعہ کچھ مہینوں کے لیے یادداشت کھو گئی تھی۔ ۲۰۱۶ کی بات ہے۔ کیا ہم کبھی اس دوران ملے تھے؟''

''نہیں۔ ۲۰۱۶ میں تو میں امریکہ میں ہوتی تھی۔ اور اگر میں آپ سے ملی ہوتی تو مجھے ضرور یاد ہوتا۔ سلیبریٹی سے ملاقات کی تمام جزئیات انسان کو یاد ہوتی ہیں۔''

''اور تالیہ مراد..... آپ ان سے ملی ہیں کبھی؟''

''تالیہ مراد؟ نہیں۔'' اس نے الجھن سے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ پھر ایڈم کے پیچھے کسی کو دیکھ کے آنکھیں تعجب سے پھیلیں۔ ''اوہ۔ تالیہ مراد آپ کی پلس ون ہیں۔''

ایڈم مڑا تو دیکھا' وہ سامنے سے چلی آرہی تھی۔ اس نے سادہ سیاہ میکسی پہن رکھی تھی جو پاؤں کو چھوتی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے اور کانوں سے سرخ موتی لٹک رہے تھے۔ ہاتھ میں سرخ کلچ تھا۔ ایڈم کو دیکھ کے وہ مسکرائی اور اس طرف چلی آئی۔

''تالیہ مراد....'' ییشا نے ابرو اچکا کے گہری سانس لی۔ ''خوشی ہوئی آپ کو دیکھ کے۔''

تالیہ ایڈم کے قریب آئی۔ اسے سلام کیا۔ تاخیر کے لیے معذرت کی۔ پھر ییشا کو دیکھا تو لاعلمی سے ایڈم کو اشارہ کیا جیسے کہہ رہی ہو یہ کون ہے؟ ایڈم اس انداز پہ گڑبڑا گیا۔

''یہ وہ آرٹسٹ جن کی نمائش پہ ہم اس وقت کھڑے ہیں۔''

تالیہ نے لاعلمی سے معذرت کرتے ہوئے کندھے اچکائے۔

''سوری میں آپ سے واقف نہیں تھی۔ اس شہر سے عرصہ دراز سے لاتعلق رہی ہوں سو نئے آرٹسٹس کے بارے میں کوئی خبر نہیں۔ میں آپ کا کام ضرور دیکھوں گی۔''

میشا مسکرا کے اس کا شکریہ ادا کرتی آگے بڑھ گئی۔ تالیہ اسے دور جاتے دیکھتی رہی۔ پھر چہرہ موڑا تو دیکھا' ایڈم اسے پتلیاں سکوڑے گھور رہا تھا۔

''نہ وہ آپ کو جانتی ہے نہ آپ اسے۔ تو آپ نے مجھے کیوں کہا کہ آپ اسے جانتی ہیں؟''

''اور آپ نے میرا یقین کرلیا؟ یاد رہے... میں کون و من ہوں۔'' وہ مسکرا کے گردن موڑ موڑ کے اطراف میں دیکھنے لگی۔ ایڈم نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''میں آپ کو سمجھ نہیں پا رہا۔''

''گڈ۔ اب آپ کی کہانی مزید دلچسپ ہو جائے گی۔'' وہ گردن موڑ کے ایک فوٹو فریم کو دیکھ رہی تھی۔ اس میں ایک خوبصورت سیاہ گھوڑا گھاس چرتا نظر آ رہا تھا۔

''یعنی آپ اس کو نہیں جانتی تھیں۔ آپ نے یہ صرف اس لیے کہا تا کہ میں آپ کو پارٹی میں ساتھ لے جاؤں۔ میں ویسے بھی لے جاتا۔ آپ کو یہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔''

تبھی محفل میں نامحسوس سی ہلچل مچی۔ کچھ لوگ سر جوڑے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہنے لگے۔ تبھی سوٹ والے افراد اندر آئے اور ارد گرد بکھر گئے۔ وہ مختلف آلوں کی مدد سے گیلری کو سوئیپ کر رہے تھے۔ چند لمحے گزرے جب انہوں نے وائرلیس پہ باہر والوں کو کلیئر کی خبر دی۔ ہلچل بڑھ گئی۔ لوگ دروازے سے راستہ چھوڑ کے کھڑے ہو گئے۔

''پتہ ہے میں یہاں کیوں آنا چاہتی تھی؟'' وہ دونوں ہجوم سے ہٹ کے ایک دیوار کے ساتھ کھڑے دروازے کو دیکھ رہے تھے۔ ''کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم پہلی بار ملے تھے۔''

''ہم؟''

''میں' تم' فاتح اور عصرہ۔'' وہ دروازے سے داخل ہوتے فاتح کو دیکھ کے بولی۔ وہ حسب معمول لوگوں میں گھرا مسکرا کے اندر آ رہا تھا۔ اشعر اور جولیانہ اس کے ہمراہ تھے۔ میشا ان کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ اسے جولیانہ کے آنے کی بہت خوشی تھی۔

''اسی گیلری میں؟''

''ہاں۔ یہ عصرہ کی گیلری ہوا کرتی تھی۔ گو کہ اس سے دو تین دن پہلے بھی ہم ملے تھے۔ میں' تم' فاتح اور عصرہ۔ تنگو کامل

کے گھر لیکن تب تم لوگ ایک نوکرانی سے مل رہے تھے۔ اصل تالیہ مراد سے نہیں۔ یعنی کہ سوشلائیٹ تالیہ سے نہیں۔ ہماری اصل ملاقات اس گیلری میں ہوئی تھی۔''

''اسی لیے آپ یہاں آنا چاہتی تھیں۔ آپ وان فاتح سے اسی جگہ ملنا چاہتی تھیں جہاں آپ پہلی دفعہ ان سے ملی تھیں۔

''How poetic.

''اب تم تالیہ مراد کو سمجھنے لگے ہو۔''

''امید ہے کہ آپ کی کہانی اس سے زیادہ دلچسپ ثابت ہوگی اور میرا یہ سارا وقت ضائع نہیں جائے گا۔'' وہ بور نظر آتا تھا۔

تالیہ نے پلٹ کے غور سے اسے دیکھا۔ ''میں آپ کا وقت ضائع نہیں کر رہی' ایڈم۔ یا شاید آپ نے ابھی تک میرے خلاف دل سے بغض نہیں نکالا۔''

وہ چونکا۔ ''مجھے آپ سے کس چیز کا بغض ہو سکتا ہے؟''

''میری وجہ سے کچھ کھویا تھا آپ نے.....''

''کیا؟''

اس نے ایڈم کی آنکھوں میں دیکھ کے وقفہ دیا۔ ''آپ کے چوزے.....وہ میری وجہ سے کھوئے تھے نا۔''

ایڈم ہلکا سا ہنس دیا اور گردن موڑ کے اس طرف دیکھنے لگا جہاں فاتح ربن کاٹ رہا تھا۔ کیمروں کے فلیش کی چکا چوند میں وہ مسکراتے ہوئے اب میشا کی فوٹوگرافی پہ تبصرہ بھی کر رہا تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے اس طرف دیکھتے رہے۔

''آپ کی جراءت پہ حیرت ہے۔'' آواز پہ وہ دونوں اپنی ایڑیوں پہ گھومے تو دیکھا۔ سامنے اشعر کھڑا تھا۔ گلاس اٹھائے' طنزیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ زہرخند ہوا۔ ''میرا خیال تھا آپ شرمندگی سے اپنے اپارٹمنٹ سے باہر نہیں نکل پائیں گی۔''

''کیا آپ کو ابھی تک سمجھ نہیں آیا کہ تالیہ کی ہمت کوئی نہیں توڑ سکتا؟'' سیاہ لباس والی لڑکی مسکرائی تو اس کی آنکھوں میں چمک در آئی۔ اشعر نے تحقیر سے اسے دیکھا اور سرگوشی میں بولا۔

''تم میری بہن کی قاتل ہو۔ میں اپنی بہن کا انتقام ضرور لوں گا۔''

''وہ بہن جس کو بدنام کرنے کے لیے جعلی گھائل غزال بھیجی تھی آپ نے اسے؟''

''آہم۔'' ایڈم کھنکھارا۔ ''آپ دونوں ایک ٹرائل میں گواہی دینے جا رہے ہیں۔ آپ کو آپس میں بات نہیں کرنی چاہیے۔''

''کیا اب میں اشعر صاحب کا حال تک نہیں پوچھ سکتی؟''وہ ابرو اچکا کے مسکرائی۔'' آپ کا بازو کیسا ہے۔''

''ویری فنی۔''اشعر نے تنفر سے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گیا۔مشروب کا آخری گھونٹ بھر کے اس نے گلاس پرے رکھا۔ایک نظر دور مہمانوں میں گھرے فاتح اور ریشا کو دیکھا۔پھر اپنے پی ایس کو اشارے سے بلایا۔

''احمد نظام....تالیہ مراد کا وکیل....اس سے میری بات کرواؤ۔اس روز ہماری بات ادھوری رہ گئی تھی۔''وہ زیرِ لب مسکرا کے بولا۔ماورائے عدالت ساز باز میں اپنا ہی لطف تھا۔

کچھ دیر بعد پی ایس اس کے پاس آیا۔''سر....میں نے ان سے بات کی ہے۔وہ کہہ رہے ہیں انہوں نے آپ کو فون نہیں کیا تھا۔''

اشعر محمود ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گیا۔نظریں آہستہ سے تالیہ کی طرف موڑیں۔وہ دور ایڈم کے ساتھ کھڑی اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔سیاہ لباس اور سرخ ائیر رنگز والی لڑکی بالکل مطمئن اور پرسکون نظر آتی تھی۔

(آپ کا بازو کیسا ہے؟) اشعر تیزی سے مڑا اور ریسٹ روم کی طرف بڑھ گیا۔ایک باتھ روم کے اندر آ کے اس نے دروازہ بند کیا اور کوٹ اتار کے اسٹینڈ پہ لٹکایا۔پھر تیزی سے بائیں آستین اوپر چڑھائی۔

بازو پہ سرخ سا نشان نظر آ رہا تھا جو دو تین دن سے اسے بار بار کھجانے پہ مجبور کر دیتا تھا۔جیسے کسی نے بے احتیاطی سے سرنج اندر گھسائی ہو۔

اس نے چہرہ اٹھا کے آئینے میں خود کو دیکھا۔اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔پھر اس نے موبائل نکالا اور وہ ویڈیو کھولی جو اسے ایک پولیس آفیسر نے بھیجی تھی۔انٹیروگیشن روم میں زخمی چہرے والی تالیہ بیٹھی خوف سے کہہ رہی تھی۔

''اغوا کار....میں نے ان کی شکل نہیں دیکھی.....انہوں نے ماسک پہن رکھے تھے.....''

یہ وہ تالیہ نہیں تھی جو ابھی باہر گیلری میں کھڑی تھی۔وہ زخمی چہرہ'وہ اندھیرے سے روشنی میں آنے کا خوف....وہ سب اداکاری تھا۔وہ اغوا والی کہانی'کہانی نہیں تھی۔وہ اسے حقیقت بنا چکی تھی۔

وہ اس روز فاتح سے ملنے نہیں آئی تھی۔وہ اشعر سے ملنے آئی تھی۔سگنلز اسی نے خراب کیے تھے۔کال اسی نے کروائی تھی۔وہ جانتی تھی وہ اس کے پیچھے آئے گا۔اس نے جان بوجھ کے اسے بے ہوش کیا تھا۔تاکہ وہ اس کے اندر کوئی سرنج داخل کر سکے۔لیکن تالیہ اس کو کس چیز کا انجیکشن لگائے گی؟

اس نے الجھ کے بازو کے نشان کو دیکھا۔باقی ہر شے سمجھ آتی تھی۔وہ گرفتار ہونے آئی تھی۔اس نے جان بوجھ کے اشعر سے ہاتھا پائی کی تھی تاکہ وہ پولیس کو زخمی حالت میں ملے اور اس کی اغوا والی کہانی ٹھوس لگے۔لیکن اغوا والی کہانی تو تب ثابت

ہو گی جب پولیس کو وہ کنٹینر ملتا اور.....

اشعر نے چونک کے بازو کے نشان کو دیکھا۔ تالیہ نے اسے انجیکشن نہیں لگایا تھا۔ اس نے اشعر کا خون نکالا تھا۔ اس کے پاس ایک بیگ تھا۔ گرفتاری کے وقت اس کے پاس سے کوئی بیگ نہیں ملا تھا۔ اس نے راستے میں ایک ٹیکسی بدلی تھی۔ وہ ٹیکسی یقیناً اس کے کسی سہولت کار کی تھی۔ اس نے بیگ اس کی کار میں چھوڑ دیا ہو گا۔ اور اس بیگ میں کیا ہو گا؟

اس نے کرب سے آنکھیں میچیں۔ اشعر کے فنگر پرنٹس اور خون لگی چیزیں۔ اور یقیناً بہت جلد پولیس کو ایسا کنٹینر مل جائے گا جس میں وہ چیزیں موجود ہوں گی۔

☆☆==========☆☆

پولیش کمشنر اپنے آفس میں بیٹھا فائلز دیکھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ چائے کے مگ سے گھونٹ بھر رہا تھا جب دروازہ کھٹکھٹا کے اس کا ماتحت اندر داخل ہوا۔ کمشنر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''پھر؟''

ماتحت نے آستینیں چڑھا رکھی تھیں اور ٹشو سے پیشانی کا پسینہ صاف کر رہا تھا۔

''آپ یقین نہیں کریں گے۔''

''میں کر لوں گا۔ تالیہ مراد سچ کہہ رہی تھی نا؟'' وہ سانس روکے اس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کرسی کھینچ کے بیٹھا اور آگے کو جھکے پرجوش آواز میں بتانے لگا۔

''وہ سب سچ کہہ رہی تھی۔ اس کو واقعی اغوا کیا گیا تھا۔ آپ نے دیکھا' وہ روشنی سے اسی لیے خوفزدہ تھی کیونکہ اسے ایک لمبا عرصہ اندھیرے میں رکھا گیا تھا۔ میری ٹیم کو وہ کنٹینر مل گیا ہے اور اس کے وہیکل کا نمبر ۶ ۸ ۷ ۷ ہے۔ وہ آدھا سرخ ہے اور آدھا نیلا۔''

کمشنر نے فائل بند کی اور مسکرا کے آگے ہوا۔ ''لیکن اگر یہ صرف ایک اتفاق ہوا؟''

''اونہوں۔ آگے تو سنیں۔ کنٹینر کے اندر خون کی دھاریں ہیں۔ جیسے کوئی زخمی حالت میں وہاں سے نکلا ہے۔ خون آلود پیپر بھی ہیں۔ ٹوٹی ہوئی ہتھکڑی' خون آلود رسی' چند بال' اور بہت سے فنگر پرنٹس ہمیں ملے ہیں۔ وہاں یقیناً کسی کو اغوا کر کے رکھا گیا تھا۔''

''او کے۔ تمام سیمپلز لیب بھجوا دو اور جیسے ہی ٹیسٹ رپورٹس آئیں' مجھے اطلاع کرو۔ فرانزک سے کہو کہ اس کنٹینر کا اچھی طرح جائزہ لے۔ یہ کیس بہت دلچسپ ہو چکا ہے۔''

''آئی نو سر۔'' وہ جوش سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ کمشنر نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور جھرجھری لی۔

(یعنی وہ لڑکی سچ کہہ رہی تھی؟ بہت دلچسپ۔)

☆☆==========☆☆

آرٹ گیلری میں مہمان اب ٹولیوں کی صورت آگے پیچھے فوٹو فریمز کا جائزہ لیتے نظر آ رہے تھے۔ پس منظر میں دھیمے سروں میں موسیقی بج رہی تھی۔ ڈرنکس اور سوئیٹس سرو کی جا رہی تھیں۔ ایک ویٹر تالیہ اور ایڈم کے قریب ٹرے لے کر آیا تو ایڈم نے سوئیٹ کا ایک ٹکڑا اٹھا لیا۔ تالیہ نے مسکرا کے سر نفی میں ہلا دیا۔ وہ آگے بڑھ گیا۔

اشعر تیز قدموں سے ان کے قریب آیا تو تالیہ نے مصنوعی حیرت سے اس کا غصیلا چہرہ دیکھا۔

''آپ کو کیا ہوا؟''

''تم مجھے اپنے اغوا کے جرم میں فریم کر رہی ہو،ہاں؟'' وہ سرگوشی میں غرایا۔ ''تم اس دن جان بوجھ کے گرفتار ہوئی تھیں۔ تم نے میرے فنگر پرنٹس لیے۔ میرا خون لیا۔ میرا ڈی این اے اب تم کسی کنٹینر پہ ڈال کے مجھے پھنسانا چاہ رہی ہو؟''

''اوہ واؤ۔'' ایڈم نے لب گول کیے چونک کے تالیہ کو دیکھا۔ اس نے مسکرا کے کندھے اچکا دیے۔

''مجھے نہیں پتہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، اشعر صاحب۔''

''جلد ہی پولیس کو کوئی ایسا مشکوک کنٹینر مل جائے گا، میں جانتا ہوں۔'' وہ چبا چبا کے بولا۔ ''لیکن یاد رکھنا، اس طرح کی فریم جابز کامیاب نہیں ہوتیں۔''

''میں نے کہا نا، مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''تالیہ!''

شناسا آواز پہ اسے لگا وہ سانس لینا بھول گئی ہے۔ وہ چونک کے مڑی۔ وان فاتح سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ تعجب تھا۔ خوشی تھی۔ پیچھے دو گارڈز بھی تھے۔ اشعر تن فن کرتا وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ اب اشعر کی طرف متوجہ بھی نہیں تھی۔

فاتح اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ دم سادھے اسے دیکھے گئی۔

''تالیہ.... کیسی ہو؟'' وہ نرم مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔ چھ سال.... یا چھ دن.... درمیان سے وقت کے سارے حساب کتاب غائب ہو گئے تھے۔

اس کے لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''اچھی ہوں۔ وقت میرے ساتھ بہت مہربان رہا ہے۔ اور آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں' تالیہ۔ میں بہت سوں سے بہتر ہوں۔'' مسکرا کے ہلکے سے شانے اچکائے۔ وہ اس سے نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔ اور ان نظروں میں اپنائیت تھی' محبت تھی' مسکراہٹ تھی۔ وہاں کوئی گلہ' کوئی سوال' کچھ نہ تھا۔

ایڈم گلاس سے گھونٹ بھرتا وہاں سے ہٹ گیا۔ لوگ مڑ مڑ کے ان کو دیکھنے لگے۔ گارڈز فاتح کے پیچھے آ کھڑے ہوئے اور کسی کو بھی اس طرف آنے سے روکنے لگے۔

ایک دفعہ پھر بھری محفل میں وہ تنہا تھے۔

''لانگ ٹائم۔'' وہ اس کو دیکھ کے مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

''اچھا؟ میرے لیے جیسے کل کی ہی بات تھی۔'' وہ زخمی سا ہنسی۔ سفید دیواروں پہ لگے سارے سیاہ گھوڑے اپنی گہری آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھنے لگے۔ ارد گرد کی تمام آوازیں بند ہو چکی تھیں۔

''تمہیں یاد ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم پہلی دفعہ ملے تھے۔ ہم سب۔''

''آپ کو بھی یاد ہے؟'' اسے حیرت ہوئی۔ کبھی اس کے بھولنے پہ حیرت ہوتی تھی۔ آج اس کے یاد رہ جانے پہ حیرت ہوئی تھی۔

''ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا تم یہاں آئی ہو گی۔ اب میرے جانے کا وقت ہے۔'' فاتح نے کلائی کی گھڑی دیکھی اور پھر اسی بشاشیت سے تالیہ کو دیکھا۔ ''میں کل صبح تمہارا انتظار کروں گا۔ تم آ رہی ہو نا؟''

اس شخص کو کون انکار کر سکتا تھا۔ تالیہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی پلٹ گیا۔ اس کی خوشبو اور مقناطیسیت کا ہالہ اس کے ساتھ ہی دور ہوتا گیا۔

فسوں ٹوٹا تو تالیہ نے چونک کے ادھر ادھر دیکھا۔ ایڈم قریب ہی کھڑا تھا۔ مسکرا کے قریب آیا اور سرگوشی میں بولا۔

''آپ کی پی ایم سے باتیں کرنے کی تصاویر جو ایک گھنٹے کے اندر اندر سوشل میڈیا پہ آنے والی ہیں یا تو آپ کا کیس خراب کریں گی یا.....''

''اٹس او کے' ایڈم۔'' وہ مسکرا دی۔ ''تالیہ اب کسی چیز سے نہیں ڈرتی۔'' اور کندھے اچکا دیے۔ دور کھڑا اشعر ابھی تک ان دونوں کو گھور رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

نمائش کے اختتام کے تین گھنٹے بعد..... کوالالمپور کے ایک پوش علاقے میں بنے بنگلے کے باہر پولیس کی تین گاڑیاں کھڑی

تھیں۔ بنگلے کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے نظر آرہے تھے اور دیواروں پہ سرخ پینٹ سے نازیبا کلمات لکھے دکھائی دے رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کسی نے بنگلے پہ بری طرح حملہ کیا تھا۔ کہیں کہیں گولیوں کے راؤنڈز اور شیل بھی بکھرے تھے۔ پولیس اہلکار ہر جگہ بکھرے' ان چیزوں کو اکٹھا کررہے تھے اور متاثرہ حصوں کی تصاویر لے رہے تھے۔

اندر لاؤنج میں توڑپھوڑ کے آثار واضح نظر آتے تھے۔ فرنیچر ادھر ادھر بکھرا تھا۔ ڈیکوریشن پیسز ٹوٹے پڑے تھے۔ پینٹنگز پھٹی ہوئی نیچے پھینکی گئی تھیں۔

بڑے صوفے پہ ایک تیرہ چودہ سالہ لڑکی میشا سے لگ کے بیٹھی تھی۔ میشا شال لپیٹے' سرخ ناک اور گیلی آنکھوں سے سامنے بیٹھے تفتیشی افسر کو بتا رہی تھی۔

''میں نمائش سے گھر آئی تو سب کچھ اسی طرح پڑا تھا۔ میری پینٹنگز بھی پھاڑ دیں اس نے۔ میرے کمرے کے لاکر سے کیش بھی غائب ہے۔'' اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی اور وہ خود کو کمپوز رکھنے کی کوشش میں بری طرح ناکام نظر آتی تھی۔ سارا مسکارا بہہ گیا تھا۔ جیولری تک اتارنے کا وقت نہیں ملا تھا۔

''مسز میشا.....آپ کو کس پہ شک ہے؟''

اس نے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''پتہ نہیں۔'' اور نظریں جھکا دیں۔

''ماما'' نوعمر لڑکی نے شکایتی انداز میں اسے جھنجھوڑا۔

''آپ بنا کسی ڈر اور خوف کے بتائیں۔ ہم اس کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دلوائیں گے' مسز میشا۔''

''مجھے نہیں معلوم۔ میری کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔'' وہ جھلا کے بے بسی سے بولی۔

تھوڑی دیر بعد تفتیشی افسر اٹھ کے گیا تو میشا نے فون نکالا۔ پھر آنسو پونچھتے ہوئے ایک چیٹ کھولی جس پہ لکھا تھا ''پی ایم فاتح رامزل''۔ اس نے کپکپاتی انگلیوں سے میسج ٹائپ کرنا شروع کیا۔

''کیا آپ کی مدد کی آفر ابھی تک برقرار ہے' داتو سری؟''

پیغام بھیج کے اس نے سر گھٹنوں میں جھکا دیا۔ آنسو اب بھی گرتے جا رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

پتراجایا پہ سرما کی چمکیلی سی صبح بہت سی تازگی لیے آئی تھی۔ آج منہ اندھیرے سے ہلکی ہلکی بارش شروع ہوئی تھی جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اکثر لوگ آج گھروں میں دبکے تھے۔ کام پہ تاخیر سے جانے کا ارادہ تھا۔

سری پردھانہ کی اونچی کھڑکیوں سے محل کے وسیع و عریض سبزہ زار بارش میں بھیگتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ایک

راہداری میں کھڑی ' ایک کھڑکی کے شیشے پہ لڑھکتے قطرے دیکھ رہی تھی۔

فاتح کا پی ایس اپنے ڈیسک پہ بیٹھا اس خاص مہمان کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جب سے آئی تھی' کھڑکی کنارے کھڑی تھی۔ یہاں سے باہر کا گھاس بھیگتا دکھائی دے رہا تھا۔ سفید کوٹ اور اسکرٹ پہنے' کندھوں تک آتے سیاہ بال کھلے چھوڑے' اس نے کانوں میں سفید موتی پہن رکھے تھے۔ وہ یہاں کھڑی کوئی سفید مورت لگتی تھی۔

''آپ اندر جاسکتی ہیں۔'' پی ایس نے کھنکھار کے تالیہ کو اطلاع دی تو وہ دھیرے سے پلٹی اور لکڑی کے اونچے دروازوں کی جانب بڑھ گئی۔

وہ پہلی دفعہ سری پردھانہ آنے والوں سے مختلف تھی۔ پی ایس اس کو صرف خبروں اور ٹی وی کی حد تک جانتا تھا۔ پھر بھی اسے دیکھ کے عجیب سا احساس ہوا تھا۔ لوگ سری پردھانہ میں پہلی دفعہ آکے رعب کا شکار' مسحور نظر آتے تھے۔ البتہ وہ جس اٹھی گردن کے ساتھ آئی تھی' اسی اٹھی گردن کے ساتھ اندر چلی گئی۔

ایسے جیسے وہ اس سے بڑے محل دیکھ چکی ہو۔ جیسے وہ ایسے ہی محلوں میں بڑی ہوئی ہو۔

دروازے سے پردھان منتری کی کرسی کا فاصلہ چند گز تھا۔ تالیہ نے اندر قدم رکھا تو فاتح بے اختیار اپنی کرسی سے اٹھا۔

''ویلکم بیک۔'' وہ مسکرا کے بولا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ تالیہ نے قدم اس کی طرف بڑھائے۔ ہر قدم کے ساتھ زمین جیسے لپیٹی جارہی تھی۔ ماضی ایک فلم کی طرح نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔

تنگو کامل کی نوکرانی بن کے اس نے فاتح کو پہلی دفعہ جوس پیش کیا تھا۔ ایک قدم......

عصرہ کی گیلری میں وہ سنہرے بالوں والی لڑکی اس سے ملی تو اس نے اسے تاشہ کہہ کے پکارا....

چار قدم......

وہ عصرہ اور راشعر کے ساتھ ان کی ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھی گھائل غزال کی اصلیت نہ بتا سکی تھی۔

وہ سن باؤ کے گھر کی زیرزمین سیڑھیوں کے نیچے کھڑی تھی جب اس نے ایڈم اور فاتح کو ایک ساتھ نیچے آتے دیکھا۔

پانچ قدم۔

وہ تینوں آگے پیچھے جنگل میں چل رہے تھے.....چھ قدم......

وہ جیا میں کھڑا چائے پیالیوں میں ڈال رہا تھا.....وہ شہزادیوں کا تاج پہنے بگھی سے اتر رہی تھی......

سات قدم......

وہ قید میں زخمی حالت میں پڑا تھا اور وہ اس کے گال کے زخم پہ مرہم رکھ رہی تھی۔

آٹھ قدم......

وہ اسے بھول چکا تھا اور وہ اس کی چیف آف اسٹاف بنی اس کے لیے کافی کے مگ بھاگتی ہوئی لا رہی تھی۔

نو قدم.....

وہ اس کے آفس میں کھڑی اسے بتا رہی تھی کہ وہ استعفیٰ دے رہی ہے کیونکہ وہ دوسرے سیاستدانوں جیسا نکلا ہے.....

وہ دونوں یان سوفو کے کنویں پہ بیٹھے تھے اور اس نے بالوں میں پھول اٹکا رکھا تھا.....

دس قدم.....

وہ الاؤ کے پاس بیٹھے تھے.....اس قدیم قلعے میں.....اور وہ دیوار پہ وہ نظم لکھ رہی تھی.....

گیارہ قدم.....

اور وہ اس کے سامنے تھا۔ فاصلے ختم ہو چکے تھے۔

''بیٹھو۔''

وہ کرسی کھینچ کے بیٹھی۔ سارے ماہ و سال کہیں گم ہو گئے۔ فضا میں عجیب سا سحر بکھر گیا۔

''تم کیسی ہو؟'' وہ آگے کو جھکے اس کی آنکھوں میں جھانک کے پوچھ رہا تھا۔ تالیہ نے ابرو اٹھائی۔

''میرا خیال تھا آپ پوچھیں گے کہ تم کہاں تھیں؟'' اس کی آنکھوں میں نمی در آئی۔

''کیا مجھے پوچھنا چاہیے؟''

''ہاں۔ میرا خیال تھا کہ آپ مجھ سے جواب مانگیں گے کہ میں آپ کو چھوڑ کے کیوں چلی گئی؟ کیا میں اپنے بابا کے پاس رک گئی؟ کیا آپ کو اور ایڈم کو بھیج کے میں نے ایک اور کون گیم کھیلا؟ کیا میں نے آپ کو دھوکہ دیا؟ مگر آپ....'' اس کی آنکھوں میں تعجب تھا۔ ''آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں؟ میں چھ سال تک دور رہی.....اور آپ نے جواب نہیں مانگا۔ نہ کل۔ نہ آج؟''

وہ مسکرا کے اٹھا اور پیچھے کھڑکی کے ساتھ رکھے اسٹینڈ تک گیا۔ کھڑکی پوری دیوار جتنی اونچی تھی۔ اس کے پردے کھلے تھے اور اس کے پار بارش میں بھیگتا سبزہ زار دکھائی دے رہا تھا۔

وہ تالیہ کی طرف پشت کیے بوتل سے پانی چائے کی برقی کیتلی میں انڈیلنے لگا۔

''مجھے نہیں معلوم اس روز تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا' تالیہ۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔ میں نے سنا

کہ ایڈم تمہیں پکار رہا ہے کہ نیچے آؤ۔ لیکن جب میں نے پلٹ کے دیکھا تو ایڈم حیرت سے پیچھے دیکھ رہا تھا جہاں صرف اندھیرا تھا۔ ہم دونوں پیچھے کو پلٹے لیکن دروازہ ایک سیاہ دیوار میں بدل چکا تھا۔ پیچھے کا راستہ ختم ہو چکا تھا۔ میں واپس مڑا تو دیکھا' سامنے ایک اور دروازہ تھا۔ نہ اس دفعہ کوئی دریا تھا' نہ کوئی بارش۔ وہ چابی جو یان سوفو نے بنائی تھی' وہ عجیب سی تھی۔ میں نے آگے کا دروازہ کھولا تو ہم جونکر اسٹریٹ پہ نکل آئے تھے۔ تم ہماری ساتھ نہیں تھیں اور میں زخمی تھا۔''

وہ گردن جھکائے اب کیتلی پہ ٹائمر سیٹ کر رہا تھا۔ بٹن دبا کے وہ اس کی طرف مڑا اور اسٹینڈ سے ٹیک لگائے' ہتھیلیاں دونوں اطراف میں میز پہ جمائے' اس کو دیکھ کے کہنے لگا۔

''میں زیادہ دیر ہوش میں نہیں رہ سکا تھا۔ ایڈم کہاں گیا' مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن جب میں ہسپتال میں جاگا تو اشعر میرے ساتھ تھا۔ میں نے تمہارے بارے میں دریافت کیا لیکن کسی نے تمہیں نہیں دیکھا تھا۔ ایڈم کے بارے میں سنا کہ وہ ٹراما سینٹر میں ہے۔ اس کی یادداشت کھوگئی ہے۔ میں ایک دو دفعہ اس سے ملنے گیا لیکن وہ مجھے نہیں پہچانتا تھا۔ اس کا ذہن اس دن تک واپس چلا گیا تھا جب وہ میرا باڈی گارڈ بنا تھا۔ میں نے اسے زیادہ تنگ نہیں کیا اور واپس اپنی زندگی میں چلا گیا۔''

''آپ نے استعفیٰ واپس لے لیا؟'' اس نے آنسوؤں کا گولہ بدقت نگلا۔

''ہاں۔ لیکن میں ہر چیز سے بددل ہو گیا تھا۔ چند ماہ تک ہر روز سونے سے پہلے میں سوچا کرتا تھا کہ تالیہ نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کیوں واپس نہیں آئی؟ کیا اس نے یہ جان بوجھ کے کیا؟''

کیتلی کی گھنٹی بجی تو وہ مڑا اور کیبنٹ سے دو مگ نکال کے رکھے۔ پھر کیتلی اٹھائی۔ اس کے اندر پانی گرم پا بلی ابل رہا تھا اور کھڑکی کے باہر ٹھنڈا پانی برس رہا تھا۔

''میں نے ذوالکفلی کو ڈھونڈنا چاہا۔ وہ نہیں ملا۔ میں نے شکار بازوں کو تلاشا۔ شاید کوئی تمہیں اس دنیا سے واپس لے آئے۔ میرا خیال تھا تم وہاں پھنس گئی تھی۔ چند ماہ تک میں خود فراموشی کی حالت میں رہا۔ میرا کیریئر متاثر ہوا۔ دوسرے لوگ میری کرسی پہ نظر رکھنے لگے۔ تب مجھے تم سے گلے بھی تھے اور شکایات بھی۔ تب تم واپس آ جاتیں تو شاید میں حساب مانگتا۔''

وہ اب گرم ابلتی دھار مگ میں انڈیل رہا تھا۔ گردن جھکی تھی اور الفاظ ٹھہر ٹھہر کے لبوں سے نکل رہے تھے۔

''لیکن تالیہ..... انسان کو معلوم بھی نہیں ہوتا اور ایک روز وہ نیند سے جاگتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ اس نے اپنے دکھ کو ہرا دیا ہے۔ وہ غم اس کے دل کو اب نہیں کاٹ رہا۔ انسان نیند سے جاگتا ہے اور اسے ایک دم سے اس کا کلوژر closure مل جاتا ہے۔ غم کو کنارہ مل جاتا ہے۔'' اس نے ٹی بیگ کپ میں ڈالا۔ پانی کا رنگ تیزی سے سنہرا ہونے لگا۔

''میں ایک صبح اٹھا اور مجھے احساس ہوا کہ تم نے وہ جان بوجھ کے نہیں کیا تھا۔ میں تمہیں جانتا تھا۔ تم کسی مسئلے میں گرفتار

ہوگئی ہوگی۔ تمہارے بابا کی کوئی سازش۔ کوئی وقت کا چکر۔ یہ قسمت تھی اور مجھے اسے قبول کرنا تھا۔''

دوسرے مگ میں اس نے چائے ڈال کے کیتلی رکھی۔ پھر چینی کے کیوبز دونوں مگز میں ڈالے۔ پھر انہیں اٹھائے اس کے سامنے آیا۔ اس کا مگ رکھا اور اپنا لیے واپس اپنی کرسی پہ بیٹھا۔

''ان چھ سالوں میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب مجھے تمہارا خیال نہ آیا ہو۔ اور میں ہمیشہ تمہاری خیریت کا سوچتا تھا۔ تم اس دنیا میں ہو یا اس دنیا میں.... میری دعا تھی کہ تم ٹھیک رہو۔ کل تم سے ملنے سے پہلے تک میرے ذہن میں واقعی سوالات تھے لیکن اب نہیں ہیں۔''

''کیوں؟ کل مجھے دیکھ کے کیا لگا آپ کو؟''

دونوں مگ میز پہ یوں رکھے تھے کہ ان کی اڑتی بھاپ ان دونوں کے درمیان بار بار حائل ہو جاتی تھی۔ وہ اس سوال پہ مسکرا دیا۔

''میں نے پچھلے چھ سال تمہاری ہر بات پہ غور کیا ہے۔ ہر کونہ ہر حرکت جو تم نے میرے سامنے کی یہاں تک کہ مجھے تمہارے چہرے کا ایک ایک تاثر یاد ہوتا گیا۔ تالیہ کب خوش ہوتی ہے۔ تالیہ کب خوشی ظاہر نہیں کرتی۔ کب وہ کامیاب ہوتی اور کب بے بس۔ تالیہ کی cryptic باتوں کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ مجھے لگتا ہے میں نے تمہاری غیر موجودگی میں تمہیں زیادہ اچھے سے پڑھ لیا ہے۔''

''اور؟'' اس نے سنجیدگی سے ابرو اٹھایا۔

''اور کل تمہیں دیکھ کے مجھے اندازہ ہو گیا کہ تم خوش ہو۔'' اس نے مگ لبوں سے لگاتے ہوئے مسکرا کے کہا۔

''میرے اوپر ایک مرڈر ٹرائل چل رہا ہے۔ میں تھانے میں ایک دن گزار کے آئی ہوں۔ مجھے سارا ملک مجرم سمجھ رہا ہے۔ میری زندگی کے چھ سال کھو گئے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں خوش ہوں؟''

''ہاں۔ جب تم نے کہا وقت تم پہ مہربان رہا ہے تو میں سمجھ گیا تھا کہ تمہیں کچھ مل گیا ہے۔ کوئی ایسی خوشی جو تم شیئر نہیں کر سکتیں۔ لیکن وہ تمہارے انگ انگ سے پھوٹ رہی ہے۔'' وہ ٹیک لگائے گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے اسے دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ ''اور میں نے تمہاری انٹیروگیشن کی ویڈیو بھی دیکھی تھی۔ وہ سب ایک ایکٹ تھا۔ مجھے پتہ ہے۔''

''واؤ۔'' وہ مسکرا دی۔ ''آپ جانتے ہیں اس رات کیا ہوا تھا؟''

''میں سننا چاہوں گا۔''

''وقت نے میرے ساتھ چال چلی۔ میں دروازے میں دیر سے داخل ہوئی۔ شاید چھ سیکنڈ دیر سے۔ اور جب میں باہر

جونکر اسٹریٹ پہ نکلی تو چھ برس گزر چکے تھے۔"

"اوہ۔" اس کے لب تعجب سے سکڑے۔

"آپ لوگوں نے ایک زمانہ میرے بغیر گزار لیا۔ لیکن میں؟ میرے چھ سال کھو گئے۔ اور اب وقت کو واپس جگہ پہ لانے کا کوئی طریقہ میرے پاس نہیں بچا۔ میں آج بھی وہیں کھڑی ہوں۔ مجھے ابھی عصرہ کے قتل کا الزام ہٹانے کے لیے ایک لمبی لڑائی لڑنی ہے۔"

"میں نہیں جانتا مجھے کیا کہنا چاہیے۔ لیکن میں نے تمہیں مس کیا تالیہ۔ بہت زیادہ۔"

وہ زخمی سا مسکرا دی۔ "میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی کیونکہ کوئی چھ دنوں میں کسی کو کتنا مس کر سکتا ہے؟"

"مگر تم خوش ہو۔ کیوں؟" فاتح نے گھونٹ بھر کے مگ میز پہ رکھ دیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ کھڑکی کے باہر برستی بارش اب تھمنے کو تھی۔

"آپ واقعی مجھے جانتے ہیں۔" وہ دھیرے سے ہنس دی تھی۔ "میں واقعی خوش ہوں' فاتح۔ مجھے بالآخر وہ مل گیا ہے جس کی مجھے عرصے سے تلاش تھی۔"

"تمہاری بے گناہی کا ثبوت؟"

"اونہوں۔ ابھی تک میرے پاس کوئی خاص ثبوت نہیں ہے۔ لیکن میرے پاس کچھ اور ہے۔" وہ مبہم سا مسکرا کے کہتی اٹھی۔ "میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ ہم ملتے رہیں گے۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ آپ اتنے عرصے بعد بھی نہیں بدلے۔ آپ آج بھی مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"اور میں خوش ہوں کیونکہ تم خوش ہو۔ میں ریلیف محسوس کر رہا ہوں۔ تمہیں اس اطمینان اور بہادری کے ساتھ ان الزامات کا مقابلہ کرتے دیکھ کر۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں تمہیں اس معاملے سے نکال لوں گا۔ لیکن اب مجھے نہیں لگتا کہ تالیہ مراد کو میری مدد کی ضرورت ہے۔"

"جو مجھے آتا ہے وہ میری جان ہمیشہ بچاتا رہے گا۔" اس نے سر کو تعظیماً جھکایا۔ پھر اطراف میں اس پرتعیش آفس کو دیکھا۔

"یہ عہدہ پا کے کیسا لگتا ہے' فاتح؟ سوری میں آپ کو داتو سری' تو انکو یا یا تنگ دی امان بر حرمت وغیرہ نہیں کہہ سکوں گی۔"

"میں مائنڈ نہیں کروں گا۔" اس نے کندھے جھٹکاتے ہوئے ہنکارا بھرا۔ "اور یہ گفتگو کسی اور وقت کے لیے سہی۔ لیکن کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گی کہ تم خوش کیوں ہو؟"

"آپ جان جائیں گے۔" وہ مبہم سا مسکرا کے کہتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ نہ کوئی گلہ' نہ قسمت کی ستم ظریفی کا

تذکرہ۔ وہ چھے دن بعد ملے تھے۔ اور وہ ویسا ہی تھا۔

وہ چھے سال بعد ملے تھے۔ اور وہ ویسے ہی تھی۔

ایک دفعہ پھر دونوں نے ایک دوسرے کی زندگی میں اپنی موجودگی کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا۔ ایک دفعہ پھر وہ مشکل گفتگو ان کے درمیان آڑے آ گئی تھی۔

وہ ان اونچے دروازوں سے نکلی تو ہال کے پار دروازے کے سامنے اشعر محمود کھڑا تھا۔ تھری پیس میں نک سک سے تیار، وہ تندی سے اسے گھورے جا رہا تھا۔ اسے دیکھ کے تالیہ کھلے دل سے مسکرائی اور اس کی طرف آئی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' وہ ماتھے پہ شکنیں ڈال کے بولا۔

''مجھے پردھان منتری نے بلایا تھا۔ آپ کو اعتراض ہے کیا، ایش؟'' ابرو اٹھا کے پوچھا۔

اشعر نے ایک کامن روم کی طرف اشارہ کیا اور خود اس طرف بڑھ گیا۔ وہ پیچھے آئی۔ اندر آ کے اس نے دروازہ بند کیا اور اس کی طرف گھوما۔

''میں نے سنا ہے پولیس کو ایک کنٹینر ملا ہے۔ اور فنگر پرنٹس وغیرہ بھی۔ ان کا میچ ڈھونڈا جا رہا ہے۔'' وہ دبی آواز میں غرایا۔ تالیہ نے مسکرا کے شانے اچکائے۔

''میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میں نے اپنے ماسک پہنے اغوا کار کو زخمی کیا تھا اور اس نے مجھے۔ معلوم نہیں ماسک کے پیچھے کون تھا لیکن پولیس یہ ضرور دیکھے گی کہ کس کی ناک پہ زخم کا نشان ہے۔'' اس نے اشعر کی ناک کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ پلیز۔'' وہ غصے سے بولا۔ ''تم نے مجھے فریم کرنے کے لیے بہت ہی ظاہری ثبوت چھوڑے ہیں۔ اگر میں اغوا کار ہوتا تو اس کنٹینر کو صاف کیوں نہ کرتا؟ سارے ثبوت وہیں کیوں چھوڑ دیتا؟''

''جیسے میں عصرہ کی قاتل ہوتی تو اپنے ہی کارڈ سے کیک کیوں آرڈر کرتی؟''

اشعر ایک دم بالکل لاجواب ہو گیا۔

''یہی مسئلہ ہے حقیقی دنیا کی پولیس کا، اشعر۔ وہ صرف ظاہری ثبوتوں کا پیچھا کرتی ہے۔ اگر آپ کے فنگر پرنٹس اس کنٹینر پہ مل گئے نا، اشعر.... تو آپ بڑی مشکل میں پھنسنے جا رہے ہیں۔''

''تم۔'' مارے ضبط کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''تم اچھی طرح جانتی ہو میں نے تمہیں اغوا نہیں کیا تھا۔ پھر تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟''

''اور آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ عصرہ کا قتل میں نے نہیں کیا تھا۔ میں بے قصور تھی۔ میں اتنے بے وقوفانہ ثبوت

کیسے چھوڑ سکتی تھی۔ لیکن مجھ سے تنفر کے باعث آپ نے سب سے پہلے مجھے الزام دیا۔ آپ کی گواہی نے مجھے مفرور ملزم بنایا۔ تو اگر میں ٹرائل کا سامنا کرنے جا رہی ہوں تو میں اکیلی کیوں جاؤں؟ آپ آرام سے کیوں بیٹھیں؟"

"میں اس کیس کو ایک چٹکی میں اپنے اوپر سے ختم کروا دوں گا۔ سمجھیں آپ۔" اس نے چٹکی بجا کے کہا اور مڑ گیا۔

"یعنی ایک دفعہ پھر اشعر محمود خود کو تالیہ کے خلاف اتنا مصروف کر لے گا کہ اسے کچھ اور نظر ہی نہیں آئے گا۔" وہ بڑبڑائی تھی۔

اشعر محمود جاتے جاتے رکا۔ پھر آہستہ سے پلٹا۔

"مصروف؟؟" اسے اتنا معلوم تھا کہ تالیہ بے مصرف کوئی بات نہیں کہا کرتی تھی۔

"ہاں نا۔ مصروف۔ آپ تالیہ مراد کو گرفتار کرنے میں اتنے مصروف تھے کہ نوٹری پبلک یا میوزیم کی طرف سے آنے والی کالز پہ آپ نے توجہ نہیں دی۔"

"کیسی کالز؟"

"یہی تو مسئلہ ہے۔ آپ جیسے لوگ جب حکومت میں آتے ہیں تو ہر دو ماہ بعد اپنا نمبر بدل لیتے ہیں تاکہ عام عوام کی رسائی سے دور ہو جائیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے دھیرے دھیرے کہہ رہی تھی۔ "اس لیے نوٹری والوں کا آپ سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ وہ عصرہ کی وصیت پہ عمل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن چونکہ آپ وصیت کے ایگزیکیوٹر نہیں تھے۔ اس لیے انہوں نے آپ کو زیادہ تنگ نہیں کیا اور وصیت پہ عمل درآمد کروا دیا۔"

"اوہ۔ وہ اینٹیک نوادرات؟" اشعر نے گہری سانس لی۔ "مجھے معلوم ہوا تھا کہ میوزیم وہ آپ کے حوالے کرنے جا رہا ہے۔ پہلی بات' ان کی کوئی خاص ویلیو نہیں ہے۔ دوسری بات' اس وصیت کے خلاف میرا ایک کلیم چٹکی میں (چٹکی بجائی) اس کو منسوخ کروا سکتا ہے۔ وہ اینٹیک میرے خاندان کی ملکیت تھے۔ اور میرے ہی رہیں گے۔"

"وہ اینٹیک جس میوزیم کے پاس امانت تھے' انہوں نے کل وہ مجھے دے دیے تھے کیونکہ وصیت کے مطابق ان پہ میرا حق تھا۔"

"سو؟ میں ابھی عدالت میں کلیم جمع کروا دوں گا اور وہ مجھے واپس مل جائیں گے۔ اگر آپ نے وہ بیچ دیے تو آپ کو ان کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔"

تالیہ لمحے بھر کو چپ ہوئی۔ پھر سر ہلایا۔ "آپ درست کہہ رہے ہیں۔ آپ سول کلیم داخل کرا کے انہیں واپس لے سکتے ہیں۔ جب میں واپس آئی تھی تو سب سے بڑا عذاب مجھے یہ اینٹیک لگے تھے جو عصرہ نے میرے گلے ڈال دیے تھے۔ لیکن

پھر مجھے احمد نظام نے ایسی بات بتائی جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ وقت مجھ پہ بہت مہربان رہا ہے۔"

"کیا؟" وہ پتلیاں سکوڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ کہ ملائیشیا میں سول مقدمے کا ایک statue of limitation ہوتا ہے۔ آپ وکیل ہیں۔ آپ کو یاد ہے کتنی میعاد تک آپ کسی کے خلاف سول مقدمہ دائر کر سکتے ہیں؟"

اشعر محمود کی رنگت ایک دم سفید پڑی۔ اس نے تیزی سے سیل فون نکالا۔ مگر وہ مسکرا کے کہے جا رہی تھی۔

"میں نے احمد نظام سے پوچھا کہ چھے سال میں کیا بدل جاتا ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ آپ ملائیشیا میں پورے چھے سال تک سول مقدمہ دائر کر سکتے ہیں۔ اگر کسی معاملے کو چھے سال گزر چکے ہوں تو آپ مقدمہ نہیں دائر کر سکتے۔ اب آپ کے سول کلیم کی میعاد ختم ہو چکی ہے۔ عدالت آج وہ نوادرات مجھے دے دے گی اور آپ کچھ نہیں کر سکتے۔" پھر وہ رکی اور محظوظ انداز میں اضافہ کیا۔

"جب عصرہ نے ان کو میرے نام لگایا تھا تو ان کو نہیں معلوم تھا کہ یہ نوادرات جن اصل شہ پاروں کا حصہ ہیں، وہ صدیوں سے زمین میں دفن ہیں۔ اس وقت ان کی کوئی ویلیو نہیں تھی۔ لیکن چند ماہ پہلے ہانگ کانگ میں کھدائی کے دوران ملاکہ کی تہذیب کے چند ایسے نوادرات ملے تھے جنہوں نے عصرہ کے ان بے کار، نامکمل ٹکڑوں کی اہمیت آسمان پہ پہنچا دی ہے۔ لیکن آپ کو علم کیوں نہ ہو سکا؟"

اشعر بس ششدر سا اسے سنے جا رہا تھا۔

"تین باتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو میوزیم کے کیوریٹرز نے یہ بات آپ سے چھپائی کیونکہ وہ انہیں اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔ یا آپ اپنی سیاست میں اتنے مصروف رہے کہ آپ کو معلوم نہیں ہو سکا کہ غیر ملکی کلیکٹر ان نوادرات کی قیمت کئی ملین ڈالرز تک پہنچا چکے ہیں۔ یا آپ کو ان کی اصل قیمت معلوم تھی لیکن آپ انہیں فاتح کی فیملی کو نہیں دینا چاہتے تھے ورنہ کب کا کلیم داخل کروا چکے ہوتے۔ لیکن مجھے....." دھیرے سے اپنے سینے پہ انگلی سے دستک دی۔

"مجھے آرٹ کی پہچان بھی ہے.....اور میرے آرٹ کی دنیا سے روابط بھی ہیں۔ وہ نوادرات اب صرف میرے ہیں۔ "وقت" کو معلوم تھا کہ ان کی تب اہمیت نہیں ہے۔ "وقت" نے ان کو قیمتی بنایا، اور مجھے اتنی مہلت دی کہ آپ ان کو مجھ سے چھین نہ پائیں۔"

اشعر محمود تیزی سے موبائل پہ نمبر ملا رہا تھا۔ "میں تمہیں دیکھ لوں گا۔ میں سول کلیم داخل کر کے دکھاؤں گا۔"

"یہ کام آپ کو بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔ لیکن آپ نے جان بوجھ کے نہیں کیا۔ میرا خیال ہے آپ کو ان کی اہمیت معلوم

تھی۔آپ صرف انہیں فاتح کے بچوں کو نہیں دینا چاہتے تھے۔''

وہ بکتا جھکتا' فون کان سے لگا تا تیزی سے باہر نکل گیا۔اس کی رنگت سرخ پڑ رہی تھی اور حواس اڑتے جا رہے تھے۔

تالیہ مسکرائی اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

اس کو بالآخر وہ خزانہ مل چکا تھا جس کی اسے برسوں سے تلاش تھی۔

وقت اس پہ بہت مہربان رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

جھیل کا پانی سرما کی دھوپ میں چمک رہا تھا۔دو بطخیں سست روی سے تیرتی دکھائی دے رہی تھیں۔گاہے بگاہے وہ اپنے گردنیں پانی میں ڈالتیں' اور پھر سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے اسے باہر نکالتیں۔اردگرد چھینٹے اڑتے جاتے۔البتہ جھیل کنارے رکھا واحد بنچ ان کے چھینٹوں کی پہنچ سے دور تھا۔

بنچ پہ ایڈم بن محمد بیٹھا تھا۔سفید ہائی نیک جرسی پہنے' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے موبائل پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔ایڈم کی پشت پہ تالیہ بنا آواز کے قدم اٹھاتی آئی۔دھیرے سے سفید ہیٹ اتارا اور اس کے ساتھ بنچ پہ رکھا تو وہ چونکا اور پلٹ کے دیکھا۔پھر رسمی سا مسکرایا۔

''آپ کا ٹیکسٹ کافی دلچسپ تھا۔آپ نے لکھا کہ آپ کے ہاتھ خزانہ لگ گیا ہے۔''

''ہوں۔''وہ مبہم سا مسکراتی ہوئی آگے آئی اور اس کے ساتھ بیٹھی۔دونوں کا چہرہ اب جھیل کی طرف تھا اور ان درمیان سفید ہیٹ رکھا تھا۔

''مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آج عصرہ محمود کے وصیت کردہ نوادرات آپ کو تفویض کر دیے گئے ہیں۔''

تالیہ نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔اس کی مسکراتی آنکھوں میں ڈوبتے سورج کا عکس تھا۔

''اپنی معلومات اپ ڈیٹ کر لیں۔میں نوٹری پبلک سے آ رہی ہوں۔نہ صرف نوادرات مجھے مل گئے ہیں بلکہ میں نے انہیں موقع پہ فروخت بھی کر دیا ہے۔''

''اتنی جلدی گاہک کیسے مل گئے آپ کو؟''

''میں اتنے دن سے گاہک ہی تو تلاش کر رہی تھی۔تاکہ وصیت پہ عمل درآمد ہوتے ساتھ ہی سیل مکمل کر دوں۔مجھے میری رقم مل چکی ہے اور نوادرات اپنے نئے مالکوں کے پاس پہنچ چکے ہیں۔اب مجھے ان کے چوری ہونے کا ڈر بھی نہیں ہے۔''

''دلچسپ۔چھ سال کی قانونی میعاد نے آپ کو بچا لیا۔کیا آپ اسی لیے چھ سال بعد آئی ہیں تاکہ آپ ان نوادرات کو

حاصل کر لیں؟'' ایڈم نے نوٹ بک نکالی اور گھٹنے پہ اس کو رکھ کے کچھ لکھنے لگا۔

''میں جانتی تھی آپ یہ سوچیں گے۔ بلکہ عدالت بھی یہ سوچے گی۔ احمد نظام نے بھی یہی کہا تھا لیکن مجھے پرواہ نہیں۔ میں بس یہ چاہتی تھی کہ اشعر محمود کو اس بارے میں کم سے کم معلوم ہو۔ اور ایسا ہی ہوا۔ معلوم ہونے کے باوجود بھی وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا لیکن ایسے مزا نہ آتا۔'' اب وہ مسکرا کے جھیل کے پانی کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا میں اس وقت کوالالمپور کی امیر ترین خواتین میں سے ایک کے ساتھ بیٹھا ہوں؟'' وہ مسکرا کے پوچھنے لگا۔

''میں آج فاتح سے ملی۔'' وہ اس کا سوال نظر انداز کر کے دور تیرتی ہوئی بطخوں کو دیکھ کے بولی۔

''ہوں۔ گڈ۔ اور کیا نتیجہ نکلا اس ملاقات کا؟'' وہ لکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''ان کی زندگی میں میری جگہ نہیں ہے۔'' وہ اداسی سے بولی۔'' حالانکہ وہ میرے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آئے۔ وہ مجھے دیکھ کے خوش بھی ہوئے۔ لیکن ایڈم..... انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا اور اس کی جگہ کسی کی زندگی سے وقت کے ساتھ کتنی آسانی سے ختم ہو جاتی ہے نا۔''

''کیا میں یہ بھی لکھ دوں؟'' اس نے رسمی انداز میں پوچھا۔ وہ چہرہ موڑ کے بس اس کو دیکھنے لگی۔

''آپ ہماری زندگی کا اتنا اہم حصہ تھے اور اب آپ پوچھ رہے ہیں کہ کیا آپ یہ لکھ دیں؟'' اس کے انداز میں گلہ تھا۔ ایڈم نے گہری سانس لی۔

''مس مراد.... میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میری یادداشت میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔'' اس کا چہرہ سپاٹ سا تھا جیسے کسی ایسے اجنبی کا ہوتا ہے جسے کام کے باعث کچھ وقت ایک اجنبی کے ساتھ گزارنا پڑے۔ شائستہ مہذب' پیشہ ورانہ لیکن اجنبی رویہ۔

''اچھا ہوا آپ کو یاد نہیں ہے۔ ورنہ میرے اور آپ کے درمیان ایک تکلیف دہ یاد تھی جس کے بارے میں ہم کبھی بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔''

''اچھا؟ کیسی یاد؟'' اس کے انداز میں معمولی سی دلچسپی در آئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور جھیل ان کے سامنے پرسکون سی بہتی ان کو تک رہی تھی۔ بطخیں اب تیرتی ہوئی دور جا رہی تھیں۔

تالیہ چند لمحے اس کو دیکھتی رہی' پھر مسکرا کے سر جھٹک دیا۔'' کچھ نہیں۔''

''ظاہر ہے اب میں اصرار کروں گا کہ آپ مجھے بتائیں۔''

''میری وجہ سے آپ کے چوزے کھوئے تھے نا۔ آپ مجھے ان کے لیے مورد الزام ٹھہراتے تھے۔'' وہ نم آنکھوں سے مسکرا

کے بولی۔ تو ایڈم نے پتلیاں سکوڑ کے اس کا چہرہ دیکھا۔

"آپ نے یہ بات گھڑی ہے۔ ورنہ میں اپنے چوزوں کی موت پہ یوں کسی کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتا۔" وہ ہلکا سا ہنس کے واپس ڈائری پہ کچھ لکھنے لگا۔

"بس.... یہی چیز.... اسی کا میں انتظار کر رہی تھی۔" وہ تیزی سے اس کی طرف گھومی تو ایڈم نے سوالیہ نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ شہزادی کی مسکراتی آنکھوں میں چمک تھی۔

"کیا؟"

"میں نے کب کہا کہ چوزے مر گئے تھے؟ میں نے کہا کہ وہ کھو گئے تھے۔"

ایڈم کا قلم چلاتا ہاتھ رک گیا۔ وہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگا۔

جھیل کا پانی بھی ساکت ہو گیا اور بطخیں مڑ کے انہیں دیکھنے لگیں۔

"آپ نے خود ہی مجھے اس دن بتایا تھا کہ...." وہ الجھ کے کہنے لگا لیکن تالیہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"بس کرو' ایڈم.... کتنی اداکاری کرو گے؟ مجھے معلوم ہے تمہیں کچھ نہیں بھولا۔"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولی۔ وقت ان کے آس پاس ہی ٹھہر گیا۔

"مجھے پہلے دن' پہلے لمحے سے معلوم ہے کہ تمہیں سب یاد ہے۔ میں نے تمہیں تمہارا وقت دیا۔ اب بس کر دو۔"

ایڈم نے قلم کا ڈھکن چڑھایا' اسے جیب میں رکھا اور نوٹ بک کو پینٹ کی جیب میں ڈالا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ تالیہ نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔

"تم اچھی اداکاری کر لیتے ہو لیکن میں تمہیں جانتی ہوں۔ تم نے بابا سے کہا تھا کہ اب ایڈم بن محمد اپنے لیے جیے گا۔ جب میں نے تمہاری یادداشت کا سنا تو جان گئی کہ تم نے وہ ناٹک اسی لیے رچایا ہے۔ تمہیں دیکھ کے یقین بھی ہو گیا۔" وہ گردن اٹھا کے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ جھیل کو دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں یہ لگتا ہے کہ تم مجھ سے ناراض ہو؟ اسی لیے صرف پروفیشنل وجہ سے میرے ساتھ کام کر رہے ہو؟ تم ناراض ہو کہ میں نے اتنے برس رابطہ کیوں نہیں کیا؟ غلط۔ تم خود سے جھوٹ بول رہے ہو۔ اگر تم مجھ سے ناراض ہوتے تو میری اتنی مدد نہ کرتے۔"

ایڈم نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ اس کی رنگت دہکتی گلابی ہو چکی تھی اور آنکھوں میں سرخی تھی۔

"آپ کیا سمجھتی ہیں؟ آپ اتنے سال بعد کسی کی زندگی میں ایک دفعہ پھر سے وارد ہو جائیں گی اور وہاں آپ کے لیے

جگہ ہو گی؟ سب کچھ پہلے جیسے ہو جائے گا؟ نہیں، چے تالیہ۔ آپ نے پیچھے رہنے کو خود چنا تھا۔ آپ نے مجھے چھوڑ دینے کو خود چنا تھا۔ میری زندگی میں اب آپ کی جگہ نہیں بچی۔'' یہ کہہ کے اس نے قدم آگے بڑھا دیے۔

وہ چپ چاپ اسے دور جھیل کی طرف جاتے دیکھے گئی۔ وہ پانی کے قریب جا کے کھڑا ہو گیا تھا۔ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے وہ اب پانی کے اوپر ڈوبتے سورج کو دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ اسے ایڈم کو پورے دس منٹ کے لیے اکیلا چھوڑنا تھا۔ اس کا غصہ اور شرمندگی دس منٹ میں جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گی۔ وہ جانتی تھی۔

اس نے ہیٹ سر پہ رکھا اور گھڑی کو دیکھتے ہوئے ایک ایک سیکنڈ گننے لگی۔

چھ سال ہوں یا چھ دن' تالیہ مراد ایڈم بن محمد کے ہر انداز سے واقف تھی۔

یہ سارے کون گیمز اسی نے ایڈم کو سکھائے تھے۔ استاد کو کون مات دے سکا ہے بھلا؟

☆☆=========☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ کے مرکزی لاؤنج میں اس وقت ملازموں کی ایسی چہل پہل پھیلی تھی جیسی کسی مہمان کی آمد کے وقت ہوتی ہے۔ کوئی گیسٹ روم سیٹ کرنے جا رہا تھا۔ تو کوئی میشا کے ٹرالی بیگز لیے ایک طرف جا رہا تھا۔

''یہاں آپ بالکل محفوظ ہوں گی۔ کوئی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا' مسز میشا۔''

وسط لاؤنج میں کھڑی جولیانہ بہت اپنائیت سے میشا کا ہاتھ تھامے کہہ رہی تھی۔ میشا اور اس کی بیٹی کے چہرے بجھے بجھے تھے۔ زرد' خوف اور بے یقینی کا شکار چہرے۔

''مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا یوں' جولی۔'' میشا نے لاؤنج کی میز پہ ہینڈ بیگ رکھتے ہوئے یاسیت سے کہا۔ ''ایسے خود کو کسی کے اوپر بوجھ بنانا غیر مناسب ہے۔'' وہ شدید غیر آرام دہ لگتی تھی۔

''کم آن مسز میشا.... آپ اتنے برسوں سے ہماری فیملی کا حصہ ہیں۔ جب تک وہ گرفتار نہیں ہوتا' آپ یہاں محفوظ رہیں گی۔''

''ہاں لیکن میں نے داتو سری کو بتا دیا تھا کہ یہ ارینجمنٹ صرف اس کے گرفتار ہونے تک ہے۔ جیسے ہی وہ پکڑا گیا' ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔''

''جی مسز میشا۔ اور آپ اتنی شرمندہ نہ ہوں۔ یہ ویسے بھی ڈیڈ کا آئیڈیا تھا کہ آپ یہاں رہیں۔ ورنہ آپ تو غیر ملکی پناہ کے لیے اپلائی کرنے کا کہہ رہی تھیں۔ بھاگنا اس مسئلے کا حل تو نہیں ہے۔''

میثا نرمی سے مسکرا دی۔ ''تم کتنی سمجھدار ہوگئی ہو جولی۔'' اور پھر گردن اٹھا کے اس محل نما گھر کی اونچی چھت کو دیکھا۔

''مجھے برا اس لیے لگ رہا ہے کیونکہ میں نے پہلی دفعہ تمہاری فیملی سے تعلق کا فائدہ اٹھایا ہے۔ اور میرے ضمیر پہ یہ چیز بہت بوجھ دے رہی ہے۔ ان شاء اللہ میں اس فیور کو ضرور لوٹاؤں گی۔'' وہ مسکرا کے بولی تو جولیانہ نے بھی مسکرا دی۔

''میں آپ کو آپ کا روم دکھاتی ہوں۔ آجائیں۔'' وہ خوشی خوشی ان دونوں کو لیے راہداری کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆==========☆☆

تالیہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے گنتی مکمل کی اور بنچ سے اٹھی۔ وہ ابھی تک پانی کے قریب کھڑا تھا۔ تالیہ کی جانب پشت تھی۔ وہ اس سے چند قدم پیچھے رکی اور کھنکھاری۔

''اگر تم اتنے خفا ہو تو ابھی تک یہاں کیوں ہو؟''

جواب میں اس نے خفگی سے تالیہ کو دیکھا اور جانے کے لیے تیزی سے مڑا۔ وہ سرعت سے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ایڈم کا راستہ رک گیا۔

''تم مجھ سے خفا نہیں ہو، مان لو۔'' وہ زور دے کر بولی۔

''مجھے آپ سے خفا ہونے کا حق بھی نہیں ہے۔'' وہ اتنی ہی تندی سے بولا۔ اس کا چہرہ اب کسی اجنبی کا چہرہ نہیں تھا۔ یہ ایڈم تھا۔ پرانا ایڈم۔

''تم سمجھتے ہو میں جان بوجھ کے پیچھے رہ گئی؟ یہی سوال میں تم سے پوچھوں اگر؟ تم میرے بغیر کیوں گئے؟ میرا انتظار کیوں نہیں کیا؟ دروازہ کیوں بند کر دیا؟ جانتے ہو میں چھ سال کے لیے وقت کے دروازے میں مقید ہو گئی تھی۔''

وہ اتنی درشتی سے بولی کہ ایڈم کے تاثرات بدلے۔ ماتھے کی سلوٹیں غائب ہوئیں۔

''واٹ؟ آپ چھ سال کے لیے قید ہو گئی تھیں؟''

''آف کورس نہیں۔ یہ تو میں نے تمہارا موڈ درست کرنے کے لیے کہا تھا۔'' وہ ہلکی سی ہنسی۔ ایڈم نے بھنویں بھینچ کے اسے دیکھا۔ وہ سنجیدہ ہوئی۔

''پچھلے چھ سال میرے لیے نہیں گزرے' ایڈم۔ میرے لیے صرف ایک لمحہ گزرا تھا۔ دروازہ بند ہوا' میں نے کھولا اور دیکھا تو آگے ۲۰۲۳ کا ملاکہ تھا۔ وقت آگے بڑھ گیا تھا اور میں پیچھے رہ گئی تھی۔''

ایڈم کے شانے ڈھلک گئے۔ وہ بس اچھنبے سے اسے دیکھے گیا۔

''سوچ رہے ہو کہ اب کس بات پہ خفگی ظاہر کرو؟ جبکہ تمہارے پاس وجہ ہی نہیں بچی۔''

"مجھے کیا معلوم کہ آپ سچ کہہ رہی ہیں یا نہیں۔" اس نے آواز کو خفا بنانے کی کوشش کی۔ ماتھے کو پھر سے شکن آلود کرنا چاہا۔

"آؤ.....کافی پیتے ہیں۔" اس نے ہیٹ ترچھا کیا' اور اسے چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ اسی خفا شکل کے ساتھ اس کے ساتھ چل دیا۔

پیچھے گھاس پہ ایک واکنگ ٹریک بنا تھا۔ دونوں اس پہ چلتے چلتے آگے آئے۔ درختوں کے بیچ خاموشی سے چند موڑ کاٹے یہاں تک کے سوپ اور کافی کے کارٹ دکھائی دینے لگے۔

وہ دونوں ایک کارٹ کے پاس رکے۔ تالیہ نے ہیٹ اتار کے کارٹ کے ایک ہک سے لٹکایا اور سیلز مین کو دو نوٹ پکڑائے۔ کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ اس کی طرف گھومی۔

"کیسے گزرے تمہارے چھ سال؟"

"وقت آپ کے لیے واقعی نہیں گزرا؟" وہ ابھی تک مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے کندھے اچکائے۔

"میں ایک دفعہ تمہیں بتا چکی ہوں اور تمہیں یقین بھی آ چکا ہے۔ اب تم بتاؤ کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ یادداشت والا ناٹک؟"

ایڈم نے جیبوں میں ہاتھ ڈالے کندھے جھٹکے اور دور نظر آتی جھیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ آسان تھا۔"

"جھوٹ بولنا؟"

"ماضی سے بھاگنا۔ چاہے آپ ہمارے ساتھ آتیں' چاہے نہ آتیں' میں نے مراد راجہ کی قید میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں یادداشت کھونے کی اداکاری کروں گا۔ مجھے آپ کی کہانی سے نکلنا تھا۔ اپنی کہانی از سر نو لکھنی تھی۔ اپنے آپ کو اس سب سے نکالنا تھا۔"

"کیا اس طرح تکلیف کم ہو جاتی ہے؟"

"پتہ نہیں۔" اس نے سیلز مین سے کافی کے کپ پکڑے۔ پھر ایک کپ تالیہ کو تھمایا۔ دونوں ایک دفعہ پھر پتھریلی روش پہ چلنے لگے۔ سورج اب ڈوب رہا تھا اور جامنی اندھیرا چھا رہا تھا۔

"لیکن یوں حالات آسان ہو گئے۔ پولیس نے آپ کی وجہ سے تنگ کرنا چھوڑ دیا۔ وہ لوگ جو میری جان کے دشمن بنے ہوئے تھے' انہوں نے بھی میرا پیچھا چھوڑ دیا۔ میری یادداشت کھونے کی کہانی نے مجھے مزید پاپولر کر دیا۔ مجھے ایک شو مل گیا جہاں میں اس بارے میں بات کیا کرتا تھا۔ کہ کیسے میں نیند سے جاگا تو میں ایک سیلیبریٹی اور دو کتابوں کا مصنف تھا۔ چند

لوگوں نے اس بات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ میں نے انہیں فائدہ اٹھانے دیا پھر ان کی دھوکہ دہی کو ثبوتوں کے ساتھ بے نقاب کر دیا۔ یوں میرا شو مزید ترقی کر گیا۔ پولیس' میڈیا' عوام' سب نے میری بات مان لی۔''

''اور فاتح؟''

''انہوں نے مجھ سے تعلق ختم کر لیا اور میں نے ان سے۔ گو کہ مجھے یقین ہے ان کو کبھی یقین نہیں آیا۔ لیکن وہ اس بات کا اعتراف نہیں کریں گے۔''

''اور کیسا لگا یہ سارا کون گیم کھیل کے؟''

''کلین سلیٹ کسے بری لگتی ہے؟ خود کو ایسے ظاہر کرنا جیسے نیا نیا دنیا میں آیا ہو۔ یعنی کہ شہرت کی دنیا میں۔ میں نے ازسرنو اپنی کہانی لکھی۔ نئے دوست بنائے۔ سب کچھ نئے سرے سے کیا۔ لیکن سکون.....وہ نہیں ملا۔ شاید وہ انسان کے لیے اس دنیا میں لکھا ہی نہیں گیا۔'' وہ کافی پیتے ہوئے قدم اٹھا رہا تھا۔

''مجھے پہلے ہی دن بتا کیوں نہیں دیا؟ اوہ اور میں جانتی ہوں جب میں تمہارے گھر آئی تھی تو تم نے کیا کیا تھا۔''

''کیا کیا تھا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''تم نے راہداری میں لگے کیمرے سے مجھے دیکھ لیا تھا۔ تم نے اپنی سیکرٹری کو کال کی۔ اسے کہا کہ وہ لفٹ سے اوپر آئے اور ہاتھ میں موجود چیزیں گرا دے۔ پھر تم باہر نکلو گے اور اس سے اونچی آواز میں باتیں کرو گے۔ تم چاہتے تھے کہ میں وہ سب سن کے تمہاری یادداشت والی کہانی پہ یقین کر لوں۔''

''ظاہر ہے میں جانتا تھا کہ آپ چھپ کے گفتگو ضرور سنیں گی۔ کچھ عادتیں کبھی نہیں بدلتیں۔'' ایڈم نے گہری سانس لی۔ پھر گھونٹ بھرتے ہوئے اس کو دیکھا۔ وہ اب پہلے سے بہتر لگ رہا تھا۔

''کیا ایک لمحے کے لیے بھی آپ کو یقین نہیں آیا تھا میری کہانی پہ؟''

''اونہوں۔ جب میں نے سنا تھا تو میں چونکی تھی۔ میرا دل زور سے ڈوبا تھا۔ پھر میں نے تمہارا ایک انٹرویو نکالا اور دیکھا کہ تم کہاں بیٹھے تھے۔ تم اپنی لائبریری میں بیٹھے تھے۔ اور تم نے اپنی لائبریری کے ریکس کو بالکل اسی طرح سیٹ کیا تھا جیسے بابا کے کتب خانے کو تم نے اپنی نگرانی میں سیٹ کروایا تھا۔ وہی سیٹنگ' وہی اونچے نیچے ریک اور ان کے اتنے خانے۔ حالانکہ تمہاری لائبریری ماڈرن طرز پہ بنی تھی۔ بظاہر قدیم ملاکہ سے بالکل مختلف لیکن جیسے ہی میں نے وہ ریک دیکھے مجھے معلوم ہو گیا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔''

''اوہ نو۔ مجھے کتابوں نے پکڑوا دیا۔'' اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''لیکن ہوسکتا ہے مجھے وہ کتب خانہ خواب میں نظر آتا ہو۔''

''تب تم لائبریری کو قدیم لُک دیتے۔ تم نے اسے جدید لُک دی تھی۔'' اس نے یاد دلایا۔ ''اور تم نے اداکاری بھی اچھی کی۔ جنگل کے خوابوں کا تذکرہ..... وغیرہ وغیرہ.....لیکن مجھے کبھی یقین ہی نہیں آیا کہ تم سچ بول رہے ہو۔''

''پھر بھی آپ نے ظاہر کیا کہ آپ نے میرا یقین کرلیا ہے۔ وقت کے سوال حل کرلو ایڈم وغیرہ وغیرہ.....'' ایڈم نے مسکرا کے سر جھٹکا۔ اس کی شرمندگی کم ہوتی جارہی تھی۔ ''یا شاید آپ مجھے جانتی تھیں۔''

چند لمحے تک وہ دونوں خاموشی سے واک کرتے رہے۔ پھر ایڈم نے پوچھا۔

''داتن سے ملاقات ہوئی آپ کی؟''

''نہیں۔ وہ کہاں ہے؟''

''معلوم نہیں۔ انہوں نے پہلے سال مجھ سے رابطہ کیا تھا۔ میں نے پہچاننے سے انکار کیا تو دوبارہ رابطہ نہیں کیا۔'' وہ مغمومیت سے بولا۔ پھر چونکا۔ اور رک گیا۔ تالیہ بھی ساتھ ہی رکی۔

''ایک منٹ۔ آپ نے کہا کہ میں میشا کو جانتا ہوں۔ ہم مل چکے ہیں اور مجھے یاد نہیں ہے۔ اب چونکہ آپ جانتی ہیں کہ مجھے سب یاد ہے تو بتائیں۔ میں اس عورت سے کبھی نہیں ملا۔''

تالیہ نے افسوس سے اس کو دیکھ کے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم نے واقعی اس کو نہیں پہچانا؟''

''نہیں۔ میں اسے کیسے پہچان سکتا ہوں؟'' وہ واقعتاً الجھ کے بولا۔

''اوہ ایڈم۔'' وہ گہری سانس لے کر بولی۔ ''تم اس سے ملے تھے۔ ساڑھے چھ سال پہلے۔ عصرہ کی گیلری میں۔ وہ ایک پینٹنگ خریدنے آئی تھی اور تم نے اسے راہداری میں روک کے کچھ کہا تھا۔''

''میں نے اسے کیا کہا تھا؟''

''یہی کہ وہ تنکو کامل کی ملازمہ ہے۔''

ایڈم بن محمد بالکل ساکت ہوگیا۔ ''میں نے وہ آپ سے کہا تھا۔''

''نہیں۔ تم نے وہ ایک آرٹسٹ' سوشلائیٹ' امیر عورت سے کہا تھا جو کے ایل میں جانی پہچانی تھی۔ جس کے بال سنہرے تھے اور وہ وان فاتح کی فیملی سے تعلقات بنانے کی کوشش کررہی تھی۔''

ایڈم کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ جھیل کنارے سارے پارک میں موت کا سناٹا چھا گیا۔

''میشا تاج کون آرٹسٹ ہے.....''

''بالکل۔وہ کاپی کیٹ ہے۔اس کی شکل دیکھو۔چھے سال پہلے میں ایسی لگا کرتی تھی۔اس کے بال'اس کے منی کوٹ...ہیٹ....نگینوں والے زیورات....آرٹ میں دلچسپی....ایک ظالم اسٹا کر ایکس ہزبینڈ.....اور فاتح کے ایک فیملی ممبر کے ذریعے اس کے گھر میں داخل ہونے کی کوشش.....''

''وہ تالیہ مراد ہے۔وہ چھے سال پہلے کی تالیہ مراد ہے۔'' وہ دم سادھے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور حیرت ہے تم نے اسے نہیں پہچانا۔فاتح نے بھی نہیں۔اتنے برس جو گزر چکے ہیں۔تم دونوں نے تالیہ کو بھلا دیا۔لیکن کوئی ہے جس نے تالیہ مراد کو نہیں بھلایا۔کوئی ہے ایڈم جو ہم تینوں کو جانتا ہے۔تم نے دیکھا وہ لڑکی کیا فوٹوگراف کرتی ہے؟ سیاہ گھوڑے۔قدیم قلعوں کے سامنے کھڑے سیاہ گھوڑے۔وہ فاتح کا گھوڑا تھا قدیم ملاکہ میں۔کوئی ہے جس نے عین تالیہ مراد کی پروفائل پہ ایک عورت کو تیار کیا ہے اور وان فاتح کی زندگی میں داخل کیا۔''

''وہ کون وومن ہے۔یشا تاج ایک کون وومن ہے۔'' ایڈم نے ماتھے کو چھوا۔وہ ششدر رہ گیا تھا۔

''بالکل۔اور وہ کون وومن مجھے دیکھ کے پریشان ہوگئی ہے۔وہ فاتح کے قریب رہ کے جو بھی کرنا چاہ رہی ہے وہ اس میں تیزی لے آئے گی۔میری موجودگی سے اس کو خطرہ ہے۔''

''آپ جانتی ہیں اسے کس نے بھیجا ہے؟''

''نہیں۔میں اس عورت کو بھی نہیں جانتی۔لیکن وہ یا اس کے پیچھے جو بھی ہے'اس نے تالیہ مراد کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے اور اسے ہمارے قدیم ملاکہ کے بارے میں بھی علم ہے۔اس نے تالیہ کے عکس پہ یشا کو بنایا ہے۔وان فاتح نے اس کو اپنے قریب جگہ اس لیے دی ہے کیونکہ وہ اس میں مجھے دیکھتے ہیں اور وہ خود بھی اس بات سے واقف نہیں ہیں۔مجھے اور تمہیں ایڈم بن محمد'صرف میری بے گناہی ہی نہیں ثابت کرنی بلکہ ہمیں فاتح کو اس عورت سے بھی محفوظ کرنا ہے۔جو ہمیں کرنا آتا ہے' اس سے ہم نے پھر سے اپنی جان بچانی ہے۔''

اس نے کافی کا گھونٹ بھرا اور روش پہ چلنے لگی۔ایڈم سائیں سائیں کرتے دماغ کے ساتھ اس کے ساتھ چل دیا۔وہ جانتا تھا تالیہ کے پاس پلان ہوگا۔تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔

☆☆==========☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

حالم (نمرہ احمد)

(آخری باب): ''سفید گھوڑے والی شہزادی''

اس نے خواب میں دیکھا....

نیم اندھیرے میں ڈوبی گلی ویران پڑی ہے...

اِکا دُکا اسٹریٹ پولز کی روشنی میں چند کچرے کے کین نظر آ رہے ہیں...

گلی کے سرے پہ ایک مین ہول کا ڈھکن کھلا پڑا ہے...

وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے قریب جاتی ہے..

ڈھکن کے ساتھ کچھ زرد سا چمکتا ہوا نظر آ رہا ہے...

تالیہ کے قدم اس کے ساتھ رکتے ہیں...

وہ جھک کے اس شے کو اٹھاتی ہے...

اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں وہ پتلیاں سکوڑ کے اسے بغور دیکھتی ہے....

وہ سفید رنگ کا خط کا لفافہ ہے....اور اس پہ قدیم جاوی رسم الخط میں تحریر ہے....

''پتری تاشہ بنت مراد کے نام۔''

نیچے شاہی مہر ہے اور خط بھیجنے کی تاریخ۔

پانچ سو تریسٹھ برس پہلے کی تاریخ۔

کسی جانور کے رونے کی آواز اس کی سماعت سے ٹکراتی ہے۔

وہ چونک کے سر اٹھاتی ہے۔

دور تاریک گلی کے سرے پہ ایک سفید ہرن کھڑا ہے....

اس کی بڑی بڑی سبز آنکھیں تالیہ پہ جمی ہیں.....

اس کے منہ سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں...

وہ تالیہ کو دیکھتے ہوئے پلٹ جاتا ہے...

وہ اس کے پیچھے جانے لگتی ہے لیکن اس کے قدم زنجیر ہو جاتے ہیں...

ہرن رات کی دھند میں تحلیل ہو جاتا ہے.... جیسے کبھی وہاں تھا ہی نہیں...

دھند ہر طرف پھیلنے لگتی ہے.... اور....

اس کی آنکھ کھل جاتی ہے.....

☆☆=========☆☆

صبح کی دودھیا روشنی اس اپارٹمنٹ بلڈنگ کے شیشوں سے اندر لونگ روم کو منور کیے ہوئے تھی۔ ایک طرف صوفے رکھے تھے اور دوسری جانب اوپن کچن تھا جہاں اس وقت تالیہ مراد بیٹھی صبح کی چائے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ ساتھ ہی وہ مسکرا کے اپنے اس چھوٹے سے اپارٹمنٹ کو دیکھ رہی تھی۔ لونگ روم کی قد آدم کھڑکیوں سے نیچے سڑک پہ بہتا ٹریفک دکھائی دے رہا تھا۔ ایک نئے دن کا آغاز ہو چکا تھا اور لوگوں کی اکثریت اپنے کاموں کے لیے روانہ ہوتی نظر آ رہی تھی۔

تالیہ مراد کے خوابوں کا سلسلہ عرصہ ہوئے تھم چکا تھا۔ لیکن آج وہ جس خواب سے بیدار ہوئی تھی، وہ نہ صرف عجیب تھا بلکہ اس نے طبیعت مکدر کر دی تھی۔ اس کے خواب پھر سے کیوں شروع ہوئے؟ اور یہ ہرن... یہ اس نے پہلے کہاں دیکھا تھا؟ اور وہ خط؟ ان سارے سوالات کے جوابات اس کو شاید کبھی نہیں ملنے تھے۔ لیکن اس مین ہول کو وہ پہچانتی تھی۔ یہ جونکر اسٹریٹ کا مین ہول تھا جو تالیہ مراد کی دو دنیاؤں کے درمیان پُل بنا تھا۔ کیا کسی نے دوسری دنیا سے اس کے لیے خط بھیجا تھا؟

(اونہوں۔) اس نے سر جھٹکا اور چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے ذہن بٹانے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ پیروں تک آتے ہلکے جامنی فراک میں ملبوس تھی۔ اور بالوں کو آدھا کیچر میں باندھ رکھا تھا۔ صبح کی مناسبت سے وہ کہیں جانے کو تیار لگتی تھی۔ سفید ہیٹ میز پہ اوندھا رکھا تھا اور ساتھ سنہری چین والا پرس تھا۔ پرس نیلے رنگ کا تھا۔ اس نے چائے پیتے ہوئے پرس پہ دوسرے ہاتھ کی انگلیاں پھیریں اور مسکرا دی۔

ایک زمانہ تھا جب وہ کاغذ پہ ایک محل بناتی تھی۔ اونچا محل۔ نیچے سبزہ زار۔ اور اس کے ساتھ نیلا پانی۔ لیکن سبزہ زار سے محل تک جانے کا راستہ بنانا وہ بھول جاتی تھی۔ اس راستے کو تلاش کرنے میں اسے ایک لمبا وقت لگا تھا۔ اور بالآخر وقت اس پہ مہربان ہو چکا تھا۔

اس کا دھیان خواب سے ہٹ چکا تھا اور وہ وقت کی اس مہربانی کا سوچ رہی تھی جو اس کے ساتھ ہو چکی تھی۔

وقت نے چند عام سے نوادرات کی قیمت بڑھا کے انہیں خزانہ بنا ڈالا تھا۔اور وقت نے ہی عصرہ کی وصیت منسوخ نہیں ہونے دی تھی۔تالیہ مراد کو اس کا خزانہ بالآخر مل گیا تھا۔لیکن اس خزانے کی قیمت بہت بڑی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سر پہ ہیٹ پہنے' اپارٹمنٹ بلڈنگ کی لفٹ میں داخل ہو رہی تھی۔ہال وے کی بتیوں میں اس کے جامنی لباس کے سفید پھول چمک رہے تھے۔

ایسے ہی پھول اس جنگل میں ہوتے تھے جہاں شاہی خاندان کی چھوٹی سی لڑکی اپنے بابا کے ساتھ تیر اندازی سیکھنے جایا کرتی تھی۔وہ لڑکی جو محل سے نکال دی گئی تھی۔اب وہ ایک غریب لکڑہارے کی بیٹی تھی۔وہ کندھے پہ چرمی تھیلا اٹھائے'جنگل میں ستاروں کے ذریعے اپنے گھر کا راستہ تلاش کیا کرتی تھی۔وہ اپنے گاؤں کو بچانے نکلی تھی۔وقت کے ایک سفر پہ۔

سفید ہیٹ والی خوبصورت لڑکی چہرے پہ مسکراہٹ سجائے اب بلڈنگ کی لابی سے باہر نکل رہی تھی۔اس کے ہاتھ میں پہنی انگوٹھیوں کے نگینے دن کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ایک انگوٹھی میں بیش قیمت زمرد جڑا تھا۔

ایسے ہی رنگ کا گھاس اس یتیم خانے کے باغ میں اُگا تھا جہاں وہ گم صم سی لڑکی تنہا بیٹھے تصویریں بنایا کرتی تھی۔اونچے محل'سبز گھاس اور نیلے پانی کی تصویریں۔کبھی نہ مل سکنے والے خوابوں کی تصویریں۔

ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھنے سے پہلے اس نے پرس سے ایک خستہ نوٹ نکالا اور بلڈنگ کے چوکیدار کو تھمایا۔

اس نوٹ نے بہت کچھ یاد کروایا تھا۔ایسے ہی نوٹوں سے بھرا ایک بیگ تھا جسے اس لڑکی نے ڈرتے ڈرتے ائیر پورٹ پہ کھولا تھا اور اس کی زندگی کی ساری کہانی ہی بدل گئی تھی۔

وہ ایک زرد ٹیکسی کی طرف آئی اور پتہ بتا کے پچھلی سیٹ پہ بیٹھی۔پھر ٹیکسی کا پیلا رنگ دیکھ کے وہ اداسی سے مسکرائی۔ایسے ہی پیلے سنہری زیورات کو وہ ہڈ والی لڑکی کے ایل کی گلیوں میں عورتوں سے ٹکرا کے آگے بڑھتے ہوئے مہارت سے اتار لیا کرتی تھی۔تھوڑی دور جا کے وہ مٹھی میں ڈبی سنہری زیور کو اوپر فضا میں بلند کر کے دیکھتی اور مسکراتی تھی۔

ٹیکسی اب شہر کی سڑکوں پہ تیز رفتاری سے گزر رہی تھی۔ایک دکان کے سامنے گلابی رنگ کے پھولوں کے گملے رکھے تھے۔ان کا رنگ ایسا گلابی تھا جیسا ملاکہ کی شہزادی کے کامدار لباس کا ہوا کرتا تھا۔وہ ناخوش سی شہزادی جو وقت کی قید میں محل کے ایک ستون سے دوسرے تک بے چین سی چکر کاٹتی تھی.....

ٹیکسی سگنل پہ رکی تو اس نے دیکھا....فٹ پاتھ پہ ایک نوجوان کافی کا مگ اور بریف کیس تھامے تیز تیز دوڑتا دکھائی دے رہا تھا۔اس کے مگ کا رنگ تالیہ کے اس مگ جیسا تھا جسے لیے وہ بارش میں فاتح کے پیچھے بھاگا کرتی تھی۔

ٹیکسی پھر سے چل پڑی تو اس نے بند کھڑکی کے شیشے کو دیکھا۔شیشے کی چمک مصر کے اس دریا جیسی تھی جس کا ایک خوفزدہ

اور اداس لڑکی نے بحری کروز پہ سفر کیا تھا۔

ٹیکسی منزل مقصود کے سامنے رکی تو تالیہ سیٹ بیلٹ ہٹا کے باہر نکلی۔ بیلٹ کا رنگ سرمئی تھا۔ ایسا ہی رنگ جونکر اسٹریٹ کی سڑک کا تھا جس کے ایک مین ہول سے چند دن پہلے وہ باہر آئی تھی۔

وقت اسے پورے دائرے میں گھما کے واپس اس کی دنیا میں لے آیا تھا۔ اور اس دنیا کے سارے رنگ آج صرف تالیہ مراد کی کہانی بیان کر رہے تھے۔ آگے کیا ہونے والا تھا..... اسے کچھ خبر نہ تھی۔

اس عمارت کی لابی کی طرف جاتے ہوئے اس نے موبائل اسکرین پہ وقت دیکھا تو سامنے چمکتی نیوز فلیش نے اس کی توجہ گھیر لی۔

وہاں تالیہ مراد کی عصرہ قتل کیس پہ ملوث ہونے کے بارے میں رپورٹ پیش کی جا رہی تھی۔

تالیہ کے ابرو تن گئے۔ صبح کی تازگی اس کے موڈ سے زائل ہو گئی۔

میڈیا کا اپنا ایک ٹرائل ہوتا ہے۔ اس میں ملزم کو صفائی کا موقع نہیں دیا جاتا۔ سوشل اور مین اسٹریم میڈیا... دونوں جگہوں پہ اس وقت تالیہ مراد کے ساتھ یہی ہو رہا تھا۔ عصرہ محمود کی وصیت والی خبر بھی ان کے ہاتھ لگ چکی تھی۔ اور تالیہ مراد کے ہاتھ لگا خزانہ اسے مزید مجرم ثابت کر رہا تھا۔ وہ سر جھکائے افسوس سے فون اسکرین پہ انگلی پھیرتی اپنے بارے میں منفی کمنٹس پڑھتی رہی۔

اس خزانے کی ایک بھاری قیمت اس نے ادا کی تھی۔ لیکن مفت میں بھی کبھی کچھ ملا ہے کیا؟ یہ آخری جنگ بھی وہ ہمت سے لڑے گی۔ اس نے فون رکھا اور مطلوبہ اپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گئی۔

''میں یہاں آتے ہوئے اپنے بارے میں سوشل میڈیا پہ برے کمنٹس پڑھ رہی تھی۔''

کچھ دیر بعد وہ ایڈم کے سامنے اس کی لائبریری میں بیٹھی تھی۔ جدید طرز پہ بنی اس قدیم طرز سے متاثر شدہ لائبریری کے ریکس ان دونوں کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے جو آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ دونوں کے درمیان ایک میز تھی جس پہ کافی کے گرما گرم کپ اور تالیہ کا سفید ہیٹ دیگر اشیا کے ساتھ رکھا تھا۔

''آپ کو میں نے منع کیا تھا وہ منفی باتیں پڑھنے سے۔'' ایڈم خفگی سے بولا۔ تالیہ کی بہ نسبت وہ سادہ ٹی شرٹ اور ٹراؤزرز میں ملبوس تھا جیسے اس کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے جاگا ہو اور منہ پہ چھینٹے مارے ہوں۔

''ایک زمانہ تھا ایڈم..... جب اگر کوئی کم عقل انسان اول فول بولتا تو آس پاس بیٹھے دانا لوگ اسے جھڑک کے چپ کرا دیتے تھے۔ لیکن اب.....'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ سرخ انگوٹھی والی انگلی وہ مسلسل کافی کپ کے دہانے پہ پھیر رہی تھی۔ ''اب ہر

احمق اور ہر دانا انسان کو بولنے کا یکساں حق مل چکا ہے۔ ہم ایسے زمانے میں جی رہے ہیں جہاں لوگ انٹرنیٹ پہ سفید بیک گراؤنڈ پہ جلی حروف میں لکھے کسی بھی قول کا یقین کر لیتے ہیں۔ چوبارے پہ بیٹھ کے کسی کو برا بھلا کہنا کتنا مشکل تھا پہلے' ایڈم۔ اور آج یہی کام کی بورڈ کے پیچھے چھپ کر کرنا کتنا آسان ہے۔''

''مائینڈ اوور میٹر' بے تالیہ۔ آپ مائینڈ کرنا چھوڑ دیں تو وہ میٹر کرنا چھوڑ دینگے۔'' وہ سوئی سوئی آنکھوں سے مسکرا کے بولا۔ اس کی اسٹڈی میں پھیلی فائلز اس بات کی غماز تھیں کہ وہ رات دیر تک جاگ کے تالیہ کا کیس اسٹڈی کرتا رہا ہے۔

''پھر بھی.... ہم ان برا بھلا کہنے والوں کو کیسے روک سکتے ہیں؟'' وہ ایڈم کے پیچھے کھڑکی کو دیکھتے ہوئے سوچ میں گم کہہ رہی تھی۔

''ہم ان کو نہیں روک سکتے۔ خود کو روک سکتے ہیں۔ موقع ہونے کے باوجود کسی دوسرے کو برا کہنے سے۔ چاہے سر عام۔ چاہے کی بورڈ کے پیچھے سے۔''

''اب تم لگ رہے ہو پرانے ایڈم۔'' تالیہ نے کپ اٹھاتے ہوئے مسکرا کے ایڈم کو دیکھا۔ ''تقریباً پرانے ایڈم۔ کیونکہ کچھ تبدیلیاں نا قابل واپسی ہوتی ہیں۔''

''انسان میں ہر روز تبدیلی آتی ہے' بے تالیہ۔ جو لوگ بدلتے نہیں ہیں' ان سے ٹھہرے پانی کی بُو آنے لگتی ہے۔ آپ بھی ایک شاہی خاندان کی چھوٹی شکاری لڑکی سے آج ایک.....''

''چھوڑو اس قصے کو۔ میں پہلے ہی سارا راستہ یہی سوچتی آئی ہوں۔'' اس نے برا منہ بنا کے ایڈم کو خاموش کرا دیا۔ شاہی مورخ نے شانے اچکائے۔ پھر اپنی اسٹڈی کے ریکس کو دیکھا اور افسوس سے سر جھٹکا۔

''کتابوں نے مجھے پکڑوا دیا ورنہ میں آپ کو یقین دلا چکا تھا کہ میری یادداشت چلی گئی ہے۔'' ملال سے بولا تو تالیہ نے دونوں ابرو اٹھا کے اسے دیکھا۔

''یعنی تم اس جھوٹ کے ساتھ خوش تھے؟ اور ایک پرانے دوست کے مل جانے کی خوشی کا کیا؟''

''وہ آسان تھا۔'' ایڈم نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ ''خیر.... چونکہ ہم دونوں جانتے ہیں کہ مسز عصرہ نے خودکشی کی تھی.... تو اب اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' اس نے ایک فولڈر اٹھایا اور کھول کے تالیہ کے سامنے رکھا۔

''میں مسز عصرہ کی فنانشل ٹرانزیکشنز دیکھ رہا تھا۔ مجھے کوئی غیر معمولی پے منٹ نہیں ملی۔ عصرہ نے جس شخص سے زہر منگوایا ہوگا' یا جس سے آپ کا کریڈٹ کارڈ ہیک کروایا ہوگا' اس کو پیسے کیسے دیے گئے؟ ہمیں ان پیسوں کا ثبوت نہیں مل رہا ہمیں۔''

''ہو سکتا ہے اس کے اکاؤنٹ میں نہ بھیجے ہوں بلکہ اس کو کیش دیا ہو۔''

''بے شک کیش دیا ہو لیکن کیش بینک سے نکلوایا تو ہو گا نا۔ ایسے کاموں پہ بہت خرچ آتا ہے۔ اتنا کیش کوئی بھی گھر میں نہیں رکھتا۔ اور عصرہ نے ان دنوں میں کوئی بھاری رقم نہیں نکلوائی۔ اب سچویشن یہ ہے کہ نہ ہم اس شخص کا کوئی سراغ حاصل کر سکے ہیں' نہ اس کو دی جانے والی اجرت کا۔ اب ہم آپ کی بے گناہی کیسے ثابت کریں گے' چے تالیہ؟'' وہ فکرمند تھا۔ ''اوپر سے آپ نے وصیت کے نوادرات کو بیچ کے خود کو مزید مشکوک کر دیا ہے۔ عدالت یہی سمجھے گی کہ آپ اسی لیے چھ سال بعد آئی تھیں۔''

''میں عدالت کے خوف سے آزاد ہو چکی ہوں' ایڈم۔ میں اپنی بے گناہی ضرور ثابت کروں گی۔''

''آزاد یعنی؟'' اس نے غور سے تالیہ کا چہرہ دیکھا۔ وہ اس کے عقب میں روشن کھڑکی کو دیکھتے ہوئے سوچ سوچ کے بولنے لگی۔

''آزاد یعنی.... مجھے مستقبل کی فکر نہیں ہے۔ میرے پاس اپنے لیے کوئی پلان بھی نہیں ہے۔ مستقبل کا۔ اپنی زندگی کا۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ فاتح کی زندگی میں میری جگہ اب کیسے بنے گی۔ ایڈم.... مجھے کچھ نہیں پتہ۔ صرف ایک بات معلوم ہے۔ میں اپنی زندگی کے ہر فیز میں یا غم زدہ رہی ہوں یا خوفزدہ۔ ماضی کا غم اور مستقبل کا خوف۔ مجھے ہمیشہ خوشی کی تلاش رہی ہے۔''

وہ بول رہی تھی اور ایڈم اس کی آنکھوں کو دھوپ سے سنہری پڑتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ وہ پرانی تالیہ لگ رہی تھی۔ اور وہ نہیں بدلی تھی۔ یہی تو مسئلہ تھا کہ اسے تھوڑا بہت بدلنا چاہیے تھا۔

''میں ایک گول سیٹ کرتی تھی اور سوچتی تھی کہ جب یہ ہو جائے گا تو میں خوش ہو جاؤں گی۔ جب مجھے خزانہ ملے گا' جب مجھے محل ملے گا' جب مجھے فاتح ملے گا' جب میں فاتح کی زندگی میں اہم ہو جاؤں گی۔ میں یہاں تھی۔'' اس نے اپنے کافی کپ کی طرف اشارہ کیا جو میز پہ رکھا تھا۔ ''اور مجھے یہاں جانا تھا۔'' اس نے ڈیڑھ فٹ دور رکھے ایڈم کے کپ کی طرف انگلی گھمائی۔

''اور یہ درمیان کا راستہ....'' اس نے انگلی سے میز پہ نادیدہ لکیر کھینچی.... ''یہ راستہ ہمیشہ بے چینی سے گزرتا تھا۔ خوف' اضطراب' پریشانی... یہ تینوں میرے اس راستے کے ساتھی تھے۔ لیکن اب میں سوچتی ہوں کہ منزل اہم نہیں ہوتی۔ سفر اہم ہوتا ہے۔ جو سفر میں قانع اور خوش نہیں ہوتا' اسے منزل خوش نہیں کر سکتی۔ اس لیے اب میں منزل ملنے یا نہ ملنے کے خوف سے آزاد ہو چکی ہوں۔ اور اپنا سفر....''

''یعنی اپنا خزانہ....''

"یعنی اپنا خزانہ خوب انجوائے کر رہی ہوں۔ بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔" مسکرا کے شانے اچکائے۔ پھر آگے کو ہوئی اور جتانے والے انداز میں یاد کرایا۔

"ہمیں نہ صرف میری بے گناہی ثابت کرنی ہے بلکہ یشا تاج کا پردہ بھی فاش کرنا ہے۔ میرے پاس اپنے لیے پلان نہیں ہے لیکن فاتح کو یشا سے بچانے کے لیے پلان ہے۔"

"اور وان فاتح اور تالیہ کا کیا؟" ایڈم نے بغور اسے دیکھا۔

اس سوال پہ تالیہ کافی دیر تک خاموش رہی۔ "ان کی زندگی میں میری جگہ نہیں ہے اب۔"

"یہ آپ خود سے فرض کر رہی ہیں۔"

"میں نے کہا نا' اس دفعہ میرے پاس کوئی پلان نہیں ہے اور میں سفر کی بے چینی سے خود کو آزاد کر چکی ہوں۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ فی الحال..... "اس نے فائلز کی طرف اشارہ کیا۔

"عصرہ کے فنانشلز دوبارہ دیکھو۔ بغیر پیسوں کے کوئی اتنا بڑا کام نہیں کروا سکتا۔ فاتح کے فنانشلز بھی چیک کرو۔ شاید عصرہ نے ان کے اکاؤنٹ سے پیسے نکلوائے ہوں۔ اشعر سے وہ ایسے کام کے لیے اتنا بڑا کیش نہیں لے سکتیں۔ اشعر مشکوک ہو جاتا اور وہ کسی کا شک افورڈ نہیں کر سکتی تھیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ سنہری چین والا پرس کندھے پہ ڈالا اور ہیٹ سر پہ۔ ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔

"آپ ابھی سے کہاں جا رہی ہیں.... مس مراد؟" دروازہ کھلتے دیکھ کے ایڈم نے ٹون بدل لی۔ لہجہ رسمی ہو گیا۔ تالیہ نے مڑ کے دیکھا۔ صوفی چند کاغذات لیے اندر آ رہی تھی۔ تالیہ نے واپس ایڈم کو دیکھا اور طنزیہ انداز میں ابرو اٹھا کے بنا آواز کے کہا (مس مراد؟ ہوں؟)

"آپ ابھی تو آئی تھیں؟" ایڈم نے اس کے تاثرات نظر انداز کر کے اسی لہجے میں پوچھا۔ صوفی بھی ساتھ آ کھڑی ہوئی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے سری پردھانہ جانا ہے۔ پردھان منتری سے ملنے۔"

"پردھان منتری کے پاس روز روز کی ملاقات کا وقت ہے؟" ایڈم نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ "مجھے تو انٹرویو کے لیے کب سے وقت نہیں دیا۔"

"وقت نہیں ہے۔ لیکن ہر پردھان منتری کو لنچ بریک ملتی ہے' ایڈم صاحب۔" طنزیہ انداز میں بولی۔ "آپ تب تک عصرہ کے فنانشلز میں کوئی بڑی رقم چیک کریں۔" وہ دروازہ کھول کے باہر نکل گئی۔ دروازہ بند ہوا تو صوفی نے اچنبھے سے ایڈم کو

دیکھا۔

''آپ لوگ بڑی رقم چیک کررہے ہیں؟ میں سمجھی غیر معمولی رقم چیک کررہے ہیں۔'' وہ لہجے کو سرسری بنا کے بولی اور خالی کپ اٹھا لیے۔

''غیر معمولی رقم بڑی ہی ہوتی ہے۔'' ایڈم نے صفحے پلٹاتے ہوئے اسے ٹوکا۔

''میرے لیے؟ ہاں۔ میں تھوڑی سی تنخواہ پہ گزارا کرتی ہوں کیونکہ میرا تو باس ظالم ہے اور کنجوس بھی۔'' آنکھیں گھما کے اپنے باس کو دیکھا جس نے اس بات کو اَن سنا کر دیا تھا۔ ''لیکن عصرہ تو ایک سیاسی بیوی تھیں۔ ڈیزائنر پہنتی تھیں۔ ڈیزائنر خریدتی تھیں۔ ان کی تو ہر ٹرانزیکشن عام انسان سے زیادہ ہوتی ہوگی۔ آپ کو غیر معمولی ڈھونڈنی ہے تو چھوٹی رقم ڈھونڈیں۔ اتنی چھوٹی رقم جو عصرہ کی طبیعت کے برخلاف ہو۔''

''واہ۔'' ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''تم کافی سمجھدار ہوگئی ہو صوفی۔''

وہ ٹرے میں فالتو اشیاء ڈالتے ہوئے خفگی سے بولی۔

''اگر آپ مجھے میٹنگ میں شامل کرلیتے.... (کان میں لگے آلے کی طرف اشارہ کیا جو ایڈم نے اپنی طرف سے بند کر رکھا تھا) تو میں پہلے ہی بتا دیتی۔''

مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ وہ تیزی سے فائل کے صفحے پلٹ رہا تھا۔ اس کو سوچ کا ایک نیا زاویہ ملا تھا۔

☆☆=========☆☆

سری پردھانہ کی کھڑکیوں پہ بارش کے قطرے آج بھی جمے تھے۔ وہ جب پتراجایا پہنچی تو بارش شروع ہوچکی تھی۔ پردھان منتری کا اسٹاف اب اس کو پہچاننے لگا تھا۔ پچھلی میٹنگ کے بعد فاتح نے اس کا سری پردھانہ کا انٹری پاس جاری کروا دیا تھا جس کے باعث اندر آنے میں آسانی تھی۔ اس کو داخلی فصیل سے ویٹنگ روم میں بٹھانے تک سب اس کو خاموش نظروں سے دیکھتے آئے تھے۔ وہ جانتی تھی وہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے لیکن تالیہ مراد لوگوں کی آراء کے غم سے خود کو آزاد کرنے کی کوشش میں کسی حد تک کامیاب ہوچکی تھی۔

مکمل آزادی تو آج تک کسی انسان کو نہیں ملی۔

جس وقت وہ فاتح کے آفس میں داخل ہوئی' ایک نوجوان شیلف میں ایک سیاہ کور والی فائل رکھ رہا تھا۔ فاتح نے ایک نظر فائلز کے اس ڈھیر کو دیکھا جو وہاں جمع ہوتا جا رہا تھا... اور پھر اندر داخل ہوتی تالیہ کو.... پھر وہ مسکرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی توجہ فائلز سے ہٹ گئی۔

نوجوان نے یاسیت سے اپنے پردھان منتری کی بکھرتی توجہ کو دیکھا اور پھر نووارد مہمان لڑکی کو۔ پھر سر جھٹک کے اداسی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''آؤ۔ بیٹھو۔ تم نے لنچ کیا؟'' وہ سیٹ پہ واپس بیٹھتے ہوئے انٹرکام اٹھانے لگا۔

''ضرورت نہیں ہے۔ ناشتہ دیر سے کیا تھا۔ آپ نے لنچ کرلیا؟'' جامنی فراک والی لڑکی کرسی پہ بیٹھی اور پرس میز پہ رکھا۔ سفید ہیٹ ترچھا کر کے سر پہ جما رکھا تھا۔ انداز یوں تھا گویا اس آفس میں روز کا آنا جانا ہو۔

''ٹھہر کے کروں گا۔'' فاتح نے مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے انٹرکام پہ چائے کا آرڈر دیا۔ سفید شرٹ اور گرے ٹائی میں ملبوس' جیل سے بال دائیں جانب کیے... وہ آج بھی ویسا ہی لگ رہا تھا جیسا ہمیشہ لگا کرتا تھا۔ کوٹ پیچھے اسٹینڈ پہ لٹکا تھا اور سفید شرٹ کے کپ پہ لگے سلور کف لنکس چمک رہے تھے۔ تالیہ نے غور سے اس کے تازہ دم مسکراتے چہرے کو دیکھا۔ وہ تالیہ کے ساتھ بہت اچھی طرح سے پیش آیا تھا۔ رویہ بھی دوستانہ تھا۔ لیکن کیا وان فاتح ویسا ہی تھا؟

''تمہارے کیس کی تیاری کیسی جا رہی ہے؟'' انٹرکام رکھ کے وہ ہاتھ باہم پھنسائے آگے کو ہوا اور توجہ سے پوچھنے لگا۔

تالیہ نے بےفکری سے کندھے اچکائے۔ ''میں بےقصور ہوں۔ میں یہ ثابت کرلوں گی۔''

''تم ٹھیک ہو نا؟'' وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور دنیا اس میز کے اطراف سے ختم ہو چکی تھی۔

وان فاتح کے ساتھ وہ ہوتی تھی تو وقت یونہی تھم جاتا تھا۔ سوچوں کے سارے شور خاموش ہو جاتے تھے۔ میز کے گرد جیسے دائرہ سا کھنچ گیا تھا۔ روشنی کا دائرہ۔ اس دائرے کے پار سب دھواں بن کے فضا میں تحلیل ہو چکا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں' فاتح۔''

''اور ایڈم بن محمد.... وہ تمہاری مدد کر رہا ہے؟''

''ہوں۔ اس کی یادداشت چلی گئی تھی۔ آپ کو معلوم ہوگا۔'' تالیہ نے پرکھنے والے انداز میں پوچھا۔ فاتح مسکرایا۔

''سیریسلی؟'' ابرو اچکائے۔ ان کے دائرے کی روشنی تیز ہو رہی تھی۔ ''تم نے اس کہانی پہ یقین کرلیا؟''

وہ ہلکا سا ہنس دی۔ ''آپ نے بھی نہیں کیا؟''

''نہیں۔ وہ محض مجھ سے فاصلہ رکھنا چاہتا تھا۔ سو میرا اخلاقی فرض تھا کہ اس کی خواہش کا احترام کروں۔ جب کسی کی زندگی میں آپ کی جگہ نہ ہو تو اس کو مجبور نہیں کرنا چاہیے۔''

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا ملال چمکا۔

''کیسے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی زندگی میں آپ کی جگہ ہے یا نہیں؟''

ان کے دائرے کی روشنی ماند پڑنے لگی۔کوئی تاریک سایہ سا تھا جو اس روشنی کو نگل رہا تھا۔

''معلوم نہیں کیا جاتا۔محسوس کیا جاتا ہے۔''

''اور جب محسوس ہو جائے کہ اس کی زندگی میں اپنی جگہ نہیں رہی تو کیا کرنا چاہیے؟''

''Graceful exit!''وان فاتح نے مسکرا کے ابرو اچکائے۔وہ مسکرا بھی نہیں سکی۔بس اس کو دیکھے گئی۔

وہ آسیب جیسا سایہ دائرے کے اوپر چھانے لگا۔روشنی جہاں سے بھی آ رہی تھی' اس کا راستہ رک گیا۔اسے لگا ان دونوں کے درمیان سرمئی دھواں سا اٹھنے لگا ہو اور سارا منظر نامہ دھندلا گیا ہو۔

تالیہ نے پلکیں جھپک کے غور سے اسے دیکھنا چاہا لیکن دھواں گاڑھا ہو رہا تھا۔وہ فاتح کو ٹھیک سے پڑھ نہیں پا رہی۔

''کیا تم واقعی ٹھیک ہو؟''وہ نرم سی فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔تالیہ کی نظر اس کے عقب میں پھسلی۔فاتح کے عقب میں بنی اونچی کھڑکی کے بلائنڈز اٹھے ہوئے تھے۔پیچھے سبز لان دکھائی دے رہا تھا۔

لان کے وسط میں ایک سفید ہرن کھڑا تھا۔اتنا کورا سفید کہ ذرا سی گرد بھی اس کو میلا کر سکتی تھی۔اس کی بڑی بڑی سبز آنکھیں تالیہ پہ جمی تھیں۔وہ آنکھیں کچھ کہہ رہی تھیں۔ان کی تحریر پڑھنا مشکل تھا۔

''تالیہ؟''فاتح کی آواز پہ وہ چونکی۔وہ منتظر سا اسے دیکھ رہا تھا۔

''میڈیا...لوگ...حتیٰ کہ آپ کے اسٹافرز تک....سب میرے خلاف باتیں کر رہے ہیں۔میں ٹھیک کیسے ہو سکتی ہوں؟''
اس کے انداز میں تلخی تھی۔چند لمحے قبل کی شگفتگی عنقا ہو چکی تھی۔

''آج سے کئی برس پہلے ہم امریکہ میں ایک قصہ سنا کرتے تھے۔اس عورت کا قصہ جس نے مک ڈونلڈز کو sue کیا تھا۔''

تالیہ کو اس قصے میں دلچسپی نہیں تھی۔وہ متلاشی نظروں سے کھڑکی کو دیکھنے لگی۔سفید ہرن اب وہاں نہیں تھا۔

''یاد ہے ایک زمانے میں امریکہ میں ایک عورت نے مک ڈونلڈز کو اس وجہ سے sue کیا تھا کہ وہ کافی کپ کے اوپر یہ کیوں نہیں لکھتے کہ کافی گرم ہے۔اور عدالت نے اس کے حق میں فیصلہ دیا۔مک ڈونلڈز نے دو ملین کا ہرجانہ ادا کیا۔صرف اس لیے کہ انہوں نے کپ پہ ''گرم'' نہیں لکھا تھا۔''

''میں نے یہ قصہ سن رکھا ہے۔''اس کی نظریں سبزہ زار میں اس ہرن کو تلاش کر رہی تھیں۔مگر وہ کہیں نہیں تھا۔

''قریباً سب نے سن رکھا ہے۔ایک احمقانہ مقدمہ۔یہ تو کامن سینس کی بات ہے کہ کافی گرم ہوتی ہے۔لکھنے کی کیا تُک

بنتی ہے؟ تعجب کی بات کہ وہ عورت مقدمہ جیت بھی گئی۔اس زمانے میں امریکی میڈیا نے اس عورت کو بہت لعن طعن کیا تھا۔ اور لوگوں نے بھی کیونکہ یہ وہ کہانی تھی جو میڈیا نے انہیں سنائی۔اپنی مرضی کا سچ۔جانتی ہو اس عورت کی اصل کہانی کیا تھی؟''

تالیہ نے واپس فاتح کو دیکھا۔ان کے دائرے کی روشنی مدھم ہو چکی تھی لیکن ابھی بجھی نہیں تھی۔اس نے اپنی توجہ فاتح کے قصے کی طرف مبذول کرنی چاہی۔

''سچ یہ تھا کہ وہ ایک ستر سال کی بوڑھی عورت تھی جس نے ڈرائیوتھرو سے مک ڈونلڈز کی کافی لی تھی۔اس کے بھانجے نے وہ کافی اسے تھمائی تو بوڑھی عورت نے اسے اپنی گود میں رکھا۔مگر کافی چھلک گئی اور اس کی ٹانگوں کو بری طرح جلا گئی۔وجہ؟ کیونکہ مک ڈونلڈز کی کافی.....فارن ہائیٹ جتنی گرم ہوتی تھی۔کسی بھی دوسری کافی شاپ سے کئی گنا ابلتی ہوئی۔مک ڈونلڈز کو اس وقت تک سات سو سے زیادہ شکایات آ چکی تھیں کہ آپ کی کافی بہت گرم ہوتی ہے۔لیکن مک ڈونلڈز نے کان نہ دھرے۔''

وہ اداس مسکراہٹ کے ساتھ فاتح کو بولتے سنے گئی۔کتنا عرصہ ہو گیا تھا اس کے قصے سنے ہوئے؟ چھے دن؟ یا چھے سال؟

''وہ عورت اتنی بری طرح جلی کہ بستر مرگ پہ آ گئی۔اولاد کا روزگار ختم ہو گیا۔اسے وہ دو ملین ڈالرز آخر میں ملے بھی نہیں۔چند ہزار ڈالرز دے کر مک ڈونلڈز نے جان چھڑا لی۔اور کیس ختم ہو گیا۔لیکن capitalist میڈیا نے مجھے اور تمہیں وہ کہانی سنائی جو ان کے سرمایادارانہ نظام کی منشا کے مطابق تھی۔میڈیا کبھی نہیں بدلتا۔میڈیا تمہارے اور میرے ساتھ آج بھی وہی کر رہا ہے جو اس وقت کافی سے جلنے والی بوڑھی عورت کے ساتھ کر رہا تھا۔''

''میڈیا کبھی میرا سچ نہیں دکھائے گا۔مجھے اپنا سچ خود دکھانا ہو گا۔'' وہ تلخی سے مسکرائی۔''لیکن....آپ کے ساتھ میڈیا کیا کر رہا ہے؟'' ناسمجھی سے پوچھا۔

فاتح نے گہری سانس لی اور پیچھے کو ہوا۔''ٹی وی کھول لو۔سوشل میڈیا دیکھ لو۔ہر جگہ وان فاتح تنقید کی زد میں ہوتا ہے۔'' اس نے مسکرا کے شانے اچکائے۔

''آپ اپنی جاب سے خوش نہیں ہیں؟'' اس نے اچنبھے سے سوال پوچھا۔''یہی تو آپ کا خواب تھا۔یہی تو آپ چاہتے تھے' فاتح۔پھر کیوں؟''

''اس کیوں کا سوال مجھے بھی ان چھے سالوں میں نہیں ملا۔'' فاتح نے پیچھے کو ٹیک لگائے اطراف میں اپنے شاہانہ آفس کے در و دیوار کو دیکھا۔''یہ ویسا نہیں ہے جیسا میں نے تصور کیا تھا۔میں نے سوچا تھا' تالیہ....میرے پاس میرے ملک کی باگ دوڑ ہو گی تو میں اس میں ملک کی بہتری کے فیصلے کروں گا۔لیکن جب سے میں اس کرسی پہ آیا ہوں... مجھے اس کرسی کو بچانے کو

ترجیح دینی پڑتی ہے۔اگر یہ کرسی چلی گئی تو میں کچھ نہیں کر پاؤں گا اس لیے پہلے کرسی۔پھر کچھ اور۔''

''اور آپ پچھلے کئی سال سے اس کرسی کو بچا رہے ہیں۔ ہر طرف سے۔ ہر ایک کے ہاتھ سے۔''اس نے سمجھتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔اس کا دھیان اپنے دائرے کی روشنی سے ہٹ چکا تھا۔

''لیکن میں نے ملک کے حالات دیکھے ہیں۔آپ نے اچھے فیصلے بھی کیے ہیں' فاتح۔آپ نے بہت اچھے قوانین بنائے ہیں۔''

''مگر یہ ویسا نہیں ہے جیسا میں چاہتا تھا۔میں اس سے بہت زیادہ کرنا چاہتا تھا۔''

''مگر یہ لوگ آپ کو کچھ کرنے نہیں دے رہے۔آپ کے دشمن بڑھتے جا رہے ہیں۔''وہ اس کا چہرہ پڑھ رہی تھی۔''کبھی آپ نے سوچا کہ آپ کے دشمن آپ کے قریبی لوگوں کو بھی غداری کرنے پہ مجبور کر سکتے ہیں؟''

دائرہ اب بجھنے کے قریب تھا۔روشنی کم ہوئی تو پردھان منتری کا اجنبی آفس نمایاں ہونے لگا۔فاتح نے اس کی بات پہ چونک کے اسے دیکھا۔

''کھل کے کہو۔کیا کہنا چاہ رہی ہو۔''

''یونہی کہہ رہی ہوں۔ مجھے آپ کے گرد کچھ ایسے لوگ نظر آ رہے ہیں جو آپ سے مخلص نہیں لگتے۔''

وہ اس کی آنکھوں سے نظریں ہٹائے بغیر کہہ رہی تھی۔

''اشعر میرے ساتھ کئی برس سے ہے۔میں جانتا ہوں' اس نے تمہیں گرفتار کروایا ہے لیکن عصرہ اس کی بہن تھی.....''

تالیہ نے پہلو بدلا۔ چھے سال کے فاصلے نے درمیان سے اعتماد کی وہ فضا غائب کر دی تھی جو سب کچھ کہنے دیتی تھی۔کیا اب وہ فاتح سے کھل کے بات کر سکتی تھی؟

''میں اشعر کی بات نہیں کر رہی تھی۔میرا مطلب تھا....آپ کے گھر میں آنے جانے والے لوگ...''

''میرے گھر میں چند ملازم ہیں جن کی سیکیورٹی کلیئرنس کر کے انہیں رکھا گیا ہے۔باقی میرے بچے ہیں' ییشا ہے اور اشعر ہے۔''وہ حیران ہوا تھا۔

''ییشا؟ وہ جولیانہ کی ٹیوٹر؟ وہ آپ کے گھر رہتی ہے؟''وہ چونک گئی۔

''ہاں۔اس کا کچھ ذاتی مسئلہ چل رہا تھا تو جولیانہ اور میں نے اسے پیشکش کی کہ وہ کچھ دن ہمارے پاس قیام کر لے۔کوئی بات ہے کیا؟''

''نہیں۔ایسے ہی کہہ رہی تھی۔''اس نے سر جھٹک کے گہری سانس لی۔اور اٹھ کھڑی ہوئی۔فاتح اس کا یقین نہیں کرے

گا، وہ جانتی تھی۔ ”میں چلتی ہوں۔ آپ کی بریک ختم ہونے والی ہے۔“

ایک نظر اس نے دونوں کے درمیان حائل میز کو دیکھا۔

برسوں پہلے وہ اس کے ڈائننگ ہال میں ایسی ہی میز کے گرد بیٹھی تھی۔ اور اس سے پوچھا جا رہا تھا کہ کیا گھائل غزال کی پینٹنگ اصلی ہے؟ اور اس نے مسکرا کے کہا تھا کہ ہاں، وہ اصلی ہے۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کوئی اس کا یقین نہیں کرے گا۔

پھر یہ منظر کتنی دفعہ دہرایا گیا تھا۔ تالیہ مراد جھوٹی اور فریب کار عورت تھی۔ وہ فاتح سے دل کی بات نہیں کہہ سکتی کیونکہ وہ اس کا یقین نہیں کرے گا۔ کتنی ہی دفعہ فاتح نے اس کا یقین کیا تھا۔ کتنی ہی دفعہ فاتح نے اس کا یقین نہیں کیا تھا۔ مگر اب دونوں کے درمیان کئی سال کا فاصلہ بھی حائل تھا۔ اب فاتح کے نزدیک اس کی بات کیسے معتبر ہو گی؟

”بس؟“ فاتح جیسے مایوس ہوا۔ اور کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ”ابھی میری بریک میں کچھ وقت ہے۔“

اور تالیہ نے سوچا کہ سارے کھیل وقت کے ہی تو تھے۔

اسے وقت ضائع کیے بغیر مڑنا تھا اور ہمیشہ کی طرح کچھ کہے بنا وہاں سے نکل جانا تھا۔

جیسے اس نے انہیں پہلی دفعہ نہیں بتایا تھا کہ گھائل غزال کی پینٹنگ نقلی ہے۔

جیسے اس نے فاتح کو نہیں بتایا تھا کہ اس کی فائل عصرہ نے چرائی تھی۔

جیسے اس نے یادداشت کھو دینے والے فاتح کو نہیں بتایا تھا کہ وہ دونوں کبھی وقت کے سفر پہ ساتھ گئے تھے۔

جیسے وہ فاتح کو کنویں پہ چھوڑ کے ایڈم کے ساتھ قدیم ملاکہ کے سفر پہ نکل گئی تھی۔

جیسے وہ ہمیشہ اپنی بات اسے نہیں کہہ پاتی تھی۔ کیونکہ دل کہتا تھا، وہ کبھی سچی قرار نہیں دی جائے گی۔

”میں آپ کا وقت نہیں ضائع کرنا چاہتی۔“ اس نے سر کو خم دے کر سلام کیا۔

”تمہیں کیوں لگا کہ تمہارے لیے میرے پاس وقت نہیں ہو گا؟“

وہ تعجب سے بولا تھا۔ تالیہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

وہ پردھان منتری تھا۔ وہ اس کے لیے وقت نکال رہا تھا۔ پھر اس کی زندگی میں تالیہ کی جگہ کیسے نہیں تھی؟ وہ اس دن سے فاتح کو الزام دیتی آ رہی تھی کہ وہ آگے بڑھ چکا ہے۔ وہ بدل چکا ہے۔

کتنا عجیب احساس ہوتا ہے جب انسان پہ انکشاف ہو کہ اس ساری ایکوئیشن میں وہ خود ہی غلط جگہ کھڑا ہے؟ اس کا چیزوں کو دیکھنے کا زاویہ ہی غلط ہے؟ فاتح بن رامزل آگے نہیں بڑھا تھا۔ تالیہ اس سے پیچھے کہیں رک گئی تھی۔ وہ تالیہ کے اپنی طرف بڑھنے کا انتظار کر رہا تھا۔

''کیا اب بھی آپ کی زندگی میں میری جگہ ہے؟''اس نے خود کو حیرت اور بے یقینی سے کہتے سنا۔

''اور تمہیں کیوں لگا کہ میری زندگی میں تمہاری جگہ ختم ہو چکی ہو گی؟''

وہ اطمینان سے اپنی کرسی پہ براجمان گردن اٹھائے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

''میں سمجھی...''اس کے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کے ادا ہونے لگے...'' آپ کے زخم بھر گئے ہوں گے۔اور آپ آگے بڑھ چکے ہوں گے۔''

''کچھ لوگوں کو unlove کرنا ناممکن ہوتا ہے' تالیہ۔ان کی جگہ زندگی سے کبھی ختم نہیں ہوتی۔یہ میرے ہاتھ میں نہیں تھا۔''وہ نرمی سے مسکرایا لیکن وہ اسی بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔(کیا اس نے کہا unlove؟ کیا اس نے واقعی یہ لفظ بولا تھا؟)

''میں چاہتا ہوں کہ تم کل رات میری فیملی کے ساتھ ڈنر کرو۔میرے گھر پہ۔میں تمہیں اپنے بچوں سے ملوانا چاہتا ہوں۔اور یہ بھی دکھانا چاہتا ہوں کہ میرے گھر میں تمہاری جگہ ہمیشہ رہے گی۔''

اس کے الفاظ نے تالیہ مراد کو لاجواب کر دیا تھا۔اس نے دھیرے سے اثبات میں گردن ہلائی۔یہ اقرار تھا۔یہ بہت تھا۔

''ایک بات پوچھوں؟''

''ہوں؟''فاتح نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

''کیا سری پردھانہ میں کوئی سفید ہرن ہے؟''

''سفید ہرن؟''وہ حیران ہوا۔''میں نے کبھی نہیں دیکھا۔''

''مگر میں نے دیکھا ہے۔''وہ دل میں خود سے بولی۔

جب وہ باہر نکلی تو اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔

اگر فاتح کی زندگی میں اس کی جگہ تھی تو وہ اس رشتے سے ناامید کیوں تھی؟وہ تالیہ مراد تھی۔وہ کبھی ہمت نہیں ہارا کرتی تھی۔اس کی ایکویشن میں کیا غلط تھا؟

سری پردھانہ کی راہداری میں آگے بڑھتے ہوئے ایک عجیب سے سوال نے اندر سر اٹھایا۔

کیا تالیہ مراد کی زندگی میں وان فاتح کی جگہ تھی؟

اس سوال کا جواب اسے اپنے اندر ڈھونڈنا تھا لیکن اس سے پہلے ایک کام کرنا تھا۔اسے ملاکہ جانا تھا۔اور اپنی آنکھوں سے دیکھنا تھا کہ کیا وہاں واقعی کوئی خط اس کا منتظر تھا؟وہ اب اپنے خواب کے پورا ہونے کا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔اسے اس

خواب کی تعبیر خود ڈھونڈنی تھی۔

تالیہ مراد کا ماضی ایک دفعہ پھر اسے پکار رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

دوپہر اپنے جوبن پہ تھی لیکن اس شاپنگ مال کے اندر چمکتی دیواریں اتنی اونچی تھیں کہ باہر کے موسم کا کچھ علم نہ ہوتا تھا۔ مال کے اندر رنگوں اور روشنیوں کی ایک نئی دنیا آباد تھی۔ لوگ سارے مہینے کی محنت ان چمکتی راہداریوں میں لٹانے آئے کھڑے تھے۔

ایسی ہی ایک مرمریں راہداری میں ایڈم کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی چھوٹے بالوں والی اسسٹنٹ' کندھے سے اسٹریپ والا بیگ لٹکائے' ہاتھ میں دو فونز پکڑے کھڑی تھی۔ وہ دونوں ایک شاپ کے سامنے موجود تھے اور ایڈم رک کے موبائل پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔

''باس؟'' منتظر سی صوفی نے پکارا۔

''برانڈڈ جیولری اسٹور ہونے کا فائدہ یہ ہے' صوفی.... کہ چھ سال بعد بھی آپ کی دکان اسی جگہ موجود ہوتی ہے۔'' اس نے مسکرا کے سامنے والی شاپ کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ کے خیال میں آپ درست سمت میں جا رہے ہیں' باس؟'' صوفی نے بغور اسے دیکھا۔

''آف کورس۔ چھ سال پہلے.... اپنی موت سے کچھ دن قبل.... عصرہ محمود نے اپنے کارڈ سے ایک معمولی سی ادائیگی اس اسٹور پہ کی تھی۔ اتنی کم رقم میں اس اسٹور کی معمولی سی انگوٹھی بھی نہیں آسکتی۔ اگر ہم اس رقم کا پتہ لگالیں تو....''

''میں تالیہ مراد کی بات کر رہی ہوں۔ آپ کبھی کسی کے لیے پی کیپ پہن کے شاپنگ مال میں تفتیش کرنے نہیں آئے۔''

وہ ایک دم چپ ہو گیا۔ پی کیپ اور گلاسز پہنے' وہ جینز اور شرٹ میں ملبوس' عام لوگوں کے درمیان پہچانا نہیں جا رہا تھا۔

''تالیہ کا کیس اس وقت سب سے زیادہ بکنے والی چیز ہے۔'' ایڈم نے سرسری انداز میں کندھے اچکائے۔ ''اور تمہیں جاب پہ رکھنے سے پہلے ایک زمانے میں' میں ایسی کئی تحقیقات کر چکا ہوں۔''

''مگر اب تو نہیں کرتے نا۔ اتنے سالوں سے ایسا کچھ نہیں کیا۔ اب اس کے لیے کر رہے ہیں۔ کیا تالیہ مراد اتنا وقت اور توانائی صرف کیے جانے کی حقدار ہے؟'' وہ جتانے والے انداز میں کہہ کے آگے بڑھ گئی۔ ایڈم نے بھنویں بھینچ کے اسے دیکھا۔ اور ہونہہ کہہ کے سر جھٹکا۔

''جی ہاں۔ مسز عصرہ بنت محمود ہمارے اسٹور کی بہت پرانی کسٹمر تھیں۔''

وہ کچھ دیر بعد اس قیمتی نگینوں سے چمکتے اسٹور کے اندر رکھے مخملیں صوفوں پہ براجمان تھے اور سامنے بیٹھا مینیجر بتا رہا تھا۔صوفی آگے ہو کے بیٹھی ایک ایک بات نوٹ کیے جارہی تھی۔ایڈم البتہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔چھت کی تیز سفید روشنیاں اس کے سنجیدہ چہرے پہ پڑ رہی تھیں۔وہ صوفی کی بات پہ قدرے ڈسٹرب ہو گیا تھا یہ صاف ظاہر تھا۔

''وہ زیورات کی شوقین خاتون تھیں۔اکثر ہمارے ہاں سے زیورات خریدا کرتی تھیں۔میں خود انہیں ڈیل کرتا تھا۔'' مینیجر بات کرتے کرتے رکا۔ایک سوٹ میں ملبوس اسٹور کا ملازم اس کے پاس آیا' اور ایک پرنٹڈ پیپر اس کی طرف بڑھایا۔

''سر.... یہ وہ بل ہے جو ایڈم صاحب نے مانگا تھا۔'' وہ جانے کی بجائے مینیجر کے صوفے کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑا ہو گیا۔

مینیجر نے عینک لگا کے کاغذ کو پڑھا' پھر اس کی طرف بڑھایا۔

''یہ رہی اس رقم کی تفصیل جو انہوں نے آخری دفعہ یہاں ادا کی تھی۔''

ایڈم نے تیزی سے کاغذ پکڑا اور نظریں سطور پہ دوڑائیں۔وہ ایک ان وائس کی کاپی تھی۔اس کے مطابق عصرہ محمود نے وہ معمولی رقم ایک نیکلیس کے پتھر ہٹا کے اس کو تولنے کے لیے ادا کی تھی۔یہ ایک ڈائمنڈ نیکلیس تھا جس کے زمرد ہٹا کے اس کی قیمت لگائی گئی تھی۔

''کیا آپ کو یاد ہے وہ اس سیٹ کی قیمت کیوں لگوانی چاہتی تھیں؟'' ایڈم نے چہرہ اٹھا کے مینیجر کو دیکھا۔انکھیوں سے اس نے دیکھا کہ وہ ملازم لڑکا وہیں کھڑا تھا۔وہ مسلسل ایڈم کو دیکھ رہا تھا۔

''انہوں نے بتایا نہیں تھا لیکن لوگ قیمت صرف ایک وجہ سے لگواتے ہیں۔''

''زیورات بیچنے کے لیے۔'' صوفی تیزی سے بولی۔

''جی بالکل۔'' مینیجر کے پیچھے کھڑے لڑکے نے پر جوش انداز میں تائید کی۔وہ پھر سے ایڈم کو دیکھنے لگا۔

''کیا آپ کے پاس اس روز کی سی سی ٹی وی ریکارڈنگ ہو گی؟''

''سی سی ٹی وی زیادہ سے زیادہ چھ ماہ تک رکھی جاتی ہے۔چھ سال بہت لمبا عرصہ ہے۔سوری۔''

''مجھے اندازہ تھا۔خیر.... اس ان وائس میں ان تینوں ڈائمنڈز کا سرٹیفیکیٹ نمبر بھی لکھا ہے جو اس سیٹ میں جڑے تھے۔'' ایڈم بل کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔''کیا آپ مجھے اس ہیرے کا ریکارڈ نکال کے دے سکتے ہیں؟ میرا خیال ہے مسز عصرہ نے وہ سیٹ کسی کو بیچا تھا۔اس شخص نے آگے بیچا ہو گا۔بغیر سرٹیفیکیٹ کے وہ اسے آگے نہیں بیچ سکتا۔''

''جی۔فنگر پرنٹ کی طرح ہر ہیرے کا سرٹیفیکیٹ نمبر ہوتا ہے جو لیزر کی مدد سے اس ہیرے پہ لکھا گیا ہوتا ہے اور عام آدمی

کو نظر نہیں آتا۔ میں چیک کر کے بتاتا ہوں۔'' مینیجر ساتھ رکھی میز کی طرف گھوما اور کی بورڈ پہ تیز تیز ٹائپ کرنے لگا۔'' وہ ہیرا دنیا میں جہاں بھی ہوگا' مل جائے گا۔ میں متعلقہ اداروں کو ای میل کر رہا ہوں۔ جیسے ہی جواب آئے گا' میں آپ کو مطلع کر دوں گا۔ ہمارے ریکارڈ میں اس سیٹ کی تصویر بھی ہے۔ وہ بھی میں آپ کو میل کر رہا ہوں۔ ہمارا ہر سیٹ یونیک ہوتا ہے۔ ایک ڈیزائن صرف ایک دفعہ بنتا ہے۔'' مینیجر تیزی سے انگلیاں چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ نوجوان ہنوز وہیں کھڑا تھا۔

''اس دن مسز عصرہ کو جس سیلز مینیجر نے ڈیل کیا تھا....'' اس نے پوچھتے ہوئے بل سے نام پڑھا۔'' نور جازلان... کیا میں اس سے مل سکتا ہوں؟''

''جی سر۔ وہ میں ہی تھا۔'' مینیجر نہایت ذمہ داری سے بتا رہا تھا۔'' اور مجھے یاد ہے وہ دن۔ وہ اپنا ڈائمنڈ سیٹ لے کر آئی تھیں اور اس کی قیمت لگوانا چاہتی تھیں۔''

''کوئی ایسی بات.... کوئی چھوٹی سی بات جو آپ کو اس دن سے متعلق یاد ہو؟''

سامنے کھڑے لڑکے کا دیکھنا اسے کوفت میں مبتلا کر رہا تھا۔ مگر وہ اسے نظر انداز کر کے مینیجر سے بات کرتا رہا۔

''وہ اس دن خاموش خاموش سی تھیں۔'' مینیجر سوچ کے بتانے لگا۔'' کچھ خاص نہیں بولی تھیں۔ انہوں نے سیٹ کی قیمت لگوائی اور پھر وہ دونوں چلے گئے۔''

''دونوں؟''

''ایک آدمی تھا ان کے ساتھ۔ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا میں نے اسے۔''

''اس کا کوئی نام.... کوئی شناخت... کچھ یاد ہے آپ کو؟'' ایڈم تیزی سے بولا۔

''نہیں سر.... اتنی پرانی بات ہو چکی ہے۔ مجھے تو اس کی شکل بھی ٹھیک سے نہیں یاد۔'' مینیجر بے چارگی سے بولا۔

''خیر۔ جہاں اس نے ہیرے بیچے ہیں وہاں سے اس کا ریکارڈ نکل آئے گا۔'' ایڈم نے خود کو تسلی دی۔ صوفی نے گہری سانس لے کر اسے افسوس سے دیکھا اور نوٹ پیڈ پہ کچھ لکھنے لگی۔ وہ بھی سر جھکا کے اپنے موبائل پہ میسجز دیکھنے لگا۔

مینیجر کو ای میل موصول ہوئی تو اس نے ان دونوں کو مخاطب کیا۔'' او کے... اس ڈائمنڈ سیٹ کا پتہ چل گیا ہے۔''

''گڈ... وہ اب کس کی ملکیت ہے؟'' ایڈم تیزی سے سیدھا ہو کے بیٹھا۔

''وہ سسٹم میں ابھی تک عصرہ محمود کے نام پہ رجسٹرڈ ہے۔'' وہ اسکرین کو دیکھ کے بتانے لگا۔

ایک دفعہ پھر بند گلی۔ ایڈم نے کوفت سے آنکھیں بند کیں۔

''کیا مطلب؟'' صوفی نے تعجب سے ایڈم کو دیکھا۔'' وہ سیٹ عصرہ نے بطور اجرت اس شخص کو دیا ہوگا۔ وہ چھ سال سے

اس سیٹ کو سنبھالے کیوں پھر رہا ہے؟''

''اونہوں۔ وہ اسے بیچ چکا ہوگا۔ بلیک مارکیٹ ذرا کم قیمت پہ۔ یا اس نے ہیروں کے لیزر نمبرز مٹوا دیے ہونگے۔ ان کرمنلز کے پاس اب یہ ٹیکنالوجی موجود ہے۔'' ایڈم نے کنپٹی چھوئی۔ ایک لمحے کے لیے اسے کتنی امید لگ گئی تھی۔ اسے لگا یہاں سے کوئی سرا اس کے ہاتھ آئے گا اور وہ تالیہ کو بچالے گا۔ لیکن.... سارے کھرے وقت کی دھول میں مٹ چکے تھے۔

''ہمیں افسوس ہے کہ ہم آپ کی مدد نہیں کر سکے۔'' وہ اٹھا تو مینیجر اور صوفی بھی ساتھ ہی کھڑے ہوئے۔

''کوئی بات نہیں۔ آپ نے اپنا وقت ہمیں دیا۔ یہ بہت ہے۔'' وہ جبراً مسکرایا۔ وہ نوجوان اب دانت نکوستا ایڈم کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا آپ کوئی جیولری دیکھنا پسند نہیں کریں گے؟'' مینیجر نے مسکرا کے قریبی شوکیس کی طرف اشارہ کیا۔

ایڈم نے ایک نظر سامنے قطار در قطار دور تک پھیلے شوکیسز پہ ڈالی اور پھر سنجیدگی سے مینیجر کو دیکھا۔

''نہیں۔ تھینک یو۔ مجھے ہیرے جڑے کف لنکس' ٹائی پن یا گھڑیوں کا شوق نہیں ہے۔ میری جنریشن کے لوگ پتھروں کی نسبت ''ایکسپیرئینس'' پہ پیسا خرچ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔''

''میرا مطلب تھا.... کوئی تو ایسا ہوگا آپ کی زندگی میں جسے آپ ہیرا تحفے میں دینا چاہیں گے۔'' مینیجر خوشگوار لہجے میں ابرو اٹھا کے بولا۔ صوفی نے بھی مسکراہٹ چھپا کے ایڈم کو دیکھا۔

''وہ اب ہیروں سے خوش نہیں ہوتی۔ اس کے پاس سارے زمانے کے جواہرات ہیں۔'' پھر مینیجر سے مصافحہ کیا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ نوجوان تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔

ایڈم کے ساتھ چلتی صوفی کھنکھاری۔ ''آپ کیا کر رہے ہیں' باس؟''

وہ سر جھکائے موبائل پہ ٹائپ کرتے ہوئے بولا۔ ''چے تالیہ کو اس سیٹ کی تصویر بھیج رہا ہوں تاکہ وہ وان فاتح سے پوچھے کہ یہ سیٹ عصرہ کی ملکیت میں ہے یا نہیں۔ امید ہے یہ سیٹ انہیں کئی برس سے نظر نہیں آیا ہوگا۔''

''آپ اپنی زندگی کے ساتھ کیا کر رہے ہیں؟''

''میں ایک دوست کی مدد کر رہا ہوں۔''

''وہ صرف دوست نہیں ہے۔ یقیناً کسی وجہ سے آپ دونوں کا تعلق ٹوٹ گیا تھا لیکن جس طرح آپ اس کی مدد کر رہے ہیں' آپ کو پھر سے تعلق جوڑنے کی امید ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے سادگی سے شانے اچکائے۔ وہ دونوں اب اسٹور کے دروازے تک پہنچ گئے تھے۔

''تو پھر معلوم کریں اور کھل کے اسے سب بتا دیں۔''

''اس سے کیا ہو گا؟'' وہ تلخی سے ہنسا۔

''پھر آپ کو کوئی پچھتاوا نہیں رہے گا۔ اور سنیں باس.... ساری دنیا امید پہ ہی تو قائم ہے۔ اور اپنے فائدے کے لیے ہم سب کو لڑنا پڑتا ہے۔ قسمت وغیرہ کچھ نہیں ہوتی۔ انسان کو وہی ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے' ہاں۔''

دروازہ کھولنے سے پہلے ایڈم ایک دم واپس گھوما۔ وہ نوجوان جو ان سے ذرا فاصلے پہ رکا کھڑا تھا' گڑبڑا گیا۔

''جی؟'' ایڈم نے تحمل سے ابرو اٹھا کے پوچھا۔

''وہ سر... میں....'' وہ ہکلا گیا۔ رنگت سرخ پڑ گئی۔ صوفی نے گہری سانس لی اور آگے بڑھی۔

''آپ ادھر کھڑے ہو جائیں۔ میں آپ دونوں کی تصویر بنائے دیتی ہوں۔ باس۔ باس!'' اسے آنکھ سے اشارہ کیا۔

''اوہ۔'' وہ اس سارے میں ایسا الجھا تھا کہ اسے بھول گیا تھا کہ وہ نوجوان اسے ایسے کیوں دیکھ رہا تھا۔ وہ بے چارہ فین تھا۔ ایڈم قدرے مسکرایا تو اس کو حوصلہ ہوا۔ وہ خوشی خوشی اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ صوفی نے اپنے فون سے دونوں کی تصویر کھینچی۔ پھر ایڈم نے اس سے ہاتھ ملایا۔ وہ فین مومنٹ میں بالکل کچھ بول نہیں پا رہا تھا۔

''تھینک یو' سر... میں آپ کا شو بہت شوق سے دیکھتا ہوں۔'' وہ جذبات سے بے قابو ہوئے بدقت بول پایا۔

''بہت شکریہ۔'' ایڈم نے سر کو جنبش دے کر کہا اور مڑ گیا۔ اپنے پیچھے اس نے سنا' وہ صوفی سے تصویر اپنے فون میں منتقل کرواتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''میں آج کے دن کو ساری زندگی یاد رکھوں گا۔''

ایڈم بن محمد کے قدم وہیں جم گئے۔ وہ آہستہ سے مڑا اور تعجب سے اس نوجوان کو دیکھا۔

''کیوں؟ تم اس دن کو کیوں یاد رکھو گے؟''

''کیونکہ....'' وہ نروس سا مسکرایا۔ صوفی کو دیکھا پھر اس کو۔ ''کیونکہ آپ سلیبریٹی ہیں۔ آپ... لائیک... مشہور ہیں اور...''

''باس؟'' صوفی نے آنکھیں گھما کے اسے دیکھا۔

''مینیجر صاحب...'' وہ بلند آواز میں کہتا واپس اسٹور میں آیا۔ بہت سے لوگ ہاتھ روک کے اسے دیکھنے لگے۔ ایڈم نے پی کیپ اتاری اور واپس اسی صوفے پہ بیٹھا۔

''مجھے آپ سے ایک اور فیور چاہیے۔ اور مجھے امید ہے کہ اس کے بعد میں آپ کے ڈائمنڈز خریدنے کے لیے متفق ہو جاؤں گا۔'' وہ بازو صوفے کی پشت پہ پھیلا کے مسکرا کے بولا۔ مینیجر مسکرا کے واپس اس کی طرف آیا۔

اس کی سب سے بڑی طاقت سلیبریٹی ہونا تھی۔ اور آج اسی شے نے ایڈم بن محمد کو کامیابی دلاتا تھی۔

☆☆==========☆☆

جونکر اسٹریٹ کی رونق اس سہہ پہر ویسی ہی تھی۔ بادل سارے ملاکہ پہ چھائے تھے اس لیے وہاں ٹھنڈی سی چھایا تھی۔

ایسے میں سڑک کنارے ایک ٹیکسی رکی اور سفید ہیٹ والی تالیہ مراد باہر نکلی۔

اس کے سامنے سڑک کا وہ حصہ تھا جہاں سے وہ چھ سال بعد اپنی دنیا میں واپس آئی تھی۔

کتنی ہی دیر وہ وہیں کھڑی رہی۔ پھر ہمت کر کے دھیرے دھیرے قدم اس جانب اٹھائے۔ جامنی فراک کا گھیرا ٹخنوں کے قریب ہوا سے پھڑپھڑا رہا تھا۔ اور سنہری چین والا پرس کندھے سے لٹک رہا تھا۔ انگلیاں باہم مروڑتی وہ اس مین ہول کے کنارے آئی۔ پھر پنجوں کے بل وہاں بیٹھی۔ چند لمحے وہ اپنے دل کی دھڑکن سنتی رہی۔

مین ہول کے ڈھکن میں ایک کاغذ کا کونا پھنسا نظر آ رہا تھا۔ کنارے سے ایک جگہ سیمنٹ اکھڑی تھی تو وہاں برہنہ گیلی مٹی نظر آتی تھی جس میں ایک کونپل اگی تھی۔ اس کونپل پہ ایک تتلی بیٹھی تھی۔ تتلی سیاہ تھی اور اس پہ پیلے دھبے تھے۔ یا شاید وہ پیلی تھی اور دھبے سیاہ تھے۔

تالیہ نے ہاتھ اس جانب بڑھائے تو تتلی اڑ گئی۔ اس نے تتلی کا تعاقب نہیں کیا۔ بس ہمت کر کے ڈھکن ذرا سا اٹھایا اور لفافہ نکالا۔ پھر ہاتھ سے اس پہ لگی گرد اور ریت جھاڑی۔

''چتری تاشہ بنت مراد کے نام۔''

خط کا لفافہ سفید تھا۔ زردی مائل سفید۔ کاغذ قدیم زمانے کا بنا لگتا تھا۔ اس پہ تاریخ اس دن سے ایک ماہ بعد کی لکھی تھی جب وہ ایڈم اور فاتح کے ساتھ قدیم ملاکہ سے نکلی تھی۔ جب مراد راجہ نے فاتح کو وہ کاری زخم پہنچایا تھا۔

تالیہ نے انگلیوں پہ گنا۔ یہ اس کے قدیم ملاکہ سے نکلنے کے ایک ماہ بعد لکھا گیا تھا۔

وہ لفافہ اٹھائے کھڑی ہوئی۔ اسے چاک کرنے کی ہمت نہ تھی۔ اس پہ لگی مہر سلطنت محل کی تھی۔ سلطان مراد راجہ کی مہر۔ کیا وہ واقعی اس کے ماضی کی بازگشت تھا؟ کیا اُس دنیا سے اس دنیا میں خط بھیجنا ممکن تھا؟

تالیہ کو احساس ہوا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ تیزی سے الٹے قدموں گھومی۔

گلی میں غیر شناسا لوگ آ جا رہے تھے۔ بظاہر کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ وہ سر جھٹک کے آگے بڑھنے لگی۔

کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ یہ احساس پھر سے ہونے لگا لیکن وہ بظاہر اطمینان سے قدم اٹھاتی رہی۔ ایک دوسری اسٹریٹ میں مڑتے ہوئے وہ تیزی سے پلٹی۔ کوئی سیاہ لبادے میں موجود تھا اور تیزی سے دوسری گلی کی اوٹ میں روپوش ہوا

تھا۔

تالیہ تیز قدموں سے اس طرف بھاگی۔اس کا ہیٹ نیچے گر گیا لیکن وہ دوڑ کے اسٹریٹ کے دوسرے سرے تک آئی۔

سیاہ لبادے میں موجود شخص کی اس کی جانب پشت تھی۔اس نے آہستہ سے چہرہ موڑا۔وہ چہرہ دیکھ کے تالیہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔اسے چند لمحے لگے تھے اسے پہچاننے میں۔

''لیانہ!'' وہ بے یقینی سے بولی تو لیانہ صابری ہلکا سا مسکرائی۔وہ دونوں گلی کے سرے پہ کھڑی ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔لیانہ مسکرا کے اور تالیہ ششدر سی ہو کے۔

''اوہ نو...داتن!'' وہ ایک دم ہنسی اور آگے بڑھ کے اس کے گلے لگ گئی۔پھر اسی تحیر سے الگ ہوئی اور سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

''تم...تم داتن ہو نا؟'' وہ واقعی بے یقین تھی۔

لیانہ صابری کے بال ویسے ہی گھنگھریالے تھے اور لباس ڈھیلا ڈھالا سا سیاہ رنگ کا تھا۔لیکن وہ ایک دبلی پتلی جسامت کی عورت میں بدل چکی تھی۔وزن کم ہونے کے باعث اس کی صحت خوشگوار اور عمر کم لگ رہی تھی۔

''ہاں۔اور مجھے تمہارا میسج مل گیا تھا۔'' وہ مسکرا کے بولی۔تالیہ نے ایک دفعہ پھر اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

''میرے پاس پوچھنے کے لیے بہت سی باتیں ہیں...مگر.... پہلے یہ بتاؤ...تمہارا وزن کیسے کم ہوا؟''

''بس تالیہ...بہت فاقے کاٹے...روز گھنٹوں ورزش کی...میٹھا چھوڑ دیا...کاربز کو خدا حافظ کہہ دیا...پھر کہیں جا کے وزن کم ہوا۔''

تالیہ نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔''

''ظاہر ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں۔sleeve gastrectomy کروائی ہے۔(ایسا آپریشن جس میں معدہ کاٹ کے چھوٹا کر دیا جاتا ہے۔)'' وہ مسکراتے ہوئے کندھے اچکا کے بولی تو تالیہ ہنس دی۔

''تم نہیں بدلو گی، داتن۔''

''اور کسی انسان کی اس سے بڑی اچھائی کیا ہو سکتی ہے کہ وہ بدلنے والا نہ ہو۔ہوں؟'' داتن پدو کا تفاخر سے مسکرائی۔تالیہ نے پیار سے اسے دیکھا۔

''آؤ وہاں بیٹھتے ہیں۔'' اس نے اسٹریٹ سائیڈ بچھی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔''بہت سی باتیں ہیں جو مجھے تم سے

پوچھنی ہیں۔"

"اور مجھے تم سے صرف یہی پوچھنا ہے کہ تم کہاں تھیں، تالیہ؟ اتنے برس میں نے تمہیں کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا۔" داتن کے انداز میں اپنائیت بھرا غصہ در آیا۔ وہ ہنس دی اور سڑک پہ گرا اپنا ہیٹ اٹھایا۔

"داستان لمبی ہے۔ تم داستان سننے ہی آئی ہو نا تو بیٹھ کے سنو۔" وہ دونوں سڑک کنارے بچھی کرسیوں کی طرف چلی گئیں۔ تالیہ نے ہاتھ سے ویٹر کو اشارہ کیا۔ اسے داتن کو یہ داستان کافی کے چند ادوار کے ساتھ سنانی تھی۔

☆☆=========☆☆

تیز بتیوں سے روشن جیولری اسٹور میں اس وقت ایڈم کے سامنے چار پانچ افراد بیٹھے تھے۔ سب اسے بغور سن رہے تھے جو ہاتھ ہلاتے ہوئے آہستہ آہستہ سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"آپ چار لوگ وہ ہیں جو چھ سال سے یہاں جاب کر رہے ہیں۔ آپ چاروں اس دن شاپ میں موجود تھے جب مسز عصرہ آئی تھیں۔"

"جی بالکل۔ مجھے یاد ہے۔ مگر ہم میں سے کسی کی ان سے بات نہیں ہوئی تھی۔"

"آپ ایک برانڈڈ اسٹور ہیں۔ آپ کے پاس آنے والے گاہک صرف وہ ہوتے تھے جن کے پاس پیسے کی فراوانی ہو۔ یہاں عام آدمی نہیں آتا۔ شہر کے کتنے امراء یہاں روز آتے ہوں گے لیکن آپ کو نہیں یاد ہو گا کہ چھ برس پہلے یہاں کون کون آیا۔ البتہ عصرہ محمود آپ کو یاد ہیں حالانکہ وہ اتنی امیر نہیں تھیں۔"

"بالکل۔" ایک سیلز آفیسر بولا۔ "آخری سال تک تو ان کے مالی حالات بہت خراب تھے۔ جس زمانے میں یہ ہیروں کا سیٹ انہوں نے ہم سے لیا تھا اس بات کو بھی کئی برس ہو چکے تھے۔ مگر ان کی آمد کا دن مجھے اچھے سے یاد ہے۔ ایک ایک تفصیل کے ساتھ۔"

"جی بالکل۔ اور آپ کو معلوم ہے ایک زمانے میں میں وان فاتح کے پاس ملازمت کرتا تھا۔" ایڈم مسکرا کے بولا۔

"جی۔ آپ ان کے باڈی گارڈ تھے۔" پیچھے کھڑا افین نوجوان تیزی سے بولا۔

"باڈی مین۔" ایڈم نے ضبط سے تصحیح کی۔ "اور مجھے اپنی جاب کا پہلا دن اچھے سے یاد ہے۔"

(اور وہ دن وہ کیسے بھول سکتا تھا؟ اسی دن تو سب شروع ہوا تھا۔ تنگو کامل کا گھر.... ان کی ملازمہ.... عصرہ کا دیا سکہ....)

"مجھے وہ دن اس لیے یاد ہے کہ اس دن میں ایک سلیبریٹی سے پہلی دفعہ ملا تھا۔ ہمیں امیر لوگ بھول جاتے ہیں، خوبصورت لوگ بھی ہماری یادداشت سے دھندلا جاتے ہیں، لیکن کسی بھی شخص کو روک کے پوچھیں کہ کیا کبھی وہ کسی سلیبریٹی

سے ملا ہے تو وہ اس دن کا پورا نقشہ آپ کے سامنے کھینچ دے گا۔ جب اس نے مارکیٹ میں کسی ایکٹریا سنگر کو دیکھا۔ کپڑے جوتے' موسم.... ایک ایک لفظ جو سلیبریٹی کے منہ سے نکلا.... لوگوں کو وہ سب یاد رہتا ہے۔'' ایڈم پر جوش انداز میں کہہ رہا تھا۔

''اور لوگ اس یاد کو محفوظ کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں؟ وہ سلیبریٹی کے ساتھ تصویر کھنچواتے ہیں۔ اب بتایئے.... کیا کسی نے اس دن ان کے ساتھ تصویر کھنچوائی تھی؟ اور اگر کھنچوائی تھی تو لوگوں کو کہیں دکھائی ہوگی۔ فیس بک یا ٹویٹر پہ۔''

یہ ممکن نہیں تھا کہ عصرہ محمود شاپ میں داخل ہو اور کوئی اس کے ساتھ سیلفی نہ لے اور اسے اپ لوڈ نہ کرے۔ چند منٹ میں اس کے سامنے آٹھ تصاویر آ گئیں جو یہاں کام کرنے والے اور یہاں سے کام چھوڑ جانے والے ملازمین کے فیس بک سے اٹھائی گئی تھیں۔

عصرہ ہر تصویر میں مسکرا رہی تھی لیکن وہ تکان زدہ لگتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ تھا جس کے اندر یقیناً وہ سیٹ ہوگا۔ صرف ایک تصویر ایسی تھی جس میں وہ صوفے پہ بیٹھی تھی اور ملازم نے پیچھے کھڑے ہو کے سیلفی بنائی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھے شخص کا نیم رخ اس تصویر میں واضح نظر آ رہا تھا۔

اس کے چہرے پہ واضح زخم کا نشان تھا۔ بال گھنگھریالے تھے۔ تصویر کافی حد تک قابل شناخت تھی۔

جو ہمیں کرنا آتا ہے وہ ہمیشہ ہمارے کام آتا ہے۔ وہ گہری سانس لے کر بڑبڑایا۔

اتنے دن سے وہ غلط لوگوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔ فلاں دکان' فلاں کافی شاپ۔ وہ بھری مارکیٹ میں لوگوں سے غلط سوال پوچھ رہا تھا۔ اور اسے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔

اسے صرف ان دکانداروں سے پوچھنا تھا کہ کیا انہوں نے کبھی عصرہ محمود کو یہاں آتے دیکھا ہے؟ اور ہر شخص کے پاس سنانے کو ایک فین مومنٹ سے بھری کہانی ہوتی۔ کتنی ہی سیلفیاں نکل آتیں۔ ساری کڑیاں مل جاتیں۔

ایڈم نے گہری سانس لی اور وہ تصویر تالیہ کو بھیجی۔

''وان فاتح سے پوچھ کے بتائیں.... کیا وہ اس شخص کو جانتے ہیں؟ اور ہے تالیہ.... جب آپ ملاکہ سے واپس آئیں گی تو میں آپ کے پاس آؤں گا۔ مجھے آپ سے ایک اہم بات کرنی ہے۔'' اس نے وہ پیغام بھیج دیا اور ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی۔

☆☆=========☆☆

سڑک کنارے بچھی کرسیوں پہ وہ آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ کافی کے کپ سامنے رکھے تھے اور فضا میں روسٹ ہوئے کافی

بینز کی مہک پھیلی تھی۔ تالیہ کا ہیٹ اب میز پہ رکھا تھا۔ کافی کا دوسرا دور چل رہا تھا اور باتیں ختم ہونے کو نہیں آ رہی تھیں۔

''میں نے اتنے سال تمہیں اتنا تلاشا' تالیہ۔ لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ تمہارے وہ سال کہیں گئے ہی نہیں تھے۔'' داتن اس کی کتھا سن کے حسرت سے ٹھنڈی آہ بھر کے بولی۔ ''کاش یہ آپشن میرے پاس بھی ہوتا۔ زندگی کو pause کرنے کا۔''

''یہ آپشن نہ ہونا ہی اچھا ہے۔ خیر تم بتاؤ..... تم پولیس کو مطلوب تو نہیں ہونا؟''

''نہیں۔ میں آزاد ہوں۔ میرے پیچھے کوئی نہیں ہے۔'' وہ آنکھیں گھما کے مسکرائی تو تالیہ نے غور سے اسے دیکھا۔

''تم نے وہ زندگی نہیں چھوڑی' داتن؟'' اسے جیسے افسوس ہوا۔

''میرے پاس خاموش رہنے کا حق ہے۔'' داتن نے مسکرا کے کندھے اچکا دیے۔ تالیہ نے سر جھٹکا اور کافی کا کپ اٹھا لیا۔ بدلنے کا فیصلہ تالیہ نے کیا تھا۔ داتن نے نہیں۔

''تم فاتح سے ملیں؟''

''ہاں۔ کئی دفعہ۔'' وہ عام سے انداز میں بولی۔ نظریں کافی کے کپ پہ جھکی تھیں۔ ''صبح بھی میں ان کے ساتھ تھی۔''

''سب کیسا ہے تمہارے درمیان؟'' داتن اس کا چہرہ پڑھنا چاہ رہی تھی۔

''معلوم نہیں۔ میں یہ دیکھنے گئی تھی کہ ان کی زندگی میں میری جگہ ہے یا نہیں۔ مگر اب سوچ رہی ہوں کہ کیا میری زندگی میں ان کی جگہ ہے؟'' وہ گھونٹ بھرتے ہوئے دور تک بچھی میز کرسیوں کی قطار کو دیکھنے لگی۔ ہر کیفے اور ریستوران کے سامنے اس کا اپنا چھجا بنا تھا جس کے نیچے لوگ بیٹھے اس خوبصورت سہ پہر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بے فکرے' من موجی لوگ۔ یا شاید وہ بھی اس لڑکی کو دیکھ کے یہی سوچتے ہوں گے۔ کون اپنے اندر کس جنگ سے نبرد آزما ہے' کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔

''تمہاری زندگی میں اس کی جگہ کیوں نہیں ہے؟''

'کیونکہ دنیا والے مجھے اپنے پردھان منتری کے ساتھ قبول نہیں کریں گے۔''

''ایں؟ دنیا والے کہاں سے آ گئے؟''

''دنیا والے ہی تو ہر جگہ آ جاتے ہیں' داتن۔'' وہ اداسی سے سڑک کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''وان فاتح ان کا ہیرو ہے اور لوگ اپنے ہیرو سے نفرت نہیں کر سکتے۔ وہ اس کو شیئر کرنے والے سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ جیسے لوگ زار روس نکولس دوم سے نفرت نہیں کرتے تھے۔ اس کی بیوی الیگزینڈرا سے نفرت کرتے تھے۔ راسپوٹین سے کرتے تھے۔ حالانکہ قصوروار 'زار' تھا کیونکہ اس نے ان دونوں کو اپنی زندگی میں جگہ دی تھی۔ مگر پرستار کی اندھی محبت یہ سوال نہیں پوچھتی۔ اپنے ہیرو کے لیے ان کے پاس ڈھیروں تاویلیں ہوں گی۔ تالیہ مراد کے لیے نہیں ہوں گی۔''

""وان فاتح کے ساتھ زندگی کا تصور مشکل لگ رہا ہے؟""

""جو الزام میرے اوپر لگا ہے' اس کو دھوئے بغیر تو بہت مشکل ہے۔ دنیا والے مجھے برا کہیں گے۔ اگر ان کو معلوم ہوا کہ تالیہ مراد فاتح کی بیوی ہے تو وہ مجھے 'ہوم ریکر' کہیں گے۔ پہلی بیوی کبھی غلط نہیں ہوتی۔ دوسری ہوتی ہے۔""

شام اب گہری ہو رہی تھی۔ پرندے آسمان پہ غول کی صورت اڑتے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔

""تو پھر چھوڑ دو اس کو۔ نکل جاؤ اس کی زندگی سے۔ اپنی زندگی مشکل نہ بناؤ' تالیہ۔ تم ایک ایسا انسان ڈیزرو کرتی ہو جس کے ساتھ تم سر اٹھا کے جی سکو۔ تمہیں کسی کا خوف' کسی کا گلٹ نہ ہو۔""

تالیہ نے اداس مسکراتی نظریں اس کی طرف اٹھائیں۔ ""تم ایڈم کی بات کر رہی ہو۔""

داتن چپ ہو گئی۔ پھر گہری سانس لی۔ ""شکر ہے تم جانتی ہو۔""

""ہاں۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا۔ ہم نے کہا تھا کہ ہم اس بارے میں بات کریں گے لیکن نہیں کر سکے۔ کئی دن۔ کئی سال۔"" وہ کپ کے دہانے پہ انگلی پھیرتے ہوئے مسکرا کے بولی۔

""اگر تم وان فاتح کے ساتھ خوش نہیں ہو تو اس کو اپناؤ جو تم سے محبت کرتا ہے۔ سیانے کہتے تھے' شادی اس سے نہیں کرنی چاہیے جس سے آپ محبت کرتے ہیں بلکہ اس سے کرنی چاہیے جو آپ سے محبت کرتا ہے۔""

""ان سیانوں کی اپنی شادیوں کا کیا بنا۔ میں اکثر سوچتی ہوں۔"" وہ ہنس کے ٹال گئی۔ داتن نے ناک چڑھا کے ہونہہ کیا۔

""تم اپنے آپ کو وان فاتح کے انتظار میں ضائع کر رہی ہو۔ تم ایڈم جیسا انسان ڈیزرو کرتی ہو تالیہ۔ اب بھی وقت ہے۔ تم فاتح کی زندگی سے عزت کے ساتھ الگ ہو جائے۔ خود پہ کوئی دھبہ لگائے بغیر۔""

""کسی نے مجھے کہا تھا کہ کسی کو unlove کرنا آسان نہیں ہوتا۔ میں کوشش کروں گی کہ فاتح کو unlove کر سکوں۔ شاید یہ فیصلہ تب آسان ہو جائے۔"" پھر اس نے گھڑی دیکھی۔ ""میرے پاس ابھی ایک دن ہے۔ کل مجھے فاتح کی فیملی کے ساتھ ڈنر کرنا ہے۔ فاتح نے بلایا ہے۔""

""اگر تم نے وان فاتح کو چھوڑ ہی دینا ہے تو اس کی فیملی سے ملنے کا مقصد؟""

""میں اس ایشا تاج سے ملنا چاہتی ہوں جو ان کے گھر رہ رہی ہے۔ وہ جولیانہ کی ہوم ٹیوٹر ہے اور...."" اس نے مسکرا کے داتن کو دیکھا۔ ""تمہیں اس کو دیکھ کے کوئی یاد آیا؟""

""کون؟"" داتن نے تعجب سے اسے دیکھا۔ تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

""میں... داتن... میں تالیہ۔ وہ میری کاربن کاپی ہے۔ کسی نے دو سال پہلے اسے فاتح کی زندگی میں داخل کیا ہے اور وہ

صرف اسی لیے دھوکہ کھا گئے کیونکہ انہیں اس کو دیکھ کے میں یاد آتی تھی۔ وہ کون دشمن ہے اور مجھے ان کو اس سے بچانا ہے۔"

"تالیہ۔" داتن نے آہستہ سے کہا۔ "دو سال ایک لمبا عرصہ ہے ایک کون کھیلنے کے لیے۔ اور میرا نہیں خیال کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی خاص مشابہت ہے۔ اتنی مشابہت ہونے کا یہ مطلب بھی تو ہو سکتا ہے کہ فاتح ایک ہی طرح کی عورتوں کو اپنی زندگی میں جگہ دیتا ہے۔"

تالیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "تمہیں میرا یقین نہیں ہے؟"

"میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ تم یشا تاج کے بارے میں غلط بھی ہو سکتی ہو۔ تالیہ تم ابھی تک چھے سال پہلے کے ٹائم فریم میں ہو۔ یہاں ایک زمانہ بیت چکا ہے۔ اتنا وقت کس کے پاس ہوگا کہ وہ تمہارے جانے کے چار سال بعد کسی کو فاتح کی زندگی میں بھیجے گا؟ اور پھر دو سال تک اس عورت نے انہیں کوئی نقصان نہیں دیا۔ اب کیوں دے گی؟"

"تمہیں میری عقل اور سمجھ پہ ذرا بھی بھروسہ نہیں ہے؟" تالیہ خفگی سے کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

"اپنی عقل سے پوچھو کہ کہیں وہ تمہیں وہی تو نہیں دکھا رہی جو تم دیکھنا چاہتی ہو۔ تم یہ ماننے کو تیار نہیں ہو کہ فاتح کی زندگی میں کوئی اور بھی ہے۔ تم بس یہی چاہتی ہو کہ کسی طرح ان کو تمہاری ضرورت پڑتی رہے۔ تم ان کو ہر مسئلے سے بچاتی رہو۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ "اور تمہارا اپنا کیس؟ اس کی تحقیق کون کرے گا؟"

"ایڈم۔ کیونکہ دوست اسی لیے ہوتے ہیں۔" وہ شانے اچکا کے بولی۔ "خیر چھوڑو یشا کو۔ میں تمہیں ثابت کر کے دکھا دوں گی۔ بہر حال.... میرے گھر کا پتہ تمہیں معلوم ہوگا۔ میں تم سے کل کے ایل میں ملوں گی۔ تب تک تم مجھے یشا تاج کے بارے میں جتنی معلومات مل سکیں، ڈھونڈ کے دو گی۔"

داتن نے منہ بنا کے اسے دیکھا۔ "تم اس زندگی کو ترک کر چکی ہو۔ اب میں تمہاری کرائم پارٹنر نہیں رہی۔ اب میں تمہارے لیے کیوں ریسرچ کروں گی، تالیہ؟"

"کہا نا.... دوست اسی لیے ہوتے ہیں۔" اس نے مسکرا کے ہیٹ سر پہ رکھا۔ اور ہاتھ اٹھا کے دوسری جانب سے آتی ٹیکسی کو اشارہ کرنے لگی۔

"تم اب کہاں جا رہی ہو؟" داتن نے پیچھے سے پکارا۔

"اس شخص سے ملنا جس نے یشا کو بھیجا ہے۔ میں جانتی ہوں وہ کون ہے۔" وہ آگے بڑھ گئی۔

ٹیکسی ڈرائیور کو پتہ بتا کے اس نے پرس سے وہ خط نکالا اور پھر.... دھڑکتے دل سے لفافے کی مہر توڑی۔

اندر زردی مائل کاغذ پہ سیاہ روشنائی میں لکھی تحریر دیکھتے ہی اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ وہ اس لکھائی کو پہچانتی تھی۔

"پیاری تالیہ...

تمہیں گئے آج تیسواں روز ہونے کو آیا ہے۔ میری فتوحات میں اضافہ ہو رہا ہے اور میرے دشمنوں کو شکست ہو رہی ہے۔ لیکن کوئی بھی خوشی تمہارے بچھڑنے کے غم کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ تم مجھے بہت اکیلا کر کے چلی گئی ہو۔

میں مانتا ہوں کہ میرے کیے اکثر فیصلے بہت غلط تھے۔ میں نے وان فاتح کو تکلیف پہنچائی۔ نہیں معلوم کہ وہ دوسری دنیا پہنچنے تک زندہ رہا یا نہیں۔ نہیں معلوم کہ اپنی دنیا میں مَیں زندہ ہوں یا مردوں میں سے ہوں۔ نہیں معلوم کہ تم اپنی کتابوں میں میرے بارے میں کیا پڑھو گی۔ غلط تھے میرے فیصلے۔ میں مانتا ہوں۔ لیکن اس سب میں ایک چیز سچی تھی۔ تالیہ کی مراد راجہ سے محبت۔ اور مراد راجہ کی اپنی اصل بیٹی تالیہ سے محبت۔ میں نے جو کچھ کیا محبت میں کیا۔ محبت انسان سے کیا نہیں کرواتی۔ چوری... قتل... جنگ۔ بس ایک "محبت" نہیں کرواتی۔ میں تم سے وہ محبت نہیں کر سکا جو مجھے کرنی چاہیے تھی۔ نہیں جانتا کہ تمہاری دنیا میں وقت کی سوئی کہاں ہے۔ لیکن ایک ملال ہمیشہ رہے گا۔

کاش تم مجھے یوں دھوکہ دے کر نہ جاتیں۔ تم مجھ سے لڑ کے، رو پیٹ کے، مجھ پہ غصہ کر کے چلی جاتیں تالیہ.... لیکن دھوکہ دے کر نہ جاتیں۔ مجھے ٹھیک سے الوداع کہنے کا موقع تو دیتیں۔ تم نے مجھے بہت تکلیف دی ہے۔ میں اپنی دی گئی تکلیف کی سزا بھگت رہا ہوں.... لیکن جانتی ہو تمہارا دل کیوں ٹوٹا ہوا ہے؟ کیونکہ تم نے مجھے تکلیف دی ہے۔ تمہارا یہ دکھ کبھی دور نہیں ہوگا تالیہ۔ تم چاہے ملکوں ملکوں پھرو.... چاہے ان سارے مسئلوں سے نکل آؤ جن میں تم گرفتار تھیں... چاہے تمہارے پاس زمانے بھر کے خزانے آ جائیں... یا تمہیں اپنا من پسند آدمی مل جائے... تم جہاں بھی جاؤ گی میری بیٹی.... تمہارا یہ زخم کبھی نہیں بھرے گا۔

سوائے اس کے کہ.....

تم میرے پاس واپس آ جاؤ۔

تمہیں کسی دوسری دنیا میں سکون نہیں ملے گا۔

یہ بد دعا نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے۔

تمہارا باپ۔

مراد۔''

خط کے صفحے پہ جگہ جگہ گرتے آنسوؤں نے روشنائی مٹا ڈالی تھی۔ اس نے گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی۔ شوفر نے بیک ویو مرر میں اس لڑکی کو دیکھا جو خط تہہ کرتے ہوئے پرس میں رکھ رہی تھی۔ اس کی جھکی پلکوں پہ کتنے ہی آنسو آن ٹھہرے تھے۔

کسی کو unlove کرنا واقعی آسان نہ تھا۔ نہ فاتح کو۔ نہ مراد راجہ کو۔

☆☆=========☆☆

وہ گلی چھے سال میں کئی دفعہ بدلی ہو گی۔ لیکن تالیہ کو وہ آج بھی ویسی ہی لگی تھی۔ وہی گملے۔ وہی فرش۔ اور ذوالکفلی کے گھر کے سامنے بنے دو اسٹیپ۔ وہ اس گلی میں داخل ہوئی اور چبھتی نظروں سے اطراف کا جائزہ لینے لگی۔ اس کی آنکھوں کے سارے آنسو اب تک سوکھ چکے تھے۔ اور ان میں سرد مہری در آئی تھی۔

مکان کے دروازے پہ زنجیر میں لپٹا تالہ لگا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا اس گھر کو برسوں سے کسی نے نہیں کھولا۔ جامنی فراک والی لڑکی سینے پہ بازو لپیٹے چند لمحے تنفر سے اس مکان کو دیکھتی رہی۔

پھر وہ دروازے کے سامنے بنے اسٹیپ پہ بیٹھی' ہیٹ اتار کے ساتھ رکھا اور اونچی آواز میں بولی۔ ''میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں' ذوالکفلی۔''

گلی سنسان تھی۔ مغرب گہری ہو چکی تھی اور سارے پہ جامنی اندھیرا پھیلا تھا۔ بظاہر اس کے ارد گرد کوئی نہ تھا۔ لیکن تالیہ جانتی تھی کہ وہ کسی کونے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے گزرے اور گلی کے دوسرے کونے سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ زینوں پہ بیٹھی تالیہ نے چہرہ اس طرف موڑا۔

لمبی برساتی پہنے' سر پہ سیاہ ہیٹ جمائے' وہ اس کی طرف چلتا آ رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ قریب آتا گیا' اس کے چہرے کا ایک ایک نقش واضح ہوتا گیا۔ اس کی آنکھوں کی چمک آج بھی ویسی ہی تھی۔ جھریوں نے البتہ جلد کو کریلے کے خول کی مانند کر دیا تھا۔ کڑوے کریلے جیسے۔ قلموں سے بال سفید ہوتے نظر آ رہے تھے۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے عین اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ پھر ہیٹ والا سر جھکا کے اسے دیکھا اور مسکرا کے ابرو اچکائے۔

''کیا چیز شہزادی کو میرے غریب خانے پہ لے آئی آج؟''

تالیہ نے گردن اٹھا کے اسے پتلیاں سکوڑ کے دیکھا۔

''تم بھی عجیب آدمی ہو ذوالکفلی۔'' وہ افسوس سے اسے دیکھ کے کہنے لگی۔ ''میں تم سے پہلی دفعہ تب ملی تھی جب میرے بابا پا زخمی تھے۔ تم نے مجھے ان کی دوا دی تھی.... اس شرط پہ کہ ان کو تمہارے لیے کچھ کرنا ہوگا۔ محبت کی بے بسی بھی عجیب ہوتی ہے۔ ساری شرطیں منوا لیتی ہے۔ تمہیں جوان خون چاہیے تھا اپنی ساحرانہ قوتوں کو بڑھانے کے لیے۔ جتنے لوگوں کو تم جادو سکھاؤ گے اتنی تمہاری طاقت بڑھے گی۔ میں نے پمبورو کی کتابوں میں پڑھا ہے اس بارے میں۔ اسی لیے تم نے مجھ سے میرا باپ لے لیا اور اس کو جادوگر بنا ڈالا۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کے بول رہی تھی۔

''اگر تمہارا باپ جادوگر نہ ہوتا تو کیا وہ سارے ظلم نہ کرتا جو اس نے کیے' پتری تالیہ؟ اونہوں۔ کسی ہنر کا سیکھنا انسان کی فطرت نہیں بدلتا۔ سانپ کی فطرت میں ڈس لینا ہے۔ وہ مسجد میں رہ کے بھی نہیں بدلتا۔''

''جیسے تم نہیں بدلے۔ وہ دنیا ہو یا یہ دنیا۔ تم نے ہر جگہ دوسروں کو دھوکے سکھائے۔ جادو بھی تو ایک دھوکہ ہے۔ تم اپنی دنیا میں جادوگر تھے۔ ہماری دنیا میں کون آرٹسٹ کہلائے۔ جب میں تمہیں بھلا چکی تھی' تب تم مجھ سے یتیم خانے میں ملے۔ اور تم نے مجھے پھر سے دھوکہ دیا۔''

''اپنی شناخت چھپا کے؟'' وہ چمکتی آنکھوں سے مسکرا رہا تھا۔

''نہیں۔ مجھے یہ تاثر دے کر یہ تم مجھے اڈاپٹ کرنے جا رہے ہو۔ پہلی دفعہ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ مجھے ایک باپ' ایک گھر ملنے والا ہے۔ تالیہ نے ساری عمر کیا چاہا ہے اس کے سوا کہ اس کا کوئی گھر ہو' کوئی فیملی ہو؟ لیکن نہیں۔ برسوں بعد میں تمہیں دوبارہ ملی' تب بھی تم نے میرے ساتھ یہی کیا۔ مجھے ایک فریب کے پیچھے لگا دیا۔''

''کیا میں نے تمہیں بہروپیہ بنایا؟ یاد رکھو.... تم میرے پاس آنے سے پہلے بھی چھوٹی موٹی چوریاں شروع کر چکی تھی۔''

''میں vulnerable تھی۔'' اس کی آواز اب سپاٹ نہیں رہی تھی۔ اس میں اداسیاں گھل گئی تھیں۔ ''میرے خواب ٹوٹے تھے۔ میرے پاس غربت میں گزارا کرنے کی چوائس تھی۔ میں نے غلط فیصلہ کیا۔ لیکن تمہارے پاس بھی چوائس تھی۔ تالیہ کی روح کو بچا لینے کی۔ تم نے بھی درست فیصلہ نہیں کیا۔ تم نے مجھے فریب کاری کی دنیا میں گرنے دیا۔''

''میں نے ہمیشہ تمہارا خیال رکھا۔ تمہارے پیچھے تمہاری حفاظت کی۔ تم مشکل میں میرے پاس آتی تھیں۔ اور تم نے کیا کیا؟ مجھے زہر دینا چاہا؟''

دونوں اندھیر گلی میں آمنے سامنے موجود تھے۔ وہ ابھی تک بیٹھی تھی اور وہ کھڑا تھا۔ دونوں کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا۔

''میں نے تمہیں زہر نہیں دیا تھا۔ دھوکہ دیا تھا۔ میں تم سے چابی مانگنے کبھی نہ آتی اگر تم مجھے اس چابی کے چکر میں نہ پڑنے دیتے۔ تم مجھے میرا ماضی بھولے رہنے دیتے۔ بھولنا ایک نعمت تھی' ذوالکفلی۔ تم نے میری نعمت مجھ سے چھن جانے دی۔''

''اور تم نے مجھ سے دھوکے سے چابی حاصل کر لی۔ میں نے کہا تھا نا' تمہیں دھوکے کی قیمت چکانی پڑے گی۔ تمہارے چھے برس ضائع ہو گئے' تالیہ۔ چچ چچ.....''

''اگر میرے چھے برس ضائع ہوئے' تو تمہارے بھی یہ سال کسی اچھے کام کو کرنے میں نہیں گزرے۔ اب میری بات سنو جادوگر' انسان کا جو وقت کسی اچھے کام میں نہ گزرے' وہ ایسا ہوتا ہے کہ جیسے اس نے وہ گزارا ہی نہیں۔ بورنگ روٹین میں رہنے والوں کو اسی لیے لگتا ہے کہ وقت تیزی سے گزر گیا۔ وقت صرف ان کا ضائع نہیں ہوتا جو روشنی کے سفر پہ نکلتے ہیں۔ تالیہ کو افسوس نہیں ہے کہ اس کے سال ضائع ہوئے۔ تالیہ کو تم سے چابی حاصل کرنے پہ بھی کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔''

''تو پھر یہاں کیوں آئی ہو؟''

''یہ کہنے کہ میرا تمہارا حساب برابر ہو چکا ہے۔ بلکہ تمہارے گناہ زیادہ ہی ہوں گے۔ پھر فاتح کے پیچھے ییشا کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟''

ذوالکفلی کے ابرو اچھنبے سے بھینچے۔ ''میں سمجھا نہیں۔ کون ییشا؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

تالیہ نے افسوس سے سر جھٹکا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اسٹیپ پہ کھڑی اس سے قدرے اونچی لگ رہی تھی۔

''تمہاری زبان دو کاموں میں ماہر ہے۔ جادو اور جھوٹ۔ لیکن تالیہ کو سچ اور جھوٹ کا فرق کرنا آتا ہے۔ تم نے اس عورت کو میرے سانچے پہ تخلیق کیا اور فاتح کی زندگی میں داخل کیا۔ صرف تم جانتے تھے ہمارے دونوں زمانوں کی باتوں کے بارے میں۔ سیاہ گھوڑے اور جانے کیا کچھ۔ تم فاتح کو نقصان پہنچا کے تالیہ سے بدلہ لینا چاہتے ہو۔''

''نہیں' پتری تالیہ۔'' وہ الجھن بھری برہمی سے بولا۔ ''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں کسی ییشا کو نہیں جانتا۔ نہ مجھے کسی کو یوں بھیجنے کی ضرورت ہے۔ میرا عناد تم سے تھا۔ وان فاتح سے نہیں۔'' وہ تلخی سے بولا۔ ''تم میرے تنفر میں اتنی اندھی ہو چکی ہو کہ اپنے اصل دشمن کو ڈھونڈنے کی بجائے....''

''میں تمہارے جھوٹ سننے نہیں آئی۔ یہ بتانے آئی ہوں کہ اگر....'' وہ ایک قدم نیچے اتری اور اس کے مقابل کھڑے ہو کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''اگر... تم نے.... فاتح کو نقصان پہنچایا... تو... میں.... تمہاری.... جان لے لوں گی۔''

''تم؟'' وہ استہزائیہ مسکرایا۔ ''تم کسی کی جان نہیں لے سکتیں۔''

''کیونکہ میں نے تمہیں زہر نہیں دیا تھا؟''

ذوالکفلی تلخی سے مسکرایا۔ ''تم نے الف لیلوی کہانیاں پڑھی ہیں' پتری تالیہ؟ ان میں ایک شہزادی ہوتی ہے جس کو اگر کوئی زہر دے ڈالے... یا... کسی ٹاور میں قید کر دے... یا... سوتیلی ماں اس پہ ظلم کرے.... تو اسے بچانے ایک شہزادہ آتا ہے سفید

گھوڑے پہ۔اور وہ اس کہانی کے سارے کرداروں کو ان کے غموں سے نکال لیتا ہے۔تم بھی اپنی کہانی کی وہی saviour ہو۔سفید گھوڑے والی شہزادی۔اپنے سیاہ ماضی سے تائب ہو کے اچھائی کے سفید راستے پہ چلنے والی۔اور سفید گھوڑے والی شہزادیاں کسی کی جان نہیں لے سکتیں۔"

وہ کہہ رہا تھا اور تالیہ اسے چبھتی نظروں سے دیکھتی گئی۔پھر اس کے کان کے قریب چہرہ جھکا کے بولی۔

"ذوالکفلی....."اس کی آواز سرگوشی سے بھی ہلکی تھی۔"سفید گھوڑے والی شہزادیوں کا زمانہ گزر چکا ہے۔"

پھر وہ اپنا ہیٹ لیے آگے بڑھ گئی۔ذوالکفلی تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اسے جاتے دیکھتے رہا۔

☆☆=========☆☆

اگلی صبح اور اگلی دوپہر یوں گزر گئی کہ پتہ ہی نہ چلا۔پتراجایا کے آسمان پہ سرِ شام ہی سیاہ بادل اکٹھے ہونے لگے۔ان کے گرجنے کی آوازیں اونچے محلوں میں رہنے والوں کو اپنے آرام دہ لونگ رومز میں بھی واضح سنائی دے رہی تھیں۔آج رات بارش کھل کے برسنی تھی' یہ تھا۔

وان فاتح کی رہائشگاہ بھی بار بار بجلی کی چمک سے روشن ہوتی۔پھر اندھیرا چھا جاتا۔اندر اسٹڈی میں وہ اپنی مرکزی کرسی پہ بیٹھا تھا۔وہ سامنے بیٹھے سکندر اور جولیانہ کو دھیمے لہجے میں جو بات بتا رہا تھا' اسے سن کے جولیانہ نے کوئی تاثر نہیں دیا البتہ سکندر ہدک کے کھڑا ہوا۔

"کیا مطلب؟"اس نے بے یقینی سے باپ کو دیکھا۔"تالیہ مراد ہمارے گھر آ رہی ہے؟وہ ہمارے ساتھ ڈنر کرے گی؟"

"تالیہ فیملی ہے' سکندر۔"

"تالیہ فیملی نہیں ہے۔"وہ دبا دبا سا غرایا۔اس کے نوعمر چہرے پہ غصہ سرخی پھیلا رہا تھا۔

"سکندر....."وہ اتنے ہی تحمل سے بولا۔"وہ ہر برے وقت میں ہمارے ساتھ کھڑی ہوتی تھی۔یہ اس کا برا وقت ہے۔اس پہ ایک غلط الزام لگا ہے۔ہم اس کو اکیلا کیسے چھوڑ دیں؟"

"ڈیڈ.....آپ کو دکھائی کیوں نہیں دے رہا؟اس نے ہماری ماں کا قتل کیا ہے۔سارا میڈیا یہی کہہ رہا ہے۔"

"میڈیا تو یہ بھی کہتا ہے کہ میں ایک برا حکمران ہوں۔کیا تم ان باتوں کا بھی یقین کر لیتے ہو؟"اس کے انداز میں اب کے برہمی در آئی۔سکندر چپ ہو گیا۔فاتح نے جولیانہ کی طرف چہرہ موڑا۔"کیا تم نے سکندر کو نہیں بتایا؟"

سکندر نے چونک کے اسے دیکھا۔"کیا؟"

جولیانہ کھنکھاری۔پھر سکندر کی طرف دیکھا۔"ڈیڈ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔تالیہ نے ماما کا قتل نہیں کیا تھا۔جو کیک وہ بھیجتی تھی

وہ میں نے خود دیکھے تھے۔ ان پہ آئسنگ نہیں ہوتی تھی۔ اور زہر آئسنگ میں تھا۔ کیک میں نہیں۔ آئسنگ کوئی بعد میں چھڑکتا تھا۔"

سکندر چند لمحے الجھن سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر فاتح کی طرف رخ کیا۔ "کون؟"

"دیکھو سکندر... تمہاری ماما کے ایک پرانے ملازم کا آج سراغ ملا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تالیہ بے گناہ ہے۔ وہ گواہی دے گا اور تالیہ بری ہو جائے گی۔ یہ اتنا سمپل ہے۔"

سکندر نے دونوں ابرو سوالیہ انداز میں اٹھائے۔ "یعنی تالیہ مراد بے قصور ہے اور اصل گواہ سامنے آنے والا ہے؟"

"ہاں۔"

"میں جولیانہ نہیں ہوں' ڈیڈ جو میں اس بات کا یقین کر لوں گا۔" وہ ایک دم پھنکارا۔ "یہ تالیہ مراد کی کہانیوں میں سے ایک ہے۔ اس کے پاس بہت پیسہ ہے۔ وہ کسی کو بھی خرید سکتی ہے۔"

"سکندر...." فاتح نے گہری سانس لے کر اس کو پکارا۔

"اس نے میری ماں کا قتل کیا ہے۔ میں بس یہی جانتا ہوں۔ آپ چاہتے ہیں کہ میں تمیز سے اس ڈنر میں بیٹھوں تو میں بیٹھ جاؤں گا۔ میں اس کو برداشت کر لوں گا۔ لیکن آپ مجھ سے یہ امید نہ رکھیں کہ میں اس کہانی میں آؤں گا۔" وہ پیر پٹخ کے اٹھا اور تیزی سے باہر چلا گیا۔ بادل زور سے گرجے اور کھڑکیوں کے باہر بجلی چمکی۔ اگلے ہی پل سیاہی پھر سے چھا گئی۔ فاتح نے افسوس سے اس کو جاتے دیکھا۔ "اس کو کیا ہو گیا ہے؟"

"کیا اب آپ تالیہ کو نہیں بلائیں گے؟" جولیانہ نے تذبذب سے پوچھا۔

"ظاہر ہے میں اسے بلاؤں گا۔ تالیہ فیملی ہے اور ہمارے گھر میں اس کی جگہ ہمیشہ رہے گی۔" وہ مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے اٹھا تو جولیانہ مسکرا دی۔

"مجھے تالیہ مراد تھوڑی بہت یاد ہے۔ مجھے وہ ہمیشہ اچھی لگتی تھی۔" وہ سادگی سے بولی تو فاتح مسکرا دیا۔

ادھر سکندر اپنے کمرے کا دروازہ کھول کے غصے سے اندر داخل ہوا تو دیکھا۔ اسٹڈی چیئر پہ اشعر ریلیکس انداز میں بیٹھا ہے۔ جینز پہ جرسی شرٹ پہنے' وہ ہاتھ میں سکندر کی گیند گھما رہا ہے۔ سکندر نے دروازہ بند کیا اور بگڑے تاثرات کے ساتھ بیڈ کے کنارے بیٹھا۔ کشن اکو ٹھوکر ماری۔

"تو یہ سچ ہے؟ تالیہ مراد آج ڈنر ہمارے ساتھ کرے گی؟" اشعر گیند کو دیکھتے ہوئے بولا تو سکندر نے اسے گھورا۔

"ڈیڈ کو نظر کیوں نہیں آ رہا؟"

”کیونکہ وہ ان کا بلائنڈ سپاٹ ہے۔تم اسے نہیں جانتے۔میں جانتا ہوں۔“اس نے گیند رکھی اور سنجیدہ آواز میں اسے سمجھانے لگا۔”تمہارے ڈیڈ زندگی کے اس حصے میں بہت اکیلے ہیں۔ان کو تالیہ کی صورت میں ایک لائف پارٹنر مل رہا ہے۔اور اس میں کوئی برائی نہ ہوتی اگر وہ کا کا قتل نہ کر چکی ہوتی۔“

”آپ سارا وقت مجھے ہی بولتے رہتے ہیں۔ڈیڈ کو سمجھاتے کیوں نہیں ہیں؟“وہ زچ ہو کے بولا۔اشعر نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔

”تمہارے ڈیڈ سمجھانے کی حدود سے نکل گئے ہیں۔یہ لڑکی خطرناک ہے' سکندر۔یہ تمہارے ڈیڈ کو نقصان پہنچانے کے لیے ان کی زندگی میں داخل ہوئی ہے۔میں بتا رہا ہوں۔اب تمہیں ہی کچھ کرنا ہوگا۔“وہ افسوس سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔”ورنہ تم ہر دوسری شام اس کے ساتھ ایک ہی میز پہ ڈنر کرنے پہ مجبور ہو گے۔“

اشعر چلا گیا اور سکند دروازے کو گھورتا رہا۔

☆☆=========☆☆

جس وقت داتن اس کے اپارٹمنٹ میں داخل ہوئی' لونگ روم کی کھڑکیوں کے باہر شام اترتی دکھائی دے رہی تھی۔بجلی وقفے وقفے سے چمک رہی تھی۔دروازے کا کمبینیشن کوڈ اسے معلوم تھا۔تالیہ نے پہلے سے بتا رکھا تھا۔وہ اندر آئی۔اپنا بیگ صوفے پہ ڈالا۔تالیہ کی تلاش میں نظریں ادھر ادھر دوڑائیں۔پھر دیکھا....بیڈروم کا دروازہ کھلا تھا۔

”تالیہ....تال...“وہ جوگمن سی اسے پکارتی اندر آ رہی تھی....چوکھٹ پہ ٹھٹک کے رک گئی۔

تالیہ ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی تھی۔مرر کی سفید وینٹی لائیٹس روشن تھیں۔ان کی تیز رشنی میں وہ کوئی سفید مورت لگ رہی تھی۔وہ بالوں کے جوڑے میں پنیں لگا رہی تھی۔آواز پہ پلٹی۔اسے دیکھ کے داتن متحیر رہ گئی۔

وہ سفید اور سلور انڈین ساڑھی میں ملبوس تھی۔ساڑھی کے آستین کلائیوں سے ذرا پیچھے تک آتے تھے۔بالوں کا ڈھیلا جوڑا بنائے...چھوٹی گھنگریالی لٹیں گالوں پہ گرائے...وہ گہرا کاجل لگائے تیار تھی۔گردن میں ہیروں کا نازک نیکلیس پہن رکھا تھا اور کانوں میں سرخ یاقوت جڑے بندے تھے۔داتن کو دیکھ کو وہ اداسی سے مسکرائی۔

”تم...کتنی حسین لگ رہی ہو' تالیہ۔“

”تپلی ہو کے تم بھی اچھی لگتی ہو۔“وہ مسکرا کے آئینے کی طرف مڑ گئی۔پھر برش پہ ذرا سا پاؤڈر اٹھایا اور گال کی اونچی ہڈی پہ پھیرنے لگی۔

”تم فاتح کے گھر جا رہی ہو؟“داتن آہستہ سے اس کے عقب میں آ کھڑی ہوئی۔

''ہوں۔تم نے ییشا کو چیک کیا؟''

''ہاں۔'' داتن کی آواز میں مایوسی تھی۔''سوری تالیہ لیکن اس کے بارے میں کوئی قابل گرفت بات نہیں معلوم ہوئی۔وہ وہی ہے جو وہ خود کو کہہ رہی ہے۔ایک سنگل مدر۔ایک فوٹوگرافر اور ٹیچر۔لوگ اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔''

''تم نے ٹھیک سے دیکھا نہیں ہوگا۔اس کے فنانشلز....اس کا شناختی کارڈ....'' تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''سب چیک کیا ہے۔سب صاف ہے۔وہ ایک سادہ اور بے گناہ عورت ہے۔وہ کوئی کون وومن نہیں ہے۔''

''اونہوں۔'' تالیہ اس کی طرف گھومی اور سنجیدگی سے بولی۔''وہ بہت ہوشیار ہے۔دوبارہ چیک کرو۔کچھ مل جائے گا۔''

داتن نے ملال سے اسے دیکھا اور گہری سانس بھر کے رہ گئی۔تالیہ نے پرس اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

''تالیہ....تمہارے پاس ییشا کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔کیا فاتح تمہارا یقین کرے گا؟''

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔وہ باہر نکل گئی۔شاید اس کے پاس جواب نہیں تھا۔

''دھیان سے جانا تالیہ۔آج موسم خراب ہے۔'' مگر تالیہ نے نہیں سنا تھا۔وہ سننے کی حدود سے باہر تھی۔

وان فاتح کی رہائشگاہ سری پردھانہ جیسی نہ تھی۔بس ایک بڑا سا بنگلہ تھا جس کے چاروں اطراف وسیع وعریض لان بنا تھا۔فرنٹ پہ ایک نیلا تالاب بھی تھا جس کے ساتھ اس وقت ایک کرسی رکھی تھی اور وان فاتح اس پہ بیٹھا تھا۔وہ سفید شرٹ کے آستین پیچھے موڑے' ٹیک لگائے بیٹھا' سیاہ آسمان کو دیکھ رہا تھا جب کار اندر داخل ہوئی۔وہ مسکرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ سیدھی اس کی طرف آئی تھی۔تھوڑی سی نروس۔تھوڑی سی خوش۔وہ ملی جلی کیفیت کا شکار لگتی تھی۔سفید ساڑھی میں ملبوس وہ اس سیاہ رات میں دمک رہی تھی۔

وہ چند قدم آگے بڑھا۔چند قدم وہ قریب آئی۔یہاں تک کہ دونوں سوئمنگ پول کے کنارے ایک دوسرے کے آمنے سامنے آرکے۔

''خوش آمدید۔مجھے خوشی ہے کہ تم آگئیں۔'' وہ اسے دیکھ کے گہری سانس لے کر بولا۔تالیہ نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا۔

''آپ کو شک تھا میرے آنے پہ؟''

''شک نہیں تھا۔ڈر تھا۔''

''لیکن آپ نے ہی کہا تھا کہ کچھ لوگوں کو ان لو کرنا آسان نہیں ہوتا۔'' وہ مسکرائی۔اس کے گال پہ ننھا سا گڑھا بنا۔اس کے کانوں کے سرخ یاقوت چمکے۔تالاب کی سطح پہ پڑتی روشنی تالیہ کے چہرے سے ٹکرا کے اسے مزید روشن بنا رہی تھی۔

''ویسے ریکارڈ کے لیے.... کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ کن لوگوں کی بات کر رہے تھے آپ؟''

وہ دھیرے سے ہنس دیا۔''میں تمہاری بات کر رہا تھا۔ تالیہ مراد کی۔ جسے ان لو کرنا آسان ہے نہ بھلانا۔''

اسے محسوس ہوا کہ اس کی ہتھیلیاں نم ہو رہی ہیں لیکن بظاہر وہ مسکراتی رہی۔ وسط لان کے وہ دونوں چمکتے ہوئے پول کے کنارے کھڑے تھے۔ آسمان کے تاروں اور پول کے پانی سے بالکل بے نیاز۔

''کیا آپ واقعی مجھے بھول نہیں پائے؟''اس کی آواز میں نمی در آئی۔ آنکھیں فاتح پہ جمی تھیں۔

''تالیہ تمہیں کوئی کیسے بھول سکتا ہے؟ میں تو کبھی نہیں۔''وہ صاف گوئی سے کہہ رہا تھا۔''ہم نے اپنی دنیا میں گیارہ دن ایک دوسرے کو جانا تھا۔ پھر ہم چار ماہ کے لیے قدیم ملاکہ چلے گئے تھے۔''

''پھر اپنی دنیا میں ہم چھے ماہ کے لیے واپس آئے۔ اور پھر....ایک ماہ ہم نے قدیم ملاکہ میں گزارا۔''اس نے فاتح کا فقرہ مکمل کیا۔

''ہاں۔ اور کل ملا کے کتنا ہوا؟ ایک برس بھی نہیں۔''اس نے انگلیوں پہ گنا۔''میں تمہاری زندگی میں ایک برس رہا تھا شاید۔ تم میری زندگی میں اس کے بعد بھی چھے برس تک رہی ہو۔ میں نے ایک لمبا عرصہ تالیہ مراد کی یاد میں گزارا ہے۔ میں تمہیں کئی دفعہ کھو چکا ہوں۔ اب کی بار میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔''وہ ٹھہرا۔ تالیہ کا سانس رک گیا۔''کیا ہم پھر سے شروع کر سکتے ہیں؟''

''غلام اور شہزادی کی حیثیت سے؟ یا سلطان ساز اور راجہ کی بیٹی بن کے؟ یا پھر... باس اور ان کی باڈی وومن؟'' وہ بظاہر مسکرا کے بولی البتہ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ اس کا چہرہ دہکنے لگا تھا۔

''نہیں۔ ایک فیملی بن کے۔''وہ اپنائیت سے بولا۔''تم میری فیملی ہو تالیہ۔ ہاں ٹھیک ہے....وہ رشتہ ہم نے مجبوری میں جوڑا تھا۔ چھے برس گزر چکے ہیں۔ تمہارے اوپر کیس چل رہا ہے اور میں پردھان منتری ہوں لیکن....'' اس نے گہری سانس لی۔''ہماری کہانی ان چیزوں سے بالاتر رہی ہے۔ ہم نے زمانوں کا سفر ایک ساتھ کیا ہے۔ تم نہیں تھیں تو الگ بات تھی۔ لیکن اب تم آ گئی ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ تم دوبارہ کہیں جاؤ۔''

تالیہ کے گلے میں آنسوؤں کا گولا اٹکنے لگا۔ آنکھوں میں گلابی پن در آیا۔''آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''میں چاہتا ہوں کہ تم کہیں نہ جاؤ۔ یہیں رہو۔ میرے ساتھ۔ میرے گھر کا حصہ بن کے۔ کیا ہم ہر چیز دوبارہ سے شروع کر سکتے ہیں؟''وہ بنا پلک جھپکے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔ اس کے انداز میں ایک ڈر سا تھا۔ اور وہ یہ محسوس کر سکتی تھی۔

''مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ.... آپ کو کسی چیز کا ڈر ہے۔''

''ہاں۔''اس نے اعتراف کیا۔''مجھے چھ برس اس بات کا خوف رہا ہے کہ تم کہیں چھپ گئی ہو اور ایک دن اچانک سے مجھے ڈاک میں ڈائیورس پیپرز بھجوا دو گی۔ اور مجھے تمہاری خواہش کا احترام کرتے ہوئے انہیں سائن کرنا پڑے گا۔ اور میں تمہیں ایک دفعہ پھر کھو دوں گا۔''اس کے انداز میں بے چارگی تھی۔ اپنائیت تھی۔ وہ ایک دم پرسکون سی ہو کے ہنس دی۔ اس کے سارے واہمے' سارے خدشات جیسے دور بھاگ گئے۔

''میں ایسا کبھی نہیں کروں گی۔''

''یعنی تم میری زندگی کا حصہ بننے کے لیے تیار ہو؟''

تالیہ جواب میں کچھ کہنے لگی لیکن پھر فاتح کے عقب میں اس نے دیکھا.... پول کے دوسرے کنارے پہ ایک ہرن کھڑا تھا۔ رات کی تاریکی میں اس کی سفید جلد چمک رہی تھی۔ وہ اپنی سبز آنکھوں سے تالیہ کو دیکھے جا رہا تھا۔

''تالیہ؟''

''ہوں؟''وہ چونکی۔ پھر مسکرا دی۔''میں آپ کو اپنا جواب ڈنر کے اختتام پہ بتا دوں گی۔''

''او کے۔'' فاتح مسکرا دیا۔ آؤ.... میں تمہیں اپنے بچوں سے ملواتا ہوں۔'' تالیہ نے اس طرف نظریں موڑیں۔ اب وہ ہرن وہاں نہیں تھا۔ اس نے سر جھٹکا اور فاتح کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

سیاہ آسمان اپنے پروں پہ ستارے پھیلائے ان کو خاموشی سے اوپر سے دیکھتا رہا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اب بنگلے کی عمارت کی طرف جا رہے تھے۔ وہ آپس میں کچھ کہہ بھی رہے تھے۔ کسی بات پہ فاتح ہلکا سا ہنسا بھی تھا۔

سکندر نے کھڑکی سے یہ منظر ناپسندیدگی سے دیکھا تھا۔ اس کی رنگت سیاہ پڑ رہی تھی اور ماتھے پہ بل تھے۔

☆☆=========☆☆

ایڈم بن محمد کا اسٹڈی روم شام ہوتے ہی سفید روشنیوں سے جگمگا اٹھا تھا۔ کھڑکی کے شیشوں سے باہر پھیلتا جامنی اندھیرا دکھائی اور گرجتے بادل سنائی دے رہے تھے۔ اسٹڈی ٹیبل پہ کھلے لیپ ٹاپس' فونز اور فائلیں بے ترتیبی سے پڑی تھیں۔

احمد نظام ایک لمبی گفتگو کے بعد اب کھڑے ہو رہے تھے۔ مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے انہوں نے اپنے ساتھ اٹھتے تھکے تھکے سے ایڈم سے پوچھا۔

''کیا وان فاتح نہیں جانتے کہ یہ شخص کہاں رہتا ہے جو مسز عصرہ کے ساتھ جیولرز پہ گیا تھا؟''

''نہیں۔ انہوں نے میری ای میل کے جواب میں بس اتنا بتایا ہے کہ وہ ایک زمانے میں عصرہ کے والد کا ملازم تھا۔ اس کا

نام سرمد ہے۔اس کو کئی دفعہ انہوں نے اپنے گھر آتے دیکھا لیکن ان کو یہ نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتا ہے۔عصرہ کی موت کے بعد وہ کبھی نہیں آیا۔"

"میں نے چند لوگوں کو کہہ رکھا ہے۔اگر وہ آدمی ملک سے فرار نہ ہو گیا ہو تو جلد ہمارے سامنے ہو گا۔تالیہ مراد کی بے گناہی صرف وہی ثابت کر سکتا ہے۔" وہ امید سے کہہ رہے تھے۔ایڈم اداسی سے مسکرا دیا اور کندھے اچکا دیے۔وہ اپنے تئیں سب کچھ کر چکے تھے۔

وہ رخصت ہو گئے تو وہ دروازہ بند کر کے لونگ روم میں آیا۔

اس کا اپارٹمنٹ بالکل خاموش تھا۔دیواریں' فرنیچر' ٹی وی کی بجھی اسکرین....وہ جب بھی اکیلا ہوتا یوں لگتا یہ ساری چیزیں تھوڑی تلے ہتھیلی جمائے فرصت سے اسے دیکھ رہی ہیں۔اس پہ طنز کر رہی ہیں۔

وہ صوفے پہ بیٹھا اور پیر میز پہ رکھ لیے۔پھر گردن پیچھے ٹکا کے خاموشی سے چھت کو دیکھنے لگا۔

تالیہ کے بعد اس نے کبھی دوست نہیں بنائے تھے۔دوست قسمت سے ملتے ہیں۔جس کو نہیں ملتے' اس کو نہیں ملتے۔دوست سے قریب قریب کوئی رشتہ مل بھی جائے' تو بھی وہ دوست نہیں ہوتا۔

اس وقت اسے ایک دوست کی ضرورت تھی۔اور اس ساری دولت' شہرت اور عزت کے باوجود ایڈم بن محمد جانتا تھا کہ اس کے پاس کوئی دوست نہیں تھا جس سے وہ دل کی بات کہہ سکے۔جو اسے جج نہ کرے۔جس کے ساتھ وہ خود کو آرام دہ محسوس کرے۔

گھنٹی بجی تو اس نے گہری سانس لی اور اٹھ کے دروازے تک آیا۔انٹر کام اسکرین کو دیکھنے کی زحمت بھی محسوس نہ کی۔وہ جانتا تھا احمد نظام واپس آئے ہوں گے۔یقیناً وہ کچھ بھول گئے تھے۔

اس نے دروازہ کھولا اور....پھر وہ اگلا سانس لینا بھول گیا۔

پہلے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔پھر بے یقینی سے آنکھیں پھیلیں۔

"وان؟" اس کے ہونٹوں سے بے آواز نکلا۔

"کیسے ہو' رائٹر؟" لیانہ صابری مسکرائی۔وہ ویسی ہی تھی۔وہی بال۔وہی مسکراتا چہرہ۔وہی بے نیاز انداز۔اور ایک طرح سے دیکھا جائے تو وہ بالکل ویسی نہیں تھی۔

"آپ....کیسے؟ ؟ اتنے عرصے بعد؟" ششدر سے ایڈم نے چوکھٹ چھوڑ دی۔وہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔وہ اسے روک بھی نہ سکا۔وہ اتنا شل تھا۔

''میں نے سوچا تمہاری یادداشت واپس آ جائے' پھر آؤں گی۔'' وہ طنزیہ کہتے ہوئے صوفے پہ بیٹھی۔ وہ متحیر سا اس کے پیچھے چلا آیا۔

''میری یادداشت.....'' لمحے بھر کو اسے بھول ہی گیا تھا۔ پھر سر جھٹکا۔ ''وہ تو بس.....''

''ہاں ہاں.....وہ تو بس اپنے دوستوں کو خود سے دور رکھنے کا بہانہ تھا۔ اگر تم نے وہ سب نہ کیا ہوتا تو میں بہت پہلے آ جاتی۔ گھر اچھا ہے تمہارا۔ کتنا کما لیتے ہو؟'' اب وہ گردن موڑ موڑ کے اس کے اپارٹمنٹ کا جائزہ لے رہی تھی۔ وزن کم ہوا تھا۔ عادتیں نہیں بدلی تھیں۔ ایڈم ایک دم ہنس دیا۔

''جیسے آپ اب تک میرے بینک اکاؤنٹس کو کنگھال نہیں چکی ہوں گی۔''

''میں تمہارے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔'' وہ دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔ ''تاکہ مجھے بھی معلوم ہو کہ میرے دوست کتنے دولت مند ہیں۔''

''آپ میری دولت کی لالچ میں یہاں نہیں آئیں' داتن۔ آپ میرے لیے آئی ہیں۔'' وہ مسکرا کے اس کے سامنے بیٹھا۔

''اور میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ اس وقت میں کتنا خوش ہوں۔ کچھ دیر پہلے میں سوچ رہا تھا کہ میں خود میں کتنا اکیلا ہوں۔ لیکن نہیں۔ اچھا ہوا جو اتنے سال میں نے جھوٹے دوست نہیں بنائے۔ انسان کے دوست کم ہوں تو بھی وہ ایک نعمت ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے کھوٹے لوگوں سے محفوظ رکھا ہوتا ہے۔''

وہ اتنی صاف گوئی سے کہہ رہا تھا کہ داتن نے ابرو اچکا کے اسے دیکھا۔

''تم نے سچ بولنا نہیں چھوڑا' ایڈم بن محمد۔ میں سمجھی تھی اب تک اس دنیا سے کچھ سیکھ چکے ہو گے۔''

اور ایڈم بے اختیار ہنس دیا۔ ایک عرصے بعد اس کے سامنے کوئی آیا تھا جس کے لیے وہ ایک سلیبریٹی نہیں تھا۔ تالیہ کی بات اور تھی۔ لیکن داتن.....داتن کے لیے وہ برابر کا ایک دوست تھا۔

☆☆=========☆☆

سکندر ان دونوں کو آتے دیکھ کے اندر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ ملازم اسے بلانے آیا تو وہ تیوریاں چڑھائے باہر آیا۔

تالیہ اس وقت لاؤنج کے ایک سنگل صوفے پہ بیٹھی تھی۔ دوسرے پہ فاتح بیٹھا تھا۔ وہ مسکرا کے سامنے بیٹھی جولیانہ کو تالیہ کے بارے میں بتا رہا تھا۔ جن دنوں وہ وان فاتح کی چیف آف اسٹاف تھی اور کس طرح وہ ہر کرائسسز میں کوئی نہ کوئی حل نکال لیتی تھی۔ جولیانہ مسکرا کے سن رہی تھی۔ اس کے انداز سے تالیہ کا اعتماد بڑھا تھا۔ اور تب اس نے سکندر کو آتے دیکھا۔ اس

نے مسکرا کے سر کے خم سے سکندر کو گڈ ایوننگ بولا۔ وہ بظاہر ایک اٹھارہ انیس برس کا لڑکا تھا لیکن اس کے ماتھے کے بل اتنے پکے تھے کہ تالیہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔ اس نے فوراً فاتح کو دیکھا۔ فاتح نے سکندر کے انداز کو دیکھ لیا تھا لیکن کچھ کہا نہیں۔ وہ بہت وقار سے اس کو نظر انداز کر گیا تھا۔

لاؤنج میں ایک دم تناؤ کی سی کیفیت در آئی۔ ایسے میں جولیانہ نے فضا کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی۔

''مجھے خوشی ہے کہ آپ ہمارے گھر آئیں۔ مجھے تھوڑا تھوڑا آپ کا ہمارے گھر میں آنا یاد ہے۔'' وہ آگے ہو کے بیٹھی' ہاتھ باہم ملائے قدرے شرما کے بولی۔

''مجھے بھی یاد ہے۔'' سکندر سرد سا بولا۔ ''بالخصوص جب آپ ماما کے انتقال والے دن آئی تھیں۔ شور کی آواز سارے گھر نے سنی تھی۔''

تالیہ کی رنگت زرد ہوئی۔ اس نے فاتح کو دیکھا۔ اس کے ماتھے پہ شکن در آئی تھی۔ مگر سکندر اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ تالیہ کی طرف متوجہ تھا۔

''ویسے آپ اتنے سال کہاں تھیں؟'' لہجہ بالکل ٹھنڈا اور سپاٹ تھا۔

''میں جہاں تھی' اپنی مرضی سے نہیں تھی۔'' وہ مدھم سا مسکرا کے بولی۔ اس عورت میں ایک مقناطیسی قوت تھی۔ وہ دیکھتی تھی تو سامنے والا خود بخود سب بھول کے اس کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ لیکن سکندر کی آنکھوں کی چبھن غائب نہیں ہوئی۔

''میں نے سنا ہے آپ نے میری ماما کے سارے نوادرات بیچ دیے ہیں۔''

''ہاں۔ وہ اب مجھ سے بہتر کلیکٹرز کی ملکیت ہیں۔ میں ان کی حفاظت ویسے نہیں کر سکتی جیسے وہ کریں گے۔''

ماحول کا تناؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ فاتح خاموشی سے ان دونوں کو بات کرتے دیکھ رہا تھا۔ تالیہ کنکھیوں سے اسے دیکھتی منتظر تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو ٹوکے گا لیکن اس نے مداخلت نہیں کی۔

''بہت مہنگے بکے ہوں گے وہ۔'' سکندر کا انداز عجیب تھا۔

''بہت۔'' اس کی مسکراہٹ اب بالکل غائب ہو چکی تھی۔

''آپ خوش ہوں گی۔''

''میں کورٹ میں ایک کیس کا سامنا کر رہی ہوں۔ ابھی خوشی منانے کا وقت نہیں ملا'' وہ سپاٹ انداز میں بولی۔ وہ جس طرح صوفے کے کنارے بیٹھی تھی' اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ شدید غیر آرام دہ محسوس کر رہی ہے۔

''معلوم نہیں آپ کی کب اس سے جان چھوٹے گی۔'' سکندر کے کچھ بولنے سے پہلے جولیانہ تیزی سے بولی۔ گویا تناؤ کم

کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

''چھوٹ جائے گی۔''فاتح نے اسی اطمینان سے کہا۔''ویسے بھی تالیہ ہمت نہیں ہارا کرتی۔''

تالیہ پھیکا سا مسکرا دی۔اس کی شام بدمزہ ہو چکی تھی۔

''میں نے تالیہ کو اس لیے انوائیٹ کیا ہے کیونکہ ....'' فاتح اسی نرم مگر سنجیدہ لہجے میں بولا۔''تالیہ ہمارے لیے فیملی ہے۔اور میں تالیہ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس گھر میں اس کے لیے جگہ ہمیشہ رہے گی۔''

سکندر نے محض کندھے اچکا دیے۔جولیانہ نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں آتی ہوں۔''

ان کو وہیں چھوڑ کے جولیانہ وہاں سے نکلی اور راہداری کی طرف چلی آئی۔ایک کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔دروازہ کھلا تو ییشا کا چہرہ دکھائی دیا۔وہ بالوں کو ہیئر بینڈ میں باندھتے ہوئے مسکرا کے بولی۔''آؤ جولی۔''

''ایمی سو گئی؟''جولی نے پیچھے سے کمرے میں جھانکا۔ییشا نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔''ہاں۔کیوں؟ کوئی کام تھا؟''

''آپ باہر آ جائیں نا۔تالیہ آئی ہے۔''پھر وہ ہچکچائی۔''مجھے تالیہ کے آنے پہ کیسا فیل کرنا چاہیے؟''

''مطلب؟''

''مجھے لگتا ہے تالیہ اور ڈیڈ شادی کرنے جا رہے ہیں۔اگر آپ کے والد سنگل ہوں اور آپ کو کسی لڑکی سے ملوائیں تو اس کا یہی مطلب ہوتا ہے نا۔''

''کیا تم خوش ہو؟''ییشا نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔جولیانہ نے اس کے ہاتھ تھامے اور الجھن سے پوچھا۔

''کیا مجھے خوش ہونا چاہیے؟''

''ہاں،جولی۔تمہیں ایک اچھی لڑکی کی طرح نہ صرف خوش ہونا چاہیے بلکہ ان کو سپورٹ کرنا چاہیے۔''وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔''دیکھو میں ایک سنگل پیرنٹ ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ سنگل پیرنٹ ہونا کیسا ہوتا ہے۔تمہاری ماما کی ڈیتھ کو بھی اتنے سال ہو گئے ہیں۔تمہیں ان کی خوشی میں خوش ہونا چاہیے۔''

''ہاں۔مجھے خوش ہونا چاہیے۔ویسے بھی مجھے تالیہ اچھی لگتی ہے۔''جولیانہ کھل کے مسکرا دی۔''اور اگر ڈیڈ اس کے ساتھ خوش ہیں تو میں بھی خوش ہوں۔''

اس کے پیچھے لاؤنج میں تناؤ کی کیفیت ویسے ہی برقرار تھی۔پھر سکندر نے ایک دفعہ پھر سامنے بیٹھی تالیہ کو مخاطب کیا۔فاتح نے بات کا آغاز پھر سے کرنا چاہا تو سکندر نے اچانک سے بات کاٹی۔

''ویسے آپ اس سے پہلے کیا کرتی تھیں؟''

''سکندر۔'' وان فاتح کا ضبط اب جواب دے گیا تھا۔ اس نے برہمی سے اسے تنبیہہ کی۔

''میں نے صرف ان کی جاب پوچھی ہے۔'' وہ شانے اچکا کے بولا۔

تالیہ مسکرائی۔ اب کے یہ مسکراہٹ مصنوعی نہیں تھی۔ تلخ تھی۔

''وہی کرتی تھی جس کے بارے میں اشعر نے تمہیں بتایا ہوگا۔ اور یقیناً بہت کچھ بتایا ہوگا۔''

اب کے فاتح نے قدرے تعجب بھری ناراضی سے تالیہ کو دیکھا۔ ''تالیہ! کیا ہم کسی اور موضوع پہ بات نہیں کر سکتے؟''

''مگر مجھے لگ رہا ہے کہ سکندر کو مجھ سے بہت سے سوال پوچھنے ہیں۔ آپ اسے پوچھنے دیں۔'' اس کا لہجہ اب کے زخمی تھا۔

سکندر نے ایک ناراض نگاہ باپ پہ ڈالی' پھر کچھ بڑبڑاتے ہوئے اٹھا اور سیدھا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

تالیہ نے گلہ آمیز نظروں سے فاتح کو دیکھا۔

''آپ نے کہا تھا آپ کے گھر میں میرے لیے جگہ ہے۔'' کچھ دیر پہلے کی چمکیلی رات کا فسوں اب تک غائب ہو چکا تھا۔

''میں اب بھی یہی کہتا ہوں۔'' وہ آگے ہو کے بیٹھا اور اسی سنجیدگی سے تالیہ کو دیکھا۔ ''میری زندگی میں تمہاری جگہ کا تعین میں نے کرنا ہے۔ میرے بچوں نے نہیں۔ ہمیں اپنے فیصلے کسی دوسرے کے مطابق نہیں بدلنے ہوتے۔ دوسروں کو ان فیصلوں کے مطابق خود کو تبدیل کرنا ہوتا ہے۔''

وہ کچھ کہنے لگی لیکن خاموش ہونا پڑا۔ راہداری سے ییشا اور جولیانہ چلتی آرہی تھیں۔

''چے تالیہ.... آپ کو یہاں دیکھ کے بہت خوشی ہوئی۔'' ییشا گرمجوشی سے اس کے قریب آئی۔

تالیہ نے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا اور محض سر کے خم سے سلام کہہ دیا۔ وہ جو تیزی سے آگے آرہی تھی کہ تالیہ سے مصافحہ کرے' خفیف سی ہو کے وہیں رک گئی۔ پھر سر جھکا کے سلام کہا۔

''بیٹھیے' ییشا۔'' فاتح نے بغور اس کے انداز کو دیکھا اور پھر ییشا کی خفت دور کرنے کو کہا۔ ''تالیہ.... یہ ییشا ہیں۔ جولیانہ کی ٹیچر۔ اور ہمارے لیے فیملی کی طرح ہیں۔''

''جی۔ میں ان کو جانتی ہوں۔'' تالیہ کے چہرے پہ ایک تلخ مسکراہٹ در آئی۔ (فیملی کی طرح؟ واہ اتنا آسان ہے کسی کو فیملی بنالینا؟)

''جی۔ ہم نمائش پہ ملے تھے۔'' ییشا سامنے والے صوفے پہ بیٹھی اور مسکرا کے کہنے لگی۔ وہ اخروٹی بالوں کو پونی میں باندھے ہوئے تھی۔ گلابی باجو کرنگ پہنے' سر پہ اسٹول اوڑھے وہ سادہ سے حلیے میں بھی کافی دلکش لگ رہی تھی۔

''آپ یہاں رہ رہی ہیں، مسز ییشا؟'' تالیہ چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جولیانہ بغور تالیہ کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ وہ ییشا کے ساتھ صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔

''جی۔ کچھ دن کے لیے۔'' اس کی گہری چبھتی نظروں کے جواب میں ییشا کی نظروں میں صرف اپنائیت اور سادگی تھی۔

(یہ سب ایک ناٹک ہے!) اس نے افسوس سے سر جھٹکا اور فاتح کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کیا آپ کا سیکیورٹی پروٹوکول آپ کو خونی رشتے داروں کے سوا کسی اور کو یوں گھر میں ٹھہرانے کی اجازت دیتا ہے؟''

''یہ فیصلہ گھر کے سربراہ کو کرنا ہوتا ہے، تالیہ۔ سیکیورٹی آفیسر کو نہیں۔'' اب کے وہ تنبیہ کرنے والے انداز میں بولا۔ اسے جیسے تالیہ کے رویے کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

ییشا کی خفت میں اضافہ ہونے لگا۔

''آپ لوگ بیٹھیں۔ میں بس سونے جا رہی تھی۔'' وہ اٹھنے لگی تو جولیانہ نے روک دیا۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں؟ ڈیڈ نے کہا تھا سب کھانا اکٹھا کھائیں گے۔''

ییشا متذبذب سی واپس بیٹھی۔ پھر سفید ساڑھی والی لڑکی کو دیکھا جو اسے یوں گھور رہی تھی جیسے اس کے اندر تک اتر جائے گی۔

''جی مسز ییشا.... آپ بیٹھیے۔'' تالیہ انہی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''ویسے بھی مجھے آپ سے آپ کی فوٹوگرافز کے بارے میں ایک بات پوچھنی تھی۔'' ساتھ ہی وہ ذرا سا مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ سے ماحول کا تناؤ قدرے کم ہوا۔

فاتح کے ماتھے کی شکنیں بھی ڈھیلی ہوئیں۔ ییشا کا چہرہ کھل اٹھا۔

''اوہ ریئلی.... آپ کو میرا کام کیسا لگا؟''

''بہت اچھا۔ کتنے عرصے میں یہ فوٹوگرافز کھینچی تھیں آپ نے؟''

''تقریباً چھ ماہ میں۔'' وہ خوش دلی سے بتانے لگی۔ ''مجھے گھوڑے بہت اچھے لگتے ہیں۔ میں جہاں کوئی گھوڑا دیکھتی اس کی تصویر کھینچ لیتی۔''

''انٹرسٹنگ۔ ویسے آپ نے کبھی گھوڑے پالے ہیں؟''

ییشا نے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں۔''

''میں نے پالے ہیں۔'' وہ نظریں ییشا سے ہٹائے بغیر بولی۔ ''اور جو گھوڑے نہیں پالتا اس کو لگتا ہے کہ سارے گھوڑے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ جیسے دوسری قوموں کے لوگ ہمیں ایک جیسے لگتے ہیں۔ سارے چائینیز، سارے افریقی ایک سی شکلوں

والے لگتے ہیں لیکن ان میں رہو تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کی شکل مختلف ہے۔ایسے ہی ہر گھوڑے کا چہرہ اور جسم مختلف ہوتا ہے۔ مجھے گھوڑوں کی شکلیں یاد رہتی ہیں۔"

"اچھا۔گڈ۔"یشا کو جیسے اس کی بات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔تالیہ کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

"یو نو...میں ویسے ہی ایک سنگاپورین فوٹوگرافر پیٹر ہوانگ کا کام دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی سیاہ گھوڑوں کی تصاویر لیتا ہے۔آپ کی اور اس کی تصاویر میں صرف پس منظر کا فرق تھا۔گھوڑے ایک سے تھے۔ان کے کھڑے ہونے کا انداز تک ایک ہی تھا۔"

"آپ کہہ رہی ہیں کہ میں دوسرے فوٹوگرافرز کا کام چراتی ہوں۔"یشا افسوس سے بولی۔اس کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"میں یہ کہہ رہی ہوں کہ مجھے سیاہ اور سفید دونوں گھوڑوں کی پہچان ہے۔"

"تالیہ۔"فاتح نے تعجب سے تنبیہہ کی۔وہ کسی اور مقصد کے لیے اکٹھے ہوئے تھے مگر گفتگو غلط سمت جا رہی تھی۔

"ایک ہی گھوڑے کی تصویر دو لوگ بھی لے سکتے ہیں۔"جولیانہ ناگواری سے بولی۔وہ شام بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔

تالیہ کچھ کہنے لگی کہ یشا سنجیدگی سے بولی۔

"پیٹر کے گھوڑے کا نام رزالی ہے۔اور پیٹر میرا اچھا دوست اور استاد رہا ہے۔"یشا نے فون پہ بٹن دبائے۔اور ایک تصویر نکال کے اس کے سامنے کی۔"یہ پیٹر کھڑا ہے میرے ساتھ اس کی نمائش پہ۔وہ مجھے گائیڈ کرتا رہتا ہے۔آپ اس سے بھی پوچھ سکتی ہیں۔میں نے صرف اس کے گھوڑے کی تصاویر بنائی ہیں۔اس کا کام نہیں چرایا۔"وہ سنجیدگی سے وضاحت دے رہی تھی۔فاتح نے افسوس سے اسے دیکھا۔تالیہ کا چہرہ سپاٹ تھا۔اس نے محض شانے اچکائے۔

"آپ نے اپنا ہوم ورک کر رکھا ہے۔میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"چے تالیہ....آپ شاید مجھے پسند نہیں کرتیں۔"یشا ٹھہرے ہوئے انداز میں بولی۔"یا آپ کو میری طرف سے کوئی غلط فہمی ہے شاید۔ مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کی شام تلخ ہو رہی ہے۔میں اب سونے جاتی ہوں۔"وہ اٹھتے ہوئے بولی۔"مجھے ویسے بھی یہاں رہنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔میں صبح یہاں سے اپنی بیٹی کے ساتھ موو کر جاؤں گی۔آپ اپنا دل میری طرف سے صاف کر لیں کیونکہ اللہ شاہد ہے....میں نے ہمیشہ آپ کی حمایت کی ہے۔" وہ باوقار انداز میں اپنی صفائی دیتے ہوئے سب کو شب بخیر کہہ کے مڑ گئی۔

"میری حمایت؟" تالیہ نے ابرو اٹھایا۔اسکے تاثرات ویسے ہی تھے۔یشا گہری سانس لے کر پلٹی جیسے اب اس کے تفتیشی انداز سے تنگ آگئی ہو لیکن مہمان ہونے کی وجہ سے لحاظ کر رہی ہو۔

''آپ جولیانہ سے پوچھ سکتی ہیں۔ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ جولیانہ عدالت میں آپ کے حق میں گواہی دے؟''

فاتح نے بے اختیار پیشانی کو چھوا۔ ہر شے جیسے تلپٹ ہو کے رہ گئی تھی۔

''عدالت؟'' تالیہ نے چونک کے فاتح کو دیکھا۔

''مسز ہیشا... آپ ریسٹ کریں۔ میں ہینڈل کرلوں گا۔'' فاتح کے کہنے پہ ہیشا سنجیدہ چہرے کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوگئی لیکن تالیہ مراد اپنی نشست پہ سیدھی ہو کے بیٹھ گئی تھی۔

''یہ کیا کہہ رہی تھی' فاتح؟''

جولیانہ نے ایک ناراض نظر تالیہ پہ ڈالی اور اٹھ کے ہیشا کے پیچھے چلی گئی۔

''تالیہ کیا میں تم سے اکیلے میں بات کرسکتا ہوں؟'' وہ جواب تک خاموشی سے ضبط کررہا تھا' اٹھتے ہوئے بولا اور اسٹڈی کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے کمرے کے دروازے کی جھری سے سکندر نے ان دونوں کے بگڑے تاثرات کے ساتھ اسٹڈی کی طرف جاتے دیکھا اور ہلکا سا مسکرایا۔

''ایسا کیا ہے جو میں نہیں جانتی؟'' وہ دونوں اسٹڈی میں آئے تو تالیہ برہمی سے بولی۔ وہ اس کی طرف گھوما اور اس سے زیادہ تلخی سے بولا۔

''یہ کس طرح کا سلوک تھا تالیہ؟ میں تمہیں اپنی فیملی کا حصہ بنانا چاہتا ہوں اور تم....''

''مجھے آپ کی فیملی کا حصہ بننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ لیکن آپ کو بچانے کی ایک کوشش کرنا چاہتی تھی۔ یہ عورت...'' اس نے ہاتھ سے بند دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ عورت فراڈ ہے۔ کون وومن ہے۔ آپ کو دعویٰ تھا کہ آپ اپنے گھر میں داخل ہونے والی عورتوں کی نیت سمجھ جاتے ہیں۔ آپ کی وہ حس اب بے کار ہوتی جارہی ہے۔''

''یا اللہ... اس بے چاری نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟'' اس نے ماتھے کو چھوا۔ ''ہم اس کو دو سال سے جانتے ہیں۔ وہ کوئی فراڈ نہیں ہے۔ وہ میری بیٹی کی ٹیوٹر ہے۔ برے وقت میں اس نے ہمارا ساتھ دیا ہے۔''

''وہ ایک بہروپیہ ہے اور آپ کو نقصان دینے کے لیے آپ کی زندگی میں داخل ہوئی ہے۔''

''اس کی سیکیورٹی کلیئرنس بہت دفعہ ہوچکی ہے۔ ایسی کوئی بات ہوتی تو سامنے آجاتی۔''

بجلی زور کی کڑکی۔ ایسے جیسے دور کہیں کسی کے دل پہ گری ہو۔

''یعنی میری بات پہ آپ کو یقین نہیں ہے؟''

''تم یہ بات کس بنیاد پہ کہہ رہی ہو؟'' وہ اب کے گہری سانس لے کر بولا۔ ''اگر یہ عورت واقعی فراڈ ہے تو اس کی پوری

تفتیش کی جائے گی۔ مجھے کوئی ٹھوس وجہ دو ورنہ میں کیسے ایک مظلوم عورت کو مشکوک قرار دے کر سیکیورٹی ایجنسیوں کو اس کے پیچھے لگا دوں؟''

''مطلب وہی نا۔تالیہ کے قول پہ آپ کو یقین نہیں ہے۔''وہ بے بسی بھرے غصے سے بولی۔وہ دونوں اسٹڈی کے وسط میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔دونوں کے چہرے تلخ تاثرات کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔کھڑکی کے شیشے پہ بارش کے قطرے ایک دم تڑتڑاتے ہوئے گرنے لگے۔

''تمہیں کیوں لگا کہ وہ کوئی فراڈ ہے؟''

''کیونکہ اسے ذوالکفلی نے بھیجا ہے۔تالیہ مراد کے سانچے پہ تراش کے تاکہ اسے آپ کی زندگی میں داخل کر سکے۔''

''کیا تم نے ذوالکفلی سے اس بارے میں پوچھا ہے؟''وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں۔اور ظاہر ہے اس نے انکار کر دیا....لیکن میں جانتی ہوں یہ اسی کا کام ہے۔''

فاتح نے ملال سے سر جھٹکا۔کھڑکیوں پہ برستی بوندوں کی آواز تیز ہو گئی تھی۔

''تم چھ سال پہلے والے دور میں جی رہی ہو جب ذوالکفلی ہمارا دشمن تھا۔تم یہ بات تب کہتی تو میں مان جاتا۔لیکن اب اس بات کو برسوں گزر چکے ہیں۔پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا ہے۔''

تالیہ بے بسی بھرے غصے سے اسے دیکھے گئی۔اس کی چمکیلی شام کو کسی نے جلا کے راکھ کر دیا تھا۔

''آپ کو نہیں ماننا۔آپ نہ مانیں۔مگر مجھے بتائیں ییشا کیا کہہ رہی تھی۔''

''وہ جولیانہ کی بات کر رہی تھی۔''فاتح نے سر جھٹکا اور میز کے دوسری جانب آیا۔ایک کھڑکی کھلی تھی۔اس سے پانی اندر آ رہا تھا۔''جب وہ کیک آتے تھے تو جولیانہ انہیں دیکھتی تھی۔ان پہ آئیسنگ نہیں ہوتی تھی۔یعنی آئیسنگ بعد میں چھڑکی جاتی تھی۔''وہ کھڑکی بند کرتے ہوئے کہہ رہا تھا اور وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

''اور آپ خاموش رہے؟''

''اس نے مجھے بھی بہت عرصے بعد بتایا تھا۔اور جولیانہ نفسیاتی طور پہ بہت کمزور ہے۔وہ کبھی عدالت جا کے گواہی نہیں دے سکتی۔اور اگر وہ بیان بھی دے تو میڈیا اس کو اتنے برس خاموش رہنے کی بہت بری سزا دے گا۔وہ خبروں کا مرکز بن جائے گی۔وہ اس سب کو برداشت نہیں کر سکے گی۔وہ میری بیٹی ہے تالیہ اور.....''

''میں یہ نہیں کہہ رہی کہ جولیانہ میرے لیے گواہی دے۔میں اتنی ظالم نہیں ہوں۔لیکن آپ خاموش رہے۔میرے سامنے۔آپ نے مجھے یہ بات کیوں نہیں بتائی؟''وہ بے یقین تھی۔

''کیونکہ یہ ضروری نہیں تھا۔ جب اس نے گواہی ہی نہیں دینی تو اس کا کیا فائدہ ہوتا؟''

تالیہ نے دکھ سے اسے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ نے تالیہ کو بچانے کی کوشش کب کی ہے؟''

باہر بار بار بجلی چمکتی۔ سارا لان روشن ہو جاتا۔ اور پھر وہی اندھیرا چھا جاتا۔ روشنی کی زندگی بہت کم تھی۔

''اوہ.... تم واقعی ایسا سمجھتی ہو؟'' فاتح کو اس کی بات سے جیسے دھکا سا لگا۔ ''جب سلطان نے اس ننھے بچے کو مارا تھا تو کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ میں تمہیں بچاؤں؟ کیا میں نے تمہارے لیے چابی حاصل نہیں کی تھی؟''

''آپ نے وہ سب اپنے لیے کیا تھا۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ نے یان سوفو سے کیا سودا کیا تھا۔''

فاتح نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں مجھ پہ بھروسہ ہونا چاہیے تھا۔''

''کیا آپ کو مجھ پہ بھروسہ ہے؟ نہیں۔ آپ ہمیشہ میرے علم میں لائے بغیر فیصلے کر لیتے ہیں' فاتح۔ میرے باپ سے سودا کرنا ہو یا یان سوفو سے.... آپ مجھے بتانا ضروری ہی نہیں سمجھتے۔ آپ فیصلہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دنیا اس کے مطابق خود کو بدلے۔ یان سوفو ٹھیک کہتی تھی۔ آپ خودغرض ہیں۔''

''کیا صرف میں ہوں جو ہر بات نہیں بتاتا؟ جب تم ایڈم کی دوا کے لیے اپنے باپ کے واپس جانا چاہتی تھیں تو کیا تم نے مجھے بتایا تھا؟''

''اس بات سے آپ کا تعلق نہیں تھا۔ جولیانہ والی بات سے میرا تعلق تھا۔ آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔ لیکن آپ مجھے کبھی نہیں بچائیں گے۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگی۔ ''ایک میں کم عقل ہوں جو آپ کو اس عورت سے بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔''

''تھینک یو۔ میں اپنا خیال خود رکھ سکتا ہوں۔ میں دو دفعہ الیکشن جیتا ہوں اور تب میرے ساتھ تم نہیں تھیں۔''

بارش اتنی زور سے برس رہی تھی گویا پانی دیواریں توڑ کے اندر آ گھسے گا۔

وہ چند لمحے اسے غم اور غصے سے دیکھتی رہی۔ وہ بھی ایسی ہی شاکی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آپ کی زندگی میں میری جگہ نہیں ہے۔ نہ آپ کو میری ضرورت ہے۔''

''کیونکہ تمہارے لیے میں ہمیشہ ایک ایسا سیاست دان رہوں گا جو تمہاری پیٹھ پیچھے لوگوں سے سودے کر لیتا ہے۔'' وہ تلخی سے بولا۔ باہر برستی بارش کی آواز میں بادلوں کی گرج بھی شامل ہو گئی تھی۔

''جب ایسا ہی کرنا تھا تو مجھے یہاں بلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اچھا کیا۔ مجھے بلا لیا۔ میرے لیے فیصلہ آسان ہو گیا۔'' وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''میں نے کہا تھا کہ آج کی شام کے اختتام پہ میں آپ کو اپنا جواب

دے دوں گی۔تو میرا جواب بھی سن لیں۔'' وہ زخمی لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''میری زندگی میں بھی' فاتح' آپ کی اب جگہ نہیں رہی۔ ہمارے درمیان وقت آچکا ہے۔''

یہ کہہ کے وہ اپنی سفید ہیلاد پہ الٹی گھومی۔ دروازے کا ہینڈل گھما کے کھولا۔ پھر کچھ سوچ کے گردن موڑی۔

''میں آپ کو ڈائیوورس پیپرز بذریعہ ڈاک نہیں بھیجوں گی۔خود لے آؤں گی۔سائن کر دیجئے گا۔''

''تم ایک دفعہ پھر حالات کا سامنا کرنے کی بجائے فرار اختیار کر رہی ہو۔جیسے تم ہمیشہ کرتی ہو۔'' وہ بھی اتنی ہی تلخی سے بولا۔تالیہ تیزی سے باہر نکل آئی۔اس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔مگر اس نے ان کو رگڑ دیا۔

باہر سیڑھیوں کے قریب جولیانہ اور سکندر سر جوڑے کھڑے تھے۔انہوں نے ان دونوں کی اونچی آوازیں بارش کے شور میں بھی سن لی تھیں۔تالیہ بیرونی دروازے کی طرف جاتے جاتے ان کے قریب رکی۔

''میں جانتی ہوں کہ تم سمجھتے ہو' میں نے تمہاری ماں کا قتل کیا تھا۔'' سکندر کو دیکھ کے وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولی۔''میری طرف سے تم کیا بلکہ سارا ملک بھی یہ سمجھتا رہے تو تالیہ مراد کو فرق نہیں پڑتا۔فائن بائے می۔''

سکندر لاجواب سا ہو گیا۔کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر کہہ نہیں سکا۔وہ پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ اسے فرق نہیں پڑتا۔

''اور تم سمجھتی ہو کہ میں کوئی گولڈ ڈگر ہوں۔'' اس نے اب کے سنجیدگی سے جولیانہ کو دیکھا۔''جو تمہارے ڈیڈ کی زندگی میں داخل ہو کے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔مگر بے فکر رہو۔تمہارے ڈیڈ کے پاس ایسا کچھ نہیں ہے جو میرے باپ کے پاس نہیں تھا۔جانتی ہو میرے بابا کون تھے؟''

جولیانہ جو بس اسے دیکھے جا رہی تھی۔نفی میں سر ہلا کے رہ گئی۔

''میرے بابا اپنے ملک کے امیر ترین آدمیوں میں سے ایک تھے۔اور جب وان فاتح اس اجنبی ملک میں گئے جہاں کوئی ان کو نہیں جانتا تھا تو وہ میرے بابا کے پاس ملازمت کرنے لگے۔'' اس نے انگوٹھی والی انگلی سے سینے پہ دستک دی۔''میرے بابا کے پاس۔وان فاتح کو اس اجنبی ملک میں شناخت میرے بابا نے دی تھی۔''

''امریکہ میں؟'' جولیانہ سانس روکے' آنکھیں تحیر سے پھیلائے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اپنے ڈیڈ سے پوچھ لینا۔وہ اس بات کا انکار نہیں کر سکیں گے۔میں نے کہا نا' تمہارے گھر میں ایسا کچھ نہیں ہے جو میں زندگی میں پہلے نہیں دیکھ چکی۔'' یہ کہہ کے وہ آگے بڑھ گئی۔اب وہ مزید ایک لمحہ اس گھر میں نہیں رک سکتی تھی جس کے مکینوں کے دل میں اس کے لیے جگہ نہیں تھی۔سارے فیصلے آسان ہو گئے تھے۔

''اس نے کہا.....ڈائیورس پیپرز۔'' جولیانہ ابھی تک ہکا بکا تھی۔ان دونوں نے اسٹڈی سے آتی لڑائی کا اختتام بہت واضح

سنا تھا۔ ''کیا ڈیڈ اور تالیہ نے شادی کر لی تھی؟''

''ایش نے کہا تھا ایسا کچھ ضرور ہو گا ان کے درمیان۔ لیکن اگر ایسا ہے بھی تو فکر نہ کرو۔ وہ ختم ہونے والا ہے۔'' سکندر نے تسلی آمیز انداز میں گہری سانس لی۔

جولیانہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ تالیہ تو چلی گئی تھی لیکن ان کے گھر کا ماحول مکدر ہو چکا تھا۔

باہر بارش اسی طرح تڑاتڑ برسے جا رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

ایڈم بن محمد کے اپارٹمنٹ کی اونچی کھڑکیوں پہ بھی بارش کی بوندیں گر رہی تھیں۔ شہر کے اس حصے میں البتہ ان کی شدت ہلکی تھی۔ بادلوں کی گرج کی آواز بھی نہ آتی تھی۔ یہاں بارش قہر بن کے نازل نہیں ہوئی تھی۔ یہاں وہ نرم پھوار کی صورت برس رہی تھی اور ایسے میں گرما گرم کافی کی مہک نے ماحول کو مزید خوبصورت بنا دیا تھا۔

''مجھے نہیں یاد میں نے آخری دفعہ کس کے لیے کافی بنائی تھی۔'' اوپن کچن سے نکلتے ایڈم کے ہاتھ میں دو گرما گرم مگ تھے اور وہ مسکراتے ہوئے لاؤنج میں آتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ایک مگ صوفے پہ بیٹھی داتن کو پکڑایا اور خود سامنے بیٹھا۔

''میں تو کافی بنانا بھول چکا تھا۔''

داتن نے ایک گھونٹ بھرا۔ پھر ماتھے پہ شکنیں ڈالیں ''ہاں۔ پتہ چل رہا ہے۔''

ایڈم نے برا منائے بغیر ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور مسکرا کے گھونٹ بھرتے ہوئے اسے دیکھا۔ ''آپ کے بچے کیسے ہیں؟''

''ان کو پیسے بھیجتی رہتی ہوں۔ اس لیے خوش ہیں مجھ سے۔''

''اتنی تلخ نہ ہوں۔ ہم سب کسی نہ کسی رشتے کے معاملے میں قلاش ہوتے ہیں۔'' وہ ہلکا پھلکا نظر آ رہا تھا۔ پھر سرسری سا پوچھا۔ ''چے تالیہ سے ملیں آپ؟''

''ہاں۔ کل سے اس کے ایک واہمے کی تحقیق میں لگی ہوں۔'' وہ برے منہ کے ساتھ میشا والا قصہ بتانے لگی۔

''میشا کے بارے میں کچھ منفی نہیں ملا؟'' ایڈم حیران ہوا۔ ''لیکن وہ تو کون آرٹسٹ تھی۔ کچھ تو ملنا چاہیے تھا۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ واقعی فراڈ ہے؟''

ایڈم سوچ میں پڑ گیا۔ ''مجھے چے تالیہ نے ایسا کہا تو کچھ دیر کے لیے میں بھی ان کی بات مان گیا۔ لیکن.... دو سال ایک لمبا عرصہ ہوتا ہے۔'' پھر وہ چونکا۔ ''کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ چے تالیہ وہی دیکھ رہی ہیں جو وہ دیکھنا چاہتی ہیں؟''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ وہ یہ قبول نہیں کر پا رہی کہ فاتح کو اس کی ضرورت نہیں رہی۔'' پھر اس نے کافی کا گھونٹ

بھرتے ہوئے بغور ایڈم کو دیکھا۔ ”تم بتاؤ...تمہاری زندگی کیسی جا رہی ہے؟“

”دیکھ نہیں رہیں؟ سب کچھ تو ہے میرے پاس۔ خوش ہوں۔ مزے میں ہوں۔“

داتن نے افسوس سے اسے دیکھا۔

”میں بڑے فخر سے کہا کرتی تھی کہ ایڈم بن محمد ہمیشہ سچ بولتا ہے۔“

”آپ کی کہی اکثر باتیں سچ نہیں نکلتیں۔“

”نہیں بتایا تم نے اس کو؟“ داتن کے سوال نے اسے چپ کرا دیا۔ لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔ بارش کی بوندوں کی ہلکی سی آواز بھی خاموش ہو گئی۔ یہ ایڈم کے اندر کا سناٹا تھا جو ایک دم سارے پہ چھا گیا تھا۔

”کوشش کی تھی۔ لیکن پھر ہم کئی سال کے لیے الگ ہو گئے اور اس بارے میں بات نہیں کر سکے۔“

”میں سمجھی تھی اب تک تم اپنے لیے لڑنا سیکھ چکے ہو گے۔ لیکن تم ایڈم....تم اب بھی خود کو سیکنڈ بیسٹ سمجھتے ہو۔ اسی لیے تم اس کو کچھ نہیں بتا پاتے۔ کب نکلو گے اپنے احساس کمتری سے؟“

”اور اگر میرے بتانے سے وہ بھی ختم ہو گیا جو میرے اور چے تالیہ کے درمیان ہے؟ اگر ہمارے درمیان معاملات اتنے آکورڈ ہو گئے کہ ہم بات کرنے سے بھی رہ گئے تو؟“

”تو پچھلے سال تک سب ایسا ہی تھا۔ اس کے بغیر مر تو نہیں گئے تم۔ ہٹے کٹے ہو۔ کما رہے ہو۔ کام کر رہے ہو۔“ وہ جل کے بولی۔

”داتن۔“ ایڈم نے مگ رکھا اور سنجیدگی سے پوچھا۔ ”سچ سچ بتائیں۔ اگر میں ان کو سب بتا دوں....اور ان سے انتخاب کرنے کے لیے کہوں تو کیا وہ مجھے چنے گی؟“

”نہیں۔“ داتن سوگواریت سے بولی۔ ”لیکن میری کہی اکثر باتیں سچ نہیں نکلتیں۔“

ایڈم کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ چہرہ بجھ گیا۔ ”لیکن اگر انہوں نے مجھے نہیں چننا تو میں یہ بات ان سے کیوں کہوں؟“

”اگر وہ تمہارا انتخاب کرلے گی تو تمہیں محبت مل جائے گی۔ نہیں کرے گی تو کلوژر مل جائے گا۔ موو آن کرنے کے لیے کلوژر سب کو چاہیے ہوتا ہے۔ اور پھر....تمہارے پاس کھونے کو کیا ہے؟“ داتن کی بات پہ وہ خاموش ہو گیا۔ اس کے اندر کا سناٹا اب بولتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

☆☆=========☆☆
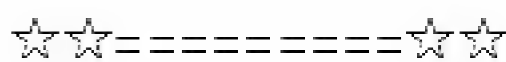
حالم کا اپارٹمنٹ رات کے اس پہر خاموش پڑا تھا۔عمارت کی بیرونی دیواروں پہ گرا بارش کا پانی اب تک سوکھ چکا تھا۔کھڑکیوں پہ جمی ہوئی سفید لڑیاں نظر آ رہی تھیں۔طوفان خود رخصت ہو گیا تھا لیکن اپنا نشان چھوڑ گیا تھا۔

داتن اندر داخل ہوئی تو ایسی ویرانی تھی اس گھر میں کہ دل ہول جاتا۔لونگ روم کی کھڑکیاں کھلی تھیں اور ہوا اندر آ رہی تھی۔

بالکونی کی منڈیر پہ پرندے بیٹھے تھے۔آہٹ پہ اڑ گئے۔جانے کون سے پرندے تھے اور یہاں کیوں آئے تھے۔

داتن کچھ دیر اندھیر لونگ روم میں کھڑے رہی۔ساری بتیاں بجھی تھیں۔صرف نیچے سڑک سے آتی ٹریفک کی روشنی یا ارد گرد کی روشن عمارتوں کے باعث کمرے کے خدوخال نظر آتے تھے۔

سفید ساڑھی والی تالیہ بڑے صوفے سے کمر ٹکائے فرش پہ بیٹھی تھی۔بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے وہ گم صم سی بیٹھی تھی۔ڈھیلے جوڑے سے الجھی الجھی لٹیں باہر نکل رہی تھیں۔داتن کی نظریں اس کی سفید ہیلز تک گئیں جو مخالف سمتوں میں اتار کے پھینکی گئی تھیں۔زیورات میز پہ لاوارث پڑے تھے۔وہ خود کو ہیروں کی قید سے آزاد کیے اداس بیٹھی تھی۔

''میں سمجھی تھی کہ ایک زمانہ گزر چکا ہے۔'' داتن سوگواریت سے بولی۔''اب میں حالم کے گھر میں داخل ہوں گی تو منظر مختلف ہو گا۔نیا گھر۔نئی زندگی۔لیکن پرانی تالیہ....''

تالیہ نے بھیگا چہرہ اٹھایا۔

''تالیہ کبھی کسی کی نظر میں معتبر نہیں ہو گی۔''

''اور پرانے مسئلے۔'' داتن نے فقرہ مکمل کیا اور اپنا پرس میز پہ رکھا۔خود صوفے پہ آ بیٹھی۔تالیہ کے بالکل ساتھ۔پھر ترحم سے اس کا چہرہ دیکھا۔''میں نے کہا تھا نا۔موسم کے تیور اچھے نہیں ہیں۔''

''اس گھر میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔'' وہ گھٹنوں پہ تھوڑی رکھے بھیگی آنکھوں سے دیوار کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہوا کیا تھا؟''

''ان کے بیٹے نے مجھے میرا ماضی یاد کرایا۔بیٹی نے چند لمحے تک مجھے پسند کیا لیکن جیسے ہی میں نے ان کو ان کے گھر میں سجی نقلی پینٹنگ کی حقیقت بتانی چاہی وہ سب میرے خلاف اکٹھے ہو گئے۔''

''اور فاتح سے جھگڑا کیوں ہوا؟''

''اب تو یاد بھی نہیں کہ کس بات پہ جھگڑا ہوا۔بس اتنا یاد ہے کہ ان کے پاس میرے لیے کوئی مقام نہیں ہے۔''

کھلی کھڑکیوں سے آتی ٹھنڈی ہوا سے زمین پہ گرا اس کی ساڑھی کا سفید پلو پھڑ پھڑانے لگا۔داتن کی نظریں اس کی ساڑھی پہ پھسلیں۔

''اور تمہارا دل ٹوٹ گیا؟ کیونکہ تم فاتح کو بچا نہیں سکی۔تم اچھی تالیہ ہو اب۔اور تمہاری ذمہ داری ہے سب کی زندگی بچانا۔تمہارا دل ٹوٹنا ہی تھا۔''

''تو پھر میں اور کیا کرتی 'داتن؟'' وہ رندھی آواز میں کہتے ہوئے اندھیرے کو دیکھ رہی تھی۔''میں کیسے اپنے سفید گھوڑے پہ دھبہ لگنے دے سکتی تھی؟''

''سفید گھوڑا؟''

''کیا تم کتابیں نہیں پڑھتیں' داتن؟ کتابوں میں لوگوں کو ان کا خوشگوار انجام صرف تب ملتا ہے جب سفید گھوڑے والا شہزادہ آتا ہے اور سب کو بچا لیتا ہے۔تالیہ وہی Saviour ہے....اسے اپنی کہانی کے کرداروں کے دل بھی جیتنے تھے اور انہیں بچانا بھی تھا۔لیکن تالیہ کے گھوڑا داغدار ہو گیا کیونکہ وہ ایسا نہیں کر سکی۔سفید گھوڑے والوں کا ماضی داغدار نہیں ہونا چاہیے نہ ان کی زبان سے تلخ انکشاف ہونے چاہیے ہیں۔''

''یعنی کہ Princess Charming۔'' داتن نے گہری سانس لی اور پھر آہستہ سے بولی۔

''لیکن کیا میں تمہیں حقیقت بتاؤں تالیہ؟''

''ہوں؟'' تالیہ نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''ہماری دنیا میں سفید گھوڑے نہیں ہوتے۔''

اس کی آواز ٹھنڈے گھر کی دیواروں سے پلٹ پلٹ کے سنائی دی۔

تالیہ کی آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا اور گال پہ لڑھک گیا۔

''سنا تم نے؟ اس دنیا میں کسی کا گھوڑا سفید نہیں ہے۔اور تم سفید گھوڑے والی شہزادی نہیں ہو جو سب کو بچا لے گی تو اس کو اس کی ہیپی اینڈنگ مل جائے گی۔تمہیں کسی کے اپروول کی ضرورت نہیں ہے۔نہ فاتح کے'نہ اس کے بچوں کے۔تم اپنے اصل سے نہ بھاگو۔''

''یعنی میں اپنی پرانی زندگی کی طرف چلی جاؤں؟''

''میں یہ نہیں کہہ رہی۔تم نے جرائم چھوڑ دیے۔جھوٹ چھوڑ دیے۔اچھا کیا۔ہر ایک ایسا نہیں کر سکتا۔لیکن تالیہ اپنا آپ نہیں چھوڑ سکتی۔اسے چھوڑنا بھی نہیں چاہیے۔''

''اور تالیہ کون ہے؟'' ٹھنڈی ہوا بار بار اس کے چہرے پہ بال بکھیر دیتی لیکن تالیہ ان کو پیچھے نہیں ہٹا رہی تھی۔

''تالیہ ایک معتبر لڑکی ہے۔اپنی نظروں میں معتبر لڑکی۔'' داتن نے نرمی سے اس کے ہاتھ تھامے۔''صرف ایک شخص ہے

جسے تالیہ کو معاف کرنے کی ضرورت ہے اور وہ ہے خود تالیہ مراد۔تم نے صرف خود کو معاف کرنا ہے اور تمہیں تمہاری ہپی اینڈ نگ مل جائے گی' تالیہ۔''

''کیا میں اپنی کہانی کا white knight نہیں ہوں' داتن؟

''ہم سب اپنے اپنے وائٹ نائٹ خود ہوتے ہیں۔لیکن ہمیں صرف اپنا ہی وائٹ نائٹ بننا چاہیے۔تمہیں ساری دنیا کو بچانے کی ضرورت نہیں ہے۔تمہیں ساری دنیا کی نظروں میں ہیرو بننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔''

''اگر مجھے فاتح کے ساتھ رہنا ہے تو کیا مجھے ان سے جڑے لوگوں کی محبت نہیں چاہیے؟'' وہ کسی بچے کی طرح سوال کر رہی تھی۔

''نہیں' تالیہ۔تمہیں صرف فاتح کی محبت چاہیے۔تمہیں خود کو معاف کر کے اپنی زندگی بنانی ہے۔تم فاتح کو نہیں چھوڑ سکتیں صرف اس لیے کہ اس کے بچے تمہیں پسند نہیں کرتے۔''

''بہت سی باتیں جمع ہو گئی ہیں۔صرف ایک یہ بات نہیں ہے۔'' تالیہ نے آنکھیں موند لیں۔کرب سا کرب تھا جو اندر باہر چھایا تھا۔''میں کیا کروں؟''

''فاتح کیا کہتا ہے؟''

''وہ کہتا ہے کہ میں ہمیشہ فرار اختیار کرتی ہوں۔''

''کیا درست کہتا ہے؟''

''شاید۔میں ہمیشہ فرار ہی تو اختیار کرتی ہوں۔گھائل غزال کی حقیقت نہیں بتائی ان کو۔فاتح کی یادداشت کھونے پہ خاموشی سے ایک عرصہ ان کی اسٹافر بنی رہی۔ان کو بتائے بغیر ایڈم کے ساتھ قدیم ملاکہ جا رہی تھی میں۔''

''اور کیا تمہیں تمہاری ہپی اینڈ نگ مل گئی؟''

تالیہ نے نفی میں گردن ہلائی۔

''اگر تم وہی غلط انتخابات کرتی رہو گی' تو تمہیں کبھی تمہاری ہپی اینڈ نگ نہیں ملے گی۔ہپی اینڈ نگ درست فیصلے کرنے والوں کو ملا کرتی ہے۔تم نے اب نہیں بچانا فاتح کو یا کسی اور کو۔اب تم صرف خود کو بچاؤ گی۔اب تم خود کو معاف کرنا سیکھو گی۔تم کسی دوسرے کا گلٹ نہیں اٹھاؤ گی۔تم صرف اپنی ہیرو ہو۔''

''اور اس سب سے کیا ہو گا؟ فاتح کو تو میں کھو چکی ہوں۔''

''کیا تم اس کو دوبارہ نہیں حاصل کر سکتیں؟ کیا تم اپنا جھگڑا نہیں چھوڑ سکتیں؟''

تالیہ نے آنکھیں رگڑیں اور تعجب سے اسے دیکھا۔

''کل تم کہہ رہی تھیں کہ میں ان کو چھوڑ دوں۔''

''تب میں نے تمہیں سفید ساڑھی میں اس لٹے پٹے حال میں نہیں دیکھا تھا۔ میں غلط تھی تالیہ۔ تمہیں اس کے ساتھ زندگی نہیں گزارنی چاہیے جو تم سے محبت کرتا ہو۔ بلکہ اس کے ساتھ گزارنی چاہیے جو تم سے محبت کرے اور تم اس سے محبت کرو۔''

''نہیں، داتن۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں۔'' اس نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔ ''میں وان فاتح سے علیحدہ ہو رہی ہوں۔''

داتن چند لمحے ملال سے اسے دیکھتی رہی۔

''او کے۔ پھر تم خود کو معاف کر کے آگے بڑھو۔ اور دنیا کو دکھاؤ کہ تمہیں اپنے آپ پہ کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ تم وہ کام چھوڑ چکی ہو۔ اپنا آپ نہیں چھوڑ سکتیں۔ تم اپنی نظروں میں معتبر ہو۔ کیونکہ....''

''کیونکہ سفید گھوڑے ہماری دنیا میں نہیں ہوتے۔'' وہ بڑبڑائی۔

''کیونکہ سفید گھوڑے ہماری دنیا میں نہیں ہوتے۔'' داتن نے دہرایا۔

تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر انگلیوں سے آنکھیں دوبارہ ملیں۔ اس کی آنکھیں بہتے کاجل سے سیاہ ہو چکی تھیں لیکن منظر اب کافی حد تک واضح تھا۔

''میں سفید گھوڑے کا بوجھ اپنے کندھوں پہ نہیں اٹھاؤں گی۔ مجھے خود کو اس بوجھ سے ہلکا کرنا ہے۔'' وہ خود سے کہہ رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا سے اس کی ساڑھی کا پلو ہنوز پھڑ پھڑا رہا تھا۔

☆☆=========☆☆

رات گزر رہی تھی اور سب کے لیے ہی گزر رہی تھی۔ رات سب کے لیے رات ہی تھی۔ سب کے لیے سیاہ اور تکلیف دہ تھی۔

تالیہ اب اپنے بیڈ روم میں تھی۔ بیڈ پہ چت لیٹے وہ چھت کو دیکھ رہی تھی۔

موبائل بجا تو اس نے فون اٹھا کے دیکھا۔ اسکرین دھندلی تھی۔ اس نے آنکھوں کو رگڑا اور میسج کھولا۔

ایڈم کا پیغام آیا تھا۔

''ہم نے سرمد کو ٹریس کر لیا ہے۔ وان فاتح نے ہماری بہت مدد کی۔ ان کا میری طرف سے شکریہ ادا کر دیجئے گا۔ کل کا دن میں نے انہیں بہت تنگ کیا لیکن وہ میری ہر ای میل کا جواب دیتے رہے۔ ان کے تعاون کے بغیر ہم سرمد کو نہیں پکڑ سکتے

تھے۔''

اس کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔اور وہ کہتی تھی وہ اس کو بچانے نہیں آتا۔

وہ اس کے پیچھے قدیم ملاکہ بھی آیا تھا۔وہ اس کے لیے کب نہیں آتا تھا؟ لیکن اب یہ باتیں بے معنی ہوگئی تھیں......

وہ اسٹڈی میں بیٹھا فائلز دیکھ رہا تھا۔آنکھوں پہ چشمہ چڑھا تھا اور ماتھے کے بل برقرار تھے۔

''وہ ٹھیک کہہ رہی تھی'ڈیڈ۔'' آواز پہ فاتح نے سر اٹھایا۔سفید فراک والی بچی کونے میں کھڑی تھی۔اس نے بالوں کو سفید ہیئر بینڈ میں جکڑ رکھا تھا اور وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

''وہ غلط کہہ رہی تھی۔'' وہ ناپسندیدگی سے بڑبڑایا۔

''آپ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کو بچالیں گے۔اس کیس سے اس کو نکال لیں گے بس وہ قدیم ملاکہ سے واپس آپ کے ساتھ آجائے۔لیکن آپ نے اس سے اس کے کیس کی ایک اہم بات چھپالی۔''

''چھپانے اور نہ بتانے میں فرق ہوتا ہے۔میں جولیانہ کو مشکل میں نہیں ڈال سکتا۔اور تالیہ اپنے آپ کو اس مشکل سے نکال سکتی ہے۔مجھے معلوم ہے وہ اس سے نکل آئے گی۔''

''اگر اس نے خود کو خود ہی نکالنا تھا تو آپ نے اسے بچانے کا دعویٰ کیوں کیا تھا؟''

فاتح نے عینک اتاری اور فائل بند کی۔اب یہ ساری باتیں بے معنی ہوگئی تھیں۔

آج کی شام سے واپسی ممکن نہیں تھی۔

رات گزر رہی تھی اور سب کے لیے گزر رہی تھی۔

رات سب کے لیے رات ہی تھی۔

☆☆=========☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ پہ صبح گزشتہ شب کی بارش کی تازگی لیے اتری۔

لان اور پودے نہا دھو کے پہلے سے زیادہ سرسبز لگ رہے تھے۔رات شاید کوئی بھی ٹھیک سے نہیں سویا تھا۔اور صبح بھی ناشتہ کیے بغیر وہ تینوں گھر کے اندرونی صحن کے برآمدے کے زینوں پہ بیٹھے تھے۔چاروں طرف کمرے تھے اور درمیان میں چوکور سا صحن تھا۔اوپر چھت کھلی تھی۔

صبح دوبارہ بارش ہوئی تھی اور صحن کا فرش گیلا گیلا سا تھا۔فاتح نے یہ گھر اسی صحن کی وجہ سے منتخب کیا تھا کہ یہ اس کو ملاکہ والے سن باؤ کے گھر کی یاد دلاتا تھا۔

وہ تینوں اوپر نیچے زینوں پہ بیٹھے تھے۔ جولیانہ کا سر اداسی سے جھکا تھا اور سکندر دھیمی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

''آپ نے ہمیں کیوں نہیں بتایا' ڈیڈ؟''

''کیونکہ وہ یہاں نہیں تھی' سکندر۔ بہت ساری باتیں اسی لیے ہو رہی ہیں کیونکہ تالیہ یہاں نہیں تھی۔''

وہ ایک گملے پہ لگا پتا توڑ کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جولیانہ نے ہاتھ بڑھایا اور پتا توڑ کے اسے تھما دیا۔ فاتح عادتاً اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرنے لگا۔

''آپ نے اس سے شادی کیوں کی؟ میں آپ کو جج نہیں کر رہا۔ صرف پوچھ رہا ہوں۔'' سکندر نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ رات کی نسبت اب وہ تینوں قدرے نارمل تھے۔

''اس کا باپ اس کی شادی ایک ایسے شخص سے کر رہا تھا جو دولت مند تھا اور طاقت ور بھی لیکن وہ تالیہ کے لیے سونے کا دوزخ تھا۔ میں نے یہ صرف اسے اس مشکل سے نکالنے کے لیے کیا تھا۔ آئی ایم سوری میں تم لوگوں کو نہیں بتا سکا۔ لیکن شروع میں ہم نے اسے ایک پیپر میرج کے طور پہ جلد ختم کر دینا تھا۔''

''تو آپ نے اسے ختم کیوں نہیں کیا؟'' جولیانہ نے سر اٹھا کے امید سے اسے دیکھا۔

''میں نہیں کر سکا۔ پھر دوسرے مسئلے آن پڑے۔ میں تالیہ کو بھول گیا۔'' وہ سر جھکائے دکھ سے کہتے ہوئے پتے کو توڑ توڑ کے نیچے گرا رہا تھا۔ ''جب یاد آیا تو حالات ایسے ہو گئے کہ اس کو چھوڑنا اس وقت تک ثانوی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اور جب یہ فیصلہ کرنے کا وقت آیا کہ ہم نے ساتھ رہنا ہے یا نہیں' تب وہ غائب ہو گئی۔ چھے سال کے لیے۔''

''اور اب.... ڈیڈ؟'' جولیانہ نے امید سے پوچھا۔ ''اب آپ ساتھ رہیں گے یا نہیں؟''

''کیا کل رات کے بعد بھی اس سوال کی گنجائش ہے؟'' وہ گہری سانس لے کر بولا۔ گیلے صحن میں اداس سی خاموشی چھا گئی۔ جولیانہ کھنکھاری۔

''کیا آپ واقعی اس کے والد کے ملازم تھے؟''

''ہوں؟'' فاتح نے چونک کے اسے دیکھا۔ پتا توڑتا ہاتھ رک گیا۔

''کل جاتے وقت تالیہ نے ہمیں کہا کہ اس کے بابا ایک بہت امیر آدمی تھے اور ایک اجنبی ملک میں انہوں نے آپ کو اپنے پاس ملازمت دی تھی۔ کیا ایسا ہی ہوا تھا ڈیڈ؟''

وان فاتح کے لبوں پہ اداس سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے پتا گملے کی طرف اچھالا اور اٹھتے ہوئے بولا۔

''وہ غلط نہیں کہہ رہی۔'' اسے آگے بڑھتے دیکھ کے سکندر نے جلدی سے پکارا۔

''ڈیڈ۔'' فاتح پلٹ کے اسے دیکھنے لگا۔ ''اگر وہ پیپرز لائی تو آپ ان پہ دستخط کر دیں گے؟''

وان فاتح کے چہرے پہ ایک وقت میں کئی تاثرات آ کے گزر گئے۔

''اگر وہ لائی تو ہاں۔'' اس نے قطعیت سے کہا اور خود آگے بڑھ گیا۔ سارے سوالات کی گنجائش ختم ہو گئی۔

سکندر نے گہری سانس لی اور زیر لب بڑبڑایا۔ (شکر۔)

فاتح اندر آیا اور آفس کے لیے تیار ہونے اپنے کمرے کی طرف جانے لگا تو راہداری سے ییشا نکل کے آتی دکھائی دی۔ اسے دیکھ کے کھنکھاری۔

''داتو سری۔'' ساتھ ہی لاؤنج کی میز انگلی سے بجائی۔

وہ اس طرف متوجہ ہوا تو ییشا مسکرائی۔ البتہ اس کا چہرہ اداس اور کملایا ہوا لگتا تھا۔

''مجھے آپ کی اجازت چاہیے تھی۔ میں اپنی ایک فرینڈ کے ساتھ اس کے گھر شفٹ ہو رہی ہوں۔''

فاتح نے تعجب سے اسے دیکھا۔ ''اور آپ کا ایکس ہزبنڈ؟ کیا وہ جگہ اس سے محفوظ رہے گی؟''

''میری فرینڈ کا فارم ہاؤس شہر سے دور ہے۔ مجھے لگتا ہے میں وہاں محفوظ رہوں گی۔ آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے اتنا عرصہ مجھے اپنے گھر رکھا۔''

''آپ یہ سب تالیہ کی باتوں کی وجہ سے کہہ رہی ہیں۔'' فاتح نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''میں نہیں چاہتی میری وجہ سے کوئی پیچیدگی ہو۔'' اس کی آنکھوں میں نمی چمکی۔ ''میں پہلے ہی بہت سے مسائل کا شکار ہوں۔ مجھے مزید ایک مسئلہ نہیں چاہیے۔''

''ییشا پلیز...'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔ ''تالیہ اس وقت ایک مشکل دور سے گزر رہی ہے۔ وہ تھوڑی سی پیرانائڈ ہے۔ اسے ہر شخص اپنا دشمن لگتا ہے۔ میں اس کی طرف سے معذرت خواہ ہوں۔ مگر آپ کہیں نہیں جائیں گی۔ آپ یہیں رہیں۔ میں اس مسئلے کو حل کر لوں گا۔''

''مگر....''

''ییشا... آپ کو اجازت چاہیے تھی۔ میں نہیں دے رہا۔ آپ کے جانے سے جولی بہت ڈسٹرب ہو جائے گی۔ اگر آپ کو جانا ہی ہے تو تھوڑے دن رک جائیں۔ پھر آپ بے شک چلی جائیے گا لیکن اس طرح نہیں۔'' فاتح نے مسکرا کے ہدایت دی تو ییشا مسکرا دی۔ اور سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اندر آیا اور دروازہ بند کیا۔ پھر سوچتے ہوئے موبائل پہ کال ملائی۔

''میں نے رات تمہیں کہا تھا کہ مجھے یشا تاج کی سیکیورٹی کلیئرنس دوبارہ کر کے دو۔ کیا تم نے کی؟''

''جی سر۔ میں نے تمام سرکاری ذرائع کو استعمال کر کے چیک کیا ہے۔''

''اور؟'' فاتح نے بے چینی سے پوچھا۔

''سر مجھے اس کے بارے میں کوئی قابل گرفت معلوم نہیں ہوئی۔ میں نے اس کے گھر کے قریب رہنے والے لوگوں سے بھی معلوم کیا ہے۔ وہ واقعی وہی ہے جو وہ خود کو کہہ رہی ہے۔ ایک فوٹوگرافر اور ٹیچر۔ اس کے اسٹوڈنٹس کے والدین تک اس کے اچھے کردار کی گواہی دینے کے لیے تیار ہیں۔ اس کا شناختی کارڈ' ڈرائیونگ لائسنس' پاسپورٹ.... سب گورنمنٹ کا ایشو کردہ ہے۔ کرمنل تو دور کی بات اس کو آج تک پارکنگ ٹکٹ نہیں ملا۔ سوری لیکن آپ کے دوست کا شک بالکل بے بنیاد ہے۔''

فاتح نے افسوس سے آنکھیں بند کیں اور سر جھٹکا۔ ''اوہ تالیہ.... تمہارا paranoia ....''

وہ سمجھ سکتا تھا کہ تالیہ اس دھوکے میں کیوں ہے کہ یشا فاتح کو نقصان پہنچائے گی۔ یہ ایک طرح کا نفسیاتی مسئلہ تھا جس میں ایک شخص کو دوسرے کے saviour کا کردار ادا کرنے کی اتنی عادت پڑ جاتی ہے کہ وہ ایسے حالات ڈھونڈنے لگتا ہے جن میں اسے دوسرے کو بچانا پڑے۔ اسے یہ وہم ہونے لگتا ہے کہ دوسرے شخص کو اس کی مدد اور حفاظت کی ضرورت ہے۔

☆☆=========☆☆

آج سارا شہر گیلا گیلا سا تھا۔ سورج بھی اتنے پانی کے باعث ناراض سا ہو گیا اور ٹھیک سے نہیں نکلا۔ مگر بادل تھے کہ برس برس کے تھکتے نہیں تھے۔ اپنی ساری سیاہی سمیت وہ آسمان پہ فخر سے چھلیے بوندیں برسائے جاتے تھے۔

ایسے میں ایک کافی شاپ کی شیشے کی دیوار پہ بوندیں ٹھہری ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ روسٹ ہوئے کافی بینز کی مہک ساری شاپ میں پھیلی تھی۔ کچھ آفس کے لیے تیار لوگ تیزی سے کافی مگ پکڑتے باہر نکل رہے تھے۔ کچھ لوگ میزوں پہ بیٹھے گرم کافی یا ہاٹ چاکلیٹ کے ساتھ ڈونٹ کھاتے ہوئے' موبائل پہ لگے تھے۔

ایسے میں ایک کھڑکی کے ساتھ وہ بیٹھی تھی۔ اس نے میز پہ رکھے مگ کے گرم ہینڈل کو پکڑ رکھا تھا اور شیشے سے باہر گیلی سڑک کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ سن رہی ہیں میں کیا کہہ رہا ہوں؟'' سامنے بیٹھے ایڈم نے میز پہ دستک دی تو تالیہ چونکی اور اس کی طرف چہرہ موڑا۔

اس نے مانگ نکال کے بالوں کی پونی باندھی ہوئی تھی۔ لباس سیاہ تھا۔ اتنا سیاہ جیسے کسی کے جنازے پہ آئی ہو۔ لیکن گردن

میں گرہ لگا مفلر سرخ تھا۔ ایڈم دیکھ سکتا تھا کہ وہ ڈسٹرب تھی۔ وہ اتنی دیر سے اس کو سرمد کے بارے میں تفصیلات بتا رہا تھا لیکن وہ نہیں سن رہی تھی۔

''کیا ہوا ہے؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''میں نے فاتح کو ییشا کی حقیقت بتانی چاہی۔'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔ ''لیکن انہوں نے یقین نہیں کیا۔ صبح انہوں نے مجھے ایک میسج بھی بھیجا جس میں لکھا تھا کہ ان کی سیکیورٹی ٹیم نے ییشا کو پھر سے چیک کیا ہے۔ وہ بالکل کلیئر ہے۔''

''چے تالیہ.....''

''مگر ظاہر ہے یہ سب جھوٹ بول رہے ہیں۔ ییشا کون وومن ہے۔ اور اس کو ذوالکفلی نے ہی بھیجا ہے۔''

''چے تالیہ.....'' وہ کھنکھارا۔ ''کیا معلوم آپ غلط ہوں؟''

''تم بھی مجھے unstable اور پیرانائڈ سمجھتے ہو؟'' اس نے بھنویں بھینچ کے اسے دیکھا۔ ''داتن بھی یہی سمجھتی ہے۔''

''نہیں۔ لیکن آپ کے لیے وہ چھ سال نہیں گزرے جو ہمارے لیے گزر چکے ہیں۔ میں.... فاتح صاحب... داتن.... ہم سب اپنی زندگی میں اسٹیبل ہو گئے ہیں۔ لیکن چھ سال پہلے جب ہم تازہ تازہ اس سب سے نکلے تھے تو ہم آپ سے زیادہ ان اسٹیبل تھے' پیرانائڈ تھے۔ اسی لیے تو وان فاتح نے سیاست چھوڑ دی تھی اور میں نے یادداشت کھونے کا بہانہ کیا تھا۔ ہمیں نارمل ہونے میں ایک لمبا عرصہ لگا تھا۔ آپ کو بھی لگے گا۔ اس لیے ضروری نہیں ہے کہ ییشا کوئی کون آرٹسٹ ہو۔''

''تو پھر وہ میری طرح کیوں لگتی ہے؟''

''کیونکہ یوں سمجھیں کہ.... ان کی کمفرٹ زون میں ایک ہی طرح کے لوگ داخل ہو سکتے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں آپ کی جگہ ہے۔ اسی لیے اتفاق سے انہوں نے صرف ایسی عورت کو زندگی میں جگہ دی جو کسی طرح تالیہ سے ملتی جلتی تھی۔ ہر شخص کون آرٹسٹ نہیں ہوتا' چے تالیہ۔ آپ نے کہا تو میں بھی ایسے ہی سوچنے لگ گیا۔ لیکن اب میرا نہیں خیال کہ وہ ایسی ہو گی۔ اس کے سارے کاغذات اصلی ہیں۔''

''کیونکہ وہ بہت اچھی کون وومن ہے۔ اس نے اپنا ہوم ورک مکمل کر رکھا ہے۔'' تالیہ نے ہٹ دھرمی سے شانے اچکائے۔ ایڈم نے گہری سانس لی۔

''اگر آپ یہ بات بار بار کہتی رہیں تو وان فاتح کو لگے گا کہ آپ جیلیس ہو رہی ہیں۔''

''میں اور جیلیس؟ ہونہہ۔'' وہ تلخی سے سر جھٹک کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ ایڈم کھنکھارا۔

''او کے... جب آپ ملاکہ میں تھیں تو میں نے کہا تھا کہ مجھے آپ سے ایک بات کہنی ہے۔''

''تم مجھے ایک ڈاکومنٹ بنادو گے ایڈم؟'' وہ تھکے تھکے انداز میں باہر دیکھتے ہوئے بولی تو وہ چونک گیا۔

''کیسا ڈاکومنٹ؟''

''میں فاتح سے الگ ہو رہی ہوں۔ مجھے تحلیل نکاح کے کاغذات بنوانے ہیں۔''

وہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکا۔''میں وکیل نہیں ہوں۔''

''ہماری شادی اس دنیا میں رجسٹرڈ نہیں تھی اس لیے تو رائزڈ ڈاکومنٹ کی ضرورت نہیں ہے۔صرف ایک کاغذ پہ چند سطور پرنٹ کردو۔ میں فاتح سے دستخط کروالوں گی۔''

''چند سطور تو آپ خود بھی لکھ سکتی ہیں۔''

تالیہ نے چہرہ اس کی طرف موڑا تو اس کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔''مجھ سے نہیں ہوگا....ایڈم۔''

اور یہ وہ لمحہ تھا جب برسوں بعد ایڈم بن محمد کا دل ایک دفعہ پھر سے خالی ہو گیا۔ وہ چند لمحے بس اسے دیکھتا رہا۔ دکھ سے۔ یاسیت سے۔ ملال سے۔

''سوری میں نے تمہاری بات کاٹ دی۔تم کچھ کہنا چاہتے تھے؟'' اس نے ابرو اٹھا کے پوچھا۔

ایڈم نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔سارے فیصلے ایک پل میں ہو گئے تھے۔

''اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

تالیہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔اس کا ہاتھ ابھی تک مگ کے گرم ہینڈل پہ تھا۔وہ اتنا گرم تھا کہ نہ اس کے لمس سے ٹھنڈا ہو رہا تھا نہ باہر برستی بارش سے۔

''وہ کیوں؟''

''کیونکہ میں آپ کو جانتا ہوں.... بے تالیہ۔آپ کا دل ٹوٹا ہوا ہے۔آپ ناخوش ہیں۔''

''میں ناخوش نہیں ہوں۔بس فیصلہ کر چکی ہوں۔فاتح اور میں....'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔''ہم ناممکن ہیں۔ہم کبھی ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔''

''اس فیصلے کو کچھ وقت دیں۔شاید چیزیں ٹھیک ہو جائیں۔'' وہ دکھی دل سے کہہ رہا تھا۔

''کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا....ایڈم....میں بس ان کی دنیا سے دور جانا چاہتی ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' وہ تیزی سے سیدھا ہوا۔''ڈونٹ ٹیل می کہ آپ قدیم ملاکہ جانے کا سوچ رہی ہیں۔''

''نہیں....یا اللہ....کبھی نہیں...'' تالیہ نے جھرجھری لی۔''میں بس اس ملک سے دور جانا چاہتی ہوں۔عدالت مجھے بری کر

دے تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ کسی اور ملک' کسی اور شہر میں میں اپنا گھر بناؤں گی۔ نئے دوست بناؤں گی۔ کوئی نیا کام شروع کروں گی۔ وہاں کوئی میرا ماضی نہیں جانتا ہوگا۔ کوئی مجھے نفسیاتی مریض یا مجرم نہیں کہے گا۔ میری ساری زندگی ہی نئی ہو جائے گی۔"

"مگر دل تو وہی پرانا ہوگا۔" وہ زخمی سا مسکرایا۔

"دل پہ تالیہ کا اختیار نہیں ہے' ایڈم۔ پلانز پہ ہے۔ اب یہی پلان اے' بی اور سی ہے۔"

"میں یہ کر چکا ہوں۔ ملکوں ملکوں پھر چکا ہوں۔ نئے دوست بنا چکا ہوں۔ ماضی سے پیچھا بھی چھڑا چکا ہوں۔ مگر میں آپ کو حقیقت بتاؤں' شہزادی؟" وہ میز پہ آگے کو جھکا اور مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ طریقہ کام نہیں کرتا۔ انسان جہاں بھی چلا جائے... اگر وہ اندر سے خوش نہیں ہے.... اگر اس کا دل محبت سے خالی ہے... تو باہر کا منظر بدلنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ قدموں کے نیچے جیسی زمین بھی ہو' اس کا آسمان وہی رہتا ہے۔"

"تم مجھے پیپرز بنا دو گے؟" وہ آہستہ سے بولی۔ ایڈم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"او کے۔" پھر بات بدل دی۔ "دو دن بعد کورٹ میں پیشی ہے۔ آج رات آپ کو سرمد سے ملنے جانا ہے۔ کیا آپ اسے ہینڈل کر لیں گی؟"

"کر لوں گی۔" تالیہ نے مگ اٹھایا اور ہونٹوں سے لگایا۔ اس کا ہینڈل اب تک ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔

"بے تالیہ.... آپ کو یقین ہے کہ سرمد آپ کی مرضی کی گواہی دے گا؟"

"میرا پاس ایک ہی گواہ بچا ہے' ایڈم۔ اور میں اس سے اپنی مرضی کا بیان ضرور دلواؤں گی۔" وہ اب کافی پیتے ہوئے شیشے کی دیوار کے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سرد سی آگ جل رہی تھی۔ اسے اب صرف خود کو بچانا تھا۔

☆☆=========☆☆

سرمد ایک درمیانے قد کاٹھ کا آدمی تھا۔ عمر چالیس سے اوپر تھی اور آنکھوں پہ نظر کا چشمہ لگاتا تھا۔

یہ چشمہ اس رات اس کی بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ رکھا تھا اور وہ خود لحاف اوڑھے سو رہا تھا جب دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

سرمد ہڑبڑا کے اٹھا۔ نائٹ بلب کی روشنی میں اس نے وال کلاک کو دیکھا۔ صبح کے تین بج رہے تھے۔ اس نے موبائل اٹھایا اور اسکرین روشن کی۔ کوئی کال نہیں تھی۔ یعنی آنے والا اس کا کوئی شناسا نہ تھا۔

دروازہ ہنوز دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔

وہ عینک لگاتا' سلیپرز پیروں میں اڑستا باہر آیا۔ چھوٹے سے گھر کی راہداری عبور کی۔ دروازے تک آیا اور باہر جھانکا۔ وہاں گھنگھریالے بالوں والی ایک عورت کھڑی تھی۔ ماتھے پہ بل ڈالے وہ دروازہ کھٹکھٹائے جا رہی تھی۔

سرمد نے پٹ کھولا اور گردن نکال کے باہر جھانکا۔''جی؟''

''کیا ہم اندر بیٹھ کے بات کر سکتے ہیں؟''وہ بنا کسی تمہید کے بولی۔

''میں آپ کو نہیں جانتا۔ آپ کو کس سلسلے میں بات کرنی ہے؟''

''تم اس کی اجازت کیوں مانگ رہی ہو؟ ہم اس سے بات کیے بغیر تھوڑی جائیں گے۔''دیوار کی اوٹ سے ایک لڑکی نکلی۔ اس نے سیاہ ٹراوزر شرٹ پہ سیاہ ہڈی پہن رکھی تھی۔ ہڈ نے سر ڈھک رکھا تھا لیکن چہرہ واضح تھا۔ اسے دیکھ کے سرمد شل رہ گیا۔ لیکن وہ...وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے آگے آئی' اور جوگر کی ٹھوکر سے دروازہ کھولا۔

''ہٹو سامنے سے۔''

''آپ کون ہیں اور یوں میرے گھر میں کیوں چلی آ رہی ہیں؟''سرمد نے بظاہر جی کڑا کے کہا۔ مگر وہ اسے روک نہیں سکتا تھا۔ وہ اندر داخل ہو چکی تھی۔ وہ اس کے پیچھے اندر لپکا۔

وہ لاؤنج کے وسط میں کھڑی گردن گھما گھما کے اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔

''آپ کون ہیں؟ دیکھیں...میں پولیس کو کال کر سکتا ہوں۔''تالیہ نے چہرہ موڑ کے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

''تم میری توقع سے چھوٹے اور کمزور ہو۔''

''مجھے بات کرنے دو۔''داتن دبی آواز میں بولی اور سامنے آئی۔

''دیکھیں سرمد صاحب...ہم دونوں جانتے ہیں کہ عصرہ محمود کے لیے آپ کیا کرتے تھے۔''

داتن نے ساتھ ہی ایک کرسی اس کے لیے رکھی۔ وہ تالیہ کو گھورتے ہوئے وہاں بیٹھا جو اب ٹی وی کیبنٹ سے ٹیک لگائے کھڑی' جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں عصرہ کے والد کا ملازم تھا مگر میں ان سے کئی سال نہیں ملا۔''

''سرمد...''داتن نے ضبط کیا۔''میرے پاس گواہ ہیں جو گواہی دیں گے کہ آپ عصرہ کے ساتھ جیولری سیٹ پہ ایک سیٹ کی قیمت لگوانے گئے تھے۔''

''کیا یہ جرم ہے؟''وہ بگڑ کے بولا۔

''جس کام کے بدلے انہوں نے یہ سیٹ دیا' وہ جرم تھا۔''

''انہوں نے مجھے کوئی سیٹ نہیں دیا۔'' وہ ماتھے پہ بل ڈالے بولا۔

''دیکھیں سرمد...'' داتن نے پھر سے کوشش کی۔ ''انہوں نے آپ سے آرسینک منگوایا تھا۔ آپ صرف عدالت میں یہ بتا دیں تو تالیہ بری ہو جائے گی۔ کسی کو آرسینک لا کے دینا جرم نہیں ہے۔''

''لیکن میرا کریڈٹ کارڈ ہیک کر کے میرے نام سے کیک آرڈر کرنا جرم ہے۔'' تالیہ تڑخ کے بولی تو سرمد نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ داتن نے تنبیہی نظروں سے اسے گھورا مگر وہ سرمد کو دیکھ رہی تھی۔

''مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ آپ پولیس نہیں ہیں۔ نہ آپ مجھے گرفتار کروا سکتی ہیں۔ مجھے اپنے رائٹس معلوم ہیں۔ میں کوئی گواہی نہیں دوں گا۔ آپ کیا کر لیں گی میرا؟''

اس کا فقرہ مکمل نہیں ہوا تھا جب وہ کسی چیل کی طرح اس پہ جھپٹی' اسے گدی سے پکڑ کے اس کا چہرہ زبردستی جھکا کے میز سے لگایا اور اس پہ جھکی۔ ہکا بکا سی داتن اسے روکتی رہ گئی لیکن تالیہ سرمد کے کان کے پاس جھک کے غرا رہی تھی۔

''تم نے اپنی مالکن کے ساتھ مل کے میری زندگی تباہ کر دی۔ میری آزادی چھین لی۔ اور تم مجھ سے پوچھتے ہو میں تمہارا کیا کروں گی؟''

''تالیہ... پلیز مجھے بات کرنے دو۔''

''میں اس سے بات کرنے نہیں آئی۔'' وہ سرمد کا گال میز سے لگائے اس کی گردن دبوچے کہہ رہی تھی۔

سرمد کا سانس گھٹنے لگا۔ اس نے ہاتھوں سے مزاحمت کرنی چاہی لیکن تالیہ نے اس کی کلائی مروڑ کے کمر سے لگا دی۔ وہ بے بس ہو کے رہ گیا۔

''میں پولیس نہیں ہوں۔ پولیس تمہیں کچھ نہیں کہے گی۔ میں پولیس سے زیادہ بری ہوں' سرمد۔ اب میری بات غور سے سنو۔ پرسوں صبح تم عدالت میں پیش ہو گے اور تم میرے حق میں گواہی دو گے۔'' وہ چبا چبا کے کہہ رہی تھی۔ ''ورنہ میں تمہاری جان لے لوں گی۔ اتنی مہارت سے کہ کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ تم مجھے نہیں جانتے سرمد۔ میں اپنی برداشت کی انتہا پہ ہوں۔''

اس کی گردن مزید قوت سے نیچے جھکائی گویا ابھی اس کا چہرہ میز کے شیشے میں گاڑھ دے گی۔

''اور یہ مت سمجھنا کہ میں کوئی مہربان لڑکی ہوں جو ایسا نہیں کروں گی۔ اونہوں۔ میں سفید نہیں ہوں۔ میں بہت سیاہ ہوں۔ اور میں یہ کر سکتی ہوں کیونکہ تم میری توقع سے بہت چھوٹے اور کمزور ہو۔'' جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑی اور سیدھی ہوئی۔

وہ گدی پہ ہاتھ رکھے' کھانستا ہوا سیدھا ہوا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں پانی تھا۔ اس نے چند گہرے سانس

لیے اور آنکھیں اٹھا کے تالیہ کو دیکھا تو ان آنکھوں میں خوف تھا۔

''میں بات کر رہی تھی نا' تالیہ۔' داتن نے افسوس سے اسے تنبیہہ کی تو سیاہ بڈ والی لڑکی نے کندھے اچکائے۔ (واٹ ایور) اور پھر سے سینے پہ بازو لپیٹ لیے۔ سرمد پھر سے کھانسا۔ داتن اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''تم جانتے ہو تمہارے دیے گئے آرسینک سے عصرہ محمود کی موت واقع ہوئی ہے۔''

''وہ میری مالکن تھیں۔ میں ان کا وفادار تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ اپنے لیے زہر منگوا رہی ہیں۔'' وہ اب کے دھیمی آواز میں بولا اور گردن جھکا دی۔ ''مجھے معلوم ہوتا تو میں نہ دیتا۔ آئی ایم سوسوری۔ میں سمجھا وہ کسی اور کے لیے ہے۔ انہوں نے کہا تھا انہیں ایک قیمتی جان لینی ہے۔ وہ ان کی اپنی جان تھی۔ آئی ایم سوسوری۔ میں خود کئی سال سے گلٹ میں ہوں۔''

''سرمد... میں تمہارے مالی حالات دیکھ سکتی ہوں۔ تم نے ان ناجائز کاموں سے کمائی گئی رقم جوئے میں اڑا دی ہے اور تم شدید کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہو۔'' داتن سمجھانے والے انداز میں بولی۔ ''ہم کریڈٹ کارڈ ہیک کرنے والی بات گول کر جائیں گے۔ تم نے صرف یہ کہنا ہے کہ عصرہ نے تمہیں آرسینک لانے کو کہا تھا۔ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ خودکشی کرلیں گی۔ اگر تم ہمارے حق میں گواہی دے دو تو چے تالیہ تمہیں بہت بڑی رقم دیں گی۔ تم کئی برس کے لیے سیٹل ہو جاؤ گے..''

وہ نرمی سے سمجھا رہی تھی اور سرمد سر اٹھا کے تالیہ کو دیکھ رہا تھا جو ابھی تک اسے گھور رہی تھی۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''اوکے۔ میں گواہی دے دوں گا۔''

''سنو میری بات....'' تالیہ پھر سے غرائی۔ ''میرے لوگ تم پہ نظر رکھے ہوئے ہیں۔ تم عدالت میں پیش ہونے سے پہلے بھاگو گے نہیں ورنہ وہ تمہیں دیکھتے ہی گولی مار دیں گے۔ سمجھے تم؟'' کہنے کے ساتھ اس نے پیر سے چھوٹی میز کو ٹھوکر ماری۔ اس پہ رکھی ٹوکری اور ٹائم پیس نیچے جا گرے۔ فرش پہ گرنے سے گھڑی کا شیشہ چکنا چور ہو گیا۔ سرمد نے کرچیوں سے نظر اٹھا کے تالیہ کو دیکھا اور اثبات میں گردن ہلا دی۔ ساتھ ہی تھوک نگلا۔

''میں گواہی دے دوں گا۔ لیکن مجھے پیسے پہلے چاہیے ہوں گے۔''

''پیسے کام کے بعد ہوں گے۔ سنا تم نے؟'' وہ سر جھٹک کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ ''اب میں اس شخص کو پے کروں گی جس نے مجھے پھنسایا تھا؟ واہ۔ میں تمہارا کار میں انتظار کر رہی ہوں۔''

داتن نے افسوس سے سر ہلایا اور واپس اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ اب وہ دھیرے دھیرے بولتے اس سے پیسوں کے معاملات طے کرنے لگی۔

☆☆=========☆☆

ٹرائل والا دن بہت روشن تھا۔ آج آسمان پہ بادل تھے نہ ہوا تیز تھی۔ بس سنہری سورج تھا جو تیز چمک رہا تھا۔ سرما کی دھوپ کی تپش بھی عجیب ہوتی ہے۔ جتنا جھلسائے' اتنا ہی سکون آتا ہے۔

ایسے میں وان فاتح اپنی ڈائننگ ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ بیٹھا ناشتے میں مصروف تھا۔ سکندر سوٹ میں ملبوس تیار لگ رہا تھا۔ اشعر بھی تیار تھا۔ وہ جانتا تھا وہ دونوں عدالت جا رہے ہیں۔ اس نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا۔ البتہ ناشتہ کرتی جولیانہ ایک دم کھنکھاری۔ سب نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھنے لگے۔

''کیا تالیہ مراد آج عدالت آئے گی؟''

''ہاں۔ ظاہر ہے۔ وہ نہ پیش ہوئی تو اس کی ضمانت منسوخ ہو جائے گی۔'' اشعر نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''اور اگر اس کے خلاف فیصلہ آیا تو اچھا نہیں ہوگا۔''

''فیصلے ایک دن میں نہیں آ جاتے۔'' فاتح نے ہموار آواز میں کہا تو جولیانہ فوراً بولی۔

''میں اس لیے کہہ رہی ہوں کیونکہ تالیہ مراد آج کل ذرا ذرا سی بات پہ بہت اوور ری ایکٹ کر رہی ہیں۔'' وہ طنز سے بولی۔ اسے جیسے تالیہ پہ بہت غصہ تھا۔ ''جس طرح کا سلوک انہوں نے ہمارے سامنے دکھایا' ایسا ہی وہ میڈیا کے سامنے دکھا رہی ہیں۔ کل انہوں نے ایک صحافی کو تھپڑ کھینچ مارا۔''

''کیوں؟'' فاتح نے چونک کے اسے دیکھا۔

''آپ سوشل میڈیا نہیں دیکھ رہے' آبنگ؟'' اشعر نے مسکراتے ہوئے کرسی دھکیلی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ''ایک اسٹور میں ایک صحافی نے تالیہ سے سوال کرتے ہوئے اسے عصرہ محمود کی قاتل کہہ دیا تو اس نے اسے تھپڑ مار دیا۔ راہگیریوں نے ویڈیو بھی بنالی۔ تالیہ بہت حد تک ان اسٹیبل ہو چکی ہے۔''

''مجھے بے گناہ ہوتے ہوئے کوئی قاتل کہے گا تو میں اس سے بھی زیادہ کروں گا' اشعر۔'' وہ ناگواری سے بولا اور پلیٹ پرے دھکیلتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا۔ تالیہ کا ذکر' اس کا آئے روز ایک نیا مسئلہ' ہر شے تکلیف دہ تھی۔

سرما کی یہ جھلساتی دھوپ عدالت کی عمارت پہ بھی پھیلی تھی۔

کیمروں کے جلتے بجھتے فلیش کی روشنیاں جو کمرہ عدالت پہنچنے تک تالیہ کی آنکھوں میں پڑتے رہے تھے' اس کو اندر تک جھلسانے کے لیے کافی تھے۔ لیکن وہ سیاہ ہیٹ سر پہ جمائے' سپاٹ چہرے کے ساتھ خاموشی سے رپورٹرز کے ہجوم سے نکل آئی تھی۔

آج عدالت میں پیش ہونے کا دن تھا۔اور اس کے پاس گواہ تھا۔تالیہ مراد کو یقین تھا کہ اس کا گواہ اس کو بری کروا لے گا۔

جج اپنا ڈیسک سنبھال چکی تھی۔وکلاء اپنی اپنی میز پہ بیٹھے تھے۔عدالت کی کارروائی شروع ہوئی تو ہر طرف خاموشی چھا گئی۔پراسیکیوٹر جج کی طرف رخ کیے اپنے افتتاحی دلائل دینے لگا۔وہ یہاں سے پراسیکیوٹر کی پشت دیکھ سکتی تھی۔وہ نوجوان تھا، پرجوش تھا اور اس کی آواز میں تالیہ مراد کے لیے تنفر تھا۔

''تالیہ مراد ایک خطرناک عورت ہے' یور آنر۔'' وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے بتا رہا تھا۔''یہ بہت پلاننگ سے وان فاتح اور مسز عصرہ محمود کی زندگی میں داخل ہوئیں۔اس ٹرائل کے دوران میں آپ کو بتاؤں گا کہ کس طرح انہوں نے عصرہ محمود کے قیمتی نوادرات حاصل کرنے کی کوشش کی اور پھر ان نوادرات کی وصیت لکھوا کے عصرہ کو موت کے گھاٹ اتارا۔''

تالیہ اولین قطار کی ایک نشست پہ بیٹھی تھی۔اس نے نظریں گھمائیں۔دونوں طرف کی کرسیوں کے درمیان میں گزرنے کا راستہ تھا۔اس کے دوسری جانب پہلی قطار میں اشعر بیٹھا تھا۔ساتھ سکندر موجود تھا۔وہ بھی اشعر کی طرح سیاہ سوٹ پہنے' اس مقدمے کے لیے تیار ہو کے آیا تھا۔

تالیہ نے چہرہ دوسری جانب موڑا۔اس کے ساتھ والی کرسی پہ ایڈم بیٹھا تھا۔اسے دیکھ کے وہ سادگی سے مسکرایا۔وہ مسکرا بھی نہ سکی۔گردن سیدھی کی۔

''میرا پہلا گواہ ہے سرمد زہدی......'' پراسیکیوٹر کہہ رہا تھا۔''سرمد نے رضا کارانہ طور پہ گواہی کی خواہش ظاہر کی ہے۔اس کے پاس کیس سے متعلق اہم معلومات ہیں۔''

پراسیکیوٹر نے مسکرا کے پیچھے بیٹھے اشعر کو دیکھا۔اشعر بھی مسکرایا۔تالیہ نے گردن موڑ کے غور سے اس کی مسکراہٹ دیکھی۔پھر سپاٹ چہرہ سامنے کو موڑ لیا۔آج اس کے چہرے پہ کوئی تاثر نہ تھا۔

کچھ دیر بعد سرمد کٹہرے میں رکھی کرسی پہ بیٹھا' حلف لے رہا تھا۔وہ آج بالکل نارمل لگ رہا تھا۔پرسکون اور پر اعتماد۔سوٹ بھی پہن رکھا تھا اور قدرے معتبر دکھائی دے رہا تھا۔

''آپ کا عصرہ محمود سے کیا تعلق تھا؟'' چوکھٹے سے نیچے کھڑا پراسیکیوٹر سوالات کا آغاز کرنے لگا۔

سرمد نے اسی اعتماد سے جواب دیا۔''میں ان کے والد کا ملازم تھا۔''

''آپ کی عصرہ سے آخری دفعہ ملاقات کب ہوئی؟''

''ان کی موت سے بھی شاید تین سال پہلے۔میں ان سے ایک لمبا عرصہ نہیں ملا تھا۔''

تالیہ نے ایڈم کو دیکھا اور ایڈم نے تالیہ کو۔پھر دونوں سامنے دیکھنے لگے۔

''آپ ان کی موت کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟''

''کچھ بھی نہیں۔''

''تو پھر آپ نے گواہی دینے کے لیے خود کو کیوں پیش کیا؟'' پراسیکیوٹر کے سوالات رٹے رٹائے تھے۔ جیسے وہ دونوں ریہرسل کر کے آئے تھے۔

''کیونکہ پرسوں رات آپ کی یہ ملزمہ اپنی ایک ساتھی خاتون کے ساتھ میرے گھر آئی تھیں۔'' وہ سامنے کرسی پہ بیٹھی تالیہ کی طرف انگلی اٹھا کے کہہ رہا تھا۔ وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھے گئی۔

''یہ زبردستی میرے گھر میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے مجھے گردن سے پکڑا۔ مجھے زدوکوب کیا۔'' اس نے کالر کا بٹن کھولا اور گردن کا نشان دکھایا۔ ''انہوں نے میرے گھر میں توڑ پھوڑ کی۔ اور مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے عدالت میں پیش ہو کے ان کے حق میں بیان نہ دیا تو یہ... مجھے... قتل کر دیں گی۔'' چبا چبا کے بولا۔ تالیہ نے آنکھیں سختی سے میچیں۔ بہت سی متعجب نظریں اس کی طرف اٹھیں۔ ان میں سے کچھ ملامتی بھی تھیں۔

''اور یہ آپ سے کیا بیان دلوانا چاہتی تھیں؟''

''پتہ نہیں۔ کچھ کہہ رہی تھیں یہ کہ میں کہوں عصرہ محمود کو آرسینک میں نے لا کر دیا۔ ساتھ مجھے بھاری رقم کی پیشکش بھی کی۔ میں عدالت سے استدعا کرتا ہوں کہ مجھے پولیس پروٹیکشن دی جائے۔ مجھے تالیہ مراد سے جان کا خطرہ ہے۔''

وہ اتنے اعتماد سے کہہ رہا تھا جتنے اعتماد سے سچ بولنے والا سچ بولتا ہے۔ کمرہ عدالت کی اونچی کھڑکیوں سے چھن کے اندر آتی دھوپ کٹہرے پہ سیدھی پڑ رہی تھی۔ اس روشنی میں وہ معتبر لگ رہا تھا۔

یہاں سارے کھیل سچ اور جھوٹ کے تھے۔ یا پھر وقت کے۔

پراسیکیوٹر نے ریموٹ اٹھا کے بٹن دبایا تو ملٹی میڈیا پروجیکٹر پہ تصاویر چلنے لگیں۔ سرمد کے گھر کے لاؤنج کا منظر۔ وہاں ہر شے ٹوٹی بکھری پڑی تھی۔ صرف گھڑی اور ٹوکری نہیں۔ بلکہ برتن بھی ٹوٹے پڑے تھے۔ اس نے یقیناً تالیہ کے جاتے ہی مزید توڑ پھوڑ کر کے تصاویر لے لی تھیں۔

''یور وٹنیس۔ (آپ کا گواہ)'' پراسیکیوٹر واپس اپنے ڈیکس کی طرف آتے ہوئے احمد نظام سے بولا اور اپنی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ ایک مسکراتی نظر اشعر پہ ڈالی۔ اس نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔

احمد نظام نے گہری سانس لی اور کھڑے ہوئے۔ پھر دھیرے دھیرے چلتے ہوئے کٹہرے کے سامنے آئے۔

''تو آپ عصرہ محمود کے ملازم ہیں؟''

''میں ان کے والد کا ملازم تھا۔''

''اور آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ پرسوں رات تالیہ مراد آپ کے گھر آئی تھیں؟'' احمد نظام تعجب سے پوچھ رہے تھے۔

''بالکل۔''

''اور انہوں نے آپ کو دھمکایا' اور جان سے مارنے کی دھمکی دی؟''

''جی.....'' وہ مسکرا کے بولا۔

احمد نظام چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔ پھر کھنکھارے۔

''میرے پاس آپ کے لیے صرف ایک سوال ہے۔'' انہوں نے وقفہ دیا۔

''تالیہ مراد کس وقت آپ کے گھر آئی تھیں؟''

''قریباً رات کے تین بجے۔''

''اور وہ کب تک وہاں رہیں؟''

''دس سے پندرہ منٹ۔''

''آپ کو وقت کیسے یاد ہے؟''

''کیونکہ انہوں نے میری گھڑی توڑی تھی۔ اس پہ وقت وہیں جم گیا تھا۔ تین بج کے پندرہ منٹ۔''

''یعنی تین بجے سے تین بج کے پندرہ منٹ تک تالیہ مراد آپ کے گھر تھیں؟''

''جی۔''

احمد نظام جج کی طرف مڑے۔ ''یور آنر میں اس گواہ سے مزید سوال پوچھوں گا لیکن میں اس سے پہلے ایک ری بٹل گواہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔''

پراسیکیوٹر کوفت سے اٹھا۔ ''یور آنر مجھے اس بات پہ اعتراض ہے۔ احمد نظام عدالت کا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ ان کے گواہ کے پیش ہونے تک دیر ہو جائے گی اور.....''

''میرا گواہ اسی کمرے میں موجود ہے۔ بلکہ گواہان۔'' احمد نظام نے سامنے بیٹھے پولیس کمشنر کی طرف اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہے۔ بلائیے ان کو۔'' جج نے کاغذ پہ کچھ نوٹ کرتے ہوئے اجازت دی۔ پراسیکیوٹر اسی کوفت سے واپس بیٹھا۔

پولیس کمشنر اوپر کٹہرے تک آیا۔ حلف لیا اور ٹیک لگا کے کرسی پہ بیٹھ گیا۔

''آپ کیا کام کرتے ہیں؟''

''میں پولیس کمشنر ہوں۔''

''اور کیا آپ کے تھانے میں تالیہ مراد کا کیس ہے؟''

''جی۔''

''ابھی سرمد صاحب نے کہا کہ رات تین بجے سے تین پندرہ تک تالیہ مراد ان کے گھر پہ موجود تھیں۔ کیا یہ درست ہے؟''

''یہ ناممکن ہے۔ ہو ہی نہیں سکتا۔''

جہاں اشعر چونک کے سیدھا ہوا اور سرمد نے تعجب سے کمشنر کو دیکھا' وہیں سیاہ ہیٹ والی لڑکی دھیرے سے مسکرا دی۔

اس کا گواہ آن پہنچا تھا۔

وقت۔

آج وقت نے تالیہ مراد کے لیے گواہی دی تھی۔

''عدالت کو بتائیے کہ یہ ناممکن کیسے ہے؟''

پولیس کمشنر نے چہرہ مائیک کے قریب کیا اور سنجیدگی سے بولا۔

''کیونکہ پرسوں رات دو بجے سے صبح پانچ بجے تک تالیہ مراد ہمارے تھانے میں... ہماری حراست میں تھیں۔ انہوں نے ایک رپورٹر کو تھپڑ دے مارا تھا اور رپورٹر نے پولیس بلا لی تھی۔ میں پوری رات وہیں بیٹھا اسی معاملے کو سلجھاتا رہا تھا۔ میرا پورا تھانہ اس بات کا گواہ ہے۔ ہمارے پاس سی سی ٹی وی فوٹیجز ہیں۔ آپ احمد نظام بھی ان کے ساتھ تھے۔''

اشعر نے بے یقینی سے گردن موڑ کے تالیہ کو دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے سامنے دیکھ رہی تھی۔ سرمد نے اچنبھے سے گردن ادھر ادھر گھمائی۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ کمشنر جھوٹ کیوں بول رہا تھا۔

''کیا تین بجے تالیہ مراد پندرہ منٹ کے لیے آپ کی نظروں سے دور ہوئی تھیں؟''

''ہرگز نہیں۔ وہ سارا وقت ہماری نظروں کے سامنے تھیں۔ وہ میرے آفس میں بیٹھی تھیں۔ بلائنڈز کھلے تھے۔ سارا تھانہ ان کو دیکھ سکتا تھا۔ آپ سی سی ٹی وی چیک کر لیں۔ آفیسرز کو بلا لیں۔ بلکہ اس صحافی کو تھپڑ مارنے کی ویڈیو بھی ہمارے پاس ہے۔ اس پہ ٹائم اسٹیمپ ہے۔''

''ایسا نہیں ہے۔ میں بتا رہا ہوں یہ کل میرے گھر اسی وقت پہ آئی تھیں۔'' سرمد اپنی جگہ سے اونچا سا بولا۔ وہ متعجب تھا۔ الجھا ہوا تھا۔ جج نے برہمی سے اسے روکا۔ ''اپنی باری پہ بولیے۔''

سرمد جب دوبارہ کٹہرے میں آیا تو اس کی رنگت اڑی اڑی تھی۔ احمد نظام نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ آپ کے گھر نہیں آئیں بلکہ آپ کو کسی نے ان پہ الزام لگانے کو کہا ہے۔''

''وہ آئی تھیں۔ایک عورت بھی ساتھ تھی۔انہوں نے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی بھی دی۔اور پیسے دینے کی آفر بھی کی۔''

''جان سے مارنے کی دھمکی دی یا پیسے دیے؟لوگ ایک وقت میں ایک چیز کیا کرتے ہیں۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

''آپ نے کہا کہ آپ کی ٹوٹی گھڑی پہ وقت تین بج کے پندرہ منٹ پہ فریز ہو چکا ہے سرمد۔آپ نے وہ گھڑی غالباً خود ہی توڑی تھی کیونکہ آپ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ تالیہ مراد اس وقت تھانے میں ہیں۔آپ نے سوچا کہ وہ اپنے گھر ہوں گی اور ان کے پاس کوئی ایلی بائی نہیں ہوگی۔''

''شاید مجھے وقت بتانے میں غلطی لگی ہو۔''

''اگر ابھی کرائم سرچ یونٹ آپ کے گھر جائے تو ان کو آپ کی ٹوٹی گھڑی پہ کیا وقت فریز ہوا ملے گا؟''

وہ اتنی تیزی سے بولے کہ سرمد گڑبڑا گیا۔اب وہ اپنے بتائے وقت سے نہیں پھر سکتا تھا۔اس نے خود دیکھا تھا گھڑی پہ وقت۔تالیہ مراد ایک ہی وقت پہ دو جگہوں پہ کیسے ہو سکتی تھی؟اس کے پاس وقت کی چابی تھوڑا ہی تھی؟

''آبجیکشن۔'' پراسیکیوٹر ضبط نہ کر سکا اور جگہ سے اٹھا۔جج اور احمد نظام نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ کس بات پہ آبجیکشن کرے۔وہ واپس بیٹھ گیا۔اشعر جھک کے خفگی سے اسے کچھ کہنے لگا۔وہ جواباً پریشانی سے وضاحت دینے لگا۔

احمد نظام واپس سرمد کی طرف مڑے۔''تو آپ مجھے یہ بتائیں کہ تالیہ مراد ایک ہی وقت میں دو جگہوں پہ کیسے ہو سکتی ہیں؟سوائے اس کے کہ ان کے پاس کوئی ٹائم ٹرنر ہو۔جس سے وہ وقت کو پیچھے کر سکیں۔'' احمد نظام نے کمرہ عدالت کی طرف چہرہ موڑا اور با آواز بلند کہا۔''اور ہم سب جانتے ہیں کہ وقت کی کوئی چابی نہیں ہے۔گیا وقت ہاتھ نہیں آتا نہ آج تک وقت کسی کے لیے رکا ہے۔ہے نا؟''

تالیہ مسکرا دی۔ایڈم بھی مسکرا دیا۔

پھر وہ اس کی طرف جھکا اور آہستہ سے بولا۔''مجھے امید نہیں تھی کہ یہ کام کر جائے گا۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' کٹہرے میں کھڑے سرمد کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔وہ بار بار بے یقینی سے پہلی رو میں بیٹھی سیاہ ہیٹ والی لڑکی کو دیکھتا تھا۔وہ آج جارحانہ انداز والی لڑکی نہیں لگ رہی تھی۔وہ بس سادگی سے مسکرا رہی تھی۔

''آپ کی باتیں اتنی احمقانہ ہیں سرمد صاحب کہ میں ان پہ کوئی سوال ہی نہیں کرنا چاہتا۔آگے چلتے ہیں۔'' احمد نظام نے افسوس سے کہا تو سرمد نے دیکھا' جج نے سر جھٹک کے کاغذ پہ کچھ لکھا ہے۔

پراسیکیوٹر برہمی سے اشعر سے سرگوشی کر رہا ہے۔

اور حاظرین چبھتی نظروں سے سرمد کو دیکھ رہے تھے۔

وہ سچ کہہ رہا تھا اور وہ جانتا تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔لیکن کوئی اس کا یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔

''سرمد میرے پاس آپ کے فون ریکارڈز ہیں۔اس رات تالیہ مراد تو آپ کے گھر نہیں گئی تھیں لیکن آپ نے اس رات یہ کالز ضرور کی تھیں۔'' احمد نظام ایک کاغذ اسے دکھاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔''اور یہ کالز آپ نے اشعر محمود کو کی تھیں۔''

سرمد نے خشک لبوں پہ زبان پھیری۔پھر بے چارگی سے نیچے بیٹھے اشعر کو دیکھا جس نے ایک دم پہلو بدلا تھا۔سکندر نے گردن موڑ کے اشعر کو دیکھا۔پھر سرمد کو۔

''آپ نے اشعر کو کیوں کال کی؟''

''مجھے یاد نہیں۔''

''آپ کافی دیر تک ان سے بات کرتے رہے۔آپ نے ان سے چار دفعہ کل سے آج تک بات کی۔لیکن آپ کو یاد نہیں؟ کیا انہوں نے کہا تھا تالیہ مراد پہ تشدد کا الزام لگانے کے لیے؟''

''یہ کال ریکارڈز جھوٹے ہیں۔'' وہ گردن کڑا کے بولا۔ساتھ ہی پریشان نظروں سے سامنے کرسیوں پہ بیٹھے اشعر کو دیکھا۔وہ لبوں پہ مٹھی رکھے' اسے گھورے جا رہا تھا۔

''میں آپ کی یادداشت تازہ کیے دیتا ہوں۔اس عورت کو پہچانتے ہیں آپ؟'' احمد نظام نے فولڈر سے ایک فوٹو نکال کے اس کے سامنے کی۔

پراسیکیوٹر بے چینی سے اٹھا۔''اس سوال کا کیس سے کیا تعلق ہے؟''

احمد نظام تحمل سے اس کی طرف گھومے۔

''پراسیکیوٹر صاحب...گواہ کا نام آپ نے فہرست میں لکھا تھا۔اس کے متعلق پورا ریسرچ کر کے میں لایا ہوں۔میں آپ کے لیے آپ کی جاب آسان کر رہا ہوں۔کتنا ہی اچھا ہو کہ آپ تحمل سے گواہ کو جواب دینے کا موقع دیں۔''

ان کا انداز ایسا دوٹوک تھا کہ وہ کچھ کہہ نہ سکا۔جج صاحبہ نے بھی ناگواری سے اعتراض رد کیا تو وہ ماتھے پہ بل لیے واپس بیٹھ گیا۔احمد نظام فرصت سے واپس سرمد کی طرف مڑے۔

''میں اس کو نہیں پہچانتا۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔

''یہ لڑکی ایک زمانے میں عصرہ محمود کے گھر بطور آیا کام کرتی تھی۔ اس کو ہائر کرنے کے کچھ عرصے بعد اس نے اپنے ساتھی کے ساتھ آریانہ بنت فاتح کو اغوا کیا اور ایک حادثے میں دونوں کی موت واقع ہو گئی۔ یہی لڑکی آپ کی قالینوں کی دکان پہ بھی کام کرتی تھی۔ میں نے اس لڑکی کی فیملی کو بھی ٹریس کیا ہے۔''

''مجھے یاد نہیں۔''

''سرمد صاحب... میرا خیال ہے.... عصرہ کو علم نہیں تھا کہ اس لڑکی کو آپ نے بھیجا تھا۔ آپ اس کے ذریعے آریانہ کو اغوا کر کے تاوان لینا چاہتے تھے لیکن بچی کی حادثاتی موت کے بعد آپ خاموش ہو گئے۔ کئی برس بعد کسی طرح عصرہ کو اس کا علم ہو گیا۔ انہوں نے آپ کو کال کی۔ اپنی موت سے چند ہفتے قبل۔ وہ آپ کی دکان میں آپ سے ملنے بھی گئیں۔ آپ کی دکان میں کام کرنے والوں کو ان کی آمد کا دن تک یاد ہے۔ عصرہ نے آپ کو قانون کے کٹہرے میں لانے کی دھمکی بھی دی۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوا۔''

مگر وہ کہے جا رہے تھے۔

''آپ نے اپنے ایک دوست کو کانٹیکٹ کیا۔ یہ آدمی اب جیل میں ہوتا ہے اور یہ اس کا بیان حلفی ہے۔'' احمد نظام نے ایک کاغذ جج کے ڈیسک پہ رکھا۔ ''یہ آدمی آپ کا جانا پہچانا دوست تھا۔ آپ نے اس سے آرسینک خریدا۔ اور پھر آپ نے وہ زہر آلود کیک عصرہ کو بھیجے۔ عصرہ کو قتل کرنے کی سب سے بڑی وجہ آپ کے پاس ہے کیونکہ وہ آپ کو گرفتار کروانا چاہتی تھیں۔''

''ایسا نہیں ہوا۔ میں نے ان کا قتل نہیں کیا۔ وہ میری مالکن تھیں۔''

''آپ نے کہا ان کے والد آپ کے مالک تھے۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ میں ان کا وفادار ملازم تھا۔ ٹھیک ہے میں ان سے ملا۔ وہ میری شاپ پہ آئیں لیکن انہوں نے مجھ سے صرف آرسینک منگوایا تھا۔ کسی کو آرسینک دینا کوئی جرم نہیں ہے۔'' وہ جذباتی ہو کے نہیں کہہ رہا تھا۔ وہ تیزی سے کہہ رہا تھا۔

عدالتی کمرے میں دبی دبی سرگوشیاں بلند ہوئیں۔ سکندر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ پھر اشعر کو۔ پھر اس نے اشعر سے کچھ پوچھا لیکن وہ جواب دیے بنا سرمد کو گھورتا رہا۔

''آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ آرسینک آپ نے اپنے لیے خریدا یا ان کے لیے؟'' وہ پوچھ رہے تھے۔ جج اپنی عینک کے اوپر سے غور سے سرمد کو دیکھ رہی تھی۔ اشعر نے جھک کے پراسیکیوٹر کو مخاطب کیا لیکن پہلی دفعہ اس نے ہاتھ اٹھا کے اشعر کو

روک دیا۔ وہ اس آدمی کی کہانی سننا چاہتا تھا۔

''انہوں نے بدلے میں مجھے ڈائمنڈ نیکلیس دیا تھا۔ آپ اس جیولری اسٹور پہ چلے جائیں۔ ان کے پاس ریکارڈ ہو گا۔ میں نے وہ ڈائمنڈ بیچے بھی تھے۔ اگر وہ مجھ پہ خفا ہوتیں تو مجھے وہ سیٹ نہ دیتیں۔'' اس کا اعتماد بڑھنے لگا۔ ''تالیہ مراد میرے اوپر قتل کا الزام ڈالنا چاہ رہی ہیں حالانکہ یہ سچ نہیں ہے۔ میں نے صرف ان کو آرسینک دیا تھا۔''

''آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ عصرہ نے آرسینک خود منگوایا تھا؟''

''یور آنر....'' پراسیکیوٹر پھر سے اٹھا۔ ''اگر مسز عصرہ کو وہ آرسینک اس شخص نے دیا تھا تب بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا قتل اسی آرسینک سے ہوا ہے۔ تالیہ مراد کے پاس وسائل کی کیا کمی ہے؟ وہ کہیں اور سے بھی لے سکتی ہیں۔''

''میں اسی طرف آرہا ہوں۔'' وہ تحمل سے بولے۔ ''سرمد صاحب.... جس آئی پی ایڈریس سے تالیہ مراد کا کریڈٹ کارڈ ہیک کر کے کیک آرڈر کیے گئے تھے وہ ان کافی شاپس کے تھے جو آپ کی دکان کے دو سو میٹر ریڈیئس میں آتی تھیں۔ آپ کے فون کے جی پی ایس ڈیٹا کے مطابق آپ بھی انہی جگہوں پہ اسی وقت موجود تھے جب یہ ہیک ہوا۔ آپ اتنے دن اتفاق سے انہی جگہوں پہ کیوں تھے؟''

''میں نے کوئی کارڈ ہیک نہیں کیا۔ مجھے ان کیکس کا کچھ نہیں پتہ۔ میں نے صرف آرسینک دیا تھا۔ اور آرسینک دینا جرم نہیں ہوتا۔'' وہ ہانپتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اسے عدالت آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ اگر اشعر نہ کہتا تو وہ کبھی یہاں نہ آتا۔ وہ روپوش ہو جاتا۔ یہ سارا کھیل تالیہ مراد کا تھا۔ وہ اور اس کی دوست.... وہ اس کے ساتھ گڈ کاپ بیڈ کاپ کھیل کے گئے تھے۔ وہ اسے کسی اور طرح عدالت نہیں لا سکتے تھے۔ انہیں معلوم تھا وہ اشعر سے رابطہ کرے گا اور اشعر اس کو عدالت میں جا کے تالیہ کا کیس خراب کرنے کو کہے گا۔ وہ خود چل کے ان کے پھندے میں آگیا تھا۔

''عصرہ نے آرسینک منگوانے کی کوئی وجہ تو بتائی ہو گی؟''

''انہوں نے کہا تھا انہیں ایک جان لینی ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ.....'' وہ چپ ہو گیا۔

''کہ وہ اپنی جان لینے جا رہی تھیں؟ آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ عصرہ محمود نے خودکشی کی ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔ میں نے صرف آرسینک لا کر دیا تھا۔ یہ جرم نہیں ہے۔'' وہ زچ ہو کے بولا۔ احمد نظام چند لمحے اسے دیکھتے رہے۔

''میرا آخری سوال۔'' انہوں نے گہری سانس لی۔ ''آپ نے کس کس کو بتایا تھا کہ عصرہ محمود نے آپ سے آرسینک منگوایا ہے؟''

سرمد کی رنگت پھیکی پڑی۔ ''کسی کو نہیں۔''

''سرمد صاحب..... یہ آپ کے اس زمانے کے فون ریکارڈز ہیں۔'' انہوں نے کاغذات کا ایک پلندہ جج صاحب کی میز پہ رکھا۔ ''آپ نے عصرہ سے ملنے کے بعد سے ان کی موت تک کئی دفعہ ایک نمبر پہ کال کی اور اس نمبر پہ بات بھی کی۔ یہ نمبر اس زمانے میں اشعر محمود کے زیر استعمال تھا۔ اور انہی کے آئی ڈی کارڈ پہ رجسٹرڈ ہے۔ کیا آپ نے اشعر صاحب کو بتایا تھا کہ ان کی بہن نے آرسینک منگوایا ہے؟''

کمرہ عدالت میں جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا۔ سکندر نے گردن موڑ کے اشعر کو دیکھا۔ بے یقینی سے۔ صدمے سے۔

''ایش؟'' اس نے اشعر کو کہنی سے جھنجھوڑا۔

لیکن اشعر نے حرکت نہ کی۔ وہ سامنے دیکھتا رہا۔ اس کے تاثرات بالکل سپاٹ تھے۔

''مجھے یاد نہیں۔'' وہ ہکلایا۔

''سرمد..... میں آپ کے لیپ ٹاپ کی ہارڈ ڈرائیو اور آپ کے ای میل اکاؤنٹ سے لے کر آپ کی ہر چیز کا ریکارڈ کورٹ میں منگوالوں گا۔ پولیس کی ٹیک ٹیم آپ کی ایک ایک کال' ایک ایک موومنٹ کو ماضی میں ٹریس کر لے گی۔ یہ وزیراعظم کی بیوی کا قتل کیس ہے۔ صرف سچ آپ کو بچائے گا۔'' احمد نظام نے اونچی آواز میں دہرایا۔ ''کیا آپ نے کسی اور کو بتایا تھا کہ عصرہ محمود نے آپ سے زہر منگوایا ہے؟''

''میں نے..... صرف اشعر صاحب کو بتایا تھا۔''

وہ اب اشعر کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ اشعر کی چبھتی نظریں اس پہ جمی تھیں۔ اس کی آنکھیں اتنی گلابی ہو رہی تھیں کہ لگتا تھا خون بہہ نکلے گا۔ لوگ مڑ مڑ کے اب اشعر کو دیکھ رہے تھے۔

''آپ جانتے تھے ماما نے اس سے زہر منگوایا تھا؟'' سکندر دبی آواز میں غرایا۔

''یہ سب جھوٹ بول رہے ہیں۔'' وہ بڑبڑایا۔ سکندر نے چہرہ موڑ لیا۔ اس کے ماتھے پہ بل تھے اور آنکھوں میں نمی تھی۔

''اور عدالت کو بتائیں..... اشعر صاحب نے آگے سے کیا کہا؟''

''انہوں نے کہا کہ میں خاموشی سے عصرہ میم کو آرسینک مہیا کر دوں۔'' سرمد نے چہرہ جھکا دیا۔

''دیٹس آل..... یور آنر.....'' احمد نظام جج کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ ''عصرہ محمود نے اس شخص سے آرسینک منگوایا تھا۔ جو کیک مبینہ طور پہ تالیہ مراد نے بھیجے ان پہ آرسینک نہیں لگا ہوتا تھا۔ اس بات کے لیے ہمارے پاس گواہ ہے۔''

''کون؟''

تالیہ نے چونک کے سر اٹھایا۔

''پردھان منتری خود۔ان کا کہنا ہے کہ کیک پہ آرسنک نہیں تھی۔اگر عدالت ان کو طلب کرے تو وہ آکر خود گواہی دیں گے۔فی الحال یہ ان کی طرف سے حلفیہ بیان ہے۔''

انہوں نے ایک اور کاغذ جج صاحبہ کے سامنے رکھا۔تالیہ کے گلے میں آنسوؤں کا گولا اٹکنے لگا۔

لیکن اس شام سے واپسی ممکن نہ تھی۔

''کیک جس نے بھی بھیجے' یہ معمہ حل کرنا پولیس کا کام ہے۔''احمد نظام اب کہہ رہے تھے۔''لیکن میں یہ بات ثابت کر چکا ہوں کہ آرسینک عصرہ محمود نے خود منگوائی تھی۔ جناب عالی' عصرہ محمود کی موت قتل نہیں' خودکشی تھی۔اور اگر اس میں کسی کا قصور ہے تو دو لوگوں کا۔ایک یہ شخص (سرمد کی طرف اشارہ کیا) جس نے ان کو زہر لا کے دیا۔اور دوسرا اشعر محمود (پیچھے حاظرین میں بیٹھے اشعر کی جانب بازو بلند کیا) جس کو معلوم تھا کہ اس کی بہن زہر منگوا رہی ہے اور زہر کسی کو شفا نہیں دیا کرتا۔اس کا کام جان لینا ہی ہوتا ہے۔اپنی یا کسی اور کی۔لیکن اشعر محمود نے یہ ہونے دیا۔میں عدالت سے استدعا کرتا ہوں کہ تالیہ مراد کے اغوا کاروں کے کنٹینر سے ملنے والے خون اور ڈی این اے کے سیمپل اشعر محمود کے سیمپلز کے ساتھ میچ کیے جائیں۔ مجھے شک ہے کہ عدالت کو وہاں سے حیرت انگیز نتائج ملیں گے۔''

اشعر سر جھٹکتے ہوئے اٹھا' کوٹ کا بٹن بند کیا' اور سیدھا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ابھی وہ درمیانی رستے کے وسط تک پہنچا تھا جب جج صاحبہ کی آواز سنائی دی۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں' اشعر صاحب؟''

اس نے کوفت سے آنکھیں میچیں....اور رک گیا۔

اب وہاں سے نکلنا اتنا آسان نہ تھا۔

☆☆=========☆☆

عدالت سے واپسی کے سفر میں ان روشنیوں میں اضافہ ہو چکا تھا۔جھلساتی دھوپ آنکھوں میں پڑ رہی تھی۔اوپر سے کیمروں کے چمکتے فلیش...نگاہیں چندھیا گئی تھیں۔

یا شاید اس کی آنکھیں چندھیائی ہوئی تھیں۔وہ کسی خواب کی سی کیفیت میں باہر آ رہی تھی۔ایڈم اس کے ساتھ تھا۔اور رپورٹرز کا ہجوم اس کے سامنے مائیک اور کیمرے اٹھائے' چلا چلا کے پوچھ رہا تھا۔

''چے تالیہ.... عدالت نے آپ کے ٹرائل کو مس ٹرائل قرار دے کر آپ کو ہر الزام سے بری کر دیا ہے۔ اس پہ کیا کہیں گی؟''

''کیا آپ کو اشعر محمود نے اغوا کیا تھا؟ کیا اشعر محمود نے اپنی بہن کا قتل کروایا ہے؟''

''کیا عدالت سرمد کو چھوڑ دے گی؟''

ہر شے سلوموشن میں ہو رہی تھی۔ ایڈم رپورٹرز سے بات کر رہا تھا۔ وہ بس خاموشی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ ہر الزام اور ہر جرم سے آزاد۔

کچھ رپورٹرز ایسے تھے جو دور گھاس پہ کھڑے' اپنے اپنے کیمرہ مینوں کی طرف چہرہ کیے' مائیک اٹھا کے رپورٹ پیش کر رہے تھے۔

''وہ کیک کس نے بھیجے' ہم نہیں جانتے' ناظرین۔ عدالت نے سرمد زیدی کو گرفتار کر کے ری ٹرائل کا حکم دیا ہے۔ تالیہ مراد اب آزاد ہیں۔ آزاد تو اشعر محمود بھی ہیں لیکن وہ ری ٹرائل سے پہلے تک ملک نہیں چھوڑ سکتے۔ سوال یہ ہے کہ کیا کسی کو آرسینک مہیا کرنا جرم ہے؟ آرسینک ہوتا کیا ہے اور یہ کن کاموں کے لیے استعمال ہوتا ہے؟ اس بارے میں ہم آپ کو ایک ڈاکومنٹری دکھانے جا رہے ہیں....''

فاصلے فاصلے پہ کئی رپورٹرز کھڑے اپنے چینل کے کیمرے کو دیکھتے ہوئے اپنی اپنی عدالت سجائے ہوئے تھے۔

وہ سیاہ شیشوں والی کار میں بیٹھی۔ اور دروازہ بند کیا۔ اس لمبی کار میں نشستیں آمنے سامنے بنی تھیں۔ ایڈم اس کے ساتھ بیٹھا تھا اور احمد نظام سامنے۔

کار چل پڑی۔ رپورٹرز کے سوالات سے دور۔ عدالت کی عمارت کی دھوپ سے دور۔ احمد نظام نے بالآخر گہری سانس لی۔

''یہ خون کے نشانات والے کنٹینرز کا آپ نے بہت رسک لیا' چے تالیہ۔ مجھے پہلے معلوم ہوتا تو آپ کو روک دیتا۔''

''لیکن مان لیں کہ اس سے فرق پڑا ہے۔ اشعر محمود ایک لمبے عرصے کے لیے مشکوک ہو گیا ہے۔''

''لیکن وہ اس کیس سے بری ہو جائے گا۔''

''مجھے معلوم ہے وہ بری ہو جائے گا۔ سرمد بھی بری ہو جائے گا۔ کسی کو سزا نہیں ہو گی۔ مگر میں سروائیول موڈ میں ہوں' احمد نظام صاحب۔ مجھے خود کو بری کروانے کے لیے وہ سب کرنا تھا جو میں کر سکتی تھی۔''

''اشعر جانتا تھا کہ عصرہ زہر منگوا رہی ہیں تو اس نے ان کو کیوں نہیں روکا؟'' ایڈم نے سوچتے ہوئے افسوس سے پوچھا۔

''کیونکہ عصرہ اور فاتح کے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ اشعر نے سمجھا ہوگا کہ یا تو وہ فاتح کو مارنا چاہتی ہیں یا تالیہ کو۔ دونوں صورتوں میں اشعر کا فائدہ تھا۔''

''یعنی اتنے سالوں سے اشعر جانتا تھا کہ زہر عصرہ نے منگوایا تھا پھر بھی اس نے آپ کو ہر جگہ موردِ الزام ٹھہرایا۔'' ایڈم نے چچ چچ کرتے ہوئے سر ہلایا۔ وہ پراسراریت سے مسکرائی۔

''میں نے اشعر کو اس کیس میں اس لیے پھنسایا ہے کیونکہ وہ اس ملک کا پردھان منتری بننا چاہتا ہے۔ لیکن اس دھبے کے بعد الیکشن تو کیا اس کو پارٹی کا کوئی اہم عہدہ بھی نہیں ملے گا۔ بعد میں وہ بری ہو جائے گا۔ ثبوت ناکافی ہوں گے لیکن آتھکس کمیٹی اس کو دورانِ تفتیش ہی پارٹی سے سائیڈ لائن کر دے گی۔ میں نے کہا تھا ناں میں سیاہ ہوں ایڈم۔''

''آپ سیاہ نہیں ہیں' پچ تالیہ۔'' احمد نظام سادگی سے مسکرا کے بولے۔ وہ بھی مسکرا دی۔

''لیکن آر یو شیور کہ آپ نے وقت کو روکنے والی کوئی گھڑی استعمال نہیں کی تھی؟''

تالیہ ہنس دی۔ ''نہیں۔ ہم نے صرف وہی کیا تھا جو ہمیں کرنا آتا ہے۔ سر مد ایک ہی جگہ سے شام کی چائے پیتا ہے۔ ہم نے اس کی چائے کو ڈرگ کیا تھا۔ وہ اتنی گہری نیند سویا کہ اسے معلوم نہ ہوا کب کوئی اس کے گھر بنا آواز کے داخل ہوا ہے اور اس کے فون اور گھڑیوں کے اوقات کو دو گھنٹے آگے کر گیا ہے۔ ہم اس سے ایک بجے ملنے گئے تھے۔ اور جاتے ہوئے اس کی کیبل کی تار کاٹ گئے تھے۔ اگلی رات داتن نے اس کی گھڑیاں درست کر دی تھیں۔ انٹرنیٹ ابھی تک اس کا خراب ہے تبھی اس نے سم کارڈ سے اشعر کو کال ملائی تھی۔''

''اور واپسی پہ پچ تالیہ نے اس اسٹور میں میرے بھیجے رپورٹر کو مکا مارا جو توقع کے مطابق آپ کو تھانے لے گیا۔ تھانے سے بہترین ایلی بائی کوئی نہیں ہوتی۔ اس لیے فار دی لاسٹ ٹائم احمد نظام صاحب' ہم نے کوئی ٹائم ٹرنر استعمال نہیں کیا تھا۔''

''آپ لوگوں سے کچھ بعید بھی نہیں ہے۔ آخر آپ وقت کے مسافر رہے ہیں۔'' انہوں نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔ وہ تالیہ کی وقت کے سفر والی باتیں یوں دہراتے تھے جیسے انہیں ان پہ یقین ہو لیکن تالیہ کا خیال تھا وہ اندر سے ابھی تک ان پہ یقین نہیں کر پائے۔ کوئی بھی نہیں کر پائے گا۔

''آپ کا شکریہ۔'' کار احمد نظام کے گھر کے قریب رکی تو وہ بولی۔ شوفر نے دروازہ کھولا تو باہر سے سرما کی دھوپ میں لپٹی دھنک اندر اُمڈ آئی۔

ادھیڑ عمر وکیل نے شانے اچکائے اور اپنا بریف کیس سنبھالتے ہوئے اٹھا۔ شوفر نے دروازہ کھولا تو انہوں نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔

''آپ نے میری فیس دے دی۔ویٹس اٹ۔میں نے یہ سب فیس کے لیے ہی کیا تھا۔''

تالیہ کی سوگوار مسکراہٹ گہری ہوگئی۔''اگر آپ نہ ہوتے تو میں اس کیس سے نہ نکل پاتی۔اور اگر آپ کا دوست میری مدد نہ کرتا تو میں اپنے پرانے جرائم کے لیے معافی نامہ کبھی حاصل نہ کرسکتی۔''

احمد نظام اپنے گھر کے لان کی طرف پشت کیے کھڑے تھے۔تالیہ کو تعجب سے دیکھا اور بولے۔''کون سا دوست؟''اور کندھے اچکا کے مڑ گئے۔تیز دھوپ ان کے عقب سے آرہی تھی جہاں گھاس پہ دھنک کے سارے رنگ بکھرے تھے۔تالیہ نے ماتھے پہ چھجا بنا کے ان کو جاتے دیکھا اور مسکرا دی۔

''جانتے ہو مجھے اس آدمی کی سب سے اچھی بات کیا لگتی ہے؟''

دروازہ بند ہوا تو وہ ایڈم سے بولی۔

''کیا؟''

''جب ان کو احساس ہوا کہ میں سیاہی کا راستہ چھوڑ چکی ہوں تو انہوں نے میرے اندر کی اچھائی کو ایک نہیں کئی موقعے دیے۔ان کے کسی قدم سے کوئی اچھائی کے راستے پہ جاتا ہوا شخص بددل نہ ہوجائے' بس اس ایک بات کے لیے یہ اتنا عرصہ میرے ساتھ لگے رہے۔ایسے لوگ کم ملتے ہیں' ایڈم۔''

''اور آپ جیسی بھاری فیس بھی کم لوگ ہی دیتے ہیں۔''

ایڈم ہنس کے بولا تھا۔تالیہ مسکرا کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔صدیوں کی مسافت کے بعد بالآخر وہ آزاد تھی۔

☆☆========☆☆

دو دن بعد۔

صبح کی تازگی اس خوبصورت کالونی کی سڑک پہ پھیلی تھی۔دونوں طرف دو رویہ درخت تھے جنہوں نے ٹھنڈی سی چھایا کر رکھی تھی۔آسمان آج گہرا جامنی تھا اور سورج کو نکلنے کا راستہ تک نہیں دے رہا تھا۔

ایڈم نے کار اسٹریٹ کے کنارے پارک کی۔پھر گہری سانس لے کر ساتھ بیٹھی تالیہ کو دیکھا۔وہ ہاتھوں میں پکڑے پرنٹ شدہ کاغذ کو دیکھ رہی تھی۔اس کے جھکے سر پہ سیاہ ہیٹ تھا جس میں سرخ پھول لگا تھا۔

''آج اتوار ہے۔فاتح گھر پہ ہوں گے۔میں بس ان سے یہ سائن کروا کے آتی ہوں۔''

''دوستانہ مشورہ دے رہا ہوں۔یہ نہ کریں۔''

تالیہ نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

"تمہیں ڈر ہے کہ وہ سائن کر دیں گے؟"

"مجھے ڈر ہے کہ وہ سائن نہیں کریں گے اور پھر آپ اپنی ضد پہ اڑ جائیں گی اور ان سے سائن کروا کے دم لیں گی۔ جب آپ ضد کرتی ہیں تو اسے منوا لیتی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ ایسی چیز پہ ضد کریں جو آپ کو خوشی نہیں دے گی۔"

تالیہ کی آنکھوں میں آج کوئی نمی نہ تھی۔ ایک سوگواریت تھی لیکن اعتماد بھی تھا۔ وہ جیسے اس جذباتی جھٹکے سے سنبھل چکی تھی۔ جیسے اس نے اس رشتے کے تحلیل ہو جانے کو قبول کر لیا تھا۔

"میرا رنگ سیاہ ہے ایڈم۔ میں تمہاری کتابوں میں لکھی کوئی سفید گھوڑے والی شہزادی نہیں ہوں۔ میں اپنی سیاہی سمیت ان کی زندگی سے دور جانا چاہتی ہوں۔ کسی اور ملک۔ کسی اور جزیرے پہ کسی نئی داستان کا حصہ بننا چاہتی ہوں۔"

"کہانا.... میں یہ آزما چکا ہوں۔" وہ مسکرایا اور نفی میں سر ہلایا۔ "یہ کام نہیں کرتا۔"

دونوں گھنے درختوں کے سائے تلے کار میں بیٹھے سامنے چھپلی سڑک کو دیکھ رہے تھے۔

"میں ان کے ساتھ بھی خوش نہیں رہوں گی۔ ان کے بغیر رہ کے دیکھ لوں گی۔ اتنا عرصہ ان کے بغیر ہی تو رہ رہی تھی۔ تم میرا انتظار کرنا۔"

"اور ایشا والا معاملہ؟"

"کہانا... میں سیاہ ہوں۔ مجھے اب کسی دوسرے کو بچانے میں دلچسپی نہیں۔"

"بے تالیہ.... ایشا کو وقت دیں۔ ہو سکتا ہے وہ ویسی نہ ہو جیسا آپ اس کو سمجھ رہی ہوں۔"

تالیہ نے بس ایک نظر اسے دیکھا اور زخمی سا مسکرائی۔ "تم بھی سمجھتے ہو کہ تالیہ پیرا نوئڈ ہے؟"

"اچھا چھوڑیں...." ایڈم نے گھڑی دیکھی اور سامنے اسٹریٹ میں بنی فاتح کی رہائشگاہ کو دیکھا۔ "اندر کتنا وقت لگے گا آپ کو؟"

"ایک دستخط کروانے میں کتنا وقت لگ سکتا ہے؟"

"شاید ایک لمحہ۔ شاید پانچ سو ستاون برس۔"

ایڈم نے گہری سانس لے کر کندھے اچکائے۔ سیٹ بیلٹ کھولی اور ڈرائیونگ سیٹ پیچھے کر کے ٹیک لگا لی۔ اسے تالیہ کی واپسی کا انتظار کرنا تھا۔

چند منٹ بعد.... سیکیورٹی کے مراحل گزار کے بٹلر اسے گھر کے اندر لے آیا۔ وہ گردن سیدھی رکھے اس کے عقب میں چلتی رہی۔

"داتو سری اسٹڈی میں ہیں۔" بٹلر نے راستے میں بتایا تھا۔

ہاتھ میں پکڑے فولڈر پہ اس کے ہاتھوں کی گرفت نم ہوگئی۔ یہ مرحلہ مشکل نہیں تھا۔ اسٹڈی میں جانا.... فاتح سے ایک کاغذ پہ سائن لینا.... مشکل کچھ نہ تھا۔ بس تکلیف دہ تھا۔ اور تکلیف ابھی سے ہونا شروع ہوگئی تھی۔

راہداری کے دوسری طرف سے ییشا آتی دکھائی دی۔ تالیہ رک گئی۔ بٹلر بھی رک گیا۔ ییشا ایک لمحے کو ہچکچائی پھر قریب آئی۔ اس کے ہاتھ میں دو خالی شاپنگ بیگز تھے۔

"چے تالیہ.... ایک بات کر سکتی ہوں آپ سے؟" وہ اسے دیکھ کے سادگی سے گویا ہوئی۔ (بٹلر ہاتھ باندھے چند قدم پیچھے کھڑا ہوگیا۔) "میں نے ملازموں سے سنا کہ آپ آرہی ہیں تو یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں اپنا سامان پیک کر رہی ہوں۔ میری وجہ سے آپ لوگوں کی زندگی میں جھگڑا ہو، میں یہ نہیں چاہتی۔"

تالیہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔ وہ اسی انداز میں کہے جارہی تھی۔

"آپ مجھے غلط سمجھتی ہیں لیکن بے فکر رہیے۔ میں کسی غلط ارادے سے اس گھر میں نہیں آئی تھی۔ داتو سری میرے لیے قابل احترام ہیں۔ انہوں نے مجھے اس گھر میں جگہ دی۔ برے وقت میں ساتھ دیا۔ یہ بہت ہے۔ میں ایک سنگل مدر ہوں چے تالیہ۔ میں اپنے ایکس ہزبنڈ کی ہراسمنٹ کا شکار ہوں۔ میں مردوں کی دنیا میں کام کرنے والی عورت ہوں۔ مجھے ہر جگہ غلط سمجھا جائے گا جانتی ہوں۔ لیکن میری زندگی میں پہلے بہت مسئلے ہیں۔ میں ان میں مزید اضافہ نہیں چاہتی۔" وہ تھکی تھکی لگ رہی تھی۔

دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔

"آپ کہاں جائیں گی؟" پھر تالیہ نے قدرے ٹھہرے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"اپنی فرینڈ کے گھر۔" پھر اس نے گہری سانس لی اور ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "میں جانتی ہوں آپ یہ پیپرز کیوں لائی ہیں۔ بچوں نے ذکر کیا تھا۔ میرا معاملہ نہیں ہے اس لیے مجھے کہنا نہیں چاہیے لیکن میں بھی ایک عورت ہوں۔ آپ کا چہرہ پڑھ سکتی ہوں۔ آپ ڈسٹرب ہیں۔ یہ کر کے (کاغذ کی طرف اشارہ کیا) آپ خوش نہیں رہیں گی۔ اس لیے ایسا کچھ مت کریں جو آپ کو تکلیف دے۔ اپنے فیصلے پہ غور کریں۔ اس گھر میں آپ کے لیے جگہ ہے اگر آپ چاہیں۔" نرمی سے کہا۔ اور آگے بڑھ گئی۔

تالیہ نے کچھ نہیں کہا۔ بس بٹلر کو اشارہ کیا۔ وہ اسے اسٹڈی کی سمت میں لے گیا۔

جب بٹلر نے اسٹڈی کا دروازہ کھولا تو سامنے فاتح اپنی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ دروازہ پورا کھلتا گیا تو جہاں کتابوں کے ریکس

نمایاں ہوئے وہیں تالیہ نے دیکھا' سکندر اور جولیانہ وہیں بیٹھے تھے۔تالیہ کو دیکھ کے دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ہم جائیں' ڈیڈ؟''

''ہاں۔''

''نہیں۔'' دونوں ایک ساتھ بولے۔ فاتح نے سوالیہ نظروں سے تالیہ کو دیکھا جو انہیں جانے سے منع کر رہی تھی۔ان دونوں نے بے اختیار باپ کو دیکھا۔

''میں زیادہ وقت نہیں لوں گی۔'' وہ آگے آئی اور فولڈر ان کی میز پہ رکھا۔ فاتح نے ایک نظر فولڈر کو دیکھا اور دوسری سنجیدہ نظر اس پہ ڈالی۔

''آپ یہ سائن کر دیں تو میں جاؤں۔''

جولیانہ نے سکندر کو دیکھا۔ (ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔)

سکندر نے اشارہ کیا۔ (خیر ہے...کھڑی رہو۔)

اسٹڈی میں بالکل سناٹا چھا گیا۔

اپنی کرسی پہ بیٹھے فاتح نے فولڈر اٹھا کے کھولا۔ سپاٹ چہرے سے اس پہ لکھی عبارت پڑھی۔تالیہ سامنے کھڑی تھی۔اس کا چہرہ بھی سپاٹ تھا۔ فاتح نے چہرہ اٹھا کے اسے زخمی نظروں سے دیکھا۔

''میں سائن کر کے تمہیں بھجوا دوں گا۔'' اس نے فولڈر بند کر دیا۔

تالیہ کا دل اندر ہی اندر کٹ کے رہ گیا۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ اسے ابھی اسی وقت کاغذ سائن کر کے دے ڈالے۔ لیکن وہ یہ نہیں کہنا چاہتی تھی۔ اس نے تائیدی انداز میں سر کو خم دیا۔

''شیور۔ میں انتظار کروں گی۔'' اب وہ مڑنا چاہتی تھی اور یہاں سے چلے جانا چاہتی تھی۔ وہ بہت کچھ چاہتی تھی لیکن معلوم نہیں کیوں وہ چند لمحے مزید کھڑی رہی۔ وہ اپنی کرسی پہ بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔اس کی نظروں میں استفہام تھا۔

''کچھ اور؟'' اس کے انداز میں گلہ تھا۔

''ویل۔'' تالیہ نے سنجیدہ چہرہ سکندر اور جولیانہ کی طرف موڑا جو اسے انہی اجنبی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''آپ کو اب تک یقین آ جانا چاہیے کہ میں نے عصرہ کا قتل نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی میں کوئی گولڈ ڈگر ہوں۔ میری اگلے ہفتے فلائٹ ہے اور میں یہاں سے جا رہی ہوں۔ ہمارے راستے اب ایک دوسرے کو نہیں کاٹیں گے۔ امید ہے میں نے اپنے اوپر لگے تمام الزام دھو ڈالے ہیں۔'' وہ پرس لیے مڑی تو جولیانہ بولی۔

''اور جو الزام آپ نے دوسروں پہ لگائے؟ ان کا کیا؟''

تالیہ بہت ضبط سے واپس پلٹی۔ فاتح نے اکتا کے ہاتھ اٹھایا۔

''اس قصے کو اب ختم کردو' جولی۔''

''کیوں؟ کیا انہیں معذرت نہیں کرنی چاہیے؟ انہوں نے میری ٹیچر کو فراڈ ثابت کرنے کو کوشش کی۔''

وہ تڑخ کے بولی۔

تالیہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔ ''میں نے اس عورت کو کچھ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

''کیا آپ نے نہیں کہا تھا کہ وہ فراڈ ہیں؟''

''صرف کہا تھا۔ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ تب کرتی جب آپ لوگ میری کہی بات پہ اعتبار کرتے۔ لیکن چونکہ آپ اس کے ساتھ خوش ہیں تو میں اس معاملے میں دخل نہیں دینا چاہتی۔'' وہ ہیٹ سر پہ ٹھیک سے جماتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ جولیانہ نے استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔ ابھی اس کا ہاتھ ڈورناب پہ تھا جب فاتح نے اسے پکارا۔

''ایک منٹ۔''

وہ پیچھے نہیں مڑنا چاہتی تھی۔ پیچھے مڑنے والے نمک کے مجسمے بن جاتے ہیں اور ان مجسموں کو آنسو گھول کے بہا دیتے ہیں۔ اسے بس یہاں سے نکلنا تھا۔

''یعنی تم میشا کو فراڈ ثابت کر سکتی ہو؟'' وہ تعجب سے بولا۔ تالیہ نے گہری سانس لی اور واپس پلٹی۔

''ظاہر ہے' فاتح۔ میری ایک عمر گزری ہے اصل اور نقل پینٹنگ کا فرق معلوم کرنے میں۔''

''اچھا۔ کیسے؟'' فاتح نے پیچھے ٹیک لگا کے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ جیسے سارے اختلافات بھول گیا تھا۔ یا بھولنا چاہتا تھا۔

''پلیز ڈیڈ' تالیہ....'' جولیانہ کوفت سے بولی۔ ''میری ٹیچر کی فوٹوگرافز نقل نہیں ہیں۔''

تالیہ نے افسوس سے جولیانہ کو دیکھا اور گردن دائیں بائیں ہلائی۔ ''اونہوں۔ میں اصلی پینٹنگ ہوں۔ وہ نقلی ہے۔''

''ڈیڈ.... آپ اس خاتون کو کیوں سن رہے ہیں؟ مسز میشا کی سیکیورٹی کلیئرنس....''

مگر فاتح نے سکندر کو ہاتھ اٹھا کے خاموش کروا دیا۔

''میں سن رہا ہوں۔'' تالیہ کو بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

تالیہ ہلکا سا مسکرائی۔ ''اس کو بلا کے پوچھیں کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔'' وہ رکی۔ ''وہ سیدھی کہاں جا رہی ہے۔ اور اس کے

جواب میں اپنا جواب ڈھونڈیں۔''

فاتح نے انٹر کام اٹھایا اور ییشا کو بلانے کو کہا۔اس کی نگاہیں ابھی تک تالیہ پہ جمی تھیں۔

چند لمحے بعد دروازے پہ دستک ہوئی اور ییشا اندر داخل ہوئی۔اس کا ہینڈ بیگ کندھے پہ تھا اور اس نے سفید ہیٹ پہن رکھا تھا۔ایک نظر سب کے منتظر چہروں کو دیکھا۔تالیہ پیچھے بک شیلف سے ٹیک لگائے کھڑی ابھی تک فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

''ییشا...آپ کی تیاری مکمل ہوگئی؟میں نے سنا ہے کہ آپ جارہی ہیں؟''فاتح نے نارمل انداز میں پوچھا۔جواباً وہ سادگی سے مسکرادی۔

''جی ڈاتو سری۔میں بس نکلنے ہی والی ہوں۔''

''آپ کہاں جائیں گی؟''

''اپنی فرینڈ کی طرف۔''

''سیدھی وہیں جائیں گی؟میرا مطلب ہے کہیں اور تو نہیں جائیں گی؟''

''جی نہیں۔''ییشا نے گہری سانس اندر کھینچی۔''میرا ایکس ہزبنڈ ابھی تک مفرور ہے۔اس لیے بے فکر رہیں۔میں سیدھی اپنی فرینڈ کی طرف جاؤں گی اور وہیں رہوں گی۔''

تالیہ ابھی تک فاتح کو دیکھ رہی تھی۔اس جواب پہ مسکرائی اور ابرو اٹھایا۔''کیا میں نے ثابت نہیں کر دیا اصلی اور نقلی پینٹنگ کا فرق؟''

ییشا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا اور پھر فاتح کو۔تالیہ نے اپنا بیگ اٹھایا اور ہیٹ کو دو انگلیوں سے ماتھے پہ مزید جھکاتے ہوئے مسکرا کے باہر نکل گئی۔وہ اب اس سے زیادہ یہاں نہیں ٹھہر سکتی تھی۔

''میں جاؤں ڈاتو سری؟''ییشا نے اجازت چاہی۔

''ییشا...آپ کو معلوم ہے اصلی اور نقلی پینٹنگ کا فرق کیسے معلوم کیا جاتا ہے؟''فاتح نے اس پہ نگاہیں مرکوز کیے کہا۔وہ اپنی کرسی پہ بیٹھا تھا اور ییشا دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑی تھی۔''اس ایک چیز سے جو اصلی پینٹنگ میں نہیں تھی اور اسے نقلی پینٹر نے اپنی پینٹنگ میں ڈال دیا۔آپ کی اور تالیہ کی کہانی میں ایک چیز کا فرق ہے۔''

''میں سمجھی نہیں۔''اس نے اچھنبے سے فاتح کو دیکھا۔

''آپ کی ایک بیٹی بھی ہے۔''وہ بالکل اجنبی ٹون میں کہتے ہوئے اٹھا۔''اور ایک ماں کی پہلی instinct اپنے بچے کی حفاظت ہوتی ہے۔آپ نے کہا تھا کہ آپ کی دوست کا فارم ہاؤس شہر سے دور ہے۔لیکن آپ سیدھی وہاں جارہی ہیں۔ایمی

کو اسکول سے پک کیے بغیر۔'' وہ دروازے کی طرف آیا۔ ییشا کا ہاتھ ڈور ناب پہ تھا۔ فاتح نے نرمی سے اس کا ہاتھ وہاں سے ہٹایا' اور دروازہ بند کیا۔

''سکندر... باہر جاؤ اور سیکیورٹی ٹیم کو بلاؤ۔ ان سے کہو باہر انتظار کریں۔ اور تم ییشا... تم یہاں بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو۔'' اس نے سنجیدگی سے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

ییشا چند لمحے بالکل ساکت سی اس کو دیکھتی رہی۔ پھر ایک دم وہ ہنس پڑی۔

''دو سال لگے آپ کو مجھے پکڑنے میں۔ ناٹ بیڈ۔'' اس نے مسکرا کے ہیٹ اتارا اور آرام سے سامنے رکھے صوفے کی طرف بڑھ گئی۔ پھر اس پہ بیٹھی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور کہنی صوفے کے ہتھ پہ رکھے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''ذوالکفلی ٹھیک کہتا تھا۔ تالیہ آپ کی زندگی میں واپس آ گئی ہے اور صرف وہی مجھے پکڑ سکتی ہے۔ مجھے پہلے نکل جانا چاہیے تھا لیکن اٹس او کے۔'' مسکرا کے شانے اچکائے۔ ''No regrets''

اسٹڈی میں ششدر سا سناٹا چھایا تھا۔ سکندر تو ہکا بکا تھا ہی... لیکن جولیانہ... اس کی رنگت فق ہو گئی تھی۔

''میم..... آپ مذاق...''

''پلیز شٹ اپ جولیانہ۔'' ییشا نے فاتح کو دیکھتے ہوئے دایاں ہاتھ جھلا کے اشارہ کیا۔ ''تم بہت annoying اور بہت spoiled ہو۔''

ییشا کا لہجہ اب وہ پوش' مہذب لہجہ نہیں رہا تھا جسے سننے کا وہ عادی تھا۔ بلکہ کے ایل کی تاریک گلیوں میں سلینگ بولنے والے نوجوانوں جیسا ہو گیا تھا۔

فاتح نے سکندر کو اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے دروازے سے باہر نکل گیا۔ فاتح نے میز پہ رکھا فون اٹھایا اور سختی سے بولا۔

''مسز ییشا اندر میرے ساتھ ہیں۔ سیکیورٹی سے کہو' وہ باہر نہیں جائیں گی۔ ایک اور سیکیورٹی ٹیم کو میری اسٹڈی کے باہر تعینات کر دو۔ میں مسز ییشا سے چند باتیں کہہ لوں' پھر تم ان کو لے جا سکتے ہو۔'' فون رکھ کے جولیانہ کو دیکھا جو پلکیں تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں میں تیر رہے تھے۔

''جولی... تم جاؤ۔''

''ہاں' جولی.... پلیز تم جاؤ۔ داتو سری ویسے بھی مجھے دس منٹ سے زیادہ یہاں نہیں روک سکیں گے۔'' وہ جو اطمینان سے بیٹھی تھی' اسی انداز میں بولی۔ اس کا اعتماد.... اس کی بے خوفی.... فاتح نے جولیانہ کو وہاں سے بھیجا... اور خود کرسی کھینچ کے اس کے سامنے بیٹھا۔

''تو تمہیں ذوالکفلی نے بھیجا ہے۔''

''آف کورس مجھے ذوالکفلی نے بھیجا ہے۔کوئی اور مجھے دو سال کے لیے اتنا معاوضہ دے بھی نہیں سکتا۔''

''دو سال....ایک طویل عرصہ ہے۔تم صرف معاوضے کے لیے نہیں یہاں رہیں۔''وہ غور سے اس کی آنکھوں میں چھپی مسکراہٹ پڑھ رہا تھا۔فاتح کا چہرہ ایسا کرتے ہوئے بالکل سپاٹ تھا۔اندر ابلتے طوفانوں کو اندر دبائے وہ بظاہر بالکل پرسکون تھا۔

''یہ ایک بہترین کور تھا۔شہر کے امراء تک رسائی۔اسٹوڈنٹس کے گھروں میں نقب لگانا۔طاقتور لوگوں کے اہم رازان کے بچوں کی زبانی سننا۔ٹیچر اور ڈاکٹر کو لوگ سب بتا دیتے ہیں۔اور انفارمیشن کی قیمت ہوتی ہے۔''

''تمہارے آئی ڈی کارڈز... پاسپورٹ... کسی چیز پہ بھی کوئی ریڈ فلیگ نہیں تھا۔''

''کیونکہ میرے پاس اونچے عہدوں والے دوست ہیں' داتو سری۔کیونکہ میں اپنے کام میں اچھی ہوں۔تالیہ مراد سے بہت بہتر۔شاید بیسٹ۔''وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے پاؤں جھلا رہی تھی۔

''اور تم نے میری بیٹی کو استعمال کیا؟''

''نہ صرف آپ کی بیٹی کو بلکہ اس کی سائیکولوجسٹ کو جس کے پاس اس کی تھیراپی ہو رہی تھی۔اس کی کیس فائلز سے یہ معلوم کرنا کہ آپ کو ہوم ٹیوٹر کی تلاش ہے' یا جولیانہ کو کس طرح کی ٹیچر چاہیے' بہت آسان تھا۔میں امیدواروں کی قطار میں داخل ہو گئی اور آپ نے مجھے خود چنا۔ایسے جیسے یہ آپ کا اپنا آئیڈیا ہو۔''

اسٹڈی میں وہ دونوں تھے اور خاموش کتابیں تھیں۔وہ کسی سانپ کی طرح دھیمی آواز میں بول رہی تھی۔نظریں فاتح کی آنکھوں سے ہٹائے بغیر۔اس کے چہرے پہ ایک عجیب تمسخر تھا جس کو وہ کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔

''اور ایمی؟ وہ تمہاری بیٹی نہیں ہے؟''

''ہاں۔وہ بھی ذوالکفلی کی ایک اسٹوڈنٹ ہے۔لیکن اس کی فکر مت کریں۔اس کو اسکول سے کسی نے پک کر لیا ہوگا۔وہ اپنا خیال خود رکھ سکتی ہے۔''اس نے کندھے اچکائے۔''اور کچھ؟''

''تم ہم سے تالیہ کے بارے میں ہمیشہ اچھی باتیں کیا کرتی تھی۔''

''ڈونٹ یو انڈراسٹینڈ' داتو سری؟ وہ ایک رول تھا۔بیشا تاج۔ایک اچھی ٹیچر۔کون آرٹسٹ پورے آرٹسٹ ہوتے ہیں۔''وہ جوش سے کہنے لگی۔''وہ ایک کردار تخلیق کرتے ہیں اور اسے آخر تک نبھاتے ہیں۔''

''جب تالیہ نے تم پہ شک کا اظہار کیا تو تم بھاگی کیوں نہیں؟''وہ سوچتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیونکہ مجھے ذوالکفلی نے تالیہ کی جگہ لینے بھیجا تھا یار۔ میں نے آخری حد تک کوشش کرنی تھی۔ لیکن آج مجھے احساس ہوا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ میں بھاگ ہی رہی تھی۔ لیکن پھر آپ نے مجھے پکڑ لیا۔ سمپل۔'' اس نے شانے اچکائے۔ اس کے انداز میں کچھ عجیب سا تھا۔ وہ بالکل پرسکون اور پر اعتماد تھی۔

''کتنے افسوس کی بات ہے۔ میں نے اور میری بیٹی نے تم پہ اعتماد کیا۔ تمہیں گھر میں جگہ دی۔ اور تم سارا وقت ہمارے ساتھ جھوٹ بولتی آئیں؟ مجھے تمہارے لیے افسوس ہے ایشا۔ تم اپنی زندگی میں جھوٹے رشتوں کے سوا کچھ نہیں پاؤ گی۔''

''اور آپ جیسے سچ بولنے والوں کی زندگی میں کیا ہے؟ یہ اونچا محل؟ خالی دیواریں؟ اپنی کرسی کو بچانے کی فکر؟ ہونہہ۔'' وہ مسکرا کے اٹھی۔ ''میں جاؤں؟''

''اور تمہیں کیوں لگا کہ میں تمہیں جیل بھیجنے کے بجائے یہاں سے جانے دوں گا۔''

''او ہ آپ مجھے ابھی بہت عزت سے رخصت کرنے والے ہیں' داتو سری۔'' وہ مسکرا کے بولی۔ ''کیونکہ میرے پاس ایک انشورنس پالیسی ہے۔''

''انٹرسٹنگ۔ کیا ہے وہ پالیسی؟''

''میں ذوالکفلی کے اس کام کے لیے اس لیے راضی ہوئی تھی کیونکہ اس نے مجھے بچ نکلنے کا راستہ دکھا دیا تھا۔'' وہ صوفے پہ آگے کو ہوئی اور اس کی طرف جھکی۔ ''میری انشورنس پالیسی ہے تالیہ مراد۔''

فاتح نے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

''تالیہ نے بہت سے جرائم ذوالکفلی کے ساتھ مل کے کیے ہیں۔ اس کے پاس ان کے ثبوت ہیں۔''

''وہ ان جرائم کے لیے معافی نامہ حاصل کر چکی ہوں۔''

''ہاں تو میں کب کہہ رہی ہوں کہ میں ان ثبوتوں کو پولیس کے حوالے کر دوں گی؟ اونہوں۔'' ایشا نے دائیں سے بائیں گردن ہلائی۔ ''اگر آج میں صحیح سلامت یہاں سے نہ نکلی تو ذوالکفلی ان ساری چیزوں کو میڈیا پہ دے دے گا۔ انٹرنیٹ کی دنیا کریزی ہوتی ہے' داتو سری۔ وہاں perception ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ تالیہ مراد کے جرائم کا پنڈورا باکس کھل جائے گا۔ ابھی تو بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ تالیہ ایک کون آرٹسٹ تھی۔ اس کا معافی نامہ بھی صوفیہ رحمٰن نے seal کروا دیا تھا۔ کوئی اسے کھول بھی نہیں سکتا۔ لیکن... اگر میری زبان کھل گئی تو...'' اس کی آواز ہلکی ہوگئی۔ وہ بنا پلک جھپکے فاتح کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔

''تو سارا ملک جان جائے گا۔ سارا ملک یہ بھی پوچھے گا کہ صوفیہ رحمٰن نے کیسے ایک مجرم کو معاف کر دیا۔ تالیہ مراد ابھی

ابھی ایک الزام سے نکلی ہے۔وہ اگلی صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے ایسے کئی اسکینڈلز میں گھر جائے گی۔جن لوگوں کی چیزیں اس نے چرائی تھیں یا ان کو لوٹا تھا' وہ بدلہ لینے نکل آئیں گے۔اس دفعہ تالیہ پہ لگنے والے الزامات سچے ہونگے۔اب آپ بتائیں داتو سری...آپ مجھے یہاں روکیں گے یا عزت سے جانے دیں گے؟''

یہ وہ ایشا نہیں تھی جسے وہ اتنے عرصے سے جانتا تھا۔یہ چمکتی آنکھوں اور عامیانہ لہجے میں بولنے والی عورت کوئی اور تھی۔

فاتح خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھیں ایشا کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''گھڑی کی سوئیاں آپ کا وقت کم کر رہی ہیں۔مجھے گیارہ بجے سے پہلے اس گھر سے باہر ہونا چاہیے۔ورنہ تالیہ کے ساتھ بہت برا ہوگا۔کیا آپ اس کی عزت سے زندگی گزارنے کی خواہش پوری نہیں ہونے دیں گے؟''

وان فاتح نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی اور ایشا کو معلوم تھا وہ جیت چکی ہے۔

''تم یہاں سے خالی ہاتھ جاؤ گی۔تم اپنا سامان' اپنی چیزیں' سب یہاں چھوڑ کے جاؤ گی اور دوبارہ میرے گھر یا میرے بچوں کے قریب بھی نہیں آؤ گی۔اور تم کبھی بھی تالیہ کو ہرٹ کرنے کی کوشش نہیں کرو گی۔''

''اینڈ.....وی ہیو اے ڈیل۔''ایشا نے مسکرا کے دونوں ہاتھ اٹھائے۔

کچھ دیر بعد ایشا تاج اس گھر کے گیٹ سے باہر نکل رہی تھی۔جولیانہ اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھی اور سکندر...وہ اسٹڈی کے ایک کونے سے دوسرے کا چکر کاٹتے ہوئے غصے سے کہہ رہا تھا۔

''ڈیڈ.....وہ عورت.....وہ فراڈ تھی...آپ اس کو کیسے جانے دے سکتے ہیں؟''وہ بار بار پیشانی چھوتا تھا۔رنگت سرخ پڑ رہی تھی۔

''ہم اس کو روک نہیں سکتے تھے۔''وہ سنجیدگی سے بولا۔اس کے چہرے پہ ڈھیروں ملال تھا۔

''وہ آپ کو نقصان پہنچائے گی۔ڈیڈ میں آپ کو بتا رہا ہوں.....یہ یہاں سے جا کے بھی کچھ ایسا ضرور کرے گی جس سے آپ کو نقصان ہو۔''

فاتح سوگواریت سے مسکرایا اور کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''تمہیں لگتا ہے میں یہ بات نہیں جانتا؟''اور دروازے سے باہر نکل گیا۔سکندر بے بسی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔وہ اب پورے گھر میں جولیانہ کو آوازیں دے رہا تھا۔جولیانہ کو اس صدمے سے نکلنے میں اب ایک لمبا عرصہ لگنا تھا' وہ جانتا تھا۔

وہ فولڈر اس کی اسٹڈی ٹیبل پہ رکھا رہ گیا۔

''کیا انہوں نے دستخط کیے؟''تالیہ جب واپس کار میں آئی تو ایڈم نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''نہیں لیکن ان کو ییشا کی حقیقت جلد معلوم ہونے والی ہے۔'' وہ کچھ مضمحل سی لگ رہی تھی۔ ساری تفصیل سن کے ایڈم نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔

''یعنی ثابت ہوا...تالیہ مراد کے اندازے غلط نہیں ہوتے۔'' پھر اس نے جھرجھری لی۔ ''آپ چلی کیوں آئیں؟ وہاں رہ کے ییشا کے تاثرات کیوں نہیں دیکھے؟''

''میں فاتح کو افسردہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی' ایڈم۔'' وہ پر ملال لگ رہی تھی۔ ایڈم نے کار سڑک پہ ڈال دی تھی اور اب ڈرائیو کرتے ہوئے گاہے بگاہے اس کو دیکھ رہا تھا جو پریشان سی کھڑکی کی طرف چہرہ موڑے ہوئے تھی۔

''ایک بات مجھے سمجھ نہیں آئی۔'' تھوڑی دیر بعد تالیہ نے اپنے خدشے کو زبان دی۔ ''ییشا وہاں رکی کیوں رہی؟ جب میں نے اس سے ٹیڑھے سوال پوچھے تھے...اس روز ڈنر پہ...تو اس کا کور خراب ہو چکا تھا۔ اسے وہاں سے بھاگ جانا چاہیے تھا۔ اس نے اتنے دن انتظار کیوں کیا؟''

''کیونکہ وان فاتح اس پہ ابھی تک بھروسہ کیے ہوئے تھے۔''

''نہیں' ایڈم۔ وہ عورت ان کو نقصان پہنچائے گی۔''

''تو آپ کو فکر کیوں ہے؟ آپ تو ویسے بھی ان کو چھوڑ کے جا رہی ہیں۔ اب آپ یہاں نہیں ہوں گی تو بھلے کوئی بھی ان کو نقصان پہنچائے۔ آپ کو کیا؟''

تالیہ کے ماتھے پہ شکنیں پڑیں۔ اس نے ناگواری سے ڈرائیو کرتے ہوئے ایڈم کو دیکھا۔

''میں نے صرف دایاں ہاتھ کٹوانے کی بات کی تھی یا زبان کی بھی؟''

ایڈم نے افسوس سے اسے دیکھ کے سر جھٹکا۔ ''دنیا ادھر سے ادھر ہو گئی' لیکن شہزادی تاشہ کی رعونت نہیں گئی۔''

''جائے گی بھی نہیں۔'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ جو بھی تھا' وہ اب اس بارے میں نہیں سوچے گی۔ وہ ہر ایک کو بچانے کی فکر اب نہیں کرے گی۔ بس۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ شہر میں سلطنت محل اب ایک میوزیم بن چکا تھا۔ یہ وہ سلطنت محل نہیں تھا جس میں ایک زمانے میں شہزادی تاشہ داخل ہوئی تھی۔ مراد راجہ کی موت کے چند سال بعد پرتگالی ملاکہ پہ قابض ہوئے اور اس محل کو جلا کے راکھ کر دیا۔ صدیوں بعد پرانے نقشے دریافت ہوئے اور ان کتابوں کی مدد سے ہو بہو ویسا ہی محل تعمیر کیا گیا۔

لکڑی کا یہ خوبصورت محل گو کہ وہی تھا لیکن...یہ وہ نہیں تھا۔ وہ ایسے بدل چکا تھا جیسے انسان بدل جاتے ہیں۔ ڈھانچہ وہی

رہتا ہے۔ نقش وہی ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا دل بدل جاتا ہے۔ پرانا جل کے راکھ ہو جاتا ہے اور جو نیا دل اس کی جگہ لیتا ہے اس میں گوشت کم اور پتھر زیادہ ہوتا ہے۔

اس محل کو دیکھنے سیاح دن رات دور دور سے آتے تھے۔ انسٹا وردی فوٹوز کھنچواتے' وہاں درج تحریریں پڑھتے' ہنستے بولتے کھاتے پیتے وہاں سے رخصت ہو جاتے۔

کچھ البتہ پچھلے طرف بنے احاطے میں بھی جاتے تھے جہاں گزشتہ سلاطین کی قبریں موجود تھیں۔ پتھریلی کتبوں والی یہ قبریں پرتگالیوں کی آگ سے محفوظ رہ گئی تھیں۔ وہاں تین چار قطاریں بنی تھیں اور اپنے وقت کے طاقتور ترین حکمران ایک ہی صف میں ابدی نیند سو رہے تھے۔

ان قبروں کی وسطی قطار میں تالیہ مراد موجود تھی۔ سر پہ سیاہ اسکارف اوڑھے' وہ دعا کے انداز میں ہاتھ باہم ملائے ایک قبر کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی گلابی آنکھیں کتبے پہ جمی تھیں۔

''سلطان مراد راجہ''

آنکھ سے آنسو گرا اور گال پہ بہہ گیا۔ اس نے اپنے لمبے سیاہ کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہ قدیم طرز کا لفافہ نکالا۔ لفافے کے اندر سے خط نکالا اور وہ تحریر پھر سے پڑھنے لگی۔

اس کا باپ مر چکا تھا۔ اس کی قبر سامنے تھی۔

لیکن کسی اور دنیا میں اس کا باپ زندہ تھا۔ اور وہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔

اس نے بھیگی آنکھیں بند کیں۔ گرم آنسو گال پہ لڑھکنے لگے۔ اس نے قبر پہ ہاتھ پھیرا۔

''میرے آپ سے سارے گلے دور ہو چکے ہیں' بابا۔ لیکن میں اب واپس نہیں جا سکتی۔ کیونکہ میں نے آپ کو ہر صورت موت کے ہاتھوں کھو دینا ہے۔ وہ میری دنیا نہیں ہے۔ یہ میری دنیا ہے۔ تالیہ نے زندگی میں بہت سے غلط فیصلے کیے ہیں۔ اب بھی شاید کر رہی ہے۔ لیکن بابا... میں اپنی دنیا نہیں چھوڑ سکتی۔ میری دعا ہے کہ آپ اپنی موت سے پہلے مجھے معاف کر دیں۔ میں نے آپ کا دل دکھایا تھا لیکن میں خود بھی دکھی ہوں۔''

وہ زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔ آنسو ٹھوڑی سے نیچے گردن پہ ٹپک رہے تھے۔

اس احاطے کے باہر ایڈم اور داتن منتظر سے کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ تالیہ کی ان کی جانب پشت تھی۔ دور سے وہ بس سر جھکائے کھڑی نظر آ رہی تھی۔

وہ دونوں ایک درخت کے ساتھ کھڑے اس کے منتظر تھے۔ دونوں خاموش تھے۔ دونوں اداس تھے۔

پھر داتن کھنکھاری۔ ''تالیہ واپس جانے کا تو نہیں سوچے گی؟''

''یہ ناممکن ہے' داتن۔ وہ اپنے بابا کے خط کے بعد سے گلٹی ضرور ہیں لیکن بے وقوف نہیں ہیں۔''

دونوں کے درمیان خاموشی کا وقفہ آ گیا۔ پھر داتن گویا ہوئی۔

''وہ فاتح کو چھوڑ رہی ہے۔ تم جانتے ہو۔ پھر بھی تم نے اس سے اب تک بات کیوں نہیں کی؟''

ایڈم نے سن گلاسز اتارے اور مسکرا کے داتن کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں زمانے بھر کی اداسی تھی۔

''پہلے مجھے ڈر تھا کہ وہ میرا انتخاب نہیں کریں گی۔ لیکن اب بات انتخاب سے آگے نکل چکی ہے۔ یہ جو دل ہوتا ہے نا' اس میں ایک وقت میں ایک شخص سما سکتا ہے اور جب تک وہ نہ نکلے کسی دوسرے کو اس میں داخل ہونے کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔''

''کیا تم اس کے دل سے فاتح کے نکلنے کا انتظار کرو گے؟''

''نہیں' داتن۔ جس کے محبوب کے دل میں کوئی اور ہو' اور وہ پھر بھی اس کو پانے کے لیے جتن کرتا رہے' ایسا شخص ہمیشہ مغموم رہتا ہے۔ محبوب کے لیے دودھ کی نہر کھودنا یا زہر کھانا آسان ہوتا ہے۔ جانتی ہو مشکل کیا ہوتا ہے؟''

ایڈم اس کی طرف گھوما۔ وہ سرما کی دھوپ میں کھڑا تھا اور داتن چھاؤں میں۔ دھوپ اور سایے میں تین قدموں کا فاصلہ تھا۔ داتن نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے اسے دیکھا جس کے اردگرد سے روشنی کی تیز شعائیں نکل رہی تھیں۔

''کیا مشکل ہوتا ہے؟''

''اس کی محبت سے موو آن کر کے آگے بڑھ جانا۔ کسی کو ان لو نہیں کیا جا سکتا' میں مانتا ہوں۔ لیکن پنے دل کو اس کی خواہش سے خالی کیا جا سکتا ہے۔''

''نہیں کیا جا سکتا۔''

''مگر میں کرنے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ جب دو لوگ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں' تو کسی تیسرے کو ان کے درمیان کی لکیر نہیں بننا چاہیے۔ ایڈم بن محمد میں اتنی سیلف اسٹیم ہے کہ وہ ٹھکرائے جانے کا انتظار کیے بغیر ہی اس تکون سے الگ ہو جائے۔ میں ان سے کچھ نہیں کہوں گا' داتن۔ کیونکہ اب میں خود سے بھی محبت کرتا ہوں۔ اور اگر میں ان کے درمیان میں آیا تو ایڈم کو ایڈم کبھی معاف نہیں کر سکے گا۔''

سیاہ لباس والی تالیہ اب قبروں کی قطار سے نکل کے ان کی طرف آ رہی تھی۔ وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ وہ خط تہہ کرتے ہوئے' آنکھیں رگڑتی احاطے سے باہر نکلی۔ ان کے پاس پہنچنے تک اس کی آنکھیں خشک ہو چکی تھیں۔ وہ خط کو پرس میں ڈالتے

لگی کہ داتن نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''کیا میں اس کا لفافہ رکھ سکتی ہوں؟ یہ اینٹیک ہے اور میرے کام آئے گا۔''

''نہیں۔'' تالیہ نے سختی سے کہا اور خط اندر پرس میں ڈال دیا۔ ''یہ میرے پاس میرے بابا کی آخری نشانی ہے۔''

داتن نے خفت سے کندھے اچکائے۔ ''او کے۔ او کے۔ سوری۔'' پھر گھڑی دیکھی۔ ''کہیں چل کے کھانا کھاتے ہیں۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ مغموم سے انداز میں بولی۔ اس کی ناک ابھی تک سرخ پڑ رہی تھی۔

''تالیہ.... ہم تینوں آخری دفعہ ملاکہ ساتھ آ رہے ہیں۔ تم اگلے ہفتے ہمارا ملک چھوڑ کے چلی جاؤ گی۔ ہم پھر کب آ سکیں گے بھلا؟ کم از کم آج کا دن یہ اداس شکل نہ بناؤ اور اچھی یادیں لے کر جاؤ۔''

داتن قدرے خفگی سے بولی تو تالیہ جبراً مسکرائی اور اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بھی ایڈم کی طرح دھوپ میں کھڑی تھی۔

''اور یہ طے ہے کہ آپ اپنا ارادہ نہیں بدلیں گی؟'' ایڈم نے بغور اسے دیکھا۔

''نہیں۔ میں مزید اس ملک میں نہیں رہنا چاہتی۔ مجھے یہاں سے دور جانا ہے۔''

''کہا نا... یہ کام نہیں کرتا۔'' ایڈم نے ابرو اچکا کے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ گہری سانس لے کر اس کے ساتھ ہولی۔ داتن ایک قدم پیچھے تھی۔

''آج کے دن تم اپنا سارا وقت مجھے اور ایڈم کو دو گی' تالیہ۔'' داتن ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''آج کے دن تم اپنی آزادی کو انجوائے کرو گی۔ اگر فاتح سے دور جانے کا فیصلہ کیا ہی ہے تو اس کو برداشت بھی کرو۔ آج ہم فاتح کے بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔''

''شیور۔ کون فاتح؟'' شہزادی نے شانے اچکا کے کہا اور گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی۔

داتن مسکرادی۔ ایڈم نے البتہ اپنی مسکراہٹ چھپالی تھی۔

چلتے چلتے تالیہ نے چہرہ اٹھا کے آسمان کو دیکھا جہاں آج ایک روشن دن نکلا تھا۔ پھر اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔

ہاں آج کے دن وہ نہ فاتح کی فکر کرے گی' نہ اس کے بارے میں سوچے گی۔ آج کا دن وہ اپنا رنگ میں رہے گی۔ وہ سیاہ ہے اور اسے کسی دوسرے کو بچانے کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔

وہ تینوں ایک ریستوارن میں داخل ہوئے اور ایک میز کے گرد رکھی تین کرسیاں ایک ساتھ کھینچیں۔

پھر کرسیاں کھینچتے ہاتھ تینوں کے ایک ساتھ رکے۔

گردنیں اوپر ٹی وی اسکرین کی طرف اٹھیں۔

آنکھیں وہیں ساکت ہو گئیں۔ جیسے ریستوران میں دوسرے لوگوں کی ہو چکی تھیں۔

اسکرین پہ وان فاتح کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ اور ساتھ چلتی خبر سب کو ہکا بکا کر گئی تھی۔

"پردھان منتری ایک نئے مسئلے کا شکار۔"

اسکرین پہ نظر آتی نیوز کاسٹر سپاٹ چہرے اور روبوٹ مسکراہٹ کے ساتھ بتا رہی تھی۔

"پردھان منتری وان فاتح بن رامزل کی پندرہ ہزار چھے سو بہتر ای میلز انٹرنیٹ پہ جاری کر دی گئیں۔ ناظرین کی معلومات کے لیے بتاتے چلیں کہ پولیٹیکولیکس ایک ایسا بین الاقوامی پورٹل ہے جہاں گزشتہ کئی برس سے سیاستدانوں' خفیہ ایجنسیوں اور سلیبریٹیز کے سیکرٹ ڈاکومنٹس' ای میلز اور پرائیوٹ وڈیوز نشر کی جاتی ہیں۔ یہ مواد اس ویب سائٹ کو یا ہیکنگ کے ذریعے ملتا ہے یا وسل بلوورز کے ذریعے۔

"مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ وان فاتح کی جو ای میلز لیک کی گئی ہیں وہ ذاتی نوعیت کی نہیں ہیں۔ وہ سرکاری نوعیت کی ہیں۔ ان میں سیاسی دعوات ناموں سے لے کر فوجی عہدیداروں کے ساتھ کی جانے والی باتیں بھی شامل ہیں۔ ہمارے تجزیہ کاران ای میلز کا جائزہ لے رہے ہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ ان میلز میں موجود مواد ملکی سلامتی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ وان فاتح کے پہلے دورِ حکومت سے متعلق ہے اور اس میں روٹین کے امور کی بات کی گئی ہے۔ لیکن...." نیوز کاسٹر نے وقفہ دیا۔ "اگر یہ نقصان پہنچائیں گی تو صرف ایک شخص کو...."

"وان فاتح کو۔" ایڈم بے یقینی سے اسکرین کو دیکھ کے بڑبڑایا۔ داتن نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"کیوں؟ یہ ذاتی ای میلز نہیں ہیں۔ اور وہ کہہ رہے ہیں نا کہ ان میں کوئی بہت خفیہ یا نازک باتیں نہیں کی گئیں۔ اور یہ ان کے پہلے دورِ حکومت کی ہیں۔ تو ان کو نقصان کیوں پہنچائیں گی؟"

"مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ان ای میلز میں کیا ہے۔" نیوز کاسٹر اونچی آواز میں کہہ رہی تھی۔ داتن اپنا جواب اس کی رپورٹ میں ڈھونڈنے لگی۔ "مسئلہ یہ ہے کہ پردھان منتری نے یہ ای میلز اپنے اس ای میل ایڈریس سے بھیجی ہیں جو پرائیوٹ سرور پہ ہے۔ یہ پرائیوٹ سرور پردھان منتری کی اپنی ویب سائٹ کا ہے جسے وہ کئی برسوں سے استعمال کر رہے ہیں۔"

"اوہ تو.... فاتح نے پی ایم بننے کے بعد ای میل سرور تبدیل نہیں کیا۔" تالیہ شاک سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

"پردھان منتری گزشتہ کئی سالوں سے پرائیوٹ سرور استعمال کر رہے ہیں جو کہ ایک بہت بڑی غفلت ہے۔ اس اہم عہدے پہ ہونے والے عہدیدار کو پرائیوٹ سرور نہیں بلکہ گورنمنٹ کا سرور استعمال کرنا چاہیے تھا۔"

”گورنمنٹ کے سرور بھی ہیک ہو سکتے ہیں۔“ داتن نے بے چینی سے کہا۔

”تب وہ فاتح صاحب کی غلطی نہ ہوتی۔ یہ ہے۔“ ایڈم نے افسوس سے اسکرین کو دیکھا۔ ”جب تک کچھ غلط نہیں ہوا ہوتا‘ انسان احتیاط نہیں کرتا۔ پہلے کب کسی کا پرائیوٹ سرور ہیک ہوا ہے جو وہ ایسا سوچتے۔“

”یہ میلز ہیک نہیں ہوئیں۔“ تالیہ نے چہرہ ان کی طرف موڑا۔ اس کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔ وہ شدید ڈسٹرب نظر آ رہی تھی۔ ”ان کا پرائیوٹ سرور بہت سیکیور تھا۔ اس کو ہیک کرنا آسان نہیں تھا۔ اس لیے ذوالکفلی نے ان کے گھر میں ایشا کو داخل کروایا تھا۔ تاکہ کسی طرح اسے ان کے اسٹڈی روم تک رسائی مل جائے۔ اتنے برس ایشا ان کی کمزوری ڈھونڈتی رہی۔ اور پھر ایک دن اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ پرائیوٹ سرور استعمال کر رہے ہیں۔ اسی لیے وہ ان کے گھر رہنے آئی۔ وہ رات کو ان کی اسٹڈی میں گئی اور ان کے لیپ ٹاپ کے ذریعے یہ میلز ڈاؤن لوڈ کیں۔“

اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ ”میں غلط سمجھی تھی۔ ایشا وان فاتح کی زندگی میں ان کی بیوی بننے نہیں آئی تھی نہ اسے میری جگہ لینی تھی۔ وہ صرف ان کو سیاسی نقصان پہنچانے آئی تھی۔“

”اور اب وان فاتح کی کرسی خطرے میں ہے۔“ داتن نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ایڈم بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ کتنی دیر گزری تھی وان فاتح کا نام نہ لینے کے فیصلے کو؟ وہ نام تو کبھی ذہن سے محو ہی نہیں ہوتا تھا۔

”پھر تالیہ.... اب آپ کیا کریں گی؟“

تالیہ کتنی ہی دیر اسکرین کو دیکھتی رہی۔ وہ ابھی تک کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ تینوں میں سے کوئی بیٹھ نہیں سکا تھا لیکن تالیہ کی حالت سب سے مختلف تھی۔

”تالیہ....“ داتن نے نرمی سے اسے پکارا۔ ”تم اس کو چھوڑنے کا فیصلہ کر چکی ہو۔ تم اب اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ اپوزیشن فاتح کو impeach کرے یا پولیس اسے غداری کے الزام میں پکڑ لے.... یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔“

”انہوں نے اتنے برس اس کرسی کے لیے محنت کی تھی۔“ وہ بنا پلک جھپکے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ ”سارے فیصلے‘ ساری جدوجہد اس ایک خواب کے لیے تھیں۔“

”تالیہ.... پلیز....“ داتن اس کے اور اسکرین کے درمیان آ گئی۔ ”یہ ہمارا ملاکہ میں آخری دن ہے۔ ہم سب اس کے بعد الگ ہو رہے ہیں۔“

”میں نے دن رات ایک کر کے ان کو چیئرمین کا الیکشن جتوایا تھا۔“ وہ الجھے ہوئے انداز میں خود سے بول رہی تھی۔ ”میں ان کی کافی کا کپ لیے بارشوں میں ان کے ساتھ بھاگا کرتی تھی۔ اور وہ سب ضائع چلا گیا۔“

''تالیہ... یہاں سے چلو.... کہیں اور بیٹھتے ہیں۔ جہاں اس سیاہ سیاست کا ذکر نہ ہو۔''

تالیہ نے چہرہ ان دونوں کی طرف موڑا تو اس کی حیران آنکھوں میں پانی تھا۔

''ان کی برسوں کی ریاضت رائیگاں چلی جائے گی؟ وہ ایک بے وقار' نااہل وزیراعظم کے طور پہ نکال دیے جائیں گے؟''

وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔

''آپ کو کیوں پرواہ ہے' چے تالیہ؟'' ایڈم سنجیدگی سے بولا۔ تالیہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہاں ایک چیلنج لکھا نظر آ رہا تھا۔ داتن نے اسے ٹوکنا چاہا لیکن ایڈم بن محمد کو سچ بولنے سے کون روک سکتا تھا۔

''آپ تو ان کو چھوڑ چکی ہیں۔ آپ تو فیصلہ کر چکی ہیں کہ آپ اب کسی کو نہیں بچایا کریں گی بلکہ آپ خودغرضی کی زندگی گزاریں گی۔ کیونکہ...'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا دو قدم قریب آیا۔ ''کیونکہ آپ کا رنگ سیاہ ہے۔''

''میرا رنگ سیاہ نہیں ہے....'' وہ جواباً غرائی۔ ''تالیہ سیاہ نہیں ہو سکتی۔ مجھے نہیں معلوم میرا رنگ کیا ہے۔ مجھے صرف ایک بات معلوم ہے۔ کہ میں غلط تھی۔ میں ساری دنیا کو نہیں بچا سکتی۔ لیکن میں وان فاتح کو ضرور بچاؤں گی۔ تالیہ ان کا خواب ان کے ہاتھوں سے چھننے نہیں دے گی۔''

اس نے نوچنے والے انداز میں اپنا پرس اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ داتن نے ہکا بکا سا اسے دیکھا۔

''تم کہاں جا رہی ہو'' داتن اس کے پیچھے لپکی۔

''میری فلائٹ میں ابھی ایک ہفتہ ہے۔ میں اس وقت کو ضائع نہیں کروں گی۔ میں وان فاتح کی مدد کے لیے جا رہی ہوں۔''

''مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا۔''

''ہو سکتا ہے۔ تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔ ییشا کی حقیقت وہ جان گئے تھے۔ انہوں نے یقیناً اسے اپنی سیکیورٹی ایجنسیوں کے حوالے کر دیا ہوگا۔ میں ییشا سے ملنے جا رہی ہوں۔ مجھے چاہے ییشا کی جان بھی لینا پڑے لیکن میں اس سے یہ بات ثابت کروا کے رہوں گی کہ وان فاتح اس معاملے میں بے قصور تھے۔''

وہ باہر نکلتے ہوئے تیز تیز کہہ رہی تھی۔

اس ساری پریشانی میں تالیہ مراد نے نہیں دیکھا تھا کہ داتن نے بہت مہارت سے اس کے پرس سے وہ لفافہ نکال لیا تھا۔ پھر خط واپس پرس میں ڈال کے اس نے لفافہ احتیاط سے اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال دیا۔

تالیہ ان سے زیادہ خود سے بولتی ہوئی اب فٹ پاتھ پہ آگے بڑھ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆.

سری پردھانہ پہ شام کے نیلگوں سایے پھیلے تھے۔اس اونچے محل کی ساری بتیاں روشن تھیں۔اس کے سبز باغات میں لگے لیمپ پوسٹس بھی جلے تھے۔پردھان منتری کے آفس کی کھڑکیوں سے البتہ باہر کی روشن رات دکھائی نہیں دیتی تھی۔کھڑکیوں کے آگے بلائنڈز برابر تھے۔

اپنی کرسی پہ بیٹھا فاتح ٹیک لگائے' آستینیں موڑے اطمینان سے سامنے بیٹھے دونوں افراد کو دیکھ رہا تھا۔وہ دونوں عمر رسیدہ تھے اور روایتی لباس میں ملبوس تھے۔سر ٹوپیوں سے ڈھکے تھے۔دونوں کے چہرے پریشان تھے اور وہ ایک ساتھ تیزی سے بولے جا رہے تھے۔

''آپ اس کرائسس سے کیسے نکلیں گے' داتو سری؟''

''بے فکر رہو۔''فاتح نے ابرو اچکا کے اسی مطمئن آواز میں کہا۔''لوگوں کی ای میلز ہیک ہوتی رہتی ہیں۔قومی سلامتی خطرے میں نہیں پڑی تو مسئلہ کیا ہے۔وہ پرانی ای میلز تھیں ویسے بھی۔''

''داتو سری....لوگ سوال اٹھا رہے ہیں کہ جانے اور کتنی حساس ای میلز آپ نے پرائیوٹ سرور پہ بھیجی ہوں گی۔''

''اور سب آپ کو الزام دے رہے ہیں۔پرائیوٹ سرور'پرائیوٹ سرور...اف۔''ان صاحب نے کراہ کے ماتھے کو چھوا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔میں نے استعمال کیا پرائیوٹ سرور۔سب کرتے ہیں۔اب سے نہیں کریں گے۔''

''سر یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے۔یہاں کوئی ہیکر کو الزام نہیں دے گا۔یہ لوگ میڈیا پہ آپ کے خلاف اتنی بڑی مہم چلائیں گے کہ..''

''کچھ نہیں ہوگا۔ریلیکس۔مجھے بتاؤ ہمیں بل منظور کروانے کے لیے کتنے لوگ چاہیے ہیں؟''

''صرف پانچ اور۔لیکن داتو سری.....اس وقت بل کو پس پشت ڈال دیجیے۔اور اس معاملے سے نکلنے کی کوشش کریں۔''

''بل کو کیوں پس پشت ڈال دوں؟میں سوموار کی صبح یہ بل قومی اسمبلی میں پیش کرنے جا رہا ہوں۔''وہ اپنی نشست سے کھڑا ہوا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔''اور جس جس سے تم ملو' اسے بتا دینا کہ وان فاتح کو ان ای میل لیکس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔وان فاتح استعفیٰ نہیں دے گا۔''

مضبوط لہجے میں کہہ کے اس نے دونوں سے ہاتھ ملایا۔انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور گہری سانس لے کر اسے الوداع کہا۔

وہ باہر نکلے تو فاتح کے چہرے پہ پریشانی کی رمق دکھائی دی۔اس نے اس بورڈ کو دیکھا جو ابھی تک آفس میں رکھا تھا۔

وہاں مختلف رنگوں کے مقناطیسی گوٹ لگے اسے بتا رہے تھے کہ ابھی تک اس کے پاس بل پاس کرنے کے لیے مطلوبہ اکثریت نہیں ہے۔ اس نے گہری سانس لی اور انٹر کام اٹھایا۔

''کیا بے تالیہ ابھی تک بیٹھی ہیں؟''

''جی سر.... وہ پچھلے بیس منٹ سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔''

''اگلی میٹنگ میں کتنا وقت ہے؟''

''سات منٹ۔''

''اوکے۔ تالیہ سے کہو اس کے پاس دس منٹ ہیں۔'' فون رکھ کے اس نے تاثرات ویسے ہی بنا لیے۔ پرسکون' مطمئن' اور قدرے سرد۔

اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا اور وہ اندر آئی۔ وہ دور سے دیکھ سکتا تھا کہ اس کے ماتھے پہ بل تھے اور آنکھوں میں غصہ تھا۔ آج اس نے ہیٹ نہیں پہن رکھا تھا۔ بس سیاہ اسکرٹ بلاؤ پہ پیلا رومال گردن میں باندھ رکھا تھا۔

''مجھے ابھی ابھی علم ہوا ہے کہ ہیشا تاج کو کبھی گرفتار ہی نہیں کیا گیا تھا۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ آپ نے اسے جانے دیا۔ کیوں' فاتح؟'' وہ جارحانہ انداز میں بولتی اس کی میز کے سامنے آرکی۔ اس کا چہرہ غم و غصے سے تمتما رہا تھا۔ ''یہ سب اس نے کیا ہے۔''

''کیا فرق پڑتا ہے؟ یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔'' ٹیک لگا کے بیٹھے فاتح نے کندھے اچکائے۔

''آپ کی پریمیئر شپ خطرے میں ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ بڑا مسئلہ نہیں ہے؟'' وہ تعجب سے بولی۔ ''اور آپ نے ہیشا کو جانے کیوں دیا؟ جب کہ آپ جانتے تھے وہ یہ کرے گی۔''

''جس وقت میں نے اسے جانے دیا' وہ اس سے پہلے ہی یہ سب کر چکی تھی۔ ہمیں معلوم اب ہوا ہے۔ اس کو روکنے سے وہ جو نقصان پہنچا چکی تھی وہ ریورس تو نہیں ہو سکتا تھا۔''

تالیہ سیدھی ہوئی اور پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔ ''آپ نے اسے کیوں جانے دیا' فاتح؟''

''کیونکہ میرے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ چلی جائے' یہ بہتر تھا اس سے کہ میں کوئی نیا مسئلہ کھڑا کرتا۔ جولیانہ ڈسٹرب ہوتی۔ شرمندگی الگ ہوتی۔''

''نہیں۔ اس نے آپ کو بلیک میل کیا تھا۔ ہے نا؟'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''اس کے پاس کچھ تھا آپ کے خلاف۔''

''یہ گفتگو بے معنی ہے' تالیہ۔ تم بتاؤ تم کیوں آئی ہو؟'' اس نے دھیمی آواز میں کہتے ہوئے گھڑی دیکھی۔

''کیونکہ میں آپ کی کرسی چھنتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی' فاتح۔ آپ اس مسئلے سے نہیں چھپ سکتے۔ مجھے بتائیں میشا کے پاس آپ کے خلاف کیا تھا تاکہ میں اس کو ڈھونڈ سکوں اور اس کو واپس لا سکوں۔''

''اس کو واپس لانے سے کیا ہوگا؟''

تالیہ دونوں ہتھیلیاں میز پہ رکھ کے جھکی اور ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولی۔

''وہ ساری عوام کے سامنے گواہی دے گی کہ وان فاتح نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں اس سے گواہی دلوالوں گی۔ آپ صرف مجھے یہ بتائیں کہ اس نے کس چیز سے آپ کو بلیک میل کیا تھا؟'' اب کے تالیہ کے انداز میں جھنجھلاہٹ تھی۔ بے بسی تھی۔

''تالیہ...'' فاتح نے ایک فائل قریب کرتے ہوئے نرمی سے اسے دیکھا۔ ''کیا تم ملک چھوڑ کے نہیں جا رہی تھیں؟''

''وہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔'' اس کی رنگت گلابی پڑنے لگی۔ وہ سیدھی ہوئی۔ ''آپ اپنے مسئلے کا سوچیں۔''

''میں اپنے مسئلے خود حل کر سکتا ہوں۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ تھینکس بٹ نو تھینکس۔'' وہ نرمی سے کہہ رہا تھا جیسے کسی بچے کو سمجھایا جاتا ہے۔

''لیکن یہ اسکینڈل آپ کی کرسی لے جا سکتا ہے' فاتح۔'' اس کی بے بسی اب پریشانی میں بدلنے لگی۔

''مگر میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے بچاؤ۔ میں نے اس سے بڑے مسئلے دیکھے ہیں۔ میں اس میں سے بھی خود نکل آؤں گا۔'' فائل قریب کرتے ہوئے اس نے عینک اٹھائی اور کھولی۔ ''اور وہ پیپرز میں ابھی تک سائن نہیں کر سکا۔ تمہاری فلائٹ سے پہلے کر کے تمہیں بھجوا دوں گا۔ ٹھیک' تالیہ؟'' عینک لگاتے ہوئے اس نے فائل کھولی۔ یہ اس کو جانے کا اشارہ تھا۔

''آپ نے کہا تھا کہ کبھی کبھار ہمیں دوسروں کو اجازت دینی چاہیے کہ وہ ہمیں بچا سکیں۔'' وہ دکھ سے اسے دیکھ کے بولی۔

''تمہارے لیے کہا تھا۔'' وہ اب فائل پہ اوپر سے نیچے سرسری نظر دوڑا رہا تھا۔

''اس نے آپ کو کس کی وجہ سے بلیک میل کیا؟''

فاتح کا صفحہ پلٹتا ہاتھ رکا۔ ''کسی بہت قیمتی شخص کی وجہ سے۔''

ایک گہری خاموشی نے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

''میشا کی دھمکی خالی بھی ہو سکتی تھی، ہو سکتا ہے وہ صرف ڈرا رہی ہو۔''

''ہو سکتا ہے۔ لیکن میرے پاس خطرہ مول لینے کی گنجائش تک نہ تھی۔'' وہ اب فائل کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ تالیہ نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ یہ طے تھا کہ وان فاتح اس کو اپنی مدد کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ اور جو اجازت نہ دے' اس

کی مدد کون کرسکتا ہے بھلا؟

وہ باہر نکلنے لگی تو اسی وقت ایک ڈھیلے سوٹ میں ملبوس نوجوان اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کے رکا اور راستہ دیا۔ تالیہ باہر آ گئی لیکن اس نے گردن موڑ کے دیکھا وہ ایک سیاہ کور والی فائل لیے اندر جا رہا تھا۔ دروازہ بند ہو گیا تو اندر کا منظر چھپ گیا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔ باہر میز پہ بیٹھا اسٹافر اس کو یوں کھڑا ہونے پہ بھنویں بھینچے گھورنے لگا۔ مگر وہ ڈھیٹ بنی کھڑی رہی۔

وہ نوجوان باہر آیا اور دروازہ بند کیا تو وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"میں دیکھ رہی تھی کہ آپ ہر دفعہ ان سیاہ فائلز کا ڈھیر لگاتے جاتے ہیں لیکن پی ایم صاحب ان کو نہیں دیکھتے۔ ان میں ایسا کیا ہے؟"

شاہدان نامی وہ اسٹافر ہچکچایا۔ تالیہ نے سر جھکا۔ "خیر کوئی کانفیڈنشل معاملہ ہے تو میں نہیں پوچھتی۔" اور آگے بڑھنے لگی لیکن وہ فوراً بولا۔

"نہیں نہیں۔ خفیہ معاملہ نہیں ہے بلکہ ضروری معاملہ بھی نہیں ہے۔ کاش ہوتا۔ تب وہ اسے زیادہ جلدی دیکھ پاتے۔" وہ رنجیدگی سے بولا۔ تالیہ رک کے اسے دیکھنے لگی۔

"دراصل داتو سری نے کچھ عرصہ پہلے کہا تھا کہ وہ ایک پراجیکٹ جسٹس شروع کریں گے جن میں ان لوگوں کے کیسز سنے جائیں گے جو عرصے سے جیلوں میں مقید ہیں اور ان کے پاس اچھا وکیل کرنے کو رقم نہیں ہے اور سرکاری وکلاء ان کے کیسز لاپرواہی سے دیکھتے ہیں۔ بالخصوص وہ لوگ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ بے گناہ ہیں۔"

"قیدی غلام۔" وہ اداسی سے مسکرائی۔ "وہ غریب قیدیوں کو رہائی دلوانا چاہتے ہیں۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔" اور صرف وہی سمجھ سکتی تھی۔

"جی ہاں۔ جب سے ہم نے اس پراجیکٹ کا اعلان کیا' ملک بھر سے سینکڑوں قیدیوں اور ان کے گھر والوں نے درخواستیں بھیجیں۔ میں ہر ہفتے وہ درخواستیں اکٹھی کر کے ..ان کو فائل میں لگا کے ...داتو سری کے پاس لے کر جاتا ہوں۔ لیکن ان کے پاس زیادہ اہم کام ہیں۔ نہ جانے کب وہ ان درخواستوں کو دیکھ پائیں گے۔"

"جب وہ ان جمع ہوئی درخواستوں کو نہیں دیکھ پاتے تو آپ ہر ہفتے ان میں اضافہ کیوں کرتے جاتے ہیں؟"

"درخواستیں دیکھنا ان کی جاب ہے۔ فائل ان کے پاس پہنچانا میری جاب ہے۔ کیا دان فاتح نے ہمیں یہ نہیں سکھایا کہ اگر کوئی دوسرا اپنی جاب نہ کر رہا ہو تو بھی ہمیں اپنی جاب کرنی چاہیے۔" وہ مسکرا کے بولا۔ وہ مسکرا بھی نہ سکی۔

فاتح خود کو بچائے یا نہ بچائے' کیا تالیہ کو اپنی جاب نہیں کرنی چاہیے تھی؟

☆☆========☆☆

حالم کا اپارٹمنٹ اس رات ہمیشہ کی طرح خاموش پڑا تھا۔ خاموش مگر روشن۔ آج لاؤنج میں رکھے کارنر لیمپس روشن تھے۔ ٹی وی اسکرین میوٹ پہ تھی مگر اس پہ چلتی خبریں خاموشی کے باوجود سمجھ آتی تھیں۔ وہ نیوز اینکرز اور تجزیہ نگاروں کی فاتح کے خلاف زہر اگلتی زبانیں سن سن کے تھک گئی تھی۔ اس لیے انہیں گونگا کر دیا تھا۔

لیکن وہ نیوز بند بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ شاید کہیں سے کوئی اچھی خبر سننے کو مل جائے۔

حالات ہر گزرتے پل کے ساتھ بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ اور وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ جس جادل چاہ رہا تھا' وہ فاتح کے خلاف بول کے ریٹنگ اور پیسے کما رہا تھا۔ کسی ایک کی بدنامی کی گنگا سے سب کا ہاتھ دھونا ضروری تھا۔

ییشا کا پیپر ورک اتنا اچھا تھا کہ داتن اسے ڈھونڈ ڈھونڈ تھک گئی تھی اور اس کا کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ کہاں سے آئی' کہاں چلی گئی' کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔ ایسے جیسے ہوا میں تحلیل ہو گئی ہو۔ داتن نے فون کر کے بتایا تھا کہ وہ مزید کوشش کرے گی لیکن وہ بہت پرامید نہیں تھی۔ تالیہ کی امید بھی دم توڑ رہی تھی۔ قوی امکان تھا کہ ییشا تاج اب تک ملک سے فرار ہو چکی ہو گی اور کسی دوسرے ملک میں ایک نئی زندگی شروع کر چکی ہو گی۔

ییشا تاج نے اپنے پیچھے ایک بریڈ کرمب بھی نہیں چھوڑا تھا۔ کوئی اتنا پرفیکٹ کیسے ہو سکتا تھا؟

ٹی سی ہنوز چل رہا تھا اور وہ سامنے صوفے پہ بیٹھی تھی۔ بال پونی میں باندھے' آلتی پالتی کیے... وہ گود میں رکھی ٹوکری سے چند خطوط نکال نکال کے دیکھ رہی تھی۔ یہ فاتح کے پانچ خطوط تھے جنہیں وہ اپنے ساتھ رکھتی تھی۔۔ یہ تالیہ مراد کی کل متاع تھے۔ وہ اداس مسکراہٹ کے ساتھ ان کو پڑھ رہی تھی۔

''ڈیئر تالیہ

میں اس امید کے ساتھ واپس آیا تھا کہ تم یہاں ملو گی لیکن تم ابھی تک
نہیں آئی ہو۔ تمہارے پیچھے ملائیشیا میں بہت کچھ تبدیل ہو گیا ہے۔ خود
وان فاتح تبدیل.....''

ڈور بیل بجی تو وہ چونکی۔ اس وقت کون آ گیا۔ شاید داتن ہو۔ لیکن داتن گھنٹی کرنے کا تکلف کم ہی کیا کرتی تھی۔

اس نے ٹوکری میز پہ رکھی جہاں اس کا پاسپورٹ' ٹکٹ کا پرنٹ آؤٹ اور دوسرے سفری ڈاکومنٹس پڑے تھے۔ اس وقت وہ اپنے کاغذات کو ارینج کرنے بیٹھی تھی جب وہ خطوط ملے۔ اس گھنٹی نے سارے کام میں خلل ڈال دیا تھا۔

اس نے دروازے کے سوراخ سے دیکھا تو پل بھر کے لیے متعجب رہ گئی۔ پھر پٹ کھولا۔

"سکندر؟"

اس نے اچھنبے سے سامنے کھڑے نوجوان کو دیکھا۔ اس کے پیچھے دو سوٹ میں ملبوس گارڈ بت بنے کھڑے تھے۔

"مجھے آپ سے بات کرنی تھی، مس تالیہ۔" وہ تلخی سے بولا۔

"تم نے میرا گھر کیسے ڈھونڈا؟"

"میں پردھان منتری کا بیٹا ہوں۔ میرے لیے یہ مشکل نہیں ہے۔" اس کی آواز میں طنز تھا۔ تالیہ کے ماتھے پہ شکن در آئی۔

"اوکے۔ تم مجھے یہ بتانے آئے ہو کہ تم مجھ سے کتنی نفرت کرتے ہو؟" وہ بھی اسی کے انداز میں بولی۔

"میں یہ بتانے آیا ہوں کہ ایشا کو ڈیڈ نے میرے سامنے نکالا تھا۔ اور میں نے ڈیڈ سے کہا کہ یہ عورت آپ کو نقصان پہنچائے گی تو جانتی ہیں انہوں نے آگے سے کیا کہا؟"

"یہی کہا ہو گا کہ تمہارے خیال میں میں یہ بات نہیں جانتا؟"

تالیہ گہری سانس لے کر بولی تو سکندر جو کچھ کہنے جا رہا تھا، رک کے اسے دیکھنے لگا۔ اس کے ماتھے کی ایک شکن کم ہوئی۔

"آپ کو کیسے پتہ؟"

"کیونکہ میں ان کو جانتی ہوں۔"

سکندر نے بھنویں اکٹھی کر کے اسے دیکھا۔ "مگر کیا آپ یہ جانتی ہیں کہ ایشا نے ڈیڈ کو کس بات پہ بلیک میل کیا تھا؟"

"ہاں، سکندر، میں جانتی ہوں۔ اس نے یہی کہا ہو گا کہ وہ کسی طرح مجھے نقصان پہنچائے گی۔ شاید میرے ماضی کے جرائم دنیا کے سامنے لا کر۔ ہے نا؟"

سکندر کے تاثرات دیکھ کے تالیہ نے رنجیدگی سے سر جھٹکا۔ "مجھے اندازہ تھا۔"

سکندر نے بولنے کے لیے ہونٹ کھولے۔ پھر بند کر دیے۔ سمجھ نہیں آیا کیا کہے۔ تالیہ سامنے سے ہٹ گئی۔ اور اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

وہ اندر داخل ہوا۔ ایک طائرانہ نگاہ اطراف میں ڈالی۔ تالیہ نے دروازہ بند کیا اور سامنے رکھے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ ماتھے پہ شکنیں لیے وہیں کھڑا رہا۔

"میری ماں کے چھوڑے ہوئے نوادرات سے خریدا ہو گا آپ نے یہ گھر؟"

تالیہ نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''سکندر.....میں جانتی ہوں تم مجھ سے نفرت کرتے ہو...''

''آف کورس میں آپ سے نفرت کرتا ہوں۔اور میں آپ کو یہی بتانے آیا ہوں کہ آپ کی وجہ سے میرے ڈیڈ مشکل میں ہیں۔آپ جب بھی ہماری زندگی میں آتی ہیں مشکلیں ہی لاتی ہیں۔آپ نہیں تھیں تو ہم سکون میں تھے۔آپ آئیں تو سب خراب ہونے لگا۔''

وہ دونوں لاؤنج کے وسط میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ان کے سروں پہ چھت سے جھولتا فانوس اپنی ساری روشنیاں اپنے اندر دفن کیے خاموشی سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

''تو تمہیں خوش ہو جانا چاہیے کہ میں یہاں سے جا رہی ہوں۔''

''میرے ڈیڈ کو مصیبت میں پھنسا کے آپ جا رہی ہیں۔ویری گڈ۔''

''میں نے ان کی مدد کی کوشش کی لیکن وہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان کے لیے کچھ کرے۔میں کیا کر سکتی ہوں؟ اور ویسے بھی میرے ہونے سے تم سب کی زندگی مشکل میں پڑ جاتی ہے۔تمہاری ماں کا قتل بھی میں نے کیا تھا اور یہ ای میلز بھی میں نے لیک کی تھیں۔فائن۔کیا تمہیں کچھ اور کہنا ہے یا میں اپنے کام کروں؟''وہ تھکے تھکے ہوئے انداز میں بولی۔

سکندر نے سر جھکا اور آگے چلا آیا۔پھر وہ خود ہی صوفے پہ بیٹھا اور ہاتھ باہم پھنسائے سامنے دیوار گیر کھڑکی کو دیکھنے لگا۔وہاں سے دور دور تک بلند عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں یا نیچے سڑک پہ رواں دواں ٹریفک۔

''آپ ان کو الزام دیتی تھیں کہ وہ آپ کے لیے کچھ نہیں کرتے۔''وہ اب کے بولا تو اس کی آواز دکھی تھی۔''آپ کے لیے انہوں نے اپنا آفس داؤ پہ لگا دیا ہے۔آپ کی وہ سے ان کا کیریئر تباہ ہو رہا ہے۔''

تالیہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی ناپسندیدگی سے دیکھ رہی تھی۔وہ ہر وقت کے الزام برداشت کر کر کے تنگ آ چکی تھی لیکن وہ فاتح کا بیٹا تھا۔اس کی بات اسے برداشت کرنی تھی۔کچھ رشتوں کا ادب ان کے ختم ہونے یا نہ ہونے سے بالاتر ہوتا ہے۔

''میں اسی لیے انہیں چھوڑ رہی ہوں' سکندر...میری وجہ سے ان کی زندگی پیچیدہ ہو جاتی ہے۔میں اور کیا کروں؟''

''آپ کچھ بھی نہ کریں۔آپ بس یہ یاد رکھیں کہ ان کا کیریئر آپ نے خراب کیا ہے۔مسز نیشا آپ کے بارے میں ٹھیک کہتی تھیں۔آپ نہ اچھی کون وومن بن سکیں نہ اچھے فیصلے کر سکیں۔وہ آپ سے بہتر ہی تھیں۔''

تالیہ نے بے یقینی سے ابرو اٹھائے۔دونوں بازو پہلوؤں میں گرا دیے۔

''ایک منٹ ایک منٹ۔یہ کب کہا اس نے؟''وہ تیزی سے اس کے سامنے والے صوفے پہ آ کے بیٹھی۔

وہ جو تیز تیز بولے جا رہا تھا۔رک کے کوفت سے بولا۔''جب وہ آپ کو ڈھال بنا کے ہمارے گھر سے گئیں۔''

''اس نے کیا کہا؟ مجھے اس کے الفاظ بتاؤ۔'' وہ آگے کو ہوئے بیٹھی، سانس روکے اس سے پوچھ رہی تھی۔ سکندر کو لگا... جیسے وہ پلک جھپکنا بھول گئی ہے۔ وہ ٹھہر گیا۔

''جب ڈیڈ نے اسے گھر سے نکالا تو اس نے جاتے وقت مجھے اور جولی کو کہا تھا کہ..'' وہ اٹک اٹک کے یاد کرنے لگا۔''... کہ تالیہ سے کہنا ہیشا اس سے بہتر کون وومن ہے۔ بلکہ بہترین۔ کیونکہ ہیشا کو اپنی سیاہی پہ فخر ہے۔ جبکہ تالیہ مراد اپنے پیشے سے نفرت کرتی تھی۔ تالیہ مراد میدان چھوڑ کے بھاگنے والوں میں سے ہے۔ ایسا ہی کچھ کہا تھا۔''

''کیا اس نے واقعی یہ کہا؟'' وہ متعجب سی اسے دیکھ رہی تھی۔ سکندر نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''میں آپ کو یہاں ہیشا تاج کے پیغامات دینے نہیں آیا بلکہ یہ احساس دلانے آیا ہوں کہ آپ کی وجہ سے...''

''میری وجہ سے سارے مسئلے ہو رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مجھے پتہ ہے۔'' وہ تیزی سے بولی۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔''لیکن کیا اس نے واقعی یہ کہا؟'' وہ اب حیران سے انداز میں مسکرانے لگی تھی۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ اس نے کیا کہا؟''

''پڑتا ہے نا۔ اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ ہم نے ہیشا کو کیسے پکڑنا ہے۔''

سکندر نے بے یقینی سے اس کو دیکھا۔''کیا مطلب؟'' چند لمحے کے لیے وہ بالکل گنگ ہو گیا۔''اس کو پکڑ کے کیا یہ بات ثابت کی جا سکتی ہے کہ ای میلز لیک ہونے میں ڈیڈ کا قصور نہیں تھا؟''

''ایک دفعہ ہم اس کو پکڑ لیں تو ہم اس سے کچھ بھی کہلوا سکتے ہیں۔ لیکن تمہیں میری مدد کرنی ہو گی۔''

سکندر کے ماتھے پہ شکنیں ابھریں۔''میں آپ کی مدد کیوں کروں گا؟''

''دیکھو سکندر... تم میرے پاس صرف اس لیے آئے ہو کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ اگر تمہارے ڈیڈ کو اس کرائسس سے کوئی نکال سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔ اس لیے مجھ سے جتنا خفا ہونا ہے، وہ بعد میں ہو لینا۔ تالیہ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فی الحال میری مدد کرو۔ ہم نے ہیشا کی پروفائل تیار کرنی ہے۔''

''ہم؟''

''ہاں۔ میں اور میری دوست لیانہ۔'' تالیہ موبائل پہ نمبر ملاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''وہ بھی آپ کی طرح لوگوں کے گھر میں چوریاں کرتی ہے؟''

تالیہ نے فون کان سے لگاتے ہوئے اسے دیکھا۔''نہیں۔ وہ بنا تکلیف دیے قتل کرنے میں بھی ماہر ہے۔''

سکندر سر جھٹک کے منہ میں کچھ بڑبڑایا۔

تالیہ فون کان سے لگائے اٹھ گئی۔ سلسلہ مل گیا تھا۔ اب وہ کچن کے سامنے چکر کاٹتے ہوئے داتن سے بات کر رہی تھی۔

وہ واپس آئی تو سکندر ٹوکری میں رکھے کاغذات دیکھ رہا تھا۔

''آپ واقعی اگلے ہفتے جا رہی ہیں؟'' اس نے پرنٹ شدہ ٹکٹ کو واپس رکھتے ہوئے سرد انداز میں پوچھا۔

''نہیں۔ یہ جعلی کاغذات ہیں جو میں نے تمہیں دھوکہ دینے کے لیے میز پہ سجائے ہیں۔'' وہ اسی کے طنزیہ انداز میں بولتے ہوئے ساتھ بیٹھی۔ سکندر خاموش ہو گیا۔ وہ اب فون پہ کچھ دیکھ رہی تھی۔

''آپ ییشا کو کیسے پکڑیں گی؟'' کچھ دیر بعد وہ کھنکھارا۔

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ فون دیکھتی رہی۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''ییشا کی باتوں میں اتنا خاص کیا تھا؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''ییشا کو ہم اس لیے نہیں ڈھونڈ پا رہے تھے کیونکہ اس کی ہر بات اس کے رول کا حصہ تھی۔ میری حمایت کرنا' یا مجھے اچھی نصیحت کرنا' سب دھوکہ تھا۔ لیکن...'' وہ مسکراتے ہوئے فون اسکرین پہ بٹن دبا رہی تھی۔ ''اس نے اپنا راز کھلنے کے بعد جو بھی کہا' وہ اس کا سچ تھا۔''

''اس نے کہا کہ وہ آپ سے بہتر ہے۔''

''نہیں۔ اس نے کہا کہ وہ بہترین ہے۔ تمہیں معلوم ہے آج تک تالیہ مراد کسی کون گیم کے دوران کیوں نہیں پکڑی گئی؟ کیونکہ تالیہ کا ماننا تھا کہ بہترین کون گیم وہ ہوتا ہے جس میں خود ٹارگٹ کو بھی اپنے لوٹے جانے کا علم نہ ہو سکے۔ میں جب کون گیمز کھیلتی تھی تو لوگ مجھے حالم یعنی انویسٹی گیٹر کے طور پہ ہائر کرتے تھے۔ میں کبھی ولن بن کے نہیں بھاگتی تھی جیسے ییشا بھاگی۔ لوگ مجھے خود پیسے دیتے تھے۔ اور برسوں میرے مشکور رہتے تھے۔ تالیہ آج تک اس لیے نہیں پکڑی گئی کیونکہ وہ لوگوں کو جتاتی نہیں تھی کہ وہ بہترین ہے۔ اسے معلوم تھا کہ وہ بہترین ہے اور اسے اپنی اس بات پہ فخر نہ تھا۔ جانتے ہو تالیہ کیسے پکڑی گئی؟''

''کیسے؟'' وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اپنے ویک لنک سے۔ ہر زنجیر میں ایک کمزور کڑی ہوتی ہے۔ میری کمزور کڑی تھی عزت حاصل کرنے کی خواہش۔ اور اس خواہش کے پیچھے میں نے اپنی سیاہی کو خود سے علیحدہ کیا اور ایک صاف ستھری زندگی کو چنا۔ وہی زندگی مجھے لائم لائٹ میں لے آئی اور ایک دن پراسیکیوٹر احمد نظام نے مجھے گھیر لیا۔ اگر میں اپنی خواہش کے پیچھے نہ بھاگتی تو میں کبھی پکڑی نہ جاتی۔''

''اور ییشا؟'' وہ اب دھیان سے اسے سن رہا تھا۔ لاؤنج کے کارنر لیمپس کی زرد روشنی میں وہ اس تیز تیز بولتی لڑکی کو سانس

رو کے سن رہا تھا۔

''ییشا کے خیال میں وہ تالیہ کی طرح میدان چھوڑ کے بھاگنے والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ تمہارے گھر سے بھی فرار ہوسکتی تھی لیکن وہ اس وقت تک نہیں گئی جب تک فاتح نے اسے پکڑ نہ لیا۔ ییشا خود پکڑے جانا چاہتی تھی۔ اسی لیے اس نے ان کو بلیک میل کرنے کا پلان بی بنا رکھا تھا۔''

''وہ کیوں پکڑے جانا چاہتی تھی؟''

''کیونکہ ییشا نے دو سال تک ایک کون گیم کھیلا تھا۔ دو سال' سکندر۔ اسے اس اداکاری کے لیے تعریف چاہیے تھی۔ وہ فاتح کو ان کے منہ پہ بتانا چاہتی تھی کہ اس نے ان کو دھوکہ دیا۔ ییشا کو کون گیم کا پہلا اصول یاد نہیں رہا جس میں سکھایا جاتا ہے کہ بہترین دھوکہ وہ ہوتا ہے جو کبھی نہ کھلے۔ بلکہ برسوں بعد بھی ٹارگٹ اس سب کو یاد کرے تو اسے لگے' یہ اس کا اپنا ہی آئیڈیا تھا۔ ییشا چاہتی ہے کہ کسی فلم کی طرح آخر میں وہ اپنے ٹارگٹ کے سامنے انکشاف کرے اور اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے۔ جانتے ہو کون لوگ ایسا کرنا چاہتے ہیں؟ ایکٹرز اور جادوگر۔ وہ اسٹیج پہ پرفارمنس دے کر تالیوں کے منتظر ہوتے ہیں۔ ییشا کو بھی تالیاں چاہیے ہیں اور اسے پکڑنے کے لیے ہم اسے وہی دیں گے جو اسے چاہیے۔''

''مگر آپ ایک کون وومن کو con کیسے کریں گی؟''

''اسے ایک خواب دکھا کے۔ خوابوں کا فریب جان لیوا ہوتا ہے۔ ایک زمانے میں تالیہ اس شہر کی بہترین کون آرٹسٹ تھی۔ ییشا وہی بننا چاہتی ہے۔ اس نے اتنا بڑا کام کیا ہے۔ اس نے پردھان منتری کو کون کیا ہے۔ وہ یہ ملک نہیں چھوڑے گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''اس کا ریٹ بڑھ جائے گا۔ لوگ اسے ہائر کریں گے۔ ییشا کی کمزور کڑی اس کی انا ہے۔ اسے اپنی دنیا میں نام کمانا ہے۔''

''مگر لوگ اسے کیسے ہائر کریں گے؟ اس کو تو تلاش کرنا ناممکن ہے۔''

''کیونکہ ہم اس کا اصلی نام نہیں جانتے۔ لیکن چونکہ وہ تالیہ مراد سے بہتر بننا چاہ رہی ہے' اس لیے اس کے پاس اپنے کلائنٹس سے رابطہ کرنے کا کوئی طریقہ ضرور ہوگا۔ جیسے تالیہ کے پاس تھا۔ ڈارک ویب۔ ڈارک ویب وہ ''میدان'' ہے جسے تالیہ نے چھوڑ دیا تھا۔ ہم اسے ڈارک ویب پہ ڈھونڈیں گے۔ جہاں ہیکرز سے لے کر کرائے کے قاتلوں تک نے اپنے اپنے پیج بنا رکھے ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد لاؤنج کی روشنیاں تیز ہوگئیں اور کھڑکی کے آگے پردے ڈال دیے گئے۔ اب سامنے والے صوفے پہ داتن بیٹھی تھی اور لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پہ انگلیاں چلا رہی تھی۔ گاہے بگاہے ایک ٹیڑھی نگاہ اس لڑکے پہ بھی ڈالتی تھی جو اس

کے مقابل بیٹھا تھا۔

''ڈارک ویب پہ کسی کانٹریکٹ کرمنل کی لوکیشن تلاش کرنا ناممکن ہے۔لیکن مختلف فورمز پہ لوگوں نے مختلف کانٹریکٹرز کو ریویوز دے رکھے ہوتے ہیں۔'' داتن اسکرین پہ انگلی پھیرتے ہوئے بتا رہی تھی۔''ییشا نہ ہی ہیکر ہے نہ قاتل۔وہ گرفٹر ہے۔ان فورمز سے میں نے کے ایل میں کام کرنے والے پچیس گرفٹرز کی پروفائلز تلاش کی ہیں۔''

''ان میں سے عورتیں کتنی ہیں؟'' سکندر تیزی سے بولا۔تالیہ اس وقت کچن سے نکل رہی تھی۔ہاتھ میں ٹیک اوے کے ڈبے تھے۔اس نے ان کو میز پہ رکھا اور چاپ اسٹکس نکال کے سب کے آگے رکھنے لگی۔

''یہاں مرد اور عورت کی تفریق کرنا ناممکن ہے۔سب خود کو مرد ہی ظاہر کرتے ہیں۔'' داتن نے لیپ ٹاپ اسکرین اس کے سامنے کی۔وہ صوفے پہ بیٹھی اور غور سے ان ناموں کو پڑھنے لگی۔

''آپ صرف اس کے نام سے اسے کیسے ڈھونڈیں گی؟ یہ تو کوئی بھی نقلی نام ہو سکتا ہے۔'' سکندر نے چاپ اسٹکس اٹھاتے ہوئے کہا۔وہ اب وہاں قدرے آرام دہ انداز میں بیٹھا تھا۔

تالیہ نے اسکرین پہ ایک جگہ انگلی رکھی۔''یہ ییشا ہے۔''

''کساتریا...ہتام؟'' داتن نے تعجب سے اس نام کو پڑھا۔''بلیک نائٹ؟ مگر یہ تو کوئی روسی کانٹریکٹر ہے اور اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ...''

''یہ ییشا ہے۔'' وہ پورے یقین سے بولی۔''وہ سیاہ گھوڑوں کی تصویریں کھینچتی تھی۔وہ فاتح کا سیاہ گھوڑا نہیں تھا۔ییشا خود کو بلیک نائٹ سمجھتی ہے۔وہ شطرنج کا سیاہ گھوڑا ہے جسے اپنی سیاہی پہ فخر ہے۔'' اس نے انگلی سے اسکرین پہ دستک دی۔''یہ ییشا ہی ہے۔''

''کیا اس کی لوکیشن معلوم ہو سکتی ہے؟'' سکندر تیزی سے بولا۔

''نہیں۔وہ خود ہمارے پاس آئے گی۔ہم اس کے ساتھ ایک کون کھیلنے جا رہے ہیں۔میری زندگی کا آخری کون گیم۔اور مجھے یقین ہے وہ اس پھندے سے نہیں نکل سکے گی۔'' تالیہ نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور چوپ اسٹکس ڈبے کے اندر ڈالیں۔''اور تم۔تم مجھے ییشا کے بارے میں ہر وہ بات بتاؤ جو ان دو سالوں میں تم نے دیکھی ہو۔ہر بات۔''

سکندر نے گردن ہلا دی۔اس کے کھنچے کھنچے انداز میں البتہ کمی نہیں آئی تھی۔وہ اب بھی تالیہ کو مشکوک نظروں سے دیکھتا تھا مگر وہاں پرواہ کسے تھی۔وہ چاپ اسٹکس سے چاؤ من کھاتے ہوئے سکندر کی بات غور سے سن رہی تھی۔

....

اگلے دو روز تک تالیہ مراد کے لاؤنج کا منظر ایسا ہی رہا تھا۔سکندر البتہ دوبارہ نہیں آیا تھا۔لیکن وہاں اب ایک وائٹ بورڈ لگا تھا جس پہ مختلف کاغذ چسپاں تھے۔داتن صوفے میں دھنسی لیپ ٹاپ پہ لگی ہوتی تھی اور تالیہ ...وہ بورڈ کے ساتھ کھڑی مارکر سے مختلف کاغذوں پہ سطور انڈر لائن کرتی تھی۔

"سکندر نے کہا تھا کہ ییشا نے ایک دفعہ اس کی مدد کی تھی۔" تالیہ داتن کی طرف مڑی اور چمکتی آنکھوں سے بتانے لگی۔مارکر کی سیاہی اس کے پوروں پہ لگی تھی۔"سکندر کا ایک دوست کلاس میں bully کیا جا رہا تھا۔ییشا نے اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے اس لڑکے کی آؤٹ آف دی وے جا کے مدد کی۔اس سے ییشا کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔لیکن دیکھا جائے تو ییشا کے تعلقات ٹین ایج لڑکے لڑکیوں سے بہت اچھے تھے۔میرا خیال ہے ییشا اپنی ٹین ایج میں abuse یا bullying کی شکار رہی تھی۔ردعمل کے طور پہ وہ نوجوانوں کے ساتھ یہ ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔اس لیے ہم ییشا کو بلانے کے لیے ایک ٹین ایج نوجوان کا سہارا لیں گے۔"

"کون؟" داتن نے چونک کے اسے دیکھا۔"اور ییشا اس کے گھر کیوں آئے گی؟"

"اسے اس گھر آنا ہوگا' داتن۔اسی گھر سے تو یہ سب شروع ہوا تھا۔" وہ مارکر کی کیپ بند کرتے ہوئے بولی۔اس کے انداز میں سوگواریت تھی۔اسے ایک پرانے شناسا کو ملنے جانا تھا۔

(میں تالیہ مراد ہوں۔اور میں اپنی زندگی کا آخری کون گیم کھیلنے جا رہی ہوں۔)

وان فاتح ایک کانفرنس روم کی سربراہی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ٹائی ڈھیلی کیے' آستین پیچھے کو موڑے وہ ایک کاغذ اٹھا کے کچھ کہہ رہا تھا۔طویل میز کے دونوں اطراف قطار میں بیٹھے لوگ کاغذوں کے پلندوں میں غرق کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

(میرا رنگ سفید نہیں ہے۔میں اتنی بے داغ اور اجلی رنگت کی نہیں ہوں' میں جانتی ہوں۔مگر میرا رنگ سیاہ بھی نہیں ہے۔)

اسٹوڈیو کی تیز روشنیوں میں سبز بیک ڈراپ کے سامنے کرسی پہ بیٹھا ایڈم سپاٹ چہرے کے ساتھ کیمرے میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ کس طرح وان فاتح کی ایک غلطی ان کو تباہی کے دہانے پہ لے آئی تھی۔ڈائریکٹر نے کٹ کہا تو کیمرہ بند ہو گیا۔ایڈم نے شرٹ پہ لگا مائیک دھیرے سے اتارا اور افسوس سے سر جھٹکتے ہوئے اسے میز پہ رکھا۔ایک پرانے دوست کی تباہی پہ تبصرے کرنا بھی عجیب کام تھا۔زندگی میں پہلی دفعہ اسے اپنا کام اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

(اگر میرا رنگ سیاہ ہوتا تو میں صرف اپنی پرواہ کرتی اور کسی دوسرے ملک جا کے اپنی زندگی بناتی۔لیکن میرا رنگ سیاہ اور سفید کے درمیان ہے۔معلوم نہیں کیا ہے۔لیکن وہ کچھ اور ہے۔)

تالیہ سیاہ ہڈی پہنے' ایک گلی میں کھڑی' سر اٹھائے اس شناسا گھر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے لبوں کی مسکراہٹ میں ملال بھی تھا اور رنج بھی۔ زندگی ایک دفعہ پھر اس کو اس گھر کے دروازے پہ لے آئی تھی۔ پورے دائرے میں گھومتے ہوئے وہیں اختتام ہو رہا تھا۔

(مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ میں وان فاتح کو کس لیے بچانا چاہتی ہوں۔ میں انہیں چھوڑ کے جا رہی ہوں۔ میں ان کے ساتھ نہیں رہ رہی۔ لیکن میں نہیں چاہتی کہ میرے پیچھے وہ اپنے خوابوں سے ٹوٹ کے ایک اداس زندگی گزاریں۔)

اپوزیشن کے چار اراکین ایک آفس روم میں بیٹھے پر جوش انداز میں وان فاتح کا مستقبل ڈسکس کر رہے تھے۔ صوفیہ رحمٰن کمرے میں دائیں سے بائیں ٹہلتی مسکراتے ہوئے ڈکٹیٹ کروا رہی تھی۔ ایک شخص لیپ ٹاپ پہ تیز تیز ٹائپ کرتے ہوئے مواخذے کے بل کا مسودہ تحریر کر رہا تھا۔ باقی افراد سر جوڑے سرگوشیاں کر رہے تھے۔

(ایسے میں جب ہر شخص ان کے خلاف ہو چکا ہے' تالیہ ان کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔ برسوں پہلے تالیہ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس ملک میں سب ان کا ساتھ چھوڑ جائیں' تب بھی وہ ان کو اپنا لیڈر کہے گی۔ اور تالیہ مراد کو وعدے نبھانے آتے تھے۔)

....

تنگو کامل محمد کے اسٹڈی روم میں تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ بلکہ تناؤ ایک بہت چھوٹا لفظ تھا۔ وہ اپنی کرسی پہ بیٹھے' میز پہ رکھے ہاتھ باہم پھنسائے' تالیہ مراد کو بغور دیکھ رہے تھے جو سامنے والی کرسی پہ بیٹھی تھی۔ اس کے لبوں پہ ایک اداس مسکراہٹ تھی۔

"مجھے وقت دینے کے لیے شکریہ' تنگو کامل۔"

"جب سکندر نے کہا کہ تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو میں حیران ہوا تھا۔ آخری دفعہ ہم تب ملے تھے جب تمہارے پیچھے ایڈم بن محمد جاسوسی کرنے میرے گھر آیا تھا۔" وہ واقعی متعجب تھے۔ تالیہ سوگواریت سے مسکرائی۔

"افسوس کہ آپ سے میں نے ہمیشہ جھوٹ بولے تھے یا بلوائے تھے۔" وہ سیاہ ہیٹ پہنے ہوئے تھی۔ اس کی گردن میں موتیوں کی لڑی تھی اور لباس بیش قیمت تھا۔ یہ ان کے گھر میں ملازمہ کی طرح کام کرنے والی تالیہ نہیں تھی۔

"تالیہ... وہ جھوٹ ماضی میں بہت پیچھے رہ گئے۔ فاتح میرا دوست تھا۔ ان گزرے برسوں میں مجھے ساری کہانی سمجھ آ گئی تھی۔ کچھ اس نے بتا دی تھی۔ میری بیوی کے زیورات کیسے نقلی زیورات میں تبدیل ہوئے' میرے پاس میری مخالف کمپنی کا لیپ ٹاپ کیسے آیا... اور مجھے ان کا پیٹنٹ چوری کر کے بزنس میں کتنا فائدہ ہوا... یہ ساری کڑیاں ملانا مشکل نہ تھا۔"

تالیہ نے اداسی سے اس کمرے کی دیواروں کو دیکھا۔ وہ اب بھی ویسی تھیں۔ وہی بک شیلف... وہی لکڑی کی میز۔ اور کچن

سے آتی سوپ کی وہی مہک۔

''کیا آپ مجھے معاف کر دیں گے؟'' وہ ان کو دیکھ کے بولی۔ تو وہ دھیرے سے مسکرائے۔ کمرے میں پھیلا تناؤ تھوڑا کم ہوا۔

''تم نے جتنی قیمت کے زیورات چرائے تھے' اس سے کہیں زیادہ مالیت کا پیٹنٹ مجھے میرے مخالف کے لیپ ٹاپ سے لا کر دیا تھا۔ جو منافع مجھے میرے لالچ نے دلوایا' وہی قیمت زیورات سے نکل گئی۔ مجھے تم پہ غصہ نہیں آیا تھا' تالیہ۔ شاید شروع میں آیا ہو۔ لیکن پھر بعد میں وہ ایک رنجیدگی میں بدل گیا۔''

''کب؟'' وہ چونکی۔

''جب میں نے دیکھا کہ لوگ تمہیں عصرہ محمود کی موت کا ذمہ دار قرار دے رہے ہیں۔ تب میں نے سوچا کہ کاش تم وہی سوپ پارلر میں کام کرنے والی تالیہ ہوتیں جو اپنے بے کار باپ کے گھر کی روزی روٹی کی ذمہ دار تھی اور جس کا باپ اس کی شادی زبردستی طے کر رہا تھا۔''

تالیہ نم آنکھوں سے مسکرادی۔ ''میری کہانی اور میرا باپ اس سے بہت مختلف نہیں تھا۔''

''خیر میں جانتا تھا تم نے عصرہ کا قتل نہیں کیا۔ کیونکہ تم کسی کو اذیت نہیں دے سکتی تھیں۔ لالچ تو ہم دونوں نے کیا تھا۔ اس واقعے کے چند ماہ بعد شیلا کا مس کیرج ہوا۔ اور جب ہم نے اپنا بچہ کھویا تو ہماری زندگی میں تبدیلی آ گئی۔ اس لیے ہاں' میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔'' وہ شانے اچکا کے مسکرائے۔ ''اب بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''میں چاہتی ہوں کہ علی کامل ڈارک ویب سے ایک کانٹریکٹ تھیف کو ہائر کرے اپنی ماں کا نیکلیس چرانے کے لیے۔ وہ چوری کے لیے اس کانٹریکٹر کو دو دن کا وقت دے گا۔ ان دو دنوں میں آپ اپنے گھر ایک پارٹی منعقد کریں گے۔ وہ کانٹریکٹر اسی پارٹی کے دوران نیکلیس چرانے کی کوشش کرے گی۔''

''مگر اس طرح میں شیلا کو خطرے میں ڈال دوں گا۔'' وہ فکرمند ہوئے۔

''وہ نقلی نیکلیس پہن کے پارٹی میں جائیں گی۔ اصل نیکلیس ان کے لاکر میں ہوگا۔ اور فکر نہ کریں' بات نیکلیس چرانے تک نہیں آئے گی۔ ہم اس کانٹریکٹ تھیف کو اس سے پہلے ہی پکڑ لیں گے۔ پلیز... یہ فاتح کے لیے ہے' کامل صاحب۔ یہ ہم سب کے گناہوں کا کفارہ ہے۔''

وہ مدھم سا مسکرا دیے۔ تالیہ نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا اور اب اسکرین سے دیکھ کے ان کو ہدایات دینے لگی۔ وہ غور سے سنتے ہوئے سر ہلا رہے تھے۔

ان کے کچن سے ابھی تک سوپ کی مہک آ رہی تھی جس نے ماحول کو معطر بھی کر رکھا تھا اور اداس بھی۔

....

پردھان منتری کی رہائشگاہ کا ڈرائینگ روم سنہرے رنگوں سے سجا تھا۔ وہاں اسٹینڈز پہ کیمرے سیٹ تھے۔ فلیش کی تیز روشنی سامنے رکھی دو سنہری کرسیوں پہ پڑ رہی تھی۔

ایک پہ ایڈم بن محمد بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا ٹیب تھا جس سے پوائنٹس دیکھ دیکھ کے وہ سنجیدگی سے سوالات پوچھ رہا تھا۔ وہ سیاہ پینٹ پہ سفید شرٹ پہنے' آج کافی عام سے حلیے میں تھا۔ جیسے انٹرویو اتنی جلدی میں سیٹ ہوا ہو کہ اسے ڈھنگ سے تیار ہونے کا وقت نہ ملا ہو۔

وان فاتح اس کی نسبت انٹرویو کے لیے تیار لگتا تھا۔ سرمئی سوٹ میں ملبوس' وہ بالکل مطمئن اور پراعتماد تھا۔ ہلکی سی مسکراہٹ جواب دیتے ہوئے لبوں سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔

''پی ایم صاحب... کیوں نا ہم ان ای میلز کی بات کر لیں جو اس وقت آپ کے لیے بہت بڑا مسئلہ بنی ہوئی ہیں۔''

فاتح کی بات ختم ہوتے ہی ایڈم بے چینی سے پہلو بدل کے بولا۔ پروڈیوسر اس کے کان میں بار بار زچ ہو کے کہہ رہا تھا کہ اسے اس وقت کے ہاٹ ٹاپک پہ آنا ہے جبکہ پردھان منتری اپنے ''تعلیمی بل'' سے آگے پیچھے نہیں جا رہے تھے۔ اب کے اس نے دوسری دفعہ سوال کیا تو فاتح نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

''ان ای میلز میں ملکی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے والی کوئی بات نہیں تھی۔ البتہ ہم اس معاملے کی تحقیق کر رہے ہیں۔ جو بھی نتیجہ نکلا' میں اس سے آپ سب کو آگاہ کروں گا۔''

''مگر سر... آپ ایک پرائیوٹ سرور استعمال کر رہے تھے جس کے بارے میں مخالفین کہہ رہے ہیں کہ یہ ایک غیر ذمہ دارانہ فعل تھا اور...''

''جیسا کہ میں نے کہا' جو بھی اس معاملے کا قصوروار نکلا' اس کو سزا دی جائے گی۔''

اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ ایڈم خاموش ہو گیا۔ پھر سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''کیا آپ سوموار کی صبح واقعی تعلیمی بل پیش کرنے جا رہے ہیں۔''

''بالکل۔ اور میں اپنی پارٹی اور اپنے اتحادیوں سے کہنا چاہوں گا کہ اگر وہ میرے بل کے حق میں ووٹ نہیں دیں گے تو میرا نقصان نہیں کریں گے۔ اپنے بچوں کا کریں گے۔ اور پھر یہ لوگ عوام کو کیا منہ دکھائیں گے؟ بلکہ اپنے بچوں کا سامنا کیسے کریں گے؟ کیا ان کے بچے ان سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ ایسا بل جو ان کی کالج ٹیوشن کو ساٹھ فیصد تک کم کرنے جا رہا

تھا اس کا ساتھ انہوں نے کیوں نہیں دیا؟" وہ سنجیدگی سے کہتا جا رہا تھا۔

ایڈم بن محمد بور سا ہو کے اسے سنے گیا۔

ڈائیریکٹر نے کٹ بولا اور پروگرام ختم ہوا تو فاتح کالر پہ لگا مائیک احتیاط سے اتارنے لگا۔ ایڈم نے بغور اسے دیکھتے ہوئے اپنا مائیک اتارا۔

"آپ ای میلاد کے سوال سے احتراز کر رہے تھے۔"

فاتح نے مسکرا کے کھڑے ہوتے ہوئے اسے دیکھا۔ "تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟"

"کم از کم یہ نہ کرتا۔" ایڈم بھی ساتھ ہی اٹھا۔ مائیک اب دونوں سے دور تھا اور کیمرہ کریو پیک اپ میں لگا تھا۔ ملٹری سیکرٹری اور باڈی مین فاصلے پہ کھڑے پردھان منتری کو اس اینکر سے بات کرتے دیکھ رہے تھے۔

"It's very lonely at the top, Adam."

"میں جس وان فاتح کو جانتا ہوں وہ کوئی بات بے معنی نہیں کہتے۔" ایڈم نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔ "ذمہ داران کو سزا دلوانے سے آپ کی کیا مراد تھی؟"

"تمہاری تو یادداشت کھو نہیں گئی تھی؟" فاتح نے مسکرا کے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

ایڈم نے آنکھیں گھمائیں اور برا منہ بنایا۔ "آئی وش۔" پھر توقف سے بولا۔ "ایک آخری بات۔"

وہ جو جانے کے لیے تیار تھا رک کے اس کی بات سننے لگا۔

پیچھے کھڑے ملٹری سیکرٹری اور باڈی مین اب بے چینی سے اس اینکر کو گھور رہے تھے جس نے پی ایم کو روک رکھا تھا۔ ایڈم قدرے قریب ہوا اور آہستہ سے بولا۔

"آپ اس کیس کے سامنے ہار نہ مانیے گا۔ چے تالیہ اس عورت کو ڈھونڈ نکالیں گی اور وہ گواہی دے دے گی۔ آپ اس اسکینڈل سے بہت آرام سے بچ نکلیں گے۔"

"ایڈم۔" وہ مسکرایا۔ "I don't need saving.... مجھے معلوم ہے مجھے کیا کرنا ہے۔"

"تو پھر آپ ان کو روک لیں۔" ایڈم نے آواز دھیمی کی۔ اس کی آنکھوں میں منت تھی۔ "ان کو اس ملک سے جانے نہ دیں۔ وہ یوں خوش نہیں رہیں گی۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ چے تالیہ خوش رہیں۔"

"یہ فیصلہ اس نے خود کرنا ہے۔" اسے فاتح کی مسکراہٹ اداس لگی تھی۔

"وہ آپ کے ساتھ زندگی شروع کرنا چاہتی تھیں لیکن وہ صرف اپنے بابا کے خط کی وجہ سے گلٹ میں چلی گئی ہیں۔ انہیں لگتا

ہے ان کو مراد راجہ کی بد دعا لگ چکی ہے اور انہیں خوش رہنے کا حق نہیں..."

"کیسا خط؟" فاتح کے ابرو تعجب میں اکٹھے ہوئے۔ ملٹری سیکرٹری کھنکھارتے ہوئے قریب آیا لیکن فاتح نے بنا مڑے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ وہ وہیں رک گیا۔

"ان کو ایک خط ملا تھا۔ جونکر اسٹریٹ والے مین ہول سے۔ وہ ان کے بابا کی طرف سے ہے۔ جس میں تلخ باتیں لکھی گئی ہیں۔"

"اور وہ کیسے اس کا یقین کر سکتی ہے؟"

"واقعی۔ انہیں ان باتوں پہ یقین نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ مراد راجہ نے صرف ان کو تکلیف دینے کے لیے لکھی تھیں اور..."

"وہ اس بات پہ کیسے یقین کر سکتی ہے کہ یہ خط اس کے باپ نے ہی لکھا ہے۔"

اس کے لہجے کی سنگینی محسوس کر کے ایڈم ٹھہر گیا۔ پھر ابرو اچکائے۔

"چے تالیہ کو اصل اور نقل ڈاکومنٹ کی پہچان ہے۔ اس زمانے کا کاغذ، مہر... پھر ان کے بابا کی لکھائی۔"

فاتح نے گہری سانس لی۔ "ایڈم... ہر انسان کی ایک کمزور کڑی ہوتی ہے جس سے اس کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔" وہ مدھم آواز میں کہنے لگا۔ "میری وہ کمزور کڑی تالیہ تھی ورنہ میں ییشا کو کبھی اپنے گھر میں جگہ نہ دیتا۔ وہ میرا بلائنڈ سپاٹ تھی۔ تالیہ کا بھی ایک بلائنڈ سپاٹ ہے۔ اس کا باپ۔ اس کا ماضی کا گلٹ۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ کوئی دوسرا تالیہ کے گلٹ کے ساتھ کھیل نہیں رہا؟"

ایڈم اپنی جگہ سن رہ گیا۔

فاتح اسے سر کے خم سے شب بخیر کہہ کے آگے بڑھ گیا۔ اس کے سرکاری ملازم ایڈم کو گھورتے ہوئے اس کے پیچھے لپکے۔

ایڈم چند لمحے کھڑا اس کی باتوں کو ذہن میں پراسیس کرتا رہا۔ پھر تیزی سے فون نکالا اور اپنے عملے کو وہیں چھوڑ کے باہر آیا۔

"داتن..." کچھ دیر بعد وہ پریشانی سے فون پہ کہہ رہا تھا۔ "وہ خط... وہ مراد راجہ نے نہیں لکھا۔ مجھے لگتا ہے وہ ذوالکفلی کی کوئی چال ہے۔ کیا آپ کسی طرح چے تالیہ کی تحویل سے وہ خط چرا سکتی ہیں؟"

"چور سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے؟ اپنی دوست کے ہاں چوری کروں گی میں؟"

وہ آگے سے بگڑ کے بولی۔

ایڈم نے فون کان سے ہٹا کے اسے گھورا اور دوبارہ کان پہ لگایا۔

''یعنی آپ اسے پہلے ہی چرا چکی ہیں۔''

داتن آگے سے ہنس دی۔''ہاں۔اس کا لفافہ میں نے چرا لیا تھا اور میں اپنے ایک دوست کی لیب پہ اسے کل رات دے بھی آئی تھی۔وہ اس پہ کچھ ٹیسٹ کرے گا اور یہ بتائے گا کہ وہ خط قدیم زمانے کے کاغذ کا ہے یا نئے زمانے کا۔''

''کب بتائے گا؟''

''اب تک رپورٹ ریڈی ہوگی۔لیکن میں تالیہ کے ساتھ اس کے آخری کون کا حصہ ہوں۔میں تنگو کامل کے گھر کے باہر کار میں ہوں۔تالیہ اندر ہے۔ہم ہیشا کے ظاہر ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''مجھے لیب کا نام اور پتہ ٹیکسٹ کرو۔میں خود وہاں جاتا ہوں۔'' وہ فکرمندی سے بولا۔اسے اس لیب کی رپورٹ ابھی اسی وقت چاہیے تھی۔اگر وہ تالیہ پہ یہ ثابت کر دیتا کہ وہ خط ذوالکفلی نے لکھا ہے نہ کہ مراد راجہ نے تو وہ اس کے گلٹ کو ختم کر سکتا تھا۔وہ تالیہ کو یہ یقین دلا سکتا تھا کہ اسے اس کی ہیپی اینڈنگ ملے گی۔

....

تنگو کامل کے گھر کے لان میں پارٹی کا اہتمام کیا گیا تھا۔رات کا اندھیرا آسمان کو سیاہ کیے ہوئے تھا لیکن لان کے درختوں پہ لگی روشنیوں کی لڑیوں نے اپنے تئیں سیاہی سے لڑنے کی پوری کوشش کی تھی۔ایک طرف باربی کیو بن رہا تھا۔دوسری جانب مہمان ٹولیوں کی صورت ہنستے مسکراتے گفتگو میں مصروف تھے۔

شیلا کامل نیلے گاؤن میں ملبوس مسکرا کے ایک مہمان سے دوسرے کی طرف جا رہی تھیں۔ان کی گردن میں پڑا ہیروں کا نازک سیٹ جگمگا رہا تھا۔گیٹ پہ سیکیورٹی کی بھاری تعداد موجود تھی۔تالیہ نے سیکیورٹی اچھی رکھنے کو کہا تھا۔اگر وہ کمزور ہوئی تو ہیشا کو شک ہو جائے گا۔اسے چیلنج پسند تھا۔چیلنج دیکھ کے وہ بہت خوشی سے ہار چرانے آئے گی۔

وہ آئے گی۔وہ ضرور آئے گی۔تالیہ اس وقت ایک کمرے میں بیٹھی تھی۔کمرے میں اندھیرا تھا اور وہ کھڑکی کے ساتھ لگی بیٹھی باہر کی پر رونق پارٹی کو دیکھ رہی تھی۔اس نے سیاہ جمپ سوٹ پہن رکھا تھا۔سر پہ سیاہ ٹوپی تھی۔وہ اس اندھیر کمرے میں خود کو بھی دکھائی نہ دیتی تھی۔آنکھیں باہر لگی تھیں۔

دفعتاً اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہ خط نکالا۔اس کا لفافہ وہ کھو چکی تھی۔اسے معلوم تھا کہ اسے داتن نے چرایا ہوگا۔خیر۔

اس نے ایک دفعہ پھر خط پہ لکھی تحریر پڑھی۔وہ اس تحریر کو کئی دفعہ پڑھ چکی تھی۔ہر دفعہ یہ ایک نئی طرح سے اذیت دیتی تھی۔ مراد راجہ درست کہتا تھا۔تالیہ دنیا کے کسی حصے میں بھی چلی جائے'اس کا دل محبت سے خالی رہے گا۔بالکل بنجر۔

اس کی آنکھوں سے ایک آنسو نکلا اور خط پہ ٹپکا۔ جہاں ''تمہارا باپ'' لکھا تھا' وہ ان الفاظ پہ گرا اور انہیں بھگو گیا۔ اس نے انگلیوں سے ان بھیگے لفظوں کو چھوا۔ وہ جیسا بھی تھا اور وہ جیسی بھی تھی...وہ باپ بیٹی تھے۔

اس نے خط تہہ کر کے جیب میں ڈال لیا۔ اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ ادھر ادھر پھرتی شیلا کی گردن میں نیکلیس ابھی تک موجود تھا۔ یشا ابھی نہیں آئی تھی۔

....

''یہ کاغذ عام کاغذوں سے بالکل مختلف ہے۔ عجیب بات ہے کہ ایسی چیز میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔''

لیب میں نیلی سفید بتیاں جلی تھیں۔ ایک سفید کوٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر آدمی ایڈم کو بتا رہا تھا۔ دونوں ایک میز کے اطراف میں کھڑے تھے جس پہ چند مشینیں رکھی تھیں۔ خط کا لفافہ بھی وہیں ایک ٹرے میں رکھا تھا۔

''آج کل کاغذ لکڑی کے pulp سے بنایا جاتا ہے۔ جبکہ یہ کاغذ linen rags سے بنایا گیا ہے۔ جیسے پرانے زمانے کے کاغذات ہوتے تھے۔ اور یہ خالص موم کی مہر ہے۔ اور یہ دھاگا...یہ سینتھیٹک نہیں ہے۔ یہ سب آج کل نہیں ملتا۔ لیکن...''

ایڈم کی امید بڑھی۔ تیزی سے پوچھا۔ ''لیکن؟''

''لیکن ایسے خطوط ہمیشہ اینٹیک ہوتے تھے۔ وہ کئی سو برس پرانے ہوتے ہیں۔ میں یہ نہیں سمجھ پا رہا کہ یہ خط age کیوں نہیں ہوا۔ یہ نیا نکور ہے۔''

ایڈم کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ ''ایسے جیسے کسی نے قدیم زمانے سے اسے کوریئر کیا ہو۔ اور یہ ہمارے پاس پہنچ گیا ہو۔ ایج ہوئے بغیر۔''

''بالکل۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔'' وہ پرجوش سے انداز میں بولا۔ ایڈم کے چہرے پہ پھیلتی مایوسی چھپی نہ رہ سکی۔

''یعنی یہ کوئی فورجری نہیں ہے۔ یہ قدیم زمانے کا کاغذ ہے۔ اس کو نئے زمانے میں بنانے کی کوشش نہیں کی گئی۔''

''بنا تو ظاہر ہے اسی زمانے میں ہے۔ قدیم زمانے کا ہوتا تو کئی سو برس پرانا ہوتا۔''

''واٹ ایور۔'' وہ تکان سے بولا۔ وہ وقت کے چکر اس شخص کو نہیں سمجھا سکتا تھا۔

''ویسے آپ کو یہ کہاں سے ملا؟''

''یہ اہم نہیں ہے۔ میں چلتا ہوں۔'' ایڈم نے گھڑی دیکھی اور ہاتھ بڑھا کے لفافہ اٹھا لیا۔

''نو..نو...اس کو ہاتھ نہ لگاؤ۔'' اس نے ایسے کرنٹ کھا کے کہا کہ ایڈم نے جھٹکے سے لفافے چھوڑ دیا۔ وہ نیچے جا گرا۔ ڈاکٹر

جھکا اور دستانے والے ہاتھ میں ٹوئیزر پکڑے احتیاط سے اسے اٹھایا اور سیدھا ہوا۔

''اس میں ایسا کیا ہے؟'' وہ تعجب سے بولا۔ ڈاکٹر نے لفافہ زپ لاک بیگ میں ڈالا اور سنجیدہ چہرہ اوپر اٹھایا۔

''یہ زہریلا ہے۔''

ایڈم بن محمد کو لگا.. وہ اگلا سانس نہیں لے سکے گا۔

''زہریلا؟ یہ کاغذ زہریلا ہے؟''

''کاغذ نہیں۔ اس پہ جو الفاظ لکھے ہیں ''پٹری تاشہ بنت مراد کے نام'' وہ زہریلے ہیں۔ میں نے اس کی روشنائی کو ٹیسٹ کیا ہے۔ روشنائی نہ صرف سنتھیٹک ہے یعنی کسی فیکٹری میں بنی ہے بلکہ زہریلی بھی ہے۔''

''اس کے اندر موجود سارا خط اسی روشنائی سے لکھا گیا تھا'' وہ چونک چونک گیا۔ دل زور سے دھڑ کا۔ ''یہ کس قسم کا زہر ہے؟''

ڈاکٹر نے جھرجھری سی لی۔

''یہ تو ہم ابھی تک معلوم نہیں کر سکے۔ قوی امکان ہے کہ یہ کسی زہریلے پودے سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ صرف گیلا ہونے پہ اثر کرتا ہے۔ سائینائیڈ سے ملتا جلتا ہے لیکن سائینائڈ نہیں ہے۔ یہ جلد کے ذریعے جسم میں داخل ہوتا ہے۔ انگلیوں سے اندر جاتا ہے اور آہستہ آہستہ دل بند کر دیتا ہے۔ یہ ایک عجیب طرح کا زہر ہے جس سے پچھلے تین برس میں چار ہلاکتیں ہوئی ہیں۔ میں نے اس کے اجزاء کو پولیس ریکارڈ سے میچ کیا تھا۔ یہ بالکل وہی زہر ہے۔''

''اور یہ چار ہلاکتیں کن کیسز میں ہوئی تھیں؟'' وہ دم بخود تھا۔

''چاروں دفعہ ہیرے یا قیمتی زیورات چرائے گئے تھے۔ یوں لگتا ہے اس زہر کو استعمال کرنے والا کوئی گرفٹر یا چور ہے جو اپنے شکار کو ایسی تحریر بھیجتا ہے جو اس کو دھیرے دھیرے مار دے۔''

ایڈم نے بے اختیار میز کا کونا تھاما۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔

''آپ نے کہا یہ گیلا ہونے پہ اثر کرتا ہے؟''

''ہاں۔ سوکھے کاغذ کو چھونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن اگر یہ روشنائی بھیگ جائے اور اسے ہاتھ لگا لو تو ایک سے دو گھنٹے کے اندر موت واقع ہو جاتی ہے۔ تکلیف دہ موت۔'' وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔ ایڈم کو لیب کی سفید ٹیوب لائٹس اپنے سر پہ گھومتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

''کیا... کیا اس زہر کا کوئی تریاق ہے؟''

''ابھی تک اس زہر کا شکار کوئی مریض بروقت ہسپتال نہیں لایا جا سکا۔ ہر دفعہ وقت گزر چکا ہوتا تھا۔''

وقت...ایڈم نے گھڑی دیکھی...سارے کھیل وقت کے تھے۔

وہ اگلی بات سنے بغیر بے اختیار باہر کو بھاگا....اس کے ماتھے پہ پسینہ آ رہا تھا اور اسے زمین آسمان گھومتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ساتھ ہی وہ تیزی سے تالیہ کا نمبر ملا رہا تھا لیکن وہ فون نہیں اٹھا رہی تھی۔

ذوالکفلی نے تالیہ مراد سے بدلہ اس خط کے ذریعے لے لیا تھا۔

....

وہ ابھی تک اس اندرونی کمرے میں بیٹھی تھی۔ کمرہ اندھیر تھا اور وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ پارٹی زور و شور سے جاری تھی۔مدھم موسیقی پس منظر میں بج رہی تھی۔

لان کی گھاس پہ مہمان ٹولیوں کی صورت میں بکھرے تھے۔ملازم برتن لگاتے ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ ہر طرف قمقموں اور پھولوں سے سجاوٹ کی گئی تھی۔بغیر چیک کیے کسی مہمان کو اندر آنے نہیں دیا جا رہا تھا۔وہ ہر نئے مہمان پہ نظر رکھے ہوئے تھی۔ییشا یقیناً کسی مہمان کے روپ میں آئے گی وہ جانتی تھی۔تالیہ نے پولیس یا کسی پرائیوٹ سیکیورٹی کا خطرہ مول نہیں لیا تھا۔ییشا کو شک ہو جاتا اور وہ نہ آتی۔اس کو معلوم تھا کہ ییشا کے لیے ایک وہی کافی تھی۔

اور تب ہی اس نے وہ آواز سنی۔

کسی جانور کے رونے کی آواز۔

کسی خواب کی سی کیفیت میں تالیہ نے چہرہ موڑا۔

اندھیر کمرے کے دوسرے سرے پہ وہ کھڑا تھا۔

ایک سفید ہرن۔

اس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔

اس کی بڑی بڑی سبز آنکھیں تالیہ پہ جمی تھیں۔

وہ ننھے غزال کی آنکھوں میں دیکھتی گویا مبہوت ہو گئی۔ پھر وہ پلٹ گیا۔وہ بے خود سی اٹھی اور اس کی جانب قدم بڑھائے۔

لیکن وہ دھیرے دھیرے اندھیرے میں تحلیل ہو گیا۔

تالیہ نے پلکیں جھپکائیں۔ادھر ادھر دیکھا۔وہ اب وہاں نہیں تھا۔

کیا وہ ایسی چیزیں دیکھنے لگی تھی جن کا وجود نہیں تھا؟ یہ اس کے خوابوں جیسا معاملہ نہ تھا۔ یہ کچھ اور تھا۔

اس کے سر میں ایک دم سے درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔اس نے کنپٹی کو مسلا اور واپس کھڑکی کی طرف آئی۔متلاشی نظروں سے مسز شیلا کو ڈھونڈا۔وہ ایک طرف کھڑی ہنستے ہوئے کسی مہمان سے بات کر رہی تھی۔اس کی گردن خالی تھی۔

تالیہ نے بے یقینی سے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔وہ تیزی سے دروازے کی سمت بھاگی۔لاؤنج دوڑتے ہوئے عبور کیا۔پھر لان میں آئی اور سیدھی مسز شیلا کے سر پہ پہنچی۔

اسے دیکھ کے وہ حیران رہ گئی۔پھر ادھر ادھر دیکھا۔"کیا ہوا؟"

تالیہ نے اس کا بازو تھاما اور اسے مہمانوں سے ذرا فاصلے پہ لے گئی۔

"آپ کا نیکلیس کہاں ہے؟"

شیلا نے فوراً گردن پہ انگلیاں رکھیں۔پھر اسے ٹٹولا۔گردن خالی تھی۔اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔

"ابھی...ابھی تو میری گردن میں تھا۔اوہ گاڈ"اس نے پریشانی سے ادھر ادھر دیکھا۔

"مسز شیلا..مجھے یاد کر کے بتائیں...ابھی دو منٹ پہلے وہ آپ کی گردن میں تھا۔"وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تیزی سے بولی۔یقیناً دور نہیں گئی ہوگی۔"ان دو منٹ میں کوئی آپ سے ٹکرایا ہے؟"

شیلا چونکی۔"ہاں۔وہ کوئی ویٹرس تھی۔اس کے پاس گلاسز کی ٹوکری تھی۔اس کے گلاس گرتے گرتے بچے...لیکن مجھے علم ہوئے بغیر کوئی میرا نیکلیس کیسے اتار سکتا ہے؟"

"وہ کس طرف گئی ہے؟"وہ پھولتے سانس سے بولی۔سر میں درد بڑھتا جا رہا تھا۔

"شاید اس طرف۔"شیلا نے پریشانی سے ایک سمت میں اشارہ کیا۔تالیہ نے گردن اٹھا کے دیکھا۔وہاں باربی کیو ہو رہا تھا اور دوسرے بہت سے یونیفارم والے ملازم کھڑے کام کر رہے تھے۔وہ تیزی سے اس طرف لپکی۔

"کیا کسی نے ایک ویٹرس کو دیکھا ہے جس کے پاس گلاسز کی ٹوکری تھی؟"اس نے تیزی سے پوچھا۔دو ویٹرز نے ایک ساتھ کہا۔

"کون سارہ؟وہ کچن کی طرف گئی ہے۔اس نے.."

تالیہ تیزی سے اس طرف بھاگی۔یقیناً اتنے لوگوں کے باعث تیزی سے نہیں بھاگی ہوگی۔وہ آہستہ سے نکلی ہوگی۔اسے معلوم تھا۔

جس لمحے وہ کچن میں پہنچی اس نے ایک جھلک دیکھی۔سفید اور سیاہ ویٹرس یونیفارم پینٹری کی طرف غائب ہوا تھا۔

تالیہ نے رفتار کم کی اور دبے قدموں چلتی پینٹری تک آئی۔پینٹری خالی تھی اور اسی پل عقبی دروازہ بند ہوتا دکھائی دیا۔

شاید اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے تعاقب میں کوئی آ رہا ہے۔

تالیہ تیزی سے دروازے سے باہر نکلی۔ عقبی دیوار پھاند کے سیاہ سفید یونیفارم غائب ہوا تھا۔

تالیہ نے دیوار پہ دونوں ہاتھ رکھے۔ اطراف میں اندھیرا تھا یا اسے محسوس ہو رہا تھا۔ دھند سی تھی جو چھا رہی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ دھند چھٹنے لگی۔ یہ کیا ہو رہا تھا؟

اس نے دیوار پہ رکھے اپنے ہاتھ دیکھے۔ اس کے ناخنوں کا رنگ بدل رہا تھا۔ مگر اس نے سر جھٹکا۔ اور جوگر دیوار پہ رکھا۔ پوری قوت لگا کے اوپر چڑھی۔ پھر دوسری طرف پھاندی۔

اس کے جوتوں کے زمین پہ لگنے کی آواز دھپ سے آئی۔

تالیہ توازن برقرار نہ رکھ سکی اور نیچے کو لڑھکی۔ ہتھیلیوں کے بل خود کو گرنے سے سنبھالنا چاہا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔

وہ گلی تاریک تھی۔ سیدھ میں جاتی اور دائیں جانب مڑ جاتی۔ اطراف میں اونچی دیواریں تھیں اور مخالف سمت میں سڑک۔

وہاں بس ایک اسٹریٹ لائٹ تھی جس کی روشنی ناکافی تھی۔ کچرے کا ایک ڈمپسٹر تالیہ کے قریب رکھا تھا۔ وہ ہتھیلیوں اور گھٹنوں کے بل زمین پہ جھکی تھی۔ سر تک نہیں اٹھایا جا رہا تھا۔ اس کی حد نگاہ میں گلی کا پکا فرش تھا۔ بدقت اس نے نظریں ذرا کی ذرا اٹھائیں۔

گلی کے دوسرے سرے پہ سفید سیاہ اسکرٹ والی لڑکی کے سیاہ جوتے رک گئے تھے۔ پھر اسے وہ جوتے گھومتے دکھائی دیے۔ وہ واپس اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

وہ بدقت زور لگا کے سیدھی ہوئی۔ اب اس کے گھٹنے زمین پہ تھے اور چہرہ سامنے۔ وہ دیکھ سکتی تھی کہ ایشا دوسرے کونے سے مڑ کے واپس آ رہی تھی۔

آہستہ آہستہ۔

تالیہ نے نڈھال سے انداز میں پیچھے کو ٹیک لگائی۔ اس کی کمر کچرے کے ڈمپسٹر سے جا لگی۔

وہ دوزانو نڈھال سی بیٹھی نیم کھلی آنکھوں سے اس ہیولے کو دیکھے گئی جو اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ایشا اندھیرے میں تھی۔ چند قدم قریب آئی تو چہرہ مدھم سی روشنی میں آیا۔ اسٹریٹ پول کے باعث یہاں تھوڑی بہت روشنی تھی۔

تالیہ نے پلکیں جھپکائیں۔ دھند سی دھند تھی جو ہر جگہ چھا رہی تھی۔ وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ نہ آواز نکلتی تھی نہ سانس۔

''تالیہ مراد... تم کبھی ہار نہیں مانتیں' ہے نا؟'' ییشا نے افسوس سے سر نفی میں ہلا کے کہا۔

تالیہ نے ہاتھ اٹھانے چاہے لیکن اس کی بند مٹھیاں پہلوؤں میں گری رہیں۔ اس کا جسم مفلوج ہو رہا تھا۔

ییشا پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھی۔ اس نے مانگ نکال کے ویٹرسز کی طرح بال جوڑے میں باندھ رکھے تھے۔ وہ افسوس سے تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔

''تو یہ سب تم نے اسٹیج کیا تھا۔ مجھے پکڑنے کے لیے۔ چچ۔'' وہ دھیرے سے بولی۔ ''مجھے آج تک کوئی نہیں پکڑ سکا۔ اور تم اس وقت مجھے پکڑنے کی حالت میں نہیں لگ رہیں۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟'' وہ غور سے پتلیاں سکوڑے اس کے چہرے کے رنگ دیکھ رہی تھی۔

تالیہ کی نظریں ییشا کے کندھے سے پھسلتی اس کے عقب میں جا رکیں۔ گلی کے دوسرے سرے پہ کوئی تھا۔ اندھیرے میں روشنی کا ایک ہیولہ۔

''یہ ذوالکفلی نے کیا ہے' ہے نا؟'' وہ مدھم آواز میں افسوس سے کہنے لگی۔ ''وہ اپنا مخصوص زہر بنا رہا تھا کچھ دن پہلے اور اسے سیاہی کے ساتھ ملا رہا تھا۔ میرا خیال تھا اپنے کسی ٹارگٹ کے لیے بنا رہا ہے۔ لیکن اپنی ہی اسٹوڈنٹ کے لیے؟ چچ چچ... تم موت کے قریب ہو تالیہ... مجھے افسوس ہے... مجھے واقعی افسوس ہے...''

اس نے دھیرے سے تالیہ کی سرد پڑتی مٹھی پہ ہاتھ رکھا۔

''ایک کون وومن کو دوسری کون وومن کے ساتھ ہونا چاہیے... اس کے آخری وقت میں...'' پھر ییشا نے گردن اٹھا کے افسوس سے اطراف میں دیکھا۔

''ایک تاریک گلی میں کسی کچرے کے ڈبے کے ساتھ موت... آج تم اس طرح مرو گی۔ کل میں اس طرح مروں گی۔ میرے اور تمہارے جیسے لوگوں کا یہی انجام ہوتا ہے' تالیہ۔ ہمیں اندھیرے نگل جاتے ہیں۔''

تالیہ کی نظریں گلی کے سرے پہ جمی تھیں۔ آنکھوں کے آگے دھند تھی۔ اس نے پلکیں جھپکائیں، دھند ہلکی ہوئی۔

بالآخر وہ اسے نظر آنے لگا۔ وہ سفید ہرن... وہ وہیں کھڑا تھا۔ اپنی بڑی بڑی سبز آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں اپنے اندھیرے قبول کر لینے چاہیے تھے۔ مگر نہیں تالیہ۔ تمہیں روشنی چاہیے تھی۔ تمہیں رنگ چاہیے تھے۔ جبکہ ہمارا صرف ایک رنگ ہوتا ہے۔ اندھیرے کا رنگ۔ دیکھو روشنی نے تمہیں کیا دیا۔ ایک اندھیر گلی میں گمنام موت...''

وہ پنجوں کے بل بیٹھی افسوس سے کہہ رہی تھی۔مگر تالیہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔وہ غزال کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ننھے ہرن کی سبز آنکھیں پانی سے بھرتی گئیں۔

ہرن نے پلکیں جھپکائیں۔آنسو اس کے چہرے پہ لڑھکے۔

تالیہ کو اپنے گال پہ گرتا گرم قطرہ محسوس ہوا تھا۔

''میں نہیں جانتی یہ کس چیز کے آنسو ہیں۔'' ہیشا نے انگلی کے پورے پہ اس کے گال کا قطرہ اٹھایا۔

''یہ ذاولکفلی کا زہر تھا۔تکلیف دیتا ہے۔مگر آئی ایم سوری...اس کا تریاق کسی کے پاس نہیں ہے۔''

سفید ہرن ابھی تک اسے دیکھ رہا تھا۔تالیہ نے دیکھا' ہرن کے ہونٹوں سے دھیرے دھیرے سرخ قطرے ٹپکنے لگے تھے۔

''تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' ہیشا دھیمی آواز میں ملال سے کہہ رہی تھی۔''تمہارے منہ سے خون نکلنا شروع ہو چکا ہے۔میں تمہارے لیے ایک کام کرسکتی ہوں۔'' کہتے ہوئے ہیشا نے اس کی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس کا موبائل نکالا۔اس کو آن کیا۔پھر تالیہ کے چہرے کے سامنے لا کے اسے ان لاک کیا۔اب وہ اس پہ کوئی نمبر ملا رہی تھی۔

تالیہ ابھی تک اس گھائل غزال کو دیکھ رہی تھی۔وہ اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے مڑ رہا تھا۔

اس کا دل بری طرح ڈوبا۔وہ اسے روکنا چاہتی تھی۔مگر نہ آواز نکلتی تھی نہ ہاتھ حرکت کرتے تھے۔

ہیشا فون پہ کچھ کہہ رہی تھی۔لیکن تالیہ سن نہیں پا رہی تھی۔وہ خوف سے اس غزال کو دیکھ رہی تھی۔وہ کہاں جا رہا تھا؟ وہ تو اس کا گارڈین اینجل تھا؟ یا کیا وہ موت کا فرشتہ تھا؟ وہ اسے چھوڑ کے کیوں جا رہا تھا؟

بھیگی آنکھوں والا سفید غزال مڑ گیا۔اس کے منہ سے نکلنے والے خون کے قطرے زمین پہ ننھے سے تالاب صورت جمع تھے۔

وہ مڑا تو تالیہ نے اسے پکارنے کے لیے لب کھولے لیکن اس کا جسم حرکت کرنے سے انکاری تھا۔

ہرن اب دور جا رہا تھا۔

اندھیری دھند میں تحلیل ہو رہا تھا۔تالیہ نے پلکیں جھپکانی چاہیں لیکن اس کی پلکیں بھاری ہو رہی تھیں۔

سب ختم گیا تھا۔

اس کی ہیپی اینڈنگ اس دھند میں کھو گئی تھی....

....

تاشہ...

وہ شہزادیوں جیسی تھی...

اور اس نے ایک غلام سے شادی کی تھی

اور اسے آزاد کر دیا تھا...

''ہے تالیہ... آپ کتابیں نہیں پڑھتیں؟''

''کیا تمہیں وعدہ نبھانے آتے ہیں؟''

''ہونہہ۔ اصلی فوجی ہونا نقلی شہزادی ہونے سے بہتر ہوتا ہے۔''

''تم میرے ساتھ رہو۔ مجھے تمہاری اور تمہیں میری ضرورت ہے۔''

''میں انسان نہیں ہوں کیا؟ میرے اندر سیل ڈلتے ہیں؟''

میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں وقت کی قید سے نکال لاؤں گا اور وعدے کبھی پرانے نہیں ہوتے۔''

''بڑے ہی کوئی ولن ہیں آپ کے بابا۔ وہی تو میں سوچ رہا تھا کہ آپ کس پہ گئی ہیں۔''

''میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ ہوتی اور ہم اس کتاب کو ایک ساتھ پڑھ سکتے۔''

''میں نے آپ کو اتنا عرصہ ماضی میں کیسے برداشت کیا تھا؟''

''جو تمہیں کرنا آتا ہے' وہ ہمیشہ تمہاری جان بچاتا رہے گا۔''

''یہ پہلی دفعہ نہیں ہے جو ایک شہزادی نے ایک گستاخ پہ تشدد کروایا ہو۔''

''جنگل ہمیشہ زندہ ہوتا ہے۔ جنگل سے جنگ نہیں کرتے۔''

''اتنے عیش سے رہنے والوں کا قیامت کے دن الگ سے حساب ہوگا۔''

''کبھی مجھ سے ملنے آؤ' حالم۔''

''ہے تالیہ آپ بہت ذہین ہیں اور آپ جیسے ذہین لوگوں کو جانتی ہیں کہاں ہونا چاہیے؟ جیل میں۔''

''دل چاہتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔''

''جو تمہیں کرنا آتا ہے' وہ ہمیشہ تمہاری جان بچاتا رہے گا۔''

''جو تمہیں کرنا آتا ہے وہ ہمیشہ...''

''جو تمہیں کرنا....''

تالیہ نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔پلکیں ابھی بھی بھاری تھیں لیکن وہ ان کو کھول سکتی تھی۔

نگاہوں کے سامنے سب کچھ سفید تھا۔

سفید چھت۔سفید پردے۔سفید لحاف جسے اوڑھے وہ لیٹی تھی۔

اس کی نظریں اپنے وجود پہ پھسلیں۔اس کے ہاتھ کی پشت سے نالیاں جڑی تھیں۔۔۔اور ان پہ سفید بینڈ ایج لگا تھا۔

اس نے دھیرے سے نظریں اٹھائیں۔دھند غائب ہونے لگی۔اس کا دماغ ابھی تک غنودہ تھا لیکن وہ اپنے ساتھ بیٹھے شخص کو پہچانتی تھی۔

''تالیہ'' وہ مسکرایا۔وہ اس کے بیڈ کے ساتھ کرسی پہ بیٹھا تھا۔اس کی طرف جھکے مسکرا کے اسے جاگتے دیکھ رہا تھا۔

''کیا یہ ایک خواب ہے؟'' وہ بے یقینی سے بولی۔آواز ایسی تھی جیسے گلا خراب ہو۔

فاتح نے نفی میں سر ہلایا۔

''اونہوں۔تم ہسپتال میں ہو اور تم ٹھیک ہو۔''

''نہیں۔'' کچھ غلط تھا۔اس سارے منظر نامے کی سینس نہیں بنتی تھی۔

اس نے پریشانی سے اٹھ کے بیٹھنا چاہا لیکن فاتح نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اسے روک دیا۔اس میں اٹھنے کی سکت بھی نہیں تھی۔یہ سب غیر حقیقی تھا۔

''تالیہ۔تم ٹھیک ہو۔''

''مگر...ییشا نے کہا تھا اس زہر کا کوئی تریاق نہیں ہے۔'' وہ پلکیں بار بار جھپکتی فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

''کون سا زہر؟ تمہیں کسی زہر نے نہیں چھوا تھا۔یہ فوڈ پوائزننگ تھی۔تم نے کچھ غلط کھا لیا تھا۔''

تالیہ نے بے یقینی سے پلکیں جھپکائیں۔یہ غلط تھا۔سب غلط تھا۔غیر حقیقی۔خواب۔

''ییشا...وہ پکڑی گئی؟''

فاتح نے اثبات میں سر ہلایا۔''سب ٹھیک ہو چکا ہے۔سارے مسئلے حل ہو چکے ہیں۔''

تالیہ نے تکان سے سر تکیے پہ ڈال دیا۔اس کا ذہن ایک دفعہ پھر غنودگی میں جانے لگا۔

''ییشا نے...ییشا نے اعتراف کر لیا؟ آپ کی کرسی اب خطرے میں نہیں ہے؟ آپ ابھی تک وزیر اعظم ہیں؟'' وہ بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔فاتح نے پھر سے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں پردھان منتری ہوں۔اور سب کچھ ٹھیک ہو چکا ہے۔ہمارے حق میں۔''

''میں کتنی دیر سوتی رہی؟''اس نے آنکھیں کھول کے گھڑی دیکھنی چاہی لیکن سفید کمرے میں گھڑی نہیں تھی۔اس کمرے میں وقت کا کوئی حساب نہ تھا۔

''آج کون سا دن ہے؟''اس کی پلکیں بھاری ہو رہی تھیں۔وہ بڑبڑائی۔''صبح سوموار ہے نا...سوموار کو کچھ ہونا تھا۔''

اس کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔کمرہ خوب روشن تھا۔اتنا سفید روشن کہ آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔اس سارے منظر نامے میں کچھ غلط تھا۔ہر چیز کا ٹھیک ہو جانا غلط تھا۔

کیا یہ خواب تھا؟یا وہ وہی دیکھ رہی تھی جو وہ دیکھنا چاہتی تھی؟

''تم..سو جاؤ۔''فاتح اسے کہہ رہا تھا۔اس نے آنکھیں بند کر دیں۔

کوئی اسے کہہ رہا تھا..اس کے اندر...کہ وہ جاگ جائے...اسے جاگنا ہے...کچھ غلط ہے..لیکن اس کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں۔ذہن ایک دفعہ پھر تاریکی میں ڈوب گیا۔

....

اب کی بار اس کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی۔چند لمحے وہ چت لیٹی سانس لیتی رہی۔پھر پلکیں جھپکائیں۔چھت واضح ہوئی۔یہ وہی چھت تھی جو اس نے پچھلی دفعہ جاگنے پہ دیکھی تھی۔لیکن تب وہ سفید تھی۔

اب وہ مسٹرڈ رنگ کی تھی۔

اس کی نظریں نیچے پھسلیں۔وہی کمرہ تھا لیکن دیواروں کا رنگ سرمئی تھا۔پردے سبز پھولوں والے تھے۔ میزوں پہ پھول رکھے تھے،فائلیں رکھی تھیں۔اس کے ہاتھ سے جڑی نالیوں میں سفید نہیں بلکہ رنگ دار مائع قطرہ قطرہ ٹپک رہا تھا۔

وہ چونک کے اٹھی۔اس کی توانائی واپس آ چکی تھی۔ادھر ادھر ہاتھ مارا۔ایک گھنٹی بج اٹھی۔تالیہ نے بٹن سے اپنے بیڈ کو پیچھے سے اونچا کیا۔پھر اپنے چہرے کو چھوا۔وہ ٹھیک تھی۔وہ حرکت کر سکتی تھی۔اس کا جسم اب مفلوج نہیں تھا۔پھر بھی دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

دروازہ کھلا اور ایک نرس اندر داخل ہوا۔ہاتھ میں فائل پکڑے وہ تالیہ کے سامنے آ کھڑا ہوا اور مسکرا کے اسے دوپہر بخیر کہا۔''آپ جاگ گئیں۔بالآخر۔''

''بالآخر؟''وہ سکتے میں آ گئی۔''میں کتنی دیر سے بے ہوش تھی؟''

''اب تو ہم نے دنوں کا حساب رکھنا بھی چھوڑ دیا تھا' چے تالیہ۔''

''یہ...یہ کون سا سال ہے؟''اس کا سانس رک گیا تھا۔

''یہ 2030 ہے۔آپ پچھلے نو سال سے کوما میں تھیں اور آج آپ جاگی ہیں۔''

وقت ایک لمحے کو تھم گیا۔

تالیہ مراد کا سانس رک گیا۔

اس کی ساری حسیات سن ہوگئیں۔

اسے لگا وہ اگلا سانس نہیں لے سکے گی۔لیکن پھر اس نے بدقت سانس کھینچی۔

''کتنے پیسے دیے ہیں تمہیں داتن نے یہ مذاق کرنے کے لیے؟''

عقب میں قہقہہ بلند ہوا تو تالیہ کے ابرو بھنچ گئے۔اس نے برہمی سے نرس کے پیچھے سے نکلتی داتن کو دیکھا۔

''لڑکی..تمہارے چہرے کے تاثرات ریکارڈ کرنے والے تھے۔''

وہ گردن پیچھے پھینک کے ہنستی ہوئی آگے آئی۔نرس بھی چہرہ نیچے کر کے ہنسی روکتے ہوئے مڑ گیا۔

تالیہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورے گئی۔

''ناٹ فنی۔داتن۔ناٹ فنی۔''اس نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھا جو ایک لمحے کے لیے اتنی بری طرح ڈوبا تھا کہ ابھی تک اس کی دھڑکن نارمل نہیں ہوئی تھی۔

''ریلیکس گرل۔تم کل رات یہاں لائی گئی تھیں۔اور ابھی اس بات کو پورا دن بھی نہیں گزرا۔''

''مجھے سمجھ آ گیا تھا۔''تالیہ نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور الجھے ہوئے انداز میں پردوں کو دیکھا۔وہ سفید کیوں نہیں تھے؟

''کیا فاتح میرے ساتھ تھے؟کس وقت؟''

''ہاں۔وہ صبح تک یہیں تھے۔''

''تو وہ خواب نہیں تھا۔لیکن یہ کمرہ سفید تھا۔''وہ بڑبڑائی۔''یا میں وہی دیکھ رہی تھی جو میں دیکھنا چاہتی تھی۔''

''تم کیا دیکھنا چاہتی تھیں؟''

''میری ہیپی اینڈنگ جس کا رنگ سفید ہو۔لیکن نہیں۔سب کچھ اتنا سفید نہیں ہو سکتا جتنا مجھے دکھا تھا۔''پھر اس نے سر جھٹکا اور داتن کو دیکھا۔

''خیر...ییشا کا بتاؤ...اس نے اعتراف کر لیا؟اب تو اپوزیشن فاتح کو امپیچ نہیں کرے گی نا۔''

''ییشا؟''داتن نے استفہامیہ انداز میں ابرو اٹھایا۔

''یہ مت کہنا اب کی بار تمہاری یادداشت کھو گئی ہے۔''وہ چڑ گئی۔

''تالیہ.... ییشا کہاں ہے تمہیں پتہ ہے؟''

اب کی دفعہ وہ واقعی سانس لینا بھول گئی۔

''داتن... داتن... ییشا میرے ساتھ تھی اس تاریک گلی میں... اس نے کسی کو فون کیا تھا... فاتح نے مجھے بتایا کہ وہ پکڑی گئی ہےاور سب ٹھیک ہو گیا ہے..''

''کیا فاتح نے تمہیں یہ بتایا یا تم نے وہ سنا جو تم سننا چاہتی تھی؟'' داتن نے گہری سانس لی اور اس کے ساتھ بیڈ پہ بیٹھی۔ پھر اس کا نالیوں میں جکڑا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

''تالیہ... جب ایڈم وہاں گیا تو تم اس گلی میں تنہا تھیں۔ وہاں ییشا نہیں تھی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔''

''نہیں۔'' وہ الجھتے ہوئے سیدھی ہوئی۔ کنپٹی پہ ہاتھ رکھا۔ اس کا سر پھر سے درد کرنے لگا تھا۔ ''وہ وہیں تھی۔ اس نے مسز شیلا کا نیکلیس چرایا تھا۔''

''وہ نیکلیس پولیس کو اس ڈمپسٹر سے مل گیا ہے جس کے ساتھ سے تم ملی تھیں۔''

''مگر... ییشا نے میرے فون سے کس کو کال کی تھی؟'' اس نے سائیڈ ٹیبل پہ دھرا اپنا فون اٹھایا اور اسکرین کھولی۔

وہاں تمام کالز کا ریکارڈ موجود تھا۔ جس وقت کی وہ بات کر رہی تھی' اس وقت کسی کو کال نہیں کی گئی تھی۔ البتہ ایڈم کی بہت سی مسڈ کالز آئی ہوئی تھیں۔

''تالیہ... ییشا وہاں نہیں تھی۔ ایڈم تمہارے لیے پریشان تھا کیونکہ تم فون نہیں اٹھا رہی تھیں۔ وہ تمہیں لینے آیا تو تم اس گلی میں بے ہوش ملیں۔ وہ تمہیں ہسپتال لے آیا۔ تمہیں سادہ سی فوڈ پوائزننگ ہوئی تھی۔''

''نہیں۔ یہ فوڈ پوائزننگ نہیں تھی۔ کچھ غلط ہے۔ میری حالت... ایسے... ایسے فوڈ پوائزننگ میں نہیں ہوتا۔'' وہ بے چینی سے اپنے ہاتھ سے لگی نالیاں الٹ پلٹ کے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے سائیڈ ٹیبل پہ دھری دواؤں کی ٹرے قریب کرنی چاہی تو داتن نے اسے روک دیا۔

''تالیہ... میری بات سنو... ییشا کا خیال دل سے نکال دو۔ وہ غائب ہو چکی ہے۔''

''لیکن اگر ییشا نہیں پکڑی گئی... اور اس نے اعتراف نہیں کیا تو فاتح کا عہدہ کیسے بچ گیا؟''

وہ الجھتے ہوئے کہتے ہوئے دوائیوں ٹٹول کے دیکھ رہی تھی۔

دوسری جانب خاموشی چھائی رہی تو تالیہ نے چونک کے گردن موڑی۔ داتن کی شکل دیکھ کے اس کا دل ڈوبا۔

''آج سوموار ہے۔ آج اپوزیشن نے ان کو امپیچ کرنا تھا۔ اگر ییشا نہیں ملی تو... تو....'' اس کی نظریں دیوار پہ لگی ٹی وی

اسکرین کی جانب اٹھیں۔وہ تاریک تھی۔

”میں فاتح کو نہیں بچا سکی۔“ اس کے لب بے یقینی سے پھڑ پھڑائے۔”داتن ٹی وی آن کرو۔“

”مگر تالیہ تم ابھی ریسٹ کرو...میں...“

”پلیز ٹی وی آن کرو۔“ اس نے بے چینی سے داتن کا ہاتھ تھاما۔آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔”انہوں نے کئی برس اپنے اس خواب کے لیے محنت کی ہے۔مگر یہ سارے لوگ ان کے خلاف جمع ہو کے ان کو ہرانے جا رہے ہیں۔اور میں کچھ نہیں کر سکی۔“

داتن چپ چاپ اٹھی اور ٹی وی آن کیا۔اسکرین روشن ہوئی تو سامنے ہی نیوز دکھائی دے گئیں۔

پارلیمان کا منظر دکھایا جا رہا تھا۔پردھان منتری اپنے ڈیسک کے پیچھے کھڑا کچھ کہہ رہا تھا اور سب خاموشی سے سن رہے تھے۔نیچے چلتی پٹیاں یہ بتا رہی تھیں کہ پردھان منتری کا پیش کیا گیا تعلیمی بل منظور ہو گیا تھا۔اور اب وہ بل قانون بن چکا تھا۔

اس کی تقریر جانے کب سے جاری تھی۔تالیہ بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھے گئی۔

وہ گرے سوٹ میں ملبوس تھا۔اس نے بال دائیں جانب کر کے جیل سے جما رکھے تھے۔وہ ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا پکڑے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا اور اس کی آواز ایوان کی اونچی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کے پلٹ رہی تھی۔

”جہاں مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میرے ممبران اسمبلی نے اس بل کو منظور کیا اور اسے قانون کا حصہ بنایا...وہاں مجھے اس بات کا افسوس بھی ہے کہ بہت سے ممبرز نے اس کے خلاف ووٹ دیا۔“ وہ مائیک میں کہہ رہا تھا۔تالیہ سانس روکے سنے گئی۔

”کیا یہ ممبرز اپنے بچوں کا سامنا نہیں کرتے؟ کیا یہ اپنے بچوں کو جواب دہ نہیں ہیں؟ ہم انسان سب سے زیادہ محنت اپنے بچوں کے لیے کرتے ہیں۔کیا ہم ان کی تعلیم کے لیے یہ آپس کے اختلافات بھلا نہیں سکتے تھے؟ کیا اپنے چھوٹوں کے لیے ہم ذرا بڑے نہیں بن سکتے تھے؟“

وہ بول رہا تھا اور سب خاموشی سے سن رہے تھے۔کچھ لوگ لاپرواہی سے آپس میں سرگوشیاں بھی کر رہے تھے۔صوفیہ رحمٰن کاغذات کا ایک پلندہ لیے ساتھ بیٹھے شخص کے ساتھ سر جوڑے کچھ کہہ رہی تھی۔

”یہ فاتح کی تقریر کے بعد امپیچ منٹ کی قرارداد پیش کرے گی۔“ وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔”یہ تیار ہو کے آئی ہے۔اس کے پاس اتنے لوگ ہوں گے جو یہ قرارداد کامیاب کر سکیں۔“

''لیکن جن لوگوں نے فاتح کے بل کے حق میں ووٹ دیا ہے' وہی لوگ امپیچ منٹ کے حق میں ووٹ کریں گے کیا؟ ایک ہی وقت میں ایسے لوگ فاتح کے حق اور فاتح کے خلاف کیوں ووٹ کریں گے؟''

''کیونکہ تعلیمی بل اوپن بیلٹ کے طور پہ پیش ہوا تھا۔ اخلاقی مجبوری آڑے آ گئی۔'' وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''اور ان لوگوں کو دنیا دکھانے کو بل کے حق میں ووٹ دینا پڑا۔ امپیچ منٹ کا ووٹ سیکریٹ بیلٹ سے ہو گا۔ جس کی جہاں وفاداری ہو گی وہ وہیں ووٹ دے گا۔''

''مگر...''

''شش۔ چپ کرو۔ مجھے سننے دو۔''

اسکرین پہ نظر آتا فاتح کہہ رہا تھا۔

''اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کچھ لوگوں نے تعلیمی بل کے حق میں ووٹ صرف اس لیے دیا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ وان فاتح کی وزارت عظمیٰ محفوظ ہے۔'' وہ رکا۔ اب کے ہر شخص چونک کے اسے دھیان سے سننے لگا۔ فاتح نے گہری سانس اندر کھینچی۔

''چند دن پہلے میری ای میل لیکس والا معاملہ سامنے آیا تھا۔''

بہت سی سرگوشیاں بلند ہوئیں۔ یہ پہلی دفعہ تھی جب وان فاتح بنا سوال کے اس بات کا ذکر کر رہا تھا۔

''میں نے اس وقت یہ کہا تھا کہ جو بھی ذمہ دار ہوا اس کو سزا دی جائے گی۔ اس معاملے کی تحقیق کروائی جائے گی اور ہم نے ایسا ہی کیا۔ ہم نے اس کی پوری تحقیق کروائی اور اس میں ثابت یہ ہوا کہ...'' وہ رکا۔

یہ تقریر آسان نہیں تھی۔

''ثابت یہ ہوا کہ ان ای میل لیکس کا ذمہ دار صرف اور صرف وان فاتح تھا۔''

تالیہ نے نالیاں جڑا ہاتھ لبوں پہ رکھ لیا۔

''یہ میری غلطی تھی۔ میری لاپرواہی تھی.... میری غیر ذمہ دارانہ حرکت تھی کہ میں ایک پرائیوٹ سرور استعمال کرتا رہا جبکہ مجھے یہ ای میلز حکومتی سرور پہ کرنی چاہیے تھیں۔ اسے میری لاپرواہی کہیں یا ٹیکنالوجی سے نابلد ہونا... لیکن اس سارے معاملے میں اگر کسی کا قصور ہے تو وہ میرا ہے۔''

ہال کو سانپ سونگھ چکا تھا۔ صوفیہ رحمن نے ڈھیرے سے کاغذوں کا پلندہ میز پہ رکھ دیا۔ سب گردنیں اس کی طرف موڑے اسے بولتے سن رہے تھے۔

”اور جناب اسپیکر... ہم انسانوں کی خامی یہ نہیں ہے کہ ہم غلط کام کر بیٹھتے ہیں بلکہ یہ ہے کہ ہم اپنی غلطیوں کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے۔ غلطی کی ذمہ داری لینا ان لوگوں کا کام ہوتا ہے جو اپنے معاملات میں سچے ہوتے ہیں۔ ہم سب غلطیاں کرتے ہیں۔ میں چاہتا تو کسی بھی technicality کے پیچھے چھپ سکتا تھا۔کوئی قانونی شق..کوئی دھوکہ...کسی اور پہ الزام...کچھ بھی مجھے بچا سکتا تھا...“

فاتح کو بولتے دیکھتی اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

”لیکن اگر میں ایسا کرتا تو یہ میں نہ ہوتا۔ یہ وان فاتح نہ ہوتا۔ وان فاتح ایسا نہیں ہے۔ وان فاتح کو یہ عہدہ عزیز ہے لیکن وہ اس لیے اس عہدے کے لیے لڑتا تھا تاکہ لوگوں کو یہ بتا سکے کہ سچ بولنا کتنا اہم ہے۔ اس نے اتنے عرصے ایمانداری سے کام اس لیے کیا تاکہ دوسروں کو انسپائر کر سکے۔ ہمیں کسی کون گیم' کسی ٹیکنکلٹی' کسی قانونی شق کے پیچھے چھپ کے خود کو بچانے کی ضرورت نہ پڑے اگر ہمیں سچ بولنا آتا ہو۔صرف سچ ہمیں آزاد کر سکتا ہے اور صرف سچ ہمیں بچا سکتا ہے۔“

وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔ ہسپتال کے اس کمرے میں اس وقت بالکل خاموشی چھائی تھی۔ فاتح کی آواز کے سوا وہاں کوئی آواز نہ تھی۔ تالیہ کے سانس لینے کی بھی نہیں۔

”میں اپنے آپ کو ایک بہت اچھا پردھان منتری تصور کرتا ہوں۔ میں نے کبھی اپنے ملک کو نقصان نہیں پہنچایا۔ میں نے ہمیشہ اپنے لوگوں کی بہتری کے لیے فیصلے کیے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے لوگوں کو اس بات نے دکھ پہنچایا ہے کہ ان کے پردھان منتری کی معمولی غفلت ان کے لیے کا ہزیمت باعث بنی ہے۔ یہ میری غلطی ہے...اور میں اس غلطی کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں...اس لیے میرا اخلاقی فرض ہے کہ میں اس کرسی سے سبکدوش ہو جاؤں۔“

اس کو معلوم تھا وہ کیا کہنے جا رہا ہے۔ وہ اس کے الفاظ اس کے ذہن سے پڑھ سکتی تھی۔ اسے اسی دن کا ڈر تھا لیکن جب یہ دن آیا تو وہ غمزدہ نہیں تھی۔ کم از کم اتنی نہیں جتنا اسے خوف تھا۔

”میں...وان فاتح بن رامزل..ملائیشیاء کے پردھان منتری کی حیثیت سے اخلاقی وجوہات پہ استعفیٰ دیتا ہوں۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک پرنٹ شدہ کاغذ اٹھایا اور اپنی کرسی کے پیچھے سے نکلا۔

ممبران پارلیمان ایک دوسرے کو مڑ مڑ کے دیکھ رہے تھے۔ کسی نے زبان دانتوں تلے دے ڈالی۔ کسی نے ماتھے پہ ہاتھ رکھ کے سر جھکا دیا۔ وہ اب ڈیسک کے عقب سے نکل کے روش پہ چلتا اسپیکر کے ڈیسک کی طرف جا رہا تھا۔

اوپر گیلری میں بیٹھے افراد اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کے اسے دیکھ رہے تھے۔

اپنی نشست سے اسپیکر کی کرسی تک کی واک بہت طویل تھی۔ اس واک کو عبور کرنے کی ہمت کرنا آسان نہ تھا۔

وان فاتح متوازن قدم اٹھاتا اسپیکر کے چبوترے تک آیا۔ اس کے چہرے پہ ایک مغموم مسکراہٹ تھی۔

اس نے کاغذ اسپیکر کو دیا تو اسپیکر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

فاتح واپس پلٹ گیا۔

گیلری میں موجود افراد تالیاں بجانے لگے۔ کسی ایک نے پہلی تالی پیٹی اور وہ تالیاں جنگل کی آگ کی طرح پوری گیلری میں پھیل گئیں۔ فاتح اسی مغموم مسکراہٹ کے ساتھ اپنے ڈیسک تک واپس آ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ اوپر اٹھا کے تالیاں بجاتے لوگوں کو ہلکا سا لہرایا اور اس روش کی طرف بڑھ گیا جو خارجی دروازے کی سمت جاتی تھی۔

ممبران پارلیمان بے اختیار ڈیسک بجانے لگے۔ لیکن ان کے ڈیسک کا شور کم تھا۔ گیلری میں بیٹھے عوام کی تالیاں ان پہ حاوی ہو گئیں۔

وہ اپنے اوپر لگے سارے داغ ایک اخلاقی جراءت سے دھو چکا تھا۔

لوگ کھڑے ہوئے اسی طرح تالیاں بجاتے رہے۔ کسی آنکھ میں آنسو تھے۔ کسی لب پہ مغموم مسکراہٹ تھی۔ کوئی پریشان تھا۔ کوئی اندر سے خوش تھا۔ لیکن ان سب تاثرات اور جذبات پہ تالیوں کی گونج حاوی ہو گئی۔

یہاں تک کہ وان فاتح پارلیمان کے دروازے سے باہر نکل گیا۔

صوفیہ رحمن نے آہستہ سے کاغذ تہہ کر کے ایک فائل میں رکھ دیا۔ وہ مسکرا کے اپنی ہیروں جڑی انگوٹھی پہ ہاتھ پھیرنے لگی۔

اس کے گروہ کے ایک دوسرے کی طرف جھکے سر واپس سیدھے ہو گئے۔

اسکرین کو دیکھتی تالیہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔

”یہ لوگ وان فاتح کو کیا نکالیں گے۔ وہ خود انہیں اپنی زندگی سے نکال کے جا رہے ہیں۔“

آنسو اس کے گال پہ پھسل رہے تھے۔ وہ اتنی غم زدہ نہیں تھی جتنا اس کو خوف تھا۔

....

سری پردھانہ کی دیواریں اس سہہ پہر مغموم سی خاموشی میں ڈوبی تھیں۔ پردھان منتری کے آفس کے باہر موجود اسٹافرز ڈھیلے ڈھالے انداز میں اپنے کام نمٹا رہے تھے۔ بار بار نگاہیں اس پاور آفس کے دروازوں کی طرف بلند ہوتی تھیں جہاں وان فاتح کچھ دیر پہلے اندر گیا تھا۔

وہ سب جانتے تھے کہ وہ اسے اپنے آفس میں آخری دفعہ دیکھ رہے تھے۔ عجیب غیر یقینی صورتحال بن چکی تھی۔

آفس کے اندر فاتح اپنی میز کے پیچھے کھڑا تھا۔ میز پہ ایک باکس کھلا رکھا تھا جس میں وہ اپنی چیزیں ڈال رہا تھا۔ آریانہ کی

تصویر کا فریم۔ جولیانہ اور سکندر کے فریم۔ اپنی فلیگ پن۔ ایک ننھا سا پودا۔ اپنا چائے کا مگ۔

سامنے کھڑا شاہدان اداسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''داتو سری.....ہم آپ کو بہت مس کریں گے۔''

فاتح نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ مسکرایا۔ پھر سر نیچے کر کے اپنا کام کرنے لگا۔

''ٹوئیٹر پہ لوگ ابھی سے ٹرینڈز ٹویٹ کر رہے ہیں کہ وان فاتح اپنا استعفیٰ واپس لے لیں۔ اور آپ نے...'' شاہدان نے ایک نظر میز پہ رکھے دوسرے استعفیٰ کو دیکھا۔ ''آپ نے پارٹی کی رکنیت تک سے استعفیٰ دے دیا ہے۔''

''میرے سیاست کرنے کے دن ختم ہو چکے ہیں' شاہدان۔'' وہ اپنا لیپ ٹاپ اندر رکھتے ہوئے بولا۔ ''میں نے اس کرسی پہ کئی سال حکومت کی اور یہ جان لیا کہ یہ مجھے خوشی نہیں دے سکتی۔''

''لیکن آپ اس کرسی پہ رہ کے بہت کچھ کر سکتے تھے۔''

''اپنے ملک کے لیے کوئی کام کرنے کے لیے اس کرسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مجھے یہ بات سمجھنے میں ایک عمر بیت گئی ہے۔ میں اس کے بغیر بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں۔''

وہ مڑا اور پیچھے بنے کیبنٹ تک گیا۔ پھر سیاہ کور والی فائلز کا پلندہ اٹھایا۔ شاہدان تیزی سے آگے بڑھا اور جلدی سے باقی فائلز اٹھوائیں۔ پھر دونوں نے ان کو باکس میں ڈالا۔

''آپ اب پردھان منتری نہیں رہے۔ ان فائلز کا کیا کریں گے؟''

''میں اب بھی ایک وکیل ہوں۔ اور مجھے کوئی چیز اتنی خوشی نہیں دے سکتی جتنی ان بے گناہ قیدیوں کی رہائی دے گی۔ یہ کرسی بھی نہیں۔''

''آپ ان کیسز پہ کام کریں گے؟'' شاہدان نے خوشگوار حیرت سے دیکھا۔ فاتح نے ڈبہ بند کرتے ہوئے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔

''استعفیٰ دینے سے پہلے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں ایک این جی او بناؤں گا جس کے ذریعے میں ان بے گناہ لوگوں کو انصاف دلواؤں گا۔ میرے پاس پیسہ بھی ہے اور تعلقات بھی۔ مجھے امید ہے کہ میں اس معاملے میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ لیکن اس کے لیے مجھے نیک نیت لوگ چاہیے ہیں جو میرے ساتھ چلیں۔''

وہ ڈھکن بند کر کے رکا اور کچھ سوچتے ہوئے شاہدان کو دیکھا۔

''تم نے یہ فائلز اکٹھی کی تھیں۔ تم سے زیادہ ان لوگوں کا غم کسی کو نہیں ہے۔ تم چاہو تو میرے ساتھ آ سکتے ہو۔ میرے اس

کام کا حصہ بن سکتے ہو۔"

شاہدان چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔ پھر ہچکچایا۔ "کیا میں سوچنے کا وقت لے سکتا ہوں؟"

فاتح نے اثبات میں سر ہلایا اور ڈبہ اٹھائے آگے بڑھ گیا۔

جس وقت وہ باہر کھڑی اپنی کار میں بیٹھ رہا تھا' شاہدان تیزی سے بھاگتا اس کے پاس آیا۔ فاتح دروازہ بند کر چکا تھا۔ اسے آتے دیکھ کے کھڑکی کا شیشہ نیچے گرایا۔ پھر مسکرا کے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم نے شاید فیصلہ کرلیا ہے؟"

شاہدان نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔

"داتو سری... میں... بہت خوش ہوں کہ آپ ان کیسز پہ کام کر رہے ہیں۔ اور میں آپ کو بیسٹ آف لک کہوں گا۔ لیکن..."

شاہدان نے گردن موڑ کے اپنے پیچھے کھڑی سری پردھانہ کی پرشکوہ عمارت کو بے چارگی سے دیکھا۔

"لیکن حکومتی عہدہ چھوڑنا آسان نہیں ہوتا۔" فاتح نے گہری سانس لی۔ "میں سمجھ سکتا ہوں' شاہدان۔ تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی فیصلہ کرتا۔"

"سوری.. داتو سری۔" شاہدان نے بے چارگی سے شانے اچکائے۔ "لیکن یہ جاب... اور اگلے وزیراعظم کے ساتھ کام کرنے کا موقع... اسے چھوڑنا ناممکن ہے۔"

فاتح نے مسکرا کے سر کو جنبش دی اور شیشہ اوپر کرلیا۔ اس کی کار آگے بڑھ گئی۔

سری پردھانہ کے تمام ملازمین اپنی اپنی کھڑکیوں سے پردھان منتری کو رخصت ہوتے دیکھ رہے تھے۔

گیٹ پہ موجود اہلکار سلیوٹ کر رہے تھے۔ کوئی سینے پہ ہاتھ رکھے تعظیم پیش کر رہا تھا۔

وہ قومی میک اور ماڈل کی بنی کار میں بالآخر چھ برس بعد اس محل سے رخصت ہو چکا تھا۔

....

ہسپتال کا کمرہ مختلف رنگوں کا امتزاج لیے باہر سے آتی روشنی سے منور تھا۔ ٹی وی اسکرین پہ ایک ہی خبر بار بار دکھائی جا رہی تھی۔ اب تو نیوز کاسٹر کی آواز سے اکتا کے تالیہ نے اسکرین میوٹ کر رکھی تھی۔ خود وہ بیڈ پہ اٹھ کے بیٹھی تھی۔ بیڈ کے ساتھ جڑی ٹرے سامنے سیٹ کر رکھی تھی جس پہ کھانے کے برتن سجے تھے۔

وہ ابھی تک ہسپتال کے گاؤن میں ملبوس تھی۔ کھلے بال کانوں کے پیچھے اڑس رکھے تھے اور چہرہ کمزور ویران سا لگتا تھا۔ وہ بے توجہی سے سوپ کے چمچ بھر کے پی رہی تھی۔

دیوار کے ساتھ ایڈم کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے' دیوار سے ٹیک لگائے' وہ گردن موڑے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

''استعفیٰ دینے کے علاوہ بھی اس مسئلے کا حل نکالا جا سکتا تھا۔'' وہ افسوس سے بولا تو تالیہ نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''وہ وان فاتح ہیں۔ان کا ضمیر ایسے مطمئن نہ ہوتا۔''

''مگر انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔وہ محض ایک غلطی تھی۔اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔اس سے زیادہ اچھا حل نکالتا۔''

''چلو کم از کم اب سارے ملک کے اینکرز ہر وقت یہ تو نہیں کہیں گے کہ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو یہ کرتا۔'' وہ تلخی سے مسکرائی۔''انہوں نے خود کو ہر چیز سے آزاد کر لیا ہے۔''

ایڈم نے چہرہ موڑ کے تالیہ کو غور سے دیکھا۔''آپ کو افسوس نہیں ہے کہ انہوں نے خود کو اپنے خواب سے دور کر لیا؟''

''وان فاتح کبھی بھی lounge lizard بن کے نہیں رہ سکتے۔وہ ایک خواب سے دستبردار ہو کے دوسرے کے لیے جدوجہد شروع کر دیں گے۔ میں ان کو جانتی ہوں۔'' پھر اس نے پیالہ پرے دھکیلا اور سوچتی نظروں سے ایڈم کو دیکھا۔

''جب تم میرے پاس اس تاریک گلی میں آئے تھے..تو کیا ایشا وہاں نہیں تھی؟''

''ایشا سے obssess ہونا چھوڑ دیجیے۔وہ نہ اس گلی میں تھی نہ ہی شاید اس ملک میں ہو گی۔وہ سب آپ کی hallucination تھی۔جب میں وہاں آیا تو آپ تنہا تھیں اور خود سے بول رہی تھیں۔اور آپ بار بار گلی کے سرے ہو دیکھتی تھیں جیسے وہاں آپ کو کوئی اور نظر آ رہا تھا۔''

تالیہ نے الجھ کے کنپٹی کو چھوا۔''مگر میں کیسے بچ گئی؟ مجھے تو ذوالکفلی نے زہر دیا تھا۔''

''آپ کو کسی نے زہر نہیں دیا تھا۔کچرے کے کین سے کسی گلی سڑی چیز کے فیوم اٹھ رہے تھے شاید۔اسی سے آپ کی طبیعت خراب ہوئی۔یا شاید کوئی غلط چیز کھانے سے فوڈ پوائزننگ۔''

''تو وہ ذوالکفلی کا جادو نہیں تھا؟'' اس نے تکیے سے سر ٹکایا اور آنکھیں موند لیں۔

''نہیں بے تالیہ۔وہ کوئی جادو نہیں تھا۔اور وہ خط...وہ بے شک ذوالکفلی نے لکھا تھا لیکن اس سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔''

''کیا ایشا پکڑی گئی؟ کہیں اور سے؟'' وہ بند آنکھوں سے بولی۔

''نہیں۔ہمارے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت ہے بھی نہیں۔اس کی تلاش کروانا وان فاتح کو بے عزت کرنے والی بات ہے۔اور اب ویسے بھی وہ پردھان منتری نہیں رہے تو یہ کیس ٹھپ ہو جائے گا۔''

''اور ییشا کبھی پکڑی نہیں جائے گی۔'' وہ آنکھیں موندے بڑبڑائی۔''اور خدا کرے وہ میرے خوابوں اور تخیل میں آنا بھی چھوڑ دے۔''

''ییشا کو بھول جائیں۔ کچھ مجرم کبھی نہیں پکڑے جا سکتے۔ جب اس کا وقت آئے گا وہ حساب دے گی۔ کیا آپ کو ابھی تک سمجھ نہیں آیا کہ وقت کے انتقام بہترین ہوتے ہیں؟''

تالیہ خاموش رہی۔ ایسے لگا جیسے وہ سو گئی تھی۔

''چلیں۔ اب آپ آرام کریں۔ میں چلتا ہوں۔'' ایڈم نے سینے پہ بندھے بازو کھولے اور ایک افسوس بھری نظر اسکرین پہ ڈالی اور سر نفی میں ہلایا۔''میں ان کی جگہ ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔''

پھر دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔

تالیہ نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ اس کی بصارت کے پردے پہ ایک منظر ابھر رہا تھا۔

دوائیوں کا اثر جیسے جیسے کم ہوتا جا رہا تھا ویسے وہ منظر صاف ہو رہا تھا۔ دھند چھٹ رہی تھی۔

وہ کوڑے کے ڈمپسٹر کے ساتھ دو زانو بیٹھی تھی۔ اس کا جسم مفلوج ہو رہا تھا۔ آنکھیں دور گلی کے سرے پہ جمی تھیں جہاں ایک سفید ہرن کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

ییشا اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھی تھی۔ پھر اس نے تالیہ کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا۔ تالیہ کی پلکوں میں جنبش نہ ہوئی۔ ییشا نے دھیرے سے اس کی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس کا فون نکالا۔ اسکرین روشن تھی۔ شاید فون کب سے بج رہا تھا۔ اس نے اسے ان لاک کر کے کان سے لگایا۔ تاریکی اور سناٹے میں وہ فون سے آتی آواز مدھم سی سن سکتی تھی۔

''بچے تالیہ..وہ خط..وہ زہریلا ہے۔ اسے آپ کے بابا نے نہیں لکھا..'' ہانپتی کانپتی آواز ایڈم کی تھی۔

''مجھے پتہ ہے ایڈم ڈیئر۔'' ییشا سرد لہجے میں کہتے ہوئے اٹھی۔''لیکن آپ کو دیر ہو چکی ہے۔ تالیہ پہ زہر اثر کر چکا ہے۔'' وہ بات کرتے ہوئے اٹھی اور چند قدم کے فاصلے پہ جا کھڑی ہوئی۔ اس کی تالیہ کی طرف پشت تھی۔ فون سے آتی آواز رک گئی۔ وہ صرف ییشا کی آواز سن سکتی تھی۔

''میں تالیہ کے ساتھ ہوں۔ مسز شیلا کامل کے گھر کی پچھلی گلی میں ایک ڈمپسٹر کے ساتھ...ہوں؟ اچھا۔'' وہ رک کے سنتی رہی۔ تالیہ کی نظریں ہرن پہ جمی تھیں۔ وہ اب پلٹ رہا تھا۔

''اذوالکفلی کے زہر کا تریاق کسی کے پاس نہیں ہے۔ سوائے ذوالکفلی کے۔ ظاہر ہے میں اسے لا سکتی ہوں۔ میں چوری کرنا جانتی ہوں۔'' وہ سرد سا ہنسی۔''خیر..اگر آپ کو تریاق چاہیے تو وان فاتح سے کہیں کہ میرا کیس بند کر دیں۔ میری فائل

کلوز کر دی جائے...کوئی مجھے تلاش نہیں کرے گا...مجھے آزادی سے رہنے دیں..نہ آپ میرے راستے میں آئیں گے نہ میں آپ کے...آپ تالیہ کو ہسپتال لے کر جائیں...آپ کو آپ کا تریاق میں پہنچا دوں گی...میں نے کہا نا...میں پہنچا دوں گی...لیکن میری اور آپ کی ڈیل خفیہ رہے گی..."

ہرن اب پلٹ چکا تھا۔سیاہی میں اس کی سفیدی غائب ہو چکی تھی۔تالیہ کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔پلکوں کی ذرا سی جھری سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ ییشا جھک کے اس کی جیب میں فون ڈال رہی تھی۔پلکیں بند ہونے سے پہلے اس نے دیکھا...وہ اب گلی کی دوسری سمت میں جا رہی تھی...وہاں ابھی سفید ہرن غائب ہوا تھا...اسے پیچھے گلی میں ایک ساتھ بہت سے لوگوں کی آواز آئی...دروازے کھلے...کوئی اسے پکار رہا تھا...پولیس کے جوتوں کی آواز...ایمبولنس کے سائرن...ایڈم کی آواز...لیکن اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں..

تالیہ نے آنکھیں کھولیں۔وہ اب کمرے میں اکیلی تھی۔

بالآخر خواب اور حقیقت میں فرق کرنا اسے آ گیا تھا۔

....

تالیہ مراد کا اپارٹمنٹ آج دو دن بعد آباد ہوا تھا۔لونگ روم کی بتیاں روشن تھیں۔وسط میز پہ ٹوکری میں اس کا پاسپورٹ اور ٹکٹ کی کاپی رکھی تھی۔ساتھ چائے کا بھرا ہوا مگ پڑا تھا۔وہ سیاہ اور سفید لمبے فراک میں ملبوس تھی۔بالوں کی چھوٹی سی فرنچ چوٹی بنا رکھی تھی۔چہرہ پہلے کی نسبت بہتر لگتا تھا۔

وہ صوفے پہ بیٹھی اداس مسکراہٹ سے اس پاسپورٹ اور ٹکٹ کو دیکھ رہی تھی۔فلائیٹ کل رات کی تھی۔اس نے ایڈم اور داتن کو پرسوں کا وقت بتایا تھا۔وہ ان کو درست وقت نہیں بتانا چاہتی تھی۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اس کے پیچھے آئے۔وہ لوگ اگر اس کے پیٹھ پیچھے ییشا سے ڈیل کر سکتے تھے تو وہ بھی اپنے فیصلے تنہا کر سکتی تھی۔

دروازے پہ گھنٹی ہوئی تو وہ چونکی۔کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔اس وقت کون؟

وہ اٹھ کے دروازے تک آئی۔پھر میجک آئی سے باہر جھانکا۔پھر گہری سانس لے کر پیچھے ہوئی اور دروازہ کھولا۔

سامنے فاتح کھڑا تھا۔

سفید شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس..جیبوں میں ہاتھ ڈالے..وہ مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیسی ہو؟"

"آپ کیسے ہیں؟ داتو سری؟" پھر رکی۔"اب تو آپ کو داتو سری نہیں کہنا پڑے گا نا؟"

''جب میں نے آخری دفعہ چیک کیا تھا تو میں اس ملک کا وزیر اعظم نہیں تھا۔'' وہ خود ہی آگے بڑھ آیا۔ اسے پیچھے ہونا پڑا۔

اندر آ کے وہ طائرانہ نگاہوں سے گردن گھما کے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔

''اور جب میں نے آخری دفعہ چیک کیا تھا تو تم بہت امیر تھیں۔ پھر اتنا چھوٹا اور عام سا فلیٹ؟''

لونگ روم کے وسط میں کھڑے ہوئے فاتح نے حیرت سے اسے دیکھا۔ سیاہ سفید فراک والی لڑکی مسکرا کے کندھے اچکاتے ہوئے سامنے آئی۔

''حالم کو اونچے گھروں کا اب شوق نہیں رہا۔ ویسے بھی یہ ایک عارضی ٹھکانہ تھا۔'' پھر کچن کاؤنٹر کی سمت چلی گئی۔ ''چائے پئیں گے؟''

''میں نے زندگی میں ایک بات سیکھی ہے کہ جو لوگ چائے کو انکار کرتے ہیں' ان سے دوستی نہیں رکھنی چاہیے۔''

وہ مسکرا کے کہتا ہوا آگے آیا اور بڑے صوفے پہ بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور پوری توجہ سے اسے دیکھنے لگا جو کچن میں کام کر رہی تھی۔

''ییشا کا کچھ پتہ نہیں چلا؟'' فاتح کی طرف پشت کیے وہ کیتلی میں چائے کا پانی رکھتے ہوئے بولی۔

''میں پردھان منتری نہیں ہوں اس لیے مجھے کچھ علم نہیں۔'' وہ بظاہر لاعلمی سے بولا۔ تالیہ مسکرا کے رہ گئی۔ کچھ باتوں کا اَن کہا رہ جانا ہی اچھا ہوتا ہے۔

''کیا تم ابھی تک مجھ سے ناراض ہو؟''

''نہیں فاتح۔ میں آپ سے شاید پہلے بھی ناراض نہیں تھی۔ وہ صرف وقتی غصہ تھا۔ اب تو یاد بھی نہیں کہ کس بات پہ تھا۔'' وہ سر جھٹک کے اب مگ نکال رہی تھی۔ ابلتے پتوں کی مہک سارے میں پھیل گئی تھی۔

''تو پھر جا کیوں رہی ہو؟''

اس کا انداز ایسا تھا کہ تالیہ کے کام کرتے ہاتھ رک گئے۔ حلق میں ایک گولا سا اٹکنے لگا۔ پھر اس نے تھوک نگلا۔ آنسو بھی نگل لیے۔ اور کیتلی اٹھا کے اسے مگ میں انڈیلنے لگی۔

''کیونکہ مجھے اس ملک میں نہیں رہنا اب۔'' سنہری دھار اب مگ میں گر رہی تھی۔ اس سے بھاپ اڑاتی خوشبو اوپر اٹھ رہی تھی۔ کنکھیوں سے اس نے دیکھا وہ ٹوکری میں رکھے اس کے کاغذ دیکھ رہا تھا۔

''یا شاید تم چناؤ نہیں کر پا رہیں؟''

''میں نے چناؤ کرلیا ہے۔'' وہ مگ ٹرے میں لیے سامنے آئی اور انہیں میز پہ رکھا۔ پھر فاتح کے مقابل صوفے پہ بیٹھی۔ وہ نارمل لگ رہی تھی۔ نہ پریشان۔ نہ اداس۔

دونوں کے درمیان اب ایک میز حائل تھی۔ اور دو چائے کے مگ۔

''میں جانتی ہوں کہ آپ مجھے روکنے آئے ہیں۔ یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ نے اپنی کرسی بچانے کے بجائے مجھے بچانے کا انتخاب کیا۔ لیکن میں نے وہ کاغذ آپ کو اس لیے دیے تھے تاکہ آپ انہیں سائن کر کے ہمارے درمیان سے مجبوری کا رشتہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔ آپ اور میں کبھی بھی ساتھ نہیں چل سکتے۔ ہم دو بہت مختلف لوگ ہیں۔ میں آپ کی طرح سفید نہیں ہوں۔ میں سیاہ بھی نہیں ہوں۔ میں اس کے درمیان کچھ ہوں۔ مجھے اپنے آپ کو ڈھونڈنا ہے۔ آپ بھلے اس کاغذ پہ سائن کریں یا نہ کریں' آپ مجھے جانے سے نہ روکیں۔ آپ تالیہ کو تالیہ کی تلاش کے سفر میں جانے دیں۔''

''کیا تم نے ابھی تک خود کو تلاش نہیں کیا؟'' وہ اسے دیکھتے ہوئے نرمی سے بولا۔ چائے کے مگ ہنوز ان چھوئے رکھے تھے۔

تالیہ کا ذہن بھٹکا۔ اسے سبز آنکھوں والا سفید ہرن یاد آیا۔

''نہیں۔ میں ابھی تک خود کو جان نہیں پائی ہوں۔ میں ایک پیچیدہ انسان ہوں' فاتح۔ بہت پیچیدہ۔ مجھے ایک لمبے عرصے کے لیے اس سب سے دور جا کے خود کو سمجھنا ہے۔''

''اور تم کہاں جاؤ گی؟''

''مختلف ملکوں میں۔ مختلف تہذیبوں کے درمیان... ماضی کی یادوں.. اور حال کے لوگوں کے درمیان مجھے وقت گزارنا ہے۔ مجھے یہ دنیا بہت مشکل سے واپس ملی ہے۔ ہماری یہ دنیا جادوئی دنیا ہے فاتح۔ میں اس دنیا کو ایکسپلور کرنا چاہتی ہوں۔ میں ایک بیک پیک کے ساتھ' کچھ بھی جمع کرنے کی تمنا کیے بغیر... پہاڑوں پہ چڑھنا چاہتی ہوں۔ سمندروں کا سفر کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ کہہ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں ایک الوہی سی چمک تھی۔

''اور کیا ہے جو تم نہیں کرنا چاہتی؟''

''یہ کون گیمز... یہ ناٹک.. یہ حالم والے کام... میں ان سب سے دور جانا چاہتی ہوں۔ میں اسپین کے کسی کیفے میں سوپ بنانا چاہتی ہوں۔ میں پراگ کے کسی قلعے کے سامنے پینٹنگ بنانا چاہتی ہوں۔ میں آپ کے کسی سفر میں آپ کے ساتھ نہیں چل سکتی کیونکہ مجھے ابھی چند سال اپنی تلاش کے سفر پہ نکلنا ہے۔''

''تالیہ...'' وہ دھیمی آواز میں گویا ہوا۔ ''ایسا نہیں تھا کہ مجھے تمہاری بات کا یقین نہیں تھا۔ یعنی وہ جو تم نے ایشا کے متعلق

کہا۔تم کھل کے کہتیں تو میں مان جاتا۔مگر اس وقت ماحول کچھ ایسا ہو گیا تھا کہ ہمارے درمیان تلخی در آئی۔ورنہ تمہارے جاتے ہی...''

''میرے جاتے ہی آپ نے اپنی سیکیورٹی ٹیم کو ایشا کو چیک کرنے کا کہا ہوگا۔مجھے بعد میں اندازہ ہو گیا تھا۔'' وہ اداسی سے مسکرائی۔''میں نے کہا نا...اب تو مجھے یاد بھی نہیں کہ ہم کیوں لڑے تھے۔''

''اگر میں کہوں کہ مجھے تمہاری اور تمہیں میری ضرورت ہے۔اور یہ کہ تم میرے پاس رہو تو کیا تم رک جاؤ گی؟''

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔اس کا دل کمزور پڑنے لگا۔لیکن نہیں۔آج اسے مضبوط رہنا تھا۔

''آپ یہ نہ کہیں۔میں رکنا نہیں چاہتی۔''

فاتح نے شکست خوردہ انداز میں گہری سانس لی۔

''کیا تم کبھی واپس آؤ گی؟''

''میں نہیں جانتی'فاتح۔لیکن میں آپ کو پوسٹ کارڈز بھیجا کروں گی۔''اس کی آنکھیں ڈبڈبا ئیں۔

''اور تم اس پوسٹ کارڈ پہ واپسی کا پتہ تحریر نہیں کیا کرو گی۔میں سمجھ گیا۔''اس نے جھک کے مگ اٹھایا اور واپس پیچھے ہوتے ہوئے گھونٹ بھرا۔چائے قدرے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

''آپ وہ کاغذ سائن کریں یا نہ کریں...اب مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔کیونکہ تالیہ کی زندگی میں اب کسی اور کی گنجائش نہیں ہے۔''اس نے نم آنکھوں سے شانے اچکائے اور اپنا کپ اٹھایا۔اس کی چائے گرم تھی۔یا شاید ہاتھ ٹھنڈے تھے۔

''تمہیں مجھ سے ہمیشہ یہ گلہ ہوتا تھا کہ میں تمہیں بچانے نہیں آتا۔''

وہ جواب میں کچھ کہنے لگی لیکن فاتح نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

''اور مجھے خود سے یہ گلہ ہے کہ فاتح نے پچھلے چھ سال سے...بلکہ چھ صدیوں سے...تالیہ مراد کو بچانے کے سوا کچھ نہیں کیا۔''

تالیہ نے پلکیں جھکا دیں۔''آئی ایم سوری۔مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔لیکن پھر بھی میں آپ کا چناؤ نہیں کر سکی۔ہم دو بہت مختلف لوگ ہیں۔ہم کبھی بھی ساتھ خوش نہیں رہ سکیں گے۔''

''کیا تم کوشش بھی نہیں کرنا چاہو گی؟''

تالیہ نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

''کیا تم ابھی تک نہیں سمجھ سکیں کہ تم میری زندگی کی سب سے اہم انسان ہو'تالیہ؟''

وہ کہہ رہا تھا اور اس کے اندر کچھ موم کی طرح پگھلنے لگا تھا۔

(نہیں۔اسے پگھلنا نہیں تھا۔ورنہ وہ کبھی خود کو اس ملک سے آزاد نہیں کر سکے گی۔اسے یہاں سے دور جانا تھا۔بہت دور۔)

''تم سوچتی ہو کہ میری زندگی میں تمہاری جگہ ہے یا نہیں۔کیا تمہیں ابھی تک علم نہیں ہو سکا کہ میری زندگی ایک لمبے عرصے سے صرف تمہارے گرد گھوم رہی ہے۔ جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو' ہر چیز تمہارے متعلق ہوتی تھی۔ ہر قدم' ہر کام۔چاہے فاتح کو یاد تھا یا وہ بھول گیا تھا' فاتح رامزل کی زندگی تالیہ مراد کے گرد گھومنے لگی تھی۔کیا تالیہ مراد کو بھول گیا ہے کہ فاتح اس کے پیچھے اس دوسری دنیا تک گیا تھا؟''

''مگر پھر ہمارے درمیان چھ سال آ گئے۔''وہ زخمی سا مسکرائی۔

''اور تالیہ کو بھول گیا کہ فاتح نے چھ سال پہلے استعفیٰ دے دیا تھا۔لیکن پھر میں نے وہ استعفیٰ لیا تھا۔میں نے خود کو سنبھالا اور دوبارہ الیکشن لڑے تھے۔میں اپنے خوابوں کی طرف اس لیے چل پڑا کیونکہ تم یہ چاہتی تھیں۔کیونکہ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں کسی ٹراما کا شکار ہو کے اس سب کو نہیں کھوؤں گا جس کے لیے میں نے برسوں محنت کی ہے۔مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم کہاں ہو۔مگر ان چھ سالوں میں میں نے تمہارا بہت انتظار کیا تھا۔مجھے یقین تھا کسی ایک دن دروازہ کھلے گا اور سامنے تم ہو گی۔یا فون بجے گا اور میں اسے اٹھاؤں گا اور آگے سے تم بولو گی۔میں نے کبھی یہ تصور نہیں کیا کہ تالیہ واپس نہیں آئے گی۔ان چھ سالوں میں مجھے تمہاری ایک ایک بات یاد آتی رہی۔تالیہ مراد کی یاد تالیہ سے بڑی ہوتی گئی۔تمہاری کہی باتیں ازبر ہو گئیں مجھے۔تمہیں پڑھنے کا فن آ گیا مجھے۔''

''اب میں جا رہی ہوں۔اب ان باتوں کا فائدہ؟''

''ہاں۔تم جا رہی ہو۔اب کیا فائدہ۔''اس نے گہری سانس لی۔اس کے چہرے پہ ملال تھا۔صرف ملال۔

''میں یہ نہیں کہوں گا کہ تالیہ مجھے تم سے ایسی محبت ہے جو کسی نے کسی سے نہیں کی ہو گی۔لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ ہم نے دو دنیاؤں کا سفر ایک ساتھ کیا ہے۔اگر تمہیں لگتا ہے کہ ہم دونوں مختلف انسان ہیں' یا ہماری زندگیوں میں ایک دوسرے کے لیے جگہ نہیں ہے تو تم نہ مجھے جانتی ہو نہ خود کو۔''

تالیہ کی آنکھ سے ایک آنسو گرا اور گال پہ لڑھکا۔لیکن اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ نہیں پگھلے گی۔ فاتح جو بھی کہے' وہ خود کو مضبوط رکھے گی۔

''میں نے خود کو چنا ہے۔میں اپنے لیے سفر کرنا چاہتی ہوں۔میں شاید کئی سال تک واپس نہ آؤں۔آپ مان لیں کہ آپ

میرا انتظار نہیں کر سکیں گے..."

وہ مسکرایا پھر کھڑا ہو گیا۔ "تمہارے خیال میں پچھلے سال میں نے اور کیا کیا ہے؟"

وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ فاتح کو امید تھی کہ وہ اسے روک لے گی۔ وہ کہے گی کہ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد اب تالیہ فاتح کو چھوڑ کے نہیں جا سکتی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا دروازے تک آیا۔ ڈور ناب پہ ہاتھ رکھا۔ لیکن تالیہ نے اسے نہیں پکارا۔ وہ اپنی جگہ بیٹھی لب دانتوں سے کاٹتی رہی۔

وہ اپنا چناؤ کر چکی تھی۔

وان فاتح دروازے سے باہر نکل گیا۔ اس کا دل بوجھل تھا۔

....

کافی شاپ کے کاؤنٹر کے ساتھ اونچے اسٹولز پہ اس صبح مختلف لوگ بیٹھے اپنی اپنی کافی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ آج صبح سے بارش ہو رہی تھی ایسے میں شاپ کے اندر پھیلی روسٹ ہوئے کافی بینز کی مہک نے ماحول بہت بنا رکھا تھا۔

باریستا ایک کے بعد ایک کافی کپ کاؤنٹر پہ رکھتی آوازیں لگا رہی تھی۔ ہر کپ پہ کافی لینے والے کا نام لکھا تھا۔

"انچے ساحر۔" (مسٹر ساحر۔) مصروف سے انداز میں اس نے آواز لگائی تو کاؤنٹر کی طرف پشت کیے کھڑا شخص اس جانب گھوما۔ اس نے سیاہ کوٹ کے اوپر سیاہ ہیٹ پہن رکھا تھا۔ مسکرا کے اس نے ٹشو سے کپ تھاما اور اسے لیے شاپ کے کونے میں بنی ایک میز تک آیا۔ اپنی کافی رکھ کے کاؤچ پہ بیٹھتے ہوئے اس نے عام سے انداز میں کہا۔

"میں کافی دیر سے تمہیں اپنا پیچھا کرتے دیکھ رہا ہوں چڑی تالیہ۔ تم سامنے آ سکتی ہو۔"

ذوالکفلی نے مسکرا کے چہرہ اوپر کیا۔ اس کی چمکتی آنکھیں متلاشی انداز میں ارد گرد گھومیں۔ اور پھر وہ اسے نظر آ گئی۔ ایک ستون کے پیچھے سے نکلتی تالیہ۔

اس نے گلابی پھولدار فراک کے اوپر سرمئی ہیٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے ہیٹ میں لگا پھول اور ساتھ جڑی موتیوں کی لڑی بھی سرمئی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے اور آنکھوں میں غصہ تھا۔ تنفر تھا۔

"میں تم سے آج ایک آخری بات کرنے آئی ہوں۔" وہ جارحانہ انداز میں سامنے والے کاؤچ پہ بیٹھی اور میز پہ اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔

"میں سن رہا ہوں۔ مگر اتنے غصے میں کیوں ہو؟" ذوالکفلی نے مسکرا کے چینی کا پیکٹ اٹھایا اور کافی میں چھڑکا۔ پھر اسٹک سے اسے ہلایا۔ پھر ڈھکن بند کر کے نظریں اٹھائیں تو وہ اسی طرح اسے گھور رہی تھی۔

''ویسے تم ابھی تک گئیں نہیں؟ تمہاری آج فلائیٹ ہے نا؟'' اس نے ایک گھونٹ بھرتے ہوئے محظوظ انداز میں تالیہ کو دیکھا۔

''تم نے مجھے زہر کیوں دیا؟''

''کیا تم نے مجھے دھوکہ نہیں دیا تھا؟ دونوں میں کوئی فرق ہے کیا؟''

''پہلے تم نے میرے باپ کو اپنے جادو میں دھکیلا۔ پھر مجھے۔ تمہارے پاس سارے سوالات کے جواب تھے لیکن تم ذوالکفلی.. تم ہم سب کو اپنی انگلیوں پہ کٹھ پتلیوں کی طرح نچاتے دیکھتے رہے۔'' وہ چبا چبا کے کہہ رہی تھی۔ اس کے انداز میں غصے کے ساتھ بے بسی بھی تھی۔ ''تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے پاس بہت طاقت ہے۔ تم ہمیں ناکام ہوتے دیکھتے رہو گے۔ تم نے سب کچھ کیا۔ میں نے سب کچھ سہا۔''

''اوہ تو یہاں وکٹم 'تم' ہو؟'' اس نے ابرو اٹھائی۔

''ذوالکفلی... سنو میری بات...'' وہ آگے ہوئی اور مٹھی میز پہ زور سے رکھی۔ ''تمہاری اور میری لڑائی آپس میں تھی۔ تم فاتح کو درمیان میں کیوں لائے؟''

''کیا تم اب تک یہ نہیں سمجھ سکی ہو کہ تم اور فاتح الگ نہیں ہو؟ چچ چچ۔'' اس نے افسوس سے کہتے ہوئے گھونٹ بھرا۔ اس کی چمکتی آنکھیں محظوظ لگ رہی تھیں۔

تالیہ لب بھینچے ضبط سے اسے دیکھتی رہی۔ ''تم نے فاتح سے ان کی کرسی چھینی صرف مجھے ہرٹ کرنے کے لیے۔''

''اور میں کامیاب ہو گیا۔''

''اور تم نے وہ خط لکھا مجھے گلٹ میں مبتلا کرنے کے لیے۔ جانتے ہو میرے دل پہ کیا گزری تھی۔''

''اور میں دوبارہ سے کامیاب ہو گیا۔''

''اور تم نے مجھے زہر دینا چاہا۔ لیکن ییشا نے فاتح کے ساتھ ڈیل کر لی۔ تمہاری ایک اور اسٹوڈنٹ نے تمہیں دھوکہ دے دیا۔''

''میں پھر بھی ناکام نہیں ہوا۔ تمہیں تمہارا سبق مل چکا ہے۔ اور اس کو اس کا سبق میں دے دوں گا۔'' وہ گھونٹ بھرتے ہوئے جتانے والے انداز میں بولا۔ ''تم اب یہاں کیا لینے آئی ہو؟''

''تمہیں یہ بتانے کہ میں اس جنگ کو ختم کر رہی ہوں۔''

''ہوں۔ انٹرسٹنگ۔ لیکن کیوں؟ کیا تم میرا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتیں یا تمہارا خیال ہے تم اس ملک سے چلی جاؤ

گی تو میں تمہارے پیچھے نہیں آسکوں گا؟ میں دنیا کے ہر ملک ہر جزیرے تک تمہارا پیچھا کروں گا۔''

''دیکھو ذوالکفلی...'' اس نے بے بسی بھری سانس لی اور ذرا دھیمے انداز میں کہنے لگی۔ ''تم میرے پیچھے نہیں آسکتے۔ لیکن میرے کچھ اپنے ابھی یہاں موجود ہیں۔ اور مجھے ہرٹ کرنے کے لیے تم ان کو نقصان پہنچاؤ گے۔ مجھے معلوم ہے۔ میں تمہیں یہ کہنے آئی ہوں کہ تم ایسا مت کرو۔ میری تمہاری جو بھی لڑائی ہے اسے یہیں ختم کر دو۔''

''کیا تم مجھ سے معافی مانگ لوگی؟ اپنے استاد کو دھوکہ دینے کی معافی۔''

''معافی؟'' وہ طنزیہ مسکرائی اور پیچھے ہوئی۔ سر پہ رکھا ہیٹ ترچھا کیا۔ ''میں تمہیں ایک نصیحت کرنے آئی ہوں۔''

''میں سن رہا ہوں۔'' اس نے کپ رکھا اور بظاہر پوری توجہ سے اسے سننے لگا۔

''جانتے ہو انسان کو سب سے زیادہ اس کا کون سا عضو مشکل میں ڈالتا ہے؟ اس کی زبان۔ زبان سارے جھوٹ گھڑتی ہے۔ زبان ساری تکلیف دہ باتیں کہتی ہے۔ زبان انسان کو بناتی ہے۔ زبان اسے تباہ کرتی ہے۔ مگر یہ بغیر ہڈی کے نرم سا ٹکڑا ایک اور کام بھی کرتا ہے۔''

''کیا؟''

''جادو۔'' وہ مسکرائی۔ اس کی آنکھیں چمکیں۔

''ابھی دنیا میں وہ جادو نہیں بنا جو آنکھوں یا ہاتھ کے اشارے سے ہو سکے۔ سارے جادو زبان سے ہوتے ہیں۔ سارے منتر اس زبان کو ہلا کے پڑھنے ہوتے ہیں۔'' وہ آگے کو جھکی اور اس کی چمکتی آنکھوں میں دیکھا۔

''اور میں تم سے تمہاری زبان چھیننے آئی ہوں۔''

''اچھا۔ وہ کیسے؟'' وہ مسکرا کے بولا۔

''باریستا کو ایک ہزار رنگٹ دے کر۔''

ذوالکفلی کی رنگت بدلی۔ اس نے چونک کے اپنے کپ کو دیکھا۔ پھر اس کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تم نے ایک دفعہ پہلے بھی مجھے زہر دینے کا ناٹک...'' س کے الفاظ اٹکنے لگے۔ اس نے بے اختیار گردن پہ ہاتھ رکھا۔ آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔

''کیا ہوا؟ دم گھٹتا محسوس ہو رہا ہے' ہے نا؟'' وہ ہمدردی سے دھیرے سے بولی۔ ''بلکہ... زبان مفلوج ہوتی جا رہی ہے نا؟ چچ چچ۔ اب تم کیسے بولو گے؟ اور بولو گے نہیں تو.... جادو کیسے کرو گے؟ اور جادوئی زہر کیسے بناؤ گے؟''

وہ کھانسا۔ اس کی آواز گھٹی گھٹی سی نکلی۔ اس نے ہاتھ سے تالیہ کی طرف اشارہ کیا اور زبان ہلانی چاہی۔ وہ مسکرا کے اسے

دیکھے گئی۔زبان کے بغیر سارے جادو ادھورے تھے۔

''صرف تم نہیں ہو جسے قدیم زمانے کی دوائیاں بنانی آتی ہیں۔اور یہ دوا تو بہت آسان تھی۔صرف تمہاری زبان سے چمٹ گئی اور اسے مفلوج کر دیا۔چچ چچ۔اب اگر تم جادو نہیں کر سکو گے تو ساحر کیسے کہلاؤ گے؟ پمبورو کیسے رہو گے؟''

اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔اس نے تیزی سے پانی کا گلاس غٹا غٹ پی لیا۔پھر بولنے کی کوشش کی۔لیکن زبان ہلنے سے انکاری تھی۔وہ بے بسی سے مٹھیاں میز پہ مارنے لگا۔

''اور اس دوا کا کوئی تریاق بھی نہیں ہے۔زبان کے زہر کا تریاق ویسے بھی کوئی نہیں ہوتا' ساحر۔'' وہ تلخی سے مسکرائی اور اٹھی۔

''تم نے ٹھیک کہا تھا۔میں سفید گھوڑے والی شہزادی نہیں ہوں۔اگر ہوتی تو تم سے صلح کر لیتی۔میں سیاہ گھوڑے والی شہزادی بھی نہیں ہوں۔ورنہ تمہیں جان سے مار دیتی۔میرا رنگ کچھ اور ہے۔ان دونوں کے درمیان کا۔''اس نے سرمئی ہیٹ سر پہ سختی سے جمایا اور میز کے پیچھے سے نکلی۔وہ اب سر جھکا کے کھانس رہا تھا۔

''اب تم کبھی جادو نہیں کر سکو گے نہ لوگوں کی زندگی سے کھیل سکو گے۔اور جب تم جادو نہیں کر سکو گے تو تمہارے ساتھ وقت کے سارے دروازے بند ہو جائیں گے۔پمبورو ختم ہو جائیں گے۔اب وقت کے چکر میں کسی کی زندگی برباد نہیں ہو گی۔تم اپنے جادو کے بغیر بالکل بے کار ہو ذوالکفلی۔اپنی زندگی کے بقیہ ایام تم چھوٹی موٹی چوریاں کر کے گزار سکتے ہو۔گڈ لک۔''

اس نے سرمئی ہیٹ ترچھا کیا یہاں تک کہ اس کا آدھا چہرہ چھپ گیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

ذوالکفلی اس کو نہیں سن رہا تھا۔وہ مسلسل کھانستا ہوا کچھ بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔لوگ پریشانی سے اس کے گرد اکٹھے ہو رہے تھے۔

اس کا سیاہ ہیٹ فرش پہ جا گرا تھا۔اکٹھے ہوتے مجمعے کے پیر اس ہیٹ کو کچل رہے تھے۔کپڑے کے چیتھڑے الگ ہو رہے تھے۔

....

(میں ایڈم بن محمد ہوں۔مراد راجہ کہتے تھے کہ میں چے تالیہ کے عام انسانوں کے خوشگوار انجام کی امید ہوں۔مگر جانتے ہو میں اس سے پہلے کیا تھا؟)

کے ایل کا انٹرنیشنل ایئر پورٹ اس وقت بھانت بھانت کی قوموں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔مختلف بولی بولنے والے مختلف

رنگ والے' مختلف لباس والے لوگ اپنے اپنے سامان اٹھائے آگے پیچھے جا رہے تھے۔ کسی کو منزل مل چکی تھی۔ کسی کو اب منزل کے لیے روانہ ہونا تھا۔ کوئی تھکا ہوا تھا۔ کوئی سفر کے لیے تازہ دم تھا۔

(میں اتنا عام سا انسان تھا کہ جب بھی امیر اور مشہور لوگ دیکھتا' اداس ہو جاتا۔ احساس کمتری میں چلا جاتا۔ وہ لوگ اتنے چمک دار چہروں والے' اتنے دولت منداور متاثر کن ہوتے تھے کہ مجھے اپنا آپ پہلے سے زیادہ عام لگتا۔)

وہ دونوں کندھوں پہ بیک پیک پہنے ایئر پورٹ کے باہر روڈ پہ کھڑی تھی۔ اس نے پاؤں کو چھوتی سفید میکسی پہن رکھی تھی اور بالوں کی اونچی پونی بنا رکھی تھی۔ ہوا سے چند لٹیں بار بار چہرے پہ آتیں جنہیں وہ ہٹا دیتی۔

(میں آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ نہیں پاتا تھا۔ نہ مجھے اپنی رنگت اچھی لگتی نہ شخصیت۔ میرے اندر کچھ بھی نہیں تھا جو کسی کو متاثر کر سکتا۔)

وہ اکیلی آئی تھی۔ داتن اور ایڈا کو درست وقت نہیں معلوم تھا لیکن فاتح جانتا تھا۔ کیا وہ آئے گا؟

(اور پھر میں ملا ایک لڑکی سے۔ اور ایک آدمی سے۔ اور انہوں نے مجھے بتایا کہ ہاں' میں ان چمک دار لوگوں جیسا نہیں بن سکتا لیکن یہ لوگ بھی مجھ جیسے نہیں بن سکتے۔)

وہ سفید جوگرز سے قدم اٹھاتی اندر آ رہی تھی۔ وہاں روشنیوں کی ایک نئی دنیا تھی۔ بیگز اٹھائے لوگ آ جا رہے تھے۔ ایک دوسرے سے بے نیاز صرف اپنی منزل کو فوکس میں رکھے۔

کیا فاتح اس کو الوداع کہنے آئے گا؟ کیا وہ اس کو روکنے آئے گا؟

(میں نے جانا کہ یہ سارے امیر اور خوبصورت لوگ ایک جیسے ہیں۔ لیکن میں ان جیسا نہیں ہوں۔ مجھے ان جیسا بننا بھی نہیں ہے۔ مجھے اپنی نظروں میں معتبر بننا ہے۔)

وہ آگے بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

اور اگر وہ آیا تو کیا وہ رک جائے گی؟

(اس لڑکی نے مجھے یہ سکھایا کہ مجھے اپنا بہترین ورژن بننا ہے۔ پھر مجھے کسی کے چہرے کی چمک متاثر نہیں کرے گی۔)

ایئر پورٹ میں قدم قدم چلتی تالیہ کو پتہ نہیں کیوں یقین تھا کہ وہ آئے گا۔ جیسے فلموں میں ہوتا ہے۔ وہ آئے گا اور اس سے کہے گا کہ وہ رک جائے۔ اس دفعہ وہ اس کو ناں نہیں کر پائے گی اور اپنا ٹکٹ پھاڑ دے گی۔ وہ رک جائے گی۔

(یوں میں نے خود سے سچا بننا سیکھ لیا۔ میں نے اپنے اصل ٹیلنٹ کو پہچان لیا۔ میں اپنی نظروں میں خوبصورت بنتا گیا تو دنیا والوں کی نظریں بھی مجھ سے متاثر ہونے لگیں۔)

وہ اب اپنا پاسپورٹ لیے قطار میں کھڑی تھی۔ گردن موڑے وہ متلاشی نگاہوں سے پیچھے دیکھ رہی تھی۔ کیا معلوم وہ وہیں کہیں ہو اور اسے تلاش کر رہا ہو؟

(یہاں تک کہ میری شخصیت ان چمک دار لوگوں سے زیادہ متاثر کن ہوگئی جس کبھی احساس کمتری میں مبتلا کرتے تھے۔ لیکن پھر مجھے ایک چمک دار چہرے والی لڑکی سے محبت ہوگئی۔ نہیں ہونی چاہیے تھی۔)

کیا وہ واقعی اس کے روکنے پہ رک جائے گی؟ مگر وہ تو دنیا کا سفر کرنے جا رہی تھی۔ وہ تو ملکوں ملکوں پھرنے جا رہی تھی۔ وہ تو اپنی تلاش کے سفر پہ روانہ ہو رہی تھی۔ پھر وہ کیوں رکے گی؟

(کیونکہ اس محبت نے مجھے سمجھایا کہ ہر انسان کا ایک دائرہ ہوتا ہے۔ سب اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔ کچھ لوگوں کا دائرہ ہم سے کبھی مل نہیں پاتا۔)

وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گئی۔ کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی عورت اب اس کو اس کا بورڈنگ پاس دے رہی تھی۔ تالیہ نے پاس پکڑا اور آگے بڑھ گئی۔

(میں نے جان لیا کہ میرا اور اس کا دائرہ مختلف ہے۔ ہمارا دائرہ ایک دوسرے میں ضم نہیں ہو سکتا۔ مجھے اپنے دائرے میں چلنا ہے اور اسے اپنے دائرے میں۔)

وہ ایک لمحے کے لیے رکی اور مڑ کے دیکھا۔ دائیں سے بائیں ایئرپورٹ کے اس حصے میں نگاہ دوڑائی۔ ہر چہرے کو دیکھا۔ وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ نہیں آیا تھا۔

(میں نے یہ بھی جان لیا کہ اس کا دائرہ کسی اور سے ملتا ہے۔ وہ دونوں چمک دار چہروں والے لوگ ہیں۔ میرے جیسے لوگ ان جیسے کبھی نہیں بن سکتے۔ اور وہ مجھ جیسے نہیں ہو سکتے۔ پھر میں اپنا دائرہ چھوڑ کے کیوں بھٹک جاؤں؟)

اس نے گہری سانس لی اور آگے بورڈنگ لاؤنج کی طرف بڑھ گئی۔ اب وہ چاہتا بھی تو اس کے پیچھے وہاں نہیں آ سکتا تھا۔ لاؤنج کے اندر آ کے اس نے صوفے پہ اپنا بیک پیک دھرا اور خود ساتھ بیٹھ گئی۔ نظریں گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ بورڈنگ شروع ہونے میں پچاس منٹ رہتے تھے۔

(اور تب میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے کسی دوسرے کے دائرے میں نہیں جانا۔ بلکہ دو محبت کرنے والوں کو ان کے دائرے میں رہنے دینا ہے۔)

تالیہ نے اپنے سیل فون کو دیکھا۔ کوئی کال نہیں۔ کوئی میسج، ای میل کچھ بھی نہیں۔

کیا وہ فاتح کے روکنے پہ رک جائے گی؟ کیا اسے رک جانا چاہیے؟

(اپنی محبت سے موو آن کرنے کا فیصلہ دل کاٹ دیتا ہے۔اس کے بعد انسان دنیا میں یوں چل پھر رہا ہوتا ہے جیسے اندر سے مر چکا ہو۔کسی بھٹکتی روح کی طرح۔)

ہاں۔وہ رک جائے گی۔کسی نے اندر سے کہا۔تو پھر اس سفر کا کیا؟وہ سفر جو اس کے لیے ضروری تھا؟

اس نے سر ہاتھوں میں گرا دیا۔ذہن الجھتا جا رہا تھا۔

(اس فیصلے کا غم ختم ہونے میں عرصہ لگ جاتا ہے۔لیکن مجھے امید ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ غم ختم ہو جائے گا۔)

یہ پہلی دفعہ نہیں تھا جب وہ فاتح کو چھوڑ کے جا رہی تھی۔وہ اس کے پیچھے اس کا انتظار کیا کرتا تھا۔

وہ قدیم ملاکہ میں ایک پنجرے میں قید تھے۔ایڈم اور تالیہ نکل آئے لیکن فاتح نہیں نکل سکا۔

اسے دولت امان کے آفیسرز گرفتار کر کے لے گئے تھے۔اور اس کے انتظار میں وان فاتح روز وہاں آتا تھا۔اس کے لیے خط لکھتا تھا۔

مراد نے فاتح کو سلاخ دے ماری تھی۔وہ غصے میں فاتح اور ایڈم کو چھوڑ کے مراد کے پیچھے لپکی تھی اور وہ چھے برس تک اس کا انتظار کرتا رہا تھا۔

(مجھے جس سے محبت ہوئی' وہ کسی اور کے ساتھ اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہے۔کچھ لوگ ہمارے لیے نہیں ہوتے۔ہم دعائیں کریں یا جادو' وہ ہمیں نہیں ملیں گے۔ان لوگوں کے ملنے کی خواہش کو ترک کرنا دل مار دیتا ہے۔)

وہ اس کے پیچھے آتا تھا۔یا اس کا انتظار کرتا تھا۔پھر آج کیوں نہیں آیا؟

(اور میں ایڈم بن محمد اپنا دل اس امید پہ مار رہا ہوں کہ کبھی نہ کبھی میرا یہ زخم بھر جائے گا۔کبھی تو میرا خدا میرے دل کو پھر سے تندرست کر دے گا۔)

بورڈنگ میں اب پچیس منٹ رہتے تھے۔تالیہ نے فون اٹھایا اور فاتح کے گھر کا نمبر ملایا۔

''ہیلو؟'' کسی ملازم نے اٹھایا۔

''کیا دان فاتح گھر پہ ہیں؟''

''جی۔وہ اسٹڈی میں ہیں۔آپ کون؟'' اس نے بنا کچھ کہے فون رکھ دیا۔

(لیکن اب اس زخمی دل کے ساتھ میں آگے کیسے بڑھوں؟موو آن کیسے کروں؟کوئی دوست' کوئی غمگسار' کوئی ہے میری مدد کے لیے یہاں؟)

وہ گھر پہ تھا؟اس نے بے یقینی سے فون کو دیکھا۔اس کا گھر پتراجایا میں تھا۔ایئر پورٹ سے تقریباً گھنٹے بھر کی مسافت پہ۔

وہ اگر آتا بھی تو پچیس منٹ میں یہاں نہیں پہنچ سکتا تھا۔

وان فاتح اس کو روکنے نہیں آئے گا۔اس کو روکنے کوئی نہیں آئے گا۔

(کچھ فیز ہوتے ہیں جن میں ہمارے اپنے ہمیں بچاتے ہیں۔کسی تاریک گلی میں گرے پڑے مرتے ہوئے انسان کو بچا لیتے ہیں۔لیکن ہر فیز میں ہمیں نہیں بچایا جاتا۔)

تالیہ نے بورڈنگ پاس اونچا کر کے دیکھا۔اسے عقب میں دیوار پہ لگی گھڑی نظر آ رہی تھی۔کوئی اس کو روکنے نہیں آنے والا تھا۔

(کچھ فیز ایسے ہوتے ہیں جن میں کوئی کسی کو بچانے نہیں آتا۔موو آن کرنے کا فیز بھی ایسا ہی ہے۔)

وہ اٹھی۔بیک پیک کندھوں پہ ڈالا اور اس دروازے کی سمت بڑھی جس سے وہ آئی تھی۔

(یہ سفر انسان کو تنہا کرنا پڑتا ہے۔اس میں اپنی بھلائی کے فیصلے بھی اسے تنہا کرنے پڑتے ہیں۔)

واپس باہر نکل کے وہ سیدھی ایک کچرے کے کین تک آئی۔بورڈنگ پاس کے دو ٹکڑے کیے اور اسے کین میں اچھال دیا۔

(اس فیز میں کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا۔کوئی اس کو اس کی مشکل سے نہیں نکال سکتا۔زندگی کے سب سے بڑے فیصلوں میں انسان تنہا ہوتا ہے۔)

اب وہ تیز قدموں سے ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھ رہی تھی۔اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔

(اور ہم سب کو اپنے مشکل فیصلے خود کرنے کی عادت ڈال لینی چاہیے۔کسی دوسرے کے آنے کا انتظار کیے بغیر۔)

وہ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھی شیشے سے باہر بھاگتی عمارتوں کو دیکھ رہی تھی۔انسان ساری دنیا کا سفر جس خوشی کی تلاش میں کرتا ہے وہ اس کے اپنے شہر اور اپنے گھر میں اس کا انتظار کر رہی ہوتی ہے۔

(کیونکہ اگر ہم اپنی محبت کھو بھی دیں...تب بھی ایک شے ہمارے پاس باقی رہتی ہے۔وقت۔)

وہ فاتح کے گھر میں داخل ہوتے ہی سیدھی اسٹڈی کی طرف بڑھی تھی۔

(کسی کو اللہ نے شکل زیادہ اچھی دی ہے اور کسی کو دولت۔ہر شے میں اللہ کی تقسیم مختلف ہے۔لیکن وقت ہر ایک کو برابر کا ملتا ہے۔غلام کو بھی۔بادشاہ کو بھی۔سب سے بڑا کنگال وہ ہوتا ہے جو وقت ضائع کرے۔)

اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ اسٹڈی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

(صرف ایک چیز محبت کے زخم پہ مرہم رکھتی ہے۔تندرست نہیں کرتی لیکن مرہم ضرور رکھتی ہے۔اور وہ ہے خود کو کسی نئے خواب کی جستجو میں چھوڑ دینا۔ایڈم بن محمد نے بھی ایک نیا خواب بُن لیا ہے۔)

....

وان فاتح نے دروازہ کھولا۔وہ کسی اور کے گمان میں کچھ کہنے لگا تھا۔اسے دیکھ کے وہ رک گیا۔

چند لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے۔دونوں کے درمیان بس ایک کھلا دروازہ تھا۔اور اس کو پار کرنا وقت کے دروازوں کو پار کرنے سے زیادہ مشکل فیصلہ ثابت ہوا تھا۔

یہ فیصلہ تالیہ مراد کو تنہا ہی کرنا تھا۔

''آپ نے کہا تھا' کبھی مجھ سے ملنے آؤ..حالم۔''وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔

''اور میں نے کہا تھا کہ کیا تم کوشش نہیں کرنا چاہتیں؟''اس نے مسکرا کے دروازہ کھول دیا اور خود پیچھے ہٹ گیا۔

''میں کرنا چاہتی ہوں۔''تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا اور چوکھٹ پار کی۔

''میں پوری دنیا کا سفر نہیں کرنا چاہتی فاتح۔اگر ہم اندر سے ناخوش ہوں تو نہ بڑے گھر ہمیں خوش کر سکتے ہیں نہ ہی دنیا بھر کے خوبصورت نظارے۔تنہا سفر بہت مشکل ہے۔اور میں یہ نہیں کر سکتی۔ہم مختلف ہیں تو کیا ہوا۔ہم ایک دوسرے کو نہیں سمجھتے تو کیا ہوا۔ہم ایک جیسے ہوتے تو زندگی بورنگ ہو جاتی۔ہم ایک کوشش کر سکتے ہیں۔ساتھ رہنے کی۔اپنا گھر خود بنانے کی۔''

وہ اسٹڈی کے وسط میں کھڑے ہوئے کہہ رہی تھی۔اس کا سفید بیک پیک ابھی تک اس کے کندھے پہ تھا۔اور اس کی سیاہ آنکھوں میں نمی تھی۔

فاتح ٹیبل کے کنارے پہ بیٹھا اور مسکرا کے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا۔

''تم مجھے سمجھتی ہو یا نہیں..میں تالیہ کو اچھے سے سمجھتا ہوں۔نہ میں سفید ہوں۔نہ تم سیاہ ہو۔ہر شخص کا اپنا رنگ ہوتا ہے۔اور انسان اپنے اصل رنگ سے نہیں بھاگ سکتا۔مجھے معلوم تھا تم واپس آ جاؤ گی۔میں تمہارے انتظار میں تھا۔ایک دن بعد یا ایک سال بعد۔تم ضرور آؤ گی۔''

''اسی لیے آپ میرے پیچھے ایئر پورٹ نہیں آئے؟''اس نے گلہ کیا۔

''نہیں۔کیونکہ فلائیٹ مس کرنے کا فیصلہ تمہیں اور صرف تمہیں کرنا تھا۔اور مجھے امید تھی تم یہ ضرور کرو گی۔میں نے کہا نا' میں تمہیں جانتا ہوں۔''اس کے سامنے کھڑے ہوئے وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا۔اس کا انداز پرسکون تھا۔نرم اور اپنائیت لیے۔

''مجھے کیا معلوم کہ آپ کو یقین تھا یا نہیں۔''اس نے ابرو اٹھایا۔

فاتح نے اس سے نظریں ہٹائے بغیر میز سے ایک فائل اٹھا کے اس کے سامنے کی۔

''میں ایک آرگنائیزیشن بنا رہا ہوں جس کا مقصد بے گناہ قیدیوں کو قانون کے شکنجے سے نکالنا ہے۔لیکن مجھے کیسے معلوم

ہوگا کہ کون سا قیدی بے گناہ ہے اور کون جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کے لیے مجھے ایک انویسٹی گیٹر چاہیے۔ اور میں نے اپنے لیے کس انویسٹی گیٹر کا نام لکھا ہے۔ تم دیکھ سکتی ہو۔" تالیہ نے خوشگوار حیرت سے فائل کھولی۔

وہاں انویسٹی گیٹر کے خانے میں ایک لفظ جگمگا رہا تھا۔

حالم۔

اور تالیہ بنت مراد کھلے دل سے مسکرا دی۔

وہ ایک دفعہ پھر ایک خواب بُن رہا تھا اور وہ اس خواب میں اس کا ساتھ دینے کے لیے ہمیشہ کی طرح تیار تھی۔

....

دو ماہ بعد

بہار 2023

وہ ایک روشن دن تھا۔ نہ دھوپ تیز تھی نہ چھایا بہت ٹھنڈی تھی۔ بہار کی خوشگوار ہوا سارے میں چل رہی تھی۔

کوآلالمپور کے ڈاؤن ٹاؤن میں ٹریفک سست روی سے چل رہی تھی۔ سڑک کے دونوں اطراف خوبصورت فٹ پاتھ بنے تھے جن پہ لوگ دونوں اطراف میں چلتے ہوئے جا رہے تھے۔

ایسے میں صوفی ایک گتے کی ٹرے میں کافی کے چار بڑے کپ پھنسائے تیز تیز چل رہی تھی۔ تیز چلنے سے اس کی بالیاں جھول رہی تھیں اور ماتھے پہ خفاسی سلوٹیں دکھائی دیتی تھیں۔

اسٹریٹ کے وسط میں اس نے ایک شیشے کا دروازہ کھولا۔ دروازے کے اوپر ایک پلیٹ لگی تھی جس پہ تحریر تھا۔

"ایڈم بن محمد... کیمپئین آفس۔"

صوفی اندر داخل ہوئی تو وہاں باہر سے زیادہ شور سنائی دیا۔ وہ ایک شاپ تھی جو حال ہی میں کرائے پہ لی گئی تھی۔ فرش اور دیواریں خالی تھیں۔ نیا فرنیچر ایک کونے میں رکھا تھا۔ چند ورکرز بھاگتے دوڑتے کام کاج کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ کوئی انٹرنیٹ کی وائرز لگا رہا تھا۔ کوئی کمپیوٹرز سیٹ کر رہا تھا۔ کوئی ہدایات دے رہا تھا۔

ایک بڑی شاپ کے تین حصے کر کے درمیان میں دروازے لگائے جا رہے تھے۔ ایک آفس نما کمرے میں صد شکر کہ میز رکھی تھی۔ اس کے پیچھے ایڈم بن محمد بیٹھا تھا۔ وہ لیپ ٹاپ کھولے ساتھ کھڑے لڑکے کو اسکرین پہ کچھ دکھا تا ہدایات دے رہا تھا۔

صوفی اس کی طرف آئی اور کافی کی ٹرے میز پہ رکھی۔

''آپ کی کافی.. باس!'' اس کا کپ نکال کے سامنے رکھا۔

''تھینک یو' صوفی۔'' ایڈم نے مسکرا کے کپ اٹھایا تو صوفی نے دونوں آنکھیں پھیلا کے تعجب سے اسے دیکھا۔

''جب آپ نے کہا تھا کہ آپ وان فاتح کی چھوڑی نشست پہ الیکشن لڑیں گے تو مجھے یقین نہیں آیا تھا کہ آپ سیاست میں آسکتے ہیں۔لیکن... واؤ... آپ تو مجھ سے خوش اخلاقی سے بات کرنے لگے ہیں۔آپ کا مستقبل روشن ہے' باس۔''

ایڈم نے جواباً کچھ تیکھا نہیں کہا۔ بلکہ مسکرا کے کافی کا گھونٹ بھرا۔ پھر میز کے پیچھے سے نکلا اور آگے بڑھ گیا۔صوفی نے دوسری کپ وہاں کھڑے نوجوان کو تھمایا اور ٹرے لیے ایڈم کے پیچھے آئی۔

''نہیں... بینر کو ذرا دائیں جانب کرو...'' وہ کافی کپ پکڑے' گردن اٹھائے' سامنے والی دیوار پہ بینر آویزاں کرتے ورکرز کو کہہ رہا تھا۔وہ سیڑھی پہ چڑھ کے چھت کے قریب بینر کو چسپاں کر رہے تھے۔بینر ابھی اکٹھا تھا سو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس میں کیا لکھا گیا ہے۔

صوفی ٹرے میں دونوں کپ لیے کھڑی وہیں ان نوجوانوں کو بینر آویزاں کرتے دیکھنے لگی۔پھر کھنکھاری۔

''کہہ دو' صوفی۔ یہی کہنا چاہتی ہو نا کہ میں الیکشن ہار جاؤں گا؟''

''آپ کے پولز اچھے جا رہے ہیں۔ آپٹکس بھی آپ کے حق میں ہیں۔لیکن...'' اس نے سوچنے والے انداز میں کہا۔''آپ کو یقین ہے کہ آپ ایک ممبر پارلیمنٹ بننا چاہتے ہیں؟''

ایڈم نے چہرہ اس کی طرف موڑا تو لبوں پہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک تھی۔

''پتہ ہے صوفی... میں کتنی کتابیں لکھ لوں... میں کتنے شوز کر لوں.. میں کتنا بول لوں... میں ملک میں اصل تبدیلی نہیں لا سکتا جب تک میں پاور میں نہ ہوں۔اگر میں ممبر پارلیمنٹ بن گیا تو میرے پاس اختیار ہوگا۔ میں پالیسیز بنا سکوں گا۔ میں کچھ پریکٹکل کر سکوں گا۔''

''اور آپ کی رائیٹنگ؟''

''وہ ساتھ ساتھ چلتی رہے گی۔ جیسے بہت سے سیاستدان کتابیں لکھتے ہیں' میں بھی لکھتا رہوں گا۔'' وہ مسکرا کے واپس دیوار کو دیکھنے لگا۔''تھوڑا سا اور دائیں جانب۔'' اونچی آواز میں ہدایت دی۔

''آپ یہ کیوں کرنا چاہتے ہیں؟''

''کیونکہ میں وان فاتح کی جگہ ہوتا تو وہ غلطیاں نہ کرتا جو انہوں نے کیں۔ان کے کچھ فیصلے غلط تھے۔صرف ان پہ تنقید کرنا مسئلے کا حل نہیں ہے۔ میں ان کی جگہ لے کر درست فیصلے کرنا چاہتا ہوں۔'' گھونٹ بھر کے کپ نیچے کیا اور مسکرا کے بولا۔

''مجھے' صوفی' ایک نیا خواب مل چکا ہے۔''

''ایک نئی کافی لانے والی لڑکی بھی رکھ لیں۔اب میرے کام بھی بڑھ چکے ہیں۔''وہ منہ بنا کے پیچھے سے پکار کے بولی۔

ایڈم اسے نظر انداز کیے ہال نما شاپ کے دوسرے کونے کی جانب بڑھ گیا۔وہاں ایک میز پہ دو ورکرز کھڑے کمپیوٹرز سیٹ کر رہے تھے۔داتن ان کے سر پہ کھڑی ہدایات دے رہی تھی۔ایڈم کی طرف اس کی پشت تھی۔

''تھینک یو... داتن۔''اس نے مسکرا کے اسے مخاطب کیا تو وہ گھومی۔عینک کے اوپر سے اسے دیکھا۔اور کندھے اچکائے۔

''اب تم غلطی کرنے کا سوچ ہی چکے ہو تو ظاہر ہے مجھے تمہارا ساتھ دینا پڑے گا۔'' گہری سانس لے کر بولی۔

''ہاں نا... آخر دوست کس لیے ہوتے ہیں؟''وہ مسکرا کے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔اتنے دن سے اس آفس پہ کام جاری تھا اور بالآخر اس کی شکل نکلتی آ رہی تھی۔

''تمہارے مخالف امیدوار پہ میں نے اپوزیشن ریسرچ کی ہے۔تمہارے کام آئے گی۔''داتن نے معنی خیز انداز میں ایک فولڈر اس کے سامنے رکھا۔وہ اسے دیکھ کے سوچ کے بولا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے... میں یہ الیکشن جیت جاؤں گا؟''

''مجھے لگتا ہے کہ تم جیت بھی جاؤ... تب بھی سیاست میں آنا تمہاری غلطی ہے... اور ہر انسان کو اپنی غلطی خود کرنے دینی چاہیے۔''

''اچھا... اگر میں اتنا غلط ہوں تو آپ میرا ساتھ کیوں دے رہی ہیں؟''

''کیونکہ لڑکے... الیکشن اس دنیا کا مہذب ترین 'کون' ہے۔اور میں اس کون گیم کا حصہ ضرور بننا چاہوں گی۔''

داتن مسکرا کے بولی۔''اور تم اگر ممبر پارلیمنٹ بننے میں خوش ہو تو میں بھی خوش ہوں۔''

''ممبر پارلیمنٹ؟ اونہوں۔''ایڈم نے کافی کا گھونٹ بھرا اور اسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہال کے وسط میں آئے۔نوجوان اب بینر چسپاں کر چکے تھے۔ایک نے ڈوری کھولی اور نیچے گرا دی۔کسی آبشار کی طرح بینر نیچے گرا اور ساری دیوار پہ چھا گیا۔

''میں ممبر پارلیمنٹ نہیں... ایک دن اپنے ملک کا وزیراعظم بنوں گا... لیانہ صابری۔''

''وزیراعظم؟''لیانہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''ہاں... کیونکہ اگر میرا خواب مجھے ڈرائے گا نہیں تو یہ بڑا خواب نہیں ہوگا۔''

وہ چہرہ موڑ کے دیوار کو دیکھنے لگا۔وہاں نیلے رنگ کے انتخابی نشان کے ساتھ ایڈم کا سوٹ میں ملبوس فل سائز پورٹریٹ

نظر آرہا تھا۔ سارے ورکرز اور اسٹافرز اپنے اپنے کام روک کے اس خوبصورت اور بارعب پوسٹر کو دیکھ رہے تھے۔ گردنیں اٹھائے۔ آنکھوں میں چمک لیے۔ منہ سے واؤ کہتے.. توصیفی انداز میں سر دھنتے....

ایک نئے خواب کا سفر شروع ہو چکا تھا۔

....

وہ ایک طویل سڑک تھی۔ شہر کے مضافات میں واقع یہ جگہ ایک ننھی سی پہاڑی کی مانند تھی۔ یہاں بے ہنگم ٹریفک کا شور تھا نہ دھواں۔ دور دور تک سبزہ زار تھا اور درمیان میں بنی یہ سڑک۔

سڑک کے دونوں اطراف میں چیری بلاسم کے درختوں کی قطار تھی۔ درخت اتنے گھنے تھے کہ دھوپ کا راستہ روکے ہوئے تھے۔ سڑک پہ چھایا سی تھی۔

درختوں کے اوپر تازہ تازہ پھول کھلے نظر آرہے تھے۔ گلابی اور سفید پھول... اتنے نرم گویا کاٹن کینڈی ہوں.. یا... بادل کے ٹکڑے۔

ابھی پت جھڑ کا موسم ان پہ نہیں آیا تھا۔ وہ جوان تھے۔ اپنی خوبصورتی کے جوبن پہ تھے۔ نرم تھے لیکن ابھی کمزور نہیں پڑے تھے۔ ان پہ مشکل وقت کبھی نہ کبھی آنا تھا لیکن ابھی وہ اس سے محفوظ تھے۔ پورے قد سے بہار کی رعنائیاں لیے کھڑے تھے۔

سڑک کے اختتام پہ ایک گھر تھا۔ دو منزلہ لکڑی کا گھر جس کی مخروطی چھت بھی لکڑی کی بنی تھی۔ اس کی بالائی بالکونی کے کھلے دروازے سے لگتا تھا کہ وہ کسی کا گھر ہے۔

البتہ نچلی منزل کے ہال کمرے میں لگی میز کرسیوں سے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی قہوہ خانہ تھا۔ دروازے پہ لگی لکڑی کی تختی پہ انگریزی میں "جیا" لکھا تھا۔

اندر آؤ تو وہ کوئی سیاحوں کے لیے خصوصی طور پہ بنائی کافی شاپ تھی۔ اس کو قدیم زمانے کے آرکیٹیکچر پہ آراستہ کیا گیا تھا۔ آئل پیسٹل سے بنی قدیم ملاکہ کی یادگار پینٹنگز۔ برتن بھی پرانی طرز کے تھے۔

البتہ دیوار پہ لگا مینیو نئے زمانے کا تھا۔ گو کہ ویٹرز پرانے زمانے کے سفید باجو کرنگ میں ملبوس تھے لیکن کافی کے روسٹ ہوئے بینز کی مہک بتاتی تھی کہ وہ ایک تھیمڈ کافی شاپ تھی۔

شاپ کے مالک بالائی منزل پہ رہتے تھے۔ باہر سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کی رہائش گاہ چھوٹی اور سادہ سی ہے۔ شہر سے دور... خوبصورت مگر سادہ سے طرز زندگی۔ اور سامنے چیری بلاسم کے درختوں کی قطار۔

درختوں کی اس دو رویہ قطار کے ساتھ ایک جگہ سڑک کنارے ایک بنچ رکھا تھا۔

اس بنچ پہ فاتح بیٹھا تھا۔ سیاہ ڈریس شرٹ پہنے' آستین پیچھے کو موڑے' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' ایک فائل کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ دفعتاً اس نے سر اٹھا کے دیکھا تو سامنے کافی شاپ سے تالیہ چلی آ رہی تھی۔

اس کے کھلے بال کندھوں سے نیچے گر رہے تھے۔ اس نے سادہ با جو کرنگ پہن رکھا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جس سے بال اڑ اڑ رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں کافی کے دو مگ تھے۔ فاتح نے اسے دیکھا اور مسکرایا۔ وہ بھی مسکرا دی۔ پھر قریب آئی اور ایک مگ اسے تھمایا۔"""

"تھینک یو۔" اس نے مسکرا کے مگ تھاما۔ وہ اپنا مگ لیے ساتھ بیٹھی اور گردن اٹھا کے درختوں کو دیکھا۔

"ساکورا ہانامی... بالآخر ان درختوں نے پھول اٹھا لیے ہیں۔"

"ہاں۔ اور دیکھو یہ کتنے خوبصورت ہو گئے ہیں۔ جب ہم نے یہ گھر لیا تھا تب یہ ویران اور خالی تھے۔ لیکن وقت انسان کو پھل دے دیتا ہے۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ بنچ پہ بیٹھے درختوں پہ آئی بہار دیکھ رہے تھے۔

"وقت۔" وہ مسکرائی۔ پھر جیسے کچھ یاد آیا۔ "آپ کی سکندر سے بات ہوئی؟"

"وہ کال کر لے گا۔" وہ مطمئن تھا۔ جب تالیہ ان کی فیملی کا حصہ بنی تو سکندر اور جولیانہ نے ان کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا تھا۔ جولیانہ نے کہا کہ وہ بورڈنگ شفٹ ہونا چاہتی ہے اور زندگی میں پہلی دفعہ ایک نارمل ہائی اسکول مین داخلہ لینا چاہتی ہے۔ سکندر اپنی یونیورسٹی کے ہاسٹل میں شفٹ ہو گیا تھا۔ جولیانہ باپ کو فون کرتی تھی اور ایک دفعہ ملنے بھی آئی تھی لیکن سکندر نے رابطہ منقطع کر رکھا تھا۔

"اور اگر اس کی ناراضی ختم نہ ہوئی؟" تالیہ نے افسوس سے پوچھا۔

"تالیہ... اگر مجھے لگتا کہ وہ اپنی ناراضی ختم نہیں کرے گا تو میں اسے ہاسٹل نہ جانے دیتا۔ وہ میرا بیٹا ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ وہ چند ماہ میں ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ مسکرا دی۔ جو شخص اس کے ساتھ بیٹھا تھا وہ ایسا ہی تھا۔ ہر حالت میں پر امید۔ ہر شخص کے اندر کی اچھائی پہ یقین رکھنے والا۔

"فاتح... میں خوش ہوں۔ اس بات پہ کہ میں نے درست فیصلہ کیا۔" ہوا چیری بلاسم کی شاخوں کے درمیان سے سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی۔ وہ دونوں ایک گلابی لبادہ اوڑھے درخت تلے بیٹھے تھے۔ تالیہ بول رہی تھی اور وہ مسکراتے ہوئے اسے سن رہا تھا۔ ہوا سے اس کے بال پیچھے کو اڑ رہے تھے۔

"اگر اس روز میں آپ کو چھوڑ کے چلی جاتی تو میں بہت اکیلی رہ جاتی۔ میں دنیا میں کھو جاتی اور میری دنیا میرے اندر کھو

جاتی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ اب میں نے خود کو دریافت کرلیا ہے لیکن میں کوشش کر رہی ہوں۔" پھر اس نے فاتح کے ہاتھ میں پکڑی فائل کو دیکھا۔ "ان لوگوں کے کام آنا... ان کے لیے عدالتوں میں لڑنا... یہ بہت تھیراپیوٹک ہے' فاتح۔ مجھے یہ سکون دنیا کی کسی وادی' کسی ساحل پہ نہ ملتا۔ اگر میں آپ کو چھوڑ جاتی تو میں بہت اکیلی رہ جاتی۔"

وہ یہ اعتراف آج کل اکثر کیا کرتی تھی۔ بالآخر وہ خوش تھی اور اپنی خوشی اسے تعجب میں مبتلا کر دیتی تھی۔

"اور میں بھی اس بات پہ خوش ہوں کہ تم نہیں گئیں۔ مجھے یقین تھا کہ تم نہیں جاؤ گی۔ جب میرے ہاتھ سے کرسی نکلی تو بہت سے لوگ ساتھ چھوڑ گئے، صرف تم نہیں گئیں۔ لیکن تالیہ اگر تم چلی جاتیں تو میرے پاس کچھ بھی نہ بچتا۔ میں نہیں جانتا کہ اصل محبت کیا ہوتی ہے۔ عصرہ کہا کرتی تھی کہ وان فاتح کو صرف وان فاتح سے محبت ہے۔ یا شاید آریانہ سے۔" وہ یاد کر کے سوگوار سا مسکرایا۔ "لیکن جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ وہ محبت سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس لیے.. میں بھی خوش ہوں کہ تم نہیں گئیں۔"

ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا تو تالیہ نے پل بھر کو آنکھیں موند لیں۔ پھر گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔ سر پہ گلابی پھولوں کی چھاتا تنی تھی۔

"میں کبھی کبھی اس بات پہ حیران ہو جاتی ہوں کہ میں بالآخر خوش کیسے ہوں۔ میں کبھی زندگی میں ایک لمبا عرصہ اتنا خوش نہیں رہی۔"

"کیا اب تمہیں وہ سفید ہرن نظر آتا ہے؟"

"بہت کم۔" وہ اوپر نظر آتے پھولوں اور ان کے جھروکے سے دکھائی دیتے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔

"لیکن میں خوش ہوں کہ اب مجھے وہ خواب بھی نہیں دکھائی دیتے۔ مجھے زندگی unpredictable اچھی لگ رہی ہے۔ کسی ایک خواہش کے پیچھے اندھا دھند بھاگنے کے بجائے... سکون سے لوگوں کے کام آنا... اور سادگی سے رہنا... مستقبل کی فکر اور ماضی کے ملال سے خود کو آزاد کر کے رہنا اچھا لگ رہا ہے۔ لیکن فاتح..." اس نے گردن نیچے کی اور اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں ڈر سا تھا۔

"کیا یہ سب ہمیشہ ایسا رہے گا؟ ہم ہمیشہ ایسے خوش رہیں گے؟"

اس نے گہری سانس لی۔ کافی کا آخری گھونٹ بھرا اور فائل بند کی۔

"نہیں تالیہ۔ وقت ایک سا کبھی نہیں رہتا۔ یہ سارے چیری بلاسم بھی ایک دن گر جائیں گے۔ اگلے بہار میں یہ درخت پھر سے پھول اٹھا لیں گے۔ درخت کبھی پھول دیتا ہے۔ کبھی پھل۔ اور کبھی اس پہ پت جھڑ کا وقت آ جاتا ہے۔ شاید کچھ عرصے

بعد ہم دونوں بھی ایک بورنگ رومینٹک کپل بن جائیں۔لیکن یہ اہم نہیں ہے۔اہم یہ ہوتا ہے کہ انسان پہ جیسا بھی وقت آئے...وہ اپنی ذات سے دوسرے انسانوں کی بھلائی کے کا پ کرتا رہے۔"

"اوران کاموں کے لئے اگر ہم ابھی شہر کے لیے نہ نکلے تو ہمیں دیر ہو جائے گی۔" وہ دونوں ایک ساتھ اٹھے۔تالیہ نے خالی مگ کچرے کے کین میں ڈالے۔ پیچھے مڑ کے کافی شاپ کے دروازے پہ کھڑے ہیڈ ویٹر کو ہاتھ ہلایا۔اس نے ماتھے تک ہاتھ لے جا کر سلام کیا۔پھر وہ فاتح کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

چیری بلاسم کے درختوں کے سایے میں وہ دونوں چلتے جا رہے تھے۔

"آپ ہمیشہ یہ کیوں کہتے ہیں کہ آپ نہیں جانتے محبت کیا ہوتی ہے؟" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔"میں تو ہمیشہ بڑے فخر سے کہتی ہوں کہ مجھے آپ سے محبت تھی اسی لیے میں اس روز ائیر پورٹ سے واپس آئی۔"

"کیا ہر بات بار بار بتانا ضروری ہے کیا؟" وہ گہری سانس لے کر بولا۔وہ دونوں اب بنچ سے دور ہوتے جا رہے تھے۔یہاں سے ان کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔

"کچھ باتیں آپ ایک دفعہ بھی نہیں بتاتے۔"

"مثلاً؟"

"آپ نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ چابی کے بدلے آپ نے یان سوفو کو کیا دیا تھا؟" وہ مسکراہٹ دبا کے بولی۔یہ بات اس کا فاتح کو تنگ کرنے کے لیے ایک ہتھیار کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔

"تالیہ...ریلیکس۔" اس نے گہری سانس لی۔"میں نے اسے کچھ نہیں دیا تھا۔"

"آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اس نے اپنے دل کی اچھائی کے ہاتھوں مجبور ہو کے ہمارے لیے چابی بنائی؟ ناممکن۔"

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں نے اسے کچھ نہیں دیا تھا۔سوائے بھاگ جانے کے محفوظ راستے کے۔اس نے بغاوت میں اپنی جان بچالی...کیا یہی کافی نہیں ہے؟" وہ دونوں اب دور سے بہت چھوٹے نظر آ رہے تھے۔ان کی آوازیں مدھم ہو چکی تھیں۔

ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا۔اور بنچ کے قریب ایک گلابی چیری بلاسم کا پھول ٹوٹ کے آن گرا۔

....

563 برس قبل قدیم ملاکہ کے سلطنت محل کے اس منظر میں واپس چلتے ہیں جب وان فاتح ملکہ یان سوفو کے سامنے کھڑا تھا۔

اس نے ایک رقعہ ملکہ کی طرف بڑھایا تھا۔ ملکہ نے کاغذ کی تہیں کھول کے اسے پڑھا۔ پھر چونک کے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر اس نے تمام کنیزوں اور غلاموں کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔

جب وہ دونوں تنہا رہ گئے تو ملکہ نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ سیاہ قبا میں ملبوس فاتح مسکرایا اور اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

''بغاوت؟ میرے آقا کے خلاف بغاوت ہو رہی ہے؟ کیا تم بھی اس کا حصہ ہو؟'' وہ تندی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

جواب میں فاتح وہ سب کہتا گیا جو وہ کہنے آیا تھا۔

''آپ یہ بات پہلے ہی جانتی ہیں کہ میں اور تاشہ وقت کے مسافر ہیں۔ ہمیں اپنی دنیا میں واپس جانا ہے۔ صرف آپ ہماری مدد کر سکتی ہیں۔ میں آپ کو راجہ کا سامان لا کے دے سکتا ہوں۔ آپ نے ہمیں چابی بنا کے دینی ہو گی۔''

''اور بدلے میں؟''

''بدلے میں میں آپ کو بغاوت کی خبر دے رہا ہوں۔ آپ یہاں سے فرار ہو کے اپنی جان بچا لیجئے گا۔''

''وان فاتح...'' وہ مسکرائی۔ ''تم نے اپنے پتے جلد دکھا دیے۔ بہت جلد۔ میں چابی بنانے سے انکار بھی کر سکتی ہوں اور بغاوت کے بارے میں تم پہلے ہی بتا چکے ہو۔ میرا کوئی نقصان نہیں ہو گا۔'' اس نے رقعہ میز پہ ڈال دیا۔ ''اور تمہیں کیوں لگا تھا کہ میں تمہیں چابی بنا دوں گی؟''

''میں آپ کو بدلے میں اس اطلاع سے زیادہ کچھ نہیں دے سکتا' ملکہ۔ آپ چاہیں تو مجھے چابی بنا کے نہ دیں۔ لیکن ہم اس چابی کو بنا کے آپ خود کو کیا کچھ دے سکتی ہیں' یہ سوچا ہے آپ نے؟''

ملکہ نے تھوک نگلا۔ اس کے تاثرات قدرے بدلے۔ ''تمہاری پیشکش کیا ہے؟''

''میں نے کہا نا... میں آپ کو کچھ نہیں دے سکتا۔ لیکن... آپ خود کو ایک تحفہ دے سکتی ہیں۔ اس دنیا میں آپ کے لیے کچھ نہیں رکھا۔ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ چند سال بعد طاعون سے ہلاک ہو جائیں گی لیکن تب تک آپ کئی سال سے گمنامی میں ہوں گی۔ کسی کو نہیں معلوم کہ وہ سچ تھا یا جھوٹ۔ مستقبل کا حال کسی کو معلوم نہیں ہوتا' ملکہ۔ آپ اپنا مستقبل خود بنا سکتی ہیں۔''

یان سوفو کھڑی ہو گئی۔ اس کی رنگت گلابی پڑ چکی تھی۔ ''کیا تم مجھے اپنی دنیا میں لے جا سکتے ہو؟''

''میں آپ کے لیے کچھ نہیں کروں گا۔ لیکن اگر آپ میرے لیے چابی بنا سکتی ہیں تو اپنے لیے چابی آپ کو خود بنانی ہو گی۔'' اس نے شانے اچکا دیے۔ ''اور میری مدد کے بغیر آپ ایک چابی بھی نہیں بنا سکتیں۔''

وہ چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔اس کے چہرے پہ ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔آنکھوں میں عجیب سا سحر چھانے لگا تھا۔

"تمہاری دنیا کیسی ہے ڈوان فاتح ؟"

"آپ کی دنیا جیسی نہیں ہے۔"

"اونہوں... کچھ تو ہے اس دنیا میں جو تم دونوں ملاکہ کی حکمرانی کو ٹھوکر مار کے واپس اس میں جانا چاہتے ہو۔ کچھ تو جادوئی ہے تمہاری دنیا میں۔" وہ پراسرار انداز میں مسکرائی۔"چلو آج سے ہم اپنی دشمنی ختم کرتے ہیں۔میں تمہارے لیے چابی بنا دوں گی۔اور تم مجھے یہاں سے جانے کا محفوظ راستہ دے دو گے۔"

فاتح نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔وہ منظر وقت کی دھول میں تحلیل ہو گیا۔

....

واپس 2023 کے بہار کے موسم میں آتے ہیں۔

ملاکہ شہر کے اس قدیم چرچ کے اندر ایک اعترافی کمرہ بنا تھا۔وہ چرچ اب خالی تھا اور ویران تھا۔اندر ہوئی ذی نفس نہ تھا۔ایسے میں اس اعترافی کمرے کے فرش سے کھڑ پڑ کی آواز سنائی دینے لگی۔ چرچ کے ہال میں پھرتے چوہے تیزے سے کونوں کھدروں میں جا دبکے۔

فرش میں بنا ڈھکن ہٹا کے ایک ہاتھ اوپر آیا۔پھر پورا وجود۔اوپر آ کے اس نے ڈھکن بند کیا۔ چغے میں ملبوس اس وجود نے لباس سے گرد جھاڑی۔پھر اعترافی کمرے کا جالی دار دروازہ کھولا۔پھر اس نے چغے کی ٹوپی پیچھے گرائی اور گردن اٹھا کے اس قدیم چرچ کو دیکھا۔

یان سوفو کا چہرہ کھڑکی سے آتی مدھم روشنی میں بھی دمک رہا تھا۔وہ آج بھی ویسا ہی تھا۔دودھ کی طرح ملائم اور نازک۔

اس کے چغے کے اندر ایک پوٹلی بندھی تھی جس میں سونے چاندی اور قیمتی ہیروں سے مزین زیورات تھے۔گردن میں ایک زنجیر تھی جس سے ایک سنہری چابی لٹک رہی تھی۔یان سوفو قدم قدم چلتی...ارد گرد تعجب سے دیکھتی... چرچ سے باہر نکلی...

دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے جھک کے چابی پہ پھونک ماری۔ایک پنکھ سا اس سے نکلا...اور ہوا میں سست روی سے اڑنے لگا۔وہ اس پنکھ کا تعاقب کرنے کے لیے پلٹی تو ٹھٹھک کے رک گئی۔

اس کے سامنے ایک لمبی سڑک تھی۔سڑک کے گرد دور تک دکانیں تھیں۔ریستوارن تھے۔وہاں تیز آوازیں تھیں۔زن سے گزرتی گاڑیاں تھیں۔وہ بے یقینی سے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔وہ اتنی تیز چلتی

تھیں گویا کسی کے اوپر سے گزر جائیں گی۔

اس کی متحیر نظریں فٹ پاتھ پہ چلتے لوگوں پہ پڑیں۔ انہوں نے بہت سے رنگ پہن رکھے تھے۔ ایسے رنگ جو یان سوفو نے کبھی دیکھے بھی نہ تھے۔ وہ چمکتے ہوئے ہنستے مسکراتے لوگ تھے۔ ان کو ہاتھوں میں چمکتی چیزیں تھیں۔ ان کے جوتے تک چمک رہے تھے۔

وہ پنکھ کے تعاقب میں آگے بڑھی لیکن اس کی متحیر نظریں ابھی تک اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

سڑک کنارے جگہ جگہ کارٹ دھکیلتے لوگ کھڑے تھے۔ ان کے کارٹ رنگ برنگی چیزیں تھیں۔ گلابی روئی جیسی کپاس سے بنی چیزیں۔ ہر رنگ کے مشروب کی بوتلیں۔

آسمان سے زوردار چنگھاڑ سنائی دی تو اس نے گھبرا کے سر اٹھایا۔ اس کے عین سر کے اوپر سے ایک اڑن کھٹولا تیزی سے گزرا تھا۔ یان سوفو نے دھیرے سے چہرہ نیچے کیا۔ سامنے کھڑا ایک شخص اپنے ہاتھ میں پکڑے ریموٹ کی مدد سے ایک ڈرون کیمرے کو فضا میں اڑا رہا تھا۔ اس کا کیمرہ کسی اڑنے والی مکڑی کی طرح درختوں کے اوپر ہوا میں تیر رہا تھا۔

یان سوفو کے لب بالآخر مسکراہٹ میں ڈھلے۔ یہ دنیا بہت خوبصورت تھی۔ یہ دنیا جادوئی دنیا تھی۔ شاہِ چین کی بیٹی کو اس کو خوابوں کی طلسماتی سرزمین مل گئی تھی۔

لیکن اس سے پہلے اسے پمبورو کے راہبر کو ڈھونڈنا تھا۔ وہ پنکھ کے پیچھے چپ چاپ چلتی گئی۔ وہ اسے گھاس اور پارکس کے اندر سے گزارتا آگے لے جا رہا تھا۔ اس کے جادو نے اسے بتایا تھا کہ سابقہ پمبورو راہنما اپنا جادو اور ذہنی توازن دونوں کھو چکا تھا۔

اور پمبورو راہبر کی جگہ کبھی خالی نہیں رہتی۔ وہ جگہ اب بھر چکی تھی۔ اور جس نے اس جگہ کو بھرا تھا... یان سوفو اس کا چہرہ اپنے پیالے میں دیکھ چکی تھی۔ اسے وہ چہرہ پسند آیا تھا۔

اسے وہ پنکھ اسی کے گھر لے جا رہا تھا۔

قریباً دس منٹ تک چلتے رہنے کے بعد بالآخر شاہِ چین کی بیٹی ایک کالونی کے سرے پہ آ رکی۔ اس کالونی میں گھروں کی ایک قطار تھی۔

وہ پنکھ تیسرے نمبر کے گھر کے گیٹ کے پاس زمین پہ گر گیا تھا۔

یان سوفون نے مسکراتی نظریں اٹھائیں۔ اب اسے اس گھر کا دروازہ کھٹکھٹانا تھا اور شکار باز رہبر سے ملاقات کرنی تھی۔

راہبر کو معلوم تھا کہ وہ آ رہی ہے۔ اور راہبر کو اس کا انتظار تھا۔

اس نے چغے کی ٹوپی پیچھے پھینکی اور پورے اعتماد سے آگے بڑھ گئی۔ پھر لکڑی کے گیٹ میں ہاتھ ڈال کے اسے کھولا اور اندر چلی آئی۔ اب وہ مرکزی دروازے کی طرف جارہی تھی اور چھوٹے باغیچے میں لگے پھول اس کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

سبز گھاس پہ اگے گہرے اور ہلکے نیلے پھول۔

جامنی اور پیلے پھول۔

سرخ اور نارنجی پھول۔

....

ختم شد